مثنوی مولوی معنوی	ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مِفتاحُ العُلوم

شرح مثنوی مولانا رومؒ

مولانا محمد نذیر عرشی نقشبندی مجددی

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

مفتاح العلوم

شرح مثنوی مولانا رومؒ

دفتر دوم۔ حصہ اوّل

حضرت مولانا مولوی محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی مجددی

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بعض مطالب مفیدہ کی فہرست جن کا اس حصہ میں موقعہ بموقعہ ایراد ہوا ہے

عقاید

تفسیر آیات

تشریح احادیث

مسائلِ فقہ

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

دُعا

الٰہی! تیرے پاک نام کا سہارا لے کر تیری اعلیٰ صفتوں کا دھیان کر کے، تیری رحمت ورافت پر بھروسہ رکھ کر اور تیری تائید وتوفیق کا امیدوار ہو کر میں آج مثنوی شریف کے دوسرے دفتر کی شرح لکھنے کے لیے قلم اٹھاتا ہوں۔ تو اپنے مقدس نام کی طفیل، اپنی پاک صفتوں کے تصدق میں اور اپنی رحمت ورافت کی بدولت اپنی تائید وتوفیق کو میرے شامل حال کر اور اس مہم عظیم میں میری مدد فرما۔

خداوندا در توفیق بکشا "نظامی" را رہِ تحقیق بنما

الٰہی! میری منزل مقصود دور ہے اور راستہ پرخطر ہے جابجا علمی مشکلات کے غار منہ کھولے پڑے ہیں۔ اور قدم قدم پر ذہنی لغزشوں کا سامنا ہے۔ مضامین کی نزاکت اور پیچیدگی کا اندھیرا چھا رہا ہے۔ اور مجھے اپنی بضاعتی کی گٹھڑی کو اٹھا کر اس وادی میں چلنا ہے۔

مدے کر بچراغے نکند آتش طور چارۂ تیرہ شب وادی ایمن چکنم

اور یہ محض تیرا فضل واحسان تھا۔ کہ پہلے دفتر کی شرح چار جلدوں میں تکمیل کو پہنچ گئی۔ اور اس شان کے ساتھ تکمیل کو پہنچی کہ اہل ذوق کے حلقے میں ایک غوغائے تحسین بلند ہو گیا۔ کوئی اس کی شگفتگی عبارت اور سادگی بیان کا قائل ہے، کوئی اس کے حل غوامض کا مداح ہے، کوئی اس کو طریقت وشریعت کا مجمع البحرین تسلیم کرتا ہے، کوئی اس کے تمثیلی اشعار کی حاضر جوابی کو ایک بے مثال کارنامہ مانتا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن میں صاف لفظوں میں اقرار کرتا ہوں کہ میں بندہ عاجز کسی قابل نہ تھا۔ جو کچھ ہوا یہ محض تیرے ہی لطف بے پایاں کا ایک کرشمہ تھا۔

لطفِ عمیم دوست مراخاص خویش خواند ورنہ مراچہ حد کہ زنم لاف اختصاص

الٰہی! اب پھر اپنے اسی لطف وکرم سے مجھے توفیق دے کہ دفتر دوم کے لطیف مطالب کے خوش رنگ پھولوں کو لفظی الجھاؤ کی پیچیدہ شاخوں سے چنوں اور اسی طرح سلاست عام فہمی کی ٹوکری میں رکھ کر ہدیہ احباب کروں اس کے نازک معانی کے گرانمایہ موتیوں کو لغوی اشکال کی گہرائی سے نکالوں اور اسی طرح اُردو زبان کی دیدہ زیب طشتری میں سجا کر اہل ذوق) کے سامنے رکھوں۔ وانت ولی التوفیق ونعم الرفیق.

☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آغازِ شرح

بیان بعضے از حکمتِ تاخیر ایں مجلد دوم کہ اگر جملہ حکمت الٰہی بندہ را معلوم شود۔ در فوائدِ آں کار بندہ ازاں کارفروماند۔ و حکمت بے پایاں حق تعالیٰ ادراک او را ویراں سازد و بداں کار نپردازد۔ پس حق تعالیٰ شمۂ ازاں حکمتِ بے پایاں مہار بینی اوکند۔ واورابداں کارکشد و اگر او را ازاں فائدہ ہیچ خبر نکند ہیچ نجنبد۔ زیراکہ ویرا جنبانیدن ازبہرِ آنست کہ از بہرِآں مصلحت آفریدہ شدہ است واگر حکمت آں برو فرو ریزد ہم نتواند جنبیدن ۔ چنانکہ در بینی شتر اگر مہار نبود نرود واگر سخت بزرگ ہم بود نرود۔ وفروخسپد۔ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۔ خاکِ بے آب کلوخ نشود وچوں آب بسیار بود ہم کلوخ نشود۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَہَا وَوَضَعَ الۡمِیۡزَانَ بمیزان دہد ہر چیزے رانہ بے میزان و بے حساب۔ اِلّا کسانے کہ از عالمِ خلق مبدّل شدہ اند وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ گشتہ اند۔ وَمَنۡ لَّمۡ یَذُقۡ لَمۡ یَدۡرِ ۔

ترجمہ: ”اس دفتر دوم کی تاخیر بعض حکمتوں کا ذکر(نیچے کی ابیات میں ہوگا اور کل حکمتوں کا ذکر اس لیے نہیں ہوسکتا کہ ان کا علم ناممکن ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتیں بندہ کو معلوم ہو جائیں تو (ان حکمتوں کی روشنی میں) اس کام کے(جولا انتہا) فوائد نظر آئیں ان کے مشاہدہ میں بندہ (محوِ حیرت ہوکر) اس کام سے عاجز آ جائے اور اللہ کی بے پایاں حکمت(کا مشاہدہ اپنی غیر محدود وسعت سے) اس کے ادراک کی قوت کو تباہ کر دے اور وہ اس کام کو سرانجام نہ دے سکے۔ پس حق اللہ تعالیٰ اس حکمت کا کچھ قدرے قلیل حصہ بندہ پر نمایاں کرکے اس کی ناک کی مہار بنا دیتا ہے اور اس کو اس کام پر راغب کر دیتا ہے اور حکمت کا یہ قلیل حصہ نمایاں ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر وہ اس کو اتنے فائدہ سے بھی بالکل مطلع نہ کرے تو بندہ اس کام کے لیے ہاتھ پاؤں تک نہ ہلائے، کیونکہ اس کو آمادہ کرنے کا مقصد یہی ہے۔ کہ وہ

اس مصلحت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اوراگر اس کی حکمت بندہ پر(ساری کی ساری) القا ہو جائے۔تو بھی وہ ہاتھ پاؤں نہ ہلائے، جیسے کہ اگر اونٹ کی ناک میں مہار نہ ہو۔تو نہیں چلتا اور اگرنہایت بڑی مہار ہوتو بھی نہیں چلتا۔ اور لیٹ جاتا ہے(چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اورنہیں کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور ہم نے اس کونہیں اتارا مگر ایک مقررہ مقدار پر''(دیکھو) مٹی پانی کے بغیر ڈھیلا نہیں بن سکتی اور جب پانی زیادہ ہوتو بھی ڈھیلا نہیں بنتی۔(اللہ فرماتا ہے) اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کی۔وہ ہر چیز وزن کے ساتھ دیتا ہے نہ کہ وزن اور حساب کے بغیر۔ ہاں جو لوگ عالم خلق سے ترقی کر چکے ہیں(اور اس قول حق کہ)''اور وہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بلا حساب (کے مصداق) ہو چکے ہیں'' (اوروہ اس کے فیض بے پایاں سے متمتع ہو سکتے ہیں) اور(یہ نکتہ ایک ذوقی امر ہے)''جس نے یہ ذائقہ نہیں چکھا اس کو(اس نکتے کی) کچھ خبر نہیں۔''

پرسید یکے کہ عاشقی چیست   گفتم کہ چو ما شوی بدانی

ایک شخص نے(مجھ سے) پوچھا کہ عاشقی کیا ہے؟ میں نے جواب دیا جب تم ہماری مثل ہو جاؤ گے تو(اس کو) سمجھ سکو گے۔

عشق محبت بے حساب ست۔جہت آں گفتہ اند۔کہ از صفات حق است بحقیقت۔
ونسبت او بہ بندہ مجاز ست یُحِبُّھُم تمام ست یُحِبُّوْنَہٗ کدام است. وَالْحَمْدُلِلّٰہِ حَقَّ حَمْدِہٖ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَعِتْرَتِہِ الطَّاھِرِیْنَ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْغُرِّالْمُحَجَّلِیْنَ. وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

ترجمہ:عشق ایک بے پایاں محبت کا نام ہے اور اسی (بے پایانی کی) وجہ سے کہا ہے کہ وہ حقیقت حق تعالیٰ کی صفات سے ہے (کیونکہ اس کی صفات بے پایاں ہیں)اور بندہ کے ساتھ اس کی نسبت مجازاً ہے۔حق تعالیٰ کی محبت بندوں کے ساتھ خود صفاتِ کمالیہ سے ہے پھر بندوں کا اس سے محبت کرنا کیا گنجائش رکھتا ہے اور تمام تعریف اللہ کے لئے جیسے کہ اس کی تعریف چاہیے اور اللہ کی رحمت ہو ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر اور اولاد پر جو پاک اور پاکیزہ ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو روشن پیشانی اور روشن دست و پا ہیں اور سلام ہو بہت بہت' تیری رحمت کے ساتھ اے سب پر رحم کرنے والوں سے بڑے رحم کرنے والے''

مطلب: دفتر اوّل کے اختتام کے بعد ضروری تھا کہ دوسرا دفتر فوراً شروع ہو جاتا، مگر اس کے شروع ہونے میں ایک مدتِ مدید کی تاخیر ہوگئی۔ پھر جب مولانا رومؒ نے اس مدت کے انقضا کے بعد دفتر دوم لکھوانا شروع کیا تو پہلے اس غیر متوقع تاخیر کے متعلق عذر کرنا ضروری خیال فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اس تاخیر کی تہ میں قدرتِ حق کی طرف سے بے انتہا مصلحتیں کارفرما تھیں جن میں سے ایک آدھ مصلحت کو ہم شروع شروع کی ابیات میں بیان کریں گے اور ساری مصالح نہ بیان ہو سکتی ہیں۔ نہ ان کا علم بندوں کو دیا جاتا ہے اور یہ ضروری مصلحت کا علم بھی مبنی بر حکمت ہے کیونکہ اگر ہر کام کی ساری مصالح بندوں پر منکشف ہو جائیں یا بالکل منکشف نہ ہوں تو دونوں صورتوں میں بندہ اس کام کی سرانجام دہی کے قابل نہ رہے۔

نوٹ: دفتر دوم کے آغاز میں جو مذکورہ نثر عبارت درج ہے وہ گویا اس عذر تاخیر یا ان تمہیدی ابیات کا عنوان ہے اور یہ

عبارت مثنوی کے تمام متداول متون میں مندرج ہے مگر تعجب ہے کہ کسی شارح نے اس کو نقل نہیں کیا۔ نہ اس کے مضمون کی طرف اعتنا کیا ہے۔ ہمارے پاس مثنوی کا ایک نسخہ مطبوعہ مطبع نولکشور بکتابت منشی کالکا پرشاد موجود ہے اور ایک قلمی نسخہ طلاکار ۱۰۹۹ء کا لکھا ہوا ہمارے دوست سید محمد حنیف صاحب از اولاد حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ کے توسط سے دستیاب ہوا ہے۔ ان دونوں میں یہ عبارت حرفاً بحرف مطابق مندرج ہے۔

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد   مہلتے بایست تاخوں شیر شد

لغات: مدتے میں یائے تفخیم ہے۔ یعنی مدت مدید۔ تاخیر بمعنی موخر۔ از قبیل ایراد مصدر بمعنی اسم مفعول۔

ترکیب: مدتے ظرف متعلق شد فعل ناقص کی۔ پہلا مصرعہ جملہ اسمیہ ہوکر معلول دوسرا مصرعہ علت۔

صنائع: دوسرا مصرعہ استعارہ یا تمثیل پر مشتمل ہے۔

ترجمہ: ایک مدت (مدید) کے لیے یہ مثنوی (کی تالیف) التوا میں پڑگئی (اور التوا میں کیوں نہ پڑتی آخر) خون کے دودھ بننے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ مہلت چاہیے۔

مطلب: مفتاح العلوم کی جلد اول کی شرح دیباچہ میں اور بعض دیگر مقامات میں بیان ہو چکا ہے کہ مثنوی شریف کی تالیف کے خاص محرک مولانا حسام الدین تھے، جو مولانا کے پیر بھائی تھے اور ساتھ ہی مولانا سے استفادۂ طریقت کرنے کے لحاظ سے ان کے مرید بلکہ خلیفہ بھی تھے۔ انہی کی درخواست پر مولانا نے مثنوی شریف کی تالیف کی بنیاد رکھی جس کی صورت یہ تھی کہ مولانا رومؒ عالمِ استغراق و محویت میں اسرارِ طریقت کو منظوم کلام میں ادا فرماتے جاتے اور مولانا حسام الدین اس کو لکھتے جاتے تھے۔ پہلا دفتر اختتام کو پہنچا تو مولانا حسام الدین کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اور ادھر مثنوی کے سلسلۂ تالیف میں بھی دو سال کی تاخیر ہو گئی شرح بحر العلوم میں نفحات الانس سے منقول ہے کہ مذکورہ موت کا حادثہ ہی اس تاخیر کا باعث تھا۔ کیونکہ مثنوی کی تالیف کا سلسلہ مولانا حسام الدین کے طلب و تقاضا اور توجہ اور اہتمام سے چل رہا تھا اور جب اس حادثۂ الم خیز نے ناگہاں ان کو معاشرتی تشویش اور منزلی پریشانی میں مبتلا کر دیا تو ایک مدت کے لیے ان کی طلب میں بھی التوا پڑ گیا۔ بقول حافظؒ

قرۃ العینِ من آں راحت جاں یادش بود   کہ خود آسان بہ شدہ کار مرا مشکل کرد

مگر مولانا خود اس تاخیر کی وجہ کچھ اور بیان فرماتے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ التوا اگرچہ بظاہر التوا تھا مگر درحقیقت یہ وقت بھی یکسر مثنوی کے لیے ہی صرف ہو رہا تھا۔ جس پر اس کام کی ترقی منحصر تھی۔ ورنہ یہ عظیم الشان کام کسی کی موت سے رک جانے والا نہ تھا اور یہ دونوں حضرات دنیوی حوادث کے باعث اپنے نصب العین سے منہ پھیرنے والے نہ تھے۔ حافظؒ

زخوفِ بادیہ دل بدمکن مبیند احرام   کہ مرد راہ نیندیشد از نشیب و فراز

مولانا اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اجمالاً اور آئندہ تیسرے اور چوتھے شعر میں تفصیلاً اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس التوا سے مزید علوم و معارف کی استعداد کا تحقق و فعلیت میں آجانا مقصود تھا تاکہ بیان حقائق میں ذرا اور روشنی پیدا ہو جاوے۔ جس طرح پستان کے اندر خون کے دودھ بننے کے لیے کچھ نہ کچھ مدت صرف ہوتی ہے۔ اسی طرح استعدادِ معارف کے معارفِ حاصلہ کی صورت اختیار کرنے کے لیے اس التوا کی ضرورت تھی مولانا نے خون سے استعدادِ علوم و معارف کا اور شیر سے ان علوم و معارف کے تحقق اور فضیلت کا استعارہ کیا ہے۔

صائبؒ

بمطلب میر سد جویائے کام آہستہ آہستہ   ز دریا میکشد صیاد دام آہستہ آہستہ

ایک عزیز نے راقم کے سامنے اس شعر میں خون و شیر کے استعارہ کی عجیب توجیہ کسی بزرگ سے نقل کی یعنی لطائفِ ستہ جن

کے انکشاف پر مراتبِ معرفت کا حصول موقوف ہے۔ انہی کی تعداد پر مولانا نے مثنوی کے چھ دفتر مرتب فرمائے اور ہر دفتر کی ایک لطیفہ کے ساتھ خاص مناسبت ملحوظ رکھی ہے وہ لطائفِ ستہ یہ ہیں:

۱۔	قلب	۴۔	سِرّ
۲۔	روح	۵۔	خفی
۳۔	نفس	۶۔	اخفیٰ

قلب کا مقام دل ہے جو بائیں پہلو میں ہے۔ روح کا محل سینہ کی دائیں جانب ہے نفس کی جگہ ناف ہے لطیفہ سرّ کا مرکز فم معدہ ہے جو سینے کی دائیں بائیں جانب کے درمیان ہے۔ لطیفۂ خفی کا مظہر پیشانی اور لطیفۂ اخفی کی جلوہ گاہ کاسۂ سر ہے۔ نیز مفتاح العلوم کی جلد دوم میں بیان ہو چکا ہے کہ اہل مکاشفہ کے نزدیک ان لطائف غیبیہ کو بعض خاص رنگوں سے مناسبت ہے۔ چنانچہ لطیفۂ قلب سرخ ہے۔ لطیفۂ روح سفید لطیفۂ نفس زرد اور لطیفۂ خفی سبز۔ چونکہ ایک لطیفہ کے جاری و منکشف ہونے کے بعد دوسرے لطیفہ کے انکشاف کی استعداد حاصل ہونے کے لیے کچھ مدت کا گزرنا لازمی ہے۔ اس لیے مولانا لطیفۂ قلب کا استعارہ اس کے سرخ رنگ کی مناسبت پر خون سے اور لطیفہ روح کا استعارہ اس کے سفید رنگ کی مناسبت پر دودھ سے کر کے فرماتے ہیں کہ دفتر اول کے بعد جس کا تعلق لطیفۂ قلب سے تھا۔ دفتر دوم کے بیان کی استعداد حاصل ہونے کے لیے جس کا تعلق روح سے ہوگا کچھ مدت چاہیے جس طرح خون کے دودھ بننے کے لیے کچھ مدت کا گزرنا لازمی ہے۔

یہ توجیہ اگرچہ بظاہر پرلطف اور عجیب ہے مگر چند وجوہ سے مخدوش ہے اول تو ہرشش دفاتر میں سے کسی دفتر کی حکایت و امثال اور ان کے ضمنی مسائل کی کسی خاص لطیفہ کے ساتھ کوئی مناسبت ظاہر نہیں ہوتی دوسرے خود مولانا کے کلام میں بھی کسی جگہ کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ مثنوی کے دفاترِ ستہ کی لطائفِ ستہ کے ساتھ یا کسی ایک دفتر کی کسی خاص لطیفہ کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے جس سے یہ مفروضۂ مناسبت صرف صاحبِ توجیہ کا تخیل معلوم ہوتا ہے۔ تیسرے خون و شیر کے رنگوں کی مناسبت دفترِ اول و دوم کو جن دو لطیفوں کے ساتھ مناسب قرار دیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا لطیفہ قلب ہے حالانکہ اہل طریقت کے نزدیک پہلا لطیفہ نفس ہے۔ جس سے بتدریج باقی لطائف اوپر کی طرف ترقی کرتے ہیں، اگر اہلِ طریقت کی بیان کردہ ترتیب ان لطائف کی تدریج و ترقی پر مبنی ہے اور ضرور ہے تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ مثنوی کے دفاترِ ستہ کے ساتھ ان کی مناسبت بھی اسی ترتیب پر نہ ہوتی اور یہ ناممکن تھا کہ دفترِ اول کو لطیفۂ قلب کے اسرار سے شروع کر دیا جاتا جو دوسرا لطیفہ ہے اور لطیفۂ اول یعنی نفس کا ذکر آیندہ کے لیے اٹھا رکھا جاتا۔ جس کی وہی مثال ہے، جیسے علمِ فقہ کے مبتدی کو شرح وقایہ شروع کرا دیا جائے اور قدوری و کنز کی باری اس کے بعد رکھی جائے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ پہلے دفتر سے دوسرے دفتر تک ترقی کرنے کی استعداد کے لیے مدت چاہیے تو کیا مذکورہ توجیہ کی روشنی میں اس کا یہی مطلب نہیں نکلتا۔ کہ کسی اعلیٰ لطیفہ کے حصول کے بعد کسی ادنیٰ لطیفہ کے انکشاف کی استعداد مدت کے بعد حاصل ہوسکتی ہے؟ یعنی کافیہ کے امتحان میں کامیاب ہو جانے والا طالب علمِ نحو میر کے سمجھنے کے لیے بھی خاص استاد خاص وقت اور خاص محنت کا محتاج ہے۔ یاللعجب

تا نزاید بختِ تو فرزندِ نَو خوں نگردد شیرِ شیریں خوش شنو

لغات: بخت بفتح با فارسی کلمہ ہے۔ نصیب۔ قسمت۔ بہرہ۔ بخرہ عربی میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ بخش تھا۔ شین تاء سے بدل گیا۔ یہاں یہ لفظ بخت بضم با بھی ہوسکتا ہے، جو بختی کا مخفف ہے اور وہ ایک خاص قسم کے خراسانی سرخ اونٹ کو کہتے ہیں۔ بخت نصر ایک بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے عربی و ایرانی نسل کے اونٹ اونٹنی کا اختلاط کر دیا تو اس

سے یہ نسل پیدا ہوئی۔ اس کی نسبت سے اس کو بختی کہنے لگے۔ بخت تو میں تو بتائے مثناۃ ضمیر واحد مخاطب ہے اور فرزندِ نو میں نو بنونِ مفتوح بمعنی جدید و تازہ ہے۔ دونوں جگہ تو بتائے مثناۃ بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں جگہ نون بنونِ مفتوح ہو۔ ان تینوں تقدیروں میں معنی درست ہو جاتے ہیں۔ کماسیاتی

ترکیب: پہلا مصرعہ شرط ہے، جس میں نزاید فعل اور بخت تو فاعل اور فرزند نو مفعول بہ ہے اور دوسرا مصرعہ اس کی جزا۔ جس میں نگردد فعل ناقص خون اس کا اسم اور شیرِ شیریں بترکیب توصیفی اس کی خبر شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوکر خوش شنو کا مفعول بہ ہوا۔ صنائع: سارا شعر استعارہ یا تمثیل کے مضمون پر مشتمل ہے۔

ترجمہ: (۱) اس بات کو اچھی طرح سن (کر ذہن نشین کر) لو کہ جب تک تمہاری خوش نصیبی (یا تازہ خوش نصیبی) سے کوئی نیا فرزند (یا تمہارا فرزند) پیدا نہ ہو اس وقت تک (بچے کی ماں کی چھاتیوں میں) خون میٹھا دودھ نہیں بن سکتا۔

(۲) اس بات کو خوب سُن رکھو کہ جب تک تمہاری اونٹنی نیا بچہ نہ دے اس وقت تک (اس کے تھنوں میں) خون میٹھا دودھ نہیں بن سکتا۔

مطلب: فرزندِ تو میں تائے مثناۃ کی صورت میں تو کی قید سے توضیحِ مدعا بطریقِ احسن مقصود ہے کیونکہ مذکورہ بات جس قدر خود اپنے فرزند اور اپنے فرزند کی ماں کے متعلق روشن ہوتی ہے غیر کے فرزند اور اس کی ماں کے متعلق وہ وضاحت نہیں ہوسکتی اور اگر نو بنونِ مفتوح بمعنی جدید ہو تو فرزندِ جدید سے ولادتِ فرزند کی حالتِ جدید مراد ہے، کیونکہ اس حالت میں عورت پر ایک خاص نئی حالت طاری ہوتی ہے جس میں اس کے جسم میں خاص تغیرات رونما ہوتے ہیں اور انہی تغیرات میں ایک پستانوں کی افزونی اور ان میں خون کا دودھ بننا بھی شامل ہے اور فرزند کے پیدا ہونے سے اس کے پیدا ہونے کا وقت قریب ہونا مراد ہے۔ جب عورت کو حمل قرار پاتا ہے تو اس کے پستانوں میں تناؤ اور افزونی شروع ہو جاتی ہے اور یہ ان میں خون کے اجتماع اور پیدا ہونے والے بچے کے لیے قدرت کی طرف سے غذا کا سامان ہونے کی نشانی ہے۔ ادھر بچہ متولد ہوتا ہے اور ادھر اس کے لیے وہ مجتمع خون شیریں دودھ کی غذائے لذیذ کی صورت اختیار کر چکتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح ولادتِ فرزند کا وقت قریب آئے بغیر دودھ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح جب تک تربیت باطن کی حالتِ جدیدہ حاصل نہیں ہوتی۔ تب تک علوم و معارف کی استعداد درجۂ فعلیت میں نہیں آتی جس سے افاضہ اسرار ہو سکے۔ غرض جس طرح تخلیقِ شِیر کے لیے تولیدِ فرزند شرط ہے اور عدمِ تولید مانع ہے اسی طرح ان علوم و معارف کے ظہور کے لیے بھی کچھ شرائط اور کچھ موانع تھے جب تک وجودِ شرائط اور ارتفاعِ موانع کا وقت نہ آئے ان کا ظہور ناممکن تھا۔ صائبؔ ۔

کارموقوف بوقت است کہ چوں وقت رسید　　خوابے از بند رہانید مہ کنعاں را

ہم نے ترجمہ میں ''بخت'' کو سببِ تولدِ فرزند قرار دے کر محمول بمعنی حقیقی کیا ہے اور بقول شارح بحرالعلوم اس کو فعل نزاید کا فاعل قرار دے کر زنِ حاملہ کے لیے استعارہ بھی قائم کرسکتے ہیں۔ پھر انکشافِ اسرار کے لیے ولادتِ فرزند اور ان اسرار کے سلکِ نظم میں سلک ہونے کے لیے شیرِ شیریں الگ استعارہ ہوگا لیکن اگر بخت بضم بمعنی شتر مادہ ہو تو سارا کلام مستعار ہو جائے گا۔ یہاں تک تحریرِ مثنوی کے التواء کی وجہ اجمالاً بیان ہوئی۔ اب اس کی تفصیل فرماتے ہیں۔

چوں ضیاء الحق حُسامُ الدّیں عناں　　باز گردانید زاوجِ آسماں

لغات: عناں باگ مراد عزمِ سیر۔ باز گردانیدن لوٹانا، موڑنا، واپس لانا اوج بلندی۔ ترکیب و ترجمہ ہر سہ اشعار کا اکٹھا آئے گا۔

چوں بمعراجِ حقائق رفتہ بود بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود

لغات: معراج نردبان، زینہ، سیڑھی۔ اصطلاحِ شرع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سیر جو آپ ﷺ نے بحکمِ خدا ایک رات بحالتِ بیداری اپنے جسمِ عنصری سمیت مکہ سے بیت المقدس تک پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں اور کرسی و عرش تک اور اس کے اوپر جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا فرمائی پھر ایسے امرِ عظیم کی سرانجام دہی کے لیے جس کی اعلیٰ شان کا اظہار مقصود ہو یا جس کے معنی میں بلندی کا مفہوم مضمر ہو معراج کا استعارہ استعمال کرنے لگے۔چنانچہ یہاں معراجِ حقائق سے وہ عروجِ روحانی مراد ہے جس سے حصولِ حقائق مطلوب ہے۔ بہار سے افاضہ مراد ہے غنچہائے نشگفتہ مضامینِ عالیہ جو ہنوز بیان میں نہیں آئے۔

چوں زدریا سوئے ساحل بازگشت چنگِ شعرِ مثنوی باساز گشت

لغات: دریا سے عالمِ ملکوت مراد ہے۔ وجہ شبہ یہ ہے کہ جس طرح دریا دیکھنے میں متشابہ الاجزا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اجزا میں اختلاف بیّن نہیں ہوتا یہی شان عالمِ ملکوت کی ہے۔ یا دریا سے حق سبحانہٗ حق تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ اس صورت میں وجہِ شبہ یہ ہوگی کہ جس طرح دریائے متعارف پیاسوں کو سیراب کرنے والا اور مایۂ حیاتِ جسمانی ہے اس طرح حق سبحانہٗ تعالیٰ تشنگانِ وصال و قرب کو سیراب کرنے والا اور مایۂ حیاتِ جسمانی و روحانی ہے (کلید)۔ساحلِ عالمِ ناسوت بدیں لحاظ کہ جس طرح ساحل بمقابلہ دریا کے غیر بسیط اور اپنے اوپر ریت، مٹی، کنکر، پتھر، جڑی بوٹی، گھاس، درخت کی وجہ سے متفاوت الاجزا ہوتا ہے اسی طرح عالمِ ناسوت کے اجزا میں بھی اختلاف شدید ہے یا اس سے مخلوق مراد ہے۔اس اعتبار سے کہ جس طرح ساحل میں دریا کی طرح سیراب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اسی طرح مخلوق میں بھی بمقابلہ خالق بروز جسمانی و روحانی افاضات کی قدرتِ کامل نہیں ہے۔ چنگ سرنگی۔ باساز: باسامان، تیار و آمادۂ فعل۔

ترکیب: چوں ضیاء الحق الخ سارا شعر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ چوں بمعراج حقائق رفتہ بود شرط بے بہارش الخ اس کی جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف بتقدیر حرفِ عطف چوں زدریا الخ مصرعۂ اولیٰ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ثانی بتقدیر حرفِ عطف ہر سہ معطوفات مل کر شرط ہوئی چنگِ شعرِ مثنوی الخ اس کی جزا صنائع: پہلی دو بیتیں اور تیسری بیت کا مصرعۂ اولیٰ استعارات پر مشتمل ہے۔ بیتِ ثالث کے مصرعۂ ثانیہ میں شعرِ مثنوی کو چنگ سے اور اس کے انشاء و کتابت کو باسامان ہونے سے تشبیہ دی ہے۔

ترجمہ: جب ضیاء الحق حسام الدین نے (حصولِ حقائق کے) اوجِ آسمان سے (اپنی) عنانِ عزیمت منعطف کی (اور) جب تک وہ (حصولِ) حقائق کی معراج پر گئے ہوئے تھے ان کی بہار (افاضہ) کے بغیر (مضامین عالیہ کے) غنچوں نے (اظہار و بیان کی) شگفتگی نہیں پائی تھی (اور) جب وہ دریائے (ملکوت) سے ساحل (ناسوت) کی طرف واپس آئے تو مثنوی کی نظم کا ساز پھر بجنے لگا۔

مطلب: حضرت ضیاء الحق حسام الدین قدس سرہٗ حضرت مولانا رومؒ کے ہیں تو پیر بھائی بلکہ مرید مگر مولانا ان کا ادب و تعظیم اس حد تک ملحوظ رکھتے ہیں جیسے وہ مولانا کے پیرو مرشد ہوں۔ حتیٰ کہ آپ مثنوی کو بھی جو خود مولانا کے معدنِ طبع کے بے بہا جواہرات کی ایک لڑی ہے حسام الدین کے افاضات سے قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس تالیف کا سلسلہ حسام الدین ہی کے طفیل جاری تھا دفترِ اول کی تکمیل کے بعد جو وہ اقتناصِ حقائق کے لیے عروجِ روحانی کے ذریعہ سے عالمِ ملکوت میں چلے گئے اور کچھ مدت تک کے لیے کسبِ علومِ جدیدہ کی غرض سے۔ متوجہ الی الحق ہو گئے تو یہ سلسلہ رک گیا۔ امیر خسروؒ

ہر زماں گوئی کہ حالِ دل بگو — ایں کسے را گوئے کو را دل بجاست

اب جو انہوں نے عالمِ بالا سے اس عالم کی طرف عنانِ توجہ منعطف کی یعنی دریائے سکر و استغراق سے ساحلِ صحو و افاقہ میں آئے اور متوجہ بخلق ہوئے۔ تو پھر مثنوی کے انشاء و کتابت کا سلسلہ جاری ہو گیا یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مولانا کا مثنوی کو حسام الدین کا افاضہ قرار دینا یا تو بوجہ انکسار و تواضع ہے تاکہ اس کارِ عظیم کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کرنے سے فخر دریا کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہونے پائے اور یہ امر کذب و خلافِ واقع بھی نہیں، کیونکہ جب مولانا حسام الدین ہی مثنوی کے محرک تھے اور پھر انہی کے قلم پر اس کے ضبط و کتابت کا مدار تھا تو اس کو ایک اعتبار سے انہی کا افاضہ قرار دے سکتے ہیں، گو مجازاً ہی سہی یا مولانا کا یہ قول محمول بحقیقت ہو۔ یعنی فی الحقیقت مثنوی شریف مولانا حسام الدین ہی کے افاضات سے ہو اور یہ چنداں مستبعد نہیں کیونکہ گو ان کی تکمیل مولانا ہی سے ہوئی ہے، مگر اختلافِ استعدادات کی بنا پر مرید کا مرشد سے بڑھ جانا ممکن ہے، حتیٰ کہ یہ ممکن ہے کہ جو پہلے مستفید تھا وہ مدارجِ کمالات طے کرتا کرتا استفادہ سے افادہ کرنے کے قابل ہو جائے۔

سوال: (۱) مولانا رومؒ کا اپنے مرید حضرت حسام الدین کے لیے کمالِ ادب و تعظیم بجا لانا تو ان کی وفورِ محبت و شفقت اور غایتِ قدر و عزت پر محمول ہو سکتا ہے مگر یہ بات سمجھ میں آنی مشکل ہے کہ مولانا نے مثنوی میں جو اسرار و معارف بیان فرمائے ہیں۔ وہ خود مولانا کے نہیں بلکہ حضرت حسام الدین کے افاضات سے ہیں کیونکہ مولانا آخر شیخ تھے مرید اپنے شیخ سے زیادہ باکمال کیوں کر ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ مرید سے استفادہ کرنے لگے۔

جواب: بے شک حضرت حسام الدین نے کمالاتِ طریقت میں مولانا روم سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی یہ بات چنداں مستبعد نہیں کہ کوئی شیخ یا استاد جو اپنے مرید یا شاگرد کو افادہ فرماتا ہے وہ من وجہ اپنے مرید شاگرد سے مستفید بھی ہو۔ چنانچہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات کسی کتاب کا کوئی مشکل مقام باوجود بار بار غور کرنے کے استاد کی سمجھ میں نہیں آتا، مگر جب وہ شاگرد کو پڑھانے بیٹھتا ہے تو کچھ شاگرد کے جذبۂ طلب کے اثر سے اور کچھ اس کے سوالات و استفسارات کی رہنمائی سے اس کا صحیح مفہوم اس کے دل پر آئینہ ہو جاتا ہے، استاد کا شاگرد سے یہ استفادہ تو علیٰ وجہ التسبیب ہوا۔ کبھی اس سے استفادہ حقیقۃً بھی ہوتا ہے۔ مثلاً استاد کو دورانِ سبق میں اپنے بیان کی تائید کے لیے کسی روایت یا واقعاتی تمثیل یا تاریخی نظیر کی ضرورت ہوتی ہے مگر وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا، تو جھٹ شاگرد حسبِ موقع کوئی ایسی روایت یا تمثیل و نظیر پیش کر دیتا ہے، جو استاد کو پہلے معلوم نہ تھی، جس کو سن کر استاد کچھ تو اپنی تقریر کے مدلل و مبرہن ہونے سے اور کچھ اپنے خزینۂ معلومات میں ایک جدید اضافہ محسوس کر کے پھڑک اٹھتا ہے، اور یہ صاف طور پر استاد کا اپنے شاگرد سے استفادہ ہے۔

سوال: (۲) جب مولانا حسام الدین یہاں تک کامل ہیں کہ ان کے پیر حضرت مولانا رومؒ بھی من وجہ ان سے استفادہ کرتے ہیں تو ان کے کمالات بالفعل ہوں گے پھر ان کو دفتر دوم کی تحریر کے لیے معراج پر جا کر از سرِ نو استفادہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: کمال کے مختلف مدارج ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ کسی ایک کو ایک ہی وقت میں وہ سارے مدارج حاصل ہوں۔ لہٰذا کمالات کے بعض مراتب پر فائز ہونے والا گو کامل ہے، مگر ممکن ہے، کہ بعض مراتبِ کمال اُس کے دائرہ حصول سے ابھی خارج ہوں، جن کے حصول کے بعد وہ کامل سے اکمل کہلاتا ہے، پس مولانا حسام الدین گو کامل تھے مگر ممکن ہے کہ ابھی ان کا اکمل ہونا باقی ہو۔ اس لیے وہ بھی استفادہ کے محتاج ہوں۔ علاوہ ازیں اولیاء اللہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مردِ کامل ہوتے ہیں مگر مکمل نہیں ہوتے۔ دوسرے وہ جو کامل و مکمل کی دونوں حیثیتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ پہلے اولیا عالم الغیب سے استفادہ کرتے ہیں پھر خلق کو افادہ فرماتے ہیں اور خلق ... طرف توجہ بھی خلق کے لیے نہیں، بلکہ حق کے

لیے ہوتی ہے۔ بخلاف ان کے عوام کو خلق کی طرف توجہ خلق ہی کے لیے ہوتی ہے۔

صائبؒ۔

خوش وقت گرو ہے کہ در اندیشہ یارند　　چوں کعبہ رواں روئے بدیوار ندارند

اسی طرح مولانا حسام الدین علومِ جدید حاصل کرنے کے لیے اس تاخیر کی مدت تک عالمِ غیب کی طرف متوجہ رہے اس کے بعد جب وہ استعداد مبدل بفعلیت ہو گئی، تو افادہ و افاضہ میں لگ گئے۔

سوال: (۳) دفتر اول کے خاتمہ پر خود مولانا نے سلسلۂ بیان کو بند کرنے کی یہ وجہ بیان فرمائی تھی کہ سامعین میں ذوق استماع و جذبۂ طلب نہیں رہا جس کی وجہ سے کلام بے لطف ہونے لگا۔ اس لیے اس کو ملتوی کر دیا۔ اب دفتر دوم کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ اس التوا کی وجہ یہ تھی کہ مولانا حسام الدین جدید استفاضہ میں لگے ہوئے تھے۔ فکیف التوفیق

جواب: مولاناؒ عنوان دفتر دوم میں فرما چکے ہیں کہ اس التوا میں خدا کی حکمت کوئی ایک آدھ نہیں بلکہ بے پایاں حکمتیں مرکوز ہیں، جن میں سے صرف ایک حکمت یہاں (آغازِ دفترِ دوم میں) بیان کی جاتی ہے خاتمۂ دفترِ اول میں جو وجہِ التوا بیان کی تھی، ممکن ہے وہ بھی انہیں بے پایاں حکمتوں کی قبیل سے ہو۔ فلاتعارض

مثنوی کہ صیقلِ ارواح بُوَد　　بازگشتش روزِ استفتاح بود

لغات: صیقل بہ فتح صاد۔ تلوار کو تیز اور چمکیلا کرنے والا۔ بازگشت واپسی اِستفتاح فتح سے نکلا ہے۔ فتح فتوح دونوں مصدر ہیں بمعنی کشادن، اصطلاحِ صوفیہ میں فتوح سے عبادات و مکاشفات اور علوم و معارف کی بند شدہ ظاہری و باطنی نعمتوں کا دروازہ کھل جانا مراد ہوتا ہے اور فتح سے مراد یہ ہے کہ بندہ پر ذاتِ احدیت کی تجلیات کھل جائیں۔ اور وہ ان تجلیات میں فنائے رسوم خلقیہ سے عین جمع میں مستغرق ہو جائے۔ آیت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ میں فتح سے اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔ استفتاح کا مصدر بابِ اِستفعال سے ہے جس میں طلبِ مفہوم مضمر ہوتا ہے اس کے معنٰی ہیں مذکورہ فتح طلب کرنا نیز روزِ استفتاح سے مراد ماہِ رجب کی پندرھویں تاریخ بھی ہوتی ہے جس میں رحمتِ خداوندی کے دروازے کھلتے ہیں اور جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اس لیے اس تاریخ میں کعبہ شریف کا دروازہ بھی زائرینِ بیت اللہ کے لیے کھولا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ پندرھویں رجب کی تعظیم اور اس کا نام روزِ استفتاح کتبِ حدیث میں کہیں اثباتاً یا نفیاً مذکور نہیں (کذافی بحر العلوم)

ترجمہ: (یہ مثنوی) جو (اپنے مضامینِ عالیہ کی بدولت قارئین و سامعین کی ارواح کو (رسومِ خلقیہ کے زنگ سے) صاف کر دینے والی ہے اس کی تحریر کے سلسلے کا دوبارہ آغاز ظہورِ تجلیات کے خواہش کے دن (یا کعبہ شریف کے کھلنے کے دن یعنی پندرھویں رجب کو) تھا۔

مطلعِ تاریخ ایں سودا و سود　　سالِ ہجرت شش صد و شصت و دو بود

لغات: مطلع جائے طلوع۔ سورج، چاند، سیارہ وغیرہ کسی روشن چیز کے نمودار ہونے کی جگہ۔ مطلعِ تاریخ وہ مصرعہ یا فقرہ جس کے ابجدی اعداد کے شمار سے تاریخ کا سال نکلے، مادۂ تاریخ۔ سودا۔ متاع تجارت سامانِ خرید و فروخت راس المال اصل پونجی۔ سود۔ منافع، صنائع: سودا علوم و معارف سے اور سود فوائدِ علمیہ سے استعارہ ہے۔

ترجمہ: اس متاع (معارف اور (اس کے) منافع (کی داد و ستد کا سلسلہ دوبارہ شروع ہونے) کی تاریخ سنہ چھ سو باسٹھ ہجری تھی۔

مطلب: دفترِ دوم کے شروع ہونے کی تاریخ ۶۶۲ ہجری ہے اور بقول حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ۔

زاں مدت کہ مارا وقتِ خوش بود ز ہجرت شش صدو پنجاہ و شش بود

کتاب گلستان کی تاریخ تالیف ۶۵۶ھ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایران کے شہر شیراز میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب گلستان تالیف کی تو اس سے چھ سال بعد مولانا رومؒ نے ایشیائی روم کے شہر قونیہ میں مثنوی شریف کا دفترِ دوم لکھوانا شروع کیا۔

بلبلے زینجا برفت و بازگشت بہرِ صیدِ ایں معانی باز گشت

صنائع: بلبل استعارہ ہے۔ مولانا حسام الدین سے، وجۂ استعارہ یہ کہ جس طرح بلبل شکار نہیں کرسکتا اسی طرح مولانا حسام الدین بھی ابھی معانیِ نادرہ کو خود بخود اپنے پنجۂ تصرف میں نہیں لاسکتے تھے، بلکہ محتاجِ استفادہ تھے، دوسرے مصرعہ میں بازگشتن کنایہ ہے گونا گوں معانی پر قادر ہونے سے۔ دونوں جگہ بازگشت کے کلمے میں صنعتِ تجنیس ہے۔ صید معانی میں استعارہ بالکنایہ ہے۔

ترجمہ: (مولانا حسام الدین محتاجِ استفادہ ہونے کے لحاظ سے ابھی) ایک بلبل (تھے جو) اس (عالمِ ناسوت کے) مقام سے عالمِ ملکوت کی طرف گیا) اور (پھر) واپس آیا۔

مطلب: یہاں اوپر کے اشعار چوں بمعراج اور چوں زدریا کے مضمون کا اعادہ دوسرے پیرایہ میں کیا ہے۔

ساعدِ شہ مسکنِ ایں باز باد تا ابد برخلق ایں در باز باد

لغات: ساعد کلائی۔ شہ سے شہنشاہ حقیقی یعنی حق تعالیٰ مراد ہے مسکن ٹھکانا مقام، جائے سکونت۔ باز کھلا صنائع: بیت سابق میں اور اس بیت میں باز کا کلمہ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جو تجنیس کی صنعت ہے۔

ترجمہ: بادشاہ کی کلائی اس باز کا ٹھکانا ہو اور ہمیشہ کے لیے یہ دروازہ (فیضان) مخلوق پر کھلا رہے۔

مطلب: بعض بادشاہوں کا دستور تھا کہ جب سیر و شکار کے لیے سوار ہو کر نکلتے تو اپنی کلائی پر باز کو بٹھا لیتے۔ چنانچہ اکثر شاہانِ پیشین کی تصاویر میں یہ صورتِ مشاہدہ ہے اور ایک شہ زور وقوی بال پرندہ کا بادشاہ کی کلائی پر ہونا اس کی شوکت و شہامت کے اسباب میں شمار ہوتا تھا۔ مولانا بطورِ استعارہ شاہ سے شہنشاہِ حقیقی اور ساعد سے اس کا قربِ حق سے بہرہ اندوز ہوں اور ان کے افاضات جو تحریرِ مثنوی کی صورت میں جاری ہیں وہ ابد تک جاری رہیں اور مخلوق جس میں مولانا خود اپنے آپ کو بھی شمار کرتے ہیں۔ اس سے مستفیض ہوتی رہے۔

یہاں تک دفترِ دوم کے آغاز میں تاخیر واقع ہونے کی حکمت بیان کی گئی ہے اب اس سے آگے ایک اور مضمون شروع ہوتا ہے جس میں قربِ حق کے موانع اور ان کے تدارک کا ذکر ہے اور حقیقت میں یہاں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال ہے اور اس قسم کے انتقالات سے ساری مثنوی بھری پڑی ہے مگر ہر جگہ اس قسم کے انتقالی مضامین کو اپنے ماقبل کے ساتھ کچھ نہ کچھ ربط ضرور ہوتا ہے ہاں بعض جگہ وہ ربط بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے اور بعض جگہ اس کا سمجھنا ذرا دقت طلب ہوتا ہے، مگر یہاں جو ربط ہے وہ ظاہر ہے اور اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

آفتِ ایں در ہوا و شہوت ست ورنہ اینجا شربت اندر شربت ست

لغات: آفت بلا، آسیب، صدمہ، مشکل، مانع، سختی وغیرہ آفت کا کلمہ عموماً دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک مانع

دوسرا برا نتیجہ اور یہ دونوں معنے یہاں چسپاں ہو سکتے ہیں۔ کما سیاتی۔ دَرا سم بمعنی دروازہ ہے نہ کہ حرف جار بمعنی فی جیسے کہ ایک شارح نے اختیار کیا ہے کیونکہ اس صورت میں ''اسم اشارہ قریب کا کوئی مشارٌ الیہ نہیں رہتا۔

ترکیب: آفت مضاف ایں دراسم اشارہ و مشارٌ الیہ مل کر مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ مل کر مبتدا ہوا۔ ہوا و شہوت بترکیب عطفی اس کی خبر۔ ایک شارح کے اختیار کردہ ترجمہ کی رو سے آفتِ ایں مرکبِ اضافی مبتدا در ہواو شہوت جار و مجرور متعلق خبر محذوف ہے مگر اس صورت میں حذف مشارٌ الیہ لازم آتا ہے جو عدمِ قرینہ کے وقت اسمِ اشارہ قریب کے ساتھ مذکور ہونا لازم ہے۔

ترجمہ: اس دروازۂ فیضان کی آفت خواہشِ نفسانی اور شہوت ہے ورنہ یہاں (لذائذ روحانیہ کے) مزے ہی مزے ہیں۔

مطلب: اوپر عذرِ تاخیر کے بعد تحریرِ مثنوی کے آغاز سے آگاہ فرمایا تھا اور دعا کی تھی کہ تحریرِ مثنوی کا سلسلہ جو ایک دروازہ فیضان ہے ابد تک کھلا رہے، اب فرماتے ہیں کہ یہ دروازہ آفات سے محفوظ نہیں اور اس سے اس مضمون کا ماقبل کے ساتھ ربط ظاہر ہے یعنی جس دروازۂ فیضان کے کھلنے کا اعلان اور اس کے دوامِ کشادگی کے لیے دعا کی تھی اب اس کی آفات اور تدارکِ آفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ یہ مضمون ہر پہلو سے مکمل ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثنوی کے مضامینِ عالیہ کی راہ میں ہوائے نفسانی اور خیالاتِ شہوانی کی سخت آفت برپا ہے جو ان تک پہنچنے کی مانع ہے اور یہ مطلب آفت کے دو مذکورہ معنوں میں سے پہلے معنی پر مبنی ہے۔ نفسانی و شہوانی خیالات کا اس دروازے پر آنے سے مانع ہونا ظاہر ہے۔ کما قیل الغنی۔

سوئے مسجد ند بد نفسِ بدم را ہنوز ۔۔۔ گرچہ از بارِ گنہ ساخت چو محراب مرا

نیک کاموں میں ظاہری و باطنی موانع کے وجود پر احادیث و آثار بکثرت ناطق ہیں ایک متفق علیہ حدیث ہے۔ حفت الجنة بالمکارہ و حفت النار بالشہوات یعنی بہشت شدائد و تکالیف میں گھرا ہوا ہے اور دوزخ پر لذائذِ نفسانیہ کا احاطہ ہے۔ جامیؒ۔

شیوۂ نازک دلاں نبود سلوکِ راہِ فقیر ۔۔۔ سخت دشوار است پارشیشہ و رہ سنگلاخ

روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو دیکھا کہ ایک ہاتھ میں خاکستر اور دوسرے ہاتھ میں شہد لیے جارہا ہے آپ نے پوچھا ان دو مختلف چیزوں سے تمہارا کیا مقصد ہے شیطان بولا شہد کو غیبت میں ملا دوں گا تاکہ لوگوں کو اس کی چاٹ لگ جائے اور خاکستر یتیموں کے چہرہ پر مل دوں گا تاکہ لوگ ان سے نفرت کریں اور اگر یہاں آفت کا دوسرا معنی ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی کسی کام کا برا نتیجہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان مضامینِ عالیہ سے جو مبین توحید ہیں بہت سے کج فہم و کم ظرف دلوں پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ وہ ان کو سن کر اتباعِ ہوا اور اعتزازِ نفس سے توحید کے بجائے الحاد و زندقہ کی طرف مائل ہو جائیں گے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيرًا۔ کلامِ حق کو اپنے لیے موجب رشد و ہدایت بنانے کے بجائے اتباعِ ہوا سے باعثِ شقاوت و ضلالت بنانے پر قرآن مجید کی بہت سے آیات شاہد ہیں۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ الخ ''تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی ان مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فساد پیدا کریں اور تاکہ ان کے اصل مطلب کی ٹوہ لگائیں''۔ (آل عمران ع ۱)

ایک مشہور قول ہے لکل شیءٍ آفة وللعلم آفات یعنی ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اور علم کے لیے بہت سی آفات ہیں۔ یہاں بھی آفت و آفات کے دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں، چنانچہ علم کی آفات بمعنی اول غفلت، سستی، محنت سے گریز، قلت فرصت، استادِ کامل کا فقدان، سہو، نسیان وغیرہ ہیں۔ جس کی تائید ایک حدیث مندرجہ مصنف ابن ابی شیبہ آفة العلم نسیان سے ہوتی ہے اور بمعنی دوم علم کی آفات، عجب، غرور، ریا، کتمانِ حق وغیرہ ہیں۔ اس کی تائید بھی احادیثِ کثیرہ سے ہوتی

ہے چنانچہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے من سئل من علمه ثم كتمهٔ الجم يوم القيامة بلجام من نار یعنی جس شخص سے کسی علمی بات کا سوال کیا جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ اس کو چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا (مشکوٰۃ) وقال بعضهم۔

کم عالم متکبر ستر التکبر علمه کم جاهل متواضع ستر التواضع جهله

یعنی "بہت متکبر عالموں کے علم کو ان کے تکبر نے چھپا رکھا ہے اور بہت سے متواضع جاہلوں کے جہل کو ان کی تواضع نے مستور کر رکھا ہے۔"

اب اس آفت کے علاج کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔

این دہاں بربند تا بینی عیاں چشمِ بندِ آنجہاں حلق و دہاں

لغات: بربند میں حرف بر زائد ہے۔ عیاں ظاہر، کھلا ہوا، صاف نمودار۔ چشم بند۔ آنکھوں کی پٹی۔

ترکیب: ایں دہاں بربند جملہ فعلیہ انشائیہ بمعلول تا بینی عیاں جملہ فعلیہ ہو کر اس کی علت جس میں اسرار و معارف مفعول بہ محذوف ہے۔ **صنائع:** بربند و چشم بند میں تجنیس اس بیت میں رد العجز۔ علی الصدر بھی ہے۔

ترجمہ: (اپنے) اس منہ کو (تا بد امکانِ طعام و کلام سے) بند رکھو، تاکہ تم (اسرارِ معرفت کو) صاف نمایاں دیکھو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) حلق اور منہ (کی چاٹ ہی) عالمِ بالا کی (طرف سے اس طرح بے بصر رکھتی ہے، کہ گویا) آنکھوں کی پٹی (بن جاتی) ہے۔

مطلب: اس مدعا کو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے اپنے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے۔

اندروں از طعام خالی دار تا درو نورِ معرفت بینی
تہی از حکمتی بعلّتِ آں کہ پُری از طعام تا بینی

شیخ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

فرشتہ خوئے شود آدمی بکم خوردن واگر خورد چو بہائم بیوفتد جو جماد
مراد ہر کہ براری مطیع امرِ تو گشت خلافِ نفس کہ فرماں دہد چو یافت مراد

منہ مدخل طعام بھی ہے اور محلِ کلام بھی اور ان دونوں کے غلط استعمال کی کثرت موجبِ آفات ہے۔ پس دہان کے بند کرنے سے تقلیلِ کلام اور تقلیلِ طعام دونوں کی تاکید مقصود ہے۔ کلام کی کثرت سے یا وہ گوئی یا لایعنی فضول بکواس کا ارتکاب ہوتا ہے۔ حدیث: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُ مَالَا یَعْنِیْہِ "مسلمان آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے کوئی غرض متعلق نہ ہو۔" اور آگے کلام کے نامناسب استعمال سے استہزاء، دشنام، طعن، لعن، تعریض، جھوٹی قسم، خودستائی، وعدہ خلافی، کذب، غیبت، چغلی وغیرہ بے انتہار ذائل پیدا ہوتے ہیں جن پر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بکثرت وعید آئی ہے چنانچہ حدیث ہے: بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ۔ "آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی (استہزاء سے) تحقیر کرے۔" حدیث: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُہٗ کُفْرٌ۔ "مسلمان کو گالی دینا فسق (بدکاری کا کام) ہے اور اس کو جان سے مار ڈالنا کفر کا کام ہے۔" حدیث: اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُھَدَآءَ وَلَا شُفَعَآءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یعنی بات بات پر لعنت کرنے والے لوگ قیامت کے روز نہ لوگوں پر گواہ ہوں

گے اور نہ گنہگاروں کے شفیع ہوں گے۔ حدیث: لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیْ یعنی ''مومن آدمی طعنہ دینے والا اور لعنت کرنے والا اور فحش باتیں کرنے والا اور بدزبان نہیں ہوتا۔ حدیث: اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَیْعِ فَاِنَّهٗ یُنْفِقُ ثُمَّ یَمْحَقُ. ''بیع میں زیادہ قسم کھانے سے بچو، کیونکہ وہ بکری تو کرا دیتی ہے، مگر پھر برکت گھٹا دیتی ہے۔'' حدیث: لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ یَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَآءِهِمْ الخ. ''ان لوگوں کو ضرور باز آ جانا چاہیے جو اپنے باپ داداوں پر فخر کرتے ہیں۔'' حدیث: اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. ''منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا اور جب کوئی وعدہ کرے گا تو اس کے خلاف کرے گا اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو خیانت کرے گا۔'' حدیث: اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَکُ مِیْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَآءَ بِهٖ. جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بات کی بدبو سے جو اس نے کہی ہے میل بھر دور چلا جاتا ہے۔'' حدیث: اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ ''غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے'' حدیث: شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّآءُوْنَ بِالنَّمِیْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ. ''خدا کے بندوں میں سے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں لگاتے پھرتے ہیں، دوستوں میں جدائی ڈلواتے ہیں، پاک لوگوں کو تہمت لگاتے ہیں۔'' احادیثِ مذکورہ بالا میں بعض مشکوٰۃ شریف سے اور بعض ریاض الصالحین سے منقول ہیں۔

خموشی کے فوائد

غرض زبان بندی یا دہاں بندی میں صدہا آفات سے نجات مضمر ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ صَمَتَ نَجَا ''جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ کے نزدیک سب سے زیادہ خوفناک چیز کون سی ہے تو آپ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا۔ اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ قَالَ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا معاذ وهل یکب الناس علی وجوههم او علی مناخرهم الا حصائد السنتهم. یعنی ''اے معاذؓ! تیری ماں تجھے گم پائے لوگوں کی زبانوں کی بے ہودہ بکواس ہی ان کو منہ کے بل (یا فرمایا ناک کے بل) گرائے گی۔'' (مشکوٰۃ) صائبؒ۔

شمع از تیغ زبان خود دہد سر زیرِ تیغ — زینہار از آفتِ تیغ زباں آگاہ باش

غنیؒ۔ من نہ از زخمِ زبانِ دِگراں دلریشم — در فغاں چوں قلم از زخمِ زبانِ خویشم

ولنعم ما قیل۔ بہ بند لب کہ زباں تو خصمِ جانِ تو ہست — برنگ پشہ شکستِ تواز زبانِ تو ہست

کفِ لسان اور تقلیلِ کلام موجب روشنیِ دل و نزولِ برکات ہے۔ صائبؒ

زباں کو تاہ باشد آشنائے بحرِ گوہر را — بلندیِ حجتِ عجز است بازوئے شناور را

ولہ۔ خانہ در بستہ فانوسِ حضور خاطر است — مہر زن برلب گر خاطر بجائے بایدت

خانہ در بستہ مجو بند مہمانانِ غیب — غنچہ بنشیں گر نسیم آشنائے بایدت

اے دہاں تو خود دہانِ دوزخی — وائے جہاں تو بر مثالِ برزخی

شرح

لغات: خود یہاں زائد ہے، دوزخی اور برزخی میں یائے خطاب ہے، بطورِ رابطہ جملہ برزخ بفتح با و زائے معجمہ مفتوح وہ چیز جو دو متغائر و متخالف چیزوں کے درمیان حائل ہو خواہ وہ اپنے اندران متخالف چیزوں کے ساتھ کوئی مناسبت رکھتی ہو، یا نہ رکھتی ہو جیسے مرنے کے بعد کا زمانہ دنیا اور عقبیٰ کا برزخ ہے۔ اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان برزخ ہے۔ بندر بہائم و انسان کے درمیان برزخ ہے، کھجور کا درخت حیوان و نباتات کے درمیان برزخ ہے، مونگا نباتات و جمادات کے درمیان برزخ ہے، ہندوؤں کے اوتار (ان کے عقیدہ کے موافق) خالق و مخلوق کے درمیان برزخ ہیں، لیکن ہمارے عقیدہ میں وہ انسان

تھے ان لوگوں نے خوش اعتقادی کی افراط سے ان کو غیر انسان سمجھ لیا۔ وا تے جہان میں واؤ عاطفہ حرفِ اضراب کا فائدہ دیتی ہے۔
ترجمہ: اے منہ! تو (جب طعام و کلام کے لیے کھلتا ہے تو اس کے برے نتائج کے لحاظ سے گویا) دہانۂ دوزخ بن جاتا ہے (اس لیے تیرا بند رکھنا بہتر ہے) مگر اے جہاں! (طعام و کلام کے بغیر تجھ میں زندگی بسر ہونی بھی مشکل ہے چونکہ تو نیکی و بدی کے (بین) بین ہے (اس لیے تیرا قائم رکھنا بھی ضروری ہے تا کہ اعمالِ صالحہ کا ذریعہ ہو سکے)۔
مطلب: منہ سے خطاب فرماتے ہیں کہ تجھ سے جو کلام غیر مشروع یا اکلِ ممنوع صادر ہوتا ہے چونکہ وہ دوزخ میں لے جانے والا ہے کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ۔
"جو جسم حرام مال سے غذا پا چکا ہے وہ جنت میں نہیں جا سکتا" (مشکوٰۃ) وَقَالَ وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ "بندہ جب کوئی ایسا کلمہ بول بیٹھتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور وہ اس کے برے نتیجہ کی پروا نہیں کرتا اس کلمہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا" (مشکوٰۃ) اس لیے اے منہ تو گویا خود ہی دہانۂ دوزخ ہے منہ کا دہانۂ دوزخ ہونا ان احادیث سے اور بھی زیادہ مبرہن ہوتا ہے جن میں بعض ممنوعات کے کھانے والے کے حق میں يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ النَّارَ آیا ہے یعنی وہ اپنے پیٹ میں یہ غذا نہیں بلکہ دوزخ کی آگ ڈال رہا ہے پس جب یہ غذا دوزخ کی آگ ہوئی تو اس کا مدخل یعنی منہ دوزخ کا منہ ٹھہرا۔

اس کے بعد دوسرے مصرعہ میں جہاں سے خطاب فرماتے ہیں کہ اے جہاں! تو دار العمل ہے جہاں نیک و بد دونوں طرح کے اعمال ممکن ہیں۔ لہٰذا تو من وجہ نافع اور من وجہ مضر ہے نہ بالکل نافع ہے اور نہ بالکل مضر۔ گویا تو جنت اور جہنم کے بین بین ہے، اگر کوئی شخص یہاں طاعات و عبادات وغیرہ اعمالِ حسنہ کا اکتساب کرتا ہے تو اس کے لیے یہ جنت ہے اور اس کے یہ اعمالِ مشروعہ اس کے لیے حور و قصور ہیں اور اگر منہیات و معاصی کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ دنیا اس کے لیے دوزخ ہے اور اس کے یہ افعال آگ ہیں۔ غرض چونکہ دنیا میں دونوں طرح کی صلاحیت ہے۔ لہٰذا وہ برزخ ہے اور اگر اس سے برائی کا امکان ہے تو نیکی بھی متوقع ہے اور بدی کے خوف سے نیکی کا موقع فوت کرنا قرینِ دانش مندی نہیں۔ پس دنیا کی زندگی کو قائم رکھنے کی کوشش حتی المقدور اچھی بات ہے اور اس کے لیے کلام و طعام کو بقدرِ مستحسن جاری رکھنا لازم ہے۔ صائبؒ۔

بشکر آنکہ ترا رہ دریں چمن دادن　　مباش درپے تاراج بوستاں زنہار

المختصر اس بیت کے پہلے مصرعہ میں فقط دہن کی تاکید ہے اور دوسرے مصرعہ میں اشیائے عالم کے استعمال کی ضرورت کا اشارہ ہے مگر باحتیاط، آگے دوسرے مصرعہ کے مضمون کو کسی قدر اور واضح کرتے ہیں:

نورِ باقی پہلوِ دنیائے دوں　　شیرِ صافی پہلوِ جوہائے خوں

لغات: نورِ باقی ابدی روشنی　مراد ہدایت۔ دوں کمینی۔ صافی صاف۔ پہلو محاذی، برابر، دوش بدوش، ساتھ ساتھ۔ فارسی زبان میں جن کلمات کے آخر میں واؤ یا الف ہو۔ اضافت یا توصیف کی صورت میں ان کے آخر میں کسرہ کے بجائے ایک یائے ملفوظ اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے خدا۔ گدا۔ پہلو۔ خدا میں کہیں گے خدائے بزرگ گدائے شہر پہلوئے من خوئے بد۔ چونکہ اس یا کے اظہار کے لیے آخر کے واو یا الف کا اشباع کرنا پڑتا ہے اس لیے جن مقامات میں اس اشباع کی گنجائش نہ ہو۔ وہاں یہ باقی نہیں رہ سکتی جیسے کہ اس بیت میں پہلو کے آخر میں یاء لانے سے واؤ کے اشباع سے بیت کا وزن ڈانوا ڈول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صرف واؤ مکسور پڑھا جائے گا بعض نسخوں میں یہ یاء باقی رکھی گئی ہے جو ٹھیک نہیں۔ جو نہر۔

ترکیب: نور باقی مبتدا۔ موجود اس کی خبر مقدر۔ پہلوئے الخ ظرف متعلق کے دوسرے مصرعہ کی بھی یہی ترکیب ہے۔
صنائع: یہ شعر مرصع واقع ہوا ہے اور ذوالقافیتین بھی ہے۔
ترجمہ: (ہدایت کا) سدا رہنے والا نور (اس) کمینی دنیا (کی تاریکی) کے دوش بدوش موجود ہے اور اعمال صالحہ کا صاف و خالص دودھ (معاصی و سیئات کی) خون سے بھری ہوئی نہروں کے ساتھ ساتھ جاری ہے۔
مطلب: یہ دنیا کے بہشت و دوزخ کے لیے برزخ ہونے کی تفسیر ہے یعنی دنیا میں جہاں رذائل و ذمائم کی آلائش موجود ہے، جس کو یہاں دنیائے دوں سے تعبیر کیا ہے وہاں فضائل و مکارم کے سامان بھی مہیا ہیں۔ مہالک کے گڑھوں سے بچ نکلنے کے لیے حزم و احتیاط کے ساتھ کچھ جذبۂ اخذ و شوقِ کسب بھی ہو تو یہاں کمالات کے حصول کے ذرائع بھی موجود ہیں اور اس کی وہی مثال ہے کہ جیسے خون کی نہر کے ساتھ ساتھ دودھ کی نہر چل رہی ہو۔ خون کے ساتھ دودھ کے ذکر میں یہ نکتہ بھی مضمر ہے کہ جس طرح مادۂ خون اور مادۂ شیر ایک ہے دنیا میں بہت سے اعمال و افعال اور اخلاق و خصائل میں نفع و ضرر کی استعداد بھی ایک ہی ہے۔ مثلاً غضب حمایتِ دین میں ہو تو نافع ہے۔ اتباعِ نفس میں ہو تو مضر ہے انفاق فرائضِ شخصی و نوعی کے لیے ہو تو خیر ہے۔ لذائذِ نفسانیہ کے لیے ہو تو شر ہے۔ وھکذا

چوں دروگامے زنی بے احتیاط　　شیرِ تو خوں مے شود از اختلاط

لغات: گام قدم۔ احتیاط، بچاؤ، پرہیز، چوکسی، خبرداری۔ اختلاط ملاوٹ، مل جل جانا، گڈمڈ ہونا۔
صنائع: شیر استعارہ ہے مرغوب و مستحسن سے اور خون نامرغوب و غیر مستحسن ہے۔
ترجمہ: جب اس (دنیا) میں تو بے احتیاطی سے قدم رکھے گا تو تیرا (اعمالِ صالحہ کا) دودھ (مناہی و معاصی کی) ملاوٹ سے خون (کی طرح ناپاک) ہو جاتا ہے۔
مطلب: اعمالِ صالحہ میں اگر کمالِ اخلاص اور غایت مرعی نہ رہے تو مختلف معاصی کے شوائب ان کو باطل و فاسد کر دیتے ہیں۔ اس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، خیرات و مبرات وغیرہ تمام عبادات و طاعات اور محاسن و مکارم کا یکساں حال ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں جابجا موجود ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ. "ان منافق نمازیوں کے لیے بھی تباہی ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ اور جو ریا کرتے ہیں" لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى. "اپنی زکوٰۃ و خیرات کو احسان جتا کر یا تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کر لیا کرو۔" فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ. "پس جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو کوئی شہوت کی بات اور گناہ اور جھگڑا نہیں کرنا ہوگا۔" عمر خیام غفرلہ

اے فسق و فجور کارِ ہر روزۂ ما　　ولے پرز حرام کاسۂ و کوزۂ ما
صائبؔ　بے خندو روزگار وے گرید خلق　　برطاعت و برنماز و بر روزۂ ما
صائبؔ　حضورِ خاطر اگر در نماز شرط شدہ است　　عبادت ہمہ روئے زمین قضا وارد
ولے　زاں دست پیش رد بدعا کردہ ام مباد　　بر روئے من انند ملائک نمازِ من
سعدیؒ　خورندہ کہ خیرش برآید ز دست　　بہ از صائم الدہر دنیا پرست
مسلم کسے رابود روزہ داشت　　کہ در ماندۂ رادہد نانِ چاشت
وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری　　زخود بازگیری وہم خود خوری

؎ کیا فائدہ گر آپ نہ کھائی روٹی خود کھائی نہ اوروں کو کھلائی روٹی
روزہ نہیں یہ بخل کا ایک حیلہ ہے کل کام آنے کو ہے بچائی روٹی
جامیؒ خوئے خود را ز روزہ تیرہ مکن کز ہمہ حلم و برد باری بہ
چوں شود روزہ مایۂ آزاد روزہ خواری ز روزہ داری بہم
وقال بعضھم ؎ گر وردِنہ لَاالٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ ست بے باطن پاک کے بجنت راہ ست
صراف زرِ قطب کجا بستاند ہر چند بروسکۂ زنام شاہ است
وقیل ؎ آئینہ دار زنگ گناہ ست طاعتم کردم سیاہ ہمچونگیں سجدہ گاہ را
سبحہ برکف وتوبہ برلب دل پُراز ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ ے آید بر استغفارِ ما

مولانا آگے اس بے احتیاطی کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں جس سے اس کے ضرر سے بچنے کی ہدایت مقصود ہے۔

یک قدم زد آدم اندر ذوقِ نفس شد فراقِ صدرِ جنت طوقِ نفس

لغات: ذوق (۱) چاشنی، چاٹ مزا، لذت (۲) کیف، دھن، شوق۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ ذوق نفس سے مراد دل کی دھن۔ ایک شارح صاحب نے ذوقِ نفس کا ترجمہ لذتِ نفس سے کیا ہے، جو حضرت آدمؑ کے لیے سوء ادب اور عصمتِ انبیا کے عقیدہ کے منافی ہے۔ ناظرین ہمارے اختیار کردہ ترجمہ کا لطف ملاحظہ فرمائیں صَدر اعلیٰ مقام مجلس میں سب سے بڑی اور نمایاں جگہ، صدرِ جنت بہشت کا بالاترین مقام، کمال عزت کی جگہ۔

ترجمہ: (دیکھو) حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے دل کی دھن میں (دانہ کھانے سے) ایک ہی قدم خلاف حکم اٹھایا تھا (کہ) بہشت کے اعلیٰ مقام سے نکلنے کی مصیبت ان کے گلے کا ہار ہوگئی۔

مطلب: اس سے حضرت آدمؑ کے شیطان کے بہکانے سے خلاف حکم دانۂ گندم کھانے اور اس وجہ سے ان کے بہشت سے نکلنے کا قصہ مراد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کے دوسرے رکوع میں یوں بیان فرمایاں ہے۔ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" اور اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، پھر تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ (پیئو) لیکن اس درخت کے پاس بھی نہ جانا (ورنہ) تم خرابی میں پڑ جاؤ گے"۔ شیطان چونکہ آدمؑ کی وجہ سے مردود و مطرود ہوا تھا اور اس وجہ سے اس کے دل میں حسد و انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اس لیے اس نے از راہِ عداوت چاہا کہ کسی طرح حضرت آدم علیہ السلام جو محبتِ حق کی وجہ سے قیامِ جنت کو از بس مغتنم سمجھے جس سے قرب حق حاصل تھا۔ قرائن سے جب دیکھتے تھے کہ مجھے ایک دن یہ مقام چھوڑ کر دنیا میں جانا ہوگا تو اپنے خلودِ جنت کی طرف سے ان کو ہر وقت کھٹکا رہتا تھا۔ شیطان نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لیے ان کی اس تڑپتی رگ کو تاکا اور سمجھ گیا کہ آدم علیہ السلام کو اگر کوئی چکمہ دیا جا سکتا ہے تو اس کے لیے خلود فی الجنۃ کا مسئلہ سب سے زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ اس نے کیا شرارت کی کہ۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَانَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْتَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ" پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کو برہنہ کرے اور (آکر) کہنے لگا اے (آدم وحوا) تمہارے رب نے جو تم کو اس درخت سے منع کیا ہے تو اسی لیے کہ تم کہیں فرشتہ نہ ہو جاؤ، یا

ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے نہ بن جاؤ شیطان کی زبان سے جو آدم علیہ السلام کے خلود فی الجنت کا ذکر نکلا اور اس نے یہ بھی بتایا کہ فلاں امر آپ کے خلود کا مانع ہے اگر اس مانع کو اٹھا دو یعنی دانۂ گندم کھا لو تو بہشت کا مدامی قیام حاصل کر سکو گے، تو اس سے حضرت آدمؑ چونک پڑے، مگر اب تک کسی کے کہنے پر حکمِ حق کے خلاف کوئی کام کرنے کی جرأت ان کو نہ ہوسکتی تھی۔ کہ شیطان نے اور کیا غضب کیا وَ قَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ. یعنی ان سے قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں" (چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اس کی قسموں کا اعتبار کر بیٹھے اور جب ان کو اس کی خیر خواہی کا یقین ہو گیا تو یہ بھی اطمینان ہو گیا کہ اکلِ گندم سے خدا ناراض نہ ہوگا کیونکہ ایک خیر خواہ سے یہ امر بعید ہے کہ وہ مالکِ برحق کے ناراض کرنے والے فعل کا مشورہ دے۔) فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ. پس ان کو فریب سے (دانۂ گندم کھانے کی طرف) مائل کر ہی دیا، جونہی انہوں نے درخت کو چکھا تو ان کا ستر کھل گیا اور اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کر دیا تھا اور یہ نہ کہہ دیا تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا صریح دشمن ہے۔ مولانا کا یہ مقصد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلود فی الجنۃ کی ایک لگن لگی ہوئی تھی اور وہ بھی کسی نفسانی غرض سے نہیں بلکہ قربِ حق کے خیال سے تھی۔ اس کی وجہ سے انہوں نے خلافِ حکم ایک ہی قدم اٹھانے کی جرأت کی تھی کہ اس کا اتنا خمیازہ بھگتنا پڑا پھر کہاں حضرت آدمؑ جو ایک مقربِ حق تھے اور کہاں ہم جو غرقِ معاصی ہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ لہٰذا ہمارے اعمال کا مشوب بہ معاصی ہونا تو اور بھی زیادہ امکان رکھتا ہے۔

سوال۔ (۱): آیاتِ مذکورہ کے مطابق جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو صاف کہہ دیا کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو گیہوں کا دانہ کھانے سے اس لیے باز رکھا ہے کہ کہیں تم بہشت میں دائمی قیام نہ حاصل کر لو تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کا اس دائمی قیام کے حصول کی کوشش کرنا صاف طور پر اور بلا تاویل مشیتِ حق کی خلاف ورزی ہے۔ اس کی معصیت ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے اور کیا یہ ایک پیغمبر کی شان سے بعید نہیں؟

جواب۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خلود فی الجنت کی کوشش میں دانۂ گندم کھانے کی جرأت کی اس سے مشیتِ حق کی خلاف ورزی اصل مقصود نہ تھی، بلکہ دوامِ قربِ حق کے ایک ذریعہ کا حصول ان کا مقصد تھا۔ باقی رہا یہ امر کہ کسی نیک امر کے لیے اپنے حاکم و مالک کے حکم کی خلاف ورزی کہاں روا ہے جس سے اس کی ناراضگی کا احتمال ہو۔ سو یہ امر حضرت آدم علیہ السلام کے بھی ضرور پیشِ نظر ہوگا، مگر شیطان مردود نے یہ کہہ کر کہ میں تمہارا مخلص اور خیر خواہ ہوں۔ ان کا یہ خرخشہ بھی دور کر دیا، اور ان کو اپنے مکر و فریب کی پوری گرفت میں لے لیا جس سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ اول تو حق تعالیٰ اپنے محب پر حصولِ قرب کی کوشش کرنے کے لیے کیوں ناراض ہونے لگا۔ دوسرے یہ ناصحِ مشفق بھی جو بڑا تجربہ کار اور خرانٹ معلوم ہوتا ہے کوئی ایسا مشورہ کیوں دینے لگا جس سے وہ مالکِ برحق ناراض ہو ورنہ یہ ریش سفید یہ صورتِ مقطع یہ قول بالحلف کیا کہیں بے بنیاد ہی ہیں؟

صاحب کلید مثنوی نے ان آیات کے ترجمہ و تفسیر میں لکھا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اس درخت کے پھلوں کے کھانے سے بے شک حق سبحانہٗ نے تم کو اس لیے منع کیا تھا کہ تم فرشتہ یا خالد فی الجنت نہ بن جاؤ مگر یہ خیال رہے کہ ممانعت کی وجہ یہ نہ تھی کہ حق سبحانہٗ کو تمہارا فرشتہ یا خالد فی الجنت بننا بالکلیہ مقصود نہیں۔ یہ مقصود تو ہے مگر اس وقت مقصود ہے جب قابلیت پیدا ہو جائے، جس وقت اس کے کھانے سے منع کیا تھا اس وقت تم میں اس کی قابلیت نہ تھی اب تو

ماشاء اللہ اتنے دن جنت میں رہ کر اور ذکرِ الٰہی کر کے قابلیت پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس کے کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ حق سبحانہٗ کی مرضی کے عین مطابق ہے گو اس وقت یہ نہی صورۃً مطلق نہی تھی مگر فی الحقیقت وہ حصولِ استعداد تک موقت و محدود تھی ابلیس نے ساتھ ہی قسم کھا کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں محض تمہاری خیر خواہی سے کہتا ہوں۔ اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ لچھے دار تقریر سنی تو چونکہ وہ اس وقت مکاروں کے داؤ پیچ سے ناواقف تھے اور ملکیت یا خلود فی الجنت ان کو زیادہ قرب یا دوامِ قرب کے باعث مطلوب تھا اس لیے یہ دانہ کھا لیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں نفس کا دخل صرف اتنا تھا کہ اس نے منہی عنہ پھل کو کھانے کی خواہش کی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا اتباع کیا کہ اس کو کھا لیا لیکن چونکہ یہ نہ جانتے تھے کہ یہ نفس کی شرارت ہے جو شیطان کے برانگیختہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ اس کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے رہے نہ کہ معصیت اور حق سے دور کرنے والی۔ لہٰذا انہوں نے گو واقعہ میں اتباعِ نفس کیا، لیکن اس کو اقتضائے نفس جان کر نہیں کیا اس لیے یہ ان کی ایک لغزش اور اجتہادی خطا تھی۔

جس پر وہ اجر کے مستحق تھے نہ کہ حقیقۃً معصیت کیونکہ معصیت وہ ہے جو دیدہ دانستہ ہو۔ انتہی

سوال۔ (۲): مصرعہ شد فراق صدر جنت طوقِ نفس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے نکلنا بطورِ سزائے اکلِ حنطہ تھا حالانکہ آیہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً سے ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں اسی مشیتِ ربانی کے ماتحت منصب خلافت پر مامور ہو کر آئے تھے اور یہاں منصب خلافت پر پرفراز ہو کر آنا ایک اعزاز و اکرام کی صورت رکھتا ہے نہ کہ سزا کی۔

جواب: مولانا بحر العلوم اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں جنت سے یہاں مراد وہ ذوقِ طمانیت ہے جو اکلِ حنطہ سے پہلے ان کو حاصل تھا اور فراقِ جنت سے اس طمانیت کا زوال مراد ہے جو اکل حنطہ کی وجہ سے وقوع میں آیا اور اس زوالِ طمانیت اور حصولِ رنج سے جو مدت تک اشکباری اور گریہ زاری کرنی پڑی۔ وہ گویا طوقِ نفس تھا۔ جس کو اس ذوقِ نفس کے اتباع کی سزا سمجھنا چاہیے پس یہ سب کچھ ہو ہوا کر جو آپ جنت سے نکل کر دنیا میں آئے تو توبہ کے بعد آئے اور وہ آنا حصولِ سعادت اور منصبِ خلافت کے ساتھ تھا، مگر یہ جواب جب ٹھیک بیٹھ سکتا ہے کہ اکلِ حنطہ کے بعد حضرت آدمؑ کا فوراً زمین پر نہ اترنا مسلمہ ہو۔ حالانکہ متعدد آیاتِ قرآنیہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے خطاب وعتاب کے ساتھ متصلاً فرمایا۔ اِھْبِطُوْا یعنی زمین میں اتر جاؤ جس سے ثابت ہے کہ یہ ہبوط اکلِ حنطہ کے بعد حق تعالیٰ کے حکم سے بطور نتیجہ ناراضگی فوراً وقوع میں آیا ہے اور اس سے اس کا سزائے اکلِ حنطہ ہونا عیاں ہے۔ ہمارے نزدیک موزوں جواب یہ ہے کہ بے شک حضرت آدمؑ کی پیدائش سے مشیتِ حق کا مقصد ان کی خلافت فی الارض ہی تھی جس پر ان کی نامزدگی و ماموری تھی۔ ان کا پورا اعزاز و اکرام تھا مگر اس منصب کی سپردگی آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے پر موقوف تھی، جو ان کو گوارا نہ تھا۔ آخر قدرت نے اس واقعہ کو ان کے جنت سے نکلنے اور زمین میں اپنے منصبِ خلافت کو سنبھالنے کا موجب بنا دیا جو اگرچہ صورۃً ان کی نافرمانیِ حق اور نزولِ عتاب کا باعث تھا، مگر بقول

خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

وہ واقعہ سراسر ان کے ازدیادِ مراتب اور عروجِ مدارج کا موجب بن گیا بلکہ کلید مثنوی میں تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ سے یہاں تک منقول ہے کہ حضرت آدمؑ نے ارتکابِ خلاف کیا ہی نہیں، بلکہ انہوں نے اکلِ حنطہ سے ایک اطاعت کی ہے جس سے ان کی ترقی ہوئی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام پر حق تعالیٰ کے اسمائے جمالیہ کی

تجلی تو تھی ہی اور اسمائے جلالیہ کی تجلی بھی علماً تھی لیکن ذوقاً نہ تھی۔ اس لغزش سے یہ تجلی بھی ان پر فائض ہوئی۔ دوسرے بعض اسمائے جلالیہ کی تجلی بھی جو کہ موقوف ہے اسمائے جمالیہ پر اول کی مثال مستتم کی تجلی ثانی کی مثال تو اب کی تجلی۔ نیز ان کی تجلیات کے برکات وثمرات بھی علی درجۃ الکمال حاصل نہ تھے۔ پس یہ فعل ان کے ترقیِ مراتب کا سبب ہو گیا جو طاعت سے مسبب ہے پس حکماً وہ فعل ان کے حق میں طاعت ہو گیا اور قواعدِ ظاہر پر بھی خطائے اجتہادی پر ثواب ملتا ہے باقی رہی صورت عتاب کی یہ ''مقرباں را بیش بود حیرانی'' کی بنا پر ہے۔ انتہی۔

ہمچو دیو از وے فرشتہ میگریخت بہرِ نانے چند آب از چشم ریخت

لغات: دیو شیطان۔ نانے چند کچھ روٹیاں غلۂ گندم مراد ہے۔ آب چشم سے آنسو مراد ہیں۔

ترکیب: ہمچو حرف تشبیہ جار ہے۔ اور ''دیو'' اس کا مجرور جار و مجرور متعلق میگریخت کے۔ یا ہمچو کا مدخول از دیو ہو۔ اس صورت میں مصرعہ کے معنی دوسرے طرح ہوں گے کما سیاتی ایک شارح صاحب اس دوسرے معنی کو اقرب فرماتے ہیں حالانکہ پہلے معنی بلحاظِ لفظ اقرب ہیں اور بلحاظِ معنی بھی نسبتاً ملائم اور دوسرے معنی میں از حرف زائد کی تقدیر کا تکلف کرنا پڑتا ہے اور درجۂ ادب سے بھی کسی قدر پست ہیں۔

ترجمہ: (۱) (اب) فرشتہ بھی ان سے (یعنی آدم سے) اس طرح گریز کرتا تھا جس طرح شیطان (ان سے گریز کرتا ہے اور) گیہوں کی چند روٹیوں (کے کھانے) کی پاداش میں ان کو اشکباری کرنی پڑی۔

(۲) (اب) فرشتہ بھی ان سے اس طرح گریز کرتا تھا جس طرح (وہ) شیطان (سے) گریز کرتا ہے۔ الخ

مطلب: قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ ناراض ہو جائے تو امیر و وزیر خواص و مصاحب سب آنکھیں پھیر لیتے ہیں جناب باری کا حضرت آدم علیہ السلام سے عتاب فرمانا تھا کہ ملائکہ کنی کترانے لگے دیو کی تشبیہ سے بہر دو تقدیر حضرت آدم علیہ السلام اور ملائکہ عظام کی تنقیصِ شان لازم نہیں آتی کیونکہ یہاں صرف ایک متنفر کو دوسرے متنفر سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے ذات آدم علیہ السلام اور ذاتِ ملائکہ کی شیطان سے تشبیہ مقصود نہیں۔ فافہم۔

سوال: اس سے پہلے شعر کی شرح میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اکلِ حطہ داخلِ معصیت نہیں تھا بلکہ ایک قول سے اس کا اطاعت ہونا قرار دیا گیا، حالانکہ قرآن مجید کی سورہ طٰہٰ کی ایک آیت میں صاف آیا ہے فَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی یعنی آدم سے عصیان کا صدور ہوا اور وہ بھٹک گئے اور اس آیت کے بیت کے مصرعہ ثانیہ میں ان کی اشکباری کا ذکر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اپنے گناہ پر اس لیے گریۂ ندامت کرنا پڑا کہ وہ سخت گناہ تھا، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ ان کی اس آہ وزاری وگریہ واشک باری کا ذکر ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت ہے۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ یعنی آدم وحوا دونوں نے دعا کی، اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا، اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو بے شک ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے''۔ فَكَیْفَ التَّوْفِیْقُ بَیْنَهُمَا.

جواب: پہلے آیہ فَعَصٰۤی اٰدَمُ پر غور کرنا چاہیے عِصیاں کے معنی ہیں حکم کے خلاف کوئی فعل واقع ہونا جو کبھی عمداً ہوتا ہے اور یہ ارتکاب گناہ ہے کبھی عمداً نہیں ہوتا، یہ غلطی اور لغزش ہے یہاں دوسری قسم کے معنی چسپاں ہوتے ہیں اور یہ بات کہ اس معنی کو فعصٰی سے کیوں تعبیر کیا۔ فَذَلَّ کیوں نہ کہا، جس کے معنی ہیں لغزش کے اس کی وجہ یہ کہ اس سے تمام مکلفین کو ایک شدید الاثر سبق دینا اور عبرت انگیز نصیحت کرنا مقصود ہے گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو ایک نبیِ معصوم وحبیب حق تک کے ایک معمولی

فعل کو سخت لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، پس تم کو صدورِ افعال میں بہت محتاط رہنا چاہیے اور کبائر تو کبائر رہے ، صغائر کے صدور سے بھی بچنا چاہیے۔ (کذافی تفسیر المدارک)۔

حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کا یہ فعل کوئی شدید گناہ و جرم تھا بلکہ درحقیقت وہ ایک معمولی اور خفیف لغزش تھی جس پر ذنب ، اثم، عصیاں معصیت، گناہ، جرم کا اطلاق ہرگز نہیں ہوسکتا اور بایں ہمہ اس خفیف لغزش پر ان کا اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا اور عجز و نیاز سے دعاء و استغفار کرنا بدیں وجہ تھا کہ بہ لحاظ عُلوّ مرتبت ان کے لیے یہ ادنیٰ لغزش بھی سنگین تھی۔ کما قیل۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ پیغمبر لوگ اپنے علوِ مرتبت اور رفعتِ شان اور کمال معرفت باللہ کے سبب اپنی ایسی ادنیٰ لغزشوں پر بھی مواخذۂ حق سے خائف و ترساں ہو جاتے ہیں جن پر دوسرے لوگوں کو مؤاخذہ نہیں کیا جاتا کیونکہ بعض اوقات ان کو ایسے امور پر بھی عتاب کیا جاتا ہے جو ان سے بر سبیلِ تاویل یا ازراہِ سہو صادر ہو جاتے ہیں، اسی لیے وہ اپنی ادنیٰ لغزشوں پر بھی ڈرتے رہتے ہیں اور یہ لغزشیں ان کے علوِ مرتبت کے لحاظ سے ذنوب اور ان کی کمالِ اطاعت کے اعتبار سے سیئات کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت دوسرے لوگوں کے گناہوں کی طرح وہ گناہ نہیں ہوتے بلکہ بعض اعمال جو دوسرے لوگوں کے لیے بمنزلہ نیکی کے ہوتے ہیں وہ پیغمبروں کے لیے ان کے اس کمالِ طہارت ظاہر و نزاہتِ باطن کی وجہ سے جو نزولِ وحی اور ذکرِ قدسی اور اعمالِ صالحہ اور مشیتِ حق کی بدولت ان کو حاصل ہے بمنزلہ ذنوب ہو جاتے ہیں، جیسے کہ کہا گیا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ نیچے کے ابیات میں خود مولانا اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

گرچہ یک مُو بُد گنہ کو جستہ بود لیک آں مُو در دو دیدہ رُستہ بود

لغات: یک مو، بال برابر، خفیف، اندک۔ گنہ مخفف گناہ کا۔ جستہ جستن کودنا، نکلنا سے بمعنی سرزد ہوا ظہور میں آیا۔ رستہ۔ رستن اگنا سے **صنائع**: دوسرے مصرعہ میں مو کے ذکر میں صنعتِ مشاکلہ ہے۔

ترجمہ: اگرچہ وہ گناہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا۔ بال برابر خفیف تھا، لیکن وہ بال (شعرِ زائد) دونوں آنکھوں میں پیدا ہوا تھا۔

مطلب: انسان و حیوان کے سارے جسم پر کم و بیش بال ہوتے ہیں، تو ان سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، لیکن آنکھ میں پلکوں کے اندرونی کناروں پر بال اگ آتے ہیں، جس کو شعر زائد کا مرض کہتے ہیں، یا پلکوں کے بالوں کے سر مڑ کر آنکھ کے ڈھیلے سے چھونے لگیں۔ جس کو شعرِ منقلب کا مرض کہتے ہیں تو نہایت تکلیف اور بے چینی عارض ہو جاتی ہے وجہ یہ کہ دیگر اعضاءِ جسم تو اپنے قلتِ احساس سے بالوں کی خلش محسوس نہیں کرتے، آنکھ ایک نازک اور ذکی الحس عضو ہے اس کے لیے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی خراش قیامت ہے اس طرح انبیا کی ذواتِ قدسیہ کا مقام بہت نازک ہے۔ وہاں چھوٹی سے چھوٹی لغزش بھی سخت خطرناک ہے۔ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا فعل گو خفیف تھا، مگر ان کے نازک منصب اور پرخطر مقام کے لحاظ سے وہ بھی سخت تھا، آگے اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں:

بود آدمؑ دیدۂ نورِ قدیم موے در دیدہ بود کوہِ عظیم

لغات: دیدہ آنکھ۔ نورِ قدیم ذاتِ حق تعالیٰ۔ کوہِ عظیم۔ بڑا پہاڑ

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام (کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ وہ) ذاتِ حق کی آنکھ تھے (اور ایسی نازک) آنکھ میں ایک بال بھی (اپنی ناگواری کے لحاظ سے) بھاری پہاڑ ہے۔

مطلب: یعنی ایک عظیم القدر شخصیت سے ادنیٰ سی لغزش کا صدور بھی شدید تر ہے علامہ بحر العلومؒ شیخ اکبر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم حق سبحانہٗ تعالیٰ کے لیے بمنزلہ چشم تھے جس سے اشیا کو دیکھا جاتا ہے اور جو مبصر بصر ہے، پس حق تعالیٰ نے اس آنکھ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ سے خلق کی طرف نظر فرمائی، اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ آدم علیہ السلام جامع جمیع اسمائے الٰہیہ و حقائقِ کونیہ ہیں۔ پس حق سبحانہٗ نے جب آدم علیہ السلام کی حقیقت مشاہدہ فرمائی تو اس سے خلق کی حقیقت کا مشاہدہ ہوگیا۔ پھر عالم پر اپنی رحمت نازل فرمائی اور ہر ایک مخلوق کا سوال جو اس نے لسانِ استعداد سے کیا پورا فرمایا اور حق سبحانہ کا یہ مشاہدۂ خلق بتوسطِ آدمؑ جو اس مشاہدۂ علمِ ازلی سے جداگانہ ہے جو ازل سے تمام اعیانِ ثابتہ کے ساتھ کسی چیز کی وساطت کے بغیر متعلق ہے۔ مگر صاحب کلید مثنوی فرماتے ہیں کہ یہاں دیدۂ نورِ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی آنکھ اور عین اللہ مراد نہیں ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ آدم علیہ السلام نورِ قدیم کے دیکھنے والے مثل چشم کے اور مقربینِ بارگاہ میں سے تھے۔ گو یہ دوسری توجیہ بھی ہوسکتی ہے۔ جس کا تعلق واقعۂ یومِ میثاق سے ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو آدم علیہ السلام کی نسل سے تا قیامت پیدا ہونے والی تھی موجود کرکے اس سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے سب کا مشاہدہ کیا۔ بلکہ حضرت داؤد، حضرت موسیٰ وغیرہ کے متعلق کچھ گفتگو بھی کی (کما جاء فی الاحادیث) حضرت آدم علیہ السلام کا یہ مشاہدہ محض بتائیدِ نورِ قدیم تھا اور یہ ایسا اکرام اعزاز ہے جو اور کسی کو نصیب نہیں ہوا، إلا ماشاء اللہ اوپر دو شعر اس اعتراض کا جواب ہیں کہ اگر آدم علیہ السلام سے معصیت کا صدور نہیں ہوا بلکہ یہ خطائے اجتہادی تھی، جس پر اجر ملنا چاہیے تو پھر خروج عن الجنۃ کی سزا کیوں ملی اور ان کو توبہ و استغفار کیوں کرنی پڑی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ ان کا قصور ایک بال برابر خفیف تھا، لیکن آخر ایک نقص تو تھا جو اس وقت آدم علیہ السلام کے اندر پیدا ہوگیا تھا چونکہ وہ حق تعالیٰ کے نہایت محبوب و مقرب تھے۔ حتیٰ کہ اپنی محبوبیت میں مثل چشم تھے اور آنکھ ایک بال کی بھی تاب نہیں لاسکتی۔ اس لیے حق سبحانہٗ کو منظور ہوا کہ ان کے اندر اتنا بھی نقص نہ رہے۔ لہٰذا اس کے دور کرنے کی بھی تدبیر فرمائی اور آپ کو معتوب کیا، تاکہ اتنا عیب بھی نہ رہے اور اس کی تلافی ہو جانے سے آپ بالکل پاک ہو جائیں اس واقعہ سے آپ کی تخفیفِ شان نہیں، بلکہ ترقیِ مدارج ہوئی۔ کما قیل۔

در فطرتِ کامل نکند حادثہ نقصان یا قوتِ چو سائیدہ شود قوتِ روح ست

یہاں تک اتباعِ ہوا کی مضرت کا بیان تھا، اب اتباعِ ہوا سے بچنے کی تدبیر بیان فرماتے ہیں :-

گر دراں حالت بکر دے مشورت در پشیمانی نگفتے معذرت

لغات: مشورت مشورہ۔ استصوابِ استفسار۔ معذرت عذرِ گناہ، توبہ و استغفار۔

ترجمہ: اگر (آدم علیہ السلام) اس حالت میں (جب کہ شیطان ان کو دھوکا دے رہا تھا حق سبحانہ سے استصواب کر لیتے ہیں تو (یہ نوبت ہی نہ آتی اور) ان کو ندامت سے توبہ و استغفار کرنی نہ پڑتی۔

مطلب: یعنی اگر آپ حق سبحانہٗ سے استفسار کر لیتے کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے آیا ٹھیک ہے یا اس میں کچھ فریب ہے تو ساری حقیقت کھل جاتی اور ان سے صدورِ لغزش اور اس پر ندامت و آہ و بکا کی نوبت نہ آتی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ غلطیوں سے بچنے کے لیے احکامِ الٰہی کی آگاہی ضروری ہے اور یہ آگاہی کہیں خاص حق سبحانہٗ کی طرف سے بلاواسطہ

حاصل ہوسکتی ہے اور کہیں بواسطہ کسی ہادی کے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ آگاہی بلاواسطہ حاصل ہوسکتی تھی، لہٰذا ان کو چاہیے تھا کہ اس حالت میں حق سبحانہٗ سے استصواب کر لیتے۔ وَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.

آگے اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ درپشیمانی نگفتی معذرت، میں نفیِ پشیمانی و معذرت گفتن دونوں پر دارا ہے گویا تقدیرِ کلام یوں ہے کہ درپشیمانی نشدے و معذرت نگفتے، ورنہ اگر صرف گفتے کے ساتھ نفی مخصوص ہوتی اور درپشیمانی اس کی صرف ایک قید یا شرط قرار پاتی۔ جیسے کہ متبادر ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوتا کہ اگر مشورہ لیتے تو پھر معذرت مفید بہ پشیمانی نہ ہوتی۔ یعنی یا تو معذرت بلا پشیمانی ہوتی، یا پشیمانی بلا معذرت ہوتی۔ ولیس الامر کذالک

زانکہ با عقلے چو عقلے جفت شد مانعِ بدفعلی و بدگفت شد

لغات: جفت رفیق، شریک حال، معاون، قرین، شامل۔ بدفعلی خطاء فی الفعل، عملی، غلطی، لغزشِ جوارح۔ بدگفت خطاء فی القول، لسانی غلطی، لغزشِ زبان۔

ترجمہ: کیونکہ جب ایک عقل کے ساتھ دوسری شامل ہوگئی تو وہ (اس کو) قولی و فعلی غلطی سے بچائے گی۔

مطلب: مشورہ کا یہی فائدہ ہے کہ جہاں ایک عقل کو کسی مشکل امر کی عقدہ کشائی پیش آجاتی ہے اور اکیلی عقل کے لیے یہ مہم مشکل ہوتی ہے تو اس کو دو عقلیں مل کر بآسانی حل کر لیتی ہیں۔ جامیؒ۔

چو آید مشکلے پیشِ خردمند کزاں مشکل فتد در کار او بند
کند عقلِ دگر با عقلِ خود یار کہ تا در حلِ آں گردد مدد گار
ز یک شمعش نگیرد نورِ خانہ فروزد شمعِ دیگر درمیانہ

سوال: (۱) اوپر حضرت آدم علیہ السلام کے حق سبحانہٗ سے استصواب کرنے کی ضرورت کا ذکر تھا، اس عقل کا اطلاق اور اس کو جفت کے کلمے سے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کے ساتھ ایک درجہ میں ملا دینا کس طرح روا ہے۔

جواب: اوپر استصواب بلاواسطہ اور استصواب بالواسطہ کی تفصیل گزر چکی ہے اس سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے استصواب کی کیا صورت تھی، واضح ہو کہ یہ پیرایہ جس پر سوال کیا گیا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے حق سبحانہٗ سے استصواب کرنے کے لیے نہیں ہے جو بلاواسطہ تھا، بلکہ یہ استصواب بواسطہ کے لیے ہے۔ جو مرشد اور استاد اور کسی دوسرے رہنما یا مشیر سے ہوسکتا ہے، گویا مولاناؒ نے حضرت آدم علیہ السلام کے مخصوص ذکر کے بعد عام استصواب و مشاورت اور صحبتِ نیک کے فوائد کے ذکر کی طرف انتقال فرمایا ہے۔ اب صحبتِ نیک کے ذکر کے بعد صحبتِ بد کی مضرت کا ذکر کرتے ہیں۔

نفسِ چوں با نفسِ دیگر یار شد عقلِ جزوی عاطل و بیکار شد

لغات: نفس نفسِ امارہ مراد ہے۔ یار رفیق، قرین۔ عقلِ جزوی۔ عقلِ ناقص۔ عاطل۔ بیکار، نکما۔

ترجمہ: (ایک) نفس (بد) جب دوسرے نفس (بد) کے ساتھ مل جاتا ہے تو (جس شخص کی) عقل ناقص ہوتی ہے اور اس میں کامل دور اندیشی کا مادہ نہیں ہوتا (وہ) بے کار اور نکمی ہو جاتی ہے (اور وہ اس کو برے نتائج پر تنبیہ نہیں کرسکتی)۔

مطلب: چونکہ خواہشاتِ نفسانی کے غلبہ میں عقل سے کام ہی نہیں لیا جاتا اور خود عقلِ ناقص میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ نفس کے معاملات میں دخل دے کر اس کے مفاسد کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دے، اگر اس کمزور عقل کی کوئی دھیمی سی آواز جتلائے نفس کو اپنی طرف متوجہ اور راہِ ثواب کی طرف مائل بھی کرتی ہے تو مصاحبِ بد کی صحبتِ بد کا اثر پھر اس کو ہوائے نفسانی

کے اتباع پر مائل اور عقل کی آواز کو مغلوب کر دے گا۔ اکبر الہ آبادی مرحوم۔

مل کے یاروں سے ہوا شوق گناہ ۔۔۔ آدمی کا آدمی شیطان ہے

کما قیل۔ کم نشیں بابداں کہ صحبت بد ۔۔۔ گرچہ پاکی ترا پلید کند

آفتاب ارچہ روشن است اورا ۔۔۔ پارۂ ابر ناپدید کند

ملا سحابیؒ بابد منشیں و باش بیگانۂ او ۔۔۔ در دام افتی اگر خوری دانۂ او

تیر از رہ راستی کماں راکج دید ۔۔۔ بنگر کہ چگونہ جست از خانۂ او

عمر خیام غفرلہٗ جانم بفدائے آنکہ او اہل بود ۔۔۔ سر در قدمش اگر کنم سہل بود

خواہی کہ بدانی بیقیں دوزخ را ۔۔۔ دوزخ بجہاں صحبتِ نااہل بود

آگے پھر صحبتِ نیک کی ترغیب فرماتے ہیں۔

گرز تنہائی تو ناہیدے شوی ۔۔۔ زیرِ ظلِ یار خورشیدے شوی

لغات: ناہید سبعہ سیارہ میں سے ایک سیارہ کا نام ہے، جس کو زہرہ کہتے ہیں ایک شرح میں اس کا ترجمہ ستارہ مشتری کیا ہے جو غلط ہے، بعض نسخوں میں ناہید کے بجائے نومید درج ہے گو اس تقدیر پر بھی ترجمہ ہوسکتا ہے غالبًا یہ لفظ کاتبوں کے تصرفات کا نتیجہ ہے ہمارے قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۰۹۹ء میں بھی ناہیدے درج ہے ظل سایہ۔ یار رفیق مراد نیک آدمی صالح۔ مرشد ۔ استادِ کامل۔

ترجمہ: (۱) اگرچہ تنہائی (تمہارے نزدیک اس قدر مفید ہے کہ اس) میں تم (روحانی روشنی کے لحاظ سے بمنزلہ زہرہ ہوسکتے ہو (مگر) مرشد کے زیرِ سایہ تم (بمنزلہ) آفتاب بن سکتے ہو۔

ترجمہ: (۲) اگر تنہائی میں تم (قلتِ نور باطن کی وجہ سے) نومید ہو رہے ہو تو (اطمینان رکھو کہ) مرشد کے زیرِ سایہ (کثرتِ انوار کے لحاظ سے) آفتاب بن سکتے ہو۔

مطلب: اوپر صحبتِ اخیار و رفاقت صلحاء کا بالعموم ذکر تھا جس میں کنایۃً صحبتِ مرشد کا ذکر بھی مضمر تھا یہاں سے بالخصوص اور بالتصریح صحبت مرشد کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ اگرچہ خود اپنے دوام اعمال و اشغال اور کثرتِ ذکر و فکر کی بدولت بھی استفادۂ نورِ باطن ہوسکتا ہے، مگر وہ بدرجۂ کمال نہیں ہوتا۔ اس کے لیے پیر کامل کی تربیت اور اس کا فیضِ صحبت ضروری ہے۔ صائبؒ۔

ہر گلے راچمنے ہر صدفے راگہرے ست ۔۔۔ ازدمِ پیرمغاں بخت جواں باید جست

رو بجو یارِ خدائی را تو زود ۔۔۔ چوں چناں کردی خدا یارِ تو بود

لغات: یارِ خدائی۔ ولی اللہ، اللہ کا پیارا، وہ یار جس صحبت مطلوب للحق ہو۔ پہلی صورت میں یار کے معنی دوست کے اور دوسری صورت میں رفیق و قرین کے ملحوظ ہیں۔ صنائع: ردالعجز فی الصدور۔

ترجمہ: جاؤ جلدی کسی ولی اللہ (اور اس کی صحبت میں رہو) جب تم ایسا کرو گے تو خدا تمہارا ناصر (و معین) ہوگا۔

مطلب: چونکہ دوست کا دوست بھی دوست بن جاتا ہے اس لیے تم کسی ایسے عارف کامل کو اپنا دوست بنا لو گے جو اللہ کا دوست ہو تو تم بھی اللہ کے دوست بن جاؤ گے۔ صائبؒ۔

مکمل زاہلِ شوق کہ واصل شود بہ بحر ۔۔۔ خاروخسے کہ ہمرہِ سیلاب ے شود

آنکہ درخلوت نظر بر دوخت ست — آخر آنرا ہم زیار آموخت ست

لغات: نظر بردوختن کسی بات کونصب العین بنالینا،مطمح نظر بنالینا،مدِنظر رکھنا۔

ترجمہ: جوشخص خلوت نشینی کو مدنظر رکھتا ہے (اور اس کوصحبت پر ترجیح دیتا ہے) تو آخر اس کی خوبی (کسی) یار (محقق عارف) ہی سے معلوم کی ہے (جس کی صحبت سے وہ کچھ نہ کچھ دیر تک مستفیض ہوگا پھرصحبت مفید ہوئی یا نہیں)۔

مطلب: خلوت اگر مفید و نافع ہے تو پھر مفید چیز کا علم آخرصحبت کے فیضان پر ہی موقوف ہے اگر خلوت مطلقاً نامحمود ہوتی تو کوئی خلوت کے فوائد کو کیونکر سمجھتا اور حاصل کرتا۔ پس نہ ہر خلوت قابلِ اختیار ہے اور نہ ہر صحبت لائق ترک ہے مِفتاح العلوم کے دوسرے حصے میں شیر وخرگوش کے قصے کے اختتام کے قریب عزلت و اختلاط کی بحث شرح و بسط کے ساتھ حوالہ قلم ہو چکی ہے، جہاں بتایا گیا ہے کہ سلف صالحین میں سے کون کون بزرگ عزلت کو ترجیح دیتے ہیں؟ اور کون اختلاط کو؟ اور پھر قولِ فیصل کیا ہے؟ آگے مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ صحبت وخلوت یا اختلاط وعزلت کے کون کون سے مناسب مواقع ہیں۔

خلوت ازاغیار باید نے زیار — پوستیں بہرِ دَے آمد نے بہار

لغات: اغیار جمع غیر اجنبی و ناشناسا یا بیگانے لوگ۔ پوستین۔ چمڑے کا لباس۔ لومڑی وغیرہ کسی نرم پشم والے جانور کا چمڑا پشم سمیت رنگ لیتے ہیں اور قطع کر کے کوٹ یا صدری سی لیتے ہیں جس میں پشم بطور استر اندر کی طرف رہتی ہے۔ دَے۔ سردی۔ موسم سرما ایک مہینے کا بھی نام ہے جو ہندی ماہ ماگھ کے مطابق آتا ہے اور اس وقت سردی اپنے عروجِ کمال پر ہوتی ہے۔ بہار فصلِ ربیع جب کہ خزاں رخصت اور گرمی کا آغاز ہوتا ہے اور یہ ایام ہندی مہینوں کے لحاظ سے ماہ پھاگن۔ چیت اور بیساکھ میں آتے ہیں۔

صنائع: اغیار،یار اور دے و بہار میں صنعتِ تضاد مرعی ہے۔

ترجمہ: تنہائی (اگر چاہیے تو) غیروں سے چاہیے نہ کہ یار سے۔ پوستیں موسم سرما کے لیے ہوتی ہے نہ کہ ایام بہار کے لیے۔

مطلب: ہر چیز کے لیے مناسب محل و مقام ہوتا ہے مناسب مقام میں وہ اچھی ہے اور بے محل بری صحبت وعزلت بھی اسی طرح اپنے اپنے محل پر مستحسن ہیں اور بے محل غیر مستحسن ہیں۔ چنانچہ عزلت کا مناسب موقع یہ ہے کہ اغیار و ناجنس لوگوں سے ہونی چاہیے۔ حافظؒ ۔

نخست موعظت پیرِ میکدہ ایں بود — کہ از معاشر ناجنس احتراز کنید

صائب ۔ نفس در صحبتِ بے نسبت از من برنمے آید — حضور زاغ باشد سرمۂ آواز بلبل را

وقیل ۔ ہر کہ گردد ہمرۂ ناجنس زحمت میکشد — غوطہ درخوں مے دہد پیوستہ پیکاں تیررا

بامخالف مشرباں یکجا نشستن خوب نیست — ایں خلط مجموعہ راشیرازہ بستن خوب نیست

وہٰذا ۔ اختلاط ناموافق سدِ راہ سالک ست — فلفل از پرواز مانع مے شود کافور را

گویا یار یعنی مرشدِ کامل سے عزلت وکنارہ گیری زیبا نہیں حافظؒ ۔

ولہ ۔ سرشکِ گوشہ گیراں راچہ دریا بند دُریا بند — زانکہ بازاغ وزغن شہپر دولت نبود

صائبؒ ۔ صحبت نیکاں بود اکسیرِ ناقص طینتاں — مے شود یاقوت در پیمانہ گل ژالہ ہا

عزلت از اغیار ... [illegible]

نظامیؒ: خاک کہ ہم صحبتِ گُل کند غالیہ در دامنِ سنبل کند

سعدیؒ: سگِ اصحابِ کہف روزے چند پے نیکاں گرفت و مردم شد

غرض یہاں مولانا خلوت وعزلت واختلاط وصحبت کے درمیان فیصلہ فرمارہے ہیں کہ ان میں سے کون کس حیثیت سے بہتر ہے جو احادیث کے مضمون کے عین مطابق ہے۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ لَحَامِلِ الْمِسْکِ وَنَافِخُ الْکِیْرِ فَحَامِلُ الْمِسْکِ اِمَّا اَنْ یُّحْذِیَکَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْہُ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْہُ رِیْحًا طَیِّبَۃً وَّنَافِخُ الْکِیْرِ اِمَّا اَنْ یُّحْرِقَ ثِیَابَکَ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْہُ رِیْحًا خَبِیْثَۃً۔

یعنی ابو موسیٰ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک مصاحب اور برے مصاحب کی مثال کستوری اپنے پاس رکھنے والے اور لوہاروں کی مشک پھونکنے والے کی سی ہے۔ کستوری والا تو تم کو (کسی قدر کستوری مفت) دے گا یا تم اس سے خرید لو گے۔ یا (اور نہیں تو) اس سے تم خوش بو ہی سونگھ لو گے۔ اور مشک پھونکنے والا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا اور یا تم اس سے بدبو برداشت کرو گے۔ (مشکوۃ) عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُطَّانٍ قَالَ اَتَیْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُہٗ فِی الْمَسْجِدِ مُحْتَبِیًا بِکِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَہٗ فَقُلْتُ یَا اَبَا ذَرٍّ مَا ھٰذِہِ الْوَحْدَۃُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْوَحْدَۃُ خَیْرٌ مِّنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْوَحْدَۃِ وَاِمْلَاءُ الْخَیْرِ خَیْرٌ مِّنَ السُّکُوْتِ وَالسُّکُوْتُ خَیْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ ” عمران بن حطانؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابوذرؓ کے پاس آیا تو ان کو مسجد کے اندر اس حالت میں پایا کہ اپنی پشت اور زانوں کے گرد ایک سیاہ چادر لپیٹے اکیلے بیٹھے تھے۔ میں نے کہا اے ابوذر! یہ تنہائی کیسی؟ کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ برے مصاحب (کی صحبت) سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک مصاحب (کی صحبت) بہتر ہے نیکی (کی باتیں کسی سے) کہنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی (کسی سے) برائی کی باتیں کہنے سے اچھی ہے۔“ (مشکوۃ)

عقل با عقلِ دگر دوتا شود نور افزوں گشت رہ پیدا شود

لغات: دوتا دگنی، دوہری، مضاعف۔ افزوں زیادہ مزید۔ پیدا نمایاں، ظاہر۔

ترکیب: پہلا مصرعہ شرط ہے دوسرا جزا حرفِ شرط مقدر ہے۔

ترجمہ: اچھی صحبت کا یہ فائدہ ہے کہ اگر ایک عقل دوسرے عقل کے ساتھ (مل کر) دگنی بن جاتی ہے (تو پھر اس کی) روشنی بڑھ جاتی ہے (اور یہ رشد وہدایت کا) رستہ صاف نمایاں ہو جاتا ہے (جس سے) گمراہ ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

مطلب: صحبتِ نیک کا یہ فائدہ ہے کہ ایک شخص جس کی عقل ادراک حقائق کے لیے نورانی ہے جب اس کی عقل دوسری عقل کے ساتھ قرین ہو کر نورٌ علیٰ نور ہو جائے گی تو اس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ اگر اس کو اپنی اکیلی عقل سے کام لینے میں وقوع فی الخطا کا احتمال تھا۔ جیسے کہ عقل کے نقائص پر سب کا اتفاق ہے۔ صائبؒ۔

پر جبریل اینجا گرہ شکست وارد بدلیلِ عقلِ ناقص کجا رسیدہ باشد

تو دو عقلوں کے مل کر کام کرنے سے یہ احتمال بہت کم ہو جاتا ہے۔ نظامیؒ۔

زدن باخداوند فرہنگ رائے بفرہنگ باشد ترا رہنما

نکتہ: یہاں دو عقلوں کا ذکر فرمایا ہے پہلی عقل مرید یا مستفید کی ہے جس کی کچھ نہ کچھ اپنی روشنی اور ادراک حقائق کی

صلاحیت کا اشارہ کیا گیا ہے۔ دوسری عقل سے مرشد کی عقل مراد ہے جس کے قرب سے پہلی عقل کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور وہ وقوع فی الخطا سے مامون ہو جاتی ہے۔ راہ پیدا شود سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پہلی عقل خود اس راہ پر چلنے کے لیے آمادہ تھی مگر اس راہ کے صحیح طور پر معلوم کرنے کے لیے مزید روشنی کی ضرورت تھی جو دوسری عقل نے پوری کر دی اور راستہ اس پر نمایاں ہو گیا اور اس سے ظاہر ہے کہ راہِ صواب کا دیکھنا اور صراطِ مستقیم پر چلنا اولاً اور بالذات خود مرید کی عقل کا کام ہے مرشد کی عقل اس مقصد میں صرف اس کی معین ہو گی جس سے ان لوگوں کے خیال کا ابطال ہو گیا، جو محض مرشد کی توجہ کو کافی سمجھتے ہیں اور خود کچھ کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صائب۔

اگر صد بار برخیزد ہماں برخاک بنشیند ببالِ دیگراں ہرکس بود چوں تیر پروازش

نفس بانفسِ دگر خنداں شود ظلمت افزوں گشت ورہ پنہاں شود

لغات: خنداں اسمِ حالیہ خندیدن سے مسرور، خوش۔ ظلمت تاریکی اندھیرا۔ پنہاں۔ گم، مخفی، معدوم۔

ترجمہ: (ایک) نفس (بد) دوسرے نفس (بد) کے ساتھ (مل جاتا ہے تو اپنے مقاصدِ سیئہ میں ایک معاون کے مل جانے سے خوش ہوتا اور) ہنستا ہے (پھر گمراہی کی) تاریکی بڑھ جاتی اور راہ (ہدایت) گم ہو جاتی ہے۔

مطلب: یہاں پھر صحبتِ بد کی مضرت کے ذکر کا اعادہ ہے جو پہلے نفس چوں بانفسِ دیگر یار شد، میں گزر چکا ہے یعنی ایک شریر النفس جب دوسرے شریر النفس آدمی کے ساتھ الفت و رفاقت پیدا کر لیتا ہے تو اسبابِ شر کے قوی و مضاعف ہو جانے سے ان کے ہدایت پانے کے امکانات موہوم ہو جاتے ہیں اور ان کی گمراہی ظلماتِ بعضہا فوق بعض کی مصداق ہوتی ہے اور صحبتِ نیک کی ضرورت ثابت فرما چکے ہیں۔ اب اس کے آداب کے متعلق ارشاد ہے:-

یارِ چشمِ تست اے مردِ شکار از خس و خاشاک اورا پاک دار

لغات: یار سے بمثل سابق مرشد مراد ہے۔ مردِ شکار۔ شکاری، صیاد۔ جس کو نسبتاً زیادہ نظر باز تیز نگاہ اور دور بیں ہونے کی ضرورت ہے۔

ترجمہ: مرشد (گویا) تیری آنکھ ہے۔ اے شکاری! اس (آنکھ) کو (اسبابِ کدورتِ خاطر کے) خس و خاشاک سے محفوظ رکھ۔

مطلب: مرشدِ راہبر کی ضرورت تو اوپر ثابت ہو چکی ہے اب فرماتے ہیں کہ اس سے حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ مرید سے کوئی ایسا امر سرزد نہ ہو جو مرشد کے تکدرِ خاطر و انقباضِ طبع کا موجب ہو۔ یعنی اس کا کمال ادب بجا لانا اپنا فرض سمجھے کیونکہ فیضان کا مدار ہے۔ پیر کی شفقت تام پر اور پیر کی شفقت منحصر ہے دونوں کے تالف پر اور یہ تالف پیر کی کدورت کی صورت میں ممکن نہیں۔ مرید کے ادنیٰ سے ادنیٰ سوءِ ادب سے اس کے قلب میں کدورت آ جاتی ہے۔ صائب۔

باصاف ضمیراں بادب باش کہ ایں جا از آبِ گہر آئینہ زنگار گرفت ست

یہ بات مسلّمہ ہے کہ پیر کا دل مرید کی طرف سے مکدر و منقبض ہو تو مرید اس سے فیض یاب نہیں ہو سکتا اس کے متعلق کلید مثنوی میں ایک واقعہ منقول ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے پیر حضرت میاں جی نور محمد قدس سرہٗ کی شان میں ایک شخص بہت گستاخی کیا کرتا تھا اور وہ ان سے سخت بدگماں تھا۔ مدت کے بعد اس کو ہدایت ہوئی اور تائب ہو کر ازراہِ اعتقاد حاضرِ خدمت ہوا اور بصد خجلت سرافگندہ ہو کر بیعت کی التجا کی۔ انہوں نے بیعت کر لیا مگر کچھ دنوں بعد فرمایا۔ بھائی طریقت کا مدار ہے امانت پر میں اس میں خیانت نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے صاف کہہ دیتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے فیض نہ ہو گا تم

حصولِ فیض کے لیے پیر کی رضا شرط ہے (حاشیہ)

مرشد کی ناراضی میں فیض حاصل نہیں ہوتا (حاشیہ)

کوئی اور مرشد تلاش کرلو میں ہر چند تمہاری طرف توجہ کرتا ہوں، مگر تمہاری باتیں یاد آ کر توجّہِ تام سے مانع ہو جاتی ہیں، مولانا جامی نے خوب فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ اہلِ صفا کی دل آزاری کر کے پھر ان کو منانا نہایت مشکل ہے۔

سنگِ آزار مزن بردلِ ارباب صفا　　کار آساں شکن ایں شیشہ و مشکل پیوند

مولانا یہاں فرماتے ہیں کہ مرشد راہِ طریقت دکھانے کے لیے تمہارے لیے بمنزلۂ چشم ہے، اگر اس آنکھ سے کام لینا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت پانا مطلوب ہے تو اس آنکھ کو کدورتِ خاطر کے خس و خاشاک سے بچاؤ خصوصاً جب کہ تم کو فضائل وکمالات کے شکار کی طلب ہے تو اس آنکھ سے کام لینے اور اس کو خس و خاشاک سے بچانے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ اگر شکاری کی آنکھ میں تنکا پڑ جائے تو وہ شکار کو کیا خاک دیکھے گا اور اس کی طرف تیر یا بندوق کی شصت کیونکر باندھ سکے گا، جس طرح آنکھ میں تنکا پڑ جانے کی صورت میں نگاہ پوری طرح کام نہیں کرسکتی اسی طرح مرشد کا دل مکدر ہونے کی صورت میں اس سے فیض ہدایت حاصل نہیں ہوسکتا۔

سوال: اوپر کی حکایت میں جو ایک عارف کامل کے متعلق یہ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص اپنی گستاخیوں سے تائب و نادم بھی ہوا مگر باوجود اس کے ان کا دل صاف نہ ہوا، کیا اس کو کینہ نہیں کہہ سکتے؟ جو ایک بدترین اخلاقی عیب ہے جس کی مذمت بہت سی آیات و احادیث میں آئی ہے اور اولیائے کرام کا دامن اس کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔

جواب: کینہ اور کدورت دو الگ چیزیں ہیں کینہ وہ رذیلت ہے جو نفاق اور بغض و عداوت پر مشتمل ہے اہل اللہ تو خیر بڑے لوگ ہیں عام شرفاء اور بااخلاق اشخاص کا دامن بھی اس رذیلت کے دھبہ کا متحمل نہیں ہوتا۔ کینہ ور ہمیشہ چاہتا ہے کہ اپنے مخالف سے انتقام لے اور اس کو گزند پہنچائے۔ وہ اس سے کبھی عفو و درگزر نہیں کرتا، مگر کدورتِ خاطر میں یہ باتیں نہیں۔ اس میں انتقام اور بدلہ کا تو خیال تک آنا بھی لازم نہیں بلکہ یہاں زبانی اظہارِ رنج کی ضرورت نہیں ہوتی صلح بھی ہوچکتی ہے۔ عفو و درگزر بھی ہوچکتی ہے مگر بتقاضائے بشریت دل میں ایک کدورت سی رہ جاتی ہے۔ جس کا ازالہ اپنے اختیار کی بات نہیں۔ کینہ اگر ایک پھوڑا ہے جو پکتا پھوٹتا اور اپنا مواد بہاتا رہتا ہے تو کدورت صرف ایک داغ ہے جس میں نہ کوئی جوشِ التہاب ہے نہ ریزشِ مواد۔ ہاں صفائی بشرہ کا مانع ضرور ہے۔ اولیائے کرام تو درکنار انبیاء علیہم السلام بھی اس تقاضائے بشریت سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ وحشی نے بحالتِ کفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا جس کے بعد وہ فتح مکہ کے بعد گردنِ ندامت جھکا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو علانیہ اس کو معاف کیا گیا۔ وہ داخلِ اسلام ہوا صحابہ میں اس کا شمار ہوا اور ببرکت فیضِ صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس درجہ کو پہنچا۔ جس تک اغواث واقطاب بھی نہیں پہنچ سکتے وہ صدرِ اسلام کے ان مجاہدین میں شامل ہوا جن کے کارناموں پر تاریخ اسلام کے مفاخر کی بنیاد قائم ہے اس کی تلوار سے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت واصلِ جہنم ہوا، مگر بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم جب اس کی صورت دیکھتے تو یہی فرماتے۔ هَلْ تَسْتَطِيعُ اَنْ تغيب عَنِّیْ یعنی کیا تم ایسے کرسکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آؤ کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صورت دیکھتے تو حضرت حمزہؓ کا واقعہ یاد آ کر غم تازہ ہو جاتا، اور اس سے طبعاً ملال وانقباض پیدا ہو جاتا۔

کما قیل

رہیں جوں شیشہ ساعت وہ مکدر دونوں　　دل بھی بیٹھیں کہیں دو دل جو کدورت والے

چشم را از خسِ رہ آورد ے مکن　　ہیں بجاروب زبان گرد ے مکن

لغات: جاروب جھاڑو۔ گرد ے مکن گرد نہ اڑا۔ رہ آورد تحفہ سوغات۔

ترجمہ: دیکھو! زبان کی جھاڑو سے گرد نہ اڑاؤ۔ آنکھ کو خس و خاشاک کا تحفہ نہ دو۔

مطلب: اس سابقہ مضمون کا اعادہ ہے۔ تکدّر کے اسباب میں زبان کے فعل کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ وہ سب جوارح سے فتنہ انگیز ہوتی ہے پیچھے ایک حدیث مذکور ہو چکی ہے کہ حضرت معاذؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ میرے لیے آپ کے نزدیک کونسی چیز زیادہ خطرناک ہے تو آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا۔ یہ غنیؒ۔

من نہ از زخم زبانِ دگراں دل ریشم　　درفغاں چوں قلم از زخمِ زبان خویشم

جیسے کسی نے کہا ہے کہ نیزے کا گھاؤ بھر جائے زبان کا گھاؤ نہ بھرے۔

جراحات السنان لها التيام　　ولا يلتام ما جرح اللسان

چونکہ مومن آینۂ مومن بُوَد　　روئے اوز آلودگی ایمن بود

لغات: بُودصیغہ مضارع بودن سے پہلے مصرعہ میں بمعنی خبر ہے۔ دوسرے مصرعہ بمعنی امر یعنی باید بود۔ ایمن اماله امن کا بمعنی بے خوف، مامون ومحفوظ۔

ترجمہ: جب مومن (کی ذات) دوسرے مومن کے لیے (بمنزلہ) آئینہ ہے تو اس (دوسرے مومن) کا چہرہ آلودگی (اور تکدر) سے پاک ہونا چاہیے۔

مطلب: یہ اس حدیث کی طرف اشارہ کہ المؤمن مرآة المؤمن یعنی مومن مومن کے لیے آئینہ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کو اس کے منہ کا داغ دھبہ وغیرہ تمام ظاہری عیوب من وعن دکھا دیتا ہے جس سے وہ اس کی اصلاح کر سکتا ہے مگر جب وہ آئینہ رکھ دیا جاتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے کے پاس اس کی عیب گوئی اور فضیحت ورسوائی نہیں کرتا اسی طرح مومن کی شان ہے۔ کہ دوسرے مومن کو ازراہِ خیر اندیشی اس کے اخلاقی نقائص اور دینی معائب بلا کم وکاست بتا دے تا کہ وہ ان کا ازالہ کر سکے اور یہ سب سے اچھی خیر خواہی ہے۔

ونعم ما قیل۔ دوست آنست کو معائبِ دوست　　ہمچو آئینہ رُو برُو گوید
نہ کہ چوں شانہ با ہزار زباں　　پس رو رفتہ مُوبمو گوید

مگر مولانا نے یہاں اس مضمون سے یہ مطلب ماخوذ کیا ہے کہ جس طرح ایک شخص کے چہرے کا داغ یا سیاہی اپنا عکس آئینے میں ڈال کر اس کو داغ دار اور سیاہ کر دیتا ہے اسی طرح مرید کا کوئی اخلاقی نقص یا زبان کا بے محل استعمال جو گویا اس کے چہرۂ خصائل کا دھبہ ہے مرشد کے دل کو سیاہ نہ کر دے۔ قال بعضہم۔

سینۂ صافاں راتسخر میکنی ہشیار باش　　خندہ بر آئینہ کردن ریش خند خود بود

سوال: اگر اس بیت کا مضمون اسی مذکورہ حدیث سے ماخوذ ہے اور مولانا نے اس حدیث کے اصلی مطلب کو چھوڑ کر اس سے کوئی دوسرا مطلب نکال لیا جو شارع علیہ السلام کا مقصود نہ تھا تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے۔

جواب: صوفیہ کرام کی یہ عام عادت ہے کہ وہ آیات واحادیث کی ظاہری معنی کے علاوہ کوئی اور معنی بطورِ اعتبار وتاویل اخذ کر لیا کرتے ہیں، جو تفسیر نہیں ہوتی کہ اس کو تفسیر بالرائے کہا جا سکے۔ تفسیر بالرائے ایک منکر ومکروہ امر ہے، بلکہ وہ صرف لطائف ونکات ہوتے ہیں جو اپنے قائل کے نزدیک معنیِ ظاہری کے مسلم ومعتبر ہونے کے باوجود متبادرالی الذہن ہو کر زبان وقلم سے مترشح ہو جاتے ہیں اور ان سے ظاہری معنی کا معارضہ یا تردید مقصود نہیں ہوتی۔ بخلاف تفسیر بالرائے کے وہ مسلمہ و

مقبول معنی کے مقابلہ میں اور اس سے معارض ہوتی ہے جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس گھر میں کتا موجود ہو وہاں فرشتہ داخل نہیں ہوتا اس کے متعلق صوفیہ کہتے ہیں کہ کلب سے اشارہ ہے صفاتِ سبعیہ و بہیمیہ کی طرف اور ملائکہ سے انوار و برکاتِ الٰہیہ کی طرف یعنی جس شخص میں سبعی و بہیمی اوصاف ہوں، اس پر انوارِ الٰہیہ پر تو افگن نہیں ہوتے تو یہ معنی اس حدیث کی تفسیر نہیں کہلاتے بلکہ محض ایک تنظیر و تمثیل ہے جس کو علمِ اعتبار کہتے ہیں۔ مفتاح العلوم کے پہلے حصے اور وزیر یہود کے قصے میں یہ بحث پوری شرح و بسط سے درج ہو چکی ہے۔

یار آئینہ ست جاں را در حزن   بر رُخِ آئینہ ایجاں دم مزن

لغات: حَزَن غم، اندوہ، وہ حالتِ انقباض مراد ہے جو بُعد عن الحق کی وجہ سے عارض ہو۔ جانِ عزیز مراد ہے جس کو بوجہ قرب یا محبت جان کے برابر کہہ دیتے ہیں۔ دم پھونک، سانس سخن، لاف وغیرہ۔ دم زدن پھونک مارنا دعویٰ میں ہمسری کرنا، لاف زنی کرنا۔

ترجمہ: (بُعد عن الحق سے جو) غم طاری ہوتا ہے اس میں (وہ) مرشد (تیری) جان کے لیے آئینہ ہے (جس سے وہ اپنے ان معائب کو مشاہدہ کر کے ان کی اصلاح کرسکتی ہے جو حق سے دور ہونے کے باعث ہیں، پس اے عزیز (اس) آئینہ کی سطح پر پھونک نہ مار (جس سے وہ مکدر ہو جائے)۔

مطلب: اگر اس آئینے کے سامنے پھونک مار دو گے تو وہ مکدر ہو جائے گا اور پھر تمہارے چہرے کو تمہیں نہ دکھا سکے گا جو چہرے کی اصلاح کا ایک ذریعہ تھا یعنی اگر تم مرشد کے ساتھ دعویٰ ہمسری کر کے اس کو ناراض کرو گے تو اس سے فیض یاب نہ ہو گے، بلکہ نقصان اٹھاؤ گے۔ صائبؔ

باصاف دل مجادلہ باخویش دشمنی ست   ہر کس کشد بر آئینہ خنجر بخود کشد

تانپوشد روئے خود را از دمت   دم فرو بردن بباید ہر دمت

لغات: دَم پہلے مصرعہ میں دم کے معنی سانس کے ہیں اور دوسرے مصرعہ میں لحہ و لحظہ کے بعض نسخوں میں دوسرے مصرعہ کے اخیر میں بھی از دمت لکھا ہے جس کے معنی وہی سانس کے ہوتے ہیں مگر یہ نسخہ قافیہ کے قائم نہ رہنے کے سبب تصرفاتِ ناقلین کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ دم فرو بردن دم بخود رہنا، خاموش رہنا، سکوت اختیار کرنا۔

صنائع: پہلے دم بمعنی دمیدن اور دوسرے دم بمعنی سخن اور تیسرے دم بمعنی وقت میں صنعتِ تجنیسِ تام ملحوظ ہے۔

ترجمہ: (اس آئینے یعنی مرشد کے آگے دم نہ مار) تاکہ تیرے سانس (کی وجہ) سے وہ اپنے چہرہ کو مستور نہ کرلے (پس) تجھ کو ہر دم خاموش رہنا چاہیے۔

مطلب: آئینے کو منہ کے قریب لا کر پھونک ماریں یا خفیف سا سانس لیں تو سانس کی رطوبت آئینے کی سطح پر چھا کر تھوڑی دیر کے لیے اس کو بے نور کر دیتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح آئینہ تمہارے سانس کی رطوبت سے مکدر اور ناقابلِ انعکاس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرشد تمہارے گستاخانہ کلام سے ناراض ہو جائے گا اور تم اس کے فیض سے محروم ہو جاؤ گے۔ لہٰذا تم کو ہر وقت از راہِ ادب و رعایتِ رتبہ دم بخود ساکت رہنا چاہیے۔

صائبؔ پردہ دارِ حرفِ دعویٰ کن لبِ خاموش را   از دبستاں برمیاور طفلِ بازی کوش را

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں سکوت سے یاوہ گوئی اور فضول بکواس سے سکوت اختیار کرنا مراد ہے ورنہ مطلق سکوت اور ہر

وقت اپنے منہ پر مہرِ خاموشی لگائے رکھنا مراد نہیں۔ جیسے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مرشد کے سامنے بالکل گونگا بن جانا ہی شرطِ ادب ہے، کیونکہ خدا کی عطا کردہ طاقتِ گویائی کو بالکل معطل کرنا ایک عطیۂ خدائی کو اس کے محل پر بھی استعمال نہ کرنا مرشد کے بلانے پر بھی نہ بولنا جس سے وقت اور تکلیف پیش آئے ادب نہیں، بلکہ بے ادبی ہے، برموقع بولنا بھی داخلِ ادب بلکہ ذریعۂ حصولِ کمال ہے۔ کما قیل۔

گفتار بوقتِ خویش زرے گردد　　زدہر بد و نیک بہرہ ورے گردد

بارانِ بہار ز اعتدالِ موسم　　در برگل و در بحر گہر می گردد

صائب۔ از سخن آخر بدولت میرسند اہلِ سخن　　مُوردر دستِ سلیماں جائے خود وامیکند

ولہ۔ گوہرِ شہوار مرداں لب بجا وا کردن ست　　ایں نصیحت رابخاطر از صدف داریم ما

غرض جس طرح بے موقع بولنا عیب ہے۔ بے موقع چپ رہنا بھی اخلاقی نقص ہے۔ کما قیل۔

دو چیز طیرۂ عقل ست دم فروبستن　　بوقتِ گفتن و گفتن بوقتِ خاموشی

کم زخا کی؟ چونکہ خاکے یار تافت　　از بہارے صد ہزار انوار یافت

لغات: خاکی میں یائے خطاب بطور رابطہ جملہ ہے اور خاکے میں یائے تحقیر ہے اور بہارے میں یائے تقلیل۔ انوار جمع نور کی، شگوفہ۔

ترجمہ: کیا تم مٹی سے بھی گئے گزرے ہو گئے؟ (دیکھو) جب مٹی (کی سی حقیر چیز) کو (اپنے) دوست (موسم بہار) کی معیت حاصل ہوگئی تو (چند روزہ) بہار (ہی کی صحبت) سے لاکھوں شگوفے حاصل کر لیے۔

مطلب: اس میں بھی صحبتِ صلحا کی تاکید مضمر ہے یعنی خاک بھی صحبتِ بہار سے مالا مال ہو جاتی ہے تم مرشد کی معیت سے کیوں متمتع نہیں ہوتے؟

حافظ مقیم درگہ اوباش و عیش کن　　کاندر بہشت بہتر ازیں نیست ہیچ جائے

آں درختے کو شود با یار جفت　　از ہوائے خوش زسر تا پا شگفت

لغات: جفت رفیق، قرین، ساتھی۔ از ہوا میں از بیانیہ ہے۔ سر چوٹی۔ پا جڑ۔ شگفت کھل گیا۔ شگفتن سے اور یہ کنایہ ہے سبز ہونے سے کیونکہ اگر شگفتن سے پھول کھلنا مراد ہے تو یہ جڑ پر صادق نہیں آ سکتا۔ جس میں پھل و پھول نہیں لگتے۔

ترجمہ: (۱) جو درخت اپنے دوست (یعنی) خوشگوار ہوا کے ساتھ مل گیا، وہ چوٹی سے لے کر جڑ تک سرسبز (و شاداب) ہو گیا۔

نکتہ: مندرجہ بالا ترجمہ اس بنا پر ہے کہ حرف از بیانیہ ہو اور یار سے مراد ہوائے خوش ہو لیکن اگر یار سے مراد کوئی دوسرا درخت ہو اور از سببیہ قرار دیا جائے تو ایک اور طرح بھی ترجمہ ہو سکتا ہے اگرچہ آئندہ شعر کے لحاظ سے پہلا ترجمہ موزوں ہے۔ وہ دوسرا ترجمہ یوں ہے۔

ترجمہ: (۲) جو (مادہ) درخت (اپنے) دوست (نر درخت) کے ساتھ مل گیا وہ ہوائے خوش کی مدد سے ہرا بھرا ہو گیا۔ درختوں پودوں اور بوٹیوں میں نر و مادہ کا وجود ان کے تواصل و اقتران سے ظہورِ نسل کا امکان قابلِ انکار نہیں۔ کھجور کے متعلق تو قدیم سے یہ بات مسلمہ ہے کہ اس کے نر اور مادہ الگ الگ ہوتے ہیں اور اہلِ عرب میں دستور تھا کہ وہ نر درخت کے

شگوفوں کا مادہ میں، پیوند لگا دیتے تو زیادہ پھل آتا ورنہ کم اور احادیث میں مروی ہے کہ اہلِ مدینہ بھی ایسا کرتے تھے، مگر ایک سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر وہ اس سے باز رہے تو اس سال کھجوروں کی پیداوار کم آئی جس پر آپؐ نے بطورِ اجازت فرمایا۔ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ تم کو اپنے دینوی معاملات کا زیادہ تجربہ ہے یعنی جس طرح تم قدیم سے نر و مادہ کے پیوند کا عمل کرتے آئے ہو۔ اب بھی کر سکتے ہو، مگر جدید فلسفہ و سائنس کی تحقیقات سے روز بروز یہ بات منکشف ہوتی جاتی ہے کہ نہ صرف کھجور بلکہ نباتات کی تمام انواع میں نر و مادہ کے تواصل و توالد کا سلسلہ جاری ہے جو اپنی مخفی و غیر محسوس کیفیت کی وجہ سے عام مشاہدہ میں نہیں آتا جس کے نہایت تفصیلی اور دلچسپ حالات علمِ نباتات کی کتابوں میں درج ہیں۔ قرآن مجید کی آیت فاخرجنا بہ ازواجاً من نباتٍ شتّٰی یعنی ہم نے پانی سے مختلف نباتات کے جوڑے نکالے اور اسی قسم کی دوسری آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حیوانات بلکہ دیگر اشیائے عالم میں بھی توالد و تناسل کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔

درخزاں چوں دید او یارِ خلاف درکشید او زود سر زیرِ لحاف

لغات: خزاں پت جھڑ کا موسم جو ماگھ کے مہینے میں ہوتا ہے۔ یارِ خلاف رفیقِ ناموافق۔ سر زیرِ لحاف کشیدن مخفی ہو جانا۔ یہ کنایہ ہے کمالات و محاسن کے چھپ جانے سے۔

ترجمہ: (مگر) موسم خزاں میں جب اس کا (ہوائے مضر کے رفیقِ مخالف سے پالا پڑا تو (برگ و بار) اور سرسبزی و شادابی کے زوال سے عریانی و بدنمائی کے لحاف میں فوراً مستور ہو گیا۔

مطلب: جس طرح درخت صحبتِ بہار سے سرسبز اور صحبتِ خزاں میں سرسبزی سے محروم ہو جاتے ہیں اسی طرح شیخ کامل کی صحبت خود نورِ باطن بخشتی ہے اور نااہل کی صحبت سے ظلمتِ قلب پیدا ہو جاتی ہے۔

اہل را صحبتِ نا اہل زیاں ہا دارد آب درکوزۂ ناپختہ بگِل آلودہ شود

گفت یارِ بد بلا آشفتن ست چونکہ او آمد طریقم خفتن ست

لغات: یارِ بد دوستِ بدکردار، رفیقِ سوء۔ بلا عربی میں بمعنی زحمت و سختی و فتنہ اور فارسی میں بمعنی بسیار و خیلے یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ آشفتن پریشان ہونا، سرگردان ہونا۔

ترجمہ: (تو اس درخت نے زبانِ حال سے) کہا برا رفیق تو بلا کی پریشانی کا (باعث) ہے جب وہ آتا ہے تو میرا شیوہ یہ ہے کہ سو جاتا (اور دم بخود ہو جاتا) ہوں۔

مطلب: یعنی میں اس برے رفیق کو منہ نہیں لگاتا۔ نہ قول و فعل میں اس سے دلچسپی لیتا ہوں بلکہ اپنی پریشانی تک کا اس پر اظہار نہیں کرتا اور اس کو دیکھتے ہی منہ چھپا لیتا ہوں اور اس سے اس طرح غیر متوجہ ہوتا ہوں جیسے کہ سو رہا ہوں۔ اسی طرح طالبِ کمال کو چاہیے کہ جب کسی نااہل و ناجنس سے اس کا پالا پڑے تو اس کے ساتھ کسی قسم کی راہ و رسم نہ بڑھائے۔ صائبؒ۔

درگلستانے کہ زاغاں نغمہ پردازی کنند گوشِ گل را گوشوارے بہتر از سیماب نیست

وکما قیل۔ صد سال در آتشم اگر مہل بود آں آتش سوزندہ مرا اہل بود

بامردم نا اہل مبادا صحبت کز مرگ بہتر صحبت نااہل بود

اگر بلا کے معنی مصیبت و زحمت اور فتنہ کے لیے جائیں اور آشفتن کے معنی تندی میں لانا اور برانگیختہ کرنا ملحوظ ہوں تو یوں بھی ترجمہ ہو جاتا ہے کہ "برا (آدمی) یار (بنانا اپنے لیے) ایک فتنہ برانگیختہ کرنا ہے۔ یعنی جس طرح ایک فتنۂ خوابیدہ بیدار ہو

کر ہزاروں شرور و مفاسد کا محرک ہو جاتا ہے اسی طرح برے آدمی کی رفاقت و دوستی ہزاروں دینی و دنیوی اور اخلاقی خرابیوں کی باعث بن جاتی ہے۔ کما قیل بیدل غفرلہٗ۔

از صحبتِ غیر، مرد نامرد شود — بے ہمت و بے غیرت و بے درد شود
صد سال اگر شعلہ فروزد آتش — یک غوطہ در آب گر خورد سرد شود

پس بخسپم باشم از اصحابِ کہف — بہ ز دقیانوس باشد خوابِ کہف

لغات: اصحابِ کہف کہف کے معنی غار کے ہیں۔ اصحاب کہف چند خدا پرستوں کی ایک جماعت کا نام ہے جو دقیانوس نام کافر بادشاہ کے زمانے میں اس کے شر سے بچنے کے لیے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئی تھی اور آج تک اسی غار میں مصروفِ خواب ہے۔ اس کا مجمل ذکر مفتاح العلوم کے پہلے حصے اور وزیرِ یہود کے قصے میں مندرج ہو چکا ہے۔ دقیانوس اصحابِ کہف کے زمانے کے کافر بادشاہ کا نام ہے۔

ترجمہ: پس میں (خزاں کی صحبت سے بچنے کے لیے) سو جاتا ہوں (اور اس قسم کے سو جانے سے میں) اصحابِ کہف (کی قبیل) سے ہو جاتا ہوں (کیونکہ) غار میں (جا کر الگ تھگ) سے سو رہنا دقیانوس (کی صحبت) سے بہتر ہے۔

مطلب: اصحابِ کہف نے دقیانوس کی صحبت سے بچنے کے لیے غار میں مصروفِ خواب ہو جانا اچھا سمجھا۔ اسی طرح طالب حق کو اشرار کی صحبت سے بچنے کے لیے ان سے کنارہ کشی اچھی ہے، اگرچہ کسی غار میں مقید ہی ہونا پڑے۔

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں — بہ کہ با بے گانگاں در بوستان

یقظہ شاں مصروف دقیانوس بود — خوابِ شاں سرمایۂ ناموس بود

لغات: یقظہ بیداری۔ مصروف مستعمل، زیرِ استعمال، صرف و خرچ۔ ناموس عزت۔

ترجمہ: ان (اصحابِ کہف) کی بیداری دقیانوس (جیسے نااہل کی خدمت) کے لیے صرف ہوتی تھی ان کا خواب عزت (عند اللہ) کا سرمایہ تھا۔

مطلب: بیداری کا خواب سے افضل ہونا محتاجِ دلیل نہیں، مگر جو بیداری نااہلوں میں رہنے پر مجبور کرے اُس سے وہ خواب اچھا ہے، جو نااہلوں کی صحبت سے بچنے اور رضائے الٰہی کے لیے ہو۔ حافظؒ۔

مکن بیدار ازیں خوابم خدا را — کہ دارم عشرتے باخوش خیالش

خوابِ بیداری ست چوں بادانش ست — وائے بیدارے کہ با نادانش نشست

لغات: دانش عقل مراد معرفتِ حق۔ وائے اظہارِ افسوس کا کلمہ ہے۔ ناداں غیر عارف جاہل۔

صنائع: دوسرے مصرعہ کے با نادان نشست میں ایک اور نسخہ بھی ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے لیکن نسخہ ہذا کی صورت میں صنعتِ تجنیس ہو جاتی ہے اور وہ دوسرے نسخے کی صورت میں نہیں ہو سکتی۔

ترجمہ: جو نیند معرفتِ حق کے ساتھ ہو وہ بیداری (کے حکم میں) ہے۔ افسوس ہے اس بیدار پر جو (کسی نااہل اور معرفت سے محروم کی صحبت میں بیٹھا (جاگ رہا) ہے۔

مطلب: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول مشکوٰۃ میں مروی ہے کہ تدارس العلم ساعۃ من اللیل خیر من احیاءھا یعنی رات کی ایک ساعت تعلیم و تعلم میں گزار کر سو رہنا رات بھر عبادت میں جاگنے سے بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہے

اصحابِ کہف

اہل علم کو اہلِ عبادت پر فضیلت حاصل ہے

کہ علمِ شریعت یا علمِ طریقت کے شغل میں کچھ وقت گزار کر باقی رات نیند اور آرام میں بسر کرنا تا کہ صحتِ جسمانی کے قیام سے افاضہ و استفاضہ کی قوت باقی رہے اور سلسلۂ تعلیم و تعلم و مشاغل ارشاد و استرشاد کو اسی طرح بخوبی جاری رکھ سکیں۔ رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے افضل ہے کیونکہ رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے ایک تو صرف ذاتی انتفاع مقصود ہے بخلاف تعلیم و تعلّم کے کہ اس سے دوسرے لوگ بھی فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ دوسرے اس تکلیفِ جسم سے صحتِ جسمانی میں فتور آنے اور سلسلۂ عبادت کے رک جانے کا اندیشہ ہے۔ اب ذرا غور کرنا چاہیے کہ جب عبادت کی شب بیداری معلم و متعلم کے خواب کے آگے پست ہے تو گمراہ لوگوں کی بیداری جو اہلِ معاصی کی صحبت میں بسر ہوتی ہے اس خواب کے آگے کیا حقیقت رکھتی ہوگی اسی کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ خواب بھی فضیلت میں بمنزلہ بیداری کے اور لائق ستائش ہے۔ وہ بیداری قابلِ افسوس اور مستوجب نفریں ہے۔ ایسی بیداری سے خواب بلکہ خواب قبر اچھا ہے۔ سعدی" ؎

وانکہ خوابش بہتر از بیداری ست آنچناں بد زندگانی مردہ بہ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **تکون فتنة النائم فیھا خیر من الیقظان و الیقظان فیھا خیر من القائم و القائم فیھا خیر من الساعی فمن وجد ملجا او معاذاً فلیستعذبہ** یعنی "ایک ایسا فتنہ (کا زمانہ) آئے گا کہ اس میں سو رہنے والا بہتر ہے جاگنے والے سے اور اس میں جاگ (کر بیٹھا) رہنے والا بہتر ہے کھڑا رہنے والے سے اور اس میں کھڑا رہنے والا بہتر ہے چل پڑنے والے سے۔ پس جو شخص کوئی پناہ یا بچاؤ کی جگہ پائے تو چاہیے کہ اس میں پناہ لے" (مشکوٰۃ) ایک نسخہ میں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے "وائے بیدارے کہ با دانش ست" اور بیداری کا کلمہ بھی بیائے معروف و مجہول دونوں طرح متحمل ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ افسوس ہے اس بیدار پر جو کسی بیدانش اور حق سے ناواقف کے ساتھ مصاحب ہے یا افسوس ہے اس بیداری پر جو بے دانشی اور حق سے ناواقفیت کے ساتھ ہے۔

چونکہ زاغاں خیمہ بر گلشن زدند بلبلاں پنہاں شدند وتن زدند

لغات: خیمہ زدند، ڈیرہ لگانا ٹھکانا بنالینا۔ پنہاں مخفی، مستور۔ تن زدن خاموش ہو جانا۔ زاغاں سے اہلِ باطل و محجوبین مراد ہیں اور بلبلاں سے اہلِ حق و کاملین۔

ترجمہ: جب گلشن پر کوؤں نے ڈیرہ جمالیا تو بلبلیں دم بخود ہو کر رہ گئیں۔

مطلب: یعنی گلشن عالم پر جب اہلِ باطل کا تسلط ہو گیا جو اپنے اعمالِ سیۂ کے لحاظ سے مردار خوار کوؤں سے مشابہ ہیں تو اہل اللہ کو جو اپنی مبارک نوا سنجی کے لحاظ سے گویا بلبلانِ باغ عرفان ہیں ساکت و خاموش ہونا پڑا، کیونکہ زاغ کے پڑوس میں بلبل کا نغمہ سرا رہنا مشکل ہے۔ صائب" ؎

لباسِ ماتمِ بلبل ہمیشہ آمادہ ست بہر چمن کہ درد زاغے آشیاں دارد

امرِ خیر کی قوت شر کے مقابلے میں کم نہیں، بلکہ بڑھ کر ہوتی ہے لہٰذا اس سے اہل اللہ کے اہلِ باطل کے مقابلے میں مغلوب ہو جانے کا نتیجہ نہ نکالنا چاہیے۔ امرِ خیر کی لطافت شر کی غلظت و کثافت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ سعدی" ؎

تحکم کند سیر بر بوئے گل فرو ماند آوازِ چنگ از دُہل

مدعا کلام یہ ہے کہ جس طرح اہل اللہ اہلِ باطل سے علیحدگی و کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، تم بھی ناجنس و نااہل لوگوں سے کنارہ کش رہو۔

حضرت مقداد ابن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ **ان السعید لمن جنب الفتن ان السعید لمن جنب الفتن ان السعید لمن جنب الفتن ولمن ابتلی فصبر فواسفا** یعنی بے شک نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے کنارہ کش رہے بے شک نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے کنارہ کش رہے بے شک نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے کنارہ کش رہے وہ جو مصائب میں صبر کرے افسوس! (مشکوٰۃ) حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، **یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال و مواقع القطر یفر بدینه من الفتن** یعنی "عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ مسلمان آدمی کا بہترین مال بکریاں ہوں گی، جن کو لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور مینہ برسنے کی جگہوں میں جا رہے گا اور اس ہجرت اور ترک معاشرت سے وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا کر لے جانا چاہے گا۔" (مشکوٰۃ)

**زانکہ بے گلزار بُلبُل خامُش ست		غَیبتِ خورشید بیداری کُش ست**

لغات: خامُش بضمِ میم مخفف خاموش۔ غَیبت عدم موجودگی اور بہ نسبت سورج کے بمعنی غروب ہونا۔ بیداری کُش بیداری کو کھودینے اور زائل کرنے والا اس کا خاتمہ کرنے والا ہے۔

ترجمہ: کیونکہ گلزار کے بغیر بلبل خاموش رہتی ہے (جیسے کہ) سورج کا غروب ہونا بیداری کا خاتمہ کرنے والا ہے۔

مطلب: گلزار سے یہاں مراد طالبین اور معتقدین کا حلقہ ہے جب اہلِ باطل کے ملحدانہ خیالات ایک سوادِ اعظم کو اپنی طرف راغب و منجذب کر لیتے ہیں تو گویا ان زاغانِ سیہ کار کا گلزار پر قبضہ ہو جاتا ہے اور بلبلانِ خوش الحان کے لیے اس گلزار میں جگہ نہیں رہتی۔ جہاں وہ شکرریز ترنم ہوں۔ لہٰذا ان کو خاموش ہونا پڑتا ہے کیونکہ ان کی نَوا سنجی و ترنم سرائی کے لیے گلزار کے سوا اور کوئی جگہ موزوں نہیں ہوتی۔ یعنی اہل اللہ جب معتقدین کی جماعت کو کلمۃ الحق کی طرف سے غیر راغب اور اہلِ باطل کی طرف مائل پاتے ہیں تو ان کے افاضہ کو وضعِ علم فی غیر اہلہ کا مصداق سمجھ کر خاموش رہنا مناسب سمجھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **وواضع العلم عند غیر اھله کمُقلد الخنا زیر الجوھر وا للؤلؤ والذھب**. یعنی "نا قابلِ افاضہ لوگوں کو علمی فیض پہنچانا ایسا ہے جیسے خنزیر کے گلے میں جواہر، موتی اور سونے کا ہار پہنا دیں"۔ (مشکوٰۃ) حافظؒ۔

گوہرِ پاک بباید کہ شود قابلِ فیض		ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان شود

صائبؒ۔ ہر سخن گوشے دہر ے ساغرے دارد جدا		شربت سیمرغ نتواں برگلوئے مور ریخت

ولہ۔ چرا شراب بزاہد کسے بزور دہد		چہ حاصل است کہ آئینہ بکور دہد

دوسرے مصرعہ میں اسی مضمون کی تائید ہے۔ یعنی دیکھو جب تک آفتاب سامنے رہتا ہے دنیا کی ساری چہل پہل قائم رہتی ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو سارے جہان پر ایک سکوت کا عالم چھا جاتا ہے۔ اسی طرح طالبین کے نہ ہونے سے جن کا وجود اہلِ کمال کے جوشِ کلام کے لیے محرک ہونے کے اعتبار سے بمنزلہ آفتاب ہے۔ اہلِ کمال کی بیداری یعنی ظہارِ اسرار کی طرف توجہ خاموش ہو جاتی ہے۔ عمر خیام غفرلہ۔

افسوس کہ صد ہزار معنیِ دقیق		از بے خردیِ خلق ناگفتہ بماند

یہاں مثال کے طور پر آفتابِ ظاہری کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس سے مولانا آفتابِ صوری اور آفتابِ معنوی یعنی عارف باللہ میں فرق اور مقدم الذکر سے مؤخر الذکر کی فضیلت کے ذکر کی طرف انتقال فرماتے ہیں:-

آفتابا! ترک ایں گلشن کنی　　تا کہ تحت الارض را روشن کنی

لغات: آفتابا۔ آفتاب ظاہری سے خطاب ہے۔ ایں گلشن دنیا۔ تحت الارض۔ زمین کے نیچے کے حصے۔
ترجمہ: اے آفتاب (ظاہری) تجھے اس گلشنِ عالم کو چھوڑنا پڑتا ہے، تا کہ زمین کے نیچے (کے حصے) کو روشن کرے۔
مطلب: آفتابِ ظاہری جب اپنے مطلع میں درخشاں ہوتا ہے تو صرف اپنے سامنے کی چیزوں کو روشنی پہنچا سکتا ہے اور جو چیز یا جو مقام اس مطلع کے محاذ سے غائب ہو اس کو روشن نہیں کر سکتا۔ لہٰذا فرماتے ہیں کہ اے آفتاب تیری نور افشانی کا محل اجسام کثیفہ ہیں اس لیے دوسری دنیا (امریکہ وغیرہ) کو روشن کرنے کے لیے جو زمین کی دوسری سمت میں ہے تجھے اس مطلع کو چھوڑ کر دوسری طرف طلوع کرنا پڑتا ہے۔ مگر آفتابِ معنی کی درخشانی ہر حالت میں ہر جگہ یکساں طور پر پرتو فگن ہے۔
نکتہ: اس سے ظاہر ہے کہ مولاناؒ کے نزدیک زمین کی تدویر اور اس کے تمام حصص کا روزانہ آفتاب کی روشنی سے بتدریج منور ہونا مسلمہ تھا، جیسے کہ علم ہیئت میں ثابت ہے، اور آپ اس پرانے خیال سے یکسو تھے کہ زمین گول نہیں، بلکہ ایک ہموار فرش کی طرح مسطح ہے گو امریکہ وغیرہ نئی دنیا مولاناؒ کے بعد دریافت ہوئی ہے، مگر کم از کم آپ زمین کے اس پہلو کے مقابلے میں جس پر ہم آباد ہیں دوسرے پہلو کے قائل تھے۔

آفتابِ معرفت را نقل نیست　　مشرقِ او غیر جان و عقل نیست

لغات: آفتابِ معرفت عارفِ کامل۔ نقل ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ مشرق جائے طلوع۔
ترجمہ: (لیکن) آفتابِ معرفت کو ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ طلوع کرنے کی ضرورت نہیں اس کے طلوع کی جگہ روح اور عقل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔
مطلب: آفتاب صوری تو اپنے مطلع سے صرف ایک طرف افاضۂ نور کر سکتا ہے لیکن آفتابِ معنوی یعنی مرشدِ کامل کی مشرق اور اس کے ظہورِ انوار کا محل مریدین کے قلوب ہیں اس کو اس کی ضرورت نہیں کہ افاضۂ انوار کے لیے کبھی اپنے مطلع سے غائب ہو یعنی ایک مسترشد کو فیض پہنچاتا ہے تو دوسرے مسترشد سے توجہ ہٹانی پڑے بلکہ اس کے فیضانِ انوار کا سلسلہ ہر شخص کے لیے بلا توقف جاری ہے۔ حافظؒ۔

آفتابے ست درخشندہ کہ از طلعتِ او　　رفت بر چرخِ بریں کوکبۂ دولتِ ما

آگے آفتاب معنوی یعنی عارف کے ذکر سے بھی ترقی فرماتے ہیں:۔

خاصہ خورشیدِ کمالی کاں سری ست　　روز و شب کردار او روشنگری ست

لغات: خاصہ خصوصاً۔ خورشید کمالی میں یائے نسبتی ہے مراد باری تعالیٰ۔ کاں سری کا کاف جو شروع میں ہے کاف بیانیہ ہے اور آخر میں یائے نسبت۔ آں سر کے معنی اس طرف مراد بیرون عالم کا امکان کردار فعل، عمل۔ روشنگری روشنی پہنچانا۔
ترجمہ: خصوصاً وہ آفتابِ کمال (یعنی حق تعالیٰ) جو عالمِ امکان سے باہر ہے (اس کا تو کیا ہی کہنا) اس کام کا رات دن (بلا توقف و تاخیر) کائناتِ عالم کی ہر چیز کو روشنی پہنچانا ہے
مطلب: آفتابِ معنوی جس کا فیضان طالبانِ فیض کو ہر وقت پہنچتا ہے اور وہ فیض رسانی میں آفتابِ ظاہری سے بڑھ کر ہے اس کا تعلق عالمِ امکان سے ہے لیکن وہ آفتابِ کمال جو عالمِ امکاں سے ورا الوریٰ ہے اس کا فیضانِ نور اس قدر وسعت رکھتا ہے کہ اس کا تصور بھی محال ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے نور کا مظہر ہے۔ صائبؒ۔

در دیدۂ روشن گہراں ہر ورقِ گل　　از نور تجلی یدِ بیضائے کلیم ست

مطلعِ شمس آ اگر اسکندری　　بعد ازاں ہر جاروی نیکو فری

لغات: مطلعِ شمس طلوعِ آفتاب کی جگہ مراد اہل اللہ و عارفین و کاملین۔ اسکندری میں یائے خطاب بطور رابطہ جملہ نیکوفر با اقبال۔

صنائع: سکندر ذوالقرنین کے قصے کی طرف تلمیح ہے جو قرآن مجید کی سورۂ کہف کے آخر میں درج ہے۔

ترجمہ: اگر تم اسکندر (ذوالقرنین کی طرح عالی ہمت و بلند عزم) ہو تو مطلعِ آفتاب کے پاس آؤ پھر (یہاں سے فیضاب ہو کر) تم جہاں جاؤ گے با اقبال ہو گے۔

مطلب: سکندر ذوالقرنین ایک بادشاہ علوِ ہمت و بلندیِ عزم میں یکتا ہو لہٰذا ہے اس نے اپنی قوتِ تدبیر و زورِ شمشیر سے تمام جہان کو مسخر کر لیا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی فتح بلاد اور تسخیر عباد کا ذکر یوں فرمایا ہے۔ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا. اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا. فَاَتْبَعَ سَبَبًا. حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا. چند آیات کے بعد فرمایا۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہ قصہ ذکر کر کے پھر فرمایا۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ الخ یعنی اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں، تم کہو کہ میں تم کو اس کا تھوڑا سا تذکرہ پڑھ کر سناتا ہوں (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہم نے اس کو روئے زمین پر بڑی قدرت دی تھی اور ہم نے اس کو ہر طرح کے ساز و سامان دے رکھے تھے۔ چنانچہ وہ ایک سامان کے پیچھے پڑا یہاں تک کہ جب آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچا تو اس کو آفتاب اس طرح دکھائی دیا کہ وہ کالی کیچڑ کی کنڈ میں ڈوبتا ہے۔ (آگے چل کر ارشاد فرمایا) پھر وہ ایک اور سامان کے پیچھے پڑا۔ یہاں تک کہ وہ آفتاب نکلنے کی جگہ پر پہنچا (اس کے بعد فرمایا) پھر اور ایک اور سامان کے پیچھے پڑا یہاں تک کہ جب دو سدوں کے بیچ میں پہنچا۔" الخ اس خداوندی بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین مشرق و مغرب کی انتہا تک دنیا کو مسخر کر چکا تھا اور وہ ایک خدا پرست و اہل اللہ فرمانروا تھا۔ آبِ حیات کی تلاش اور اس کی بہم رسانی مگر پینے سے محرومی کا قصہ بھی اس سے منسوب ہے۔ اکثر محققین کے نزدیک مسلم ہے کہ سکندر اعظم جس کو سکندر رومی کہتے ہیں اور وہ فیلقوس کا بیٹا اور یونان کا بادشاہ تھا اور اس نے دارا شاہ ایران کو شکست دے کر یونان کو ایران کے تسلط سے آزادی دلائی تھی دوسرا سکندر تھا جو ذوالقرنین سے صدیوں بعد ہوا ہے۔ حضرت نظامی مؤلف سکندر نامہ نے غلطی سے دونوں کو ایک سمجھ کر دونوں کے حالات ایک پر منطبق کر دیے۔ واللہ اعلم۔ اس شعر میں مولانا کی مراد سکندر سے عالی ہمت ہے اور مطلعِ شمس سے مراد اہل اللہ ہیں، جو صفاتِ حق تعالیٰ کے مظہر اور اس کے نور کا مطلع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اگر تم اسکندر کی طرح عالی ہمت ہو اور حقیقی آبِ حیات کے طالب ہو تو تمہیں اہل اللہ کی خدمت سے مستفید ہونا چاہیے جو مذکورہ خورشیدِ کمال کے نور کا مظہر ہے پھر تم جہاں جاؤ گے با اقبال جاؤ گے اور فتح یاب آؤ گے۔

حافظ　من بسرِ منزلِ عنقانہ بخود بردم راہ　　قطع ایں مرحلہ بامرغِ سلیماں کردم

بعدازاں ہر جاروی مشرق شود　　شرقہا برمغربت عاشق شود

ترجمہ: اس کے بعد تم جہاں جاؤ گے (تمہارے لیے ہر جگہ) مشرق (و مطلعِ انوار) ہو گی (بلکہ) تمہاری مغرب (بھی) جو غروبِ انوار کا مقام ہے اس قدر نورانی ہو گی کہ اس پر (ظاہری) مشرقین فدا ہو گی۔

سکندر ذوالقرنین اور سکندر اعظم

مطلب: مشرق سے مراد مطلعِ انوارِ الہیہ اور توجہ الی الحق اور مغرب سے مراد توجہ الی الخلق ہے یعنی جب تم کسی اہل اللہ کے فیضان سے انوارِ الہیہ سے مقتبس ہو گے تو پھر جہاں بھی جاؤ گے نہ صرف توجہ بحق کی حالت میں بلکہ توجہ بخلق کی حالت میں بھی انوارِ الہیہ تم پر یہاں تک پرتو فگن ہوں گے کہ تمہاری حالت فروکش مشرق اور غیرت مطلعِ آفتاب ہو گی یا یوں کہو کہ تمہاری توجہ بخلق بھی ناقصوں کی توجہ بحق سے افضل ہو گی۔

داغِ غلامیّت کرد پایۂ خسرو بلند میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

حسِ خفاشت سوئے مغرب دواں حسِ دُر پاشت سوئے مشرق رواں

لغات: حس، اجسام اور جسمانیت کے ادراک کی قوت۔ خفاش چمگادڑ یہ لفظ خفش سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں آنکھوں کا چندھیانا۔ بیت کے مضمون میں خفاش سے یا تو اس کا مُسمّٰی مراد ہے یا وضعی معنی مراد ہیں اور دونوں تقدیروں پر ترکیب و ترجمہ دو طرح ہوں گے۔ دواں اسم حالیہ دویدن دوڑنا سے۔ دُر پاش موتی برسانے والا۔

صنائع: یہ شعر مرصع ہے۔

ترکیب: حسِ خفاشت میں حس خفاش یا تو مرکبِ اضافی ہے یا توصیفی۔

ترجمہ: تیری چمگادڑ کی سی حس (بتقدیر دیگر تیری چندھیائی ہوئی حسّ) مغرب (کے ظلمات) کی طرف جاتی ہے اور تیری گہر بار حس (جو طالبِ انوار ہے) مشرق (یعنی مطلعِ انوارِ الہیہ) کی طرف رواں ہے۔

مطلب: اوپر مولانا نے توجہ الی الحق کی طرف رغبت دلائی تھی۔ اب اس کی تدبیر بتاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ تمہارے اندر دو قسم کی قوائے ادراک ہیں۔ ایک حسِ خفاش جو ظلماتِ ناسوت پر فریفتہ ہے۔ جیسے چمگادڑ روشنی سے نفور اور تاریکی سے مانوس ہوتی ہے دوسری حسِ دُر پاش ہے جو انوارِ الہیہ کا ادراک کرتی ہے، پہلی حس مادی ہے جس میں حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ باطنہ وہم و خیال وغیرہ اور قوائے داعیہ الی الشہوات داخل ہیں جو ظلمت کدۂ ناسوت پر مائل ہونے کے باعث گویا مغرب کی طرف راجع ہے۔ دوسری حس سے روحانی قوت مراد ہے مقصودِ کلام یہ ہے کہ حواسِ ظاہری سے کنارہ کشی رکھو جو تلذذات و تنعماتِ سفلیہ کی طرف لے جاتے ہیں اور ان حواس سے کام لو جو جامع انوار اور موصل الی الحق ہیں جو مجاہدہ اور ریاضت سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مجاہدہ و ریاضت کرو، تا کہ خود گوہرِ مراد پاؤ اور دوسروں کے لیے بھی گوہر بار و دُرپاش بن جاؤ۔ صائبؒ۔

غذائے نور توانی بہ تیرہ روزاں داد جو شمع از تنِ خود گر غذا توانی کرد

راہِ حس راہِ خران ست اے سوار اے خراں راتو مزاحم شرم دار

لغات: خراں۔ گدھے مراد اہل دنیا۔ مزاحم بھڑنے والا، مقابلہ کرنے والا۔

ترجمہ: اے سوار (جادۂ عرفاں) حسِ (مادی) کا راستہ تو (دنیا کے) گدھوں کا راستہ ہے۔ ارے کچھ شرم تو کر کہ (باایں عزوشاں) گدھوں سے بھڑتا ہے۔

مطلب: طالبانِ دنیا جو گویا دنیا کے گدھے ہیں اور صرف لذاتِ دنیویہ سفلیہ کے خس و خاشاک کو چرنا چگنا ان کا شیوہ ہے ان کا راستہ محض حسِ مادی کا اتباع ہے۔ طالبِ حق کو ان کے راستے پر نہ چلنا چاہیے۔ واضح رہے کہ ترکِ لذات و خواہشات سے ان کی تقلیل اور ان سے باعتدال کام لینا مراد ہے بالکل ترک کرنا مقصود نہیں۔ جو ہندو سادھوؤں اور مسیحی راہبوں کا طریقہ ہے اور اسلام میں اس کی نہی وارد ہو چکی ہے۔ عَنْ اَنَسٍؓ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا

عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدِّدَاللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ فَشَدَّدَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ فَتِلْکَ بَقَایَا ھُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارِ رَھْبَانِیَّۃَنِ ابْتَدَعُوْھَا مَاکَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اپنے آپ پر سختی نہ کرو۔ ورنہ اللہ بھی تم پر سختی کرے گا کیونکہ بعض قوموں نے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ چنانچہ کلیساؤں اور ہیکلوں میں انہی کی باقی ماندہ نسلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ ترکِ دنیا ہے جو انہوں نے خود ایجاد کر لی ہے ہم نے ان پر واجب نہیں کی (مشکوٰۃ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، جس میں یہ ذکر ہے۔ تین شخصوں نے زہدو عبادت اور ترکِ لذات کے غیر معتدل جوش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات اور وظائف زندگی سے متعلق سوال کیا۔ حضورؐ نے فرمایا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ اَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ یعنی "مجھ میں خدا کا خوف اور تقویٰ تم سب سے زیادہ ہے تاہم میں روزہ بھی رکھتا ہوں کبھی نہیں بھی رکھتا۔ نماز بھی پڑھتا ہوں سو بھی لیتا ہوں۔ بیویوں سے ازدواجی برتاؤ بھی رکھتا ہوں۔ پس جو شخص میری (اس) سنت سے روگردانی کرے گا وہ میری جماعت سے نہیں"۔ (مشکوٰۃ)

سعدیؒ خلافِ پیمبر کسے راگزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پنج حسے ہست جزایں پنج حس آں چو زرِ سرخ وایں حسہا چو مس

لغات: پنج حس احساس کی پانچ طاقتیں۔ یعنی باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ۔ یہ طاقتیں ظاہراً احساس کرتی ہیں۔ ان کے سوا پانچ اور دماغی طاقتیں ہیں ان کو حواسِ باطنی کہتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں حسِّ مشترک، خیال، وہم، حافظہ، متصرفہ۔ پنج حسے میں یائے تفخیم کے لیے ہے۔ ایں کا اشارہ حواسِ خمسہ کی طرف ہے۔ زرِ سرخ سونا۔ اشرفی کسی بیش بہا اور قابلِ قدر چیز کے لیے بطورِ تشبیہ استعمال کرتے ہیں زر کا لفظ زیادہ تر سونے کے لیے مستعمل ہے، مگر دراصل یہ کلمہ سونے اور چاندی دونوں کے لیے مشترک ہے اور زرِ سرخ سونے کے لیے زرِ سفید چاندی کے لیے مخصوص ہے مِس تانبا سیم و طلا کے ساتھ اس کا ذکر کم قیمت اور ناقابلِ قدر چیز کے معنی میں ہوتا ہے۔

صنائع: پنج حسے کے لفظ میں صنعتِ مشاکلہ ہے یعنی قوائے روحانیہ یا لطائفِ غیبیہ کو حواس ظاہری کے ذکر کی رعایت سے پنج حسے کہہ دیا، حالانکہ ان کا درجہ حواس سے بڑھ کر ہے۔

ترجمہ: ان پانچ (ظاہری) حواس کے سوا پانچ اور (عظیم الشان) حواس ہیں وہ (حواس اپنی شان و منزلت کے لحاظ سے) گویا (خالص) سونا ہیں اور یہ (ظاہری) حواس (ان کے مقابلے میں) گویا تانبا ہیں۔

مطلب: حواسِ ظاہری سے تو اجسام اور جسمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ مذکورہ روحانی حواس جو روحانیت کا ادراک کرتے ہیں ان سے حق تعالیٰ کا دیدار ہوتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو یہ حواس تصفیۂ روح کی بدولت حاصل ہوتے ہیں اور جس طرح بدن روح کا مظہر ہے اسی طرح حواسِ بدنی بھی ان حواسِ روحانیہ کے مظہر ہیں اور جب روح علائق نفسانیہ میں مستغرق ہو جاتی ہے تو اس کے یہ حواس ناقص و مکدر ہو جاتے ہیں اور وہ امورِ غیب کا مشاہدہ نہیں کر سکتی، مگر جب اس تکدّر کے باوجود احیاناً جسم کا تعلق روح کے ساتھ کسی نہج سے کم ہوتا ہے تو وہ عالمِ غیب کی اشیا کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے جیسے کہ خواب میں ہوتا ہے اور جو انسانِ کامل ہر وقت جسمانی و نفسانی علائق سے اپنے آپ کو برطرف رکھتا ہے۔ اس کی حسِ روحانی ہر وقت متور رہتی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس سے حواس باطنیہ و دماغیہ حسِ مشترک وغیرہ مراد نہیں ہیں۔ جیسے کہ بعض

نے گمان کیا ہے بلکہ ان سے ماورا روحانی طاقتیں مراد ہیں، جن کو مشاکلۃً حس کے نام سے موسوم کر دیا (بحرالعلوم) پنج حسے دیگر سے حواسِ مجردہ مراد ہیں، جو حواسِ جسمانیہ سے بمدارج ارفع و اعلیٰ ہیں۔ انسان جس طرح عناصر سے بنا ہے جو مادیات سے ہیں اسی طرح کچھ مجردات بھی اس کی ترکیب میں داخل ہیں۔ جن کو لطائفِ ستہ کہتے ہیں کیونکہ وہ لطیف و غیر محسوس ہوتے ہیں ان لطائف کا ذکر اس کتاب میں پیچھے گذر چکا ہے، پنج حسے سے وہ لطائف مراد ہیں۔ رہی یہ بات کہ پنج حسے میں پانچ کا عدد مذکور ہے اور لطائف چھ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لطائف میں نفس کو تغلیباً داخل کر دیا ہے کیونکہ وہ نفس جو داعی الی الشر ہے قوۃِ مادیہ ہے مجردہ نہیں ہے۔ پس پانچ لطائف رہ گئے مگر اس میں تکلف کرنا پڑتا ہے بہتر جواب یہی ہے کہ پنج حس میں عدد مخصوص مراد نہیں بلکہ مطلق معدود مراد ہے، پھر خواہ پانچ ہوں یا چھ کوئی حرج نہیں، اور ایں پنج حس میں پانچ حواسِ ظاہرہ مقصود ہیں اور پانچ حواس باطنہ ان کے تابع ہیں یا ان میں بھی مطلق معدود مراد ہوں اور دس کے دس حواس کی تعبیر پنج کے عدد سے کی گئی ہو۔ دوسرے مصرعہ سے اس بات کا اشارہ مستفاد ہوتا ہے کہ گو حواسِ مادیہ ناکارہ ہیں، مگر ان میں یہ صلاحیت ہے کہ توجہ الی الحق کے کام آسکیں۔ اس طریق سے کہ ان سے علیٰ وجہ المشروع کام لیا جائے۔ جس طرح تانبے کی ناکارہ دھات کیمیائی ترکیبوں سے سونے کی قیمتی دھات کی ماہیت میں منقلب کی جاسکتی ہے۔ (کلیدِ مثنوی)۔

اندراں　بازار　کاہلِ　محشرند　　حس مس راچوں حس زر کے خرند

لغات: بازار تجارت گاہ، منڈی اہلِ محشر وہ لوگ جو مرنے کے بعد قیامت میں زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینے کے لیے جمع ہوں گے۔

ترکیب: کاہلِ محشر کی تقدیر یہ ہے کہ آنجا اہل محشراند ہے۔ اندراں متعلق ہے۔ کے خرند، کے خرند کا فاعل یا تو کارکنانِ عالمِ غیب ہیں۔ یا یہ فعلِ معروف بمعنی فعلِ مجہول ہے۔ جیسے کہ فارسی کا عام محاورہ ہے۔

صنائع: بازار استعارہ ہے عالمِ غیب سے اسی طرح اہلِ حشر یعنی مکلّفین حاضرین عالم غیب ہے جس مس حواسِ مادیہ سے حسِ زر حواسِ مجردہ سے اور موجودین عالم غیب کو اہلِ محشر باعتبار مایؤول الیہ کہہ دیا ہے یعنی جو ارواحِ مجردہ آج عالم غیب میں موجود ہیں، چونکہ ایک دن ان کو بھی میدان محشر میں جمع ہونا ہے۔ نیز اس عالم میں ان کی صفات حسنہ و غیر حسنہ اسی طرح متمائز ہوتی ہیں، جس طرح روزِ حشر میں اعمال حسنہ وسیئہ کی پرکھ ہوگی اس لیے ان کو اہلِ محشر کہہ دیا۔

ترجمہ: عالمِ غیب کے اس بازار میں جہاں اہلِ محشر (پہنچ جاتے) ہیں۔ تانبے کے (سے ناقابلِ قدر) حواس (مادیہ) کو سونے کے (سے قیمتی) حواس (مجردہ) کے نرخ پر کب خریدا جائے گا۔

مطلب: عالمِ آخرت جہاں مکلّفین کو جانا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے حسِ مس کو جنسِ کاسد سمجھا جاتا ہے اور حسِ زر کا پورا معاوضہ ملتا ہے۔ دونوں کا نرخ یکساں نہیں ہے۔ پس تم کو چاہیے کہ اپنے متاعِ رائج کو کاسد ہونے سے بچاؤ اور اپنے متاعِ کاسد کو رائج بنانے کی کوشش کرو۔ حافظؒ ؎

امروز کہ بازارت پرجوش خریداراست　　دریاب وبنہ گنجے از مایۂ نیکوئی

ولہ　حافظ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار　　کار ناکردہ چہ امیدِ عطا میداری

بازار سے عالمِ غیب یا عالمِ آخرت مراد ہے اور عالمِ آخرت سے خواہ قیامت کا مفہوم لو یا مرنے کے بعد کا عالم کہ بموائے حدیث اذا مات احد کم فقد قامت قیامتہ "مرنے والے کے لیے تو اس کے مرنے کے ساتھ ہی قیامت آجاتی ہے"۔

حسِ ابداں قوتِ ظلمت میخورد حسِ جاں از آفتابے میچرد

لغات: قُوت بروزن حوت غذا خوراک روزی۔ ظلمت تاریکی۔ آفتاب سے آفتابِ حق مراد ہے۔

ترجمہ: مادی حس تو ظلمت (کدۂ ناسوت) سے غذا پاتی ہے (اور) حسِ روح (جو مجرد ہے) آفتاب (حق سے) استفادۂ نور کرتی ہے۔

مطلب: یہاں بھی مذکورہ دونوں قسم کے حواس میں تفاوت دکھایا ہے، یعنی حواسِ مادیہ کی غذا امورِ نفسانیہ وشہوانیہ ہیں، جو سراسر ظلمت ہیں اور حواسِ روحانیہ مجردہ انوارِ الٰہیہ سے تلذذ حاصل کرتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں۔

اے ببردہ رختِ حس ہا سوئے غیب دست چوں موسیٰ بروں آور زِ جیب

لغات: رخت سامان، اسباب، مال متاع۔ جیب گریبان۔

ترکیب: اے حرفِ ندا کا منادیٰ یعنی خدا مقدر ہے۔

صنائع: دوسرے مصرعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں آیا ہے۔ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ آيَةً أُخْرَىٰ. یعنی "اور اپنے ہاتھ کو بغل میں رکھ لو تو وہ بغیر اس کے کہ کسی قسم کا روگ ہو، روشن نکلے گا۔ یہ دوسرا معجزہ ہے۔" (طٰہٰ ع ۱)

ترجمہ: اے (وہ ذاتِ برحق) جو متاعِ حواس (باطنی) کو پوشیدگی کی طرف لے گیا اب موسیٰ علیہ السلام کی طرح، گریبان سے منور ہاتھ نکال (تاکہ ظلمتِ جہل دور ہو جائے)۔

مطلب: حضرت مولانا قدس سرہٗ کا یہ عام قاعدہ ہے کہ جب اثنائے تقریر میں کسی مقام کی صعوبت محسوس کرتے ہیں تو متوجہ الی الحق ہو کر مناجات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اوپر مجاہدہ کے سے شاق و دشوار امر کا ذکر آ گیا تھا اس لیے مناجات میں لگ گئے۔ یہاں سوئے غیب سے عالمِ غیب مراد نہیں، بلکہ مطلق خفا و پوشیدگی مراد ہے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی تو حواسِ مجردہ کے سامان کو خفا کی طرف لے جانے والا اور اس کو باقتضائے حکمت پوشیدہ رکھنے والا ہے، اپنی قدرت سے ان حواسِ مخفیہ کو پردۂ خفا سے نکال کر ہمیں نورِ معرفت عطا فرما۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضا سے چکا چوند کا عالم ہو گیا تھا۔ صائبؒ ؎

یارب از عرفان مرا پیمانہ سرشار دہ چشمِ بینا جانِ آگاہ و دلِ بیدار دہ

ہر سر موئے حواسِ من برا ہے میر دد ایں پریشاں سیر را در بزمِ وحدت بار دہ

مولانا بحر العلومؒ بعض شارحین سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ انسانِ کامل سے خطاب ہے۔ یعنی اے انسانِ کامل کہ جس کے حواس روحانی صفات اختیار کر کے غیب میں داخل ہو گئے ہیں اپنے ہاتھ سے اعجاز موسوی کے کرشمے دکھا۔ مگر پہلی توجیہ اقرب الی الصواب اور اوفق بالمقام ہے۔ اب مولانا پر توحید و شکر کا غلبہ ہوتا ہے اور فرماتے ہیں:۔

اے صفاتت آفتابِ معرفت و آفتابِ چرخ بندِ یک صفت

لغات: صفات تجلیات، افعال۔ آفتابِ معرفت۔ ذریعۂ حصولِ عرفان۔ آفتاب چرخ آسمانی سورج۔ بند پابند۔ مسخر۔ بندہ، یا بمعنی مظہر۔ بندِ یک صفت۔ ایک تجلی کا مظہر۔

ترجمہ: اے (ذاتِ پاک کہ) تیرے افعال (و تجلیات تیری) معرفت کے لیے آفتاب (یعنی ذریعۂ ادراک) ہیں اور (یہ) آفتابِ آسمانی (بھی) تیرے ہی ایک فعل (یعنی ایجادِ خاص) کا پابند (یا تیری ایک صفتِ خاص کا مظہر) ہے۔

مطلب: جس طرح آفتاب سے نور حاصل کر کے دوسری اشیا کا علم ہوتا ہے اسی طرح افعالِ حق کو دیکھ کر حق تعالیٰ کے وجود کا علم اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے غافل بندوں کو اپنی ذات پاک کی شناخت کرانے کے لیے اپنی نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ۔ (سورہ بقرہ ع ۲۰) یعنی "بے شک عقل مندوں کے لیے آسمان و زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں اور کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدہ کا سامان ہیں سمندر میں چلتی ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ نے آسمان سے برسایا۔ پھر زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کیا اور سب قسم کے جانوروں کو اس میں پھیلایا اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کا تابع ہے۔ خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں"۔

جامیؒ بعالم ایں ہمہ مصنوعِ ظاہر بصانع چوں نہ مشغولِ خاطر
چو دیدی کار رو درکار گر آر قیاسِ کارگر از کار بردار

صائبؒ از دیدن صیاد اگر رنگ ندارند ایں دست کہ مرغِ خوں شکارست بہ بینند
ایں گرد کہ بر چرخ کلہ گوشہ شکستہ است از جلوۂ آں شاہسوار ست بہ بینند

دوسرے مصرعہ میں کہا ہے کہ یہ آفتابِ چرخ بھی تیرے افعال میں سے ایک فعل یعنی ایجاد مشخص خاص کا تابع ہے جب یہ اس قدر نور بخشنے اور مرئیات کا ذریعہ علم بننے والا ہے تو آپ کی تجلیات کیسی کچھ نورِ معرفت کا سبب ہوں گی۔ حافظؒ

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

گاہ خورشید و گہے دریا شوی گاہ کوہِ قاف و گہ عنقا شوی

کوہ قاف

لغات: کوہِ قاف ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے متعلق پرانے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ زمرد کا پہاڑ ہے اور تمام عالم کے گردا گرد قائم ہے اور اس کو پری کا مسکن سمجھتے تھے۔ اس نام کا ایک پہاڑ سرحدِ روس پر بھی ہے۔ ممکن ہے کہ ایرانِ قدیم کے لوگ اسی پہاڑ کے بارے میں محیطِ عالم ہونے کا وہم کرنے لگے ہوں، اور پہاڑ سے پرے بسنے والی روسی اقوام کے وحشی اور دیو زاد مردوں اور گوری چٹی عورتوں کو جو پرندوں کے پروں سے اپنی آرائش کرتی ہوں گی، دیو و پری سمجھ لیا ہو اور یہی خیال ادبیاتِ فارسی میں درج ہو گیا ہو۔ عنقا عین فتحہ سے ہے۔ ضمہ کے ساتھ پڑھنا غلط مروج ہے۔ ایک خوبصورت عظیم الجثہ دراز گردن پرندہ جس کا نام ہی نام ہے، وجود نہیں اس لیے اس کا اطلاق عموماً کسی غیر موجود نایاب چیز پر کرتے ہیں۔

ترجمہ: (اے خدا) کبھی تو آفتاب (میں ظاہر) ہوتا ہے اور کبھی دریا (میں ظاہر) ہوتا ہے۔ کبھی کوہ قاف (میں جلوہ دکھاتا ہے) اور کبھی عنقا (کی طرح بے نشان) ہوتا ہے۔

مطلب: یہ اشیا اور دیگر تمام کائنات تیری تجلیاتِ صفات اور آثارِ قدرت کی مظہر ہیں یہ سب چیزیں تیری ذات کے مشاہدہ کے لیے آئینہ ہیں اور ان پر غور و فکر کرنے سے تیری ذات کی شناسائی حاصل ہوتی ہے، مولانا رومؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

اے از قدح گرد عطش آبے خورند در درونِ آب حق را ناظر اند

آنکہ عاشق نیست او درآب در صورتِ خود بینداے صاحب نظر
مرابکارِ جہاں ہر گز التفات نبود رخ تو در نظرِ من چنیں خوشش آرا است
ولنعم ماقیل۔ دل مغز حقیقت ست ایں پوست ببیں در کسوتِ روح صورتِ اوست ببیں
ہر چیز کہ ایں نشانِ ہستی دارد یا سایۂ نور اوست یا اوست ببیں

واضح رہے کہ بعض لوگ اس بیت کا ترجمہ کرنے میں اس شدید غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ یہاں ذاتِ حق کے لیے خورشید، دریا، کوہ قاف اور عنقا کو محمول کرتے ہیں، جس سے ان کو ماننا پڑتا ہے کہ معاذ اللہ ذاتِ حق نے ان اشیا میں حلول کیا ہے، یا وہ ان اشیا کا عین ہے اور یہ صریحاً کفر ہے لہٰذا یہ بیت ماوّل ہے کلید مثنوی میں لکھا ہے کہ یہ عنوان جو اختیار کیا ہے کہ تو کبھی آفتاب ہے، کبھی دریا ہے، کبھی کوہ قاف ہے اور کبھی عنقا ہے تو یہ محض تعبیر ہے اور بعض احادیث میں بھی اس قسم کی تعبیرات آئی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ابنِ آدم مجھے برا کہتا ہے یہ اسے زیبا نہیں، کیونکہ وہ زمانے کو برا کہتا ہے۔ زمانہ تو میں ہی ہوں۔ یہاں حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو زمانہ کہا ہے حالانکہ وہ زمانہ نہیں ہے۔ پس ایک تعبیر ہے اس مقصود کی کہ ابنِ آدم زمانہ کو اس لیے برا کہتا ہے کہ اپنے متعلق بعض غیبی تصرفات اس کو ناپسند ہوتے ہیں اور وہ غلطی سے ان تصرفات کو زمانہ کی طرف منسوب کر کے اس کو برا کہنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ اصل متصرف ہم ہیں۔ پس اس کا زمانہ کو برا کہنا ہم کو برا کہنا ہے۔ گو یہ تعیینِ متصرف میں غلطی کرنے سے ہمارا نام نہیں لیتا۔ باقی رہی یہ بات کہ اس قسم کی تعبیر کرنا کہاں تک درست ہے سو اول تو تعبیر مفضی الی الفساد نہیں ہوتی ہر شخص قرائن سے اصل مقصدِ کلام کو سمجھ لیتا ہے اور اگر مفضی الی الفساد ہو بھی تو ایسے کلام کا ایراد صاحبِ شریعت کا فعل ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ اس سے کسی فعل پر باز پرس نہیں اور لوگوں سے باز پرس ہوگی'' غایتہ مافی الباب ایسی احادیث و آیات بھی از قبیل متشابہات سمجھی جائیں جو محتاج تاویل ہیں اس لیے دوسروں کو اس قسم کی تعبیریں کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ یہاں سے یہ بھی مفہوم ہو گیا کہ صوفیہ کی اس قسم کی تعبیرات فی نفسہٖ اپنے اندر ایک صحیح معنی رکھتی ہیں، مگر حالتِ سکر میں تو معذوری ہے بحالت صحو ایسی تعبیرات کی اجازت نہیں۔ کیونکہ دیدہ دانستہ ایک امر مفضی الی الفساد کا ارتکاب مصالحِ دین کے منافی ہے اور ایسی تعبیرات کے مفضی الی الفساد ہونے میں شک ہی نہیں۔ چنانچہ ان کو بعض لوگوں نے کفر تک پہنچا دیا ہے جیسے کہ ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ حق تعالیٰ کو عالم کا مادہ خیال کرتے تھے ایک دوسرے صاحب حق سبحانہ کو کلی طبعی سمجھتے تھے اور ان خیالات کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ (انتہٰی)

صاحبِ مکاشفات کے نزدیک ان ابیات میں انسانِ کامل سے خطاب ہے اور یہاں اس کو خورشید اور دریا اس کے عمومِ فیض کے لحاظ سے کہا ہے اور کوہِ قاف اس اعتبار سے کہ زمین و زمان کا استقرار اسی کے برکتِ وجود سے ہے۔ عنقا۔ اس حیثیت سے کہ وہ نایاب و بےنشان ہے۔ سعدیؒ۔

بسر وقت شانِ خلق کے رہ برند کہ چوں آبِ حیوان بظلمت درانند

تو نہ ایں باشی نہ آں در ذاتِ خویش اے فزوں از وہمہا وزبیش بیش

ترجمہ: تو اپنی ذات پاک کے لحاظ سے نہ یہ (یعنی کوہ قاف و عنقا) ہے نہ وہ (یعنی خورشید و دریا) ہے۔ اے (وہ ذاتِ اقدس) کہ اوہام سے آگے ہے اور (جو چیز کہ اوہام سے) آگے (ہے۔ اس) سے بھی آگے ہے (یعنی وراء الورٰی ثم وراء الورٰی ثم وراء الورٰی ہے)۔

مطلب: اگر شعرِ سابق کو اس کے ظاہر معنی پر محمول کر کے اس شعر کو اس کی تعبیر قرار دیا جائے تو اس کو حالتِ سکر کے ساتھ منسوب کرنا پڑے گا(کما اختار صاحب الکلید) اور اس بیت کا صدور بحالتِ صحو مانا جائے گا جو قولِ سابق کے فساد کی اصلاح کرتا ہے، لیکن یہ بھی بعید نہیں ہے کہ بیتِ سابق بھی بحالتِ صحو کہی گئی ہو اور اس سے وہی معنی۔ مولانا کی مراد ہوں جو ترجمہ میں باظہارِ مقدرات اختیار کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں یہ بیت ان اوہام کا ازالہ کرتی ہے، جو بعض سطحی النظر اشخاص کو اس کے مضمون سے ناشی ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی تنگ نظر یہ نہ سمجھے کہ تو اس کائنات سے متحد یا ان میں حلول کئے ہوئے ہے۔ نہیں نہیں تیری ذات بہت بلند ہے۔ جامیؒ۔

گم ہر وہم د ترک ہر شکے کن ۔۔۔ رُخ وَجْہت وَجِہی در یکے کن
یکے بین ویکے دان ویکے گوئے ۔۔۔ یکے خواہ ویکے خوان ویکے جوئے

روح باعلم ست و باعقل ست یار ۔۔۔ روح را با ترکی وتازی چہ کار

لغات: یار ہمراہ قرین۔ ترکی ترک، قومِ ترک سے منسوب۔ تازی عربی جو تاز کے ساتھ منسوب ہے اور تاز کا لفظ تاختن بمعنی غارت کردن سے مشتق ہے چونکہ آغازِ اسلام میں اہلِ عرب نے ایران کو خوب تاخت و تاراج کیا تھا اس لیے اہلِ ایران کی زبان سے یہ لقب پایا، جیسے کہ اہلِ ایران کو اہلِ عرب نے عجمی (گونگے غیر فصیح) کا خطاب بخشا ہے۔

ترجمہ: (جس طرح) روح علم و عقل کے ساتھ موصوف ہے اس کو ترکی و عربی کہلانے سے کوئی تعلق نہیں (اسی طرح اے خدا تو بھی جسمانیت سے منزہ ہے)۔

مطلب: مضمونِ سابق کی تائید و توثیق ہے۔ یعنی جب روح جو متعلق بااجسام اور امورِ ممکنہ کی قبیل سے ہونے کے باوجود مادیات سے الگ تھلگ ہے کہ وہ ترکی و عربی وغیرہ مادی اوصاف سے موصوف ہی نہیں ہوتی بلکہ علم و عقل سے متصف ہونا ہی اس کا شعار ہے۔ تو اے خدا تجھ کو جو کہ مادہ، اجسام اور امکان کی صفات سے بالکلیہ پاک و منزہ ہے۔ کوہ و دریا وغیرہ سے کیا نسبت!

از تو اے بے نقش باچندیں صُوَر ۔۔۔ ہم مُشبِّہ ہم موحد خیرہ سر

لغات: بےنقش، بے صورت، بیچوں۔ صُوَر صاد کا ضمہ، واؤ کا فتحہ جمع صورت مراد بظاہر۔ مشبِّہ۔ اہلِ تشبیہ وہ لوگ جو خدا کو مخلوقات و ممکنات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ موحد اہلِ توحید، اہلِ تنزیہ وہ لوگ جو خدا کو ایک ذاتِ یکتا اور ممکنات و مخلوقات کی صفات سے پاک مانتے ہیں۔ خیرہ سر حیران، سرگردان۔

ترکیب: اے حرف ندا بےنقش منادیٰ، باچندیں صُوَر اس کا متعلق دوسرا مصرعہ جواب ندا از تو جار مجرور خیرہ سر کے متعلق ہے۔ یا بےنقش اور باچندیں صُوَر معطوف علیہ و معطوف مل کر منادیٰ ہے۔ باقی ترکیب بدستور۔

ترجمہ: اے (خدائے) بیچوں باوجودیکہ تو اس قدر مظاہر (کثیرہ) سے ظاہر ہے (یا اے خدائے بیچوں اور اے ظاہر، مظاہر کثیرہ) تیری کُنہ کے ادراک میں اہلِ تشبیہ اور اہلِ توحید دونوں حیران ہیں۔

مطلب: اے خداوندِ قدوس نہ صرف وہی لوگ تیری کنہ کے ادراک سے محروم ہیں جو تجھے مخلوق سے تشبیہ دینے کی غلطی کرتے ہیں، بلکہ جن کو تیری تنزیہ و توحید کا زعم ہے وہ بھی یہاں فائز بمنزل ہونے سے عاجز ہیں۔ جامیؒ۔

چشم شبہ زجمالِ تو کور ۔۔۔ عقل منزہ زکمالِ تو دور

ناقہ تنزیہ چوں تنہا فتاد پائے زمعمورہ بصحرا نہاد
حادی تشبیہ چو محمل براند رفت بمعمورہ و درگل بماند
اے زتو معمورہ و صحرا ہمہ بود، تو ہم باہمہ و بے ہمہ
در تو مبیند ایں دو صفت جز بہم چوں بنمایند تجاوز بہم
ہست از تنزیہ تو تشبیہ تو نیست جزایں غایت تنزیہ تو

صاحب کلید اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں کہ مشبہین و منزہین کے درجات میں تفاوت ہے۔ بعض تو مشبہ کامل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو مخلوق کی صفات مختصہ کو حق سبحانہٗ کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ جیسے تشکل (شکل پانا) تمکن (مکان میں ہونا) تحیّز (کسی چیز میں ہونا) جسمانت (مجسم ہونا وغیرہ) بعض منزہ تام ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق سبحانہٗ کو ممکن کی جملہ صفات مختصہ وغیر مختصہ سے عاری ٹھہراتے ہیں، حتیٰ کہ علم سے بھی پھر مشبہین کاملین کا آپس میں تعیین تشکل وغیرہ میں اختلاف ہوا کوئی ایک شکل متعین کرتا ہے کوئی دوسری۔ یہاں تک تو مشبہین و منزہین کاملین یعنی غالین کا بیان تھا۔ اب ان لوگوں کی حالت سنو جو جامع بین التشبیہ والتنزیہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق سبحانہٗ کے لیے صفاتِ غیر مختصہ بالممکن تو ثابت کرتے ہیں، مگر صفات مختصہ بالممکن کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو نفسِ صفات کی نفی کرتے ہیں، مگر آثار کو ثابت کرتے ہیں اور ان آثار کا منشا نفسِ ذاتیات کو بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں خدا علیم ہے مگر بصفۃ العلم نہیں، بلکہ بذاتہ۔ اس طرح قدیر ہے مگر بصفۃ القدرۃ نہیں، بلکہ بذاتہ۔ علی ہذا القیاس مرید ہے، مگر بصفۃ الارادۃ نہیں، بلکہ بذاتہ اور ارادۃ کے معنی متفاوت نہیں لیتے بلکہ کچھ اور ہی تراشتے ہیں۔ دوسرے وہ جو نفسِ صفات کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ پھر دوسرے گروہ کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں جن میں استواء علی العرش (عرش پر قائم کرنا) بطش (گرفت وحملہ) ضحک (خندہ) ید (ہاتھ) وجہ (منہ اور چہرہ) وغیرہ واقع ہیں۔ دوسرے وہ جو تاویل نہیں کرتے مگر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان سے مثل صفاتِ مخلوق تو ہرگز مراد نہیں مگر یہ الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہیں۔ رہی یہ بات کہ پھر وہ صفات کیسی ہیں اس کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے علم کی طرف تفویض کرتے اور خود کوئی کیفیت متعین نہیں کرتے۔ مسلکِ اول متکلمین کا ہے اور مسلکِ ثانی محدثین سلفِ صالحین کا۔ آج کل عام طور پر لوگ متکلمین کے مسلک کے موافق ہی اعتقاد کرتے ہیں، اگر دوسرا مسلک پُر احتیاط شبہات سے سلامت اور اشبہ بالحق ہے تو پہلا مسلک بھی تجسّم وغیرہ کے شبہ سے محفوظ ہے۔ پھر دوسرے گروہ کے دو فرقے ہو گئے فرقہ اولیٰ وہ جو کہتا ہے کہ خدا ممکنات سے ذاتاً متبائنِ محض ہے اور اس کو مخلوقات سے صرف اپنی صفات و افعال کے ذریعہ سے تعلق ہے۔ جیسے علم، ارادہ، قدرت، رازقیت، خالقیت، غضب، رحمت وغیرہ۔ یہ منزہ ہیں ان کے مقابلہ میں فرقہ ثانیہ کسی حد تک مشبہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ خدا کو ذاتاً بھی اپنی مخلوقات سے کچھ تعلق ہے یہ مسلک صوفیہ کا ہے اور اس تعلق کو وہ کشفاً اور ذوقاً سمجھتے ہیں، مگر کافی الفاظ نہ ملنے کے سبب سے وہ اس تعلق کو دوسروں پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے مقصد کو تشبیہات کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے اقرب سے اقرب تشبیہات تلاش کرتے ہیں۔ کبھی دریا اور موج کی مثال دیتے ہیں کبھی روح اور جسم کی وغیرہ وغیرہ، مگر افسوس کہ ہر تشبیہ ناکافی ہوتی ہے اور پورے مدعا کو ظاہر نہیں کر سکتی۔ لوگ اس کو تشبیہ تام سمجھ کر دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور ایمان تک کھو بیٹھتے ہیں۔ امثلہ متعارفہ میں سب سے اقرب (گوفی نفسہ وہ بھی بعید ہے وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی)

سورج اور ایک سوراخ دار چھت کی [illegible] کے ظہور کو اور اس کے مظاہر کو تشبیہ دے سکتے

ہیں۔ دیکھو جب اس چھت پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس کے سوراخوں میں سے جن میں سے کوئی سوراخ گول ہے، کوئی بشکلِ مربع ہے آفتاب مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتا ہے، کسی سے گول دکھائی دیتا ہے۔ کسی سے مثلث نظر آتا ہے کسی سے مربع محسوس ہوتا ہے یہ تمام سوراخ اس کے مظاہرِ مختلفہ ہیں مگر آفتاب ان سب سے متبائن اور جداگانہ ہے۔ غرض یہ سب فرقے من وجہ مشبہ اور من وجہ منزہ ہے۔

گہ مشبہ راموحد میکنی گہ موحد رابصورت رہزنی

ترکیب: رہزنی کی تقدیر۔ رہزنِ ہستی یا راہ میزنی دونوں طرح درست ہے۔

ترجمہ: کبھی تو مشبہ کو موحد بنا دیتا ہے (اور) کبھی موحد کو (بھی) صورت (وشکل کے شبہ) کے ساتھ (اس کے اپنے) مسلک سے روک دیتا ہے۔

مطلب: مضمون سابق کا تتمہ ہے یعنی اے خدا تو اپنی کنہ کے ادراک میں نہ صرف مختلف فرقوں کے ہی اختلاف وحیرانی میں مبتلا ہونے کا باعث ہے۔ بلکہ بعض اوقات ایک مخصوص فرقے کے کسی پیرو پر بھی مختلف پریشانیاں طاری ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ کبھی ایک معتقدِ تشبیہ کو ایسا عقدہ لاینحل پیش آ جاتا ہے کہ اس کو اضطراراً تنزیہ کا معترف ہونا پڑتا ہے اور کبھی کسی معتقدِ تنزیہ کو ایسی مشکل پیش آتی ہے کہ وہ تشبیہ کی طرف مائل ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے غرض یہ بڑا مشکل مقام ہے۔ بقول فیضی غفرلہ

دانا کہ سخن بکنہِ او بست برکنگر شعلہ تارِ مُو بست

ایں رہ کہ حریفِ او قدم نیست درنیروے نازک قلم نیست

گہ ترا گوید زمستی بو الحسن یا صغیر السن یارطب البدن

لغات: ابوالحسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت ہے۔ یہاں مطلق ایک عارفِ کامل مراد ہے جس کے لیے حضرت شاہِ ولایت صدرنشینِ منزلِ عرفاں یعنی حضرت علیؓ کی کنیت کا اطلاق زیادہ موزوں سمجھا ہے۔ صغیر السن کم عمر، ننھا، منا۔ رطب البدن۔ نازک بدن، تروتازہ جسم والا۔

ترجمہ: کبھی ایک عارف کامل (غلبۂ شوق کی) ہستی میں (مائل بہ تشبیہ ہو کر تجھ سے) یوں مخاطب ہوتا ہے کہ اے ننھے منے نازک بدن لڑکے!

ترجمہ: ایک عارف پر مختلف کیفیات کے طاری ہونے کی مثال ہے۔ یعنی اے خدا کبھی وہ تیرا جلوہ ایک کم عمر وخوبصورت بچے میں دیکھتا ہے تو حق کو ممکن کے ساتھ متعلق پا کر مائل بہ تشبیہ ہو جاتا ہے اور تجھے یوں پکارنے لگتا ہے، جیسے کسی لڑکے کو پیار کے لہجے میں بلاتے ہوں۔ جامیؒ

بسکہ درجان فگار و چشم بیدارم توئی ہرچہ پیدا مے شود از دور پندارم توئی

گاہ نقشِ خویش ویراں میکند از پئے تنزیہ جاناں میکند

لغات: نقشِ خویش، اپنی ہستی۔ اپنا وجود۔ ویراں۔ فنا، نابود۔ جاناں بمعنی جان آخر میں الف ونون زائد ہے جیسے جاویداں میں۔ پہلے مصرعہ کا میکند بضمِ کاف کردن اور دوسرے مصرعہ میں بفتحہ کاف کندن سے مشتق ہے۔ جاناں میکند۔ جان کنی میکند۔ مرجاتا ہے، فنا ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: (اور) کبھی (غلبہ تنزیہ سے تیری ذات کو ممکنات سے اس قدر دور سمجھنے لگتا ہے کہ اس مقام میں) اپنے وجود تک کو بھی

معدوم (یقین) کرنے لگتا ہے اور تنزیہ کے لیے اپنی جان کو نابود (خیال) کرتا ہے۔

مطلب: اے خدا اس پر تیری توحید و تنزیہ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ تیرے جلوہ کے آگے اپنے وجود کو موجود سمجھنا بھی شرک کا مترادف قرار دینے لگتا ہے اس لیے موحد ہو کر ذاتِ بحت کی طرف توجہ کرتا ہے۔ سعدیؒ۔

اگر یاری از خویشتن دم مزن　　　کہ شرک است با یار و با خویشتن

ولہ　عجب است باوجودت کہ وجودِ من بماند　　　تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

چشمِ حِسّ راہست مذہبِ اعتزال　　　دیدۂ عقل ست سنّی در وصال

لغات: چشمِ حس ظاہری آنکھ جو اجسام کو دیکھ سکتی ہے۔ اعتزال فرقۂ معتزلہ کا مذہب جن کے عقائدِ باطلہ میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ قیامت میں مومنوں کو حق تعالیٰ کا دیدار ہونا محال ہے۔ اعتزال کے معنی ہیں کنارہ کشی۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ رحمۃ اللہ علیہ صدرِ اسلام میں ایک مشہور محدث علومِ ظاہری میں امامِ وقت اور معارفِ باطنی میں شیخ الکل گزرے ہیں۔ ان کا کچھ ذکر مفتاح العلوم کے پہلے حصے میں بذیل ذکر حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ بھی ہوا ہے ان کے شاگردوں میں ایک شخص واصل ابن عطا نامی بڑا ذہین و ذکی اور بلیغ و اہلِ قلم تھا، مگر اس کے عقاید و خیالات فلسفہ یونان سے متاثر تھے۔ ایک مرتبہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ گناہ کا مرتکب نہ مومن رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے، بلکہ اس کی حیثیت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو جاتی ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے اس کا یہ قول سن کر فرمایا اِعْتَزَلَ عَنَّا یعنی یہ شخص ہم سے الگ ہو گیا۔ اب ہماری جماعت میں شامل نہیں رہا۔ اس سے اس فرقہ کا نام اہلِ اعتزال یا معتزلی پڑ گیا اور واصل مذکور اس فرقہ کا بانی ہے۔ دیدۂ عقل، بصیرتِ باطنی، سُنّی۔ اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کا پیرو جو معتزلی کے مقابلہ میں اس کا مدِ مقابل ہے۔ دَر بمعنی ظرفیت ہے یعنی بحالتِ وصال یا بمعنی تعلیل یعنی برائے حصولِ وصال صورت دوم مولانا کے کلام میں بکثرت ہے۔ وصال قرب، دیدار، مشاہدۂ حق۔

ترجمہ: ظاہر آنکھ کا (شیوہ تو یہ ہے کہ مشاہدہ حق نہ کرے جیسے کہ) مذہب معتزلی (کا عقیدہ) ہے (کہ دیدارِ الٰہی ناممکن ہے اور) بصیرتِ باطن (کا درجہ یہ ہے) کہ مشاہدۂ حق میں (مستغرق ہو جس طرح) سنی المذہب (دیدارِ الٰہی کا قائل) ہے۔

مطلب: پیچھے فرمایا تھا کہ حسِ مادی کو جو عالم ناسوت کی پابند ہے بیکار کر کے حسِ مجرّد سے کام لینا چاہیے اس مضمون کی طرف پھر عود کرتے ہیں کہ چشمِ حس عملاً معتزلی المذہب ہے کیونکہ وہ حق بینی کے لیے کوشش نہیں کرتی۔ اس لیے وہ گویا رویتِ حق کی منکر ہے اور دیدۂ عقل و حس مجرد حالتِ قرب و دیدارِ حق میں عملاً سنی المذہب ہے جو مثبت رویتِ باری تعالیٰ ہے۔

سخرۂ حس اند اہلِ اعتزال　　　خویش را سُنّی نمایند از ضلال

لغات: سخرۂ مسخر، مقید۔ نمایند ظاہر کنند۔ ضلال گمراہی، غلطی۔

ترجمہ: (جو سُنّی لوگ) حس (مادی) کے مقید (ہیں۔ وہ عملاً) معتزلی المذہب ہیں (اور) غلطی سے اپنے آپ کو سنی کہتے ہیں۔

مطلب: مقیدانِ حسِ مادی کے عملاً معتزلی المذہب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حسِ مجرد سے کام لے کر رویتِ حق کی کوشش نہیں کرتے اور یہی مسلک اہلِ اعتزال کا ہے جو سرے سے رویتِ باری کے ہی منکر ہیں۔ بقول باری تعالیٰ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى جو کوئی یہاں ادراکِ حقائق سے کورچشم ہے وہ وہاں بھی بے بصیرت (دیدارِ الٰہی سے محروم) رہے گا۔''

آنکہ در حس ماند او معتزلی ست　　　گرچہ گوید سُنّیم از جاہلی ست

لغات: عرض معتزلی میں تائے فوقانی مفتوح اور زائے معجمہ مکسور ہے مگر اس لفظ کو اس ہیئت کے ساتھ پڑھنے سے وزن

بیت درست نہیں بیٹھتا۔ لہٰذا ضرورتاً اس لفظ کو فتح تاء کے اشباع سے معتازلی۔ یازاء کی تشدید سے معتزلی پڑھنا ہوگا۔ مثنوی شریف کے ناپیدا کنار دریائے معانی کی روانی میں ان لفظی مسامحتوں کے خس و خاشاک کی پروا نہیں کی جاتی۔

ترجمہ: جو شخص حسِ مادی میں (مقید) رہے وہ (عملاً) معتزلی ہے، اگرچہ وہ (یہ) دعویٰ کرے کہ میں سنی ہوں تو (اس کا یہ دعویٰ) نادانی پر مبنی ہے۔

ہر کہ بیروں شد ز حس او سُنّی ست   اہلِ بینش چشمِ حسِ خویش بست

لغات: بیروں شد برطرف ہوگیا۔ کنارہ کش ہوگیا۔ اہلِ بینش۔ صاحب بصیرتِ باطن۔ صاحبِ حس مجرد معتقدِ رویت باری تعالیٰ۔

ترجمہ: جو شخص حس (مادی) کو چھوڑ چکا، (درحقیقت) وہی سنی ہے (اس لیے کہ) اہلِ بصیرت (یا معتقدِ رویتِ حق تعالیٰ) اپنی چشمِ ظاہری کو (رویتِ ممنوعات سے) بند رکھا کرتے ہیں۔

مطلب: اہلِ تحقیق اور اہلِ بینش کا شیوہ یہ ہے کہ وہ عالم ناسوت کی طرف سے اپنی التفات کو ہٹا کر عالم غیب کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ چشمِ ظاہری کو بند کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس سے مدرکاتِ ممنوعہ کے احساس کا کام نہیں لیتے، گویا اس حیثیت سے اس کو بے کار کر لیتے ہیں۔ ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمہ وقت آنکھیں بند کیے رہتے ہیں اور مباحات کی رویت سے بھی مجتنب رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آلۂ بصارت کے اس کثرتِ استعمال سے پرہیز کرتے ہیں جو احوالِ باطن سے غافل ہونے کا باعث ہو جائے۔ کما قال ظہوری عفر لہ۔

دیدہ را پردہ خود کردہ بدیدن رفتم   پنبہ برگوش نہادم بشنیدن رفتم

ہر کہ از حسِ خدا دید آیتے   در برِ حق داشت بہتر طاعتے

لغات: حسِ خدا سے حسِ باطن یا حسِ مجرد مراد ہے اور حس کی خدا کے ساتھ اضافت بادنیٰ ملابست ہے۔ یعنی حسِ موصل بخدا۔ آیت نشانی۔ برمعنی پیش جیسے "حذر کن ز نالیدنش برخدا" میں۔

ترکیب: دوسرے مصرعہ میں داشت کے دو مفعول یہ ہیں۔ پہلا مفعول مقدر یا تو "دید آیت، یا ہر طاعت کہ کند" دوسرا مفعول بہتر طاعتے۔ لہٰذا ترجمہ دو طرح ہوسکتا ہے۔

ترجمہ: جس شخص نے (جمالِ) خدا (کا مشاہدہ کرنے) والی حس (باطن) سے (حق سبحانہٗ کی) کوئی نشانی دیکھ لی، تو (وہ نشانی کا دیکھنا) اس کے لیے بہترین طاعت ہے۔ (یا یوں کہو کہ) کہ اس کی ہر طاعت بمقابلہ دوسرے لوگوں کے بہترین طاعت ہے۔ صائب۔

ز طاعت ست فزوں آبروئے تقصیرش   نماز ہر کہ ز نظارہ است قضا گردد

الحاق: یہ بیت بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کے متعلق مولانا بحرالعلوم ایک شارح کا قول نقل فرماتے ہیں کہ یہ الحاقی ہے اور بعض نسخوں میں درج ہے تو بیتِ سابق سے مقدم درج ہے۔

گر بدیدے حسِ حیواں شاہ را   پس بدیدے گاؤ و خر اللہ را

لغات: حسِ حیواں سے حسِ ظاہری مادی مراد ہے، جو انسان اور باقی تمام حیوانات میں مشترک ہے۔ گاؤ و خر میں پہلی واؤ گاؤ کا جزوِ کلمہ ہے۔ دوسری واؤ عاطفہ ہے۔ بعض نسخوں میں اس کو گاؤخر ایک واؤ سے لکھا ہے یہ غیر صحیح ہے۔

ترجمہ: اگر (یہ ظاہری) مادی حس شاہ (حقیقی تعالیٰ شانہٗ) کو دیکھ سکتی ہے تو بیل اور گدھے تک (بھی) رویتِ حق تعالیٰ سے بہرہ ور ہو جاتے۔

مطلب: اوپر کے مضمون پر سوال ہوسکتا ہے کہ حسِ مادی کو چھوڑ دینے اور حسِ مجرد پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے کیا حس مادی سے مشاہدہ حق نہیں ہوسکتا۔ یہاں اس کا جواب دیا ہے۔ یعنی اگر حسِ مادی سے یہ کام ہوسکتا ہے تو باقی حیوانات بیل گدھے وغیرہ بھی مشاہدۂ حق سے بہرہ اندوز ہو سکتے، جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی اور قوت ہی خدا بینی میں کام دیتی ہے اور وہ قوت وہی ہے جس کو اوپر حسِ خدا کہا ہے۔

عراقیؒ ۔ ہم دیدۂ اوباید تا حسنِ رخش بینی کانجا کہ جمالِ اوست ابصار نمی گنجد

گر نبودے حسّ دیگر مر ترا جز حسِّ حیواں زبیرونِ ہوا

پس بنی آدم مکرم کے بُدے کے بحسِّ مشترک محرم شدے

لغات: بیرونِ ہوا ہوا و ہوس سے خارج۔ مکرم معزز و ممتاز حسِ مشترک لغوی اعتبار سے وہ حس جو انسان و بہائم میں مشترک ہے یعنی باصرہ، سامعہ وغیرہ اور اصطلاحاً حواسِ خمسہ باطنیہ میں سے پہلی حس کا نام ہے، مگر یہاں لغوی معنی مقصود ہیں۔ محرم۔ میم اور حا کے فتحہ سے محرمِ راز، واقف و شناسا۔

ترکیب: پہلا شعر شرط ہے دوسرا جزا دوسرے شعر میں مکرم کے بدے اور کے بحسِ مشترک محرم شدے معطوف علیہ اور معطوف ہیں۔ صاحب کلید نے اس ترکیبِ عطفی کو بڑی نازک اور پراشکال قرار دیا ہے اور اس کی توضیح پر خاص زور دیا ہے حالانکہ ایک معمولی بات تھی۔

صنائع: بنی آدم کے مکرم ہونے میں اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا "اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں ان کو (جانوروں اور کشتیوں پر) سوار کیا اور عمدہ چیزیں انہیں (کھانے کو) اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں سے بہتیروں پر ان کو برتری دی"۔ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۷)

ترجمہ: اگر تمہارے اندر ایک اور (باطنی) حس نہ ہوتی جو حیوان (وانسان) کی (مشترکہ) حس کے علاوہ (اور) ہوا (وہوس) سے خارج ہے تو بنی آدم (خدا کے نزدیک) کب معزز (وممتاز) ہوتے (اور اکیلی) اس حسِ مشترک (بین الانسان والبہائم) کی (کیا حقیقت تھی صرف اسی کی بدولت کب محرم (رازِ حق) ہوسکتے۔

نامصوّر یا مصوّر گفتنت باطل آمد بے زِصورت رفتنت

لغات: نامصوّر بلاصورت، قیدِ صورت سے منزہ۔ مصوّر موصوف بصورت زِصورت رفتن قیدِ صورت سے آزاد ہو جانا۔

ترکیب: آمد فعل ناقص گفتن مصدر اور نامصور یا مصور بترکیبِ عطفی اس کا مفعول بہ مل کر اس کا اسم۔ باطل اس کی خبر۔ بے حرف جار۔ رفتن مصدر اس کا مجرور زصورت جار مجرور متعلق رفتن کے۔ پھر وہ جار مجرور متعلق خبر کے۔

ترجمہ: تیرے صورت سے آزاد ہوئے بغیر خداوند تعالیٰ کو صورت سے منزہ یا صورت سے موصوف کہنا لا حاصل ہے (اس سے دولتِ عرفان، حاصل نہیں ہوسکتی۔)

مطلب: یہاں حصولِ مشاہدہ کا طریقہ بتاتے ہیں۔ یعنی تم قیدِ صورت سے آزاد ہو جاؤ اور عالم ناسوت سے اپنا تعلق منقطع

کرلو اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر خواہ تم اہلِ تنزیہ میں شامل ہو کر اس کو صورت وغیرہ صفاتِ اجسام سے پاک و منزہ پکارتے رہو یا اہلِ تشبیہ کے زمرے میں داخل ہو کر اس کو موصوف بصورت قرار دیتے رہو اس قیل و قال اور بحث وجدال سے خاک بھی فائدہ نہیں، کیونکہ دولتِ مشاہدہ اور فضیلتِ عرفان مجاہدہ وعمل کا ثمرہ ہے نہ کہ زبانی جمع خرچ کا غرض اس دولت کے حصول کی بہترین تدبیر ترک صورت ہے۔ جامیؒ۔

مستے زدیں ترانہ بآوازِ چنگ و دف　　یا طالب الوصول تجرد لکے تصل

نظامیؒ۔ دام در پا د کوہ بر گردن　　با فلک رقص کے تواں کردن

نامصور یا مصور پیشِ اوست　　کہ ہمہ مغزاست و بیروں شد زپوست

ترکیب: اومبین اور دوسرا مصرعہ اس کا بیان۔ مل کر مضاف ہوا پیش کا۔

ترجمہ: (خدا کا) منزہ از صورت یا موصوف بصورت (ہونا) تو اس (اس کامل) کے نزدیک (محقق) ہے جو (کمالِ تحقیق سے) سراپائے مغز (بن گیا) ہے اور (الفاظ پرستی کے) پوست سے نکل گیا۔ (تم صرف اپنی زبانی ولسانی قیل وقال سے یہ رتبہ حاصل نہیں کرسکتے۔ مجاہدہ کرو)۔

گر تو کوری نیست براعمٰی حرج　　ورنہ رو کالصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ

لغات: کوری، کورستی تو اندھا ہے۔ اعمٰی نابینا، اندھا۔ حرج تنگی، مضایقہ۔ کالصبر کی تقدیر کہ الصبر ہے اور اس میں کاف تعلیلیہ حرفِ فارسی ہے۔ عربی فقرہ کا جز نہیں۔

صنائع: پہلے مصرعہ میں اس آیۂ کریمہ کی طرف تلمیح ہے۔ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ الخ یعنی نہ تو اندھے آدمی کے لیے کچھ مضایقہ ہے اور نہ لنگڑے کے لیے کچھ مضایقہ ہے اور نہ بیمار کے لیے کچھ مضایقہ ہے اور نہ عموماً تم مسلمانوں کے لیے اس میں کچھ مضایقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے الخ (سورہ نور ع ۸) دوسرے مصرعہ میں اس حدیث کا اقتباس ہے جو دیلمی نے امام حسین ابن علیؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے الصبر مفتاح الفرج والزھد غنی الابد یعنی صبر فراخ کی کنجی ہے اور ترکِ خواہشات ہمیشہ رہنے والی تونگری ہے"۔

ترجمہ: اگر تم اندھے (اور مسلوب الاستعداد) ہو تو پھر تم سے ہم کچھ نہیں کہتے کیونکہ اندھے پر کوئی مضایقہ نہیں (وہ معذور ہے) اگر یہ بات نہیں تو جاؤ (مجاہدہ کرو) کیونکہ (مجاہدہ پر) صبر (کرنا خزائن معرفت کی) کشادگی کی کنجی ہے۔

مطلب: یہاں عالم ناسوت سے قطع تعلق کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں لیکن توبیخ کے لہجے میں یعنی اگر تم اندھے ہونے کی وجہ سے معذور ہو تو خیر ورنہ مجاہدہ نہ کرو۔ اس کے بغیر عالم ناسوت سے یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی۔ صائبؒ۔

خویش راگرز خور و خواب توانی گزارند　　کشتیِ خود سبک از آب توانی گزراند

حافظؒ۔ خواب و خورت ز مرتبۂ عشق دور کرد　　آندم رسی بدوست کہ بیخواب و خور شوی

پردہائے دیدہ رادارو ئے صبر　　ہم بسوزد ہم بسازد شرحِ صدر

لغات: پردہائے دیدہ آنکھ کے جالے جو رمد مزمن۔ شعر منقلب، جرب الاجفان وغیرہ امراض چشم سے آنکھ کے ڈھیلے پر پیدا ہو کر مانع بصر ہو جاتا ہے۔ دارو سے آنکھ میں ڈالنے کی دوا مراد ہے۔ بسازد فعلِ بسیط ہے بمعنی پیدا ے کند، بظہور رے

آرد۔ سوزد بمعنی قطع مے کند۔

صنائع: سوزد اور سازد میں تجنیس لاحق۔

قافیہ: صبر و صدر کا قافیہ محلِ نظر ہے۔

ترجمہ: چشمِ باطن (پر چھائے ہوئے غفلت) کے جالوں کو بھی صبر کی دوا کاٹ دے گی (اور) سینہ کو (نورِ عرفان کے لیے)۔ کشادہ بھی کر دے گی۔

مطلب: ریاضت و مجاہدہ کے فوائد بیان فرماتے ہیں جن کو صبر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ صبر سے تمام معائبِ روحانیہ زائل اور ہر قسم کے فضائل و کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ حافظؒ ۔

گویند سنگ لعل شود در مقامِ صبر　　آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

آینہ دل چوں شود صافی و پاک　　نقشہا بینی بروں از آب و خاک

لغات: آینہ دل میں فکِّ اضافت ہے۔ صافی صاف۔ نقشہا۔ نقش کی جمع کی مراد صورتیں اور مصنوعات' حالات۔ آب و خاک سے عالمِ ناسوت مراد ہے۔

ترجمہ: جب تمہارے دل کا آئینہ (ریاضتِ صبر کی بدولت) پاک و صاف ہو جائے گا، تو عالمِ ناسوت سے باہر کے حالات مشاہدہ کرنے لگو گے۔

مطلب: ریاضت سے آئینہ دل صاف ہوتا ہے اور اس کی صفائی سے ماوراء الدنیا کے احوال منکشف ہونے لگتے ہیں۔ صائبؒ ۔

سینہ برسنگِ زناں محرمِ ایں درگاہ اند　　در توفیق بہر خام کجا بکشایند

ماوراء الدنیا کے احوال جن کو مولانا نے نقوش سے تعبیر کیا ہے دو طرح کے ہیں۔ ایک کونیات جیسے عالمِ برزخ' بہشت' دوزخ وغیرہ کے حالات دوسرے الٰہیات یعنی معاملات عالمِ قدس اور اولیاء اللہ پر ان حالات میں سے اکثر یا بعض منکشف ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالکریم جیلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دریا دیکھا جس کی ایک موج مابین السماء والارض سے دس لاکھ بڑی ہے اور میں نے دوزخ کے تمام طبقات کی پیائش کی ہے اور غالبًا شیخ محی الدین ابن عربیؒ پر تمام اہل دوزخ اور اہلِ جنت کی تعداد منکشف ہوئی، مگر یہ حضرات قصداً کونیات کی سیر کرنے اور ان کے حصولِ علم کو کفرانِ طریقت اور شرک فی الطریق سے تعبیر کرتے ہیں، ہاں اگر بلا قصد وارادہ ایسا ہو جائے، تو خیر۔ البتہ الٰہیات پر متوجہ ہونا ان کا مقصود ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی صفات و افعال کا کشف جس کو علمِ مکاشفہ کہتے ہیں اور معاملات بین الحق والعبد کا وہ کشف جس کو قربِ الی الحق میں دخل ہو اور اس کا نام علوم معاملہ ہے۔ پہلا غیر لازم دوسرا حسبِ استعداد لازم ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ الٰہیات کے سوا باقی تمام مکاشفات قابلِ نفی ہیں اگرچہ وہ انوارِ ملکوتیہ سے متعلق ہی ہوں کیونکہ وہ بھی حجابات ہیں، بلکہ حجاباتِ نورانیہ حجاباتِ ظلمانیہ سے زیادہ مضر ہیں، کیونکہ حجاباتِ ظلمانیہ کا محجوب اپنے آپ کو محجوب اور محتاجِ ترقی تو سمجھتا ہے بخلاف اس کے حجاباتِ نورانیہ کا محجوب اپنے آپ کو واصل الحق اور فائز بمرام سمجھ کر اس مقام پر محصور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال روح کی تجلی کو تجلی ذات سمجھ کر عمر بھر اس تلذذ میں مستغرق ہو جاتا اور قربِ حق سے محروم رہ جاتا ہے چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال روح کی تجلی کو تجلی ذات سمجھ کر اس کی پرستش میں مبتلا رہتے ہیں ازکلید بہ تبدیل عبارت) غرض [illegible] تمام اشیا کی نفی کر کے عالمِ بالا کی طرف متوجہ و

ملتفت ہو جاؤ اور تماشائے قدرت دیکھو۔ صائبؔ

بر بساطِ بوریا سیرِ دو عالم مے کنیم　　باوجودِ نے سوارے برق جولانیم ما

ہم بہ بینی نقش و ہم نقاش را　　فرشِ دولت را و ہم فراش را

لغات: نقش مصنوع، مخلوق۔ نقاش نقش بنانے والا صانع مراد حق تعالیٰ۔ فرشِ دولت، دربارِ شاہی، فراش، فرش بچھانے والا، فراشِ فرشِ دولت ناظمِ دربار صدر نشین، مراد حق تعالیٰ۔

ترجمہ: (پھر) تم ہر مصنوع اور اس کے صانع کا بھی مشاہدہ کرنے لگو گے۔ دربارِ قدس اور صدر نشینِ دربار کا جلوہ) بھی (دیکھو گے)۔

الخلاف: یہ شعر بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

مطلب: اس تقریر سے تمام غیر اللہ کی نفی مفہوم ہوتی ہے اس لیے سوال ہوتا ہے کہ پھر شیخ بھی غیر اللہ ہے اس کی بھی نفی ہونی چاہیے اور عالمِ ناسوت کی طرح اس کو بھی کیوں نہ ترک کیا جائے۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گو بظاہر تعلقِ شیخ بمنزلہ بت ہے مگر درحقیقت یہ بت شکن اور معلمِ توحید ہے۔

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من　　صورتش بت معنیِ او بت شکن

لغات: خلیل دوست حضرت ابراہیمؑ کے لقب خلیل اللہ کا مخفف ہے۔ یار سے مرشد مراد ہے۔ خیالِ یار تصوّرِ شیخ۔

ترجمہ: حضرت خلیل اللہ (کے کلمات ہذا ربی) کی طرح میرے مرشد کا خیال بظاہر بت (مگر) درحقیقت بت شکن ہے۔

مطلب: بے شک مرشد کی ذات غیر اللہ ہے۔ اس لیے بظاہر اس کو "بت" کہہ سکتے ہیں مگر اس کی طرف التفات و التجا اس لیے نہیں کی جاتی، کہ وہی مقصود ہے اور اس بنا پر اس پر بت پرستی کا اطلاق ہو سکے، بلکہ ہم تو اس کی طرف اس لیے ملتجی ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے دل سے غیر اللہ کا نقش مٹا دے اور وصول الی الحق کے طریقے بتائے۔ پس وہ بت شکن ہوا اور موصل الی اللہ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خیالِ یار یا تصورِ شیخ غیر اللہ نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عین حق ہے، کیونکہ صوفیہ کے عرف میں غیر اللہ وہ ہے جس سے خدا کے لیے تعلق نہ ہو اور خیالِ یار یا تصوّرِ شیخ سے تعلق محض خدا کے لیے ہے۔ پس وہ غیرِ حق ہے اور نہ عینِ حق بلکہ موصل الی الحق ہے۔ حضرت خلیل اللہ کے ساتھ اس کی تشبیہ اس لحاظ سے ہے کہ انہوں نے ایک ستارہ دیکھ کر کہا تھا ھٰذَا رَبِّیْ پھر چاند کو دیکھ کر بھی کہا۔ ھٰذَا رَبِّیْ اس کے بعد سورج کو دیکھ کر کہا یہ الفاظ بظاہر شرک و بت پرستی کا عنوان ہیں مگر درحقیقت یہی الفاظ بتوں کو پامال اور شرک کو تباہ کرنے والے ہیں کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ پہلے تو بت پرستی کا دعویٰ متعین کیا گیا ہے۔ جس کا ابطال حضرت خلیل اللہؑ کا مقصود تھا۔ اس کے بعد اس کا ابطال کر دیا۔ مناظرہ میں کسی دعویٰ کے ابطال کے لیے پہلے اس کا تعیّن بصورتِ اثبات کیا جاتا ہے پھر ابطال کرتے ہیں۔ مناظرہ کے اس قاعدہ متعارفہ کے مطابق حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قول ہذا ربی کے ساتھ ہر مرتبہ ابطال کا کلمہ موجود ہے یعنی پہلے کہا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ پھر کہا لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَ كُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ. اس کے بعد ارشاد کیا یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ پس ہذا ربی کے الفاظ گو بظاہر بت ہیں مگر وہ جس حجت کے جوڑ توڑ میں استعمال ہوئے ہیں اس سے احساسِ بت پرستی کا ہدم و استیصال مقصود ہے۔ لہٰذا یہ لفظ درحقیقت بت نہیں، بلکہ بت شکن ہیں۔

شکر یزداں را کہ چوں او شد پدید　　در خیالش جاں خیالِ خود بدید

ترکیب: ضمیرِ او کا مرجع خیالِ مرشد ہے یا مرشد ہی ہو تو بھی بعید نہیں بلکہ بلحاظ سیاق اقرب ہے اور خیالش میں ضمیرِ شین مرجع مرشد ہی ہے۔

ترجمہ: خداوند تعالیٰ کا شکر ہے جب وہ (یعنی مرشد کا خیال دل میں) پیدا ہوا تو اس کے خیال میں جان نے نقشہ دیکھ لیا۔

مطلب: بقول مشہور۔ تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا یعنی ہر چیز کا احساس اس کے ضد کے مقابل میں آنے سے ہوتا ہے۔ جب مرید اپنی روحانیت ناقصہ کو اپنے مرشد کے کمالات کے سامنے رکھ کر دیکھے گا تو وہ اس کے آئینۂ کمال میں اپنے نقص کا مشاہدہ کر سکے گا اور یہ احساس و ادراک اس کو جبرِ نقصان اور تحصیلِ کمال پر آمادہ کرے گا نیز بجوائے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ بزرگانِ دین کی صحبت و قرب سے اہل ارادت پر خود بخود ایک خاص تاثیر پڑتی ہے جس سے ان کو اپنے روحانی نقائص کا احساس ہوتا ہے اس کو معرفتِ نفس کہتے ہیں اور معرفتِ نفس معرفتِ پروردگار کا زینہ ہے جس پر قول مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ شاہد ہے۔ نظامی۔

بداں خود را کہ از راہِ معانی　　خدا را دانی ار خود را بدانی

صائبؒ۔ از خود نشا ساں مطلب دیدۂ حق بین　　حق راچہ شناسد زخود بیخبرے چند

اور ان سب باتوں سے ضرورتِ شیخ ثابت و مبرہن ہوتی ہے۔

اختلاف: شرحِ بحرالعلوم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متن میں دوسرا مصرعہ یوں ہے "در خیالِ او خیالِ حق رسید" مطلب ظاہر ہے۔

شکرِ معطی را کہ چوں اودررسید　　در خیالش جاں خیالِ خودندید

لغات: معطی عطا کرنے والا، محسن، مربی، کریم۔

ترجمہ: شکر ہے اس محسن (حقیقی تعالیٰ شانہٗ) کا کہ جب وہ (خیالِ یار) سامنے آ گیا تو اس کے خیال میں جان کو اپنا خیال نہ رہا۔

مطلب: یعنی تصورِ شیخ کے غلبہ سے اپنی ہستی فراموش ہوگئی جس کی بدولت اپنے تعیّن سے نظر ہٹ گئی اور اس پردہ کے اٹھ جانے سے مشاہدۂ حق کا درجہ حاصل ہو گیا۔

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　تو خود حجاب خودی حافظ ازمیاں برخیز

ولہ۔ حجاب چہرۂ جاں مے شود غبارِ تنم　　خوشادمے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

اختلاف: یہ بیت صرف بحرالعلوم کے متن میں مندرج ہے اور کسی نسخہ میں نہیں ملی۔

خاکِ درگاہت دلم را میفریفت　　خاک بروے کوزخاکت می شکیفت

لغات: میفریفت۔ ماضی ناتمام فریفتن مفتون بنانا، فریفتہ کرنا۔ می شکیفت شکیفتن سے صبر کرنا، بے نیاز ہونا۔

ترجمہ: (اے مرشد) تیری درگاہ کی خاک میرے دل کو فریفتہ کر رہی ہے جو شخص تیری (درگاہ کی) خاک سے بے نیاز ہو اس (کے سر) پر خاک۔

مطلب: مدح پیر میں اب غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرماتے ہیں اور آستانہ مرشد پر حاضری کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔

حافظ۔ جز آستانِ توام درجہاں پناہے نیست　　سر مرا بجز ایں درحوالہ گاہے نیست

گفتم ار خوبم پذیرد ایں ازو　　ورنہ خود خندید برمن زشت رُو

لغات: اگر خوبم خوب ہستم۔ زشت رو۔ بدصورت کریہہ منظر۔ اس لفظ سے یا تو معنی ظاہری مراد ہیں یا یہ کنایہ ہے شیطان سے

ترکیب: اس بیت میں ضمائر کے مرجع قائم کرنے اور اس کے مطلب کو ابیاتِ سابقہ ولاحقہ کے ساتھ ربطہ دینے میں

شارحین کے اقوال مضطرب ہیں۔ بظاہر پذیر کی ضمیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف پھرتی ہے جس کے لیے ایزد اور معطی کے کلمات اوپر آئے ہیں۔ اس کا اشارہ اپنی خوبی کی استعداد کی طرف ہے۔ ازو کی ضمیر قلب کی طرف راجع ہے جو شعر سابق "خاک درگاہت دلم راسیفریفت" میں درج ہے۔ پس ازو بمعنی از من ہوا کیونکہ قلب اور ذی قلب کے احکام متلازم ہیں اور ہمارا اختیار کردہ ترجمہ انہی تقدیرات پر مبنی ہے مگر شارح کلید فرماتے ہیں، اگر شعر "خاک درگاہت الخ" میں خطاب بحق سبحانہٗ ہو۔ ضمیر پذیرد کا مرجع حق سبحانہٗ ہو اور ایں کا مشارٌ الیہ فریفتگی ہو، تو زیادہ نمایاں ہے۔ درگاہت کا مخاطب شیخ کو بنا کر پذیرد کی ضمیر کو بسوئے حق سبحانہٗ راجع بنانے میں تشتت معلوم ہوتا ہے۔ حضرت بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ اگر اوپر خیالِ یار سے یارِ حق مراد ہو تو خاکِ درگاہت سے خطاب شیخ کی طرف انتقال ہے مگر جو لوگ وہاں بھی خیالِ مرشد مراد لیتے ہیں ان کو یہاں انتقال تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں۔ مولانا بحر العلوم خندید کا فاعل بھی پذیرد کے فاعل کو قرار دیتے ہیں اور زشت رو کو من کی صفت، مگر صاحب کلید خندید کا فاعل زشت رو کو بناتے ہیں اور زشت رو سے مراد شیطان۔

صنائع: خوب اور زشت رو میں صنعتِ تضاد ہے۔

ترجمہ: میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر میں خوب ہوں تو (حق سبحانہٗ تعالیٰ میری) اس (خوبی) کو اس (دل) سے (یعنی مجھ سے) قبول کرے گا ورنہ وہ خود مجھ بدصورت پر ہنس دے گا (یا بقول صاحب کلید ورنہ پھر خود ابلیس بھی مجھ پر ہنسے گا)۔

مطلب: مجھے جو آپ کی خاکِ درگاہ کی طرف ایک خاص میلان اور فریفتگی ہے تو یہ مجھ میں کچھ استعداد و صلاحیت ہونے کی نشانی ہے ورنہ یہ جذبہ کیوں ہوتا، اب دیکھئے یہ صلاحیت اصلی ہے یا عارضی اگر اصلی ہے تو درجہ قبولیت پر پہنچا دے گی ورنہ موجبِ مضحکہ ہوگی۔ حافظؒ

دلم مقیم درِ تست حرمتش مے دار   بشکر آنکہ واشتہ است محترمت

چارہ آں باشد کہ خود را بنگریم   درخور آئیم یا نادر خوریم

لغات: چارہ تدبیر علاج۔ بنگریم بہ بینیم۔ درخور قابل لائق۔ درخور آئیم۔ لائق آں ہستیم۔

ترجمہ: (اس کی) تدبیر یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو دیکھیں کہ ہم اس کی قبولیت کے لائق ہیں یا نہیں۔

مطلب: قبولیت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے پہلے خود شناسی لازم ہے تا کہ اپنا کمال یا اپنی صلاحیت کا اصلی یا عارضی ہونا معلوم ہو جائے جس پر مقبول یا غیر مقبول ہونا موقوف ہے۔ جامیؒ۔

قدر شناسِ گہرِ خویش باش   صیرفیِ سیم و زرِ خویش باش

گر زرِ خالص شدۂ خوش ترا   ورنہ چہ چارہ ست ز آتش را

اوجمیل ست وَیُحِبُّ لِلْجَمَالْ   کے جوانِ نو گزیند پیرہ زال

لغات: جمیل خوبصورت، حسین۔ یحب پسند کرتا ہے۔ جوانِ نو نوجوان۔ گزیند۔ اختیار کرتا ہے۔ نکاح میں لانا مراد ہے۔ پیرہ زال۔ بڑھیا۔ **صنائع:** اقتباس۔

ترجمہ: وہ (خود) صاحبِ جمال ہے اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے (اور کیوں نہ کرے) ایک نوجوان (مرد) کسی بڑھیا ضعیف عورت کو (اپنے نکاح کے لیے) کب پسند کرتا ہے۔

مطلب: مصرعۂ اولیٰ کا مضمون اس حدیث سے مقتبس ہے۔ کہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ جو بقول صاحبِ تمییز

الطیب صحیح مسلم وغیرہ میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

طیبات از بہر کہ؟ لِلطَّیِّبِیْن　　خوب خوبی را کند جذب از یقیں !!

لغات: طیبات: پاک و پرہیز گار عورتیں۔ طیبین پاک باز مرد۔ خوبی میں یا تو یائے معروف مصدری ہے یا یائے مجہول تنکیر کے لیے۔ جذب۔ کشش

صنائع۔ اقتباس۔

ترجمہ: پاک عورتیں کن کے لیے ہوتی ہیں؟ پاک مردوں کے لیے (بے شک) خوبصورت آدمی (یا کسی خوبصورت) ہی کو (اپنی طرف) کھینچتا ہے (اور یہ بات) یقینی ہے۔

مطلب: ہر چیز کا میلان اپنی جنس کی طرف ہوتا ہے۔ بقول کسے

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز　　کبوتر با کبوتر باز با باز

مصرعہ اولیٰ میں اس آیت سے اقتباس ہے۔ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُ وْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۔ " گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ بہتان باندھنے والے جو بکتے پھرتے ہیں یہ ان کی تہمتوں سے بری ہیں۔ ان کے لیے آخرت میں بخشش ہے عزت کی روزی" (سورہ نور ۳)

در ہر آں چیزے کہ تو ناظر شوی　　میکند باجنس سیرائے معنوی

لغات: ناظر دیکھنے والا' مشاہدہ کرنے والا جنس۔ ہم جنس۔ سیر چلنا پھرنا۔ معنوی اہلِ معنی۔

ترجمہ: اے معنی شناس! تم جس چیز کو بھی دیکھو گے وہ اپنی ہم جنس (چیز) کے ساتھ چل پھر رہی ہے۔

مطلب: یہ اس مشہور اصولِ حکمت کی طرف اشارہ ہے اَلْجِنْسُ اِلَی الْجِنْسِ یَمِیْلُ یعنی "ایک جنس کی چیز اپنی ہم جنس کی طرف میلان رکھتی ہے" پہلے دفتر میں بھی فرما چکے ہیں۔

جاہلاں راکارِ دنیا اختیار　　انبیاء راکار عقبیٰ اختیار

زانکہ ہر مرغے بسوئے جنسِ خویش　　مے پرد او در پس و جان پیش پیش

اوپر بیان کیا تھا کہ جذبِ مطلوب کے لیے طالب کے اندر حسنِ معنوی اور قابلیتِ ذاتی کا ہونا ضروری ہے اور اس کی وجہ طالب و مطلوب میں مناسبتِ خاص قرار دی تھی۔ یہاں اس کو مختلف تمثیلات کے ذریعہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں۔

در جہاں ہر چیز چیزے جذب کرد　　گرم گرمے را کشید و سرد سرد

ترجمہ: دنیا میں ہر چیز کسی (ایسی) چیز کو کشش کرتی ہے (جو اس کے ساتھ جنسی و نوعی مناسبت یا کسی خاص کیفیت میں اشتراک رکھتی ہو، (چنانچہ) گرم (چیز) گرم (کو اپنی طرف) کھینچتی ہے اور سرد چیز سرد کو۔

قسمِ باطل باطلاں را میکشد　　باقیاں را میکشند اہلِ رَشَد

لغات: قسم فریق' فرقہ۔ باطل اہل ضلالت' گمراہ لوگ' اہل رشد' اہل ہدایت' دوستی پسند

ترجمہ: فریقِ گمراہ گمراہ لوگوں کو (اپنی طرف) کھینچتا ہے۔ باقی لوگوں کو (جو گمراہ نہیں ہوتے) اہل ہدایت اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

ناریاں مرناریاں را جاذب اند　　نوریاں مر نوریاں راطالب اند!

لغات: ناری مستوجب آتش۔ مراد جہنمی' دوزخی یا آگ سے بنا ہوا مراد جن۔ نوری۔ نور والا' ناجی' جنتی۔ اہلِ ایمان یا نور سے پیدا کیا ہوا مراد ملائکہ۔ طالب خواہاں' جویاں۔

صنائع: ناری و نوری میں تجنیس لاحق ہے اور شعر مرصع ہے۔

ترجمہ: اہلِ آتش اہلِ آتش کو اپنی طرف بلاتے ہیں اور نوری نوریوں کے طالب ہیں (سچ ہے جیسی روح ویسے فرشتے)۔

صاف راہم صافیاں طالب شوند ذرد را ہم تیرگاں جاذب بوند

لغات: صاف مصفا، خالص شراب کے لیے بولتے ہیں۔ درد تلچھٹ نیچے کی شراب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جس میں کچھ خاک دھول تہ نشین ہوتی ہے۔ تیرگاں مکدر طبع لوگ۔

ترجمہ: (جو) صاف دل (ہیں وہ) صاف (چیز) چاہتے ہیں۔ اسی طرح گندے لوگ میلی کچیلی چیز کو اختیار کرتے ہیں۔ امیر خسروؒ

خیر الطیور علی القصور و شرھا باوی الخراب ویسکن الناؤسا

مولانا جامیؒ اس کے ہم معنی فرماتے ہیں۔

زاہد بخلد مائل و عاشق بکوئے دوست بلبل بباغ و چغد بویرانہ مے رود

زنگ راہم زنگیاں باشند یار روم را بارومیاں افتاد کار

لغات: زنگ زنگی، زنجبار کا باشندہ، سیاہ فام آدمی۔ روم رومی، ملک روم کا رہنے والا مراد سرخ اندام آدمی۔

ترجمہ: زنگی کے رفیق زنگی ہی ہوتے ہیں (اور) رومی کو رومیوں ہی کے ساتھ کام پڑتا ہے۔

مطلب: اوپر کی تمام مثالوں سے یہ مقصد تھا کہ ہر چیز کا میلان اپنے ہم جنس کی طرف ہوتا ہے اب آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں۔

چشم چوں بستی تراتاسہ گرفت نورِ چشم از نور روزن مے شگفت

لغات: تاسہ بیقراری گھبراہٹ۔ گرفت عارض ہوتی ہے۔ روزن روشندان۔ مے شگفت شگفتہ ہوتا ہے، چمکتا ہے، تازگی پاتا ہے۔

ترجمہ: (دیکھو) جب تم آنکھ بند کر لیتے ہو تو تم کو بیقراری عارض ہوجاتی ہے (کیونکہ) بصارتِ چشم روشندان کی روشنی سے تازگی پاتی ہے (جو آنکھ کھلی رکھنے ہی سے ممکن ہے)۔

مطلب: آنکھ کو بند کرنے سے گھبراہٹ طاری ہونے کا سبب یہ ہے کہ نور آفتاب اور نور بصارت میں ایک قسم کی مجانست ہے لہٰذا اگر آفتاب کی روشنی میں آنکھ بند کر لیں تو قوتِ باصرہ کا نور آفتاب کی طرف میلان آنکھ کو کھول دینے پر مجبور کرنے لگتا ہے۔ اس لیے آفتاب کی روشنی یا کسی اور قسم کی روشنی میں عموماً نیند نہیں آتی اور جب اندھیرا ہوا تو جلد نیند آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روح نورانی چیز ہے اور نور کی طرف اس کا میلان ایک فطری امر ہے۔ جب بیرونی فضا منور ہوتی ہے تو روح اس کی طرف متوجہ رہنا چاہتی ہے اور یہ توجہ اس میں ایک انبساط ونشاط پیدا کرتی ہے جو نیند کی مانع ہے، لیکن باہر اندھیرا ہوتا ہے تو اس سے گھبرا کر اندر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے جو اس کو سکون و استراحت کا موجب ہے۔ یہی نیند ہے۔

الخلاف: بعض نسخوں میں مصرعۂ ثانیہ میں مے شگفت کے بجائے کے شکفت بکاف تازی ہے پھر ترجمہ یوں ہوگا "بصارتِ چشم روشندان کی روشنی سے کب صبر کرتی ہے۔" شکفت شکیفتن بمعنی صبر کردن کا مخفف ہے۔

تاسۂ توجذب نورِ چشم بود تابہ پیوندد بنورِ روز زود

ترجمہ: (اور) تمہاری گھبراہٹ (کا سبب) نور بصارت کا (باہر کی طرف میلان ہے تاکہ وہ جلدی دن کی روشنی کے ساتھ مل جائے۔

مطلب: یہ شعرِ سابق کے مضمون کی توضیح ہے چونکہ بعض اوقات آنکھوں کو کھلا رکھنے کے باوجود بھی گھبراہٹ محسوس ہوا کرتی ہے، اب اس کی توجیہ سے ایک صوفیانہ نکتہ نکالتے ہیں۔

چشمِ باز ار تاسہ گیرد مرترا — داں کہ چشمِ دل بہ بستی برکشا

ترکیب: چشم باز کھلی آنکھ۔ حال ہے اور ضمیر مخاطب اس کا ذوالحال ہے۔

ترجمہ: اگر آنکھ کھلی ہونے کی حالت میں بھی تم کو گھبراہٹ ہو تو (اس کا سبب یہ) سمجھو کہ تم نے دل کی آنکھ کو بند کر لیا ہے (یہ الجھن اسی کے بند کرنے سے ہے لہٰذا) اس کو کھول دو۔

مطلب: چشمِ ظاہری کے کھلا ہونے کے باوجود اگر کوئی گھبراہٹ ہو سکتی ہے تو وہ اس نوعیت کی گھبراہٹ نہ ہوگی جو آنکھ کو بند کرنے سے عارض ہوتی ہے، بلکہ کسی اور قسم کی ہوگی اور اس کے بیسیوں اسباب۔ مثلاً مرض، تعب، فکر، غم، غصہ، خوف، عطش، جوع، انتظار وغیرہ ہو سکتے ہیں، مگر مولاناؒ کو تو بس معرفت وسلوک کا معاملہ ہی یاد ہے، جب کچھ فرمائیں گے تو یہی بات زبان پر آئے گی۔

کما قیل۔ چوں کشائم لب ہے نامِ تو آید برزبان — چہ کنم جاناں کہ جز نام تو ہیچم یاد نیست

وہ اس گھبراہٹ کی توجیہ بھی یہی کرتے ہیں کہ تم نے چشمِ باطن کو بند کر لیا ہے یہ گھبراہٹ اسی سے ہے۔ چشمِ ظاہر کے بند کرنے سے نہیں۔

ایں تقاضائے دو چشمِ دل شناس — کوہے جوید ضیائے بے قیاس

لغات: دو چشم دل باطن کی دونوں آنکھیں۔ ضیاء روشنی۔ بے قیاس؛ فراواں، بیکراں، لا انتہا۔

ترجمہ: یہ گھبراہٹ دل کی دونوں آنکھوں کے تقاضے سے سمجھو، جو لا انتہا روشنی چاہتی ہیں۔

مطلب: ظاہری آنکھوں کی طرح چشمِ دل کا دو کی تعداد میں ہونا لازم نہیں۔ صرف ظاہری آنکھوں کی تشبیہ یا مشاکلت کے اعتبار سے دو کی تعداد لکھ دی۔ بے قیاس کے لفظ میں یہ نکتہ ہے کہ نورِ آفتاب اور باقی مادیات کے انوار محدود ہیں، مگر انوارِ الٰہیہ جس کی چشمِ باطن کو طلب ہے بے پایاں ہیں۔ نیز اس میں ایک یہ لطیف رمز بھی ہے کہ عارف کی روح تجلیاتِ الٰہیہ کے ادراک اور مراتبِ معرفت کے حصول میں کسی حدِ معین پر بس نہیں کرتی۔ اگر بمصداقِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ادھر ہمیشہ نئے سے نئے جلوہ ہائے بیکراں ہیں تو ادھر شوق فراواں بیش از بیش موجزن ہے۔ امیر خسروؒ

ہزار سال ترا بینم و نگردم سیر — ولے دریغ کہ بنیادِ عمر محکم نیست

چوں فراقِ آں دو نورِ بے ثبات — تاسہ آوردت کشادی چشمہا ت

پس فراقِ آں دو نورِ پائدار — تاسہ مے آرد مر آنرا پاسدار

لغات: بے ثبات ناپائدار، فانی، غیر مستقل۔ پاسدار لحاظ رکھو، احتیاط رکھو۔

ترکیب: چوں فراق تا آخر بیت شرط ہے۔ پس فراق (تا) تاسہ مے آرد اس کی جزا۔ شرط و جزا مل کر علت ہوئی۔ پاسدار جملہ انشائیہ اس کا معلول۔

ترجمہ: جب ان دو فانی نوروں (یعنی نورِ بصارت اور نورِ آفتاب) کی (باہمی) جدائی نے تم پر گھبراہٹ طاری کر دی اور تم نے (اس کا علاج یہ کیا کہ) اپنی آنکھیں کھول دیں۔ تو ان دو پائدار نوروں (یعنی نورِ قلب اور نورِ بے قیاس) کی جدائی (تو صرور

ہی) گھبراہٹ میں ڈال دے گی (پس) تم کو اس کا بھی تدارک کرنا چاہیے۔

مطلب: وہ تدارک یہ ہے کہ چشمِ ظاہر کی طرح چشمِ باطن کو بھی کھول دو، ورنہ چشمِ ظاہر کس کام کی؟ جب چشمِ باطن بے نور ہے۔

چشمے کہ فروغ از دل بیدار ندارد شمعے ست کہ شائستہ بالینِ مزارست

بے بصیرت چشمِ ظاہر بیں نے آید بکار روزنے حاجت نباشد خانۂ آئینہ را

او چو میخواند مرا من بنگرم لائقِ جذبم ویا بد پیکرم

لغات: بنگرم بینم، اندیشم۔ لائقِ جذب قابلِ قرب ووصل۔ بدپیکر زشت رو، بدصورت۔

ترکیب: مصرعِ ثانیہ میں واؤ کا پورا تلفظ رسمِ شعر میں غیر متعارف ہے اور اگر بطریقِ متعارف اتمام ضمہ ماقبل کے ساتھ اس کو ادا کریں، تو بیت وزن سے گرتی ہے اللھم الا ان قال شان المثنوی عال عن ھکذا القیود اللفظیہ اگر جذبم میں ضمیر واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہوتی، تو یہ لفظی خرخشہ مٹ جاتا البتہ تطابق ضمائر ناقص ہو جاتا، یہاں تک لکھ چکنے کے بعد بحرالعلوم کا متن دیکھا تو اس میں اپنے خیال کے مطابق جذبیم لکھا پایا۔ فالحمد للہ۔

ترجمہ: جب وہ مطلوب مجھے اپنی طرف بلاتا ہے تو میں سوچنے لگتا ہوں کہ (آیا) میں (خوبصورت اور) لائقِ قرب ووصل ہوں یا بدصورت (اور قابلِ نفرت)۔

گر لطیفے زشت را درپے رسد تسخرے باشد کہ او بادے کند

لغات: لطیف پاکیزہ رو، خوش منظر۔ درپے پیچھے۔ تسخر مسخر، استہزاء، ٹھٹھا۔

صنائع: شعر ذوالقافیتین ہے۔

ترجمہ: اگر ایک پاکیزہ رو آدمی کسی بدصورت کے پیچھے پیچھے (باندازِ اشتیاق) جائے، تو (یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کا مشتاق ہی ہو بلکہ) ممکن ہے کہ وہ اس کے ساتھ تمسخر کر رہا ہو۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ چشمِ باطن کھول لو۔ تا کہ نورِ قلب اور نورِ بے قیاس آپس کی مناسبت کے تقاضے کے مطابق متواصل ہو جائیں پھر کہا کہ مطلوب یعنی مرشد نے جو مجھ کو اپنی طرف جذب کیا تو معلوم ہوا کہ مجھے بھی اس کے ساتھ مناسبت ہے جس نے مجھے طالب سے مطلوب بنا دیا کما قال حضرت میرزا جانِ جاناں المظہر الشہید علیہ الرحمۃ والمغفران۔

زتاثیرِ محبت دردیش کردیم جاں مظہر بجا باشد اگر خوانند یاراں جان جاناں را

مگر سوچتا ہوں کہ یہ میری مناسبت قرب اور صلاحیتِ قبول اصلی بھی ہے یا نری عارضی ہے یہ اشتباہ اس سے ہوا کہ مطلوب کا اپنے طالب کے پیچھے پیچھے پھرنا اس کے سچے اشتیاق کی دلیل نہیں ہوتا، بلکہ کسی اور وجہ پر بھی مبنی ہوسکتا ہے جیسے کوئی خوبصورت کسی بدصورت کو بنانے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے پھرے۔ تو خوبصورت کو اس کا اشتیاق نہیں ہوتا۔

گہ بہ بینم نقشِ خود را اے عجب تاچہ رنگم ہمچو روزم یاچوشب

نقشِ جانِ خویش مے جستم بسے ہیچ مے نمود نقشم از کسے

ترکیب: پہلی بیت میں جوائے عجب کا کلمہ واقع ہے۔ اس کا تعلق دوسری بیت کے جملہ ہیچ نمود الخ کے ساتھ ہے۔

ترجمہ: میں (اسی شک وتذبذب میں) کبھی اپنی صورت کو دیکھتا ہوں کہ (دیکھوں) میرا کیا رنگ ہے آیا میں دن کی طرح

(گورا اور خوبصورت) ہوں (اور مجھ میں محبوبیت کی کوئی شان ہے) یا رات کی طرح (سیہ فام اور بدصورت) ہوں اور (مطلوب کا مجھے بلانا کسی اور وجہ پر مبنی ہے) میں (اسی شش و پنج میں) اپنی صورت پر خوب غور کرتا ہوں (مگر) نہایت تعجب ہے (کہ) کسی سے مجھے اپنی اصلی حالت کا سراغ نہیں ملتا۔

گفتم آخر آینہ از بہرِ چیست ؟ تا بہ بیند ہر کسے کو چیست؟ کیست؟

ترجمہ: آخر میں نے کہا آئینہ کس کے لیے ہے؟ اسی لیے (تو ہے) کہ ہر شخص اس میں (اپنی شکل وصورت) دیکھ (کر معلوم کر) سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور کون ہے۔ کما قیل۔

خبراں ماہ را از حسن او داد الٰہی خانۂ آئینہ آباد

آینۂ آہن برائے لونہاست آینہ سیمائے جان سنگین بہاست

لغات: آئینۂ آہن۔ لوہے کا آئینہ۔ اگلے زمانے میں لوہے کی ایک صاف و مسطح طشتری کو صیقل کر کے اس سے آئینہ تیار کرتے تھے اور کانچ کا آئینہ جدید زمانے سے بننے لگا ہے۔ لون رنگ۔ سیما نشان' علامت عربی لغت ہے، مگر فارسی میں بمعنی پیشانی و چہرہ مستعمل ہے۔ سنگین بہا بیش قیمت۔

ترجمہ: (یہاں آئینے سے) لوہے کا آئینہ (نہ سمجھ لینا وہ) تو (صرف) رنگوں (کے معلوم کرنے) کے لیے ہوتا ہے (جو اجسام کی صفات سے ہیں بلکہ ہماری مراد) چہرہ روح کا آئینہ (ہے اور وہ) نہایت بیش قیمت ہے۔

آینہ جاں نیست اِلّا رُوئے یار رُوئے آں یاریکہ باشد زاں دیار

ترجمہ: (لو سنو وہ) روحانی آئینہ صرف یار کا چہرہ ہے (مگر کسی دنیاوی یار کا چہرہ نہیں بلکہ) اس یار کا چہرہ جو اس اقلیم (عالمِ ملکوت) سے (تعلق رکھتا) ہو (یعنی مُرشدِ کامل)۔

فائدہ: مرشد کو آئینہ اس لحاظ سے قرار دیا ہے کہ جس طرح آئینے سے جسم کی حالت ظاہری محسوس ہو جاتی ہے اسی طرح مرشد کی صحبت سے اپنی روحانی حالت معلوم ہو سکتی ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت سے عموماً دل کو ایک خاص تنبہُ ہو جاتا ہے۔ اِذَا رَاَوْا ذُكِرَ اللّٰهُ دوسرے مرشد کی خدمت میں حاضر ہونے سے ایک ایسی دل جمعی حاصل ہوتی ہے کہ تمام علائقِ دنیا سے یکسو ہو کر اپنے نفس کے مطالعہ اور اس کی اصلاح کا موقع مل جاتا ہے۔ صاحبِ کلید نے یہاں ایک نہایت کارآمد بحث کی ہے۔ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو مرشد کی صحبت میں یہ کیفیاتِ قلب میسر نہ ہوں بلکہ ان کے متضاد حالات پیش آئیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو مرشد خود ہی ناقص ہے "خفتہ راخفتہ کے کند بیدار" اور ایسا مرشد یہاں محلِ کلام نہیں، یا کامل ہے پس اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ خاص اسی شیخ کی صحبت میں یہ متضاد کیفیات رونما ہوتی ہیں، دیگر کاملین کی صحبت میں یہ بات نہیں۔ ایسی صورت میں سمجھنا چاہیے کہ شیخ بھی کامل ہے اور اپنی حالت بھی فی نفسہٖ محمود ہے، مگر اس شیخ سے فیض پہنچنا غیر متوقع ہے۔ لہٰذا کوئی اور مرشد تلاش کرنا چاہیے، دوسری صورت یہ کہ ہر شیخ کی صحبت میں یہی قصہ پیش آتا ہے۔ تو پھر سمجھا جائے گا کہ اپنی حالت اچھی نہیں، مگر اس سے قابلیت و استعداد کے بُطلان کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے، بلکہ سمجھنا چاہیے کہ وہ قابلیت و استعداد کسی حد تک مضمحل و کمزور ہو گئی ہے، لہٰذا کسی حاذق طبیب روحانی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جو اپنی مہارتِ تامہ سے اس کو تقویت پہنچا دے۔ انتہی۔

گفتم اے دل آینہ کل را بجو رو بدریا کار بر ناید ز جُو

لغات: آینہ کل مراد شیخ کامل۔ جُو۔ نہر۔

صنائع: جُو کے ہر دو کلمات میں تجنیس

ترجمہ: (جب) میں نے (دیکھا کہ یہ کام آئینے سے نکل سکتا ہے تو) کہا اے دل جا آئینۂ دل (یعنی مرشد) کی تلاش کر (اور جب مرشد بنانا ہے تو) دریا (کے سے کسی کامل) کے پاس جاؤ۔ ندی نالے (کے سے کسی ناقص) سے یہ کام نہ چلے گا۔

مطلب: استفاضہ کے لیے شیخ کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ناقص کے پاس کیا دھرا ہے وہاں تو اپنی سابقہ صلاحیت کے بھی روبفساد ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس اپنے روحانی چہرہ کے معائنہ کے لیے کسی آئینہ کی تلاش لازم ہے۔ سعدیؒ

روئے اگر چند پری چہرہ زیبا باشد نتواں دید درآئینہ کہ نورانی نیست

زیں طلب بندہ بکوئے تو رسید دردِ مریم را بخرما بُن کشید

لغات: مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے خرمابن۔ کھجور کا درخت۔ اس شعر میں حضرت مریم کے قصے کی طرف تلمیح ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت قریب آیا اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ کو دردِ زہ عارض ہوا تو وہ جنگل کی طرف نکل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے۔ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا یعنی پھر دردِ زہ ان کو ایک کھجور کے درخت کی جڑ میں لے پہنچا (اور شدتِ درد کے وقت) وہ بولیں۔ اے کاش! میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔" (سورہ مریم) غرض خدا کی قدرت سے وہاں ایک چشمہ بھی نمودار ہوگیا اور اس کے فضل سے حضرت مریمؑ کے لیے اس پریشانی اور گھبراہٹ میں چشمہ کا ٹھنڈا پانی پینا کھجور کا تازہ پھل کھانا اور اپنے پیارے فرزند کا دیدار موجب طمانیت ہوگیا۔

ترجمہ: (اے مرشد کامل!) بندہ اس تلاش میں (مارا مارا) آپ کے کوچے میں پہنچا ہے، (کیونکہ یہاں مجھے اپنے دکھ کی دوا ملنے کی توقع ہے، جس طرح) حضرت مریمؑ کو درد (زہ) کھجور کے درخت کی طرف لے گیا (تو وہاں ٹھنڈا پانی کھجور کا پھل اور فرزند کا دیدار ان کے لیے موجب اطمینان ہوگیا تھا)۔ حافظ ۔

شکستہ وار بدر گاہت آمدم کہ طبیب بمومیائے لطف توام نشانے داد

دیدۂ تو چوں دلم را دیدہ شد؟ صد دلِ نادیدہ غرقِ دیدہ شد

لغات: دیدہ آنکھ، مگر یہاں تینوں جگہ اس سے نورِ معرفت، شہود، روشن ضمیری، بصیرتِ قلب وغیرہ مراد ہوسکتی ہے۔ چوں استفہامیہ ہے، یا شرطیہ بہردو تقدیر ترجمہ دو طرح ہوگا، نادیدہ نابینا، بے بصیرت۔

صنائع: ردالعجز علی الصدر۔

ترجمہ: (۱) آپ کی روشن ضمیری میرے دل کے لیے نورِ بصیرت کیوں بنی؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ) اس روشن ضمیری (کے بحرِ ناپیدا کنار) میں صدہا بے بصر دل غرق ہوئے (اور صاحب بصیرت ہوکر نکلے پھر میں کیوں محروم رہتا)۔

ترجمہ: (۲) جب آپ کی روشن ضمیری میرے دل کے لیے نورِ بصیرت بن گئی تو (میرا بے بصیرت دل جو ایک سو بے بصیرت دلوں کے برابر تھا، اس طرح غرقِ نور ہوگیا کہ پورے) ایک سو بے بصیرت دل نورِ بصیرت میں غرق ہوگئے۔ (کذافی بحرالعلوم)

آئینہ کلی بر آوردم ز دُود دیدہ اندر آینہ نقشِ تو بود

لغات: آئینہ کلی اصطلاح میں ذاتِ حق مراد ہے۔ دُود دھوں۔ اصلاحا تعینات مراد ہیں تو ضمیرِ مخاطب سے اپنے آپ کو خطاب ہے۔

ترجمہ: (اے دل! مرشد کے فیض سے) میں نے انوارِ حق کے آئینے کو (تعینات کے) دھوئیں سے نکال کر دیکھا تو اس آئینے میں تیری صورت نظر آئی۔

مطلب: اوپر کی ابیات میں مرشد سے خطاب تھا اور اس کے آئینہ سیما میں اپنی صورت نظر آنے کا ذکر تھا اگر اس بیت میں بھی مرشد سے خطاب تسلیم کیا جائے تو مضمون بے ربط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا شارحین نے لکھا ہے کہ اس بیت میں التفات ہے اور اپنی طرف خطاب کیا ہے تاکہ مضمون مربوط اور روحانی آئینے میں اپنی صورت دیکھنے کا سلسلۂ بیان قائم رہے۔

الخلاف: یہ بیت اکثر نسخوں میں درج نہیں ہے مگر ہمارے پرانے قلمی نسخے میں موجود ہے، مولانا بحر العلوم ؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کو بعض شارحین الحاقی شعر سمجھتے ہیں۔ شیخ افضل بھی لکھتے ہیں کہ قدیم نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے۔

آینہ کلی ترا دیدم ابد　　　دیدم اندر چشمِ تو من نقشِ خود

ترجمہ: (اے مرشدِ کامل) میں نے ہمیشہ آپ کو آئینۂ کلی پایا ہے، آپ ہی کے نورِ بصیرت میں میں نے اپنی تصویر مشاہدہ کی ہے۔

مطلب: اوپر شعر اگر اصلی اور صحیح مان لیا جائے تو آئینہ کلی سے وہاں ذاتِ حق اور یہاں مرشدِ کامل مراد لینا بظاہر متعارض معلوم ہوتا ہے اس کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ وہاں انوارِ الٰہیہ کو آئینہ قرار دیا تھا تو یہاں مرشد کو انہی انوار کا مظہر ہونے کے اعتبار سے آئینہ کہا ہے آئینہ ایک ہی ہے۔ تفاوت ہے تو اعتبارات میں ہے۔

گفتم آخر خویش را من یافتم　　　در دو چشمش راہِ روشن یافتم

ترجمہ: اب تو میں نے (اطمینان کے ساتھ) کہا کہ میں نے اپنے آپ کو پا لیا۔ اس (مرشدِ کامل کے قلبِ روشن) کی دونوں (باطنی) آنکھوں میں نورانی راستہ پا لیا۔

مطلب: یعنی میری صورت اُس کے قلبِ روشن یا آئینہ کلی میں منطبع ہو گئی تو اس کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہو گیا کہ میری حالت اچھی ہے۔ جامیؒ ۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　　مرا با جانِ جاناں ہمراز کردی

گفت وہمم کاں خیالِ تست ہاں　　　ذاتِ خود را از خیالِ خود بداں

لغات: خیال خیالی امر فرضی چیز۔ ہاں حرفِ تنبیہ۔ ذات صورت منطبع مراد ہے۔ از خیال میں حرف ز یا تو اختیار کے معنی دیتا ہے۔ یا سببیت کا۔ بہر دو تقدیر شعر کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔

ترجمہ: (۱) (مگر معا) میرے وہم نے یہ بات کان میں پھونکی کہ دیکھنا! کہیں یہ تمہارے خیالی پلاؤ ہی نہ ہوں (ذرا غور و توجہ سے کام لے کر) اپنی اصلی صورت اور خیالی صورت میں امتیاز کر لو۔

ترجمہ: (۲) (مگر معا) میرے وہم نے یہ بات سوجھائی کہ یاد رکھو، یہ محض تمہارا ایک خیالی پلاؤ ہے اپنی اس صورت (منطبع) کو بعض خیال پر مبنی سمجھو۔

مطلب: حصولِ طمانیت کے بعد فوراً وہم کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسا ہونا مستبعد نہیں، کیونکہ مقصود جس قدر اہم اور طلب جس قدر اشد ہوتی ہے اسی قدر زیادہ احتمالات و خدشات اپنی مہیب شکل میں ڈرایا کرتے ہیں۔ مولانا کے مطلوب کی اہمیت میں شک نہیں اور طلب کی شدت میں جوان کے جوشِ کلام سے عیاں ہے [illegible] نہیں چنانچہ اب یہ وہم دامن گیر ہوتا ہے کہ مجھے

اپنی یہ صورت جو آئینۂ کلی نظر آ رہی ہے مبادا محض خیالی ہو اور میرا اس کو اصلی سمجھنا اور مطمئن ہو جانا غلطی پر مبنی ہو۔ نظامیؒ ۔

ہر خوشہ سے کہ آں خالی است از نکتۂ اعتماد خالی است

بس گندم کاں ذخیرہ کردند جستند و از و جوئے نخور دند

ہجومِ وساوس میں شیخِ کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیے

فائدہ: صاحبِ کلید فرماتے ہیں کہ اس قسم کے ہجوم وساوس اور غلبۂ توہمات میں کسی ایسے مرشدِ حاذق کی اشد ضرورت ہوتی ہے جو طالب کو ان یاس انگیز تشویشات سے نجات دلائے وہی اس کی حالت کا مطالعہ کر کے فیصلہ کر سکتا ہے کہ قابلِ اطمینان ہے یا محلِ خطر کیونکہ بیماری کی حالت کو سمجھنے کی صلاحیت جس قدر طبیب میں ہوتی ہے خود بیمار میں نہیں ہوتی۔ کما قیل۔

بیمار اگر زورد بود غافل از طبیب وارد دلِ طبیب ز بیمار آگہی

نقشِ من از چشمِ تو آواز داد کہ منم تو، تو منی در اتحاد

لغات: (اے مرشدِ کامل) میری تصویر تمہاری چشم (قلب) سے (جو اس میں منطبع تھی) پکار اٹھی (کہ دیکھنا اختراعِ مخیلہ نہ سمجھنا بلکہ) میں تجھ سے متحد ہوں (اور) تو مجھ سے (یعنی میں تیری اصلی حالت میں صحیح فوٹو ہوں۔ فرضی و خیالی نہیں)۔

اندریں چشمِ منیرِ بے زوال از حقائق راہ کے یا بد خیال

ترکیب: از حقائق جار مجرور متعلق ہے زوال کے نہ کہ یا بد کے اور حقائق صفتِ ثانی ہے چشم کی۔

ترجمہ: (بھلا اتنا تو سوچو کہ) اس چشم (آئینۂ کلی) میں جو نہایت روشن ہے اور حقائق اشیاء سے کبھی عاری نہیں ہو سکتی خیالی باتوں کی کب گنجائش ہو سکتی ہے؟

مطلب: منیر کی صفت میں یہ فائدہ ملحوظ ہے کہ آئینہ جس قدر روشن ہو اسی قدر زیادہ صحیح عکس ہے، از حقائق کے معنی میں یہاں چسپاں کرنے میں ایک شارح کو بہت تذبذب پیش آیا ہے اور اس کے حل کی متعدد تقدیریں نکالی ہیں اور جس تقدیر کو ترجیح دی ہے وہ بھی پیچیدہ و ناقابلِ فہم ہے۔ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ از حقائق کے جار و مجرور کو یا بد سے متعلق سمجھ لیا، اگر اس کو زوال کے متعلق قرار دیتے (کما اخترناہ) تو یہ دقت پیش نہ آتی اور بات بھی برجستہ و معقول بن جاتی۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں۔ "وایں چشم کہ بصرِ حق است بے زوال است از حقائق خیال را اینجا گنجائش نیست پھر اس کے آگے یہ کلمات واقع ہوئے ہیں۔" عارف کامل راحق مرآت میگردد۔ داعیانِ عالم کہ شیوناتِ حق اندور ذاتِ حق مشہور میگردد وایں مشاہدہ اکمل است۔ پس ایں علم قابلِ زوال نیست۔" اگر اس جار و مجرور کو یا بد کے متعلق ہی تسلیم کیا جائے تو "از" سے معنی انصراف و انتقال مراد لینا اولیٰ ہے۔ پھر مصرعہ کے یوں معنی ہوں گے کہ اس آنکھ میں حقائق (یعنی حقیقی و واقعی علوم) کے بجائے اختراعاتِ مخیلہ کی گنجائش کہاں ہے؟

درد و چشمِ غیرِ من تو نقشِ خود گر بہ بینی آں خیالی دان ورد

لغات: خیالی بیائے نسبت معروف یا بیائے وحدت مجہول فرضی، اختراع قوتِ متخیلہ۔ ردّ مردود، ساقط الاعتبار، ناقابلِ قبول۔

ترکیب: بہ بنی فعل با فاعل نقشِ خود مفعول بہ درد و چشمِ غیرِ من اس کا متعلق یہ جملہ فعلیہ خبریہ شرط ہے دوسرا جملہ فعلیہ انشائیہ اس کی جزا۔ چشمِ غیرِ من کی غیر چشمِ من ہے اور چشمِ من کی اضافت ظرفی ہے یعنی میں جس آنکھ میں موجود ہوں اس کے سوا کوئی اور آنکھ۔

ترجمہ: (بلکہ اگر اس) میری (تصویر دکھانے والی) آنکھوں کے سوا کسی (ناقص) کی آنکھوں میں تم اپنی صورت دیکھو (جو اپنے محل کے نقص کے باعث ناقص ہی ہوگی) تو اس کو (محض) خیالی اور ناقابلِ قبول سمجھو۔

مطلب: برے لوگوں کے دلوں میں اچھے لوگوں کی بری تصویر ہی منقش ہوتی ہے اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ

ناقص لوگوں کی صحبت موجبِ خسران اور ان کے ساتھ قلبی تعلق باعثِ وساوسِ شیطان ہے۔ ایسی صحبت قابلِ ترک ہے۔ سعدیؒ۔

طمع درگدا مردِ معنی نہ بست نشاید گرفتن در افتادہ دست

آنکہ سرمہ نیستی درمے کشد بادہ از تصویرِ شیطاں مے چشد

لغات: نیستی عالمِ فانی، عالمِ سفلی، علائقِ دنیا۔ بادہ شراب۔ تصویرِ تخیّل، وسوسہ۔

ترجمہ: جو شخص عالمِ فانی (کے نظارہ) کو سرمۂ چشم بنا رہا ہے وہ شیطانی تخیّل کی شراب پی (کر سرمست ہو) رہا ہے۔

مطلب: جو شیخ لذائذِ دنیا کا دلدادہ ہے اس کا خرقہ ایک دامِ مکر ہے اس کا دل شیطانی وساوس سے لبریز ہے وہ خود مردہ دل ہے دوسروں کو رُوحانی زندگی کیا دلائے گا۔ ناصر علی غفرلہ۔

اہل دنیارا غفلت زندہ دل پنداشتم خفتہ دائم مردگا نرا زندہ مے بیند بخواب

چشمِ اوخانہ خیال ست و عدم نیستہارا ہست بیند لاجرم

ترجمہ: اس کی آنکھ خیالی (وفرضی) اور (بے بودو) غیر موجود چیزوں کا گھر ہے اس لیے وہ معدوم اشیا کو موجود دیکھتا ہے۔

مطلب: شیخ ناقص یا دنیادار کی نگاہ میں فانی و بے بود اشیا بس رہی ہیں۔ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً اس لیے اس کے ادراکات و معلومات غیر واقعی و بے اصل ہوتے ہیں۔ پس اس کی صحبت سے کیا حاصل؟

چشمِ من چوں سرمہ دیداز ذوالجلال خانۂ ہستی ست نے خانۂ خیال

ترجمہ: (مگر) میری آنکھ نے (جس کے اندر میں جاگزیں ہوں) چونکہ نورِ ذوالجلال کا سرمہ لگا رکھا ہے۔ اس لیے وہ حقیقی و واقعی اشیا کا گھر ہے نہ کہ خیالی باتوں کا۔

مطلب: اوپر مولانا نے آئینۂ کلی میں اپنی صورتِ واقعیہ کے دیکھنے کے ذکر میں ضمناً ناقصین کی حالت پر روشنی ڈالی تھی کہ وہ غیر واقع اشیا کو واقعیات کی شکل میں دیکھنے کی غلطی کیا کرتے تھے۔ اب آگے اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں۔

تا یکے مو باشد از توپیشِ چشم در خیالت گوہرے باشد چویشم

لغات: یکے موشیٔ قلیل سے کنایہ ہے یشم بیائے تحتانی مفتوح ایک قسم کا پتھر ہے کم قیمت۔

ترجمہ: جب تک (عالمِ ناسوت کے ساتھ) ایک بال (برابر تعلق) بھی تم کو مدِ نظر ہوگا (تمہاری بصیرت اس قدر مبتلائے خطا رہے گی کہ) تم ایک موتی (جیسی بیش قیمت چیز) کو سنگِ یشم سمجھتے رہو گے۔

یشم را انگہ شناسی از گہر کز خیالِ خود کنی کلی عُبَر

لغات: از پہلے مصرعہ میں حرفِ امتیاز ہے۔ دوسرے میں حرفِ مجاوزت ہے۔ عُبَر عبور کرنا، آگے گزر جانا۔

ترجمہ: تم سنگِ یشم اور موتی میں اس وقت امتیاز کر سکتے ہو کہ اپنے تخیلاتِ (باطلہ) سے بالکل تجاوز کر جاؤ۔ حافظؒ۔

اگر از وسوسۂ نفس و ہوا دور شوی بے شکے راہبری حرم دیدارش

یک حکایت بشنوائے گوہر شناس تابدانی تو عیاں را از قیاس

ترجمہ: اے گوہر شناس (بننے کے متمنی) ایک کہانی سن لو تا کہ تم کو مشاہدہ (کی اصلی و حقیقی) اور قیاس (کی فرضی و تخمینی چیزوں) میں فرق معلوم ہو جائے۔

ہلال پنداشتن آں شخص خیال را در عہدِ عمر رضی اللہ عنہ و تنبیہ نمودن اورا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس شخص کا (جس کی یہ حکایت ہے) اپنے خیالی تصور کو ہلال سمجھنا اور آپ کا اس کو تنبیہ کرنا۔
مطلب: یہ حکایت اوپر کے شعر ''تا یکے مو باشد از تو پیشِ چشم'' سے تعلق رکھتی ہے۔

ماہ روزہ گشت در عہدِ عمر بر سرِ کوہے دویدند آں نفر
تا ہلالِ روزہ راگیرند فال آں یکے گفت اے عمرؓ اینک ہلال

لغات: گشت فعلِ تام ہے بمعنی آمد۔ نفر جماعت، لوگ۔ فال کسی نیک امر سے سعادت و فلاح اور خیر وصلاح پر استدلال کرنا۔ اینک، ایلو، وہ دیکھو۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں ماہِ رمضان آیا تو وہ لوگ (جو حاضر الوقت تھے) ایک پہاڑ پر دوڑے گئے تاکہ رمضان المبارک کے چاند (کو دیکھ کر اس مبارک مہینے) کی (برکات) کی فال لیں۔ اس جماعت میں سے ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین! دیکھو ہلال وہ رہا۔

چوں عمر بر آسماں مہ راندید گفت کیں مہ از خیالِ تو دمید

لغات: کیں کہ ایں۔ دمید دمیدن سے جس کے معنی سبزہ کا اُگنا یہاں پیدا ہونا مراد ہے۔
ترجمہ: جب حضرت عمرؓ نے (اس کے کہنے پر) آسمان پر (نگہ کی اور) ہلال کو نہ پایا، تو فرمایا یہ ہلال تمہارے خیال سے پیدا ہوا ہے (ورنہ حقیقت میں یہ ہلال نہیں ہے)۔

ورنہ من بیناترم افلاک را چوں نمے بینم ہلالِ پاک را

ترجمہ: ورنہ میں آسمانوں کے متعلق خوب بصیرت رکھتا ہوں، پھر کیا بات تھی کہ میں ہلال مبارک کو نہ دیکھ سکتا۔
مطلب: افلاک کے لیے بیناتر ہونے سے ظاہری نظر کی تیزی اور رفتارِ کواکب و سیارگاں کی آگاہی مراد ہے، جو حضرت عمرؓ میں تھی اور اس شخص میں نہ ہوگی۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ اس میں یہ لطیف اشارہ بھی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمرؓ اپنی کشف و شہود کی نظر سے ارواح و ملائکہ وغیرہ کائناتِ فلک کے احوال پر آگاہ تھے۔

گفت ترکن دست و بر ابرو بمال آنگہاں تو برنگر سوئے ہلال

ترجمہ: (پھر) فرمایا اپنا ہاتھ (پانی سے) تر کرو اور ابرو پر ملو (اور) پھر (اپنے اس) ہلال کی طرف دیکھو۔

چونکہ او ترکرد ابرو مہ ندید گفت اے شہ نیست مہ، شد ناپدید

ترجمہ: جب اس نے ابرو (پر گیلا ہاتھ پھیر کر اس) کو تر کر لیا (پھر نگاہ اٹھائی اور) چاند نہ دیکھا، تو عرض کیا یا امیر المومنین (اب) چاند (نظر) نہیں (آتا) گم ہو گیا۔

گفت آرے موئے ابرو شد کماں سوئے تو افگند تیرے از کماں

صنائع: گماں و کماں میں تجنیسِ مضارع ہے تیر و کمان کا ذکر مناسبات سے ہے ابرو کے بال کو جو دائرہ ابرو سے سرک کر

آنکھوں کی طرف سیدھا ہو گیا تھا کمان سے نکلنے والے تیر کے ساتھ تشبیہ دینا خصوصاً جب کہ کمانِ ابرو کی تشبیہ متعارف ہے شعری لطافت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے اور اس شعر کی روانی بھی بلاغت کی جان ہے۔ فِللہِ دَرّہٗ

ترجمہ: آپ نے فرمایا ہاں (ناپید کیوں نہ ہوتا) ابرو کا (کوئی) بال (موجب) تو ہم ہو گیا تھا جس نے (کمانِ ابرو سے تیر کی طرح نکل کر) تم پر (توہم وتخیل) کا تیر پھینکا۔

چوں یکے موکژ شد از ابروئے او شکلِ ماہِ نو نمود آں موئے اُو

ترجمہ: جب ابرو کا ایک بال مڑ (کر اس کی آنکھ کے آگے آ) گیا تو اس (خم دار) بال نے اس کو ہلال کی شکل دکھا دی۔

موئے کژ چوں پردۂ گردوں شود چوں ہمہ اجزات کژ شد چوں بود؟

ترجمہ: جب (تمہارے وجود میں سے) ایک بال (کی سی بے حقیقت چیز) کج ہو کر (یہ غضب ڈھائے کہ وہ) آسمان (جیسی بے پایاں ہستی) کا پردہ بن جائے (اور تم ہلال دیکھنے میں غلطی کرنے لگو) تو (قیاس کرو کہ) اگر تمہارے (وجود کے) تمام اجزا کج ہو جائیں تو پھر کیا (حال) ہو۔

چوں یکے موکژ شد اورا راہ زد تا بدعویٰ لاف دیدِ ماہ زد

لغات: راہ زد راہزن ہو گیا۔ راست روی سے روک دیا۔ لاف غلط اور بے ہودہ دعویٰ کرنا۔

ترجمہ: جب ایک بال ٹیڑھا ہو گیا تو وہ اس کی راست روی کا مانع بن گیا یہاں تک کہ وہ زور کے ساتھ ہلال کے دیکھنے کا غلط دعویٰ کرنے لگا۔

مطلب: جب اس رویتِ ہلال کے مدعی کا ایک موئے ابرو ٹیڑھا ہو کر ہلال کی فرضی صورت اس کے تخیل میں پیدا کر دیتا ہے اور وہ بصارت اور صورتِ فلک میں حائل ہو کر حقیقت شناسی کا مانع ہو جاتا ہے تو خیال کرو کہ تمہارے وجود کے ایک دو بال نہیں دس بیس یا سو نہیں بلکہ سارے کے سارے اجزا ٹیڑھے ہو جانے کی صورت میں کیا نتیجہ ہو گا۔ کیا ایسی صورت میں تمہارے حواسِ مادیہ ادراکِ حقائق کماہی کے لیے کافی ہو سکتے ہیں؟ نظامیؒ

رہا کن رہے کاں زیاں آورد زہِ بدخلل در کماں آورد
کرا باز گو نہ بود پیرہن نہ حاجت بود باز گشتن بہ تن؟
توزاں رہ کہ شد بازگونہ نورد بخواہ از خدا حاجب باز گرد

راست کن اجزات را از راستاں سرمکش اے راست روزاں آستاں

لغات: راست کن اصلاح کرو۔ راستاں اہلِ استقامت، عارفین کاملین۔ سرمکش، روگردانی نہ کرو۔

ترجمہ: اے راست رو (بننے کے تمنائی) اپنے ٹیڑھے اجزائے وجود کو اہلِ استقامت (یعنی عارفینِ کاملین) کی مدد سے سیدھا کر لو۔ (اور) اس آستانہ سے روگردانی نہ کرو۔

مطلب: روحانی کجی کا بہترین علاج کسی کامل کی بیعت ہے۔ سعدیؒ

داروئے تربیت از پیرِ طریقت بستاں کادمی رابتر از علتِ نادانی نیست

اور پیرِ طریقت کے آستانہ کی حاضری غنیمت سمجھنی چاہیے۔

حافظ مقیم درگہ اوباش و عیش کن کاندر بہشت بہتر ازیں نیست ہیچ جائے

ہم ترازو را تراز و راست کرد ہم ترازو را ترازو کاست کرد

لغات: ترازو سے یہاں مجازاً ترازو کا باٹ مراد ہے اور ظرف بول کر مظروف مراد لینا مجازِ مرسل کی ایک قسم ہے جیسے پرنالہ گرتا ہے یا نہر چلتی ہے کہتے ہیں تو اس میں مظروف یعنی پانی کا گرنا یا چلنا مراد ہوتا ہے نہ کہ خود پرنالہ یا نہر کا۔ کاست کم۔

ترجمہ: دیکھو ترازو کا باٹ ہی باٹ کو پورا کرتا ہے اور ترازو کا باٹ ہی باٹ کو گھٹا دیتا ہے۔

مطلب: جس طرح ایک ناقص باٹ کو ترازو میں رکھ کر پورے باٹ کے ساتھ وزن کریں اور پھر زیادتی کی صورت میں اس کا زاید حصہ کاٹ ڈالیں اور کمی کی صورت میں کوئی کیل وغیرہ ٹھونک کر اس کے برابر کر لیں تو وہ اس کو پورا بنا دے گا اور اس کو کسی ناقص باٹ کے ساتھ تولیں اور کانٹ چھانٹ کر اس کے برابر کر لیں تو وہ اس کو اپنی طرح ناقص بنا دے گا، اسی طرح کاملین اور ناقصین کا قرب بھی بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ کامل کی صحبت سے کمال حاصل ہوتا ہے اور ناقص کے قرب سے روحانی و اخلاقی نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ سعدیؒ

پسر نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد
سگ اصحابِ کہف روزے چند پے نیکاں گرفت و مردم شد

ہر کہ بانا راستاں ہم سنگ شد در کمی افتاد و عقلش دنگ شد

لغات: ہم سنگ۔ ہم وزن۔ ترازو میں رکھا جانا مراد رفاقت و صحبت۔ دنگ ماند، خیرہ۔

ترجمہ: جو شخص گمراہ لوگوں کے ساتھ قرین ہوا وہ کمی میں مبتلا ہوا اور اس کی عقل ماری گئی۔ سعدیؒ

رقم بر خود بناوانی کشیدی کہ ناداں را بصحبت برگزیدی
طلب کردم زداناں یکے پند مرا گفتند باناداں میپوند
کہ گر دانائے دہری خر بباشی وگر نادانی ابلہ تر بباشی

رو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار باش خاک بر دلداریِ اغیار پاش

لغات: اشدا جمع شدید، سخت، تند۔ اغیار جمع غیر، بیگانہ۔ پاش پاشیدن چھڑکنا سے۔

صنائع: شعر ذوالقافیتین ہے اور اس قرآنی آیت سے اقتباس ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر تو بہت سخت ہیں (اور) آپس میں رحم دل ہیں (اے مخاطب) تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کرتے ہیں اور خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہوئے ہیں۔ (فتح ع ۴)

ترجمہ: جاؤ! کافروں پر سخت (اور بھاری) ہو کر رہو ان (حق سے) بیگانہ رہنے والوں کی دلداری پر خاک ڈالو۔

مطلب: اوپر راستی کی ضرورت بیان کی تھی جس کے لیے ایک اچھا نمونہ ہونا چاہیے مگر صرف نمونہ کا ہونا کافی نہیں بلکہ اس نمونہ کی اضداد سے قطع تعلق بھی لازم ہے لہٰذا صلحا کی صحبت کے ساتھ اشرار سے کنارہ کشی اور بے تعلقی بھی ضروری ہے کہ پاک نہاد آدمی بھی بدوں کی صحبت سے بدنہاد بن جاتا ہے۔ حافظؒ

نازنینے چو تو پاکیزہ رخ و پاک نہاد بہتر آنست کہ بامردم بد نہ نشینی

اشداء علی الکفار کا مطلب: اشداء علی الکفار بننے سے یہ مراد نہیں کہ دنیا جہان سے خواہ مخواہ جھگڑتے پھرو بلکہ یہ مراد ہے کہ اگر وہ لوگ کوئی زبردستی کریں، تعدی کریں، بے

جاسکتی ہیں۔ گستاخی، استہزاء، استخفاف سے پیش آئیں تو نرمی و مداہنت کرنا' ان سے دبنا اور درگزر کرنا نہیں چاہیے۔ سعدیؒ۔

باخلاق نرمی مکن بادرشت ۔ کہ سگ را نمالند چوں گربہ پشت

گر انصاف خواہی سگِ حق شناس ۔ بہ سیرت بہ از مردمِ ناسپاس

بہ برف آب رحمت مکن برخسیس ۔ چوکردی مکافات بریخ نویس

اغیار میں غیر سے مقابل عین مراد نہیں، بلکہ حق سے بے گانہ و بے تعلق مراد ہے جس کی صحبت باعثِ غفلت ہو۔ خواہ مال و دولت، زن و فرزند، دوست و آشنا پیر و مرشد کوئی ہو۔ جامیؒ ۔

باغ زندان ست بر صاحب دلاں ۔ ہر کجا بوئے ز وصلِ یار نیست

ہیچ زنداں عاشقِ مشتاق را ۔ تنگ تراز صحبتِ اغیار نیست

برسرِ اغیار چوں شمشیر باش ۔ ہیں مکن روباہ بازی شیر باش

لغات: روباہ بازی لومڑی کے سے چلتر کھیلنا مراد مکر وحیلہ **صنائع**: روباہ وشیر میں مناسبت ہے۔

ترجمہ: ان (حق سے) بیگانوں کے سر پر (لٹکنے والی) تلوار بن جاؤ یاد رکھو مکرو فریب اختیار نہ کرو کہ کمزوری کی علامت ہے، بلکہ شیر ہو۔

مطلب: ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ اس بیان سے مولانا کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ سے آپ لوگوں سے دنگا فساد کرتے پھرو بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر بیگانگانِ حق خود دنگا و فساد کرنے پر آئیں تو پھر نرمی سے سروکار نہ رکھو اور شیر بن جاؤ۔ اسی لیے ہم نے شمشیر باش کا ترجمہ لٹکتی تلوار سے کیا ہے۔ سر پر پڑئی ہوئی تلوار نہیں کیا (فافہم) اور عموماً شیر کا بھی شیوہ ہے کہ جب تک کوئی نہ چھیڑے کچھ نہیں کہتا بلکہ سنا ہے کہ اگر اس کے ساتھ آدمی دور سے آنکھ ملائے تو وہ نگاہ نیچی کر لیتا ہے لیکن جب اس پر وار کیا جائے تو پھر وہ آگ بن جاتا ہے۔ سعدیؒ ۔

نکوئی و رحمت بجائے خودست ۔ ولے بدبداں نیک مردی بد است

تازِ غیرت از تو یاراں نگسلند ۔ زانکہ ایں خاراں عدوئے آں گلند

لغات: یاراں سے اہل اللہ مراد ہیں۔ نگسلند گسلیدن سے قطع نہ کریں۔

صنائع: گل استعارہ ہے حق سے اور خار بیگانہ از حق ہے۔

ترجمہ: (اغیار سے الگ تھلگ رہنا اس لیے ضروری ہے) تا کہ اہل اللہ از راہِ غیرت تم سے قطع تعلق نہ کریں، کیونکہ یہ (حق سے بیگانہ لوگ جو گویا موذی) کانٹے (ہیں) اس (یکتا) گل (بستانِ احدیت) کے دشمن ہیں۔

مطلب: اہل اللہ کی غیرت گوارا نہیں کرتی۔ کہ اعداء اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والا ان کے ساتھ تعلق رکھے کیونکہ جو شخص محبوب کے دشمن کا دوست ہو وہ بھی بمنزلہ دشمن ہوتا ہے خصوصاً جبکہ محبوب تاکید کرے کہ میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ "اے ایمان والو! ہمارے اور (ہمارے دوستوں کے یعنی) خود اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"، تو ان اعدائے حق سے کنارہ گیری نہایت ضروری ہے۔ سعدیؒ۔

نظرِ دوست نادر کند سوئے تو ۔ چو در روئے دشمن بود روئے تو

گرت دوست باید کزد برخوری نباید کہ فرمانِ دشمن بری

آتش اندر زن بگرگاں چو سپند زانکہ ایں گرگاں عدوئے یوسفند

لغات: آتش زدن پھونک ڈالنا کنایہ ہے تباہ و برباد کر دینے سے۔ سپند حرمل جو جلدی آگ لگنے کے باعث یا اس لیے کہ لوگ اس کو نظرِ بد کے دفع ہونے کے لیے اکثر جلاتے ہیں، جلنے میں ضرب المثل ہے۔

صنائع: گرگاں و یوسف کے ذکر میں حضرت یوسفؑ کے اس قصے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے بھائیوں نے ازراہِ حسد ان کو ایک کنوئیں میں گرا کر باپ کے سامنے یہ جھوٹا عذر کیا تھا کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا، پس گرگ کو عدوئے یوسف کہنا بلحاظِ ظاہر ہے ورنہ درحقیقت کسی بھیڑیئے نے ان کو ایذا نہیں پہنچائی تھی بلکہ بھائیوں نے پہنچائی تھی۔ وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ وَجَآءُوْا عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ یعنی "اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے آئے۔ کہا ہمارے باپ ہم تو دوڑ بھاگ کر کھیلنے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے اسباب کے پاس چھوڑ دیا تو اس کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچ ہی کہہ رہے ہوں اور یوسف کے کرتے پر بناوٹی خون بھی لگا لائے" (سورہ یوسف ع ۲) گرگاں اعداء اللہ سے اور یوسف محبوبِ حقیقی یعنی حق تعالیٰ سے استعارہ ہے۔

مطلب: یہاں بھی وہی بات ملحوظ رہے کہ اس سے کسی کو بلاوجہ ایذا دینا مقصود نہیں۔ نظامیؒ۔

بغفلت برمیاور یک نفس را میازار و مرنجاں ہیچ کس را

ہاں جب ان کا شر متعدی اپنے دائرے سے متجاوز ہو جائے تو پھر ان کا علاج کرنا لازم ہے۔ امیر خسروؒ۔

دوائے ایں سفہا نیست جز بہ خنجرِ تیز چو تندرستیِ خرکاں زنیش بیطار نیست

جانِ بابا گویدت ابلیس ہیں! تابدم بفریبدت دیوِ لعیں

لغات: بابا پدر۔ جان بابا جانِ پدر یعنی فرزند عزیز، لاڈلا بیٹا۔ ہیں۔ کلمہ تنبیہ۔ دم فریب۔ دیو شیطان لعین ملعون۔

ترجمہ: ابلیس تم کو (بناوٹی شفقت سے) پیارا فرزند کہہ کر پکارتا ہے۔ خبردار! یہ شیطان لعین کہیں تم کو اپنی حیلہ بازی سے دھوکا نہ دے۔

مطلب: اوپر اغیار کی صحبت سے بچنے کی ہدایت کی تھی اب ایک سب سے بڑے غیر اور شدید ترین دشمن کے دھوکے سے بچنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ وہ دشمن شیطانِ لعین ہے جو ہر وقت مقتضیاتِ نفس کی مساعدت کرکے اور بظاہر دلخوش کن صورتیں دکھا کر لوگوں کو اپنا پدرِ مشفق ہونا ظاہر کرتا ہے تاکہ اس دھوکے سے وہ ان کو راہِ مستقیم سے پھیر کر چاہِ ضلالت میں گرا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔ سعدیؒ۔

آں راہ دوزخ است کہ ابلیس مے رود بیدار باش تا پئے او راہ نبری

ایں چنیں تلبیسِ بابا بات کرد آدمے را آں سیہ دل مات کرد

لغات: تلبیس فریب، اشتباہ میں ڈالنا۔ آدمے میں یائے مجہول بغرضِ تفخیم نہ کہ زائد جیسے کہ ایک شارح نے غلطی سے لکھا ہے۔ مات شطرنج بازوں کی اصطلاح میں شاہِ شطرنج کے گرفتار و مقید ہونے کو کہتے ہیں یہاں مات کردن سے شکست دینا ہرا دینا مراد ہے۔

ترجمہ: اسی طرح اس سیہ دل نے ہمارے جدِ امجد کے ساتھ فریب کیا تھا (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام جیسے عالی پایہ انسان

کو شکست دی تھی۔

مطلب: شیطان کے پیرو ہو کر اپنی ذلت کا سامان نہ کرو۔ نظامیؒ۔

نیک دلی پیرو شیطان مباش شیر امیری، سگ درباں مباش

شیطان کے حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا دینے کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے مثلاً سورہ اعراف رکوع ۲۲ میں فوسوس لھما الشیطٰن اور فدلّٰھما بغرورٍ وغیرہ آیات میں اس کی تفصیل آئی ہے جس کا ذکر اس کتاب میں پیچھے گزر چکا ہے۔

بر سرِ شطرنج چست ست ایں غراب تو مبیں بازی بچشمِ نیم خواب

لغات: شطرنج بکسرِ شین صحیح ہے ایک کھیل کا نام ہے غراب کوا۔ نیم خواب اونگھنا۔

صنائع: اوپر کے شعر میں لفظ مات استعمال ہوا تھا یہاں شطرنج اور بازی اس کے مناسبات ہیں اور غراب کے کلمہ بازی بمعنی باز ایہام تناسب ہے۔ عربی میں باز کو بازی کہتے ہیں۔ غراب استعارہ ہے شیطان کے لیے جس میں عیاری چالا کی اور ڈھٹائی وجہ استعارہ ہے۔

ترجمہ: یہ کالا کوا (شیطان) بساطِ شطرنج پر (جو تمہارے اور اس کے درمیان بچھی ہوئی ہے) وہ (بڑا) چست (ہو کر بیٹھا) ہے تم (اس کے) کھیل کو (غفلت زدہ) اونگھتی آنکھ سے (بے پروائی کے ساتھ) نہ دیکھو۔

زانکہ فرزیں بند ہا داند بسے کو بگیرد در گلویت چوں خسے

لغات: فرزیں بفتحِ فاء شطرنج کا ایک اہم مہرہ جو بمنزلہ وزیر ہوتا ہے اور اس کی دو رُخی چال بادشاہ کی حفاظت کرتی ہے لیکن جب وہ حریف کی چال سے مر جائے یعنی ساقط ہو جائے تو پھر بادشاہ کو مات کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ فرزیں بند وہ چال جس سے فرزیں مقید یا ساقط کیا جاتا ہے۔ بگیرد لٹک جاتا ہے۔ خس، تنکا، تیلی، گھاس پھونس۔

ترجمہ: کیونکہ وہ فرزیں کو مقید کرنے کی بہت سی چالیں جانتا ہے جو تمہارے گلے میں تنکے کی طرح اٹک (کر باعثِ تکلیف ہو) جائیں۔

مطلب: فرزیں سے مراد نیکی کی استعدادِ فطری ہے۔ شیطان سب سے پہلے اس پر ہاتھ ڈالتا ہے جب وہ اس کے قابو میں آ جائے تو پھر انسان کو تباہ و برباد کرنا مشکل نہیں۔

شیطان نے انسان کے خلاف اپنی ان شطرنجی چالوں کا ذکر حق تعالیٰ کے سامنے ان لفظوں میں کیا تھا۔ قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ. ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ. "(ابلیس نے) کہا خدایا جب تو نے مجھے بے راہ کر دیا تو میں تیری سیدھی راہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے ان کے پیچھے سے ان کی داہنی طرف سے اور ان کی بائیں جانب سے ان کے پاس آؤں گا اور تو اکثر آدمیوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔" (اعراف ع ۲۲)

شطرنج بازوں کو فرزیں کا مہرہ نہایت عزیز ہوتا ہے۔ وہ دو مہرے دے کر بھی اس کا بچا لینا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے مقید ہونے سے بازی اس قدر کمزور ہو جاتی ہے کہ مقید فرزیں کی طرف مات ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے مگر تاہم مات سے بچنے کی امید بالکل معدوم نہیں ہوتی۔ کھیلنے والا نہایت ہوشیار و شاطر ہو تو پھر بھی ڈوبتی بازی کو سنبھال ہی لیتا ہے۔ اس لیے مولانا کے کلام میں یہ نہایت لطیف اشارہ ہے کہ تمہاری استعدادِ فطری جو بمنزلہ فرزیں ہے اول تو اس کو شیطان کی دست برد سے بچاؤ لیکن اگر اس کا اس پر داؤ چل ہی جائے تو ... قطعی نتیجہ نہیں نکلتا صرف ایک تنکا گلو گیر ہوا ہے

ابھی حلق پوری طرح بند نہیں ہوا، لہٰذا کسی حکیم حاذق سے یہ تنکا نکلوا لو۔ یعنی شیخ کامل کی مدد سے اپنے فرزین استعداد کو شیطان کی گرفت سے بچاؤ۔ حافظ۔

دامن دوست بدست آرو دشمن بگسل ... مردِ یزداں شو و ایمن گذر از اہرمناں

در گلو ماند خسِ او سالہا ... چیست آں خس؟ مہرِ جاہ و مالہا

ترجمہ: (گھانس کا تنکا تو فوراً گلے سے نکل جاتا ہے مگر) اس (شیطان) کا (گلو گیر کیا ہوا) تنکا برسوں گلے میں (اٹکا) رہتا ہے۔ (اب یہ بھی سن لو کہ) وہ تنکا ہے کیا؟ (وہ) شان (وشکوہ) اور مال و دولت کا شوق ہے۔

مطلب: حبِ جاہ و مال کا مرض بڑی مشکل سے علاج پذیر ہوتا ہے خصوصاً حبِ مال تو وہ بد بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی، بلکہ بعض اوقات اس کے لیے انسان جاہ و عزت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ کما قیل۔

بخونِ دل بدست آوردہر کس مال دنیا را ... اگر چوں غنچہ بکشاید نے ریزد زر از دستش

اس لیے مولانا بھی مال کی محبت کے زیادہ مضر ہونے پر زور دیتے ہیں۔

مال خس باشد چو ہست او بے ثبات ... درگلویت مانع از آبِ حیات

گر برد مالت عدوے پُرفنے ... رہزنے را بردہ باشد رہزنے

ترجمہ: مال چونکہ (ایک) پائدار چیز ہے (اس لیے) ایک تنکے کی سی حقیقت رکھتا ہے (اور اس لحاظ سے کہ) تمہارے حلق میں آبِ حیات کے جانے کا مانع ہے (ایک بڑی خطرناک چیز بھی ہے پس) اگر کوئی مکار دشمن (تم سے) تمہارا مال (چھین) لے جائے تو (غم نہ کرنا چاہیے بلکہ اطمینان رکھو کہ) ایک (مال کا) ڈاکو (دوسرے ایمان کے) ڈاکو کو اڑا لے گیا، (اور تم اس کی شر سے بچ گئے)۔

مطلب: مال کے باطل اور بے حقیقت اور (مالداروں کے باطل پرست) ہونے پر کسی کا کیا اچھا شعر ہے۔

آیۂ بطلان بشانِ زر پرستان آمدہ است ... باطلاء صاحب طلاً مصداق خذا باطلاست

پس جب مال ہاتھ سے جاتا رہے تو غم نہ کرنا چاہیے ایک بے حقیقت چیز جاتی رہی تو کیا ہوا، اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ایک بلائے امن و راحت اور دشمنِ دین وایمان دفع ہو گیا تو غم کرنے کے بجائے خوشی منانی چاہیے اگلی کہانی اس بات کی تائید میں ہے۔

دزدیدنِ شخصے مار را از مارگیرے وگزیدنِ ماردزدراو کشتنِ او

ایک شخص کا کسی سپیرے کے سانپ کو چرا لینا اور سانپ کا چور کے کاٹ کھانا اور اس کو مار ڈالنا

دزدکے از مارگیرے مار برد ... زابلہی آں را غنیمت مے شمرد

لغات: دزدک۔ چھوٹا چور۔ کاف تصغیر بغرضِ تحقیر ہے۔ مارگیر۔ سانپ کو پکڑنے والا اس کا تماشا دکھانے والا سپیرا۔

ترجمہ: ایک چور کسی سپیرے کے سانپ کو (جو پٹاری میں بند تھا) چرا لے گیا (اور) بے وقوفی سے اس کو غنیمت سمجھتا تھا (کہ پٹاری میں کچھ مال ہوگا۔)

وارہید آں مارگیر از زخمِ مار ... مارکشت آں دزدِ خود را زار زار

لغات: وارہید نجات پا گیا [illegible] سنا۔ زار۔ بری حالت۔ زار زار نہایت بری حالت۔

ترجمہ: وہ سپیرا تو سانپ کے زخم سے بچ گیا (ادھر) سانپ نے اپنے اس چور کو (ڈس کر) مار ڈالا، (جو منہ سے جھاگ اور خون کے بہنے اور بدن کے سوجنے اور پھٹ جانے سے) نہایت بری حالت میں تھا۔

سوال: مارگیر کا تو یہ فن ہے کہ سانپ کو پکڑے اپنے پاس رکھے اور اس کا تماشا دکھائے پھر اس کو سانپ سے ضرر پہنچنے کا کیا احتمال تھا، جس کے لیے وار ہید فرمایا ہے۔

جواب: بعض سانپ نہایت زہریلے ہوتے ہیں۔ خصوصاً ناگ پھنیر، جلیبیا وغیرہ جن کو پکڑنے اور تسخیر کرنے کی کوشش میں بعض اوقات اچھے اچھے مارگیر بھی جان دے بیٹھتے ہیں۔ سپیرے بھی ان کو بعض تدابیر سے ضعیف السم اور دندان شکستہ بنا لیتے ہیں اور پھر اپنے پاس رکھنے کی جرأت کرتے ہیں ممکن ہے کہ وہ سانپ ابھی تازہ پکڑا گیا ہو۔ دانت وغیرہ نہ توڑے ہوں، اور وہ ایسا تند وغضب ناک ہو کہ جو سامنے آئے اس کا وار کرنا یقینی ہو، جس سے سپیرا بھی نہ بچ سکتا ہو، اب وہ جو سانپ چوری جاتا رہا تو سپیرا اس کے وار سے بچ گیا اور چور مارا گیا۔

مار گیرش دیدو پس بشناختش گفت از جاں مارِ من پُرداختش

لغات: پرداخت خالی کر دیا 'پرداختن سے۔

ترجمہ: سپیرے نے اس کو دیکھا اور (غور کیا) پھر (بعض قرائن سے) اسے پہچان لیا، (کہ میرا سانپ اسی نے چرایا تھا، اور لوگوں سے) کہا اس کو میرے ہی سانپ نے بے جان (یعنی ہلاک) کیا ہے۔

نوٹ: بشناختش اور گفت کے لفظ قابلِ توجہ ہیں۔ سپیرا اپنے سانپ کی گمشدگی پر حیران و پریشان تھا کہ کون لے گیا۔ ادھر جب وہ چور سانپ کے ڈسنے سے مر گیا اور سانپ کہیں غائب ہو گیا، تو لوگ اس کی لاش پر جمع ہو کر اظہارِ حیرت کرتے تھے کہ یہ کل چنگا بھلا تھا۔ آج ناگہاں کیونکر مر گیا۔ اتفاق سے وہاں سپیرا بھی آنکلا، تو اس نے دیکھا کہ یہی شخص میرے پاس آتا جاتا تھا اور ساتھ ہی وہاں پٹاری کھلی پڑی تھی اس کو نظر آ گئی تو معاً اس کی موت کا راز اس کے دل پر منکشف ہو گیا۔ جس سے اس کی اپنی حیرت بھی رفع ہو گئی جو کہ چور کے متعلق تھی۔ اور اس نے لوگوں کی حیرت بھی رفع کر دی۔ جو انہیں اس شخص کی موت کے متعلق ہو رہی تھی۔

دردعا میخواستے جانم ازو کش بیابم مارِ بستانم ازو

لغات: میخواستے ازو، یعنی از خدا مے طلبید ے۔ کش کہ او را یعنی وزد را۔

ترجمہ: میں دل و جان سے خدا سے یہ دعا کرتا تھا کہ مجھے وہ (چور) مل جائے تو اس سے (اپنا) سانپ (واپس) لے لوں۔

شکرِ حق راکاں دعا مردود شد من زیاں پنداشتم آں سود شد

لغات: مردود نامقبول رد۔ زیاں نقصان۔ سود فائدہ، مفید۔

ترجمہ: خدا کا شکر ہے کہ میری وہ دعا رد ہو گئی (اور مجھے سانپ نہ ملا) میں تو (سانپ کی گمشدگی کو) اپنے لیے نقصان سمجھتا تھا (مگر خوش قسمتی سے) وہ میرے لیے مفید ثابت ہوئی (کیونکہ میں اس کے زخم سے بچ گیا)۔

مطلب: اوپر ذکر تھا کہ مال کو چور لے جائے تو شکر کرو، کہ ایک دشمن کو دوسرا دشمن لے اڑا اور تم اس کی شر سے بچ گئے جیسے کہ سپیرے کے سانپ کو جور لے گیا۔ تو سپیرے کی جان بچ گئی ۔ صائب کے ایک شعر میں اس مضمون کا کیا مزے دار توارد ہوا ہے۔

دز دیدہ اند مار بافسونِ مارگیر آنانکہ مالِ خلق بہ تزویر مے برند

بس دعا ہا کان زیانست و ہلاک وزکرم مے نشنود یزدانِ پاک

ترجمہ: بہتری دعائیں (باعثِ نقصان اور (موجب) ہلاک ہوتی ہیں (مگر جب بندہ ایسی دعائیں غلطی سے مفید سمجھ کر کرنے لگتا ہے) اور خداوند پاک (محض) اپنے کرم سے (نہ کہ ازراہِ استغنا) ان کو نہیں سنتا (یعنی قبول نہیں کرتا، تاکہ یہ بندہ زیان و ہلاک سے بچ جائے)۔

مصلح ست و مصلحت را داند او کاں دعا را بازمے گرداند او

ترجمہ: (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ (یعنی خداوند تعالیٰ) بہتری کرنے والا ہے اور مصلحت کو جانتا ہے جو (کسی نہ کسی مصلحت کی بناپر) اس دعا کو (غیر مقبول) لوٹا دیتا ہے۔ سعدیؒ۔

آنکس کہ توانگرت نمے گرداند از مصلحتِ تو از تو بہ مے داند

واں دعا گوئندہ شاکی مے شود مے بروظنِ بدو آں بد بود

ترجمہ: اور (تماشا یہ کہ) وہ دعا کرنے والا (الٹا) شاکی ہوتا ہے (کہ خداوند تعالیٰ نے میری دعا قبول نہ کی اور خدا کی رحمت و رافت کے متعلق) بدگمانی کرنے لگتا ہے، حالانکہ (دعا کا قبول نہ ہونا برا نہیں بلکہ اس کی) وہ (شکایت و بدگمانی) بری ہے۔

صائب۔ شکوہ درمشربِ ما سوختہ جاناں کفرست شمع داغ ست زخاموشی پروانۂ ما

مے نداند کو بلائے خویش خواست وزکرم حق آں بدو نا ور دراست

لغات: کو کہ او۔ بدو براو۔ ناورد نیاورد۔ راست مقبول۔

ترجمہ: وہ شخص نہیں جانتا کہ وہ خود اپنے لیے بلا چاہتا تھا اور حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اس (دعا) کو اس کے حق میں مقبول نہیں کیا۔

مطلب: خلاصہ یہ کہ مال و جاہ کی محبت سے دست بردار ہو کر خاص خدا سے محبت رکھنی چاہیے اور اس پر پورا بھروسہ رکھنا لازم ہے، اگر وہ کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف بھی کرے تو اس پر ناخوش ہونا زیبا نہیں، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ بقول سعدیؒ

لطیف و کرم گسترد کارساز کہ دارائے خلق ست و دانائے راز

ہے اور ہمارے تمہارے فوائد و مصالح کو خوب جانتا ہے، اگر ہماری دعا قبول کرے تو الحمد للہ۔ نہ کرے تو بھی سبحان اللہ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی بہر حال دعا کے اجر سے دعا کرنے والا پھر بھی محروم نہیں رہتا۔ مولانؒ۔

اے اخی دست از دعا کردن مدار با اجابت یا رد ادیت چہ کار

التماس کردنِ ہمراہِ عیسیٰ علیہ السلام از و زندہ کردنِ استخوان را

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے ایک رفیق کا یہ درخواست کرنا کہ (اس) ہڈی کو (اپنی دعا سے) زندہ کر دیں۔

گشت باعیسیٰؑ یکے ابلہ رفیق استخوانہا دید در گوئے عمیق

لغات: ابلہ بے وقوف۔ گوئے۔ گڑھا۔ بعض نسخوں میں اس لفظ کو گور لکھا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے، کیونکہ گور میں عموماً حیوانات کی ہڈیاں نہیں، بلکہ انسان کی ہوتی ہیں، ہمارے قلمی نسخے میں بھی گور درج ہے۔ عمیق گہرا۔

ترجمہ: ایک بے وقوف آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفیق (سفر) ہو گیا اس نے ایک گہرے گڑھے میں کچھ ہڈیاں دیکھیں۔

گفت اے ہمراہِ نامِ آں سَنی کہ بداں تو مردہ زندہ مے کُنی

مر مرا آموز تا احساں کنم استخوانہا را بداں باجاں کُنم

لغات: سَنی بلند، رفیع مراد حق تعالیٰ۔ احسان نیک کام۔ باجان زندہ، ذی حیات۔

ترکیب: گفت فعل جس کی ضمیر ابلہ کی طرف راجع ہے۔ اس سے آگے دونوں شعروں کی عبارت اس کا قول ہے، جس میں آموز فعل با فاعل مرا مفعول بہ اول نام آں سنی الی آخر البیت مفعول بہ ثانی، یہ جملہ معلول ہوا تا احسان الی آخر البیت علت یہ جملہ معللہ ہو کر ''اے ہمراہ'' کا جواب ندا ہوا کہ بداں بیان ہے نام کا نہ کہ سنی کا۔

ترجمہ: وہ کہنے لگا اے (میرے مقدس) رفیق! اس (خداوند) رفیع الشان کا وہ نام (یعنی وہ اسمِ اعظم) مجھے سکھا دو، جس (کو پڑھ کر دم کرنے) سے تم مردہ کو زندہ کیا کرتے ہو، تاکہ میں بھی ایک نیک کام کروں (یعنی ان) ہڈیوں کو اس (نام) کے ساتھ زندہ کر دوں۔

گفت خامش کُن کہ آں کارِ تو نیست لائقِ انفاس و گفتارِ تو نیست

لغات: خامش کن چپ رہو۔ انفاس دم، پھونکیں۔ گفتار کلام یہاں متبرک کلمات کا پڑھنا مراد ہے۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا چپ ہو کر رہو کیونکہ وہ تمہارا کام نہیں ہے (اسمِ اعظم) تمہارے دم کرنے اور پڑھنے کے لائق نہیں ہے۔

کاں نفس خواہد زباراں پاک تر وز فرشتہ در روش چالاک تر

ترجمہ: کیونکہ وہ اسمِ اعظم (اپنے پڑھے جانے کے لیے) ایسا دم چاہتا ہے جو آبِ باراں سے بھی زیادہ پاک ہو اور (مقامِ اجابت تک پہنچنے میں) میں فرشتوں سے بھی زیادہ تیز رفتار ہو۔

عمر ہا بایست تا دم پاک شُد تا امینِ مخزنِ افلاک شُد

ترجمہ: عمریں (ریاضات و مجاہدات میں ختم کر ڈالنی) چاہئیں تب (کہیں جا کر) دم (اس توجہ تک) پاک ہوتا ہے کہ خزائنِ عالمِ ملکوت کا (حامل اور) امین ہو۔

مطلب: یہ ناممکن ہے کہ تم اپنے سانس اور دم میں یہ قابلیت پیدا کیے بدوں اس سے اسمِ اعظم پھونکنے کا کام لو اور وہ کچھ مفید ہو۔ اس کے لیے صرف سانس کافی نہیں بلکہ خاص قابلیت کی ضرورت ہے۔ سانس سانس میں فرق ہوتا ہے چنانچہ آگے فرماتے ہیں۔ خود گرفتی ایں عصا الخ کہاں یہ تمہاری لکڑی۔ کہاں موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی۔

ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

مندرجہ بالا ترجمہ اس تقدیر پر ہے کہ احیاء موتیٰ کے لیے دم کی پاکیزگی کا عام اصول بیان کیا ہے اور اس لیے بایست اور شد کے مفعول کو بمعنی مستقبل تسلیم کیا ہے، لیکن اگر یہاں حضرت عیسیٰ خود اپنے دم کے متعلق فرما رہے ہیں، تو یوں ترجمہ ہوگا۔ ''مدتوں ریاضت و مجاہدہ کرنا پڑا'' تب کہیں جا کر میرا دم پاک ہوا، جو پھر امینِ مخزنِ افلاک ہو گیا۔

بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے ''عمر ہا بست کا دم پاک شد'' یعنی تا دم کے بجائے کا دم کا کلمہ درج ہے۔ ہمارا قدیمی قلمی نسخہ بھی اسی کے مطابق ہے اس تقدیر پر ترجمہ مطلب یوں ہوگا کہ بہت سی عمروں کی ضرورت ہوئی۔ تب کہیں جا کر آدمؑ پاک ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ مخزنِ افلاک کے امین ہو گئے۔

والٰہیات اور اسماء وغیرہ کی تعلیم دی گئی۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کو تو فوراً ان کے پیدا ہوتے ہی بمفوائے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اسماء وغیرہ کی تعلیم دی گئی اور معاً اس فضیلت کی بدولت وہ مسجودِ ملائکہ ہو گئے جب کہ وہ مخزنِ افلاک کے امین تھے تو عمروں کے صرف ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام عصر کے وقت پیدا ہوئے تھے اور ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ جنت سے بھی نکال دیے گئے اور یہ یقینی ہے کہ ان کا جنت سے نکلنا مسجودِ ملائکہ ہونے سے بعد کا واقعہ ہے۔

جواب: عمرہا میں دنیا کی عمریں مراد ہیں اور آدم علیہ السلام کا واقعہ جس عالم میں ہوا وہاں ایک ایک دن یہاں کے ہزار برس کے برابر ہے، چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِنَّ یَوْمًا كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ الخ اس لحاظ سے گویا آدم علیہ السلام کی ان کے کمالات کے حصول میں دنیا کے حساب سے پھر بھی کئی عمریں گزر گئیں اور چونکہ یہاں دنیا والوں کو ان کے اپنے حساب سے مدتِ مجاہدہ بتائی ہے۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کے ذکر میں بھی دنیا کا پیمانہ اختیار کیا گیا ایک یہ جواب بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کا مادۂ وجود پہلے سے موجود تھا جس کی تصریح حدیث میں کی گئی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کے خمیرِ مایہ ہی میں یہ استعداد پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ جس پر عمریں گزر گئیں۔

خود گرفتی ایں عصا در دستِ راست دست رادستانِ موسیٰؑ از کجاست

لغات: عصا لاٹھی، لکڑی۔ راست دایاں۔ دستاں افسون مراد اعجاز۔

صنائع: اس میں حضرت موسیٰؑ کے معجزۂ اژدہا کی تلمیح ہے۔ دست اور دستاں میں تجنیسِ ناقص۔

ترجمہ: دیکھو تم نے بھی تو اپنے دائیں ہاتھ میں لکڑی لے رکھی ہے مگر تمہارے ہاتھ میں حضرت موسیٰؑ کا اعجاز کہاں ہے (کہ ان کی طرح لکڑی کا اژدہا بنا دکھاؤ)۔

گفت گر من نیستم اسرار خواں ہم تو برخواں نام را بر استخواں

ترجمہ: اس (ابلہ) نے کہا اگر میں (اس نُو) اسرار (کلمے) کو پڑھنے کے قابل نہیں ہوں تو (براہِ مہربانی) آپ ہی (ان) ہڈیوں پر اسم (اعظم) پڑھ دیں۔

گفت عیسیٰؑ یارب ایں اسرار چیست میل ایں ابلہ دریں گفتار چیست

ترجمہ: حضرت عیسیٰؑ نے جناب باری میں عرض کیا کہ اے پروردگار یہ کیا بھید ہے اس سادہ لوح کو اس بات پر (اس قدر) میلان کیوں ہو گیا (کہ میری مانتا ہی نہیں)۔

چوں غمِ خود نیست ایں بیمار را چوں غمِ جاں نیست ایں مردار را

ترجمہ: اس بیمار (مرضِ حماقت) کو اپنا خیال کیوں نہیں؟ اس (روحانیت کے) مردار کو اپنی جان (یا اپنی روحانیت) کی فکر کیوں نہیں؟ (کہ اپنے مرض کے ازالہ اور اپنی روحانیت کو زندہ کرنے یا اپنی جان کی حفاظت کے لیے طالبِ اسم ہوتا)۔

مردۂ خود را رہا کردہ است او مردۂ بیگانہ را جوید رفو

ترجمہ: اپنی مردہ روحانیت کو تو اس نے (بلا علاج) چھوڑ رکھا ہے (یا اپنے گھر کے مردہ عزیزوں کو زندہ کرانے کی تو پروا نہیں ہے) اور بیگانہ مردہ کو چنگا بھلا دیکھنے کی آرزو ہے

مطلب: وہ ہڈیاں دراصل ایک شیر کی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے مردہ مردار اپنی جان کی فکر نہ کرنے والا وغیرہ کلمات یا تو اس لیے استعمال کئے کہ اس ابلہ کی روحانیت مردہ تھی۔ وہ اس کو زندہ کرنے کی فکر نہیں کرتا تھا اور اس کو مردہ وار چھوڑ رکھا تھا۔ یا مردہ سے خود اس کے اپنے مردہ عزیز مراد ہیں۔ یا یہ خیال تھا کہ یہ شیر ابھی زندہ ہو کر اس کو پھاڑ کھائے گا۔ گویا بلحاظ مایئول الیہ وہ مردار ہے۔ پس ایسی پر خطر چیز کے زندہ کرنے پر اصرار کرنے میں کیا بھید ہے اور اس بات سے وہ کیوں نہیں ڈرتا کہ شاید یہ کسی خوف ناک چیز کی ہڈیاں ہوں۔

گفت حق ادبار اگر ادبار جوست　　خار روئیدن جزائے کشتِ اوست

لغات: ادبار بمعنی مدبر یعنی بد بخت۔ جیسے زید عادل کے بجائے زید عدل بطور مبالغہ کہہ دیتے ہیں۔

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا اگر ایک بد بخت اپنی بدبختی کی تلاش کرتا ہے تو (کرنے دو) اس کی کھیتی کا پھل کانٹا (نہ ہوگا تو اور کیا) ہوگا۔

مطلب: کھیتی سے مراد یا تو اعمالِ بد کی کھیتی ہے جس کا پھل ایک خونخوار جانور کے حملہ کی شکل میں اس کو ملنا مقدر تھا بقول کے

از مکافاتِ عمل غافل مشو　　گندم از گندم بروید جو ز جو

یا اس کے ادبار کی کھیتی مقصود ہے "جیسی نیت ویسی مراد" وہ فضول ولا یعنی امور میں اصرار والحاح کر رہا ہے تو اس کا مزہ کیوں نہ چکھے؟

آنکہ تخم خار کارد در جہاں　　ہاں وہاں او را مجو در گلستان

لغات: کارد فعل مضارع کاشتن (بونا) سے۔ ہاں کلمہ تنبیہ وتاکید۔

ترجمہ: جو شخص دنیا میں (اعمالِ بد) کے کانٹوں کے بیج بوئے۔ یاد رکھو! اور خوب یاد رکھو اس کو باغ (یعنی ثمراتِ محمودہ کے مقام) میں تلاش نہ کرو۔ سعدیؒ

نہ ابلیس بد کرد و نیکی ندید　　بر پاک ناید ز تخم پلید

گر گلے گیرد بکف خارے شود　　در سوئے یارے رود مارے شود

صنائع: یار و مار میں تجنیس لاحق ہے۔

ترجمہ: اگر وہ ایک پھول بھی ہاتھ میں لے گا تو وہ کانٹا بن جائے گا اگر وہ کسی یار (مہربان) کی طرف جائے گا تو وہ بھی مار (جانستاں) بن جائے گا۔

مطلب: پھول سے اعمالِ صالحہ اور یار سے شیخ کامل مراد ہے، یعنی اگر وہ اعمالِ صالحہ بھی اختیار کرے گا تو ریا وغیرہ آفات کے باعث وہ بھی اس کے لیے مضر ہوں گے اور اگر کسی شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہوگا تو اس کی روایتِ نفس اس مقدس آستانہ پر اس طرح روحانی موت کی موجب ہوگی جس طرح کرمِ نجاست پھول کی خوشبو سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ کما قیل۔

صحبتِ نیکاں بداں را زود رُسوا میکند　　مے نماید تلخی بادام افزوں در شکر

کیمیائے زہرِ مارست آں شقی　　برخلافِ کیمیائے متقی

لغات: کیمیا وہ فن جس کے ذریعہ سے معدنی اشیا کی قلبِ ماہیت کرتے ہیں یعنی کسی خاص نوع کی ایک چیز کو دوسری نوع کی بنا لیتے ہیں۔ مثلاً تانبے کو سونا، رانگ کو چاندی وغیرہ۔ شقی بدبخت۔ متقی پرہیزگار، خدا سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والا۔

ترکیب: تقدیر کلام یوں ہے آں شقی کیمیائے ست (ما) اما بمنزلہ زہر مار یا کیمیا کو زہر مار کے ساتھ مضاف قرار دیا جائے مگر ہیں کیمیا کو بمعنی تریاق نہ سمجھ لیا جائے، بلکہ یہ بمعنے مغیر ماہیت ہے اور ساتھ ہی اضافت توضیحی ہے۔

ترجمہ: وہ بدبخت (بے شک خود ایک مجسم) کیمیا ہے (مگر بمنزلہ) زہر مار ہے (کہ تبدیلِ ماہیت تو کرتا ہے مگر اس طرح کہ زندہ کو مردہ کر دیتا ہے) بخلاف ایک پرہیزگار و خدا ترس کی کیمیا کے (کہ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے)۔

مطلب: جس طرح سانپ کے منہ میں جاکر آبِ حیات بھی زہریلا ہو جاتا ہے اسی طرح بدبخت کوئی اچھا کام کرنا چاہے تو وہ بھی مضر ثابت ہوتا ہے اور وہ کرامت کا دعویٰ کر کے ندامت اٹھاتا ہے۔اس کی مثال میں بحرالعلومؒ نے یہ روایت لکھی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دعویٰ کیا کہ میں حضرت عیسیٰ کی طرح اندھی آنکھ کو بینا کر دیتا ہوں۔ایک کانا آدمی آکر کہنے لگا میری آنکھ اچھی کر دو۔ مسیلمہ نے مٹی کی ایک گولی بنائی اور اس کے خانہ چشم میں ٹھونس کر کچھ افسوں پڑھے۔ گولی کے خراش اور مسیلمہ کے اناڑی ہاتھ کی مداخلت سے اس کو سخت اذیت پہنچی اور کنپٹی میں ایسا درد اٹھا کہ دوسری آنکھ بھی پھوٹ گئی چلو فیصلہ ہوا۔ حافظؒ

سحر با معجزہ پہلو نزند دل خوش دار　　سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

ہیں مکن برقول و فعلش اعتمید　　کو ندارد میوہ مانند بید

لغات: اعتمید۔ اعتماد کا امالہ ہے بھروسہ۔ بید۔ بینت کا درخت جو بے ثمر ہونے میں ضرب المثل ہے۔ ع ہرگز از شاخ بید برنخوری

ترجمہ: خبردار! اس کے قول و فعل پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ وہ (قول و فعل) درخت بید کی طرح کوئی مفید پھل نہیں لاتا۔

لاف ہر ناخلف از جاں برد جامی را　　راہِ موسیٰ نزند بانگ چوگوسالہ کند

اندر ز کردنِ صوفی خادم را در تیمارِ بہیمۂ او

ایک صوفی کا خانقاہ کے خادم کو اپنے سواری کے جانور کی حفاظت کرنے کی ہدایت کرنا

صوفیے میگشت در دورِ افق　　تا شبے در خانقاہے شد قنق

لغات: افق۔ بضمِ الف و فاءٔ کنارہ فلک دورِ افق کنارہ فلک کا چکر مراد اطراف عالم۔ خانقاہ مشائخ اور درویشوں کے رہنے کا مکان۔ قنق۔ ترکی لفظ ہے بمعنے مہمان۔

ترجمہ: ایک صوفی اطراف عالم کی سیاحت کر رہا تھا حتیٰ کہ ایک رات کسی خانقاہ میں جا مہمان ہوا۔

یک بہیمہ داشت در آخر بہ بست　　او بصدرِ صُفّہ با یاراں نشست

لغات: بہیمہ چوپایہ سواری کا جانور گھوڑا۔ ٹٹو وغیرہ مراد ہے۔ آخر خاء کے ضمہ کے ساتھ چوپایہ کو باندھنے کی جگہ اس کو آخور بواؤ معدولہ بھی لکھتے ہیں۔ صدر مجلس کی ممتاز جگہ۔ صُفّہ بضمِ صاد و تشدید فا چبوترہ' دالان' مکان' مسقف حصہ۔

ترجمہ: اس کے پاس ایک سواری کا جانور تھا (جس کو) اصطبل میں باندھ دیا (اور) وہ (خود) یاران (طریقت) کے ساتھ مکان کی ممتاز جگہ میں بیٹھ گیا۔

پس مراقب گشت با یارانِ خویش　　دفترے باشد حضورِ یار بیش

لغات: مراقب مراقبہ کرنے والا اور مراقبہ لغت میں منتظر ہونا' امیدوار رہنا اور اصطلاحِ صوفیہ میں ماسوی اللہ سے توجہ ہٹا کر خدا

کی طرف حضورِ دل کے ساتھ متوجہ ہو جانا۔ فقرائے ہنود کی اصطلاح میں اس کو سمادھی کہتے ہیں۔ حضورِ یار معیتِ حق پیش۔ بائے موحدہ بمعنے اکثر احوال اور بائے فارسی بمعنی مدِ نظر دونوں طرح چسپاں ہے۔

ترجمہ: پھر وہ اپنے ان یارانِ طریقت کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو گیا اور معیت حق تو (جو لوازم مراقبہ سے ہے ان لوگوں کے لیے) ایک دفتر ہوتا ہے (جو) اکثر احوال میں (ان کے زیرِ مطالعہ رہتا ہے (یہ ترجمہ بیش کی بائے موحدہ کی تقدیر پر تھا اور پیش بائے فارسی کی تقدیر پر یوں کہیں گے) ایک دفتر ہوتا ہے (جو ان لوگوں کی نظر کے) سامنے (رہتا ہے اور وہ مطالعہ کرتے رہتے ہیں)۔

دفترِ صوفی سواد و حرف نیست جز دلِ اسپید ہمچوں برف نیست

لغات: سواد سیاہی۔ اسپید سفید مراد نورانی۔ روشن کلمہ سپید پر الف زائد بڑھایا گیا۔

صنائع: سود وا سپید میں صنعت تضاد

ترجمہ: صوفی کا دفتر سیاہی (سے لکھا ہوا) اور حروف (کا مجموعہ) نہیں ہوتا، وہ تو صرف قلب روشن ہے، (صاف سپید) برف۔

مطلب: دفتر سے یہ کاغذی دفتر نہ سمجھ لینا جو سیاہ حروف کا مجموعہ ہوتا ہے۔ صوفیوں کو اس سے سروکار نہیں ان کا دفتر تو نورانی دل ہے۔ یہاں سواد و سفید کے تقابل میں یہ لطیف اشارہ بھی مضمر ہے کہ جس طرح سیاہی پر سفیدی کو اور تاریکی پر روشنی کو ترجیح ہے۔ اسی طرح دفترِ علمِ ظاہری پر اس دفترِ صوفیہ کو فوقیت حاصل ہے۔

سوال: اوپر کہا تھا کہ حضورِ یار دفتر ہے اب دلِ سفید کو دفتر کہا ہے۔ فکیف التوفیق۔

جواب: دفتر سے مطلق وہ امر مراد ہے جو مرکزِ توجہ و التفات ہو پس بالذات توجہ تو تجلیاتِ ذات کی طرف ہی ہوتی ہے، مگر تبعاً قلب کی طرف بھی توجہ ہو جاتی ہے اس لیے دونوں اپنی اپنی جگہ دفتر ٹھہرے۔

زادِ دانشمند آثارِ قلم زادِ صوفی چیست؟ انوارِ قدم

لغات: زاد خرچ سفر، سرمایہ۔ دانش مند اہلِ علم، علوم ظاہری کا طالب و ماہر۔ آثار نشانِ پا۔ آثار قلم سے حروفِ تحریر مراد ہیں۔ انوارِ قدم ذاتِ قدیمہ کے انوار و تجلیات۔

صنائع: شعر ذو القافیتین ہے۔

ترجمہ: اہلِ علم (ظاہری) کا سرمایہ (بیک) قلم کے نشان پا ہیں (اور) صوفی کا سرمایہ ذاتِ قدیمہ کے انوار (و تجلیات) ہیں۔

مطلب. اس میں بھی وجہِ امتیاز ظاہر ہے کہ کہاں، ایک نشانِ پا محلِ زوال و معرضِ فنا اور کہاں ذاتِ قدیمہ کے انوار جو اپنے دوام و استمرار کے لحاظ سے بھی افضل ہیں اور انوار ہونے کے اعتبار سے بھی۔ کلیدِ مثنوی میں لکھا ہے کہ سالک پر اولاً حق سبحانہ کے افعال کا ظہور ہوتا ہے اس کو تجلیِ افعال کہتے ہیں پھر صفات کا اس کو تجلی صفات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد ذاتِ بحت کا وہ تجلیِ ذات کہلاتی ہے۔ یہاں انوارِ قدم سے تجلیاتِ افعال مراد ہیں۔

یعنی افعال۔ تجلی صفات۔ تجلی ذات

ہمچو صیّادے سوئے اشکار شد گامِ آہو دیدو بر آثار شد

لغات: صیاد شکاری، اشکار۔ شکار الف زائد ملحق ہے جیسے اسوار میں۔ گام قدم یہاں نشان قدم مراد ہے وہی آثار کے معنی ہیں۔ شد ہر دو مصرعہ میں بمعنی رفت ہے۔

ترجمہ: (صوفی سالک کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک شکاری شکار کو گیا اس نے ہرن کا نشان قدم دیکھا اور اس نشان پر پڑ لیا۔

چند گاہش گامِ آہو درخورست بعدازاں خود نافِ آہو رہبرست

لغات: چند گاہ کچھ دیر تک۔ درخور لائق' مطلوب' حسب ضرورت۔ ناف آہو۔ مشکِ نافہ مراد ہے۔
ترجمہ: کچھ دیر تک تو اس کو (سراغ لگانے کے لیے) ہرن کے نشانِ قدم کی ضرورت ہے اس کے بعد (جب وہ قریب رہ جائے گا) تو خود ہرن کا مشکِ نافہ (کافی) رہبر ہے۔
مطلب: اسی لیے صوفی سالک کے لیے ابتدا میں تجلیاتِ افعال کی ضرورت ہوتی ہے جب وہ ان تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے تو فرطِ شوق سے مطلوبِ حقیقی کی طرف منازلِ قرب طے کرنے میں لگ جاتا ہے اور پھر اس جانب سے بھی جذب ہوتا ہے، تو بتدریج منازلِ مقصود کی دشواریاں کم ہو جاتی ہیں۔ جس طرح بوئے نافہ صیاد کو صید تک پہنچنے کے لیے سراغِ قدم کی تلاش سے مستغنی کر دیتی ہے۔

حافظؒ ۔ گرچہ دانم کہ بجائے نبرد راہ غریب من ببوئے خوش آں زلف پریشان بروم
چوں صبا با دلِ بیمار وتن بے طاقت بہوا داریٔ آں سروِ خراماں بروم

حتیٰ کہ تجلیِ صفاتی اور پھر تجلیِ ذاتی بھی ہو جاتی ہے وہو المقصود۔ اس سے ظاہر ہے کہ وصول الی المطلوب کا راز زیادہ تر جذبِ حق پر ہے اگر یہ نہ ہو تو محض ریاضت و مجاہدہ مفید نہیں۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ جذبة ربانية خير من عبادالثقلين. یعنی فور بمطلوب کے لیے ایک خداوندی کشش تمام جن و انس کی عبادات سے بہتر ہے۔ جامیؒ۔

آنکہ نے نام بدست ست مراز و نہ نشاں دست بگرفتہ مرا در عقبِ خویش کشاں
اوست دستِ من و پانیز بہر جا کہ رود پائے کوباں زپیش می روم دوست افشاں

سلوک کے مقابلے میں جذب میں یہ امتیاز خاص ہے کہ جذب میں کسی شیطانی خطرہ اور نفسانی وسوسہ کا امکان نہیں ہوتا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ.

حافظؒ ۔ کاروانیکہ بود بدرقہ اش لطفِ خدا بتجمل بنشیند بجلالت برود

بخلاف محض سلوک کے کہ اس میں ہر وقت ورطۂ ضلال میں جا پڑنے کا احتمال ہے کیونکہ اس کا مدار اپنی سعی پر ہے اور سعی میں باغوائے شیطان کوتاہی یا غلطی کا ہر وقت امکان۔ عراقیؒ ۔

ہاں تانہی پائے ببازی تو دریں راہ زیرا کہ دریں رہ بسے شیب وفراز است

ابلیس جو ہزاروں سال تک ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ طویلہ کرنے کے باوجود راندۂ درگاہ ہوا تو اس کی یہی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ سالکِ محض۔ جذبۂ ربانیہ نے اس کی دستگیری نہیں کی تھی۔ حافظؒ۔

اے سکندر بنشیں و غم بیہودہ مخور کہ نہ بخشد ترا آبِ حیات از شاہی

چونکہ شکرِ گام کرد و رہ برید لاجرم زاں گام درکامے رسید

لغات: شکر بمعنی قدر۔ راہ بریدن رستہ طے کرنا۔
صنائع: گام وکام میں تجنیس مضارع۔
ترجمہ: چوں کہ اس (صیاد نے ہرن کے نشانِ) قدم کی قدر کی اس لیے وہ اس (نشانِ) قدم سے مراد کو پہنچ گیا (یعنی شکار کو جالیا)۔
مطلب: اسی طرح سالک کو چاہیے کہ تجلیِ افعال کی قدر کرے اور منازلِ قرب کے طے کرنے میں لگا رہے حتیٰ کہ تجلیِ صفات اور تجلیِ ذات پر فائز ہو جائے۔

رفتنِ یک منزلے بر بوئے ناف بہتر از صد منزلے گام و طواف

ترکیب: دوسرے مصرعہ کی تقدیر یوں ہے، بہتر ست از رفتن وطواف کردن صد منزل برنشان گام پس طواف کا معطوف علیہ

رفتن مقدر ہے اور معطوفین مضاف ہیں صد منزل کے۔

ترجمہ: نافۂ آہو کی بو پر ایک منزل چلنا نشانِ پا کی مدد سے سو منزل تک چلنے اور طواف کرنے سے بہتر ہے۔

مطلب: جس طرح شکاری کے لیے شکار کے نشان پا پر چلنے سے اس کی خوشبو پر چلنا زیادہ موجب کامیابی ہے کیونکہ نشانِ پا میں غلطی کا بہت امکان ہے اور خوشبو پر چلنے میں غلطی کا امکان نہیں۔ وہ گویا خود شکار کی طرف سے پیغام دعوت ہے جو اس کے نافہ سے اٹھ کر صیاد کو بلا رہی ہے اسی طرح سلوک میں تجلی افعال ہر چند کہ نہایت مفید و مغتنم ہے مگر تجلیِ صفات اس سے بدارج افضل ہے کیونکہ یہاں جذبۂ ربانیہ خود کشش کرتا ہے جو تجلیِ افعال میں نہیں ہوتا جس طرح کہ بوئے نافہ صیاد کو اس کے مقصد کی طرف بلانے کے لیے خود آتی ہے اور نشانِ قدم میں یہ بات نہیں ہوتی۔ امیر خسروؒ

خوشا کسیکہ ازدیافت رہ بہ بستانے کہ از عنایت و توفیق دروے اثمار است

سیرِ زاہد ہر مہے تا پیش گاہ سیرِ عارف ہر دمے تا تخت گاہ

لغات: زاہد سے سالکِ محض اور عارف سے مجذوب الی الحق مراد ہے۔ پیشگاہ صحن، ایوان۔

صنائع: یہ شعر مرصع ہے۔

ترجمہ: زاہد (جس کی سیر الی المطلوب کا مدار صرف اس کے اپنے زہد و سلوک پر ہے) ہر مہینے چلتا چلتا صرف قصرِ شاہی کے سامنے کی جگہ تک پہنچتا ہے۔ (ادھر) عارف (جو جذبہ ربانیہ سے کھچا چلا جارہا ہے) ہر دم تخت گاہ تک پہنچ جاتا ہے۔

مطلب: جذب اور سلوک کے فرق پر روشنی ڈالنے کے لیے شارحِ کلیدِ مثنوی نے ایک عجیب مثال لکھی ہے یعنی ایک بادشاہ قصرِ شاہی کے دریچہ میں بیٹھا سیر کر رہا تھا۔ اتفاقاً اس کی نظر ایک بزرگ پر پڑی تو ان کو آواز دی کہ شاہ صاحب ہم ایک بات آپ سے دریافت کرنی چاہتے ہیں۔ تشریف لائیے۔ شاہ صاحب ابھی پس وپیش ہی دیکھ رہے تھے کہ اس فرمائش کی تعمیل کے لیے کس راستے سے محل میں داخل ہوں کہ بادشاہ نے اوپر سے کمند لٹکا دی۔ جس کے ساتھ وہ شاہ صاحب لٹک گئے اور دوسرے لمحہ میں بادشاہ کے سامنے مسند پر تھے۔ بادشاہ نے کہا حضرت وہ بات یہ تھی کہ آپ خدا تک کیونکر پہنچ گئے۔ انہوں نے جواب دیا اسی طرح پہنچ گیا۔ جس طرح آپ کے پاس پہنچا ہوں، اگر میں خود چاہتا کہ آپ کے حضور میں پہنچوں تو لاکھ سر پٹکتا مگر نہیں پہنچ سکتا تھا دربانوں کا تشدد، افسرِ ڈیوڑھی کا مزاج بادشاہ کی اجازتِ باریابی، یہ مرحلے مجھ سے طے ہونے ناممکن تھے آپ نے چاہا تو لمحے میں ان سارے مرحلوں سے بالا بالا آپ کے سامنے آ بیٹھا۔ اسی طرح اگر میں وصول الی الحق کی کوشش کرتا اور ادھر سے جذبۂ ربانیہ نہ ہوتا۔ تو میرا وصول ناممکن تھا، لیکن جب ادھر سے جذبہ ہوا، تو نامحدود مسافت دم بھر میں قطع ہوگئی۔

آں دلے کو مطلعِ مہتابہاست بہرِ عارف فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

صنائع: دوسرے مصرعہ میں اس آیتِ قرآنی سے اقتباس ہے۔ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ۔" اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کو ٹولیاں بنا بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ بہشت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور بہشت کے موکل ان سے سلام علیک کر کے کہیں گے کہ تم مزے میں رہے، تو بہشت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو۔" (زمر۔ ع ۸) عروض: فُتِحَتْ کا کلمہ آیت میں بکسرۂ تاء غیر مشدود ہے مگر یہاں بضرورت شعری اس کو مشدد پڑھنا ہوگا ورنہ شعر میں سکتہ رہے گا اور اَبْوَابُهَا کی دوسری باء موقوف پڑھنی ہوگی۔

ترجمہ: وہ دل جو انوارِ حق کا محل ہونے کی بدولت ہزاروں مہتابوں کا مطلع ہے۔ عارف کے لیے (معارف کے) بہشتوں کے دروازے کھلنے کا باعث ہے۔

مطلب: اوپر جو کہا تھا کہ صوفی کا دفتر قلبِ پرنور ہے اب اس کی طرف رجوع فرماتے ہیں یعنی جب وہ اپنے دل کا مطالعہ کرتا ہے تو اس پر معارف کے وہ عجائبات مکشوف ہوتے ہیں جو لاعین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قطب بشر کے مصداق ہیں۔

باتو دیوار ست و باایشاں درست باتو سنگ و باعزیزاں گوہرست

لغات: عزیزاں جن کی عزت و وقعت ملحوظ ہو، معتقد، ہم مشرب اور یارانِ طریقت

ترکیب: دیوار اور در دونوں خبریں ہیں،۔ جن کا مبتداء ایں قلب مقدر ہے۔ ایشاں کی ضمیر عزیزاں یعنی عارف وصوفی کی طرف راجع ہے، جو بظاہر اضمار قبل الذکر ہوا مگر چونکہ اوپر عارف وصوفی کا ذکر مسلسل چلا آرہا ہے اس لیے اس معہود کو مرجع ضمیر بنانے سے یہ محذور لازم نہیں آتا۔

ترجمہ: وہ (یعنی عارف کا دل) تمہارے (جیسے عامی مجوب کے) لیے (بمنزلہ) دیوار ہے اور ان (اہلِ عرفان) کے لیے (گویا) دروازہ ہے تمہارے لیے پتھر ہے اور ہم مشرب صوفیوں کے لیے موتی ہے۔

مطلب: عامی کے لیے دیوار اس لحاظ سے کہ وہ اس میں انوارِ حق کا مشاہدہ کرنے سے قاصر ہے جس طرح کوئی دیوار کے اندر کا حال نہیں دیکھ سکتا اور پھر اس اعتبار سے کہ وہ اس میں تجلیاتِ حق کی کوئی چمک دمک نہیں دیکھتا اس لیے اس سے نفرت کرتا اور اس کو حقیر سمجھتا ہے اور عزیزوں یعنی عارفوں کے لیے دروازہ اس معنی میں ہے کہ اس کے اندر سے وہ انوارِ حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور جوہر اس پہلو سے کہ وہ اسے مظہرِ تجلیات دیکھ کر قابلِ قدر سمجھتے ہیں۔ حافظؒ۔

دوستاں عیبِ من بیدل و حیراں مکنید گوہرے دارم و صاحب نظرے میجویم

آنچہ تو در آئینہ بنی عیاں پیر اندر خشت بیند بیش ازاں

لغات: خشت اینٹ، لوہے، کی وہ پلیٹ جو آئینہ بنانے کی غرض سے تیار کی ہو، مگر ابھی صیقل نہ کی گئی ہو کہ آئینہ کا کام دے سکے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اگلے زمانے میں لوہے کا آئینہ بنتا تھا۔

ترکیب: ازاں کی ضمیر یا تو آئینہ کی طرف پھرتی ہے پیش ازانکہ آئینہ صیقل گردد، یا بنی کے مفہوم کی طرف یعنی پیش ازاں کہ تو بنی پیرے بیند۔

ترجمہ: جو کچھ تم آئینے میں (اس کے صیقل ہونے کے بعد) نمایاں دیکھتے ہو پیر اس کو اینٹ میں (یا لوہے کی غیر صیقل شدہ پلیٹ میں) اس سے پہلے (کہ وہ صیقل ہو یا اس سے پہلے کہ تم دیکھو) دیکھ لیتا ہے۔

مطلب: آئینہ مصقول سے عالم بعد تکوّن مراد ہے۔ اور خشت سے عالمِ قبلِ تکوّن۔ یعنی تم جو کچھ اس وقت عالم کے اندر اس کے موجود ہونے کے بعد دیکھ رہے ہو۔ اہلِ عرفان بتائیدِ حق ان کو منصّہ ظہور پر آنے سے پہلے ہی دیکھ لیتے ہیں۔ صائبؒ۔

درتہ تودۂ خاکستر ہستی چوں برق کرم روشنگرِ آئینہ جاناں خواند

پیر ایشانند کایں عالم نبود جان ایشاں بود در دریائے جُود

لغات: کایں مخفف کہ ایں بوزن کیں پڑھنا چاہیے۔ دریائے جود معرفتِ حق۔

ترجمہ: یہ اس وقت سے پیر (روشن ضمیر چلے آتے) ہیں، جبکہ یہ عالم نہ تھا، (اور) ان کی روح دریائے معرفت میں (غرق) تھی۔

مطلب: وہ دنیا کے پیدا ہونے یا خود اپنے دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے عالمِ ارواح کے اندر معرفت حق میں مستغرق تھے۔

صائبؔ آسودہ زسیرِ فلک وگردشِ چرخ اند حیرت زدۂ جلوۂ مستانہ یارند

جب تکوین دنیا سے پہلے عالم ارواح میں اشقیا کی روح بھی حق تعالیٰ کے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہنے پر بلیٰ۔ بلیٰ کا غل مچا چکی ہیں تو اس وقت اہلِ عرفان جو نہ صرف ان اشقیا سے بلکہ عامہ اہلِ ایمان سے بھی بمدارج افضل ہیں۔ کیوں نہ دریائے جود میں مستغرق ہوں گے۔

پیش ازیں تن عمر ہا بگذا شتند پیشتر ازکشت بر بردا شتند

ترجمہ: وہ اس جسدِ عنصری (میں آنے) سے پہلے ہی بہت سی عمریں گزار چکے ہیں، وہ (اعمال کی) کھیتی (بونے) سے پہلے ہی (اجر کا) پھل اٹھا چکے ہیں۔

مطلب: دنیا دار العمل ہے یہاں کے اعمال پر آخرت کی جزا و سزا مترتب ہوتی ہے، مگر ان اہل اللہ نے اس عالم میں آنے سے پہلے ہی عالمِ ارواح میں مدتیں عرفانِ حق میں گزاری ہیں اور حق تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کو دنیا میں آنے اور عمل کمانے سے پہلے ہی موردِ عنایاتِ بے غایات کر دیا۔

پیشتراز نقشِ جاں پذرفتہ اند پیشتر از بحر دُرہا سفتہ اند

لغات: نقش جسم عنصری نقش ہے۔ پذرفتہ مخفف پذیرفتہ پذیرفتن سے قبول کرنا۔

ترجمہ: وہ اپنے جسمِ عنصری کے وجود میں آنے سے پہلے جان قبول کر چکے ہیں اور دریا کے موجود ہونے سے پہلے موتی پرو چکے ہیں۔

مطلب: ابھی وہ عالمِ دنیا میں پیدا نہیں ہوئے کہ عالمِ ارواح ہی میں معرفت جو بمنزلہ جان ہے حاصل کر چکے ہیں دریائے عالم کی آفرینش سے پہلے منافعِ دریا یعنی اعمال اور ثمراتِ اعمال کے موتیوں سے یعنی عنایاتِ حق سے متمتع ہو چکے ہیں۔

مشورت کردنِ خدائے تعالیٰ با فرشتگان در ایجادِ خلق

خداوند تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ مخلوق کے پیدا کرنے میں مشورہ کرنا

مشورت مے رفت درایجادِ خلق جانِ شاں دربحرِ قدرت تا بحلق

لغات: مے رفت بمعنی مے آمد۔ ایجادِ خلق آفرینشِ عالم۔ دنیا کو نیست سے ہست کرنا۔ ایجاد اس چیز کو موجود کرنا جس کی نظیر پہلے نہ ہو۔ بخلاف اختراع کے اس میں پہلے نظیر ہوتی ہے۔ تا بحلق۔ بمعنی غریق۔

ترکیب: شاں کی ضمیر بجانب پیر راجع ہے۔ جس کا ذکر چلا آرہا ہے اور مشورت لینے والے اور دینے والے کا ذکر عنوان میں موجود ہے۔

ترجمہ: (دنیا کی) مخلوق کو پیدا کرنے کے لیے (حق تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ) مشورہ ہو رہا تھا (اور) ان (اہل اللہ) کی روح قدرتِ حق کے دریا میں حلق تک (ڈوبی ہوئی) تھی (اور وہ اس کی عجائبات کا مشاہدہ کر رہے تھے)۔

مطلب: یعنی فرشتے تو اس مشورہ میں اپنے نقصِ علم سے حکمتِ ربانی اور مصالحِ تخلیق سے کامل واقفیت نہ ہونے کے باعث غلطی کر رہے تھے، مگر اولیاء اللہ کو قدرت کے ان بھیدوں کا پورا پتا تھا، حق تعالیٰ کا علم کامل مشورہ کی حاجت سے منزہ ہے۔ پس یہاں مشورہ کے لفظ کا استعمال باعتبار ظاہر ہے۔ یعنی چونکہ حق تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ یہ مکالمہ کسی حکمت سے بطرز مشورہ تھا اس لیے اس پر مشورہ کا اطلاق کیا گیا۔

چوں ملائک مانعِ آں مے شدند ۔ برملائک خفیہ خنبک مے زدند

لغات: مانع خلاف مشورہ دینے والا۔ خنبک زدن تالی بجانا۔ زدند کے فاعل پیر ہیں۔

ترجمہ: جب ملائکہ اس کے (یعنی ایجادِ خلق کے) خلاف مشورہ دے رہے تھے تو یہ اولیاء اللہ اپنے علمِ مصالح کی وجہ سے ملائکہ پر تالیاں بجاتے (ہنستے) تھے۔

مطلب: فرشتے تو یہ مشورہ دیتے تھے کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا. ایسی فسادی مخلوق کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے، مگر ان حضرات کو علم تھا کہ یہ مخلوق ضرور پیدا ہوگی کیونکہ دنیا میں خلافتِ الٰہی کا منصب آدمؑ کے لیے مقرر ہو چکا ہے۔ ملائکہ خواہ مخواہ دخل در معقولات دے رہے ہیں اسی لیے وہ فرشتوں کی ان باتوں پر ہنس رہے تھے۔ ہنسنے سے یہاں صرف استعجاب مراد ہے کیونکہ استہزاء ہنسنا اور تالیاں بجانا تو اولیاء اللہ اور ملائکہ دونوں کے لحاظ سے غیر ملائم ہے۔ باقی یہ رہا سوال کہ مولانا نے مشورہ اور خنبک جیسے کلماتِ موہم سوءِ ادب کیوں استعمال کیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اربابِ عشق جوش کی کیفیت میں بعض اوقات بیساختہ ایسے الفاظ بول جاتے ہیں جو میزانِ ادب میں کسی قدر گرانبار معلوم ہوتے ہیں یہ ان کے اختیار کی بات نہیں ہوتی، لہٰذا اس کو سوءِ ادب سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ خود مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں۔

گفتگوئے عاشقاں در امرِ رب ۔ جوششِ عشق ست نے ترکِ ادب

مُطّلع بر نقش ہر کہ ہست شد ۔ پیش ازاں کیں نقشِ گل پابست شد

لغات: مطلع بہ تشدید طاء واقف، آگاہ نقش، موجود، مخلوق کیں کہ ایں۔ گل عناصر۔

ترکیب: نقشِ گل میں یا تو اضافت ہے یا نقش مبتدا گل پابست باضافتِ مقلوب اس کی خبر ترجمہ بہر دو تقدیر جداگانہ ہوگا۔

ترجمہ: وہ اہل (اللہ) ہر موجود (شخص) پر جو وجود میں آیا، مطلع (تھے) قبل اس کے یہ عنصری مخلوق وجود میں آئے۔ (یا یوں کہو، قبل اس کے کہ یہ مخلوق عنصری وجود کی پابند ہو)۔

رفعِ اشتباہ: یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اس سے ان کے علم کا محیط ہونا لازم آتا ہے جو خاص خداوند تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ مولانا کے قلم و زبان سے ایسی بات مترشح نہیں ہو سکتی جو صریحاً ادلۂ شرعیہ کے خلاف ہو بلکہ اس سے محض کثرتِ علم مراد ہے۔ فلاضیں اگلی ابیات میں بھی یہی تاویل ملحوظ ہے۔

پیشتر ز افلاک کیواں دیدہ اند ۔ پیشتر از دانہاناں دیدہ اند

لغات: کیواں زحل۔ ایک سیارہ کا نام ہے، جو اپنی بلندی میں اور بقول اہلِ نجوم نحوست میں سب سیاروں پر فائق ہے۔

ترکیب: پیشتر ظرف ہے مصدر محذوف خلق کی نہ کہ دیدہ اند کی ورنہ پھر یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے ابھی آسمان اور غلہ نہیں دیکھا تھا کہ زحل اور روٹی کو دیکھ لیا یہ معنی خلاف مقصود ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ابھی فلک و غلہ پیدا بھی نہ ہوا کہ زحل اور روٹی ان کو نظر آ گئی پھر اس کے ساتھ خود فلک اور غلہ کی رویت تو بطریق اولیٰ ہوگی۔

ترجمہ: انہوں نے آسمانوں (کے پیدا ہونے) سے (بھی) پہلے زحل کو دیکھ لیا ہے۔ وہ غلہ (کے پیدا ہونے) سے پہلے روٹی کو دیکھ چکے تھے۔

بے دماغ و دل پُرازفکرت بدند بے سپاہ و جنگ بے نصرت زدند

ترجمہ: وہ دماغ اور دل کے بغیر ہی (جو محلِ فکر ہیں) فکر کر لیا کرتے تھے وہ سپاہ (کے بغیر ہی جو آلہ فتح ہے) اور جنگ کے بغیر ہی (جو محلِ فتح ہے) فتح یاب ہوتے تھے۔

مطلب: پہلے مصرعہ میں ان کے کمالِ قوتِ علمیہ اور دوسرے میں کمالِ قوتِ عملیہ کا ذکر ہے فکر سے حصول علم مراد ہے، یعنی دل و دماغ میں ارتسامِ علم کے بغیر ہی ان کو علم حاصل تھا اور وہ اپنے ''عدو مبین'' یعنی شیطانِ لعین سے جنگ آزما ہوئے بغیر ہی اس پر فتح یاب تھے۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان واجب الاذعان کا علم تھا کہ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ یعنی اے شیطان تجھ کو ان خاصانِ خدا پر غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔

اس بیت میں اہل اللہ کے لیے ''پرازفکرت'' کا کلمہ نکل گیا تو وہ اس لحاظ سے کھٹکنے لگا کہ فکرت کا درجہ رویت سے کمتر ہے، اہل اللہ تو ہر چیز کی رویت پر قادر ہو چکے ہیں یعنی اس کو بچشمِ عیاں دیکھتے ہیں۔ پھر فکرت کی ان کو کیا ضرورت ہے۔ مولانا اس کے متعلق بطورِ دفعِ دخل مقدر ایک بات اگلے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں مگر اس شعر کی پیچیدگی نے شارحین میں عجیب اختلاف پیدا کیا ہے۔ ہر شارح اس کے حل میں اپنی اپنی الگ بولی بول رہا ہے۔

آں عیاں نسبت بایشاں فکرت ست ورنہ خود نسبت بدوراں رویت ست

لغات: عیاں معاینہ، مشاہدہ، آنکھوں سے دیکھنا۔ فکرت ماضی کے احوال کو تصور میں لانا یا مستقبل کے احوال کا علم قوتِ ذہنیہ کے ساتھ حاصل کرنا۔ دور تجلیِ حق سے دور یعنی محجوب۔ رویت عیاں، مشاہدہ۔

ترجمہ: (۱) (از شیخ ولی محمدؒ) وہ مشاہدہ (ان اہل اللہ) کے نزدیک فکرت (بمعنی کشف) ہے ورنہ دوسرے لوگوں کے نزدیک آنکھوں دیکھی بات ہے۔

اس ترجمہ پر مولانا بحر العلوم کا یہ اعتراض ہے کہ فکرت کو باصطلاحِ صوفیہ کشف قرار دینا ایجادِ بندہ ہے اور محض تکلف۔

ترجمہ: (۲) (از مولانا بحر العلومؒ) وہ مشاہدہ ان (ملائکہ مانعینِ خلق) کے نزدیک (محض) فکرت ہے (اسی لیے وہ غلطی میں پڑ گئے) ورنہ (اہل اللہ) جو (جنساً فرشتوں سے) دور ہیں۔ ان کے لیے تو آنکھوں دیکھی بات ہے۔ (پھر وہ کیونکر غلطی کرتے)۔

ترجمہ: (۳) (از صاحبِ مکاشفات) یہ (فکرت کی طرح کا) مشاہدہ (ہے جو عوام کی فکرت سے مشابہ نہیں بلکہ) انہی (اہل اللہ) کی (مخصوص) فکرت ہے۔ ورنہ جو (لوگ اسرارِ الٰہی کی دریافت سے) دور ہیں۔ ان کے لیے بمنزلہ رویت ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تسلی دوسروں کو رویتِ چشم سے حاصل ہوتی ہے۔ خاصانِ حق کو فکرت سے حاصل ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ مرتبۂ غیب میں چشمِ فکر کے ساتھ صاف طور پر مشاہدہ کرتے ہیں اس کو اس جماعت کے عُلُوِّ مرتبت کے لحاظ سے فکرت کہہ دیا جاتا ہے۔ ورنہ مہجورین کی نسبت سے وہ رویتِ عین اور عین رویت ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ترجمہ اقرب الی الصواب ہے، جس کو ہم دوسرے الفاظ میں لکھیں گے۔

ترجمہ: (۴) (از صاحبِ کلیدِ مثنوی) معاینہ ان (اہل اللہ) کی نسبت سے تو فکر ہے (کیونکہ ان کو جو علوم و معارف حاصل

ہیں، ان کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں) ورنہ جو لوگ (معرفتِ حق سے) دور ہیں۔ ان کی نسبت سے (مثل) رویت ہے (کہ ان کو یہی حاصل ہو جانا بہت غنیمت ہے)۔

ترجمہ: (۵) (از راقم ناچیز) وہ معاینہ (بالکل آنکھوں دیکھی بات تھی۔ کوئی حرکت فکری نہ تھی۔ صرف ان (اہل اللہ) کی نسبت سے (اس کو مجازاً) فکرت (کہہ دیا) ہے (کیونکہ) یہاں حرکتِ فکری کا جو محلِ خطا ہے احتمال ہی نہیں ہو سکتا) ورنہ (وہی معاینہ اگر ان لوگوں کو حاصل ہو) جو (اس مقام سے) دور ہیں۔ (یعنی اس کے اہل نہیں ہیں) ان کے ساتھ نسبت کرنے سے (بالکل) آنکھوں دیکھی بات ہے۔ (اس کو فکرت کہہ ہی نہیں سکتے)۔

ان پانچوں ترجموں میں سے جو ترجمہ واضح اور اقرب بہ عبارت ہے، اس کا فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

فکرت از ماضی و مستقبل بود چوں ازیں دو رست مشکل حل بود

ترکیب: ازیں کا مشار الیہ ماضی و مستقبل ہے۔ دو راست کا مبتدا فکرت مقدر ہے۔

ترجمہ: (دیکھو) فکرت ماضی و مستقبل (پر نظر کرنے) سے ہوتی ہے (جس کی اہل اللہ کو احتیاج نہیں) جب (ان کی فکرت) اس (نظرِ ماضی و مستقبل) سے دور ہے تو (یہ شبہ رفع اور) عقدہ حل ہو گیا (کہ اہل اللہ) کا فکر فکر نہیں، بلکہ معاینہ و مشاہدہ ہے)۔

نوٹ: یہ دو شعر صرف لفظ فکرت کے متعلق ایک ہی شبہ رفع کرنے کے لیے بطور جملہ معترضہ آ گئے تھے۔ اب پھر وہی مضمون اولیاء اللہ کے کثرتِ علم کا چلتا ہے۔

دیدہ چوں بے کیف ہر با کیف را! دیدہ پیش از کاں صحیح و زیف را

لغات: بے کیف غیر موجود۔ وہ اشیاء جن کے محض حقائق ملحوظ ہیں نہ کہ ان کے آثار وجود۔ کبھی اس سے حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس مراد لیتے ہیں، جو تمام کیفیات سے منزہ ہے۔ با کیف موجود وہ شے جو آثار وجود کے ساتھ ملحوظ ہے، مخلوق۔ زیف کھوٹا، کاسد۔

ترکیب: اگر کلمہ چوں کو حرف شرط قرار دیا جائے تو سارا شعر جملہ شرطیہ ہوگا اور اگر یہ تشبیہ ہو تو دو الگ جملے ہیں اور اس صورت میں دوسری طرح معنی ہوں گے۔ کما سیاتی

ترجمہ: (۱) چونکہ انہوں نے ہر چیز کو (اس کے) آثار وجود کے بغیر (محض حقائق کے درجے میں) دیکھ لیا ہے (اس لیے) وہ کان (وجود) سے پہلے ہی (اس کے) تمام کھرے کھوٹے (جواہر کو دیکھ) چکے ہیں (یعنی آفرینشِ عالم سے پہلے ہی تمام سعید و شقی ان کو اپنے اپنے عملی رنگ میں نظر آ چکے ہیں)۔

ترجمہ: (۲) انہوں نے ہر موجود (مقید بوجود) کو بمثل شے غیر مقید بوجود (یعنی درجہ اطلاق میں) دیکھا ہے (جو اس کو بحالت وجود دیکھنے سے اوسع و اشمل ہے) الخ

فائدہ: اس بیت کے مصرعہ اولیٰ کے حل میں بھی شارحین مضطرب ہیں۔ مولانا بحر العلوم نے شیخ ولی محمد کا یہ ترجمہ نقل کیا ہے اور اس کو ایک مطلبِ عالی قرار دیا ہے۔ ''موجود کو ان اہل اللہ نے اس طرح نمایاں دیکھا ہے جیسے وہ منزہ از کیف (یعنی حق تعالیٰ) دیکھتا ہے اور یہ مطلب اس اعتبار سے ہے کہ ان کا علم باری تعالیٰ کے موطن سے مقتبس ہے، مگر ہمارے خیال ناقص میں اگر اصل مصرعہ یوں ہو کہ ''دیدہ چوں با کیف ہر بے کیف را'' یعنی انہوں نے ہر غیر موجود چیز کو اس کے وجود سے پہلے ایک موجود چیز کے رنگ میں دیکھا ہے تو عبارت بالکل صاف اور مطلب واضح تھا، ممکن ہے مولانا کا مقصد یہی ہو مگر کلام دوسری طرح مترشح ہو گیا۔ یہ

ناقلین کے غلط تصرف سے بے کیف و باکیف کی تقدیم و تاخیر واقع ہوگئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پیشتر از خلقتِ انگور ہا! خوردہ مے ہا ونمودہ شور ہا

ترجمہ: انہوں نے انگوروں کے پیداوار بننے سے پہلے ہی (وہ) شرابیں پی ہیں (جو ان انگوروں سے نکلتی تھی) اور (مستانِ شراب کی طرح) غل مچایا ہے۔ کما قیل فہیم۔

نخوردہ مے و سرگراں از شراب درون کردہ معمور و بیروں خراب

رفعِ اشتباہ: شراب اور شراب نوش کی مستانہ حرکات محض استعارہ ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان تمام امور کے پیدا ہونے سے پہلے ہی جو بعض خاص کیفیات کے منبع تھے۔ ان کیفیات سے متکیّف ہو چکے تھے۔

درتموزِ گرم مے بینند دے درشعاع شمس می بینند فے

لغات: تموز موسمِ گرما کی شدت۔ دے ایام سرما۔ فے سایہ۔

ترجمہ: وہ شدت کی گرمی میں سردی کا موسم دیکھتے ہیں۔ سورج کی روشنی میں سایہ دیکھتے ہیں۔

در دلِ انگور مے راہ دیدہ اند درفنائے محض شے را دیدہ اند

ترجمہ: انہوں نے شراب کو (قبل اس کے کہ وہ مختلف تحولات و تغیرات کی منازل طے کر کے تیار ہو) انگور کے اندر دیکھا ہے۔ انہوں نے ہر چیز کو عدمِ محض میں مشاہدہ کیا ہے۔

آسماں در دورِایشاں جُرعہ نوش آفتاب از جودِ شاں زربفت پوش

لغات: دور دورِ ساغر۔ جرعہ دم مے، شراب کی گھونٹ۔ زربفت ایک قسم کا سنہری کپڑا۔

ترجمہ: آسمان (جو اس طرح چکر لگا رہا ہے، انہی کے دور (ساغر) میں (شراب کا) گھونٹ پی (کر مست ہو) رہا ہے۔ آفتاب جو اپنی سنہری کرنوں سے جگمگا رہا ہے وہ) انہی کی سخاوت سے زربفت (کا خلعت) پہنے ہوئے ہے۔

مطلب: اوپر تک تو ان کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ کا ذکر تھا اس شعر میں ان کے فیض کا بیان مضمر ہے۔

چوں ازیشاں مجتمع بینی دویار ہم یکے باشند وہم سی صد ہزار

ترجمہ: جب تم ان میں سے دو یاران (طریقت) کو اکٹھے دیکھو تو (یوں سمجھو کہ) وہ (باعتبار حقیقت کے) ایک بھی ہیں اور (بلحاظ تشخصات کے متعدد بلکہ ان کی قوت کو دیکھو تو وہ دو نہیں یا دس بیس نہیں بلکہ تین لاکھ بھی ہیں۔

مطلب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ متحد الحقیقت اور متحد فی الصفت ہیں۔ کما قیل۔

دوئی کجاست زنیرنگ احولی بگذر کہ یک نگاہ میانِ دو چشم مشترک است

آشنائے طریقت حضرت شارح کلید مثنوی نے اس مسئلہ پر جس عمدگی سے روشنی ڈالی ہے قابلِ ستائش ہے۔ ان کے بیان کو بقدرے تصرف ہم یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اہلِ تصوف کی اصطلاح میں حقیقت سے ''ظاہر'' مراد ہوتا ہے اور صورت و مرآۃ سے ''مظہر'' مثلاً آئینہ کو صورت، مظہر، مرآۃ وغیرہ کہیں گے اس کے بعد واضح ہو کہ سارے عالم میں جس قدر اشیا ہیں وہ انواع و اشخاص میں منقسم ہیں اور ہر نوع کے لیے کچھ آثار مخصوص ہوتے ہیں، جو دوسرے انواع میں نہیں ہوتے۔ مثلاً پانی کی خاصیات جدا ہیں، آگ کی جدا، ہوا کی جدا، مٹی کی جدا اور ان آثار مختصہ کا ایک خاص مصدر منشا ہوتا ہے۔ فلاسفہ اس کو صورت

نوعیہ کہتے ہیں اور صوفیہ اس کو روح کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور نوع کی روح کے افراد اس نوع کے افراد سے متعلق ہو کر ان کے آثار شخصیہ کا مصدر ہوتے ہیں۔ مثلاً جمادات کے لیے ایک نوع روح ہے جس کا اثر حفظ ترکیب ہے، تو اس نوع روح کے افراد جمادات سے وابستہ ہو کر ان کی تراکیبِ مخصوصہ کی حفاظت کریں گے۔ اسی طرح نباتات کی روح نوع کا اثر تغذیہ وتنمیہ اور حیوانات کی روح نوع کا اثر تولیدِ مثل اور احساس و ادراک ہے۔ وہ اپنے اپنے افرادِ نوع سے متعلق ہو کر ان کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ انسان کی روحِ نوع کا اثر حقائقِ کونیہ اور معارف و اسرارِ الٰہیہ کا ادراک ہے۔ اس روح کے اشخاص خاص خاص افرادِ انسانی سے متعلق ہو کر اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔

ان تمام ارواح کے علاوہ ایک روح اور ہے جس کو روحِ اعظم اور نفسِ کُلّی کہتے ہیں۔ یہی روح حق سبحانہٗ تعالیٰ سے صادر اول (سب سے پہلے صدور پانے والی) ہے اور ان سب ارواحِ جزئیہ کی مربی ہے اور ارواحِ جزئیہ اس کے فیض سے مستفیض اور اسی کے محکوم و تابع ہیں لیکن یہ ترتیب اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے جیسے پانی نباتات و اشجار کی اور آفتاب فواکہ و اثمار کی تربیت کرتا ہے اس لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کو اپنے اپنے آثار کے لحاظ سے ان میں "ظاہر" ہے۔ اس لیے روحِ اعظم کو ارواحِ جزئیہ کی حقیقت اور ارواحِ جزئیہ کو اس کے مظاہر اور مرایا کہا جاتا ہے۔ پھر تمام ارواحِ جزئیہ میں سے بالخصوص ارواحِ جزئیہ انسانیہ کو روحِ اعظم کے مظہرِ اتم ہونے کی وجہ سے ارواحِ زجاجیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور ان ارواح کے لحاظ سے روحِ اعظم کو جو ارواحِ انسانیہ میں بوجہ اکمل ظاہر ہے۔ روحِ سراجی کہتے ہیں۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ

جب یہ معلوم ہو چکا کہ مظاہرِ مختلفہ میں جو ظاہر ہے وہ صوفیہ کی اصطلاح میں ان مظاہر کی حقیقت ہے اور وہی روحِ اعظم ہے تو اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام عالم کی حقیقت ایک ہے انہی میں اہل اللہ کی ارواح بھی شامل ہیں اور اس سے اہل اللہ کی ارواح کا متحد فی الحقیقت ہونا ثابت ہو گیا۔ رہا ان کا متحد فی الصفت ہونا پس وہ صفت جس میں سب سے متحد ہیں ابتداء۔ اتباع مرضات اللہ ترکِ خواہشاتِ نفسانیہ اور سعیِ تقرب الی اللہ اور چونکہ افتراق و تخالف کا اصلی سبب تزاحمِ اغراض ہیں جو کہ اہل اللہ میں مفقود ہیں اس لیے وہ سب باہم متحد و متفق ہیں۔ بخلاف ان کے جن لوگوں میں غلبۂ بہیمیت و سبعیت کی وجہ سے تزاحمِ اغراض موجود ہے۔ ان میں تفرق و تشتت اور تباغض و تحاسد رونما ہوتا رہتا ہے۔

چونکہ صوفیائے کرام روحِ اعظم کو جو حقیقت ارواح ہے حق سبحانہٗ سے صادر اول اور اس کا مظہرِ اتم و اکمل مانتے ہیں اور یہ دونوں باتیں سوائے روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی روح میں نہیں پائی جاتیں بمجوائے حدیث اول مَاخلق اللّٰہ نوری پس بلا شک وریب یہ مسلّم ہے کہ جناب سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہی روحِ اعظم اور حقیقتِ ارواح ہے۔

فیضی غفر اللہ لہٗ

آں مرکز دور ہفت جدول گرداب نشینِ موجِ اول
چابک قدمِ بساطِ افلاک والا گہرِ محیطِ لولاک
قدرش بزمانہ ماہ و کلیل نورش بفلک چراغ و قندیل
آدم سروتن در آب و گل داشت کو حکم بملک جان و دل داشت

اَزالۂ اَوہام! صاحبِ کلید نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض مدعیانِ تصوف روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کو سمجھنے میں مختلف غلطیاں کرتے ہیں جن کا منشا علومِ شرعیہ اور اصطلاحاتِ صوفیہ سے ان کی ناواقفیت ہے ان میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ

صورِ نوعیہ و ارواح

روحِ اعظم نفسِ کلی

روحِ اعظم روحِ محمدی ہے

روحِ اعظم حقیقتِ محمدیہ کو سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں جداگانہ ہیں۔ روح اعظم وہ روح ہے، جس کا تعلق بلاواسطہ جسد اطہر سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ سے ہے اور وہ مخلوق وممکن ہے اور حقیقت محمدیہ مرتبہ ثانیہ ہے۔ مراتب وجوب میں سے۔ یعنی صفات کا مرتبہ اجمالی جس کو مرتبۂ علم بھی کہتے ہیں وہ واجب ہے نہ کہ ممکن ومخلوق چونکہ یہ مرتبہ مربی ہے۔ روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس لیے اس کو حقیقتِ محمدیہ کہا جاتا ہے۔

دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ جب وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مظہرِ اتم واکمل مانتے ہیں جیسا کہ سب کے نزدیک مسلّم اور بالکل صحیح ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ظاہر ومظہر دونوں کا مصداق ایک ہو۔ پس انہوں نے روحِ اعظم یعنی روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مربیِ ارواح پاکر خود جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین سمجھ لیا اور اپنے عقیدہ کا اظہار نہ صرف احمد بلامیم اور عرب بلاعین وغیرہ مختلف شاعرانہ کنایات سے بلکہ صاف وصریح الفاظ میں کرنے لگے۔ یہ لوگ نحوتربیت سے واقف نہیں ہیں۔ محض افراطِ عقیدت میں ادب کی حدود کو توڑتے چلے گئے۔ ''گرفرق مراتب نہ کنی زندیقی''۔

اگر محض تربیتِ نوع کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب العالمین کہنا جائز ہو تو پانی کو رب النبات والا شجار اور آفتاب کو رب الفواکہ والاثمار کہنا بھی صحیح ہوتا اور اس طرح تمام عالم ہندوؤں کے تینتیس کروڑ دیوتاؤں کی طرح غیر محدود ارباب سے پُر ہو جاتا۔ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ '' اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ پانی وغیرہ تو بہ تربیتِ روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مربی ہیں نہ بالذات اس لیے ان کو ارباب نہیں کہا جاسکتا تو ہم کہیں گے روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بہ تربیت رب العالمین جلّ مجدہٗ ارواح کی مربی ہے نہ بالذات اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رب العٰلمین کہنا صحیح نہیں۔

تیسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیتِ ارواح کو اختیاری سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اضطراری ہے جیسے کہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں۔ کہ روحِ اعظم کی تربیتِ ارواح اختیاری نہیں۔ بلکہ اضطراری ہے' جیسے پانی نباتات و اشجار کی اور آفتاب فواکہ و اثمار کی تربیت کرتا ہے' اس لیے اس کو اپنے مربیات کا علم اور اپنے طریق تربیت کی تفصیل معلوم ہو' اور اس روح اعظم کی تربیت ارواح کو اختیاری سمجھنے کے لیے علمِ محیط کا ثابت کرنا لازم ہے جو بناءِ فاسد علی الفاسد ہے ہاں اس تربیت کا منصب بھی باوجود اضطراری ہونے کے خداوند تعالیٰ و تقدس کی جناب سے ایک نعمتِ عظمیٰ اور موہبتِ کبریٰ ہے جو ذات والا صفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے اور کوئی مخلوق آپ کے ساتھ اس میں شریک نہیں۔ (الحمدللہ علی ذالک) فیضی غفراللہ لہ۔

ارواح از دخانے اشباع	از دماغش بخارے چراغش
عالم کہ عدم کشیدہ	از سایۂ اوست سراز آفریدہ
ضماندارِ شفاعت کن روزبیم و امید	عالم سیہ تا سفید
صاحب ظرف ولایت جود	مقصود جہاں جہانِ مقصود
بر مثال موجہا اوداد شاں	در عدو آور دہ باشد بادشاں

لغات: اعداد بمعنے تعدد۔ ایک سے زیادہ ہونا۔

ترکیب: آوردہ باشد کا فعل باد اور مفعول بہ شان ہے۔

قافیہ: اعداد شاں میں دال مکسورہ بکسرہ اضافت اور بادشان میں دال موقوف ہونے کے باعث قافیہ محل نظر ہے۔

ترجمہ: ان کے تعدد کی مثال (ایسی ہے) جیسے پانی کی موجیں [illegible] نے (ہزاروں کی) تعداد میں پیدا کر رکھا ہے۔

مطلب: جس طرح یہ موجیں اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک ہیں کیونکہ سب کی حقیقت پانی ہے اور محض تشخصات و تشکلات نے ان کو متفرق کر رکھا ہے۔ یہی صورت اہل اللہ کی ہے یہ تو ایک حقیقتِ واحدہ کے متعدد افراد ہیں' متفرق ہونے کی مثال تھی۔ اب ان افراد کی حقیقت واحدہ میں متحد ہونے کی تفصیل فرماتے ہیں۔

مفترق شد آفتابِ جانہا   در درونِ روزنِ ابدانہا

لغات: مفترق متفرق' متعدد۔ روزن' دریچہ' روشندان۔ ابدان جمع بدن۔

ترجمہ: روحوں کا آفتاب (یعنی روحِ اعظم) (مختلف) بدنوں کے دریچوں میں متفرق ہو (کر نظر آتا) ہے۔ (ورنہ قرص خورشید ایک ہی ہے)۔

چونظر برقرص داری خود یکے ست   آنکہ شد محجوب ابداں درشکے ست

ترجمہ: جب تم قرصِ خورشید (کی ذات) پر نظر کرو، تو وہ ایک ہی ہے لیکن جو شخص (تعدد) ابدان کے حجاب میں (حقیقت بینی سے محروم) ہے وہ تو شک ہی میں ہے (وہ تعدد روزن سے ان میں ظاہر ہونے والی روشن ہستی کو بھی متعدد ہی سمجھتا ہے)۔

مطلب: یعنی جس طرح متعدد روزن سے ان میں ظاہر ہونے والی روشن ہستی بھی متعدد نظر آتی ہے محجوب اہل اللہ کو بھی ان کے اپنے الگ تشخصات و تشکلات کے باعث غیر متحد سمجھتا ہے۔

تفرقہ در روحِ حیوانی بود   نفس واحد روحِ انسانی بود

ترجمہ: تفرقہ روحِ حیوانی میں ہوتا ہے۔ روحِ انسانی تو نفس واحد ہے (پھر اس میں تفرقہ کیسا)؟

مطلب: روحِ حیوانی کا خاصہ ہے۔ سبعیت (تجاذب و تدافع کا جوش) اور بہیمیت (شہوتِ شکم و فرج) اور اس کا نتیجہ ہے' آپس میں تفرقہ و عناد' فتنہ و فساد' مار پیٹ' چھینا جھپٹی' کھینچا تانی پس یہ افعال روحِ حیوانی کا حصہ ہیں۔ روحِ انسانی باوجود تعدد افراد کے متحد الحقیقت ہے کیونکہ اس میں مذکورہ موجباتِ تفرقہ نہیں ہیں اور سب کا نصب العین ایک ہے۔ صائبؒ۔

اگرتن راز تن گردون سنگین دل جدا سازد   دریں وحدت سرا دل راکہ ازدل باز میدارد

دوسرے مصرعہ میں اس آیت قرآنی کی طرف بھی اشارہ ہے جو سورہ انعام میں واقع ہے۔ هُوَالَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ كُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وہ ذاتِ پاک جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔''

چونکہ حق رَشَّ عَلَیۡهِمۡ نُوۡرَهٗ   مفترق ہرگز نگردد نورِ او

ترجمہ: چونکہ حق تعالیٰ نے ان پر اپنا نور چھڑکا ہے (لہٰذا ان میں تفرقہ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ) اس کا نور ہرگز متفرق نہیں ہوسکتا۔

مطلب: جن لوگوں پر یہ نور چھڑکا گیا ہے۔ ان میں تفرقہ ممکن نہیں تفرقہ محل سے تفرقِ حال لازم آتا ہے اور وہ بمجوائے مصرعہ ثانیہ ناممکن ہے یہ اس حدیث کا مضمون ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْخَلْقَ فِیۡ ظُلْمَةٍ فَرَشَّ عَلَیۡهِمۡ مِنۡ نُوۡرِهٖ فَمَنۡ اَصَابَ مِنۡ ذٰلِكَ النُّوۡرَ فَقَدِ اهۡتَدٰی وَمَنۡ اَخۡطَآءَ فَقَدۡ ضَلَّ یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور چھڑکا تو جس نے اس نور کو پالیا اس نے ہدایت پائی اور جس نے نہ پایا وہ گمراہ ہوا۔ حافظؒ۔

رود سے گر بچراغے نکند آتش طور   چارۂ تیرہ شب وادیِ ایمن چہ کنم

روحِ انسانی کَنَفۡسٍ وَّاحِدست   روحِ حیوانی سفالِ جامد ست

لغات: کنفس واحد مثل ایک نفس کے۔ سفال ٹھیکری' ٹھیکرا۔ جامد جمادی' بے نور' بے قدر۔

ترجمہ: ارواحِ نسانی تو (اتحاد میں) گویا (صرف) ایک روح ہیں (بخلاف) اس کے روحِ حیوانی جمادی ٹھیکرے ہیں (جن میں تفرقہ وعناد سے ٹھیکرے کے ساتھ ٹھیکرا بجتا رہتا ہے) کما قیل۔

بایک دگر اختلاط چوں بند قب دارند ولے نیند خالی زگرہ

عقلِ جُزو از رمزِ ایں آگاہ نیست واقفِ ایں سِرّ بجز اللہ نیست

لغات: عقلِ جزو۔ عقلِ ناقص عام انسانی عقل۔ رمز گہری بات، بھید کی بات۔

ترجمہ: عقلِ ناقص اس گہری بات سے واقف نہیں اس کا واقف اللہ (اور اللہ کے خاص بندوں کے) سوا اور کوئی نہیں۔

بشوئے دل ز قوانینِ عقل ودین جامیؔ کہ سرِعشق بد۔نہائے شود مدرک

عقل راخود باچنیں سودا چہ کار کرّ مادر زاد با سرنا چہ کار

لغات: سودا دیوانگی عشق۔ کر۔ بہرا۔ سرنا شہنائی ایک باجہ ہے کرِ مادرزاد کے ساتھ ''را'' حرف خبر مقدر ہے۔

ترجمہ: عقل کو اس سودا (عشق) ساتھ کیا سروکار مادرزاد بہرے کو شہنائی کی کیا ضرورت ہے۔ صائبؒ۔

بکجا رسیدہ باشد تگ وپوے عقل ناقص چہ بکنہ رازکورے زعصا رسیدہ باشد

یک زماں بگذار اے ہمرہ ملال تا بگویم وصفِ خالے زاں جمال

ترجمہ: اے رفیق! تھوڑی دیر کے لیے ملال کو بالائے طاق رکھ دو تاکہ میں (تم سے) اس جمال (محبوبِ حقیقی) کے ایک خال کا وصف بیان کروں۔

مطلب: خال سے مراد روحِ اعظم ہے جس کا ذکر اوپر چلا آ رہا ہے۔ اس کو جمالِ حق سبحانہٗ کا مظہرِ اتم ہونے کے لحاظ سے خال سے تعبیر کیا ہے مگر جب اس بیان کے لیے کافی الفاظ نہیں ملتے تو فرماتے ہیں۔

دربیاں ناید جمالِ حالِ او ہر دو عالم چیست؟ عکسِ خالِ او

لغات: بعض نسخوں میں دونوں مصرعوں میں خال بجائے معجمہ ہے جس سے قافیہ درست نہیں رہتا مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ پہلے مصرعہ میں حال بجائے مہملہ اور دوسرے میں خال بجائے معجمہ ہے۔ اب قافیہ درست ہے اور حال بجائے مہملہ معنی صفت اہلِ کلام کے محاورہ میں شائع ہے۔

ترجمہ: اس کی صفات کی خوبی دائرہ بیان میں نہیں آسکتی (مختصراً اتنا سمجھ لو کہ) دونوں عالم کیا ہیں؟ اس کے حال کا عکس ہیں۔ عراقیؒ۔

بانغے ست جہاں زعکسِ خالت خرم دل آنکہ درتماشاست

چونکہ من از خالِ خوبش دم زنم نطق میخواہد کہ بشگافد تنم

ترجمہ: جونہی کہ میں اس کے خالِ زیبا کا ذکر چھیڑتا ہوں تو (جوش) بیان کا وہ دریا اُمنڈ آتا ہے جس کے نکلنے کو زبان کافی نہیں اور وہ) میرے بدن کو پھاڑ (کرنکل جا)نے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کما قیل۔

اگر ہر موے من گردد زبانے نتوانم بہریک داستانے

ہمچو مورے اندریں خرمن خوشم　　تا فزوں از خویش بارے میکشم

ترکیب: خوشم کا تعلق اندریں خرمن کے ساتھ نہیں ہے کما یتبادر بلکہ اگلے مصرعہ کے ساتھ ہے اور تا بیانیہ ہے۔

ترجمہ: میری مثال اس خرمن (وصفِ جمالِ احدیت) میں چیونٹی کی سی ہے (جو ایک دانہ سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی تاہم) میں خوش ہوں کہ (اگر ایک دانہ بھی اٹھالیا) اپنے وجود سے زیادہ بار تو اٹھائے لیے جا رہا ہوں۔

کے گذارد آنکہ رشکِ روشنی ست　　تا بگویم آنچہ فرضِ گفتنی ست

لغات: رشکِ روشنی۔ اکثر شارحین روشنی سے عام روشنی آفتاب وغیرہ اور رشکِ روشنی سے حق سبحانہٗ مراد سمجھتے ہیں، مگر مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ یہ کمال بے ادبی اور خلاف واقع ہے آفتابِ صوری کی کیا تاب ہے کہ خالق کائنات پر رشک کرے، بلکہ ان کے نزدیک روشنی سے ظہور اسرار و رشکِ روشنی سے حق سبحانہ مراد ہے۔

ترجمہ: (مگر) وہ رشکِ روشنی (حق سبحانہ تعالیٰ) مجھے کب چھوڑتا ہے کہ (کم از کم) اتنا ذکر (خال بھی) جو میرا فرض ہے کرسکوں۔

مطلب: اول تو خود مجھ میں وہ طاقت نہیں کہ اس خالِ جمالِ لم یزل کی کما حقہٗ تعریف بیان کرسکوں لایمکن الثناء کما کان حقہٗ لیکن اگر خرمن میں سے ایک دانہ کے برابر بھی اس کا بیان کرنے لگتا ہوں تو حق سبحانہ کے خلاف مرضی ہونے کا خیال مانع ہو جاتا ہے۔ صاحب مکاشفات فرماتے ہیں کہ فرض گفتنی سے صوفی اور اس کے جانور کا قصہ مراد ہے۔ جس کا بیان کرنا مولانا کے ذمے تھا مگر "رشکِ روشنی" کا جذبہ اس کا مانع ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ بس یہی ذکر ہوتا رہے۔

نکتہ: حق سبحانہٗ کو رشکِ روشنی سے روحِ اعظم کو خال سے تشبیہ دینے میں یہ ایک لطیف نکتہ مضمر ہے کہ وجود اپنے اقتضائے ظہور میں نور سے مشابہ ہے اور امکان و عدم کو اقتضائے خفا میں ظلمت و تاریکی کے ساتھ گونہ نسبت ہے۔ پس حق سبحانہٗ کے لیے جو وجودِ بحت اور شائبۂ عدم کی تاریکی سے پاک و منزہ ہے۔ روشنی بلکہ رشکِ روشنی کا استعارہ موزوں ہے اور روحِ اعظم پر جو فی حد ذاتہ ممکن اور شائبۂ عدم کی سیاہی لیے ہوئے ہے خال کی تشبیہ چسپاں ہے جو اگرچہ تاریک و سیاہ ہوتا ہے مگر حسین محبوب کے لیے زیورِ آرائش بن جاتا ہے۔ (کذافی کلید)

بحر کف پیش آرد و سدّے کند　　جر کند وز بعد جر مدّے کند

لغات: کف۔ جھاگ، خس و خاشاک کی تہ جو سطحِ دریا پر پھیل جائے۔ سد۔ روک، بندش۔ جر کھینچنا ہٹا دینا۔ مد پھیلا دینا۔

انتباہ: بعض شارحین اوپر کے پانچوں شعروں کو مذکورہ خالِ جمالِ احدیت کی تعریف کرنے سے معذوری ظاہر کرنے پر حمل کرتے ہیں برعکس اس کے بعض شارحین کے نزدیک ان سب اشعار میں اوپر کے چھٹے شعر سمیت اس تعریف کے لیے جوش کا اظہار ہے۔ لہٰذا دونوں کے نقطۂ نظر سے دو ترجمے حوالۂ قلم ہوتے ہیں۔

ترجمہ: (۱) (میری طبیعت کا) دریا خس و خاشاک کو (بہا) لاتا ہے اور کھینچ لانے کے بعد (اپنی راہ میں) پھیلا دیتا ہے (جس سے وہ روک بن جاتی ہے)۔

مطلب یہ کہ میری طبیعت خود بخود موانع بیان پیدا کر لیتی ہے کچھ تو حق سبحانہٗ کی ناخوشی کے خیال سے جس کا ذکر اوپر ہوا اور کچھ سامعین کی بے توجہی سے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

ترجمہ: (۲) (بیانِ اسرار کا پر جوش) دریا (کتمانِ اسرار کی مصلحت کو) جھاگ (کی شکل میں) لاتا ہے اور آڑ بنا لیتا ہے

تا کہ اسرار کا بیان ہونا بند ہو جائے مگر جوشِ بیان اس کو ہٹا دیتا ہے اور ہٹا دینے کے بعد (پھر دوبارہ پردہ بنا کر) پھیلا لیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دل میں بیانِ اسرار کا جوش ہے تو ساتھ ہی اس کے کچھ موانع بھی ہیں۔ میں ان دو طاقتوں کی کشمکش میں ہوں۔ لہٰذا بجز خاموشی چارہ نہیں۔ نظامیؒ ؎

دورنگی در اندیشہ تاب آورد ۔۔۔ بجز چارہ گر زیرِ خواب آورد

بستہ شدنِ تقریرِ معنیِ حکایت بسببِ میلِ مُستمِعان باستماعِ حکایت

حکایت کے معنی کی تقریر کا بند ہو جانا اس سبب سے کہ سامعین کی توجہ حکایت کی طرف ہے۔

ایں زمان بشنو چہ مانع شد مگر ۔۔۔ مُستمِع را رفت دل جائے دگر

ترجمہ: اب سنو کہ (بیانِ اسرار و ذکرِ خالِ جمال سے) کونسا امر مانع ہوا (مجھے خیال آیا کہ) شاید سننے والے کا دل دوسری طرف (یعنی اصل حکایت سننے کی طرف) متوجہ ہو گیا (اس لیے اس سلسلۂ کلام کو یہیں رہنے دو۔)

خاطرش شد سوئے صوفیِ قنُق ۔۔۔ اندراں سودا فروشد تا عنق

لغات: خاطرِ دل خیال۔ قنق بضم قاف و نون مہمان۔ سودا خیال' جنون۔ عنق گردن۔ تا عنق فروشدن' غرق ہو جانا۔

ترجمہ: اس (مستمع) کا خیال صوفی مہمان کی طرف گیا (کہ اس کا باقی حال کیا ہوا) اور اسی خیال میں غرق ہو گیا، (تو پھر اس بیانِ اسرار کو کون سنتا)؟

لازم آمد باز رفتن زیں مقال ۔۔۔ سوئے آں افسانہ بہرِ وصفِ حال

ترجمہ: (لہٰذا) اس گفتگو کو چھوڑ کر اسی قصہ کی طرف چلنا لازم ہے تا کہ (باقی) حال بیان کیا جائے۔

صوفیِ صورت مپندار اے عزیز ۔۔۔ ہمچو طفلاں تا کے از جوز و مویز

ترجمہ: اے عزیز اس (قصے میں صوفی) سے ہمارا مقصود ظاہری صوفی نہ سمجھنا (تم) کب تک بچوں کی طرح اخروٹ اور کشمش (وغیرہ کی ظاہری لذتوں) سے (دلچسپی رکھو گے۔)

مطلب: اس میں ایک مضمونِ ارشادی کی طرف انتقال ہے یعنی سنانے کو تو خیر صوفی کا باقی قصہ ہم سنا دیتے ہیں مگر کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ صرف ظاہری افسانہ گوئی ہمارا مقصد ہے۔ بلکہ اس سے جو خاص معانی و مطلب مقصود ہیں۔ ان پر نظر رکھو۔ میووں کی چاٹ پر رال ٹپکانے والے بچوں کی طرح قصہ کہانی پر نہ مرو۔

جسمِ ماجوز و مویز ست اے پسر ۔۔۔ گر تو مردی زیں دو چیز اندر گذر

ترجمہ: عزیزِ من! ہمارا جسم (اور اس کے مقتضیات) تو (گویا) اخروٹ اور کشمش (اور ان کی لذات) ہیں اگر تم مرد ہو تو ان دونوں چیزوں کی پروا نہ کرو۔ صائبؒ ؎

روح را جسم گراں مانع شبگیر شدہ ست ۔۔۔ جائے رحم ست بسیلے کہ زمین گیر شدہ ست

ورتو اندر نگذری اکرامِ حق ۔۔۔ بگذر اند مرترا از نُہ طبق

لغات: اکرامِ حق۔ عنایتِ حق' تو فیقِ الٰہی [illegible]

ترجمہ: (پھر) اگر تو (اپنی کوشش کے باوجود جسم سے) بے پروا نہ ہو سکے تو (کچھ مضائقہ نہیں) توفیقِ الٰہی (خود) تجھ کو (پابندیِ جسم سے آزاد کر کے وہ عروج بخشے گی کہ) تو آسمانوں سے اوپر لے جائے گی۔ صائبؒ۔

با چراغِ برق ے جوید ضعیفاں رااحاب در بہاراں دانہ زیرِ خاک پنہاں کے شود

التزام کردنِ خادم تیمار بہیمہ راو تخلّف نمودن

خادم کا جانور کی خبر گیری کے لیے ذمہ اٹھالینا مگر پھر اس پر عمل نہ کرنا

بشنو اکنوں صورتِ افسانہ را لیک ہیں از کہ جدا کن دانہ را

لغات: صورتِ افسانہ۔ ظاہری کہانی۔ ہیں خبردار۔ کہ مخفف کاہ، تنکا۔

ترجمہ: (لو) اب ظاہری کہانی بھی سن لو مگر دیکھنا (کہیں ظاہری قصے پر ہی لٹو نہ ہو رہنا بلکہ) بھُس سے غلہ کو جدا کر لینا (یعنی کہانی کا مطلب و نتیجہ ذہن نشین کر لینا)۔

حلقۂ آں صوفیانِ مستفید چونکہ در وجد و طرب آخر رسید

خواں بیاوردند بہر میہماں از بہیمہ یاد آورد آں زماں

ترجمہ: جب ان صوفیوں کا حلقہ جو اس بزرگ سے استفادہ کر رہے تھے وجد و طرب کی حالت میں ختم ہو گیا تو مہمان کے لیے خوان لایا گیا اس وقت اس صوفی نے اپنے جانور کو یاد کیا۔

گفت خادم را کہ در آخُر برو راست کن بہرِ بہیمہ کاہ وجَو

ترجمہ: نوکر کو فرمایا اصطبل میں جاؤ، جانور کے لیے گھاس اور جو کا انتظام کرو۔

گفت لاحول اینچہ افزوں گفتن است از قدیم ایں کارہا کارِ من است

لغات: لاحول تعجب کے مقام پر بولتے ہیں۔ افزوں فضول، غیر ضروری۔

ترجمہ: اس نے کہا لاحول (ولا قوۃ) یہ کیا غیر ضروری ارشاد ہے یہ تو میرے ہمیشہ کے کام ہیں۔

گفت تر کن آں جَوش را از نخست کاں خرک پیرست ودنداںہاش سست

ترجمہ: فرمایا (میاں!) اس کے (کھانے کے) جو پہلے تر کر لینا کیونکہ وہ غریب گدھا بڈھا ہے اور اس کے دانت کمزور ہیں۔

گفت لاحول ایں چہ میگوئی مہا از من آموزند ایں ترتیب ہا

ترجمہ: کہا لاحول (ولا قوۃ) حضرت سلامت! یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ باقاعدگیاں تو لوگ مجھ سے سیکھیں۔

گفت پالانش فرو نہ پیش پیش داروئے منبل بنہ برپشتِ ریش

لغات: منبل میم کا فتحہ تیسرا حرف بائے موحدہ ہے، زخم۔ داروئے منبل، مرہم زخم۔

ترجمہ: فرمایا اس کے پالان کو اتار دینا اور فوراً زخم کا مرہم (اس کی) زخمی کمر پر لگا دینا۔

گفت لاحول آخرائے حکمت گذار　　جنسِ تو مہمانم آید صد ہزار

ترجمہ: بولا، لاحول (ولا قوۃ) اجی (جناب!) اب تو (اس) ڈاکٹری کو جانے دو۔ آپ کی طرح لاکھ مہمان میرے ہاں آتے ہیں۔

جملہ راضی رفتہ انداز پیشِ ما　　ہست مہماں جانِ ما و خویشِ ما

ترجمہ: سب کے سب ہمارے پاس سے خوش گئے ہیں (اور کیوں نہ جائیں) مہمان تو ہماری جان (کے برابر اور ہمارا بھائی بند ہے۔

گفت آبش دہ ولیکن شیرگرم　　گفت لاحول از توام بگرفت شرم

ترجمہ: فرمایا اس کو پانی (بھی) پلا دینا مگر نیم گرم (ہو) وہ بولا لاحول(ولا قوۃ حضرت) مجھے تو آپ سے شرم آتی ہے۔

گفت اندر جو تو کمتر کاہ کُن　　گفت لاحول ایں سخن کوتاہ کُن

ترجمہ: فرمایا (میاں!) جو میں کسی قدر بھس ملا لینا، وہ بولا لاحول(ولا قوۃ اب تو) اس بات کو ختم کرو۔

گفت جایش رابروب از سنگ و پُشک　　وربود ترریز بروے خاک خشک

لغات: پشک بضمِ وبکسر مینگنی یعنی اونٹ ، بکری ، ہرن، خرگوش ، چوہے کا سرگین۔ یہاں گدھے گھوڑے کی لید کو بھی پشک کہہ دیا۔

ترجمہ: فرمایا اس کی جگہ سے کنکر اور لید صاف کر دینا، اگر (وہ جگہ) تر ہو۔ تو اس پر سوکھی مٹی ڈال دینا۔

گفت لاحول اے پدر لاحول کن　　با رسولِ اہل کم تر گو سخن

لغات: رسولِ اہل قاصدِ بالیاقت۔ مرکب توصیفی ہے نہ کہ اضافی۔ قاصد کو پیغام کا مضمون سمجھانے کے لیے پیغام کی توضیح وتشریح ضروری ہوتی ہے مگر جو قاصد ہوشیار و بالیاقت ہو اس کو سمجھانے کے لیے زیادہ تقریر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ترجمہ: وہ بولا لاحول (ولا قوۃ) بزرگوارِ من! لاحول پڑھو (اور) ایک ہوشیار قاصد (کو اس قدر تفہیم کی ضرورت نہیں اس) کے ساتھ مختصر تقریر کرو۔

گفت بستاں شانہ پشت و خر بخار　　گفت لاحول اے پدر شرمے بدار

لغات: شانہ کنگھی، کھریرا جو گھوڑے اور گدھے کی پشت پر پھیرتے ہیں تو گرد مٹی وغیرہ جھڑ جاتی ہے۔ بخار خاریدن سے کھجلاؤ۔

ترجمہ: (پھر) فرمایا کھریرا لے کر گدھے کی پیٹھ پر بھی پھیر دینا۔ وہ بولا۔ لاحول (ولا قوۃ) بابا کچھ شرم بھی کرو (کہ کب سے میرا مغز چاٹ رہے ہو، نہ شرماؤ، نہ شرمانے دو)۔

گفت دُم افسار را کوتہ بہ بند　　تاز غلطیدن نیفتد او بہ بند

لغات: دم افسار پچھاڑی۔ غلطیدن زمین پر لوٹنا، لوٹ لگانا۔

ترجمہ: فرمایا اس کی پچھاڑی بھی ذرا چھوٹی رکھنا تاکہ لوٹ لگاتے وقت اس کی بندش میں نہ آ جائے۔

گفت لاحول اے پدر چندیں منال　　بہرِ خر چندیں مرو اندر جوال

لغات: منال امرا متنائی ہے نالیدن (رونا) سے۔ در جوال رفتن دھوکا کھانا، فریب میں آنا۔ یہاں اس سے گھبرا جانا مراد ہے، کیونکہ فریب کھانے والا بھی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: وہ بولا لاحول (ولاقوۃ) قبلہ و کعبہ! آپ اس قدر رونا نہ رویئے، (ایک) گدھے کے لیے اس قدر پریشانی ظاہر نہ کیجئے۔

گفت بر پُشتش فگن جل زود تر　　زانکہ شب سرماست اے کانِ ہنر

ترجمہ: فرمایا ہنر مند آدمی! اس کی پشت پر جلدی جھول ڈال دینا، کیونکہ سردی کی رات ہے۔

گفت لاحول اے پدر چندیں مگو　　استخواں در شِیر نبود تو مجو

لغات: استخواں در شیر جستن دودھ میں ہڈی تلاش کرنا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کوئی فضول کام کرنا۔

ترجمہ: وہ بولا لا حول (ولاقوۃ) اس قدر تقریریں نہ کیجیے دودھ میں ہڈی نہیں ہوتی (اس کی فضول) تلاش نہ کیجئے (یعنی غیر ضروری گفتگو کی فضول حرکت چھوڑیئے)۔

من زِتو استاترم درفنِ خود　　میہماں آید مرا از نیک و بد

ترجمہ: میں تو اپنے فن میں آپ سے زیادہ (ماہر) استاد ہوں۔ میرے ہاں بھلے برے ہر طرح کے مہمان آتے ہیں۔

لائقِ ہر میہمان خدمت کنم　　من زخدمت چوں گل و چوں سوسنم

ترجمہ: میں ہر مہمان کی خدمت اس کے لائق کرتا ہوں (اور) خدمت (ہی) کی بدولت میں پھول اور سوسن کی طرح (مقبول) ہوں۔

خادم ایں گفت و میاں بربست چست　　گفت رفتم کاہ و جو آرم نخست

ترجمہ: خادم نے اتنا کہا اور کمر خوب کس کر باندھ لی، پھر بولا میں جاتا ہوں (تاکہ) پہلے گھاس اور جو لے آؤں۔

رفت و از آخر نکرد او ہیچ یاد　　خواب خرگوشی بداں صوفی بداد

لغات: خوابِ خرگوشی یا خوابِ خرگوش ایک مشہور قصہ طلب محاورہ ہے جس کے معنی ہیں خوابِ غفلت ایک خرگوش اور کچھوے میں دوڑ کا مقابلہ ہوا، خرگوش یک دم آدھی مسافت طے کر کے راستے میں آرام لینے کے لیے لیٹ گیا، کہ کچھوے کے آنے سے پہلے اٹھ کر باقی مسافت لپک کر طے کرلوں گا۔ وہ تو غفلت کی نیند میں پڑا سوتا رہا اور کچھوا رینگتا رینگتا منزل پر پہنچ گیا اور اس نے خرگوش سے بازی جیت لی۔

ترجمہ: وہ (خادم) چلا گیا اور اصطبل کا خیال تک نہ کیا (جہاں گدھا بندھا تھا) ادھر ان صوفی صاحب پر غفلت کی نیند طاری ہوگئی۔

رفت خادم جانبِ اوباش چند　　کرد براندرزِ صوفی ریشخند

لغات: اوباش لچے لفنگے لوگ۔ اندرز۔ بفتح اول وسوم نصیحت، ہدایت۔ ریشخند ہنسی تمسخر۔

ترجمہ: خادم (اصطبل کے بجائے) چند اوباشوں کی طرف گیا (جو اس کے یار دوست تھے اور) صوفی کی نصیحتوں کا مضحکہ

اڑاتا رہا۔

صوفی از رہ ماندہ بود و شب دراز خوابہاے دیدہ باچشمِ فراز

ترجمہ: صوفی راستہ (طے کرنے) سے تھکا ماندہ تھا (ادھر) رات بھی لمبی تھی (ساری رات) آنکھیں بند کئے (اس قسم کے) خواب دیکھتا رہا۔ کہ

نکتہ: ماندگیِ بدن اور درازیِ شب دونوں امر گہری نیند اور کثرتِ رویاء کے باعث ہیں۔ بخلاف اس کے اگر طبیعت میں اعتدال اور بدن میں تازگی ونشاط ہو تو معتدل نیند آتی ہے اور خواب پریشاں نہیں ستاتے۔ چھوٹی راتوں میں سونے والا عموماً صرف سکون و راحت میں وقت کاٹتا ہے خواب کم دیکھتا ہے پریشان خوابی کے دور دراز کار قصے گہری نیند اور لمبی راتوں ہی میں پیش آتے ہیں۔

کاں خرش در چنگ گرگے ماندہ بود بارہا از پشت و رانش میرُ بود

ترجمہ: کہ اس کا گدھا ایک بھیڑیئے کے پنجے میں گرفتار ہے جو اس کی پشت اور ران کے ٹکڑے اڑا رہا ہے۔

نوٹ: صوفی صاحب کا یہ خواب یا تو ان کی صفائیِ قلب کی بدولت ایک سچا خواب تھا اور بھیڑیئے کی تعبیر وہ تکالیفِ شب تھیں جو بچارے گدھے کو بھوک اور شدت سے اٹھانی پڑیں یا ایک خوابِ پریشان اضغاثِ احلام کی قسم سے تھا کہ بیداری میں جو فضول تو ہم گدھے کی نگہداشت کے متعلق ان کو تھا وہ ایک خواب بن کر سامنے آگیا اور تماشا یہ کہ جتنا زیادہ گدھے کے لیے اہتمام کیا اتنی ہی زیادہ اس غریب جانور کی گت بنی۔

گفت لاحول ایں چہ مالیخو لیاست اے عجب آں خادمِ مشفق کجاست

لغات: مالیخولیا دیوانگی، خللِ دماغ۔ اے عجب ارے غضب مشفق مہربان، غمخوار۔

ترجمہ: کہتا تھا لاحول (ولاقوۃ) یہ کیا خللِ دماغ ہے۔ (بھلا ایک ہوشیار خادم کی نگرانی میں کہیں ایسا ہوسکتا ہے؟ پھر خواب کی صحت کا وسوسہ ہوتا ہے تو کہتا ہے ارے غضب! وہ مہربان خادم کہاں گیا؟ (جو گدھے کی یہ گت بن رہی ہے)۔

بازمیدید آں خرش درراہ رو گہ بچاہے نے فتا دوگہ بگو

ترجمہ: پھر (خواب میں) دیکھتا تھا کہ اس کا وہ گدھا راستہ چلتا چلتا کبھی کسی کنوئیں میں گرتا ہے کبھی کسی گڑھے میں۔

گوناگوں میدید ناخوش واقعہ فاتحہ مےخواند یا اَلْقَارِعَہ

لغات: گوناگوں میں الف اظہارِ کثرت کے لیے ہے جیسے سالہا سال۔ پشت ہاپشت میں، بعض نسخوں میں جو گونہ گوں لکھا ہے درست نہیں۔ گونہ میں ہانسبت کے لیے ہوتی ہے جیسے دو گونہ رنج عذاب ست جانِ مجنوں را بلائے صحبت لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ اور اس صورت میں یہ لفظ اکیلا آتا ہے، مکرر گونہ گوں نہیں آتا۔

ترجمہ: وہ خواب میں طرح طرح کے ناگوار واقعات دیکھتا تھا (اور خوابِ بد کی مضرتِ دفع کرنے کے لیے کبھی) سورۂ فاتحہ پڑھتا، یا (کبھی) سورۃ القارعہ۔

گفت چارہ چیست؟ یاراں خستہ اند رفتہ اند و جملہ ہا در بستہ اند

ترجمہ: (بار بار) کہتا تھا کیا کیجئے؟ یار لوگ (اشغالِ حلقہ سے) تھکے ماندے ہیں۔ سب (اپنے اپنے حجروں میں) چلے

گئے اور دروازے بند کر لیے (کس کو بلائیں؟ کون مدد دے)؟

باز میگفت اے عجب آں خادمک ... نے کہ با ماگشت ہم نان و نمک

لغات: خادمک میں کاف تحقیر کے لیے ہے ہم اشتراک کے معنی دیتا ہے، جیسے ہم مذہب، ہم سبق۔

ترجمہ: پھر کہتا تھا کہ وہ بھلا مانس خادم ہمارے ساتھ نان و نمک میں شریک نہیں ہوا پھر تعجب ہے (کہ اس نے اس نیک سلوک کے بدلے یہ بدسلوکی کی)۔

من نکردم باوے الا لطف ولیں ... او چرابا من کند برعکس کیں

لغات: لطف مہربانی۔ لین، نرمی۔ برعکس الٹا، برخلاف۔ کین۔ دشمنی

ترجمہ: میں نے تو اُس کے ساتھ مہربانی اور نرمی کا ہی سلوک کیا ہے اس نے اس کے برخلاف میرے ساتھ دشمنی کیوں کی۔

ہر عداوت را سبب باید سند ... ورنہ جنسیت وفا تلقیں کند

لغات: سند بنا، وہ بات جس پر کوئی دوسری بات مبنی ہو۔ جنسیت ہم جنس ہونا، ہم قوم ہونا۔ وفا پورا کرنا تلقین۔ سمجھانا، ہدایت کرنا، سکھانا، اشارہ کرنا۔

ترجمہ: ہر دشمنی کسی نہ کسی سبب پر مبنی ہونی چاہیے ورنہ ہم جنس ہونا تو وفا (یعنی تقاضائے جنسیت کو پورا کرنے) کا ہی سبق دیتا ہے۔

بازمیگفت آدمِ بالطف و جود ... کے براں ابلیس جورے کردہ بود؟

ترجمہ: (صوفی صاحب) پھر (اپنے دل میں) کہتے تھے (عداوت کے لیے سبب ضروری نہیں، چنانچہ) حضرت آدم علیہ السلام نے جو صاحبِ لطف و کرم تھے۔ اس شیطانِ لعین پر کون سا ظلم کیا تھا (جس نے ان کو دھوکا دے کر جنت سے نکلوایا)۔ نظامیؒ۔

بدگہر با کسے وفا نکند ... اصل بداز خطا خطا نکند

آدمی مرمار و کژدم راچہ کرد؟ ... کہ ہمی خواہند اورا مرگ و درد

صنائع: لف ونشر مرتب۔ سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہوتی ہے اور بچھو کے کاٹنے سے صرف دردِ شدید ہوتا ہے۔ ہلاکت نہیں ہوتی۔

ترجمہ: آدمی نے سانپ اور بچھو کے ساتھ کیا (برا سلوک) کیا ہے کہ وہ دونوں اس کی موت اور دردِ شدید کے خواہاں ہیں۔ کما قیل۔

نیش عقرب نہ ازپئے کین است ... مقتضائے طبیعتش اینست

گرگ راخود خاصیتِ بدریدنست ... کایں حسد در خلق آخر روشن ست

ترجمہ: بھیڑیے میں پھاڑ کھانے کی خاصیت ہے بلکہ یہ حسد (یعنی بلاوجہ دشمنی) تمام مخلوق میں نمایاں ہے۔

کما قیل۔ ابنائے زمانہ درپے شورو شراند ... اپناشتہ ازنفاق و عین ضررانذ

مانندِ قطارِ شترایں فرقۂ دوں ... بایک دگراند و درپے یکدیگر اند

باز میگفت این گمانِ بدخطاست — بر برادر ایں چنیں ظنم چراست؟

ترجمہ: پھر کہتا تھا یہ بدگمانی (میری) غلطی ہے ایک (دینی) بھائی پر میں ایسا گمان (بد) کیوں کر رہا ہوں۔

مطلب: کسی پر ناحق بدگمانی نہ کرنی چاہیے۔ خصوصاً دینی بھائیوں کے ساتھ یہ بدسلوکی اور بھی بری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ "اے ایمان دارو! لوگوں کی نسبت بہت شک کرنے سے بچو، کیونکہ بعض شک (داخل) گناہ ہیں"۔ (الحجرات ع ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا! اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ. یعنی بدگمانی سے بچو، بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے (ریاض الصالحین)۔

داخلِ غیبت ہے سوءِ ظن بھی — وہ ہے غیبت منہ کی یہ ہے قلب کی
سوءِ ظن میں مت کسی سے بیر رکھ — یاد ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْر رکھ

باز گفتے حزمِ سوءِ الظّنِ تست — ہر کہ بدظن نیست کے ماند درست

ترجمہ: پھر کہتا۔ تمہاری یہ بدگمانی تو ایک طرح کی چوکسی ہے، جو شخص (اتنا بھی) بدگمان نہیں، وہ (فریب کار لوگوں کے ہتھکنڈوں سے) محفوظ کب رہ سکتا ہے؟

مطلب: پہلے مصرعہ کا مضمون اس روایت سے ماخوذ ہے۔ الحزم سوء الظن یعنی چوکسی اور احتیاط بھی ایک طرح کی بدگمانی ہے۔ اس روایت کو دیلمی نے اپنی مسند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے قول سے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے (تمییز الطیب) مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی طرف سے خواہ دشمن ہو یا دوست محتاط رہنا شرطِ دانش مندی ہے۔ صائبؒ۔

عالم از سنگد لاں قلزم پُر کہسارست — کشتیِ نوح دریں ورطۂ دل ہشیارست

صوفی اندر وسوسہ واں خرچناں — کہ چناں بادا جزائے دشمناں!

ترجمہ: صوفی تو ان وسوسوں میں (غلطان و پیچان پڑا تھا) اور (ادھر) وہ (غریب) گدھا اس حالت (زار) میں (شب بسر کر رہا) تھا کہ دشمنوں کو نصیب ہو۔

آں خرِ مسکین میانِ خاک و سنگ — کژ شدہ پالاں دریدہ پالہنگ

لغات: پالہنگ باگ ڈور۔

ترجمہ: وہ غریب گدھا (مارے بے چینی کے) مٹی اور کنکروں کے درمیان (لوٹتا تھا جس کے لوٹنے سے) پالان ٹیڑھا اور باگ ڈور شکستہ (دریدہ) ہوگئی تھی۔

کشتۂ رہ جملۂ شب بے علف — گاہ درجان کندن وگہ در تلف

لغات: رہ سفر۔ علف گھاس، چارہ۔ جان کندن۔ نزع، جان نکلنا۔ تلف ہلاکت۔

ترجمہ: سفر کا مارا ہوا تھا۔ تمام رات چارہ نہیں ملا۔ کبھی جان کنی کی حالت میں (تڑپتا تھا) اور کبھی موت (کے مشابہ حالت) میں (بے حس و حرکت ہو جاتا)۔

خرہمہ شب ذکرگویاں کاے الٰہ جو رہا کردم کم از یک مشتِ کاہ

لغات: دوسرے مصرعہ کا پہلا لفظ یا تو جو (غلہ) ہے یا جور (ستم) اور دوسری تقدیر پر کم یا تو بکاف تازی ہے یا بگاف فارسی معنی دونوں طرح صحیح ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ: گدھا تمام رات یہ دعا کرتا رہا کہ الٰہی میں جو (کی آرزو) سے دست بردار ہوا کم از کم ایک مٹھی چارہ ہی (مل جائے (یا) الٰہی میں ایک مٹھی بھر گھاس مل جانے پر یہ تمام تکالیف بھول جاؤں۔

بازبانِ حال میگفت اے شیوُخ رحمتے کہ سوختم زیں خامِ شوُخ

ترجمہ: (پھر) وہ زبان حال سے (یہ) فریاد کرتا تھا کہ بزرگو! (میرے حال پر) رحم (کرو) کہ میں اس ناتجربہ کار و بے شرم (مالک کے ہاتھ) سے جل بھن گیا (ناتجربہ کاری اس لحاظ سے کہ گدھے کو ایک نالائق خادم کے سپرد کر دیا، بے شرمی اس لحاظ سے کہ خود اس کی خبر گیری نہیں کی)۔

آنچہ آں خردیداز رنج و عذاب مرغِ خاکی بیند اندر سیلِ آب

ترجمہ: جس قدر (شدید) رنج و عذاب اس گدھے نے دیکھا وہ ایک خشکی کے پرندہ کو پانی کے رو میں دیکھنا پڑتا ہے۔

بس بہ پہلوگشت آں شب تا سحر آں خرِ بے چارہ از جوع البقر

لغات: گشت از گشتن جو پھرنا کے معنی میں ہے۔ جوع البقر بیل کی سی بھوک۔ ایک مرض ہے جو انسان کو عارض ہو جائے تو بیل کی طرح ہر وقت کھاتا پیتا ہے۔ مراد شدت کی بھوک۔

ترجمہ: اس بے چارے گدھے نے اس رات کو صبح تک انتہائی بھوک سے بہتیری کروٹیں بدلیں۔

نالہ میکرد از فراقِ کاہ وجو مستمند از اشتیاقِ کاہ وجو

لغات: مستمند رنجیدہ، آزردہ، غمناک۔

ترجمہ: وہ گھاس اور جو کے نہ ملنے سے چیختا چلاتا تھا (اور) گھاس اور جو کے شوق میں (نہایت) آزردہ تھا۔

ہمچنیں درمحنت و در درد و سوز نالہا میکرد از شب تا بروز

ترجمہ: (غرض) اس طرح وہ تکلیف، درد اور جلن میں (پہلی) رات سے دن چڑھے تک روتا رہا۔

روز شد خادم بیامد با مداد زُود پالاں جُست و برپُشتش نہاد

ترجمہ: دن چڑھا تو خادم علی الصباح آموجود ہوا (اور) جلدی پالان ڈھونڈا اور (گدھے) کی پشت پر رکھ دیا۔

نوٹ: اکثر و بیشتر نسخوں میں دوسرے مصرعہ کے الفاظ ''جست و برپشتش نہاد'' بجیم تازی اور بواؤ عاطفہ لکھے ہیں جن پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ پیچھے کہا ہے کژ شدہ پالان دریدہ پالہنگ جس سے معلوم ہوا کہ پالان ابھی اس کی پشت پر ہی تھا کہیں گم نہیں ہوا بلکہ صرف ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ پھر اس کو ڈھونڈنے کے کیا معنی؟ ایک نسخے میں اس کو بجیم فارسی اور بلا واؤ ''چست برپشتش نہاد'' لکھا پایا۔ ممکن ہے یہ کسی ناقل کا تصرف ہو، مگر یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اس کا پالان جو لیٹ لگانے سے ٹیڑھا اور ڈھیلا ہو رہا تھا دوبارہ چست کر کے رکھ دیا اور باندھ دیا۔

خرفروشانہ دوسہ زخمش بزد کرد باخر آنچہ باسگ مے سزد

لغات: خرفروش۔ گدھا بیچنے والا جو عموماً اپنے گدھے کو سبک رفتار بتانے کے لیے ایک دو ڈنڈے بھی لگا دیتا ہے تاکہ وہ چالاک اور تیز معلوم ہو۔ زخم ڈنڈے کی چوٹ۔

ترجمہ: (اور) خرفروش کی طرح اس کی پیٹھ پر ڈنڈے کی دو چار چوٹیں بھی لگا دیں۔ (غرض اس نے) گدھے کے ساتھ وہ سلوک کیا، جو کتے کے ساتھ (ہونا) چاہیے۔

خرجہندہ گشت از تیزئ نیش کوزباں تاخر بگوید حالِ خویش

لغات: نیش دراصل کسی نوکیلی اور چبھنے والی چیز کو کہتے ہیں، جیسے کانٹے کی نوک، نیزے کی انی، تیر کا پیکان، بچھو کا ڈنک۔ درندہ جانور کی کچلی وغیرہ اور ان کے زخم کو بھی کہہ دیتے ہیں، مگر یہاں ڈنڈے یا اس کی چوٹ کو مجازاً نیش کہہ دیا، کو کہاں۔

ترجمہ: بے چارہ گدھا چوٹ کی تیزی سے (تنگ آکر) کودنے لگا، گدھے (غریب) کی زبان کہاں جو اپنا حال (زار سنائے)؟

مطلب: گدھے کا حالِ زار ظاہر ہی ہے کہ رات بھر تو بھوک پیاس ساتھ ہی تھان کی ناہمواری اور اس کے علاوہ لگام کاٹھی وغیرہ کی قیود نے گت بنائی۔ صبح ہوتے ہی پڑنے لگے ڈنڈے، موئے پر سو درے۔ پھر صوفی صاحب سوار ہونے کو تیار۔ مرے کو مارے شاہ مدار۔ کما قیل ؎

ہر دم زمانہ داغِ غم برجگر نہد یک داغ نیک ناشدہ داغِ دگر نہد

گمان بردن کاروانیاں کہ مگر بہیمۂ صوفی رنجورست

اہلِ قافلہ کا یہ گمان کرنا کہ شاید صوفی کی سواری کا جانور بیمار ہے

چونکہ صوفی برنشست و شد رواں رُو در افتادن گرفت آں ہر زماں

ترجمہ: جب صوفی سوار ہو کر روانہ ہوا تو وہ (گدھا راستے میں) دم بدم گرنے لگا۔

ہرزمانش خلق برمے داشتند جملہ رنجورش ہمے پنداشتند

ترجمہ: ہر مرتبہ لوگ اس کو اٹھاتے تھے سب اس کو بیمار سمجھتے تھے۔

آں یکے گوشش ہمے پیچید سخت واں دگر در زیرِ گامش جست لخت

ترجمہ: ادھر ایک تو اس کے کان زور سے مروڑتا تھا۔ ادھر دوسرا اس کے پیر کے نیچے (کسی چیز کا) ریزہ تلاش کرتا تھا، (کہ شاید اس کے چبھ جانے کی تکلیف ہو)۔

واں دِگر در نعل او می جُست سنگ واں دگر در چشمِ او میدید رنگ

ترجمہ: ادھر ایک اور اس کے نعل میں کنکری ڈھونڈتا تھا (کہ شاید اسی کا آشوب ہو) اور دوسرا اس کی آنکھ کا رنگ دیکھتا (تھا کہ اصل مرض کو شناخت کرے)۔

باز میگفتند اے شیخ ایں زچیست دی نمی گفتی کہ شکر ایں خر قوی ست

لغات: دی ویروز یعنی کل اس۔
ترکیب: ایں کا مشار الیہ افتادگی و شکر کا مضاف الیہ خدا مقدر ہے۔
ترجمہ: (جب کوئی سبب خاص معلوم نہ ہوا تو) سب نے کہا۔ اے شیخ! یہ (بار بار) کس سبب سے (گرتا) ہے تم کل نہیں کہتے تھے؟ کہ (خدا کا) شکر ہے گدھا (بڑا) طاقت ور ہے۔
مطلب: جب بقول شما کل یہ گدھا قوی و توانا تھا تو آج رات کے اندر اندر اسے کیا ہوگیا؟

گفت آں خر کو بشب لاحول خورد جز بدیں شیوہ نتاند راہ برد

لغات: کو کہ او۔ لاحول خورد۔ لاحول کی غذا کھائی ہے، چونکہ رات کو خادم بات بات کے جواب میں لاحول۔ لاحول پکارتا تھا اور گدھے کی خبر گیری کے پختہ وعدے کرتا تھا مگر اس نے کچھ بھی گھاس دانہ اس کو نہ کھلایا۔ اس لحاظ سے گویا اس کے پاس لاحول کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہی کھلایا۔ شیوہ طریقہ۔ نتاند۔ نتواند کا مخفف ہے راہ بردن راہ چلنا۔
ترجمہ: (صوفی نے) کہا جس گدھے نے رات کو (صرف) لاحول کی غذا کھائی ہو وہ اسی انداز سے چل سکے گا۔

چونکہ قوتِ خر بشب لاحول بود شب مسبح بود روز اندر سجود!

لغات: قوت روزی، غذا، خوراک۔ مسبح تسبیح گو۔
ترجمہ: چونکہ گدھے کی غذا رات بھر لاحول ہی رہی ہے (اس لیے) رات کو تو یہ لاحول کی تسبیح پڑھتا رہا۔ دن کو (منہ کے بل گر کر) سربسجود (ہو رہا ہے)۔
مطلب: شیخ کا مطلب یہ تھا کہ گدھا بھوکا ہے اس لیے اس کی یہ حالت ہے مگر اس مطلب کو مطائبہ و ظرافت کے پیرایہ میں ادا کیا۔

چوں ندارد کس غمِ تو ممتحن خویش کارِ خویش باید ساختن

لغات: ممتحن بکسر حاء آزمانے والا آزمائش میں ڈالنے والا۔ ضرورتاً فتح حاء پڑھا جاتا ہے۔
ترجمہ: جب کسی شخص کو تمہارا غم دامنگیر نہیں ہے، (تو کسی سے توقع نہ رکھو) اپنا کام آپ کرلو۔
مطلب: صوفی نے ایک جھوٹے منافق اور خود غرض آدمی پر بھروسہ کر کے دھوکا کھایا۔ اس سے مولانا یہ سبق دیتے ہیں کہ جو شخص تمہارا مخلص اور دلی خیر خواہ نہ ہو اس کے بھروسہ پر نہ رہو۔ اپنا کام آپ کرلو۔ صائبؔ۔

کلیدِ قفلِ خود راجب دیگراں مطلب چو غنچہ از گرہِ خود گرہ کشامے ساز

الخلاف: یہ بیت ہمارے نسخے میں درج نہیں ہے۔

آدمی خوارند اغلب مرد ماں از سلامُ علیک شاں کم جُو اماں

لغات: آدمی خوار مردم خور درندے۔ اغلب اکثر۔ کم بمعنی نفی ہے۔
ترجمہ: اکثر لوگ مردم خور ہیں۔ ان کی سلام علیک سے امن و امان کی توقع نہ رکھو۔ کمالؔ۔

از محبت دوستاں ایں دورِ خلاف حرے گویم اگر نگیری بگواف

چوں شیشہ ساعت اند پیوستہ بہم دلہا ہمہ پرغبارو روہا ہمہ صاف

خانۂ دیوست دلہائے ہمہ کم پذیر از دیو مردم دمدمہ

لغات: دیو شیطان۔ دیومردم شیطان سیرت آدمی۔ دمدمہ فریب۔

ترجمہ: ان سب (مکار) لوگوں کے دل شیطان کا گھر ہیں (ایسے) شیطان سیرت لوگوں کے فریب میں نہ آنا۔ حافظؒ

اے کبکِ خوشخرام کہ خوش میروی بناز غرہ مشوکہ گربہ زاہد نماز کرد

از دم دیو آنکہ او لاحول خورد ہمچو آں خر در سراید در نبرد

لغات: لاحول خوردن۔ کسی مکار و دغاباز کی لاحول میں آجانا یعنی دھوکا کھانا۔ درسر آمدن سر کے بل آنا۔ نبرد جنگ، معرکہ۔

ترجمہ: جو شخص شیطان کے دم جھانسے سے دھوکے میں آ گیا وہ اس گدھے کی طرح معرکہ کے وقت سر کے بل گرتا ہے۔ غنیؒ

اے دل ازموجِ سرابِ نرمیِ دشمن بترس بہرِ ماہی حلقہ ہائے دام کم ازشست نیست

ہر کہ در دنیا خورد تلبیسِ دیو وزعدوے دوست رُو تعظیم وریو

دررہِ اسلام و برپُولِ صراط درسر آید ہمچو آں خرور خُباط

لغات: تلبیس فریب۔ ریو مکر۔ پول پل یہ بھی ایک لغت ہے۔ یا بائے فارسی کے ضمہ کا اشباع کیا گیا ہے۔ خباط بضمِ خاء دیوانگی، بے وقوفی

ترجمہ: جو شخص دنیا میں شیطان کے فریب میں آجاتا ہے اور اپنے (اس) دوست نما دشمن کی (بناوٹی) تعظیم (پر پھولتا) اور فریب (کھاتا ہے) وہ (دنیا کے اندر) اسلام کے راستے میں اور (آخرت میں) پل صراط پر اپنی بے وقوفی کے باعث اس گدھے کی طرح سر کے بل گرتا ہے۔ سعدیؒ

پئے نیک مرداں بباید شناخت کہ ہر کہ ایں سعادت طلب کردیافت

ولیکن تو دنبالِ دیو خسی! ندانم کہ در صالحاں چوں رسی

عشوہائے یار بدمینوش رہیں دام بیں ایمن مرو تو در زمیں

لغات: عشوہ عین کی تینوں حرکات درست ہیں چھپی چال، مخفی تدبیر، نازونخرہ، فریب۔ مینوش میم کے بعد نون امر اتنائی ہے۔ نیوشیدن بمعنی شنیدن سے۔

ترجمہ: خبردار! منافق دوست کی مکارانہ باتیں نہ سنو۔ تم زمین میں بے خطر ہو کر نہ چلو، (بلکہ پہلے) جال کو دیکھ لو، (کہ کہیں زیرِ خاک چھپا پڑا ہو)۔ صائبؒ

بلائے مرغ زیرک دام زیرِ خاک میباشد زنار سبحہ بیش ازرشتہ زُنارے ترسم

صد ہزار ابلیس لاحول آربیں آدما ابلیس رادر ماربیں

ترجمہ: لاکھ ابلیس تم کو لاحول پڑھتے نظر آئیں گے اے آدم! تم ابلیس کو سانپ کی شکل میں دیکھو گے۔

مطلب: یہ مکار لوگ جو لباس تقویٰ درازی ریش اور لحیہ بہ لحیہ تسبیح و تمہید کو آلۂ فریب بنا کر لوگوں کو لوٹتے پھرتے ہیں۔ وہ صورتاً انسان مگر سیرۃً شیطان ہیں اور اپنے مکر و دغا کو چھپانے کے لیے اس خادم کی طرح بات بات پر لاحول پڑھتے ہیں۔ اس سے ہوشیار اور چوکس رہنا چاہیے دوسرے مصرعہ میں بظاہر حضرت آدم علیہ السلام سے اور درحقیقت بنی آدم سے خطاب ہے کہ تم شیطان کو ایسے ایسے لباس میں جلوہ گر پاؤ گے جس کا گمان بھی نہ ہو۔ لہٰذا حزم و احتیاط لازم ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ کو دھوکا دینے کے لیے جب شیطان بہشت میں گیا تو سانپ کے جسم میں حلول کر کے گیا تھا اور اب بھی جنات و شیاطین اکثر سانپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اس کا ذکر بعض احادیث میں بھی آیا ہے۔

دم دہد گوید ترا اے جانِ دوست　　تا چو قصّابے کشد از دوست پوست

ترجمہ: وہ تم کو دم (جھانسے) دے گا (اور) اے دوست کی جان کہہ کر مخاطب کرے گا، تا کہ قصاب کی طرح (جو بکری کی کھال اتار لیتا ہے) دوست کی کھال اتار لے۔ صائبؒ۔

زخم ہادر چاشنی دارد تمنّا ہائے خصم　　سگ زہبرِ دوستی و امانِ قاتل مے کشد

دم دہد تا پوستت بیروں کشد　　وائے آں کز دشمناں افیوں چشد

لغات:۔ افیون چشیدن کنایہ ہے کسی کی خوشامدانہ باتوں کے نشے میں سررشتۂ ہوشیاری ہاتھ سے کھو دینے سے۔

ترجمہ:۔ وہ تم کو دم (جھانسے) دیتا ہے تا کہ تمہاری کھال اتارے۔ افسوس ہے اس شخص پر جو دشمنوں کی (چکنی چپڑی) باتوں کے نشہ سے غافل ہو جائے۔ غنیؒ۔

اے دل نخوری فریبِ اربابِ دغا　　غافل نشوی ز دُشمن دوست نما

سر نہد بر پائے تو قصاب وار　　دم دہد تا خونت ریزد زار زار

ترجمہ:۔ یہ تمہارے پاؤں پر سر رکھتا ہے۔ جس طرح قصائی (گائے بھینس کو ذبح کرنے کے لیے اس کے پاؤں پر جھکتا ہے اور پھر اس کو جکڑ کر گرا لیتا ہے) وہ (بھی قصائی کی طرح) تم کو دھوکا دیتا ہے تا کہ تم کو خواری و بے چارگی کی حالت میں ذبح کر ڈالے (یعنی روحانی موت کے ساتھ مار ڈالے) غنیؒ۔

زنہار مکن تکیہ بر افتادنِ سرکش　　افتادنِ سرکش بود افتادنِ آتش

ہمچو شیرے صیدِ خود را خویش کن　　ترکِ عشوہ اجنبی و خویش کن

صنائع:۔ خویش کے کلمے میں تجنیسِ تام ہے۔

ترجمہ:۔ ایک شیر کی طرح اپنا شکار آپ مارو۔ خویش و بیگانہ (سب) کی مکارانہ باتوں کو چھوڑو۔ (نظامیؒ)۔

چو طفل انگشتِ خود می کہ دریں مہد　　زخونِ خویش کن ہم شیر ہم شہد

بگیر آئینِ خورسندی ز انجیر　　کہ ہم طفل است وہم پستان وہم شیر

ہمچو خادم داں مراعاتِ خساں　　بے کسی بہتر ز عشوہ ناکساں

لغات:۔ مراعات رعایتِ حال خس کمینہ ناکس نالائق آدمی۔

ترجمہ:۔ کمینے لوگوں سے رعایتِ احوال کی وہی امید ہے۔ جیسی اس خادم نے کی۔ نالائق لوگوں کی ناز برداری سے بیکسی اچھی ہے۔ کما قیل ؎

کف کفچہ مکن از پے حلوائے لذیذ — باناںِ جویں بساز و پیش و وناں

در زمینِ مردُ ماں خانہ مکن — کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن

ترجمہ:۔ لوگوں کی زمین میں گھر نہ بناؤ۔ اپنا کام کیے جاؤ۔ بیگانہ کا کام نہ کرو۔

مطلب:۔ خانہ سے مراد یا تو اپنا گھر ہے۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ لوگوں پر بھروسہ نہ کرو۔ اگر لوگوں کی زمین میں گھر بنایا تو ان لوگوں کے ایثار کی توقع پر اس کو اپنا گھر نہ سمجھو۔ کل کو وہی بیگانے اس کے مالک ہو جائیں گے بلکہ وہ کام کرو جس کے فوائد تمھارے لیے مخصوص ہوں۔ بیگانوں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ اگر خانہ سے دوسروں کا گھر مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے تعلق ہی نہ رکھو۔ نہ افادہ کا نہ استفادہ کا یعنی نہ ان کو گھر بنا دینے یا کوئی اور کام کر دینے کا فائدہ پہنچاؤ۔ نہ ان سے اپنے کسی کام کا فائدہ اٹھاؤ بلکہ اپنا کام خود کرو۔ سعدیؒ ؎

کہن جامۂ خویش پیراستن — بہ از جامہ عاریت خواستن

اس سے یہ مقصود نہیں کہ اپنی نیکی و احسان اور حسنِ سلوک اور خیرات و مبرات اور دیگر ہر قسم کے فیض کا دروازہ لوگوں پر بند کر لو بلکہ مطلب یہ ہے کہ نااہل کے ساتھ نیکی اور غیر شاکر کے ساتھ احسان فضول ہے۔ خصوصاً اپنے کام کا حرج کر کے ایسے لوگوں کے کام میں مشغول ہونا تو بالکل خلافِ دانش مندی ہے جس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں۔ صائبؒ ؎

کامے کہ بر آید ز خسیسانِ نظر تنگ — آبے ست کہ از چاہ بہ غربال بر آید

اب اس اخلاقی بحث سے ایک ارشادی مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں:۔

چیست بیگانہ؟ تنِ خاکی تو — کز برائے اوست غمناکیِ تو

ترجمہ: (خیر وہ بیگانہ تو ہوا اس کے علاوہ ایک اور بیگانہ ہے اس) بیگانہ سے کیا مراد ہے؟ تمہارا خاکی جسم جس کی (پرورش اور آرائش کی) تم کو ایک دھن لگی رہتی ہے۔ صائب ؎

باسفالِ جسم نازیدن ندارد حاصلے — ایں سبو ارزو گر نشکست فردا بشکند

تاتوتن راچرب و شیریں میدہی — جوہرِ جاں را نہ بینی فربہی

ترجمہ:۔ جب تک تم جسم کو چرب و شیریں غذائیں کھلا (کھلا کر موٹا کرتے) رہو گے۔ جوہر جان میں موٹاپا (تاروتازگی) نہ پاؤ گے۔ سعدیؒ ؎

مپرور تن ار مرد رائے وہشی — کہ اورا چوے پروری مے کشی

خرد مند مردم ہنر پرورند — کہ تن پروراں از ہنر لاغراند

گر میانِ مشک تن راجا شود — روزِ مُردن گندِ او پیدا شود

ترجمہ:۔ اگر مشک (کے انبار) میں بھی جسم کو جگہ مل جائے تو موت کے دن اس کا تعفن کھل جائے گا۔ (لہٰذا ایسی فانی و چند روزہ چیز کی تزئین و آرائش فضول ہے) صائبؒ ؎

چیست خشتِ گل فانی کہ برآں تکیہ کنند — اثر ایں ست کہ از مردم کاہل ماندست

مشک را برتن مزن بردل بمال — مشک چہ بود؟ نام پاکِ ذوالجلال

ترجمہ:۔ (لہٰذا) مشک کو (ناحق) بدن پر نہ لگاؤ (بلکہ) دل پر ملو۔ مشک (سے حقیقی مراد) کیا ہے؟ خداوند بزرگ کا نامِ پاک۔

مطلب:۔ تزئین و آرائش کی کوشش جسم کے لیے وقف کرنا فضول [illegible]

زتن دست بردار دل را صفادہ   کہ آئینۂ چشم ست آئینہ داں را

پھر فرمایا۔ کہ یہاں مشک سے ظاہری مشک مراد نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کا ذکر مقصود ہے۔ دل کی مشک یہی ہے۔ جو اس کو مطلوب و مرغوب ہے اور اسی سے وہ معطر و مزین ہوتا ہے۔ امیر خسروؒ

چو ماست گویم و نالہ بر آرم   دل و جاں ہمرہ آواز گردد

آں منافق مُشک برتن مے نہد   روح را در قعرِ گلخن مے نہد

لغات:۔ قعر گہرائی۔ گلخن بھاڑ، بھٹی۔ مراد دوزخ۔

ترجمہ:۔ وہ منافق (جس کو تصفیۂ باطن کی پروا نہیں۔ اپنے) بدن کو تو معطر بناتا ہے۔ روح کو جہنم میں (گرانے کے کام کرتا) ہے۔ ؎

خواب و خور کی حرص پھر دنیا میں عزت کی طلب   وہ مثل ہیں، کام تو دوزخ کے جنت کی طلب

برزبانِ نامِ حق و برجانِ اُو   گند ہا از کُفر بے ایمانِ اُو

ترجمہ:۔ زبان پر تو خدا کا نام (جاری) ہے اور روح پر کفر کی وہ ناپاک تہیں چڑھ رہی ہیں جن میں ایمان کا شائبہ تک نہیں۔ ونعم ماقیل ؎

گر وردِ تو لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ است   بے باطن پاک کے بجنت راہ ست

صرّاف زرِ قلب کجا بستاند!   ہر چند برو سکہ زنامِ شاہ ست

ذکرِ با اوہمچو سبزہ گلخن ست   برسرِ مبرز گل ست و سوسن ست

لغات:۔ سبزہ ہریاول۔ گلخن بھٹی، بھاڑ۔ مجازاً کوڑے کرکٹ کی جگہ پر بھی اطلاق کرتے ہیں یہاں وہی مراد ہے۔ مبرز پاخانہ پھرنے کی جگہ۔ سوسن ایک قسم کے پھول کا نام۔

ترجمہ:۔ اس منافق کا ذکرِ حق ایسا ہے جیسے کوڑے کرکٹ کی جگہ پر اگا ہوا سبزہ (بلکہ) پاخانہ کی جگہ پر پھول (کھل رہے) ہیں اور سوسن (اُگی ہوئی) ہے۔

آں نبات آنجا یقیں عاریت ست   جائے آں گل مجلس است وعشرت ست

لغات:۔ نبات سبزہ، نباتات۔ عاریت مانگی ہوئی، مستعار، عارضی۔ عشرت، عیش و راحت۔

ترجمہ:۔ وہ سبزہ اس جگہ یقیناً عارضی ہے۔ ورنہ اس پھول کی (اصلی) جگہ تو (ایک) خاص مقام اور عیش و طرب (کی جگہ) ہے۔ (یہاں کہاں؟)

طیّبات آمد بسوئے طیّبیں   مر خبیثیں را خبیثات ست ہیں

ترجمہ:۔ اچھی چیزیں اچھے لوگوں کی طرف منسوب ہیں۔ برے لوگوں کے لیے بری چیزیں ہیں۔ اس کو خوب ذہن نشین رکھو۔

مطلب:۔ جیسی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے اس کے مناسب سامان ہو جاتے ہیں۔ شعر کے کلمات سورہ نور کی آیت الخبیثات للخبیثین الخ سے مقتبس ہیں جس کا ذکر پہلے بھی ایک دو مرتبہ آ چکا ہے۔

کیں مدار انہا کہ از کیں گمرہند گورِشاں پہلوئے کیں داراں نہند

لغات:۔ کیں کینہ۔ از سببیت کے لیے ہے۔ پہلو یعنی در پہلو۔ کیں دار۔ کینہ ور۔

ترجمہ:۔ (کسی سے) کینہ نہ رکھو۔ جو لوگ کینہ کی وجہ سے گمراہ ہیں۔ ان کی قبر کینہ ور لوگوں کے پاس بنائیں گے۔

مطلب:۔ اوپر اس دشمن منافق کا ذکر چلا آتا تھا جو اوپر سے دوستی کا اظہار کرے اور دل میں بیخ کنی وایذارسانی کی نیت ہو اور بار بار یہ ہدایت کی تھی کہ ایسے جو فروش و گندم نما سے بچو۔ اس کے دھوکے میں نہ آؤ چونکہ کینہ ور بھی انتقام لینے کے لیے بعض اوقات اس قسم کے منافقانہ افعال کیا کرتا ہے اور کینہ ایک بدترین خصلت ہے۔ لہٰذا یہاں اس کی مذمت کرتے ہیں۔ کینہ سے گمراہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کینہ ور ایسے افعال کرنے پر آجاتا ہے جو صلح و آشتی اور امن و سلامتی کے راستے کے خلاف ہوتے ہیں۔ قبر سے مراد عالمِ برزخ کا حال ہے۔ یعنی ظاہری قبر خواہ کہیں ہو۔ لیکن عالم برزخ میں کینہ ور کو فرشتے کینہ ور لوگوں کی صف میں لے جا بٹھاتے ہیں اور ان کے ساتھ عذاب دیتے ہیں۔ صائبؒ ؎

برنمے دارد فشار قبر دست از دامنت تاز روئے دل نیفشانی غبارِ کینہ را

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا۔ پیر اور جمعرات کے روز بہشت کے دروازے کھلتے ہیں تو ہر مسلمان بندے کو جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں بناتا بخشا جاتا ہے۔ مگر وہ شخص کہ اس کے اور اس کے مسلمان بھائی کے مابین کینہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی مہلت دو حتی کہ آپس میں صلح کرلیں (مشکوٰۃ) حضرت سعید ابن میتب کا قول ہے۔ اِیَّاکُمْ وَالْبُغْضَۃَ فَاِنَّھَا ھِیَ الْحَالِقَۃُ یعنی اپنے آپ کو بغض سے دور رکھو کیونکہ وہ دین کو زائل کرنے والا ہے۔ (موطا امام مالکؒ) ؎

بغض و کیں سے صاف تم سینہ رکھو دل کو روشن مثل آئینہ رکھو

کینہ دل کا اک بڑا آزار ہے کینہ کیا ہے؟ اک عذابُ النّار ہے

اصلِ کینہ دوزخ است و کینِ تو جزوِ آں کل ست و خصمِ دینِ تو

لغات:۔ اصل کے لغوی معنی جڑ کے ہیں۔ مگر یہاں اس سے انجام مراد ہے کیونکہ فرع کا اپنی اصل کے تابع ہونا ایک مسلمہ اصول ہے۔ پس گویا ہر چیز کی اصل اس چیز کا انجام ہے۔ خصم دشمن۔

ترجمہ:۔ کینے کی اصل دوزخ ہے اور تمہارا کینہ اسی کل کا جزو ہے۔ (جو دوزخ کو لے جاتا ہے لہٰذا دوزخ سے بچنے کے لیے کینے کو چھوڑ دو) اور (علاوہ ازیں وہ) تمھارے دین کا دشمن (بھی) ہے۔ (یہ امر بھی اس کو ترک کرنے کا متقاضی ہے) صائبؒ ؎

در حشر سر رخانہ زنبور برکند! ہرکس بخاک سینہ پر کینہ مے برد

چوں تو جزوِ دوزخی ہاں گوشدار جزو سوئے کلِ خود گیرد قرار

ترجمہ:۔ جب (ثابت ہوا کہ تمہارا کینہ کل کینہ کا ایک جزو ہے اور کینہ دوزخ ہے تو جزوِ کینہ کے ساتھ موصوف ہونے سے) تم (خود) جزوِ دوزخ ہو۔ پس خوب توجہ کے ساتھ سن رکھو کہ جزو اپنے کل کی طرف (پہنچ کر ہی) قرار پاتا ہے۔

مطلب:۔ دنیا میں بھی کینہ کی اذیت بمنزلہ عذابِ دوزخ ہے۔ قبر میں بھی اس پر عذاب ہوگا۔ پھر آخرت میں تو اس کا انجام دوزخ ہی ہے۔ صائبؒ ؎

زندگانی بافشارِ قبر کردن مشکل است پاک کن از صفحہ خاطر غبارِ کینہ را

ور تو جزوِ جنتی اے نامدار　　عیشِ تو باشد چو جنّت پائدار

ترجمہ:۔ اور اے نامدار! اگر تم (دل میں کینہ نہیں رکھتے تو تم جزوِ دوزخ نہیں۔ بلکہ) جزوِ جنت ہو تو تمہاری زندگی جنت کی طرح پائدار وخوشگوار ہے۔ صائبؒ ۔

دل را اگر ز کینہ مصفا کند کسے　　عالم تمام یک گلِ بے خارے شود

کے دمِ باطل قرینِ حق شود　　تلخ باتلخاں یقیں ملحق شود

ترجمہ:۔ تلخ چیز یقیناً تلخ اشیا کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے (اور کیوں نہ ہو) ایک باطل بات حق بات کے ساتھ کیونکر مل سکتی ہے؟

مطلب:۔ اوپر بتایا تھا کہ برے اعمال دوزخ کی طرف اور نیک اعمال جنت کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی ان کا اثر مترتب ہوگا۔ یہاں اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو دوسری چیز سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اعمالِ بد جو جہنمی صفات رکھتے ہیں۔ وہ جنت کے قرین کیونکر ہو سکتے ہیں جو کہ اعمالِ نیک کا ثمرہ ہے۔ تمام امور میں مناسبت کو زیرِ نظر رکھنا لازم ہے۔ صائبؒ ۔

من بخلوتیاں جمع اہلِ نوبت را　　مشو چو بے خبراں از مناسبت غافل

اے برادر! تو ہمیں اندیشۂ　　ماقِیَ تو استخوان و ریشۂ

لغات:۔ اندیشہ فکر و غور۔ ماقِیَ۔ عربی کلمہ ہے۔ ما موصولہ بمعنی آنچہ باقی ماند بضرورت یا کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔

ترجمہ:۔ اے بھائی! تم تو صرف (غور و فکر) ہی ہو۔ باقی تم (میں ہے کیا؟) ہڈیاں اور رگیں (ہی رکھتے ہو)۔

مطلب:۔ دوزخ سے بچنے اور جنت میں جانے کے لیے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ کن کن اعمال کو دوزخ سے اور کن کو جنت سے مناسبت ہے تاکہ مقدم الذکر اعمال سے پرہیز اور موخر الذکر کو اختیار کیا جائے مگر یہ مناسبت غور و فکر ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ پھر غور و فکر انسان نہ کرے تو کون کرے گا۔ یہی تو اس کا مایۂ امتیاز ہے اس کے سوا اور اس میں خصوصیت ہی کیا ہیں۔ ورنہ گوشت پوست اور استخوان میں تو دیگر حیوانات بھی اس کے ساتھ شریک ہیں بلکہ ایک مردہ کے اندر بھی یہ چیزیں موجود ہیں حالانکہ اس کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ جامیؒ ۔

ز جہل آباد نادانی بدر شو　　نخست از کسب دانش بہرہ ور شو

کہ ناداں مردہ و داناست زندہ　　بود معلوم ہر آزاد بندہ

کجا با مُردگاں ہم خانگی کرد　　کسے کو دعوائے فرزانگی کرد

گر گل است اندیشۂ تو گلشنی　　ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی

لغات:۔ گلشنی اور گلخنی میں یائے خطاب ہے بمعنی ہستی رابطہ جملہ۔ ہیمہ ہیزم، ایندھن۔

ترجمہ:۔ اگر تمہارا فکر (و اندیشہ) پھول کی طرح (خوشبودار اور خوش رنگ ہے یعنی اعمالِ صالحہ کی طرف لے جانے والا) ہے تو تم (بلحاظ نتائج و ثمرات کے) گلزار ہو اور اگر وہ (فکر و اندیشہ) خار (کی طرح کھٹکنے والا یعنی اعمالِ سیۂ کی طرف لے جانے

والا) ہے تو تم دوزخ کے ایندھن ہو۔ سعدیؒ ؎

برفتند و ہرکس درود آنچہ کشت　　نماند بجز نام نیکو و زشت

گر گلابی برسر و جیبت زنند　　ور تو چوں بولی برونت افگنند

ترجمہ:۔ اگر تم (بلحاظ اعمالِ صالحہ) گلاب کی طرح (طیب و پاکیزہ) ہو۔ تو لوگ تم کو اپنے سر اور گریبان میں ملیں گے اور اگر (اعمالِ سیئہ کے لحاظ سے) پیشاب کی طرح (ناپاک) ہو تو باہر پھینک دیں۔ ابن یمینؒ

ہر کرا وا دست ایزد خوئے نیک　　گرچہ او تنہاست باتن ہا بود
وانکہ خوے بد قرینِ حالِ اوست　　گرچہ باتن ست او تنہا بود

طبلہا درپیشِ عطاراں ببیں　　جنس را باجنس خود کردہ قریں

ترجمہ:۔ عطاروں کے پاس (رکھے ہوئے) ڈبے تو دیکھو۔ ہر جنس (کی دوا مناسب قرینے سے) اپنی ہم جنس (دواؤں) کے پاس دھری ہے۔

مطلب:۔ اوپر اشیا کی باہم مناسبت کا ذکر تھا۔ جس سے اعمالِ نیک و بد کی بہشت و دوزخ کے ساتھ الگ الگ مناسبت کا ثبوت دینا اور بہشت کے مناسب اعمال کرنے اور دوزخ کے مناسب اعمال سے مجتنب رہنے کی تاکید مقصود تھی۔ اثنائے بیان میں اس مناسبت کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کرنے پر توجہ دلائی تھی۔ اب پھر مناسبت کے ذکر کی طرف عود فرماتے ہیں:۔

تو رہائی جو ز ناجنساں بہ حد　　صحبتِ ناجنس گورست و لحد

ترجمہ:۔ تم (بھی مناسبت کا پورا لحاظ رکھو اور) کوشش کے ساتھ ناجنس لوگوں سے علیحدگی ڈھونڈو (کیونکہ) ناجنس کی صحبت (قلب کے لیے اپنی تنگی و ناگوارائی کے لحاظ سے گویا) قبر اور لحد ہے۔ سعدیؒ ؎

پارسا را بس ایں قدر زنداں　　کہ بود ہم طویلہ رنداں

جنسہا با جنس ہا آمیختہ　　زیں تجانس زینتے انگیختہ

ترجمہ:۔ (اس عطار نے) ہر قسم کی اشیا کو اسی کی قسم میں شامل کیا ہے اور اس جنسی مناسبت سے (مکان میں) ایک سجاوٹ پیدا کر رکھی ہے۔

گردر آمیزند عود و شکرّ ش　　برگزیند یک یک ازہم دیگرش

لغات:۔ درآمیزند میختن سے مشتق ہے جو ملنا اور ملانا کے معنی میں لازم و متعدی دونوں طرح آتا ہے مگر یہاں بمعنی لازم ٹھیک ہے اور اگر بدیں قاعدہ کہ فاعل غیر ذوی العقول کے لیے جمع کا صیغہ متعارف نہیں اس پر اعتراض کیا جائے تو متعدی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس صورت میں اس کا فاعل متعین و ملحوظ نہ ہوگا بلکہ اس فعلِ معروف کو بمنزلہ مجہول قرار دیں گے اور یہ فارسی کا محاورہ ہے۔ جیسے کہتے ہیں گویند اور اس کے معنی میں کہا جاتا ہے۔ گزیند چن لے۔

ترجمہ:۔ اگر اس کی (دوائیں مثلاً) عود اور شکر گڈمڈ ہو جائیں تو وہ ان کو چن چن کر ایک دوسری سے الگ کر لے گا۔

مطلب:۔ اگر چند غیر متجانس اشخاص آپس میں مختلط ہو جائیں تو قدرتی طور پر نتائجِ اعمال خود ان کو الگ الگ کر دیتے ہیں۔

طبلہا بشکست و جانہا ریختند نیک و بد باہم دگر آمیختند

لغات:۔ ریختند۔ ریختن سے جس کے معنی ہیں گرانا' ڈھالینا، بنانا۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں اور پہلے معنی کے لحاظ سے بشکست کے ساتھ ایہام تناسب ہے۔ترجمہ:۔ (اجسام کے) ڈبے تو (عالم ارواح میں تھے ہی نہیں گویا) ٹوٹ پھوٹ (کر فنا ہو) چکے تھے۔ اور (مجرد) ارواح پیدا کی گئی تھیں (اس وقت) نیک اور بد آپس میں ملے جلے ہوئے تھے۔

حق فرستاد انبیاء رابہر ایں تاجدا گردد زایشاں کفر و دیں

ترجمہ:۔ (پھر جب یہ ارواح مقارن باجسام ہو کر دنیا میں آئیں اور نیک و بد یہاں بھی مختلط تھے تو) اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے تاکہ ان کا کفر و دین الگ الگ نظر آنے لگے۔

مطلب:۔ اس بیت میں سورۂ بقر کی اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ "شروع میں سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جو (ایمانداروں کو خوشنودیٔ خدا کی) خوشخبری دیتے اور (کافروں کو عذابِ الٰہی) سے ڈراتے اور ان کی معرفت سچی کتابیں بھیجیں۔ تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں کتابِ الٰہی ان میں ان کا فیصلہ کر دے"۔ (بقرہ ع ۲۶)

حق فرستاد انبیاء را باورق تا گزید ایں دانہارا بر طبق

لغات:۔ ورق کاغذ یہاں کتب سماوی مراد ہیں۔ طبق مطابقت و مجانست۔

صنائع:۔ انبیاء کو عطار کے ساتھ جو تشبیہ دی تھی۔ ورق کا لفظ اس میں تمہ ہے۔ انبیاء اوراق کتاب اللہ کے ذریعہ امتیازِ خیر و شر کرتے ہیں تو عطار بھی الگ الگ اوراق پر دوائیں چنتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے انبیا کو کتب سماوی کے ساتھ بھیجا۔ حتیٰ کہ ان دانوں (سے مشابہ اشخاص) کو ان کی اپنی اپنی قسم کے مطابق (الگ الگ) چن لیا۔

مطلب:۔ جس طرح عطار دواؤں کی پڑیوں کے کاغذ الگ الگ بناتے ہیں کہ یہ مرچ سیاہ ہے اور یہ کبابہ ہے اور یہ بڑنگ کابلی ہے۔ اس طرح انبیا کی آسمانی کتابیں وہ معیار پیش کرتی ہیں۔ جس سے سعید و شقی، مومن و کافر، ناجی و ناری الگ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ۔ یعنی اور (اے پیغمبر!) ہم نے اس طرح تم پر عربی زبان کا قرآن بھیجا۔ اس لیے کہ تم مکہ والوں کو اور جو ان کے گرد رہتے ہیں ڈراؤ اور اس دن کی خبر سناؤ۔ جس دن لوگ اکٹھے ہوں گے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ بہشت میں ہو گا اور ایک گروہ دوزخ میں۔ (سورہ شوریٰ ع ۱)

مومن و کافر مسلمان و جہود پیش ازیشاں جملہ یکساں مینمود

ترجمہ:۔ ان (انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بعثت) سے پہلے مومن و کافر اور مسلمان و یہودی سب یکساں نظر آتے تھے۔

پیش از ایشاں ماہمہ یکساں بدیم کس ندانستے کہ ما نیک و بدیم

ترجمہ:۔ ان (انبیا) سے پہلے ہم سب یکساں تھے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم (میں سے فلاں فلاں) نیک اور (فلاں) بد ہیں۔

بود نقد و قلب در عالم رواں چوں جہاں شب بود و ماچوں شبرواں

لغات:۔ نقد کھرا سکہ۔ قلب کھوٹا سکہ۔ رواں رائج۔ شب رواں۔ رات کو سفر کرنے والے۔

ترجمہ:۔ جہاں میں کھرا کھوٹا سکہ ایک ہی نرخ سے رائج تھا۔ (برے بھلے کی تمیز نہ تھی) جبکہ جہاں میں رات کا سا عالم تھا (اور نورِ ہدایت کے نہ ہونے سے ایک ظلمت طاری تھی) اور ہماری وہ حالت تھی جیسے رات کے سفر کرنے والے (کہ جس کا جدھر منہ ہو گیا ادھر ہی کو چل پڑا۔ معلوم نہیں کون ٹھیک راستے پر ہے کون نہیں)

تابر آمد آفتابِ انبیاء گفت اے غش دور شو صافی بیا

لغات:۔ غش کھوٹ، کدورت، ملاوٹ۔ صافی صاف، خالص، کھرا۔

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ انبیا (کی بعثت) کا آفتاب طلوع ہوا۔ اس نے (بھلے برے میں فرق اس طرح نمایاں کر دیا جیسے منہ سے) کہہ دیا (ہو) کہ اے کھوٹ تو دور ہو جا اور اے کھرے تو (ادھر) آ جا۔

مطلب:۔ جس طرح آفتاب کے طلوع سے سیاہ و سفید مفید و مضر اور نیک و بد میں فرق نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح انبیا کی بعثت سے ہدایت پانے والے اور گمراہ ہونے والے الگ الگ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" اور ہم نے جب کوئی پیغمبر بھیجا تو اس کی قوم کی بولی والا تاکہ ان کو سمجھا سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ (سورۃ ابراہیم ع ۱)

چشم داند فرق کردن رنگ را! چشم داند لعل راوسنگ را

ترجمہ:۔ (انبیا کی ذاتِ ستودہ صفات کی بدولت مومن و کافر میں فرق کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ جسمِ انسانیت کے لیے گویا) آنکھ (ہیں۔ جو ہر بھلے برے) رنگ میں تمیز کر لیتی ہے۔ آنکھ لعل اور پتھر کو پہچانتی ہے۔

چشم داند گوہر و خاشاک را چشم رازاں مے خلد خاشاک ہا

ترجمہ:۔ آنکھ موتی اور تنکے کو (الگ الگ) جانتی ہے آنکھ میں اسی لیے تو تنکا کھٹکتا ہے۔

مطلب:۔ انبیاء و مرسلین جب خدا کا پیغام لے کر آتے ہیں تو جن لوگوں کی طبائع شیطانی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں وہ اس پیغام سے اذیت محسوس کر کے اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اسی سے اچھے اور برے لوگوں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ جس طرح کحل الجواہر (موتیوں کا سرمہ) آنکھ میں پڑتا ہے تو آنکھ کو راحت پہنچتی ہے اور خس و خاشاک پڑ جاتا ہے تو آنکھ کو الم محسوس ہوتا ہے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی چیز اچھی ہے کون سی بری۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْآ اٰيٰتِىْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا" اور ہم پیغمبروں کو اس لیے بھیجتے ہیں کہ مومنوں کو نجات کی خوش خبری دیں اور کافروں کو عذاب سے ڈرائیں اور کافر لوگ جھوٹی باتیں بنا کر سچ کو میٹ دینے

کے لیے جھگڑا کرتے ہیں اور ان لوگوں نے ہماری آیات اور ہمارے ڈرانے کو ہنسی کھیل بنالیا ہے۔ (سورہ کہف ع ۸)

دشمنِ روز اند ایں قلابگاں عاشقِ روز اند ایں زر ہائے کاں

لغات:۔ قلاب قلب ساز، کھوٹے سکے بنانے والا، جعل ساز، دغا باز۔ زرہائے کان کان سے نکلے ہوئے سونے چاندی یعنی خالص، بے آمیزش، کھرے۔

ترجمہ:۔ یہ (کافر) لوگ جو (اعمال کے) کھوٹے سکے رائج کر رہے تھے (بعثتِ انبیا کا) دن چڑھنے کے دشمن ہیں (کیونکہ اس میں ان کا کھوٹا سکہ نہیں چلتا اور) یہ (مومن ومخلص لوگ جو اصل استعداد وفطرت سے) کان کے سونے چاندی (کی طرح بے غل وغش ہیں وہ) دن کے عاشق ہیں (کیونکہ اس میں ان میں چمک دمک نمایاں ہوتی ہے۔)

مطلب:۔ مذکورہ قلب سازوں کے دشمنِ روز ہونے کے ایک مثال رائس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول ہے۔ یہ شخص مدینہ کا ایک سربرآوردہ و بااثر شخص تھا اور اس کو اپنے عام رسوخ کی بدولت امید تھی کہ اہلِ مدینہ اس کو بالاتفاق اپنا سردار بنالیں گے۔ اتنے میں جناب سرورِ کائناتؐ نے مدینہ میں ہجرت فرمائی تو تمام اہلِ شہر آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور اس آفتابِ رسالت کے طلوع سے عبداللہ ابن ابی کو اپنی مزعومہ ریاستؔ و سرداری کا سکہ چلنے کی امید نہ رہی۔ اس لیے وہ منافقانہ لباس میں آپؐ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ زرہائے کان کے عاشقِ روز ہونے کی مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ جن کے حق میں حدیث میں آیا ہے **الناس معادن کمعادن الذھب خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام** یعنی لوگوں کی مثال سونے کی کان کی سی ہے جو لوگ جاہلیت میں سب سے زیادہ شریفانہ طبیعت رکھتے ہیں وہ اسلام میں بھی سب سے زیادہ شریف اور نیک ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اسلام سے پہلے بھی جناب رسول اللہؐ کے اسی طرح مخلص دوست اور جان نثار تھے۔ جس طرح اسلام میں رہے۔ اور جاہلیت کے ایام میں آپ نے شراب نوشی وغیرہ کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اسلام میں آئندہ سخت جرم قرار پانے والا تھا۔ کما قیل ؎

ابوبکرؓ شد سر خوشِ جامِ صدق شراب وفا یافت درکامِ صدق
مہین شاہدِ مجلسِ احمدی زدل سر خوش ساغر سرمدی
تہی از غبارِ ریا سینہ اش بہارِ صفا فرشِ آئینہ اش

زانکہ روز ست آئینہ تعریفِ او تا ببیند اشرفی تشریفِ او

لغات:۔ تعریف شناخت۔ اشرفی بیائے معروف سونے کے ایک سکے کا نام ہے۔ جو دس ماشہ وزن کا ہوتا تھا یا اگر بیائے مجہول ہو اس کے معنی ایک بزرگ وشریف آدمی کے ہوں گے۔ تشریف علوِشان، اعلیٰ منزلت۔ آئینہ تعریف میں قلب اضافت ہے۔

ترجمہ:۔ (زرکان) اس لیے (خوش ہوتا ہے) کہ دن اس کی شناخت کا آئینہ ہے تاکہ اشرفی (کا کھرا سکہ) اپنی اعلیٰ قیمت کو دیکھ لے (یا ایک سب سے زیادہ شریف آدمی اپنی بزرگی کو محسوس کرے۔

نوٹ:۔ یہ ترجمہ اس اعتبار سے ہے کہ تشریفِ او میں ضمیر اشرفی کی طرف راجع ہو اور اگر اس کا مرجع زرکان ہو تو ترجمہ یوں ہوگا تاکہ ایک شریف آدمی اس زرکان کی قدر و منزلت کو دیکھ لے۔

رائس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول

حق قیامت را لقب زاں روز کرد روز بنماید جمالِ سرخ و زرد

ترکیب:۔ لقب کرد کا فاعل حق ہے قیامت مفعول بہ اول روز مفعول بہ ثانی۔ زاں کا مشارٌ الیہ سبب مقدر ہے۔

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ نے (بھی) قیامت کا نام اسی لیے دن (یعنی یوم القیٰمۃ یوم الحساب، یوم الساعۃ وغیرہ) رکھا ہے (کہ جس طرح) دن (ہر چیز کا) سرخ و زرد جمال نمایاں کر دیتا ہے (اسی طرح قیامت کے دن میں بھی جنتیاں سرخرو اور دوزخیانِ زرد رُو الگ الگ نظر آئیں گے۔)

مطلب:۔ جیسے قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو فرمائے گا۔ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اور اے گنہگارو تم (اہل جنت سے) الگ ہو جاؤ (سورہ یٰسٓ ع ۴)

پس حقیقت روز سرِّ اولیا ست روز پیشِ ماہ شاں چوں سایہاست

لغات:۔ اولیاء بمعنی اعم مراد ہیں۔ یعنی خاصانِ حق جن میں مرسلین و انبیاءؑ بھی داخل ہیں۔

ترکیب:۔ حقیقت روز مرکب اضافی ہے۔ بفک اضافت۔

ترجمہ:۔ پس اس روز (قیامت) کی حقیقت خاصانِ حق (یعنی انبیاء و اولیا) کا باطن ہے۔ (جن کا آفتاب تو آفتاب رہا) ان کے چاند (میں بھی وہ نورانیت ہے کہ اس) کے آگے (یہ ظاہری) دن سالوں کی طرح (بے نور) ہے۔

مطلب:۔ اوپر کسی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ اصطلاحاتِ صوفیہ میں ظاہر کو حقیقت اور مظاہر کو صورت کہتے ہیں اور یہ مسئلہ تصوفیہ تیسری جلد میں قولِ سنائی ''آسمانہاست در ولایتِ جان'' کی تفسیر کے ذیل میں حوالہ قلم ہو چکا ہے کہ تمام کونیات جداگانہ اسمائے باری تعالیٰ کے مظاہر ہیں اور وہ اسماء ان کی حقیقت یا ظاہر ہیں اور ان سب کونیات میں جامع بلکہ اجمع انسان ہے کیونکہ اس میں اکثر اسماء کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر ان میں سے جو حضرات مقبول اور مقرب الی اللہ ہیں۔ وہ بدرجۂ اتم اکمل جامع ہیں۔ یہ بھی عام طور پر معلوم ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی آفرینش مقصود بالذات ہے۔ باقی کائنات اس کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ پھر انسان میں سے بھی حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی خلقت مقصودِ اعظم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ دن جو نیک و بد کو الگ کر دکھائے گا۔ اس کی حقیقت ان خاصانِ حق کا باطن ہے کیونکہ ان کے باطن حق تعالیٰ کے اسمِ مقسط کا مظہر ہیں۔ جو خیر و شر کا ممیز اور حق و باطل کا فارق ہے اور اس اسمِ الٰہی کی تجلی اور ظہور کی بدولت ان حضرات کے قلوب اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں کہ وہ بھی خیر و شر اور حق و باطل میں ممیز ہیں۔ یہ ظاہری دن بھی سیاہ و سفید میں ممیز ہے اور جید و زیف کا فرق ظاہر کرتا ہے۔ مگر اس کی تجلی ان کے بواطن کی تجلی کے سامنے بمنزلہ سایہ ہے۔ یعنی کم رتبہ۔ حافظؒ

گرچہ خورشید فلک چشم و چراغِ عالم ست روشنائی بخش چشم اوست خاک پائے تو

عکس رازِ مردِ حق دانید روز عکسِ ستّاریش شام چشم دوز

لغات:۔ راز باطن۔ مردِ حق مقبول خدا نبی و ولی۔ ستاری اسمِ ستار کی مظہریت۔ چشم دوز۔ آنکھ کو بند کر دینے والی خواب آور۔

ترجمہ:۔ مردِ حق کے باطن (کی تجلی) کے عکس کو دن سمجھو (اور) اس کی ستاری (و پوشیدگی) کا عکس شبِ خواب آور (ہے)۔

مطلب:۔ بعض اسماءِ الٰہیہ اولیاء اللہ کے قلوب میں متجلی ہو کر بسط کی حالت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کے قلوب کی اس

حالت کا عکس دن ہے اور بعض اسماء سے ان کے قلوب پر قبض کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت کا عکس رات ہے چونکہ انسان تمام کونیات سے افضل ہے اور اس کی آفرینش مقصود بالذات ہے بلکہ باقی تمام کونیات اس کے تابع ہیں۔ لہٰذا اس میں ان اسماء کی تجلی بدرجۂ کمال ہو کر اپنے عکس سے نہار و لیل پیدا کر دیتی ہے پھر تمام طبقۂ انسان میں بھی سب سے اکمل و اجمع تجلی جناب سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب انور کی ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں:۔

زاں سبب فرمود یزداں والضحیٰ　　والضحیٰ نورِ ضمیرِ مصطفےٰ

لغات:۔ ضُحیٰ. چاشت کا وقت جو زوال آفتاب سے پہلے ہوتا ہے، مراد مطلق دن۔ ضَمِیر دل۔

ترجمہ:۔ اسی لیے (تو) خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ والضحیٰ (یعنی قسم ہے دن کی) اور (یہ) ضُحیٰ جناب مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ پاک کا نور ہے (اسی کی خداوند تعالیٰ نے قسم کھائی ہے)

قولِ دیگر کایں ضُحیٰ را خواست دوست　　از برائے آنکہ ایں ہم عکسِ اوست

ترجمہ:۔ (اگر) دوسرا قول (جو عام مفسرین کا ہے تسلیم کر لیا جائے) کہ (اس حقیقی) دوست (تعالیٰ شانہٗ) کی مراد (یہی ظاہری) دن ہے (تو بھی کوئی مضائقہ نہیں) اس لیے کہ یہ (دن) بھی اسی (قلبِ پُر نور) کا عکس ہے۔

مطلب:۔ جمہور مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہاں ضُحیٰ سے مراد روزِ روشن ہے۔ جس کی حق تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم ضُحیٰ سے قلب آنحضرتؐ مراد نہیں مانتے اور مفسرین کے قول کو ہی صحیح تسلیم کرتے ہو تو چلو یہ بھی منظور۔ مگر یہ واضح رہے کہ حق تعالیٰ نے دن کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ اس کی روشنی حضورؐ کے قلب کا پرتو ہے یا اس لیے کہ اس سورۃ میں جس کے آغاز میں یہ قسم درج ہے۔ حضورؐ کا حال بیان فرمایا ہے۔ پس اس ذاتِ پر انوار کا ذکر ایک نورانی چیز سے شروع کرنا زیادہ موزوں تھا۔ اسی نسبت نے دن کو خداوندی قسم کی عزت دلائی۔

ورنہ برفانی قسم خوردن خطاست　　خود فنا چہ لائقِ گفتِ خداست

ترجمہ:۔ ورنہ (والضحیٰ کے کلمے سے حق تعالیٰ کا) ایک فانی چیز کی قسم کھانا مان لینا (ایسا مان لینے والوں کی صریحاً) غلطی ہے۔ (کیونکہ) فانی چیز (کی قسم تو رہی درکنار وہ) حق تعالیٰ کے کلام کے لائق بھی کہاں ہے؟

مطلب:۔ یعنی اگر والضحیٰ کے ہمارے پیش کردہ معنی تسلیم نہیں کیے جاتے اور قائلین کا وہ قول مان لیا جاتا ہے۔ جس سے خداوند تعالیٰ کا ایک فانی چیز کی قسم کھانا لازم آتا ہے تو ہم صاف کہے دیتے ہیں کہ یہ قول بالکل غلط ہے۔ جس کی دلیل دوسرے مصرعہ میں دی ہے۔

انتباہ:۔ ایک شارح صاحب نے پہلے مصرعہ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ ''فانی کی قسم کھانا خلافِ اولیٰ ہے۔'' کیونکہ انھوں نے لفظ خطا کی نسبت صاحبِ قسم (حق تعالیٰ) کی طرف سمجھی ہے اور اسی لیے بخیالِ ادب اس کا ترجمہ خلافِ اولیٰ کیا ہے حالانکہ اس مقامِ عالی میں یہ لفظ بھی سوءِ ادب سے خالی نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کلمہ کا تعلق قولِ دیگر کے قائلین کے ساتھ ہے۔ جو بیت سابق میں درج ہے یعنی تقدیرِ کلام یوں ہے' ''ورنہ قولِ قائلین کہ مستلزم تسلیم قسم خوردن برفانی است خطاست۔'' اب نہ سوءِ ادب کا ارتکاب لازم آتا ہے نہ مولانا کے کلام پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور یہ تقدیرِ کلام بالکل واضح اور لازمی ہے۔ وھذا لا یخفیٰ علی من لہ ذوق سلیم فی کلام العجم۔

از خلیلے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ پس فنا چوں خواست رب العلمین

ترجمہ:۔ خلیل اللہ سے تو (یہ قول مروی ہے کہ) میں (فانی اور) ناپائدار اشیا کو پسند نہیں کرتا پھر اللہ تعالیٰ نے فنا (ہونے والی چیز کی قسم) کو کیوں پسند کیا۔

مطلب:۔ پہلے مصرعہ میں حضرت ابراہیمؑ کے اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے ستارہ چاند اور سورج کو دیکھ کر ہر مرتبہ ھذا ربی کہا۔ پھر وہ باری باری چھپ گئے تو ان سے روگردانی اختیار کی۔ اس کا ذکر پہلے بھی کئی مرتبہ آ چکا ہے۔

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ گفت آں خلیلؑ کے فنا خواہد ازیں ربِ جلیل

ترجمہ:۔ حضرت خلیلؑ نے تو (فنا ہونے اور چھپ جانے والی چیزوں کو صاف) لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کہہ دیا (پھر) ربِ جلیل (پروردگارِ بزرگ) کب فنا (ہونے والی چیز کی قسم کھانے) کو پسند کرتا۔

یاز وَاللَّیْل ست ستاریِّ او ویں تنِ خاکِ زنگاریِّ او

لغات:۔ یا حرفِ عاطف مفید معنی تردید ہے۔ اس کا صحیح مقام مصرعہ ثانیہ کے شروع میں ہے اور واؤ عاطفہ کی جگہ مصرعہ اولیٰ میں ہے کیونکہ یہاں واللیل کا والضحیٰ پر عطف اور ستاری و تن زنگاری میں تردید مقصود ہے یہ تقدیم و تاخیر بضرورتِ شعری ہوئی ہے۔

ترجمہ:۔ اور واللیل سے (مراد) آنحضرتؐ کی (شانِ) ستاری (ہے) یا یہ آپ کا تنِ خاکی زنگاری (مراد ہوگا)۔

مطلب:۔ کلماتِ قرآنی یہ ہیں۔ وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی "قسم ہے دن کی اور قسم ہے رات کی جب ڈھانک لے" (سورہ ضحیٰ) ضُحٰی سے آپؐ کا قلبِ انور یا ظاہری دن اس حیثیت سے کہ وہ آپ کے قلبِ انور کا عکس ہے۔ مراد ہونا اوپر مذکور ہو چکا۔ اب ضحیٰ کے بعد حق تعالیٰ نے اس کے مقابلے کی چیز یعنی لیل کی قسم کھائی ہے تو اس سے یا تو آپ کی شانِ ستاری مراد ہے۔ یعنی جس طرح رات تمام اشیا کو ڈھک لیتی ہے۔ آپؐ کی ستاری بھی از راہِ چشم پوشی وحشی، ہندہ، عکرمہؓ، ہبار ابن اسود جیسے شدید مجرمین کے جرائم پر پردۂ عفو ڈال دیتی ہے۔ حتیٰ کہ آپ مطعومات و مشروبات تک میں سے غیر مرغوب اشیا کی کبھی تحقیر نہ فرماتے اور ان کا عیب فاش نہ کرتے۔ یا اس سے مراد آپؐ کا جسمِ اطہر ہے۔ جس نے قلبِ انور کو ڈھک رکھا ہے۔ جس طرح زنگار روشن آئینے کو ڈھک لیتا ہے۔ پس جس طرح قلبِ انور کے عکس سے یہ ظاہری دن پیدا ہوا اسی طرح جسدِ اطہر کے عکس سے اس ظاہری رات کا ظہور ہوا۔ زنگاری کے لفظ میں جو آنحضرتؐ کے جسمِ پاک کو زنگار کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید حضورؐ کا جسمِ اقدس منور نہیں ہے آگے اس شبہ کا جواب بطورِ دفعِ دخلِ مقدر دیتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ کہ حضورؐ کا جسمِ اقدس بھی محجوب و مظلم نہیں ہے کیونکہ وہ اس قلبِ اطہر کے ساتھ ملا ہوا ہے جو مطلع الانوار ہے۔

آفتابش چوں برآمد زاں فلک باشبِ تن گفت ہیں! مَاوَدَّعَکَ

لغات:۔ آفتاب سے حق تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت مراد ہے۔ فلک سے مرتبہ الوہیت مقصود ہے۔ مَاوَدَّعَکَ اس میں سورہ والضحیٰ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی یعنی اے پیغمبر تم کو تمھارے پروردگار نے چھوڑا نہیں اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔ اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ کل جواب دوں گا۔ مگر سہواً آپ نے اس کے ساتھ انشاء

اللہ نہ کہا۔ اس غلطی کی وجہ سے کئی روز تک وحی منقطع رہی۔ یہود اور دیگر کفار بطورِ مضحکہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور اس سے ناراض ہو گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ:۔ جب اس (ضمیر) کے آفتاب (ربوبیت) نے (جو اس ضمیر کی تربیت اسی طرح کرتا ہے۔ جس طرح ظاہری آفتاب نباتات کی پرورش کرتا ہے) اس (الوہیت کے) فلک سے طلوع کیا (جو جامع جمیع صفات ہے) تو (اس وقت آپؐ کے) جسم کو جو (خاکِ مظلم سے پیدا ہونے کے اعتبار سے) گویا شب ہے فرمایا مَاوَدَّعَکَ (یعنی تجھ کو چھوڑا نہیں)۔

مطلب:۔ پروردگارِ عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسدِ مبارک کو اس نور سے محجوب نہیں رہنے دیا۔ جس سے آپؐ کا قلبِ انور روشن ہے بلکہ قلب کی طرح جسم مبارک کو بھی نورٌ علیٰ نورٍ بنا دیا ہے۔

وصل پیدا گشت از عینِ بلا　　زاں حلاوت شد عبارت مَا قَلیٰ

ترجمہ:۔ (تاخیرِ وحی کے) عین ابتلا سے وصل پیدا ہو گیا (اور) اس (لطف و) شیرینی کو (جو اس وصل سے حاصل ہوئی) آیۂ ماقلیٰ ظاہر کر رہی ہے۔

مطلب:۔ یہود کے جواب میں جو آپؐ انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے اور اس پر بہت دنوں تک وحی منقطع رہی تو یہ ایک ابتلا تھا۔ مگر اس ابتلا کا نتیجہ بھی کیا خوش گوار نکلا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَاقَلیٰ کے پیارے اور پیار کے مظہر کلمات سے خطاب فرمایا۔ اگر آپؐ سے وہ سہو نہ ہوتا تو مخالفین کو مضحکہ اڑانے کا موقع نہ ملتا۔ مخالفین مضحکہ نہ اڑاتے تو جنابِ باری کی طرف سے یہ محبت آمیز خطاب کیونکر ہوتا۔ لہٰذا وہ سہو ذہول بھی اپنے نتیجہ کے لحاظ سے پُرلطف تھا۔ بقول کسے۔

عدو شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

ہر عبارت خود نشانِ حالتے ست　　حال چوں دستِ عبارت آلتے ست

لغات:۔ عبارت مَایُعَبَّرُبِہٖ یعنی وہ قول یا تحریر یا اشارہ جس سے کسی خاص مطلب کا اظہار مقصود ہو یا خود بخود اس سے کوئی مطلب نکلتا ہو۔ آلتے آلہ، اوزار۔

ترجمہ:۔ ہر عبارت کسی (خاص) حالت کی نشانی (ہوتی) ہے۔ (وہ) حالت گویا ہاتھ ہے اور عبارت آلہ ہے۔

مطلب:۔ اس بیت اور آیندہ ابیات کے ربط کی دو صورتیں ہیں یا تو اس سے ''زاں عبارت شد ماقلیٰ'' کی تائید مقصود ہے۔ یعنی ماوَدَّعکَ ربُّکَ وما قَلیٰ کی آیت وصل اور اس کی حلاوت پر دلالت کیوں نہ کرے جبکہ ہر عبارت کا اپنے مدلول پر اور کسی نہ کسی خاص حالت پر دلالت کرنا لازمی ہے اور آیندہ ابیات میں اسی کے نظائر بیان کیے ہیں یا اس کو ماقبل سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ احیاءِ عظام کی طرف رجوع ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ قال حال کی تاثیر اور قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے قال کی مثال ایک آلہ کی سی ہے اور حال بمنزلہ دست ہے۔ پس جس طرح آلہ ہاتھ کے بغیر بے کار ہے اس طرح قال حال کے بغیر غیر مفید ہے۔ نیز جس طرح آلہ کی تاثیر کے لیے ہر کس و ناکس کا ہاتھ کارگر نہیں ہو سکتا بلکہ کسی ماہر ہاتھ کی ضرورت ہے جس کو اس آلہ کے ساتھ مناسبت ہو۔ اسی طرح قال کے لیے بھی مطلق حال کافی نہیں بلکہ مناسب حال ضروری ہے جس کی مثالیں ذیل میں دی ہیں۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس جاہل رفیق کو اسمِ اعظم نہیں سکھایا کیونکہ اس میں مناسب حال نہ تھا۔

آلتِ زرگر بدستِ کفش گر همچو دانہ کشت کردہ ریگ در

لغات:۔ زرگر سنار۔ کفش گر موچی۔ ریگ در=در ریگ مراد ہے۔ حرفِ جار اپنے مجرور سے مؤخر آیا ہے۔

ترجمہ:۔ سنار کے اوزار موچی کے ہاتھ میں (ہوں تو ان سے کچھ فائدہ نہیں) جیسے بونے کا دانہ ریت میں دبا دیا جائے (تو بالکل نہیں جمتا)۔

والتِ اسکاف پیشِ برزگر پیشِ سگ کہ استخواں در پیشِ خر

لغات:۔ اسکاف موچی برزگر کاشتکار، کسان۔ کہ مخفف کاہ، گھانس۔ چارہ۔

ترجمہ:۔ اور (اسی طرح) موچی کے اوزار کاشتکار کے آگے (گویا) کتے کے آگے گھانس (یا) گدھے کے آگے ہڈی (رکھ دینا ہے کہ اسے نہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت ہے نہ رغبت ہوگی)۔

بود انا الحق در لبِ منصور نور بود انا اللہ در لبِ فرعون زُور

ترجمہ:۔ منصور کے لب پر انا الحق کا کلمہ بمنزلہ نور تھا۔ بخلاف اس کے انا اللہ کا حکم جو اسی کا ہم معنی ہے فرعون کے لب پر دروغ تھا۔

مطلب:۔ حضرت منصور حلاجؒ میں یہ حالت پیدا ہوگئی تھی کہ ان کی نظر میں ماسوی اللہ حتیٰ کہ خود اپنی ذات بھی فنا ہو چکی تھی۔ اس لیے ان کو صرف خدا ہی خدا نظر آتا تھا۔ پس ان کا انا الحق کہنا کمالِ توحید تھی جو مقبول ہوگئی۔ بخلاف اس کے فرعون نے خدا کو چھوڑ کر خود اپنے لیے خدائی درجہ ٹھہرانا چاہا جو ایک بدترین شرک تھا۔ اور وہ اس کے مردود ہونے کا باعث ہوا۔ خلاصہ یہ کہ انا الحق یا انا اللہ کا سا پر خطر کلمہ کہنا منصور کو ہی زیب دیتا تھا فرعون کا ایسا کہنا بے محل خلافِ واقع اور دروغ تھا۔ ہر بات اس شخص کو زیب دیتی ہے جس میں اس کی صلاحیت و قابلیت ہو۔ نظامیؒ

ہر نظرے را کہ بر افروختند جامہ باندازۂ تن دوختند
رخت مسیحا نکشد ہر خرے محرمِ دولت نبود ہر برے

شد عصا اندر کفِ موسیٰؑ گوا شد عصا اندر کفِ ساحر ہبا

لغات:۔ گوا گواہ، شاہد رسالت مراد معجزہ۔ ہبا ذرہ جو ہوا میں اڑتا ہے مراد بے حقیقت و ناچیز۔

ترجمہ:۔ (ایک) عصا (جو) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں (تھا ان کی رسالت پر) گواہ بن گیا۔ (دوسرا) عصا (جو) ساحر کے ہاتھ میں (تھا) بے کار (و بے حقیقت) رہا۔

مطلب:۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصے کی طرف اشارہ ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے کے لیے سرزمینِ مصر کے چیدہ چیدہ جادوگر جمع کیے اور انھوں نے بزورِ سحر بہت سی رسیوں اور لکڑیوں کے سانپ بنا دکھائے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کا عصا زمین پر ڈال دیا جو آن کی آن میں ایک اژدہا کی صورت اختیار کر کے ان تمام سانپوں کو کھا گیا۔ گویا جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپ سب کے سب ہباءً منثورًا ثابت ہوئے۔ حافظؒ

اے مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہِ تست عرضِ خود میبری و زحمتِ ما میداری

زیں سبب عیسیٰؑ بداں ہمراہِ خود در نیا موزید آں اسمِ صمد

ترجمہ:۔ اسی لیے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس ہمراہی کو (جو ہڈیوں کو زندہ کرنے کا خواہاں تھا۔) اس

منصور کے انا الحق اور فرعون کے انا اللہ کہنے میں فرق

(خداوند) بے نیاز کا اسم (اعظم) نہ سکھایا (کہ وہ اس کا اہل نہ تھا)

کو نہ اند نقص بر آلت نہد　　سنگ بر گِل زن تو آتش کے جہد؟

ترجمہ:۔ کیونکہ (جب اس کا کوئی اچھا اثر مترتب نہ ہوگا تو) وہ (خود اپنا نقص) نہیں سمجھے گا (بلکہ) آلہ (یعنی اسم اعظم) پر نقص رکھے گا (کہ یہ اسی کی خرابی سے ہے) اگر چقماق کے پتھر کو (لوہے کے بجائے) مٹی پر مارو (تو اس سے) آگ کب نکلتی ہے؟

مطلب:۔ ہر چیز اپنے مناسب محل پر ہی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ چقماق لوہے کے ساتھ ٹکرا کر ہی آگ دیتا ہے مٹی کے ساتھ ٹکرانے سے نہیں دیتا۔ اسی طرح اسم اعظم کے اچھے اثر کے لیے کوئی عیسیٰ زبان ہی چاہیے عامی کا یہ کام نہیں۔ جامیؒ ؎

گلے کہ بہرِ کلیم از درختِ طور شگفت　　توقع از خس و خاشاک میکنی خاشاک

دست و آلت ہمچو سنگ و آہن است　　جفت باید جفت شرطِ زادن ست

ترجمہ:۔ ہاتھ اور آلہ کی مثال ایسی ہے جیسے سنگ (چقماق) اور لوہا (کہ ایک چیز کے بغیر دوسری چیز بے کار ہے۔ غرض ہر چیز سے اس کا اثر مترتب ہونے کے لیے اس کا) جوڑا چاہیے۔ جوڑا ہی بچہ کے پیدا ہونے کے لیے شرط ہے۔

مطلب:۔ مولانا ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

از قرانِ مرد و زن زاید بشر　　از قرانِ سنگ و آہن شد شرر

وز قران خاک با بارانہا　　میوہ ہا و سبزہ و ریحانہا

آنکہ بے جفت ست و بے آلت یکے ست　　در عدد شک ست و آں یک بے شکے ست

ترجمہ:۔ وہ ذاتِ پاک جو جوڑے کی ضرورت اور آلہ کی احتیاج سے منزہ ہے ایک ہے اس کے تعدُّد میں تو شک ہے اور اس کا ایک ہونا غیر مشکوک ہے۔

مطلب:۔ اوپر کے شعر میں جفت کا لفظ آ گیا تھا۔ اس سے اب مولانا توحید کے بیان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں دوسرے مصرعہ کی تفسیر اگلے شعر میں آتی ہے جس کی ایک شق یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کو متعدد مانا ہے مثلاً عیسائی لوگ اس کو ثالث ثلاثہ یعنی باپ بیٹا اور روح القدس میں سے ایک سمجھتے ہیں تو ان کا یہ عقیدہ مشکوک ہے۔ خداوند عالم کو باپ یا بیٹا بننے کی کیا ضرورت ہے تین کے ضمن میں جو ایک ہے وہی صحیح ہے۔

نکتۂ عجیبہ:۔ مولاناؒ نے اس شعر میں توحید کی طرف توجہ فرمائی ہے تو اس میں قرآن مجید کی اس سورۃ کا مضمون سارے کا سارا کھپا دیا جو سرچشمۂ توحید ہے اور جس کا حرف حرف ایک دفترِ توحید پیش کرتا ہے یعنی سورۃ اخلاص اور کمال یہ کیا کہ قرآن مجید کی چار آیات کا ترجمہ جو عربی کی بسیط المعنی زبان میں ہیں۔ فارسی کی تنگ دامن بولی کے صرف ایک شعر میں کر دیا ہے اور وہ بھی اس صفائی اور جامعیت کے ساتھ کہ اس سے بہتر نا ممکن ہے اور یہ مولانا کے کمالِ بلاغت کی ایک روشن دلیل ہے۔ فللّٰہ درہ ثم للّٰہِ درہٗ دیکھیے۔

(مولانا روم کا کمال بلاغت ساری قل ھو اللہ کا ترجمہ ایک شعر میں)

آنکہ بے جفت ست و بے آلت یکے ست　　در عدد شک ست و بے شک آں یکے ست

(۱)	آں یکے ست	اللہ ایک ہے	قل ھو اللہ احد

(۲)	بے آلت ست	ہر قسم کے سامان سے بے نیاز ہے	اللہ الصمد
(۳)	در عدد شک ست	اس کا ثالث ثلاثہ ہونا غلط ہے۔	لم یلد ولم یولد
(۴)	بے جفت ست	اس کا کوئی جوڑ نہیں	ولم یکن لہ کفوا احد

آنکہ دو گفت و سہ گفت و بیش ازیں　　متفق باشند در واحد یقیں

ترجمہ:۔ وہ (فرقہ) جو دو (خداؤں) کا قائل ہے (مثلاً اہلِ ایرانِ قدیم جو یزدان واہرمن دو خداؤں کو مانتے تھے) اور جو تین (خداؤں) کا معتقد ہے (مثلاً عیسائی) اور جو اس سے زیادہ (خداؤں کا اعتقاد رکھتا ہے۔ مثلاً ہندو لوگ جن کے تینتیس کروڑ معبود ہیں) یہ سب کے سب (متعدد خداؤں کے ضمن میں) ایک (خدا کے وجود) پر تو یقیناً متفق ہیں۔

مطلب:۔ اوپر جو کہا تھا۔ در عدد شک ست و آں یک بے شکے ست۔" یہ شعر اس کی تفسیر ہے یعنی تعددِ آلہہ کے قائلین سب کے سب ایک اللہ پر یقیناً متفق ہیں۔ اس لیے جو مثلاً دو یا تین خداؤں کے قائل ہیں دو یا تین کے ضمن میں ایک تو بلاشبہ پایا جاتا ہے۔ پس ایک خدا سب کا متفق علیہ ہوا باقی ایک سے زائد کا وجود جو ان کے عقیدے میں ہے۔ اس کے اثبات کی دلیل پیش کرنا ان کے ذمہ ہے ہم تو صرف ایک خدا کے معتقد ہیں اور کم از کم ایک کو وہ بھی مانتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا دعویٰ محتاجِ دلیل نہیں ہے۔ صائبؒ

نقشِ مراد نیست دریں باغ جز یکے　　زنہار ہچو خوابِ پریشاں نظر مباش

اَحوَلی چوں دفع شد یکساں شوند　　آں دوسہ گویاں یکے گویاں شوند

ترجمہ:۔ (ایک خدا کو زیادہ دیکھنا بھینگے پن کی وجہ سے ہے) جب (یہ) بھینگا پن (قیامت کے روز) جاتا رہے گا تو سب (صحیح عقیدہ میں) یکساں ہو جائیں گے (اور) وہ دو (یا) تین (خداؤں) کے قائل ایک کے معترف ہو جائیں گے۔

مطلب:۔ قیامت کے روز جب امرِ حق نمایاں نظر آئے گا تو تمام مختلف عقائد جو یہاں حجابِ بصیرت بن رہے ہیں۔ سب رفع دفع ہو جائیں گے اور اہلِ اختلاف سب کے سب ایک بات پر متفق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ تَرٰی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ " اور اے پیغمبر اگر تم ان لوگوں کو اس وقت دیکھو جب اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے کیے جائیں گے پروردگار فرمائے گا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے۔ وہ کہیں گے ہاں بے شک سچ ہے ہم اپنے پروردگار کی قسم کھاتے ہیں۔ پروردگار فرمائے گا۔ تم جو انکار کرتے تھے۔ اب اس کے عذاب کا مزہ چکھو" (سورۂ انعام ع ۳)

گر یکے گوئی تو در میدانِ او　　گرد برمے گردد از چوگانِ او

لغات:۔ گرد برگردیدن گھومنا، چکر لگانا۔ چوگان۔ خمدار لکڑی جس سے گیند پر ضرب لگا کر اس کو دور پھینکتے ہیں۔

ترکیب:۔ درمیدانِ او متعلق ہے گرد میگرد کے۔ نہ کہ گوئی کے۔

ترجمہ:۔ اگر تم (موحد ہو۔ اور خدا کو) ایک کہتے ہو تو (کمالِ توحید یہ ہے کہ) اس (کے اتباع) کے میدان میں اس (کے احکام) کی چوگان (کے اشارے) پر گیند کی طرح حرکت کرو۔ ولنعم ما قال عمر خیام غفر اللہ لہٗ ؎

اے رفتہ بچوگانِ قضا ہچوں گو　　چپ میخور و راست میرود ہیچ مگو

کانکس کہ ترا فگند اندر تگ و پوے او داندو او داندو او داندو او

گوئے آنکہ راست بے نقصاں شود کو زدستِ زخم شہ رقصاں شود

لغات:۔ راست سیدھا۔ نقصان تقصیر وکوتاہی مراد ہے۔ شہ حق تعالیٰ۔ زخم ضرب۔ رقصاں حرکت کرنے والا۔

ترجمہ:۔ (اچھی گیند وہی ہے جو سیدھی بلا توقف (وتاخیر) چلی جائے (اور) جو شاہ (حقیقی) کے دست (قدرت) کی ضرب کے مطابق حرکت کرے۔ جامیؒ

خوش آں بیدل کہ دولت یارگردد بگردِ خاطر دلدار گردد

بروں آید تمام از خواہشِ خویش دہد در خواہش او کاہشِ خویش

اگر راند نتابد سرچوں خامہ دگر خواند نہ پیچد سر چو نامہ

گوشدار اے احول! اینہارا بہوش دار دِ دیدہ بکش از راہِ گوش

صنائع:۔ شعر میں صنعت ردالعجز علی الصدر ہے اور دیدہ وگوش مناسبات ہیں۔

ترجمہ:۔ اے بھینگے! (دوبین وکج نظر) ان (باتوں) کو گوشِ ہوش سے سن لے اور آنکھ کی دوا کان کے ذریعے لگا لے۔

مطلب:۔ کان کے ذریعے کا مطلب یہ کہ نصائح سن کر عبرت پکڑو تاکہ دل میں نورِ بصیرت پیدا ہو جائے۔ نظامیؒ

نبندِ بزرگان نبباید گزشت سخن را ورق در نباید نوشت

سگالش کرے کو نصیحت شنید در چارہ را در کف آرد کلید

بس کلامِ پاک در دِلہائے کور مے نیاید مے رود تا اصلِ نور

لغات:۔ دلہائے کور مرکب توصیفی ہے نہ کہ اضافی یعنی وہ قلوب جن میں نورِ بصیرت نہیں ہے اصلِ نور سے حق تعالیٰ مراد ہے جو مبداء انوار ہے۔

ترجمہ:۔ (مگر) بہت سے پاک کلمات (ایسے بھی ہیں جو) بے نور دلوں پر اپنا اثر نہیں ڈالتے (بلکہ) وہ حق تعالیٰ کی طرف چلے جاتے ہیں۔

مطلب:۔ چونکہ ہر شے اپنے مناسب محل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس لیے بعض بے بصیرت قلوب قابلِ نصیحت نہیں ہوتے۔ اس لیے نصائح کے پاک کلمات ان میں نہیں اترتے۔ بلکہ حق تعالیٰ کی طرف صعود کر جاتے ہیں کہ ان کا مناسب مقام وہی ہے۔ پہلا مصرعہ اس آیت قرآنی کے مضمون پر مشتمل ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ "بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں"۔ (سورہ حج ع ۶) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ "بیشک تم مُردوں کو اپنی باتیں نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں" (سورۃ النمل ع ۶) نظامیؒ۔

بہ بے دیدہ نتواں نمودن چراغ کہ جز دیدہ را دل نخواہد بباغ

دوسرے مصرعہ میں اس آیت کا مضمون مندرج ہے۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ "اچھی باتیں اسی کی جناب تک پہنچتی ہیں اور وہ نیک عمل کرنے والوں کے درجوں کو بلند کرتا ہے"۔ (سورہ فاطر ع ۲)

ے شود راجع باصلِ خویش صائب فرع ہا   بازگشت بوئے مشک آخر بآہوئے خطاست

واں فسونِ دیو در دلہائے کژ   میرود چوں کفش کژ در پائے کژ

لغات:۔ فسوں یا افسون جادو، ٹوٹکا مراد باطل باتیں۔ کژ ٹیڑھا، ناراست۔ کفش جوتا۔

ترجمہ:۔ اور (بخلاف اس کے) وہ شیطان کی باطل (و بے ہودہ) باتیں (جو شیطان دلوں میں ڈالا کرتا ہے بعض) ٹیڑھے دلوں میں (اس طرح) اتر جاتی ہیں۔ جیسے ٹیڑھا جوتا جو ٹیڑھے پاؤں میں (ٹھیک آ جائے) کما قیل ے

فسونِ دیو در دلہائے تاریک آنچناں گیرد   کہ خواب آسودگاں را خوش بود افسانہ در شبہا

گرچہ حکمت را بتکرار آوری   چوں تو نااہلی شود از تو بری

ترجمہ:۔ اگر تم علم (اور دانائی کی باتوں) کو بار بار (بھی) پڑھو۔ تو جب تم اس کے اہل نہیں ہو تو وہ (علم و حکمت تم سے علیحدہ (بے تعلق و بے نسبت) ہی رہے گا۔

مطلب:۔ علم سے مستفید ہونے کے لیے مناسبت اور اہلیت شرط ہے۔ ورنہ سارا پڑھا پڑھایا فضول ہے یا تو جلدی فراموش ہو جائے گا۔ یا اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ سعدیؒ ے

اگر صد باب حکمت پیشِ ناداں   بخوانند آیدش بازیچہ در گوش

گرچہ بنویسی نشانش میکنی   ورچہ ے لافی بیانش میکنی

اوزِ تو رو در کشد اے پرستیز   بند ہارا بگسلد بہر گریز

لغات:۔ ے لافی لافیدن سے شیخی بگھارنا، ڈینگ مارنا۔ رودرکشد رخ پھیر لیتا ہے۔ پرستیز جھگڑالو، حجتی۔ بگسلد گسلیدن توڑنا سے۔

ترکیب:۔ بیتِ اوّل کا پہلا مصرعہ معطوف علیہ اور دوسرا معطوف مل کر شرط ہوئی۔ دوسرا شعر اس کی جزا یا بیت اوّل کا پہلا مصرعہ خود شرط و جزا ہے اور "اگرچہ" بمعنی اگر مثنوی میں اکثر استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا مصرعہ جداگانہ شرط و جزا ہے اور دوسرا شعر الگ مضمون بطور تائید ماسبق ہے۔ ان دونوں تقدیروں پر دو ترجمے ملاحظہ ہوں۔

ترجمہ[۱]:۔ اگرچہ اس (علمی سبق) کو تم لکھ ہی لو (اور) نوٹ ہی کر لو اور اگرچہ تم (اپنی خوش بیانی) کی شیخی ہی بگھارو (اور) اس کو (خوب) بیان کرو (مگر) اے حجتی آدمی! وہ تم سے اعراض ہی کرے گا اور گریز کرنے کے لیے (ساری) بندشیں توڑ ڈالے گا۔

ترجمہ[۲]:۔ اگر تم اس کو (یاد رکھنے کے لیے) لکھنے لگو تو محض اس کے نقوش بنا رہے ہو۔ (دل پر ان کا اثر نہ ہوگا) اور اگر تم (علمی مسائل کی عقدہ کشائی کی) شیخی بگھارتے ہو تو محض اس کے ناقل ہو۔ (اس کے ساتھ متاثر نہیں ہو۔) اگلے شعر کا ترجمہ وہی ہے۔

مطلب:۔ پہلے ترجمے کے لحاظ سے یہ دو شعر، شعرِ سابق کے مضمون کی تائید کرتے ہیں۔ دوسرے ترجمہ کی رو سے یہ مطلب ہے کہ عالمِ بے بصیرت کی تمام تحریر و تقریر محض نقل و محاکات ہے۔ ایک کاتب و ناقل ضروری نہیں کہ عالم بھی ہو۔ ایسا عالم دراصل عالم نہیں بلکہ حافظِ کتب ہے یا محافظِ کتب۔ مولانا رومؒ خود ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ ے

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب   حافظِ علم ست آنکس نے حبیب

صد ہزاراں فضل دارد از علوم   جانِ خود را مے نداند ایں ظلوم

تو ہمیدانی یجوز ولا یجوز   خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز

ورنہ خوانی و بہ بیند سوزِ تو   علم باشد مرغِ دست آموز تو

ترکیب:۔ نخوانی کا مفعول بہ یعنی علم وحکمت محذوف ہے۔ بیند کا فاعل حق تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ اور (بخلاف اس کے) اگر تم (رسمی طور پر علم) نہ بھی پڑھو۔ اور وہ (حق تعالیٰ) تمہارے سوز (قلب) کو دیکھتا ہے تو (پھر تو) علم (پر تم کو اس قدر قدرت ہوگی جیسے وہ ایک) تمہارا دست پروردہ پرندہ ہو (کہ جب چاہا بلا لیا اور وہ ہاتھ پر آ بیٹھا)۔

مطلب:۔ توجہ بحق ان معارفِ عالیہ کا سرچشمہ ہے۔ جن کے مقابلے میں علومِ ظاہری کچھ بھی نہیں اور وہ معارف کتاب اور درس استاد کے محتاج نہیں ہیں۔ مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

در دلت بینی علومِ انبیا   بے کتاب و بے معید و اوستا

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ ؎

عاشقاں راشد مدرس حسنِ دوست   دفتر و درس و سبق شاں روئے اُوست

خامشند و نعرۂ تکرار شاں   میرود تا عرش تختِ یارِ شاں

او نپاید پیش ہر نا اوستا   ہمچو بازِ شہ بخانہ روستا

لغات:۔ پائیدن قائم رہنا۔ نااوستا بے استاد، اناڑی، انجان، نااہل۔ روستا دیہاتی، جاہل۔

ترجمہ:۔ وہ کسی نااہل کے پاس نہیں ٹھہرتا۔ جیسے بادشاہ کا باز (کسی) دیہاتی کے گھر میں (نہیں ٹھہر سکتا)۔

یافتن شاہ بازِ خویش را درخانہ کمپیر ومبتلا شُدن

بادشاہ کا اپنے باز کو بڑھیا کے گھر میں پانا اور رنجیدہ ہونا

علم آں باز ست کو از شہ گریخت   سوئے آں کو مے آرو بیخت

لغات:۔ کمپیر بڑھیا۔ مے آرد بیخت یعنی آرد مے بیخت، آٹا چھانتی تھی۔ بضرورت شعری تقدیم وتاخیر واقع ہوگئی۔

ترجمہ:۔ علم (گویا) وہ باز ہے جو بادشاہ کے پاس سے بھاگ کر اس بڑھیا کی طرف چلا گیا جو آٹا چھان رہی تھی۔

مطلب:۔ نااہل لوگوں کے پاس علم کی جو بے قدری ہوتی ہے۔ اس کی مثال وہی ہے جیسے اس ناقدر شناس بڑھیا کے گھر میں باز کی گت ہوئی۔ حافظؒ ؎

ہمائے گو مفگن سایۂ شرف ہرگز   دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

تا کہ تتماجے پزد اولاد را   دید آں باز خوشِ خوش زاد را

لغات:۔ تتماج آشِ حریرہ۔ پزد مضارع پختن پکانا سے۔ خوش خوبصورت۔ خوش زاد اعلیٰ نسل کا، اچھی قسم کا۔

ترجمہ:۔ (وہ بڑھیا آٹا چھان رہی تھی) تاکہ (اپنی) اولاد کے لیے حریرہ پکائے (اتنے میں اس نے اس خوبصورت اور اچھی نسل کے باز کو دیکھا۔

پایکش بست و برش کو تاہ کرد   ناخنش ببرید و قوتش کاہ کرد

لغات:۔ پایک پائے کی تصغیر ہے نازک پاؤں، ننھے پاؤں۔

ترجمہ:۔ اس کے نازک پاؤں باندھ دیے اور اس کے پر کاٹ ڈالے اس کے ناخن تراش دیے اور اس کی غذا (کے لیے) گھانس (اس کے آگے لا حاضر) کی۔

گفت نا اہلاں نکرد ندت بساز   پر فزود از حدو ناخن شد دراز

ترجمہ:۔ (اور بولی) نااہل لوگوں نے تجھے درست نہ کیا۔ پر (حد سے زیادہ) بڑھ گئے اور ناخن لمبے ہو گئے۔

دستِ ہر نااہل بیمارت کند   سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

ترجمہ:۔ ہر نااہل کا ہاتھ تجھ کو بیمار کر دے گا۔ (بیٹا) (تجھے) اماں کے پاس آ (نا چاہیے تھا) تاکہ تیری خبر گیری کرے۔

مہرِ جاہل راچناں داں اے رفیق!   کژرو د جاہل ہمیشہ در طریق

ترجمہ:۔ دوستو! جاہل کی دوستی کا یہی حال سمجھو۔ جاہل ہمیشہ (سیدھے) راستے پر (بھی) ٹیڑھا ہی چلتا ہے۔

مطلب:۔ جاہل کی محبت بلائے جان ہے۔ کما قیل۔

بود محبتِ ناداں بلا کہ یوسف را   طرب سرائے زلیخا تمام زندان ست

جاہل ار با تو نماید ہمدلی   عاقبت زخمت زند از جاہلی

ترجمہ:۔ جاہل اگر تمہارے ساتھ ہمدردی بھی کرتا ہے (تو وہ قابلِ اعتماد نہیں) آخر اپنی جہالت کی وجہ سے تمہارے (کوئی نہ کوئی) زخم ہی لگائے گا۔ کما قیل۔

اہل را صحبتِ نااہل زیانہا دارد   آب در کوزۂ ناپختہ گِل آلودہ شود

روز شہ در جستجو بیگاہ شد   سوئے آں کمپیر و آں خرگاہ شد

ترجمہ:۔ بادشاہ کا (سارا) دن (اس باز کی) تلاش میں رائیگاں گیا (آخر) وہ اس بڑھیا اور اس کے جھونپڑے کی طرف جا نکلا۔

دید ناگہ بازرا در دود و گرد   شہ برو بگریست زار و نوحہ کرد

ترجمہ:۔ تو اچانک اس نے باز کو دیکھا کہ بڑھیا کے جھونپڑے کے اندر (چولھے کے) دھوئیں اور گرد (آلودہ حالت) میں (بیٹھا ہے) بادشاہ اس (کی اس حالت) پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور بین کرنے لگا۔

گفت ہر چند ایں جزاے کارِتست   کہ نباشی در وفائے مادرست

ترجمہ:۔ (اور) کہا ہر چند تیرے (اس غدارانہ) کام کا بدلہ کہ تو ہماری وفاداری پر قائم نہ رہا۔ یہی تھا۔ (جو ہوا تاہم بتقاضائے رحم ہم کو رونا آتا ہے)۔

ترجمہ:۔ چلو جی! (ان باتوں کو چھوڑو۔ اور) گناہ (کا قصد تک) نہ کرو کیونکہ (گناہ کا نیکی بن جانا تو رہا الگ) ہماری نیکیاں (بھی) ہمارے اس محبوبِ حقیقی (کے شایانِ شان نہیں۔ اس لیے اس) کو بری لگتی ہیں۔ (پھر گناہ کریں تو کس برتے پر)۔

مطلب:۔ اس بھروسہ پر نہ رہو کہ وہ ہماری سیئات کو حسنات کی شکل میں بدل دے گا کیونکہ پہلے ہماری حسنات ہی اس محبوبِ حقیقی کے آگے بمنزلہ سیئات ہیں۔ چنانچہ ہماری نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ تمام عبادات و طاعات کا یہی حال ہے کہ ان کے تمام آداب کو جوان کے شرائطِ کمال ہیں۔ کوئی بھی پوری طرح بجانہیں لاتا۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ نماز بقولِ قرآنِ کریم تمام معاصی وسیئات سے انسان کو پاک نہ کر دیتی اور بمصداقِ حدیث وہ مسلمان کا معراج نہ بن جاتی۔ عمر خیام غفرلہ۔

اے فسق و فجور کارِ ہر روزۂ ما دے پر ز حرام کاسہ و کوزۂ ما

مے خندد روزگار و میگرید خلق برطاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

پس جب ہماری حسنات ہی بمنزلۂ سیئات ہیں تو وہ کون سی حسنات باقی رہیں۔ جن کے اتباع سے ہماری سیئات حسنات بن جائیں گی؟

خدمتِ خود را سزا پنداشتی تو لوائے جرم زاں افراشتی

ترجمہ:۔ تم نے اپنی عبادت کو قابل (قبول) سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے گناہ (کے ارتکاب) کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مطلب:۔ تم کو یہ زعم ہوا کہ ہمارے پاس طاعات کا کافی ذخیرہ ہے۔ ان میں یہ سیئات مل کر ہمرنگِ طاعات ہو جائیں گی۔ حالانکہ تمہاری طاعات ہی اس قابل نہیں ہیں کہ درجۂ قبولیت پاسکیں۔ اگر وہ مالک رؤف و رحیم قبول کرے تو یہ اس کا محض فضل و کرم ہے۔ ورنہ اپنی عبادت و طاعت تو سراسر سرمایۂ خجالت و ندامت ہیں کما قیل۔

آئینہ دار زنگ گناہ ست طاعتم کردم سیاہ ہمچونگیں سجدہ گاہ را

چوں ترا ذکر و دعا دستور شد زاں دعا کردن دلت مغرور شد

ترجمہ:۔ چونکہ ذکر (حق) اور دعا (واستغفار) کرنا تمہارا دستور ٹھہر گیا ہے۔ (پس) اس دعا کرنے پر تمہارا دل مغرور ہو گیا۔

مطلب:۔ تم کو یہ گھمنڈ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو گئے تو کیا مضائقہ ہے۔ جب توبہ کرلیں گے تو یہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور ان کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا بلکہ اس طرح پاک و معصوم ہو جائیں گے۔ جیسے ایک آج کا پیدا ہوا بچہ ہو۔ نیز تم کو اس حدیث سے بھی دھوکا ہوتا ہے کہ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ یعنی توبہ کرنے والا اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے ایک گناہ نہ کرنے والا پاک ہوتا ہے۔ حالانکہ توبہ کی قبولیت بھی محض اسی ستار و غفار کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ ورنہ کسی کا کیا زور چلتا ہے۔ خصوصاً ایسی توبہ کی قبولیت کی بھی کیا امید ہو سکتی ہے جو خود ناقص و ناکارہ ہو۔ کما قیل۔

سبحہ برکف توبہ برلب دل پر از ذوقِ گناہ معصیت را خندہ مے آید بر استغفارِ ما

ہم سخن دیدی تو خود را باخدا اے بساکس زیں گماں افتد جدا

ترجمہ:۔ تم نے اپنے آپ کو ذکر و دعا میں (بزعمِ خود) خدا کے ساتھ ہم کلام دیکھا ہے۔ اے (غافل!) بہت سے لوگ اس (قسم کے) گمان کے باعث (راہِ حق سے) دور جا پڑے۔

مطلب:۔ اگر بندہ ذکر و دعا کی کامل برکات سے بہرہ ور ہو تو معصیت کا ارتکاب تو الگ اس کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ مگر بعض عبادت گزار پابندِ صوم و صلوٰۃ جو آلودۂ معاصی پائے جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو فی الواقع یہی دھوکا ہوتا ہے کہ خدا غفور و رحیم ہے۔ وہ ہمارے صوم و صلوٰۃ اور ذکر و دعا کی بدولت سارے گناہ بخش دے گا۔ جیسے ایک رند عیاش و مینوش

مرتکبین معاصی کی جرأتِ ارتکاب کے اسباب اور ان کا علاج

نے کہا تھا کہ ہم تو سارا دن شراب پیتے ہیں اور عیش اُڑاتے ہیں شام کو ایک بار الحمد شریف پڑھ لیتے ہیں جس میں الف کی دس نیکیاں، لام کی دس نیکیاں، ح کی دس نیکیاں اسی طرح ولا الضالین تک فی حرف دس دس نیکیاں گن کر جمع کرو۔ نیکیوں کا وہ انبار لگ جاتا ہے۔ جس کے آگے میرے دن بھر کے گناہوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ ممکن ہے کہ اس رندِ بیباک نے محض دل لگی سے یہ دوراز حقیقت بات کہی ہو مگر تعجب نہیں کہ بعض متعبدانِ جاہل کو یہ دھوکا بھی ہو کہ عبادات و حسنات معاصی و سیئات کو اپنا ہم رنگ اور ذکر و دعا اور توبہ و استغفار ان کو محو کر دیتی ہے۔ لہٰذا گناہوں سے ڈرنا فضول ہے جو مزے لے سکتے ہیں لینے چاہییں۔

انتباہ:۔ اس قسم کے متعبدانِ بے بصیرت یا رندانِ خیرہ سر کو آگاہ رہنا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ "تم دعا کرو میں قبول کروں گا" اور بے شک قرآن مجید میں آیا ہے۔ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا اگر یہ دعا و استغفار جبھی مفید ہو سکتی ہے کہ بجمیع شرائط مکمل ہو پھر اس کا قبول کرنا بھی حق تعالیٰ کے ذمے کوئی فرض و واجب نہیں بلکہ محض اس کے فضل و کرم کی بات ہے۔ کما قیل ؎

اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اور بے شک قرآن مجید کے ایک ایک حرف کے عوض میں دس دس نیکیاں ملنے کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے لیکن اول تو اس خلوص اور حضورِ قلب کے ساتھ قرأت و تلاوت کرنے کی کس کو توفیق ہے جو اس اجر کے قابل ہو۔ خصوصاً ایک آلودۂ معاصی اور معتادِ جرائم سے تو اس کی توقع ہی فضول ہے۔ دوسرے یہ کیا ضرور ہے کہ ان نیکیوں کی مقدار مرتکبہ گناہوں کے بھاری بھر کم وجود کو محو و نابود کر دینے یا اس کو محجوب و مستور کر دینے کے لیے کافی ہو اور بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ یعنی نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں (سورہ ھود ع ۱۰) مگر تعلیماتِ شرعیہ میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ یہاں سیئات سے مراد صغیرہ گناہ ہیں نہ کہ کبیرہ۔ پس طاعات و عبادات کی بدولت جو گناہ زائل ہوتے ہیں تو محض صغائر ہوتے ہیں نہ کہ قتل، زنا، لواطت، چوری، کذب، غیبت، مینوشی، قمار بازی وغیرہ۔ یہ تو وہ بڑے بڑے معاصی و جرائم ہیں جن کی شدت وحدت شجر ایمان کو بیخ و بن سے ہلا ڈالتی ہے۔ جن سے ملاءِ اعلیٰ میں ایک ہیجان پیدا ہونے لگتا ہے اور جن سے عرشِ عظیم کانپ جاتا ہے لیکن مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ ادنیٰ و صغیرہ گناہ کرتے وقت بھی خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرے جس کی تیغ سیاست مجرموں کے لیے ہر وقت بے نیام اور جس کی برقِ انتقام سرکشوں کے سر پر ہر لحہ آمادۂ افتاد رہتی ہے۔ سعدیؒ ؎

بہ تہدید گر برکشد تیغِ حکم بمانند کرّوبیاں صُمٌّ و بکم

کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مخالفت حکم کو بھی سرسری نہ سمجھنا چاہیے۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کا دانہ گندم کھا لینا بھی کوئی بڑا جرم تھا؟ مگر اس کے نتائج کیا کیا رونما ہوئے؟ صائب ؎

خورد مشمار گنہ را کہ گنا ہے ست بزرگ گندمے کرد ز فردوس بروں آدمؑ را

گرچہ با تو شہ نشیند بر زمیں خویشتن بشناس و نیکو تر نشیں

ترجمہ:۔ اگرچہ بادشاہ تمہارے ساتھ زمین پر بیٹھ جائے (لیکن تمہارا فرض ہے کہ) تم اپنے (رتبہ و درجہ) کو ملحوظ رکھو اور (اپنے) مناسب درجہ پر بیٹھو۔

مطلب:۔ دعا کرنے والے کو ہمکلامیِ حق کا جو زعم ہو جاتا ہے اس کا رد فرماتے ہیں کہ اس ہم کلامی میں تم تم ہی ہو اور حق

تعالیٰ حق تعالیٰ ہی ہے۔ ایاز قدرِ خود بشناس! اگر بادشاہ تمہارے ساتھ زمین پر بیٹھ جائے تو یہ محض اس کی بے تکلفی و سادگی ہے۔ تم اس کے ہم رتبہ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ پھر بھی اس سے ڈرتے رہو اور فرقِ مراتب کو پیش نظر رکھ کر فوراً کسی ایسے انداز پر بیٹھو یا کھڑے ہو جاؤ کہ اس کی بلندیٔ رتبہ قائم رہے۔ اس کی بے تکلفی پر اعتماد کرنا خطرناک ہے۔ نظامیؒ ؎

خطر ہاست در کارِ شاہاں بسے کہ بادشاہ خویشی ندارد کسے

چو از کینہ بر فروزند چہر بفرزند خود بر نیارند مہر

باز گفت اے شہ پشیماں میشوم توبہ کردم نو مسلماں میشوم

لغات:۔ مسلمان سے یہاں مطیع و منقاد مراد ہے۔

ترجمہ:۔ باز نے کہا اے بادشاہ میں (اپنے کینے سے) پچھتاتا ہوں۔ اس لیے میں نے (اپنے کفرانِ نعمت سے) توبہ کی اور نئے سرے سے اقرار اطاعت کرتا ہوں۔

مطلب:۔ یہاں سے پھر باز کا مقولہ شروع ہے۔ بظاہر پیرایہ کلام یہ ہے کہ بازِ پر بریدہ و ناخن تراشیدہ ایک ذلیل و زبون حالت میں اپنے آقائے نامدار شاہ کامگار کے حضور میں عذرِ تقصیر کر رہا ہے اور اس پیرایہ سے مولانا کا مقصد یہ ہے کہ ایک بندہ عاصی ذلت و مسکنت کے ساتھ خداوندِ جل و علا کی بارگاہ میں سرافگندہ ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کر رہا ہے اور اپنے گزشتہ اعمال سیئہ پر اشکِ ندامت بہاتا ہوا آیندہ کے لیے پیمانِ اطاعت باندھتا ہے۔ صائبؒ ؎

برجرمِ من بہ بخش کہ آوردہ ام شفیع اشکِ ندامت و عرقِ انفعال را

آنکہ تو مستش کنی و شیر گیر گر زمستی کژ رود عذرش پذیر

لغات:۔ شیر گیر نیم مست وہ مست جو اپنی گفتار و رفتار پر ضبط رکھتا ہو۔

ترجمہ:۔ وہ (خادم) جس کو تو (اپنی نوازش سے خود جام سے پلا کر کبھی) مست اور (کبھی) نیم مست کر دے۔ اگر مستی کے باعث (کبھی) کوئی غلط چال چل جائے تو اس کا عذر قبول فرماؤ۔ نظامیؒ ؎

عقوبت مکن عذر خواہ آدم بدر گاہِ تو رو سیاہ آدم

سیاہِ مراہم تو گرداں سپید مگر دانم از درگہت نا امید

سرشتِ مرا کا فریدی ز خاک سرشتہ تو کردی بنا پاک پاک

اگر نیکم و گر بدم در سرشت قضائے تو ایں نقش برمن نوشت

گرچہ ناخن رفت چوں باشی مرا برکنم من پرچمِ خورشید را

ترجمہ:۔ اگرچہ میرے ناخن جاتے رہے لیکن جب حضور میرے (حامی) ہیں تو بھی (مجھ میں اتنا حوصلہ ہے کہ میں آفتاب کا جھنڈا (آسمان سے) اکھاڑ لاؤں۔

مطلب:۔ الٰہی تیری نظرِ عنایت ہو تو میں با ایں بے سروسامانی سب کچھ کر سکتا ہوں۔ حافظؒ ؎

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطفِ خدا بتجمل بنشیند بجلالت برود

ورچہ پرّم رفت چوں بنو ازیم چرخ بازی کم کند در بازیم

ترجمہ:۔ اور اگرچہ میرے پر کٹ گئے مگر جب آپ کی نوازش ہو گی تو آسمان بھی میری پرواز کے آگے بازی

نہیں کر سکے گا۔

مطلب:۔ الٰہی تیری نوازش ہو تو میرا بایں بے دست و پائی بھی کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ کما قیل ۔

تیغے کہ لطفِ حقش از فیض خود دہد آب　　تنہا جہاں بگیرد بے منتِ سپاہے

گر کمر بخشیم کُہ را برکنم؟　　ور دہی کلکے علمہا بشکنم

لغات:۔ کمر سے کمر بند مراد ہے۔ بخشیم بکسر شین۔ میم ضمیر متکلم مفعول بہ یعنی بخشی مرا۔

ترجمہ:۔ اگر تو مجھے کمر بند بخش (کہ میری کمرِ ہمت مضبوط کر) دے تو میں پہاڑ کو اکھیڑ ڈالوں اور اگر تو مجھے ایک کلک (کے برابر نے کا ٹکڑا) دے دے تو میں اسی کی بدولت مخالفوں کے) جھنڈے توڑ ڈالوں۔

مطلب:۔ الٰہی تیری مدد ہو تو شیطان کی کیا بساط ہے جو مجھ پر اپنا داؤ چلا سکے۔ میں اس کی گردن مروڑ دوں کما قال ۔

چوں عنایات شود باما مقیم　　کے بود بیمے ازاں دزدِ لئیم

آخر ازپشہ نہ کم باشد تنم　　ملکِ نمرودی بہ پر برہم زنم

لغات:۔ پشہ مچھر۔ برہم زنم زیر و زبر کردوں۔ نمرودی کی یاء یا تو معروف ہے نسبت کے لیے یا مجہول ہے تنکیر کے لیے۔

ترجمہ:۔ آخر ایک مچھر سے تو میرا جسم کم نہیں (جس نے نمرود کو ہلاک کر دیا تھا۔ پس اگر مجھے بھی تیری تائید میسر ہو تو) میں (بھی) نمرودی بادشاہی (یا کسی نمرود کے سے سرکش بادشاہ کی بادشاہی) کو ایک پر کے ساتھ زیر و زبر کر ڈالوں۔

مطلب:۔ نمرود کا حال اس شرح کے دوسرے حصے میں بھی گزر چکا ہے۔ وہ ایک کافر بادشاہ تھا۔ جو خدائی کا مدعی تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کا اس "چھوٹا منہ بڑی بات" کے جرم کی سزا اس ذلت کے ساتھ دی کہ مچھر جیسے حقیر جانور کو اس پر مسلط کر دیا جو اس کے دماغ میں گھس گیا۔ اور وہ اس میں کلبلاہٹ ڈال دی کہ جب تک نمرود اپنے سر پر دس پندرہ جوتے نہ لگوا لیتا اسے چین نہ آتا۔ یہ اس کی ذلت کا ایک دوسرا سامان تھا۔ آخر اس مچھر نے اس کا کام تمام کیا۔

شیخ عطارؒ ۔

سوئے او خصمے کہ تیر انداختہ　　پشۂ کارش کفایت ساختہ

مطلب:۔ یہ کہ اگر خدا کی مدد ہو تو شیطان کی طاقت کو مغلوب کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

در ضعیفی تو مرا بابیل گیر　　ہر یکے خصمِ مراچوں پیل گیر

لغات:۔ بابیل ابابیل باسقاط ہمزہ جس سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کا جھلڑ مراد ہے۔ اردو میں جو ایک خاص قسم کے سیاہ رنگ کے پرندے کو ابابیل کہتے ہیں۔ یہ اردو ہی کی ایجاد ہے۔ عربی میں اس پرندے کا یہ نام نہیں ہے۔ اس کو عربی میں خطاف کہتے ہیں اور اصحابِ فیل کے قصے میں جو ابابیل کا نام آتا ہے وہ یہ اردو کی ابابیلیں نہیں ہیں بلکہ چھوٹی چڑیوں کے جھلڑ مراد ہیں۔ اس شعر میں اصحابِ فیل کے قصے کی طرف اشارہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یمن کے ایک عیسائی بادشاہ نے جس کا نام ابرہۃ الاشرم تھا۔ خانہ کعبہ کی قبولیتِ عام پر رشک کر کے اس کے جواب میں ایک گرجا تعمیر کیا۔ جو سونے چاندی کی آرائشات سے مزین کیا گیا اور اس کی زیارت کے لیے اہلِ عالم کو دعوت دی کسی من چلے نے ایک رات موقع پا کر اس کی زریں دیواروں کو گندگی سے آلودہ کر دیا ابرہہ یہ حالت دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور اس کو معتقدانِ کعبہ کی حرکت سمجھ کر انہدامِ کعبہ کے ارادہ سے کوہ تمثال ہاتھیوں کا ایک غول اور ایک فوجِ گراں ساتھ لے کر چل پڑا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر وادیِ محسر میں

ڈیرہ ڈال دیا اور آخران دشمنانِ کعبہ کی سرکوبی کے لیے رب کعبہ کی غیرت نے کروٹ لی۔ دیکھتے دیکھتے آسمان سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول نمودار ہوئے۔ جن کی چونچوں میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے تھے۔ وہ انھوں نے اہلِ فوج پر برسانے شروع کیے۔ جن کے اثر سے اہلِ فوج ایک قسم کے مہلک پھوڑے کے نکلنے سے مرنے شروع ہوئے۔ ہاتھی گھوڑے، سپاہی سب کا سب کا ستھراؤ ہوگیا۔ اس وادی کا نام محسر یعنی حسرت ناک وادی اسی وقت سے مشہور ہوا ہے۔ تمام لاؤ لشکر میں سے صرف چند جانیں بچیں۔ جن میں سالارِ فوج ابرہہ بھی شامل تھا یہ لوگ بدحواسی کے عالم میں بھاگ کر یمن پہنچے تو پنجۂ اجل نے ان کی گردن وہاں جا ناپی۔

ترجمہ:۔ آپ مجھ کو کمزوری میں ابابیل (چھوٹی چڑیوں کے برابر) ہی سمجھ لیں اور میرے ہر مخالف کو ہاتھی کی مثل ہی فرض کر لیں۔

قدرِ فندق افگنم بندق خریق بندقم در فعل صد چوں منجنیق

لغات:۔ فندق۔ بضم ایک خشک میوہ بادام سے ملتا جلتا۔ مگر اس سے چھوٹا اور کسی قدر گول۔ بندق بضمِ باء گولی۔ خریق پھاڑنے والی۔ منجنیق بفتحِ میم و کسرۂ نون۔ اگلے زمانے میں ایک آلہ ہوتا تھا جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر گرائے جاتے تھے تاکہ اس کی دیوار توڑی جائے۔

ترجمہ:۔ میں فندق کی مقدار میں گولی پھینکوں گا۔ جو پھاڑنے والی ہوگی۔ میری گولی (دیوارشکنی کا) کام کرنے میں سو منجنیق کے برابر ہوگی۔

نوٹ:۔ تمام نسخوں میں صد چوں منجنیق درج ہے۔ اگرچہ یہ ترکیب بھی بتکلف درست ٹھہر جاتی ہے مگر اس کے بجائے چوں صد منجنیق ہوتا تو زیادہ صاف تھا۔

گرچہ سنگم ہست مقدارِ نخود لیک در ہیجا نہ سر ماند نہ خود

لغات:۔ نَخود۔ چنا ہیجا جنگ :معرکہ۔ خَود بروزن عود آہنی ٹوپی جو جنگ میں پہنتے تھے۔

ترجمہ:۔ اگرچہ میری یہ پتھری چنے کے برابر ہے۔ مگر لڑائی میں اس کی ضرب سے مخالف کا نہ سر (سلامت) رہتا ہے نہ خود۔

نوٹ:۔ وہی اصحابِ فیل کے حالات کا استعارہ چلا جاتا ہے اور بظاہر باز کی بادشاہ سے التجا ہے مگر مراد اس سے بارگاہِ حق میں ایک بندے کی مناجات و دعا ہے۔

موسیٰؑ آمد در وغا بایک عصاش زد براں فرعون و برشمشیر ہاش

ترجمہ:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو (فرعون کے) معرکہ میں اپنی (صرف) ایک لاٹھی کے ساتھ آئے تھے (اور وہی لاٹھی) فرعون اور اس کی تلواروں کے خلاف چلائی (تو کامیاب تھے)۔

مطلب:۔ الٰہی اسی طرح تیری تائید و توفیق میرے شاملِ حال ہو تو میں بھی شیاطین کی طاقت پر غالب آسکتا ہوں۔

ہر رسولے یک تنہ کاں در زدست بر ہمہ آفاق تنہا بر زدست

لغات:۔ یک تنہ تنہا، اکیلا۔ زد کے معنی پہلے مصرعہ میں داخل ہوا اور دوسرے مصرعہ میں تاخت و تاراج کیا کیونکہ زدن

کے بہت سے معنی ہیں جن میں داخل شدن اور تاخت کرن بھی ہیں۔
ترجمہ:۔ جس پیغمبر نے تن تنہا (جہاد کے) اس دروازے میں قدم رکھا ہے وہ اکیلا سارے عالم پر غالب آیا ہے۔ اقبال مرحومؒ۔

درد عائے نصرت آمیں تیغ او قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغ او

نوح چوں شمشیر در خواہید ازو موجِ طوفاں کرد حق شمشیرِ او

ترجمہ:۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے بھی جب اس سے (یعنی حق تعالیٰ سے) تیغ (نصرت) طلب کی تو حق تعالیٰ نے موجِ طوفان کو ان کی تلوار بنا دیا۔ (جس نے ان کے مخالفوں کو فنا کر دیا)۔

مطلب:۔ حضرت نوح علیہ السلام کے شمشیر طلب کرنے سے ان کی یہ دعا مراد ہے رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ "اے میرے پروردگار میری قوم نے مجھے جھٹلایا پس میرا اور ان کا اچھی طرح فیصلہ کر دے اور مجھ کو اور میرے ہمراہی مومنوں کو نجات دے" (شعراء ع ۶) رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًاo "اے میرے پروردگار زمین پر ان کافروں میں سے ایک بھی بسنے والا نہ چھوڑ" (نوح ع ۲) اللہ تعالیٰ نے ایک طوفانِ آب میں ان کے مخالف کافروں کو غرق کر دیا۔ چنانچہ فرمایا۔ مِمَّا خَطِیْٓئٰتِھِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًاo "قومِ نوحؑ کے لوگ اپنی خطاؤں کے سبب ڈبو دیے گئے پھر دوزخ میں داخل کیے گئے" (نوح ع ۲)

یہاں حضرت موسیٰ اور حضرت نوح وغیرہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے لیے نصرتِ الٰہی اور دنیا پر ان کے غلبہ کا ذکر بزبانِ ایک مناجات کرنے والے بندے کی زبان سے چل رہا تھا۔ اب جناب نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلبہ و نصرت کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ مگر چونکہ آپ پر ایک حالت طاری ہے۔ اس لیے سابقہ پیرایۂ بیان سے انتقال فرما کر اس کو حق تعالیٰ کے قول سے شروع کرتے ہیں۔

احمدا! خود کیست اسپاہِ زمیں ماہ بیں بر چرخ و بشگافش جبیں

لغات:۔ اسپاہ سپاہ الف زائد ہے۔ جیسے اسوار میں جبیں پیشانی۔
ترجمہ:۔ (حق تعالیٰ فرماتا ہے) اے احمدِ مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کرہ ارض کی فوج کیا حقیقت رکھتی ہے (آپ کو وہ قدرت دی گئی ہے کہ آسمان پر چاند کو تاکو۔ اور (اپنے تیرِ اشارہ سے) اس کی پیشانی کو چھید ڈالو (یعنی اس کے دو ٹکڑے کر دو)۔ امیر خسروؒ۔

بر سرِ مہ بر نزد چوں تو کسے تیر زانکہ نیست زنون و القلم تیر و کمان ہمہ

تابد اند سعد و نحسِ بے خبر دورِ تست ایں دور نے دورِ قمر

لغات:۔ دورِ قمر چاند کا زمانہ۔ اصطلاح میں حضرت آدمؑ کے زمانے سے لے کر آج تک دورِ قمر کہلاتا ہے ہر کوکب سیارہ کا دور سات ہزار سال کا ہوتا ہے اور دورِ قمر سب سے آخری دور ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس دور کے شروع میں پیدا ہوئے

مگر یہاں دورِ قمر سے مراد وہ جاہلیت کا زمانہ ہے جس میں تاثیراتِ کواکب کے توہمات اور اہلِ نجوم کے باطل خیالات کے چرچے ہوں۔

ترکیب:۔ بے خبر صرف نحس کی صفت ہے نہ کہ سعد کی بھی۔

ترجمہ:۔ تاکہ ہر سعادت مند کو اور بدبخت جاہل کو معلوم ہو جائے کہ (یہ) آپ کا زمانہ ہے (جس میں توکل وتسلیم اور صبر ورضا کی تعلیم عام ہے) دورِ قمر نہیں ہے (جس میں لوگوں نے سیرِ کواکب کو مدارِ عمل بنا رکھا تھا)۔

دورِ تست ایرا کہ موسیٰ کلیمؑ آرزو مے بردزیں دورت مقیم

لغات:۔ ایرا کہ بکسر ہمزہ بمعنی زیرا کہ کلمۂ تعلیل ہے۔ بعض نسخوں میں آنرا کہ بمد الف ونون غنہ اسم موصول ہے ہمارے قلمی نسخے میں بھی نون کے ساتھ ہے۔

ترکیب:۔ ایرا کہ کلمۂ تعلیل کی صورت میں موسیٰ کلیم الخ جملہ فعلیہ علت اور دورِ تست اس کا معلول آنرا کہ اسم موصول کی صورت میں دورِ تست خبر مقدم آنرا کہ اسم موصول اور موسیٰ کلیم الخ اس کا صلہ مل کر مبتدا موخر ہوا۔ دوسرے مصرعہ میں شدے فعل ناقص محذوف ہے۔

ترجمہ(۱):۔ (اے پیغمبر یہ) آپ کا ہی دور ہے۔ اسی لیے تو موسیٰ کلیم علیہ السلام آرزو کرتے تھے کہ اس دور میں مقیم ہوتے (ورنہ وہ دورِ قمر کی آرزو کیوں کرتے)۔

ترجمہ(۲):۔ (اے پیغمبر) جس کی موسیٰ کلیم علیہ السلام آرزو کیا کرتے تھے کہ وہ اس دور میں مقیم ہوتے وہ یہی آپ کا دور ہے۔

مطلب:۔ صاحب کلید لکھتے ہیں کہ یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک حدیث کی طرف جو کہ ابونعیم نے حلیہ میں روایت کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ **عن انسؓ فی حدیث طویل قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اللّٰہ تعالٰی یا موسیٰ قل لبنی اسرائیل انہ من لقینی وھو جاھد باحمد ادخلتہ النار ولو کان ابراھیم خلیلی و موسیٰ کلیمی قال ومن احمد قال یا موسیٰ و عزتی وجلالی ماخلقت خلقا اکرم علی منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان اخلق السموت والارض والشمس والقمر بالفی الف سنۃ و عزتی وجلالی ان الجنۃ لمحرمۃ علی جمیع خلقی حتیٰ یدخلھا محمدٌ وامتہ قال موسیٰ ومن امتہ قال الحمادون یحمدون اللّٰہ صعودا و ھبوطا وعلیٰ کل حال یشدون اوساطھم و یطھرون اطرافھم صائمون بالنھار رھبان با لیل اقبل منھم الیسیر و ادخلھم الجنۃ بشھادۃ ان لا الہ الا اللّٰہ قال موسیٰ یارب اجعلنی نبی تلک الامۃ قال نبیھا منھا قال فاجعلنی من امتہ قال استقدمت و استاخر ساجمع بینک و بینہ فی دار الجلال رواہ فی الحلیۃ** حدیث یعنی انسؓ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ جو شخص میرے پاس ایسے حال میں آئے گا کہ احمد(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کا منکر تھا میں اس کو دوزخ میں جھونک دوں گا۔ خواہ وہ میرے خلیل ابراہیم(علیہ السلام)اور میرے کلیم موسیٰ(علیہ السلام)ہی کیوں نہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ یہ احمد کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ قسم ہے میری عزت اور جلال کی کہ میں نے کوئی مخلوق ان سے زیادہ مکرم پیدا نہیں کی اور ان کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش میں آسمان وزمین وشمس وقمر کے پیدا کرنے سے بیس لاکھ سال

پہلے لکھ چکا ہوں اور قسم ہے مجھے اپنی عزت اور جلال کی جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو لیں گے۔ اس وقت تک جنت میری تمام مخلوق پر حرام ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ان کی امت کون ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ کی حمد کرتے ہیں ہر حالت میں چڑھتے ہوئے اور اترتے ہوئے بھی اور عبادت کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں اور اپنے ہاتھ منہ وغیرہ پاک رکھتے ہیں دن کو روزہ رکھنے والے ہیں اور رات کو عابد و زاہد ہوں گے میں ان کی تھوڑی سی عبادت بھی قبول کرلوں گا اور ان کو (صرف) لا الہ الا اللہ کہنے پر بھی جنت میں داخل کرلوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تو پھر مجھے اس امت کا نبی کر دیجیے۔ ارشاد ہوا کہ اس کا نبی تو انہی میں سے ہوگا۔ پھر عرض کیا کہ اچھا مجھے ان کی امت ہی میں شامل کر دیجیے۔ ارشاد ہوا کہ تم پہلے ہو گئے ہو اور وہ بعد میں آئیں گے لیکن میں تم کو اور ان کو دارالجلال میں جمع کر دوں گا اس کو حلیہ میں روایت کیا ہے۔ انتہیٰ۔

چونکہ موسیٰؑ رونقِ دورِ تو دید کاندرو صبحِ تجلی مے دمید
گفت یا رب ایں چہ دورِ رحمت ست آں گذشت از رحمت اینجا رویت ست
غوطہ دہ موسیِ خود را در بحار از میانِ دورۂ احمدؐ برار

ترجمہ:۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے (کشف سے یا بمضوائے حدیث مذکور حق تعالیٰ کے ارشاد سے) آپ کے دور کی رونق دیکھی کہ اس میں تجلیِ حق کی صبح روشن ہے تو (بارگاہِ حق میں) عرض کیا۔ الٰہی! یہ کیسا رحمت کا زمانہ ہے (بلکہ) رحمت تو رہی درکنار یہاں (تو وفورِ تجلیات اور کثرتِ قرب سے) رویت حاصل ہے۔ الٰہی! اپنے (بندے) موسیٰ کو (بھی) ان (رحمت کے) دریاؤں میں مستغرق کر دے اور احمد (مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زمانے میں پیدا کر دے۔

گفت یا موسیٰ بداں بنمودمت راہِ آں خلوت بداں بکشودمت
کہ توزاں دوری دریں دور اے کلیم پابکش زیرا دراز ست ایں گلیم

ترجمہ:۔ (بارگاہِ احدیت سے) ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ (اس زمانے کا نقشہ) میں نے تم کو اس لیے دکھایا ہے (اور) اس خلوت کا راستہ تم پر اس لیے کھولا ہے کہ تم موجودہ زمانے میں ہونے کے باوجود اسی زمانہ (مستقبل) کے ساتھ خاص نسبت رکھتے ہو۔ (ہاں ہاں خوب) پاؤں پھیلاؤ۔ کیونکہ یہ کمبل دراز ہے۔

مطلب:۔ حق تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ ہمارا دریائے رحمت وسیع ہے۔ لہٰذا تم اپنے زمانے میں ہو کر بھی بعثت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور کی برکات حاصل کر سکتے ہو۔ حصولِ برکات کے لیے اس زمانہ مستقبل میں پیدا ہونے کی ضرورت نہیں۔ قال بعضہم۔

در حوصلہ ذرہ ز خورشید چہ گنجد درجنب عطائے تو چہ باشد طلبِ ما
من کریم ناں نمایم بندہ را تا بگریاند طمع آں زندہ را

ترجمہ:۔ میں کریم ہوں بندہ کو روٹی دکھا دیتا ہوں تا کہ (اسے یہ روٹی دیکھ کر حرص دامن گیر ہو اور (وہ) حرص اس ذی حیات کو (شدتِ شوق سے) رونے پر مجبور کر دے۔

مطلب :۔ ہمارا مقصد تو یہی ہے کہ بندوں پر اپنا فضل و کرم مبذول کریں۔ مگر ہم پہلے ایک نعمت دکھا کر اس کے شوق کو برانگیختہ کر دیا کرتے ہیں تاکہ اُس کے دل میں اس کی قدر پیدا ہو۔ پھر وہ نعمت اس کو دے دیتے ہیں۔ جس کو وہ قدر کے ساتھ لیتا ہے اور شکر بجالاتا ہے۔ شیخ عطارؒ ؎

شکرِ نعمت را کمالے میدہد غافلاں را گوشمالے میدہد
شکر ناکردن زوالِ نعمت ست بہرۂ شاکر کمالِ نعمت ست

بینی طفلے بمالد مادرے تاشود بیدار وا جوید خورے

لغات :۔ وا حرفِ زائد ہے۔ خَور خوراک، غذا۔

ترجمہ :۔ (دیکھو) ایک ماں (اپنے) بچے کی ناک کو اس لیے ملتی ہے کہ وہ بیدار ہو جائے (اور) خوراک طلب کرے۔

کو گرسنہ خفتہ باشد بے خبر واں دو پستاں مے خلد از بہرِ دَر

لغات :۔ گُرسنہ بھوکا۔ مے خلد خلیدن کھجلانا سے۔ دَر بفتحِ دال دودھ۔

ترجمہ :۔ کیونکہ وہ (بچہ) بے خبر بھوکا سو رہا ہوتا ہے اور ادھر (ماں کے) دونوں پستانوں میں (بتقاضائے شفقت) دودھ کے جوش سے گدگدی پیدا ہو رہی ہے۔

مطلب :۔ بچہ تو چپ چاپ اور بھوک کی تکلیف سے بے پروا سو رہا ہے مگر ماں کی مامتا گوارا نہیں کرتی کہ اس کا دلبند بھوکا پڑا رہے۔ اس لیے طبعاً اس کے پستانوں میں گدگدی پیدا ہوتی ہے تاکہ بچہ دودھ پیے۔ چنانچہ وہ بچے کی ناک مل کر اسے جگا دیتی ہے بچہ چونک کر رونے لگتا ہے تو ماں جھٹ اس کے منہ میں پستان دے دیتی ہے۔ اسی طرح بندہ خدا کی نعمتوں سے بے خبر اور ان کی طلب سے بے پروا ہوتا ہے۔ خود رحمتِ حق کا دریا جوش میں آتا ہے اور کسی نہ کسی طرح بندے کی رگِ اشتیاق کو حرکت میں لاتی ہے۔ جب وہ الحاح و تضرع سے مانگتا ہے۔ تو حق تعالیٰ اسے اس کی مطلوبہ نعمت دے دیتا ہے آگے یہی مضمون ہے۔

کُنْتُ کَنْزًا رَحْمَۃً مَخْفِیَّۃً فَانْبَعَثْتُ اُمَّۃً مَھْدِیَّۃً

لغات :۔ کنز خزانہ مخفیہ چھپا ہوا۔ اِنْبَعَثْتُ بمعنی بَعَثْتُ ہے۔ کیونکہ انبعاث مصدر لازمی برانگیختہ ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں بعث مصدر متعدی بمعنی پیدا کردن و آفریدن مراد ہے۔ مہدیؔ بفتح میم ہدایت یافتہ۔

ترجمہ :۔ میں ایک خزانہ یعنی رحمتِ مخفی تھا تو میں نے ایک ہدایت یافتہ امت (یعنی امتِ محمدیہ) پیدا کی۔

مطلب :۔ حق تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا دریا جوش میں آیا۔ تو قدرتِ حق امتِ محمدیہ کی آفرینش کی مقتضی ہوئی کیونکہ یہی امت معرفت میں کمال رکھتی ہے اور اس کی آفرینش تمام امتوں کی آفرینش سے زیادہ مقصود تھی۔ یہ کلمات اس مشہور حدیث قدسی سے مقتبس ہیں۔ کنت کنزاً مخفیا فاجبت ان اعرف فخلقت الخلق یعنی میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پھر مجھے خواہش ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا اس حدیث کی صحت کے متعلق مفتاح العلوم کے پہلے حصے میں بحث گزر چکی ہے۔ آگے مولانا حسبِ عادت نصیحت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ہر کراماتے کہ مے جوئی بجاں او نمودت تا طمع داری دراں

ترجمہ :۔ جن عطیات کو تم (دل و) جان سے چاہتے ہو۔ وہ اس نے تم کو اسی لیے دکھا دیے ہیں تاکہ تمھیں ان کی حرص

ہو جائے۔

چند بت بشکست احمدؐ در جہاں تاکہ یارب گوئے گشتند امتاں

ترجمہ:۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں (مبعوث ہو کر) چند بت توڑے (اور توحید کو تازہ کیا) تو اقوامِ عالم خدا کا کلمہ (توحید) پڑھنے لگیں۔

مطلب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمالِ مقدس۔ آپ کی بعثت مبارک آپ کے اعلیٰ کارنامے یہ ساری خداوند تعالیٰ کی نعمتیں تھیں۔ جن کو دیکھ کر بندے مشتاق ہو گئے اور ان کی جماعتوں کی جماعتیں ان نعمتوں سے متمتع ہونے کی غرض سے دینِ حق میں داخل ہونے لگیں۔ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا صائبؒ ؎

ہر کجاست بتے سنگِ فلاخن سازند گر بہ بینند گل روئے ترا برہمناں

گر نبودے کوششِ احمد تو ہم مے پرستیدی چو اجدادت صنم

لغات:۔ اجداد جمع جد دادا، دادا پر دادا، بزرگان سلف۔ صنم بت، مورتی۔

ترجمہ:۔ اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش بروئے کار نہ آتی تو تو بھی اپنے بزرگوں کی طرح مورتی پوجا میں لگا رہتا۔

مطلب:۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا لوگ نہ دیکھنے پاتے اور آپؐ کے مرغوب و دلنشین کارنامے لوگوں کے پیشِ نظر نہ ہوتے تو کیوں کسی کو دینِ حق میں آنے اور بت پرستی سے بیزار ہونے کا موقع ملتا۔ اسی طرح بت پرستی عام رائج رہتی اور آج تم بھی پرستارانِ اصنام میں شامل نظر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے دیدارِ جمالِ نبوی سے لوگوں کو مشتاقِ دین بنایا تو دینِ حق کی اشاعت ہوئی اور بت پرستی کا طلسم ٹوٹا بلکہ تمام باقی ادیان پر قلمِ نسخ پھر گیا۔ سعدیؒ ؎

بہ لا قامتِ لات بشکست خرد باعزازِ دین آبِ عزیٰ ببرد
نہ از لات و عزیٰ بر آورد گرد کہ توریت و انجیل منسوخ کرد

ایں سرت و ارست از سجدہ صنم تابدانی حقِ اورا بر امم

لغات:۔ سجدہ صنم۔ مرکب اضافی بفکِ اضافت تا بمعنی پس مفید تفریع نہ کہ تعلیلیہ ورنہ شعر کے معنی ٹھیک نہیں ہوں گے۔ بدانی بمعنی بداں صیغہ امر ہے نہ کہ فعل مضارع مفید خبر فلا یستقیم المعنی۔

ترجمہ:۔ تیرا یہ سر بت کی پوجا سے نجات پا گیا۔ پس تم کو حضورؐ کا حق تمام اقوام پر دیکھنا چاہیے (کہ کس قدر بڑا ہے جنھوں نے آپ کے طفیل ہدایت پائی) صائبؒ ؎

خاکِ سیہ روز را شمعِ شبستان توئی نہ صدفِ چرخ را گوہرِ رخشاں توئی
ہر چہ بزیرِ فلک ہست طفیلِ تست مائدۂ عشق را نادرہ مہماں توئی

گر بگوئی شکر ایں رستن بگو کز بتِ باطن ہمت برہاند او

لغات:۔ کز بت میں کاف تعلیلیہ ہے۔ ہمت ہم ترا۔ برہاند۔ بفتح نون فعل مضارع ہے نہ کہ ماضی بنون غنہ۔

ترجمہ:۔ اگر تم اس نعمتِ رستگاری کا شکر کرتے ہو تو (ضرور) کرو تاکہ وہ (شکر) باطنی بت سے بھی تم کو چھڑا دے۔

مطلب :۔ عبادتِ اصنام کی لعنت سے نجات دلانا تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اسی کا شکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ مگر چونکہ یہ نعمتِ نجات ہم کو بتوسل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملی ہے۔ لہٰذا ان کا شکر بھی واجب ہے اور شکر کی صورت یہ ہے کہ آپ کا پورا اتباع کیا جائے۔ آپؐ کے اتباع کی برکت سے اتباعِ نفس سے بھی نجات مل جائے گی۔ جو باطن کا بت ہے اور وہ پتھر کے ظاہری بت سے زیادہ خطرناک و مضرت رساں ہے۔ نفس پرستی سنگ پرستی سے بدتر بلکہ سگ پرستی کے برابر ہے غنیمت غفرلہٗ۔

الا اے سربہ پیش افگندہ خویش اسیرِ نفسِ خویش و بندہ خویش

ہوس را مرشدِ خود کردہ حیف بلائے در بغل پروردہ حیف

مرید نفس دوں گرویدن از چیست ندانم سگ پرستی مذہب کیست؟

مر سرت راچوں رہانید از بتاں ہم بداں قوت تو دل را وارہاں

ترجمہ :۔ جب (تم نے حضورؐ کا اتباع کیا۔ تو) انھوں نے تم کو بتوں کی پوجا سے نجات دلا دی تو تم اسی (اتباع کی) قوت سے دل کو بھی (بتِ نفس کے تعلق سے) چھڑالو۔

مطلب :۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ "اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کے کہنے پر چلے اس نے بڑی مراد پائی"۔ (احزاب ع ۹) فوزاً عَظِيْمًا میں نعمت نجات وغیرہ ساری نعمتیں آ گئیں۔ حافظؒ ؎

سزد کز خاتمِ لعلش زنم لافِ سلیمانی چو اسمِ اعظم باشد چہ باک از اہرمن دارم

سر ز شکرِ دیں ازاں بر تافتی کہ از پدرت میراث مفتش یافتی

ترجمہ :۔ (دولت) دین (کے حصول پر شارعِ دینِ اسلام علیہ السلام) کا شکر ادا کرنے سے تم اس لیے بے پروا ہو کہ اس (دولت) کو تم نے باپ سے مفت کا ورثہ پایا ہے۔

مرد میراثی چہ داند قدرِ مال رُستمے جاں کند مجّاں یافت زال

لغات :۔ میراثی ورثہ پانے والا۔ رستم ایرانِ قدیم کا مشہور فوجی افسر جس کی بہادری فارسی ادبیات میں ضرب المثل ہے۔ مجاںَ مفت۔ زالؔ بڑھیا، پیرزن۔ رستم کے باپ کا نام بھی زال تھا۔ زال کے لفظ میں ایہام تناسب ہے۔

ترجمہ :۔ ورثہ خوار آدمی (جو) مال (پاتا ہے۔ وہ اس) کی قدر کیا جانے۔ ایک رستم (کا سا باہمت آدمی تو مال کے کمانے میں اپنی جان کھپاتا ہے اور ایک بڑھیا کو (وہ مال) مفت (بلامحنت) مل جاتا ہے۔

مطلب :۔ دولتِ ایمان اور نعمتِ دین کی قدر وہ سابقون الاولون ہی جانتے ہیں۔ جنھوں نے جفائے اخوان، جورِ جیران، فوتِ مطالب، اضاعتِ اموال، ترکِ وطن وغیرہ مصائب اور جنگ و جدل، تیغ زنی و جان فروشی کی مشکلات کے بعد اس کو پایا ہے اور ان کی اولاد اس دولت کی قدر کیا جانے جنھوں نے مہدِ راحت اور آغوشِ عیش میں طوطی وار حق اللہ پاک ذات اللہ کی بولی رٹتے آنکھیں کھولی ہیں۔ سعدیؒ ؎

فرق ست میانِ آنکہ یارش دربر باآنکہ دو چشم انتظارش در در

اوپر ذکر تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے عہدِ محمدی میں پیدا ہونے کی آرزو کی تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے دانستہ تمھارے اس

شوق کو برانگیختہ کیا ہے تاکہ تمہارا وفورِ شوق ہماری عطائے نعمت کا باعث ہو جائے اور فرمایا تھا۔

من کریم زاں نمایم بندہ را تا بگرِیاند طمع آں زندہ را

اسی ضمن میں امت محمدیہ کا آنحضرتؐ کے لیے ممنون ہدایت ہونے کا بیان آ گیا۔ اب پھر اسی گریۂ شائق کے ذکر کو چھیڑتے ہیں۔

چوں بگریانم بجوش شد رحمتم آں خروشندہ بنوشد نعمتم

لغات:۔ خروشندہ نالہ وزاری کرنے والا۔ نعمتم مرکب اضافی نہیں ہے بلکہ جملہ اسمیہ بمعنی ہستم ہے۔

ترجمہ:۔ جب میں (بندے کو شوقِ نعمت سے بیتاب کر کے) رلا دیتا ہوں تو میری رحمت جوش میں آ جاتی ہے (اور) وہ رونے والا (نعمت کو زبانِ حال سے یوں پکارتے) سن لیتا ہے کہ (اے لو) میں (تمہاری مطلوبہ) نعمت (آ گئی) ہوں۔

مطلب:۔ ملتجی متضرع کے گریہ سے خدا کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے اور پھر اس کے حکم سے اس سائل کی مراد بر آتی ہے حافظؒ۔

گریہ شام و سحر شکر کہ ضائع نگشت قطرۂ بارانِ ما گوہر یک دانہ شد

گر بخواہم دادِ خود بنمایمش چونش کردم بستہ دل بکشایمش

ترجمہ:۔ اگر مجھے (اس نعمت کا) دینا منظور ہوتا ہے تو اس (بندے) کو (وہ نعمت) دکھا دیتا ہوں۔ جب سے (اس کے حصول کے شوق میں) تنگ دل بنالیتا ہوں تو پھر (عطا کر کے) اس (کے دل) کو کشادہ کر دیتا ہوں۔

اختلاف:۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ ہر دو فعل منفی پر مشتمل ہے یعنی گرنخواہم و اوخود نمایش درج ہے۔ جس کے معنی یوں ہیں کہ اگر اس نعمت کا دینا مجھے منظور نہیں ہوتا تو میں اس کو دکھاتا ہی نہیں۔ اس سے بھی مطلب وہی نکلتا ہے۔

رحمتم موقوفِ آں خوش گریہاست چوں گرست از بحرِ رحمت موج خاست

لغات:۔ خوش گریہ میں کلمہ خوش کثرت وشدت کا افادہ کرتا ہے۔ گرست گریست باسقاطِ یاء۔

ترجمہ:۔ میری رحمت اس گریہائے کثیرہ پر موقوف ہے۔ (جو دردِ دل سے ہوں) جب بندہ روتا ہے تو رحمت کے دریا سے موج اٹھنے لگتی ہے۔ صائبؒ۔

بے گریہ مباش کہ شبنم بطرف باغ برگل ز فیضِ دیدۂ تردست یافت ست

تا نگرید ابر کے خندد چمن تا نگرید طفل کے جوشد لبن

صنائع:۔ گریہ وخندہ کے ذکر میں صنعتِ تضاد ہے۔ گریۂ ابر نزولِ باران سے اور خندۂ چمن اس کی تری وتازگی سے کنایہ ہے۔

ترجمہ:۔ جب تک بادل (اپنی بوندوں کے) آنسو نہ بہائے چمن کب تر وتازہ ہوتا ہے۔ جب تک بچہ نہ روئے (اس کی ماں کے پستانوں میں) دودھ کب جوش میں آتا ہے۔ صائبؒ۔

گریہادر پردہ دارد خندہ ہائے بے شمار خندۂ بے اختیارِ برق باراں آورد

حلوا خریدنِ شیخ احمد خضرویہ جہتِ غریمان بالہامِ حق تعالیٰ

شیخ احمد خضرویہ کا بالہامِ حق تعالیٰ (اپنے) قرض خواہوں کے لیے حلوا خرید کرنا

بود شیخے دائما او وا مدار از جوانمردی کہ بود او نامدار

لغات: وام قرض۔ وامدار قرضدار۔ جوانمردی سخاوت، کرم، فیاضی۔ نامدار مشہور۔

ترکیب:۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ شیخ بود کہ از جوانمردی خود کہ درو نامدار بود دائما وامدار میماند۔ پس ''کہ بود او نامدار'' بیان ہے جوانمردی کا اور جوانمردی علت ہے وامدار کی حرف از تعلیلیہ ہے اور کاف بیانیہ۔ بعض شارحین نے ترجمہ میں اس کاف کو تعلیلیہ بنانے میں غلطی کی ہے۔

ترجمہ:۔ ایک بزرگ تھے جو اپنی فیاضی کے سبب سے جس میں ان کی (خاص) شہرت تھی۔ اکثر قرضدار رہا کرتے۔

دہ ہزاراں وام کردے از مہاں خرج کردے بر فقیرانِ جہاں

لغات:۔ دہ ہزاراں دس دس ہزار، ہزاروں۔ کثرت مراد ہے نہ کہ عددِ مخصوص۔ مہاں جمع مہ کی جس کے معنی ہیں بزرگ مگر یہاں مالی بزرگی کے اعتبار سے سیٹھ ساہوکار اور سرمایہ دار مراد ہیں۔

ترجمہ:۔ وہ ساہوکاروں سے ہزاروں روپیہ قرض کرتے اور (دنیا) جہاں کے فقیروں پر (جو ان کے ہاں آتے) خرچ کرتے۔

ہم بوام او خانقاہے ساختہ خان و مان و خانقاہ درباختہ

ترجمہ:۔ انھوں نے قرض ہی سے ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔ گھر بار اور خانقاہ (سب کچھ) راہِ خدا میں لگا رکھا تھا۔

احمدِ خضرویہ بودے نامِ او خدمتِ عشاق بودے کامِ او

لغات:۔ خضرویہ بکسرِ خاء و سکون ضاد۔ و واو معروف و فتح یاء۔ خضر کے ساتھ حرف ویہ نسبت کے لیے شامل ہے۔ جیسے شیرویہ میں اور اسی طرح سیبویہ میں مگر اہلِ عربیت اس آخری لفظ کو جو ایک مشہور نحوی کا نام ہے بفتحِ واؤ و سکونِ یا پڑھتے ہیں اور بعض کو شیرویہ کو بھی اسی وزن پر بولتے سنا ہے جو غلط ہے شیخ سعدی بحرِ متقارب میں کہتے ہیں ''شنیدم کہ خسرو بشیرویہ گفت'' نظامیؒ بحرِ ہزج میں فرماتے ہیں۔ چو شیراں بزرگ و شیرویہ نامش۔ کام مراد، مقصود۔

ترجمہ:۔ احمد خضرویہ ان کا نام تھا۔ (اس قرض کرنے سے) عاشقانِ حق کی خدمت ان کو مطلوب تھی۔

وامِ او را حق ز ہر جاے گزارد کرد حق بہرِ خلیلؑ از ریگ آرد

ترجمہ:۔ ان کے قرض کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی جگہ سے ادا کرا دیتا تھا۔ (اور) حق (تعالیٰ سے یہ کیا بعید ہے۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے ریت کا آٹا بنا دیا ہے۔

مطلب:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی اور ان کے خوانِ کرم کی وسعت ضرب المثل ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک قافلہ مہمان ہوا اتفاق سے اُس وقت سامانِ ضیافت کے لیے کوئی چیز گھر میں موجود نہ تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کی برکت
ریت کا آٹا بن گیا

خادم کو چند اونٹ دے کر ارشاد کیا کہ فلاں شخص سے کچھ گیہوں لے کر ان اونٹوں پر لاد لاؤ خادم گیا۔ مگر وہاں سے جواب ملا کہ گیہوں موجود نہیں ہیں۔ خادم اپنا سامنہ لے کر واپس آ رہا تھا تو راستے میں اس نے اس خیال سے کہ خالی اونٹ لے جانا موجب شرم ہوگا۔ بوریوں میں ریت بھر لی۔ جب گھر پہنچا تو حضرت ابراہیمؑ نے بوریوں کو دیکھ کر فرمایا۔ گیہوں معلوم نہیں ہوتے۔ کیا تم آٹا ہی لے آئے خادم نے مہمانوں کے لحاظ سے کچھ جواب نہ دیا اور اس خیال سے کہ اصل حقیقت پھر عرض کر دوں گا۔ خاموش ہو رہا۔ مگر خلیل حقؑ کے کلمات بے اثر رہنے والے تھوڑا تھے۔ چنانچہ جب بوریوں کو کھولا گیا تو سب آٹے سے بھری تھیں۔ (کذافی بحر العلوم)

گف پیغمبرؐ کہ دَر بازار ہا دو فرشتہ مے کند دائم ندا
کاے خدا تو منفقاں رادہ خلف وے خدا تو ممسکاں را دہ تلف

لغات:۔ ندا منادی، دعا۔ منفقاں۔ جمع منفق خرچ کرنے والا، مناسب موقع پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کرنے والا۔ سخی کریم النفس۔ خلف معاوضہ، اجر، نتیجہ۔ ممسکاں جمع ممسک بخیل کنجوس۔ تلف بربادی، تباہی۔

ترجمہ:۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو فرشتے بازاروں میں ہمیشہ یہ ندا کرتے ہیں (ایک کہتا ہے) کہ یا خدا خرچ کرنے والوں کو (ان کی خیرات کا) عوض دے اور (دوسرا کہتا ہے) اے خدا کنجوس کو بربادی دے۔

مطلب:۔ یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے صحیحین میں مروی ہے اور وہ باصل الفاظ مفتاح العلوم کے تیسرے حصے میں پیر جنگی کے قصے کے خاتمے کے قریب درج ہو چکی ہے۔

خاصہ آں منفق کہ جاں انفاق کرد حلقِ خود قربانیِ حلّاق کرد

ترجمہ:۔ خصوصاً وہ خرچ کرنے والا جس نے (خدا کی راہ میں) جان تک خرچ کر ڈالی ہو (اور) اپنے حلق کی خالق برحق کے لیے قربانی دے دی ہو۔ صائبؒ ۔

در راہ ایثار کن ایں خردۂ حیات وانگہ نگاہ کن کہ چہ زرہا ہے دہند

حلق پیش آورد اسماعیلؑ وار کارد برحلقش نیارد کرد گار

لغات:۔ نیارد آوردن کے مصدر سے فعل مضارع منفی ہے۔ جس کا فاعل کردگار ہے۔ لیکن اگر کردگار بکاف تازی ہو اور نیارد کرد بمعنی نتواند کرد ہو تو فعل مضارع آرستن سے مشتق ہوگا۔ جس کے فاعل کارد اور مفعول بہ کار قرار پائے گا۔ پس ترجمہ دو طرح ہوگا۔

ترجمہ:۔ اس (راہِ خدا کے جان نثار) نے حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح اپنا گلا (اس کی راہ میں) پیش کر دیا۔ مگر (۱) حق تعالیٰ اس کے گلے پر چھری کو چلنے نہیں دیتا (۲) چھری اس کے گلے پر کارگر نہیں ہو سکتی۔

پس شہیداں زندہ زاں رویند وخوش تو بداں قالب بمنگر گبروش

لغات:۔ زاں روئند ازاں جہت مستند۔ بمنگر۔ منگر فعل نہی از نگریستن پر باء داخل ہے۔ گبر آتش پرست۔

ترجمہ:۔ پس شہید لوگ اسی لیے زندہ اور خوش ہیں تم (ان کے) اس قالب (خاکی) کو (ایک) آتش پرست کی طرح (بگمانِ بد) نہ دیکھو۔

مطلب:۔ گبر آتش پرست ۔ سے مطلق کافر مراد ہے۔ جس کو دیگر مسلمات شرعیہ کی طرح شہداء کے مدارج اخرویہ پر بھی یقین نہیں ہے اور وہ ان کے جسم خاکی کو ایک قالب بے روح اور محض غذائے مار و مور اور ان کی ارواح کو معدوم سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ بارشاد ربانی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ الخ زندہ ہیں اور نعمائے آخرت سے متمتع اور شاد و مسرور ہیں۔ کما قیل ۔

کنند دفن ازاں رو شہید را با رخت	کہ ہر کہ کشتہ او گشت جامہ نگذارد

جامہ گذاشتن ایک محاورہ ہے وفات پانے کے معنی میں جو عموماً بڑے لوگوں کی وفات کے لیے مستعمل ہے۔

**چوں خلف دادست شاں جانِ بقا	جانِ ایمن از غم و رنج و شقا**

لغات:۔ خلف عوض بدلہ۔ جانِ بقا باقی رہنے والی جان، زندہ جاوید مصدر بمعنی صفت ہے۔ بعض نسخوں میں جو بقا کی بجائے لقا بتائے مثناۃ درج ہے۔ غلط اور بے محل ہے۔

ترکیب:۔ جانِ بقا مبدل منہ اور جانِ ایمن اس کا بدل سارا شعر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے اور دال علی الجزا اوپر کا شعر پس شہیدان الخ ہے۔

ترجمہ:۔ چونکہ اس (خالقِ کائنات) نے ان شہیدوں کو ہمیشہ زندہ رہنے والی جان بطور عوض بخشی ہے۔ ایسی جان جو غم و رنج اور محرومی سے بے خوف ہے۔ (لہٰذا شہید زندۂ جاوید ہیں۔)

**شیخ وامی سالہا ایں کار کرد	مے ستد مے داد ہمچوں پائے مرد**

لغات:۔ وامی منسوب بوام قرض کا عادی۔ پائے مرد مستقل مزاج آدمی، دلیر۔

ترجمہ:۔ (غرض ان) قرض کے عادی بزرگ نے برسوں یہی کام کیا کہ ایک مستقل مزاج آدمی کی طرح لین دین کرتے رہے۔

**تخمہا مے کاشت تا روزِ اجل	تا بود روزِ اجل میرِ اجل**

لغات:۔ اجل موت۔ اجل بتشدید لام بزرگ مگر یہاں بہ تخفیف آیا ہے۔ صنائع: اجل کے لفظوں میں تجنیس تام۔

ترجمہ:۔ وہ مرتے دم تک نیکی کے بیج بوتے رہے تا کہ مرنے کے دن (اپنے نیک اعمال کے اجر میں) ایک سردار بزرگ بن جائیں۔

**چونکہ عمرِ شیخ در آخر رسید	در وجودِ خود نشانِ مرگ دید**

ترجمہ:۔ جب شیخ کی عمر خاتمہ کو پہنچی تو انھوں نے اپنے وجود میں موت (کی آمد) کے نشان ملاحظہ کیے۔

**وامداراں گرد او بنشستہ جمع	شیخ در خود خوش گذاراں ہمچو شمع**

لغات:۔ وامدار قرضخواہ۔ خوش خوب، بکثرت۔ گذاراں پگھلنے والا۔

ترجمہ:۔ قرضخواہ ان کے گرد جمع ہو بیٹھے۔ ادھر شیخ شمع کی طرح اپنے آپ میں خوب گھل رہے تھے۔

**وامداراں گشتہ نومید و ترش	دردِ دلہا یار شد با دردِ شش**

لغات:۔ نومید ناامید۔ ترش ناراض، خفا۔ شش پھیپھڑا۔ ریہ۔ اندرونِ صدر کا خاص عضو ہے۔ لہٰذا ہم اس کا ترجمہ

چھاتی کریں گے۔

ترجمہ:۔ قرضخواہ (کبھی شیخ کی آخری حالت دیکھ کر وصولیِ قرض سے) ناامید (ہو جاتے تھے) اور (کبھی) خفا (ہونے لگتے) تھے۔ (ان کے) دلوں میں ایک ٹیس (اٹھتی تھی) اور ساتھ ہی چھاتی پر سانپ سا لوٹ جاتا تھا۔

شیخ گفت ایں بدگماناں رانگر نیست حق را چار صد دینارِ زر؟

ترجمہ:۔ شیخ نے کہا ان بدگمانوں کو دیکھو۔ کیا (ان کے بقایا کی ادائیگی کے لیے) خدا کے خزانے میں چار سو طلائی دینار بھی نہیں ہیں (جو یہ ناامید ہوئے جاتے ہیں)؟

کودکے حلوا زبیروں بانگ زد لافِ حلوا برامید دانگ زد

ترجمہ:۔ (اتنے میں) ایک لڑکے نے باہر (سڑک پر) آواز دی "حلوا (ترگرم)" اور پیسہ کمانے کی امید پر حلوے کے تعریفی فقرے دہرائے۔

شیخ اشارت کرد خادم را بسر کہ برو آں جملہ حلوا را بخر

ترجمہ:۔ شیخ نے نوکر کو سر کے اشارہ سے فرمایا کہ جاؤ وہ تمام حلوا خرید لو۔

تاغریماں چونکہ آں حلوا خورند یک زمانے تلخ درمن ننگرند

لغات:۔ غریم قرضخواہ۔ صنائع: حلوا اور تلخ کے معنی میں حلاوت و تلخی کا تضاد پُرمزہ ہے۔

ترجمہ:۔ تاکہ جب قرضخواہ اس حلوے کو کھائیں گے تو کچھ دیر تک تو مجھ کو ناراضگی کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

در زماں خادم بروں آمد زدر تاخرد آں جملہ حلوا زاں پسر

ترجمہ:۔ اسی وقت خادم دروازہ سے نکلا تاکہ اس لڑکے سے سارا حلوا خرید لے۔

گفت او را کیں ہمہ حلوا بچند؟ گفت کودک نیم دینارست واند

لغات:۔ اند۔ عددِ مبہم کے لیے کنایہ ہے جو تین سے نو تک کے لیے مستعمل ہے۔

ترجمہ:۔ اس کو کہا۔ یہ سارا حلوا کتنے میں (دوگے)؟ لڑکا بولا۔ کچھ اوپر نصف دینار میں۔

گفت نے از صوفیاں افزوں مجو نیم دینارت دہم دیگر مگو

ترجمہ:۔ (خادم نے) کہا نہیں صوفیوں سے (زیادہ قیمت) نہ مانگو۔ نصف دینار دوں گا (بس) اور کچھ نہ بولو۔

اوطبق بنہاد اندر پیشِ شیخ تو ببیں اسرارِ سرّ اندیشِ شیخ

ترجمہ:۔ (غرض) اس (لڑکے) نے اندر جا کر تھال (کا تھال) شیخ کے آگے رکھ دیا (اب) تم ذرا اس بھید کے سوچنے والے شیخ کے اسرار کو دیکھو۔

کرد اشارت باغریماں کیں نوال نک تبرک خوش خورید ایں را حلال

لغات:۔ نوال عطا، بخشش۔ نک مخفف اینک یہ لو۔ تبرک برکت کی چیز جو کسی بزرگ سے حاصل ہو۔

ترجمہ:۔ شیخ نے قرضخواہوں کو اشارہ کیا کہ یہ عطیہ تبرک ہے۔ اس کو حلال (سمجھ کر) خوب کھاؤ۔

بہرِ فرماں جملگی حلقہ زند خوش ہمیخوروند حلوا ہمچو قند

ترجمہ:۔ سب نے حکم (کی تکمیل) کے لیے حلقہ باندھ لیا (اور) حلوے کو قند کی طرح خوب کھانے لگے۔

چوں طبق خالی شد آں کودک ستد گفت دینارم بدہ اے پُرخرد

ترجمہ:۔ جب تھال خالی ہو گیا تو اس لڑکے نے اٹھا لیا۔ (اور) کہا اے (بزرگ) دانشمند میرا (نصف) دینار عطا فرمائیے۔

شیخ گفتا از کجا آرم درم؟ وام دارم مے روم سوئے عدم

ترجمہ:۔ شیخ نے کہا۔ دام کہاں سے لاؤں؟ میں (تو خود) مقروض ہوں (اور) اب مر رہا ہوں۔

نکتہ:۔ شیخ کا مقصد بالہامِ ربانی یہ تھا کہ بچہ کو مایوس کر کے رلا دیا جائے تا کہ رحمتِ خداوندی جوش میں آ جائے ورنہ اس کے حق کو غصب کرنے کا ارادہ نہ تھا اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ شیخ نے اس کو مایوس کرنے کے لیے کوئی غلط یا جھوٹ بات نہیں کہی۔ مثلاً یوں نہیں کہا کہ جاؤ تم کو کچھ نہیں ملے گا بلکہ کہا تو یہی کہا کہ دام کہاں سے لاؤں میں خود مقروض ہوں۔ مر رہا ہوں اور یہ ساری باتیں سچ بھی تھیں اور ان میں یاس کا بھی پورا سامان تھا۔

کودک از غم زد طبق را بر زمیں نالہ و گریہ بر آورد و حنین

لغات:۔ حنین رونا چلانا نالہ و فریاد کرنا پھوٹ پھوٹ کر رونا۔

ترجمہ:۔ لڑکے نے غم کے مارے تھال کو زمین پر دے مارا اور رونے دھونے چیخنے چلانے لگا۔

نالہ مے کرد و فغان و ہائے ہائے کائے مرا بشکستہ بودے ہر دو پائے

ترجمہ:۔ روتا چلاتا تھا اور ہائے ہائے کرتا تھا (اور کہتا تھا) کہ میرے دونوں پاؤں ہی ٹوٹ گئے ہوتے (تا کہ یہاں نہ آتا)۔

کاشکے من گردِ گلخن گشتمے بردرِ ایں خانقاہ نگذشتمے

ترجمہ:۔ کاش! میں (اپنی حلوا پکانے کی) بھٹی کے آس پاس ہی گشت لگا (کر حلوا فروخت کر) لیتا۔ اور اس خانقاہ کے دروازے پر نہ آتا۔

صوفیانِ طبل خوارِ لقمہ جُو سگ دلاں ہمچو گربہ روئے شُو

لغات:۔ طبل خوار طبل کے معنی ڈھول یعنی کھا کھا کر ڈھول کا سا پیٹ پھلا لینے والا، پرخور، پیٹو۔

صنائع:۔ سگ اور گربہ مناسبات ہیں۔

ترجمہ:۔ (ان) صوفی صاحبان (سے خدا بچائے) جو پیٹو ہیں۔ لقمہ (چرب) کے خواہاں رہتے ہیں۔ کتوں کے سے (حریص) دل رکھتے ہیں (مگر ظاہری شانِ زہد و طہارت دکھانے کے لیے) بلی کی طرح منہ دھوتے ہیں۔

از غریوِ کودک آنجا خیر و شر گرد آمد گشت بر کودک حشر

لغات:۔ غریو شور و غل۔ خیر و شر برے بھلے لوگ۔ حشر۔ بھیڑ بھاڑ۔

ترجمہ:۔ لڑکے کے شور و غوغا سے وہاں بھلے برے (ہر قسم کے) لوگ جمع ہو گئے اور لڑکے کے پاس بھیڑ لگ گئی۔

پیشِ شیخ آمد کہ اے شیخِ درشت تو یقین داں کہ مرا استاد کشت

ترجمہ:۔ (اب تک تو وہ باہر کھڑا رو رہا تھا۔ اب) شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے شیخ سنگ دل! (اگر میں قیمت سے خالی ہاتھ گیا تو) تم یقین رکھو کہ مجھ کو استاد نے مار ہی ڈالا (یعنی میرا مارا جانا یقینی ہے)۔

گر برِ استا روم دست تہی او مرا بکشد اجازت میدہی؟

لغات:۔ استا مخفف استاد۔ دست تہی میں اضافت نہیں ہے بلکہ یہ مرکب غیر امتزاجی بمعنی تہیدست ہے۔

ترجمہ:۔ اگر میں (اپنے) استاد کے پاس خالی ہاتھ گیا تو مجھے (جان سے) مار ڈالے گا۔ کیا تم اس کو جائز رکھتے ہو؟

واں غریماں ہم بانکار و جحود رُو بشیخ آوردکایں بازی چہ بود؟

لغات:۔ جحود دیدہ دانستہ انکار کرنا آورد بمعنی آوردند صیغہ جمع مراد ہے۔

ترجمہ:۔ اور (ادھر) وہ قرضخواہ بھی ردوکد کے لہجے میں شیخ سے مخاطب ہوئے (اور کہا) کہ (حضرت) یہ کیا کھیل تھا (جو آپ نے کھیل کر دکھایا؟ یعنی ہمارا تو قرض تھا ہی یہ ایک اور شاخسانہ نکال کھڑا کیا کہ اس لڑکے کا حلوا ہم کو کھلا دیا اور یہ بیٹھک پیا پچوادی)

مالِ ماخوردی مظالم میبری از چہ بود ایں ظلم دیگر برسری؟

لغات:۔ مظالم حقوق مطالبات۔ برسری علاوہ۔

ترجمہ:۔ ہمارا مال تو ہضم کیا ہی تھا اور (ہمارے) مطالبات کو (ادا کیے بدوں ملکِ عدم میں اپنے ساتھ) لیے جا رہے ہو۔ یہ ایک اور ظلم اس کے علاوہ کس لیے ہوا؟

تا نمازِ دیگر آں کودک گریست شیخ دیدہ بست و بروے ننگریست

لغات:۔ نمازِ دیگر عصر کی نماز۔ دیدہ آنکھ۔

ترجمہ:۔ عصر کی نماز تک وہ لڑکا روتا رہا۔ شیخ نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کو دیکھا تک نہیں۔

شیخ فارغ از جفا و از خلاف درکشیدہ روے چوں مہ در لحاف

ترجمہ:۔ شیخ (ان گفت و شنید کے) جھگڑوں بکھیڑوں سے آزاد تھے (اور اپنا) چاند کا سا (نورانی) چہرہ لحاف میں چھپائے (پڑے) تھے (وہ مطمئن تھے۔ جو قرض لیا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لیا تھا وہی ادا کرے گا)

بااجل خوش باازل خوش شاد کام فارغ از تشنیع گفت خاص و عام

لغات:۔ ازل مقدر یعنی جو کچھ روزِ ازل میں مقدر ہو چکا۔ تشنیع برا بھلا کہنا۔ صنائع: اجل اور ازل میں تجنیس ہے۔

ترجمہ:۔ وہ اپنی موت پر بھی خوش تھے اور مقدر پر بھی راضی تھے۔ خاص و عام کے برا بھلا کہنے سے بے پروا تھے۔

آنکہ جاں در روے او خندد چو قند از ترشروئی خلقش چہ گزند؟

صنائع:۔ قند اور ترشروئی کا تضاد ذوقِ پُرلطف ہے۔

ترجمہ:۔ جس شخص کی جان اس کے سامنے اپنے قند کے سے تبسم (شیریں) سے ہنس رہی ہو۔ اس کو مخلوق کی ترشروئی

سے کیا تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

آنکہ جاں بوسہ دہد بر چشمِ او　　　کے خورد غم از فلک وز خشمِ او

ترجمہ:۔ جس شخص کی آنکھ پر اس کی جان بوسہ دے رہی ہو اس کو آسمان کی بدسلوکی اور اس کے غضبناک ہونے سے کیا غم ہے؟

در شبِ مہتاب مہ را بر سماک　　　از سگان وعوعِ ایشاں چہ باک

لغات:۔ سماک بکسرِ سین منازلِ قمر میں چودھویں منزل کا نام ہے۔ وعوع کتوں کی آواز۔

ترجمہ:۔ چاندنی رات میں چاند کو اپنی چودھویں منزل (یعنی درجۂ کمال) میں کتوں سے اور ان کی بھوں بھوں سے کیا خطرہ ہے۔ کما قیل۔

مہ نور مے فشاند وسگ بانگ میزند　　　سگ را بپرس خشمِ تو برماہتاب چیست؟

سگ وظیفۂ خود بجاے آورد　　　مہ وظیفۂ خود برُخ مے گسترد

ترجمہ:۔ (ادھر) کتا اپنا معمول پورا کر رہا ہے۔ (ادھر) چاند اپنا فرض (نور افشانی ادا کرتا ہوا ہر) چہرہ پر (روشنی) ڈال رہا ہے۔

کارکِ خود مے گزار د ہر کسے　　　آب نگذارد صفا بہرِ خسے

لغات:۔ کارک کار کے ساتھ کافِ تصغیر شامل ہے۔

ترجمہ:۔ ہر شخص اپنا دھندا بجا لا رہا ہے۔ پانی ایک تنکے کی وجہ سے اپنی صفائی کو نہیں چھوڑتا۔

مطلب:۔ اس طرح یہ بزرگ اپنے کام یعنی مشاہدۂ جمالِ حق میں معروف تھے۔ ان کو لوگوں کے طعن و تشنیع کی پروا نہ تھی۔

خس خسانہ مے رود بر روئے آب　　　آبِ صافی مے رود بے اضطراب

لغات:۔ خس کے دو معنی ہیں۔ تنکا اور کمینہ۔ خسانہ کمینوں کی طرح صنائع خس اور خسانہ میں تجنیسِ ناقص۔

ترجمہ:۔ تنکا کمینوں کی طرح پانی کی سطح پر جا رہا ہے۔ (مگر) پانی (اس سے برہم نہیں ہوتا بلکہ) کسی جھجک کے بغیر صفائی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

مطلب:۔ سبحان اللہ خسیس اور شریف کے معاملہ کی کس قدر عمدہ تمثیل ہے۔ کمینہ ایک شریف آدمی کے مقابلے میں ہمیشہ تفوق و برتری چاہتا ہے۔ بڑھ چڑھ کر بولتا ہے۔ معاملات میں اس کو دبا لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو لوگوں میں خفیف کرنے سے باز نہیں آتا۔ مگر ایک شریف النفس و عالی ہمت آدمی کو ان باتوں کی پروا نہیں ہوتی جس طرح تنکے کا پانی کے اوپر چڑھ کر چلنا پانی کی رفتار میں کچھ فرق نہیں ڈال سکتا۔ اسی طرح شریف آدمی بھی اپنے کام سے نہیں رُکتا۔ جس طرح پانی کی صفائی میں کچھ تفاوت نہیں آتا۔ اسی طرح شریف آدمی کی طبیعت بھی غصہ، بغض، کینہ اور جوشِ انتقام کی کدورت سے آلودہ نہیں ہوتی جس طرح پانی میں کسی قسم کا اضطراب نہیں آتا۔ یہ شریف آدمی بھی طیش میں کوئی نامنتظم حرکت نہیں کرتا۔ غرض جب سفلہ برسر مقابلہ ہو تو شریف آدمی کو اس سے کسی قسم کا سروکار ہی نہ رکھنا چاہیے۔ جامیؒ ۔

چو با تو خصم شود سفلہ آں نہ از خرد ست　　　کہ در خصومت وے مکر وحیلہ سازکنی

ہزار حیلہ تو آں ساخت و ز ہمہ آں بہ کہ ہم ز صلح و ہم از جنگش احتراز کنی؟

نامرد آدمی سے درگزر کرنا شکست نہیں۔ فتح ہے۔ صائبؔ۔

از شجاعت نیست آلودن بخون خیص تیغ ہر کہ از نامردرو گردان شود مغلوب نیست

بلکہ کمینے کی شکایت کرنا اور اس کو اپنے مقابلے میں رکھنا بھی خود اپنی توہین ہے۔

سفلہ را با خود طرف کردن طریقِ اہل نیست زینہار از کفو صائب شکایت سرمکن

مصطفیٰ مہ مے شگافِ نیم شب ژاژ مے خاید ز کینہ بولہب

لغات:۔ مہ شگافتن، چاند کے دو ٹکڑے کر دینا۔ شق القمر کا معجزہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظہور پذیر ہوا تھا مفتاح العلوم کے دوسرے حصے میں اس معجزہ کا مفصل بیان اور اس کے متعلق مخالفین کے اعتراضات اور ان کے مدلل جواب درج ہو چکے ہیں۔ ژاژ خائیدن۔ ژاژ ایک خاردار بوٹی کا نام ہے جس کو اونٹ کے سوا اور کوئی جانور نہیں کھاتا۔ خائیدن کے معنی چبانا۔ یہ ایک محاورہ ہے مراد بکواس، بیہودہ گوئی۔ ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک چچا کا نام ہے۔ جو تعلقِ قرابت کے باوجود اسلام اور پیغمبر کے ساتھ عداوت رکھنے میں ابوجہل سے کم نہ تھا۔ یا تو اس کو اپنے پیارے بھتیجے (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ وہ پیار تھا کہ آپؐ کی ولادت کی خبر سن کر نہایت مسرت کا اظہار کیا۔ اس کی کنیز ثویبہ جو یہ بشارت اس کے پاس لے گئی۔ اس کو فوراً اس خوشی میں آزاد کیا۔ پھر نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں زینب اور ام کلثوم اس کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ بیاہی گئیں یا جب آپؐ منصب نبوت سے سرفراز ہوئے تو وہ اس قدر عداوت پر آمادہ ہو گیا کہ علانیہ برا بھلا کہتا رہتا تھا اور اپنے بیٹوں کو مجبور کر کے دونوں صاحبزادیوں کو طلاقیں دلوا دیں۔ اس کی نابکار بیوی آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتی۔ حتیٰ کہ ایک خاص قرآنی سورت میں اس پر اور اس کی بیوی پر عتابِ الٰہی نازل ہوا۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ابی لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ آپ بھی ہلاک ہوا۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وہ عنقریب دہکتی آگ میں پڑے گا۔ وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اور اس کی جورو بھی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہے۔ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ گردن میں مونج کی رسی ڈالے پھرتی ہے۔ اس کے چھوٹے فرزند عتیبہ نے طلاق دیتے وقت یہ حرکت بھی کی کہ غصے کی حالت میں حضورؐ کے پاس گیا اور برملا آپؐ کو سخت وست کہا۔ آپؐ نے دعا کی اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ الٰہی اس پر اپنے درندوں میں سے کوئی درندہ مسلط کر دے۔ چند روز کے بعد وہ بغرض تجارت ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہوا۔ راستے میں ایک شب اہلِ قافلہ سو رہے تھے ایک شیر آیا اور عتیبہ کو اٹھا کر لے گیا یہ آپؐ کی بددعا کا کرشمہ تھا۔ صائبؔ

گرچہ مجرم از ستمکاری زد آتش در سپند دودِ تلخش انتقام از دیدۂ مجرم کشید

ترجمہ:۔ (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آدھی رات کے وقت بطور معجزہ چاند کے دو ٹکڑے کر رہے ہیں (ادھر) ابولہب کینے سے بکواس کر رہا ہے (تو اس سے ظہورِ معجزہ میں کوئی رکاوٹ واقع نہیں ہو سکتی)

آں مسیحا مردہ زندہ مے کند واں جہود از خشم سبلت مے کند

لغات:۔ مسیحا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب۔ اصل عربی کلمہ مسیح ہے الف کا الحاق فارسی والوں کا تصرف ہے ان کا یہ

معجزہ تھا کہ خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دیتے۔ جہود یہودی لوگ، بنی اسرائیل۔ حضرت موسیٰ کی امت حضرت عیسیٰ کی بعثت اسی قوم میں ہوئی تھی اور انہی کے ساتھ ان کا پالا پڑا تھا۔ جنھوں نے اپنے کفر و انکار کے ساتھ ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ پھر آپ کو دار پر چڑھانے کی کوشش کرنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ سبلت کندن مونچھیں نوچنا مراد بے چینی، اضطراب۔ سبلت میں سین اور باء مفتوح ہیں۔ مگر یہاں ضرورۃً باء ساکن آئی ہے۔

ترجمہ:۔ (ادھر تو) وہ عیسیٰ علیہ السلام (رہے جو) مردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ دکھا رہے ہیں (ادھر) وہ یہودی (لوگ ہیں کہ) غصے کے مارے اپنی مونچھیں نوچ رہے ہیں (ہر فریق اپنے اپنے کام میں مصروف ہے)۔

مطلب:۔ اسی طرح شیخ اپنی دھن میں مست تھے اور لوگ طعن و تشنیع میں سرگرم تھے۔

بانگِ سگ ہرگز رسد در گوشِ ماہ؟ خاصہ ماہے کو بود خاصِ الٰہ

ترجمہ:۔ (بھلا) کتے کی آواز کہیں چاند کے کان میں پہنچ (کر اس کو اپنے شغلِ نور افشانی سے باز رکھ) سکتی ہے؟ خصوصاً وہ (فلکِ ولایت کا) چاند جو حق تعالیٰ کا خاص (مقرب بندہ) ہو۔

مطلب:۔ مقربانِ حق کے قلب میں اراذل و سفہا کی بدسلوکیوں کے مکدرات کا گزر ہی نہیں ہوتا۔ جو ان کو مشاہدۂ جمالِ احدیت سے باز رکھ سکیں کیونکہ ان کو کسی اور طرف التفات ہی نہیں ہوتی۔ حافظؒ ؎

بردوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم تا دیدۂ من برزخِ زیبائے تو بازست

مے خورد شہ برلبِ جُو تا سحر در سماع از بانگِ چغزاں بے خبر

لغات:۔ مے خورد شراب مے نوشد۔ برلبِ جو میخواروں کے نزدیک سبزہ اور کنارِ آب میخواری کے بہترین لوازم ہیں۔ عمر خیام اپنی مے خواری کے ذکر میں جابجا ان کا ذکر لاتا ہے۔ چغز بفتح جیم فارسی آخر میں زائے معجمہ غوک، مینڈک۔

ترجمہ:۔ بادشاہ نہر کے کنارے پر صبح تک نائونوش میں مصروف ہے (مگر) مینڈکوں کے ٹرانے کی اسے خبر تک نہیں۔

مطلب:۔ وہی شیخ کا استغراق اور لوگوں کی باتوں سے اس کی بے پروائی۔ امیر خسروؒ ؎

خصم بے طعنہ زدٗ دوست بے پند داد چشمِ دلم در تو بودٗ گوشِ براپشاں نرفت

ز صلح و جنگ کسانم غمِ تو فارغ ساخت نہ باکسم سرِ صلح و ز طاقتِ جنگ ست

اب پھر قصے کی طرف آتے ہیں۔

ہم شدے توزیعِ کودک دانگ چند ہمتِ شیخ آں سخارا کرد بند

لغات:۔ توزیع تقسیم یہاں چندہ مراد ہے یعنی کچھ مخصوص مقدار کی نقدی کی ادائیگی ہر شخص پر ڈال دینا۔ دانگ چھ رتی کا وزن۔ اتنے وزن کی چاندی کا کوئی سکہ ہوگا۔ پیسہ۔

ترجمہ:۔ اس لڑکے کے لیے چند پیسوں کا چندہ بھی ہو سکتا تھا۔ مگر شیخ کے (بلند) مقصد نے اس داد و دہش کو بھی بند کر دیا۔

مطلب:۔ کسی سخی کی عطا اور مسکین کی وصولی کو بند کر دینا کوئی ہمت کا کام نہیں لہٰذا یہاں ہمت سے مراد مقصد ہے۔ یعنی شیخ کا مقصد یہ تھا کہ وہ لڑکا روتا رہے اور رحمتِ خداوندی جوش میں آکر سارے کام بنا دے ورنہ چندہ ہو جانے کی صورت میں لڑکا آنکھیں پونچھ کر اپنی راہ لگتا ہے اور باقی قرضخواہوں کا جھگڑا جوں کا توں رہ جاتا۔ اس مقصدِ عالی نے اس چندہ کو روک دیا۔

تا کسے ندہد بکودک ہیچ چیز　قوتِ پیراں ازاں بیش ست نیز

ترجمہ:۔ تا کہ کوئی شخص اس لڑکے کو کچھ نہ دے (ہم خود دیں گے) بزرگوں کی قوت تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

مطلب:۔ یعنی کوئی اس بات پر تعجب نہ کرے کہ شیخ اس تہیدستی میں بھی جبکہ پرانے قرضخواہ بھی اُس کو گھیر۔۔ بیٹھے ہیں۔ اس بچے کا مطالبہ ادا کرنے کی ہمت رکھتا ہے کیونکہ اس کے آگے یہ کوئی بڑی بات نہیں وہ اتنا دم خم رکھتے ہیں کہ ''ترکِ شیرازی'' کے کسی کرشمے سے خوش ہو جائیں تو اس کے ''خالِ ہندو'' کے تصدق میں ''سمرقند و بخارا'' کی جاگیریں دے ڈالیں۔ صائبؒ ؎

گرچہ در ظاہر بزیرِ دست و پا افتادہ اند　　بگذرند از نُہ فلک چوں رخش ہمت زیں کنند

شد نمازِ دیگر آمد خادمے　یک طبق برسر ز پیشِ حاتمے

ترجمہ:۔ نمازِ عصر ہو چکی تو ایک نوکر سر پر ایک صینی (رکھے) ایک حاتم (کے سے کریم النفس صاحب) کی طرف سے آیا۔

صاحبِ مالے و حالے پیشِ پیر　ہدیہ بفرستاد کز وے بُد خبیر

ترجمہ:۔ ایک مال دار اور اہلِ حال (مرید) نے (اپنے ان) مرشد کی خدمت میں (کچھ رقم بطور) نذر بھیجی کیونکہ وہ ان کے حال سے آگاہ تھا (کہ وہ اپنے کرم و سخاوت کے باعث مقروض رہتے ہیں۔

مطلب:۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہدیہ بھیجنے والا سخی آدمی ان کا مرید تھا اور جیسے کہ مالدار مرید بتقاضائے ارادت اپنے مرشد کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ اس نے کچھ رقم بھیجی ہوگی۔ مگر قدرتِ حق کا جلوہ اس میں یہ تھا کہ وہ رقم ساہوکاروں کے قرضے اور طفلِ حلوا فروش کی قیمت حلوا کے مطابق اتنی کی اتنی ہی تھی جس کے مطالبہ کا وہاں ہنگامہ برپا تھا۔ ''کز وے بُد خبیر'' میں مرید کو صرف ان بزرگ کے فیاضانہ اخراجات کی خبر ہونا مراد ہے۔ موجود جھگڑے بکھیڑے سے آگاہ ہونا مقصود نہیں جو اسلوب کلام سے ظاہر ہے لہٰذا رقم مرسلہ اور مطالبۂ غرما کی مطابقت صرف قدرت کا ایک کھیل تھا۔ جامیؒ ؎

بسا قفلے کہ ناپیدا کلیدست　　برو راہ کشائش ناپدید ست
بدید آید ز غیب آں را کشادے　　ودیعت در کشادش ہر مرادے

چار صد دینار برگوشہ طبق　نیم دینارِ دگر اندر ورق

ترجمہ:۔ (پورے) چار سو دینار (اس صینی میں رکھے تھے۔ اور) صینی کے کنارے پر آدھا دینار اور کاغذ (کی پڑیا) میں (لپیٹا رکھا تھا)۔

مطلب:۔ اوپر شیخ مذکور کے ایک قول ''نیست حق را چار صد دینار زر؟'' سے ظاہر ہو چکا ہے کہ قرضخواہوں کا مطالبہ پورے چار سو دینار کا تھا۔ اس کے بعد نصف دینار قیمت حلوے کا جھگڑا برپا ہو گیا اور یہ تمام مطلوبہ رقم پوری کی پوری مطالبہ کرنے والوں کے بیٹھے بیٹھے آ گئی۔ اگر یہاں فرض کر لیا جائے کہ مرید کو خود اس مطالبہ کی مقدار اور حلوے کی قیمت کے جھگڑے کا علم تھا یا شیخ نے پیغام بھیج کر اطلاع کر دی تھی۔ جس پر اس نے مطلوبہ رقم بھیج دی تو پھر شیخ کی کرامت ثابت نہیں ہوتی اور نہ اس قصے کی وہ شان ہی قائم رہتی ہے جس کے لیے مولانا کا دریائے بلاغت متلاطم ہو رہا ہے بلکہ یہ ایک معمولی واقعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا مقصود بیان یہ ہے کہ نہ مرید کو اس حال کا علم تھا۔ نہ پیر نے استدعائے اعانت کی' بلکہ ان کی نگاہ تو

صرف اپنے مالکِ حقیقی کے خزانۂ غیب کی طرف لگی ہوئی تھی ادھر مرید نے جو کچھ ہدیہ اپنے پیر کو دینے کے لیے جمع کر رکھا تھا اور اس میں کچھ ریزگاری نصف دینار کی بھی تھی جس کو بغرضِ حفاظت کاغذ میں باندھ رکھا تھا۔ جیسے کہ اکثر لوگ دونی چونی کو کاغذ میں لپیٹ رکھتے ہیں تاکہ روپوں پیسوں میں مل جل کر گم نہ ہو جائیں۔ مرید نے اپنی آمدنی کا کچھ حصہ پیر کی خدمت کے لیے مخصوص کر رکھا ہوگا۔ جس کو بتدریج جمع کر رہا ہوگا۔ ادھر یہ رقم چار سو اور نصف دینار کو پہنچی اور ادھر پیر کی خانقاہ میں اتنی ہی رقم کے مطالبہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہونے پر آ گیا۔ تو فوراً قدرتِ حق نے مرید کے دل میں اس رقم کو پیر کی خدمت میں بھیج دینے کا ارادہ القا کر دیا اور اس رقم نے فتنہ کی اس بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی کا کام کیا۔ جس کے استعمال کی مرید کو خبر بھی نہ تھی۔ یہاں یہی بات مقصود ہے اور یہی اس قصے کی جان ہے۔

خادم آمد شیخ را اکرام کرد　　واں طبق بنہاد پیشِ شیخ فرد

لغات:۔ اکرام تعظیم، آداب بجالانا۔ فرد یگانہ، یکتا، بے نظیر۔

ترجمہ:۔ خادم حاضر ہوا۔ شیخ کی تعظیم بجالایا اور اس طبق کو شیخ یگانہ (روزگار) کے سامنے رکھ دیا۔

چوں طبق پوش از طبق برداشت او　　خلق دیدند آں کرامت را ازو

ترجمہ:۔ جب اس (شیخ) نے صینی سے صینی پوش اٹھایا اور حاضرین نے اس میں چار سو اور نصف دینار کو (دیکھا) تو لوگوں کو ان کی کرامت صاف نظر آ گئی۔

مطلب:۔ یہ فوری عقدہ کشائی شیخ کی ایک کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظہور میں آئی اور کرامت وہ ہوتی ہے جس کا ظہور امورِ عادیہ و اختیاریہ پر مترتب نہ ہو۔ بلکہ وہ کسی غیبی نظام کے ماتحت ظاہری و معتاد اسباب کے بغیر وقوع پائے۔ لہٰذا اگر مرید کو اس قصے کا علم ہوتا یا پیر صاحب خود اس کو اطلاع کر دیتے تو پھر اس رقم کی آمد کوئی کرامت نہ ہوتی۔ بلکہ اس کا ترتب امورِ عادیہ اختیاریہ پر ہوتا۔ کما بیناہ انفا۔

آہ و افغاں از ہمہ برخاست زود　　کاے سرِ شیخاں و شاہاں ایں چہ بود؟

ترجمہ:۔ فوراً سب (کے منہ) سے آہ و فغان (کا شور) بلند ہوا کہ اے (اقلیمِ باطن کے شہریار) مشائخ اور (ممالکِ ظاہر کے حکمران) بادشاہوں کے سردار یہ کیا (کرشمہ) تھا (جو آپ نے دکھایا)۔

اختلاف:۔ بحر العلوم کے متن اور کالکاپرشاد کے نسخے میں برخاست کی بجائے برداشت درج ہے جو غلط ہے فعل متعدی یہاں کھپ نہیں سکتا۔

ایں چہ سرّ ست؟ ایں چہ سلطانی ست باز؟　　اے خداوندِ خداوندانِ راز

ترجمہ:۔ یہ کیا بھید ہے؟ یہ کیا (باطنی) سلطانی (کے اقتدار کا تماشا دکھایا) ہے؟ اے (باطنی) راز دانوں کے آقا (کچھ تو فرمایئے)۔

ما ندانستیم مارا عفو کن　　بس پراگندہ کہ رفت از ما سخن

ترکیب:۔ عفو کن فعل مارا مفعول بہ اول۔ سخن مبین اور بس پراگندہ رفت از ما جملہ اسمیہ اس کا بیان مل کر مفعول بہ ثانی۔

ترجمہ:۔ (حضرت! ہم بے خبر تھے۔ وہ نہایت ناواجب کلمات جو ہمارے منہ سے نکل گئے تھے۔ ہمیں معاف فرمایئے۔

ما کہ کورا نہ عصا ہا مے زنیم لاجرم قندیلہا را بشکنیم

ترجمہ:۔ ہم جو اندھوں کی طرح (بے سوچے سمجھے بیہودہ گوئی کی) لاٹھیاں چلاتے ہیں۔ تو (بزرگوں کے صاف و روشن قلوب کی) قندیلوں کو توڑ بیٹھتے ہیں۔

ماچوں کرّاں ناشنیدہ یک خطاب ہرزہ گویاں از قیاسِ خود جواب

ترجمہ:۔ ہم (تو) بہروں کی طرح (ہیں۔ جو مخاطب کی) ایک بات بھی سنتے (سمجھتے) نہیں (اور) اپنے قیاس سے اٹکل پچو جواب دیتے جاتے ہیں۔

مطلب:۔ اسی طرح عام لوگ بزرگانِ دین کے گفتار و کردار کی تہ کو تو پہنچتے نہیں اور ان کے ظاہر کو اپنے میزانِ قیاس میں رکھ کر جو جی میں آتا ہے۔ حکم لگا دیتے ہیں۔ صائبؒ ۔

منہ انگشت بگفتارِ بزرگاں زنہار تیر برچرخ میند از کہ برے گردد

ماز موسیٰؑ پند نگر فتیم کو گشت از انکارِ خضر او زردرو

لغات:۔ انکار اظہارِ ناپسندیدگی، اعتراض۔ زردرو کنایہ ہے شرمندہ سے۔

ترجمہ:۔ (افسوس) ہم نے حضرت موسیٰؑ (کے قصے) سے بھی عبرت نہ پکڑی جو حضرت خضرؑ پر اعتراض کر کے شرمندہ ہوئے تھے۔

مطلب:۔ بے سوچے سمجھے عُجلت کے ساتھ اعتراض کر بیٹھنا یہاں تک غیر مناسب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت خضرؑ پر اعتراض کر کے ندامت اٹھانی پڑی تھی۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ کی منزلت حضرت خضرؑ سے بدارج بڑھ کر تھی پس جب ایک بڑے درجے کا آدمی آپ سے چھوٹے درجے کے آدمی پر بے محل اعتراض کر کے ندامت اٹھاتا ہے تو ہم آپ سے کم رتبہ ہیں۔ ہمارا آپ پر اعتراض کرنا تو اس سے بھی کہیں زیادہ باعثِ ندامت و خجالت ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہوا۔ سعدیؒ ۔

چوں در آید مہ از توے بسخن گرچہ بہ دانی اعتراض مکن

نوٹ:۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ حضرت موسیٰؑ کے افضل ہونے کا ثبوت اور حضرت خضرؑ کی افضلیت کا شبہ پیش کرنے والوں کا جواب شرح و بسط کے ساتھ مفتاح العلوم حصہ اوّل میں قصہ زرگر کے خاتمے پر درج ہے۔

باچناں چشمے کہ بالامی شتافت نورِ چشمش آسماں رامی شگافت

کرد باچشمت تعصب موسیا از حماقت چشمِ موشِ آسیا

لغات:۔ تعصب بے جا حمایت، اپنی بات کی پچ کرنا، مرغی کی ایک ٹانگ ہانکے جانا۔ موسیا موسیٰ کے ساتھ الف ندا شامل ہے۔ موش آسیا دراصل موش آسا ہے یعنی مثلِ موش ع خلیل آسا در ملک یقین زن۔ ی کی زیادتی اور شین کا کسرہ بحکمِ ضرورت ہے۔ جو مثنوی کی وسعتِ تجوز کے لیے چنداں مستبعد نہیں۔ بعض شارحین نے اس کو چکی کا چوہا سمجھا ہے ولکنا لا نجد لہ وجہا۔

ترکیب:۔ پہلا شعر سارے کا سارا جار مجرور ہو کر دوسرے شعر کے فعل تعصب کردہ کے متعلق ہے اور اس کا فاعل چشم موش آسیا ہے۔ دوسرے شعر میں باچشمت کا کلمہ وضع مظہر موضع مضمر ہے۔

صنائع:۔ موسیا اور موش آسیا میں تجنیسِ ناقص آسیا فرعون کی نیک دل بیوی کا نام بھی تھا۔ جس نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی تھی۔ لہٰذا اس لفظ میں ایہامِ تناسب ہے۔

ترجمہ:۔ اے (شیخ) موسیٰ (زماں! آپ کی) اس آنکھ کے باوجود جو (عالم) بالا کی طرف عروج کرتی تھی۔ (اور) اس کا نور بصارت آسمان سے پار جاتا تھا (ہماری) چوہے کی سی (ناکارہ) آنکھ نے (محض) حماقت کی وجہ سے آپ کی آنکھ کے ساتھ تعصب کیا۔

مطلب:۔ آپ مہبطِ تجلیات اور مشاہدِ جمالِ لم یزل ہونے کے اعتبار سے ہمارے نزدیک بمنزلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ہم نے محض بے خبری میں آپ سے معارضہ کیا۔ جس پر اب ہم نادم ہیں۔

امیر خسروؒ۔

وقتے زبانِ طعن کشودم بہ بیدلے دانم دلِ خراب مرا حق او گرفت

سوال:۔ شرع میں کسی کو ایذا دینا جس میں کوئی مصلحتِ شرعی یا جس کو ایذا دی جائے اس کی اصلاح و بہبودی مدنظر نہ ہو ممنوع ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ شیخ ممدوح نے حلوا فروش لڑکے کو بلاوجہ ادائے قیمت سے مایوس کرنے کی ایذا پہنچائی۔ جس پر اس کا رونا دلالت کر رہا ہے اگر شیخ نے یہ کام الہام کی بنا پر کیا تو الہام کی بنا پر کسی غیر مشروع کام کا ارتکاب بھی شرعاً کہاں جائز ہے؟

جواب:۔ اوّل تو شیخ کا یہ فعل مصلحت سے خالی نہ تھا۔ جن لوگوں کی نظر اسبابِ ظاہر یہ تک محدود تھی اس لیے وہ اپنے مقروض کو تہی دست اور جاں بلب دیکھ کر وصولیِ قرضہ سے مایوس ہو رہے تھے اور ان کو خداوند تعالیٰ کے خزانۂ غیب پر کچھ بھروسہ نہ تھا۔ ان کو یہ عملی سبق دینا شیخ کا مقصود تھا کہ لَاتَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَايَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ. یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ کی رحمت سے کافر لوگ ہی ناامید ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ نے دم واپسیں میں اپنے ہاتھ سے ان لوگوں کو رحمتِ حق کا نمونہ دکھا کر ان کے مضمحل ایمان کو قوی کر دیا۔ دوسرے شرعاً ممنوع وہ ایذا ہے۔ جس میں ایذا پانے والے کی رضا محقق نہ ہو۔ نہ صراحتاً نہ دلالۃً اور نہ وقت ایذا نہ بعد ایذا۔ مگر شیخ کو اس لڑکے کی رضا وقت ایذا دلالۃً معلوم تھی یعنی وہ جانتا تھا کہ جب اس کو دام مل جائیں گے تو خوش و خرم ہو جائے گا اور اس کے دل کی سب کلفت دور ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس جس ایذا سے محذورِ شرعی بھی لازم نہیں آیا اور اس سے ایک مصلحت بھی پوری ہوگئی۔ وہ قبیح نہیں بلکہ احسن تھی۔

اب شیخ حاضرین کے اس سوال پر کہ ''ایں چہ بود؟''۔ ''ایں چہ سر ہست؟'' اصل حقیقت ظاہر فرماتے ہیں۔ اور ان کی اس التجا پر کہ ''مارا عفو کن''۔ اور اس عذر پر کہ ''ما کورانہ عصاے زنیم''۔ ''ما چو کراں ہرزہ گویاں''۔ ان کو معافی بخشتے ہیں۔

شیخ فرمود آں ہمہ گفتار و قال من بحل کردم شمارا آں جدال

لغات:۔ بحل معاف۔ جدال لڑائی۔

ترکیب:۔ یا تو آنہمہ گفتار و قال مبدل منہ ہے اور آں جدال بدل۔ یا یہ ترکیبِ عطفی ہے۔ بتقدیرِ حرف پس ترجمہ دو طرح ہوگا۔

ترجمہ:۔ (۱) شیخ نے فرمایا۔ میں نے وہ تمام بحث و تکرار (کہ) وہ (ایک مفت کا) جھگڑا (تھا) تم کو معاف کیا۔

(۲) شیخ نے فرمایا۔ میں نے وہ تمام بحث و تکرار (اور) وہ (لڑائی) جھگڑا تم کو معاف کیا۔

سرِّ آں ایں بود کز حق خواستم لا جرم بنمود راہِ راستم

لغات:۔ خواستم میں نے دعا کی۔ راہ راستم راہ راست مرا۔

ترجمہ:۔ اس (سارے واقعہ) کا راز یہ تھا کہ میں نے حق تعالیٰ کی جناب میں (ادائے قرضہ کے لیے) دعا کی۔ تو اس نے اس کی مناسب تدبیر مجھے بتا دی۔

گفت ایں دینار اگرچہ اندک ست　　لیک موقوفِ غریوِ کودک ست

ترجمہ:۔ (حق تعالیٰ نے) فرمایا اگرچہ یہ (چارسو) دینار تھوڑے ہی ہیں۔ (جن کی ادائیگی کچھ بڑی بات نہیں) لیکن وہ ایک بچے کے رونے پر موقوف ہیں۔

تا نگرید کودکِ حلوا فروش　　بحر بخشایش نمے آید بجوش

ترجمہ:۔ جب تک حلوا بیچنے والا لڑکا گریہ (وزاری) نہ کرے (ہماری) بخشش کا دریا جوش میں نہیں آتا۔

اے برادر طفلِ طفلِ چشمِ تست　　کامِ خود موقوف زاری داں نخست

ترجمہ:۔ اے بھائی! (حصولِ مقصد کے لیے تم کو بھی روتا) لڑکا (مطلوب ہے تو وہ لڑکا) تمہاری آنکھ ہے (لہٰذا) اپنی مراد کو پہلے رونے پر موقوف سمجھو۔

مطلب:۔ یہاں سے بطور نتیجہ گریہ وزاری کے فوائد بیان کرتے ہیں کہ گریہ ذریعۂ مراد مندی ہے صائبؒ ؎

بے گریہ مباش کہ شبنم بطرفِ باغ　　برگل ز فیضِ دیدۂ تر دست یافتہ است

کامِ تو موقوف زاریِ دلست　　بے تضرّع کامیابی مشکل ست

ترجمہ:۔ (پھر یہ بھی خیال رہے کہ بناوٹی رونا مفید نہیں بلکہ) مراد مندی دل کے رونے پر موقوف ہے گڑگڑا کر دعا کیے بدوں کامیابی مشکل ہے۔ صائبؒ ؎

چاک در سینہ گردوں نتواند انداخت　　نالہ کز دلِ صد چاک نیا ید بیروں

گر ہمے خواہی کہ مشکل حل شود　　خارِ محرومی بگل مبدل شود

گر ہمے خواہی کہ آں خلعت رسد　　پس بگریاں طفلِ دیدہ برجسد

ترجمہ:۔ اگر تم یہ چاہو کہ مشکل حل ہو جائے اور محرومی کا کانٹا پھول (کی شکل) میں بدل جائے۔ اگر تم چاہو کہ وہ خلعتِ قبولِ حق تم کو مل جائے تو اپنے طفلِ چشم کو (لذاتِ) جسم (کی خواہشات) پر رلاؤ۔ (جن کا تقاضا تم کو تباہ کر رہا ہے) صائبؒ ؎

دلِ آگاہ ز تحریکِ ہوا آسودہ ست　　نیست از باد خطر تختِ سلیمانی را

ترسانیدن شخصے زاہدے را کہ کم گری تا کور نشوی

ایک شخص کا ایک زاہد کو ڈرانا کہ کم روتا کہ کہیں اندھے نہ ہو جاؤ

زاہدے را گفت یارے درعمل　　کم گری تا چشم را ناید خلل

لغات:۔ یارے درعمل جو اعمالِ طریقت میں اس کا رفیق تھا، ہم مشرب، یار طریقت۔ گری امر ہے گریستن سے۔

ترجمہ:۔ ایک زاہد کو (اس کے) ایک یارِ طریقت نے کہا۔ کم رویا کرو تاکہ آنکھ میں کوئی خرابی نہ آ جائے۔

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

ترجمہ:۔ زاہد نے کہا (میرا) حال دو (صورتوں) سے خالی نہیں۔ (یا تو) آنکھ اس جمال کو دیکھے گی یا نہ دیکھے گی۔

گر بہ بیند نورِ حق خود چہ غم ست در وصالِ حق دو دیدہ چہ کم ست

ترجمہ:۔ اگر یہ (آنکھیں) حق تعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کریں گی تو پھر (ان کے جاتے رہنے پر) کیا غم ہے۔ وصالِ حق میں (مشاہدۂ جمال کے وقت جو) دو آنکھیں (ملیں گی وہ) کیا کم ہیں؟

ور نخواہد دید حق را گو برو ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

ترجمہ:۔ اگر وہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ جمال نہ کرے گی تو جاتی رہے۔ بلا سے۔ ایسی بدبخت آنکھ کو اندھی ہو جانے دو۔ کما قیل ۔

کور باد آں چشم کو محظوظ دیدارے نشد قطع باد آں دست کو در گردنِ یارے نشد

غم مخور راز دیدہ کاں عیسیٰ تراست چپ مرو تا بخشدت دو چشمِ راست

لغات:۔ چپ رفتن کنایہ ہے کجروی سے۔ راست درست، صحیح۔

صنائع:۔ عیسیٰ استعارہ ہے خداوند تعالیٰ کے لیے چپ و راست میں صنعتِ ایہام تناسب۔

ترجمہ:۔ آنکھوں کے لیے غم نہ کرو کیونکہ (اگر وہ جاتی رہیں گی۔ تو) وہ (حق تعالیٰ حضرت) عیسیٰؑ (کی طرح جو اندھوں کو بینا کر دیتے تھے) تمھارے لیے (بینائی کا سامان کر دینے والا ہے)۔ (بے صبری کے ساتھ) کجروی (اختیار) نہ کرو تاکہ وہ تم کو (دنیا یا آخرت میں) دو تندرست آنکھیں عطا کر دے۔

مطلب:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ حاصل تھا کہ وہ دم کر کے یا ہاتھ کے ساتھ چھو کر مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا) میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور جذامی کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں (آل عمران ع ۵) یہاں آنکھوں کے جاتے رہنے پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے۔ مصائب و شدائد پر صبر کرنے کی فضیلت احادیث میں بکثرت آئی ہے۔ بعض احادیث میں خصوصیت سے زوالِ بصارت پر صبر کرنے پر اجرِ آخرت کی بشارت مروی ہے۔

عن انسؓ قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول قال اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی اذا ابتلیت عبدی بہ ثم صبر عوضتہ منھما الجنۃ یرید عینیہ. یعنی انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ میں جب اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں (کے جاتے رہنے) میں مبتلا کروں۔ پھر وہ صبر کرے تو میں ان دونوں کے عوض میں اُسے جنت دوں گا (ان دو چیزوں سے) آپ کی مراد اس کی دو آنکھیں تھیں۔ (مشکوٰۃ) غم مخور سے مراد صبر کرنا مراد ہے اور چپ مرو سے یہ مقصود ہے کہ اس مصیبت میں کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو صبر اور تقویٰ و توکل کے خلاف اور دینی استقامت کے منافی ہو دو چشمِ راست کے حصول سے یا تو دنیا میں صبر کا نتیجہ ظفر مراد ہے کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا. صائبؒ ۔

بید میگرد و پس از خشکی برد منند نبات　　از سرِ منصور دار آخر سامان مے رسد

یا آخرت میں صبر کا اجر مقصود ہے۔

نصیبِ تلخ کا مان ست صائب میوۂ جنت　　دو روزے ہمچو مردانِ برجگر دندان فشار اینجا

عیسٰی روحِ تو باتو حاضر ست　　نصرت ازوے خواہ کو خوش ناصر است

لغات:۔ عیسٰی روح میں عیسٰی کنایہ ہے زندہ کرنے والے سے۔ لہٰذا یہ اضافت تشبیہی نہیں ہے کما یتبادر بلکہ اضافتِ فاعل بمفعول ہے۔ نصرت مدد، یاری۔ خوش بڑا، نہایت۔

ترجمہ:۔ روح کو زندہ رکھنے والا تمھارے ساتھ حاضر (و ناظر) ہے۔ اس سے مدد مانگو۔ وہ بڑا مددگار ہے۔

مطلب:۔ مصائب میں خدا سے مدد چاہنے اور اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب فرماتے ہیں اوّل تو وہ بندوں کے لیے سب سے زیادہ رؤف و رحیم اور بہترین مددگار ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔ دوسرے وہ شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ. اس کے علاوہ وہ قبولیت دعا کی خود امید دلاتا ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ (بقرہ ع ۲۳) پس ایسے بہترین مددگار اور اقرب مددگار کی درگاہ میں کیوں نہ دعا کی جائے۔ خصوصاً جب کہ وہ خود اپنے بندوں کو دعا کی ترغیب دیتا ہے۔

بنال پیش درش خسروا کہ آں سلطاں　　شناخت ست کہ ایں نالہ گدائے من ست

حافظ آبِ رخِ خود بردرِ ہر سفلہ مریز　　حاجت آں بہ کہ برقاضی حاجات بریم

لیک بیگارِ تنِ پُر استخوان　　بردلِ عیسٰی منہ تو ہر زمان

لغات:۔ بیگار فارسی کلمہ ہے کارِ بے مزد کسی کے سر زبردستی ڈالا ہوا کام۔

ترجمہ:۔ لیکن (اس عیسٰی روح کا کام روح کو زندہ کرنا ہے باقی اس) ہڈیوں بھرے بدن کی زیب و آرائش کی بیگار (کا بار) اس عیسٰی کے دل پر نہ رکھو۔

مطلب:۔ یعنی جس طرح حضرت عیسٰیؑ کے اس احمق رفیق نے آپ کو خواہ مخواہ مجبور کرنا شروع کیا تھا کہ ان ہڈیوں میں جان ڈال دو تم بھی عیسٰی روح یعنی حق تعالیٰ پر اپنے ہڈیوں بھرے جسم کی بیگار نہ ڈالو بلکہ اس سے یہی چاہو کہ وہ تمہاری روح کو عروج و ترقی نصیب کرے کیونکہ یہی تمہارے لیے زیادہ مفید ہے اور یہی اس کے لیے شایان ہے۔ دنیوی مقاصد اور جسمانی خواہشات کے پورے ہونے کی اس سے دعا نہ کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے لیے بھی چنداں مفید نہیں۔ اور مردار دنیا کا سوال اس کی شانِ مقدس کے لحاظ سے بھی نازیبا ہے اور اس تعلیم سے مراتب زہد کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ جامیؒ۔

بخو شیپوشی و خوشخواری مکن خو　　بتاب ازراحت پشت و شکم رو

یا اس لحاظ سے کہ درگاہِ خداوندی کی شان ایسی مرادات کے طلب کرنے سے ارفع ہے۔ چنانچہ نماز بھی ایک ایسا موقع ہے جس میں کمالِ ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ اسی لیے تشہد میں جو دعا مانگی جاتی ہے اس کے متعلق یہ فقہی مسئلہ ہے کہ **لایدعوا بما یشبہ کلامہ الناس و کلامھم مالا یتجیل سوالہ منھم مثل اللھم اکسنی اللھم زوجنی.** یعنی تشہد کے بعد کوئی ایسی دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہو اور لوگوں کے کلام سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے ایسی چیز کا سوال کرنا امر محال نہ ہو جیسے الٰہی مجھے پہننے کو کپڑا دے الٰہی فلاں عورت کے ساتھ میری شادی کر دے (جوہرہ نیرہ) ورنہ شرعاً کسی

امرِ مباح کے لیے دعا مانگنا ممنوع نہیں۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَسْئَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْئَالُ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ

یعنی انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ کو چاہیے کہ اپنے پروردگار سے اپنی ہر حاجت کا سوال کرے۔ حتی کہ جب جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی سوال کرے۔ (مشکوٰۃ)

کلامِ الٰہی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنے کی تلقین کرتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ صائبؒ ۔

همت بلند دار ز حق ہر دو را طلب دنیا و آخرت چہ بود پیش جودِ حق

پراستخواں کی صفت تن کی تحقیر کے لیے آئی ہے۔ کیوں کہ استخواں کی جسمِ حیوان میں وہی مثال ہے جیسے کسی میوے میں گٹھلی اور ظاہر ہے کہ بڑی گٹھلی یا زیادہ گٹھلیوں والا میوہ چھوٹی گٹھلی یا کم گٹھلیوں والے میوے سے گھٹیا شمار ہوتا ہے۔

دلِ عیسیٰ سے مراد دلِ حق تعالیٰ ہے اور حق تعالیٰ کے لیے دل کے کلمہ کا استعمال ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کا وہ قول منقول ہے جو قیامت کے روز وہ حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ تَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ الٰہی جو کچھ میرے دل میں ہے تو اس کو جانتا ہے اور جو کچھ تیرے دل میں ہے اس کو میں نہیں جانتا اور تو غیب کی باتوں کو جانتا ہے۔ (سورۂ مائدہ ع ۱۶) اور نفس اور دل ایک ہی بات ہے۔

اختلاف:۔ بعض نسخوں میں یہاں بیگار کے بجائے پیکار بہائے فارسی و کاف تازی درج ہے۔ بحر العلوم کا متن بھی اس کے موافق ہے۔ اگر چہ یہ لفظ اس مقام سے قدرے بعد رکھتا ہے مگر یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ پیکار کے معنی ہیں لڑائی جھگڑا اور جھگڑا بعض اوقات مجازاً بکھیڑے الجھیڑے اور جنجال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ وہذا ہو المراد ھٰھنا۔

ہمچو آں ابلہ کہ اندر داستاں ذکر او کردیم بہرِ داستاں

ترجمہ:۔ جیسے کہ اس بیوقوف نے جس کا ذکر اس قصے میں ہم نے اہلِ حق کے لیے کیا ہے (استخواں کو زندہ کرنے پر اصرار کیا اور اس کا خمیازہ اٹھایا)

مطلب:۔ اسی طرح تم بھی لذاتِ جسمانیہ کے لیے حق تعالیٰ سے دعائیں مانگ مانگ کر اگر کامران ہو بھی گئے تو اس کا انجام اچھا نہیں۔ ان کرتوتوں سے تعلقاتِ عالمِ قدس کو منقطع کر بیٹھو گے۔ حافظؒ ۔

چو در سرا چۂ ترکیب تختہ بند تنم چگونہ طوف کنم درسرائے عالمِ قدس

زندگیِ تن مجو از عیسیت کامِ فرعونی مخواہ از موسیت

ترجمہ:۔ اپنے عیسیٰ (یعنی حق تعالیٰ) سے بدن کی زندگی کے لیے اصرار نہ کرو (بلکہ اوج کی ترقی و عروج کی آرزومندی کرو) اپنے موسیٰ (یعنی حق تعالیٰ) سے فرعونی مقصد (یعنی تن پروری اور لذاتِ جسمانی نہ چاہو۔

بر دلِ خود کم نہ اندیشۂ معاش عیش کم ناید تو بر درگاہ باش

ترجمہ:۔ اپنے دل پر فکرِ معاش (کا بار) کم رکھو (لہٰذا) تم درگاہِ حق میں حاضر رہو (پھر دیکھو کہ اس سامانِ معاش اور عیش (ظاہری) میں بھی کمی نہ آئے گی۔

مطلب:۔ سامانِ معاش اور عیشِ ظاہری تو صرف بدنِ ظاہری کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے جو اصل مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصود صرف حیاتِ روح ہے۔ صائبؒ۔

ز تن دست برندار جاں را صفادہ ۔ کہ آئینہ چشم ست آئینہ داں را

اور بس حد تک عیشِ ظاہری کی ضرورت ہے اس کے لیے واہب العطایا پر بھروسہ رکھو۔

کارِ خود گر بخدا باز گزاری حافظ ۔ اے بسا عیش کہ بابخت خداداده کنی

(نظامیؒ) غم روزی مخور تا روز ماند ۔ کہ خود روزی رساں روزی رساند

آگے اس بات کی دلیل دیتے ہیں کہ کیوں درگاہ حق میں حاضر ہونے سے عیشِ ظاہری میں کمی نہیں آتی۔ سنو!

ایں بدن خرگاہ آمد روح را ۔ یا مثالِ کشتیِ مر نوحؑ را

لغات:۔ خرگاہ خیمہ۔ نوح ایک پیغمبر اولو العزم جنھوں نے کچھ کم ایک ہزار برس عمر پائی۔ عمر بھر لوگوں کو ہدایت کی مگر معدودے چند اشخاص کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ آخر آپ نے ان سرکش لوگوں سے مایوس ہو کر درگاہِ حق میں دعا کی کہ الٰہی سب کا خاتمہ کر دے۔ ورنہ ان سے گمراہ اولاد ہی پیدا ہو گی۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ پانی کا ایک طوفانِ عظیم آیا جس میں تمام منکرین غرق ہو کر ہلاک ہوئے اور ان میں خود حضرت نوحؑ کا ایک فرزند بھی تھا مگر آپ نے اپنے متبعین سمیت ایک کشتی میں بیٹھ کر پناہ لی۔ جو طوفان کی آمد سے پہلے بحکمِ خدا آپ نے بنالی تھی۔

ترجمہ:۔ یہ بدن تو گویا روح (کے فروکش ہونے) کے لیے (ایک) خیمہ ہے۔ یا گویا حضرت نوحؑ کے لیے ایک کشتی ہے۔

آدم چو صراحی بود و روح چو مے ۔ قالب چونے و روح صدائے درنے

دانی چہ بود آدمِ خاکی خیامؒ؟ ۔ فانوس خیالی و چراغے در وے

تُرک چوں باشد بیابد خرگہے ۔ خاصہ چوں باشد عزیزِ درگہے

ترجمہ:۔ تُرک (سپاہی) جب (ملازم شاہی) ہوتا ہے تو اس کو خیمہ (وغیرہ سامان ضروری بھی) مل جاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ مقربِ بارگاہ بھی ہو (تو اس کے لیے تو اس سامان کے مل جانے میں کچھ شبہ نہیں۔)

مطلب:۔ جس طرح ایک سپاہی خصوصاً وہ سپاہی جس کا بادشاہ کو بھی خیال ہو۔ اپنا نان ونفقہ بادشاہ کے ذمے سمجھتا ہے اور پھر مطمئن ہو کر خود فکر و تردُّد سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور اسی کو اپنا روزی رساں و کارساز سمجھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے اور اس کو کبھی کسی قسم کی پریشانی پیش نہیں آتی۔ حافظؒ۔

بجانِ دوست کہ غم پردۂ شما ندرد ۔ گر اعتماد بر الطاف کار ساز کنید

سوال:۔ یہ جو کہا ہے کہ اللہ کو روزی رساں و کارساز سمجھنے والے کو کوئی پریشانی نہیں آتی تو پھر اس کی وجہ ہے کہ بعض متوکل لوگ مبتلائے پریشانی دیکھے جاتے ہیں اور بعض اچھے اچھے صالحین دیکھے گئے ہیں کہ ان کو کوئی مشکل یا مصیبت پیش آتی ہے تو ان پر حزن و ملال کے آثار پائے گئے ہیں۔

جواب:۔ متوکلین اور اہلِ تسلیم و رضا کو کسی مشکل و مصیبت میں بے شک ظاہراً پریشانی اور تردُّد عارض ہو سکتا ہے مگر اس کا اثر صرف ظاہر تک محدود ہوتا ہے۔ آخر وہ بشر ہیں۔ اتنا بھی نہ ہو تو بشریت کیا ہوئی۔ ہاں ان کا دل توکل و تسلیم کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ پس اگر کبھی وہ قوتِ مطلوب یا موتِ محبوب پر مخزون و ملول نظر آتے ہیں تو اس کا اثر ان کے دل پر نہیں

ہوتا بلکہ دل میں وہ اس حالت میں بھی خدا کے شاکر اور اس سے بہتری کے امیدوار ہوتے ہیں! اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امیر کا ایک حاضر باش نوکر ہمیشہ دو وقت کھانا امیر کے گھر سے پاتا ہے۔ ایک دن خلاف معمول دو گھنٹے تک کھانا نہیں آیا تو بھوک کی وجہ سے بے شک اس کو تکلیف اور ملال ہو گا۔ تاہم دل کو یہ اطمینان ضرور ہے کہ کھانا خواہ دیر ہی سے آئے مگر یقیناً آ جائے گا۔ اس لیے وہ بھوک کی تکلیف اور انتظار کی پریشانی کے باوجود مایوس نہیں ہوتا اور نہ کسی اور جگہ سے کھانا منگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو تسلی ہے صائبؒ۔

از گرفتارانِ خود صیاد مے گیرد خبر　　فکرِ روزی چند در کنج قفس باشد مرا

اسی طرح متوکلین اہل اللہ فقر و فاقہ اور عسرت و ناداری کی مختلف تکالیف کے باوجود اپنے مالک کی طرف سے متوقع الطاف اور راضی بجمیع حالات رہتے ہیں۔ جامیؒ۔

مہمانِ تو ام در صف اربابِ ارادت　　بنشستہ بہر چیز کہ آیدز تو راضی
بنہادہ بخوانِ کرمت دیدۂ امید　　انعام ترا منتظرم نے متقاضی

سوال(۲): ترک چوں باشد بیابد خر گہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح خرگاہ پانے کے لیے صرف ترک ہونا کافی ہے۔ اسی طرح روزی و رزق کے حصول کے لیے صرف محتاج روزی ہونا کافی ہے۔ پھر روزی آپ سے آپ مل جاتی ہے۔ کسی فکر و تردّد اور کسب و سعی کی ضرورت نہیں۔ اس عقیدہ سے تو اختیارِ اسباب اور سعی و کوشش کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے۔

جواب: اس شعر سے اختیارِ اسباب اور کسب و سعی کی نفی مقصود نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ اس کے فضل و کرم سے ہمیشہ امیدوار رہنا چاہیے کہ وہ ہماری مرادوں کو پورا اور مشکلات کو حل کرے گا۔ باقی اپنی طرف سے اختیارِ اسباب کا ارادہ اور سعی و کوشش کی بجا آوری تو کیوں نہ ہونی چاہیے۔ جب کہ یہ دنیا ہی عالمِ اسباب ہے اور خود خدا تعالیٰ کے قانون نے تمام امور کو موقوف باسباب کیا ہے۔ ترکِ اسباب کے ساتھ فضلِ خداوندی کا متوقع ہونا تو کمال حماقت ہے اور اس کی وہی مثل ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ کے وضع کردہ قانون کی خلاف ورزی کرے اور پھر بادشاہ کی عنایات و مراحم کا امیدوار بھی ہو۔ صائبؒ۔

ایں کہ روزی بے تردّد میر سد افسانہ ایست　　پنجۂ کوشش کلید رزق رادندانہ ایست

حدیث شریف میں ایک بدوی کا قصہ مروی ہے کہ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میں اونٹ کو باندھ کر اس کے محفوظ رہنے کے لیے خدا پر بھروسہ رکھوں یا اس کو مطلق العنان چھوڑ کر بھروسہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِعْقِلْ وَتَوَکَّلْ یعنی اس کو باندھ دے۔ پھر توکل کر جس کا مطلب یہ کہ اگر تم نے اس کو باندھ دیا تو پھر بھی تو خدا ہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ورنہ چور کھول کر لے جائے یا وہ خود رسی توڑ کر بھاگ جائے۔ کاشتکار زمین کو درست کرتا ہے، ہل چلاتا ہے، دانہ بوتا ہے، حفاظت کرتا ہے اور کیا کیا شبا روزی مصیبتیں جھیلتا ہے مگر بایں ہمہ اس کو خدا کی رحمت کا امیدوار رہنا لازم ہے۔ کیا معلوم کوئی آفتِ ارضی یا سماوی فصل کو تباہ کر دے اور پیداوار کا ایک دانہ بھی نصیب نہ ہو۔ یہی توکل ہے۔

یہ تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ کاشتکار خدا کے توکل پر بیٹھ جائے اور اس توکل ہی کے طفیل ناکاشتہ فصل خود بخود پیدا ہو کر اس کی پیداوار کے خرمن لگ جائیں گے اور اناج کے بھرے بھرائے چھکڑے اس کے گھر پہنچ جائیں گے۔ کرامت اور معجزہ الگ چیز ہیں۔ جن کا وقوع سعی و کسب کے بغیر ہوتا ہے اور وہ سلسلۂ اسباب سے خارج بلکہ اس

سلسلہ کے خارق ہوتے ہیں۔ توکل کوئی کرامت اور معجزہ نہیں۔ کرامت خاص خاص اہل اللہ کا حصہ اور معجزہ انبیاء و مرسلین کا کام ہے۔ مگر توکل ہر مسلمان کے فروع ایمان میں سے ہے۔ لہٰذا وہ اسباب سے کام بھی لیں گے اور توکل بھی کریں گے۔
اس مسئلہ کو مفتاح العلوم کے دوسرے حصہ میں شیر و خرگوش کے قصے میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔

تمامی قصہ زندہ شدنِ استخوان بدعائے عیسیٰؑ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ہڈی کے زندہ ہونے کا قصہ

چونکہ عیسیٰؑ دید کاں ابلہ رفیق جز کہ استیزہ نمید اند طریق

ترجمہ:۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بے وقوف رفیق سوائے بحث و تکرار کے اور کوئی طریق (سخن) جانتا ہی نہیں۔

مے نگیرد پندرا از ابلہی بخل مے پندار داد از گمرہی

لغات:۔ ابلہی و گمرہی میں یائے مصدری ہے۔
ترجمہ:۔ (اور) وہ اپنی بیوقوفی سے نصیحت قبول نہیں کرتا۔ بلکہ ہماری معذرت کو اپنی نادانی کے باعث (اسمِ اعظم پڑھنے میں) بخل سمجھتا ہے۔

خواند عیسیٰؑ نام حق بر استخواں از برائے التماسِ آں جواں

ترجمہ:۔ تو حضرت عیسیٰ (علی نبینا و علیہ السلام) نے اس جوان کے اصرار سے مجبور ہو کر ان ہڈیوں پر حق تعالیٰ کا اسم (اعظم) پڑھ دیا۔

حکمِ یزداں از پئے آں خام مرد صورتِ آں استخواں را زندہ کرد

ترجمہ:۔ حکمِ الٰہی نے اس نادان آدمی (کی سزا) کے لیے ان ہڈیوں کے ڈھانچہ کو زندہ کیا۔

از میاں برجست یک شیرِ سیاہ پنجہ بر زد کرد نقشش را تباہ

لغات:۔ از میان۔ فوراً، معاً۔ یعنی ایک لحہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس کا اثنا میں یہ امر واقع ہوا ہے۔ یا اگر ظرفیت مراد ہو تو اس کے معنی از میاں گوے ہو سکتے ہیں۔ یعنی گڑھے میں سے۔ شیر سیاہ کالا شیر۔ شیر کا رنگ عموماً زرد گندم گوں ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ شیر بطور معجزہ زندہ ہوا تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ قدرتِ الٰہی سے وہی شیر بالخصوص سیاہ اندام صورت میں زندہ ہو گیا ہو تا کہ اس کو دیکھ کر سائلِ احمق پر زیادہ خوف و دہشت طاری ہو۔ اس لیے کہ کالی چیز زیادہ ڈراؤنی اور وحشت ناک ہوتی ہے یا جس طرح اردو میں لفظ ''کالا'' ہیبت ناک و موذی چیز کے لیے بولتے ہیں۔ جیسے کالا چور۔ کالا دیو۔ کالی بلا۔ کالے کوسوں اور ان چیزوں کے لیے سیاہی کا وجود ضروری نہیں اور بعض کالی اشیا فی الواقع زیادہ موذی ہوتی ہیں۔ مثلاً کالا سانپ، کالا ریچھ اسی طرح ممکن ہے یہاں سیاہ سے خونخواری و موذی مراد ہو نقشِ وجود جسم، نقش، ہستی۔
ترجمہ:۔ فوراً (یا گڑھے کے اندر سے) ایک کالا (یا خونخوار) شیر کود نکلا۔ اس نے پنجہ مارا اور اس (جوان) کے نقش

(ہستی) کو تباہ کر دیا۔

کلّہ اش برکند و مغزش ریخت زود　　ہمچو جوزے کاندرو مغزے نبود

ترجمہ:۔ اس کی کھوپڑی توڑ ڈالی اور معا اس کا مغز بکھیر دیا۔ جس طرح اخروٹ (سے گری نکال دیتے ہیں تو وہ اس طرح خالی ہو جاتا ہے) کہ گویا اس میں مغز تھا ہی نہیں۔

گر ورا مغزے بدے زا شکستنش　　خود نبودے نقص اِلّا بر تنش

لغات:۔ اشکستن میں الف زائد آیا ہے شکستن بمعنی مردن و مقتول شدن ہے۔

صنائع:۔ مغز سے مراد عقل ہے۔ بطور صنعتِ مشاکلہ۔ کیونکہ اوپر مغز کا ذکر آ چکا ہے۔

ترجمہ:۔ اگر اس میں کچھ مغز (عقل) ہوتا تو اس کے (شیر کے ہاتھوں) قتل ہونے سے صرف بدن ہی پر نقصان آتا (اور روح کو فرحت ہوتی)

مطلب:۔ اگر اس کے اندر کچھ عقلِ معاد اور نورِ معرفت ہوتا تو اوّل تو وہ ایسے فضول سوال کی احمقانہ حرکت ہی کیوں کرتا۔ جس سے ناحق اس کی جان جاتی لیکن اگر تقدیر سے وہ قتل ہو بھی جاتا تو قتل کا اثر صرف اس کے جسم پر محدود ہوتا۔ اس کی روح مسرور و شادکام رہتی۔ صائبؒ ۔

گو ہر از گردِ یتیمی نشود خانہ نشین　　دل اگر زندہ بود ہیچ غم از مردن نیست

لیکن چونکہ اس میں عقلِ معاد نہ تھی۔ نہ نورِ معرفت جو حقیقت کو پہچانتا۔ اس کے جسم پر بھی آفت آئی اور اس کی روح کو بھی موت کی اذیت پہنچی۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ۔ صائبؒ ۔

جانِ بے مغزاں بخاکِ تیرہ واصل میشود　　کاروان کف بپایاں مرگِ ساحل میشود

گفت عیسیٰؑ چوں شتابش کوفتی؟　　گفت زانرو کہ توزاں آشوفتی

لغات:۔ کوفتن کوٹنا، سرکوبی کرنا مراد قتل کرنا۔ آشوفتن آشفتہ شدن، پریشان ہونا۔ متعدی بھی آتا ہے۔

ترجمہ:۔ حضرت عیسیٰؑ نے (شیر سے) پوچھا تو نے اس کی سرکوبی اس قدر جلد کیوں کی؟ اس نے جواب دیا۔ اس لیے کہ آپ نے اس سے پریشانی اٹھائی تھی۔

مطلب:۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنے اصرارِ پیہم سے پریشان کرنے کی جو گستاخی کی۔ اس کی سزا اسے شیر کی صورت میں دی گئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ مقبولانِ حق کے ساتھ گستاخی کرنا اور ان کے ارشاد کی تعمیل نہ کرنا موجب ہلاکت ہے۔ اگر ان بزرگوں کے ساتھ گستاخی کرنے والا جسمانی ہلاکت سے بچ جاتا ہے تو یقیناً روحانی موت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کا دل مر جاتا ہے۔ روح نورِ عرفان سے عاری ہو جاتی ہے۔ دل کا انشراح انقباض سے اور انبساط تکدّر سے بدل جاتا ہے ہر وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کے بجائے ایک پتھر سینے میں رکھا ہے اور سر پر ایک پہاڑ دھر دیا گیا۔ اس شخص کو عیشِ دنیاوی میں بھی کوئی حظ و لذت حاصل نہیں ہوتی۔ کما قیل ۔

آبگینہ است خاطر درویش　　تادرست است باصفا گہرے ست
چوں شکستیش پر حذرے باش　　کے ازو ذرّہ ذرّہ شمشیرے ست

مقبولانِ حق کے ساتھ گستاخی کرنا خطرناک ہے

گفت عیسیٰؑ چوں نخوردی خونِ مرد گفت در قسمت نبودم خون خورد

ترجمہ:۔ پھر حضرت عیسیٰ نے (اس سے) پوچھا۔ تو نے (اس) شخص (کو مار ڈالا تھا تو اس) کا خون کیوں نہ پیا (جیسے کہ ہر شیر کی عادت ہے) اس نے جواب دیا کہ میری قسمت میں خون پینا (لکھا) نہ تھا۔

مطلب:۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ہر چیز جب تک اپنا رزق پورا نہیں پا لیتی اس کو موت نہیں آتی۔ اس بنا پر شیر کہتا ہے کہ چونکہ اپنی طبعی موت کے ساتھ میں پہلے مر چکا ہوں اور اپنا سارا رزق پا چکا ہوں۔ لہٰذا اس کا خون پینا میرے رزقِ مقدر میں داخل نہ تھا۔ اگر اس کا گوشت کھانا یا اس کا خون پینا میرے رزق میں ہوتا تو میں سابقہ طبعی زندگی میں اس کو کھا پی چکا ہوتا یا آج تک اس کو کھانے کے لیے زندہ رہتا۔

اے بسا کس ہمچو آں شیرِ ژیاں صیدِ خود ناخوردہ رفتہ از جہاں

ترجمہ:۔ ارے ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اس مست شیر کی طرح (روزی کا شکار مارنے میں بہت چابک دست یعنی بڑے کماؤ ہیں مگر) اپنا شکار کھائے بغیر دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

مطلب:۔ اوپر ذکر تھا کہ شیر نے اس مردِ مقتول کا گوشت نہ کھایا جس کو اس نے شکار کیا تھا۔ اس لیے مولانا اس عبرت بخش مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ اپنی محنت کے ساتھ کمائے ہوئے مال سے متمتع ہونے کا موقع نہیں پاتے۔ کما قیل ؎

کم رزق را ز دولتِ قارون نصیب نیست بر گنج مار خفتہ ہماں خاک مے خورد

قسمتش کاہے نہ و حرصش چوکوہ ناموجہ کردہ تفصیلِ وجوہ

لغات:۔ کاہ۔ ایک تنکا مراد شے قلیل، ذرہ بھر۔ کوہ سے بہت بڑی چیز مراد ہے۔ ناموجہ امر جس کی کوئی موزوں و مناسب وجہ نہ ہو ناجائز۔ وجوہ۔ جمع وجہ آمدنی۔

ترجمہ:۔ اس کی قسمت میں ایک ذرہ بھر (سے فائدہ اٹھانا) نہیں (لکھا) اور اس کی حرص پہاڑ کے برابر ہے۔ اس لیے ناجائز طریقوں سے آمدنی حاصل (کرنے میں بھی کوتاہی نہیں) کی۔

مطلب:۔ حریص آدمی کو جہاں سے بھی مال مل سکے وہ اس کے حلال و حرام ہونے کی پروا نہیں کرتا۔ سعدیؒ ؎

چوں سگِ درندہ گوشت یافت نہ پرسد کیں شترِ صالح ست یا خرِ دجال

لیکن جب قسمت میں ایک دانہ کھانا بھی مقدر نہیں تو خرمن کے خرمن جمع کیے ہوئے دھرے رہ جاتے ہیں۔ نظامیؒ ؎

بسا دہقاں کہ صد خرمن بکارد ز صد خرمن یکے جو بر ندارد

جمع کردہ مال و رفتہ سوئے گور دشمناں در ماتمِ اوکردہ سُور

لغات:۔ ماتم کسی کے مرنے پر رونا، سوگ۔ سور محفلِ نشاط، جشنِ مسرت۔

ترجمہ:۔ اس نے (کوڑی کوڑی کما کر) مال جمع کیا اور (آخر ناکام و نامراد) قبر کو سدھارا۔ دشمنوں نے اس کے ماتم میں (غم کرنے کے بجائے) جشن منایا۔

مطلب:۔ بخیل اپنے جمع و امساک سے چار طرح کے نقصان اٹھاتا ہے۔ یعنی ایک تو کمانے کی محنت و مشقت۔

دوسرے ناجائز وجوہ کی پاداش میں آخرت کا وبال۔ تیسرے اپنے کمائے مال کے انتفاع سے محرومی۔ چوتھے اس کے مرنے پر دشمنوں کا خوشی منانا کہ اس موذی کا جمع کردہ مال اب ہم کو ملے گا۔ دشمن سے مراد اس کے وارث ہیں۔ خواہ بیٹا ہی ہو۔ کیونکہ وہ بھی اپنے بخیل باپ کی موت چاہتا ہے کہ یہ موذی سانپ کہیں مرے تو خزانہ ہاتھ آئے۔ جامیؒ ۔

آنچہ اندوخت شعلہ طبع لییم بعد مرگ از برائے دشمن ماند

اور دشمن اس کے مرنے پر خوشی نہ منائے تو کیا کرے۔ کما قیل ۔

سازد بخیل دشمنِ خود کائنات را تا کس بمرگِ اونتواند عزا گرفت

اے مسخر کردہ بر مادر جہاں سخرہ و بیگار از ما وارہاں

ترکیب :۔ "برما" اور "در جہاں" جداگانہ جار و مجرور ہیں۔ سخرہ و بیگار مفعول بہ ہے۔ مسخر کردہ کا از ما وارہاں جواب ندا ہے۔

ترجمہ :۔ اے (وہ ذاتِ پاک) جس نے دنیا میں (اس قسم کے) جنجال اور بے گار (کے کاموں) کو ہمارے لیے سہل کر دیا گیا ہے (اور اس لیے ہم ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں) (ان کو) ہم سے دور کر دے۔ امیر خسروؒ ۔

جناحِ حرص جدا کن دل سیاہ مرا کہ ہمچو زاغ و داں در قفائے مردار ست

طُعمہ بنمودہ بماواں بودہ شست آنچناں بنما بما آں را کہ ہست

لغات :۔ طعمہ غذا' خوراک۔ بما ہم کو واں اور شست مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔

ترجمہ :۔ (وہ جنجال) ہم کو (مزیدار) غذا دکھائی دیتی ہے اور (حقیقت میں) وہ کانٹا ہوتی ہے۔ (ہم مچھلی کی طرح غذا کی حرص سے کسی نہ کسی مصیبت کے کانٹے میں پھنس جاتے ہیں۔ الٰہی!) اس کو ہمیں اسی شکل میں دکھا۔ جیسا کہ وہ (فی الواقع) ہے۔

مطلب :۔ دوسرا مصرعہ اس دعائے ماثورہ کا ترجمہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ. یعنی الٰہی ہم کو تمام اشیا کی اصلیت و ماہیت دکھا دے۔ صائبؒ ۔

یا رب از عرفان مرا پیمانۂ سرشار دہ چشم بینا جانِ آگاہ و دلِ بیدار دہ

ہر سر موئے حواسِ من براہے میرود ایں پریشاں سیررا در بزمِ وحدت باردہ

اوپر بخیلوں کی محرومی اور ان کے حسرت ناک انجام سے عبرت گیر ہو کر دعا کی تھی کہ خدا دنیا کی محبت سے بچائے۔

اب پھر اصل قصہ کی طرف عود کرتے ہیں۔

گفت آں شیر اے مسیحا آں شکار بود خالص از برائے اعتبار

لغات :۔ خالص محض اعتبار عبرت پکڑنا یہاں عبرت دلانا مراد ہے۔

ترجمہ :۔ (پھر) اس شیر نے کہا یا حضرت عیسیٰ علیک السلام وہ شکار تو محض عبرت دلانے کے لیے تھا (نہ کہ میری روزی کے لیے)

گر مرا روزی بُدے اندر جہاں خود چکارستے مرا با مُردگاں

لغات :۔ چکارستے چہ کار بودے۔

ترجمہ :۔ اگر دنیا میں (اس کے خون و گوشت سے) میری روزی (مقدر) ہوتی تو پھر مجھ کو مر کر مُردوں میں شامل ہونے سے کیا کام ہوتا (میں زندہ ہی نہ رہتا)۔

مطلب :۔ شیر کا اس شخص کو قتل کرنا اس کو کھانے کی غرض سے نہ تھا بلکہ لوگوں کو یہ عبرت دلانا مقصود تھا کہ ایسے بے

ادب و گستاخ شخص کی یہ سزا ہے۔ جو ایسے ہادیِ کامل اور رہنمائے یکتا کو پا کر ان کے عُلوِّ مرتبت کا پاس نہ رکھے بلکہ اس کو اپنے بے ہودہ سوالات سے دق کر کے بے ادبی کا مرتکب ہو۔ سعدیؒ ؎

سر جا ہلاں بر سردار بہ کہ جاہل بخواری گرفتار بہ

ایں سزائے آنکہ یابد آبِ صاف ہمچو خر در جُو بمیزد از گزاف

لغات:۔ بمیزد فعل مضارع ہے میزیدن بمعنی شاشیدن سے۔ گزاف بے ہودگی۔

ترجمہ:۔ یہ سزا (ہے) اس شخص کی جو صاف پانی پائے اور ایک بیوقوف گدھے کی طرح (بجائے اس کے کہ اس سے سیرابی حاصل کرے بیہودگی سے نہر کے اندر پیشاب کر دے۔ صائبؒ ؎

گاؤ خراز آگہی انسان نخواہد گشت لیک آدمی گرماند کے غافل شود خر میشود

گر بداند قیمتِ آں جوئے خر او بجائے پا نہد در جوئے سر

ترجمہ:۔ اگر وہ گدھا اس نہر کی قدر سمجھتا تو وہ نہر کے اندر پاؤں کے بجائے سر رکھتا۔

مطلب:۔ دونوں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسے نبیِ اولوالعزم کی صحبت سے بہرہ ور ہو جو طہوریتِ نفس اور نزاہتِ ذات کے اعتبار سے بمنزلہ آبِ صاف ہیں اور پھر ان سے بجائے اس کے کہ تزکیۂ روح و تہذیبِ نفس کا استفادہ کرے۔ تن ظاہری کے احیاء و تزئین اور لذائذِ جسمانیہ کے حصول کی آرزو کرے۔ اس کی سزا یہی ہے جو اس بیہودہ سائل نے شیرِ سیاہ کے ہاتھوں قتل ہونے کی صورت میں پائی اور اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کو اس دولتِ صحبت کی قدر نہیں ہے اور یہ خیال نہیں ہے کہ حضرت سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس کی قدر جانتا تو اس درگاہ میں پاؤں کے بجائے سر رکھتا۔ یعنی بیہودہ سوالات کرنے کے بجائے کمالِ ادب و عقیدت سے مناسب اور معقول باتوں کے متعلق استفسار کر کے اپنی طلبِ کمال کی پیاس کو بجھاتا۔ سعدیؒ ؎

بپرس ہرچہ ندانی کہ ذلِّ پرسیدن دلیلِ راہ تو باشد بعزّ و دانائی

او بیابد آں چناں پیغمبرے میرِ آبے زندگانی پرورے

چوں نمیرد پیشِ او از امرِ کُن اے امیرِ آب مارا زندہ کن

لغات:۔ میرِ آب امیر البحر، ذخائرِ آب کا ناظمِ اعلیٰ مہتممِ آب رسانی۔ امرِ کن حکمِ الٰہی۔

ترکیب:۔ اے امیر آب الخ مقولہ ہے وگوید محذوف کا۔ از امرِ کن متعلق ہے نمیرد کے۔

ترجمہ:۔ (جب) وہ ایسے اولوالعزم پیغمبر کو پائے جو امیرِ آب ہے (اور) زندگی بخشنے والا ہے تو کیوں نہ حکمِ الٰہی کے مطابق اس کے آگے جان دے دے (اور کہے) اے امیرِ آب ہم کو (روحانی زندگی سے) زندہ کر دیجئے۔

مطلب:۔ پانی حیوانات و نباتات کا مایۂ زندگی ہے اور انبیاء و اولیا کے فیضِ صحبت سے روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے نبی کو امیرِ آب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب حیاتِ جاوید کے ایک طالب کو امیرِ آب مل جائے تو کیوں نہ وہ اس کے آستانہ پر اپنی جان قربان کر دے اور کیوں نہ اس سے حیاتِ روحانی کے لیے التماس کرے۔ صائبؒ ؎

اے سنگ راہیمنِ نظرِ لعل مے کنی بخت مرا بہ نیم نظر ارجمند کن

امرِ کن میں امر سے امرِ تشریعی مراد ہے۔ یعنی احکامِ الٰہی جو بطور شریعت واجب العمل ہیں اور عام طور پر جو امرِ کن میں

امرِ تکوینی مراد ہوتا ہے۔ یعنی تقدیرِ الٰہی یا قضاءِ الٰہی جس کے مطابق تمام امورِ عالم وقوع پاتے ہیں۔ وہ یہاں مقصود نہیں کیونکہ تکوینیات میں تخلف ناممکن ہے۔ وہاں کسی کو کہہ کر مرنے یا زندگی چاہنے پر آمادہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ امر صدور پاتے ہی خود وقوع میں آ جاتا ہے۔

اختلاف:۔ بحرالعلوم کے متن میں از امرکن کے بجائے کز امرکن درج ہے۔ اس صورت میں کاف بیانیہ مقولہ پر درج ہو گا اور از امرکن زندہ سے متعلق سمجھا جائے گا۔ پس تقدیر یوں ہو گی۔ وبگوید کہ اے امیرِ آب مارا از امرکن زندہ کن۔ ہمارے نزدیک یہ تقدیر زیادہ مستحسن اور اسلم ہے۔ پھر اس شعر کا ترجمہ یوں ہو گا کیونکر نہ اس کے آگے جان دے دے (اور کہے) کہ اے امیرِ آب! ہم کو اللہ کے اذن سے زندہ کر دیجئے۔

ہیں سگِ نفسِ ترا زندہ مخواہ کو عدوے جانِ تست از دیرگاہ

ترجمہ:۔ خبردار! اپنے کتے نفس کی زندگی کے خواہاں نہ بن جانا۔ کیونکہ وہ مدت سے تمہاری جان کا دشمن ہے۔

مطلب:۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَعْدٰی عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ یعنی تیرا بدترین دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ سعدیؒ ۔

حذر از پیروی نفس کہ در راہِ خدا مردم افگن ترازیں غولِ بیابانی نیست

نفس کو جو بدترین دشمن ہے زندہ رکھنے کی آرزو کرنا اسی طرح مضر ہے جس طرح اس بیوقوف سائل نے شیر کی ہڈی کو زندگی دلا کر اپنی زندگی کھوئی۔ لہٰذا اس سگِ درندہ کو ہلاک کرنا ہی اچھا ہے اور اس کی ہلاکت کے لیے طاعات وعبادات کی بجا آوری خنجرِ تیز کا کام کرتی ہے۔

نفسِ سرکش کو کچلنا ہو تو ہو سر بسجود کرنا اس سگ کو مصلّے پر حلال اچھا ہے

خاک برسر استخوانے را کہ آں مانعِ ایں سگ بود از صید جاں

صنائع:۔ سگ کے لیے استخوان مناسبت سے ہے۔ پہلے استخوانِ شیر کا قصہ تھا۔ پھر جسم پر استخوان کے متعلق کچھ ہدایات کیں۔ اس کے بعد یہ سگ واستخوان کا ذکر ہے۔ استخوان کے دائرۂ ذکر میں مختلف مضامین عالیہ کا ایراد پُرلطف ہے۔

ترجمہ:۔ خاک پڑے ایسی ہڈی پر جو اس سگ (نفس) کو جان کے شکار کرنے (یعنی کمالاتِ روحانی کے ساتھ متمتع ہونے) سے مانع ہو۔

مطلب:۔ استخوان سے مراد جسم پر استخوان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کتا ایک ہڈی کی حرص میں کسی اچھے شکار سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس کے لیے جسم وجسمانیات کا اہتمام معانی عالیہ کے شکار سے سدِّ راہ بن جاتا ہے۔ صائبؒ۔

خاکیا نے کہ بمعماریِ تن کوشیدند در رہِ آبِ بقا سدِّ سکندر بستند

سگ نۂ بر استخواں چوں عاشقی؟ دیوچہ وار از چہ بر خوں عاشقی؟

ترجمہ:۔ تم (آخر) کتے نہیں ہو۔ پھر ہڈی پر کیوں عاشق ہو؟ جونک کی طرح خون پر فریفتہ کیوں ہو؟

مطلب:۔ تم جو جسم کے اہتمام پر اس قدر مرتے ہو جو ہڈی اور خون وغیرہ کا مجموعہ ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔ ہڈی کا عاشق کتا اور خون کی مشتاق جونک ہوتی ہے اور تم پر ان دونوں میں سے کسی کا نام صادق نہیں آتا پس اس ہڈی کو چھوڑو۔ روحانیت کے مغز کو مطمحِ نظر بناؤ۔ صائبؒ ۔

مگذار رنگ جسم پذیرد روانِ پاک   این مغز را بزمی ازیں استخواں برآر

آنچہ چشم ست آنکہ بینائیش نیست   ز امتحانہا جز کہ رسوائیش نیست

ترجمہ:۔ وہ بھی کیا (خاک) آنکھ ہے جس کی بینائی نہیں۔ آزمائش کے مواقع میں اس کو رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

مطلب:۔ جب تمہاری چشمِ بصیرت کو اتنی بات محسوس نہیں ہوتی کہ استخوان بہتر ہے یا مغز اور جسمانی لذات مفید ہیں یا روحانی کمالات تو تم میں بصیرت ہی نہیں اور چشم بے بصر بے کار ہے۔ پھر تم اپنے آپ کو لاکھ بصیر اور دیدہ ور کہو مگر امتحان کے وقت تمہاری بے بصری نمایاں ہو کر رہے گی۔

سہو باشد ظنّہارا گاہ گاہ   ایں چہ ظن ست ایں کہ کور آمد زِ راہ

ترجمہ:۔ ظنیات میں (بے شبہ) کبھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے (جو معاف ہے مگر) یہ کہاں کا ظن ہے کہ (کوئی) اندھا ہو کر راہ چلنے لگے۔

مطلب:۔ اگر مغز و استخوان میں عدم تمیز مبنی بر سہو کہی جائے جو قابلِ معافی سمجھی جاتی ہے تو سہو تو کبھی کبھی وقوع پاتی ہے جیسے ایک سیدھے راستے پر چلنے والا راہرو کہیں غلطی سے ٹھوکر کھا جائے مگر تمہاری عدمِ تمیز تو ایسی مسلسل اور لگاتار ہے کہ گویا تم نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر چلنے کی ٹھان رکھی ہے۔ پس ایسی تغافل شعاری قابلِ معافی نہیں ہو سکتی۔ سعدیؒ ؎

غبارِ ہوا چشمِ عقلت بدوخت   سمومِ ہوس کشتِ عمرت بسوخت
بکن سرمۂ عقلت از چشم پاک   کہ فردا شوی سرمہ در زیرِ خاک

کردۂ بردیگراں نوحہ گری   مدتے بنشیں و برخود مے گری

ترجمہ:۔ تم نے مدتوں دوسروں (کی اصلاحِ عادات) کا رونا رویا ہے۔ تم کو کچھ عرصہ بیٹھ کر اپنے آپ پر بھی رونا چاہیے (کہ کہاں تک گرفتارِ عیوب ہو رہے ہو)۔ ؎

صائب بعیبِ خویش فنادست کارِما   ز انرو زباں ز نیک و بد خلق بستہ ایم
نگاہِ عیب گیری سے جو دیکھا اہلِ عالم کو   کوئی فاسد کوئی ملحد کوئی زندیقِ اکبر تھا
مگر دل احتسابِ نفس پر جس دم ہوا مائل   ہوا ثابت کہ ہر فرزند آدم ہم سے بہتر تھا

زابرِ گریاں شاخِ سبز و تر شود   ز انکہ شمع از گریہ روشن تر شود

ترجمہ:۔ (رونا اس قدر مفید ہے کہ) روتے بادل کی بدولت شاخ ہری بھری ہو جاتی ہے (چنانچہ) شمع بھی رونے سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔

مطلب:۔ موم بتی سے جب کچھ قطراتِ موم ٹپک جاتے ہیں تو اس کا ریسمانی ریشہ لمبا ہو جانے سے زیادہ روشنی ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ تم بھی اپنی حالت پر گریہ وزاری کرو تو تمہاری باطنی نورانیت کو ترقی ہو گی اور شاخِ سبز کی طرح تم کو باطنی تر و تازگی حاصل ہو جائے گی۔ ؎

نور خورشید دہد دیدۂ دل را صائب   گریہ چوں شمعِ نہاں در دلِ شبہا کردن

حافظؒ ؎ گریہ آبے برخ سوختگاں باز آورد نالۂ فریاد رسِ عاشق مسکین آمد

ہر کجا نوحہ کنند آنجا نشیں ز انکہ تو اولیٰ تری اندر حنیں

لغات:۔ نوحہ بفتح نون مردے پر بآواز رونا، بین کرنا۔ حنیں۔ رونا چلانا۔

ترجمہ:۔ جہاں (مردے پر) رو رو کر بین کیے جاتے ہوں تم وہاں بیٹھا کرو (تاکہ تمہارا دل بھی مائل بگریہ ہو) کیونکہ (ان لوگوں کی بہ نسبت' تمھارے لیے رونا زیادہ مناسب ہے۔

مطلب:۔ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ رونے والوں کے پاس بیٹھنے سے رونا آتا ہے۔ لہٰذا اکتساب گریہ کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ نوحہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو۔ نوحہ کرنا ہر چند شرح میں ممنوع و حرام ہے۔ مگر تمہارا رونا اس مردے پر رونا نہیں ہوگا اور یہ مسلّمہ بات ہے کہ ایک مردے پر بیٹھ کر رونے والے اپنے اپنے دکھ کا رونا رویا کرتے ہیں۔ صائبؒ ؎

گریۂ شمع از برائے ماتمِ پروانہ نیست صبح نزدیک است در فکرِ شبِ تارِ خودست

پھر تم کو بھی بالین پروانہ پر بیٹھ کر اپنی شبِ تاریک کے غم میں رونا آئے گا۔ یعنی نوحہ کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے دل نرم ہوگا اور تم خشیتِ اعمال اور خوفِ حق سے رونے لگو گے۔ آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ کیوں ہمارے لیے رونا زیادہ مناسب ہے۔

ز انکہ ایشاں در فراقِ فانیَند غافل از لعلِ بقائے کانیَند

ترکیب:۔ لعلِ بقا میں اضافتِ تشبیہی ہے اور کانی لعل کی صفت ہے۔

ترجمہ:۔ کیونکہ یہ لوگ تو ایک فانی چیز (یعنی مردے) کے فراق میں (مبتلا ہو کر رو رہے ہیں) اور ابدی زندگی کے معدنی لعل (کی قدر و قیمت) سے بے خبر ہیں۔

مطلب:۔ جب یہ لوگ اپنی لاعلمی سے ایک فانی چیز پر اس قدر آہ و بکا کر رہے ہیں تو تمہارا ایک ابدی گوہرِ بے بہا کے لیے نالہ و شیون کرنا تو بطریقِ اولیٰ ضروری ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ تمہارا نوحہ گری کے ساتھ رونا جو شرعاً ممنوع ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں ان کی تقلید نہ کرنے لگو۔ یعنی جس فانی چیز کے لیے وہ روتے ہیں تم بھی ان کی دیکھا دیکھی اسی فانی چیز کے لیے یا اس کی سی کسی اور چیز فانی کے لیے نہ رونے لگو اور اس طرح کسی بیہودہ امر میں کسی کا اتباع کرنا اور اس کی غرض و غایت کو نہ دیکھنا تقلیدِ مذموم ہے۔ جیسے کہ ایک کہانی مشہور ہے کہ کسی کمہار کا گدھا مر گیا۔ اس پر وہ نوحہ کرنے لگا۔ اس کی عورت بھی شریکِ ماتم ہوگئی۔ بچے بھی رونے لگے۔ پڑوسیوں کو حقیقتِ حال معلوم نہ تھی۔ مگر یہ المناک ماتم دیکھ کر ان سے بھی نہ رہا گیا۔ بے تحاشا رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ آخر یہ ناگہانی شور و شیون شہر کے اس سرے سے اس سرے تک آگ کی طرح بڑھتا گیا۔ سارے شہر کو مصروفِ بکا دیکھ کر بادشاہ بھی آبدیدہ ہو گیا اور محلاتِ شاہی میں بھی صفِ ماتم بچھ گئی۔ مگر کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ماتم کہاں سے شروع ہوا اور کس لیے ہوا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ یہ سارا ہنگامہ عزا ایک گدھے کی موت پر ہوا تو سب کو اپنی اس تقلیدِ مذموم پر نادم ہونا پڑا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ تمھارے لیے نوحہ محض اسی تقلیدِ مذموم کی وجہ سے ممنوع کر دیا گیا۔ ورنہ وہ خود بری چیز نہ تھا۔ گویا وہ ممنوع لنفسہا نہیں ہے بلکہ لغیرہا ہے۔

زانکہ بردل نقش تقلید ست بند　　رو بآبِ چشم بندش را برند

لغات:۔ بند رکاوٹ، مانع، وجۂ منع۔ آبِ چشم اشکباری گریہ۔ برند رندیدن بمعنی ستردن سے۔

ترجمہ:۔ (تمھارے لیے نوحہ و نالہ) اس لیے (ممنوع ہے) کہ (تمھارے) دل پر (جو دوسروں کی) دیکھا دیکھی (مردے کے لیے) رو دینے کی عادت کا نقش (بیٹھا ہوا ہے۔ وہ) باعث ممنوعیت ہے۔ (پس) جاؤ (گریہ خشیت کی پرخلوص) اشکباری سے اس باعثِ ممنوعیت کو رفع کر دو۔

مطلب:۔ تم فانی چیز کے لیے رونے والوں کی تقلید میں گریہ نہ کرو بلکہ ندامتِ اعمال، خوفِ عقبیٰ، یادِ الٰہی اور عشقِ حقیقی تمھارے رونے کا باعث ہو۔ پھر وہ وجۂ ممنوعیت نہ رہے گی اور تمھارے لیے رونا جائز بلکہ مستحسن ٹھہرے گا۔ خواہ تم صفِ ماتم یا حلقۂ فاتحین میں بیٹھے ہی رو رہے ہو۔ آگے اس قسم کی تقلیدِ مذموم کی مذمت فرماتے ہیں۔

نکتہ:۔ اکثر شارحین نے تقلید سے نہ رونے والوں کی تقلید مراد سمجھی جائے۔ یعنی تم کو نہ رونا چاہیے اور نہ رونے والوں کی تقلید کرنی چاہیے۔ مگر ہمارے نزدیک اس سے فانی چیز کے لیے رونے والوں کی تقلید مراد ہے کہ وہی ممنوعیتِ نالہ و بکا کی باعث ہے۔ اہلِ ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ اس ترجمہ میں کلمہ بند اور کلمۂ تعلیل ''زانکہ'' جس عمدگی کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ پہلے ترجمہ میں نہیں ہوتا۔

زاں کہ تقلید آفتِ ہر نیکوی ست　　کہ بود تقلید اگر کوہِ قوی ست

ترجمہ:۔ کیونکہ تقلید (مذموم) ہر نیکی کے لیے ایک آفت ہے (اس قسم کی) تقلید اگر (اپنی اہمیت و عظمت کے لحاظ سے) بھاری پہاڑ (کے برابر) ہے تو بھی غیر نافع ہونے کے اعتبار سے) ایک تنکے کے برابر (بے حقیقت) ہے۔

مطلب:۔ تقلیدِ مذموم جس کو بھیڑ چال کہتے ہیں۔ ایک لاشے اور فضول امر ہے۔ اس قسم کی تقلید سے اگر نیکی بھی کی جائے تو چونکہ وہ ذوق و شوق اور رغبت و ارادت سے خالی ہوتی ہے اور اس سے آگے کی بہتر حالت کی طرف ترقی کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ نیکی لاحاصل ہے۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ۝ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ.

" اور اے پیغمبر! اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے جب کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں کے مالدار لوگ یہی کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے قدم بہ قدم چلیں گے۔ پیغمبر نے (ان کے جواب میں) کہا۔ کیا اگر میں تم کو اس سے بڑھ کر ٹھیک راستہ بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو انھوں نے کہا (کچھ بھی ہو) ہم تو جو کچھ تم دے کر بھیجے گئے ہو، اس کو مانتے نہیں۔ (زخرف ع ۲)

لہٰذا ایسی تقلید اس نیکی کے لیے جو مقلد بجا لا رہا ہے اور ان ترقیاتِ روحانیہ کے لیے جن کا حصول ممکن ہے ایک آفت ہے۔ کیونکہ موجودہ نیکی کو وہ باطل کر دیتی ہے اور ترقیاتِ ممکنہ سے انسان کو روک دیتی ہے۔

سعدیؒ　عبادت بتقلید گمراہی است　　خنک رہروے راکہ آگاہی است

انتباہ:۔ واضح رہے کہ یہاں تقلید سے خاص وہ تقلید مراد ہے جو اس کی ایک مذموم قسم ہے۔ جو کورانہ اعمال بجا لانے کی مستلزم ہے۔ جو عبادت کو ایک رسم و عادت بنا دیتی ہے۔ جس میں [illegible] رضائے حق اور ثوابِ آخرت مقصود نہیں ہوتا

تقلید محمود

بلکہ محض ایک رسم و رواج کی بجا آوری مدنظر ہوتی ہے۔ جو چشم بصیرت کے لیے تعصب کی پٹی بن جاتی ہے اور جو ذہنی ارتقاء اور روحانی ترقی کی مانع ہوتی ہے۔ یہاں مطلقاً تقلید کی مذمت مقصود نہیں کیونکہ اس کی ایک قسم تقلید محمود ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ امر حق کو بلاحیل و حجت تسلیم کرلیا جائے۔ یہ تقلید اختلاف و نزاع کے لیے تیغ قاطع ہے اور فوائد و تلمذ اور فیوض بیعت کا اس پر مدار ہے۔ یہاں یہ تقلید مراد نہیں ہے کیونکہ وہ خیر محض ہے۔ پس مولانا اس کی مذمت کیوں کرنے لگے تھے۔ اقبال سلمہ ؎

نقش بر دل معنیِ توحید کن　　چارۂ کار خود از تقلید کن

کیفیتہا خیزد از صہبائے عشق　　ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

کاملِ بسطام در تقلیدِ فرد　　اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

عاشقی محکم شود از تقلیدِ یار

تا کمندِ تو شود یزداں شکار

اصطلاحِ فقہ میں تقلید کی ایک اور تعریف ہے۔ یعنی شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں کسی خاص مجتہد مطلق کے فتاوے کو جو کتاب و سنت اور اجماع و قیاس پر مبنی ہو اپنا لائحہ عمل بنالینا۔ یہ تقلید اسلام کے سوادِ اعظم یعنی اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ صرف ایک شرذمۂ قلیلہ جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتا ہے اور اہلِ تقلید نے اس کو غیر مقلد کا خطاب بخشا ہے۔ یہاں یہ تقلیدِ مصطلح بھی مراد نہیں کیونکہ مولانا خود امامِ اعظم حضرت ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت کوفیؒ کے مقلد تھے۔ چنانچہ کتاب جواہر مضیئہ جو خاص علمائے حنفیہ کے حالات میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مستند کتاب ہے اس میں مولانا کا تذکرہ درج ہونا ان کے مقلد ابوحنیفہؒ ہونے کی روشن ترین دلیل ہے۔ اس کتاب میں آپ کے بارے میں لکھا ہے۔

تقلید مصطلح اور فرقہ اہل حدیث

كان عالما بالمذاهب واسع الفقه عالما بالخلاف وانواع العلوم.

پس ناممکن ہے کہ مولانا خود مقلد ہوکر ان ابیات میں تقلید مصطلح کی مذمت کریں۔ جس طرح بعض فارسی خوان ہندو اپنے مذہبی عقیدہ تناسخ کے ثبوت میں مثنوی کا کوئی شعر پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ مولانا روم بھی تناسخ کے قائل تھے اور بعض شیعہ مثنوی کے بعض اشعار سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ مولانا حضرت علیؓ کی خلافتِ بلافصل کے قائل تھے۔ اسی طرح ممکن ہے کوئی اہلِ حدیث یا غیر مقلد بھی مثنوی کے شعر ؎

زاں کہ تقلید آفتِ ہر نیکویست　　کہ بود تقلید گر کوہ قوی ست

کو سامنے رکھ کر یہ دعویٰ کرنے لگے کہ مولانا بھی ہماری طرح تقلیدِ امام کے مخالف اور اجتہادِ عام کے حامی تھے۔ ایسی توجیہ توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ کہلاتی ہے۔ یعنی کسی قول کا ایسے معنی نکالنا جو خود صاحبِ قول کے نزدیک مسلم نہ ہو۔ یہ ایک جاہلانہ توجیہ ہے اور جاہل کے جواب میں خاموشی اچھی ہے۔ کما قیل ؎

اذا نَطَقَ السفيهُ فلا تُجِبْه　　فخيرٌ مِن اجابتهِ السُّكوت

مفتاح العلوم حصہ دوم میں خواجہ تاجر کی حکایت کے خاتمہ کے قریب ایک اسی قسم کے شعر کی شرح میں جس سے تناسخ کا شبہ ہوتا ہے ہم نے مبسوط بحث کی ہے۔ اب اس کورانہ تقلید اور بے بصرانہ اتباع کی خامی ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہیں۔

گر ضریرے لمترست و تیز خشم　　گوشت پارۂ اش داں کہ او رانیست چشم

لغات:۔ ضریر ضرر رسیدہ، بیمار، لاغر۔ مگر زیادہ تر اس کا اطلاق نابینا پر ہوتا ہے۔ لمتر بفتحِ لام وسکون میم وضمۂ تاء فربہ،

موٹا، بھدا۔ تیز خشم تند مزاج غصیل۔

ترجمہ:۔ اگر ایک نابینا (آدمی) فربہ (و توانا) اور (ساتھ ہی) تند مزاج (بھی) ہے تو اس کو گوشت کا ایک لوتھڑا سمجھو کیونکہ اس کی آنکھیں نہیں ہیں۔

مطلب:۔ موٹا اور غصیل آدمی اپنے بھاری بھرکم وجود کی نمائش اور اپنی تند و تیز تقریر سے کتنا ہی لوگوں پر رعب ڈالنا چاہے مگر جب اس کی آنکھیں نہیں تو اس کی باتوں کا سکہ دلوں پر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے سنی سنائی باتوں کی بنا پر کہتا ہے۔ چشم دید نہیں کہتا۔ اس کا سارا علم کورانہ تقلید پر مبنی ہے۔ امیر خسروؒ ؎

سخن کہ عزت تحقیق نیست اندروے　　چو بانگِ گاؤ بنزدیکِ عاقلاں خوارست

گر سخن گوید ز مو باریک تر　　آں سرش رازاں سخن نبود خبر

ترجمہ:۔ اگر وہ کوئی (نہایت نکتہ خیز اور) بال سے زیادہ باریک بات کہتا ہے تو (صرف طوطے کی طرح رٹی ہوئی بات کہتا ہے) اس کے اس دماغ کو اس بات کی خبر تک نہیں (کہ اس کی اصلیت کیا ہے)۔

مطلب:۔ کوئی معاملہ چشم دید ہو یا کوئی حال اپنے سر پر گزرا ہو۔ یا کوئی نکتہ اپنے دماغ سے نکلا ہو تو اس کا سنانا ایک بات بھی ہے۔ مگر یہاں تو حافظ جی نے جو کچھ لوگوں سے سن لیا۔ اس کو رٹ کر کہنا شروع کر دیا۔ اس کا اثر کیا خاک ہو۔ اسی طرح مقلد و ناقل بھی گویا اندھا ہے۔ وہ خواہ کتنی ہی نکتہ خیز بات کرے۔ مگر چونکہ وہ خود صاحبِ حال نہیں کہ جو کچھ کہے دل و دماغ سے کہے بلکہ اس کی ساری باتیں نقل و محاکات ہیں۔ اس لیے وہ خود نہ ان کے خاص معانی سے لذت گیر ہے اور نہ اس کی اصلی کیفیت سے متاثر ہے۔ پھر دوسروں پر کیا اثر ہو۔ جامیؒ ؎

خواجہ زند بانگ کہ صنعتِ درم　　مس شود از جودت صنعت زرم
لیک اگر دست بجنبش نہی　　چوں کفِ مفلس بود از زر تہی
کیسہ چو خالی بود از زر و سیم　　دعوئِ اکسیر چہ شود از حکیم

مستیئے داروز گفتِ خود و لیک　　از بروئے تابُمے راہیست نیک

لغات:۔ از بروئے بمعنی از دے کلمہ برزائد ہے۔ نیک بسیار دور دراز۔

ترجمہ:۔ وہ (اس طرح جھوم جھوم کر تقریر کرتا ہے۔ گویا) اپنی تقریر سے خود مست ہو رہا ہے لیکن اس سے شرابِ حقیقت تک (ایک) دور دراز راستہ (حائل) ہے۔

مطلب:۔ اس کے اندازِ تقریر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحبِ حال ہے اور اپنے بیان سے خود مست ہو رہا ہے۔ مگر اس کو اس مقام کی ہوا تک نہیں لگی۔ اس نے شرابِ حقیقت کی بو تک نہیں پائی وہ اس سے مست تو کہاں ہوتا۔ حافظؒ ؎

واعظِ مابوئے حق نشنید بشو ایں سخن　　در حضورش نیز مے گویم نہ غیبت میکنم
لاف ہر ناخلف از جانبرد جامی را　　راہِ موئیٰ نبرد بانگ چو گو سالہ کند

ہمچو جویست او نہ آبے میخورد　　آب از و بر آب خواراں بگذرد

ترجمہ:۔ اس کی مثال ایک نہر کی سی ہے۔ جو خود پانی نہیں پیتی (بلکہ) اس کا پانی (دوسرے) پانی پینے والے لوگوں پر

گزرتا ہے (اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں)۔

مطلب:۔ اسی طرح ایک مقلدِ بے بصیرت جو کلام الٰہی اور ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ملفوظاتِ بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یاد کر کے لوگوں کو سناتا ہے تو خود اس کے اپنے دل میں ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا مگر لوگوں پر ان کا اثر ہو جاتا ہے۔

مولانا کے اس قول سے ایک اور اخلاقی بات صاف ہو گئی۔ یعنی یہ جو مشہور ہے کہ عالمِ بے عمل کی نصیحت دوسروں پر اثر نہیں کرتی تو مولانا فرماتے ہیں کہ اثر کر جاتی ہے کسی بزرگ کا قول ہے اور شاید حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یعنی جو عالم خود عامل نہیں۔ وہ دوسروں کو کیا ہدایت دے سکتا ہے اور اس کی نصیحت سے دوسروں کا حجابِ غفلت کب اُٹھ سکتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس کی تردید یوں کی ہے۔ جو مولانا کے قول کی مانند ہے۔

گفت عالم بگوشِ جاں بشنو در نماند بگفتنش کردار

باطل است آنچہ مدعی گوید خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش در ہشت ست پند بر دیوار

آگے نہر میں پانی کے نہ ٹھہرنے یعنی عالم بے عمل پر اس کے خود اپنے اقوال کے اثر نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

آب در جوزاں نمے گیرد قرار زاں کہ آں جو نیست تشنہ و آبخور

ترجمہ:۔ پانی نہر میں اس لیے نہیں ٹھہرتا کہ وہ نہر پیاسی اور پانی پینے کی محتاج نہیں ہے۔

مطلب:۔ اسی طرح واعظِ بے عمل پر خود اس کا اپنا وعظ اس لیے مؤثر نہیں کہ اس کو ان اقوالِ متبرکہ کے ساتھ طبعی انس اور میلان نہیں ہے اور اس کا دل ان کو پورے شوق و ذوق سے قبول نہیں کرتا۔ صرف ان کلمات کو رٹ کر سناتے پھرنا ایک پیشہ بنالیتا ہے۔

اول دل و زبانِ خود از توبہ پاک کن صائب اگر نصیحتِ احباب مے کنی

ہمچو نائے نالۂ زارے کند لیک بیگارِ خریدارے کند

لغات:۔ زارے اور خریدارے میں یا تو یاءِ مجہول تنکیر کے لیے ہے اور اس صورت میں زار صفت ہے۔ نالہ کی یا یہ یاءِ معروف ہے۔ مصدری اس تقدیر پر نالہ و زاری میں عطف ہے۔

ترجمہ:۔ (۱) (مقلدِ بے بصر یا واعظِ بے عمل کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک بانسری جو ایک نالۂ دردناک کرتی ہے لیکن (خود اپنے اوپر اس کا اثر نہیں ہوتا بلکہ) ایک خریدار (کو پھانسنے) کی بیگار کر رہی ہے۔ (جو نے فروش نے اس پر ڈال رکھی ہے)۔

(۲) جیسے بانسری جو نالہ و زاری کرتی ہے۔ لیکن (خود اپنے اوپر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بانسریوں کی) خریداری (کا بازار گرم کرنے) کی بیگار کر رہی ہے۔ (جو نے فروش نے اس پر ڈال رکھی ہے۔)

مطلب:۔ مقلدِ بے بصر یا واعظِ بے عمل کی یہ دوسری مثال ہے۔ خریدار سے یا تو بنسری کا خریدار بمعنی مشتری مراد ہے۔ جو اس کے خریدنے سے پہلے اس کی آواز اور سروں کو سن کر پسند کرتا ہے یا بمعنی شائق مراد ہے۔ یعنی وہ شخص جو صرف

بے عمل کا وعظ موثر ہوتا ہے یا غیر موثر

اس کی آواز اور سروں کو سن کر خواہاں ہے بنسری کو خرید کرنا اور خود اس کو بجانا اس کا مقصد نہیں۔ جیسے عاشق کو معشوق کا خریدار کہہ دیتے ہیں۔ سعدیؒ ۔

پیشِ کسے رو کہ خریدارِ تست ناز براں کن کہ طلبگارِ تست

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث جز طمع نبود مرادِ آں خبیث

لغات:۔ نوحہ گر وہ عورت جو نوحہ کرنے کا پیشہ کرتی ہے اور اس کی اجرت لیتی ہے۔ وہ ماتم کی مجلس میں دف وغیرہ کسی ساز کے ساتھ دردناک آواز میں گاتی ہے اور دوسری عورتیں اس کے الفاظ کے ساتھ آواز ملاتی اور روتی ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ کام مراثنیں کرتی ہیں۔ خبیث ناپاک آدمی نوحہ گر کو اس کے پیشے کی ناپاکی کے سبب سے یہ لقب دیا ہے۔

ترجمہ:۔ نوحہ گر (صرف) رٹے ہوئے دردناک فقروں کا ناقل ہوتا ہے۔ اس کے دل میں کسی قسم کے غم وحسرت کا اثر نہیں ہوتا (اور) سوائے (اپنی اجرت کی) طمع کے اس خبیث آدمی کا (اور کوئی) مقصد نہیں ہوتا۔

مطلب:۔ چنانچہ پیشہ ور واعظ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے روپیہ پیسہ، غلہ، کپڑا وغیرہ بٹورے۔ خود عبرت گیر ہونا اور لوگوں کو ہدایت کرنا اس کی مراد نہیں ہوتی اور اسی طرح ہر مقلد و ناقل جو ناصح بن جاتا ہے اس کا اس کام سے کوئی خاص ذاتی مقصد ہوتا ہے۔ ؎

حدیثِ عشق ز حافظ شنو نہ از واعظ اگرچہ صنعتِ بسیار در عبادت کرد

نوحہ گر گوید حدیثِ سوز ناک لیک کو سوزِ دل و دامانِ چاک

ترجمہ:۔ نوحہ گر (زبان سے) دردناک فقرے بولتا ہے مگر (اس کے پاس) دردِ دل اور دامنِ چاک کہاں ہے؟

مطلب:۔ مقلدِ بے بصر یا واعظِ پیشہ ور ہزار دلآویز باتیں کہے۔ لیکن چونکہ وہ صاحبِ حال نہیں ہے اس لیے اس کے دل میں ان کا اثر نہیں ہوتا۔ صائبؒ ۔

ہر کہ دستش بازباں سبقت کند مردست مرد ورنہ ہر ناقص جوانمردست در صحرائے لاف

ازِ مقلِد تا محقِق فرقہاست کایں چو داؤدست وآں دیگر صداست

لغات:۔ محقق وہ شخص جو اپنی تحقیق وطلب سے ہر بات کی تہ کو پہنچ جائے۔ صرف سنی سنائی باتوں کو مدارِ عمل نہ بنائے۔ داؤد۔ ایک پیغمبر ہوئے ہیں جو صاحب تاج ونگیں بھی تھے اور ان کی خوش آوازی بھی ضرب المثل ہے۔ لحنِ داؤدی ادبیات فارسی میں اکثر مذکور ہے۔ تفسیر خازن وغیرہ میں بذیل آیہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۔

اور ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے کئی قسم کی برتری دی تھی (اور پہاڑوں کو حکم دیا تھا) پہاڑو! تسبیح وتلاوت میں داؤدؑ کے ساتھ ان کی جوابی بنو اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا تھا) لکھا ہے کہ فضل سے مراد نبوت اور کتاب ہے اور بعض کے نزدیک خوبی آواز وغیرہ کی جو خاص صفاتِ منفرد ان کو عطا کی گئی تھیں وہ مراد ہیں اور لکھا ہے کہ جب داؤد علیہ السلام اپنی مخصوص دلآویز آواز سے تسبیح پڑھتے یا سوز وگداز سے یادِ الٰہی کرتے تو پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ اپنی آواز ملاتے اور پرندوں پر بھی ایک وجد کی حالت طاری ہوتی تھی آدمیوں کا تو کیا مذکور۔ صدا گونج، آواز، صوت۔

ترجمہ:۔ مقلد اور محقق میں فرق (کے) بہت سے (مدارج) ہیں کیونکہ یہ (محقق تو) گویا (داؤد علیہ السلام کی طرح صاحب آواز) ہے اور وہ (مقلدِ محض) آواز

مطلب:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ جب کبھی ان کی طبیعت پر کچھ پریشانی طاری ہوتی تو اپنے مخصوص انداز میں سوز و گداز کے ساتھ یادِ الٰہی کرنے لگتے۔ جس کو سن کر پرندے اِدھر اُدھر سے اڑ کر آتے اور آپ پر حلقہ کر لیتے اور کچھ پرندے آپ کے سر پر چکر لگاتے رہتے۔ اس تسبیح و تحمید سے آپ کے دل کو سرور و طمانیت حاصل ہو جاتی۔ پس آپ کا تسبیح و تحمید پر مائل ہونا، موثر الحان نکالنا، مخصوص انداز اختیار کرنا اپنے دل کو اس سے مسرور و مطمئن کرنا یہ ساری باتیں خاص نیت اور ارادہ سے وقوع پاتی تھیں۔ یہی شان محقق کی ہوتی ہے کہ جو کچھ بولتا اور کہتا ہے سوچ سمجھ کر خاص نیت اور ارادہ سے کہتا ہے۔ بخلاف اس کے مقلد کی مثال آواز کی سی ہے کہ جس طرح صاحب آواز نے حلق سے اس کو نکالا نکل آئی۔ جب بند کرنا چاہا بند ہو گئی۔ خود آواز کے ارادہ و نیت کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں۔ حافظؒ

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ہرچہ استاذِ ازل گفت بگو میگویم

منبعِ گفتارِ ایں سوزے بود واں مقلد کہنہ آموزے بود

ترجمہ:۔ اس (محقق) کے کلام کا سرچشمہ (وہ) سوز ہوتا ہے (جو دل سے اٹھتا ہے۔ اس لیے اس کا کلام بھی دل سے نکلتا ہے) اور وہ مقلد پرانا سیکھا ہوا ہوتا ہے (اس لیے اس کا کلام صرف زبان سے نکلتا ہے۔ دل کو خبر نہیں)۔

ہیں مشو غرّہ بداں گفتِ حزیں باربر گاؤست و بر گردوں حنیں

لغات:۔ غرہ مغرور۔ غرہ شدن دھوکا کھانا، مسرور ہو جانا۔ حزیں غمناک، الناک عموماً صاحب غم کی صفت واقع ہوتا ہے۔ مگر یہاں موجبِ غم کی صفت بمعنی الم انگیز واقع ہوا۔ گردوں گاڑی، چھکڑا۔ حنیں نالہ و بکا۔

ترجمہ:۔ خبردار اس (قسم کی) درد انگیز بات سے دھوکا نہ کھانا (یعنی اس کے مقلد کو صاحبِ درد نہ سمجھ لینا۔ اس کی مثال تو وہ ہے کہ) بوجھ بیل پر (لدا) ہے اور گاڑی چوں چوں کر رہی ہے۔

مطلب:۔ بار برداری کا درد اگر ہے تو بیل کو ہے۔ اگر وہ چیختا چلاتا تو اس کا نالہ و فریاد درد کی وجہ سے سمجھا جاتا۔ مگر چلا رہا ہے چھکڑا۔ جس کو نہ درد ہے نہ درد کا احساس۔ یہی مثال ہے مقلِد بیدرد اور محقق صاحب درد کی۔ جامیؒ

غریق لجۂ عرفاں خموش چوں ماہی بہر زہ نعرہ زناں واعظ از کنارہ چو غوک

ہم مقلِد نیست محروم از ثواب نوحہ گر را مزد باشد در حساب

لغات:۔ مزد مزدوری، اجرت، معاوضہ۔ در حساب حساب میں آیا ہوا، طے شدہ، مسلمہ، مقررہ۔

ترجمہ:۔ مگر دیکھا دیکھی عمل کرنے والا بھی (اپنے عمل کے) ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ (چنانچہ) نوحہ گر کے لیے (بھی اس کے کام کی) اجرت مقرر ہوتی ہے۔

مطلب:۔ جس کسی کو محقق ہونے کی توفیق نہ ہو تو اس کا مقلِد ہو کر نیک لوگوں کی نقل کرنا بھی خالی از فائدہ نہیں۔ بشرطیکہ اس کی نیت محض اتباع و امتثال کی ہو۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا ایها الناس ابکوا فان لم تستطیعوا فتباکوا الخ.

یعنی لوگو! رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بنا لیا کرو (مشکوٰۃ باب صفۃ اہل النار)

اس سے ثابت ہے کہ اگر کوئی نیکی اپنی خاص کیفیت اور قلبی تحریک سے صدور نہ پا سکے تو اس کی نقل و محاکات بھی مفید

ہے۔ بشرطیکہ اس سے محض نیکی مقصود ہو۔ ریا و سمعت یا کسبِ زر اس سے مقصود نہ ہو۔ اس سے ایک تو خلوصِ نیت کا اجر ملتا ہے۔ دوسرے پھر اس قسم کی نیکیوں سے طبیعت مانوس ہو جاتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

یعنی میں نیک ہونے کا مدعی نہیں۔ مگر نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہوں۔ شاید اللہ اسی کی بدولت مجھے نیک بنا دے۔

ولنعم ما قیل۔ فی الجملۃ نسبتے بتوکافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

بلکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ ریا کا عمل اگرچہ برا بلکہ داخلِ محاکات ہے مگر عمل نہ کرنے سے وہ بھی اچھا ہے کیونکہ اس سے پہلے تو عمل کی عادت ہو جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں خلوص وارادت پیدا ہو جانے کی بھی امید ہے۔ بہر حال پہلے عمل ہونا چاہیے۔ پھر اخلاص کی کوشش کی جائے۔ جامیؒ ۔

ز توفیقِ عمل چوں خلعتِ خاص رسد آنرا معطر کن باخلاص

اب پھر محقق و مقلد کے فرق کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اس کے لیے دو مثالیں بیان کریں گے۔ ایک مقبول اور مردود کی دوسری مقرب اور بے ادب کی۔

کافر و مومن خدا گویند لیک درمیانِ ہر دو فرقے ہست نیک

ترجمہ:۔ کافر اور مومن (دونوں) خدا کے قائل ہیں۔ مگر دونوں میں بڑا فرق ہے۔

مطلب:۔ یہ مقبول اور مردود کی مثال ہے۔ یعنی خداوند تعالیٰ کو نیک مومن مقبول بھی مانتا ہے۔ اور ایک کافر مردود بھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ مومن اس کو وحدہٗ لاشریک اور مجمع بصفاتِ کاملہ مانتا ہے اور پوری تصدیقِ جنان و اقرار باللسان سے مانتا ہے مگر کافر اس کو ایک مشتبہ صورت میں اور شرک وسوءِ اعتقاد کی لگی لپٹی باتوں کے ساتھ مانتا ہے۔ چنانچہ بت پرست جو سینکڑوں بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں ہزاروں قسم کی مخلوقات کے آگے اپنی عبدیت کا سر جھکاتے ہیں اور لاکھوں دیوتاؤں کو خدائی میں حصہ دار تسلیم کرتے ہیں۔ ان سے بھی اگر خدا کے متعلق سوال کیا جائے تو یہی کہیں گے کہ وہ ایشور پرماتما ایک ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ قُلْ مَنْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ.

(اے پیغمبر! ان بت پرستوں سے) پوچھو! زمین اور اس کی ساری کائنات کس کی ہے؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ ضرور کہیں گے اللہ ہی کی ہے۔ ان سے کہو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ ان سے پوچھو! ساتوں آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرش کا مالک کون ہے وہ ضرور کہیں گے یہ سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ کہو پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ ان سے پوچھو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور (وہ چاہتا ہے) تو بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی (کسی کو) نہیں بچا سکتا وہ ضرور کہیں گے یہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے تو کہو پھر تم کہاں بہک رہے ہو۔ (مومنون ع ۵) غرض خدا کو مانتا تو کافر بھی ہے۔ مگر اس کا ماننا مومن کی طرح صاف و صریح اور شوائبِ شرک سے پاک اور آمیزشِ شکوک سے خالص نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ خدا کو ماننے کے باوجود کافر کا کافر ہے۔ صائبؒ ۔

یکے ست بستنِ احرام و بستنِ زنار ترا کہ روئے دل از کعبہ روئے بتخانہ است

آں گدا گوید خدا از بہرِ ناں متقی گوید خدا از عینِ جاں

ترجمہ:۔ (ایک تو) وہ فقیر (ہے جو) روٹی کے لیے خدا کا نام لیتا ہے (اور ایک) خدا سے ڈرنے والا بندہ (ہے جو) تہ دل سے خدا کو یاد کرتا ہے۔

مطلب:۔ یہ مقرب اور بے ادب کی مثال ہے۔ متقی جو مقرب حق ہے۔ اس کے لیے خدا کا نام غذائے روح ہے۔ وہ نہایت ذوق و شوق سے اس کا نام لیتا ہے اور اس سے سرور و طمانیت پاتا ہے۔ مگر ایک بھکاری نے اسی نام کو اپنے رزق و روزی کا حیلہ بنا رکھا ہے اور در بدر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گاتا اور اس نامِ پاک کی بے ادبی سے روٹی کماتا پھرتا ہے۔ وہ نامِ پاک جس کو بلا طہارت زبان پر لانا بھی سوءِ ادب میں داخل ہے۔ کما قیل ؎

ہزار بار بشویم دہن بعطر و گلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

تو اس کو ہر خاص و عام بھلے برے اور فاسق و مبتدع لوگوں کے دروازے پر گاتے پھرنا کس قدر بے ادبی ہے۔ غرض خدا کا نام یہ بھی لیتا ہے۔ وہ بھی۔ مگر دیکھ لو دونوں میں کس قدر فرق ہے۔

اللہ اللہ میزنی از بہرِ ناں بے طمع پیش آ و اللہ رانجواں

لغات:۔ زدن کا مصدر پچیس مختلف معنوں میں آتا ہے۔ جن میں سے ایک بمعنی گفتن بھی ہے۔ چنانچہ حرف زدن و دروغ زدن اسی قبیل سے ہے۔ اللہ اللہ میزنی میں یہی معنی ملحوظ ہیں۔

ترجمہ:۔ تم روٹی کمانے کے لیے اللہ اللہ کہتے ہو (اے غافل!) طمع کو چھوڑ کر آگے آؤ اور اللہ کو پکارو (پھر دیکھو اس کا کیا ثمر ملتا ہے۔)

مطلب:۔ یہ خطاب تمام اہلِ ریا سے ہے۔ جو اللہ کا نام حصولِ شہرت یا کسبِ رزق وغیرہ کسی دنیوی غرض سے لیتے ہیں۔ یا گدا سے خطاب ہے۔ جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ پھر کلمہ میزنی بمعنی سے نوازی ہوگا۔ یعنی اے گدا تو روٹی کے لیے اللہ کا نام لے لے کر ساز بجاتا پھرتا ہے۔ بہر کیف اللہ کا نام لینے یا کوئی اور نیک عمل کرنے سے جو ثمرات خاص متوقع ہیں ان کے لیے خلوصِ ارادت اور صفائے نیک شرط ہے۔ اگر کوئی اور نیت ہو تو وہ شرک فی العمل کہلاتا ہے۔ جس سے اس عمل کا ثواب باطل ہو جاتا ہے۔ ابو سعید بن ابی فضالہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب قیامت کو اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایسے دن میں جمع کرے گا جس کے آنے میں شک نہیں تو منادی پکارے گا کہ جس شخص نے اپنے عمل میں جو اللہ کے لیے کیا جاتا ہے اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا تھا تو وہ اس کا ثواب اس غیر اللہ سے طلب کرے کیونکہ اللہ تمام شرکاء کی نسبتِ شرک سے غنی تر ہے۔ (مشکوٰۃ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من نیته طلب الاخرة جعل اللّٰه غناه فی قلبه وجمع له شمله و اتته الدنیا وھی راغبه ومن کانت نیته طلب الدنیا جعل اللّٰه الفقربین عینیه و شتت علیه امره و لا یاتیه منھا الا ماکتب له. یعنی جس شخص کی نیت طلب آخرت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنا سے مالا مال کر دیتا ہے اور اس کی خاطر جمع کر دیتا ہے۔ اور اس کی طرف دنیا بھی رغبت کے ساتھ آتی ہے اور جس شخص کی نیت طلب دنیا کی ہو اس کا محتاجی سے پالا ڈال دیتا ہے اور اس کے کام کو اس کے لیے باعثِ پریشانی بنا دیتا ہے اور اس کو ملتا اتنا ہی ہے جو اس کے لیے مقدر ہے (مشکوٰۃ) عمر خیام غفر اللہ لہ۔

در مسجد اگرچہ بانیاز آمدہ ایم حقا کہ نہ از بہر نماز آمدہ ایم

زیبجا روزے سجادۂ دز دیدیم　　آن کہنہ شدہ است باز باز آمدہ ایم

گر بدانستے گدا از گفتِ خویش　　پیشِ چشم او نہ کم ماندے نہ بیش

ترجمہ:۔ (خدا کا نام گا گا کر) بھیگ مانگنے والا اگر (اپنے منہ سے) بولے ہوئے (نامِ خدا کی قدر) کو سمجھتا تو اس کی نظر میں نہ (دنیا کی کسی) تھوڑی چیز (کی وقعت) رہتی نہ زیادہ (کی)۔

مطلب:۔ گدائے محلہ نامِ خدا کے گیت گا گا کر لوگوں سے کیا حاصل کرتا ہے۔ یہی روٹی کا ٹکڑا، مٹھی بھر اناج، دمڑی دھیلا، پیسا وغیرہ لیکن اگر وہ اس نامِ پاک کی قدر و قیمت کو سمجھتا تو اس کے عوض میں ان محقر اشیاء کا قبول کرنا تو رہا الگ سونے چاندی کے خزانوں پر بھی لات مارتا اس نام کی قدر عاشقانِ حق ہی سمجھتے ہیں۔ جن کے نزدیک یہ جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ امیر خسروؒ

نامش از من شنواے دل غم جان چند خوری　　جان جا نست کہ مارا بزباں مے گذرد

سالہا گوید خدا آں نان خواہ　　ہمچو خر مصحف کشد از بہرِ کاہ

لغات:۔ نان خواہ　گدائے نان، روٹی مانگ کر کھانے والا۔ مصحف　قرآن مجید۔ کاہ۔ گھانس، چارہ۔

ترجمہ:۔ وہ روٹی مانگنے والا فقیر برسوں خدا کا نام لیتا (اور گاتا پھرتا) ہے (مگر اس کے دل پر اس کا ایک لمحہ کے لیے اثر نہیں پڑتا اس کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک گدھا گھانس کے لیے قرآن مجید کو (اپنی پشت پر) اٹھا کر چلتا ہے (مگر اس کے الفاظ و معانی سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہوتا)۔

مطلب:۔ اسی طرح جو لوگ علوم سے بہرہ ور ہیں۔ مگر ان پر عامل نہیں اور نہ ان کے حقیقی فیوض سے مستفید ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ط "جن لوگوں (کے سر) پر توراۃ (حکما) لادی گئی۔ پھر انھوں نے اس کو (عمل کے لیے) سر ماتھے نہ رکھا۔ ان کی مثال گدھے کی مثال ہے۔ جس پر کتابیں لدی ہیں" (سورہ جمعہ ع ۱) سعدیؒ

علم چنداں کہ بیشتر خوانی　　چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند　　چار پائے برو کتابے چند
آں تہی مغز راچہ علم و ہنر　　کہ برو ہیزم ست یا دفتر

گر بدل در تافتے گفتِ لبش　　ذرہ ذرہ گشتہ بودے قالبش

ترجمہ:۔ اگر اس کے لب سے نکلا ہوا (نام یا کلام اس کے) دل پر بھی چمک جاتا تو (اس کی تجلی کے زور سے) اس کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے۔

نامِ دیوے رہ بردور ساحری　　تو بنامِ حق پشیزے مے بری

لغات:۔ راہ بردن　اثر کرنا، کام کر جانا۔ ساحری　جادوگری۔ پشیز　دمڑی، دھیلا، پیسہ۔

ترجمہ:۔ (یہ کیا غضب ہے کہ) ایک شیطان کا نام تو جادو کے فن میں اپنا اثر کر جائے (اور) خدا کے نام (میں اس کے سوا اور کوئی برکت نہ ہو کہ اس) سے تم ایک ایک پیسہ کماتے پھرو (اور بس)۔

مطلب:۔ سحر اور شعبدات میں اکثر جنات وشیاطین کے نام لیے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جادوگر تو شیطان کا نام لے لے کر مختلف عجائبات کے کرشمے دکھا سکتا ہے۔ مگر تمہاری زبان سے رحمٰن کا نام نکلے اور اس سے کوئی بھی عجیب بات ظہور میں نہ آئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ کسی نے یہ نام تمہاری زبان سے سن کر تمہارے کاسۂ گدائی میں ایک پیسہ ڈال دیا اور بس۔ صد حیف کہ تم اس عظیم القدر چیز کو کس حقیر قیمت پر بیچ رہے ہو تم یوسفؑ کی جلالتِ شان کو نہیں دیکھتے جو تمہارے ہاتھوں چند دراہم کے عوض کاروان کے پاس فروخت ہو رہا ہے۔ جامیؒ ۔

زیاں کاراں کہ جنسِ جاں فروشند　　چناں جنسے چنیں ارزاں فروشند

خراجِ مصر یک دیدار ازوَے　　متاعِ جاں بیک گفتار ازوَے

ولے ایں نرخ را یعقوب داند　　زلیخا ایں خریداری تواند

خاریدن روستائے در تاریکی شیر رابظن آنکہ گاؤ ست

ایک دیہاتی کا (رات کے) اندھیرے میں شیر کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا بدیں خیال کہ بیل ہے

روستائے گاؤ در آخُر بہ بست　　شیر گاؤش خورد و برجایش نشست

ترجمہ:۔ ایک دیہاتی نے اپنا بیل آخر میں اس لیے باندھا (ایک) شیر (آیا اور اس) نے اس کے بیل کو کھا لیا اور اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

روستائے شد در آخر سوئے گاؤ　　گاؤ را مے جست شب آں کنج کاؤ

لغات:۔ کُنج کاو کونے کونے کو کھودنے والا مشتق کاویدن سے مراد تجسُّس۔

ترجمہ:۔ دیہاتی آخور میں بیل کی طرف گیا۔ شب (کی تاریکی) میں وہ ایک متلاشی کی طرح اپنے بیل کو ڈھونڈتا تھا۔

دست میمالید براعضائے شیر　　پشت و پہلو گاہ بالا گاہ زیر

ترجمہ:۔ وہ دیہاتی شیر کے اعضا پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ کبھی پشت اور پہلو (پر) کبھی اوپر کبھی نیچے۔

گفت شیر ار روشنی افزوں بدے　　زہرہ اش بدریدے و دل خوں شدے

ترجمہ:۔ شیر نے (دل میں کہا (یہ جاہل آدمی بے خبری میں یہ حرکت کر رہا ہے) اگر کافی روشنی ہوتی تو (میری ہیبت سے) اس کا جگر پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔

ایں چنیں گستاخ زاں مے خاردم　　کو دریں شب گاؤ مے پندا ردم

ترجمہ:۔ وہ اس طرح نڈر ہو کر اس لیے میرے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے کہ اس رات (کی تاریکی) میں مجھے (اپنا) بیل سمجھ رہا ہے۔

مطلب:۔ اوپر فرمایا تھا کہ ثنائے الٰہی کے راگ گانے والے گدا کے دل پر اس کے نام اور اس کی ثنا کی تجلی ہو جاتی تو اس کے بدن کے پرخچے اڑ جاتے۔ اس کی تمثیل میں شیر کا یہ قصہ بیان فرمایا کہ اگر دیہاتی شیر کو بیل نہ سمجھا ہوتا اور روشنی میں شیر کا ہیبت ناک منظر اس کی نظر کے سامنے ہوتا تو مارے خوف کے اس کا کلیجہ پاش پاش ہو جاتا۔ اب اسی مضمون کی تائید میں فرماتے ہیں۔ جو گویا اس حکایت کا نتیجہ ہے۔

حق ہمے گوید کہ اے مغرور کور نے زنامم پارہ پارہ گشت طور؟

ترجمہ:۔ (اسی طرح حق تعالیٰ (بندے کو) کہتا ہے کہ اے دھوکا کھانے والے اندھے! کیا میرے نام (کی تجلی) سے (کوہ) طور پارہ پارہ نہیں ہو گیا؟

مطلب:۔ دوسرے مصرعہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا۔ (رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ) اے میرے پروردگار مجھے اپنا جمال دکھا۔ قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ پروردگار نے فرمایا تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِیْ ج ہاں پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ پس اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ط پس اس کے پروردگار نے کوہ (طور) پر تجلی کی۔ تو اس کو پارہ پارہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے (سورہ اعراف ع ۱۵) نامم سے اسم کی تجلی مراد ہے کیونکہ کوہِ طور پر باری تعالیٰ کے اسمِ نور کی تجلی ہوئی تھی۔ جس کے سبب سے کوہِ طور خاکِ سیاہ ہو گیا تھا۔ فرماتے ہیں۔ یہ بندے ہمارا نام لاپروائی سے لیتے ہیں اور ہمارا کلام بے غوری سے پڑھتے ہیں حالانکہ نام کی عظمت اس قدر ہے کہ اس کے آگے ایک پہاڑ کے پرخچے اڑ جاتے ہیں اور کلام کی عظمت یہ ہے۔

کہ لَوْ اَنْزَلْنَا کِتَابًا لِلْجَبَلْ لَا نْصَدَعْ ثُمَّ انْقَطَعْ ثُمَّ ارْتَحَلْ

لغات:۔ انصداع پھٹ گیا۔ انقطع ٹوٹ گیا۔ ارتحل رحلت کر گیا، چلا گیا۔

ترجمہ:۔ کہ اگر ہم (اپنی) کتاب (یعنی قرآن مجید) کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو وہ (اس بارِ گراں کا متحمل نہ ہو کر) پھٹ جاتا پھر ٹوٹ جاتا پھر اپنی جگہ چھوڑ جاتا۔

مطلب:۔ یہ مضمون قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ط وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ "اگر ہم اس قرآن کو ایک پہاڑ پر اتارتے تو تم اس کو دیکھتے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے خوف سے جھک جاتا اور پھٹ پڑتا اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کچھ سوچیں" (حشر ع ۳) فرماتے ہیں کہ پہاڑ جیسی عظیم الشان ہستی بھی قرآن سے اس قدر متاثر ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ انسان پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ گویا وہ پتھروں سے بھی گیا گزرا ہو گیا۔

یہ سیاہ بختی کی ہے روشن دلیل آدمی ہو جائے پتھر سے ذلیل
چناں آدمی مردہ بہ ننگ را کہ بردے فضیلت بود سنگ را

سوال:۔ پہاڑ جس حد تک قرآن مجید سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اس قدر متاثر ہونے کا الزام صرف غافلوں اور عاصیوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جو لوگ راہِ ہدایت پر چلنے والے اور طاعات کے پورے پابند ہیں۔ یہ الزام ان پر بھی عائد ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اس قدر اثر ان پر نہیں ہوتا۔ اس کا کیا جواب؟

جواب :۔ اس سوال کا جواب خود آیت مذکورہ کا آخری حصہ دے رہا ہے۔ یعنی ہمارا مقصود یہ نہیں کہ انسان پر ایسا ہی اثر ہو جیسا کہ پہاڑ پر ممکن ہے بلکہ یہ مثال اس لیے پیش کی گئی ہے کہ انسان اتنا سوچے کہ جب پہاڑ پر قرآن کا اس قدر اثر ہے تو مجھ پر کچھ تو اثر ہونا چاہیے۔ قرآن کا خاص اثر تو بے شک یہی ہے کہ ایک پہاڑ بھی اس سے پرزے پرزے ہو جائے اور جب ایک جماد پر اس قدر اثر ہو سکتا ہے تو انسان ذی حیات و باشعور پر کیوں نہ پڑے مگر حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان پر اس قدر تباہ کن اثر نہ پڑے کیونکہ وہ مکلف باعمال ہے یعنی اس کا فرض ہے کہ قرآنی احکام پر عمل کرے لیکن اگر قرآن کے سامنے آتے ہی اس کے ٹکڑے اڑنے لگیں اور قرآن کی تجلی اس کے ساتھ وہ کام کر جائے جو کوہِ طور کے ساتھ ہوا تو پھر قرآن کے احکام پر عمل کون کرتا اور یہ بات حکمتِ الٰہی کے خلاف ہوتی۔ پس انسان پر اس کا اثر اسی قدر مطلوب ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق شائستہ اور استوار کرے برے کاموں سے بچے۔ اچھے اعمال اختیار کرے اور آخرت کے حساب کا فکر رکھے۔ اس قسم کا اثر اہلِ اطاعت کے دلوں پر کماحقہٗ ہوتا ہے۔ جو غافل لوگ قرآن مجید سے اس قدر دل پذیر نہیں ہوتے ان کی تنبیہ کے لیے فرمایا کہ دیکھو پہاڑ تک اس سے اس حد تک متاثر ہوتے ہیں کہ پارہ پارہ ہو جاتے ہیں تم پر کم از کم اتنا تو اثر ہونا چاہیے کہ اپنے انجام کا فکر لازم سمجھو یہی مطلب ہے لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ سعدیؒ ۔

گر اہلِ معرفتی دل در آخرت بندی نہ در خرابۂ دنیا کہ حسرت آبادست

صائبؒ ۔ تاکجے خرج تماشائے جہاں خواہی شد در سرِ انجامِ خود آخر نظرے باید کرد

از من ار کوہِ اُحُد واقف بُدے پارہ گشتے و دِلش پر خوں شدے

لغات :۔ کوہِ احد الف اور حا کا ضمہ۔ ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اہلِ اسلام اور مشرکینِ مکہ کی دوسری خونریز جنگ اسی پہاڑ کے دامن میں ہوئی تھی۔ احادیث میں پہاڑ کی تمثیل کے لیے اکثر اسی پہاڑ کا نام آتا ہے۔

ترجمہ: اگر کوہِ اُحد بھی مجھ سے واقف (اور میری معرفت سے بہرہ ور) ہوتا تو (شدتِ وجد سے) پارہ پارہ ہو جاتا اور اُس کا دل پُر خون ہو جاتا۔ (مگر انسان پر اثر نہیں ہوتا)۔

از پدر و ز مادر ایں بشنیدۂ لاجرم غافل دریں پیچیدۂ

ترجمہ :۔ تم نے اپنے ماں باپ سے یہ (نام پاک اور کلامِ مقدس) سن (سن کر رٹ) لیا ہے (خود اپنی مبصرانہ طلب و تلاش سے اس کو حاصل نہیں کیا) اس لیے غافلانہ (بے پروائی کے ساتھ) اس (کے ورد) میں لگے ہوئے ہو اور کوئی اثر نہیں پاتے۔

مطلب :۔ دولت یا ہنر کوئی چیز ہو جب خود اپنی سعی و تردد سے حاصل کی جائے تو اس کی قدر ہوتی ہے لیکن جب وہ اپنے باپ دادا سے توارثاً ہاتھ آ جائے تو اس کی چنداں پروا نہیں ہوتی۔ یہی حال نام خدا اور کلامِ حق کا ہے کہ اگر اس کو شوق خالص اور طلب صادق کے ساتھ اپنی ذاتی ہمت و سعی سے حاصل کیا جائے تو وہ دولتِ دارین سے بڑھ کر سمجھا جائے اور پھر اپنے نفس و روح پر اس کے کرشمے بھی نمایاں ہوں جو اس سے متوقع ہیں لیکن جب وہ بلا طلب اور بلا سعی باپ دادا سے سن سن کر زبان زد ہو جائے تو ایک امرِ معتاد بن جاتا ہے اور اس کے عجائباتِ خصوصیہ کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ نہ دل پر ان کا کوئی انکشاف ہوتا ہے۔

گر تو بے تقلید ازو واقف شوی بے نشاں بیجائے چوں ہاتف شوی

لغات :۔ ہاتف پکارنے والا وہ فرشتہ جو غیب سے آواز دے اور اس کا وجود نظر نہ آئے۔

ترجمہ:۔ اگر تم اس (نام و کلام) سے (باپ دادا کی) تقلید کو چھوڑ کر (خود اپنی تحقیق سے) واقف ہو جاؤ تو پھر غیب سے پکارنے والے فرشتے کی طرح تم بے نشان اور بے پتا ہو جاؤ۔

مطلب:۔ اگرچہ ہاتف ایک مخلوقِ مادی ہے اور اس کا محل و مقام بھی ہے مگر کسی کو نظر نہیں آتا۔ اس لیے اس کو بے نشان و بے جائے کہہ دیا۔ اسی طرح جس شخص پر خدا کے نام کی تجلی ہو جائے۔ یا وہ اس کے کلامِ پاک سے کما حقہ مستفید ہو جائے تو اُس کو اپنی ہستی کالعدم دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس کی طرف التفات نہیں رہتا مگر وہ بالکلیہ معدوم و منفی نہیں ہوتی۔ جامیؒ ۔

عمریست دل بمہرِ وفائے تو بستہ ایم　　پیوند باتو کردہ و از خود گسستہ ایم

غرض اپنی طلب و تجسس سے بلا تقلید و نقل اس کا نام اور ذکر شغل بن جائے تو پھر اپنا نام و نشان نہ رہے۔ عراقیؒ ۔

سالہا در جستجویش دست و پائے میزدیم　　چوں نشاں دیدیم خود را بے نشاں خواہیم کرد

بشنو ایں قصہ پئے تہدید را　　تابدانی آفتِ تقلید را

لغات:۔ تہدید دھمکی، جھڑکی، ڈراوا، مگر یہاں تنبیہ مراد ہے۔ حرف ''را'' زائد ہے۔

ترجمہ:۔ (اب) تم بطور تنبیہ یہ قصہ سن لو تاکہ تم کو تقلید کی آفت معلوم ہو جائے۔

مطلب:۔ یعنی معلوم ہو جائے کہ سنی سنائی بات کو رٹ لینا اور اس کی حقیقت پر غور نہ کرنا کس قدر مضر ہے۔

فروختنِ صوفیاں بہیمۂ صوفیِ مسافر را جہتِ سفرہ و سماع

(چند) صوفیوں کا ایک صوفی مسافر کے سواری کے جانور کو سامانِ طعام و سماع کے لیے بیچ ڈالنا

صوفیے در خانقاہ از رہ رسید　　مرکبِ خود برد و در آخُر کشید

ترجمہ:۔ ایک صوفی (اپنے راہِ سفر) سے کسی خانقاہ میں پہنچا (اپنی) سواری کے جانور کو اندر لے گیا اور آخور پر کھینچا (اور باندھ دیا)

آبکش داد و علف از دستِ خویش　　نے چو آں صوفی کہ ما گفتیم پیش

لغات:۔ آبکش میں آبک مصغر ہے۔ بمعنی آبِ قلیل شین ضمیرِ مفعول بہ علت گھانس، چارہ۔

ترجمہ:۔ اپنے ہاتھ سے اس کو قدرے پانی اور گھانس دیا۔ اس صوفی کی طرح (یہ کام خادم پر موقوف) نہیں (رکھا) جس کا قصہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مطلب:۔ پہلے صوفی کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے۔ جس نے جانور کی خبر گیری خادم پر موقوف رکھی اور خادم کی غفلت سے بے چارہ جانور ساری رات بھوکا رہا اور اسے صبح کو جب کہ ادھ موا ہو رہا تھا۔ پھر سفر پر چلنا پڑا۔

احتیاطش کرد از سہو و خباط　　چوں قضا آید چہ سود از احتیاط؟

لغات:۔ سہو غلطی، بھول۔ خباط۔ دیوانگی، دیوانوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارنا۔

ترجمہ:۔ بھول اور خبط سے اس کی احتیاط کی لیکن جب قضا آتی ہے تو احتیاط سے کیا فائدہ؟ صائبؒ ۔

تقدیر قطع رشتۂ تدبیر میکند　　تدبیر سادہ لوح چہ تقدیر مے کند

صوفیاں درویش بودند و فقیر کَادَ فَقْرٌ اَنْ یَّکُنْ کُفْرًا کَبِیْر

لغات:۔ فقیر محتاج۔ ان یکن دراصل ان یکون مضارع منصوب ہے۔ مگر بضرورت اس کو مجزوم کیا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ (خانقاہ کے) صوفی نادار و محتاج تھے (اور جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ) محتاجی قریب ہے کہ ایک بڑا کفر بن جائے۔(ان صوفیوں کی نیت بگڑ گئی)

مطلب:۔ دوسرا مصرعہ اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفرا. یعنی قریب ہے کہ محتاجی کفر بن جائے سعدیؒ ۔

با گر سنگی قوتِ پرہیز نماند افلاس عنان از کف تقویٰ بستاند

یہ حدیث ابونعیم نے حلیہ میں روایت کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے مرفوعا یوں روایت کی ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفر او کاد الحسد ان یغلب القدر. مگر اس کا ایک راوی ضعیف ہے۔(تمیز الطیب)

اے تونگر تو کہ سیری ہیں مخند برکژی آں فقیرِ درد مند

ترجمہ:۔ اے مالدار! کہ تیرا پیٹ بھرا ہوا ہے (تو نے محتاجی کی مجبوری نہیں دیکھی) خبردار اس درد مند محتاج کی کسی خطا کاری پر (طنزاً) مت ہنس (جو بوجہ افلاس اس سے سرزد ہو جائے) ۔

مطلب:۔ محتاجی کے نتائج بد کے ذکر میں ضمناً ہدایت فرماتے ہیں کہ کسی غنی کو محتاج کی لغزش پر استحقاراً ہنسنا نہیں چاہیے بلکہ غیرتِ حق سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ اس کو بھی مبتلائے افلاس نہ کر دے جس سے وہ بھی اس قسم کے ارتکابات پر مجبور ہو جائے۔ من ضَحِکَ ضُحِکَ "جو کسی پر ہنستا ہے۔ اس پر بھی ہنسا جاتا ہے"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من عیرا خاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ یعنی جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلائے۔ وہ خود بھی مرنے سے پہلے پہلے اس کا مرتکب ہو کر رہے گا۔ (جامع صغیر سیوطیؒ) سعدیؒ ۔

برد شکر کن چوں بنعمت دری کہ محرومی آید ز مستکبری
کیے را کہ دربند بینی مخند مبادا کہ ناگہ درافتی بہ بند
نظامیؒ ۔ نخندم بر ندہ وہ کس برق دار کہ از برقِ من در من افتد شرار
جامیؒ ۔ اے ناچشیدہ چاشنیِ دردِ بیدلاں از حالِ ماتبرس و بر احوالِ ما مخند

از سرِ تقصیر آں صوفی رمہ خر فروشی در گرفتند آں ہمہ

لغات:۔ صوفی رمہ جماعتِ صوفیاں باضافتِ مقلوب' رمہ دراصل بکریوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں۔ یہاں مجازاً صوفیوں کی جماعت پر اس کا اطلاق کر دیا۔ جس میں حقارت کا اشارہ مضمر ہے کیونکہ وہ چوری کے خارج از انسانیت فعل پر آمادہ ہو رہے تھے۔ خرفروشی گدھا فروخت کرنے والا معاملہ۔ در گرفتند اختیار کیا، شروع کیا۔

ترجمہ:۔ اس ساری کی ساری صوفیائی ٹولی نے اپنی کوتہ اندیشی سے گدھا بیچنے کا بیوپار شروع کر دیا۔

مطلب:۔ تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ صوفیائی ٹولی علم و عمل میں ناقص تھی۔ اس لیے اس گناہِ خیانت پر آمادہ ہو گئی تقصیرِ عمل تو یہ کہ ان سے فقر و فاقہ پر صبر نہ ہو گا۔ کئی کئی دن کے بھوکے تھے۔ حرام کھانے پر اتر آئے۔ علم کی کوتاہی یہ کہ اس گناہ کے جواز کی ایک غلط توجیہ اپنے دل سے گھڑ لی اور اس کے ساتھ تمسک کر کے غریب صوفی کا گدھا بیچ کھانے پر تل گئے وہ

توجیہ یہ ہے کہ۔

گر ضرورت ہست مردارے مباح بس فسادے کز ضرورت شد صلاح

لغات:۔ ضرورت مجبوری، اضطرار۔ مباح جائز۔ فساد برا کام۔ صلاح اچھا کام۔

ترکیب:۔ پہلے مصرعہ میں ضرورت مبتدا کی خبر یعنی محذوف ہے اور مردارے مباح کا رابطہ جملہ مقدر ہے۔

ترجمہ:۔ اگر کوئی مجبوری (پیش آ گئی) ہے تو مردار (کا کھانا بھی) جائز ہے کیونکہ بہت سے برے کام مجبوری کی وجہ سے اچھے کام بن جاتے ہیں۔

مطلب:۔ پہلے مصرعہ کا مضمون اس حکم قرآنی سے ماخوذ ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے حرام کیا ہے پھر جو کوئی مجبور ہو جائے لیکن سرکشی نہ کرتا ہو اور حد سے زیادہ نہ بڑھے تو اس پر (ان چیزوں کے کھا لینے میں گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (بقرہ ع ۲۱) دوسرے مصرعہ میں اس مشہور مقولہ کی طرف اشارہ ہے جو حدیث نہیں۔ الضرورات تبیح المحذورات یعنی ضرورتیں ممنوعات کو جائز بنا دیتی ہیں۔

اضطرار کے وقت اکلِ حرام کا حکم صحیح ہے اور ضرورات کا محذورات کو مباح کر دینا بھی بالکل درست ہے۔ مگر ان صوفیوں کا اس حکم کو اپنی خر فروشی کے جواز کا حیلہ قرار دینا ایک غلط کاری تھی جو ان کے قصورِ علم پر مبنی تھی یعنی انھوں نے مجبوری کے معیار کو نہ سمجھا کہ کس حد تک مجبوری ہو تو محرمات کا اکل و شرب جائز ہے وہ حد یہ ہے کہ اگر بھوک پیاس سے جان جا رہی ہو اور ابقائے حیات کے لیے کوئی حلال یا مکروہ چیز میسر آنی محال ہو تو پھر حرام چیز کھانی پینی درست ہے۔ مگر وہ بھی بقدر سدِّ رمق اور بس۔ ان صوفیوں کی یہ حالت نہ تھی۔

ہمدراں دم آں خرک بفروختند لوت آوردند و شمع افروختند

لغات:۔ خرک میں کاف تصغیر کے لیے ہے۔ لوت بواؤ مجہول طعامِ لذیذ۔

ترجمہ:۔ فوراً اس گدھے کو بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے مزیدار کھانے (خرید) لائے اور شمع روشن کر لی۔

ولولہ افتاد اندر خانقہ کامشباں لوت و سماع ست وولہ

لغات:۔ سماع سننا، قوالی، سننا مراد ہے۔ ولہ جوش عشق، مستی۔

ترجمہ:۔ پھر تو خانقاہ میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا کہ آج کی رات مزے دار کھانے ہیں سماع ہے اور (وجد و حال کی) مستی (کا سامان) ہے۔

چند ازیں صبر و ازیں سہ روزہ چند چند ازیں زنبیل و ایں دریوزہ چند

لغات:۔ سہ روزہ میں ہا نسبت کی ہے اور اس کا موصوف یعنی فاقہ محذوف ہے۔ زنبیل کچکول۔ دریوزہ بھیک مانگنا۔

ترجمہ:۔ کہاں تک یہ صبر (ہو) کہاں تک یہ تین (تین) دن کے (متصل فاقے کریں) کب تک یہ کچکول اٹھائے پھریں۔ کب تک یہ بھیک (مانگتے رہیں۔)

ماہم از خلقیم جاں داریم ما دولت امشب میہماں داریم ما

ترجمہ:۔ ہم بھی مخلوق میں سے ہیں۔ ہم بھی جان رکھتے ہیں (پھر کیوں نہ مخلوق کی طرح مزے اڑائیں اپنی جان کو کیوں ترسائیں) آج کی رات دولت ہمارے ہاں مہمان ہے (یہ موقع روز روز میسر نہیں آئے گا)

تخمِ باطل را ازاں مے کاشتند کانکہ آں جاں نیست جاں پنداشتند

ترجمہ:۔ (یہ لوگ اپنے) باطل (اعمال) کا بیج اس لیے بو رہے تھے کہ جو چیز جان نہیں ہے اس کو جان سمجھ رہے تھے۔

مطلب:۔ یہ لوگ جو غریب صوفی کا گدھا بیچ ڈالنے پر آمادہ ہو گئے تھے ساتھ ہی ان کے جواز کی ایک خود ساختہ دلیل بھی گھڑ لی تو ان کے باطل افعال کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے نفسِ امارہ کو جو پاک روح سے جداگانہ ایک سرکش طاقت ہے غلطی سے روحِ پاک سمجھ لیا اور برخلاف اس کے کہ وہ روحانی حیات حاصل کرنے کے لیے اپنی روح کی پرورش کا اہتمام کرتے انھوں نے نفس پروری شروع کر لی یعنی فقر و فاقہ سے تنگ آ کر حرام مال سے پیٹ بھرنے لگے۔ سعدیؒ ۔

مرداں بسعی و رنج بجائے رسیدہ اند تو بے خبر کجا رسی از نفس پروری

واں مسافر نیز از راہِ دراز خستہ بود و دید آں اقبال و ناز

ترجمہ:۔ اور (ادھر) وہ (بے چارہ صوفی) مسافر بھی (ایک تو) لمبے سفر سے تھکا ماندہ تھا اور (اوپر سے ان صوفیوں کی) وہ (کمال) توجہ اور مہربانی دیکھی (تو دھوکے میں آ گیا۔ چنانچہ)

صوفیانش یک بیک بنو اختند نردِ خد متہاش خوش میباختند

لغات:۔ یک بیک میں یا اتصال کے لیے ہے۔ جیسے خانہ بخانہ میں۔ نواختن عزت افزائی کرنا۔ خاطر تواضع کرنا۔ نرد باختن چال چلنا' چلتر کھیل جانا' دھوکا دے جانا۔

ترجمہ:۔ صوفی لوگ یکے بعد دیگرے اس کی خاطر تواضع کرتے تھے۔ اس کے ساتھ اپنی خدمتوں کی چالیں خوب چل رہے تھے۔

آں یکے پایش ہمے مالید و دست واں یکے پرسیدش از جائے نشست

ترجمہ:۔ (ادھر) وہ ایک تو ان کے پاؤں اور ہاتھ ملتا تھا اور (ادھر) وہ ایک ان کو بیٹھنے کی جگہ کے متعلق پوچھتا تھا (کہ حضرت کہاں تشریف رکھیں گے؟) دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے اور ادھر وہ ایک ان کی قیام گاہ کے متعلق پوچھتا تھا (کہ حضور کا دولت خانہ کہاں ہے؟)

واں یکے افشاند گرداز رختِ او واں یکے بوسید دستش راو رو

ترجمہ:۔ اور وہ ایک ان کے اسباب سے گرد جھاڑتا تھا اور وہ ایک ان کے ہاتھ منہ پر بوسہ دیتا تھا۔

گفت چوں میدید میلاں شاں بوے گر طرب امشب نخواہم کرد کے؟

لغات:۔ میلان شاں بفکِ اضافت ان کی توجہ اور عنایت۔ طرب' خوشی' مزے لینا' وجد و حال سے رقص کرنا۔

ترجمہ:۔ وہ صوفی جب اپنی طرف ان کی (یہ کمال) توجہ دیکھتا تھا تو (دل میں) کہتا تھا۔ اگر آج مزے نہ اڑاؤں گا تو (پھر) کب اڑاؤں گا۔ (یا) اگر آج (وجد و حال سے) رقص نہ کروں گا تو (پھر) کب (کروں گا)۔

لوت خوردند و سماع آغاز کرد　　خانقہ تا سقف شد پر دود و گرد

ترجمہ:۔ سب نے کھانا کھایا اور پھر سماع شروع ہوا۔ خانقاہ چھت تک دھوئیں اور گرد سے پُر ہو رہی تھی۔

دودِ مطبخ گرد آں پا کوفتن　　ز اشتیاق و وجد جاں آشوفتن

ترجمہ:۔ دھواں باورچی خانہ کا (تھا۔ جہاں کھانے پکے تھے اور) گرد (زمین پر) پاؤں پیٹنے کی (تھی۔ اور) شوقِ وجد سے جان کا پریشان ہونا (پاؤں پیٹنے کا باعث تھا۔ چنانچہ)

گاہ دست افشاں قدم میکوفتند　　گہ بسجدہ صفہ را میروفتند

ترجمہ:۔ کبھی تو ہاتھ نچاتے ہوئے پاؤں کو پیٹتے تھے۔ کبھی پیشانی زمین پر رگڑتے ہوئے (اس طرح چلے جاتے تھے گویا) چبوترہ کو جھاڑ دیتے تھے۔

دیر یابد صوفی آز از روزگار　　زاں سبب صوفی بود بسیار خوار

لغات:۔ آز حرص، طمع۔ مگر یہاں لفظ مطلوب و مراد کے معنی میں آیا ہے جس کی سب کو حرص ہوتی ہے۔

ترجمہ:۔ صوفی (اپنے کھانے پینے کی) مراد زمانے سے (افلاس کے باعث مدت کے بعد پاتا ہے اس لیے پیٹو ہوتا ہے۔

مطلب:۔ یعنی مجلسِ سماع میں صوفیوں کا ضرورت سے زیادہ وجد و حال میں دھماچوکڑی مچانا زیادہ تر اس لیے ہوتا ہے کہ ان کو اچھے کھانے کم ملتے ہیں۔ جب کسی خاص مجلس کے موقع پر خلافِ معمول گوناں گوں نعمتوں کی ضیافت اڑاتے ہیں تو ان کا نشہ اس اچھل کود پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مگر یہ حالت عام بندۂ نفس اور شکم پرست صوفیوں کی ہے اور وہ نفوسِ قدسیہ اس الزام سے مبرا ہیں۔ جو فلکِ تصوف کے نیرِ درخشاں ہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق ارشاد ہے۔

جز گر آں صوفیئے کز نورِ حق　　سیر خورد و فارغ ست از ننگ ودق

لغات:۔ ننگ شرم، عار۔ دق گدائی، اعتراض کرنا، دروازہ کھٹکھٹانا۔ یہ تینوں معنی یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔

ترجمہ:۔ مگر سوائے اس صوفی (صافی دل) کے جو خداوند تعالیٰ کے نور سے سیر ہو رہا ہو اور (لوگوں کے احسان مند ہونے کی) عار اور گدائی سے (یا لوگوں کے اعتراض سے یا لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانے سے) فارغ ہے۔

مطلب:۔ جو عارفِ حق نورِ معرفت کی غذا پا رہا ہے وہ پہلے غذائے جسمانی کی حرص سے ہاتھ دھو چکتا ہے تو پھر اس کو یہ درجہ حاصل ہوتا ہے۔ سعدیؒ ؎

اندروں از طعام خالی دار　　تا درو نورِ معرفت بینی

خواب و خورت ز مرتبۂ عشق دور کرد　　آندم رسی بدوست کہ بے خواب و خور شوی

پھر جب اس کا باطن نورِ معرفت سے معمور ہو گیا تو حرصِ طعام کی اس میں گنجائش کہاں؟ خصوصاً جب کہ شکم پری اکتسابِ نور کی مانع ہے تو وہ ایک ادنیٰ مقصد کے لیے اعلیٰ مقصد کو فوت کرنا کب گوارا کرے گا؟ اور لوگوں کی احسان مندی کا موجب عار ہونا مسلمہ ہے۔ سعدیؒ ؎

حقا کہ باعقوبت دوزخ برابرست　　رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ بہشت

صائبؒ ؎ در حریمِ خاک اگر با مرگ ہم بستر شوی　　بہ کہ باشی زندۂ جاوید از داروئے خلق

دریوزہ گری و گدائی بھی باعث ذلت و رسوائی ہے کما قیل ۔

سر زند چوں حرف خواہش از لبِ گفتارِ ما　　میزند سیلی شکستِ رنگ بر رخسارِ ما

لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانا بھی فقرا کے لیے ایک بدترین عیب ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ نعم الامیر علی باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر یعنی اچھا ہے وہ امیر جو حصولِ سعادت کے لیے فقیر کے دروازے پر حاضر ہو اور برا ہے وہ فقیر جو حصولِ مال کے لیے امیر کے دروازے پر جائے۔ کما قیل ۔

اے مسلمانانِ حذر از صحبتِ اربابِ جاہ　　جز شکستِ کعبہ دل ناید از اصحابِ فیل

از ہزاراں اند کے زیں صوفیند　　باقیاں در دولتِ او میزیند

لغات:۔ دولت طفیل توسل جیسے کہتے ہیں آپ کی بدولت۔

ترکیب:۔ زیں کا مشارٌ الیہ قسم مقدر ہے اور اس کا تعلق صوفی کے ساتھ ہے۔ اند کے مبتدا از ہزاراں اس کا متعلق ہے اور صوفی خبر۔

ترجمہ:۔ ہزاروں میں سے معدودے چند اس قسم کے کامل صوفی ہیں (اور) باقی (ناقصین و مزوّرین) ان کاملین کے سایہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مطلب:۔ عوام کے خواص کی بدولت جینے اور رزق پانے سے یہ مراد ہے کہ جب لوگ اہل اللہ کے فیضِ عام کی قدر کر کے ان کی ہر طرح خدمت و تواضع کرتے ہیں تو مکار اور فریبی لوگ بھی انہی اہل اللہ کا لباسِ درویشی زیب تن کر کے مسندِ مشیخت پر جلوہ آرا ہو کر لوگوں کو سبز باغ دکھانے شروع کر دیتے ہیں۔ عوام کالانعام بیچارے کیا جانیں کہ ان میں حقانی کون ہے اور شیطانی کون۔ وہ بھی ان کو اہل اللہ سمجھ کر خدمات بجالانی شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ "باقیاں" یعنی باقی رنگیلے درویش ان بزرگانِ کامل کے ہم رنگ لباس کی بدولت عیش اڑاتے ہیں۔ کما قیل۔

لباسِ شہرت ایں قوم خالی از معنی　　بجز لباس قلم کار نیست چوں تصویر

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ عوام صوفی خواص کاملین کی برکت سے جیتے اور رزق پاتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو بھائی تھے۔ ان میں ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دوسرا محنت مزدوری کرتا۔ اس محنت مزدوری کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ وہ کام نہیں کرتا اور اکیلا میں ہی یہ بار اٹھا رہا ہوں) تو حضورؐ نے فرمایا۔ لَعَلَّکَ ترزق بہ۔ شاید تو بھی اسی کی بدولت رزق پا رہا ہو۔ (مشکوۃ باب التوکل والصبر) طالب آملی ۔

ے پذیر ند بداں را بطفیلِ نیکاں　　رشتہ را پس ند ہد ہر کہ گہر ے گیرد

چوں سماع آمد ز اول تا کراں　　مطرب آغاز ید یک ضربِ گراں

لغات:۔ کراں کنارہ، آخری حد۔ مطرب طرب میں لانے والا مراد قوال، گویا، میراسی۔ ضربِ گراں بھاری چوٹ باجے کی کوئی ایسی گت جو اپنی تاثیر سے دلوں کو مسوس ڈالے۔

ترجمہ:۔ جب سماع کا سارا سامان اوّل سے آخر تک (مہیا) ہو گیا تو قوال نے ایک نہایت موثر گت شروع کی۔

خواص کی بدولت عوام بھی زندگی بسر کرتے ہیں

خر برفت و خر برفت آغاز کرد　　زیں حرارت جملہ را انباز کرد

لغات:۔ حرارت گرما گرمی، گرم جوشی۔ وہ ترانہ جس کو چند آدمی ہم آواز ہو کر گائیں۔ انباز شریک کار۔

ترجمہ:۔ (ساتھ ہی خر برفت و خر برفت (گدھا جاتا رہا گدھا جاتا رہا) کا راگ الاپنا شروع کر دیا (اور وہ بھی) اس گرم جوشی سے (کہ) تمام حاضرین کو (اپنے ساتھ) شریک (آواز) کر لیا۔ (یا یوں کہو) اس مل کر گانے کے ترانے سے سب حاضرین کو شریک آواز کیا۔

زیں حرارت پائے کوباں تا سحر　　کف زناں خر رفت خر رفت اے پسر

ترجمہ:۔ اس گرم جوشی (یا اس متحدہ ترانے) سے (سب یارانِ بزم) صبح تک پاؤں پیٹتے اور تالیاں بجاتے ہوئے ارے گدھا جاتا رہا گدھا جاتا رہا (کا گیت گاتے رہے)

از رہِ تقلید آں صوفی ہمیں　　خر برفت آغاز کرد اندر چنیں

ترجمہ:۔ اس گدھے والے صوفی نے بھی ان کے پیچھے لگ کر اسی طرح ''گدھا جاتا رہا'' گانا شروع کر دیا۔

سوال:۔ خر برفت و خر برفت کے ترانہ میں معرفتِ الٰہی کا کون سا کرشمہ تھا۔ جس پر یہ وجد کرنے لگے۔ خصوصاً وہ صوفی صاحب کیوں اس ترانہ سے متاثر ہوئے؟

جواب:۔ اس ترانہ میں معرفتِ الٰہی کا کوئی بھی کرشمہ نہیں۔ یہ محض ایک شرارت تھی جس سے بے چارے صوفی کو الو بنانا مقصود تھا یا تو اس میں قوال اور صوفی ٹولی کی متفقہ سازش کام کر رہی ہو گی۔ یا قوال کو صوفیوں کی کارستانی کا پتا ہو گا تو اس لیے خود اپنے اس نو ایجاد ترانہ کا شگوفہ چھوڑ دیا تاکہ حال و قال کے رنگ میں تمسخر اور دل لگی کا سامان مہیا کرے۔ سادہ لوح صوفی ان ہتھکنڈوں کو نہ سمجھا اور خود بھی خر برفت کی راگنی مست ہو ہو کر گانے لگا اور صوفیہ میں یہ خاص بات ہے کہ ان کے سامنے کوئی حقانی غزل پڑھی جائے یا غیر حقانی وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں مگر سنتے ہی وجد سے ان کا سر ہلنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ کوے کی کائیں کائیں' بلی کی میاؤں میاؤں، گدھے کی ہیچوں ہیچوں سن کر بھی ان پر حال طاری ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں عشقِ الٰہی کی جو آگ دبی ہوتی ہے وہ ہمیشہ ادنیٰ تحریک پر بھڑک اٹھنے کے لیے آمادہ رہتی ہے اور ہر معقول اور غیر معقول، خوشگوار و ناخوشگوار آواز اس آگ پر ہوائے تند کا کام کر جاتی ہے۔ مولانا روم کی سوانح مندرجہ جلد اوّل مفتاح العلوم میں درج ہو چکا ہے کہ خود مولانا ایک زرکوب کی ہتھوڑی کی آواز سن کر بے خود ہو گئے اور گھنٹوں افاقہ میں نہیں آئے سعدیؒ ۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند　　بر آوازِ دولاب مستی کنند

اسی سنتِ صوفیہ کے ماتحت ان صوفی صاحب پر خر برفت کا ترانہ اپنا اثر کر گیا۔ ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوا کہ کون گدھا؟ کس کا گدھا؟ کہاں گیا؟ گیا تو پھر کیا ہوا؟ معرفتِ حق سے اس کا کیا تعلق؟ بس طبلے پر تھاپ پڑنے اور بربط پر مضراب کے چھڑنے اور اس ترانے کی آواز کے فضا میں گونجنے کی دیر تھی کہ صوفی صاحب کے وجد کا دریا بہہ نکلا۔ ہر چند کہ صوفی صاحب کی نیت بری نہ تھی مگر آخر یہ ایک تقلیدِ مذموم تھی جو نادانستہ ان سے وقوع میں آئی۔ جس کا خمیازہ ان کو یہ بھگتنا پڑا کہ گدھا چوری ہو گیا اور چوروں سے باز پرس کا موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

چوں گذشت آں نوش و جوش و آں سماع روز گشت و جملہ گشتند الوداع

ترجمہ:۔ جب وہ (کھانا) پینا اور جوش اور وہ سماع ختم ہوا۔ دن چڑھ گیا اور سب (یارانِ مجلس) رخصت ہو گئے تو۔

خانقہ خالی شدو صوفی بماند گرد از رختِ مسافر مے فشاند

ترجمہ:۔ خانقاہ خالی ہو گئی اور (اکیلا) صوفی رہ گیا۔ وہ اپنے اسباب سفر سے گرد جھاڑنے لگا (جو رات کی کود پھاند میں پڑ گئی تھی تا کہ سفر پر روانہ ہو۔)

رخت از حجرہ بروں آورد او تا بخر بر بندد آں ہمراہ جو

ترجمہ:۔ اس ہمراہیوں کو تلاش کرنے والے (صوفی) نے (اپنا) اسباب حجرہ سے باہر نکالا تا کہ گدھے پر لاد دے۔

تا رسد در ہمرہاں او مے شتافت رفت در آخُر خرِ خود را نیافت

ترجمہ:۔ وہ (بے چارہ) اس لیے جلدی کر رہا تھا کہ اپنے رفقائے سفر کے ساتھ جا ملے (جو روانہ ہو چکے تھے مگر جب) آخور میں گیا تو اس نے گدھے کو نہ پایا۔

مطلب:۔ اس کے ہم راہی مختلف مشرب کے لوگ ہوں گے۔ کوئی کسی مسجد میں کوئی سرائے میں، کوئی اپنے رشتہ دار کے ہاں کوئی کسی دوست کے گھر ٹھہرا ہوگا اور یہ قرارداد ہوئی ہو گی کہ صبح کو سب اکٹھے ہو کر روانہ ہوں گے۔ یہ صوفی صاحب اہلِ تصوف تھے ان کو خانقاہ میں رات گزارنے کا شوق تھا۔ اس لیے وہ شامت کے مارے یہاں آ پہنچے۔ ورنہ ہمرہاں سے ان صوفیوں کی جماعت مراد نہیں جو رات کو شریکِ بزم تھی کیونکہ وہ چنڈال چوکڑی تو ادھر ادھر سے اکٹھی ہو گئی تھی۔

گفت آں خادم بآبش بردہ است زانکہ خر دوش آب کمتر خوردہ است

ترجمہ:۔ (آخر اپنے دل کی تسلی کے لیے) کہا۔ (غالباً) وہ خادم اس کو پانی (پلانے) کے لیے لے گیا ہے۔ اس لیے کہ گدھے نے کل پانی کم پیا تھا۔

مطلب:۔ مولانا پیچھے فرما چکے ہیں۔ ''آب کش ہا دٗ'' اس کو قدرے پانی پلایا۔ اب وہی مختصر بیان یہاں خاص توضیح کے ساتھ ملحوظ ہے کہ ''دوش آب کم تر خوردہ است۔'' یہ ضبطِ احوال افسانہ نگاری کا ایک کمال ہے فَلِلّٰہِ دُرَّہٗ۔ ان صوفی صاحب کے حسنِ ظن کی بھی حد ہو گئی۔ پہلے صوفیوں کی مکارانہ آؤ بھگت پر ریجھ گئے۔ پھر خر رفت کے شرارت آمیز ترانے کو نہ سمجھے اور خود بھی لہرا لہرا کر گانے لگے۔ جس سے خرابی یہ ہوئی کہ ان کا خادم جس کو ان مکار صوفیوں کی خر فروشی کی ساری شیطنت معلوم تھی۔ صوفی صاحب کو اس کی اطلاع دینے آیا۔ تو خود انہی کی زبان سے خر برفت و خر برفت کی راگنی سن کر چپ ہو رہا کہ ان کو خود معلوم ہے۔ اب صوفی صاحب کا خادم پر یہ حسنِ ظن ہے کہ وہ گدھے کو پانی پلانے لے گیا ہے خوب! بے شک حسنِ ظن ایک فضیلت ہے مگر جب یہ فضیلت اعتدال سے بڑھ جائے تو وہ سادہ لوحی نہیں بلکہ بے وقوفی بن جاتی ہے اور عیار لوگوں کو موقع مل جاتا ہے کہ ایک صالح و نیک دل آدمی کو الو بنائیں۔ صائبؒ ۔

دام را غفلت نخچیر رساند بمراد دانہ پوچ ست اگر صید ز خود غافل نیست

خادم آمد گفت صوفی خر کجاست؟ گفت خادم ریش بیں! جنگے بخاست

ترجمہ:۔ (اتنے میں) خادم (بھی) آ گیا تو صوفی نے (اس سے) پوچھا گدھا کہاں ہے؟ (خادم) بولا (حضرت!

اپنی) ڈاڑھی کو دیکھو (اور اس بزرگانہ شکل وصورت پر کچھ شرم کرو کہ دیدہ و دانستہ مجھ سے یہ سوال کر رہے ہو۔ اس پر دونوں میں) تو تو میں میں ہونے لگی۔

گفت خر رامن بتو بسپردہ ام   من ترابر خر موکل کردہ ام

ترجمہ:۔ (صوفی) کہتا تھا میں نے گدھا تمہارے سپرد کیا تھا۔ میں نے تم کو گدھے کا محافظ بنایا تھا۔ اب تم ہی ذمہ دار ہو۔

بحث با توجیہ کن حجت میار   وانچہ من بسپردہ ام واپس سپار

لغات:۔ بحث تکرار، گفتگو۔ توجیہ دلیل پیش کرنا۔ حجت۔ دلیل، جھگڑا، حجت بازی۔

ترجمہ:۔ (صحیح) دلیل کے ساتھ گفتگو کرو۔ فضول حجت بازی نہ کرو۔ اور جو چیز میں نے تمہارے سپرد کی اس کو واپس میرے سپرد کرو۔

از تو خواہم آنچہ آوردم بتو   باز دہ آنچہ کہ بسپردم بتو

ترجمہ:۔ جو چیز میں نے تمھیں لا کر دی تھی (اب) تم سے مانگتا ہوں۔ جو کچھ میں نے تمہارے سپرد کیا تھا۔ واپس کرو۔

گفت پیغمبرؐ کہ دستت آنچہ برد   بایدش در عاقبت واپس سپرد

ترجمہ:۔ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ تیرا ہاتھ (بطور امانت) وصول کرے۔ آخر اس کو واپس ادا کرنا چاہیے۔

مطلب:۔ مثنوی کے حواشی میں لکھا ہے کہ یہ مطلب ہے اس حدیث نبوی کا کہ اَلْاَمَانَةُ مُؤَدَّاةٌ یعنی امانت ادا ہونی چاہیے۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا ہے۔ عَلَى الْيَدِ مَا اَخَذَتْ یعنی ہاتھ جو کچھ لے اس کا ادا کرنا اس کے ذمہ ہے۔

ورنہ از سرکشی راضی بایں   نک من و تو خانۂ قاضیِ دیں

ترجمہ:۔ اور اگر تم (اپنی) سرکشی کے سبب سے اس پر راضی نہیں ہو (کہ چپکے سے میرا گدھا میرے حوالے کر دو تو ابھی دیکھو گے کہ میں ہوں تم ہو اور قاضیِ شرع کا کمرۂ عدالت ہے۔

گفت من مغلوب بودم صوفیاں   حملہ آور دند بودم نیم جاں

ترجمہ:۔ وہ (خادم) کہتا تھا میں بے بس تھا (سارے) صوفی مجھ پر حملہ آور ہوئے اور میں (پہلے ہی صعوبتِ سفر سے) نیم جان تھا۔ (ان کا مقابلہ کیوں کر کرتا)

تو جگر بندے میانِ گر بگاں   اندر اندازی و جوئی زاں نشاں

ترجمہ:۔ تم کلیجی کا ایک ٹکڑا بلیوں میں پھینکتے ہو۔ پھر اس کا نشان ڈھونڈتے ہو۔

مطلب:۔ تین تین دن کے بھوکے صوفی اور ان کو مل جائے ایک غریب الوطن سادہ لوح صوفی کا گدھا۔ وہی مثال ہے گوشتِ خردندانِ سگ۔ پھر تم امید رکھتے ہو کہ تمہارا گدھا سلامت رہے گا۔ سعدیؒ

ملحدِ گرسنہ برخانۂ خالی برخواں   عقل باور نکند کز رمضان اندیشد

درمیانِ صد گرسنہ ناں گردۂ   پیشِ صد سگ گربۂ پژمردۂ

ترجمہ:۔ (تم) سو بھوکوں کے سامنے روٹی کا ٹکڑا (پھینکتے ہو اور اس کے بچ رہنے کی امید رکھتے ہو؟) سو کتوں کے آگے

ایک آدھ موٹی بلی کو ڈال دیتے ہو اور اس کے سلامت رہنے کے متوقع ہو۔

گفت گیرم کز تو ظلماً بستدند　قاصدِ جانِ منِ مسکین شدند

تو نیائی و نگوئی مرمرا　کہ خرت را میبر ندامے بے نوا

ترجمہ:۔ (صوفی نے) کہا مانا کہ وہ (ظالم) لوگ گدھے کو تم سے جبراً (چھین کر) لے گئے (اور) انھوں نے مجھ غریب کو (اس نقصان کے صدمے سے) مار ڈالنے کی ٹھان لی (مگر حیف تو یہ ہے کہ) تم بھی (میرے پاس) نہیں آتے اور مجھے اطلاع نہیں دیتے کہ ارے کم بخت تیرے گدھے کو یہ ظالم لیے جا رہے ہیں۔

تاخراز ہر کہ بُردمن و اخرم　ورنہ تو زیعے کنند ایشاں زرم

لغات:۔ واخرم میں واپس لے لیتا، خرید لیتا۔ توزیع۔ تقسیم، چندہ۔ زر۔ زرِ قیمت۔ خر اور خرم میں تجنیس۔

ترجمہ:۔ تا کہ میں اس شخص سے جس نے گدھا لیا ہے۔ واپس لے لیتا ورنہ (اگر وہ فروخت ہو چکا تھا تو اس کی قیمت کا) روپیہ بحصہ رسدی جمع کر کے مجھے دے دیتے۔

صد تدارک بود چوں حاضر بُدند　ایں زماں ہر یک با قلیمے شدند

ترجمہ:۔ جب وہ موجود تھے تو (مجھ کو اطلاع دینے سے) سو طرح کے بندوبست ہو سکتے تھے (مگر) اب (کیا ہو سکتا ہے۔ جب کہ) ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے دیس کو سدھارا۔

من کرا گیرم کرا قاضی برم　ایں قضا خود از تو آمد برسرم

ترجمہ:۔ اب میں کس کو پکڑوں (اور) کس کو قاضی کے پاس لے جاؤں؟ یہ مصیبت تمہارے ہی سبب سے مجھ پر نازل ہوئی ہے۔

چوں نیائی و نگوئی اے غریب　پیش آمد ایں چنیں ظلمِ مہیب

ترجمہ:۔ تم کیوں نہ میرے پاس آئے اور مجھ کو مطلع نہ کیا کہ اے بے وطن! اس قسم کا سخت ظلم پیش آیا ہے۔

گفت واللہ آمدم من بارہا　تاترا واقف کنم زیں کارہا

ترجمہ:۔ (خادم نے کہا) بخدا! میں بار بار حاضر ہوا تا کہ آپ کو اس کاروائی سے مطلع کروں۔

تو ہمے گفتی کہ خررفت اے پسر　از ہمہ گویندگاں با ذوق تر

ترجمہ:۔ (مگر جب میں سنتا تھا کہ) جناب بھی گانے والوں کے ساتھ مل کر پورے ذوق سے بار بار کہتے ہیں کہ اے لڑکے گدھا جاتا رہا تو

باز مے گشتم کہ او خود واقف ست　زیں قضا راضی ست مردِ عارف ست

ترجمہ:۔ میں (کچھ عرض کیے بدوں) واپس چلا جاتا تھا کہ حضرت خود (گدھے کے جاتے رہنے سے) واقف ہیں (اب ان کو کچھ کہنے سننے کی کیا ضرورت ہے) وہ اس مصیبت پر راضی (برضائے الٰہی ہو چکے) ہیں۔ (اس لیے کچھ تدارک کرنا نہیں چاہتے اور کیوں نہ ہو آخر) مردِ عارف ہیں (گدھا تو گدھا رہا وہ تاج و تخت پر لات مار دیں)۔

گفت آنرا جملہ میگفتند خوش مرمرا ہم ذوق آمد گفتنش

ترجمہ:۔ (صوفی صاحب نے) فرمایا۔ اس فقرہ کو سب لوگ مزے کے ساتھ گاتے تھے۔ مجھ کو اس کے گانے میں لطف آیا (ورنہ گدھے کا حال مجھے کیا معلوم؟)

مرمرا تقلید شاں برباد داد کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد

ترجمہ:۔ مجھ کو تو ان (لفنگوں) کی پیروی نے برباد کیا۔ (سچ تو یہ ہے) کہ اس قسم کی پیروی پر دو سو مرتبہ لعنت ہو؟

نوٹ:۔ تقلید سے یہاں بے جا ریس، اندھوں کی سی پیروی، نقل و محاکات، بھیڑ چال وغیرہ مراد ہے۔ تقلیدِ مصطلح الگ چیز ہے اگر کوئی متعصب اس شعر کو تقلیدِ مصطلح کے خلاف پیش کرے تو اس کے جواب کے لیے وہ انتہائی نوٹ پڑھ لینا چاہیے جو چند صفحات پیشتر سپردِ قلم ہو چکا ہے۔ نیز مفتاح العلوم حصہ دوم میں قصۂ خواجۂ تاجر کے خاتمے کے قریب بھی ایک مبسوط نوٹ اسی قسم کا درج ہوا ہے۔ وہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔

خاصہ تقلیدِ چنیں بے حاصلاں کابِ روا ریختند از بہرِ ناں

ترجمہ:۔ خصوصاً ایسے بے ہودہ لوگوں کی دیکھا دیکھی کوئی کام کرنا (تو بہت ہی احمقانہ فعل ہے) جنھوں نے روٹی کے لیے اپنی آبرو گنوا دی۔

مطلب:۔ یعنی ان لوگوں نے شکم پروری کے لیے چوری اور خیانت کا ارتکاب کیا اور اپنے خرقہ و تصوف کو اس عیب سے داغدار کر لیا۔ کلیدِ مثنوی میں لکھا ہے کہ تقلید تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک غافل لوگوں کی تقلید۔ وہ مضر ہے۔ دوسری گمراہ لوگوں کی تقلید وہ اس سے زیادہ نقصان رساں ہے۔ تیسری اہل اللہ کی تقلید۔ وہ مفید اور موجب نجات ہے۔ مولانا نے ''مرمرا تقلید شاں'' میں تقلیدِ مضر کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اس تقلید کا ذکر فرماتے ہیں جو زیادہ مضر ہے اس لیے اس کی نسبت ارشاد ہے کہ وہ تقلید تو جیسی تھی سو تھی۔ مگر ان ضالین کی تقلید تو بالخصوص بہت ہی نقصان رساں ہے۔ آگے عکس چنداں باید الخ سے تقلید اہل اللہ کو بیان فرمائیں گے جو کہ محمود و مفید ہے۔

عکسِ ذوقِ آں جماعت میزدے ویں دلم زاں عکس ذوقیں میشدے

ترجمہ:۔ اس جماعت کے (گوناں گوں نعمتیں کھانے سے جو) ذوق (انھیں حاصل ہوا تھا اس) کا عکس (مجھ پر) پڑ رہا تھا اور میرا یہ دل (بھی) اس عکس سے مستغرقِ ذوق ہو رہا تھا (اس لیے میں بھی شریک ترانہ ہو گیا)۔

مطلب:۔ ان لوگوں کے ذوق نے مجھ کو بھی مستغرقِ ذوق کر دیا۔ مگر ان کا ذوق لذتِ مطعومات و مشروبات سے تھا اور میرا لذتِ روحانیہ سے۔ آگے تقلیدِ محمود کے بیان کی طرف انتقال ہے۔

عکس چنداں باید از یارانِ خوش کہ شوی از بحرِ بے عکس آبکش

لغات:۔ یارانِ خوش۔ اچھے دوست مراد مرشدانِ کاملین۔ بحرِ بے عکس۔ ذات بے ہمتا مراد حق تعالیٰ۔ آبکش پانی کھینچنے والا۔ مستفیض۔

ترجمہ:۔ (ہاں) رفقائے خیر (یعنی اہل اللہ کے ذوق) کا عکس (اچھا ہے مگر وہ بھی صرف) اسی قدر چاہیے کہ اس کی بدولت تم ذاتِ بے ہمتائے (حق تعالیٰ) سے مستفیض ہو جاؤ (اور بس اس) سے زیادہ کی ضرورت نہیں)۔

تقلید فی الطریقت اور تقلید فی الفقہ میں فرق

مطلب:۔ یعنی اس صوفی کا خر برفت کے ترانہ میں اس چنڈال چوکڑی کی تقلید کرنے کا جو قصہ مذکور ہوا ہے تم اس سے مطلق تقلید اور مطلق اخذِ عکس کو مذموم نہ سمجھنے لگنا بلکہ کاملین کی تقلید اور ان سے اخذِ عکس کی ضرورت ہے لیکن وہ بھی اسی قدر کہ اس کی بدولت حق سبحانہ سے فیض پانے کے قابل ہو جائے اور بس۔ جب اس قدر قابلیت حاصل ہو گئی تو پھر اس تقلید کی ضرورت مرتفع ہو جاتی ہے۔ اس وقت یہ عکس کوئی چیز نہیں۔

یہ تقلید فی الطریقت کا ذکر ہے تقلید فی الفقہ کا حکم اس کے برخلاف ہے چونکہ طریقت میں اجتہاد ہمیشہ کے لیے جاری ہے اور ہر مرید کمال کے درجہ کو پہنچ کر مرشدِ مجاز بن سکتا ہے اور وہ مقلد سے محقق اور مبتدی سے منتہی، غیر مجتہد سے مجتہد کے رتبے کو پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے وہ اس درجے میں اپنے مرشد کی تقلید کرنے سے مستغنی ہو سکتا ہے لیکن فقہ میں بالا جماع چوتھی صدی کے بعد اجتہاد منقطع ہو چکا۔ اب کسی کو جائز نہیں کہ فقہ میں اجتہاد سے کام لے۔ اس لیے تا قیامت کوئی مقلد فی الفقہ خود محقق و مجتہد نہیں بن سکتا بلکہ اس کو بہر حال کسی امام مجتہد مطلق کی تقلید کرنی ہوگی۔

کلیدِ مثنوی میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ شیخ کو ایسا سمجھو جیسے مشاطہ جو طالب و مطلوب کے درمیان واسطہ ہوتی ہے۔ اور وہ ہر ممکن تدبیر سے طالب کو مطلوب تک پہنچانے والی ہوتی ہے لیکن عین وصال اور خلوتِ راز میں صرف طالب و مطلوب ہی ہوتے ہیں۔ مشاطہ کو خلوت سے کچھ تعلق نہیں ہوتا کیونکہ اس معاملہ میں شرکت کی مطلق گنجائش نہیں۔ کما قیل۔

غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری　　شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری

کشتنِ پرویز داغ کوہکن راہ تازہ کرد　　صائبؔ شرکتِ فیضِ شہادت برنتابد رشکِ عشق

اسی طرح شیخ کامل ایک طالب کو حق سبحانہ تک پہنچانے والا ہے۔ جب طالب اپنے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے۔ یعنی وصول الی الحق کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کا تعلق حق سبحانہ کے ساتھ بلا واسطہ ہوتا ہے پھر شیخ کے توسط کی ضرورت نہیں رہتی۔

عکس کاوّل زد تو آں تقلید داں　　چوں پیاپے شد شود تحقیق آں

ترجمہ:۔ (مرشد کا) عکس جو پہلے پہلے (یعنی مرید کے عدمِ کمال کی حالت میں اس پر) پڑتا ہے۔ اس کو تم تقلید سمجھو جب پے در پے (یہ عکس) پڑتا رہا (اور مرید کو درجۂ کمال حاصل ہو گیا) تو وہ تحقیق بن جاتا ہے (پھر تقلید کی ضرورت نہیں)۔

مطلب:۔ یہ طریقت کا ذکر ہے۔ جس میں ایک مقلد ترقی کر کے مجتہد بن جاتا ہے اور تقلید کی ضرورت اس سے مرتفع ہو جاتی ہے مگر فقہ میں یہ بات نہیں۔ اس میں علی الدوام مقلد مقلد ہی رہتا ہے وہاں دعوئ اجتہاد گمراہی ہے۔

تا نہ شد تحقیق از یاراں مبُر　　از صدف مگسل نگشتہ قطرہ دُر

لغات:۔ مبراز بریدن قطع تعلق نہ کر۔ صدف سیپ۔ دُر موتی۔

ترجمہ:۔ (لہٰذا طریقت میں) جب تک تحقیق (کا درجہ حاصل نہ ہو۔ یارانِ طریقت (یعنی اپنے مرشد سے) ترکِ استفاضہ نہ کرو۔ جب تک قطرہ سے موتی نہ بن جاؤ سیپ سے جدا نہ ہو (قطرہ کا موتی بننے تک اس میں تربیت پاتے رہنا ضروری ہے)۔

صاف خواہی چشمِ عقل و سمع را　　بردراں تو پردہائے طمع را

ترجمہ:۔ (اگر) تم اپنی عقل کی آنکھ اور قوتِ سماعت کو (غلط اور اکات سے) محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو طمع کے پردے کو

چاک کر دو۔

مطلب:۔ اتباعِ شیخ میں اخلاقِ ذمیمہ کا ترک کرنا لابُد ہے۔ لہٰذا اگر تم اتباعِ شیخ کے فیوض سے متمتع ہونا چاہو تو اپنے احساسات و ادراکات کو غلطی سے بچانے کی کوشش کرو اور اس کے لیے سب سے پہلے طمع کو چھوڑ دو۔ وہ سب سے بڑا حجابِ ادراکات اور مانعِ ترقیات ہے۔ سعدیؒ ۔

براوج فلک چوں پرد جرہؔ باز کہ در شہپرش بستۂ سنگِ آز

گرش دامن از چنگِ شہوت رہا کنی رفت تا سدرۃ المنتہیٰ

اتباعِ شیخ کے فیوض سے محروم رکھنے میں طمع کا دخل باقی تمام رذائل سے زیادہ ہے۔ امیر خسروؒ

حرص بخاکت کشد شارعِ دین گیر زانکہ بے روشِ مصطفیٰؐ راہ بر افلاک نیست

زاں کہ آں تقلید صوفی از طمع عقلِ او بربست از نور و لمع

لغات:۔ آز کا کلمہ مصرعہ میں سبیت کے لیے۔ طمع ..روشنی، چمک۔

ترجمہ:۔ کیونکہ (کھانے پینے کی) طمع ہی کے سبب سے اس صوفی (نے مکار صوفیوں) کی تقلید (کی اور تقلید) نے اس کی عقل کا نور اور روشنی بند کر دی۔ سعدیؒ ۔

بدوزد شرہ دیدہ ہوش مند درارد ہوا مرغ و ماہی بہ بند

زاں کہ صوفی را طمع بردش زراہ ماند در خسران و کارش شد تباہ

ترجمہ:۔ کیوں کہ طمع ہی نے صوفی کو گمراہ کیا۔ (آخر) وہ خسارہ میں رہا اور اس کا (گدھا گم ہونے سے سہولتِ سفر کا) کام برباد ہو گیا۔

طمعِ لوت و طمعِ آں ذوق و سماع مانع آمد عقلِ او را ز اطّلاع

ترجمہ:۔ طعام کی حرص اور اس ذوق و سماع کی حرص اس کی عقل کے لیے (ان مکار صوفیوں کے منصوبے پر) اطلاع پانے سے مانع ہو گئی۔ سعدیؒ ۔

مگر سے ندانی کہ دو راہ دام نیند اخت جز حرصِ خوردن بدام

چہ موش آن کہ نانِ پنیرش خوری بد امش درافتی و تیرش خوری

گر طمع در آئینہ برخاستے در نفاق آں آئینہ چوں ماستے

ترجمہ:۔ طمع (وہ بد بلا ہے کہ) اگر (وہ) آئینے میں پیدا ہو جائے تو وہ بھی ہم لوگوں کی طرح منافق بن جائے۔

مطلب:۔ آئینے کا کام صاف گوئی ہے۔ وہ چہرے کا کھرا کھوٹا وصف صاف صاف بیان کر دیتا ہے لیکن طمع وہ بلا ہے کہ اگر آئینے کو عارض ہو جائے تو وہ بھی منافقانہ روش اختیار کرے اور کچھ کا کچھ بیان کرنے لگے۔

بہت نصفت پسند انسان جو حق سے ٹل نہ سکتے تھے کسی پر پیچ حیلے سے کسی ڈھب سے کسی فن سے

معاً دیکھی پھسلتی موقفِ حق سے زبان ان کی جوں ہی چپڑی کسی نے وہ ملائی اور مکھن سے

اتباعِ شیخ میں اخلاقِ ذمیمہ کا ترک کرنا لابُد ہے

گر ترازو را طمع بودے بمال راست کے گفتے ترازو وصفِ حال

ترجمہ:۔ اگر ترازو کو (بھی) مال کی طمع ہوتی تو ترازو وزن کا (صحیح) حال کب بیان کرتی۔

مطلب:۔ ترازو کے ایک پلڑے میں مثلاً ایک سیر کا باٹ رکھ کر دوسرے پلڑے میں جنس ڈالتے جاتے ہیں جب وہ جنس اس باٹ کے برابر ہو جاتی ہے تو فوراً ترازو کی ڈنڈی سیدھی ہو کر زبان حال سے پکار اٹھتی ہے کہ بس ایک سیر پورا ہو گیا ہے۔ اب زیادہ نہ ڈالو لیکن اگر ترازو کو بھی حرص عارض ہوتی اور وہ چاہتی کہ اس جنس کو مجھ میں ڈالتے ہی چلے جائیں تو ظاہر ہے کہ اس کی ڈنڈی کی ہیئت کچھ کی کچھ ہوتی اور وہ ہرگز نہ بتا سکتی کہ جنس کا وزن کیا ہے گویا اس وقت اس کو حق گوئی کی توفیق ہی نہ رہتی۔ رشوت میں یہی حالت ہوتی ہے کہ اس خلاف استحقاق مال کے ملنے سے حق گوئی سے معطل ہو جاتی ہے۔ کما قیل ۔

گر پان کے خوری بہ رشوت سرخیش کند زبانِ تو لال

گفت گیرم کز طمع قاروں شوی آخر الامر اندراں ہاموں شوی

لغات:۔ قارون ایک نہایت مالدار اور حریص و بخیل کافر تھا۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گزرا ہے۔ مفتاح العلوم حصہ اول کے اواخر میں اس کا حال سپرد قلم ہو چکا ہے۔ ہاموں جنگل مراد قبرستان۔

ترجمہ:۔ (ترازو تو زبانِ حال سے یہ) کہتی ہے کہ (اے طامع!) فرض کیا کہ تو اپنی طمع سے قارون (کے برابر مالدار) بھی ہو جائے تو انجام کار اسی جنگل میں تیرا ٹھکانا ہوگا (جہاں پہنچ کر سب تہیدست قانع اور مالدار طامع برابر ہو جاتے ہیں۔

مطلب:۔ ترازو اس قدر حق گو اور راست گفتار ہے کہ جب مال کے لین دین میں اس سے کام لیا جاتا ہے تو ہر مرتبہ اپنے کانٹے کی زبانِ حال سے پکارتی جاتی ہے کہ بس بس زیادہ چیز میرے پلڑے میں نہ ڈالو! اس زیادتی سے تم اگر مالدار بھی ہو گئے۔ تو بھی فنا آخر فنا ہے۔ مگر طمع وہ آفت ہے کہ اگر ترازو کو بھی عارض ہوتی تو پھر نہ اس کے کانٹے میں راست گفتاری و حق گوئی کی صلاحیت رہتی۔ نہ اس کی مدد سے صحیح وزن کا اندازہ ہو سکتا۔

الخلاف۔ یہ بیت ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔ قلمی نسخے میں موجود ہے۔

ہر نبی میگفت باقوم از صفا من نخواہم مُزدِ پیغام از شما

ترجمہ:۔ ہر پیغمبر نے (اپنی اپنی) قوم سے بخلوص (نیت) یہ کہا ہے کہ میں (اس) پیغام (رسالت) کا معاوضہ تم سے لینا نہیں چاہتا۔

مطلب:۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ط اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ. "اے میری قوم میں تم سے اس پیغام رسالت پر مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ پر ہے" (ہود ع ۳) حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِىْ فَطَرَنِىْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ٥ "اے میری قوم میں تم سے اس پیغام رسالت پر اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تم کیا عقل سے کام نہیں لیتے۔" (سورہ ہود ع ۵) پھر سورہ شعراء میں کئی پیغمبروں کی زبان سے یہ قول منقول ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی قوم سے کہا۔ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥ "اور میں اس سمجھانے پر تم سے کچھ اجرت تو مانگتا نہیں۔ میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہے۔" (شعراء ع ۶۔۷۔۸۔۹) اس لیے مولانا فرماتے ہیں۔ ہر نبی میگفت الخ پیغمبروں سے بڑھ کر حق گو اور راست گفتار کون ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ ان کی حق گوئی کے لیے بھی طمع اور غرض سے بریت سب سے مقدم تھی۔ اس لیے وہ اپنی اپنی قوم پر اپنے بے طمع اور بے غرض ہونے کا اظہار کر دیتے تھے۔

من دلیلم حق شمارا مشتری　داد حق دلالیم ہر دوسری

لغات:۔ دلیل راہ بتانے والا مراد دلال جو خریدار کو سودا فروش تک پہنچاتا ہے اور سودا فروش کو خریدار سے ملاتا ہے۔ مشتری خریدار۔ دلالی، دلالی کا مختنانہ۔ ہر دو سری دونوں طرف کا۔

ترجمہ:۔ (ہر نبی کہتا یہ ہے کہ) میں تو محض تمہاری بضاعتِ عمل کی قیمت دلانے کے لیے تم کو خریدار کی طرف راہ دکھانے والا ہوں (اور حق تعالیٰ تمہارا خریدار ہے اور حق تعالیٰ نے مجھے دونوں طرف سے (اس) دلالی کا معاوضہ دے دیا ہے۔

مطلب:۔ دلال خریدار سے بھی معاوضہ لیتا ہے کہ اس کو حسبِ پسند چیز دلا دی اور فروخت کرنے والے سے بھی انعام پاتا ہے کہ اس کی چیز فروخت کرا دی۔ مگر پیغمبر اپنی دلالی پر دونوں طرف کا معاوضہ حق تعالیٰ سے پاتے ہیں۔ اس لیے لوگوں سے فرماتے ہیں لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا یعنی ہم تمہارے بائعِ اعمال ہونے کی حیثیت سے جو معاوضہ تم سے لینے کا حق رکھتے تھے۔ اس سے دست بردار ہوتے ہیں۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ (دونوں طرف کا) ہمارا معاوضہ اللہ کے ذمے ہے (وہی دے گا)۔

ہست مزدِ کارمر دلال را　مزد باید داد تا گوید سزا

ترجمہ:۔ دلال کو (اپنے) کام کا معاوضہ ملنے کا حق (حاصل) ہے (پس) اس کو معاوضہ دے دینا چاہیے تاکہ (سودا کرانے میں) ٹھیک بات کہے۔

مطلب:۔ یہ بھی گویا پیغمبر ہی کا قول ہے۔ یعنی دلال کو اس کی مزدوری ملنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ معاملہ میں مناسب گفتگو کرے۔ اس لیے مجھے بھی مزدوری کی ضرورت ہے۔

سوال:۔ تا گوید سزا کے لفظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء بھی (معاذ اللہ) بطمع کام کرتے ہیں۔ یعنی اگر ان کو مزدوری کی طمع نہ دلائی جائے تو وہ اپنا فرضِ منصبی اچھی طرح ادا نہ کریں۔ وحاشاہم عن ذالک۔

جواب:۔ مصرعہ مذکور عام دلالوں کی فوٹو پیش کرتا ہے نہ کہ انبیا کی حالت کا۔ یہاں نبی نے اپنی حالت کو مجملاً ایک دلال کی حالت سے تشبیہ دی ہے۔ جس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کی تمام تفصیلی حیثیات میں بھی تشابہ پایا جائے۔ دلال بطمعِ اجرت کام کرتے اور نبی بامتثالِ امر اپنا فرضِ منصبی بجا لاتے ہیں۔ چونکہ اس شعر میں دلال کا ذکر تھا اس لیے اس کے بطمعِ اجرت اچھا کام کرنے کا ذکر آ گیا جو نبی پر چسپاں نہیں ہو سکتا یہاں اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ اجر ضرور ملنا چاہیے۔ دلال کو دلالی کا اجر نبی کو نبوت کا۔ چنانچہ اب فرماتے ہیں کہ وہ اجر کیا ہے؟

چیست مزدِ کارِ من؟ دیدارِ یار　گرچہ خود بوبکرؓ بخشد چل ہزار

ترجمہ:۔ میرے کام کا معاوضہ کیا ہے؟ محبوب (حقیقی) کا دیدار (جمال) اگرچہ حضرت ابوبکرؓ چالیس ہزار درہم (راہِ خدا میں) دے ڈالیں (مگر وہ کارِ خیر خود ان کے اپنے لیے ہے مزدِ رسالت نہیں ہے۔

مطلب:۔ یہ بھی گویا نبی کا مقولہ ہے۔ جس میں وہ اب اپنے کام کی مزدوری یا اجر کی تعیین کرتا ہے۔ یعنی میرا محنتانہ سیم و زر اور مال و متاع نہیں بلکہ دیدارِ حق ہے۔ دوسرے مصرعہ میں عام انبیا سے خاص نبیِ آخر الزمانؐ کے حال کی طرف انتقال ہے۔ یعنی گو آنحضرتؐ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کے لیے چالیس ہزار دینار خرچ کر ڈالے مگر وہ آپ کا مزدِ

رسالت نہیں ہو سکتا بلکہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے دارین کی سعادت خرید کی ہے۔ جس کی بدولت وہ انبیا کے بعد تمام عالم انسان سے افضل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ **لو وزن ایمان ابی بکر بایمان اهل الارض لرجح** یعنی اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کو باقی تمام اہلِ زمین کے ایمان کے برابر رکھ کر وزن کیا جائے تو وہ بڑھ جائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابوبکر نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں جس قدر مال لٹایا ہے۔ وہ درجہ کسی انسان کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی لیے شعرِ مذکور میں انہی کا ذکر تمثیلاً کیا گیا ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مانفعنی مال قط نفعنی مال ابی بکر فبکی ابو بکر وقال هل انا وما لی الا لک یا رسول اللّٰه.** یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کبھی کسی کے مال سے اس قدر فائدہ نہیں پہنچا۔ جس قدر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے پہنچا ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اور میرا مال آپ ﷺ کے ہی تو ہیں (تاریخ الخلفاء منقول از مسند امام احمد) ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ **اسلم ابوبکر یوم اسلم وله اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درهم فانفقها علی رسول اللّٰه** (ﷺ). یعنی جس روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار دینار اور بعض روایتوں میں چالیس ہزار درہم تھے۔ جن کو انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر خرچ کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء) اس سے معلوم ہوا کہ شعر میں چل ہزار سے یہی عددِ مخصوص مراد ہے جو اسی روایت پر مبنی ہے اور ایک شارح صاحب نے جو لکھا ہے کہ اس سے مخصوص مراد نہیں بلکہ کثرتِ خرچ مقصود ہے یہ درست نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انفاق

چل ہزارِ او نباشد مزدِ من ‏ ‏ کے بود شِبہ شَبہ دُرِّ عدن

لغات:۔ شبہ پہلا کلمہ بکسر سین و سکون باء عربی ہے۔ بمعنی مثل و نظیر و ہم شکل دوسرا لفظ بفتح شین و بائے مختفی ہے بمعنی دانہائے آبگینہ جن کو ہندی میں پوتھ کہتے ہیں۔ درِ عدن اچھی قسم کے موتی جو جزیرۂ عدن سے دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ جزیرہ حدودِ یمن میں ہے۔

ترجمہ:۔ ان کے چالیس ہزار دینار میرا معاوضہ نہیں ہو سکتے (میرا معاوضہ تو مشاہدۂ جمالِ احدیت ہے اور چالیس ہزار دینار کی) پوتھ (مشاہدۂ جمال۔) کے درِ عدن کے برابر کب ہو سکتی ہے؟

یک حکایت گویمت بشنو بہوش ‏ ‏ تا بدانی کہ طمع شد بندِ گوش

ترجمہ:۔ میں تم کو ایک حکایت سناتا ہوں (توجہ سے سنو) تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ طمع یہاں تک کان کو بند کر دیتی ہے (کہ وہ حق بات کو سنتا ہی نہیں)۔

ہر کرا باشد طمع الکن شود ‏ ‏ باطمع کے چشم دل روشن شود

لغات:۔ الکن گونگا' ہکلا' بامعنی مع ہے۔

ترجمہ:۔ جس شخص میں طمع ہو وہ (بہرہ ہونے کے علاوہ) گونگا بھی ہوتا ہے کہ حق بات نہیں کہہ سکتا (علاوہ ازیں وہ دل کا اندھا بھی ہوتا ہے) طمع کی موجودگی میں دل کی آنکھ روشن کیونکر ہو سکتی ہے!

مطلب:۔ غرض طمع کا حجاب اہلِ طمع کے تمام آلات ادراک پر چھا جاتا ہے اور ان کی وہی مثال ہو جاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ.** (سورہ اعراف ع ۲۲) ان لوگوں کے دل ہیں۔ مگر ان سے سمجھنے کا کام نہیں

لیتے۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں مگر ان سے سن نہیں سکتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی مثل ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہ لوگ بڑے غافل ہیں۔"

پیشِ چشمِ او خیالِ جاہ و زر ہمچناں باشد کہ مُواندر بصر

ترجمہ:۔ اس کی نظر میں جاہ اور دولت کا خیال (اس کو) اس طرح (پریشان کرتا) رہتا ہے۔ جس طرح آنکھ میں بال (موجب تکلیف ہوتا ہے)۔

جز مگر مستے کہ از حق پُر بود گرچہ بدہی گنجہا او حُر بود

ترجمہ:۔ ہاں اس مست کے سوا جو (محبتِ) حق (کی شراب کے نشے سے) پُر ہو۔ تم اگرچہ اس کو خزانے دو مگر وہ (ان کی خواہش سے) آزاد ہو۔ سعدیؒ ؎

خوشا وقتِ شوریدگانِ غمش کہ گر ریش بینند و گر مرہمش

گدایانے از بادشاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور

ہر کہ از دیدار برخوردار شد ایں جہاں در چشمِ او مُردار شد

ترجمہ:۔ جو شخص (حق سبحانہ کے) دیدار (جمال) سے بہرہ ور ہو گیا۔ اس کی نظر میں یہ جہاں مردار بن گیا۔ حافظؒ ؎

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیز ہا تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس

لیک آں صوفی زمستی دور بود لا جرم از حرص او بے نور بود

ترجمہ:۔ لیکن وہ صوفی (جو اپنے گدھے کو کھو بیٹھا۔ دیدارِ حق کی) مستی سے محروم تھا۔ اس لیے (کھانے پینے کی) حرص کے باعث وہ بے نور تھا (جبھی تو اس پر مصیبت پڑی اگر صاحبِ بصیرت ہوتا تو لذاتِ دنیا کی پروا نہ کرتا اور نہ مصیبت میں مبتلا ہوتا)

صد حکایت بشنود مدہوشِ حرص در نیاید نکتۂ در گوشِ حرص

ترجمہ:۔ حرص کا متوالا سینکڑوں (عبرت ناک) حکایات سنتا ہے مگر اس کے حرص کے (ساتھ لبریز) کان میں ایک بات بھی نہیں پڑتی۔

قصۂ آں مفلس کہ در زنداں بود و زندانیاں از و در فغاں

اس مفلس کا قصہ جو قید خانہ میں تھا اور قیدی اس سے نالاں تھے

بود شخصے مفلسے بے خان و ماں ماندہ در زندان و بندِ بے اماں

ترجمہ:۔ ایک بے خان و مان و مفلس آدمی تھا۔ جو کسی جرم سے قید خانہ میں پڑا ہوا تھا (اور اس کو) قید سے امن نہیں (دیا جاتا تھا)

لقمۂ زندانیاں خوردے گزاف بردلِ خلق از طمع چوں کوہِ قاف

لغات:۔ گزاف بضمِ کاف اور بقولے بکسر بے ہودگی۔ کوہ قاف اگلے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ پہاڑ ساری دنیا پر محیط ہے۔ جامیؒ ؎

کشادی نافۂ طبع مرا کاف معطر کن ز مشکم قاف تا قاف

ترجمہ:۔ (وہ (دوسرے) قیدیوں کا لقمہ بے ہودگی سے (چھین کر) کھا جاتا (اور اس کی اس بے پناہ) طمع کے سبب سے لوگوں کے دلوں پر (اس کا خوف اس طرح احاطہ کر چکا تھا) جس طرح (دنیا کے گرد) کوہ قاف۔

زَہرہ نے کس را کہ لقمۂ ناں خورد ز انکہ آں لقمہ ربا چابک برد

ترجمہ:۔ کسی کا یہ دل گردہ نہ تھا کہ بے کھٹکے روٹی کا لقمہ کھا سکے کیونکہ (خوف تھا کہ) وہ لقمہ اڑا لے جانے والا فوراً اڑا لے جائے گا۔

ہر کہ دور از دعوتِ رحماں بود او گدا چشم ست اگر سلطان بود

ترجمہ:۔ جو شخص خدا کی دعوت سے دور (یعنی غیر متوکل) ہو۔ وہ بھوکی آنکھ والا ہے۔ اگرچہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ صائبؒ۔

باتہی چشماں چہ سازد نعمتِ روئے زمین خاک نتو انست کردن سیر چشم دام را

مر مروت را نہادہ زیرِ پا گشتہ زنداں دوزخے زاں ناں ربا

ترجمہ:۔ (غرض) اس (کمبخت) نے آدمیت کو پاؤں سے کچل ڈالا تھا۔ اس روٹی چھیننے والے (کے کرتوتوں سے قید خانہ دوزخ کا نمونہ بن گیا تھا۔)

گر گریزی برا میدِ راحتے زاں طرف ہم پیش آید آفتے

ترجمہ:۔ اگر تم ایک تکلیف سے تنگ آ کر آرام کی امید پر کسی طرف کو بھاگو تو ادھر سے بھی کوئی نہ کوئی آفت سامنے آتی ہے۔

مطلب:۔ قید خانہ خود مصائب و آلام کا گھر ہے۔ مگر جب بے چارے قیدیوں کو یہ موقع ملتا کہ تنہائی، مشقت، تکان اور بھوک کے مصائب میں کسی قدر طعام کھا کر لطفِ سیری حاصل کریں تو یہ مفلس بلائے بے درماں بن کر آتا اور روٹی چھین لے جاتا۔ اس تواترِ مصائب سے یہ قید خانہ دوزخ کا نمونہ بن گیا تھا یہی حال دنیا کے قید خانہ کا ہے کہ ایک مصیبت سے بھاگو تو دوسری مصیبت کا سامنا ہے۔ نظامیؒ ۔

چو کار افتادہ گردد بے نوائے درش در گیرد از ہر سو بلائے

صائبؒ۔ نیست جدائی ز ہم حلقۂ زنجیر را حادثۂ روز گار از پئے یکد یگرست

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

لغات:۔ دَدَ درندہ جانور جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ دامؔ درندہ جانوروں کے سوا باقی صحرائی جانور جیسے ہرن۔ بارہ سنگا، گورخر وغیرہ۔

ترجمہ:۔ دنیا کا کوئی گوشہ درندہ و چرندہ جانوروں سے خالی نہیں۔ خلوت گاہِ حق کے سوا (کہیں بھی آرام نہیں۔)

مطلب:۔ وحشی چرندہ جانور کھیتی باڑی کے لیے آفت ہیں اور درندہ جانوروں سے جان کا خطرہ ہے مطلب یہ کہ دنیا مال و جان کی آفتوں سے پُر ہے جو شخص دنیا کا دلدادہ ہے وہ ان خطرات کی پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے ہاں جو لوگ واصل بحق یا کم

از کم متوجہ الی الحق ہیں۔ وہ بے شک آرام میں ہیں ان کو یہ پریشانیاں نہیں ستاتیں۔ اگر بعض حوادث کے باعث بتقاضائے بشریت ان حضرات پر ملال وحزن کے آثار پائے بھی جاتے ہیں تو وہ دیرپا اور گہرے نہیں ہوتے بلکہ عارضی اور سرسری ہوتے ہیں۔حقیقتہً یہ حضرات ایک استمراری اور پائدار سچی خوشی سے بہرور ہیں اور عام لوگ اس مقام سے بے خبر ہیں۔کما قیل ؎

از نشاطِ اہلِ دل ظاہر پرستان غافل اند پستہ دائم درمیانِ پوست خنداں میشود

کنج زندانِ جہانِ ناگزیر نیست بے پا مزد بے دق الحصیر

لغات:۔ پامزد محنت ، مزدوری۔ دق الحصیر دق کے معنی کوٹنا حصیر کے معنی چٹائی مراد محنت و مشقت کیونکہ جم کر بیٹھنے اور مسلسل کام کرنے سے نیچے بچھی ہوئی چٹائی جلدی ٹوٹتی ہے۔ اس ضیافت کو بھی دق الحصیر کہتے ہیں جو مکان کے تعمیر ہونے پر لوگوں کو دی جاتی ہے۔ فارسی میں اس کو بوریا کوبی کہتے ہیں۔ مگر یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

ترجمہ:۔ اس جہاں کے قید خانہ کا گوشہ جس کے (اندر مقید ہوئے) بدوں چارہ نہیں۔ محنت و مشقت سے خالی نہیں ہے۔

مطلب:۔ جہان کو ناگزیر اس لحاظ سے رکھا ہے کہ وہ دارالعمل ہے اور آخرت کی جزا و سزا اسی پر مترتب ہے جہان نہ ہو تو عمل کیوں کر ہو۔ عمل نہ ہو تو جزا سزا کس بات کی ہو۔ پھر آخرت کا سلسلہ ہی نہیں رہتا۔ جہان کو اس لحاظ سے بھی ناگزیر کہہ سکتے ہیں کہ انسان اگر چاہے کہ جہان کی قید سے رستگار ہو جاؤں تو نہیں ہو سکتا۔ یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۝ اے گروہ جن و انسان اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے ہو کر باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ کچھ ایسا ہی زور ہو تو نکلو۔ (سورہ رحمٰن ع ۲) صائبؒ ؎

در غم آباد جہاں رخنہ آزادی نیست چشم تا کار کند حلقۂ دام است اینجا

پھر فرماتے ہیں کہ یہ جہاں دارالمحن ہے۔ حافظؒ ؎

بساطِ دہر دوں پرور نہ دارد شہد آسائش مذاق از زہر او ایدل بشوئے از تلخ داز شورش

غنیؒ ؎ برروئے زمین ہیچ کس آسودہ نباشد گنجے بود آرام کہ در زیرِ زمین است

واللہ ار سوراخِ موشے درروی مبتلائے گربہ چنگالے شوی

ترکیب:۔ درحرفِ جار سوراخ موشے سے ضرورۃً موخر آیا ہے۔ یعنی در سوراخِ موشے ہے گربہ چنگال میں اضافت مقلوب ہے۔ یعنی چنگال گربہ۔

ترجمہ:۔ واللہ! اگر تم (مصائب سے بچنے کے لیے) کسی چوہے کے بل میں بھی گھس جاؤ تو وہاں بھی (کسی نہ کسی) بلی کے پنجے میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

مطلب:۔ دنیا کے کسی گوشے اور کسی مخفی سے مخفی مقام میں بھی مصائب و آلام میں امن نہیں۔ صائبؒ ؎

خروش سیلِ حوادث بلند مے گوید کہ خوابِ امن دریں خاکداں نمے باشد

اگر دوسری آفات سے امن بھی ہو تو کم از کم اپنے پریشان خیالات ہی باعث اذیت بن جاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

آدمی را فربہی ہست از خیال گر خیالاتش بود صاحب جمال

ترجمہ:۔ (خیال کی تاثیر ملاحظہ ہو کہ) اگر آدمی کے خیالات اچھے ہوں تو (خیال ہی) خیال سے (حوصلہ مندی کے

باعث) مرتا ہو جاتا ہے۔

ور خیالاتش نماید نا خوشے مے گدازد ہمچو موم از آتشے

ترکیب:۔ ناخوشے میں یائے مجہول تنکیر کے لیے ہے اور یہ صفت ہے جس کا موصوف امر مقدر ہے۔
ترجمہ:۔ اور اگر اس کے خیالات کوئی نامرغوب (امر) اس کو دکھاتے ہیں تو اس طرح گھلنے لگتا ہے جس طرح آگ کے سامنے موم۔
مطلب:۔ اوپر کہا تھا کہ انسان خواہ کہیں جا چھپے وہ تکالیف سے نجات نہیں پا سکتا۔ کم از کم خیالی تشویشات ہی اس کے لیے باعثِ تکلیف ہوں گی۔ اب خیالات کی تاثیر کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ خیالی ادھیڑ بن بھی اس قدر مؤثر ہوتی ہے کہ آدمی کو فربہ و لاغر بناتی رہتی ہے۔

درمیانِ مارو کژدم گر ترا باخیالاتِ خوشاں دارد خدا
مار و کژدم مرترا مونس شود کاں خیالت کیمیائے مس شود

ترجمہ:۔ (اچھے خیالات اس قدر مفید ہیں کہ) اگر خداوند تعالیٰ تم کو اچھے خیالات کے ساتھ سانپ اور بچھو کے درمیان بھی رکھے تو سانپ اور بچھو (جیسے موذی جانور بھی) تمھارے مونس (غم خوار) بن جائیں کیونکہ تمہارا وہ (اچھا) خیال تانبے کو سونا بنانے کے لیے کیمیا کا کام کر جائے گا۔
مطلب:۔ خدا کے ساتھ لو لگانے والوں اور اسی کے خیال میں مست رہنے والوں کے لیے مصائب و نوائب کی تلخی شربت کا گھونٹ بن جاتی ہے۔ صائبؒ ؎

نیست دل گیری زکوہِ بے ستوں فرہاد را عشق چوں مشاطہ گرد د سنگ خارا ہم خوش ست

یہ مطلب بھی نکل سکتا ہے کہ اگر تمھارے دل پر خیر خواہی کے خیالات غالب ہوں تو دشمن بھی بدخواہی سے باز آ جائے کیونکہ بدخواہانہ خیالات کا انعکاس ہی دوسری طرف بدخواہی کے خیالات کو اکساتا ہے۔ جیسے ایک نقل مشہور ہے کہ ایک تاجر نے اپنے بے شمار سامانِ تجارت کو پڑا دیکھ کر کہا کہ اگر بادشاہ مر جائے تو اس کے ماتم اور تجہیز و تکفین پر سارا فروخت ہو جائے۔ اس خیال بد کی بدی فوراً ادھر بادشاہ کے دل پر منعکس ہوئی جو اس وقت اپنے محل میں کھڑا شہر دیکھ رہا تھا۔ اس نے تاجر کے سر بفلک کوٹھیاں دیکھ کر خیال کیا کہ یہ تاجر لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر بہت مالدار ہو گیا ہے۔ کسی بہانہ سے اس کی جائیداد ضبط کرنی چاہیے۔ دوسرے لحہ میں ادھر تاجر اپنے خود غرضانہ خیال کی ناپاکی محسوس کر کے توبہ توبہ کرنے لگا تو ادھر بادشاہ بھی اپنے خیال کی کجروی پر استغفار پڑھ رہا تھا۔ ونعم ما قیل

آئینہ رونماست جاناں دل تو ہم از دلِ خویش پرس حالِ دلِ من

ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم خدا کے خیال میں مست اور اس کے احکام کے کامل مطیع ہو جاؤ تو خدا کی مخلوق بھی تمہاری مطیع و مسخر ہو جائے۔ سعدیؒ ؎

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

صبر شیریں از خیالِ خوش شدست کاں فرح داں تازگی پیش آمدست

ترجمہ:۔ (۱) مصائب پر صبر (بھی اجر کے) خوش گوار خیال سے گوارا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فرح اور تازگی پیشِ نظر ہوتی

ہے (جو صابرین کو انجامِ صبر پر یا آخرت میں حاصل ہوگی)۔

(۲) صبر بکسرہ صاد کی تقدیر پر یوں ترجمہ ہوگا) اچھے خیال سے ایلوا بھی میٹھا ہو جاتا ہے۔ (جو نہایت کڑوی و ناگوار دوا ہے) کیونکہ (طبیعت کی) وہ فرحت و تازگی (اس وقت نظر کے) سامنے ہوتی ہے (جو بیمار کو) اس کی دوا کی تاثیر سے متوقع ہے۔

آں فرح آید زِ ایماں در ضمیر ضعفِ ایماں نا امیدی و زحیر

لغات:۔ فرح خوشی۔ ضمیر دل۔ زحیر مرض پیچش مجازاً بمعنی ناخوشی۔

ترجمہ:۔ وہ طمانیت (جو مومنوں کو حاصل ہوتی ہے) ایمان ہی (کے خیالات) سے (ان کے) دل میں پیدا ہوتی ہے بخلاف اس کے) ضعفِ ایمان ناامیدی اور ناخوشی کا باعث ہے۔

مطلب:۔ صبر۔ بفتح صاد کی صورت میں اس فرح و طمانیت کے دل میں آنے کا اصل منشا ایمان ہوتا ہے کیونکہ ایمان نام ہے تصدیق کا۔ پس جب ان مواعید کی تصدیق ہوگی۔ جو صبر کرنے والوں کے لیے کیے گئے ہیں تو دنیا و آخرت میں اس کے اچھے نتائج کی امید ہوتی ہے اور امید سے فرحت حاصل ہوتی ہے اور جب تصدیق نہ ہو یا ہو گی مگر عوارض کے سبب سے اس کی طرف التفات نہ ہوگا تو فرحت کہاں؟ پس جب ایمان کا منشا ہے امید اور امید منشا ہے فرح کا تو ناامیدی دلیل ہوگی ضعفِ ایمان کی اور موجب ہوگی رنج و تکلیف کے لیے (کلید) صائبؒ۔

صبر کن بر تلخ کامیہا کہ آخر روزگار چشمہ سارِ نوش سازد بوسہ گاہِ نیش را

صبر از ایمان بیابد سرکلہ حَیْثُ لَا صَبْرَ فَلَآ اِیْمَانَ لَهٗ

لغات:۔ سرکلہ مرکبِ اضافی ہے۔ باضافتِ مقلوب یعنی کلاہِ سر مراد طرہ امتیاز، وجۂ اعزاز۔

صنائع:۔ دوسرا مصرعہ ایک حدیث سے اقتباس ہے جو بحر العلوم میں بایں الفاظ درج ہے۔ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم **مَنْ لَا صَبْرَ لَهٗ لَآ اِیْمَانَ لَهٗ** یعنی نبیؐ نے فرمایا۔ جس شخص میں صبر نہیں اس میں ایمان نہیں اس مضمون کی تائید دوسری احادیث بھی کرتی ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث صحیح مسلم سے منقول ہے۔ **عجباً لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ ان امرہ کلہ لہ خیر و لیس ذالک لاحد الا للمؤمن ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا لہ وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرًا لہ.** یعنی مومن کا کام خوب ہے کہ اس کا کام ہر طرح اچھا ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہی ہے۔ چنانچہ اگر اُس کو کوئی خوشی پیش آتی ہے تو شکر کرتا ہے۔ پس یہ اس کے لیے اچھا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کا سامنا ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے اچھا ہے۔

ترجمہ:۔ (اسی لیے) صبر نے ایمان (کہلانے) سے شرف پایا ہے (چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ) جہاں کہیں (کسی میں) صبر نہیں تو اس میں ایمان بھی نہیں۔

گفت پیغمبرؐ خداش ایماں نداد ہر کرا نبود صبوری در نہاد

ترجمہ:۔ جنابِ پیغمبرِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ اس شخص کو خدا نے ایمان نہیں دیا جس کے اندر صبر نہ ہو۔

مطلب:۔ یہ شعر یا تو اوپر کی حدیث کا ترجمہ ذمعنی ہے.. یا اس مشہور حدیث کو بطور روایت بایں معنی ادا کیا گیا ہے کہ **الصبر شطر الایمان** یعنی صبر ایمان کا ایک حصہ ہے کیونکہ جب ایمان کا حصہ یعنی صبر نہ رہا تو اس کا کل یعنی ایمان بھی من حیث الکل باقی نہ رہے گا۔

اوپر ذکر چلا آتا تھا کہ انسان کو دنیا کے کسی ماموں گوشے میں چین لینا نصیب نہیں۔ کم از کم اس کی اپنی خیالی تشویشات کی الجھنیں ہی ہر وقت ہر جگہ اور ہر حالت میں اس کو ستاتی رہتی ہیں پھر اس بیان کی توثیق کے لیے خیال کی نمایاں تاثیرات کے چند نمونے پیش کیے۔ اب فرماتے ہیں کہ خیالات جس طرح اپنے اثر کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنی ذات کے اعتبار سے بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ۔

آں یکے در چشمِ تو باشد چو مار   ہم وَے اندر چشمِ آں دیگر نگار

لغات:۔ مار سانپ۔ مراد مکروہ و ناپسند۔ نگار معشوق۔ مراد خوب و پسندیدہ۔

ترجمہ:۔ وہ ایک ہی شخص (ہوتا ہے۔ جو تمہاری نظر میں سانپ (کی طرح قابلِ نفرت) ہوتا ہے اور وہی اس دوسرے آدمی کی نظر میں (گویا) محبوب (ہے) سعدیؒ ۔

اے سیر ترانان جویں خوش نماید   معشوقِ من ست آں کہ بنزدیکِ توزشت ست
حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف   از دوزخیاں پرُس کہ اعراف بہشت ست

آگے اس تفاوت کی وجہ بیان فرماتے ہیں:۔

زانکہ در چشمت خیالِ کفرِ اوست   واں خیالِ مومنے در چشمِ دوست

ترجمہ:۔ کیونکہ تمہاری نظر میں اس کے کفر کا خیال (بس رہا) ہے اس لیے (تم کو اس سے نفرت ہے) اور (اس کے) دوست کی نظر میں اس کے مومن ہونے کا خیال (جاگزیں ہے۔ اس لیے وہ اس کو محبوب ہے)۔

مطلب:۔ ہر شخص کی اخلاقی و مذہبی حالت کے بعض پہلو اچھے اور بعض برے ہوتے ہیں۔ اس کا بدخواہ ہمیشہ اس کے برے اوصاف کو زیرِ نظر رکھتا ہے اور خیر خواہ صرف اچھے اوصاف کو دیکھتا ہے اور خیالات کا یہ تضاد تعلقات کے تفاوت پر مبنی ہے۔ سعدیؒ ۔

چشمِ بد اندیش کہ بر کندہ باد   عیب نماید ہنرش در نظر
در ہنرے داری و ہفتاد عیب   دوست نہ بیند بجز آں یک ہنر

کاندریں یک شخص ہر دو فعل ہست   گاہ ماہی باشد اُو و گاہ شست

ترجمہ:۔ کیونکہ اس ایک شخص میں دونوں قسم کی (اچھی اور بری) صفات ہیں (چنانچہ) کبھی وہ (ایک کی نظر میں) مچھلی (محسوس) ہوتا ہے اور کبھی (دوسرے کی آنکھ میں) مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔

نیمِ او مومن بود نیمیش گبر   نیمِ او حرص آوری نیمیش صبر

ترجمہ:۔ وہ (اپنے اچھے اوصاف کے لحاظ سے) آدھا مومن ہوتا ہے (اور اپنے برے اوصاف کے اعتبار سے) آدھا آتش پرست۔ اس کا نصف حصہ حرص سے پُر اور نصف (مجسم) صبر (وقناعت) ہوتا ہے۔

مطلب:۔ ہر شخص میں کچھ اوصاف اچھے ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بعض بری صفات بھی ہوتی ہیں ہر کجا گلے ست خارے ست و ہر کجا گنجے ست مارے ست۔

گفت یزدانت فَمِنکُم مُؤمِنٌ   باز مِنکُم کَافِرٌ گبرِ کہن

ترجمہ:۔ (چنانچہ) تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے۔ فَمِنکُم مُؤمِنٌ (یعنی تم میں سے بعض مومن ہیں) پھر (فرمایا)

فَمِنکُم کَافِرٌ (یعنی تم میں سے بعض کافر ہیں۔ جس سے) پرانا کافر (مراد ہے)۔

مطلب:۔ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّ مِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌo "وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ اس پر بھی تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔" (سورہ تغابن ع ۱)

اوپر ایک شخص میں مختلف صفاتِ نیک و بد ہونے کا ذکر تھا مگر اس آیت میں ایک قوم میں مختلف صفات کے اشخاص کا ہونا مذکور ہے۔ شارح کلید مثنوی کے نزدیک اس آیت کے ایراد سے بھی مولانا کا یہی مقصود ہے کہ ہر فرد بشر میں بعض کافرانہ صفات ہیں اور بعض مومنانہ اگرچہ حق سبحانہ کی مراد اس آیت میں یہ نہیں ہے۔ پھر مولانا کی اس مراد پر تفسیر بالرائے ہونے کا جو اعتراض وارد ہوتا ہے اس کا جواب دیا ہے مگر ہمارے نزدیک اس تکلف کی ضرورت ہی نہیں بلکہ مولانا کی مراد اس آیت سے وہی ہے جو اس کے صحیح معنی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک شخص آدھا مومن اور آدھا گبر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ساری امت کو شخص فرض کر لیا جائے تو بعض افراد کے مسلمان ہونے اور بعض کے کافر ہونے کے اعتبار سے گویا اس فرضی شخص کا آدھا وجود مومن اور آدھا کافر ہیں اور اس قسم کے افتراضات تمثیلات میں شائع و ذائع ہیں۔ پھر جس طرح ایک شخص اپنے اچھے اوصاف کے لحاظ سے دوست کی نظر میں سراپائے محاسن ہوتا ہے اور اپنے برے اوصاف کے اعتبار سے دشمن کی نگاہ میں مجموعۂ معائب بن جاتا ہے اس طرح ایک قوم بھی اپنے اچھے افراد کی بدولت نیک نام اور برے افراد کے باعث بدنام ہو جاتی ہے۔ سعدیؒ

چوں از قومے یکے بیدانشی کرد ۔۔۔ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

نمے بینی کہ گاوے در علف زار ۔۔۔ بیالاید ہمہ گاوانِ دِہ را

اور یہ بھی اپنے اپنے تخیل ہی کا کرشمہ ہے کہ کسی کا حسنِ ظن اس قوم کے اچھے افراد کی نظیر کو پیشِ نظر رکھے گا اور کسی کا سوئے ظن اس کے برے افراد کو مثالاً سامنے لائے گا۔

ہمچو گاوے نیمۂ جلدش سیاہ ۔۔۔ نیمۂ دیگر سفید و ہمچو ماہ

ترجمہ:۔ جس طرح ایک بیل کی آدھی کھال سیاہ ہو اور باقی آدھی سفید اور چاند کی طرح (روشن) ہو۔ (اسی طرح ہر شخص کے بعض اخلاقی پہلو تاریک اور بعض روشن ہوتے ہیں)۔

ہر کہ ایں نیمہ بہ بیند رد کند ۔۔۔ ہر کہ آں نیمہ بہ بیند کد کند

ترجمہ:۔ جو شخص (اس کے) اس (تاریک پہلو کے) نصف حصے کو دیکھتا ہے وہ نفرت سے اس کو چھوڑ دیتا ہے (اور) جو شخص (اس کے) اس (روشن پہلو کے) نصف حصے کو دیکھتا ہے وہ (اس کو مرغوب و محبوب ثابت کرنے کے لیے بحث (و تکرار) کرتا ہے۔

از جمالِ یوسفؑ اخواں بس نفور ۔۔۔ لیک اندر دیدۂ یعقوب نور

لغات:۔ یوسفؑ ایک پیغمبر تھے۔ جن کا حسن و جمال ضرب المثل چلا آتا ہے۔ یعقوبؑ بھی پیغمبر تھے وہ حضرت یوسفؑ کے والد اور حضرت اسحٰقؑ کے فرزند اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے کئی فرزند عطا کیے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

مگر ان میں سے ایک مجھلے فرزند حضرت یوسفؑ کے جمالِ ظاہر کے انوار اور کمالِ باطن کے آثار نے باپ کے دل میں سب سے زیادہ گھر کر رکھا تھا۔ بھائیوں کے لیے یہ معاملہ باعثِ حسد ہوگیا اور ان کا وہی جمالِ بے مثال جو باپ کی آنکھوں کا نور تھا۔ بھائیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ آخر یہ بھائی سیر و شکار کے بہانے سے حضرت یوسفؑ کو ساتھ لے گئے اور جنگل میں ایک کنویں کے اندر انھیں قید کر دیا۔ ایک قافلے والے اس کنویں کے پاس اترے تو انھوں نے حضرت یوسفؑ کو کنویں سے نکالا اور جس طرح غلاموں کی خرید وفروخت ہوتی ہے انھیں ان کے بھائیوں سے چند دراہم کے عوض میں خرید لیا۔

ترجمہ:۔ (دیکھو) حضرت یوسفؑ کے جمال سے بھائی نہایت متنفر تھے۔ لیکن (وہی جمال) حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کا نور تھا۔

ہنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیبے ست   گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

از خیالِ بد نظر شاں زشت دید   چشمِ فرع و چشمِ اصلی ناپدید

لغات:۔ زشت بدصورت۔ چشمِ فرع۔ فروعی آنکھ، ظاہری آنکھ۔ جس کی حدِ ادراک اشیا کی صرف ظاہری حالت تک رہے۔ چشمِ اصلی بصیرتِ قلب۔ جو ہر بات کی گہرائی تک پہنچتی ہے اور اس کے تمام نتائج و عواقب کو محسوس کرتی ہے فرع کے معنی شاخ اور اصل کے معنی جڑ کے ہیں۔ جس طرح شاخیں ظاہراً نمایاں ہوتی ہیں اسی طرح چشمِ فرع کا احساس و ادراک بھی ظاہر اشیا سے تعلق رکھتا ہے اور جس طرح جڑ زمین کے اندر مستور ہوتی ہے اسی طرح چشمِ اصلی کا ادراک ہر بات کی گہرائی تک پہنچتا ہے۔ ناپدید غیر نمایاں نابود، معدوم۔

ترکیب:۔ چشمِ فرع بدل ہے نظر سے جو پہلے مصرعہ میں ہے۔

ترجمہ:۔ (حسد کے) خیال سے (بھائیوں کی) نظر نے ان کو (یعنی حضرت یوسفؑ کو بری صورت میں دیکھا (ان کا یہ دیکھنا) فروعی آنکھ (سے تھا) اور (اس وقت ان کی) اصلی آنکھ نابود (تھی)۔

مطلب:۔ بھائیوں کی ظاہری آنکھ نے دیکھا کہ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے ساتھ کمال محبت ہے تو از راہِ حسد یہ ان کو ناگوار ہوا۔ اسی سبب سے حضرت یوسف کے تمام انوار جمال و کمال بھی ان کی نظر میں بدنما بن گئے سعدیؒ۔

نور گیتی فروزِ چشمۂ ہور   زشت باشد بچشمِ موشک کور

لیکن اگر وہ چشمِ اصلی سے بہرہ ور ہوتے اور ان کی بدولت حضرت یوسفؑ کی ذات والا صفات میں وہ آئندہ حاصل ہونے والے کمالات کا مشاہدہ کرتے جن کو حضرت یعقوبؑ مشاہدہ کر رہے تھے اور اسی لیے یہ بیٹا اپنے باپ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب و معزز تھا تو یقیناً وہ بھی باپ کی طرح اپنے اس برادرِ عزیز کی قدر کرتے اور ان کے ساتھ قیدِ چاہ اور غلامانہ حیثیت میں ان کی فروخت کی بدسلوکی نہ کرتے۔

برادرانِ یوسف کی ان افسوسناک بدسلوکیوں کے وقت چشمِ اصلی سے محروم ہونے کو خود حضرت یوسفؑ نے جہل سے تعبیر کیا ہے جبکہ انھوں نے حکومتِ مصر کے منصبِ جلیل القدر پر سرفراز ہونے کی حالت میں اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ۔ تم کو کچھ یاد بھی ہے؟ کہ جس وقت تم جہالت پر آمادہ تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کچھ کیا تھا؟ (سورہ یوسف ع ۱۰) پھر خود ان بھائیوں نے اپنی اس چشمِ اصلی کی محرومی کو خطا قرار دیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ بخدا کچھ شک نہیں کہ تم کو اللہ نے ہم پر بڑی برتری بخشی

ہے اور بیشک ہم خطا کار تھے۔" (سورہ یوسف ع ۱۰)

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں پر اس الزامِ جہل اور خود بھائیوں کے اس اعتراف خطا سے ظاہر ہے کہ پھر ان کو یہ چشم اصلی حاصل ہو گئی تھی بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ پھر سارے بھائی منصبِ نبوت سے سرفراز ہو گئے تھے۔ آگے مولانا چشمِ ظاہر کو چشم فرع کہنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

نوٹ:۔ ایک شارح نے چشم فرع کو نظر سے بدل کرنے کے بجائے چشمِ اصلی کا معطوف علیہ بنا کر ناپدید کا مبتدأ قرار دے لیا ہے۔ یعنی اخوانِ یوسفؑ کی نہ چشمِ ظاہر تھی نہ چشمِ باطن، مگر یہ تقدیر تکلف و اشکال سے خالی نہیں بخلاف ہماری اختیار کردہ صورت کے۔

چشمِ ظاہر سایۂ آں چشمِ داں   ہر چہ آں بیند بگردد ایں بداں

ترجمہ:۔ ظاہری آنکھ کو اس (قلبی) آنکھ کا سایہ سمجھو جو کہ وہ دیکھے گی یہ بھی اس کی طرف پھر جائے گی۔

مطلب:۔ اصلی آنکھ قلبی ہے اگر وہ غلط دیکھے گی تو ظاہری آنکھ بھی غلط بین ہو جائے گی چونکہ اخوانِ یوسف کی چشم قلب اس وقت کور تھی اور ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا جبکہ منصبِ نبوت کے حصول پر وہ بینا ہونے والے تھے اس لیے ظاہری آنکھ سے ان کو جمالِ یوسف نظر نہ آتا تھا کیونکہ جب چشمِ باطن کام نہ کرے تو چشمِ ظاہر کیا کر سکتی ہے حافظؒ ؎

دیدنِ روئے ترا دیدۂ جاں میباید   ویں کجا مرتبۂ چشمِ جہاں بینِ من ست

آگے اس کی دلیل دیتے ہیں۔

سایۂ اصل ست فرع امّا کجا   سایہ باخورشید پادارد بجا؟

ترجمہ:۔ فروعی (آنکھ یعنی چشمِ ظاہر) اصلی (آنکھ یعنی چشمِ باطن) کا سایہ ہے لیکن (کہاں وہ اور کہاں یہ) آفتاب کے سامنے سایہ کب ٹھہر سکتا ہے؟

مطلب:۔ بیشک اخوانِ یوسف کی ظاہری آنکھ کھلی تھی اور بے شبہ ظاہری آنکھ باطنی آنکھ کا سایہ ہے لہٰذا تم کہو گے کہ اس میں کچھ کچھ باطنی آنکھ کے خواص اور کسی حد تک ادراکِ حقائق کی قوت ہونی چاہیے مگر اس کو اس سے کیا نسبت؟ آفتاب کے سامنے سایہ کی کیا حیثیت؟ پس جب ان کی چشمِ باطن کور تھی تو چشمِ ظاہر سے حضرت یوسفؑ کا جمال کیونکر دیکھ سکتے تھے آفتاب کے سامنے سایہ نہیں ٹھہر سکتا اور آفتاب کے غروب ہونے سے سایہ کا وجود ہی نہیں رہتا اسی لیے چشم باطن کے آگے چشمِ ظاہر کا ادراک ہیچ ہے اور چشمِ باطن کے کور ہونے پر چشمِ ظاہر میں صلاحیتِ ادراک ہی نہیں رہتی آگے چشمِ باطنی کو کشادہ رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

تو مکانی اصلِ تو در لامکاں   ایں دکاں بر بند و بکشاں آں دُکاں

لغات:۔ مکانی دنیوی، مادی۔ لامکاں عالم ارواح، مجردات کا عالم این دکاں سے مادیات کا عالم اور آں دکاں سے مجردات کا عالم مراد ہے۔

ترکیب:۔ تو مبتداء مکانی خبر ہستی رابطہ جملہ محذوف مکانی میں یاء نسبت کی ہے نہ کہ خطاب کی۔

ترجمہ:۔ تم مادی (مخلوق) ہو اور تمہاری اصل (یعنی روح) لامکان میں ہے (یعنی مجرد ہے پس تم اس مادیات کے انہماک کی دکان کو بند کر دو اور (توجہ بعالم غیب کی) وہ دکان کھول لو۔

مطلب:۔ تم دنیا کے جنجال میں گرفتار ہو کر حقیقت شناسی سے محروم ہو رہے ہو۔ دنیا سے آنکھ بند کرنا گلزارِ غیب کی سیر ہے ؎

جمعے کہ بستہ اند نظر صائب ازجہاں از خار زا روئے بگلزار کردہ اند

یہاں مولاناؒ نے روح کو لامکانی فرمایا ہے جو کہ مجردات کے خواص میں سے ہے حالانکہ متکلمین روح کو مادی کہتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ میں متکلمین کی رائے غلط ہے وہ تجرد کو باری تعالیٰ کے خواص میں سے قرار دیتے ہیں اس لیے روح کو مادی تسلیم کرنا پڑا حالانکہ یہ محض دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اور محض مصادرہ علی المطلوب ہے اس لیے کہ اوّل روح کا غیر مجرد اور مادی ہونا ثابت ہو تو پھر تجرد باری تعالیٰ کے خواص سے ہو سکتا ہے اور جب روح کا مادی ہونا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا تو پھر باری تعالیٰ کے لیے تجرد کا اختصاص کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔ صوفیہ اور حکما اس کے قائل ہیں کہ روح مجرد ہے اور تجرد خواص باری سے نہیں ہے۔ ہاں یہ حکما کی گمراہی ہے کہ روح کو قدیم بالذات کہنے لگے۔ صوفیہ اس کو قدیم نہیں مانتے ہاں مجرد مانتے ہیں اور اس میں کوئی خرابی نہیں اور وہ روح جس کی نسبت حدیث میں نسمہ کا لفظ آیا ہے اور جس کو کہ فرشتے حریر میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔ اس سے روحِ طبی مراد ہے۔ جس کو جسمِ مثالی بھی کہتے ہیں۔ اور جس کو اہلِ کشف نے لکھا ہے کہ روح بالکل انسان کی ہم شکل اور ٹھیک اس کی مثل ہوتی ہے۔ بس اس حدیث سے روح کے تجرد پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ (کلید)

روح کے مادی غیر مادی ہونے کے متعلق متکلمین صوفیا اور حکما کا مذہب

شش جہت مگریز زیرا در جہات ششدرست و ششدرہ مات ست مات

لغات:۔ شش جہت چھ طرفین جس سے دائیں بائیں، آگے پیچھے اور اوپر نیچے کی اطراف مراد ہوتی ہے اور مقصود اس سے دنیا کی تمام اطراف ہیں، ہر طرف، ہر سمت۔ جہات اطراف جمع جہت کی۔ ششدر کنایہ ہے اس جگہ سے جس سے رہائی دشوار ہو اور مجازاً بمعنی عاجز و متحیر بھی مستعمل ہے۔ ششدر در حقیقت چھ خانوں کا نام ہے۔ جو نرد کی بازی میں ہوتے ہیں۔ جب مہرہ ان میں آن پڑتا ہے تو اس کی رہائی ناممکن ہو جاتی ہے ایک شرح میں لکھا ہے کہ ششدر شطرنج کے درمیانی چار خانوں کو کہتے ہیں یہ غیر صحیح ہے کیونکہ اس اصطلاح کو شطرنج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ششدرہ میں ہا نسبت کے لیے ہے۔ یعنی ششدر میں بند ہونے والا مہرہ۔ مات شطرنج بازوں کی اصطلاح میں شاہ شطرنج کا گرفتار و مقید ہو جانا۔ صنائع: شش کے لفظ میں صنعتِ تجنیس ہے اور مختلف بازیوں کی مناسبات پر لطف ہیں۔

ترجمہ:۔ اطرافِ دنیا میں (حریصانہ تگ و دو سے) بھاگے بھاگے نہ پھرو کیونکہ یہ اطراف وہ مقام ہیں جن سے رہائی ناممکن ہو اور ناقابلِ رہائی مقام میں جا پڑنے والا مقید ہوا۔ سو مقید ہوا۔ غنی "

نیست در گلزارِ گیتی رنگِ آزادی کہ ہست گل اسیر گلبن و بلبل گرفتار قفس

ایں سخن رانیست حد زندانیاں مضطر انداز دستِ آں خر قلتباں

لغات:۔ زندانیاں جمع زندانی قیدی مضطر مجبور بے بس۔ قلتباں بے غیرت، بے حیا، دیوث۔

ترجمہ:۔ اس (علوم و معانی کی) بحث کی تو کوئی حد نہیں (اب اصل قصے کی طرف توجہ کرو کیونکہ) قیدی لوگ اس گدھے بے غیرت (قیدی) کے ہاتھوں (سخت) بے بس ہو رہے ہیں (ان کی رستگاری کراؤ)۔

انتباہ:۔ قصہ نویسی کا یہ ایک پر لطف انداز ہے کہ واقعہ کو اس طرح فرض کر لیا جائے کہ گویا وہ اس وقت وقوع پا رہا ہے۔ اور اس کی تفصیلات کو اس طریق سے بیان کیا جائے گویا واقعہ کی جزئیات یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے ظہور میں آ رہی ہیں۔ اس انداز میں مولانا فرماتے ہیں کہ ہم تو بیانِ معارف میں مصروف ہو گئے۔ ادھر زندانی بیچارے حیران ہیں کہ کب ہماری رستگاری کا وقت آئے۔

شکایت کردنِ اہلِ زنداں نزد وکیلِ قاضی از دستِ آں مفلس

قیدیوں کا قاضی کے وکیل سے اس مفلس کی شکایت کرنا

باوکیلِ قاضیِ ادراک مند اہلِ زنداں در شکایت آمدند

لغات:۔ وکیل ذمہ دار، جس کے سپرد کوئی کام کیا جائے۔ آج کل کی اصطلاح میں قانونی پیروکار کو جو وکیل کہتے ہیں تو اسی لحاظ سے کہ مقدمہ کی پیروی کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔ مگر یہاں وکیل کے معنی اعم مراد ہے یعنی کارندہ۔ اہلِ زنداں کی شکایت سننا اور ان کی نگرانی اس کے سپرد ہوگی۔ قاضی مقدمات کا فیصلہ کرنے والا، جج، مجسٹریٹ، منصف۔ شاہانِ اسلام کے زمانے قید خانہ قاضی کے ماتحت ہوتا ہوگا اور قاضی کا ایک ملازمِ خاص اس کام پر مامور ہوگا کہ اہلِ زنداں کی شکایت نوٹ کر لیا کرے۔ ادراک مند عقلمند۔

ترجمہ:۔ عقلمند قاضی کے وکیل سے اہلِ زنداں شکایت کرنے لگے۔

کہ سلامِ مابقاضیِ برکنوں باز گو آزارِ مازاں مردِ دُوں

لغات:۔ بَر صیغہ امر بردن سے آزار، دُکھ۔ دُوں۔ کمینہ، خسیس۔

ترجمہ:۔ کہ براہِ مہربانی ابھی ہمارا سلام قاضی (صاحب) کی خدمت میں پہنچاؤ۔ پھر ہمارا دکھ (ان سے) بیان کرو (جو) اس کمینے شخص سے (ہم کو پہنچ رہا ہے۔)

کاندریں زنداں بماند او مُستمِر یاوہ تاز و طبل خوارست و مُضِر

لغات:۔ مستمر ہمیشہ سے، مدت دراز سے۔ یاوہ تاز بیہودہ پھرنے والا آوارہ گرد۔ تاز مشتق ہے تافتن سے۔ طبل خوار کھا کھا کر ڈھول کی طرح پیٹ کو پھلا لینے والا، پیٹو۔

ترجمہ:۔ کہ وہ ظالم مدتِ دراز سے اس قید خانے میں پڑا ہے۔ بیہودہ بھاگ دوڑ کرنے والا ہے اور سب کے لیے نقصان رساں ہے۔

مردِ زندانی نیابد لقمۂ در بصد حیلت کشاید طُعمۂ
در زماں پیش آید آں دوزخ گلو حجّتش اینکہ خدا گفتہ کُلُوا

لغات:۔ طُعمہ بالضم کھانا، ایک بار کھانا۔ دوزخ گلو۔ دوزخ کے سے گلے والا۔ جس کا گلا ہر وقت کھانے کی طلب کرتا ہے۔ جس طرح دوزخ قیامت کے روز بے انتہا مخلوق کو لقمہ کر جانے کے بعد اور لقمہ طلب کرے گا اور پکارے گا ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ "کیا کچھ اور لوگ بھی ہیں جو مجھ میں ڈالے جائیں گے۔" حجت دلیل، ثبوت۔

ترجمہ:۔ (کوئی) قیدی آدمی (اس سے محفوظ رہ کر باطمینان) ایک لقمہ (بھی کھانے) نہیں پاتا۔ اور اگر سو تدبیروں سے آنکھ بچا کر اپنا طعام کھولتا (اور کھانے بیٹھتا ہے) تو وہ دوزخ کے گلے والا پیٹو فوراً (بلائے بے درماں کی طرح) آن پہنچتا (اور خواہ مخواہ کھانے لگ جاتا ہے۔ اس کی حجت یہ ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ کھاؤ (پھر میں کیوں نہ کھاؤں)۔

مطلب:۔ خدا کے کلام میں کئی جگہ کُلُوا کا حکم ... وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو۔ کُلُوا

من رِّزقِ اللهِ وَلا تعثوا فِی الاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ" اللہ کے رزق سے کھاؤ اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔" کُلُوْا مِمَّا فِی الاَرْضِ حَلٰلاً طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔" کھاؤ جو کچھ حلال اور پاک چیزیں زمین میں ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو"۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام آیات میں اپنی اپنی جگہ کھانے کا حکم کسی خاص قید یا خاص حیثیت سے وارد ہے۔ مگر اس پیٹو نے "کلوا" سے مطلق حکم مراد لے کر شکم پری کا بہانہ بنالیا اور اپنے لیے غصب و سرقہ سے حاصل کیا ہوا طعام کھا لینا مباح سمجھا۔ ع

خوئے بدرا بہانہ بسیار

چوں مگس حاضر شود در ہر طعام — از وقاحت بے صلاح و بے سلام

لغات:۔ طعام۔ کھانا۔ ضیافت پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ وقاحت۔ بے شرمی، بے غیرتی۔ صلاح عربی لفظ ہے۔ نیکی، ضد فساد۔ مگر فارسی والے اس کو صلا کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یعنی کھانے کو کہنا، شریکِ طعام کرنا، کھانے کی تواضع کرنا اور صلا کے معنی عربی میں بھی کھانے کے لیے پکارنا ہے۔

ترجمہ:۔ وہ ہر کھانے میں مکھی کی طرح بے شرمی کے ساتھ بے بلائے اور بلا سلام کیے آ حاضر ہوتا ہے۔

پیشِ او ہیچ ست لوتِ شصت کس — کر کند خود را اگر گوئیش بس

ترجمہ:۔ (وہ اس قدر پرخور ہے کہ) اس کے آگے ساٹھ آدمیوں کا کھانا تو کچھ بھی نہیں۔ اگر اس کو کہو کہ بس کرو تو (وہ سنتا ہی نہیں) اپنے آپ کو بہرا بنا لیتا ہے۔

زیں چنیں قحطِ سہ سالہ داد داد — ظلِّ مولانا ابد پایندہ باد

ترجمہ:۔ ایسے (پیٹو کی دستبرد تو پورے) تین سال کے (لگ بھگ ہے اس) سے فریاد ہے۔ فریاد ہے! حضور کا سایہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے۔

گوز زنداں تا رَوَد ایں گاؤمیش — یا وظیفہ کن ز وقفے لقمہ ایش

ترجمہ:۔ اس کو حکم دیجیے تاکہ یہ بھینسا قید خانے سے چلا جائے۔ یا (اگر اس کو قید خانے میں ہی رکھنا منظور ہے تو) صیغۂ اوقاف سے اس کی خوراک مقرر کر دیجیے۔

اے ز تو خوش ہم ذکور و ہم اناث — داد کن المستغاث المستغاث

لغات:۔ ذکور جمع ذکر۔ مرد، رجال۔ اناث جمع انثیٰ عورتیں۔ المستغاث۔ جس کے پاس فریاد کریں۔

ترجمہ:۔ عالیجاہا! آپ سے تمام مرد اور عورتیں خوش ہیں۔ آپ (ہمارا) انصاف کیجیے۔ آپ کے حضور میں فریاد ہے فریاد ہے۔

سوئے قاضی شد وکیلِ بانمک — گفت با قاضی شکایت یک بیک

لغات:۔ بانمک۔ ملیح، پسندیدہ، خوش مزاج، بامذاق۔ یک بیک۔ ساری کی ساری۔

ترجمہ:۔ وہ خوش مزاج وکیل قاضی کی طرف گیا اور قاضی سے (ان لوگوں کی) ساری کی ساری شکایات کہہ دیں۔

خواند او را قاضی از زنداں بہ پیش — پس تفحص کرد از اعیانِ خویش

ترجمہ:۔ قاضی نے اس (مفلس) کو قید خانے سے اپنے سامنے بلایا۔ پھر اپنے اہلکاروں سے (اس کا حال) دریافت کیا

(کہ آیا واقعی یہ تہیدست و گرسنہ چشم ہے اور قیدیوں کو ستاتا ہے)۔

گشت ثابت پیشِ قاضی آں ہمہ   کہ نمودند از شکایت آں رمہ

ترجمہ:۔ اس قیدیوں کی جماعت نے جو جو شکایتیں کی تھیں سب کی سب قاضی کے سامنے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئیں۔

گفت قاضی خیز زیں زنداں برو   سوئے خانہ مردہ ریگ خویش شو

لغات:۔ مردہ ریگ۔ موروثی چیز بری بھلی چیز جو وراثتاً پہنچی ہو مراد حقیر و ناکارہ۔

ترجمہ:۔ (تو) قاضی نے حکم دیا۔ اٹھ کھڑا ہو۔ اس قید خانہ سے دفع ہو اور اپنے گرے پڑے موروثی کوٹھے کی طرف چلا جا۔

مسئلہ:۔ اگر قرضدار کے خلاف اس کا قرضخواہ وصولی قرضہ کے لیے نالش کرے اور قرضہ ثبوت کو پہنچ جائے مگر قرضدار عذر کرے کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ قرض کہاں سے ادا کروں اور قاضی کو شبہ ہو کہ شاید اس نے مال چھپا رکھا ہو اور بہانہ بناتا ہو تو اس کو قید رکھنے کا حکم ہے حتیٰ کہ قید سے تنگ آ کر قرض ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے لیکن اگر اثنائے قید میں ثابت ہو جائے کہ واقعی اس کے پاس کچھ نہیں تو پھر اس کو رہا کر دینے کا حکم ہے۔ غالباً یہ مفلس قرضہ کے متعلق قید ہوگا اور اس بنا پر "پس تفحص کرد" سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی نے آس پاس کے لوگوں سے اس کی حالتِ افلاس کے متعلق تحقیقات کی ہو گی تاکہ اس کا افلاس ثابت ہونے پر اس کو قید خانہ سے چھٹی دی جائے اور دوسرے قیدیوں کو اس کے شر سے نجات دلائی جائے مگر "کہ نمود آں شکایت" سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی نے اس کی ان کارستانیوں کے متعلق بھی تحقیقات کی جو وہ قید خانہ میں کرتا تھا۔ آخر ان وجوہ سے اس کو قید خانہ سے نکل جانے کا حکم دیا کیونکہ مفلس گرسنہ چشم کا بار ناقابلِ برداشت ہوتا ہے سعدیؒ ۔

گر گدا پیش روِ لشکرِ اسلام بود   کافر از بیم توقع برود تا در چین

گفت خان و مانِ من احسانِ تست   ہمچو کافر جنتم زندانِ تست

ترجمہ:۔ وہ بولا میرا گھر بار تو حضور کا (یہ) احسان (ہی) ہے (کہ مجھے زندان میں رہنے دیں۔ تاکہ لوگوں سے چھین جھپٹ کر پیٹ پالتا رہوں) کافر کی طرح مری بہشت (یہی) قید خانہ ہے۔

مطلب:۔ دوسرے مصرع کا مضمون صحیح مسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے جو بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ الدنیا سجن المومن و جنة الکافر. یعنی دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کے لیے بہشت ہے۔ یعنی اس قید خانہ کی مثال دنیا ہے۔ جس طرح دنیا مومنوں کے لیے قید خانہ ہے۔ اسی طرح یہ قید خانہ نیک لوگوں کے لیے موجبِ تکلیف ہوگا مگر جس طرح دنیا کافروں کے لیے بہشت ہے۔ اس طرح یہ قید خانہ مجھ بدبخت کے لیے موجب راحت ہے۔

گر ز زندانم برانی تو برد   خود بمیرم من ز درویشی و کد

ترجمہ:۔ اگر حضور مجھے جبراً قید خانہ سے نکال دیں گے تو میں تہی دستی اور مشقت سے مر جاؤں گا۔

ہمچو ابلیسے کہ مے گفت اے سلام   رَبِّ اَنْظِرْ نِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ

ترجمہ:۔ جیسے ابلیس کہتا تھا الٰہی (مجھے قیامت تک مہلت دے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا یوں ذکر ہے) رَبِّ انظرنی الخ۔

مطلب:۔ دوسرے مصرعہ میں ابلیس کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. یعنی اے میرے پروردگار مجھے روزِ قیامت تک مہلت دے۔ (سورہ حجر ۳)

کاندریں زندانِ دنیا من خوشم تا کہ دشمن زادگاں را مے کشم

ترجمہ:۔ کیونکہ میں اس دنیا کے قید خانہ میں خوش ہوں تاکہ (بنی آدم جو میرے) دشمن (آدمؑ) کی اولاد (ہیں ان) کو (روحانی و جسمانی موت سے) ہلاک کرتا رہوں۔

مطلب:۔ شیطان نے کہا رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ. "اے میرے پروردگار! جیسے تو نے مجھے بے راہ کیا ہے میں بھی ضرور ان کو دنیا میں سبز باغ دکھاؤں گا اور ان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا"۔ (سورہ حجر ۳) گمراہ کرنے سے ان تمام جرائم و آثام پر آمادہ کرنا مراد ہے۔ جن میں قتل، چوری، زنا، مے نوشی، رہزنی، قمار وغیرہ افعال داخل ہیں اور جن میں جسمانی و روحانی دونوں طرح کی ہلاکت حصر ہے۔ پس بیتِ مذکور کے کلمہ میکشم میں کشتن کو موت روحانی کے ساتھ مقید کرنا ضروری نہیں۔ جیسے کہ ایک شارح نے کیا ہے کیونکہ قتل ناروا کرتا ہے۔ اضاعتِ نطفہ اور اسقاطِ جنین وغیرہ افعال بھی شیطانی تحریکات سے ہوتے ہیں۔ جو بنی آدم کی موتِ جسمانی پر مشتمل ہیں اور قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل ہونا شیطان کا بنی آدم پر روحانی ہلاکت کا پہلا وار تھا اور ایسے وار آج کل شب و روز ہوتے ہیں۔ نیز شیطان کے اس قول سے کہ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا o اگر تو مجھ کو قیامت تک مہلت دے تو قدرے قلیل لوگوں کے متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ البتہ اکثر کی جڑ نہ کاٹ ڈالوں تو کہنا"۔ (بنی اسرائیل ع ۷) سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کا بنی آدم کو موتِ روحانی کے ساتھ موتِ جسمانی کی اذیت پہنچانے میں بھی ہاتھ ہے۔ مولانا رومؒ ۔

زانکہ ایں شیطاں عدوِّ جانِ تست دائما در فکرتِ ایمان تست

ہر کہ اورا قوتِ ایمانے بود وز برائے زادرہ نانے بود

لغات:۔ قوت بروزن حُوت غذا، روزی۔ ایمانے کی یائے مجہول تقلیل کا افادہ کرتی ہے۔

ترجمہ:۔ جس شخص کے پاس قدرے قلیل ایمان کی روزی ہو اور سفر (آخرت) کے توشہ کے لیے ایک روٹی بھی ہو۔

مے ستانم گہ بمکر و گہ بہ ریو تا بر آرند از پشیمانی غریو

لغات:۔ ریو مکر و فریب۔ غریو شور، فریاد، فغاں۔

ترجمہ:۔ تو میں (اس روزی اور روٹی کو) کبھی مکر اور کبھی فریب کے ساتھ (ان سے) چھین لوں گا حتیٰ کہ وہ پچھتا کر شور (واویلا) کرنے لگیں گے۔

گہ بدرویشی کنم تہدید شاں گہ بزلف و خال بندم دیدشاں

ترجمہ:۔ (اور) کبھی ان کو محتاجی سے ڈراؤں گا۔ کبھی زلف و خال کی (عشقبازی) سے ان کی (خدا بینی کی) آنکھیں بند کر دوں گا۔

مطلب:۔ یہ بیت اس آیت کے مضمون پر مشتمل ہے اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ "شیطان تم کو محتاجی کے احتمالات میں مبتلا کرتا ہے اور تم کو بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے

آیہ الشیطان یعدکم الفقر الخ
اور شیطان کا وعدہ فقر و امر بالفحشاء

اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بخشش کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ کشائش والا اور بڑے علم والا ہے"۔ (بقرہ ع ۳۷) شیطان لوگوں کو محتاجی و تنگ دستی کے خیال سے فکر و تردّد میں اس طرح ڈالتا ہے کہ اگر نماز، حج، روزہ، ترکِ ربا، ادائے زکوٰۃ وغیرہ احکامِ دین پر عمل کریں گے تو فقر و تنگدستی ستائے گی اور اس سے اس کی غرض محض یہ ہے کہ وہ احکامِ دین پر عمل کرنا چھوڑ دیں اور دنیا پرستی و دولت طلبی میں مشغول ہو کر طلبِ حق سے غافل ہو جائیں۔ جیسے آج کل کی نئی روشنی میں جو حقیقتاً ظلمت و جہل کا زمانہ ہے۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ علومِ دین کی تحصیل اور ترکِ سود خواری اور پرہیز گاری بھوکا مرنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے مولوی بن کر پیٹ پالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس خیال سے یہ لوگ احکامِ دین کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور کفار کے علوم و فنون کی تحصیل میں لگ کر دین و مذہب سے بیگانہ اور کفار کے طرز و انداز کے مقلّد بن جاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بوٹ، سوٹ، ہیٹ، کالر، ٹائی، نیکر سے آراستہ کر کے فرنگیانہ روپ میں جلوہ گر کرنا موجبِ فخر سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ سارا تغیرِ احوالِ شیطان کی اسی "تہدید بدرویشی" کے ماتحت عمل میں آتا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں شیطان کے امر بالفحشا کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی شیطان جس آدمی کے تباہ کرنے کی تاک میں ہوتا ہے۔ اس کے دل میں عشق بازی کی آگ لگا دیتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اگر اتفاقاً کوئی عورت یا لڑکا اس شخص کے سامنے آتا ہے یا اس سے ہم کلام ہونے کا موقع ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں اس عورت یا لڑکے کے پری جمال و ماہ تمثال ہونے کا نقشہ کچھ اس انداز سے جماتا ہے کہ اس کے دل و دماغ میں پسندیدگی کی ایک بجلی سی کوند جاتی ہے۔ جس کی برقی رو اس کے تمام قوائے ظاہر و باطن پر مسلط ہو کر اس کو اپنے اس محبوب کے لیے سراپا اشتیاق بنا دیتی ہے۔ پھر وہ خدا اور اس کے احکام کو بھول جاتا ہے۔ جس کے بعد اگلی منزل بدکاری و رسوائی اور اضاعتِ مال و خرابیِ مآل ہے۔ اور اس سے شیطان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ سعدیؒ ؎

آں راہِ دوزخ ست کہ شیطان میرود بیدار باش تا پئے او راہ نسپری

قوّتِ ایمانی دریں زنداں کم ست وانچہ ہست از قصد ایں سگ درخم ست

ترجمہ:۔ ایمان کی روزی (اوّل تو) اس دنیوی قید خانہ میں کم ہے اور جو کچھ ہے (بھی) وہ اس کتے (شیطان) کی تاک کے سبب سے ہیر پھیر میں پڑی ہوئی ہے۔

مطلب:۔ زندان کے لفظ سے دنیا کی تشبیہ اس قید خانہ سے مقصود ہے جس کا قصہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جس طرح قید خانہ میں اول تو خود ہی اطعمہ و اشربہ کی قلت تھی اور اگر کچھ میسر آتا تو وہ مفلس اڑا لے جاتا۔ یہی حال دنیا میں شیطان کے سبب سے ہے۔ خم (ہیر پھیر) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی بیباک ولقمہ ربا کتے کی چھینا جھپٹی کے خوف سے طعام کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں اور باطمینان و فراغت بیٹھ کر نہیں کھاتے۔ اسی طرح سگِ شیطان کے سبب سے متاعِ ایمان ہر وقت خطرہ میں ہے اور اخفاء و تحفظ کے خم و پیچ میں پڑا ہوا ہے۔ صائبؒ ؎

ابلیس کند را ہزنی راہ رواں را ایں گرگ نظر بر سرِ گلہ دارد

از نماز و صوم و صد بے چارگی قُوتِ ذوق آید برد یک بارگی

ترکیب:۔ آید فعل قوت ذوق فاعل اور از نماز الخ متعلق۔ یہ جملہ شرط ہوا۔ برد فعل جس کا فاعل ضمیر راجع بہ شیطان ہے یہ دوسرا جملہ جزا۔

ترجمہ:۔ (جب) نماز روزہ اور سینکڑوں عاجزیوں سے (تھوڑی سی) ذوق کی روزی ہاتھ آتی ہے تو (شیطان اس کو بھی)

یکبارگی اڑا لے جاتا ہے۔

مطلب:۔ غریب انسان مر مر کر اعمال کی کھیتی بوتا ہے اور اس کے لیے رات دن محنت کرتا ہے جب اس کی پیداوار سے متمتع ہونے کا وقت آتا ہے تو شیطان فوراً اس کے سارے ثمرات اعمال کو لوٹ لے جاتا ہے اور اس کو تباہ کر جاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کو کسی ایسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جو حبطِ اعمال و بطلانِ ثمرات کا باعث ہوتی ہے۔ آگے اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

اَسْتَعِیْذُ اللّٰہَ مِنْ شَیْطَانِہٖ قَدْ ھَلَکْنَا اٰہْ مِنْ طُغْیَانِہٖ

ترکیب:۔ شیطان کی ضمیر مضاف الیہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور وجہ اضافت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا کیا ہے اور انسان کے لیے موجب ابتلا بنایا ہے۔ من طغیانہ متعلق ھلکنا کے یا آہ کے دونوں طرح ہوسکتا ہے مگر دوسری تقدیر زیادہ اچھی ہے۔

ترجمہ:۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے (پیدا کیے ہوئے) شیطان سے۔ ہائے رے اس کی تعدی ہم تو (اس کے ہاتھوں) تباہ ہو گئے۔

یک سگ ست و در ہزاراں مے رود ہر کہ در وے رفت او آں مے شود

صنائع:۔ یہ شعر ذو القافیتین ہے۔

ترجمہ:۔ شیطان ایک کتا ہے اور (اکیلا) ہزاروں اشخاص میں گھسا چلا جاتا ہے اور جس میں گھستا ہے وہ بھی وہی (شیطان) بن جاتا ہے۔

مطلب:۔ ایک شیطان کے ہزاروں میں گھس جانے کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان کی شخصیت صرف ایک ہے کوئی دوسرا شیطان نہیں ہے بلکہ شیاطین بہت ہیں۔ چنانچہ ہر آدمی کے ساتھ ایک ایک شیطان لگا ہوا ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکّل بہ قرینہ من الجن و قرینہ من الملئکۃ یعنی تم میں سے جو شخص بھی ہے اس کے ساتھ ایک ساتھی شیطان اور ایک ساتھی فرشتہ لگا دیا گیا ہے (مشکوٰۃ) ہاں! ان سب شیاطین کا سردار ایک ہے۔ جس کا نام ابلیس ہے اور جس کا قصہ حضرت آدمؑ کے ساتھ وقوع پذیر ہوا تھا۔ پس مطلب یہ ہے کہ گو شیاطین لاکھوں کروڑوں ہیں۔ مگر اسی ابلیس کا عمل ہے جو ہر شخص پر کارگر ہو رہا ہے اور اس کو وہ اپنی ذریت کے ذریعے سے وقوع میں لاتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ایک اور حدیث ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس اپنی ذریّات کو فساد انگیزی و فتنہ پردازی کے لیے بھیجتا ہے تو جو شیطان سب سے زیادہ فتنہ برپا کرتا ہے۔ وہ اس کا سب سے زیادہ مقرب ہوتا ہے پھر جس جس شیطان نے جو کام کیا ہوتا ہے وہ اس کی رپورٹ پیش کرتا ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ دنیا جہان کے سارے فتنے ایک ابلیس ہی کی کارستانی ہے۔

شیطان اور اس کی ذریات کا سلسلہ عمل

دوسرے مصرع سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اشخاص جو شیطانی تاثیرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ترجمہ اس طرح ہم نے شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر ایک نبی کا دشمن بنا دیا ہے کہ دھوکا دینے کی غرض سے ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پھونکتے رہتے ہیں۔" (سورہ انعام ع ۱۴) بلکہ انسانی شیطانوں کا فتنہ جناتی شیطانوں سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ سعدیؒ ۔

دیو با مردم نیا میزد بترس بل بترس از مرد مانِ دیو سار

ہر کہ سردت کرد میدان کہ دروست دیو پنہاں گشتہ اندر زیرِ پوست

ترکیب:۔ شعر کے آخری جملہ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ دیو درو زیر پوست پنہاں گشتہ است۔

ترجمہ:۔ جو (آدمی یا چیز) تم کو (عشقِ الٰہی یا دینی سرگرمی سے) سرد کردے تو یاد رکھو کہ اس میں پوست کے نیچے شیطان چھپا ہوا ہے۔

مطلب:۔ جس آدمی کی صحبت یا جس چیز کا شوق حق تعالیٰ کی طرف سے غافل کردے وہ خود شیطان ہے یا اس میں شیطان پوشیدہ ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک کبوتر کے پیچھے جارہا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا شَیْطٰنٌ یَتْبَعُ شَیْطَانَۃً یعنی یہ شخص ایک شیطان ہے۔ جو شیطان کبوتری کے پیچھے جارہا ہے۔ (کلید)

چوں نیاید صورت آید درخیال تا کشاند آں خیالت در و بال

ترجمہ:۔ اگر (شیطان) مجسم (ہوکر سامنے) نہ آئے تو خیال میں آتا ہے تاکہ وہ (گمراہ کن) خیال تم کو (گمراہی کے) وبال میں کھینچے۔

مطلب:۔ خیال میں شیطان کے موثر و دخیل ہونے پر بہت سی احادیث ناطق ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ ان الشیطن یجری من الانسان مجری الدم یعنی شیطان انسان کی رگ رگ میں پھرتا ہے اور فرمایا۔ یاتی الشیطن احدکم فیقول من خلق کذا من خلق کذا حتی یقول من خلق ربک. فاذا بلغہ فلیستعذ باللّٰہ. یعنی تم میں سے کسی شخص کے پاس (اس کے تخیل میں) شیطان آتا ہے تو کہتا ہے اس کو کس نے پیدا کیا۔ اس کو کس نے پیدا کیا۔ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا۔ پس جب اس کو یہ بات پہنچے تو اعوذ باللہ پڑھے۔ (مشکوٰۃ)

از خیالاتِ تو مے آید بلا چوں خیالت فاسد آمد جا بجا

ترجمہ:۔ تیرے (برے) خیالات ہی سے بلا نازل ہوتی ہے۔ جب کہ تیرے خیال موقع بموقع بگڑتے رہتے ہیں۔

مطلب:۔ جن لوگوں پر شیطان مسلط ہوتا ہے۔ ان کے دل میں ہر موقع پر اور ہر وقت مختلف فاسد خیالات پیدا ہوکر انھیں ارتکابِ معاصی پر اکساتے رہتے ہیں۔ جن کی آخر شامت پڑتی ہے۔ یا آخرت میں پڑے گی۔ اب ان مواقع کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن میں فاسد خیالات باعثِ معصیت ہوتے ہیں۔ یہ مواقع فی نفسہا برے نہیں ہیں۔ مگر ان میں خیال کی کجی باعثِ گناہ بن جاتی ہے۔

گہ خیالِ فرجہ و گاہے دکان گہ خیالِ علم و گاہے خان و مان

ترجمہ:۔ کبھی فراخ دستی کا خیال (جو کسبِ حرام کا موجب بن جاتا ہے) اور کبھی دکان کا (جس میں ماپ تول کا گناہ ہوتا رہتا ہے) کبھی علم کا خیال (جو شہرت یا کسبِ زر کی نیت سے باعثِ وبال بنتا ہے) اور کبھی گھر بار کا (جو خدا سے غافل کردیتا ہے۔)

گہ خیالِ مکسب و سوداگری گہ خیالِ تاجری و داوری

لغات:۔ مکسب پیشہ جس سے روزی کمائی جائے۔ داوری عہدہ۔

ترجمہ:۔ کبھی پیشے اور سوداگری کا خیال، کبھی تاجر کہلانے اور کسی عہدہ (پانے) کا خیال (جب کہ ان کے باعث حق کی طرف سے غفلت پیدا ہوتی ہے)۔

گہ خیالِ نقرہ و فرزند و زن گہ خیالِ بو الفضول و بو الحزن

ترجمہ:۔ کبھی روپے کا خیال اور کبھی بیوی بچے کا (اور یہ بھی خدا سے غافل کرتا ہے) کبھی (کسی) فضول آدمی کا خیال (جو فضول باتیں سکھاتا ہے) اور (کبھی کسی) غمگین کا (خیال جو دل کو پریشان کرتا ہے)۔

گہ خیالِ کالہ و گاہے قماش گہ خیالِ مفرش و گاہے فراش

ترجمہ:۔ کبھی اسباب کا خیال کبھی عمدہ چیزوں کا۔ کبھی اس جگہ کا جہاں فرش بچھاتے ہیں۔ کبھی فرش کا (یہ خیالات بھی باعثِ تشویشات ہیں)۔

گہ خیالِ آسیا و باغ و راغ گہ خیالِ میغ و ماغ و لیغ ولاغ

لغات:۔ راغ جنگل۔ میغ بادل۔ ماغ کہر، غبار: بخار۔ لیغ بددل۔ لاغ شوخی۔

صنائع۔ یہ شعر صنعتِ جمع وتجنیس سے بھرپور ہے۔

ترجمہ:۔ کبھی چکی کا خیال (کہ مل جائے تو آٹا پیسیں) اور (کبھی) باغ کا (کہ جانور نقصان نہ کر دیں) اور (کبھی) جنگل (اور کھیتی کا) کا (کہ دیکھیے پیداوار کیسی ہوتی ہے) کبھی بادل کا خیال (کہ برس جائے تو قحط ٹلے) اور (کبھی) کہر کا (خیال کہ مینہ نہیں تو یہی سہی) اور (کبھی کسی) بددل آدمی کا (جس سے پالا پڑ گیا ہو) اور (کبھی کسی) شوخی کا (جو کسی سے وقوع پا کر باعثِ رنج ہو اور یہ باتیں بھی طمانیتِ قلب کے لیے آفت ہے)۔

گہ خیالِ آشتی و جنگہا گہ خیالِ نامہا و ننگہا

لغات:۔ آشتی صلح، دوستی۔ خیالِ نامہا۔ نام آوریوں کا خیال۔ ننگ شرم و عار۔

ترجمہ:۔ کبھی صلح و دوستی کا خیال (جس میں کبھی خلاف غیرت ہار ماننی یا خوشامد کرنی بھی پڑ جاتی ہے) اور (کبھی) لڑائیوں کا (خیال۔ جس سے ظلم وتعدی کا احتمال ہے۔) کبھی نام آوریوں کا خیال (فخر در یا تو صریحاً حرام ہے) اور (کبھی) شرم وغیرت کا (خیال کہ یہ بھی بعض اوقات ادائے فرض سے مانع اور کبھی عُجب وغرور کا باعث ہوتا ہے)۔

مطلب:۔ غرض یہ مختلف خیالات انسان کو حیرت گاہِ عالم کے کونے کونے میں لیے پھرتے ہیں۔ اس لیے اس کو ایک لمحہ کے لیے طمانیتِ قلب میسر نہیں ہوتی۔ حافظؒ

ایں دلِ صد پارہ من ہمچو اوراقِ خزاں ہر نفس در عالمے ہر دم بجائے دیگرست

ایسی حالت میں نہ عزلت وخلوت مفید ہے نہ طاعت وعبادت میں کچھ لطف۔ سعدیؒ

چو ہر ساعت از تو بجائے دل نہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی

ہیں بروں کن از سرایں تخیلہا ہیں بروب از دل چنیں تبدیلہا

لغات:۔ تخیل خیال کرنا۔ بروب امر ہے روفتن صاف کرنا سے۔

ترجمہ:۔ خبردار! (اپنے) سر سے ان (تشویش کن) خیالات کو نکال ڈالو۔ خبردار! (اپنے) دل سے ایسی (باتیں جو عقائد واعمال میں آنا فانا) تبدیلیاں (ڈال دیں) ہٹا دو۔ جامیؒ

دریں را حاصلے جز یک دلی نیست دو دل بودن بجز بے حاصلی نیست
نہ بیند پستۂ یک مغز چنداں چو بادام دو مغز آزارِ سنداں

ہیں بگو لاحولہا اندر زماں از زباں تنہا نہ بل از عینِ جاں

ترجمہ:۔ خبردار! اسی وقت بار بار لاحول پڑھنی شروع کر دو (تا کہ شیطانی خیالات دور ہو جائیں اور) صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ تہ دل سے (پڑھو)۔

تتمۂ قصۂ مفلس زندانی با قاضی

مفلس اور قاضی کے قصے کا بقیہ

گفت قاضی مفلسی را وانما گفت اینک اہلِ زندانت گوا

ترجمہ:۔ (غرض) قاضی صاحب (مفلس سے) فرماتے تھے تم اپنی مفلسی کو ثابت کرو (اور) وہ کہتا تھا یہ آپ کے اہلِ زنداں گواہ ہیں۔

مطلب:۔ مفلسی کے ثبوت سے مدیون کو قید سے خلاصی مل جاتی ہے مگر یہ مفلس تو قید رہنا پسند کرتا تھا۔ لہٰذا قاضی اس کی خلاصی کی غرض سے افلاس کا ثبوت نہیں مانگتا تھا بلکہ اس نے جو عذر کیا تھا کہ میں قید خانہ سے نکلا تو افلاس سے بھوکا مر جاؤں گا تو قاضی اس کا ثبوت مانگتا ہے کہ یہ عذر کہاں تک درست ہے۔ مفلس بولا قیدیوں سے پوچھ لو۔ جن کی روٹیاں چھین کر کھا جانا میرا شیوہ ہے کہ میں کس قدر مفلس، تہید ست اور بھوکا ہوں۔

گفت ایشاں متہم باشند چوں میگریزند از تو میگریند خوں

ترجمہ:۔ قاضی صاحب نے کہا۔ چونکہ یہ لوگ تجھ سے متنفر اور نالاں ہیں (اس لیے) ان پر (غرض مندی کی) تہمت عاید ہوتی ہے۔ (پس ان کی گواہی مقبول نہیں ہو سکتی)۔

وز تو مے خواہند تا ہم وارہند زیں غرض باطل گواہی مید ہند

ترجمہ:۔ اور چاہتے ہیں کہ تجھ سے نجات پائیں۔ اس غرض باطل سے گواہی دیتے ہیں۔

مطلب:۔ اہلِ غرض اور قرابتدار کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ غرض مند کا مقتضائے غرض اور قرابت دار کا جذبۂ عصبیت حق گوئی سے مانع ہوتا ہے۔ قاضی کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تم سے سخت دق ہیں۔ لہٰذا ان کو اپنے گواہی دینے میں حق وثواب سے کوئی خاص غرض نہیں ہوگی وہ تو بہر حال وہی گواہی دیں گے جس کی بنا پر تم قید خانہ سے دفع ہو جاؤ۔ لہٰذا ان کی گواہی معتبر نہیں۔ ممکن ہے کہ تم مال دار ہو اس لیے تمہارا قید رکھنا لازم ہو اور ممکن ہے کہ تم مفلس ہی ہو۔ مگر اس قدر کہ قید خانہ سے نکل کر اپنے گزارے کے لیے بھی نہ کما سکو۔ لہٰذا تم کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے مگر بطورِ فیصلہ شرعی نہ کہ قیدیوں کی غرض باطل کے لیے۔

جملہ اہلِ محکمہ گفتند ما ہم بر ادبارو بر افلاسش گوا

ترجمہ:۔ (اس پر) تمام اہلِ محکمہ بول اٹھے (کہ) ہم (بھی) اس مفلس کی تباہ حالی اور افلاس پر گواہ ہیں (اس کو قید خانہ سے نکال دینا ہی بہتر ہے)۔

ہر کرا پرسید قاضی حال او گفت مولا دست ازیں مفلس بشو

ترجمہ:۔ قاضی صاحب جس سے بھی اس کا حال دریافت کرتے وہ یہی کہتا جناب عالی! اس مفلس سے ہاتھ دھو لیجئے۔ (اس کا یہاں مقید رکھنا بے سود ہے)۔

گفت قاضی کش بگردانید فاش گردِ شہر او مفلس ست وبس قلاش

لغات:۔ کش کہ اورا۔ بگردانید بمعنی بگردش آرید ہے نہ کہ بمعنی سید۔ قلاش مفلس، بے عزت، لچا، کنگال۔

ترجمہ:۔ (قاضی نے) حکم دیا کہ اس کو شہر کے گرد (تمام گلی کوچوں میں) علانیہ پھراؤ (اور منادی کرو کہ) وہ مفلس ہے اور نہایت کنگال ہے۔

کو بکو اورا مناد یہا کنید طبلِ افلاسش بہر جا بر زنید

ترجمہ:۔ گلی گلی میں منادی پر منادی کر دو اور اس کے افلاس کا ڈھنڈورا ہر جگہ پیٹ دو۔

ہیچکس نسیہ نہ بفروشد بدو قرض ندہد ہیچکس اورا تسو

لغات:۔ نسیہ ادھار۔ قرض۔ تسو۔ چار جو کی مقدار۔ یک نیم حبہ۔

ترجمہ:۔ (کہ) کوئی شخص اس کے ہاتھ ادھار (سودا) فروخت نہ کرے (اور) کوئی اس کو چار جو برابر بھی قرض نہ دے۔

ہر کہ دعویٰ آردش اینجا بفن ہیچ ز ندانش نخو اہم کرد من

لغات:۔ فن حیلہ، چالاکی، ہوشیاری۔ ہیچ ہرگز، قطعی، بالکل۔

ترجمہ:۔ جو شخص (اس منادی کے باوجود بطورِ تجاہل) چالاکی سے اس کے خلاف دعویٰ یہاں (محکمہ قضا میں) دائر کرے گا۔ (تو اس کے دعویٰ کی بنا پر) میں اس (مفلس) کو ہرگز قید نہیں کروں گا۔

پیشِ من افلاسِ او ثابت شد است نقد و کالا نیستش چیزے بدست

ترجمہ:۔ کیونکہ ہمارے رو برو اس کا افلاس ثابت ہو چکا ہے۔ نقد و جنس وغیرہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ (لہٰذا اس کو مقید کرنا لاحاصل ہے۔)

آدمی در حبسِ دنیا زاں بود تا بود کافلاسِ او ثابت شود

ترجمہ:۔ آدمی بھی دنیا کے قید خانے میں اسی لیے مقید ہوتا ہے کہ شاید اس کا افلاس ثابت ہو جائے۔

مطلب:۔ یہاں تمثیلاً ایک نصیحت فرماتے ہیں۔ جس طرح مدیون کو جیل میں اس لیے رکھا جاتا ہے کہ قید سے تنگ آ کر قرض ادا کر دے اور اس سے اس کا مالدار ہونا ثابت ہو جائے یا جب وہ باوجود تکالیفِ قید کے کچھ ادا نہ کرے گا تو اس کا مفلس اور تہیدست ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا۔ اسی طرح انسان کو دنیا کی جیل میں اسی لیے مقید کیا گیا ہے کہ یہ بات از روئے دلیل ظاہر ہو جائے کہ وہ دولتِ دین سے مالا مال ہے یا وہ اس دولت سے تہیدست و بدحال ہے تاکہ اس کے بعد اس کی حالتِ دینی کے مطابق سلوک کیا جائے۔ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّ شَھِیْقٌ "جب وہ دن آ پہنچے تو کوئی شخص بے حکم بات تک نہ کر سکے گا۔ پھر بعض بدبخت اور بعض نیک بخت ہوں گے تو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے۔ وہاں ان کو چلانا ہوگا اور دھاڑنا ہوگا۔" پھر ایک آیت کے بعد

اگلی آیت یہ ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا الایة۔" اور جو لوگ نیک بخت ہیں تو وہ بہشت میں ہوں گے۔ برابر اسی میں رہیں گے۔" الخ۔ (ہود ع ۹) گو حق تعالیٰ کو اس کے سعید و شقی ہونے کا پہلے سے علم ہے اور وہ اپنے علم کی بنا پر اس کے ساتھ حسبِ استحقاق سلوک کر سکتا تھا۔ مگر اس نے اپنے علم پر اس لیے اکتفا نہیں کیا کہ کسی کو پھر یہ عذر کرنے کا موقع نہ ملے کہ مجھے دنیا میں بھیج کر تو دیکھ لیا ہوتا کہ کس قدر نیک اعمال کرتا ہوں۔

مفلسیِ دیو را یزدانِ ما   ہم منادی کرد در قرآنِ ما

ترجمہ:۔ (اسی طرح) ہمارے خداوند پاک نے شیطان کی مفلسی کی بھی ہمارے قرآن مجید میں منادی کر دی ہے۔

کو دغاو مفلس ست و بدسخن   ہیچ با او شرکت و سودا مکن

ترجمہ:۔ کہ وہ شیطان (سراپائے) دغا (یعنی پورا دغا باز) کنگال اور بدکلام ہے۔ اس کے ساتھ ہرگز (کسی قسم کی) شراکت اور سودا نہ کرو۔

مطلب:۔ قرآن مجید میں جا بجا یہ منادی آئی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔

" اے بنی آدم کیا میں نے تم کو پہلے سے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ (یٰسٓ ع ۴)

ور کنی او را بہانہ آوری   مفلس ست و صرفہ از وے کے بری

لغات:۔ صرفہ خرچ میں کفایت ملحوظ رکھنا، فائدہ اور نفع اٹھانا۔ یہاں صرفہ سے زرڈگری مراد ہے۔

ترجمہ:۔ اور (اگر اس کے ساتھ معاملہ) کرو گے تو (اس کے لیے آخرت کی عدالت میں اس) بہانہ کا موقع پیدا کر دو گے (کہ) وہ مفلس ہے (کچھ ادا نہیں کر سکتا) اور (پھر نالش کر کے) اس سے (خرچہ اور) زرڈگری کیونکر وصول کرو گے۔

مطلب:۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَیَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ مَّوْبِقًا" اور جس روز اللہ تعالیٰ (کافروں سے) فرمائے گا کہ جن شیاطین وغیرہ کو تم میرا شریک سمجھا کرتے تھے۔ ان کو پکارو تو (کہ وہ تمہاری کچھ مدد کریں) پھر وہ ان کو پکاریں گے تو وہ جواب نہیں دیں گے (یعنی وہ مدد و اعانت کرنے بلکہ جواب تک دینے سے مفلس ہوں گے) اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت کی آڑ قائم کر دیں گے"۔ (کہف ع ۱۷)

حاضر آورند چوں فتنہ فروخت   اشترِ کردے کہ ہیزم مے فروخت

لغات:۔ فروخت افروخت باسقاطِ الف ہے۔ کرد ایک صحرانشین قوم کا نام ہے۔

صنائع:۔ فروخت بمعنی روشن و مشتعل شد اور فروخت بمعنی بیچ کرد میں تجنیسِ تام ہے۔

ترجمہ:۔ جب (اس مفلس کی مفلسی کا) فتنہ (اور چرچا خوب) بھڑک اٹھا تو ایک کرد کا اونٹ (پکڑ کر) لے آئے جو لکڑیاں (اونٹ پر لاد کر) فروخت کیا کرتا تھا۔

کرد بیچارہ بسے فریاد کرد   ہم مُوَکِّل را بدانگے شاد کرد

لغات:۔ مُوَکَّل جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے، کارندہ مراد سپاہی۔ انگ ۶ رتی کا وزن اور ایک کھوٹا سکہ۔

ترجمہ:۔ کرد بیچارہ بہت چلاتا رہا (کہ مجھے اس بیگار سے معاف رکھو۔ حتیٰ کہ) اس (غریب) نے سپاہی کو بھی دو چار

پیسے (بطور رشوت) دے کر خوش (کرنے کا قصد) کیا (مگر اس کی کون مانتا تھا)۔

اشترش بردند از ہنگامِ چاشت تاشب و افغانِ او سودے نداشت

ترجمہ:۔ (چنانچہ) اس کا اونٹ پہر دن چڑھے سے رات تک (کے لیے) لے گئے اور اس کی چیخ و پکار کا کچھ اثر نہ ہوا۔

برشتر بنشست آں قحطِ گراں صاحبِ اشتر پے اشتر دواں

ترجمہ:۔ وہ (مفلس جو لوگوں کے لیے آفت ہونے کے لحاظ سے بمنزلہ) قحطِ عظیم (تھا) اونٹ پر بیٹھ گیا (اور) اونٹ والا اونٹ کے پیچھے پیچھے دوڑتا جاتا تھا۔

سو بسو و کو بکوے تاختند تاہمہ شہرش عیاں بشناختند

ترجمہ:۔ ہر طرف گلی گلی دوڑتے (اور منادی کرتے) پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام (اہلِ) شہر نے اس کو نمایاں طور پر پہچان لیا (کہ یہ مفلس و قلاش و ناقابلِ معاملہ ہے)

پیشِ ہر حمّام و ہر بازارگہ کردہ مردم جملہ درشکلش نگہ

ترجمہ:۔ ہر حمّام اور بازار کے مقام میں لوگوں نے اس کی صورت پر نظر کی (اس لیے سب اس سے مطلع ہو گئے)۔

دہ منادی گر بلند آوازیاں ترک و کرد و رومیان و تازیاں

ترجمہ:۔ دس منادی کرنے والے بلند آواز (جن میں) ترک، کرد، رومی اور عرب (شامل تھے) منادی کرتے جاتے تھے۔)

جملگاں آواز ہا برداشتہ کایں ہمہ تخمِ جفاہا کاشتہ

ترجمہ:۔ یہ سب (یہ) آوازِ بلند (اعلان) کرتے تھے کہ اس مفلس نے سربسر بدمعاملگیوں کا بیج بویا ہے۔

بینوائے، بدادائے، بے وفا ناں ربائے، نرگدائے، بے حیا

لغات:۔ بداوا۔ قرض اور دیگر حقوق کی ادائیگی میں بدمعاملہ۔ نر بڑا، بھاری پکا۔

صنائع:۔ یہ شعر صنعتِ جمع و تنسیقِ صفات اور ترصیع وغیرہ مختلف خوبیوں کے لحاظ سے سلکِ جواہر سے کم نہیں۔

ترجمہ:۔ (یہ مفلس ایک) بے سروسامان (آدمی) ہے۔ لین دین میں بدمعاملہ ہے۔ روٹی چھین، لے جانے والا ہے۔ بڑا بھکاری ہے (ساتھ ہی) بے حیا (بھی) ہے۔

مفلس ست واو ندارد ہیچ چیز قرض تاندہد کسے او را پشیز

لغات:۔ تا یہاں حرفِ تنبیہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ پشیز پیسہ، دھیلا، دمڑی وغیرہ تانبے کا سکہ۔

ترجمہ:۔ وہ مفلس ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں۔ خبردار! کوئی اس کو ایک دھیلا قرض نہ دے (ورنہ اس کی واپسی کی امید نہ رکھے)

ظاہر و باطن ندارد حبّہ مفلسے قلبے دغائے دبّہٗ

لغات:۔ حبّہ دانہ، رتی، رتی بھر سونا یا چاندی۔ قلب کھوٹی چاندی، کھوٹا سکہ۔ دبّہ بفتح دال مٹی کا ڈھیر۔ بضم دال

ریچھنی یعنی مادہ ریچھ۔

ترجمہ:۔ باہر اندر ایک دانہ بھی اس کے پاس نہیں ہے (وہ) ایک مفلس (ہے) کھوٹا (ہے مجسم) دغا (یعنی بڑا دغاباز) ہے (ناکارہ پن میں) مٹی کا ڈھیر (یا شرارت میں ریچھنی) ہے۔

ہاں دہاں با اوحریفی کم کنید چونکہ کاز آرد گرہ محکم زنید

لغات:۔ حریفی شرکت معاملہ حریف بمعنی شریک و مقابل اور یا مصدری۔ کاز قینچی، گرہ کٹ کا اوزار۔

ترجمہ:۔ خبردار! خبردار!! اس کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ (وہ گرہ کاٹنے کی غرض سے) قینچی لیے پھرتا ہے (اس لیے) اپنی گرہ مضبوط رکھو۔

مطلب:۔ یا تو واقعی وہ مفلس گٹھ کترا بھی ہوگا اور افلاس و ناداری عموماً ایسے فن سکھا دیتی ہے یا یہ بات بطور استعارہ کہی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مفلس کی زبان جب خوشامد اور منت سماجت پر آتی ہے تو اپنے اثر سے لوگوں کی گرہ اور جیب کے لیے قینچی کا کام کر جاتی ہے۔ جس کا ثبوت آگے ایک شعر میں خوش دم سے بھی ملتا ہے اور وہ اسے قرض دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اب ہر شخص محتاط رہے اور اس کو قرض نہ دے۔

ور بحکم آرید ایں پژمردہ را من نخواہم کرد زنداں مردہ را

ترجمہ:۔ اور اگر تم اس ادھ موئے (شخص) کو محکمہ (قضا) میں لاؤ گے تو میں اس مردے (سے مشابہ شخص) کو قید نہیں کروں گا۔

خوش دم است واو گلویش بس فراخ باشعارِ نو وثارِ شاخ شاخ

لغات:۔ خوش دم چرب زبان، باتونی۔ شعار ابرہ، اوپر کا کپڑا۔ وثار استر، نیچے کا کپڑا۔

ترجمہ:۔ وہ بڑا چرب زبان ہے (باتوں سے لوگوں کے من موہ لیتا ہے۔) اور اس کا گلہ فراخ ہے (سب کچھ ہڑپ کر جاتا ہے) اس کا ظاہر تازہ بتازہ ہے اور باطن پھٹا پرانا ہے (یعنی ظاہر آراستہ و باطن خراب) کما قیل ۔

بروئے گرم ایں خوش ظاہراں باید تسلی شد کہ غیر از پوست مغزے نیست چوب دارچینی را

گر بپوشد بہرِ مکر آں جامہ را عاریہ ست او تا فریبد عامہ را

ترکیب:۔ آں کا مشارٌالیہ کس محذوف ہے۔ جامہ اس کا مشار الیہ نہیں۔ جیسے کہ ایک شارح نے غلطی سے سمجھا ہے۔

ترجمہ:۔ اگر وہ (شخص لوگوں کو) فریب (دینے) کے لیے (کوئی عمدہ) لباس زیب تن کرتا ہے تو (سمجھو کسی سے) مانگ لایا ہے تاکہ (اپنی ظاہری سج دھج سے) عام لوگوں کو دھوکا دے۔ صائبؒ ۔

جلوہ کردن در لباس عاریت دوں ہمتی ست جامہ کزتن بروں آید بآں نازاں مشو

حرفِ حکمت بر زبانِ ناحکیم حُلّہائے عاریت داں اے سلیم

لغات:۔ ناحکیم فنِ حکمت سے عاری، غیر دانشمند۔ حلّہ اعلیٰ پوشاک، خلعت۔ سلیم سلامت رہنے والا، بھولا بھالا۔

ترجمہ:۔ اے بھولے بھالے (عزیز) ایک غیر دانشمند آدمی کی زبان پر دانائی کی بات (آ جائے تو اس کو) ایسی سمجھو۔ جیسے مانگی ہوئی پوشاکیں (کسی نے پہن رکھی ہوں۔ اسی طرح شخص اس بات کو کسی سے سن سنا کر نقل کر رہا ہے۔)

مطلب:۔ ایسی باتوں میں پائیدار روشنی نہیں ہوتی۔ صائبؒ۔

زنورِ عاریت بگذر کہ شمعِ ماہِ تاباں را اگر صد بار روشن میکنی خاموش میگردد

گرچہ دزدے جامۂ پوشیدہ است دستِ توچوں گیرد آں ببریدہ است

ترجمہ:۔ اگرچہ ایک چور نے (دراز آستین) قمیض پہن رکھی ہے (مگر جب تم سے مصافحہ کرنے کا موقع ہو) تو وہ تمہارا ہاتھ کیونکر پکڑے۔ وہ تو کٹا ہوا ہے۔

مطلب:۔ چور کا ہاتھ شرع کے حکم سے چوری کی سزا میں کاٹ دیا جاتا ہے۔ وہ کٹے ہوئے ہاتھ کو آستین میں چھپا کر اپنے آپ کو تندرست ہاتھوں والا نمایاں کر سکتا ہے۔ مگر مصافحہ کے وقت یہ بھید کھل جاتا ہے۔ اس طرح ایک جاہل و نادان اقوالِ حکما اور ابیاتِ شعرا یاد کر کے اسی نمائش علم میں اپنے جہل و نادانی کو چھپا لیتا ہے۔ مگر جب کوئی علمی معرکہ آن پڑتا ہے تو اس کے علم کی قلعی کھل جاتی ہے۔ صائبؒ۔

از دو حرف قالبی کز دیگراں آموختہ است دعویٔ گفتار بر طوطی مسلّم کے شود

جامیؒ۔ زہر جا جمع کر دی چند بیتے بدیوانت نہ بینم غیر زیں ہیچ

چوں شبانگہ از شتر آمد بزیر کرد گفتش منزلم دور ست و دیر

بر نشستی اشترم را از پگاہ حَو رہا کردم کم از اخراجِ کاہ

لغات:۔ شبانگہ۔ رات کا وقت، منزل، گھر۔ پگاہ۔ صبح۔ رہا معاف۔ اخراج۔ خرچ۔

ترجمہ:۔ جب رات کے وقت وہ (مفلس) اونٹ سے اترا تو کرد نے (جس کو سپاہیوں سے تو کچھ ملنے کی توقع نہ تھی) اس سے کہا (بھائی صاحب!) میرا گھر دور ہے اور (بڑی) دیر (ہو چکی ہے لہٰذا اب اس جگہ اونٹ کے دانہ چارہ کی فکر کرنی ہو گی۔ تم صبح سے میرے اونٹ پر چڑھے پھرتے رہے۔ (پس اتنی امداد کرنا تمہارا فرض ہے۔ چلو خیر) میں نے دانہ تم کو معاف کیا۔ کم از کم گھانس کا خرچ تو (عطا) ہو۔

گفت تا اکنوں چہ مے کردیم پس ہوشِ تو کو؟ نیست اندر خانہ کس؟

ترجمہ:۔ (مفلس نے) کہا (ارے بھلے مانس!) تو اب تک ہم کیا کر رہے تھے۔ تمہارے ہوش و حواس کیا ہوئے۔ تمہارے خانۂ دماغ میں کچھ عقل ہے کہ نہیں؟

مطلب:۔ "نیست اندر خانہ کس" کے معنی گھر میں کوئی لائق آدمی نہیں۔ یعنی دروازے پر جتنا چاہو چیخنے چلاتے رہو۔ مگر گھر کے اندر کوئی سننے اور جواب دینے والا نہیں۔ اگر کوئی انسان اندر موجود ہے بھی تو اس سے جواب کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے دیوار سے۔ یہ محاورہ اس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس پر کوئی نیک بات اور مفید نصیحت اثر نہ کرے۔ سعدیؒ۔

آنرا کہ عقل و ہمت و تدبیر و رائے نیست خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرائے نیست

چرخِ اقلاسم شنید اے پُر طمع تو نہ بشنیدی بگوشِ بے لمع

لغات:۔ لمع نور۔ روشن۔ یہاں وہ قوت سامعہ مراد ہے جس سے حق شناسی پیدا ہو جو ظاہری حسِ سامعہ سے ایک

جداگانہ چیز ہے۔ جیسے کہ کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سننے کا کام نہیں لیتے۔ حالانکہ ان کے کانوں میں ظاہری شنوائی کی قوت موجود تھی۔

ترجمہ:۔ اے لالچی آدمی! آسمان تک نے تو میرے افلاس کا حال سن لیا۔ (مگر) تو ایسے کان سے (کیونکر سنتا) جس میں (سمعِ قبول کا) نور نہیں ہے۔ (چنانچہ) نہ سن سکا۔

طبلِ افلاسم بچرخِ سابعہ رفت و تو نشنیدہٗ ایں واقعہ

لغات:۔ طبل ڈھول، نقارہ، ڈھنڈورہ۔ سابعہ ساتواں۔

ترجمہ:۔ میری مفلسی کا ڈھنڈورا ساتویں آسمان تک پہنچ چکا ہے اور تو نے ابھی تک یہ واقعہ نہیں سنا۔

گوشِ تو پُر بودہ است از طمعِ خام پس طمع کرے کند گوش اے غلام

ترجمہ:۔ (اور سنتا کیونکر؟) تیرا کان تو بیہودہ لالچ (کے میل) سے پر ہے۔ پھر اے عزیز! یہ بھی یاد رکھ کہ لالچ کان کو بہرا کر دیتا ہے (اسی لیے وہ سچی بات سن نہیں سکتا)۔

تا کلوخ و سنگ بشنید ایں بیاں مفلس ست و مفلس ست ایں قلتباں

ترجمہ:۔ حتیٰ کہ ڈھیلے اور پتھر تک نے تو یہ تذکرہ سن لیا کہ یہ بھڑوا مفلس ہے۔ مفلس ہے۔

تا بہ شب گفتند و برصاحب شتر بر نزدکو از طمع پُر بود و پُر

ترجمہ:۔ وہ (منادی کرنے والے) رات تک تو یہی بات رٹتے رہے اور (لطف یہ کہ اونٹ والے پر اس "(خاک بھی) اثر نہ ہوا کیونکہ وہ طمع سے لبالب پر تھا۔

ہست بر سمع و بصر مُہرِ خدا در حُجُب بس صورت ست و بس صدا

لغات:۔ حُجُب بضم حاء وجیم جمع حجاب، پردے۔ بس بہت۔

ترجمہ:۔ کان اور آنکھ پر خدا کی (طرف سے) مہر لگی ہوتی ہے۔ بہت سی صورتیں اور بہت سی آوازیں حجابات میں ہوتی ہیں (جن کو خدا کی مشیت کے بغیر دیکھ اور سن نہیں سکتے)۔

مطلب:۔ جیسے کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ "ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا۔" (بقرہ ع ۱) یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو دنیوی اغراض کے انہماک میں اپنی حق شناسی کی قوت کو معطل کر لیتے ہیں اور ادراکِ حقائق اور حصولِ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ صائبؒ۔

سیلیِ مرگ بعقبیٰ نکند مارا رو این چنیں کز تہِ دل روئے بد نیا کردیم

مگر شعر بالا میں یہ مراد ہے کہ ہر آنکھ اور ہر کان کی قوتِ ادراک مشیتِ حق کے ماتحت اپنا کام کرتی ہے۔

آنچہ او خواہد رساند ایں بچشم از جمال و از کمال و از کرشم

ترجمہ:۔ (پھر) وہ جس جمال و کمال اور کرشمہ کو چاہتا ہے۔ اس کو آنکھ تک پہنچا دیتا ہے (اور وہ اس کو دیکھ لیتی ہے)

مطلب:۔ ایسی باتوں میں پائیدار روشنی نہیں ہوتی۔ صائبؒ ۔

زنورِ عاریت بگذر کہ شمعِ ماہِ تاباں را اگر صد بار روشن میکنی خاموش میگردد

گرچہ دزدے جامۂ پوشیدہ است دستِ توچوں گیرد آں ببریدہ است

ترجمہ:۔ اگرچہ ایک چور نے (دراز آستین) قمیض پہن رکھی ہے (مگر جب تم سے مصافحہ کرنے کا موقع ہو) تو وہ تمہارا ہاتھ کیونکر پکڑے۔ وہ تو کٹا ہوا ہے۔

مطلب:۔ چور کا ہاتھ شرع کے حکم سے چوری کی سزا میں کاٹ دیا جاتا ہے۔ وہ کٹے ہوئے ہاتھ کو آستین میں چھپا کر اپنے آپ کو تندرست ہاتھوں والا نمایاں کر سکتا ہے۔ مگر مصافحہ کے وقت یہ بھید کھل جاتا ہے۔ اس طرح ایک جاہل و نادان اقوالِ حکما اور ابیاتِ شعرا یاد کر کے اس نمائشِ علم میں اپنے جہل و نادانی کو چھپا لیتا ہے۔ مگر جب کوئی علمی معرکہ آن پڑتا ہے تو اس کے علم کی قلعی کھل جاتی ہے۔ صائبؒ۔

از دو حرف قالبی کز دیگراں آموختہ است دعویِٔ گفتار برطوطی مسلّم کے شود

جامیؒ۔ زہر جا جمع کر دی چند بیتے بدیوانت نہ بینم غیر زیں ہیچ

چوں شبانگہ از شتر آمد بزیر کرد گفتش منزلم دور ست و دیر
برنشستی اشترم را از پگاہ حَو رہا کردم کم از اخراجِ کاہ

لغات:۔ شبانگہ۔ رات کا وقت، منزل، گھر۔ پگاہ صبح۔ رہا معاف۔ اخراج۔ خرچ۔

ترجمہ:۔ جب رات کے وقت وہ (مفلس) اونٹ سے اترا تو کردنے (جس کو سپاہیوں سے تو کچھ ملنے کی توقع نہ تھی) اس سے کہا (بھائی صاحب!) میرا گھر دور ہے اور (بڑی) دیر (ہو چکی ہے لہٰذا اب اس جگہ اونٹ کے دانہ چارہ کی فکر کرنی ہو گی۔ تم صبح سے میرے اونٹ پر چڑھے پھرتے رہے۔ (پس اتنی امداد کرنا تمہارا فرض ہے۔ چلو خیر) میں نے دانہ تم کو معاف کیا۔ کم از کم گھانس کا خرچ تو (عطا) ہو۔

گفت تا اکنوں چہ مے کردیم پس ہوشِ تو کو؟ نیست اندر خانہ کس؟

ترجمہ:۔ (مفلس نے) کہا (ارے بھلے مانس!) تو اب تک ہم کیا کر رہے تھے۔ تمہارے ہوش و حواس کیا ہوئے۔ تمہارے خانۂ دماغ میں کچھ عقل ہے کہ نہیں؟

مطلب:۔ ''نیست اندر خانہ کس'' کے معنی گھر میں کوئی لائق آدمی نہیں۔ یعنی دروازے پر جتنا چاہو چیختے چلاتے رہو۔ مگر گھر کے اندر کوئی سننے اور جواب دینے والا نہیں۔ اگر کوئی انسان اندر موجود ہے بھی تو اس سے جواب کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے دیوار سے۔ یہ محاورہ اس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس پر کوئی نیک بات اور مفید نصیحت اثر نہ کرے۔ سعدیؒ ۔

آنرا کہ عقل و ہمت و تدبیر و رائے نیست خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرائے نیست

چرخِ افلاسم شنید اے پُر طمع تو نہ بشنیدی بگوشِ بے لمع

لغات:۔ لمع نور۔ روشن۔ یہاں وہ قوت سماعت مراد ہے جس سے حق شناسی پیدا ہو جو ظاہری حسِ سماعت سے ایک

جداگانہ چیز ہے۔ جیسے کہ کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سننے کا کام نہیں لیتے۔ حالانکہ ان کے کانوں میں ظاہری شنوائی کی قوت موجود تھی۔

ترجمہ:۔ اے لالچی آدمی! آسمان تک نے تو میرے افلاس کا حال سن لیا۔ (مگر) تو ایسے کان سے (کیونکر سنتا) جس میں (سمعِ قبول کا) نور نہیں ہے۔ (چنانچہ) نہ سن سکا۔

طبلِ افلاسم بچرخِ سابعہ　رفت و تو نشنیدۂ ایں واقعہ

لغات:۔ طبل ڈھول، نقارہ، ڈھنڈورہ۔ سابعہ ساتواں۔

ترجمہ:۔ میری مفلسی کا ڈھنڈورا ساتویں آسمان تک پہنچ چکا ہے اور تو نے ابھی تک یہ واقعہ نہیں سنا۔

گوشِ تو پُر بودہ است از طمعِ خام　پس طمع کر مے کند گوش اے غلام

ترجمہ:۔ (اور سنتا کیونکر؟) تیرا کان تو بیہودہ لالچ (کے میل) سے پر ہے۔ پھر اے عزیز! یہ بھی یاد رکھ کہ لالچ کان کو بہرا کر دیتا ہے (اسی لیے وہ سچی بات سن نہیں سکتا)۔

تا کلوخ و سنگ بشنید ایں بیاں　مفلس ست و مفلس ست ایں قلتباں

ترجمہ:۔ حتی کہ ڈھیلے اور پتھر تک نے تو یہ تذکرہ سن لیا کہ یہ بھڑوا مفلس ہے۔ مفلس ہے۔

تا بہ شب گفتند و برصاحب شتر　بر نزد کو از طمع پُر بود و پُر

ترجمہ:۔ وہ (منادی کرنے والے) رات تک تو یہی بات رٹتے رہے اور (لطف یہ کہ اونٹ والے پر اس "(خاک بھی) اثر نہ ہوا کیونکہ وہ طمع سے لبالب پر تھا۔

ہست بر سمع و بصر مُہرِ خدا　در حُجُب بس صورت ست و بس صدا

لغات:۔ حجب بضم حاء وجیم جمع حجاب، پردے۔ بس۔ بہت۔

ترجمہ:۔ کان اور آنکھ پر خدا کی (طرف سے) مہر لگی ہوتی ہے۔ بہت سی صورتیں اور بہت سی آوازیں حجابات میں ہوتی ہیں (جن کو خدا کی مشیت کے بغیر دیکھ اور سن نہیں سکتے)۔

مطلب:۔ جیسے کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا۔" (بقرہ ع ۱) یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو دنیوی اغراض کے انہماک میں اپنی حق شناسی کی قوت کو معطل کر لیتے ہیں اور ادراکِ حقائق اور حصولِ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ صائبؒ۔

سیلیِ مرگ بعقبیٰ نکند مارا رو　این چنیں کز تہ دل روئے بد نیا کردیم

مگر شعر بالا میں یہ مراد ہے کہ ہر آنکھ اور ہر کان کی قوتِ ادراک مشیتِ حق کے ماتحت اپنا کام کرتی ہے۔

آنچہ او خواہد رساند ایں بچشم　از جمال و از کمال و از کرشم

ترجمہ:۔ (پھر) وہ جس جمال و کمال اور کرشمہ کو چاہتا ہے۔ اس کو آنکھ تک پہنچا دیتا ہے (اور وہ اس کو دیکھ لیتی ہے)

وانچہ او خواہد رساند او بگوش از سماع و از بشارت و زخروش

ترجمہ:۔ اور وہ جس قوالی اور خوشخبری اور (عام) شور (وغوغا) کو چاہتا ہے۔ کان تک پہنچا دیتا ہے (اور وہ اس کو سن لیتا ہے)۔

مطلب:۔ صاحب کلید فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمع و بصر خود کچھ سن اور دیکھ نہیں سکتے بلکہ خداوند کریم جس کان کو چاہے حق بات سنا دے، جس آنکھ کو چاہے حقائق دکھا دے اور جس کو چاہے محروم کر دے اور اگر اپنے اختیار میں ہوتا تو پھر کفار بھی انبیا کو کیوں نہ مان لیتے بلکہ بعض لوگوں نے تو آیۂ تَرٰهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (تم ان کو اپنی طرف نظر کرتے دیکھتے ہو حالانکہ وہ دیکھتے نہیں) کی یہ تفسیر کی ہے کہ کافروں کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارک نظر ہی نہیں آتی تھی۔ پس اگر یہ تفسیر لی جائے تو پھر ''در حجب بس صورتست و بس صدائے۔'' کے معنی صاف ہیں کہ ان کو حقیقۃً وہ صورتیں اور آوازیں دکھائی اور سنائی دیتی ہی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جب تک حق تعالیٰ بصیرت اور سمع قبول عطا نہ فرمائیں۔ اس وقت تک کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور انسان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ انتہیٰ یہ بیان اگرچہ فی الحقیقت درست ہے۔ مگر اس کے الفاظ کسی حد تک ناظر الی الجبر ہیں۔ خصوصاً یہ آخری فقرہ کہ انسان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ اس مسئلہ کی تشریح اسی انداز سے ہونی چاہیے۔ جس طرح آیۂ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا کی تفسیر کی جاتی ہے۔ یعنی یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور کسی کو ہدایت دیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کچھ یکساں حیثیت اور یکساں صلاحیت کے لوگوں میں سے کسی کو خواہ مخواہ گمراہ بنا دیتا ہے اور کسی کو بلاوجہ ہدایت دے دیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اپنے آپ کو حق کی طرف مائل یا حق سے دور کر لیتے ہیں۔ پھر چونکہ اہلِ حق اور اہلِ باطل کا اختلاط مضر اور خلافِ مصالح ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ اہلِ حق کی ہدایت اور اہلِ باطل کی گمراہی نمایاں ہو جاتی ہے اور اس مطلب کی تائید آیت کا اگلا حصہ کر رہا ہے۔ وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ الخ یعنی یہ گمراہ کرنے کا عمل انہی لوگوں پر وقوع پاتا ہے۔ جو پہلے ہی فاسق اور خدائی عہد کے برخلاف چلنے والے ہیں۔ گویا ان کے یہ برے عقاید و اعمال جو انھوں نے خود اختیار کر رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نمایاں اور ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ ان کو ناحق و بے گناہ گمراہی کے گڑھے میں گرایا جاتا ہے۔ جو جبریہ کا عقیدہ ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اس آیت کے ترجمے پر یہ حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔ یعنی اہلِ حق اور اہلِ باطل میں تمیز تام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے۔

(حاشیہ: تَرٰهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ — یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا)

پس ہر دو شعر کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جیسی بات سنوانی اور جیسی چیز دکھلانی چاہتا ہے سنوا اور دکھلا دیتا ہے اور ہر شخص کو وہی بات اور وہی چیز سنواتا اور دکھلاتا ہے جس کے وہ قابل ہوتا ہے اور جس کی اس میں مناسبت ہوتی ہے۔ کما قیل ۔

قسمت کیا ہر چیز کو قسامِ ازل نے — جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا — غم مجھ کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

گرچہ ہستی تو کنوں غافل ازاں — وقتِ حاجت حق کند او را عیاں

ترجمہ:۔ اگر تم (ان صورتوں اور آوازوں) سے (جو حق کی طرف سے آئی ہیں) اس وقت غافل ہو لیکن حق تعالیٰ (بروز قیامت) جب اس کی ضرورت ہوگی (تم پر) ان کو عیاں کر دے گا۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ

بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ اَمَدًا بَعِيدًا" جس دن ہر شخص جو بھلائی یا برائی اس نے کی ہے اپنے سامنے موجود پائے گا۔ آرزو کرے گا کاش یہ دن اس سے بہت دور ہوتا" (آل عمران ع ۳) غرض قیامت کے روز ساری باتیں ظاہر ہو جائیں گی کہ کون کون سی حق تھیں۔ کون سی باطل۔ اس پر عذر پیش ہو سکتا ہے کہ یہ انکشاف تو آخرت میں ہی ہو گا۔ دنیا میں کسی کو کیا معلوم کون سا امر حق ہے اور کون سا باطل کون سی بات اچھی ہے کون سی بری پھر لوگوں کا کیا قصور۔ یہ بیچارے تو اندھے ہیں۔ جدھر رخ ہوا چل پڑے۔ نیچے اس کا جواب دیتے ہیں۔

گفت پیغمبرؐ کہ یزدانِ مجید از پۓ ہر درد درماں آفرید

ترجمہ:۔ پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے خداوندِ جلّ وعلا نے ہر درد کی دوا پیدا کی ہے۔

مطلب:۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف میں مندرج ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہؐ نے ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کے لیے دوا بھی نازل فرمائی ہے اور مقصد اس کے ایراد سے یہ ہے کہ تم کو اگر دنیا میں حق و باطل نیکی و بدی طاعت و معصیت میں امتیاز محسوس نہیں ہوتا تو اس جہل و نادانی کے مرض کی دوا اتباعِ انبیا ہے اس کو اختیار کرو۔ سعدیؒ

اگر تو علم آموزی بدیو انِ محمدؐ رو کہ بوجہل آں بود کز خود بدانش بو الحکم گردد

مگر اس سعی و جہد کے ساتھ جو طلبِ حق میں کی جائے۔ بھروسہ حق تعالیٰ پر ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

گرچہ درماں جوئی و گوئی بجاں کاے خدا درمانِ کارِمن رساں

لیک زاں درماں نہ بینی رنگ و بو بہر دردِ خویش بے فرمانِ او

ترجمہ:۔ اگر چہ تم (اپنے مرضِ جہل کے لیے اتباعِ رسول کی) دوا تلاش کرو اور نہ دل سے دعا کرو کہ الٰہی میرے کام کی تدبیر فرما دے۔ مگر (یاد رکھو کہ) اس کے حکم کے بغیر اپنے درد کے لیے اس دوا کا رنگ و بو بھی نہ پا سکو گے۔

مطلب:۔ تمام امور اسی کے حکم سے وقوع پاتے ہیں۔ نظامیؒ

بنارد ہوا تا نگوئی بیار زمین نا ورد تا نگوئی بیار

فائدۂ جلیلہ:۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دعا کا قبول ہونا متوقع ہے تو کبھی اس کے قبول نہ ہونے کا بھی احتمال ہے۔ ہر چند کہ قرآن و حدیث میں استجابتِ دعا کی پوری پوری توثیق ہوئی ہے۔ چنانچہ آیت اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور حدیث لَا یَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءَ اس پر شاہد ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر دعا ہر زبان سے اور ہر حالت میں قبول ہو جانی ضروری ہے بلکہ بندہ کے دعا کرنے کے بعد پھر اس کی قبولیت کے لیے مشیتِ ربانی کا تعلق بھی ضروری ہے حضورِ قلب اور کمالِ خلوص کے بغیر جو دعا کی جائے اس کا تو یہاں ذکر نہیں۔ اس کا قبول نہ ہونا ظاہر ہے۔ حسبِ ارشاد آنحضرتؐ کہ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَآءَ مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ اور یاد رکھو کہ اللہ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا (مشکوٰۃ) بلکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک مومن متقی کمال خلوص سے حضوریٔ قلب سے اور تضرع و ابتہال سے ایک امر مباح یا حسن کے لیے دعا کرے اور وہ قبول نہ ہو تو اس کی وجہ یہ سمجھنی چاہیے کہ مشیتِ ربانی کیوں اس کی قبولیت کی مقتضی نہیں۔ شاید اس لیے کہ حکمت الٰہیہ اس کے خلاف ہو یا ممکن ہے دعا کرنے والا کسی خاص امر سے قبولیتِ دعا کے انعام کا مستحق نہ ہو۔ یہ بھی احتمال ہے

دعا کا قبول نہ ہونا

کہ قبولیت کا ظہور کسی دوسرے وقت پر موقت ہو چکا ہو۔ جس میں ابھی دیر ہو۔ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ بندہ اپنے قصورِ علم سے ایک مضر امر کو اپنے لیے مفید سمجھ کر اس کا خواہاں ہو اور خداوند تعالیٰ کا رحم و کرم بندے کو اس مضر امر سے بچانے کا مقتضی ہو۔ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ۔ اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو۔ اس لیے حق تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہ فرمائے اور یہ عدمِ قبول بھی ایک طرح کی قبولیت ہے کیونکہ بندہ اپنی بہتری کے لیے دعا کرتا ہے اور اس کی بہتری یہی ہے کہ جو کچھ مانگتا ہے وہ اس کو نہ دیا جائے۔ غرض ایسی بہت سی تقادیر ہیں جن میں دعا کا اس رنگ میں جس میں مانگی جائے۔ قبول نہ ہونا ممکن ہے اور اس سے قبولیتِ دعا کے وعدہ کا خلف لازم نہیں آتا۔ ہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ممکن ہے کہ دعا کی قبولیت کسی اور احسن صورت میں ظہور پا چکی ہو جس کو بندہ محسوس نہ کرے۔ رحمتِ خداوندی بندے کو اس کی طلب سے زیادہ اور اس سے بہتر دے چکی ہو اور وہ غلطی سے سمجھے میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

دعا اور سعی و تدبیر

یوں سمجھنا چاہیے کہ دعا بھی ایک طرح حصولِ مراد کی ایک سعی و تدبیر ہے۔ جس طرح سعی کے فوائد پر کتاب و سنت ناطق ہیں۔ چنانچہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ فرمانِ خداوندی ہے اور اِحْرِص عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ ارشادِ پیغمبری ہے۔ اسی طرح قبولِ دعا کی بھی امید دلائی گئی ہے۔ مگر جس طرح بعض موانع کا سعی کو کامیابی سے متخلف کر دینا شاہد ہے اور تاہم سعی کے فائدے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح بعض اسبابِ دعا کو بھی قبولیت کے ساتھ مقترن نہیں ہونے دیتے اور اس سے قبولِ دعا کے وعدے میں نقص لازم نہیں آ سکتا۔

دعا کی سعی پر فضیلت

بلکہ اس لحاظ سے دعا اور بھی زیادہ فضیلت رکھتی کہ سعی کا نتیجہ تو بعض اوقات بالکل ناکامی اور کلیۃً غیبت و خسران ہوتا ہے۔ "نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم" یکے نقصان مایہ دیگر شماتتِ ہمسایہ۔ مگر دعا کرنے والا اپنی دعا کا بہر صورت کچھ نہ کچھ پھل پا ہی لیتا ہے۔ اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ تدبیر و سعی کو چھوڑ کر صرف دعا ہی دعا پر اکتفا کرنی چاہیے کیونکہ سعی و تدبیر اپنے موقع پر کرنی ضروری ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سعی بعض دفعہ بالکل بے ثمر ہوتی ہے اور دعا کبھی بھی ثمرہ سے خالی نہیں رہتی یہ بجائے خود ایک عبادت ہے بلکہ الدعاء مخ العبادۃ پس خداوند تعالیٰ کو دعا جو حسبِ فرمان رسول اللہؐ لیس شیٔ اکرم علی اللّٰہ من الدعاء نہایت نہایت محبوب و مرغوب ہے تو اس کا انعام کسی نہ کسی رنگ میں بندے کو دے ہی دیتا ہے۔ اگر بندہ اپنے خاص مطلوب و مقصود پر فائز نہیں ہوتا تو وہ اس ذکرِ حق کی بدولت جو اس نے دعا میں کیا ہے۔ کسی آنے والی آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے یا اس کا موجودہ فقر و فاقہ یا مرض رفع ہو جاتا ہے یا اور نہیں تو اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو جاتا ہے۔ کما قیل ۔

مپندار ازیں در کہ ہرگز نہ بست تہیدست گردد بر آوردہ دست

مندرجہ بالا باتوں پر احادیثِ ذیل سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ یستجاب للعبد مالم یدع باثم او قطیعۃ رحم مالم یعجل یعنی بندے کی دعا قبول ہو جاتی ہے تاوقتیکہ کسی گناہ کی بات یا قطع رحمی کے لیے دعا نہ کرے اور جب تک جلد بازی نہ کرے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ جلد بازی سے کیا مراد ہے فرمایا۔ یقول قد دعوت و قد دعوت فلم یستجاب لی فیستحسر عند ذالک و یدع الدعاء یعنی کہنے لگے میں مدتوں دعاؤں پر دعائیں کرتا رہا مگر وہ قبول نہ ہوئیں۔ پھر تھک کر دعا کرنا چھوڑ دے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا ما من مسلم یدعوا بدعوۃ لیس فیھا اثم ولا قطیعۃ رحم الا اعطاہ اللّٰہ احدی ثلث اما ان یعجل لہ دعوۃ واما ان یدخرھا لہ فی الاخرۃ واما ان یصرف عنہ

من السوء مثلها. یعنی جو بندہ مسلمان کوئی دعا کرتا ہے۔ جس میں کوئی گناہ مطلوب نہ ہو اور نہ قطع قرابت ہو تو اللہ اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو فوراً اس کی دعا قبول کر لیتا ہے یا (اس کا اجر و ثواب) آخرت میں اس کو دینے کے لیے) ذخیرہ کر دیتا ہے یا اس کے برابر کوئی آفت اس سے دور کر دیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تو پھر ہم بہت بہت دعائیں کیا کریں گے آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر یعنی اللہ کا فضل بھی بہت بڑا ہے۔ (مشکوٰۃ)

کونِ پُر چارہ ہست و ہیچت چارہ نے　　تا کہ نکشاید خدایت روزنے

لغات:۔ کون بفتح کاف دنیا، جہان۔ کون کے لغوی معنی ہیں ہونا، بننا۔ چونکہ دنیا اشیائے عالم کے موجودہ ہونے اور بننے کی جگہ ہے۔ اس لیے مصدر کو بمعنی ظرف استعمال کرنے لگے۔

ترجمہ:۔ جہان علاجوں (کے سامان) سے پر ہے اور تیرے لیے کوئی چارہ (بہم) نہیں (پہنچ سکتا) تاوقتیکہ خداوند تعالیٰ تیرے لیے (توفیق کی) کوئی کھڑکی نہ کھول دے۔

مطلب:۔ لہٰذا دنیا اور دنیا والوں سے کوئی توقع نہ رکھو۔ جو مانگتے ہو خدا سے مانگو۔ دنیا کے گوناگوں سامان اور ان سامانوں کے کارندے تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ تاوقتیکہ وہ حقیقی میر سامان تم پر نظرِ عنایت نہ کرے۔ صائبؒ

ز حق جو آنچہ می جوئی کہ تا فرمانِ حق نبود　　نیا مداز سلیماں حاجت مورے روا کردن

چشم را اے چارہ جو در لامکاں　　ہیں بنہ چوں چشمِ کشتہ سوئے جاں

ترکیب:۔ اے چارہ جوندا ہے۔ بنہ فعل یا فاعل چشم مفعول بہ وغیرہ مل کر جوابِ ندا ہوا۔

صنائع:۔ مقتول کی آنکھ کو جو عموماً کھلی رہ جاتی ہے　جان کی طرف لگی ہوئی قرار دینا حسن تعلیل ہے۔

ترجمہ:۔ اے علاج کے متلاشی۔ ہاں ہاں!! اپنی آنکھ کو لامکان میں (لگائے) رکھ۔ جس طرح مقتول کی آنکھ جان کی طرف (لگی رہتی ہے) عراقیؒ ۔

ز منزل گاہ دو ناں رخت بربند　　ورائے ہر دو عالم جوئے منزل

صائبؒ　لامکانی شوز داروگیر چرخ آسودہ شو　　تا بکے چوں عود خواہی خرج ایں مجمر شدن

ایں جہاں از بے جہت پیدا شد است　　کہ ز بیجائے جہاں را جا شد است

ترجمہ:۔ یہ جہان (بھی تو) اس (ذاتِ پاک) سے پیدا ہوا ہے۔ جو طرف (سمت) کی نسبت سے پاک ہے۔ (اس کا مطلب یہ) کہ جہان کو ایک (ذاتِ) منزہ از مکان (کی قدرت سے) عالمِ وجود میں جگہ (حاصل) ہوئی ہے۔

مطلب:۔ جب اس جہان کا خالق جہت و مکان کی نسبت سے پاک ہے تو تم بھی اس دنیا کے سحر و تمکن سے دست بردار ہو کر لامکان کو اختیار کرو۔ صائبؒ

در عالمِ بالا ست تماشائے اگر ہست　　بیروں ز مکاں ست و زمان جائے اگر ہست

باز گرد از ہست سوئے نیستی　　گر تو از جاں طالب مولیستی

لغات:۔ مولیٰ بمعنے مالک و خداوند الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ مگر یہاں بضرورت قافیہ الف مقصورہ کو یائے مجہول سے بدل دیا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ اگر تم دل و جان سے مولا کے طالب ہو تو ہستی سے (دست بردار ہو کر) نیستی کی طرف رجوع کرو۔
مطلب:۔ تعجب ہے کہ بندہ مولا کا طالب ہو اور ساتھ ہی اپنی ہستی کا دعویٰ بھی کرے؟ عراقیؒ ۔

تو انگہ زو خبریابی کہ از خود بے خبر گردی تو آنگہ روئے او بینی کہ روازِ خود بگردانی

جب وہ مولائے پاک مکان کی نسبت سے منزہ ہے تو اس کا طالب بھی کیوں نہ لامکان کے ساتھ نسبت پیدا کر دے۔

دستِ رد بر سینہ دریا گزارد چوں ھدف ہر کہ صائب آشنائے عالمِ بالا شود

جائے دخل ست ایں عدم ازوے مرم جائے خرج ست ایں وجودِ بیش و کم

لغات:۔ دخل آمدنی۔ مرم امر متنازعی رمیدن بھاگنا سے۔ صنائع بتفریق۔
ترجمہ:۔ یہ نیستی (یا لامکان یا عالم سکوت) آمدنی کی جگہ ہے۔ (لہٰذا) اس سے گریز نہ کرو (اور) یہ بیش و کم ہونے والا (جسمانی) وجود خرچ ہونے کی جگہ ہے (لہٰذا اس کی پروا نہ کرو)۔
مطلب:۔ نیستی سے عدمِ محض مراد نہیں بلکہ اپنے جسمانی وجود کو فنا کر دینا یا فنا سمجھ لینا یا اس کی طرف سے غیر ملتفت ہو جانا اور اپنے روحانی وجود کو مقصود بنانا مراد ہے اور یہی مطلب ہے لامکان یا عالمِ ملکوت کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کا اس مقام کو آمدنی کہ جگہ اس لیے کہا ہے کہ یہاں سے جو جاتا ہے وہ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے وہاں ارواح میں ہمیشہ اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ جسمانی وجود خرچ کی جگہ اس اعتبار سے ہے کہ اس کو آخر مٹی میں مل جانا ہے۔ یا اس لحاظ سے کہ ہر لحہ اس کے اجزا تحلیل فنا ہوتے اور ان کے بجائے نئے اجزا پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ کما برہن فی الطب۔ غرض یہاں بھی عالمِ بالا کی رغبت دلائی ہے کہ وہ عالم دنیا سے کہیں افضل ہے چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک ۔

عالمِ معقول بر ہرکس کہ صائب جلوہ کرد بشمرد موج سراب ایں عالمِ محسوس را

کارگاہِ صنعِ حق چوں نیستی ست جز معطل در جہانِ ہست کیست

لغات:۔ کارگاہ کارخانہ۔ صنع کاریگری۔ چوں شرطیہ۔ بمعنی چونکہ اور حرفِ تشبیہ بمعنی مثل و مانند۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ لہٰذا شعر کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ معطل بے کار۔ جہانِ ہست عالمِ وجود دنیا و مافیہا۔
ترجمہ: (۱) چونکہ صنعتِ حق تعالیٰ کا کارخانہ عدم ہی ہے (پس) عالم وجود میں کون ہے جو معطل نہ ہو۔
مطلب:۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ ایجاد کا تعلق موجود کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ معدوم ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کے بعد وہ موجود ہو جاتا ہے۔ پس جب من حیث الوجود ان کے ساتھ تصرف کا تعلق نہیں ہوتا۔ لامحالہ وہ معطل اور فیضانِ حق سے محروم رہیں۔
ترجمہ:۔ (۲) (نیز یہ) صنعتِ حق کا کارخانہ (عالمِ وجود بھی) مثل نیستی کے ہے (اس لیے کہ) عالمِ وجود میں سوائے معطل (بیکار چیزوں) کے اور ہے کیا؟ (اور معطل ہونا موجود ہونے کے منافی ہے)۔
مطلب:۔ یہاں کلمہ نیستی بمعنی عدمِ محض آیا ہے اوپر بمعنی فنائے وجود جسمانی آیا تھا یعنی تم نیستی سے کیوں متنفر ہو۔ یہ وجود جسمانی بھی تو جس پر تم نازاں ہو مثلِ عدم و نیستی ہے جس کی دلیل یہ کہ صنعتِ حق اس کی ایجاد سے فارغ ہو چکی ہے اور صنعِ حق سے اس کا معطل ہو جانا بمنزلہ معدوم ہونے کے ہے۔ غرض تم جس وجود کے موجود ہونے کا ادعا کرتے ہو وہ بھی بمنزلہ معدوم ہے۔ صائبؒ ۔

در چنیں بحرے کہ ہر موج ست تیغِ آبدار خویش را فانی نداستن فنائے دیگرست

مناجات

اے خدائے پاک بے انباز و یار　　دست گیر و جرمِ ما را در گزار

لغات:۔ انباز شریک۔ یار مددگار۔ دستگیر مدد کر۔

ترجمہ:۔ اے خداوندِ پاک! جو لاشریک ہے اور مددگار سے مستغنی ہے (ہماری) دستگیری کر۔ اور ہمارے گناہ سے درگزر کر۔

یاد دِہ ما را سخنہائے رقیق　　کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق

ترجمہ:۔ اے رفیق (اعلیٰ) ہم کو وہ رقت خیز کلماتِ (دعا) سکھلا دے جو (ہمارے لیے) تیرے (دریائے) رحم کو (جوش میں) لائیں۔

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو　　ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

لغات:۔ اجابت قبولیت۔ ایمنی بے خوفی / امن مامون ہونا۔ مہابت خوف، ہیبت۔

ترجمہ:۔ دعا (کی تلقین) بھی تیری طرف سے (ہوتی) ہے قبولیت بھی تجھی سے (متوقع ہے۔ بے خوفی بھی تیری طرف سے (غیبی تسلی پاکر) حاصل ہوتی ہے۔ خوف بھی تجھ (کو ناراض کر دینے) سے آتا) ہے۔

مطلب:۔ الٰہی دعا کو قبول تو ہی کرے گا تو ایسی دعا بھی تو ہی بتائے گا جو قبول ہو جائے ہم کو اپنے کسی جرم و گناہ پر تیرے غضب سے ڈر لگتا ہے تو اس درد کا مرہم تو ہی مہیا کرتا ہے کہ ہم کو توبہ و استغفار کے وہ کلماتِ رقت خیز سکھلا دیتا ہے۔ جس سے تیرا دریائے رحم و کرم جوش میں آ جائے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اکلِ حنطہ کی غلطی ہوئی اور اس کی پاداش میں اُن کو جنت سے نکلنا پڑا تو تو نے ہی ان کو ایسے دعائیہ کلمات سکھا دیے۔ جن کی بدولت پھر تیری رحمت ان کو شاملِ حال ہو گئی۔ چنانچہ فرمایا فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ "پس سیکھ لیے آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات تو اُن کی توبہ قبول کی اس نے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم والا ہے"۔ (بقرہ ع ۴)

دعا میں عبد کا اپنے معبود سے تخاطب ہوتا ہے۔ اس تخاطب میں بندے کی زبان پر ایسے کلمات کا جاری ہو جانا جن سے بہتر کلمات نہ مل سکیں من جانب اللہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ ایک طرح کا الہامِ ربانی ہوتا ہے۔ اسی لیے مولاناؒ دعا کرتے وقت حق تعالیٰ ہی سے دعائیہ کلمات القا ہونے کی آرزو کرتے ہیں اور یہ امر چنداں مستغرب نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کے نظائر وقوع پاتے ہیں۔ صاحبِ کلید نے اس کی ایک مثال لکھی ہے کہ جیسے کوئی نوکر اپنی خطا پر نادم ہو کر منہ بنا کر ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑا ہے اور حیرت و انفعال کی وجہ سے اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس خطا کے عذر کے لیے کون سے لفظ استعمال کروں۔ وہ ڈرتا ہے کہ اگر کوئی بے محل کلمہ منہ سے نکل گیا تو یہ دوسری خطا ہو گی۔ اس وقت آقا کو رحم آتا ہے اور مہربان ہو کر کہتا ہے۔ بول کیا کہنا چاہتا ہے مگر پھر بھی وہ خاموش رہتا ہے تو آقا کہتا ہے اچھا یوں کہو کہ پھر ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ پس نوکر انہی الفاظ کو دہرا دیتا ہے تو اس کی خطا معاف ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جو دعا آقائے حقیقی نے تلقین کی ہو۔ خواہ "وحیاً یا الہاماً" اس پر قبولیت کی زیادہ توقع ہوتی ہے۔ اس لیے ادعیۂ قرآنیہ کے ساتھ دعا کرنا افضل سمجھا گیا [illegible] پیغمبر خدا [illegible] پہنچی ہیں اور کبھی ایک مومن اور متقی و صالح

بندے کے دل میں خود بھی خداوند تعالیٰ کی طرف سے دعا کے اچھے کلمات القا ہو جاتے ہیں۔ ان سے بھی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے کیونکہ آقائے حقیقی کی طرف سے یہ اشارہ ہوا کہ یوں کہو اور یوں مانگو۔ تو ظاہر ہے کہ کرمِ خداوند خود عطا پر آمادہ ہے اور دعا عطا فرمانے کا ایک بہانہ ہے۔ کما قیل۔

رحمتِ حق بہا نمی جوید رحمتِ حق بہانہ می جوید

نکتہ:۔ اس شعر میں آیہ وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ. (اعراف ع ۸) کے مضمون کی طرف ایک لطیف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں اور خدا کے ڈر سے اور اس کے فضل کی امید پر خدا سے دعائیں مانگتے رہو کیونکہ خدا کی رحمت خلوص رکھنے والوں سے بہت ہی قریب ہے۔ پس اس آیت کو ملحوظ رکھ کر شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔ الٰہی دعا کرنے کی توفیق تو ہی دے گا اور دعا کے آداب مہابت وخوفِ عذاب وامیدِ فضل بھی تو ہی سکھائے گا اور پھر دعا کو قبول بھی تو ہی کرے گا۔

گر خطا گفتیم اِصلاحش تو کن مصلحی تو اے تُو سلطانِ سخن

لغات:۔ مصلحی تو اصلاح کرنے والا ہے۔ مصلح کے ساتھ یائے خطاب شامل ہے۔ سلطانِ سخن کلام کا بادشاہ مراد حق تعالیٰ بدیں اعتبار کہ وہ تمام الفاظ وکلمات کا خالق ہے۔

ترجمہ:۔ اگر ہم دعا میں کوئی خلاف ادب کلمہ بولنے کی غلطی کر جائیں تو تو اس کی اصلاح کر دے اے کلام کے بادشاہ تو ہی اصلاح کرنے والا ہے۔ جامیؒ۔

بہ بد گفتن زبانِ من مگرداں زبانِ مَن زبان من مگرداں

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

ترجمہ:۔ تیرے پاس (قدرت کی) کیمیا ہے۔ یہاں تک کہ اس (خطا) کو (ثواب سے) بدل سکتا ہے۔ اگرچہ وہ (اپنی ناپاکی کے لحاظ سے) خون کی ایک نہر (کی مانند) ہو (مگر تو چاہے) تو اس کو دریائے نیل (کی طرح طاہر ومطہر) بنا سکتا ہے۔

مطلب:۔ جس طرح کیمیا کے عمل سے ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً تانبے سے سونا اور قلعی سے چاندی بن جاتی ہے۔ اسی طرح خدا کی کیمیائے قدرت سے گناہگاروں کے گناہ نیکیوں میں بدل سکتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ. وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. "مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔ (فرقان ع ۶) جامیؒ۔

ہر خسے از کنشت بود کعبہ دگر گر پر تو جمالِ تو افتد بسومنات

ایں چنیں میناگری ہا کارِ تست ایں چنیں اکسیر ہا اسرارِ تست

لغات:۔ میناگری میناکاری۔ مینا کے معنی ہیں آبگینہ یا شیشہ یعنی کنچ۔ سرخ وسبز ولاجوردی۔ وغیرہ۔ رنگین آبگینہ سے ایک قسم کا مسالہ تیار کر کے چاندی سونے کے ظروف یا زیوروں پر نقاشی کی جاتی ہے۔ اس کو میناگری یا میناکاری کہتے ہیں۔ اکسیر کیمیا جس سے قلبِ ماہیت ہوتی ہے۔

ترجمہ:۔ ایسی قدرتی نقاشیاں (کرنا) تیرا ہی کام ہے۔ ایسی کیمیائیں (جس سے تو مس معاصی کو طلائے حسنات بنا دیتا

ہے) تیرے ہی بھیدوں سے ہیں۔

آب را و خاک را برہم زدی ز اب و گِل نقشِ تنِ آدم زدی

ترجمہ:۔ تو نے پانی اور مٹی کو باہم ملایا (اور اس) گارے سے آدم کے جسم کا پتلا تیار کر دیا ہے۔
مطلب:۔ جب تو یہاں تک قادر ہے کہ پانی اور مٹی جیسی ادنیٰ چیزوں سے انسان جیسی اشرف المخلوقات ہستی کو بنا کھڑا کرتا ہے جو نہایت عالی صفات جامع کمالات اور تیرا مظہر اتم ہے تو ہماری سیئات کو حسنات بنا دینا تیرے آگے کونسا بڑا کام ہے۔

نسبتش دادی بجفت و خال و عم با ہزار اندیشہا شادی و غم

لغات:۔ جفت میاں، بیوی، زوج۔ خال ماموں۔ عم چاچا۔
ترجمہ:۔ (پھر) تو نے اس کو زوج اور ماموں اور چچا (وغیرہ قرابتیوں) کے ساتھ نسبت دی۔ (اور) ساتھ ہی ہزاروں خوشی و غم کے خیالات (لگا دیے)۔
مطلب:۔ آب و خاک سے صرف انسانی پتلا ہی تیار نہیں کیا بلکہ اس کو مختلف قسم کے تعلقات کے ساتھ مربوط اور طرح طرح کے خیالات سے متکیف بھی بنا دیا۔ اقبال سلمہ ؎

طرحِ تعمیرِ تو از گل ریختند با محبت خوف را آمیختند
خوف دنیا خوفِ عقبیٰ خوفِ جاں خوفِ آلامِ زمین و آسمان
حب مال و دولت و حبِّ وطن حبِّ خویش و اقربا و حبِّ زن

باز بعضے را رہائی دادۂ زیں غم و شادی جدائی دادۂ

ترجمہ:۔ پھر تو نے بعض کو (ان تعلقات کے باوجود ان کے انہماک سے) آزادی دے رکھی ہے اس غم و خوشی سے ان کو آزاد کر رکھا ہے۔ غنیؒ ؎

مراجع ست اسبابِ تعلق لیک آزادم سراپا پنجہ ام چوں سرو دامانے نے گیرم
نیست صائب سرورا فکرِ خزاں و نو بہار در دلِ آزادہ رہ نبود امید و بیم را

بُردۂ از خویش و پیوند و سرشت کردۂ در چشمِ او ہر خوب زشت

لغات:۔ پیوند تعلقات، خویشاوندی۔ سرشت، خمیر، بناوٹ مجازاً بمعنی طبیعت و خصلت ایک مترجم نے یہاں سرشت کا ترجمہ باپ بیٹا کیا ہے۔ خدا جانے ان کو کس لغت سے معنی مل گئے۔
ترجمہ:۔ تو اس کو ہر قرابت دار (کے متعلق) اور (دیگر عام) تعلقات اور (مقتضیاتِ) طبع (کے دائرہ) سے (باہر نکال) لے گیا۔ (اور) اس کی نظر میں ہر خوشنما (چیز) کو (جو مانع عن الحق تھی) ناپسند بنا دیا۔ جامیؒ ؎

فردست یار و میلِ دلش ہست سوئے فرد خوش آنکہ خاطر از ہمہ اغیار فرد کرد

ہرچہ محسوس ست او رد میکند وانچہ ناپید ست مسند میکند

لغات:۔ ناپید غیر محسوس بحواسِ ظاہری مراد حق تعالیٰ۔ مسند۔ بفتح نون باسند محکم، معتبر سہارا جس کے اوپر بھروسہ ہو۔ معتمد علیہ۔

ترجمہ:۔ (اب اس کی یہ حالت ہے کہ) جو کچھ محسوس ہوتا ہے (یعنی دنیا کی اشیا) ان کو وہ رد کر دیتا ہے (اور) وہ جو محسوس بحواس ظاہر نہیں (یعنی حق تعالیٰ) اس کو اپنا سہارا بتاتا ہے۔ ولنعم ماقیل۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

وہکذا قیل

دنیا طلبا! چہ گوئمت رنجوری　　عقبیٰ طلبا! چہ گوئمت مزدوری
مولا طلبا! کہ دماغ مولا داری　　در ہر دو جہاں مظفر و منصوری

عشقِ او پیدا و معشوقش نہاں　　یار بیروں فتنۂ او در جہاں

صنائع:۔ پیدا و نہاں اور بیروں۔ دو جہاں کا تضاد اور عشق و معشوق اور یار اور اس کے فتنہ کی تفریق پرُ لطف ہے۔

ترجمہ:۔ اس (عاشقِ حق) کا عشق نمایاں ہے اور اس کا معشوق (حقیقی) مخفی ہے۔ یار (دنیا و عقبیٰ سے) باہر ہے (اور) اس کا فتنہ جہان میں پھیل رہا ہے۔ صائبؒ

ہیچ جوینده ندانست کہ جائے تو کجاست　　آخر اے خانہ بر انداز ے سرائے تو کجاست

خیالیؒ۔

اے تیر غمت را دلِ عشاق نشانہ　　خلقے بتو مشغول و تو غائب ز میانہ
گہ معتکفِ دیر و گہے ساکنِ مسجد　　یعنی کہ ترا مے طلبم خانہ بخانہ

حافظؒ۔

چہ مستی ست ندانم کہ رُو بما آورد؟　　کہ بود ساقی؟ و ایں بادہ از کجا آورد؟

یہاں تک مرتبۂ فنا تعلق بحق اور عشقِ حقیقی کا ذکر تھا۔ اب اس کی ضد یعنی عشقِ مجازی صورت پرستی اور تعلق بغیر اللہ کا ذکر اور اس سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

ہیں رہا کن عشقہائے صورتی　　عشق بر صورت نہ بر روئے ستی

لغات:۔ صورتی میں یا نسبت کے لیے ہے۔ ستی بی بی، بیوی، کد بانو، اہلیہ۔

ترجمہ:۔ خبردار! صورت (ظاہری) کی عشقبازیوں کے خیال سے باز آؤ (کیونکہ) صورت (ظاہری) کا عشق (بھی فی الحقیقت) بیوی کے چہرہ سے تعلق نہیں رکھتا۔

مطلب:۔ پہلے مصرعہ میں مولانا صورتِ ظاہری کے عشق سے منع فرماتے ہیں کہ اس عشق میں محصور و متوقف رہنا ایک حجاب شدید اور معرضِ مہالک بلکہ باعثِ فواحش ہے۔ اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ صورت کے عشق و محبت کے بہت سے ایسے مقام ہیں کہ ان میں فواحش کا احتمال ہی نہیں۔ مثلاً ماں باپ کی محبت اور بھائیوں کی محبت جو احیاناً عشق کے درجہ تک پہنچ سکتی ہے اور میاں بیوی کی محبت تو بالکل عشق اور فریفتگی ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ پس مطلقاً صورت کے عشق کو برا کیوں قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں اس سوال کا جواب صرف بیوی کی مثال کو پیشِ نظر رکھ کر دیا ہے۔ جس میں گویا ایک خاص مثال سے عام حکم مقصود ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر میاں اپنی بیوی پر عاشق ہے اور بے شبہ اس کا عشق پاک اور جائز اور غوائلِ معاصی سے

اہلِ حسن و جمال کا عشق دراصل حق تعالیٰ کا عشق ہے۔

مامون ہے تو یہ صورت اور خاکی کالبد کا عشق تھوڑا ہی ہے؟ یہ تو کسی اور ہی کا عشق ہے اور اس کی دلیل آگے دیں گے۔
حضرت مولانا بحر العلومؒ یہاں فرماتے ہیں بلکہ درحقیقت یہ حق تعالیٰ کا عشق ہے۔ جو اپنے اسمِ جمیل کے ساتھ اس مظہر میں ظاہر ہوا ہے۔ خواہ اس جہانِ محسوس کا عشق ہے۔ جیسے کسی حسینہ و جمیلہ عورت کا عشق یا اس جہانِ غیر محسوس کا۔ جیسے جنت کی حور کا عشق۔ بلکہ ہر قسم کا عشق دراصل حق یعنی ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ مظہر کے ساتھ۔ اگرچہ عشق کرنے والا غلطی سے اپنے آپ کو اس صورت کا عاشق سمجھتا ہے۔ چونکہ معشوق درحقیقت ذاتِ پاک آں سبحانہ تعالیٰ ہے۔ پس اسی کا عشق اختیار کرنا چاہیے اور متعیّن کا عشق نما ہو متعین کے ساتھ نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ محض جہلِ مرکب ہے۔ پس خاص اس کو خصوص تعیّن سے معرّیٰ رکھ کر طلب کرنا چاہیے اور یہ ارشاد پیغمبروں کے اس ارشاد کی مانند ہے کہ اُعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ یعنی اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بناوٹی خداؤں کی عبادت ترک کر دو کیونکہ خدا ذاتِ حق کے سوا اور کوئی نہیں ہے تم جو عبادت کرتے ہو وہ اسی کا حق ہے اور خواہ مخواہ پتھروں اور دیگر مخلوق کو جو معبود بنائے پھرتے ہو تو یہ محض جہالت ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو اور ان تعینات کو درمیان سے اٹھا دو اور یہ جہلِ مرکب ہے کہ اپنے بناوٹی خداؤں کو معبودِ برحق سمجھ رہے ہو۔ معشوقیت بھی معبودیت کی طرح حق سبحانہ کے خصائص سے ہے جو شخص اس کا سوا کسی اور کو معشوق سمجھتا یا بنالیتا ہے۔ وہ جہلِ مرکب میں مبتلا ہے۔ جس طرح غیرِ حق کو معبودِ حقیقی سمجھنے والا اس گرداب میں پڑا ہوا ہے۔ پس لازم ہے کہ اپنے معشوقِ حقیقی کے ساتھ عشق کا تعلق قائم کرو۔ نہ صورتوں کے ساتھ جن میں ہرگز معشوقیت نہیں ہے۔ جیسے کہ معبودِ حقیقی کی عبادت کرنی لازم ہے نہ کہ معبودانِ باطل کی۔ جن کا معبودِ حقیقی ہونا ممکن ہی نہیں۔ (انتہیٰ)۔

سوال:۔ اگر کسی حسین و جمیل کا عشق اس کی صورت سے متعلق نہیں بلکہ معشوقِ حقیقی سے متعلق ہے۔ جو اس میں ظاہر ہو رہا ہے تو گویا عشق اچھی چیز ہے۔ بری نہیں اور اچھی چیز کا نتیجہ اچھا ہونا چاہیے برا نہ ہونا چاہیے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ اس قسم کے عشق و محبت سے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟

جواب:۔ عشق کے اچھا ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ خود مولانا دفترِ اوّل کے آغاز میں عشق کو دافع حرص و عیب طبیب جملہ علت ہا دوائے نخوت و ناموس بلکہ اپنا افلاطون و جالینوس فرما چکے ہیں اور یہاں تک ارشاد ہے کہ عشق کی تعریف کماحقہ ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔

ہرچہ گویم عشق را شرح و بیان چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

پس بیشک عشق کا نتیجہ بھی اچھا ہونا چاہیے اور ہوتا ہے۔ غنیؒ

ہیچ تخمے نیست ضائع در زمینِ پاک عشق خندۂ ہائے گل دمید از گریہ ہائے عندلیب

ہاں ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بہت سے لوگ عشق و محبت کی چاشنی میں معاصی و خطیئات سے ملوث ہو جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ عشق کا غلط استعمال کرنے لگتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اپنے عشق کی غلط روش سے غلط راہ پر پڑ جاتے ہیں اور مفید دوا کا غلط استعمال مضر ہوتا ہے۔ عمدہ غذا بھی بیہودہ طریق پر کھانے سے مہلک ثابت ہوتی ہے۔ وہ لوگ صورت کی فریفتگی پر ظاہر طور پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ مظہر کے لٹو ہو جاتے ہیں۔ وہ حقیقت سے غافل ہو کر مجاز میں مقیدرہ جاتے ہیں۔ ان کا عشق ہوس سے بدل جاتا ہے۔ جس کا مقصد لذتِ نفسانی ہے اور عشق کا مقصد سوز و گداز ہے۔ امیر خسروؒ

مگس قندو پروانہ آتش گزید ہوس دیگر و عاشقی دیگرست

پس جو لوگ عشق میں پڑ کر فسق و فجور سے ملوث ہو جاتے ہیں ان کا عشق دراصل عشق ہی نہیں بلکہ ہوس ہے۔ جس کا

نتیجہ فسق ہے۔ وہ لوگ بے ادب ہیں اور بدنام کنندگانِ عشق ہیں جامیؒ ۔

نایدازبےادباں شیوۂ عشق مذہب عشق سراسر ادب ست

مولانا کا مقصد یہی ہے کہ عشق کا تعلق تو دراصل حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر مبتلائے عشق غلطی سے صورت کو جو پرتوِ حق کا مظہر ہے اپنا معشوق سمجھنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ کہ اس کا عشق ہوس سے بدل کر منجر بہ فسق ہو جاتا ہے لہٰذا عشق صورت سے بچنا لازم ہے۔

آنچہ معشوق ست صورت نیست آں خواہ عشقِ اینجہاں خواہ آں جہاں

ترجمہ:۔ معشوق جو ہے تو وہ صورت نہیں (بلکہ کچھ اور ہے) خواہ اس جہاں (عالمِ ناسوت) کا عشق ہو یا اس جہان (عالمِ ملکوت) کا ہو۔ (بہر حال صورت کے ساتھ عشق کا تعلق نہیں ہوتا)۔

مطلب:۔ عشقِ اینجہاں و آں جہاں میں یہ اشارہ ہے کہ وہ ماسوی اللہ کا عشق ہوگا۔ جہاں کے معنی عالم کے ہیں۔ پس اینجہاں عالمِ ناسوت ہے اور آنجہاں عالمِ ملکوت۔ یہاں کا عشق تو ظاہری ہے جس کا رونا اکثر رویا جاتا ہے۔ مولانا حالی مرحومؒ ۔

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا

عالمِ ملکوت کا عشق یہ ہے کہ جیسے کسی کو بہشت کی حور کا عشق ہو اور اس کی طلب میں لگ جائے اور طاعت و عبادت سے اس کا مقصود یہی ہو۔ یہ عشق بھی حق پرستی سے خالی ہے۔ صائبؒ ۔

حق پرستی چیست؟ از بایستِ خود برخاستن تاخدا از بہر خود خواہی پرستار خودی

آنچہ بر صورت تو عاشق گشتۂ چوں بروں شد جاں چرایش ہشتۂ

لغات:۔ ہشتۂ ہشتن چھوڑنا سے مشتق ہے۔

ترکیب:۔ صورت کا مضاف الیہ مقدر ہے۔ یعنی بر صورتِ او۔ اور یہ ضمیر آنچہ کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ:۔ جس چیز کی صورت پر تم عاشق ہو رہے ہو (اگر محض اس کی صورت سے تمھارے عشق کا تعلق ہے تو) جب (اس کی) جان نکل جاتی ہے تو اس کو کیوں چھوڑ دیتے ہو۔

صورتش برجاست ایں سیری ز چیست؟ عاشقا! وابیں کہ معشوقِ تو کیست؟

ترجمہ:۔ اگر تم صرف اس کی صورت کے عاشق ہو تو) اس کی صورت تو (اب اس کے مردہ ہونے کی حالت میں بھی) قائم ہے (پھر) اب تمہارا جی کیوں بھر گیا۔ اے عاشق ذرا غور کرو۔ تمہارا معشوق......کون ہے؟

مطلب:۔ اوپر جو کہا تھا کہ معشوق درحقیقت صورت نہیں بلکہ کوئی اور ذات ہے یہ اس دعویٰ کی پہلی دلیل ہے۔

آنچہ محسوس ست اگر معشوقہ است عاشقستے ہر کہ اورا حِس ہست

ترجمہ:۔ جو چیز محسوس ہے (یعنی صورتِ ظاہر) اگر وہی معشوقہ ہے تو ہر وہ (مخلوق) جس میں حس ہو عاشق ہوتی۔

مطلب:۔ یہ دوسری دلیل ہے مذکورہ دعویٰ کی۔ یعنی صورتِ محسوسہ معشوق نہیں ہے۔ ورنہ ہر ذی حس جس کو وہ صورت محسوس ہوتی ہے۔ عاشق ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مواشی و بہائم کسی حسین کے عاشق نہیں ہوتے۔ ہاں ان میں شہوانی میلان ہو سکتا ہے۔ مگر وہ عشق نہیں۔ ہوس دیگر و عاشقی دیگر ست۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے عشق میں بیل گدھا، کتا وغیرہ رقیب نہیں ہوتے۔ حالانکہ وہ اس کے معشوق کو آنکھ سے دیکھتے ہیں اور رویت عموماً مبدءِ عشق ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ حس

باعثِ عشق نہیں۔ نہ صورتِ محسوسہ سے عشق کا تعلق ہے۔

چوں وفا آں عشق افزوں میکند — کے وفا صورت دگرگوں مے کند

ترجمہ:۔ جب یہ ظاہر ہے کہ معشوق کی وفا عشق کو ترقی دیتی ہے۔ تو کیا وفا صورت کو (ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت میں) متغیر کر دیتی ہے؟ (ہرگز نہیں بلکہ صورت وہی رہتی ہے)۔

مطلب:۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ معشوق آمادۂ التفات اور عازمِ وفا ہو تو اس کا یہ سلوک سمندِ عشق پر تازیانہ کا کام کر جاتا ہے اور دریائے عشق شدتِ طغیانی پر آ جاتا ہے۔

لطفِ او گفت کیں بندۂ مائی جامی — رفت بر چرخ بریں کوکبۂ اقبالم

صائبؒ۔

حاجت دامِ و کمندے نیست در تسخیرِ ما — گردشِ چشمے بود بس حلقۂ زنجیر ما

امیر خسروؒ۔

مست آں ذوقم کہ شب در کوئے خویشم دید و گفت — کیست ایں؟ گفتند مسکینے گدائی مے کند

پس جب وفا سے عشق ترقی کرتا ہے تو اگر عشق کا تعلق صورت سے ہے تو کیا وفا سے صورت میں بھی کچھ زیادتی رونما ہوئی؟ تا کہ سمجھا جائے کہ صورت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ عشق نے زیادتی اختیار کی ہے۔ ہرگز نہیں صورت جوں کی توں ہے اور عشق کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ معلوم ہوا اس کا تعلق صورت سے نہیں کسی اور ذات سے ہے۔ کس کے ساتھ عشق کا تعلق ہے؟ یہ اگلے شعر میں بتاتے ہیں۔

مذکورہ ترجمہ اور مطلب اس بنا پر ہے کہ وفا سے معشوق کی وفاداری قرار دی جائے اور میکند کا فاعل دونوں جگہ وفا ہو۔ مولانا بحرالعلومؒ کے نزدیک اس ترجمہ کی رکاکت ظاہر ہے۔ ان کے نزدیک یہاں وفائے عاشق مراد ہے اور میکند کا فاعل دونوں جگہ آں عشق ہے اور وفا صورت مرکب اضافی ہے۔ بفکِ اضافت۔

مولانا بحرالعلوم کے نزدیک اس شعر کا موزوں ترجمہ یوں ہے کہ جب (یہ مانی ہوئی بات ہے کہ) عشق (عاشق کی) وفا کو ترقی دیتا ہے تو پھر اگر صورت کے ساتھ عشق کا تعلق ہو تو) وہ صورت (معشوق) کی وفا کو کیوں دگرگوں کر دیتا ہے؟

مطلب یہ کہ عشق کا خاصہ یہ ہے کہ وہ وفا سکھاتا ہے۔ چنانچہ وہ عاشق کو بیش از پیش وفا پر آمادہ کر دیتا ہے۔ لا محالہ وہ معشوق پر بھی یہی اثر کرے گا۔ یعنی اس کو آمادۂ وفا کرے گا۔ پس اگر صورت معشوق ہوتی تو کیوں نہ اس میں وفا ہوتی۔ حالانکہ اس میں وفا کا نہ ہونا مشاہد و مسلم ہے۔ کما قیل۔

کتابِ حسن براستادِ عشق خواندم و گفت — دریں میانہ ہمیں آیت وفا غلط ست

حسن کے عدمِ وفا سے اس کی ناپائداری بھی مراد ہو سکتی ہے۔ حافظؒ۔

چو در دیت بخند و گل مشو در دامش اے بلبل — کہ بر گل اعتمادے نیست گر حسنِ جواں دارد

پرتوِ خورشید بردیوار تافت — تابشِ عاریتی دیوار یافت

ترجمہ:۔ آفتاب کی روشنی دیوار پر پڑ گئی۔ دیوار نے عارضی چمک حاصل کر لی۔

مطلب:۔ لو سنو! صورت کے سوا معشوق کون ہے۔ آفتابِ حقیقی حق سبحانہ وتعالیٰ کا پرتو دیوار یعنی ممکنات پر پڑ گیا تو اس

سے ممکنات میں ایک عارضی حسن پیدا ہو گیا۔ وہی حسن جاذبِ قلوب ہے عراقیؔ۔

گل رنگ رخ تو دارد ورنہ رنگ رخش از پے چہ زیباست

اصلی جمال تو جمالِ حق ہی ہے۔ اس جمال حقیقی کا عکس جو حسینانِ مجازی پر پڑا تو اس عکس کی بدولت وہ مطلوب و مرغوب بن گئے۔ پس واجب یہ ہے کہ عاشق ہوں تو اصل کے ہوں اور نقل و مستعار کی شیفتگی سے باز آئیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

برکلوخے دل چہ بندی اے سلیم واطلب اصلی کہ تابد او مقیم

لغات:۔ سلیم سادہ لوح، بھولا بھالا، سیدھا سادہ آدمی۔ تابد از تافتن چمکنا۔ مقیم ہمیشہ۔

ترجمہ:۔ اے سادہ مزاج آدمی! ڈھیلے (پتھر کی بنی ہوئی دیوار) میں کیا دل لگاتا ہے۔ اس اصل (آفتاب) کی تلاش کر (جس کی روشنی نے اس دیوار کو منور کیا ہے اور) جو ہمیشہ تاباں (و درخشاں) ہے۔ صائبؔ۔

بحسنِ نقش ازاں نقاش ہر کس چشم بر گیرد چو خارِ رہ گذر ہر لحظہ دامانِ دگر گیرد

مطلب:۔ یہاں تک عام صورت پرستوں کی غلطی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ آگے خاص ان صوفیہ اور اہلِ سلوک کی غلط بیانی کی قلعی کھولتے ہیں۔ جو عشقِ حقیقی کی آڑ میں عشقِ مجازی سے لطف گیر ہوتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہم شاہدانِ مجاز کی صورت میں محبوبِ حقیقی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ جامیؔ۔

سرگشتگانِ کوئے بتاں را توئی مراد مقصد یک ست کعبہ رواناں اگر صداند

چونکہ یہ صاف و صریح صورت پرستی ہے اور مولانا جو ایک پاک و بے لوث عشق کی تعلیم دیتے ہیں صورت پرستی کا قلع قمع کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہاں ان صوفیہ کے اس مغالطہ کا تار و پود بکھیرنے لگے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک ہر حسین مجاز کا حسن شاہدِ حقیقی کے جمال کا پرتو ہے۔ مگر تمہارا یہ قول کہ ہمارا مطمعِ نظر بالقصد شاہدِ حقیقی ہے غلط ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ خوبیاں اور کمالات جو ایک خاص محبوبِ مجازی میں تمہارے لیے موجبِ تعشق ہیں تو لازم ہے کہ جہاں بھی وہ خوبیاں پائی جائیں۔ تمہارے عشق کی محرک ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص میں وہ خوبیاں بوجہ اتم بھی نمایاں ہوں تو تمہارے لیے باعثِ اشتیاق نہیں ہوتیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت بھی عشقِ مجازی اور صورت پرستی ہی کی آلائش سے ملوث ہیں اور حق پرستی کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس کوچے کی خبر تک نہیں۔ سعدیؔ۔

عشقِ حقیقی کے ادعا میں مجاز سے لذت گیر ہونے والوں کو تنبیہ

چو بت پرست بصورت چناں شدے مشغول کہ دیگرت خبر از لذتِ معانی نیست

ایکہ تو ہم عاشقی بر اصلِ خویش خویش از صورت پرستاں دیدہ بیش

ترکیب:۔ اصل خویش میں اصل خویش کے ساتھ مضاف نہیں بلکہ اصل موصوف ہے اور خویش کا مضاف۔ مزعوم مقدر ہے۔ یعنی اصل مزعوم خویش۔ دوسرے مصرعہ میں خویش مفعول بہ کی علامتِ مفعولیت حرف راء محذوف ہے۔

ترجمہ:۔ اے (صوفی صاحب) کہ آپ بھی تو اپنے (زعم میں) اصل (محبوبِ حقیقی) پر عاشق ہیں (اور معشوق مجاز کے آئینے میں شاہدِ حقیقی کا جلوہ دیکھنے کے مدعی ہیں۔ اس لیے) اپنے آپ کو صورت پرستوں سے افضل دیکھتے ہیں۔

پرتوِ عقل ست آں بر حسِ تو عاریت داں آں ذہب بر مسِ تو

لغات:۔ عقل سے یہاں حجت و منطق مراد ہے اور حس سے جسمانی لذات، نفسانی احساس عشقبازی۔

ترجمہ:۔ (مگر حقیقت یہ ہے کہ) آپ کی (نفسانی) عشقبازی پر (صوفیانہ) منطق کا پرتو (جو) پڑا (تو وہ عشقِ حقیقی نظر

آنے لگی) اس (عشقِ حقیقی کے) سنہری ملمع کو اپنے (نفسانی عشقبازی کے) تانبے پر عارضی سمجھو۔

مطلب:۔ نفسِ شیطان کا قاعدہ ہے کہ انسان کے برے سے برے اعمال کو اچھی صورت میں نمایاں کر کے اس پر مصر رہنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ اس لیے وہ ان کے جواز بلکہ استحسان کی حجتیں نکالتے رہتے ہیں اور وہ حجتیں بھی نفسِ شیطان ہی تلقین کیا کرتا ہے۔ اس طرح یہ صوفیانِ شاہد باز بھی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں اور عشقِ حقیقی کے دعوے سے علانیہ شاہد بازی کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔

مفتاح العلوم جلد اوّل میں کسی جگہ حکیم بقراط کا ایک پرلطف قصہ ہم نے شیخ سعدی سے نقل کیا تھا اس کا اعادہ یہاں غیر موزوں نہ ہوگا۔ لکھا ہے کہ ایک صوفی و عابد کسی حسین پر عاشق ہو گیا۔ حکیم بقراط نے اس کی پریشانی و سرگردانی کی حالت کو اشتباہ کی نظر سے دیکھا تو لوگ بولے یہ شخص بڑا متقی' متورع اور عبادت گزار و پرہیز گار ہے اور کہتا ہے کہ میں اس نقش پر فریفتہ نہیں ہوں بلکہ اس نقش کے نقاش پر مرتا ہوں۔ حکیم بقراط نے مسکرا کر کہا۔ بات تو نکتہ کی کہتا ہے۔ مگر ہر شخص کی اس سے تشفی نہیں ہو سکتی اگر وہ صرف نقاش کا عاشق ہے اور نقش سے سروکار نہیں رکھتا تو کسی یک سالہ بچے کو دیکھ کر اس کا دریائے عشق متلاطم کیوں نہیں ہوتا۔ وہ بھی تو اسی نقاش کی صنعت کا نمونہ بلکہ ایک تازہ تر اور پاک نمونہ ہے۔ ایک سچے عاشق کو جو بات کسی ماہرو میں نظر آتی ہے۔ وہ ایک اونٹ میں بھی دکھائی دینی چاہیے۔

بگفت ارچہ صیتِ نکوئی رود نابا ہر کسے ہرچہ گوئی رود
نگا رندہ را خود ہمیں نقش بود کہ شوریدہ را دل بیغما ربود
چرا طفل یک روز ہوشش نبرد کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد
محقق ہماں بیند اندر ابل کہ در خو برو یان چین و چگل

اختلاف:۔ یہاں پہلے شعر کے لفظ اصل میں ایک تماشے کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ ہمارے نسخے میں یہ لفظ اصل درج ہے۔ اور ہمارا قلمی نسخہ معتبرہ بھی اسی کا مؤید ہے مگر بعض نسخوں میں اس کی بجائے عقل درج ہے۔ اوپر ارشاد تھا کہ ''و طلب اصلی'' یعنی اصل کی تلاش کرو۔ پھر ان لوگوں کی تشبیہ مقصود تھی۔ جو غلطی سے اپنے آپ کو فائز باصل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل سے دور ہیں۔ ''ایکہ تو ہم عاشقی بر اصلِ خویش'' پس اس طرح یہ لفظ اپنے پس و پیش سے مربوط ہو جاتا ہے اور ہمارے نزدیک یہی اقرب بحق ہے۔ مگر جن اصحاب نے اس کو عقل لکھا ہے۔ ان کے میزانِ عقل میں اگلے شعر ''پرتو عقل ست'' الخ کے لحاظ سے اس کا عقل ہونا زیادہ موزوں ہو گا۔ اب شارحین نے اس ''عاشقی بر عقلِ خویش'' کا مطلب سلجھانے میں اپنی اپنی عقل کے تکے چلائے ہیں۔ کوئی لکھتا ہے تو اپنی عقل کو صورت پرستوں کی عقل سے زیادہ جانتا ہے۔ کسی نے لکھا ہے تو اپنی عقلِ ناقص پر عاشق ہے۔ حالانکہ تیری عقل پر لطیف و خبیر کا پرتو پڑا ہے۔ اس لیے یہ تجھے مرغوب ہے۔ پھر اس عقلِ ناقص کو حس سے تعبیر کر کے اس پر پرتو ڈالنے والی عقل سے ذاتِ حق سبحانہ مراد لینی پڑی۔ پھر اس کی تاویل کے لیے ایک لمبی تقریر کی ضرورت پڑی۔ غرض ایک ہی لفظ کے ہیر پھیر نے تکلفات کا انبار لگا دیا۔ والامر کان سھلا۔

چوں زر اندود ست خوبی در بشر ورنہ چوں شد شاہد تو پیرہ خر

لغات:۔ چوں حرف شرط نہیں۔ جیسے کہ متبادر ہوتا ہے بلکہ حرفِ تشبیہ ہے۔ پیرہ ہائے خر زائد مفید توصیف ہے۔

ترجمہ:۔ انسان کا حسن (و جمال) سونے کے ملمع سے مشابہ ہے (جب یہ ملمع اتر جاتا ہے تو انسان حسین و جمیل بھی نہیں

رہتا) اگر (یہ بات) نہیں تو (پھر) تمہارا معشوق (گل چہرہ بڑا ہو کر) ایک بڈھے گدھے کی طرح (نامرغوب) کیوں ہو گیا۔
مطلب:۔ یہاں سے پھر عشقِ صورت کا ذکر ہے کہ حسنِ صورت ایک عارضی چیز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انسان جو طفلی میں عشاق کا مرغوب ومحبوب ہوتا ہے۔ بڑا ہو کر غیر مرغوب بن جاتا ہے۔ صائبؒ ۔

غبارِ خط بزبان شکستہ میگوید کہ فیضِ صبح بناگوشِ یار می گزرد

حسن کا پھول مرجھایا اور عنادل کے چہچہے ختم ہوئے۔ ماہِ عارض پر خطِ نودمیدہ کا داغ چھایا اور عشاق کی گرمجوشی ٹھنڈی ہوئی۔ کما قیل ۔

خطت دمیدو مطلبِ عاشق تمام شد اے ترکِ من منازکہ ترکی تمام شد

پس ایسے حسنِ ناپائدار اور جمال بزوال کی چاہت فضول ہے۔ غنیؒ ۔

نیست حسن بے بقا شائستہ دلبستگی با چراغ برق یک پروانہ ہمراہی نہ کرد

چوں فرشتہ بود ہمچوں دیو شُد کاں ملاحت اندرو عاریہ بُد

لغات:۔ ملاحت نمکینی، خوبصورتی کی ایک خاص شان ہے۔ عاریہ مستعار، عارضی، ناپائدار۔
ترجمہ:۔ (پہلے) وہ (انسان خوبصورتی میں) فرشتہ سے مشابہ تھا۔ (پھر زوالِ حسن کے بعد) دیو کی طرح (بدنما) ہو گیا۔ (اور یہ دلیل ہے اس کی) کہ وہ خوبصورتی اس میں عارضی تھی۔ صائبؒ ۔

یک دو ہفتہ مہ چار دہ ہلالے شُد دو ام نیست ازیں بیش حسن ساختہ را

اندک اندک مے ستاندزاں جمال اندک اندک خشک میگر دد نہال

ترجمہ:۔ (حق تعالیٰ) اس (حسین) سے تھوڑا تھوڑا (حسن) و جمال سلب کرتا رہتا ہے (جیسے کہ) ایک بوٹا تھوڑا تھوڑا خشک ہوتا ہے۔ غنیؒ ۔

کندر ہر قدم فریادِ خلخال کہ حسنِ گل رخاں پادر رکاب ست

رو نُعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ بخواں دل طلب کن دل منہ براستخواں

ترجمہ:۔ (اگر باور نہ ہو تو) جاؤ (آیہ) وَمَنْ نُعَمِّرْہُ الخ (یعنی اور جس کو ہم معمر کرتے ہیں۔ اس کو الٹا گھٹاتے ہیں) پڑھو (اور ہماری بات کا ثبوت دیکھ لو۔ پس) ہڈی کی سی ناکارہ مخلوق) پر دل نہ لگاؤ۔ (بلکہ) اس (ذاتِ حق) کو طلب کرو جو (موجودات میں بمنزلہ) دل ہے۔
مطلب:۔ یہاں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ وَمَنْ نُعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ "اور ہم جس کو بڑی عمر دیتے ہیں اس کو بناوٹ میں الٹا گھٹاتے ہیں۔ پس کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے" (یٰس ع۵) گھٹانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بچپن سے جوانی تک تمام قویٰ بڑھتے ہیں۔ اسی طرح پھر جوں جوں عمر زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ان قویٰ میں ضعف و اضمحلال پیدا ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ تمام قوتیں مسلوب ہو کر بڈھا ضعیف آدمی ایک طفلِ شیر خوار کس طرح چارپائی سے لگ جاتا ہے اور اس کی چارپائی لبِ گور کے قریب پہنچ جاتی ہے کما قیل ۔

چہ زندگی ست کہ از استخواں بر احوالم ہمیشہ خندۂ دنداں نما کند لبِ گور

اس شعر میں حسینانِ جہاں بلکہ تمام ماسوی اللہ کو ان کے نقص و احتیاج کے لحاظ سے ہڈی سے تشبیہ دی ہے اور حق سبحانہ کو

اس اعتبار سے کہ وہ اکمل و اشرف اور محتاج الیہ ہے۔ دل سے مشابہت دی ہے۔ جس طرح دل باقی تمام اعضاء جسم سے افضل واہم اور دورانِ خون کا مرکز ہونے کی وجہ سے سارے جسم کا مبداءِ حیات ہے۔ اسی طرح (بلاتشبیہ) حق تعالیٰ سارے عالم سے اعلیٰ وارفع اور سب کا خالق و روزی رساں ہے۔ آگے دل طلب کن کی وجہ بتاتے ہیں۔

کاں جمالِ دل جمالِ باقی ست　　دو لبش از آبِ حیواں ساقی ست

ترجمہ:۔ کیونکہ اس دل (عالم یعنی حق سبحانہ) کا جمال سدا قائم رہنے والا جمال ہے اور اس کے دونوں لب آبِ حیات پلانے والے ہیں۔

مطلب:۔ حق تعالیٰ کے لیے لب کا اطلاق بطریقِ مجاز ہے۔ ایک حاکمِ اعلیٰ اپنے لب سے حکم دیتا ہے تو کسی محتاج کے حذق و روزی کا سامان ہو کر اس کی زندگی عرصۂ تلف ہونے سے بچ جاتی ہے اور کسی واجب القتل مجرم کی جان بخشی ہو کر اس کو دوبارہ زندگی مل جاتی ہے۔ اسی طرح (بلاتشبیہ) حق تعالیٰ کے حکم سے ہم کو زندگی اور سامانِ زندگی حاصل ہوتے ہیں۔ نظامیؒ

بحیات ست جملہ موجودات　　زندہ لیک از وجودِ تست حیات

خود ہم او آب و ہم او ساقی و مست　　ہر سہ یک شد چوں طلسمِ تو شکست

ترجمہ:۔ جب تیرا (خودی کا) طلسم ٹوٹ جائے گا تو (تجھے نظر آئے گا کہ) خود وہی پانی ہے، وہی ساقی ہے، وہی (پینے والا) مست ہے (یعنی تینوں کے) تینوں ایک ہو گئے۔

مطلب:۔ اس شعر سے بظاہر وحدۃ الوجود کا اثبات مقصود ہے اور وحدتِ شہود پر بھی اس کو محمول کر سکتے ہیں۔ وحدتِ وجود اور وحدۃِ شہود تو مفتاح العلوم حصہ اول کے اوائل میں حیطۂ تحریر میں آ چکی ہے۔ اگر اس شعر کو وحدتِ شہود کے مضمون پر محمول کیا جائے تو مطلب یوں ہو گا کہ جب کمال طاعت و عبادت سے تیرا طلسم خود ہی ٹوٹ جائے گا اور تو فانی فی مرضیات الحق ہو جائے گا تو پھر تجھے قربِ فرائض کا وہ مرتبہ حاصل ہو جائے گا۔ جس میں بندے کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ارادہ و قدرت کو حق تعالیٰ کے ارادہ و قدرت کے سامنے کالعدم پاتا ہے۔ یعنی حقیقی فاعل خداوند تعالیٰ کو جانتا ہے اور اپنے آپ کو کسی شمار میں نہیں لاتا۔ پس ایک نظر میں پینا پلانا پینے والا اور پلانے والا ایک ہو جاتے ہیں۔ حافظؒ

بہ پیشِ آئینۂ دل ہر انچہ میدارم　　بجز خیالِ جمالت نمے نماید باز

اس معنی میں اتحاد سے اتحادِ ذاتی مراد نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص ارتباط ہے۔ جس کو اتحاد سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ جیسے دو ہم مشرب اور ہم خیال دوستوں کی نسبت کہہ دیتے ہیں کہ وہ دونوں ایک ہیں۔ حالانکہ وہ ذاتاً الگ الگ ہوتے ہیں۔ قربِ فرائض اور قربِ نوافل کی اصطلاح ایک حدیثِ قدسی سے تعلق رکھتی ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف کے باب ذکر اللہ عزوجل میں مندرج ہے اور وہ مفتاح العلوم حصہ اوّل کے قصہ وزیر یہود کے آخر میں بالتشریح بیان ہو چکی ہے۔

مولانا بحرالعلوم یہاں دل سے ذاتِ حق نہیں بلکہ حقیقتاً انسانی دل مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان دونوں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ دل کو طلب کرو جو حقیقتِ جامعہ اور مخزنِ اسرارِ الٰہیہ بلکہ عرشِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسمائے کلیہ و جزئیہ کے ساتھ اس پر مستوی ہے۔ پس یہ دل حق کو ہر تجلی میں دیکھتا ہے اور اس کا وہ جمال جو اس کو تجلیِ حق کی بدولت حاصل ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ جس پر زوال آنا ممکن نہیں اور اسے یہ جمالِ دوام ذاتِ حق کے اضافہ علوم سے حاصل ہوا ہے۔ جس کو یہاں آبِ حیوان سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس آبِ حیات سے اس طرح سیراب ہوتا ہے کہ گویا خود ہی آب ہے۔ خود ہی

ساقی ہے اور خود ہی مست ہے مگر یہ مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے کہ اس جسم کا طلسم ٹوٹ جائے۔ یعنی وہ حظوظِ بشریہ سے پاک و صاف ہو جائے اور اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو علم اور جو مشاہدہ کہ دل پر وارد ہو وہ باطنِ دل سے ہوتا ہے نہ کہ خارج سے انتہی)

غرض مولانا بحر العلومؒ کے نزدیک دل کو مطلوب بنانا چاہیے۔ نظامیؒ ؎

بندۂ دل باش کہ سلطان شوی خواجہ عقل و ملک و جان شوی

عراقیؒ چہ بینی سبزۂ دنیا کہ چشمِ جاں کند خیرہ تماشائے دل خود کن اگر در بندبستانی

ز آستانہ دل پا منہ بروں صائب اگر ہوائے تماشائے لا مکاں داری

دل سے ذاتِ حق مراد ہو یا یہی متعارف دل بہرحال مقصودِ اصلی حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اب مولانا حصولِ معرفت کا صحیح طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔

آں یکے را تو ندانی از قیاس بندگی کن ژاژ کم خا ناسپاس

لغات:۔ یکے ذاتِ واحد، حق سبحانہ وتعالیٰ۔ قیاس دلیلِ عقلی۔ ژاژ خائیدن۔ ژاژ ایک گھاس کا نام ہے۔ خائیدن کے معنی چبانا مراد بکواس اور بیہودہ گوئی ہے۔

ترجمہ:۔ (اے) ناشکرے! تو اس (ذاتِ) واحد کو دلائلِ عقلیہ سے نہیں پہچان سکتا (اس کی معرفت مطلوب ہے تو اس کی) عبادت کیا کر۔ فضول بکواس نہ کر۔

مطلب:۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ دلائلِ عقلیہ سے خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے تو یہ ناممکن ہے طائرِ عقل کے اس مقام پر پر جلتے ہیں۔ امیر خسروؒ ؎

لوامع صفتش ہست چشم پوشِ عقول چوں آفتاب کہ نورش حجاب ا ارست

حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را زہے کمال حماقت وہ ایں چہ گفتارست

ز گنج خانۂ سلطان کجا خبردارد گرہ برے کہ ز بہرِ دو فلس طرارست

پس اُس کی معرفت کا مفید ترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی طاعت و عبادت اختیار کریں۔ عبادت و طاعت ہی سے دل میں نورِ عرفان پیدا ہو سکتا ہے ؎

ہر سرائے را چراغے ہست صائب در جہاں خانۂ دل روشن از نورِ عبادت مے شود

معنے تو صورت ست و عاریت برمناسب شادی و برقافیت

لغات:۔ عاریت یا عاریہ مستعار، ناپائدار، عارضی۔ شادی بہ معنی شاد ہستی بائے آخر خطاب کے لیے ہے۔ قافیت موزونیت، تناسب، ایک بیت میں دونوں مصرعوں کے آخری کلموں یا ان کے بعض حروف کو قافیہ اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں لفظی تناسب و موزونیت ہوتی ہے۔

ترجمہ:۔ (کیونکہ) تیرا معنی (یعنی کہ جس پر عاشق ہونے کا تو مدعی ہے) صورت (ہی) ہے (اور ناپائدار ہے اور) متناسب (اعضاء) اور (ان کی) موزونیت پر ہی تو لٹو ہو رہا ہے۔

مطلب:۔ اوپر ذکر آ رہا تھا کہ تم صورت پرستی سے بچو۔ پھر ان خاص صورت پرستوں کو تنبیہ کی جو آئینہ صورت میں

جمالِ حق کا مشاہدہ کرنے کے مدعی ہیں اور فرمایا کہ جمالِ حق کے مشاہدہ اور اس کے عرفان کی صورت عبادت و طاعت ہی سے ممکن ہے۔ اب پھر فرماتے ہیں کہ یہ محض ڈھکوسلا ہے کہ تم آئینۂ صورت میں جمالِ حق کے مشتاق ہو بلکہ جمالِ صورت پر ہی مر رہے ہو اور رویتِ جمالِ حق سے محروم ہو۔ صائبؒ ے

جمعے کہ بایں نقش و نگارند نظر باز محروم ز رخسارۂ بے پردہ یارند

معنے آں باشد کہ بستاند ترا بے نیاز از نقش گرد اند ترا

ترجمہ:۔ معنی وہ ہیں کہ تجھے (تیری خودی سے) چھین (کر اپنے آپ میں محو کر) لیں اور صورت سے مستغنی کر دیں۔ غنیؒ

سوادِ کعبہ کے منظورِ اربابِ نظر باشد بسنگِ سرمہ حاجت نیست ہرگز چشمِ روشن را

صائبؒ ز روئے خوب طلبگارِ حسن معنے باش مروز راہ چو نادیدگاں بصورت خشک

معنے آں نبود کہ کورو کر کند مر ترا بر نقشِ عاشق تر کند

ترجمہ:۔ معنے وہ نہیں ہوتے کہ تجھ کو (حقیقت بینی سے) اندھا اور (استماعِ حقائق سے) بہرا کر دیں اور تجھے صورت کا پہلے سے زیادہ مشتاق بنا دیں۔ سعدیؒ ے

چو بت پرست بصورت چناں شدی مشغول کہ دیگرت خبر از لذتِ معانی نیست

کور را قسمت خیالِ غم فزاست بہرۂ چشم ایں خیالاتِ فناست

ترکیب:۔ دوسرے مصرعہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یعنی یا تو وہ استفہامیہ ہو یا خبریہ اور دونوں تقدیروں پر مصرعہ کا ترجمہ الگ الگ ہوگا۔

ترجمہ:۔ (جو لوگ حقیقت بینی سے) اندھے (ہوں ان) کی قسمت میں (حسرت اور غم بڑھانے والے خیال ہیں۔ (بھلا) یہ خیالاتِ فانیہ (کہیں) چشم (حقیقت بیں) کا حصہ ہو سکتے ہیں؟ (دوسرے مصرعہ کا دوسری طرح ترجمہ اور) چشم (ظاہر بیں) کے حصے میں تو یہی فانی چیزوں کے خیالات ہیں صائبؒ ے

دردیدہ آنکس کہ بمعنے نبرد راہ زنداں بود آں خانہ کہ تصویر ندارد

حرفِ قرآں را ضریراں معدن اند خر نہ بینند و بپالاں برزنند

لغات:۔ ضریراں جمع ضریر نابینا، اندھا، جس کی بینائی ضرر یافتہ ہو۔

ترجمہ:۔ (جیسے آنکھوں کے) اندھے قرآن مجید کے حروف (کو اس طرح رٹ لیتے ہیں۔ گویا وہ ان) کی کان ہیں (ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے) گدھے کو تو نہ دیکھیں (جو مقصود بالذات ہے) اور پالان کو لینے لگیں۔ (جو مقصود بالعرض ہے)

مطلب:۔ جو مقصود بالعرض کو مقصود بالذات سمجھ کر اس کے حصول میں منہمک رہیں وہ عقل کے اندھے اور احمق ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے پڑھنے میں اس کے الفاظ پر ہی اکتفا کرنا اور انہی کو مقصود سمجھنا اندھوں کا کام ہے جو لوگ حقیقت بین ہیں وہ الفاظ کو مقصود بالغرض اور ان کے مدلول و معنی کو مقصود بالذات جانتے ہیں کہ یہی قربِ حق کا ذریعہ ہیں اور جو ظاہر بیں ہیں وہ سواری کے جانور کے بجائے اس کے پالان یا کاٹھی کو ہی کافی سمجھ لیتے ہیں۔ اسی پر چڑھ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں گے

رہ بمعنے نبرد ہر کہ ز صورتِ صائبؔ　ہمچو آئینہ تہید ست ز بازار شود

چوں تو بینائی پئے خر رو کہ جست　چند پالاں دوزی اے پالاں پرست

ترجمہ:۔ جب تو بینا (ودیدہ ور ہے) تو گدھے کے پیچھے جا۔ جو کود کر تیرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اے پالان کے دلدادہ کب تک پالان کو سیتا رہے گا۔

مطلب:۔ جو شخص مقصود بالذات کے فوت ہونے کی پروا نہ کرے اور مقصود بالعرض کی دھن میں لگا رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی گدھے والا پالان لینے لگے۔ ادھر گدھا بھاگ جائے اور اس کے تلف ہو جانے کا احتمال ہو مگر وہ اس کی پروا نہ کرے اور اپنی پالان دوزی میں ذوق وشوق سے مشغول رہے۔

ہر کہ قانع شد بوئے گل زگل در پردہ ماند　بوئے پیراہن حجاب یوسفِ سیمیں تن ست

خر چو ہست آید یقیں پالاں ترا　کم نگردد ناں چو باشد جاں ترا

ترجمہ:۔ (بھلے مانس) جب گدھا (سلامت موجود) ہے تو یقیناً تجھے پالان بھی مل جائے گا تیری جان سلامت ہے تو روزی بند نہیں ہوگی۔

مطلب:۔ جس طرح گدھا مقصود بالذات اور پالان مقصود بالعرض ہے۔ اسی طرح قیامِ زندگی مقصود بالذات اکل و شرب مقصود بالعرض ہے۔ زندگی قائم اور جان سلامت ہو تو قدرت خود اس کے اکل وشرب کے سامان مہیا کرتی رہتی ہے۔ وما مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا "ہر جاندار کی روزی کا اللہ کفیل ہے"۔

جس نے یہ منہ دیا ہے کھانے کو　دانت جس نے دیے چبانے کو
جس نے بخشا نگلنے کو ہے گلا　ہضم کرنے کو ہے دیا معدہ
کیا وہ کھانے کو کچھ نہیں دے گا　کیوں نہیں دے گا بالیقین دے گا

خر چو باشد کم نیاید اے عمو　خود بہ پشتش رونہد پالان او

ترجمہ:۔ جب گدھا ہو تو اس کی (یعنی پالان کی) کمی نہیں۔ بڑے میاں! اس کا پالان تو خود اس کی پیٹھ پر آرہے گا۔ حافظؒ

؎ آنکس کہ داد مارا آغاز آنچہ بایست　ہم میکند درِ آخرِ فکرِ مآل را

پشتِ خر، دکانِ مال و مکسب ست　جانِ تو سرمایۂ صد قالب ست

ترجمہ:۔ (ہاں یہ بھی خیال رہے کہ) گدھے (کو ہی مقصود بالذات نہ سمجھ لینا بلکہ اس کی) پیٹھ مال اور کمائی کی دکان ہے (کہ اس پر مال لاد کر بیچتے اور کماتے ہیں اور اپنی جان کو پال لیتے ہیں۔ پس) تمہاری جان (مقصود بالذات ہے جو) سینکڑوں جسموں کی سرمایہ ہے۔

مطلب:۔ ایک چیز جو دوسری چیز کے لحاظ سے مقصود بالذات ہوتی ہے۔ وہ ایک تیسری چیز کے لحاظ سے مقصود بالعرض ہو سکتی ہے۔ چنانچہ گدھا پالان کے مقابلے میں مقصود بالذات ہے تو اپنے سوار کی جان عزیز کے لحاظ سے مقصود بالعرض ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کے معانی اس کے الفاظ کی نسبت سے مقصود بالذات ہیں۔ مگر قربِ حق کی نسبت سے مقصود بالعرض ہیں۔ پس ان کا اشتغال قربِ حق کے لیے ہونا چاہیے۔ نہ خود ان معانی کے لیے جس سے اصل مقصود یعنی قربِ حق فوت ہو جائے۔

خر برہنہ برنشیں اے بوالفضول خر برہنہ نہ کہ راکب شد رسولؐ

ترجمہ:۔ (اگر پالان نہ ملے تو نہ سہی) اے فضول (بہانے بنانے والے!) بے پالان گدھے پر ہی بیٹھ جا۔ کیا بے پالان گدھے پر جناب رسول اللہؐ سوار نہیں ہوئے۔

مطلب:۔ عرب میں گدھے کی سواری عام مروج ہے۔ وہاں کے گدھے قد آور اور خوش رفتار ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کے گدھوں کی طرح لاغر مریل اور ذلیل حالت میں نہیں ہوتے۔ چنانچہ جناب رسول اللہؐ نے بھی گدھے پر سواری کی ہے اور آپؐ کی شانِ تواضع یہ تھی کہ بے پالان سوار ہونے میں بھی پس و پیش نہ فرماتے **وكان يركب الحمار موكفا عليه قطيفة وكان مع ذلك يستردف** اور آنحضورؐ گدھے پر چادر بطور پالان ڈال کر سواری فرماتے اور اس کے باوجود کسی دوسرے شخص کو بھی اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ (احیاء العلوم)

اَلنَّبِیُّ قَدْ رَکِبَ مَعْرُوْرِیًا وَالنَّبِیُّ قِیْلَ سَافَرْ مَاشِیًا

لغات:۔ معروری بضم میم و فتح رائے مہملہ۔ اعروریت الفرس اے رکبتہٗ عریانا۔ معروری بمعنی راکب اسپ برہنہ پشت۔ باب افعیعال سے ہے۔ رکب سوار ہوا۔ سافر سفر کیا۔ ہر دو فعل ماضی کی فتح آخر بضرورتوزن شعر ساقط ہے۔

ترجمہ:۔ نبیؐ ننگی پشت والے جانور پر سوار ہو چکے ہیں (بلکہ) اور لیجیے مروی ہے کہ) حضورؐ نے پاپیادہ (بھی) سفر فرمایا ہے۔

بلکہ آں شہ بس پیادہ رفتہ است بارِ این و آں بسے پذرفتہ است

ترجمہ:۔ بلکہ آنحضورؐ (کبھی اتفاقاً ہی نہیں) بارہا پیادہ پا چلے ہیں (اس سے بھی بڑھ کر تواضع یہ کہ) دوسرے لوگوں کا بار بھی اٹھا لیا ہے۔

مطلب:۔ یہ شعر گویا شعر سابق کے مصرعہ ثانیہ قیل سافر ماشیا کی تفسیر ہے۔ ان تین شعروں میں جناب رسول اللہؐ کی تواضع و فروتنی کی مثال سے دوسرے مغرور و متکبر لوگوں کو سرزنش کی ہے کہ جب وہ تاجدارِ کونین اس قدر متواضع ہیں تو تم کس کھیت کی مولی ہو جو برہنہ پشت گدھے پر سوار ہونا موجب عار سمجھتے ہو۔ یہاں آنحضورؐ کی تواضع کے بیان میں ترتیب و تدریج خوب ملحوظ ہے۔ یعنی اوّل تو گدھے کی سواری ہی اونٹ اور گھوڑے کی سواری سے ادنیٰ ہے جس کو حضورؐ نے ازراہ تواضع گوارا فرمایا۔ پھر بے پالان سوار ہونا اس سے بھی زیادہ فروتنی کی مثال ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تواضع کی مثال پیدل چلنے میں ہے اور عام طور پر چلنے پھرنے سے بطور سفر چلنا اور بھی زیادہ جفاکشی و ہمت کا کام ہے اور اس کے ساتھ ہی کچھ بوجھ اٹھا کے چلنے میں اور بھی صبر و استقلال کی ضرورت ہے۔ مگر حضورؐ کا پیدل اور بوجھ اٹھا کر چلنا اور بوجھ بھی اپنا نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کا اٹھا لینا اور خلق اللہ کے کام کر دینے میں تکلیف اٹھانے سے دریغ نہ کرنا ایثار و احسان کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ **وما كان ياتيه احد حرا او عبدا او امة الا قام معه فى حاجته** جو کوئی بھی آزاد و غلام و کنیز آپؐ کی خدمت میں کسی غرض سے آتی تو آپؐ اس کے کام کے لیے اس کے ساتھ چل پڑتے۔ **وكان ارأف بالناس و خير الناس للناس وانفع الناس للناس**" اور آپؐ لوگوں پر نہایت شفیق اور لوگوں کے لیے سب سے بہتر اور لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع رساں تھے"۔ (احیاء العلوم)

اوپر کے تینوں شعروں سے مدعا یہ ہے کہ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات کے لیے موقوف علیہ نہ بناؤ بلکہ اس مقصود بالعرض کی پروا تک نہ کرو۔ مثلاً پالان نہ ملے، گدھے پر بلا پالان ہی سوار ہو جاؤ۔ پھر اس سے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چیز دوسری چیز کے لحاظ سے تو مقصود بالذات مگر فی حد ذاتہ مقصود نہ ہو اس کو بھی اگر مقصود اصلی کے لیے موقوف علیہ نہ سمجھو اور

اس کے فوت ہو جانے کی پروا نہ کرو تو مضائقہ نہیں۔ مثلاً گدھا اگرچہ پالان کے لحاظ سے بمنزلہ مقصود بالذات کے ہے۔ مگر فی نفسہٖ مطلوب نہیں بلکہ منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے مقصود ہے۔ پس اگر گدھا نہ ملے تو پیدل چلنے سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے کیا عجب قول نقل کیا ہے کہ اگر تم کو سواری کے لیے گدھا نہیں ملا تو صبر کرو اور شکر کرو کہ تم کو سواری کا گدھا بھی نہیں بنایا گیا ۔

زرہ باز پس ماندہ میگریست کہ مسکین تراز من دریں دشت کیست

خر بار کش گفت اے بے تمیز ز جورِ فلک چند نالی تو نیز

برو شکر کن چوں بخر بر نۂ کہ آخر بزیرِ کساں خر نۂ

پس گدھے کے لیے پالان کی اور واصل بمنزل ہونے کے لیے گدھے کی اس قدر ضرورت کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو نہ عقلاً لازم ہے۔ کما ہوالظاہر نہ شرعاً۔ چنانچہ خود سرورِ کائناتؐ نے بے پالان گدھے پر سواری کی ہے اور پیادہ پا سفر فرمایا ہے۔

شد خرِ نفسِ تو بر میخش بہ بند چند بگریزد زکار و بار چند

ترجمہ:۔ تیرا خرِ نفس (تیرے قبضہ اختیار سے نکل) گیا ہے۔ اس کو (عمل بالاحکام کی میخ پر باندھ دے وہ (یوں) کب تک (طاعت و عبادت کے) کاروبار سے گریز کرتا رہے گا۔

مطلب:۔ یہاں سے ایک اور ارشاد کی طرف انتقال ہے اور ماسبق کی مناسبت سے نفس کے لیے گدھے کا استعارہ بطور مشاکلت ہے۔ اس مضمون کا سابق کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اوپر ارشاد تھا کہ فائز بمنزل ہونے کے لیے گدھے کی اور گدھے پر سوار ہونے کے لیے پالان کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ اب فرماتے ہیں کہ تمہارا نفسِ سرکش جو اسبابِ ظاہر کا اس قدر گرویدہ ہے کہ ان کے بغیر مقصود بالذات اور مطلوبِ حقیقی کی طرف رخ نہیں کرتا تو وہ تمہارے قبضۂ اختیار سے نکل گیا۔ اس کو قابو میں لاؤ اور مطیع و منقاد بناؤ۔ کما قیل ۔

قانع کسے کہ شد بکفش خاک ہم زرست سیماب نفس ہر کہ کشد کیمیا گرست

بارِ صبر و شکر او را بردنی ست خواہ در صد سال خواہی سی و بیست

لغات:۔ بردنی میں یا لیاقت کے لیے ہے۔ خواہی میں زائد۔

ترجمہ:۔ (ان اسبابِ دنیا کی طرف سے) صبر کرنے کا بار (جو ہم نہیں پہنچے) اور (ان اسباب کے لیے شکر کرنے کا بار (جو حاصل ہے) اسی کو کھینچنا ہے۔ خواہ سو سال میں (کھینچے) یا تیس سال میں یا بیس سال میں۔

مطلب:۔ صبر کے معنی ہیں کسی امرِ مرغوب کے حصول میں دیر لگنے یا اس کے حصول کے بعد فوت ہو جانے پر نفس کو ضبط میں رکھنا اور شکر کے معنی ہیں کہ منعمِ حقیقی کے انعام و احسان پر اس کے احسان مند ہونا۔ فرماتے ہیں کہ دنیا میں نزولِ مصائب بھی لازم ہے اور یہ جہان حصولِ رغائب سے بھی خالی نہیں۔ ان دونوں حالتوں میں صبر و شکر فرضِ انسانی ہے اور نفس ہی کو چار و ناچار صبر و شکر کا بار اٹھانا ہے خوشی سے اٹھائے تو اس کی سعادت مندی ہے۔ ورنہ مجبور ہو کر اٹھانا پڑے۔ اونٹ بلبلاتے رہتے ہیں اور ان پر بوجھ بھی لدتا رہتا ہے۔ مصائب کی آندھی چلنے سے رک نہیں سکتی۔ خواہ کوئی پہاڑ کی طرح اس کے آگے ثابت قدم رہے یا پرِ کاہ کی طرح اضطرابی حرکات کرنے لگے۔ جامیؒ ۔

چو گیرد صرصر محنت و زیدن نیاید ہمچو کاہ از جا پریدن
بآں باشد کہ در دامن کشی پائے مثالِ کوہ باشی پائے برجائے

ہیچ وازر وزرِ غیرے برنداشت ہیچ کس ندرود تاچیزے نکاشت

لغات:۔ وازِر بوجھ اٹھانے والا۔ وِزر بوجھ۔ ندرود فصل نہیں کاٹی درودن سے۔

صنائع:۔ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

ترجمہ:۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ کوئی شخص تاوقتیکہ کچھ نہیں بوتا (فصل نہیں کاٹتا۔)

مطلب:۔ صبر وشکر وغیرہ اپنے ہی اعمالِ حسنہ کام آتے ہیں۔ دوسروں کے بھروسہ پر نہ رہو۔ پیداوار کی خواہش ہے تو خود کاشتِ تخم کی زحمت اٹھاؤ۔ صائبؒ ؎

کلیدِ قفلِ خود از جیبِ دیگراں مطلب چو غنچہ از گرہ خود گرہ کشائے ساز

طمعِ خام ست ایں مخور خام اے پسر خام خوردن علت آرد در بشر

کاں فلانے یافت گنجے ناگہاں من ہم آں خواہم چرا جویم دکاں

لغات:۔ خام کا کلمہ غیر پختہ اور بے اصل کے معنوں میں مشترک ہے اور یہاں دونوں معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔

ترکیب:۔ پہلے شعر میں ایں اسم اشارہ مبین ہے اور دوسرا شعر اس کا بیان ہے۔ ترجمہ میں اس تقدیم وتاخیر کو صاف کر دیا گیا ہے۔ خیال رہے۔

صنائع:۔ طمعِ خام کو خام بمعنی ناپختہ کے لحاظ سے باعثِ مرض یعنی دردِ شکم قرار دینا حسن تعلیل ہے۔

ترجمہ:۔ صاحبزادے! یہ بات تو ایک طمع خام (یعنی بے اصل چیز کی حرص) ہے کہ اس فلاں شخص کو اچانک خزانہ مل گیا میں بھی اسی طرح چاہتا ہوں (کہ مجھے ایک خزانہ مل جائے پھر) کیوں (کسبِ مال کے لیے دکان تلاش کروں تم (اس طمعِ خام (سے دھوکا) نہ کھاؤ (کیونکہ) خام (یعنی کچی چیز) کا کھانا انسان کو بیمار کر دیتا ہے۔

مطلب:۔ دوسروں کے بھروسے پر رہنا یا دستِ غیب کی توقع پر کسب وسعی چھوڑ بیٹھنا طمعِ خام ہے۔

حافظ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار کار ناکردہ چہ امید عطا مے داری

کارِ بخت ست آن وآں ہم نادرست کسب باید کرد تاتن قادر ست

ترجمہ:۔ (اگر کسی کو بیٹھے بٹھائے خزانہ مل گیا تو) وہ نصیب کی بات ہے (ہر شخص کا حصہ نہیں) اور وہ بھی (ہمیشہ ممکن نہیں بلکہ شاذ و نادر) ایسا ہوتا ہے۔ (پس) جب تک تمہارے بدن میں قدرت ہے (تم کو اپنے زورِ بازو سے کھانا چاہیے۔ (بہانہ جوئی سے بے کار نہ بیٹھو۔)

مطلب:۔ اس ارشاد کے لفظ صرف اپنے ظاہری معنی پر بھی محمول ہو سکتے ہیں کہ ان میں سستی و بیکاری سے منع کیا ہے اور سعی و جہد سے رزق و روزی کمانے کی تاکید فرمائی ہے مگر اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کوئی بندۂ خدا بلا ریاضت و مجاہدہ واصل بحق ہو گیا تو یہ محض بخت واتفاق کی ... عبادت ذکر وفکر اور ریاضت و مجاہدہ میں

مصروف رہ کر مراتبِ کمال کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کسی کو بلا سعی یہ درجہ حاصل ہوا ہے تو ممکن ہے۔ اس میں پہلے سے اس کی استعداد موجود ہو۔ خواہ وہ استعداد مجاہدہ سے ملی ہو یا حق تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس کو بحالتِ بے اختیاری کسی ایسے امر میں مبتلا کیا ہو جس سے اس کے رذائلِ اخلاق کا ازالہ ہو گیا ہو۔ لہٰذا اس کو اب مجاہدہ کی ضرورت نہ رہی ہو۔ مگر صفائی قلب اور اعمالِ حسنہ کے بغیر کوئی اس مقام پر فائز نہیں ہوسکتا نہ ہوا ہے۔

عمر خیام غفرلہ

اے نیک نہ کردہ و بدیہا کردہ آنگاہ بلطف حق تولّا کردہ

بر عفو مکن تکیہ کہ ہرگز نبود ناکردہ چو کردہ کردہ چوں ناکردہ

کسب کردن گنج را مانع کے است پامکش از کار آں خود در پے است

ترجمہ:۔ (تم کمائی کیے جاؤ) کمائی کرنا خزانہ (حاصل ہونے) کا مانع تھوڑا ہی ہے۔ پس تم کام کرنے سے قدم نہ ہٹاؤ۔ وہ (خزانہ) خود تمھارے پیچھے (آ رہا) ہے۔

مطلب:۔ اگر خزانہ تم کو بلا محنت مل گیا تو سبحان اللہ! مگر اور محنت وکسب کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس سے بلا محنت حاصل شدہ خزانہ گم تو نہیں ہو جائے گا بلکہ اس میں اضافہ ہی ہو گا۔ پس محنت کیے جاؤ خزانہ خود آتا رہے گا۔ خواہ محنت سے آئے یا بلا محنت۔ مطلب یہ کہ مجاہدہ کیے جاؤ پھر اگر وصولی الی اللہ بلا مجاہدہ مقدر ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی اور مجاہدات و اعمال کا ثواب الگ ملے گا۔

تا نہ گردی تو گرفتارِ اگر کہ اگر ایں کردمے یا آں دگر

لغات:۔ تا تعلیل کے لیے آیا ہے۔ حرفِ تشبیہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں یہ شعر جملہ مستانفہ ہو گا۔ دونوں صورتوں میں ترجمہ دو طرح ہو گا اور مطلب بھی قدرے متفاوت ہو گا۔

ترجمہ: (۱) تم اگر (مگر کے چکر) میں نہ پھنس جاؤ (اور پھر حسرت سے کہنے لگو) کہ اگر میں یوں کرتا (تو یوں ہو جاتا) یا اگر وہ دوسری (تدبیر) عمل میں لاتا (تو اس کا نتیجہ یوں ہوتا)۔

مطلب:۔ آج سعی و جہد سے کچھ کما لو تاکہ آخر میں پچھتانا نہ پڑے کہ کاش میں یوں کرتا تو یوں ہو جاتا۔

ترجمہ:۔ (۲) خبردار! تم اگر (مگر کے چکر) میں نہ پھنس جانا۔ (اور یوں نہ کہنا) کہ اگر میں یوں کرتا (تو بہتر تھا) یا اگر موجودہ (کوشش کو چھوڑ کر) وہ دوسری (تدبیر کرتا تو زیادہ اچھا ہوتا)۔

مطلب:۔ اگر وغیرہ تذبذب کے کلمات انسان کی مستعدی و ہمت کے جوش کو سرد کر دیتے ہیں جب آدمی کام کرتا کرتا سوچتا ہے کہ اوہو! یہ تو کچھ اچھی تدبیر نہیں۔ اگر میں یوں کرتا تو زیادہ مفید تھا۔ تو اس قسم کے خیالات سے اس کی ہمت و محنت کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹک جاتا ہے۔ ان دونوں شعروں کا مطلب اس حدیث سے ماخوذ ہوتا ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ نے کہ المومن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف و فی کل خیرٌ احرص علی ما ینفعک و استعن باللہ ولا تعجزو ان اصابک شیٔ فلا تقل انی فعلت کان کذا و کذا ولکن قل قدر اللہ وما شاء فعل فان لو تفتح عمل الشیطٰن. یعنی قوی دل مومن اللہ کے نزدیک ضعیف دل مومن سے زیادہ اچھا اور اس کو زیادہ پیارا ہے۔ خوبی دونوں میں ہے۔ مفید چیز کے لیے کوشش کرو اور اللہ سے مدد مانگو۔ اور کم ہمتی نہ کرو اور اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو یوں

نہ کہو کہ اگر میں ایسا کرتا تو اس کا نتیجہ یوں ہوتا بلکہ کہو اللہ کی تقدیر یہی تھی جو کچھ اس نے چاہا کیونکہ اگر مگر کا خیال شیطانی کام کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

شعر کا دوسرا ترجمہ اس حدیث کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے۔

کز اگر گفتن رسولِ با وفاق منع کرد و گفت ہست ایں از نفاق

ترجمہ:۔ کیونکہ جناب رسول اللہؐ نے جو (حق کے ساتھ) موافقت (تامہ) رکھتے ہیں اگر کہنے (یعنی تذبذب کرنے) سے منع فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ یہ نفاق کی نشانی ہے۔

مطلب:۔ انسان کا دنیوی کاموں میں اگر مگر کے چکر میں پڑنا اس کو کم ہمت و ناکارہ بنا دیتا ہے تو دینی امور میں یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ رسول اللہؐ کے بعثت کے وقت جب نور و ظلمت حق و باطل اور کفر و اسلام الگ الگ نمایاں ہو گئے تو ایک جماعت اسی اگر مگر کا شکار ہو رہی تھی کہ اگر اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو رشتہ داروں کے تعلقات اور جائداد موروثی ہاتھ سے جاتی ہے اور اگر کفر پر قائم رہتے ہیں تو اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے نہ معلوم کونسا روز بد دیکھنا پڑے گا۔ کما قیل۔

شرکتِ زمرۂ میخوار کنم یا نکنم؟ نو بہارست من ایں کار کنم یا نکنم؟

یہ منافق لوگ تھے جو نہ پوری طرح کافر تھے نہ پکے مسلمان تھے اور اگر مگر کے خبط نے ان کی کشتی کو نہ پار ہونے دیا نہ ڈوب کر فیصلہ ہو جانے دیا۔

کاں منافق در اگر گفتن بمُرد وز اگر گفتن بجز حسرت نہ برد

ترجمہ:۔ کیونکہ وہ منافق (جو مبتلائے تذبذب رہا) اگر (مگر) کہنے میں ہی مر گیا اور اگر (مگر) کہنے سے سوائے حسرت کے (کچھ بھی دنیا سے اپنے ساتھ) نہ لے جا سکا۔

مطلب:۔ یہ مضمون اس آیت سے ماخوذ ہے۔ جو بقول بعض منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ "اور خرچ کرو اس مال میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ پہلے اس سے کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو کہے اے میرے پروردگار کاش تو میری اجل میں کچھ اور تاخیر کر دے تو میں خیرات دیا کروں اور نیک لوگوں میں سے بن جاؤں" (سورہ غرض وہ منافق اسی طرح "لولا اور اسی اگر مگر میں دنیا سے چل دیتا ہے اور زندگی میں نیکی کمانے کی حسرت دل کی دل میں لے جاتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو غفلت میں عمر بسر کرتے ہیں اور ان کے شب و روز اس طرح بسر ہوتے ہیں۔ جیسے کسی نے کہا ہے۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترکِ ایں سودا کنم باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

مگر جب موت سر پر آ جاتی ہے تو ان کے پاس اس غفلت کا چارہ لولا کاش۔ اور اگر مگر کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ آخر کفِ حسرت ملتے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ کما قیل۔

رفتیم و صد ہزار تمنا گذاشتیم دنیا برائے مردم دنیا گذاشتیم

اے بسا کس مردہ در بوک و مگر از جمالِ عافیت ناخوردہ بر

لغات:۔ بوک مخفف ہے "بود کہ" کا بمعنی شاید [illegible] نتیجہ۔

ترجمہ:۔ اے (مخاطب) بہت سے لوگ شاید اور (اگر) مگر ہی (کے چکر) میں مرگئے (جو کسبِ حسنات و ترکِ سیئات کا ارادہ ہی ارادہ رکھتے تھے۔ مگر گناہوں سے خیرو) عافیت (میں رہنے) کی خوبی کا پھل نہ کھایا (اور غم و حسرت سے روتے دھوتے دنیا سے کوچ کر گئے) عمر خیام ؎

دانی ز جہاں چہ طرف بربستم؟ ہیچ وز حاصلِ عمر چیست در دستم؟ ہیچ
شمعِ طربم ولے چو بنشستم ہیچ من جامِ جمم ولے چو بشکستم ہیچ

ورنمے یابی تو نقصانِ اگر ایں سخن بشنو کہ دریابی مگر

ترجمہ:۔ اگر تم اگر (مگر) کے نقصان کو نہیں سمجھ سکے تو یہ کہانی سن لو تو شاید اسی سے سمجھ جاؤ۔

تمثیل بر حقیقتِ سخن واطلاع بر کشفِ آں

(اگر مگر کے) مسئلے کی اصلیت پر ایک مثال اور اس کو نمایاں کرنے کے لیے تبصرہ

یک غریبے خانہ میجست از شتاب دوستے بردش سوئے خانہ خراب

لغات:۔ غریب۔ پردیسی، مسافر۔ خراب شکستہ و منہدم، اجڑا ہوا۔

ترجمہ:۔ ایک پردیسی رہنے کے لیے جلدی جلدی گھر تلاش کر رہا تھا (اس کا) کوئی دوست اس کو ایک (بے آباد و) منہدم گھر کی طرف لے گیا۔

نکتہ:۔ مولانا کا اصل مقصود تو بیانِ معارف اور ذکرِ حقائق ہے جن میں وہ بے خودی کے عالم میں ایک بے پناہ دریا کی طرح بہتے چلے جاتے ہیں۔ مگر کہیں کہیں تمثیل و توضیح کے لیے قصص و نقول کی ضرورت پڑتی ہے تو ان کو بھی کہہ جاتے ہیں۔ لیکن اہلِ نظر جانتے ہیں کہ ان قصص میں واقعات کا کوئی پہلو ادھورا نہیں رہنے دیتے اور بیخودی و وارفتگی کی حالت اور ساتھ ہی شعری پابندی کے باوجود واقعہ کے ہر پہلو کو اس مناسب لفظی جوڑ توڑ کے ساتھ مکمل کر دیتے ہیں کہ سبحان اللہ وصلِ علی اس شعر میں لفظ غریبے از شتاب اور ''دوستے'' کا استعمال خاص رعایت پر مبنی ہے۔ جیسے آگے چل کر ظاہر ہوگا۔

گفت او ایں را اگر سقفے بدے پہلوِ من مر ترا مسکن شدے

ترجمہ:۔ اور اس نے (اس پردیسی کو وہ گھر دکھا کر) کہا اگر اس کی چھت ہوتی تو تم (اس کے اندر) میرے پڑوس میں رہنے سہنے لگتے۔

ہم عیالِ تو بیا سودے اگر درمیانہ داشتے حجرہ دِگر

ترجمہ:۔ اگر اس کے درمیان ایک اور دالان ہوتا تو تمہارا عیال بھی اس میں رہ سکتا۔

ور رسیدے میہماں روزے ترا! ہم بیا سودے اگر بودیت جا

ترجمہ:۔ اگر تم کو (اس مکان میں) قیام (کا موقع) ملتا تو جب کوئی مہمان آتا اس کو بھی آرام مل سکتا۔

کاشکے معمور بودے ایں سرا خانۂ تو بودے ایں معمُورِ ما

ترجمہ:۔ کاش! کہ یہ گھر آباد (وقابل سکونت) ہوتا (تو پھر) یہ ہمارا آباد گھر تمہارا گھر ہوتا (اور تم اس میں قیام فرماتے۔)

نکتہ:۔ اب پہلے شعر کے مذکورہ الفاظ کی خوبی ملاحظہ ہو۔''ازشتاب'' نے بتایا ہے کہ گھر کا متلاشی چاہتا تھا کہ جلد از جلد کوئی گھر مل جائے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو سڑک پر بٹھا کر آیا ہو۔ اسی لیے دوست کی اگر مگر نے قصہ کا لطف دوبالا کر دیا۔ اگر اس کو جلدی نہ ہوتی تو یہ اگر مگر ایک معمولی تجویز یا مشورہ بن جاتا اور سمجھا جاتا۔ چلو خیر دو چار دن میں دالان چھت وغیرہ بن جاتے ہیں۔ پھر قصہ قابلِ تمثیل نہ رہتا۔ پھر دیکھو کہ اس شخص کو جلدی کیوں تھی۔ اس لیے کہ اس کا یہاں کوئی رشتہ دار یا گہرا دوست نہیں تھا۔ جس کے ہاں بلا تکلف جا اترتا۔ کسی سبب سے ناگہاں اس شہر میں آ کر قیام پذیر ہونا پڑ گیا۔ مگر مکان ندارد۔ اگر کوئی دوست یا رشتہ دار ہوتا تو یہ قصہ پیش نہ آتا یہ اشارہ غریب کے لفظ نے کیا ہے۔ مگر یہ دوست کوئی معمولی شناسا ہوگا۔ سرراہ پردیسی کو سامنے دیکھتے ہی کود کر سلام و آداب کر بیٹھا ہوگا۔ پردیسی نے مکان کی تلاش کے لیے التماس کی ہوگی تو وہ اپنے سلام کی آبرو رکھنے اور اس سائل سے خیریت کے ساتھ پیچھا چھڑانے کے لیےاس کو ویران گھر کی طرف لے چلا ہوگا۔ پردیسی سمجھا ہوگا کہ بس اب کسی ایوانِ عالیشان میں ہمارے بستر جم جاتے ہیں مگر جب دونوں اس ویران کھنڈر کے پاس جا کھڑے ہوئے اور دوست نے اگر مگر کی تقریر شروع کی تو پھر پردیسی کی آنکھیں کھلیں اور یہ سارا لطف دوست کے لفظ سے پیدا ہوا ہے کسی اجنبی اور غیر دوست سے نہ وہ پردیسی توقع رکھتا نہ اس کے ساتھ جاتا نہ اس کو اس سربسجود کھنڈر پر کھڑے ہو کر **لاحول ولا قوۃ** پڑھنے کا موقع ملتا۔ اب وہ مکان کا متلاشی پردیسی جواب دیتا ہے اور خوب جواب دیتا ہے:۔

گفت آرے پہلوِ یاراں خوش است لیک ایجاں در اگر نتواں نشست

ترجمہ:۔ کہا ہاں بے شک دوستوں کا پڑوس اچھی چیز ہے۔ مگر اے جان (سے پیارے دوست) اگر (مگر کے لفظی محل) میں قیام نہیں کیا جا سکتا۔

ایں ہمہ عالم طلب گارِ خوشند و ز خوشِ تزویر اندر آتشند

لغات:۔ عالم سے اہلِ عالم مراد ہیں۔ اسی لیے حرفِ ربط بہیئت جمع آیا ہے۔ یا خود عالم مجموعۂ اشخاص ہونے کے باعث بمنزلہ صیغہ جمع سمجھا گیا۔ تزویر بناوٹ، جعل، مصنوعی چیز بنانا۔

ترجمہ:۔ یہ تمام (اہلِ) عالم اچھی چیز کے طلب گار ہیں (لیکن نفس اور شیطان کے فریب سے اچھی کے بجائے بری چیز ان کے پلّے پڑتی ہے) اور وہ جعل (اور بناوٹ) کی اچھی چیز کے سبب سے آتشِ حسرت میں (جلتے) ہیں۔

مطلب:۔ یہ اوپر کے قصے کا نتیجہ ہے یعنی جس طرح اس اجنبی کا مقصد یہ تھا کہ کسی اچھے مکان میں قیام کرنے کا موقع ملے اور اسی توقع پر وہ اس نمائشی دوست کے ساتھ قدم برداشتہ گیا۔ مگر جب ایک کھنڈر پر اس کو لے جا کر کھڑا کر دیا گیا تو اس کو اپنی بے بنیاد توقع پر کفِ افسوس ملنا پڑا۔ اسی طرح دنیا میں اکثر لوگ راہِ وصول بحق کے طالب ہیں۔ لیکن شیطان کے فریب سے وہ ایک ایسے راستے پر پڑتے ہیں جس کو وہ اغوائے شیطان سے راہِ وصول سمجھتے ہیں۔ مگر وہ ندامت وحسرت کے جہنم کو جاتا ہے۔ امیر خسروؒ

ز نفس بو الہوست فعلِ زشت خوب نمود وگرنہ زاغ کے از نغمہ ہچو سار بود

بعض شارحین نے خوشی سے وہ چیز مراد لی ہے جو اپنے تلذذ اور خوبی کے لحاظ سے طبیعت کے لیے خوشگوار ہو۔ ان کے

نزدیک مطلب یہ کہ تمام عالم اس چیز کا طالب ہے جو ان کے دل کو خوشگوار لگے اور اس بناوٹی خوشگواری سے آتشِ حسرت میں جلتے ہیں مگر مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ پہلے معنی ابیات آیت کے ساتھ زیادہ مربوط ہیں۔

طالبِ زر گشتہ جملہ پیرو خام لیک قلب از زر نداند چشمِ عام

لغات:۔ خام عمر میں کچا مراد لڑکا، نو عمر قلب کھوٹا۔

ترجمہ:۔ چنانچہ تمام بوڑھے اور نو عمر سونے کے طلب گار ہیں۔ مگر عام لوگوں کی آنکھ کھوٹے (سونے) کو (کھرے) سونے سے (شناخت کرنا) نہیں جانتی۔

پرتوے بر قلب زد خالص ببیں بے محک زر رامکن از ظن گزیں

ترجمہ:۔ خالص (سونے) کی چمک کھوٹے (سونے) پر پڑی گئی (اسی لیے وہ خوشنما نظر آتا ہے) دیکھنا! کسوٹی کے بے غیر محض انکل پچو سونا نہ لینا۔

مطلب:۔ اوپر کے شعر سے آیندہ دو شعروں تک اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو مشغول باعمال ہو مگر نفس و شیطان کی تزویرات کو محسوس نہ کرے اور اپنی سیئات کو حسنات سمجھے۔ اس کی مثال سونے کے اس خریدار کی سی ہے جو کھرے کھوٹے کی تمیز نہ رکھتا ہو بلکہ کھوٹے کو کھرا سمجھ کر خریدنے پر آمادہ ہو اور جس طرح کھرا سونا کسوٹی کے ذریعہ سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شرع شریف پر عمل کرنے سے جو اعمال کی کسوٹی ہے وہ نورِ فراستِ ایمانی پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت حسنات و سیئات الگ الگ نظر آنے لگتے ہیں۔ (کذا بحر العلومؒ) جامیؒ ؎

طبع بر گنج حقیقت قفل و شرع آمد کلید تا دہد زاں گنج بیروں گو ہر اسرار را

اس تقریر میں زرِ خالص سے اعمالِ حسنہ مراد ہوئے۔ جن کے دھوکے میں اہلِ عمل زرِ قلب کے حصول یعنی سیئات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض نے کھرے سونے سے مراد حق سبحانہ مراد لیا ہے۔ جس کے پرتو سے کھوٹی چیزیں کھری نظر آنے لگتی ہیں۔ اس تقریر کی رکاکت ظاہر ہے کہ تزویر تو کارِ شیطان ہے وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ اور اگلے شعروں میں بانگِ غولاں بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ یہاں کھوٹے اور قلب سے مزوراتِ شیطانیہ ہی مراد ہیں۔ مگر جب پرتوِ حق سے کھوٹی چیزیں کھری نظر آنے لگیں تو پھر شیطان کو تزویر کی کیا ضرورت ہے۔ استغفر اللہ ربی۔

گر محک داری گزیں کن ورنہ رَو نزد دانا خویشتن را کُن گرو

ترجمہ:۔ اگر تمھارے پاس یہ کسوٹی ہے تو (سونا) خریدو۔ ورنہ جاؤ اپنے آپ کو (کسی دوسرے) صاحبِ بصیرت کے سپرد کرو۔ (جو کھرے کھوٹے کی تمیز رکھتا ہو)

مطلب:۔ اگر تم خود اتباعِ شرع اور فراستِ ایمانی کی بدولت اعمالِ حسنہ و اعمالِ سیئہ میں تمیز کر سکتے ہو تو عمل کیے جاؤ۔ ورنہ کسی مرشدِ کامل سے بیعت کرو۔ حافظؒ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

اور اس کے اتباع تام سے اس کی ہدایات کے مطابق عمل کرو۔ اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دو حافظؒ ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

ایں محک باید میانِ جانِ خویش　　ور نداری رہ مرو تنہا بہ پیش

ترجمہ:۔ (اوّل تو) یہ (امتیاز خیر و شر کی) کسوٹی (یعنی نورِ فراستِ ایمانی) اپنے ہی اندر ہو (تو سبحان اللہ) اور اگر (یہ تمھارے اندر نہیں ہے۔تو خبردار!) تم اکیلے راہِ (عمل) پر قدم نہ رکھنا جامیؒ ؂

راہ بس باریک و شب تاریک دُزداں در کمیں　　بے دلیلے عزم رہ کردن دلیلِ ابلہی است

بانگِ غولاں ہست بانگِ آشنا　　آشنائے کو کشد سوئے فنا

لغات:۔ بانگ پہلا کلمہ بمعنی وسوسہ ہے، دوسرا بھی ندا وصدا۔غولاں شیاطین۔فنا سے یہاں ہلاک و تباہی مراد ہے نہ کہ فنائے مصطلح۔

ترکیب:۔ بانگِ غولاں مبتدا۔ بانگ آشنا اس کی خبر۔ دوسرے مصرعہ میں آشنا پہلے مصرعہ کے آشنا سے بدل ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بانگِ غولاں خبرِ مقدم اور بانگِ آشنا مبتداء موخر قرار دیا جائے۔ اب ترجمہ کا فرق ملاحظہ ہو۔

ترجمہ:۔ (۱) شیطان کے وسوسے (جو دل میں اٹھتے ہیں وہ خوشگوار ہونے میں) ایک (پیارے) دوست کی آواز (معلوم ہوتے) ہیں۔ (مگر) وہ (پیارا) دوست جو (اپنی صحبتِ بد کے اثر سے) ہلاک (ابدی) کی طرف لے جاتا ہے۔

مطلب:۔ اس ترجمہ کے اعتبار سے شیطانی وساوس سے بچنے کی ہدایت مقصود ہے۔ جس طرح اس نمائشی دوست کا مکان دلانے اور دکھانے کا وعدہ پردیسی کو خوشگوار معلوم ہوا تھا۔ اسی طرح شیطانِ لعین کی گمراہ کن آوازیں جو دل میں اٹھتی رہتی ہیں انسان کو مرغوب ہوتی ہیں۔ مگر جس طرح اس دوست کی آواز پر لبیک کہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک خوفناک و ویران کھنڈر آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی طرح شیطان کی آواز پر عمل کرنا بھی موجبِ تباہی ہے۔ حافظؒ ؂

دور است سرِ آب دریں بادیہ ہشدار　　تا غولِ بیاباں نفریبد بسرا بت!

شیطان کی آواز کو جلیسِ سوء کی آواز کے ساتھ ہی مشابہت ہے۔ کیونکہ نیک و صالح دوست کی آواز اگر خوشگوار ہوتی ہے تو اس پر لبیک کہنے کا نتیجہ بھی خوش گوار ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی۔

ترجمہ:۔ (۲) (برے) دوست کی آواز شیاطین کی آواز (سے مشابہ) ہے وہ دوست جو (اپنی صحبت کے اثر سے) ہلاک (ابدی) کی طرف لے جائے۔

مطلب:۔ یہ ترجمہ بُرے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی ہدایت پر مشتمل ہے یعنی جس دوست کی صحبت اعمالِ سیئہ پر مائل کر کے آخرت کی روسیاہی اور تباہی کا مستوجب بنا دے اس کی آواز پر لبیک کہنا شیطان کے اتباع کا مترادف ہے۔ جو صریحاً انسان کا دشمن ہے۔ عمر خیام غفر اللہ لہٗ ؂

خواہی کہ بدانی بیقین دوزخ را　　دوزخ بجہاں صحبتِ نااہل بود

بانگ میدارد کہ ہاں اے کارواں　　سوئے من آئید نک نام و نشاں

لغات:۔ میدارد بمعنی بردارد۔ داشتن بمعنی برداشتن بھی آتا ہے۔ نک مخفف اینک کا۔ دیکھو۔

ترجمہ:۔ (وہ شیطان) آواز دیتا ہے کہ ارے او قافلے والو! میری طرف آؤ۔ یہ دیکھو (تمھارے مطلوب و مقصود کا) نام ونشان (میں تم کو منزلِ مقصود پر پہنچا دوں گا)۔

نامِ ہر یک مے برد غول اے فلاں ‌‌‌‌‌‌ تا کند آں خواجہ را از آفِلاں

لغات:۔ آفلاں جمع آفل غروب، غرق مراد ہلاک وتباہ۔

صنائع:۔ اے فلاں اور آفلاں میں تجنیس لاحق ہے۔

ترجمہ:۔ شیطان (اہلِ قافلہ میں سے) ہر ایک کا نام لیتا ہے کہ اے فلاں (یہاں آ جا) تاکہ ان صاحب کو (جن کو وہ بلاتا ہے ان لاکھوں) ہلاک شدہ لوگوں میں شامل کر دے (جو اس کی تیغ مکر کا لقمہ ہو چکے ہیں۔)

چوں رسد آنجا بیند گرگ و شیر ‌‌‌‌‌‌ عمر ضائع راہ دور و روز دیر

صنائع:۔ گرگ و شیر استعارہ ہے مہلکات وموبقات سے۔ دوسرے مصرعہ میں صنعت جمع ہے۔

ترجمہ:۔ جب وہ (شخص) وہاں پہنچتا ہے تو بھیڑیئے اور شیر (وغیرہ مہلکات کو) اپنے سامنے پاتا ہے۔ (اب کفِ افسوس ملتا ہے) (اور روتا ہے کہ ہائے میری) عمر ضائع (ہوئی) راستہ (منزل سے بہت) دور (رہ گیا) دن بے وقت (ہو گیا۔ اب منزل پر پہنچنا ناممکن ہے۔)

مطلب:۔ جو شخص اغوائے شیطان سے دواعی شہوت پر عمل کرتا ہے اور اسی بداعمالی میں عمر بسر کر دیتا ہے انجام کار جب دیکھتا ہے کہ عمر گزر گئی، منزلِ نجات دور رہ گئی اور اب نیک عمل کمانے کا وقت نہ رہا تو اس کو کفِ افسوس ملنے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ صائب ؎

نے باشد ز بے برگی چراغے خانۂ مارا ‌‌‌‌‌‌ ز چشمِ چغد باشد روشنی ویرانۂ مارا

چوں بود آں بانگِ غول آخر؟ بگو ‌‌‌‌‌‌ مال خواہم جاہ خواہم و آبرو

عروض:۔ شعر کا آخری کلمہ بعض نسخوں میں و آبرو بواو عاطفہ اور بعض میں بلا واؤ حرف آبرو لکھا ہے۔ اگر واؤ رکھی جائے تو اس کو بحرکتِ فتحہ الف کے ساتھ ملا کر بوزن ماہرو پڑھنا چاہیے کیونکہ الف کو ممدود پڑھنا اور واؤ کو میم ماقبل کے ضمہ کی صورت سے ادا کرنا جیسے کہ قاعدہ ہے۔ بیت میں سکتہ ڈالتا ہے۔ وہذا لایجوز۔

ترجمہ:۔ وہ آوازِ شیطان کیا ہوتی ہے؟ (کچھ تو) کہو (لو سنو! وہ یہ تمنائیں ہوتی ہیں کہ) میں مال چاہتا ہوں، وجاہت چاہتا ہوں اور (دنیوی) عزت (چاہتا ہوں)۔

مطلب:۔ شیطان کوئی آدمی کی طرح چیخ پکار کر آواز نہیں دیتا بلکہ اس کی آواز تو یہی ہے کہ انسان کے دل میں دنیوی ساز و سامان کی خواہش کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے، کبھی مال و دولت کی تمنا، کبھی عہدہ و منصب کی آرزو اور کبھی آن بان کا شوق۔ ان فضول تمناؤں کے غبار سے شیطان دلوں کو مکدر و بے نور بناتا رہتا ہے۔

آرزوئے دل غبار آلودہ سازد سینہ را ‌‌‌‌‌‌ جوشِ صرصر آب ایں سرچشمہ را گل میکند

از درونِ خویش ایں آوازہا ‌‌‌‌‌‌ منع کن تا کشف گردد رازہا

ترجمہ:۔ ان (شیطانی) آوازوں کو اپنے دل (میں آنے) سے روک دو تاکہ صفائی قلب حاصل ہو کر تم پر اسرار (حقیقت) مکشوف ہونے لگیں۔

مطلب:۔ قلب صافی آئینۂ اسرار بن جاتا ہے۔ کما قیل ؎

صاف شد چوں دل بود آئینہ روئے یلم را ‌‌‌‌‌‌ کے شود مہ عکسِ خود را مانع بودن در آب

ذکرِ حق کن بانگ غولاں را بسوز چشم چوں نرگس ازیں کرگس بدوز

ترکیب:۔ چوں نرگس یا تو چشم کی صفت مقدر کے متعلق ہے یا بدوز کے متعلق۔ دونوں صورتوں میں دوسرے مصرعہ کا ترجمہ متفاوت ہے۔

صنائع:۔ نرگس اور کرگس میں تجنیس لاحق۔

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ کا ذکر (بطور مجاہدہ پورے صبر و استقلال سے مسلسل) کرو اور اس کی بدولت شیطانوں کو پھونک کر ان کا صفایا کر ڈالو (اور اپنی) نرگس کی سی (خوبصورت) آنکھ کو اس (مردار خوار) گدھ (یعنی شیطان) کی طرف سے بند کر لو۔

(یا یوں کہو کہ) اس (مردار خوار) گدھ کی طرف سے (اپنی) آنکھ کو (اس طرح) بند کر لو جس طرح (چشم) نرگس (بظاہر کھلی ہے۔ مگر دیکھتی نہیں)

مطلب:۔ شیطانوں کا صفایا کر دینے سے مدعا یہ ہے کہ دل پر ان کا قبضہ نہ رہے اور ذکرِ حق کا یہ خاصہ ہے۔ اس کی برکت سے انسان کے دل پر شیطان قابو نہیں پاتا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا۔ الشیطان جاثم علی قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ خنس و اذا غفل وسوس یعنی شیطان فرزندِ آدم کے دل پر پاؤں جمائے بیٹھا ہے۔ پس جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب (ذکر سے) غافل ہو جاتا ہے تو پھر وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ) مولانا فرماتے ہیں کہ بطور مجاہدہ ہمیشہ اور بلا تراخی ذکر میں لگے رہو تاکہ نہ تم پر غفلت طاری ہو نہ شیطان کو کبھی وسوسہ ڈالنے کا موقع ملے۔ کیونکہ جب دل پر یادِ حق کا غلبہ ہو گیا تو پھر اس میں شیطان وغیرہ کسی دوسرے غیرِ حق کا کیا کام۔ جامیؒ ؎

دارم دلے کہ باہر اندیشہ کہ داشت جز یارِ تو برصفحۂ خاطر نگذشت
یادِ تو چناں فرو گرفتش کہ درو گنجائی ہیچ چیز دیگر نہ نداشت

صبحِ صادق را زِ کاذب وا شناس رنگِ مے را باز داں از رنگِ کاس

ترجمہ:۔ صبحِ صادق کو (صبح) کاذب سے الگ شناخت کرو شراب کے رنگ کو پیالے کے رنگ سے جدا تمیز کرو۔

مطلب:۔ صبح کاذب آسمان کے مشرقی کنارے کی وہ پہلی سفیدی ہوتی ہے جس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ فی الواقع طلوعِ فجر نہیں ہوتی اور اس سے طلوعِ فجر کا دھوکا ہوتا ہے۔ اس لیے صبح کاذب کہلاتی ہے۔ صبح صادق دوسری چوڑی روشنی ہے جس سے فجر طلوع ہوتی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ صادق و کاذب، حق و باطل، خیر و شر اور مفید و مضر میں امتیاز کرنا سیکھو۔ شراب کا رنگ عموماً سرخ یا گلابی ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی سرخ رنگ کے پیالے میں صاف و خالص پانی بھر دیا جائے تو وہ بھی بظاہر سرخ نظر آتا ہے اور اس کے ہمرنگِ شراب ہونے کا دھوکا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تم خوب سمجھ لو کہ یہ پیالے کا رنگ ہے یا اس کے اندر کی سیال چیز کا رنگ ہے۔ مطلب یہ کہ اصل و غیر اصل چیز میں تمیز کرنا سیکھو۔ مگر بے تمیز آدمی کے سامنے روزِ روشن اور شبِ سیاہ راہِ راست اور قعرِ چاہ یکساں ہے۔ سعدیؒ ؎

بر آناں کہ شد سرِّ حق آشکار نکر و ند باطل برو اختیار
و لیکن چو ظلمت نداند ز نور چہ دیدارِ دیوش چہ رخسارِ حور
تو خود را ازاں درچہ انداختی کہ چہ را زرہ باز نشناختی

تابود کز دیدگانِ ہفت رنگ دیدۂ پیدا کند صبر و درنگ

لغات:۔ بود بمعنی شاید، امید ہے، ممکن ہے۔ دیدگان جمع دیدہ، آنکھ چشم۔ ہفت رنگ مرکب غیر امتزاجی، سات رنگ۔

ذکرِ حق سے شیطان دور بھاگتے ہیں

آنکھوں کی بینائی

والی۔ سات رنگ سے آنکھ کے سات پردے مراد ہیں۔ جن کے تہ برتہ اجتماع سے آنکھ کا ڈھیلا بنا ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) ملتحمہ (۲) قرنیہ (۳) عنبیہ (۴) عنکبوتیہ (۵) شبکیہ (۶) مشیمیہ (۷) صلبیہ۔ ملتحمہ سب سے اوپر کا پردہ ہے۔ جب آنکھ آتی ہے تو یہی پردہ سرخ ہوتا ہے۔ قرنیہ ملتحمہ کے نیچے ایک سفید صاف اور شفاف اور گول پردہ ہے جو آنکھ کے ڈھیلے پر احاطہ کرنے والے ایک اور پردے میں بطور پیونداس طرح لگا ہوا ہے جس طرح گھڑی میں گول شیشہ لگا ہوتا ہے۔ عنبیہ بھی ایک گول پردہ ہے جو سیاہ یا بعض لوگوں کی آنکھوں میں زرد یا نیلگوں ہوتا ہے۔ اوراس کے درمیانی سوراخ سے پتلی نظر آتی ہے۔ عنکبوتیہ ایک مکڑی کے جالے کا سا ہلکا اور مہین پردہ ہے۔ شبکیہ ایک نازک نورانی عصبی پردہ ہے جس میں ایک رطوبت کی تھیلی رکھی رہتی ہے۔ یہ پردہ منبع بصارت ہے اور یہ دراصل اس دماغی پٹھے کا پھیلاؤ ہے جو دماغ سے آنکھ کے ڈھیلے میں آتا ہے اور وہی نور بصارت ہے۔ مشیمیہ ایک ارغوانی یا سیاہی مائل پردہ ہے جس کے کنارے طبقہ عنبیہ سے متصل ہیں۔ صلبیہ وہ سفید چینی کی پیالی کا سا پردہ ہے جس سے آنکھ سفید نظر آتی ہے۔ ہماری کتاب کلید مطب میں آنکھ کی تشریح ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ درج ہے۔

ترجمہ:۔ تاکہ شاید تمہارا (مجاہدہ) پر صبر (واستقلال) اور دیر (تک اعمال واشغال میں لگے رہنا) ان سات پردوں والی آنکھوں کے علاوہ ایک قلبی آنکھ پیدا کردے (جس سے تم نفع وضرر میں تمیز کرنے لگو) حافظؒ ۔

دلا ز نورِ ریاضت گر آگہی یابی چو شمع خندہ زناں ترکِ سر توانی گفت

رنگہا بینی بجز ایں رنگہا گوہر آں بینی بجائے سنگہا

ترجمہ:۔ (پھر) تم ان دنیاوی رنگوں کے علاوہ (اور غیبی) رنگ دیکھو گے۔ پتھروں کے بجائے موتی دیکھو گے۔

مطلب:۔ ریاضت ومجاہدہ کی بدولت وہ نورِ بصیرت حاصل ہو جائے گا کہ ہر وقت حقیقت پر نظر رہے گی۔ اس کے سوا باقی تمام اشیا کی ہستی تمہاری نگاہ میں کالعدم ہو جائے گی۔ صائبؒ ۔

سینہ برسنگ زناں محرم ایں درگاہند در توفیق بہر خام کجا بکشایند

گوہرے چہ بلکہ دریائے شوی آفتابِ چرخ پیمائے شوی

ترجمہ:۔ ایک موتی (کا دیکھنا) کیا (بڑی بات) ہے بلکہ تم (خود موتیوں کا) دریا بن جاؤ گے۔ (اور منازل سلوک کو یوں طے کرو گے گویا تم) آسمان کی (ایک سرے سے دوسرے سرے تک) سیر کر جانے والا آفتاب بن گئے ہو۔

مطلب:۔ منازلِ سلوک کے طے کرنے اور مراتبِ کمال پر فائز ہونے کی بہترین تدبیر ریاضت ہے۔ حافظؒ ۔

گویند سنگ لعل شود در مقامِ صبر آرے شود و لیک بخونِ جگر شود

کارکن در کارگہ باشد نہاں تو برو در کارگہ بینش عیاں

لغات:۔ کارکن کام کرنے والا اسم فاعل ترکیبی۔ بینش صیغۂ امر کے ساتھ ضمیرِ مفعول شامل ہے۔

ترجمہ:۔ کام کرنے والا (یعنی حق تعالیٰ) کارخانہ (مصنوعاتِ عالم) میں پوشیدہ ہے۔ تم (اس) کارخانہ میں جاؤ (اور) اس کا بخوبی مشاہدہ کرلو۔

مطلب:۔ منازلِ سلوک اس لیے طے کی جاتی ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہو۔ فرماتے ہیں کہ اس ذات پاک کا مشاہدہ اس کی مصنوعات میں ہو سکتا ہے بشرطیکہ مشاہدہ کے قابل آنکھ ہو۔

چوں آفتاب بہر ذرہ ے نمائی رخ　　ولیک چشم عراقی نے کند ادراک

کار چوں برکار کن پردہ تنید　　خارجِ آں کار نتوانیش دید

ترجمہ:۔ چونکہ (صنعِ) باری تعالیٰ نے صانع (حقیقی تعالیٰ شانہ) پر پردہ تن رکھا ہے لہٰذا تم ان مصنوعات سے باہر اس کو نہیں دیکھ سکتے۔

مطلب:۔ دنیا میں باری تعالیٰ کو بلا حجاب عیاناً دیکھنا محال ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ. پس یہاں اس کا مشاہدہ ذوقاً و وجداناً اس کی مصنوعات کے حجاب میں ہی ہو سکتا ہے جو اس کے جمالِ بے مثال پر بمنزلہ پردہ چھائی ہوئی ہیں۔ جس شخص کو چشمِ قلب حاصل ہے وہ اسی پردہ میں دولتِ شہود سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ صائبؒ ؎

در ہیچ پردہ نیست نبا شد نوائے تو　　عالم پُرست از تو وخالی ست جائے تو

کارگہ چوں جائے باشِ عالم ست　　آنکہ بیروں جست وازوے غافل ست

لغات:۔ عامل کام کرنے والا، کارکن، کارندہ مراد صانعِ حقیقی بعض نسخوں میں یہ لفظ عاقل بقاف درج ہے۔

ترجمہ:۔ جب کارخانہ اپنے کارکن کے ٹھکانے کی جگہ ہے (تو اس کارکن کے متلاشی کو کارخانے ہی میں آنا چاہیئے) جو شخص (اس کارخانہ سے) باہر چلا گیا۔ وہ اس (کارکن) سے غافل ہے۔

مطلب:۔ مصنوعات پر غور وفکر کرنے سے صانع تعالیٰ شانہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ منکرانِ حق کو مصنوعات پر توجہ دلا کر حق تعالیٰ کے آثارِ قدرت سے اس کو پہچاننے کی ہدایت کی گئی ہے۔ صائبؒ ؎

دل گواہ ست کہ در پردہ دل آرائے ہست　　ہستیِ قطرہ دلیل ست کہ دریائے ہست

پس درا درکار گہ یعنے عدم　　تابہ بینی صنع و صانع را بہم

ترجمہ:۔ پس (اس کارخانہ میں آؤ (اور مصنوعات) یعنی (ان موجودات پر غور کرو جو اپنے امکان کے لحاظ سے) عدم (کے درجے) میں (ہیں) تاکہ تم کو صنع اور صانع (یعنی قدرت کے کام اور ان کا کرنے والا) اکٹھے نظر آ جائیں۔

مطلب:۔ مشاہدۂ جمالِ حقیقی کی یہی صورت ہے کہ کارخانۂ عالم کو فقر وفنا کا کارخانہ بنا دو اور اس میں سب کچھ لٹا دو۔ جامیؒ ؎

کوئے فنا و فقر عجب کارخانہ ایست　　خوش آنکہ ہر چہ داشت دریں کارخانہ باخت

یعنی اپنی اس ہستی میں اور اسی کائنات کے اندر ہوتے ہوئے اپنی اور دیگر تمام اشیاء عالم کو اپنی نظر میں نابود کر کے باہمہ و بے ہمہ کے رنگ میں آ جاؤ پھر تم کو وہی نظر آئے گا جو فنا فی اللہ کا مرتبہ ہے۔ امیر خسروؒ ؎

ہستیِ من رفت و خیالش بماند　　ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

کارگہ چوں جائے روشن دیدگیست　　پس برونِ کارگہ پوشیدگیست

لغات:۔ روشن دیدگی صاحبِ بصارت ہونا، روشن دیدہ ہونا۔

ترجمہ:۔ چونکہ یہ کارخانہ (عالم اس طرح) روشن دیدہ ہو (کر مشاہدۂ حق کر) نے کا مقام ہے (کہ تمام کائنات کو فنا و معدوم سمجھا جائے پس اس کارخانہ (منعدم سے باہر (یعنی کائنات کی ہستی کو ملحوظ رکھنے کی صورت میں) پوشیدگی ہے (یعنی مشاہدۂ حق ممکن نہیں)

مطلب:۔ قربِ حق اور دولتِ شہود فنائے ہستی کے مقام میں مل سکتی ہے۔ صائبؒ۔

گرد ہستی اگر از پیشِ نظر برخیزد رہروے نیست دریں راہ کہ در منزل نیست

واضح ہو کہ کارخانۂ منعدم کوئی ظرفِ مکانی نہیں کہ معاذ اللہ ذاتِ حق کو اس میں متمکن قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ محض ایک عنوان تعبیری ہے جو بطورِ تشبیہ و تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح اندرونِ مکان کی چیز مکان کے اندر داخل ہونے سے ہی نظر آ سکتی ہے اسی طرح ذاتِ حق کا مشاہدہ اپنے آپ کو فنا و عدم کے مقام میں پہنچانے سے میسر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ عدم و فنا کوئی خاص مکان یا طرف نہیں۔ فافہم (کذافی کلید)

رُو بہستی داشت فرعونِ عنود لاجرم از کارگاہش کُور بود

لغات:۔ فرعون ایک کافر بادشاہ تھا جو خدائی کا مدعی بھی تھا۔ حضرت موسیٰؑ اسی کے عہد میں مبعوث ہوئے تھے۔ آخر وہ سرکش بادشاہ اسی پیغمبرِ حق کے معارضے میں تباہ و ہلاک ہوا۔ مفتاح العلوم حصہ اوّل میں اس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ عنود سرکش، ستیزہ کار۔

ترجمہ:۔ فرعونِ سرکش بھی ہستی کی طرف متوجہ تھا۔ اس لیے وہ اس (خداوند تعالیٰ) کے کارخانہ (فنا و عدم) سے بالکل اندھا تھا۔

مطلب:۔ کارگاہِ عدم کی طرف متوجہ ہو کر مشاہدۂ حق کرنے کے لیے تو یہ لازم ہے کہ اپنی ممکن ہستی کو بھی اپنی نظر میں معدوم کر لیں۔ مگر بدنصیب فرعون دنیا اور اس کے ساز و سامان کا اس قدر دلدادہ تھا کہ اس نے نہ صرف اپنی ممکن ہستی کو نمایاں و ممتاز بنانے پر اصرار کیا بلکہ واجب الوجود ہستی یعنی خدائے ثانی بننے کا بھی دعوے دار بن بیٹھا استغفر اللہ ربی لا الہ الاھو وحدہ لاشریک اسی لیے معرفتِ حق سے محروم رہا اور ذلت کی موت مرا۔

لاجرم میخواست تبدیلِ قدر تا قضا را باز گرداند زِدَر

ترجمہ:۔ اسی لیے وہ تقدیر (الٰہی) کو بدل ڈالنا چاہتا تھا تا کہ قضائے (الٰہی کو اپنے) دروازے (پر آنے) سے روک دے۔

مطلب:۔ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ ملکِ شام کی طرف سے ایک آگ آئی اور اس کے ایوانِ سلطنت کو خاکِ سیاہ کر گئی۔ اہلِ تعبیر نے بتایا کہ ملکِ شام کی قوم یعنی بنی اسرائیل میں سے جو تیری رعایا ہے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ وہ تجھ کو اور تیری سلطنت کو تباہ کرے گا۔ یہ تعبیر درست تھی اور وہ لڑکا حضرت موسیٰؑ تھے۔ جن کے ہاتھوں فرعون کی شان و شوکت کا ملیامیٹ ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ مگر فرعون کمبخت کو اتنا علم نہیں تھا کہ تقدیرِ الٰہی مٹ نہیں سکتی اور قضائے الٰہی جب آتی ہے تو ٹلتی نہیں۔ اس لیے وہ اس آنے والی آفت کی روک تھام کرنے لگا۔

ہاتفیؒ۔

تقدیر از عرش آید فرود ندارد بلندیِ دیوار سود

خود قضا بر سبلتِ آں حیلہ مند زیرِ لب میکرد ہردم ریش خند

لغات:۔ سبلت مونچھ بر سبلت کسے خندیدن کے معنی کسی کی حقارت کرنا، ذلت کی نظر سے دیکھنا۔ ریشخند استہزا، تمسخر، استحقار، کسی کی ہنسی اڑانا۔

ترجمہ:۔ (مگر) خود قضا ہر دم اس (بے وقوف) حیلہ گر کی مونچھوں پر استحقار زیرِ لب ہنستی تھی۔

مطلب:۔ زیرِ لب ہنسنا ایک موقر و ذی اقتدار ہستی کی شان ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے قہقہہ لگانا ممکووں اور کم رتبہ

لوگوں کا شیوہ ہے۔ زیرِ لب کے معنی قضائے الٰہی کی اعلیٰ شان کی رعایت مقصود ہے۔ ورنہ وہ کوئی شخصِ مجسم نہیں تھا کہ اس کے لیے لب کا اثبات کیا جاتا۔ غرض قضائے الٰہی کے آگے اس کی حیلہ جوئی خام خیالی تھی۔ صائبؒ ؎

با حکم ایزدی چہ بود گیر و دار خلق خاشاک را بآبِ رواں اختیار نیست

صد ہزاراں طفل کُشت او بیگناہ تا بگردد حکم و تقدیرِ الٰہ

ترجمہ:۔ اس نے (بنی اسرائیل کے) لاکھوں بچے بے گناہ قتل کر ڈالے تا کہ خدا کا حکم اور تقدیر ٹل جائے۔

مطلب:۔ فرعون نے اس آنے والی آفت کی روک تھام کے لیے یہ تدبیر کی کہ یہ حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کا جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے۔ جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ لڑکا بھی انہی میں قتل ہو جائے گا جو اس کی سلطنت پر تباہی لانے والا ہے۔

تا کہ موسیٰؑ نبی ناید بروں کرد بر گردن ہزاراں ظلم و خوں

ترجمہ:۔ اس (ظالم نے) اس غرض سے کہ موسیٰؑ (جو اس کی سلطنت کو ملیا میٹ کرنے والے تھے) پیدا نہ ہوں۔ ہزاروں ظلم اور خون اپنی گردن پر لیے (مگر عجائباتِ قدرت دیکھو کہ):۔

ایں ہمہ خوں کرد و موسیٰؑ زادہ شد وز برائے قہرِ او آمادہ شد

ترجمہ:۔ ترجمہ اس نے یہ تمام خون (بھی) کیے اور موسیٰؑ پیدا (بھی) ہو گئے۔ اور اس کی سرکوبی کے لیے آمادہ ہو گئے۔

گر بدیدے کار گاہِ لایزال دست و پایش خشک گشتے زِ احتیال

ترجمہ:۔ اگر وہ (بدنصیب، خداوندِ) لایزال (کی قدرت) کے کارخانہ کو دیکھ لیتا (اور معلوم کر لیتا کہ اس کے زبردست نظام کو بدلنا خالہ جی کا گھر نہیں) تو (اس نظام کے مقابلے میں) حیلہ بازی کرتے۔ اس کے ہاتھ پاؤں خشک ہو جاتے۔ (اب تماشائے قدرت کیا ہوا کہ):۔

اندرونِ خانہ اش موسیٰؑ معاف وز بروں میکُشت طفلاں از گزاف

ترجمہ:۔ (اس کے جانی دشمن یعنی) حضرت موسیٰؑ تو امن و امان کے ساتھ (خود) اس کے محلات میں (پرورش پا رہے تھے) اور باہر وہ بیوقوفی سے (بے گناہ) بچوں کو قتل کر رہا تھا۔

ہمچو صاحب نفس کو تن پروزد بر دگر کس ظنِ حقدے مے برد

ترجمہ:۔ (اس کی مثال وہی تھی) جیسے ایک نفس (کا اتباع کرنے) والا لذاتِ جسمانی میں (پڑ کر) اپنے بدن کی پرورش کر رہا ہو (اور) دوسرے شخص پر دشمنی کا گمان کرتا ہو۔

کیں عدو و آں حسود و دشمن است خود حسود و دشمنِ او آں تن است

ترجمہ:۔ کہ یہ بیری ہے۔ وہ حاسد ہے۔ اور (وہ ایک اور) دشمن ہے۔ (حالانکہ) خود تشبیہ دشمن وہ بدن ہے۔

مطلب:۔ یہاں ایک نفس پرست انسان کو فرعون سے اور اُس کے بدن کو موسیٰ سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح نفس پرست لذاتِ نفسانیہ کی طلب میں اپنے بدن کو کمال ناز و نعم میں پالتا رہتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے حالانکہ بدن مانعِ ترقیاتِ روحانیہ ہونے کے لحاظ سے اس کا سب سے پہلا دشمن ہے۔ اسی طرح فرعون کسی ذاتی غرض یا مصلحت سے موسیٰؑ کو ایک لاوارث بچہ سمجھ کر اپنے محلاتِ شاہی میں پرورش کرنے لگا اور دوسرے بے گناہ بچوں کو اپنا دشمن سمجھ کر قتل کرنے

لگا۔ حالانکہ دشمن خود اس کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا۔ مگر چونکہ اس تمثیل میں موسیٰ کی ذاتِ اقدس کو بدن مانعِ ترقیات سے تشبیہ دینا سوءِ ادب کے شائبہ سے خالی نہیں۔ اس لیے مولانا آگے تمثیل کے پیرایہ کو بدلتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

او چو موسیٰ و تنش فرعونِ او او بہ بیروں مے دود کہ کو عدو

ترکیب:۔ او چو موسیٰ کی ضمیر صاحب نفس کی طرف راجع ہے۔ جس سے روح مراد ہے۔ دوسرے مصرعہ میں او کی ضمیر تن کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ:۔ (نہیں نہیں بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ)

وہ (صاحبِ نفس یعنی روح) گویا موسیٰ ہے اور اس کا بدن اس کے لیے فرعون ہے۔ (مگر) وہ باہر دوڑا پھرتا ہے کہ دشمن کہاں ہے (مل جائے تو اس کو مار ڈالوں۔)

مطلب:۔ جس طرح فرعون موسیٰ کی پرورش کا کفیل تھا اور اس کی آغوش ان کی آرام گاہ تھی۔ اسی طرح بدن روح کا گویا حصارِ زندگی ہے۔ فرعون اپنے دشمن درونِ خانہ سے غافل ہو کر خواہ مخواہ نا کردہ گناہ بچوں کو دشمن سمجھتا ہے اسی طرح بدن اپنے مخالف یعنی روح سے بے خبر خواہ مخواہ بیرونی کیفیات گرمی سردی وغیرہ کو اپنا مخالف سمجھتا ہے اور ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

نفس اندر خانۂ تن ناز نین بر دِگرکس دست میخا ید بکیں

ترجمہ:۔ آدمی کا اصلی دشمن (یعنی) نفس (تو) بدن کے گھر میں ناز و نعمت کے ساتھ (پرورش) پا رہا ہے۔ اور وہ (الٹا) دوسرے لوگوں پر بباعثِ کینہ (اپنا) ہاتھ کاٹتا ہے۔

مطلب:۔ اس شعر کا مطلب اگر شعرِ سابق کے مطابق تسلیم کیا جائے تو نفس سے نفسِ مطمئنہ یا روح مراد ہے۔ جس کو موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اگر نفسِ امارہ مراد ہو اس صورت میں اس شعر کا مطلب جداگانہ ہوگا اور پھر اس سے عام نصیحت مقصود ہے کہ جس طرح فرعون نے اپنے دشمن یعنی موسیٰ کو گھر میں رکھ کر پرورش کیا اسی طرح لوگ اپنے نفس کو ناز و نعمت میں پرورش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ سعدیؒ ۔

بناز و طرب نفس پروردہ گیر چنیں دشمنے راہ قوی کردہ گیر

اور اس تشبیہ میں مطلقاً دشمن کی پرورش کرنا وجہِ شبہ ہے۔ عام اس سے کہ وہ دشمن فی نفسہ اچھا ہے یا برا فافہم۔

ملامت کردنِ مردُمان شخصے را کہ مادر را بہ تہمت بکُشت

لوگوں کا ایک شخص کو ملامت کرنا جس نے (اپنی) ماں کو (زنا کی) تہمت سے مار ڈالا

آں یکے از خشم مادر را بکُشت ہم بزخمِ خنجر و ہم زخمِ مُشت

ترجمہ:۔ اس ایک (شخص) نے غضب ناک ہو کر اپنی ماں کو خنجر کے زخم اور گھونسے کی چوٹ کے ساتھ مار ڈالا۔

آں یکے گفتش کہ از بد گوہری یاد ناوردی تو حقِ مادری

لغات:۔ بد گوہری میں یائے مصدری ہے۔ یا یائے خطاب ہے۔ اس لحاظ سے ترجمہ دو طرح ہوگا۔

ترجمہ:۔ (۱) اس ایک (شخص) نے اس کو کہا (ارے۔ رے!) تو نے بدذاتی سے (اپنی) ماں کے حقِ مادری کو یاد نہ رکھا۔ (جو اس کے ساتھ یہ سلوکِ بد کیا)

(۲) اس ایک (شخص) نے اس کو کہا تو (بڑا) بدذات ہے کہ (اپنی) ماں کے حقِ مادری کو یاد نہ رکھا (اور اس کے ساتھ یہ سلوکِ بد کیا)۔

ہے تو مادر راچرا کُشتی؟ بگو اوچہ کرد آخر بتو؟ اے زِشت خو

ترجمہ:۔ اے ہے! تو نے ماں کو کیوں مار ڈالا؟ اے بدخو! اتنا تو بتا کہ اس (غریب) نے آخر تیرے ساتھ کون سا برا سلوک کیا تھا۔

ہیچ کس کشت ست مادر؟ اے عنود مے نگوئی کوچہ کرد؟ آخر چہ بود؟

ترجمہ:۔ اے سرکش! (کبھی) کسی نے ماں کو بھی قتل کیا ہے؟ تو بتاتا کیوں نہیں کہ اس نے کیا قصور کیا تھا (اور) آخر (معاملہ) کیا تھا؟

گفت کارے کرد کاں عارِ وے است کُشتمش کاں خاک ستارِ وے است

ترجمہ:۔ اس شخص نے جواب دیا (کہ میری ماں نے) وہ جرم کیا تھا جو (پہلے) خود اسی کے لیے باعث شرم تھا (لہٰذا) میں نے اسے مار ڈالا کہ خاک ہی اس کی پردہ پوشی کرے گی۔

مُتہم شد بایکے زاں کُشتمش غرق خوں در خاکِ گور آغشتمش

ترجمہ:۔ ایک شخص کے ساتھ (زنا کرنے کا) اتہام اس پر لگ گیا تھا۔ اس لیے میں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کو آلو خون کر کے مٹی میں ملا دیا۔

گفت آنکس رابکُش اے محتشم گفت پس ہر روز خلقے راکُشم

ترجمہ:۔ (معترض نے کہا بے شک تم نے غیرت کے تقاضے میں ایسا کیا مگر) اے غیرت مند آدمی! (اپنی ماں کے بجائے) اس شخص کو ہی قتل کیا ہوتا (جس نے اس کے ساتھ منہ کالا کیا تھا) وہ بولا تب تو چاہیے کہ

ہر روز (ایک نہ ایک کی جان کا لاگو ہو کر) میں ایک مخلوق (کثیر) کو قتل کر ڈالوں (کیونکہ یہ بدکاری کا سلسلہ بند ہونے والا نہ تھا۔)

کُشتم او رارستم از خونہائے خلق نائے اوبرّم بہ است از نائے خلق

لغات:۔ رستم میں چھوٹ گیا رستن سے۔ نائے گلو، گلا۔ برم میں کاٹ ڈالوں بریدن سے۔

ترجمہ:۔ میں نے اس اکیلی کو مار ڈالا اور مخلوق کی (بے شمار) خونریزیوں سے بچ گیا۔ (میں نے سمجھا کہ) اس اکیلی کا گلا کاٹ ڈالوں (تو یہ بہت سے) لوگوں کے گلے (کاٹنے) سے بہتر ہے۔

نفسِ تست آں مادرِ بد خاصیت کہ فسادِ اوست در ہر ناحیت

ترجمہ:۔ (اس حکایت سے مدعا یہ ہے کہ) وہ بد خصال ماں تمہارا نفس (امارہ) ہے۔ جس کی خرابی ہر طرف (برپا) ہے۔

پس بکش اورا کہ بہرِ آں دُنی ہر دمے قصدِ عزیزے مے کنی

لغات:۔ دنی۔ کمینہ (عزیز پیارا) باعزت، باوقعت۔
صنائع۔ دنی و عزیز کا مقابلہ پر لطف ہے۔
ترجمہ:۔ پس اسی کو مار ڈال کہ اس کمینے (نفس) کے لیے تو ہر وقت کسی نہ کسی باعزت آدمی تک کی جان لینے کا قصد کرتا رہتا ہے۔ (عوام کا تو کیا ذکر) کما قیل ۔

تا تیغ بدست آید بر نفس دو دستی زن تا سنگ بکف یابی برشیشۂ مستی زن

از وے ایں دنیائے خوش برتست تنگ از پئے او باحق و باخلق جنگ

ترجمہ:۔ اسی کے سبب سے یہ خوشگوار دنیا تجھ پر تنگ ہو رہی ہے۔ اسی کی خاطر اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ (تیری) لڑائی (ہے)
مطلب:۔ باوجودیکہ دنیا دنیاداروں کے لیے عیش و آرام کی جگہ ہے لیکن نفسانی حرص و ہوا دنیا کو تم پر ہر وقت تنگ رکھتی ہے اور تم متفکر و پریشان رہتے ہو۔ کیونکہ تم تقاضائے نفس سے طلب مزید کے مرض میں مبتلا ہو۔ صائبؒ ۔

کام حرص است کہ از شہد نگرد د شیریں دست قانع ز نئے خشک شکر مے چنید

خواہشاتِ نفس کو پورا کرنے سے عموماً دین و دیانت کی خلاف ورزی کرنی پڑتی ہے اور یہ خالق و مخلوق دونوں سے برسر پر خاش ہونے کا موجب ہے۔ صائبؒ ۔

نفس را مطلق العنان کردن خصم پروردن ست دلہا را

نفس کشتی باز رستی ز اعتذار کس تُرا دشمن نماند در دیار

ترجمہ:۔ نفس کو مار ڈالو تو پھر تم عذر (تقصیر) کرنے سے چھوٹ جاؤ (کیونکہ) تمہارا ملک بھر میں کوئی دشمن نہ ہوگا۔ (کہ جس کا تم کوئی قصور کرو اور اس پر تمہیں معذرت کرنی پڑے۔)
مطلب:۔ اپنی تقصیر کا اعتراف اور اس کا اعتذار کرنا دل کے لیے ایک تکلیف دہ امر ہے اور اہلِ عقل کا شیوہ یہ ہے کہ وہ ایسے امور کے ارتکاب سے حتی الوسع محترز رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے پھر عذر کرنا پڑے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ
اِیَّاکَ وَکُلُّ اَمْرٍ یَتَعَذَّرُ مِنْہُ۔
یعنی ہر ایسی بات سے بچنا لازم سمجھو۔ جس پر آخر میں عذر کرنا پڑے (جامع صغیر سیوطیؒ) اور ایسی باتوں سے بچنے کی بہترین تدبیر نفس کشی ہے کیونکہ نفس نہ ہوگا تو کوئی دشمن نہ رہے گا اور دشمن نہ رہے گا تو کسی کے خلاف کوئی ایسی بات ہی نہ کرو گے۔ جس پر وہ ناراض ہو اور تم کو اعتذار کی ذلت اٹھانی پڑے گی بلکہ تم معزز رہو گے۔ کما قیل ۔

در شکستِ خویش کوش از عزت افزوں بایدت بر سرِ خوباں دہندش جاچو گل از پا شکست

گر شِکال آرد کسے بر گفتِ ما از برائے انبیاء و اولیا

لغات:۔ شِکال۔ بکسرِ شین گھوڑے کے پاؤں باندھنے کی رسی مگر یہاں اشکال کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں پیچ یا پیچیدہ عقدہ۔ گفت قول۔ بات حاصل مصدر ہے گفتن کا۔

ترجمہ:۔ اگر کوئی شخص ہماری اس بات پر (کہ نفس کشی سے کوئی دشمن نہیں رہتا) انبیاء و اولیا کے متعلق (یہ) اشکال پیش کرے۔ (کہ:۔)

کانبیا را نے کہ نفسِ کشتہ بود پس چراشاں دشمناں بُودد حُسود

ترجمہ:۔ کہ کیا انبیاؑ و اولیا نے نفس کشی نہیں کی تھی؟ پھر (لوگوں میں سے بعض) ان کے دشمن اور حاسد کیوں تھے؟

گوش نہ اے تو طلبگارِ صواب بشنو ایں اشکال و شبہت را جواب

ترجمہ:۔ اے صحیح جواب طلب کرنے والے اب ذرا کان لگا کر اپنے اس اشکال اور شبہ کا جواب سن لے۔

دشمنِ خود بودہ اند آں منکراں زخم برخود میزدند ایشاں چناں

ترجمہ:۔ وہ منکر لوگ (دراصل) اپنے آپ کے دشمن تھے اور اس کفر و انکار سے وہ اپنے آپ پر زخم لگا رہے تھے۔

مطلب:۔ اس شعر اور آیندہ اشعار میں معترض کے مذکورہ اعتراض کا جواب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیا کے دشمن دراصل خود اپنے آپ کے دشمن ہیں۔ انبیا کے نہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دشمن کی دشمنی دو طرح اپنا عمل کرتی ہے ایک تو یہ کہ وہ کسی قسم کا ضرر پہنچاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ کسی منفعت کے حصول میں مانع ہو جاتا ہے۔ پھر اس ضرر اور نفع میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی یا دینی۔ انبیاء علیہم السلام دنیوی منافع سے تو خود ہی دست بردار رہتے ہی۔ کما قیل۔

ایں بسترِ قاقم و سمور و سنجاب در دیدۂ بوریا نشیناں پشم است

پس ان کے دنیوی منافع کے حصول سے کوئی کیونکر مانع ہو۔

دینی منافع یعنی انوارِ باطنی اور مدارجِ عقبیٰ سے ان کا کون مانع ہوسکتا ہے کہ یہ ان کا سب سے زیادہ حق ہے۔ رہا ضرر۔ سو دنیوی مثلاً اتلافِ جان اور تکالیفِ جسم وغیرہ اس کی ان کو پروا نہیں اور نہ اس ضرر کو وہ ضرر سمجھتے ہیں بلکہ خدا کی راہ میں ہر تکلیف ان کے لیے راحت ہے۔ نظامیؒ۔

تا سردارم سر تو دارم جاں پیشکش در تو دارم

اور دینی ضرر ان کو پہنچانا محال ہے کہ وہ خود مملکتِ دین کے تاج دار ہیں۔

دشمن آں باشد کہ قصدِ جاں کند دشمن آں نبود کہ خود جاں مے کند

ترجمہ:۔ دشمن تو وہ ہوتا ہے جو جان لینے کا قصد کرے۔ دشمن وہ نہیں ہوتا جو خود جان کنی میں مبتلا ہو۔

مطلب:۔ یہاں جان سے روحانی زندگی اور علوم و معارف مراد ہیں۔ یعنی جو شخص خود ہی دولتِ ایمان اور انوارِ باطن سے محروم ہو رہا ہے۔ اس کی دشمنی انبیاء کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ ہاں اس کی دشمنی کا اثر تو جب ہوتا کہ انبیا کے علوم و معارف کو سلب اور ان کے مراتب اخروی کو پست کرسکتا۔ وہذا محال۔ کافروں کے لیے جانکنی کا اثبات ظاہر کر رہا ہے کہ اس سے حقیقی جان کنی مراد نہیں کیونکہ حقیقتاً تو وہ چنگے بھلے اور تندرست تھے بلکہ ان کا ادعاءِ ایمانی اور سکرات روحانی مراد ہے اور پھر اس کے مقابلے میں انبیا کی جان سے بھی ان کے باطنی کمالات اور علوم و معارف مراد لینے پڑیں گے۔ کما قیل۔

نیست خفّا شک عَدُوِّ آفتاب او عَدُوِّ خویش آمد در حجاب

لغات:۔ خفاش۔ چمگادڑ۔ اس کے ساتھ کاف تصغیر بغرض تحقیر شامل ہے۔

ترجمہ:۔ ناچیز چمگادڑ آفتاب (عالمتاب) کی دشمن (بننے کی بساط) نہیں (رکھتی) وہ تو اپنے آپ ہی کی دشمن ہے (کہ تاریکی کے) حجاب میں (رہ کر انوارِ شمس سے محروم رہتی ہے)۔

مطلب:۔ انبیاء واولیا کے مخالف ان کے فیوض سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے وہ خود اپنے آپ کے دشمن ہیں۔ کما قیل ۔

باصافِ دل مجادلہ باخویش دشمنی ست آں کس کشد بہ آئینہ خنجر بخود کشد

تابشِ خورشید اوراے کشد رنجِ او خورشید ہرگز کے کشد

ترجمہ:۔ آفتاب کا نور اس کو مارے ڈالتا ہے۔ مگر اس سے آفتاب کو کسی قسم کی اذیت کہاں کھینچنی پڑتی ہے۔

مطلب:۔ کفار کے لیے انبیاء علیہم السلام کے انوار و برکات اسی طرح موجب اذیت ہیں جس طرح شپرک کے لیے نور آفتاب اور کرمِ نجاست کے لیے بوئے گل۔ مگر جس طرح شپرک آفتاب کا اور کرمِ نجاست پھول کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اسی طرح کفار بھی انبیا کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ. کسی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وکما قیل۔ چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آں کو پف کند ریشش بسوزد

دشمن آں باشد کزو آید عذاب مانعِ آید لعل را از آفتاب

ترجمہ: دشمن تو وہ ہوتا ہے کہ جس سے کوئی (اس قسم کا) دکھ پہنچے (کہ وہ حصولِ منافع کا مانع ہو جائے جیسے کہ) لعل کو آفتاب (کا فیض حاصل کرنے) سے روک دے۔

مطلب: اگلے زمانے میں خیال تھا کہ معدن کے اندر بعض خاص قسم کے اجزائے ارضی پر سورج کی روشنی کے منعکس ہونے سے لعل وغیرہ جواہرات بن جاتے ہیں۔ کما قیل ۔

ہست برذرات یکساں پرتوِ خورشیدِ فیض لیک باید جوہرِ قابل کہ گردد لعلِ ناب

یہاں لعل سے انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ گرامی کی طرف اور آفتاب سے حق تعالیٰ وسبحانہ کی طرف اشارہ ہے اور پہلی قسم کے دشمن کا ذکر تھا یعنی جس کی دشمنی کسی کو ضرر پہنچانے کی مقتضی ہوتی ہے اب دوسری قسم کے دشمن کا ذکر ہے جو کسی کو حصولِ منافع سے مانع ہو یعنی انبیا کا دشمن تو وہ ہوسکتا ہے جو ان کو ذاتِ باری تعالیٰ سے استفاضۂ کمالات کرنے سے محروم کر سکے اور یہ ناممکن ہے۔

مانعِ خویشند جملہ کافراں از شعاعِ جوہرِ پیغمبراں

ترجمہ: بلکہ سارے کافر خود اپنے آپ کے لیے (دشمن ہیں جو) پیغمبروں کے جوہر (کمالات) کی چمک سے (استفادہ نور کرنے سے خود ہی) مانع ہیں۔

کے حجابِ چشم آں فردند خلق چشمِ خود راکور و کژ کردند خلق

لغات: فرد یکتا، بے مثال۔ خلق مخلوق لوگ۔ کژ ٹیڑھا، آنکھ کی کجی سے اس کا بھینگا پن مراد ہے۔

ترجمہ: اس یکتائے موجودات (پیغمبر) کی چشمِ مبارک کے آگے مخلوق (کی دشمنی) حجاب کہاں ہوسکتی ہے (کہ ان کو استفادہ

نور کرنے سے مانع ہو بلکہ) لوگوں نے (خود) اپنی آنکھ کو اندھی اور بھینگی بنا رکھا ہے (کہ نورِ رسالت سے استفادہ نہیں کرتی)۔

چوں غلامِ ہندوئے کوکیں کشد　از ستیزہ خواجۂ خود رامے کشد

ترجمہ: جیسے ایک ہندو غلام جو (اپنے) مالک کی خصومت کی وجہ سے (اس سے) انتقام لیتا ہے تو (اس طرح لیتا ہے کہ) خود کشی کر لیتا ہے۔

مطلب: یعنی یہ وہی مثال ہے کہ آقا اور اس کے غلام میں دشمنی ہو اور غلام آقا سے یوں بدلہ لے کہ خودکشی کر لے تا کہ وہ ایک غلام کی خدمت سے محروم ہو جائے اور اس کی قیمت تلف ہو جائے حالانکہ وہ بیوقوف اپنے آقا کو ایک معمولی مالی نقصان پہنچانے کے لیے اپنا جانی نقصان کر لیتا ہے جو پرائے شگون کے لیے اپنی ناک کٹوانے کا مصداق ہے یا جیسے ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک مکھی کسی افیونی کی ناک پر بار بار بیٹھتی تھی جس سے وہ افیونی دق ہو گیا اور جھنجھلا کر بولا۔ اری حرام زادی! دیکھ ابھی تیری نشست کا اڈا ہی اڑا دیتا ہوں اتنا کہا اور چھری سے اپنی ناک کاٹ ڈالی۔ غلام کے لیے ہندو کا لفظ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ عہدِ قدیم میں ایران اور افغانستان کے اکثر فاتحین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر یہاں سے ہندوؤں کو گرفتار کر کے لے جاتے اور غلام بنا لیتے، جس سے فارسی میں ہر غلام کے لیے ہندو کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

سرنگوں مے افتداز بامِ سرا　تازیانے کردہ باشد خواجہ را

ترجمہ: وہ غلام محل کے بالا خانے سے سر کے بل گر جاتا ہے تا کہ مالک کو (اپنی قیمت کے ضائع ہو جانے سے مالی) نقصان پہنچا دے۔

گر شود بیمار دشمن با طبیب　ورکند کودک عداوت با ادیب

ترجمہ: اگر بیمار (اپنے) معالج کا دشمن ہو (کر اس کے طریقِ علاج کے خلاف عمل کرے) اور اگر (علم پڑھنے والا) لڑکا (اپنے) ادب (سکھانے) والے (یعنی استاد) کے ساتھ عداوت اختیار کرے۔ (اور اس کے حکم کے خلاف چلے تو:-)

در حقیقت رہزنِ جانِ خود اند　راہِ عقل و جانِ خود را خود زدند

ترجمہ: وہ (دونوں) درحقیقت خود اپنی جان کے رہزن ہیں اپنی عقل اور جان کی راہ کو خود کاٹتے ہیں۔

مطلب: ان دونوں شعروں میں لف ونشر غیر مرتب ہے یعنی اپنی عقل کی رہزنی طالب علم کرتا ہے کہ ادیب کے خلاف حکم کرنے سے اپنی عقل کو ناقص رکھتا ہے اور اپنی جان کی رہزنی بیمار کرتا ہے، جو طبیب کے خلاف مشورہ چلنے سے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ پہلے مصرعہ میں دونوں کو راہ زنِ جان اس لحاظ سے کہا ہے کہ ایک تو جان کو دولتِ علم و عقل سے محروم رکھتا ہے دوسرا اپنی جان کو حوالۂ موت کر رہا ہے اور رہزن کے دو ہی کام ہوتے ہیں سلب مال و اتلاف جان۔

گازرے گر خشم گیرد ز آفتاب　ماہیئے گر خشم مے گیرد زِ آب

ترجمہ: اگر دھوبی (جس کو کپڑے سکھانے کے لیے دھوپ کی ضرورت ہے) آفتاب سے ناراض ہو (اور چاہے کہ میں اس کی صورت نہ دیکھوں اور) اگر مچھلی (جو پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی) پانی پر خفا ہو جائے (اور اس سے کنارہ کشی کر لے) تو۔

تو بنگر کرا دارد زیاں؟　عاقبت کہ بود سیاہ اختر ازاں؟

ترجمہ: تم ہی خوب غور کرو کہ اس میں کس کا نقصان ہے؟ (اور) اس سے آخر کار کون بدنصیب ثابت ہوگا؟

مطلب: ظاہر ہے کہ آفتاب کا مخالف بننے میں دھوبی کا اور دریا سے ناراض ہونے میں مچھلی کا ہی نقصان ہے۔ اس سے سورج کی تابانی اور دریا کی روانی میں کچھ بھی خلل نہ آئے گا اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف ہو کر خود منکرین نقصان اٹھاتے ہیں ان کے آفتابِ کمال کی ضیاء ریزی اور ان کے دریائے فیض کی موج انگیزی میں اس سے فرق نہیں آتا۔

گر ترا حق آفریدہ زشت رو تو مشو ہم زشت رُو ہم زشت خُو

ترجمہ: اگر تم کو خدا نے بدصورت پیدا کیا ہے تو (تم بداعمالی اختیار کر کے) اپنی بدصورتی پر بدسیرتی کا اضافہ نہ کرو۔

مطلب: اوپر تک مذکورہ بالا اشکال کا جواب تھا اب بتاتے ہیں کہ منکرین کو انبیاء و اولیا سے جو عداوت و بغض ہوتا ہے تو اس کا منشا کیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ حقیقتِ امر سے ناواقف اور جاہلِ محض ہوتے ہیں اور بقول

الناس اعداء لما جهلوا

وہ اپنے جہل کے تقاضے سے حقائق و معارف سے متنفر رہتے ہیں اور ان کا جہل و نادانی ہی کیا کم تھا کہ اس پر اہل اللہ سے پرخاش رکھنے کی ایک اور بدبختی مول لے لیتے ہیں ایک تو پہلے ہی بدصورتی پھر اس پر بدسیرتی بھی جمع کر لی ذات کا کریلا اور پھر چڑھ گیا نیم پر۔ خدا پناہ دے اس سے یہ نصیحت مقصود ہے کہ اگر تم اپنے سابقہ نقص کو رفع نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا ہی کرو کہ اس کو اتنی حد تک رہنے دو۔ ترقی نہ دو۔

گنہ کے راستے پر مت چلو دوزخ کو جاتا ہے اگر ہے واپسی مشکل تو آخر ٹھہر ہی جاؤ

ور بود کفشت مرو در سنگلاخ ور دو شاخ استت مشو تو چار شاخ

لغات: دو شاخ دو سینگ، دو ٹہنیاں، دو ٹکڑے۔ دو شاخہ ایک آلۂ عذاب کا نام بھی ہے جیسے دو پھلوں کی برچھی ہو ان مختلف معنوں کے لحاظ سے شارحین نے مصرعہ دوم کے متعدد طرح کے ترجمے کیے ہیں۔

مصرعۂ اولیٰ کا ترجمہ: (۱) اگر تم جوتا پہنے ہو تو (اس کے بھروسہ پر) سنگلاخ میں نہ چلو (ورنہ وہ ٹوٹ جائے گا)۔

مطلب یہ کہ اپنے موجودہ سرو سامان کے گھمنڈ میں کوئی ایسی آفت مول نہ لو جو اس سامان کو تباہ کر کے تم کو مبتلائے مصیبت کر دے۔ کما قیل۔

لاتشربن نقيع السمّ متكلا علىٰ عقاقير قدجربن فى العمل

یعنی اپنی مجرب دواؤں کے بھروسہ پر کسی زہر کا نچوڑ پی جانے کی جرأت نہ کرو۔

(۲) اگر تمہارے پاس (سفر کے لیے سواری نہیں بلکہ صرف) جوتا ہو تو (پیدل چلنا کیا کم مصیبت ہے لہٰذا) سنگلاخ میں نہ چلو (کہ اس سے مصیبت دو چند ہو جائے گی) کذا فی کلید مثنوی۔

مطلب یہ کہ موجودہ مصیبت کو اتنی ہی رہنے دو زیادہ نہ بڑھاؤ یہ ترجمہ اوپر کے مضمون سے اقرب ہے، مگر لفظاً بعید۔

مصرعہ ثانیہ کا ترجمہ: (۱) اگر تمہارے (جوتے کے پہلے ہی) دو ٹکڑے (ہو چکے) ہیں تو (سنگلاخ میں گرم رفتار ہو کر اس کے) چار ٹکڑے (کر ڈالنے) والے نہ بن جاؤ۔

یہ ترجمہ شرح بحر العلوم میں شیخ اکبر سے منقول ہے اور اس کی رو سے مصرعۂ ثانیہ مصرعہ اولیٰ کا تتمہ ہے۔

(۲) اگر تم کو دو شاخہ (سے عذاب مل رہا ہے) تو (اسی کو بہت سمجھو اور) چار شاخہ (سے عذاب پانے کے مستوجب) نہ ہو

(کذانی کلید مثنوی)۔
مطلب یہ کہ موجودہ معاصی کو اگر ترک نہیں کر سکتے تو انہی کا عذاب بہت ہے ان کو ترقی نہ دو کہ اس سے اور زیادہ عذاب جھیلنا پڑے گا۔
(۴) اگر تم کو دو سینگ (یا دو ٹہنیاں میسر) ہیں تو (خواہ مخواہ چار سینگوں یا چار ٹہنیوں کی حرص کرنے) والے نہ ہو (کذانی مکاشفات)
مطلب یہ کہ موجودہ سامان پر قناعت کرو کثرتِ سامان بھی موجبِ تکلیف ہے اپنی تکالیف میں اضافہ نہ کرو۔
''آنکہ غنی تراند محتاج تراند'' یہ ترجمہ ابیاتِ مابعد سے زیادہ مربوط ہے۔

تو حسودی کز فلاں من کمترم　　　مے فزاید کمتری در اخترم

ترجمہ: تم کو حسد ہے کہ میں فلاں شخص سے (مال و جاہ میں) کم ہوں (اس کا) وہ (مال و جاہ) میرے نصیب کی کمی کا باعث ہے۔

خود حسد نقصان و عیبِ دیگرست　　　بلکہ از جملہ کمی ہا بدترست

ترجمہ: (اور) خود حسد ایک دوسری کمی اور عیب ہے بلکہ وہ ہر قسم کی کمی سے بدتر ہے (تم تو مال و جاہ کی کمی کو ہی روتے ہو)۔
مطلب: ایک حدیث ایاکم وَالْحَسَدَ فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب یعنی حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے (جامع صغیر سیوطی) ظاہر ہے کہ جو خصلتِ بد ایک آدھ نیکی کو نہیں بلکہ تمام نیکیوں کے خرمن کو خاکِ سیاہ کر ڈالے وہ کس قدر کمی اور نقصان کا باعث ہے یہی مطلب ہے ''از جملہ کمی ہا بدتر است'' کا۔ ایک آدھ چیز کے نقصان یا کمی کے رنج کو تو آدمی برداشت کر لیتا ہے یا بھول جاتا ہے مگر حسد کا رنج زائل نہیں ہوتا پس یہ تمام دکھوں سے بڑا دکھ ہے۔ سعدیؒ۔

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجے ست　　　کہ از مشقتِ اوجز بمرگ [illegible]ں رست

آں بلیس ازننگ و عارِ کمتری　　　خویشتن افگند درصد ابتری

لغات: بلیس ابلیس کا مخفف ہے۔
ترکیب: خویشتن مفعول بہ ہے را علامتِ مفعول محذوف ہے۔
ترجمہ: اس (مردود) شیطان نے بھی کمتری ہی کی شرم و عار کی وجہ سے اپنے آپ کو سینکڑوں تباہیوں میں ڈال لیا۔
مطلب: جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر تو اس نے اس حکم کو اپنی کمتری یعنی توہین اور اس کی تعمیل کو اپنے لیے موجبِ ننگ و عار سمجھ کر کہا
اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ.
''میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے'' سے مراد یہ ہے کہ اس کا معلمِ ملکوت کا اعزاز چھن گیا لاکھوں برس کی عبادت سلب ہوگئی اور وہ راندۂ درگاہ ہو گیا لعنت کا طوق اس کے گلے میں پڑ گیا۔ زمین پر آتا ہے تو نیک بندوں کی لاحول کا تازیانہ کھاتا ہے۔ آسمان پر چڑھتا ہے تو فرشتے اس پر شہاب کا بم گراتے ہیں دنیا میں لعنت و

نفریں اس کا حصہ ہے اور آخرت میں وہ عذابِ دوزخ کا مستوجب ہوگا۔ مولانا اسماعیلؒ ؎

کیا جو کبر تو شیطان کے ہاتھ کیا آیا وہی عزیز ہے عزت جسے خدا نے دی

از حسد میخواست تا بالا رَوَد خود چہ بالا بلکہ خوں پالا رَوَد

لغات: پالا اسم فاعل سماعی از پالودن یا پالیدن

صنائع: بالا اور پالا میں تجنیس لاحق۔

ترجمہ: وہ حسد کے باعث چاہتا تھا کہ میں آدم سے بلند ہو جاؤں بلند تو کہاں (ہوتا) بلکہ (اپنی نامرادی و بدبختی کے زخم سے گھائل ہو کر) خون آلودہ ہو رہا ہے۔

آں ابوجہل از محمدؐ ننگ داشت وز حسد خود را ببالاے فراشت

ترجمہ: (اسی طرح) وہ (کافر) ابوجہل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے عار کرتا تھا اور حسد کی وجہ سے اپنے آپ کو (حضرت سے) اونچا رکھنا چاہتا تھا، (مگر):-

بُو الحَکم نامش بُدو بُوجہل شُد اے بسا اہل از حسد نااہل شد

لغات. بُو الحکم منصف کا باپ، پنچ کا باپ۔ عمر ابن ہشام کی کنیت ہے جو ایک دشمنِ اسلام اور عدوئے پیغمبر تھا اور اسی بدطینتی کے باعث اس کی کنیت ابوجہل سے بدل گئی اور اسی نام سے وہ مشہور ہے مفتاح العلوم حصہ اول میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

ترجمہ: اس کا نام (یا تو) ابو الحکم تھا اور (یا اس حسد کی وجہ سے) ابوجہل بن گیا اے (مخاطب!) بہتیرے لائق لوگ محض حسد کی وجہ سے نالائق بن گئے ہیں۔

من ندیدم در جہانِ جستجو ہیچ اہلیت بہ از خُوئے نِکو

ترجمہ: میں نے دنیائے جستجو میں کوئی لیاقت اچھے اخلاق سے بہتر نہیں دیکھی۔

مطلب: یہ مضمون ان احادیث سے ماخوذ ہے عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً یعنی تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں (مشکوٰۃ) ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے اچھی بات کون سی بات ہے جو کسی انسان کو عطا ہوئی ہے آپؐ نے فرمایا ان اثقل شیءٍ یوضع فی میزان المؤمن یوم القیٰمۃ خلق حسن الخ یعنی قیامت کے دن جو سب سے زیادہ وزن دار چیز مومن کی ترازو میں رکھی جائے گی وہ خوش خلقی ہوگی (مشکوٰۃ) اس قسم کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ غرض حسنِ خلق ایک بہترین فضیلت ہے جو ترکِ رذائل خصوصاً ترکِ حسد سے حاصل ہو سکتی ہے۔ نظامیؒ ؎

حسن خلق کی فضیلت

جہاں دیوست و وقتِ دیو بستن بخوش خوئی تواں از دیو رستن
مکن دوزخ بخود بر خوئے بدرا بہشتِ دیگراں کن خوئے خودرا
چہ دارد خوئے تو مردم سرشتی ہم اینجا وہم آن جا در بہشتی

شیطان نے حسد کیا تو مردود ہو گیا۔ آدم علیہ السلام اپنی خوش خلقی کی بدولت مسجودِ ملائک بن گئے۔ صائبؒ ؎

آدم ز خُلقِ خوش بمقام ملک رسید . خو نے کہ مشکناب شود پاک میشود

انبیارا واسطہ زاں کرد حق تا پدید آید حسدؔ ہا در فلق

لغات: واسطہ ذریعۂ وسیلہ۔ یہاں خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ مراد ہے یعنی نبی رسول ۔فلق بسکون قاف شگافتن اور فلق بفتحِ قاف اس سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سفیدۂ صبح کی تاریکی کے دامن کو شگافتہ کر کے نکل پڑنا یعنی ظہورِ صبح ۔بعض نسخوں میں یہ لفظ قلق بقاف مندرج ہے۔

ترجمہ: انبیاء کو حق تعالیٰ نے اسی لیے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ لوگوں کا باہمی حسد اشگاف ونمایاں ہو جائے (یا حاسدں کا مخفی حسد ان کی بے چینی سے نمایاں ہو جائے)۔

مطلب: یعنی بعثتِ انبیاء میں حق تعالیٰ کی جو خاص حکمتیں مرکوز ہیں ان میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حاسد اور غیر حاسد میں امتیاز ہو جائے۔

یہاں مولاناؒ ایک خاص لطیف مضمون شروع فرماتے ہیں جو گویا ایک اشکال کا جواب ہے اشکال کی تقریر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کو فیض پہنچانا چاہتا ہے تو کیا پیغمبروں کے واسطے کے بغیر نہیں پہنچا سکتا؟ پھر پیغمبروں کی بعثت میں کیا مصلحت تھی؟ خلاصہ جواب یہ کہ پیغمبروں کی بعثت سے حق تعالیٰ کو لوگوں کے حسد کا امتحان لینا مقصود تھا اور حق تعالیٰ کے خود بلاواسطہ افاضہ فرمانے سے یہ امتحان نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ حسد اپنے ہم جنس اور ہم عصر پر ہی ہوتا ہے لوگوں کو خدا پر حسد ہوتا تو کیوں کر؟ نہ وہ ان کا معاصر نہ مجانس اور نہ عموماً اس سے برتر ہونے کا ان میں داعیہ پس یہ امتحان انبیاء کی بعثت سے ہی ظہور میں آ سکتا تھا۔ چنانچہ رسول کی بعثت سے بعض ان کے ہمزمانہ اور ہم قوم اشخاص کے دل میں آتشِ حسد مشتعل ہوگئی کہ ہیں! ہم میں سے ایک معمولی آدمی ہمارا ہادی اور سردار بننے کا حق رکھتا ہے؟ جیسے قوم ثمود نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا۔ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَاج فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ " تم ہم ہی جیسے آدمی ہو اور بس۔ پس اگر سچے ہو تو کوئی معجزہ لا دکھاؤ "۔(سورہ شعراء ع ۸) غرض بعثتِ انبیاء سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ کون حاسد ہے، کون مخلص ہے، کون پاک سرشت ہے، کون بدطینت ہے پھر چونکہ معاصرت بھی اسبابِ حسد میں سے ایک خاص سبب ہے۔ المعاصرة سبب المنافرة یعنی ہم زمانہ ہونا باہمی نفرت کا باعث ہو جاتا ہے اس لیے ممکن تھا کہ ختمِ نبوت کے بعد جب یہ باعثِ حسد منقضی ہو جائے تو حاسد وغیر حاسد کے امتیاز کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے۔ چنانچہ کسی باکمال کی مخالفت یا اس کے کمالات کا انکار یا اس کی شہرت و وجاہت پر حسد اس کے ہم زمانہ لوگوں کو ہی ہوتا ہے، مابعد کی نسلوں کو نہیں ہوتا کیونکہ وہ میدانِ معارضہ میں اس کے حریف نہیں ہوتے کہ اس سے برتر ہونے کا ان کو خیال ہو۔ حتیٰ کہ زمانہ مابعد کے کفار کو بھی گزشتہ پیغمبروں پر حسد نہیں ہوتا پس اس امتحان کے سلسلے کو قائم رکھنے کے لئے حق تعالیٰ نے ولایت کا درجہ رکھا ہے اور ہر زمانہ میں ایک نہ ایک ولی کامل پیدا کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون حق پرست لوگ ہیں جو اس روضۂ ولایت کے گلِ خوش رنگ پر بلبلوں کی طرح شیدا ہوتے ہیں اور کون نجس الطبع حاسد ہیں جو کرمِ نجاست کی طرح اس کی خوشبو سے اذیت محسوس کرتے ہیں آگے بطورِ جملہ معترضہ حسد سے منع کرتے ہیں کہ دیکھنا کہیں حسد کر کے اس امتحانِ الٰہی میں فیل نہ ہو جانا۔

درگزراز فضل درچستی و فن کارِ خدمت دارد و خلقِ حَسَن

ترجمہ: (اپنی عقل وفہم کی) تیزی اور (علوم و) فنون میں (مہارت کی) بڑائی (کا دعویٰ) چھوڑ دو (کیونکہ فخر و دعویٰ فضول ہے) کام کی چیز (توصرف) خدمت [illegible]

زانکہ کس را از خدا عارے نبود حاسدِ حق ہیچ دیارے نبود

ترجمہ: (اور انبیا کی بعثت سے لوگوں کے حسد کا ظہور) اس لیے ہوا کہ کسی کو خدا (کے اتباع) سے عار نہ تھی اور کوئی صاحب خانہ حق تعالیٰ (کے ہادیِ بلا واسطہ ہونے) کا حاسد نہ تھا (پھر حاسد اور غیر حاسد میں امتیاز ہوتا تو کیونکر ہوتا)۔

آں کسے کش مثلِ خود پنداشتے زاں سبب با اوحسد برداشتے

ترکیب: پنداشتے اور برداشتے دونوں یا تو بیائے مجہول صیغہ واحد غائب فعل ماضی تمنائی ہیں یا پنداشتی و برداشتی بیائے معروف صیغہ واحد حاضر فعل ماضی مطلق ہے پہلی صورت میں کش اور او کی ضمیریں خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہیں اور دوسری صورت میں یہ ضمیریں آں کسے اسم موصول کی طرف۔ ترجمہ دونوں تقدیروں پر دو طرح ہو سکتا ہے۔

ترجمہ: (۱) کیونکہ وہی شخص خدا پر حسد کرتا ہے جو اس کو اپنے جیسا سمجھتا (اور) اسی سبب سے وہ اس کے ساتھ حسد (کا جھگڑا) کھڑا کرتا ہے۔

ترجمہ (۲): دیکھو وہی شخص تمہارے حسد کا نشانہ ہوگا جس کو تم اپنے جیسا سمجھتے ہو اور اسی سبب سے تم اس کے ساتھ حسد (کا جھگڑا) کھڑا کرتے ہو۔

نوٹ: پہلا ترجمہ خاص شعر سابق کے مضمون کی کہ ''خدا پر کوئی حسد نہیں کرتا'' دلیل قرار پائے گا اور دوسرا ترجمہ اس عام دعوے کی دلیل بن جائے گا کہ حسد کے لیے مماثلت و جنسیت لازم ہے۔

چوں مقرر شد بزرگیِ رسولِ پس حسد ناید کسے را از قبول

ترجمہ: چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری مسلم ہو چکی ہے لہٰذا اب کسی (منکر و کافر) کو (بھی ان کے ہادی و مرسل) مانے جانے پر حسد نہیں آتا۔

مطلب: ظہورِ حسد کے دو خاص سبب ہیں ایک مماثلت دوسرا معاصرت انبیا کی بعثت میں یہ دونوں سبب موجود تھے لہٰذا حاسدین نمایاں ہوتے رہے مگر سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے سے معاصرت نہ رہی اس لیے موجودہ منکرین کے دل میں اگرچہ میلانِ اتباع نہیں مگر ان سے آثارِ حسد بھی ظاہر نہیں ہوتے جس سے یہ سلسلۂ امتحان ہی منقطع ہوا جاتا تھا پس اس کی تدبیر قدرت نے یہ کی کہ:

پس بہر دورے ولیئے قائم ست تا قیامت آزمائش دائم ست

ترجمہ: پس ہر زمانے میں ایک نہ ایک ولی قائم رہتا ہے (جس کے کمالات اور قبولِ عام بد طینت لوگوں کے لیے باعثِ حسد ہو جاتے ہیں اور اس طرح حاسد و غیر حاسد کا امتحان ہو جاتا ہے اور) قیامت تک یہ سلسلہ امتحان ہمیشہ رہنے والا ہے۔

مطلب: اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر زمانے میں ایک ولی موجود رہتا ہے جو قطب ارشاد کہلاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی جانشین ہوتا ہے پس جس طرح نبی کی اطاعت سے گریز کرنا اور آپ سے بغض و حسد رکھنا باعثِ شقاوت ہے اسی طرح قطب ارشاد کا انکار اور اس پر حسد کرنا بھی باعثِ محرومی و خسران ہے حدیث قدسی ہے۔ مَنْ اذی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھے میں اس کے لیے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ حافظؒ

دردمندانِ غمش زہر ہلاہل دارند قصدِ ایں قوم خطر باشد و ہیں تانکنی

مولانا بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس سے قطب الاقطاب مراد ہے اور یہ وہ ولی ہے جو تمام عوالم پر

فرمانروا ہے اور دوسرے تمام اولیا اس کے تابع ہیں اور بقائے عالم کا سلسلہ اس کی بقا سے قائم ہے۔ شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ افراد دائرۂ قطب سے خارج ہیں اور یہ ولی اپنے زمانے کا سردار ہے اور وہ اپنے زمانے میں صرف ایک ہوتا ہے۔ شیخ اکبر فتوحات کے باب ہفتادم میں ارشاد فرماتے ہیں۔ القطب لایکون الا واحداً وھو الغوث ایضاً وَھُوَ سید الجماعة فی زمانه وَمنھم من یکون ظاھر الحکم ویجوز الخلافة الظاھرة کما جاز الخلافة الباطنة من جھة المقام کابی بکر رضی الله عنه و عمر رضی الله عنه و عثمان رضی الله عنه وعلی رضی الله عنه والحسن رضی الله عنه و مَعاویة ابن یزید وَ عمر بن عبدالعزیز و المتوکل وَ منھم من له الخلافة الباطنة وَلا حکم لھم فی الظاھر لاحمد ابن ھارون السبتی و کابی یزید البسطامی و اکثر الاقطاب لا حکم لَھُمْ فی الظاھر یعنی یہ قطب نہیں ہوتا مگر ایک اپنے زمانے میں اور سارے جہاں کا غوث ہے سارا جہاں اس کا محتاج ہے اور وہ قطب اپنے زمانے کا سردار ہے ان قطبوں میں سے بعض ظاہر الحکم ہوتے ہیں جو خلافت ظاہری کی بھی تنفیذِ احکام کرتے ہیں جس طرح خلافت باطنیہ کی تنفیذِ احکام کرتے ہیں جیسے حضرات خلفاء اربعہ امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ ابن یزید، عمر بن عبدالعزیز، متوکل باللہ عباسی اور بعض اقطاب کو صرف خلافت باطنہ ہے نہ کہ خلافت ظاہرہ جیسے شیخ احمد سبتی فرزند خلیفہ ہارون الرشید اور جیسے حضرت بایزید بسطامیؒ اور اکثر اقطاب ایسے ہیں کہ ان کو حکومت و سلطنتِ ظاہرہ کی عنانِ اختیار نہیں دی گئی اور باب دوصد و ہفتادم میں فرماتے ہیں۔ وَاما القطب فھوعبدالله وَ عبدالجامع وَھُو المبعوث بجمیع الاسماء تحققا و تخلقا وھو مراء ت الحق وھو مجلی النعوت المقدسة ومحل المظاھر الالھیة صاحب الوقت وَعین الزمان وَسر القدرو له علم الدھوز الخ۔ مولانا بحر العلوم اس عبارت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ قطب عبداللہ ہے (جس کا مطلب یہ کہ وہ اسم اللہ کا مظہر ہے پس اس کا باطن باطنِ رسول ہے اور وہ عبدالجامع ہے) یعنی وہ اس اسم الٰہی کا مظہر ہے جو تمام اسماء کا جامع ہے اور وہ جمیع اسماء سے موصوف ہے ازروئے تحقیق و تخلق کے اور آئینۂ حق ہے (یعنی حق اپنے آپ کو تمام اسماء کے ساتھ اس میں دیکھتا ہے) اور حق کی صفاتِ مقدسہ کو روشن کرنے والا ہے اور مظاہرِ الٰہیہ کا محل ہے (یعنی وہ اسماء الٰہیہ اور مظاہر کونیہ کا جامع ہے) وقت اس کے زیرِ فرمان ہے جو کچھ جہاں میں مقدر ہے اسے سب معلوم ہے اور اس کو زمانوں کا علم ہے۔ انتہی

مولانا بحر العلوم پھر فرماتے ہیں قطبِ حقیقی اور غوثِ ازلی روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ قطب جو مذکور ہوئے سب کے سب روحِ موصوف کے خلیفہ ہیں اور اتصالِ فیضِ الٰہی میں اس کے قائم مقام ہیں ان اقطاب میں سے بعض اصحاب کو حکمِ عظیم حاصل ہے اور ان کا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے چنانچہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مقام حاصل ہے اور آپ تمام اولیاء اللہ کے سردار و رئیس ہیں۔

غرض مولانا بحر العلومؒ کا مدعا یہ ہے کہ زمانے میں ایک قطب دنیا میں موجود رہتا ہے جس پر جہان کا قیام موقوف ہے جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو فوراً اس کی جگہ دوسرا قطب مامور ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ تا قیام قیامت چلا جائے گا۔ صاحبِ مکاشفات نے اس شعر کی شرح میں سخت غلطی کی ہے اور وہ اس ولی سے جو شعر میں مذکور ہے امام مہدی آخر الزمان کو مراد سمجھ گئے جو باعتقادِ شیعہ محمد ابن عسکری ہیں اور آج تک زندہ ہیں اور فتوحاتِ مکیہ کی عبارت سے اس کی توثیق و تائید بھی کرنی چاہی ہے۔ مولانا بحر العلوم نے اس قول کی نہایت شد و مد سے تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے۔ یہ مطلب نہ شعرِ مذکور سے نکلتا ہے اور نہ فتوحات سے اس کی تائید ہوتی ہے بلکہ شعرِ مذکور کا مطلب اس کے برعکس ہے اور آگے ایک شعر اس عقیدہ کی صریحاً تردید کرتا ہے اور فتوحات کی عبارت کا مطلب بھی جداگانہ ہے۔

واضح رہے کہ امام مہدی ابن عسکری رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ائمہ اثناء عشر سے بارھویں امام ہیں جو تیرہ (۱۳) رمضان المبارک ۲۵۸ھ میں [illegible] کے عقیدے میں وہ آج تک زندہ ہیں اور ان کو

قطب الاقطاب

قطب، شیخ اکبر اور مولانا بحر العلوم کی رائے

نظم

امام مہدی محمد ابن عسکری

خضر علیہ السلام کی طرح عمرِ جاوید دی گئی ہے مگر اس وقت وہ مخفی و روپوش ہیں۔ قربِ قیامت میں ان کا ظہور ہوگا اور وہی مہدی موعود ہیں جو ظاہر ہو کر دنیا کو ظلم و فساد سے نجات دلائیں گے لیکن اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مذکورہ امام محمد ابن عسکری وہ مہدی موعود نہیں جن کے ظہور کی احادیث میں بشارتیں دی گئی ہیں بلکہ وہ اور ہیں۔ وہ ابن عسکری ہیں امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں اور یہ ابن عبداللہ ہوں گے۔ بلکہ ۲۶۲ھ میں وفات پا چکے اور امام مہدی اپنے وقت پر پیدا ہوں گے اور مناسب عمر کو پہنچ کر لشکرِ اسلام کی قیادت کریں گے اور ان سے ان کارناموں کا ظہور ہوگا جن کا احادیث میں ذکر ہے فرقۂ شیعہ کے عقیدہ کا ابطال مولانا آیندہ شعر سے اگلے شعر میں کریں گے۔

ہر کرا خوئے نکو باشد برست ہر کسے کو شیشۂ دل باشد شکست

لغات: خوئے نکو اچھی خصلت، صلاحیت و استعداد۔ برست رستن سے چھوٹ گیا، نجات پا گیا۔ شیشۂ دل جس کا دل شیشے کی طرح جلدی ٹوٹ پھوٹ جانے والا ہو، ضعیف القلب، تنگ مزاج فاسد الاستعداد، ناقص الاعتقاد۔

ترجمہ: جس شخص کی خصلت نیک (اور استعداد اچھی) ہوگی وہ (اس امتحان میں) کامیاب ہو گیا اور جو شخص تنگ مزاج (اور فاسد الاستعداد) ہو وہ (اس میں ناکام رہا) اور تباہ ہو گیا۔

پس امامِ حیِّ قائم آں ولی ست خواہ از نسلِ عمرؓ خواہ از علیؓ ست

ترجمہ: پس امام زندہ اور قائم (اگر کوئی ہے تو وہ) وہی ولی ہے خواہ وہ (فاروقی یعنی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہو۔ یا علوی۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد سے ہو۔

مطلب: اس شعر میں فرقہ شیعہ کے عقیدہ کی تردید ہے جو امام محمد بن عسکری کو امامِ قائم اور مہدیِ موعود سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے امامِ ممدوح کو صدیوں کی عمر دی گئی ہے اور وہ قیامت تک زندہ رہیں گے لیکن ابھی ظاہر و نمایاں نہیں ہوئے قربِ قیامت میں ظاہر ہوں گے۔

واضح ہو کہ شریعت غرا جس ہدایت و ارشاد کا سبق دیتی ہے اس کا معلمِ اعلیٰ اور اس ودیعت کا حامل اکبر ایک خاص شخصیت ہوتی ہے جس کے وجودِ باجود پر سارے عالم میں نظامِ تشریعی کا قیام اور دنیا میں اس ودیعتِ الٰہیہ کی سلامتی موقوف ہے اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ اور صوفیہ کی اصطلاح میں وہ ہستی قطب الاقطاب ہے جو سب سے پہلے ذاتِ عالی درجات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھی پھر آپؐ کے چاروں خلفاءِ راشدین اپنے اپنے وقت کے قطب تھے اور ان کے بعد ہر زمانے میں یکے بعد دیگرے قطب قائم ہوتے چلے آئے ہیں اور قیامت تک قائم ہوتے چلے جائیں گے کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ دنیا میں قطب موجود نہ ہو ورنہ دنیا کے نظامِ امن کا قیام و ودیعتِ الٰہیہ کی سلامتی متعذر تھی اہلِ سنت کے عقیدہ میں قطبیت کا یہ منصب جلیل کسی خاص قوم، نسل اور جماعت سے مخصوص نہیں۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ جو شخص تقویٰ و عبادت میں سب سے بڑھ جاتا ہے اللہ کے ہاں وہی زیادہ معزز و ممتاز ہو جاتا ہے خواہ کسی قوم اور کسی جماعت سے ہو۔

مگر فرقہ شیعہ جو مذہبی رنگ میں پولیٹیکل جماعت ہے مذکورہ آیت کے مفہوم کو نظر انداز کر کے نسلی و شعبی تعصب کی بنا پر اور قومی و جماعتی فوق کو نصب العین بنا کر تمام صوری و معنوی کمالات کو اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور اسی مطمحِ نظر سے وہ مذکورہ منصبِ جلیل کو بھی اہلِ بیت ہی سے مختص قرار دیتا ہے چنانچہ اس جماعت کے نزدیک مذکورہ عظیم القدر ہستی جو مرکزِ نظامِ عالم اور حاملِ ودیعتِ الٰہی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانے میں اہلِ بیت

اظہار ہی میں سے قائم ہوتی ہے جو بارہ امام کہلاتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ (۲) امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ (۳) امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ (۴) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (۵) امام محمد باقر رضی اللہ عنہ (۶) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (۷) امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ (۸) امام علی الرضا رضی اللہ عنہ (۹) امام محمد تقی رضی اللہ عنہ (۱۰) امام علی نقی رضی اللہ (۱۱) امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ (۱۲) امام محمد مہدی ابن عسکری رضی اللہ عنہ۔

چونکہ اہلِ سنت والجماعت خصوصاً صوفیہ علیہ کی طرح فرقہ شیعہ کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں کوئی لمحہ مذکورہ عظیم القدر ہستی کی موجودگی کے بغیر نہیں گزرتا جو کاملِ شریعت اور حاملِ ودیعت ہے مگر فرق یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ ہستی ہر قبیلہ اور ہر جماعت سے ہوسکتی ہے اور شیعہ کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ صرف حضرت علیؓ کی نسل سے ہو اور وہ نہ صرف مذکورہ بارہ امام ہیں جو حضرت علیؓ کی اولاد سے ہیں اور عہد بعہد اس منصب پر قائم ہوتے چلے آئے ہیں پس جب بارہویں امام کی نوبت ہجرت کی تیسری صدی میں آئی اور کچھ مدت تک وہ اپنے فرضِ ارشاد، ہدایت کو ادا کرنے کے بعد اس مسند کو خالی کر چکے تو اب شیعی عقیدہ میں اشکال پیش آیا کہ دنیا امام سے خالی ہے لہٰذا ان لوگوں نے یہ دعویٰ کر کے اس اشکال کو رفع کر دیا کہ امام ممدوح نے وفات نہیں پائی بلکہ مصلحتاً روپوش ہو گئے اور بدستور حی و قائم ہیں۔ یعنی زندہ ہیں اور اپنے منصبِ امامت پر مامور ہیں جس طرح حضرت خضرؑ زندۂ جاوید ہو کر امورِ تکوینی میں تصرفات کرتے پھرتے ہیں اسی طرح امام ابنِ عسکری اپنی حیات دوام میں امورِ تشریعی کی زمامِ تصرف کو تھامے ہوئے ہیں اور یہی امام وہ مہدی موعود بھی ہیں جو قربِ قیامت میں نمودار ہوں گے۔

یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فرقہ شیعہ کا یہ انوکھا عقیدہ ان کی نادانستہ اعتقادی غلطی پر مبنی ہے یا یہ ان کا ایک متعصبانہ مکر و فریب ہے کہ جب امام ممدوح کے بعد اہلِ بیت میں کوئی ایسا فرد نظر نہ آیا جو اس مسند پر متمکن ہو کر تیرھواں امام بن سکتا تو بارھویں کو زندہ جاوید قرار دے کر روز روز کے انتخاب کے جھگڑے کو ہی طے کر دیا او یہ حیرت انگیز تکلّف گوارا کر لیا کہ وہ بابرکت زمانہ جو خیر القرون کا مصداق ہے اس میں اور اس کے بعد کے متصلہ زمانے کے محدود عرصے میں تھپے در پے بارہ اماموں کی ضرورت تھی اور اس کے بعد صدیوں کے طولانی زمانے کے لیے جو سراسر شرور و مفاسد سے لبریز ہے صرف ایک امام کو کافلِ مہمات فرض کر لیا اور وہ بھی اس کے مخفی و مستور رہنے کی حالت میں استغفر اللہ اور مقصد اس پُر تکلف عقیدے سے یہ ہے کہ منصب امامت کا بارہ اماموں میں حصر نہ ٹوٹے اور یہ منصبِ عالی علوی خاندان سے باہر نہ جائے۔

احادیثِ صحیحہ سے آخری زمانے میں ایک امام بنام مہدی کے ظہور کا ثبوت ملتا ہے جن کی تیغ خارا شگاف کی چمک سے کفر و شرک کی تاریکی دنیا سے رفع ہو جائے گی اور اکنافِ عالم میں پھر ایک مرتبہ اسلام کا بول بالا اور امن عام ہو جائے گا اس امام کے متعلق ایک صحیح حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یخرج فی اخر الزمان رجل من عترتی یواطی اسمه اسمی وَاسم ابیه اسم ابی یعنی آخری زمانے میں ایک شخص میرے خاندان سے نکلے گا جس کا نام میرے نام پر (یعنی محمد) اور اس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر (یعنی عبداللہ) ہوگا اور مشکوٰۃ میں ایک حدیث مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے امام حسنؓ کو دیکھ کر فرمایا۔ ان ابنی هٰذا سید کماسماه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و سیخرج من صلبه رجل یسمی باسم نبیکم الخ یعنی یہ میرا بیٹا سردار ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خطاب دیا ہے اور کسی زمانے میں اس نسل سے ایک آدمی نکلے گا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا۔

پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ امام مہدی کے والد کا نام عبداللہ ہوگا اور دوسری روایت سے ظاہر ہے کہ وہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے مگر شیعہ لوگ اپنے پولیٹکل اغراض کو مدِنظر رکھ کر اس قسم کی تمام احادیث کی تکذیب کرتے ہیں اور

امام محمد ابن عسکری کو امام مہدی موعود قرار دینے پر زور دیتے ہیں

امام محمد ابن عسکری کو وہی مہدی موعود قرار دیتے جن کی آمد کی احادیث میں بشارت آئی ہے حالانکہ یہ بارھویں امام نہ ابن عبداللہ ہیں نہ امام حسنؓ کی اولاد سے ہیں بلکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ شیعہ لوگ جو امام حی وقائم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ امام محمد بن عسکری کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنے سے باز رہیں بلکہ اس ولی قطب ارشاد یا قطب الاقطاب کو ہی امام حی وقائم سمجھیں اس امام کا غیر محدود زمانے تک زندہ رہنا بھی ضروری نہیں بلکہ ایک کا انتقال ہو تو دوسرا اس کا جانشیں ہو جاتا ہے اور نیز یہ ضروری نہیں۔ یہ امام صرف حضرت علیؓ کی اولاد سے ہو جیسے کہ شیعہ لوگوں کا متعصبانہ خیال ہے بلکہ دیگر اکابر صحابہ حضرت عمرؓ وغیرہ کی اولاد سے ہو سکتے ہیں۔

مہدی و ہادیِ وے ست اے راہ جو   ہم نہاں وہم نشستہ پیش رُو

لغات: مہدی صیغہ اسم مفعول ہدایت یافتہ۔ ہادی ہدایت دینے والا۔

ترجمہ: اے راہِ ہدایت کے طالب! وہی (اپنے وقت کا) کا مہدی ہے اور (وہی) ہدایت دینے والا ہے (وہ اپنے کمالاتِ باطنہ کے لحاظ سے) پوشیدہ بھی (ہے) اور (ظہورِ برکات کے اعتبار سے یوں نمایاں بھی ہے کہ گویا) سامنے بیٹھا بھی ہے۔

مطلب: مہدی سے یہاں لغوی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں یعنی وہ مردِ خدا خود ہدایت یافتہ اور سالکِ مسلکِ سلیم و پابندِ صراطِ مستقیم ہے اگر مہدی بمعنی عرفی کہہ دیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ مطلب ہوگا کہ شیعہ لوگوں نے جو مہدی ابن عسکری کو زندہ فرض کر رکھا ہے یہ غلط ہے انہیں چاہیے کہ اسی ولی قطب کو زندہ مہدی سمجھیں اور وہ جو مہدی کے مخفی و مستور ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں ایسا مہدی یہ ولی ہے جو اپنے کمالات کے خفا کے لحاظ سے مستور ہے مگر اپنے فیوضِ عام کی ظاہر و نمایاں برکات کے لحاظ سے ظاہر بھی ہے غرض یہ شعر بھی فرقہ شیعہ کی تردید میں ہے۔

اوچو نورست و خرد جبریلِؑ او   آں ولیِّ کم ازو قندیلِ او

ترجمہ: وہ ولی (اعظم یعنی قطب الاقطاب) مثلِ نور کے ہے اور عقل اس کے لیے بمنزلہ جبرائیل علیہ السلام ہے (اور) وہ ولی (جو) اس سے کم (رتبہ ہے گویا) اس کی قندیل (ہے)۔

مطلب: جبرائیل علیہ السلام کا کام یہ تھا کہ خداوند تعالیٰ کا پیغام پیغمبر علیہ السلام کے پاس لاتے تھے جس سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے پس جس طرح حق تعالیٰ کا فیضِ ہدایت جبرائیل کے واسطہ سے لوگوں کو پہنچتا ہے اسی طرح اس ولیِ اعظم کا فیض ارشاد لوگوں تک پہنچانے کا کام عقل کرتی ہے کہ لوگ عقل ہی کے ذریعہ اس سے اس کے کمالات کے معتقد ہو جاتے ہیں اور عقل ہی کے مشورہ و تحریک سے اس سے استفادہ کرتے ہیں یہ ولیِ اعظم ایک نور ہے اور جس طرح نور مختلف قندیلوں میں نمایاں ہو کر محل کو جگمگا دیتا ہے اسی طرح اس ولیِ اعظم کا فیضان اس کے توسط سے مخلوق کی ہدایت کا باعث ہوتا ہے۔

مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ نور سے مراد جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے اور مثلِ نور سے حضرت کا قائم مقام۔ یعنی وہ قطب اپنے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اور حقیقتِ محمدیہ کا مظہرِ اتم ہے اور اس کی عقل اپنی صفائی و تیزی کی بدولت بمنزلہ عقلِ کل ہے۔ اور جبرئیل کی طرح افاضہ کرتی ہے۔

پھر قندیل کی شرح میں شیخ اکبر سے نقل فرماتے ہیں کہ اس قطب کے دو امام ہوتے ہیں جو اس کے وزیر ہیں ایک دایاں امام بنام عبدالمالک دوسرا بایاں امام بنام عبد ربہ جب قطب وفات پا جاتا ہے تو دایاں امام قطب بن جاتا ہے اور بایاں امام اس کا دایاں امام ہو جاتا ہے اور بائیں امام کی جگہ کوئی اور مامور ہو جاتا ہے۔ **فکان ابی بکر عبدالمالک و عمر عبد**

ربه فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم الیٰ ان مات صلی الله علیه وسلم فسمی ابوبکر عبدالله وَسمی عبدالمالک وَسمی امام الذی ورث مقام عمر عبدربه وَلایزال الامر علی ذالک الی یوم الیقمة ۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ابوبکرؓ (امامِ ایمن) عبدالمالک تھے اور عمرؓ (امام ایسر) عبدربہ تھے حتیٰ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ (قطب) بن گئے اور ان کا نام عبداللہ ٹھہرا (کیونکہ قطب عبداللہ ہوتا ہے) اور حضرت عمرؓ (امام ایمن بن گئے اس لیے ان کا) کا نام عبدالملک قرار پایا اور جو امام عمرؓ کے مقام پر مامور ہوا وہ عبدربہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے اور یہی شان و روش تا قیامِ قیامت جاری رہے گی (کہ عبدالمالک قطب بن جاتا ہے اور عبدربہ عبدالملک کے عہدے پر سرفراز ہو جاتا ہے اور عبدربہ کے منصب پر کوئی اور قائم ہو جاتا ہے پس مولانا کی ''کم ازو'' سے مراد یہ امام ہیں جو قطب کے وزیر اور اس کے لیے بمنزلہ قندیل ہیں جن پر اس قطب الاقطاب کا نور فائز ہوتا ہے۔ انتہٰی

وانکہ زیں قندیل کم مشکوٰۃِ ماست ‍ ‍ ‍ نور رادر مرتبت ترتیب ہاست

لغات: قندیل فانوس، لالٹین، قمقمہ۔ مشکوٰۃ طاقچہ چراغ۔ مرتبت مرتبہ، درجہ۔

ترجمہ: اور وہ (نور ہدایت سے منور ہونے والا وجود) جو اس قندیل سے کم (رتبہ ہے) وہ ہمارا طاقچہ (وجود) ہے۔ (غرض) مرتبہ کے لحاظ سے نور کے بہت سے مدارج ہیں۔

مطلب: یہ مضمون اس آیت سے ماخوذ ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ط اللہ ہی کے نور سے آسمان اور زمین کی روشنی ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق (اور) طاق میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) چراغ شیشے کی ایک قندیل میں ہے (اور) قندیل (اس قدر شفاف ہے کہ) گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارا ہے (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ جو نہ پورب کے رخ واقع ہے اور نہ پچھم کے رخ۔ اس کا تیل (اس قدر صاف ہے کہ) اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ (آپ سے آپ) جل اٹھے گا (غرض ایک نور نہیں بلکہ نور علی نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (سوہ نور ع ۵)

شعر کا مطلب کماحقہ سمجھنے کے لیے مناسب یہ ہے کہ پہلے آیت کی تفسیر کی جائے اور تفسیر کے لیے پہلے چند اصلاحات کو سمجھ لینا چاہیے۔

۱- لاھوت ذاتِ بحت۔ یعنی ذاتِ حق تعالیٰ بالحاظ اسماء وصفات

۲- جبروت مرتبہ صفاتِ باری تعالیٰ یعنی سمع، بصر، ارادہ، علم وغیرہ

۳- ملکوت مرتبہ اسمائے باری تعالیٰ جس کا ایک حصہ خطیرہ قدس ہے۔

۴- خطیرۂ قدس وہ مقام جس میں ملاءِ اعلیٰ اور روحِ اعظم کے انوار کا تداخل ہوتا ہے ملاءِ اعلیٰ انسانی جماعت کے لیے بمنزلہ دماغ ہے جس طرح ہر شخص کا دماغ اس کے لیے خیر وشر کا مرکز ہے اسی طرح ملاءِ اعلیٰ نوع انسانی کے لیے محرک خیر، مانعِ شر ہے اور روحِ اعظم نوعِ انسان کے لیے بمنزلہ کلی طبعی ہے۔

لاہوت۔ جبروت۔ ملکوت

خطیرۂ قدس اور ملاء الاعلیٰ

۵- ملاءالاعلیٰ- افاضل ملائکہ کی جماعت جو اللہ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں جن کا کام یہ ہے کہ نیک لوگوں کی نیکی پر ان کے لیے دعا کرتے ہیں جو ان لوگوں کے لیے موجب برکات ہوتی ہے، اور برے لوگوں کے گناہ پر لعنت کرتے ہیں، جو ان لوگوں کے لیے باعث حسرت و ندامت ہو جاتی ہے ان ملائکہ کے تاثرات سے ملاءِ سافل کے ملائکہ پر بھی الہامات ہو جاتے ہیں جس سے وہ ان نیک لوگوں کے لیے بہتری کا سامان اور برے لوگوں کے لیے خیبت و خسران کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں ملاءِ سافل وہ ملائکہ ہیں جو عالمِ دنیا کے امورِ تکوینی میں بحکم الٰہی مختلف تصرفات کرتے رہتے ہیں۔

جب ایک شریعت یا قانونِ الٰہی قابلِ نزول ہوتا ہے تو اس کی ابتداء لاہوت (ذات بحت) سے ہوتی ہے اور اس وقت وہ قانون کسی کیفیت سے متکیف نہیں ہوتا پھر وہ مقامِ جبروت میں آتا ہے تو متکیف بکیفیتہٖ ما ہو جاتا ہے وہ قانون عالمِ ملکوت میں پہنچتا ہے جس کا ایک حصہ خطیرۂ قدس ہے اور وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کے حامل ہو جاتے ہیں جو ملاءِ اعلیٰ میں ایک فرد ممتاز ہیں اور وہ اس کو عالمِ انسانی میں پہنچاتے ہیں اور عالم انسانی میں اس کو اس فرد پر نازل کرتے ہیں جس کو تمام افراد انسانی میں سب سے زیادہ ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ یعنی پیغمبرِ وقت۔

اللہ نور السمٰوٰت الخ کی تفسیر

اب مذکورہ بالا آیت کی تفسیر لیجیے (کما افادنا بہ استادنا حضرت شیخ التفسیر مولانا الحاج احمد علی دامت برکاتہٗ)

اللہ کے نور	بمعنی	..	سے	نورِ ہدایت	مراد ہے
مصباح	"	چراغ	سے	عالمِ جبروت	"
زجاجہ	"	مینائی قندیل	..	خطیرۂ قدس	"
مشکوٰۃ	"	طاق	..	نبیِ وقت	"

پس خدا کے نور کا چراغِ مینائی قندیل میں اور قندیل کا طاق میں ہونا یہ مطلب رکھتا ہے کہ نورِ ہدایت شریعت کے رنگ میں عالمِ لاہوت سے عالمِ جبروت میں منتقل ہوتا ہے پھر خطیرۂ قدس سے ہو کر نبیِ وقت کے پاس آتا ہے پھر جس طرح طاق کا چراغ سارے گھر کو روشن کر دیتا ہے اسی طرح نبی کی ہدایات و ارشاد سے تمام عالمِ انسان منور ہو جاتا ہے اہلِ سعادت کے لیے یہ روشنی نور افزائے بصیرت ہو جاتی ہے اور اشقیا کی آنکھیں چندھیا کر اور بھی کور و بے بصر ہو جاتی ہیں۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا کما قیل۔

سیہ بختانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل کہ خضر از آبِ حیوان تشنہ مے آرد سکندر را

پس مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح انوارِ شریعت عالمِ جبروت کے چراغ سے خطیرۂ قدس کی قندیل میں اور پھر اس سے نبی وقت میں جو بمنزلہ طاق ہے آتے ہیں اور اس طاق سے عالمِ انسان میں جو بمنزلۂ مکان ہے، پھیلتے ہیں اِس طرح نورِ ارشاد قطب الاقطاب کی ذاتِ عالی صفات سے جو ایک چراغ منور ہے۔ دوسرے اولیا کی قنادیل میں منتقل ہوتا ہے اور ان قنادیل سے ہم ایسے عام پیروں مرشدوں کو پہنچتا ہے جو گویا طاقچے ہیں اور ہم سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

مولانا روم اور ابدال

مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں کہ مشکوٰۃ صوفیہ کی اصطلاح جیسے شیخ عبدالرحمٰن جامی کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے ولایت کے خاص مقام کو کہتے ہیں اور شعرِ سابق میں وزیرانِ قطب کے مقامِ ولایت کو قندیل سے تعبیر کیا ہے جن پر قطب کے نور کا افاضہ پہلے ہوتا ہے۔ جس طرح شمع کا نور پہلے قندیل پر پڑتا ہے اور اپنے اشکال کے مقامِ ولایت کو مشکوٰۃ سے تشبیہ دی ہے جن پر اس قطب کا نور اس وزیر کے واسطہ سے پہنچتا ہے جس طرح شمع کا نور قندیل کے واسطہ سے چراغ دان کو منور کرتا ہے۔ خلاصہ

مطلب یہ ہے کہ اس قطب کا فیض وزیر کے بعد اور اس کے واسطہ سے جو ہم پر جو کہ بمشابہ مشکوٰۃ ہیں۔ فائض ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے مولانا ابدال میں داخل ہیں اور ابدال اگرچہ ولایتِ کاملہ رکھتے ہیں اور سیر و سلوک میں کامل ہوتے ہیں لیکن دائرۂ قطب میں داخل اور قطب کے زیرِ فرمان ہوتے ہیں اور یہ ابدال کل سات ہیں اور ہفت اقلیم کا قیام انہیں کی ذاتِ بابرکات پر موقوف ہے اور ان میں سے ہر ابدال کو اس اسم کے ساتھ نسبت حاصل ہوتی ہے جس نسبت سے اللہ تعالیٰ اس پر نظر فرماتا ہے اور وہی نسبت اس پر غالب رہتی ہے قطب کو اسمِ جامع کے ساتھ نسبت ہوتی ہے جو کہ اللہ ہے اور ہر اسم اس اسمِ جامع کے ماتحت ہوتا ہے اسی وجہ سے ابدال قطب الاقطاب سے استمداد کرتے ہیں (انتہٰی) اس کے بعد ایک روایت نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا رومؒ نے خود اپنے ابدال ہونے کی تصریح فرمائی تھی۔

شعر کے دوسرے مصرعہ میں جو کہا ہے کہ نور کے بہت سے مراتب ہیں اب فرقِ مراتب کی وجہ بیان فرماتے ہیں:۔

زاں کہ ہفصد پردہ دارد نُورِ حق　　پردہ ہائے نُور داں چندیں طبق

ترجمہ: اس لیے کہ حق تعالیٰ کا نور سات سو پردے رکھتا ہے (پس) تم ان مراتب کو بھی نور کے پردے سمجھو۔

مطلب: ہفصد سے عددِ مخصوص نہیں بلکہ کثرت مراد ہے یعنی حق تعالیٰ کے نور کے بے شمار پردے ہیں اور یہ اولیا کے اختلافِ مدارج کی مثال ہے یعنی جس طرح پہلا پردہ اس قدر روشن ہوتا ہے کہ گویا خود نورِ مجسم ہے اور دوسرا پردہ اس سے کم مگر باقی دوسرے پردوں پر زیادہ روشن ہوتا ہے وعلیٰ ہذا۔ اسی طرح اولیا کے مراتب اوپر نیچے ہیں۔

از پسِ ہر پردہ قومے را مقام　　صف صفند ایں پردہاں شاں تا امام

ترجمہ: ہر پردے کے پیچھے ایک جماعت کا مقام ہے اسی طرح یہ پردے (اور ان کے پیچھے کی جماعتیں) صف بصف امام تک (قائم) ہیں۔

مطلب: نور کے ہر پردے کو ایک ایک جماعت کے لیے متعین کر دیا گیا ہے جو اس سے فیض یاب ہوتی ہے حتیٰ کہ ولیِ اعظم یا قطب الاقطاب کا درجہ ہے جو اپنی اعلیٰ استعداد کی بدولت ان تمام نورانی حجابات کو طے کر جاتا ہے اور آخری حجاب سے مستفید ہونے کی تاب رکھتا ہے۔

اہلِ صفِ آخریں از ضعفِ خویش　　چشم شاں طاقت ندارد نور بیش

ترجمہ: آخری صف والے اپنی کمی استعداد کے باعث (سب سے پیچھے ہیں کیونکہ) ان کی آنکھ (آخری پردہ سے) زیادہ نور (کو برداشت کرنے) کی تاب نہیں رکھتی۔

مطلب: شاہدینِ انوارِ قدس کا یہ فرقِ مدارج ان کے اختلافِ استعداد پر مبنی ہے آخری جماعت کی استعداد سب سے کم ہے اس لیے وہ ہنوز اس سے زائد نور کی تاب نہیں لاسکتا۔

واں صفِ پیش از ضعیفیِ بصر　　تاب نارد روشنائی بیش تر

ترجمہ: اور وہ (سب سے پچھلی صف والوں سے) اگلی صف والے (بھی اپنے اضافی) ضعفِ بصر کے باعث (صرف اتنی روشنی کے متحمل) ہو سکتے ہیں جو پچھلی صف والوں سے کسی قدر زیادہ ہے) اس سے زیادہ نور کی تاب نہیں لا سکتے ہیں۔ (چنانچہ):۔

روشنئ کو حیاتِ اول است رنجِ جان و فتنۂ ایں اَحوَل ست

ترجمہ: وہ نور جو پہلی (صف) کے لیے (مایۂ) حیات ہے اس (پچھلی صف والی) ضعیف البصر (جماعت) کے لیے وبال ہے۔

احولی ہا اندک اندک کم شود چوں ز ہفصد بگذرد اویم شود

لغات: اویم میں وہ ہوں میں اس سے متصل و متواصل ہوں اس سے اتحاد حقیقی مراد نہیں بلکہ اتصالِ معنوی مراد ہے۔ اور ضمیر غائب اور میم ضمیر متکلم کا امتیاز خود ظاہر کر رہا ہے کہ ہر دو متواصلین ذاتاً متغائر ہیں۔ پس اس کلمے کے معنی اتصالِ معنوی کے ہیں جس کو مجازاً اتحاد سے بھی تعبیر کر لیتے ہیں جیسے دو دوستوں کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ وہ تو بالکل ایک ہیں۔

ترجمہ: (پس رفتہ رفتہ ضعفِ بصر گھٹتا جاتا ہے) اور نظر قوی ہوتی جاتی ہے یعنی استعداد بڑھتی جاتی ہے تو وہ مشاہدۂ جمال میں ترقی کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ) جب ان سات سو (یعنی تمام حجابات سے آگے) گزر جاتا ہے تو حق سبحانہٗ سے وہ اتصالِ معنوی ہوتا ہے کہ گویا میں وہی ہوں (کہنے کے قابل) ہو جاتا ہے اور اب وہ عارفِ کامل و اکمل بن جاتا ہے)۔

آتشے کا صلاحِ آہن یاز رست کے صلاحِ آبی و سیب ترست

لغات: اصلاح بمعنی مصلح۔ آبی بہی ایک پھل ہے سیب سے مشابہ جس کے بیجوں کو بہیدانہ کہتے ہیں۔ سیب تر تازہ سیب جو ابھی تر ہو۔

ترجمہ: (دیکھو) جتنی (تیز) آگ لوہے یا سونے کی اصلاح (کرتی) ہے بہی یا ہرے سیب کی کب اصلاح کر سکتی ہے (بلکہ وہ ان کو جلا کر خاکستر کر دے)۔

مطلب: اوپر جو بیان کیا تھا کہ جو روشنی اگلی صف والوں کے لیے مایۂ حیات ہے وہ پچھلی صف والوں کے لیے وبالِ جان ہے اس کی واقعیت کو ایک مثال سے مبرہن فرماتے ہیں یعنی اس کی نظیر محسوسات میں بھی موجود ہے چنانچہ لوہا جتنی تیز آگ سے اصلاح پاتا ہے اس قدر تیز آگ سیب وغیرہ پھل برداشت نہیں کر سکتے بلکہ وہ اس سے اصلاح پانے کے بجائے برباد ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ وہی تفاوتِ استعداد ہے چنانچہ :۔

سیب و آبی خامیئ دارد خفیف نے چو آہن تابشے خواہد لطیف

لغات: خامی کنایہ ہے ضعفِ استعداد سے۔ تابش گرم، تاؤ۔ لطیف نرم و نازک، ہلکا۔

ترکیب: تابشے خواہد کی ضمیر سیب و آبی کی طرف راجع ہے اور حرفِ نفی کا تعلق صرف آہن سے ہے نہ کہ اس جملہ پر حرفِ اضراب مقدر ہے ایک شارح نے تابشے خواہد کا فاعل آہن کو قرار دیا ہے جس سے الٹا مفہوم بن جاتا ہے اور حرفِ نفی کو تابشے خواہد پر وارد کرنے سے بھی مخالف مقصود مطلب نکلتا ہے۔

ترجمہ: سیب اور بہی میں کسی قدر (ضعفِ استعداد کی) خامی ہے (کیونکہ وہ لوہے کی طرح قوی الاستعداد نہیں ہیں کہ شدید گرمی کو برداشت کر سکیں) بلکہ ہلکا تاؤ چاہتے ہیں۔

مطلب: جس طرح لوہے سے مختلف آلات و اوزار بنانے کے لیے اس کو آگ میں رکھ کر گرم و نرم کیا جاتا ہے اسی طرح سیب و بہی کو بھی مربہ بنانے کے لیے آگ پر رکھنے کی ضرورت ہے مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں کے لیے ہلکے ہلکے جوش کافی ہیں

وہ بھی پانی کے ساتھ کیونکہ جب یہ نرم و نازک پھل آغوشِ آب کی پناہ میں ہوتے ہیں تو آگ کی تندی ان کو تباہ نہیں کرنے پاتی لیکن اگر پانی کے بغیر ان کو ان کی اسی بھٹی میں دہکتی ہوئی آگ کے حوالہ کر دیا جائے جو لوہے کو لال کر دیتی ہے تو ظاہر ہے کہ ان غریبوں کا کیا حشر ہو۔ غرض تابشِ انوار کی برداشت حسب استعداد ہو سکتی ہے۔ صائبؔ۔

ہر تخن گوشے و ہر نے ساغرے دارد جدا　　شربتِ سیمرغ نتواں برگلوئے مور ریخت

لیک آہن را لطیف آں شعلہاست　　کو جذوبِ تابشِ آں اژدہاست

لغات: جذوب جاذب سے صیغہ مبالغہ ہے جاذب معنی کھینچنے والا۔

ترجمہ: لیکن (بخلاف سیب و بہی کے) لوہے کے لیے وہ (سخت آتشیں) شعلے بھی لطیف (حرارت کا کام دیتے ہیں) کیونکہ وہ (یعنی لوہا) اس (آگ کے) اژدہے کی گرمی کو خوب جذب کرنے والا ہے۔ حافظؔ

بارغمِ اوعرض بہرکس کہ نمودم　　عاجز شدوایں قرعہ بنامم زسرافتاد

ہست آں آہن فقیرِ سخت کش　　زیرِ تپک و آتش ست و سرخ و خوش

لغات: فقیر محتاج۔ یہاں خدا کا محتاج اور درجہ فقیر پر پہنچا ہوا مراد ہے سخت کش سختی برداشت کرنے والا۔ تپک ہتھوڑا لوہے کو کوٹنے کا اوزار۔

ترجمہ: وہ لوہا فقیر ہے (ریاضت کی) سختی کو برداشت کرنے والا جو (پابندیِ احکام کے) ہتھوڑے کے نیچے اور (مجاہدات کی) آگ کے اندر ہے اور سرخ (رُو) و خوش دِل ہے۔

مطلب: جس طرح لوہا آگ سے لال ہو جاتا ہے عاشق آتشِ مجاہدہ کی سوزش پاکر روحانی مسرت سے لالو لال ہو جاتے ہیں۔ سعدیؔ

اگر عاشقی خواہی آموختن　　بکشتن فرح یابی از سوختن

زعشقِ اوبداغے کے تسلی ے شوم مظہر　　کہ غرقِ سوختن چوں شعلہ ے خواہم سراپارا

فقیر یا فقیری سلوک کا ایک ممتاز درجہ ہے حضرت بایزید بطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ درگاہِ حق تعالیٰ میں سوال کیا ہے۔ بماذا التقرب الیک "الٰہی تیرا قرب کن باتوں سے حاصل ہو سکتا ہے"۔ ارشاد ہوا۔ بالذلۃ والافتقار یعنی ذلت و فقر سے یعنی اپنے آپ کو ہر تجلی کے سامنے ذلیل و خوار رکھنے اور ہر حالت میں حق تعالیٰ کا محتاج سمجھنے سے قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ پس مولانا فرماتے ہیں کہ یہ فقیر نورِ الٰہی کو قبول کرنے میں لوہے کی مانند ہے جس کو نورِ قوی ضرر نہیں پہنچاتا اور ہر حالت میں سرخ رو و خوش دِل ہے۔ (بحر العلوم)

حاجبِ آتش بود بے واسطہ　　دردلِ آتش رود بے رابطہ

لغات: حاجب آڑ، پردہ۔ دِل وسط، میانہ۔ رابطہ واسطہ، ذریعہ۔

ترجمہ: وہ آگ (کی سوزش کا اس قدر خوگر ہوتا ہے کہ اس) پر خود کسی واسطہ کے بغیر چھا جاتا ہے (اور) کسی ذریعہ کے بغیر آگ کے وسط میں جا گھستا ہے۔ صائبؔ

آتشِ گل ہمیشہ بہار ست عشق را　　پروانہ رابسیر گلستان چہ حاجت ست

بے حجابِ آب و فرزندانِ آب　　پختگی ز آتش نیابند و خطاب

ترجمہ: پانی اور پانی کی پیداواریں (اناج، ساگ، ترکاری، پھل وغیرہ توے یا دیگچی وغیرہ کی آڑ کے بغیر آگ سے پختگی نہیں پاتیں اور (نہ روٹی، پلاؤ، دال، سالن۔ وغیرہ کا) لقب (پاسکتی ہیں)۔

مطلب: اوپر فقیر کو لوہے سے تشبیہ دی تھی جو آگ کی بڑی سے بڑی تابش کو برداشت کر لیتا ہے اسی طرح فقیر انوارِ الٰہی کو بلاواسطہ قبول کرسکتا ہے اب دوسرے اولیا کو پانی اور پانی کی پیداواروں سے تشبیہ دیتے ہیں جو توے، کڑاہی اور دیگ وغیرہ کے حجاب سے آگ کی تپش پاکر پک سکتے ہیں۔ ورنہ بلاواسطہ آگ کھانے سے جل جائیں گے۔ اسی طرح یہ اولیا بے واسطہ انوارِ الٰہیہ کو قبول کرنے کی تاب نہیں لاسکتے۔ لہٰذا وہ اس کو کسی واسطہ و ذریعہ سے قبول کرتے ہیں۔

واسطہ دیگے بود یا تابہٗ　　ہمچو پارا در روش پاتابہٗ

لغات: تابہ توا۔ پارا پاے را، پیر کے لیے۔ روش رفتار۔ پاتابہ جوتا، کفش

ترجمہ: (اور وہ) واسطہ (اناج وغیرہ کے لیے) دیگ یا توا ہوتا ہے جیسے پاؤں کے لیے چلنے میں جوتا۔

مطلب: دیگ اور توے کی آڑ سے یہ مقصد ہے کہ ان کے اندر کی چیز کو معتدل حرارت پہنچے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مقصود ہے کہ اعتدال سے زیادہ مضر حرارت نہ پہنچے۔ پس مقصود کی اس دوسری شق میں پاتابہ اس کے ساتھ مشترک ہے۔ پہلی شق میں نہیں کیونکہ جوتے سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ زمین کی سردی گرمی یا سنگلاخ زمین کنکر پتھر کی اذیت پاؤں کو نہ پہنچے نہ کہ پاؤں کو یہ تاثیرات باعتدال پہنچائی جائیں۔

یا مکانے درمیاں تا آں ہوا　　مے شود سوزاں دمے آرد نما

لغات: سوزاں گرم۔ نما بڑھنا پھولنا۔ یہاں پکنا مراد ہے چونکہ ہر پھل کے بڑھنے کے لیے پختگی لازم ہے اس لیے ملزوم بول کر اس کا لازم مراد لیا ہے۔

ترجمہ: یا (اس پھل پھلواری کے اور مرکزِ حرارت کے) درمیان ایک مکان (حائل ہے) حتّٰی کہ وہ ہوا (جو اس مکان میں پھیل رہی ہے) گرم ہوتی ہے اور (اس کی گرمی پھلوں کو) پکا دیتی ہے۔

مطلب: تمام اناج اور پھل آفتاب کی حرارت سے پکتے ہیں مگر بے واسطہ نہیں بلکہ اس فضائے بسیط کے واسطہ سے جو زمین و آسمان کے درمیان ہے جس کی ہوا آفتاب کی حرارت سے گرم ہو جاتی ہے اور اس ہوائے گرم کی آغوش میں یہ فواکہ و اثمار خوش رنگ و طرح دار اور لذیذ و مزیدار بن جاتے ہیں۔

پس فقیر آنست کو بیواسطہ است　　شعلہ ہا را باو جودش رابطہ است

ترجمہ: پس (مذکورہ تمہید کے بعد واضح ہو کہ) فقیر وہ ہے جو بلاواسطہ (واصل) ہوتا ہے (انوارِ الٰہیہ کے) شعلوں کو اس کے وجود سے خاص تعلق ہوتا ہے۔

مطلب: جب طالب ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ اور شیخ کے توسط سے اپنے اندر قبولِ انوار کی پوری استعداد پیدا کر لیتا ہے تو وہ فقر کے درجے پر پہنچ کر ان انوار کو بلاواسطہ قبول کرنے لگتا ہے اور اس کی ذات کے ساتھ ان انوار کی خاص نسبت قائم ہو جاتی ہے۔

پس فقیر آنست کو خود را دہد   آبِ حیوانے کہ ماند تا ابد

ترجمہ: پس فقیر وہ ہے کہ اپنے آپ کو وہ آبِ حیات پلا دے کہ (جس کی بدولت) وہ ہمیشہ زندہ رہے۔

مطلب: یعنی وہ اقتباسِ علوم و معارف اور اقتباسِ تجلیات و انوار خود بخود کسی ظاہری واسطہ کے بغیر کرنے لگتا ہے جس میں کبھی تراخی وفترت نہیں ہوتی۔

چوں غرق شد عراقی یا بدحیات باقی   اسرارِ غیب بیندر عالمِ شہادت

پس دلِ عالم وے است ایرا کہ تن   میر سداز واسطہ ایں دِل بفن

ترجمہ: پس (یہ باکمال فقیر) وہ (ہے کہ جسم) عالم کا دل ہے کیونکہ (جس طرح جسمانی ترقیات کا منبع اور دورانِ خون کا مرکز دِل ہے۔ اسی طرح جسم (عالم) اسی دِل (یعنی فقیر) کے ذریعہ سے (علم و) فن (باطنی) پر فائز ہوتا ہے۔ صائبؒ۔

خیمہ در مصر چو پیراہنِ یوسفؑ زدہ ایم   جلوہ ہا در نظرِ مردُمِ کنعاں داریم

ولہ دار ند بدیوانہ ما چشم غزالاں   بر حلقۂ صاحب نظر انیم جہاں را

ولہٗ میر سد فیض سبک روحاں باطرافِ جہاں   میشود آفاق روشن صبح چوں خنداں شود

دل نباشد تن چہ داند گفتگو   دل نجوید تن چہ داند جستجو

ترجمہ: (دیکھو اگر) دِل کی تحریک نہ ہو تو بدن (زبان کے تکلّم اور دوسرے اعضا کے اشارہ سے) گفتگو (کرنا) کیا جانے (اگر) دِل ہی طالب نہ ہو تو (اکیلا) بدن (نگاہِ تجسس اور پائے سعی سے) طلب و تلاش (کرنا) کیا جانے۔

مطلب: انسان کی زندگی اور زندگی کے تمام آثار، کسبِ کمال وحصولِ تقرب غرض یہ سارے کرشمے دل کے ساتھ ہیں۔ صائبؒ۔

چوں سلیماں قدرِ دل اکنوں نے دانی کہ چیست   آں زماں انگشت میخائی کہ بے خاتم شوی

پس نظر گاہِ شعاع آں آہن ست   پس نظر گاہِ خدا دِل، نے تن است

ترجمہ: پس (جس طرح) شعلہ (آتش) کا مطمحِ نظر وہ لوہا ہوتا ہے جو اس کی شدتِ تابش کو برداشت کر سکے تو (اسی طرح) خداوند تعالیٰ کا مطمحِ نظر (یہ) دِل ہے نہ کہ بدن۔

مطلب: دل سے مراد وہ فقیر یا ولیِ کامل و مقربِ حق ہے جس کی تعریف چلی آتی ہے اور بدن سے مقصود باقی عالم ہے فرماتے ہیں کہ جس طرح آگ لوہے کو اپنی تابش کی برداشت کے لیے مستعد پا کر اس میں اپنی گرما گرم نگاہِ جلال گاڑ دیتی ہے اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کی تابشِ انوار اپنے جلوے کے لیے اس دل کو تاکتی ہے جسم یعنی باقی عالم کا یہ رتبہ نہیں۔ صائبؒ۔

بغیر دل کہ عزیزو نگاہ داشتنی ست   جہاں دہرچہ دردہست واگذاشتنی ست

ولہٗ غرض ز وسعتِ میدانِ لامکاں شان ست   وگرنہ غیر دلِ تنگ جلوہ گاہش نیست

یہاں تک دل اور جسم کی مثال سے ولی اور محجوب کا فرق بیان کرنا مقصود تھا اب اہل اللہ کا آپس کا فرق بتاتے ہیں۔

باز ایں دِل ہائے جزوی چوں تن است۔   بادِلِ صاحب دلے کو معدن ست

لغات: دِل ہائے جزوی قلوبِ عوام مراد اولیے سے تا بعین یا مقابلہ کے لیے ہے۔ صاحب دل دل والا، زندہ دل مراد

بڑے درجے کا ولی، قطب ارشاد، قطب الاقطاب۔ دل صاحب دلے میں اضافت تشبیہی ہے۔

ترجمہ: پھر یہ جزوی دل (یعنی اولیائے تابعین) بھی گویا بدن ہیں بمقابلہ دِل یعنی صاحب دِل (قطب ارشاد) کے جو (انوار و تجلیات کا معدن ہے)۔

پس مثال و شرح خواہد ایں کلام لیک ترسم تا نلغزد فہمِ عام

ترجمہ: یہ بات بہت سے مثالیں اور شرح چاہتی ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ان تفصیلات میں عام لوگوں کے اعتقاد میں لغزش نہ آ جائے۔

مطلب: اگرچہ اولیائے کرام کے مراتب کی توضیح کے لیے ابھی بہت سی تقریر اور مثالوں کی ضرورت ہے مگر زیادہ تفصیلات میں جانے سے اندیشہ ہے کہ عام لوگوں کے عقائد خراب ہو جائیں گے کیونکہ یہ سلسلہ کلام وحدۃ الوجود کے مسئلے پر منتہی ہوگا جو نہایت حیرت افزا و مزلِ اقدام ہے اگرچہ خواص کا عقیدہ اس سے نہیں بگڑتا مگر عوام کی کثرت کے باعث ان کی مصلحت کو ملحوظ رکھنا مقدم ہے لہٰذا اس سے سکوت ہی واجب ہے۔ عراقیؒ۔

ے خواستم از اسرار اظہار کنم حرفے زاغیار بتر سیدم گفتن سخن سربست

تا نگردد نیکوی ما بدی ایں کہ گفتم ہم نبُد جز بے خودی

ترجمہ: تاکہ ہماری نیکی بدی نہ بن جائے یہ بھی جو کچھ میں کہہ گیا ہوں (اس کا سبب) سوائے بے خودی کے اور کچھ نہ تھا۔

مطلب: ہم تو بعض اشکالِ طریقت کے حل کرنے کے لیے یہ تقریر کر رہے تھے مگر مسئلہ ہے نازک اور نقطہ ہے پرخطر۔ لہٰذا خاموشی بہتر ہے کہ مبادا حلِ اشکال کی نیکی فسادِ عقائدِ عامہ کے گناہ پر منجر ہو جائے اور وہی بات ہو کہ ہنسائے کا نام نہیں۔ رلائے کا نام ہو جائے۔ نیکی برباد گناہ لازم اور جتنا کچھ بیان ہو چکا ہے۔ مصلحت اس کی بھی متقاضی نہ تھی۔ مگر جوشِ اظہار نے رہنے نہ دیا اور بے خودی سمندِ بیان کے لیے مہمیز کا کام کرتی چلی گئی۔

پائے کژرا کفش کژ بہتر بود مرگدارا دستگہ بر در بود

ترجمہ: ٹیڑھے پاؤں کے لیے ٹیڑھا جوتا ہی اچھا ہوتا ہے فقیر کی رسائی دروازے تک ہوتی ہے۔

مطلب: جس طرح ٹیڑھے پاؤں میں اسی انداز کا ٹیڑھا جوتا ٹھیک آتا ہے اور سیدھا جوتا موجب تکلیف ہوتا ہے اسی طرح کم فہم لوگوں کے لیے سیدھی سادھی عام فہم باتیں سنانا ہی مناسب ہے۔ گہری اور پر اسرار باتوں سے ان کے گمراہ ہونے کا خوف ہے اور جس طرح بھیک مانگنے والے کا حق صرف اتنا ہے کہ دروازے پر کھڑا ہو کر صدا دے اور جو کچھ مل جائے لے کر چلتا بنے اگر گھر میں جا گھسے اور بااصرار و تکرار کچھ مانگنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس کی کیا کچھ گت بنے گی اسی طرح عوام کو مسائل کے صرف آسان اور نمایاں پہلو دکھانے چاہییں۔ ان کو اسرار کی گہرائی میں لے جانا ان کی اعتقادی تباہی کا باعث ہوگا۔ امیر خسروؒ۔

پیش دو بیناں ندا صورتِ اسرارِ عشق آہ گر ایں آینہ کژ نظرے راد ہند

غرض جس میں جیسی صلاحیت و قابلیت ہو اس کے ساتھ ویسی ہی مکالمت اور ویسا ہی سلوک کرنا مناسب ہے۔ آگے مولانا اس بات کی تائید میں ایک حکایت بیان فرمائیں گے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ کے دو غلام تھے۔ ایک لائق دوسرا نالائق۔ بادشاہ نے دونوں کے ساتھ ان کے حسب حال [illegible] والحمد للہ علی تمام الحصۃ الخامس من مفتاح العلوم شرح الحصۃ الاولیٰ من

شہادتِ شارح: مرزا صاحب موصوف نے روضۂ نبوی میں حاضر ہو کر دعا مانگی تھی کہ مجھے شہادت نصیب ہو چنانچہ آپ تقسیم پنجاب کے فسادات میں سکھوں کے ہاتھوں اپنے وطن میں شہید ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ (ناشر)

مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

کے متعلق

چند اخبارات اور معاونینِ کرام کی رائیں

ایڈیٹر صاحب اخبار وکیل امرتسر: اپریل ۱۹۲۶ء کے اخبار میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا روم کی مثنوی جس کی نسبت عام ارادت وعقیدت کا ثبوت اس مصرع سے ملتا ہے کہ "ہست قرآن در زبانِ پہلوی" مسلمانوں میں نہایت ادب و احترام سے دیکھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے اس کی صدہا شرحیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ شرح جو مندرجہ عنوان سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے اپنے رنگ میں نرالی ہے اس کی خصوصیات یہ ہیں کہ سب سے پہلے لغات کی تشریح کی گئی ہے پھر ہر شعر کی مکمل طور پر توضیح کی گئی ہے اور اس کے لیے جابجا آیات و احادیث اور اشعارِ متقدمین کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ کتابت، طباعت، کاغذ سب کچھ اعلیٰ۔

ایڈیٹر صاحب اخبار زمیندار: ۴ اپریل ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی مسلمانوں کی محبوب ترین کتابوں میں سے ہے اور غوامضِ شریعت اور نکاتِ تصوف کے شوقین اسے جھوم جھام کر پڑھتے ہیں آج تک مثنوی کی بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں ہمارا یقین ہے کہ شرح زیرِ تنقید (مفتاح العلوم) ان شروحوں میں شامل ہے کہ جن سے طالب علم بہرہ وافر حاصل کر سکتا ہے۔ اس شرح کی خصوصیات یہ ہیں کہ مشکل الفاظ کے معانی کے علاوہ ہر شعر کی نحوی ترکیب کی گئی ہے۔ علم معانی، علم بیان اور علمِ بدیع کے جو نکات بعض اشعار میں مضمر ہیں وہ بھی بیان کیے گئے۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت آیات و احادیث اور اشعار اساتذۂ عجم کی مدد سے توضیح کی کوشش کی گئی ہے آغاز میں ایک فہرست مضامین ہے۔ کاغذ، کتابت نفیس۔

ایڈیٹر صاحب اخبارِ مدینہ بجنور: تحریر فرماتے ہیں۔ مفتاح العلوم مثنوی مولانا رومؒ کی مفصل شرح ہے اس کا پہلا حصہ ہمارے زیرِ نظر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب شرح مثنوی معنوی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہو جانا چاہتے ہیں۔ ابتدا میں حضرت مولانا رومؒ کی سوانح عمری دی گئی ہے اور بعد میں شرح کا آغاز کیا گیا ہے۔ اسلوب شرح کا بہت مفصل اور جامع ہے سب سے پہلے شعر درج کر کے اس کے بعض الفاظ کی لغوی تصریحات پیش کی ہیں۔ پھر ترکیب نحوی دی ہے اور صنائع ارشاد فرمائے ہیں پھر ترجمہ اس کے بعد مطلب واضح کیا گیا ہے۔ توضیح مطالب میں صاحب شرح نے قابلِ تحسین بالغ نظری سے کام لیا ہے۔ اتنی بڑی تصنیف کے تفصیلی محاسن و عیوب پر رائے زنی کرنا ہمارے لیے ناممکن ہے لیکن ہم صاحب مفتاح العلوم کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہر شعر کے مطالب واضح کرنے کے لیے انہوں نے حافظ، جامی اور اکبر کے اشعار پیش کیے ہیں اور جابجا احادیث درج فرمائی ہیں۔ باقی شرح کو بھی اس پر قیاس فرما لیجیے۔ موقع و محل کے لحاظ سے جہاں بیان نکات شعر و مسائلِ فقہیہ یا رفعِ شبہات کی ضرورت داعی ہوئی صاحبِ شرح نے بخل سے کام نہیں لیا۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کو جو درجہ ادب و تصوف میں حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ امید ہے کہ یہ جامع و مانع شرح شائقین کی تسکین کا باعث ہوگی۔ ہم اس شرح

کے لیے میرزا محمد نذیر کی عرق ریزی و قابلیت اور محمد حفیظ اللہ قریشی کے اہتمام و محنت کی داد دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ طباعت، کاغذ وغیرہ سب کچھ اعلیٰ۔

ایڈیٹر صاحب رسالہ صوفی منڈی بہاؤالدین: جولائی ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ جس کے متعلق ''ہست قرآن درزبان پہلوی'' کہا جاتا ہے مسلمانوں کی محبوب ترین کتابوں میں سے ہے اور غوامضِ شریعت و نکاتِ تصوف کے شوقین اسے جھوم جھام کر پڑھتے ہیں آج تک اس مثنوی کی بے شمار شروح لکھی گئی ہیں لیکن ہم نہایت وثوق سے یہ خیال ظاہر کرسکتے ہیں کہ مفتاح العلوم موجودہ اور گزشتہ تمام شرحوں سے اپنی مندرجہ ذیل خصوصیات کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ ہے۔اصل مثنوی کے شعر جلی قلم سے بعض بعض اعراب دے کر نہایت صحیح لکھے گئے ہیں۔مشکل الفاظ کی لغات کے علاوہ ہر شعر کی ترکیب نحوی کی گئی ہے۔علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کے جو نکات بعض اشعار میں مضمر ہیں وہ بھی بیان کئے گئے ہیں ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت آیات و احادیث اور اشعارِ اساتذۂ عجم کی مدد سے توضیح کی گئی ہے شروع میں ایک بسوط دیباچہ ہے اور فہرست و احادیث اور اشعا اساتذہ عجم کی مدد سے توضیح کی گئی ہے شروع میں ایک مبسوط دیباچہ اور فہرست مضامین درج کی گئی ہے۔لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ اور عمدہ۔

ایڈیٹر صاحب رسالہ درویش دہلی: یکم اگست ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مثنوی مولانا رومؒ کی اس اردو شرح میں چند خصوصیات ایسی ہیں جو اور شرحوں میں نہیں ہے جناب شارح نے ہر شعر کے نیچے پہلے مشکل الفاظ کے معنی بیان کئے ہیں پھر پیچیدہ الفاظ کی نحوی ترکیب لکھی گئی ہے اور شعر کی صنعتوں کو ظاہر کیا ہے۔ پھر شعر کا لفظی ترجمہ درج کرکے اس کا واضح اور عام فہم مطلب بیان کیا ہے اور مضمونِ شعر کی تمثیل یا تردید میں آیات و احادیث کے علاوہ مشہور شعراء کے فارسی اور اردو اشعار بھی نقل کئے ہیں۔اشعار مثنوی کا مطلب بیان کرنے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ ان کا جو مفہوم الفاظ سے صراحۃً یا کنایۃً ذہن میں آتا ہے اس کو اتنا واضح کر دیا جائے کہ معمولی استعداد والے بھی سمجھ سکیں اور اگر ایک شعر سے کئی مطالب نکلتے ہیں تو دوسرے مطالب کو بھی مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔صوفیانہ معنی آفرینی اور شاعرانہ خیال آرائی سے اجتناب کیا گیا ہے۔مضامینِ مثنوی کو قرآن و حدیث سے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔مسائلِ تصوف کی توضیح نقش بندی مجددی مسلک کے مطابق شرعی احتیاطوں کو مدِ نظر رکھ کر گئی ہے۔ مسائل اخلاق کو فلسفیانہ دلائل و تشریحات کے ساتھ بیان کیا ہے۔عقائد و کلام اور فقہ کے مسائل پر بھی حسبِ ضرورت روشنی ڈالی گئی ہے الغرض مثنوی کی یہ اردو شرح اپنی مخصوص خوبیوں کے لحاظ سے بہت قابلِ قدر اور مفید ہے۔خصوصاً طالب علموں کے لیے جو مثنوی کے مضامین سے واقف ہونا اور صرف قال کے ذریعہ سے حال کو سمجھنا چاہتے ہیں۔نہایت کارآمد ہے ہم چاہتے ہیں کہ خریدی اور پڑھی جائے۔لکھائی، چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی یہ شرح قابلِ قدر ہے۔

جمعیۃ العلماءِ ہند کے مسلمہ آرگن اخبار الجمعیۃ دہلی: ایڈیٹر صاحب ۱۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم مثنوی مولانا رومؒ کی اردو شروح ہے مثنوی شریف کی متعدد شرحیں ہماری نظر سے گزری ہے جن میں اہلِ علم کی دلچسپی کے لئے بہت کچھ سامان ہے مگر ابھی تک کوئی ایسی عام فہم اور سیدھی سادھی شرح ہم نے نہیں دیکھی جس کی عام مطالعہ کرنے والوں کے لیے سفارش کی جاسکے اردو خواں پبلک کو جناب مرزا محمد نذیر صاحب نقشبندی کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اس کمی کو خوبی کے ساتھ [illegible] ف عام مطالعہ کرنے والوں ہی کے لیے آسانی

نہیں پیدا کی بلکہ عام طالب علموں کے لیے بھی زبان فارسی سے واقفیت بہم پہنچانے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ شرح کا انداز یہ ہے کہ ہر بیت کے نیچے سب سے پہلے لغاتِ مشکلہ کو حل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ترکیب نحوی لکھ دی گئی ہے جو طلبا کے لیے مفید ہے جس شعر میں کوئی صنعت ہو اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد سلیس اردو میں ترجمہ لکھا گیا ہے اور آخر میں شعر کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ نکاتِ تصوف کی بھی تشریح کر دی گئی ہے جو مولانا نے مثنوی میں بیان فرمائی ہے۔ فی الجملہ یہ اردو میں مثنوی شریف کی ایک اچھی شرح ہے اور ان اربابِ شوق کے لیے مفید ہے جو مثنوی کے نکات سے بخوبی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

معاونینِ کرام کی رائیں

قبلہ عالم اعلیٰ حضرت مولانا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب

محدث علی پور کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ گو علمِ تصوّف میں بزبانِ فارسی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہوئی ہیں لیکن ان میں سے جس قدر مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی شہرت و مقبولیت ہے وہ آج تک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ علمائے کرام ظاہری اور باطنی تو اپنی اپنی استعداد اور ملکۂ علمی کے اعتبار سے اس دریائے ناپیدا کنار سے متمتع ہو رہے ہیں لیکن عوام کم استعداد اور کم علموں کو اس سے مستفیض ہونے کا آج تک موقع نہیں تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اہلِ علم میں سے کوئی صاحب جو جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہونے کے علاوہ رموزِ تصوف سے واقف اور صوفیائے کرام کا سچا غلام ہو۔ اس کتاب کی اردو زبان میں ایسی طرز سے شرح کرتا کہ جس سے ادنیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ بھی فائدہ حاصل کرتے اور اس کتاب کی برکت سے صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کے علاوہ ان کے دلوں میں بزرگانِ دین کی عزت و عظمت جاگزیں ہوتی۔ الحمد للہ کو اس ضرورت کو آپ نے ایک ایسے فاضل اجل سے جو خاندان نقشبندیہ کے حلقہ بگوش ہونے کے علاوہ رموز تصوف اور نکاتِ معرفت سے بخوبی ماہر ہیں۔ مثنوی مولانا رومؒ کی شرح مرتب کرائی۔ شارح نے مثنوی کی لغاتِ مشکلہ اور ترکیبِ نحوی کو حل فرما کر اس کے اشعار کا سلیس اردو میں ترجمہ کر کے مثنوی شریف کو بالکل آسان کر دیا ہے۔ شعر کا مفصل مطلب شارح موصوف نے جس محنت اور کوشش سے قرآن و حدیث و اقوال آئمہ کے حوالہ جات دے کر بیان کیا ہے، وہ بلاشک و شبہ تحسین کے قابل ہے۔ اب بھی کوئی شخص مولانا روم علیہ الرحمۃ کے قول سے فائدہ نہ اٹھائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بڑا ہی بدقسمت ہوگا۔ فقیر اہلِ اسلام سے عموماً اور یارانِ طریقت سے خصوصاً اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ ضرور بالضرور مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کو خرید کر لطف اٹھائیں اور تصوف کے حقائق و معانی سے واقفت حاصل کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی کاغذ جلد وغیرہ نہایت ہی عمدہ ہے۔ .... بقلم فقیر جماعت علی عفی عنہ از علی پور سیداں۔ ضلع سیالکوٹ

عالی جناب شیخ رکن الدین صاحب سینئر سب جج پنشنر نارووال ضلع سیالکوٹ سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی دکان سے میرا پسر ایک جلد مفتاح العلوم حصہ اول لایا تھا اس کے مطالعہ سے کمال مسرت حاصل ہوئی واقعی حضرت شارح سلمہ نے کمال کر دیا ہے۔ نہایت عمدہ شرح لکھی ہے اور نکاتِ تصوف و زبان دانی کو نہایت خوبی سے واضح کیا ہے آپ نے چھاپنے

میں بھی بہت محنت کی ہے۔ میں اس شرح کی تکمیل کا بہت متمنی ہوں اور چاہتا ہوں کہ حتی الامکان یہ شرح جلدی مکمل ہو جائے۔ براہِ مہربانی میرا نام فہرست خریدان میں درج کر کے جوں جوں یہ شرح چھپتی جائے مجھے بذریعہ وی۔ پی ارسال کرتے رہیں۔

عالی جناب اودھ بہاری پرشاد صاحب: پروفیسر جی۔ بی کالج مظفر پور سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ مرسلہ جناب موصول ہوئی دیکھ کر نہایت جی خوش ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ اشتہار سے کہیں بڑھ کر پایا۔ اللہ جل شانہٗ آپ کی ہمت افزائی فرمائے کہ دیگر فارسی اور عربی کتابیں بھی اسی شان سے نکلیں غرض یہ ہے کہ میرا نام اس شرح کے خریداروں کے شمول میں درج رجسٹر فرمایا جائے اور اس کے دیگر حصے جیسے ہی تیار ہوں میرے نام بذریعہ قیمت طلب پارسل ارسال کر دیے جائیں۔ والسلام۔

عالی جناب سید محمد شوکت علی صاحب منصب علی صاحب: ہاشمی وکیل ہائیکورٹ دیواس مالوہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کا چوتھا حصہ وصول ہوا ہے مطالعہ کر کے طبیعت کو سرور حاصل ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مولانا روم نے مثنوی شریف کو لکھنے میں اپنے تمام معاصرین سے سبقت حاصل کی ہوئی ہے تو مفتاح العلوم کے شارح نے اسی طرح دوسرے تمام مثنوی کے شرح کرنے والوں پر امتیاز حاصل کر لیا ہے جیسی عام فہم، مفصل اور صحیح اور اعلیٰ یہ شرح میرے دیکھنے میں آئی ہے دوسری کوئی آج تک ایسی نظر سے نہیں گزری۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت شارح کی عمر میں برکت دے اور آپ کے کاروبار کو ترقی عنایت فرمائے۔ والسلام۔

عالی جناب پیر ابرار احمد صاحب: واعظ انصاری پیش امام جامع مسجد جے پور تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم دفتر اول کے چاروں حصے یکے بعد دیگرے وصول ہوئے اور کافی سے زیادہ مطالعہ کر چکا ہوں اب میں بخوشی اقبال کرتا ہوں کہ جناب شارح صاحب نے ایسی جامع و مبسوط شرح لکھ کر دنیائے اسلام پر احسان کیا۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت قرآن مجید و حدیث شریف کا حوالہ دے کر ''ہست قرآں در زبانِ پہلوی'' کو ثابت کیا اور بعض پیچیدہ مسائل کو جن کو سمجھنے کی عوام کو لیاقت نہیں ایسی خوبی سے سمجھائے ہیں کہ بے اختیار حضرت شارح کے حق میں اعزک اللّٰہ فی الدارین کما اعززت اخوانی دینا۔ کہنا پڑتا ہے اگرچہ اس سے پہلے بہت سی شرحیں زیر مطالعہ رہ چکی ہیں مگر ''بسیار شرح دیدہ ام لیکن ایں چیزے دیگری'' اگر دوسرے دفتر کا حصہ شائع ہو چکا ہو تو جلد از جلد روانہ کر کے مشکور فرمائیں اور ہر حصہ کے تیار ہونے پر مہربانی فرما کر مجھ کو فوری اطلاع دیا کریں۔ والسلام۔

عالی جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب: جے۔ وی۔ منشی عالم چک نمبر ۲۹ ضلع منٹگمری سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کا وی پی آج موصول ہوا چاروں حصوں کو یکے بعد دیگرے سرسری نظر سے دیکھا کتاب کی جو تعریف آپ نے اشتہار میں لکھی ہے اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور عمدہ ہے۔ عام فہم اور بے حد دلنشیں طریق سے شرح کی گئی ہے۔ براہِ کرم میرا نام شرح کے مستقل خریداروں میں درج فرمالیں۔ والسلام

عالی جناب حضرت مولانا سید حزب اللہ صاحب راشدی: صدر اعظم جمعیت راشدیہ سکھر (سندھ) فرماتے ہیں تین دن ہوئے مثنوی شریف کی شرح موصول ہوئی جب سے ہاتھ سے نہیں چھوٹی میں اس تھوڑے وقت کے اندر کافی دیکھ چکا ہوں اور اب میں خوشی سے اقبال کروں گا کہ شارح کی محنت و کوشش واقعی قابلِ داد ہے اور ہر شعر کے ساتھ احادیث، اقوال و دیگر شعروں سے ایک دلکش اور دل نواز خوبی ٹھہرا کر دی گئی ہے پھر کیوں نہ میں اپنا نام مستقل خریداروں کی فہرست میں درج

کرنے کی التجا کروں اور یہ تو یقینی بات ہے کہ میں ایک ایسی اعلیٰ چیز کی ترغیب اپنے مریدوں اور دوستوں کو ضرور دوں گا۔

عالی جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب: پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور سے تحریر فرماتے ہیں مکرمی جناب شیخ صاحب آپ کا مرسلہ تحفہ (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ دفتر اول حصہ دوسرا) بذریعہ وی پی موصول ہوا محترم مولوی مرزا محمد نذیر صاحب کی عرق ریزی اور محققانہ تحریر اہلِ علم کے لیے واقعی قابلِ قدر اور شکریہ ہے جنہوں نے مثنوی جیسی بلند پایہ کتاب کی تشریح میں مبتدی اور منتہی کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا خدا تعالیٰ ایسے دقائق شناس علمائے کرام کو عمر دراز عطا فرما کر ایسی نادر کتاب کی تکمیل اور انجام کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔ جزا هم الله في الدارين احسن الجزاء۔ ہر حصہ کے تیار ہونے پر مہربانی کر کے مجھے کو فوری اطلاع دیا کریں۔ والسلام

عالی جناب مولانا صاحب داد صاحب: مدیر رسالہ "الہمایوں" سلطان کوٹ۔ شکار پور (سندھ) تحریر فرماتے ہیں مفتاح العلوم کے دونوں حصے مطالعہ سے گزرے۔ مطالعہ کے وقت جو حظِّ وجدانی حاصل ہوا زبانِ قلم اس کے بیان کرنے سے عاجز ہے۔ حق تعالیٰ شارح صاحب کی مساعیِ جمیلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور آپ کو اس کارِ خیر میں کامیابی عطا فرمائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کے مشہور اور متداول شروح بندہ کی نظر سے گزری ہیں مگر بعض علمی خصوصیات اور دلچسپیوں کے لحاظ سے "مفتاح العلوم" بے نظیر ہے۔ مفتاح العلوم سے نہ صرف اربابِ شوق اور اہلِ دِل مستفید اور محظوظ ہو سکتے ہیں بلکہ ایڈیٹر، لیکچرار وغیرہ فارسی اور اردو دان اصحاب بھی بخوبی بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ سلطان کوٹ کے ایک غیر مسلم مخلص مسٹر کنہیا لال نے بالاستیعاب سبقاً مجھ سے یہ شرح پڑھی ہے اور کمالِ شوق سے اس شرح کے باقی حصوں کا مستقل خریدار ہوا ہے۔

عالی جناب محمد عبدالعلیم صاحب: بلگام سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ دفتر اول حصہ تیسرا وصول ہوا جناب عالی مثنوی کی شرح کیا ہے گویا گنجینۂ اسرار کی کلید ہے جس کو مجھ جیسا ایک کم علم آدمی بھی بقدرِ حیثیت و علمیت سمجھ سکتا ہے لغت کی تحقیق اور پھر شرح کی وضاحت اور احادیث اور آیاتِ نص کے حوالے موقع پر دیگر شعراءِ فارسی سعدیؒ، جامیؒ، صائبؒ کے مناسب ابیات گویا سونے پر سہاگہ ہے خوشخطی اور کاغذ کی سفیدی دیدہ زیب ہے جلد بھی ماشاء اللہ نہایت مضبوط اور عمدہ بنائی ہوئی ہے جس پر کتاب کا نام سنہری جلی حروفوں میں لکھا ہوا کتاب کی خوبصورتی کو دوچند کر رہا ہے سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ شرح ایسی اعلیٰ اور مفید اور آسان ہے کہ جس کی وجہ سے کتاب کو ایک دفعہ مطالعہ کرنے سے طبیعت چھوڑنا نہیں چاہتی خداوندِ قدوس اور اس کے حبیب پاک سے یہ دعا ہے کہ آپ کے ہاتھوں سے اس شرح کی تکمیل ہو اور خداوند کریم بطفیل اپنے حبیب پاک کے آپ کو اپنے اس مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین میں یہاں تعلیم یافتہ حضرات کی خدمت میں آپ کی شرح کی بہت تعریف کیا کرتا ہوں اور انہیں کتاب بھی دکھاتا ہوں وہ بوقت ضرورت آپ سے خط و کتابت فرمائیں گے اور میرا نام داخل رجسٹر فرمائیں اور جیسے جیسے جلدیں تیار ہوتی جائیں خاکسار کے نام ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ انشاء اللہ بلا عذر وصول کر لیا کروں گا۔

عالی جناب منشی نذیر حسین صاحب: حنفی چشتی وارثی انبالوی تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پاس حصہ اول مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کا پہنچا مطالعہ کیا واقعی آپ نے ہر پہلو سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے جہاں تک اس خاکسار

کا خیال ہے کوئی تحریر ایسی نہیں جو آپ کو کوئی فردحسن وقبح سے متعلق تحریر کرے اللہ پاک آپ کو اس کے صلہ میں اجرِ عظیم وثواب دارین عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

عالی جناب مولانا محمد حسین خاں صاحب: عزت ترینی شطاری قادری گھاٹ ناندورہ جاگیر سے تحریر فرماتے ہیں کہ میرے نبیرہ عزیز القدر میاں محمد ابرہیم خاں ترینی اہلکار پولیس گھاٹ ناندورہ نے شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب لاہور سے کتاب مستطاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ہر دو حصہ مجلد منگوائی جو زیرِ مطالعہ ہے۔ سبحان اللہ! مولانا و مخدومنا حضرت شارح مدظلہ نے جس جانفشانی و عرقریزی سے نیز شیخ صاحب سلمہٗ نے جس انتظام و اہتمام سے اس کے طباعت و اشاعت میں محنت و دلدہی سے کام لیا ہے وہ لائقِ تحسین و قابلِ داد ہے۔ بعد کلام مجید وفرقانِ حمید کے یہی مثنوی شریف طبقہ اہلِ سنت والجماعت میں بمصداق ''ہست قرآں در زبانِ پہلوی'' نہایت ادب و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اس سے پہلے اکثر شرحیں میری نظر سے گزری ہیں، لیکن۔ ''ہر چند خوباں ویدہ ام لیکن تو چیزے دیگری'' مفتاح العلوم جیسی اسم بامسمیٰ جامع، عام فہم توضیح نکاتِ تصوف وتطبیقِ آیات قرآنی وغیرہ وغیرہ بہمہ صفت موصوف شرح نہ دید ہے۔ نہ شنید۔ لہٰذا التماس ہے کہ عزیزم محمد ابرہیم خاں ترینی اہلکار پولیس کا نام مستقل خریداروں میں درج فرما کر بقیہ حصہ جات بعد طبع ارسال فرماتے رہیے گا۔

عالی جناب عبدالرؤف خاں صاحب: ماسٹر رفعت ناگور سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ وصول ہوئی، شکریہ قبول کیجئے۔ کتاب نہایت اچھی ہے میری نظر کے سامنے اس وقت تینوں حصے موجود ہیں جس کا نہایت ذوق وشوق سے مطالعہ کر رہا ہوں واقعی شرح میں کوئی بات جناب نے باقی نہیں رکھی۔ الحمد اللہ شارح صاحب نے بہت خوبی کے ساتھ شرح کی ہے اللہ تعالیٰ برکت دے اور اس کی مکمل شرح شائع کرنے کی پوری توفیق عنایت فرمائے ابھی تیسرا حصہ پورا نہیں دیکھا کہ دل چوتھے اور پانچویں حصہ کے لیے بیتاب ہے امید ہے کہ یہ حصے تیار ہوں گے اگر تیار ہیں تو بھیجنے میں دیر نہ کی جائے اور آیندہ کے لیے میرا نام آج ہی سے شرح کے مستقل خریداروں کے دفتر میں لکھ دیا جاوے اور جس وقت نسخے تیار ہو جائیں بھیج دیا کریں۔

عالی جناب منشی غلام محمد صاحب ممنون: چک نمبر ۴۷ ضلع منٹگمری سے تحریر فرماتے ہیں۔ محترم شیخ صاحب السلام علیکم! مفتاح العلوم دفتر اول کا حصہ دوم موصول ہوا، کتاب زیرِ مطالعہ پڑھتا جاتا ہوں اور لطف اندوز ہوتا ہوں۔ حضرت شارح صاحب سلمہ نے جو احسان عامۃ الناس پر اس مبسوط شرح کو لکھ کر کیا ہے۔ زبان اس کے شکریہ سے قاصر ہے، حصہ اول میں جن ضروری تشریحات کو قلمبند کیا گیا ہے حصہ دوم میں ان کے اعادے سے احتراز کیا گیا ہے اور ہر نیا مسئلہ بالتصریح بیان کرنے کی جرأت دکھائی ہے رموزِ تصوف کو جس طرح منصہٗ شہود پر جلوہ گر کیا ہے وہ دراصل شارح صاحب سلمہٗ کا ہی حصہ ہے آخر پر میں شارح صاحب کے اس احسانِ عظیم پر جو انہوں نے کم استعداد اردو دان وطن پر فرمایا ہے بصدقِ دل شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس شرح کو مکمل کرنے میں شارح ممدوح کے قلم و کام میں برکت عطا فرمائے اور آپ کو اس کی اشاعت کی توفیق عنایت فرمائے۔

عالی جناب محمد متین الزمان صاحب: مہاجر کی حال پنیام ریاست جموں سے تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے عرصہ بعید و مدت مدید سے اشتیاق لگا رہتا تھا کہ مثنوی جیسی نادر کتاب کی شرح جامع ومبسوط عام فہم دستیاب ہو۔ اسی ہوس میں کافی رقم

صرف کر کے پیراہنِ یوسفی منگوائی لیکن افسوس کہ اسے دیکھ کر میری تسلی نہ ہوئی۔ الحمد للہ کہ مفتاح العلوم کو مطالعہ کر کے میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ اس وقت میرے زیر مطالعہ حصہ اول و دوم ہیں جنہیں میں شبانہ روز حرزِ جاں بنائے رکھتا ہوں سبحان اللہ! حضرت شارح مدظلہ، قابلِ تحسین و استحقاقِ داد ہیں۔ مولانا صاحب کی دیگر تالیفات عموماً شرح ہذا کو خصوصاً دیکھا جائے تو بے تحاشا آفرین مرحبا کہنا پڑتا ہے۔ لکھائی چھپائی و عمدگی کا غذا ایسی پاکیزہ ہے کہ مطالعہ سے جی نہیں اکتاتا۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔ لہٰذا میں مثنوی دوست اصحاب کی خدمت میں التجا کرتا ہوں کہ وہ ضرور اس قابل قدر شرح کو خرید کر فائدہ اٹھائیں، خصوصی فارسی خواں طلبا تو ضرور ہی خریدیں کیونکہ ان کے واسطے بے شمار فائدے ہیں۔ میرا نام مستقل خریداروں میں درج فرما لیا جائے۔

عالی جناب حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب: خطیب جامع مسجد مچھینا (برما) سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کا پہلا، دوسرا حصہ موصول ہوا ترجمہ نہایت سلیس اور بامحاورہ ہے۔ شرح کے لکھنے میں بھی شارح نے کمال محنت سے کام لیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار میں برکت دے اور آپ کو اس بات کی توفیق عنایت فرمائے کہ آپ اسے جلد از جلد مکمل کر سکیں۔ والسلام

عالی جناب حضرت محمد بہاؤالدین صاحب: بلوات ضلع پورینہ سے ارقام فرماتے ہیں کہ جناب مولانا عرشی صاحب نے مثنوی شریف جو کہ ایک الہامی کتاب بلکہ ''ہست قرآں در زبانِ پہلوی'' ہونے کے علاوہ اسرارِ الٰہی کا خزانہ اور انوارِ معرفت کا گنجینہ ہے کی شرح کر کے دارین میں بہت بڑی دولت نکوئی و نیک نامی حاصل کی ہے۔ مولانا نے مثنوی کی شرح کیا کی ہے کہ طالبانِ حق کے دلوں کی عقدہ کشائی کی ہے مجھے امید ہے کہ اس عام فہم شرح کی بدولت خداوند تعالیٰ بہتوں کو راہ راست کی طرف بلائے گا۔ خداوند تعالیٰ بہتوں کو راہِ راست کی طرف بلائے گا۔ خصوصاً ایسے صوفیوں کے لیے تو تریاق کا کام دے گی جو کہ اپنی ناسمجھی سے بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر راہِ راست سے بہک جاتے ہیں حق تو یہ ہے کہ اس قابل قدر شروح کی داد کن الفاظ میں دی جائے سوا اس کے کہ وہ اپنی داد آپ دے گی اور اللہ تعالیٰ اسے مقبول عام و خاص کرے۔ آمین اس طرح کی دیگر خوبیوں کے متعلق میں اور کیا عرض کروں جب کہ بڑے بڑے اہل الرائے اس کے متعلق نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں جس کی میں دل و زبان سے تائید کرتا ہوں اور دیگر مثنوی دوست اصحاب سے میری گزارش یہ ہے کہ وہ ضرور اس قابلِ قدر شرح کو خرید کر فائدہ اٹھائیں۔ خصوصاً فارسی خواں طلبا تو ضرور ہی خریدیں، کیوں کہ ان کے واسطے بے حد فائدے ہیں۔

عالی جناب حضرت مولانا پیرزادہ محمد القادری صاحب: بھوپال سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کے حصہ اول کو مطالعہ کیا حضرت شارح مسلمہ نے جس محنت سے اس کو قلمبند فرمایا ہے وہ قابلِ صد تحسین ہے۔ نکاتِ تصوف کو نہایت ہی سلیس اردو میں بیان کیا گیا ہے، اکثر اشعار کے مطالب بیان کرتے وقت قرآن و حدیث کا حوالہ دیا ہے اور بعض پیچیدہ مسائل کو جن کے سمجھنے کی عوام الناس میں لیاقت نہیں ایسی خوبی سے سمجھائے ہیں کہ بے اختیار حضرت شارح کے حق میں جزاک اللہ کہنا پڑتا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شارح کو اسے ختم کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور آپ کو اسے جلد شائع کرنے کی ہمت دے۔ آمین

عالی جناب سید قمر علی صاحب: کنٹونمنٹ جنرل ہاسپٹل آگرہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی مطبوعہ کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کا حصہ اول منگوا کر مطالعہ کیا۔ نہایت ہی اعلیٰ اور بے حد دلچسپ اور مفید شرح ہے

اس سے پیشتر ایسی سلیس اردو زبان میں کوئی شرح دیکھنے میں نہیں آئی۔ براہِ کرم میرا نام مستقل خریداروں میں درج فرمالیں۔

عالی جناب مولانا محمد عمر صاحب: پیش امام مسجد ڈیسہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کی جو تعریف آپ نے اشتہار میں لکھی تھی میں نے اسے مطالعہ کر کے اس سے بھی زیادہ عمدہ پایا اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیک کام کا اجر عطا فرمائے۔آمین

عالی جناب غلام رسول صاحب: دکاندار یری نگر کشمیر سے لکھتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا جو حصہ بابو لال محمد صاحب کی معرفت منگایا تھا اسے مطالعہ کیا۔کتاب کی تعریف میرے جیسا کم علم آدمی کیا کرسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ شرح مذکور کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

عالی جناب محمد امان اللہ صاحب: پردم سے تحریر فرماتے ہیں کہ تین حصے مفتاح العلوم کے وصول ہوئے چوتھے حصے کا سخت انتظار ہے جس دن سے کتاب کے تین حصے آئے ہیں دن رات مطالعہ میں مصروف ہوں بار بار پڑھتا ہوں لیکن کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا میرے جن جن دوستوں نے اس کو دیکھا وہ بھی اس کے عاشق ہو گئے۔براہِ کرم چوتھا حصہ ضرور شائع ہوتے ہی مجھے بھیج دیں اور آیندہ کے لیے میرا نام درج رجسٹر فرمالیں۔والسلام

ان کے علاوہ سینکڑوں حضرات کی طویل طویل رائیں وصول ہو چکی ہیں جو بوجہ عدمِ گنجائش درج نہیں ہوسکتیں۔

☆

مثنویِ مولویِ معنوی   ہست قرآن در زبانِ پہلوی

مِفتاحُ العُلوم

شرح مثنوی مولانا رومؒ

دفتر دوم۔ حصہ دوم

حضرت مولانا مولوی محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی مجددی

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

مفتاح العلوم جلد ششم کے بعض فوائد عجیبہ جن کا موقع بموقع ایراد ہوتا ہے

☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُلِمَنْ هُوَ الْاَوَّلُ بلاانتهاء ٥ وَالاٰخربلاابتداءٍ ٥ وَهُوَ الَّذِیْ ظَهَرَبُرْهَانُهٗ ٥ بِحَیْثُ لَایُمْکِنُ کِتْمَانُهٗ ٥ وخُفِیَ عِیَانُهٗ بانْ لَّایُرْجیٰ بَیَانُهٗ ٥ والصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَیِّرِالْاَنْوَرِالَّذِیْ طَلَعَ مِنَ الْبُطْحَاءِ ٥ وعَرَجَ اِلَی السَّمَاءِ ٥ونَوَّرَ الْعَالم بنُوْرِالدَّ ائمِ الْبَقَاء٥ وعَلیٰ اٰلِهِ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْاَمْجَاد ٥ لَاسِیَّما عَلَی الَّذِیْنَ هُم لِفلکِ الشَّرَافَةِ وَالْعَدَالَةِ کَالْبُرُوْجِ وَالْاَوْتَاد ٥

اَمَّا بَعْدُ۔آج مفتاح العلوم کی چھٹی جلد یعنی مثنوی مولانا روم کے دوسرے دفتر کے دوسرے ربع کی شرح شروع ہورہی ہے جس خداوند مستعان ورحیم ورحمٰن نے اپنی عنایت بیغایت سے اس خاکسار کو شرح ہذا کے پہلے حصوں کی تدوین وترتیب کی توفیق بخشی اور پھر ان کو قبول عام کے دربار میں امتیاز خاص کا درجہ بخشا۔وہی اب بھی اس مہم کی سرانجام دہی کے لئے اس عاجز کے دل کو تازگی ،اس کے دماغ کو روشنی ،اس کے ارادہ کو استحکام اور اس کی ہمت کو استقلال بخشے گا اور پھر وہی اس کی اپنی قبولیت کی عزت بخش کر سب کے لیے موجب برکت بنائے گا ۔

خدایا توئی بندہ را دستگیر	بود بندہ را از خدا ناگزیر
بخشائش خویش یا ریم زہ	زغو غائے خودرستگا ریم دہ
چو پروانہ بر شب چراغ تو الم	چناں واں کے مرغے زباغ تو ام
چو ذرہ بگرو بزرگاں و دید	بداں خردی آورد خود راپدید
من آں ذرہ خردیم ازدیدہ دور	کہ نیروے تو برمن انگند نور
بہ نیردے تو چوں پدید آمدم	درگنجہا راکلیر آمدم
بسر بردم اول بساط سخن	دگر رہ کنم تازہ درج کہن
باوّل سخن دادیم دستگاہ	بآخر قدم نیز بنمائے راہ
صفائے دہ ایں خاک تاریک را	کہ تابینم آں راہ باریک را

آمین ثم آمین

آغازِ شرح

پیچھے ذکر تھا کہ ہر شخص کے ساتھ اس کی لیاقت و استعداد کے موافق سلوک ہونا مناسب ہے اور اس کو اسی درجے میں رکھنا چاہیے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس سے بڑھانا نہیں چاہیے۔ اس کی تائید میں ذیل کی حکایت ارشاد ہے۔

امتحان کردنِ پادشاہ آں دو غلام را کہ نوخریدہ بود

ایک بادشاہ کا (اپنے) دو غلاموں کو آزمانا جو نئے خریدے تھے

بادشاہ ہے دو غلام ارزاں خرید با یکے زاں دو سخن گفت و شنید

ترجمہ:۔ ایک بادشاہ نے دو غلام سستے داموں خرید کئے (اور) ان دو میں سے ایک (غلام) کے ساتھ گفتگو کی' (اپنی) بات کہی اور (اس کی) سنی۔

نوٹ:۔ ارزاں خرید کی تصریح سے یہ فائدہ ہے کہ کسی چیز کی ارزاں خریداری میں اس کے حسن و قبح پر گہری نظر نہیں کی جاتی۔ سرسری اندازہ کر کے فوراً اس کو خرید لیا جاتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی اسی طرح ان کو بعجلت خرید لیا۔ امتحان و آزمائش اور غور و تامل نہیں کیا۔ پھر ان کو آزمانے لگا۔ پہلے ان میں سے ایک کو آزمایا تو:۔

یافتش زیرک دل و شیریں جواب از لبِ شکرّ چہ زاید؟ شکرّ آب

لغات:۔ لب شکر، لب شکرخا۔ وہ لب جو اپنی شیریں کلامی سے گویا شکر کھاتے کھلاتے ہیں اور یہ لفظ عموماً خوبرو کے لیے بولتے ہیں۔ شکر آب۔ شکر اور پانی ملا ہوا مراد شربتِ قند۔

ترجمہ:۔ تو اس (بادشاہ) نے اس (غلام) کو ہوشیار اور شیریں جواب پایا (کیوں نہ ہو) شیریں لب (حسین کی باتوں) سے (اور) کیا ٹپکے؟ (سوائے) شربت (کے)۔

مطلب:۔ پیاری پیاری صورت اور دلکش آواز ہو تو باتیں خوانخواہ قند و نبات کی طرح شیریں معلوم ہوتی ہیں۔ سعدیؒ

؎ آوازِ خوش از کام و دہانِ لبِ شیریں گر نغمہ کند ور نکند دل بفریبد

اس غلام کی شکل و صورت دلفریب اور بات چیت معقول و برجستہ تھی مگر اخلاق و خصائل نہایت ناپاک تھے۔

آدمی مخفی ست در زیرِ زباں ایں زباں پردہ ست بردر گاہِ جاں

ترجمہ:۔ آدمی (اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ یہ زبان (کیا ہے؟) درگاہ روح پر (گویا) ایک پردہ (تنا ہوا) ہے۔

مطلب:۔ جب تک آدمی خاموش رہتا ہے تو اس کی روح کے اچھے برے اوصاف چھپے رہتے ہیں۔ جب وہ اپنی زبان کھولتا ہے تو یہ پردہ اٹھ جاتا ہے اور پھر [illegible]

ے تامرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

پہلا مصرع اس قول کا ترجمہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے منسوب ہے کہ اَلْمَرْءُ مَخْبَرٌ تَحْتَ لِسَانِہٖ یعنی آدمی اپنی زبان کے نیچے مخفی ہے۔ صائبؒ ۔

دیوانہ ارخموش بعاقل برابرست دریائے آرمیدہ بساحل برابرست

سوال:۔ زبان کے کھلنے پر درگاہِ روح کا پردہ اٹھ جانے سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اس غلام کے برے خصائل بادشاہ پر عیاں ہو گئے ہوں گے مگر اوپر کے شعر سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کی باتوں سے اس کے پسندیدہ اطوار نے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا۔ اس تعارض کا کیا جواب؟

جواب:۔ زبان کے کھلنے سے صرف لیاقتِ کلام، آدابِ گفتگو اور علم و ہنر کا پتا لگتا ہے۔ نفسانی امراض اور اخلاقی معائب ذرا گہرے ہوتے ہیں۔ ان کا پتا مدت کے تعامل اور مصاحبت کے بغیر نہیں لگ سکتا۔ بقول سعدیؒ۔

تواں شناخت بیک روز از شمائلِ مرد کہ تا کجاش رسیدست پایگاہِ علوم
ولے زباطنش ایمن مباش وغرّہ مشو کہ خبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم

اجنبی آدمی کی مثال پانی کے ایک برتن کی سی ہے۔ جس طرح برتن سے پہلے پہلے آبِ زلال نکلتا ہے اور میلے اور مکدر پانی کی باری پھر آتی ہے۔ اسی طرح جب کسی اجنبی آدمی کی ملاقات کا موقع ہوتا ہے جو اہلِ علم و ہنر ہو تو اس کی گفتگو سے صرف اس کے علم و ہنر کا پتا لگ سکتا ہے لیکن اس کے ان اصلی و جبلی اخلاق سے مدت کے بعد پالا پڑتا ہے۔ جو گھڑے کے میل کی طرح اس کے ظرفِ وجود میں تہ نشین ہوتے ہیں اور گفتگو میں ان کا کوئی شائبہ نظر نہیں آ سکتا۔ پس بادشاہ کو اس غلام کی بات چیت سے صرف اس کی زیرکی، ہوشیاری اور بالغ نظری محسوس ہوئی اور انسان کی زبان اس کے انہی اوصاف کا پردہ ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کے مخفی خصائل کا، لہٰذا غلام کے خصائلِ بد اور خبثِ نفس کا پتا بادشاہ کو ابھی نہیں لگا۔ وہ آگے چل کر لگے گا۔

چونکہ بادے پردہ را درہم کشید سرِّ صحنِ خانہ برما شد پدید

ترجمہ:۔ جب ہوا کے ایک جھونکے نے پردہ کو ہٹا دیا تو صحن خانہ کا بھید ہم پر نمایاں ہو گیا۔

کاندراں خانہ گہر یا گندم ست گنجِ زریا جملہ مار و کژدم ست

ترجمہ:۔ کہ اس گھر میں موتی ہیں یا گیہوں ہیں۔ سونے کا خزانہ ہے یا سراسر سانپ اور بچھو (بھرے پڑے ہیں)

یادراں گنج ست و مارے برکراں زانکہ نبود گنج زر بے پاسبان

ترجمہ:۔ یا اس میں خزانہ ہے اور ایک طرف سانپ ہے کیونکہ سونے (چاندی) کا خزانہ محافظ کے بغیر نہیں ہوتا۔

مطلب:۔ غرض زبان آمادۂ کلام ہوئی اور لیاقت کا راز منکشف ہوا۔ تانت باجی راگ بوجھا۔ پھر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص مجسمۂ ہنر ہے یا سراپائے عیوب ہے یا عیب و ہنر دونوں اس میں جمع ہیں کیونکہ ہر کجا گلے ست خارے ست و ہر کجا گنجے ست مارے ست۔ سعدیؒ ۔

زبان دردہان خرد مند چیست؟ کلیدِ درِ گنجِ صاحب ہنر
چودر بستہ باشد چہ داند کسے کہ جوہر فروش ست یا پیلہ ور

پرانے لوگوں کا خیال ہے کہ مدفون خزانے پر ایک سانپ ضرور رہتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی بنا پر کہا ز انکہ ممدود گنج زرہے پاسباں اور مطلب یہ ہے کہ عموماً خوبیوں کے ساتھ معائب بھی ہوتے ہیں۔

بے تامل او سخن گفتے چناں کز پسِ پانصد تاملِ دیگراں

ترجمہ:۔ (چنانچہ) وہ (غلام حاضر جواب ایسا تھا کہ) بے سوچے ایسی (برجستہ) بات کرتا کہ دوسرے لوگ پانسو مرتبہ سوچنے کے بعد (کرسکیں)۔

گفتئی اندر باطنش دریا ستے جملہ دُریا گوہر گویا ستے

ترجمہ:۔ گویا اس کے اندر ایک دریا (موجزن) تھا جو (لیاقت کے) موتیوں سے لبریز تھا (وہ غلام خود ایک گوہر ناطق تھا)۔

نوٹ:۔ یہ ترجمہ اس لحاظ سے ہے کہ دوسرے مصرعہ میں دُر بمعنی مروارید اور یا حرفِ تردید۔ اگر یہ لفظ دریا تسلیم کیا جائے تو دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں ہوگا اور وہ دریا سارے کا سارا گوہر ناطق سے پر تھا۔

نور ہر گوہر کز و تاباں بدے حق و باطل را ازو فرقاں شدے

لغات:۔ تاباں چمکنے والا۔ فرقاں فرق، امتیاز، الگ الگ نظر آنا، قرآن مجید کا بھی نام ہے۔

ترجمہ:۔ اس کی ہر بات کے موتی سے جو نور جھلکتا تو حق اور باطل اس سے الگ الگ نظر آنے لگتے۔

مطلب:۔ بعض کے نزدیک یہ غلام ہی کی تعریف چلی جا رہی ہے جو مبنی بر مبالغہ ہے (کما ہو من مراسم الشعراء) مگر اکثر شارحین کے نزدیک جن میں مولانا بحر العلوم بھی ہیں۔ یہاں سے حق تعالیٰ اور اس کے کلام پاک کے ذکر کی طرف انتقال ہے اور یہی بات حق معلوم ہوتی ہے۔ مولانا بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں کہ مصرعہ اول بمنزلہ شرط ہے اور مصرعہ دوم بمنزلہ جزا۔ گوہر سے مراد قلب ہے۔ ''کزو'' کی ضمیر راجع بحق ہے جو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونے کے سبب سے بلا تکلف مرجع ضمیر ہو سکتا ہے اور اس قسم کا اضمار قبل الذکر جائز ہے۔ خصوصاً فارسی میں۔ پس حاصل معنیٰ یہ ہوگا کہ جس قلب کا نور حق تعالیٰ کی طرف سے تاباں ہوتا ہے یعنی جو دل نورِ حق سے منور ہو، اس کے نزدیک حق و باطل میں امتیاز ہو جاتا ہے اور ان میں کوئی التباس باقی نہیں رہتا۔

نورِ فرقاں فرق کردے بہرِ ما ذرہ ذرہ حق و باطل را جدا

ترجمہ:۔ (اگر ہم کو بصیرت حاصل ہوتی تو) قرآن مجید کا نورِ ہدایت ہمارے لیے حق و باطل کا ذرہ ذرہ ممتاز اور جدا کر دیتا۔

مطلب:۔ اوپر کہا تھا کہ اس غلام کی باتوں سے (یا بمعنی دیگر منور قلب کے) نور سے حق و باطل میں پورا امتیاز ہو جاتا ہے۔ اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ ایسا امتیاز تو بظاہر نظر قرآن مجید سے بھی نہیں ہوتا ورنہ دنیا میں کفر و ضلالت ہی کیوں رہتی۔ اس شعر میں اس کا جواب دیا ہے یعنی قرآن مجید تو فی نفسہٖ پوری طرح فارقِ حق و باطل ہے مگر اس فرق کو دیکھنے کے لیے چشمِ بصیرت بھی ہو۔ دیکھو آفتاب سیاہ و سفید اور اونچ نیچ میں فرق بخوبی نمایاں کر دیتا ہے مگر یہ فرق اسی کو محسوس ہوتا ہے جس کی آنکھیں ہوں۔ اندھے کو کیا پتا۔ پس اگر اندھے کو یہ فرق محسوس نہیں ہوتا تو یہ اس کی بینائی کا قصور ہے نہ کہ آفتاب کا۔

شبنم از روشن ضمیری محو شد در آفتاب ہر کہ صائب صاف گردد زود و اصل میشود

شعر مذکور میں شرط مقدر ہے جس پر قرینہ دلالت کر رہا ہے یعنی تقدیرِ کلام یوں ہے۔ اگر مارا چشمِ بصیرت بودے نورِ فرقان بر ما حق و باطل را ممیز بودے۔

نورِ گوہر نورِ چشمِ ما شدے ہم سوال و ہم جواب از ما بدے

ترجمہ:۔ (اگر ہم کو بصیرت حاصل ہوتی تو مضامینِ قرآن کے) گوہر کا نور ہماری چشم (حق بین) کا نور بن جاتا (پھر) جو سوال ہمارے دل سے پیدا ہوتا، اس کا جواب بھی ہمارے اپنے دل سے ہی مل جاتا۔

مطلب:۔ اپنے نور بصیرت کی بدولت قرآنی ہدایات سے اس قدر ایقان واذعان حاصل ہو جاتا کہ پھر اول تو کوئی شبہ ہی پیدا نہ ہوتا۔ اگر پیدا ہوتا تو آپ سے آپ رفع ہو جاتا۔ پس جب لوگوں کو قرآن مجید کے باوجود حق و باطل کو تمیز کرنے کی توفیق نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کہ خود ان ہی کی بصیرت کا نقص ہے۔ قرآن مجید کی طرف سے حق و باطل کو ممیز کر دینے میں کوئی کمی باقی نہیں رہی کیونکہ منشائے شک وشبہ یا تو کلام میں ہوتا ہے یا سامع کی طرف سے ہوتا ہے اور جب سامع کی کج فہمی یا کھوٹ نیت منشائے شبہات ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ کلام تو فی نفسہٖ درست اور صحیح ہے مگر سامع پر اس کی اپنی کج فہمی اس کلام کو سچا ثابت نہیں ہونے دیتی۔ جیسے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی قرآن مجید میں کوئی شک نہیں تو یہاں اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کتاب میں فی نفسہٖ تو شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن بعض سامعین اپنے سوءِ تعقل اور کج فہمی کے باعث شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے لاریب فیه فرمایا ہے۔ لا ریب فیھم نہیں فرمایا۔ جو یہ اعتراض وارد ہو سکے کہ پھر قرآن مجید کے متعلق کافر شک کیوں کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مریض یرقان کسی سفید کپڑے کو زرد دیکھے تو ظاہر ہے کہ کپڑے کی سفیدی میں کوئی شک نہیں مگر یہ خلاف واقع جو زرد رنگ نظر آ رہا ہے تو اس مریضِ یرقان کی نظر کا قصور ہے۔ اسی طرح لوگوں کو کلامِ حق اور ملفوظاتِ عارفین میں خلافِ واقع شبہات ہوتے ہیں (کلید) سعدیؒ

آیۂ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کی تفسیر

گوشت حدیث مے شنود ہوش بے خبر در حلقہ بصورت و چوں حلقہ بروری

چشم کژ کردی دو دیدی قرصِ ماہ چوں سوال ست ایں نظر در اشتباہ

لغات:۔ کژ کج ٹیڑھا قرص ٹکیا قرصِ ماہ۔ جرمِ قمر۔ سوال۔ بضم سین طلب، پرسش۔ اظہارِ شبہ اعتراض

ترکیب:۔ چوں سوال ست الخ شرط موخر دو دیدی جزائے مقدم۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ معطوف۔ تقدیر عاطف چشم کژ کردی جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔

ترجمہ:۔ تم نے (اپنی) آنکھ کو ٹیڑھا کر رکھا ہے (اور) چونکہ یہ (ٹیڑھی) نظر شبہ پیدا کرنے میں (خود منشا) اعتراض ہے (جس سے شبہ ناشی ہوتا ہے۔ اس لیے) تم چاند کی ٹکیہ کو دو دیکھتے ہو۔

مطلب:۔ آنکھ کے ایک کونے کو انگلی سے دبائیں تو آنکھ کا ڈھیلا ٹیڑھا ہو جانے سے ہر چیز ایک کی بجائے دو دکھائی دینے لگتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ کج نظری تو خود تمہارے اندر ہے کہ ہر چیز کو ایک کے بجائے دو دیکھتے ہو یعنی حق کے بجائے باطل نظر آتا ہے تو حقائق کا کیا قصور ہے۔ اسی طرح کافر و مشرک لوگ اپنی چشم بصیرت کی کجی کے باعث ماہِ حق یعنی ذاتِ احدیت کو ایک سے زیادہ دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کی وحدت کا چاند نمایاں طور پر تاباں و درخشاں ہے۔

گناہِ کجروی تست نا امیدی تو کہ تیر راست خطا کمتر از نشانہ کند

مذکورہ ترکیب و ترجمہ جس کو ہم نے اختیار کیا ہے چونکہ حرفِ شرط قرار دینے کی تقدیر پر ہے، ایک شارح نے اس کو حرفِ تشبیہ قرار دیا ہے مگر اس تقدیر پر زیادہ مقدرات نکالنے پڑتے ہیں اور پھر ترجمہ یوں ہوگا۔

اپنی آنکھ کو تم نے ٹیڑھا کر رکھا ہے (اور پھر) چاند کی ٹکیا کو دو دیکھتے ہو (تو حیرت میں پڑ جاتے ہو) یہ (ٹیڑھی) نظر شبہ پیدا کرنے

میں خود گویا (منشائے) اعتراض ہے (جس سے شبہ ناشی ہوتا ہے)۔

راست گرداں چشم را در ماہتاب تا یکے بینی تو مہ رانک جواب

لغات:۔ نک مخفف ہے اینک کا، دیکھو، یہ لو، اے لو۔

ترجمہ:۔ (اپنی) بصیرت کی آنکھ کو ماہتاب (کے مشاہدے) میں سیدھا رکھو تاکہ تم (اس) ماہ (حقیقت) کو ایک دیکھو۔ سو یہ ہے جواب (فرقانیت قرآن کے متعلق تمہارے سوال کا)۔

مطلب:۔ ارتکابِ معاصی دل کے لیے بمنزلہ زنگ ہے جس سے دل کی روشنی و نورانیت زائل اور زوالِ نورانیت سے امتیازِ حق و باطل مشکل ہو جاتا ہے۔ ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ان المؤمن اذا اذنب کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب استغفر صقل قلبہ و ان زاد زادت حتی تعلوا قلبہ فذالکم الران الذی ذکر اللہ تعالیٰ کَلَّا بَلْ ۚ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ یعنی مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک کالا نقش پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اس کا دل پھر بدستور چمکنے لگتا ہے اور اگر زیادہ گناہ کرتا رہتا ہے تو وہ سیاہی بھی زیادہ ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے سارے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں یوں) ذکر فرمایا ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

خواجہ حسن بصریؒ کے زمانے میں ایک معلمِ قرآن نے اپنے کسی خوبرو شاگرد کی طرف نفسانی نظر سے دیکھا تو اتنی سی معصیت اس کی قوتِ حافظہ کے لیے آفت بن گئی۔ قرآنِ مجید کی دولت اس کے سینے سے اٹھالی گئی اور وہ ایک آیت تک پڑھنے سے معذور ہو گیا۔ بیچارہ اس حالت سے سخت متردد ہوا۔ خواجہ صاحب کے حضور میں جا کر رویا اور حقیقتِ حال عرض کی۔ انہوں نے ایک بزرگ کی طرف اس کی رہنمائی کی جن کی دعا سے اس کی زائل شدہ دولتِ قرآن پھر حاصل ہو گئی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ۔

ارتکابِ معاصی سے دل سیاہ اور بصیرت زائل ہوتی ہے

شکوت الی وکیع سوءِ حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نورٌ من الٰہٖ ونور اللہ لا یعطی للعاصی

میں نے اپنے (استاد) وکیع کے پاس اپنے ضعفِ حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کر دینے کی ہدایت کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔

اسی بنا پر مولانا فرماتے ہیں کہ تم اپنے قوائے ادراک اور آلات تعقل کو نادرست نہ ہونے دو اور گناہوں سے بچو۔ جن سے ان قویٰ و آلات میں کجی و ناراستی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر دیکھو کہ حقائق تم کو اصلی اور حقیقی صورت میں حاصل ہونے لگیں گے۔ مولانا ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔

پاک کن دو چشم را از موی عیب تا بہ بینی باغ و سروستانِ غیب

چشم را در روشنائی خوی کن گر نہ خفاشی نظر آں سوی کن

خاتمۂ بیت پر فرمایا ہے کہ یہی جواب ہے سائل کے اس سوال کا کہ اگر قرآنِ مجید فارقِ حق و باطل ہے تو پھر دنیا میں ضلالت و گمراہی کیوں موجود ہے۔ وجہ جواب یہ ہے کہ ضلالت کا وجود قرآن مجید کے فارقِ حق و باطل نہ ہونے پر مبنی نہیں بلکہ اس پر مبنی ہے کہ لوگوں کی نظر قرآنی تعلیمات کے ادراک کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اگر لوگوں کی نظر راست بین ہوتی تو دنیا میں ضلالت و غوایت کا نام و نشان نہ رہتا۔ صائبؒ ۔

بابلی پیچیدہ دارد دامن مارا بدست ورنہ دارو کعبہ کوئے تو راہ از شش جہت

فکرتت راکژ مبیں نیکو نگر ہست ہم نور و شعاعِ آں گہر

ترکیب:۔ بظاہر یوں متبادر ہوتا ہے کہ فکرتت مفعول بہ اول اور کژ مفعول ثانی ہے مبین کا مگر حقیقت میں یوں نہیں بلکہ مبیں میں ضمیر مخاطب ذوالحال ہے اور داشتہ فعل مقدر اپنے ان دونوں مفعولوں کے ساتھ مل کر اس کا حال ہے۔ایک نسخہ میں "فکرتت را راست کن" درج ہے۔ یہ نسخہ صاف ہے محتاجِ تکلف نہیں۔ایک شارح نے مبین بمعنی مکن سمجھا ہے۔اس صورت میں بھی معنی صاف ہو جاتے ہیں مگر نا معلوم یہ محاورہ ان کو کہاں سے ہاتھ لگا۔ہست کی ضمیر کا مرجع قائم کرنے میں شارحین نے بڑا اختلاف کیا ہے۔شارح بحر العلوم نے صاحبِ مکاشفات کے مطابق اس کا مرجع فکر کو قرار دیا ہے اور اس تقدیر پر کلمہ ہم اشتراک کا معنی دیتا ہے۔ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ایک شارح نے اس ضمیر کو قرآن کی طرف راجع کیا ہے۔ایک اور شارح نے اس کا مرجع غیر حق کو قرار دیا ہے اور دوسری صورت میں ہم بمعنی نیز حرف عطف ہے۔

ترجمہ:۔ اپنے فکر کو ٹیڑھا (رکھ کر) نہ دیکھو (بلکہ عارفوں کی طرح) درست (اور صحیح فکر کے ساتھ) نظر کرو (کہ) یہی (فکرِ راست ہے جو) اس وجودِ مطلق کے نور اور شعاع کے ساتھ مشارک ہے۔

مطلب:۔ یہاں فکر سے منطقی اصطلاح کے موافق نظرِ عقلی مراد نہیں بلکہ فکرِ عارفاں مراد ہے جیسے کہ بعض اکابر کا قول ہے۔ التفکر ساعة خیر من الدنیا وما فیہا یعنی گھڑی بھر کا تفکر ساری دنیا اور اسبابِ دنیا سے بہتر ہے۔(بحر العلوم) اس کے ہم معنی ہے۔یہ حدیث اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَمَلْعُوْنٌ مَافِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ۔یعنی دنیا ملعون ہے اور اس کے سامان ملعون ہیں مگر اللہ کی یاد اور وہ باتیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے (مشکوٰۃ)۔

بفکر ہائے پریشاں گذشت ایامش کسیکہ ہمچو تو صائب بفکرِ یار نرفت

دوسرے دونوں شارحین کے ترجمے علی الترتیب حسب ذیل ہیں۔

(۱) تم اپنے فکر کی غلط بینی چھوڑ کر راست بینی اختیار کرو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن بھی اس غلام کے گوہرِ سخن کا ہم نور و ہم شعاع یعنی فارقِ حق و باطل ہونے میں مشارکِ اعلیٰ ہے۔

(۲) اپنی فکر کو کج مت کرو اور اچھی طرح دیکھو کہ وہ (غیر حق) بھی (جس پر تم کو اعتماد ہے) اسی گوہر کے نور کا عکس ہے اور اسی کی شعاع ہے۔مطلب یہ کہ شعاع کی گرویدگی میں مظہرِ شعاع سے غافل ہونا اور اصل کو چھوڑ کر عکس طلب کرنا بے وقوفی ہے۔

ہر جوابے کاں زگوش آید بدل چشم گفت ازمن شنو آں را بہل

لغات:۔ کاں مخفف کہ آں۔چشم سے چشم باطن مراد ہے۔بہل ہا کے کسرہ سے صیغہ امر ہے ہلیدن (چھوڑنا) سے۔

ترکیب:۔ ہر جوابے الخ شرط دوسرا مصرعہ جزاء یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جزا مقدر ہو یعنی آں کفایت نہ کند شرط و جزا مل کر جملہ معللہ ہو اور دوسرا مصرعہ اس کی علت،لہٰذا ترجمہ بھی دو طرح ہو سکتا ہے۔

ترجمہ:۔ (۱) جو (سماعی) جواب کان (کے ذریعے) سے دل میں پہنچتا ہے (اس کے بارے میں) چشم (بصیرت) کہتی ہے کہ (حقیقت کی بات اس سے نہیں سن سکتا) مجھ سے سن۔اس کو چھوڑ دے۔

(۲) جو (سماعی) جواب کان (کے ذریعے) سے دل میں پہنچتا ہے (وہ کافی نہیں۔لہٰذا) چشم (بصیرت) کہتی ہے کہ (حقیقت کی بات) مجھ سے سنو۔اس کو چھوڑ دو۔

مطلب:۔ پیچھے یہ شبہ ناشی ہوا تھا کہ اگر قرآنِ مجید فارقِ حق و باطل ہے تو پھر دنیا میں ضلالت و غوایت کیوں موجود ہے اور اس کا جواب صرف اتنا دیا تھا کہ تم اپنی بصیرت ۔۔۔ قرآن کا فارقِ حق و باطل ہونا خود بخود نمایاں ہو جائے گا اور

کوئی منطقی دلیل اس کے فارق ہونے کی پیش نہیں کی۔ اب اس کی وجہ بیان کی ہے کہ سماعی جواب جو کسی منطقی دلیل پر مشتمل ہو نا شفائے تام نہیں بخشتا۔ ایسا جواب صرف مفیدِ ظن ہوتا ہے جو کسی مخالف دلیل قوی کے پیش ہونے پر رد ہو سکتا ہے۔ جس کے بعد پھر وہی شبہ قائم ہو جاتا ہے، لہٰذا سماعی جواب سے تسکین چاہنے کے بجائے خود اپنی چشمِ بصیرت سے کام لو جس سے تم فارقیت قرآن کو گویا دیکھ لو گے اور ''شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ'' مسلم ہے۔ کان (آلۂ شنید) اور آنکھ (آلۂ دید) میں فرق مراتب یہاں تک ہے کہ:۔

گوش دلال ست و چشمِ اہلِ وصال چشم صاحبِ حال و گوش اصحابِ قال

لغات:۔ دلال راستہ بتانے والا، سودا کرنے والا، وصلِ محبوب کا ذریعہ بننے والا۔ اہلِ وصال صاحبِ وصل۔ جس کو محبوب کا وصل نصیب ہو جائے صاحب حال جو کسی خاص کیفیت میں خود مستغرق ہو۔ اصحابِ قال وہ لوگ جو کسی کیفیت کا صرف زبانی ولسانی تذکرہ کرتے اور دوسروں کو بتاتے ہیں۔ خود ان پر وہ کیفیت طاری نہیں۔

ترجمہ:۔ کان تو (معانی و حقائق کو دل تک پہنچانے میں صرف) دلال (کا کام کرتے) ہیں اور چشم (بصیرت خود ان معانی و حقائق کو کان وغیرہ آلاتِ احساس کے توسّل کے بغیر) حاصل کر لینے والی ہے (یا یوں کہو کہ) چشمِ (بصیرت) ان معانی کی کیفیت میں خود) متکیف ہے اور کان (صرف اس کو) بیان کرنے والے ہیں۔

مطلب:۔ یہاں کان اور چشمِ بصیرت کا فرق دکھایا ہے یعنی ان دونوں کو معانیِ مقصود کے ساتھ الگ الگ وہی نسبت ہے جو ایک پیغام لے جانے والے کو اور محب طالبِ وصل کو محبوب کے ساتھ ہوتی ہے۔ محب جب اپنے محبوب کے ساتھ وصل یاب ہو جاتا ہے تو پھر کسی قاصد پیغام رساں کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح جب قلب میں انجلاء اور صفائی پیدا ہوتی ہے تو کان کے توسط کے بغیر اس پر معانی و مطالب اور حقائق و معارف منکشف ہونے لگتے ہیں۔

شبنم از روشن ضمیری محو شد در آفتاب ہر کہ صائب صاف گردد زودو اصل میشود

پھر اس کو کان وغیرہ آلاتِ احساس کے توسط کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اس مرتبہ میں قلب گویا خود صاحب حال ہے کہ وہ معانی و معارف کی اس کیفیت میں سرتاپا مستغرق ہے اور کان صرف ان کے ناقل وحاکی ہیں خود ان کی کیفیت سے غیر متکیف ہیں۔

در شنودِ گوش تبدیلِ صفات در عیانِ دید ہا تبدیلِ ذات

لغات:۔ شنود حاصل مصدر ہے شنودن سے۔ صفات اوصاف، اخلاق و عادات اور کیفیاتِ نفسانیہ عیان مشاہدہ دید، آنکھوں سے دیکھنا۔ ذات اصل وجود جو موصوف بصفات ہوتا ہے۔

ترجمہ:۔ کانوں کے سننے میں (زیادہ سے زیادہ یہ اثر ہوتا ہے کہ) عادات وغیرہ صفتیں بدل جاتی ہیں (بخلاف اس کے دل کی) آنکھوں کے مشاہدہ میں (یہ گہری تاثیر ہے کہ) کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔

مطلب:۔ یہ ایک اور پیرایہ میں کان اور چشمِ بصیرت کا فرق بیان کیا ہے یعنی وعظ و نصائح سن کر بھی عبرت ہوتی ہے مگر اس کا اثر صرف اتنا ہوتا ہے کہ بعض عادات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ مثلاً تکبر کی مذمت سنی تو تواضع پر دل مائل ہو گیا۔ اسراف کے برے نتائج معلوم ہوئے تو طبیعت کا کفایت شعاری کی طرف میلان ہو گیا لیکن اس قسم کی تبدیلی کے بعد پھر ان بری عادتوں کا عود کرنا ممکن ہے کیونکہ ابھی طبیعت نہیں بدلی جو منشائے عادات ہے۔ صحبتِ بد وغیرہ سے پھر وہ عادات تازہ ہو سکتی ہیں مگر جب بجائے سننے کے چشمِ بصیرت سے ان رذائل کے نتائج سیئہ کا احساس ہو جاتا ہے یا چشمِ ظاہر سے ان نتائج کے مشاہدہ کا موقع مل جاتا ہے تو اس کا اثر اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ گویا طبیعت ہی بدل جاتی ہے اور جب مبدءِ عادات و منشائے افعال ہی بدل گیا تو پھر سابقہ عادات کا ظہور کیونکر ممکن ہے۔ سعدیؒ

زرود مرغ سوئے دانہ فراز چوں دگر مرغ بیند اندر بند

زآتش ار علمت یقین شد از سخن پختگی جو در یقین منزل مکن

لغات:۔ زآتش از آتش۔علمت یقین علم الیقین مراد ہے جو یقین کا ادنیٰ درجہ ہے۔سخن بات، تذکرہ۔

ترکیب:۔ از سخن اس مصرعہ میں کلمہ شد کے متعلق ہے نہ کہ دوسرے مصرعہ میں کلمہ جو متعلق جیسے کہ ایک شارح نے اختیار کیا ہے۔

ترجمہ:۔ اگر (آگ کا) تذکرہ (سننے) سے تم کو آگ کا علم یقین حاصل ہو گیا تو (یقین کے) اس ادنیٰ درجہ پر ٹھکانا نہ کرو بلکہ یقین میں پختگی طلب کرو۔

مطلب:۔ اس میں بھی سماعی علم سے اس علم کے افضل ہونے کی تائید ہے جو مشاہدہ وعیان سے حاصل ہو اور یہاں یقین کی ان تین قسموں کا ذکر ہے جو صوفیہ کی اصطلاحات سے ہیں۔علم الیقین یہ ہے کہ کسی مخبر صادق سے کوئی خبر سن کر اس کو صحیح مان لیا جائے۔جیسے فرض کرو کہ ایک شخص نے دنیا میں پیدا ہو کر آگ دیکھی ہی نہیں تو کسی نے اس کو بتایا کہ آگ ایسی ہے کہ جو اشیا کو جلا دیتی ہے۔اس مخبر کے اعتبار پر جو اس شخص کو یقین آ جائے گا، وہ علم الیقین ہے اور اگر وہ شخص کسی چیز کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھ بھی لے تو پھر کہیں گے کہ اس کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا اور اگر اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی آگ میں کود پڑا اور اس کے اثر سوزش کو اپنے جسم پر محسوس کیا تو یہ حق الیقین ہے۔پس اسی طرح اول تو اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت کو صرف سن کر مان لیتے ہیں۔یہ علم الیقین ہے اور اس سماع کے بعد جب بعض بندگانِ حق کو اس کے عشق ومحبت میں مستغرق دیکھتے ہیں تو عین الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔اگر خود بھی اس آتشِ عشق میں جلنے لگتے ہیں تو اب حق الیقین کے درجہ پر فائز ہو گئے، لہٰذا فرماتے ہیں کہ یقین کے ادنیٰ یا اوسط درجہ پر قانع نہ ہو بلکہ اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کی کوشش کرو جو حق الیقین ہے۔صرف کان سے سننے یا چشم ظاہر سے دیکھنے پر کفایت نہ کرو بلکہ چشمِ بصیرت کے مشاہدہ سے حق الیقین حاصل کرو۔

تا نسوزی نیست آں عین الیقین ایں یقیں خواہی در آتش در نشیں

لغات:۔ عین الیقین ٹھیک یقین، پورا یقین۔اصل یقین یعنی حق الیقین جو خود آگ میں پڑنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔یقین کی تین قسمیں جو اوپر بیان ہوئی تھیں۔ان میں دوسری قسم عین الیقین تھی یہاں وہ مراد نہیں کیونکہ اس میں عین بمعنی چشم مراد تھی اور عین الیقین کے معنی ہیں آنکھ کے ساتھ دیکھنے سے حاصل کیا ہوا یقین مگر یہاں عین بمعنی اصل مراد ہے جس کے معنی حق کے بھی ہو سکتے ہیں۔بعض شارحین کو اس لفظ کی تاویل میں بہت مشکلات پیش آئی ہیں حتیٰ کہ بعض کو مجبوراً ماننا پڑا کہ یہاں مولانا کی اصطلاح تمام صوفیہ سے جداگانہ ہے۔(کلید)

ترجمہ:۔ جب تک کہ تم خود (آتشِ عشق میں پڑ کر) جلنے نہ لگو (تمہارا) وہ (یقین) حق الیقین (کے درجے کا) نہیں ہے (اگر) یہ یقین چاہتے ہو تو (خود) آتش (عشق) میں بیٹھ جاؤ۔

مطلب:۔ چونکہ سماعت سے علم الیقین حاصل ہوتا ہے جو ادنیٰ ہے۔مشاہدہ سے عین الیقین کا درجہ ملتا ہے جو درجۂ اوسط ہے اور خود اپنی ذات پر سہنے سے حق الیقین کے درجے پر فائز ہو سکتے ہیں جو یقین کا ایک اعلیٰ درجہ ہے، لہٰذا فرماتے ہیں کہ اگر اعلیٰ درجہ مطلوب ہے تو خود آتشِ عشق میں کود پڑو۔سننے یا دیکھنے پر اکتفا نہ کرو۔کما قال المظهر الشهيد عليه الرحمة والغفران۔

زعشق او بدانغے کے تسلی ے شوم مظہر کہ غرقِ سوختن چوں شعلہ ے خواہم سراپا را

گوش چوں ناقِد بود دیدہ شود ورنہ قُل در گوش پیچیدہ شود

لغات:۔ ناقِد مدرک، شناسا، پرکھنے والا، تمیز کرنے والا۔قُل بضمِ قاف قول، شاید قول کا مخفف ہے یا صیغۂ امر مجازاً بمعنی

مصدر استعمال ہوا ہے۔

ترجمہ:۔ (خیر) اگر کان (بھی) پرکھنے والا ہو تو وہ (بھی بمنزلہ) چشم ہو سکتا ہے ورنہ (اس کی تمام سنی سنائی) باتیں اسی میں لپٹ کر رہ جاتی ہیں (دل تک نہیں پہنچتیں)۔

مطلب:۔ اگر کان بھی درجہ کمال کو پہنچ جائے تو ادراک میں آنکھ کا کام کرنے لگتا ہے اور اس صورت میں وہ دلال اور صرف آلہ احساس نہیں رہتا۔ حضرت شیخ ابن فارضؒ کے دوسرے قصیدے میں لکھا ہے کہ جب معرفت درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو کان میں آنکھ کے خواص اور آنکھ میں کان کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں یعنی کان دیکھنے لگتے ہیں اور آنکھیں سننے لگتی ہیں۔ صائبؒ ۔

پردہ گوش ترا کرد است غفلتِ آہنی ورنہ ہر خارے دریں گلشن زبانِ بلبل ست

مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ اس قول میں غالباً گوش و چشم سے گوشِ دل اور چشمِ دل مراد ہیں۔

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد تا کہ شہ باآں غلامانش چہ کرد

ترجمہ:۔ یہ (علوم و معانی کی) بحث تو انتہا نہیں رکھتی (اب) واپس چلو (اور دیکھو) کہ بادشاہ نے اپنے ان (دونوں) غلاموں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

براہ کردنِ بادشاہ یکے ازاں دو غلام را واز دیگرے

روانہ کرنا بادشاہ کا ان دونوں غلاموں میں سے ایک کو اور دوسرے سے

احوال آں پرسیدن و باز گفتن او آنچہ در وے ست

اس کے حالات دریافت کرنا اور اس کا ان صفات (وعادات) کو بیان کرنا جو اس میں ہیں

آں غلامک را چو دید اہلِ ذکا آں دگر را کردہ اشارت کہ بیا

لغات:۔ غلامک غلام کے ساتھ کافِ تصغیر شامل ہے جیسے مردک، کنیزک، طفلک میں اور صیغہ تصغیر تحقیر۔ ترحم وغیرہ کئی معنوں میں آتا ہے۔ آگے مولانا خود بیان کرتے ہیں۔ ذکا بفتح ذال معجمہ، دانش، تیزیٔ طبع اور بالضم بمعنی آفتاب۔

ترجمہ:۔ (بادشاہ نے) جب اس ننھے منے غلام کو (بہت) ذہین پایا تو اس دوسرے (غلام) کو اشارہ کیا کہ (اب تم ادھر) آؤ۔

کافِ رحمت گفتمش تصغیر نیست جد چو گوید طفلکم تحقیر نیست

لغات:۔ رحمت مہرباں، ترحم۔ تصغیر چھوٹا اور ناچیز قرار دینا۔ جد دادا۔ تحقیر حقیر سمجھنا۔

ترجمہ:۔ میں نے اس کے نام پر یہ ترحم کا کاف بولا ہے (اس سے) اس کی شان کو گھٹانا (مقصود) نہیں (دیکھو) جب دادا (اپنے پوتے کو پیار سے) میرا بچونگڑا کہتا ہے تو (یہ کوئی) تحقیر نہیں ہوتی۔

مطلب:۔ تصغیر کے ہر زبان میں صیغے ہوتے ہیں۔ فارسی میں یہ صیغہ کسی اسم کے آخر میں کاف یا "چہ" شامل کرنے سے بنتا ہے۔ تصغیر کے معنی کسی چیز کی چھوٹائی ظاہر کرنا اور مقصود اس سے کبھی اس چیز کی جسامت وضخامت یا طول وعرض کی کمی ہوتی ہے۔ جیسے طبلک (ڈھولکی) سراچہ (چھوٹا سا گھر) کبھی اس کی تحقیر وتذلیل جیسے مردک (مردوا) وزدک (چوٹا) کبھی ترحم و محبت جیسے طفلک (بچڑا)۔

مسلمان بھائی کی تحقیر بڑا گناہ ہے

بچونگڑا) دخترک (پیاری بیٹی) مولانا بطور دفع دخل مقدر فرماتے ہیں کہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ میں نے ایک عاقل وزیرک غلام کو غلامک کہہ کر اس کی تحقیر وتصغیر کیوں کی۔ جب کہ بزرگی بعقل ست نہ بسال مسلمہ ہے۔ نیز ایک مومن کی تحقیر کرنا گناہ بھی ہے۔ حدیث بحسب امریء من الشران یحقر اخاہ المسلم ''آدمی کو یہی برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ حقارت سے پیش آئے'' کیونکہ یہ کاف صیغہ تصغیر تحقیر کے معنی میں نہیں بلکہ ترحم وشفقت کی غرض سے ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا جس کا ایراد مولاناؒ کے ذوق بیان وجوش تقریر کے لطائف سے ہے۔

چوں بیامد آں دوم در پیشِ شاہ بود او گندہ دہاں دنداں سیاہ

ترجمہ:۔ جب وہ دوسرا (غلام) بادشاہ کے (بلانے پر اس کے) حضور میں آیا تو اس کا منہ بدبودار اور دانت میلے میلے تھے۔

گرچہ شہ ناخوش شد از گفتارِ او جستجوے کرد ہم از کارِ او

ترجمہ:۔ اگرچہ بادشاہ کو (اس کی بوئے دہن کے باعث) اس کی ہمکلامی سے تکلیف محسوس ہوئی (یا یوں کہو اگرچہ بادشاہ نے اس کی بدصورتی کی وجہ سے ابتداءً اس سے ہمکلام ہونا ناپسند کیا) تاہم اس کی حالت کی بھی تفتیش کرنے لگا۔

گفت با ایں شکل وایں گندہ دہاں دور بنشیں لیک ازاں سوتر مراں

ترجمہ:۔ بادشاہ نے کہا تو اس بھونڈی شکل اور بدبودار منہ کے ساتھ (بہتر یہی ہے کہ) دور بیٹھ لیکن بہت دور بھی نہ بھاگ جا (یعنی مناسب فاصلے سے دور بیٹھا کر)۔

مطلب:۔ کسی کی تحقیر اور دل شکنی جائز نہیں مگر بادشاہ نے اس کو اس کے معائبِ جسم پر توجہ دلا کر دل شکستہ کرنا چاہا تو یہ ایک طرح سے امتحان تھا اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ قربِ سلطانی کا غرور اور محلاتِ شاہی کی نشست اس کے لیے اظہارِ حقائق سے حجاب نہ بن جائے۔ پھر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی مدِ نظر تھا کہ کہیں وہ اس تحقیر سے متوحش ہو کر یا یہ سمجھ کر کہ دور رہنے کے حکم سے بالکلیہ غیبت و دوری مقصود ہے، بھاگ ہی نہ جائے یا نظر سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اس لیے حکم دے دیا کہ دور بیٹھو مگر رہو ہماری نظر کے سامنے۔

تاعلاجِ ایں دہانِ تو کنیم تو مریض وما طبیبِ پُر فنیم

ترجمہ:۔ تا کہ ہم تیرے اس (مرضِ) دہاں کا علاج کریں تو مریض ہے اور ہم (بھی) حکیم حاذق ہیں۔

مطلب:۔ یہ شعر علت ہے ''لیک زاں سوتر مراں'' کی جو اس سے اوپر کے شعر میں ہے یعنی تم کو نظر کے سامنے رہنے کا حکم اس لیے دیا جاتا ہے کہ تمہارے مرض کا علاج کیا جائے اور معالج کے سامنے مریض کا رہنا ضروری ہے۔ حرف تا انتہا کے لیے بھی ہوسکتا ہے یعنی تم دور بیٹھو اور نظر سے غائب بھی نہ ہو جانا۔ اس وقت تک کہ تمہارا علاج کیا جائے کیونکہ علاج سے پہلے قریب آنا مخاطبین کے لیے باعثِ اذیت ہوگا اور اس سے پہلے غائب ہو جانا مخلِ علاج ہوگا۔ بعض نسخوں میں وہ مصرعہ یوں ہے۔ ''دور بنشیں مرکب ایں سوتر مراں'' یعنی دور بیٹھو اور ادھر (ہمارے قرب کی طرف) اپنے توسنِ تقرب کو دوڑاتے نہ آؤ۔ یہ نسخہ بھی درست ہے اور اس صورت میں مرکب ایں سوتر مراں تاکید قرار پائے گی۔ دور بنشیں کی اور اس شعر میں حرف صرف انتہا کے لیے ہوگا یعنی جب تک تمہارا علاج نہ ہو جائے، ہمارے قریب آنا مناسب نہیں اور ظاہر ہے کہ ہمارے اختیار کردہ نسخہ میں معنیٔ مزید کا افادہ ہے۔ اس لیے یہ قابلِ ترجیح ہے۔ فافہم۔

پہلے شعر میں اظہارِ نفرت سے اس کی دل شکنی کی تھی کہ حجابِ غرور مرتفع ہو جائے۔ اس شعر میں علاجِ مرض کی تجویز سے اس کی مواسات و مدارات کا اظہار کر کے اس کی طبیعت کو کسی قدر مانوس کیا گیا ہے تا کہ انتہائی دل شکنی مانعِ مقصود بھی نہ ہو جائے اور رفع

حجابات کے بعد کسی قدر انس و تالف کا سہارا اس کے اظہارِ اسرار کا محرک ہو۔

بادشاہ کے اپنے آپ کو طبیب پرفن کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی عارف باللہ اور صاحب ارشاد تھا۔ اسی لیے وہ اس طریق سے غلام کا امتحان لے رہا ہے اور تدریجی تدابیر سے اس کو راہِ مقصود پر لا رہا ہے جس طرح مشائخ کاملین اپنے مستفیدین کی اصلاح و تکمیل میں کیا کرتے ہیں۔

کہ توز اہلِ نامہ و رقعہ بُدی نے جلیس و یارِ ہم بُقعہ بدی

لغات :۔ اہلِ نامہ و رقعہ۔ خط پتر، چٹھی چپاٹی پہنچانے والا، نامہ بر، قاصد یا اہلِ رقعہ سے وہ شخص مراد ہے جو بالمشافہ گفتگو کرنے کے قابل نہ سمجھا جائے بلکہ اس سے دور رہ کر صرف تحریری مکالمہ کیا جائے۔ جلیس ہم نشین، مصاحب۔ بقعہ گھر، مکان ہم بقعہ ایک گھر میں ساتھ رہنے والا۔

ترکیب :۔ آغازِ شعر میں کاف تعلیل کا ہے اور یہ شعر علت ہے۔ دور بنشیں کی۔ جو اوپر کے تیسرے شعر میں گزرا۔

ترجمہ :۔ (تم کو دور بیٹھنے کا حکم اس لیے دیا جاتا ہے) کہ تم صرف خط پتر (لانے لے جانے) کے لائق ہو۔ (یا تم اسی قابل ہو کہ تم سے زبانی گفتگو کے بجائے تحریری بات چیت کی جائے) نہ کہ ہم نشین اور رفیق اور ہم خانہ (ہونے کے لائق)

بہرِ کیکے نو گلیمے سوختن نیست لائق از تو دیدہ دوختن

لغات :۔ کیک بکسرِ کاف پسو۔ نو گلیم نئی گدڑی موصوف موخر اور صفت مقدم آئی ہے۔ جیسے نو شہ دیدہ دوختن۔ آنکھ بند کر لینا۔ قطع نظر کرنا۔ بے پروائی کرنا۔

ترکیب :۔ تقدیرِ کلام یوں ہے چنانچہ نو گلیمے بہر کیکے سوختن لائق نیست ہمچناں از تو دیدہ دوختن سزاوار نباشد۔ لہٰذا بہر کیکے مع مقدرات جملہ اسمیہ تمثیل۔ از تو دیدہ دوختن مع مقدرات جملہ اسمیہ مثل لہ۔ یہ دونوں جملے مل کر جملہ تمثیلیہ ہوا۔

ترجمہ :۔ (جس طرح) ایک نئی گدڑی کو پسو کی وجہ سے پھونک ڈالنا مناسب نہیں (اسی طرح) تجھ سے (تیرے کسی عیب کی وجہ سے) بے پروائی کرنا (اچھا نہیں)

مطلب :۔ پسو کی موجودگی بیشک گدڑی کا عیب ہے لیکن ساتھ ہی اس سے بہت سے فوائد بھی متوقع ہیں، لہٰذا اس کو تلف کرنا اور ایک عیب کی وجہ سے کئی فوائد کو ہاتھ سے کھونا غلطی ہے۔ نظامیؒ۔

میفکن گول گرچہ عار آیدت کہ ہنگامِ سرما بکار آیدت

اسی طرح غلام کو اس کے بعض جسمانی عیوب کی بنا پر ہاتھ سے دینا اور اس کے دیگر فوائد سے محروم ہونا سراسر نادانی تھی۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دوستوں کی سابقہ عنایات اور موجودہ افادات کو ملحوظ رکھ کر ان کی لغزشوں اور قصوروں سے درگزر کرنی چاہیے۔ باہم ایسے فساد و عناد کی بنیاد ڈالنا جو شقاق ہو، مناسب نہیں ؎

اک دوست کی جفا سے جو پہنچے کبھی الم از بہرِ انتقام نہ ہرگز فساد کر
اس زخمِ دل کی مرہمِ شافی یہی ہے خوب
اس کے گزشتہ لطف و عنایت کو یاد کر

باہمہ بنشیں دو سہ دستاں بگو تا بہ بینم صورتِ عقلت نکو

لغات :۔ دستاں سخن گفتگو، قصہ۔

ترکیب:۔ ہمہ کلمہ تاکید ہے۔اس کا مؤکد عیوب مقدر ہے۔

ترجمہ:۔ تم (اپنے ان عیوب کے) باوجود (آؤ) بیٹھ جاؤ۔دو تین باتیں کروں تاکہ میں تمہاری عقل کا حال بخوبی معلوم کروں۔

مطلب:۔ اس سے پہلے بادشاہ نے سختی کے بعد کسی قدر نرمی کا برتاؤ کیا تھا۔اب بالکل نرم ہو گیا تاکہ غلام کی طبیعت پوری طرح مانوس ہو جائے اور اس کی قلبی کیفیات کے عیاں ہونے میں کوئی امر مانع نہ رہے۔صائب ؎

بتواں بحرف نرم دل سنگ آب کرد   شیر از ملائمیت بشکر دست یافتہ است

آں ذکی را پس فرستاد او بکار   سوئے حمامے کہ رو خود را بخار

لغات:۔ ذکی صاحبِ ذکا، ذہین، زیرک، عاقل۔بخار صیغہ امر سے خاریدن سے کھجلاؤ، خوب ملو، مالش کرو۔

ترجمہ:۔ پھر اس دوسرے عقلمند غلام کو (تو بہانہ بنا کر) ایک حمام کی طرف کام پر بھیج دیا۔(اور یہ کہہ کر ٹال دیا) کہ جاؤ تم اپنا بدن خوب ملو (اور نہاؤ)

ویں دگر را گفت تو چہ زیرکی   صد غلامی در حقیقت نے یکی

لغات:۔ زیرکی بیائے خطاب بمعنی زیرک ہستی ہے۔اسی طرح غلامی غلام ہستی اور یکی یکے ہستی ہے۔

ترجمہ:۔ اور اس دوسرے غلام کو فرمایا تم کس قدر عقلمند ہو۔تم (اپنی گوناگوں خوبیوں کے لحاظ سے) فی الواقع سو غلام (کے برابر) ہو۔ایک (غلام) نہیں ہو۔

باز قابل تربدی زاں یارِ خود   نزد ما آکہ تو بہ زاں یارِ بد

ترکیب:۔ دوسرے مصرعہ میں "تو" مبتداء "بہ" نیک خبر اور کلمہ رابطہ ہستی مقدر ہے۔

ترجمہ:۔ تب تو تم اپنے ساتھی سے زیادہ قابل ہو۔ہمارے پاس آؤ کہ تم اس برے یار سے اچھے ہو۔

مطلب:۔ اس غلام کے امتحان کی یہ اور بھی زبردست چال تھی کہ ہم نشینی و مصاحبت کی عزت دینے کے بعد اب اس کو بنانا شروع کر دیا۔اگر کوئی ناقص طبع و خام کار ہو تو اس امتحان میں اس کے فیل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔فوراً اپنی خوبی پر نازاں اور دوسرے کے عیوب بیان کرنے پر آمادہ ہو کر اپنی باطنی کمزوری کو نمایاں کر دیتا ہے۔

غنی رازِ تنگ ظرفاں نہاں آخر نے ماند   اگرچوں شیشۂ ساعت نفس در سینہ می دزدم

کامل و مکمل مشائخ اسی طرح اپنے مریدوں کو آزما آزما کر ان کی خامیوں کا پتہ لگاتے اور ان کی اصلاح کیا کرتے ہیں۔

آں نۂ کہ خواجہ تاشِ تو نمود   از تو مارا سرد میکرد آں حسود

لغات:۔ خواجہ تاش ایک آقا کے چند غلام آپس میں خواجہ تاش کہلاتے ہیں۔از کسے سرد کردن۔کسی سے برگشتہ کرنا۔حسود حاسد۔

ترجمہ:۔ تم ویسے نہیں جیسے کہ تمہارے ساتھ کے غلام نے ظاہر کیا ہے۔وہ حاسد تو (تمہاری برائیاں کر کے) ہمیں تم سے برگشتہ کرتا تھا۔

گفت او دُزد و کژ ست و کژنشیں   حیز و نامرد و چناں ست و چنیں

لغات:۔ کژ ٹیڑھا، بدچلن۔کژنشین بدصحبت، آوارہ۔حیز مخنث۔خنثیٰ وہ انسان جس میں مردانہ و زنانہ دونوں علامتیں

ناقص طور پر ہوں۔ اس لیے وہ نہ پورا مرد ہوتا ہے نہ عورت ۔ یہ کلمہ مجازاً نامرد، بزدل، کم ہمت، بے حوصلہ آدمی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حائے حطی کے ساتھ اس کا استعمال غلط مروج ہے کیونکہ کلمہ فارسی زبان کا ہے جس میں حائے حطی نہیں آتی، لہٰذا ہائے ہوز کے ساتھ بہتر صحیح ہے۔

ترجمہ:۔ اس نے تمہارے بارے میں کہا ہے کہ وہ چور اور بدچلن ہے اور بدصحبت، مخنث اور نامرد ہے اور ایسا ویسا ہے۔

مطلب:۔ امتحان کی یہ اور بھی سخت کمند ہے۔ اپنے ساتھی سے اس کو قابل تر قرار دے کر پاس بٹھالینا تو صرف اتنا ظاہر کرسکتا ہے کہ وہ عُجب و خود پسندی اور دوسرے کے حق میں عیب گیری و نکتہ چینی سے کہاں تک بچنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن ایک کے حق میں دوسرے کی بدگوئی بیان کر دینے سے یقیناً آتشِ غضب مشتعل اور جوشِ انتقام پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی شدید آزمائش میں پورا اترنا نہایت نازک کام ہے مگر یہ غلام محاسنِ اخلاق کی صفات سے موصوف تھا اور غرور و عیب اور کبر و غصہ کی آلائش سے اس کی طبیعت پاک تھی۔ چنانچہ ان باتوں کے جواب میں کیا عرض کرتا ہے۔

گفت پیوستہ بدست او راستگو   راست تر من کس ندیدستم ازو

ترجمہ:۔ (غلام نے) کہا وہ ہمیشہ سچ بولتا رہا ہے۔ میں نے اس سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں دیکھا (لہٰذا میرے بارے میں اس کی یہ باتیں سب سچ ہیں)۔

مطلب:۔ وہ غلام ایک مردِ حق و پاک نفس انسان تھا۔ کبر و غرور اور غضب و انتقام وغیرہ نفسانی معائب سے پاک تھا اور مردانِ حق کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ بدگوئی ان کے دل پر مؤثر نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کی تحسین و تصدیق کیا کرتے ہیں۔

حضرت مالک بن دینارؒ کو ایک مرتبہ کسی عورت نے کہا، او ریاکار! وہ بولے شاباش! تم نے خوب پہچانا۔ تیس برس سے کسی نے مجھ کو میرے نام سے نہیں پکارا لیکن تم نے پہچان لیا کہ میں کون ہوں!

حضرت مولانا رومؒ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ میں اسلام کے تہتر فرقوں سے متفق ہوں۔ ایک شخص اس جملے پر برافروختہ ہو گیا اور سرِ مجلس آپ کو مغلظ گالیاں دینے لگا مگر آپ نے اس کے جواب میں کچھ فرمایا تو یہی فرمایا، میں تمہاری ان باتوں سے بھی متفق ہوں۔

ایک دفعہ دو شخص سرِ راہ لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو کہا، او لعین! تو ایک کہے گا تو دس سنے گا۔ اتفاق سے مولانا کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا ہے، مجھ کو کہہ لو، مجھ کو اگر ہزار کہو گے تو ایک بھی نہ سنو گے۔ دونوں مولاناؒ کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں صلح کر لی۔ بے شک تحمل مردانہ کمالات سے ہے۔ صائبؒ

بے تحمل نشود جوہر مردی ظاہر   دست اگر تیغ بود سینہ سپرے باید

راستی و نیک خوئی و حیا   حلم و دینداری واحسان و سخا

راست گوئی درنہادش خلقے ست   ہرچہ گوید من نگویم تہمتے ست

لغات:۔ راستی۔ سچائی، راست روی، نیک چلنی۔ راست گوئی سچ بولنا اس صورت میں یائے آخر مصدری ہے۔ اگر کوئی صیغہ مضارع ہو تو اس کے معنی ہیں سچ کہو۔ بہر دو تقدیر۔ ترکیب و ترجمہ بھی دو طرح ہوگا۔

ترکیب:۔ (۱) راستی تا راستگوئی معطوفات مل کر مبتدا ہوا (اور اس صورت میں راستی اور راستگوئی کے معنی جداگانہ ہوں گے نہ کہ متحد) درنہادش خلقے ست اس کی خبر (۲) راستگوئی بتقدیر حرف اگر شرط۔ راستی و نیک خوئی الخ مبتدا اور درنہادش الخ۔ خبر مل کر جملہ اسمیہ

ہو کر جزا ہوئی۔ ان دونوں تقدیروں پر دو طرح کے ترجمے ملاحظہ ہوں۔ پہلے ترجمے میں راستی کے معنی نیک چلنی کے اور راست گوئی کے معنی سچ بولنے کے ہیں اور دوسرے ترجمہ میں راستی کے معنی سچائی کے اور راست گوئی کے معنی اگر سچ کہو کے ہیں۔

ترجمہ: (۱) نیک چلنی، خوشخوئی، شرم، بردباری، دینداری، حسنِ سلوک، سخاوت اور سچ بولنا اس کے وجود میں پیدائشی ہیں۔ وہ جو کچھ (میرے بارے میں) کہتا ہے میں نہیں کہتا کہ یہ کوئی تہمت ہے۔

(۲) (اگر) سچ کہو تو سچائی، خوش خلقی، شرم، بردباری، دینداری، حسنِ سلوک اور سخاوت اس کے وجود میں پیدائشی ہیں۔ الخ۔

مطلب: ۔ عیب جوئی و بدگوئی خامی و نقص کی دلیل ہے صائب۔

ہر ناقصے کہ در صد و عیب جستن ست
طفلے ست راہِ خانہ خود کردہ است گم

بخلاف اس کے پاک ضمیر و روشندل لوگ ہمیشہ دوسروں کی خوبیوں کا خیال اور معائب سے قطع نظر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ اپنے رفقا کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ سرِ راہ ایک کتے کا بچہ مرا پڑا تھا جس کا منہ کھلا تھا اور اس کے تعفن سے راہ چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ رفیقوں نے ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، اوہ! اس مردار سے کیسی بدبو پھیل رہی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا، واہ واہ! اس کے دانت کیسے خوبصورت اور چمکیلے ہیں۔ صائب

فروغِ شمع ے سازد منور چشمِ روشن را
اگر پاک ست دل آخر نظر ہم پاک میگردد

لوگوں کے عیوب سے چشم پوشی اور ان کے محاسن پر نظر کرنا کمال ہے

کژ نگویم آں نکو اندیش را
متہم دارم وجودِ خویش را

لغات: ۔ کژ ٹیڑھا، ناراست، بے جا۔ متہم ہائے کی فتح سے جس پر تہمت لگائی جائے، ملزم، بدنام، رسوا۔

ترکیب: ۔ کلمہ کژ یا تو سخن کی صفت ہے جو مقدر ہے یا یہ معنیاً نکو اندیش پر محمول ہے۔ فرق ترجمہ میں ظاہر ہوگا۔

ترجمہ: ۔ میں اس نیک اندیش کے حق میں کوئی بے جا بات نہیں کہہ سکتا (یا میں اس نیک اندیش کو کجرو نہیں کہہ سکتا) میں تو اپنے ہی وجود کو ملزم ٹھہراتا ہوں۔

مطلب: ۔ محاسنِ اخلاق کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے عیوب کے مطالعہ میں لگا رہے اور لوگوں کے عیوب کی پروا نہ کرے۔ ایسا انسان پیغمبری کی زبان سے مستحق مبارکباد ہے۔ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس"۔ قابلِ مبارک باد ہے وہ شخص جس کا اپنا عیب اسے لوگوں کے عیوب سے بے پروا کر دے"۔

عیب جوئی کی مذمت

غرق خود عیبوں میں ہیں ہم سربسر
پھر کسی کے عیب پر کیوں ہو نظر
عیب جو ہے مثل مکھی کے ذلیل
ڈھونڈتی پھرتی ہے جو عضو علیل
عیب جوئی میں وہ پاتا ہے مزا
جس طرح ہے پیپ مکھی کی غذا
عیب جوئی کی نہ کرنا تم ہوس
تم ہما ہو اور یہ ہے کارِ مگس

باشد او درمن بہیند عیبہا
من نہ بینم در وجودِ خود شہا

لغات: ۔ باشد ممکن ہے، ہوسکتا ہے، شاید۔ شہا اے بادشاہ۔

ترجمہ: ۔ بادشاہ سلامت! ممکن ہے کہ وہ مجھ میں عیوب دیکھتا ہو (جن کو) میں اپنے وجود میں (بوجہ غفلت و کوتاہی نظر) نہیں

دیکھ سکتا۔

ہر کسے گر عیبِ خود دیدے زپیش — کے بدے فارغ وے ازاصلاحِ خویش

ترجمہ:۔ اگر ہر شخص (برانتیجہ دیکھنے سے) پہلے ہی اپنا عیب دیکھتا (اور ساتھ ہی وہ دوراندیش بھی ہوتا) تو اپنی (اس برائی کی) اصلاح سے وہ کب فارغ بیٹھتا۔

مطلب:۔ یہ مولاناؒ کا مقولہ ہے جو بمناسبتِ مقام بطور نصیحت فرماتے ہیں۔ اپنی اصلاح کے لیے اپنے عیوب کا احساس ضروری ہے اور اپنی اصلاح وہی کر سکتا ہے جو اپنے عیوب کو دیکھ سکے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔

ہر کہ نقصِ خویش را دید و شناخت — اندر استکمال خود دو اسپہ تاخت

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ غلام کا مقولہ ہو یعنی وہ کہتا ہے کہ اس عیب چین غلام کو شاید میرے عیوب معلوم ہوں جو مجھے معلوم نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتے تو کیوں ان کی اصلاح سے میں فارغ رہتا اور کیوں اس کو میری عیب گیری کا موقع ملتا۔ یہ بھی میرا ہی قصور ہے۔ اس کا نہیں ۔

از تامل ےتواں دریافت صائب عیبِ خویش — وایے بر آنکس کہ ایں آئینہ را دور افگند

غافل اند ایں خلق از خود بے خبر — لاجرم گویند عیب ہمد گر

ترکیب:۔ خلق موصوف اور از خود بے خبر صفت مل کر مبتدا ہوا۔ غافل اند اس کی خبر۔ یہ جملہ اسمیہ شرط ہوا۔ بتقدیرِ حرفِ شرط دوسرا مصرعہ جزا۔ ایک مترجم نے ترجمے میں غافل کو خلق کی صفت ٹھہرایا ہے۔ یہ خلافِ سیاق بھی ہے اور مقصود کے لیے غیر ملائم بھی۔

ترجمہ:۔ چونکہ یہ لوگ جو اپنے (عیوب) سے بے خبر ہیں۔ (خود اپنی حالت سے) غافل ہیں۔ اس لیے ایک دوسرے کے عیب بیان کرنے لگتے ہیں۔

مطلب:۔ لوگوں کا ایک دوسرے کے عیب بیان کرنا مبنی ہے ان پر کہ وہ اپنی حالت سے غافل ہیں یعنی اپنی اصلاحِ عادات و تہذیبِ خصائل کی ان کو فکر نہیں۔ اگر یہ فکر ہوتا تو ان کو کسی دوسرے کے عیب میں مشغول ہونے کی فرصت ہی نہ ملتی اور وہ اپنی حالت سے غافل اس لیے ہیں کہ ان کو اپنے عیوب کی خبر تک نہیں۔ اگر ان کو اپنے عیوب کا کچھ بھی احساس ہوتا تو وہ اپنی حالت سے یوں غافل اور بے پروا نہ ہوتے۔ اس تقریر سے ہمارے اختیار کردہ ترجمہ کی وجۂ ترجیح ظاہر ہے۔

من نہ بینم روئے خود را اے شمن! — من بہ بینم روئے تو تو روئے من

لغات:۔ شمن بت پرست مراد ظاہر پرست اور یہ لفظ عیب چین کے لیے استعمال کیا ہے بایں مناسبت کہ جس طرح بت پرست ایک محسوس و مجسم چیز کو بطورِ بت پیش نظر رکھتا ہے، اسی طرح عیب چین کی نظر بھی اس شخص کی ذات کو اپنا تختہ مشق بنائے رکھتی ہے جس کی عیب جوئی کرتی ہے۔ خود اپنی حالت کی خبر نہیں کیونکہ اپنی حالت کے مطالعہ کے لیے نگاہِ ظاہر بیں کام نہیں دیتی بلکہ چشمِ بصیرت کی ضرورت ہے۔

ترجمہ:۔ اے ظاہر پرست میں اپنے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا بلکہ میں تیرے منہ کو دیکھتا ہوں اور تو میرے چہرے کو۔

مطلب:۔ عام لوگوں کی عیب گیری و نکتہ چینی کی حالت کو اپنی اور مخاطب کی تمثیل میں ادا کیا ہے۔ جیسے کہ اگر دو ریاکار لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے بناوٹی تقدس کا اظہار کرتے ہوں تو ان کی تصویر ان لفظوں میں کھینچا کرتے ہیں کہ ''من ترا ملا بگویم تو مرا حاجی بگو'' ... کے عیوب کی تلاش و تجسس میں لگے رہتے ہیں۔

خود اپنی کسی کو خبر نہیں۔ سعدیؒ ۔

منہ عیب خلق اے فرومایہ پیش کہ حشمت فرود وز از عیب خویش
چرا دامن آلودہ را حد زنم چو در خود شناسم کہ تر دامنم

آں کسے کہ او ببیند روئے خویش نورِ او از نورِ خلقانست بیش

لغات:۔ روئے منہ کنایہ ہے عیوب چہرہ سے یا عام عیوب سے۔ خلقاں مخلوق۔

ترجمہ:۔ جو شخص اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ اس کا نور (بصیرت) مخلوق کے نور (بصیرت) سے بڑھ کر ہے۔

مطلب:۔ ظاہر پرست دوسرے لوگوں کے عیب کو دیکھتا ہے اور چشم باطن رکھنے والا اپنے عیوب کو دیکھتا ہے کیونکہ اپنے عیوب کے احساس کے لیے چشمِ ظاہر کام نہیں دے سکتی۔ اس کے لیے بصیرتِ باطن اور چشم قلب درکار ہے، لہٰذا ایسا شخص صاحبِ بصیرت ہونے کے لحاظ سے عام لوگوں سے اشرف و افضل ہوتا ہے۔ صائبؒ ۔

عیب خود دیدن مرا از دیگراں ممتاز کرد منفعت از پا زیادہ از پر بود طاؤس را

نورِ حسی نبود آں نورے کہ او نورِ خود محسوس بیند پیش رُو

لغات:۔ جو نور اپنے (چہرے کے) نور کو (اس طرح) محسوس کرے (جیسے) منہ کے سامنے (ہو) وہ حسی (وجسمانی) نور نہیں۔ (بلکہ باطنی و روحانی ہے)

گر بمیرد نورِ او باقی بود زانکہ دیدش دید خلاّقی بود

لغات:۔ باقی غیر فانی، ابدی۔ خلاّقی خداوند تعالیٰ کے ساتھ منسوب، خدائی خلاق خدا کا نام ہے۔

ترجمہ:۔ اگر وہ (صاحبِ نور) مر (بھی) جائے تو اس کا نور (نہیں مرتا۔ وہ) قائم رہتا ہے کیونکہ اس کی بینائی خداوندی بینائی ہوتی ہے۔ کما قیل

مرد ہمت گرچہ میرد زاں نکوتر مے شود ابر گر برداشت آب از بحر گوہر مے شود

گفت تو ہم عیبِ او گو مُو بمُو آں چنانکہ گفت او از عیبِ تو

ترجمہ:۔ (بادشاہ نے) کہا جس طرح اس نے تیرے عیب بیان کئے ہیں تو بھی اس کے عیب ایک ایک کر کے بیان کر ڈال۔

تا بدانم کہ تو غمخوار منی کدخدائے ملکت و کارِ منی

لغات:۔ ملکت یا ملکہ بضمِ میم وسکون لام بادشاہی، سلطنت، حکومت۔ یہ کلمہ مملکت کا مخفف نہیں ہے بلکہ ملک کا صیغہ مونث ہے۔ بادخال تاءِ تانیث۔ کدخدا مالک، مہتمم، منتظم۔

ترجمہ:۔ تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ تو میرا غمخوار ہے۔ میری سلطنت اور کاروبارِ سلطنت کا (ایک باخلاص) منتظم ہے (کہ اس کے شر سے مجھ کو آگاہ کرتا ہے)

گفت اے شہ من بگویم عیبہاش گرچہ ہست او مرا خوش خواجہ تاش

ترجمہ:۔ اس نے (جواباً) عرض کیا۔ حضور! لیجئے میں اس کے عیب بیان کر دیتا ہوں۔ اگرچہ وہ میرا ایک اچھا خواجہ تاش (یعنی

ساتھ کا غلام) ہے (اس کے عیوب یہ ہیں کہ)

عیبِ او مہر و وفا و مردمی　　عیبِ او صدق و صفا و ہمدمی

ترجمہ:۔ اس کا عیب محبت، وفا اور مردمی ہے۔ اس کا عیب سچائی، صفائی اور ہمدردی ہے۔

کمتریں عیبش جوانمردی و داد　　آں جوانمردی کہ جاں راہم بداد

لغات:۔ جوانمردی بہادری شجاعت مگر فارسی میں عموماً اس لفظ کا استعمال سخاوت و کرم کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے کہ حاتم وغیرہ مشہور اسخیا و اہلِ کرم کو جوانمرد لکھتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ بوستان میں ایک عنوان لکھتے ہیں۔ ''حکایت حاتم طائی وصفتِ جوانمردیِ وے'' یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ داد عطا، بخشش۔ ایک شارح نے اس کے معنی انصاف کے کیے ہیں۔ معنی صحیح ہیں مگر یہاں یہ مراد نہیں ہو سکتے۔

صنائع:۔ داد کے لفظ میں صنعتِ تجنیس ہے اور ان دونوں شعروں میں ایک اور صنعت ہے جس کو تاکید المدح بما یشبہ الذم کہتے ہیں یعنی سیاق عبارت سے کسی کو مذمت معلوم ہو مگر درحقیقت وہ کمال مدح ہو جیسے فارسی کا شعر ہے ؎

ہر آنکہ نام تو بر دل نوشت گشت عزیز　　مگر درم کہ ز دستِ تو میکشد خواری

یعنی جس نے تیرا نام دل پر لکھ لیا، وہ معزز بن گیا مگر درم کہ وہ تیرا نام اپنے اوپر منقش کرا کر بھی تیرے ہاتھ سے خواری ہی اٹھا تا رہا مگر کے لفظ سے شبہ ہوتا تھا کہ اب ممدوح کی مذمت ہوگی مگر وہ بھی کمال سخاوت و کرم کا مضمون نکلا۔ اسی طرح دو شعروں میں کہا کہ اس کے عیب یہ ہیں اور عیب شماری بظاہر مذمت ہے مگر ان عیوب کو جو ظاہر کیا گیا تو وہ اعلیٰ اخلاقی ہنر تھے۔ اس طرح کا بیان بلیغ سمجھا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ سیدھے طور پر یوں کہہ دیا جائے کہ اس میں کوئی عیب نہیں۔

ترجمہ:۔ اس کا ایک چھوٹا سا عیب سخاوت اور بخشش (ہے) سخاوت بھی ایسی کہ جان تک دے دی (جائے تو اس کو اس سے دریغ نہیں)

صد ہزاراں جاں خدا کردہ پدید　　چہ جوانمردی بود کاں راندید

لغات:۔ پدید ظاہر، نمایاں۔ چہ یہاں تعظیم کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی خیلے جوانمردی بود۔ ایک شارح نے اس کو استفہام انکاری کے لیے سمجھا ہے یعنی ایں جوانمردی نباشد۔ مگر اس سے مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ اگر بتکلف مطلب کو ڈھب پر لایا جائے تو لطف سے خالی ہے۔

ترجمہ:۔ خداوند تعالیٰ نے لاکھوں جانیں پیدا کی ہیں۔ جو شخص ان (جانوں) کو (بھی) نہ دیکھے (پھر اپنی موجودہ ایک جان کو اس کی راہ میں قربان کر دے۔ اس کی یہ) کس قدر جوانمردی ہے۔

مطلب:۔ یہاں سے شوقِ شہادت اور اختیارِ فنا کے مضمون کی طرف انتقال ہے۔ کسی عارف نے فرمایا ہے ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

راہ خدا میں نقد جان کو نثار کر دینا حیاتِ ابدی کے خزانوں کے خزانے دلاتا ہے۔ صائبؒ ؎

در راہ او نثار کن ایں خردۂ حیات　　وانگہ نگاہ کن کہ چہ زر ہا بہ ہے دہند

فرماتے ہیں کہ جو شخص جانثاری کے عوض میں ملنے والی لاکھوں جانوں اور بے پایاں خزائنِ حیات کی بھی پروانہ کرے اور ان کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کو خیال تک میں نہ لائے، اور پھر جان دے دے، جوانمردی تو اس کی ہے۔ حافظؒ ؎

نعیم ہر دو جہاں پیشِ عاشقان بجوے — کہ ایں متاعِ قلیل ست و آں بہائے حقیر

لیکن جو شخص ان لاکھوں جانوں کو دیکھ ہی لے تو ان کے لیے ایک حقیر جان کے دینے میں کیوں پس وپیش کرنے لگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ور بدیدے کے بجاں بُخلش بدے — بہرِ یکجاں کے چنیں غمگیں شدے

ترجمہ:۔ اگر وہ (ان بے پایاں جانوں کو) دیکھ لے تو اس کو جان (کے دینے) میں کیوں بخل ہوگا، وہ بھلا ایک جان کے لیے کیوں غمگین ہونے لگا۔ غنیؒ ۔

عاشقاں روزِ شہادت خسروِ وقتِ خود اند — تیشہ برسر افسرِ شاہی بود فرہاد را

برلبِ جُو بُخلِ آب آں را بود — کوز جوئے آب نابینا بود

ترجمہ:۔ نہر کے کنارے پر (کسی کو) پانی (دینے) میں بخل وہی شخص کرے گا جو پانی کی (لبریز) نہر کو نہیں دیکھتا۔

مطلب:۔ ایک بے آب وگیاہ بیاباں میں کسی اندھے کے پاس پانی کی چھاگل ہو۔ اس کو اپنی ذاتی مصلحت یہ اجازت نہیں دیتی کہ لوگوں کو پانی دے کر خود پیاسا مرے۔ وہ ایک نہر کے کنارے پر پہنچ کر بھی بے خبری کی حالت میں اپنا پانی دینے سے انکار کرے گا۔ اگر اس کی آنکھیں ہوتیں تو سمجھتا یہ نہر موجود ہے۔ یہاں سائل کو پانی دے دینا ''مفت کرم داشتن'' کا ہم معنی ہے۔ جب چاہوں گا پھر نہر سے چھاگل بھرلوں گا۔ یہی مثال ہے ان بے بصیرت لوگوں کی جن کو اس حیاتِ باقی کی خبر نہیں ہے جو موجودہ حیاتِ فانی کو خدا کی راہ میں نثار کرنے کے بعد ملتی ہے۔ اس لیے وہ تیغِ شہادت کے نیچے آنے سے ڈرتے ہیں لیکن جن کو وہ حیات نظر آتی ہے اور وہ دریائے بقا کو اپنے سامنے موجزن پاتے ہیں ان کے لیے حیاتِ فانی سے دست بردار ہو جانا کچھ مشکل نہیں۔ ۔

در کنارِ بحر صائب قطرہ دریاے شود — کس چرا جاں را ازاں جانِ جہان دارد دریغ

گفت پیغمبر کہ ہر کس از یقین — داندا و پاداشِ خود در یَومِ دِیں

کہ یکے رادہ عوض مے آیدش — ہر زماں جودے دگرگوں زایدش

لغات:۔ از یہ کلمہ یہاں بمعنی بیا ہے یعنی بیقین۔ پاداش جزا سزا بدلہ۔ یوم دین روزِ قیامت۔ عوض معاوضہ اجر۔ جود بخشش خیرات۔ زاید بعمل آید۔

ترکیب:۔ ہر کس اسم موصول اپنے صلہ داند الخ کے ساتھ مل کر مبتدا ہوا جس میں پاداش مبین ہے اور دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کہ یکے را الخ اس کا بیان مبین تو بیان مل کر مفعول ہوا داند کا۔ ہر زماں جودے دگرگوں زایدش جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی۔

ترجمہ:۔ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بالیقین جانتا ہو کہ قیامت کے روز اس کا یہ اجر ہے کہ ایک نیکی کے عوض میں دس گنا معاوضہ پائے گا، وہ ہر وقت طرح طرح کے صدقہ وخیرات عمل میں لاتا رہے گا۔

مطلب:۔ حدیث شریف میں مروی ہے کل عمل ابن ادم بعشرا مثالھا یعنی فرزند آدم کے ہر عمل کا اجر دس گنا ملے گا (بحر العلوم) یا شاید یہ روایت اس حدیث سے روایت بالمعنی ہو۔ لو تعلمون ما ادخر لکم ما خزنتم علی مازدی عنکم یعنی اگر تم کو آخرت میں اپنا ذخیرہ معلوم ہو جائے تو دنیا میں ذخیرہ جمع نہ کرو ایک اور حدیث ہے لو تعلمون مالک عند اللہ لاحببتم ان تزودوا الفاقۃ و حاجۃ یعنی اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے ہاں کیا کچھ اجر ملنے والا ہے تو تم کو اور بھی زیادہ فاقہ اور محتاجی میں زندگی بسر کرنا پسند آئے۔ (جامع صغیر امام سیوطیؒ) پس جب ایک ایک نیکی کے عوض دس دس گنا ملتا نظر آتا ہو تو پھر نیکی کرنا یا نیک راہ میں جان دینا کیا مشکل ہوگا۔

جود جملہ از عوضہا دیدن ست　　　پس عوض دیدن ضدِ ترسیدنست

ترجمہ:۔ تمام (سخیوں) کی سخاوت اجر (آخرت) کے مدنظر ہونے کے سبب سے ہے: پس (وہ بخل نہیں کر سکتے کیونکہ بخل خوفِ فقر سے ہوتا ہے اور آخرت کے) اجر کی توقع خوف (فقر) کی ضد ہے۔

مطلب:۔ بخل کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان انسان کے دل میں اس قسم کے وسوسے ڈالتا ہے کہ مثلاً ایک ہزار روپے سے پچیس روپے زکوٰۃ نکل گئی تو نو سو پچھتر روپے رہ جائیں گے اور اگر اسی طرح زکوٰۃ برابر کا سلسلہ جاری رہا تو یہ سارا مال ہاتھ سے جاتا رہے گا اور ہم فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ "شیطان تم کو محتاجی و درویشی سے ڈراتا ہے اور بے حیائیوں پر تم کو آمادہ کرتا ہے"۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ بندہ کو صدقہ و خیرات کا عوض دنیا و آخرت میں دونوں جگہ دینے کا وعدہ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا "اور اللہ تعالیٰ تعالیٰ اپنے ہاں سے بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے"۔ دنیا میں اس سے مال بڑھتا ہے۔ سعدیؒ ~~ہے~~

زکوٰۃِ مال بدر کن کہ خوشئہ زر را　　　چو باغباں برد بیشتر دہد انگور

زاحساں میشود صاحب کرم را دولت افزوں تر　　　بلے ہر چاہ را آب از کشیدن بیشتر گردد

اور آخرت میں بھی اس کا اجر کئی گنا ملتا ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط "کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے، پھر اللہ اس کو کئی گنا زیادہ ادا کرے" تو جس شخص کی نظر اللہ کے مواعید صادقہ پر ہوتی ہے۔ دنیا میں فضلِ الٰہی اور آخرت میں اجرِ نامتناہی اس کے زیرِ نظر ہو وہ شیطان کے بہکانے سے فقر و فاقہ سے کب خائف ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس کو اجرِ آخرت کی امید ہے، وہ فقرِ دنیا سے نہیں ڈرتا بلکہ فقر اس کو محبوب ہو جاتا ہے۔ جیسے اوپر حدیث گزری کہ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ لَاَحْبَبْتُمْ اَنْ تَزْدَادُوْا فَاقَةً وَّحَاجَةً (ترجمہ پیچھے گزر چکا) آگے اسی کی تائید میں فرماتے ہیں۔

بخل نادیدن بود اَعواض را　　　شاد دارد دیدِ دُر خوّاض را

لغات:۔ اعواض جمع عوض، معاوضے۔ دُر۔ بضمِ دال موتی۔ خوّاض خاے معجمہ اور ضاد معجمہ کے ساتھ بمعنی غواص یعنی غوطہ خور۔ ڈبکی لگانے والا۔

ترجمہ:۔ بخل (کا سبب) معاوضوں پر نظر نہ ہونا ہے۔ غوطہ خور کو موتی کی توقع (غوطہ کی مشقت میں بھی) خوش رکھتی ہے۔

مطلب:۔ غوطہ خور کو سمندر سے موتی ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ سمندر کی گہرائی میں اترنے کے خطرات کو برداشت کرتا ہے بلکہ خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ اگر موتی کی امید نہ ہو تو وہ سمندر میں قدم بھی نہ رکھے۔ اسی طرح جب کسی کو اجر کی امید نہیں ہوتی تو وہ خیرات نہیں کرتا بلکہ بخل اختیار کر لیتا ہے۔

پس بعالم ہیچ کس نبود بخیل　　　زانکہ کس چیزے نیارد بے بدیل

لغات:۔ نیارد اے بعمل نیارد بدیل عوض، بدلہ۔

ترجمہ:۔ پس جہان میں کوئی بھی بخیل نہ ہوگا کیونکہ کوئی شخص کچھ (عملِ خیر) معاوضہ (کی توقع) کے بغیر (عمل میں) نہیں لاتا۔

مطلب:۔ اوپر جہاں سے یہ شوقِ شہادت کی بحث شروع ہوئی تھی۔ فرمایا تھا کہ "چہ جوانمردی بود کان را ندید" یعنی اعلیٰ جوانمردی تو یہی ہے کہ بلا معاوضہ جان دے دے اور اس کے عوض میں لاکھوں جانیں بھی ملیں تو ان کی پروانہ کرے۔ پھر اس کی تائید میں فرمایا کہ

بخل کرنے والے اسی لیے بخل کے مرتکب ہوتے ہیں کہ ان کو کوئی اجر و معاوضہ نظر نہیں آتا۔ ''بخل نادیدن بود اعواض را'' اور جن کو سخاوت کا اجر و معاوضہ نظر آتا ہے، وہ شب و روز جود و کرم پر عمل کرتے ہیں۔ ''ہر زماں جودے دگرگوں زاید ش'' اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی یہ سخاوت کوئی حقیقی سخاوت نہیں بلکہ محض خود غرضی ہے ورنہ اگر ان لوگوں کو سخی قرار دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ دنیا میں کوئی بخیل ہی نہیں۔ پس بعالم ہیچ کس نبود بخیل کیونکہ جو شخص بھی تمہاری نظر میں بخیل ہے، اگر اس کو اجر اور معاوضے کے ڈھیر دکھا دو گے تو وہ بھی بذل و کرم اختیار کر کے حاتم کا بھائی بن جائے گا کیونکہ اس کا بخل اسی محدود وقت تک ہے جب تک اسے اجر نظر نہیں آتا۔ تو گویا عالم میں بخیل کا وجود ہی فرضی ہے، واقعی نہیں اور یہ محال ہے کیونکہ قرآن مجید اس واقعیت پر شاہد ہے۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى اور فرمایا سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ چونکہ یہ محال لازم آیا۔ امیدوارانِ اجر کو سخی تسلیم کر لینے سے اس لیے یہی بات باطل ہے یعنی امیدوارانِ معاوضہ حقیقی سخی نہیں ہیں بلکہ سخی وہی ہے جو مال و دولت حتیٰ کہ جان تک دے دے مگر معاوضے پر نظر نہ رکھے۔ حافظؒ۔

سایہ طوبے و دلجوئی حور و لبِ حوض　　بہوائے سرِ کوئے تو برفت از یادم

ایک شارح صاحب فرماتے ہیں کہ اس شعر میں یہ کہنا کہ دنیا میں کوئی بخیل ہی نہیں، مولانا کا ایک لطیفہ ہے۔ گویا ان کے نزدیک یہ شعر اپنے ماسبق سے مربوط نہیں۔ فظهرت سخافة هذا القول۔

پس سخا از چشم آید نے ز دست　　دید دارد کار جز بینا نرست

ترجمہ:۔ پس سخاوت کا وقوع آنکھ سے ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ سے۔ آنکھ ہی (آخر) کام آتی ہے۔ آنکھ والے کے سوا کوئی (بخل کے الزام سے) نہیں بچ سکا۔

مطلب:۔ اوپر کی بحث سے یہ الزامی نتیجہ نکالنے کے بعد کہ پھر تو گویا دنیا میں کوئی بخیل ہی نہ ہوا۔ اب صحیح نتیجہ پر آتے ہیں کہ بخیل تو ہیں لیکن جن لوگوں کو تم ان کے مقابلے میں سخی کہتے ہو، سچی سخاوت سے موصوف وہ بھی نہیں کیونکہ ان کی نظر معاوضہ پر ہے۔ ان کی سخاوت بے غرضانہ نہیں ہے۔ اصل سخاوت تو یہ ہے کہ سخی جس طرح ہاتھ سے مال چھوڑ دیتا ہے، اسی طرح آنکھ کو بھی معاوضہ کی طرف سے بند کر لے بلکہ سخاوت کا مدارِ اعلیٰ آنکھ پر ہے کہ پہلے معاوضہ سے قطع نظر کرے، پھر ہاتھ سے داد و دہش کرے۔

باحتمالِ بعید یہ شعر اوپر کے الزامی نتیجہ کا تتمہ بھی ہو سکتا ہے یعنی اگر امیدوارانِ معاوضہ بھی تمہاری نظر میں سخی ہیں تو پھر سخاوت کا مدار ہاتھ کے دینے پر نہ ہوا بلکہ آنکھ کے دیکھنے پر ہوا کہ معاوضہ ملتا نظر آیا تو سخاوت کی ورنہ دست در بغل ہو کر رہ گئے۔ واہ! وا کیا اچھی سخاوت ہے۔ نظامیؒ۔

ہر کہ در بندِ کارِ خود باشد　　گرچہ بینش نیک، بد باشد

عیبِ دیگر آنکہ خود بیں نیست او　　ہست او در ہستیِ خود عیب جُو

لغات:۔ خود بین اپنے آپ کو دیکھنے والا، خود پسند۔ ہستی وجود۔

صنائع:۔ شعر میں ردالعجز علے الصدر ہے۔

ترجمہ:۔ اس کا (غلام ذکی) دوسرا عیب یہ ہے کہ وہ خود بیں نہیں ہے (یعنی وہ اپنے ہنروں کو نہیں دیکھتا بلکہ) وہ اپنے وجود میں عیب تلاش کرتا رہتا ہے۔

مطلب:۔ اب پھر غلام کی تقریر کا سلسلہ چلتا ہے جو دوسرے غلام کے محاسن کو معائب کے نام سے بیان کر رہا ہے بطور تاکید

الدح بمایشبہ الذم۔

کارمن نیست غنی چوں دگراں خود بینی نروم تاز خود آئینہ بہ پیشم مگذار

عیب گوئے وعیب جوئے خود بدست باہمہ نیکو و باخود بدبدست

ترجمہ:۔ وہ خود اپنا عیب بیان کرتا اور اپنا ہی عیب تلاش کرتا رہتا ہے۔ سب کے ساتھ اچھا (سلوک کرتا) رہا ہے اور خود اپنے ساتھ (بدسلوکی کرتا) رہا ہے۔ امیر خسروؒ۔

نیست آں مردانگی گاہِ غزا کافر کشی درصفِ عشاق خود راکش کہ ایں مردانگی است

گفت شہ جلدی مکن در مدحِ یار مدحِ خود در ضمنِ مدحِ اومیار

ترجمہ:۔ بادشاہ نے فرمایا تم (اپنے) رفیق (کے عیب بیان کرنے کے بجائے اس) کی مدح (کا دفتر کھولنے) میں جلدی نہ کرو (اور ہاں اپنے کسرِ نفس اور اس کی مبالغہ آمیز مدح وثنا جو کرتے ہو۔ یہ) اس کی مدح کے ضمن میں (اشارۃً) اپنی (ہی) مدح (ہے۔ ایسا) نہ کرو۔ (بلکہ خوب غور وتامل کے ساتھ اس کے واقعی عیوب کا پتا لگا کر مجھے اطلاع دو۔)

زانکہ من در امتحاں آرم ورا شرمساری آیدت در ماجرا

ترجمہ:۔ کیونکہ میں اس کی آزمائش کروں گا۔ ایسا نہ ہو کہ (آخرکار) تم کو اس واقعہ میں ندامت پیش آئے۔

قسم خوردنِ غلام برصدقِ خود وطہارتِ ظنِّ خود

غلام کا اپنی سچائی اور اپنے گمان کی پاکیزگی پر قسم کھانا

گفت نے وَاللہِ بِاللہِ الْعَظِیْمِ مَالِکُ لِّلْمُلْکِ رَحْمٰنٍ رَّحِیْمِ

لغات:۔ واللہ اور باللہ واؤ حروفِ قسم ہیں۔

ترکیب:۔ اللہ موصوف اور عظیم۔ مالک الملک، رحمٰن، رحیم اس کی صفات مل کر مبین ہوا۔ اس کے بعد اگلے شعر سے لے کر اکتالیسویں شعر تک اس کا بیان چلا جاتا ہے۔ مبین وبیان مل کر قسم ہوئی یا ان اشعار کو حمدِ حق پر مشتمل متعدد جملاتِ معترضہ قرار دیا جائے۔ پھر بیالیسویں اور تینتالیسویں دو شعروں میں دوسری قسم ہے۔ اس کے بعد چوالیسویں شعر میں تیسری قسم ہے۔ ان تین قسموں کے بعد کہ صفاتِ خواجہ تاش ودیارِ من الخ جوابِ قسم ہے۔

ترجمہ:۔ غلام نے کہا نہیں (یہ بناوٹ نہیں) بخدا! بخدا اے بزرگ! جو مالکِ سلطنت ہے، مہربان ہے۔ رحم والا ہے۔

آں خدائے کہ فرستاد انبیا نے بحاجت بل بفضلِ کبریا

ترجمہ:۔ وہ خدا جس نے انبیا کو مبعوث فرمایا، کسی احتیاج (کی مجبوری) سے نہیں بلکہ (محض اپنے) زبردست فضل سے (جس سے کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا)۔

مطلب:۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کا محتاج نہ تھا کہ ہدایتِ خلق کے لیے انبیا کو بھیجے اور اس کے بغیر ہدایت ناممکن تھی بلکہ وہ اگر چاہے تو خود لوگوں کے قلوب کو مائل بہ ہدایت کر دے حتیٰ کہ وہ انبیاء ومبلغین کے ارشاد وہدایت کے بغیر ہی راہ راست پر آ جائیں۔ پس

بعثتِ انبیا مبنی بر مصلحت ہے تاکہ بندوں کی پاک و ناپاک نیتوں اور نیک و بد ارادوں کا امتحان ہو جائے۔ حافظؒ ؎

خوش بود گر محک تجربہ آمد بمیاں تاسیہ روے شود ہر کہ دروغش باشد

آں خداوندے کہ از خاکِ ذلیل آفرید او شہسوارانِ جلیل

ترجمہ:۔ وہ خداوند جس نے (اپنی قدرت سے) ناچیز مٹی میں سے (میدانِ عرفان و تقرب کے) بڑے بڑے شہسواروں کو پیدا فرمایا۔

مطلب:۔ یہ اس کا کمالِ قدرت ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ ہستی پیدا کی۔ مولانا رومؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

اے مبدل کردہ خاکے رابزر خاک دیگر را بکردہ بوالبشر

پاک شاں کرد از مزاجِ خاکیاں بگزرا نیداز تگِ افلاکیاں

لغات:۔ خاکیاں اہل خاک، مخلوقِ عنصری۔ تگ رفتار، تیز دوڑ۔ افلاکی آسمانی مخلوق، آسمانی ملائکہ وغیرہ۔

ترجمہ:۔ ان کو مخلوقِ خاک کے مزاج سے پاک کیا۔ (حتیٰ کہ) مخلوقِ آسمانی سے بھی دوڑ میں سبقت دلا دی۔

مطلب:۔ عامہ افرادِ انسان مثل دیگر حیوانات قوائے سبعیہ و بہیمیہ سے مغلوب ہوتے ہیں جن کے غلبہ سے ان میں اخلاقِ رذیلہ پیدا ہو کر گوناگوں فتنہ و فساد کے باعث ہوتے ہیں مگر انبیاء و صلحا میں یہ قوتیں بمقتضائے فطرت اس خاص اعتدال پر ہوتی ہیں جس سے وظیفۂ حیات شخصی و نوعی قائم رہ سکے اور بس باقی وہ سراپا قوائے ملکیہ و روحیہ کا مظہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کی بدولت تا حدِ امکان دنیا سے فتنہ و فساد وغیرہ ظلمانی امور دور ہوتے ہیں بلکہ ان میں سے بعض نفوسِ قدسیہ عرفان و تقرب کی منازل طے کرنے میں اس قدر سریع السیر ہوتے ہیں کہ ملائکہ مقربین بھی ان کی ہمراہی سے عاجز آ جاتے ہیں جیسے کہ آنحضرتؐ کی معراج میں جبرائیلؑ جو تمام ملائکہ کے سرتاج ہیں، تقربِ خاص کی منزل میں ہمراہی کی تاب نہ لا سکے۔ سعدیؒ۔

چناں گرم درتیہ قربت براند کہ جبرائیل در سدرہ زو باز ماند

برگرفت از نار و نورِ صاف ساخت وانکہ او بر جملۂ انوار تاخت

لغات:۔ برگرفت الگ کر دیا، نکال لیا، بچا دیا۔ نار آگ جس سے یا تو آتشِ دوزخ مراد ہے یا اخلاقِ رذیلہ جن کو شیطان کے ساتھ نسبت ہونے سے جو آتشی مخلوق ہے، نار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ تاخت چڑھ دوڑا، فاتحانہ حملہ کیا، چھا گیا۔ ایک نسخے میں تافت بفائے معجمہ لکھا ہے جس کے معنی ہیں چمکا۔ اگرچہ یہ لفظ نور و نار کے لحاظ سے یہاں زیادہ چسپاں ہے مگر اس صورت میں قافیہ مخدوش ہو جاتا ہے۔

ترجمہ:۔ ان کو آگ سے بچا دیا اور خالص نور بنا دیا اور (نور بھی) وہ جو تمام انوار پر غالب آ گیا۔

مطلب:۔ ان کو اخلاقِ رذیلہ سے جو شیطان مخلوق آتش کے ساتھ منسوب ہونے کے باعث بمنزلہ آتش ہیں۔ پاک و منزہ کر کے نورٌ علیٰ نور بنا دیا اور دیگر تمام انوار پر فوقیت بخشی۔ اگر نار سے نارِ جہنم مراد ہو تو یہ مطلب ہے کہ ان کو آخرت کے ہر خوف و خطر سے نجات بخشی کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ان کی شان ہے۔

آں سنا برقے کہ برارواح تافت تا کہ آدم معرفت زاں نور یافت

لغات:۔ سنا روشنی۔ برق بجلی

ترکیب:۔ نورِ خدا مبتدا۔ مقدر آں سنا برقے الخ خبراست رابطہ جملہ

ترجمہ:۔ (نورِ خدا) وہ درخشانی برق (ہے) جو ارواح پر چمکی۔ حتیٰ کہ حضرت آدمؑ نے اس نور سے معرفت پائی۔

مطلب:۔ حدیث میں آیا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو جمع کر کے ان پر نور برسایا۔ فمن اصاب من ذالک النور اهتدی و من اخطاء ضل پس جس پر اس نور کا پرتو پڑا، وہ گمراہ ہوا۔ چنانچہ آدمؑ انہی حضرات میں سے تھے جن پر اس نور کا پرتو پڑا تھا۔ اس لیے وہ شیطان کی کوششِ اضلال کے باوجود صراطِ مستقیم پر قائم رہے۔ حافظؒ۔

چوں صبا با دلِ بیمار و تنِ بے طاقت بہوا داری آں سروِ خرامان بردم

آن کز آدمؑ رست و دستِ شیث چید پس خلیفہ اش کردہ آدم چوں بدید

لغات:۔ رست چھوٹ گیا۔ چید چن لیا، حاصل کر لیا۔

ترکیب:۔ بدید کا فاعل ضمیر راجع بآدم ہے اور اس کا مفعول اول اور مفعول ثانی اہل مقدر ہے۔

ترجمہ:۔ وہ (نور) کہ (جب) آدمؑ کے ہاتھ سے نکلا تو شیثؑ نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پھر ان کو آدمؑ نے اپنا جانشین بنالیا جبکہ ان کو (اس نور کا اہل) دیکھا۔

مطلب:۔ نورِ خداوندی جب ارواح پر درخشاں ہوا، وہ بذاتِ خود تو ایک ہی تھا مگر اس کی تاثیر کے دو پہلو تھے۔ ایک صاحبِ نور کا خود ہدایت پانا۔ دوسرے ہدایت دینا۔ عامہ مومنین پر اس نور کا افاضہ صرف پہلی حیثیت سے تھا اور انبیا اور مرسلین پر دونوں حیثیتوں سے۔ انبیاء علیہم السلام جو شریعت لانے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے کا فرض ادا کرتے ہیں، وہ اس نور کے افاضہ کی مذکورہ دوسری حیثیت سے ہے جس کو منصبِ نبوت و رسالت کہتے ہیں اور یہ وہ ودیعتِ الٰہیہ ہے جس پر انسان کا مشرف و ممتاز ہونا ہی کائناتِ عالم پر اس کی فوقیت کا باعث ہے۔

حضرت آدمؑ کے اس نور کو چھوڑ جانے اور شیثؑ کے اس کو سنبھالنے میں منصبِ نبوت کی سپردگی مراد ہے ورنہ نور بحیثیتِ اول تو دنیا میں ہر مومن ہدایت یافتہ کے ساتھ ہے اور ابد تک ساتھ ہی رہے گا۔ اس کا چھوڑنا اور کسی دوسرے کو دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

حضرت شیثؑ حضرت آدمؑ کے فرزند اور اولاد میں سب سے پہلے پیغمبر ہیں۔ شیث سریانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "سرّالٰہ" رازِ حق، خدائی بھید۔ حضرت آدمؑ نے اپنی وفات سے پہلے ان کو خلافتِ الٰہیہ میں اپنا جانشین بنادیا تھا۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے منصبِ پیغمبری عطا ہوا۔ انیس صحیفے اور بقولے پچاس صحیفے ان پر نازل ہوئے۔ حسنِ صورت اور صفائے سیرت میں آدمؑ سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان کی امت میں بہت سے لوگ مستقیم بہدایت رہے اور کچھ لوگ قابیل کی اولاد کے ہم مشرب ہو گئے جو آدمؑ کا ایک گمراہ فرزند تھا۔ شیثؑ نے نو سو بارہ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کا قول ہے کہ سچا مومن وہ ہے جو ان سولہ صفات سے موصوف ہو۔ معرفتِ حق، ملائکہ پر یقین، تمیز خیر و شر، اطاعتِ امیر عادل، شفقت بر والدین، صلۂ رحم، دوستوں سے سلوک، حاجت براریِ فقرا، رعایتِ غربا، ترکِ معاصی، صبر، صدق، نیکوکاری، انصاف، قناعت، شکر۔

نوح ازاں گوہر چو برخوردار شد در ہوائے بحرِ جاں دُر بار شد

لغات:۔ برخوردار پھل پانے والا، کامیاب، مستفیض۔ ہوا خواہش، جذبہ۔ دُربار موتی برسانے والا۔

صنائع:۔ گوہر، دُر، بحر مناسبات ہیں اور طوفان کے اعتبار سے نوحؑ کا نام بھی خاص مناسبت رکھتا ہے۔

منصبِ نبوت کی بدولت نور ازلی کا انعکاس دونوں حیثیتوں سے ہوا

حضرت شیث علیہ السلام

ترجمہ:۔ جب حضرت نوحؑ اس گوہر (نور) سے مستفید ہوئے تو اپنے دریائے روح کے تموج سے (ہدایت کے) موتی برسانے لگے۔
مطلب:۔ جب حضرت نوحؑ منصبِ رسالت پر سرفراز ہوئے تو لوگوں میں تبلیغِ دین فرمانے لگے۔ دوسرے مصرعہ کی ایک توجیہ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ ہوا کے معنے جَو۔ یعنی فضائے بین الارض والسما ہوں اور جان سے عامہ عباد کی ارواح مراد ہوں۔ پھر مطلب یہ ہوگا انہوں نے لوگوں کی فضائے ارواح میں ہدایت کے موتی برسانے شروع کر دیے۔

حضرت نوحؑ علیہ السلام

حضرت نوحؑ کی ولادت حضرت آدمؑ کی وفات سے ایک سو چھیالیس سال بعد ہوئی۔ جوان ہوتے ہی مرتبہ رسالت پر فائز ہو کر لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ مدتوں بلکہ صدیوں کے مواعظ و نصائح اور ارشاد و تبلیغ کے باوجود چند ہی اشخاص ایمان لائے اور اس سعی و کوشش میں مخالف لوگوں سے بہت تکالیف اٹھانی پڑیں۔ آخر نو سو پچاس سال تک کی پر تکلیف اور ناکام تبلیغ کے بعد خدا کی درگاہ میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اپنے اور اپنے متبعین کی نجات کے لیے ایک کشتی بنالو۔ کفار کو ہم طوفانِ آب میں غرق اور واصلِ جہنم کریں گے۔ چنانچہ آسمانوں سے بکثرت پانی برسا اور زمین میں ایک تنور اور دوسرے چشموں سے بھی پانی بکثرت ابلنا شروع ہوا جس سے تمام آبادیاں اور کوہ و دشت غرقاب ہو گئے۔ حضرت نوحؑ کا فرزند کنعان اور آپ کی بیوی واہلہ دونوں جو مبتلائے کفر تھے، ایمان لانے اور کشتی میں بیٹھنے سے منکر رہے۔ چنانچہ وہ بھی تلاطمِ آب سے غرق ہو گئے۔ طوفان کا واقعہ نزولِ آدمؑ سے دو ہزار دو سو بیالیس سال بعد ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ نے ساڑھے تین سو برس اور زندگی پائی۔ جو لوگ کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے، وہ دنیا میں آباد ہوئے مگر موجودہ دنیا کی تمام آبادی حضرت نوحؑ کی نسل سے ہے کیونکہ دوسرے اشخاص میں سے کسی سے نسل نہیں چلی۔ اس لیے آپ کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں۔ عمر مبارک ایک ہزار چار سو چھیاسٹھ سال ہوئی۔ رحلت کے وقت آپ نے عزرائیلؑ سے کہا۔ دنیا کی مثال ایک ایسے گھر کی سی ہے جس کے دو دروازے ہوں، ایک دروازے سے آئے اور دوسرے سے نکل گئے۔ کما قیل۔

بادۂ یک ساغر اندو پشت دردے یک ورق چوں گلِ رعنا خزاں و نو بہارِ زندگی

جانِ ابراہیم ازاں انوارِ زفت بے حذر در شعلہائے نار رفت

لغات:۔ جان سے یہاں ذات اور شخصیت مراد ہے۔ زفت عظیم، جسیم مراد عالی قدر۔ بے حذر بلا خوف۔ ازاں میں حرف از تعلیلیہ ہے اور اس کا معلول بے حذر ہے نہ کہ در نار رفت۔ کیونکہ در نار رفتن کی علت تو دراصل عداوت کفار تھی۔
ترجمہ:۔ حضرت ابراہیمؑ کی ذاتِ مبارک (بھی) انہی انوارِ عالی قدر کی بدولت بلا خوف آگ کے شعلوں میں چلی گئی (اور کوئی ضرر نہیں پایا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

مطلب:۔ حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغِ دین اور تردیدِ بت پرستی پر ایک غوغائے مخالفت بلند ہو گیا اور سب سے زیادہ بادشاہِ وقت جس کا نام نمرود تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، آپ کی مخالفت پر آمادہ تھا کیونکہ دینِ حق کی تبلیغ سے اس کی خدائی کا قلع قمع ہوتا تھا، لہٰذا اس نے اپنے امرا کے مشورے سے آپ کی یہ سزا تجویز کی کہ ایک بڑا آتش کدہ تیار کر کے اس میں آگ روشن کی اور حضرت ابراہیمؑ کو اس بھڑکتی آگ میں گرا دیا۔ ابھی آپ آگ تک نہ پہنچے تھے کہ جبرائیلؑ نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ اگر حکم ہو تو ہم مدد کے لیے حاضر ہیں۔ فرمایا مجھے آپ سے کوئی مدد و اعانت لینے کی حاجت نہیں۔ جبرائیلؑ نے کہا تو پھر جس ذاتِ برتر کی امداد و اعانت کی احتیاج ہے، اسی سے سوال کیجئے کہ یہ وقت نہایت خطرناک ہے۔ فرمایا۔ حسبی سوالی علمہٗ بحالی۔ یعنی سوال کی ضرورت ہی کیا جبکہ وہ خود میرا حال جانتا ہے۔ ونعم ما قیل۔

با سوزشِ عشق اگر نسازم چکنم جاں در رہِ عشق اگر نبازم چکنم

گویند بہ پروانہ چرا مے سوزی چوں عاشق آں شمع طرازم چکنم

اسی وقت بارہ گاہ رب العزت سے آگ کو حکم پہنچا۔ یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ "اے آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا" فوراً وہ آتش کدہ ایک تختۂ گلزار بن گیا اور آپ کا بال بیکا نہیں ہوا۔ یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ کی ستائیس سال کی عمر میں پیش آیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بارگاہِ خداوندی سے آپ کی یہ توقیر کہ آگ نے آپ پر کچھ بھی اثر نہیں کیا بلکہ وہ مبدل بہ باغ ہوگئی نورِ نبوت کا اثر تھا۔

چونکہ اسمٰعیلؑ در جویش فتاد پیشِ دشنہ آبدارش سر نہاد

لغات:۔ جوے نہر، ندی، جوے نور مراد ہے۔ دشنہ خنجر۔

صنائع:۔ جوے اور آبدار میں مناسبت ہے۔

ترجمہ:۔ چونکہ حضرت اسماعیلؑ بھی اس (نورِ نبوت) کی نہر میں مستغرق تھے (اس لیے حکمِ حق سے سرتابی نہیں کی اور قربان ہونے کے لیے) اس کے خنجرِ آبدار کے آگے سر (تسلیم) جھکا دیا۔

مطلب:۔ اس میں حضرت اسمٰعیلؑ کے راہِ حق میں قربانی کے لیے پیش ہونے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں "ایں بیت مطابق شہورست۔ ورنہ تحقیق شیخ اکبر قدس سرہ، آنست کہ ذبیح اسحاق بود انتہیٰ۔ یہود کا بھی دعویٰ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ نہ تھے بلکہ حضرت اسحاقؑ تھے۔ اسلامی جماعتوں میں سے بعض صوفیہ بھی اسی قول کی طرف گئے ہیں مگر سیاقِ قرآن مجید، شہادتِ احادیث، آثارِ صحابہ کرام بصورت جمہوری اس کے مؤید ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔ یہود کی یہ تخلیط باطل محض اس نیت پر مبنی ہے کہ ذبیح اللہ ہونے کی فضیلت رسول اللہؐ کے جدِ اعلیٰ یعنی حضرت اسمٰعیلؑ سے منسوب نہ ہونے پائے بلکہ حضرت موسیٰؑ وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل کے جدِ امجد یعنی حضرت اسحاقؑ کے ساتھ منسوب ہو اور صوفیہ کا کشف کتاب وسنت کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس مسئلے پر مفصل بحث مفتاح العلوم کی جلد اول میں گزر چکی ہے۔

جانِ داؤدؑ از شعاعش گرم شد آہن اندر دست بافش نرم شد

لغات:۔ آہن لوہا۔ دست باف سے دست زرہ باف مراد ہے یعنی زرہ بننے والا ہاتھ۔

صنائع:۔ گرمیِ روح سے نرمیِ آہن کو مناسبت ہے۔

ترجمہ:۔ حضرت داؤدؑ کی روح (مبارک) بھی اس (نور) کی شعاع سے گرم ہوگئی (کہ) لوہا ان کے زرہ بنانے والے ہاتھ میں نرم ہوگیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام

مطلب:۔ حضرت داؤدؑ ایک نبی تھے جو صاحبِ سلطنت بھی تھے۔ آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت شمویلؑ اور اس قوم کے بادشاہ طالوت کے بعد نبوت اور سلطنت دونوں کے وارث ہوئے۔ خداوند تعالیٰ نے ان پر کتاب زبور نازل فرمائی جس میں وعظ و نصیحت اور وظائف درج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو ایسی خوش آوازی عنایت کی تھی کہ جب وہ زبور پڑھا کرتے تھے تو وحوش و طیور ان کے گرد جمع ہو کر سنا کرتے۔ اسی لیے لحنِ داؤدی مشہور ہے۔ علاوہ اس کے ان کو یہ معجزہ اور عطا کیا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں بغیر آگ میں رکھنے اور کوٹنے پیٹنے کے موم سا نرم ہو جاتا تھا۔ اس معجزے کی بدولت حضرت داؤدؑ لوہے کی زرہیں بنایا کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ ..... یعنی اور ہم داؤد پیغمبر کو بزرگی د[illegible] پہاڑو ہم داؤد کے [illegible] کرو اور پرندو، اور ہم نے لوہا اس کے لیے نرم

کر دیا تھا کہ پورے بدن کی زرہیں بنا اور کڑیاں اندازے سے جوڑ (سورہ سبا۲) آپ اسی کام کی اجرت سے اپنی معیشت چلاتے خزانہ شاہی سے کچھ نہ لیتے۔شیخ عطارؒ ۔

چوں عنایت قادرِ قیوم کرد در کفِ داؤد آہن موم کرد

چوں سلیمانؑ شد وصالش را رضیع دیو گشتش بندۂ فرماں مطیع

لغات:۔ وصال وصل ،ملاپ۔رضیع شیر خوار ،دودھ پیتا بچہ۔بندۂ فرمان اور مطیع معطوفین ہیں۔بتقدیرِ عاطف۔

ترجمہ:۔ جب حضرت سلیمانؑ اس (نور) کے حصول سے شیر خوار بنے (تو اس کی برکت سے) دیو(و پری) آپ کے بندۂ فرمان (اور) مطیع بن گئے۔

مطلب:۔نور کے حصول سے شیر خوار بننے کا مطلب یہ ہے کہ نورِ نبوت سے آپ کی روحانیت نے پرورش اور نشو و نما پائی کیونکہ آپ حضرت داؤدؑ کے فرزند تھے۔خاندانِ نبوت سے پیدا ہوئے اور اسی میں تربیت پائی۔حضرت سلیمانؑ اپنے والدِ بزرگوار کے بعد بارہ برس کی عمر میں تختِ سلطنت پر رونق افروز ہوئے۔آپ بھی سلطنت اور نبوت کے جامع تھے۔حاکمِ حقیقی نے ان کو اس قدر وسیع اور پرشوکت حکومت دی تھی کہ کسی کو ایسی نصیب نہیں ہوئی۔چنانچہ انسان کے علاوہ طیور و وحوش۔جن و پری اور ہوا کو ان کے فرمانبردار کیا۔ہوا کی فرمانبرداری کے سبب سے وہ ہوائی تخت پر بیٹھ کر تھوڑی سی دیر میں صدہا میل تک سیر و سفر کر لیتے۔اللہ تعالیٰ فرماتا۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ .....''اور ہم نے زور کی ہوا سلیمان کے لیے تابع کر دی تھی۔وہ اس کے حکم سے اس ملک کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم کو سب چیزوں کی خبر ہے اور بعض شیطان جو ان کے لیے (سمندر سے جواہرات نکالنے کو) غوطے لگاتے اور اس کے سوا دوسرے کام بھی کرتے اور ہم ہی اس کے محافظ تھے۔''(انبیا۶ع)

حضرت داؤدؑ نے اپنی زندگی میں بیت المقدس کی بنیاد ڈال دی تھی مگر حضرت سلیمانؑ نے اس کی تعمیر کو مکمل کیا۔چنانچہ انہوں نے سفید، سبز اور زرد پتھروں سے مسجد کی چار دیواری بنائی اور چاندی ،سونا ،موتی ،لعل ، یاقوت ،فیروزہ اور طرح طرح کے اور جواہرات بیش قیمت اس کی چھت میں جڑوائے کہ جن کی چمک سے وہ عبادت خانہ اندھیری رات میں بھی روزِ روشن کی طرح منور رہتا تھا۔آپ چالیس برس سلطنت کر کے باون سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

در قضا یعقوبؑ چوں بنہاد سر چشم روشن کرد از بوئے پسر

لغات:۔ در قضا سر نہاد حکمِ الٰہی پر صبر کیا۔چشم روشن کر ۔بینائی درست ہوگئی۔

ترجمہ:۔ حضرت یعقوبؑ نے جو (اسی نورِ حق کے زیرِ اثر) حکمِ الٰہی کے آگے سر (تسلیم) خم کر دیا تو (اس کے اجر میں ان کو یہ موقع ملا کہ اپنے پیارے) فرزند (کے پیراہن کے ذریعے سے اس) کی بو سے (اپنی) آنکھیں روشن کیں۔

مطلب:۔ جب حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے از راہ حسد جنگل میں لے جا کر کنوئیں میں ڈال دیا اور وہ ایک کاروان کے ہاتھ لگ کر بطورِ غلام مصر میں فروخت ہو گئے۔وزیرِ سلطنت کے گھر میں پرورش پائی۔جوانی کے بعد منصب نبوت سے سرفراز ہو کر اپنے حسنِ لیاقت سے مصر کی وزارتِ عظمیٰ پر فائز ہوئے تو اس قدر عرصہ ان کے دردِ فراق میں رونے کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں سفید ہو گئیں مگر کوئی کلمۂ ناشکری و بے صبری کا زبان سے نہیں نکالا۔اگر کچھ کہا تو یہی کہا۔اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ یہی صبر ہے غم و الم کی وجہ سے اگر اضطرار اشکباری عارض ہو تو وہ داخلِ بے صبری نہیں ہے۔مشیت ایزدی اور تقدیرِ الٰہی کا شاکی ہونا اور

(حضرت سلیمان علیہ السلام)

(حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر اور بشارت)

زبان سے بے جا کلمات بولنا بے صبری ہے۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے جب کہ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر آپ کی چشمانِ مبارک اشک آلود ہو گئی تھیں۔ فرمایا کہ ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضی ربنا یعنی بیشک آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمناک ہے اور ہم جو بات منہ سے نکالیں گے تو وہی نکالیں گے جو ہمارے پروردگار کو پسند ہو (مشکوٰۃ) حضرت یعقوبؑ کا یہ صبر بھی نورِ نبوت ہی کا ایک پرتو تھا۔ چنانچہ اس صبر کا اجر یہ ملا کہ حضرت یوسفؑ نے مصر سے اپنی قمیص جوان کے پاس بھیجی تو اس کو آنکھوں سے لگاتے ہی آپ کی بینائی دوبارہ عود کر آئی۔

یوسفؑ مہر و چو دید آں آفتاب شد چناں بیدار در تعبیرِ خواب

ترجمہ:۔ چاند کے سے مکھڑے والے حضرت یوسفؑ نے جب وہ آفتاب (نور) دیکھا تو (اس کی روشنی سے) تعبیر خواب میں ایسے بیدار مغز ہو گئے (کہ کسی خواب کی جو تعبیر کر دیتے وہ درست نکلتی تھی)

مطلب:۔ جب حضرت یوسفؑ مصر میں بطور غلام فروخت ہوئے تو ان کو عزیزِ مصر کی بیگم زلیخا نے خریدا جوان کی مدتوں سے نادیدہ عاشق تھی۔ ان کی بچپن سے نہایت ناز و نعمت سے پرورش کی۔ جب جوانی کو پہنچے تو زلیخا نے ان سے اپنی ناجائز مراد چاہی۔ انہوں نے کہا، توبہ توبہ! میں بھلا اپنے آقائے محسن کے حرم میں خیانت کر سکتا ہوں۔ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ شہر کی عورتوں میں چرچا ہونے لگا کہ زلیخا اپنے غلام پر مائل ہے اور اس پر خود دست درازی کر چکی ہے۔ زلیخا نے اس داغ ندامت کو دھونے کے لیے اپنے شوہر سے کہہ کر حضرت یوسفؑ کو قید خانے میں بھجوا دیا تاکہ یہ سمجھا جائے کہ خود غلام نے کوئی ناروا حرکت کی ہو گی۔ جبھی اس کو سزا دی گئی مگر تاہم وہ اپنے دلربا کی تکلیف کی روادار نہ تھی۔ در پردہ داروغۂ جیل کو حکم دیا کہ یوسف کو طوق و زنجیر نہ پہنایا جائے بلکہ پورے آرام و راحت سے رکھا جائے۔ ایامِ قید میں حضرت جبرائیلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت یوسفؑ کو خواب کی تعبیر کا علم سکھا دیا حتیٰ کہ وہ اس علم میں یکتا ہو گئے۔ جب عبادت سے فارغ ہوتے تو قیدیوں کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے۔

ان دنوں شاہِ مصر کے خلاف جس کا نام ریان بن ولید تھا اور وہ قوم عمالقہ سے تھا، ایک سازش کی گئی۔ مفسدوں نے بادشاہ کے باورچی اور ساقی کو گانٹھا کہ اس کے کھانے اور شراب میں زہر ملا کر اسے مار ڈالیں۔ ساقی کو ولی نعمت کے مار ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے رشوت لینے اور شراب میں زہر ملانے سے انکار کر دیا مگر باورچی کا دل غداری کے دھوئیں سے سیاہ تھا۔ اس نے رشوت لے کر کھانے میں زہر ملا دیا۔ جب یہ چیزیں بادشاہ کے سامنے آئیں تو ساقی بولا، حضور کھانا تناول نہ فرمائیں۔ اس میں زہر ہے۔ باورچی بولا، حضور یہ شراب نہ پئیں، زہر آمیختہ ہے۔ بادشاہ نے ساقی سے کہا، اچھا تم یہ شراب پی جاؤ۔ ساقی غٹ غٹ پی گیا اور چنگا بھلا رہا۔ پھر باورچی سے کہا، تم یہ کھانا کھا جاؤ۔ وہ لگا اگر مگر کرنے۔ پاس ہی ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ اس کو یہ کھانا کھلایا گیا تو وہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ بادشاہ نے دونوں کو قید کر دیا۔

دونوں قیدیوں نے قید خانے میں آکر دیکھا کہ تمام قیدیوں میں ایک عبرانی نوجوان (یوسف) کے چرچے ہیں۔ وہ خوابوں کی تعبیر بتاتا ہے اور ہر تعبیر ہو بہو پوری اترتی ہے۔ ان دونوں نے آزمائش کے لیے بے دیکھے دو خواب بنائے اور دونوں حضرت یوسفؑ کے پاس گئے۔ ساقی نے کہا، میں نے دیکھا کہ میں انگوروں میں سے شراب نچوڑ رہا ہوں۔ باورچی بولا، میں نے دیکھا میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ٹھونگیں مار مار کر ان میں سے ٹکڑے کھا رہے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا، ساقی تین دن کے بعد خلاصی پا کر درجۂ اعلیٰ پر ممتاز ہو گا اور بادشاہ کو شراب پلایا کرے گا اور باورچی سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کے سر میں سے مغز نکال نکال کر کھائیں گے۔ ساقی اور باورچی نے یہ جواب سن کر کہا، ہم نے تو یوں دل ہی سے خواب بنائے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ۔ "تم نے جو کچھ پوچھا، اب اس کا فیصلہ ہو چکا"۔ صائبؔ۔

بلا چو دشمنِ جاں شد حذرچہ کارکند　　　قضا چو تیغ بر آرد سپر چہ کارکند

اس کے بعد شاہ مصر نے ایک خوفناک خواب دیکھا جس کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے بتائی کہ سات سال کا قحط آنے والا ہے۔اس تعبیر نے حضرت یوسفؑ کو قید خانے سے نجات دلائی اور بادشاہ نے ان کو خلعت گرانمایہ اور کمر بند مرصع عنایت کر کے تمام خزانوں کا مہتمم کیا تا کہ آنے والے قحطِ طویل کے مصائب کی روک تھام کا ابھی سے بندوبست کریں۔آپ نے تمام ملک میں زراعت کا ایک وسیع کاروبار جاری کر کے بڑے بڑے ذخائرِ غلہ جمع کر ڈالے حتیٰ کہ وہ قحط آ گیا اور اس کی میعاد حضرت یوسفؑ کے حسنِ انتظام سے بخیر و خوبی پوری ہوگئی۔

چوں عصا از دستِ موسیٰؑ آب خورد　　　ملکتِ فرعون را یک لقمہ کرد

لغات:۔ ملکت سلطنت، حکومت۔

صنائع:۔ آب خوردن ولقمہ کردن مناسبات ہیں۔

ترجمہ:۔ جب لاٹھی نے حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے (معجزے کی برکت کا) پانی پیا تو اس نے فرعون کی سلطنت کو ایک نوالہ کر لیا۔

مطلب:۔ چونکہ سوکھی لکڑی حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے ایک زندہ اژدہا بن جاتی ہے اور نباتات وحیوانات میں سے ہر چیز کی زندگی پانی پر منحصر ہے۔وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ "اور ہم نے پانی سے تمام جاندار اشیاء بنائیں" (انبیاء۔ع ۳) اس لیے اس اژدہا کے لیے بھی پانی کا اثبات ضروری تھا اور چونکہ اس اژدہا کی زندگی معجزے پر موقوف تھی۔اس کو کسی پانی کی ضرورت نہ تھی،لہٰذا بطور ادعائے شعری اس کا پانی معجزے کو قرار دیا اور وہ معجزہ بھی اس نورِ نبوت کا ایک کرشمہ تھا جس کے عجائبات کی تفصیل چلی آ رہی ہے اور اژدہائے عصا کا سلطنتِ فرعون کو لقمہ کرنا بھی معنیٔ حقیقی مراد نہیں بلکہ اس سے حکومتِ فرعون کا اضمحلال اور اس کی شوکت وہیبت کا تزلزل مراد ہے۔چنانچہ جب اژدہائے عصا نے جادوگروں کے سانپوں کو نگلنا شروع کر دیا تو ادھر تو جادوگر پکار اٹھے۔اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ۔جس سے فرعون کی طاقتِ مقابلہ کا ایک بڑا بازو ٹوٹ گیا اور ادھر فرعون جس نے معجزہ کا مقابلہ سحر کے ساتھ کر کے اپنی ادعائی خدائی کی آن بان کو قائم رکھنے کی تدبیر کی تھی۔اب اس کے پاس صرف سزائے موت کی دھمکیاں رہ گئیں۔فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ۔اس سے اس کی خدائی کا طلسم اور بھی ٹوٹ گیا اور حضرت موسیٰؑ کی عظمت وشوکت کی دھاک بندھ گئی۔جو فرعون کی سلطنت کے زوال کی طرف پہلا قدم تھا۔یہی مطلب ہے عصائے موسیٰ کے سلطنتِ فرعون کو لقمہ کر جانے کا۔

جانِ جرجیسؑ از فرش چوں راز یافت　　　ہفت نوبت جاں فشاند باز یافت

لغات:۔ فرش فرآش۔فرا یعنی اس کی عظمت۔جاں فشاند مرد

ترجمہ:۔ حضرت جرجیسؑ کی جان نے جب اس (نور) کی عظمت کا راز پایا تو (ان کا یہ مرتبہ ہو گیا کہ) سات مرتبہ کافروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور پھر (جان) پائی۔

مطلب:۔ حضرت جرجیسؑ انبیاءِ مقتولین میں سے ہیں جن کو کافروں نے کئی مرتبہ قتل کر کے پارہ پارہ کر ڈالا اور آگ میں پھونک دیا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ ہر مرتبہ زندہ وتندرست ہو کر فرضِ تبلیغ ادا کرنے لگے۔پھر آخری مرتبہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وہ فضیلت شہادت سے ممتاز ہوئے اور ان کے دشمن اس ظلم کی شامت میں تباہ وبرباد ہو گئے۔بعض کتبِ سیر میں لکھا ہے کہ ستر مرتبہ ان کو قتل کیا گیا اور بعض میں صرف پانچ مرتبہ ان کا قتل ہونا مذکور ہے۔ممکن ہے بعض کتابوں میں سات مرتبہ قتل ہونا بھی مروی ہو جس کو

مولانا نے اختیار فرمایا ہے۔

حضرت جرجیسؑ کا قصہ جو کتبِ سیر میں لکھا ہے۔ مختصراً یوں ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری کے شاگرد تھے۔ فلسطین میں رہتے تھے شہر موصل میں ایک بادشاہ بڑا ظالم ومتکبر اور بے دین تھا۔ اس کے پاس ایک بت بنام ''افلون'' تھا۔ لوگوں کو اس کی عبادت پر مجبور کیا کرتا جو انکار کرتا، اس کا سر قلم کرا دیتا۔ حضرت جرجیس نے اس کے ظلم وستم کے چرچے سنے تو موصل میں جا کر سرِ دربار بادشاہ کو سرزنش کی اور توحید کی دعوت دی۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر ان کو گرفتار کر لیا اور ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونک کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ رات کو فرشتۂ حق نے ان کی تمام قید وبند کھول دی۔ خلعتِ نبوت سے سرفراز کیا اور پورے سات سال تک فرضِ تبلیغ ادا کرنے کا حکمِ الٰہی پہنچایا۔ حضرت جرجیسؑ صبح کو پھر سرِ دربار موجود تھے اور وہی بادشاہ کی تنبیہ وتوبیخ کا سلسلہ جاری تھا۔ بادشاہ نے پھر غضبناک ہو کر جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ قتل کے بعد ان کے جسم کے ٹکڑے کئے گئے اور شیروں کے آگے ڈالے گئے شیروں نے بجائے اس کے کہ ان ٹکڑوں کو کھاتے سب کو اکٹھا کر دیا اور سارے قطعاتِ جسم باہم جڑ گئے اور بحکمِ الٰہی حضرت جرجیسؑ پھر زندہ وسلامت کھڑے ہو گئے۔ پھر شاہی مجلس میں گئے اور پھر وہی وعظ وتبلیغ اور وہی زجر وتنبیہ کا دفتر کھل گیا۔ اہلِ دربار نے کہا، یہ جادوگر ہے۔ جادوگروں کو اس کے مقابلے میں لایا جائے، جادوگر آ گئے۔ بڑے بڑے کرتب دکھائے مگر یہاں ان کے کرتبوں کا بھی وہی حشر ہوا جو حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں جادوگروں کا ہوا تھا۔ وہ بھی سب پکار اٹھے کہ امنا بوب جر جیس جادوگروں کے ہار مان جانے کی شہرت سے چار ہزار آدمی حضرت جرجیسؑ کے تابع ہو گئے۔ بادشاہ بڑا پریشان ہوا۔ آخر تانبے کا ایک بیل اندر سے کھوکھلا بنوایا جس میں ان کا وجود خاکستر ہو گیا مگر اللہ کے حکم سے وہ پھر زندہ ہو گئے اور پھر وعظ وارشاد میں معروف ہو گئے۔ غرض اسی طرح کئی مرتبہ مختلف اذیتوں سے ان کو شہید کیا گیا اور وہ پھر زندہ ہوتے رہے۔ بہت سے لوگ اس معجزہ کے مشاہدہ سے اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے انکار پر اڑے رہے۔ اسی طرح سات سال گزر گئے۔ اب حضرت جرجیسؑ نے دعا کی، الٰہی میری میعادِ تبلیغ پوری ہو چکی، میں بھی کفار کی تعدی وظلم سے تنگ آ گیا۔ اب مجھے اپنے جوارِ رحمت میں بلا لے مگر ایک آرزو یہ ہے کہ میں ان ستمگاروں پر نزولِ عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ دعا قبول ہو گئی۔ اسی وقت ایک ابرِ سیاہ نمودار ہوا جس سے آگ برسنی شروع ہوئی۔ کفار سمجھ گئے کہ یہ جرجیسؑ کی دعا کا اثر ہے۔ تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو شہید کر دیا۔ ادھر آگ زور وشور سے برسنے لگی جس سے تمام بت پرست ہلاک ہو گئے اور اہلِ حق کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

چونکہ زکریاؑ زعشقش دم زدے کرد در جوفِ درختش جاں فدے

لغات:۔ زکریا۔ رائے معجمہ اور کاف کا فتحہ را مہملہ کا کسرہ یاء کی تشدید۔ نامِ پیغمبر۔ دم زدن دم بھرنا، دعوے کرنا، جوف پیٹ، خول، پول، تھوتھ۔ فدے فدا کا امالہ ہے قربان، نثار۔

ترکیب:۔ درختش کے آخر میں شین ضمیر واحد غائب مضاف الیہ مقدم ہے اور جان مضاف مؤخر یعنی جانش جو جانِ خود کے معنی میں ہے۔

ترجمہ:۔ چونکہ حضرت زکریاؑ اس (خدا) کے عشق کا (جو اس نور کا مبدأ ہے) دم بھرتے تھے (اس لیے) درخت کے جوف میں اپنی جان قربان کر دی۔

مطلب:۔ حضرت زکریاؑ بھی ایک پیغمبرِ خدا تھے جو حضرت سلیمانؑ کی طرح اولاد سے تھے۔ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے مگر اس سرکش قوم نے ان کی ہدایت سے کم فائدہ اٹھایا بلکہ الٹا دشمن ہو گئے اور مار ڈالنے کے لیے دوڑے۔ حضرت زکریاؑ

آگے تھے اور دشمن تیغ بدست کچھ فاصلے سے دوران کے پیچھے دوڑے آتے تھے۔ آخر ایک درخت نے زکریا کو پناہ دی۔ درخت کا تنا کھل گیا۔ حضرت زکریا اس میں سما گئے اور تنا پھر مل گیا۔ اس کیفیت کو کافروں نے نہیں دیکھا۔ جب یہاں پہنچے تو حیران تھے کہ زکریا کہاں غائب ہو گئے۔ آخر شیطان لعین نے بتایا کہ زکریاؑ اس درخت میں مخفی ہیں۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ درخت کو اوپر سے نیچے چیر ڈالو تا کہ اس کے اندر وہ بھی چر جائیں۔ یہ بات بھی مشہور ہے۔ اگر چہ کسی کتاب میں نہیں دیکھی کہ وہ درخت نیم کا تھا۔ شیطان نے اس کا پتا کافروں کو دکھا کر بتایا کہ اس شکل کا دندانہ دار آہنی آلہ تیار کرو۔ اس تحریک سے آرہ کی ایجاد ہوئی۔ چنانچہ درخت کا تنا اوپر سے چیرنا شروع کیا گیا۔ جب آرہ حضرت زکریاؑ کے سر پر پہنچا اور وہ تکلیف سے تلملائے تو بارگاہِ رب العزت سے خطاب ہوا۔ خبردار! اگر ذرا بھی بے صبری وقوع میں آئی تو انبیا کے دفتر سے تمہارا نام کٹ جائے گا۔

حافظ صبور باش کہ در راہِ عاشقی ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمے رسد

یہ حکم پا کر انہوں نے اف تک نہیں کی اور رضائے الٰہی میں اپنا جسم و جان خاموشی کے ساتھ آرہ کے حوالہ کر دیا۔ یہ صبر و رضا اسی نور کا پرتو اور قربِ حق کی منزل پر فائز ہونے کا زینہ تھا۔ کما قیل ؎

تا شانہ صفت سر نہ نہی در تہ ارہ ہرگز بسرِ زلفِ نگارے نرسی

چونکہ یونسؑ جرعۂ زاں جام یافت در درونِ ماہی او آرام یافت

لغات:۔ یونس ایک پیغمبر کا نام۔ جرعہ گھونٹ۔ درون باطن۔

ترجمہ:۔ چونکہ حضرت یونسؑ نے بھی اسی (نور کے) جام سے گھونٹ نوش کیا تھا۔ اس لیے مچھلی کے پیٹ میں (پہنچ کر بھی بجائے تکلیف واذیت کے) آرام پایا۔

مطلب:۔ حضرت یونسؑ شہر نینویٰ کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے جن کی تعداد لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ یعنی ہم نے ان کو لاکھ یا کچھ زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ حضرت یونسؑ نے ان کو بت پرستی سے روکنے اور دینِ موسوی پر چلنے کی ہر چند ہدایت کی مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر آپ نے ان لوگوں سے فرمایا، اگر تم توبہ نہ کرو گے تو تم پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا اور خفا ہو کر اپنے اہل و عیال سمیت وہاں سے نکل گئے۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا "اور مچھلی والا (یونس) جب ناراض ہو کر چل دیا۔" ان کے چلے جانے کے بعد اہلِ شہر کو تنبہ ہو گیا۔ سب نے عیش و آرام چھوڑ کر ٹاٹ کا لباس پہنا اور نہایت عجز و نیاز سے بارگاہِ ایزدی میں رونے اور توبہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر ان سے عذاب دفع کر دیا۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ط لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ٥ "تو قوم یونس (کی بستی) کے سوا اور کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ (نزولِ عذاب سے پہلے) ایمان لے آتی اور ان کو ایمان لانا فائدہ دیتا کہ (یونس کی قوم کے لوگ) جب (عذاب آتا ہوا دیکھ کر جھٹ سے) ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب دفع کر دیا اور ان کو وقت خاص تک بستے رہنے دیا۔" (یونس۔ ع ۱۰)

حضرت یونسؑ کو یا تو یہ توقع تھی کہ خدا کے نافرمان تباہ و غارت ہو جائیں گے یا اچانک کیا سنتے ہیں کہ عذاب کی میعاد گزر گئی اور وہ لوگ بخیر و عافیت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب حضرت یونس کے لیے مناسب تھا کہ شہر میں واپس جاتے۔ ہدایت پانے والوں میں اب استقامت کی تبلیغ کرتے مگر انہوں نے اپنے وعیدِ عذاب کے پورا نہ ہونے پر نادم ہو کر اور اہلِ شہر کے استہزا کا نشانہ بننے سے ڈر کر کسی اور طرف کی راہ لی۔ گویا اپنی دانست میں حریفوں کی تنگ گیری سے بچ کر آزادی کی وسیع سرزمین میں نکل گئے۔ یہ خیال نہ کیا کہ اگر خدا

چاہے تو ان کو اس سے بھی کسی تنگ تر قید میں ڈال سکتا ہے۔ وَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ "اور گمان کیا کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے۔"
چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ ان کو دکھا دیا یعنی جب چلتے چلتے آپ ایک دریا کے کنارے پر پہنچے اور ایک کشتی میں ہو بیٹھے تو کشتی دریا میں ٹھہر گئی۔ ملاح نے کہا، اس کشتی میں کوئی بندہ اپنے خداوند سے بھاگ کر آن چڑھا ہے۔ اس واسطے کشتی اٹک رہی ہے۔ حضرت یونسؑ نے خود ہی کہا کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، مجھے دریا میں پھینک دو۔ کشتی والوں نے ان کے جمال وجلال سے مرعوب ہو کر بہت کچھ عذر کیا مگر انہوں نے کہا نہیں مجھے ضرور دریا میں ڈال دو۔ ناچار انہوں نے حضرت یونسؑ کو دریا میں ڈال دیا۔ حکم الٰہی سے ایک مچھلی ان کو نگل گئی۔ قدرتِ حق دیکھو کہ جو بندہ فضائے شہر کو اپنے لیے تنگ سمجھ کر بھاگا جاتا تھا، اس کو اب شکمِ ماہی کی فضا میں جگہ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مچھلی کو حکم ہوا کہ اس کو تیری غذا نہیں بنایا گیا بلکہ تیرا پیٹ اس کا قید خانہ ہے۔ خبردار اسے کچھ اذیت نہ پہنچے۔ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ کے اندر تسبیح واستغفار میں مصروف رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ان کو اس قید سے نجات بخشی۔
فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ "..... پس اس کو مچھلی نگل گئی اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا تھا۔ پس اگر وہ تسبیح واستغفار نہ کرتا تو ضرور اسے قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑتا۔ پھر ہم نے اس کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار ہو گیا۔" (الصفت۔ ع ۵) مچھلی نے حضرت یونسؑ کو دریا کے کنارے پر اگل دیا۔ وہاں فوراً ایک سبز درخت پیدا ہو گیا۔ حضرت یونسؑ نے اس کے سائے میں آرام پایا مگر پھر وہ درخت خشک ہو گیا اور حضرت یونسؑ پر شدت کی دھوپ پڑی۔ اس درخت کے مرجھانے سے حضرت یونسؑ کا دل پژمردہ ہوا۔ جنابِ باری سے وحی آئی کہ تم کو ایک درخت کی پژمردگی سے اس قدر غم ہوا۔ مجھے اپنی مخلوق کے تباہ ہونے کا کیوں فکر نہ ہوتا۔ حضرت یونسؑ نے توبہ استغفار کی اور اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ اہلِ نینوٰی نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور ان کی برکت سے یہ شہر نہایت آسودہ ومرفہ الحال ہو گیا۔

چونکہ یحییٰؑ مست شد از شوقِ او ۔۔۔ سر بطشتِ زر نہاد از ذوقِ او

لغات:۔ یحییٰ۔ ایک پیغمبر کا نام جو حضرت زکریا کے فرزند تھے۔ طشت تھال

ترجمہ:۔ جب حضرت یحییٰؑ اس (نور) کے شوق سے مست ہو گئے تو اس کے ذوق میں (بلادریغ) سونے کے تھال میں (اپنا) سر رکھ دیا (یعنی اس کی راہ میں قتل ہونا گوارا کر لیا۔)

مطلب:۔ حضرت یحییٰؑ کا زہد وعبادت ضرب المثل ہے۔ چودہ سال کی عمر میں ان کی گریۂ خشیت سے یہ حالت تھی کہ دونوں رخساروں پر شدتِ اشکباری سے داغ پڑ گئے تھے۔ ان کے زمانے کے بادشاہ کا نام مردوس تھا۔ اس کے حرم میں ایک عورت تھی جس کو طبعاً انبیاء وصلحا کے ساتھ عداوت اور بغض تھا۔ جب یہ عورت بوڑھی ہو گئی تو اسے اندیشہ ہوا کہ میں بادشاہ کی نظر میں گر جاؤں گی، لہٰذا اس نے اپنی لڑکی جو دوسرے شوہر سے تھی اور نہایت خوبصورت تھی، بادشاہ کے نکاح کے لیے پیش کی تاکہ بیٹی کے توسل سے ہی میری قدر ومنزلت قائم رہے۔ بادشاہ نے حضرت یحییٰؑ سے اس نکاح کے جواز کے لیے فتویٰ طلب کیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ یہ لڑکی تم پر حرام ہے، لہٰذا بادشاہ نے اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ اب ماں بیٹی کے دل میں حضرت یحییٰؑ کے خلاف دشمنی کی آگ اور بھی مشتعل ہو گئی اور وہ ان کے (قتل) کی تدبیر کرنے لگیں۔ ایک دن بادشاہ شراب کے نشے میں بدمست تھا۔ بڑھیا نے موقع مناسب سمجھ کر اپنی بیٹی کو زیورات وملبوسات سے خوب آراستہ وپیراستہ کر کے بادشاہ کے پاس خلوت میں بھیجا۔ بادشاہ نے حالتِ مستی میں اس پر میلان ظاہر کیا مگر لڑکی نے کنارہ کشی اختیار کی اور کہا اگر حضور کی خواہش اس وقت پوری کر سکتی ہوں کہ یحییٰ کا سر کاٹ کر اور

ایک طشت میں رکھ کر میرے سامنے لایا جائے۔ فوراً بادشاہ کے حکم سے جلاد گیا اور حضرت یحییٰؑ کا سر مبارک کاٹ کر اور ایک طشتِ زریں میں رکھ کر لے آیا جو لڑکی کے سامنے رکھ دیا گیا۔ لکھا ہے کہ اس سر مبارک سے بھی تین بار یہ آواز آئی کہ "یہ لڑکی تجھ پر حرام ہے۔" حضرت یحییٰؑ کے قتل کا سانحہ ان کی چالیس سال کی عمر میں واقع ہوا جبکہ حضرت آدمؑ کے ہبوط کو پانچ ہزار پانچ سو ستانویں سال گزر چکے تھے۔ یہ سفاکانہ قتل جو نہ صرف ظلم و ستم ہی کا باعث تھا بلکہ اس میں دینِ الٰہی کی تباہی بھی مضمر تھی۔ سلطنتِ شام کے لیے سخت شامت کا موجب ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد فارس کے ایک بادشاہ نے جس کا نام فرتوس تھا، اس ملک پر حملہ کیا اور حضرت زکریاؑ و حضرت یحییٰؑ کے خون کی شامت میں ستر ہزار آدمی لقمۂ تیغ ہوئے۔

چوں شعیبؑ آگاہ شد زیں ارتقا چشم را در باخت از بہر لقا

لغات:۔ شعیب ایک پیغمبر کا نام ہے جو حضرت موسیٰؑ کے ہمزمانہ اور ان کے خسر تھے۔ ارتقا ترقیِ مراتب۔ لقا ملاقات، وصال۔ در باخت دے دیا، ہار دیا۔

ترجمہ:۔ جب حضرت شعیبؑ اس (نور کی بدولت) ترقی پانے سے آگاہ ہوئے تو وصالِ حق (کے اشتیاق) کے لیے آنکھیں دے ڈالیں۔

مطلب:۔ حضرت شعیبؑ کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ یادِ حق میں روتے روتے آنکھیں جاتی رہی تھیں اور اس درجہ کا شوقِ لقا نورِ نبوت ہی کی بدولت ہو سکتا ہے۔ حضرت شعیبؑ اہلِ مدین اور اصحاب ایکہ کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بت پرستی کے علاوہ ان رذائلِ اخلاق سے بھی ملوث تھے کہ وزن اور پیمانے میں فریب کرتے اور کھوٹے سکے چلاتے اور مسافروں کو لوٹ لینے سے بھی باز نہ آتے۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو بہت نصیحت کی مگر چند اشخاص کے سوا کسی پر اثر نہ ہوا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ایکہ کے لوگوں پر ایک سیاہ ابر سے آگ برسائی اور مدین کے باشندوں کو زلزلہ سے ہلاک کیا۔

شکر کرد ایوبؑ صابر ہفت سال در بلا چوں دید آثارِ وصال

لغات:۔ ایوب ایک پیغمبر کا نام ہے۔ صابر صبر کرنے والا۔ آثار نشانیاں۔

ترجمہ:۔ حضرت ایوب صابرؑ نے بھی جب (اس نور کی روشنی کی بدولت) تکالیف و مصائب (کے برداشت کرنے) میں وصال (حق) کی نشانیاں دیکھیں تو سات برس تک (شدید مصائب میں صبر و) شکر کرتے رہے۔

مطلب:۔ اہل اللہ کے نزدیک مصائب و بلیات ناگوار نہیں بلکہ مرغوبِ خاطر ہوتی ہیں۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ بلا عارفوں کا خراج ہے۔ مریدوں کو بیدار کرنے والی ہے اور غافلوں کو ہلاک کرنے والی۔ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کو جب کوئی مصیبت پہنچتی تو کہتے الٰہی روز ہی تو مجھے بھوکا رکھتا ہے اور میرے بال بچوں کو بھوکا رکھتا ہے اور رات کو چراغ تک نہیں دیتا۔ تیرا ایسا معاملہ تو اپنے دوستوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے کس طرح یہ دولت پائی کہ تو میرے ساتھ اپنے دوستوں کا سا سلوک کرتا ہے۔ اس رضا و صبر کے نمونہ کبریٰ حضرت ایوب علیہ السلام تھے۔

حضرت ایوبؑ عیص ابن حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت لوطؑ کی بیٹی ان کی ماں اور افرائیم ابن حضرت یوسفؑ کی بیٹی ان کی بیوی تھیں۔ یہ پیغمبر بہت آسودہ حال اور صاحبِ اولاد تھے۔ دمشق کے متعلق کئی گاؤں ان کے قبضے میں تھے۔ علاوہ اس کے مویشی اور غلاموں کی بھی ان کے پاس کثرت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان کے لیے ان کا تمام مال و متاع لے کر ان کو بالکل مفلس کر دیا مگر وہ اس حالت میں بھی دلجمعی سے خدا کا شکر کرتے رہے۔ پھر ان کی اولاد مر گئی تو بھی کچھ مضطرب نہ ہوئے۔ اس کے بعد

حضرت شعیب علیہ السلام

اہل اللہ مصائب و بلیات پر صابر و شاکر رہتے ہیں

حالاتِ ایوب علیہ السلام

ان کو بہت سخت بیماری لاحق ہوئی اور گوشت پوست پھٹنے لگا مگر وہ اس حالت میں بھی خدا کی رضا پر راضی اور ہر طرح شکر گزار رہے اور عبادت سے ایک لمحہ غافل نہ ہوئے۔ ان تمام مصائب میں ان کی بیوی نے ان کا حق رفاقت و خدمت خوب ادا کیا۔ جب حضرت ایوبؑ امتحان میں کامل نکلے تو شافی مطلق نے انہیں تندرستی عطا فرمائی اور پہلے سے دو چند اسباب اور مویشی اور مرحمت کئے اور اولاد بھی عنایت کی۔ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ "ہ پس جو دکھ اس کو تھا، دور کر دیا اور اس کے گھر والے (اشخاص و اسباب و امتعہ اس کو دیے اور اتنے ہی اور یہ ہمارے ہاں سے اس پر مہربانی تھی اور عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت۔") انبیاء۔ ع ۶۔ اس کے بعد حضرت ایوبؑ دین حق کی تبلیغ و اشاعت کے لیے روم کی طرف تشریف لے گئے اور وہیں ۹۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

خضر و الیاس ازمیش چوں دم زند آبِ حیواں یافتند و کم زدند

لغات:۔ دم زند۔ پی لیا، گھونٹ بھر لیا۔ آبِ حیواں۔ آب حیات۔ کم زدند۔ پروانہ کی، التفات نہ کی۔ خضر و الیاس دو پیغمبروں کے نام ہیں جن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ بعض لوگوں کو ملتے ہیں۔ ہر سال دونوں حج کرتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے ملاقی ہوتے ہیں اور حلق راس جوحج کے اعمال سے ہے، اس کے لیے وہ خود ایک دوسرے کے سر مونڈتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے متعلق بہت سی باتیں مبالغہ آمیز مشہور ہیں اور بہت سی موضوع احادیث رائج ہیں۔ حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

ومنها الاحاديث التي يذكر فيها الخضر و حياته كلها كذب ولا يصح في حيوته حديث واحد كحديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في المسجد فسمع كلاماً من ورائه فذهبوا ينظرون فاذا هو الخضر وحديث يلتقي الخضر و الالياس كل عام ہ یعنی موضوع روایات کی قسم سے وہ احادیث بھی ہیں جن میں حضرت خضرؑ اور ان کے زندہ ہونے کا ذکر ہے۔ یہ ساری روایات جھوٹ ہیں اور ان کے زندہ ہونے کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث مروی نہیں۔ جیسے یہ حدیث کہ رسول اللہ مسجد میں تشریف فرما تھے تو آپ نے اپنے پیچھے سے کلام سنا۔ لوگ اس طرف گئے تو دیکھا خضرؑ موجود ہیں اور یہ حدیث کہ خضرؑ اور الیاس ہر سال باہم ملاقات کرتے ہیں (موضوعات کبیر)

ترجمہ:۔ جب خضرؑ اور حضرت الیاسؑ نے اس (نور کی) شراب کا گھونٹ پیا تو پھر آبِ حیات کو پا کر بھی اس کی پروا نہیں کی۔

مطلب:۔ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ کو اس نورانی جامِ شراب کے نوش کرنے سے وہ جاودانی زندگی حاصل ہوئی کہ اس کے آگے آبِ حیات کی کوئی حقیقت نہیں۔ حضرت الیاسؑ کا حال کتبِ سیر میں اس طرح لکھا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے جبکہ اس قوم کی سلطنت دور دور پھیل گئی اور ان میں شرک و معصیت کا زور ہو گیا مگر حضرت الیاسؑ کی ہدایت ان پر کارگر نہ ہوئی بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اس لیے حضرت الیاس آٹھ برس تک پہاڑوں میں روپوش رہے۔ جن لوگوں نے ان کے قتل کے لیے ان کا تعاقب کیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے آگ برسا کر ہلاک کیا۔ حضرت الیاسؑ غریب و مفلوک الحال لوگوں کے گھروں میں جاتے اور ان کی برکت سے ان کے گھروں میں سرسبزی و خوشحالی ظاہر ہوتی۔ اتفاقاً ایک روز حضرت الیسع بن اخطوب کے گھر آئے۔ ان کی ماں بہت بیمار تھی۔ حضرت الیاسؑ کی برکت سے اچھی ہو گئی۔ پھر حضرت الیسع نے ان کی رفاقت اختیار کی اور دونوں نے اپنی قوم میں آ کر ہدایت کرنی شروع کی۔ ایک دن یہ دونوں حضرات پہاڑ میں گئے۔ وہاں ایک تیز رفتار گھوڑا کسا کسایا نمودار ہوا۔ حضرت الیاس نے حضرت الیسع کو اپنا خلیفہ بنایا اور گھوڑے پر چڑھ کر چادر منہ پر ڈال کر لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے اور اب تک زندہ ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اللہ کے چار بندے اب تک حالتِ حیات میں ہیں۔ حضرت ادریسؑ اور حضرت عیسیٰؑ آسمان پر حضرت خضرؑ اور

حضرت خضر کے بارے میں موضوع و مبالغہ آمیز روایات

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت الیاسؑ زمین پر۔

حضرت خضرؑ کے نسب و خاندان اور دیگر حالات کے متعلق صحیح و مستند روایات نہایت کم ملتی ہیں۔ اصدق الکلام کلام اللہ الملک العلام سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے ایک ایسے برگزیدہ بندے سے ملاقات کی تھی جن کو علمِ لدنی حاصل تھا اور یہ علم، علمِ تشریعی سے جداگانہ ہے۔ علم تشریعی حضرت موسیٰؑ کا حصہ تھا اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ برگزیدہ بندہ حضرت خضرؑ تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا۔ **انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ وانت علی علم من علم اللہ علمک اللہ لا اعلمہ** یعنی مجھے اللہ کے علوم میں سے ایک خاص علم حاصل ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے۔ تم اس کو نہیں جانتے اور تم کو اللہ کے علوم میں سے ایک خاص علم حاصل ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے۔ میں اس کو نہیں جانتا (خازن)

بعض کتابوں میں مشہور روایات کی بنا پر لکھا ہے کہ حضرت خضر اور سکندر ذوالقرنین دونوں ہم عصر تھے اور دونوں چشمۂ آبِ حیات پر گئے مگر ایک شارح نے اس قول کی تردید کی ہے اور ان کی تردید کی بنا یہ ہے کہ ایک اور سکندر ابن فیلقوس رومی گزرا ہے۔ اس اشتراکِ اسمی سے دھوکا کھا کر سمجھ گئے کہ یہ سکندر رومی اور حضرت خضر کی معاصرت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ چنانچہ شارح صاحب مذکور فرماتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت خضر اور سکندر دونوں چشمۂ حیواں پر گئے۔ بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ کہاں حضرت خضرؑ اور کہاں سکندر رومی۔ اول تو زمانہ دونوں کا مختلف۔ پھر سکندر رومی کافر اور حضرت خضر نبی۔ پھر دونوں کا ساتھ کہاں ہوتا۔

یہ تردیدی تقریر سپردِ قلم کرنے میں عجلت اور مسامحت سے کام لیا گیا۔ اس لیے اس میں کئی پہلوؤں سے سقم ہیں۔ اول تو سکندر اور خضر کی معیت کے دعویٰ سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ سکندر رومی ہی ہے۔ کیا دنیا میں اور کوئی سکندر نہیں ہوا۔ دوسرے جب حضرت خضرؑ کے دوامِ عمر کا خیال عام مشہور ہے۔ چنانچہ خود یہی شارح صاحب فرماتے ہیں کہ وہ بغیر آبِ حیات پینے کے زندہ ہیں تو پھر سکندر کے تاخیرِ عہد کی صورت میں اس کے حضرت خضرؑ کے معاصر ہونے میں کیا اشکال ہے؟

تیسرے سکندر رومی کے کفر کی قطعیت محتاجِ دلیل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں ارشاد ہے **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ** پھر آگے اس ذوالقرنین کے وہ شاندار کارنامے اور اس کے وہ مقدس کلمات بیان کئے گئے ہیں جن سے ان کے نبی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت ہے۔ **لَا اَدْرِیْ ذُو الْقَرْنَیْنِ نَبِیٌّ اٰدَمَ لا** وہاں تفسیر خازن میں لکھا ہے۔ **وقیل اسمہ الاسکندر ابن فیلقوس** کیا جس بادشاہ کا کافر ہونا قطعی امر ہو، اس کے ذوالقرنین ہونے کا کسی کو احتمال ہو سکتا ہے؟

حضرت خضرؑ کا ملاقاتی سکندر خواہ کوئی ہو، بہرکیف اس میں شک نہیں کہ آبِ حیات کا قصہ محض ایک افسانہ ہے اور حضرت خضرؑ کی بے پایانیِ عمر بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ حضرت خضرؑ کے متعلق علما میں اختلاف ہے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اکثر علما کا یہی مسلک ہے اور مشائخ صوفیہ و اہلِ معرفت کے نزدیک وہ متفق علیہ ہے۔ چنانچہ حضرت خضرؑ کی زیارت، ملاقات، مشکل معاملات میں ان کی دست گیری اور مقدس مقامات میں ان کی موجودگی کے قصے اس کثرت کے ساتھ زبان زد عام اور مکتوب فی الکتب ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ شیخ ابو عمرو ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ **ھو حی عند جماھیر العلماء والصالحین والعامۃ** ۔ یعنی وہ جمہور علماء و مشائخ و عوام کے نزدیک زندہ ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ دونوں زندہ ہیں۔ ہر سال ایامِ حج میں ملاقات کرتے ہیں۔ حضرت خضرؑ کی زندگی کا باعث یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے چشمۂ آبِ حیات سے پانی پی لیا تھا۔ ذوالقرنین اس چشمے کی تلاش میں ظلمات میں داخل ہوا۔ حضرت خضرؑ اس کے مقدمۃ الجیش میں تھے۔ وہ اس چشمے پر پہنچ گئے اور اس کا پانی نوش کر لیا مگر ذوالقرنین دوسرے راستے پر پڑ گیا۔ اس لیے اس کو وہ چشمہ نہ ملا اور نہ وہ پانی

حضرت خضرؑ علیہ السلام کا نسب اور علم

حضرت خضرؑ کا معاصر ہونا سکندر کا

حضرت خضرؑ کا قصہ آبِ حیات اور دوامِ عمر کی تنقید

پی سکا۔ دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضرت خضرؑ مر چکے ہیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ "اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لیے دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا تجویز نہیں کیا" اور رسول اللہؐ نے ایک رات عشا کی نماز کے بعد فرمایا۔ ارایتکم لیلتکم هذا فان راس مائة سنة لایبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض احد ولو کان الخضر حیا لکان لایعیش بعده .... یعنی آج جو شخص زمین کے تختے پر زندہ ہے، وہ باقی نہ رہے گا۔ اگر خضر بھی اب تک زندہ ہیں تو اس کے بعد وہ بھی زندہ نہ رہیں گے۔

نرد بانش عیسیٰ مریم چو یافت برفراز گنبد چارم بتاخت

لغات:۔ نردبان سیڑھی، زینہ۔ عیسیٰ مریم میں اضافت ابنی ہے۔ یعنی عیسیٰ ابن مریم برفراز اوپر، گنبد۔ چارم چوتھا آسمان۔ یہ بنا علے المشہور فرما دیا ورنہ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ نے معراج میں حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے آسمان پر پایا اور اسی آسمان پر ان کا قیام ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں قتادہ ابن انسؓ کی روایت متفق علیہ میں درج ہے کہ ثم صعد بی حتیٰ آتی اسماء الثانیه "پھر براق مجھے اوپر کو لے اڑا۔ یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچا" آگے لکھا ہے۔ اذا یحیی و عیسیٰ تو اچانک یحییٰ اور عیسیٰ ملے۔ الخ۔ پھر اس کے بعد تیسرے آسمان ذکر ہے۔

ترجمہ:۔ جب حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کو اس (نور) کا زینہ مل گیا تو (اس کی بدولت) وہ چوتھے۔ آسمان پر جا پہنچا۔

مطلب:۔ ایک بشر کا آسمان پر پہنچنا تو رہا در کنار، وہ پرواز کر کے ایک درخت پر بھی نہیں چڑھ سکتا مگر حضرت عیسیٰؑ کو یہ طاقت بخشی گئی کہ آسمانوں میں جا پہنچے تو یہ بھی اسی نور کا کرشمہ تھا جس نے ان کو عامہ بشر سے ممتاز کر کے ایک فوق العادۃ طاقت کا مظہر بنا دیا۔ یہ قصہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ ان کے زمانے میں ایک یہودی بادشاہ نہایت متکبر و سرکش تھا۔ حضرت عیسیٰ نے اُس کو اپنے دین کی ہدایت کی مگر وہ باز نہ آیا بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس لیے حضرت عیسیٰؑ روپوش ہو گئے۔ بعد ازاں ان کا ایک حواری (منع) جس کو یہودا اسخر یوطی کہتے تھے، ان سے برگشتہ ہو گیا اور اس نے بادشاہ کے پاس جا کر تیس درم کے عوض حضرت عیسیٰؑ کی جائے قیام کی مخبری کر دی۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو دار پر چڑھانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جب مخبر سرکاری سپاہیوں کے ساتھ نشاندہی کے لیے حضرت عیسیٰ کی مخفی قیام گاہ میں پہنچا اور تمام لوگ ان پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے تو قدرتِ حق نے کیا جلوہ دکھایا کہ اس ہنگامۂ بے تمیزی میں حضرت عیسیٰؑ تو کھسک کر کہیں ادھر ادھر ہو گئے اور مخبر کی شکل وصورت ہو بہو حضرت عیسیٰ کی سی بن گئی۔ لوگ اس کو مارتے پیٹتے اور ٹانگوں سے گھسیٹتے دار تک لائے۔ وہ بہتیرا چیختا پکارتا تھا کہ میں یہودا ہوں۔ مجھے کیوں مارتے ہو مگر اس کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ ادھر عیسیٰؑ کو تو جبرائیلؑ بحکمِ خدا آسمان پر اٹھا لے گئے اور ادھر مخبر کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ "اور ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا"۔ (النساء۔۲۲)

چوں محمدؐ یافت آں ملک و نعیم قرص مہ را کرد در دم او دو نیم

لغات:۔ نعیم نعمت، انعام۔ قرص ٹکیہ۔ دردم دم بھر میں۔ دو نیم دو پارہ، دو ٹکڑے۔

ترجمہ:۔ جب حضرت محمد مصطفیٰؐ نے (اس نور کی بدولت) وہ مملکت اور نعمت پائی تو آپ نے چاند کی ٹکیا کو دو ٹکڑے کر دیا۔

مطلب:۔ یعنی یہ نورِ نبوت ہی کا کرشمہ تھا کہ آپ کو معجزۂ شق القمر کی طاقت ملی۔ کسی غیر نبی کو اس طاقت کا ہزارواں حصہ بھی نہیں حاصل ہو سکتا۔ ساحر اگرچہ طرح طرح کے عجائبات کر دکھاتا ہے مگر عملی عجائبات کا اثر اجسامِ ارضی پر ہی نمایاں ہو سکتا ہے۔

اجرامِ فلکی پر جادو اثر نہیں کر سکتا۔ معجزہ اور جادو میں ایک یہ فرق بھی مسلم ہے۔ معجزہ شق القمر کی صحت کے دلائل مفتاح العلوم کے حصہ دوم میں مفصل گزر چکے۔

چوں ابو بکرؓ آیتِ توفیق شد ، باچناں شہ صاحب وصدیق شد

لغات:۔ آیت نشانی۔ توفیق لغوی معنی کسی چیز کو دوسری چیز سے برابر کرنا۔ اصطلاحاً اللہ تعالیٰ کا اسباب کو بندے کی مراد کے موافق بنا دینا تاکہ اس کی مراد پوری ہو جائے۔ صاحب ساتھی، رفیق۔ صدیق نہایت راست گو کسی کی بات کو نہایت سچ سمجھنے والا، یہ حضرت ابو بکرؓ کا خاص لقب ہے۔

ترجمہ:۔ جب حضرت ابو بکرؓ (اس نور کی بدولت) توفیقِ حق کی نشانی ٹھہرے تو ایسے (عدیم النظیر) شاہ (دارین) کے رفیق اور صدیق بن گئے۔

مطلب:۔ افاضۂ الٰہیہ جس کو اس بحث میں نور سے تعبیر کیا ہے، جہاں جہاں نبوت و رسالت کی شکل میں کارفرما ہوا، اوپر تک اس کا ذکر ہو چکا۔ اب ولایت کی صورت میں اس کی جلوہ نمائی کا ذکر ہے اور اس جماعت میں سب سے پہلے افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام آتا ہے۔ توفیق کے مذکورہ اصطلاحی معنی کو ملحوظ رکھ کر خیال کیجئے کہ حضرت ابو بکرؓ کی ذات گرامی وہ ہے جو بمصداقِ حدیث خیارکم فی الجاهلیته خیارکم فی الاسلام (اور یہ حدیث بھی آپ کی شان میں ہے) عہد جاہلیت سے باطل سے بیزار اور جویائے حق تھی حتیٰ کہ آپ کی حیات قبل از اسلام میں بھی کبھی لہو، لغو، فحش، فساد، مے نوشی وغیرہ منہیات اسلام کا سراغ نہیں ملتا۔ گویا طبع لطیف کا جس قسم کے مسلکِ لطیف وتطیف کی طرف میلان تھا، قدرتِ حق نے وہ دینِ اسلام کی شکل میں ان کے پیش کر دیا۔ یہی مقصد ہے توفیق کے لفظ سے اور اس موہبتِ الٰہیہ سے مستفید ہونے کے سب سے بہترین نمونہ حضرت ابو بکرؓ ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کو آیتِ توفیق کہا ہے۔ فیض یافتگانِ صحبتِ رسول اللہ ﷺ ہزاروں بلکہ لاکھوں سے متجاوز ہیں لیکن افضلهم واکرمهم کا تاج صرف حضرت ابو بکرؓ کے لیے مخصوص ہے حتیٰ کہ وداعِ مکہ کی نازک رات اور غارِ ثور کی غیر متوقع پناہ گیری میں بھی آپ سلکِ صحبت سے الگ نہیں ہوئے۔ یوں آپ مصاحب خاص ہیں۔ معراج کی صبح کو ابوجہل آپ کے سامنے معراج کا ذکر استہزاء کے ساتھ کرتا ہے تو آپ اصل واقعہ سننے سے پیشتر ہی فرماتے ہیں کہ اگر حضور کوئی دعویٰ اس سے بڑھ کر بھی کر دیں تو ہم وہ بھی ماننے کو تیار ہیں۔ غلبۂ روم کی قرآنی پیشگوئی کا ظہور بظاہرِ احوال محال نظر آتا ہے مگر اس کے صدق کے دعویٰ میں آپ ابوجہل کے ساتھ سو سو اونٹ شرط بدنے کو آمادہ ہیں۔ ان وجوہ سے آپ کو صدیق کا لقب ملا۔ کما قیل۔

ابوبکر شد سر خوشِ جامِ صدق شرابِ وفا یافت درکامِ صدق
مہیں شاہدِ مجلسِ احمدی زدل سر خوشِ ساغرِ سرمدی
تہی ازغبارِ ریا سینہ اش
بہارِ صفا فرشِ آئینہ اش

چوں عمرؓ شیدائے آں معشوق شد حق و باطل را چو دل فاروق شد

لغات:۔ شیدا عاشق۔ فاروق فرق کرنے والا، الگ الگ کر دینے والا۔

ترجمہ:۔ جب حضرت عمرؓ اس معشوق (نور) کے عاشق ہوئے تو (اس کے عشق کی بدولت زبان سے بھی) حق و باطل میں اس طرح (بلا رو و رعایت) فرق کرنے لگے جس طرح دل سے کرتے تھے۔

مطلب:۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ وہ مردِ اسلام ہیں جن کا دل، زبان، درۂ تعزیر اور تیغِ سیاست ہمیشہ یک جہت و ہمنوا رہتے تھے۔ صحبتِ نبوی نے حضرت ابوبکر کو صدق و صفا میں یگانۂ روزگار بنایا تو حضرت عمرؓ کو اقلیمِ عدل و انصاف کا شہریار بنا دیا۔ نورِ نبوت پر ان کے عاشق ہونے کا واقعہ بھی دلاویز ہے۔ جوشِ عداوت میں تیغ آختہ گھر سے نکلتے ہیں مگر قرآن کی چند آیات کہیں سے گوش زد ہوتی ہیں تو یہ حالت ہو جاتی ہے جیسے کسی غارت گرِ دل و جان کے نظارے نے بے تاب کر دیا ہو۔ سرافگندہ دربارِ نبوت میں پہنچتے اور فیضِ حضوری سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ ''چو دل فاروق شد'' کی توجیہ یہ ہے کہ ہر مومنِ کاملِ ایمان کا دل تو ضرور فارقِ حق و باطل ہوتا ہے لیکن بیسیوں مواقع پر مصلحتاً یا رعایتاً اس کو سکوت و تسامح سے کام لینا پڑتا ہے مگر حضرت عمرؓ کی زبان اور تیغ دونوں دل کے تابع تھے۔ حمایتِ حق اور ردِّ باطل کے لیے دل نے جو کچھ کہا، معاً اس کو زبان نے ادا کر دیا۔ اس کی تعمیل میں فوراً تلوار بھی حرکت میں آنے لگی۔ احادیث کا دفتر ایسے واقعات سے پر ہے۔ ایک شارح نے یہ مصرعہ یوں لکھا ہے۔ حق و باطل راز دل فاروق شد۔ اس میں یہ پیچیدگی نہیں مگر معلوم ہوتا ہے۔ شارح نے ''چو دل'' کی پیچیدگی سے گھبرا کر اپنے اجتہاد سے یہ تصرف کیا ہے کیونکہ تمام معتبر نسخوں میں حتیٰ کہ ہمارے قدیم ترین قلمی نسخے میں بھی چو دل درج ہے۔ بہر کیف حضرت عمرؓ کے کمالات بھی نمونہ خاص ہیں۔ کما قیل۔

عمرؓ یافت کام از مئے عدل و داد | بر آفاق چوں استوا خط نہاد
نشد گرم بے اعتدالی سرش | کہ بد کفۂ معدلت ساغرش
بتمیزِ احکامِ نفس و خرد | عمر بود فاروقِ ہر نیک و بد

چونکہ عثمانؓ آں عیاں را عین گشت
نور فائض بود ذوالنورین گشت

لغات:۔ عیاں نظر میں آنے والا، نمایاں، معاین و مشاہد۔ عین آنکھ، چشمہ۔ فائض چھا جانا، پہنچنا۔ ذوالنورین دو نوروں والا۔ خاص حضرت عثمانؓ کا لقب ہے کیونکہ آنحضرت کی صاحبزادی رقیہؓ آپ کے نکاح میں تھیں۔ جب ان کا انتقال ہوا جن کی عیادت کی وجہ سے حضرت عثمانؓ جنگِ بدر میں بھی شریک نہ ہو سکے تھے تو آنحضرتؐ نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثومؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضورؐ کی دو صاحبزادیوں سے شرفِ زوجیت پانے کی بدولت یہ لقب ملا۔

ترجمہ:۔ چونکہ حضرت عثمانؓ اس (نور) نمایاں (کے نظارہ) کے لیے (ہمہ تن) چشم (اشتیاق) بن گئے (اور) اس نور کا افاضہ (کسی حد تک ختم نہیں ہوا بلکہ) برابر جاری رہا۔ اس لیے وہ ذوالنورین بن گئے۔

مطلب:۔ سبحان اللہ ذوالنورین کی کیا عجیب توجیہ ہے۔ فللہ درہ۔ فرماتے ہیں کہ فیضِ نبوت کا نور حضرت عثمانؓ پر پڑنے لگا تو آپ بھی سراپائے اشتیاق بن گئے۔ ادھر نور نے افاضہ کو محدود نہیں رکھا تو ادھر انہوں نے بھی استفاضۂ نور سے بس نہیں کی۔ نتیجہ یہ کہ اگر دوسرے لوگ اکہرے نور سے منور تھے تو حضرت عثمانؓ دوہرے نور سے منور اور نور علیٰ نور تھے۔ کما قیل۔

آنکہ او بود جامع القرآن | رونق الحیاء من الایمان
بود داماد سید الکونین | المقلب فخر ذوالنورین

چوں ز روئے مرتضیٰؓ شد در فشاں
گشت او شیرِ خدا در مرجِ جاں

لغات:۔ درفشاں موتی برسانے والا۔ مرج بفتح میم و سکونِ رائے مہملہ چراگاہ، جنگل

ترجمہ:۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اس (نور) کے رخ سے (اقتباسِ پرتو کر کے لوگوں کو افاضہ کے) موتی برسانے لگے تو وہ ارواح کے جنگل میں شیر بن گئے۔

مطلب :۔ شیر سلطان الصحرا اور امیر السباع ہوتا ہے۔ نفوسِ انسانی کے عالم کو اگر ایک صحرائے وسیع فرض کرلیا جائے تو حضرت علیؓ اپنے کمالاتِ ولایت کی بدولت اس صحرا کے شیر نیستاں ہیں یعنی تمام نفوس کے متصرف اصلاح۔ یہی وجہ ہے کہ سلوک وطریقت کے اکثر سلاسل آپ ہی تک منتہی ہوتے ہیں اور آپ کو یہ درجہ اس نورِ نبوت سے مستفیض ہونے کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ اقبال مرحوم ۔

مسلمِ اول شہِ مردان علیؓ	عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ
از ولائے دودمانش زندہ ام	درجہاں مثلِ گہر تابندہ ام
از رخ اوفالِ پیغمبر گرفت	ملتِ حق از شکوہش فرگرفت
مرسلِ حق کرد نامش بو تراب	حق ید اللہ خواند در ام الکتاب

روشن از نورش چو سبطین آمدند عرش را دُرین و قرطین آمدند

لغات :۔ سبطین سبط سے صیغہ تثنیہ ہے۔ دو فرزند مراد حسنین۔ درین دو موتی۔ قرطین دو گوشوارے۔

ترجمہ :۔ چونکہ حضرات حسنینؓ اس (نور) کے پرتو سے روشن پیدا ہوئے۔ اس لیے وہ عرش کے دو موتی اور گوشوارے ٹھہرے۔

مطلب :۔ عرش کے درین و قرطین ہونے سے یہ مراد ہے کہ ان کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ عرش کو بھی ان کی ذات گرامی سے فخر و زینت ہے جس طرح کسی کو زیور و آرائش سے زینت ہوتی ہے۔

آں یکے از زہر جاں کردہ نثار واں سر افگندہ براہش مست وار

لغات :۔ سر افگندہ سر رکھ دیا یعنی قاتل کے خنجر کے سامنے گردن رکھ دی، جان دے دی۔ مست مستِ محبت، عاشق

ترجمہ :۔ اس ایک (یعنی امام حسنؓ) نے زہر کے سبب سے اپنی جان (راہِ حق میں) نثار کر دی اور اس (دوسرے یعنی امام حسینؓ) نے اس کی راہ میں (بمقام کربلا) عاشق کی طرح (اپنا) سر رکھ دیا۔

مطلب :۔ خدا کی راہ میں زہر سے یا خنجر سے جان دینے کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ خودکشی پر آمادہ ہو گئے کیونکہ خودکشی تو بجائے اطاعتِ حق کے الٹا معصیت ہے۔ تو پھر یہ فعل خدا کی راہ میں کیونکر مقبول ہوا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اپنی زندگی خدا کے لیے بھی ہوئی تھی اور خدا کی اطاعت میں اس کو صرف کیا تھا، اسی طرح موت کو بھی منجانب اللہ سمجھ کر اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بے صبری اور شکوہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ مرتے وقت اپنے قاتلوں سے انتقام وقصاص کے لیے جانے کی بھی آرزو ظاہر نہیں کی۔

حضرت امام حسنؓ حضرت فاطمہ الزہراؓ کے بڑے بیٹے تھے۔ کنیت ابو محمد لقب مجتبیٰ اور سبط اکبر ہے۔ وہ نہایت کریم و رحیم۔ زاہد، عابد، سخی اور باوقار تھے۔ انہوں نے دو دفعہ اپنا سارا مال اور تین دفعہ آدھا راہِ خدا میں خیرات کر دیا۔ پینتالیس سال اور چند ماہ کی عمر ہوئی تھی کہ یزید نے مدینے میں ان کو زہر دلوا دیا جس کے اثر سے ماہ ربیع الاول ۴۹ ہجری میں انہوں نے وفات پائی۔

حضرت امام حسینؓ ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ابو عبداللہ کنیت ہے۔ سید الشہداء اور سبط اصغر لقب۔ یزید حضرت امام حسنؓ کے قتل سے فارغ ہوا تو اب ان کو اپنے مقاصد میں خارراہ سمجھتا تھا اور ان کے تباہ کرنے کے لیے کوئی حیلہ سوچ رہا تھا کہ اتفاق سے اہلِ کوفہ نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خاص معتقد ہونے کا ادعا رکھتے تھے۔ امام حسینؓ سے بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور آپ کو بار بار بلا بھیجا۔ امام ممدوح نے ہر چندان کو ٹالا مگر وہ آپ کی تشریف آوری کے لیے اصرار پہ اصرار کرتے رہے۔ آخر امام حسینؓ نے خاص اپنے خاندان کے بہتر (۷۲) اشخاص کے ساتھ جن میں ان کے فرزند، بھتیجے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھتیجے وغیرہ اہلِ بیت کے لوگ شامل تھے، کوفہ کا قصد کیا۔ یزید کو تمام حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے بائیس ہزار کی فوج گراں ان کے

مقابلے کے لیے بھیجی جس نے شہرِ کوفہ سے کچھ دور دریائے فرات کے کنارے پر اس مقدس قافلے کو گھیر لیا۔ اہل کوفہ نے بھی ہوا کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر امام ممدوح کی حمایت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ دشمنوں نے دریا پر قبضہ کر لیا۔ حضرت امام حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں میں سے کسی کو پانی کا ایک قطرہ نہ پینے دیا۔ یہاں تک کہ حضرت امام اپنے شیر خوار بچے حضرت علی اصغر کو جو پیاس سے تڑپ رہا تھا، گود میں اٹھا کر خیمہ سے باہر لائے اور دشمنوں کو اس کی حالت دکھا کر فرمایا۔ لوگو! اگر ہم پر نہیں تو اس معصوم بچے پر تو رحم کرو اور اسے پانی پی لینے دو۔ ان بے رحم ظالموں نے پانی کے عوض تیر برسانے شروع کر دیے اور وہ بے گناہ بچہ آبِ پیکاں سے سیراب ہو کر باپ ہی کی گود میں شہید ہو گیا۔ آخر مقابلہ ہوا۔ حضرت امام حسینؓ اور ان کے رفقا نے بہتیرے دشمنوں کو ہلاک کیا مگر آخر ۷۲ کا مقابلہ بائیس ہزار کے ساتھ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ اہلِ بیت کے افرادِ یگانہ ایک ایک کر کے العطش العطش پکارتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت امام حسینؓ نے شمر نام ایک شقی کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ یہ سانحہ دس ماہ محرم ۶۱ ہجری کو واقع ہوا۔ حضرت امامؓ کی عمر اس وقت پچپن سال کی تھی۔

یزید ایک بدکار و عیاش شخص تھا۔ وہ امام حسینؓ کی پاک شخصیت کو اپنی ناپاک ذات کے لیے ہمیشہ خطرناک سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے پہلے تو یہ چاہا کہ امام ممدوح میری اطاعت و بیعت پر راضی ہو جائیں تاکہ ان کی طرف سے خطرہ نہ رہے۔ جب اس طرح اس کی مراد نہ بر آئی تو ان کے قتل کی تدابیر پر غور کرنے لگا۔ امام حسینؓ کو اس کے ارادے معلوم تھے۔ انہوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے آپ کو قتل و ہلاک سے بچانے کے لیے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور خود دین کی تذلیل و توہین کا باعث بنیں اور اس میں شک نہیں کہ اگر امام حسینؓ یزید کی بیعت کر لیتے تو عالم اسلام میں فسق کو تقوے پر اور دنیا طلبی کو حق شناسی پر فتح حاصل ہو جاتی لیکن آپ حق کی حمایت میں ثابت قدم رہے۔ یزید کی بیعت سے صاف انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ حمایتِ حق میں جان دے دی۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ واں سر افگندہ براہش مست وار۔ آپ نے حق اور دینِ حق کی حمایت و پاسداری میں اس پامردی کے ساتھ اپنی جانِ شیریں قربان کر دی۔ جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب پر نثار ہو جاتا ہے۔ اسی خیال کی تائید میں حضرت سلطان الہند معین الدین اجمیری فرماتے ہیں اور خوب فرماتے ہیں ؎

شاہ ست حسینؓ و پادشاہ ست حسینؓ — دین ست حسینؓ و دین پناہ ست حسینؓ
سر داد و نداد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ ست حسینؓ

چوں جُنید از جندِ او دید آں مدد — خود مقاماتش فزوں شد از عدد

لغات:۔ جنید ایک ولیِ کامل اور شیخ سلسلہ کا اسم مبارک ہے۔ جند جیم کے ضمہ سے فوج، لشکر۔ مقامات مراتبِ کمال

صنائع:۔ جنید اور جند میں تجنیس ملحوظ ہے۔

ترجمہ:۔ جب حضرت جنیدؒ نے اس (نورِ لایزال کی) فوج سے وہ مدد پائی (جس کی بدولت وہ نفس و شیطان کی قوتوں پر فتح یاب ہوئے) تو ان کے مراتبِ کمال (حدو) شمار سے بڑھ گئے۔

مطلب:۔ یہ اسی نور کا فیضان تھا کہ حضرت جنید اولیاء اللہ کی صفِ اولین میں سید الطائفہ کے لقب سے ملقب ہیں اور آپ کے کمالات باطن کی انتہا نہیں۔ حضرت جنید قدس سرہ کا طریقہ صحو ہے اور طریقت میں آپ صاحب اجتہاد مانے گئے ہیں۔ بہت سے مشائخ نے آپ کا مشرب اختیار کیا ہے اور طیفوریوں کا مشرب جو حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے اصحاب ہیں، ان کے برعکس ہے مگر حضرت جنید کا مشرب سب سے اشہر و اوفق ہے۔ آپ نے طریقت و شریعت میں پورا توازن قائم رکھا۔ کما قیل ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق — ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں جو تصوف کے گرانمایہ ترین نکات سے معمور ہیں۔ ان کمالات کے باوجود معاصر حاسدوں نے آپ پر کفر و زندقہ کے فتوے لگائے۔ جمادی الاول ۲۹۸ ہجری میں وفات پائی۔ مرقد مبارک بغداد میں ہے۔

بایزید اندر مزیدش راہ دید نام قطب العارفیں از حق شنید

لغات:۔ بایزید ایک عارف کامل اور پیشوائے طریقت کا نام نامی ہے۔ مزید زیادت، بیشی۔

صنائع:۔ بایزید اور مزید میں تجنیس کا شائبہ ملحوظ ہے۔

ترجمہ:۔ حضرت بایزید قدس سرہ نے اسی (نور) کی زیادتی میں راہ (معرفت) پایا (حتیٰ کہ) قطب العارفین کا لقب اللہ تعالیٰ سے سنا۔

مطلب:۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے جو اس قدر رفیع الشان درجہ پایا تو اسی نور سے مستفیض ہونے کا ثمرہ تھا جس کے استفاضہ سے آپ نے کسی حد تک بس نہیں کی حتیٰ کہ حضرت جنیدؒ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مقام توحید میں تمام سالکوں کی انتہائی تگ و دو بایزید کی ابتدا کے برابر ہے۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر کا قول ہے کہ میں اٹھارہ ہزار عالم کو بایزید سے پر دیکھتا ہوں اور پھر بایزید کو درمیان نہیں پاتا یعنی وہ خود حق میں گم ہیں۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ ''بایزید اندر مزیدش راہ دید'' حضرت بایزید کا مشرب فنا و محویت ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں پہلی مرتبہ حج کو گیا تو کعبہ کو دیکھا۔ دوسری بار گیا تو صاحب کعبہ کو دیکھا، تیسری بار گیا تو نہ خانہ کعبہ کو دیکھا نہ صاحب کعبہ کو یعنی میں ایسا از خود رفتہ ہو گیا کہ سوائے حق کے اور کچھ مجھے دکھائی نہ دیتا تھا۔ جس طرف دیکھتا وہی نظر آتا تھا۔ حافظؒ ؎

بہ پیشِ آئینہ دل ہر آنچہ مے دارم بجز خیالِ جمالت نمے نماید باز

ایک بار ایک شخص آپ کے دروازے پر گیا اور آپ کو آواز دی۔ حضرت بایزید نے فرمایا کہ کس کو پوچھتے ہو۔ اس نے کہا بایزید کو، فرمایا، میں بیچارے بایزید کو تیس برس سے ڈھونڈ رہا ہوں اور پتا نہیں لگتا۔ صائبؒ ؎

عارفانے کہ ازیں رشتہ سرے یافتہ اند بے خبر گشتہ ز خود تا خبرے یافتہ اند

یہ بات لوگوں نے حضرت ذوالنون مصریؒ کے سامنے بیان کی تو کہا، اللہ تعالیٰ بھائی بایزید پر رحم کرے۔ حق تعالیٰ میں محو ہو گئے ہیں۔ جیسے کہ اور خاصانِ حق ہو چکے ہیں۔ لکھا ہے کہ آپ کا لقب قطب العارفین بالہامِ ربانی مقرر ہوا ہے۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں۔ ''نام قطب العارفین از حق شنید'' حضرت شفیق بلخیؒ کے ہم زمانہ تھے۔ سال وفات ۲۶۱ھ ہے۔ مرقد شریف آپ کے اصلی وطن بسطام میں ہے۔

نوٹ:۔ اس سے آگے بعض نسخوں میں یہ شعر درج ہے۔

شاہِ منصور آنکہ نصرت یار شد تخت راگذشت سوئے دار شد

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت حسین منصور حلاجؒ جو نصرتِ الٰہی سے مستفید ہوئے، وہ تخت کو چھوڑ کر دار کی طرف بڑھے اور مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قبولِ عام کی مسند سے کنارہ کش ہو کر ہدفِ طعن ہونا اور دار پر چڑھنا منظور کر لیا اور یہ ابتلا بھی اگرچہ بظاہر ایک مصیبت تھی مگر درحقیقت نصرتِ الٰہی کی مترادف تھی۔

یہ شعر الحاقی معلوم ہوتا ہے۔ کسی ناقل و کاتب کو حضرت منصور کے ساتھ غایت اعتقاد نے الحاق و تخلیط کے جرم پر جرأت دلائی۔ اسی لیے یہ شعر مثنوی کے عام مروجہ و متداولہ نسخوں میں سے کسی میں نہیں ملتا۔ ہمارا قدیمی نسخہ بھی اس سے خالی ہے۔

چونکہ کرخی کرخ او را شد حرس شد خلیفہ عشق و ربانی نفس

لغات:۔ کرخی حضرت معروف کرخیؒ کا لقب ہے جو اولیائے کبار میں سے ہیں۔ کرخ نواح بغداد میں ایک گاؤں کا نام

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ

ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ نواحِ بلخ میں ہے۔ حرس بجائے مہملہ نگہبان۔ ربانی نفس۔ خدائی سانس والے۔ جن کی زبان سے جو بات نکلے، وہ بالہامِ ربانی ہو۔

ترکیب:۔ کرخ اورا میں اضافت ہے یعنی کرخ خودرا۔ خلیفہ عشق میں فکِ اضافت ہے۔

ترجمہ:۔ جب حضرت معروف کرخی اپنے مقام کرخ (میں اس توجہ تام سے مشغول بعادت تھے گویا اس) کے پہرہ دار بن گئے تو (اسی نور کی بدولت) عشق (الٰہی میں سابقین اولین) کے نائب اور خدائی آواز والے بن گئے۔

مطلب:۔ کرخ کا پہرہ دار یا محافظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جس طرح پہرہ دار اپنی نوکری کے مقام سے ایک لمحہ کے لیے نہیں ٹلتا۔ اسی طرح حضرت معروف کرخیؒ نے طاعت وعبادت اور ریاضات ومجاہدات کے اشغال میں اس مقام میں ایسی گوشہ گیری اختیار کر رکھی تھی کہ کبھی کسی اور جگہ نہیں جاتے تھے۔ بعض نسخوں میں جرس بجیم درج ہے جس کے معنی گھڑیال کے ہیں اور گھڑیال کے بجنے سے کسی امر کا عام اعلان واعلام ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ آپ اپنے کمالات کی بدولت اس گمنام گاؤں کے لیے بھی جرس شہرت ثابت ہوئے جس طرح خود آپ دنیائے تصوف میں معروف اور اسم بامسمّیٰ ہیں۔ اسی طرح کرخ کا نام آپ کی نسبت سے شہرہ آفاق ہوگیا ورنہ اس کو کون جانتا تھا۔ ربانی نفس سے یہ مراد ہے کہ وہ مرتبہ فنا ومحویت پر فائز ہوکر گفتۂ او گفتۂ اللہ بود کے مصداق ہوگئے۔

حضرت معروف کرخی قدس سرہ کے ماں باپ عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔ بچپن کے ایام میں ان کو استاد کے پاس بھیجا گیا تو حسبِ دستور عیسوی عقائد کی تلقین سے ان کی تعلیم کا آغاز ہوا مگر جو بچہ فطرتِ صحیحہ لے کر پیدا ہوا ہو، اس پر گمراہ کن تعلیم کا کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ استاد ہر چند کہتا تھا کہ پڑھو۔ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ "اللہ تین میں سے تیسرا ہے"۔ تو معروف کرخی ہر مرتبہ یہی کہتے تھے۔ ھُو اللہ احد۔ استاد نے دلاسے سے، نرمی سے، لطائف الحیل سے کوشش کی کہ وہ تثلیث کا کلمہ منہ سے نکالیں مگر جو منہ قدرت نے کلمہ توحید کے لیے پیدا کیا تھا، اس سے کلمۂ شرک کیونکر نکل سکتا تھا۔ آخر استاد نے دق ہوکر ان کو پیٹنا شروع کیا۔ معروف ''جورِ استاد'' کی تاب نہ لاکر مکتب سے نکلے اور ایسے بھاگے کہ ''مہرِ پدر'' کی بھی پروانہ کی اور سیدھے حضرت علی ابن موسیٰ رضاؒ کی خدمت میں پہنچے اور انہی کے ہاتھ پر داخلِ اسلام ہوکر مشرف بہ بیعت ہوئے۔ ادھر ماں باپ ان کے فراق میں جان بلب تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا بچہ خواہ کسی دین پر رہے مگر زندہ وسلامت آجائے۔ کچھ دنوں بعد ماں باپ کا خیال آیا۔ گھر گئے، دستک دی، ماں باپ نے اندر سے پوچھا، کس دین پر ہو۔ کہا دینِ محمدی پر۔ اس آواز کے جاذبہ نے ان پر بھی اثر کیا اور دونوں مسلمان ہوگئے۔ حضرت معروف کرخیؒ طریقت وشریعت دونوں کے جامع تھے۔ تقویٰ وفتویٰ دونوں پہلوؤں میں ان کی ذات گرامی آیۃ" مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ تھی۔ طریقت میں تربیت حضرت داؤد طائیؒ سے پائی اور علمِ شریعت وفقہ حضرت امام اعظمؒ کے حلقۂ درس میں حاصل کیا۔ ماہ محرم ۲۰۰ ہجری میں وفات پائی۔ مقبولِ ایزد تاریخ وفات ہے۔ بغداد میں قبر شریف زیارت گاہِ عام ہے۔

پورِ اَدْہم مرکب آں سو راند شاد گشت او سلطانِ سلطانانِ داد

لغات:۔ پور فرزند۔ پورِ ادہم۔ ابن ادھم ایک ولی کامل تھے جن کا نامِ مبارک ابراہیم ہے۔ تختِ سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ داد۔ انصاف

صنائع:۔ ابن ادھم اور مرکب میں مناسبت ہے۔

ترجمہ:۔ حضرت ابراہیم ابن ادھم قدس سرہ نے بھی خوشی خوشی (اپنی عقیدت وارادت کا) گھوڑا اس (نور) کی طرف دوڑایا تو (ظاہری بادشاہی کے چھوڑتے ہی اقلیم باطن کی) انصاف (والی) بادشاہت کے بادشاہ بن گئے۔

مطلب :۔ شعر کے الفاظ میں حضرت ابن ادھم کے احوالِ خصوصیہ کی رعایت ملاحظہ ہو۔ شاد کے کلمہ میں یہ رعایت ہے کہ انہوں نے جب نورِ حقیقت کی طلب میں تخت و تاج کو چھوڑا تو یہ کام ان کو بادلِ ناخواستہ نہیں کرنا پڑا۔ جیسے کہ کسی فاتح کے غلبہ سے مجبور ہو کر یا رعایا کے معزول کر دینے سے جبراً وقہراً بادشاہی سے دست بردار ہوتے وقت بادشاہ کے دل کی کیفیت ہوتی ہے بلکہ انہوں نے عین خوشی اور اطمینانِ قلب کے ساتھ کاروبار سلطنت کو خیر باد کہا۔ ظاہری بادشاہی کے تاجدار حقیقی معنی میں عادل و منصف نہیں ہوتے۔ یہ درجہ تاجدارانِ اقلیمِ باطن کا ہے جو فقر و درویشی کی لازوال سلطنت کے شہر یار ہیں۔ ابن ادھم ظاہری بادشاہوں کی صف سے نکل کر باطنی سلاطین کی جماعت میں شامل ہوئے اور پھر ان میں بھی سب سے برتر درجہ حاصل کیا۔ صائبؒ ۔

فقر بے قدر کند سلطنتِ عالم را ہوسِ ملک نباشد پسرِ ادھم را

حضرت ابراہیم ابنِ ادھم بلخ کے بادشاہ تھے اور تختِ شاہی پر بھی عبادت کے پابند تھے مگر شاہانہ شان و شکوہ کا یہ عالم تھا کہ جب سواری نکلتی تو آگے پیچھے چالیس چالیس سوار سونے کی ڈھالیں اور گرز لیے ہوئے جلو میں ہوتے۔ ایک رات تختِ شاہی پر خواب فرما تھے۔ توفیقِ الٰہی دستگیری کے لیے شاملِ حال ہوگئی تو سوتے سوتے آنکھ کھل گئی۔ محل کی چھت پر آہٹ محسوس ہوئی۔ آواز دی، کون ہے؟ جواب ملا، تمہارا دوست ہوں۔ اونٹ گم ہوگیا، یہاں تلاش کر رہا ہوں۔ ابن ادھم نے کہا، چھت پر اونٹ کا کیا کام؟ آواز آئی۔ غافل ابن ادھم: جب کوٹھے پر اونٹ کا تلاش کرنا موجبِ تعجب ہے تو کیا اطلسی لباس میں اور طلائی تخت پر خدا طلبی اس سے زیادہ تعجب کی بات نہیں؟ یہ بات کیا تھی، تاثیر میں ڈوبا ہوا ایک تیر تھا جو ابنِ ادھم کے دل پر بیٹھ گیا۔ صبح کو ایک دربار عام کیا۔ تمام امراء و وزرا کے سامنے شاہی لباس اتارا۔ گلیم درویشی پہنی اور جنگل کی راہ لی۔ دربار پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کسی کو دم مارنے کی تاب نہ تھی۔ صائبؒ ۔

ز ابراہیم ادھم پرس قدرِ ملک درویشی کہ طوفاں دیدہ از آسائشِ ساحل خبردارد

معارفِ طریقت کے ساتھ آپ علمِ شریعت کے بھی جامع تھے اور حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں آپ کا شمار ہے۔ ۲۶۲ ہجری میں وفات پائی۔ صدیق آ دان تاریخ وفات ہے۔

واں شقیق از شق آں راہِ شگرف گشت او خورشید رائے و تیز طرف

لغات :۔ شقیق ایک مشہور ولی اللہ گزرے ہیں۔ شق پھاڑنا، چیرنا، طے کرنا۔ شگرف عمدہ، نادر، عجیب۔ طرف نگاہ، نظر، آنکھ۔

ترجمہ :۔ اور (اسی طرح) وہ حضرت شقیق بلخی قدس سرہٗ اس (نور کے) نادر راستے کو طے کرنے سے آفتاب کی سی روشن عقل والے اور تیز نگاہ والے ہو گئے۔

مطلب :۔ حضرت شقیق بلخی ایک لکھ پتی تاجر تھے۔ ایک مرتبہ کاروبارِ تجارت کے سلسلے میں ترکستان گئے۔ وہاں ایک بت خانہ کے پاس سے گزر ہوا۔ ایک بت پرست بت کے سامنے زار و قطار رو رہا تھا اور التجائیں کر رہا تھا۔ آپ اس کا تماشا دیکھنے کھڑے ہو گئے اور کہا، اے نادان! ایک پتھر کی مورت کے سامنے جو نہ دیکھ سکتی ہے، نہ سن سکتی ہے، نہ بول سکتی ہے، نہ تیری کسی قسم کی دستگیری کر سکتی ہے رونا فضول، اپنی آنکھیں کھونا ہے۔ تجھ کو اس خدائے حی و قیوم کے حضور میں دعا مانگنی چاہیے۔ جو سنتا ہے، دیکھتا ہے اور مرادیں پوری کرتا ہے۔ بت پرست نے حضرت شقیق کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا، اے مدعی دانائی ایمان سے سچ سچ کہنا کہ مجھ کو جو بھروسہ اس پتھر کی مورت پر ہے تم کو اپنے خدائے حی و قیوم پر بھی ہے یا۔ اپنے مال و سرمایہ پر ہی بھروسہ کئے ملک بملک مارے مارے پھرتے ہو۔ بت پرست کی اس بات نے حضرت شقیق پر حقیقی توحید کا دروازہ کھول دیا۔ اپنی خامی سے توبہ نصوح کر کے متوکل بخدا ہو گئے اور توکل کے مرتبہ کمال کو پہنچے۔ کمالاتِ باطنی کے ساتھ آپ علوم ظاہر میں بھی یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کا قول ہے کہ میں نے سترہ سو استادوں کی

شاگردی کی اور کئی بار شتر کتابیں مطالعہ کیں۔ آخر الامر سارے علم کا لب لباب مجھ کو یہ ملا کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی چار چیزوں میں ہے (۱) توکل (۲) اخلاص (۳) عداوتِ شیطان (۴) موت کے لیے تیاری۔ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے وعظ میں باہر غل مچا کہ کافر آ گئے، کافر آ گئے۔ آپ نے وعظ میں کچھ دیر کے لیے توقف کیا۔ مصلے پر چند پھول پڑے تھے جو کسی مرید نے لا رکھے تھے، ان کو اٹھا کر سونگھنے لگے۔ حاضرین میں سے ایک بے باک شخص بولا اور لیجئے کفار نے شہر پر دھاوا بول دیا، مسلمان خطرہ میں ہیں اور امام المسلمین بیٹھے پھول سونگھ رہے ہیں۔ حضرت شفیق نے فرمایا، منافقوں کو صرف پھول سونگھنا نظر آیا کرتا ہے۔ غنیم کے مقابلے اور ان کے ساتھ نبرد آزمائی پر ان کی نظر نہیں جا سکتی۔ اتنے میں کیا سنتے ہیں کہ کافر بھاگ گئے۔ آپ نے امام یوسفؒ سے علم فقہ حاصل کیا۔ ۱۹۴ ہجری میں ولایتِ ختلان میں شہید ہوئے۔

شد فضیل از رہزنی رہ پیرِ راہ چوں بلحظہ لطف شد ملحوظِ شاہ

لغات:۔ فُضیل بضم فا و فتح ضاد ایک ولی کامل تھے۔ رہزنی رہ مرکب اضافی ہے بفکِ اضافت راستہ لوٹنا۔ راہ پہلا راہ طریقت پیرِ راہ۔ پیرِ طریقت، مرشد، پیشوا۔ لحظہ نظر اٹھا کر دیکھنا۔ لحظہ لطف مرکب اضافی ہے بفکِ اضافت، نگاہِ لطف، نظرِ عنایت۔

ترجمہ:۔ جب حضرت فُضیل ابن عیاضؒ پر (بھی) اس شاہِ حقیقی تعالیٰ شانہ کی نظرِ عنایت پڑی (یعنی وہ اس نور کے پرتو سے بہرہ مند ہوئے) تو راستے پر ڈاکا ڈالتے ڈالتے پیرِ طریقت بن گئے۔

مطلب:۔ حضرت فضیل ابتدائے شباب میں ایک نامی ڈاکو تھے مگر ان کا یہ مشغلہ بھی ایک عجیب شان کا تھا۔ بظاہر نہایت عابد و مرتاض تھے۔ علاقہ مرو اور باورد کے بیابان میں خیمہ ڈال رکھا تھا۔ ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے جو شدید الریاضت درویشوں کا شیوہ ہے۔ اونی ٹوپی سر پر ہوتی۔ ایک تسبیح گردن میں لٹکتی رہتی۔ چوروں کی ایک بہت بڑی جماعت ان کے تابع فرمان تھی۔ یار لوگ ادھر ادھر سے لوٹ مار کر کے مال لاتے اور آپ کے سامنے رکھ دیتے۔ آپ اس کو تقسیم کر دیتے۔ جو چیز پسند آتی، خود رکھ لیتے۔ ہر نماز باجماعت پڑھنے کا التزام تھا۔ جو نوکر یا مصاحب شاملِ جماعت ہونے میں سستی کرتا، اس کو اپنے دائرہ سے نکال دیتے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں نے ایک قافلہ کو لوٹا۔ اہلِ قافلہ میں ایک شخص جس کے پاس سب سے زیادہ قیمتی مال تھا، آنکھ بچا کر ایک طرف کو بھاگا، دور سے ایک خیمہ نظر پڑا۔ غور کیا تو اس میں ایک بزرگ مشغول بنوافل دکھائی دیے۔ پاس آیا اور اپنی زر و جواہرات کی تھیلی پیش کر کے عرض کی۔ حضرت! میری یہ امانت آپ رکھیں۔ میں آج یا کل حاضر ہو کر لے جاؤں گا۔ حضرت فُضیل نے اشارہ کیا کہ خیمہ کے کونے میں رکھ دو۔ وہ شخص اپنے مقام پر واپس آیا تو اہلِ قافلہ سب لٹ چکے تھے اور ڈاکو بھی نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس نے دل میں کہا، اب موقع ہے کہ اس عابد پارسا سے اپنا مال واپس لے آؤں۔ خیمہ کے پاس پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر دریائے حیرت میں غرق ہو کر رہ گیا کہ سب ڈاکو جمع ہیں اور وہ حضرت بزرگ قافلہ کا لٹا ہوا مال ان کو تقسیم فرما رہے ہیں۔ اس شخص نے دل میں کہا، لاحول ولا قوۃ کیا ریش مشبع و صورت مقطع ہے۔ میں تو کوئی بڑا غوث و ابدال سمجھتا تھا۔ یہ تو انہی ڈاکوؤں کے گورو گھنٹال نکلے۔ افسوس میں نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا مال کھویا۔ حضرت فضیل نے دور سے اس کو مبتلائے حیرت و تشویش دیکھا تو پاس بلایا۔ وہ ڈرتا ڈرتا پاس گیا۔ پوچھا کیا بات ہے۔ عرض کیا، میں اپنی امانت لینے آیا ہوں۔ کہا جہاں رکھی تھی، اٹھا لو۔ اس شخص نے کونے میں سے اپنی تھیلی اٹھائی تو وہ جوں کی توں صحیح و سلامت تھی۔ اس کو لے کر چلا گیا۔ ڈاکوؤں نے سمجھا کہ یہ بہت قیمتی مال تھا اور حقیقتِ حال سن کر کہا، آپ نے بڑا غضب کیا کہ آپ نے اس کا مال واپس دے دیا۔ قافلے میں ہمارے لیے اور کیا رکھا تھا۔ فضیل نے کہا، دوستو! اس شخص نے مجھ پر نیک گمان کیا، میں اس کے نیک گمان کو رائیگاں کھونا نہیں چاہتا۔ میں بھی اپنے خداوند تبارک و تعالیٰ پر نیک گمان رکھتا ہوں امید ہے کہ وہ بھی میرے نیک گمان کو رائیگاں نہیں

کھوئے گا۔ ڈاکا زنی میں بھی کمال مروت و بلند نظری ملحوظ ہوتی تھی۔ جس قافلہ میں کوئی عورت ہوتی تو اس قافلے پر نظر اٹھا کر نہ دیکھتے۔ غریب و مفلس کی تھوڑی پونجی ہرگز نہ لوٹتے بلکہ اس کی اور بھی نوازش کر دیتے۔

ایک دن ایک قافلے پر دھاوا کیا تو اہلِ قافلہ میں سے کسی نے یہ آیت بآواز بلند پڑھی۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ "کیا مسلمانوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کے لیے ان کے دل جھک جائیں"۔ اس آیت کا پڑھنا کیا تھا۔ اثر کی ایک برچھی تھی جو فضیل کے دل سے پار نکل گئی۔ اسی وقت یہ حالت ہوگئی کہ زار زار روتے تھے اور کہتے تھے۔ وجاء فتاب واناب۔ "ہاں وہ وقت آ گیا۔ اس نے توبہ کرلی اور رجوع کیا"۔ یہی مراد ہے مولانا کے اس قول سے کہ چوں بلحظہ لطف شد ملحوظ شاہ یعنی ان پر جلالِ الوہیت کا پرتو پڑا اور وہ راہِ راست پر آ گئے۔ اس کے بعد یہ حال تھا کہ شہر بشہر دیوانہ وار پھرتے تھے۔ جن لوگوں کو ان سے نقصان پہنچے تھے، ان میں سے جس کو پاتے، اس کے قدموں میں گرتے ہاتھ جوڑتے، منت کرتے اور معافی حاصل کرتے۔ ایک یہودی کی ایک ہزار کی تھیلی انہوں نے لوٹ لی تھی۔ اس نے قسم کھائی کہ میں وصول کروں گا۔ معاف نہیں کروں گا۔ آخر بطور استہزا کہا۔ اچھا اگر معاف کرانا چاہتے ہو تو یہ ریت کا ٹیلہ یہاں سے اٹھوا دو۔ حضرت فضیل اس وقت پھاوڑا اور تسلا لے کر کام میں لگ گئے۔ شام تک مشغول رہے۔ خدا کی قدرت رات کو ایسی آندھی آئی جو سارے ٹیلے کو اڑا لے گئی۔ صبح یہودی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنی قسم پوری کرنے کے لیے ایک ہزار دینار کی تھیلی فضیل کے پیش کر کے کہا، یہی مجھ کو دے دو۔ حضرت فضیل نے امامِ اعظمؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علم فقہ حاصل کیا اور ریاضات و مجاہدات سے طریقت و معرفت میں وہ مرتبہ حاصل کیا کہ بڑے بڑے اہلِ کمال پیچھے رہ گئے۔ حتیٰ کہ خلیفہ ہارون رشید زیارت کے لیے دروازے پر آتا تو اس کی باریابی بھی گرانباریِ خاطر کی باعث ہوتی اور بڑی رد و کد کے بعد اندر آنے کی اجازت ملتی تھی۔ مدت تک کوفہ میں مقیم رہے۔ پھر آخر عمر میں مکہ معظمہ کی طرف ہجرت اختیار کر کے وہیں مجاورت اختیار کی اور ماہ محرم ۱۸۷ ہجری میں وفات پائی۔ امام عادل تاریخ وفات ہے۔

حضرت فضیلؒ کی زندگی سے دو گراں بہا سبق ملتے ہیں۔ ان کی زندگی کے پہلے دور سے یہ سبق ملتا ہے کہ بعض متعبد ان با اخلاص کا ملوث بہ فسق ہونا ممکن ہے یا یوں کہو کہ بعض فاسقین مصر بفسق طاعات و عبادات کے پورے پابند اور وظائفِ ذکر و شغل پر مستقیم ہو سکتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو ان کی حالت سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ کہیں ان کی عبادات و طاعت کو دیکھ کر ان پر یہاں تک اعتماد کرنے لگ جائیں کہ ان کے فاسقانہ افعال کو بھی مباح تصور کرلیں بلکہ یہ سمجھیں کہ وہ غریب شیطان کی کشمکش میں ہے۔ طبع سلیم عبادت کے صراطِ مستقیم پر لاتی ہے اور شیطانِ رجیم فسق و گنہگاری کی چاٹ لگانے میں زور صرف کر رہا ہے اور یہ حالت عموماً ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کسی مرشدِ کامل کے زیرِ تربیت نہیں ہوتے۔

ان کی زندگی کے دوسرے دور سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہلِ حقوق کے غصب کردہ حقوق سے سبکدوشی حاصل کرنے میں پوری سعی کرنی چاہیے اور اس سعی میں جو بھی محنت و مشقت اور منت و سماجت کرنی پڑے، اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ اس کے بغیر نجات مشکل ہے۔

بعض عابدان با اخلاص کا ملوث بہ فسق ہونا ممکن ہے۔

بشرِ حافی رامبشر شد ادب   سر نہاد اندر بیابانِ طلب

لغات:۔ بشر کشادہ رو آدمی، ایک ولیِ عالی مرتبہ کا نام نامی ہے۔ حافی برہنہ پا، ننگے پاؤں چلنے والا، حضرت بشرؒ کا لقب ہے۔ مبشر بشارت دینے والا۔

صنائع:۔ بشر و مبشر میں لفظی اور روحانی اور سر نہاد اندر بیابان میں معنوی مناسبت ہے۔

ترجمہ:۔ (جب) حضرت بشر حافیؒ کو (اس نور کی روشنی میں) ادب نے بشارت دی تو وہ تلاش (حقیقت) کے بیابان میں چل پڑے۔

مطلب :۔ حضرت بشر حافی اکابر اولیاءاللہ میں سے ہیں۔ علم ظاہر کے اصول وفروع کے بھی پورے عالم تھے۔ ''مبشر شد ادب'' کا مطلب یہ کہ ان کے ادب نے انہیں بارگاہ حق سے قبولیت کی بشارت دلائی اور ادب ہی نے ان کو ولایت کے مراتب عالیہ پر پہنچایا جس کا قصہ یہ ہے کہ ایام شباب میں ان کا طرز زندگی اوباشانہ تھا مگر ایک دن کسی جگہ کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی پڑی پائی۔ اس کو ادب کے ساتھ اٹھایا۔ عطر خریدا، اس سے معطر کیا اور ایک اونچی جگہ پر رکھ دیا۔ اس رات ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ وکیلان قضا وقدر اس بزرگ سے کہتے ہیں کہ آپ جائیے اور بشر حافی کو خداوند تعالیٰ کا یہ پیغام کہہ دیجئے کہ تم نے ہمارے نام کو پاک کیا اور اس میں عطر بسایا، ہم بھی تم کو دنیا میں پاک کردیں گے اور دین میں بزرگی عطا فرمائیں گے۔ حضرت بشر کو یہ بشارت پہنچی تو اسی وقت سے اپنے یاران آوارگی کو خیر باد کہا اور طلب حق میں لگ گئے۔ حضرت بشر ادب کا ایک نمونہ کبریٰ تھے۔ ادب ہی نے ان کو حافی کا لقب دلایا اور ان کو مدت العمر ننگے پاؤں پھرایا جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن کسی قاری کو پڑھتے سنا۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَادًا ''کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا''۔ بشر نے یہ آیت سنتے ہی جوتی اتار ڈالی اور کہا، بادشاہ کے بچھائے ہوئے بچھونے پر جوتی سمیت چلنا ادب کے خلاف ہے۔ پھر عمر بھر جوتی نہ پہنی۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ قدرت حق نے بھی ان کی برہنہ پائی کی یہ عزت کی کہ جن جن راستوں اور سڑکوں پر ان کا گزر ہوتا تھا، کوئی چوپایہ لید یا گوبر اور کوئی پرندہ بیٹ نہیں کرتا تھا۔ بغداد میں قیام تھا اور وہاں ان کی کرامت سے سڑکیں صاف ستھری رہتی تھیں۔ ایک دن کسی پرندے نے سڑک پر بیٹ کردی تو ایک بزرگ نے کہا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ معلوم ہوتا ہے کہ آج بشر حافی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس لیے جانوروں کے غلاظت گرانے کی جو بندش تھی، وہ کھل گئی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ فی الواقع اسی روز ان کا انتقال ہوا تھا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت بشر سے پوچھا گیا کہ آپ جوتی کیوں نہیں پہنتے تو انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ جس روز دوست حقیقی سے میں نے صلح کی تو میں ننگے پاؤں تھا۔ اب جوتی پہنتے مجھے شرم آتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اکثر ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن شاگردوں نے عرض کیا، آپ اس پایہ کے محدث و مجتہد ہو کر ایک دیوانہ کے ساتھ پھرتے ہیں۔ فرمایا میں حدیث واجتہاد کے علم میں ان سے افضل ہوں تو وہ خدا کے علم میں مجھ سے افضل ہیں اور خدا کا علم اس علم سے کہیں برتر و بے پایاں ہے۔ کما قیل۔

گنجد اندر دل کتاب علم لیک علم دل ہرگز نہ گنجد در کتاب

چونکہ ذوالنون از غمش دیوانہ شد مصر جاں راہمچو شکر خانہ شد

لغات :۔ ذوالنون مچھلی والا۔ یہ حضرت یونس بن متیٰ کا لقب ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور ایک ولی کامل کا نام ہے جن کا وطن مصر تھا۔ دیوانہ سے یہاں عاشق وشیدا اور بےخود مراد ہے نہ کہ پاگل، مخل الدماغ۔ مصر ایک ملک کا نام جس کا دارالحکومت شہر قاہرہ ہے۔ اس شہر کو بھی قدیم سے مصر کہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف میں ارشاد ہے۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ ''شہر مصر کے جس امیر نے اس کو (یعنی حضرت یوسف) کو خریدا تھا، اس نے اپنی عورت سے کہا کہ اس کو قدر و منزلت کے ساتھ رکھ''۔ سورہ یوسف۔ ع ۳) اور عام طور پر شہر کو بھی مصر کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے اِهْبِطُوْا مِصْرًا ''کسی شہر میں جا اترو''۔ یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ شکر خانہ معنی خانہ شکر باضافت مقلوب شیرینی کا گھر، حلوائی کی دکان۔

صنائع :۔ حضرت ذُوالنّون مصری کے لیے مصر جان اور شکر مناسبات ہیں۔

ترجمہ :۔ جب حضرت ذوالنون مصری (اسی نور کے پرتو سے) اس (محبوب حقیقی) کے غم میں بےخود ہوگئے تو (ان کا یہ درجہ تھا کہ) روحوں کی بستی (بھر) کے لیے شیرینی کا گھر بن گئے

مطلب :۔ آپ اس نور کے پرتو سے اس درجۂ کمال کو پہنچ گئے کہ اہلِ طلب اور مشتاقانِ استفاضہ کو ان کے قرب وصحبت میں حلاوتِ فیض حاصل ہوتی تھی۔

حضرت ذوالنون مصری

حضرت ذوالنون مصری ان اولیائے کبار میں سے ہیں جنہوں نے اپنے حالات ومعاملات کو مخلوق سے بالکل مخفی ومستور رکھا ہے۔ اس لیے آپ اہلِ ملامت میں داخل ہیں۔ بعض لوگ آپ کو زندیق سمجھتے تھے۔ آپ کی توبہ کا قصہ یوں ہے کہ ایک عابد کا چرچا سنا جو دامنِ کوہ میں مصروف بریاضت تھا۔ اس کی زیارت کو گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے نفس کو طرح طرح کی اذیتیں دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے نفس جب تک تو میری حالت میں میرے ساتھ شریک ہونا منظور نہ کرے گا، اسی طرح تجھ کو اذیت دوں گا حتی کہ بھوکا پیاسا ہلاک ہو جائے۔ حضرت ذوالنون پر اس کے مجاہدہ کا ایسا اثر ہوا کہ بے اختیار رو دیے۔ عابد نے ان کی طرف نظر کی اور کہا، مجھ پر کیا تعجب کرتے ہو۔ مجھ سے بہتر وافضل آدمی دیکھنا ہو تو اوپر پہاڑ پر جاؤ۔ حضرت ذوالنون پہاڑ پر گئے تو دیکھا، وہاں ایک عبادت خانہ ہے اور ایک مردِ جوان عبادت خانہ کی دہلیز میں اس طرح بیٹھا ہے کہ ایک پاؤں عبادت خانہ کے اندر ہے اور ایک باہر ہے جو کٹا پڑا ہے اور اس میں کرم چل رہے ہیں۔ اس کا حال پوچھا تو کہا، میں سالہا سال سے یہاں مصروفِ عبادت تھا۔ اتفاق سے ایک عورت یہاں سے گزری۔ اس کے دیکھنے پر دل مائل ہوا۔ میں نے اس کے تعاقب کے لیے باہر نکلنا چاہا۔ ابھی ایک قدم باہر رکھا تھا کہ غیب سے آواز آئی کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ برسوں خدا کی اطاعت کر کے اب شیطان کی اطاعت پر آمادہ ہے۔ معاً مجھے تنبیہ ہوگئی۔ اس پاؤں کو جو دہلیز سے باہر نکلا تھا، میں نے فوراً کاٹ ڈالا اور وہیں بیٹھ گیا۔ اب دیکھیے میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ حضرت ذوالنون کو ان مشاہدات سے کمال تنبیہ حاصل ہوئی اور محبتِ حق کی لو لگ گئی۔ پھر یہ حالت تھی کہ آپ کو ویرانہ میں ایک خزینۂ نور کا پتا مل گیا۔ زمین کھودی تو ایک تختی نکلی جس پر لکھا تھا "اللہ جل جلالہ" تختی اٹھائی تو اس کے نیچے دینار سرخ کا ایک انبار جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے وہ تمام دینار حاضرین میں تقسیم کر دیے اور کہا، یہ تختی میں خود رکھوں گا جس پر میرے دوست کا نام لکھا ہے۔ پھر اس نام پاک کو بوسہ دیا۔ رات کو خواب میں ندا آئی کہ اے ذوالنون دوسرے لوگوں نے سونے کی طرف میلان کیا مگر تم نے ہمارے نام کو پسند کیا جو تمام دنیا ومافیہا سے بہتر ہے اور برتر ہے، لہٰذا اس کی برکت سے ہم نے بھی تم پر علم اور حکمت کے دروازے کھول دیے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے خلیفہ متوکل علی اللہ کے عہد میں ۲۴۰ ہجری کے قریب وفات پائی۔

چوں سری بے سر شد اندر راہِ او | بر سریرِ سروراں شد جاہِ او

لغات :۔ سَرِی بفتح سین وکسر را وتشدید یا، بروزن علی یہاں بسکون یا ضرورتاً آیا ہے۔ ایک بزرگ اہل اللہ کا نام ہے۔ بعض لوگ اس کو سری بکسر سین ورائے مکسور مشدد پڑھتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ پورا نام سری سقطی ہے۔ بفتح سین وقاف وکسر طاء مہملہ بے سر گمنام، فنا، بیخود۔ سرور۔ سردار۔ امیر۔ بر سریر شد کے دو معنی ہو سکتے ہیں تخت پر جلوہ گر ہوا، تخت سے بلند مرتبہ ہو گیا۔ یہاں دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

صنائع :۔ سری بے، سردار، سروراں میں لفظی مناسبت پُرلطف ہے۔

ترجمہ :۔ جب حضرت سری سقطیؒ (اس نور کے پرتو سے منور ہو کر) اس (خداوند تعالیٰ شانہ) کی راہ میں فنا ہو گئے تو ان کی یہ شان تھی کہ امراؤ سلاطین کے تخت سے بھی ان کا درجہ بڑھ گیا۔

مطلب :۔ بے سر اور سرور کے لفظوں میں جو مدح کی گئی ہے، قابلِ توجہ ہے۔ عوام الناس بلکہ خواص بھی جو اپنے اپنے سر سلامت لیے پھرتے ہیں، سروروں یعنی سلاطین کی بارگاہ میں ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو بڑی مشکلات کے بعد۔ ایک مردِ خدا راہِ

حق میں بے سر ہو جاتا ہے یا یوں کہو کہ کمال تواضع سے اپنی انانیت کے سر کو کاٹ گراتا ہے تو بظاہر سلامت سر والوں کے مقابلے میں اس کے اندر ایک کمی پیدا ہو گئی مگر درحقیقت سر والے ناقص ہوتے ہیں اور وہ بے سر کامل ہوتا ہے حتی کہ مقبولِ حق ہو جانے سے اس کا یہ درجہ ہو جاتا ہے کہ تمام سر والے اس کے آگے پست ہو جاتے ہیں حتی کہ سرورانِ دنیا بھی ان کے نام پر سر جھکانا موجب فخر سمجھتے ہیں۔ حافظ ؎

از پائے تا سرت ہمہ نورِ خدا شود　　در راہِ ذوالجلال چو بے پاؤ سر شوی

حضرت سری سقطیؒ حضرت معروف کرخیؒ کے خلیفہ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں تھے۔ ابتدا میں دکانداری کرتے تھے۔ پرانی مستعمل اشیا سستے داموں فروخت کرتے اور یہی ان کی وجہِ تسمیہ تھی۔ سقط کے معنی گراپڑا ٹوٹا پھوٹا۔ سقطی۔ کباڑ فروش یا کباڑیا۔ دن میں جب موقع ملتا تو دکان کے دروازے پر پردہ چھوڑ کر نفل پڑھنے کھڑے ہو جاتے۔ تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ کئی سو نفل پڑھنا روزانہ معمول تھا۔ دکان کیا تھی، عبادت خانہ تھا۔ بازارِ تجارت میں اشغالِ ریاضت کا رنگ جما رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گوشۂ بیابان یا غارِ کوہ میں بیٹھ کر یادِ خدا میں مصروف رہنا بڑا کمال ہے لیکن جہاں عبد و معبود کے معاملے میں کوئی تیسرا امر حارج ہونے کے لیے موجود ہی نہیں وہاں خود بخود یکسوئی میسر ہے۔ ایسی یکسوئی کے حصول میں کیا کمال ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ بازار میں بیٹھ کر خدا کی یاد غالب رہے۔ تعلقات کے عین محاصرے میں پڑ کر ماسوی اللہ سے اپنے آپ کو بے تعلق رکھے اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہمہ تن اور بدل و جان مصروف رہے۔ سعدی ؎

گرت مال و جاہ ست و زرع و تجارت　　چو دل با خدایست خلوت نشینی

نفس کشی کی یہ حالت تھی کہ چالیس سال تک شہد کھانے کو جی چاہتا رہا مگر جی کی یہ آرزو پوری نہ کی۔ خوفِ حق کا یہ حال تھا کہ فرمایا کہ میں دن میں کئی بار آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا ہوں کہ مبادا شومیِ معصیت سے سیاہ ہو گئی ہو۔ ہمدردیِ بنی نوع اس درجہ تک تھی کہ فرماتے ہیں، چاہتا ہوں۔ تمام مخلوق کا غم والم میرے دل پر ڈال دیا جائے تا کہ وہ بارِ غم سے سبکدوش ہو جائیں۔ کما قیل ؎

بسانِ چشم کہ گرید برائے ہر عضوے　　غمے بہر کہ رسد میکند ملول مرا

حضرت سری سقطیؒ نے ۲۵۴ ہجری میں وفات پائی۔

صد ہزاراں پاد شاہانِ مہاں　　سرفراز انندز انسوئے جہاں

نامِ شاں از رشکِ حق پنہاں بماند　　ہر گدائے نام شاں را بر نخواند

لغات:۔ مہاں۔ جمع مہ بزرگ۔ زانسوئے جہاں۔ ماورائے دنیا، عالمِ غیب، قربِ حق، عالمِ بالا۔ گدائے فقیر، درویش۔ ولی۔

ترجمہ:۔ لاکھوں (اقلیمِ طریقت کے) بڑے بڑے بادشاہ جو اس عالمِ بالا سے (منصب ولایت پر) سرفراز ہیں، ان کا نام رشکِ حق کی وجہ سے مخفی رہا ہے۔ ہر درویش اہل اللہ بھی ان کا نام ظاہر (کرنے کی جرأت) نہیں کر سکتا۔

مطلب:۔ حق تعالیٰ کے لاکھوں ایسے مستور الحال محبوب و محب دنیا میں موجود ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔ وہ عوام الناس کے سے لباس میں لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں اور قصداً اپنی حالت کو مخفی رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ کو ان کے ظہور و بروز پر اس لیے رشک ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ میرا محبوب لوگوں میں محبوب و منظور ہو جیسے کہہ چکا ہے۔ ؎ اولیائی تحت قبائی لایعلمھم سوائی یعنی میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں۔ ان کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا۔ وکما قیل ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

یہی وجہ ہے کہ اولیائے کاملین عموماً اظہارِ خوارق سے مجتنب رہتے ہیں اور اپنے اشغال و اعمال کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتے

حضرت سری سقطیؒ

اولیائے کرام کا اخفائے احوال

ہیں۔ شیخ ابو علی دقاقؒ نے شیخ سہل ابن عبداللہ تستری قدس سرہٗ کے بارے میں کہا کہ وہ کرامات و خوارق کے مخزن تھے مگر اپنے حال کو از حد چھپاتے تھے اور کسی پر اپنے احوال کا اظہار پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت فتح موصلیؒ سوداگروں کی طرح ایک بڑا گچھا کنجیوں کا اپنے ساتھ رکھتے تاکہ لوگ سمجھیں کوئی سیٹھ ساہوکار ہے۔ زر پرست ہے۔ دنیادار ہے۔ حضرت حمدون قصارؒ سے ایک عیار جوانمرد ملا جو اپنے پیشے میں بڑا طرار تھا اور کلماتِ حکم میں بھی ہشیار تھا۔ حضرت حمدون نے پوچھا، بتاؤ جواں مردی کیا ہے۔ اس نے کہا، میری جواں مردی یہ ہے کہ قبائے معصیت اتار دوں اور مرقعِ طریقت پہن لوں اور مراتب کمال کو پہنچوں اور آپ کی جوانمردی یہ ہے کہ مرقعِ طریقت کو اتار ڈالیں تاکہ مخلوق آپ پر اور آپ مخلوق پر فریفتہ نہ ہوں۔ ایک شخص نے حضرت امام حسن بصریؒ کے سامنے اپنی مصیبت کا رونا رویا۔ فرمایا، مکہ شریف میں جاؤ۔ مسجدِ خیف میں تم کو ایک بزرگ ملیں گے ان سے دعا کراؤ۔ یہ شخص وہاں پہنچا۔ ایک بزرگ وہاں بیٹھے ملے۔ عصر کے وقت ایک اور سفید پوش بزرگ تشریف لائے جن کی تعظیم کے لیے یہ بزرگ اور سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ عصر کی نماز باجماعت پڑھی گئی اور وہ نو وارد سفید لباس بزرگ چلے گئے۔ اب سائل نے موجودہ بزرگ سے اپنا مدعا کہا۔ انہوں نے دعا کی، پھر پوچھا۔ میرا پتا تم کو کس نے دیا۔ اس نے کہا، خواجہ حسن بصری نے۔ انہوں نے کہا، ہاں، وہ ہم کو رسوا کرتے ہیں۔ بہت اچھا ہم بھی ان کو رسوا کریں گے۔ ہاں میاں تمہیں معلوم ہے، یہ سفید لباس بزرگ کون تھے؟ یہ خواجہ حسن بصریؒ تھے۔ ہر روز ظہر کی نماز بصرہ میں پڑھتے ہیں اور عصر کی نماز مسجدِ خیف میں ادا کرتے ہیں۔ غرض اہل اللہ اپنے احوال کو مخفی رکھا کرتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے ان کے بارے میں ٹھیک کہا ہے۔

بشر وقتِ شاں خلق کے رہ برند ۔۔۔ کہ چوں آبِ حیواں بظلمت درانند

رحمت و رضوانِ حق در ہر زماں ۔۔۔ باد بر جان و روانِ پاکِ شاں

ترجمہ:۔ خداوند تعالیٰ کی رحمت اور خوشنودی ہر وقت ان کی جان اور روحِ پاک پر ہو۔

مطلب:۔ یہ شعر رضی اللہ عنہم اور رحمۃ اللہ علیہم کا مجموعی ترجمہ ہے۔ رضی اللہ صحابہ کرام کے نام کے ساتھ اور رحمۃ اللہ اولیاء عظام کے اسماء کے ساتھ لکھنے اور بولنے کا رواج ہے چونکہ اوپر پہلے انبیا کا پھر اولیا کا ذکر ہو چکا ہے۔ ممکن ہے یہ دونوں کلمے بطور لف ونشر ان دونوں جماعتوں کی طرف الگ الگ راجع ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ مجموعی طور پر دونوں کی طرف اشارہ ہو۔

حقِ آں نور و حقِ نورانیاں ۔۔۔ کاندراں بحراند ہمچو ماہیاں

ترجمہ:۔ قسم ہے اس نور کی اور قسم ہے ان نورانی بزرگوں کی جو اس بحر (نور) کی گویا مچھلیاں ہیں۔

مطلب: بحرِ نور کی مچھلیوں سے اہل اللہ کاملین مراد ہے اور ان کو مولانا کئی جگہ مچھلیوں سے تشبیہ دے چکے ہیں۔ اس لیے کہ جس طرح مچھلی کثرتِ آب سے خوش ہوتی ہے اور پانی سے کسی حد تک سیر نہیں بلکہ اس کی طرف سے ہَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ غؔ۔

عاشق بفنا سیرز معشوق نگردد ۔۔۔ ماہی طلب آب کند گرچہ غذا شد

اسی طرح اہل اللہ مراتب تقرب میں کسی حد تک بس نہیں کرتے۔ دوسرے لوگ ایسے ہیں جیسے غیر ماہی آبی جانور یعنی مثل (مینڈک) کو پانی مل جائے تو بھی خوب نہ ملے تو بھی پروا نہیں یا مثل دیگر حیوانات ہیں جن کے لیے پانی میں غرق ہونا پیامِ موت ہے۔ انہی تین قسم کے لوگوں کے بارے میں مولانا دیباچہ مثنوی میں فرما چکے ہیں۔

ہر کہ جز ماہی ست زابش سیر شد ۔۔۔ ہر کہ بے روزی ست روزش دیر شد

یعنی (۱) ماہی اولیاء اللہ جن کو آبِ تقرب پر کسی حد تک قناعت نہیں۔ (۲) غیر ماہی۔ آبی جانور غوک وغیرہ جو دوامِ آب و کثرتِ آب سے بے نیاز ہے۔ یہ عامہ مسلمین ہیں۔ (۳) بے روزی جن کو دریائے تقرب میں زندگی بسر کرنا نصیب بھی نہیں بلکہ راہِ سلوک ان کے لیے بمنزلہ موت ہے۔

انتباہ:۔ حقِ نورانیاں کے کلمے سے اہل اللہ کی قسم کھانے پر یہ اعتراض نہ ہونا چاہیے کہ غیر اللہ کی قسم کھانی غیر مشروع ہے کیونکہ اس نور سے نورِ حق مراد ہے اور ان حضرات کو اس نور سے انتہائی تعلق ہے اس لیے ان کی قسم کھانا بمنزلہ نورِ خدا کی قسم کھانے کے لیے

ہے یا یوں کہو کہ چونکہ مولانا پر اس وقت توحید کا غلبہ ہے اور اسی کو بیان فرما رہے ہیں، اس لیے ان نورانیوں کو اصطلاحاً عین حق سمجھ کر ان کی ہی قسم کھالی ہے (کلید)

بحرِ جان و جانِ بحر ار گویمش نیست لائق نامِ نو میجویمش

ترجمہ:۔ اس (بحر نور) کو اگر میں بحرِ جاں کہوں (اس لیے کہ جان اس میں غرق ہے) یا اس کو جانِ بحر کہوں (اس لیے کہ سمندر کے ساتھ اس کو وہی نسبت ہے جو جان کو جسم کے ساتھ) تو بھی لائق نہیں (کیونکہ اس کی ذات ان ناموں سے بھی اعلیٰ ہے۔ لہٰذا) میں اس کے لیے کوئی اور نیا نام تلاش کروں گا۔ سعدی۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ماہمچناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم

حق ایں آنے کہ ایں و آں از وست مغزہا نسبت بدو باشند پوست

لغات:۔ آن عربی میں بمعنی وقت، لحہ، دقیقہ۔ فارسی میں بمعنی ملکیت جیسے کہتے ہیں۔ ایں چیز از آنِ من ست۔ بعض شارحین نے اس شعر میں آن کے معنی وقت کے سمجھے ہیں مگر ہمارے خیال ناقص میں اس کے معنی ملکیت کے موزوں ہوں گے کہ ایں و آن از دست کا محاورہ اسی کا مستدعی ہے۔

صنائع:۔ آن بمعنی ملکیت اور آں بمعنی اسم اشارہ میں تجنیسِ تام۔

ترجمہ:۔ قسم ہے (حق تعالیٰ کی) اس ملکیت (واسعہ) کی کہ یہ اور وہ (ہر چیز) اسی سے ہے (دوسرے لوگوں کی ملک اور تصرف اگر اپنی پختگی کے لحاظ سے بمنزلہ) مغز بھی (ہوں تو) اس کے مقابلے میں (گویا نرے) چھلکے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

مُلکِ ملکِ اوست فرمان آنِ او کمتریں سگ بردر آں شیطانِ او

کہ صفاتِ خواجہ تاش و یارِ من ہست صد چنداں کہ ایں گفتارِ من

ترجمہ:۔ کہ میرے ساتھ کے غلام اور (میرے) یار کے اوصاف میرے اس بیان سے بھی سوگنا زیادہ ہیں۔

مطلب:۔ اوپر سے جو قسموں کا ایک طویل سلسلہ چلا آتا تھا جس میں غلام کی زبان سے مولانا نے نورِ احدیت کی قسموں کے ضمن میں ان خاصانِ حق کے احوال و اوصاف مجملاً ذکر کیے ہیں جو اس نور کے مظہر تھے۔ یہ اس قسمِ طول کے بعد جواب قسم ہے کہ میں نے جو اس غلامِ ذکی کی تعریف کی ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں کی بلکہ وہ اس سے بھی سوگنا زیادہ مستحق مدح و ثنا ہے۔ کمال قیل۔

اگر بمدح و ثناہر کسے ستودہ شود تو آنکسی کہ ستودہ بہ تست مدح و ثنا

آنکہ میدانم ز وصفِ آں ندیم باورت ناید چہ گویم اے کریم

لغات:۔ ندیم ہم نشین۔ مصاحب، شریک مجلس۔ باور یقین۔ کریم بزرگ، سخی۔

ترجمہ:۔ حضور! اس ہم نشین (غلام خواجہ تاش) کے اوصاف جو کچھ مجھے معلوم ہیں، کیا بیان کروں۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ (لہٰذا خاموشی بہتر ہے) بقول کسے۔

خامہ بشکستیم و لب بستیم از تعریف دوست کاں نہ در تحریرِ ما گنجد نہ در تقریرِ ما

شاہ گفت اکنوں ازانِ خود بگو　　چند گوئی آنِ این و آنِ او

لغات:۔ ازان خود اپنے طرز و انداز میں سے اس شعر میں آں تینوں جگہ بمعنی طرز و انداز ہے۔ آنِ این اِس کا حال۔ آنِ او اُس کا حال۔

ترجمہ:۔ بادشاہ نے کہا، اب اپنے حالات میں سے بھی کچھ بیان کرو۔ اِس کے اور اُس کے (یعنی غیروں کے) احوال کب تک ذکر کرتے جاؤ گے۔

تو چہ داری وچہ حاصل کردۂ　　از تگِ دریا چہ در آوردۂ

لغات:۔ تگ تہ، سطح زیرین۔ آوردہ تو باہر نکال لایا ہے۔

ترجمہ:۔ (کچھ تو بتا کہ) تو کیا ہنر رکھتا ہے اور کیا حاصل کیا ہے۔ دریا (ئے کمالات) کی تہ سے کیا موتی نکال کر لایا ہے۔

روزِ مرگ ایں حسِ تو باطل شود　　نورِ جاں داری؟ کہ یارِ دل شود

ترجمہ:۔ موت کے دن تیری یہ حسِ ظاہری تو باطل ہو جائے گی۔ کچھ نورِ جان (حسِ باطن) بھی تجھے حاصل ہے کہ نہیں جو وہاں دل کا رفیق ہوگا۔

مطلب:۔ قوائے بدنیہ ظاہریہ مرنے کے بعد بیکار محض ہیں۔ وہاں قوائے روحانیہ باطنیہ کام دیں گے۔ بیان کر کہ تجھے یہ لطائفِ روحانیہ حاصل ہیں؟ سعدیؒ۔

اگر ہوش مندی بمعنے گرائے　　کہ معنے ز صورت نماند بجائے

در لحد کیں چشم را خاک آگند　　ہست آنچہ گور را روشن کند؟

ترجمہ:۔ لحد کے اندر جو اس چشمِ ظاہر کو مٹی بھر دے گی (تو پھر کچھ دکھائی نہ دے گا) کیا وہ (سامان بھی تیرے پاس) ہے؟ جو قبر کو روشن کر دے۔

مطلب:۔ ''چشم را خاک آگند'' سے صرف خاک میں دفن ہونا مراد ہے یعنی جب تم تاریک قبر میں جاؤ گے تو وہاں شمعِ اعمالِ نکو کی ضرورت ہے جو وہاں روحانی راحت کی روشنی پھیلا دے۔ چنانچہ شمع اور اس کی روشنی بھی استعارہ ہے۔ نیک اعمال اور ان سے بطور نتیجہ حاصل ہونے والے سامانِ راحت سے ورنہ یہاں آنکھ میں مٹی پڑ جانے سے بمعنی حقیقی آنکھ کا خاک آلود ہو کر بے بصر ہونا مراد نہیں۔ نہ عالمِ برزخ میں آلات حواس ظاہر کے فنا یا متضرر ہونے سے حواسِ روحانیہ میں کوئی فتور آ سکتا ہے اور نہ وہاں ظاہری چراغ و شمع مفید ہیں۔ پس سامانِ روشنی سے بھی توشۂ عقبیٰ مراد ہے۔ صائب۔

توشۂ راہ ازیں عالمِ فانی بردار　　کہ ہمیں با توز اسبابِ سفر خواہد ماند

آں زماں کیں دست و پایت بردرد　　پرّ و بالت ہست؟ تا جاں برپرد

ترجمہ:۔ جس وقت تیرے ہاتھ پاؤں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ (کیا اس وقت کے لیے) تیرے پاس (کمالاتِ روحانیہ کے) بال و پر ہیں؟ تاکہ (ان کی مدد سے) روح (اوج قرب کی طرف) پرواز کر سکے۔

نورِ دل از جاں بود اے یارِ غار!　　مستعار آنرا مداں اے مستِ عار!

لغات:۔ یارِ غار۔ گہرا دوست۔ یارِ مخلص پہلے کسی حصے میں اس لفظ کی تشریح گزر چکی ہے۔ مستعار عاریت کی چیز، مانگی ہوئی

چیز۔ مستِ عار مغرور، سرمستِ تکبر۔

صنائع:۔ مستعار اور مستِ عار میں صنعتِ تجنیس۔

ترجمہ:۔ اے کھرے دوست! دل کی روشنی جان کے نور ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اے مغرور! اس کو کوئی مانگی جانے کی چیز نہ سمجھ (لہٰذا بتا کہ جان بھی منور ہے یا نہیں)۔

مطلب:۔ دل کی روشنی خود اپنی روحانی روشنی سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا اپنا گھر اپنے ہی چراغ سے روشن ہو سکتا ہے۔ اگر چاہو کہ اپنا چراغ خاموش رہے اور پڑوس کے چراغ کی روشنی غنیمت سمجھو تو اس طرح کام نہیں چلتا۔ کسی پیر کامل کی مدد سے خود اپنے چراغ کو روشن کرو۔ خود اپنے اندر روحانی روشنی پیدا کرو۔ اے غلام کیا تیرے اندر خود اپنا روحانی نور ہے یا نہیں؟

آنزماں کیں جانِ حیوانی نماند جانِ باقی بایدت بر جانشاند

لغات:۔ جانِ حیوانی روحِ حیوانی یا روحِ طبعی۔ جو اطباء کی موضوع بحث ہے یعنی وہ بخار لطیف جو لطافتِ اخلاط سے دل میں پیدا ہو کر شرائین کے واسطے سے تمام اعضائے جسم میں منتشر ہوتا ہے اور اعضا میں اس سے حیات و استعداد، قبولِ حس و حرکت تغذیہ تنمیہ اور تولیدِ مثل کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ماند بمعنی نخواہد ماند یعنی صیغہ ماضی بمعنی مستقبل۔ جانِ باقی۔ روحِ انسانی جو تصوف و طریقت کی موضوع بحث ہے اور انوارِ غیب کی مہبط۔

ترجمہ:۔ جس وقت یہ جانِ حیوانی (جو مبدءِ حس و حرکت ہے) نہیں رہے گی تو اس وقت جانِ باقی کو (جو انسان کا جوہرِ خاص ہے اس کی) جگہ پر بٹھانا چاہیے۔

مطلب:۔ حیاتِ دنیا کا مدار روحِ حیوانی پر ہے اور موت کے ساتھ روحِ حیوانی فنا ہو جاتی ہے مگر روحِ انسانی قائم رہے گی جس پر ثواب و عقاب کے آثار مؤثر ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ موجودہ زندگی کے خاتمہ سے روحِ حیوانی تو نابود ہو جائے گی، اس وقت تم کو جانِ باقی بقاء الحق اور روحِ کامل کو اس کی جگہ بٹھانے اور زندہ بحیاتِ روحانی ہونے کی ضرورت ہو گی تا کہ قیامت میں قربِ حق حاصل ہو سکے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

گرنہ رفتی تو بجاں بر آسماں کمتر از حیواں شدی ایں رابخواں

بادشاہ نے یہاں تک تکمیلِ روح کی ضرورت بیان کی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ دیکھو قرآن مجید سے تکمیلِ روح کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

شرط مَنْ جَآءَ بِالْحَسَن نے کردن ست بل حسن را سوے حضرت بردن ست

لغات:۔ جَآءَ بِالْحَسَن اقتباس ہے اس آیت سے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا من جاء الخ شرط ہے۔ فلہ عشر الخ اس کی جزاء۔ شرط سے یہاں بھی شرط مراد ہے۔ کردن عمل میں لانا۔ حسن حسنہ: نیکی

ترجمہ:۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ (جو شخص لائے نیکی) کی شرط سے (اس نیکی کا) کرنا (مقصود) نہیں بلکہ نیکی کو حضورِ حق کی طرف لے جانا (مقصود) ہے۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ "جو شخص ایک نیکی عمل میں لائے، اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دس گنا اجر ملنا جس نیکی کی شرط سے مشروط ہے، اس کا صرف کرنا ہی مراد نہیں بلکہ خدا کے حضور میں لانا مراد ہے۔ چنانچہ جاء بہ کے لفظی معنی بھی یہی ہیں کہ اس کو لایا۔ پس استحقاقِ ثواب نیکی کے صرف عمل سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ عمل کے بعد

اس کو آگے لے جانے سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک اعرابی نے کی بیٹے کو پند — اے میرے فرزندِ نیک و ارجمند
جائیں گے جب لوگ پیشِ ذوالجلال — اور ہو اعمال کی نسبت سوال
پوچھیں گے تم لائے کیا اعمال ہو — یہ نہ پوچھیں گے کہ کس کے لال ہو؟

اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا اعمال بنفسہٖ وہاں ساتھ جاسکتے ہیں یا عمل کرنے والے کی روح کے ساتھ ان کا اثر جائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جوہرے داری زانساں یا خری — کہ عرضہا کہ فنا شد چوں بری

لغات:۔ جوہر معرب گوہر، موتی، جواہرات، کوئی قیمتی چیز، ہنر، خوبی، کمال، روح، خلاصہ، نت۔ اصطلاح میں وہ چیز جو قائم بالذات ہو اور اپنے وجود میں کسی چیز کی محتاج نہ ہو۔ خری میں یائے خطاب ہے۔ یعنی خر ہستی کیا تو گدھا ہے۔ عرض ضدِ جوہر یعنی وہ چیز جو قائم بالذات نہ ہو بلکہ اپنے وجود کے لیے کسی دوسری چیز کی محتاج ہو جیسے رنگ مقدار وغیرہ۔

ترجمہ:۔ تم انسان (ہونے) کا جوہر بھی رکھتے ہو (جو اعمالِ حسنہ سے پیدا ہوتا ہے) یا (نرے) گدھے ہو (یہ جوہرِ انسانیت یعنی روح کامل ہی حضورِ حق میں جاسکے گی) کیونکہ اعمال تو محض اعراض ہیں۔ یہ اعراض جب فنا ہو گئے تو کیونکر لے جاسکو گے۔

مطلب:۔ گدھے سے مراد مطلق حیوان ہے یعنی حیوان مکلف باعمال نہیں ہے۔ انسان مکلف باعمال ہے اور اعمال سے انسانیت اور روحانیت مکمل ہوتی ہے۔ جو شخص اعمالِ حسنہ اختیار نہ کرے، وہ گویا اپنے آپ کو حیوانات کے درجے میں رکھتا ہے، لہٰذا فرماتے ہیں کہ تم جو حضورِ حق میں جاؤ گے تو اعمال کے ساتھ موصوف بانسانیت ہو کر جاؤ گے یا اعمال سے خالی محض ایک حیوان کی حیثیت سے جاؤ گے۔ پس اعمال کے ذریعے سے اپنی روح کو کامل اور منور کر کے لے جانا ہی گویا اعمالِ حسنہ کا لے جانا ہے ورنہ نفسِ اعمالِ حسنہ کوئی لے جانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ تو محض اعراض ہیں کہ عمل میں آئے اور فنا ہو گئے۔ ہاں ان کا اثر روح پر رہ جاتا ہے اور روح مکمل ہو کر عالمِ عقبیٰ میں جاتی ہے۔ یہی اعمال کا وہاں جانا ہے۔ آگے بھی بادشاہ اسی کے متعلق کہتا ہے۔

ایں عرضہائے نماز و روزہ را — چونکہ لَا یَبْقٰی زَمَانَیْنِ انْتَفَا

لغات:۔ انتفا نابود ہو گیا، معدوم ہو گیا، جاتا رہا۔

ترکیب:۔ عرضہا مضاف نماز و روزہ مضاف الیہ را علامتِ اضافت۔

ترجمہ:۔ چونکہ (اعراض) دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتے۔ اس لیے یہ نماز و روزہ کے اعراض نابود ہو جاتے ہیں (پھر بعینہٖ میں کیونکر جاسکتے ہیں)۔

مطلب:۔ متکلمین کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ اَلْعَرَضُ لَا یَبْقٰی زَمَانَیْنِ۔ یعنی عرض دو زمانوں یعنی دو آنوں میں باقی نہیں رہتی بلکہ ہر آن میں متجدد ہوتی رہتی ہے۔ جو عرض آنِ سابق میں موجود تھی، وہ آنِ لاحق میں معدوم ہو جاتی ہے اور اس کی مثل بقائے حقیقت حادث ہو جاتی ہے۔ اس سے شاہ موصوف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ یہ اعراض عالمِ عقبیٰ میں نقل نہیں ہو سکتے (بحر العلوم)

سوال:۔ نماز۔ روزہ وغیرہ طاعات اور قرآن و سورۂ قرآنیہ کے متعلق بہت سی ایسی احادیث آئی ہیں جن سے ان کا قبر کے اندر میت کی حمایت کرنا منکر ونکیر سے گفتگو کرنا اور آخرت میں خدا کے سامنے شفاعت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اگر بیانِ بالا کے مطابق اعمال کا عالمِ برزخ اور عالمِ عقبیٰ میں جانا صحیح نہ ہو تو پھر ان روایات کا مطلب کیا ہوگا؟

جواب:۔ بادشاہ کی تقریر تحقیقی نہیں کہ اس میں رفعِ اشتباہ کی ضرورت ہو بلکہ مغالطہ پر مبنی ہے۔ اس کا تحقیقی جواب خود غلام کی

طاعات و عبادات کے آخرت میں متشکل ہو سکنے کی بحث

جوابی تقریر میں آئے گا۔ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ ہر چیز کی حیثیت ظاہری اور ہوتی ہے اور اس کی حقیقتِ نفس الامری اور طاعات و عبادات کی بھی حیثیت ظاہری الگ ہے اور ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ پس بندے سے ان اعمال کا صدور یہاں بکیفیت ظاہری ملحوظ ہے اور اس کیفیت سے اس کا منقول و محشور ہونا ضروری نہیں کیونکہ وہ محض حرکات و سکنات ہیں جو وقوع میں آتے ہی منتفی ہو گئے اور یہ اعمال عالمِ برزخ یا عالمِ آخرت میں جو متمثل و موجود ہوں گے تو باعتبار اپنی حقیقت کے ہوں گے اور ان کی حقیقت بے شبہ فی نفسہ ثابت اور متحقق ہے۔ فلا اشکال۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ جوہریت اور عرضیت ذاتیاتِ حقائق سے نہیں ہے اور نہ لوازمِ ماہیات سے ہے کہ حقیقتِ واحدہ کا انتقال عرضیت سے جوہریت کی طرف محال ہو اور اس کو قلبِ حقائق کہا جائے بلکہ حقائق مواطنِ مختلفہ میں موجود و ظاہر ہوتے ہیں۔ پس اعمال کے حقائق اس جہان میں صاحبِ عمل کے ساتھ قائم ہونے والی اعراض ہیں اور یہی حقائق عالمِ آخرت میں جواہر بن کر موجود ہو جائیں گے بلکہ اس وقت بھی جواہر کی صورت میں موجود ہیں جیسے کہ احادیث میں واقع ہے کہ تسبیح غرس ہے۔ اغراس جنت سے اور نصوصِ قرانیہ بھی شاہد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ "اور اعمالِ صالحہ باقی ہیں"۔ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ "پس جزا عین عمل ہے"۔ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا "پس عین اعمال کو وہاں حاضر پائیں گے"۔ اعراض کے جوہر ہونے کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو فلاسفہ مشائین کے اس قول کے مقلد ہیں کہ جوہر ایک حقیقتِ ذاتی ہے اپنے افراد کی اور عرض کا مفہوم بھی افرادِ اعراض کے لوازم سے ہے خارج میں۔ پس یہ انکار کوئی اعتبار نہیں رکھتا اور اس انکار میں مخبرِ صادق کی تکذیب ہے لیکن چونکہ اس میں تاویل کی گنجائش ہے، لہٰذا یہ انکار منجر بکفر نہیں ہو سکتا۔ دوسرے حقائق کا وجود اس طریق پر ہے کہ کسی جگہ کسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کسی جگہ کسی صورت میں۔ چنانچہ عصائے موسیٰ کی ایک حقیقت خاص ہے جو کبھی لکڑی کی صورت میں نظر آتی ہے اور کبھی اژدہے کے روپ میں اور یہ دونوں صورتیں نفس الامر میں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى "ہم اس کو پھر سابقہ سیرت پر لے آئیں گے"۔ یہاں حقیقۃ الاولیٰ نہیں کہا۔ علیٰ ہذا باقی اکثر حقائق پر قیاس کر لو۔ انتہیٰ بادشاہ وہی اپنی بات کہہ رہا ہے۔

نقل نتواں کرد مر اعراض را لیک از جوہر برند امراض را

ترجمہ:۔ (پس) اعراض کو (ایک جگہ سے دوسری جگہ) نقل نہیں کر سکتے (کیونکہ اس کے لیے بقا ضروری ہے۔ اور وہ منفی ہے) ہاں (یہ اعراض طاعات) جوہر (روح) سے امراض (معاصی) کو دور کر دیتے ہیں۔

تا مبدل گشت جوہر زیں عرض چوں ز پرہیز یکہ زائل شد مرض

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ اس عرض سے جوہر (روح روحانی فساد سے) مبدل (بفلاح) ہو گیا جیسے کہ پرہیز سے مرض زائل ہو جاتا ہے۔

مطلب:۔ اوپر سے یہ بات چلی آتی ہے کہ اعراض کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جا سکتے۔ البتہ وہ اپنے محل کے نقائص و معائب کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ اب فرماتے ہیں، ان اعراض کے اس اثرِ تبدیل و تغیّر سے ان کا محل جو جوہر ہے، متقلب بصحت ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی ایک مثال پرہیز سے دی ہے جو ایک عرض ہے مگر جسم سے مرض کو دور کر دیتا ہے۔ آگے اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں:۔

گشت پرہیز عرض جوہر بجہد شد دہانِ تلخ از پرہیز شہد

ترجمہ:۔ پرہیز (جو کہ) عرض (ہے) کوشش کی بدولت جوہر (کو مکمل کرنے والا) بن گیا (جیسے کہ صفراء کی وجہ سے) کڑوا (ہو جانے والا) منہ (جو جوہر ہے محرکات و مولدات صفراء سے) پرہیز (کرنے کی وجہ سے (لذتِ صحت سے) مثل شہد (شیریں) ہو گیا۔

از زراعت خاکہا شد سُنبلہ　　داروئے مُوکرد مُو را سلسلہ

لغات:۔ زراعت کھیتی کاشتکاری سُنبلہ بالی، خوشہ۔ داروئے مو۔ بالوں کو بڑھانے والی دوا۔ سلسلہ دراز، مسلسل

ترجمہ:۔ کاشتکاری (کا کام ایک عرض ہے۔ اس عرض) سے اجزائے زمین (جو جوہر ہیں) خوشہ بن گئے۔ بالوں (میں ملنے) کی دوا (کا استعمال ایک عرض ہے۔ اس عرض) نے بالوں کو (جو جوہر ہیں، دراز کر دیا)۔

آں نکاحِ زن عرض بد شد فنا　　جوہرِ فرزند حاصل شد زما

ترجمہ:۔ (اسی طرح) عورت سے جماع (کرنا) ایک عرض تھا جو فنا ہو چکا (مگر اس کی وجہ سے) جوہر فرزند ہم سے حاصل ہو گیا۔

جفت کردن اسپ واشتر را عرض　　جوہرِ کُرہ بزائیدن غرض

لغات:۔ جفت کردن نر کو مادہ پر ڈالنا۔ اشتر اونٹ۔ یہ لفظ بعض نسخوں میں بسین مہملہ ہے۔ اس کے معنی خچر کے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ خچر کی جفتی متعارف نہیں کرہ۔ بچھیرا، اونٹ کا بچہ۔

ترجمہ:۔ (اسی طرح) گھوڑے (کو گھوڑی سے) اور اونٹ کو (اونٹنی سے) جفت کرنا عرض ہے (اور اس سے) بچہ پیدا ہونا مطلوب (ہے) جو جوہر ہے۔

ہست آں بُستاں نشاندن ہم عرض　　گشت جوہر میوہ اش اینک غرض

ترجمہ:۔ (علیٰ ہذا) باغ کا لگانا عرض ہے۔ اس کا میوہ جوہر (ہے) یہی مقصود (ہے)۔

ہم عرض داں کیمیا بردن بکار　　جوہرے زاں کیمیا گر شد بیار

ترجمہ:۔ کیمیا (کی ترکیب) کا استعمال عرض سمجھو۔ اس کیمیا گر سے جوہر (سیم وطلا) یار (لوگوں) کو ہاتھ آ گیا۔

صیقلی کردن عرض باشد شہا　　زیں عرض جوہر ہمے زاید صفا

لغات:۔ صیقلی لوہے کی چیز کو جلا کرنا، چمکانا، زنگ صاف کرنا۔ شہا اے بادشاہ۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ خود بادشاہ تو غلام سے خطاب کر رہا ہے۔ پھر وہ غلام کو بادشاہ کیونکر کہہ سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ کہ مجازاً ایسا کہہ دیتے ہیں جیسے کسی ہم رتبہ کو بھی غریب پرور، بندہ نواز کہہ دیتے ہیں۔

ترجمہ:۔ شاہ صاحب! صیقل کرنا عرض ہوتا ہے۔ اس عرض سے جوہر (اپنے اندر) صفائی پیدا کر لیتا ہے۔

پس مگو کہ من عملہا کردہ ام　　دخل آں اعراض را بنما مَرَم

لغات:۔ دخل آمدنی، ثمرہ، منافع۔ مرم امر ہے۔ (رمیدن سے مت بھاگ، مت ٹل)

ترجمہ:۔ پس یہ فضول دعویٰ نہ کرو کہ میں نے عمل کیے ہیں۔ ان اعراض کا ثمرہ (دکھا سکتے ہو تو) دکھاؤ (اس سے) گریز نہ کرو۔

مطلب:۔ جب ثابت ہوا کہ اعمال خود جانے کی چیز نہیں ہیں بلکہ ان کے ذریعہ سے روح کامل ہو جاتی ہے اور اس کے اندر وہ صفات پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے ساتھ جائیں گے اور اس کے لیے مسرتِ ابدی کا باعث ہوں گے۔ پس محض بجا آوریِ اعمال کا دعویٰ فضول ہے۔ ان کے ذریعہ اگر روح میں کچھ کمال پیدا ہوا ہے یا وہ صفاتِ خصوصیہ اس کے اندر پیدا ہوئے ہیں تو دکھاؤ۔ صائب ؔ

بنمائے بصاحب نظرے جوہر خود را　　عیسیٰ نتواں گشت بتصدیقِ خرے چند

ایں صفت کردن عرض باشد خمش　　سایۂ بز از پے قربان مکش

ترجمہ:۔ اس طرح (محض عمل) کرنا عرض ہے اور اتنی سی بات پر دعویٰ کمال (فضول ہے) خاموش رہو۔ قربانی کے لیے بکری کے سایہ کو ذبح (کرنے کی کوشش) نہ کرو۔

مطلب:۔ صرف عمل و فعل سرمایہ کمال نہیں ہے بلکہ اس کا اثر و نتیجہ مقصود ہے جو روح پر نمایاں ہوتا ہے۔ عمل فعل تو ایک ریاکار بھی کرتا ہے۔ اگر مطلق عمل مفید ہو سکتا ہے تو مرائی کا عمل بھی مفید ہوتا۔ غرض عمل تو ایک عرض ہے۔ اس پر مدارِ فخر رکھنا فضول ہے۔ جیسے بکری کے سائے کی قربانی کرنے کے لیے اس پر چھری چلانا ایک لغو کام ہے۔ یہ ترجمہ اور مطلب بدیں اعتبار ہے کہ ایں صفت کے معنی اس طرح کے ہوں اور کردن سے مراد عمل ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں صفت کردن بمعنی مدح کردن مراد ہو اور "ایں" سے غلام کی اس مدح کی طرف اشارہ ہو جو وہ غلامِ ذکی کے حق میں کر رہا ہے۔ پھر مطلب یہ ہوگا کہ تم جو غلام ذکی کی یہ مدح و ثنا کر رہے ہو، یہ محض ایک عرض ہے اور بے بود امر ہے۔ ان لایعنی باتوں سے کیا فائدہ بلکہ کمال روحانی حاصل کرو اور اگر کر چکے ہو تو دکھاؤ۔

گفت شاہا بے قنوطِ عقل نیست　　گر تو فرمائی عرض را نقل نیست

لغات:۔ قنوط　ناامیدی، یاس۔

ترکیب:۔ گر تو فرمائی الخ شرط موخر ایں اور قول مبتداء مقدر اور بے قنوط عقل نیست خبر مل کر جزائے مقدم ہوئی۔ شرط و جزا مل کر جواب ندا ہوا۔

ترجمہ:۔ (غلام نے) کہا حضور! اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ عرض ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جائی جا سکتی تو (یہ بات عام لوگوں کی) عقل کے لیے ناامیدی سے خالی نہیں۔

مطلب:۔ اگر آپ اعمال کے دوسرے عالم میں منتقل ہونے سے انکار فرماتے ہیں تو اس سے عوام اجر آخرت سے مایوس ہو کر عمل سے دست بردار ہو جائیں گے کیونکہ وہ تو اسی امید پر عمل بجا لا رہے ہیں کہ ان کے اعمال کا وزن ہوگا اور بمقدارِ وزن اجر ملے گا۔ اگر عمل کا اگلے جہان میں جانا ہی غیر متیقن ہو جائے تو پھر کون عمل کرے گا۔ اقبالؒ ؎

مرگ را ساماں ز قطعِ آرزو ست　　زندگانی محکم از لا تقنطوا ست

از دمش میرد قوائے زندگی　　خشک گردد چشم ہائے زندگی

اس بیت کا مطلب ایک دوسری طرح بھی ہو سکتا ہے یعنی قنوطِ عقل کو نفی نقل کا نتیجہ قرار نہ دیا جائے۔ جیسے کہ مذکورہ مطلب میں قرار دیا گیا ہے بلکہ نفیِ نقل کو قنوطِ عقل کا نتیجہ ٹھہرایا جائے۔ اس صورت میں تقریر یوں ہوگی کہ حضور یہ جو فرماتے ہیں کہ اعمال قابلِ نقل نہیں تو یہ محض عقلِ عوام کے قصور اور قلتِ ادراک کا نتیجہ ہے جو امورِ غیبیہ ماورائے عقل کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہے، لہٰذا اس نے حکم لگا دیا کہ اعمال قابلِ نقل نہیں۔ صائبؒ ؎

از ہمرہی عقل بجائے نرسیدیم　　پیچیدہ تر از راہ بود راہبرِ ما

پادشاہا جز کہ یاسِ بندہ نیست　　ہر عرض کاں رفت باز آیندہ نیست

ترجمہ:۔ بادشاہ سلامت! (یہ بات) بندہ کی یاس کے سوا (اور کچھ نتیجہ دینے والی) نہیں (کہ) جو عرض جاتی رہی، وہ واپس آنے والی نہیں۔

گر نبودے مر عرض را نقل و حشر　　فعل بودے باطل و اقوال قشر

لغات:۔ حشر دوبارہ زندہ ہونا مراد قیامت میں حاضر کیا جانا۔ قشر چھلکا مراد فضول ہے۔

ترجمہ:۔ اگر عرض (عمل) کا (اگلے) جہان میں جانا اور حاضر کیا جانا (مسلمہ) نہ ہوتو ہر فعل بیکار اور اقوال فضول ہوتے۔

مطلب:۔ حالانکہ دنیا میں جو نیک اعمال واقوال وقوع پذیر ہوتے ہیں، وہ بے کار اور بے سود نہیں ہوتے جیسے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نیک آدمی کے اعمال ایک پری پیکر کی شکل میں نمودار ہو کر اس کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر اوپر لے جاتے ہیں اور ذکر حق کا جو کلمہ نیک آدمی کے منہ سے نکلتا ہے، وہ ایک بہشتی پرندہ بن کر اڑتا ہے اور مشکوٰۃ میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا۔ **من قال سبحان الله العظيم وبحمده غرست له نخلة في الجنة** یعنی جو شخص **سبحان الله العظيم وبحمده** پڑھتا ہے اس کے لیے ایک کھجور جنت میں لگ جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمالِ حسنہ اور کلماتِ متبرکہ کا وجود دوسرے جہان میں نقل ہوتا ہے، لہٰذا یوں کہنا صحیح ہوگا کہ:

ایں عرضہا نقل شد لونِ دگر　　حشرِ ہر فانی بود کونِ دگر

لغات:۔ لون رنگ۔ کون ہستی، وجود۔

ترجمہ:۔ ان (تمام) اعراض کی نقل (اس ظاہری ہیئت وکیفیت سے نہیں بلکہ) ایک دوسرے رنگ میں ہوگی۔ ہر فنا ہونے والے (جوہر وعرض) کا حشر ایک جداگانہ ہستی میں ہوگا۔

مطلب:۔ غلام کے قول کی توضیح یہ ہے کہ حضور نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ روح ہی حق تعالیٰ کے حضور میں لے جانے کی چیز ہے نہ کہ اعمال اور دلیل اس دعویٰ کی یہ دی ہے کہ اعمال اعراض ہیں۔ **العرض لا يبقى زمانين فالاعمال لا تبقى زمانين** اور جو چیز دونوں زمانوں تک باقی رہ نہیں سکتی، وہ موجود ہوتے ہی معدوم ہو جاتی ہے اور جو چیز موجود ہوتے ہی معدوم ہو جائے، وہ قابلِ نقل نہیں، لہٰذا اعمال قابلِ نقل وحشر نہیں ہیں۔ پس لامحالہ روح ہی قابلِ نقل ہے۔ اس دلیل کا یہ مقدمہ کہ اعمال اعراض ہیں، مطلقاً قابلِ تسلیم نہیں۔ ہاں فی النشاۃ الاولیٰ مسلّم ہے۔ آپ کے اس خیال کا مبنیٰ کہ اعمال محشور ومنقول نہیں ہوں گے یہ امر ہے کہ یہ اعراض ہیں۔ اس لیے فانی وغیر باقی ہیں مگر یہ مبنے ہی غلط ہے کیونکہ اعمال ضرور اعراض ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ اعراض غیر باقی نہیں لیکن یہ کون کہتا ہے کہ یہ اعراض بوصف عرضیت ہی منقول ہوں گے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اعراض دوسرے رنگ میں یعنی رنگِ جوہریت میں منقول ومحشور ہوں گے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ عرض کا حشر برنگِ عرض ہی ہو۔ گو محال بھی نہیں۔ (کلید ملخصاً)

اعمال واقوال کا حشر اور نقل اعراض

نقل ہر چیزے بود ہم لائقش　　لائقِ گلہ بود ہم سائقش

لغات:۔ گلہ بکریوں یا بھیڑوں کا ریوڑ۔ سائق ہانکنے والا گلہ بان، چرواہا، گڈریا

ترجمہ:۔ ہر چیز کی نقل اس کی لائق (صورت میں) ہوگی۔ گلہ کا ہانکنے والا بھی اس کے لائق ہوتا ہے۔

وقتِ محشر ہر عرض را صورتے ست　　صورتِ ہر یک عرض را نوبتے ست

ترجمہ:۔ حشر کے وقت ہر عرض کی ایک ہی صورت ہوگی اور ہر عرض کی صورت کے لیے ایک نوبت (مقرر) ہے۔

مطلب:۔ ہر عرض جو اس وقت ہماری نظر میں عرض ہے، اس کے جوہر کی صورت اختیار کرنے کی نوبت مقرر ہے۔ بعض

اعراض اس سے پہلے جوہر تھے۔ بعض ایک دوسرے وجود ہیں (کمافی علم اللہ تعالیٰ) جوہر ہیں۔ بعض ان کے علم میں بصورتِ جوہر محشور ہوں گے۔ اب جیسے صلۂ رحمی ہمارے پیش نظر ایک عرض ہے مگر وہ ایک دوسرے وجود میں جو اللہ کے علم و نظر میں ہے اور مخبرِ صادق نے ہم کو اس کی خبر دی ہے۔ ایسی حالت رکھتی ہے جو جوہر سے مخصوص ہے۔ جیسے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ الرحم معلقۃ بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ یعنی رحم عرش سے لٹک رہی ہے اور دعا کرتی ہے کہ جو میرے تعلق کو قائم رکھے اللہ اس کو خوشحال رکھے اور جو میرے تعلق کو قطع کرے، اللہ اس کو قطع کرے۔ (مشکوٰۃ)

پس محشر میں بھی بعض اعراض کا حشر بصورتِ جوہر ہوگا جیسے کہ اکثر احادیث میں مذکور ہے۔ اسی طرح اگر اعراضِ اعمال کا بصورتِ جوہر محشور ہونا تسلیم کر لیا جائے تو کیا بعید ہے۔

بنگر اندر خود نہ تو بودی عرض جنبشِ جفتے و جفتے باغرض

لغات:۔ بنگر دیکھ۔ جنبش حرکت۔ جفتے جوڑا زن و شوہر، نر و مادہ دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ غرض خواہش، مطلب، مقصد۔

ترجمہ:۔ تم خود اپنے آپ کو دیکھو کیا (پیدائش سے پہلے) تم (بمنزلہ) عرض نہ تھے (چنانچہ) ایک خاوند کی ایک بیوی کے ساتھ (خاص) خواہش کی ایک حرکت (تھی۔ جو وقوع میں آئی اور اس سے تم پیدا ہو گئے)۔

مطلب:۔ دور کیوں جاتے ہو، خود اپنے آپ کو دیکھو کہ آپ ایک وقت میں اپنے ابوین کی حرکتِ جماعی کی علتِ غائی تھے جو کہ قائم بالذہن اور موجود فی الموضوع تھی اور یہی حالت عرض کی ہوتی ہے، اب پیدا ہونے کے بعد جوہر بنے بیٹھے ہیں جو موجود مستقل فی الخارج لافی الموضوع ہے۔ چنانچہ حکما بھی اس کے قائل ہیں کہ ہر شے جب کہ موجود فی الذہن ہوتی ہے تو اس کا وجود اور ہوتا ہے اور جب وہ موجود فی الخارج ہو جاتی ہے تو پھر اس کا وجود جداگانہ ہوتا ہے۔ پس جو نسبت کہ ذہن کو خارج دنیا سے تھی، وہی نسبت خارج دنیا کو آخرت سے ہے۔ چنانچہ اعمال اس وقت مواجید فی الموضوع ہیں اور قیامت میں موجود لافی الموضوع ہو جائیں گے اور اس میں کوئی استحالہ نہیں (کلید) آگے بھی اسی قسم کے نظائر مذکور ہیں۔

بنگر اندر خانہ و کاشانہا در مہندس بود چوں افسانہا

لغات:۔ کاشانہا کاشانہ کی جمع۔ گھر، مکان، مہندس انجینئر، فنِ تعمیر کا ماہر۔ افسانہا مراد خیالات۔ ذہنی، تصویرات۔

ترجمہ:۔ اسی طرح گھروں اور محلوں کو دیکھو کہ (پہلے) کس طرح انجینئر (کے دماغ) میں (ان کی) ذہنی تصویرات (موجود) تھیں۔

مطلب:۔ ہر عمارت کا نقشہ پہلے انجینئر کے ذہن میں موجود ہوتا ہے کہ یوں تعمیر ہوگی، یوں ہوگی۔ وہ نقشہ تو عرض ہے۔ پھر وہ تعمیر موجود فی الخارج ہو جاتی ہے یہ جوہر ہے۔ اسی طرح ایک عرض جوہر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ پہلے انجینئر کے ذہن میں اس عمارت کا نقشہ یوں تیار ہوتا ہے۔

کاں فلاں خانہ کہ ما دیدیم خوش بُود موزوں صُفّہ و سقف و درش

لغات:۔ خوش خوبصورت۔ صفہ گھر کا مسقف حصہ۔ سقف، چبوترہ، دالان۔

ترجمہ:۔ کہ فلاں خوبصورت گھر جو ہم نے دیکھا، اس کا دالان، چھت اور دروازہ موزوں تھے (ہم کو بھی ایسی ہی عمارت تیار کرنی چاہیے)۔

از مہندس آں عرض اندیشہا　　آلت آورد وستوں از بیشہا

لغات:۔ آلت آلہ اوزار، سامان مراد ہے۔ ستون، تھم، کھمبا۔

ترجمہ:۔ عرض اندیشہا میں اضافت توضیحی ہے۔ بفکِ اضافت۔ پھر یہ مرکب اضافی مضاف ہے مہندس مضاف الیہ از اضافیہ ہے۔

ترکیب:۔ (پھر) انجینئر کے خیالات کی عرض (اپنی تحریک سے) سامان (تعمیر) اور (لکڑی کے) ستون جنگل سے لائی (اور عمارت بن گئی جو جوہر ہے)

چیست اصل ومایہ ہر پیشۂ　　جز خیال و جز عرض اندیشہ

ترکیب:۔ عرض اندیشہ مرکب اضافی ہے بفکِ اضافت۔

ترجمہ:۔ (ایک فن تعمیر پر کیا منحصر ہے) ہر پیشہ (کو دیکھو اس) کا اصل اور سرمایہ خیال اور عرض فکر کے سوا اور ہے کیا؟

جملہ اجزائے، جہاں را بے غرض　　درنگر حاصل نشد جز از عرض

لغات:۔ اجزائے جہاں۔ کائناتِ عالم۔ بے غرض اتباع ہوا کے بغیر۔ درنگر دیکھو اس میں در زاید ہے۔

ترجمہ:۔ تمام کائنات عالم کو غرض (نفسانی) کے بغیر (ایک ایک کرکے) دیکھے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ کوئی چیز سوائے عرض کے اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتی۔

اوّل فکر آخر آمد در عمل　　بنیت عالم چناں داں درازل

لغات:۔ بنیت بنیاد، تعمیر بعض نسخوں میں یہ لفظ نسبت ہے۔

ترجمہ:۔ (جس طرح یہاں ایک شے) پہلے فکر (وذہن میں ہوتی) ہے۔ پھر عمل (اور وجودِ خارجی) میں (آتی) ہے۔ اسی طرح (بناءِ) عالم کو ازل میں سمجھو (یا اسی طرح عالم کی نسبت ازل میں سمجھو)۔

مطلب:۔ پہلا مصرعہ اس قول کا ترجمہ ہے اول الفکر آخر العمل پہلے تجویز پھر عمل۔ غرض تمام اجزائے عالم ایسی ہی اشیا سے حاصل ہوئے ہیں جو عرض کے ساتھ مشابہ ہونے کے سبب سے عرض کہلا سکتی ہیں یعنی صُورِ علمیہ حق سبحانہ تعالیٰ۔

میوہادر فکرِ دل اول بود　　در عمل ظاہر بآخرے شود

ترجمہ:۔ میوے پہلے دل کے تصور میں ہوتے ہیں۔ آخر میں عمل (کی صورت) میں ظاہر ہوتے ہیں۔

مطلب:۔ باغ کا شوقین پہلے اپنے دل میں یہ خیال رکھتا ہے کہ اس قطع کا باغ ہو۔ اس میں اتنے چمن ہوں۔ ہر چمن میں اتنے اتنے سیب، ناشپاتی، انار، امرود، نارنگی کے درخت ہوں۔ غرض یہ ہو، وہ ہو۔ چنانچہ وہ اپنے اس ذہنی نقشے کے مطابق باغ تیار کرلیتا ہے تو گویا عرض جوہر کے رنگ میں نمودار ہوجاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

چوں عمل کر دی شجر بنشاندی　　اندر آخر حرف اول خواندی

ترجمہ:۔ جب تم نے باغ کی بنیاد رکھنے کا کام شروع کردیا اور درخت لگادیے تو (تصوّر کے) حرفِ اول کو (حصولِ مقصد کے) آخر (وقت) میں پڑھا۔

مطلب:۔ باغ کا تصور گویا نقش تھا اور اس تصور کو عملی جامہ پہنانا گویا اس نقش کو پڑھنا۔ فرماتے ہیں کہ پھل کھانے کی توقع

جو آغازِ تصور میں تھی، انجامِ عمل پر پوری ہوئی۔

گرچہ شاخ و برگ بیخش اول ست — آں ہمہ از بہرِ میوہ مُرسَل ست

ترجمہ:۔ اگرچہ اس (میوہ دار درخت) کی شاخ اور پتے اور جڑ مقدم ہیں (مگر) وہ سب (چیزیں میوہ کے لیے پہلے) بھیجی جاتی ہیں۔

مطلب:۔ اصل مقصد میوہ ہوتا ہے مگر وہ آخر میں حاصل ہوتا ہے۔ پہلے اس کے توابع شاخ پتے وغیرہ نمودار ہوتے ہیں۔اسی طرح جو چیز مقصود ہوتی ہے، پہلے اس کا تصور قائم ہوتا ہے اور وہ چیز آخر میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

پس سرے کہ مغز ایں افلاک بود — اندر آخر خواجۂ لولاکؐ بود

لغات:۔ سَر سردار۔ مغز خلاصہ، لب لباب، مقصود اصلی۔ خواجۂ لولاک۔ حدیثِ لولاک والے یعنی رسولِ خدا جن کے حق میں یہ حدیثِ قدسی وارد ہوئی ہے۔ **لولاک لما خلقت الا فلاک** ۔اگر تم پیدا نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صنعانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔اسی طرح خلاصہ میں ہے لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔ چنانچہ دیلمی نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ **اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ماخلقت الجنۃ ولولاک ماخلقت النار** یعنی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور (انہوں نے اللہ تعالیٰ کا) یہ پیغام پہنچایا۔ (اے محمدؐ) اگر تم نہ ہوتے تو میں بہشت کو پیدا نہ کرتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور ابن عساکر کی روایت میں ہے۔ **لولاک ماخلقت الدنیا** ۔اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (موضوعات کبیر)

ترکیب:۔ بظاہر یوں متبادر الی الذہن ہوتا ہے کہ سرے کہ الخ مبتداء اور خواجہ لولاک اس کی خبر ہوگی مگر یہ ترکیب خلافِ مقصود ہے۔ درحقیقت ترکیب یوں ہے سرے مبین اور کہ مغز الخ اس کا بیان مل کر مبتداء مبعوث خبر مقدار اندر آخر اس کے متعلق خواجۂ لولاک حال ہے بود کی ضمیر سے۔

ترجمہ:۔ پس وہ سرور (دارین) جو ان افلاک کے مغز (ومقصود) تھے۔ خواجہ لولاک بن کر (سب انبیاء سے) آخر میں (مبعوث) ہوئے۔

مطلب:۔ افلاک اور اندرونِ افلاک کی کائنات کا نقشہ اور مابین الارض والسمٰوات کا تماشا اگرچہ مدتہائے دراز سے قائم ہے مگر ان سب سے مقصد سرورِ کائنات علیہ التسلیم والتحیات کی جلوہ فرمائی تھی اور آپ کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی جس طرح پھل جو درخت سے مقصودِ خاص ہے۔ آخر میں ظہور پاتا ہے۔ ونعم ما قیل ؎

اے ختمِ رُسل قربِ تو معلوم شد — دیر آمدہ زراہ دور آمدہٗ

نقلِ اعراض ست ایں بحث و مقال — نقلِ اعراض ست ایں شیر و شغال

ترجمہ:۔ یہ بحث اور گفتگو بھی (جو اس وقت ہو رہی ہے) اعراض کی نقل ہے۔ یہ شیر اور گیدڑ (کا ذکر) بھی (جو قصوں میں درج ہوتا ہے) اعراض کی نقل ہے۔

مطلب:۔ آپ کی یہ بحث بھی کہ اعراض منقول نہیں ہوسکتے، خود نقلِ اعراض ہے اور شیر اور گیدڑ جو محکی عنہ اور موجود فی الخارج ہیں ان کا ذکر بھی نقلِ اعراض ہے۔

حدیث لولاک ماخلقت الافلاک کی تحقیق

جملہ عالم خود عرض بودند تا　　اندریں معنے بیامد ھَلْ اَتٰی[1]

ترجمہ:۔ (ایک شیر گیدڑ پر کیا منحصر ہے) تمام (اجزائے) عالم عرض تھے (جیسے کہ پہلے بھی بیان ہو چکا) اس بارے میں یہ آیت آئی ہے کہ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ (یعنی کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں آیا کہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔)

مطلب:۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم اولاً وجود خارجی اصلاً نہیں رکھتا۔ اب پھر سوچو کہ

ایں عرضہا از چہ زائید؟ از صُوَر　　ویں صُوَرہم از چہ زائید؟ از فِکَر

لغات:۔ صور بضم صاد و فتح واو۔ جمع صورت مراد صورِ مثالیہ۔ فِکَر بکسر فاء و فتح کاف جمع فکرت مراد صُوَرِ علمیہ حق سبحانہٗ۔

ترجمہ:۔ یہ (دنیا کے) اعراض اور جواہر کی پیدائش کس چیز سے ہوئی۔ (جوہر کی مثالی) صورتوں سے اور یہ (جوہر کی مثالی) صورتیں کس سے پیدا ہوئیں؟ صور (علمیہ حق سبحانہ) سے (لہٰذا):۔

ایں جہاں یک فکرتست از عقلِ کل　　عقل چوں شاہ ہست ذِکرتہا رُسُل

لغات:۔ فکرت سے یہاں علم خداوند تعالیٰ مراد ہے۔ عقلِ کل اکثر کنایہ ہوتا ہے جبرائیلؑ سے اور کبھی کنایہ نورِ محمدی سے مگر یہاں مراد حق سبحانہ وتعالیٰ ہے رُسُل بضم راء و سین جمع رسول فکرتہا صُوَرِ علمیہ حق سبحانہ۔

ترجمہ:۔ یہ جہان (دراصل) حق سبحانہ تعالیٰ کا ایک علم ہے جو اس عالم سے متعلق ہے حق سبحانہ کو بادشاہ ہے (اور اس کی) صُوَرِ علمیہ بمنزلہ قاصدوں کے ہیں۔

مطلب:۔ اس بحث سے ثابت ہو گیا کہ اجزائے عالم تمام نقلِ اعراض ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کبھی نقلِ اعراض بصورت اعراض ہوتی ہے اور وہ بھی بصورت جواہر۔ نیز یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اعمال صورتِ جوہریہ میں بھی مشہور و منقول ہو سکتے ہیں اور ان کے بشکلِ عرض مشہور ہونے میں بھی محض ان کا عرض ہونا مانع نہیں۔ اب ایک اور دلیل ارشاد فرماتے ہیں:۔

عالمِ اول جہانِ امتحاں　　عالمِ ثانی جزائے ایں وآں

ترجمہ:۔ (عالم کے دو حصے ہیں ایک) پہلا عالم (جو) آزمائش کا مقام (ہے اور ایک) دوسرا عالم (جو) سب کے اعمالوں کی جزا (وسزا) کا مقام ہے۔

مطلب:۔ دنیا میں واقع ہونے والے اچھے یا برے اعمال فی نفسہٖ موجود ہیں تو جبھی ان پر جزا وسزا مرتب ہوگی ورنہ اگر وہ اعمال لاشئے محض ہو گئے تو ان کی جزا وسزا کے کیا معنی؟ الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ کا مشہور و مسلم قول بتا رہا ہے کہ دنیا کا بویا ہوا بیج رایگاں نہیں جاتا بلکہ اس کی اچھی یا بری پیداوار اگلے جہان میں اٹھانی پڑتی ہے۔ کما قیل۔

از مکافات عمل غافل مشو　　گندم از گندم بروید جو ز جو

تو کیا پیداوار کا بیج بالکل فنا و نابود ہو جاتا ہے۔ نہیں بلکہ اس کا وجود قلت سے کثرت میں مستحیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اعراض اعمال اگلے جہان میں جواہر میں مستحیل ہو جائیں گے۔ اس کا ثبوت آپ خود بیتے واقعات سے لیجئے:۔

چاکرت شاہا خیانت می کند　　آں عرض زنجیر و زنداں مے شود

ترجمہ:۔ حضور (مثلاً) آپ کا نوکر خیانت کرتا ہے (تو اس کا یہ فعلِ خیانت جو) عرض (ہے سزا کے وقت) زنجیر و قید خانہ (کی

صورت میں تبدیل) ہو جاتا ہے (جو جوہر ہے)۔

بندہ ات چوں خدمتِ شائستہ کرد　　آں عرض نے خلعتے شد در نبرد؟

ترجمہ:۔ (اور مثلاً) جب آپ کا نوکر اچھی خدمت بجالایا تو کیا وہ (خدمت جو) عرض (ہے جزا کے) معرکہ میں ایک خلعت نہیں بن گئی؟ (جو جوہر ہے)

ایں عرض باجوہر آں بیضہ است وطیر　　ایں ازان وآں ازیں زاید بسیر

لغات:۔ بیضہ انڈا۔ طیر پرندہ۔ بسیر لگاتار، مسلسل

ترجمہ:۔ یہ عرض جوہر کے ساتھ ایسی ہے جیسے انڈا اور پرندہ۔ یہ اس سے اور وہ اس سے لگاتار پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

مطلب:۔ انڈا بے جان اور مرغ جاندار۔ جس طرح ایک بے جان چیز سے جاندار چیز اور جاندار سے بے جان چیز پیدا ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ اسی طرح اعراض سے جواہر اور جواہر سے اعراض بن کر منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ بس نہ اعراض کی نقل بصورت اعراض ناممکن ہے اور نہ اعراض کا منقول بجواہر ہونا محال ہے، لہٰذا یہ دعویٰ کہ نقلِ اعمال ان کے اعراض ہونے کی وجہ سے محال ہے بلکہ غلط۔

گفت شاہنشہ چنیں گیر آں مراد　　ایں عرضہائے تو یک جوہر نزاد

ترجمہ:۔ بادشاہ نے کہا چلو یوں ہی سمجھ لو۔ یہی مطلب (متفق علیہ) سہی (کہ عمل اعراض سے جوہر بن جاتے ہیں مگر) تمہارے اعمال سے تو کوئی جوہر پیدا نہ ہوا (اگر پیدا ہوا تو دکھاؤ)۔

گفت مخفی داشت است آنرا خرد　　تا بود غیب ایں جہانِ نیک و بد

لغات:۔ خرد عقل۔ یہاں عقلِ کل یعنی حق سبحانہ مراد ہے۔

ترجمہ:۔ (غلام نے) کہا حق سبحانہ نے اعراضِ اعمال کو بصورت جوہر پیدا کر کے عام نظروں سے مخفی رکھا ہے۔ قیامت کو ظاہر کرے گا تا کہ اس دنیائے (عمل کا) نیک و بد توشہ (بغرضِ امتحان) نظروں سے مستور ہے۔

زانکہ گر پیدا شدے اشکالِ فکر　　کافر و مومن نگفتے جز کہ ذکر

لغات:۔ پیدا ظاہر، نمایاں۔ فکر خیالات، عقائد۔ ذکر خدا کا ذکر۔

ترجمہ:۔ کیونکہ اگر ہر عقیدے (اور نیت وارادہ) کی (وہ) صورتیں (جو عالمِ غیب میں بشکلِ جوہر ہیں) نمایاں ہو جائیں (تو پھر) کافر و مومن سب یکساں طور پر) ذکر کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہ نکالتے۔

بس عیاں بودے نہ غیب اے شاہِ دیں　　نقشِ دین و کفر بودے بر جبیں

ترجمہ:۔ پھر تو اے شاہ دین (جزائے اعمال) صاف ظاہر ہوتی نہ کہ مخفی۔ دین اور کفر کا نقش (ہر شخص کے) ماتھے پر نمایاں ہوتا۔

کے دریں عالم بت و بتگر بدے؟　　چوں کسے را زہرۂ تسخر بدے؟

لغات:۔ بت گر بت بنانے والا۔ تسخر تمسخر، ہنسی اڑانا۔ زہرہ دلیری، جرأت، طاقت۔

ترجمہ:۔ (پھر) اس عالم (دنیا) میں بت اور بت تراش کہاں ہوتے اور کسی کو (دین حق پر) تمسخر کرنے کی جرأت کیونکر ہوتی۔

بس قیامت بودے ایں دنیائے ما   در قیامت کہ کند جرم و خطا

ترجمہ:۔ پس (جب جزائے اعمال سب کو نظر آنے لگتی تو) یہ ہمارا جہان (گویا) قیامت ہوتا (اور) قیامت میں کون جرم و خطا کرے (سب نیکوکار بن جاتے)

مطلب:۔ پھر سعید و شقی کا امتیاز ہی اٹھ جاتا اور امتحان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ پس نتائجِ اعمال اور ثمراتِ افعال کا پردہ غیب میں رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ حق شناس اور ناحق شناس میں امتیاز قائم رہے۔ حافظؒ۔

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں   تاسیہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد

گفت شہ پوشید حق پاداشِ بد   لیک از عامہ نہ از خاصانِ خود

ترجمہ:۔ بادشاہ نے کہا (بے شک) اللہ تعالیٰ نے (نیک و) جزا (پردہ غیب میں) چھپا رکھی ہے لیکن عام لوگوں سے نہ کہ اپنے خاص بندوں سے (اس کی ایک مثال یہ ہے کہ :۔)

گر بدامے افگنم من یک امیر   از امیراں خفیہ دارم نز وزیر

ترجمہ:۔ اگر ایک عہدہ دار کو میں دام (عتاب) میں ڈالنا چاہتا ہوں تو (اپنے عام) اہلکاروں سے (اس معاملے کو) مخفی رکھتا ہوں نہ کہ وزیر سے (کیونکہ وہ خاص مشیرِ کار ہے)۔

حق بمن بنمود پس پاداشِ کار   در صُوَر ہائے عملہا صد ہزار

ترجمہ:۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے مجھ کو اعمال کا بدلہ لاکھوں عملوں کی صورت میں دکھا دیا ہے۔

نوٹ:۔ اس بات سے بادشاہ کے عارف کامل ہونے کا پتا لگتا ہے۔

تو نشانے دہ کہ من دانم تمام   ماہ را بر من نمے پوشد غمام

لغات:۔ غَمام ابر، بادل، گھٹا۔

ترجمہ:۔ تم (اپنے اعمال کی صورتوں کا) کوئی نشان مجھے بتاؤ تاکہ میں ان سب سے واقف ہو جاؤں (حقیقتِ امر کے) چاند کو میرے سامنے (ادھر ادھر کی باتوں کا) ابر چھپا نہیں سکتا۔

گفت پس از گفتِ من مقصود چیست   چوں تو میدانی کہ آنچہ بُود چیست

ترجمہ:۔ غلام نے کہا، جب حضور (خود) جانتے ہیں کہ (میرا عمل) جو کچھ کہ تھا، وہ کیسا ہے تو میرے بیان کرنے سے کیا مقصود ہے۔

گفت شہ حکمت در اظہارِ جہاں   آنکہ دانستہ بروں آید عیاں

ترجمہ:۔ بادشاہ نے کہا (ہاں اس میں ایک حکمت ہے دیکھو) جہان کو عالمِ حضور میں لانے سے (اللہ تعالیٰ کی ایک یہ) حکمت ہے کہ جو کچھ اس کے علم میں ہے، وہ نمایاں ہو جائے۔

مطلب:۔ یعنی بے شک مجھے تمہارے اعمال کی حقیقت معلوم ہے مگر تمہاری زبان سے ادا کرانا مدِنظر ہے اور یہ فعل عبث نہیں بلکہ سنت اللہ ہے کیونکہ وہ اپنے علم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنی معلومات کا اظہار چاہتا ہے۔ چنانچہ اس عالم کے پیدا کرنے میں ایک

مصلحت یہ بھی ہے کہ جو کچھ اس کے علم میں ہے، وہ ظاہر ہو جائے۔ اس لیے اس نے مسببات کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے۔

آنچہ میدانست تا پیدا نکرد　　بر جہاں ننہاد رنجِ طلق و درد

لغات:۔ رنج تکلیف۔ طلق دردزہ

ترجمہ:۔ جو کچھ اس کے علم میں ہے اگر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہتا تو جہان (کی عورتوں) پر دردِزہ اور دکھ کی تکلیف نہ ڈالتا۔

مطلب:۔ عورت کو وضعِ حمل کے قریب دردِزہ عارض ہونے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ ادھر ادھر کے گھروں میں اطلاع ہو جائے کہ فلاں عورت کے بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ کذا قیل۔ ایک شارح صاحب اس بیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ جو کچھ حق تعالیٰ جانتے تھے، جب تک اس کو پیدا نہ کر لیا، اس وقت تک جہان پر کسی قسم کی تکلیف نہیں ڈالی۔ پہلے ان اعمال و افعال کو پیدا فرما کر پھر ان پر کسی قسم کی جزا و سزا رکھی۔

یکزماں بیکار نتوانی نشست　　تا بدی یا نیکی از تو برنجست

ایں تقاضا ہائے کار از بہرِ آں　　شد مؤکل تا شود سِرّت عیاں

ترجمہ:۔ (دیکھو) تم ایک لمحہ بھی بیکار نہیں بیٹھ سکتے۔ جب تک کہ بدی یا نیکی تم سے صادر نہ ہو اور یہ (نیک یا بد) کام کرنے کے تقاضے اس لیے (تم پر) مسلط کیے گئے ہیں کہ تمہارا بھید ظاہر ہو جائے۔

نوٹ:۔ بعض نسخوں میں اس سے آگے یہ شعر درج ہے۔

ورنہ کے گیرد کلابہ تن قرار　　چوں ضمیرت مے کشد اورا بکار

ترجمہ:۔ ورنہ بدن کا چرخہ کب قرار پکڑے۔ جب تیرا ضمیر اس کو کام کی طرف کھینچتا ہے۔

پس کلابۂ تن کجا ساکن شود　　چوں سرِ رشتہ ضمیرش میکشد

لغات:۔ کلابہ چرخہ۔ ضمیر۔ دل

ترجمہ:۔ پس بدن کا چرخہ کب ساکن ہو سکتا ہے جبکہ دل اس کے دھاگے کو کھینچتا چلا جاتا ہے (اور اس کو مختلف اعمال و حرکات پر مجبور کرتا رہتا ہے۔)

مطلب:۔ دل سے متواتر تقاضائے افعال اٹھتا رہتا ہے۔ اس لیے بدن ان افعال کے صدور کے بغیر چین نہیں کرتا۔

تاسۂ تو شد نشانِ آں کشش　　بر تو بیکاری بود چوں جاں کنش

لغات:۔ تاسہ اضطراب، بے چینی۔ جان کنش جان کنی، نزع

ترجمہ:۔ تمہاری (شوقِ عمل کی) بے چینی اسی کشش (قلب) کی نشانی ہے (کہ) بیکاری تم پر گویا جان کندن بن جاتی ہے۔

ایں جہان وآں جہاں زاید ابد　　ہر سبب مادر اثر از وے ولد

لغات:۔ ابد ہمیشہ۔ سبب علت۔ اثر نتیجہ، مسبب۔

ترجمہ:۔ یہ جہان اور وہ جہان ہمیشہ (نتائج) پیدا کرتے [illegible] ماں ہے اور مسبب (اس کا) بچہ ہے۔

مطلب:۔ غرض اپنے معلومات کے اظہار کے لیے حق سبحانہ نے عالم کو پیدا کیا اور اس کے اندر ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ سلسلۂ سببیت و مسببیت میں منسلک کر دیا۔

چوں اثر زائید آں ہم شد سبب — تا بزائید او اثر ہائے عجب

ترجمہ:۔ جب (ایک سبب سے دوسرا) مسبب پیدا ہوا تو پھر وہ بھی سبب بن گیا۔ یہاں تک کہ اس نے عجیب مسببات پیدا کیے (اور اسی طرح سلسلۂ اسباب چلا جاتا ہے)۔

ایں سببہا نسل بر نسل ست لیک — دیدۂ باید منور نیک نیک

ترجمہ:۔ یہ سلسلہ اسباب (اسی طرح) نسل در نسل چلا جاتا ہے مگر (ان کے دیکھنے کے لیے) بہت روشن آنکھ کی ضرورت ہے۔

مطلب:۔ غرض ان تمام نظائر و امثلہ سے ثابت ہوا کہ اظہار واحوال ہی قرینِ مصلحت ہے۔ چنانچہ سنت اللہ بھی اسی پر جاری ہے۔ اسی لیے بادشاہ غلام سے متقاضی ہے کہ تم اپنے اعمال کے نتائج کو ظاہر کرو۔

شاہ با او در سخن ایں جا رسید — تا بدید از وے نشانے پاندید

ترجمہ:۔ بادشاہ (کا سلسلۂ کلام) اس (غلام) کے ساتھ یہاں تک پہنچا حتیٰ کہ (یہ معلوم نہیں) اس سے کوئی نشان (اعمال) دیکھا یا نہیں دیکھا۔

گر بدید آں شاہ جویا دور نیست — لیک مارا ذکرِ آں دستور نیست

لغات:۔ جویا طالب، متجسس، متلاشی، ڈھونڈنے والا۔ دور بعید، مشکل۔ دستور اجازت، قاعدہ

ترجمہ:۔ اگر اس متجسس بادشاہ نے اس کا نشانِ اعمال دیکھ ہی لیا ہو تو بھی بعید نہیں لیکن ہم کو اس کے ذکر کی اجازت نہیں (یا یوں کہو، لیکن ہمارا قاعدہ نہیں کہ اس غیر ضروری بات کا ذکر کریں۔)

باز پرسیدنِ شاہ حالِ آں غلامِ دیگر

بادشاہ کا پھر اس دوسرے غلام سے حال پوچھنا

چوں ز گرمابہ برامد آں غلام — سوئے خویشش خواند آں شاہِ ہمام

لغات:۔ گرمابہ حمام۔ یہ لفظ گرم آب سے بنا ہے کیونکہ حمام میں غسل کے لیے گرم پانی تیار ہوتا ہے کیونکہ یہاں نسبت یا تسمیہ کی ہے۔ ہمام سردار، بزرگ، قابلِ تعظیم۔

ترجمہ:۔ جب وہ غلام حمام سے نکلا تو شاہ بزرگ نے اس کو اپنی طرف بلایا۔

گفت صَحّاکَ نَعِیمٌ دَائِمٌ — بس لطیفی و ظریفی خوبرو

لغات:۔ صحاک کلمہ دعائیہ ہے یعنی تو سلامت رہے، تندرست رہے۔ نعیم دائم ہمیشہ نعمت میسر ہو۔ یہ بھی کلمہ دعائیہ ہے۔ لطیف پاکیزہ۔ ظریف خوش طبع، خوش منظر۔

ترجمہ:۔ اور فرمایا خدا کرے تم کو ہمیشہ تندرستی اور نعمت حاصل ہو۔ تم کیا پاکیزہ خوش مزاج اور خوبصورت ہو۔

مطلب:۔ بادشاہ اس غلام کی خوب تعریف کر رہا ہے اور اس تعریف سے اس کا مقصد امتحان ہے۔ اسی امتحان کی کند اس غلام بدصورت پر بھی ڈالی تھی مگر اس کی سیرت کمال کے ڈھانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی تعریف سن کر لغزش نہ کھائی بلکہ کئی باتوں میں اس نے بادشاہ کو بھی قائل معقول کر دیا۔ بخلاف اس کے یہ غلام خام طبع و ناقص الفطرت تھا۔ وہ اپنی تعریف سن کر پھیل گیا اور اس امتحان میں فیل ہو گیا کیونکہ انسان اپنی تعریف سن کر طبعاً اپنی خوبی پر خوش ہوتا ہے اور یہ مست بادہ غرور ہونے کا پیش خیمہ ہے اور غرور موجب تباہی۔ حافظ۔

حباب راچو فتد بادِ نخوت اندر سر کلاہ داریش اندر سرِ سراب رود

یہی وجہ ہے کہ تعلیمات نبویہ میں رو در رو کسی کی تعریف کرنا خطرناک قرار دیا گیا ہے کہ اس سے اچھے اچھے اشخاص کے دل میں غرور وخود پسندی کے خیالات پیدا ہو کر ان کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔ روایت ہے کہ جنابِ رسولؐ کے حضور میں ایک شخص نے دوسرے کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا۔ قطعت عنق اخیک تیرا برا ہو۔ تو نے اپنے مسلمان بھائی کی گردن ہی کاٹ ڈالی اور یہ کلمات آپؐ نے تین بار فرمائے۔ (مشکوٰۃ) اور ایک موقع پر فرمایا اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب "جب تم مدح کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو"۔ (مشکوٰۃ) سعدیؒ۔

ستائش سرایاں نہ یارِ تواند ملامت کناں دوست دارِ تواند
بگمراہ گفتن نکو میروی جفائے تمام ست وجورِ قوی
بنزدِ من آنکس نکو خواہ تست کہ گوید فلاں خار در راہِ تست

پس سوئے کارے فرستاد آں دگر تا ازیں دیگر شود او باخبر

لغات:۔ پھر اس دوسرے (سیاہ فام غلام) کو کسی کام پر بھیج دیا تاکہ وہ اس دوسرے (کی اخلاقی حالت) سے باخبر ہو جائے۔

پیش بنشاندش بصد لطف و کرم بعد ازاں گفت اے چو ماہ اندر ظلم

لغات:۔ ظُلَم جمع ظلمت اندھیرے، تاریکیاں۔ کالی راتیں "ماہ اندر ظلم" ہونا اس لیے موجب مدح ہے کہ تاریکی کے بعد چاند کا نکلنا ایک خاص شان رکھتا ہے یا تاریکی میں روشنی پھیلانے کے لحاظ سے وہ بہت قابلِ قدر ہوتا ہے۔

ترجمہ:۔ (اور) اس کو بڑی مہربانی اور بخشش کے ساتھ (اپنے) سامنے بٹھایا۔ اس کے بعد (اس کو) کہا، اے (عزیز تو ایسا خوش منظر ہے جیسے کالی راتوں میں چاند۔ حافظؒ۔

بے جمالِ عالم آرائے تو روزِ من شب ست باکمالِ عشق تو درعین نقصانم چو شمع

ماہروئی جعد موئی مشکبو نیک خوئی نیک خوئی نیک خو

لغات:۔ ماہرو مرکب غیر امتزاجی چاند کے سے چہرے والا۔ جعدمو گھنگریالے بالوں والا۔ مشکبو جس سے مشک کی سی خوشبو آئے۔

ترجمہ:۔ تو خوبصورت ہے۔ گھنگریالے بالوں والا ہے۔ مشکبو ہے۔ نیک خو ہے۔ نیک خو ہے۔ نیک خو ہے۔ کما قیل۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار گل چینِ بہارِ تو زداماں گلہ دارد

اے دریغا گر نبودے در تو آں کہ ہمے گوید برائے تو فلاں

شاد گشتے ہر کہ رویت دیدیے دیدنت ملکِ جہاں ارزیدیے

لغات:۔ فلاں سے وہ غلام سیہ رنگ مراد ہے جس سے بادشاہ پہلے گفتگو کر چکا ہے۔ دیدیے ارزیدیے اصل میں دیدے ار زیدے ہے ماضی تمنائی ہے۔ آخری ایک یائے زائد ملحق ہے۔

ترکیب:۔ گر نبودے الخ شرط دوسرا شعر جزا ہے۔ گر نبودے در تو آں میں آں کا مشارٌ الیہ رذائلِ اخلاق ہے جو مبین ہے اور اگلا مصرعہ اس کا بیان۔

ترجمہ:۔ اے کاش! اگر تجھ میں وہ (بری) باتیں نہ ہوتیں جن کا تیرے اندر ہونا فلاں (غلام) بیان کر رہا ہے تو جو شخص تیرا دیدار کرتا (تجھے حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں کا جامع پاکر) خوش ہو جاتا۔ تیرا دیدار دنیا بھر کی بادشاہی مل جانے کے برابر ہوتا۔ کما قیل۔

بہارِ عالمِ حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحابِ صورت رابو ر بابِ معنی را

مطلب:۔ غلام پر امتحان کی کمند پڑ رہی ہے۔ پہلے اس کی تعریف کی جس سے غرور خود پسندی اور عجب و تکبر کے مہلکات پیدا ہوتے ہیں۔ اب ایک اس سے بھی زیادہ پر خطر آزمائش میں اس کو ڈال دیا یعنی یہ کہہ کر کہ دوسرا غلام تیرے حق میں بدگوئی وعیب گیری کر رہا ہے۔ اس کو مبتلائے غضب و اشتعال کر دیا۔ کبر و غرور کے نشے میں تو کچھ کچھ اونچ نیچ کا احساس باقی رہتا ہے مگر غصے میں عقل بالکل تیرہ و تار ہو جاتی ہے۔ نیکی بدی، نفع و نقصان اور اپنے پرائے کا بالکل خیال نہیں رہتا۔

بوقتِ غصہ کیجئے سوچ کی بات کہ اب جلدی میں پیش آئیں گے خطرات
غضب میں قلب ہوتا ہے دھواں دھار اندھیرے میں نہ ہونا گرم رفتار

پہلا غلام پختہ مغز وسیع القلب تھا۔ وہ حلم وتحمل کا خوگر اور رضا وتسلیم کا مجسمہ تھا۔ اس لیے ایسی آزمائش میں اپنے مرکز سے نہیں ہلا۔ صائب۔

کسے بملکِ رضا خشم گیں نے باشد دریں ریاضِ گلِ آتشیں نے باشد

مگر یہ غلام ان اوصافِ عالیہ سے عاری تھا۔ اس لیے اس کڑے امتحان میں گر گیا اور ان باتوں سے متاثر ہو گیا۔ چنانچہ اس کی طرزِ گفتگو ملاحظہ ہو۔

گفت رمزے رابگو اے پادشاہ کز برائے من بگفت آں دیں تباہ

لغات:۔ رمز اشارہ، کنایہ، شمہ، قدرے۔ دین تباہ بے دین، لامذہب، فاسق و فاجر۔

ترجمہ:۔ کہنے لگا حضور کچھ تو بیان فرمائیں جو اس بے دین نے میرے بارے میں کہا ہے۔

گفت اول وصفِ دورویئت کرد کاشکارا تو دوائی خفیہ درد

لغات:۔ وصف بیان۔ دوروئی نفاق، اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ ہونا، سامنے کچھ اور پیچھے کچھ ہونا۔ کاشکارا کہ آشکارا۔ دوئی دواستی۔

ترجمہ:۔ بادشاہ نے کہا، پہلے تو اس نے تیرے دورُخے پن کا ذکر کیا کہ تو سامنے تو دوا (کی طرح مفید و نافع) ہے اور اندر سے درد (کی طرح باعثِ اذیت) ہے۔ سعدیؒ۔

در برابر چو گو سفندِ سلیم در قفا ہچو گرگ مردم خوار

غنیؒ۔

ہر کہ کرد از دو زبانی دلِ مردم افگار عاقبت و بر کند در دہنش خاک چومار

خبثِ یارش راچو از شہ گوش کرد درزماں دریائے خشمش جوش کرد

لغات:۔ خبث خباثت، بدباطنی، ناپاکیٔ طبع۔ گوش کرد سنا۔ درزماں فوراً، اسی وقت۔

ترجمہ:۔ جب اس نے اپنے ساتھ کے (غلام) کی بدباطنی بادشاہ سے سنی تو فوراً اس کے غصے کا دریا جوش میں آ گیا۔

کف براورد آں غلام وسرخ گشت تا کہ موجِ ہجوِ او ازحد گذشت

لغات:۔ کف جھاگ۔ کف براوردن کنایہ ہے غضبناک ہونے سے۔ ہجو بدگوئی، کسی کی مذمت کرنا۔

ترجمہ:۔ وہ غلام (شدتِ غضب سے) کف بھر لایا اور لال ہو گیا حتیٰ کہ اس کی ہجو کی موج حد سے گزر گئی۔

کوزِ اول دم کہ بامن یار بود ہمچو سگ درقحط سرگیں خوار بود

لغات:۔ کو کہ او۔ زاول دم پہلے وقت سے۔ سرگیں خوار۔ گوبر کھانے والا مراد دنی النفس۔

ترجمہ:۔ کہ وہ پہلے وقت سے جب سے کہ میرے ساتھ ہے، کتے کی طرح قحط میں گوبر کھا جانے والا ہے۔

مطلب:۔ جب سے میرے ہمراہ ہے، میں اس کو آزما تا رہا ہوں تو ثابت ہوا ہے کہ وہ دنی النفس اور خبیث الطبع ہے۔ کتا خود ایک نجس و ذلیل جانور ہے اور قحط میں سرگیں خوار ہونے سے اس کی دناءت و خباثت کی اور بھی تاکید ہے یعنی ایسا کتا جس میں صبر و خودداری نہیں ہے حتیٰ کہ وہ قحط کے شدائد سے تنگ آ کر گوبر کھانے پر مائل ہو جائے۔ بخلاف اس کے ایک صابر اور شریف النفس جانور مثلاً شیر یا پلنگ بھوک سے مرجائے گا مگر ایسی ناپاک اور گھناؤنی چیز کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ ایسا ہی اس غلام کا حال ہے کہ کوئی ذراسی خلافِ طبع بات دیکھ کر میری مذمت و بدگوئی کے ناپاک کام کا مرتکب ہونے لگا۔ کوئی شریف آدمی ایسا نہیں کرتا۔ جامیؒ۔

چوں لئیمے با ہزاراں عیب و عار روز و شب در خلق عالم آشکار

بیند اندک عیبے از صاحب کرم برنیارد غیر لعن و طعن دم

آں بعیبِ ایں شود یکسر بیاں واِیں بذکرِ آں نیالاید زباں

چوں دمادم کرد ہجوش چوں جرس دست برلب زد شہنشاہش کہ بس

لغات:۔ دمادم دمبدم۔ الف اتصال کے لیے جیسے شباشت۔ جرس گھڑیال، گھنٹہ۔ تشبیہ مسلسل۔ بلند آہنگی میں ہے نہ کہ ہجو میں یعنی جس طرح گھڑیال مسلسل آواز دیے جاتا ہے، اسی طرح وہ مسلسل ہجو کر رہا تھا مگر گھڑیال کسی کی ہجو نہیں کرتا۔

ترجمہ:۔ جب وہ گھنٹے کی (مسلسل آواز) کی طرح لگاتار اس (غلام) کی برائی کرتا گیا تو (آخر) بادشاہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا کہ بس کرو۔

گفت دانستم ترا از وے بداں از توجاں گندست وزیارت زباں

لغات:۔ از وے میں حرف از امتیاز کے لیے ہے۔ بداں امر ہے دانستن سے۔ گندہ ناپاک و غلیظ، وزیارت زبان میں از

اضافیہ ہے یعنی زبانِ یارِ تو۔

ترجمہ:۔ (پھر) کہا یاد رکھ! میں نے تجھ میں اور اس میں خوب امتیاز کر لیا ہے۔ (مجھے معلوم ہو گیا کہ) تیری روح گندی ہے اور تیرے ساتھ کے (غلام) کا (صرف) منہ۔

پس نشیں اے گندہ جان از دور تو تا امیر او باشد و مامور تو!

لغات:۔ از دور میں از زائد ہے۔ امیر حاکم، افسر۔ مامور محکوم، ماتحت، نوکر۔

ترجمہ:۔ پس اے گندی روح والے! تو دور بیٹھ تا کہ وہ (تجھ پر) حاکم ہو اور تو (اس کے) ماتحت (رہے)۔

بہرِ ایں گفتند اکابر در جہاں رَاحَۃُ الْاِنْسَانِ فِیْ حِفْظِ اللِّسَان

لغات:۔ اکابر جمع اکبر، بڑے بڑے لوگ، بزرگ بلحاظ علم و معرفت کے نہ بلحاظ دولت و حشمت۔

ترجمہ:۔ اسی لیے بزرگوں نے (جو) دنیا میں (گزرے ہیں) فرمایا ہے کہ انسان کا آرام زبان کو تھام رکھنے میں ہے۔

حفظ لسان

مطلب:۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ سے یہ مقولہ منقول ہے کہ من سکت نجٰی و راحۃ الانسان فی حفظ اللسان یعنی جو شخص خاموش رہا۔ اس نے نجات پائی اور انسان کا آرام زبان کو تھام رکھنے میں ہے۔ اس کے ہم معنی یہ حدیث ہے۔ عقبہ ابن عامرؓ نے رسول اللہؐ سے سوال کیا۔ نجات کیا ہے تو حضورؐ نے فرمایا۔ املک علیک لسانک الخ یعنی اپنی زبان کو قابو میں رکھو (مشکوٰۃ) اور فرمایا۔ من یضمن لی ما بین لحیبہ ومابین رجلیہ اضمن لہٗ الجنّۃُ جو شخص اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (یعنی زبان) اور دونوں پاؤں کے درمیان کی چیز (یعنی شرم گاہ) کو قابو میں رکھنے کا میرے سامنے ذمہ اٹھا لے میں اس کے لیے بہشت کا ذمہ اٹھاتا ہوں" (مشکوٰۃ) غیؒ ۔

گر تیغ برسرم رسد از جانے روم لیکن چو کوہ نالہ ز زخمِ زبان کنم

صائبؒ۔

شمع از تیغِ زبانِ خود دہد سر زیرِ تیغ زنہار از آفتِ تیغِ زبان آگاہ باش

در حدیث آمد کہ تسبیح از ریا ہمچو سبزہ گولخن داں اے کیا

لغات:۔ گولخن گلخن، آگ کی بھٹی، کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں (بحر العلوم)

ترجمہ:۔ اے عقلمند! حدیث میں آیا ہے کہ ریا کاری کی تسبیح ایسی ہے جیسے کوڑے کرکٹ کی جگہ پر (اگا ہوا) سبزہ۔

مطلب:۔ کتب حدیث میں یہ حدیث نہیں ملی۔ دفتر اول مثنوی میں حضرت علیؓ کا ایک قول گزر چکا ہے۔

زاں علیؓ فرمود نقلِ جاہلاں برمزابل ہمچو سبزہ ست اے فلاں

ریاکاری کی مذمت

اور وہ قول یہ ہے نعم الجاھل کروضۃ فی مزبلۃ اس حدیث کا مضمون اس قول سے کس حد تک مشابہ ہے۔ غرض جس طرح غلاظت کے انبار کے اوپر کا سبزہ بظاہر ہرا بھرا اور خوش رنگ ہوتا ہے مگر اس کی جڑ میں گندگی بھری ہوتی ہے، اسی طرح یہ غلام بظاہر خوبصورت، خوش کلام اور طرحدار تھا مگر اس کے باطن میں خبث و ناپاکی بھری تھی۔ یہی حال ریا کی عبادت کا ہے کہ بظاہر ایک مقدس و مطہر کام ہے مگر اس کی تہ میں گندگی کی نیت کام کر رہی ہے۔ سعدیؒ۔

منہ آبروئے ریا را محل کہ ایں آب در زیر دارد وحل

چودر خفیہ بد باشم و خاکسار — چہ سود آبِ ناموس بر روئے کار
بروے و ریا خرقہ سہل ست دوخت — گرش باخدا در توانی فروخت

پس بدانکہ صورتِ خوبِ نکو — باخصالِ بد نیرزد یک تسو

لغات:۔ نیرزد برابری نہیں کرسکتی۔ تسو چار جو کے برابر وزن غالباً فارسی لفظ ہے اور ہندی میں تسو سوا انچ (۱/۲۴) گز کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ناپ ہے۔

ترجمہ:۔ پس واضح ہو کہ اچھی اور خوشنما صورت (جو) برے خصائل کے ساتھ (ہو) چار جو کے برابر (بھی قابلِ قدر) نہیں۔ فخر جرجانی۔

گلِ نرگس نکو باشد بدیدن — ولیکن تلخ باشد در چشیدن

ور بود صورت حقیر و ناپذیر — چوں بود خلقش نکو در پاش میر

لغات:۔ ناپذیر جس کو دل قبول نہ کرے، ناپسند۔ در پاش در پائے او۔ میر امر ہے مردن سے، مراد قربان ہو جاؤ۔

ترجمہ:۔ اور اگر اس کی صورت ناچیز اور ناپسند ہو۔ جب اس کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کے قدموں پر جان دے ڈالو۔ حافظ۔

حسنِ مہرویانِ مجلس گرچہ دل مے برد و دیں — عشق ما بر لطفِ طبع و خوبیِ اخلاق بود

چند بازی عشق بانقشِ سبو — بگذر از نقشِ سبو و آب جو

ترجمہ:۔ گھڑے کے نقش کے ساتھ کب تک عشق بازی کرو گے۔ گھڑے کے نقش کو چھوڑ دو۔ اس کے اندر کا پانی تلاش کرو۔

مطلب:۔ ظاہر پر نہ مرو، باطن کے فوائد تلاش کرو۔ کما قیل۔

شاہد آں نیست کہ موے ومیانے دارد — بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد

چند باشی عاشقِ صورت بگو — طالب معنے شو معنے بجو

ترجمہ:۔ صورت کے عاشق کب تک رہو گے۔ کچھ کہو تو سہی۔ (صورت مقصود نہیں اس کو چھوڑ دو) معنے کے طالب بنو اور معنے کو تلاش کرو۔ امیر خسروؒ۔

بصورتِ خوش مشوکز روئے معنے — نئے خامہ نکوتر از نئے قند

صورتِ ظاہر فنا گردد بداں — عالَمِ معنے بماند جاوداں

ترجمہ:۔ یاد رکھو کہ ظاہر صورت تو فنا ہو جائے گی (اور) عالمِ معنے ہمیشہ رہے گا (لہٰذا عالمِ معنے کی طرف متوجہ رہو)۔

تنگنائے شہر صورت نیست جامی جائے تو — سوے معنے رو کہ ہست آں ملک را میداں فراخ

صورتش دیدی زمعنے غافلی — از صدف دُر را گزیں گر عاقلی

ترجمہ:۔ تو نے اس (مطلوب) کی صورت تو دیکھ لی۔ معنے سے غافل ہے۔ اگر عقلمند ہے تو سیپ سے موتی کو اختیار کر۔

رہ بمعنے نبرد ہر کہ ز صورت عائب — ہمچو آئینہ تہیدست ز بازار رود

ایں صدفہائے قوالب درجہاں — گرچہ جملہ زندہ انداز بحرِ جاں

لیک اندر ہر صدف نبود گہر چشم بکشا در دلِ ہر یک نگر

لغات:۔ قوالب جمع قالب جسم' جثہ۔ از بہر جاں۔ جان کی سلامتی کے لیے بعض نسخوں میں یہ لفظ از بحرِ جاں درج ہے۔ پھر اس کے معنوں کو ہموار کرنے کے لیے شارحین کو تاویل کے تکلفات کرنے پڑے۔ ہمارا از بہرِ جاں کا نسخہ تکلف کا غیر محتاج بھی ہے اور مفیدِ مقصود بھی۔

ترجمہ:۔ اگر چہ یہ تمام (اجسام کے) سیپ دنیا میں جان (کی سلامتی) کے لیے زندہ (وسلامت) ہیں (اور ان کی زندگی سے ان کی جانوں کا پتا لگتا ہے) مگر ہر صدف (جسم) میں (فضائل کے) موتی نہیں ہوتے۔ آنکھ کھولو اور ہر شخص کے دل پر غور کرو۔

مطلب:۔ بے شک ہر جسم میں روح ہے مگر ہر روح کا فضائل کمالات کے زیور سے آراستہ ہونا ضروری نہیں۔ تم کو ہر شخص کی روحانی اور قلبی حالت پر خوب غور کرنا چاہیے۔

کانچہ داردایں چہ دارد میگزیں زانکہ کمیاب ست آں دُرِ ثمیں

لغات:۔ میگزین صیغہ امر ہے گزیدن (اختیار کرنا) سے۔ دُرِ ثمین قیمتی موتی۔

ترجمہ:۔ کہ وہ کیا رکھتا ہے۔ یہ کیا رکھتا ہے (پھر جو اچھی بات ملے اس کو) اختیار کرو کیونکہ وہ (اچھی بات کا) قیمتی موتی کم ملتا ہے۔

مطلب:۔ یہی منشا ہے اس حدیث کا کہ الحکمۃ ضالۃ المومن فحیثما وجدھا فھوا حق بھا یعنی دانائی کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے۔ پس جہاں وہ اس کو پائے، وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اب ایک اور پیرایہ میں صورت و معنی کا فرق بتاتے ہیں۔

گر بصورت بنگری کو ہے بشکل در بزرگی ہست صد چنداں کہ لعل

ترکیب:۔ گر بصورت بنگری شرط کو ہے بہ شکل الخ اس کی جزا۔

عروض:۔ قافیہ میں مسامحت ہے۔

ترجمہ:۔ اگر تم صورت و دیکھو تو ایک پہاڑ شکل میں لعل سے سو گنا بڑا ہے۔

مطلب:۔ لعل سے پہاڑ صد چنداں کیا بلکہ اگر لک چنداں کہیں تو بھی کم ہے۔ پس اگر صورت قابلِ لحاظ ہوتی تو پہاڑ کو لعل سے زیادہ قیمتی اور قابلِ قدر ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صورت مقصود نہیں بلکہ کوئی امرِ معنوی ملحوظ ہے جو پہاڑ میں نہیں ہے اور لعل میں موجود ہے۔ "ہر چہ بقامت کہتر بہ قیمت بہتر" سعدیؒ ۔

کودکے کو بعقل پیر بود نزد اہلِ خرد کبیر بود

ہم بصورت دست پاو جسمِ تو ہست صد چنداں کہ نقشِ چشمِ تو

ترجمہ:۔ اسی طرح تمہارے ہاتھ پاؤں اور باقی جسم صورت میں تمہاری آنکھ کی شکل سے سو گنا زیادہ ہیں۔

لیک پوشیدہ نباشد بر تو ایں کز ہمہ اعضا دو چشم آمد گزیں

ترجمہ:۔ لیکن تم پر یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ دونوں آنکھیں تمام اعضا سے برگزیدہ ہیں۔

مطلب:۔ جس طرح آنکھ کا چھوٹا سا وجود بڑے بڑے اعضا پر فائق ہے۔ اسی طرح معنی جو ایک مخفی اور باطنی امر ہے، صورت سے افضل ہے۔ چنانچہ پھر فرماتے ہیں:

از یک اندیشہ کہ آید دروں صد جہاں گردد بیک دم سرنگوں

ترجمہ:۔ ایک خیال سے جو (کسی بادشاہ کے) دل میں آتا ہے۔ صد ہا ملک ایک دم میں تباہ ہو جاتے ہیں۔

مطلب:۔ خیال بھی ایک معنوی امر ہے جس کی شان اس قدر بلند ہے کہ جب کسی فرمانروا کے دل میں جنگ وحملہ کی تحریک کرتا ہے تو ملکوں کے ملک تہ وبالا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو ایک امر معنوی کا عالم صورت پر کس قدر شدید اثر پڑتا ہے۔ اس سے بھی معنی کی فضیلت صورت پر ظاہر ہوتی ہے۔ صد جہاں اور بیک دم کی تقدیرات مبنی بر مبالغہ ہیں۔

جسمِ سلطان گر بصورت یک بود   صد ہزاراں لشکرش در تگ بود

لغات:۔ تگ دوڑ دھوپ۔ یک اور تگ کا قافیہ محلِ نظر ہے۔

ترجمہ:۔ بادشاہ کا جسم اگرچہ صورت میں ایک ہوتا ہے لیکن کئی لاکھوں سپاہ (اشارۂ چشم پر) حرکت کرتی ہے۔

مطلب:۔ اگر صورتِ ظاہر کوئی معتد بہ امر ہوتی تو ایک جسم لاکھوں اجسام پر یوں فائق نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ ظاہر کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ یہ سارا کرشمہ کسی امرِ معنوی کا ہے جس نے ایک جسم کو اجسامِ کثیرہ پر برتری دلائی۔ یہاں تک معوم ہوا کہ ایک جسم کو اس کے معنی کی بدولت دیگر اجسام کے مقابلے میں کس قدر عظمت حاصل ہو جاتی ہے۔ اب یہ بتائیں گے کہ خود اس جسمِ واحد کی بھی اپنے معنی کے مقابلے میں کیا وقعت ہے۔

باز شکل و صورتِ شاہ صفی   ہست محکومِ یکے فکرِ خفی

لغات:۔ صفی برگزیدہ، منتخب۔ محکوم۔ زیرِ حکم، ماتحت، تابع۔ خفی پوشیدہ۔

ترجمہ:۔ پھر اس برگزیدہ بادشاہ کی شکل وصورت بھی ایک مخفی خیال کے تابع ہے (کہ جب وہ خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے اعضا اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں)

خلق بے پایاں زیک اندیشہ بیں   گشتہ چوں سیلے روانہ بر زمیں

ترجمہ:۔ ایک خیال (یعنی ارادۂ خداوندی) کو دیکھو کہ اس سے بے انتہا مخلوق سیلاب کی طرح زمین پر چل رہی ہے۔

ہست آں اندیشہ پیشِ خلق خُرد   لیک چوں سیلے جہاں را خورد بُرد

ترجمہ:۔ گو وہ خیال لوگوں کے سامنے چھوٹا اور غیر محسوس ہے لیکن جب اٹھے تو سیلاب کی طرح جان کو خورد برد کر جائے۔

مطلب:۔ اس خیال سے یا تو ارادۂ الٰہیہ مراد ہے کہ اس کا جہان بھر کو زیر وزبر کر دینا ظاہر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ..... "(اے پیغمبران لوگوں سے) کہو (بھلا بتاؤ تو سہی) کہ اللہ مریم کے بیٹے مسیح کو اور ان کی والدہ اور جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کو ہلاک کرنا چاہے تو ایسا کون ہے جس کا کچھ بھی خدا پر زور چلتا ہو" (مائدہ ع ۳) شیخ عطارؒ

اوست سلطاں ہرچہ خواہد آں کند   عالمے را در دمے ویراں کند
طرفۃ العینے جہاں برہم زند   کس نے آرد کہ آنجا دم زند

اور اس سے سلاطین کے فاتحانہ ارادوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا۔ وہ بھی جب اٹھتے ہیں تو ملکوں کا صفایا کرتے چلے جاتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً ج وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ "ملکہ بلقیس نے (اپنے اہلِ دربار سے) کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں (فاتحانہ) داخل ہوا کرتے ہیں تو اس کو تباہ اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور (واقع میں) ایسا ہی کرتے ہیں" (نمل ع ۳) قاسمی غفرلہ

چو شطرنج از ماجر ایے دو شاہ | شود عرصۂ ملک و لشکر تباہ
چو سلطان کشاید در کار زار | بجرم یکے کشتہ گردد ہزار
چو ریزد تگرگ ابرِ دریا نثار | نہ گل یا بداز وے رہائی نہ خار
چو بادِ خزاں آورد ترکتاز | نداند نہالِ گل از بید باز

خلقِ عالم چوں رمہ است وحق شباں | میدو اند جملہ را روز وشباں

لغات:۔ رمہ ریوڑ۔ شبان چرواہا، گڈریا۔ یہی لفظ دوسرے مصرعہ میں جمع شب ہے خلافِ قیاس۔

صنائع:۔ شباں کے لفظ میں تجنیس۔

ترجمہ:۔ دنیا کی مخلوق گویا (بکریوں کا) ریوڑ ہے اور حق تعالیٰ (اس کا) چرواہا جو سب کو دن رات دوڑا رہا ہے۔

مطلب:۔ اوپر جوارادۂ الٰہیہ کا ذکر آیا تھا۔ یہاں اس کے عالم پر حاوی ہونے کی مزید توضیح کی ہے۔ امیر خسروؒ ۔

دراں محل کہ وزد بادِ قدرتش عالم | میانِ صدمۂ صرصر خسے سبکسارست

پس چو مے بینی کہ از اندیشۂ | قائم ست اندر جہاں ہر پیشۂ
خانہا و قصد ہاو شہر ہا | کوہہا و دشت ہاو نہر ہا
ہم زمین و بحر و ہم مہر و فلک | زندہ از وے ہمچو از دریاسمک

ترجمہ:۔ پس جب تو دیکھتا ہے کہ جہان میں ہر پیشہ خیال وارادہ ہی سے قائم ہے حتیٰ کہ گھر اور محل اور شہر اور پہاڑ اور جنگل اور نہر اور ساتھ ہی زمین اور سمندر اور نیز سورج اور آسمان اس (ارادہ) کی بدولت زندہ ہیں جیسے دریا سے مچھلی زندہ ہوتی ہے۔

پس چرا از ابلہی پیشِ تو کُور | تن سلیمان ست اندیشہ چو مور

ترجمہ:۔ پس (خیال وارادہ کے اس قدر علوِ شان کے باوجود) کیوں تجھ (عقل کے) اندھے کے سامنے بے وقوفی کی وجہ سے جسم حضرت سلیمانؑ کی طرح (شاندار) اور خیال چیونٹی کی طرح (حقیر وناچیز) ہے۔

مینماید پیشِ چشمت کہ بزرگ | ہست اندیشہ چو موش وتن سترگ

لغات:۔ کہ کوہ۔ سترگ بزرگ، کلاں۔

ترجمہ:۔ (تعجب ہے کہ) تیری نظر کے سامنے پہاڑ بڑا نظر آتا ہے۔ خیال چوہے کی طرح (حقیر) ہے اور جسم کلاں ہے۔

نوٹ:۔ ایک شارح نے ایک اور طرح بھی ترجمہ کر کے دکھایا ہے جس میں کہ (مخفف کوہ) کو کاف بیانیہ قرار دیا ہے اور تقدیرِ کلام یوں ٹھہرائی ہے۔ پیشِ چشمت اندیشہ کہ بزرگ ہست چوں موش وتن سترگ مینماید۔ اور "بزرگ ہست" کو اندیشہ کی صفت مقدم مانا ہے۔ ترجمہ کی ترکیب تو بے شک صاف ہے مگر شعر کی عبارت اس کو قبول نہیں کرتی۔ نہ بزرگ ست اندیشہ کی صفت بن سکتی ہے۔

عالم اندر چشمِ تو ہول و عظیم | زابرو برق ورعدداری لرز وبیم

لغات:۔ ہول۔ ہائل، ہولناک۔ مصدر بمعنے اسم فاعل برائے مبالغہ جیسے عدل بمعنی عادل۔

ترجمہ:۔ عالم تیری نظر میں ہولناک اور عظیم (الشان) ہے۔ بادل، بجلی اور کڑک سے تو کانپنے اور ڈرنے لگتا ہے۔

وز جہانِ فکرتی اے کم زخر　　ایمن و غافل چو سنگی بے خبر

لغات:۔ کم زخر گدھے سے بھی کم عقل۔ سنگی۔ سنگ ہستی

ترجمہ:۔ اور اے گدھے سے بھی کم (عقل آدمی) تو عالمِ فکر سے بے پروا اور غافل ہے (فی الواقع) تو پتھر کی طرح بے خبر ہے۔

مطلب:۔ جو شخص عالمِ فکر سے لاپروا ہو۔ وہ خداوند تعالیٰ کے ارادے سے بھی نڈر ہوگا جو اس عالم کا ایک جز ہے۔ پس کم زخر ہونے میں کیا کسر ہے کیونکہ عاقل تو وہی ہے جو خداوند تعالیٰ کے ارادے سے ڈرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اہلِ علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ اقبال سلمہٗ ۔

خوفِ حق عنوانِ ایمان ست و بس　　خوف غیر از شرک پنہاں ست و بس

زانکہ نقشی و زخرد بے بہرۂ　　آدمی خو نیستی خمِ کرۂ

ترکیب:۔ زانکہ نقشی وزخرد الخ ہر دو جملہ اسمیہ بترکیبِ عطفی جملہ معطوفہ ہو کر علت ہوئی۔ آدمی خو الخ اس کا معلول اس صورت میں زانکہ بمعنی چونکہ ہوگا یا یہ سارا شعر علت ہو ماسبق کی۔ پھر زانکہ کے معنی کیونکہ ہوں گے۔

ترجمہ:۔ چونکہ تو محض ایک (مٹی کی) مورت ہے اور عقل سے بے بہرہ ہے اس لیے تو آدمی کی خصلت والا نہیں ہے۔ بچہ خر (کی طرح خالی از عقل) ہے۔

مطلب:۔ کرہ خر یعنی بچہ خر کہنے سے اس کو گدھے کی نسل بنانا مراد نہیں بلکہ یہ ایک دشنام ہے۔ شرعاً حرام ہے اور اخلاقاً دور از مروت بلکہ بے وقوفی میں گدھے کے بچے سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

جہلِ محضی و زخرد بیگانۂ　　بوُنداری و ز خدا دیوانۂ

لغات:۔ جہلِ محض۔ وہ نادانی جس کے ساتھ دانش کا شمہ بھی نہ ہو اور اس سے جاہلِ مطلق مراد ہے۔ مبالغہ کی غرض سے مصدر اسم فاعل استعمال ہوا ہے۔ نرا جاہل۔

ترکیب:۔ بونداری میں بوکا مضاف ضمیر راجع بخر و مقدر ہے۔ از خدا متعلق ہے دیوانہ کے۔ مذکور ہے کہ اس پر واؤ عاطفہ ہو مگر بعض نسخوں میں بلا واؤ از خدا ہے اس صورت میں اس کا متعلق بہ بونداری ہونا نہایت موزوں ہے۔ پھر مقدرات کی بھی حاجت نہیں۔

ترجمہ:۔ (۱) تو نرا جاہل ہے اور عقل سے بیگانہ ہے۔ (اس کی) بو بھی تجھ میں نہیں اور خدا سے دیوانہ (وار غافل ہے)۔

(۲) (بصورت از خدا) تو نرا جاہل ہے اور عقل سے بیگانہ ہے۔ (معرفت) خدا کی تجھ میں بو بھی نہیں ایک سودائی ہے۔

سایہ را تو شخص مے بینی زجہل　　شخص زاں شد نزد تو بازی و سہل

ترجمہ:۔ سایہ کو تو اپنی نادانی سے شخص محسوس کر رہا ہے۔ اس لیے شخص تیرے نزدیک ایک کھیل اور بے وقعت چیز ہے۔

مطلب:۔ غیر مقصود کو مقصود سمجھ رہا ہے اس لیے مقصود کو بے وقعت سمجھتا ہے مگر آخرکار ایک دن آنکھیں کھلیں گی اور اصلیت عیاں ہو جائے گی۔ آگے اس کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں:۔

نک زغیبت یک نمودار آتش ست　　کز لطافت چوں ہوائے دلکش ست

ترجمہ:۔ دیکھو عالمِ غیب کا ایک نمونہ آگ ہے جو لطافت میں ہوائے دلکش کی طرح ہے۔

تا بجسمے در نمے پیچد کثیف آگہی نبود بصر را زاں لطیف

لغات:۔ کثیف ٹھوس، گنجان۔ لطیف باریک، نازک، غیر محسوس۔

ترجمہ:۔ جب تک کہ کسی ٹھوس جسم سے اس کا تعلق نہ ہو جائے، نگاہ کو اس غیر محسوس چیز کا احساس نہیں ہوتا۔

باز افزون ست ہنگامِ اثر از ہزاراں تیشہ و تیغ و تبر

ترجمہ:۔ پھر اثر کرنے کے وقت وہ ہزاروں تیشہ اور تلواروں اور کلہاڑوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

مطلب:۔ آگ کی قوت کا بیان ہے کہ جب وہ بھڑکتی ہے تو شہروں کا اس کثرت اور اس وسعت سے صفایا کرتی ہے کہ ہزاروں ہتھیاروں سے بھی نہ ہو سکے۔

باش تا روزے کہ آں فکر و خیال بر کشاید بے حجابے پرّ و بال

ترجمہ:۔ اس دن تک ٹھیر جب وہ فکر و خیال بلا حجاب پر اور بازو کھولے۔

مطلب:۔ ارادۂ باری تعالیٰ ایجاد اور اعدام دونوں قسم کے افعال سے متعلق ہوتا ہے مگر ایجاد کی نسبت اعدام کا اثر عامہ قلوب پر زیادہ پڑتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آگ رات دن مختلف فوائد دیتی ہے۔ اس سے روٹی پکتی ہے۔ یہ مختلف دھاتوں کو ڈھالنے اور نرم کرنے کا کام دیتی ہے۔ اس سے چراغ روشن ہوتے ہیں، وھلمذا۔ اسی طرح پانی سے صدہا فوائد ہیں۔ حیوانات کا یہ مایۂ حیات ہے۔ باغ و راغ کی اس سے سرسبزی ہے مگر ان فوائد کے لحاظ سے ان کو چنداں وقعت نہیں دی جاتی۔ ہاں اگر آگ ایک ہولناک آتشزدگی سے شہر کو تباہ کرنے لگے یا پانی ایک سیلاب کی صورت میں آبادی کو غرقاب فنا کرنے پر آ جائے تو پھر لوگوں کے دلوں پر اُس کی ہیبت کا سکہ بیٹھتا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا ارادہ رات دن ابدائی و ایجادی افعال کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے مگر عوام کی نگاہ اس طرف نہایت کم ملتفت ہوتی ہے۔ ہاں اگر اس کا ارادہ اعدام و اہلاک کی صورت میں نمایاں ہو جائے تو دنیا سے حجاب غفلت اٹھ جائے جیسے کہ مولانا جامی بطور مناجات کہتے ہیں۔

زلزلہ در گنبد خضرا فگن یک دو سہ قارورہ ہم در شکن
باغِ عناصر کہ زمینش خوش ست آب گوارندہ ہوا دلکش ست
خاص ترین میوۂ د کامی ست لذتش از چاشنی محرمی ست
پختہ و خاموش ہمہ بر خاک ریز برسرش از بادِ اجل خاک بیز
تا ہمہ دانند کہ صانع توئی مُبدعِ ایں جملہ بدائع توئی

مولانا فرماتے ہیں، کچھ مدت ٹھہرو۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ارادۂ الٰہیہ تم کو اپنے پورے جلوے دکھائے گا۔ پھر تم اس کی وقعت و عظمت کو سمجھو گے۔ اس دن کیا ہوگا؟

کوہہا بینی شدہ چوں پشمِ نرم نیست گشتہ ایں زمینِ سرد و گرم

ترجمہ:۔ تو پہاڑوں کو نرم اون کی طرح (اڑتے پھرتے) دیکھے گا اور اس سرد و گرم زمین کو نیست (و نابود) ہوتی (دیکھ لے گا)۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ اور پہاڑ اس طرح اڑ رہے ہوں گے جس طرح دھنکی ہوئی اون' اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا' جب زمین مارے دھکوں کے چکنا چور ہو جائے گی۔

نے سما بینی ز اختر نے وجود　　جز خدائے واحدِ حیِّ ودود

لغات:۔ سما آسمان۔ اختر ستارہ۔ حیّ زندہ خداوند تعالیٰ کا نام۔ ودود دوست رکھنے والا نامِ باری تعالیٰ۔

ترجمہ:۔ نہ تو آسمان کو (سلامت) دیکھے گا نہ کسی ستارے کا وجود پائے گا۔ سوائے خداوند تعالیٰ کے جو واحد ہے۔ زندہ ہے۔ محبت کرنے والا ہے۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں' اور فرمایا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ "آج کس کی بادشاہی ہے۔ اللہ واحد قہار کی"۔

حسد کردن حشم بر غلامِ خاص

غلامِ خاص پر ملازموں کا حسد کرنا

نوٹ:۔ اکثر نسخوں میں اس عنوان میں آں غلامِ خاص لکھا ہے جس سے آں اسم اشارہ ہے اسی غلام کی طرف اشارہ مفہوم ہوتا ہے جس کا قصہ چل رہا ہے۔ حالانکہ یہ ایک اور واقعہ ہے اور غلام بھی کوئی اور غیر معہود ہے، لہٰذا آں کا اضافہ کاتبوں کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے قلمی نسخے میں بھی جو نہایت معتبر و صحیح ہے۔ یہ کلمہ نہیں ہے۔

پادشاہے بندۂ را از کرم　　برگزیدہ بود از جملہ حشم

ترجمہ:۔ ایک بادشاہ نے (اپنے) ایک غلام کو براہِ کرم تمام ملازموں میں سے ممتاز کر رکھا تھا۔

جامگی او وظیفہ چل امیر　　دہ یک قدرش ندیدے صد وزیر

لغات:۔ جامگی۔ بجیم عربی و کاف فارسی وظیفہ تنخواہ، راتبہ۔ وظیفہ تنخواہ، روزینہ۔ چل چہل، چالیس دہ یک۔ دہم دسواں حصہ

ترکیب:۔ جامگی مبتداء وظیفہ چل امیر مرکب اضافی خبر۔

ترجمہ:۔ اس کی تنخواہ چالیس اہلکاروں کی تنخواہ (کے برابر تھی) اس کی اسی) قدر (ومنزلت) کا دسواں حصہ سو وزیر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

از کمالِ طالع و اقبال و بخت　　او ایازے بود و شہ محمودِ وقت

لغات:۔ طالع ستارہ قسمت، بخت۔ اقبال، ایام ترقی، خوش نصیبی۔ بخت نصیب۔ ایاز سلطان محمود غزنوی کا محبوب غلام۔ جس کے لیے سلطان مذکور کی محبت ادبیاتِ فارسی میں ایک ضرب المثل اور شعر فارسی کے لیے تمثیل و تنظیر اور استعارہ و تشبیہ کا ایک مسالہ بن گئی۔ محمود۔ سلطان محمود غزنوی افغانستان کا ایک نامور مجاہد اسلام اور تاریخ عالم کے بڑے بڑے فاتحین میں سے تھا جس نے ہندوستان پر سترہ مرتبہ بڑے زور و شور کی چڑھائی کی۔ ان معرکوں میں سے سومنات کی فتح نہایت شاندار اور اسلامی شجاعت و شہامت کی اعلیٰ مظہر تھی۔ اگرچہ عہدِ صحابہ و تابعین میں بھی مسلمان فاتحین ہندوستان پر حملہ آور ہو چکے ہیں مگر اس سرزمین میں دینِ اسلام کی اشاعت سلطان محمود کی بدولت ہی شروع ہوئی۔ ان دینی کارناموں کی بدولت خلیفۂ بغداد نے اس کو ایک بیش قرار خلعت کے ساتھ امین الملت یمین الدولہ کا خطاب بخشا۔ اس کے دربار میں بھی بڑے بڑے اہلِ کمال موجود تھے۔ ابوریحان بیرونی اس کے دربار کا ایک نامور فلسفی گزرا ہے جس [illegible] کی ایک تصنیف بنام کتاب الہند ہندوستان کے

سلطان محمود غزنوی

حالات پر سب سے پہلی عربی تصنیف اور نادر کتاب ہے۔ فردوسی اس کے دربار کا نہایت باکمال شاعر تھا۔ جس نے محمود کی فرمائش سے تاریخ ایران پر ساٹھ ہزار ابیات کی وہ پر جوش مثنوی لکھی جس کا نام شاہنامہ ہے اور جب تک فارسی زبان دنیا میں موجود ہے، اس کی فصاحت و بلاغت کا سکہ رائج رہے گا۔ محمود نہایت رحم دل، منصف مزاج اور معاملہ فہم بادشاہ تھا۔ ۴۲۱ ہجری میں وفات پائی اور اپنے دارالسلطنت غزنی میں مدفون ہوا۔

قافیہ:۔ بخت اور وقت کا قافیہ محلِ نظر ہے۔

ترجمہ:۔ اپنے طالع اور اقبال اور قسمت کے کمال کی بدولت (اس کا مرتبہ تھا کہ گویا) وہ ایاز تھا اور بادشاہ اپنے عہد کا محمود تھا۔

مطلب:۔ بادشاہ کو اس غلام کے ساتھ وہ محبت و شفقت اور اس کے حال پر اس قدر نظرِ عنایت تھی جیسے سلطان محمود غزنوی کو ایاز کے ساتھ۔ صائب ؒ۔

برہند اگرچہ دولتِ محمود دست یافت گردن نہاد حلقۂ زلفِ ایاز را

روحِ او با روحِ شہ در اصلِ خویش پیش ازیں تن بود ہم پیوند و خویش

لغات:۔ اصلِ خویش سے مرتبۂ ثانیہ مراد ہے۔ پیش ازیں تن اس جسم کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے ہم پیوند متصل۔ مقارن۔ خویش یگانہ

ترجمہ:۔ کیونکہ اس غلام کی روح بادشاہ کی روح کے ساتھ اپنی اصل (یعنی مرتبۂ اعیانِ ثابتہ) میں موجود جسم کے ساتھ متعلق ہونے سے پیشتر متصل و متقارب ہو چکی تھی۔ بقول کسے

اگر تن راز تن گردونِ عمگیں دل جدا سازد دریں وحدت سر اول را کہ از دل باز میدارد

کارِ آں دارد کہ پیش از تن بدست بگذر از اینہا کہ نو حادث شدہ است

لغات:۔ کارِ آں دارد معتبر بات ہی وہی ہے را اہم بات ہی وہی ہے۔ پیش از تن روح کے متعلق بجسم ہونے سے پہلے۔ عالمِ ارواح کہ روزِ اول میں۔ حادث تازہ وقوع میں آنے والا امر۔

ترجمہ:۔ اہم امر وہی ہے جو جسمِ عنصری سے پہلے وقوع میں آیا۔ ان (امور) کو چھوڑو کہ یہ نئے ظہور میں آئے ہیں۔

مطلب:۔ اوپر تقدیرِ الٰہی کا ذکر کیا تھا۔ اب مولانا حسبِ عادت اس سے مناسب نصیحت کی طرف انتقال فرماتے ہیں یعنی عالمِ ارواح کے معاملات ہی قابلِ اعتماد ہیں۔ عالمِ اجسام کے معاملات معتبر نہیں۔

چشمِ عارف راست گو نے احول ست چشمِ او بر کشتہائے اول ست

لغات:۔ راست گو سچ بولنے والا۔ یہاں راست بین مراد ہے۔ احول بھینگا۔ کشتہا کھیتیاں

ترکیب:۔ چشمِ عارف مبتدا راست گو خبر ست رابطہ مقدر۔

ترجمہ:۔ چونکہ عارف کی آنکھ راست بین (یعنی ٹھیک ٹھیک دیکھنے والی) ہے بھینگی نہیں۔ اس لیے اس کی آنکھ (تقدیر ربانی کی) پہلی کھیتی پر ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ اکثر نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں درج ہے "چشمِ عارف راست گوئی احول ست" جس کے معنی یوں ہوں گے، سچ کہو تو عارف کی آنکھ بھینگی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عالمِ ارواح کے معاملات پیچھے گزر چکے۔ اب عالمِ شہادت کا نقشہ پیشِ نظر

ہے مگر گستاخی معاف! عارف تو سامنے کے منظر سے نظر کج رکھ کر گزشتہ عالم کی طرف ملتفت رہنے کے لیے احول ہونا ہی منظور کرتے ہیں۔ عالمِ ارواح کے دیدار کی اہمیت کے آگے احولیت کی عار ان کو گوارا ہے۔ یہ نسخہ نکتہ خیز اور سیاقِ عبارت کے لیے اوفق تو ضرور ہے مگر احولیت کی نسبت عرفاء کے ساتھ کرنی ہمیں گوارا نہ ہوئی۔ اس لیے ''راست گو نے احول'' کا نسخہ اختیار کیا گیا۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہمارا قلمی نسخہ بھی اس اختیار کردہ نسخہ کا مؤید ہے۔

مطلب:۔ حق تعالیٰ نے روزِ ازل میں جو کچھ مقدر کر دیا ہے، عارف اسی کو دیکھتا ہے۔ چونکہ اس میں کج نظری و غلط بینی نہیں ہے۔ اس لیے وہ تقدیرِ الٰہی کے سوا اور طرف نظر نہیں کرتا۔

آنچہ گندم کاشتندش آنچہ جو چشمِ او آنجاست روز و شب گرو

لغات:۔ گندم گیہوں مراد اعلیٰ چیز۔ جو مشہور غلہ ہے مراد ادنیٰ چیز۔ گرو۔ رہن، مشغول، لگی ہوئی۔

ترکیب:۔ کاشتندش کی ضمیر مستتر فاعلی کارکنانِ قضا و قدر کی طرف اور شین ضمیر مفعول آنچہ کی طرف راجع ہے۔ گندم سے در صورت گندم مراد ہے۔ آنچہ جو انہی تقدیرات کے ساتھ دوسرا جملہ معطوف، بہ حذف عاطف بعض نسخوں میں شین ضمیر کے بجائے واؤ عاطفہ درج ہے مگر اظہارِ عاطف کے بجائے اظہار ضمیر زیادہ مستحسن ہے۔

ترجمہ:۔ جس چیز کو گیہوں (کی شکل میں) بویا گیا اور جس چیز کو جو (کی صورت میں) بویا گیا۔ اس کی نظر دن رات ادھر ہی لگ رہی ہے۔

آنچہ آبست ست شب جز آں نزاد حیلہا و مکرہا بادست باد

لغات:۔ آبست فعل ماضی ہے آبستن سے جس کے معنی ہیں حمل ہونا۔ باد سے فعل لغو مراد ہے۔ باد کا ایراد دوبار بغرضِ تاکید ہے۔

ترجمہ:۔ رات کو (زن و مرد کے جماع سے) جو حمل ٹھہر گیا (لڑکا ہو یا لڑکی) اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ اس کے خلاف ہر طرح کے مکر اور حیلے بالکل فضول ہیں۔

مطلب:۔ قدرتِ الٰہی سے اسباب پر جو نتائج مترتب ہوتے ہیں تو کسی حیلے اور کسی تدبر سے ان میں تخلف نہیں ہو سکتا۔ آبستن کے لیے شب کی قید اتفاقی ہے۔ بر بنائے عادتِ عام کہ اس کا وقوع اکثر شب ہی کو ہوتا ہے ورنہ وجودِ نتیجہ کے لیے روز و شب برابر ہیں۔ مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں کہ شب سے شب عدم مراد ہے اور آبستنِ شب کنایہ ہے اعیان معدومہ کی استعداد وجود سے مطلب یہ کہ اعیانِ معدود میں بحالتِ عدم و مرتبۂ علمی جس صورت میں وجود اختیار کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، وہی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس کے خلاف کوئی حیلہ اور تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ کما قیل ؎

کسیکہ رشتہ کارش بدستِ تدبیرست خیالِ فاسد اوچوں بر آب تصویر ست
تیرہ روزی نیست امروزی کہ تدبیرش کنم ایں سیہ روزیٔ مدادِ خامۂ تقدیر بود

کے شود دل خوش بحیلتہائے گش آنکہ بیند حیلہ حق برسرش

لغات:۔ گش بفتحِ گاف فارسی خوب، خوش رفتار کاف تازی کے ساتھ غلط ہے۔ حیلۂ حق۔ قدرتِ حق۔ برسر مسلط۔

ترجمہ:۔ بھلا وہ شخص اپنے عمدہ حیلوں سے کیونکر خوش ہو سکتا ہے جو حیلۂ حق کو اپنے اوپر مسلط دیکھتا ہے۔

مطلب :۔ کوتہ بین وفریفتۂ ظاہر سمجھتا ہے کہ میں تدبیر سے سب کچھ کرلوں گا لیکن صاحب بصیرت اور بینائے حقیقت جانتا ہے کہ حکمِ حق کے آگے کوئی تدبیر نہیں چل سکتی۔ صائب۔

باحکمِ ایزدی چہ بود گیرو دارِ حق　　　خاشاک را بآبِ رواں اختیار نیست

او درونِ دام دامے مے نہد　　　جانِ تو نے زاں جہد نے زیں جہد

ترکیب :۔ جانِ تو، قسم ہے۔ بتقدیرِ قسم بجانِ تو کذافی بحرالعلوم۔ بعض شارحین نے جانِ تو کو جہد کا فاعل قرار دیا ہے۔ یہ غلطی ہے کیونکہ اس صورت میں انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے کہ پہلے مصرعہ میں جس شخص کا ذکر غائبانہ کیا تھا، وہی دوسرے مصرعہ میں مخاطب کیا جارہا ہے۔

ترجمہ :۔ وہ (خود تو تقدیرِ الٰہی کے) جال میں (پڑا ہوا) ہے اور ایک (اپنا) جال (الگ) بچھا رہا ہے۔ تیری جان کی قسم کہ وہ نہ اس جال سے نکل سکے گا نہ اس جال سے۔

مطلب :۔ تقدیرِ الٰہی کا جال پہلے ہی ہر انسان پر حاوی ہے جس سے وہ نکل نہیں سکتا اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ایک دوسرا جال وہ اپنی تدبیر کا بچھا رہا ہے۔ جس سے طبعاً و شرعاً چارہ نہیں۔ تدبیر کا جال بچھانا بے شک ضروری ہے مگر اپنے آپ کو دامِ تقدیر کا مقید سمجھنا اور تقاضائے تقدیر کے غالب آنے پر یقین رکھنا بھی شرطِ ایمان ہے۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ حیلہ گر خود جال میں مقید ہے جس کی اس کو خبر نہیں اور الٹا دوسروں کے لیے جال بچھا رہا ہے اور حیلہ گر جس جال میں مقید ہے، ممکن ہے کہ وہ بھی کسی بندہ کا بچھایا ہوا ہو اور بعض کے نزدیک نہد کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ اس صورت میں واؤ عاطفہ نہیں ہے اور مطلب یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تیرے جال کے اندر اپنی تقدیر کا دوسرا جال بچھا رہا ہے۔ اے حیلہ گر تیری جان نہ خدا کی گرفت سے بچ سکتی ہے نہ اپنی تدبیر کے پھندے سے نکل سکتی ہے۔ حتیٰ کہ خود تیری اپنی بد تدبیری تجھے تقدیر کے جال میں ڈال دیتی۔ انتہی نظامیؒ۔

کہ تیر خوردن عقاب دلیر　　　پر خود آید زبالا بزیر

گر بروید ور بریزد صد گیاہ　　　عاقبت بر روید آں کشتہ اللہ

ترجمہ :۔ اگر سینکڑوں (قسم کی) گھاس (کے بیج) اگ آئیں اور اگرچہ ان کا اگنا خود بخود نہیں بلکہ خاص قصد سے ان کو (کسی نے) بویا (بھی) ہو (تو بھی وہ پروان نہیں چڑھیں گے بلکہ) آخرکار خداوند تعالیٰ کا بویا ہوا (بیج) ہی اگے گا۔

مطلب :۔ اگر تقدیرِ الٰہی کے خلاف کوئی تدبیر عمل میں آنے لگے اور خواہ وہ اس کا عمل میں آنا اتفاقاً نہیں بلکہ قصداً و ارادتاً ہو تو بھی وہ تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی بلکہ مشیتِ ایزدی کا مقتضا ہی آخرکار ظہور میں آئے گا۔ ہاتفی۔

چو تقدیر از عرش آید فرود　　　ندارد بلندیِ دیوار سود

آگے تقدیر کے آگے تدبیر کے بے سود ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں :۔

کشتِ نو کارید بر کشتِ نخست　　　ایں دوم فانی ست و آں اول درست

ترجمہ :۔ (اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ تدبیر کی) نئی کھیتی (تقدیر کی) سابقہ کھیتی کے اوپر بوئی ہے۔ (اس لیے) یہ دوسری (کشتِ تدبیر) ضائع ہونے والی ہے اور وہ پہلی (کشتِ تقدیر) تیار ہونے والی۔

مطلب:۔ تقدیر کا بیج روزِ ازل کا بویا ہوا ہے اور تدبیر کا بیج آج کا ہے جس کو تخم تقدیر کے اوپر بکھیرا جا رہا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کونسا بیج بارآور ہوگا اور کونسا رائیگاں جائے گا یعنی جو بیج قرن ہا قرن سے جڑ پکڑ چکا ہے وہی بارآور ہوگا۔ اس سے آگے تازہ ڈالے ہوئے بیج کا اجزائے ارض پر مسلط ہونا اور جڑ پکڑنا مشکل ہے ؎

جامی مکن اندیشہ کہ تغیر نیاید　　　در حکمِ ازل ہرچہ مقرر شدہ باشد

تخمِ اول کامل و بگزیدہ است　　　تخمِ ثانی فاسد و بوسیدہ است

ترجمہ:۔ (دوسری وجہ یہ ہے کہ) پہلا (تقدیر کا) بیج جید اور عمدہ ہے (اور) دوسرا (تدبیر کا) بیج خراب اور بوسیدہ ہے۔

مطلب:۔ تقدیر افعالِ الٰہیہ سے ہے۔ اس لیے ہر طرح کامل اور اپنے اثر سے غیر متخلف ہے۔ بخلاف اس کے تدبیرِ انسانی افعال سے ہے۔ اس لیے بالکل ناقص ہے اور اس سے اثر و نتیجہ کا ظہور یقینی نہیں۔ اس کا اور اس کا کیا مقابلہ؟

افگن ایں تدبیرِ خود را پیشِ دوست　　　گرچہ تدبیرت ہمہ تدبیرِ اوست

ترجمہ:۔ اپنی اس تدبیر کو (اس) دوست (حقیقی تعالیٰ شانہ) کے آگے ڈال دو۔ اگرچہ تمہاری تدبیر بھی سراسر اس کی تدبیر ہے۔

مطلب:۔ جب ثابت ہوگیا کہ تقدیرِ حق کے آگے تدبیرِ خلق کی کوئی حقیقت نہیں تو بہتر یہ ہے کہ اپنی تدبیر کے ہتھیار رکھ دو اور اس کی قضا کے آگے گردنِ رضا جھکا دو۔ جامیؒ ؎

دلے کو مبتلائے دوست باشد　　　مرادِ او رضائے دوست باشد
رضائے خود بیازد در رضایش　　　نہد روئے رضا برخاکِ پایش

پھر ساتھ ہی کمالِ توحید کے درجے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اپنی تدبیر کو بھی اپنی نہ سمجھو کہ وہ بھی اس کی قدرت کے ماتحت عمل میں آتی ہے۔ کما قالؒ ؎

بے قضا و حکم آں سلطانِ تخت　　　ہیچ برگے برنیفتد از درخت

کار آں دارد کہ حق افراشت ست　　　آخر آں روید کہ اول کاشت ست

لغات:۔ کار داشتن یا کارے داشتن کسی کام کا اہم ہونا، معتبر ہونا۔ افراشتن بلند کرنا، قائم کرنا، نصب کرنا۔

صنائع:۔ اول و آخر کا تقابل پر لطف ہے۔

ترجمہ:۔ اہم کام وہی ہے جس کو حق تعالیٰ نے قائم کیا ہے جو (بیج) روزِ ازل سے بویا گیا آخر وہی اگے گا۔

ہرچہ کاری از برائے او بکار　　　چوں اسیرِ دوستی اے دوستدار

لغات:۔ کاری فعل مضارع مخاطب از کاشتن (بونا) اسیر قیدی، گرفتار، عاشق

ترجمہ:۔ (اپنے قول و عمل کا) جو کچھ (بیج) بونے لگو تو اس کے لیے بو جب کہ تم (اپنے) دوست (حقیقی تعالیٰ شانہ) کے (محبت ایمانی کے جال میں) گرفتار ہو۔

مطلب:۔ اوپر تک امورِ تکوینی کا بیان تھا یعنی دنیاوی امور کے متعلق جو حیلہ و تدبیر کیا جائے وہ تقدیر کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اب اس بیت سے امرِ تشریعی کا ذکر ہے یعنی اعمال [illegible] اسے مخلصانہ کرنا چاہیے۔ سعدیؒ ؎

نگویم تواند رسیدن بدوست
دریں رہ جز آنکس کہ درویش اوست
کسے گر بتابد ز محراب روئے
بکفرش گواہی دہند اہل کوئے
تو ہم پشت برقبلہ درنماز
گرت در خدا نیست روئے نیاز

گردِ نفسِ دزدِ وکار او مپیچ ہرچہ آں نے کارِ حق ہیچ ست ہیچ

ترکیب:۔ مپیچ فعل بافاعل کا مفعول فیہ اگلے دو شعر ہیں۔

ترجمہ:۔ نفسِ خائن اور اس کے (من مانے) کام کے پیچھے نہ پھرو کیونکہ جو کام خدا کا کام نہیں ہے وہ نکما ہے نکما۔

مطلب:۔ نفس کو چور یا خائن اس اعتبار سے کہا ہے کہ وہ احکامِ حق کو دیانتداری سے نہیں بجالاتا بلکہ اس میں بہانہ جوئی اور حیلہ سازی کرتا ہے۔ یہاں نفس کی انہی باتوں کی بجا آوری سے منع کیا گیا ہے جو اس نے محض باغوائے شیطان پسند کر رکھی ہیں۔ فطرتِ صحیحہ ان کی اجازت نہیں دیتی۔ نہ وہ خدا کے نزدیک اچھی ہیں لیکن حقوق النفس عنداللہ مسلم ہیں۔ فطرتِ صحیحہ بھی ان کی مقتضی ہے۔ مثلاً اکل وشرب ومناکحت ومعاشرت وغیرہ ان سے منع نہیں کیا بلکہ ان کی رعایت رکھنی شرعاً لازم ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ اِن لِنفسِکَ عَلیکَ حقاً "بے شک تیرے نفس کے لیے تجھ پر حق ہے" اور دوسرے مصرعہ کے مضمون کی رو سے بھی نفس کے جائز حقوق خود بخود اس نہی سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں کیونکہ اس قسم کے حقوق مشروع ہونے کے اعتبار سے خدائی کاموں میں داخل ہیں۔ پس یہاں نفس کے انہی کاموں سے منع کیا گیا ہے جو خدائی کام نہیں اور وہی ہیچ اور نکمے ہیں۔

پیش ازانکہ روزِ دیں پیدا شود نزدِ مالک دُزدِ دیں رسوا شود

لغات:۔ روزِ دین یوم دین، روز قیامت۔ پیدا ظاہر، نمایاں۔ مالک الملک حق تعالیٰ۔ دزدِ دین دین کا چور، نفس و شیطان۔ بایں اعتبار کہ وہ دینی احکام میں دزدی وخیانت سے کام لیتے ہیں۔

ترجمہ:۔ (نفس سے قطع تعلق کرلو) قبل اس کے کہ قیامت کا دن آجائے اور پھر مالک (حقیقی) کے سامنے دین کا چور (یعنی نفس یا شیطان) خوار ہو جائے۔

مطلب:۔ شیطان کے اتباع سے کنارہ دنیا ہی میں کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں جب کہ وہ اور اس کے اتباع سب خدا کے حضور میں خوار وخجل ہوں گے۔ اس سے بیزاری ظاہر کرنا بے سود ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ج وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ط قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔ "جب (اللہ تعالیٰ) ان سب کو اکٹھا کرے گا (اور خطاب فرمائے گا)

اے شیطانو! تم نے تو بہت آدمیوں کو گمراہ کیا اور آدمیوں میں سے جو (دنیا میں) ان کے دوست تھے، وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور ہمارے لیے جو وعدہ تو نے ٹھہرایا تھا، اس وعدے تک ہم آن پہنچے۔ اللہ فرمائے گا (اب) دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے اور اس میں ہمیشہ رہو گے مگر جب تک اللہ چاہے بے شک تیرا پروردگار حکمت والا جاننے والا ہے۔" (انعام ع ۱۵)

رختِ دزدیدہ بتدبیر و فنش ماند روزِ داوری برگردنش

لغات:۔ رخت مال واسباب۔ فن حیلہ، فریب، مکر۔ روزِ داوری قیامت، انصاف کا دن۔ داوری دراصل داوری بمعنی

منصفی ہے۔
ترجمہ:۔ اس کا اپنے مکروفریب سے چرایا ہوا مال واسباب قیامت کے روز اس کی گردن پر (لدا) ہوگا۔
مطلب:۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے جو چیز چرائی ہے، قیامت کو وہ اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا جس سے وہ اہل محشر میں ذلیل وخوار ہوگا۔ یہاں یا تو اسی حدیث کا مفہوم مراد ہے یا رختِ دزدیدہ کنایہ ہے اعمال بد سے اور برگردن ماندن سے ان کا وبال مراد ہے اور یہی مطلب ارجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ نفس وشیطان صرف دزدی وخیانت ہی کے مرتکب نہیں ہوئے کہ قیامت کو صرف اشیائے مسروقہ کا بوجھ ہی ان کے اوپر لدا ہوگا بلکہ اور بھی گوناگوں عذاب کے مرتکب ہیں۔ان سب کا وبال ان کا بار دوش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ اَلاسَاءَ مَايَزِرُوْنَ" اور وہ اپنے (گناہوں کے) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اے ہے کیا برا بوجھ اٹھائے پھریں گے"۔ (انعام ع ۴) سعدیؒ۔

مرو زیرِ بارِ گنہ اے پسر کہ حمّال عاجز بود در سفر

صد ہزاراں عقل باہم بر جہند تابغیرِ دامِ او دامے نہند

دامِ خود را سخت تریابند و بس کے نماید قوتے بابادِ خس

لغات:۔ برجہند سعی وتردد میکنند آمادہ مے شود۔ بغیر علاوہ مراد برخلاف وبمقابلہ۔ خس تنکا پرکاہ۔
ترکیب:۔ شعر اول مستدرک منہ اور شعر ثانی استدراک ہے اور حرف استدراک لیکن مقدر ہے خس فاعل ہے نماید کا ہے۔
ترجمہ:۔ لاکھوں عقلیں متفق ہو کر آمادہ ہوتی ہیں کہ اس کے دام (تقدیر) کے خلاف کوئی (اپنا) دام (تدبیر بھی) بچھاویں (لیکن) وہ (جب دیکھتے ہیں تو) اپنے دام (تقدیر) کو (جس میں مقید ہیں) اور بھی سخت پاتے ہیں اور بس (پھر کوئی پیش نہیں کی جاتی) بھلا تنکا کہیں ہوا کے مقابلہ کی قوت رکھتا ہے؟
مطلب:۔ اوپر یہ مضمون چل رہا تھا کہ "تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ" اور فرمایا تھا "او درُون دام دامے نہد" اس اثنا میں یہ نصیحت کی تھی کہ جو تدبیر مقتضائے نفس سے ہو، اس کو بالکل اختیار نہ کرو۔ "گر نفسِ دزد کارا و را مپیچ" اور پھر نفس کے انجام کا ذکر آ گیا تھا۔اب اس شعر سے پھر سابقہ مضمون کی طرف عود فرمایا ہے۔یعنی تقدیر الٰہی تو ایک آندھی ہے اور تدبیر انسانی گویا تنکا ہے۔پس تنکا آندھی کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتا ہے۔انسان اگر چاہے اپنی تدبیر کی بدولت کمندِ تقدیر سے نکل جاؤں تو یہ ناممکن ہے۔

مکن تلاش رہائی زدستِ او صائب کہ از کمندِ خدائی خلاص ممکن نیست

ورنداری باور از من رَو ببیں در نُبے وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْن

لغات: نُبے بضمِ نون وبائے مجہول قرآن۔ خیر الماکرین سب سے اچھا داؤ کرنے والا، سب سے اچھا صاحب تدبیر۔
ترجمہ:۔ اگر تم کو میری بات کا یقین نہیں تو جاؤ قرآن مجید میں (یہ لکھا) دیکھ لو اور اللہ سب سے اچھا داؤ کرنے والا ہے۔
مطلب:۔ پوری آیت یوں ہے مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔"انہوں نے داؤ کیا اور اللہ نے بھی داؤ کیا اور اللہ داؤ کرنے والوں میں سب سے اچھا داؤ کرنے والا ہے"۔ (آل عمران ع ۵) اس سے ثابت ہے کہ تقدیر ربانی تدبیرِ انسانی سے بڑھ کر اور اس پر غالب ہے۔
نکتہ:۔ پہلے تقدیر الٰہی کی فوقیت کا ثبوت عقلاً وقیاساً دیا گیا۔ پھر کہا اگر یوں یقین نہیں آتا تو چلو قرآن مجید پر فیصلہ کرلو۔ دیکھو اس میں بھی تقدیرِ الٰہی کے غلبہ کا ذکر ہے۔اس سے یہ عبرت آموز سبق ملتا ہے کہ موجودہ زمانے میں اور اس زمانے میں جب کہ مثنوی

تصنیف ہو رہی تھی، کس قدر تفاوت ہے۔ اس وقت اگر کوئی کسی کی عقلی بات کو نہ مانتا تو اس کا فیصلہ نقلی دلیل سے ہو جاتا اور اب اگر کسی بات کا ثبوت قرآن مجید سے دیا جائے تو کہتے ہیں کہ جناب ہم کو عقلی دلیل سے سمجھایئے۔ محض نقل کو ہم نہیں مانتے۔ ان لوگوں کی طبائع سلیم تھیں۔ آج کل کے لوگوں کے مزاج امراضِ روحانیہ سے فاسد ہو رہے ہیں۔ طبع سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ عقل کے مقابلے میں نقل کا فیصلہ آخری اور قطعی ہو۔ اگر عقل نقل کے سامنے سرنگوں اور قائل ہو جائے فبہا۔ اور اگر اس سے مزاحم ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس میں وہم کی آمیزش ہے۔ گو ہم محسوس نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منقول کے منبع میں غلطی کا احتمال نہیں اور ہماری عقلوں میں غلطی و خطا کا وقوع رات دن تجربہ میں آ رہا ہے۔ پس عقل خطا کار کی مجال کیا ہے جو نقل منزہ عن الخطاء کے حکم کا مقابلہ کرے۔ نقل کو عقل سے رد کرنے کی تجویز خود عقل کی ایک غلطی ہے۔ ولنعم ما قیل ۔

کجا رسیدہ باشد تگ و پوے عقل ناقص　　چہ بام عرش کورے بعصا رسیدہ باشد

عقل سلیم کا مقتضا یہی ہے کہ جب ثابت ہو جائے کہ یہ خدا اور رسول کا ارشاد ہے تو فوراً بلا چون و چرا مان لیا جائے اور اگر عقل اس میں حیل و حجت کرے تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں وہم کی آمیزش ہے ورنہ خود حکم خلافِ عقل نہیں۔ یہ امر اس قدر بدیہی ہے کہ اس کا منکر یا مجنون ہے یا معاند اور بہر دو صورت نا قابلِ خطاب ہے۔ سعدیؒ۔

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی　　آنست جوابش کہ جوابش ندہی (کلید مثنوی)

آگے مولانا یہ سوال نقل کرتے ہیں کہ جب یہ تدابیر ظاہری بالکل بے کار ہیں اور ہمیشہ اصل تقدیر ہی کارفرما رہتی ہے تو پھر ایسی بے کار شے کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت تھی، پھر خود اس کا جواب دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں مصلحتیں تو بہت ہیں مگر ان کا بتانا ہمارا منصب نہیں۔

گر تو گوئی فائدہ ہستی چہ بود؟　　در سوالت فائدہ ہست اے عنود؟

لغات:۔ ہستی سے عالم تدبیر مراد ہے۔ عنود معاند، جھگڑالو۔ فائدہ ہستی میں فکِ اضافت ہے۔

ترجمہ:۔ اگر تم کہو کہ (جب ہمیشہ اور ہر حالت میں تقدیر ربانی ہی کارفرما ہے تو پھر) عالم (تدبیر کو پیدا کرنے) سے کیا فائدہ؟ اے جھگڑالو! (ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ) کیا تمہارے اس سوال میں (بھی کچھ) فائدہ ہے؟

گر ندارد ایں سوالت فائدہ　　چہ شنوم ایں راعبث بے فائدہ

لغات:۔ شنوم فعل مضارع متکلم ہے شنیدن سے واؤ بضرورت ساکن ہے ورنہ اصل میں متحرک ہے۔ عبث بے فائدہ۔ فائدہ نتیجہ، ثمرہ۔

ترجمہ:۔ اگر یہ تیرا سوال (بھی) کوئی فائدہ نہیں رکھتا تو میں اس کو کیا فضول اور بے نتیجہ سنوں۔

مطلب:۔ یہ ایک الزامی جواب ہے کہ اگر آفرینشِ عالم میں کوئی فائدہ نہیں تو پھر تمہارے سوال میں فائدہ نہیں اور اگر تمہارے سوال میں کچھ نہ کچھ مثلاً کم از کم حصولِ اطمینان و رفع خلجان کا فائدہ ہے تو آفرینش عالم میں بھی ضرور فائدہ ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تمہارے فعل میں فائدہ ہو مگر خالقِ برحق کا فعل بے فائدہ ہو۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ "کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے"۔ (مومنون۔ ع ۶)

در سوالت فائدہ دارد یقیں　　پس جہاں بے فائدہ نبود ببیں

ترجمہ:۔ اور اگر تیرے سوال میں یقیناً (کچھ) فائدہ ہے تو جہان بھی بے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ذرا غور کرو تو اس کے فوائد بھی معلوم

ہونے لگیں گے۔)

گر سوالت را بسے فائدہ ہاست   پس جہاں بے فائدہ آخر چراست

عروض:۔ مصرعہ اولیٰ میں فائدہ کے ہمزہ کو باشباع پڑھنے سے بیت کا وزن درست بیٹھتا ہے۔ وہذا من تجوزات المثنوی ایک اگلے شعر میں بھی یہی کیفیت ہے۔

ترجمہ:۔ اگر تمہارے سوال میں بہت سے فائدے ہیں تو آخر جہاں بے فائدہ کیوں ہے؟

در جہاں از یک جہت بیفائدہ است   از جہتہائے دگر پُر عائدہ است

ترجمہ:۔ اور اگر جہان ایک پہلو سے بے فائدہ ہے تو دوسرے پہلوؤں سے اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

مطلب:۔ جہان کو من کل الوجوہ بے فائدہ سمجھنا غلطی ہے۔ فرض کرو کہ وہ ایک حیثیت سے بے فائدہ ہے تو دوسری حیثیتوں سے مفید بھی ہے۔ اگرچہ ہم ان حیثیتوں کی تفصیل و تعین نہ کرسکیں اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ جو چیز ایک جہت سے بیفائدہ ہو تو اس کو کسی حیثیت سے بھی عمل میں نہ لایا جائے۔ مثلاً ایک کام تمہارے لیے مفید ہے اور میرے لیے غیر مفید ہے۔ پس تم اس کے اس غیر مفید پہلو کا لحاظ نہ کرو گے اور ضرور اس کو عمل میں لاؤ گے۔ آگے یہی فرماتے ہیں۔

فائدۂ تو گر مرا فائدہ نیست   مر ترا چوں فائدہ است از وے مایست

ترجمہ:۔ اگر تمہارا فائدہ میرا فائدہ نہیں ہے تو جب وہ تمہارے لیے فائدہ ہے تو اس سے باز نہ رہو (ضرور کرو۔)

فائدۂ تو گر مرا نبود مفید   چوں ترا شد فائدہ گیر اے مرید

ترجمہ:۔ اگر تیرا فائدہ میرے لیے مفید نہیں تو اے مرید جب وہ تیرے لیے (سراسر) فائدہ ہے تو اس کو اختیار کرلے۔

درمنم زاں فائدہ حُرؔ ابن حُرؔ   مر ترا چوں فائدہ ست از ایں مبُر

لغات:۔ حر بن حر آزاد کا بیٹا آزاد، وہ شخص جس کی آزادی خاندانی امتیاز ہو، مراد بے نیاز بے پروا مبر امر انتاہی بریدن (کاٹنا) سے قطع تعلق نہ کر۔

ترجمہ:۔ اور اگرچہ میں اس میں فائدے سے بے نیاز ہوں۔ جب (یہ) تیرے لیے فائدہ ہے تو اس سے پہلوتہی نہ کر۔

نکتہ:۔ ایک ہی مضمون کو تین مرتبہ کرۃً بعد مرۃٍ دہرا دہرا کر لانے اور خصوصاً اس میں مرید کے لقب سے خطاب کرنے میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مرید کی تربیت و تکمیل میں پیر کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہوتا اور اگر اس سلسلے میں کچھ فوائد مثلاً شہرت و نام آوری اور فتوحات وغیرہ ہیں بھی تو وہ شیوخ مزدور اور پیرانِ مکار کو مطلوب ہوتے ہیں۔ ایک پیر کامل اور شیخ فاضل ان فوائد سے حرابن حر (بے نیاز) ہوتا ہے۔ پس سراسر اس میں مرید ہی کا فائدہ ہے۔ اس لیے اس کو ہمہ تن اشتیاق ہو کر دو دو ہاتھوں اس فائدے کو سمیٹنا چاہیے۔

مکش دستِ طلب از دامنِ صدق طلب صائب   کہ گمراہ مے شود آنکس کہ از رہبر جدا ماند

بار بار تاکید کی ہے کہ اس فائدے کو نہ چھوڑ "از دے مایست گیر اے مرید از یں مبُر" اس سے ظاہر ہے کہ چشمۂ فیض بے نیاز ہونے کے باوجود خود جوش میں ہے کہ کوئی اس سے تشنہ کام نہ جائے۔ صائبؔ۔

بیمار اگر ز درد بود غافل از طبیب   دارد دلِ طبیب ز بیمار آگہی

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک مرید سے کوئی خطا سرزد ہوئی جس سے وہ شدتِ خجالت کے سبب خانقاہ سے بھاگ گیا۔

مدت تک حاضر نہ ہوا۔ ایک دن حضرت جنیدؒ اپنے اصحاب کے ساتھ بازار جا رہے تھے۔ اتفاق سے وہی مرید آ تا نظر پڑا جو آپ کو دیکھ کر بھاگا اور ایک کوچے میں گھس گیا۔ حضرت جنیدؒ نے اپنے اصحاب سے فرمایا، تم سب لوگ چلے جاؤ۔ ہمارا ایک مرغ جال سے بھاگا ہوا ہے۔ اس کو پکڑیں گے۔ مرید نے پلٹ کر دیکھا کہ شیخ پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ بہت پریشان ہوا اور تیزی سے چلنے لگا۔ چلتے چلتے ایسی جگہ پہنچا کہ آگے راستہ نہ تھا۔ شرم کے مارے دیوار میں منہ دے کر کھڑا ہو گیا اور بولا حضرت کہاں تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہم وہاں آ رہے ہیں جہاں مرید کو دیوار نے روک رکھا ہے تاکہ پھر اس کو خانقاہ میں لے جا کر ایسا بنا دیں کہ کوئی دیوار اس کے راہ میں، مقصد میں حائل نہ ہو سکے اور ہر چیز اس کے راستے سے ہٹ جایا کرے۔ صائبؔ

قدم سعی تو درد امن تن پیچیدہ است ورنہ افلاک ترا اطلس پا انداز ست

حسنِ یوسفؑ عالمے را فائدہ گرچہ بر اخواں عبث بُد زائدہ

لغات:۔ عالمے میں یا تفخیم کے لیے ہے خوان سے اخوانِ یوسف مراد ہیں۔ زائدہ بمعنی مزید، بکثرت، بہ شدت، بالکل، سراسر یا اس کے معنی زائد از مقصود کے ہیں۔ اس صورت میں یہ لفظ معطوف ہے عبث پر بحذفِ عاطف۔

ترجمہ:۔ (دیکھو) حضرت یوسفؑ کا حسن و (جمال) ایک جہان کے لیے مفید (نظارہ) تھا۔ اگرچہ ان کے بھائیوں کے سامنے بالکل فضول تھا (یا فضول اور زائد چیز تھا)۔

مطلب:۔ اوپر یہ کلیہ بیان کیا تھا کہ ہر چیز من وجہ مفید اور من وجہ غیر مفید ہوتی ہے۔ اب اس کے چند نظائر پیش فرماتے ہیں جن میں پہلی نظیر حسنِ یوسف ہے جو دنیا کے لیے آرامِ جان تھا حتی کہ زلیخا اسے خواب ہی میں دیکھ کر ہزار جان سے فریفتہ ہو گئی مگر وہی حسن برادرانِ یوسف کے لیے، سوہانِ روح تھا حتی کہ ان کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْہُ اَرْضًا "یوسف کو جان سے مار ڈالو یا کسی جنگل بیابان میں ڈال دو" (یوسف۔ ع ۲) آخر ان کی زیادہ سے زیادہ قدر کی تو یہ کی کہ چند درموں کے عوض اور بیچ ڈالا وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاھِمَ مَعْدُوْدَۃٍ (یوسف ع ۲) جامیؒ۔

زیاں کاراں کہ جنسِ جاں فروشندہ چناں جنسے چنیں ارزاں فروشندہ
خراج مصر یک دیدار ازوے متاعِ جان بیک گفتار ازوے
ولے ایں نرخ را یعقوبؑ داند زلیخا ایں خریداری تواند

لحنِ داؤدی چناں محبوب بود لیک بر مجوب بانگِ چوب بود

لغات:۔ لحنِ داؤدی حضرت داؤدؑ کی آواز۔ جس کا اثر یہ تھا کہ پرندے اس کے سننے کے لیے جمع ہو جاتے۔ پچھلی جلد میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ محبوب پسندیدہ مجوب محروم منکر۔ بانگِ چوب لکڑی کی چوں چوں جو کواڑ اور چھکڑے وغیرہ سے نکلا کرتی ہے۔

ترجمہ:۔ حضرت داؤدؑ کی آواز اس قدر تھی (کہ پرندے تک شائق تھے) لیکن منکر کے نزدیک (اس کی وقعت) لکڑی کی چوں چوں (سے زیادہ نہ) تھی۔ صائبؔ۔

زنغمہ سنجیِ داؤد گوش میگیرند فغاں کہ نغمہ شناسے دریں دیار نماند

آبِ نیل از آبِ حیواں بد فزوں لیک بر قبطیِ منکر بود خوں

لغات:۔ آبِ نیل دریائے نیل کا پانی۔ آبِ حیواں آبِ حیات وہ چشمہ جس کی نسبت مشہور ہے کہ جو شخص اس کا پانی پی

لے تو زندہ جاوید ہو جاتا ہے، کبھی نہیں مرتا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کا پانی پی لیا تھا۔ اس لیے ہزار ہا سال سے آج تک زندہ ہے۔ قبطی فرعون مراد ہے کیونکہ وہ قبطی قوم سے تھا۔ خون کنایہ ہے موت سے۔ اس شعر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے اس قصے کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجۂ ظلم سے نجات دلانے کے لیے مصر سے نکال کر لیے جاتے تھے۔ فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا تعاقب کیا۔ سامنے دریائے نیل آ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے اس میں خشک راستہ نکل آیا جس سے وہ اپنی قوم سمیت پار اتر گئے مگر جب فرعون اور اس کی فوج نے اس میں قدم رکھا تو دریا کے دونوں پاٹ مل گئے اور یہ لوگ سب کے سب غرق ہو گئے۔ دشمن کو غرق کر دینے کے اعتبار سے دریائے نیل موت ثابت ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دشمن سے نجات دلانے کے لحاظ سے "آبِ حیات از آبِ حیواں بُدفزوں" میں یہ نکتہ ہے کہ آبِ حیات سے صرف زندگی محفوظ رہتی ہے۔ دشمن نہیں مرتے مگر آبِ نیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی بھی بچائی اور دشمن کو بھی ہلاک کیا۔

دریائے نیل اور حضرت موسیٰ کا معجزہ

ترجمہ:۔ (دریائے) نیل کا پانی (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے) آبِ حیات سے بھی بڑھ کر (ثابت ہوا) تھا لیکن وہی پانی فرعون کے لیے موت (بن گیا) تھا۔

هست بر مومن شهیدی زندگی　　　بر منافق مردن ست و ژندگی

لغات:۔ شہیدی: شہادت' آخرت میں یائے مصدری ہے۔ ژندگی: تباہی' بربادی۔

صنائع:۔ زندگی اور ژندگی میں صنعتِ تجنیسِ مضارع

ترجمہ:۔ شہید ہو جانا مومن کے لیے زندگی ہے اور منافق کے لیے موت اور تباہی ہے۔

مطلب:۔ شہیدوں کے زندہ ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ o فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ "اور اے پیغمبر جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں، ان کو مرا ہوا خیال نہ کرنا بلکہ اپنے پروردگار کے پاس جیتے جاگتے موجود ہیں، ان کو روزی ملتی ہے اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے، اس میں مگن ہیں اور جو لوگ (ان کے بعد زندہ رہے) اور ابھی ان میں آ کر شامل نہیں ہوئے، ان کی نسبت (یہ خیال کر کے) خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ بھی شہید ہوں تو ہماری طرح ان پر بھی (کسی قسم کا) خوف (طاری) ہوا اور نہ یہ کسی طرح آزردہ خاطر رہیں۔ (آل عمران۔ ع ۱۷)

شہیدوں کی زندگی

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی جنگِ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسموں میں ڈال دیا، وہ بہشت کی نہروں پر اترتے ہیں اور اس کے پھل کھاتے ہیں اور طلائی قندیلوں میں ٹھکانا کرتے ہیں جو عرش کے سائے میں لٹک رہی ہیں۔ پھر جب ان کو اپنے کھانے پینے اور آرام و راحت کے مزے محسوس ہوئے تو کہنے لگے، کون ہے جو ہمارے بھائیوں کو ہماری حالت سے مطلع کرے کہ ہم بہشت میں زندہ ہیں تاکہ وہ بہشت سے بے پروا نہ ہوں اور نہ جنگ سے کنارہ کشی کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں ان کو تمہاری حالت سے مطلع کر دوں گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (ابوداؤد۔ خازن ونعم ما قیل)

کنند دفن ازاں رو شہید را با رخت　　　کہ ہر کہ کشتۂ او گشت جامہ نگزارد [1]

مطلب یہ کہ میدان جہاد میں مقتول ہو جانا مومن کے لیے حیاتِ ابدی ہے اور کافر کے لیے موت ایک ہی چیز ہے۔ ایک کے لیے

[1] جامہ گذاشتن کنایہ ہے اولیاء اللہ وسلاطین کی وفات سے ہندی میں بھی اس محاورہ کے مشابہ چولا بدلنا کہتے ہیں۔ شاعروں نے شہیدوں کی زندگی کا مضمون خوب ادا کیا ہے۔ یعنی شہیدوں کو کپڑوں سمیت دفن کرنے سے یہ اشارہ مراد ہے کہ ایشاں [illegible]

تریاق ہے دوسرے کے لیے زہر۔

چیست در عالم بگو یک نعمتے　　　کہ نہ محروم انداز وے اُمّتے

ترجمہ:۔ (غرض ہمیں) بتادو کہ کیا دنیا میں کوئی ایسی نعمت موجود ہے جس سے ایک بڑی جماعت محروم نہ ہو (اور اس کے لحاظ سے وہ چیز بے فائدہ نہ ہو)۔

گاو و خر را فائدہ چہ در شکر؟　　　ہست ہر جانرا یکے قوتے دگر

ترجمہ:۔ مثلاً بیل اور گدھے کو شکر میں کیا فائدہ ہے؟ (کچھ بھی نہیں) کیونکہ (ہر اجنبی) جان کے لیے ایک جداگانہ غذا ہے۔

مطلب:۔ شکر عموماً انسان کی غذا ہے۔ اس لیے بہائم کو عادۃً اس سے کوئی سروکار نہیں تو کیا یہ اور ایسی دیگر اشیا میں ایک جماعت کو کچھ فائدہ متوقع نہ ہو، مخلوق نہیں ہیں؟ ضرور ہیں، پھر کیا ان کی تخلیق عبث ہے۔ اس کو کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ پھر تخلیقِ عالم کیوں عبث ہونے لگے۔

لیک گر آں قُوت بروے عارضی ست　　　پس نصیحت کردن اورا رائضی ست

لغات:۔ عارضی غیر اصلی، چندروزہ جو امر داخلِ طبیعت نہ ہو۔ رائضی چابک سواری۔ گھوڑے کو سدھانا۔

ترجمہ:۔ لیکن اگر وہ غذا اس پر عارضی ہے تو اس کو نصیحت کرنا چابک سواری کا کام دیتی ہے۔

مطلب:۔ اوپر کہا تھا کہ ہر مخلوق کے لیے ایک جداگانہ غذا ہوتی ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی اصلی غذا کے علاوہ دوسری غذاؤں کے عادی ہو جاتے ہیں اور ان کو اصلی غذا سمجھنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کو اس غیر مناسب غذا سے باز رکھنے کے لیے نصیحت وموعظت کرنی پڑتی ہے جس سے امید ہے کہ وہ اس مضر وغیر مفید غذا کو ترک کر دیں اور یہ نصیحت ان کے لیے وہی کام دیتی ہے جو سرکش گھوڑے کے لیے چابک سواری جس سے گھوڑا اپنی سرکشی وشرارت کو چھوڑ دیتا ہے۔ سعدیؒ۔

نصیحت کہ خالی بود از غرض　　　چو داروئے تلخ ست دفعِ مرض

مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ انسان کی فطرت معرفت کی مقتضی ہے اور یہی اس کی اصلی وروحانی غذا ہے لیکن اس کی جسمانی زندگی کے قیام کے لیے آب وگل بھی اس کی غذا قرار پائی جو حیاتِ حیوانیہ کے بقا تک ایک عارضی غذا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جو شخص اس عارضی غذا کی چاٹ میں ایسا غرق ہو کہ اسی کو اپنا مقصدِ حیات بنائے اور معرفت کی روحانی غذا کی پروا نہ کرے اس کو نصیحت کی جاتی ہے کہ اغذیہ واشربہ کے دلدادہ نہ ہو۔ یہ مقصودِ اصلی نہیں ہے بلکہ عارضی ہے۔ معرفتِ حق کے طلبگار بنو، وہی مقصودِ اصلی ہے۔ سعدیؒ۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن ست　　　تو معتقد کہ زیستن از بہرِ خوردن ست

چوں کسے کو از مرض گِل داشت دوست　　　گرچہ پندارد کہ آں خود قُوتِ اوست

ترجمہ:۔ مثلاً جو شخص (فسادِ اشتہا کے) مرض کے سبب سے مٹی کھانا پسند کرے، اگرچہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کی (اصلی) غذا ہے۔ مگر:۔

قوتِ اصلی را فرامُش کردہ است　　　روئے در قُوتِ مرض آوردہ است

ترجمہ:۔ اس نے اپنی اصلی غذا کو بھلا دیا ہے۔ بیماری کی تاثیر سے جس مضر غذا کو جی چاہا، اس پر متوجہ ہو رہا ہے۔

نوش را بگذاشتہ سم خوردہ است قوتِ علت ہمچو چوبش کردہ است

لغات:۔ نوش تریاق شہد سم: زہر مراد خوراکِ مضر ہمچو چوب مراد لاغر، سوکھ کر کانٹا ہو جانے والا۔

ترجمہ:۔ تریاق کو چھوڑ کر زہر کھا گیا۔ مرض کی (وجہ سے مرغوب ہونے والی) غذا نے اس کو لکڑی کی طرح لاغر بنا دیا۔

مطلب:۔ ہر چیز اپنی مناسب و فطری غذا سے پھلتی پھولتی ہے اور نامناسب و غیر فطری غذا سے لاغر اور تباہ حال ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح جب فسادِ اشتہا سے مضر اشیا کے کھانے کی رغبت ہوتی ہے اور انسان ان کو کھانے لگتا ہے تو چونکہ ان میں تغذیہ و تنمیہ کا مادہ نہیں ہوتا، اس لیے لاغر ہونے لگتا ہے۔ سعدیؒ۔

کہ در سینہ پیکانِ تیز تار بہ از نُقلِ ماکول ناساز گار

قوتِ اصلی بشر نورِ خدا است قوتِ حیوانی مر او را نا سزاست

ترجمہ:۔ انسان کی اصلی (روحانی) غذا (معرفتِ) خدا کا نور ہے (لہذا) اس کے لیے (صرف) حیوانی غذا پر اکتفا کرنا زیبا نہیں۔

مطلب:۔ اوپر کے بیان سے چند باتوں کا افادہ ہوا یعنی (۱) مخلوقات کی غذائیں مختلف ہیں۔ "ہست ہر جانرا یکے قوت دگر" (۲) کوئی مخلوق اپنی فطری و اصلی غذا کو چھوڑ کر غیر فطری و عارضی غذا بھی اختیار کر لیتی ہے "لیک گر آں قوت بروے عارضی ست" (۳) ایسی فطری غذا عموماً غلبۂ مرض سے پسند آنے لگتی ہے۔ "چوں کسے کو از مرض گل داشت دوست" (۴) ایسی غذا ضرور نقصان پہنچاتی ہے۔ "قوتِ علت ہمچو چوبش کردہ است" (۵) پند و نصیحت سے ایسی غذاؤں کی عادت ترک ہو سکتی ہے۔ "پس نصیحت کردن اور اراضی است" یہ تمام باتیں اصل مقصود کے مقدمات تھے، اب اس شعر سے اصلی مقصد بیان فرماتے ہیں یعنی روحِ انسان کی اصلی غذا معرفتِ حق کا نور ہے اور قوتِ حیوانی پر بہیمیت و سبعیت پر مشتمل ہے۔ فسادِ مزاج کی صورت میں اور ہی قسم کی غذائیں چاہتی ہے یعنی لذتِ جسمانیہ و شہوتِ نفسانیہ جو مقصودِ اصلی نہیں ہیں بلکہ افراط کی صورت میں سخت مضر و مہلک ہیں۔ حافظؒ۔

براہِ تو ہمہ چاہ است سر نہادہ مرو بجامِ تو ہمہ زہر ست ناچشیدہ مخور

لیک از علت دریں افتاد دل کہ خورد او روز و شب از آب و گل

ترجمہ:۔ لیکن (فسادِ اشتہا کے) مرض کے سبب دل اس میں پھنس گیا (اور ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ رات دن اس پانی اور مٹی یعنی ناسوتی لذتوں) کو چکھتا رہے۔

مطلب:۔ غلبہ نفس سے روحانیت کمزور ہو جاتی ہے تو دل حیوانی لذات کا حریص ہو جاتا ہے۔ آخر انسانی صفات سے معرّیٰ اور حیوانی اوصاف سے موصوف بن جاتا ہے۔ سعدیؒ۔

کسے کو شکم بندہ شد چوں ستور ستورے بروں آید از ناف گور
چوں آید قیامت ترازو بدست زگادی بہ خر بایدش برنشست

روئے زرد و پائے ست و دل سبک کہ غذائے والسماء ذات الحبک

لغات:۔ روئے زرد لاغر و کمزور، محروم و مایوس۔ پائے ست ست رفتار، ناامید۔ دل سبک۔ کمزور دل والسماء ذات الحُبُک سورہ ذاریات کی آیت سے اقتباس ہے جس کے معنی ہیں قسم ہے راستوں والے آسمان کی اور اس سے ساتواں آسمان مراد ہے۔

ترجمہ:۔ (آخر ان مضر و ناموافق غذاؤں سے اس کی روح کا) چہرہ زرد، پاؤں ست اور دل کمزور ہو گیا۔ کہاں آسمانی غذا (اگر

وہ کھائی ہوتو یہ حالت کیوں ہوتی)

مطلب:۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ مصرعہ اول میں روئے زرد وغیرہ صفات کو معنی حقیقی پر محمول کیا جائے اور دوسرا مصرعہ الگ جملہ قرار پا کر مولانا کا مقولہ بن گیا لیکن اگر ان صفات سے کنایات مقصود ہوں تو دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کے مضمون کا تتمہ بن جائے گا اور ترجمہ یوں ہوگا (ایسی غذا کھا کر روح) مبتلائے حرمان و مایوسی ہے اور اس کا دل دھڑکتا ہے (اس حسرت سے کہ) وہ آسمانی غذا کہاں ہے (جسے کھا کر میں اس کے راستوں سے داخلِ ملائکہ ہو جاتی) بہر کیف لذاتِ جسمانیہ سے عیسیٰ روح لاغر و زرد رو اور خرِ نفس فربہ و توانا ہوتا جاتا ہے۔ سعدیؒ ۔

ہے میردت عیسیٰ از لاغری تو دربند آنی کہ خر پروری
بدیں اے فرومایہ دنیا مخر بہ خر بانجیل عیسیٰ مخر

آں غذائے خاص گان دولت ست خوردنِ آں بے گلو و آلت ست

لغات:۔ خاصگان جمع خاصہ۔ خاص لوگ، مقربین خاصگان دولت مقربینِ درگاہ، وزرائے سلطنت آلت آلہ ذریعۂ فعل مراد چمچہ رکابی وغیرہ آلات خورد و نوش۔

ترجمہ:۔ وہ (عالم بالا کی غذا ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں بلکہ خاص) مقربانِ درگاہ (حق) کے لیے ہے۔ اس کا کھانا پینا (ناسوتی غذاؤں کی طرح نہیں بلکہ وہ) حلق (سے نگلنے بدون) اور چمچے رکابی کے بغیر (کھائی جاتی ہے)۔

شد غذائے آفتاب از نورِ عرش مرحسودِ دیورا از دُودِ فرش

لغات:۔ نورِ عرش نورِ معرفت۔ حسود حاسد۔ دیو شیطان۔ فرش زمین۔

ترجمہ:۔ آفتاب کی طرح روشن رہنے والے دلوں کی غذا نورِ معرفت ہے (اور) حاسد شیطان کو (مکروہات) زمین کے دھوئیں سے (غذا ملتی) ہے۔

مطلب:۔ عارف کی تمثیل آفتاب کے ساتھ بایں مناسبت ہے کہ ایک تو وہ آفتاب کی طرح نورِ معرفت سے تاباں و درخشاں ہے۔ دوسرے جس طرح آفتاب کا نور مومن و کافر دوست و دشمن اور اچھے برے سب کے لیے وقف ہے، اس کو کسی سے حسد و بخل نہیں ہے اسی طرح عارف کی برکات سے بھی ہر قسم کے لوگ علیٰ قدرِ مراتب متمتع ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے منکرین کو شیطان سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح شیطان نے حضرت آدمؑ پر حسد کیا۔ اسی طرح منکرین اہلِ کمال پر حسد کرتے ہیں اور ان سے لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ کما قالؒ ۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی است کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

در شہیداں یُرْزَقُوْنَ فرمود حق آں غذارا نے دہاں بُد نے طبق

لغات:۔ یُرْزَقُوْنَ اشارہ ہے سورہ آلِ عمران کی اس آیت کی طرف کہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ (الایہ) یہ ترجمہ تھوڑی دور پیچھے گزر چکا ہے۔ طبق طشت، تھال۔

ترجمہ:۔ (چنانچہ) شہیدوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یُرْزَقُوْنَ (ان کو رزق دیا جاتا ہے) فرمایا ہے تو اس غذا کے لیے (جو ان کو دی گئی) نہ (یہ) منہ (کھانے کا کام دیتا) تھا نہ تھال (جس میں اسے رکھا جاتا)۔

رفعِ اشتباہ:۔ شاید کسی کو یہاں یہ شبہ عارض ہو کہ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہیدوں کو عند اللہ جو رزق ملتا ہے وہ کوئی امرِ معنوی ہے حسی نہیں، جو اعضاء و جوارح کے توسل سے حاصل کیا جاتا ہو حالانکہ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ شہید لوگ بہشت کی نہروں سے پانی پیتے ہیں اور اس کے میوے کھاتے ہیں، لہٰذا اس بیان میں اور احادیث کے مضمون میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں اور مولوی قدس سرہ نے یا تو اشارہ کی زبان سے معرفت کو رزق پر حمل کیا ہے کہ یہ دل کی غذا منہ اور حلق کے بغیر ہے یا رزق سے عام مراد لیا ہے جو دونوں قسم کے رزق کو شامل ہے یا رزق اپنے معنی پر محمول ہو اور ما انھم اللہ من فضلہ سے علم و معرفت کا رزق مراد ہو اور بہر تقدیر اس بیان میں اس رزق کا انکار نہیں جو منہ سے کھایا جاتا ہے۔ پس کوئی اس سے رزق کے انتفا کا توہم نہ کرے کیونکہ اس قسم کا رزق پہنچنا اور منہ سے طعام کھانا شہیدوں کے لیے قطعی اور مسلّم ہے۔ مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا بلکہ ابیات کا مقصود رزق معرفت ہے۔ باآنکہ یہ رزقِ طعام بھی پہنچتا ہو۔ انتہی۔ کلید مثنوی میں ایک شارح فرماتے ہیں کہ الفاظِ آیت فی نفسہٖ اس شعر کے معنی سے آبی نہیں محتمل عموم ہیں، لہٰذا یہ تفسیر ان تفاسیر کے بھی خلاف نہیں جن میں ان کی تفسیر اغذیۂ جنت سے کی گئی ہے کیونکہ وہ یک نوع رزق ہے اور یہ تشریح نوع دیگر **هذا ما عندى فى توجيه هذا المقام والله اعلم بالصواب انتهٰى۔**

دل ز ہر رائے غذائے مے خورد — دل ز ہر علمے صفائے مے برد

لغات:۔ رائے عقل، فکر، قیاس۔ صفا۔ صفائی شستگی جلا و تابش۔

ترجمہ:۔ دل ہر قسم کی عقل (اور فکر) سے غذا کھاتا ہے۔ دل ہر علم سے صفائی اور نور زینت حاصل کرتا ہے۔

مطلب:۔ دل کی غذا بھی دیگر اشیا کی غذا کی طرح مختلف ہے۔ چنانچہ اس کی غذا فکر و نظر ہے جس سے اس کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور علومِ حمیدہ بھی اس کی غذا ہیں جن سے اس کو صفائی اور قوتِ ادراک ملتی ہے۔

صورتِ ہر آدمی چوں کاسہ ایست — چشم از معنے او حسّاسہ ایست

لغات:۔ صورت ظاہری وجہ کاسہ۔ حسّاسہ بہت احساس کرنے والا۔

ترجمہ:۔ ہر آدمی کی صورت (تو گویا) ایک پیالہ ہے۔ آنکھ (اس صورت سے قطع نظر کر کے صرف) اس کے معنی کا ادراک (کرنا پسند) کرتی ہے۔

مطلب:۔ جس طرح دل کی خاص غذا ہے۔ چشمِ بصیرت کی غذا بھی خاص ہے۔ دیکھو صورت اور معنی دو متقابل امر ہیں اور ہر انسان میں دونوں اکٹھے پائے جاتے ہیں۔ صورت کی مثال پیالہ کی سی ہے اور معنی کی مثال پیالے کے اندر کی چیز کی سی اور جس طرح وہ پیالہ کے اندر کی چیز مقصود لذاتہا ہوتی ہے نہ کہ پیالہ۔ اسی طرح چشمِ بصیرت کے لیے صرف معنی مقصود ہے نہ کہ صورت۔ وہی اس کی غذا ہے جو دوسری اشیا کی غذا سے جداگانہ ہے۔ امیر خسروؒ

بصورت خوش مشو کز روئے معنے — نئے خامہ نکو تر از نئے قند

حافظؒ

حسن مہرویان مجلس گرچہ دل مے برد و دیں — عشق ما بر لطفِ طبع و خوبیِ اخلاق بود

از لقائے ہر کسے چیزے خوری — وز قرانِ ہر کسے چیزے بری

لغات:۔ لقا ملاقات۔ قران نزدیکی، قرب، صحبت

ترجمہ:۔ ہر شخص کی ملاقات سے تم کچھ نہ کچھ (ذائقہ) چکھو گے اور ہر شخص کی صحبت سے کچھ نہ کچھ حاصل (ہی) کرو گے۔

مطلب:۔ جب یہ ہو چکا کہ ہر چیز کی غذا جداگانہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انسان کی اصلی غذا روحانی ہے تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ جب تم کسی سے ملتے ہو تو اس سے کوئی نہ کوئی غذا خواہ روحانی ہو یا حیوانی قلبی ہو یا غیبی مفید ہو یا مضرتم کو ضرور ملتی ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ ہر شخص کی ملاقات سے تم ضرور کچھ نہ کچھ خوشی یا غمی امید یا ناامیدی، راحت یا زحمت حاصل کرتے ہو۔

ے آتش از خانۂ ہمسایہ بہ ہمسایہ فتد صائب از پہلوئے درد و غم اندوختہ است

اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دو چیزوں کے قران میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ اکثر ان سے ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے اب ان کے چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔

چوں ستارہ باستارہ شد قرین لائقِ ہر دو اثر زاید یقین

ترجمہ:۔ جب ایک ستارہ (دوسرے) ستارے کے ساتھ (کسی برج میں) قران ہوتا ہے تو دونوں سے مناسب کوئی اثر ضرور پیدا ہوتا ہے۔

مطلب:۔ ایک ستارے کا دوسرے ستارے کے ساتھ قران ہونے سے جو اثر پیدا ہوتا ہے۔ اس سے یا تو ایک کا دوسرے کی قوت کو کمزور کر دینا یا بڑھا دینا مراد ہے جو مستبعد نہیں یا وہ اثر مراد ہے جو بقولِ اہلِ تنجیم سعادت یا نحوست کی صورت میں دوسری مخلوق پر پڑتا ہے۔ جیسے اگر مشتری و زہرہ کے ایک برج میں جمع ہونے کے وقت کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کو نہایت خوش قسمت سمجھتے ہیں اور اس کو صاحبِ قران کہتے ہیں یعنی اس کی ولادت کے وقت سعدِ اکبر (مشتری) اور سعدِ اصغر (زہرہ) ایک برج میں مقارن ہیں مگر نجوم کی ایسی تاثیرات کا اعتقاد شرعاً داخلِ شرک ہے۔ اس لیے یہاں یہ مقصود نہیں ہو سکتا۔ الا بتاویلِ تاثیرِ کواکب کے متعلق مولاناؒ کے اقوال کی تاویل مفصلاً مفتاح العلوم دفتر اول کے حصہ اول میں گزر چکی ہے۔

از قرانِ مردو زن زاید بشر وز قرانِ سنگ و آہن ہم شرر

ترجمہ:۔ مرد اور عورت کی صحبت سے (ایک تیسرا) انسان (یعنی ان کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور اسی طرح) سنگ (چقماق) اور لوہے کے ٹکرانے سے بھی چنگاری پیدا ہو جاتی ہے۔

وز قرانِ خاک بابارانہا میوہا و سبزہا ریحانہا

لغات:۔ بارانہا بارشیں۔ ریحانہا جمع ریحان، سبزہ، تازہ بو، گل سرخ کے سوا۔ باقی ہر قسم کے پھولوں کو بھی ریحان کہتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور (اسی طرح) مٹی کے بارشوں کے ساتھ ملنے سے میوے، سبزے اور پھول (اگتے ہیں)۔

وز قرانِ سبزہا با آدمی دل خوشی و بے غمی و خرمی

ترجمہ:۔ اور پھر آگے ان سبزیوں (ترکاریوں) کے آدمی کے ساتھ (بطورِ غذائے منہضم) مل جانے سے (صحت جسم کی بدولت) فرحتِ دل بشاشت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔

وز قرانِ خرمی باجانِ ما مے بزاید خوبی و احسانہا

ترجمہ:۔ اور ہماری جان کے ساتھ خوشی کے مل جانے سے (بہت سی باتوں میں) خوبی اور کمالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

مطلب:۔ دل خوش رہے تو ہر کام خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام پاتا ہے۔ طاعات وعبادات میں لطف آتا ہے۔ بنی نوع کے ساتھ تعلقات خوشگوار رہتے ہیں۔ دینی ودنیوی مہمات کو کامیابی کے ساتھ سرانجام دینے کی ہمت رہتی ہے۔ سعدیؒ۔

بحاجتے کہ روی تازہ رود خنداں رو   فروبستہ ماند کار گشادہ پیشانی

صائبؒ۔

مرا خورسندی از سامانِ دنیا محتشم دارد   دل خورسند ہر کس دارد از دنیا چہ غم دارند

قابلِ خوردن بود اجسامِ ما   چوں برآید از تفرّج کامِ ما

ترجمہ:۔ جب سیر (تفریح) سے ہماری مراد پوری ہو جاتی ہے (تو اس کا اثر ہمارے) جسم (پر یہ ہوتا ہے کہ وہ) غذا پانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

مطلب:۔ یہ بھی دو چیزوں کے باہم مل جانے سے تیسری چیز کے پیدا ہو جانے کی مثال ہے یعنی سیر وتفریح کے جسم کے ساتھ تقارن ہونے سے اشتہائے غذا اور قوتِ انہضام پیدا ہوتی ہے جو سیر وتفریح کے فوائدِ خاص ہیں اور انہی وجوہ سے ہوا خوری مفیدِ صحت مانی گئی ہے۔

سرخ روئی از قرانِ خوں بود   خوں زخورشیدِ خوشی گلگوں بود

ترجمہ:۔ خون کے چہرہ کی جلد کے ساتھ، ملنے سے چہرہ میں سرخی آتی ہے (اور) خون آفتابِ مسرت (کے ساتھ ملنے) سے سرخ ہوتا ہے۔

مطلب:۔ یہ بھی اسی قسم کی نظیر ہے کہ دو چیزوں کا اجتماع ایک تیسری چیز کے ظہور کا باعث ہوا خون اور چہرہ کے اقتران سے چہرے کی سرخی اور خوشی اور خون کے اجتماع سے خون کی سرخی پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ خوشی وراحت میں تمام اعضائے رئیسہ اپنے وظائف بخوبی بجالاتے ہیں، اس لیے اس حالت میں خونِ صالح پیدا ہو کر سرخیٔ جسم کا باعث بنتا ہے اور بقولِ اہلِ نجوم تمام سرخ رنگوں کی تخلیق آفتاب کے تعلق سے ہوئی ہے۔ اس لیے مولانا نے خوشی کے لیے جو مولدِ حرارت ہے، آفتاب کا استعارہ کیا ہے۔ چنانچہ پھر فرماتے ہیں:۔

بہترینِ رنگ ہا سرخی بود   واں زخورشیدست واز وے میرسد

ترجمہ:۔ سب سے اچھا رنگ سرخ ہوتا ہے اور وہ خورشید سے ہے اور اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

مطلب:۔ یہ بھی اسی قسم کی مثال ہے کہ خورشید کی تاثیرات کے دیگر اشیاء کے ساتھ ملنے سے ان اشیا میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی باتیں جن سے تاثیرِ کواکب کا خیال ظاہر ہوتا ہے، محض بنائً علے المشہور شاعرانہ لہر میں قلم سے ٹپک گئیں ورنہ تو یہ مولاناؒ جیسے اکابر علما کے عقائد ایسے خرافات سے ملوث کیوں ہونے لگے۔ اگلا شعر بھی اسی قسم کا ہے۔

ہر زمینے کو قریں شد بازحل   شورہ گشت وکشت رانبود محل

لغات:۔ زحل ایک ستارہ کا نام ہے جس کو اہلِ تنجیم نحسِ اکبر کہتے ہیں اور اس کی تاثیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرف اس کا رخ ہو، وہاں قحط اور جدھر بیٹھ ہو، وہاں وبا پھیل جاتی ہے۔ شورہ کلر، ناقابل زراعت۔ کشت زراعت۔ فصل محل جگہ موزوں۔

ترجمہ:۔ اسی طرح جو زمین زحل سے تعلق رکھتی ہے وہ کلر ... زراعت کے قابل نہیں رہتی۔

قوّت اندر فعل آید ز اتفاق　　　چوں قرانِ دیو با اہلِ نفاق

لغات:۔ دیو شیطان۔ اہلِ نفاق منافق لوگ۔

ترجمہ:۔ لوگوں کے ساتھ جب اتفاق (شامل ہوتا ہے تو اس) سے کام میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے اہلِ نفاق کے ساتھ شیطان کا مل جانا (نفاق کی قوت کا باعث ہوتا ہے)۔

مطلب:۔ مذکورہ بالا تمام نظائر کا ماحصل یہ نکلا کہ دو چیزوں کے اقتران سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان ہر چیز کے قرب و اقتران سے کوئی نہ کوئی خاص کیفیت کسب کرتا ہے۔ ''از قران ہر کسے چیزے، بری'' مگر انسان پر واجب ہے کہ ہمیشہ معانی کا اقتران اختیار کرے اور معارف الٰہیہ کو اپنی غذا بنائے۔ اب معانی و معارف کی عظمت بیان کرتے ہیں۔

ایں معانی راست از چرخِ نہم　　　بے ہمہ طاق و طرم طاق و طرم

لغات:۔ چرخ نہم۔ فلک الافلاک جو سارے آسمانوں سے اوپر کا آسمان ہے اور اس کو اصطلاحِ شرع میں عرش کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ سارا عالم ایک کرہ ہے۔ جس کا مرکز زمین ہے اور آسمان سارے نو ہیں جو ایک دوسرے پر تہ بر تہ چڑھتے چلے گئے ہیں جیسے کہ پیاز کے پوست۔ ان نو میں سے سب سے اوپر کا آسمان فلکِ نہم یا فلک الافلاک ہے اور سب سے نیچے کا فلک فلکِ قمر ہے۔ فلکِ قمر کا فاصلہ کرہ ارض سے چالیس ہزار چھ سو تریسٹھ فرسنگ ہے اور فلکِ نہم کا فاصلہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (غیاث اللغات فلک نہم کو فلکِ اطلس بھی کہتے ہیں کیونکہ اطلس کے معنی درم بے سکہ کے ہیں جس طرح درم بے سکہ نقوش سے سادہ ہوتی ہے اسی طرح فلکِ نہم بھی نقوشِ کواکب سے سادہ ہے۔ اس لیے یہ نام مقرر ہوا (غیاث) فلکِ اطلس کی ساخت ایک جسمِ شفاف و مستدیر ہے جو بارہ برجوں پر منقسم ہے اور ہر برج پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔

یہ بارہ فرشتے عرش کے چار قواعد کے مطابق چار مراتب پر ہیں اور تین منازل ہیں یعنی دنیا، برزخ، آخرت ان میں سے ہر منزل کے ساتھ چار فرشتوں کا تعلق ہے اور ہر فرشتے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے علوم و معارف کے تیس خزانے حاصل ہیں۔ اس قیاس سے فلکِ اطلس یا چرخ نہم تین سو ساٹھ خزانے علوم و معارف کے ہیں جن سے اہلِ عالم پر بقدرِ استعداد فیضان ہوتا رہتا ہے۔ (بحر العلوم ملخصاً)

طاق و طرم طمطراق کروفر۔ شان و شوکت۔

ترکیب:۔ طاق و طرم (دوسرا کلمہ جو آخر بیت میں ہے) موصوف بے ہمہ طاق و طرم صفت موصوف و صفت مل کر مبتداء مؤخر ہوا۔ ثابت خبر محذوف ایں معانی را متعلق از چرخ نہم بھی متعلق۔ است کلمۂ ربط۔

ترجمہ:۔ ان معانی (علوم و معارف) کو (ظاہری) شان و شوکت کے بغیر فلکِ ہفتم سے (ایک قدرتی) شان و شوکت حاصل ہے۔

مطلب:۔ کوتاہ نظر انسان دنیا کی مادی اشیا کی نظر فریب شان و شوکت پر مرتا ہے جو فانی و بے بود ہے اور علوم و معارف کی شان و شوکت کے اعلیٰ ہونے کا یہی کافی ثبوت ہے کہ مقدم الذکر عالمِ سفلی سے اور موخر الذکر عالمِ علوی سے تعلق رکھتا ہے۔ صائبؔ۔

جمعے کہ آشنائی بریدہ اند　　　درجست جوئے معنے بیگانہؔ تواند

الغرض علوم و معارف کو ہی مقدم سمجھنا اور اپنی غذائے روح بنانا چاہیے۔ آگے پھر مادیات کا کم رتبہ مولانا بیان فرماتے ہیں:۔

خلق را طاق و طرم عاریتی ست　　　امر را طاق و طرم ماہیتی ست

لغات:۔ خلق عالم مادیات۔ عالم اجسام اشیائے دنیا۔ عاریتی منسوب بہ عاریت، عارضی، چند روزہ، مستعار امر عالمِ

فلکِ الافلاک۔ فلکِ اطلس [illegible]

مجردات جس میں ارواح و ملائکہ وغیرہ غیر مادی اشیا شامل ہیں۔ یہاں علوم و معارف مراد ہیں۔ ماہیتی منسوب بہ ماہیت اصلی طبعی، داخلِ سرشت۔

ترجمہ:۔ عالمِ مادیات کی شان وشوکت عارضی (اور فانی) ہے (اور) عالمِ مجردات کی شان وشوکت اصلی اور غیر زائل ہے۔

مطلب:۔ فانی و ناپائدار چیز کے شوق میں باقی و پائدار چیز سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ صائبؒ۔

نخلِ نوخیزِ تو بہر بوستانِ دیگر ست ریشۂ محکم درزمینِ عاریت چندیں مکن

از پے طاق و طرم خواری کشند بر امیدِ عزّ در خواری خوشند

ترجمہ:۔ (ظاہری وفانی) شان وشوکت کے لیے ذلت جھیلنے میں (دنیاوی) عزت کی امید پر ذلت میں خوش ہیں۔ جامیؒ۔

مردِ جاہل جاہ گیتی را لقب دولت نہد ہم چناں کماس بنید طفل و گوید فربہی ست

بر امیدِ عزِ دو روزہ خُدُوک گردنِ خود کردہ اندازغم چوڈوک

لغات:۔ خُدُوک فارسی لفظ ہے خاء اور دال کا ضمہ۔ داد معدولہ، غصہ، رشک، خجلت، پریشانی یہاں صفت بمعنٰی موصوف استعمال ہوتی ہے۔ دوک۔ تکلا مراد باریک و لاغر۔

ترجمہ:۔ دوروزہ عزت کی امید پر پریشان ہو رہے ہیں اور اسی غم میں اپنی گردن کو تکلے کی طرح (لاغر و باریک) کر لیا۔

مطلب:۔ طالبِ دنیا اتنا نہیں سمجھتا کہ جاہ و عزت کی تلاش کا منشا محض یہ ہے کہ ذلت و خواری ناگوار ہے اور طلبِ خوشی کی بنا اس پر ہے کہ غم گوارا نہیں لیکن جب عزت کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، اس سے ذلت کا لاحق ہونا یقینی ہے اور جب خوشی کی جستجو میں سرگرداں ہوتے ہیں تو اس میں ناکامی باعثِ غم ہوتی ہے۔ غرض اسی تگ و دو میں اور سعی و تردّد میں عزت و مسرت کا حاصل ہونا موہوم ہے اور ذلت اور غم کا لاحق ہونا یقینی۔ پس یہ کہاں کی دانش مندی ہے کہ مطلوبِ موہوم کے لیے مکروہِ متیقن کو گوارا کر لیا جائے۔ کما قیل۔

از برائے کامِ دنیا خویش راغمگین مکن پشتِ پازن شادکامی را کہ آغازش غم است

چوں نمے آیند ایں جا کہ منم کاندریں عزِّ آفتابِ روشنم

ترجمہ:۔ اگر ان لوگوں کو حقیقی عزت مطلوب ہے تو اس مقام پر کیوں نہیں آتے جہاں میں ہوں کہ میں اس (مقام پر فائز ہونے کی) عزت میں (گویا) آفتاب درخشاں ہوں۔

مطلب:۔ یہ اپنے علوِ منزلت کی ستائش نہیں بلکہ افادہ خیر کا ایک پاک جذبہ ہے کہ جس روحانی لطف ولذت سے خود متمتع ہو رہے ہیں، چاہتے ہیں کہ اس سے ہمارے دوسرے بھائی بھی متمتع ہوں۔ صائبؒ۔

تا تنو شانم نگردد در ندا قم خوشگوار در قدح چوں خضر گر آب بقاباشد مرا

اس لیے فرماتے ہیں کہ آؤ چلے آؤ، ہم جو مزے لوٹ رہے ہیں تم بھی ان سے لطف اٹھاؤ۔ لنعم ما قیل۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

مشرقِ خورشید برجِ قیرگوں آفتابِ ما زمشرق ہا بروں

لغات:۔ قیرگوں قیر ایک سیاہ روغن کا نام ہے، قیرگوں قیر کے سے رنگ کا مراد سیاہ، تاریک کالا بھجنگ۔

ترجمہ:۔ (اس ظاہری سورج کی جائے طلوع ایک سیاہ رنگ کا برج ہے اور ہمارا آفتابِ حق جس سے ہم اقتباسِ انوار کر رہے ہیں) مشرقوں سے باہر ہے:۔

مطلب۔ لوگوں نے آفتاب فلک ہی کو منبع انوار سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ اس کا مطلع کوئی نہ کوئی ایسا برج ہوتا ہے جو طلوعِ آفتاب سے پہلے تاریک ہوتا ہے۔ پھر اس کے طلوع سے روشن ہوتا ہے لیکن ذاتِ احدیت چونکہ جہات و مکان سے منزہ ہے، اس لیے اس کے انوار ہر وقت درخشاں رہتے ہیں۔ کبھی غروب اور مستور نہیں ہوتے۔ صائبؒ۔

در دیدہ روشن گہراں ہر ورقِ گل   از نورِ تجلی ید بیضائے کلیم ست

اگر بعض آنکھیں اس کے نور کو محسوس نہیں کرتیں تو یہ عدم احساس خود ان ہی آنکھوں کی نابینائی یا مستوری کے سبب سے ہے۔ نہ یہ کہ اس کے انوار کا فیضان بند ہو گیا۔ اگر ایک شخص خود اندھا ہو یا آنکھوں پر پٹی باندھ لے یا ایک تاریک کمرے میں کواڑ بند کر کے بیٹھ رہے اور دوپہر کے وقت جب کہ سورج سمت الرّاس پر درخشاں ہو، اس کے طلوع کا انکار کرنے لگے تو یہ خود اس کی آنکھ کا قصور ہے، طلوعِ آفتاب میں کوئی شک نہیں۔

چو آفتاب بہر ذرہ مے نمائی رخ   ولیک چشم عراقی نمیکند ادراک

کلید مثنوی میں لکھا ہے۔ اللہ فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ "ہم اس کے لیے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"۔ اس کا مطلب یہ کہ ہم تو بندے سے قریب ہیں مگر بندہ ہم سے دور ہے چونکہ حق تعالیٰ اور بندہ کے درمیان علم کا واسطہ اور تعلق ہے، اس لیے ممکن ہے کہ ایک وقت اللہ تعالیٰ تو قریب ہو اور بندہ غافل اور دور ہو۔ اس لیے کہ تلازم قرب من الجانبین ممکنات کے خواص سے ہے۔ چنانچہ ایک شے ممکن دوسری شے ممکن کے قریب ہو تو دوسری کا بھی اس سے قریب ہونا لازم ہے۔ اس لیے کہ ان میں قربِ مکانی ہے مگر یہاں قربِ علمی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ تو ہر وقت بندہ کی حالت اور کیفیت کے عالم ہیں مگر بندہ اکثر اوقات غفلت کی وجہ سے عارف نہیں ہوتا۔ اس کی مثال حکما نے یہ دی ہے کہ جیسے ایک شخص ہماری دائیں طرف بیٹھا ہے تو ہم اس کے بائیں طرف بیٹھے ہوں گے۔ اب اگر وہ اٹھ کر بائیں طرف آ بیٹھے تو ہم اس کے دائیں طرف ہو جائیں گے۔ ہر چند کہ ہم نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی بااین ہمہ محض دوسرے شخص کی حرکت سے ہماری حیثیت بدلتی گئی۔ اسی طرح حق تعالیٰ تو مکان و زمان سے پاک ہے۔ وہ تو ہر جگہ اور ہر وقت موجود و جلوہ افگن ہے مگر چونکہ ہم غافل ہیں، اس لیے ہماری غفلت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ ہم سے دور ہے اور جب ہم کو تنبہ ہوتا ہے اور اس طرف توجہ ہوتی ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ اب ہم سے قریب ہے تو یہ دونوں حالتیں ہماری ہیں۔ حق تعالیٰ کی کیفیت میں تغیر نہیں ہوا، تاہم اس پر تبدیلِ حیثیت صادق ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ وہ ہر وقت اپنے نور سے سب کو منور کر رہا ہے۔ وہ کسی مشرق منور یا مظلم کا تابع و محتاج نہیں۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جامیؒ۔

مجموعہ ایست ہر ورقِ گل زحسنِ تو   مرغِ چمن چرا ہمیں بوئے و رنگ ساخت

مشرقِ او نسبتِ ذرّاتِ او   نہ برآمد نہ فروشُد ذاتِ او

ترجمہ:۔ پھر بھی جو کہیں کہیں اس کے لیے مشرق کا اطلاق کیا گیا ہے تو یہ محض مجازاً ہے۔ (جیسے) اس کے (نور سے منور ہونے والے) ذرات کی (اس کے ساتھ) نسبت مجازاً ہے ورنہ درحقیقت اس کی ذات (غروب کے بعد) طلوع کرتی ہے نہ غروب ہوتی ہے۔

مطلب:۔ اوپر کہا تھا، ذات احدیت کے آفتاب کے لیے کوئی مشرق نہیں۔ اس پر سوال ہو سکتا تھا کہ پیچھے آپ خود فرما چکے ہیں۔ "مطلع شمس آگر اسکندری" اس لیے بطور دخل دفع مقدر فرماتے ہیں کہ ایسا مجازاً کہا گیا ہے جس طرح ذراتِ خاک کو انوارِ آفتاب

عوام کے ادراک سے انوار احدیت کی ہر وقت درخشانی اور عدم مستوری۔

کا مظہر کہا جاتا ہے۔ حالانکہ کہاں آفتابِ پرانوار اور کہاں ذرۂ بے مقدار۔ اسی طرح انسان کو بھی جو ایک ذرہ بے مقدار ہے، مجازاً آفتابِ احدیت کا مطلعِ انوار کہہ دیتے ہیں ورنہ حقیقتاً وہ آفتابِ حقیقی ہر وقت درخشاں و ضوافشاں ہے۔ حافظؒ

جمالِ یار ندارد حجاب و پردہ ولے　　　غبارِ رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ما کہ واپس ماندہ ذراتِ ویئیم　　　در دو عالم آفتابِ بے فیئیم

لغات:۔ واپس ماندہ، پستر، سب سے پیچھے رہنے والا، پھسڈی۔ فَیْ سایہ۔

ترجمہ:۔ ہم (بھی) جو (سب اولیاء) کاملین سے) کم رتبہ (ہیں) اس کے انوار سے چمکنے والے ذرات (ہونے کی وجہ سے یہ درجہ رکھتے ہیں) کہ دونوں جہانوں میں وہ آفتاب ہیں جس کا سایہ نہیں (یعنی ہر وقت اور ہر سمت درخشاں ہے)

مطلب:۔ آفتابِ حقیقت کی عظمت شان کا ذکر ہے یعنی ہم ایسا ایک بے مقدار ذرہ اور تمام بندگانِ حق سے کم رتبہ فرد اس کے نور کی بدولت اتنا کچھ ہے تو پھر خود اس نورٌ علیٰ نورِ اور وراء الورا کی کیفیت کیا ہوگی۔ اس کے اظہار کے لیے دامنِ الفاظ بالکل تنگ و ناکافی ہیں۔ عراقیؒ

چو رویش پردہ بکشاید کہ و صحرا برقص آید　　　چو عشقش روئے بنماید خرد ناچار برخیزد

باز گِردِ شمس میگر دم عجب　　　ہم زفرِّ شمس باشد ایں سبب

لغات:۔ عجب عمدہ، بحر کمال، بخوبی فرِّ شان و شوکت۔

ترکیب:۔ دوسرے مصرعہ کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ایں کا مشار الیہ اشتیاق مقدر ہے اور سبب فر کا مضاف ہے۔

ترجمہ:۔ (میں اتنا کچھ ہوں) پھر بھی (اقتباسِ انوار سے مستغنی نہیں بلکہ) اس آفتاب پر بکمال (اشتیاق) لٹو ہو رہا ہوں (اور میرا) یہ اشتیاق بھی آفتاب (حقیقت) کی شان و شوکت کے سبب سے ہے۔

مطلب:۔ عارف کمال کے کسی بڑے سے بڑے درجے پر فائز ہو کر طلبِ مزید سے قانع نہیں ہو سکتا کیونکہ مراتبِ قرب کی انتہا نہیں اور ایک درجہ پر اقتصار خلافِ کمال ہے۔ غنیؒ

گرم طلب بوصل نماند ز اضطراب　　　تیرے کہ تیز جست نشد برنشانہ بند

شمس باشد بر سببہا مطلع　　　ہم ازو حبلِ سببہا منقطع

لغات:۔ مطلع آگاہ۔ حبل رسی سررشتہ۔ منقطع قطع شکستہ۔

ترجمہ:۔ (اب) آفتاب ہی (فائز بمراد ہونے کے) اسباب پر آگاہ ہے۔ نیز اسی سے اسباب (وصول) کے رشتے منقطع ہوتے ہیں۔

مطلب:۔ اوپر فرمایا تھا کہ میں شدتِ اشتیاق سے آفتابِ حقیقت کے گرد گھوم رہا ہوں۔ اب حیرت و پریشانی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ پروانہ وار اس کے گرد چکر لگانا بھی اگرچہ اسبابِ وصول میں سے ایک سبب ہے مگر ان اسباب کے مفید و نافع ہونے کا علم اسی کو ہے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ حافظؒ

مردم ز انتظار رو دریں پردہ راہ نیست　　　یا ہست و پردہ دار نشانم نمے دہد

پھر مایوسانہ لہجہ میں کہتے ہیں کہ بعض اوقات ان اسباب کی رسی منقطع بھی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بعض طالب اسی ناکامی و نامرادی کے

صدمے سے فاتر العقل ہو جاتے ہیں۔ بعض خودکشی کر لیتے ہیں کیونکہ طالب کا مقصد جس قدر عظیم الشان ہوتا ہے اس میں ناکام رہنے کا صدمہ بھی اسی قدر شدید ہوتا ہے کہ دُنیوی صدمات سے اس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔ پھر اس کی عقلِ معاش و عقلِ معاد دونوں بیکار ہو جاتی ہیں۔ عراقیؒ۔

مردن وخا کے شدن بہتر کہ بے تو زیستن سوختن خوشتر بسے کز روئے تو گردم جدا

صد ہزاراں بار ببریدم امید از کہ؟ از شمس ایں زمن باور کنید

ترجمہ:۔ میں نے لاکھوں مرتبہ امید منقطع کر لی۔ کس سے؟ آفتاب (حقیقت) سے میری اس بات پر یقین رکھئے۔

مطلب:۔ یہاں مولاناؒ اپنے دورانِ طلب کے واقعات و مشکلات کا ذکر کرتے ہیں کہ ہم بھی بارہا دولتِ وصول سے ناامید ہوئے پھر سعی وطلب پر کمر باندھی اور چل پڑے مگر پھر دوسری منزل سے جی چھوٹا اور بیٹھ گئے دوبارہ پھر ہمت کی اور اٹھے۔ تھوڑی دور گئے اور پھر چکرا کر گرے۔ عراقیؒ۔

دریں وادی فروشد کار دانہا کہ کس نہ شنید آوازے در ابے

مگر طلبِ صادق کا تقاضا یہ ہے کہ ان مشکلات سے نہ گھبرائے اور برابر مصروفِ طلب رہے۔ امیر خسروؒ۔

چہ باک رہروِ حق را کہ رہ نہ آسانست چہ غم کبوتر حج را کہ رہ ناہموار است

ناامیدی میں بھی سررشتہ امید کو ٹوٹنے نہ دینا چاہیے کہ کبھی ناامیدی بھی صبح کی امید روشنی بن جاتی ہے۔ اس لیے حضرت یعقوبؑ انتہائی ناامیدی میں بھی لَا تَایْئَسُوْا مِن رَّوْحِ اللّٰہِ پکارتے تھے۔ صائبؒ۔

نقابِ چہرہٗ امید باشد گردِ نومیدی غبارِ دیدہٗ یعقوب آخر تو تیا گردد

اسی لیے مولاناؒ اہلِ طلب کی ہمت بندھواتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

تو مرا باور مکن کز آفتاب صبر دارم من ویا ماہی زِ آب

لغات:۔ یا حرفِ عاطف مفیدِ تردید ہے جس سے معطوفین میں سے ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات مقصود ہوتا ہے اور اس کے ساتھ واؤ کا ایراد قدما کا محاورہ ہے مگر یہاں تمثیل مقصود ہے۔

ترجمہ:۔ تم یہ خیال نہ کرو کہ (اس یاس و ناامیدی کے باوجود) میں آفتاب (احدیت) سے صبر رکھ سکتا ہوں اور یا مچھلی پانی سے صبر رکھ سکتی ہے۔

مطلب:۔ ماہی و آب کے ایراد سے اپنی بے صبری کی تمثیل مقصود ہے۔ کسی ایسے امر کی جو محتاجِ وضاحت ہو۔ عموماً بدیہی مثالوں سے ثابت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ دعویٰ کہ میں آفتابِ حق کی طرف سے صبر نہیں کر سکتا، ایک محتاجِ ثبوت اور وضاحت طلب معاملہ ہے، لہٰذا اس کی توضیح پانی اور مچھلی کی مثال سے فرمائی جو نہایت روشن و نمایاں ہے یعنی میرا اس آفتاب کی طرف سے صابر و بے نیاز رہنا ایسا ہے جیسا مچھلی کا پانی کی طرف سے بے پروا ہونا۔ پس اگر مچھلی پانی سے بے پروا نہیں ہو سکتی تو میں بھی اس آفتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، لہٰذا ناامیدی کے باوجود میں برابر طبعاً و اضطراراً اسی کا مشتاق رہتا ہوں۔ غنی کاشمیریؒ۔

شد سوارہ دامن از دستم کشید آں نازنین رفتم از خود بعد ازیں دستِ من و دامان زین

سعدیؒ۔

گر از دلبرے دل بتنگ آیدت دل غم گسارے بچنگ آیدت

ولے گر بخوبی ندارد نظیر | باندک دل آزار ترکش مگیر
تواں از کسے دل پر داختن | کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

ورشوم نومید نومیدیِ من | عینِ صنعِ آفتاب است اے حسن

لغات:۔ عین بالکل، ہو بہو۔ صنع فعل۔ حسن۔ اچھا۔

ترجمہ:۔ (میرے) اچھے (دوست) اگر میں ناامید بھی ہوں تو (کیا مضائقہ۔ بلکہ یہ بھی ایک پر لطف بات ہے کہ) میری ناامیدی اسی آفتاب حق کا فعل ہے۔

مطلب:۔ جو چیز اس کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہ خاص مجھے عطا کی جائے۔ اس سے تو میرا سر اوجِ افتخار پر بلند ہو جانا چاہیے نہ یہ کہ میں ملول ہوں۔ حافظؒ ؎

لذتِ داغِ غمت بردلِ ما باد حرام | اگر از جورِ غمِ عشق تو دادے طلبیم

جامیؒ ؎

وفا کہ باہمہ کس میکنی نمی خواہم | من وجفائے تو کاں خاصہ از برائے من ست

سعدیؒ ؎

یاری آنست کہ زہر از قبلش نوش کنی | نہ چو رنجے رسدت یار فراموش کنی

کلید مثنوی میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک قول منقول ہے کہ اگر کسی کو کثرتِ وساوس سے خلجان رہتا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ وہ اس امر کا مراقبہ کرے کہ اللہ اکبر! اس کی کیسی شان ہے کہ ایسی ایسی خطرناک چیزیں پیدا کی ہیں اور ایسے ایسے خیالات کا بیج انسان کے اندر بو دیا ہے۔ پس اس مراقبہ سے سارے وساوس منقطع ہو جائیں گے اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ تام ہو جائے گی۔ انتہی۔ پس جب بندہ اتنا سوچے کہ میری ناامیدی بھی حق ہی کا فعل ہے تو اس سے اس کو مطمئن ہونا چاہیے۔ فعل سے فاعل کی معرفت حاصل ہوگی جو اصلِ حق ہونے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عینِ صنع از نفس صانع چوں برد | عینِ ہست از غیر ہستی چوں چرد

لغات:۔ صنع سے مصنوع مراد ہے یعنی موجود مخلوق نفس سے ذات مراد ہے۔ برد از بریدن قطع کرے، جدا کرے۔ ہست موجود۔ غیر ہستی غیر موجود چرد چرے یعنی حاصل کرے۔

ترجمہ:۔ (کوئی) مخلوق جوں کی توں (جب اپنے خالق کی دلیل ہے تو الٹا وہ) خالق سے دور کیوں لے جائے گی (بلکہ وہ اس کی طرف رہنمائی کرے گی۔ کوئی) شے موجود (آخر اپنے خالق موجود ہی سے وجود پاتی ہے) غیر موجود سے کیونکر وجود حاصل کرے گی۔

مطلب:۔ اس میں حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے کہ مصنوعات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع کے وجود کا گواہ ہے۔ جامیؒ ؎

زہر ذرہ بدو روے دراہے ست | براثباتِ وجودِ او گواہے ست

پس جب ناامیدی کو اس حیثیت سے دیکھا کہ وہ مخلوق ہی ہے تو اس سے تشویش پیدا ہونے کے بجائے خالق کی اور بھی زیادہ معرفت حاصل ہوگی۔ پس ناامیدی میں جوش طلب رکھنا چاہیے۔ آگے بمناسبت مقام اللہ تعالیٰ کے فعلِ خلق وایجاد کی ہمہ گیری کا ذکر ہے۔

جملہ ہستی ہا ازیں روضہ چرند　　گر براق و تازیاں یا خود خرند

لغات:۔ براقؔ سواری کا بہشتی جانور جس پر رسول اللہؐ سوار ہو کر معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ تازیؔ عربی مراد عربی گھوڑا جو بہت اچھی نسل کا شمار ہوتا ہے۔ خرؔ زائد ہے۔

ترجمہ:۔ تمام مخلوق خواہ براق ہو یا عربی گھوڑے ہوں یا گدھے ہوں (باری تعالیٰ کے) اسی باغ (ایجاد) سے فیضِ وجود کی گھاس) چرتی ہے۔

مطلب:۔ تمام مخلوق کو باری تعالیٰ ہی نے لباسِ وجود پہنایا ہے۔ براق اور تازی اور خر سے علی الترتیب ہر قسم کی اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ مخلوق مراد ہے۔ نظامیؒ۔

ہمہ آفریدست بالا و پست　　توئی آفرینندۂ ہرچہ ہست

لیک اسپ کور کورا نہ چرد　　مے نہ بیند روضہ را زانست رَد

لغات:۔ کوراؔنہ اندھوں کی طرح۔ رَدؔ مردود اسم بمعنی اسم مفعول۔

ترجمہ:۔ لیکن اندھا گھوڑا (اس باغِ وجود سے) اندھوں کی طرح چرتا ہے۔ باغ کو نہیں دیکھتا (کہ اس سے بصیرت و عبرت حاصل کرے۔ پس پیٹ بھرنے سے غرض ہے) اس لیے وہ مردود ہے (مقبولِ بارگاہ نہیں۔)

مطلب:۔ یہ تو صحیح ہے کہ تمام موجودات اسی گلشن، سے مستفید ہے مگر جو لوگ چشم بصیرت رکھتے ہیں وہ اس سے درسِ عبرت حاصل کرتے ہیں لہٰذا مقبول ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ چشم بصیرت سے باغِ قدرت کا مشاہدہ نہیں کرتے حیوانوں کی طرح پیٹ بھرنا اور پاؤں پسار کر سو رہنا ہی جانتے ہیں، وہ مقبولِ درگاہ نہیں ہوتے۔ صائبؒ۔

دیدۂ ہر کہ نشد باز دریں عبرت گاہ　　روزگارش ہمہ در خواب پریشاں گزرد

وانکہ گردش ہا ازیں دریا ندید　　ہر دم آرد رو بمحرابِ جدید

لغات:۔ گردش ہا تقلباتِ انقلاب مراد تغیراتِ ہستی دریا سے ذاتِ حق مراد ہے۔ محرابؔ سے درگاہ مقصود ہے۔

ترجمہ:۔ اور جو شخص انقلابات (عالم) کو بحر (حقیقی) کی طرف سے نہیں دیکھتا (بلکہ مختلف اسباب پر موقوف سمجھتا ہے) وہ ہر دم ایک نئی محراب کی طرف رخ کرتا (اور اسے قبلۂ مقصود بناتا) ہے۔

مطلب:۔ جو لوگ تمام تقلباتِ عالم کو خاص دریائے قدرت حق سے ناشی نہیں سمجھتے اور نہیں جانتے کہ متصرف فی العالم موجودِ حقیقی ہی ہے بلکہ آلات و اسباب ہی کو متصرفِ حقیقی سمجھتے ہیں۔ ان کا قبلۂ مقصود ہر دم جداگانہ ہوتا رہتا ہے۔ بخلاف عارفین کے کہ ان کا قبلۂ توجہات اور مرکزِ توقعات صرف ایک ذاتِ حق ہے۔ جامیؒ۔

گم ہر وہم و ترک ہر شکے کن　　رخ و جہت و جہی در یکے کن

یکے بیں و یکے داں و یکے گوے　　یکے خواہ و یکے خوان و یکے جوے

عراقیؒ

بیا اے چشم ہر جائی جمالِ روئے یارم بیں　　چو عاشق مے شوی بارے بریں رخسارِ اولیٰ تر

اوز بحرِ عذب آبِ شور خورد　　　تا کہ آبِ شور اورا کور کرد

لغات:۔ عذب میٹھا۔شور کھاری، بدمزہ۔

ترجمہ:۔ اس نے دریائے شیریں سے کھاری پانی پیا جو (مضرِ بصر ہے) حتیٰ کہ کھاری پانی نے اس کو اندھا کر دیا۔

مطلب:۔ ان لوگوں کا مرجع تو وہ ذاتِ اقدس ہے جس سے استفادہ کرنا سراسر مثمر برکات وخیرات ہے مگر وہ اپنی جہالت سے اس کو اپنے لیے مضر بنا لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا اگر چہ قرآن مجید ایک ہی ہے اور فی نفسہٖ ہادی ہے مگر وہی قرآن بعض کے حق میں باعثِ ضلال بن گیا اور بعض کے لیے موجبِ ہدایت ہے تو اس کا باعثِ ضلال ہونا خود ضال کی بے استعدادی وجہالت اور سوءِ عمل سے ہے۔ اس لیے فرمایا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ یعنی قرآن مجید بھی جو منبعِ ہدایت اور سرچشمۂ بصیرت ہے۔ بعض لوگوں کو بجائے ہدایت کے گمراہی میں اور بجائے بصیرت کے کوری میں مبتلا کر دیتا ہے تو انہی لوگوں کو کرتا ہے جو خود ہی پہلے سے عہد شکن، قاطعِ تعلقات اور محرکِ فسادات ہوتے ہیں۔ پس ایک مفید چیز کو مضر بنا دینے والا سبب خود ان کی اپنی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ جیسے شیرینی ایک خوشگوار مولدِ خون اور مقوی بدن چیز ہے مگر جس کے جسم میں پہلے سے صفراء کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے بجائے نفع کے اور زیادہ ضرر پہنچاتی ہے۔ اسی طرح اس دریائے حقیقت وقلزمِ وحدت سے استفادہ جو بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے یہ خود انہی کی کج طبعی اور فسادِ سرشت کا نتیجہ ہے اور جس میں یہ کجی وفساد زیادہ ہوتا ہے تو اس کا انجام کفر تک پہنچتا ہے۔ **والعیاذ باللہ ولنعم ملقیل**

ہست برذرات یکساں پرتوِ خورشیدِ فیض　　　لیک باید جوہرِ قابل کہ گردد لعلِ ناب

بحر می گوید بدستِ راست خور　　　زابِ من اے کور تا یابی بصر

ترجمہ:۔ دریا کہتا ہے اے اندھے! میرے پانی سے (اگر کچھ پینا ہو تو) دائیں ہاتھ سے پی تا کہ تجھے بینائی حاصل ہو۔

مطلب:۔ دائیں ہاتھ سے کھانا پینا موجبِ برکت اور دلیلِ تہذیب وسلیقہ ہے۔ اس لیے یہاں ”بدستِ راست خوری طریقِ سلوک کو استقامت کے ساتھ طے کرنا مقصود ہے۔ حافظؒ

سالک از نورِ ہدایت طلبد راہ بدوست　　　کہ بجائے نرسد گر بضلالت برود

ہست دستِ راست ایں جاظنِ راست　　　کہ بداند نیک و بد را از کجاست

ترجمہ:۔ دائیں ہاتھ (سے مراد) یہاں صحیح عقیدہ ہے تا کہ وہ (سالک) یہ سمجھ لے کہ نیکی وبدی (کا پیدا ہونا) کہاں سے ہے۔

مطلب:۔ راہِ طریقت میں گمراہ کن خیالات ومعتقدات سے بچنا لازم ہے۔ حافظؒ

فکرِ خود ورائے خود در عالمِ رندی نیست　　　کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

اس راستے میں چلنے والے کو جن صحیح عقائد کی ضرورت ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام خیر وشر کا خالق ومالک اور تمام احوال وافعال کا متصرفِ حقیقی حق تعالیٰ ہے۔ سعدیؒ

اگر تو دیدہ وری نیک و بد زحق بنی　　　دوبنی از قبلِ چشمِ احول افتادست

نیزہ گردانے ست ایں نیزہ کہ تو راست میگردی گہے گاہے دوتو

لغات :۔ نیزہ گردانے آخر میں یائے مجہول بمعنی تنکیر، کوئی نیزہ پھرانے والا۔ اگلے زمانے میں جب جنگ میں زیادہ تر نیزہ، برچھی وغیرہ قسم کے اسلحہ استعمال ہوتے تھے تو جنگ آزما بہادر گھمسان کے رن میں ایک خاص انداز سے نیزہ چلاتے اور جوان کے مقابلے میں آتا، اس کو مارتے اور گراتے تھے یا اس سے بنیٹی ملانا مراد ہوگا جو ایک خاص قسم کی ورزش ہے جس میں ایک خاص انداز سے گھماتے ہیں۔ راست سیدھا۔ دوتو دوہرا۔

ترجمہ :۔ تم جو (اپنے مختلف افعال و حرکات سے) کبھی سیدھے ہوتے ہو اور کبھی خم ہوتے ہو تو (تمہارے) اس نیزہ (قامت) کو (پھرانے والا) ایک غیبی نیزہ گردان ہے۔

مطلب :۔ جس طرح نیزہ کی حرکت سے نیزہ گردان کا پتہ ملتا ہے۔ اسی طرح تم کو تقلبات عالم سے صانع برحق اور متصرف حقیقی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جامیؒ۔

دریں ویرانہ نتواں یافت خشتے برون از قالب نیکو سرشتے
زلوح خشت چوں ایں حرف خوانی زحال خشت زن غافل نمانی

ماز عشقِ شمس دیں بے ناخنیم ورنہ ما آں کور را بینا کنیم

لغات :۔ شمس دین۔ شمس تبریزؒ کا نام ہے جو مولانا کے شیخ تھے۔ ان کا حال مفتاح العلوم کے دیباچے میں مفصل گزر چکا ہے۔ بے ناخن مجبور، معذور بے بس۔ عقدہ کشائی کے لیے ناخن کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جب ناخن نہ ہو تو کسی گرہ کے کھولنے پر قدرت نہیں ہوتی۔

ترجمہ :۔ ہم حضرت شمس تبریز کے عشق سے بے بس ہو رہے ہیں ورنہ ہم ہی اس اندھے کو (بحکم خدا) بینا بنا دیتے۔

مطلب :۔ سالکین کاملین کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک فنا دوسری بقا۔ حالت فنا میں یہ حضرات کسی قسم کا تصرف نہیں کرتے کیونکہ اس حالت میں اپنے آپ کو مردہ بدست زندہ سمجھتے ہیں اور اپنی خواہش سے خواہ منشا حق سبحانہٗ کے خلاف نہ بھی ہو، کوئی کام نہیں کرتے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا دعویٔ ہستی ہے جو فنائے تام کے منافی ہے۔ عراقیؒ۔

ہر کہ او دعویٔ ہستی مے کند آشکارا بت پرستی مے کند

حالت بقا میں ان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ کبھی کسی مصلحت سے ان کے لیے تصرف ممنوع ہوتا ہے اور کبھی اس کی اجازت ہوتی ہے۔ پھر اجازت کی حالت میں بھی دو صورتیں ہیں۔ کبھی کسی مصلحت کی بنا پر تصرف کرنے کا ان کو خاص طور پر حکم ہوتا ہے۔ کبھی حکم نہیں بلکہ تصرف کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ پہلی حالت میں تو ان کے لیے تصرف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے ضرور کرتے ہیں، دوسری حالت میں عارفین کی دو شانیں ہیں بعض کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کہ اظہار خوارق سے طبعاً نفرت رکھتے ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسباب غیر عادیہ سے کام لینے میں یہ ضروری ہے کہ تصرّف کرتے وقت تمام چیزوں سے توجہ ہٹا کر صرف اس مقصود کو مطمع نظر بنائیں جس کی تحلیل مقصود ہے۔ اس میں اتنی دیر کے لیے حق سبحانہ کی طرف سے بھی توجہ ہٹانی پڑتی ہے اور یہ ان حضرات کو گوارا نہیں ہوتا کہ حق سبحانہ کی طرف سے تھوڑی دیر کے لیے غیر متوجہ ہوں۔ نیز ان کو غیرت آتی ہے کہ ان کی جو حالت حق سبحانہ کے ساتھ ہونی چاہیے، وہ کسی دوسری شے کے ساتھ ہو۔ امیر خسروؒ۔

کاملین کے تصرف و عدم تصرف کی صورتیں

بخدا کہ سینہ ام را بشگاف وجاں بروں کن　　کہ درون خانہ تو گرے چہ کاردار

بعض کو وہ مشابہت نہیں ہوتی۔ وہ تصرفات کرتے رہتے ہیں۔ کہیں کسی دشمن کی طرف نظر جمائی اور وہ معاً بیمار ہوگیا۔ کسی منکر پر نگاہ ڈالی اور وہ بے تاب ہو کر پاؤں میں آ گرا۔ کما قیل ؎

در ساغر چشم تو ندانم چہ شراب ست　　بر ہر نظر کہ مے فگنی مست وخراب ست

مگر یہ سب حضرات کاملین ہیں۔ اگرچہ اکمل متشبھین بالانبیاء ہی ہیں اور ساری حالتیں شیخ کے ساتھ محبت اور کمالِ تعلق سے پیدا ہوتی ہیں۔ مولانا کے قول "ماز عشق شمس دین بے ناخنیم" سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس وقت تصرف سے معذور تھے، خواہ اس کا سبب حالت فنا ہو یا مجوریت یا تشبہ بالانبیاءؑ۔ بہر حال اس کی بنا عشقِ شیخ پر تھی، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غلبۂ عشق میں آدمی ان کاموں کے سوا جن کا تعلق عشق سے ہے اور کوئی نہیں کر سکتا ؎

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا　　ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اس توجیہ پر عشق بلاواسطہ عدمِ تصرف کا سبب بن جائے گا (کلید مثنوی)

ہاں ضیاء الحق حسام الدین تو زود　　داروش کن کوریِ چشمِ حسود

لغات:۔ ضیاء الحق حسام الدین مولانا رومؒ کے ایک گرامی ترین خلیفہ کا نام ولقب ہے جن کا ذکر کئی مرتبہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ترکیب:۔ داروش کی ضمیر آں کور کی طرف راجع ہے جو اوپر کے شعر میں گزرا۔ کوریِ چشم حسود مرکب اضافی مجرور ہے باحرف جار مقدر ہے بمعنی باوجود۔

ترجمہ:۔ ہاں (بھئی ضیاء الحق حسام الدین تم جلدی سے اس (نابینا) کا علاج کرو (باوجودیکہ) حاسد کو اس کی آنکھ کی نابینائی (تمہارے کمالات پر نظر نہ کرنے دے)

مطلب:۔ یہاں مولاناؒ اپنے خلیفۂ اعظم کو حکم فرماتے ہیں کہ تم تصرف وتوجہ سے اس نابینائے حقیقت کو بینا بنا دو اور حاسد کی پروا نہ کرو جو تمہارے اس قسم کے کمالات کا انکار کرتا ہے۔ وہ جاہل ہے۔ بے خبر ہے۔ اندھا ہے۔ اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوْا لوگوں کو جس بات کی خبر نہ ہو، وہ اس کے خلاف ہوا ہی کرتے ہیں۔ سعدیؒ ؎

نورِ گیتی فروزِ چشمۂ ہور　　زشت باشد بہ چشم موشکِ کور

اور حضرت حسام الدین کو اس کام کے سپرد کرنے کی یہ وجہ ہوگی کہ شاید مولاناؒ مرتبۂ فنا پر فائز ہونے کے سبب سے یا من جانب اللہ ممنوع ومحجوب ہونے کے باعث ایسا نہ کر سکتے ہوں یا متشبہ بالانبیاء ہونے کی وجہ سے ایسا نہ کرنا چاہتے ہوں جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور حضرت حسام الدین آپ سے کم رتبہ اور سالکین کے متوسط طبقے سے ہونے کے باعث توجہ وتصرف کو عمل میں لا سکتے ہوں یا وہ اس کے لیے ماذون من اللہ ہوں۔

توتیائے کبریائی تیز فعل　　داروے ظلمت کشِ استیز فعل

لغات:۔ توتیا سرمہ اس کو طا کے ساتھ لکھنا غلط ہے۔ کبریائی خدائی۔ تیز فعل سریع التاثیر۔ ظلمت کش تاریکی کو نکال ڈالنے والی۔ استیز فعل مزاحمت کے فعل والی۔ دافع، رادع۔

ترکیب:۔ اوپر کے بیت میں جو دارو کا لفظ آیا ہے، وہ مبدل منہ ہے اور یہ شعر اس کا بدل ہے۔

ترجمہ:۔ (وہ) خدائی سرمہ (ہو) سریع التاثیر (ہو) ایسی دوا جو آنکھ کی تاریکی کو دفع کرے (اور عوارضِ چشم سے) مزاحمت کرنا اس کا کام ہو۔

آنکہ گر بر چشمِ اعمیٰ برزند ظلمتِ صد سالہ رازو برکند

لغات:۔ اعمیٰ اندھا۔ برزند لگادے۔ برکندا کھاڑ پھینکے۔

ترجمہ:۔ وہ (سرمہ) کہ اگر (کوئی) اس کو اندھے کی آنکھ میں لگادے تو سو سال کی تاریکی کو بھی دفع کردے۔

جملہ کوراں را دوا کن اے قمر اے نہالِ میوہ دار افشاں ثمر

ترجمہ:۔ اے (فلکِ عرفان کے) چاند سارے اندھوں کا علاج کردے اور اے (معرفت کے) میوہ دار درخت ان پر فیضان کے پھل برسادے (کہ یہ اس سے لذت گیر ہوں)۔

مطلب:۔ اپنے نورِ معرفت سے نابینایانِ حقیقت کا علاج کرو تا کہ اُن کی ظلمتِ بصیرت زائل ہو جائے۔ اپنے باغِ کمالات سے مستحقین پر فیضان کی میوہ افشانی کرو، چاند کے لقب سے خطاب کرنے میں یہ عجیب نکتہ مرکوز ہے کہ اطباء کے نزدیک چاند کی طرف دیکھنا مقوی بصارت ہے۔ محبوب کی ذات کو بھی قمر سے تشبیہ دیتے ہیں اور محبوب کو دیدارِ مجلی بصر و مقویِ نظر ہوتا ہے۔ کما قیل۔

ایں سخن از پیرِ کنعانم پسند افتادہ ست دیدنِ روئے عزیزاں دیدہ روشن مے کند

جملہ کوراں را دوا کن جز حسود کز حسودی برتو مے آرد جحود

لغات:۔ حسودی بفتحِ حا وضمِ سین آخر میں یائے مصدری ہے۔ جحود انکار۔

ترجمہ:۔ سارے نابیناؤں کا علاج کردو۔ سوائے حاسد کے جو تمہارا منکر (کمالات) ہے۔

مطلب:۔ فیض رسانی سے حاسد کو مستثنیٰ کرنے کی یا تو یہ وجہ ہے کہ وہ اپنے جرمِ حسد کی پاداش میں حسرت و حرماں کی سزا پائے۔ سعدیؒ۔

راست خواہی ہزار چشم چناں کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

یا یہ وجہ ہے کہ اس کا علاج سے شفایاب ہونا ناممکن ہے، اس لیے وہ ایک بے نتیجہ کام کا مترادف ہے جس کا کرنا فضول ہے۔ سعدیؒ

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجے ست کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

مر حسودت را اگرچہ آں منم جاں مدہ تا ہم چنیں جاں مے کنم

ترجمہ:۔ اپنے حاسد کے جسم میں اگرچہ وہ میں ہی کیوں نہ ہوں (معرفت کی) جان نہ ڈالنا۔ حتیٰ کہ میں اس طرح (آتشِ حسد میں) جان کندن (کی مصیبت) سہتا رہوں۔

مطلب:۔ اگرچہ آں منم کہنے سے شاید حاسدوں کے لیے نفیِ افادہ کی تاکید و توسیع مقصود ہو یعنی دنیا میں جتنے بھی حاسد ہیں۔ اگرچہ ان میں میں خود اپنے آپ کو بھی قابل درگزر نہیں سمجھتا مگر راقم کے خیالِ ناقص میں اس کلمہ سے حسد کی شدتِ شناعت کا اظہار مقصود ہونا زیادہ پُرلطف ہے یعنی حسد وہ بلا ہے جو انسان اس میں ملوث ہو، وہ تمام برکات و میامن سے محروم ہونے کے لائق ہے۔ اگرچہ وہ خود تمہارا مرشد و محسن ہی کیوں نہ ہو۔ اس نجس ترین رذیلت کا دھبہ اس کے تقدس و بزرگی میں بھی چھپ نہیں سکتا۔ کما قال ”۔

خانما نہا از حسد گردد خراب بازشاہی از حسد گردد غراب

آنکہ او باشد حسودِ آفتاب کور می گردد زبودِ آفتاب

ترجمہ:۔ جو شخص آفتاب پر حسد کرتا ہو، وہ آفتاب کے وجود سے اندھا ہو جاتا ہے۔

مطلب:۔ یہ مثال ہے اس کی کہ جو شخص ایک باکمال پر حسد کرتا ہے، وہ اس سے فیض یاب ہونے کے بجائے الٹا نقصان اٹھاتا ہے۔ مثلاً آفتاب ایک طرح کی نابینائی کا علاج کرتا ہے کہ جو چیز تاریکیِ شب کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتی تھی، وہ نظر آنے لگتی ہے لیکن جس شخص کو آفتاب کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا، اس کے لیے اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ وہ اس کے وجود سے روشنیِ چشم حاصل کرنے کے بجائے الٹا اندھا ہو جاتا ہے کیونکہ مارے جلن کے آنکھ ہی نہیں کھولتا کہ آنکھ کھولنے کی صورت میں آفتاب نظر آجائے گا۔ اس لیے وہ پہلے سے زیادہ اندھا ہو جاتا ہے۔ سعدیؒ ۔

الا تا نخواہی بلا بر حسود کہ آن بخت برگشتہ در بلاست

اینت دردِ بے دوا کو راست آہ اینت افتادہ ابد در قعرِ چاہ

لغات:۔ اینت: اینک' یہیں۔ بے دوا لاعلاج۔ کو راست کہ اور است۔

ترجمہ:۔ دیکھو یہ لاعلاج مرض ہے جس میں وہ مبتلا ہے دیکھو وہ (حسد کے) کنویں کی گہرائی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گر چکا ہے۔

مطلب:۔ حسد کو دردِ بے دوا اس لحاظ سے کہا ہے کہ دیگر اخلاقی امراض مثلاً غصہ۔ بغض، کینہ وغیرہ کا بہترین علاج یہ ہے کہ جس سے بغض و عناد ہو، اگر وہ کسرِ نفسی سے کام لے کر اس معاند و کینہ کش کے ساتھ ملائمت ملاطفت اور حسنِ سلوک اختیار کرے تو اس سے یقیناً اس کی عداوت محبت سے بدل جائے گی لیکن حاسد کا مرضِ حسد ان باتوں سے بھی زائل نہیں ہو سکتا بلکہ ان باتوں سے اس کا مرض بقول "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" اور بھی ترقی کر جائے تو تعجب نہیں کیونکہ حاسد کو حسد عموماً دوسرے کی خوش حالی و فارغ البالی پر ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھے گا کہ یہ ظاہری خوش حالی کے علاوہ حسنِ اخلاق و کسرِ نفسی کے باطنی کمالات سے بھی متمتع ہے تو اس کا دل اور بھی حسد سے نجات نہ پائے گا کیونکہ نہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خاتمہ ہوگا۔ نہ حاسد کو لوگوں پر جلنے سے رستگاری ملے گی چہ حاسد بنعمت و خیر دیگراں ملول شود ہرگز نعمِ الٰہی از اہل عالم منقطع نگردد پس حزن والم حاسد نیز ہرگز انقطاع نیابد (اخلاقِ جلالی) سعدیؒ ۔

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجے ست کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

نفیِ خورشیدِ ازل بایست او کے بر آید ایں مرادِ او بگو

ترجمہ:۔ وہ (حاسد معرفت کے) آفتابِ ازلی کا نابود ہو جانا چاہتا ہے (اب) بتایئے اس کی یہ مراد (بھلا) کب پوری ہو؟

مطلب:۔ یہ شعر توجیہ ہے شعر سابق کے الفاظ دردِ بے دوا اور افتادہ ابد کی یعنی اس کے مرض کی دوا یہ ہے کہ خورشیدِ ازل نابود ہو جائے مگر نہ یہ خورشید نابود ہو سکتا ہے نہ اس کے مرض کی دوا میسر آ سکتی ہے اور نہ مدت العمر اس کو شفا ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ خورشیدِ ازل سے یا تو اولیاءِ کرام کی ذواتِ قدسیہ مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تقدیرِ ازلی سے اس منصبِ جلیل پر سرفراز کیا ہے۔ جیسے ترجمہ کا انداز اختیار کیا گیا ہے یا اس سے مراد حق سبحانہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے۔ پھر مطلب یوں ہوگا کہ یہ حاسد اولیاءِ کاملین سے حسد رکھتا ہے جو مستنیر بانوارِ حق ہیں تو چونکہ اس کو ان کی شخصیت پر نہیں بلکہ ان کے نور باطن پر حسد ہے، لہٰذا حقیقت میں وہ اس خورشیدِ ازل

مرضِ حسد لاعلاج اور لا دوا ہے

پرحمد کرتا ہے جس کے نور سے یہ حضرات مستفیض ہیں اور اسی خورشید کا عدم چاہتے ہیں لیکن واجب الوجوب کا عدم کہاں آخر یہ کم بخت اسی طرح جلتے مرتے رہتے ہیں۔

باز آں باشد کہ آید نزدِ شاہ　　　باز کورست آں کہ او گم کرد راہ

ترجمہ:۔ (اچھا) باز وہ ہے جو (اپنے ولی نعمت یعنی) بادشاہ کے پاس (واپس) چلا آئے (اور) وہ باز اندھا ہے جو راستہ بھول جائے۔

مطلب:۔ اوپر کہا تھا کہ ولی اللہ کا حاسد جو آفتابِ حق کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا تو گویا وہ دیدہ و دانستہ اندھا بنتا ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ اس طرح آفتابِ حق کی طرف سے اندھا بن جانے والے کی مثال اس گمراہ باز کی سی ہے جو بادشاہ کی کلائی سے اڑ کر کسی ایسی جگہ جا پہنچے جہاں اس کی نہایت بے قدری ہو۔ اگر وہ آنکھیں رکھتا ہے تو پھر بادشاہ کے پاس واپس آ کر دوبارہ عزت و منزلت حاصل کر سکتا ہے لیکن اگر اندھا ہے تو واپس نہیں آ سکتا اور اسی طرح مدت العمر بے وقری و بے عزتی میں مبتلا رہے گا۔ اگر حاسد بھی آفتابِ حق سے حسد رکھنا چھوڑ دے اور اس کے نور سے مستنیر ہونے کی کوشش کرے تو وہ دولت معرفت سے متمتع ہو سکتا ہے۔ اس مناسبت سے ایک حکایت بیان فرماتے ہیں:۔

گرفتار شدن باز میانِ چغداں بویرانہ

ایک باز کا ویرانہ کے اندر الوؤں میں جا پھنسنا

باز در ویرانہ بر چغداں فتاد　　　راہ را گم کرد و در ویراں فتاد

لغات:۔ ویرانہ ویران، بے آباد زمین، اجاڑ، خرابہ۔ چغداں جمع چغد الو غیر ذی العقول کے لیے الف و نون کے ساتھ صیغہ جمع لانا خلافِ قیاس ہے۔ فتاد ناگہاں جا پہنچا۔

ترجمہ:۔ ایک باز کسی بے آباد زمین میں الوؤں میں ناگہاں جا پہنچا۔ راستہ بھول گیا اور اجاڑ میں بھٹکتا پھرتا تھا۔

مطلب:۔ یہ نبی یا عارف اور کفار یا محجوبین کی ایک تمثیل ہے جس میں باز سے مراد نبی یا عارف ہے اور الوؤں سے کفار یا محجوبین و منکرین اور بادشاہ سے حق سبحانہٗ تعالیٰ مطلب یہ کہ ایک ولی اللہ نا اہل و ناجنس لوگوں میں جا پھنسا۔ نا اہل لوگ باکمال کی قدر کیا جانتے۔ سعدیؒ۔

پارسا را بس ایں قدر زنداں　　　کہ بود ہم طویلۂ رنداں

او ہمہ نورست از نورِ رضا　　　لیک کورش کرد سرہنگِ قضا

ترجمہ:۔ وہ خوشنودی (حق) کے نور سے سراپائے نور ہے (پھر راستہ کیوں بھولتا) مگر قضا کے سپاہی نے اس کو اندھا کر دیا۔

مطلب:۔ باز بادشاہ سے بہت مانوس تھا، اس لیے اس سے یہ ہرگز امید نہ تھی کہ وہ بادشاہ سے دور ہونا گوارا کرے گا مگر تقدیر نے اس کو اندھا کر دیا۔ اسی طرح نبی اور عارف باوجودیکہ خود نورٌ علیٰ نور راہِ دوسروں کے لیے رہنما ہوتے ہیں تو ان سے گمراہ ہونے کا کہاں احتمال ہے مگر بعض اوقات ان پر قضا غالب آ جاتی ہے اور کبھی ان کو امتحاناً نا اہل لوگوں میں پھنسا دیا جاتا ہے جس میں قدرت نے بہت سے فوائد مضمر رکھے ہوئے ہیں۔

خاک در چشمش زد و از راہ بُرد　　　درمیانِ چغد و ویرانش سپرد

ترجمہ:۔ (قضا نے) اس کی آنکھوں میں مٹی ڈال دی اور اس کو راستے سے برگشتہ کر دیا۔ اس کو الوؤں کے درمیان

ویرانہ میں ڈال دیا۔

برسرے چغدانش برسر میزنند پرّو بالِ نازنینش مے کنند

لغات:۔ برسرے علاوہ طرہ۔ نازنین۔ نازونعم میں پلا ہوا میکنند کندن (اکھڑنا) سے مشتق۔

ترجمہ:۔ (باز کو الوؤں میں جا پھنسنا کیا کم عذاب تھا کہ اس پر) طرہ یہ کہ الو اس کے سر پر ٹھونگیں مارتے ہیں۔ اس کے پیارے پیارے پروں اور بازوؤں کو نوچتے ہیں۔

مطلب:۔ جب اہل اللہ نااہل لوگوں میں پھنس جاتے ہیں تو ایک ناجنس لوگوں میں وقت کاٹنا ہی ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ صائبؒ ۔

حذر ز صحبت ناجنس حرزِ عافیت ست کہ خونِ گل از سرانگشتِ خارے ریزد

پھر ان لوگوں کا طعن و تشنیع ایک دوسری بلا ہے۔

ولولہ افتاد در چغداں کہ ہا باز آمد تا بگیرد جائے ماہ

ترجمہ:۔ الوؤں میں ایک شور برپا ہو گیا کہ خبردار رہنا۔ باز آیا ہے تا کہ ہماری جگہ پر قبضہ کر لے۔

مطلب:۔ انبیا کے ساتھ کفار کو اور اہل اللہ کے ساتھ عوام جہلا کو یہی بدگمانی ہوتی ہے کہ یہ لوگوں پر تسلط جمانے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں تا کہ ان کے مال وزر واملاک و جائیداد پر قبضہ کر لیں۔ جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق اسی قسم کی بدظنی کی بنا پر اپنی قوم سے کہا تھا۔ یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ یعنی یہ جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس لیے کہ تم کو تمہارے وطن سے نکال کر خود اپنا قبضہ جما لے، پس تم کیا رائے دیتے ہو۔

چوں سگانِ کوئے پر خشم و مہیب اندر افتادند در دلقِ غریب

لغات:۔ مہیب خوفناک، ڈراؤنا۔ دلق گدڑی، پھٹے پرانے کپڑے۔ غریب مسافر، اجنبی، بے وطن۔

ترجمہ:۔ گلی کے کتوں کی طرح جو غضب ناک اور ڈراؤنے ہوتے ہیں۔ مسافر کی گدڑی میں چمٹ گئے۔

باز گوید من چو در خوردم بہ چغد صد چنیں ویراں رہا کردم بہ چغد

ترجمہ:۔ (ادھر) باز کہتا ہے میرا الو کا کیا مقابلہ میں (تو وہ شان رکھتا ہوں کہ) ایسے ایسے سینکڑوں ویرانے الوؤں کو دے چکا ہوں (پھر مجھے اس ویرانہ کی کیا ضرورت؟)

من نخواہم بود ایں جا میروم سوئے شاہنشاہ راجع مے شوم

ترجمہ:۔ میں یہاں ہمیشہ نہیں رہوں گا۔ (ناحق کیوں گھبراتے ہو۔ ذرا ستانے کے لیے ٹھہر گیا ہوں) میں تو شاہنشاہ کی طرف واپس جا رہا ہوں

مطلب:۔ انبیا کفار سے اور دیگر اہل اللہ اپنے معاندین و منکرین سے کہتے ہیں کہ بھائیو! تم ناحق کیوں پیچ و تاب کھا رہے ہو۔ ہم یہاں پاؤں جمانے کے لیے نہیں آئے۔ یہ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے۔ ہمارا گھر تو آخرت ہے اور ہم اسی شاہنشاہِ حقیقی کی طرف جا رہے ہیں۔ کما قیل۔

زندگی ماندگی کا وقفہ ہے یعنے آگے چلیں گے دم لے کر

امیر خسروؒ ۔

مبصراں کہ مزاج جہاں شناختہ اند دو روزہ برگ اقامت درو نساختہ اند

خویش مکشید اے چغداں کہ من نے مقیم مے روم سوئے وطن

ترجمہ:۔ اے الوؤ (تم اس غم میں کہ باز ہماری جگہ پر قبضہ کر لے گا) اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کیوں کہ میں (یہاں زیادہ دیر) قیام نہیں کروں گا (بلکہ) اپنے (اصلی) وطن کو جا رہا ہوں۔

مطلب:۔ انبیا کفار سے اور دیگر اہل اللہ دنیاداروں سے کہتے ہیں تم مطمئن رہو۔ ہم یہاں سدا رہنے کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ راہرو ہیں آخرت اور قرب حق ہمارا اصلی وطن ہے۔ اسی طرف جا رہے ہیں۔ سعدیؒ۔

گر اہلِ معرفتی دل در آخرت بندی نہ در خرابۂ دنیا کہ حسرت آبادست

ایں خراب آباد در چشمِ شماست ورنہ مارا ساعدِ شہ باز جاست

ترجمہ:۔ یہ خراب آباد (دنیا) تو تمہاری ہی نظر میں ہے ورنہ ہماری جگہ تو پھر بادشاہ کی کلائی (بننے والی) ہے۔

مطلب:۔ اگلے زمانے کے بادشاہ باز کو کلائی پر بٹھاتے تھے جو اس جانور کے لیے قبولیت و شرف کی اعلیٰ سند تھی۔ اسی طرح اہل اللہ اپنے منکرین و معاندین سے کہتے ہیں کہ ہم کو دنیا سے کوئی وابستگی نہیں تم ہی اس کے دلدادہ ہو۔ ہم تو یہاں سے نکل کر پھر قربِ حق میں جگہ پانے کے امیدوار ہیں۔ سعدیؒ۔

دیدہ باشی تشنہ مستعجل بر آب جاں بجاناں ہم چناں مستعجل ست

چغد گفتا باز حیلت مے کند تاز خان و ماں شمارا برکند

ترجمہ:۔ ایک الو (باز کی یہ باتیں سن کر بولا یارو!) حیلہ بازی کرتا ہے تاکہ تم کو تمہارے گھربار سے اجاڑ دے۔

خانہائے ما بگیرد او بمکر برکند مارا بسالوسی زِ وکر

لغات:۔ سالوسی مکر و فریب۔ وکر۔ آشیانہ، گھونسلا۔

ترجمہ:۔ (اور) ہمارے گھروں پر فریب کے ساتھ قبضہ کر لے۔ دھوکے سے ہم کو گھونسلوں سے نکال دے۔

مے نماید سیری ایں حیلت پرست واللہ از جملہ حریصاں بدترست

ترجمہ:۔ یہ حیلہ باز (محض دکھلانے کو) اپنی سیر چشمی ظاہر کرتا ہے۔ واللہ در حقیقت یہ سارے حریصوں سے بدتر ہے۔ سعدیؒ۔

ترکِ دنیا بمرد آمو زند خویشتن سیم و غلہ اندو زند

او خورد از حرص طیں راہمچو دِبس دنبہ مسپارید اے یاراں بخرس

لغات:۔ طین مٹی۔ دبس شیرۂ انگور۔ خرس ریچھ۔

ترجمہ:۔ وہ حرص سے مٹی گارے کو بھی شیرہ انگور کی طرح چٹ کر جاتا ہے۔ یارو دنبہ ریچھ کے حوالہ نہ کرو (اسے یہ حریص کب چھوڑے گا)۔

لاف از شہ میزند وز دستِ شاہ تابرد او ماسلیماں را زِ راہ

لغات:۔ سلیماں لام کے کسرہ سے جمع سلیم، بھولا بھالا، سیدھا سادا از راہ بردن بہکانا دھوکا دینا، پھسلانا۔

ترجمہ:۔ وہ بادشاہ کے مقرب ہونے اور بادشاہ کی کلائی (پر بیٹھنے) کی فضول شیخی بھگارتا ہے تاکہ ہم سیدھے سادھے لوگوں کو بھکادے اور ہم اُس کو بالانشین سمجھ کر اس پر اعتماد کریں اور اپنے گھر اس کے سپرد کردیں۔

خود چہ جنسِ شاہ باشد مرغکے　　مشنوش گر عقل داری اند کے

لغات:۔ جنس ہم جنس۔ مناسب۔ مرغک حقیر پرندہ۔

ترجمہ:۔ (بھلا سوچو تو سہی کہ) ایک ناچیز پرندہ بادشاہ (کی صحبت) کے لائق کہاں ہوگا۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو اس (کی بات) کو نہ سنو۔

مطلب:۔ جیسے ہم پرندہ ہیں۔ یہ بھی ایک معمولی حیثیت کا پرندہ ہے۔ یہ کہاں سے شاہی مقرب بن گیا۔ اسی طرح کفار پیغمبروں کے بارے میں کہتے تھے۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا "تم ہم جیسے انسان ہی تو ہو"۔ جامیؒ۔

زد طعنہ شیخ شہر براسرار اہلِ دل　　المرء لایزال عدو الما جھل

جنسِ شاہ است او؟ ویا جنسِ وزیر　　ہیچ باشد لائقِ لوزینہ سیر

لغات:۔ لوزینہ بفتح لام وکسرِ زاء۔ حلوائے بادام جو گھی کے بجائے روغنِ بادام ڈال کر یا میدہ کے ساتھ مغز بادام شامل کر کے تیار کیا جاتا ہے۔ سیر لہسن۔

ترجمہ:۔ کیا وہ بادشاہ کے لائق ہے؟ یا وزیر کے لائق ہے؟ کیا بھلا لہسن حلوائے بادام کے لائق ہو سکتا ہے، نہیں ہرگز نہیں۔

آنچہ مے گوید زمکر وفعل وفن　　ہست سلطاں باحشم جویائے من

ترجمہ:۔ (اپنی) فریب کاری۔ چالبازی اور حیلہ سازی سے جو (ایک عجیب بات) کہتا ہے (وہ یہ ہے کہ) بادشاہ فوج سمیت میری تلاش میں (مصروف) ہے۔

اینت مالیخولیائے ناپذیر　　اینت لافِ خام و دامِ گول گیر

لغات:۔ مالیخولیا دیوانگی، دیوانوں کی سی باتیں۔ ناپذیر ناقابل قبول۔ لافِ خام بے بنیاد شیخی گول گیر سادہ لوح۔ لوگوں کو پھانسنے والا۔

ترجمہ:۔ دیکھو یہ کیا سڑیوں کی سی بات ہے جو قابلِ قبول نہیں۔ دیکھو یہ بیہودہ شیخی اور احمقوں کو پھانسنے کا جال ہے۔
مطلب:۔ اسی طرح کافر مرسلانِ حق کے بارے میں کہتے ہیں۔ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ "یہ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھ رہا ہے یا اس کو جنون عارض ہے"۔

ہر کہ ایں باور کند زابلہ است　　مُرغکِ لاغر چہ درخورد شہ است

ترجمہ:۔ جو شخص اس کی ان باتوں پر یقین رکھے وہ بے وقوف ہے۔ بھلا ایک ذرا سا جانور بھی بادشاہ کے لائق ہو سکتا ہے؟

کمتریں چغدار زند بر مغزِ او　　مرورا یاری گری از شاہ کو

ترجمہ:۔ اگر چھوٹے سے چھوٹا الو بھی اس کے سر پر ٹھونگ مار دے تو میاں کا بھیجا نکل پڑے۔ پھر دیکھیں کہ اس کے لیے بادشاہ کی مدد کہاں (سے آتی ہے)۔

مطلب :۔ اسی طرح حضرت شعیبؑ سے ان کی منکر قوم نے کہا تھا کہ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ج وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ٥ "کافر کہنے لگے۔ اے شعیب! تو جو کہتا ہے اس میں سے بہت باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہم لوگوں میں کمزور ہے اور جو تیرے کنبے کے لوگ (ہماری نظر میں قابل لحاظ) نہ ہوتے تو ہم (کب کے) تجھ پر پتھراؤ کر چکے ہوتے اور تو ہمارے سامنے کوئی چیز نہیں (ہود۔ ع ۸)

گفت باز از یک پرِ من بشکند بیخ چغدستاں شہنشہ برکند

ترجمہ :۔ (یہ باتیں سن کر) باز نے کہا، (میرے سر کو صدمہ پہنچانا تو بڑی بات ہے۔ یاد رکھو) اگر میرا بال بھی بیکا ہوا تو بادشاہ الوؤں کی سرزمین کا تختہ ہی الٹ دے گا۔

مطلب :۔ اسی طرح حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ٥ اور بھائیو کہیں میرے ساتھ ضد کرنا تم کو اس آفت میں نہ ڈال دے جو آفت نوح کی قوم پر پڑی یا ہود کی قوم پر یا صالح کی قوم پر اور قوم لوط بھی تم سے دور نہیں" (ہود۔ ع ۸)

چغد چہ بود خود اگر بازے مرا دل برنجاند کند بامن جفا
شہ کند توده بہر شیب و فراز صد ہزاراں خرمن از سرہائے باز

لغات :۔ چہ بود استفہام برائے تحقیر، تودہ ڈھیر۔ شیب بکسرِ شین و یائے مجہول مخفف نشیب، نیچی زمین۔ فراز اونچی زمین۔ خرمن کھلیان کا انبار یہاں مطلق انبار ہے۔

ترکیب :۔ اگر بازے الخ شرط دوسرا شعر شہ کند الخ جزا ہے۔

ترجمہ :۔ الو کی تو کیا بساط ہے۔ اگر کوئی باز (بھی) میرے دل کو رنجیدہ کر دے (اور) مجھ پر زیادتی کرے تو اس کے انتقام میں بادشاہ بازوں کے سروں سے سربلند و پست زمین میں لاکھوں ڈھیر اور انبار لگا دے۔

مطلب :۔ کفار انبیاء و دیگر اہل اللہ کو ستانے کی جو سزا پاتے ہیں وہ تو نمرود، فرعون، قوم ثمود، قوم عاد اور اصحاب الایکہ کی حسرت ناک داستانوں سے ظاہر ہے جو علی الترتیب حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب علیہم السلام کی تکذیب و توہین کی پاداش میں مختلف عذابوں سے تباہ و برباد ہوئے لیکن اگر کوئی دیندار اور عابد و پارسا بھی جو ولایت اور قرب حق کے درجہ پر فائز ہو انبیاء و مرسلین کے ساتھ مخاصمانہ مقابلہ کرے تو وہ بھی خلعتِ سعادت سے عاری اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ ابلیس کا درجہ علم و عرفان و عبادت و طاعات میں وہ تھا کہ ملائکہ قدس میں شامل تھا بلکہ اس کو معلم الملکوت کہا گیا ہے مگر جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا اور ان کے آگے سر جھکانے سے منکر ہوا تو بحکم اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اس کے گلے میں قیامت تک طوق لعنت پڑ گیا۔ بلعم ابن باعور وہ عابد و زاہد انسان تھا کہ اس کے کمالات و کرامات پر خود اللہ تعالیٰ کا قول اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا شاہد ہے مگر جب اس نے عین معرکہ میں حضرت موسیٰؑ کو زک پہنچانے کے لیے اپنے روحانی تصرفات سے کام لینا شروع کیا تو بقولہ تعالیٰ فانسلخ منها اس کے تمام کمالات مسلوب ہو گئے اور اس کی حیثیت صرف فمثلہ کمثل الکلب کی سی رہ گئی۔ حافظؒ ۔

گفتن بر خورشید کہ من چشمہ نورم دانند بزرگان کہ سزا وارِ سُہا نیست

انبیا کے بعد اولیائے کبار کا بھی یہ درجہ ہے کہ کسی شخص کو ان کے ساتھ معارضہ و مقابلہ کرنا زیبا نہیں۔ اگر چہ وہ خود بھی زہد و عبادت

کی بدولت کچھ کمالات رکھتا ہو، بلکہ اس قسم کے خیالات ہی کمالات کے خلاف ہیں جس کا نتیجہ سوائے خیبت خسران کے اور کچھ نہیں۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہ ایک مشہور بزرگ کے پاس زیارت اور حصولِ فیض و برکت کی غرض سے گئے۔ ساتھ دو شخص اور ہو لیے۔ ایک ابن سقاء نام بڑا عالم متبحر اور بلیغ مقرر تھا، اس کو یہ شوق تھا کہ میں ان بزرگ سے ایسے پیچیدہ سوال کروں جن کے جواب سے وہ عاجز آ جائیں۔ دوسرا شخص عبداللہ نام تھا، اس کا صرف انتا مدعا تھا کہ اپنے مشکل سوالات سے ان کے علمی و باطنی کمالات کا امتحان کروں۔ تینوں ان کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھتے ہی خدا کے حکم سے از روئے کشف ہر ایک کا مدعائے ملاقات معلوم کر لیا اور حضرت غوث الاعظم سے فرمایا۔ آپ حصولِ برکت کی نیت سے آئے ہیں۔ آپ کو اس نیکی کا صلہ یہ ملے گا کہ تمام اولیائے شرق و غرب کی گردنوں پر آپ کا پیر ہوگا۔ ابنِ سقاء سے کہا، تم ہم کو مغلوب کرنے کے ارادے سے آئے ہو، تمہارے اس جرم کی سزا یہ ہے کہ تم عیسائی ہو کر بحالتِ کفر مرو گے۔ عبداللہ سے کہا، بزرگوں کا امتحان لینا گستاخی ہے۔ اس گستاخی کا ارادہ کرنے کی سزا تم کو یہ ملے گی کہ تم طاعت و عبادت سے غافل اور دنیا میں غرق ہو جاؤ گے۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد ابنِ سقاء کا یہ حشر ہوا کہ خلیفۂ بغداد کے حکم سے ملکِ روم کا سفیر بن گیا۔ وہاں شاہی خاندان کی ایک عیسائی عورت پر عاشق ہوا۔ اس کے خوش کرنے کو دینِ حق سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ عبداللہ کو دربار خلافت سے وزارتِ اوقاف پر مامور کیا گیا حتیٰ کہ حکومت کے نشے نے اس کو نماز روزہ تک سے غافل کر دیا۔ حضرت غوث پاک کو اس دعا کے مطابق جو درجہ ملا، سب کو معلوم ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ بالکل حقیقت پر مبنی تھا جو اسی حسنِ نیت اور پاکی عقیدت کا صلہ تھا۔ حافظؒ ۔

ازاں زماں کہ بریں آستاں نہادم رو فرازِ مسند خورشید تکیہ گاہ من ست

پاسبانِ من عنایاتِ وے است ہر کجا کہ من رَوم شہ در پے است

ترجمہ:۔ اس (بادشاہِ جہاں پناہ) کی عنایات میری محافظ ہیں، میں جہاں جاتا ہوں، بادشاہ (بغرضِ حفاظت و حمایت میرے پیچھے رہتا ہے۔)

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیا و اولیا کا خود محافظ و حامی ہے۔ چنانچہ رسول اللہؐ کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ "اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔" مدینہ میں یہود اور منافقین رسول اللہؐ کے سخت دشمن تھے اور ہر طرح اذیت و نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے بلکہ کئی مرتبہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کو گزند پہنچانے کی سازشیں بھی کیں۔ ان خطرناک حالات میں آپؐ کی حفاظتِ جان ضروری تھی، اس لیے روزانہ دو صحابی باری باری رات کو آپ کے خانہ مبارک پر پہرہ دیتے۔ ایک رات جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے اپنے پہریداروں سے فرمایا، جاؤ اب تمہاری ضرورت نہیں۔ خدا خود ہمارا محافظ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمیشہ دشمنوں کے منصوبے خاک میں ملتے رہے۔

دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ میرے ساتھ ہے۔ مجھے کسی کا خوف نہیں۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ اور ہارونؑ فرعون کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ لَاتَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی "تم دونوں خوف نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں سب کچھ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔" (طہٰ۔ع ۲)

در دلِ سلطان خیالِ من مقیم بے خیالِ من دلِ سلطان سقیم

لغات:۔ مُقیم بضمِ میم۔ قائم، جاگزیں۔ سقیم بیمار، ناخوش، ملول۔

ترجمہ:۔ بادشاہ کے دل میں میرا خیال جاگزیں ہے۔ میرے خیال کے بغیر بادشاہ کا دل ناخوش رہتا ہے۔

مطلب:۔ باز کہتا ہے کہ بادشاہ کے ساتھ میرا تعلق اس قدر گہرا ہے کہ میرے بغیر وہ ایک لحہ میں بے چین ہو جاتا ہے اور جب تک وہ مجھے دیکھ نہ لے، مبتلائے اضطراب رہتا ہے۔ یہ صفات باز اور بادشاہِ متعارف ہی پر صادق آ سکتے ہیں مگر چونکہ یہ عنوان اہل اللہ کے حق تعالیٰ کے ساتھ غایت تعلق کے بیان کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اس لیے بتاویل اس کا صرف اتنا مطلب لیا جائے گا کہ حق سبحانہٗ کی اپنے اولیا پر خاص نوازش ہوتی ہے کیونکہ ذاتِ حق سقم، ملال، رنج وغیرہ صفاتِ نقص سے منزّہ ہے۔

چوں پرّاند مراشہ در روش ے پرم براوجِ دل چوں پرتوش

ترجمہ:۔ جب بادشاہ مجھ کو (کسی خاص) رفتار میں اڑاتا ہے تو میں (درحقیقت اس فضا میں نہیں بلکہ اس کے دل کی بلندی میں اڑتا ہوں۔ جیسے اس (کے دل) کی روشنی (بلند ہوتی ہے)۔

مطلب:۔ باز کہتا ہے کہ میں بادشاہ کے نزدیک اس قدر محبوب ہوں اور میری محبت اس پر اس قدر مسلط ہے کہ جب اڑتا ہوں تو میری اڑان گویا اس کے دل کی فضا کے اندر ہوتی ہے اور پھر وہ اڑان بھی اس کی نظر میں اس قدر لطیف و پُر اجلال ہوتی ہے۔ جیسے اس بیدار دل بادشاہ کی پروازِ عقل۔ یہاں اس سے یہ مقصد ہے کہ حق تعالیٰ جب اپنے خاص بندوں کو عروج روحانی عطا فرماتا ہے تو وہ سیر فی اللہ کے درجے پر فائز ہوتے ہیں اور ان کی اس سیر و عروج میں وہ اوج پیمائی ہو سکتی ہے جو انوارِ قدس میں ہوتی ہے۔

الخلاف ۔ دوسرے مصرعہ کی عبارت ہمارے نسخہ کی بنا پر ہے۔ بعض نسخوں میں یہ مصرعہ اور طرح ہے جس کی تائید ہمارا قلمی قدیمی نسخہ بھی کرتا ہے یعنی "یا بم اندر اوج جاں خوش پرورش"۔ اس تقدیر پر شعر کا مطلب یوں ہوگا کہ جب حق تعالیٰ مجھے عروجِ روحانی عطا فرماتا ہے تو مجھے روح کی ترقی و عروج میں اعلیٰ پرورش حاصل ہوتی ہے۔

ہم چو ماہ و آفتابے ے پرم پردہائے آسمانہا مے درم

ترجمہ:۔ میں (جب اڑنے لگتا ہوں تو) چاند اور سورج کی طرح اڑتا ہوں (بلکہ) آسمانوں کے پردوں کو چاک کرتا (ہوا چلا جاتا) ہوں۔

مطلب:۔ باز کی پرواز کے لیے یہ بیان مجاز اور مبالغہ ہے اور اہل اللہ کاملین کے عروج کے لیے حقیقت اور امرِ واقع ہے۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ اگر شہباز سے نبی مراد ہو تو اس میں معراجِ مرسلین کی طرف اشارہ ہے اور اگر مطلق ولی مراد ہو تو معراجِ اولیا مقصود ہوگا جو معراجِ روحی ہے۔

روشنیِ عقلہا از فکرتم انفطارِ آسماں از فطرتم

لغات:۔ عقلہا عقول مراد ملائکہ از بیانِ جنس کے لیے نہ کہ تعلیل کے لیے کما تو ہم بعضہم انفطار پھٹنا، چاک ہونا۔ فطرت آفرینش، سرشت، خصلت، خلعت۔

صنائع:۔ انفطار و فطرت میں لفظی مناسبت ہے۔

ترجمہ:۔ ملائکہ کی نورانیت میری فکرت کی قبیل سے ہے۔ آسمان کا کھلنا میری ہی پیدائش کی وجہ ہے۔

مطلب:۔ یہ صفات خاص انبیاء و اولیا پر منطبق ہوتی ہے۔ اصل قصہ کے باز پر ان کا انطباق نہیں ہو سکتا۔ مولانا فرطِ جوش میں خاص مشبہ اور مستعار راہی کے اوصاف بیان کرنے لگے ہیں۔ استعارہ و تشبیہ کو ملحوظ رکھنے کی پروا نہیں کی یعنی فرشتے جو اصل

خلعت سے نور علیٰ نور ہیں۔ان کی نورانیت میری ہی فکر کی نورانیت کی قسم سے ہے۔فکر چونکہ منبع علوم ومعارف ہوتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے اس کو ذوالنور قرار دیا گیا اور خوبیِ مدح یہ کہ اسی تماثل فی النورانیت میں اپنے نور فکر کی روشنی کو عقلہا کے تابع نہیں کیا بلکہ روشنیِ عقلہا کو اپنے نورِ فکر کے تابع کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میرا نورِ فکرت تو مقدم واقدم ہے اور ملائکہ کی نورانیت کو اس کی قبیل سے ہونے کا فخر بعد میں حاصل ہوا ہے۔یہ مطلب اسی بنا پر ہے کہ حرف از بیانِ جنس کے لیے ہو۔بعض شارحین نے اس حرف کو تعلیلیہ قرار دے کر یوں ترجمہ کیا ہے کہ فرشتوں کو نورانیت میرے ہی فکر کے سبب سے حاصل ہوئی ہے اور پھر اس ترجمہ کو صاف اور ہموار کرنے کے لیے ان کو آفرینش عالم کے ذکر اشرف المخلوقات کی تعیین اور اصل فرع کی بحث کو چھیڑنا پڑا۔

والا مر کان سهلا الفطار آسمان سے یا تو نزولِ باراں مراد ہے یا آسمان کے دروازے کھلنا اور یہ باتیں بھی اہل اللہ ہی کی بدولت وقوع پاتی ہیں یعنی ان کی دعا سے بارش ہوتی ہے اور ان کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور رسول اللہؐ کی معراج اور حضرت عیسیٰؑ کے عروجِ آسمانی سے آسمان کے دروازوں کا کھلنا بھی ظاہر ہے۔اگر یہ خاصانِ حق پیدا نہ ہوتے تو آسمان کے دروازے کیوں کھلتے۔صائبؒ۔

گرچہ در ظاہر بزیرِ دست و پا افتادہ اند   بگرو رند از نُہ فلک چوں رخشِ ہمت زیں کنند

بازم و حیراں شود درمن ہما   چغد کہ بود تابداند سرِّ ما

لغات:۔ بازم بازہستم۔ہما ایک پرندے کا نام ہے، جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس کی خوراک تو ہڈی ہے مگر اس میں خوبی یہ ہے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے، وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔سر بھید۔

ترجمہ:۔ (بظاہر) میں (ایک) باز ہوں اور میرا درجہ اس قدر بلند ہے کہ ہما بھی میرے (علوِّ منصب کے) بارے میں حیران ہوتا ہے۔(پھر بیچارہ) الو تو کیا حیثیت رکھتا ہے کہ ہمارے بھید کو پا سکے۔

مطلب:۔ اہل اللہ کاملین کو جن میں انبیاء واولیا داخل ہیں، باز کے ساتھ اس لحاظ سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح باز ایک سادہ صورت اور غیر کمیاب جانور ہے۔اسی طرح انبیاء واولیا کی ظاہر حیثیت بھی متمولانہ تکلفات سے پاک اور سادگی وغریبی کا مرقع ہوتی ہے۔چنانچہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں کہا تھا۔اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ o وَلَا یَكَادُ یُبِیْنُ o فَلَوْ لَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ o "میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو ذلیل ہے اور پوری بات بھی نہیں کر سکتا۔اگر وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے تو اس پر (آسمان سے) سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا خیر فرشتوں کو تو اکٹھا ہو کر اس کے ساتھ آنا تھا۔" (زخرف ع۔۵) نیز ان کی کوئی نایاب ومستور ہستی نہیں ہوتی بلکہ وہ انسان ہی کی نوع میں سے ہونے کے باعث ان سے مختلط وملاقی ہوتے ہیں۔اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ "بے شک ہم اور کچھ نہیں، تمہاری طرح آدمی ہیں مگر خداوند تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، احسان کرتا ہے" (ابراہیم۔ع ۲) باز ایک بہادر پرندہ اور مقبولِ سلاطین ہے تو ہما بھی ایک مبارک پرندہ ہے مگر بخلاف باز کے اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ سب کی نظر سے مستور ہے اور اس صفت میں ہما کے ساتھ فرشتوں کو تشبیہ دی ہے جو سب کی نظر سے مستور ومخفی ہیں، باز کہتا ہے کہ ناچیز الو تو میرے اسرار کو کیا جانے ہما کا سا مبارک وباسعادت پرندہ بھی میری منزلت کو دیکھ کر متحیر ومبہوت ہے۔اسی طرح خواصِ بشر کے کمالات کے سامنے خواص ملائکہ تک کے درجے پست ہیں۔چنانچہ معراج میں جب حضرت جبرائیلؑ آنحضرتؐ کے ساتھ ملائکہ کے مقام تک پہنچے تو اس سے اوپر جانے سے معذوری ظاہر کی وفی الروایات الضعیفہ ان جبرئیل انتهٰی ... فاعذر فقال لودنوت انملة لاحترقت یعنی

بعض ضعیف روایات میں آتا ہے کہ یہاں آ کر جبرئیل ٹھہر گئے۔ رسول اللہؐ نے ان سے چلنے کو فرمایا تو عذر کرتے ہوئے کہا، اگر میں یہاں سے ایک سرِ انگشت کے برابر بھی آگے جاؤں تو جل جاؤں گا۔ (فتاویٰ عزیزی) سعدیؒ۔

بگفتا فراتر مجالم نماند بماندم کہ نیروے بالم نماند

اگر یکسرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلّی بسوزد پرم

جب ملائکہ اور ملائکہ میں سے بھی سب سے بڑی ہستی کا یہ حال ہے کہ وہ انبیا کی ہمراہی سے عاجز ہیں تو محجوب لوگ ان کے مراتب کمال کو کیا جانیں۔

شہ برائے من ززنداں یاد کرد صد ہزاراں بستہ را آزاد کرد

ترجمہ:۔ بادشاہ نے میری خاطر سے قید خانہ (کے قیدیوں) کو یاد فرمایا اور لاکھوں قیدیوں کو (قیدِ دنیا سے) آزاد کر دیا۔

مطلب:۔ حق سبحانہٗ اپنے مقرب بندوں کی برکت سے ان کے دوسرے بنی نوع پر رحم و کرم کرتا ہے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو ہوا و ہوس کی قید سے نجات دے کر اپنے مقرب بنا لیتا ہے۔ سعدیؒ۔

نماند بعصیاں کسے در گرو کہ دارد چنیں سیّدِ پیشرو

یکدمم باچغد ہا دمساز کرد از دم من چغد ہارا باز کرد

لغات:۔ دم لمحہ، تھوڑی سی دیر۔ سانس، نفس، بات یہ لفظ دونوں جگہ دو معنی میں آیا ہے۔ اس لیے اس میں صنعتِ تجنیس یہی ہے۔

ترجمہ:۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے الوؤں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان کے ساتھ ہم نشین کر دیا۔ چنانچہ (اس نے) میرے انفاس (مؤثرہ) سے الوؤں کو باز بنا دیا۔

مطلب:۔ انبیا کفار کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے جن کی ہدایت سے وہ نورِ ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اولیا محجوبین کی تربیت کے لیے مامور ہوتے ہیں جن کے فیضِ تربیت سے وہ قربِ حق حاصل کرتے ہیں۔ حافظؒ۔

من بسرِ منزلِ عنقا نہ بخود بردم راہ قطعِ ایں مرحلہ بامرغِ سلیماں کردم

اے خنک چغدے کہ در پروازِ من فہم کرد از نیک بختی رازِ من

لغات:۔ خنک ٹھنڈا، خوش نصیب پرواز۔ مراد مرتبۂ کمال۔ نیک بختی سعادتِ ازلی

ترجمہ:۔ بڑا خوش نصیب ہے وہ الو جو (اپنی) خوش نصیبی سے میری بلند پروازی میں میرا راز سمجھ گیا۔

مطلب:۔ حصولِ فیض کا مدار حسنِ عقیدت پر ہے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے وہی کافر راہِ راست پر آ سکتے ہیں اور اولیاء اللہ کے ارشاد سے وہی محجوب لوگ واصل بحق ہو سکتے ہیں جن کے دل میں ان کی توقیر ہو اور وہ ان کے کمال اور حقانیت کے معترف ہوں۔ پس ایسے لوگوں کی خوش نصیبی میں کیا شک ہے۔ حافظؒ۔

پاک بیں از نظرِ پاک بمقصود رسید احول از چشمِ دوبیں در طمعِ خام افتاد

درمن آویزید تا بازاں شوید گرچہ چغد اید شہبازاں شوید

لغات:۔ آویزید آویختن (لٹکنا) سے مشتق ہے، لٹک جاؤ یعنی تعلق پیدا کرو۔ شہباز ایک بڑی قسم کے باز کو کہتے ہیں یا باضافتِ مقلوب بازِ شاہ یعنی شاہی باز جس کی فوقیت دوسرے بازوں پر ظاہر ہے۔ چونکہ باز کا لفظ دونوں قافیوں میں ایک ہی معنی میں

ہے، اس لیے تکرار قافیہ لازم آتا ہے۔ **وذالک لایستحسن عندھم**

ترجمہ:۔ مجھ سے تعلق پیدا کرو تا کہ تم (بھی) باز بن جاؤ۔ اگر چہ تم الو ہو (مگر میرے فیضِ صحبت سے) شہباز ہو جاؤ گے۔

مطلب:۔ انبیاء و اولیا فرماتے ہیں کہ ہمارے اتباع سے گوہرِ مقصود مل سکتا ہے۔ غنیؒ ؎

پیرو ماشو کہ ہم چو خامہ در راہ سخن　　پے معنے میتواں بردن زنقشِ پائے ما

آنکہ باشد باچناں شاہے حبیب　　ہر کجا افتد چرا باشد غریب

لغات:۔ حبیب دوست، مقرب۔ افتد جااترے، جا پہنچے۔ غریب پردیسی، بے وطن بعید الدیار۔

ترجمہ:۔ جو شخص ایسے (حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر) بادشاہ کا دوست ہو، وہ جہاں بھی جائے پردیسی (ہونے کی وجہ سے اس سے دور) کیوں ہوگا۔

مطلب:۔ یہ صفت بھی خاص اہل اللہ پر منطبق ہے۔ باز اور شاہ متعارف پر صادق نہیں آسکتی یعنی اہل اللہ فرماتے ہیں کہ ہم کہیں جائیں، کہیں آئیں ہر جگہ ہمیں معیتِ حق حاصل ہے۔ جامیؒ ؎

ہر جا کجا کنم خانہ، ہم خانۂ ترا یا بم　　ہرگز نہ روم جائے کانجانہ ترا یابم

ہر کہ باشد شاہ دردش را دوا　　گرچو نئے نالد نباشد بینوا

صنائع:۔ درد اور دوا میں ایہام تضاد۔ نے اور بے نوا میں ایہام تناسب۔

ترجمہ:۔ جس شخص کے درد کی دوا (خود) بادشاہ ہو، اگر وہ دردِ فراق سے، روئے تو بھی وہ بے سامان نہیں ہے۔

مطلب:۔ چونکہ اس کا یادِ حق میں رونا غایتِ محبت و عشق پر دال ہے۔ مصائبِ دنیا پر رونے والوں کی طرح محرومی و بدقسمتی پر دلالت نہیں کرتا اور اس کی محبت اور عشق سب سے بڑی دولت ہے۔ پس اس کا رونا اُس کی کمال خوش نصیبی کی دلیل ہے۔ امیر خسرو ؎

عاشقم ار گریہ کنم عیب نیست　　آب کہ برروئے من ست آبروست

مالک الملکم نیم من طبل خوار　　طبل بازم میزندشہ از کنار

لغات:۔ مالک الملک بادشاہی کا مالک، مالکِ سلطنت طبل خوار، حریص طبل باز۔ واپسی کے اشارے کے لیے بجانے کا نقارہ جب باز کو شکار پر چھوڑا جاتا ہے تو شکار کر چکنے کے بعد یہ نقارہ بجاتے ہیں جس کو سن کر وہ واپس آجاتا ہے۔

ترجمہ:۔ میں تو بادشاہ کا نائب اور حکومت پر قابض ہوں، حریص نہیں۔ (دیکھو) بادشاہ ایک طرف سے میری واپسی کا نقارہ بجوا رہا ہے (جو میرے تقرب کی دلیل ہے)۔

مطلب:۔ الوؤں نے طعنہ دیا کہ یہ حریص باز ہے اور شدتِ حرص سے مٹی تک کو چٹ جانے والا ہے۔ یہ اس کا جواب ہے کہ حریص تو کوئی بے نوا و تہی دست ہی ہو سکتا ہے۔ میں تو بجائے خود مسند نشینِ امارت ہوں۔ مجھے حریص و طامع بننے کی کیا ضرورت۔ اسی طرح منافقین پیغمبرِ خدا پر فقر و فاقہ اور حرص و خود غرضی کی بدگمانی کر کے باہم کہتے تھے کہ ان لوگوں پر مال خرچ بند کر دو۔ آپ سے آپ مدینے کو چھوڑ کر چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔ **وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ** حالانکہ زمین و آسمان کے تمام خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں لیکن منافق لوگ اتنا نہیں سمجھتے۔ (منافقون۔ ع۲)

طبلِ بازِ من ندائے اِرجِعِی حق گواہِ من بَرَغمِ مدعی

لغات :۔ ارجعی واپس چلی آ۔ قرآن مجید کی ایک آیت کی طرف تلمیح ہے برغم خود برائے مہملہ وغین معجمہ برخلاف مقابلتاً رَغم کے معنی ہیں کسی کی ناک کو خاک آلودہ کر دینا جس سے اس کی ذلت مراد ہے اور کسی کی مخالفت میں کوئی کام کرنا اسی معنی پر مشتمل ہے۔ مدعی حریف مقابل۔

ترجمہ :۔ میری واپسی کا نقارہ ارجعی کی ندا ہے اور (میرے) مدعی (خصومت) کے خلاف (خود) حق تعالیٰ میرا گواہ ہے۔

مطلب :۔ حق تعالیٰ کے گواہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ یَاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ "اے روحِ مطمئن اپنے پروردگار کی طرف چل تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پھر ہمارے (خاص) بندوں میں جا مل اور ہماری جنت میں داخل ہو" سورہ فجر۔

اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنے جو بندے محبوب ہیں، ان کو دنیا میں رکھنا اسے پسند نہیں صرف ایک مصلحتِ خاص سے ایک مدتِ معین تک رکھ کر پھر ان کو اعزاز و اکرام سے اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ صائب"۔

چہ احتیاجِ دلیل ست در رحیلِ مرا چو سیل جذبہ دریاست بس دلیلِ مرا

من نیم جنسِ شہنشہ دور ازو لیک دارم در تجلی نور ازو

ترجمہ :۔ میں شاہنشہ (حقیقی) کا ہم جنس نہیں ہوں (بلکہ) اس سے کہیں دور (ہوں) ہاں مجھے (اپنی) تجلی میں اس سے نور حاصل ہے۔

مطلب :۔ الوؤں نے باز کے بارے میں استحقاراً کہا تھا کہ "جنسِ شاہ است او و یا جنس وزیر؟ کیا یہ بھی بادشاہ یا وزیر کا ہم جنس ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ یہاں اس کا جواب دیا ہے کہ فی الواقع میں اس کا ہم جنس نہیں ہوں۔ البتہ اس کے انوار مجھ پر درخشاں ہیں اور انبیاء و اولیا کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ متخلق باخلاق اللہ اور منور بانوارِ حق ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے پرتو سے شرق و غرب منور ہو جاتے ہیں۔ صائب"۔

خیمہ در مقر چوں پیراہنِ یوسفؑ زدہ ایم جلوہ بادر نظرِ مردم کنعاں داریم

نیست جنسیت ز روئے شکل و ذات آب جنسِ خاک آمد در نبات

ترجمہ :۔ میری جنسیت (اس شاہِ حقیقی کے ساتھ) شکل اور ذات کی رو سے نہیں ہے (کہ دونوں میں ہر پہلو سے مماثلت لازم آئے ہاں جنسیت بمعنی مناسبت کہو تو بے جا نہیں۔ دیکھو) نباتات میں پانی خاک کا مجانس ہے (حالانکہ شکل و ذات دونوں کی الگ الگ ہے)۔

مطلب :۔ یہ ایسی جنسیت بمعنی مناسبت کی نظیر ہے جو خالق و مخلوق میں ہو سکتی ہے یعنی پانی اور خاک دونوں نباتات کے عنصر اور ان کی غذا ہیں۔ حالانکہ ان میں ذاتی و صورتی مجانست نہیں ہے۔ اسی طرح انسان کو حق تعالیٰ سے مناسبت تو ہے مگر مماثلت نہیں۔

باد جنسِ آتش آمد در قوام طبع را جنس آمدست آخر مُدام

لغات :۔ قوام بناوٹ، ساخت، ترکیب، وجود۔ مُدام بضمِ میم شراب۔

ترجمہ :۔ ہوا آگ کے لیے اس کے قیامِ وجود میں ہم جنس ہے (کہ ہوا نہ ہو تو فوراً آگ بجھ جائے طبیعت کے لیے آخر شراب

(بھی ہم جنس ہے کہ وہ شراب۔ سے سرور حاصل کرتی ہے۔

مطلب:۔ ہوا کو آگ سے کس قدر مناسبت ہے کہ اس کے بغیر آگ روشن ہی نہیں ہو سکتی اور مے نوش کی طبیعت کو شراب سے کس قدر مناسبت ہے کہ اس کے نشے سے خوش وخرم ہو جاتی ہے باایںہمہ ان سب کی ماہیات الگ الگ ہیں اور کوئی ان کو باہم مماثل یا متحد نہیں کہتا بلکہ سب ان کی مناسبت کے قائل ہوں گے۔ بایں ہمہ کوئی اس مناسبت کی ماہیت ٹھیک بیان نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بندے کو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ اگرچہ اس مناسبت کی صحیح تعریف نہ ہو سکے اور کسی چیز کی تعریف نہ کر سکنے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا۔ جامیؒ۔

اے در ہوائے مہرِ تو ذراتِ کائنات　　واقف نہ از کماہیِ ذاتِ تو ہیچ ذات

جنسِ ماچوں نیست جنسِ شاہِ ما　　مائے باشد بہرِ مائے او فنا

لغات:۔ مافارسی میں ضمیر جمع متکلم ہم نحن مراد ہستی، ہمارا وجود، ہماری ہستی۔

ترجمہ:۔ چونکہ ہماری جنس اور ہمارے شاہِ حقیقی کی جنس ایک نہیں ہے اس لیے ہماری ہستی اس کی ہستی کے لیے فنا ہوگی۔

مطلب:۔ ہم بادشاہ کے ہم جنس نہیں ہو سکتے بلکہ ہم نے اپنے تعین کو علماً و حالاً اس کے آگے فنا کر دیا۔ گویا ہماری ہستی موجود ہی نہیں بلکہ کالعدم ہے۔ پھر مجانست کہاں۔

چوں فنا شد مائے ما او ماند فرد　　پیش پائے اسپ او گردم چو گرد

ترجمہ:۔ جب ہماری ہستی فنا ہوگئی تو وہ اکیلا رہ گیا۔ میں اس کے گھوڑے کے قدموں میں گرد کی طرح (ناچیز و بے حقیقت) ہو گیا۔

مطلب:۔ دو چیزوں میں مجانست تو دونوں کے وجود کی صورت میں ہوتی ہے مگر یہاں ایک وجود کالعدم ہے۔ پھر مجانست کیسی؟ ہاں یہ مناسبت ہے کہ ایک باقی ہے اور دوسرا فانی۔

خاک شد جان و نشانیہائے او　　ہست برخاکش نشانِ پائے او

ترکیب:۔ او کی ضمیر دونوں جگہ راجع بحق ہے۔ خاکش کی ضمیر کا مرجع جان ہے۔

ترجمہ:۔ (ہماری) جان خاک ہوگئی اور حق سبحانہٗ کی نشانیاں جان کی خاک پر حق کے نشانِ پا بن گئے۔

مطلب:۔ خاکِ ناچیز خود کچھ حقیقت نہیں رکھتی مگر جب وہ کسی بزرگ ہستی کے نشانِ پا کی مظہر ہوتی ہے تو اس مظہریت کے لحاظ سے وہ بھی بزرگ ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم خود کوئی حقیقت نہیں رکھتے مگر ہاں حق تعالیٰ کے انوارِ تجلیات کے مظہر ہیں ہماری اس کی یہی مناسبت ہے۔

خاکِ پایش شوز بہرِ ایں نشاں　　تاشوی تاجِ سرِ گردن کشاں

ترجمہ:۔ اس نشان (کو اپنے اوپر حاصل کرنے) کے لیے اس کی خاکِ پا بن جاؤ تاکہ تم عالی جاہ لوگوں کے سر تاج بن جاؤ۔

مطلب:۔ یہ مولانا کا مقولہ ہے بطور جملہ معترضہ ہے یعنی ان کی خاکِ پا بن جانے سے اس کے نشانِ پا تم پر نمایاں ہو سکتے ہیں تو دیر نہ کرو، جلدی اس کے آگے خاکِ پا بن جاؤ تاکہ اس کی تجلیات و انوار کے مظہر بن کر مراتبِ عالیہ حاصل کرو اور سب کفار و معاندین پر غالب آ جاؤ۔ لقولہٗ۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن و انساں ہر کہ دید

تا کہ نفریبد شمارا شکلِ من نقل وے نوشید پیش از نُقلِ من

لغات:۔ تا حرف تنبیہ۔ نُقل بضم میوہ و شیرینی جو شراب کے ہمراہ کھاتے ہیں۔ بالفتح نقلِ مکان، وفات، انتقال

صنائع:۔ نقل کے لفظ میں صنعتِ تجنیس ہے۔

ترجمہ:۔ تم کو میری (بظاہر معمولی) شکل دھوکے میں نہ ڈالے (کہ مجھے ناقابل اعتنا سمجھ لو بلکہ) میرے مرنے سے پہلے (یہ نقل اور شراب جو مجھ سے بچ گئی ہے۔ بطورِ تبرک) نوش کرلو۔

مطلب:۔ اب پھر قولِ عارف کی طرف عود ہے یعنی اے مجوبین تم میری شکل و صورت دیکھ کر اس غلط فہمی میں نہ پڑو کہ یہ کہاں واصل باللہ ہوگا۔ جیسے کہ انبیا کے حق میں کفار کہتے ہیں۔ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا نہیں ہے یہ مگر ہمارے جیسا ہی آدمی" بلکہ تم میرے جدا ہونے سے پہلے مجھ سے فیض حاصل کرلو ورنہ پھر پچھتاؤ گے۔

اے بسا کس را کہ صورت راہ زد قصدِ صورت کردو براللہ زد

ترکیب:۔ راہ زد فعل صورت اس کا فاعل بسا کس را مفعول بہ یہ مبتداء دوسرا مصرعہ خبر۔

ترجمہ:۔ اے مخاطب! بہت سے لوگوں کو جو صورت نے دھوکا دیا ہے تو انہوں نے بظاہر ایک شخص (کی ایذا) کا قصد کیا اور ان کا وار اللہ پر ہوا۔

مطلب:۔ یہ مولانا کا مقولہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ کفار جو انبیا کو ایذا دیتے اور مجوبین جو اولیاء اللہ پر دستِ تعدی دراز کرتے ہیں۔ وہ اپنی کوتاہ نظری سے گویا ایک معمولی انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں مگر چونکہ یہ ذواتِ عالیہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء و صفات کے مظہر اور فانی بذاتِ خود اور باقی باللہ ہوتی ہیں، اس لیے ان بدبخت لوگوں کا حملہ گویا خاص حق تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ٥ "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو (کسی طرح کی) ایذا دیتے ہیں۔ ان پر دنیا و آخرت میں (دونوں جگہ) خدا کی لعنت ہے اور خدا نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (احزاب۔ ع ۷)

احیاء العلوم میں ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَا اللّٰهَ تَعَالٰی۔ یعنی اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ میرے اصحاب کے بارے میں میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع) کا نشانہ نہ بنالینا جس نے ان کو دوست رکھا تو میری دوستی کی وجہ سے دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے بغض کیا۔ جس نے ان کو اذیت دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

آخر ایں جاں بابدن پیوستہ است ہیچ ایں جاں بابدن مانستہ است؟

لغات:۔ پیوستہ متصل، ملاقی۔ مانستہ از مانستن مشابہ بودن۔

ترجمہ:۔ آخر یہ جان بھی تو بدن کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ پھر بھلا جان بدن کی مثل ہو سکتی ہے؟

مطلب:۔ یہ کمبخت مجوبین جو باکمال لوگوں کو اپنے ہم شکل پا کر یہ گمان کرنے لگے کہ ان کو خدا کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں اور اس لیے ان پر حملہ آور یا ان کے منکر ہو گئے، اتنا نہ سمجھے کہ روح اور جسمِ عنصری میں بھی تو بڑا تفاوت ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ پھر دونوں باہم متصل ہیں۔ اسی طرح اگر بشر خاکی حق سبحانہٗ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھتا ہے تو کیا بعید ہے۔

تابِ نورِ چشم با پیہ ست جفت　　نورِ دل در قطرۂ خونے نہفت

لغات:۔ تاب روشنی۔ پیہ چربی۔ جفت متصل آمیختہ

ترجمہ:۔ آنکھ کے نور کی روشنی (ڈھیلے کی چربی یعنی رطوبتِ جلدیہ و زجاجیہ وغیرہ) سے مل رہی ہے۔(حالانکہ دونوں کی حقیقت جداگانہ ہے) دل کا نور ایک قطرۂ خون میں (جس سے دل کا قوام ہے) چھپا ہوا ہے (حالانکہ دونوں کی ماہیت میں بڑا فرق ہے)۔

مطلب:۔ جب ایک چربی کا ٹکڑا انورِ بصارت کا مظہر ہے اور ایک مُضغہ گوشت انوارِ باطن کا مہبط ہے تو اگر بندہ انوارِ حق سے متجلی ہو تو کیا تعجب۔

شادی اندر گردہ و غم در جگر　　عقل چوں شمعے درونِ مغزِ سر

ترجمہ:۔ خوشی گردے میں ہے اور غم جگر میں۔ عقل ایک شمع کی طرح مغز کے سر کے اندر (روشن ہے)

مطلب:۔ یہاں اور اس سے آگے متعدد نظائر اس قسم کے مذکور ہیں کہ دونوں چیزوں میں خاص قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ حالانکہ ان میں مجانست و مماثلت نہیں ہوتی۔ مغزِ سر یعنی دماغ کے ساتھ عقل کا تعلق ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ قوائے دماغ منشائے عقل ہوتی ہیں مگر گردے کے ساتھ خوشی کا تعلق اور جگر کے ساتھ غم کا تعلق ذرا مشکل بات ہے۔ بعض شارحین نے اس کی توجیہ میں کچھ طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی توجیہ بعض غلط مقدمات پر مبنی ہے اور پھر بھی کسی امرِ حقیقی پر روشنی نہیں ڈالتی بلکہ محض ایک تجوزی و اعتباری بات کا افادہ کرتی ہے۔ ہمارے خیال میں گردے کے ساتھ خوشی کا اور جگر کے ساتھ غم کا تعلق بلاواسطہ مقصود نہیں۔ جیسے کہ دماغ کے ساتھ عقل کا تعلق بلاواسطہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں عضووں کے اپنے اپنے فعل کے لیے ایک ایسی حالت لازم ہے جو غم یا خوشی کی حالت کے مماثل ہے۔ چنانچہ جگر کا کام ہے غذا کو مختلف انہضامات کے سلسلے سے گزار کر خونِ صالح بنا دینا جو ایک محنت و مشقت اور کدوکاوش کا کام ہے اور محنت و مشقت کے لیے فکر و غم لازم ہے۔ گردہ کا کام یہ ہے کہ خون سے متعفن و مسموم مائیت کو پیشاب کی صورت میں الگ کر کے مثانہ میں گرائے اور دفعِ اذیت سے طبعًا راحت و فرحت محسوس ہوتی ہے جس کو خوشی سے تعبیر کیا ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ''ہر نفسے کہ فرد مے رود ممد حیات ست و چوں برمے آید مفرح ذات'' یعنی جو سانس اندر کی طرف جاتا ہے تو اس کے ذریعے ہوا کے اجزائے صالحہ خون میں ملنے سے زندگی قائم رہتی ہے اور جب وہ باہر آ جاتا ہے تو خون میں سے دخانی اجزا کو اپنے اندر جذب کر کے باہر نکال ڈالنے سے روح کو تفریح بخشتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ پیشاب کی سی غلیظ اور گندی چیز کا خون سے خارج ہو جانا بھی فرحت و خوشی کا باعث ہے جو گردہ کے فعل کا نتیجہ ہے۔

رائحہ در انف و منطق درلساں　　لہو در نفس و شجاعت در جناں

لغات:۔ رائحہ بو، خوشبو۔ منطق گویائی، گفتگو۔ لسان زبان۔ لہو کھیل، دل لگی۔ جنان دل۔

ترجمہ:۔ بو ناک میں اور گفتگو زبان میں کھیل (کا شوق) نفس میں اور بہادری (کا جوش) دل (میں رکھا گیا ہے)۔

مطلب:۔ دیکھو ان دو چیزوں کو باہم تعلق ہے مگر اس تعلق کی ماہیت بیان نہیں ہو سکتی۔ مثلاً گفتگو کو زبان کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر یہ کہیں کہ اس تعلق کی ماہیت حرکتِ لسان ہے تو زبان کو پکڑ کر حرکت دینے سے اس پر الفاظ پیدا ہونے چاہئیں۔ حالانکہ نہیں ہوتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس تعلق کی ماہیت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اسی پر تعلق کو قیاس کر لینا چاہیے جو حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ بندے کو ہے

کہ جب امورِ محسوسہ کا باہم تعلق ہم کو محسوس نہیں ہوتا تو پھر اس اعلیٰ تعلق کو کیونکر ادراک کر سکتے ہیں جو افکار و عقول کے تعلق سے بھی بالاتر ہے۔ اسی کے متعلق مولانا رومؒ ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

اتفاقے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس

ایں تعلق ہا نہ بے کیف ست و چوں عقل ہا در دانشِ چونی زبوں

لغات :۔ بے کیف جس کی کیفیت بیان نہ ہو سکے۔ بے چون جس کی کوئی مثال نہ دی جا سکے۔ دانش جاننا معلوم کر لینا۔ چونی ٹھیک کیفیت کا ترجمہ ہے۔ چوں کے معنی کیونکر اس کے ساتھ یائے مصدری شامل ہے۔ عربی میں کیف کے معنی بھی کیونکر کے ہیں اور اس کے ساتھ بھی یائے مشدد مع الہاء مصدریت کے لیے ہے۔ زبوں عاجز۔

ترجمہ :۔ کیا یہ (مذکورہ) تعلقات بھی ایسے نہیں ہیں جن کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی ہے نہ ان کی کوئی مثال دی جا سکتی ہے (یعنی واقعی ایسے ہیں) عقلیں (ان کی) کیفیت سمجھنے سے عاجز ہیں۔

مطلب :۔ جب یہ تعلقات و مناسبات سمجھ میں آنی ناممکن ہیں تو پھر اگر حق تعالیٰ کے تعلق کی کیفیت سمجھ نہ آئے تو اس پر کیا تعجب ہے آگے تعلق مع اللہ کو بیان فرماتے ہیں۔

جانِ کل با جانِ جزء آسیب کرد عقل از وُد رّے ستد در جیب کرد

لغات :۔ جانِ کل ذاتِ حق۔ جانِ جز انسان۔ آسیب اثر۔

ترجمہ :۔ ذاتِ حق نے انسان پر اپنا اثر ڈالا تو انسان نے اس سے (تجلّی کا) ایک موتی لے لیا اور (دل کے) گریبان میں ڈال دیا۔

مطلب :۔ عبد کو حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے، وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو فاعل و مختار ہے، انسان پر اپنی تجلی کی جس سے وہ منور و مستفید ہوا، اور اس نے اس نور و تجلی کو اپنے قلب میں جگہ دی۔ اس کا نام تجلی با نوار اللہ اور تخلق با اخلاق اللہ ہے اور یہی بندے کی حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت و مجانست ہے۔ صائبؒ۔

آسودہ زسیرِ فلک و گردشِ چرخ اند حیرت زدہ جلوۂ مستانہ یا راند

آگے اس خیال کی ایک مثال سے توضیح فرماتے ہیں :۔

ہم چو مریم جاں ازاں آسیبِ جیب حاملہ شد از مسیحِ دلفریب

لغات :۔ آسیبِ جیب۔ دل کا اثر اور یہ فعل کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔

ترجمہ :۔ روح حضرت مریمؑ کی طرح اس تاثرِ قلب سے (تعلق باللہ کے) مسیح دل فریب کی حاملہ ہوگئی۔

مطلب :۔ جس طرح حضرت مریمؑ کے گریبان میں روحِ حق کے چھونے سے ان کے پیٹ میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہو گئے، اسی طرح حق تعالیٰ کی تجلی جب قلب پر ہوتی ہے تو اس سے وہ مستفید و منور ہو جاتا ہے۔ مسیح کو دلفریب اس لیے کہا کہ ان کی بے پدر پیدائش اور پھر مہد کے اندر تکلم وغیرہ دو باتیں تھیں جن سے قلوبِ عامہ حیرت زدہ ہو گئے تھے۔ آگے اس عیسیٰؑ کی تعیین فرماتے ہیں :۔

آں مسیحے نے کہ بر خشک و تر ست آں مسیحے کز مساحت برتر ست

لغات :۔ خشک و تر مراد زمین جو بحر و بر پر مشتمل ہے۔ مساحت ناپنا مراد کم و کیف۔

صنائع :۔ مسیح اور مساحت میں مناسبتِ لفظی ہے۔

ترجمہ:۔ یہ وہ مسیح نہیں جو متولد ہو کر دنیا کے بحروبر پر (مقیم رہ چکے ہیں بلکہ وہ مسیح ہیں جو کم وکیف سے بالا ہیں)۔

مطلب:۔ جن مسیح علیہ السلام سے حضرت مریم حاملہ ہوئی تھیں، وہ تو پھر بھی ایک انسان تھے لیکن اہل اللہ کے دل جوان کی مثل ایک بارامانت کے حامل ہوتے ہیں، وہ نہ مادی ہے نہ مقداری بلکہ مجرد محض ہے اور وہ تجلی حق ہے۔ جامیؒ۔

در دل خیالِ دوست وطن کرد بنگرید کیں خانۂ خراب مقامِ نشستِ کیست؟

پس ز جانِ جاں چو حامل گشت جاں از چنیں جانے شود حامل جہاں

ترجمہ:۔ پس جب روح اس جانِ جاں (مطلوبِ حقیقی) کی حامل ہوگئی تو ایسی روح (عظمت و برتری) کے اس درجے پر فائز ہوگئی کہ اس سے (سارا) جہان پُر ہوگیا۔

مطلب:۔ انسانِ کامل چونکہ تجلیاتِ حق کا مظہر ہوتا ہے۔ اس لیے تمام جہان اس سے مستفید ہوتا ہے۔ صائبؒ۔

میر سد فیض سکرد جاں باطرافِ جہاں مے شود آفاق روشن صبح چوں خنداں شود

پس جہاں زاید جہانے دیگرے ایں حشر او را نماید محشرے

لغات:۔ حشر بفتحتین جماعت اور بفتح حاء وسکونِ سین جمع کرنا لوگوں کو قیامت کے روز۔

ترجمہ:۔ یہ جہان (اپنی تعلیم وتربیت سے) ایک اور (نیا) جہان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ جماعت اس کو (اپنی) تاثیراتِ تصرفات سے قیامت (کا نمونہ) بنا دیتی ہے۔

مطلب:۔ اہل اللہ کی ایک جماعت سے دوسری جماعت مستفید ہوتی ہے۔ پہلی جماعت دوسری جماعت کو ایسے کمالاتِ روحانیہ سے متجلی بنا دیتی ہے کہ ان کے تصرفات سے روحانی واخلاقی دنیا میں اصلاح وتادیب کا ایک حشر برپا ہو جاتا ہے۔ ایں کا اشارہ جہان کی طرف ہے۔ اور ''اورا'' کی ضمیر ''جہانے دیگرے'' کی طرف راجع ہے۔

تا قیامت گر بگویم بشمرم من ز شرحِ ایں قیامت قاصرم

ترجمہ:۔ اگر میں قیامت تک بھی بیان کرتا رہوں اور گنتا رہوں۔ تو (تصرفات کی) اس قیامت کی تفصیل سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

مطلب:۔ اہل اللہ کے کمالات غیر منتہی ہیں اس لیے ان کے فیوض بھی بے پایاں ہیں وہ بندگانِ خدا کو کس طرح فیض پہنچاتے ہیں۔ کس قدر پہنچاتے ہیں اور کب تک پہنچاتے ہیں ان تفصیلات کا خاتمہ قیامت تک نہیں ہوسکتا۔

ایں سخنہا خود بمعنی یارب ست حرفہا دامِ دمِ شیریں لبے ست

لغات:۔ یاربّ ذکرِ حق۔ دم گفتگو۔ شیریں لب محبوب مراد محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ۔

ترجمہ:۔ یہ باتیں (جو میں مسلسل بولتا چلا جاتا ہوں) خو (بمنزلہ) ذکرِ حق ہیں (یہ) کلمات اس محبوبِ حقیقی کی گفتگو کا جال (یعنی اس کے محرک وجاذب) ہیں۔

مطلب:۔ فرماتے ہیں ہمارا لوگوں سے خطاب اور لوگوں سے ہمکلامی وہی درجہ اور ثواب رکھتی ہے جو ذکرِ حق کا ثواب ہے۔ بلکہ ہمارا خطاب ومکالمہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ بزرگوں کی دو شانیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کے سپرد خدمتِ خلق نہیں ہوتی تو وہ ہروقت ذکر وشغل میں مصروف رہتے ہیں اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کے سپرد خدمتِ خلق ہوتی ہے۔ وہ متوجہ بخلق

للحق ہوتے ہیں۔ تو ان کا خطاب اور توجہ بھی پہلے بزرگوں کے ذکر و شغل کے مثل بلکہ اس سے افضل ہوتی ہے۔ جیسے کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھے میں ویسا ہی ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرے تو میں اس کے ساتھ ہوں۔ پس اگر مجھے اپنے دل میں یعنی مخفی طور پر یاد کرے تو میں بھی اس کو مخفی طور پر یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو مجمع میں یاد کرے تو میں اسے اس مجمع سے اچھے مجمع میں یاد کرتا ہوں (مشکوٰۃ) اس سے ثابت ہے کہ اس دوسرے بزرگ کی توجہ مخلق پہلے کے ذکر و شغل سے افضل ہے۔ چونکہ اس کی توجہ الی الخلق للحق ہے' تو گویا الی الحق ہی ہے پس جب وہ مخلوق کو پکارتا ہے تو گویا حق تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے اور حق تعالیٰ اس کے جواب میں لبیک فرماتا ہے۔ اس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ یہ میرے حروف اس شیریں لب محبوب حقیقی کی گفتگو کے جال ہیں کہ جب میں ان حروف کو ادا کرتا ہوں تو ادھر سے لبیک کا خطاب میرے لیے موجب سرفرازی ہوتا ہے۔ (کلید)

چوں کند تقصیر؟ پس چوں تن زند؟ چونکہ لبیکش زیارب مے رسد

لغات:۔ تقصیر کوتاہی' سستی۔ تن زند خاموش شود۔

ترجمہ:۔ پھر وہ اس گفتگو سے کوتاہی کیونکر کرے۔ کیونکر خاموش ہو۔ جب کہ (اس) ذکرِ حق سے اس کو (حق کی طرف سے) لبیک (کا پیارا خطاب) پہنچتا ہے۔

نوٹ:۔ اس پر سوال ہو سکتا ہے۔ کہ تم جو کہتے ہو کہ ادھر سے لبیک کا خطاب آتا ہے۔ یہ خطاب اور کسی کو سنائی کیوں نہیں دیتا۔ اب اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں:۔

ہست لبیکے کہ نتوانی شنید لیک سرتا پائے بتوانی چشید

ترجمہ:۔ وہ لبیک ایسا ہے کہ تم اس کو سن نہیں سکتے لیکن سر سے پاؤں تک اس کو چکھ سکتے ہو۔

مطلب:۔ یعنی خطابِ حق کوئی حسی امر نہیں کہ اس کو کانوں سے سن سکو بلکہ وہ ذوقی امر ہے جس سے روح استلذاذ حاصل کر سکتی ہے اور اسی شخص کی روح اس دولت سے متمتع ہو سکتی ہے۔ جو اس کوچہ سے آشنا ہو۔ اس رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ کما قیل۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتا کہ چوں ماشوی بدانی

یک مثل آور دمت تاپے بری وزچنیں لبیک پنہاں برخوری

ترجمہ:۔ میں ایک مثال تم سے بیان کرتا ہوں تا کہ تم (اس رمز کا) سراغ پا سکو اور اس اسراری لبیک سے متمتع ہو سکو۔

کلوخ انداختن آں تشنہ از سرِ دیوار در جوئے آب

ایک پیاسے کا دیوار پر سے پانی کی نہر میں ڈھیلے مارنا

برلبِ جُو بُود دیوارے بلند برسرِ دیوار تشنہ دردمند

ترجمہ:۔ ایک نہر کے کنارے اونچی دیوار تھی۔ دیوار کے اوپر ایک مصیبت زدہ پیاسا (بیٹھا تھا)۔

تشنۂ مستسقیِ زار و نزار　　عاشقے مستے غریبے بے قرار

لغات:۔ مستسقی طالبِ آب۔ زار بدحال۔ نزار لاغر۔

صنائع:۔ تنسیق الصفات۔

ترجمہ:۔ (وہ) پیاسا (تھا) طالبِ آب (تھا) بدحال و لاغر (تھا پانی کا) فریفتہ (تھا) پانی کے شوق میں مست (تھا) بے قرار (تھا)۔

مانعش از آب آں دیوار بود　　از پے آب او چو ماہی زار بود

ترجمہ:۔ پانی (پینے) سے وہ دیوار اس کی مانع تھی وہ پانی کے لیے مچھلی کی طرح بیتاب تھا۔

شد حجابِ آب آں دیوارِ او　　بر فلک مے شد فغانِ زارِ او

ترجمہ:۔ پانی (تک پہنچنے) سے وہ دیوار اس کی آڑ بن گئی (اس بے بسی سے) اس کی دردناک فریاد آسمان پر پہنچتی تھی۔

ناگہاں انداخت او خشتے در آب　　بانگِ آب آمد بگوشش چوں خطاب

ترجمہ:۔ اچانک اس نے ایک اینٹ پانی میں ڈال دی۔ تو پانی کی آواز اس طرح اس کے کان میں آئی جیسے وہ خطاب (کر کے پکارتا ہو)۔

چوں خطابِ یار شیریں و لذیذ　　مست کرد آں بانگِ آبش چوں نبیذ

لغات:۔ نبیذ شراب۔

ترجمہ:۔ پانی کی اس آواز نے اس کو شیریں (ادا) و پُرلطف محبوب کے خطاب کی طرح مست کر دیا جیسے شراب پی ہو۔

از سماعِ بانگِ آب آں ممتحن　　گشت خشت انداز و زانجا خشت کَن

لغات:۔ ممتحن حاء کے فتح سے امتحان میں پڑا ہوا، محنت کشیدہ، مصیبت زدہ، خشت کَن بفتح کاف اینٹ کو اکھیڑنے والا۔

ترجمہ:۔ وہ مصیبت زدہ پانی کی آواز سننے سے (اس شغل میں منہمک) ہو گیا کہ اوپر سے اینٹ اکھیڑتا اور ادھر ڈال دیتا۔

مطلب:۔ اسی طرح طالبِ حق بھی ذکر و شغل میں لگا رہتا ہے اور چونکہ اس کو مخبرِ صادق سے یہ خبر ملی ہے کہ جو شخص خدا کا ذکر کرتا ہے۔ اس خبر پر اس کو اس قدر یقین ہے کہ وہ خدا کا ذکر گویا اپنے کانوں سے سن رہا ہے۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا"۔ (بقرہ ع ۱۸)

آب میزد بانگ یعنی ہے تُرا　　فائدہ چہ زیں زدن خشتے مرا

ترجمہ:۔ پانی اس کو (بزبانِ حال) پکار رہا تھا کہ ارے! تجھے اس سے کیا فائدہ ملتا ہے کہ مجھ میں اینٹ مار رہا ہے۔

تشنہ گفت آبا مراد و فائدہ است　　من ازیں صنعت ندارم ہیچ دست

لغات:۔ آبا اے آب صنعتِ فعل۔ ندارم نہ بردارم۔

ترجمہ:۔ پیاسے نے کہا اے پانی! مجھے (اس خشت زنی سے) دو فائدے ہیں۔ اس لیے میں ہرگز اس فعل سے دست بردار نہ ہوں گا۔

فائدہ اول سماعِ بانگِ آب کو بود مرتشنگا نرا چوں جواب

ترجمہ:۔ پہلا فائدہ پانی کی آواز کا سننا ہے جو پیاسوں کے لیے بمنزلہ جواب (شافی) ہے (اور اس سے کچھ نہ کچھ تسکین قلب ہوتی ہے)۔

بانگِ او چوں بانگِ اسرافیل شد مردہ رازیں زندگی تحویل شد

لغات:۔ اسرافیل وہ فرشتہ جو عالم کے فنا ہو جانے کے بعد صور پھونکیں گے۔ تو اس کے اثر سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ تحویل بدل ڈالنا۔

ترجمہ:۔ اس کی آواز (پیاس سے مرنے والوں کو تازگی حیات بخشنے میں) گویا اسرافیل (کے نفخِ صور) کی آواز ہے (کہ) مردہ (تشنگی) کی (یہ برائے نام) زندگی بدل کر ان کو تازہ زندگی مل جاتی ہے۔

یاچو بانگِ رعد ایامِ بہار باغ ے یا بدازو چندیں نگار

ترجمہ:۔ یا (اس کی آواز) ایامِ بہار میں بادل کی گرج سے مشابہ ہے (جو بارش کی علامت ہوتی ہے اور) باغ اس (بشارتِ باران کے اثر) سے اس قدر ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔

یاچو بردرویش ہنگام زکات یا چو برمحبوس پیغامِ نجات

لغات:۔ درویش محتاج وغریب مراد ہے۔ محبوس قیدی۔ یہ شعر ذوالقافیتین ہے۔

ترجمہ:۔ یا جیسے (کسی) محتاج پر (اس آواز کا اثر ہوتا ہے جو) زکوٰۃ (دینے) کے وقت اس کو دی جاتی ہے۔ یا جیسے قیدی پر (اس کی) خلاصی کا پیغام اثر کرتا ہے۔

چوں دمِ رحمٰن بود کاں ازیمن میرسد سوئے محمدؐ بے دہن

لغات:۔ دم سانس، آواز، بات، سخن۔ بے دہن بلا آلہ تکلم، توسطِ آلات سے منزہ ہے۔

ترجمہ:۔ جیسے حق تعالیٰ کی آواز جو یمن سے جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ (وغیرہ آلاتِ تکلم) کے بغیر پہنچتی ہے۔

مطلب:۔ مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے۔ **اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ** "میں رحمٰن کا دم یمن کی طرف سے پا رہا ہوں" اور شیخ ولی محمد کہتے ہیں کہ یہ اویس قرنی کی طرف اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے۔ مگر یہ فاش غلطی ہے۔ جو حدیث کے آخری کلمات سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے سرزد ہوئی۔ جو یہ ہیں کہ **فَاِذَا ھُمُ الْاَنْصَارُ** (تو وہ انصار ہیں) یہ اس امر کی تصریح ہے کہ نفسِ رحمٰن انصار تھے۔ (انتہیٰ)

انصار سے وہ اصحابِ اہلِ مدینہ مراد ہیں جنہوں نے دینِ حق کی نصرت کے لیے اپنا گھربار اور مال ومتاع حتیٰ کہ اپنی جان پیش کی۔ اور انہی لوگوں کی دعوت اور معاہدۂ حمایت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سمیت مدینے کی طرف ہجرت فرمائی ان لوگوں کی قدامت ملکِ یمن سے وابستہ ہے اور وہ اسی خطے کے قدیمی باشندے اور قحطان کے خاندان سے تھے یمن میں جب وہ مشہور و تاریخی سیلاب آیا جس کو سیلِ عرم کہتے ہیں اور جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ سبا میں ہے تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینے میں آباد ہوئے یہ دو بھائی تھے اوس اور خزرج تمام انصار انہی دو کی اولاد

یا چو بوئے احمدؐ مرسل بود　　کاں بعاصی در شفاعت میرسد

ترجمہ:۔ یا وہ آوازِ آب حضرت احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بو سے مشابہ ہے جو (ایک) گنہگار کو (آپ کے) شفاعت (کرنے) کے وقت محسوس ہوگی۔

مطلب:۔ جس طرح وہ عاصی اس خوشبو سے فرحت پائے گا اسی طرح ایک پیاسا اس آواز سے راحت پاتا ہے۔

یا چو بوئے یوسفؑ خوبِ لطیف　　میزند بر جانِ یعقوبؑ نحیف

ترجمہ:۔ یا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام (جیسے) خوبرو پاکیزہ (انسان) کی خوشبو نے (دردِ فراق سے) کمزور ہو جانے والے حضرت یعقوب علیہ السلام کی جان پر (ایک تازگی بخش اثر کیا) اسی طرح آوازِ آب پیاسے پر اثر کرتی ہے۔

یا نسیم روضۃ دارالسلام　　سوئے عاصی میرسد بے انتقام

لغات:۔ نسیم ہلکی اور خوشگوار ہوا۔ روضہ باغ۔ دارالسلام ایک بہشت کا نام ہے۔ انتقام سزا/عذاب۔

ترجمہ:۔ یا (جیسے) باغِ بہشت کی پاک و خوشگوار ہوا جو کسی گنہگار کو پہنچتی ہے بغیر (اس) عذاب کے (جو گناہوں کی پاداش میں اسے ملنا چاہیے تھا۔

یا سوئے مسِ سیہ از کیمیا　　میرسد پیغام کاے ابلہ بیا

ترجمہ:۔ یا جیسے ایک کالے (بدنما) تانبے کی طرف کیمیا کی طرف سے یہ پیغام پہنچتا ہے کہ اے بے وقوف ادھر آ (تا کہ تجھے سونا بنا دوں تو یہ آواز تانبے کے لیے کس قدر باعثِ فرحت ہونی چاہیے اسی طرح پانی کی آواز پیاسے کے لیے ہے۔

نکتہ:۔ اس مثال میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ کبھی توفیقِ حق خود ایسے شخص کو جو صراطِ مستقیم سے فرار و گریز کرتا ہو گھیر گھیر کر اس راہ پر لے آتی ہے کما قیل۔

گرچہ چوں سیل از غبارہٗ گراں گردیدہ ام　　جذبہ دریا سبک رفتار مے سازد مرا

یا ز لیلیٰ بشنود مجنوں کلام　　یا فرستد ویس رامی را پیام

لغات:۔ ویس ایک عورت کا نام ہے۔ جو رامی نام ایک عاشق کی معشوق تھی اصل میں یہ لفظ ویسہ بتائے تانیث ہے۔ ضرورتاً تا حذف کی گئی۔ رامی ایک مرد کا نام جو ویسہ نام عورت کا عاشق تھا۔

ترجمہ:۔ یا (پیاسا پانی کی آواز سے اسی طرح لطف اٹھاتا ہے جس طرح) مجنوں لیلیٰ (کی زبان) سے بات سنتا اور محظوظ ہوتا ہے یا (جس طرح) ویس رامی کو پیغام بھیجتی ہے اور وہ اس سے لطف اٹھاتا ہے۔ کما قیل۔

مپرس حالِ دل آں دم کہ درسخن آئی　　کریم چوں گہر افشاں کند گدا چہ کند

فائدۂ دیگر کہ ہر خشتے کزیں　　برکنم آیم سوئے ماءِ معین

لغات:۔ برکنم کندن (اکھیڑنا) سے معین صاف، خالص۔ قید اتفاقی ہے۔

ترجمہ:۔ دوسرا فائدہ (یہ ہے) کہ جو اینٹ اس دیوار سے اکھیڑتا ہوں تو (اس کی وجہ سے) میں (اس نہر کے) خالص پانی کی طرف (قریب) ہوتا (جاتا) ہوں۔

کز کمیِ خشتِ دیوارِ بلند پست تر کردد بہر دفعہ کہ کَنَد

ترجمہ:۔ کیونکہ جوں جوں اینٹ اکھڑتی جاتی ہے توں توں اینٹوں کے کم ہوتے جانے کے سبب سے (یہ) اونچی دیوار اور بھی نیچی ہوتی جاتی ہے۔

پستیِ دیوار قربے مے شود فصلِ او درمانِ وصلے مے بود

ترجمہ:۔ دیوار کی پستی (پانی کے) قرب کا سبب ہوتی جاتی ہے اس کی (اینٹ اینٹ کی) جدائی میرے پانی کے ساتھ) ملنے کی تدبیر بنتی جاتی ہے۔

سجدہ آمد کندنِ خشتِ لزِب موجبِ قُربے کہ وَاسجُدُوَاقتَرِبْ

لغات:۔ لزب بفتح لام وکسر زاء معجمہ چمٹنے والا۔ خشتِ لزب یعنی جمی ہوئی اینٹ سے اخلاقِ رذیلہ اور عاداتِ خسیسہ مراد ہیں جو انسان کے نفس میں راسخ و مستحکم ہوتی ہیں۔

ترکیب:۔ سجدہ مبتدا کندن الخ خبر موجب قربے دوسری خبر۔

ترجمہ:۔ سجدہ کرنا (اخلاقِ بد کی) جمی ہوئی اینٹ کا (اپنے دیوارِ وجود سے) اکھاڑ پھینکنا ہے (اور یہ) قرب (حق) کا موجب ہے کہ (آیہ) وَاسجُدُو اقتَرِبْ اس کی دلیل ہے۔

مطلب:۔ یہاں سے مولاناؒ ترغیب عبادت کی طرف انتقال فرماتے ہیں یعنی ارشاد ہے کہ مغرور و متکبر نفس کی اصلاح اور اس کی صفاتِ ذمیمہ کے ازالہ کی بہترین تدبیر سجدہ ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

نفسِ سرکش کو کچلنا ہو تو ہو سر بسجود کرنا اس سگ کو مصلے پہ حلال اچھا ہے

جب صفاتِ ذمیمہ جو مانعِ قرب اور موجبِ بُعد تھیں زائل ہو جائیں تو قربِ حق حاصل ہو جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ سجدہ موجبِ قرب ہے۔ صائبؒ۔

پستی دلیلِ قرب بود در طریقِ عشق ایں جاپیا دہ پیش بوداز سوا رہا

اور سجدہ کے موجبِ قرب ہونے کی سب سے روشن دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ علق کے آخر میں فرماتا ہے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کرو اور قرب پاؤ وقال قدس سرہ۔

گفت وَاسْجُدُواقتَرِب یزدانِ ما قربِ جاں شد سجدۂ ابدانِ ما

جامیؒ۔

اے زسجودِ درت مرتبۂ قرب یافت بندہ زخدمت شود خاصگیِ شاہِ خویش

صائبؒ۔

تیج ست آں طرف آب پیشِ دانا یاں دوتا شدن برکوع وسجود ایں مردم

تا کہ ایں دیوار عالی گردن ست مانعِ ایں سرفرود آوردن ست

لغات:۔ عالی گردن بلند گردن۔ گردن بکاف فارسی بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں مرکب غیر امتزاجی بمعنی گردن افرازد

سربلند ہوگا۔ سرفرود آوردن سر جھکانا، سجدہ کرنا۔

ترجمہ:۔ جب تک اس دیوار (وجود) کو بلند کرنا (زیرِ عمل) ہے۔ وہ اس سجدہ کی بجا آوری کا مانع ہے۔

مطلب:۔ جب تن پروری وتن آرائی میں مصروف رہیں جو دیوارِ وجود کو بلند کرنے کا مترادف ہے تو سجدہ کے لیے سر جھکنے کی کہاں امید۔ کیونکہ سجدہ کے لیے سر کا قرب فرشِ خاک کے ساتھ ہونا چاہیے اور دیوار کی بلندی دیوار نشین کو فرشِ خاک سے دور لے جا رہی ہے۔ وصل کے لیے تن پروری کا ترک ضروری ہے کما قیل۔

رفعتِ ایں دیوار را یک قدِ آدم بیش نیست　　زو دگذر از تن خاکی کہ سدِ راہِ تست

سجدہ نتواں کرد بر آبِ حیات　　تا نیابی زیں تنِ خالی نجات

ترجمہ:۔ جب تک تم اس تنِ خالی (کے اہتمام) سے نجات نہ پاؤ، آبِ حیات پر سجدہ نہیں کر سکتے۔

مطلب:۔ جب تک تن پروری وشکم پرستی سے دست بردار نہ ہوگے قربِ ذات سے جو حیاتِ دوام کا موجب ہے متمتع نہیں ہو سکتے۔ صائبؒ۔

خاکیا نے کہ بمعمارئ تن کوشیدند　　در رہِ آب بقا سدِ سکندر بستند

بر سرِ دیوار ہر کہ تشنہ تر　　زود تر بر مے کند خشت و مدر

لغات:۔ مدر مٹی کا ڈھیلا، کلوخ۔

ترجمہ:۔ جو شخص دیوار کے اوپر (جس قدر) زیادہ پیاسا ہوگا اتنی زیادہ جلدی دیوار کی اینٹیں اور ڈھیلے اکھیڑے گا۔

مطلب:۔ وصول الی اللہ اور حصولِ قرب کے لیے شدتِ شوق شرط ہے۔ جس کو انتہائی شوق وشغف ہوگا وہ ذرائع وصول اختیار کرنے اور اس کے مواقع کے رفع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے گا جس طرح کنارۂ دریا کی دیوار کے اوپر بیٹھا ہوا پیاسا جب دیکھتا ہے کہ اگر دیوار پست ہو جائے تو پانی کے قریب پہنچ سکتا ہوں تو وہ دیوار کے پست کرنے کے لیے جلدی جلدی اس کی اینٹیں اکھیڑنی شروع کر دیتا ہے غرض وصول الی اللہ کے لیے اس پیاسے کا سا شوق ہونا چاہیے۔ جامیؒ۔

بے طلب نتواں وصالت یافت آرے کے رسد　　دولتِ کعبہ بجز رنجِ بیاباں دیدہ را

ہر کہ عاشق تر بود بر بانگِ آب　　او کلوخِ زفت بر کند از حجاب

لغات:۔ زفت سخت، مضبوط، موٹا بھاری بھرکم بمعنی اول یہ مطلب ہے کہ تقاضائے عشق سے سخت سے سخت اور مضبوط ومحکم اینٹوں اور ڈھیلوں کو اکھیڑنے میں دریغ نہیں کرتا دوسرے معنی کی صورت میں یہ مطلب ہے کہ وہ بھاری بھاری ڈھیلے اکھیڑنے بھی آسان سمجھتا ہے حجابِ مانع۔

ترجمہ:۔ جو شخص پانی کی آواز (سننے) پر زیادہ عاشق ہوتا ہے۔ وہ اس دیوار مانع (سماع) سے بڑے بڑے ڈھیلے اکھیڑنے میں دریغ نہیں کرے گا۔

او ز بانگِ آب پُر مے تا عنق　　نشنود بیگانہ جز بانگِ بلق

لغات:۔ مے شراب یہاں نشہ مراد ہے۔ عنق گردن۔ بیگانہ محروم۔ بلق اسم صوت، پانی میں کسی چیز کے گرنے کی آواز گڑپ۔

ترجمہ:۔ وہ (پانی کی آواز کا عاشق) آب ... گلے تک پُر ہے مگر (جو شخص اس شوق سے) محروم

ہے وہ سوائے غڑپ (کی آواز) کے اور کچھ نہیں سنتا۔ جو پانی میں کوئی چیز گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

اے خنک آنرا کہ او ایامِ پیش مغتنم دارد گزارد وامِ خویش

لغات:۔ خنک ٹھنڈا، خوش وخرم۔ وام قرض مراد قرض۔

ترجمہ:۔ مزے میں ہے وہ شخص جو (عہد شباب کے) پہلے ایام غنیمت سمجھے (اور) اپنے فرائض (جوانی میں) ادا کرتا ہے۔

مطلب:۔ ایامِ جوانی میں ریاضات ومجاہدات کا درجہ اعلیٰ ہوتا ہے اس لیے ان ایام میں اس سعادت سے متمتع ہونا بڑی خوش قسمتی ہے۔ سعدیؒ۔

جوانِ گوشہ نشیں شیر مردِ راہ خداست کہ پیر خود نتواند ز گوشہ برخاست

نیز قوت جوانی تحمل مجاہدات کے لیے موجب آسانی ہے۔

درجوانی میتواں برخورد صائب از حیات در بہار ایں چنیں تخمے نے کاری چہ شود؟

اندراں ایام کش قدرت بود صحت و زور و دل و قوت بود

ترجمہ:۔ ان ایام میں (ریاضات ومجاہدات سے فائدہ اٹھائے) جب کہ اس کو قدرت ہوتی ہے تندرستی (قائم) اور زور (بدن بحال) اور دل (قوی) اور قوت (اعتدال پر) ہوتی ہے۔ صائبؒ۔

برگِ سفر بساز کہ بادست رعشہ دار نتواں گرفت دامنِ بادِ بہارِ عمر

واں جوانی ہم چو باغِ سبز وتر میرساند بے دریغے بار و بر

ترجمہ:۔ اور وہ جوانی (کی عمر) سبز وشاداب باغ کی طرح بے دریغ پھل اور میوے بخشتی ہے۔

مطلب:۔ طاعات وعبادات اور ریاضات ومجاہدات کا لطف کچھ جوانی ہی میں آتا ہے بڑھاپے کے ضعف وناتوانی میں ان کی بجا آوری نہ آسان ہے اور نہ پُر لطف۔ کما قیل۔

زعصیاں لب گزیدن در جوانی با نمک دارد ازیں نعمت چہ لذت مے بری چو ریخت دندانہا

چشمہ ہائے قوت وشہوت رواں سبز مے گردد زمینِ تن بداں

ترجمہ:۔ زور (جسم) اور خواہش (عمل) کے چشمے جاری ہیں۔ جن سے بدن کی زمین ہری بھری ہو رہی ہے۔

مطلب:۔ جوانی کی عمر میں فعل وعمل کا دل میں ولولہ اور جسم میں طاقت ہوتی ہے اس لیے اگر بندہ اس عمر میں اعمال حسنہ پر مائل ہو جائے تو توشۂ عقبیٰ کا بہت بڑا سرمایہ فراہم کرسکتا ہے اور اگر افعالِ سیۂ کی طرف جھک پڑے تو اپنے آپ کو معاصی ومناہی کا ایک بدترین نمونہ بھی بنا سکتا ہے۔ غرض زندگی کے اس دور میں عمل کا مادہ موجود ہوتا ہے خواہ برے مصرف میں لگا لو یا اچھے مصرف میں۔ بہرحال مادہ کا موجود ہونا مغتنم ہے بڑھاپے میں تو کچھ بھی نہیں اس وقت نیکی تو کیا ہوگی گناہ کی بھی طاقت نہیں ہوتی اور پھر ایسے ترکِ گناہ کی کیا فضیلت۔ سعدیؒ۔

جوانِ سخت بے باید کہ از شہوت پرہیزد کہ پیر سست رغبت را خود آلت برنمے خیزد

خانۂ معمور وسقفش بس بلند معتدل ارکان و بے تخلیط و بند

لغات:۔ معمور آباد۔ سقف چھت [illegible] وٹ۔ بند رکاوٹ۔

صنائع:۔ ارکان کے لفظ میں ایہام مرشح ہے عناصر کی طرف تخلیط میں ایہام تناسب ہے بلحاظ اخلاطِ بدن کے۔

ترجمہ:۔ (جوانی میں جسم کا) گھر آباد (ہے) اور اس کی قوت وصحت کی چھت بلند ہے اس کے اعضاء و جوارح کے ستون سڈول ہیں، نہ ان کے تناسب میں گڑبڑ ہے نہ ان کے افعال میں کسی قسم کی رکاوٹ ہے۔

مطلب:۔ ایام جوانی ہر طرح مواقع کامرانی ہیں جو چاہو کرو۔ صائبؒ ۔

ز روز گارِ جوانی تمتعے بردار
سبک رکابی بادِ بہار معلوم ست

نورِ چشم وقوتِ ابداں بجا
قصر محکم خانۂ روشن پُر صفا

ترجمہ:۔ آنکھوں کی بینائی اور جسموں کی طاقت قائم ہے (بدن کا) محل مضبوط ہے (یہ) گھر روشن اور پوری طرح صاف ہے۔ نظامیؒ ۔

خوشا مُلکا کہ ملکِ زندگانی ست
بہیں روزا کہ او روزِ جوانی ست
نہ ہست از زندگی خوش تر شمارے
نہ چوں روزِ جوانی روز گارے

ہیں غنیمت داں جوانی اے پسر
سرفرود آور بکن خشت و مدر

ترجمہ:۔ اے عزیز! خبردار جوانی کو غنیمت سمجھو۔ عاجزی اختیار کرو اور (اخلاق ذمیمہ کی) اینٹ ڈھیلے (اپنی دیوارِ وجود سے) اکھیڑ ڈالو۔

مطلب:۔ جوانی ہی میں ریاضات ومجاہدات سے اپنی اصلاح کرلو۔ اس کے لیے یہ موقع اچھا ہے۔ صائبؒ ۔

رہِ صلاح بدست آردر جوانی ہا
کہ پیش پا بہ چراغ مزار نتواں دید

پیش ازاں کایامِ پیری در رسد
گردنت بندد بحبلٍ مِن مَسَد

لغات:۔ کایام کہ ایام۔ حبل رسی۔ مسد کھجور کے ریشے کی رسی، مونج کی رسی، اونٹ کی اون کی رسی اس میں سورۂ لہب کی اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔ جس میں ابولہب کی عورت کے برے انجام کا ذکر ہے۔ کہ فِیْ جِیْدِ ھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ یعنی اس کی گردن میں ریشۂ خرما کی رسی پڑی ہوئی ہے۔

ترجمہ:۔ (جوانی کو غنیمت سمجھ کر کچھ عمل کمالو) قبل اس کے کہ بڑھاپے کے دن پہنچ جائیں اور تمہاری گردن ریشۂ خرما کی رسی سے جکڑی جائے۔

مطلب:۔ جوانی میں اعمال کا ذخیرہ فراہم کرنا آسان ہے ایامِ پیری میں کچھ نہ ہو سکے گا اور موت کے بعد تو سلسلۂ اعمال ہی بند ہو جائے گا کہ پھر جزائے اعمال کا وقت ہے۔ حافظؒ ۔

چو بر روئے زمین باشی توانائی غنیمت داں
کہ دوراں ناتوانی ہابسے زیرِ زمیں دارد

خاک شورہ گردد وریزاں وست
ہر گز از شورہ نباتِ خوش نرست

لغات:۔ خاک شورہ گشتن۔ مٹی کا شور اور کلر بن جانا جو اس کے نہایت خراب ونا کارہ ہو جانے کی دلیل ہے اور یہ یا تو استعارہ ہے بڑھاپے میں انسانی وجود کے از کار رفتہ ہو جانے سے ...

ترجمہ:۔ (اور قبل اس کے کہ تمہارے وجود کی) مٹی شور اور بھری بھری اور کمزور ہو جائے (ورنہ پھر عمل کی امید کہاں کیونکہ کلر سے ہرگز سبزہ خوشنما نہیں اگ سکتا۔

مطلب:۔ بمعنی الاول بڑھاپے میں طاعات وعبادات کا بجالانا مشکل ہے۔ اور بمعنی الثانی مرنے کے بعد کوئی عمل ہوسکنا محال ہے۔ صائبؒ۔

دامنِ دشتِ عدم گیاہ ندارد — وائے برآنکس کہ زادِ راہ ندارد

آب زور وآبِ شہوت منقطع — اوز خویش و دیگراں نا مُنتفع

لغات:۔ منقطع بند۔ منتفع فائدہ اٹھانے والا، نفع پانے والا۔

ترجمہ:۔ (بڑھاپے میں موت کے وقت) طاقت (بدن) اور خواہش (دل) کی موجیں رک جائیں گی (اب) وہ اپنے (اعمال سے) اور دوسروں (کی دستگیری) سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔

مطلب:۔ اگر اوپر خاک شورہ شدن سے جسم کا ضعیف وناتواں ہونا مراد ہے۔ تو مطلب یہ کہ بڈھا نہ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ خود ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے الا قلیلاً اور اگر اس سے مرنا اور بدن کا مٹی میں مل جانا مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مردہ زندہ لوگوں کے لیے نہ مفید ہے نہ ان سے مستفید۔

رفعِ اشتباہ:۔ اگر اس سے مرنے کی بعد کی حالت مراد لی جائے تو دوسرے مصرعہ کے مضمون سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید مولاناؒ کے نزدیک بھی زندوں کے ایصالِ ثواب سے مردے منتفع نہیں ہوسکتے جیسے کہ معتزلہ اور بعض وہابیہ کا مذہب ہے حالانکہ اہلِ سنت والجماعت انتفاع کے قائل ہیں اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس مصرعہ کا یہ مطلب نہیں کہ مردے مطلقاً دوسرے زندہ لوگوں سے منتفع نہیں ہوتے بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح ایک زندہ آدمی دوسرے لوگوں سے بلاواسطہ داد وستد سے منتفع ہوسکتا ہے مردہ اس طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور جس طرح مرنے کے بعد اس کا خود اعمال بجالانا اور مستحقِ اجر ہونا محال ہے، اسی طرح زندہ لوگوں کے ساتھ تمدنی ومعاشری تعلقات رکھنا اور ان تعلقات کی بنا پر براہِ راست ان سے فائدہ رسانی وفائدہ گیری کرنا ناممکن ہے باقی رہی یہ بات کہ وہ عنایتِ حق کے واسطے سے زندہ لوگوں کے اعمالِ بر سے جو وہ اس کو ثواب پہنچانے کے لیے بجالائیں منتفع ہوتا ہے اور یہی مولانا کا مسلک ہے کیونکہ وہ بھی اہلِ حق میں شامل ہیں شرحِ عقائدِ نسفی میں لکھا ہے۔ وفی دعاء الاحیاء للاموات او صدقتهم عنهم لهم خلافاً للمعتزلی تسکا بان القضا لایتبدل و کل نفس مرهونة بما کسبت و المرء مجری بعلمه لا یعمل غیره یعنی زندہ لوگوں کے مردوں کے لیے دعائے مغفرت کرنے یا خیرات دینے سے مردوں کو ثواب پہنچتا ہے معتزلہ اس کے خلاف ہیں جن کی دلیل یہ ہے کہ تقدیرِ الٰہی بدل نہیں سکتی اور یہ کہ ہر نفس اپنے کمائے ہوئے عملوں کے ساتھ مرہون ہے اور یہ کہ انسان اپنے عملوں کی جزا پائے گا نہ کہ غیر کے عملوں کی پھر لکھا ہے۔ ولنا ما ورد فی الاحادیث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصاً فی صلوٰة الجنازة وقد توارثه السلف فلو لم یکن للاموات نفع فیه لما کان له معنی وقال علیه السلام وما من میت تصلی علیه امه من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الاشفعوا فیه وعن سعد بن عبادة انه قال یارسول الله ان ام سعد مانت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بئر وقال هذا لام سعد وقال علیه السلام الدعاء یرد البلاء والصدقة تطفی غضب الرب وقال علیه السلام ان العالم والمتعلم اذا مر علیٰ قریة فان الله یرفع العذاب عن مقبرة تلک القریة اربعین یوماً والآثار فی هذا الباب اکثر من ان تحصیٰ۔ یعنی ہماری دلیل وہ صحیح

احادیث ہیں جو اموات کے لیے دعا کرنے خصوصاً نماز جنازہ کی دعا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور وہ سلف سے متوارث ہے پس اگر اموات کے لیے اس میں نفع نہ ہوتا تو اس کا کچھ معنی نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس میت پر ایک سو مسلمان نماز جنازہ پڑھیں جو سب کے سب اس کے لیے دعائے مغفرت کریں ان کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ام سعد یعنی خود ان کی والدہ نے وفات پائی تو کون سی خیرات سب سے اچھی ہے آپؐ نے فرمایا پانی تو انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا یہ ام سعد کے لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا بلا کو رد کر دیتی ہے اور صدقہ اللہ کے غضب کو فرو کر دیتا ہے اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عالم اور متعلم جب کسی بستی سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے قبرستان سے چالیس روز تک عذاب ملتوی کر دیتا ہے اور اس بارے میں احادیث و آثار بے شمار ہیں۔

ابروان چوں پاءِ دُم زیر آمده　　چشم رانم آمده تاری شده

لغات:۔ پاءِ دم دمچی۔ زیر آمده لٹکی ہوئی۔ تاری مخفف تاریک۔

ترجمہ:۔ جب کہ ابرو دمچی کی طرح نیچے کو ڈھلک جائیں گے آنکھیں اشک آلود اور بے نور ہو جائیں گی۔

مطلب:۔ یہ ضعفِ پیری اور نزع کی حالت کا نقشہ ہے۔ صائبؒ

ہر نفس فردے بخاک افتد ز اوراقِ حواس　　چوں بزردی روگذارد آفتاب زندگی

از تشنج رو چو پشتِ سوسمار　　رفته نطق و طعم و دندا نہاز کار

لغات:۔ تشنج اینٹھن اعصاب کے کھنچنے سے جسم کا سکڑنا۔ سوسمار گوہ ایک جانور کا نام ہے۔ نطق قوت گویائی۔ طعم۔ قوتِ ذائقہ۔

ترجمہ:۔ (جب کہ وہ حالت ہوئی کہ) چہرہ سکڑ کر گوہ کی پیٹھ کی طرح (شکن دار) ہو گیا۔ (اور) بولنے اور چکھنے کی قوت اور دانت بیکار ہو گئے۔ غنی کاشمیریؒ

برروئے خود الفہا دانی چرا کشیده ست　　از بہرِ مردنِ خوں ماتم گرفت دستم

پشت دوتا گشته دل ست و تپاں　　تن ضعیف و دست و پا چوں ریسماں

لغات:۔ دوتا دوہری۔ تپاں جس میں سوزش جلن یا دھڑکن ہو۔ ریسماں سوت تاگا، رسی۔

ترجمہ:۔ پیٹھ (جھک کر) دوہری ہو گئی۔ دل ست (ہو گیا) اور دھڑکنے لگا۔ بدن کمزور اور ہاتھ پاؤں سوکھ کر رسی (ہو گئے) کمالؒ۔

چہ زندگی ست کہ از استخواں براحوالم　　ہمیشہ خندۂ دندان نما کندلبِ گور

برسرِ ره زاد کم، مرکوب ست　　غم قوی و دل تنک، تن نادرست

لغات:۔ مرکوب سواری کا جانور۔ تنگ تنک۔ پریشان۔ نادرست سقیم، بیمار، مجروح رنجور۔

ترجمہ:۔ اب موقع تو یہ ہے کہ (راستے پر چلنے کو تیار ادھر) توشہ ناکافی ہے سواری ست ہے غم سخت ہے اور بدن رنجور۔ صائبؒ

کشتیم پیر از غمِ دنیا و آخرت　　پشت کماں خمیده زفکرِ دو خانہ است

خانہ ویراں کار بے ساماں شدہ　　　دل پُر افغاں ہم چو نے انباں شدہ

لغات:۔ نے انباں مشک کی بین جو ایک خاص جماعت کے فقیروں کے پاس ہوتی ہے مشک میں ایک نکی نصب ہوتی ہے۔ پہلے وہ اس مشک میں پھونک بھر لیتے ہیں پھر اس کو چھوڑتے ہیں تو اس نکی سے سریلی آواز نکلتی ہے۔

ترجمہ:۔ (جسم کا) گھر اجڑ گیا۔ (اور) کام بے سامان ہو گیا۔ دل مشک کی بین کی طرح فریاد سے لبریز ہے۔ جامیؒ۔

کسے کو شب ببالینِ من بیمار مے گردد　　　دلش از نالہا تے زارِ من افگار مے گردد

نوٹ:۔ یہ شعر بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے اور اکثر میں ہے۔ ایک شارح نے لکھا ہے کہ یہ شعر الحاقی ہے۔ (بحر العلومؒ)

عمر ضائع، سعی باطل، راہ دور　　　نفس کاہل، دل سیہ، جاں ناصبور

ترجمہ:۔ اب یہ دیکھ کر کفِ افسوس ملنا پڑے گا کہ عمر ضائع ہوئی۔ کوشش بیکار گئی۔ راستہ دور ہے نفس ست ہے دل تاریک ہے اور جان بے صبر ہے۔

بود کہ لطف ازل رہنموں شود حافظ　　　وگرنہ تا باید شرمسار خود باشم

موے بر سر ہمچو برف از بیم مرگ　　　جملہ اعضا لرز لرزاں ہمچو برگ

ترجمہ:۔ سر کے بال خوفِ موت سے برف کی طرح (سفید) ہو گئے تمام اعضا (اس خوف سے) پتے کی طرح سخت لرزاں ہیں۔ کما قیل۔

یقین مے داں کہ شیرانِ شکاری　　　دریں رہ خواستند از موریاری

روز بیگہ، لاشہ لنگ و رہ دراز　　　کارگہ ویراں، عمل رفتہ زساز

لغات:۔ بیگہ بے گاہ، بے وقت۔ لاشہ زبوں، لاغر، ضعیف۔ مطلق حیوان ہو یا انسان اور اکثر یہ لفظ گھوڑے یا گدھے کے لیے بطور صفت استعمال ہوتا ہے اور بمعنی خر بھی آتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ مردہ کے جسم کو بھی کہتے ہیں۔ زساز رفتہ ناساز ہو گیا، موافق نہ رہا۔

ترجمہ:۔ دن بے وقت ہو گیا سواری کا جانور لنگڑا (ہے) اور راستہ لمبا۔ کارخانہ تباہ ہو گیا اور کام موافق نہ رہا۔

مطلب:۔ بڑھاپا انتہا کو پہنچ گیا اور موت کا وقت آ گیا جسم میں عبادات و ریاضات کی طاقت نہیں اور سفر آخرت میں توشۂ اعمال کی ضرورت ہے کارخانۂ جسم ابتر ہے اور اعضاء و قویٰ کے پرزے فرسودہ ہو گئے۔ اب جسمانی مشین اپنا کام نہیں کر سکتی۔ غنیؒ۔

بسکہ مانندِ کمان پیکرم از پیری کاست　　　تا نگیرم کمر کس نتوانم برخاست

بیخہاے خوئے بد محکم شدہ　　　قوتِ بر کندنِ آں کم شدہ

ترجمہ:۔ بری عادت کی جڑیں مضبوط ہو گئیں (اور) ان کے اکھیڑ ڈالنے کی قوت کم ہو گئی۔

مطلب:۔ عمر بھر جرائم و معاصی کرتے کرتے وہ اس قدر داخل عادت ہو گئے۔ گویا طبیعتِ ثانیہ بن گئے اب ان کے ازالہ کے لیے شدت کی ریاضات و مجاہدات کی ضرورت ہے مگر ضعفِ پیری میں اتنی طاقت نہیں اس لیے جوانی کو غنیمت جانو کہ ابھی عادات بد کی جڑیں چنداں مضبوط نہیں ہوئیں اور اگر مضبوط ہوں بھی تو جسم میں ان کے اکھاڑ پھینکنے کی کافی طاقت موجود ہوتی ہے۔ صائبؒ۔

رہِ صلاح بدست آر در جوانی ہا کہ پیشِ پا بچراغِ مزار نتواں دید

حکایت

ہمچو آں شخصِ دُرشتِ خوش سخن درمیانِ رہ نشاند او خار بُن

لغات:۔ درشت سخت، بدخو، سنگدل خوش سخن باتوں کا ماہر، باتونی تقریر یا مراد بہانہ جو باتوں میں اڑانے والا ایک شارح صاحب اس کا ترجمہ شیریں سخن کرتے ہیں۔مگر یہاں یہ معنی مقصود نہیں ہو سکتے کیوں کہ شیریں سخنی تو ایک فضیلت ہے اور یہاں اس شخص کے اخلاقِ مذمومہ کا ذکر مقصود ہے۔خار بن خاردار درخت جھاڑی جھاڑ جھنکار جیسے ناربن انار کا پیڑ۔ایک شارح نے غلطی سے بُن کا لفظ جڑ کے معنی میں سمجھا ہے۔

ترجمہ:۔ جیسے اس بدمزاج باتونی آدمی نے راستے کے بیچ ایک خاردار درخت لگا دیا تھا۔

رہ گذر یانش ملامت گر شدند پس بگفتندش بکَن اورا نکَند

ترجمہ:۔ راہ چلنے والے لوگ اس کو ملامت کرنے لگے۔پھر اس کو کہا کہ اس درخت کو اکھاڑ دے تو اس نے نہ اکھاڑا۔

مردمے آں خار بن افزوں شدے پائے خلق از زخمِ او پر خوں شدے

ترجمہ:۔ وہ خاردار درخت ہر لحہ بڑھتا جاتا تھا۔اور لوگوں کے پاؤں اس کے زخم سے لہولہان ہو رہے تھے۔

جامہائے خلق بد ریدے زخار پاے درویشاں بخستے زار زار

ترجمہ:۔ مخلوق کے کپڑے (اس کے) کانٹوں سے پھٹتے (رہتے) تھے۔غریب لوگوں کے (ننگے) پاؤں بری طرح زخمی ہوتے تھے۔

چونکہ حاکم را خبر شد زیں حدیث یافت آ گاہی زفعلِ آں خبیث

ترجمہ:۔ جب حاکم کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس خبیث کے فعل سے وہ آ گاہ ہو گیا۔

چوں بجد حاکم بدو گفت ایں بکَن گفت آرے برکَنم روزیش من

ترجمہ:۔ جب حاکم نے بتاکید اس شخص کو حکم دیا کہ اس درخت کو اکھاڑ دے تو وہ (جھوٹ موٹ) کہنے لگا جی ہاں میں ایک دن اس کو اکھاڑ دوں گا۔

مدتے فردا وفردا وعدہ داد شد درختِ خار او محکم نہاد

ترجمہ:۔ ایک مدت تک (اس درخت کے اکھیڑنے کے لیے) کل کا اور (پھر) کل کا وعدہ کرتا رہا (حتیٰ کہ یہ خاردار درخت جڑ سے مضبوط ہو گیا۔

گفت روزے حاکمش اے وعدہ کژ پیش آور کارِ ما واپس مغو

لغات:۔ وعدہ کژ کج وعدہ ۔وعدہ خلاف۔مغو امر نہی از غو یدن جس کے معنی ہیں گھٹنوں کے بل چلنا۔

ترجمہ:۔ ایک دن حاکم نے اس کو کہا اے وعدہ خلاف! ہمارے فرمائے ہوئے کام پر متوجہ ہو (کر اس کو عمل میں لا) واپس نہ جا (یعنی ٹال مٹول نہ کر)۔

گفت اَلْاَیَّام یَا عَم بَیْنَنَا گفت عَجِّلْ لَا تَمَاطِلْ دَیْنَنَا

لغات:۔ الایام دن۔ عم چچا مراد بزرگ۔ بیننا ہمارے درمیان الایام بیننا محاورہ ہے یعنی ہمارے آپ کے سامنے بہتیرے دن آئیں گے۔ پھر کبھی یہ کام ہو جائے گا عجل جلدی کر۔ لا تماطل دیر نہ لگا ٹال مٹول نہ کر لیت ولعل نہ کر دین قرض مراد اپنے ذمہ کا کام۔

ترجمہ:۔ اس (شخص نے کہا۔ بابا ہمارے آپ کے جیتے جاگتے بہتیرے دن پڑے ہیں کبھی اس کو اکھاڑ دیں گے ابھی کیا جلدی ہے حاکم نے کہا جلدی کرو ہمارے قرض کے ادا کرنے یعنی تعمیلِ حکم، میں لیت ولعل نہ کرو۔

تو کہ میگوئی کہ فردا، ایں بداں کہ بہر روزے کہ مے آید زماں

آں درخت بد جواں تر مے شود ویں کنندہ پیرو مضطر مے شود

ترجمہ:۔ تو جو کہتا ہے کہ کل کو اکھاڑیں گے تو یہ بات یاد رکھ کہ روز بروز جوں جوں زمانہ گزر رہا ہے وہ درختِ بد خوب جوان ہوتا جاتا ہے اور یہ اس کو اکھیڑنے والا بڈھا اور ضعیف ہو رہا ہے۔

خاربُن در قوت و برخاستن خارکن در سستی و در کاستن

ترجمہ:۔ خاردار درخت طاقت پکڑنے اور ترقی پانے میں ہے (اور) کانٹوں کو اکھیڑنے والا سستی اور تنزل میں ہے۔ سعدیؒ۔

چہ سود از پشیمانی آید بکف چو سرمایہ عمر کردی تلف

خار بن ہر روز و ہر دم سبز وتر خارکن ہر روز زار و خشک تر

لغات:۔ تر پہلے مصرعہ میں بمعنی مرطوب و آبدار و شاداب ہے اور دوسرے مصرعہ بمعنی تفضیل اکثر نسخوں میں پہلے مصرعہ کے اندر سبز وتر میں واوٴ عاطفہ نہیں ہے۔ جس سے یہاں بھی کلمہ تر بمعنی تفضیل قرار پاتا ہے یعنی خوب سبز مگر اس سے تکرار قافیہ لازم آتا ہے جو فنِ شعر میں نادرست ہے لیکن ہمارے قلمی نسخے میں واوٴ عاطفہ موجود ہے۔ اس صورت میں یہ عیب نہیں رہتا۔

ترجمہ:۔ خاردار درخت تو ہر روز بلکہ ہر دم سبز و تازہ (ہوجاتا ہے) کانٹے اکھیڑنے والا ہر روز لاغر اور نہایت خشک ہوتا جاتا ہے۔

او جواں تر مے شود تو پیر تر زود باش و روز گارِ خود مبر

ترجمہ:۔ وہ پورا جوان ہو رہا ہے اور تو بڈھا پھوس۔ (ہوتا جاتا ہے)۔ جلدی کر اور اپنی زندگی (غفلت میں) نہ گزار۔ سعدیؒ۔

نہ بند اے پسر دجلہ گر آب کاست کہ سودے ندارد چو سیلاب خاست

چو گرگِ خبیث آید اندر کمند بکش ورنہ دل برکن از گوسفند

خارِ بُن داں ہر یکے خوے بدت بارہا در پاے خار آخر زدت

ترجمہ:۔ تم اپنی ایک بری عادت کو خاردار درخت سمجھو۔ بارہا (اس کا) کانٹا آخر تمہارے پاؤں میں چبھا ہے۔

مطلب:۔ ابھی حاکم ہی کی تقریر جاری ہے کہتا ہے کہ تم نے یہ خاردار درخت تو جو بویا ہے سو بویا ہے خود تمہاری ہر خصلتِ بد ایک خاردار درخت ہے۔ تمہارے اس خاردار درخت سے لوگوں کے پاؤں تو زخمی ہوتے ہیں خود تمہارے پاؤں میں بھی بارہا اس کے کانٹے چبھ چکے ہیں۔ اسی [illegible] اٹھایا ہے۔ سعدیؒ۔

گر زدستِ بلا بر فلک رود بد خوے　　زدست خوے بدِ خویش در بلا باشد

بارہا از فعلِ بد نادم شدی　　برسرِ راہِ ندامت آمدی

ترجمہ:۔ تجھے بارہا (اپنے) برے فعل سے نادم ہونا پڑا ہے اور تو ندامت پر آیا ہے۔ صائبؒ۔

برتو دوزخ شدہ از کثرتِ عصیاں آتش　　ورنہ در چشم خلیل ست گلستان آتش

گر زخستہ گشتنِ دیگر کساں　　کہ زخلقِ زشت توست آں نشاں

غافلی، بارے ززخمِ خودنہٗ　　تو عذابِ خویش وہم بیگانہٗ

لغات:۔ غافلی۔ غافل ہےتی۔ نہٗ ۔ نیستی۔

ترکیب:۔ خستہ گشتنِ دیگر کساں مبین ہے اور دوسرا مصرعہ اس کا بیان یہ دونوں مل کر مجرور ہوا حرفِ زا کا اور یہ متعلق غافل کے اور ضمیر مخاطب مبتدا غافل اس کی خبر بارے الخ جزائے شرط آخری مصرعہ الگ جملہ ہے۔

ترجمہ:۔ اگر تم دوسرے لوگوں کے زخمی ہوجانے سے جو تمہارے برے اخلاق کی ایک نشانی ہے غافل ہو تو آخر اپنے زخم سے تو غافل نہیں ہو (کم از کم اپنے لیے ہی اس بلا سے پرہیز کرو) تم تو اپنے لیے بھی اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی (باعث) عذاب (بن رہے) ہو۔

مطلب:۔ لوگوں کے پاؤں کا زخمی ہونا اس کے برے اخلاق کی نشانی اس لیے ہے کہ وہ عام لوگوں کی تکلیف واذیت کا باعث بن رہا ہے اور ایذائے عام اخلاقِ رذیلہ کی خاص نشانی ہے عمر وخیام غفرلہ۔

گر شادی خویشتن دراں میدانی　　کا سودہ دلے را بغمے بنشانی

در ماتمِ عقلِ خویش بنشیں ہمہ عمر　　ے دارد مصیبت کہ عجب نادانی

آگے حاکم کے قول سے مضمونِ ارشاد کی طرف انتقال ہے اور یہ مضمون حاکم کی تقریر سے اس قدر متصل ومتواصل ہے کہ گویا اوپر کی تقریر میں بھی خود مولانا اصلاحِ عادت اور ازالۂ رذائل کی ہدایت فرماتے چلے آتے ہیں اب یہ ارشاد ہے کہ ازالہ رذائل کے لیے تین تدبیریں موزوں ہیں ان میں جو تدبیر سازگار دیکھو، اختیار کرو۔

یا تبر بردار و مردانہ بزن　　تو علی وار ایں درِ خیبر بکن

لغات:۔ تبر کلہاڑا کدال، پتھر کو توڑنے کا آلہ۔ وار حرفِ تشبیہ، مثل، مانند۔ خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے بعض نے لکھا ہے کہ مدینے سے دوسو میل کا فاصلہ ہے۔ جب یہود مدینہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی اور بغاوت کا ارتکاب کیا تو ان کو مدینہ سے نکال دیا گیا وہ خیبر کے سرسبز مقام میں جا آباد ہوئے اور یہاں متعدد مضبوط قلعے تعمیر کر لیے مگر ان کی طبعی خباثت اور جبلی شرارت نے ان کو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مدینے پر حملے کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریاں کرنے لگے حفاظتِ اسلام کے لیے ان مفسدین کی سرکوبی ضروری تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ محرم ۷ ہجری میں سولہ سو جانثاروں کے ساتھ خیبر پر چڑھائی کی۔ تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہوتے گئے۔ لیکن قلعہ قموص جو یہود کے بہادر سردار مرحب کا تخت گاہ تھا بڑی دقت اور مشکل سے فتح ہوا اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ اس مہم پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اور پھر حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں حضرات ناکام واپس آئے پھر آپؐ نے فرمایا۔ کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے۔ اور خدا اور خدا کا رسول بھی اسے چاہتا ہے یہ رات نہایت امید و انتظار میں کئی کہ دیکھئے یہ فخر کس کے حصے میں آتا ہے حضرت عمرؓ کا قول ہے فما احببت الامارۃ الایومئذ وبات الناس کلھم یرجون ایّاھا۔ یعنی میں نے کبھی افسری کی تمنا نہیں کی مگر اس روز مجھے بھی اس کی تمنا تھی اور سب لوگوں نے اسی تمنا میں رات گزاری۔ صبح کو دفعتہ یہ آواز کانوں میں آئی۔ کہ علی کہاں ہے؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں غرض حسب طلب حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی حضرت علیؓ قلعہ قموص پر حملہ آور ہوئے۔ مرحب بھی لوہے میں غرق بڑے طمطراق سے نکلا اور ان پر تلوار کا وار کیا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں پر اتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی مرحب کے مارے جانے پر یہود نے حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارہ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا ایک روایت میں ہے کہ وانھم جربوہ بعد ذالک فلم یحملہ الا اربعون رجلاً یعنی پھر اس کو چالیس آدمیوں نے مل کر اٹھایا واللہ اعلم۔ ان واقعات میں در خیبر کا اکھاڑ ڈالنا تو خیر حضرت علیؓ جیسے بہادر کے لیے ایک امر معتاد ہے مگر اس سے سپر کا کام لینے کی افواہ محض مبالغہ پر مبنی ہے۔ چنانچہ بعض محدثین نے اس روایت کو منکر کہا ہے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے قلعہ قموص پر حملہ آور ہونے اور ناکام واپس آنے کی روایت بھی ناقابلِ اعتماد ہے کیونکہ اس روایت کے سلسلے میں ایک راوی عوف ہے جو مذہباً شیعہ تھا اور ظاہر ہے کہ جس روایت میں شیخین کی ناکامی کا ذکر ہو شیعہ کی زبان سے اس کا کیا رتبہ رہ جاتا ہے اور قیاس بھی متقاضی ہے کہ حضرت عمرؓ وغیرہ اس مہم کے لیے نامزد ہی نہیں ہوئے چہ جائیکہ ناکامی کے ساتھ واپس آتے۔ ورنہ وہ یہ نہ کہتے کہ فما احببت الامارۃ الایومئذ کیونکہ جس مہم سے کل ناکام واپس آچکے ہیں۔ آج اسی کی افسری کے لیے تمنا کرنے کے کیا معنی اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ کب توقع ہو سکتی تھی کہ جو افسر کل ایک مہم کو سرانجام نہ دے سکا آج پھر آپ اسی کو اسی مہم کے لیے نامزد فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ جناب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے الفاظ کو لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ رَجُلًا (میں اب ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا) ظاہر کر رہے ہیں کہ اب آپ کا روئے التفات کسی ایسے شخص کی طرف ہے جو اب تک اس مہم کے لیے نامزد نہیں ہوا پھر جو اصحاب آج سے پہلے نامزد ہو چکے وہ کیونکر اس کے متمنی ہو سکتے تھے لیکن جب وہ متمنی ہوئے جیسے کہ فما احببت الامارۃ کے الفاظ سے ظاہر ہے تو بیان یقینی ہے کہ وہ اس مہم کے لیے نامزد ہی نہیں ہوئے۔ ان واقعات کے متعلق اطناب کلام کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ان میں چار اشعار کے مطلب کا حل اس کے بغیر ہو نہیں سکتا تھا۔

ترجمہ:۔ یا تو تیر اٹھا کر مردوں کی طرح (اس درخت رذائل کی جڑ پر) مارو (اور) تم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح اس دروازہ خیبر کو اٹھا ڈالو۔

مطلب:۔ پہلی تدبیر یہ ہے کہ ریاضات و مجاہدات کے زور سے رذائلِ اخلاق کو زائل و نابود کر ڈالو۔ صائبؒ۔

صلح کن با نانِ خشک از لذتِ الوانِ دہر　　از جگر ایں خونِ فاسد را بایں نشتر برار

ورنہ چوں صدیق و فاروقؓ مہیں　　ہیں طریقِ دیگراں را بر گزیں

لغات:۔ مہیں بزرگ ہیں کلمۂ تنبیہ و تخصیص، دیکھنا، ہاں ہاں۔ دیگراں یا تو دیگر کی جمع اور طریق کا مضاف الیہ ہے۔ یا دیگر صفت ہے طریق کی اور اس کے بعد آں اسم اشارہ ہے جس کا مشارٌ الیہ طریق مقدر ہے دونوں تقدیروں پر ترجمہ دو طرح ہوگا۔

حاشیہ: حضرت علیؓ کا در دروازہ خیبر کا اٹھانا اور اس روایت کی تحقیق

حاشیہ: اس روایت کی تحقیق کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس مہم سے ناکام واپس آئے

ترجمہ:۔ (۱) ورنہ دیکھنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بزرگ کی طرح، دوسرے حضرات کا طریقہ اختیار کرلو۔

(۲) ورنہ دوسرے راستے کو دیکھو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اور) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بزرگ کی طرح اس کو اختیار کرلو۔

مطلب:۔ اگر خود اپنے مجاہدہ و ریاضت سے اصلاحِ نفس نہیں کرسکتے تو پھر دوسری تدبیر یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی کامل کے پنجۂ تصرف میں کَالْمَیِّتِ فِیْ یَدِ الْغَسَّالِ بنادو پھر اس کے تصرفات سے تم خود کامل بن جاؤ گے۔ جیسے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا مسلک تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر میں محو تھے۔ صائبؔ۔

نادیدہ محوِ روئے تو شد کامیاب شد شبنم بآفتاب رسید آفتاب شد

یا بگلبن وصل کن ایں خار را وصل کن بانارِ نورِ یار را

ترجمہ:۔ یا (اپنے) اس خار (وجود) کو باغ عرفان کے بوٹے (یعنی شیخ کامل) سے منسوب کرلو (اور اپنی) آتش وجود کے ساتھ نور یار کو ملالو۔

مطلب:۔ اگر نہ خود اپنی اصلاح کرسکو نہ شیخ کامل کی ذات میں محویت حاصل کرنے کا درجہ پاسکو تو پھر آخری تدبیر یہ ہے کہ اپنے آپ کو شیخ کے ساتھ منسوب رکھو۔ فیضان نسبت سے امید ہے کہ کبھی نہ کبھی فائز بالمرام ہو جاؤ گے۔ حافظؒ

دامن دوست بدست آروز دشمن بگسل مرد یزداں شود ایمن گذرا زاہر مناں

واضح ہو کہ پہلے شعر میں خود اپنی تجویز و اجتہاد سے اصلاحِ عادات و تہذیب اخلاق کی ہدایت کی ہے جو کتاب وسنت کے اتباع اور اپنی فراست کے ماتحت عمل میں آئے۔ دوسرے شعر میں ان اعمال و مجاہدات کے ذریعہ سے نفس کی اصلاح کرنے کا اشارہ ہے جو پہلے سے مقرر و مسلم ہیں اور اس لیے وہ اعمال مقطوع الصحت و مصؤن از خطرات ہیں اور وہ بھی کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔ تیسرے شعر میں یہ ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو شیخ کامل کے سپرد کردینا چاہیے اور اپنے تمام اختیار و ارادہ کو اس کے اختیار و ارادہ میں محو کردیں تاکہ وہ جس طرح مناسب سمجھے تصرف کرکے اصلاح کردے پہلی تدبیر کی مثال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خیبر شکنی سے دی ہے جو ان سے خود اپنے اجتہاد و فراست سے بلا تقلیدِ دیگرے عمل میں آئی تھی مگر اصولاً وہ باتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ دوسرے بیت میں یہ ارشاد ہے کہ اگر اپنے اندر اجتہاد کی طاقت نہ پاؤ تو شیخین رضی اللہ عنہما کی تقلید کرو کہ یہ طریقہ اسلم و مامون ہے۔ اس جگہ ایک واقعہ کی طرف عجیب تلمیح ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ عشرہ مبشرہ میں سے چھ اصحاب جو باقی ہیں یعنی حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سب باہم مشورہ کرکے اپنے میں سے ایک صاحب کو خلیفہ انتخاب کرلیں آخر صلاح مشورہ کے بعد خلافت کا مدار دو صاحبوں پر ٹھہرا۔ ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ دوسرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تقلید شیخین رضی اللہ عنہما پر منصب خلافت کو قبول کرتے ہیں تو انہوں نے کہا۔ میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اجتہاد پر خلافت قبول کرسکتا ہوں کسی کی تقلید نہیں کروں گا۔ تو پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کی تقلید کے منصب پر خلافت کو قبول کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کو قبول کرلیا تو ان کی خلافت قائم ہوتی وجہِ تلمیح یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شعار اجتہاد ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شعار تقلید شیخین مگر چونکہ تقلید کا شعار تمام خطرات نفس و وساوسِ شیطان سے مامون ہے اس لیے یہ افضل ہے اور اس لیے اسی کو تفویضِ خلافت کے لیے مرجح قرار دیا گیا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے طریق کی مقطوعیت صحت ضروریات دین سے ہے لیکن زیادت ایضاح کے لیے اتنا عرض کردینا مناسب ہے کہ حضرت صدیقؓ نے اسلام سے پہلے بھی کبھی بت پرستی نہیں کی شراب نہیں پی مال و جان کی تمنا

نہیں کی سخاوت و کرم ان کا شیوہ تھا۔ کھیل تماشوں سے دلچسپی نہیں رکھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت سے پہلے بھی کمال محبت تھی نبوت کے بعد سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنا تمام مال ونقد قربان کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا سب سے زیادہ گہرا نقش جو بیٹھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہی بیٹھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ **ما صب الله فی صدری شیئا الا و قد صببته فی صدر ابی بکر** یعنی اللہ نے جو کچھ میرے سینے میں ڈالا ہے۔ میں نے اس کو ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا اور حضرت عمرؓ کے طریق کے اسلم واصوب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **الشیطان یفر من عمرؓ** یعنی عمر رضی اللہ عنہ سے شیطان بھاگتا ہے۔ پس جب شیطان آپ سے بھاگتا ہے تو آپ کے اعمال واقوال میں اس کے خلل انداز ہونے کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ نیز فرمایا **لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ** یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ عمر ہوتے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخلاق انبیاء کے اخلاق سے مشابہ تھے اور شیطان انبیا کے طریق میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔ تیسری بیت میں تیسرے طریق کی طرف اشارہ ہے اور اس میں صحبت شیخ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی اصحاب پر یہی طریقہ غالب تھا اگرچہ وہ پہلے دو طریقوں پر بھی عامل تھے پس یہاں جو تین طریقوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا ارشاد ہے۔ تو یہ بطور منع خلو فرمایا ہے۔ بحر العلوم ملخصاً۔

مطلب یہ ہے کہ جب ان اخلاقِ ذمیمہ کا ازالہ ضروری ہے تو اس کے لیے بلحاظِ استعداد طالبین کئی طریقے ہیں اول طریق ولایت ہے۔ وہ یہ کہ خوب مجاہدات وریاضات کریں اور مخلوق سے الگ رہیں۔ پھر حق کی طرف متوجہ ہو جائیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقام ہے اور اگر کسی کی استعداد اس کے مناسب نہ ہو بلکہ اس سے بلند ہو تو پھر دوسرا طریقہ اختیار کرو۔ جو طریقۂ نبوت ہے کہ نہ تو زیادہ مجاہدات وریاضات کی ضرورت ہے اور نہ مخلوق سے الگ رہنے کی۔ بلکہ وہ متوجہ بہ مخلوق للحق رہتے ہیں اور یہ مقام حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا تھا اور اگر نہ اس کی استعداد ہے نہ اس کی۔ تو پھر یہی کرو کہ اپنے آپ کو کسی کامل سے منسوب کرلو اور کسی کی خدمت کیا کرو کہ اس کی برکت صحبت سے تم بھی خالی نہ ہو گے اب یہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ طریقِ ولایت افضل ہے یا طریق نبوت۔ بعض لوگ طریقِ ولایت کو افضل کہتے ہیں اور بعض طریقِ نبوت کو۔ مگر محققین طریقِ نبوت ہی کو افضل قرار دیتے ہیں۔ اس لیے طریق ولایت کے فیوض صرف اس طریق کو اختیار کرنے والے تک محدود رہتے ہیں اور طریقِ نبوت کا فیض دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ کما قال سعدیؒ۔

گفت او گلیم خویش بدر می بردر موج
ویں جہد مے کند کہ بگیرد غریق را

مگر جو لوگ طریق ولایت کو افضل کہتے ہیں ان کا یہ مطلب نہیں کہ اس طریق کی افضلیت کے باعث ولی بھی نبی سے افضل ہے۔ حاشا وکلا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ نبی ان ہر دو طریق پر عامل ہوتا ہے اس لیے وہ ولی سے افضل ہے کہ دونوں طریقوں کا جامع ہے۔ (کلید مثنوی)

بعض شارحین نے اوپر کے دونوں شعروں کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ ''علی وار'' سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتح خیبر کی طرف اشارہ اور چوں صدیق وفاروق سے ان دونوں حضرات کے فتح خیبر سے ناکام آنے کی طرف اشارہ ہے کہ باوجود شجاع و مدبر ہونے کے محض اس فتح پر قادر نہ ہوئے کہ یہ کام ان کے ہاتھوں پر مقدر ہونا نہ تھا۔ مگر وہ شرکتِ جہاد کی فضیلت سے محروم نہ رہیں گے۔ مگر یہ توجیہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی شان عالی کے لیے زیبا نہیں۔ نیز اس توجیہ کی بنا ایسی روایت کو صحیح تسلیم کر لینے پر قائم ہے۔ جو قابل اعتماد نہیں ہے کما قلنا سابقاً۔ آگے تیسرے طریق کے متعلق فرماتے ہیں جس میں کسی کامل کے ساتھ تعلق پیدا کرنے بدایت کی ہے۔

تا کہ نورِ او کشد نارِ ترا　　وصلِ او گلبن کند خارِ ترا

ترجمہ:۔ تا کہ اس کا نورِ (فیضان) تیری آتش (شہوت) کو بجھا دے اس کا وصل تیرے خار کو (رزائل) گلبن (فضائل) بنا دے۔

مطلب:۔ کسی کامل کے ساتھ تعلق پیدا کرو تا کہ تمہارے اخلاق کی اصلاح اور رذائل کا قلع قمع ہو جائے۔

جامی از دامنِ آں گرم رواں دست مدار　　کہ بہر مرحلہ صد قافلہ را بس کردند

تو مثالِ دوزخی او مومن ست　　کشتنِ آتش بمومن ممکن ست

ترجمہ:۔ تو دوزخ کی مانند ہے اور وہ مرشد (گویا) مومن ہے۔ (اور) آتش (دوزخ) کا مومن (کے قرب) سے بجھ جانا ممکن ہے۔

مطلب:۔ مخاطب کی دوزخ سے تشبیہ محض اصلاح پذیر ہونے کے لحاظ سے ہے یعنی جس طرح بفحوائے حدیث مومن کے قرب سے دوزخ کی آگ بجھنے لگے گی۔ اسی طرح کامل کے قرب وصحبت کی بدولت تمہاری آتشِ شہوت بھی بجھ جائے گی۔ اس حدیث کا مضمون آگے خود مولانا ذکر فرماتے ہیں۔

مصطفیٰؐ فرمود از گفتِ جحیم　　کہ بمومن لابہ گر گردد ز بیم

لغات:۔ جحیم دوزخ کا ایک نام ہے۔ لابہ گر۔ خوشامد کرنے والا۔

ترجمہ:۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا قول (نقل) فرمایا ہے۔ کہ وہ (اپنے سرد ہو جانے کے) خوف سے مومن کے ساتھ خوشامد (کی باتیں) کرے گی۔

گویدش بگذر زمن اے شاہ زود　　ہیں کہ نورت سوزِ نارم را ربود

ترجمہ:۔ وہ (دوزخ) اس کو کہے گی۔ اے شاہ صاحب! مجھ پر سے جلدی گزر جائیے دیکھو تو تمہارے نور نے میری آگ کی سوزش کو اڑا دیا۔

مطلب:۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب مومن پل صراط پر جہنم کے اوپر سے عبور کرنے لگے گا تو جہنم پکارے گا۔ جُزْ یَا مُؤمِن فَاِنَّ نُوْرَکَ اَطْفَأَ نَارِیْ یعنی اے مومن گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا۔

پس ہلاکِ نار نورِ مومن ست　　زانکہ بے ضد دفعِ ضد لایمکن ست

ترجمہ:۔ پس آتش (ذمائم) کا بجھانا (مطلوب ہو تو) مومن (کامل) کا نور (اس کو بجھاتا) ہے کیونکہ ضد کے بغیر ضد کا دفع کرنا ناممکن ہے۔

نار ضدِ نور باشد روزِ عدل　　کاں ز قہر انگیختہ شد ویں زفضل

لغات:۔ روز عدل یوم الفصل، روزِ حشر۔ انگیختہ پیدا ناشی۔

ترجمہ:۔ آگ کا نور کی ضد ہونا قیامت کے دن (ظاہر) ہوگا۔ کیونکہ وہ قہر (الٰہی) سے ناشی ہوئی ہے اور یہ اس کے فضل سے (پیدا ہوا ہے)۔

مطلب :۔ یعنی نور و نار کا باہم ضد ہونا اس وقت پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ روزِ قیامت میں اس کا مشاہدہ ہو جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ آگ کا مظہر قہرِ الٰہی اور نور کا منشا فضل خداوندی ہے جب قہر و فضل میں تضاد ہے۔ تو جو امور ان سے ناشی ہوئے ان میں بھی تضاد ہوگا۔

گر ہمے خواہی تو دفعِ شرِ نار　　　آبِ رحمت در دلِ آتش گمار

ترجمہ :۔ اگر تم (موجبات) آتش کی شر کو دفع کرنا چاہتے ہو۔ تو (تعلق شیخ کے) آبِ رحمت کو (اس) آگ کے اندر ڈال دو وہ بجھ جائے گی۔

مطلب :۔ اخلاقِ ذمیمہ ورذیلہ جو جہنم میں لے جانے والے ہیں ان کے ازالہ کی تدبیر بیعتِ شیخ ہے جو اس آتش جہنم کے بجھانے کے لیے بمنزلہ آبِ رحمت ہے۔

چشمۂ آں آبِ رحمت مومن ست　　　آبِ حیواں روحِ پاکِ محسن ست

ترجمہ :۔ اس آبِ رحمت کا چشمہ مومن (یعنی پیرِ کامل) ہے۔ (اور اس) محسن کی پاک روح (سراسر) آبِ حیات ہے کہ جو اس سے سیراب ہو کر زندۂ جاوید ہو گیا۔ حافظؒ

لب چو آبِ حیات تو ست قوتِ روح　　　وجودِ خاکیِ مارا زدست قوتِ ارواح

بس گریزان ست نفسِ توازو　　　زانکہ تواز آتشی اوزاب جو

ترجمہ :۔ (مگر) تیرا نفس اس سے بہت گریز کرتا ہے کیونکہ تو کثرتِ معائبِ نفسانیہ سے گویا آگ سے (بنا) ہے اور وہ رحمت کے آب نہر سے ہے۔

زابِ آتش زاں گریزاں مے شود　　　کاتشش از آب ویراں مے شود

ترجمہ :۔ پانی سے آگ اس لیے گریز کرتی ہے کہ اس کی سوزش پانی سے فنا ہو جاتی ہے۔

مطلب :۔ نفس لذات وخواہشاتِ نفسانیہ کا دلدادہ ہے اور مرشد انِ لذت وخواہشات کے قلع قمع کی تعلیم دیتا ہے اس لیے نفس اس کی صحبت سے گریز کرتا ہے۔

حسِ تو و فکرِ تو از آتش ست　　　حسِ شیخ و فکرِ او نورِ خوش ست

ترجمہ :۔ تیری حس اور تیرا فکر (شہوت نفسانیہ میں مصروف ہونے کے باعث) آتش دوزخ (کی قبیل) سے ہے (بخلاف اس کے) شیخ کی حس اور اس کا فکر (ہدایت وارشاد کا) عمدہ نور ہے۔

مطلب :۔ عوام کے افکار واحساسات اخلاقِ حمیدہ سے ناشی ہوتے ہیں اس لیے وہ برے آثار پیدا کرتے ہیں اور اہل اللہ کے احساسات اخلاقِ حمیدہ سے ناشی ہونے کے باعث اچھے نتائج کے موجب ہیں۔

آب نورِ او چو بر آتش جہد　　　چک چک از آتش براید خوش جہد

لغات :۔ جہد پہلے مصرعہ میں بمعنی بریزد اور دوسرے میں بمعنی برخیزد ہے۔ چک چک اسمِ صوت چڑ چڑ۔ سوں سوں آگ بجھنے کی آواز۔ خوش بمعنی بخوبی، صاف طور سے، بالکل۔

ترجمہ :۔ اس (مرشد کامل) کے نور کا پانی جو (اے) آتش (نفس امارہ) پر گرتا ہے تو آگ سے چڑ چڑ کی آواز نکلتی ہے (اور) وہ بالکل

بجھ جاتی ہے۔

مطلب :۔ شیخ کامل کے فیضانِ صحبت سے اخلاقِ ذمیمہ فنا ہونے لگتے ہیں اوران کے فنا ہونے کی کیفیت خود مرید محسوس کرتا ہے۔

چوں کند چک چک تو گویش مرگ و درد　　تا شود ایں دوزخِ نفسِ تو سرد

ترجمہ :۔ جب وہ آگ بجھتے وقت چڑ چڑ کرنے لگےتو تم اس کو کہو (کہ تجھے) موت اور درد نصیب ہو حتیٰ کہ تمہارا یہ دوزخِ نفس سرد ہو جائے۔

مطلب :۔ جب نفس کی شیطانی صفات مرشد کے فیضانِ صحبت اور تاثیرِ تربیت سے فنا ہونے لگیں اور اس اخلاقی انقلاب سے تمہارے وجود میں ایک شورش برپا ہو جائے تو تمہیں گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ تم بھی فاتحانہ ولولے میں ان صفاتِ شیطانیہ کو جھڑک جھڑک کر دفع کر دو۔ حتیٰ کہ وہ تمہارے وجود سے نابود ہو جائیں اور تمہارا نفس ان ذمائم کے دور ہو جانے سے نفسِ مطمئنہ بن جائے۔

تانسوزد او گلستانِ ترا　　پست نکند عدل و احسانِ ترا

ترجمہ :۔ تا کہ وہ (صفاتِ شیطانیہ) تمہارے گلستان (اعمال) کو جلا کر خاکستر نہ بنا دیں اور تمہارے عدل واحسان (وغیرہ اخلاقِ حمیدہ) کو مغلوب نہ کر لیں۔

مطلب :۔ اخلاقِ ذمیمہ اور عاداتِ رذیلہ اکثر اعمالِ حسنہ کو تباہ کرنے میں وہ اثر رکھتی ہے جیسے آگ کا لکڑیوں کے انبار پر اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ ان ذمائم میں سے ایک حسد کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ الحسد یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب یعنی حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے۔ اسی طرح تکبر، غصہ، کینہ، کذب، سرقہ، غیبت چغلی وغیرہ تمام رذائلِ اخلاق کے متعلق قیاس ہو سکتا ہے' ادھر تو ان اخلاقِ رذیلہ کے اثر سے ذخیرۂ اعمال تباہ ہو جاتا ہے' دوسری طرف وہ اخلاقِ حمیدہ منشاءِ اعمالِ حسنہ ہیں' ان رذائل کی افراط کے سبب سے مغلوب ہو کر کالعدم ہو جاتے ہیں تو پھر تازہ اعمالِ حسنہ کی بجا آوری بھی رک جاتی ہے۔ یعنی پہلا ذخیرہ تباہ ہو جاتا ہے اور نیا ذخیرہ جمع نہیں ہوتا پس اس کا علاج یہی ہے کہ ان اخلاقِ رذیلہ کا ہی قلع قمع کر دیا جائے۔ تا کہ نہ پہلا ذخیرہ اعمال تباہ ہو اور نہ جدید ذخیرۂ اعمال کے جمع ہونے میں رکاوٹ واقع ہو۔

یک شرار از وے ہزاراں گلستاں　　از یکے نے نام ماندنے نشاں

ترجمہ :۔ اس (آتش ذمائم) کا ایک چنگاڑ اور اخلاقِ حسنہ کے ہزاروں باغ (ہوں تو) ایک کا بھی نام ونشان (باقی) نہ رہے۔

مطلب :۔ اخلاقِ ذمیمہ کا ایک شمہ بھی خطرناک ہے۔ جیسے ایک شرارۂ آتش صدہا خرمن کو خاکستر کر ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح کوئی رذیلت خواہ کتنی ہی بے حقیقت اور خفیف کیوں نہ ہو وہ تمام محاسن اخلاق کو تباہ کر سکتی ہے۔ صائبؒ ۔

خود مشمار گنہ را کہ گناہے ست بزرگ　　گندمے کرد ز فردوس بروں آدمؑ را

لہٰذا اس آگ کے ایک ایک شرارے کو بجھانے کی کوشش کرو۔

بعد ازاں چیزے کہ کاری بردمد　　لالہ و نسرین و سیسبر دہد

لغات :۔ کاری صیغہ واحد مخاطب فعل مضارع از کاشتن بونا۔ بر پھل۔ لالہ ایک قسم کا پھول نسرین بکسرِ نون ایک پھول کا نام ہے۔ جس کو فارسی میں نسترن ہندی میں سیوتی کہتے ہیں۔ سیسبر بکسرِ سین اول و بائے مفتوح ایک خوشبودار گھاس کا نام ہے۔ جس کی خوشبو پودینہ اور نعناع کے درمیان ہوتی ہے۔

ترجمہ :۔ اس کے بعد تم جو چیز کاشت کرو گے وہ (میٹھا) پھل دے گی۔ لالہ ونسترن اور سیسبر اگائے گی۔

مطلب ۔تہذیبِ اخلاق اور اصلاحِ عادات سے جب ذمائم و رذائل زائل ہو جائیں گے تو تمام اعمالِ حسنہ اچھے ثمرات دینے لگیں گے۔اس سے آگے پھر سابقہ مضمون کی طرف عود کرتے ہیں کہ جوانی کو غنیمت سمجھو ورنہ بڑھاپے میں مشکلات پیش آئیں گی۔

باز پہنا میرویم از راہِ راست باز گرد اے خواجہ راہِ ما کجاست

لغات:۔ پہنا چوڑا۔کشادہ۔باز گرد صیغۂ امر از بازگشتن ' واپس آنا۔

ترکیب:۔ پہنا صفت جس کا موصوف راہ محذوف ہے از بیانیہ ہے۔راہِ راست بیان ہے راہ پہنا کا۔بعض نسخوں میں باز پہنا کی بجائے راہ پنہاں درج ہے کما قالہ بحرالعلوم اور ہمارے قلمی نسخے میں بھی راہ پنہاں لکھا ہے۔اس نسخے کی صورت میں مطلب واضح اور بلاتکلف نکلتا ہے مگر چونکہ باز پہنا کا نسخہ زیادہ متعارف ہے۔اس لیے وہی اختیار کیا گیا دونوں نسخوں کے لحاظ سے ترجمہ الگ الگ ملاحظہ ہو۔

ترجمہ:۔(۱) اس دقیق بحث کا راستہ چھوڑ کر پھر چوڑے (راستے) پر جو سیدھا راستہ بھی ہے چلتے ہیں حضرت! واپس چلیے اور دیکھیے کہ ہمارا (پہلا) راستہ کہاں ہے (تاکہ پھر) اس پر چلیں۔

(۲) (اوہو!) ہم (تو) سیدھے راستے سے (جدا ہو کر ایک) مخفی راستے پر چلنے لگے حضرت! واپس چلیے (اور دیکھیے کہ) ہمارا (پہلا) راستہ کہاں ہے (تاکہ پھر اس پر چلیں)۔

مطلب ۔راہِ پنہاں سے مراد یہ ہے کہ اثنائے بیان میں بعض حقائق مثلاً نارِ شہوت و نارِ دوزخ نورِ مومن و شرارتِ نفس وغیرہ کے ذکر میں گامزن ہونے لگے اور راہِ راست سے سادہ وعظ مراد ہے۔حاصلِ بیت یہ کہ ہم سیدھے سادے وعظ سے نکل کر بیانِ حقائق میں جا پڑے۔اب پھر اس وعظ کو شروع کرتے ہیں۔ (بحرالعلوم)

اندراں تقریر بودیم اے خسُور کہ خرت لنگ ست و منزل دُور دُور

لغات:۔ خسور خسارہ پانے والا زیان کار۔خر گدھا مراد سواری کا جانور۔

ترجمہ:۔ (ہاں تو) ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ اے زیاں کار! تیرا سواری کا جانور لنگڑا ہے اور منزل بہت دور ہے۔

بارِ تو باشد گراں، درراہ چاہ کج مرو، رو راست اندر شاہراہ

ترجمہ:۔ تیرا بوجھ بھاری ہے۔راستے میں کنواں ہے۔شاہراہ میں ٹیڑھا نہ چل سیدھا جا۔

مطلب:۔ فرائض کا بار زیادہ ہے اور قوائے جسمانیہ جن کے بل پر ان فرائض کو اٹھا سکتے ہیں کمزور ہو گئے اور کام بہت باقی ہے پس تم کو صراطِ مستقیم پر سیدھے چلنا چاہیے کیونکہ منزلِ مقصود پر تو سیدھے چل کر پہنچنا بھی آسان نہیں۔یعنی دنیوی زندگی میں شریعت پر کما حقہٗ عمل کرنا بہت مشکل ہے پس اگر راہِ راست کو بھی چھوڑ دیا تو وصول الی الحق بالکل ناممکن ہو جائے گا۔نظامیؒ

رہا کن رہے کاں زیاں آورد زہِ بد، خلل درکماں آورد

توزاں رہ کہ شد باز گو نہ نُورُد بخواہ از خدا حاجتِ باز گرد

سال شصت آمد کہ در شُستت کشد راہِ دریا گیر تایابی رشد

لغات:۔ شصت ساٹھ۔شست مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔رشد سلامتی کا راستہ پانا۔

صنائع: شصت اور شست میں تجنیس ہے۔

ترجمہ:۔ (تمہاری عمر کے) ساٹھ سال (ہونے کو) آئے کہ تمہیں (ضعف قویٰ کے) کانٹے میں پھنسا لیں (دیکھنا اس کانٹے میں پھنس کر لقمۂ صیاد نہ بن جانا بلکہ) دریا (کی گہرائی) کا راستہ پکڑو تا کہ سلامت روی حاصل کرو۔

مطلب:۔ اس میں ایک قصے کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ایک تالاب میں تین مچھلیاں رہتی تھی۔ ایک عاقل دوسری نیم عاقل تیسری بے عقل صیاد نے اس تالاب میں جال ڈالا عاقل مچھلی تو جال کو دیکھتے ہی گہرے پانی میں اتر گئی جہاں جال نہ پہنچے باقی دونوں مچھلیاں پھنس گئیں۔ جب صیاد نے جال باہر کھینچا تو نیم عاقل مچھلی کی ناقص عقل نے اتنا کام دیا کہ وہ مردہ وار پڑی رہی۔ صیاد نے اسے مری ہوئی مچھلی سمجھ کر دریا میں پھینک دیا بے عقل مچھلی خوب اچھلتی کودتی رہی اس لیے اس کے کباب بنے مولانا فرماتے ہیں کہ ساٹھ برس کی عمر ہوگئی اب تمہارے امتحان کا زمانہ قریب ہے۔ ضعفِ قویٰ کا جال پیش آنا ناگریز ہے یا تو اس عاقل مچھلی کی طرح اس جال میں پھنسنے سے پیشتر ہی نجاتِ آخرت کا سامان کرلو یا اس جال میں پھنس جاؤ تو پھر نیم عاقل مچھلی کی طرح علائق دنیا سے مردہ وار اپنے آپ کو نکال کر طاعات وعبادات کا سرمایہ جمع کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ ورنہ اس بے عقل مچھلی کی طرح اس جال میں گرفتار رہے تو انجام بہت برا ہو گا۔ آگے ان تینوں مچھلیوں کا ذکر فرماتے ہیں:۔

آنکہ عاقل بود در دریا رسید　　　شد خلاص از دام واز آتش رہید

ترجمہ:۔ جو (مچھلی) عاقل تھی وہ دریا (کی گہرائی) میں پہنچ گئی۔ (شکاری کے) جال سے بچ گئی اور آگ (میں کباب ہونے) سے (بھی) محفوظ رہی۔

چونکہ بیگہ گشت وآں فرصت گذشت　　　مردہ گرد و رَو سوئے دریا زدشت

ترجمہ:۔ جب کہ (جال سے نجات پانے کا) وقت نہ رہا اور وہ موقع (ہاتھ سے) جاتا رہا تو (اب چارہ کار یہ ہے کہ) مردہ بن جاؤ اور (پھر میدان) قتل سے (نجات پاکر) دریائے سلامتی میں چلے جاؤ۔

مطلب:۔ بہترین صورت حصولِ نجات کی وہی تھی۔ جو پہلی مچھلی کی مثال سے مقصود تھی۔ یعنی اعمالِ صالحہ بجالاتے اور مجاہدات وریاضیات سے اپنے اخلاقِ ذمیمہ کو مبدل باخلاق حسنہ کر لیتے لیکن اگر وہ موقع ہاتھ سے نکل گیا اور بڑھاپا آ جانے کے باعث ضعفِ قوت تحملِ ریاضات کی اجازت نہیں دیتا تو پھر یہی بہتر ہے کہ درجۂ فنا حاصل کرلو اور ہستی حق کے سامنے اپنی ہستی کو کالعدم بنالو شاید وہ ارحم الراحمین بنظرِ ترحم تمہارے گناہ معاف کردے بلکہ اگر وہ چاہے تو گناہوں کو بھی نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ یبدل اللہ سیئاتھم حسنات اس سے مراد توبہ اور کسرِ نفسی ہے۔ لیکن اگر جوانی غفلت اور معصیت میں گزر گئی تو اب بڑھاپے میں تو یہ ہی غنیمت ہے۔

موئے سفید مشرقِ صبح ندامت ست　　　صائب بتوبہ کوش کہ فرصت نماندہ است

یعنی اگر نیکی کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا تو اب بدی سے باز آ جاؤ کہ یہ بھی نیکی ہے۔

اگر نکو نشوی صائب از بدی بگذر　　　کہ ہست ترکِ بدی ہا سر نکوئی ہا

ورنہ در تابہ شوی بریاں بسے　　　ایں چنیں ہرگز کند برخود کسے؟

لغات:۔ تابہ بریاں کباب بھنی ہوئی شے۔ ہرگز کبھی کسی وقت۔

ترجمہ:۔ ورنہ تم توے پر خوب بھونے جاؤ گے۔ بھلا کوئی اپنے حق میں کبھی ایسا بھی کرتا ہے؟

مطلب:۔ اگر جوانی بھی معاصی میں گزری اور بڑھاپا بھی غفلت میں کٹ گیا تو پھر عذابِ آخرت کے لیے تیار ہونا چاہیے اور ون منقل مندا یہ ہوسکتا ہے جو اس طرح دین و دنیا میں دیدہ دانستہ خائب و خاسر رہنا پسند کرے۔ صائبؒ

از سیہ کاری خود ہر کہ پشیماں نشود		تخم دیوست اگر صورتِ آدم با اوست

حال آں سہ ماہی وآں جو ببار		گفتہ شد ایں جابر اے اعتبار

ترجمہ:۔ ان تینوں مچھلیوں کا اور نہر کا ذکر یہاں عبرت حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

فانتبہ ثم اعتبر ثم انتصبْ		وَاسْتَعِنْ باللّٰہ ثم اجْهِدْ تُصِبْ

لغات:۔ انتبہ جاگ بیدار ہو صیغہ امر انتباہ سے۔ اعتبر عبرت پکڑ و صیغہ امر اعتبار سے۔ انتصب قائم ہو کھڑا ہو ثابت قدم رہو مضبوط ہو جاؤ انتصاب سے۔ استعن مدد حاصل کر استعانت سے۔ اجھد کوشش کر جہد سے تصب مطلب کو پہنچ جاؤ گے۔ صواب کو پہنچو گے از اصابہ۔

ترجمہ۔ پس جاگو، پھر عبرت پکڑو، پھر مضبوط ہو جاؤ اور اللہ سے مدد چاہو، پھر کوشش کرو کہ صواب کو پہنچ جاؤ۔

چوں بادِ صبح گاہی منشیں زپائے صائب		شاہد کہ برگ سبزے زیں بوستاں بیابی

سالہ بیگہ گشت و وقتِ کشت نہ		جز سیہ روئی و فعلِ زشت نہ

ترجمہ:۔ سال بے وقت ہو گیا اور بونے کا وقت نہیں (رہا) سوائے سیہ روئی اور برے افعال کے (اب) کچھ نہیں ہے۔ کما قیل۔

فغاں کہ قافلۂ عمر رفت، نیم قدم		طریقِ راست نہ پیمود نفسِ کاملِ ما

کرم در بیخ درختِ تن فتاد		بایدش برکند و بر آتش نہاد

ترجمہ:۔ درخت بدن کی جڑ میں دیمک لگ گئی ہے اس کو چن چن کر آگ میں ڈالنا چاہیے۔

مطلب:۔ غفلت و کاہلی نے تمام وجود پر قبضہ کر رکھا ہے جو طاعات و عبادات کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی۔ بڑھاپے میں یہ چند روز کا موقع غنیمت سمجھو اور غفلت کو دور کر کے عباداتِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ کما قیل۔

بہ پیری سعی کن گر در جوانی رفت کارا ز دست		ز رگم گشتہ در آتش زخاکستر شود پیدا

کرم کو آگ میں ڈالنا استعارہ ہے۔ روحانی معائب کو دور کرنے اور آگ میں ڈالنے سے مطلق اہلاک و افنا مراد ہے ورنہ کسی جان (کا آگ میں ڈالنا شرعاً جائز نہیں۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔ یکرہ احراق جراد و قمل و عقرب ای تحریما ومثل القمل البرعوث ومثل العقرب الحیۃ یعنی ٹڈی اور جوں اور بچھو کا آگ میں ڈالنا مکروہِ تحریمی ہے اور جوں کی طرح کھٹمل کا اور بچھو کی طرح سانپ کا بھی حکم ہے۔ (انتہی) اور غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے ویکرہ قتل جمیع مایباح قتلہ بالنار من القمل والبق والبراغیث والنمل بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعذب بالنار الا رب النار یعنی جانوروں کو مارڈالنا جائز ہے مثلاً جوں، مچھر، کھٹمل، چیونٹی آگ سے قتل کرنا ان کا بھی منع ہے جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے کہ آگ کا عذاب آگ کا پروردگار ہی دے سکتا ہے۔ (انتہی)

یہ ترجمہ اور مطلب اس تقدیر پر ہے کہ بایدش میں ضمیر کا مرجع کرم کو قرار دیا جائے لیکن اگر اس کا مرجع درخت ہو تو

ترجمہ یوں ہوگا۔

درخت بدن کی جڑ میں دیمک لگ گئی ہے۔ اس (درخت کو اکھیڑ کر آگ میں جھونک دینا چاہیے اس کا یہ مطلب ہے کہ بڑھاپے میں بدن بدصورت اور کہنہ و فرسودہ ہوگیا اب اس کی آرائش فضول ہے) نظامیؒ۔

چو پے ست و بوسیدہ شد استخواں ۔۔۔ وگر قصہ خوبروئی مخواں

چو باد خزانی درافتد باغ ۔۔۔ زمانہ وہد جائے بلبل بزاغ

لہٰذا اب بدن کا اہتمام چھوڑ دو اور اس کو آگ میں جھونک کر روح کا اہتمام کرو۔ صائبؒ۔

پرداختن ز پرورش تن بجان پاک ۔۔۔ از کار گل بآب خضر دست شستن ست

ہیں وہیں اے راہرو بیگاہ شد ۔۔۔ آفتابِ عمر سوئے چاہ شد

ترجمہ:۔ ارے او (دنیا کے) راہرو! بے وقت ہوگیا (تیری) عمر کا آفتاب (قبر کے) کنویں میں اتر رہا ہے۔

ڈھل گیا دن آرہی ہے شام موت ۔۔۔ تا بہ آنے کو ہے اب جام موت

عمر کا تختہ الٹنے کو ہے اب ۔۔۔ زندگی کا رشتہ کٹنے کو ہے اب

چھپ رہا ہے آفتاب زندگی ۔۔۔ ختم کو پہنچی کتاب زندگی

کر ابھی سے فکر زاد راہ کا ۔۔۔ شغل کیا کچھ کوشش بے گاہ کا

گڑ چکے گردن میں جب دندانِ موت ۔۔۔ کھب چکی سینے میں جب پیکانِ موت

پھر نہ پچھتانے سے ہوگا فائدہ ۔۔۔ پھر نہ چلانے سے ہوگا فائدہ

ایں دوروزک را کہ زورت ست زود ۔۔۔ پیر افشانی بکن از راہِ جود

لغات:۔ روزک میں کاف تصغیر اظہار قلت کے لیے ہے۔ پیرافشانی بڑھاپے میں جوانوں کے سے کام کرنا۔ یہ ایک فارسی محاورہ ہے۔ مگر بعض شارحین نے اس کو پرافشانی بہ مالہ سمجھ کر کسی نے اس کا ترجمہ پر پرزے جھاڑنا کیا ہے اور کسی نے پت جھڑ۔ ان معنوں کو محاورہ سے کوئی نسبت نہیں۔ بکن صیغہ امر ہے کردن سے مگر اکثر نسخوں میں یہ کلمہ میم کے ساتھ بصیغہ نہی درج ہے۔ اس صورت میں ترجمہ و مطلب دوسری طرح ہوگا۔ مگر قدرے تکلف سے اور زود او رراہ جود وغیرہ کلمات بھی اسی کے موید ہیں فافہم اس لیے وہی اختیار کیا گیا۔

صنائع:۔ زور۔ روز میں تجنیس قلب

ترجمہ:۔ (۱) ان دو ایک دنوں میں جلدی جب تک تمہاری قوت (بدن) قائم ہے بڑھاپے کے باوجود بلند حوصلگی سے جوانوں (کی طرح طاعت و عبادت) کے کام کرلو۔ کما قیل۔

بہ پیری سعی کن گر در جوانی رفت کار از دست ۔۔۔ زرگم گشتہ در آتش زخاکستر شود پیدا

حافظ۔

ایں یک دو دم کہ دولت دیدار ممکن ست ۔۔۔ صد ریاب کارِ دل کہ نہ پیدا ست کارِ عمر

(۲) ان ایک دو دنوں میں جلدی جب تک تمہاری قوت (بدن قائم) ہے (فکر مآل کرلو اور) بڑھے ہو کر او چھے پن میں جوانوں کے سے کام (کرنے لگے ہو) نہ کرو۔ نظامی۔

جہاں [illegible] بر جوانان [illegible] [illegible] فروش تو [illegible]

صائبؒ۔

چوں رہِ مرگ سفیدی کنداز ہوئے سفید　　　وقتِ جمعیتِ اسباب تن آسانی نیست

این قدر تخمے کہ ماند ستت بکار　　　تادر آخر بینی او رابرگ و بار

ترجمہ:۔ (توفیقِ عمل کا) یہ جو (تھوڑا سا) بیج تمہارے پاس (باقی) رہ گیا ہے بودو۔ تاکہ آخرت میں اس (کے اجر وثواب) کے پتے اور پھل دیکھ لو۔ صائبؒ۔

در بیابانِ عدم بے توشہ رفتن مشکل ست　　　نیستی در فکر تخم افشانی اے دہقاں چرا

تانمرُد ست ایں چراغِ باگہر　　　ہیں فتیلہ اش ساز و روغن زود تر

لغات:۔ باگہر جو ہردار چراغ سے اگر زندگی مراد ہے اور مردن سے اس کا اختتام تو جو ہردار سے یہ مقصود ہے کہ وہ اعمالِ صالح بجالانے کا زمانہ ہے اور اگر چراغ سے روح اور مردن سے اس کا عالمِ دنیا سے منتقل ہونا مراد ہو تو جو ہردار سے یہ مقصود ہے کہ وہ اوصافِ حسنہ سے موصوف ہو سکتی ہے۔

ترجمہ:۔ ہاں ہاں! جب تک یہ (عمر یا روح) کا جو ہردار چراغ بجھنے سے محفوظ ہے جلدی اس کے لیے تیل بتی (مہیا) کرتے رہو۔

مطلب۔ فتیلہ و روغن سے طاعات وعبادات اور دیگر اعمالِ صالحہ مراد ہیں جس طرح تیل کے ڈالنے اور بتی کے اکسانے سے ٹمٹماتا چراغ پھر از سرِ نو روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اعمالِ حسنہ سے مجلّٰی ہوتی ہے اور عمر میں بھی خدا برکت دیتا ہے احادیث سے ثابت ہے کہ اعمالِ برّ میں عمر ترقی پاتی ہے یا اگر اس سے عمر کا استعدادِ زمانی مراد نہ ہو تو یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جس طرح تیل بتی سے چراغ از سرِ نو روشنی پاتا ہے اسی طرح اعمالِ حسنہ سے انسان کی زندگی منور ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے بداعمال کی زندگی تاریک ومظلم ہوتی ہے۔

ہیں مگو فردا کہ فرداہا گذشت　　　تابکلّی نگذرد ایامِ کشت

ترجمہ:۔ اے ہے! (نیک عمل کرنے میں) کل (کرلیں گے) نہ کہو کیونکہ (یوں تو) بہت سے کل گزر جاتے ہیں۔ (اور عمل کی نوبت نہیں آتی) تاکہ (کہیں کل کل کرتے تخمِ عمل کے) بونے کا وقت (ہاتھ سے) نہ نکل جائے۔ کما قیل۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم　　　بازچوں فردا شود امروز رافردا کنم

درمعنی فی التاخیرِ آفات

اس بات کے بیان میں کہ کام کو ٹالنے میں بہت سی آفتیں ہیں

مطلب:۔ تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ جو کام ایک وقت پر کرنے کے لیے مقرر ہو چکا اس کو سستی وکوتہ ہمتی سے سرانجام نہ دینا اور یہ کہنا کہ کل کرلیں گے۔ یہ سخت غلطی ہے اس میں ایک خرابی نہیں بلکہ صد ہا خرابیاں ہیں۔ کیونکہ آج کا کام اگر کل کرنے لگیں گے تو کل کا کام پھر کب ہوگا۔ اگر اس کو پرسوں پر اٹھار کھیں گے تو پھر پرسوں کا کام اس طرح کام اور کام کے اوقات کا سلسلہ ہی درہم برہم ہو کر درحقیقت کوئی بھی کام نہیں ہوتا۔ صائبؒ۔

چوں کار کردنی ست ہمیں روز خوش ترست　　　ایں کاہلاں زفرصتِ فردا چہ دیدہ اند

یہ مقولہ اس حدیث سے معارض نہیں ہے کہ التَّانِیْ مِنَ اللّٰہِ وَالْعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ یعنی آہستگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے (ترمذی وغیرہ) کیونکہ تاخیر کا معنی ہے کام کو وقت سے ٹلانا اور وقت کے اندر نہ کرنا اور تانی سے مراد ہے کام کو وقت کے اندر کرنا مگر سوچ سمجھ کر غور وفکر سے کرنا جلدی جلدی بے سوچے نہ کرنا فلا تعارض۔ تانی و آہستگی اچھی ہے بری نہیں۔ نظامی۔

با آہستگی کار عالم برآر　　که درکار گرمی نیاید بکار

چراغ از بگری برافروختی　　نه خودرا که کاشانه را سوختی

پندِ من بشنو کہ تن بندِ قوی ست　　کہنہ بیروں کن گرت میلِ نوی ست

لغات:۔ بند رکاوٹ آڑ قید۔ نوی جدت تازگی۔

ترجمہ:۔ میری نصیحت سن کہ بدن (روح کے لیے) ایک بھاری قید ہے اگر تم کو نئی روحانی زندگی کی خواہش ہے تو اس پرانے (بند) کو توڑ پھینکو۔ کما قیل۔

رفعت ایں دیوار یک قد آدم بیش نیست　　زود بگذر از تنِ خاکی که سد راہِ تست

لب بہبند وکفِ پر زر برکشا　　بخلِ تن بگذار وپیش آور سخا

صنائع:۔ بند وکشا اور بخل وسخا میں صنعت کا مقابلہ۔

ترجمہ:۔ لب کو (فضول باتوں سے) بند رکھو اور ہاتھ کو جو سیم وطلا سے پُر ہو (راہ نیک میں خرچ کرنے کے لیے) کھولو۔ بدن کا بخل چھوڑ دو اور سخاوت اختیار کرو۔

مطلب۔ پہلے مصرعہ میں خاموشی کی تاکید اور سخاوت کی ترغیب ہے دوسرے مصرعہ میں ترک لذات کا ارشاد ہے۔ بخل یہ ہوتا ہے کہ مال کو جمع کریں اور خرچ کرنے سے بچیں۔ یہاں بدن کے بخل سے یہ مراد ہے کہ بدنی لذات اور جسمانی خواہشات کو پورا کرتے رہیں اور ان کو ترک کرنے سے بچیں اسی طرح مال سے دست برداری مال کا بخل ہے اور لذاتِ بدن سے دست برداری بدن کی سخاوت ہے۔ چونکہ بخلِ بدن کی یہ توجیہ ذرا پیچیدہ ہے۔ اس لیے آگے اس کی تصریح فرماتے ہیں۔

ترکِ لذت ہا وشہوت ہا سخاست　　ہر کہ در شہوت فروشد برنخاست

ترجمہ:۔ (جسمانی) لذتوں اور شہوتوں کو چھوڑ دینا، (جسمانی) سخاوت ہے۔ جو شخص شہوت میں غرق ہو گیا وہ پھر نہ ابھر سکا۔ سعدیؒ۔

پدر چوں دور عمرش منقضی گشت　　مرا ایں یک نصیحت کرد وبگذشت

که شهوت آتش ست ازوے پرہیز　　بخود بر آتش دوزخ مکن تیز

دراں آتش نداری طاقت سوز　　بصبر آبے بریں آتش زن امروز

ایں سخا شاخے ست از سروِ بہشت　　وائے اوکز کف چنیں شاخے بہشت

صنائع:۔ ایک حدیث کے مضمون کی طرف تلمیح ہے۔ بہشت کے کلمے میں تجنیس ہے۔

ترجمہ:۔ یہ بدن کی سخاوت بہشت کے سرو[illegible] ہاتھ سے چھوڑ دے (جو بہشت میں پہنچاتی ہو)۔

مطلب: ۔ شرح بحر العلوم میں بیہقی سے یہ روایت ہے منقول ہے۔ السخاء شجرة فی الجنة فمن کان سخیا اخذ الغصن منها فلم یترکه الغصن حتی یدخله الجنة والشح شجرة فی النار فمن کان شحیحًا اخذ الغصن منها فلم یترکه الغصن حتی یدخله النار۔ یعنی سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے جو شخص سخی ہو اس نے اس درخت کی ایک شاخ پکڑ رکھی ہے وہ اس کو نہیں چھوڑتی حتی کہ اس کو بہشت میں داخل کر دیتی ہے اور بخل دوزخ کا ایک درخت ہے۔ جو شخص بخیل ہو۔ اس نے اس درخت کی شاخ تھام رکھی ہے تو شاخ اس کو نہیں چھوڑتی۔ حتی کہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتی ہے۔ بعض حواشی میں یہ حدیث لکھی ہے۔ السخا شجرة من اشجار الجنة اغصانها مستدلیات فی الدنیا فمن اخذ غصنا منها ماده ذالک الغصن الجنة یعنی سخاوت بہشت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے۔ جس کی شاخیں دنیا میں لٹک رہی ہیں پس جو شخص اس کی ایک شاخ کو پکڑ لیتا ہے، وہ شاخ اس کو بہشت کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ ایک یہ حدیث ترمذی وغیرہ میں مروی ہے۔ السخی من الله قریب من الناس قریب من الجنة بعید من النار یعنی سخی اللہ سے قریب ہے۔ لوگوں سے قریب ہے۔ بہشت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے۔

احادیث مذکورہ میں سخاوت مال کے وسیلۂ دخولِ جنت ہونے کا ذکر ہے چونکہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ ترکِ لذات وشہوات بھی تارک کے بہشتی ہونے کا موجب ہے اس لیے مولانا ان روایات کی بنا پر مذکورہ سابق احادیث سے تشبیہاً یہ مضمون اخذ فرماتے ہیں کہ سخاوت مال کی طرح سخاوتِ بدن یعنی ترکِ لذات بھی بہشت کے درخت کی شاخ ہیں اس شاخ کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے جن روایات میں ترکِ شہوات سے جنت میں جانے کا ذکر ہے ان میں سے یہاں صرف ایک روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ عن سهل ابن سعدؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من یضمن لی مابین لحیه وما بین رجلیه اضمن له الجنة یعنی سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کو قابو میں رکھنے کا مجھ سے عہد کرے میں اس کے لیے جنت کا ذمہ اٹھاتا ہوں مشکوٰۃ۔ صائبؒ ۔

دل ز ہوس پاک کن فیضِ کشایش ببیں
ہر چہ درون دل ست قفل برونِ دل ست

عروه الوثقیٰ ست ایں ترکِ ہوا برکشد ایں شاخِ جانرا بر سما

لغات: ۔ عروۃ الوثقیٰ۔ مضبوط رسا۔ سما آسمان۔

ترجمہ: ۔ یہ ترکِ ہوس (منزلِ نجات میں کھینچ لے جانے والا) ایک مضبوط رسا ہے۔ یہ (ترکِ ہوس جو درختِ بہشت کی) شاخ ہے۔ روح کو بالائے فلک کھینچ لے جاتی (ہے)۔

مطلب ۔ اس میں بھی اسی حدیث کی طرف تلمیح ہے اور شعر سابق کے مضمون کا اعادہ ہے عروۃ الوثقیٰ کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى " جو شخص شیطان کو چھوڑ دے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے اس مضبوط رسے کو تھام لیا"

تا برد شاخِ سخا اے خوب کیش! مرترا بالاکشاں تا اصلِ خویش

لغات: ۔ خوب کیش جس کا طور طریقہ اچھا ہو۔ اصل سے مراد جنت ہے۔

ترکیب: ۔ تا حرف جار تعلیلیہ ہے اور یہ شعر علت ہے جس کا معلول شعر سابق میں برکشد ہے۔

ترجمہ: ۔ اے نیک روش آدمی! (یہ) شاخِ سخاوت (روح کو بالائے فلک اس لیے کھینچ لے جاتی ہے) کہ تم کو اوپر اوپر کھینچتی ہے تاکہ اپنی اصل (یعنی جنت میں) لے جائے۔

یوسفِ حسنی تو، ایں عالم چو چاہ ویں رسن صبر ست از امرِ الٰہ

ترجمہ: ۔ تم حسن (روحانی) کے لحاظ سے (بمنزلہ) یوسف علیہ السلام ہو اور یہ جہان گویا ایک کنواں ہے اور یہ رسی (جس کے ذریعے سے تم) بحکم خدا (خدا کی ...

مطلب:۔ یہاں مضمونِ بالا کو ایک اور پیرایہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی تمثیل کے ساتھ دہراتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ایک کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ ایک قافلہ وہاں اترا اہل قافلہ میں سے کوئی شخص کنویں سے پانی لینے گیا۔ اس نے ڈول لٹکایا تو اس کے ذریعے سے حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے باہر نکلے۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ یوسف میں اس طرح آیا ہے۔ وجاءت سیارۃ فارسلوا واردھم فادلی دلوہ قال یبشری ھذا غلام اور ایک قافلہ (وہاں) آوارد ہوا اور انہوں نے اپنے سقے کو پانی لانے کے لیے بھیجا جوں ہی اس نے اپنا ڈول لٹکایا (یوسف اس میں ہو بیٹھے۔ باہر نکلے تو) وہ پکار اٹھا ابا یہ تو لڑکا ہے یوسف ر۔

مولانا فرماتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو رسی سے لٹک کر کنوئیں سے نجات پائی تھی تو تم بھی بجائے خود یوسف ہو اور چاہِ دنیا میں مقید بھی ہو۔ لو صبر یعنی ترکِ لذات کی رسی بھی آ گئی۔ دیکھتے کیا ہو لٹک جاؤ اور اس کنوئیں سے نجات پاؤ۔ صائبؒ

حال جانِ پاک را در قیدِ تن داند کہ چیست ہر کہ ماہِ مصر را در چاہِ زنداں دیدہ است

آگے اسی مضمون کی تاکید و توثیق ہے:

یوسفا آمد رسن در زن تو دست از رسن غافل مشو بیگہ شدست

ترجمہ:۔ اے یوسف (کی سی حالت والے۔ دیکھ صبر کی) رسی آ گئی (اس کو) تھام لے (اس) رسی سے غافل نہ ہو، وقت نکلا جا رہا ہے۔

حمد للہ کایں رسن آویختند فضل و رحمت را بہم آمیختند

لغات:۔ آویختند۔ آمیختند ایسے مواقع میں فعل جمع غائب کے صیغوں کا استعمال ہو تو اکثر مترجم اس کا فاعل کارکنانِ قضا و قدر کو قرار دیا کرتے ہیں مگر درحقیقت یہ فارسی محاورہ اس قسم کا ہے جیسے اردو میں فعل مجہول استعمال کیا جاتا ہے۔ صرف وقوعِ فعل کا ذکر مراد ہے۔ نظر بفاعل نہیں ہوتی۔ فضل احسان بلاعوض استحقاق سے زائد انعام، رحمت ترس کھانا بخشنا مہربانی کرنا۔

ترجمہ:۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ حصولِ نجات کے طریق کار کی رسی لٹکا دی گئی اور طالبانِ نجات کے لیے فضل اور رحمت دونوں کو اکٹھا کر دیا گیا۔

مطلب:۔ رسی سے مراد ہے کہ طاعات و عبادات اور استغفار و توبہ کے احکام نازل ہو گئے۔ جن کے ذریعہ سے ایک گنہگار بھی قصرِ ہلاکت سے نکل کر ساحلِ نجات پر پہنچ سکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی جو اس نے اپنے بندوں پر کی اور اس کا محض فضل تھا۔ اپنے گنہگاروں کی نجات کی صورت پیدا کر دی ورنہ اگر یہ اس کا حکم ہوتا کہ جو گناہ کرے اسے اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوتی۔ جیسے کہ آریہ وغیرہ بعض مذاہب باطلہ کا عقیدہ ہے تو پھر کیسی مشکل ہوتی مگر اس کا فضل تو بڑے سے بڑے عاصی و مجرم کو بھی اپنے دامنِ عفو میں لینے کو تیار ہے۔ کما قیل۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر گبرو یہود و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

در رسن زن دست و بیروں رو ز چاہ تا بہ بینی بارگاہِ بادشاہ

ترجمہ:۔ (ہاں ہاں) رسی کو تھام لو اور کنویں سے نکل جاؤ۔ تا کہ بادشاہ (حقیقی) کی بارگاہ کو جا دیکھو (اور مقربینِ درگاہ میں جگہ پاؤ)۔

نوٹ:۔ اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی طرف خاص اشارہ ہے وہ کنویں سے نکلے تو قافلے کے ساتھ مصر جا پہنچے اور وہاں رفتہ رفتہ بادشاہ کے دربار تک رسائی ہوئی اور اپنے حسنِ لیاقت سے اس کے وزیر یعنی عزیزِ مصر بن گئے۔ صائبؒ ۔

از چہ و زنداں برامد ہر کہ جان از تن شناخت　　شد عزیز آں کس کہ یوسفؑ راز پیراہن شناخت

تا بہ بینی عالمِ جانِ جدید　　عالمے بس آشکا رو ناپدید

ترجمہ:۔ تاکہ تم ایک نئے عالمِ ارواح کو دیکھ لو۔ ایسا عالم جو اہلِ بصیرت کے لیے نہایت واضح اور (بے بصیرت لوگوں کے لیے) مخفی و مستور ہے۔

مطلب:۔ تم ترکِ لذات و شہوات اور اختیارِ مجاہدات و ریاضات سے مقرب بارگاہ بن سکتے ہو اور عجائباتِ غیب تم پر منکشف ہو سکتے ہیں۔

صائب ۔

بقدر رم ازیں عالم توانی آرمید آں جا　　کہ ایں جا ہر کہ سستی کرد نتواند رسید آں جا

ایں جہانِ نیست چوں ہستاں شدہ　　واں جہانِ ہست پس پنہاں شدہ

لغات:۔ جہانِ نیست دنیا جو ناپائدار و بے بود ہونے کے لحاظ سے گویا نیست ہے۔ ہستاں جمع ہست موجود ثابت جہان ہست عالم غیب جو اپنی حقیقت و واقعیت کے لحاظ سے ہست ہے۔

ترجمہ:۔ یہ جہان (یعنی دنیا بمنزلہ) معدوم ہے اشیائے موجودہ کی مثل بن رہا ہے اور وہ جہان (عالم غیب) جو (فی الواقع) موجود ہے۔ (عوام کی نظر سے) بالکل مخفی ہے۔

مطلب:۔ اوپر ترکِ لذات کا یہ ثمرہ بیان کیا تھا کہ اس سے ایک عالمِ جدید تک رسائی ہو جاتی ہے اب اس عالم کا ثبوت دیتے ہیں بعض نسخوں میں پہلے مصرعہ میں ہستاں کی بجائے بستاں درج ہے پھر مطلب ہوگا کہ عالمِ دنیا کے نقش و نگار سب کی نظر میں بمنزلہ باغ ہیں جن کی سیر میں وہ لوگ محو ہیں۔ اور وہ بستانِ بقا جس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ سب کی نظر سے اوجھل ہے۔ صائبؒ ۔

آں خواجہ غافل کہ فرو رفتہ بدنیا　　از عالمِ بالا چہ خبر داشتہ باشد

آگے ظہورِ عالمِ شہادت اور خفائے عالمِ غیب کی ایک مثال دیتے ہیں:۔

خاک بر بادست و بازی مے کند　　کژ نمائی پردہ سازی مے کند

ترجمہ:۔ جیسے آندھی اور بگولے میں (خاک و دھول) ہوا پر (چڑھی چڑھی پھرتی) ہے اور حرکت کر رہی ہے۔ خلافِ واقع (حالت) دکھاتی ہے اور اصلیت کو مستور رکھتی ہے۔

مطلب:۔ اصلیت تو یہ ہے کہ متحرک ہوا اور خاک اس کے اتباع میں حرکت کرتی ہے ورنہ دراصل وہ ساکن ہے مگر خلاف واقع نظر یوں آتا ہے کہ خاک ہی حرکت کر رہی ہے۔ ہوا کوئی چیز ہی نہیں اسی طرح دراصل عالمِ شہادت میں عالمِ غیب ہی متصرف ہے مگر نظر یہ آتا ہے کہ جو کچھ ہے عالمِ شہادت ہی ہے عالمِ غیب کوئی چیز نہیں۔

خاک ہم چوں آلتے در دست باد　　باد را داں عالی و عالی نژاد

ترجمہ:۔ (حالانکہ) مٹی تو گویا ایک کٹھ پتلی ہے۔ جو ہوا کے ہاتھ میں (ناچ رہی) ہے اور ہوا کو ایک شاندار اور بلند اصل ہستی سمجھو

(جس کے مقابلے میں خاک کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔)

مطلب:۔ عالمِ شہادت یعنی دنیا کے تمام کاروبار عالم غیب کے تصرفات سے انجام پا رہے ہیں اور عالم غیب کی علوشان کے آگے دنیا کی کچھ بھی ہستی نہیں۔ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک'' آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ عالم غیب کا احساس کن لوگوں کو نہیں اور کیوں نہیں۔

چشمِ خاکی را بخاک افتد نظر باد بیں چشمے بود نوعِ دگر

لغات:۔ چشمِ خاکی مٹی سے بنی ہوئی آنکھ چشمِ ظاہر ،بصارتِ ظاہری۔

صنائع:۔ چشمِ خاکی اور خاک میں صنعتِ مشاکلہ ہے۔

ترجمہ:۔ ظاہری آنکھ کی نظر تو خاک پر ہی پڑتی ہے (اور وہ اسی کو محسوس کرسکتی ہے) ہوا کو دیکھنے والی آنکھ ایک اور ہی قسم کی ہوتی ہے۔ (ہوا کو وہی محسوس کرتی ہے)

مطلب:۔ عوام الناس کو دنیا ہی نظر آتی ہے اور وہ عالمِ غیب کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کو دیکھنے کے لیے اہل اللہ کاملین کی نظر باطن چاہیے۔ کما قیل۔

دنیا بزرگ باشد در دیدۂ غلط بیں اندک بچشمِ احول بسیار مے نماید
زاں چمنے کہ بلبلش روحِ قدس نمے سزد گلخنیان خاک را بوئے وصال کے رسد

ایں کہ بر کارست بیکارست پوست واں کہ پنہان ست مغز و اصلِ اوست

ترکیب:۔ ایں کہ برکارست مبتدا بے کار صفت اور پوست موصوف مل کر اس کی خبر بعض نسخوں میں اس مصرعہ کو بترکیب عطفی ایں کہ برکارست و بے کارست و پوست لکھا ہے۔ اس میں پہلی واؤ تو صریحاً غلط ہے اور دوسری واؤ معتبر نسخوں میں نہیں ملی اگرچہ معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ:۔ (دنیا کی) یہ (اشیا) جو مصروفِ عمل ہیں بے کار پوست ہیں اور وہ ذاتِ پاک جو نظروں سے مخفی ہے مغز (حقیقت) اور اصل (موجودات) وہی سب۔

مطلب:۔ چھلکے کو چھوڑ کے مغز حاصل کرنا چاہیے فرع کو چھوڑ کر اصل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ مخلوق کو چھوڑ کر خالق کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔ جامی۔

اصل کہ معنی ست چو بگذاشتی دل بسوئے فرع چرا داشتی؟

اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ موجوداتِ ظاہر تو جو [illegible] رج ہیں نظر آتی ہیں اصل وجود یعنی ذاتِ حق نظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ عدمِ مناسبت ہے۔

اسپ داند اسپ را کو ہست یار ہم سوارے داند احوالِ سوار

ترجمہ:۔ (ایک) گھوڑا ہی (دوسرے گھوڑے) کو جانتا ہے۔ کیونکہ وہ (اس کا) ہم جنس ہے۔ (ایک سوار ہی دوسرے سوار) کے ہنر سواری کا حال سمجھتا ہے۔ (جو اس کا شریک فن ہے دوسرا کیا سمجھے گا)

چشمِ حس اسپ ست، ونورِ حق سوار　　بے سوار ایں اسپ خود ناید بکار

ترجمہ:۔ ظاہری آنکھ گھوڑا ہے۔ اور حق کا مشاہدہ کرنے والا نور (بصیرت اس کا) سوار ہے۔ یہ گھوڑا سوار کے بغیر بے کار ہے۔

مطلب:۔ اوپر گھوڑے اور سوار کی مثال اظہارِ مناسبت کے لیے پیش کی تھی یعنی گھوڑا گھوڑے کو جانتا ہے سوار سوار کے ہنر کو پہچانتا ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ عالمِ غیب کی سیر اور ذات احدیت کے مشاہدہ کے لیے اس کے ساتھ روحانی مناسبت ہونی ضروری ہے۔ اب اسی مثال سے یہ بات ارشاد فرماتے ہیں کہ نورِ بصیرت کے بغیر چشمِ ظاہری بیکار ہے۔ صائبؒ ۔

چشمے کہ فروغ از دلِ بیدار ندارد　　شمعے ست کہ شائستہ بالین مزار ست

پس ادب کن اسپ را از خوے بد　　ورنہ پیشِ شاہ باشد اسپ رد

لغات:۔ ادب کن سدھاؤ، اس کی بدخوئی دور کرو، اس کی اصلاح کرو۔ رد مردود، نامقبول۔ نامنظور۔

ترجمہ:۔ پس اپنے گھوڑے کی (سرکشی کی) عاداتِ بد دور کر دو۔ ورنہ بادشاہ (حقیقی) کے سامنے نامنظور ہو جائے گا۔

مطلب:۔ چشمِ ظاہر کو جو آلہ بصارتِ ظاہری ہے۔ معاصی و منہیات میں استعمال نہ کرو۔ اس کو پاک نظر و پاک بین و پاک شناس بناؤ کہ اس سے بصیرتِ باطن بھی پیدا ہوگی اور قبول و قربِ حق بھی حاصل ہو سکے گا۔ کما قیل ۔

صفائے دل طلبی چشم از جہاں بر بند　　کہ رخنہ ایست کزیں جا غبار مے آید

چشمِ اسپ از چشمِ شہ رہبر بود　　چشمِ او بے چشمِ شہ مضطر بود

ترجمہ:۔ گھوڑے کی آنکھ بادشاہ (ہی) کی آنکھ سے (جو اس پر سوار ہوتا ہے) راستہ کو (دیکھ کر) طے کراتی (ورنہ) اس کی آنکھ بادشاہ کی آنکھ کے بغیر (رہبری سے) مجبور ہے۔

مطلب:۔ گھوڑے کی آنکھیں ہوتی ہیں مگر وہ رہنما و رہبر نہیں ہوتیں۔ بلکہ سوار کی آنکھ ہی راستہ کو دیکھتی ہے اور وہی راستہ طے کیا جاتا ہے تاہم گھوڑے کی آنکھوں کی بھی ضرورت ہے۔ گھوڑا بینا ہو جبھی وہ سواری کا کام دے سکتا ہے۔ ورنہ سواری مشکل ہوتی ہے اسی طرح چشمِ ظاہری کی بھی ضرورت ہے مگر اس کے ساتھ چشمِ باطن ضرور منور ہونی چاہیے۔

چشمِ اسپاں جز گیاہ و جز چرا　　ہر کجا خوانی بگوید نے چرا

ترجمہ:۔ گھوڑوں کی آنکھ (کا تو یہ حال ہے کہ) گھاس اور چارہ کے سوا جب کسی اور طرف بلاؤ گے تو کہے گی نہیں چارہ کی طرف چلو۔

مطلب:۔ چشمِ ظاہر کا میلان ہمیشہ لذائذ جسمانیہ کی طرف ہوتا ہے۔ صائبؒ ۔

تا نگردد نگاہ گوشہ نشیں　　برق برخرمن ست دلہارا

نورِ حق بر نورِ حس راکب شود　　وانگہے جاں سوئے حق راغب شود

ترجمہ:۔ (ہاں) حق کا (مشاہدہ کرنے والا) نورِ بصیرتِ حسی (امور کو دیکھنے والے) نور (بصارت) پر غالب آ جائے اور اس وقت روح حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جائے (تب چشمِ ظاہر مفید ہو سکتی ہے)۔

نوٹ:۔ بعض شارحین نے ترجمہ میں اس بیت کے مصرعۂ اول کو شرط اور دوسرے مصرعہ کو جزا قرار دیا ہے اور یوں ترجمہ کیا ہے

کہ جب نورِ حق نورِ حسی پر سوار ہو جاتا ہے تو اس وقت جان حق تعالیٰ کی طرف راغب ہوتی ہے۔ گو اقرب الی المقصود یہی ترجمہ ہوتا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ بات ضروری ہے کہ ترجمہ میں الفاظِ شعر سے بُعد نہ ہونا چاہیے۔ وانگہے کا حرف عطف اس ترجمہ کا مخالف ہے۔ لہٰذا ہم نے جزا مقدر نکالی ہے۔

اسپ بے راکب چہ داند رسم وراہ　　شاہ باید تا بداند شاہراہ

ترجمہ:۔ گھوڑا سوار کے بغیر (سیر وسفر کی) رسم وراہ کیا جانے (کوئی) شاہ (سوار) چاہیے تاکہ اس کو شاہراہ معلوم ہو۔

مطلب:۔ نورِ بصیرت نہ ہو تو صرف نورِ بصارت سے وصول الی الحق کا راستہ نہیں مل سکتا۔ ما قیل ؎

گر شود بے بینش دو چنداں بے بصیرت را چہ فیض　　مے کشد احول دو میل سرمہ چشم خویش را

سوئے حسے رو کہ نورش راکب ست　　حس را آں نور نیکو صاحب ست

ترجمہ:۔ (استفادہ کمال کے لیے) اس حس (والے) کے پاس جاؤ جس (کی حس) پر نور غالب ہے۔ (اور جس کی) حس کے ساتھ وہ نور بخوبی مل جل گیا ہے۔

مطلب:۔ دولتِ عرفان حاصل کرنے کے لیے اس شیخ کامل کی صحبت اختیار کرو جس کے قوائے حسیہ پر انوارِ حق غالب ہوں۔ جامیؒ ؎

جاکن درونِ پاک ضمیرے کہ عاقبت　　زیں شیوہ کار قطرہ بد روانگی رسید

نورِ حس را نورِ حق تزییں بود　　معنی نورٌ علیٰ نور ایں بود

لغات:۔ نورِ حس بصارتِ چشم۔ نورِ حق نورِ باطن جس سے مشاہدۂ حق ہوتا ہے تزئین زینت، سجاوٹ، آرائش نورِ علیٰ نور نور پر نور اشارہ ہے۔ سورہ نور کی اس آیت کی طرف کہ نُورٌ عَلٰی نُورٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَن یَّشَاءُ نور پر نور ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔"

ترجمہ:۔ ظاہری نور (یعنی بصارت) کے لیے حق کا نور (یعنی بصیرتِ باطن) آرائش ہے۔ نور علی نور (جو اللہ نے فرمایا ہے تو اس) کے معنی یہی ہیں۔

مطلب:۔ نور علی نور ہو کر واصل بحق ہو سکتے ہیں ؎

شبنم از روشن ضمیری محو شد در آفتاب　　ہر کہ صائب صاف گردد زود واصل میشود

نورِ حسی مے کشد سوئے ثریٰ　　نورِ حقش مے برد سوئے عُلا

لغات:۔ ثریٰ خاک مراد دنیا علا بلندی۔

ترجمہ:۔ ظاہری نور (بصارت) تو (حیات) دنیا کی طرف مائل کرتا ہے نورِ حق اس (بندے) کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔

زانکہ محسوسات دوں تر عالمے ست　　نورِ حق دریا و حس چوں شبنمے ست

ترجمہ:۔ کیونکہ جو اشیا نورِ حس سے محسوس ہوتی ہیں وہ عالمِ اسفل سے متعلق ہیں۔ (اور نورِ حق کا تعلق عالمِ علوی سے ہے) نورِ حق (اپنی وسعت کے لحاظ سے گویا) دریا ہے اور (نور) حس اپنی کوتاہی کے اعتبار سے گویا (قطرہ) شبنم ہے۔

مطلب:۔ اوپر جو کہا تھا کہ نورِ حس عالمِ اسفل کی طرف اور نورِ حق عالمِ بالا کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں اس کی یہ وجہ بیان

فرمائی ہے کہ مقدم الذکر کا تعلق محسوسات عالم سفلی سے ہے۔ اور موخر الذکر کا تعلق مدرکات عالم غیب سے ہے۔ اب یہاں سے یہ شبہ ناشی ہوسکتا ہے کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ نورِ حق حس پر راکب ہوتا ہے تو ہم نے تو کبھی نورِ حس پر نورِ حق کو راکب نہیں دیکھا۔ لہٰذا آگے بطور دفع دخل مقدر فرماتے ہیں۔

لیک پیدا نیست ایں راکب برو جز بآثار و بگفتارِ نکو

ترجمہ:۔ لیکن یہ (نورِ حق) اس (نورِ حس) پر سوار ہم کو نظر نہیں آتا۔ سوائے اچھی اچھی نشانیوں کے (جو دیکھنے میں آتی ہیں) اور (اچھی اچھی) باتوں کے (جو سننے میں آتی ہیں۔)

مطلب:۔ جن اہل اللہ پر نورِ حق غالب ہوتا ہے ان کے نور کی شناخت ان کے ظاہر سے نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کا معیار شناخت یہ ہے کہ ان کے اعمال واقوال سے لوگوں کی اصلاح ہوتی جائے۔ گمراہوں کو ہدایت ملے۔ صائبؒ۔

بدل پاک نظر کن نہ بدستارِ سفید سطح میں را نظر از بحر گہر بر زبدست

نورِ حسی کو غلیظ است و گراں ہست پنہاں در سوادِ دیدگاں

ترجمہ:۔ (دیکھو) حسی نور جو نسبتاً کثیف اور بھاری ہے۔ وہ آنکھوں کی سیاہی میں (اس طرح) مخفی ہے (کہ نظر نہیں آسکتا۔)

چونکہ نورِ حس نمے بینی زچشم چوں بہبینی نورِ آں دینی زچشم

ترجمہ:۔ جب تم (اس) حسی نور کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تو اس دین والے (حق کے) نور کو آنکھ سے کیونکر دیکھ سکو؟۔

نورِ حس با ایں غلیظی مختفی ست چوں خفی نبود ضیائے کاں صفی ست

لغات:۔ مختفی۔ مخفی۔ پنہاں، پوشیدہ خفی پوشیدہ ضیا نور، روشنی صفی برگزیدہ، انتخاب۔

ترجمہ:۔ جب حسی نور اس کثافت کے باوجود (نظر سے) مخفی ہے تو وہ نور (حق تعالیٰ) جو ہر قسم کی کثافتوں سے منزہ ہے کیوں نہ مخفی ہو۔

نوٹ:۔ اوپر عالمِ سفلی یعنی دنیا کو خاک سے اور عالمِ غیب کو ہوا سے تشبیہ دی تھی پھر اس کے بعد چند اور مناسب باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ اب اصل مقصود کی طرف انتقال فرماتے ہیں:

ایں جہاں چوں خس بدستِ بادِ غیب عاجزی پیشہ گرفت از دادِ غیب

ترجمہ:۔ اس جہان نے ایک تنکے کی طرح ہوائے عالم غیب کے دست (تصرف) میں (پڑکر) غیب کی عنایت سے عاجزی کا طریقہ اختیار کرلیا ہے۔

مطلب:۔ عالمِ غیب گویا ہوا ہے اور عالم دنیا ایک تنکے کی مثل ہے۔ جس کو ہوا اڑائے لیے پھرتی ہے اور عالم غیب نے اپنے اثر سے اس تنکے کو عجز و سرافگندگی سکھادی ہے کہ وہ تصرفاتِ باد سے سرتابی نہیں کرتا۔ امیر خسروؒ۔

دراں محل کہ در و بادِ قدر تش عالم میان صدمہ صرصر خسے سبکسار ست

گہ بحرش مے برد گاہیش برد گاہ خشکش مے کند گاہیش تر

ترجمہ:۔ (یہ ہوا) کبھی اس تنکے کو دریا میں لے جاتی ہے، کبھی خشکی میں۔ کبھی اس کو خشک کر دیتی ہے، کبھی تر۔

دست پنہان و قلم بیں خط گزار　　اسپ در جولان و نا پیدا سوار

ترجمہ:۔ (لکھنے والا) ہاتھ پوشیدہ تو ہے اور قلم کو خط کھینچتا دیکھ لو۔ گھوڑا دوڑ رہا ہے اور سوار ظاہر نہیں (ہوتا)۔

مطلب:۔ کوئی قلم کاتب کے ہاتھ کے بغیر نہیں لکھ سکتا اور کوئی گھوڑا سوار کے بغیر قواعد کے اندر تگ و دو نہیں کر سکتا۔ لیکن جب قلم لکھ رہا ہے اور گھوڑا معتدل رفتار سے دوڑ رہا ہے تو ظاہر ہے ان کا متصرف حقیقی موجود ہے جو نظر سے پوشیدہ ہے۔ جامیؒ۔

بود نقش دل بر ہوش مندے　　کہ باشد نقشہا را نقشبندے

گہ بلندش میکند گاہیش پست　　گہ درستش مے کند گاہے شکست

ترجمہ:۔ کبھی اس کو بلند کر دیتا ہے اور کبھی اس کو پست کرتا ہے۔ کبھی اس کو صحیح و سالم بنا دیتا ہے اور کبھی توڑ ڈالتا ہے۔

گہ یمینش مے برد گاہے یسار　　گہ گلستانش کند گاہیش خار

ترجمہ:۔ کبھی اس کو دائیں جانب لے جاتا ہے، کبھی بائیں جانب۔ کبھی اس کو باغ بنا دیتا ہے کبھی کانٹا۔

تیر پرّاں بین و ناپیدا کماں　　جانہا پیدا و پنہاں جانِ جاں

ترجمہ:۔ تیروں کو ہر طرف اڑتے دیکھ لو اور کمان نظر نہیں آتی جانیں ظاہر ہیں اور جانوروں کی جان (یعنی ان کا خالق) پوشیدہ ہے۔

مطلب:۔ چونکہ دنیا کے تمام افعال و آثار بمشیتِ حق وقوع پاتے ہیں۔ لہٰذا آگے فرماتے ہیں کہ جو حالت بھی پیش آئے خواہ راحت کی ہو یا سختی کی اس کے لیے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے کہ وہ منجانب اللہ ہوتی ہے۔ سعدیؒ۔

گر گزند ندت رسد ز خلق مرنج　　کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست　　کہ دلِ ہر دو در تصرف اوست

تیر را مشکن کہ ایں تیر شہی ست　　نیست پرتابی ز شستِ آگہی ست

لغات:۔ شہی شاہی، سلطانی۔ پرتابی اٹکل پچو، اناڑی پن کا تیر۔ شست تیر کا نشانہ باندھنا۔ آگہی علم۔

ترجمہ:۔ اس تیر کو مت توڑ کہ یہ بادشاہی تیر ہے۔ اٹکل پچو نہیں۔ (بلکہ) علم کی نشانہ بازی سے ہے۔

مطلب:۔ مقدر میں جو حالات پیش آئیں ان پر بگڑنا ناراض ہونا نہیں چاہیے۔ بلکہ ان کو خدا کی طرف سے سمجھ کر صابر و شاکر رہنا چاہیے۔ نظامیؒ۔

بر نگو نہ کارِ خدائی بود　　خصومت خدا آزمائی بود

نشانہ زدن تیغ بر آفتاب　　نہ البرز را کرد باید خراب

ما رمیت اذ رمیت گفت حق　　کارِ حق برکارہا دارد سبق

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے کہ۔ (یہ مشت خاک) آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ہے۔ حق تعالیٰ کے کام (سب کے) کاموں پر سبقت رکھتے ہیں۔

مطلب:۔ یہ آیتِ جنگ بدر کے اس واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی اور یہ آیت پڑھی۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ یعنی ابھی ساری فوجِ اعدا شکست پا جائے گی۔ اور سب

لوٹ بھاگ نکلیں گے مشت خاک کا پھینکنا تھا کہ تمام کافروں کی آنکھوں کی وہ حالت ہوگئی جو سخت آندھی میں گرد و غبار سے ہو جاتی ہے اور ان کے شکست یاب ہونے کے اسباب میں سے ایک یہ غیبی سبب بھی تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور اے پیغمبر! جب تم نے مٹی کی مٹھی پھینکی تو یہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

پس جس طرح تیراندازی یا خاک اندازی کا فعل جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا تھا در حقیقت خدا کا فعل تھا۔ اسی طرح دنیا جہان کے تمام افعال بمشیت حق وقوع پاتے ہیں۔ تم کو سب پر صابر و شاکر رہنا چاہیے۔ سعدیؒ۔

گر تو دیدہ دری نیک و بد ز حق بینی دو بینی از قبل چشم احول افتاد ست

چشمِ خود بشکن تو مشکن تیر را چشمِ خشمت خوں نماید شیر را

لغات:۔ بعض نسخوں میں پہلے مصرعہ میں چشم بجیم فارسی کے بجائے۔ خشم بخائے معجمہ بمعنی غصہ درج ہے دونوں طرح ترجمہ ہو سکتا ہے۔

ترجمہ۔ اپنی (غلط بین) آنکھ کو توڑ ڈالو جو خالق کے فعل کو مخلوق کا فعل دکھاتی ہے۔ تیر (خدائی) کو نہ توڑو (یہ) تمہاری ناراضگی کی آنکھ (ہے جو) دودھ کو خون دکھا رہی ہے۔

(۲) اپنے غصے ہی کو توڑ ڈالو۔ جو تمہاری آنکھ کو غلط بین بنا رہا ہے تیر (خدائی) کو نہ توڑو الخ۔

مطلب:۔ کسی گزند کے پہنچنے پر جو غصہ آتا ہے تو گزند پہنچانے والے انسان پر ہی آتا ہے۔ حالانکہ یہ گزند رسانی مقدر بتقدیرِ الٰہی تھی اس لیے یہ خدائی فعل تھا۔ پس غصے نے فعل کو خالق کے بجائے مخلوق سے منسوب کر دیا لہٰذا اپنی غلط بین آنکھ کو ہی توڑ ڈالنا چاہیے یا غصے کو فنا کر دینا چاہیے جو آنکھ کو غلط بین بنا رہا ہے۔ کما قیل۔

خشم و شہوت مرد را احول کند زاستقامت روح را مبدل کند

بوسہ دہ بر تیر و پیشِ شاہ بر تیرِ خون آلودہ از خونِ تو تر

ترجمہ:۔ تیر قضا کھا کر اس تیر کو بوسہ دو اور (اس کو) بادشاہ کے پاس لے جاؤ (جس نے اس کو پھینکا تھا وہ) تیر خون آلودہ تمہارے خون سے تر ہو۔ میر خسرو۔

زخون دل وضو سازم کنم سجدہ بسوے او بود عشاق را آرے ہے زنگونہ مذہبہا

آنچہ پیدا عاجز و پست و زبوں وانچہ نا پیدا چناں تند و حروں

لغات:۔ زبوں عاجز۔ کمزور ناتواں۔ حرون سرکش منہ زور۔

ترجمہ:۔ (غرض) جو (عالم) ظاہر ہے۔ وہ بالکل عاجز اور پست اور کمزور ہے اور جو (عالم) غیر حاضر ہے وہ ایسا تند و زور آور ہے۔ (کہ عالمِ شہادت میں متصرف ہے)۔

مطلب:۔ عالمِ دنیا کے ظہور و بروز کے شیفتہ ہو کر اسی کے لیے ساعی و کوشاں نہ رہنا چاہیے بلکہ عالم غیب کی طرف اپنی توجہات منعطف رکھو۔ جو اگرچہ مخفی ہے مگر یہ تمام کرشمے اسی کی قوت کے ہیں۔ آگے جوشِ عشق میں فرماتے ہیں۔

ماشکاریم ایں چنیں دامے کراست گوے چوگانیم چوگانی کجاست

ترجمہ:۔ (ارے) ہم تو شکار ہیں۔ (تم یہ دیکھو کہ) ایسا جال (جس نے ہم کو مقید کر رکھا ہے) کس کا ہے۔ ہم ایک بلے کی گیند

ہیں (تم یہ سراغ لگاؤ کہ) ملے والا کہاں ہے۔ حافظؒ۔

چہ مستی ست ندانم کہ رو بما آورد؟ کہ بود ساقی؟ وایں بادہ از کجا آورد؟

صائبؒ۔ ہیچ جوینده ندانست کہ جائے تو کجاست آخر اے خانہ برانداز سرائے تو کجاست

میدرد میدوزد ایں خیّاط کو میدمد میسوزد ایں نفّاط کو

لغات:۔ خیاط درزی۔ نفاط آتشباز۔

صنائع:۔ شعر مرضع ہے۔

ترجمہ:۔ یہ (قدرت کا) درزی جو (ہر وقت) پھاڑنے (اور) سینے میں لگا ہوا ہے۔ کون ہے یہ آتشباز جو (ہر وقت) پھونکتا جلاتا (رہتا) ہے کون ہے۔ صائبؒ۔

نیست ازاں گوہرِ نایاب کسے را خبرے چشمِ غواص تہی ترز حباب ست اینجا

ساعتے کافر کند صدیق را ساعتے زاہد کند زندیق را

لغات:۔ کافر حق کا منکر۔ صدیق نہایت راستباز۔ مومنین کا سب سے بڑا درجہ جس سے اوپر نبوت کا درجہ ہے۔ زاہد۔ خدا کی رضا کے لیے ہر چیز سے دست بردار ہونے والا۔ زندیق خدا کا منکر۔

ترجمہ:۔ (اس کی بے نیازی کا کرشمہ یہ ہے کہ) کبھی وہ (سب سے بڑے مومن یعنی) صدیق کو کافر بنا دیتا ہے (اور اس کی عنایاتِ بے پایاں کا یہ عالم ہے کہ) کبھی وہ منکرِ حق کو (مومن اور مومن بھی وہ جو خدا کے لیے سب کچھ چھوڑ دینے والا (ہو) بنا دیتا ہے۔ امیر خسروؒ۔

بہ بے نیازی او کعبہ چوں خرابات ست در آفرینشِ اومکہ چوں ملیبارست

جامیؒ۔ ہر خشتے از کنشت شود کعبہ دگر گر پر تو جمال تو افتد بسومنات

نوٹ:۔ خدا کی شیونِ مختلفہ کے ذکر میں اس کی بے نیازی کی طرف اشارہ واقع ہوا تھا۔ اب آگے اس کی بے نیازی سے ڈرتے رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

زانکہ مخلَص درخطر باشد مدام تازِ خود خالص نگردد او تمام

لغات:۔ مخلَص بکسر لام عمل کو اغراض سے خالص رکھنے والا' خالص نیت سے عمل کرنے والا۔

ترکیب:۔ یہ شعر علت ہے اور اس کا معلول مقدر ہے۔ جو بیان ماسبق سے بطور نتیجہ ماخوذ ہے یعنی پس باید کہ از بے نیازی او خائف باشیم۔

ترجمہ:۔ (پس اس کی بے نیازی سے ڈرنا چاہیے) کیونکہ اہلِ اخلاص جب تک کہ وہ (شائبۂ) خودی سے بالکل پاک (ہو کر فانی فی اللہ) نہ ہو جائیں۔ ہمیشہ خطرے میں ہوتے ہیں۔

مطلب:۔ عن عبدالله ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان قلوب بنی ادم كلها بين اصبعين من اصابع الرحمن كقلب واحد يصرفه كيف يشاء ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك رواه مسلم یعنی صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح (خدا کی قدرت کی) انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں

جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے خدا جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر پھیر دے (مشکوٰۃ) اس طرح ہر مومن مخلص کو خدائی بے نیازی سے خائف و ترساں رہنا چاہیے کہ نہ جانے وہ ہمارے دل کو کس طرف پھیر دے اور خاتمہ کس حالت پر ہو۔ حافظؒ۔

حکم مستوری و مستی ہمہ برخاتمہ است　　کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود

سعدیؒ۔

تن کارئیے۔ بلرزد زتب　　مبادا کہ نخلش نیارد رطب

جامیؒ۔

یکے را پائے بشکستی و خواندی　　یکے را بال و پر و...ی
ندانم تا من مسکین کدامم　　زمقبولاں ومحروماں چہ نام

زانکہ در راہ ست و رہزن بیحدست　　آں رہد کو در امانِ ایزدست

ترجمہ:۔ اس لیے کہ وہ ابھی راہ سلوک پر (چل رہا ہے) اور (اس راستے میں) رہزن بہت ہیں (ان رہزنوں سے) وہی بچ نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔

مطلب:۔ طالب کمال جب تک منازلِ سلوک کے طے کرنے میں مشغول ہوتا ہے تو اس کو شیطان کے مکروفریب کا بہت اندیشہ ہے۔ جو اس راستے کا رہزن ہے۔ حافظؒ۔

دور ست سرّ آب دریں بادیہ ہشدار　　تاغولِ بیاباں نفریبد بسرابت

اور جس طرح ایک مسافر منزل مقصود پر پہنچ کر رہزنوں کی دستبرد سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عارف کامل منازل سلوک طے کر چکنے اور مرتبہ کمال پر فائز ہو جانے کے بعد شیطان کے مکروفریب سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ انہی حضرات کے بارے میں مولانا نے اوپر فرمایا ہے۔ تاز خود خالص نگردد او تمام۔ یعنی جو لوگ اپنی خودی سے پاک اور اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں ان پر شیطان کا تصرف نہیں چل سکتا چنانچہ خود شیطان معترف ہو چکا ہے۔ **قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ** ۝ شیطان نے کہا۔ اے میرے پروردگار جیسے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ میں بھی دنیا کے اندر (سازو سامان زندگی) ان لوگوں کو آراستہ کر دکھاؤں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا مگر ان میں سے تیرے مخلص بندے (کہ میرے بہکانے) میں نہیں آئیں گے۔ (سورہ حجر ع ۳) آگے اسی طالب کا ذکر ہے جو ابھی مدارج کمال پر فائز نہیں ہوا بلکہ مصروفِ سعی ہے۔

آئینہ خالص نگشت او مخلص ست　　مرغ را نگرفتہ است و مقنص ست

لغات:۔ خالص مصفا، مجلا۔ مخلص لام کے فتحہ سے صاف کیا ہوا۔ یہاں یہ صیغہ بمعنی حال استعمال ہوا ہے۔ مقنص شکار کرنے والا۔

ترجمہ:۔ (اس کے دل کا) آئینہ (اب تک) صاف نہیں ہوا (بلکہ وہ ابھی) صاف ہو رہا ہے اس نے ابھی مرغ مراد کو پکڑا نہیں اور اس کو شکار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

چونکہ مخلص گشت مخلص باز رست　　در مقامِ امن رفت و برد دست

ترجمہ:۔ جب تصفیہ (باطن کی کوشش) کرنے والا مصفا ہو گیا (رہزن شیطان) کے خطرہ سے بچ گیا (منزل کمال کے) مقامِ

امن میں جا پہنچا اور بازی جیت گیا۔

ہیچ آئینہ دگر آہن نشد ہیچ نانے گندم خرمن نشد

ترجمہ:۔ (اب اس کو مقبول ہونے کے بعد رد ہونے کا خوف نہیں رہتا جیسے) کوئی آئینہ (صیقل ہو چکنے کے بعد) دوبارہ (مثل سابق بے نور) لوہا نہیں ہوتا (اور) کوئی روٹی (دوبارہ) خرمن کے گیہوں کی شکل اختیار نہیں کر سکتی۔

مطلب:۔ مخلَص (بفتح لام) کو پھر خوفِ بازگشت اور اندیشۂ تنزل نہیں ہوتا اس میں صوفیہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ الفانی لا یرد یعنی جو شخص فنافی اللہ کے درجے پر فائز ہے۔ وہ کبھی مردود نہیں ہوتا شیطان کے مردود و مطرود ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ابھی فائز بدرجۂ کمال نہیں تھا اور نہ وہ مجذوب من الحق تھا۔ بلکہ ابھی سالک تھا جو معرض خطرات وآفات ہوتا ہے۔ اگر اس درجہ پر پہنچا ہوتا تو کبھی حکمِ حق سے سرتابی نہ کرتا اور نہ راندہ ہوتا آئینہ اور نان اس کی مثالیں ہیں کہ یہ چیزیں اپنے مدارجِ کمال کو طے کرنے کے بعد تنزل نہیں کرتیں۔ اسی طرح آگے ارشاد ہے:۔

ہیچ انگورے دگر غورہ نشد ہیچ میوہ پختہ باکورہ نشد

لغات:۔ غورہ کچا انگور جس میں ابھی ترشی ہو۔ باکورہ جب ایک درخت کو بہت سے پھل لگے ہوں تو ان میں سے جو پھل سب سے پہلے پکتا ہے۔ وہ باکورہ کہلاتا ہے مگر یہاں کچا مراد ہے۔

ترجمہ:۔ کوئی انگور (پک چکنے کے بعد) دوبارہ کچا (انگور) نہیں بن سکتا۔ کوئی میوہ دوبارہ خام نہیں ہوتا۔

پختہ گردد از تغیر دور شو رَو چو برہانِ محقق نور شو

لغات:۔ برہان دلیل۔ یہاں مولانا برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں جو مولاناؒ کے والد حضرت بہاؤالدین کے ایک خلیفہ ہیں۔ پہلے مولاناؒ نے انہی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر چونکہ مولاناؒ کی استعداد قوی تر تھی اور وہ تربیت پوری نہ کر سکے اس لیے مولانا نے پھر حضرت شمس تبریزی سے رجوع کیا۔ مفصل حال شرح ہذا کے دیباچہ میں گزر چکا ہے۔

ترجمہ:۔ (اگر تم بھی کمالِ لازوال کے خواہاں ہو تو) پختہ ہو جاؤ اور (پھر) تغیر (خامی) سے دور ہو جاؤ گے۔ جاؤ پھر حضرت برہان الدین محقق کی طرح (سراپائے) نور بن جاؤ گے (جس پر دوبارہ ظلمت کی دسترس نہیں ہو سکتی۔)

چوں زخود رستی ہمہ برہاں شدی چونکہ گفتی بندہ ام سلطان شدی

ترجمہ:۔ جب تم اپنی خودی سے چھوٹ جاؤ گے تو بالکل برہان الدین (ثانی) بن جاؤ گے جب تم (کمالِ عبودیت پر فائز ہونے کے بعد) کہو گے کہ میں بندہ ہوں۔ تو (اس وقت تم) اقلیمِ ولایت کے سلطان ہو گے۔

داغِ غلامیت کرد پایۂ خسرو بلند میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

وُرعیاں خواہی صلاح الدین نمود دیدہا را کرد بینا وکشود

لغات:۔ صلاح الدین مولانا کے پیر بھائی تھے۔ جن کا ذکر شرح ہذا کے دیباچہ میں گزر چکا ہے۔

ترجمہ:۔ اگر علانیہ (اس کا ثبوت) چاہتے ہو تو شیخ صلاح الدین (زرکوب) نے دکھا دیا ہے اور آنکھوں کو بینا کر دیا اور کھول دیا۔

فقر را از چشم واز سیمائے او دید ہر چشمے کہ دید از نورِ ہو

لغات:۔ سیما علامت نشانی مجاز [illegible] ہے اور ہو ذات حق تعالیٰ ہے۔ بعض نے

اسی کو اسمِ اعظم لکھا ہے۔
ترجمہ:۔ جس آنکھ نے نورِ حق سے نظر کی ہے اس نے درویش کو ان کی (یعنی حضرت صلاح الدین کی) آنکھ اور پیشانی سے مشاہدہ کر لیا۔
مطلب:۔ جو آنکھ ناظر بنورِ حق ہے وہ شیخ صلاح الدینؒ کی چشم و پیشانی میں صورتِ عرفان کا مشاہدہ کر سکتی ہے یعنی اس کو بذریعہ تکلم پانے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی زیارت ہی طالبین کے لیے ذریعۂ ہدایت ہو جاتی ہے۔ طالب ان کے دیدار کی بدولت ہی عارف بن جاتے ہیں اور یہ کمال ان کی آنکھوں میں ہے کہ نظر ہی نظر میں سب کچھ سکھا دیتے ہیں۔ صائبؒ۔

زبان و گوش چہ حالت چو ہست بینائی　　　کہ بانگاہ بود گفتن و شنیدن چشم

آگے اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں:۔

شیخ فعال ست بے آلت چو حق　　　بامریداں دادہ بے گفتے سبق

لغات:۔ فعال مؤثر، متصرف۔ آلت آلہ، آلۂ عمل، اعضا و جوارح۔ گفتے کوئی کلام، گفتگو۔
ترجمہ:۔ شیخ زبان گوش یعنی آلہ (کلام و سماعت) کے (استعمال کے) بغیر (تعلیمی) اثر ڈال سکتا ہے۔ جسے حق تعالیٰ (بلا آلات و وسائط مؤثر و متصرف ہے) وہ مریدوں کو بلا تکلم سبق دیتا ہے۔ حافظؒ۔

بیا کہ چارۂ ذوقِ حضور و نظمِ امور　　　بفیض بخشی اہلِ نظر توانی کرد

دل بدستِ او چو مومِ نرم رام　　　مہر او گہ ننگ سازد گاہ نام

لغات:۔ رام تابع، مسخر۔ ننگ عار، موجب شرم، ناگوار، ناپسند مراد قبض۔ نام عزت، شہرت۔ گوارا، پسندیدہ مراد بسط۔
ترجمہ:۔ مرید کا دل اس کے دست تصرف میں نرم موم کی طرح مسخر ہے اس (پیر) کی مہر کبھی اس پر قبض (کا ناگوار نقش) بناتی ہے۔ کبھی بسط (کا پسندیدہ نقش)۔

مہرِ مومش حاکیِ انگشتری ست　　　باز آں نقشِ نگیں حاکیِ کیست؟

لغات:۔ حاکی حالت بیان کرنے والا، ناقل، عکس۔
ترجمہ:۔ (ہاں تو موم کا نقش انگوٹھی (کے نقش) کا عکس ہے۔ پھر یہ بتاؤ کہ) وہ انگوٹھی کا نقش کس کا عکس ہے آگے اس کا سوال کا خود جواب فرماتے ہیں۔

حاکیِ اندیشۂ آں زرگرست　　　سلسلہ ہر حلقہ اندر دیگر ست

ترجمہ:۔ (وہ نقش نگیں انگوٹھی بنانے والے) زرگر کے تخیل کا عکس ہے۔ پھر یہ بتاؤ کہ وہ انگوٹھی کا نقش کس کا عکس ہے۔ جس کی ایک کڑی دوسری میں (پیوستہ) ہے۔
مطلب:۔ مرید کے دل پر پیر کے تصرفات کا اثر پڑتا ہے اور پیر کے تصرفات منجانب اللہ ہیں۔ آگے اس کی مزید توضیح کے لیے پھر متصرف حقیقی کی طرف متجسسانہ نظر آتے ہیں۔ جیسے پہلے کہا تھا ''اے دردے دوز وایں خیاط کو''

ایں صدا در کوہِ دلہا بانگِ کیست　　　گہ پُر است از بانگ ایں گہ گہ تہی ست

ترجمہ:۔ دلوں کے پہاڑ میں یہ گونج کس کی آواز سے ہے؟ کہ آواز سے کبھی یہ پہاڑ پُر ہیں اور کبھی خالی۔

ہر کجا ہست آں حکیم و اوستاد　　　بانگِ اوزیں کوہ دل خالی مباد

ترکیب:۔ پہلے مصرعہ کی ترکیب بظاہر اشتباہ انگیز ہے جس کا ذکر آگے نوٹ میں کیا جائے گا دراصل ہر کجا ہست کا مبتدا ضمیر مستتر ہے۔ جو ایں خدا کی طرف راجع ہے اور آں اسمِ اشارہ کا مشارٌ الیہ قلب ہے جس کا ذکر شعر سابق میں آچکا ہے۔ پس تقدیرِ کلام یوں

ہے ایں صدا ہر کجا (اے بہر قلبے) کہ مستِ آں قلب حکیم واستادست۔

ترجمہ:۔ (صدائے آوازِ غیب) جہاں بھی ہو (یعنی جس دل میں بھی ہو) وہ (دل) حکیم واستاد ہے۔ اس (تعالیٰ شانہ) کی آواز اس کو دل سے بند نہ ہو تو اچھا ہے۔

مطلب:۔ جس بزرگ کا دل فیوضِ غیب کا مہبط ہو وہ شیخ کامل ومکمل ہے۔ دعا کرنی چاہیے کہ ان کے دل پر اسی طرح نزولِ برکات وانوار ہوتا رہے تا خلق اللہ ان سے مستفیض ہو۔

نوٹ:۔ بعض شارحین نے اس ترکیب کی بنا پر جو بادی النظر میں سمجھ میں آتی ہے یوں ترجمہ کیا ہے وہ حکیم علی الاطلاق اور استاد حقیقی جہاں بھی ہو اس کی آواز کو قلب سے بند نہ ہو مگر اس تقدیر پر ''ہر کجا'' کا لفظ ذاتِ لامکانی کے لیے خلافِ ادب ہے۔

ہست کہ کاوا مثنیٰ مے کند　　ہست کہ کاواز صد تامیکند

لغات:۔ کاوا ''کہ آواز'' کا مخفف ہے۔ مثنیٰ دوہری، دوچند۔ صد تا صد چند۔

ترجمہ:۔ بعض پہاڑ ایسے ہیں کہ آواز سے صرف ایک گونج اٹھا کر اس کو صرف دوہرا کر دیتے ہیں بعض پہاڑ ایسے ہیں جو آواز (سے گونج پر گونج اٹھا کر اس) کو سو گنا بنا دیتے۔

مطلب:۔ شیوخِ کاملین کی حالتیں بلحاظِ افاضہ مختلف ہیں۔ بعض سے نہایت کم تاثیر ہوتی ہے۔ بعض سے بہت زیادہ۔

مے رہاند کوہ ازاں آواز وقال　　صد ہزاراں چشمۂ آبِ زلال

لغات:۔ مے رہاند برمے آرد، بجوش مے آرد۔ مے انگیزد۔ قال مخفف مقال۔

ترجمہ:۔ (پھر) اس غیبی آواز وکلام سے شیخ کا کوہِ قلب (تلقین وتعلیم) کے لاکھوں چشم ہائے آبِ شیریں بہا دیتا ہے۔ جامیؒ۔

فیضے کہ بدل میرسد از سدرہ وطوبیٰ　　در سایۂ سرو قد دلجوئے تو یابم

چوں زکوہ آں لطف بیروں مے شود　　آب ہائے چشم ہا خوں مے شود

ترجمہ:۔ جب کوہِ قلوب سے وہ لطف (غیب) زائل ہو جاتا ہے تو ان چشموں کا پانی خون بن جاتا ہے۔

مطلب:۔ اگر کسی قلب پر ان فیوضِ باطنیہ کا القاء بند ہو جاتا ہے۔ تو وہی معارفِ الٰہیہ خیالاتِ کفریہ سے بدل جاتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہما۔ یہاں کوہِ قلب کا ذکر تھا۔ آگے ایک سچ مچ کے پہاڑ کا ذکر فرماتے ہیں:۔

زاں شہنشاہِ ہمایوں نعل بود　　کہ سراسر طورِ سینا لعل بود

لغات:۔ ہمایوں نعل۔ مبارک قدم۔ طور سینا ایک پہاڑ کا نام ہے جو ملکِ شام میں واقع ہے اور اس پر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی تھی۔

ترجمہ:۔ (یہ) اس شہنشاہِ مبارک قدم (یعنی موسیٰ علیہ السلام) ہی کا تو کرشمہ تھا کہ ان کی بدولت کوہ طور سینا (تجلی حق کی تابش سے) لال گلال ہو گیا۔

مطلب:۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ جو قرآن مجید میں یوں مذکور ہے وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی [illegible] صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ''جب موسیٰ ہمارے موعودہ وقت کے مطابق (کوہِ طور پر) آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے بات چیت کی تو موسیٰ نے کہا۔ اے میرے پروردگار تو مجھے اپنا دیدار کر لینے دے۔ فرمایا تو میرا دیدار ہرگز نہ کر سکے گا۔ ہاں اس پہاڑ کو دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تو بھی میرا دیدار کر سکے گا پس جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو چکنا چور کر دیا۔ اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو کہا (اے میرے پروردگار) تو پاک ہے۔ میں تیری درگاہ میں (ایسی درخواست کرنے سے) توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے تجھ پر بلا دیکھے یقین لاتا ہوں'' (اعراف ع ۱۵) امیر خسروؒ

تو رخ نمودی وعشاق را وجود نماند — کہ پیشِ خیمۂ خورشید وجۂ شبنم نیست

جاں پذیرفت وخرد اجزاے کوہ — ماکم از سنگیم آخر اے گروہ؟

ترجمہ:۔ افسوس کہ پہاڑ کے اجزا تو جان اور عقل قبول کر لیں حضرات! کیا آخر ہم پتھروں سے بھی ناکارہ ہو گئے (کہ ہم پر آثارِ فیضان نمودار نہیں ہوتے۔)

گر نہیں رکھتا ہے انسان عقل ودیں — اس کی قدر اک اینٹ سے بڑھ کر نہیں
دیکھو خود قرآن میں ربّ ذوالجلال — دے رہا ہے اس کی پتھر سے مثال
باندھ لی جب تم نے عصیاں پر کمر — ہوگئے پھر دل تمہارے سخت تر
سخت بھی ایسے کہ جوں پتھر ہیں سخت — بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں سخت
پس جو پتھر سے بھی ناکارہ ہوا — دشتِ بدبختی میں آوارہ ہوا

نے زِ جاں یک چشمہ جوشاں مے شود — نے بدن از سبز پوشاں مے شود

ترجمہ:۔ نہ ہماری روح سے کوئی چشمۂ معرفت جوش زن ہوتا ہے نہ (ہمارا) بدن ہی سبز پوش ہوتا ہے۔

مطلب:۔ پہاڑ سے جب کوئی چشمہ پھوٹتا ہے یا تو وہ اپنے ماحول کو سرسبز وشاداب کر کے خطۂ گلزار بنا دیتا ہے یا اگر اس کا دائرۂ فیض اور بھی زیادہ وسیع ہوتا ہے تو وہ پہاڑی نالہ کی صورت میں دور دور کے خطوں کو بھی سیراب کر دیتا ہے۔ اسی طرح اہلِ معرفت یا تو خود اپنے آپ کو زینتِ کمال سے مزین کر لیتے ہیں یا اگر زیادہ صاحب استعداد ہوتے ہیں تو ان سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں مگر یہاں یہ حال ہے کہ نہ تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔ جامیؒ۔

نے لائقِ تشریفم ونے درخور بیداد — یارب منِ بیدل بجہاں بہرچہ کارم

سعدیؒ

اگر نفعِ کس درنہاد تو نیست — چنیں جوہر وسنگِ خارا یکے ست
غلط گفتم اے یار شائستہ خوے — کہ نفع ست در آہن وسنگ وروے
چنیں آدمی مردہ بہ ننگ را — کہ بروے فضیلت بود سنگ را

نے صداے بانگِ مشتاقی درو — نے صفائے جرعۂ ساقی درو

لغات:۔ مشتاقی میں یا معروف مصدری ہے اشتیاق، شوق۔ صفا صفائی مراد کیفیت واثر۔

ترجمہ:۔ نہ اس میں آوازِ اشتیاق کی کوئی گونج ہے نہ ساقی کے (پلائے ہوئے شراب کے) گھونٹ کی اس میں کوئی کیفیت ہے۔

مطلب:۔ نہ تو ہم میں خود بخود کوئی ولولہ عشق پیدا ہوتا ہے، نہ ہم پر شیخ کامل کے آثار فیوض نمایاں ہوتے ہیں۔ عراقیؒ۔

تنگ آمدم از وجودِ خود تنگ   اے موت بسوئے من کن آہنگ

کو حمیّت تازِ تیشہ وز کلند   ایں چنیں کہ رابکلی برکنند

لغات:۔ تیشہ کلہاڑا، کدال۔کلند پھاوڑا۔بکلی بالکل۔

ترجمہ:۔ حمیت وغیرت کہاں (گئی) تاکہ اس (قسم کی سنگ دلی کے) پہاڑ کو (مجاہدات کے کدال اور پھاوڑے کے ساتھ جڑ سے اکھیڑ ڈالیں ۔صائبؒ۔

درخراش دل نہ باش کہ بے کوشش وسعی   لعل بیروں ندہد کان بدخشاں ہرگز

بوکہ بر اجزائے او تابد مہے   بوکہ درو ے تاب خور یابد رہے

ترجمہ:۔ شاید (مجاہدات کی بدولت) اس پر (معرفت کا) چاند درخشاں ہوجائے یا شاید (قسمت کچھ اور زیادہ یاور ہو تو) اس میں (معرفت کے) آفتاب کی روشنی پہنچ جائے۔

مطلب:۔ چاند سے نورِ معرفت قلیل اور آفتاب سے نورِ معرفت کثیر کی طرف اشارہ ہے جس سے پہلی صورت کی نسبت دوسری صورت میں زیادہ ترقی مقصود ہے۔ علاوہ ازیں پہلی صورت میں ماہ عرفان کا صرف اس کے اوپر پرتو ڈالنے کا ذکر ہے اور دوسری صورت میں آفتابِ عرفان کی نہ صرف اس کے اوپر نور پاشی مضمر ہے۔ بلکہ اس کے ہر رگ وریشہ میں اس کے نور کا سرایت کرجانا مقصود ہے۔ وہذا اعلیٰ وارفع من ذاک۔

چوں قیامت کو ہہارا برکند   پس قیامت ایں کرم کے مے کند

ترجمہ:۔ چونکہ قیامت (کبریٰ) بھی پہاڑوں کو اکھاڑ ڈالے گی (اس لیے ممکن ہے) کہ کوئی اس قیامت کو قیامتِ فنا کے برابر سمجھنے لگے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ پھر قیامتِ کبریٰ یہ فیض رسانی کب کرسکتی ہے جو قیامت فنا کرتی ہے کہ اس سے نورِ عرفان فائض ہوجاتا ہے۔

ایں قیامت زاں قیامت کے کم ست   آں قیامت زخم وایں چوں مرہم ست

ترجمہ:۔ یہ قیامت (فنا اپنے عجائبات کے لحاظ سے) اس قیامت (کبریٰ) سے کونسی کم ہے۔ (بلکہ بلحاظ افادہ اس سے بڑھ کر ہے چنانچہ) وہ قیامت (کبریٰ) اگر زخم ہے تو یہ قیامت (فنا اس کا) مرہم ہے۔

مطلب:۔ قیامتِ کبریٰ کو زخم سے تشبیہ اس لحاظ سے دی ہے کہ وہ زندوں کو ہلاک کردے گی نیز اس سے ملکاتِ سیئہ نمایاں ہوجائیں گے اور قیامتِ فنا کو مرہم بایں اعتبار کہا ہے کہ وہ قریب بہلاک زندہ لوگوں کو زندہ بلکہ زندہ جاوید کرتی ہے۔ نیز ملکاتِ سیئہ کا ازالہ کرتی ہے۔ جامیؒ۔

در بحرِ کبریائے تو آنکس کہ شد فنا   چوں خضر بردہ راہ سرچشمۂ حیات

ہرکہ دید آں مرہم ز زخم ایمن ست   ہر بدے کیں حسن دید او محسن ست

ترجمہ:۔ جس نے وہ مرہم پایا۔ وہ زخم سے محفوظ ہے۔ جس برے آدمی نے بھی یہ حسنِ اعمال حاصل کرلیا وہ نیکوکار بن گیا۔

مطلب:۔ درجۂ فنا حاصل کرنے والا زندۂ جاوید ہے۔ اس پر عدم طاری نہ ہوگا۔ جامیؒ۔

خوش آنکہ چونیست شد دریں عشقِ مجاز دیگر بوجودِ خویشتن ناید باز
زاں پس چووجود ویافت زاں مایۂ ناز جاوید بردرِ عدم گشت فراز

اے خنک زشتے کہ خوبش شد حریف وائے گلروئے کہ جفتش شد حریف

لغات:۔ خنک ٹھنڈا مبارک۔ زشت بدصورت۔ حریف مقابل، ہم راہ جفت ساتھی، رفیقِ راہ۔ خریف موسمِ خزاں۔ مراد تنزل وزوال۔

ترجمہ:۔ اے (مخاطب) مزے میں ہے وہ بدصورت جس کا شریکِ صحبت خوب صورت ہو اور افسوس ہے اس پھول کی سی شکل والے پر جس کی رفاقت میں خزاں ہو۔

مطلب:۔ فناوہ جمالِ روحانی ہے جو ایک بدکار کو بھی مقبولِ کردگار بنا دیتا ہے۔

خوش آں مرداں کہ از خودرست گانند بکنج بے خودی بنشست گانند
بیا جامی زبود خود پرہیز زپندارِ وجودِ خود پرہیز
بود نورِ جمالِ شاہدِ غیب بتابد چوں کلیم اللّٰہیت از جیب

بخلاف اس کے خودی وہ بدبلا ہے کہ انسان ہزار باکمال ہو اس کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ حافظؒ

تاعلم وفضل بینی بے معرفت نشینی یک نکتہ ات بگویم خود رابیں کہ رستی

اب زشت کے حسن کے ساتھ مقترن ہونے کی برکت چند مثالوں سے بیان فرماتے ہیں:۔

نانِ مردہ چوں حریفِ جاں شود زندہ گردد نان وعینِ آں شود

ترجمہ:۔ (دیکھو) بے جان روٹی جب (روٹی کھانے والے کی) جان کے ساتھ مصاحب ہو جاتی ہے تو وہ زندہ (جسم کا جز) بن جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔

ہیزمِ تیرہ حریفِ نار شد تیرگی رفت وہمہ انوار شد

ترجمہ:۔ (ایک) بے نور لکڑی (جب) آگ کی مصاحب ہوئی تو اس کی ظلمت جاتی رہی اور سراسر شعلۂ آتش بن گئی۔

در نمکسار ارخرِ مردہ فتاد آں خری ومردگی یکسو نہاد

ترجمہ:۔ اگر ایک مردہ گدھا نمک کی کان میں جا پڑے تو اس کا گدھاپن اور مردہ پن برطرف رہ جاتا ہے۔ (حتیٰ کہ وہ نمک بن کر پاک اور قابلِ خوراک بن جاتا ہے)۔

ع ہر چیز کہ درکانِ نمک رفت نمک شد

صبغۃ اللہ، ہست رنگِ خمِ ہو پیسہا یک رنگ گردد اندرو

لغات:۔ صبغۃ اللہ اللہ کا رنگ۔ یہ اس آیت سے اقتباس ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰہِ وَمَنْ احسن مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ہم تو اللہ کے رنگ میں (رنگے گئے) اور اللہ کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہوگا (سورہ بقرع ۱۶)۔ ہو اسم ذات حق سبحانہٗ تعالیٰ۔ پیس جس کے بدن پر برص وغیرہ کے داغ ہوں۔

ترجمہ:۔ ذات حق کے مٹکے کا رنگ خدائی رنگ ہے۔ جس میں پڑ کر داغدار جسم والے لوگ بھی یکرنگ ہو جاتے ہیں۔

مطلب:۔ اپنے آپ کو خدائی رنگ میں فنا کر دینا سب سے بڑا درجہ ہے اس سے تمام اختلافات کا جھگڑا مٹ جاتا ہے۔ جامیؒ۔

بود معنی یکے صورت ہزاراں | مجو جمعیت از صورت شماراں
پریشانی بود ہر جا شمارست | وزاں رودر یکے کردن حصارست

صائبؒ۔

جمعے کہ باآں گلشن بیرنگ رسید ند | آسودہ زنیرنگِ خزانند وبہار ند
ولہ۔ چند ازیں پردۂ نیرنگ بصد رنگ شویم | پردہ بردار کہ تاجملہ ہم آہنگ شویم

چوں دراں خم افتدو گوئیش قم | ازطرب گوید منم خم لاتلُم

لغات:۔ قم۔ صیغہ امر ہے قیام سے اٹھ کھڑا ہو۔ لاتلم ملامت نہ کر فعل نہی از لوم۔

ترجمہ:۔ جب کوئی مرتبہ فنا پر فائز ہونے والا اس خمِ وحدت میں جا پڑتا ہے اور تم اس سے کہتے ہو۔ اٹھ کھڑا ہو (کہاں آن گرا) تو وہ بحالتِ سرور کہتا ہے میں تو (عین) خم (بن گیا) ہوں (اب اس سے نکلنا محال ہے) اور اس عینیت کے عقیدہ پر (مجھ کو ملامت بھی) نہ کرو۔

مطلب:۔ جب کوئی فنا حاصل کر لیتا ہے تو اگر کوئی اہلِ ظاہر اس سے کہتا ہے۔ میاں! تم کن ملحدانہ خیالات میں پھنس گئے ہو اس سے توبہ کرو تو وہ بڑے سرور سے جواب دیتا ہے بھائی میں تو اصطلاحی عینیت کی رو سے عین ذات ہو گیا ہوں مجھے مت چھیڑو اور چونکہ میں اب اس رنگ سے نکلنے سے قطعاً معذور ہوں اس لیے مجھے ملامت بھی نہ کرو۔ امیر خسروؒ۔

ایکہ بے خاک درت در دیدۂ من نور نیست | گر مثلِ جاں میرو د ترکِ توام مقدور نیست

ولہ۔

بادشہ گوخوں بریزہ شحنہ گو گردن بزن | بہرِ جانے ترکِ جاناں مذہبِ احباب نیست

سعدیؒ۔

گراز مقابلہ تیر آیداز عقب شمشیر | نہ عاشق ست کہ اندیشہ از خطر دارد

آں منم خم خود انا الحق گفتنے ست | رنگِ آتش دارد الا آہنے ست

لغات:۔ انا الحق۔ حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ جو بحالتِ سکر وحدت کے مذاق میں انہوں نے کہا۔ اور شرعی فیصلے کے موافق ان کی سزائے موت کا باعث ہوا وہ ایک ولیِ کامل اور وجد و حال میں سرشار تھے۔ نہایت مرتاض اور صاحب کرامت تھے۔ حلاج کے معنی ہیں دھنیا اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ وہ کپاس کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے انگلی سے اشارہ کیا تو بحکمِ حق ایک اشارے سے روئی الگ اور بنولے الگ تھے۔ اس وقت سے یہ لقب پڑ گیا۔ چونکہ سکر کی حالت میں ان کی زبان سے اکثر ایسے کلمات نکلتے رہتے تھے جو شریعت کے ظاہری ادب کے خلاف ہوتے تھے۔ اس لیے ان کے بارے میں مشائخ میں سخت اختلاف رہا۔

اکثر مشائخ ان کے مسلک کو اشتباہ و نفرت کی نظر سے دیکھتے رہے اور کہتے تھے وہ تصوف سے بے بہرہ ہے مگر حضرت عبداللہ خفیف اور شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بہت احترام ... بعض ... بعض کہتے ہیں کہ وہ اصحاب حلول سے تھے۔ چنانچہ

بغداد میں بعض زنادقہ حلول واتحاد کے قائل ہو کر اپنے آپ کو حلاجی کہتے تھے۔ جن میں سے اکثر کا وہی حشر ہوا جو مرتدین کا ہوتا ہے۔
بعض کا قول ہے کہ حضرت حسین ابن منصور حلاج اور ہیں اور حسین منصور ملحد دوسرا شخص ہے وہ بغدادی تھا اور محمد زکریا کا استاد اور ابوسعید قرمطی کا رفیق کار تھا۔ وہ بے شک جادوگر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت منصور حلاج اولیا کے طبقہ اوتار سے تھے ہمیشہ عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔ متاخرین میں سے سوائے ایک دو کے باقی سب آپ کے کمال کے معترف ہیں۔ نقل ہے کہ جب تمام علمائے عصر نے فتویٰ دیا کہ منصور واجب القتل ہے تو حضرت جنید بغدادی نے دستخط نہ کیے اس وقت آپ تصوّف وطریقت کے لباس میں تھے یہ فتویٰ خلیفہ بغداد کے سامنے پیش ہوا۔ تو اس نے کہا حضرت جنید کے دستخط کیوں نہیں کرائے گئے۔ ان کے دستخط ضرور ہونے چاہییں۔ تو مجبوراً حضرت جنید خانقاہ سے اٹھ کر دارالافتاء میں گئے علما کا لباس زیب تن کیا اور اس فتویٰ پر یہ کلمات اپنے دستخط سے تحریر کر دیئے کہ نحن نحکم بالظاہر'' ہم بھی ظاہر پر حکم لگاتے ہیں'' (تذکرۃ الاولیاء) جب منصور کی سزائے موت کا فتویٰ مکمل ہو گیا اور ان کو پابزنجیر ننگی تلواروں کے پہرے میں دار کی طرف لے چلے تو وہ نہایت شاداں وفرحاں وجد وشوق کے اشعار پڑھتے چلے جاتے تھے۔ کما قیل۔

منم آں سبز جاں تشنہ کہ باتیغ وکفن　　بدرِ خانۂ جلّاد غزل خواں رفتم

گفتنے میں یائے مجہول وحدت کے لیے ہے، نہ کہ یائے معروف علیٰ ہذا آنے میں۔

ترجمہ:۔ (کیونکہ اس کا یہ) کہنا کہ میں خم ہوں گویا اناالحق کہنا ہے۔ (مگر یہ ذاتاً حق تعالیٰ کا عین ہونے کا دعویٰ نہیں بلکہ) اس میں آگ کا رنگ (آگیا) ہے ورنہ وہ (ذاتاً لوہے کا) لوہا ہے۔

مطلب:۔ اگر منصور نے اناالحق کہہ دیا تو کیا غضب کیا۔ کیونکہ اس کا مطلب بھی تو وہی ہے جو ہم نے ابھی منم خم کا بیان کیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے لوہا آگ میں رکھنے سے سرخ ہو جاتا ہے تو بظاہر وہ آگ معلوم ہوتا ہے اور اس کے آثار بھی آگ کے سے ہیں کہ جس چیز سے چھو جائے اس کو جلا دیتا ہے مگر ذاتاً وہ لوہا ہی ہے پس اس طرح جس کو فنا حاصل ہو گئی اس کے اندر حق تعالیٰ کے فیوض وبرکات کے آثار نمایاں ہو جاتے ورنہ اس کی ذات اور ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات اور۔ وہ اس کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ **تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیرا**

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ شیخ منصور کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ جو شخص یہ جائز رکھتا ہے کہ ایک درخت سے آواز آئی کہ اِنِّیۡ اَنَا اللّٰہُ حالانکہ درخت درمیان میں نہیں وہ اس بات کو کیوں جائز نہیں سمجھتا کہ حسین ابن منصور کی زبان سے صدائے اناالحق بیان ہو اور حسین ابن منصور درمیان نہ ہو دوسرے بھی خیال کرنا چاہیے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے تکلم فرمایا اسی طرح حضرت حسین ابن منصور کی زبان سے بھی کلام فرمایا ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء) آگے مولانا اسی مثال کی توضیح فرماتے ہیں:۔

رنگِ آہن محو رنگِ آتش ست　　ز آتشی میلافد و خامش وش ست

لغات:۔ محو فنا۔ میلافد شیخی بگھارتا ہے، دعویٰ کرتا ہے۔ وش بمعنی مثل ونظیر۔

ترجمہ:۔ لوہے کا (سیاہ تاریک) رنگ آگ کے رنگ میں فنا (ہو گیا) ہے (اس لیے وہ زبان حال سے اپنے آگ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور زبانِ قال سے گویا خاموش ہے۔

مطلب:۔ لوہا جب آگ کے رنگ میں ڈوب جاتا ہے تو اس کی حالت ہی اس کے آگ ہونے کا اظہار کرنے لگتی ہے۔ وہ خود زبانِ قال سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں آگ ہوں کہ اس کو دروغ گوئی سے منسوب کیا جا سکے میلافد کے لفظ میں یہ لطیف رعایت

ہے کہ یہ اظہار بھی محض ادعا ہوتا ہے۔ جو مجبوراً بتقاضائے محویت صدور پاتا ہے۔ ورنہ حقیقۃً لوہا آگ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ وہ اپنا رنگ کھو چکا ہے اس لیے اس وقت آگ کے رنگ کا مظہر اور اس کا مدعی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ کہ آپ میں تمام فضائل وکمالات موجود ہیں۔ چنانچہ زہد وتقویٰ کے نمونہ کبریٰ ہیں کرمِ باطنی میں بے عدیل ہیں خاندانِ مصطفوی کے چشم وچراغ ہیں مگر اتنی کسر باقی ہے کہ آپ میں تکبر پایا جاتا ہے فرمایا میں متکبر نہیں ہوں لیکن میرا خالق ذوالکبریا ہے اور جب میں نے کبر وغرور کو اصلاً ترک کردیا تو اس کی کبریائی میری طرف آئی اور میرے کبر کی جگہ مجھ میں سماگئی (تذکرۃ الاولیاء) عراقی؎

صدائے صوت توام گرچہ زار بینالم　　　ہمیں خوشم کہ توباباز ام ہم آوازی

آگے بھی اسی مثال کی توضیح کا اعادہ ہے:۔

چوں بسرخی گشت ہمچو زرِّ کاں　　　پس انا نارست لافش بیز باں

ترجمہ:۔ جب وہ لوہا سرخی سے کان کے سونے کی طرح لال ہوگیا۔ تو زبان (قال) کے بغیر (محض زبانِ حال سے) یہ ادعا کرنے لگا کہ میں آگ ہوں۔

مطلب:۔ وحدۃ الوجود کا مسئلہ چل رہا ہے اس مسئلے کے قائلین پر حق تعالیٰ کے ساتھ ذاتاً اپنی عینیت کے ادعا کا جو الزام لگایا جاتا ہے اس کا ازالہ فرمارہے ہیں اور اس بیان میں حضرت حسین ابن منصور حلاج رحمۃ علیہ کے قول انا الحق کو موضوعِ بحث بنایا ہے فرماتے ہیں کہ انا الحق کہہ دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی صبغۃ اللہ کے رنگ میں ڈوب جانے کے بعد کہہ دے کہ "منم خم" یعنی میں خود رنگ کا مٹکا ہوں۔ تو وہ مٹکا تو تھوڑا ہی ہوسکتا ہے۔ پھر انا الحق کہنے کی ایک بدیہی مثال یہ ہے۔ جیسے ایک لوہا آگ میں لال ہوکر زبانِ حال سے انا النار کہنے لگتا ہے۔ تو گو آثار وتاثیراتِ آتش کا مظہر ہونے کے لحاظ سے اس کا یہ ادعا بالکل غلط نہیں ہے۔ تاہم وہ عین آتش بھی نہیں نہ اس کا یہ دعویٰ ہے اور نہ سامع کو اس کی عینیت کے مغالطے میں پڑ جانا چاہیے۔ شعر میں انا النار بزبانِ عربی کہنے میں یہ رعایت مضمر ہے کہ اس کو بلحاظِ زبان بھی کلمۂ انا الحق کی پوری نظیر دکھانا چاہتے ہیں۔

وحدۃ الوجود میں ذاتاً عینیت کا ادعا نہیں

شد زرنگ وطبعِ آتش محتشم　　　گوید او من آتشم من آتشم

لغات:۔ محتشم شاندار۔ باشکوہ۔ بارعب۔ من آتشم میں آگ ہوں انا النار کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ:۔ لوہا آگ کے رنگ اور طبیعت سے شاندار بن گیا (اس لیے) وہ (زبانِ حال سے) کہہ رہا ہے میں آگ ہوں میں آگ ہوں۔

آتشم من تراشک ست وظن　　　آزموں کن دست را بر من بزن

ترجمہ:۔ میں آگ ہوں اگر تم کو (میرے آگ ہونے میں) شک اور ظن ہے تو آزمالو۔ (اور) مجھ پر اپنا ہاتھ رکھ (کر دیکھ) لو (اگر ہاتھ کو کباب نہ کردیا تو کہنا)۔

مطلب:۔ اہل اللہ بہ زبانِ حال فرماتے ہیں کہ ہم متخلق باخلاق اللہ ہیں اگر تم کو شک ہے تو ہم سے نسبت پیدا کرکے تجربہ کرلو۔ غنیمت؎

بیا بنگر درفیضے کہ آنجا　　تجلی ہاست مشتاقِ تماشا

آتشم من برتو گر شد مشتبہ روئے خود بر روئے من یکدم بنہ

ترجمہ:۔ میں آگ ہوں۔ اگر یہ بات تیرے نزدیک مشکوک ہے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنا منہ مجھ پر رکھ کر دیکھ لے۔ حافظؒ

زیں آتش نہفتہ کہ در سینۂ من ست خورشید شعلہ ایست کہ در آسماں گرفت

آدمی چوں نور گیرد از خدا ہست مسجودِ ملائک زِاجتبا

لغات:۔ مسجود جس کے آگے سجدہ کیا جائے۔ اجتباء برگزیدگی۔

ترجمہ:۔ آدمی جب خداوند تعالیٰ سے نور حاصل کر لیتا ہے تو خداوند تعالیٰ کا برگزیدہ ہو جانے کی وجہ سے (اس کا یہ رتبہ ہوتا ہے کہ) فرشتے اس کے آگے سجدہ کرنے لگتے ہیں۔

مطلب:۔ مسجودِ ملائکہ ہونے سے یا تو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ملائکہ کا سجدہ کرنا مراد ہے کہ جب ابوالبشر کو سجدہ ہو گیا تو ان کی اولاد بھی مثل مسجود ہو گئی یا یہ مراد ہے کہ ملائکہ اس کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ غرض جب کوئی بندہ حق تعالیٰ سے اقتباسِ انوار کر لیتا ہے تو چونکہ اس کے اندر بھی ایک اثر آ جاتا ہے اور وہ ذاتِ حق کا عین اصطلاحی ہو جاتا ہے۔ پس وہ بھی گویا مسجودِ ملائکہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ملائکہ کے سجدہ کرنے کے متعلق اس زمانے میں بعض لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہیں کہ اس سے مریدوں کا اپنے پیروں کے لیے سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے۔ لہٰذا یہاں اس مسئلے پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ سجود کے معنی لغت میں تذلل و خاکساری کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس سے مراد بقصدِ عبادت زمین پر ماتھا رکھنا ہے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا کہ آدم کے لیے سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا) تو اس کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں سجدہ سے کون سے معنی مقصود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہاں سجدہ کے شرعی معنی مراد ہیں۔ یعنی سجدۂ عبادت اور وہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے مقصود ہے نہ کہ آدم علیہ السلام کے لیے اور آدم علیہ السلام کو صرف بطور قبلہ سامنے رکھنے کا حکم ہوا تھا جس سے ان کی عزت افزائی مقصود تھی۔ نیز یہ حکمت تھی کہ ملائکہ نے جو ان کی خلافت کی تجویز سن کر اس کے خلاف رائے ظاہر کی تھی اب برعکس اس کے ان کو ان کی عظمتِ شان کا اعتراف کرنا پڑے۔ پس یہ شرعی اصطلاح کا تعبدی سجدہ تھا اور اللہ کے لیے تھا آدم صرف قبلہ تھے جس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔ جو مسلم و مسند امام احمد میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حضرت آدم کے سامنے سجدۂ تعبدی تھا یا تعظیمی

اذا قراء ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشیطٰن یبکی ویقول یا ویله امر ابن ادم بالسجود فسجد فله الجنة وامرت بالسجود فعصیت ففی النار یعنی جب کوئی فرزندِ آدم قرآن مجید میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس فرزندِ آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو وہ سجدہ کر کے جنت کا حقدار ہو گیا اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں حکم عدولی کر کے دوزخ کا مستوجب ہوا۔ انتہی چونکہ قرآن مجید کی آیات میں تمام سجدۂ تعبدی ہیں اور قرآن مجید کو پڑھنے والا جب وہ تعبدی سجدہ کرتا ہے تو شیطان حسرت سے کہتا ہے۔ اسی قسم کا سجدہ کرنے کا مجھے بھی حکم ہوا۔ جس کے نہ کرنے سے میں سزاوارِ نار ہو گیا۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ ملائکہ اور ابلیس کو تعبدی سجدہ کا حکم ہوا تھا۔ جس کو فرشتے بجا لائے اور شیطان نے انکار کر دیا۔

اس تقدیر پر آیتِ مذکورہ کے کلام لادم میں حرف لام کے معنی الی ہیں۔ جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس شعر میں یہ حرف الی کے معنی میں ہے جو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح میں کہا ہے۔

الیس اول من صلی لقبلتکم

[illegible] بالسنن

یعنی کیا یہ صحیح نہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے تمہارے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اور یہ تمام لوگوں سے بڑھ کر قرآن اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ہیں۔

اس صورت میں آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔ اور جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کی طرف رخ کر کے اللہ کو سجدہ کرو الخ یا آدم کو ان ملائکہ پر سجدہ تو یہ واجب ہونے کا سبب بنایا گیا۔ کیونکہ ان سے ایک معترضانہ گفتگو کی خطا ہوگئی تھی۔ اس صورت میں لام سببیت کے لیے ہوگا۔ جیسے صَلِّ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ میں ہے جس کے معنی ہیں "آفتاب کے ڈھل جانے سے نماز پڑھو"۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یوں ہوگا اور جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے معاملے کے سبب سے اللہ کو سجدہ کرو۔

بعض مبتدعین کے تجویزِ سجدہ تعظیمی کا ابطال

یا آیت مذکور میں سجدے کے لغوی معنی یعنی تذلل وخاکساری مراد ہیں۔ جس سے تسلیم وتعظیم مقصود تھی جیسے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تھا بغوی نے کہا ہے کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے اور کہا اس میں چہرہ زمین پر نہیں رکھا جاتا تھا صرف سر اور کمر خم کی جاتی تھی۔ جب دینِ اسلام آیا تو یہ طریقۂ تعظیم منسوخ اور باطل قرار پایا اور اس کی بجائے سلام مسنون مقرر ہوا تفسیر مظہری اس بحث سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جو بعض کم علم ومبتدع لوگوں نے سجدۂ تعظیمی کے جواز کا شور وغل مچا رکھا ہے اور وہ اس پر ملائکہ کے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا واقعہ بطور دلیل پیش کیا کرتے ہیں تو ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ اگر وہ سجدۂ تعبدی تھا تو وہ اللہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں اور اگر تعظیمی تھا تو وہ شرائعِ سابقہ کا ایک عمل تھا جو شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو چکا اب اس کا عامل مشرک ومبتدع قرار پاتا ہے اگر یہ لوگ شرائعِ منسوخہ کے احکام پر عامل رہنا جائز سمجھتے ہیں تو چاہیے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بھی جائز سمجھیں جو امم سابقہ کا قبلہ تھا۔ یہود کے لیے دخترِ خواہر سے نکاح کرنا جائز تھا۔ تو مناسب ہے کہ یہ اصحاب بھی اس جواز سے فائدہ اٹھایا کریں ہاں تو اور لیجیے اگر سجدۂ تعظیمی کی سنت آدم جائز العمل ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے بیٹیوں کا باہم نکاح بھی ہو جاتا تھا۔ ذرا اس سنت پر بھی عمل کیجیے اسی طرح صدہا مسائل ہیں۔ جو شرائعِ قدیمہ میں معمول بہا تھے آج ان پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا! اگر ان پر عمل کرنے سے ان اصحاب کا یہ عذر ہے کہ وہ ہماری شریعت میں منسوخ اور اس امت کے لیے ناجائز ہیں تو پھر ان کو صرف سجدۂ تعظیمی کے جواز کے لیے امم سابقہ کے نظائر پیش کرنے اور شرائعِ سابقہ سے استدلال کرنے سے بھی کچھ شرمانا چاہیے۔

نیز مسجودِ کسے کو چوں ملک　　رستہ باشد جانش از طغیان وشک

ترجمہ:۔ (اور) فرشتوں کی طرح وہ لوگ بھی اس کے سامنے سجدہ کرنے لگتے ہیں جن کی روح سرکشی اور شک سے نجات پا گئی ہو۔

مطلب:۔ انکارِ حق کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے اگرچہ حق کا یقین ہو مگر نفسانی ضد اس کے اعتراف کے لیے سرِ تسلیم خم نہ کرنے دے جیسے شیطان کا انکار ہے اور جیسے بقول بعض اہلِ سیر فرعون کا انکار تھا کہ وہ موسیٰؑ اور ربِ موسیٰ کی سچائی پر یقین ہونے کے باوجود محض تعصب وضد سے اپنے کفر پر اڑا رہا۔ دوسری وجہ شک ہے۔ یعنی قبول حق سے کوئی نفسانی ضد یا ہٹ دھرمی مانع نہ ہو بلکہ اس کی وجہ یہ ہو کہ امرِ حق پر یقین ہی نہ آتا ہو اور مختلف شکوک وشبہات اور وساوس اس کے قبول سے مانع ہوں پس حق کو وہی قبول کر سکتا ہے جو ان دونوں موانع سے پاک ہو۔ فرماتے ہیں جو کہ بزرگ مصبغ صبغۃ اللہ ہو جاتا ہے اس کی نہ صرف فرشتے تعظیم وتوقیر کرتے ہیں بلکہ بنی نوع انسان بھی بشرطیکہ ان کے نفس میں کوئی امر مانع تعظیم نہ ہو اس کے آگے سرِ اطاعت خم کر دیتے ہیں۔

یہاں چونکہ مولانا ذات وصفات میں گفتگو کرنے لگے تھے اور حق سبحانہ کو آتش سے اور قلوبِ فانی کو لوہے سے تشبیہ دے چکے تھے لہٰذا متنبہ ہو کر بزبانِ ملامت گر بطور ملامت فر[illegible]

آتشے چہ آہنے چہ لب ببند ریش تشبیہ ومشبہ بر مخند

لغات:۔ برریش کے خندیدن کسی کی ہنسی اڑانا' ریشخند بھی آتا ہے۔

ترکیب:۔ برحرف جار اپنے مجرور سے موخر واقع ہوا ہے۔یعنی برریش تشبیہ ومشبہ۔

ترجمہ:۔ کونسی آگ اور کہاں کا لوہا(ذاتِ حق کے بارے میں تشبیہ دینے کی گستاخی نہ کرو) خاموش رہو(جب تم خود تشبیہ کا ارتکاب کررہے ہو تو پھر آیندہ تشبیہ اور تشبیہ دینے والے کی ہنسی نہ اڑانا۔) جامیؒ۔

چشم مشتبہ زجمالِ توکور عقلِ منزہ زکمالِ تو دور

پائے در دریا منہ کم گو ازاں بر لبِ دریا خمش کن لب گزاں

ترجمہ:۔ (ذات وصفات حق کے) دریا میں پاؤں نہ رکھو اس بحث میں نہ پڑو۔(بلکہ اس) دریا کے کنارے پر(حیرت سے اپنے) لب کاٹتے ہوئے(ادب کے ساتھ) خاموش کھڑے رہو۔امیر خسروؒ۔

بکنہ حق نرسد عارف ارچہ دانندہ است بآسماں نپرد جعفرار چہ طیار ست

بہ ارعنانِ ادب درکشم دریں میداں کہ نہ فرازِ نشیبش بپائے رہوار ست

گرچہ صدچوں من ندارد تابِ بحر لیک من نشکیبم از غرقابِ بحر

ترجمہ:۔ گرچہ(آپ کا ارشاد بجاہے اور میری تو کیا بساط ہے) مجھ جیسے سینکڑوں تیراکوں کو(بھی اس) دریا(میں پاؤں رکھنے) کی تاب نہیں لیکن(کیا کروں مجبوری ہے)۔مجھے دریا میں غرق ہوئے بدون صبر نہیں آتا۔صائبؒ۔

زطوفانِ حوادث عاشقاں رانیست پروائے نیند یشد نہنگ پُر دل از آشفتنِ دریا

مطلب:۔ اوپر ناصح کی زبان سے کہا تھا کہ معاملۂ الٰہیہ میں لب کشائی زیبا نہیں' خاموش رہو۔یہاں مخاطب کی زبان سے بطور عذر جواب دیتے ہیں کہ میں مجبور ہوں مجھ سے خاموش رہا نہیں جاتا۔

جان وعقلِ من فدائے بحر باد خونبہائے عقل وجاں ایں بحر داد

لغات:۔ خون بہا وہ معاوضۂ خون جو قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو نقد یا مال کی صورت میں پیش کیا جائے۔عربی میں اس کو دیت کہتے ہیں(بکسر دال وفتح یاء)

ترجمہ:۔ (اگر) میری جان اور عقل(بھی) اس دریائے(ذکر ذات وصفات) پر سے قربان ہوجائے(تو کچھ پروا نہیں کیونکہ) اسی دریا نے میری عقل وجان کے خون کا معاوضہ(دولتِ عرفان کی صورت میں) مجھے عطا کردیا ہے۔

تاکہ پایم میرود رانم درو چوں نماند پاچو بطّانم درو

لغات:۔ رانم صیغہ واحد متکلم فعل مضارع از راندن ہانکنا' چلانا۔بطان جمع بطّ' بطخ۔

ترجمہ:۔ جب تک میرا پاؤں چلتا رہے گا تو میں اس دریا میں گھستا چلا جاؤں گا۔جب پاؤں(میں زور) نہ رہے(تو پھر میں بطخوں کی طرح ہوں(کہ اپنے آپ کو دریا کے سپرد کردیتا ہوں۔کہ وہ جدھر چاہے مجھے بہائے لیے جائے)۔

مطلب:۔ اس بحرِ بیکراں میں تیراکی اور غواصی کی طاقت جب تک رہے گی تو میں صبر وتحمل سے کام لوں گا اور جب حالت ضبط واختیار سے باہر ہوگئی تو پھر تفویض محض اختیار کروں گا۔ماہیں

ما کارِ خویش را بخداوند کار ساز بسپردہ ایم تا کرم او چہا کند

جب مولانا نے ذات وصفاتِ حق کو دریا سے اور اس میں بحث کرنے کو دریا میں گھسنے سے تشبیہ دی تو ظاہر بینوں کی طرف سے یہ اعتراض ہونا ممکن تھا۔ کہ ذاتِ حق کو دریا سے تشبیہ دینا صریحاً بے ادبی ہے۔ اس کے جواب میں بطور دفع دخل مقدر فرماتے ہیں کہ بے شک یہ ایک طرح کی بے ادبی سہی مگر جو شخص اس دریا میں گھستا ہے وہ حاضر ہے اور جو الگ رہتا ہے وہ غائب۔ سو حاضر اگر فی الجملہ بے ادب بھی ہو یعنی اتفاقاً غلبۂ حال میں اس سے کوئی گستاخی سرزد ہو جائے تو بھی وہ غائب سے اچھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

بے ادب حاضر ز غائب خوشتر ست حلقہ گرچہ کژ بود نے بردر است؟

ترجمہ:۔ بے ادب حاضر، غائب سے بدر جہا اچھا ہے (کہ اس کو شرفِ حضوری تو حاصل ہے دیکھو) دروازے کی زنجیر اگر ٹیڑھی بھی ہو تو کیا وہ در پر موجود (ہونے کی فضیلت سے بہرہ ور) نہیں۔ (پس لامحالہ وہ ایسے سیدھے لوہے سے اچھی ہے) جس کو در تک رسائی نہیں۔

مطلب:۔ جو شخص دولتِ معیت اور شرفِ حضوری سے بہرہ مند ہے۔ اس سے خلاف ادب کچھ قصور سرزد ہونا بھی ممکن ہے اور جو شخص اس دولت وشرف سے بے بہرہ ہے۔ اس سے یہ قصور کہاں سرزد ہو سکتا ہے۔ بے ادبی کا قصوروار قربِ حضوری سے متمتع تو ہے۔ پس اس بے قصور سے یہ قصوروار ہزار درجہ افضل ہے۔ آگے مولانا اس دریائے وحدت کی طرف رسائی پیدا کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ جو تعلق شیخ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اے تن آلودہ بگردِ حوض گرد پاک کے گردد برونِ حوض مرد

ترجمہ:۔ اے (آلائش عصیاں سے اپنے) وجود کو آلودہ رکھنے والے! حوض (یعنی پیرِ طریقت) کے پاس آمدورفت رکھ (جو تیری اس آلائش کو دھو ڈالے) بھلا حوض سے باہر (رہنے والا) آدمی کب پاک ہو سکتا ہے؟ جامیؒ۔

تانگنی روئے بدریا دلے نبود ت از گوہر دل حاصلے

پاک کو از حوض مہجور اوفتاد اوز طہرِ خویش ہم دور اوفتاد

ترجمہ:۔ پاک آدمی بھی جب حوض سے (یوں) دور رہے (کہ اس کے پاس کبھی بھی نہ جائے) تو وہ اپنی پاکیزگی سے بھی دور رہے گا۔

مطلب:۔ پاک وباطہارت آدمی کا نجاساتِ حقیقیہ وحکمیہ سے بار بار ناپاک ہونا ممکن بلکہ ضروری ہے۔ تو وہ ہمیشہ کے لیے حوض سے کیونکر مستغنی رہ سکتا ہے۔ مستغنی رہے گا تو ناپاک بھی رہے گا اسی طرح مرید روحانی پاکیزگی کے حاصل ہونے اور اپنے قلب وروح پر آثارِ فیض نمایاں ہو جانے کے بعد بھی پیر کی صحبت کا محتاج ہے۔ جامیؒ۔

مگسل یکنفس از صحبتِ عیسیٰ نفساں نقد انفاس عزیز ست غنیمت دارش

رہا یہ شبہ کہ جس طرح عوام کو پاک ہونے کے باوجود پھر ناپاک ہونے کا خطرہ ہے۔ حوض یعنی شیخ اس خطرے سے کیونکر محفوظ ہے۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں:۔

پاکیِ ایں حوض بے پایاں بود پاکیِ اجسام کم میزاں بود

ترجمہ:۔ اس حوض (یعنی شیخ) کی پاکیزگی بے پایاں ہے۔ (اس لیے زائل نہیں ہوتی کہ ایک دریائے ناپیدا کنار نجاست سے نجس نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے عام) جسموں کی پاکی کم مقدار ہے۔ (اس لیے ان پر نجاست غالب آ سکتی ہے۔) سعدیؒ

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ عارف کہ برنجد تنک آب است ہنوز

زانکہ دل حوضے ست لیکن در کمیں		سوئے دریا راہِ پنہاں دارد ایں

ترجمہ:۔ کیونکہ (شیخ کا) دل (گو بظاہر) ایک (محدود) حوض ہے۔ لیکن خفیہ طور پر یہ (حوض اپنے اندر) دریائے (احدیت) کی طرف ایک چھپی موری رکھتا ہے۔

مطلب:۔ جس طرح ایک چشمہ دار جھیل جو اندرونِ ارض کے بے پایاں پانی سے مدد پاتی ہے اور اس سے ندی نالے بہہ نکلتے ہیں۔ اپنے غیر محدود پانی کے سبب کسی قسم کی آمیزش سے متغیر نہیں ہو سکتی اسی طرح چونکہ شیخِ کامل کے دل کا تعلق حق سبحانہٗ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ظاہری و باطنی نجاسات سے متغیر نہیں ہو سکتا۔ سعدیؒ۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئے		چو بگذشت بر عارف جنگجو
گر ایں مدعی دوست بشناختے		بہ پیکار دشمن نپرداختے

پاکیِ محدودِ تو خواہد مدد		ورنہ اندر خرج کم گردد عدد

ترجمہ:۔ (اے مرید) تیری محدود پاکی (مرشد سے) مدد چاہتی ہے۔ ورنہ (خوف ہے کہ یہ پاکی کم ہوتی ہوتی بالکل نابود ہو جائے جس طرح کوئی) گنتی (کی چیز) خرچ ہوتی ہوتی کم ہو جاتی ہے۔

مطلب:۔ اوپر کی بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرید مرشد کے فیضان کا ہمیشہ محتاج ہے کیونکہ مرشد کی پاکی غیر محدود ہے اور مرید کی پاکی محدود۔ محدود پاکی غیر محدود پاکی کی مدد سے ناقابلِ تغیر بن جاتی ہے۔ حافظؒ۔

بندہ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم ست		ورنہ لطفِ شیخ وزاہد گاہ ہست وگاہ نیست

تمثیل در بیانِ خواندنِ آب آلودگان راپاکی

پانی کے آلودگانِ نجاست کو پاکی کی طرف بلانے کی مثال

آب گفت آلودہ را درمن شتاب		گفت آلودہ کہ دارم شرم زآب

ترجمہ:۔ ایک آلودۂ نجاست کو پانی نے کہا میرے اندر چلے آؤ (تاکہ تم نجاست سے پاک ہو جاؤ) آلودہ (نجاست) نے عذر کیا کہ مجھے تو پانی سے شرم آتی ہے (کہ میں ناپاک اس پاک کے اندر داخل ہو کر اسے بھی ناپاک کر دوں)۔ حافظؒ۔

شرمم از خرقۂ آلودۂ خود مے آید		کہ بہر پارہ دو صد شعبدہ آراستہ ام

گفت آب ایں شرم بے من کے رَود		بے من ایں آلودہ زائل کے شود

ترجمہ:۔ پانی کہا یہ شرم میرے بغیر کیوں کر جا سکتی ہے آلودگی میرے بغیر کیونکر دور ہو سکتی ہے۔

مطلب:۔ اگر تم کو اپنے گناہوں سے شرم آتی ہے اور گناہوں کو دور کر کے شرم وخجلت سے نجات پانا چاہتے ہو تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ مجھ میں داخل ہو کر پاک ہو جاؤ۔ اس تمثیل کو ماقبل کے ساتھ مربوط کرنے کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا تعلق ''اے تن آلودہ بگرد حوض گر'' کے ساتھ ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تجھ کو اپنی آلودگی کے باعث حوض کے اندر داخل ہونے سے شرم نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ پانی آلودۂ نجاست کو بلاتا ہے اور پھر اس کے عذر پر یوں دوبارہ اصرار کرتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس کا تعلق ''پاکیِ محدود تو خواہد مدد'' سے ہو۔ اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ دریا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے تجھے محجوب نہ ہونا چاہیے کیونکہ

پانی خود دعوت دے رہا ہے کہ میرے اندر آؤ۔ دوسری توجیہ معنی کے ساتھ زیادہ اقرب ہے اور پہلی الفاظ کے ساتھ۔ (کلید)۔

زاب ہر آلودہ گر پنہاں شود   اَلْحَیَآءُ یَمْنَعُ الْاِیْمَان بود

ترجمہ:۔ اگر ہر آلودہ (نجاست بتقاضائے شرم یوں) پانی سے چھپنے لگے۔ تو حیا (بجوائے حدیث دلیلِ ایمان نہیں بلکہ) مانعِ ایمان ہوگی۔

مطلب:۔ حیاء وشرم دراصل ایک اچھی خصلت ہے جو انسان کو گناہوں اور برے کاموں پر مائل ہونے سے روکتی ہے۔

پردۂ جمعیتِ خاطر بود صایب حیا   بدنہ بیند تانظر برپشت پادارو کے

اسی لیے احادیث کثیرہ میں حیاء کی تعریف آئی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اَلْحَیَآءُ مِنَ الْاِیْمَانِ ''حیا ایمان کی قبیل سے ہے۔'' اور مسلم وابوداؤد کی روایت ہے۔ اَلْحَیَآءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ ''حیا ساری کی ساری بھلائی ہے۔'' اور ترمذی وغیرہ کی روایت ہے۔ اَلْحَیَآءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ ''حیا اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں'' اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ اَلْحَیَآءُ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَرْنٍ فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُ ھُمَا تَبِعَہُ الْاٰخَرُ یعنی حیا اور ایمان باہمی رفاقت میں ہیں جب ان میں سے ایک کو سلب کیا جائے تو اس کے ساتھ دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (جامع صغیر سیوطیؒ)

مگر عرفِ عام میں ایک اور خاص قسم کی عادت کو بھی شرم وحیا کہہ دیتے ہیں جو دراصل کوئی فضیلت نہیں بلکہ وہ نفس کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے اور نفس کے عیوب میں داخل ہے۔ جس کو جھجک یا رکاوٹ یا اٹک کہتے ہیں۔ اس کا منشا یہ ہے کہ نفس کی کمزوری کے سبب سے کوئی نیک کام کرتے بھی طبیعت محجوب ہوتی ہے۔ اس قسم کی شرم کو عوام بھی مذموم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حیائے محمود باعث بدقسمتی ہے۔ بلکہ اس میں حیائے مذموم مراد ہے ایسی جھوٹی حیا والے شخص میں نہ شجاعت ہوتی ہے' نہ قبول حق کی جرأت' نہ اظہار صداقت کی ہمت' نہ معاملات کو سلجھانے کی لیاقت۔ لہٰذا اس کی بدقسمتی میں کیا کلام ہے ایک اور مقولہ مشہور ہے۔ جس میں حیا کی دونوں قسموں یعنی محمود اور مذموم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ ایک شرم جنت کو لے جائے اور ایک شرم جہنم کو لے جائے۔ جس میں پہلی حیا سے وہ قسم مراد ہے جو شعبۂ ایمان ہے اور دوسری حیا سے وہ مراد ہے جو فرائض وواجبات اور دیگر نیک کام کرتے وقت دامن گیر ہو کر مانعِ فعلِ خیر ہو جاتی ہے اور جس کو موجبِ بدقسمتی کہا گیا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے بیان کیا کہ ایک شخص نہایت خوشحال بااولاد جس کے بیٹے پوتے پڑپوتے تک سامنے موجود۔ مگر اس پیرانہ سالی میں نماز روزے کا نام نہیں۔ اس کو کہا گیا بڑے میاں اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام مرادوں سے بہرہ مند کیا ہے اس کا شکر لازم ہے' اب عمر بھی انتہا کو پہنچ گئی' نماز پڑھا کرو۔ وہ بولا حضرت جی! بےشک نماز فرض ہے۔ مگر بدقسمتی سے ساری عمر نماز پڑھنے کا موقع نہیں آیا تو مرتے دم الٹے سیدھے ہوتے شرم آتی ہے۔ استغفر الله ربی واعوذبه من شر الشیطان.

شعر مذکور مولانا کا مقولہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مرشد سے تعلق پیدا کرنے میں اگر شرم مانع ہے تو یہ حیائے محمود نہیں بلکہ حیائے مذموم ہے۔ کیونکہ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسی کو جسم و پاجامہ پاک کرتے شرم آتی ہو اور جسم و پاجامہ کی پاکی بجوائے حدیث اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ ''پاکی ایمان کا ایک حصہ ہے'' تو جو شخص پاکی سے کنارہ کش ہے وہ گویا فی الجملہ ایمان سے دست بردار ہے۔ پھر جو حیا ایمان سے دست برداری کی موجب ہو وہ حیائے محمود کی قبیل سے کیوں کر ہوسکتی ہے جو ایمان کا شعبہ ہے۔ بلکہ حیائے مذموم کی قسم سے ہے۔ جس پر الحیاء من الایمان کے بجائے الحیاء یمنع الایمان کا قول صادق آتا ہے۔ اسی طرح مرشد سے استفاضہ کرتے ہوئے [illegible] کہ وہ سعادت سے بہرہ ور ہوسکتا ہے یا نہیں؟۔

دل ز پایۂ حوضِ تن گلناک شد ——— تن زآبِ حوض دلہا پاک شد

لغات:۔ پایہ درجہ زینہ گلناک آلودہ خاک، مکدر۔ گدلا۔

ترجمہ:۔ دل حوضِ بدن کے درجے (پر آنے) سے مکدر ہو گیا اور بدن دلوں کے حوض سے پاک ہو گیا۔

مطلب:۔ تمہارے بدن کے اندر دو طرح کے حوض ہیں۔ ایک حوضِ بدن دوسرا حوضِ قلب یعنی ایک مبدءِ رذائل دوسرا مبدءِ فضائل حوضِ بدن بالکل مکدر ہے اور اس کے ساتھ قلب بھی گدلا ہو جاتا ہے۔ صائبؒ۔

نیست آساں در بند جانرا مصفا داشتن ——— زنگ از آئینہ بردن درتہ گل مشکل ست

اور حوضِ دل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ وہ بدن کو بھی پاک وصاف کر سکتا ہے۔ صائبؒ۔

شد جہاں پر نور تا دل را مصفا ساختم ——— خاکِ یوسف زار شد تا سینہ را پر داختم

گردِ پایۂ حوضِ دل گرد اے پسر ——— ہاں ز پایۂ حوضِ تن میکن حذر

ترجمہ:۔ اے عزیز حوضِ دل کے زینے کی طرف آمد ورفت رکھو۔ خبردار! حوضِ بدن کے زینے سے بچتے رہو۔

مطلب:۔ اخلاقِ حمیدہ پیدا کرنے کی کوشش کرو اخلاقِ ذمیمہ سے بچو۔ روح اور روحانیت کی طرف متوجہ رہو کہ مبدءِ فضائل ہے اور جسم وجسمانیت کے اہتمام کی پروا نہ کرو جو مبدءِ رذائل ہے۔ صائبؒ۔

یک بار ہم از چہرہ جاں گر بے فشاں ——— تا چند تواں داد صفا خانۂ تن را

بحرِ تن بر بحرِ دل برہم زناں ——— درمیاں شاں برزخٌ لَّا یَبْغِیَان

ترجمہ:۔ دریائے بدن دریائے قلب سے ٹکراتا ہوا (چل رہا) ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ (اس کی وجہ سے) یہ دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے۔

مطلب:۔ اخلاقِ حمیدہ اور اخلاقِ ذمیمہ دونوں کے مبادی خود انسان کے اندر موجود ہیں۔ جن کے درمیان نہایت لطیف تفاوت ہے۔ جس کا ادراک نہایت مشکل ہے اس کا ادراک اخلاق کا وہ اعتدالِ حقیقی ہے۔ جس پر چلنا بقول علمائے اخلاق دنیا کی پلصراط ہے کہ جس سے ذرا ادھر ادھر ہونا افراط یا تفریط کے جہنم میں جا گرنے کا باعث ہے۔ اس تفاوت کا ادراک بہت بڑے مبصر کا کام ہے۔ جو ہر بات کے متعلق یہ محسوس کر سکے کہ یہ اقتضائے نفس ہے یا اقتضائے قلب ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی خوب صورت لڑکا یا عورت نظر آ گئی۔ جو دل کو بھلی معلوم ہوئی تو اب یہ سمجھ لینا کہ اس کا دل کو بھلا لگنا اس کے مظہر جمالِ حق ہونے کے باعث سے ہے۔ یا کید نفس سے نہایت مشکل ہے اس میں بڑی بصیرت کی ضرورت ہے۔ پس اگر خود اپنے اندر ایسی بصیرت نہ ہو تو پھر اپنے آپ کو کسی مبصر کے سپرد کر دینا چاہیے اور اس معاملے میں صرف اس کے ارشاد پر عمل کیا جائے اپنی رائے اور تجویز کو ہرگز دخل نہ دیا جائے۔ آگے اس بیان میں تفریع فرماتے ہیں:۔

گر تو باشی راست ور باشی تو کژ ——— پیشتر مے غو بدو واپس مغو

لغات:۔ غویدن گھٹنوں کے بل چلنا۔ غو اس سے امر ہے۔ بدو اس کی طرف او کی ضمیر راجع بحوض ہے اور یہ جار ومجرور ہے مے غو کے۔

ترجمہ:۔ اگر تم (ادب سے) سیدھے چلتے ہو یا (بے ادبی سے ٹیڑھے (بہر کیف جس طرح بھی چل سکو خواہ) گھٹنوں کے بل (ہی چلو) اس حوض) کی طرف آگے ہی چلتے رہو واپس نہ ہو۔

مطلب:۔ پیچھے کہا تھا کہ ''بے ادب حاضر زغائب خوشتر ست'' یعنی اگر اضطراراً کوئی حرکت خلافِ ادب سرزد ہو جائے تو بھی منازلِ کمال کے طے کرنے میں کہ تارک حضوری ہی ہو جائے۔ پھر اس کے بعد سلسلہ کلام کہیں سے کہیں چلا گیا تھا۔ اب فرماتے ہیں کہ اگر اضطراراً اور سہواً اور بغلبہ حال کوئی امر خلاف ادب سرزد ہو جائے تو بھی منازلِ کمال کے طے کرنے میں توقف نہ ہونا چاہیے بلکہ جو قدم پڑے آگے ہی پڑنا چاہیے پیچھے نہ ہٹو۔ سعدیؒ۔

قدم پیش نہ کز ملک بگذری — کہ اگر بازمانی رود کمتری

پیشِ شاہاں گر خطر باشد بجاں — لیک نشکیبند عالی ہمتاں

ترجمہ:۔ اگرچہ بادشاہوں کے سامنے (جانا) جان کے لیے خطرہ ہے مگر عالی ہمت لوگ پیش ہوئے بدون صبر نہیں کر سکتے۔ سعدیؒ۔

زدیدنت نتوانم کہ دیدہ بربندم — گراز مقابلہ بینم کہ تیری آید

شاہ چوں شیریں تراز شکر بود — جانِ شیرینے رود خوشتر بود

ترجمہ:۔ جب بادشاہ (کا قرب) شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوتا ہے تو (اس کے قرب کی طلب میں) جانِ شیریں بھی جاتی رہے تو اچھا ہے۔ صائبؒ۔

نیست غیراز مرگ ساحل مور شہد افتادہ را — برگرفتن دل ازاں شیریں شمائل مشکل ست

اے ملامت گو سلامت مرترا — وے سلامت جو توئی واہی العرا

لغات:۔ ملامت گو عاشق کو اس کے عشق پر ملامت کرنے والا۔ ناصح۔ واعظ۔ واہی سست عریٰ دستاویزات جمع عروہ۔ واہی العریٰ سست اور کمزور دستاویزوں والا۔ جس کے دعویٰ کے دلائل کمزور ہوں جس کا سامانِ نجات نا قابل اعتماد ہو۔ یہ لفظ اکثر نسخوں میں درج ہے۔ مگر ہمارے نسخے میں اس مصرعہ کے الفاظ یوں ہیں وے سلامت جور ہا کن تو مرا۔ مگر کثرتِ روایت اس نسخے کو اختیار کرنے کی موید ہوئی۔

ترجمہ:۔ اے ملامت کرنے والے ناصح! جو مجھے عشق سے سلامت رہنے کی ہدایت کر رہا ہے۔ سلامتی تجھی کو (مبارک ہو) اور اے سلامتی تلاش کرنے والے تو ایک ضعیف دستاویز والا ہے۔ (تیرا دعویٰ نا قابل اعتماد ہے)۔ حافظؒ۔

نصیحتم چہ کنی ناصحا تو میدانی — کہ من نہ معتقد مرد عافیت جویم

مطلب:۔ عروہ دراصل ہاتھ سے تھامنے کی چیز کو کہتے ہیں اگر کوئی ڈوبتے وقت بچنے کے لیے رسی وغیرہ کسی چیز کو تھام لے۔ وہ بھی عروہ ہے۔ فرماتے ہیں اے ناصح یہ قلتِ اعتماد اور ضعفِ اعتقاد تمہارا ہی حصہ ہے۔ کہ ادنیٰ سے ابتلا پر محبوب حقیقی کو چھوڑ دینا گوارا کرتے ہو۔ ہم اس میدان سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو عشق بلا انگیز سے بچنے کے لیے حزم و احتیاط سے کام لیتے ہو تو شاید تم کو یہ گمان ہوگا کہ یہ ہماری نجات کا وسیلہ ہے مگر یاد رہے کہ یہ وسیلہ نہایت بودا ہے کہ مطلوبِ حقیقی سے دور رکھتا ہے اور اس سے دور رہنے میں نجات کہاں۔ عراقیؒ۔

مردن دفعۂ کے شدن بہتر کہ بے تو زیستن — سوختن خوشتر بسے کز روئے تو گردم جدا

دوسرے نسخے یعنی ''وے سلامت جور ہا کن تو مرا'' کی صورت میں یہ مطلب ہے کہ اے ناصحِ مشفق تم جو مجھ کو گردابِ عشق سے

نکالنے کی کوشش کر رہے ہو جاؤ تم ساحلِ سلامتی پر جا پہنچو مجھے اسی گرداب میں رہنے دو۔ حافظؒ۔

مشفقت نہ سرسری ست کہ از سر بدر شود ۔۔۔ مہرت نہ عارضی ست کہ جائے دگر شود

جانِ من کورہ است وبا آتش خوش ست ۔۔۔ کورہ را ایں بس کہ خانہ آتش ست

لغات:۔ کورہ آتشدان لوہاروں کی بھٹی ویران وخراب کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ اگلے شعر میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوگا۔ بس کافی۔

ترجمہ:۔ میری جان تو بھٹی ہے (جو آگ کے لیے بنی ہے) اور (اس لیے وہ عشق کی) آگ ہی کے ساتھ خوش ہے (جس چیز کے لیے بنی ہے وہ اس میں موجود ہے) بھٹی کو یہی (مراد) کافی ہے کہ وہ آگ سے لبریز ہے حضرت جانجان مظہر الشہید قدس سرہ۔

زعشق اوبداغے کے تسلی ے شوم مظہر ۔۔۔ کہ غرقِ سوختن چوں شعلہ میخواہم مرا یارا

سعدیؒ ؎ اگر عاشقی خواہی آموختن ۔۔۔ بکشتن فرح یابی از سوختن

ہم چو کورہ عشق را سوزیدنے ست ۔۔۔ ہر کہ اوزیں کورہ باشد کودنے ست

لغات:۔ کودن بیوقوف، احمق، کمینہ، نا اہل۔

ترجمہ:۔ بھٹی کی طرح عشق کا کام جلا دینا ہے۔ جو شخص اس سے بے بہرہ ہے وہ نا اہل ہے۔ نظامیؒ۔

کسے کز عشق خالی شد فسردہ است ۔۔۔ گرش صد جان بود بے عشق مردہ است

زسوز عشق بہتر درجہاں چیست ۔۔۔ کہ بے اوگل نخندید ابر نگریست

برگِ بے برگی ترا چوں برگ شد ۔۔۔ جان باقی یافتی ومرگ شد

لغات:۔ برگ سامان بے برگی بے سامانی شد پہلے مصرعہ میں فعل ناقص اور دوسرے مصرعہ میں بمعنی رفت فعلِ تام ہے۔

ترجمہ:۔ جب بے سامانی کا سامان تیرا سامان بن گیا۔ تو تجھے ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی مل گئی اور موت جاتی رہی۔

مطلب:۔ جب آتشِ عشق تن من کو پھونک کر فنا اور بے سامان کر دیتی ہے تو اس فنا سے بقائے تام اور ہستیِ دوام حاصل ہو جاتی ہے اور موت رفو چکر ہوتی ہے۔ جامیؒ۔

در بحر کبریائے تو آنکس کہ شد فنا ۔۔۔ چوں خضر راہ بردہ بسرِ چشمۂ حیات

حافظؒ۔ ہر گز نمیرو آنکہ دلش زندہ شد بعشق ۔۔۔ ثبت ست برجریدۂ عالم دوامِ ما

چوں ترا غم شادی افزودن گرفت ۔۔۔ روضۂ جانت گل وسوسن گرفت

ترکیب:۔ غم افزودن کا فاعل ہے اور شادی اس کا مفعول ہے۔

ترجمہ:۔ جب غم تمہاری خوشی بڑھانے لگے تو تمہاری روح کے باغ میں (علوم ومعارف کے) گل وسوسن پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے۔

مطلب:۔ غمِ عشق جان گزا نہیں۔ بلکہ جان افزا ہے۔ اس غم پر سینکڑوں خوشیاں قربان ہیں۔ یہ غم روحانی ترقی کا باعث ہے۔ سعدیؒ۔

غمے خور کو بشادی ہائے بے اندازہ وا بخامد چو بے عقلاں مرد دنبالِ آں شادی کہ غم گردد

آنچہ خوفِ دیگراں آں امنِ تست بط قوی در بحر و مرغِ خانہ ست

ترجمہ:۔ جو چیز دوسروں کے لیے خوف (کا باعث) ہے وہ تیرے لیے (موجب) امن ہے۔ (دیکھو) بطخ دریا میں قوت پاتی ہے۔ اور خانگی مرغ ادھ موا (ہو جاتا ہے)۔

مطلب:۔ غم عشق سے لوگ ڈرتے ہیں مگر تمہارے لیے وہ باعثِ امن ہے۔ جس کی مثال دریا ہے کہ دوسرے تمام پرندے اس میں تیرنے سے عاجز ہیں مگر بطخ کے لیے دریا میں تیرنا عین راحت ہے۔ حافظؒ۔

در آرزوئے آنکہ رسد دل براحتے جاں در درونِ سینہ غمِ عشق اونہاد

باز دیوانہ شدم من اے طبیب باز سودائی شدم من اے حبیب!

ترجمہ:۔ اے طبیب! میں پھر دیوانہ ہو گیا۔ اے دوست! میں پھر سودائی ہو گیا۔ نعمت خاں عالی غفرلہ۔

باز آمد ست برسر دیوانگی دلم تا آخر بہار بہ بینم چہ مے شود

وکما قیل۔

پھر پرسشِ جراحت دل کو چلا ہے عشق سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

ہکذا۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

حلقہائے سلسلہ تو ذوفنون ہر یکے حلقہ دہد دیگر جنون

لغات:۔ سلسلہ زنجیر۔ ذوفنون عجائبات سے پر۔ دیگر نئی قسم کا۔

ترجمہ:۔ (اور کیوں نہ ہو میں) تیری (جس) زنجیر (میں جکڑا ہوا ہوں اس) کے حلقے عجائبات سے پر ہیں۔ (اس کا) ایک ایک حلقہ نئے سے نئے جنون کو ابھارتا ہے۔ کما قیل۔

کشیدہ ام زجنوں ساغرے کہ ہوش نماند اگر معاملہ باپیر مے فروش نماند

داد ہر حلقہ فنونِ دیگر ست پس مراہر دم جنونِ دیگر ست

ترجمہ:۔ (اس زنجیر جنون کی) ہر کڑی کا اثر مختلف اقسام کا ہے۔ جبھی تو مجھے ہر لحظہ نئی قسم کا جنون عارض ہے۔ غنی۔

آتش داغ جنوں از سنگ طفلاں مے کشند یک نفس غافل نیند از کار خود دیوانہا

پس جنوں باشد فنوں ایں شد مثل خاصہ در زنجیرِ ایں میرِ اجل

ترجمہ:۔ جبھی تو یہ مثل مشہور ہے کہ۔ للجنونُ فنونٌ (دیوانگی کی بہت سی اقسام ہیں) بالخصوص اس بڑی سرکار کی زنجیر (عشق) میں (مقید ہو کر تو ایسا ہونا ہی چاہیے)۔

آں چناں دیوانگی بگسست بند کہ ہمہ دیوانگاں پندم دہند

ترجمہ:۔ میرا جوش جنون اس طرح زنجیر توڑنے پر آ جاتا ہے کہ (میری وارفتگی کو دیکھ کر) دوسرے دیوانے بھی مجھے (یوں نصیحت کرنے لگتے ہیں۔ (کہ میاں! اس قدر جنو[illegible]

مطلب:۔ ہمہ دیوانگاں سے یا تو دنیا کے متوالے مراد ہیں یعنی دنیادار لوگ میرے جنون عشق کو دیکھ کر مجھے نصیحتیں کرنے لگتے ہیں۔ یا دوسرے عاشقانِ الٰہی مراد ہیں جو ابھی اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچے اس لیے وہ اس کی حرکات جنون کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے اور اس کو منع کرتے ہیں مگر یہ کہتا ہے کہ تم لوگ ابھی مکتب عشق کے ابجد خواں ہو۔ اس منزل کی تم کو کیا خبر؟ صائب۔

شمہ از داستانِ عشق شور انگیز ماست
ایں حکایتہا کہ از فرہاد وشیریں کردہ اند

آمدن دوستاں بہ بیمارستاں جہتِ پرسش ذوالنون

دوستوں کا بیمارستان میں حضرت ذوالنون مصری کی عیادت کے لیے آنا

ایں چنیں ذوالنون مصری رافتاد　　کاندر و شور و جنونِ نو بزاد

لغات:۔ ذوالنون مصری۔ ایک ولی کامل کا نام ہے۔ جن کا ذکر اسی حصہ شرح میں مفصل گزر چکا ہے۔

ترجمہ:۔ اسی طرح حضرت ذوالنون مصریؒ کو ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ ان میں ایک (تازہ) ولولہ (عشق) اور جنون پیدا ہوا۔

شور چنداں شد کہ تافوقِ فلک　　میر سید ازوے جگرہا را نمک

ترجمہ:۔ ان کے جنونِ عشق کی شورش اس قدر بڑھ گئی کہ (زمین سے لے کر) آسمان کے اوپر تک (کی مخلوق کے کلیجوں) پر اس سے نمک پاشی ہوتی تھی۔

ہیں منہ تو شورِ خود اے شورہ خاک　　پہلوئے شورِ خدا وندانِ پاک

ترجمہ:۔ خبردار! اے نکمی مٹی　(کے ہم رتبہ آدمی!) تم اپنے غوغائے (عشق) کو ان حضراتِ پاک ذات کے شور (عشق) کے برابر نہ سمجھو۔

مطلب:۔ چونکہ اوپر مولانا ''نے ایں چنیں ذوالنون مصری رافتاد'' کہہ کر حضرت ذوالنون مصری کے شورِ عشق کو اپنے شورِ عشق سے تشبیہ دی تھی۔ اس لئے اب خود متنبہ ہو کر اس دعوے مساوات کو سوءِ ادب قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو سرزنش کرتے ہیں کہ ایسا نہیں چاہیے۔ حافظؒ۔

گفتن برخورشید کہ من چشمۂ توام　　دانند بزرگاں کہ سزا وار سہانیست

آگے پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

خلق راتابِ جنونِ او نبود!　　آتشِ او ریشہا شاں میر بود

ترجمہ:۔ مخلوق کو ان کے جنون کی (باتیں سننے) کی تاب نہ (رہی) تھی اب ان کی آگ (برسانے والی تقریر) ان لوگوں (کے مکروفریب) کی ڈاڑھیوں کو پھونکے ڈالتی تھی۔

مطلب:۔ حضرت ذوالنون مصری علمائے سوء اور مشائخ مزدرین کی بداعمالیوں کو طشت از بام کرنے کے لیے دیوانے بن گئے اور اپنی جنونی تقریروں میں اس صفائی سے ان کی قلعی کھولنے لگے کہ ان لوگوں کی ڈاڑھیاں منڈنی شروع ہو گئیں یعنی وہ رسوا و بے آبرو ہو گئے۔ حافظ

گرچہ بابلق ملمع کے گلگوں عیب ست میکنم عیب کزورنگ ریائے شویم

چونکہ درریشِ عوام آتش فتاد بند کردندش بزندان المراد

ترجمہ:۔ چونکہ (ان کی تقریروں سے) عام (علماء ومشائخ) لوگوں کی ڈاڑھیاں جلنے پھکنے لگی تھیں اس لیے حکومت نے مصلحتاً حضرت ذوالنون مصری کو قید خانے میں بھیج دیا یہی (ان لوگوں کا) مقصد تھا۔ صائبؒ

بے گناہی کم گنا ہے نیست دردیوانِ عشق یوسف از پاکیٔ داماں خود بزنداں میرود

ترجمہ:۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت ذوالنون نے ایسی تقریریں کیوں کی جن سے شورش پیدا ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے الفتنۃ اشد من القتل فرمایا ہے۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں:۔

نیست امکاں واکشیدن ایں لجام گرچہ زیں رہ تنگ مے آیند عام

ترجمہ:۔ (حق پرستوں کے لیے اظہارِ حق کے) اس (جذبے کے) لگام کو روکنا ممکن نہیں۔ اگرچہ عوام (ان کے) اس مسلک سے تنگ آ کر آمادۂ فساد ہو جائیں۔ کما قیل۔

چوں تیر میجہد زکماں گفتگوئے حق منصور رابدار کشیدن چہ فائدہ

سعدیؒ

رسانیدنِ امر حق طاعت ست ززنداں نترسم کہ یک ساعت ست

دیدایں شاہاں زعامہ خوفِ جاں کیں گرہ کورندو عامہ بےنشاں

ترجمہ:۔ ان (اقلیم عرفان کے) بادشاہوں (کے خلاف فتنہ وشورش برپا ہو جانا تو ادنیٰ بات ہے۔ بلکہ ان کو عوام کی طرف سے اپنی جان کا بھی خطرہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ان کے مراتب کو سمجھنے سے اندھے ہیں اور یہ معرفت کے بادشاہ (کمالات کی) کوئی (ظاہری) نشانی نہیں رکھتے (پھر بھی وہ اظہارِ حق سے نہیں رکتے۔) صائبؒ

زچہرہ سخن حق نقاب بردارد زدار ہر کہ چو منصور کرد منبررا

حکم چوں بردستِ رنداں اوفتاد لاجرم ذوالنون بزنداں اوفتاد

ترجمہ:۔ چونکہ (اس معاملے) کا فیصلہ نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں تھا اس لیے (عدالت کے حکم سے) حضرت ذوالنون قید خانے پہنچ گئے۔ حافظؒ

شہپرِ زاغ وزغن زیبائے صیدو قید نیست کایں کرامت ہمرہ شہباز وشاہین اند

یک سوارہ میر ود شاہِ عظیم درکفِ طفلاں چنیں درِیتیم!

لغات:۔ یک سوارہ یکہ وتنہا سوار کیا ہوا۔ اگلے زمانے میں مجرموں کو گدھے وغیرہ کی ذلت خیز سواری پر بٹھا کر لے جاتے تھے یہاں وہی مراد ہے۔ درکف طفلاں مجنون ودیوانہ کو اطفال کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے جو عموماً ان کو چھیڑتے چڑاتے کھجاتے اور اس پر اینٹ پتھر پھینکتے ہیں۔ یہاں ذوالنون کے ساتھ اطفال کا یہی سلوک مراد ہے۔ یا جیسے کہ اگلے زمانے میں بعض مجرموں کو رسن بگردن شہر میں پھراتے تھے اور عام اطفال کو اجازت ہوتی تھی کہ ان کے ساتھ ضحک وضرب کا رسوائی خیز سلوک کریں۔ شاید وہی مراد ہو۔

ترجمہ:۔ (افسوس کہ) ایک عظیم القدر بادشاہ (یوں ذلت خیز طریق سے) سوار کیا ہوا یکہ وتنہا جارہا ہے (اور) ایک ایسا یکتا

موتی (شہر کے) لڑکوں کے ہاتھ میں رسوائی اٹھا رہا ہے۔ حافظؒ

منکہ ملول گشتمے از نفسِ فرشتگاں　　　قال و مقال عالمے میکشم از برائے تو

دُرّ چہ دریا نہاں در قطرۂ　　　آفتابے مخفی اندر ذرۂ

ترجمہ:۔ ان کو موتی کہنا تو کیا (حقیقت رکھتا ہے) بلکہ وہ معرفت کے ایک دریا ہیں جو انسانی وجود کے ایک قطرہ میں پوشیدہ ہے اور عرفان کے ایک آفتاب (ہیں جو جسمِ عنصری کے) ذرے میں مخفی (ہے)۔

آفتابے خویش راہ ذرّہ نمود　　　واندک اندک روئے خود را بر کشود

ترجمہ:۔ (وہ معرفت کے) ایک آفتاب (تھے) جس نے اپنے آپ کو از راہِ تواضع ذرہ (کے برابر) ظاہر کیا اور (پھر حجابِ خفا کو اٹھا کر) تھوڑا تھوڑا اپنے چہرے کو کھولا۔ سعدیؒ

بسر وقت شاں خلق کے رہ برند　　　کہ چوں آبِ حیوان بظلمت درانند

جملۂ ذرات دروے محو شُد　　　عالم از وے مست گشت وصحو شد

لغات:۔ چونکہ اوپر حضرت ذوالنون کو ذرہ کہا تھا۔ یہاں بطور مشاکلت باقی تمام لوگوں کو ذرّات کہہ دیا۔ محو مستغرق یہاں لپٹ جانا مراد ہے۔ صحو ہشیاری شد دوسرے مصرعہ میں ہے بمعنے رفت۔

ترجمہ:۔ (تو) تمام لوگ (از راہِ خصومت) ان سے لپٹ گئے (دنیا) جہاں ان (کی عداوت) کے سبب آپے سے باہر ہو گیا۔ اور (اصل معاملہ سمجھنے کی) ہوشیاری نہ رہی۔

چوں قلم در دستِ غدّارے بود　　　لا جرم منصور بردارے بود

ترجمہ:۔ جب فیصلہ لکھنے والا قلم ایک غدار کے ہاتھ میں ہو۔ تو (حسین ابن منصورؒ کی طرح ہر بے گناہ) ضرور سولی پر چڑھے گا۔
مطلب:۔ جب باد [illegible] کے ماتحت حکام آمادۂ ظلم ہوں تو پھر نا کردہ گناہ لوگوں کے لیے قید و بند اور قتل و ہلاک کوئی عجوبہ نہیں۔ ہاتفیؒ

وزیر ان کج بیں و ناہوش مند　　　رسانند درشاہ و ملکش گزند
اگر شاہ و قیصر بود درقباد　　　کہ نواب ناداں دہندش بباد

رفعِ اشتباہ:۔ چونکہ حضرت حسین ابن منصو. کو سزائے موت علمائے وقت کے فتوے کی بنا پر ملی تھی اس لیے شاید یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولاناؒ نے غدار کا لفظ علما کے حق میں استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ یہ بات مولاناؒ کی شان سے بعید ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں قلم سے مراد فیصلہ نویس قلم ہے نہ کہ فتویٰ نویس علمائے فتویٰ نویس کا کام تو صرف حکمِ شرعی بیان کر دینا ہے پھر اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنا بادشاہ یا بادشاہ کے وزیر کا منصب ہے اور وہی ان کے قتل کے ذمہ دار تھے۔ اہلِ سیر لکھتے ہیں۔ کہ خلیفۂ وقت کے وزیر کو حضرت حسین ابن منصورؒ سے کسی بنا پر ذاتی عداوت تھی اس لیے وہ ان کے قتل کا کوئی بہانہ تلاش کر رہا تھا اور جس طرح ہر زمانے کی حکومتوں کا یہ شیوہ رہا ہے اور آج کل بھی یہی حالت ہے کہ جب کوئی حاکم کسی شخص کو اپنے ذاتی بغض وحسد کی بنا پر تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو کسی شرعی یا قانونی پھندے میں پھانسنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اس وزیر کو بھی اپنی اسی ناپاک غرض کو پورا کرنے کے لیے یہی حیلہ سازگار نظر آیا چونکہ حضرت حسین ابن منصور ایک مغلوب الحال درویش تھے اور ان کے اکثر اقوال وملفوظات معیارِ شریعت سے موردِ اعتراض ہوتے تھے جن

حضرت حسین ابن منصورؒ کے قتل کے ذمہ دار علماء نہ تھے بلکہ ظالم حکام

کی وجہ سے ان کے خلاف علماء و مشائخ میں پہلے سے چرچے پھیل رہے تھے۔ اس لیے وزیرِ مذکور نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور حضرت ابن منصور کے بعض اقوال مثلاً انا الحق وغیرہ کی بنا پر پہلے تو خلیفہ کو ان سے بدگمان کیا کہ یہ شخص ملحد ہے مرتد ہے زندیق ہے واجب القتل ہے۔ اگر اس کو جلدی قتل نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملک میں ارتداد کا ایک فتنہ پھیل جائے پھر علما سے فتویٰ طلب کیا۔

علما ہر چند حضرت ابن منصور کی صداقت کا یقین رکھتے تھے مگر چونکہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ اس لیے وہ تقاضائے ظاہر ان کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دینے پر مجبور تھے۔ اس وقت علماء کی حالت حضرت منصور کے متعلق وہ تھی جیسے متعدد روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص ارتکاب فواحش کے بعد مقتبہ اور نادم ہو کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور عرض کرتا کہ مجھ سے فلاں گناہ سرزد گیا ہے۔ مجھ کو سزائے شرعی دی جائے تا کہ میں پاک ہو جاؤں تو حضور اس کو ٹلانے کے لیے رخ مبارک دوسری طرف پھیر لیتے کہ گویا آپ نے کچھ سنا ہی نہیں بلکہ ایک موقع پر حاضرین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اسی قسم کے مرتکب گناہ سے جو اپنا گناہ عرض کر رہا تھا کہا کہ اگر تم اپنے گناہ پر پردہ ڈالتے تو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارا پردہ قائم رکھتا اور تم کو معاف کر دیتا اور جب اس قسم کے مرتکبین فواحش نے بار بار سزا پانے کے لیے اصرار کیا ہے تو پھر ان کو سنگسار وغیرہ کی سزا دی گئی ہے۔ اسی طرح علماء بھی حضرت ابن منصور کے قتل کے درپے ہرگز نہ تھے نہ انہوں نے ازخود ان کے خلاف فتویٰ دیا اور نہ وہ ان کے معاملے کو دائرۂ بحث میں لائے۔ بلکہ اگر یہ معاملہ پردہ میں رہتا تو علما کو اس سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ پھر حضرت ابن منصورؒ پر کوئی آفت آتی مگر اس وزیر کو ان کے قتل کیے بدون کب چین آتا تھا۔ اس نے ان کے خلاف فتویٰ طلب کیا اور ناچار علما کو فتویٰ دینا پڑا کیونکہ یہ معاملہ جب زیر بحث آ گیا تو اس سے اغماض یا مداہنت کرنا علما کے اختیار سے باہر چنانچہ پیچھے کسی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ پہلے پہلے حضرت جنید بغدادیؒ جو علوم ظاہر میں علامہ دہر اور کمالات باطن میں سید الطائفہ تھے اس فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا مگر جب حکومت کی طرف سے مزید اصرار ہوا تو پھر آپ نے خرقہ فقر اتار کر قبائے علم پہن لی اور لکھ دیا کہ۔ نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ یعنی ہم بھی شریعت کے حکم ظاہری کے مطابق فتویٰ قتل کی تصدیق کرتے ہیں اگر حکام کی طرف سے اس واقعہ میں اس قدر شد و مد اور اصرار و تکرار نہ ہوتی تو نہ علما ایسا فتویٰ دیتے اور نہ حضرت ابن منصور کو سزائے موت ملتی۔

غرض ان کے قتل کی ذمہ داری سراسر حکام وقت خصوصاً اس وزیر پر عائد ہوتی ہے۔ وہی اس کا محرک تھا وہی اس کے لیے ساعی۔ پھر اسی نے خلیفہ کی منظوری سے ان کو تختہ دار پر چڑھوایا اور اسی کو حضرت مولانا نے غدار کا لقب دیا ہے۔ خود غدار کے لفظ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ اس سے کسی حاکم کے ظالمانہ طرز عمل کی طرف اشارہ ہے۔ علما کے فتوے کی طرف اشارہ نہیں کیونکہ غدار کے معنی ہیں اپنی ذاتی غرض کے لیے حق کو تلف کرنے والا اور یہ تعریف اسی وزیر پر ہی صادق آ سکتی ہے جس نے فتویٰ کو اپنے جذبۂ انتقام کے لیے آلہ کار بنانا چاہا اور اپنے ذاتی عناد و عداوت کے لیے ایک ولی اللہ کے خون سے ہاتھ رنگے۔ علمائے مفتین پر غدار کا لفظ صادق نہیں آ سکتا کیونکہ ان سے کسی غدر کا وقوع نہیں ہوا۔ انہوں نے صورۃ واقعہ کے مطابق حکم شرعی لکھ دیا اور یہ کوئی غدر نہیں بلکہ شریعت کے ساتھ عین وفا ہے۔ اور نہ ان کو حضرت ابن منصور کے ساتھ کوئی کد و کاوش تھی جس کی بنا پر ان سے غدر کا وقوع ہوتا۔ ایک خاص دلیل اس بات کی کہ یہاں قلم سے فیصلہ لکھنے والے کا قلم مراد ہے جو صرف وزیر کا تھا نہ کہ فتویٰ لکھنے والوں کا قلم ہے۔ کہ مولانا نے فرمایا ہے۔ ''چو قلم در دست غدارے بود'' اور غدارے سے صرف ایک وزیر ہی مراد ہو سکتا ہے اگر علما مراد ہوتے جو بہت سے تھے تو یوں کہتے چوں قلم در دست غداراں بود اگلے شعر میں جو سفیہان کا لفظ آیا ہے اس سے بھی جماعت علماء مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ لفظ غدار کے لیے بطورِ تمثیل و تنظیر استعمال ہوا ہے جس میں عموماً صیغہ جمع یا صیغہ واحد بیائے تنکیر استعمال ہوتا ہے۔

چوں سفیہاں را بود کار و کیا　روزم آید یَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَاءَ

لغات:۔ کار و کیا کام کا اختیار و اقتدار۔ یقتلون الخ یہ سورہ آل عمران کی آیت طرف تلمیح ہے۔ وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَاءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔ ''وہ کافر لوگ انبیا کو ناحق قتل کرتے رہتے ہیں اور وہ فعل اس لیے ان سے وقوع پاتا تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے''

ترجمہ:۔ جب نااہل لوگوں کو کام (کا اختیار) اور اقتدار حاصل ہو جاتا ہے (منصور جیسے اولیا تو رہے درکنار) انبیا (تک) کے قتل کا وقوع پا جانا ایک لازمی امر ہے۔

انبیا را گفتہ قومِ راہ گم　　　از سفہ اِنَّا تَطَیَّرْ نَا بِکُم

لغات:۔ راہ گم گمرہ۔ سفہ سفاہت خیرہ سری۔ وہ احمق جس کو اپنے عاقل ونکتہ رس ہونے کا دعویٰ ہو۔ انا تطیرنا سورہ یٰسٓ کے دوسرے رکوع سے ایک آیت کا اقتباس ہے اور دو پیغمبروں کی اصحاب قریہ کے ساتھ گفتگو کی طرف تلمیح ہے جو اس رکوع میں مذکور ہے۔

ترجمہ:۔ (یہ گمراہ لوگ تو اتنے بے باک ہیں کہ اپنی) خیرہ سری سے انبیا کو (یہاں تک) کہہ دیا ہے کہ ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں (توبہ توبہ)۔

نوٹ:۔ اس نظیر سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اوپر غدار کے لفظ سے علما نہیں بلکہ حکام مراد ہیں کیونکہ انبیا کے ساتھ استہزا بحرّیہ کرنے والے عموماً جاہل دنیادار و جاہ پسند لوگ ہوتے ہیں اور یہی گروہ ہے جس کو غدار و سفیہان و راہ گم کا خطاب مل رہا ہے۔

جہلِ ترسا بیں اماں انگیختہ　　　زاں خداوند یکہ گشت آویختہ

لغات:۔ ترسا نصاریٰ۔ حضرت عیسیٰؑ کی امت کے لوگ۔ جن کے عقیدے میں حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں۔ اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہود نے ان کو صلیب پر چڑھا کر ہلاک کیا مگر جب ان کی لاش دفن کر دی گئی تو وہ دوبارہ زندہ ہو کر قبر سے نکلے اور آسمان پر چڑھ گئے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی اس مظلومی اور دشمنوں کے مقابلے میں اس قدر بے بسی کے باوجود ان کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ان کے زعم میں اللہ کے فرزند جو ہوئے تو فرزند کو اپنے باپ کی سلطنت میں بہت اختیارات ہوا کرتے ہیں استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ اسلام ان عقائدِ باطلہ کی پورے زور سے تردید کرتا ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اور بشر بتاتا ہے اس کے نزدیک وہ صلیب پر نہیں چڑھے۔ بلکہ دشمنوں کی کشمکش کے ہنگامے میں وہ موقع پا کر بچ نکلے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو آسمان پر اٹھا لیا اور ان کا ایک دشمن باقی دشمنوں کے ہاتھ آ گیا اسی کو انہوں نے عیسیٰؑ سمجھ کر صلیب پر چڑھا کر ہلاک کر ڈالا۔ نجات کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔ یہ اس کے سوا اور کسی کے اختیار کی بات نہیں۔ اماں نجات۔

ترجمہ:۔ عیسائیوں کی جہالت دیکھو کہ انہی حضرت عیسیٰؑ کے حکم سے نجات پانے کی امید پیدا کر رکھی ہے جو خود نصاریٰ کے عقیدے کے موافق اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے بے بسی کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے۔

مطلب:۔ انبیاء و اولیا کے دشمن تو ان کو اذیت دیتے ہی ہیں ان کے معتقدین و متبعین میں سے بعض لوگوں کی افراطِ عقیدت جو کفریہ عقائد تک پہنچ جاتی ہے تو ان کی یہ دوستی بھی اہل اللہ کے لیے دشمنوں کی اذیت سے کم رنج دہ نہیں ہے جس کی ایک مثال نصاریٰ کی حضرت عیسیٰؑ کے حق میں افراطِ عقیدت ہے جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک قول یا اس کا ہم معنے مروی ہے کہ ایک گروہ میری دشمنی کی وجہ سے جہنم کا مستوجب ہے تو دوسرا گروہ میری محبت کی وجہ سے سزاوارِ نار ہے پہلے گروہ سے خوارج اور دوسرے سے روافض مراد ہیں۔ نصاریٰ کے مذکورہ عقائدِ باطلہ کا ایک مضحکہ انگیز پہلو یہ ہے کہ جس ذات عالی کو ایک طرف اس درجہ تک بڑھایا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا فرزند بنا دیا دوسری طرف ان کی شان کو اس قدر گرایا کہ یہود کے ہاتھ سے ان کا صلیب پر چڑھنا بھی تسلیم کر لیا۔ لاحول ولا قوۃ پھر طرہ یہ کہ ان کو اپنا مستقل نجات دہندہ بھی سمجھتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں:۔

چوں بقولِ اوست مصلوبِ جہود　　　پس مر او را امن کے تاند نمود

ترجمہ:۔ (خیال کیجیے کہ) جب وہ اس (گروہ) کے عقیدے کے موافق یہودیوں کے ہاتھوں صلیب پر چڑھ گئے (اور خود اپنے لیے اس مصیبت سے نجات پانے کا سامان نہ کر سکے) تو وہ ان کے لیے نجات کا سامان کب کر سکیں گے؟

نصاریٰ اور ان کے عقائدِ باطلہ

چوں دلِ آنشاہ زایشاں خوں بود   عصمت وَاَنْــتَ فِیْھِمْ چوں بود

ترجمہ:۔غرض جب ان حضرت ذوالنون کا دل ان لوگوں کی بدسلوکیوں سے خون ہو۔ تو ان کے لیے وانت فیھم کا حکم (نزول عذاب سے) پناہ کیونکر بن سکے۔

مطلب:۔ بزرگوں کے وجود باجود کی ایک برکت یہ ہوتی ہے کہ ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ مجرم قوم پر اس کے مستوجب عذاب ہونے کے باوجود کوئی عذاب نہیں بھیجتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" اے پیغمبر اللہ ان کے عذاب دینے والا نہیں جب کہ آپ ان میں موجود ہیں" (سورہ انفال) لیکن سرکشوں کی سرکشی حد سے گزر جائے اور ان کی تعدی وایذا سے اہل اللہ کا دل خون ہو جائے تو پھر یہ وعدۂ الٰہیہ کہاں تک قائم رہے آخر ان کے اعمال کی پاداش میں عذاب آ کر ہی رہتا ہے حافظ

پس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

آگے پھر ان حضرات کی وجۂ اختفا بیان فرماتے ہیں۔

زرِ خالص را زرگر را خطر   باشد از قلّاب و خائن بیشتر

لغات:۔ قلاب قلب ساز کھوٹے سکے بنانے والا۔ خائن ٹھگ۔

ترجمہ:۔ طلائے خالص اور صناع طلاء کو جو قلب ساز اور ٹھگ (کی قلعی کھولتا رہتا ہے ان کی عداوت) سے بڑا خوف رہتا ہے۔

مطلب:۔ جعلساز و قلب ساز سے ایک تو خالص سونے کو بڑا ضرر پہنچتا ہے کہ وہ ایک کھوٹی دھات کو اس کا ہم شکل بنا کر سونے کی قدر کو گھٹاتے ہیں۔ دوسرے زرگر یعنی کھوٹے کھرے مال کی شناخت کرنے والے کو بھی ان سے ضرر پہنچنے کا سخت خوف ہے کیونکہ زرگر جب ان کے کھوٹے سکے کی قلعی کھول کر ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیتا ہے اور ان کے نایاب ہونے کا باعث بنتا ہے تو وہ اس سے انتقام لینے کے درپے ہو جاتے ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ اپنی نزاہت ذات وخصوص صفات کے ساتھ سے گویا طلائے خالص ہیں اور عام ریا کاروں ومکار لوگوں کے مکروفریب کو طشت از بام کرنے کے پہلو سے گویا طلائے خالص ہیں اور عام ریا کار ومکار لوگوں کے مکروفریب کو طشت از بام کرنے کے پہلو سے گویا نقادِ طلا بھی ہیں۔ اس لیے یہ عوام ان کے دشمن ہو جاتے ہیں اور چونکہ بقول شیخ سعدیؒ

ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم   وگر با چنو صد برائی بجنگ

ازاں مار برپائے راعی زند   کہ ترسد سرش را بکوبد بسنگ

جو شخص کسی سے ڈرتا ہو اس سے اس شخص کو بھی ڈرنا چاہیے جس سے وہ ڈرتا ہے کیونکہ وہ اپنے خطرہ کو دور کرنے کے لیے اس کو مٹا دینے کی کوشش سے بھی دریغ نہیں کیا کرتا اس لیے یہ حضرات عموماً عوام کی نظر سے مخفی رہنا مناسب سمجھتے ہیں۔

یوسفاں از رشکِ زشتاں مخفیند   کز عدو خوباں در آتش میزیند

لغات:۔ یوسفاں سے حسینانِ حسن باطن مراد ہیں یعنی انبیاء واولیاء۔ زشتان بدصورت لوگ اس سے وہ لوگ مقصود ہیں جو جمال معنی اور حسنِ باطن سے بے بہرہ ہیں یعنی کافر وفاسق لوگ اور آتش زیستن عذاب سہنا اذیت اٹھانا۔

ترجمہ:۔ (باطنی) حسین (باطن کے) بدصورت لوگوں کے (ازراہ) رشک اذیت پہنچانے کے خوف سے چھپے رہتے ہیں کیونکہ دشمن کی ایذا سے (یہ باطنی) حسین انگاروں پر لوٹتے ہیں۔

مطلب:۔ زشت باطن لوگوں سے با... ...اب

زشت را آئینہ تاریک باشد پردہ پوش　　　میر سد آزار بد گوہر بہ بینا بیشتر

اس لیے وہ عموماً ان کی ایذا سے بچنے کے لیے عوام کی نظر سے چھپے رہتے ہیں۔

تاسازندش کباب از چشم بد اہلِ حسن　　　ہم چو عنقا صائب از چشمِ خلائق دور باش

یوسفاں از مکرِ اخواں در چہند　　　کز حسد یوسف بگرگاں میدہند

لغات:۔ در چہند در چاہ ہستند۔ کنوئیں کے اندر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو چاہِ گمنامی و اخفا میں رکھتے ہیں بگرگاں سے دہند بھیڑیوں کے حوالے کر دیتے ہیں مراد یہ ہے کہ مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

صنائع:۔ اولیا اور عوام کے معاملے سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں کے حسد کرنے اور ان کو کنوئیں میں ڈالنے اور پھر اپنے والد کے سامنے ان کو بھیڑیئے کے کھا جانے کا بہانہ بنانے کی طرف تلمیح ہے۔

ترجمہ:۔ (باطنی) حسین (یعنی اہل اللہ اپنے) بنی نوع کے مکر (وایذا کے خوف) سے گمنامی کے کنوئیں میں (چھپے رہتے) ہیں کیونکہ وہ لوگ یوسف جیسے عزیزِ روزگار کو (بھی مصائب کے) بھیڑیوں کے حوالے کر دینے سے نہیں ٹلتے۔ حالی مرحوم۔

زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں　　　اور یوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں

انہی حاسدوں کے خوف سے یہ حضرات اپنے آپ کو نظرِ عوام سے مخفی رکھتے ہیں۔ حافظؒ

پنہاں زحاسداں بخودم خواں کہ منعماں　　　خیرِ نہاں زبہر رضائے خدا کنند

از حسد بر یوسفِ مصری چہ رفت؟　　　ایں حسد اندر کمیں گرگے ست زفت

لغات:۔ یوسفِ مصری۔ مملکتِ مصر میں آیندہ چل کر ترقیِ مراتب پانے والے یوسفِ مصری کا لقب حضرت یوسفؑ کے مستقبل کے لحاظ سے استعمال کیا ہے۔ ورنہ جب ان کے بھائیوں نے ان سے حاسدانہ بدسلوکی کی تھی تو وہ ابھی مصر نہیں گئے تھے۔ نہ ابھی مصری کا لقب ان پر صادق آ سکتا ہے۔ بلکہ وہ کنعان کے رہنے والے تھے۔ زفت موٹا قوی۔

صنائع:۔ یوسف و گرگ مناسبات ہیں۔

نکتہ:۔ مصری کا لقب استعمال کرنے میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس شوکت و اقبال پر نظر کرو جو ان کو مصر میں حاصل ہوا اور پھر دیکھو کہ ایسی ایسی شاندار ہستیاں بھی حسد کا شکار ہو چکی ہیں۔

ترجمہ:۔ (دیکھ) حسد کی وجہ سے یوسفِ مصری پر کیا (واردات) گزری (درحقیقت) یہ حسد ایک چھپا ہوا موٹا بھیڑیا ہے۔

لاجرم زیں گرگ یعقوبِ حلیم　　　داشت بر یوسف ہمیشہ خوف و بیم

لغات:۔ حلیم نرم دل بردبار۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے اس کلمہ کا استعمال اس لحاظ سے ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے صدمہ میں انہوں نے کمال ضبط و تحمل سے کام لیا چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ "اور ان کی آنکھیں روتے روتے سفید پڑ گئیں تھیں اور وہ اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر رہ گئے" اس قدر غم و اندوہ کے باوجود اپنے بیٹوں کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا جنہوں نے حضرت یوسفؑ کو گم کیا تھا اور حضرت یعقوبؑ کی اس حالت کا باعث ہوئے تھے۔

ترجمہ:۔ اسی لیے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو بڑے حلم والے تھے اس حسد کے بھیڑیئے کی طرف سے (اپنے فرزندِ عزیز) حضرت یوسفؑ کے لئے خوف و خطرہ دامنگیر رہتا تھا۔ ولہ

کز حسد درچشم بدبے پیچ و شک　　سیرد گردش. را بگمہ داند فلک

گرگ ظاہر گرد یوسف خود نگشت　　ایں حسد در فعل از گرگاں گذشت

لغات:۔ گرگِ ظاہر ظاہری بھیڑیا چونکہ یہاں حسد کو گرگ باطن قرار دیا ہے۔ اس لیے سچ مچ کے بھیڑیئے کو گرگ ظاہر کہہ دیا۔ گرد نگشت پاس بھی نہیں پھٹکا قریب بھی نہیں آیا یہ تو اکثر نسخوں کی روایت ہے۔ بعض شاذ نسخوں میں نگشت بیائے موحدہ درج ہے۔ اور فارسی میں گرد کسے گشتن کے معنے ہیں۔ کسی پر قربان ہونا بہر دو تقدیر ترجمہ دو طرح ہوگا۔

ترجمہ:۔ سچ مچ کا بھیڑیا تو یوسف علیہ السلام کے پاس بھی نہیں پھٹکا' جو کچھ ہوا وہ حسد کے باطنی بھیڑیئے کا فعل تھا۔ کیونکہ یہ باطنی بھیڑیا یعنے حسد (اپنے) فعل میں (سچ مچ کے) بھیڑیوں سے (بھی) بڑھا ہوا ہے۔

(۲) سچ مچ کا بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو بھلا کیا گزند پہنچاتا ہے۔ وہ تو خود ان پر قربان ہوا جاتا تھا (جو کچھ ہوا' الخ)۔

زخم کرد ایں گرگ وز عذرِ لبق　　آمدہ کہ اِنَّا ذَھَبْنَا نَسْتَبِق

لغات:۔ لبق چرب زبانی۔

صنائع:۔ تلمیح ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے اُس قصے کی طرف کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو کوئیں میں ڈال کر اپنے والد کے سامنے یہ بہانہ بنایا کہ اِنَّا ذَھَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَکْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَکَلَهُ الذِّئْبُ۔ یعنی ہم تو بھاگ دوڑ کر کھیلنے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے اسباب کے پاس چھوڑ دیا اتنے میں بھیڑیا اس کو کھا گیا۔ (یوسف ع ۲)

ترجمہ:۔ (ادھر تو حسد کے) اس بھیڑیئے نے (جو برادرانِ یوسف کے سر پر سوار تھا یوسف پر چوٹ) کی۔ اور (ادھر برادرانِ یوسف اپنے باپ کے سامنے چرب زبانی کے ساتھ یہ عذر لے کر آئے کہ ہم بھاگ دوڑ کے ساتھ کھیلنے گئے تھے (کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا آ کر کھا گیا۔)

صد ہزاراں گرگ را ایں مکر نیست　　عاقبت رسوا شود ایں مکر بایست

ترجمہ:۔ اس مکر کی بھی کوئی حد ہے۔ لاکھوں بھیڑیوں میں بھی ایسا مکر (کرنے کی طاقت نہیں۔ اے حاسد! اگر چہ اب تیرا داؤ چل گیا مگر) ذرا ٹھیر تو سہی دیکھ آخرکار یہ حسد کیسی رسوائی کا باعث ہوگا۔

مطلب:۔ آخرکار حسد کے موجب خجلت ہونے سے اگر دنیا ہی میں ایسا ہونا مراد ہے تو یہ بات اخوانِ یوسف پر بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ ان کو بھی حضرت یوسف کو اپنے عروج واقبال میں شادکام اور برخلاف اس کے خود اپنی حاسدانہ تدابیر کو ناکام دیکھ کر خجلت کے لہجے میں کہنا پڑا تھا۔ کہ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ یعنی خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے تم کو ہم پر سرفراز کر دیا اور بے شک ہم خطا کار تھے (سورہ یوسف ع ۱۰) اور اگر آخرت میں حسد کا برا نتیجہ پیش آنا مراد ہے تو یہ حسد کا عام ثمرہ ہو سکتا ہے۔ اور خاص برادرانِ یوسف اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ اس سے تائب ہو کر مستحقِ مغفرت ہو گئے تھے بلکہ سارے نبوت کے درجے کو پہنچے اور انبیاء کا آخرت میں یہ درجہ ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ چنانچہ پہلے تو خود حضرت یوسفؑ نے ان کو ان الفاظ میں معافی بخشی لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تم کو بخشے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے'' پھر جب انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب سے التماس کی کہ یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیْنَ'' اے ہمارے ابا جان ہمارے لیے گناہوں کے بخشے جانے کی دعا کرو۔ بیشک ہم قصوروار تھے تو حضرت یعقوبؑ نے ان کلمات کے ساتھ ان کی تشفی کر دی تھی کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ'' لو میں تھوڑی دیر میں تمہارے لیے

برادرانِ یوسف کی گناہوں کی معافی

اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے"۔ غرض اگر یہاں آخرت میں حاسدوں کا حشر مراد ہے تو اس سے حسد کا عام ثمرہ مقصود ہے اور خصوصی واقعہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

زانکہ حشرِ حاسداں روزِ گزند　　　بیگماں برصورتِ گرگاں کنند

ترجمہ:۔ کیونکہ عذاب کے دن (یعنی بروز قیامت) حاسدوں کا حشر بلاشک بھیڑیوں کی صورت میں ہوگا۔ سعدیؒ۔

نہ ابلیس بد کرد و نیکی ندید　　　برِ پاک ناید زتخمِ پلید

حشرِ پُر حرصِ خسِ مردار خوار　　　صورتِ خوکے بود روزِ شمار

ترجمہ:۔ (جس طرح ایک) حریص، کمینے، مردار کھانے والے (آدمی) کا حشر قیامت کے دن سؤر کی شکل میں ہوگا۔ صائبؒ۔

زر پرستی رابتر ازبت پرستی گفتہ است　　　حرص را چوں سگ زصحنِ مسجدِ دل راندہ

زانیاں را گندہ اندامِ نہاں　　　خمر خواراں رابود گندہ دہاں

ترجمہ:۔ علیٰ ہذا دوسرے مجرموں کا حشر ان کے اعمال بد کے مناسب ہوگا۔ جیسے حرام کاری کرنے والوں کی شرم گاہیں (اس قدر بدبودار ہوں گی کہ اہلِ محشر تنگ آجائیں گے اور) شراب پینے والوں کا منہ (بھی اسی طرح سخت) بدبُودار ہوگا۔ جامیؒ۔

شراب خوارہ بَچو بر خویشتن روا دارد　　　کہ سبلت ازتے ناپاک مے بیالاید

سگ از مثانہ گر ابریقِ آبِ گرم آرد　　　کہ غسلِ سبلتِ ناپاکِ او کند شاید

گندِ مخفی کاں بدلہا مےرسید　　　گشت اندر حشر محسوس و پدید

ترجمہ: (اعمالِ بد کا) مخفی تعفن جو (صرف) دلوں میں پہنچتا تھا۔ وہ محشر میں محسوس اور نمایاں ہوگیا۔

مطلب:۔ دلہا سے یا تو خود مرتکبینِ معاصی کے دل مراد ہیں پھر یہ مطلب ہوگا کہ جو معاصی دنیا میں صرف ان کے دل کی سیاہی و تکدر کا باعث ہوتے تھے وہ قیامت میں ان کے لیے محسوس طور پر درد و الم کی صورت اختیار کریں گے یا اس سے دوسرے لوگوں کے دل مراد ہیں پھر یہ مطلب ہوگا کہ گنہگاروں کے جو گناہ دنیا میں دوسرے لوگوں کے نزدیک محض ذہنی طور پر باعثِ نفرت تھے وہ ان کو قیامت میں بحواسِ ظاہر موجبِ تکلیف پائیں گے۔

واضح ہو کہ اخلاقِ بد اور عاداتِ قبیحہ دنیا میں محض کیفیاتِ نفسانیہ ہیں جو محسوس بحواسِ ظاہر نہیں ہوسکتیں مگر قیامت میں وہ خاص خاص شکلوں میں نمودار ہو کر اپنے مرتکبین کے لیے باعثِ عذاب ہوں گی۔

قیامت میں گناہوں کا خاص شکلوں میں ظہور ہونا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ عالمِ مثال میں خاص مناسبات موجود ہیں جن پر تمام احکام مبنی ہیں۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا خاص دحیہ کلبی کی شکل میں ظاہر ہونا خاص معنے پر مبنی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آگ کا نمودار ہونا بھی خاص معنے پر مبنی تھا۔ پس جو شخص ان مناسبات کو سمجھ جاتا ہے اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں عمل کی جزا کس صورت اور شکل میں ہوگی جیسے کہ تعبیر رویا کا ماہر جانتا ہے کہ فلاں صورت جو خواب میں دکھائی دی ہے اس سے کیا چیز مراد ہے۔ غرض اس طریق سے نبی کو علم ہو جاتا ہے کہ جو شخص علم کو چھپاتا ہے اور اپنے آپ کو اشاعتِ علم کی ضرورت کے باوجود تعلیم سے باز رکھتا ہے اس کے منہ میں قیامت کے روز آگ کا لگام دیا جائے گا کیونکہ نفس بندش سے متالم ہوتا ہے اور بندش کی شکل لگام ہے اور جو شخص مال سے بہت محبت رکھتا ہے اور ہمیشہ اس کی محبت میں مگن رہتا ہے تو اس کے گلے میں ایک گنجے سانپ کو طوق کی صورت میں ڈال دیا جائے گا جو شخص

درم و دینار کی جمع وحفظ کا بے حد اہتمام رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کو خرچ کرنے سے تلتا ہے اس کو انہیں اشیا کے ساتھ مناسب طریق سے عذاب دیا جائے گا جو شخص کسی ہتھیار یا زہر سے خودکشی کرتا ہے اسی کو اسی طریق قتل سے عذاب ہوگا۔ الخ (حجۃ البالغہ)

بیشۂ آمد وجودِ آدمی پر حذر شو زیں وجود ار آدمی

صنائع:۔ مصرعہ اول میں آدمی بمعنے بشر ہے۔ دوسرے مصرعہ میں بمعنے آدم ہستی بیائے خطاب ہے اس لیے اس میں صنعتِ تجنیس ہے۔

ترجمہ:۔ آدمی کا وجود (اخلاق سبیعہ وبہیمیہ کا جامع ہونے کے لحاظ سے گویا) ایک بن ہے (جس میں درندے رہتے ہیں) اگر تم ایک دوراندیش انسان کا سا عزم واحتیاط رکھتے ہو تو اس وجود سے ڈرتے ہو۔ سعدیؒ

اگر زدستِ بلا برفلک رود بد خو زدستِ خوئے بدِخویش در بلا باشد

ولنعم ماقیل۔

خواہی کہ دلت صاف شود آئینہ دہ چیز بروں کن ز درونِ سینہ

حرص و حسد و بخل و حرام و غیبت بغض و غضب و کبر دریا و کینہ

حضرت شیخ سعدیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ تم باد ہو۔ تمہارا وجود شہر ہے عقل وزیر ہے رعایا میں تکبر، غرور اور حرص برے لوگ ہیں۔ رضا اتقا نیک لوگ۔ اگر بادشاہ برے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے لگے تو پھر نیک لوگوں کا ٹھکانا کہاں لیکن اگر وزیر عقل کو کامل اختیارات دیے جائیں تو برے اخلاق کی جماعت سر نہیں اٹھا سکتی۔ پس تہذیبِ اخلاق کے لیے یہی نکتہ کافی ہے۔ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

وجودِ تو شہرے ست پُر نیک و بد تو سلطان و دستور دانا خرد

ہمانا کہ در نانِ گردن فراز دریں شہرِ کبراند و سودا و آز

رضا و ورع نیک ناماں و حر ہوا و ہوس رہزن و کیسہ بُر

چو سلطاں عنایت کند با بداں کجا ماند آسائش بخبر دال

تراشہوت و حرص و کین و حسد چو خوں در رگانند و جاں درجسد

گرایں دشمناں تربیت یا فتند سر از حکم ورائے تو برتا فتند

ہوا و ہوس رانماند ستیز چو بیند سرِ پنجۂ عقل تیز

نہ بینی کہ شب و دزد واوباش و خس نگردند جائیکہ گرد عسس

رئیسے کہ دشمن سیاست نکرد ہم از دستِ دشمن ریاست نکرد

نخواہم دریں نوع گفتن بسے کہ حرفے بس از کار بندد کسے

ظاہر و باطن اگر باشد یکے نیست کس را در نجاتِ او شکے

ترجمہ:۔ (ہاں) اگر کسی کا ظاہر و باطن یکساں ہو (یعنی جس طرح اس کا ظاہر نقائص سے محفوظ ہے باطن بھی اخلاقی معائب سے ‌ل ہو) تو اس کے نجات پانے میں کسی کو شک نہیں۔

در وجودِ ما ہزاراں گرگ و خوک صالح و ناصالح و خوب و خسوک

لغات:۔ خوک خنزیر، سور۔ صالح نیک آدمی۔ خسوک کینہ ور، مراد بد۔

ترجمہ:۔ ہمارے وجود کے اندر اخلاقِ بد کے ہزاروں بھیڑیئے اور سور (اور) نیکوکار و بدکار اور اچھے برے موجود ہیں۔

نکتہ:۔ ہزاروں گرگ وخوک سے مراد اخلاقِ رذیلہ ہیں' جو بے شمار ہیں اور ہر انسان کے اندر ان کا ظہور یا صلاحیتِ ظہور کا ہونا لازم ہے۔ صالح اور خوب سے اخلاقِ فاضلہ مراد ہیں۔ یہ بھی ہر انسان میں موجود ہیں۔ ورنہ ان کے ظہور کی قابلیت ضرور ہوتی ہے۔ اخلاقِ رذیلہ کے لیے گرگ وخوگ کی مثال بالخصوص لانے میں یہ خاص نکتہ مضمر ہے کہ یہی دونوں وہ جانور ہیں جو عام اخلاقِ رذیلہ کے مظہر اتم ہیں کیونکہ اخلاقِ رذیلہ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کا تعلق قوتِ غضبی سے ہے۔ مثلاً کبر۔ غصہ۔ حسد وغیرہ۔ دوسرے وہ جن کا تعلق قوتِ شہوی سے ہے مثلاً حرص' بخل' خیانت وغیرہ۔ رذائل قوتِ غضبیہ کے خاص مظاہر سباع یعنی درندے ہیں۔ مثلاً شیر' ریچھ' چیتا' تیندوا' بھیڑیا وغیرہ ہیں مگر ان سب میں سے بھیڑیا درندہ پن کے اوصاف کا مظہر اتم ہے۔ بے شک شیر نہایت شہزور اور شجاع جانور ہے تاہم کسی نہ کسی حد تک اس میں بزدلی اور حیا کے آثار پائے جاتے ہیں مگر بھیڑیا خونخواری اور بے باکی میں سب سے بڑھ کر ہے اور رذائل قوتِ شہویہ کے خاص مظاہر بہائم مثلاً بیل' گھوڑا' اونٹ' گدھا سور وغیرہ ہیں مگر ان سب میں سے سور شہوت شکم وفرج کی زیادتی میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ شکم پری کی حرص میں نجاست تک چٹ کر جاتا ہے اور اس کی جماع یہاں تک ہے کہ سنا گیا ہے کہ جب مادہ دیر تک جفتی کی کشمکش سے تنگ آ کر نر سے جدا ہونے کی کوشش کرتی ہے تو وہ اس سے جدا نہیں ہوتا اور اسی ہیئت میں دونوں میلوں تک دوڑے چلے جاتے ہیں۔ بعید نہیں کہ اس کی انہی صفاتِ رذیلہ کی افراط کے باعث شریعت نے اس کو نجس العین اور اس کے گوشت کو حرام بلکہ اشد المحرمات قرار دیا ہو۔ کیونکہ یہ مسلمہ طبی مسئلہ ہے کہ ہر جانور کے گوشت میں اس کے مادی نفع وضرر کے علاوہ اس کے طبی صفات کا خاص اثر بھی ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ جو اقوام خنزیر خوار ہیں ان میں دوسری اقوام کی بہ نسبت بے حیائی' بے غیرتی اور زناکاری زیادہ مروج ہے کما قال۔

لقمہ تخم ست و برش اندیشہا　　لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

حکمِ خود آنراست کو غالب تراست　　چونکہ ازبیش ازمسِ آمد آں زراست

ترجمہ:۔ (اور) حکم انہی (اچھے برے اوصاف) کا ہے۔ جو زیادہ ہوں جب سونا اور تانبا مخلوط ہوں تو اگر سونا تانبے سے زیادہ ہے تو وہ سارا سونا ہے۔ اور اگر تانبا زیادہ ہے تو وہ سارا تانبا سمجھا جائے گا۔

مطلب:۔ انسان میں اچھے برے ہر طرح کے اوصاف ہوتے ہیں پھر بقول **حکم الاکثر حکم الکل** اگر اچھے اوصاف زیادہ ہوں تو اس انسان کو بالکل اچھا سمجھا جائے گا ورنہ بالکل برا۔

سیرتے کاں در وجودت غالب ست　　ہم براں تصویرِ حشرت واجب ست

ترجمہ:۔ جو خصلت تمہارے وجود میں تمام خصائل پر غالب ہے اس کے مطابق حشر میں تمہاری صورت کا ہونا واجب ہے۔

مطلب:۔ حدیث میں آیا ہے **یبعث الناس علی نیا تھم** یعنی قیامت میں لوگ اپنی اپنی نیت کے موافق اٹھائے جائیں گے اور دوسری حدیث ہے۔ **یبعث کل عبد علی ماما ت علیہ** یعنی ہر بندہ قیامت کو ان اعمال کی شکل میں اٹھایا جائے گا جن میں اس نے وفات پائی تھی۔ صائبؒ

ہر کہ زشت ہمان زشت بعقبیٰ خیزد　　کور از خواب محال ست کو بینا خیزد

خازن مرگ مبدل نکند گوہر را　　جاہل از خواب محال ست کہ دانا خیزد

ساعتے گرگے درآید در بشر		ساعتے یوسف رخے ہم چو قمر

ترجمہ:۔ کبھی تو انسان کے وجود میں ایک بھیڑیا سما جاتا ہے (اور کبھی ایک یوسف کی سی صورت والا ماہ پیکر سما جاتا ہے)۔

مطلب:۔ آدمی میں کسی وقت اخلاقِ حمیدہ کا غلبہ ہو جاتا ہے اور کبھی اخلاقِ ذمیمہ کا۔

آج یارِ تند خونے مہر میں آکر کہا		مجھ سے عہدِ صلح کرلو اور یہ جانے دو سکوت

لیکن اس انسان کے عہدِ صلح پر کیا اعتماد		جو ہو لمحہ میں فرشتہ اور پھر لمحہ میں بھوت

اگر گرگی اور یوسف رخی میں دونوں جگہ یائے مصدری معروف ہو تو پھر معنی اقرب الی المقصود ہو جاتے ہیں یعنی کبھی انسان میں درندہ پن آجاتا ہے اور کبھی جمالِ خلق۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہ گونا گوں اخلاق متعدی بغیر بھی ہوتے ہیں:۔

میرود در سینہ ہا از سینہا		از رہِ پنہاں صلاح و کینہا

ترجمہ:۔ (پھر یہ) نیکی (کے فضائل) اور بغض و کینہ وغیرہ برے خصائل، ایک مخفی طریق سے ایک سینے سے دوسرے سینوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

مطلب:۔ قرب و صحبت کے اثر سے یہ اچھے اور برے اخلاق دوسروں پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ صائبؒ۔

سادہ لو حاں زود میگیرند رنگِ ہم نشین		صحبتِ طوطی سخنور میکند آئینہ را

اکبر الہ آبادی مرحومؒ۔

مل کے یاروں سے ہوا شوق گناہ		آدمی کا آدمی شیطان ہے

آگے ارشاد ہے کہ یہ اثر پذیری انسان ہی پر موقوف نہیں بلکہ حیوانات بھی متاثر ہوتے ہیں:۔

بلکہ خود از آدمی درگاو و خر		میرود دانائی و علم و ہنر

ترجمہ:۔ بلکہ آدمی سے بیل گدھے (وغیرہ حیوانات) میں بھی مختلف کرتب اور ہنر آجاتے ہیں۔

اسپِ سُکسُک مے شود رہوار و رام		خرس بازی مے کند بُز ہم سلام

لغات:۔ سُکسُک بضمِ ہر دو سین کم رفتار گھوڑا۔ رہوار تیز رفتار گھوڑا رام مطیع۔ خرس ریچھ بز بکرا۔

ترجمہ:۔ سدھارنے سے کم رفتار گھوڑا تیز رفتار اور مطیع بن سکتا ہے۔ ریچھ کھیلیں کرتا ہے۔ اور بکرا بھی سلام کرتا ہے۔

رفت در سگ زادمی حرص و ہوس		یا شباں شد یا شکاری یا حرس

لغات:۔ شبان بکریوں کا رکھوالا حرس نگہبان۔

ترجمہ:۔ کتے (تک) میں تو آدمی کی صحبت سے (کام کرنے کی) حرص اور خواہش آجاتی ہے (چنانچہ وہ) یا تو (بکریوں کا) رکھوالا بن جاتا ہے یا شکاری یا (گھر یار کا) پہرہ دار۔

در سگِ اصحاب خوئے زاں رُقود		رفتہ تا جویائے رحمٰن گشتہ بود

ترجمہ:۔ اصحاب (کہف) کے کتے میں ان (غار کے اندر) سونے والوں کی خصلت مؤثر ہوگئی تھی۔ جبھی تو وہ طالبِ رحمٰن بن گیا تھا۔

لغات:۔ اصحاب سے مراد اصحاب کہف ہیں۔ رقود جمع راقد سونے والے لیٹنے والے۔ جویا طالب۔

مطلب:۔ اصحاب کہف کا ذکر پہلے اس شرح کے کسی حصے میں مفصل گزر چکا ہے یہ اہل اللہ کی جماعت تھی حاکمِ وقت کے ظلم سے

تنگ آ کر شہر سے نکلے ایک کتا ان سے مانوس تھا وہ بھی ساتھ ہولیا یہ اصحاب ایک غار میں جا کر لیٹ گئے کتا غار کے دروازے میں اپنی باہیں بچھا کر بیٹھ گیا۔ صدیاں ہوگئیں وہ آج تک اسی حالت میں پڑے ہیں۔ سعدیؒ۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند   پے نیکاں گرفت و مردم شد

ہر زماں درسینہ نوعے سرکند   گاہ دیو وگہ ملک گہ دام و دَد

زاں عجب بیشہ کہ ہر شیر آگہ ست   تا بدامِ سینہا پنہاں رہ است

لغات:۔ سَرکند بمعنے سرزند ظاہر ہوتا ہے، نمودار ہوتا ہے دیو جن بھوت شیطان دام چرندہ دَد درندہ۔

ترکیب:۔ زاں عجب بیشہ جار مجرور متعلق ہے سرکند کے۔

صنائع:۔ دام، دَد، بیشہ، شیر دام مناسبات ہیں۔

ترجمہ:۔ ہر گھڑی (انسان کے) سینے میں (اچھے برے اخلاق کی ایک نہ) ایک نوع نمودار ہوتی رہتی ہے (چنانچہ کبھی اخلاقِ سیّہ کا) دیو۔ کبھی (اخلاقِ حسنہ کا) فرشتہ (اور اسی طرح) کبھی کوئی چرندہ اور کبھی کوئی درندہ اس عجیب جنگل میں سے نمودار ہوتا رہتا ہے کہ (جس کے متعلق) ہر شیر (مرد) جانتا ہے کہ (اس میں سے) دوسرے سینوں کے جال کی طرف ایک پوشیدہ راستہ ہے۔

مطلب:۔ اوپر کہا تھا کہ "بیشہ آمد وجودِ آدمی" اسی انداز سے اب پھر انسان کے وجود کو ایک بیشہ قرار دے کر اس کے مختلف اخلاق کے دام و دد کا دوسرے وجود کی طرف متعدی ہونا بیان فرماتے ہیں بیشہ کی مناسبت سے ہر عالمِ نفسیات اور ماہرِ رموزِ اخلاق کو شیر مرد کہا ہے یعنی فنِ اخلاق کا ہر ایک ماہر جانتا ہے کہ انسان کے سینے سے دوسرے سینوں تک ایسے مخفی راستے موجود ہیں جن سے ایک کی اخلاقی تاثیرات دوسرے تک اسی طرح جا پہنچتی ہیں جس طرح جانور جال میں جا پھنستے ہیں۔ آگے یہ ارشاد ہے کہ جب اس طرح ایک کے اخلاق دوسرے پر مؤثر ہوتے ہیں تو تمہیں اس تاثیر و تاثر کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اٹھانا چاہیے چنانچہ فرماتے ہیں:

دزدے کن از زر و مرجانِ جاں   اے کم از سگ از درونِ عارفاں

صنائع:۔ مرجان اور جان میں تجنیس۔

ترجمہ:۔ اے (وہ شخص کہ فضائلِ اخلاق سے بے بہرہ ہونے میں) کتے سے بھی کم (ہے) تجھے یہ موقع غنیمت سمجھ کر عارف لوگوں کے باطن سے روحانی زر و جواہرات اخذ کرنے چاہییں۔ صائبؒ۔

شد زوصلِ غنچۂ گل بر جامۂ بادِ سحر   در بیامیزی دریں گلشن با ملِ دل چرا

چونکہ دزدی بارے آں دُرِّ لطیف   چونکہ حامل میشوی بارِ شریف

ترکیب:۔ دزدی جملہ فعلیہ شرط بدزد فعل امر مقدر اس کی جزا اسی طرح حامل میشوی جملہ اسمیہ شرط حامل میشو اس کی جزا۔

ترجمہ:۔ جب تم (کچھ) چراتے ہونے تو آخر (اخلاق کے وہ) پاکیزہ موتی چراؤ (جن کا ذکر ہم پیچھے کر چکے ہیں اور جب تم کوئی بوجھ اٹھاتے ہو تو کوئی نفیس بوجھ اٹھاؤ۔

فہم کردنِ مریدان کہ ذوالنون دیوانہ نیست وبقصد چنین کردہ

مریدوں کا سمجھ جانا کہ حضرت ذوالنون دیوانہ نہیں ہیں اور انہوں نے قصداً ایسا کیا ہے

چونکہ ذوالنون سوئے زنداں رفت شاد بند برپا دست برسرز افتقاد
دوستاں از ہر طرف بنہادہ رُو بہرِ پرسش سوئے زنداں نزدِ او

لغات:۔ افتقاد گم کرنا۔ پرسش تفتیشِ حال۔

ترکیب:۔ دست برسرز افتقاد کے معنے یہاں چسپاں کرنے میں مترجموں کو بڑی مشکل پیش آئی ہے بعض شارحین اس کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ حضرت ذوالنون افتقادِ عقل کے شبہ میں "بند برپا دست برسر بے جائے" جا رہے تھے بعض نے کہا یہ مطلب ہے کہ لے جانے والوں کی عقل ماری گئی کہ ایسے ولی اللہ سے یہ سلوک کیا بعض نے کہا ہے کہ دست برسر سے ان کے دوستوں کی حالت تحسّر مراد ہے اور افتقاد سے یہ مقصود ہے کہ حضرت ذوالنون ان کے ہاتھ سے گم ہو گئے۔ ہمارے نزدیک یہی تقدیر اچھی ہے پھر ترکیب یوں ہوگی کہ چونکہ ذوالنون بند برپا سوئے زندان شاد رفت شرط جس کی جزا دوست برسر سے شروع ہوتی ہے۔ افتقاد کا مضاف الیہ ذوالنون محذوف یہ مرکب اضافی مجرور ہوا جار و مجرور متعلق برسر کے جو حال ہے اور دوستاں ذوالحال۔

ترجمہ:۔ جب حضرت ذوالنون خوش خوش پابزنجیر قید خانہ کو چلے تو (ان کے) معتقدوں نے ان کو گم کرنے (کے افسوس) سے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے (ان کی) تفتیشِ حال کی غرض سے (ان کے پاس جانے کے لیے) ہر طرف سے قید خانہ کی طرف رخ کیا۔

دوستاں در قصۂ ذوالنوں شدند سوئے زنداں ودراں رائے زدند

ترجمہ:۔ معتقدین حضرت ذوالنون کے معاملے میں (تفتیشِ حال کرنے کے لیے) قید خانہ کی طرف گئے اور اس بارے میں رائے زنی کرنے لگے۔

کایں مگر قاصد کند یا حکمتے ست کودریں دیں قبلۂ و آیتے ست

لغات:۔ قاصد قصد کرنے والا، بالارادہ کوئی کام کرنے والا۔ قبلہ مرجعِ عام مراد ہے آیت نشانی۔

ترجمہ:۔ کہ شاید آپ یہ (مجنونانہ حرکات) بالارادہ کرتے ہیں (سچ مچ دیوانہ نہیں ہیں) یا شاید واقعی دیوانہ ہو گئے ہوں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہو کیونکہ آپ اس دینِ اسلام میں (آج) مرجعِ عوام اور آیت (من آیات اللہ) ہیں۔

دُور دُور از عقل چوں دریائے او تاجنوں باشد سَفَہ فرمائے او

لغات:۔ سفہ بفتح سین وفاء خفتِ عقل۔

ترجمہ:۔ ان کی عقل سے جو اپنی بے پایانی میں دریا کی مثل ہے۔ یہ بات دور (اور نہایت) دور (ہے) کہ دیوانگی ان سے خفتِ عقل (کی باتیں) صادر کرائے۔

حاش للہ از کمالِ جاہِ او کابرِ بیماری بپوشد ماہِ او

ترجمہ:۔ حاش للہ ان کے کمالِ مرتبہ کے لحاظ سے یہ بات ناممکن ہے کہ بیماری کا ابر ان (کی عقل) کے (درخشاں) چاند کو چھپالے۔

اوز شرِ عامہ اندر خانہ شد اوز ننگِ عاقلاں دیوانہ شد

ترجمہ:۔ (پس معلوم ہوتا ہے کہ) وہ عام لوگوں کے شر سے بچنے کے لیے (قید) خانہ میں چلے گئے وہ اس زمانے کے بداعمال عاقلوں (کے ساتھ شریکِ عقل ہونے) کی عار سے دیوانہ بن گئے۔ سعدیؒ۔

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں بہ کہ با بیگانگاں در بوستان

نیست مقبولِ دل عشق پسندیدۂ عقل ہرکہ آدم بود آنجا دو دوام ست انجا

اوز عارِ عقلِ کُندِ تن پرست قاصداً رفت ست و دیوانہ شداست

ترجمہ:۔ (اصلی وجہ یہی ہے کہ) وہ اس عقل کی عار سے جو روحانیات کے ادراک سے کند اور جسمانیات کے تصرف میں لگی رہتی ہے۔ قصداً قید خانہ میں گئے ہیں اور دیوانہ بنے ہیں۔ حافظؒ۔

رائے طاعتِ دیوان گاں ز ما مطلب کہ شیخ مذہب ما عاقلی گنہ دانست

کہ۔ بندم اے فتے وز ساز گاو برسرو پشم بزن و ایں را مکاو

لغات:۔ ساز گاو۔ چمڑے کا تسمہ جس سے چوپایوں کو ہانکتے ہیں۔ مکاو فعل نہی از کاویدن جس کے معنے ہیں کریدنا۔ کدوکاوش کرنا۔

ترجمہ:۔ (اور آپ کہہ رہے ہیں) کہ اے نوجوان سپاہی مجھ کو زنجیر میں جکڑ لے اور چرمی سانٹا میرے سر پر اور پشت پر مارے جا اور اس بات کا سبب دریافت کرنے کے لیے اس کو مت کرید۔

تاز زخمِ لخت یابم من حیات چوں قتیل از گاوِ موسیٰ اے ثقات

لغات:۔ زخم ضرب، مار پیٹ۔ لخت ٹکڑا۔ قتیل مقتول۔ ثقات معتبر لوگ۔ گاو موسیٰ یہ لفظ ایک روایت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے اس کے بیان کے بغیر شعر کا مطلب واضح نہ ہوگا۔ اہلِ سیر لکھتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل میں سے ایک متمول آدمی تھا۔ اس کا ایک بھتیجا محتاج وفقیر تھا اور وہی اس کا وارث ہوتا تھا۔ بھتیجے نے ایک دن موقع پا کر مال کی طمع سے چچا کو قتل کر ڈالا اور رات کے وقت اس کی لاش کو ایک دوسرے گاؤں میں لے کر جا کر ڈال دیا جب صبح ہوئی تو پھر خود ہی موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس کے خون کا دعویٰ چند اشخاص کے خلاف دائر کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تحقیقات کی تو کچھ پتا نہ چلا لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ خداوند تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ مشکل کسی طرح حل ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی جو قبول ہو گئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو" قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ہم سے ٹھٹھا کرتے ہیں"۔ یعنی سوال تو تھا مقتول کے قاتل کا کھوج نکالنے کا اور آپ حکم دیتے ہیں گائے کو ذبح کرنے کا مگر جب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ حکم قاتل کے سراغ لگانے کے سلسلے میں ہی ہوا ہے تو پھر انہوں نے اپنی حجت آفرین طبیعت کے موافق مختلف سوالات شروع کر دیے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ کیا رنگ ہو کیا حلیہ ہو۔ کیا عمر ہو۔ ان سوالات کے جواب میں جوں جوں اس گائے کی صفات بیان ہوتی جاتی تھیں تو شرائط وقیود کی زیادتی سے خود ان لوگوں کے لیے مشکل بڑھتی جاتی تھی۔ بزرگانِ دین نے لکھا ہے کہ اگر وہ لوگ اس حکم کو سنتے ہی کوئی سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو وہی کافی ہوتی مگر انہوں نے خود سوال پر سوال کر کے شرائط صفات کی اپنے لیے مشکل پیدا کر لی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک صالح آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیٹا دیا تھا جو ابھی خورد سال تھا۔ جب اس شخص کی وفات کے دن قریب آئے تو اسے اپنے بچے اور عورت کا فکر ہوا

گاوِ موسیٰ

اس کے پاس صرف ایک بچھیا تھی۔ اسے جنگل میں لے گیا اور یہ دعا کر کے اسے چھوڑ دیا کہ الٰہی میں اس کو تیری حفظ میں بطورِ امانت چھوڑتا ہوں کہ جب میرا بچہ بڑا ہو تو اس کے کام آئے یہ لڑکا جوان ہوا تو اپنے باپ کی طرح نہایت صالح و عابد اور نیکو کار نکلا۔ تہائی رات تک نوافل پڑھتا پھر تہائی رات تک سوتا اس کے بعد تہائی رات پھر اپنی ماں کی خدمت میں بامیدِ ثواب بیٹھا رہتا۔ دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتا ان کو فروخت کر کے ایک تہائی قیمت خیرات کر دیتا۔ اور ایک تہائی کی روٹی خرید تا۔ باقی تہائی ماں کی نذر کر دیتا۔

خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں اس جوان کی یہ اطاعت و عبادت اور ماں کی خدمت قبول ہوئی آخرت میں اس کا جو صلہ ملنا تھا وہ تو رہا الگ دنیا میں بھی وہ اس کے اجر سے مالا مال ہو گیا ایک دن وہ اپنی ماں کے مشورے سے جنگل میں گیا اور اپنی موروثی بچھیا کو پکڑ لایا۔ جو اس وقت تناور گائے بن چکی تھی اور حفاظتِ الٰہی کی بدولت کوئی شخص اب تک اس کے پکڑنے پر قادر نہیں ہو سکا تھا مگر وہ بحکم خدا اپنے اصلی حق دار کے پکڑنے پر بآسانی اس کے قابو میں آ گئی اس نے ارادہ کیا کہ بازار میں تین دینار (نو روپے) پر اس کو فروخت کر دے مگر فرشتۂ غیب نے اس کی ماں کے کان میں یہ بات ڈالی کہ لڑکے سے کہہ دو ابھی اس گائے کو فروخت نہ کرے اس کو موسیٰ علیہ السلام خریدیں گے وہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کے عوض اس قدر سونا وصول کرے جس سے اس کا چمڑا پُر ہو سکے۔

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وحی کے ذریعہ سے قابلِ ذبح گائے کے جو اوصاف بتائے تھے ان اوصاف کی گائے اس جوان کی گائے کے سوا اور کوئی نہ تھی وہ اس سے خرید لی گئی اور ذبح کے بعد اس کے عوض میں اس قدر سونا دیا گیا جس سے اس کا چمڑا پر ہو سکے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مردہ لاش سے لگایا گیا تو مردہ زندوں کی طرح اٹھ بیٹھا اور اس نے بتا دیا کہ مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے اور یہ کہتے ہی پھر بے جان ہو کر گر گیا۔ قاتل کو اس کے جرم کی سزا دی گئی۔

ترجمہ:۔ تاکہ اے معتبر لوگو! میں (اس گائے کے چرمی) ٹکڑے (کے بنے ہوئے سانٹے) کی چوٹ سے زندگی پاؤں جیسے کہ (اس) مقتول نے موسیٰ علیہ السلام کی (خریدی ہوئی) گائے (کے گوشت کا ٹکڑا لگا دینے) سے (زندگی پائی۔)

تازِ زخمِ لختِ گاوے خوش شوم		ہم چو کشتہ گاوِ موسیٰؑ گش شوم

لغات:۔ کشتہ گاو۔ میں فکِ اضافت ہے۔ گش بفتح گاف فارسی خوش۔

ترجمہ:۔ تاکہ میں (اس) گائے کے چرمی ٹکڑے (کے بنے ہوئے سانٹے) کی چوٹ سے خوشحال ہو جاؤں موسیٰ علیہ السلام کی گائے کے (ٹکڑے کے اثر سے زندہ ہو جانے والے) مردے کی طرح خوش و خرم ہو جاؤں۔

زندہ شد کشتہ ز زخمِ دُمِ گاو		ہم چو مس از کیمیا شد زرِ ساو

لغات:۔ زخمِ دمِ گاو۔ گائے کی دم کی چوٹ بعض روایات میں آیا ہے کہ مذبوحہ گائے کی دم جڑ کے پاس سے اس مقتول کے ساتھ چھوئی گئی تو وہ زندہ ہوا بعض روایات میں کان کی جڑ کی ہڈی آئی ہے بعض میں زبان بعض میں دائیں ران اس سے معلوم ہوا زخمِ دمِ گاو کا ذکر بھی ایک روایت پر مبنی ہے۔ زرِ ساو خالص سونا۔

ترجمہ:۔ (وہ مقتول گائے کی دم کی چوٹ سے زندہ ہو گیا تھا جس طرح تانبا کیمیا سے خاص سونا بن جاتا ہے۔

کشتہ برجست و بگفت اسرار را		وا نمود آں زمرۂ خونخوار را

ترجمہ:۔ چنانچہ وہ مقتول (چنگا بھلا ہو کر) اٹھ بیٹھا اور اپنے قتل کے راز بیان کر دیے (اور) اس خونخوار جماعت کو (جس میں اس کا بھتیجا اور اُس کے معاون شامل تھے ظاہر کر دیا

گفت روشن کایں جماعت کُشتہ اند تخمِ ایں آشوب ایشاں کِشتہ اند

لغات:۔ روشن صاف صاف، علانیہ۔ آشوب فساد ظلم۔

صنائع:۔ کشتہ بضم اور کشتہ بکسر میں تجنیس۔

ترجمہ:۔ (اس مقتول نے) علانیہ بتادیا کہ (مجھے) اس جماعت نے قتل کیا ہے۔ اس فساد کا بیج انہوں نے بویا ہے۔

چونکہ کشتہ گردد ایں جسمِ گراں زندہ گردد ہستیِ اسرار داں

ترجمہ:۔ (اسی طرح) جب یہ گراں (بار) جسم فنا ہوجاتا ہے تو راز دان ہستی زندہ ہوجاتی ہے۔

مطلب:۔ ہستی کے فنا ہوجانے سے روح میں لطافت و پاکیزگی آجاتی ہے اور بہت سے ایسے علوم وحقائق منکشف ہوجاتے ہیں جو جسمانی زندگی میں اس پر مخفی تھے۔ صائبؒ۔

دل ز قیدِ جسم چوں آزاد گردد واشود چوں حباب از خود کند قالب تہی دریا شود

جانِ او بیند بہشت و نار را باز داند جملۂ اسرار را

ترجمہ:۔ (پھر) اس کی روح بہشت اور دوزخ کو دیکھ لیتی ہے اور تمام اسرار کو معلوم کرلیتی ہے۔

وانماید خونیانِ دیورا وانماید دامِ خدعہ و ریورا

لغات:۔ خونیاں قاتلان۔ دیو شیطان۔ خدعہ فریب۔ ریو مکر و فریب۔

ترجمہ:۔ (جس طرح اس مقتول نے اپنے قاتلوں کا راز فاش کردیا تھا) وہ (روح مجرد بھی) قاتل شیطان کو (جو انسان کو ضرر پہنچاتے ہیں۔) ظاہر کردیتی ہے (ان کے) مکر و فریب کے جال کو نمایاں طور پر دکھادیتی ہے۔

گاو کشتن ہست از شرطِ طریق تا شود از زخمِ دُمش جاں مُفیق

لغات:۔ طریق سے طریق معرفت مراد ہے۔ زخمِ دمش اس کے دم کے تازیانے کی چوٹ۔ مُفیق افاقہ پانے والا ہوش میں آجانے والا۔

صنائع:۔ زخمِ دمش کے ذکر میں صنعتِ مشاکلہ ہے۔

ترجمہ:۔ غرض گاؤ (جسم کو) ذبح کرڈالنا طریقِ معرفت کی شرائط سے ہے تاکہ جان اس کی دم (کے سانٹے) کی چوٹ سے ہوش میں آجائے۔ (جس طرح وہ مقتول گائے کی دم چھونے سے زندہ ہوگیا تھا۔)

گاوِ نفسِ خویش را زوتر بکش تا شود روحِ خفی زندہ بہُش

لغات:۔ زوتر۔ مخفف زودتر۔ روح مخفی کنایہ ہے روح ضعیف سے۔ بہُش بہوش۔

ترجمہ:۔ (پس) اپنے نفس کی گائے کو جلد ہی ذبح کرو تاکہ (تمہاری) روح (جواب) کمزور ہورہی ہے۔ مخالف طاقت کے فنا ہوجانے سے طاقت پکڑے اور زندہ باہوش ہوجائے۔ فیضی غفرلہٗ۔

درمعرکہ چوں کنی کر چُست خودرا بشکن کہ فتح ازتست

ایں سخن را مقطع و پایاں مجو حالِ ذوالنوں با مریداں باز گو

ترجمہ:۔ اس بحث کو انتہا اور خاتمہ تک پہنچانے کی کوشش نہ کرو (کہ اس کی انتہا نہیں لہذا) حضرت ذوالنون کا اپنے مریدوں کے

ساتھ (جو معاملہ ہوا اس کا) حال بیان کرو۔

رجوع کردن بحکایتِ ذوالنون بامریداں

حضرت ذوالنون کے اپنے مریدوں کے ساتھ معاملے کا بیان دوبارہ شروع کرنا

چوں رسید ند آں نفر نزدیکِ او بانگ برزد ہے کیا نند اِتَّقُوْا

لغات:۔نفر جماعت ہے کلمۂ تنبیہ جو آگاہ کرنے کی غرض سے استعمال ہوتا ہے کیا نند۔ کدام کسانند۔ اتقوا فعل امر صیغہ جمع حاضر ہٹو۔ بچو۔دور ہو جاؤ۔

ترجمہ:۔ جب وہ جماعت ان کے پاس پہنچی تو (حضرت ذوالنون نے ان کو) للکارا کہ خبردار (یہ) تم کون لوگ (چلے آ رہے) ہو۔چلو ہٹو۔

باادب گفتند ما از دوستاں بہرِ پرسش آمدیم ایں جابجاں

ترجمہ:۔سب نے مودبانہ عرض کیا ہم (آپ کے) معتقدوں میں سے ہیں یہاں (دل و) جان کے ساتھ آپ کا حال دریافت کرنے آئے ہیں۔

چونی اے دریائے عقلِ ذُوالفُنوں ایں چہ بہتان است بر عقلت جنوں

لغات:۔چونی چوں ہستی، چگونہ ہستی۔ذوالفنون عجائبات والا بہتان تہمت۔

ترجمہ:۔کہ اے عجائبات والی عقل کے دریا! آپ کا کیا حال ہے (اور) آپ کی عقل پر یہ دیوانگی کی تہمت کیسی لگائی جا رہی ہے۔

دودِ گلخن کے رسد در آفتاب چوں شود عنقا شکستہ از غراب

ترجمہ:۔ بھلا بھٹی کا دھواں آفتاب کے ساتھ کب چھو سکتا ہے۔عنقا کوے کے مقابلے میں کب شکست کھا سکتا ہے! (اسی طرح آپ کی عقل کو جنون سے کیا نسبت؟)

وامگیر ازما بیاں کن ایں سخن ما مُحبّا نیم باما ایں مکن

ترجمہ:۔ یہ بات بیان فرما دیجئے ہم سے چھپایئے نہیں ہم آپ کے مخلص ہیں۔ ہمارے ساتھ ایسا نہ کیجئے (کہ ہم کو اصل حال سے آگاہ نہ فرمائیں)۔

مر مُحبّاں را نشاید دور کرد یا بہ روپوش و دغل مہجور کرد

ترجمہ:۔ہم خاص مخلصوں کو (اپنی معیت سے) دور کرنا یا روپوشی اور دھوکے کے ساتھ ان کو (آپ سے) الگ رکھنا مناسب نہیں۔

راز را اندر میاں نہ با مُحِبّ ایکہ بحرِ علم و عقلی اِسْتَجِبْ

لغات:۔استجب صیغہ امر ہے استجابت سے قبول کرو ہماری درخواست منظور کرو۔

ترجمہ:۔حضور والا: اصلی راز بیان فرما دیجیے ۔اے معرفت کے چاند! پوشیدگی کے بادل میں اپنے چہرہ (مبارک) کو نہ چھپایئے۔

ما محبِ صادق و دل خستہ ایم　　در دو عالم دل بتو بر بستہ ایم

ترجمہ:۔ ہم آپ کے سچے مخلص ہیں اور آپ کی اس تکلیف سے ہمارا دل زخمی ہے۔ دونوں عالم میں آپ (ہی) کے ساتھ ہمارا قلبی تعلق ہے۔

راز را از دوستاں پنہاں مکن　　درمیاں نہ راز و قصدِ جاں مکن

ترجمہ:۔ (اپنے) راز کو دوستوں سے نہ چھپائیے۔ صاف صاف فرما دیجئے اور خواہ مخواہ (ہماری) جان کے در پے نہ ہو جئے (جو اس غم میں گھلی جا رہی ہے۔)

چونکہ ذوالنون ایں سخن زینشاں شنید　　جز طریقِ امتحان مُخلص ندید

ترجمہ:۔ جب حضرت ذوالنون نے ان کی یہ بات سنیں اور سب کو معقول پایا تو (یہ) طریقِ امتحان (ان کے دعویٰ خلوص کو آزمانے کے سوا اور کوئی صورت ان سے رستگاری (پانے کی) نہ دیکھی (لہٰذا امتحان شروع کر دیا)۔

فحش آغازید و دشنام از گزاف　　گفت او دیوانگانہ زے وقاف

لغات:۔ آغازید۔ فعل ماضی ہے آغازیدن سے۔ گزاف گپ، بے اصل بات۔ زے وقاف اشارہ ہے زق زق بق بق کی طرف جس کے معنے بکواس کے ہیں، جھک جھک بک بک۔

ترجمہ:۔ بناوٹ (کے جنون) سے برا بھلا کہنا اور گالی گلوچ شروع کر دی (اور) دیوانوں کی طرح جھک جھک بک بک کرنے لگے۔

برجہید و سنگ پرّاں کرد و چوب　　جملگاں بگریختند از بیم وکوب

ترجمہ:۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ طیش کے ساتھ اٹھے اور پتھر پھینکنے اور لاٹھی (چلانی) شروع کر دی۔ تمام لوگ لاٹھی کی چوٹ کے خوف سے بھاگ نکلے۔

قہقہہ خندید و جنبانید سر　　گفت بادِ ریش ایں یاراں نگر

لغات:۔ بادریش غرور، لاف، شیخی۔

ترجمہ:۔ (پھر) قہقہہ (مار کر) ہنس پڑے اور سر ہلا کر کہا۔ ان یار لوگوں کی (خلوص و محبت کی) شیخیاں دیکھو۔

دوستاں بیں! کو نشانِ دوستاں!　　دوستاں را رنج باشد ہم چو جاں

ترجمہ:۔ ان (دوستی کے دعویدار) دوستوں کو دیکھو (مگر سچے) دوست کا نشان کہاں؟ (سچے) دوستوں کو (دوست کو ہاتھ سے جو) تکلیف (پہنچے وہ) جان کے برابر (پیاری) ہوتی ہے۔

صائبؔ ۔

دشنامِ یارِ جانِ دگر مید ہد مرا　　ایں زہر پرورش بشکر مید ہد مرا

سعدیؒ ۔

جنگ از طرفِ دوست دل آزار نباشد　　یارے کہ تحمّل نکند یار نباشد

ولہ۔

اگر عاشق دامنِ او بگیر | دگر گویدت جاں بدہ گو بگیر

کے گراں گیرد ز رنجِ دوستِ دوست | رنج مغز و دوستی اور را چو پوست

لغات:۔گراں گیرد ناگوار سمجھتا ہے۔مغز مراد اصل' لب لباب۔

ترجمہ:۔(دوست کی) تکلیف (کو برداشت کرنا) ہے اور دوستی کی تکلیف (کو برداشت کرنا) ہے اور دوستی تو (صرف) اس کا چھلکا ہے۔صائبؒ۔

از عشق جائے شکوہ نماندست در دلم | لطف بجاست رنجش بیجا ے اومرا

نے نشانِ دوستی شد سر خوشی؟ | در بلا و محنت و آفت کشی

ترجمہ:۔کیا (دوست کی طرف سے نازل ہونے والی) بلا اور محنت اور جفاکشی میں راضی (برضائے دوست) رہنا (سچی) دوستی کی نشانی نہیں ہے؟ (کیوں نہیں ضرور ہے) سعدیؒ۔

یاری آنست کہ زہر از قبلش نوش کنی | نہ چو رنجے رسدت یار فراموش کنی

دوست ہمچوں زر' بلا چوں آتش ست | زرِ خالص در دلِ آتش خوش ست

ترجمہ:۔دوست کی مثال سونے کی سی ہے اور بلا گویا آگ ہے۔خالص سونا آگ ہی کے اندر اپنا جوہر بخوبی (ظاہر کرتا) ہے۔حافظؒ۔

عہد کردی کہ بسوزی زغمِ خویش مرا | ہیچ غم نیست تو میسوز کہ من ے سازم

جامیؒ۔

مبیں بچشم ترحم بحالم اے خواجہ | کہ رنج و محنت عشاق راحت آمیز ست

آ گے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دوست کے ہاتھ سے تلخ خربوزہ پایا تو اس کو بھی رغبت سے کھایا۔اسی طرح اگر حق تعالیٰ کی مشیت سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے راضی برضا ہوکر برداشت کر لینا چاہیے۔

امتحان کردن خواجہ لقمان را در زیرکی

آقا کا لقمان کی عقلمندی کا امتحان لینا

نے کہ لقماں را کہ بندہ پاک بود | روز و شب در بندگی چالاک بود

خواجہ اش میداشتے درکار پیش | بہتریں دیدے زفرزندانِ خویش

ترکیب:۔یہ تمام عبارت ایک جملہ استفہامیہ ہے۔جس کی تقدیر یوں ہے۔آیا ایں صحیح نیست کہ لقمان را جس میں ایں مبین ہے۔اور کہ لقمان را الیٰ آخر البیتین اس کا بیان ہے جس کے اندر لقمان مبین ہے کہ بندہ پاک بود اس کا بیان یہ مبین و بیان مل کر میداشتے کا مفعول بہ اور خواجہ اس کا فاعل۔

ترجمہ:۔کیا (یہ واقعہ صحیح) نہیں (ہے) کہ حضرت لقمان جو ایک پاک بندہ تھے اور دن رات بندگی میں چست (رہتے) تھے۔ان کا آقا انہیں ہر کام میں رائے و مشورہ لینے کے لئے مقدم رکھتا تھا (بلکہ) ان کو اپنے فرزندوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔

زانکہ لقمان گرچہ بندہ زادہ بود　　خواجہ بود واز ہوا آزادہ بود

صنائع:۔ زادہ اور آزادہ میں تجنیس ناقص اور بندہ اور آزادہ میں تضاد۔
ترجمہ:۔ جس کی وجہ یہ (تھی) کہ حضرت لقمان! اگرچہ غلام کے فرزند تھے۔ (اس لیے خود بھی غلام تھے۔ مگر اپنی ذاتی صفات کے لحاظ سے ایک آقائے نامدار تھے اور خواہشات (نفسانیہ) سے آزاد تھے۔
مطلب:۔ اس بیان میں تصریح ہے کہ حضرت لقمان غلام تھے لیکن یہ قول انہی اصحاب کے نزدیک مسلّم ہوسکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک ولی اور حکیم تھے۔ نبی نہ تھے اور جو اصحاب ان کی نبوت کے قائل ہیں ان کے نزدیک ان کا غلام ہونا صحیح نہیں کیونکہ نبی غلام نہیں ہوتا۔

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ وہ لقمان ابن باعورا ابن ناحوار بن تارخ ہیں اور تارخ کا دوسرا نام آزر ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ حضرت ایوب کے بھانجے ہیں بعض ان کے خالہ زاد بھائی لکھتے ہیں۔ ایک ہزار سال عمر پائی حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے اور علما کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ حکیم تھے نبی نہ تھے مگر عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اختیار دیا گیا کہ خواہ نبوت کا منصب منظور کرلیں یا حکمت کا۔ تو انہوں نے نبوت کے منصب کو پرخطر اور نازک سمجھ کر اس کے قبول کرنے سے عذر کیا اور اپنے لیے حکمت پسند کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے زمانہ کا حکیم بنادیا پھر یہی اختیار حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا گیا تو انہوں نے بلا عذر نبوت منظور کرلی۔ بعض کہتے ہیں کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے۔ نہایت بدصورت سیاہ فام کریہہ المنظر بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے درزی تھے اور بعض نے کہا ہے کہ بکریاں چراتے تھے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ لقمان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا صرف ولی مگر ان کے ولی ہونے کی تقدیر پر بندہ زادہ ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ نبی ہونے کی صورت میں نہیں کیونکہ نبی بندہ زادہ نہیں ہوتا اور صحیح بخاری میں ہرقل کے قصے میں مذکور ہے کہ اس نے کہا و کذالک الرسل تبعث فی نسب قومھا۔ یعنی اور اسی طرح پیغمبر عالی خاندان ہی بھیجے جاتے ہیں اور لقمان کا نبی ہونا راجح ہے۔ جس کی تائید شیخ اکبر قدس سرہ کے قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے فصوص الحکم کے اندر فصل حکمتِ لقمانیہ میں سپرد قلم کیا ہے۔ پس ان کی غلامی اور غلام زادگی کے قصے کے صحیح ہونے کی تقدیر پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ اور ان کے والد جبراً و ظلماً غلام بنائے گئے ہوں گے۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بنائے گئے تھے اور یہ واقعہ ان کی نبوت سے پہلے کا ہوگا پھر وہ آزاد ہوکر عالی نسبت ثابت ہوچکے ہوں گے تو اس کے بعد نبوت پر ممتاز ہوئے ہوں گے۔ پس بیت کے معنی یہ ہیں کہ لقمان اگرچہ بظاہر غلام تھے لیکن وہ ایک آقائے عالی نسب تھے اور ابتدائے پیدائش سے خواہشات نفسانیہ سے آزاد تھے۔ جیسے کہ انبیا کی شان ہوتی ہے۔ (انتہیٰ) اس ضمن میں مولاناؒ ہوائے نفس سے آزاد ہونے کے متعلق ایک حکایت بیان فرماتے ہیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا حال

گفت شاہے شیخ را اندر سخن　　چیزے از بخشش زمن درخواست کن

ترجمہ:۔ کسی بادشاہ نے ایک بزرگ سے باتوں باتوں میں خوش ہوکر فرمایا کہ مانگو مجھ سے کیا انعام مانگتے ہو۔

گفت اے شہ شرم ناید مر ترا　　کہ چنیں گوئی مرا زیں بر ترآ

لغات: زیں بر ترآ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ آپ کو اس گفتگو کے تمام سے بلند ہونا چاہیے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ گفتگو آپ کے درجے سے گری ہوئی ہے یہ نیچے کے نیچے رہ جائے اور آپ بلند درجے پر رہیں۔ مگر ہم نے ترجمے میں ایک محاورہ استعمال کیا ہے۔
ترجمہ:۔ ان بزرگ نے کہا اے بادشاہ! آپ مجھے ایسی باتیں کہتے کچھ بھی نہیں جھجکتے (براہ مہربانی) اس گفتگو کو رہنے دیجئے۔

من دو بندہ دارم و ایشاں حقیر　　واں دو بر تو حاکمانند و امیر

ترجمہ:۔ (دیکھئے) میرے دو غلام ہیں اور یہ دونوں نہایت حقیر (غلام ہیں) اور دونوں کے دونوں آپ کے حاکم اور افسر ہیں۔

ترجمہ:۔ وہ بزرگ بادشاہ سے فرماتے ہیں کہ تم کو اپنی داد و دہش کے گھمنڈ پر مجھ سے برتر ہونے کا دعویٰ ہوگا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دیکھئے آپ نہ صرف مجھ سے کم رتبہ بلکہ میرے دو غلاموں کے محکوم ہیں۔ غلام بھی وہ جو نہایت حقیر اور کمینے ہیں اور ان کے محکوم ہونے سے آپ کی بے وقری ظاہر ہے۔ اب سنئے کہ وہ غلام کون ہیں؟

گفت شہ آں دو چہ اندایں زلت ست　　　گفت آں یک خشم و دیگر شہوت ست

لغات:۔ زلّت بکسر و تشدید لام لغزش بعض نسخوں میں ذلت بذال معجمہ آیا ہے۔

ترجمہ:۔ بادشاہ نے کہا وہ دو غلام ایسے کیا ہیں (جو مجھ پر حکمران ہیں) یہ تو آپ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ (یا یہ تو میرے حق میں ذلت کی بات ہے۔ فرمایا وہ (غلام) ایک غصہ اور دوسرا شہوت ہے۔

نکتہ:۔ بادشہ نے پوچھا آں دو چہ اند اور چہ کے ساتھ غیر ذی العقول کے متعلق سوال کیا جاتا ہے یعنی وہ کیا چیز ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اتنی بات بادشاہ کو محسوس ہو چکی تھی کہ یہ بزرگ کسی انسان کو میرا حاکم یا افسر قرار نہیں دے رہے بلکہ وہ کسی غیر انسانی ہستی کو مجھ پر مسلط سمجھتے ہیں، جو رذائلِ اخلاق میں سے ہوگی اور حکیمانہ طور پر مجھ کو اس سے بچنے کی نصیحت فرمانا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس نے چہ کے ساتھ سوال کیا۔

مطلب:۔ ان بزرگ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ خشم و شہوت وغیرہ انسان کے قلبی جذبات اس کے قابو میں ہونے چاہئیں اور الٹا یہ تم پر مسلط ہیں۔ چنانچہ غصہ و غضب تم کو بنی نوع کی آزار رسانی پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور شہوت کے زیرِ اثر تم مختلف خواہشاتِ نفس کو پورا کرنے میں منہمک رہتے ہو۔

جذباتِ نفس تیرے سب ادنیٰ غلام ہیں　　　صد حیف تو غلام ہو اپنے غلام کا

شاہ آں داں کو زِ شاہی فارغ ست　　　بر مہ و خورشید نورش بازغ ست

لغات:۔ فارغ بے پروا مراد ہے۔ بازغ درخشاں چمکنے والا۔

ترجمہ:۔ (تم کیا بادشاہ ہو) بادشاہ تو اس کو سمجھو (جو تمام مال و زر اور جاہ و حشم حتّٰی کہ بادشاہی سے (بھی) بے نیاز ہے ایسے بادشاہ کا یہ رتبہ ہے کہ چاند اور سورج پر بھی اس کا نور درخشاں (ہوتا) ہے۔

مطلب:۔ صحیح معنے میں بادشاہ وہ ہے جو عشقِ الٰہی کی دولت سے بہرہ مند ہے پھر بحر و بر کی بادشاہی اس کو حاصل ہو یا نہ ہو اس کی اسے کچھ پروا نہیں۔ جامیؒ۔

ہر کہ باروئے چوز رگشت از گدایان دوش　　　مائلِ مالے نشد سودائے جاہے ہم نکرد

چاند سورج پر نور درخشاں ہونے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ چاند، سورج باوجودیکہ نورانیت کے اعلیٰ نمونے ہیں مگر یہ بھی ان بزرگ سے اقتباسِ نور کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ان بزرگ کو اس قدر نورِ باطن حاصل ہے کہ ان نیرینِ اعظمین کے انوار بھی اس کے آگے ماند ہیں۔ امیر خسروؒ۔

ماہ و خور جوں تو نیند ایدل و جان منزلِ تو　　　کاں ولایت کہ تو داری بمعہ دخور مذہند

مخزن اندازد کہ مخزن عارِ اوست　　　ہستی اندازد کہ ہستی راعدوست

لغات:۔ مخزن۔ خزانہ وغیرہ اندازد ذخیرہ ہند جمع کند ہستی زندگی۔

ترجمہ:۔ وہ (علم و معرفت کا ایسا خزانہ رکھتا ہے کہ ظاہری) خزانہ اس کے لیے (موجبِ) عار ہے وہ ایسی روحانی زندگی رکھتا ہے

کہ جسمانی زندگی کا مخالف ہے۔ جامیؒ۔

کسوتِ خواجگی و خلعتِ شاہی چہ کند　　ہر کرا غاشیۂ بندگیت بردوش ست

خواجۂ لقمان بظاہر خواجہ وش　　درحقیقت بندہ لقمان خواجہ اش

ترجمہ:۔ حضرت لقمان کا آقا بظاہر آقایانہ حیثیت رکھتا تھا درحقیقت وہ لقمان کا غلام تھا اور لقمان اس کے آقا تھے۔ صائبؒ۔

بر ہند اگرچہ دولت محمود دست یافت　　گردن نہاد حلقۂ زلف ایاز را

در جہانِ باز گونہ زیں بسے ست　　درنظر شاں گوہرے کم از خسے ست

ترجمہ:۔ آقا کے غلام اور غلام کے آقا بن جانے پر تعجب نہ کرو۔ کیونکہ اس الٹی نگری میں اس قسم کی (الٹی باتیں بہت ہیں) چنانچہ لوگوں کی نظر میں ایک قیمتی موتی ایک تنکے سے بھی کم (قیمت) ہے۔ حافظؒ۔

ہمائے گو مفکن سایۂ شرف ہرگز　　دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

ولہ

آہ آوازِ دستِ صرّافانِ گوہر ناشناس　　ہر زماں خرمہرہ را با دُر برابر مے کند

وقیل

یاقوت را مقابلِ خرمہرہ مے نہند　　سنگِ سیاہ بنرخِ زرِ سرخ مے خرند

مر بیاباں را مفازہ نام شد　　نام و ننگے عقلِ شاں را دام شد

لغات:۔ مفازہ جائے فوز' کامیابی کی جگہ' جنگل کو کہتے ہیں۔ عقل دانش' خرو لغت میں یہ مصدر ہے جس کے معنی ہیں پاؤں میں رسی ڈالنا۔ چونکہ عقل وخرد انسان کو اکثر ناجائز مقتضیاتِ طبع کی طرف جانے سے روکتی ہے اس لیے یہ نام مقرر ہوا۔

ترجمہ:۔ (اس الٹی نگری کا رواج دیکھو کہ) جنگل کا نام مفازہ (یعنی کامیابی کی جگہ) مقرر ہوا ہے جو ناکامی کی جگہ ہے اور فخر و عار ان کی عقل کے پاؤں کی بیڑی بن گئی۔ (حالانکہ الٹا عقل مقتضیاتِ طبع کے پاؤں کی بیڑی تھی۔)

مطلب:۔ نام و ننگ کا عقل کے لیے دام ہونا یوں ہے کہ مثلاً لوگ صرف نام کے لیے بیاہ شادی پر ہزاروں روپیہ لٹا دیتے ہیں اور دنیا کی شرم کے لیے ہزاروں قسم کے ناواجب اخراجات اٹھا لیتے ہیں کہ مبادا برادری میں نک کٹی ہو۔ حالانکہ عقل اسراف و تبذیر سے روکتی ہے اور اس کا انجامِ بد دکھا کر اس سے متنفر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر الٹا وہ نام و ننگ اس کے پاؤں کی بیڑی بن کر اس کو مجبور اور بے بس کر دیتے ہیں۔ جس قدر شروح ہمارے زیر نظر ہیں سب میں دوسرے مصرعہ کے لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے یعنی نام و ننگ ہی ان کی عقل کا دام ہو گیا ہے۔ بس اور کسی شرح سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس مصرعہ کو پہلے مصرعہ سے کیا ربط ہے اور اس سے واژ گونی کی کیا نظیر پیدا ہوتی ہے ہمارے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ عقل کے لفظ کی لغوی تشریح سے کیا پُر لطف ربط پیدا ہو گیا۔ فالحمد علی ذالک غرض یہ ہے کہ اکثر چیزوں کا الٹا نام رکھا جاتا ہے اور ان سے الٹا کام لیا جاتا ہے۔ کما قیل۔

رنگی کو نارنگی بولیں چلتے دودھ کو کھویا　　اور چلتی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

یک گرہ را خود معرّفِ جامہ است　　در قبا گویند کواز عامہ است

لغات:۔ گرہ مخفف گروہ۔ معرف تعریف کرنے والا۔ عنوان شناخت' پہچاننے کی نشانی۔ قبا چوغہ۔ کو کہ او۔ عامہ عام لوگ۔

ترجمہ:۔ (اس طرح) ایک جماعت کے نزدیک پہچان کی نشانی صرف لباس ہے چنانچہ جس کو گیروے کپڑے پہنے دیکھا تو

سمجھ لیا کہ بس یہ کوئی ولی اللہ ہے۔ خواہ وہ کوئی مکار ہی ہو۔ اور اگر کوئی چوغہ میں (ہوتو) کہتے ہیں یہ کوئی عام آدمی ہے اگرچہ وہ کوئی خدا رسیدہ ہی ہو۔ پس یہ بھی الٹی بات ہے۔ کما قیل

در جہاں از ظاہر آرائی ست انساں قیمتی   مصحف از خوشخط نباشد نیست چنداں قیمتی

یک گُرہ را ظاہرِ سالوسِ زُہد   نور باید تا بود جاسوسِ زُہد

لغات:۔ سالوس مکر و فریب۔ جاسوس مخبر، سراغ لگانے والا۔

ترکیب:۔ ظاہر سالوس زہد مرکب اضافی خبر ہے جس کا مبتدا معرف مقدر ہے جس کی تقدیر کے لیے بیت سابق میں لفظ معرف قرینہ ہے۔ بعض نسخوں میں جو سالوس و زہد ترکیب عطفی درج ہے غلط ہے۔ اس سے قافیہ بھی مخدوش ہو جاتا ہے اور مطلب بھی خبط۔

ترجمہ:۔ (اور) ایک جماعت کے نزدیک بناوٹ کی ظاہری پارسائی (ہی معیارِ شناخت ہے حالانکہ) نور (باطن) چاہیے جو ان کی سچی پارسائی کا پتا دے۔

مطلب:۔ بعض لوگ کسی کو نکاتِ طریقت بیان کرتے ہو حق کے نعرے لگاتے اور تسبیح کھٹکھٹاتے دیکھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ کوئی بڑے غوث و قطب ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں ہر شخص اختیار کر سکتا ہے۔ خصوصاً مکار لوگ دامِ مشیخت بچھانے کے لیے انہی حیلوں سے کام لیتے ہیں۔ حافظؒ

بزیر دلق مرقع کمند ہا دارند   دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

صاحب کلید نے خوب لکھا ہے کہ آج کل تو اور بھی تغیر آ گیا ہے اب رند اور پاگل کو بزرگ سمجھا جاتا ہے۔ مولاناؒ کے وقت تک تو یہ حالت غنیمت تھی کہ صورتِ ظاہری کی عمدگی دھوکے کی باعث ہوتی تھی۔ اب صورتِ ظاہری کی زشتی بھی موجبِ فریب ہو گئی (انتہیٰ) مولانا فرماتے ہیں یہ باتیں معیارِ کمال نہیں ہیں بلکہ معیارِ کمال نورِ باطن ہے جس میں یہ نور ہو گا وہ اپنے ہر معتقد و مرید کو تقویٰ اور صلاح کے رنگ میں رنگ دے گا۔ اس کی صحبت باعثِ فوز و فلاح ہو گی اور ایسے بزرگوں کو سامانِ ولایت سے خود آرائی کی ضرورت نہیں۔ صائبؒ

میزبانے کہ زجاں سیر کند مہماں را   چہ ضرور ست کہ آراستہ دارد خواں را

نور باید پاک از تقلید و غَول   تا شناسد مرد را بے فعل و قول

لغات:۔ تقلید بلا تحقیق کسی کی پیروی کرنا۔ غول حد سے تجاوز کرنا۔

ترجمہ:۔ (ایسا باطنی) نور چاہیے (جس کے ہوتے ہوئے نہ) اندھے ہو کر کسی کی پیروی کرنے (کی ضرورت پڑے اور نہ اپنی قوتِ عقلیہ کے گھمنڈ میں حد سے بڑھ جانے (کی جرات ہو بلکہ وہ دونوں باتوں سے پاک ہوتا کہ مرد کو اس کے قول و فعل کے بغیر پہچان لے)۔

مطلب:۔ مرد سے کون مراد ہے اور اس کو پہچاننے والا کون ہے اس کے متعلق دو احتمال ہیں یا تو مرد وہ اہل اللہ ہے جس کو نورِ باطن حاصل ہے لوگ اس کے انوار و برکات کو دیکھ کر جو اُس کی زیارت و صحبت سے انہیں محسوس ہونے لگتے ہیں اس کے باکمال ہونے پر یقین کر لیتے ہیں۔ وہ مردِ حق خود کوئی اس قسم کا دعویٰ نہ زبان سے کرتا ہے نہ عملاً دعوائے کمال کا اظہار کرتا ہے۔ یہ احتمال اوپر کے مضمون کے ساتھ خاص طور پر مربوط ہے یعنی جس طرح تعریفِ کمال کے لیے نہ جامہ ریا کی ضرورت ہے نہ سالوس زہد کی۔ بلکہ نورِ باطن کی ضرورت ہے اسی طرح قول و فعل کی بھی ضرورت نہیں [illegible] ہے۔ اور شناسد کا فاعل صاحب نورِ باطن ہے۔ اس

صورت میں مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نور باطن سے ہر شخص کا اندرونی حال معلوم کر لیتا ہے اس کے قول وعمل سے قیاس کرنے کی اسے ضرورت نہیں ہوتی اور اگلے شعر کے ساتھ یہ احتمال زیادہ پیوستہ ہے۔ چنانچہ آگے یہی فرماتے ہیں کہ وہ ہر شخص کے دل میں راہ پالیتا ہے :۔

در رود در قلب او از راہِ عقل　　نقد او بیند نباشد بندِ نقل

لغات :۔ نقد پرکھنا، کھرا کھوٹا معلوم کرلینا۔ بند پابند۔ نقل دوسرے کا قول لے لینا سنی سنائی باتیں۔

صنائع :۔ نقد و نقل میں صنعتِ تجنیس لاحق۔

ترجمہ :۔ وہ (اپنی) عقل کے ذریعے سے (لوگوں کے) دل میں جاگھستا ہے (اور ان کے دلی اسرار معلوم کر لیتا ہے) وہ (ان کے حالات کو خود) پرکھ لیتا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ مشاہدہ کر لیتا ہے سنی سنائی باتوں کا پابند نہیں۔

بندگانِ خاص علام الغیوب　　در جہانِ جاں جواسیس القلوب

لغات :۔ علام الغیوب غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جواسیس القلوب دلوں کے جاسوس، دلوں کی باتیں تاڑ لینے والے۔

ترجمہ :۔ غیب کی باتیں جاننے والے (یعنی خداوند تعالیٰ) کے خاص بندے ایسے ہیں جو روحانی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہیں۔

مطلب :۔ رسولؐ نے فرمایا۔ لکل شیٍٔ صِقالۃ و صقالۃ القلوب ذکر اللہ (بیہقی) یعنی ہر چیز صیقل ہو سکتی ہے اور دلوں کا صیقل اللہ کا ذکر ہے۔ جب بندے کا دل صیقل ہو جاتا ہے تو دوسرے لوگوں کے دلوں کی باتیں اس کے دل پر منعکس ہونے لگتی ہیں۔ اس طرح وہ جاسوسِ قلب بن جاتا ہے اور بعض شارحین نے اس مقام پر یہ حدیث نقل کی ہے احذروھم فانھم جواسیس القلوب یعنی ان سے ڈرو وہ دلوں کے جاسوس ہیں۔ (بحر العلوم)

یہ حضرات جب کسی کے دل کی حالت اس کی اصلاح و تہذیب کی غرض سے معلوم کرنا مناسب سمجھتے ہیں تو ایسا کرتے ہیں ورنہ بلا ضرورت محض امتحاناً یا تفریحاً ایسا کرنا ان کے نزدیک مستنکر ہے۔ وہ اس کو نہی لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ اور نہی لَا تَجَسَّسُوْا میں داخل سمجھتے (کلید) ادراک خواطر اور کشفِ اسرار محض ایک ضرورت کی چیز ہے کوئی خاص کمال نہیں۔ اکثر لوگ بعض غیر خدا رسیدہ اشخاص سے اس قسم کے کرشمے دیکھ کر ان کے معترف کمال ہو جاتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہوتی ہے اور اس طرح بعض مکار لوگوں کو بہت سے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو ٹھگنے اور خوب ہاتھ رنگنے کا موقع ملتا ہے۔

ادراک خواطر و کشف ضمائر کوئی کمال نہیں

امیر خسروؒ

صاحبان کشف بیقدر اند در درگاہِ حق　　نیست در دیوان شاہاں رتبۂ جاسوس را

در درونِ دل درآید چوں خیال　　پیشِ شاں مکشوف باشد سرِ حال

ترجمہ :۔ (کسی کے) دل کے اندر جب کوئی خیال آتا ہے تو ان (اہل اللہ) کے سامنے (کلی) حالت کا بھید منکشف ہو جاتا ہے۔

مطلب :۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو حسب موقع و ضرورت ان کو مخفی بات معلوم ہو جاتی ہے ورنہ نعوذ باللہ یہ حضرات عالم الغیب نہیں ہیں نہ ان کو اپنی غیب دانی کا دعویٰ ہے۔

صائبؒ

خود را نشمارند ز ارباب بصیرت با آنکہ شرر درجگر سنگ شمارند

درتنِ کنجشک چیست از برگ وساز کہ شود پوشیدہ آں بر عقلِ باز

ترجمہ:۔ چڑیا کے بدن میں کہاں کا (بے پایاں) ساز وسامان ہے جو باز کی عقل سے پوشیدہ ہے۔

مطلب:۔ یہ حضرات بمنزلہ شہباز ہیں۔ اور عوام گویا چڑیاں ہیں۔ باز جس چڑیا کو چاہے چیر پھاڑ کر اس کے اندر کا سب دانا دنکا معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے اسی طرح یہ حضرات لوگوں کے خواطر وضمائر معلوم کر سکتے ہیں۔

آنکہ واقف گشت بر اسرارِ ہو سرِ مخلوقات چہ بود پیشِ او

ترجمہ:۔ جو (بزرگ) ذاتِ باری کے اسرار پر واقف ہو جائے اس کے سامنے مخلوقات کا بھید کیا مشکل ہے۔

آنکہ برافلاک رفتارش بود بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

ترجمہ:۔ جس باکمال کی رفتار آسمانوں پر ہو اس کو زمین پر چلنا کیا مشکل ہے۔

در کفِ داوٗدؑ کاہن گشت موم موم چہ بود در کفِ اوا ے ظلوم

ترجمہ:۔ (جب) حضرت داوٗد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا بھی موم (کی طرح نرم) ہو گیا تو اے ہٹ دھرم موم (کی) کیا (حقیقت ہے) جو ان کے ہاتھ میں نرم نہ ہو۔

بود لقمان بندہ شکلِ خواجۂ بندگی برظاہرش دیباجۂ

لغات:۔ بندہ شکل مرکب غیرامتزاجی غلامی کی سی شکل والا۔ دیباچہ عنوان۔

ترجمہ:۔ (غرض) حضرت لقمان غلامانہ شکل میں ایک آقا تھے۔ غلامی ان کے ظاہر (حال) کی (صرف) ایک عنون تھی۔

مطلب:۔ یعنی وہ صرف ظاہراً کہنے اور ماننے کو غلام تھے ورنہ حقیقت میں غلام نہ تھے بلکہ آقا تھے۔ آگے ایک مثال کے ساتھ سمجھاتے ہیں کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔

چوں رود خواجہ بجائے ناشناس برغلامِ خویش پوشاند لباس

ترجمہ:۔ (اور ایسا ہونا بعید نہیں مثلاً) جب آقا کسی اجنبی جگہ جاتا ہے تو (کسی مصلحت سے اپنی) پوشاک اپنے غلام کو پہنا دیتا ہے۔

او بپوشد جامہائے آں غلام مر غلامِ خویش را سازد امام

ترجمہ:۔ وہ (خود) اس غلام کے کپڑے پہن لیتا ہے (اور) اپنے غلام کو (اپنا) پیشوا بنا لیتا ہے۔

در پئش چوں بندگاں دررہ شود تانباید زو کسے آگہ شود

ترجمہ:۔ راستے میں (چلتا ہے تو) غلاموں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ تاکہ کوئی اس (کی آقائی اور غلام کی غلامی) سے آگاہ نہ ہونے پائے۔

گوید اے بندہ تو رو در صدر شیں من بگیرم کفش چوں بندہ کمیں

ترجمہ:۔ (وہ آقا اس غلام کو چپکے سے کان میں) کہتا ہے کہ اے غلام! تو چل صدر پر بیٹھ اور میں کمینہ غلام کی طرح تیری جوتی لے لوں گا۔

تو درشتی کن مرا دشنام دہ مرمرا تو ہیچ توقیرے منہ

ترجمہ:۔ تو (بظاہر مجھ سے) سختی کا سلوک [illegible] (کہ مبادا کوئی پہچان لے)۔

ترکِ خدمت خدمتِ تو داشتم　　تا بغربت تخمِ حیلت کاشتم

ترجمہ:۔ جب تک (اس سفر میں یہ حیلہ سازی کی بنیاد میں نے رکھی ہے) اس وقت تک میں نے تیری یہ نوکری تجویز کی ہے کہ کوئی خدمت نہ کر۔

خواجگاں ایں بندگیہا کردہ اند　　تا گماں آید کہ ایشاں بردہ اند

ترجمہ:۔ (اسی طرح سلسلۂ طریقت و درویشی کے) آقاؤں نے یہ غلامیاں کی ہیں تا کہ (دیکھنے والوں کو) یہ گمان ہو کہ یہ (حضرات) غلام ہیں۔

چشم پُر بودند و سیر از خواجگی　　کارہا را کردہ اند آمادگی

ترجمہ:۔ (وہ منصب) آقائی سے سیر چشم اور بے طمع تھے (وہ تو اصلی) مقاصد (وصول الی اللہ) کے لیے آمادگی عمل میں لاتے تھے (اور اس کے لیے ہر حالت گوارا کر لیتے تھے۔)

ویں غلامانِ ہوا برعکس آں　　خویشتن بنمودہ خواجہ عقل و جاں

ترجمہ:۔ برخلاف اس کے یہ ہوا و ہوس) کے غلام اپنے آپ کو عقل و جان کا آقا ظاہر کرتے ہیں (مگر بقول کسے)۔

لباسِ شہرت ایں قوم خالی از معنے　　بجز لباس قلمکار نیست چوں تصویر

آید از خواجہ رہِ افگندگی　　ناید از بندہ بغیر از بندگی

لغات:۔ افگندگی انکسار، خاکساری، تواضع تاید نیاید۔

ترجمہ:۔ حالانکہ جو فی الحقیقت آقا ہوتے ہیں ان سے خاکساری کا طریقہ (ہی) آتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے پیارے بندے ہوتے ہیں اور بندے سے بندگی کے سوا اور کچھ وقوع نہیں پاتا۔ صائب۔

غنچہ چنانکہ از　　نوئے خود بالیں کنند　　ازشکستِ تن کمندِ شوق را گُرچیں کنند

انتباہ:۔ پہلے حضرت لقمان علیہ السلام کا ذکر تھا کہ باوجود غلام ہونے کے آقایانہ عظمت رکھتے تھے پھر ان کے آقا کا ذکر شروع ہوا کہ وہ باوجود آقا ہونے کے حضرت لقمان علیہ السلام کے ساتھ غلامانہ تواضع سے پیش آتا تھا۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ بزرگانِ دین کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ باوجود آقائے نامدار ہونے کے اپنے آپ کو غلام سمجھتے اور غلامی میں عمر بسر کرتے ہیں یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ نتیجہ لقمان کے آقا کے حال سے اخذ کیا گیا ہے جو آقا ہو کر غلامانہ تواضع کرتا تھا یا لقمان کے حال سے جو آقایانہ شان رکھنے کے باوجود غلامی میں عمر بسر کر رہے تھے، پس واضح رہے کہ یہ بیان اگرچہ بظاہر آقائے لقمان کے حال کا ایک نتیجہ ہے مگر درحقیقت اس کا تعلق خود حضرت لقمان کے ساتھ بھی ہے یعنی ان کی غلامی میں حکمت تھی کہ بزرگانِ دین غلامی ہی میں زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں ورنہ حضرت لقمان علیہ السلام بقول بعض اصلی غلام نہ تھے بلکہ کبھی ظلماً غلام بنائے گئے تھے اور وہ اس حالت کو صبر و سکوت کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت شیخ سعدی بوستاں میں ایک حکایت لکھتے ہیں کہ کسی نے لقمان کو سیہ فام اور بدصورت دیکھ کر اپنے ایک سیہ فام غلام کے شبہ میں پکڑ کر تعمیر کے کام میں لگا لیا۔ پھر تحقیق حال کا موقع نہ آیا لقمان نے ایک سال بھر پتھر ڈھوئے گارے کے گھان کئے، ٹوکریاں اٹھائیں۔ مگر ایک دن بھی یہ نہ پوچھا کہ مجھے اس بیگار میں کیوں اور کیا سمجھ کر لایا گیا ہے۔ آخر سال کے بعد جب مالکِ تعمیر نے ان کو پہچانا اور ان کی عظمت معلوم کی تو ہاتھ جوڑ کر عذر کرنے لگا حضرت لقمان علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا۔

چو سالے زجورت جگر خون کنم بیک ساعت از دل بدرچوں کنم

اہلِ سیر کی اس روایت کی بنا پر کہ لقمان کو یا ان کے والد کو جبراً وظلماً غلام بنالیا گیا تھا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو دائرہ غلامی میں ڈال لیا گیا تھا ممکن ہے کہ لقمان کے اس آقا نے انہیں پہلے آقا سے جس نے ان کو ظلماً غلام بنایا تھا خرید لیا ہو ایں صورت میں اگر وہ قیدِ غلامی سے آزاد ہونا پسند کرتے تو یہ کچھ مشکل نہ تھا جو آقا ان کی جوتیاں جھاڑنا فخر سمجھتا ہے وہ ان کی رضامندی دیکھ کر انہیں آزاد کرنے میں ایک لمحہ بھی توقف نہ کرتا پھر بھی انہوں نے غلام کے غلام رہنا پسند کیا۔ تو وہی بات تھی کہ ۔

خواجگاں ایں بند گیہا کردہ اند تاگماں آید کہ ایشاں بردہ اند

غرض بزرگانِ دین جو تاجِ آقائی زیبِ سر رکھتے ہیں۔ اپنے چہرے کو گردِ غلامی سے غبار آلود رکھنا پسند کرتے ہیں اور دنیادار جو اپنے غلاموں کے غلام یعنی جذباتِ نفس کے مطیع ہیں وہ الٹا آقائی وخواجگی کے مدعی ہیں۔

پس ازاں عالم بدیں عالم چناں تعبیتہا ہست برعکس ایں بداں

لغات:۔ از ابتدا کے لیے ہے۔ اضافت کے لیے بھی ہوسکتا ہے لہٰذا ترجمہ دو طرح ہوسکتا ہے۔ تعبیتہا جمع تعبیہ جس کے معنی ہیں بناوٹ ملمع باہر باہر کی سجاوٹ۔

ترجمہ:۔ (۱) پس اسی طرح اس عالم (بالا) سے لے کر اس عالم (دنیا) تک الٹی بناوٹیں موجود ہیں۔ اس کو (خوب) سمجھ لو۔
(۲) بس عالم کی بہت سی باتیں اس عالم میں یوں الٹی طرح آراستہ ہیں اس کو (خوب) سمجھ لو۔

مطلب:۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں۔ کہ عالمِ علوی سے عالمِ سفلی میں تمام تعبیت وتربیت برعکس ہے۔ چنانچہ اسرار و معارف کی قسم سے جو بات اس عالم میں ظاہر ہے وہ اس عالم میں مخفی ہے۔ (انتہی)

خواجۂ لقماں بر احوالِ نہاں بود واقف دیدہ بود از وے نشان

ترجمہ:۔ (غرض) حضرت لقمان کا آقا ان کے باطنی حالات سے واقف تھا وہ ان کی (مقبولیت کی) کوئی نشانی دیکھ چکا تھا (اس لیے ان کی عزت کرتا تھا)۔

راز مید انست خوش میراند خر از برائے مصلحت آں راہبر

لغات:۔ میراند اپنا کام نکالتا تھا یعنی خدمت لیتا تھا۔ مصلحت آں راہبر میں فکِّ اضافت ہے۔

ترجمہ:۔ (پھر بھی جو اس نے حضرت لقمان کو اپنی غلامی میں رکھا تو) وہ (ان کے اس) راز کو جانتا تھا (کہ وہ اپنے آپ کو غلامی میں رکھنا پسند کرتے ہیں جبھی تو) وہ اس راہبر (یعنی حضرت لقمان) کی مصلحت کے لیے ان سے خدمت لیتا رہتا تھا۔

مر ورا آزاد کردے از نخست لیک خوشنودیِ لقماں راجست

ترجمہ:۔ (ورنہ) وہ ان کو کبھی کا آزاد کر چکا ہوتا۔ لیکن وہ حضرت لقمان کی خوشی کا طالب رہا۔ (اور ان کو غلامی میں رہنے دیا۔)

زانکہ لقماں را مراد ایں بود تا کس نداند سرِ آں شیرِ فنا

ترجمہ:۔ کیونکہ لقمان کی مرادی یہی تھی کہ اس مقامِ فنا کے شیر مرد کا (یعنی میرا) راز کسی کو معلوم نہ ہو (اور سب یہی سمجھیں کہ ایک معمولی درجے کا غلام ہے)۔ سعدیؒ ۔

بسر وقتِ شان خلق کے رہ برند کہ چوں آبِ حیوان بظلمت درانند

چو بیت المقدس دروں پر زتاب رہا کردہ دیوار بیروں خراب

چہ عجب گر سرّ ز بد پنہاں کنی ایں عجب کہ سرِ زخود پنہاں کنی

ترجمہ:۔ اگر تم کسی برے آدمی سے اپنا راز چھپاؤ تو یہ کونسی عجیب بات ہے عجیب بات تو یہ ہے کہ راز کو خود اپنے آپ سے مخفی رکھو۔

مطلب:۔ حضرت لقمان کے قصے سے ایک ارشادی مضمون کی طرف انتقال ہے یعنی لوگوں سے اپنے آپ کو مخفی رکھنا کوئی بڑی بات نہیں۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ اپنی نظر سے بھی اپنے آپ کو گم کردیں۔ اپنی خودی کو یہاں تک مٹا دیں کہ اپنا آپ نظر ہی نہ آئے پھر نہ اپنے کمالات پر نظر ہوگی نہ ان کی وجہ سے عُجب وغرور پیدا ہوگا۔ عراقیؒ۔

تا توز خود نرستی وزدست خود بجستی میدان مے پرستی دردیر عزّیٰ ولات

کار پنہاں کن تو از چشمانِ خود تابود کارت سلیم از چشمِ بد

ترجمہ:۔ (جو) عمل (خیر کرو) اپنی آنکھوں سے مخفی رکھ کر کرو۔ تا کہ تمہارا عمل (خود تمہاری) نظرِ بد سے محفوظ رہے۔

مطلب:۔ نظرِ بد کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جس چیز پر پڑتی ہے اس کو تباہ و برباد کردیتی ہے۔ جو شخص اپنے اعمال کو استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے اس کی نظر کا اثر بھی ان اعمال پر وہی ہوتا ہے جو نظرِ بد کا ہوتا ہے یعنی وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس سے اعمال کا غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ان اعمال کو باطل کردیتا ہے۔

خویش را تسلیم کن بردار مُزد وانگہ از خود بے زخود چیزے بدُزد

لغات:۔ تسلیم کن حوالہ بخدا کردو۔ مزد مزدوری۔ بے زخود میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی از بیخودی بدزد چرالو، اڑالو، نکالو۔

ترجمہ:۔ خود بینی کے کیا معنے بلکہ اپنے آپ کو (حق تعالیٰ کے) سپرد کردو اور (اس کا) معاوضہ حاصل کرو۔ اور اس وقت اپنی خودی سے ترک خودی کی بدولت (اگر چاہو تو) کچھ (صفات رذیلہ کو زائل (بھی) کرلو۔

مطلب:۔ تفویضِ محض اپنا مسلک بنالو۔ پھر دیکھو اس کے کیا کیا ثمراتِ عجیبہ حاصل ہوتے ہیں۔ گوناگوں فضائل حاصل بھی ہوں گے مختلف رذائل زائل بھی۔ اس کی توضیح کے لیے چند مثالیں پیش فرماتے ہیں:۔

مید ہند افیوں بمردِ زخم مند تا کہ پیکاں از تنش بیروں کنند

لغات:۔ مید ہند کھلاتے ہیں۔ زخم مند زخمی، مجروح، تیر خوردہ مراد ہے۔

ترجمہ:۔ (معالج تیر کے) زخمی کو افیون کھلاتے ہیں۔ تا کہ اس کے بدن سے (تیر کی) انی نکالیں۔

مطلب:۔ اوپر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ترکِ خودی سے انعامات خداوندی کے مستحق ہو سکتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے نفس کی صفات مکروہہ کا ازالہ بھی کر سکتے ہیں ازالہ رذائل کی توضیح کے لیے یہ پہلی مثال دیتے ہیں کہ دیکھو افیون خوردہ بیخود ہو جاتا ہے تو اس کے جسم سے بآسانی تیر کی بھال نکال لیتے ہیں اور اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔ آگے دوسری مثال ہے:۔

وقتِ مرگ از رنج اورا مید رند او بداں مشغول شد جاں مے برند

ترجمہ:۔ (اسی طرح فرشتے) موت کے وقت اس کو (جان کنی کی ایسی) تکلیف (میں مبتلا کردیتے ہیں کہ گویا اس کو اس تکلیف) سے پرزے پرزے کر رہے ہیں (جب) وہ اس (تکلیف) میں مشغول (ہونے سے بے خود) ہو جاتا ہے تو (اس کی) روح کو اڑا لے

جاتے ہیں۔

چوں بہر فکرے کہ دل خواہی سپرد　　از تو چیزے درنہاں خواہند برد

ترجمہ:۔ (اسی طرح) جب تمہارا دل کسی خاص خیال میں ڈوب رہا ہو تو (چور موقع پا کر) چپکے سے تمہاری کوئی چیز اڑا لے جاتے ہیں۔

مطلب:۔ چور اور جیب کترے عموماً لوگوں کی غفلت و بے توجہی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اور جس شخص کو تاکتے ہیں اگر وہ اپنے مال سے غافل و بے توجہ نہ ہو تو اس کی توجہ کو کسی دوسری طرف منعطف کرنے کی تدبیر کیا کرتے ہیں اس قسم کی وارداتیں عموماً میلوں اور ریلوے سٹیشنوں اور کھیل تماشے کے مجمعوں میں وقوع پذیر ہوا کرتی ہیں۔ ہردوار کے میلے میں دو ٹھگوں نے ایک ہندو عورت کو چاول پکاتے دیکھا۔ پتیلی چولھے پر دم ہو رہی تھی۔ ایک ٹھگ نے دوسرے ٹھگ سے کہا یار اگر یہ چاول کھلاؤ تو تم کو استاد مان لیں۔ دوسرے نے کہا اوہ! یہ بھی کوئی بڑا کرتب ہے لو تم دیگچی اٹھا لانے کو تیار ہو جاؤ۔ اور مزے سے چاول کھاؤ۔ اتنا کہا اور آزار بند کھول کر کچھ فاصلے پر اس عورت کے سامنے ہی پیشاب کرنے بیٹھ گیا عورت شرم سے اپنا منہ کپڑے میں چھپا کر دوسری طرف کو ہو بیٹھی۔ ادھر جوڑی دار ٹھگ نے لپک کر دیگچی اٹھالی۔

ایک مسافر ریلوے ٹرین میں اپنی گٹھڑی سے ٹیک لگائے پاؤں پھیلائے لیٹ رہا تھا کسی نے اس کے پاؤں میں آہستہ سے تنکا چبھو دیا۔ جیسے مچھر کاٹتا ہو۔ مسافر پاؤں کھجلانے کے لیے جو ذرا سیدھا ہوا تو پیچھے سے گٹھڑی غائب تھی۔

ایک تماشے کے گھنے مجمع میں کوئی تماشائی نہایت خوبصورت طلا دار جوتی پہنے کھڑا تھا۔ اور جیسے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ اس نے تھک کر جوتی اتار دی اور اس پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کو ٹخنے پر مچھر کے کاٹنے کی طرح خلش محسوس ہوئی۔ اس نے جوتی کی طرف نظر کئے بدون پاؤں اٹھایا اور کھجلا کر رکھ لیا۔ اور تماشے کی دلچسپی نے اُس کو جوتی پر نظر کرنے کا موقع نہ دیا۔ جب تماشا ختم ہوا۔ مجمع منتشر ہونے لگا اور یہ شخص اپنی جوتی پہننے لگا تو دیکھا کہ پاؤں کے نیچے ٹوٹا پھوٹا پرانا جوتا تھا۔

اس قسم کے واقعات کے بیان میں وقت صرف کرنا اگرچہ واجباتِ شرح سے ذرا اجنبیت رکھتا ہے مگر اس سے یہ فائدہ مقصود تھا کہ ہر شخص ایسے مقامات پر محتاط و ہوشیار رہے۔ خصوصاً فقرا و صوفیہ کو سب سے زیادہ انتباہ کی ضرورت ہے جو اپنی نیک نیتی اور حسنِ ظن کی وجہ سے اکثر عیار و شاطر لوگوں کا شکار ہوتے ہیں۔ صائب ؎

عالم از سنگدلاں قلزم پرکہسار ست　　کشتی نوح دریں ورطہ دل ہشیار ست

غرض چور جب کسی مال کو تاکتے ہیں تو صاحب مال کی توجہ اس کی طرف سے ہٹا کر اپنے داؤ کے لیے راستہ صاف کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جس طرف صاحب مال کی توجہ ہوتی ہے چور اس طرف سے داؤ نہیں لگا سکتا۔ بلکہ جدھر سے وہ غافل اور مطمئن ہوتا ہے ادھر سے اپنا کام کرتا ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:۔

ہرچہ اندیشی و تحصیلے کنی　　مے درآید دزد ازا نسو کایمنی

لغات:۔ اندیشی بخیال مے آری۔ تحصیلے کنی بحفظ وضبط میداری۔ حاصل کنی۔ کایمنی۔ کہ ایمن ہستی۔

ترکیب:۔ پہلا مصرعہ شرط ہے اور اس کی جزا یعنی دزد ازانسوئے آید مقدر ہے۔

ترجمہ:۔ جس چیز کا تم کو خیال ہے۔ اور (جس کو) تم اپنے حفظ (وضبط) میں رکھتے ہو۔ چور (اس پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ) اس طرف سے (داؤ لگا کر) آتا ہے (جدھر سے) کہ تم مطمئن ہو۔

پس بداں مشغول شو کاں بہتر ست تاز تو چیزے بردکانِ کہتر ست

ترجمہ:۔ پس تم اس چیز (کی حفاظت) میں مشغول رہو جو زیادہ اچھی ہے۔ تاکہ (چور) تمہاری اسی چیز کو چرا سکے جو کم رتبہ ہے۔ (کیونکہ تمہاری توجہ اس کی طرف نہ ہوگی۔)

مطلب:۔ ترکِ خودی سے ازالۂ رذائل کے ثبوت میں چور کی مثال دی تھی کہ دیکھو جس طرح چور کسی کو اس کے مال کی طرف سے غافل کر کے اس مال کو اڑا لے جاتا ہے اسی طرح اگر اپنی انانیت سے قطع نظر کرلیں تو تمام رذائل زائل ہو سکتے ہیں۔ اسی ذکر میں یہ بات بھی آگئی کہ چور اس چیز کو نہیں اڑا سکتا جس پر توجہ قائم رہے۔ بلکہ وہ خارج توجہ اشیا کو چراتا ہے۔ اب اس سے یہ نکتہ اخذ فرمایا کہ تم اپنے اچھے اوصاف پر توجہ قائم رکھو۔ تاکہ وہ زائل نہ ہوں۔ اور مضر یا غیر مفید اوصاف سے قطعِ نظر کرلو کہ اگر زائل ہوں تو وہی ہوں۔ اب اس کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں:۔

بارِ بازرگاں چو در آب اوفتد کشتیِ عمرش بغرقاب اوفتد

ہرچہ نازل تر بدر یا افگند دست اندر کالۂ بہتر زنند

لغات:۔ بار بمعنے مالِ تجارت۔ بازرگاں۔ تاجر، سوداگر۔ نازل تر کم رتبہ، گھٹیا۔ کالہ۔ مال، متاع۔

ترکیب:۔ پہلے شعر میں دونوں مصرعہ دو جملے معطوفین ہیں۔ دونوں مل کر شرط ہوئی۔ دوسرے شعر کے دونوں مصرعے بھی دو جملے معطوفین ہیں اور یہ جزا۔

ترجمہ:۔ جب (کسی) سوداگر کا مال (اس کی کشتی کے گرانبار ہونے کے سبب سے) پانی میں غرق (ہونے کے قریب) ہوتا ہے (اور ساتھ ہی) اس کی کشتیِ عمر (بھی) غرقاب (فنا) میں گرنے لگتی ہے تو وہ (اپنے مال اور جان کو بچانے کے لیے کشتی کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے) گھٹیا مال دریا میں ڈال دیتا ہے اور اچھے مال کو محفوظ رکھتا ہے۔

الخلاف:۔ بعض نسخوں میں یہ دونوں شعر اس انداز میں درج ہیں۔

بار بازرگاں چودر آب اوفتد دست اندر کالۂ بہتر زند

کشتی مالش بغرقاب اوفتد ہرچہ نازل تر بدر یا افگند

مطلب تو چاروں مصرعوں کی اس ترتیب میں بھی نکل آتا ہے۔ مگر کئی طرح کی بےلطفیوں کے ساتھ نکلتا ہے یعنی (۱) ہمارے نسخے میں قافیے کی جو شان ہے وہ اس نسخے میں قائم نہیں رہتی (۲) ہمارے نسخے کی تقدیر پر دونوں شعر جو ایک ہی بات پر مشتمل ہیں۔ ایک جملہ شرطیہ میں بلاتکلف مربوط ہو جاتے ہیں۔ مگر اس نسخے میں دو جملے قائم ہو جانے سے بےلطف تکرار کے انداز میں ایک بات کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ (۳) ہمارے نسخے میں نازل تر کو گرا دینے اور کالہ بہتر کو رکھ لینے کا جو پُرلطف مقابلہ ایک ہی شعر میں قائم ہے۔ وہ اس نسخے میں ٹوٹ جاتا ہے۔ (۴) سب سے بڑی بات یہ نسخہ صرف حفظِ مال کی تدبیر پیش کرتا ہے مگر ہمارے نسخے میں ایک ہی تدبیر سے مال و جان دونوں کی حفاظت ہوتی ہے۔

چونکہ چیزے فوت خواہد شد در آب ترک کمتر گیر و بہتر را بیاب

ترجمہ:۔ چونکہ کچھ نہ کچھ پانی میں ڈوب کر ہی رہے گا۔ (اس لیے بہتر ہے کہ) گھٹیا (چیز) کو چھوڑ دو (کہ ڈوب جائے) اور اچھی (چیز) کو سنبھال لو (کہ غرق ہونے سے بچ جائے)۔

مطلب :۔ یہ ناممکن ہے کہ قربِ حق بھی حاصل ہو اور ماسویٰ سے بھی پوری دل بستگی رہے۔ دونوں میں سے ایک سے دست بردار ہونا لازمی ہے کما قیل ۔

یاز جاناں یاز جان بایست دل برداشتن — کار عاشق نیست در یکدل دو دلبر داشتن

ان الدنیا والاخرۃ نقیضان ان رضیت احدھما سخطت الاخری دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہو جائے گی۔ وہکذا قال ۔

ہم خدا خواہی وہم دنیا ئے دوں — ایں خیال ست و محال ست و جنوں

ولنعم ما قیل ۔

بیک دل کے تواں اندیشہ دنیا و دین کردن — کہ نتواں ہر دو دستِ خویش در یک آستین کردن

پس حق کے طالب اور ماسویٰ اللہ سے بے تعلق ہو جانا چاہیے۔ حافظؒ

باتو پیوستم و از غیرِ تو دل ببریدم — آشنائے تو ندارد سرِ بیگانہ و خویش

نقدِ ایماں را بطاعت گوشدار — تا ز روے حق نگردی شرمسار

لغات :۔ گوشدار۔ نگہدار۔ زروے۔ روبرو، سامنے۔

ترجمہ :۔ طاعت (کی بجا آوری کے ذریعے) سے اپنے سرمایۂ ایمان کو محفوظ رکھو تا کہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں تم شرمندہ نہ ہو۔

چونکہ نقدت رانگہداری کنی — حرص و غفلت رابرد دیوِ دنی

ترجمہ :۔ جب تم اپنے سرمایہ (ایمان) کی حفاظت کرتے رہو گے۔ تو شیطان خسیس (کا اس اعلیٰ سرمایہ پر داؤ نہ چلے گا اور وہ حرص و غفلت (کے ناقص سرمایہ) کو اڑا لے (جانے پر ہی مجبور ہو) جائے گا۔

ظاہر شدنِ فضل و ہنرِ لقمان پیشِ امتحان کنندگان

حضرت لقمان کی بزرگی اور ہنر کا امتحان کرنے والوں پر ظاہر ہو جانا

خواجۂ لقماں چو لقماں را شناخت — بندہ بود اورا وبا او عشق باخت

ترجمہ :۔ غرض جب لقمان کے آقا نے لقمان (کی منزلت) کو پہچان لیا۔ (تو اگرچہ) وہ اس کے غلام تھے۔ مگر وہ ان کے ساتھ کمالِ محبت کا سلوک کرنے لگا۔

ہر طعامے کا وریدندے بوے — کس سوئے لقماں فرستادے زپے

تا کہ لقماں دست سوئے آں برد — قاصداً تا خواجہ پس خوردش خورد

لغات :۔ کاوریدندے۔ کہ آوردندے۔ قاصداً بالارادہ، قصداً۔ پس خورد بچا ہوا کھانا۔

ترجمہ :۔ جو کھانا اس (آقا) کے لیئے لایا جاتا (وہ لقمان کے بغیر اسے نہ کھاتا فوراً) کسی کو لقمان کے پیچھے بھیجتا تا کہ لقمان (آ کر کھانے کے) قصد سے اس میں ہاتھ ڈالیں حتیٰ کہ آقا ان کا جھوٹا کھاتا۔

سورِ او خوردے و شور انگیختے ہر طعامے کہ نخوردے ریختے

لغات:۔ سُور۔ سین مضموم کے بعد ہمزہ ساکن ہے جو واؤ سے تبدیل ہوگیا۔ شور انگیختیں مستی کا اظہار کرنا۔

ترکیب:۔ خوردے۔ انگیختے اور ریختے کا فاعل خواجہ ہے اور نخوردے کا فاعل لقمان۔

صنائع:۔ سور اور شور میں تجنیس۔

ترجمہ:۔ خواجہ ان کا پس خوردہ کھاتا اور (غایت نشاط سے) اظہارِ مستی کرتا۔ جس طعام کو (حضرت لقمان) نہ کھاتے اسے گرا دیتا۔

مطلب:۔ جس طعام کے کھانے سے حضرت لقمان انکار کردیتے اس کو گرا دینے کی یا تو یہ وجہ تھی کہ چونکہ وہ نہایت متقی و پرہیزگار تھے اس لیے ان کے انکار سے اس طعام کے مکروہ و حرام ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔ یا خواجہ کی نظر میں انتہائے محبت کے باعث ان کا ناپسند کردہ طعام پسندیدہ نہیں ہوتا تھا۔

ور بخوردے بیدل و بے اشتہا ایں بود پیوتگی بے منتہا

ترجمہ:۔ اور اگر کھاتا بھی تو بے دلی کے ساتھ اور بے رغبتی سے کھاتا۔ (دیکھو) یہ ہے (دلوں کا) بے پایاں اتحاد۔ صائبؔ۔

جدا نے شود از ہم دو دل یکے چو شود نے تواں زدلِ من کشید پیکاں را

خربزہ آوردہ بودند ارمغان لیک غائب بود لقماں زاں میاں

لغات:۔ خربزہ خربوزہ۔ ارمغاں سوغات، تحفہ، ہدیہ۔

ترجمہ:۔ (ایک دن اتفاقاً کہیں سے) ایک خربوزہ بطور ہدیہ آیا (آقا نے چاہا کہ لقمان کو کھلائے) مگر لقمان وہاں موجود نہ تھے۔

گفت خواجہ با غلامے کاے فلاں زود رو فرزند لقمان را بخواں

ترجمہ:۔ آقا نے ایک غلام کو (نام لے کر) پکارا کہ اے فلاں! جلدی جاؤ اور (میرے) عزیز لقمان کو بلا لاؤ۔

(یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرزند کا لفظ بلہجہ شفقت غلام کے لیے استعمال کیا ہو۔ پھر مصرعہ کا ترجمہ یوں ہوگا) بیٹا! جلدی جاؤ (اور) لقمان کو بلا لاؤ۔

چونکہ لقماں آمد و پیشش نشست خواجہ پس بگرفت سکّینے بدست

لغات:۔ سکین بکسرِ سین و کاف مشدد مکسور چھری، کارد۔

ترجمہ:۔ جب حضرت لقمان آئے اور اس کے پاس بیٹھ گئے تو آقا نے ایک چھری ہاتھ میں لی۔

چوں برید و داد اورا یک بریں ہم چو شکر خوردش و چوں انگبیں

لغات:۔ بریں بضمِ باء و یائے مکسور برش، قاش، پھانک۔ انگبیں شہد

ترجمہ:۔ جب اس نے (چھری سے خربوزہ کو) کاٹا تو ان کو ایک پھانک دی جس کو حضرت لقمان نے شکر و شہد کی طرح (مزے سے لے لے کر) کھایا۔

از خوشی کہ خورد داد اورا دوم تا رسید آں شمشہا تا ہفدہم

لغات:۔ شمش قاش پھانک۔ ہفدہم سترھویں۔

ترجمہ:۔ انہوں نے جو (اس قاش کو) خوشی سے کھایا۔ تو ان کو دوسری (قاش) بھی دی۔ حتیٰ کہ (اسی طرح) ان قاشوں کی نوبت سترھویں (قاش) تک پہنچی۔

ماند شمشے گفت ایں رامن خورم　　تاچہ شیریں خربزہ است ایں بنگرم

ترجمہ:۔ (جب) ایک قاش رہی تو (آقا نے) کہا کہ اس کو میں کھاتا ہوں۔ تاکہ دیکھوں یہ خربوزہ کس قدر مزیدار ہے (جس کو لقمان نے اس شوق سے کھایا ہے)۔

او چناں خوش میخورد کز ذوقِ او　　طبعہا شد مشتہی و لقمہ جو

لغات:۔ خوش میخورد مزے لے لے کر کھاتا ہے۔ ذوق۔ چکھنے کا لطف اور لذت۔ مشتہی خواہشمند، راغب۔

ترجمہ:۔ (کیونکہ) وہ اسے اس طرح مزے لے لے کر کھاتے ہیں کہ ان کی لذت گیری (کو دیکھنے) سے حاضرین کے جی للچاتے اور کھانے کو مانگتے ہیں

چوں بخورد از تلخیش آتش فروخت　　ہم زباں کرد آبلہ ہم حلق سوخت

ترجمہ:۔ (لیکن) جونہی کہ (اس قاش کو) کھایا تو اس کی کڑواہٹ سے منہ کے اندر آگ لگ گئی زبان پر آبلے پڑ گئے (اور) حلق بھی جلنے لگا۔

ساعتے بیخود شد از تلخیِ آں　　بعد ازاں گفتش کہ اے جانِ جہاں!

نوش چوں کردی تو چندیں زہر را　　لطف چوں انگاشتی ایں قہر را

ترجمہ:۔ وہ کچھ دیر تک تو اس کی تلخی سے بیخود رہا۔ پھر اس کے بعد (جب ہوش بجا ہوئے تو) ان سے کہا۔ اے جانِ جہاں! تم نے ایسے زہر (شدید) کو کیوں کر تناول کیا؟ اس قہر کو تم نے لطف کیوں کر سمجھا؟

ایں چہ صبرست ایں صبوری از چہ روست　　یا مگر پیشِ تو ایں جانت عدوست

ترجمہ:۔ یہ تمہارا صبر کس طرح کا ہے یہ برداشت کس لیے ہے۔ یا شاید تمہارے نزدیک یہ تمہاری جان دشمن ہے (کہ اس کو ہلاک کر ڈالنے کی ٹھان لی)۔

چوں نیاوردی بہانہ و حجتے　　کہ مرا عذرے ست بس کن ساعتے

ترجمہ:۔ (بھائی اگر انکار کرتے شرم آتی تھی تو) کوئی بہانہ اور حیلہ ہی کیوں نہ پیش کر دیا۔ کہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جایئے میں (اس وقت کھانے سے) معذور ہوں (پھر کھا لوں گا)۔

گفت من از دستِ نعمت بخشِ تو　　خوردہ ام چند انکہ از شرمم دوتو

لغات:۔ از شرمم　از شرم ہستم۔ دوسرا میم متکلم رابطہ جملہ ہے۔ دوتو، دوہرا، خم کر۔

ترجمہ:۔ (حضرت لقمان نے اس کے جواب میں) فرمایا میں نے آپ کے نعمت بخشنے والے ہاتھ سے اس قدر (لذیذ) نعمتیں کھائی ہیں کہ شرمندگی (کے بار) سے دوہرا ہوا جاتا ہوں۔

شرم آمد کہ یکے تلخ از کفت مے نخوشم اے تو صاحب معرفت!

ترجمہ:۔ مجھے شرم آئی کہ (اس قدر شیریں نعمتیں کھا چکنے کے بعد) آپ کے ہاتھ سے ایک تلخ (چیز) نہ کھاؤں (اور اس سے انکار کر دوں) اے آقا آپ خود جانتے ہیں (کہ محسن کے احسان کا لحاظ کس قدر ضروری ہے)۔سعدیؒ ۔

یاری آنست کہ زہرا زقبلش نوش کن نہ چو رنجے رسدت یار فراموش کنی

چوں ہمہ اجزایم از انعامِ تو رستہ اندو غرق دانہ ودامِ تو

گرزیک تلخے کنم فریاد وداد خاکِ صدرہ بر سرِ اجزام باد

لغات:۔ اجزایم سے بدن کے اجزا مراد ہیں'بوٹی بوٹی'رگ وریشہ۔صدرہ۔سوراستے۔اجزام اجزائے من'میرے بدن کے اجزا۔

ترجمہ:۔ جب میرے بدن کی بوٹی بوٹی آپ کے انعام سے (غذا پا کر) پیدا ہوئی ہے۔اور وہ آپ کے (احسانات کے) دانہ ودام میں غرق ہے تو اگر (آپ کی کھلائی ہوئی) ایک تلخ چیز سے میں فریاد وواویلا کرنے لگوں۔تو میرے (تمام) اجزائے جسم پر سوراستے کی خاک (مذلت) پڑے۔

لذتِ دستِ شکر بخشِ تو داشت اندریں بطیخ تلخی کے گذاشت

لغات:۔ بطیخ۔خربوزہ

ترکیب:۔ داشت کی ضمیر فاعلی خربوزہ کی طرح راجع ہے اور گذاشت کا مرجع دست ہے۔ایک نسخہ میں بیائے بیانیہ درج ہے لذتیکہ دستِ تو داشت اس صورت میں لذت ہی گذاشت کی کی فاعل ہوگی اور اس تقریب پر ترکیب بالکل صاف ہو جاتی ہے اور انتشار ضمائر کا بھی ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ ہو۔

ترجمہ:۔ (۱) وہ (خربوزہ) آپ کے شکر بخشنے والے ہاتھ کی لذت (شیرینی کا اثر) رکھتا تھا۔(پھر مجھے تلخ کیوں محسوس ہوتا۔ آپ کے ہاتھ نے) اس خربوزے میں تلخی کہاں چھوڑی ہے۔

(۲) آپ کا شکر بخشنے والا ہاتھ جو لذت (شیرینی) رکھتا ہے اس نے اس خربوزے میں تلخی کہاں چھوڑی ہے (پھر مجھے اس کا کھانا کیوں ناگوار ہوتا۔)

از محبت تلخہا شیریں شود از محبت مسہا زریں شود

ترجمہ:۔ محبت (کی چاشنی) سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی بن جاتی ہیں۔محبت (کی اکسیر) سے تانبے بھی سونے کے ہم شکل بن جاتے ہیں۔

مطلب:۔ یہاں سے مولانا کا مقولہ شروع ہوتا ہے فرماتے ہیں۔کہ لقمان کے لیے کڑوا خربوزہ شیریں کیوں نہ بن جائے جب کہ محبت سب کچھ کر دکھاتی ہے۔صائبؒ ۔

موم درد امن دریائے گرم عنبر شد کفر در عشق محالست کہ ایمان نشود

از محبت دُرد ہا صافی شود وز محبت دَردہا شافی شود

صنائع:۔ درد بضم اور درد بفتح میں اور صافی وشافی میں تجنیس ہے اور شعر مرصع ہے۔

ترجمہ:۔محبت کی وجہ سے (وہ) مکدر شراب بھی (جو محبوب کے ہاتھ سے ملے) صاف محسوس ہوتی ہے اور محبت سے (پیدا ہونے والے) درد بھی (صد ہا قسم کے امراض رذائل کو) شفا بخشنے لگتے ہیں۔

از محبت خارہا گل مے شود وز محبت سرکہا مُل مے شود

ترجمہ:۔محبت سے (کوچۂ دلبر کے) کانٹے بھی پھول بن جاتے ہیں۔اور محبت کی وجہ سے (محبوب کے ہاتھ) کے سرکے بھی شراب (کی طرح سرور (انگیز) بن جاتے ہیں۔حافظؒ ؎

یارب ایں کعبہ مقصودِ تماشا گہ کیست کہ مغیلاں طریقش گل و نسرین من ست

از محبت دار تختے مے شود وز محبت بار بختے مے شود

ترجمہ:۔محبت (کی گیرودار) میں سولی بھی تخت (کی طرح باعث فخر وعزت) بن جاتی ہے اور محبت کی وجہ سے (مشقتوں کے) بوجھ بھی خوش نصیبی (کے مترادف بن جاتے ہیں۔صائبؒ ؎

آنچہ مے جست از درختِ وادیِ ایمن کلیم ہمت منصور بے زحمت زچوبِ دار یافت

از محبت سجن گلشن مے شود بے محبت روضہ گلخن مے شود

لغات:۔سجن قید خانہ۔روضہ باغ۔گلخن آگ کی بھٹی۔

ترجمہ:۔محبت (کے معاملے میں قید ہو جانے) سے قید خانہ بھی باغ بن جاتا ہے۔اور بے محبت (لوگوں کے ساتھ) باغ بھی آگ کی بھٹی نظر آتا ہے۔سعدیؒ ؎

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

از محبت نار نورے مے شود وز محبت دیو حورے مے شود

ترجمہ:۔محبت (کی آنکھ) سے آگ بھی نور دکھائی دیتی ہے اور محبت (کی نگاہ) سے (دیکھو تو) ایک چڑیل بھی حور نظر آتی ہے۔

از محبت سنگ روغن مے شود بے محبت موم آہن مے شود

ترجمہ:۔محبت (کی گرمی) سے پتھر بھی تیل بن (کر بہ) جاتا ہے۔محبت نہ ہو تو موم بھی لوہے کی طرح (سخت اور ٹھوس) ہو جائے۔

از محبت حُزن شادی مے شود وز محبت غول ہادی مے شود

لغات:۔حزن غم۔غول چھلاوا' جو مسافروں کو بہکاتا ہے۔ہادی راستہ دکھانے والا۔

ترجمہ:۔محبت (کی برکت) سے غم بھی خوشی بن جاتا ہے اور محبت کی بدولت غول بیابانی (کی طرح گمراہ کرنے والا آدمی بھی (لوگوں کو) ہدایت دینے لگتا ہے۔

از محبت نیش نوشے مے شود وز محبت شیر موشے مے شود

ترجمہ:۔محبت میں ڈنک بھی شہد کا سا مزا دے جاتا ہے اور محبت سے (مجبور ہو کر) شیر (کا سا تند خو بدمزاج آدمی) بھی چوہیا (کی طرح مغلوب وعاجز) بن جاتا ہے۔حافظؒ

عجائب رہِ عشق اے رفیق بسیارست زپیشِ آہوے ایں دشت شیرِ نر بر مید

از محبت سقم صحت مے شود وز محبت قہر رحمت مے شود

ترجمہ:۔ محبت کی بدولت (صدہا اخلاقی) بیماریاں صحت (سے مبدل) ہو جاتی ہیں۔ اور محبت (آ جائے تو اس) سے تندیٔ غضب رحم (وشفقت) میں بدل جاتی ہے۔

از محبت خار سوسن مے شود وز محبت خانہ روشن مے شود

ترجمہ:۔ محبت (کی منزلوں) میں کانٹا بھی سوسن بن جاتا ہے اور محبت (کی صحبت) میں تاریک گھر بھی جگمگانے لگتا ہے۔

الخلاف:۔ یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

از محبت مردہ زندہ مے شود وز محبت شاہ بندہ مے شود

ترجمہ:۔ محبت (کی کرامت) سے جمادات زندگی پاتے ہیں اور محبت سے (مجبور ہو کر) بادشاہ غلام بن گئے ہیں۔ صائبؒ ؎

بے ستوں راجان شیریں کرد در تن کوہ کن عشق اگر برسنگ اندازد نظر آدم شود

غنیؔ ؎ عشق بریک فرش بنشاند گداو شاہ را سیل یکساں مے کند پست و بلند راہ را

ایں محبت ہم نتیجہ دانش ست کے گزافہ برچنیں تختے نشست

لغات:۔ نتیجہ دانش۔ مرکب اضافی ہے بفکِ اضافت۔ گزافہ بے ہودہ، بے عقل۔

ترجمہ:۔ یہ محبت (یعنی عشقِ حقیقی) بھی عقل کا نتیجہ ہے (ورنہ کوئی) بے عقل کب ایسے (عالی پایہ) تخت پر بیٹھ سکتا ہے۔

مطلب:۔ اوپر بیان کیا تھا کہ حضرت لقمان کے خربوزۂ تلخ کو اس طرح مزے لے کر کھانا جیسے وہ نہایت شیریں ہو بتقاضائے محبت تھا۔ اس پر متعدد مثالیں ایسی پیش فرمائیں کہ اس طرح محبت تلخ کو شیریں خار کو گل اور غم کو خوشی بنا دیتی ہے یعنی قلبِ ماہیت کر دیتی ہے۔ اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ محبت پیدا کیونکر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ یہ عقل سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عقل سے حق تعالیٰ کو پہچاننا مراد ہے۔ یعنی جس کو خداوند تعالیٰ کی پوری شناخت حاصل ہے۔ اس کا عشق بھی کامل ہے اور حق تعالیٰ کو پہچاننے سے مقصود یہ ہے کہ اس کو وجود بحت اور موجود بنفسہ سمجھے۔ اور عالم کو اس کے مظاہر کا مجموعہ جانے اور جو حسن ان مظاہر میں مشاہدہ کرے۔ اس کو ظاہر کا حسن سمجھے۔ (کذافی بحر العلوم)

عشقِ عقلی اور طبعی محبت

اس میں یہ اشارہ بھی مرکوز ہے کہ حق کی محبت یا عشقِ حقیقی ایک عقلی امر ہے۔ بخلاف اس کے پدر و فرزند وغیرہ کی محبت ایک طبعی امر ہے اسی طرح رسول کی محبت بھی عقلی ہے۔ اور وہ طبعی محبتوں سے افضل وارفع ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔ **لا یؤمن احد کم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وَولدہ والناس اجمعین**۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کو میری محبت اپنے باپ اور اپنے فرزند اور باقی تمام لوگوں کی محبت سے بڑھ کر نہ ہو۔

پدر و فرزند وغیرہ کی محبتیں طبعی ہیں۔ ان کا اقتضا خود طبیعت میں موجود ہے۔ ان محبتوں کی تخلیق و ابقا کے لیے کسی امر و حکم اور وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں۔ اس محبت کا بیج طبیعت میں پنہاں ہے۔ جو بوقتِ ضرورت خود بخود پھوٹتا ہے۔ بیشک ماں باپ کی محبت فرزند کے ساتھ بقائے نوع کے لیے اور فرزند کی محبت ماں باپ کے ساتھ قیام بالواجبات کے لیے ازبس ضروری ہے۔ جو نظامِ عالم کی مصالحِ عظیمہ میں سے ہیں۔ مگر طبیعت خود کفیل ہے کہ یہ محبت وجود میں آئے۔ اور نظامِ عالم خلل سے محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اور علم

اخلاق اس محبت کی شدید ضرورت کے باوجود اس پر تاکید کرنے سے فارغ اور ساکت ہیں۔ بخلاف اس کے محبتِ رسول ایک عقلی امر ہے۔ طبیعت کے اندر اس کا کوئی اقتضا موجود نہیں کہ وہ خود بخود پیدا ہو جائے۔ بلکہ اس کا پیدا ہونا مبنی ہے اس پر کہ رسول ﷺ کی جلیل الشان شخصیت پر نظر کی جائے۔ آپ ﷺ کے فوق العادۃ کارناموں کو تصور میں لایا جائے اور نوعِ بشر بلکہ کافہ خلائق پر آپ کے احساناتِ عظیمہ کو میزانِ قیاس میں تولا جائے پھر آپ ﷺ کا جلال آپ ﷺ کی عظمت آپ ﷺ کا علو منزلت' آپ ﷺ کا تقرب حق ذہن نشین ہو جاتا ہے اور ان باتوں کو خیال میں لانے والے کے دل میں وہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو حُبِ نبی کہتے ہیں۔ اور جو حدیثِ مذکور کی رو سے شرطِ ایمان ہے غرض اس جذبہ کا پیدا ہونا امرِ طبعی نہیں بلکہ کسب و نظر پر موقوف ہے۔ جس کے لیے مطالعۂ کتب' غور و فکر' اعتبار و استبصار' حضورِ مجالس اور استماعِ مواعظہ کی ضرورت ہے۔ اس لیے شریعت نے اس جذبۂ محبت کے لیے تاکید شدید کی ہے اور لا یُؤمن احدکم تک کی وعید سے کام لیا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی محبت جس کو عشقِ حقیقی کہتے ہیں ایک امرِ عقلی ہے۔ اس کے لیے اصابتِ نظر' صفائی ذہن' حسن تعقل' خوبی فہم' غور و فکر کی ضرورت ہے یہ کوئی امرِ طبعی نہیں کہ از خود پیدا ہو جائے۔

دانشِ ناقص کجا ایں عشق زاد　　عشق زاید ناقص امّا بر جماد

لغات:۔ زاد پیدا کیا۔ جماد سے ماسوی اللہ مراد ہے۔

ترجمہ:۔ ناقص عقل اس عشق (حقیقی) کو کہاں پیدا کر سکتی ہے (ہاں) ناقص (عقل بھی ایک قسم کا) عشق پیدا کرتی ہے (جس کو عشقِ مجاز کہتے ہیں) لیکن (اس کا تعلق) ماسوی اللہ سے (ہوتا ہے۔ نہ کہ حق سبحانہٗ سے۔)

مطلب:۔ تمام کائنات صفاتِ حق کے مظاہر کا مجموعہ ہے اور عشق و محبت کے لائق ذاتِ حق ہی ہے جس کے پرتوِ جمال اور انوارِ کمال نے عالم کو منور کر رکھا ہے۔ لیکن یہ کام ایک کامل العقل آدمی کا ہے کہ جو چیز زیورِ کمال اور زینتِ جمال سے مزین ہے اس سے قطع نظر کر کے اسی ذاتِ یکتا کے ساتھ لو لگائے جس کے پرتوِ جمال و کمال سے یہ چیز منور ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی صحتِ قیاس اور اصابتِ ادراک کی بدولت حقیقت اور مجاز میں فرق سمجھتا ہے۔ اور فرع کے حسن و جمال کو اصل کا حسن و جمال سمجھ کر اصل کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ صائبؒ

گر بظاہر بنظر چشمِ غزالاں دارد　　مست در پردہ تماشائے دگر مجنوں را

بخلاف اس کے ناقص العقل کو یہ کہاں توفیق کہ حقیقت پر نظر کر سکے اور اصل کو پیش نظر رکھ کر وہ تو فرع کو مظہرِ حسن دیکھ کر اسی کا دلدادہ ہو جائے گا اور اصل پر توجہ نہیں کرے گا۔ ظاہر سے غافل ہو کر مظہر کو ہی قبلۂ توجہات بنا لے گا۔ صائبؒ

بحسنِ نقش ازاں نقاش ہر کس چشم برگیرد　　چو خارِ رہگذر ہر لحظہ دامانِ دگر گیرد

ولہ

ازرہ مرد بجلوۂ خوبان سنگدل　　قانع زوصل کعبہ بسنگ نشان مباش

بر جمادے رنگِ مطلوبے چو دید　　از صفیرے بانگِ محبوبے شنید

لغات:۔ صفیر پرندے کی چہچہے کی آواز' شکاری کی سیٹی کی آواز جس کو پرندے کو پھانسنے کے لیے نکالتا ہے۔

ترکیب:۔ پہلا مصرعہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ جن کی جزا مقدر ہے۔ اور ایک طرح دوسرا مصرعہ بھی جز ہو سکتا ہے۔ ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ ہو۔

ترجمہ:۔ (۱) جب وہ ماسوی اللہ پر مطلوب (حقیقی) کا رنگ (درخشاں) پاتا ہے (تو اسی کو اپنا مطلوب بنا لیتا ہے جیسے ایک پرندہ شکاری کی) سیٹی (سن کر اس) سے (سمجھتا ہے کہ اپنے) محبوب (پرندے) کی آواز سن رہا ہے (اور جال میں پھنس جاتا ہے۔)

(۲) وہ ماسوی اللہ پر مطلوب (حقیقی) کا رنگ جو (درخشاں) پا (کر دھوکا کھاتا) ہے۔ تو (اس کی مثال یہ ہے جیسے ایک پرندہ شکاری کی سیٹی۔ الخ

مطلب :۔ جس طرح ایک پرندہ شکاری کی نقلی سیٹی کو اپنے ہم جنس پرندے کی اصلی آواز سمجھ کر دھوکا کھاتا اور جال میں پھنس جاتا ہے اسی طرح عاشقِ مجازی معشوقِ مجازی کو ہی مطمعِ نظر بنانے کے قابل سمجھ کر محبوبِ حقیقی سے غافل ہو جاتا ہے۔ ولنعم ما قیل۔

سد راہِ عالمِ بالاست معشوقِ مجاز   دامنِ ایں سرو پا در گِل نمے باید گرفت

دانشِ ناقص نداند فرق را   لاجرم خورشید داند برق را

ترجمہ :۔ ناقص عقل (حقیقی و مجازی، اصلی و نقلی، باقی و فانی کے) فرق کو نہیں سمجھتی۔ اس لیے بجلی (کی چمک) کو ہی آفتاب سمجھ لیتی ہے۔

چونکہ ملعوں خواند ناقص را رسول   ہست در تاویل نقصانِ عقول

ترجمہ :۔ رسولؐ نے جو ناقص کو ملعون کا لقب بخشا ہے تو (اس لیے) بروئے تاویل عقلوں کا نقصان (مراد) ہے۔

حدیث الناقص ملعون کی تحقیق

نوٹ :۔ مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں کہ شارحین نے یہاں یہ حدیث نقل کی ہے الناقص ملعون صاحب کلید فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کہیں نظر سے نہیں گزری۔ اور نہ ذوقاً یہ حدیث معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے موضوع ہو۔ ہاں یہ مضمون اسی طرح مستنبط ہوتا ہے کہ حضورؐ نے جہل کی مذمت فرمائی ہے کہ یہ باعدعن الحق ہے۔ اور جہل بھی ایک نقصان ہے۔ اور جو چیز باعدعن الحق ہو اس کے ملعون ہونے میں کیا شک ہے۔ لہٰذا اس تاویل سے ناقص بھی ملعون ہو سکتا ہے۔ مگر اس مضمون میں کوئی حدیث صریح اللفظ تو معلوم نہیں ہوئی۔ انتہیٰ آگے اس بات کی دلیل پیش فرماتے ہیں کہ جس ناقص کو ملعون کہا گیا ہے اس سے ناقص العقل ہی مراد ہے نہ کہ ناقص البدن اندھا، لولا، لنگڑا وغیرہ۔

زانکہ ناقص تن بود مرحوم رحم   نیست بر مرحوم لائق لعن و زحم

لغات :۔ ناقص تن جس کے بدن میں کوئی نقص ہو جیسے اندھا، کانا، لنگڑا لولا وغیرہ۔ مرحوم رحم قابلِ رحم۔ زحم مزاحمت، زحمت۔ سختی۔

ترجمہ :۔ کیونکہ ناقص البدن تو رحم کے قابل ہوتا ہے اور قابل رحم آدمی لعنت و زحمت کا سزاوار نہیں ہوتا۔

نقصِ عقلست آنکہ بد رنجوری ست   موجبِ لعنت سزائے دوری ست

لغات :۔ رنجوری مرض۔ بدرنجوری بری بیماری۔

ترجمہ :۔ (پس ثابت ہوا کہ) بری بیماری جو ہے تو وہ نقصِ عقل ہی ہے۔ وہی موجبِ لعنت اور (اسی کا مرتکب) لائق بُعد (عن الحق) ہے۔

نوٹ :۔ آگے اس بات کی دلیل دی ہے کہ کیوں نقصِ عقل موجبِ لعنت ہے اور نقصِ بدن نہیں۔

زانکہ تکمیلِ خردہا دور نیست   لیک تکمیلِ بدن مقدور نیست

ترجمہ :۔ کیونکہ عقلوں کی تکمیل (اگر کوئی کرنی چاہے تو یہ) بعید نہیں۔ لیکن بدنوں کی تکمیل پر کسی کو قدرت نہیں۔

مطلب :۔ پس جو بات اختیار سے باہر ہو اس پر لعنت کیسی؟ آگے اس بات کی دلیل دی ہے کہ نقصانِ عقل کو اگر کوئی رفع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ یہ اس کے اختیار سے باہر نہیں۔ بخلاف اس کے نقصانِ جسم ایک قدرتی امر ہے۔

کفر فرعونے وہر گبرِ عنید جملہ از نقصانِ عقل آمد پدید

لغات:۔ گبر آتش پرست۔ یہاں مطلق کافر مراد ہے۔ عنید جھگڑالو۔

ترجمہ:۔ فرعون اور (فرعون جیسے) ہر جھگڑالو کافر کا کفر سراسر نقصان عقل سے وقوع میں آیا ہے۔

مطلب:۔ جب نقصانِ عقل سے کفر کا ارتکاب ہوتا ہے اور کفر پر عذاب ہوگا۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منشا کفر یعنی نقصِ عقل کا ازالہ ان کے اختیار کی بات تھی۔ کیونکہ اگر اس ازالہ قدرت سے باہر ہوتا تو اس کے نتیجہ یعنی کفر پر ان کو عذاب کیوں ہوتا۔

بہر نقصانِ بدن آمد فرج در نُبُے کہ ماعَلَی الْاَعْمٰی حَرَج

لغات:۔ فرج کشائش، راحت۔ نُبے بضم نون و یائے مجہول قرآن مجید۔

ترجمہ:۔ (بخلاف اس کے) بدن کے نقصان میں راحت (کا ملنا) منصوص ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں (وارد ہے) کہ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ۔ (یعنی نابینا پر کوئی تنگی نہیں)

مطلب:۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ نقصِ جسم سے بچنا۔ کسی کے اختیار میں نہیں۔ اگر اختیار میں ہوتا تو اس کے وقوع پر ضرور عتاب و عذاب ہوتا۔ حالانکہ اس پر ترحم و شفقت کا سلوک کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ الایہ یعنی نابینا پر کوئی تنگی نہیں اور نہ بیمار پر تنگی ہے اور نہ لنگڑے پر تنگی ہے۔ (سورہ نور) اور کسی پر رحم اس کے اسی نقصان کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ جو اس کے اختیار سے باہر ہو۔ چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے۔ کہ جب بندہ اپنی پیاری آنکھوں سے محروم ہو جائے اور اس پر صبر کرے تو اس کا عوض جنت ہے اس لیے کہ کوئی شخص دیدہ و دانستہ اور اپنے اختیار سے اپنی آنکھیں نہیں کھوتا۔ بلکہ یہ تقدیرِ الٰہی ہے۔ ہاں اگر کوئی بالارادہ اپنے کسی عضو کو تلف اور خلقتِ الٰہیہ کو متغیر کرے وہ البتہ قابل سرزنش ہے حدیث میں ہے۔ لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والنامصات والمنصمات والمنفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ ۔ خدا لعنت کرے بدن گوندنے والی عورتوں پر اور گوندوانے والیوں پر اور بال چننے والیوں اور چنوانے والیوں پر اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو فاصلہ دار بنانے والیوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیئت کو بدلتی ہیں۔ (جامع صغیر سیوطی) اسی طرح خودکشی کا فعل بھی چونکہ اپنے اختیار سے وقوع پاتا ہے اس لیے عذاب شدید کا موجب ہے۔ بخلاف اس کے جو دوسرے کے ہاتھ سے بے گناہ قتل ہو وہ شہید ہے۔ کیونکہ یہ فعل مقتول کے اختیار سے باہر تھا۔

آگے پھر اسی مضمون کی طرف عود ہے "کہ لاجرم خورشید داند برق راہ"۔ جس سے یہ ارشاد مقصود ہے۔ کہ فانی و ناپائیدار چیز کا عشق اچھا نہیں۔ باقی و حقیقی ذات کا عشق چاہیے:۔

برق آفل باشد و بس بے وفا آفل از باقی نداند بے صفا

لغات:۔ آفل چھپ جانے والا بے صفا جس کا دل روشن نہ ہو۔

ترجمہ:۔ بجلی تو چھپ جانے والی چیز ہوتی ہے اور بالکل ناپائدار (جو شخص کمالِ عقل کے) نور سے عاری (ہے وہ) چھپ جانے والی چیز اور باقی رہنے والی چیز میں فرق نہیں سمجھتا۔

برق خندد، بر کہ مے خندد؟ بگو بر کسے کہ دل نہد، بر نُورِ او

ترجمہ:۔ (تم دیکھتے ہو کہ) بجلی ہنستی ہے۔ بتاؤ (یہ) کس پر ہنستی ہے؟ (یہ) اس شخص پر ہنستی ہے جو اس کی چمک کا دلدادہ ہو رہا

ہے (حالانکہ یہ ناپائدار چیز قابلِ دلبستگی نہیں)

نیست حسنِ بے بقا شایستۂ دلبستگی   با چراغِ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

نورہائے برق بریدہ پے است   آن چولاشرقی ولاغربی کے است

لغات:۔ بریدپے۔ قدم بریدہ، ختم، منقطع، جس کا سلسلہ آگے نہ چلے۔ لاشرقی ولاغربی۔ نہ منسوب بہ مشرق اور نہ منسوب بمغرب، جو خداوند تعالیٰ کے نور کی صفت ہے۔ اور یہ ایک آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ کما سیاتی۔

ترجمہ:۔ بجلی کے انوار تو قدم بریدہ ہیں۔ (چنانچہ ان کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا) وہ اس (نورِ خداوندی) سے مشابہ کب ہیں جو شرقی ہے نہ غربی۔

مطلب:۔ اس میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ الخ اللہ (ہی کے نور سے) آسمان وزمین کی روشنی ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے (اور) طاق میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے۔ (اور) قندیل اس قدر شفاف ہے کہ گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے۔ کہ جو نہ مشرق کے رخ واقع ہے۔ نہ مغرب کے رخ" الخ (سورہ نور ع ۵) آیۂ نور کی تفسیر نہایت شرح وبسط کے ساتھ اور اس کے اسرار ورموز عجیب طریق سے سابق جلد مفتاح العلوم میں بیان ہو چکے ہیں۔

برق راخود یَخْطَفُ الْاَبْصَار، داں   نور باقی راہمہ ابصار داں

ترجمہ:۔ بجلی کو نگاہوں کی اچک لے جانے والی سمجھو (کہ اس کی چمک سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور کبھی نگاہ مفقود بھی ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے۔ ذاتِ حق کے) باقی رہنے والے نور کو (آنکھوں کے لیے) سراپائے بصارت سمجھو۔

مطلب:۔ یہ اقتباس قرآن مجید کی اس آیت سے ہے کہ۔ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ" قریب ہے کہ بجلی ان کافروں کی نگاہوں کو اچک لے جائے" (بقرہ ع ۳) بعض نسخوں میں دوسرے مصرعہ کے لفظ ابصار بیائے موحدہ کے بجائے انصار بنون درج ہے اس صورت میں اگرچہ قافیہ کا وہ نقص جو ہمارے نسخے میں ہے رفع ہو جاتا ہے۔ مگر نور برق اور نورِ باقی کے متضاد اثروں کا پرلطف تقابل جو ابصار کے لفظ کے ساتھ نمایاں ہے۔ وہ اس نسخے میں قائم نہیں رہتا۔ ہمارا نسخہ شرح بحرالعلوم کے مطابق ہے۔

برکفِ دریا فرس را راندن   نامہ رادر نورِ برقی خواندن

از حریصی عاقبت نادید نست   بردل و برعقلِ خود خندید نست

لغات:۔ کف۔ جھاگ۔ راندن ۔ خواندن میں پہلا نون غنہ ہے۔ یہاں نون ساکن کا استعمال بضرورت ہوا ہے۔ حریصی حرص وطمع۔

ترکیب:۔ پہلے شعر میں دونوں مصرے دو جملے بترکیب عطفی مل کر مبتدا ہوا۔ دوسرا شعر خبر۔

ترجمہ:۔ دریا کے جھاگ پر گھوڑا دوڑا (نے کی کوشش کر) نا اور بجلی کی چمک میں خط پڑھنے لگنا (اپنی اندھی) حرص میں (بے سود) نتیجے سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔ (اور) اپنے (غیر دور اندیش) دل اور (ناقص) عقل کی ہنسی اڑانا ہے۔

مطلب :۔ ناپائیدار چیز کا عشق اختیار کرنا اسی طرح لغو و بیہودہ ہے جیسے کفِ دریا پر گھوڑا دوڑانے کی کوشش جس کا نتیجہ غرق ہے۔ اور جیسے بجلی کی چمک میں خط پڑھنے لگنا جس کا نتیجہ قطعاً ناکامی ہے۔ ناقص العقل ان نتائج کو نہیں دیکھتا۔ پس ماسوی اللہ کی فرطِ محبت کا ثمرہ بھی تباہی و ناکامی ہے۔ جامیؒ

ہر کہ باصورتِ شیریں پسراں عشق بباخت نیست از معنئے پیراں رہش ہیچ نصیب
ہر کہ خواہد کہ چو حافظ نشود سرگرداں دل بخوباں ندہد وزپے ایشاں نزود

نورِ برقی سے اس بجلی کی چمک مراد ہے جو ابر کے اندر چشمک زن ہوتی ہے۔ اور جس کی ناپائیداری ضرب المثل ہے۔ کما قیل۔

ہنگامہ گرم ہستی ناپائیدار کا چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

یہاں یہ بجلی کی روشنی مراد نہیں جس کے قمقمے آج در و بام کو بقعۂ نور بنا رہے ہیں کیونکہ یہ روشنی مولانا کے زمانہ میں نہیں تھی۔

عاقبت بین ست عقل از خاصیت نفس باشد کو نہ بیند عاقبت

ترجمہ :۔ عقل تو بالخاصیت عاقبت بین ہے اور جو عاقبت بین نہ ہو تو وہ نفس ہے (عقل نہیں)۔

مطلب :۔ انسان کو آمادۂ فعل کرنے والی دو طاقتیں ہیں۔ ایک عقل جو نتائج کو ملحوظ رکھ کر کسی کام کا مشورہ دیتی ہے دوسرا نفس جو اسے غصہ، حسد، کینہ، حرص، شہوت وغیرہ ناپاک جذبات کے زیر اثر کسی کام پر آمادہ کرتا ہے۔ اور اس کام کے نتیجہ بد سے اسے سروکار نہیں ہوتا۔ اوپر کہا تھا کہ "از حریصی عاقبت نادیدن ست" اب فرماتے ہیں کہ یہ نفس ہی کا کام ہے کہ وہ حرص کے جذبہ سے متاثر ہو کر انجام پر نظر کیے بدوں کوئی کام کرانے لگتا ہے۔ عقل کا کام نہیں۔ ہاں جو عقل نفس کے آگے بے بس ہو جائے تو وہ نفس کی ہمنوا ہو جاتی ہے اور غیر دور اندیشانہ کام کرانے لگتی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

عقل کو مغلوبِ نفس او نفس شد مشتری ماتِ زحل شد نحس شد

ترجمہ :۔ جو عقل نفس سے مغلوب (ہو جائے) وہ بھی (بمنزلہ) نفس بن جاتی ہے (جب) ستارہ مشتری (جو سعدِ اکبر ہے۔ نحس اکبر یعنی) زحل کے زیرِ اثر آ جائے۔ تو نحس ہو جاتا ہے۔

مطلب :۔ بری چیز اچھی چیز کو بھی اپنا ہمرنگ بنا لیتی ہے۔ کما قال السعدیؒ۔

تحکم کند سیر بر بوئے گل فروماند آوازِ چنگ از دہل

ستاروں کی سعادت و نحوست کا ذکر علےٰ سبیل العرف ہوا ہے شرعاً ایسا اعتقاد صحیح نہیں۔ الا بتاویل یہ بحث اس شرح کی پہلی جلد میں حکایت بادشاہِ جہود کے اوائل میں بشرح و بسط گزر چکی۔ آگے فرماتے ہیں کہ عقل کی مغلوبیت کی حالت میں بھی تعلق باللہ سے غافل نہ ہونا چاہیے :۔

ہم دریں نحسی بگرداں ایں نظر در کسے کہ نحس کردت در نگر

ترجمہ :۔ (مگر تم پر لازم ہے کہ) اس نحوست (کی حالت) میں بھی اپنی اس (کوتہ میں) نظر کو حق کی طرف منعطف (کرنے کی کوشش) کرو۔ (جس کی آسان صورت یہ ہے کہ اپنی نحوست کے خیال سے) اس (ذات) کو دیکھو جس نے تم پر نحوست وارد کی ہے۔

مطلب :۔ اگر غلبہ نفس اور طیرانِ نحوستِ نفس میں متوجہ بحق ہونے کا موقع نہیں ملتا تو ہم ایک آسان تدبیر بتاتے ہیں۔ وہ تدبیر یہ ہے کہ تم کم از کم اپنی اس نحوست ... فاعل بھی ہوتا ہے۔ اس طرح تم اپنی نحوست کے

خالق پر بھی نظر کر سکتے ہو جو حق جل وعلا ہے۔ پس یہی توجہ بحق ہے۔ اگر اس کو ترقی دیتے جاؤ گے تو نفس کی تمام نحوست بھی رفع دفع ہو جائے گی۔ یہاں حضرت شارح کلید مثنوی سلمہ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ سے ایک عجیب تعلیم منقول فرمائی ہے یعنی جب وساوس وخطرات کا دل پر ہجوم ہو تو ان کے ازالہ وابطال کے لئے اپنی قوت نظر کو زیادہ صرف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک طرح سے ان وساوس پر مزید توجہ ہے۔ جس سے ان کے ترقی پانے کا احتمال ہے۔ بلکہ ان سے نظر پھیر کر حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اور سوچنا چاہیے کہ سبحان اللہ کیسی باقدرت ذات ہے۔ جس نے یہ وساوس وخیالات میرے دل میں ڈالے۔ اب وہی ان کو زائل بھی کر دے گا۔ اس مراقبہ سے وہ وساوس آپ سے آپ منتفی ہو جائیں گے۔ (انتھیٰ) یہ گویا مرضِ وسوسہ کا علاج بالمثل بمقابلہ علاج بالضد کے سہل الحصول اور مؤثر تر اور ساتھ ہی تعجب انگیز ہوتا ہے۔ آگے بھی ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے اس موجب مرض کو ہی خاص سلیقہ سے بطور دوا استعمال کرتا ہے وہ اسی کی بدولت شفا پا جاتا ہے:۔

آں نظر کہ بنگرد ایں جذر ومد — او زِ نحسے سوئے سعدے نقب زد

لغات:۔ جذر ومد پانی کا اتار چڑھاؤ، جوار بھاٹا۔ نقب زدن سیندھ لگانا، چور کا کسی گھر میں داخل ہونے کے لیے دیوار میں بڑا چھید کرنا مگر یہاں راہ پانا مراد ہے۔

ترجمہ:۔ جو نگاہ (نفسانی وساوس کے) اس اتار چڑھاؤ کو تاڑ جائے (کہ کہاں سے ان وساوس کی چڑھائی ہوئی اور کیونکر ان کی طغیانی کم ہوگئی) وہ نحوست سے (نکل کر) سعادت کی طرف راہ پا جاتی ہے۔

نوٹ:۔ آگے اس تبدیلِ احوال کی مصلحت بیان فرماتے ہیں۔

زاں ہمیگر داندت حالے بحال — ضد بضد پیدا کناں در انتقال

تا کہ از عسرے نہ بینی خوف ہا — کے زِ یسرے باز یابی لطف ہا

لغات:۔ ہمیگر داند پھراتا ہے، ادل بدل کرتا ہے۔ انتقال ایک حالت سے دوسری حالت میں آنا۔ عُسر تنگی۔ یسر، فراخی۔

قافیہ:۔ خوفہا و لطفہا کا بے لطف قافیہ ضرورتاً اختیار کرنا پڑا ہے۔

ترجمہ:۔ (خداوند تعالیٰ شانہ اس لیے (ایک) مخالف (کیفیت) سے (دوسری) مخالف (کیفیت) پیدا کرتا ہوا از راہِ تبدیل تمہاری ایک حالت کو دوسری حالت میں پھیرتا ہے کہ جب تک تم کو تنگی سے خوف نہ آئے گا۔ اس وقت تک تم فراخی سے لطف کب محسوس کر سکتے ہو۔

مطلب:۔ یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ "قدرِ عافیت کسے داند کہ بلائے گرفتار آید" یعنی سلامتی کی قدر وہی کرتا ہے جو کسی بلا میں مبتلا ہو۔ کشتی نشینی کی ٹھیک قدر غرق ہونے والا ہی سمجھتا ہے، صحت کا مزا مرض کی تکالیف برداشت کرنے والے سے پوچھنا چاہیے۔ خنک و لطیف ہوا کے جھونکوں کی تعریف موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں چل کر آنے والے سے سننی چاہیے"۔ پس حق تعالیٰ نے جو یہ گوناگوں رحمتوں کے ساتھ ساتھ مختلف زحمتوں کے سامان پیدا کیے ہیں تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح اس کی رحمتوں اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا احساس ہوتا ہے۔ اگر بندہ پر ہمیشہ رحمتوں کا ہی سایہ رہتا اور وہ رات دن نعمتوں کے مزوں میں مستغرق رہا کرتا تو اس کو حسانات الٰہیہ کا کچھ بھی احساس نہ ہوتا۔ نہ اس کے دل میں اپنے محسنِ حقیقی کے لیے شکر و امتنان کا خیال پیدا ہوتا۔ حافظؒ

ازدست ہجر یار شکایت نمی کنم — گر نیست غیبتے ندہد لذت حضور

مدعا اس بحث سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ سالک کے احوال کو جو قبض و بسط میں بدلتا رہتا ہے تو اس میں حکمت یہی ہے کہ اس کو بسط کی قدر آ جائے اور وہ بیش از بیش ترقیِ مدارج کی کوشش کرے۔ ربڑ کی گیند کو زور سے زمین پر اسی لیے پھینکا جاتا ہے کہ وہ بلندی پر جائے۔ ورنہ اگر قبض کی حالت نہ ہوتی تو بسط کی قدر نہ آتی اور نہ ترقی و عروج کا جوش پیدا ہوتا۔ کما قالؒ۔

وصل پیدا گشت از عینِ بلا — زاں حلاوت شد عبارت ما قلا

رنجِ گنج آمد کہ رحمت ہا د روست — مغز تازہ شد چو بخرا شید پوست

آں بہاراں مضمر ست اندر خزاں — در بہار ست آں خزاں مگر یزاں

تا کہ خوفت زاید از ذاتُ الشمال — لذتِ ذاتُ الیمین یُرجی الرِّجال

لغات:۔ زاید۔ پیدا ہو۔ ذات الشمال۔ بائیں جانب۔ مراد گنہگار و کافر کیونکہ قیامت کے روز ان کے بائیں ہاتھوں میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ ذالت الیمین۔ دائیں جانب مراد پرہیزگار اور مومن لوگ کیونکہ قیامت کے روز ان کے دائیں ہاتھوں میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ یرجی۔ امید دلائے فعل مضارع از ارجاء الرجال لوگ۔

ترجمہ:۔ (غرض حق تعالیٰ تم پر مختلف احوال طاری کرتا رہتا ہے) تا کہ تم کو بائیں جانب نامہ اعمال دیے جانے سے خوف آئے۔ (اور تم دائیں جانب نامہ اعمال دیے جانے کے مستحق بننے کی کوشش کرو۔ کیونکہ دائیں جانب (والوں کو جو نجات و فلاح) کی لذت (حاصل ہو گی۔ وہ) لوگوں کو امید دلاتی ہے۔ (کہ ہم بھی کوشش کریں تو دائیں جانب والوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔)

مطلب:۔ یعنی تا کہ قبض سے جو یاس کی حالت پیدا ہو جاتی ہے وہ بسط کی بدولت زائل ہو جائے اور اس کے بجائے امید پیدا ہو جائے اور ہیبت کی حالت انس میں بدل جائے جیسا کہ اکثر سالکوں کو پیش آتا ہے کہ پہلے ان پر ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے پھر وہ انس کی حالت میں بدل جاتی ہے۔ غیؒ۔

گر فلک کارِ ترا برہم زند از جا مرد — جامہ راخیاط سازد قطعِ بہرِ دوختن

تا نہ بینی خوفِ نحسِ مشائمہ — کے شناسی قدرِ لطفِ میمنہ

لغات:۔ نحس نحوست۔ مشائمہ۔ بائیں جانب۔ میمنہ دائیں جانب۔

صنائع:۔ نحس اور مشائمہ میں ایہامِ تناسب ہے۔ کیونکہ مشائمہ کے معنے نحوست کے بھی ہیں۔

ترجمہ:۔ جب تک کہ تم بائیں جانب والوں کی نحوست کے خوف سے آگاہ نہ ہو جاؤ (اس وقت تک) دائیں جانب والوں کے لطف کی قدر کیا کرو گے۔

مطلب:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ .... (ایک) تو داہنے ہاتھ والے سو داہنے والوں کا کیا کہنا اور (ایک) بائیں ہاتھ والے سو بائیں ہاتھ والوں کا کیا ہی برا درجہ ہے۔ (سورہ واقعہ ع۱) پس جس طرح اصحاب مشائمہ کے برے انجام کا خوف طاری ہوئے بغیر اصحاب میمنہ کے مدارج کی قدر نہیں آ سکتی۔ اسی طرح جب تک قبض کی حالت طاری نہ ہو۔ بسط کی قدر اور اس کا لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا دونوں حالتوں کا ہونا ضروری ہے۔ صرف ایک حالت سے منشاءِ حکمت پورا نہیں ہو سکتا۔ آگے اس کو ایک تمثیل سے واضح فرماتے ہیں:۔

الخلاف:۔ یہ بیت ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

تادو پُر باشی کہ مرغک یک پرہ عاجز آمد از پریدن یکسرہ

لغات:۔ مرغک میں کاف تصغیر ہے۔ پرہ کی ہا نسبت کے لیے اور یکسرہ کی باز ائد ہے۔
ترجمہ:۔ (قبض وبسط کی دونوں حالتیں اس لیے ضروری ہیں) تاکہ تم دو پروالے (پرندے کی طرح پرواز ترقی کے قابل) ہو جاؤ۔ کیونکہ ایک پروالا بیچارہ پرندہ اڑنے سے بالکل عاجز ہوتا ہے۔ (اسی طرح ایک حالت کے ساتھ تم بھی اوج ترقی پر از نہیں سکتے۔)
مطلب:۔ یہ سارے تغیرات اس لیے ہوتے ہیں۔ کہ تمہارے اندر رجاوخوف کی دونوں صفتیں پیدا ہوں۔ اس لیے کہ ایمان بین الخوف والرجاء ہے۔ اور اسی پر مدارِ نجات ہے۔ عن انس رضي الله عنه قال دخل النبي صلي الله عليه وسلم علي شاب وهوفي الموت . فقال كيف تجدك قال ارجو الله يا رسول الله و اني اخاف ذنوبي فقال رسول الله صلي الله عليه وسلم لا يجتمعان في قلب عبد في مثل هذا الموطن الاعطاه الله مايرجوا و امنه مما يخاف یعنی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا یہ دونوں باتیں یعنی (امید اور خوف) جب ایسے وقت بندے کے دل میں جمع ہوں تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کی امید پوری کرتا ہے اور اس کو خوف سے امن میں رکھتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

خوف ورجا دونوں کی ضرورت اس لیے ہے کہ ان میں سے صرف ایک کا موجود ہونا بندے کے لیے مضر ہے چنانچہ اگر صرف خوف ہوتا تو اس سے یاس کلی پیدا ہونے کا احتمال تھا جس کا ایک لازمی نتیجہ ترک طاعات وعبادات اور ارتکاب معاصی ہوتا۔ اور اگر صرف رجا ہوتی تو اس سے جرأت و دلیری پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس صورت میں بھی بندہ تارک طاعات و مرتکب خطیئات ہونے سے باز نہ رہتا۔

خوف ورجا دونوں کا ہونا ایمان میں — خوف ورجا کے ضروری ہونے کی علت

ہیں گذراز میمنہ وز میسرہ درسرای سابقاں آں یکسرہ

لغات:۔ میمنہ دائیں طرف کی فوج۔ میسرہ بائیں طرف کی فوج مگر یہاں اس سے وہی میمنہ و مشائمہ مراد ہیں جن کا اوپر سے ذکر آرہا ہے یعنی دائیں ہاتھ کے اعمال نامے والے اور بائیں ہاتھ کے اعمال نامے والے۔ سابقاں آگے بڑھ جانے والے بقاعدۂ فارسی سابق کی جمع ہے۔
ترجمہ:۔ ہاں ہاں! دائیں طرف والوں اور بائیں طرف والوں سے بھی گزر کر ان سابقین کے گھر میں داخل ہو جاؤ (جو مقربین خاص ہیں)
مطلب:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اصحاب مشائمہ اور اصحاب میمنہ کی دونوں جماعتوں کے ذکر کے بعد فرماتا ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۔" اور (تیسرے) جو (سب سے) آگے (سامنے بٹھائے گئے) ہیں۔ سو یہ آگے ہی (بٹھانے کے قابل) ہیں (کہ) یہ (بارگاہِ خداوندی کے) مقرب ہیں۔ (واقعہ ع۱) مولاناؒ فرماتے ہیں۔ کہ تم نہ صرف اصحابِ مشائمہ کے ساتھ شامل ہونے سے بچو بلکہ اصحابِ میمنہ کے درجے پر بھی قناعت نہ کرو۔ اور مدارج ترقی میں بڑھتے بڑھتے سابقون مقربون میں جا پہنچو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تلوین سے نکل کر تمکین کا درجہ حاصل کرو۔ وہ قربِ حق کا اقرب ترین طریقہ ہے۔ جامیؒ۔

ایکہ در شرع خداونداں حال میکنی از سنت و فرضم سوال
سنت آمد رخ ز دنیا تافتن فرض راہِ قرب مولیٰ یافتن

الخلاف:۔ یہ بیت بھی ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔
آگے مولانا سامع کی بے توجہی دیکھ کر ناراض ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

یا رہا کن تا نیایم درکلام یا بدہ دستور تا گویم تمام

لغات:۔ رہا کن چھوڑ دو۔

ترجمہ:۔ (اے سامع!) یا تو اس قصے کو ہی چھوڑ دو۔ تا کہ میں کلام ہی نہ کروں یا (سننے پر آمادہ ہو کر) مجھے اجازت دو کہ پوری طرح بیان کر دوں۔

مطلب:۔ نہ تو تم یہ کہتے ہو کہ بس اس بحث کو جانے دو کہ ہمیں اس کے سننے کا شوق نہیں ہے اور نہ پوری طرح متوجہ ہوتے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ یا تو صاف کہہ دو کہ ہم سننا نہیں چاہتے۔ تا کہ ہم کو زحمتِ تقریر سے نجات ملے یا پوری طرح تقریر کرنے کی اجازت دو اور خود ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔ سعدیؒ

گوشت حدیث ے شنود ہوش بے خبر　　در حلقہء بصورت وچوں حلقہ بردری

ورنہ ایں خواہی نہ آں فرماں تراست　　کس چہ داند مر ترا مقصد کجاست

لغات:۔ فرماں تراست ایک محاورہ ہے جو اپنی طرف سے کسی کو کسی اپنی خواہش کے موافق قول وفعل کی اجازتِ کلی دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں تم کو اختیار ہے' تم مختار ہو' تم جانو تمہارا کام جو چاہو کرو۔

ترجمہ:۔ اور اگر تم نہ یہ چاہو نہ وہ تو پھر تم جانو تمہارا کام (ہم اس تقریر کو جاری رکھنے سے معذور ہیں کیونکہ) کسی کو کیا معلوم کہ تمہارا مقصد کیا ہے۔ (جس کو بیان کیا جائے۔)

مطلب:۔ صاحب کلید مثنوی فرماتے ہیں کہ چونکہ مثنوی شریف کا طرز تصنیف کا نہیں ہے۔ بلکہ ناصحانہ دواعظانہ مکالمت کا انداز ہے اور جس طرح ایک واعظ و ناصح یا ایک استاد اثنائے درس میں تقریر کرتے ہوئے بیچ میں کہہ دیتا ہے کہ بھائی بات سنتے ہو تو سنو ورنہ میرا مغز کیوں خالی کیا ہے اس کے بعد پھر وہی سلسلہ تقریر شروع کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں مولانا اثنائے تقریر میں فرماتے ہیں کہ بھائی یا تو سنو یا ہمارا پیچھا چھوڑو۔ چونکہ سامع اس تنبیہ سے متوجہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پھر وہی سلسلۂ بیان جاری فرماتے ہیں اور بلاتشبیہ یہی طرز قرآن مجید کا بھی ہے۔ اس کا انداز بھی تالیف کا نہیں بلکہ مکالمات کا ہے۔ مگر آیاتِ قرآنیہ بھی اس لیے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد و بے انتہا رحیم و کریم ہیں۔ اس لیے ایک ایک بات کو کئی کئی مرتبہ فرماتے ہیں تا کہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔ (انتہیٰ)

مولانا بحر العلومؒ لکھتے ہیں۔ یہ خطاب جناب حق نسے ہے اور ظاہر ہے کہ مولاناؒ بیانِ اسرار میں امرِ حق کے تابع ہیں۔ چونکہ اس مقام میں بعض اسرار مجملاً بیان کیے ہیں۔ تفصیلاً بیان نہیں کیے اور ممکن ہے کہ بعض اور اسرار بھی بیان کرنا چاہتے ہوں مگر حق تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بیان نہ کر سکتے ہوں۔ لہٰذا حق تعالیٰ کی جناب میں مناجات کرتے ہیں کہ الٰہی یا تو ان اسرار کو مفصلاً بیان کرنے اور ناگفتہ اسرار کو معرضِ بیان میں لانے کی اجازت ہو یا بالکل ساکت و خاموش رہنے کا حکم ہو جائے۔ اور اگر نہ یہ اجازت دینی منظور ہے نہ وہ حکم۔ بلکہ تیری مرضی یہی ہے کہ بعض اسرار مجملاً بیان ہوں اور بعض پر لب کشائی ہی نہ کی جائے تو جو تیرا حکم۔ میں تابع فرمان ہوں۔ (انتہیٰ) آگے پھر اسی سلسلۂ بیان کو جاری فرماتے ہیں۔

جانِ ابراہیمؑ باید یا بنُور　　بیند اندر نار فردوس و قصور

ترجمہ:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سی جان چاہیے۔ جو (اپنے) نور (باطن کی روشنی) سے آتش (نمرود) کے اندر بہشت اور محلات کو دیکھ لے۔

مطلب:۔ اوپر فرمایا تھا۔ نقصانِ عقل برا مرض ہے۔ ''نقص عقلت آنکہ بد رنجوری ست'' لہٰذا عقل کامل حاصل کرنا چاہیے۔ اب اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ادراک ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سا کامل ادراک ہو۔ جن کو دشمنوں کی آگ کے اندر بھی مراتبِ آخرت کا نقشہ نظر آتا تھا۔ اور اس کی دہشت سے وہ منصب نبوت میں قاصر نہیں ہوئے۔ بلکہ اس مشاہدے کی بنا پر جو وہ آگ کے اندر اپنے کمالِ عقل و ادراک اور کمالِ اذعان و یقین کی بدولت کر رہے تھے۔ بخوشی آگ میں گھس گئے۔ صائبؒ

چہ غم ز آتش سوزندہ چوں خلیلؑ مرا　　　　کہ عشقِ او ز بلاہا بود کفیل مرا

پایہ پایہ بر رود بر ماہ و خور　　　　تانماند ہم چو حلقہ بند در

لغات:۔ پایہ درجہ،زینہ۔خور آفتاب اس میں واؤ غیر ملفوظ ہے۔بفتحِ خاء پڑھا جاتا ہے جس میں واؤ کا کسی قدر اشمام ہو۔ حلقہ دروازے کا کنڈا۔بند پابند،مقید۔

ترجمہ:۔ (سالک کو) زینہ بہ زینہ (ترقی کرتے ہوئے) مہر و ماہ سے بھی اونچے چڑھ جانا چاہیے۔تاکہ وہ دروازہ کی زنجیر کی طرح (خلوتِ راز سے علیحدہ اور) صرف دروازے کا مقید نہ رہے۔

چوں خلیلؑ از آسمانِ ہفتمین　　　　بگذرد کہ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

لغات:۔ ہفتمیں ہفتم، ساتواں۔لااحب میں دوست نہیں رکھتا۔آفلین چھپ جانے والے۔

ترجمہ:۔ اور (تاکہ) وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح (ترقی مدارج کرتا ہوا) ساتویں آسمان سے بھی اونچا چڑھ جائے۔ (اپنے اس کمالِ ایمان وخلوصِ توحید کی بدولت) کہ ان کی طرح کہے کہ میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مطلب:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ۔چاند اور سورج کو باری باری دیکھ کر کہا تھا۔لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔"میں چھپ جانے والی ہستیوں کو دوست نہیں رکھتا"۔پھر کہا۔اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔"میں تو سب سے رخ پھیر کر اپنا رخ اسی ذاتِ پاک کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں" (انعام ع ۹) فرماتے ہیں۔کہ جس طرح حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ترکِ آفلین سے ترقیِ مدارج حاصل کی تھی۔سالک کو بھی چاہیے کہ فانی وناپایدار اشیاء سے قطع تعلق کر کے ذاتِ حق کو اپنا مقصود بنائے۔جامیؒ۔

خلیل آسا در ملک یقیں زن　　　　نوائے لااحب الآفلین زن

ایں جہانِ تن غلط انداز شد　　　　جز مرا نرا کوز شہوت باز شد

لغات:۔ جہانِ تن عالمِ اجسام،عالمِ سفلی۔غلط انداز غلطی میں ڈال دینے والا۔

ترجمہ:۔ یہ عالمِ اجسام تو (لوگوں کو اپنے انہماک میں ڈال کر) غلطی میں مبتلا کر دینے والا ہے۔سوائے اس شخص کے جو خواہشاتِ نفس سے باز رہے۔غنیؒ۔

دل منور کے شود در ظلمت آبادِ بدن　　　　شمع را روشن نمے سازند تا در قالب ست

ان مباحثِ دقیقہ کے بعد اب مولاناؒ اسی غلام کے قصے کو پھر چھیڑتے ہیں جس کا ذکر ان ابیات سے شروع ہوا تھا کہ:۔

یک فسانہ راست آید یا دروغ　　　　تادہد مر راستیہا را فروغ

پادشاہے بندۂ را از کرم　　　　برگزیدہ بود از جملہ حشم

اور یہ قصہ پہلے قصہ سے جداگانہ تھا جس میں دو غلاموں کا ذکر ہے کہ ایک غلام خوبصورت مگر بد خلق اور دوسرا بدصورت مگر خوش اخلاق تھا۔اور اس قصے کا سابقہ قصے سے جداگانہ ہونا "ایک فسانہ" اور "پادشاہے" کے کلمات سے عیاں ہے مگر ایک شارح صاحب لکھتے ہیں کہ "اب مولانا اس غلام کی حکایت کو پورا فرماتے ہیں کہ جس کو بادشاہ نے دو میں سے پسند کیا تھا اور وہ بدصورت تھا۔مگر اس کی سیرت عمدہ تھی" معلوم ہوتا ہے کہ ان شارح صاحب نے دونوں قصوں کو ایک سمجھ لیا یا اس کے عنوان کا خیال نہیں کیا کہ اس کا ربط

صرف دوسرے قصے سے ہوسکتا ہے۔ نہ کہ پہلے قصے سے۔ واللہ اعلم۔

تتمہ قصہ حاسدان بر غلامِ سلطان وحقیقت آں

بادشاہ کے غلام پر حسد کرنے والوں کا قصہ اور اس کی حقیقت

قصہ شاہ و امیران وحسد بر غلامِ خاصِ سلطانِ ابد
دور ماند از جر جرارِ کلام باز باید گشت و کرد آں را تمام

لغات:۔ سلطانِ ابد جس کی بادشاہی ہمیشہ ہو۔ یہ صفت حق تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جو شہنشاہ حقیقی ہے۔ مجازی بادشاہوں پر صادق نہیں آسکتی۔ پس اس کو یا تو محمول بر مبالغہ کیا جائے گا۔ جیسے کہہ دیتے ہیں۔ حضور کا اقبال ابدالا باد تک قائم رہے۔ اور خود مولاناؒ بھی ایک جگہ لکھ چکے ہیں "ظلِ مولانا ابد پاینده باد" یا اس کی یہ تاویل ہوگی کہ چونکہ وہ بادشاہ مقبولِ حق تھا۔ اس لیے جس طرح وہ دنیا میں صاحب جاہ وشرف تھا۔ عقبیٰ میں بھی اللہ اس کے جاہ وشرف کو ابد تک قائم رکھے گا۔ اس لیے وہ سلطانِ ابد تھا۔ جرار کھینچنے والا۔ جرارِ کلام جو کلام کو طول دیتا اور بڑھاتا چلا جائے۔ اور اس سے مراد بقول مولانا بحر العلوم وہ مباحث ہیں جو سلسلۂ کلام میں واقع ہوں۔ اور ان سے کلام طول پکڑ جائے چنانچہ عربی مثل ہے کہ الکلام یجرا الکلام یعنی ایک کلام دوسرے کلام کو کھینچتا چلا جاتا ہے اور بقول حضرت شارح کلید اس سے مراد حق تعالیٰ ہے۔ کہ وہی القائے معانی اور الہامِ اسرار سے کلام کو طول دلاتا ہے۔

ترکیب:۔ قصہ شاہ وامیراں الخ مرکبِ عطفی فاعل ہے دور ماند کا۔ دوسرے شعر کا دوسرا مصرعہ الگ جملہ ہے۔

ترجمہ:۔ بادشاہ اور (اس کے) امیروں کا اور سدا (بادشاہی والے) بادشاہ کے غلام خاص پر (ان کے حسد کرنے کا قصہ بات کو طول دینے والی (باتوں) کے طول دینے سے دور رہ گیا۔ لہٰذا اب واپس چلنا اور اس کو پورا کرنا چاہیے۔

باغبانِ ملک با اقبال و بخت چوں درختے راند انداز درخت!

ترجمہ:۔ (خیال فرمایئے۔ کہ ایک بیدار مغز بادشاہ جو گویا) ملک کا باغبان (ہے) بااقبال وخوش نصیب (ہے وہ اپنے باغ کے) اچھے برے درخت میں تمیز کیوں نہ کرے گا؟

مطلب:۔ بادشاہ نے اپنے ایک غلامِ خاص کو سب سے زیادہ قابل پا کر امتیاز خاص بخشا تو اس پر لوگوں کا حسد کرنا بے محل تھا۔ بادشاہ ملک کے باغ کے لیے بمنزلہ باغبان ہے۔ باغبان خود جانتا ہے کہ اچھا درخت کون سا ہے اور ناقص وغیر مفید کون سا۔ پھر وہ اچھے درخت کی پرورش کرتا ہے اور برے کو کاٹ ڈالتا ہے۔ جس طرح ایک فنِ باغبانی سے ناواقف آدمی کا باغبان کے اس فعل پر معترض ہونا لغو ہے۔ اسی طرح لوگوں کا اس بادشاہ کے غلام کو توقیر بخشنے پر حسد کرنا فضول تھا۔

آں درختے را کہ تلخ و رد بود واں درختے کہ یکش ہفصد بود
کے برابر دارد اندر مرتبت چوں ببیند شاں بچشمِ عاقبت

لغات:۔ رد مردود، غیر مقبول، ناپسند۔ ہفصد سات سو۔ عاقبت سے عاقبت بینی مراد ہے۔

ترجمہ:۔ وہ (باغبانِ ملک) جب ان (درختوں) کو عاقبت (بین) کی نظر سے دیکھے گا تو ان درختوں کو جو تلخ اور ناقابل پسند ہوں اور ان درختوں کو جن میں سے ایک (ایک درخت) سات (سات) سو کے برابر ہو مرتبے میں برابر کب رکھے گا؟

مطلب :۔ بادشاہی کے فرائض کو وہی بادشاہ بخوبی ادا کرسکتا ہے جو رعایا کے ہر اعلیٰ وادنیٰ فرد کو جانے پہچانے۔ اور ان سے حسب مراتب سلوک کرے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ چراگاہ میں گھوڑے دیکھنے گیا۔ داروغۂ اصطبل کچھ عرض کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ بادشاہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ سمجھا دشمن ہے۔ کوئی وار کرے گا۔ فوراً کمان کھینچ کر تیر چڑھا لیا۔ داروغہ چلانے لگا کہ میں تو نمک خوار سرکار ہوں۔

من آنم کہ اسپانِ شہ پرورم ۔۔۔ بخدمت دریں مرغزار آورم

اس کے بعد خادمانہ لہجے میں یہ ناصحانہ تقریر کی۔ کہ حضور! یہ غلام لاکھ گھوڑوں میں سے گھوڑا پہچان لیتا ہے۔ کیا بادشاہ ایک داروغہ کے برابر بھی نہ ہو۔ جو رعایا و ملازمین کے خاص خاص افراد کو نہ پہچانے۔

تو انم من اے نامور شہر یار ۔۔۔ کہ اسپے بروں آرم از صد ہزار
مراگلہ بانی بعقل ست و رائے ۔۔۔ تو ہم گلۂ خویش داری بپائے
چنان ست در مہتری شرط زیست ۔۔۔ کہ ہر کہترے رابدانی کہ کیست
دراں دارِ ملک از خلل غم بود ۔۔۔ کہ تدبیر شاہ از شباں کم بود

ترکیب سے ظاہر ہے کہ آخری مصرعہ شرطِ مؤخر ہے اور اس میں کلمہ چوں حرفِ شرط ہے۔ اور پہلے تین مصرعے جزائے مقدم قرار پائے ہیں۔ ایک شارح صاحب نے آخری مصرعہ کے کلمہ چون کو حرف استفہام اور لفظ بیند کے بجائے بیند صیغۂ منفی سمجھا ہے۔ اس صورت میں مصرعہ ہذا کا ربط اگلے شعر کے ساتھ خوب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگلے شعر کا ترجمہ اسی تقدیر پر ہوگا۔

کاں درختانرا نہایت چیست بر ۔۔۔ گرچہ یکسا نند ایندم در نظر

لغات :۔ نہایت ۔ آخر کار، انتہا میں۔ بر ۔ پھل

ترجمہ :۔ (وہ ان کو اس خیال سے بنظرِ عاقبت بینی کیوں نہ دیکھے گا (کہ اگر چہ یہ اس وقت دیکھنے میں یکساں (نظر آتے) ہیں۔ مگر ان درختوں کا پھل انجام کار کیسا ہوگا۔

کما قیل ۔

علاجِ واقعہ قبل از وقوع باید کرد ۔۔۔ دریغ سودندار د چو کار رفت از دست

شیخ کو ینظر بنورِ اللہ شد ۔۔۔ از نہایت در نخست آگاہ شد

لغات :۔ شیخ پیر طریقت۔ ینظر الخ یہ اشارہ ہے۔ اس حدیث کی طرف جو ترمذی میں مروی ہے کہ۔ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہٗ ینظر بنور اللہ عزو جل یعنی مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔ (جامع صغیر للسیوطیؒ) نہایت انجام۔ نخست ۔ آغاز

ترجمہ :۔ (جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کے حال سے واقف ہوتا ہے اسی طرح) شیخِ کامل (بھی) جو ناظر بنور اللہ ہو (طالبین) کے انجام و آغاز (کے حال) سے واقف ہو جاتا ہے۔

چشمِ آخُر بیں ببست از بہرِ حق ۔۔۔ چشمِ آخر بیں کشاد اندر سبق

لغات :۔ آخُر بضمِ خاء وہ جگہ جہاں مویشی باندھنے اور ان کے چرنے کھانے کا سامان رکھتے ہیں، پنجابی کھرلی یہاں عالمِ

اجسام مراد ہے۔ بایں مناسبت کہ آخُر پر حیوانات کی پرورش ہوئی۔ اور عالمِ اجسام بھی درحقیقت عالمِ حیوانیت ہے جو انسان و بہائم میں مشترک ہے۔ سبق۔ پہلے آگے، سابقا

ترجمہ:۔ اس نے آخور کو دیکھنے والی (یعنی حیوانی) آنکھ حق (تعالیٰ کی رضا) کے لیے بند کر رکھی ہے اور آخرت کو دیکھنے والی (یعنی روحانی) آنکھ ابتدا سے کشادہ کر رکھی ہے۔ صائبؔ۔

بقدر رم ازیں عالم توانی آرمید آں جا　　که ایں جا ہر که سستی کرد نتو اندر سید آنجا

نوٹ:۔ یہ دو شعر سلسلۂ بیان میں بطور جملہ معترضہ آگئے تھے۔ آگے پھر غلام کا قصہ چلتا ہے اور اسی باغ و باغبان اور درختوں کی مثال میں اظہارِ مطلب فرماتے ہیں:۔

آں حسوداں بد درختاں بودہ اند　　تلخ گوہر شور بختاں بودہ اند

لغات:۔ تلخ گوہر جس کا مادہ تلخ ہو۔ شور بخت　بد بخت

ترجمہ:۔ (وہ غلام تو گویا ایک عمدہ درخت تھا۔ اس لیے باغبان یعنی بادشاہ کو محبوب تھا) اور وہ حاسد لوگ برے درخت، پیدائشی کڑوے اور بد بخت تھے۔ (اس لیے محبوب نہ تھے)

از حسد جوشاں و کف میریختند　　در نہانی مکرے انگیختند
تا غلامِ خاص را گردن زنند　　بیخِ اورا از زمانہ برکنند

ترجمہ:۔ وہ حسد کے سبب سے جوش میں آ رہے تھے۔ اور (غصے کے مارے منہ سے) جھاگ گراتے تھے (ساتھ ہی) اندر (یہ) سازش کرتے تھے کہ (اس) خاص غلام کو قتل کر دیں (اور) اس کی جڑ دنیا سے کاٹ ڈالیں۔

چوں شود فانی چو جانش شاہ بود　　بیخِ او در عصمتِ اللہ بود

لغات:۔ فانی　فنا، قتل۔ عصمت۔ حفاظت

ترجمہ:۔ لیکن وہ قتل کیوں کر ہو سکتا تھا۔ جب کہ بادشاہ اس کی جان تھا۔ (لہٰذا اس کا قتل گویا بادشاہ کا قتل تھا) اس کی جڑ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں (محفوظ و مامون) تھی۔ (دشمن اس کو کیونکر کاٹ سکتے تھے)۔

شاہ از اسرارِ شاں واقف شدہ　　ہم چو بوبکرِ ربابی تن زدہ

لغات:۔ ابوبکر ربابی۔ ایک ولیِ مجذوب کا نام ہے جو مستور الحال تھے اور سات سال تک بالکل خاموش رہے۔ تن زدن خاموش۔ خاموش ہو رہنا۔

ترجمہ:۔ بادشاہ ان (حاسدوں) کے (منصوبوں) کے بھیدوں سے واقف ہو گیا۔ مگر ابوبکر ربابی کی طرح چپ تھا۔

در تماشائے دلِ بدگوہراں　　میزدے خنبک براں کوزہ گراں

لغات:۔ تماشا　مشاہدہ، مطالعہ۔ بدگوہراں　بدذات لوگ۔ خنبک۔ تالی۔ کوزہ۔ گراں۔ مٹی کے برتن بنانے والے۔ چونکہ کوزہ گر مٹی کے برتنوں پر مختلف رنگ و روغن مل کر ان کو لکڑی، چینی، پتھر اور دھات کے ہمشکل بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا کوزہ گروں سے جعل ساز ملمع ساز مراد ہیں۔

ترجمہ:۔ وہ وان بدذاتوں کے (پُرفریب) دلوں کے مشاہدے میں ان جعل سازوں پر (بطور مضحکہ) تالی بجاتا تھا۔

مکرے سازند قومِ حیلہ مند   تاکہ شہ را در فقاعے افگنند

لغات:۔ شہ سے یہاں شیخ طریقت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ فقاع دھوکا۔

ترجمہ:۔ حیلہ ساز لوگ (مکرو) فریب کر رہے ہیں۔ تاکہ بادشاہ کو دھوکے میں ڈالیں۔

مطلب:۔ صاحب کلید لکھتے ہیں کہ یہاں سے مولانا شیخ اور اس کے بعض بداعتقاد مریدوں کا باہمی معاملہ بیان فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح وہ حاسد لوگ بادشاہ کو اس کے غلام کے خلاف اپنی ملمع کاریوں سے دھوکا دے رہے تھے اسی طرح جب کوئی مرید اپنے اندر کسی قدر کیفیت محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی سمجھنے لگتا ہے تو ظاہرداری کے لیے محض بناوٹ کے ساتھ اپنے آپ کو شیخ کا معتقد نمایاں کرتا ہے۔ حالانکہ شیخ اپنی اس بصیرت کی بدولت جو اس کو اللہ کے ذکر سے حاصل ہوئی ہے سب کچھ جانتا ہے اور اس کی تلبیس اس کے سامنے بالکل نہیں چلتی۔ اور تعجب یہ ہے کہ اس نے یہ داؤ اسی سے سیکھے ہیں اور پھر اسی پر استعمال کرنے لگتا ہے۔ داؤ سے مراد آدابِ شیخ ہیں۔ چنانچہ آداب کی تعلیم مرید نے پیر ہی سے پائی ہے۔ اور پھر اسی کو بناوٹی آداب سے خوش رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سخت احسان فراموشی ہے۔ سعدیؒ ؎

کس نیاموخت علم تیراز من   کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

پادشاہے بس عظیم و بے کراں   در فقاع کے بگنجد اے خزا

ترجمہ:۔ ارے او گدھو! (اتنا تو سوچو کہ) ایسا عظیم الشان اور غیر محدود (سلطنت کا مالک) بادشاہ دھوکے میں کیونکر آ سکتا ہے۔

مطلب:۔ جس بادشاہ کا اتنا دماغ ہو کہ ایک وسیع سلطنت کی مہمات کو قابو میں کیے بیٹھا ہے۔ بھلا وہ ایسے ویسے منصوبوں سے دھوکا کھا سکتا ہے۔ شیخِ طریقت ایسے مریدوں کی روبہ بازیوں سے دھوکا نہیں کھائے گا۔ حافظؒ ؎

بازی چرخ بشکند ش بیضہ در کلاہ   زہرہ کہ غرض شعبدہ با اہل راز کرد

از برائے شاہ دامے دوختند   آخر ایں تدبیر ازو آموختند

ترجمہ:۔ ان لوگوں نے بادشاہ کے پھانسنے کے لیے جال تیار کیا۔ آخر یہ تدبیر بھی اسی سے سیکھی تھی۔

مطلب:۔ مقابلہ ومعرکہ اور جنگ وجدل کی جو تدابیر بادشاہ عمل میں لاتا ہے اس کے بعض ملازمین اس سے دیکھ کر سیکھ لیتے ہیں پھر بارارادہ غدر وبغاوت ان تدابیر کو اس کے خلاف استعمال کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ایک مریدِ ناسپاس اپنے پیر سے آدابِ شیخ سیکھ کر پھر اسی کو دھوکا دینے کے لیے ان کو استعمال میں لاتا ہے اور دل میں دعویٰ ہمسری رکھتا ہے یہ بدترین ناسپاسی واحسان فراموشی ہے۔ صائبؒ ؎

گرچہ جاں بخش بود ہمچو مسیحا نفست   پیش آں آئنہ رخسار نباید دم زد

نحس شاگردے کہ با استادِ خویش   ہمسری آغازد وآید بہ پیش

ترجمہ:۔ اس شاگرد کی نحوست (کی انتہا نہیں) جو اپنے استاد کے ساتھ برابری کا دعویٰ چھیڑ دے اور اس کا سامنا کرنے لگے۔ صائبؒ ؎

کسے کہ برسخن اہل [illegible]   خود کمر ذوالفقار سے بندد

باکدام استاد استادِ جہاں　　پیشِ او یکساں ہویدا ونہاں

ترجمہ:۔(مقابلہ بھی) کون سے استاد کے ساتھ جو جگت گرو ہے جس کے سامنے چھپی کھلی (سب باتیں) یکساں ہیں۔صائبؔ۔

در پیشِ صبح شب نتواند حجاب شد　　او بارِ پردۂ رخِ اقبال چوں شود

چشمِ او یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ شدہ　　پردہائے جہل را خارق بُدہ

ترجمہ:۔اس کی آنکھ حق تعالیٰ کے نور سے دیکھنے والی ہے۔(اور) اس نے جہل کے پردے کو چاک کر ڈالا ہے۔

از دلِ سوراخ چوں کہنہ گلیم　　پردۂ بندد بہ پیشِ آں حکیم

لغات:۔سوراخ۔سوراخدار مراد ہے حکیم سے شیخ کامل مراد ہے۔

ترجمہ:۔(وہ نادان مرید اپنے) ایسے دل کے آگے جو پرانے کمبل کی طرح سوراخ دار ہے۔(اس کی مخفی نیت کو چھپانے کے لیے) اس (مرشد) صاحبِ حکمت کے حضور میں (حیلہ و بہانہ کا) پردہ باندھتا ہے۔

پردہ میخندد برو با صددہاں　　ہر دہانے گشتہ اشگافے براں

ترجمہ:۔(مگر خود) پردہ (اس کا راز فاش کر رہا ہے اور) سینکڑوں منہ کے ساتھ اس کی ہنسی اڑا رہا ہے (کمبخت مرید اتنا نہیں سمجھتا کہ) اس (پردے) کا ہر چاک اظہارِ راز کے لیے ایک منہ بنا ہوا ہے۔

گوید آں استاد مرشاگرد را　　اے کم از سگ نیستت با من وفا

ترجمہ:۔(ادھر) وہ استادِ طریقت اپنے شاگرد سے کہتا ہے کہ اے کتے سے بھی گئے گزرے! تجھ کو میرے ساتھ وفا نہیں ہے۔

مطلب:۔استاد یہ بات یا تو دل ہی دل میں بطور افسوس کہتا ہے یا مشافہۃً شاگرد کو سرزنش کرتا ہے کہ شاید وہ راہ راست پر آ جائے۔کم از سگ اس لحاظ سے کہا ہے کہ کتا وفادار جانور مشہور ہے۔اگر مرید اپنے پیر کے ساتھ اتنی وفا بھی نہ کرے جو کتا اپنے مالک کے ساتھ کرتا ہے تو وہ کتے سے بھی گیا گزرا ہوا۔ایک بادشاہ سیر کو جا رہا تھا۔ایک فقیر کے ڈیرے کے پاس سے گزرا ہوا جس کے پاس ایک کتا بندھا تھا۔بادشاہ نے بطورِ ظرافت کہا۔شاہ صاحب! تم اچھے ہو یا تمہارا کتا۔فقیر نے کہا۔بابا! یہ کتا ہمیشہ میرا حکم مانتا ہے۔اگر بادشاہ اور فقیر بھی اپنے مالکِ حقیقی کا حکم مانیں تو کتے سے اچھے ہیں۔ورنہ کتا ہم دونوں سے اچھا ہے۔علاوہ ازیں کتا ایک لقمہ کے احسان کو یاد رکھتا ہے اس لیے جو مرید اپنے پیر کے مدتوں کے فیضِ تربیت کو بھلا دے وہ کتے سے بدتر ہے۔سعدیؒ۔

سگے را لقمہ ہرگز فراموش　　نگردد گر زنی صد نوبتش سنگ

وگر عمرے نوازی سفلۂ را　　بہ کمتر چیزے آید باتو درجنگ

خود مرا استا مگیر آہن گسل　　ہم چو خود شاگرد گیرد کور دل

نہ از منت یاری ست درجان وروان؟　　بے منت آبے نے گردد رواں

لغات:۔استا مخفف استاد۔آہن گسل لوہے کو توڑ دینے ولا۔وہ استاد جو شاگرد کے لوہے کے سے ٹھوس اور جامد دل کو قبول ہنر کے لیے نرم کر سکے۔گیر سمجھ لو، فرض کر لو۔آب کسے رواں شدن کسی کا کامیاب ہونا۔

صنائع:۔رواں کے لفظ میں صنعتِ تجنیس ہے۔

ترجمہ:۔ تم مجھے (قابلِ تعظیم) استاد جو آہن (دل شاگردوں کو) نرم (دل) بنا دینے والا ہو نہ سمجھو (تو نہ سہی۔ چلو) مجھے (اپنے جیسا) شاگرد (محتاجِ تعلیم) اور تاریک دل والا ہی سمجھ لو۔ (مگر بندۂ خدا اتنا تو سوچو کہ) کیا تمہاری جان و دل کو مجھ سے مدد نہیں (ملی) ہے۔ (کیوں نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ) میرے بغیر تم کو کامیابی حاصل ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ (پھر یہ احسان فراموشی کیوں کرتے ہو؟)

پس دلِ من کارگاہِ تختِ تست چہ اشکنی ایں کارگہ اے نادرست

لغات:۔ کارگہ کارخانہ۔ چہ شکنی کا تلفظ چسکنی ہونا چاہیے۔ نادرست ناقص

صنائع:۔ کارگاہ،تخت،اشکنی ، نادرست مناسبات ہیں۔

ترجمہ:۔ پس (یاد رکھو کہ) تمہارے تخت (عزت) کا کارخانہ (جس میں وہ تیار ہوا ہے) میرا ہی دل ہے اے ناقص۔ تم اس کارخانہ کو کیا توڑ رہے ہو۔ صائبؒ۔

برخاطرِ لطیفِ بزرگاں مشوگراں لنگر دریں محیط بقدرِ حباب کن

نوٹ:۔ یہاں تک پیر کا مقولہ تھا۔ اب مولانا بطور نصیحت فرماتے ہیں:۔

گوئیش پنہاں زنم آتش زنہ نے بقلب از قلب باشد روزنہ

لغات:۔ آتش زنہ چقماق، وہ پتھر جس سے اگلے زمانے میں آگ نکالتے تھے اور اس سے وہ کام لیتے تھے جو آج کل دیا سلائی سے لیا جاتا ہے۔ روزنہ دریچہ، کھڑکی۔

ترجمہ:۔ اے مرید تم جو اس مرشد سے بطور عذر کہتے ہو کہ میں (اپنے دل میں آپ کے عشق کی آگ .....سلگانے کے لیے) اندر ہی اندر (محبت کا) چقماق مار رہا ہوں۔ (تو تمہارا یہ عذر بیکار ہے) کیا (تم کو) یہ (معلوم) نہیں ہے کہ دل کو دل کی طرف راستہ ہوتا ہے۔

آخر از روزن ببیند فکرِ تو دل گواہی مے دہد زیں ذکرِ تو

ترجمہ:۔ آخر وہ (اپنے دل کے) دریچے سے تمہارے (دل کے) خیالات کو دیکھ لے گا۔ اور تمہارے اس ذکر (اور عشق و محبت) کی گواہی خود دل ہی دے دے گا۔

لیک در رویت نمالداز کرم ہرچہ گوئی خندد و گوید نعم

لغات:۔ در روئے مالیدن۔ کسی کے منہ پر صاف بات کہہ دینا۔ نعم ہاں حرفِ ایجاب ہے۔

ترجمہ:۔ لیکن وہ از راہِ کرم تمہارے منہ پر بات صاف نہیں کہتا۔ (کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ بلکہ) جو کچھ تم (بطورِ عذر) کہتے ہو اس کو سن کر) ہنس دیتا ہے اور کہتا ہے ہاں (ہاں آپ کا کہنا بجا ہے۔)

او نمے خندد ز ذوق مالشت او ہمے خندد بریں اسگالشت

لغات:۔ مالش سے یا تو معنے ظاہری مراد ہیں یعنی ملنا صقیل کرنا یا یہ استعارہ ہے چاپلوسی اور چکنی چپڑی باتیں کرنے کے لیے۔ اسگالش۔ پہلا سین مہملہ دوسرا معجمہ ہے۔ اصل میں سگالش تھا بمعنے فکر و خیال و اندیشہ الف زائد شامل کر لیا گیا۔ جیسے سوار سے اسوار کہتے ہیں۔

ترجمہ:۔ وہ تمہارے (ادعائی) صیقل (دل) کے لطف سے نہیں ہنس رہا (یا وہ تمہاری چکنی چپڑی باتوں کے مزے سے نہیں ہنس رہا۔ بلکہ) وہ تمہارے ان (منافقانہ) خیالات پر (بطور تحقیر) ہنس رہا ہے (کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں۔ دکھانے کے اور)
مطلب:۔ چونکہ اس کو تمہاری اصلاح سے ناامیدی ہو چکی ہے۔ اس لیے محض دفع الوقتی کے لیئے ہاں میں ہاں ملا رہا ہے کیونکہ تنبیہ و سرزنش تو اس کو کی جاتی ہے جس کی اصلاح مقصود ہو اور اس کی اصلاح کی امید بھی ہو۔ نیز شیخ اس کو اپنا سمجھتا ہو لیکن جب وہ اس کو بیگانہ سمجھتا ہے پھر اسے کیا کہے۔

پس خدائی را خدائی شد جزا　　کاسہ زن کوزہ بخور اینک سزا

لغات:۔ خدائی مکاری ۔فریب کاری۔ کاسہ زن کوزہ بخور پیالی مارو گے تو کوزہ کھاؤ گے یعنی اگر تم ہمارے پیالی مارو گے تو اس کے عوض ہم تمہارے کوزہ ماریں گے۔ جو پیالی سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے جیسے کہتے ہیں اینٹ کا جواب پتھر اور اس محاورہ کا مولد غالباً بزم شراب خواراں ہوگی۔ کیونکہ وہی دھول دھپے، دھینگا مشتی کا مقام ہوتا ہے اور وہاں یہی اسلحۂ جنگ موجود ہوتے ہیں۔
ترجمہ:۔ پس مکر کا جواب مکر ہے۔ ایلو اینٹ کا جواب پتھر (تمہاری) سزا ہے

ور بدے باتو ورا خندہ رضا　　صد ہزاراں گل شگفتے مرترا

ترجمہ:۔ اور (اس کو خوشی کا ہنسنا نہ سمجھو کیونکہ) اگر اس کی (ہنسی) تمہارے ساتھ خوشی کی ہنسی ہوتی تو (اس کا نمایاں نتیجہ یہ ہوتا کہ) تمہارے لیے لاکھوں (فیوض و برکات کے) پھول کھل جاتے (لیکن جب تم پر اس کے فیضان کا کوئی نور نمایاں نہیں۔ بلکہ ظلمت ہی ظلمت ہے تو ظاہر ہے کہ وہ تم سے خوشنود نہیں)

چوں دل اورا در رضا آرد عمل　　آفتابے داں کہ آید در حمل

لغات:۔ دل اورا بمعنے دلِ او۔ رضا خوشی۔ عمل کام۔ حمل ایک برجِ فلکی کا نام ہے حمل کے معنے بکری کا بچہ۔ یہ برج اس کا ہم شکل ہے۔ جب آفتاب اس برج میں آتا ہے تو موسم بہار آتا ہے جو نباتات و اشجار کے پھلنے پھولنے کا موسم ہے۔
ترجمہ:۔ جب اس کا دل خوشی سے (کوئی) کام کرے تو (یوں) سمجھو کہ سورج (برج) حمل میں آ گیا (پھر تو تم سراپائے باغ و بہار بن جاتے)۔

زو بخندد ہم بہار وہم نہار　　ہم در آمیزد شگوفہ و سبزہ زار

ترجمہ:۔ (جب آفتاب برج میں آتا ہے تو) اس سے بہار بھی ہنستی ہے اور دن بھی (ہنستا ہے) شگوفے اور سبزے بھی آپس میں ملتے ہیں (پھر تیرے عالمِ باطن کی بھی یہی کیفیت ہوتی)۔

چوں ندانی تو خزاں را از بہار　　چوں بدانی رمزِ خندہ در ثمار

ترجمہ:۔ جب تو خزاں و بہار (کے فرق) کو نہیں سمجھتا تو پھلوں کے ہنسنے کی رمز کو کیا سمجھے گا۔
مطلب:۔ پھلوں کے ہنسنے سے ان کا پک کر خوش رنگ و شیریں ہونا مراد ہے کیونکہ خوشی سے ہنستے وقت بھی چہرے پر ایک خاص تازگی نمایاں ہوتی ہے مقصود یہ ہے کہ جب تم مرشد کی رضا و ناراضگی کو نہیں سمجھتے تو ان فیوض و برکات کو کیونکر محسوس کرو گے جو بطور ثمرات تم کو حاصل ہو سکتے ہیں یعنی تم حسِ باطن سے بے بہرہ ہو۔ نہ مرشد کی کیفیتِ قلب کو سمجھتے ہو نہ اپنے ثمراتِ باطن کا احساس ہے۔ اگر یہ احساس ہوتا تو فوراً یہ معلوم کرتے ہی کہ میرا باطن زیورِ فیوض سے عاری ہے اور اپنے مرشد کو خوش کرنے کی کوشش کرتے۔

صد ہزاراں بلبلِ و قمری نوا افگند اندر جہانِ بے نوا

لغات:۔ نوا آواز۔ صدا۔ بے نوا بے سامان مراد اجاڑ، ویران۔
صنائع:۔ نوا کے لفظ میں صنعتِ تجنیس پُرلطف ہے۔
ترجمہ:۔ لاکھوں بلبل و قمری (اس) اجاڑ دنیا میں اپنے چہچہے بلند کر رہی ہیں۔
مطلب:۔ خوش نصیب مریدوں کے جسمِ فانی میں ان کے اپنے مرشد کے افاضہ سے لاکھوں ثمرات نمایاں ہو رہے ہیں مگر تم ان فیوض سے بے بہرہ ہو۔

چونکہ برگِ روح خود زرد و سیاہ مے نہ بینی چوں بدانی خشم شاہ

ترجمہ:۔ (جسم تو رہا در کنار) جب تو اپنی روح کے پتوں کا (مرجھا کر) زرد وسیاہ ہونا (بھی) محسوس نہیں کرتا تو (اپنے حضرت) شاہ (صاحب) کی ناراضگی کو تو کیا سمجھے؟
مطلب:۔ جب تم کو اتنی بھی خبر نہیں کہ شیخ کی ناراضگی سے میرا کیا نقصان ہو گیا تو تم اس ناراضگی کو کیا پہچانو گے اور پھر اس کے رفع کرنے کے لیے کیوں ساعی ہونے لگے۔

آفتابِ شاہ در برجِ عتاب میکند روہا سیہ ہم چوں کتاب

ترجمہ:۔ (وہ) آفتاب جو (تختِ طریقت کا) بادشاہ ہے۔ عتاب کے برج میں (طلوع کر کے ان لوگوں کے) چہروں کو (جن سے وہ ناراض ہے) نامہ اعمال کو سیہ کر دیتا ہے۔
مطلب:۔ بعض نسخوں میں آخری کلمہ کتاب کے بجائے کباب بہر دو بائے موحدہ درج ہے اس کے ساتھ بھی معنی درست ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ لوگوں کے چہروں کو کباب کی طرح جلا کر کالے کر دیتا ہے۔ غرض مطلب یہ ہے کہ مرشدِ کامل جن مریدوں سے ناراض ہو۔ ان سے انوار فیوض و برکات سلب کر کے ان کے قلوب کو تاریک و بے نور بنا سکتا ہے۔ صائبؒ ؎

بابزرگاں مشو بحلم دلیر سپرِ آفتاب تیغ زن ست

آں عطارد را ورقہا جانِ ماست آں سپیدی واں سیہ میزانِ ماست

لغات:۔ عطارد ایک ستارہ کا نام ہے جس کو دبیر فلک یعنی آسمان کا منشی کہتے ہیں۔ اس لئے ادبیات فارسی میں تحریر و رقم کے مضامین میں اس کا استعارہ کرتے ہیں۔ اور اسی لیے مولانا بھی اس مناسبت کے لحاظ سے اس کے ساتھ اوراقِ دفتر کا ذکر فرماتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں ورقہا سے اوراقِ شجر مراد لینا غلطی ہے۔ جو ایک شارح سے سرزد ہوئی ہے کیونکہ اوراقِ اشجار کو عطارد سے کوئی مناسبت نہیں میزان' ترازو یہاں معیار مراد ہے۔
ترجمہ:۔ اس (آسمانِ ولایت کے) عطارد کے لیے ہماری جان بمنزلہ کاغذات ہے (جس پر وہ جو اس کا جی چاہے لکھتا ہے اور وہ سادگی اور وہ (نقوش) سیاہ (جو اس کے صفحات پر نمایاں ہوتے ہیں) ہمارا (فیوض سے بے بہرہ رہنے یا بہرہ مند ہونے کا) معیار ہے۔
مطلب:۔ اگر ہماری روح پر کچھ آثارِ خیر نمایاں ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ ہم فیضانِ مرشد سے متمتع ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مرشد ہم سے خوش ہیں۔ بخلاف اس کے اگر ہماری روح ان آثار سے عاری ہو۔ تو اس سے ہمارا فیضانِ مرشد سے بے بہرہ ہونا اور حضرتِ مرشد کا ہم سے ناراض ہونا پایا جاتا ہے۔ پیر کے اتباع کو ترک کرنے کا یہی نتیجہ ہے۔

کما قیل۔

مرد کہ گردن کشد از حکم پیر سیلیش از دیو ستمگار بہ

درحقِ میشے کہ رمیداز شبان پنجۂ گرگانِ جگر خوار بہ

باز منشورے نویسد سرخ و سبز تا رہند ارواح از سوداو عجز

ترجمہ:۔ پھر (جب) وہ (فلک ولایت کا دبیر خوش ہوتا ہے تو ایک دل کش) فرمان سرخ و سبز (حروف میں) لکھتا ہے۔ حتیٰ کہ ارواح (لذتِ نفسانیہ کے) سودا اور (وصولی الی الحق سے) عاجز آ جانے سے رہائی پاتی ہیں۔

مطلب:۔ جب مرشد کامل خوش ہوتا ہے تو اپنی توجہ تام سے مرید میں اعلیٰ آثار پیدا کر دیتا ہے چونکہ اوپر مرشد کو عطارد سے تشبیہ دی تھی اس لیے اس کے ان آثارِ فیض کو فرمانِ دلکش سے تعبیر کیا۔ ہے۔ اور اچھا فرمان طرح طرح کے رنگین حروف اور دلآویز انداز میں لکھا جاتا ہے۔ نیز چونکہ اوپر مرشد کے فیض کو بہار سے تشبیہ۔ دی تھی اور موسم بہار ہرے ہرے پتوں اور لال لال پھولوں کی مظہر ہوتی ہے۔ اس لیے اب مرشد کے فیضان کو جو فرمان سے۔ تشبیہ دی تو اس مناسبت سے اس کے ہرے اور لال حروف کا اثبات کیا ہے فللہ درہٗ

سرخ و سبزافتاد نسخۂ نو بہار چوں خطِ قوسِ قزح دراعتبار

ترجمہ:۔ (شیخ کے گونا گون فیوض کی) نو بہار کا نسخہ سرخ و سبز (وغیرہ مختلف الالوان) واقع ہوا ہے جو قیاس کرنے میں قوسِ قزح کے (رنگ رنگ) خط سے مشابہ ہے۔

مطلب:۔ قیاس کرنے سے یا تو محسوس پر غیر محسوس کو قیاس کرنا مقصود ہے۔ یعنی اگر تم شیخ کے فیوض کی رنگا رنگی کو جو ایک امرِ معنوی و غیر حسی ہے سمجھ نہیں سکتے تو اس کو قوسِ قزح یعنی دھنک پر قیاس کرلو۔ کہ جس طرح سبز، زرد، بنفشی، سرخ، ارغوانی وغیرہ کئی طرح کے رنگ جھلکتے ہیں۔ اسی طرح مرشد کے فیوض بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ جس طرح قوس قزح کی رنگین تحریر قدرتِ حق کی صناعی ہے۔ اسی طرح نو بہارِ فیض کی رنگا رنگی شیخ کے تصرفات سے ہے۔ غنیؒ۔

دم جاں بخش او تا رنگ حیرت ریخت در عالم زمہر آئینہ درپیشِ نفس دیدم مسیحارا

آگے اس مضمون کی تائید میں حضرت بلقیس ملکۂ سبا کی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کی تحریر کی پوری قدر کی۔ اس تحریر کو پہنچانے والے یعنی ہدہد کی حقیر ہستی پر نظر نہیں کی۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خیال اپنے دل میں راسخ رکھا۔ جن کی شوکت و ہیبت کا وہ ہدہد مظہر تھا اسی طرح عقلِ کامل بھی شیوخ اور اہل اللہ کو جلالِ حق کا مظہر پا کر ان کی تعظیم کرتی ہے۔

عکسِ تعظیم پیغامِ سلیمان علیہ السلام در دلِ بلقیس از صورتِ ہدہد

ہدہد کی (حقیر) صورت سے بلقیس کے دل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیغام کی تعظیم واقع ہونا

رحمتِ صد تو براں بلقیس باد کہ خدایش عقل صد مرداں بداد

ترجمہ:۔ اس (ملکہ سبا یعنی) بلقیس پر سوگنی رحمت [illegible] مردوں کے برابر عقل عطا فرمائی۔ نظامیؒ۔

ہزار آفرین برزنِ نیک رائے　　　کہ مارا بمردی شود رہنمائے

ہُد ہُدے نامہ بیاورد ونشاں　　　از سلیمانؑ چند حرفے بابیاں

ترجمہ:۔ ایک ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ایک خط چند واضح کلمات (پر مشتمل) اور (ایک) نشانی (ان کے پاس لایا)

مطلب:۔ ملکہ بلقیس شہر سبا کی حکمران تھی۔ جو ملک یمن کا ایک خوبصورت شہر تھا۔اس کا قصہ قرآن مجید میں سورہ نمل کے پہلے تین رکوعوں میں درج ہے جن کا آغاز یوں ہے۔

اور سلیمانؑ نے پرندوں کی موجودات (حاضری) لی۔ تو کہا کیا بات ہے کہ ہم ہدہد کو نہیں دیکھتے (کیا وہ پرندوں کی کثرت سے نظر نہیں آتا) یا (واقع میں) غیر حاضر ہے (اگر غیر حاضر ہے تو) ہم اس کو سخت سزادیں گے۔ یا اسے حلال ہی کر ڈالیں گے۔ یا وہ ہمارے حضور میں (اپنی غیر حاضری کی) وجہ بیان کرے۔ (جس سے) ظاہر ہو کہ وہ بےقصور ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہدہد آ حاضر ہوا۔ اور لگا کہنے کہ مجھ کو ایک ایسا حال معلوم ہوا ہے۔ جو (اب تک) حضور کو معلوم نہیں ہوا۔ اور میں (شہر) سبا کی تحقیقی خبر لے کر حضور میں آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہاں کے لوگوں کی ملکہ ہے۔ (اور ان پر حکمرانی کر رہی ہے) اور ہر طرح کے ساز و سامان (سلطنت) اس کو میسر ہیں۔ اور اس کے یہاں (ایک بہت) بڑا تخت (بھی) ہے۔ میں نے ملکہ اور اس کے لوگوں کو دیکھا ہے، کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو انہیں عمدہ کر دکھایا ہے اور ان کو راہِ راست سے روک دیا ہے۔ تو ان کو (اتنی بات بھی) سوجھ نہیں پڑتی کہ خدا ہی کے آگے (کیوں) نہ سجدہ کریں۔ جو آسمان و زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کام تم لوگ چھپا کر کرو اور جو علانیہ کرو۔ سب سے واقف ہے۔ اللہ (وہ ذات پاک ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (اور) وہی عرشِ بریں (کے تخت) کا مالک ہے۔ (سلیمانؑ نے) کہا (اچھا) ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ ہے۔ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ۝ (یعنی) یہ ہماری تحریر لے جا۔ اور اس کو ان کی طرف ڈال دے۔ پھر ان سے الگ ہٹ جا۔ پھر دیکھتا رہ کہ وہ لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

خواند او آں نکتہائے باشمول　　　وزحقارت ننگرید اندر رسول

لغات:۔ باشمول جامع۔ جس میں سارا مطلب آ جائے۔ رسول. قاصد، نامہ بر، ایلچی۔

ترجمہ:۔ اس (بیدار مغز ملکہ یعنی بلقیس نے وہ جامع نکتے (جو اس تحریر پر درج تھے) پڑھے اور اس نے (اس ذرا سے) نامہ بر (یعنی ہدہد) کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا (بلکہ نامہ بھیجنے والے کی عظمت کو ملحوظ رکھا۔)

مطلب:۔ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق ان کا نامہ شہر سبا میں لے گیا. اور ملکہ بلقیس کے دربار میں ڈال دیا۔ ملکہ نے اس نامہ کو اٹھا کر پڑھ لیا۔ آگے اس کا قصہ قرآن مجید میں یوں درج ہے۔

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ ملکہ بولی کہ اے اہل دربار! یہ ایک فرمان واجب الاحترام ہماری طرف ڈالا گیا ہے۔ یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے۔ اور عبارت اس کی) یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم (پھر یہ لکھا ہے۔) کہ ہم سے سرکشی نہ کرو۔ اور فرماں بردار بن کر ہمارے حضور میں آ حاضر ہو" (سباع ۲) اس کے بعد ملکہ نے اہلِ دربار سے مشورہ لینا چاہا۔ درباریوں نے کہا۔ اگر جنگ کا ارادہ ہو. تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ آگے جو حضور کو مناسب نظر آئے ہم اس کو بھی ماننے کے لیے حاضر ہیں۔ ملکہ نے از راہِ سلامت پسندی

یہی مناسب سمجھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کر لی جائے۔ چنانچہ وہ ان کے حکم کے مطابق اپنے امراء وزراء سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہوگئی۔ آگے مولانا حضرت بلقیس کی اسی حقیقت شناسی اور راست بینی کی تعریف فرماتے ہیں۔

جسمِ ہدہد دید و جاں عنقاش دید حس چو کفے دید و دل دریاش دید

لغات: ۔ عنقا ایک فرضی پرندے کا نام ہے عنقا کے معنی دراز گردن جانور۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نام کا ایک دراز گردن و عظیم الجثہ اور خوبصورت پرندہ ہوتا تھا جس کی نسل اب دنیا سے نابود ہو چکی۔ اس لیے اب یہ نام فرضی و موہوم اشیاء کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے اس مقام پر پہلے معنی میں اس کا ارادہ ہوا ہے۔ نہ کہ معنی مشہور میں۔ عنقا کے عین کا فتحہ صحیح ہے۔ اور ضمہ جو عموماً مشہور ہے غلط ہے۔

ترکیب: ۔ پہلے دید کا فاعل جسم دوسرے کا جان ہے۔ تیسرے دید کا فاعل حس اور چوتھے کا دل ہے اور اس صورت میں بلقیس کے جسم و جان اور حس و دل مراد ہیں۔ ایک شارح صاحب نے دوسرا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ یعنی دید کے چاروں فعلوں کی ضمیر فاعلی راجع بہ بلقیس ہے۔ اور چاروں جملوں میں دو دو مفعول بہ ہیں۔ مثلاً پہلے جملے میں جسم مفعول بہ اول اور ہدہد مفعول بہ ثانی علیٰ ہذا باقی تین جملوں میں اور عنقاش کا شین ضمیر جان کا مضاف الیہ ہے۔ اسی طرح دریاش کا شین دل کا مضاف الیہ اور حس بمعنی محسوس مراد ہے۔ اب دیکھئے ان دونوں تقدیروں میں ترجمہ کا رنگ کس طرح پلٹتا ہے۔

ترجمہ: ۔ (۱) (بلقیس کے) جسم (کے احساس) نے تو (اس کو ایک ذرا سا پرندہ) ہُدہُد دیکھا اور (ان کی) روح (کے ادراک) نے عنقا (کی طرح عظیم الشان) پایا۔ (ان کی) حس (ظاہر) نے (اسے) گویا جھاگ محسوس کیا اور (ان کے) دل نے اس کو دریا پایا۔ (۲)۔ (بلقیس نے اس پرندے کے) جسم کو تو (صرف ایک) ہدہد دیکھا (اور اس کی پروا نہیں کی۔) اور اس کی روح کو (نامہ بری کے شرف سے بمنزلہ) عنقا پایا۔ (اور اس کی قدر کی اس کے) محسوس (جسم) کو کف (دریا) سے مشابہ (اور ناقابل التفات) پایا۔ اور اس کے دل کو دریا (کی طرح باوقعت) دیکھا۔

عقل با حس زیں طلسماتِ دو رنگ چوں محمدؐ با ابوجہلاں بجنگ

لغات: ۔ با مقابلہ کے لیے ہے۔ ابوجہلاں جمع ابوجہل یہ ایک کافر کا نام ہے جو رسول ﷺ کے ساتھ عداوت رکھنے میں سب کافروں سے پیش پیش تھا۔ یہاں مطلق کفار مراد ہیں۔

ترجمہ: ۔ اس دو قسم کے (روحانی و جسمانی) طلسمات کے سبب سے عقل حس کے ساتھ (اس طرح مصروف) بجنگ (رہتی) ہے۔ جیسے کہ حضرت محمد ﷺ (کو) ابوجہل جیسے کٹر کافروں کے ساتھ (نبرد آزما رہنا پڑتا تھا)۔

مطلب: ۔ نورِ عقل اور حسِ ظاہر کا مدارِ عمل اور رفتارِ سعی الگ الگ ہے۔ کارگاہِ عالم میں بھی دونوں طرح کے کاروبار موجود ہیں۔ عقلی اور حسی، باطنی اور ظاہری، عقل عقلی کاروبار میں منہمک اور حسیات سے متنفر ہے۔ اور حس حسی کاروبار میں مصروف اور عقلی کاروبار سے بے تعلق و بیگانہ ہے۔ اور ان دونوں طاقتوں کے اختلاف بلکہ مخالفت کی مثال ایسی ہے جیسے آنحضرت ﷺ اور کفار کے مابین مخالفت رہی ہے کہ آپ ﷺ کشورِ باطن کے تاجدار تھے۔ اور لوگوں کو عالم باطن کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ چنانچہ جو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ ہما کی طرح آپ کے اس باطنی جلال و عظمت کو دیکھتے تھے وہ آپ ﷺ کو ظاہری بشریت اور آپ ﷺ کے عام انسانی حالات پر نظر نہیں کرتے تھے۔ بخلاف اس کے کفار کو آپ ﷺ کے باطن کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ وہ صرف آپ کا ظاہر دیکھتے۔ اور اسی پر فضول اعتراضات جڑتے رہتے تھے۔ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا اور (کافر یہ بھی) کہتے ہیں کہ کیسا رسول ہے [illegible] پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں

بھیج دیا گیا۔ کہ اس کے ساتھ ہوکر (وہ بھی لوگوں کو عذاب الٰہی سے) ڈراتا یا اس پر کوئی خزانہ برستا ہوتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا۔ کہ اس سے (میوے) کھاتا۔ اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (فرقان ع ۱)
آگے کفار کے اس احساس کی غلطی کا ثبوت دیتے ہیں۔

کافراں دیدند احمد را بشر چوں ندیدند ازوے انشق القمر؟

ترجمہ: کافروں نے حضرت احمد ﷺ کو (صرف ایک) بشر (کی حیثیت سے) دیکھا (ان وہ بدبین لوگوں نے) آپ ﷺ کے (معجزہ) شق القمر کو کیوں نہ دیکھا؟

مطلب:۔ رسول ﷺ بشر بھی ہیں اور بشریت میں دیگر افراد بشر کے ساتھ شریک ہیں ساتھ ہی آپ ﷺ نبی بلکہ فخر الانبیاء سید المرسلین اور بعد از خدا بزرگ" بھی ہیں۔ اور اس مرتبہ عظمیٰ میں آپ ﷺ کل نوع بشر سے اور تمام جن و ملک سے بلکہ خدا کے بعد ساری موجودات سے افضل، اشرف و اعلیٰ ہیں۔ مگر کافر لوگ آپ ﷺ کی صرف بشریت کو دیکھتے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ ﷺ کے دعویٰ رسالت پر تعجب و انکار کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ پر اسی قسم کے اعتراضات کیا کرتے تھے۔ جو کسی عام بشر پر ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ۔ وہ آپ ﷺ کو صرف اپنی حس ظاہر سے دیکھتے تھے۔ باطنی بصیرت سے نہیں دیکھتے تھے اور نہ ان کے اندر یہ طاقت موجود تھی۔ اگر وہ باطنی بصیرت سے آپ ﷺ کو دیکھ سکتے تو ایک معجزہ شق القمر ہی آپ ﷺ کے کمالات نبوت و رسالت کا یقین دلانے کے لیے کافی تھا۔ مگر ان بدبختوں نے اس کو بھی حسی نظر سے دیکھا اور حسی قیاس سے پرکھا۔ اور کہا یہ جادو ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی عقل بھی مغلوب حس ہو کر سراپا حس بن گئی تھی۔

انتباہ:۔ اس زمانے میں بعض مبتدع اپنے غلو اعتقاد اور ادعائے ارادت سے رسول ﷺ کی بشریت سے منکر ہوتے جاتے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی ہستی کو ماوراء بشر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اس بیہودہ دعوی کے ثبوت میں جہاں آیات قرآن کی تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مثنوی شریف کے اس شعر کا بھی یوں ترجمہ کرتے ہیں۔

حضرت احمد ﷺ کو بشری حیثیت سے تو کافروں نے دیکھا ہے۔ جب کہ ان کو آپ ﷺ کا معجزہ شق القمر اپنے حقیقی معنی میں نظر نہیں آیا (کوئی مسلمان آپ ﷺ کو بشری حیثیت سے نہیں دیکھے گا) استغفر اللہ ربی۔

واضح رہے کہ رسول ﷺ کی بشریت کے اثبات میں خود قرآن مجید بصورت جمہوری ناطق ہے۔ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ** ۔ (اے پیغمبر) کہہ دو میں اور کچھ نہیں تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔ تمہارا خدا تو ایک ہی خدا ہے سیدھے اسی کی طرف رخ رکھو اور اس سے معافی مانگو "(تم سجدہ ع ۱) **اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ** " (اے پیغمبر) کہہ دو بے شک ہم اور کچھ نہیں تمہاری طرح آدمی ہیں۔ مگر خداوند تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔" (ابراہیم ع ۲)

حقیقت یہ ہے کہ مذہب حق میں امتداد زمانہ سے ہمیشہ تحریفات ہوتی آئی ہیں۔ اور اہل مذاہب اپنے پیشواؤں کو غلو اعتقاد سے کچھ سے کچھ قرار دیتے اور مانتے آئے ہیں۔ جیسے یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فرزند سمجھ لیا۔ اور جیسے ہندو رام اور کرشن کو ایشور بھگوان کے اوتار مانتے ہیں۔ اور ان کی پیدائش بھی انسانی فرزند کے تولد کی طرح نہیں مانتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ ہر اوتار دنیا میں اس طرح پرگٹ ہوا ہے۔ کہ ایک بنا بنایا بچہ غیب سے ماں کی گود میں آ پڑا۔ اسی قسم کے اعتقادی خرافات اب اسلام میں مبتدعین کی بدولت پیدا ہونے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے اثر سے بچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت

خاک زن بر دیدۂ حس بینِ خویش دیدۂ حس دشمنِ عقل ست و کیش

لغات:۔ خاک زن مٹی ڈالو یعنی اس کی پرواہ نہ کرو۔ کیش طریقہ مذہب، دین۔

ترجمہ:۔ اپنی ظاہر بین آنکھ پر مٹی ڈالو (اور باطنی) آنکھ سے کام لو۔ کیونکہ) ظاہری آنکھ تو عقل اور دین کی دشمن ہے۔

دیدۂ حس را خدا اعماش خواند بت پرستش خواند و ضد ماش خواند

لغات:۔ اعمیٰ اندھا نابینا۔ ضد ماش اور اضد ما شین ضمیر مفعول ہے اعماش میں شین ضمیر ہے مگر یہ زائد ہے۔

ترجمہ:۔ ظاہر بیں آنکھ کو اللہ تعالیٰ نے اندھی کہا ہے۔ اس کو بت پرست (بھی) کہا ہے۔ اور اس کو ہماری دشمن (بھی) کہا ہے۔

مطلب:۔ حق تعالیٰ کے ظاہری آنکھ کو اعمیٰ، بت پرست اور ضد ما کہنے سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کو یہ لقب دیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کو اندھی اس آیت فرمایا ہے۔ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا '' اور ان کافروں کی آنکھیں ہیں۔ جن سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔'' اس آنکھ کا بت پرست ہونا بطور اشارہ اس آیت سے ثابت ہے۔ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ '' اے پیغمبر کہہ دو پھر کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مالک بنا لیا۔ جو اپنی ذات کے نفع اور نقصان کا (بھی) اختیار نہیں رکھتے۔ کہہ دو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں''۔ (رعدع ۲) اس آیت میں غیر اللہ کو معبود بنانے والے یعنی بت پرست وغیرہ مشرک کو اندھے سے تشبیہ دی ہے اور جو شخص بت پرست ہونے کی وجہ سے بمنزلہ کور ہوگا۔ اس کا اہلِ اسلام کے حق میں دشمن ہونا اس آیت سے ظاہر ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ''مسلمانو! اپنے لوگ چھوڑ کر (مخالفین میں سے) کسی کو رازدار نہ بناؤ کہ وہ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی ہے۔ اور (غیظ و غضب) جو ان کے دلوں میں (بھرے) ہیں وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہیں''۔ (آل عمران ع ۱۲)

زانکہ او کف دید و دریا راندید زانکہ حالے دید و فردا راندید

ترجمہ:۔ (ظاہر بین آنکھ اندھی) اس لیے (ہے) کہ اس نے جھاگ (یعنی ظاہری حالات) کو (ہی) دیکھا دریا (اپنے باطن) کو نہ دیکھا (اور) اس لیے کہ اس نے (موجودہ) حال کو (ہی) دیکھا۔ کل (جو حالت بطور نتیجہ پیش آنے والی تھی اس) کو نہ دیکھا۔

مطلب:۔ ظاہر بین آنکھ کو مطلقاً اندھی نہیں کہا گیا۔ بلکہ وہ اس اعتبار سے اندھی ہے کہ معنے شناس نہیں اور عاقبت بین نہیں۔ صائبؒ۔

چشمے کہ فروغ از دلِ بیدار ندارد شمعے ست کہ شائستۂ بالینِ مزارست

خواجۂ فردا و حالی پیشِ او او نمے بیند زگنجے جز تسو

لغات:۔ خواجہ مالک، سردار، آقا۔ حالی موجودہ حالت سے تعلق رکھنے والا۔ تسو وزنِ قلیل اور ایک گز کا چوبیسواں حصہ مراد شے قلیل ذرہ بھر۔

ترکیب:۔ خواجۂ فردا خبر ہے۔ جس کا مبتدا مقدر ہے۔ یعنی آنحضرتؐ او کی ضمیر راجع بہ کافر ہے۔

ترجمہ:۔ (آنحضرتؐ تو) روز آخرت کے سردار (باوقار) ہیں۔ اور اس (کافر ظاہر بین کی نظر) کے سامنے ان کا معاملہ صرف اسی عالمِ دنیا تک محدود ہے۔ وہ (کافر کوتہ نظر) ایک گنج (کمالات) سے ذرہ بھر (یعنی بشریت) کے سوا اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔

ذرۂ زاں آفتاب آرد پیام   آفتاب آں ذرہ را گردد غلام

صنائع:۔ ایک نبی کی ذات کو بلحاظِ بشریت اور بمقابلہ ذاتِ باری ذرہ سے تشبیہ دی ہے اور آں آفتاب سے آفتاب حق مراد ہے۔ چونکہ ذرہ آفتاب کے پرتو سے منور ہو کر نورٌ علیٰ نور بن جاتا ہے اس لیے ایک نبی کے حق تعالیٰ کی طرف سے انوارِ وحی سے مستنیر ہونے کے لیے یہ تشبیہ پُر لطف ہے۔

ترجمہ:۔ (رسولؐ کی شان تو بہت بڑی ہے اگر) ایک ذرہ (بھی) اس آفتاب (حق) کا پیغام لائے تو آفتاب (فلک) اس ذرہ کا غلام بن جائے۔

قطرۂ کز بحرِ وحدت شد سفیر   ہفت بحر آں قطرہ را باشد اسیر

ترجمہ:۔ (اسی طرح اگر) ایک قطرہ (بھی) بحرِ وحدت کا قاصد بن جائے تو ساتوں سمندر اس قطرہ کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

گر کفِ خاکے شود چالاکِ او   پیشِ خاکش سر نہد افلاکِ او

ترجمہ:۔ اگر ایک مشتِ خاک بھی اس کی (اطاعت میں) چست ہو جائے تو اس کی (مطیع) خاک کے آگے اس کے آسمان (از راہِ ادب) سر جھکا دیں۔

مطلب:۔ جب ایک ذرّہ، ایک قطرہ اور ایک مشت خاک کی سی ادنیٰ کائنات ذاتِ حق کے کمالات کی مظہر بن کر یہ درجہ حاصل کر سکتی ہے کہ بڑی بڑی ہستیاں اس کی مطیع و منقاد ہو جاتی ہیں تو پھر وہ حضورؐ کے سامنے تو کیوں مطیع و فرمانبردار نہ ہوں گی۔ جب کہ آپ حق سبحانہ وتعالیٰ کے مظہرِ اتم واکمل ہیں۔ مگر افسوس کہ جب دیکھنے والا ہی بے بصر۔ کور نظر ہو۔ تو اس کو آپؐ کے کمالات کیونکر نظر آئیں۔ سعدیؒ ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

خاکِ آدم چونکہ شد چالاکِ حق   پیشِ خاکش سر نہد املاکِ حق

ترجمہ:۔ (دیکھو حضرت) آدم علیہ السلام کی خاک جب حق تعالیٰ کی (فرمانبرداری میں) تیز رو ہو گئی تو ان کی خاک کی مورت کے سامنے حق تعالیٰ کے فرشتوں نے سر جھکایا۔

مطلب:۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خاکی پتلا جو مسجود ملائک ہو گیا تو ظاہر ہے کہ یہ درجہ صرف خاک کا نہ تھا۔ ورنہ خمیر خاک سے تو دوسرے انسان بھی پیدا ہونے والے تھے۔ ان کو بھی یہ درجہ حاصل ہوتا۔ پس یہ درجہ ان کمالات کی بدولت ان کو ملا جو اس خاص جسدِ عنصری میں ودیعت رکھے گئے تھے۔ ان کمالات کو دیکھنا چاہیے صرف جسدِ عنصری کو بظاہر نظر دیکھنا مفید نہیں۔

نوٹ:۔ بعض مبتدعین جو سجدۂ تعظیمی کے اثبات میں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ملائکہ کے سجدہ کرنے کا واقعہ پیش کیا کرتے ہیں۔ ان کے دعوے کا ابطال پیچھے کسی جگہ دلائلِ تحقیقیہ والزامیہ سے بخوبی کیا جا چکا ہے۔

اَلسَّمَآءُ انْشَقَّتْ آخر از چہ بود؟   از یکے چشمے کہ ناگہ برکشود

لغات:۔ السماء آسمان۔ انشقت پھٹ گیا۔ یہ اقتباس اس آیت سے ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ "جب آسمان (خدا کے حکم سے) پھٹ جائے گا اور اپنے پروردگار کے (اس) حکم کی تعمیل کرے گا اور (کیوں نہ کرے یہ) اس کا فرض ہے۔" (سورہ انشقاق ع ۱) آسمان کی حالت قیامت کے روز ہو گی مگر اس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ عارف اس وقت بھی اس حالت

مستقبل کا مشاہدہ کر رہا ہے یا اس سے معراج کی طرف اشارہ ہوگا۔ کہ حضورؐ جو بجسدِ عنصری آسمان سے گزر کر عالمِ بالا کو تشریف لے گئے تو یہ ایک طرح سے خرقِ فلک تھا۔ (بحر)

ترجمہ:۔ (اور لیجیے) آسمان جو کسی کی نظر میں آج قیامت کے روز کی طرح شگافتہ نظر آ رہا ہے۔ آخر اس کا کیا سبب ہے۔ (یہ مشاہدہ) ایک (خاص) آنکھ (کی خصوصیات) سے (ہے) جو اچانک کھل (کرناظر بنور اللہ ہو) گئی ہے۔

خاک از دُردی نشیند زیرِ آب　　خاک بیں کز عرش بگذشت از شتاب

لغات:۔ دُردی بضمِ دال ویائے معروف یہ یائے مصدری ہے گدلا پن، میلا پن، کثافت۔

ترجمہ:۔ خاک (کا خاصہ ہے کہ اپنی) کثافت کی وجہ سے پانی میں تہ نشین ہو جاتی ہے۔ (مگر ادھر ایک) خاک (سے پیدا ہونے والی ہستی کو دیکھو جو (خدا کا حکم پاتے ہی) فوراً (اس قدر بلندی پر پہنچی کہ) عرش سے (بھی) گزر گئی۔

مطلب:۔ اس سے ظاہر ہے کہ خاکی جسم کے ساتھ کوئی اور باطنی قوت شامل تھی جو جسم کو عرش سے بھی زیادہ بلندی پر لے گئی۔ حالانکہ عناصرِ جسم ہمیشہ مائل بسفل ہوتے ہیں۔ مولانا کے اس قول سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ صوفیہ رسولؐ کے معراج جسمانی کے قائل ہیں۔ لہٰذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ صوفیہ معراجِ روحانی مانتے ہیں غلط ہے۔

آں لطافت پس بداں کز آب نیست　　جز عطائے مبدع وہاب نیست

لغات:۔ لطافت پاکیزگی، صفائی۔ مبدع پیدا کرنے والا۔ وہاب عطا فرمانے والا۔

ترجمہ:۔ پس (جسم کی) ایسی لطافت (کہ وہ مسجودِ ملائک بھی ہو۔ خرقِ افلاک بھی دیکھے عرش تک بھی جا پہنچے) آب وگِل کے خواص سے نہیں ہے۔ (بلکہ) وہ پیدا کرنے والے (اور) عطا فرمانے والے (حق تعالیٰ) کے انعام کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کما قیل۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

گر کند سفلی ہوا و نار را　　ور زگِل او بگذراند خار را

حاکم ست وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَایَشَا　　او زعین درد انگیزد دوا

لغات:۔ سفلی مائل بہ سفل تنزل یافتہ۔ نار آگ۔ بگذراند آگے بڑھا دے۔

ترجمہ:۔ اگر وہ ہوا اور آگ کو (جو راجع بعلو ہیں اپنی قدرت سے) مائل بہ سفل کر دے اور اگر وہ کانٹے کو پھول سے (درجہ میں) بڑھا دے تو وہ حاکم ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ خود درد کو دوا (بنانا چاہے تو) بنا دیتا ہے۔

مطلب:۔ اوپر یہ ذکر چلا آتا تھا کہ ایک مشتِ خاک کو کیا کیا رتبے بخشتے ہیں۔ اب فرماتے ہیں کہ اس کی قدرت سے یہ باتیں بعید نہیں۔ وہ چاہے تو دم میں آسمان کو نیچے اور زمین کو اوپر کر دے۔ خار زار کو رَوشِ گلزار اور باغِ بہشت کو ایک بے آب وگیاہ دشت بنا دے۔ امیر خسروؒ۔

دراں محل کہ وزد بادِ قدرتش عالم　　میانِ صدمۂ صرصر خسے سبکسارست

بہ بے نیازیٔ او کعبہ چوں خرابات ست　　در آفرینش او مکہ چوں ملیبار ست

گر ہوا و نار را سفلی کند　　تیرگی و دُردی و ثقلی کند

ترجمہ:۔ اگر وہ ہوا اور آگ (وغیرہ علویات) کو سفلی کر دے (اور ساتھ ہی ان میں) گدلا پن اور کثافت اور تلچھٹ

(بھی پیدا) کر دے۔

در زمین و آب را عُلوی کند	راہِ گردوں راپا مطوی کند

لغات:۔ زمین سے یہاں خاک اور کرہ ارض دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ علوی بضم عین بلندی میں رہنے والا مطوی روندا ہوا۔

ترجمہ:۔ اور اگر (برعکس اس کے) خاک و آب (وغیرہ سفلیات) کو علوی بنا دے بلکہ آسمان کے راستے کو (کسی وجودِ خاکی کے) پاؤں سے طے کرا دے (جیسے کہ رسولؐ نے معراج میں آسمانوں کی سیر فرمائی) تو:۔

نیست کس راز ہرہ تا گوید کہ چوں؟	بس جگر ہا کاندریں رہ گشت خوں

ترجمہ:۔ کسی کو (یہ) طاقت نہیں کہ کہے (ایسا) کیوں (ہوا) بہت سے جگر اس (رازِ قدرت کے سمجھنے کی) راہ میں خون ہو چکے ہیں۔ حضرت عطارؒ

ہست سلطانی مسلم مر درا	نیست کس را زہرۂ چون وچرا

پس یقیں شد کہ تُعِزُّ مَنْ تَشَاء	خاکئے را گفت پرَ ہا برکشا

آتشی را گفت رَو ابلیس شو	زیرِ ہفتم خاک باتلبیس شو

لغات:۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ اس آیت سے اقتباس ہے۔ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ الٰہی تو جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلت نصیب کرے۔ بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے (آل عمران ع ۳) ہفتم خاک زمین کا ساتواں طبقہ۔ تلبیس مکر و فریب۔

ترجمہ:۔ پس (ان آثارِ قدرت کو دیکھ کر) یقین ہو گیا کہ (یہ جو قرآن مجید میں دعا آئی ہے کہ الٰہی تو جسے چاہے عزت دے (جسے چاہے ذلیل کرے۔ بالکل درست ہے چنانچہ) ایک خاکی مخلوق کو وہ حکم دیتا ہے کہ آسمان کی طرف) پرواز کر جا۔ (تو وہ ترقی پا جاتا ہے اور) آتشی (مخلوق) کو حکم دیتا ہے کہ جا تو شیطان بن جا (اور) زمین کے ساتویں طبقے کے اندر مکر و فریب (کے مشغلے) میں رہا کر (تو وہ تنزل کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔)

آدم خاکی! برَوتو برسہا	اے بلیسِ آتشی رو تا ثریٰ

لغات:۔ سہا ایک باریک ستارے کا نام ہے جو اپنی بلندی اور باریکی کے لیے ضرب المثل ہے۔ ثریٰ خاک نمناک۔ یہاں تحت الثریٰ یعنی زمین کا طبقہ سفلی مراد ہے۔

ترجمہ:۔ (اس نے حکم دیا کہ) اے آدم خاکی (نژاد) تم (ترقی کر کے ستارہ) سہا پر پہنچ جاؤ (اور) اے ابلیس آتشی (نژاد) تو (تنزل کر کے) تحت الثریٰ تک پہنچ جا۔

مطلب:۔ خداوند تعالیٰ کی شان دیکھو۔ کہ خاک کو جو سفلیات سے ہے علوی طرف بھیجتا ہے۔ اور وہ ایک لطیف و مجرد چیز کی طرح راجع بعلو ہو جاتی ہے۔ اور آگ کو جس کا میلان علو کی طرف ہے سفل کی طرف بھیج دیتا ہے۔ وہ کثیف و مادی اشیا کی طرح نیچے اترتی چلی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کہ خاکی تھے مرتبۂ علیا میں رکھا اور ابلیس کو کہ ناری تھا مرتبۂ اسفل میں گرا دیا۔ مولانا اسماعیل مرحوم۔

کیا جو کبر تو شیطان کے ہاتھ کیا آیا　　وہ عزیز ہے عزت جسے خدا نے دی

آ گے مولانا فلاسفہ کے بعض عقائدِ باطلہ کی تردید فرماتے ہیں اور چونکہ مولانا پر اس وقت توحید کا غلبہ ہے اس لیے یہ تقریر بصیغۂ تکلم فرماتے ہیں۔ گویا خود حق تعالیٰ کی زبان سے تکلم فرمایا ہے۔

چارِ طبع و علتِ اولیٰ نیم　　در تصرّف دائما من باقیم

عناصر اور علت اولیٰ

لغات:۔ چار طبع اربعہ عناصر یعنی خاک، آب، باد، آتش۔ بعض فلاسفہ کا خیال ہے کہ عنصری اشیا کا بننا، بگڑنا، جینا مرنا خود ان عناصر کے تصرفاتِ اضطراریہ ہیں کہ یہ افعال خود انہی عناصر سے صادر ہوتے ہیں۔ اس میں کسی قادرِ مطلق کی قدرت کارفرما نہیں۔۔ استغفر اللہ! علتِ اولیٰ فلاسفہ حق تعالیٰ کو ایجادِ خلق کی علتِ اولیٰ مانتے ہیں۔ پھر اپنے اس مسلمہ اصول کی بنا پر کہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد ایک سے صرف ایک ہی پیدا ہوسکتا ہے) کہتے ہیں کہ اس نے عقلِ اول کو پیدا کیا۔ اور پھر خود خلق وتدبیر سے فارغ و بیکار ہوگیا۔ خذلہم اللہ۔

ترجمہ:۔ میں (قادرِ مطلق ہوں) اربع عناصر (کی طرح متصرف بالاضطرار) نہیں ہوں۔ نہ علتِ اولیٰ (کی طرح بیکار) ہوں میں اختیارِ مطلق کے ساتھ تصرف (کرنے) میں ہمیشہ باقی ہوں۔

کارِ من بے علت ست و مستقیم　　نیست تقدیرم بعلّت اے سقیم

علت اور اس کی چار قسمیں

لغات:۔ علت پہلے مصرعہ میں بمعنے سقم و نقص دوسرے مصرعہ میں بمعنے علتِ موجبہ یا علتِ غائیہ ہے۔ علت سے وہ امر مراد ہے جس کا وجود بطور سبب کسی دوسرے امر کے وجود کا مستلزم ہو۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں علت مادی، علتِ صوری، علتِ فاعلی، علتِ غائی۔ اگر علت یعنی سبب اپنے مسبب میں داخل بالقوہ ہو تو اس کو علتِ مادی کہتے ہیں۔ جیسے لکڑی تخت کی علتِ مادی ہے۔ اگر داخل بالفعل ہو تو وہ علتِ صوری ہے۔ جیسے تخت کی صورت کہ مربع ہے۔ یا مسدس اور اگر علت یعنی سبب اپنے مسبب سے خارج ہو تو پھر اگر وہ سبب اس سبب کا موجد ہے تو اسے علتِ فاعلی کہتے ہیں۔ جیسے بڑھئی تخت کے لیے اور اگر اس مسبب کی ایجاد اس سبب کے لیے ہوئی ہے تو وہ علتِ غائی ہے۔ جیسے تخت نشین ہونا۔ تخت کی علت غائی ہے۔ علتِ غائی کا ظہور ذہن میں ساری علتوں سے مقدم اور خارج میں سب سے مؤخر ہوتا ہے۔ اور واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں علتِ غائی کا اطلاق جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اشیا کے پیدا کرنے میں کسی غرض وغایت کا محتاج نہیں بلکہ وہ بے نیاز و بے پرواہ ہے۔ تاہم اس کی پیدا کردہ اشیاء سے جو فوائد و منافع ظہور پذیر ہوتے ہیں تو ان سے اس کی قدرت کا ظہور مقصود ہے۔ دوسرے مصرعہ میں یہی مضمون ہے۔ مستقیم راست سیدھا، ٹھیک۔

ترجمہ:۔ میرے کام (بالکل) بے نقص اور ٹھیک ہیں۔ اے (سلسلۂ اسباب وعلل کے) بیمار! میری تقدیر (کسی علت (غائی وغیرہ) پر موقوف نہیں۔

مطلب:۔ یعنی میرے افعال موقوف بعلل نہیں ہیں کہ ان کا صدور کسی دوسرے امر کے وجود پر موقوف و منحصر ہے۔ بلکہ میں متصرف بالاختیار المطلق ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ شیخ عطائؒ

اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند　　عالمے را در دمے ویراں کند

عادتِ خود را بگردانم بوقت　　ایں غبار از پیش بنشانم بوقت

ترجمہ:۔ میں اپنی عادت کو بوقت (مناسب بدلنا چاہوں تو) بدل لیتا ہوں اس (عادت کے) غبار کو (اپنے) سامنے سے بوقت

خرق عادت یا قانون قدرت

(مناسب بٹھا دیتا ہوں۔)

مطلب :۔ عادت حق یا سنت اللہ جو بظاہر افعالِ الٰہیہ کا پردہ بنی ہوئی ہے۔ جس کو لوگ قانونِ قدرت یا نیچر کہا کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق وہ یہ خیال ظاہر کیا کرتے ہیں کہ قانونِ قدرت کے خلاف کوئی امر وقوع نہیں پا سکتا۔ جس سے یہ شبہ ناشی ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ خلافِ عادت کچھ کرنے سے عاجز ہے۔ اور جس سے اس کے قادر مطلق ہونے میں نقص لازم آتا ہے۔ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ ہم قادر مطلق ہیں۔ اگر کوئی کام کسی حکمت کی بنا پر خلافِ عادت کرنا چاہیں تو یک دم یہ عادت کا پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ اور بطور خرقِ عادت ایسے ایسے کام کر دکھاتے ہیں کہ پہاڑ کی چٹان میں سے اونٹنی نکل پڑے۔ آتش کدہ گلزار بن جائے۔ لکڑی اژدہا کی صورت اختیار کرے۔ چنانچہ :۔

بحر را گویم کہ ہیں پُر نار شو　　گویم آتش را کہ رو گلزار شو

ترجمہ :۔ (اگر) میں دریا کو حکم دوں کہ ہاں آگ سے پر ہو جاؤ (تو فوراً اسی طرح ہو جاتا ہے اگر) میں آگ کو حکم دوں کہ جا گلزار بن جا۔ (تو معاً اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے) سعدیؒ۔

گلستان کند آتشے بر خلیلؑ　　گروہے بآتش بروز آب نیل

کوہ را گویم سبک شو ہم چو پشم　　چرخ را گویم فرو رَو پیشِ چشم

ترجمہ :۔ (اگر) میں پہاڑ کو کہوں کہ پشم کی طرح (ہلکا) ہو جا (تو اسی طرح ہو جائے اگر) میں آسمان سے کہوں کہ آنکھوں کے سامنے نیچے اتر آ (تو فوراً اتر آئے)۔

مطلب :۔ پہلے مصرعہ کا مضمون اس آیت سے ماخوذ ہے۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۔"قیامت کے روز پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہوں گے۔" (سورہ قارعہ) دوسرے مصرعہ کا مضمون اس آیت سے مقتبس ہے۔ اَوْ تُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ یعنی اگر ہم کوئی ٹکڑا آسمان سے ان پر گرا دیں تو ان کی گردنیں اس کی وجہ سے جھک جائیں۔

گویم اے خورشید مقروں شو بماہ　　ہر دو را سازم چو دو ابرِ سیاہ

ترجمہ :۔ (اگر) میں حکم دوں کہ اے سورج چاند کے ساتھ مل جا (تو فوراً مل جائے اور اگر میں چاہوں تو) دونوں کو کالے بادل کی طرح بے نور کر دوں۔

مطلب :۔ پہلا مصرعہ ان آیات میں سے تیسری آیت کے مضمون پر مشتمل ہے۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ

"جب (مارے ہیبت کے) آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ اور چاند گہنا جائے گا۔ اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے۔" (سورہ قیامہ ع ۱) دوسرے مصرعہ کا مضمون اس آیت کے مطلب پر متضمن ہے کہ "جب سورج (کے نور کی چادر کو) سمیٹ لیا جائے گا۔" (سورہ تکویر) اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ قیامت کے روز سورج اور چاند ایسی حالت میں آئیں گے کہ بے نور ہوں گے۔

چشمۂ خورشید را سازیم خشک　　چشمۂ خوں را بفن سازیم مُشک

لغات :۔ چشمہ منبعِ آب، زمین سے پانی نکلنے کی جگہ چونکہ سورج منبعِ نور ہے۔ اس لیے یہ لفظ اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

یہاں چشمہ کا لقب آفتاب کے لیے استعمال ہوا ہے مگر اس کے معنے اصلی یعنی منبع آب کے لحاظ سے آفتاب کے نور کو پانی سے مشابہت دی گئی ہے۔ اس لیے سلبِ نور کو خشک ساختن کے معنے میں ظاہر کیا ہے۔ فن طریقہ، حیلہ، حکمت۔

ترجمہ:۔ چشمۂ آفتاب کو ہم (جب چاہیں) بے نور کر دیں۔ (اور) چشمہ خون کو (اپنی) حکمت سے مُشک بنا دیں۔

آفتاب و مہ چو دوگاوِ سیاہ　　یوغ برگردن بہ بندد شاں اللہ

لغات:۔ یوغ وہ لکڑی جو گاڑی یا ہل کے بیلوں کے کندھے پر رکھی جاتی ہے۔ جوا۔

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ (اگر چاہے تو) سورج اور چاند کو دو کالے بیلوں کی طرح (اکٹھے کر کے) ان کی گردن پر جوا باندھ دے۔

مطلب:۔ اوپر تک تصرفاتِ الٰہیہ کو بصیغۂ متکلم بیان کر رہے تھے۔ اب یہ ذکر بصیغہ غائب کرنے لگے۔ یعنی حق تعالیٰ اگر چاہے تو چاند، سورج کو سیاہ اور بے نور بھی کر دے۔ اور ان کو ان کے موجودہ وظیفے سے باز رکھ کر ہل کے بیلوں کی طرح کسی اور شغل میں بھی لگا دے غرض حق تعالیٰ خرقِ عادت کے طور پر پانی کو آگ اور آگ کو پانی بھی بنا سکتا ہے۔ مرکزِ ثقل کو بدل کر پہاڑوں کو روئی کی طرح بھی اڑا سکتا ہے۔ ہیئتِ افلاک کو متغیر کر کے ان کو زیرِ زمین بھی لا سکتا ہے۔ نظامِ شمسی کو درہم برہم کر کے مہر و ماہ کو اکٹھے بھی کر سکتا ہے۔ اور ان کو بے نور بھی کر سکتا ہے۔ قلبِ ماہیت کے طور پر چشمۂ خون کو انبارِ مُشک بھی بنا سکتا ہے۔ پس جو قادرِ مطلق اس قدر وسیع قدرت اور قوت رکھتا ہے اگر وہ کسی انسان کو اپنا مقرب اور مراتبِ عالیہ پر ممتاز کر دے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے لہٰذا انبیاء و اولیا کی صورِ ظاہری پر قیاس کر کے ان کے کمالاتِ باطنی کا انکار کرنا عقل سے بعید ہے۔ اور باعثِ عذابِ شدید ہے۔ آگے اس مضمون کی تائید میں ایک حکایت سناتے ہیں۔

انکارِ فلسفی در آیہ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا

آیہ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا میں فلسفی کا انکار

مقرئے میخواند از روئے کتاب　　مَآؤُکُمْ غَوْرًا ز چشمہ بندم آب

لغات:۔ مقری قاری۔ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ غور۔ زمین میں اتر جانا۔ یہ قرآن مجید کی اس آیت کا ذکر ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ "(اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو) کہ بھلا دیکھو تو (سہی) کہ یہ تمہارا پانی (جو تم پیتے ہو) اگر زمین کے اندر اتر جائے۔ تو کون تمہارے لیے پانی کی سوتیں بہا لائے گا" (سورۃ ملک ع ۲)

ترجمہ:۔ ایک قاری قرآن مجید میں سے (آیہ) ماء کم غورًا (جس کے معنے ہیں) "بند کر دوں میں پانی کو" پڑھ رہا تھا۔

آب را در غورہا پنہاں کنم　　چشم ہا را خشک و خشکستاں کنم

ترجمہ:۔ (اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ) میں (اگر) تمہارے پانی کو زمین کے اندر چھپا دوں اور چشموں کو خشک اور خشکی کا خطہ بنا دوں تو۔

آب را در چشمہ کہ آرد دگر　　جز منِ بے مثلِ با فضل و خطر

لغات:۔ کہ بمعنے کدام۔ خطر اہمیت، عُلوِّ شان۔

ترجمہ:۔ کون ہے جو اس پانی کو دوبارہ چشموں میں لائے۔ سوائے میرے جو کہ بے مثل ہوں۔ بزرگ اور اہمیت والا ہوں۔

فلسفیِ منطقیِ مستہاں میگذشت از سوئے مکتب آں زماں

لغات:۔ مستہاں ۔ ذلیل۔حقیر۔

ترجمہ:۔ ایک ذلیل فلسفی منطقی اس وقت مدرسے کے پاس سے گزر رہا تھا۔(جہاں یہ آیت پڑھی جا رہی تھی)

چونکہ بشنید آیۂ او را بلند گفت آریم آب را ما با کلند

لغات:۔ کلند کدال ، پھاوڑا ، زمین کو کھودنے کا آلہ۔

ترجمہ:۔ جب اس نے اس (قاری) کی (اس) آیت کو (آواز) بلند سنا تو کہا ہم پانی کو کدال سے (زمین کھود کر) نکال لیں گے۔

مطلب:۔ چونکہ آیتِ مذکورہ میں حق تعالیٰ کے اظہارِ قدرت کے ساتھ ایک ایسی چیز کے نایاب ہو جانے کے امکان کی ہولناک تہدید بھی ہے جو تمام حیوانات و نباتات کی مایہ حیات ہے۔ چنانچہ اگر فی الواقع دنیا میں اَصْبَحَ مَآءُکُمْ غَوْرًا کا منظر پیش آ جائے تو چار دن میں دنیا کا گلشن نمونہ گلخن بن جائے۔ انسان و حیوان تڑپ تڑپ کر مر جائیں اور قیامت کا پورا نقشہ بندھ جائے۔ اور ساتھ ہی آیتِ مذکور سوال کے انداز میں واقع ہوئی ہے اسی لیے اہلِ ایمان اور اربابِ یقین اس آیت کی تلاوت کے بعد بطور جواب یہ کلمات کہہ لیا کرتے ہیں۔ جن میں اپنے پروردگار کی قدرت کاملہ کا اعتراف اور اس کے لطف و کرم پر بھروسہ مضمر ہے۔ کہ اَللّٰہُ یَاْتِیْنَا بِہٖ وَ ھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ یعنی اس پانی کو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نکال لائے گا۔ اور وہ سب سے بڑھ کر رحم والا ہے۔ مگر فلسفی لوگوں کے قلوب اس قسم کے ایمان و یقین کے نور سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس فلسفی نے اس آیت کے جواب میں بطورِ استہزا یہ کلمات کہہ ڈالے۔ کہ فَاٰتِیْہِ بِالْمِعْوَلِ وَ الْمُعِیْنِ یعنی میں اس پانی کو کدال اور کسی مددگار کے ذریعے سے نکال لاؤں گا

ما بزخمِ بیل و تیزیِ تبر ۔ آب را آریم از پستی زبر

لغات:۔ زخم چوٹ ، ضرب۔ بیل پھاوڑا۔ زبر اوپر ، بلندی پر۔

ترجمہ:۔ (اور بولا) ہم پھاوڑے کی ضرب اور تیشے کی تیزی سے (زمین کو کھود کھود کر) پانی کو پستی سے بلندی پر لے آئیں گے (اب تماشائے قدرت دیکھیے کہ)

شب بخفت و دید او یک شیر مرد زد طمانچہ ہر دو چشمش کور کرد

ترجمہ:۔ وہ رات کو سویا اور (خواب میں) اس نے ایک شیر مرد کو دیکھا جس نے (اس کے منہ پر ایک) تھپڑ مارا اور اس کی دونوں آنکھیں اندھی کر دیں۔

گفت زیں دو چشمۂ چشم اے شقی با تبر نورے بیار ار صادقی

لغات:۔ شقی بدبخت۔ صادقی میں یائے خطاب رابطہ جملہ ہے۔

ترجمہ:۔ (اور ساتھ ہی جھڑک کر) کہا کہ اے بدبخت اگر تو (قدرتِ حق کے مقابلے میں چشمۂ آب سے کلند و تبر کے ساتھ پانی نکال لانے پر قادر ہے۔ اور اس دعوے میں) سچا ہے تو ذرا اپنے ان دونوں چشمۂ چشم میں سے تبر کے ساتھ نور تو نکال لا۔

روز برجست و دو چشمش کور دید　　نورِ فائض از دو چشمش ناپدید

ترجمہ:۔ خیر یہ تو خواب کا معاملہ تھا۔ مگر جب دن کو (بستر سے) اٹھا تو سچ مچ اپنی دونوں آنکھوں کو اندھا ہی پایا اور نورِ بصارت جو (ہر طرف) پہنچتا تھا اس کی دونوں آنکھوں سے نابود تھا۔

گر بنالیدے و مستغفر شدے　　نورِ رفتہ از کرم ظاہر شدے

ترجمہ:۔ اگر وہ (اپنی اس گستاخی سے نادم ہو کر) رو دیتا اور استغفار کرتا تو (بعید نہ تھا کہ اس کا) گم شدہ نور (بصارت خدا کے) کرم سے (پھر) ظاہر ہو جاتا۔

لیک استغفار ہم در دست نیست　　ذوقِ توبہ نُقلِ ہر سرمست نیست

لغات:۔ در دست قبضۂ اختیار میں۔ نُقل کھانے چکھنے کی تھوڑی سی چیز جو شراب کے بعد چکھتے ہیں۔ سرمست سے مستِ گناہ اور غافل مراد ہے۔

لیکن (کیا کیجئے کہ) استغفار (پر مائل ہونا) بھی ہر شخص کے اختیار میں نہیں۔ توبہ کے مزے کی چاٹ ہر غافل کو نہیں ہوتی ہے۔

حدیث توبہ رہا کن کہ غفلت صائب　　ازاں گزشت کہ اندیشۂ صواب کند

زشتیِ اعمال و شومیِ جحود　　راہِ توبہ بر دلِ او بستہ بود

لغات:۔ زشتی بدی۔ شومی نحوست۔ جحود انکار۔

ترجمہ:۔ اعمال (بد) کی خرابی اور انکار (حق) کی نحوست نے اس کے دل پر توبہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔

از نیاز و اعتقادِ آں خلیل　　گشت ممکن امرِ صعب مستحیل

لغات:۔ آں خلیل سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مراد ہیں۔ صعب مشکل۔ مستحیل محال۔

ترجمہ:۔ (جس طرح) ان حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے (درگاہِ حق میں عجز و) ایثار اور (کمال) اعتقاد کی بدولت ایک مشکل و محال امر ممکن ہو گیا۔ (اسی طرح اس کمبخت فلسفی کو بھی نورِ بصارت مل سکتا تھا۔)

مطلب:۔ اس مشکل و محال امر سے نار کا گلزار بن جانا مراد ہے۔ مولانا بحر العلوم شیخ اکبر سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک فلسفی نے کہا آگ کا گلزار بن جانا عقلاً و قیاساً محال ہے تو اولیاء اللہ میں سے ایک ولی نے آگ کی بھٹی کی طرف اشارہ کر کے اس سے فرمایا۔ دیکھو یہ آگ پھونک ڈالنے کی خاصیت رکھتی ہے یا نہیں۔ فلسفی نے کہا۔ ہاں رکھتی ہے تو اس بزرگ نے آگ کو دونوں ہاتھوں سے اکٹھا کر کے اپنے دامن میں ڈال لیا۔ مگر نہ ہاتھ کو کچھ سینک پہنچا اور نہ ان کا دامن جلا۔ پھر انہوں نے وہی آگ اس فلسفی کے دامن میں الٹ دی۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے چھوا دیا۔ معاً آگ کے اثر سے اس کے ہاتھ پر بھی آبلے پڑ گئے اور دامن بھی جلنے لگا۔ یہ کیفیت دیکھ کر فلسفی صدقِ دل سے ایمان لے آیا۔ مولانا بحر العلومؒ لکھتے ہیں "وبظن ایں فقیر مے رسد کہ آں ولی نفس نفیس شیخ اکبر قدس سرہ" یعنی خاکسار کے خیال میں وہ ولی جس نے فلسفی کو یہ کرامت دکھائی خود حضرت شیخ اکبر تھے۔ غرض نیاز و اعتقاد کا یہ اثر تھا اور انکار و اشتباہ کا اثر اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ہم چنیں برعکسِ آں انکارِ مرد مس کند زر را و صلحے را نبرد

ترجمہ:۔ اسی طرح برخلاف اس کے اس مرد (فلسفی) کا انکار (اپنی شامت سے) سونے کو تانبا اور صلح کو جنگ بنا دے۔

دل بسختی ہم چو روئے سنگ گشت چوں شگافد توبہ آنرا بہرِ کشت

ترجمہ:۔ اس فلسفی کا دل تو سختی سے سطحِ سنگ کا سا ہو گیا۔ پھر توبہ اس کو (اعمال کی (کھیتی) (بونے) کے لیے کیونکر شگافتہ اور نرم کرے۔

مطلب:۔ جب دل سچے انفعال و خجلت سے متاثر ہو تو توبہ مفید ہو سکتی ہے۔ ورنہ جب پتھر کی طرح سخت ہو اور اپنے اعمال سے کچھ ندامت نہ ہو۔ تو صرف زبانی توبہ توبہ کی رٹ لگانے سے کیا ہوتا ہے۔ کما قیل۔

سبحہ برکف توبہ برلب دل پُراز ذوقِ گناہ معصیت راخندہ مے آید بر استغفارِ ما

چوں شعیبے کو کہ تا اُوازِ دعا بہرِ کشتن خاک سازد کوہ را

ترجمہ:۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرح کون ہے جو (اپنی) دعا (کی برکت) سے کھیتی بونے کے لیے پہاڑ کو مٹی بنا (کر ہموار کر) دے۔

مطلب:۔ دل نرم ہو اور گناہ سے ندامتِ تامہ ہو۔ تو توبہ اور دعا میں وہ تاثیر ہو سکتی ہے کہ چاہیں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہموار زمین بن جائے۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا سے ہو گیا تھا۔ حضرت بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ تواریخ میں منقول ہے کہ شعیب علیہ السلام نے دعا کی تو پہاڑ نرم اور قابلِ زراعت ہو گیا۔ انتہےٰ۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام سے کوئی معجزہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ بخلاف دیگر انبیاء علیہم السلام کے کہ ہر ایک سے کسی نہ کسی معجزہ کا ظہور مروی و منقول ہے۔

یا بدریوزہ مقوقس از رسولؐ سنگلاخے مزرعے شد باوصول

لغات:۔ دریوزہ۔ بھیک مانگنا۔ یہاں سوال والتماس مراد ہے۔ مقوقس۔ ایک بادشاہ کا لقب ہے۔ جو رسول ﷺ کے عہدِ مبارک میں فرمانروائے مصر تھا۔ آنحضرتؐ نے دوسرے بادشاہوں کی طرح اس کے نام بھی فرمان بھیجا۔ جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی۔ مقوقس نے آپؐ کے ایلچی کی بہت توقیر کی۔ آپ کے فرمان کو ایک صندوقچہ میں محفوظ رکھا۔ اور سفارت کو بہت سے بیش بہا تحائف کے ساتھ واپس بھیجا۔ مگر دولتِ ایمان سے بہرہ مند نہیں ہوا۔ اور جواب میں لکھا۔ کہ میں سرِدست آپ کی دعوت قبول کرنے سے معذور ہوں۔ غور کر رہا ہوں رسول ﷺ کا فرمان مبارک جو مقوقس کے نام گیا تھا آج کل مصر کے آثارِ قدیمہ سے برآمد ہوا ہے۔ اور اس کے فوٹو اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ سنگلاخ پہاڑی خطہ۔ مزرعہ کھیتی۔ باوصول جس کی پیداوار وصول ہوتی ہو۔

ترجمہ:۔ یا (جیسے) شاہ مقوقس کے رسول ﷺ کی خدمت میں التماس کرنے سے ایک پہاڑی خطہ کھیتی بن گیا۔ جس سے (پیداوار) وصول ہو۔

مطلب:۔ اگر یہ روایت صحیح ہے کہ مقوقس نے رسول ﷺ سے دعا کی درخواست کی تو اس سے اس کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحب مکاشفات لکھتے ہیں کہ مقوقس مصر کے بادشاہ کا نام ہے جو عیسائی تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کی التماس سے رسول ﷺ نے دعا کی تو اس کی برکت سے سنگلاخ مزرع سبز بن گیا۔ (انتہےٰ) مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ پہلے مقوقس کا نام صحابہ میں درج ہو گیا تھا مگر پھر اس فہرست سے کاٹ ڈالا گیا۔ اور بظنِ غالب وہ اسلام نہیں لایا۔

کہربائے مسخ آمد ایں دعا خاکِ قابل راکند سنگ وحصا

لغات:۔ کہربا. زرد رنگ کا ایک مہرہ ہوتا ہے جس کو قدرے مل کر تنکے کے پاس لاتے ہیں تو وہ تنکے کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ یہاں مطلق جاذب اور محرک مراد ہے۔ مسخ. خراب، صورت بنا دینا، بگاڑ دینا۔ حصا. کنکر۔

ترجمہ:۔ (لیکن) یہ دعا (جو اس منکر فلسفی کا سا کوئی شخص بداعتقادی کے ساتھ کرے۔ مقصد کو) کچھ کا کچھ بنا دینے کی محرک ہے (وہ کھیتی) کے قابل اراضی کو پتھر کنکر (سے پر) کر دیتی ہے۔

ہر دلے راسجدہ ہم دستور نیست مُزدِ رحمت قسمِ ہر مزدور نیست

لغات:۔ دستور. اجازت۔ مُزد. مزدوری، معاوضہ، اجرت۔ قسم. حصّہ نصیب، قسمت۔

ترجمہ:۔ (ساتھ ہی) ہر ایک دل کو سجدہ (مقبول و دعائے مستجاب) کی اجازت بھی نہیں۔ ہر مزدور کی قسمت میں رحمت کی مزدوری (لکھی ہو یہ ضروری) نہیں۔

مطلب:۔ دعا و مناجات اور توبہ و استغفار کرنے کو تو بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر سب شرائط کی بجا آوری کے ساتھ نہیں کرتے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ سب کی دعا مقبول ہو۔ اور سب اپنی اس محنت کا ثمرہ پائیں۔ صائبؒ۔

حضورِ قلب اگر در نماز شرط شدہ است عبادت ہمہ روئے زمین قضا دارد

ہیں پشتی آں مکن جرم و گناہ کہ کنم توبہ درایم در پناہ!

ترجمہ:۔ خبردار اس بھروسہ پر جرم و گناہ کے مرتکب نہ ہونا کہ میں (پھر کبھی) توبہ کر لوں گا۔ (اور حق تعالیٰ کی) پناہ میں آ جاؤں گا۔

مے بباید آب و آبے توبہ را شرط شد برق و سحابے توبہ را

لغات:۔ تاب. سوزش۔ آب سے اشک مراد ہیں۔ برق. بجلی سحاب. بادل۔

ترجمہ:۔ (کیونکہ) توبہ کے لیے سوزش (قلب) اور اشکباری (چشم) کی ضرورت ہے توبہ کے لیے بجلی (کی سی بیقراری) اور بادل کی سی اشکباری) چاہیے۔ (اور یہ باتیں کیا معلوم پھر میسر ہوں یا نہ ہوں۔)

آتش و آبے بباید میوہ را واجب آمد ابر و برق ایں شیوہ را

ترجمہ:۔ (دیکھو) میوہ کی پختگی کے لیے حرارت اور پانی چاہیے۔ اور اس لحاظ سے بادل اور بجلی (دونوں) ضروری ہیں۔ (اسی طرح میوۂ اعمال کی پختگی کے لیے سوزشِ قلب اور آبپاشیِ چشم کی ضرورت ہے۔)

تانبا شد برقِ دل و آبِ دو چشم کے نشیند آتشِ تہدید و خشم

ترجمہ:۔ (ورنہ) جب تک (سوزشِ) دل کی بجلی اور دونوں آنکھوں (کے آنسوؤں) کا پانی نہ ہو (حق تعالیٰ کی) دھمکی اور ناراضگی کی آگ کب تسکین پا سکتی ہے۔

تا نبا شد گریۂ ابر از مطر تانبا شد خندۂ برق اے پسر

کے بروید سبزۂ ذوقِ وصال کے بجوشد چشم ہاز آبِ زلال

لغات:۔ مطر. بارش، مینہ۔

صنائع :۔ گریہ وخندہ کا تضاد اور ابر' مطر' برق' آب' چشمہ' سبزہ' مناسبات بہار پُر لطف ہیں۔

ترکیب :۔ پہلا شعر شرط ہے۔ دوسرا شعر اگلے سات اشعار سمیت اس کی جزا۔

ترجمہ :۔ اے عزیز! جب تک بارش کے ساتھ بادل کا گریہ نہ ہو اور جب تک بجلی کا خندہ نہ ہو۔ اس وقت تک وصول (الی الحق کے) ذوق کا سبزہ کب اگ سکتا ہے؟ (اور حق تعالیٰ کی رحمت کے) چشمے صاف پانی کے ساتھ جوش کب مار سکتے ہیں۔

مطلب :۔ جب تک اپنے گناہوں پر انفعالِ کلی نہ ہو۔ رحمتِ خداوندی کب جوش میں آتی ہے۔

ندامت مے رسد صائب بفریادِ خطا کاراں کہ خوں در ناف گردد مشک آہوئے خطائی را

اگلے سات اشعار تک وہی مناسباتِ بہار کا ذکر ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب تک بندہ درگاہِ خدا کی طرف پورے تضرّع وابتہال کے ساتھ رجوع نہ کرے اس وقت تک رحمتِ حق کب اس کے شاملِ حال ہو سکتی ہے۔

کے گلستاں راز گوید با چمن کے بنفشہ عہد بندد با سمن

ترجمہ :۔ کب باغِ چمن کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرے۔ کب بنفشہ (گلِ) سمن کے ساتھ (تازگی و شادابی کا) عہد باندھے۔

کے چنارے کف کشاید در دعا کے درختے برفشاند میوہ را

لغات :۔ چنار ایک درخت کا نام ہے جس کے پتے انسانی پنجہ کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کے لیے دست بدعا ہونے کا استعارہ کیا جاتا ہے۔

ترکیب :۔ بر اور میوہ میں ایہامِ تناسب ہے۔

ترجمہ :۔ کب کوئی (درخت) چنار (اپنے پنجہ نما پتوں سے) دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے کب کوئی درخت میوہ گرائے۔

کے شگوفہ آستینِ پُر نثار برفشاندن گیرد ایامِ بار

لغات :۔ آستینِ پُر نثار پیراہن وقبا کی وہ کشادہ آستین جس کے اندر سونے چاندی کے سکے اس غرض سے بھر لیے جائیں کہ ان کو نثار کیا جائے تاکہ محتاج لوگ اٹھالیں۔ اگلے زمانے میں آستینوں کے اندر اس قسم کے کیسے بنائے جاتے تھے۔ جن میں نقدی، کاغذ وغیرہ رکھ سکتے تھے۔

ترکیب :۔ برفشاندن گیرد کا فاعل شگوفہ ہے آستین پر نثار اس کا مفعول بہ ایام بہار ظرف۔

ترجمہ :۔ کب شگوفہ موسمِ بہار میں (اپنی) آستیں (جو) نثار کرنے کی غرض سے نقدی سے پر (کی گئی ہو) جھاڑنی شروع کرے۔

کے فروزد لالہ را رخ ہمچو خوں کے گل از کیسہ برآرد زر بروں

لغات :۔ لالہ ایک پھول کا نام ہے جو اندر سے نہایت سرخ ہوتا ہے۔ زر از کیسہ برآوردن جیب سے سونے کے سکے نکالنا۔ پھول کے کھلنے کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ جب غنچہ اپنے سبز غلاف کو چاک کر کے کھلتا اور سنہری پھول کی شکل اختیار کرتا ہے تو گویا سنہری سکے جیب سے نکل پڑتے ہیں۔

ترجمہ :۔ کب (گل) لالہ کا چہرہ خون (کے سے رنگ) کی طرح دمکنے لگے۔ کب پھول (اپنی) جیب سے سونا باہر نکالے۔

کے بیاید بلبل و گل بوکند　　کے چو طالب فاختہ کُو کُو کند

لغات:۔ بوکردن سونگھنا۔ طالب جستجو کرنے والا۔ کوکو فاختہ کی آواز۔ چونکہ کو کے معنے کہاں کے ہیں اس لیے یہاں طالب کی مناسبت سے اسمِ صوت سے اسمِ استفہام کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ:۔ کب بلبل آئے اور پھول کو سونگھنے لگے۔ کب فاختہ (ایک) طالب کی طرح (جو اپنے مطلوب کو ڈھونڈتا ہے) کوکو (کہاں ہے کہاں ہے) کی صدا لگائے۔

کے بگوید لکلک آں لک لک بجاں　　لک چہ باشد مُلکُ لَکَ یَامُسْتَعَان

لغات:۔ لکلک ایک آبی پرندے کا نام ہے۔ تعلق اس کا مغرب سے ہے۔ لک لک لک لک کی آواز۔

ترجمہ:۔ کب لک لک (دل وجان) سے لک لک کہے۔ لک کیا ہوتا ہے۔ (بلکہ کہے) اَلْمُلْکُ لَکَ یَامُسْتَعَانَ (یعنی اے وہ ذاتِ پاک جس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ بادشاہی تیری ہی ہے۔)

کے نماید خاک اسرارِ ضمیر　　کے شود چوں آسماں بستانِ منیر

لغات:۔ ضمیر دل کی باتیں۔ منیر روشن۔

ترجمہ:۔ کب زمین (اپنے) اندر کے چھپے بھیدوں کو ظاہر کرے۔ (جو بیجوں کے پھوٹ نکلنے سے ظاہر ہوتے ہیں) کب باغ (چمکیلے پھولوں سے یوں) روشن ہو۔ جس طرح آسمان (چاند سورج اور ستاروں سے روشن ہوتا ہے)۔

مطلب:۔ یہ تمام سامانِ بہار اور سرسبزیٔ گلزار موقوف ہے اس پر کہ بجلی چمکے اور بارش ہو۔ اسی طرح جب توبہ کے اندر سوزشِ قلب اور اشکباریٔ پیہم ہو تو پھر رحمتِ خداوندی متوجہ ہوتی ہے اور نزولِ برکات سے کشتِ مراد سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ ورنہ توبہ فضول ولا حاصل ہے۔ حافظؒ

گریۂ آب برخِ سوختگاں باز آورد　　نالۂ فریاد رسِ عاشقِ مسکین آمد

ازکجا آورده اند ایں حُلّها　　مِنْ کَرِیْمٍ مِنْ رَحِیْمٍ کُلُّهَا

لغات:۔ حلہا جمع حلہ، لباس، پوشاک۔ کریم بزرگ، کرم والا۔ رحیم رحم والا۔ کلہا سب کے سب۔

ترکیب:۔ دوسرا مصرعہ عربی میں ہے جو گویا پہلے سوالیہ مصرعہ کا جواب ہے جس کی تقدیر یہ ہے اَتَتَ الْحُلَلُ کُلُّهَا مِنْ کَرِیْمٍ وَّرَحِیْمٍ آتت فعل ماضی واحد غائب مونث مقدر اور اس کی ضمیر فاعلی کائناتِ بہار کی طرح پھرتی ہے۔ حلہا یا حلل محذوف موکد کلہا اس کی تاکید۔ دونوں مل کر مفعول بہ من کریم اور من رحیم اس کے متعلقات۔

ترجمہ:۔ (نونہالانِ چمن اور عروسانِ بہار کے یہ (خوبصورت) پوشاکیں کہاں سے لائی ہیں؟ کریم رحیم سے لائی ہیں۔ (جو تمام عالم کا خالق ورازق ہے) جامیؒ

تصب بافِ عروسانِ بہاری قیام آموز سروِ جویباری

آں لطافتہا نشانِ شاہدے ست　　کہ بہر ساعت دو صد جانش فدے ست

لغات:۔ لطافتہا پاکیزہ صفات۔ شاہد محبوب مراد محبوبِ حقیقی۔ ہر ساعت سے مراد ہر لحہ، ہر دم۔ دوصد سے مراد عدد مخصوص نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ فدے فدا کا امالہ ہے۔ قربان۔ نثار۔

ترجمہ:۔ وہ پاکیزہ صفات جو عروسانِ بہار سے ظاہر ہوتی ہیں دراصل اس محبوبِ حقیقی کے نشان ہیں۔ جس پر ہر دم سینکڑوں جانیں قربان ہیں۔

مطلب:۔ مصنوعات اپنے صانع کے وجود کا نشان ظاہر کر رہی ہیں۔ صائبؒ۔

چمنِ سبز فلک را چمن آرائے ہست زیرِ ایں رنگ نہاں آئینہ سیمائے ہست

مگر ان نشانوں کے دیکھنے والوں میں بھی فرق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

آں شود شاد از نشاں کو دید شاہ چوں ندید اورا نباشد انتباہ

لغات:۔ انتباہ متنبہ ہونا، ہوش میں آنا، متاثر ہونا۔

ترجمہ:۔ (ان مصنوعات کو) نشان (صانع پانے) سے وہ (شخص) خوش ہوتا ہے جس نے (اس) بادشاہ (حقیقی) کا (جو صانعِ عالم ہے) مشاہدہ کیا ہو۔ (مگر) جب اس کا مشاہدہ نہ کیا ہو تو پھر (اس کو ان مصنوعات سے) تاثر نہ ہوگا۔

مطلب:۔ بہارِ باغ، خندۂ گل، نالۂ بلبل، آبِ رواں۔ سروِ خراماں ایک عارف کی نظر میں بھی ہے اور ایک عامی کی نظر میں بھی مگر عامی ان چیزوں کے صرف رنگ و بو اور طرز و انداز سے محظوظ ہوتا ہے۔ اور عارف ان کی تہ میں محبوبِ حقیقی کے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس فرقِ مشاہدہ کی وجہ یہ ہے کہ عامی کی نظر صرف مصنوع اور اس کے رنگ و بو تک محدود ہے۔ اور عارف کی نظر مصنوع سے صانع تک پہنچتی ہے کیونکہ وہ صانع کا شناسا ہے۔ اس کے مشاہدہ سے محظوظ ہو چکا ہے۔ اور پھر اس سے محظوظ ہونے کا ہر وقت مشتاق رہتا ہے۔ وہ جب مصنوعات کو دیکھتا ہے تو شدتِ شوق اور فرطِ عشق سے جھٹ صانعِ حقیقی کے جلال و عظمت کا نقشہ اس کی نظر کے سامنے بندھ جاتا ہے اور اس پر ایک حالت طاری ہو جاتی ہے۔ غنیؒ۔

چشمِ ہر کس کہ شد از سرمہ عرفاں روشن آتشِ طور ز ہر سنگ تواند دیدن

عامی نہ اس دولتِ مشاہدہ سے بہرہ مند ہوا ہے اور نہ مصنوعات کے مشاہدہ سے اس پر یہ تاثیر ہوتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے بادشاہ کو تختِ سلطنت پر متمکن دیکھا ہو اور اس کے جاہ و اقتدار اس کے جلال و جبروت اور اس کی جانستانی و جاں بخشی کے کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں۔ وہ جب اس بادشاہ کا فوٹو دیکھے گا تو معاً اس پر نظر پڑتے ہی اس کی ساری آن بان اور حشمت و شوکت کا نقشہ ہو بہو آنکھوں میں پھر جائے گا۔ اور اس کے احسانات و انعامات کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ جس سے اس پر ایک وجد کی حالت طاری ہوگی۔ بخلاف اس کے جس شخص نے آج پہلی مرتبہ اس بادشاہ کی تصویر دیکھی ہے اس پر یہ اثر نہ ہوگا وہ صرف اس کے تاج کی صنائی۔ تخت کی طرحداری اور اس کی پوشاک کی رنگینی کو کسی قدر غور اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا۔ اور بس۔

غرض مولانا فرماتے ہیں کہ جس نے چاشنیٔ وصل چکھی ہے۔ وہ مصنوعات کے عجائبات سے لطف حاصل کر سکتا ہے۔ اور جو اس دولت سے محروم ہے اس کو کیا خبر ہو سکتی ہے کہ یہ چیزیں کس پر وال ہیں۔ وہ تو صرف ان کے ظاہر کو دیکھے گا۔

روحِ آنکس کو بہنگامِ الست دیدربِ خویش و شد بیخویش و مست

ترجمہ:۔ مصنوعات کو دیکھ کر صانع کے خیال سے) اس شخص کی روح (خوش ہوگی) جس نے الست (بربکم یعنے یوم میثاق) کے وقت۔ اپنے پروردگار کا دیدار کیا تھا۔ اور وہ اس کے دیدار سے) مست و بے خود ہو گئی تھی۔

نوٹ:۔ آگے اس کی چند مثالیں دیتے ہیں۔ ایک مثال یہ ہے کہ:۔

اوشناسد بوئے مے کہ مے بخورد چوں نخورد او مے چہ داند بوئے کرد

ترجمہ:۔ شراب کی بو کو وہ شخص پہچان سکتا ہے جس نے شراب پی ہو۔ جب شراب نہ پی ہو تو وہ کیا جانے سونگھنا (اور یہ تمیز کرنا کہ شراب ہے یا سرکہ)۔

مطلب:۔ جس شخص نے حق تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کیا ہوگا وہی نشانیوں کو پہچان سکتا ہے اور جس کو دولتِ مشاہدہ کبھی بھی حاصل نہ ہوئی وہ کیا جانے کہ کس کی نشانی ہے۔ کما قیل

گر شود بنیش دو چنداں بے بصیرت را چہ فیض مے کشد احول دو میلِ سرمہ چشمِ خویش را

آگے دوسری مثال بیان فرماتے ہیں:۔

زانکہ حکمت ہم چو ناقہ ضالہ است ہم چو دلّالاں شہانرا دالہ است

لغات:۔ ناقہ اونٹنی۔ ضالہ گم شدہ۔ دالہ دلالت کرنے والا۔

ترجمہ:۔ کیونکہ حکمت (مومن کے لیے) گم شدہ اونٹنی کی مانند ہے۔ وہ (اقلیمِ ولایت کے) بادشاہوں کو دلالوں کی طرح راہ (مقصود) دکھاتی ہے۔

مطلب:۔ اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْحَکِیْمِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (الکلمۃ الف ولام کے ساتھ ہے) "دانائی کی بات دانا آدمی کی گم شدہ چیز ہے۔ پس اسے وہ جہاں پائے۔ وہ اس کا زیادہ حقدار ہے"۔ (مشکوٰۃ) مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ دانا آدمی کسی غیر دانا سے کوئی حکمت کی بات سن لے تو وہ اس پر عمل کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مشاہدہ نصیب کیا ہے اور یوم میثاق میں اس کو حکمت عطا فرمائی ہے۔ جو وجودِ عنصری میں اس سے گم ہوگئی ہے۔ پس یہ حکمت اس کا گم شدہ ناقہ تھا۔ جواب اس کو مل گیا ہے اور یہ حکمت اولیا کو جو تختِ طریقت و سلوک کے تاجدار ہیں اسرارِ الٰہی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ (بحر العلوم)

جس طرح مومن کے سامنے جب کوئی کلمہ حق کہا جاتا ہے تو اس کا قلب فوراً اس کو قبول کر لیتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے ہی دل ہی میں تھا۔ لیکن ذہول تھا۔ ورنہ اگر پہلے سے دل میں نہ ہوتا تو پھر اس کی تصدیق کرنا اور اس کو تسلیم کر لینا کیونکر ممکن ہوتا۔ اس طرح آیاتِ حق کو دیکھ کر ذاتِ حق پر جو دلالت ہوتی ہے تو اس وجہ یہی ہے کہ پہلے سے اس کی یاد دل میں ہوتی ہے مگر اس سے ذہول ہونے کی وجہ سے التفات نہیں رہتی۔ اور جب کوئی نشانی سامنے آ جاتی ہے تو فوراً اس ذات کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ وہی ہے جس کا دیدار یومِ الست میں کیا تھا۔ اور یہ بات ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ پھر ذہول کی کمی بیشی کے مطابق تنبیہ کے مراتب میں بھی فرق ہے۔ جس کو کم ذہول ہوتا ہے وہ صرف مشاہدہ آیات سے متنبہ ہو جاتا ہے اور جس کو ذہول زیادہ ہوتا ہے اس کو مشاہدہ کے علاوہ تقریر و بیاں کے ساتھ زبانی انتباہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے (کلید مثنوی)

آگے ایک اور مثال پیش فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مثلاً تمہاری ایک آرزو ہو۔ خواب میں کوئی بشارت دے کہ کل تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی۔ جس کی ایک علامت یہ ہے کہ ایک سوار آئے گا اور تم سے ملاقی ہوگا۔ دوسرے یہ کہ تم خواب کی کیفیت کسی سے بیان نہ کر سکو گے۔ بیان کرنا چاہو تو زبان بند ہو جائے گی۔ یہ علامتیں نمودار ہوں تو سمجھنا کہ ضرور تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی۔ اب صبح کو جو وہ شخص اٹھتا ہے تو فی الواقع سوار اس سے ملاقی ہوتا ہے جس کو دیکھ کر وہ شخص اپنی مراد بر آنے کے یقین میں خوشی سے پھولا

نہیں سماتا اور خوشی سے ناچنے لگتا ہے۔ دوسرے اشخاص جن کو اس شخص کے خواب کی کیفیت معلوم نہیں۔ وہ حیران ہوتے ہیں کہ معمولی سوار کو دیکھ کر اس کی یہ حالت کیوں ہوگئی ہے۔ آگے ہر شعر سے اس مطلب کو مطابق کرتے جائیے۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے روزِ الست میں رب العزت کا مشاہدہ کیا۔ اس کی علامات و نشانات کو سمجھا۔ پھر وجودِ عنصری کے بعد جو اس کا طالب ہوا اور لگاتار ریاضت کی تو اس کو پاتے ہی اس میں محو ہو گیا۔

تو ببینی خواب در یک خوش لقا　　کو دہد وعدہ و نشانی مر ترا

ترجمہ:۔ (اور مثلاً) تم خواب کے اندر ایک مبارک صورت (آدمی) کو دیکھو جو تم کو (آرزو پوری ہونے کا) وعدہ اور (اس کی) نشانی (کا پتا) دے (اس طرح کہ۔)

کہ مرادِ تو شود اینک نشان　　کہ بہ پیش آید ترا فردا فلاں

ترجمہ:۔ کہ تیری مراد حاصل ہوگی۔ یہ لو اس کی نشانی کہ کل تمہارے پاس فلاں آئے گا۔

یک نشانے آنکہ او باشد سوار　　یک نشانے کہ ترا گیرد کنار

ترجمہ:۔ ایک نشانی یہ کہ وہ سوار ہوگا۔ ایک نشانی یہ کہ وہ تم سے بغلگیر ہوگا۔

یک نشانی آنکہ ایں خواب از ہوس　　چوں شود فرد انگوئی پیش کس

ترجمہ:۔ ایک نشانی یہ کہ جب صبح ہوگی (اور) تم اس خواب کو (بیان کرنے کی) خواہش سے بیان کرنے لگو تو کسی سے بیان نہ کر سکو گے۔

زاں نشاں با والدِ یحییٰ بگفت　　کہ نیائی تا سہ روز اصلا بگفت

لغات:۔ والدِ یحییٰ۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد یعنی حضرت زکریا علیہ السلام۔ گفت پہلے مصرعہ میں فعلِ ماضی دوسرے میں حاصل مصدر۔

ترجمہ:۔ اس قسم کی نشانی (حق تعالیٰ نے) حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد (یعنی حضرت زکریا علیہ السلام) کو ارشاد فرمائی تھی کہ تم تین روز تک بالکل بات نہ کر سکو گے۔

مطلب:۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ یہ اس کی طرف تلمیح ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے درگاہِ حق میں دعا کی کہ الٰہی میں بڑھا ضعیف ہو گیا۔ مجھے اپنی وفات کے بعد خوف ہے کہ میرے ہم قوم دین میں کچھ خرابی نہ ڈال دے۔ مجھ کو ایک جانشین عطا فرما۔ جنابِ باری سے ارشاد ہوا۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِاسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا یعنی ''اے زکریا ہم تم کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اور اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا۔'' حضرت زکریا نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ میری بی بی تو بانجھ ہے اور میں بے حد ضعیف ہوں ارشاد ہوا۔ یہ بات ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں۔ پھر انہوں نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار مجھے میرے بیٹا پیدا ہونے کی کوئی نشانی بتا دے تو ارشاد ہوا۔ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا یعنی تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم برابر تین دن رات تک لوگوں سے بات نہ کرو گے۔'' (سورہ مریم ع۱) یہ حالت حصولِ مراد کی نشانی اس لیے قرار پائی کہ اس سے یقین ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ایک چلتی ہوئی قوت کو بند کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک بند قوت کو چلا سکتا ہے۔ یعنی وہ قبض سے بسط کر سکتا ہے۔ جس طرح

حضرت زکریا علیہ السلام کا تین دن تک کلام نہ کر سکنا

اس نے بسط سے قبض کیا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح خواب میں تم کو حصولِ مراد کی ایک نشانی عدم تکلم بتائی جائے اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی تولدِ فرزند کی یہ علامت بتائی گئی تھی کہ تم اشارات سے بات چیت کر سکو گے۔ زبان سے گفتگو نہ ہو سکے گی۔

تا بہ شب خامش کن ایں نیک و بدت　　ایں نشاں باشد کہ یحییٰ آیدت

ترجمہ:۔ تین (دن) رات تک تم کو اپنی بھلی بری باتوں سے خاموش رہنا ہوگا۔ یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ یحییٰ علیہ السلام تمہارے ہاں (کتمِ عدم سے عالم وجود میں) آئیں گے۔

دم مزن سہ روز اندر گفتگو　　کہ سکوت ست آیتِ منصور تو

ترجمہ:۔ تین دن تک بات چیت کے لیے دم نہ مارنا۔ کیونکہ خاموشی (اپنی مراد پر) تمہارے فتح یاب (ہونے) کی نشانی ہے۔

نوٹ:۔ یہ ضمناً حضرت زکریا کے قصے کا خلاصہ ذکر کیا تھا۔ اب پھر اصل قصے کی طرف عود ہے۔

ہیں میاور ایں نشانرا تو بگفت　　ایں سخن را وار اندر دل نہفت

ترجمہ:۔ خبردار! اس نشانی کو تم ہرگز (دائرہ) بیان میں نہ لانا (بلکہ) اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھنا۔

ایں نشانہا گویدت ہمچو شکر　　ایں چہ باشد صد نشانہائے دگر

ترجمہ:۔ (غرض وہ) یہ نشانیاں شکر کی مانند (شیریں لہجے میں) تم سے بیان کرے (اور) یہ کیا بلکہ سو نشانیاں اور (بتائے اور پھر کہے۔)

ایں نشانِ آں بود کاں ملک و جاہ　　کہ ہمے جوئی بیابی از الٰہ

ترجمہ:۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ جو ملک و جاہ تم چاہو خدا سے پاؤ گے۔

آنکہ میگریی بشبہائے دراز　　وانکہ میسوزی سحرگہ در نیاز

ترجمہ:۔ تم وہ (مراد پاؤ گے) کہ (جس کے لیے) تم لمبی (لمبی) راتوں میں روتے رہے ہو اور وہ (مراد) کہ (جس کے لیے) صبح کے وقت دلسوزی سے دعا کرتے رہے ہو۔

آنکہ بے آں روزِ تو تاریک شد　　ہم چودو کے گردنت باریک شد

لغات:۔ دوک تکلا۔ لاغری کے لیے تشبیہ دیتے ہیں۔

یکے را حکایت کنند از ملوک　　کہ بیماری رشتہ گردش چو دوک

ترجمہ:۔ وہ (مراد) جس کے بغیر تمہارا دن اندھیر ہو گیا۔ (اور) تمہاری گردن (شدت غم سے) تکلے کی طرح پتلی ہو گئی۔

وانکہ دادی آنچہ داری درزکات　　چوں زکاتِ پاک باراں بر جہات

ترجمہ:۔ وہ مراد کہ (جس کے حصول کے لیے) تم نے (اپنا سب اندوختہ) جو تم رکھتے ہو بطور خیرات دے ڈالا۔ جیسے بارش کی پاک (وصاف پانی کی) خیرات اطراف (زمین) میں (برستی ہے)۔

اختلاف:۔ دوسرا مصرعہ بعض نسخوں میں یوں درج ہے۔ ''چوں زکاتِ پاک بازاں رختہات'' اس تقدیر پر رختہات داری کا مفعول بہ ہے۔ اور اس کا مفعول مقدر نکالنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے کہ پہلے نسخے میں کرنا پڑا۔ البتہ اجزائے جملہ کا بعد و تفرق مخل مطلب ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔

وہ مراد کہ (جس کے حصول کے لیے) تم نے اپنا تمام سامان و اسباب بطور زکوۃ دے دیا پاک بازوں کی طرح بطور خیرات دے ڈالا۔

رختہا دادی و خواب و رنگ رو سرفدے کردی و گشتی ہچو مو

ترجمہ:۔ (جس کے لیے) تم نے اپنا سامان واسباب دے ڈالا اور نیند (قربان کردی) اور چہرہ کا رنگ (کھولیا) تم نے سرفدا کردیا۔ اور تم (گھل گھل کر) بال کی طرح (دبلے پتلے) ہو گئے۔

چند در آتش نشستی ہم چو عود چند پیشِ تیغ رفتی ہم چو خود

ترجمہ:۔ بارہا تم آتش (فرقت میں یوں) جلتے رہے جس طرح عود (جلتا ہے) بارہا تم (تیرو) تلوار کے آگے (یوں) سینہ سپر ہوئے جس طرح خود (تلوار کی ضرب کو سہتا ہے۔)

زیں چنیں بیچار گیہا صد ہزار خوئے عشاق است ناید در شمار

ترجمہ:۔ ایسی ایسی لاکھوں بے بسی کی حالتیں سہنا عاشقوں کی عادت میں داخل ہے۔ جو شمار میں نہیں آسکتیں (تم بھی سب کو برداشت کر چکے ہو)۔

چونکہ اندر خواب دیدی حالہا آنکہ بودی آرزویش سالہا

ترجمہ:۔ جب تم نے خواب میں (اس آرزو کے پورا ہونے کے) حالات دیکھے جس کی آرزو (میں) تم برسوں رہے ہو۔

چونکہ شب آں خواب دیدی روز شد از امیدِ آں دلت پیروز شد

ترجمہ:۔ (اور) جب تم نے رات کو وہ خواب دیکھا (اور) دن چڑھا تو اس (آرزو کے پورا ہونے) کی امید سے تمہارا دل بھرپور ہوگیا۔

چشم گرداں کردہ بر چپ و راست کاں نشان وآں علامتہا کجاست

ترجمہ:۔ تم دائیں بائیں نظر پھراتے ہو کہ وہ نشانی اور علامتیں (جو خواب میں بتائی گئی تھیں) کہاں ہیں۔

بر مثالِ برگ مے لرزی کہ وائے گر رود روز و نشاں ناید بجائے

ترجمہ:۔ (اور) تم اس خوف سے درخت کے پتے کی طرح لرزتے ہو کہ ہائے! اگر دن گزر گیا اور وہ نشانی نمودار نہ ہوئی۔ (تو پھر بڑی حسرت کی بات ہے)۔

میدوی در کوے و بازار و سرا چوں کسے کو گم کند گو سالہ را

ترجمہ:۔ تم (گلی) کوچے اور بازار میں اور گھر گھر (اس طرح) دوڑتے پھرتے ہو جیسے وہ شخص جس کا بچھڑا گم ہو گیا وہ (اور اسے تلاش کرتا پھرے)

خواجہ خیر ست؟ ایں دَوادَو چیستت گم شدہ ایں جا کہ داری؟ کیستت؟

لغات:۔ دوادو دوڑ دھوپ۔ کیستت وہ تمہارا رشتہ میں کیا ہوتا ہے۔

ترجمہ:۔ (لوگ حیران ہو کر پوچھیں) میاں خیر تو ہے یہ بھاگ دوڑ کیوں کر رہے ہو۔ تمہارا یہاں کون گم ہو گیا۔ وہ رشتے میں تمہارا کون ہوتا ہے۔

گوئیش خیرست لیک ایں خیرِ من کس نشاید کہ بداند غیرِ من

ترجمہ:۔تم (جواب میں) اس سے کہو (ہاں ہاں) خیر ہے۔لیکن یہ میری خیر میرے سوا اور کوئی شخص نہیں جان سکتا۔

گر بگوئیم یک نشانم فوت شد چوں نشاں شد فوت وقتِ موت شد

ترجمہ:۔اگر میں (بیانِ خواب کرنے کے لیے) یہ مان لوں (کہ چلو) ایک نشانی (عدم بیانِ خواب کی) فوت ہوگئی (تو ہو جانے دو تو یہ گوارا نہیں کیونکہ) جب ایک نشانی (بھی) فوت ہوگئی۔تو (عدمِ حصولِ مراد سے) موت کا وقت آ گیا۔

بنگری در روے ہر مردے سوار گویدت منگر مرا دیوانہ وار

ترجمہ:۔تم ہر مرد سوار کے منہ کو تکنے لگتے ہو تو وہ تم سے کہتا ہے (بھائی) مجھے دیوانوں کی طرح (لگاتار) مت تکو۔

گوئیش من صاحبے گم کردہ ام رو بجُست و جوئے او آوردہ ام

ترجمہ:۔تم اس سے کہتے ہو کہ جناب! میرا ایک دوست گم ہوگیا۔میں اس کو تلاش کر رہا ہوں۔

دولت پائندہ بادا اے سوار رحم کن بر عاشقاں معذور دار

ترجمہ:۔اے سوار! تمہارا اقبال قائم رہے۔ہم (عاشق لوگ بے خودی کی حالت میں اکثر غلطی کرتے رہتے ہیں) عاشق لوگوں پر رحم کرو (آپ کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے کی جو خطا ہوگئی۔معاف فرماؤ اور) معذور سمجھو۔

چوں طلب کردی بجد آید نظر جد خطا نکند چنیں آمد خبر

ترجمہ:۔جب تم مقصود کو کوشش کے ساتھ طلب کرو تو نظر آ ہی جاتا ہے (اسی لیے) کوشش رائیگاں نہیں جاتی ایسا ہی حدیث میں آیا ہے۔

مطلب:۔یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ مَنْ طَلَبَ شَیْئًا وَجَدَّ وَجَدَ یعنی جو کسی چیز کو طلب کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے وہ اسے پالیتا ہے۔کلید مثنوی میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحاح میں تو نظر سے گزری نہیں۔ممکن ہے کوئی حدیث ہو۔مگر مضمون صحیح ہے۔اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص طلب کرتا ہے اور اسی میں لگا رہے تو حق تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں۔

ناگہاں آمد سوارے نیک بخت پس گرفت اندر کنارت سخت سخت

ترجمہ:۔اچانک ایک نیک بخت سوار آ گیا۔پھر اس نے تم کو بغل میں لیا (اور گرم جوشی سے) سخت (بھینچا۔)

تو شدی بیہوش و افتادی بطاق بیخبر گفت اینت سالوس و نفاق

لغات:۔طاق محراب، محراب دار دروازہ۔سالوس مکر، نفاق، دل میں کچھ ہونا اور ظاہر کچھ کرنا، بناوٹ، ظاہر داری۔

ترجمہ:۔تم (اس کی تاثیر جذب سے) بیہوش ہوگئے۔اور دروازے ہی کے اندر (جہاں اس سوار نے معانقہ کیا تھا) گر پڑے۔تو (جو شخص اس باطنی کیفیت سے) بے خبر (ہے وہ) بولا دیکھئے (عجیب) مکر اور بناوٹ (ہے کہ ایک سوار سے گلے ملتے ہی بیہوش ہوگئے۔)

او چہ مے بیند درد ایں شور چیست او نداند کاں نشانِ وصل کیست

ترجمہ:۔مگر وہ بے خبر کیا جا[illegible] چیز کا شور (برپا ہو رہا) ہے۔وہ نہیں سمجھتا کہ وہ (سوار)

کس کے وصل کی نشانی ہے۔

مطلب :۔ جو شخص معاملاتِ باطن سے بے خبر ہے وہ تو واقعہ کا صرف ظاہری پہلو دیکھتا ہے۔ اس لیے اس کو تعجب آتا ہے کہ ایک سوار سے معانقہ کرتے ہی دھڑام سے گر پڑنا چہ معنے دارد؟ اسے کیا معلوم کہ بیہوش ہونے والے کے دل میں کس بلا کا جوش پیدا ہوا ہے اور کسی عالی پایہ مراد کے حصول کے یقین نے اس پر شادیِ مرگ کی کیفیت طاری کی ہے۔ کما قیل ۔

لطف مے تجھ سے کیا کہیں زاہد ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

ایں نشاں درحقِ او باشد کہ دید آں دگر راکے نشاں آید پدید

ترجمہ :۔ یہ نشانی تو اسی شخص کے حق میں (اثر انداز ہو سکتی) ہے۔ جس نے (پہلے اس مطلوب کو) دیکھا ہے (جس کی یہ نشانی ہے) اس دوسرے شخص پر (جس نے اس کا کبھی بھی مشاہدہ نہیں کیا۔ اس کا) نشان (ہونا) کب ظاہر ہو سکتا ہے۔

ہر زماں کز وے نشانے میرسید شخص را جانے بجانے میرسید

ترجمہ :۔ (ادھر اس بیہوش ہونے والے کی حالت یہ ہے کہ) جوں جوں اس (سوار) سے اس کو (خواب کی بشارت کے مطابق) نشان ملتے جاتے ہیں۔ اس شخص کی جان میں جان آتی جاتی ہے۔

ماہیِ بیچارہ راپیش آمد آب ایں نشاں ہا تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَاب

صنائع :۔ دوسرے مصرعہ میں قرآن مجید کی اس آیت سے اقتباس ہے۔ الٓرٰ تِلْکَ آیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ط "یہ چند آیات کتابِ واضح کی ہیں"۔ (یوسف ع۱)

بیچاری مچھلی (جو پانی کے بغیر تڑپ رہی تھی اس کے سامنے پانی آ گیا یہ نشانیاں آیاتِ قرآنیہ (کی طرح بے شک وشبہ) ہیں۔

مطلب :۔ جس طرح ماہیِ بے آب کو پانی مل جائے تو اس کی جان میں جان آ جاتی ہے اسی طرح یہ طالب مراد جب حصولِ مراد کی نشانیاں دیکھ لیتا ہے جو آیاتِ قرآن کی طرح قطعی ویقینی ہیں تو اس کی خوشی کا کیا ٹھکانا۔ کما قیل۔

بعزم دلنوازی ہا کہ مے آید کہ در گوشم صدائے آمد آمد مے برواز دل طپید نہا

پس نشانیہا کہ اندر انبیاست خاص آں جاں رابود کو آشناست

ترجمہ :۔ پس (اس تقریر سے ظاہر ہے کہ) جو نشانیاں انبیا کے اندر ہیں وہ خاص اسی روح کو (محسوس ہوتی ہیں جو پہلے سے (حق تعالیٰ سے) آشنا ہے۔

مطلب :۔ اب پھر ذرا خواب اور اس کی تعبیر یا مثال اور ممثل لہ میں تطبیق کر کے دیکھ لیجیے مطلوبِ حقیقی سے مراد خاص ذاتِ حق ہے۔ جس کی طلب میں وہ شخص برسوں آہ وزاری گریہ واشکباری کرتا رہا۔ اسوار جو نظر آیا اس سے مراد نبی وقت ہے۔ معانقہ سے مراد نبی کی تعلیمات ہیں۔ بیہوش ہو جانے سے مقصود واصل بحق ہونے کا شدید اشتیاق ہے۔ چونکہ یوم الست میں ہر شخص نے باری تعالیٰ کا دیدار اور اس کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے اس لیے کم وبیش ہر شخص کے دل میں اس عنصری زندگی میں بھی کچھ نہ کچھ ایک برتر ہستی کے وجود کا تخیل موجود ہے پھر بعض صحیح طور پر اور بعض غلط طریق پر اس کی پرستش کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ لیکن جب نبی برحق باری تعالیٰ کی طرف سے پیغام لے کر آتا ہے۔ اور لوگوں کو اس کی درگاہ کی طرف صحیح طریق سے رجوع کرنے کی دعوت دیتا ہے تو جن لوگوں کے دل میں پہلے سے پروردگارِ برحق کی طلب ذرا زیادہ موجود ہوتی ہے وہ نبی کی زبان

مبارک سے اس کی صحیح نشانیاں سن کر جوشِ محبت سے از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ حالت انہی لوگوں کی ہوتی ہے جن پر ''کو آشناست'' کا قول صادق آتا ہے۔ یعنی ان کو حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ خاص انس ہوتا ہے۔ اور وہ پہلے سے اس کی درگاہ تک باریاب ہونے کے ذریعہ کے متلاشی ہوتے ہیں۔ عراقیؒ۔

ہے گردم بگرد ہر سرائے نے یابم نشانِ دوست جائے

جب ان کو نبی برحق کی بدولت اس کی درگاہ میں باریاب ہونے کا صحیح راستہ مل جاتا ہے تو وہ باقی تمام طرفوں سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ حافظؒ۔

ازاں زماں کہ بریں آستاں نہادم روے فراز مسند خورشید تکیہ گاہ من ست

ایں سخن ناقص بماندو بے قرار دل ندارم بیدلم معذور دار

ترجمہ:۔ یہ بات (یعنی انبیاء علیہم السلام کے نشانوں کی تفصیل) ادھوری رہ گئی۔ اور (جو کچھ بیان ہوئی تو) اکھڑی اکھڑی (ہوئی مگر کیا کیجئے) میرا دل ہی قائم نہیں۔ میں بیدل ہوں مجھے معذور سمجھئے۔

مطلب:۔ انبیاء علیہم السلام کی نشانیوں کا ذکر تو کر دیا۔ مگر افسوس ان کی کچھ تفصیل نہ ہو سکی۔ جس کی دو وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ میں اس وقت اپنے آپ میں نہیں ہوں اور پیغمبروں کی صفات بیان کرنے کے لیے بقول ع ''باخدا دیوانہ باش و بامحمدؐ ہوشیار'' میزانِ ادب کو مستقیم رکھنے کے لیے ہوش و حواس بجا ہونے ضروری ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی صفات لاتعد و لاتحصیٰ ہیں ان کو تقریر و بیان سے حصر میں لانا مشکل ہے اور یہی دونوں عذر ہیں اس بات کے کہ یہ بیان ادھورا رہا۔ پہلا عذر اس شعر کے مصرعہ ثانیہ میں مذکور ہے دوسرا عذر آگے فرماتے ہیں۔

ذرہا را کے تواند کس شمرد خاصہ آں کو عشق از وے عقل برد

ترجمہ:۔ (پیغمبروں کی صفات و کمالات تو مٹی کے) ذروں (کی طرح ان گنت ہیں۔ پس ان) کو کون شمار کر سکتا ہے خاص کر وہ شخص جس کی عقل کو عشق نے زائل کر دیا ہو۔

مے شمارم برگہائے باغ را؟ مے شمارم بانگِ کبک وزاغ را؟

ترجمہ:۔ (اتنا تو سوچو کہ اگر) میں باغ کے پتوں کو گننے لگوں (اور) چکور اور کوے (وغیرہ پرندوں) کی آوازوں کو شمار کرنے بیٹھوں (تو کیا شمار کر سکتا ہوں؟ ہرگز نہیں)

در شمار اندر نیاید لیک من مے شمارم بہر رُشد اے ممتحن

ترجمہ:۔ (درحقیقت وہ کمالات پوری طرح) شمار میں آ ہی نہیں سکتے۔ تاہم اے آزمانے والے! میں (ان میں سے کچھ کچھ اوصاف سامعین کی) بصیرت (افزائی کے لیے شمار کرتا ہوں (جس کی مثال یہ ہے کہ:۔)

نحسِ کیواں یا کہ سعدِ مشتری ناید اندر حصر اگرچہ بشمری

ترجمہ:۔ (دیکھو) زحل کی نحوست یا مشتری کی سعادت (کی تاثیرات) کو اگرچہ تم شمار (کرنے کی کوشش) کرو (مگر) وہ گنتی میں نہیں آ سکتیں۔

لیک ہم بعضے ازیں ہر دو اثر　　شرح باید کرد بہرِ نفع و ضر

ترجمہ:۔لیکن (لوگوں کے) نفع ونقصان کے خیال سے ان دونوں کے اثروں سے کچھ نہ کچھ بیان کرنے ہی چاہئیں۔

تا شود معلوم آثارِ قضا　　شمۂ مراہلِ سعد و نحس را

ترجمہ:۔تا کہ سعد ونحس (کی تاثیرات میں مبتلا ہونے) والوں کو قضائے الٰہی کے آثار معلوم ہو جائیں۔

مطلب:۔مفتاح العلوم کے پہلے حصے میں کسی جگہ تاثیرِ کواکب کے متعلق عقیدۂ اسلام کی بحث گزر چکی ہے۔جس کا خلا
ہے کہ تاثیرِ کواکب بالاستقلال کا عقیدہ کفر ہے۔اگر کوئی ان کی تاثیر بقضاء اللہ وقدرہ مانتا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔اس شعر می
کی اسی جائز صورت کا اشارہ ہے۔مگر یہاں حقیقۃً کواکب کی تاثیرِ سعد ونحس مراد نہیں۔بلکہ لوگوں کی اپنی سعادت وشقاوت مراد۔
لوگوں کی سعادت وشقاوت کے اسباب شمار نہیں ہو سکتے۔مگر چونکہ لوگوں کی ہدایت کے لیے ان کا بیان کرنا ضروری ہے۔اس
کچھ نہ کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

طالعِ آنکس کہ باشد مشتری　　شاد گردد از نشاط و سروری

ترجمہ:۔تا کہ جس شخص کا طالع مشتری ہو۔ وہ فارغ البالی اور عزت سے خوش ہو۔

وانکہ را طالع زحل از ہر شرور　　احتیاطش لازم آمد در امور

ترجمہ:۔اور جس شخص کا طالع زحل (ہو) اس کو (تمام) امور میں جملہ خرابیوں سے (بچنے کے لیے) احتیاط لازم ہے۔

گرنگویم آں زحل استارہ را　　زاتشش سوزد مرآں بے چارہ راہ

ترجمہ:۔اگر میں اس کو ستارۂ زحل (کی تاثیرات) نہ بتادوں تو وہ اس غریب کو (اپنی نحوست کی آگ) سے پھونک ڈالے
مطلب:۔اہلِ سعادت وہ ہیں جن کا طالع سعید ہے۔اور سعادت سے مراد بینائیِ دل کا طالع ہے جن سے وہ حقائق ک
اصلی کیفیت میں دیکھ سکے۔اور یہ وہ فوز وفلاح کا درجہ ہے کہ جس قدر بھی اس پر خوشی ہو کم ہے اور اہل شقاوت وہ ہیں جن کا طا
ہے اور وہ دل کی کوری ہے۔پس کور دل کو چاہیے کہ حظوظِ نفسانیہ سے احتیاط کرے تا کہ ہلاکی میں نہ پڑے۔(بحرالعلوم)

بس کن اے بیہودہ تازاں آفتاب　　آتشے ناید بیک بارہ بتاب

ترجمہ:۔اے بیہودہ (گو) بس کر (آیاتِ حق کے بیان کرنے میں زیادہ زبان نہ کھول) تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس آفتاب (
کوئی تجلی چمک اٹھے (اور تجھ کو فنا کر دے)۔

از کواکب درسپہرِ بیکراں　　دردمے نے نور ماند نے نشاں

ترجمہ:۔(اس تجلی کے غلبہ سے) ایک لمحہ میں آسمان (کی) بے پایاں (فضا) کے اندر ستاروں میں نہ نور رہے نہ ان
(باقی) رہے۔

آنچہ بردارد بداں مشغول شو　　وزدگر گفتارہا معزول شو

لغات:۔بردارد کے دو معنی محتمل ہیں (۱) پھل رکھتا ہے (۲) اٹھاتا ہے۔معزول کنارہ کش۔

ترجمہ:۔ (۱) پس جس بات کا کوئی (مفید) نتیجہ ہو۔ اسی (کے بیان کرنے میں) مشغول ہو اور دوسری (بے نتیجہ) باتوں (کے ...) سے کنارہ کش رہو۔ (کلید)

(۲) پس جس بات کو (سن کر ہر شخص) برداشت کر سکے اسی (کے بیان کرنے) میں مشغول ہو۔ اور دوسری (ناقابلِ برداشت) ...(کے ذکر) سے کنارہ کش رہو۔ (بحر العلوم)

جنبشِ اختر نیاید جز عقیم   بر نیاید جز کہ آں لطفِ رحیم

لغات:۔ جنبش حرکت یہاں سیر مراد ہے۔ اختر ستارہ۔ عقیم بانجھ، بے نتیجہ۔

ترجمہ:۔ سیرِ کواکب بے نتیجہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس (خداوندِ) رحیم کی مہربانی کے سوا کسی چیز سے پھل نہیں ملتا۔

چھوڑ پروائے کواکب ہو نہ پابندِ فلک   ہاتھ اٹھا بہرِ دعا پیشِ خداوندِ فلک

نوٹ:۔ آگے حق تعالیٰ کے رحم و کرم سے مستفید ہونے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اُذکُرُوا اللہَ شاہِ ما دستور داد   اندر آتش دیدہا را نور داد

ترجمہ:۔ ہمارے بادشاہ (حقیقی) نے اجازت دے دی ہے کہ اللہ کو یاد کیا کرو (ہمارے جو افعال جہنم کی) آگ میں لے جانے والے ہیں اس نے ان میں بھی (ہماری آنکھوں کو (بصیرتِ ایمانی کا) نور بخشا ہے۔

مطلب:۔ باوجودیکہ ہم بداعمالی کی ایسی ناپاکیوں سے ملوث تھے جو جہنم میں لے جانے والی ہیں تاہم اس نے اپنے کرم سے ہم کو نورِ ایمانی نصیب فرمایا جس سے سعادتِ دارین حاصل ہو سکتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ذکرِ حق سے خود ہمارا فائدہ ہے۔ خدا کی ... میں اس سے کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔

گفت اگرچہ پاکم از ذکرِ شما   نیست لائق مر مرا تصویرہا

ترجمہ:۔ (حق تعالیٰ نے) فرمایا (ہے) اگرچہ میں تمہارے ذکر سے پاک ہوں (اور یہ) تمثیلات (جو تم بیان کر رہے ہو) ...ے لائق نہیں ہیں۔

لیک ہرگز مست تصویر و خیال   ور نیابد ذاتِ ما را بیمثال

ترجمہ:۔ لیکن (جو شخص) تمثیل و تخیل (کے ساتھ مطلب کو سمجھنے) کا خوگر (ہے وہ) مثال کے بغیر ہماری ذات کو سمجھ نہیں سکتا۔

مطلب:۔ حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک تشبیہات سے تو بالکل منزہ ہے۔ مگر چونکہ عقلِ انسانی ناقص ہے۔ اس کو تمثیل کے بغیر ...ت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اجازت دے دی گئی کہ جس طرح بھی ہو سکے بلا تشبیہ تمثیلاتِ لطیفہ سے ذات و صفات کا مفہوم سمجھا ...ائے۔ ورنہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ امیر خسروؒ۔

لوامعِ صفتش ہست چشم پوشِ عقول   چو آفتاب کہ نورش حجابِ ابصار ست

ذکرِ جسمانہ خیالِ ناقص ست   وصفِ شاہانہ ازانہا خالص ست

ترجمہ:۔ جسمانی چیزوں کی طرح (تمثیلات کے ساتھ) ذکر کرنا ایک خیالِ ناقص ہے۔ (خداوندی وصف ان تمثیلات) سے ... ہے۔ (مثلاً:۔)

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست ایں چہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

ترجمہ :۔ (اگر) کوئی شخص بادشاہ کے حق میں (بطور مدح) کہے (کہ وہ) جولاہہ نہیں ہے تو یہ کہاں کی مدح ہے۔ وہ شاید (اس سے) آگاہ نہیں (کہ مدح کیسی ہونی چاہیئے۔)

مطلب :۔ اگر کوئی مداح بادشاہ کی یوں تعریف کرے کہ حضور جولاہے نہیں، موچی نہیں، دھنیے نہیں۔ اگرچہ یہ باتیں صحیح ہیں مگر مدح کے مقام پر موزوں بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے ہجوِ ملیح ہے کیونکہ بادشاہ میں جولاہہ، موچی اورر دھنیے ہونے کا تو سان و گمان بھی نہیں تھا۔ تو پھر ان باتوں کی نفی کے کیا معنی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مادح کو بادشاہ کی ذات میں ان باتوں کی موجودگی کا شبہ تھا۔ جس کو وہ اب دفع کر رہا ہے۔ لیکن اگر بادشاہ اس تعریف کو سن کر خوش ہو اور اس کو دوسرے مداحین کی طرح انعام و اکرام کے ساتھ سرفراز کرے تو یہ اس کی غایتِ رحمت پر دال ہے۔ پس ہماری تقدیس و تنزیہ بالکل ایسی ہے جیسے حق تعالیٰ کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ پاؤں نہیں، منہ نہیں، کان نہیں، وہ سوتا اونگھتا نہیں، بیٹھتا اٹھتا نہیں وغیرہ وغیرہ تو ان باتوں کے وجود کا وہاں شبہ ہی نہیں۔ پھر ان کی نفی کے کیا معنی۔ یہ صریح گستاخی و بے ادبی ہے۔ مگر یہ حق تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ وہ اس کو مثلِ مدح قرار دے کر اس پر اجر وثواب عطا فرماتا ہے اور ہم کو ہمارے قصورِ عقل ونقصِ ادراک کے باعث معذور رکھتا ہے۔ ورنہ اگر اس ناقص عقل و ادراک کے ساتھ ہر شخص معرفت تام پر مکلف ہوتا تو کوئی بھی درجۂ ایمان پر فائز نظر نہ آتا۔ اس لئے ہر شخص کو علیٰ قدر استعداد مناسب تکلیف دی گئی ہے اور مومن ہونے کے لئے ایمانِ مجمل کافی سمجھا گیا ہے۔

نظامیؒ ؎

چو دانستی کہ معبودے تراہست بدار از چند و چوں و جستجو دست

آگے مولانا اس مضمون کی تائید میں ایک دلچسپ حکایت سناتے ہیں کہ جس شخص کو جتنی عقل و دانش ملی ہے اسی پیمانہ پر وہ خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھنے پر مکلف ہے۔ اور اس کا اسی قدر ایمان قبول بلکہ خوشنودیِ حق کا باعث ہوسکتا ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وللہ الحمد علی تمام الجلد الثانی من الدفتر الثانی من مثنوی مولانا روم علیہ الف الف رحمۃ من اللہ الحی القیوم

مفتاح العلوم کے متعلق معاونین کرام کی رائیں

قبلہ عالم اعلیٰ حضرت مولانا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری:۔

کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ گو علم تصوف میں بزبان فارسی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن ان میں سے جس قدر مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی شہرت و مقبولیت ہے۔ وہ آج تک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ علمائے کرام ظاہری و باطنی تو اپنی اپنی استعداد اور ملکہ علمی کے اعتبار سے اس دریائے ناپید کنار سے متمتع ہو رہے ہیں لیکن عوام کم استعداد اور کم علموں کو اس سے مستفیض ہونے کا آج تک موقع نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اہل علم میں سے کوئی صاحب جو جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہونے کے علاوہ رموز تصوف سے واقف اور صوفیائے کرام کا سچا غلام ہو۔ اس کتاب کی اردو زبان میں ایسی طرز سے شرح کرتا کہ جس سے ادنیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ بھی فائدہ حاصل کرتے۔ اور اس کتاب کی برکت سے صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کے علاوہ ان کے دلوں میں بزرگان دین کی عزت و عظمت جاگزین ہوتی الحمدللہ کہ اس ضرورت کو عزیزم مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب قریشی تاجر کتب و مالک قریشی بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور نے محسوس کیا۔ اور انہوں نے ایک ایسے فاضل اجل سے جو خاندان نقشبندیہ کے حلقہ بگوش ہونے کے علاوہ رموز تصوف اور نکات معرفت سے بخوبی ماہر ہیں سے مثنوی مولانا روم کی شرح مرتب کرائی۔ شارح نے مثنوی کی لغات مشکلہ اور ترکیب نحوی کو حل فرما کر اس کے اشعار کا سلیس اردو میں ترجمہ کر کے مثنوی شریف کو بالکل آسان کر دیا ہے۔ شعر کا مفصل مطلب شارح موصوف نے جس محنت اور کوشش سے قرآن و حدیث و اقوال آئمہ کے حوالہ جات دے کر بیان کیا ہے وہ بلاشک و شبہ تحسین کے قابل ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص مولانا روم علیہ الرحمۃ کے قول سے فائدہ نہ اٹھائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بڑا ہی بدقسمت ہوگا۔ فقیر اہل اسلام سے عموماً اور یاران طریقت سے خصوصاً اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ ضرور بالضرور مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کو خرید کر لطف اٹھائیں اور تصوف کے حقائق و معانی سے واقفیت حاصل کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی کاغذ۔ جلد وغیرہ نہایت ہی عمدہ ہے۔ بقلم فقیر جماعت علی عفی عنہ از علی پور سیداں۔ ضلع سیالکوٹ یکم مئی ۱۹۲۹ء۔

عالی جناب مولوی محمد بن عبداللہ صاحب:۔

باکوبن کوٹ صوبیدار وظیفہ یاب حیدر آباد دکن سے تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولوی معنوی جس کے اول حصہ سے پنجم حصے تک موصول ہوا اور زیر مطالعہ رہا۔ جس تاریخ سے اس کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ کوئی یک

ہزار بلکہ زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر اس شرح مثنوی کا کچھ رنگ ہی اور ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس اور بامحاورہ کم سے کم فہم والا شخص عبارت معانی کو سمجھ سکتا ہے۔ علمائے کرام ظاہری و باطنی اپنی اپنی استعداد کے موافق سمجھ لیتے ہیں۔ اور بفضلِ خدا فیض یاب ہوتے ہیں۔ گو میں نے کتب تصوف میں بہت سی کتابیں عربی و اردو کا مطالعہ کیا۔ کس کس کتاب کا نام بیان کروں مضمون طویل ہوگا۔ مختصر یہ کہ جناب مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب قریشی تاجر کتب و مالک قریشی بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور نے محسوس کیا۔ اول تو یہ کہ شارح نے مثنوی کی لغات مشکلہ اور ترکیب نحوی کو حل فرما کر اس کے اشعار کا سلیس اردو میں ترجمہ کر کے مثنوی شریف کو بالکل آسان کردیا اور کوشش و جانفشانی کر کے قرآن و حدیث و اقوال آئمہ کے حوالہ جات دے کر بتلا دیا۔ اس قدر سخت محنت اور مشقت کے بعد بھی کوئی مسلمان بھائی اپنی تنگدلی اور بدقسمتی سے مولانا روم علیہ الرحمۃ کے اقوال سے فائدہ نہ اٹھائے تو خدا اس پر اپنا فضل و کرم کرے۔ آمین ۔ کیا عجب ہے کہ شائقین اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور ہر فرد بشر کچھ نہ کچھ حصہ مثنوی مولانا روم منگوا کر فیض یاب ہوں گے۔ مجھ کو یقین ہے کہ جو شخص مولانا روم کی شرح مثنوی کا ایک حصہ بھی دیکھ لے گا۔ تو گرویدہ ہو جائیگا۔

عالی جناب صوفی علی بخش صاحب:۔

قادری پیم پور ضلع ہوشیار سے تحریر فرماتے ہیں کہ مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۶ء کو مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا وی پی مبلغ دس روپے کو وصول پا لیا ہے۔ یہ شرح واقعی بہت اچھی ہے اس سے پہلے میں نے کوئی ایسی شرح نہیں دیکھی۔ خدا آپ کو توفیق دے تو اور جو باقی دفتر ہیں اس کی شرح بھی مکمل کردی جائے۔ اور جوں جوں حصے تیار ہوتے جائیں۔ اس خاکسار کو بھی اطلاع دیتے رہیں۔

فخر المحدثین عالی جناب مولانا محمد جمیل صاحب انصاری مدرس:۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں جو مثنوی مولانا روم کی شرح شائع ہو رہی ہے۔ وہ نہایت ہی عمدہ، اعلیٰ اور مفید ہے ۔ براہ کرم مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کسی آئندہ ایڈیشن میں درج فرما دیجئے۔

چھپی یہ مثنوی کی شرح نایاب ہے کشاف طریقت اور شریعت
جمیل ابجد کی رو سے میں نے پوچھا کہا ہاتف نے تصنیف طریقت

عالی جناب شیخ رکن الدین صاحب:۔

سینئر سب جج پنشنر نارووال ضلع سیالکوٹ سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی دوکان سے میرا پسر ایک جلد مفتاح العلوم حصہ اول لایا تھا اس کے مطالعہ سے کمال مسرت حاصل ہوئی۔ واقعی حضرت شارح سلمہ نے کمال کردیا ہے۔ نہایت عمدہ شرح لکھی ہے۔ اور نکات تصوف و زبن دانی کو نہایت خوبی سے واضح کیا ہے۔ آپ نے چھاپنے میں بہت محنت کی ہے۔ میں اس شرح کی تکمیل کا بہت متمنی ہوں اور چاہتا ہوں کہ حتی الامکان جلدی یہ شرح مکمل ہو جائے۔ براہ مہربانی میرا نام فہرست خریداران

میں درج کر کے جوں جوں یہ شرح چھپتی جائے مجھے بذریعہ وی پی ارسال کرتے رہیں۔ (والسلام)

عالی جناب پیرا میر احمد صاحب:۔

واعظ انصاری پیش امام جامع مسجد جودھ پور تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم دفتر اول کے چاروں حصے یکے بعد دیگرے وصول ہوئے اور کافی سے زیادہ مطالعہ کر چکا ہوں۔ اب میں بخوشی اقبال کرتا ہوں کہ جناب شارح صاحب نے ایسی جامع و مبسوط شرح لکھ کر دنیائے اسلام پر احسان کیا جس کے شکریہ سے زبان قاصر ہے۔ نکات تصوف کو نہایت سلیس اردو میں بیان کیا۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت قرآن مجید و حدیث شریف کا حوالہ دے کر "ہست قرآں در زبان پہلوی" کو ثابت کیا اور بعض پیچیدہ مسائل کو جن کے سمجھنے کی عوام الناس کو لیاقت نہیں ایسی خوبی سے سمجھائے ہیں کہ بے اختیار حضرت شارح کے حق میں اعذک اللہ فی الدارین کما اعذت اخوانی دینا کہنا پڑتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بہت سی شرحیں زیر مطالعہ رہ چکی ہیں مگر" بسیار شرح دیدہ ام لیکن ایں چیزے دیگر است" اگر دوسرے دفتر کا حصہ شائع ہو چکا ہو تو جلد از جلد روانہ فرما کر مشکور فرمائیں اور ہر حصہ کے تیار ہونے پر مہربانی فرما کر مجھ کو فی الفور اطلاع دیا کریں۔ (والسلام)

عالی جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب:۔

پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور سے تحریر فرماتے ہیں۔ مکرمی جناب قریشی صاحب آپ کا مرسلہ تحفہ (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم دفتر اول حصہ دوسرا) بذریعہ وی پی موصول ہوا۔ محترمی مولوی مرزا محمد نذیر صاحب کی عرق ریزی اور محققانہ تحریر اہل علم کے لئے واقعی قابل قدر اور شکر ہے۔ جنہوں نے مثنوی جیسی بلند پایہ کتاب کی تشریح میں مبتدی و منتہی کے لئے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ ایسے دقائق شناس علماء کرام کو عمر دراز فرما کر ایسی نادرہ خدمات کی تکمیل اور انجام دہی کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ جزاہم اللہ فی الدارین احسن الجزاء۔ ہر حصہ شرح کے ہونے پر مہربانی کر کے مجھ کو فوری اطلاع دیا کریں۔ (والسلام)

☆☆☆☆☆

مِفتاحُ العُلوم

مثنویِ مولوی معنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مِفتاحُ العُلوم

شرح مثنوی مولانا رومؒ

دفتر دوم ۔ حصہ سوم

حضرت مولانا مولوی محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی مجددی

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بعض فوائد عجیبہ کی فہرست جو شرح ہذا کے اس حصے میں مندرج ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله مجیب الدعوات کافی المهمات منزل البرکات دافع البلیات رافع الدرجات والصلاۃ والسلام علی سید الانام مصباح الظلام قمر التمام الذی اظهر الاحکام وحظر الحرام وعلی اله واصحابه الاعلام الی یوم القیام امابعد مفتاح العلوم جلد ششم سے فراغت پانے کے بعد آج اس کی جلد ہفتم یعنی مثنوی مولانا روم کے دفتر دوم کے ربع ثالث کی شرح لکھنی شروع کی جاتی ہے اور اس کام میں جس طرح آغاز سے اس قاضی الحاجات وکافی المہمات پر نظر رہی ہے جو خشک کھیتوں پر رحمت کا بادل برسانے والی ٹوٹی پھوٹی ناؤ کو منجدھار سے پار لے جانے والا اور غریب دور ماندہ مسافر کو منزلِ مقصود پر پہنچانے والا ہے اسی طرح آج پھر اس مہم کی ساتویں منزل میں اس کے فضل وکرم کا اعتماد میرا پشت پناہ ہے۔

بزرگا! بزرگی وبابے کرم	توئی یاوری بخش و یاری رسم
نیاوردم از خانہ چیزے نخست	تو دادی ہمہ چیز ومن چیز تست
چو کردی چراغِ مرا نور دار	زمن باد مشعل شناں دور دار
بکشتن تو دادی تنومندیم	بدہ زانچہ کشتم برومندیم
گریوہ بلندست و سیلاب سخت	بپیچاں عنانِ من ازراہِ رخت
ازیں سیلگاہم چناں در گذار	کہ پل نشکند برمن ایں رود بار
زمن جستن وراہ نمودن زتو	بجاں آمدن جاں فزودن زتو
چو بازارِ من بے من آراستی	بداں رسم و آئیں کہ میخواستی
زرونق مرنقش و آرائشم	نصیبے دہ از گنج بخشائشم
سرے راکہ بر سر نہادی کلاہ	میند از درپائے بہ خاک راہ
دلے راکہ شد بردرت راز دار	ز در ویزہ ہر درے باز دار
نکو کن چوکردار خود کار من	مکن کار بامن چو دار من

آمین ثم آمین

آغازِ شرح

پیچھے یہ ذکر تھا کہ خداوند تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا جو ہم اپنی دانست میں ایک نیک کام سمجھ کر کرتے ہیں وہ اس کی ذاتِ مقدس اور صفاتِ عالیہ کے لحاظ سے اس قدر پست اور غیر موزون ہے کہ اس پر مدح و ثنا کا اطلاق ہی مستبعد ہے مگر چونکہ انسانی عقل وفہم اس کی ذات و صفات کو سمجھنے سے قاصر اور اس کا حق مدح ادا کرنے سے عاجز ہے لہٰذا بندہ اپنے مقدور کے موافق خلوصِ ارادت سے جن الفاظ میں بھی اس کی مدح کرتا ہے اگرچہ وہ اس کی ذاتِ اقدس کے لحاظ سے کیسی ہی غیر موزون کیوں نہ ہو حق تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے اور بندہ کے حسن نیت اور خلوص ارادت کی بنا پر اس کی ہر الٹی سیدھی مدح و ثنا کو حسنات میں شمار فرما کر اس کا اجر و ثواب بخشتا ہے۔ آگے اس مضمون کی تائید میں ایک حکایت ارشاد ہے:۔

مناجات کردنِ شبان باحق تعالیٰ در عہدِ موسیٰ علیہ السلام

ایک گذریے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں حق تعالیٰ سے مناجات کرنا

دید موسیٰؑ یک شبانے را براہ کو ہمے گفت ایخدا او اے الٰہ

تو کجائی تا شوم من چاکرت چارقت دوزم کنم شانہ سرت

لغات: چاکر نوکر خادم۔ چارق بضمِ راء مہملہ ترکی لفظ ہے ایک قسم کا جوتا جو اہل صحرا پہنتے ہیں۔

صنائع: چاکرت اور چارقت میں تجنیس قلب مضارع۔

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک گذریے کو سرِ راہ دیکھا جو (یوں) مناجات کر رہا تھا (کہ) اے خدا! اے اللہ! تو کہاں ہے کہ میں تیرا خادم ہو جاؤں، تیری جوتی سیا کروں، تیرے سر میں کنگھی کیا کروں۔

اے، خدائے من فدایت جانِ من ، جملہ فرزندان و خان و مان من

ترجمہ: تو کہاں ہے تاکہ میں تیرے سر میں کنگھی کروں تیری جوتی سیوں اور بخیہ کروں۔

اختلاف: یہ دونوں شعر ہمارے نسخے کے مطابق ہیں بعض نسخوں میں ان کے بجائے صرف ایک شعر یوں درج ہے۔

تو کجائی تاکہ خدمتہا کنم جامہ ات را دوزم و بخیہ کنم

یہ نسخہ موزون و مستحسن ہے کیونکہ ایک تو اس میں تکرار نہیں ہے بخلاف اس کے ہمارے نسخے میں شانہ اور چارق کا ذکر مکرر ہے دوسرے اس میں خدمت گزاری اور جامہ دوزی کا ذکر افادۂ مزید ہے۔ تیسرے اختصار و جامعیت ہے۔ ہاں ہمارے نسخے کا تکرارِ کلماتِ شبان کے شدتِ شوق اور غلبۂ حال پر محمول ہوسکتا ہے بلکہ اس لحاظ سے یہ تکرار زیادہ موزون ہے کہ یہ ایک والہ وشیدا کے اندازِ کلام کا صحیح فوٹو ہے اور ہر بات کا صحیح فوٹو کھینچنا بلاغت کا اعلیٰ درجہ ہے۔

جامہ ات دوزم شپشہایت کشم شیر پیشت آورم اے محتشم

لغات: شپش بضم سین وبائے فارسی جوں [illegible]

ترجمہ: اے باوقار! میں تیرے کپڑے سیوں (اور) تیری جوئیں ماروں اور تیرے سامنے دودھ لاؤں۔

الخلاف: جس نسخے میں اوپر کے شعر میں ''جامہ ات رادوزم'' آ چکا ہے یہاں اس میں ''جامہ ات شویم'' درج ہے جس کے لفظی موزونیت کے علاوہ یہ معنوی معقولیت بھی ظاہر ہے کہ پیش کشی کا فعل جامہ دوزی کے ساتھ نہیں بلکہ عموماً جامہ شوی کے ساتھ مقارن ہوتا ہے۔

وَرتُرا بیمارئے آید بہ پیش   من تراغمخوار باشم ہمچو خویش

ترجمہ: اور اگر تجھ کو کوئی بیماری پیش آئے تو میں ایک بھائی بند کی طرح تیرا غم خوار بنوں۔

دستکت بوسم بمالم پایکت   وقتِ خواب آید بروبم جایکت

لغات: دستک پایک اور جایک میں کاف تصغیر ترحم ہے۔

ترجمہ: تیرے پیارے پیارے ہاتھ چوموں (اور) تیرے نرم و نازک پاؤں ملوں جب سونے کا وقت آئے تو تیری جائے (خواب) کو صاف کروں۔

گر ببینم خانہ ات رامن دوام   روغن و شیرت بیارم صبح و شام

ترجمہ: اگر مجھے تیرا گھر نظر آ جائے تو ہمیشہ تیرے لیے صبح و شام دونوں وقت گھی اور دودھ حاضر کیا کروں۔

صائبؒ ۔

ہیچ جوینده ندانست کہ جائے تو کجاست   آخر اے خانہ بر انداز سرائے تو کجاست

ہم پنیرو نانہائے روغنیں   خمرہا جغراتہائے نازنیں

سازم و آرم بہ پیشت صبح و شام   از من آوردن ز تو خوردن طعام

لغات: خمر شراب خمرہ بفتح خاء چھوٹا مٹکا جغرات دہی۔ نازنین عمدہ ترکیب سازم فعل بافعل پہلے شعر میں پنیرو نانہا وغیرہا اس کے مفعول ہے۔

ترجمہ: ساتھ ہی پنیر اور روغنی روٹیاں (اور) مختلف قسم کی شراب (اور) طرح طرح کے عمدہ دہی بھی مہیا کروں اور صبح شام تیرے سامنے حاضر کروں (بس پھر تو) میرا کام ان اشیا کو حاضر کرنا ہو اور تیرا کام طعام کھانا۔

الخلاف: خمرہا کو بعض شارحین نے جمع خمرہ سمجھا ہے جس کے معنی ہیں چھوٹا مٹکا اس صورت میں خمرہا مضاف ہوگا اور جغرات مضاف الیہ اور مطلب یہ ہوگا کہ میں دہی کی عمدہ مٹکیاں تیار کروں لیکن یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ یہ لفظ خمرہ ہا ہو اور ممکن ہے کہ اصل نسخہ ایسا ہی ہو۔ کاتبوں کی تصرف سے خمرہ کی ہا اڑ گئی ہو ورنہ تمام متداول نسخوں میں خمرہا دیکھنے میں آیا ہے اس صورت میں خمرہا بمعنی شراب کی جمع ہے اور جغراتہا اس پر معطوف ہے۔ بحذفِ عاطف (بحرالعلوم)

اے فدائے تو ہمہ بزہائے من   اے بیادت ہے ہے وہیہائے من

ترجمہ: اے (ذات پاک) میری تمام بکریاں تجھ پر فدا ہوں اے (محبوبِ حقیقی) جس کی یاد میں یہ میری تمام ہائے ہائے اور نالہ وفغاں ہے (مجھے ایک بار دیدار دے)۔

زیں نمط بیہودہ میگفت آں شباں گفت موسیٰ باکیستت اے فلاں

لغات: نمط طور، طریق۔ باکیستت ترا باکیست۔ آخری تاء کا مضاف لفظ خطاب مقدر ہے یعنی خطاب تو باکیست۔

ترجمہ: وہ گڈریا اسی طرح بے ہودہ بک رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ارے! (تجھے کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ) تو کس سے مخاطب ہے۔

گفت با آنکس کہ مارا آفرید ایں زمین و چرخ ازو آمد پدید

ترجمہ: (گڈریے نے) کہا (یہ خطاب) اس (ذات عالی صفات) سے (ہے) جس نے ہم کو پیدا کیا یہ زمین اور آسمان اس (کی قدرت) سے ظہور میں آئے۔

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سرشدی خودمسلماں ناشدہ کافر شدی

لغات: خیرہ سر بے ہودہ گو، بکواسی، بے وقوف، جاہل۔ خود یہاں زائد آیا ہے۔

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ارے تو بڑا بے وقوف ہے ابھی مسلمان نہیں ہوا کہ کفر میں مبتلا ہو گیا۔

مطلب: یعنی شوق و محبت کا ثمرہ ہے معرفت اور علم مگر تو اپنے بیڈ ھنگے شوق سے دولتِ معرفت پر تو کیا فائز ہوتا، الٹا کلماتِ کفر بک کر مبتلائے کفر ہو گیا۔

اینچہ ژاژست اینچہ کفرست وفُشار پنبۂ اندر دہانِ خود فشار

لغات: ژاژ ایک خاردار گھانس کا نام ہے ژاژ خائی کنایہ ہے بے ہودہ گوئی اور بکواس سے اور یہاں ژاژ سے ژاژ خائی مراد ہے فشار بضمِ فا ر بے ہودہ بات، بکواس بفتح خار فشردن سے مشتق ہے۔

ترجمہ: یہ کیا بیہودہ گوئی ہے یا کیا کفر (کا کلام) اور فضول بات ہے (اگر خاموش نہیں رہا جاتا تو) اپنے منہ میں روئی ٹھونس لے۔

گندِ کفرِ تو جہاں راگندہ کرد کفرِ تو دیبائے دیں را ژندہ کرد

لغات: گند گندگی، تعفن۔ گندہ متعفن۔ دیبا ایک قیمتی ریشمی کپڑا۔ ژندہ موٹا جھوٹا کپڑا، گدڑی

ترجمہ: تیرے کفر کی گندگی نے سارے جہان کو بدبو سے بھر دیا تیرے کفر نے دین کے قیمتی اور خوبصورت لباس کو گدڑی بنا دیا۔

مطلب: ان باتوں سے سارے جہان کا متاثر ہونا بطور مبالغہ کہا ہے مطلب یہ کہ تمہاری اس قسم کی گفتگو سے تمہارے دائرۂ تعارف میں کفر و الحاد کے خیالات پیدا ہو کر ایک فتنہ برپا کر دیں گے اور ہر شخص جو خلعتِ دینداری سے مزین تھا تمہاری حجت کے اثر سے لباسِ کفر پہنے ہوئے نظر آئے گا۔

چارُق و پاتابہ لائق مرتراست آفتابے راچنیں ہاکے رواست

لغات: پاتابہ جوتا۔ کھڑاؤں، نعلین۔ آفتابے میں یائے تفخیم ہے

ترجمہ: جوتی جوڑا تو تیرے ہی لیے لائق ہے اس آفتاب (حقیقی) کے لیے ایسی (ویسی) چیزیں کب روا ہیں۔

گر نبندی زیں سخن تو حلق را آتشے آید بسوزد خلق را

ترجمہ: اگر تو اس (بے ادبانہ) بات سے اپنا منہ بند نہ کرلے گا تو (قہرِ الٰہی کی) ایک آگ آئے گی اور مخلوق کو پھونک ڈالے گی۔

مطلب: ایک شخص کے ارتکابِ معصیت سے دوسرے لوگوں کا مبتلائے وبال ہونا بہت سی احادیث سے ثابت ہے اس لیے حضرت موسیٰؑ نے اس گڈریے سے فرمایا کہ اگر تم اس بے ادبی کے کلام سے باز نہ آؤ گے تو یاد رکھو اس کا وبال نہ صرف تم پر بلکہ دوسرے ناکردہ گناہ لوگوں پر بھی پڑے گا۔ کما قال

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

وہکذا قال السعدی الشیرازیؒ

شنیدم کہ بر مرغ و مور و ذواں   شود تنگ روزی بفعلِ بداں

رہا یہ سوال کہ ایک کے گناہ سے دوسرے بے گناہ لوگوں کی شامت کیوں آتی ہے اس کا جواب یہ کہ برے آدمی کے قرب سے اس کی برائی کا کچھ نہ کچھ اثر دوسرے لوگوں پر پڑنا ایک لازمی امر ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ برے ہم نشیں کی مثال لوہار کی مشک پھونکنے والے کی سی ہے جو یا تو تمہارے کپڑے جلاوے گا یا تم اس کی بدبو برداشت کرو گے پس اس طرح بہت سے لوگ برے آدمی کی صحبت سے برائی کے اثر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پر بھی شامت پڑتی ہے علاوہ ازیں اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ایک برے آدمی کو برائی سے نہ روکنا اور اس سے تعلق منقطع نہ کرنا بجائے خود ایک گناہ ہے اس طرح ایک مرتکب گناہ کے حق میں مسامحت کرنے والے لوگ بھی ایک دوسرے قسم کے گناہ کے مرتکب ہیں اس لیے اس کے وبال میں شامل ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْا مُنْکَرًا فَلَمْ یغیروہ یُوْشِکُ اَنْ یَّعُمَّھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابِہٖ یعنی لوگ جب کوئی برائی ہوتی دیکھیں اور اس کا انسداد نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل فرمائے۔ (مشکوٰۃ)

آتشے گر نامدست ایں دود چیست   جاں سیہ گشتہ رواں مردود چیست

ترجمہ: (بلکہ اس کی آتشِ قہر آ چکی ہے) اگر یہ آگ نہیں آئی تو یہ دھواں (جو بے ادبی کی نحوست کی شکل میں تجھ پر نمایاں ہے) کیسا ہے! (اور تیری) جان کا تاریک ہونا اور روح (کا) مردود (ہونا) کس بنا پر ہے۔

مطلب: معاصی و جرائم کا عذاب آخرت میں جو ہوگا وہ تو ہوگا دنیا میں بھی اس کی وجہ سے قسوت دل پر چھا جاتی ہے۔ اعمالِ حسنہ سے نفرت ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی برکت اٹھ جاتی ہے یہ بجائے خود ایک عذاب ہے۔

گر ہمیدانی کہ یزداں داورست   ژاژِ گستاخی تراچوں باورست

ترجمہ: اگر تو جانتا ہے کہ خداوند تعالیٰ حاکم (حقیقی) ہے تو یہ گستاخانہ بے ہودہ گوئی (کے جواز) کا تجھ کو کیونکر یقین آ گیا۔

دوستی بیخرد چوں دشمنی ست   حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست

ترجمہ: (ہاں سچ ہے) بے عقل (آدمی) کی دوستی بمنزلہ دشمنی ہے (ارے!) اللہ تعالیٰ تو ایسی خدمت سے بے نیاز ہے۔

باکہ میگوئی تو ایں؟ باعم و خال؟   جسم و حاجت درصفاتِ ذوالجلال؟

لغات: عم چچا۔ خال ماموں۔ جسم سے جسمیت مراد ہے۔

ترجمہ: ذرا اتنا تو سوچو کہ تو یہ باتیں کس سے کہہ رہا ہے؟ چچا سے (کہہ رہا ہے) یا ماموں سے؟ (ارے) خداوندِ ذوالجلال کی صفتوں میں جسمیت اور احتیاج؟ (نعوذ باللہ من ذالک)۔

ایک شخص کے گناہ سے دوسرے لوگوں پر بھی وبال

شیر او نوشد کہ درنشو و نماست　　چارق او پوشد کہ او محتاجِ پاست

ترجمہ: (تو خدا تعالیٰ کے لیے دودھ پیش کرتا ہے، بھلے مانس!) دودھ تو وہ پیتا ہے جو (غذا سے) نشو و نما پانے والا ہے (پھر تو اس کے لیے جوتی تجویز کرتا ہے حالانکہ) جوتی وہی پہنا کرتا ہے جو پاؤں کا محتاج ہے (اور خداوند تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہے)۔

ور برائے بندہ است ایں گفتگو　　آنکہ حق گفت او من ست و من خود او

ترجمہ: اور اگر یہ گفتگو (حق تعالیٰ کی شان میں نہیں بلکہ) اس (برگزیدہ) بندے کے لیے ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ میں ہے اور میں وہ ہوں۔

مطلب: یعنی وہ برگزیدہ بندہ جس کو حق تعالیٰ کے ساتھ اتحاد مصطلح یعنی توافق ہے اور حق تعالیٰ کا یہ قول کہ ''او من ست من خود او'' بعض احادیثِ قدسیہ کے مضمون سے مستنبط ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے واضح ہو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا اتحاد بمعنی لغوی صحیح نہیں بلکہ اس قسم کے عقائد ملاحدہ و زنادقہ سے منسوب ہیں اور اہلِ حق کے کلام میں جو عبد و معبود کے اتحاد کا ذکر آ جاتا ہے تو اس سے اتحادِ مصطلح مقصود ہوتا ہے جو صوفیہ کا مسلک ہے اور یہی وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہے جو بڑا کج دار و مریز کا معاملہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اتحاد و عینیت کے ملحدانہ عقیدہ سے پاک ہے۔

اے درد سبھوں سے برملا کہتا ہوں　　توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ہوں
ملا کو بھی اس میں نہیں چاہیے انکار　　بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں

آنکہ گفت اِنِّی مَرِضْتُ لَمْ تَعُدْ　　من شدم رنجور او تنہا نشد

ترجمہ: وہ (برگزیدہ بندہ) کہ (جس کے بیمار ہونے پر اللہ تعالیٰ کسی سے یہ) کہتا ہے (کہ) میں بیمار ہوا تو نے عیادت نہ کی میں بھی بیمار ہوا، اکیلا وہی نہیں ہوا۔

مطلب: اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ اَمَا عَلِمْتَ لَوْ عُدْتَّہٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَہٗ الخ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا اے فرزندِ آدم میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہ کی بندہ کہے گا اے میرے پروردگار میں تیری عیادت کس طرح کرتا حالانکہ تو پروردگار عالم ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی عیادت نہ کی کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا (مشکوٰۃ) اس حدیث سے وحدۃ الوجود کے مسئلے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ بھی اس حدیث کے ایراد سے اس امر کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ وہ بندگانِ خاص حق تعالیٰ سے جداگانہ و بیگانہ نہیں ہوتے۔

کما قیل ؎

کچھ شک نہیں ہے اس میں کہ بندہ خدا نہیں　　یہ بھی ٹھیک ہے کہ خدا سے جدا نہیں

آنکہ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ شدہ است　　در حقِ آں بندہ ایں ہم بیہدہ است

ترکیب: اس سے دو شعر اوپر در برائے بندہ الخ سے لے کر شرط چلی آتی ہے اس شعر کا دوسرا مصرعہ در حقِ آں بندہ الخ اس کی

جزا ہے۔

ترجمہ: وہ (برگزیدہ بندہ) جو بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ (مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے سنتا ہے کے درجے پر فائز) ہو چکا ہے یہ (گفتگو) اس بندے کے حق میں بھی نازیبا ہے۔

مطلب: یعنی اگر تم یہی عذر کرو کہ یہ کلمات اگر چہ خداوند تعالیٰ کے حق میں نازیبا ہیں مگر میں تو کسی بندے کے حق میں کہہ رہا ہوں تو واضح رہے کہ کسی برگزیدہ بندے کے حق میں بھی ان کا استعمال داخلِ بے ادبی ہے بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ سے قربِ نوافل کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے جس میں یہ کلمات واقع ہوئے ہیں اور یہی اس بات کا مآخذ ہیں کہ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ الخ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے الخ یہ پوری حدیث اور قربِ فرائض و قربِ نوافل کا ذکر مفتاح العلوم کی پہلی جلد میں مفصل گزر چکا ہے۔

بے اَدب گفتن سخن با خاصِ حق　　دل بمیراند سیہ دارد وَرَق

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے خاص (بندے) کے حق میں بے ادبی کی بات کہنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور نامہ اعمال کو سیاہ کر دیتا ہے۔

مطلب: خاصانِ حق کے ساتھ نزاع و خصومت رکھنے اور ان کے بارے میں طعن و تشنیع کرنے کا وبال ضرور پڑتا ہے۔

امیر خسرو

وقتے زبانِ طعن کشودم بہ بیدلے　　ہوانم دلِ خراب مرا حقِ اوگرفت

گر تو مردے را بخوانی فاطمہ　　گرچہ یک جنسند مرد و زن ہمہ

قصدِ خونِ تو کند تا ممکن ست　　گرچہ خوشخو و حلیم و مومن ست

لغات: فاطمہ بچے کا دودھ چھڑانے والی عورت، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا نام۔ اسی لحاظ سے لوگ بطور تبرک اپنی بیٹیوں کا نام فاطمہ رکھتے ہیں۔ یہاں نام مخصوص معنی مراد نہیں بلکہ مطلقاً عورتوں کا کوئی سا نام مراد ہے۔

ترکیب: پہلا شعر شرط دوسرا اس کی جزا۔

ترجمہ: اگر تم کسی مرد کو فاطمہ کہہ کر پکارو اگر چہ (اس طرح پکارنا چنداں زیادہ بعید نہیں کیوں کہ) سارے مرد عورت ایک ہی جنس سے ہیں (پھر بھی اس کو یہ نام اس قدر ناگوار گزرے گا کہ) جہاں تک ممکن ہو وہ تمہارے خون کا قصد کرے گا اگر چہ وہ (کیسا ہی) خوشخو اور بردبار اور ایماندار ہو۔

مطلب: کسی کو اسی نام یا وصف کے ساتھ پکارنا موزون ہوتا ہے جو اس کے لیے مناسب ہو غیر موزون نام یا وصف سے پکارنا اس کی توہین ہے جس سے وہ ناراض ہو جاتا ہے اسی طرح خاصانِ حق کے حق میں بھی ایسی گفتگو کرنا ان کی ہتک ہے۔

سوال: گڈریے کی گفتگو میں صرف جوتی، کپڑے، روٹی دودھ، پنیر وغیرہ اشیا کا ذکر تھا جو انسان کی ضروریات میں داخل ہیں اور خاصانِ حق چونکہ انسان ہیں اس لیے وہ ہمیشہ ان باتوں کے محتاج ہیں پھر ان کے حق میں ایسی باتوں کا ذکر کیوں داخلِ بے ادبی ہے؟

جواب: ان حضرات کے جو کمالات قابلِ بیان ہیں ان کو چھوڑ کر جب اس قسم کی تعریف کی جائے کہ حضرت عمدہ کپڑے پہنتے ہیں، خوب کھاتے پیتے ہیں تو بالکل بے ہودہ بات ہوگی جیسے کہ کسی بادشاہ کی مدح یوں کی جائے کہ حضور جولاہے نہیں ہیں، موچی نہیں ہیں، لنگڑے لولے نہیں ہیں، دونوں آنکھیں سلامت ہیں، سر گنج سے محفوظ ہے، پاخانہ پیشاب سب وقت پر کیا

کرتے ہیں۔ تو کیا بادشاہ ایسی مدح سے خوش ہوگا اور ایسے مادح کا منہ موتیوں سے بھرے گا؟ گو یہ ساری باتیں صحیح ہیں پھر بھی کوئی عاقل ان کو مدح نہیں کہہ سکتا ۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی باتیں حق تعالیٰ کے حق میں تو بالکل غلط اور ناروا ہیں اور بندگانِ حق کے بارے میں بھی سوءِ ادب سے خالی نہیں۔

آگے مرد کے حق میں فاطمہ کا نام باعثِ رنج ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں :

فاطمہ مدح است درحقِ زناں   مرد را گوئی بود زخم سناں

ترجمہ: فاطمہ (کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا نام ہونے کی وجہ سے اگر) مدح ہے (تو) عورتوں کے لیے (ہے بخلاف اس کے اگر) کسی مرد کے لیے کہو تو (یہ نام متبرک ہونے کے باوجود اس کے دل پر) برچھی کے زخم کا کام کر جائے گا۔

مطلب: فاطمہ کا نام بے شک متبرک ہے موجبِ عزت ہے کلمۂ مدح ہے مگر صرف عورتوں کے لیے مناسبت رکھتا ہے مرد کے لیے اس کا استعمال اگرچہ برکت وعزت سے خالی نہیں مگر چونکہ اس اطلاق میں اس کی مردمی کے سلب ہونے کا اشارہ مضمر ہے اس لیے وہ اس برکت وعزت کے مقابلہ میں یہ توہین وتذلیل گوارا نہیں کرسکتا اور اس لیے وہ اس نام کو اپنے حق میں زخم سناں کے برابر سمجھتا ہے۔ آگے اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں :۔

دست و پا در حقِ ما آسائش ست   در حقِ پاکیِ حق آلائش ست

ترجمہ: (دیکھو) ہاتھ اور پاؤں (کا ہونا) ہمارے حق میں آرام و (راحت) ہے (مگر) حق تعالیٰ کی پاکی کے بارے میں (بمنزلہ) ناپاکی ہے۔

لَمْ یَلِدْ لَمْ یُولَدْ اور الائق ست   والد و مولود را اُو خالق ست

لغات: لم یلد اس نے کسی کو نہیں جنا ۔اس کی کوئی اولاد نہیں لم یولد وہ جنا نہیں گیا یعنی وہ کسی کی اولاد نہیں۔ یہ کلمات قرآن مجید کی سورۂ اخلاص سے اقتباس ہیں۔

ترجمہ: اس کی یہ شان ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا نہ کسی نے اس کو جنا بلکہ وہ تو والد اور مولود کو پیدا کرنے والا ہے (پھر وہ خود والد یا مولود کیونکر ہو)؟

ہر چہ جسم آمد ولادت وصفِ اوست   ہر چہ مولود ے ست اوزِیں سوے جوست

لغات: جونہر مراد جوئے وحدت۔ دریائے قدس زیں سوے ادھر طرف ۔

ترجمہ: جو چیز جسم ہے۔ پیدا ہونا اس کا وصف ہوسکتا ہے اور جو چیز پیدا ہونے والی ہے وہ دریائے (حقیقت) سے بجانبِ دیگر ہے۔

مطلب: ولادت ممکنات کی صفات ہے ذات الوجود کے لیے یہ روا نہیں اور جو چیز ولادت سے موصوف ہے وہ رب العزت سے جدا اور مغائر ہے۔

آنکہ از کون و فسادست و مہیں   حادث ست و محدثے خواہد یقیں

لغات: کون وفساد بننا اور بگڑنا پہلے کچھ بننا پھر بگڑ کر کچھ بن جانا عناصر سے پیدا ہونا، پھر انحلالِ ترکیب کے بعد عناصر

میں پیوست ہو جانا مراد عالم اجسام جو پیدا ہونے اور فنا ہونے والی اشیا پر مشتمل ہے مہین بفتح میم وکسرِ ہاء ذلیل، ناچیز، حادث، نئی پیدا شدہ چیز۔ محدث پیدا کرنے والا۔ یقین یقیناً، بالیقین۔

ترکیب: پہلا مصرعہ مبتدا دوسرا مصرعہ اس کی خبر بعض نسخوں میں صدر بیت میں زانکہ درج ہے اس صورت میں یہ شعر دلیل ہوگا اوپر کے دعویٰ ہرچہ جسم آمد الخ کی ترجمہ بہر دو تقدیر دو طرح ہوگا۔

ترجمہ: (۱) جو چیز کون و فساد (کے عالم) سے ہے اور (بمقابلہ عالمِ بالا کے) ناچیز ہے وہ نئی پیدا شدہ ہے اور یقیناً (اپنے) پیدا کرنے والے کو چاہتی ہے۔

(۲) کیونکہ (وہ جسم) کون و فساد سے ہے اور (اس لیے وہ) ذلیل بھی ہے پس وہ نو پیدا شدہ ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کو چاہتا ہے۔

مطلب: کون سے مراد ہے نئی کیفیت اور صورت کا پیدا ہونا اور فساد سے مراد ہے کیفیت وصورتِ سابقہ کا زائل ہونا اوپر کہا تھا کہ ہر جسم جو ولادت سے موصوف ہو یعنی خواہ وہ والد ہو یا مولود ہو بہرکیف اس کے لیے کون و فساد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ والد کو کون و فساد کی ضرورت اس لیے ہے کہ اس کے ان اجزا میں تغیر ہوتا ہے جن سے بچہ بنتا ہے وہ اجزا پہلے ایک صورت و کیفیت پر ہوتے ہیں اور پھر دوسری صورت و کیفیت اختیار کرتے ہیں اور مولود کے لیے کون و فساد کی ضرورت اس لیے ہے کہ پہلے وہ ایک صورت و کیفیت پر ہوتا ہے اس کے بعد دوسری کیفیت وصورت اختیار کرتا ہے۔ مثلاً زید والد اس وقت بنے گا جبکہ اس کے اجزاءِ دمویہ فاسد ہو کر صورتِ منویہ اختیار کریں گے اور مولود یوں ہوا کہ وہ پہلے خود منی تھا بعد میں صورتِ منویہ ہوئی اور صورتِ زید پیدا ہوگئی (کلید) یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر تھی اب آگے گڈریے کا جواب آتا ہے:۔

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی وز پشیمانی تو جانم سوختی

ترجمہ: (گڈریا) بولا اے موسیٰ آپ نے تو میرا منہ ہی بند کر دیا اور پشیمانی (کی آگ) سے میری جان پھونک ڈالی۔

مطلب: یعنی اے موسیٰ آپ پیغمبر ہیں آپ کا حکم واجب الامتثال ہے میں حق کو صفاتِ مظاہر کیساتھ یاد کر رہا تھا آپ نے اس سے منع فرما دیا تو مجھے آپ کے ارشاد کے موافق خاموش ہو جانا پڑا اور نہ ذکرِ حق کے بغیر دل بے تاب ہے اور ترکِ ذکر سے دل میں پشیمانی پیدا ہوئی اس نے کلیجہ کو پھونک ڈالا کیونکہ ذکرِ محبوب سے بند ہو جانا آتشِ عشق کو اور بھی بھڑکا دیتا ہے۔ (بحر العلومؒ) اس تقدیر سے ظاہر ہے کہ گڈریے کو اپنے ترکِ ذکر پر پشیمانی ہوئی جو حکمِ پیغمبر کی تعمیل میں مجبوراً اس کو کرنا پڑا اور نہ قلب اس کو گوارا نہیں کر سکتا اس لیے اب وہ بے تاب ہو گیا مگر بعض شارحین کے نزدیک یہ پشیمانی اس امر پر تھی کہ میں ایسے گستاخانہ الفاظ میں ذکر کیوں کر بیٹھا جو شایانِ شانِ حق نہ تھے گویا جو غلطی وہ بے خبری میں کر رہا تھا اب اس پر متنبہ ہو کر وہ پشیماں ہو گیا پس حضرت بحر العلوم کی تقریر کی رو سے یہاں پشیمانی بمعنی تاسف ہے اور دیگر شارحین کے نزدیک بمعنی تلہف فافہم۔

جامہ را بدرید و آہے کرد تفت سر نہاد اندر بیابانے و رفت

لغات: آہِ تفت یعنی آہِ گرم، جلا دینے والی آہ، جوش و خروش کی آہ، وہ آہ جس کے روکنے اور ضبط کرنے سے دل و جگر جل جائیں۔ بخلاف اس کے آہِ سرد وہ آہ ہوتی ہے جو آتشِ دل یا صدمہ قلب کو فرو کرنے کے لیے آہستہ سے لی جاتی ہے اور جس میں جذبات کو ضبط کرنے کی کوشش شامل ہوتی ہے۔

ترجمہ: (پھر تو) اس نے (اپنے) کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرم آہ کی ایک بیابان کا رخ کیا اور چل دیا۔
مطلب: مولانا بحر العلومؒ کی تقریرِ سابق کی رو سے گڈریے کی یہ جامہ دری و آہ کشی جوشِ عشق سے تھی جو ضبطِ ذکر سے اور بھی بھڑک اٹھا اور دیگر شارحین کی توجیہ کی بنا پر اس کی یہ حالت اس پشیمانی سے تھی کہ مجھ سے خدا کی جناب میں گستاخی ہوگئی۔ پہلی تقریر پر اس کی یہ حالت اور سابقہ حالت ایک ہی کیفیتِ قلب سے ناشی ہوئی تھی صرف دونوں حالتوں کے آثار متفاوت تھے مگر دوسری تقریر کی رو سے یہ حالت سابقہ حالت سے جداگانہ تھی اور دونوں کے منشا بھی جداگانہ تھے۔

وحی آمدن از حق تعالیٰ بعتابِ موسیٰ بجہتِ شباں

حق تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے عتاب میں وحی نازل ہونا گڈریے کی وجہ سے

وحی آمد سوئے موسیٰؑ از خدا — بندۂ ما را چرا کردی جدا

ترجمہ: خداوند تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ تم نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کیوں کر دیا۔
مطلب: جدائی سے انقطاعِ تعلق مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ بحالِ مناجات اس کو ایک خاص قرب حاصل تھا اور عنایتِ حق اس کے حال پر متوجہ تھی مگر جوشِ پشیمانی سے اس پر ایک اور کیفیت طاری جو ہوئی تو قرب کا وہ سلسلہ قائم نہ رہا۔

تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

ترجمہ: تم تو (بندے کو خدا سے) واصل کرنے کے لیے آئے ہو نہ کہ جدائی ڈالنے کے لیے آئے ہو۔
مطلب: پیغمبروں کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ وہ مخلوق اور خالق کے باہم تعلق کو خوش گوار بنائیں حق تعالیٰ کی شان اس امر سے اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ خود مخلوق کے سامنے نمایاں و ظاہر ہو کر اس کے ساتھ اپنے تعلق کو استوار کرے اور مخلوق کی ہستی بھی اس قابل نہیں کہ وہ بلا واسطہ جنابِ الٰہی میں باریاب ہو سکے، لہٰذا دونوں کے درمیان ایک برزخ کی ضرورت ہے جو ایک کو دوسرے سے واصل کرے اور برزخ وہ ہوتا ہے جو دو متخالف چیزوں میں واسطہ ہو اور دونوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت رکھتا ہو چنانچہ پیغمبر حق اور خلق کے درمیان برزخ ہے جو ادھر تو متخلق با خلاق اللہ ہوتا ہے اور ادھر بشر ہونے کی وجہ سے خود منجملہ مخلوق ہے غرض ارشاد ہوا اے موسیٰ تم تو حق اور خلق کے درمیان برزخ ہو دونوں کو ملانا تمہارا منصب ہے نہ کہ الٹا دونوں میں تفرقہ ڈالنا۔

تا توانی پا منہ اندر فراق — اَبْغَضُ الْاَشْیَاءِ عِنْدِیْ الطَّلَاق

لغات: ابغض ناپسندتر۔ طلاق عورت کا قیدِ نکاح سے رہا ہو جانا۔ اصطلاح میں وہ خاص کلمات جن کا شوہر کی زبان سے نکلنا عورت کے قیدِ نکاح سے رہائی پانے کا موجب ہو جاتا ہے۔
ترجمہ: جہاں تک تم سے ہو سکے جدائی میں قدم نہ رکھو (کہ جدائی مجھے نہایت ناپسند ہے چنانچہ) طلاق میرے نزدیک تمام اشیا سے ناپسندتر (اس لیے) ہے کہ اس سے زن و شو میں جدائی واقع ہوتی ہے)۔
مطلب: سننِ ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ یعنی تمام حلال اشیا میں سے ناپسندتر چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے شعرِ مذکور میں یہی روایت بالمعنی درج ہے آگے اس شبان کے بے ادبانہ کلمات کے جواز کی توجیہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ایم　　ہر کسے را اصطلاحے دادہ ایم

ترجمہ: ہر شخص کے لیے ہم نے ایک (جداگانہ) سیرت قائم کی ہے ہر شخص کو ہم نے ایک اصطلاح (میں کلام کرنے کی صلاحیت) بخشی ہے۔

مطلب: ہر شخص کا اپنا اپنا مذاق اور اپنا اپنا اندازِ کلام ہے ایک شخص پوری رعایت ادب اور حفظِ مراتب سے بات کرنے کا عادی ہے دوسرا بے تکلف گفتگو کرتا ہے مگر فرطِ عقیدت اور خلوصِ نیت میں وہ پہلے سے کم نہیں ہوتا ایک شخص مدح وثنا میں سلیس وظاہر المعنی عبارت استعمال کرتا ہے دوسرا تشبیہ و استعارہ استعمال کرنا پسند کرتا ہے مدح یہ بھی ہے وہ بھی، ممدوح کا مورد عنایات یہ بھی ہوسکتا ہے وہ بھی غرض شبان نے مناجات کا جو انداز وپیرایہ اختیار کیا وہ اس کی اپنی سیرت اور اپنی اصطلاح کی بنا پر تھا خداوند تعالیٰ کے ہاں وہ بھی مقبول تھا۔

در حقِ او مدح و در حقِ تو ذمّ　　در حقِ او شہد و در حقِ تو سم

لغات: مدح تعریف ذم مذمت، برائی۔ سم زہر

ترجمہ: (چنانچہ یہی گفتگو) اس کے حق میں مدح ہے اور تمہارے حق میں مذمت ہے اس کے حق میں شہد ہے اور تمہارے حق میں زہر ہے۔

در حقِ او نور و در حقِ تو نار　　در حقِ او ورد و در حقِ تو خار

لغات: نار آگ۔ ورد گلاب کا پھول۔ صنائع: تجنیس لاحق اور طباق۔

ترجمہ: یہی گفتگو اس کے حق میں نور ہے اور تمہارے حق میں آگ ہے اس کے حق میں گلاب کا پھول اور تمہارے حق میں کانٹا ہے۔

در حقِ او نیک و در حقِ تو بد　　در حقِ او خوب و در حقِ تو رد

ترجمہ: اس کے حق میں اچھی ہے تمہارے حق میں بری اس کے حق میں خوب اور تمہارے حق میں ناپسند۔

مطلب: غرض فرماتے ہیں کہ جس کی جو استعداد ہے اسی کو اسی مرتبہ پر رکھنا ضروری ہے اس لیے کہ جو شخص بہت بڑا عارف کامل ہے وہ بھی ہماری تقدیس کما حقہ نہیں کرسکتا اور جو ناقص ہے وہ تو کیا کرے گا لہٰذا جس کی جو حالت حسبِ استعداد ہو وہ اس سے زیادہ کے حصول کی تمنا نہ کرے کیونکہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حالت کی استعداد نہیں ہوتی اور ادنیٰ حالت بھی چھوڑ دی جاتی ہے اور بالکل محرومی پلے پڑتی ہے۔ (کلید) صائبؒ۔

از استخوانِ سوختہ بسیار صادقاں　　از راہِ صدق فیضِ تبا شیر بردہ اند

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ　　از گرانجانی و چالاکی ہمہ

ترجمہ: ہم تقدیس وغیر تقدیس سے بری ہیں گرانجانی اور چالاکی (وغیرہ سب) سے (منزہ ہیں)۔

مطلب: یعنی جو کچھ بھی تقدیس و تنزیہ ہوسکتی ہے ہماری ذات اس سے وراء الورا ہے اس لیے جس طرح بھی جو شخص کچھ کرسکے کرنے دو اس پر کسی قسم کا اخذ و اعتراض نہ کرو۔

من نکردم خلق تا سُودے کنم　　بلکہ تا بر بندگاں جُودے کنم

ترجمہ: میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ خود کوئی فائدہ (حاصل) کروں بلکہ اس لیے کہ بندوں پر احسان کروں۔

مطلب: اگر حق تعالیٰ کا آفرینشِ خلق سے یہ مقصود ہوتا کہ مخلوق اس کی مدح و ثنا کرے تو پھر دیکھا جاتا کہ یہ مقصود بطریقِ احسن کہاں تک حاصل ہوتا ہے اور کون اعلیٰ سے اعلیٰ پیرایہ میں مدح و ثنا کرتا ہے مگر جب حق تعالیٰ کا مقصود خود کوئی فائدہ اٹھانا نہیں ہے بلکہ بندوں پر احسان کرنا مطلوب ہے تو اس میں بندوں ہی کا فائدہ ملحوظ ہے لہٰذا جو اندازِ کلام اور پیرایۂ سخن بندے کے لیے موزون و مناسب ہے اس کو اسی میں لگا رہنے دینا چاہیے۔

ہند یا نرا اصطلاحِ ہند مدح سند یا نرا اصطلاحِ سند مدح

لغات: سند سندھ ہندوستان کا ایک خطہ ہے جو اس کے جانب مغرب واقع ہے ادبیاتِ عرب میں ہند و سند دو نام اس طرح الگ الگ آتے ہیں جیسے وہ دو جداگانہ ملک ہوں حالانکہ سند ملکِ ہند ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اہل عرب نے ملکِ سندھ کو قریب ہونے کے باعث سب سے پہلے فتح کیا تھا۔ پھر صدیوں تک یہ ملک مسلمانوں کے زیرِ نگیں رہنے کے سبب سے ایک اسلامی ملک بن گیا اور ہندوستان کے باقی تمام حصص کی حیثیت اسلامی اثر سے باہر رہنے کے باعث سندھ سے جداگانہ قائم رہی۔ گویا اسلامی ہندوستان سندھ بن گیا اور غیر اسلامی ہندوستان ہند کا ہند رہا۔

ترجمہ: اہلِ ہند کے لیے ہند کی اصطلاح مدح ہے اہلِ سندھ کے لیے سندھ کی اصطلاح مدح ہے۔

مطلب: حق تعالیٰ کی تقدیس و تحمید میں خلوصِ نیت اور صفائی عقیدت کی ضرورت ہے باقی زبان و لغت کے تفاوت کا مضائقہ نہیں۔ ملک ملک کی جدا اصطلاح ہے خواہ سندھ کے مسلمان باشندے عربی اثر سے متاثر ہونے کے باعث عربی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں یا ہندوستان کے باقی حصص کے نومسلم لوگ بنگالی گجراتی مدراسی وغیرہ دیگر زبانوں میں اس کی تعریف کے گیت گائیں۔ بہر کیف یہ سب مدح و ثنا ہے اور اس کی قبولیت کا مدار نیت و عقیدت پر ہے نہ کہ زبان و لغت پر صائبؒ۔

موج را سر رشتہ میگر دد بدریا منتہی
را بہائے مختلف آخر بیکجاے روند

من نگردم پاک از تسبیحِ شاں
پاک ہم ایشاں شوند و دُرفشاں

ترجمہ: میں ان کی تسبیح سے پاک نہیں ہوتا ہاں وہ (خود) ہی (اس تسبیح کی برکت سے) گناہوں سے پاک اور (فضائل و کمالات کے) موتی برسانے والے بن جاتے ہیں۔ کما قال السعدیؒ۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمیکنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

مابروں رانگریم وقال را
مادروں رابنگریم و حال را

صنائع: شعر مرصع ہے۔

ترجمہ: ہم ظاہر (داری) اور زبانی (ولسانی) باتوں کو نہیں دیکھتے (بلکہ) ہم (تو) باطن (کی کیفیت) اور (اصلی) حالت کو دیکھتے ہیں۔

مطلب: اگر کوئی ہٹ چرب زبان اور لسان آدمی تقدیسِ حق میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہادے اور خود اس کے اپنے دل میں کچھ بھی اثر نہ ہو تو اس کی تمام تقدیس و تحمید ہیچ ہے اور اگر ایک کم گو آدمی اپنے دل میں عقیدتِ تام اور خلوصِ کامل رکھتا ہے تو خواہ ایک حرف بھی صحیح نہ بول سکے اس کی بات مقبول

بگفتگو نتواں اہلِ حال شد صائب — خموش باش و سخن را مکن دراز اینجا

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں (دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے)۔ (بحر)

ناظرِ قلبیم گر خاشع بود — گرچہ گفتِ لفظ ناخاضع بود

لغات: ناظر دیکھنے والا۔ خاشع خشوع سے مشتق ہے عاجزی کرنے والا۔ خاضع خضوع سے مشتق ہے خاکساری کرنے والا۔

ترجمہ: ہم تو دل کو دیکھتے ہیں اگر وہ عاجزی کرنے والا ہو (تو بس مقبول ہے) اگرچہ (زبانی) لفظ کے اطلاق سے خاکساری نہ ٹپکے۔

زانکہ دل جوہر بود گفتن عرض — پس طفیل آمد عرض جوہر غرض

لغات: جوہر وہ چیز جو بذاتِ خود قائم ہو۔ جیسے زمین، آسمان، ستارے، انسان حیوان، درخت، پتھر وغیرہ۔ عرض وہ چیز جو بذاتِ خود قائم نہ ہو بلکہ اس کا وجود کسی نہ کسی جوہر کے وسیلے سے پایا جائے جیسے رنگ، بو، مزہ وغیرہ غرض جس کے ساتھ غرض متعلق ہو، مقصود بالذات۔

ترجمہ: کیونکہ دل جوہر ہے اور گفتگو عرض پس (جب) عرض تابع ہے اور جوہر مقصود بالذات ہے (تو ظاہر ہے کہ مدار مقبولیت دل پر ہے نہ کہ گفتگو پر)۔

مطلب: اوپر کے دعویٰ پر ایک نکتہ آمیز دلیل پیش فرماتے ہیں۔ یعنی قلب جوہر ہے اور گفتگو عرض اور چونکہ جوہر ایک مہتم بالشان اور مستقل بالذات چیز ہوتی ہے اور بخلاف اس کے عرض ایک ناپائیدار وغیر مستقل چیز کو کہتے ہیں اس لیے قلب قابلِ اعتنا اور گفتگو ناقابلِ اعتنا ہے پس قلب کو دیکھنا چاہیے کہ وہ راست و مستقیم ہے تو سب کچھ ہے۔ ورنہ کچھ بھی نہیں اگرچہ الفاظ وکلمات کیسے ہی لچھے دار کیوں نہ ہوں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کا دل درست ہو تو سارا جسم درست ہے اگر دل خراب ہو جائے تو سارے جسم کو خراب سمجھو۔ جامیؒ

بے تکلف زینہار از نقطۂ دل مگذری — زیں سوادِ اعظمِ اسرار غافل مگذری

چند ازیں الفاظ و اِضمار و مجاز — سوز خواہم سوز با آں سوز ساز

لغات: اضمار ضمیر لانا، دل میں کوئی بات رکھنا۔ بوجہ پہیلی معمے۔ مجاز۔ وہ لفظ جو اپنے معنیِ حقیقی کے سوا کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہوا ہو، بناوٹ کی بات، ساز امر ہے ساختن سے۔

ترجمہ: (میاں!) یہ (رنگا رنگ) الفاظ اور معمے اور بناوٹ کی باتیں کہاں تک؟ میں تو (زبانی گفتگو کے بجائے دل کا) سوز چاہتا ہوں سوز، تم سوز کے ساتھ موافقت کرو۔

مطلب: زبانی جمع خرچ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ صائبؒ۔

جمعے کہ چوں قلم پئے گفتارے روند — چوں طفل نے سوار بجائے نمے رسند

عشقِ الٰہی میں سوزِ قلب پیدا کرنا وسیلۂ کمالات ہے۔ کما قیل۔

تا نیست نگردی رہ ہستت ندہند — ایں مرتبہ با ہمتِ پستت ندہند

آمادۂ سوز تا نباشی چوں شمع سر رشتۂ روشنی بدستت ندہند

آتشے از عشق در جاں برفروز سر بسر فکر و عبارت رابسوز

ترجمہ: عشق کی ایک آگ (اپنی) جان میں روشن کرو (اور) فکر (عبادت) اور عبارت (آرائی) کو بالکل آگ لگا دو۔

مطلب: زبان کی لفاظی کو نہ دیکھو بلکہ دل کی کیفیت کو ملاحظہ کرنا چاہیے چنانچہ اس چوپان کی حالت بھی توجہ کے قابل تھی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ذرا تأمل فرماتے تو اس کو قابلِ ملامت نہ سمجھتے کہ اس کے دل میں عشق کی آگ لگی ہوئی تھی جو ایک قابلِ قدر بات تھی۔ پھر غلبۂ حال میں اگر اس کے منہ سے ایسے الفاظ نکل رہے تھے جو بظاہر خلاف ادب تھے تو اس کے قلب کی کیفیت کے مقابلے میں وہ لائق چشم پوشی تھے۔

موسیا آدابِ داناں دیگراند سوختہ جان و رواناں دیگراند

لغات: موسیا موسیٰ پر الف ندا داخل ہے، اے موسےٰ

ترجمہ: اے موسیٰ آداب کے جاننے والے اور ہیں (اور) جن کی جان و روح جل چکی ہے وہ اور ہیں۔

مطلب: آداب دان سے عارفینِ کاملین مراد ہیں جو مدارجِ کمال کو طے کرنے کے بعد متادب بآدابِ شریعت ہو جاتے ہیں اور سوختہ جان ورواں سے متوسطین و مغلوب الحال مراد ہیں جو صدماتِ عشق اور زحماتِ ریاضت سے پریشان حواس ہو کر بعض اوقات خلاف ادب حرکات سرزد کرنے لگتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم جو ایک سوختہ جان عاشق سے آداب دانی کے متقاضی ہو اور اس کی خلافِ ادب باتوں سے ناراض ہو رہے ہو تو واضح رہے کہ ہر سوختہ جان آداب دان نہیں ہوتا بلکہ کمالات کے یہ دو الگ درجے ہیں۔ سوختہ جانی کا درجہ نیچے ہے اور ادب دانی کا درجہ اس سے بلند ہے۔ پہلا درجہ حاصل ہونے کے بعد اعلیٰ درجہ کا حصول متوقع ہے اور اگرچہ آداب دانی کا درجہ ہی کمال درجہ ہے لیکن اس کا حصول موقوف ہے سوختہ روانی کے حصول پر اس لیے یہ بھی برا نہیں کہ یہ درجۂ کمال کے حصول کا ذریعہ ہے پس اہلِ عشق کے اضطراری احوال اور خلافِ ادب کلمات سے چشم پوشی لازم ہے۔

عاشقاں راہر نفس سوزیدنی ست بردہِ ویراں خراج و عشر نیست

لغات: سوزیدنی جلنا، سوزش دہِ ویراں اجڑا ہوا گاؤں، خراج بفتح خاء زمین کا محصول جو ملک کا حاکم اپنی رعایا سے وصول کرتا ہے عشر زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ جو بطورِ محصول زمیندار سے حاکم وصول کرتا ہے۔ خراج اور عشر میں فرق یہ ہے کہ خراج کافر رعایا سے بطورِ حق حکومت لیا جاتا ہے اور عشر مسلمان کاشتکار سے لیا جاتا ہے جو زکوٰۃ کی طرح داخلِ عبادت ہے اور ہر زمین پر یا صرف خراج دینا پڑتا ہے یا عشر مفتاح العلوم کی چوتھی جلد میں بھی خراج کا ذکر گزر چکا ہے۔

ترجمہ: عاشقوں کو (چونکہ) ہر لحظہ (آتشِ عشق میں) جلنا (قسمت میں لکھا) ہے (اس لیے ان پر آداب کی پابندیاں لازم نہیں دیکھو) اجاڑ گاؤں پر خراج اور عشر نہیں ہوتا۔

مطلب: عاشقانِ حق غلبۂ حال میں مرفوع القلم ہوتے ہیں اس لیے وہ احکامِ ظاہری کے مکلف نہیں ہوتے، جس کی مثال یہ ہے کہ جو گاؤں ویران و بے آباد ہو اس پر کوئی محصول نہیں لگایا جاتا۔

گر خطا گوید ورا خاطی مگو گر شود پُر خوں شہید آں رامشو

لغات: خطا غلط بات، خاطی غلطی کرنے والا۔

ترجمہ: اگر وہ عاشقِ حق کوئی غلط بات کہہ بیٹھے تو اس کو خطا وار نہ کہو (جیسے کہ حکم ہے کہ) اگر شہید خون آلود ہو تو اس کو مت دھو، کیونکہ:۔

خوں شہیداں راز آب اولیٰ ترست   ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست

لغات: صواب ضدِ خطا ٹھیک، صحیح، درست۔ اولیٰ بہتر۔

ترجمہ: (جس طرح) خون شہیدوں کے لیے پانی سے بھی بہتر ہے (اسی طرح) یہ خطا (جو عاشق حق سے سرزد ہو رہی ہے) سینکڑوں صحیح باتوں سے بہتر ہے۔

مطلب: خون بے شک نجس ہے اور نجاست کو دور کرنے کا سامان پانی ہے مگر شہید کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ اس کا خون باوجود نجس ہونے کے پانی سے بھی بہتر ہے جو طاہر و مطہر ہوتا ہے اسی طرح خطا اگرچہ خطا ہے مگر جب ایک عاشقِ حق سے سرزد ہو اور سرزد بھی غلبۂ عشق میں ہو تو اس کا منشا قلب کی وہ کیفیت ہے جو عام کیفیات سے اعلیٰ وارفع ہے یعنی عشقِ الٰہی لہٰذا وہ خطا بھی سینکڑوں صحیح باتوں سے بہتر ہے۔ صائبؒ۔

موم در دامنِ دریائے کرم عنبر شد   کفر در عشق محال ست کہ ایماں نشود

آگے اس کی دو مثالیں اور ارشاد فرماتے ہیں:۔

دردرونِ کعبہ رسمِ قبلہ نیست   چہ غم ار غواص راپا چپلہ نیست

لغات: رسم جہت، رخ۔ غواص غوطہ خور۔ پاچپلہ کفش، نعلین۔

ترجمہ: کعبہ کے اندر قبلہ کی (کوئی) جہت نہیں (جدھر چاہو، نماز پڑھو) غوطہ خور کے پاس اگر نعلین نہیں ہیں تو (اس کو) کیا غم ہے۔

مطلب: حریمِ کعبہ سے باہر تمام اقطارِ ارض میں نماز پڑھنے والوں کا فرض ہے کہ کعبہ کی طرف رخ کریں لیکن جو شخص کعبہ کی چار دیواری کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھنی چاہے اس کو اجازت ہے کہ جدھر چاہے رخ کر کے نماز پڑھے کوئی خاص جہت اس کے لیے لازم نہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص حریمِ دوست سے باہر ہے وہ آداب و قواعد کا پابند ہے لیکن جو حریم قرب میں داخل ہے وہ کسی بات کا پابند نہیں ہے جس قاعدے کو چاہے اختیار کرے اور جس طرح آدابِ رفتار کا پابند اور کفش و نعلین کا محتاج وہی شخص ہے جو بالائے زمین چل پھر رہا ہے لیکن جو شخص قعرِ دریا میں غوطہ زن ہے اس کو کفش سے کیا کام ہے۔ اسی طرح جو شخص دریائے عشق میں غرق ہے وہ ظاہری آداب کا پابند کیونکر ہو سکتا ہے۔

انتباہ: یہاں یہ اشارہ بھی مضمر ہے کہ عاشقِ حق مغلوب الحال اگرچہ ممدوح و مؤقر ہے مگر وہ عارف کامل متادّب بآدابِ شریعت سے افضل نہیں بلکہ اس سے کم مرتبہ ہے چنانچہ کعبہ کے اندر جو نماز پڑھی جائے وہ باہر کی نماز سے جو بر علتِ جہت پڑھی جائے کم مرتبہ ہوتی ہے اس لیے امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک کعبہ کے اندر نوافل ہی پڑھے جا سکتے ہیں فرض نماز نہیں پڑھی جاتی۔ قال مالک یجوز فیھا النفل وَلا یجوز فیھا الفرض" امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کے اندر نفل نماز جائز ہے اور اس میں فرض نماز جائز نہیں" (جوہرہ نیرّہ) اور نوافل پر فرائض کی افضلیت ظاہر ہے۔

تو زسر مستاں قلاوزی مجُو   جامہ چاکاں راچہ فرمائی رفُو

لغات: قلاوزی رہبری، رہنمائی۔ آخر میں یائے مصدری ہے۔

ترجمہ: تم مست لوگوں سے رہبری کی توقع نہ رکھو جامہ چاک لوگوں سے رفو کی فرمائش کیا کرتے ہو۔

مطلب: سرمست خود ہی وادیٔ حیرت میں سرگردان ہوتے ہیں دوسروں کی رہنمائی کیا کریں گے چاک جامہ رفو اسی صورت میں ہوتا ہے کہ تھوڑی سے محدود جگہ میں ہو لیکن جس شخص کا جامہ تمام کا تمام پارہ پارہ ہو رہا ہو وہ کس طرح رفو کر سکتا ہے۔

ملّتِ عشق از ہمہ دیں ہا جداست   عاشقاں را مذہب و ملّت خداست

ترجمہ: عشق کا مذہب تمام دینوں سے الگ ہے عاشقوں کا مذہب و ملت خاص خدا ہے۔

مطلب: عاشقِ حق کی توجہ غلبۂ حال میں ذاتِ بحت کی طرف ہوتی ہے لہٰذا ان عشاق کا مذہب و مشرب اور دین اور ایمان خاص خداوند تعالیٰ ہی ہوتا ہے اور کسی طرف ان کی توجہ منعطف نہیں ہوتی۔ حافظؒ

ہر دم چو بیوفایاں نتواں گرفت یارے   مائیم و آستانش تاجاں زتن براید

لعل را گر مُہر نبود باک نیست   عشق در دریائے غم غمناک نیست

لغات: مہر سے نقش نگیں اور عشق سے صاحب عشق مراد ہے۔

ترجمہ: لعل پر اگر نقش نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں صاحبِ عشق دریائے غم میں بھی غمناک نہیں۔

مطلب: مغلوب الحال حضرات اپنے گرانمائیگی کے لحاظ سے بمنزلہ لعل ہیں اور لعل خود ایسی مقبول و بے بہا چیز ہے کہ اگر وہ منقش نہ ہو تو بھی اس کی قدر و منزلت میں کمی نہیں آتی اسی طرح مغلوب الحال حضرات پر اگر کوئی علامتِ ظاہری ان کے کمالات کے متعلق نہ ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں اس سے ان کے تقریب میں کچھ نقص عائد نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے ایک کم قیمت پتھر پر نقش نگیں کندہ ہو تو پتھر کی اصل ذات گراں قیمت نہیں ہوسکتی، اسی طرح ایک مردہ دل صرف لباس درویشی سے باکمال نہیں ہوسکتا۔ ولنعم ما قیل۔

ندارد مردہ دل سرمایۂ عزلت گزینی را   بخود مانند خاتم بستہ ایں صاحب نگینی را

بروے کرم ایں خوش ظاہراں باید تسلی شد   کہ غیر از پوست مغزے نیست چوب دار چینی را

آگے فرماتے ہیں کہ جو عاشق مغلوب الحال ہوتے ہیں وہ دریائے محبت میں یہاں تک غرق ہوتے ہیں کہ ان کو اپنی جان کی بھی پروا نہیں ہوتی اپنے نام و نمود کا خیال تو کیا ہوگا۔ حافظؒ

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں   مانمے خواہیم ننگ و نام را

انتباہ: بے شک مغلوب الحال اصحاب کو اپنے کمالاتِ باطن اور تقربِ حق کے متعلق کسی ظاہری علامت کی ضرورت نہیں مگر جو حضرات مرتبۂ تمکین پر فائز ہیں ان کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ان پر اتباعِ شریعت پابندیٔ آداب، حسنِ اخلاق اور تعدیلِ اطوار وغیرہ ظاہری علامات بھی نمایاں ہوں کیونکہ وہ مسندِ ارشاد پر متمکن ہوتے ہیں اور ایک جمِ غفیران کا معتقد ہوتا ہے اس لیے ان کا منصب نازک اور ذمہ دارانہ ہے اگر ان کے احوال و اقوال مخالفِ شرع ہوں تو عالم میں گمراہی پھیل جانے کا اندیشہ ہوگا۔ نظامیؒ

مرا و ترا گر شود پائے ست   تنِ شاہ باید کہ ماند درست

مبادا کہ شہ را رسد پائے نغز   کہ گردد سرِ ملک شوریدہ مغز

وحی آمدن بموسیٰ علیہ السلام از بہرِ عذرِ آں شباں

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہونا اس گڈریے کے عذر کے لیے

بعد ازاں در سرِّ موسیٰ حق نہفت   راز ہائے کاں نمے آید بگفت

لغات: سر باطن مراد دل۔ نہفت پوشیدہ کیا، پوشیدہ طور پر القا کیا، مضمر کیا۔

ترجمہ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں ایسے ایسے راز مضمر کیے جو دائرۂ بیان میں نہیں آسکتے۔

بردلِ موسیٰ سخنہا ریختند   دیدن و گفتن بہم آمیختند

لغات: ریختند و آمیختند کے فعل ماضی بصیغہ جمع غائب جس انداز و پیرایہ میں آ گئے ہیں ایسی صورت میں عموماً ان کا فاعل کارکنانِ قضا و قدر کو قرار دیا کرتے ہیں، مگر ہمارا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے افعال اگرچہ معروف واقع ہوتے ہیں مگر ان میں صرف وقوعِ فعل ملحوظ ہوتا ہے نسبت بفاعل کا لحاظ نہیں ہوتا اور فارسی محاورہ میں ان کے وہی معنی لیے جاتے ہیں جیسے اردو میں فعل مجہول کے لیے جاتے ہیں چنانچہ فارسی کا یہ فقرہ کہ ''بادشاہ بفرمود تا مجرم راگرفتہ آوردند'' اس معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا تو مجرم کو پکڑ کر حاضر کیا گیا۔'' رہی یہ بات کہ کس نے پکڑا اور حاضر کیا اور کون لوگ اس خدمت کو بجالانے پر مامور تھے۔ یہ بات یہاں ملحوظ نہیں غرض فارسی میں اس قسم کے صیغۂ معروف بمعنی مجہول ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بنائے مجہول کے صیغے دادہ شد نہادہ شد وغیرہ فارسی کتابوں میں بہت کم نظر آتے ہیں۔

ترجمہ: حضرت موسیٰ کے دل پر بہت سی باتیں القا کی گئیں مشاہدہ اور گفتگو کو ایک کر دیا گیا۔

مطلب: دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ ان اسرار کی شنید عین دید تھی یا یہ کہ وہ القائے اسرار اور بیانِ رموزِ صوت و آواز سے اس طرح بے نیاز تھا جیسے دیدار و مشاہدہ۔ کما قال السعدیؒ۔

دو کس را کہ باشد بہم جان و ہوش   حکایت کنانند و لبہا خموش

چند بیخود گشت و چند آمد بخود   چند پرّید از ازل سوئے ابد

ترجمہ: بارہا بے خود ہوئے۔ بارہا ہوش میں آئے بارہا ازل سے ابد تک اڑتے چلے گئے۔

مطلب: اس حالت میں خوب عروج حاصل ہوا اور ازل سے ابد تک کے اسرار و حالات منکشف ہو گئے۔

بعدازاں گر شرح گویم ابلہی ست   زانکہ شرحِ ایں و رائے آگہی ست

ترجمہ: اس کے بعد اگر میں تشریح کروں (کہ اسرار کیا تھے) تو یہ بیوقوفی ہے اس لیے کہ اس کی شرح ادراک (کی حد) سے باہر ہے۔

مطلب: کہنے والا اللہ اور سننے والے کلیم اللہ دوسرے لوگ جن کی عقل ناقص اور ادراک قاصر ہے اس گفت و شنید سے کیونکر بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ جامیؒ ؎

بدید آنچہ از دیدن بروں بود   مپرس از ماز کیفیت کہ چوں بود

شنید آنکہ کلامے نے باآواز — معانی در معانی راز با راز
لباسِ فہم برِبالائے اوتنگ — سمندِ وہم در صحرائے اولنگ
زگفتن برترست آں وزشنیدن — زباں زیں گفتگو باید بریدن

گر بگویم عقلہا را برکند — ور نویسم بس قلمہا بشکند

ترجمہ: اگر میں اس کو بیان ہی کر ڈالوں تو وہ (سننے والوں کی) عقلوں کو (مرکزِ اعتدال سے) اکھیڑ دے اور اگر لکھوں تو (اس کی بے پایانی) قلموں کو (گھسا گھسا کر) توڑ ڈالے۔

مطلب: کلمات اللہ بندۂ عاجز کے دائرہ بیان وتقریر میں نہیں آسکتے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کہہ دو اے پیغمبر اگر سارا سمندر بھی میرے پروردگار کے کلمات کے (لکھنے) کے لیے سیاہی بن جائے تو میرے پروردگار کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ اس کے برابر ہم (اور سمندر) اس کی مدد کو لائیں۔ (سورۂ کہف رکوع آخری)

ور بگویم شرحہائے معتبر — تا قیامت باشد آں بس مختصر

لغات: معتبر میم کے ضمہ اور باء کے فتحہ سے قابلِ اعتبار، قابلِ اعتنا ضروری اور واقعی جس کا بیان لابد ہو حشو و زوائد سے پاک اور غیر ضروری تفصیلات سے معرّیٰ۔

ترجمہ: اور اگر میں (زیادہ نہیں اس کی ضروری) ضروری تفصیلات (بھی) کرنے لگوں (اور) قیامت تک (کرتا جاؤں) تو وہ بھی بالکل مختصر ہوں گی۔

مطلب: قیامت تک کلمات اللہ کی تفصیل کی جائے تو وہ ناتمام ہونے کے علاوہ مختصر بھی ہو گی کیونکہ قیامت تک کا زمانہ محدود و متناہی ہے اور کلمات اللہ غیر محدود و نامتناہی۔ پس غیر متناہی متناہی میں کیونکر سما سکتا ہے۔

لاجرم کوتاہ کردم من زباں — گر تو خواہی ازدرونِ خود بخواں

ترجمہ: لاچار میں نے زبان کو کوتاہ کر لیا اگر تم (سننا ہی) چاہتے ہو تو اپنے باطن سے مطالعہ کرلو۔

مطلب: چونکہ کلمات اللہ کی شرح ناممکن تھی اس لیے ہم نے سکوت ہی اختیار کر لیا اگر تم کو ان کے دیکھنے اور سننے کا شوق ہو تو چونکہ ان کی دید شنید ایک ذوقی امر ہے لہٰذا اپنے اندر ذوق پیدا کرلو پھر تم کو بھی اگر بعینہٖ نہیں تو ان کی مثل کچھ کیفیات معلوم ہو جائیں گی۔ صائبؒ۔

بجز در ساغرِ گرداب نگنجد ہرگز — گوشِ افلاک کجا در خورِ اسرارِ دل ست

چونکہ موسیٰؑ ایں عتاب از حق شنید — در بیاباں درپئے چوپاں دوید

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ (کی جانب) سے یہ عتاب سنا تو جنگل میں اس گڈریے کے پیچھے دوڑے گئے۔

برنشانِ پائے آں سرگشتہ راند — گرد از پرّہ بیاباں برفشاند

لغات: سرگشتہ سرگرداں، آشفتہ حال، دیوانہ۔ پرّہ بیاباں دامنِ بیاباں

ترجمہ: اس سرگردان آدمی کے نشانِ قدم پر چلے گئے اور (اس کی طلب و جستجو میں) دامنِ بیاباں کی خوب گرد اڑائی۔
مطلب: یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ جنگل میں تو بہت سے لوگوں کے نشان پا ہوتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص اس کے نشانِ پا کو شناخت کیونکر کر سکے۔ آگے اس شبہ کو رفع فرماتے ہیں۔

گامِ پائے مردمِ شوریدہ خود　　ہم زگامِ دیگراں پیدا بود

ترجمہ: عاشق مزاج آدمی کا قدم دوسرے لوگوں کے قدم سے الگ (نمایاں) ہوتا ہے (چنانچہ اس کی صورتِ رفتار یہ ہوتی ہے کہ)۔

یک قدم چوں رخ ز بالا تا بہ شیب　　یک قدم چوں پیلِ رفتہ بر اریب

لغات: رخ ایک جانور کا نام ہے یہاں شطرنج کا مہرہ خاص مراد ہے جس کی رفتار سیدھی ہوتی ہے۔ پیل ہاتھی یہاں شطرنج کا ایک خاص مہرہ مراد ہے جو ٹیڑھا چلتا ہے۔ شیب نیچے' اریب ٹیڑھا۔
ترجمہ: ایک قدم رُخ کی طرح اوپر سے نیچے کی طرف (سیدھا پڑتا) ہے (تو) ایک قدم فیل کی طرح ٹیڑھا چلتا ہے۔

گاہ چوں موجے برافرازاں عَلَم　　گاہ چوں ماہی روانہ بر شکم

ترجمہ: کبھی موجِ دریا کی طرح جھنڈا بلند کئے ہوئے (چلتا ہے اور) کبھی مچھلی کی طرح پیٹ کے بل چل رہا ہے۔

گاہے برخاکے نوشتہ حالِ خود　　ہمچو رمالے کہ رملے برزند

لغات: رمّال رملی، علمِ رمل جاننے والا' جس سے بعض غیر معلوم احوال کا پتا لگایا جاتا ہے رمل زدن رمل کے معنی ریت، رمل زدن کے معنی ریت پر نقطے لگا کر ان سے خاص حساب لگانا جو علم رمل کا قاعدہ ہے۔
ترجمہ: کبھی اس نے خاک پر اپنا حال لکھا ہے جیسے رمّال (سطح خاک پر) رمل لگاتا ہے۔

گاہ حیراں ایستادہ گہ دواں　　گاہ غلطاں ہمچو گوے از صَولجاں

لغات: غلطاں اسم حالیہ غلطیدن سے لڑھکتا ہوا۔ صَولجاں معرب ہے چوگاں کا جو مرکب ہے چول بمعنی خمیدہ اور گاں کلمۂ نسبت سے پھر اس کو تخفیفاً چوگان کہنے لگے اور اس سے وہ خمیدہ لکڑی مراد ہے جس سے گیند کو لڑھکاتے اور کھیلتے ہیں، بلا گیند لگانے کا سونٹا۔
ترجمہ: کبھی حیران کھڑا ہے (اور) کبھی دوڑ رہا ہے کبھی لڑھکتا ہے جیسے گیند بلے سے (لڑھکتا ہو)۔

عاقبت دریافت اورا و بدید　　گفت مژدہ دہ کہ دستوری رسید

لغات: مژدہ دہ خوش خبری ہو۔ دستوری اجازت، اذن۔
ترجمہ: آخر اس کو پالیا اور دیکھتے ہی فرمایا خوشخبری ہو کہ (تمہارے اس طرح مناجات کرنے کی) اجازت پہنچ گئی۔

ہیچ آدابے و ترتیبے مجو　　ہر چہ میخواہد دلِ تنگت بگو

ترجمہ: (اپنی دعا و مناجات میں) کسی قسم کے آداب اور ترتیب کا لحاظ نہ رکھو تمہارا دلِ تنگ جو کچھ چاہے کہتے جاؤ۔
مطلب: چونکہ مجھے پہلے سے تمہاری حالت معلوم نہ تھی اب معلوم ہوا کہ تم مغلوب الحال ہو تو اب جو کچھ بھی تمہارا دل

چاہیے کہو تم مرفوع القلم ہو۔ مولاناؒ نے یہاں دل تنگ کا لفظ کہہ کر اس کے مغلوب الحال ہونے کی طرف اشارہ کر دیا پس جو مغلوب الحال نہ ہو اس کی زبان سے ایسے کلمات کا نکلنا کفر اور شرکِ صریح ہے۔

کفرِ تو دین ست و دینت نورِ جاں　　ایمنی وزتو جہانے در اماں

ترجمہ: تیرا (کلام) جو (بظاہر موجبِ) کفر (ہے درحقیقت) دین اور تیرا دین دل کی روشنی سے ہے تو (خود بھی) امن میں ہے اور تیری بدولت ایک جہان بھی امن میں ہے۔

مطلب: چونکہ وہ خلافِ ادب باتیں جو موہمِ کفر تھیں غلبۂ حال میں کہی گئی تھیں اس لیے ان کا اعتبار نہیں بلکہ چونکہ ان کا منشا کمال شوق اور اعلیٰ خلوصِ نیت تھا اور نیت پر ہی ہر کام کا مدار ہے اس لیے وہ باتیں بجائے کفر کے عین ایمان تھیں اور ارتکاب کفر سے نہ صرف تم مامون ہو بلکہ تم جیسے عاشقانِ حق کے طفیل ایک عالم ورطۂ کفر سے نجات پا جاتا ہے۔ امیر خسروؒ

شود خراب بسیطِ زمیں زخیلِ فتن　　اگر نہ دربنہ ایں بزرگوار بود

اے معافِ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَا　　بے محابا روز باں را برکشا

لغات: یفعل اللہ' اللہ تعالیٰ کرتا ہے مایشاء جو کچھ چاہتا ہے۔ بے محابا بے تامل' بلا خوف۔

ترجمہ: اے وہ شخص جو یفعل اللہ مایشاء (کے حکم) کی وجہ سے معاف کیا گیا ہے جا بے تامل زبان کھول (اور جس طرح تیرا جی چاہے مناجات کر)۔

مطلب: چونکہ حق تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہے کرے اس لیے اس نے تم کو دوسرے لوگوں سے مستثنیٰ کر کے اس طرح مناجات کرنے کی اجازت بخش دی ہے۔

گفت اے موسیٰ ازاں بگذشتہ ام　　من کنوں درخونِ دل آغشتہ ام

ترجمہ: اس نے کہا اے موسیٰ میں اس (مقام) سے گزر گیا ہوں اب تو میں خونِ دل سے آلودہ ہو رہا ہوں۔

من زسدرہ منتہیٰ بگذشتہ ام　　صد ہزاراں سالہ زانسو گشتہ ام

لغات: سدرۃ المنتہےٰ ایک آسمانی درخت جو بیری کے درخت سے مشابہ ہے اور ساتویں آسمان پر ہے وہ لوگوں کے اعمال کا منتہیٰ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رسائی کی آخری حد ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی اس مقام سے آگے نہیں گیا۔ آپ ﷺ معراج میں یہاں تک پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے معیت سے عذر کیا اور رک گئے آخر آپ ﷺ اکیلے آگے گئے۔ سعدیؒ

چناں گرم درتیہ قربت براند　　کہ درسدرہ جبرئیل زو باز ماند

ترجمہ: میں سدرۃ المنتہیٰ سے (آگے) گزر گیا ہوں لاکھوں برس (کی مسافت) اس طرف طے کر گیا ہوں۔

مطلب: سدرۃ المنتہیٰ سے (آگے) گزر جانے سے مطلقاً ترقیِ مراتب مراد ہے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ فی الحقیقت سدرۃ المنتہےٰ سے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں گیا مطلب یہ کہ وہ کلمات خلافِ شرع جو میری زبان سے نکلے تھے غلبۂ حال کے تقاضے سے نکلے تھے جو ایک متوسط درجہ ہے۔ اب میں اس درجہ سے ترقی کر کے ایک اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گیا ہوں جہاں غلبۂ حال نہیں ہے اس لیے کہ آپ کی تنبیہ کیوجہ سے جس کا اثر فاعلیتِ قوی تھا مجھ کو استعداد کے موافق کچھ معرفت حاصل ہو گئی ... اب میں خود ہی ایسی باتیں کہنی نہیں چاہتا۔

تازیانہ برزدی اسپم بگشت گنبدی کردوز گردوں برگذشت

لغات: بگشت پھر گیا، لوٹ گیا گنبدی کردن جست لگانا گنبدی اور گردوں میں لفظی مناسبت ہے۔

ترجمہ: آپ نے تنبیہ کا ایک ایسا تازیانہ لگایا کہ میرا (طبیعت کا) گھوڑا (اس طرف سے) لوٹ گیا ایک جست کی اور آسمان سے بھی آگے بڑھ گیا۔

محرمِ ناسوتِ ما لاہوت باد آفرین بردست و بربازوت باد

لغات: ناسوت عالمِ اجسام، حالتِ ظاہری۔ لاہوت مرتبۂ ذاتِ بحت۔ عالمِ ذاتِ الٰہی کہ سالک کو اس مقام میں فنافی اللہ حاصل ہوتی ہے۔

ترجمہ: خدا کرے کہ عالمِ بالا عالمِ سفلی والوں کا محرم رہے (اور) آپ کے دست و بازو پر آفرین ہو۔ (کہ میری دستگیری فرما کر ورطۂ گمراہی سے نکالا)۔

مطلب: گذریا اپنی موجودہ ترقی کے ابقا کے لیے دعا کرتا ہے یعنی مجھے جو فنا کا مقام حاصل ہو گیا ہے خدا کرے یہ قائم رہے اور چونکہ آپ کی برکت و ہمت سے یہ مقام حاصل ہوا ہے اس لیے دعا ہے کہ آپ کے فیض بھی سدا جاری رہیں۔

حالِ من اکنوں بروں از گفتن ست آنچہ میگویم نہ احوالِ من ست

ترجمہ: میرا حال اب کہنے سے باہر ہے (اور) جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ میرے احوال نہیں ہیں۔

مطلب: اب تو میری وہ حالت ہے کہ جس کو میں بیان نہیں کر سکتا اور جو الفاظ میں اپنی تعبیرِ حال میں کہہ رہا ہوں یہ میرا صحیح حال ہرگز نہیں ہے بلکہ محض ایک افتراض و تخمین ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک ذوق اور کیفیت ہے جس کو میں الفاظ میں لا نہیں سکتا۔

قلم بشکن سیاہی ریزد کاغذ سوزدم درکش حسن ایں قصہ عشق ست در دفترنمے گنجد

سوال (۱): یہ راعی جب خلوصِ دل سے خدا کو یاد کر رہا تھا اگرچہ اس کے یاد کرنے کا پیرایہ آئینِ ادب سے غیر ملائم تھا تاہم آئینِ ادب ایک امرِ اضافی ہے ایک کا ادب دوسرے کے لیے عین بے ادبی ہے اور بمجوائے الاعمال بالنیات دربارِ خداوندی میں نیت دیکھی جاتی ہے صرف پیرایۂ کلام اور اندازِ خطاب کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ پھر موسیٰؑ نے اس کو سرزنش کیوں کی؟

جواب: یہ راعی جاہل و ادب ناشناس تھا توفیقِ الٰہی نے یاوری کی تو محبت کے حق کا جذبہ اس کے دل میں موجزن ہوا اور وہ مغلوب الحال ہو گیا اور غلبۂ حال سے اپنے جہل کی بنا پر غیر ملائم الفاظ میں خدا کو یاد کرنے لگا حضرت موسیٰؑ کو اس کے کلمات سے اس کا جہل تو معلوم ہو گیا اور مغلوب الحال ہونا معلوم نہ ہوا اس لیے اس کو ملامت کرنے لگے۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ وہ مغلوب الحال ہے تو شائد اس کی حالتِ افاقہ تک چشم پوشی فرماتے۔

سوال (۲): کیا یہ ممکن ہے کہ ایک پیغمبر کو جو کمالاتِ باطن کا نمونۂ کبریٰ ہوتا ہے کسی کا مغلوب الحال ہونا معلوم نہ ہو خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فراستِ تامہ بھی عطا فرمائی ہو؟

جواب: بے شک پیغمبر کمالاتِ باطن کا نمونۂ کبریٰ ہوتے ہیں اور ان کو فراستِ تامہ بھی حاصل ہوتی ہے مگر وہ آخر بشر ہیں یعنی ذہول و نسیان خاصہ بشری ہے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا ہوگا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے افعال کی حکمت ان پر کس طرح مخفی رہی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جو صدہا میل دور سفر میں اپنے فرزند کا موجود ہونا معلوم کر لینے کی صلاحیت رکھتے تھے، اپنے گاؤں کے قریب ایک کنوئیں میں ان کا مقید ہو جانے کا پتا نہ لگا سکے۔ کما قال السعدی ''۔

انبیاء سے ذہول و نسیان کا امکان

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے روشن گہر پیر خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی چرادر چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال مابرقِ جہان ست دمے پیدا و دیگردم نہانست

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا، لَوْ اَنِّیْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْیَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً. یعنی اگر مجھے یہ معاملہ پہلے معلوم ہوتا جو اب معلوم ہوا ہے تو میں ہدی اپنے ساتھ نہ لاتا اور اپنے عمرہ کو حج بنا لیتا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس حج میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پہنچے اور عمرہ ادا کر چکے تو صحابہ کو حکم دیا کہ جو ہدی ساتھ نہیں لایا وہ عمرہ کرے اور احرام سے نکل آئے پھر ایامِ حج میں احرام باندھے صحابہ کو یہ حکم گراں گزرا ایک تو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدی لانے کے سبب سے احرام سے نہ نکلنا اور ہدی نہ لانے والے صحابہ کا احرام سے نکل آنا آپ کی متابعت سے محروم رکھتا ہے۔ دوسرے عہدِ جاہلیت سے ایامِ حج میں عمرہ کرنا نہایت برا سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کا تامّل ملاحظہ فرما کر ناراض ہوئے اور فرمایا میں کیا کروں حکمِ الٰہی اسی طرح ہے اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ احرام سے نکلنا تم پر دشوار ہوگا تو میں بھی ہدی نہ لاتا اور احرام سے نکل آتا مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ حکمِ الٰہی اسی طرح ہوگا۔ (مظاہر حق)

ماعز ابن مالک نام کا ایک مسلمان تھا وہ غلبۂ نفس سے فعل حرام کا مرتکب ہو گیا نادم ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ طَهِّرْنِیْ. "یا رسولؐ اللہ مجھے اقامت حد کے ساتھ اس گناہ سے پاک کر دیجئے"۔ آپؐ نے کئی مرتبہ اس کو ٹالا جب اس نے اسی درخواست پر اصرار کیا تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا، اَبِهٖ جُنُوْنٌ کیا یہ دیوانہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ دیوانہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا اَشَرِبَ خَمْرًا کیا اس نے شراب پی ہے؟ تو اس سے بھی اطمینان ہو گیا کہ شراب نہیں پی۔ پھر اس پر حد جاری فرمائی اس قسم کی روایات سے ظاہر ہے کہ بعض اوقات بعض امور کا پیغمبروں پر غیر منکشف رہ جانا ممکن ہے اِسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس راعی کا مغلوب الحال ہونا غیر منکشف رہا اور اس کی وجہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ارشاد فرما دی ہے، چنانچہ۔

بگفت احوالِ ما برقِ جہان ست دمے پیداو دیگردم نہاں ست

سوال (۳): اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو خطاب ہوا اس سے ظاہر ہے کہ راعی مذکور کا وہی پیرایہ مناجات جناب باری میں پسند تھا پھر راعی کو اپنے اس طرزِ کلام سے ندامت کیوں ہوئی۔

جواب: وہ جو کچھ کہہ رہا تھا غلبہ حال میں کہہ رہا تھا اور اگرچہ وہ اندازِ گفتگو بے ادبانہ تھا مگر جناب باری میں اس کے خلوصِ نیت کی بنا پر مقبول و پسندیدہ تھا مگر اس مقبولیت و پسندیدگی کے لیے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کلام کو میزانِ ادب میں بھی سنجیدہ سمجھا جائے اس لیے جب اس کو موسیٰؑ کی ملامت کی تاثیر سے اپنی حالت سے افاقہ ہوا تو اپنی جاہلانہ تقریر کا احساس ہوا اور اس پر ندامت آئی۔

سوال (۴): راعی اپنے جاہلانہ لب ولہجہ میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کر رہا تھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ و توبیخ سے متنبہ ہو کر نادم اور تائب ہوا تو حق تعالیٰ نے اس کی اس حالت کو فصل و جدائی سے کیوں تعبیر فرمایا؟ چنانچہ ارشاد ہوا۔ "بندۂ مارا چرا کردی جدا" اور "نے برائے فصل کردن آمدی" حالانکہ توبہ و استغفار توجۂ حق کی ایک احسن صورت ہے جو ایک طرح سے وصول بحق ہے نہ کہ انفعال عن الحق۔

جواب: اس ندامت کے اشتغال سے وہ پہلا اشتغال بحق جو بلاواسطہ تھا جاتا رہا وہ اشتغال قرب الٰہی میں فی ذاتہٖ اشتغال بالندم سے اکمل واتم ہے کیونکہ قرب بلاواسطہ اکمل ہوگا بمقابلہ قرب بواسطہ کے گو کسی خاص عارض کے باعث وہ قرب بواسطہ

زیادہ نافع ہو چنانچہ راعی کو اس اشتغال بالذم سے نفع عظیم پہنچا جو حکایت ہی سے ظاہر ہے مگر چونکہ یہ ممکن تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا توقف فرماتے اور غور کے بعد قرائنِ قویہ اور نورِ بصیرت سے اس کا صاحب حال ہونا معلوم کر کے اس وقت سکوت فرماتے اس لیے کہ وہ اس وقت مکلف نہ تھا اور بعد افاقہ کے اس کے جہل کو رفع فرما دیتے تو اس طریق سے اس کا جہل بھی رفع ہو جاتا اور وہ قربِ خاص بھی زائل نہ ہوتا اس لیے حق تعالیٰ نے اس پر شکایات فرمائی اور دونوں مذکورہ اشتغالوں کے تفاوت سے اس کو جـــدا کردن سے تعبیر فرمایا۔

سوال ( ): اوپر جو فرمایا تھا ''بردہ ویراں خراج وعشر نیست'' کیا اس سے ایک بندے کو مطلق العنان چھوڑ دیے جانے کا امکان ثابت ہوتا ہے؟ تو پھر ''اے معاف یفعل اللہ مایشاء'' کا کیا مطلب ہوگا؟

جواب: حضرت شارح کلید مثنوی سلمہٗ فرماتے ہیں کہ ''بردہ ویران'' الخ کا مطلب یہ ہے کہ عین غلبہ حال میں اس سے تعرض مناسب نہ تھا نہ یہ کہ مکلف ہونے کے وقت بھی اس کو مطلق العناں چھوڑ دیا جائے اور اے معاف الخ کی توجیہ یہ ہے کہ شارع کو اختیار ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی حکمِ عام سے کسی قدر مخصوص کر دیا جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کو بکری کے بچے کی قربانی دینے کی اجازت دے کر فرمایا، وَلَنْ تَجْزِیَ اَحَدً البعدَکَ اور ایسی تخصیص باعتبار بعض شرائط و قیود کے مستلزمِ مطلق العنانی کو نہیں اور مبنیٰ اس تخصیص کا یہ ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اس راعی کی حالت و قدرت سے معلوم تھا کہ جس مرتبہ تنزیہ پر اس کو موسیٰ علیہ السلام پہنچایا چاہتے ہیں وہ بوجہ ضعفِ عقل وہاں نہ پہنچ سکے گا خاص کر غلبۂ عشق اس کو عقل سے اتنا بھی کام نہ لینے دے گا پس جس طرح فقہانے ایسے شخص کو جو بعد کوشش کے تصحیح حروف سے ناامید ہوگیا ہو ترکِ تجوید کی اجازت دے دی ہے ایسی طرح اس کی حالت عن کمال المعرفۃ مقتضی ہوئی اس کے لیے کسی قدر توسیع کی اور گو ایسے شخص کے لیے ایسی توسیع کا بھی کلیہ عامہ شرعیہ ہے مگر اس کی تخصیص صرف اتنی ہوئی کہ دوسروں پر جو کہ مغلوب العشق نہیں زیادہ کوشش کرنا ضروری تھا اور اس پر وہ زیادہ کوشش ضروری نہ رہی گو یہ بھی ایک کلیہ ہے لیکن چونکہ اس کلیہ کے مصادیق شاذ و نادر ہیں والنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ اس لیے حکما ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا یہ حکم اس کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ جو غلبۂ عشق بلا جمع اسباب ہے۔ اس میں تو معذوری قاعدۂ عامہ ہے لیکن جو غلبہ بجمع اسباب ہو جیسا بعض ذاکرین کے حال سے مشاہدہ میں آتا ہے کہ جب وہ خلوت یا مراقبہ میں مشغول بذکر وفکر ہوتے ہیں فوراً یا کسی قدر دیر کے بعد ان پر ایسے آثار غالب ہو جاتے ہیں پس جس شخص کی ایسی حالت ہو اور اس کو صفاتِ حق کی معرفت بقدرِ ضرورت حاصل نہ ہوئی ہو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اس معرفت کی تحصیل کو مقدم سمجھے اور اس کو ان اسباب کے جمع کرنے سے منع کیا جائے گا اور ممکن ہے کہ اس شبان کی حالت بھی ایسی ہی ہو مگر بایں ہمہ وہ اس معرفت کی تقدیم پر مامور اور یہ جمع اسباب اس کے لیے ممنوع نہ ہو اس کے لیے معرفت ناتمام ہی کو جائز رکھ کر اس کی اس حالتِ عشقیہ کو اس کے لیے پسند کیا گیا ہو تو اس تقدیر پر تخصیص بے تکلف محفوظ رہے گی۔ (انتہی)

شبان نے کہا تھا کہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں یہ میری حالت نہیں ہے آگے اس کی ایک مثال پیش فرماتے ہیں۔

نقش مے بینی کہ در آئینہ ایست نقشِ تست آں نقش بر آئینہ نیست

ترجمہ: تم نقش دیکھ رہے ہو جو آئینہ میں ہے یہ تمہارا ہی نقش ہے آئینہ میں وہ (کوئی دوسرا) نقش نہیں ہے۔

مطلب: یہ چرواہا جو اپنی حالت کو بیان کر رہا تھا یہ بھی اس کی اپنی حالت نہ تھی اس لیے کہ وہ تو ایک کیف و ذوق تھا بلکہ تمہاری حالت ناقص تھی جو بوجہ آئینہ ہونے کے اس کے اندر نظر آرہی تھی اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ تمہارے اندر چونکہ

استعداد اس سے زیادہ کی نہ تھی اس کے لیے تم کو صرف انہی الفاظ سے سمجھایا گیا ورنہ اگر تم کو بھی وہ ذوق حاصل ہوتا تو بیان ہی کی حاجت نہ ہوتی (کلید) اس شعر میں موسیٰ سے خطاب نہیں بلکہ عام خطاب ہے۔ (بحر العلوم) آگے اس کی ایک اور مثال ارشاد فرماتے ہیں۔

دم کہ مردِ نائی اندر نائے کرد ‏ ‏ درخورِ نائیست نے درخورِ مرد

لغات: دم پھونک۔ نائی نے بجانے والا۔ نے بنسری۔ درخور درخور و لائق۔

ترجمہ: نے بجانے والا نے میں جو پھونک مارتا ہے وہ نے کے لائق ہے نہ کہ (نے بجانے والے) آدمی کے لائق۔

مطلب: جس قدر معتدل و موزون پھونک سے باجا بج سکتا ہے باجے والا اس قدر پھونک مارتا ہے اس میں خود اپنی پوری طاقت استعمال نہیں کرتا کیونکہ پھونک مارنے کا مدار اگر باجے کی ضرورت کے پیمانے پر نہیں بلکہ اپنی طاقت پر رکھے اور اس میں سارا زور لگا دے تو یا تو باجا بگڑ جائے یا اس سے آواز خراب نکلے اسی طرح اگر اولیاء اللہ اپنی پوری حالت کو بیان کرنے لگیں تو یا تو تم کو آتش عشق بالکل پھونک ڈالے یا تم گمراہ ہو جاؤ۔

رموز عشق عراقی مگر چنیں روشن ‏ ‏ کہ سرّ عشق چنیں آشکار نتواں گفت

اس لیے وہ اپنی حالت سے ایک شمہ بیان فرما دیتے ہیں۔ آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ اسی طرح تم بھی جو حق تعالیٰ کی حمد کرتے ہو وہ بھی اس شبان ہی کی طرح سے ہے۔ جس طرح اس کے الفاظ میزانِ ادب میں موزون معلوم ہوتے تھے اسی طرح تمہاری حمد بھی بے ادبی و گستاخی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے مگر حق تعالیٰ اس کو بھی اپنے فضل سے قبول فرما لیتا ہے اور اسی مضمون پر شبان کی یہ حکایت لائی گئی تھی، چنانچہ ارشاد ہے:۔

ہاں وہاں گر حمد گوئی در سپاس ‏ ‏ ہمچو نافر جامِ آں چوپاں شناس

لغات: سپاس۔ شکر و حمد۔ نافر جام بدانجام، نالائق۔

ترجمہ: ارے خبردار! اگر تم بطورِ شکر خدا کی حمد کرنے لگو تو (اس کو بھی) اس نالائق گڈریے (کی مناجات) کی طرح (بے ادبانہ) سمجھو۔ سعدیؒ۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش ‏ ‏ عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزا وار خداوندیش ‏ ‏ کس نتواند کہ بجا آورد

صائب چساں بحمدِ تو رطب اللساں شود ‏ ‏ اے عاجز از ثنائے تو ہر نکتہ داں کہ ہست

اس چوپان کو نافر جام کہنا کسی قدر غیر ملائم محسوس ہوتا ہے مگر یہ کلمہ اس کی جہالت کی بنا پر استعمال کیا گیا جو اس کے گستاخانہ تکلم کا باعث تھی اور اس میں کیا شک ہے کہ جہالت وہ بدترین عیب ہے جو جاہل کی کثرتِ عبادت و طاعت کو بھی ڈھک لیتا ہے۔ سعدیؒ۔

چو جاہل کسے در جہاں خوار نیست ‏ ‏ کہ ناداں تراز جاہلی کار نیست

حمدِ تو نسبت بداں گر بہتر ست ‏ ‏ لیک آں نسبت بحق ہم ابتر ست

ترجمہ: (مانا کہ) تیری حمد اس (شخص کی حمد) کے مقابلے میں بہتر ہے (جو ایسی حمد نہیں کر سکتا) لیکن وہ (تیری حمد بھی) حق تعالیٰ کی نسبت سے نکمی ہے۔

مطلب: بے شک وہ طاعت و عبادت جو شرائط ظاہریہ کامل ہو ایسی عبادت سے بہتر ہے جن میں ان شرائط کی پابندی ملحوظ نہ ہو لیکن یہ عبادت بھی ایسی عبادت کے مقابلے میں ہیچ ہے جس میں آدابِ باطن کا بھی پورا لحاظ ہو پھر حق تعالیٰ کی بارگاہ اس قدر عالی شان ہے کہ وہاں کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ عبادت بھی بطورِ پیشکش پیش ہونے کے قابل نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بعطر و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

چند گوئی چوں غطا بردا شتند کہ نبودست آنچہ میپندا شتند

لغات: چند استفہامیہ نہیں بلکہ بیانِ کثرت کے لیے ہے بار بار بارہا۔ غطا پردۂ حجاب۔

ترجمہ: جب (عالمِ آخرت میں) پردہ اٹھا دیا جائے گا (اور مومنوں کو مشاہدۂ جمالِ حق حاصل ہوگا) تو تم بار بار کہو گے کہ لوگوں کو جیسا کچھ گمان تھا (خداوند تعالیٰ) ویسا نہیں تھا۔

مطلب: ذاکر اپنے ذکرِ حق میں حق سبحانہ کے بارے میں جو خیال رکھتا ہے اس کی ذاتِ پاک اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے موت کے بعد یا عالمِ آخرت میں آنکھیں کھلیں گی اور کہیں گے کہ وہ حقیقت کیا تھی اور ہم کیا سمجھتے تھے۔ عمر خیامؒ۔

قومے زگزاف در غرور افتادند قومے زپئے حور و قصور افتادند

معلوم شود چو پردہا بردارند کز کوئے تو جملہ دور دور افتادند

حافظ ۔ تراچنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند بقدرِ بینشِ خود ہر کسے کند ادراک

وقیل ۔ گفتا کہ زما غلط نشاں نتواں داد از ما توہر آنچہ دیدۂ پایۂ تست

ایں قبولِ ذکر، تواز رحمت ست چوں نمازِ مستحاضہ رخصت ست

لغات: مستحاضہ وہ عورت جس کے رحم یا اندام نہانی کی کسی رگ کے کھل جانے سے خون آنے لگے۔ یہ خون حیض سے جداگانہ ہوتا ہے اور اس میں عورت سے نماز ساقط نہیں ہوتی بلکہ اس کا حکم رعاف دائم کا ہے کہ نماز کے لیے وضو کر لے اور اس نماز کے وقت کے اندر جس قدر نماز فرض و نفل پڑھنی ہوں پڑھے وقت گزرتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ یہ مطلب ہو جائے گا کہ وہ عورت اگر چاہے تو نماز پڑھ سکتی ہے اگر نہ چاہے تو نہ پڑھے۔ حالانکہ عورت پر ایسی حالت میں بھی نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے وہ اس کو ترک نہیں کر سکتی۔ پس یہاں مراد یہ ہے کہ نماز تجدیدِ وضو کے بغیر اسی وضو سے پڑھ لینے کی اجازت ہے جو ایک مرتبہ کر لیا جائے یعنی رخصت کا تعلق مطلق نماز سے نہیں بلکہ نماز بلا تجدیدِ وضو کے ساتھ ہے۔

ترجمہ: یہ تیرے ذکر (حق) کی قبولیت رحمت (خداوندی کے تقاضے) سے ہے جیسے استحاضہ والی عورت کی نماز (بلا تجدیدِ وضو) جائز ہے۔

مطلب: ہمارے ذکر کی مثال ایسی ہے کہ جیسے مستحاضہ کی نماز کے باوجود خون کے جاری ہونے کے اس کو اجازت دے دی گئی ہے کہ خیر اس حالت میں بھی نماز پڑھ لیا کرے تو اگر وہ اپنی اس نماز کو کامل سمجھنے لگے تو کس قدر غلطی ہے اسی طرح اگر ہم اپنے اس ذکرِ حق کو جو کہ لاکھوں ناپاکیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کامل سمجھنے لگیں تو سراسر جہل ہے۔ صائبؒ۔

زدین ناقصم از سبحہ استغفار ے خیزد زنگِ کافرِ من مو، برتنِ زنارے خیزد

در نمازِ او بیالودست خوں ذکرِ تو آلودۂ تشبیہ و چوں

ترجمہ: اس کی نماز میں تو خون (استحاضہ) کی آلودگی ہے تیرا ذکر تشبیہ و تمثیل سے آلودہ ہو رہا ہے۔

مطلب: یہاں ممثلہ کی تمثل کے ساتھ مطابقت دکھائی ہے اور اس تطبیق میں ممثلہ کے تمثیل سے زیادہ پُرخطر ہونے کی طرف اشارہ بھی مضمر ہے یعنی نماز میں خونِ استحاضہ کی آلودگی اس قدر باعثِ تشویش نہیں جس قدر تمہارے ذکرِ حق کا تشبیہ و تمثیل سے آلودہ ہونا خطرناک ہے کیونکہ وہ جریانِ خون ایک اضطراری امر ہونے کے باعث قابلِ عفو بھی ہے اور اس کا اثر صرف ظاہر و محدود ہونے کے لحاظ سے چنداں اہم بھی نہیں بخلاف اس کے ذکرِ حق کا تشبیہ و تمثیل سے ملوث ہونا ایک امر اختیاری ہونے کے باعث ذمہ دارانہ بھی ہے۔ اور فسادِ عقائد پر مشتمل ہونے کے لحاظ سے اس کی شرِ وسیع و متعدی بھی ہے۔ آگے خود مذکورہ نجاستِ ظاہری سے اس نجاستِ باطنی کے زیادہ پُرخطر ہونے کی تصریح فرماتے ہیں:۔

خوں پلید ست و بآبے میرود — ایں پلیدیِ جہل قائم تربود

ترجمہ: خون پلید (تو) ہے (مگر) ایک پانی کے ساتھ (دھونے سے) زائل ہو جاتا ہے (بخلاف اس کے) یہ جہل کی پلیدی بڑی دیر پا ہوتی ہے (ایسی دیسی تدبیر سے زائل نہیں ہوتی)۔

کاں بغیرِ آب لطفِ کردگار — کم نگردد از درونِ مردِ کار

ترجمہ: کیونکہ وہ (جہل کی پلیدی) خدا کی مہربانی کے پانی کے بدوں کسی کام کرنے والے آدمی کے باطن سے دور نہیں ہو سکتی۔ صائبؒ

توفیق چوں براید عصیاں دلیلِ راہ ست — بودن بخوابِ غفلت ہشیار کرد مارا

در سجودت کاش رو گردانئی — معنیِ سُبْحَانَ رَبِّیْ دانئی

ترجمہ: کاش سجدہ میں تو (اپنی توجہ کا) رخ پھیرتا (اور سجدہ کی تسبیح یعنی) سُبْحَانَ رَبِّیَ (الْاَعْلٰی) کے معنی سمجھتا۔

مطلب: تم سجدہ میں جو تسبیح پڑھتے ہو کاش اس کے معنی بھی سمجھتے، یہاں مولانا ایک لطیف نکتہ بیان فرماتے ہیں اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کا مقصود ارشاد کرتے ہیں:۔

کاے سجودم چوں وجودم ناسزا — مر بدی را تو نکوئی دِہ سزا

ترجمہ: کہ اے وہ ذات کہ میرا سجدہ میرے وجود کی طرح (تیری درگاہ کے) لائق نہیں تو ہی بدی کا بدلہ نیکی دے۔

مطلب: سبحان ربی الاعلیٰ کہنے سے مقصود یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا کہتا ہے کہ یا الٰہی تو پاک ہے اور برتر ہے اس سے کہ تیری درگاہ میں میرا یہ ناقص سجدہ پیش ہو اس لیے کہ یہ سجدہ بجائے نیکی کے بدی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے لہٰذا اس کا پیش کرنا بجائے عبادت کے ایک طرح سے گستاخی ہے اس لیے التجا ہے کہ ہماری اس بدی کو جو محض صورۃً نیکی ہے حسنات میں شمار فرما۔ جیسا کہ تیرا ارشاد ہے۔ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ یعنی اللہ ان کی بدیوں کو نیکیاں بنا دیتا ہے۔ سعدیؒ

ہر کہ در سایۂ عنایتِ اوست — گنہش طاعت ست و دشمن دوست

یہاں سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ سیئات کا حسنات بن جانا تو قلبِ ماہیت ہے یہ کیونکر ممکن ہے۔ آگے اس کا جواب ارشاد ہے:۔

ایں زمیں از حلمِ حق دارد اثر — تا نجاست بُرد و گلہا داد بر

ترجمہ: یہ زمین بھی حلمِ حق کا نمونہ پیش کر رہی ہے چنانچہ وہ گندگی کو (کھاد کی صورت میں) لے لیتی ہے اور پھول (بطور) ثمرہ دیتی ہے۔

مطلب: حق تعالیٰ جو بندوں کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے تو یہ اس کا کمالِ حلم ہے اور اس کے حلم کی ایک ادنیٰ نظیر

زمین بھی پیش کرتی ہے جو گندگی کھا کر پھول اگلتی ہے اور تعفن کے ذخیرہ کو ہضم کر کے شمیم جانفزا کا ایک سامانِ عظیم مہیا کر دیتی ہے۔

تا بپوشد او پلید یہائے ما در عوض بر روید ازوے غنچہا

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ ہماری پلیدیوں کو چھپا لیتی ہے اور اس کے عوض میں اس سے غنچے اُگتے ہیں۔

پس چو کافر دید کو در داد و جود کمتر و بیمایہ تراز خاک بود

لغات: دید صیغہ ماضی مگر یہاں صیغہ مستقبل بمعنی خواہد دید مراد ہے۔ استحضارِ واقعہ کے لیے ماضی کا صیغہ اختیار کیا گیا۔

ترکیب: یہ شعر اور اگلا شعر شرط تیسرا شعر اس کی جزا۔

ترجمہ: پس (اس لحاظ سے) جب کافر دیکھے گا کہ وہ بخشش و کرم میں خاک سے بھی کم مرتبہ تہید ست تھا (اور)۔

از وجودِ او گل و میوہ نرست جز فسادِ جملہ پاکیہا نجُست

ترجمہ: اس کے وجود سے کوئی پھول پھل ظاہر نہیں ہوا اور سوائے تمام پاکیوں کو خراب کرنے کے اور کچھ تلاش نہیں کیا تو۔

گفت واپس رفتہ ام من در ذہاب حَسْرَتَا یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَاب

لغات: واپس رفتن رجعت قہقری، تنزل، اِدبار۔ ذہاب رفتار، چلنا، گام فرسا ہونا۔ دوسرے مصرعہ میں سورہ نباء کی اس آیت سے اقتباس وَیَقُوْلُ الْکَافِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا۔ یعنی کافر کہے گا۔ کاش کہ میں مٹی ہی ہوتا جس کی وجہ مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ کافر جب دیکھے گا کہ مٹی کو کوئی عذاب نہیں دیا جاتا تو اس کو مٹی ہونے میں امن نظر آئے گا۔

ترجمہ: یہ کہے گا افسوس! میں نے (رفتار ترقی کے بجائے) الٹی (تنزل کی) چال اختیار کر لی کاش کہ میں مٹی ہی ہوتا۔

مطلب: حلمِ حق کی نظیر میں مٹی کا ذکر کرنے کے بعد ایک اور مضمون کی طرف انتقال فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ کہ قیامت کے روز جو کافر مٹی ہونے کی آرزو کرے گا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ دیکھے گا کہ زمین ہی مجھ سے بہتر تھی، کہ وہ ایک ناقص چیز کو کامل کر دیتی تھی اور میں نے اس استعداد کو بھی جو بوجہ کمال میرے اندر تھی ناقص کر لیا تو اگر میں خاک ہی ہوتا تو اچھا تھا۔ مگر آیت مذکورہ کی صحیح تفسیر وہی ہے جو اوپر حوالہ قلم ہو چکی ہے۔ مولانا کا اس تقریر سے مقصود تبدیلِ تفسیر نہیں بلکہ صرف ایک توجیہ ہے جو قواعدِ شرعیہ کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ تسلیم ہے۔

کاش از خاکے سفر نگزیدمے ہمچو خاکے دانۂ مے چیدمے

ترجمہ: کاش میں خاکی ہستی سے انسانی ہستی کی طرف سفر اختیار نہ کرتا (کاش کہ) میں خاک (مزروعہ کی طرح دانہ (تخم) چن لینے پر اکتفا کرتا (اور پھل پھول اگاتا)۔

مطلب: سفر میں انتقال من مکان الی مکان ہوتا ہے اور انسان چونکہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اس لیے اس کا یہ انتقال من حال الی حال ہے اس لحاظ سے اس کو سفر سے تعبیر فرمایا ہے اس میں خاک ہونے کی آرزو اس لحاظ سے ہے کہ زمین پھل، پھول اگاتی ہے ایک شارح صاحب نے خاک سے مرغِ خاکی سمجھا ہے جو دانہ چنتا ہے یہ تسامح ہے۔ دراصل یہ اسی مضمون کی تائید ہے جس میں کہا تھا ''تا نجاست بُرد گلہا داد بر''

چوں سفر کردم مرا رہ آزمود زیں سفر کردن رہ آوردم چہ بود

لغات: راہ آورد تحفہ، سوغات۔

ترجمہ: جب میں نے سفر کیا تو راستے نے مجھے آزما لیا پس اس سفر کرنے سے مجھ کو کیا تحفہ ملا؟ (کچھ بھی نہیں)۔
مطلب: بزرگون کا قول ہے کہ سفر میں آدمی کی اصلی سیرت ظاہر ہو جاتی ہے اِس لیے فرماتے ہیں کہ کافر قیامت میں کہے گا کہ میرا سفر کا راستہ میری حالت سے آگاہ ہو گیا کہ میں بالکل خائب و خاسر رہا اور نتیجۂ سفر کچھ بھی نہ ملا۔ اب اس کے اس تمنا کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں :۔

زاں ہمہ میلش سُوے خاکست کو　　در سفر سودے نہ بیند پیش رُو

ترجمہ: اس کا پورا میلان خاک کی طرف اس لیے ہے کہ وہ (اس) سفر میں کوئی فائدہ (اپنے) سامنے نہیں پاتا۔

روئے واپس کردنش از حرص داز　　روے دررَہ کردنش صدق و نیاز

ترجمہ: اس کا واپسی کی طرف رخ کرنا حرص وطمع کی وجہ سے ہے (لیکن اگر وہ) راستے پر رخ سیدھا (رکھتا تو اس کا ایسا کرنا صدق و نیاز کی بنا پر ہوتا)۔
مطلب: چونکہ اس کو خاکی ہستی سے انسانی وجود میں ترقی کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوا اس لیے وہ رجعتِ قہقری کا متمنی ہے کہ شاید اس طرح ہی کچھ نفع حاصل ہو اور اس رجعت کی آرزو و حرص نفع کی بنا پر ہے نہ کہ صدق و نیاز کی بنا پر صدق و نیاز کا تقاضا یہ ہے کہ آگے چلے جو ہو سو ہو۔ پس، حرص و آز پستی اور تنزل کی طرف لے جانے والے ہیں اور صدق و نیاز عروج کے باعث ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کو عروجِ روحانی کرنا چاہیے جس کا منشا صدق و اخلاص ہیں۔ آگے پستی کی طرف جھکنے اور بلندی کی طرف مائل ہونے کے الگ الگ نتائج بیان فرماتے ہیں۔

ہر گیارا کِش بود میلِ عُلا　　در مزیدست و حیات و در نما

ترجمہ: دیکھو جس گھاس کو بلندی کی طرف میلان ہوتا ہے وہ ترقی میں ہے زندہ ہے اور نشو و نما پا رہا ہے۔

چونکہ گردانید سر سوئے زمین　　درکمی و خشکی و نقص و غبین

لغات: نقص کمی، نقصان۔ غبین خاسر، نقصان اٹھانے والا۔
ترکیب: پہلا مصرعہ شرط ہے دوسرا اجزا جو معطوف علیہ و معطوف پر مشتمل ہے بایں تقدیر کہ درکمی و خشکی اور ضرر میں مبتلا ہوا اور نقصان اٹھانے والا ہے۔
ترجمہ: جب اس نے (اپنا) سر زمین کی طرف پھیر لیا تو کمی اور خشکی اور ضرر میں مبتلا ہوا اور نقصان اٹھانے والا ہے۔

گلیے　تو　کزو　گرمی　نیابد　　کہن　گردد　کجا　گرمی　فزاید!
درختے　کز　جوانی　کوژ　بر　خاست　　چو خشک　و　پیر　گردد　کے　شود　راست

میلِ رُوحت چوں سوئے بالا بود　　در تزاید مُرجعت آنجا بود

لغات: تزاید ترقی، زیادتی۔ مرجع جائے رجوع، منتہائے سعی۔
ترجمہ: تیری روح کا میلان جب عالمِ بالا کی طرف ہو تو ترقی میں تیرا مرجع اسی جگہ ہوگا۔
مطلب: اگر تم عالمِ بالا سے تعلق رکھو تو روحانی ترقی کر جاؤ کہ ترقی کا مقام وہی ہے۔ صائبؒ۔

در پردہ نشستن برمانیست [illegible] ازیں پردہ نیلی بدر آئید

دلے براقِ عالم بالاست ہمت چوں بلند افتد　　نماند برزمیں ہرکس زمیں را مختصر گیرد

ورنگو نساری سرت سوئے زمیں　　آفلی حق لا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن

لغات: نگونسار الٹا، اوندھا آفلی تو آفل ہے، آفل بمعنی غروب شوندہ، چھپ جانے والا، ناپائیدار، فانی۔

ترکیب: ورنگونساری شرط اور سرت سوئے زمیں اس کی تفسیر ہے، آفلی جزا، حق اصل میں حقا تھا ضرورتِ شعری کے لیے تنوین ساقط ہوگئی۔

ترجمہ: اور اگر تم اوندھے ہو (یعنی) تمہارا سر زمین کی طرف ہے تو تم معرضِ فنا میں ہو اور سچ تو یہ ہے کہ میں فانی چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔

مطلب: اگر اس کافر کا میلان عالمِ بالا اور حق کی طرف ہوتا تو اسے یہ تمنا نہ ہوتی کہ کاش میں خاک ہو جاؤں بلکہ وہ قربِ حق کا طالب ہوتا، یہ تمنا دلیل اس کی ہے کہ اس کا میلان اور رجوع عالمِ بالا کی طرف ہرگز نہیں ہے یہاں تک تو بعض انتقالات کی تقریریں پوری ہوئی ہیں۔ آگے مولانا پھر اس مکالمہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں جو حضرتِ حق اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین ہو رہا تھا:۔

سوالِ موسیٰؑ از حق تعالیٰ در سرِ غلبۂ ظالماں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال حق تعالیٰ سے ظالموں کے غالب ہونے کے بھید کی بابت

گفت موسیٰؑ اے کریمِ کارساز　　ایکہ یکدم ذکرِ تو عمرِ دراز

ترجمہ: حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے کریم کارساز! اے (وہ ذات) جس کے ذکر کا ایک لحہ عمرِ دراز (کے برابر) ہے۔

نقشِ کژ مژ دیدم اندر آب و گل　　چوں ملائک اعتراضے کرد دل

لغات: نقش صورت، تصویر، مورت، کژ مژ۔ کج مج۔ ٹیڑھا۔ اینڈا بینڈا آب و گل عناصر۔

ترجمہ: میں نے عناصر کی کائنات میں بہت سی اینڈی بینڈی مورتیں دیکھی ہیں ملائکہ کی طرح میرا دل بھی آمادہ اعتراض ہوا۔

مطلب: فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا عنصری مجسمہ دیکھ کر اعتراض کیا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ یعنی کیا تو زمین میں اس مخلوق کو اپنا خلیفہ مقرر کرے گا جو اس میں فساد مچائے گی اور خونریزیاں کرے گی اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تجھے پاکی سے یاد کرتے ہیں (بقرہ ع ۴) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ فرشتوں کی طرح مجھے اس عنصری مخلوق میں اکثر کج نہاد لوگوں کے احوال دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ ان کے پیدا کئے جانے میں کیا مصلحت تھی۔ آگے اس اعتراض کی تقریر ہے:۔

کز چہ مقصودست نقشے ساختن　　وندراں تخمِ فساد انداختن

ترجمہ: کہ کس غرض سے ہے ایسا نقش بنانا اور اس میں فساد کا بیج بونا۔

آتشِ ظلم و فساد افروختن　　مسجد و سجدہ کناں را سوختن

ترجمہ: ظلم اور فساد کی آگ بھڑکانا اور مسجد اور سجدہ کرنے والوں کو پھونک ڈالنا۔

مایۂ خونابہ وزر دابہ را　　جوش دادن از برائے لابہ را

لغات: خونابہ خون۔ زرداب پیپ۔ لابہ کھیل، دل لگی۔

ترجمہ: خون اور پیپ کے ذخیرہ کو ایک کھیل کے لیے جوش میں لانا۔

مطلب: خون اور پیپ کے ذخیرے سے انسان کا مادۂ تخلیق مراد ہے جو پہلے پیپ کے ہم شکل منی کی صورت میں ہوتا ہے پھر منجمد خون یا علقہ کی شکل میں آتا ہے پھر اس کی خاص صورت بنتی ہے اوپر کے سلسلہ بیان کی ترتیب قائم کرنے کے لیے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ اوپر جو مولاناؒ نے فرمایا تھا بردلِ موسیٰ سخنہا رِیختند یعنی موسیٰ علیہ السلام کے دل پر بہت سے اسرار القا کئے یہاں ان اسرار میں سے ایک بھید کا ذکر ہو رہا ہے جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جناب باری تعالیٰ سے سوال جواب ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ الٰہی تو نے جو دنیا میں ظالموں کو غلبہ دیا ہے اور دوسرے لوگوں کو مغلوب کیا ہے اس میں تیرا کیا بھید ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ مصلحت ضرور ہے، مگر یہ تو اجمال ہے مجھے اطمینانِ قلب کے لیے تفصیل کی ضرورت ہے اور یہ بھی عرض کیا کہ میرا یہ سوال کوئی اعتراض نہیں بلکہ صرف استفادہ ہے جیسا کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اس کی مصلحت کے متعلق سوال کیا تھا وہ بھی محض استفادہ تھا، اس طرح میرا یہ سوال بھی صرف استفادہ کی غرض سے ہے۔

من یقین دانم کہ عینِ حکمت ست　　لیک مقصودم عیان ورویت ست

ترجمہ: یہ تو میں بالیقین جانتا ہوں کہ (ان ظالموں کی پیدائش) عین حکمت ہے لیکن میرا مقصود مشاہدہ اور دیکھنا ہے۔

مطلب: جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب باری سے سوال کیا تھا کہ "رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" اے میرے پروردگار مجھے یہ دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے" ادھر سے ارشاد ہوا "اَوَلَمْ تُؤْمِنْ" کیا تجھے اب تک یقین نہیں آیا۔ تو انہوں نے عرض کیا "بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ" یقین کیوں نہیں آیا بلکہ اس لیے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے" اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے اجمالاً تو وجودِ حکمت کا یقین ہے لیکن میری خواہش یہ ہے کہ اس کو تفصیلاً بھی معلوم کروں۔

آں یقیں میگویدم خاموش کُن　　حرصِ رویت گویدم نے جوش کُن

ترجمہ: وہ یقیں (تو) مجھے کہتا ہے کہ چپ رہ۔ اور مشاہدہ کی حرص کہتی ہے کہ نہیں خوب زور و شور (سے سوال) کر (بڑی کش مکش میں ہوں)۔

مر ملائک رانمودی سرِ خویش　　کاینچنیں نوشے ہمے ارزد بہ نیش

لغات: نوش شہد، نعمت، مرغوب چیز مراد خلافتِ الٰہی نیش ڈنک، نامرغوب و تکلیف دہ امر۔ مراد انسان اس لحاظ سے کہ فرشتوں کی نظر میں وہ مفسد و سفاک تھا۔

ترجمہ: تو نے فرشتوں پر بھی تو اپنا بھید نمایاں کر دیا تھا کہ (خلافتِ الٰہی کی) ایسی نعمت (فساد و سفاکی کا) ڈنک (مارنے والے یعنی انسان ہی) کے لائق ہے (اور کسی کے لائق نہیں)۔

عرضہ کردی نورِ آدم راعیاں　　برملائک گشت مشکلہا بیاں

ترجمہ: تو نے آدمؑ کے نور (علم) کو نمایاں طور سے پیش کر دیا (جس سے) فرشتوں پر مشکلیں حل ہو گئیں۔

مطلب: نورِ آدم سے علمِ آدم مراد ہے یعنی تو نے پہلے فرشتوں کو بھی اجمالاً یہ جواب دیا تھا کہ اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (میں اس بات کو خوب جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے) پھر اس اجمال کے بعد ان کو اصلی بھید کی تفصیل سے بھی آگاہ کر دیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور قابلیتِ خلافت ثابت کرنے کے لیے ان کا علم فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـئُوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ. اور آدم کو سب (چیزوں کے) نام بتا دیئے پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو ہم کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ بولے تو پاک (ذات) ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ تو ہی جاننے والا مصلحت کا پہچاننے والا ہے (تب خدا نے آدم کو) حکم دیا (خدا نے فرشتوں کی طرف مخاطب ہوکر) فرمایا کیوں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں اور جو کچھ تم (اب) ظاہر کرتے ہو (وہ) اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے (وہ) ہم کو (سب) معلوم ہے۔ (بقرہ ع ۴)

موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ جس طرح تو نے فرشتوں کو ایک عملی دلیل سے مطمئن کر دیا اسی طرح میری بھی تسلی فرما دے۔

اس سے آگے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ارشاد ہے جس میں بالفاظ ظاہر یہ درج نہیں کہ حق تعالیٰ نے یوں فرمایا مگر قرینہ سے اس کا جواب ہونا معلوم ہوتا ہے اس جواب کو مولانا مثالوں کے پیرایہ میں پیش فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شے میں کچھ مصالح ہوتے ہیں تو ہم جو اس شے کو پیدا کرتے ہیں تو ان مصالح کی بنا پر کرتے ہیں اور ضرر بھی اس کے تابع ہوتے ہیں مگر چونکہ یہ ضرر بھی سبب نفع کا ہوتا ہے اس لیے ہم اس شے کو پیدا کرتے ہیں مثلاً مرنے میں چونکہ یہ مصلحت ہے کہ قیامت کو ثواب ملے گا۔ اس لیے موت کی کلفت برداشت کی جاتی ہے وہکذا۔ پس اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چونکہ ظالموں کے غلبہ میں بھی ایک حکمت تھی وہ یہ کہ جب ظالم غالب ہوں گے تو ظلم کریں گے اور جب ظلم کریں گے تو مظلوموں کے درجات میں ترقی ہوگی، اس لیے ہم نے ان کو غالب کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

حشرِ تو گوید کہ سرِ مرگ چیست؟ میوہا گویند سرِ برگ چیست؟

ترجمہ: تمہارا حشر (خود) بتا دے گا کہ موت کا راز کیا ہے میوے بتا رہے ہیں کہ پتوں کا راز کیا ہے۔

مطلب: موت ایک تلخ و ناگوار چیز ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی ناگوار چیز کیوں پیدا کی گئی مگر قیامت کا دن بتا دے گا کہ موت تو دارِ آخرت کا ایک پل تھا جس سے گزر کر بہشتوں میں جانا اور قربِ حق پانا میسر ہو سکتا ہے۔ بقول فقیر دہلوی مرحوم۔

موت اک پُل ہے کہ جس سے عنقریب ہوتی ہے حاصل ملاقاتِ حبیب

موت نہ ہوتی تو نہ دارِ آخرت میں جا سکتے نہ نعمائے بہشت اور قرب سے متمتع ہو سکتے۔ اس طرح درخت کے پتے بظاہر ایک غیر مفید چیز ہیں مگر جب میٹھے مزیدار اور رسیلے میوے پیدا ہوکر ہمارے کام و دہان کو شیریں کرتے ہیں تو پھر پتوں کی قدر آتی ہے کہ وہ دراصل میووں کو گرمی و سردی سے بچانے کے لیے ان کا لباس اور ان کی تازگی قائم رکھنے کا سامان ہیں۔ غرض ہر چیز جو بظاہر مضر یا غیر نافع ہے۔ درحقیقت کسی نہ کسی نفع کی منتج ہوتی ہے اس پر ظالموں کے وجود کو قیاس کر لو۔ نظامیؒ

ہرچہ تو بینی ز سفید و سیاہ بربر کارے ست دریں کار گاہ
چغد کہ حشوست بافسانۂ در بلبل گنج ست بویرانۂ در

سرِ خون و نطفہ حسنِ آدمی ست سابقِ ہر بیشیِ آخر کمی ست

ترکیب: دوسرے مصرعہ میں سابق مضاف الیہ اور بیشی آخر مرکب توصیفی مضاف الیہ مل کر مبتدا ہوا کمی اس کی خبر۔

ترجمہ: (انسان کے مادۂ آفرینش یعنی) خون اور نطفہ کا راز آدمی کا حسن ہے ہر آخری زیادتی سے پہلے کمی (ہوتی) ہے۔

مطلب: دیکھو نطفہ ایک ناپاک شے ہے مگر اس میں شک نہیں کہ یہی نطفہ حسنِ انسانی کا سنگِ بنیاد ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جس چیز کا انجام بہتر ہو اس کے آغاز میں کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اور ہر زیادتی کا آغاز کمی سے ہوتا ہے۔ غنیؒ۔

تواں زشاخ تنزّلِ گل ترقی چید نفس بہ چو فروشد بلند میگر دد

لَوح را اوّل بشوید بے وقوف انگہے بروَے نویسد او حروف

لغات: لوح تختی۔ بے وقوف سے یہاں بے علم، نو آموز، مبتدی، ابجد خواں مراد ہے مگر محاورے میں بے وقوف سے احمق و جاہل مراد لیتے ہیں اور یہاں یہ معنی مقصود نہیں۔ ایک شارح صاحب نے یہ تکلف بھی اٹھا دیا اور بے وقوف کا ترجمہ بلا توقف کیا ہے یہ ترجمہ تو خوب ہے مگر اس میں خرابی یہ ہے کہ پھر بشوید کا فعل بلا فاعل رہ جاتا ہے اور ضمیر ''او'' بلا مرجع و ہذا لا یجوز۔

ترجمہ: ایک (مبتدی) بے علم پہلے تختی کو دھوڈالتا ہے پھر وہ اس پر حروف لکھتا ہے۔

مطلب: حروف کا مٹانا ایک نقصان نما فعل ہے مگر اس کے بغیر تازہ تحریر حروف بھی ممکن نہیں جو ایک فائدے کی بات ہے اور اس پر ترقی تحریر کا مدار ہے اس طرح ہر تعمیر سے پہلے تخریب لازم ہے۔ نظامیؒ۔

درخت انگہ بروں آرد بہارے کہ بشگافد سر ہر شاخسارے
جہاں تانشکند پشتِ دو تاے بکس ندہد یکے جو مومیاے

خوں کند دل راز اشکِ مستہاں بر نویسد بروے اسرار انگہاں

لغات: مستہاں خوار، ذلیل۔

ترکیب: خوں کند کی ضمیر بے وقوف کی طرف راجع ہے مگر یہاں اس سے علمِ معرفت کا مبتدی مراد ہے نہ کہ مدرسہ کا مبتدی۔

ترجمہ: پہلے وہ (طالبِ معرفت) اپنے دل کو عاجزانہ زاری سے خون کر لیتا ہے پھر اس پر اسرار (حق کے حروف) لکھتا ہے۔

مطلب: دل کو مہبطِ اسرار بنانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اسے مجاہدات سے خوب صاف کر لیا جائے۔ صائبؒ۔

از ریاضت دل اگر آئینہ پرواز شود چوں صدف مخزن چندیں گہر راز شود

وقتِ شستن لوح رابابد شناخت کہ مر آنرا دفتر سے خواہند ساخت

ترجمہ: تختی کو دھوئے جانے کے وقت پہچان لینا چاہیے کہ اس کو ایک دفتر بنایا جائے گا۔

مطلب: تخریب کے وقت تعمیر کے تصوّر سے قوی دل رہنا چاہیے تصفیۂ باطن کے لیے مجاہدات کی تکالیف اٹھاتے وقت اس کے ثمرات کی امید سے خوش دل رہو کہ کس قدر اسرارِ غیب اس پر منکشف ہوں گے۔ صائبؒ۔

غذاۓ نور توانی بہ [illegible] تن خود گر غذا توانی کرد

چوں اساسِ خانۂ نو افگنند اولیں بنیاد را بر میکنند

ترجمہ: جب نئے گھر کے بنیاد ڈالنے لگتے ہیں تو پہلی بنیاد کو کھود ڈالتے ہیں۔

گِل برآرند اول از قعرِ زمیں تا بآخر بر کشی ماءِ معیں

لغات: قعر گہرائی۔ ماء پانی معین جاری پانی صاف، خالص۔

ترجمہ: پہلے زمین کی گہرائی سے مٹی نکالتے ہیں تا کہ تم انجام میں (اس سے) پانی کھینچو۔

از حجامت کود کاں گریند زار کہ نمے دانند ایشاں سرِّ کار

ترجمہ: بچے پچھنے لگوانے سے بہت روتے ہیں کیونکہ وہ (اس) کام کے راز سے واقف نہیں (کہ یہ تکلیف حصولِ صحت کے لیے دی گئی ہے نہ کہ بنا بر عداوت)۔

مرد خود زر مید ہد حجّام را مینواز د نیشِ خوں آشام را

ترجمہ: (جو) شخص (بچے کا باپ ہے وہ) خود حجام کو روپیہ دیتا ہے (اور) خون پینے والے نشتر کو نوازتا ہے (تا کہ وہ اچھی طرح نیش لگائے)۔

مطلب: نشتر لگانے سے بچہ تو زار زار رو رہا ہے اور اس کے ماں باپ خوش ہو رہے ہیں اور حجام کو انعام دیتے ہیں۔ اسی مضمون کو مولانا دفتر اول میں بھی بدیں الفاظ فرما چکے ہیں کہ

طفل مے لرزد ز نیشِ احتجام مادرِ مشفق دراں غم شاد کام

اس تفاوتِ حال کی وجہ یہ ہے کہ بچے کو تو کچھ خبر نہیں کہ اس تکلیف کا انجام کس قدر خوشگوار ہوگا اس کی نظر تو صرف موجودہ تکلیف پر ہے ماں باپ جانتے ہیں کہ یہ جو راتوں کو بے چین رہتا ہے رات رات بھر نیند نہیں آتی یہ ساری خرابی اس پھوڑے کی ہے ایک نشتر کے لگنے سے اس کا سارا مواد نکل جائے گا اور تکلیف رفع ہو جائے گی ایک لحہ کی تکلیف سے رات دن کی تکلیف جاتی رہے گی اور بآرام و راحت ہنسنے کھیلنے لگے گا اس سے ظاہر ہے کہ ایک تکلیف راحت کا سبب ہوئی۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اصابُ۔

بید میگردو پس از خشکی برومند نبات از سرِ منصور دار آخر بساماں میرسد

ولہ

سر ازدر یچہ گوہر برآوردی فردا اگر چو رشتہ بسازی بہ پیچ و تاب انجا

عمر وخیام

با درد بساز تا دوائے یابی از درد منال تا شفائے یابی

مے باش بوقتِ بینوائی شاکر تا عاقبت الامر نوائے یابی

میدود حمّال زیں بارِ گراں مے رباید بار را از دیگراں

ترجمہ: (دیکھو) قلی (اپنے) اس بھاری بوجھ (کی خوشی) سے دوڑا جا رہا ہے (بلکہ) دوسروں سے (اور) بوجھ چھینتا ہے۔

مطلب: بوجھ اٹھانا کوئی خوش گوار کام نہیں خصوصاً دوسروں کا بوجھ اٹھانا تو کون پسند کرتا ہے۔ لا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی مگر قلی لوگ چونکہ بار برداری کی مشقت سے مزدوری وصول کرنے کی نعمت کے متوقع ہوتے ہیں اس لیے بطیب خاطر مشقت اختیار

کرتے ہیں بلکہ ایک قلی دوسرے قلی سے بوجھ چھیننے لگتا ہے اور جو مسافر اپنا بوجھ خود اٹھائے جا رہا ہو قلی اس سے بھی چھین لیتے ہیں۔ جامیؒ۔

نیفتد در جہاں کس را بلائے — کہ نایدزاں بلا بوئے عطائے
اسیرے کز بلا باشد ہراساں — کند بوئے عطا دشوارش آساں

جنگِ حمالاں برائے بار بیں — اینچنیں ست اجتہادِ کار بیں

ترجمہ: (مسافر کا) بوجھ (لینے) کے لیے قلیوں کی (آپس) میں چھینا جھپٹی ملاحظہ کرو، (حصولِ نفع کے لیے کسی) کام کی کوشش یوں (ہوتی) ہے۔

اختلاف: بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں ہے ''اینچنیں ست اجتہادِ کاروِیں'' اس صورت میں اجتہاد سے مطلق کوشش نہیں بلکہ مجتہدینِ اسلام کا عمل مراد ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح بار برداری حصولِ مزد کی توقع سے خوش گوار بن جاتی ہے اسی طرح اجتہاد کی سخت دماغی و قلبی مشقت نفعِ اخروی کے لحاظ سے پُرلطف ہو جاتی ہے مگر اس نسخے میں وہ لفظی و معنوی لطف قائم نہیں رہتا جو ہمارے اختیار کردہ نسخے میں ہے۔

چوں گرانیہا اساسِ راحت ست — تلخہا ہم پیشوائے نعمت ست

ترجمہ: جب گرانیاں راحت کی بنیاد ہیں تو تلخیاں بھی نعمت کا مقدمۃ الجیش ہیں۔

مطلب: جس طرح تکالیف راحت کا سبب ہوتی ہیں اسی طرح راحت بھی تکلیف کا سبب بن جاتی ہے جس کی چند مثالیں آگے آتی ہیں:۔

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِمَکْرُوھَاتِنَا — حُفَّتِ النِّیْرَانُ مِنْ شَھْوَاتِنَا

لغات: حفت گھری ہوئی ہے مکروہات تکالیف، ناگوار اور نیراں جمع نار مراد دوزخ۔

ترجمہ: بہشت ہماری تکالیف سے گھری ہوئی ہے (اور) دوزخ ہماری خواہشاتِ بد سے گھری ہوئی ہے۔

مطلب: صحیحین میں ایک متفق علیہ حدیث ہے۔ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَکَارِہِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّھْوَاتِ یہ شعر اسی حدیث پر مشتمل ہے اور وہی اس کا ترجمہ ہے مطلب یہ کہ جس نے دنیا میں مکروہات و مصائب پر صبر کیا اس کا انجام بہشت ہے اور جس نے یہاں شہوات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ صائبؒ۔

در ہرچہ برغیب نگری راہزنِ تست — بر ہر چہ کنی پشت ترا راہنمائیست

مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کو دوزخ کا سامانِ عذاب عین شہوات ہیں جو آگ سانپ بچھو وغیرہ کی شکلوں میں متشکل ہو جاتی ہیں اور جنت کی نعمتیں عین اعمال ہیں جو نفس کو ناگوار گزرتے ہیں اور وہ جنت کے اندر حور و قصور اور دیگر بہشتی لذتوں کی صورت میں جلوہ گر ہیں۔

تخمِ مایہ آتشت شاخِ تراست — سوختہ آتش قرینِ کوثر است

لغات: تخمِ مایہ سرمایہ، پونجی قرین قریب، ساتھی، مقرب کوثر بہشت کی ایک نہر کا نام ہے جس کا منبع بنام حوضِ کوثر بہشت سے باہر ہے۔ کذا فی المنتخب۔

ترجمہ: (دیکھو جس طرح) تمہاری [illegible] اسی طرح دوزخ کا ایندھن دنیا دار لوگ ہوں گے

اور آگ کا جلایا ہوا کوثر سے نزدیک ہے۔

مطلب: جو لکڑیاں ایک وقت ہری بھری اور سرسبز و شاداب ہوتی ہیں وہ آخر چولہے میں جلتی ہیں اور جو چولہے میں نیم سوختہ ہو جاتی ہیں روٹی پکا چکنے کے بعد ان پر پانی چھڑکا جاتا ہے اس طرح راحت کے بعد زحمت اور زحمت کے بعد راحت کا سلسلہ جاری ہے۔ صائبؒ۔

چوں گلِ رعنا خزاں راد وقفا دارد بہار ازورق گردانی بادِ خزاں غافل مباش

مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ شاخِ تر سے ارتکابِ شہواتِ نفسانیہ کا اثر مراد ہو نیز وہ خباثت مراد ہو جو شہوات سے پیدا ہوتی ہے یہی خباثت نفس کی زندگی کے لیے بمنزلہ شاخِ تر ہے کیونکہ جس طرح شاخِ تر سے درخت کی زندگی قائم رہتی ہے اسی طرح نفس کی زندگی اس خباثت سے ہے۔ الغرض جب تک یہ خباثت باقی رہے گی وہ دوزخ میں رہے گا اور جب آگ میں جل جانے سے یہ خباثت زائل ہو جائے گی تو دوزخ سے خارج ہو کر ایک نہر میں جو بمنزلہ کوثر ہے داخل ہوگا یہ نہر بہشت میں ہے اور اس کو نہر الحیات کہتے ہیں پھر بہشت میں داخل ہو جائے گا اور اس میں ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جو بخاری و مسلم میں مروی ہے اور جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔ **سیقول اللّٰہ شفعت الملئکۃ وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق الا ارحم الرحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منھا قوم لم یعملوا خیرا قط قد عادوا حمما فیلقیھم فی نھر فی افواہ الجنۃ یقال لہ نھر الحیوۃ۔** الخ یعنی پس اللہ فرمائے گا فرشتے شفاعت کر چکے نبیوں نے بھی شفاعت کی اور مومن لوگ بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری آتی ہے پس وہ آگ سے ایک مٹھی بھرے گا تو اس سے ایک جماعت کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ بحالیکہ وہ کالے کوئلے ہو چکے ہوں گے پھر ان لوگوں کو اس نہر میں ڈال دے گا جو دہانۂ جنت میں ہے اور جس کا نام نہر الحیات ہے۔ الخ

ہر کہ در زندان قرینِ محنتے ست آں جزائے لقمہا و شہوتے ست

ترجمہ: جو شخص قید خانہ کے اندر مشقت میں (مبتلا) ہے (اس کی) وہ (مشقت) لذیذ لقموں اور شہوت کی سزا ہے۔

مطلب: چور مال چرا کر گلچھرے اڑاتا ہے بدکار بدکاری سے حظِ نفس کے مزے لیتا ہے مگر اس لطف ولذت کا انجام مشقتِ قید ہے۔ ولنعم ما قیل۔

وَلَا تَقْرِبِ الْاَمْرَ الْحَرَامَ فَاِنَّہٗ حَلَاوَتُہٗ تَفْنِیْ وَیَبْقٰی مَرِیْرُھَا

حرام کام کے قریب بھی نہ جاؤ کیونکہ اس کی لذت تو ختم ہو جاتی ہے اور اس لذت کی تلخی باقی رہ جاتی ہے۔

ہر کہ در قصرے قرینِ دولتے ست آں جزائے کارزار و محنتے ست

ترجمہ: جو شخص ایک محل میں سلطنت سے ہمکنار ہے (اس کی) وہ (سلطنت) جنگ و محنت کا ثمرہ ہے۔

ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔

ہر کرا دیدی بزرّ و سیم فرد داں کہ اندر کسب کردن صبر کرد

ترجمہ: جس شخص کو تم سونے چاندی میں یکتا دیکھو تو یاد رکھو کہ اس نے کمانے میں (بڑی بڑی مشقتوں پر) صبر کیا ہے۔ صائبؒ۔

کند با گہر درمیاں دست آں کس کہ چوں رشتہ برخویش پیچیدہ باشد

یہاں تک حق تعالیٰ کے جواب کا [illegible] سے تعلق رکھتا ہے یعنی ظالموں کو غلبہ اس لیے دیا گیا

ہے کہ اس سے مظلوموں کے درجات کی ترقی متصور ہے یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اسباب جو بیان ہوئے ہیں سب توحید کے خلاف ہیں جس شخص پر توحید کا غلبہ ہوگا اس کو ان اسباب سے کیا تعلق ہے اس کی نظر تو حق تعالیٰ کی ذاتِ بحت پر ہوگی۔ آگے اسی کے متعلق بطورِ دفع دخل مقدر فرماتے ہیں کہ ترک اسباب تمہارا منصب نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کا منصب ہے جو مرتبہ فنا پر فائز ہو چکا ہو اور مرضیِ حق کو اپنی مرضی پر مقدم رکھتا ہو لہٰذا تم کو اختیارِ اسباب لازم ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

آنکہ بیروں از طبائع جانِ اوست منصبِ خرقِ سببہا آنِ اوست

لغات: طبائع طبیعتیں، طبعی امور، طبیعت حیوانی و انسانی کے مقتضیات۔ خرق چاک کر ڈالنا۔ خرقِ سببہا۔ اسباب کو توڑ مروڑ دینا یعنی بلا اختیار اسباب کام کرنا۔ آن ملک، حصہ۔

ترجمہ: جس شخص کی روح مقتضیاتِ طبع سے بے نیاز ہے اسباب (ظاہر) کو ترک کر دینا اس کا منصب ہے۔

مطلب: جو شخص خواہشاتِ نفسانیہ وطبیعاتِ انسانیہ سے علیحدہ ہو کر ذاتِ حق میں فنا ہو چکا ہو اس کو ترکِ اسباب جائز ہے تم ابھی خام ہو اور اس رتبہ پر فائز نہیں ہوئے۔ اس لیے تمہارے لیے یہ جائز نہیں۔ صائبؒ۔

نیست از دنیا بریدن کارِ ہر بےجوہرے دستِ دیگر خواہد ایں شمشیر و بازوئے دگر

بے سبب بیند چو دیدہ شد گزار تو کہ در حسّی سبب را گوشدار

ترجمہ: آنکھ جب (دائرۂ اسباب سے آگے) گزر جانے والی ہوئی ہے تو بلا (تعلق) اسباب دیکھنے لگتی ہے (مگر) تم تو (دائرہ) حس میں (مقید) ہو (اس لیے) سبب پر متوجہ رہو۔

مطلب: جس شخص کی نظر عالمِ اسباب سے گزر کر حق تعالیٰ تک پہنچ گئی ہو وہی ترکِ اسباب کا مجاز ہے تم تو اسباب میں مقید ہو اس لیے اسباب کو خصوصاً امورِ شرعیہ میں ہرگز ترک نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

بے سبب بیند نہ از آب و گیا چشمہ چشمہ معجزاتِ انبیا

ترجمہ: وہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے چشموں کے چشمے اسباب کے بغیر دیکھتا ہے نہ کہ پانی اور گھاس سے۔

مطلب: پانی اور گھاس کا ذکر چشمے کی مناسبت سے آمدِ معجزات سے چشمہ معجزات کا مقام مراد ہے اور آب و گیاہ کنایہ ہے وسائط سے مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ اصل بیت یہ ہے کہ جو شخص طبائع کے دائرہ سے نکل کر تجردِ تام حاصل کر چکا ہے وہ ورودِ معجزات کے مقام کو کسی دلیل وشاہد کے توسط کے بغیر دیکھتا ہے اگرچہ ورودِ معجزات کی وجہ اور کیفیت اس کے مشاہدہ میں نہیں آسکتی صرف ایمان رکھتا ہوتا ہے معجزات میں نظر کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ بات شیخ اکبرؒ کے اس قول کے منافی نہیں کہ معجزات کے اپنے موطن سے اُن کی کیفیت اور جہت کسی کے ادراک میں نہیں آسکتی کیونکہ معجزات کا آنا انبیاء کی ہمت کے بغیر وقوع پاتا ہے اور اگر اس کا مدار ان کی ہمت پر ہوتا اور اس کی کیفیت مشاہدہ میں آسکتی تو ولی بھی اس پر قادر ہوتا (انتہیٰ)

صاحب کلید سلمہ نے اس شعر کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا ہے وہ شخص بلا سبب بکثرت و بے حد اشیا کا اسی طرح مشاہدہ کرتا ہے جس طرح معجزاتِ انبیاء کا بدوں سبب کے مشاہدہ کیا جاتا ہے تم ایسا نہیں کر سکتے پھر اس پر یہ حاشیہ اضافہ کیا ہے۔ یاد رکھو یہاں معجزاتِ انبیا سے معنیِ حقیقی مراد نہیں بلکہ مطلق اشیا مراد ہیں اور معجزات کو ان کے لیے استعارہ کیا گیا ہے اور وجہ شبہ ہر دو کا بلا سبب کے مشاہد ہونا ہے ورنہ تخصیصِ معجزات کی بالخصوص جب کہ ان کا مشاہدہ بلا سببِ ظاہری عوام و خواص سب میں مشترک ہے غیر موجّہ ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (انتہیٰ)

ایں سبب ہمچوں طبیب ست و علیل　　ایں سبب ہمچوں چراغ ست و فتیل

لغات: علیل بیمار۔ فتیل چراغ کی بتی۔

ترجمہ: یہ سبب ایسا ہے جیسے طبیب اور بیمار۔ یہ سبب ایسا ہے جیسے چراغ اور بتی۔

مطلب: پابندِ اسباب کی مثال بیمار کی سی ہے اور سبب اس کا طبیب ہے جو اس کو مرضِ احتیاج سے شفا دلاتا ہے اور جو شخص سبب کا پابند نہیں، وہ گویا تندرست ہے جس کو نہ طبیب کی ضرورت ہے نہ اس کے علاج کی اِس طرح پابندِ اسباب گویا چراغ ہے اور سبب اس کی بتی جس کے بغیر وہ روشن نہیں ہوسکتا اور جو شخص پابندیِ اسباب سے بے نیاز ہے وہ گویا آفتاب ہے جو تیل بتی کے بغیر تاباں و درخشاں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

شب چراغت را فتیلے نوبتاب　　پاک داں ز۔نہا چراغِ آفتاب

ترجمہ: رات کو اپنے چراغ کے لیے نئی بتی بٹ لو (اور) آفتاب کے چراغ کو ان (چیزوں) سے بے نیاز سمجھو۔

مطلب: اسباب کی مثال چراغ کے تیل اور بتی کی سی ہے جب تک چراغ کے لیے تیل بتی مہیا نہ ہو وہ روشن نہیں ہوسکتا بلکہ گل ہو جاتا ہے اس طرح کسی پابندِ اسباب کا کام اسباب کے بغیر سرانجام نہیں پاسکتا مگر حضرات کاملین مثلِ آفتاب ہیں کہ ان کو اسباب کی ضرورت نہیں جس طرح آفتاب کو تیل بتی کی احتیاج نہیں وہ خود بخود روشن و پرتو افگن ہے یہی حال حضرات کاملین کا ہے۔ صائبؒ۔

در نہِ تو دہ خاکستر ہستی چوں برق　　گرم روشنگرِ آئینۂ جانان خود اند

رَوتو کہگل ساز بہرِ سقفِ جاں　　سقفِ گردوں را ز کہگل پاک داں

ترجمہ: جاؤ اپنی جاں کی چھت کے لیے گارا تیار کرو آسمان کی چھت کو گارے (کی ضرورت) سے پاک سمجھو۔

مطلب: تم پابندِ اسباب ہو اس لیے تہیۂ اسباب میں لگے رہو لیکن فلک کی سی رفعت والے بزرگ ان کے محتاج نہیں۔ آگے بطور تحدیثِ نعمت فرماتے ہیں:۔

وہ کہ چوں دلدارِ ما غم سوز شد　　خلوتِ شب درگذشت و روز شد

لغات: وہ کلمہ تحسین خوب، واہ واخلوت تنہائی خاء معجمہ کے فتحہ سے ہے کسرہ غلط مشہور ہے۔

ترجمہ: واہ واہ! جب ہمارا محبوب غم کو دُور کرنے لگا تو شب (غم) کی (وحشت خیز) تنہائی کٹ گئی اور (نور افشاں) دن چڑھ گیا۔

مطلب: محبوبِ حقیقی کی توجہ و عنایت سے ہماری صفاتِ بشریہ ذمیمہ دُور ہوگئیں اور اس کی تجلی سے ہمارے باطن بھی منور ہو گئے۔

جامیؒ۔

آفتاب ست درخشندہ کہ از طلعتِ او　　رفت بر چرغِ بریں کو کبۂ دولتِ ما

جز بشب جلوہ نباشد ماہ را　　جز بد ردِ دل مجو دل خواہ را

ترجمہ: (اور کیوں نہ ہو) چاند کا جلوہ رات ہی کو ہوتا ہے دلدار کی تلاش دردِ دل کے بغیر نہیں کی جاتی۔

مطلب: جب ہمارے باطن رذائل کی سیاہی سے تاریک تھے جبھی تو وہ نور اور تجلی ہمارے حال پر متوجہ ہوئی چنانچہ

چاند رات ہی کو طلوع کرتا ہے اگر تم بھی اس دلدار کے مشاہدۂ جمال سے متمتع ہونے کی آرزو رکھتے ہو تو دردِ دل پیدا کرو اس کے بدوں طلبِ حق سبحانہٗ کا نام بھی نہ لینا چاہیے ورنہ وہ سعیِ لاحاصل ہوگی مگر افسوس تم اس راہ پر ہی نہیں آتے بلکہ اس کے خلاف چل رہے ہو چنانچہ :۔

ترکِ عیسیٰ کردہ خر پروردۂ لا جرم چوں خر برونِ پردۂ

لغات: عیسیٰ سے مراد رُوح خر سے مراد نفس اس میں خرِ عیسیٰ کے مشہور محاورہ کی رعایت پُرلطف ہے۔ پردہ خیمۂ شاہی۔

ترجمہ: تم نے عیسیٰ (روح) کو چھوڑ کر خر (نفس) کو پالنا شروع کر دیا اسی لیے تو گدھے کی طرح (تقربِ حق کے) شاہی خیمے سے باہر (کر دیئے گئے) ہو۔

مطلب: تم نے جو روح کے مقتضیات کو دبا رکھا ہے اور نفسِ شریر کی خواہشات پوری کرنے میں سرگرم رہتے ہو اس لیے تم تجلیاتِ حق سے محروم ہو۔ صائبؒ۔

بدستِ نفس مدہ اختیارِ دل زنہار کہ زنگی آئینۂ خویش تار مے خواہد

طالعِ عیسیٰ ست علم و معرفت طالعِ خر نیست اے تو خرصفت

ترجمہ: علم و معرفت (تو) عیسیٰ (روح) کا حصہ ہے اے گدھے یہ خر (نفس کا) حصہ نہیں (ہوسکتا)۔

مطلب: اگر علم و معرفت کا شوق ہے تو روح کو ترقی دو اور نفس کو مغلوب کرو۔

نالۂ خر بشنوی رحم آیدت پس ندانی خرخری فرمایدت

ترجمہ: تم خر (نفس) کا رونا سنتے ہو تو تمہیں ترس آجاتا ہے (اور اس کی خواہش پوری کر دیتے ہو) پھر (یہ) نہیں جانتے کہ گدھا تو تمہیں گدھے پن پر ہی آمادہ کرے گا۔

مطلب: جہاں نفس نے ذرا بے چینی ظاہر کی تو تم کو اس سے ہمدردی ہو جاتی ہے اور اس کی خواہش پوری کر دیتے ہو اور یہ خبر نہیں کہ یہ کمبخت تم کو خدا سے دور لے جاتا ہے لہٰذا نفس کی مخالفت کو اپنا فرض سمجھو کہ یہ سررشتۂ نجات ہے۔ صائبؒ۔

خلافِ نفس کلید در بہشت بود بہرچہ نفس تولاّ کند تبرا کن

رحم بر عیسیٰ کن و بر خر مکن طبع را بر عقل خود سرور مکن

ترجمہ: (اپنے) عیسیٰ (روح) پر رحم کرو۔ خر (نفس) پر نہ کرو، طبیعت کو اپنی عقل پر سردار نہ بناؤ۔

مطلب: عقل کا تعلق روح سے اور طبیعت کا نفس سے ہے روح کی ترقی عقل کی ترقی کو مستلزم ہے اور نفس کی فربہی طبیعت کے اتباع سے ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ اگر عقل کو غالب اور بر وئے کار رکھنا چاہتے ہو تو روح کی پرداخت لازم سمجھو ورنہ اگر روح کمزور ہوگئی تو عقل طبیعت کے آگے مغلوب ہو جائے گی۔ جامیؒ۔

آں خرد مند کہ برقاعدۂ طبع رود ہمہ آداب وے افتد زرہِ صدق و صواب

لیک بخرد کہ بدستور خرد کارکند شود از حسنِ کیاست ادب آموز دواب

طبع راہل تا بگرید زار زار تواز دلبستان و وامِ جاں گزار

لغات: ہل ہلیدن۔ چھوڑنا سے وام قرض۔

ترجمہ: طبیعت کو چھوڑ دو تاکہ وہ زار زار روئے تم اس سے (اختیارات) لے لو اور (یہ) روح کا قرض (ہے اس) کو ادا کر دو۔

سالہا خربندہ بودی بس بود　　زانکہ خر بندہ زخر واپس بود

ترجمہ: تم نے برسوں گدھے کی خدمت کی ہے بس (کرو یہی) کافی ہے کیونکہ گدھے کا خادم تو گدھے سے بھی پیچھے رہتا ہے۔

مطلب: سالہا سال تک تم نے نفس کے مقتضیات پر عمل کیا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے پھرتے رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ جس طرح گدھے والا گدھے کے پیچھے چلتا ہے اور منزل مقصود پر کسی نہ کسی قدر اس سے پیچھے پہنچتا ہے اسی طرح اگر تم نفس کے اتباع پر کمربستہ رہے تو یقیناً نفس سے پیچھے رہو گے اور نفس جیسی ذلیل شے بھی منزل پر پہنچنے میں تم سے سبقت لے جائے گی۔ آگے ایک حدیث کے مضمون سے مثال دیتے ہیں:۔

اَخِّرُوْ ھُنَّ مرادش نفسِ تست　　کو بآخر باید و عقلت نخست

ترجمہ: حدیث اَخِّرُو ھُن (یعنی عورتوں کو پیچھے رکھو) سے مراد تمہارا نفس ہے جس کو پیچھے رکھنا چاہیے اور اپنی عقل کو آگے۔

مطلب: مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اخروھنّ من حیث اخّرھُنّ اللہ یعنی النساء یعنی ان کو پیچھے رکھو جس طرح ان کو اللہ نے پیچھے رکھا ہے اور ان سے آپ کی مراد عورتیں ہیں (تمیز الطیب) مطلب یہ کہ اس حدیث کے عموم میں تمہارا نفس بھی داخل ہے اس لیے کہ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ مقتضیاتِ نفس پر عمل کرنے کے لیے پہلے عقل کی ضرورت ہوتی ہے پھر نفس کے مقتضا پر عمل ہوتا ہے۔ لہٰذا جیسے کہ یاں نفس موخر ہے اس طرح اس کو تم بھی موخر ہی رکھو۔

ہم مزاجِ خر شدت ایں عقلِ پست　　فکرش اینکہ چوں علف آرد بدست

لغات: ہم مزاج مزاج میں برابر علف گھاس۔ چارہ

ترجمہ: تیری اس عقلِ پست کا مزاج خر (نفس) کے مزاج کا سا ہو گیا چنانچہ اس کو یہی خیال رہتا ہے کہ گھاس چارہ کیونکر ہاتھ آئے۔

مطلب: گدھے کو ہر وقت چرنے چگنے کی دھن رہتی ہے اسی طرح نفس کو ہر وقت شہوانی خیالات اور شیطانی لذات کی طرف توجہ رہتی ہے نفس کے غلبہ سے عقل کا بھی یہی حال ہے کہ نفس کی خواہشات پوری کرنے کے لیے تدابیر کرتی رہتی ہے کیونکہ مغلوب ہمیشہ غالب کے زیرِ اثر اور اس کا تابع ہوتا ہے۔ پس عقل جس کا مقتضا کسب علوم و معارف تھا اب کسب دنیا میں منہمک ہو گئی۔ نفس کو عقل پر غالب کرنے کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ عقل بھی نفسانی کام کرنے لگی آگے عقل کو نفس پر غالب کرنے کا اثر بیان فرماتے ہیں۔

آں خرِ عیسیٰ مزاجِ دل گرفت　　در مقامِ عاقلاں منزل گرفت

ترجمہ: (بخلاف اس کے) حضرت عیسیٰؑ کے اس گدھے نے دل کا مزاج اختیار کر لیا تو عقلمندوں کے مقام میں جگہ پائی۔

مطلب: خرِعیسیٰ سے یا تو بمعنی حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا مراد ہے جو ان کی سواری کی برکت سے عام گدھوں کی صفات سے برتر ہو گیا تھا اور بزرگوں سے یہ بعید نہیں کہ ان کی برکتِ صحبت سے گدھے کتے وغیرہ ادنیٰ حیوانات بھی انسان کے ہم نشین بن جائیں۔ سعدیؒ۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند　　پئے نیکاں گرفت مردم شد

یا یہ استعارہ ہے نفس مطمئنہ کے لیے کما قال بحر العلوم یعنی نفس مطمئنہ دل کا مزاج اختیار کر کے اہلِ خرد کا ہم رتبہ ہو گیا۔

بخلاف اس کے نفسِ امارہ گمراہ کا گمراہ رہا۔ بہر کیف جب نفس عقل کا ہمرنگ ہو جاتا ہے تو مقتضیاتِ روح پر عمل کرنے لگتا ہے اور روح کی طرح منور و عاقل ہو جاتا ہے۔ جامیؒ۔

بلے میوہ زمیوہ رنگ گیرد زخوباں خوبرد خوبی پذیرد

زانکہ غالب عقل بودو خرضعیف از سوارِ زفت گردد خرنحیف

لغات: زفت موٹا فربہ طاقتور۔ نحیف کمزور، لاغر، مغلوب، بے بس۔

ترجمہ: کیونکہ غلبہ عقل کو حاصل تھا اور خر (نفس) ضعیف تھا تو طاقتور سوار کے آگے گدھا بے بس ہو ہی جاتا ہے۔

مطلب: نفس میں عقل کا اثر اس لیے آ گیا کہ عقل کو غلبہ حاصل تھا چنانچہ سوار اگر قوی و غالب ہوتا ہے تو سواری کے جانور کو بالکل اس کے قابو میں رہ کر چلنا پڑتا ہے۔ جامیؒ۔

زگوراں سرافراز گورے بود کہ با فحلیش دست زورے بود

در ضعیفی عقلِ تو اے خربہا ایں خرِ پژ مردہ گشت ست اژدہا

لغات: ضعیفی عقل عقل کی کمزوری اس میں فکِ اضافت ہے۔ خربہا گدھے کے برابر۔

ترجمہ: اے وہ شخص جو گدھے کے برابر ہے تیری عقل کی کمزوری میں یہ مریل خر (نفس) ایک مہیب و خونخوار اژدہا بن گیا ہے۔

مطلب: عقل کی کمزوری میں نفس کو قوی ہونے کا موقع مل گیا تم کو لازم ہے کہ نفس کو قوی ہونے کا موقع نہ دو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ سعدیؒ۔

بنازو طرب نفس پرور دہ گیر چنیں دشمنے را قوی کردہ گیر

تو دشمن چنیں نازنیں پروری ندانی کہ ناچار زخمش خوری

یہاں تک مجاہدہ سے نفس کو مغلوب اور عقل کو غالب کرنے کی ترغیب تھی لیکن چونکہ یہ بات شیخ کی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ وہی رہبر ہے اور شیخ بعض مرتبہ ایسا حکم دیتا ہے جو مرید کو طبعاً ناگوار ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ طبعاً رنجیدہ ہوتا ہے اس لیے اس کو تعلیم فرماتے ہیں کہ جب تم کو شیخ سے فائدہ پہنچ رہا ہے اور آئندہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے تو پھر اس کو کیوں چھوڑتے ہو ہرگز اس کی صحبت سے کنارہ کشی نہ کرو۔

گرز عیسےٰ گشتۂ رنجور دِل ہم ازو صحت رسد اورا مہل

ترجمہ: اگر تم (اپنے) عیسےٰ (مرشد) سے رنجیدہ ہو گئے ہو تو (یاد رکھو کہ) صحتِ (قلب) بھی اسی سے حاصل ہوتی ہے (لہٰذا اس کو نہ چھوڑو) کما قیل۔

مکسل یک نفس از صحبتِ عیسےٰ نفساں نقد انفاس عزیز ست غنیمت دارش

اب آگے خود شیخ سے مرید کے لیے سفارش فرماتے ہیں کہ حضرت ذرا آپ کو بھی اتنی سختی نہ کرنی چاہیے۔

اے مسیحِ خوش نفس چونی زرنج کہ نبود اندر جہاں بے رنج گنج

ترجمہ: اے مسیحِ پاک نفس! آپ کے مزاج رنج کی وجہ سے کیسے ہیں؟ (رنج پر آپ کو بھی تحمل کرنا چاہیے) کیونکہ جہان میں (کوئی) خزانہ تکلیف (اٹھائے) بغیر (میسر) نہیں ہوتا۔

کما قیل ع تا بردہ رنج گنج میسر نمے شود

مطلب: اب شیخ سے خطاب فرما کر ان کی مزاج پرسی کرتے ہیں کہ حضرت آپ کو بے شک مریدوں سے بہت رنج پہنچتا ہے مگر آپ کو تحمل و بردباری سے کام لینا چاہیے کہ تحمل کے بغیر درجات کا خزانہ نہیں ملتا۔ تحمل و بردباری شیوۂ پیغمبری ہے۔

جامیؒ۔

گر سفیہے بحکم نفس و ہوا نہ بوفقِ خرد کند کارے

بر تو نفس و ہوا چو غالب نیست جز براہِ خرد مرد بارے

چونی اے عیسیٰ ز دیدارِ یہود چونی اے یوسف زاخوانِ حسُود

لغات: یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت جن کی ہدایت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبوث ہوئے تھے اور انہوں نے آپ کی تکذیب کے ساتھ سخت گستاخیاں کیں بلکہ آپ کے قتل کے درپے ہو گئے اور اپنی دانست میں آپ کو دار پر چڑھا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح وسلامت رکھا۔ حسود۔ حاسد، اخوانِ حسود حاسد بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائی ان کے حق میں حسد کرتے تھے حتیٰ کہ از راہِ عداوت ان کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا جس کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ترجمہ: اے عیسیٰ (نفسِ شیخ) یہود (صفت مریدوں) کے دیکھنے سے آپ کے مزاج کیسے ہیں؟ اے یوسف کی طرح جمالِ معنی سے متصف بزرگ ان برادرانِ یوسف (کے سے بے وفا مریدوں کی بدسلوکی) سے آپ کا کیا حال ہے؟

شیخ کامل اور مرید با اخلاص میں بھی شکر رنجی کا امکان

مطلب: مریدوں کی بدسلوکی پر شیخ کی دل جوئی کرتے ہیں یہاں ایک خاص بات قابلِ توجہ ہے یعنی شیخ و مرید کا معاملہ خاص خدائی معاملہ ہے جس کو نفس اور مقتضیاتِ نفس سے کوئی تعلق نہیں اور اس میں رنج و کدورت، عناد و خصومت اور بغض و حسد کا کچھ بھی دخل نہیں تاہم دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات ایک شیخ کامل اور اس کے مریدِ با اخلاص میں شکر رنجی ہو جاتی ہے اسی امکان کی بنا پر مولانا شیخ و مرید کی باہمی ناچاقی کا نقشہ یہاں کھینچ رہے ہیں اور بطریقِ مناسب دونوں کو فہمائش کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شیوخ کاملین بھی معصوم عن الخطا نہیں ہیں بلکہ کمالاتِ باطن کے باوجود بتقاضائے بشریت ان کا تنک مزاج و زود رنج ہونا ممکن ہے۔ علاوہ اس کے شیطان جو بندے کا دشمن ہے وہ ہر وقت اس گھات میں ہے کہ بندے کو نقصان پہنچائے۔ خصوصاً شیخ و مرید کے معاملے کو مکدر و ناخوشگوار کرنا تو اس کا مقصدِ اولیں ہے جو اس غرض پر مبنی ہے کہ بندے کو قربِ حق حاصل ہو اور شیطان درگاہِ حق سے راندہ ہو چکا ہے۔ پس شیطان کو اس کا قدیمی حسد جو وہ بنی آدم کے ساتھ رکھتا ہے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ بندے کو بہکا کر کسی طرح قربِ حق سے محروم کر دے۔ اس لیے وہ شیخ و مرید میں نفاق ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور جب شیخ معصوم عن الخطا نہیں ہے اور کسی نہ کسی حد تک شیطان کا داؤ اس پر بھی چل جانا ممکن ہے تو شیطان مرید کو بطریقِ اولیٰ بہکا سکتا ہے جو ابھی درجۂ کمال کو نہیں پہنچا اور مکایدِ شیطانیہ کو بخوبی محسوس نہیں کر سکتا۔ پس جب کہیں کسی شیخ اور اس کے مرید میں ان بن ہو جائے تو یہ واقعہ شیخ کے ناقص یا مرید کے شقی ہونے کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ شیخ کے باکمال اور مرید کے سعید و رشید ہونے کے باوجود بھی ایسا واقعہ ہو جانا ممکن ہے اور اس کو محض ایک خطا کہا جا سکتا ہے جس کا وقوع بتقاضائے بشریت ہو جاتا ہے ایسے وقائع عوام صوفیہ میں نہیں بلکہ اکابر طریقت کے حالات میں پائے جاتے ہیں ہاں اگر اس قسم کی شکر رنجی اور بد اعتقادی طول پکڑ جائے تو وہ مرید کے حرمان و شقاوت کی باعث ہو جاتی ہے اگر شیخ کامل و مکمل اور اخلاقِ پیغمبری سے بہرہ مند ہو تو ایسے حالات میں وہ خود از راہِ شفقت و مروت اصلاحِ ذات البین کی کوشش کر کے مرید کو اس مصیبت

سے بچالیتا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے مرید کو اپنے کمال کا زعم ہو گیا تو وہ آپ سے تعلق منقطع کر کے گوشہ گیر ہو گیا اور ہر شب اپنے معراج کی سی کیفیت دیکھتا سید الطائفہ کو اس کی گمراہی کا حال سن کر اس کا خیال ہوا خود اس کے خلوتکدہ پر تشریف لے گئے اور اس کے معراج و براق اور سیر بہشت کا حال سن کر فرمایا۔ اس کے بعد جب کبھی یہ کیفیت دیکھو تو ایک بار لاحول پڑھ دینا۔ مرید نے ایسا ہی کیا تو تمام شیطانی طلسم ٹوٹ گیا اور وہ اپنی گمراہی سے نادم ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوبارہ بیعت سے مشرف ہوا۔

اسی طرح آپ کا ایک اور مرید آپ سے برگشتہ ہو کر خانقاہ سے نکل گیا ایک روز آپ نے اس کو بازار میں جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے ہو لیے مرید کترا کر ایک کوچہ میں داخل ہوا مگر سید الطائفہ نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب وہ کوچہ کے سرے پر پہنچا جہاں آگے راستہ نہیں جاتا تو ندامت سے روبدیوار کھڑا ہو کر کہنے لگا حضرت آپ میرے پیچھے کیوں تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تاکہ مرید کو کمالات کے ایسے مقام پر پہنچا دیں جہاں کوئی دیوار اس کے آگے حائل نہ ہو سکے۔

اسی طرح مولانا شیخ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ آپ کو تحمل و بردباری سے کام لینا اور مریدوں کو اپنے فیض سے مستفید ہونے کا موقع دیتے رہنا چاہیے۔ صائبؒ۔

در بزرگاں ہیچ عیبے نیست چوں نقصانِ حلم　　سنگ کم میزان دولت را سبکسر میکند

تو شب و روز از پئے ایں قوم غمر　　چوں شب و روزی بدو بخشائی عمر

لغات: غمر بغین معجمہ نادان، سرکش۔ شب و روزی اور بخشائی کے آخر میں یائے خطاب ہے۔

ترجمہ: تم رات دن ان بے وقوف لوگوں کے پیچھے رات اور دن کی طرح (متعاقب) ہو ان کو (سعادت مندی کی) عمر بخشتے ہو۔

مطلب: جس طرح روز و شب کا تعاقب انسان و حیوان بلکہ نباتات تک کو جسمانی عمر بخشتا ہے اگر صرف رات رہتی تو ان کے اجسام میں بالیدگی نہ آتی اور اگر دن ہی رہتا تو ان میں تازگی پیدا نہ ہوتی۔ یہی طرح شیوخ کاملین کے فیوض مریدوں کو روحانی حیات بخشتے ہیں۔ جامیؒ۔

فیضے کہ بدل مے رسد از سدرہ و طوبی　　در سایۂ سرو قد دلجوئے تو یا بم

چونی از صفرائیانِ بے ہنر　　چہ ہنر زاید زصفرا؟ دردِ سر

لغات: صفرائی صفراوی المزاج، جس کے مزاج میں صفرا کا غلبہ ہو ایسے مزاج والا انسان نہ تندرست رہتا ہے اور نہ کسی چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھتا ہے بلکہ اس کو ہر چیز زرد دکھائی دیتی ہے، بے ادب و ناقص العقیدہ مرید کو صفراوی المزاج سے تشبیہ دی ہے جو نہ خود صحیح العقائد ہوتا ہے اور نہ پیر کے کمالات کو ان کے اصلی رنگ میں دیکھتا ہے۔

ترجمہ: ان صفراوی المزاج (یعنی بدعقیدہ و کج نظر) بے ہنر لوگوں کی وجہ سے آپ کا مزاج کیسا ہے؟ (سخت برہم و مکدر اور کیوں نہ ہو) صفرا کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ دردِ سر۔

مطلب: ان متبعینِ نفس سے آپ کو جو ایذا پہنچتی ہے اس میں کلام نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ متبعینِ نفس سے بجز تکلیف کے اور کس سلوک کی امید ہو سکتی ہے لیکن آپ درگزر فرمائیے اور ان کی اصلاح و بہبود فرماتے رہیے۔

تو ہماں کن کہ کند خورشیدِ شرق   بانفاق وحیلہ و دزدی وزرق

لغات: شرق مشرق۔ خورشیدِ شرق سے درخشاں مراد ہے کیونکہ وہ مشرق سے طلوع کرتا ہے اور بوقتِ طلوع خوب تاباں ودرخشاں ہوتا ہے۔ بانفاق میں با بمعنی باوجود ہے۔ زرق. مکروفریب۔

ترجمہ: آپ (ہر نیک و بد کے ساتھ) وہی (فیاضانہ سلوک) کیجئے جو آفتابِ درخشاں ہر شخص کے ساتھ اس کے نفاق، حیلہ چوری اور مکر کے باوجود کرتا ہے۔

مطلب: سورج ہر نیک و بد۔ صالح و طالح پرہیزگار و بدکار، موحد و مشرک کو برابر روشنی بخشتا ہے۔ کسی برے شخص کو اس کی برائی کی وجہ سے محروم نہیں رکھتا، اسی طرح آسمانِ طریقت کے آفتاب یعنی شیخ کو بھی چاہیے کہ تمام مریدوں پر دروازۂ فیض کشادہ رکھے۔

دریں ریاض جو ابرِ بہار شو صایب   زخار توتِ نشوونما دریغ مدار

تو عسل ما سرکہ در دنیا و دیں   دفع ایں صفرا بود سر کنگبیں

ترجمہ: آپ تو شہد ہیں اور ہم سرکہ ہیں دنیا میں بھی اور دین میں بھی تو اس صفرا کی دفع سکنجبین ہو سکتی ہے۔

مطلب: آپ اپنے فضائل کے لحاظ سے شہدِ شیریں ہیں اور ہم اپنے معائب کے اعتبار سے سرکہ ترش ہیں یہ علاج ہے کہ آپ ہم کو اپنی صحبت بابرکت سے مستفید ہونے کا موقع بخشتے رہیں تاکہ سرکہ و شہد مل کر سکنجبین بن جائے اور صفراے نفس کی تسکین کر دے۔ حافظؒ

شکستہ دار بدرگاہت آدم کہ طبیب   بمومیائی لطفِ توام نشانے دارد

سرکہ افزو دیم ماقومِ زحیر   تو عسل بفزا کرم را وا میگر

لغات: زحیر پیچش ایک مرض کا نام ہے یہاں مریضِ پیچش مراد ہے اور یہ کنایہ ہے مبتلائے وساوس سے کہ جس طرح پیچش کے مریض کے پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہیں اور درد سے پیچ و تاب کھاتا ہے اسی طرح وسوسہ میں مبتلا ہونے والا بھی قلبی بے چینی میں بل کھاتا ہے۔ وامگیر واپس نہ لو۔

ترجمہ: ہم پیچش کے بیماروں نے سرکہ زیادہ کر رکھا ہے، آپ (براہِ کرم) شہد زیادہ کر دیجئے (شیوۂ کرم سے دست بردار نہ ہو جیے)۔

مطلب: ہم سے سوءِ ادب اور کفرانِ نعمت کا ارتکاب ہوا اور ہم اخلاقِ ذمیمہ میں بڑھتے چلے گئے لیکن آپ کے شایانِ شان یہ ہے کہ بیش از حلم و تحمل اور تسامح رواداری سے کام لے کر ہماری دستگیری فرماتیے تاکہ ہم ہلاکت سے بچ جائیں۔ حافظؒ

زکوئے میکدہ برگشتہ ام زراہ خطا   مرا دگر زکرم در رہ صواب انداز

ایں سزد از ماچنیں آید زما   ریگ اندر چشم چہ افزاید عمے

آں سزداز تو ایا کحلِ عزیز   کہ بیابد از تو ہر ناچیز چیز

لغات: سزد زیب دیتا ہے، لائق ہے۔ عمٰی نابینائی، کوری ایا حرف ندا کحل سرمہ۔

صنائع: تفریق، ریگ، چشم عمٰی کحال مناسبات ہیں۔

ترجمہ: یہ بات تو ہم کو زیب دیتی ہے (کہ قصور کریں) اور ہم سے یہی ہوسکتا ہے چنانچہ ریت آنکھ میں پڑ کر کس شے کو زیادہ کرے گی؟ کوری کو اوراے سرو. عزیز وہ بات آپ کو شایاں ہے کہ ہر ناچیز آپ سے کچھ نہ کچھ (خوبی) حاصل کرے۔

مطلب: ہم بمنزلہ ریگ ہیں اور ریگ کا کام یہی ہے کہ آنکھ کو اذیت دے اس لیے ہم نالائق لوگوں سے سوائے اذیت و دل آزاری کے کیا ہوسکتا ہے اور آپ بمنزلہ کحل ہیں اور کحل کا کام یہ ہے کہ ایک نکمی آنکھ کو بھی روشن و بینا بنا دے۔ حافظؒ

رحم کن بر ماسیہ بختاں کہ باآں سرکشی　　شمع در شبہا بدستِ آرد دلِ پروانہ را

زآتشِ ایں ظالمانت دل کباب　　از تو جملہ اِھْدِ قَوْمِیْ بُد خطاب

لغات: اِھدِ قومی اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی طرف جو آپؐ نے کفار و معاندین سے سخت اذیت برداشت کرنے کے بعد کی تھی جو آپؐ کے کمال حلم اور غایت شفقت پر دال ہے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ "الٰہی میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ بے خبر ہیں"۔ جملہ جملہ اوقات، ہمیشہ۔

ترجمہ: ان ظالم لوگوں کی آتش (اذیت) سے آپ کا دل کباب ہو رہا ہے (مگر) آپ (کے حلم و عفو کا یہ عالم ہے کہ) ہمیشہ ان کے حق میں یہی دعا کرتے رہے کہ الٰہی ان کو ہدایت دے (اور کوئی بد دعا نہیں دی)۔

مطلب: جب آپ نے ان لوگوں کے حق میں ہمیشہ ارادۃً اور قولاً خیر اندیشی اختیار فرمائی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں بجائے بددعا کے ان کے لیے نیک دعا کی ہے تو عملاً بھی ان کے سود و بہبود کی کوشش فرمایئے اور جانشین پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اس پیغمبریِ عفو و حلم اور خیر خواہیِ خلق سے کام لیجیے جس نے فتح مکہ کے بعد خون خوار دشمنوں کو اِذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (جاؤ تم آزاد ہو) کی دستاویز عفو عطا فرما دی اور ان کے ظاہر کی اصلاح کا تہیہ فرمایا۔ حافظؒ

آنجا لطف شاملِ و خُلقِ کریمِ تست　　جرمِ گزشتہ عفو کن وماجرا مکن

کانِ عودی در تو گر آتش زنند　　اینجہاں از عطر وریحاں پُر کنند

لغات: کانِ عودی معدنِ عود ہستی۔ ریحان خوشبو دار پھول۔

ترجمہ: آپ تو عود کی کان ہیں (جو آگ کے اثر سے خوشبو دیتی ہے) اگر لوگ آپ کو (اذیت کی) آگ پہنچائیں تو گویا اس جہان کو عطر اور خوشبو دار پھولوں سے بھر دیں گے۔

مطلب: جس طرح عود بظاہر ایک بے خوشبو چیز ہے اور آگ سے متاثر ہوتے ہی خوشبو دینے لگتی ہے۔ بقول سعدیؒ

نیا ساید مشام از طبلۂ عود　　بر آتش نہ کہ چوں عنبر بوید

اسی طرح آپ کے اکثر کمالات بحالتِ جوش نمودار ہوسکتے ہیں جو بحالتِ سکون پردۂ خفا میں ہوتے ہیں اس لیے موذیوں کی اذیت بھی فائدے سے خالی نہیں۔ صائبؒ

زیرِ بارِ منت از بد خوئیِ خلقم کہ موج　　واصلِ دریاز دست ردِّ ساحل مے شود

تو نہ آں عودی کز آتش کم شود　　تو نہ آں روحی کاسیرِ غم شود

عروض: کاسیر دراصل کہ اسیر ہے مگر وزنِ شعر میں اسیر کا الف ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ یہ عربی کلمہ ہے اس کا سقوط درست نہیں۔ لہٰذا من التجوزات۔

ترجمہ: آپ وہ عود نہیں ہیں جو آگ [illegible] وہ روح نہیں ہیں جو غم میں مقید ہو جائے۔

مطلب: آپ عود نہیں بلکہ کانِ عود ہیں اور کان میں کبھی کمی نہیں آتی آپ وہ رُوح نہیں ہیں جو غم والم میں مبتلا ہو بلکہ آپ مسرتِ ابدی سے بہرہ ور ہیں۔

عود سوزد کانِ عود از سوز دور　　باد کے حملہ بَرد بر اصلِ نور

ترجمہ: عود تو جل جاتا ہے (مگر) عود کی کان جلنے سے محفوظ ہے۔ ہوا (چراغ کو بجھا سکتی ہے مگر) اصل نُور پر کب حملہ کر سکتی ہے۔

مطلب: آپ نقص وزوال سے محفوظ اور معاندین کے اضرار وتنقیص سے مامون ہیں۔ کما قیل۔

چراغے　راکہ　ایزد　برفروزد　ہر آں کو پف کند ریشش بسوزد

اے زتو مر آسما نہا را صفا　　اے جفائے تو نکوتر از وفا

ترجمہ: اے (جناب) آپ کی بدولت تو آسمانوں کو بھی صفائی حاصل ہے اے (حضورؐ) آپ کی تو جفا بھی (دوسرے لوگوں کی) وفا سے بہتر ہے۔ سعدیؒ۔

گر خود ہمہ بیداد کند ہیچ مگوئید　　تہذیبِ دلارام بہ از ذُلِ شفاعت

حافظ　اگر تو زخم زنی بہ کہ دیگرے مرہم　　دگر تو زہر دہی بہ کہ دیگرے تریاق

زانکہ از عاقل جفائے گر رود　　از وفائے جاہلاں آں بہ بود

ترجمہ: کیونکہ اگر عقل مند (کے ہاتھ) سے ظلم بھی ہو جائے تو وہ جاہلوں کی وفا سے بہتر ہے (جس کی دلیل یہ ہے کہ:)

عاقل آردمعرفت رادر میاں　　جاہل آرد معرفت را بر زباں

ترجمہ: عقل مندتو (تجربہ و) شناخت کو عمل میں لے آتا ہے اور جاہل شناخت کی باتوں کو صرف زبان پر رکھتا ہے، (عمل میں نہیں لاتا)۔

الخلاف: بعض نسخوں میں دوسرے مصرعہ میں برزبان کے بجائے در زباں درج ہے جس کا ترجمہ یوں ہے کہ جاہل علم و تجربہ کو نقصان میں ڈالتا ہے یعنی چونکہ جاہل کو نفع ونقصان کی تمیز نہیں اس لیے وہ تجربہ ہونے کے باوجود ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو مضر ہوں اس کا تجربہ بے سود رہتا ہے۔

گفت پیغمبرؐ عداوت از خرد　　بہتر از مہرے کہ از جاہل رود

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ عداوت جو عقل کے ساتھ ہو اس محبت سے اچھی ہے جو جاہل سے وقوع میں آئے۔

نوٹ: اس مضمون کی حدیث کسی کتاب میں نہیں ملی البتہ یہ مضمون صحیح ہے۔ (کلید)

دوستی با مردمِ دانا نکوست　　دشمنِ دانا بہ از نادان دوست

ترجمہ: دوستی دانا آدمی کے ساتھ اچھی ہے دانا دشمن نادان دوست سے اچھا۔ سعدیؒ۔

ترا اژدہا گر بود یارِ غار　　ازاں بہ کہ جاہل بود غم گسار

رنجانیدنِ امیرے خفتہ را کہ ماردر دہانش رفتہ بود

ایک امیر کا کسی سونے والے کو تکلیف دینا جس کے منہ میں سانپ اتر گیا تھا

یہ حکایت اس مضمون کی تمثیل میں ہے کہ دشمن عاقل دوست نادان سے اچھا ہے۔ چنانچہ ایک عاقل شخص نے کسی کو دشمنوں کی طرح مارنا شروع کیا مگر درحقیقت اس کی جان بچانی مقصود تھی جو عین خیر اندیشی تھی۔ آگے دوسری حکایت اس بات کے ثبوت میں ہے کہ نادان دوست دانا دشمن سے برا ہوتا ہے۔

عاقلے براسپ مے آمد سوار   دردہانِ خفتۂ مے رفت مار

ترجمہ: ایک عقلمند گھوڑے پر سوار آرہا تھا (اس نے دیکھا کہ) ایک سوئے ہوئے آدمی کے منہ میں سانپ داخل ہورہا تھا۔

آں سوار آنرا بدیدو مے شتافت   تار ماندمار رافرصت نیافت

لغات: مے شتافت دوڑتا تھا۔ رماند بھگا دے رماندن سے فرصت موقع۔

ترجمہ: اس سوار نے اس کو دیکھا اور لپک کر آنے لگا تاکہ سانپ کو بھگا دے (مگر) موقع نہ پایا (اور سانپ اس کے منہ سے پیٹ میں اتر گیا)

الخلاف: بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ شروع ہوتا ہے تارہاند خفتہ را یعنی تاکہ سوتے آدمی کو بچا ے۔

چونکہ از عقلش فراواں بُد مدد   چند دبوّسے قوی برخفتہ زد

لغات: دبوّس گرز قوی زور سے۔

ترجمہ: چونکہ اس (سوار) کو عقل سے خوب حصہ ملا تھا (اس لیے اس نے یہ عجیب تدبیر کی) چند گرز زور سے سونے والے کو مارے۔

مطلب: عام مشہور بات یہ ہے کہ کوئی شخص اگرچہ فی الواقع دشمن ہو یعنی دل سے بغض و عداوت رکھتا ہو مگر ہو عاقل، وہ دوست نادان سے اچھا ہے مگر اس قصے میں وہ سوار اس سونے والے کا فی الواقع دشمن نہیں بلکہ اس کا خیر خواہ تھا گو اس کا فعل بظاہر دشمنی کا رنگ رکھتا تھا پس یہاں دشمن بمعنی عام مراد ہے یعنی خواہ دشمن فی الواقع دشمن ہو یا صرف بظاہر دشمن ہو اور اس کا فعل دشمنوں کے فعل سے مشابہ ہو۔ بہرحال جب وہ عاقل ہے تو دوست نادان سے اچھا ہے پہلی قسم کا دشمن تو اس لیے اچھا ہے کہ عقل شر و فساد کو پسند نہیں کرتی۔ پس ایسا دشمن بھی عموماً شرارت اور مفسدانہ کارروائی سے مجتنب رہے گا۔ دوسری قسم کے اچھے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں جس کی مثال استاد یا ماں باپ ہیں جو بچے کی بہبودی کے لیے اس کی گوشمالی کرتے ہیں وہ اس کے خیر خواہ ہیں اگرچہ ان کا فعل بظاہر معاندانہ صورت رکھتا ہو۔ سعدیؒ۔

پادشا ہے پسر بمکتب داد   لوحِ سیمینش درکنار نہاد

برسرِ لوح او نوشتہ بزر   جور استاد بہ زمہر پدر

خفتہ از خوابِ گراں چوں برجہید   یک سوارِ ترک با دبوّس دید

ترجمہ: سونے والا جب گہری نیند ... کے ساتھ دیکھا۔

ہمچنا با ترک دبوسِ گراں　　چونکہ افزوں کوفت او شدزوروان

ترجمہ: جب ترک نے بے دھڑک بھاری گرز اس کو کثرت سے مارے تو وہ بھاگ نکلا۔

بُرد اورازخم آں دبوسِ سخت　　زوگریزاں تابزیرِ یک درخت

ترجمہ: اس سخت گرز کی چوٹ اس (غریب) کو اس (ترک) سے بھگا کر ایک درخت کے نیچے لے گئی۔

سیب بوسیدہ بسے بُدریختہ　　گفت ازیں خوداے بدرد آویختہ

لغات: بوسیدہ گلے سڑے۔ بدرد آویختہ درد میں لٹکنے والا یعنی جتلائے درد۔

ترجمہ: (وہاں) بہت سے گلے سڑے سیب (گرے) پڑے تھے (سوار نے) حکم دیا کہ اے دردمندان میں سے کچھ کھالے۔

سیب چنداں مردرادر خورد داد　　کز دہانش بازبیروں مے فتاد

ترجمہ: اس قدر سیب (اس) شخص کو کھلا دیئے جو اس کے منہ سے باہر نکلنے لگے۔

بانگ میزد کاے امیر آخر چرا　　قصدِ من کردی چہ کردم من ترا

ترجمہ: وہ غریب چلاتا تھا کہ اے امیر آخر کیوں میرے در پے ہو رہا ہے میں نے تیرا کیا (نقصان) کر دیا۔

گر تراز اصل ست باجانم ستیز　　تیغ زن یک بارگی خونم بریز

لغات: اصل فطرت، پیدائش۔ ستیز لڑائی، عداوت۔

ترجمہ: اگر تم کو مجھ سے کوئی پیدائشی دشمنی ہے تو (یہ لو سر حاضر ہے) تلوار مارو اور یکبارگی مجھے ہلاک کر ڈالو۔

شوم ساعت کہ شدم برتو پدید　　اے خنک آنرا کہ روئے تو ندید

لغات: شوم منحوس۔ خنک مبارک۔

ترجمہ: (بڑی) منحوس (تھی) وہ ساعت جب میں تم پر ظاہر ہوا مبارک ہے وہ جس نے تیرا منہ نہیں دیکھا۔

بے خیانت بے گنہ بے بیش وکم　　ملحداں جائز ندارند ایں ستم

ترجمہ: بغیر خیانت کے بغیر گناہ کے اور بغیر کسی کی بیشی کے (تم مجھ کو ستا رہے ہو) ایسا ظلم تو کافر بھی روا نہیں رکھتے۔ چہ جائے کہ تم سا مسلمان روا رکھے۔

میچکد خوں از دہانم باسخن　　اے خدا آخر مکافاتش تو کن

ترجمہ: بات کرتے میرے منہ سے بھی خون ٹپک رہا ہے الٰہی اس کا تو ہی انصاف کر۔

ہر زماں میگفت او نفرینِ نو　　اوش میزد کاندریں صحرا بدو

لغات: نفرین لعنت، برا بھلا کہنا۔ اوش پہلی ضمیر فاعلی دوسری مفعولی یعنی او وی را۔ بدو فعل امر ہے دویدن یعنی دوڑنا سے۔

ترجمہ: وہ لحہ بہ لحہ از سرِ نو برا بھلا بک رہا تھا (ادھر) وہ (سوار) اس کو مارتا تھا کہ اس جنگل میں دوڑتا رہ۔

زخمِ دبّوسِ وسوارِ ہمچو باد میدوید و باز بررُوے فتاد

ترجمہ: گرز کی چوٹ پر چوٹ تھی اور سوار ہوا کی طرح (تیز پیچھے تھا ناچار وہ غریب) دوڑتا تھا اور منہ کے بل گر گر جاتا تھا۔

زو برآمد خورد ہا زشت و نکو ماربا آں خوردہ بیروں جست ازو

ترجمہ: (آخر اسے قے آ گئی اور بری بھلی کھائی ہوئی چیزیں اس (کے منہ) سے نکل پڑیں سانپ (بھی) اس خوراک کے ساتھ اس (کے منہ) سے باہر آ گرا۔

چوں بدید از خود بروں آں ماررا سجدہ آوردآں نکو کردار را

ترجمہ: جب اس نے وہ سانپ (منہ) سے باہر نکلا ہوا دیکھا تو اس نیکوکار (سوار) کے قدموں میں گر گیا۔

سہمِ آں مارِ سیاہِ زشت و زفت چوں بدیدآں درد ہا ازوے برفت

لغات: زشت بدصورت، بھیانک زفت موٹا۔ بدید محسوس کیا۔

ترجمہ: جب اس نے اس کالے بھیانک اور موٹے سانپ کا خوف محسوس کیا تو اس کے سارے درد جاتے رہے۔

گفت تو خود جبرئیلِ رحمتی یا خدائی کہ ولیِ نعمتی

ترجمہ: تو کہنے لگا آپ تو جبرئیلِ رحمت ہیں یا (میرے) آقا ہو (کیونکہ آپ ہی) میرے ولی نعمت ہیں (جنہوں نے مجھے موت سے نجات دلائی)۔

اے مبارک ساعتے کہ دیدیم مردہ بودم جانِ نو بخشیدیم

ترجمہ: اے (جناب) مبارک گھڑی تھی وہ کہ آپ نے مجھے (اس حالتِ زار میں) دیکھ لیا میں تو بس مر چکا تھا آپ نے از سرِ نو مجھے جان بخش دی۔

اے خنک آنرا کہ بیند روئے تو یا درافتد ناگہاں در کوئے تو

ترجمہ: خوش نصیب ہے وہ جو آپ کا دیدار کرے یا اچانک آپ کے کوچے میں جا پہنچے۔

تو مرا جویاں مثالِ مادراں من گریزاں از تو مانندِ خراں

ترجمہ: آپ مجھ کو ماؤں کی طرح ڈھونڈ رہے تھے (اور) میں آپ سے گدھوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔

خرگریزاں از خداوند از خری صاحبش درپے زنیکو اختری

ترجمہ: گدھا اپنے آقا سے گدھے پن کی وجہ سے بھاگ رہا ہے اس کا آقا (اپنی) نیک بختی کی وجہ سے (اس کے) پیچھے ہے۔

نزپئے سود وزیاں میجویدش لیک تاگرگش ندرّد یا دَوش

ترجمہ: نہ کہ اپنے کسی نفع ونقصان کی وجہ سے اس کو ڈھونڈتا ہے بلکہ اس لیے کہ کوئی بھیڑیا یا (کوئی اور) درندہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔

اے رواںِ پاک بستودہ تُرا چند گفتم ژاژو بیہودہ تُرا

ترجمہ: اے (وہ ذاتِ عالی صفات! کہ ہر) جانِ پاک تیری مدح سرا ہے (افسوس!) میں نے آپ کی شان میں کس قدر لغو بیہودہ باتیں کہیں۔

الخلاف: بعض شارحین رواںِ پاک اور بستودہ کو منادیٰ قرار دیتے ہیں یعنی اے جان پاک اور محمود اگلا مصرعہ جواب ندا ہے مگر اس صورت میں پہلے مصرعہ میں کلمہ "ترا" حشورہ جاتا ہے اس لیے ہم نے رواںِ پاک کو بستودہ کا فاعل ٹھہرایا ہے۔

اے خداوندِ شہنشاہ و امیر من نگفتم جہلِ من گفت آں مگیر

ترجمہ: اے آقا! اے شہنشاہ! اے سردار! (جو کچھ نازیبا کلمات کہے گئے) میں نے نہیں کہے (بلکہ) وہ میرے جہل نے کہے ہیں، آپ مؤاخذہ نہ کریں۔

شمۂ زیں حال اگر دانستمے گفتنِ بیہودہ کے تانستمے

لغات: شمۂ تھوڑا سا، کسی قدر۔ تانستمے توانستے۔

ترجمہ: اگر اس حال سے کچھ نہ کچھ مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میرے محسن و مربی ہیں تو میں بیہودہ باتیں کب کر سکتا۔

بس ثنایت گفتمے اے خوشخصال گر مرا یک رمزے گفتی زحال

ترجمہ: اے خوش خصال! اگر آپ اس حال کے متعلق ایک اشارہ ہی کر دیتے (کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں) تو میں (بجائے بیہودہ بکواس کے) آپ کی تعریف کرتا۔

لیک خامش کردہ مے آشوفتی خامشانہ بر سرم میکوفتی

ترجمہ: لیکن آپ تو چپ چاپ ہی ناراضگی ظاہر کر رہے تھے (اور) چپ چاپ ہی میرے سر پر چوٹ پر چوٹ لگا رہے تھے۔

شد سرم کالیوہ عقل از سر بجست خاصہ ایں سر را کہ مغزش کمترست

لغات: کالیوہ سرگشتہ، حیران، دیوانہ، احمق۔ بجست کود گیا نکل گیا۔

ترجمہ: میرا سر چکرا گیا عقل سر سے نکل گئی خصوصاً اس سر کی (عقل تو کیوں نہ نکل جائے) جس میں (پہلے ہی) مغز کم ہے۔

عفو کن اے خو بروئے خوب کار آنچہ گفتم از جنوں اندر گذار

لغات: خوبرو خوش منظر، مبارک رو۔ خوب کار اچھا کام کرنے والا۔ اندر زائد کلمہ ہے۔

ترجمہ: اے خوبرو! اچھا کام کرنے والے معاف فرمائیے، جو کچھ میں دیوانگی میں بک گیا (اس سے) درگزر کیجئے۔

گفت اگر من گفتمے رمزے ازاں زہرۂ تو آب گشتے آنزماں

ترجمہ: (سوار نے) کہا اگر میں اس کے متعلق کوئی اشارہ کر دیتا (کہ تمہارے اندر سانپ چلا گیا) تو اس وقت (دہشت سے) تمہارا جگر پانی ہو جاتا۔

گر ترا من گفتمے اوصافِ مار ترس از جانت بر آوردے دِمار

لغات: ترس خوف سِمار ہلاک۔ دمار از جان بر آوردن محاورہ ہے بمعنی ہلاک کردن۔

ترجمہ: اگر تم سے (اس) سانپ کے اوصاف بیان کر دیتا تو خوف تم کو ہلاک کر دیتا۔

مصطفیٰؐ گوید اگر گویم براست　　شرحِ آں دشمن کہ در جانِ شماست

زہرہائے پُر دلاں برہم درد　　نے رودرہ نے غمِ کارے خورد

لغات: براست براستی، سچ مچ۔ پُر دل دلیر، بہادر۔

ترجمہ: حضرت مصطفےٰ علیہ نے فرمایا ہے اگر میں اس دشمن کا حال جو تمہاری جان میں (موجود) ہے۔ من وعن بیان کر دوں تو (بڑے بڑے) دلیروں کے جگر (مارے خوف کے) پھٹ جائیں (اور بدحواسی کا یہ عالم ہو کہ) نہ کوئی راستہ چل سکے نہ کسی کام کا فکر رکھے۔

مطلب: خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ اگر تم کو تمہارے دشمن شیطان کا حال سنا دیا جائے جو تمہاری رگ رگ میں پھرتا ہے اس کی وہ کارستانیاں بیان کی جائیں جو وہ تمہارے خلاف ہر وقت کرتا ہے اور تمہارے ان اخلاقِ رذیلہ کا کچا چٹھا تم کو بتایا جائے جو تمہارے باطن میں بھرے پڑے ہیں تو تم پر اس قدر خوف حق غالب ہو کہ کچھ کھا سکو نہ پی سکو، نہ ہنس سکو، نہ بول سکو۔ غرض دنیا سے بے تعلق ہو جاؤ اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنی جانیں کھو بیٹھو۔ اس لیے میں تم کو یہ باتیں بتاتا نہیں، بلکہ ان کا علاج شروع کر دیتا ہوں۔ مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویہ مضمون احادیث کثیرہ سے متخرج ہے مگر کوئی خاص حدیث اس مضمون کی نظر سے نہیں گزری۔ (انتہیٰ) ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ تَعْلَمُوْنَ ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا وماتلذ ذتم بالنساء على الفرشات و لخرجتم الى الصعدات تجارون الى الله یعنی اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جو مجھے معلوم ہے تو یقیناً تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ رو و اور عورتوں کے ساتھ بستروں پر عیش نہ کرو اور البتہ تم اللہ کی طرف پناہ چاہنے کے لیے نکل جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

نے دلش راتاب ماند درنیاز　　نے تنش راقوتِ صوم و نماز

ترجمہ: اس پر اس قدر خوف غالب ہو کہ نہ اس کے دل کو دعا کی تاب ہو نہ اس کے بدن میں نماز و روزہ کی قوت رہے۔

ہمچو موشے پیشِ گربہ لاشود　　ہمچو میشے پیشِ گرگ از جارود

لغات: لا نہیں، مراد فنا، کالعدم۔

صنائع: شعر ذوالقافیتین ہے اور موش و میش میں تجنیس لاحق۔

ترجمہ: جیسے ایک چوہا بلی کے آگے فنا ہو جاتا ہے (اور) جیسے ایک بھیڑ بھیڑیے کے سامنے بدک جاتی ہے۔ (حتیٰ کہ:)

اندرو نے حیلہ ماندنے روش　　پس کنم ناگفتہ تان من پرورش

ترجمہ: (شدتِ خوف سے اس میں نہ قوت) تدبیر رہے نہ (تاب) رفتار اس لیے میں بے کہے تمہاری (روحانی تربیت کر رہا ہوں)۔

ہمچو بوبکرِ ربابی تن زنم　　دست چوں داؤدؑ در آہن زنم

لغات: ابوبکر ربابی ایک بزرگ کا نام ہے جو مدتوں خاموش رہے تھے کسی سے کلام نہیں کرتے تھے۔ تن زدن خاموش رہنا۔ د[illegible]ن [illegible]۔ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے

خودزرہ وغیرہ سامان جنگ بناتے تھے اور لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا جو ان کا معجزہ تھا۔

ترجمہ: میں ابوبکر ربابی کی طرح خاموش رہتا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح (جو) لوہے کا کام کرتے تھے چپ چاپ (اپنا کام) کیے جاتا ہوں۔

مطلب: یہ حدیث کا سلسلہ چل رہا ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ میری خاموشی کا یہ عالم ہے مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کو جو احادیث سے متنخرج ہے۔ مولانا رومؒ اپنے لفظوں میں ادا فرما رہے ہیں اور آپ کی خاموشی کو اس عبارت سے تعبیر کر رہے ہیں ورنہ ابوبکر ربابی امت میں سے تھے جو مابعد میں ہوئے ہیں صحابہ ان کو نہیں جانتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطبت میں اپنے آپ کو ان سے کیوں تشبیہ دیتے جب کہ مخاطب مشبہ کو نہیں جانتا۔ (انتہٰی)

تا محال از دستِ من حالے شود　　مرغ پر برکندہ را بالے شود

لغات: حالؔ بالفعل، موجود، امر واقع بالؔ پرندے کے پر

ترجمہ: تاکہ ایک امرِ محال میرے ہاتھ سے وقوع میں آ جائے اس پرندہ کے جس کے پر اکھڑے ہوئے ہوں، پر پیدا ہو جائیں۔

مطلب: تاکہ اصلاحِ اخلاق کے کام میں برابر لگنے رہنے سے وہ اخلاق رذیلہ جن کا ازالہ ممکن ہے زائل کیے جاسکیں اور جو لوگ اخلاقِ حسنہ سے عاری ہوں وہ اخلاق سے مزین کیے جاسکیں اور یہ کامیابی خاموشی کے ساتھ لگاتار کوشش جاری رکھنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ غنیؒ ۔

مہر خاموشی بلب نہ تابود عیشت بکام　　بے زبانی پستہ را در خندہ میدارد مدام

چوں یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیھِم بود　　دستِ مارا دستِ خود فرمود احد

لغات: یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیھِم" اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے" سورہ فتح کی آیت ہے جو ان حضرات صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ کے ساتھ لڑنے مرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس بیعت کا نام بیعتِ رضوان ہے یعنی یہ لوگ جو پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں تو ان کی فضیلت ایسی ہے گویا خدا کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ پس یہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو اللہ کا ہاتھ قرار دیا ہے۔

ترجمہ: جب ید اللہ فوق ایدیہم کا فرمان (برحق) ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔

پس مرادستِ دراز آمد یقیں　　برگذشتہ ز آسمانِ ہفتمیں

ترجمہ: پس یقیناً میرا ہاتھ (تصرف میں) لمبا ہے جو ساتویں آسمان سے بھی آگے بڑھ گیا۔

دستِ من بنمود برگردوں ہنر　　مقریا! برخواں کہ اِنشَقَّ القَمَرُ

لغات: ہنر کمال، معجزہ مقریؔ قاری، قرآن خوان۔

ترجمہ: میرے ہاتھ نے آسمان پر بھی تصرف کر دکھایا ہے اے قرآن خواں آیت اِنشَقَّ القَمَرُ پڑھ کر دیکھ لے۔

نوٹ: یہ آیت سورۂ قمر کے آغاز میں ہے مفتاح العلوم کی دوسری جلد میں معجزہ شق القمر کا ذکر پڑھ کر دیکھ لے اور اس کا ثبوت بشرح و بسط درج ہو چکا ہے۔

ایں صفت ہم بہرِ ضعفِ عقلہاست　　باضعیفاں شرحِ قدرت کے رواست

ترجمہ: یہ صفت بھی (کہ انسانی ہاتھ کو خدا کا ہاتھ کہا گیا) عقول (انسانی) کے ضعف کی وجہ سے ہے (جو قدرت کے خاص راز کو سمجھنے پر قادر نہیں ہیں) ضعیفوں کے سامنے قدرت (کے صحیح راز) کی تفصیل کب جائز ہے۔

مطلب: انسانی عقل صفاتِ حق کو صحیح معنوں میں سمجھنے سے قاصر ہے صرف اس کو سمجھانے کے لیے خدا کی قدرت کو انسانی ہاتھ سے تشبیہ دی گئی ہے ورنہ وہ ذات پاک ممکنات کے احوال و افعال کی نسبت سے منزّہ ہے۔

خود بدانی چوں براری سر ز خواب　　ختم شد وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

ترجمہ: جب تم (قیامت کے روز) خوابِ (قبر) سے سر اٹھاؤ گے تو خود (ان باتوں کو) سمجھ لو گے (اس وقت مثالوں کی ضرورت نہ ہوگی یہ حدیث) ختم ہوئی اور اللہ (اس کی صحت و سقم کو) بہتر جانتا ہے۔

گر ترا من گفتمے ایں ماجرا　　آندم از تو جانِ تو گشتے جدا

ترجمہ: (غرض) اگر میں تجھ سے (تیرے پیٹ میں سانپ کے گھس جانے کا) یہ ماجرا بیان کر دیتا۔ اس وقت تیری جان تجھ سے جُدا ہو جاتی۔

مر ترا نے قوّتِ خوردن بدے　　نے رہ و پروائے قے کردن بدے

ترجمہ: پھر شدتِ خوف سے نہ تجھ کو سیب کھانے کی قوت ہوتی نہ قے کرنے کا طریقہ (سوجھتا) نہ (اس کی) پروا (ہوتی)۔

مے شنیدم فحش و خرمے راندم　　رَبِّ یَسِّرْ زیرِ لب مے خواندم

ترجمہ: میں (تیری زبان سے) گالیاں سنتا تھا اور اپنے گدھے کو ہانکے جاتا تھا (تیرے حق میں) آہستہ آہستہ یہ دعا کئے جاتا تھا کہ اے پروردگار (اس کی مشکل) آسان کر۔

از سبب گفتن مرا دستور نیست　　ترکِ تو کردن مرا مقدور نیست

ترجمہ: سبب بیان کرنے کی میری عادت نہیں اور تمہیں چھوڑنے کی بھی مجھے قدرت نہیں تھی۔

مطلب: چونکہ مجھے تم پر شفقت تھی اس لیے نہ تو تم کو چھوڑ ہی سکتا تھا کہ مرنے دوں اور نہ یہ ہوسکتا تھا کہ تم کو تمہارے حال سے آگاہ کروں کہ وہ بھی تمہارے لیے مُضر تھا۔

ہر زماں میگفتم از دردِ دروں　　اِهْدِ قَوْمِیْ اِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: ہر وقت میں دردِ دل سے یہ دُعا کرتا تھا (کہ الٰہی) میرے لوگوں کو ہدایت دے وہ بے خبر ہیں۔

مطلب: میں تمہارے برا بھلا کہنے پر ناراض نہیں ہوتا تھا بلکہ تم کو معذور سمجھ کر بتقاضائے شفقت یہ دعا کرتا تھا کہ الٰہی اس کو نگاہِ تمیز عطا فرما کہ مجھ کو اپنا خیر خواہ سمجھے اور میرے خیر خواہانہ فعل کی قدر کرے۔

سجدہا میکرد آں رُستہ ز رنج　　کاے سعادت وے مرا اقبال و گنج

از خدا یابی جزاہائے شریف　　قوتِ شکرت ندارد ایں ضعیف

لغات: رُستہ چھوٹ جانے والا، نجات یافتہ۔ شریف اعلیٰ، بزرگ۔

ترجمہ: وہ تکلیف سے نجات پانے والا (شکر کے) سجدے بجالاتا تھا (اور کہتا تھا) کہ اے (مجسم) سعادت اے میرے اقبال اور دولت! تو (اس نیکی کا) اعلیٰ عوض خدا سے پائے گا۔ یہ ضعیف تیرے شکریہ کی تاب نہیں رکھتا۔

شکرِ حق گوید ترا اے پیشوا آں لب و چانہ ندارم واں نوا

لغات: شُکر بضم کاف انعام دینے والے کی تعریف و تعظیم کرنا اس معنی کے لحاظ سے یہ فعل بندے کے ساتھ منسوب ہونا موزون ہے نہ کہ خدا کے ساتھ مگر یہاں چونکہ یہ فعل خدا کے ساتھ منسوب ہے لہٰذا اس کا ترجمہ قدر افزائی مناسب سمجھا گیا۔ پیشوا بزرگ، پیشرو، سردار۔ چانہ جبڑا۔ نوا آواز، سامان، نذرانہ یہاں تینوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ: اے سردار میری بجائے حق تعالیٰ ہی تمہاری قدر افزائی کرے میں وہ لب وہ جبڑا اور وہ آواز (یا سامان یا نذرانہ کی توفیق) نہیں رکھتا (جس کے ساتھ تمہارا حقِ شکر ادا ہو سکے)۔ جامیؒ۔

اگر ہر موئے من گردد زبانے زتو رانم بہریک داستانے
نیارم گوہرِ شکرِ تو سفتن سر موئے ز احسانِ تو گفتن

آگے مولانا نتیجۂ حکایت کا ذکر کرنے کے بعد اس مضمون کا دوسرا پہلو بیان فرمائیں گے:

دشمنیِ عاقلاں زینساں بود زہرِ ایشاں ابتہاجِ جاں بود

لغات: ابتہاج خوشی، سامانِ مسرت، باعثِ تازگی۔

ترجمہ: غرض عقلمندوں کی دشمنی اس طرح کی ہوتی ہے ان کا دیا ہوا زہر بھی جان کے لیے تازگی (بخش) ہوتا ہے۔

مطلب: ان کی ظاہری ایذا وہی جو کسی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے انجام کا عمدہ پھل دیتی ہے جیسا کہ اس سوار کے زدوکوب نے اس خفتہ کی جان بچا دی۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہوتا ہے کہ ان کی بعض باتیں جو بظاہر سخت ناگوار ہوتی ہیں فی الحقیقت نہایت منفعت بخش اور سود مند ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر شیخ کی طرف سے کوئی ناگوار سلوک بھی ہو تو اس کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے۔ امیر خسروؒ۔

در طوقِ بند کیش بَرد جاں بعافیت ہر فاختہ کو خدمتِ سرو رواں گرفت
ولہ ؎ تابسوئے گفتِ شیریں است دلِ خارا وکوہ کندن از ناخن چوگل چیدن بود فرہاد را

دوستیِ ابلہاں رنج و ضلال ایں حکایت بشنواز بہرِ مثال

ترجمہ: (اسی طرح) بیوقوف لوگوں کی دوستی (باعثِ) رنج اور (موجبِ) گمراہی ہے (جس کی مثال) میں یہ کہانی (بھی) سن لو۔

حکایتِ آں مردِ ابلہ کہ مغرور بود در تملّقِ خرس

اس بے وقوف آدمی کی حکایت جو ریچھ کی خوشامد میں دھوکا کھا گیا

اژدہائے خرس را در میکشید شیر مردے رفت و فریادش رسید

ترجمہ: ایک اژدہا (کسی) ریچھ کو کھینچ رہا تھا ایک بہادر آدمی وہاں گیا اور اس کی فریاد رسی کی (یعنی) اس کو چھڑا دیا۔

مطلب: اژدہے کے ریچھ کو کھینچنے سے یا تو یہ مراد ہے کہ اس کو پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا یا جیسے مشہور ہے کہ وہ سانس کھینچتا ہے تو جس قدر چرند و پرند اس کے سانس کی زد میں آتے ہیں۔ بے بسی کے ساتھ اس کے منہ میں آ پڑتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی نگاہ میں ایک کشش ہے جس جانور سے آنکھ ملاتا ہے وہ خود بخود آ کر اس کا لقمہ ہو جاتا ہے۔ بعض سے یہ خیال بھی منقول ہے کہ اژدہے کو جو جانور دیکھتا ہے اس کے جسمی نقش و نگار پر فریفتہ ہو کر بے خودی کے عالم میں اس کے پاس جا پہنچتا ہے اور اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ غرض ان متعدد تقادیر میں سے کسی ایک تقدیر پر ریچھ کا کھینچنا مراد ہو سکتا ہے آگے مولانا باطنی شیر مردوں (یعنی اہل اللہ کی تعریف کی طرف انتقال فرماتے ہیں)۔

شیر مردا نند در عالم مدد آنزماں کافغانِ مظلوماں رسد

ترجمہ: (اس طرح) جہان میں (بہت سے) شیر مرد اس وقت (فریادیوں کے) مددگار (بن جاتے) ہیں جب کہ مظلوموں کی فریاد پہنچتی ہے۔

بانگِ مظلوماں زہر جا بشنوند آنطرف چوں رحمتِ حق میدوند

ترجمہ: جدھر سے مظلوموں کی آواز سنتے ہیں اس طرف رحمتِ حق کی طرح دوڑ پڑتے ہیں۔ صائبؒ۔

از خدا رنج خودو راحتِ مردم طلبند مرہم زخمِ کساں داغ نمایانِ خرد اند

آں ستونہائے خللہائے جہاں آں طبیبانِ مرضہائے نہاں

ترجمہ: وہ دنیا کے خللوں (کو روکنے) کے لیے ستون ہیں وہ باطنی بیماریوں کے طبیب ہیں۔

مطلب: ان بزرگانِ دین کی مدد کسی خاص قسم کے ضرر کو دفع کرنے میں محصور نہیں بلکہ یہ لوگ مانعِ ضررِ عالم جسمانی بھی ہیں کہ اپنی برکت سے یا دعا سے یا کسی اور صورت سے عالم یا اجزائے عالم کو حتی الامکان اختلال سے روکتے ہیں، چنانچہ ان کی برکت سے بقائے عالم تو احادیث سے ثابت ہے اور اجزائے عالم کی امداد دعا سے اور تدابیر سے مشاہدہ ہے اس کے ساتھ ہی وہ امراضِ نہانی روحانی کے لیے طبیب بھی ہیں۔ صائبؒ۔

بر چراغ مردہ از نورِ یقیں عیسےٰ شوند دردہائے کہنہ را درماں بدردِ دیں کنند

محض مہرو داوری و رحمتند ہمچو حق بے علت و بے رشوتند

ترجمہ: وہ حضرات سراپائے محبت و عدل و رحمت ہیں حق سبحانہ کی طرح (امداد بھی) کسی ذاتی غرض اور رشوت کے بغیر (کرتے) ہیں۔ صائبؒ۔

مایہ دارانِ مروت بالب خنداں چوگل خونِ خود باخونبہا در دامنِ گلچیں کنند

ایں چہ یاری میکنی یکبار گیش ؟ گوید از بہرِ غم و بیچار گیش

ترجمہ: (اگر کوئی ان سے دریافت کرے کہ) یہ آپ دفعتہً کیوں آمادۂ امداد ہو جاتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ اس (غریب) کے غم اور بے چارگی کے سبب سے۔

مہربانی شد شکارِ شیر مرد در جہاں دارو نجوید غیرِ درد

ترجمہ: شیر مرد کا شکار (صرف) مہربانی (کا موقع) ہے۔ دنیا میں دوا کی تلاش درد ہی کرتا ہے۔

مطلب: شکاری کو شکار کا جو شغف اور شوق ہوتا ہے اسی کا دل جانتا ہے وہی شغف و شوق اس شیر مرد کو ایسے مواقع ملنے کا ہوتا ہے جن میں لوگوں پر مہربانی کر سکے اور جس طرح درد ہی متقاضی دوا ہوتا ہے اسی طرح کسی چیز کا شوق ہی اس کی بھم رسانی کا محرک ہوتا ہے لہٰذا ان شیر مردوں کو مہربانی کے مواقع کا شوق ایسے مواقع بھی میسر کر دیتا ہے۔

ہر کجا دردے دوا آں جا رود ہر کجا فقرے نوا آنجا رود

ترجمہ: جہاں کوئی درد (ہوتا ہے) دوا اسی جگہ جاتی ہے جہاں کہیں محتاجی (ہوتی ہے) سامان وہیں جاتا ہے۔ (اس طرح مواقع مہربانی بھی انہی کو میسر ہوتے ہیں جن کو ان کی طلب ہو بخیل و لئیم کو یہ موقع کہاں نصیب)۔

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

ترجمہ: جہاں ڈھلوان ہو پانی ادھر ہی جاتا ہے جہاں کوئی مشکل (سوال درپیش) ہو جواب اسی جگہ جاتا ہے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالا و پست

ترجمہ: پانی کی تلاش کم کرو پیاس پیدا کرو تاکہ نیچے اور اوپر سے پانی ابلنے لگے۔

مطلب: اپنے اندر شوق تجسس اور جوشِ طلب پیدا کرو پھر مطلوب خود تمہاری طلب کے درپے ہوگا اگر بلا شوق و بلا شغف جھوٹے دل سے طلب میں لگے رہے تو کامیابی کی امید نہیں۔ فیضی غزلہ

چوں جذبۂ عشق صادق افتد معشوق سزد کہ عاشق افتد

تا سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ آید خطاب تشنہ باش اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

لغات: پہلے مصرعہ میں اس آیت سے اقتباس ہے۔ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا "اور پلائے گا ان کا پروردگار ان کو شرابِ طہور" (سورۃ دہر ع 1)

ترجمہ: (غرض) تم (جوشِ طلب کے) پیاسے بنے رہو تاکہ (تمہارے لیے) سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ کا خطاب آئے (آگے اللہ بہتر جانتا ہے)۔ حافظؒ

غبارِ راہِ طلب کیمیائے بہرہ وری ست غلامِ دولت آں خاکِ عنبریں بویم

آبِ رحمت بایدت روپست شو وانگہاں خور خمرِ رحمت مست شو

ترجمہ: (اگر) تم کو رحمت کا پانی درکار ہے تو جاؤ پست ہو جاؤ، پھر رحمت (حق) کی شراب نوش کرو اور مست ہو جاؤ۔ کما قیل

خاکساراں رادراں درگاہ قرب دیگراست سجدہ گاہ خلق شد سجادہ از افتادگی

رحمت اندر رحمت آید تا بسر بر یکے رحمت فرو ما اے پسر

لغات: رحمت اندر رحمت رحمتِ کثیر فرو ما فرومیا۔ مت اترو، فروکش نہ ہو۔

ترجمہ: صاحبزادے! (تواضع و خاکساری کرتے رہو پھر دیکھو پاؤں سے) سر تک رحمت میں ڈوب جاؤ گے (ہاں) صرف ایک رحمت پر مت ٹھہرنا۔ صائبؒ

افتادگی گزیں کہ بایں کرسی بلند شبنم قدم گذاشت بخورشید یارشد

چرخ را در زیرِ پا آر اے شجاع بشنواز فوقِ فلک بانگِ سماع

ترجمہ: پھر تو اے بہادر! آسمان کو (اپنے) پاؤں کے نیچے لا (اور) آسمان کے اوپر سے سماع کی آواز سن لے۔

مطلب: ریاضات و مجاہدات سے اس قدر عروجِ روحانی حاصل کرو کہ آسمان بھی تمہارے قدم چومنے لگے۔ یعنی تمہارا روحانی تفوق آسمان کی حسّی فوقیت سے بڑھ جائے پھر تم آسمان کے اوپر سے آوازِ سماع سنو گے یعنی اسرار و معارف الٰہیہ سے مطلع ہو جاؤ گے۔ آگے اس کا طریقہ ارشاد ہے:

پنبۂ وسواس بیروں کن زگوش تا بگوشت آید آں بانگِ خروش

ترجمہ: وسواس کی روئی کانوں سے نکال ڈالو تا کہ اس شور (سماع) کی آواز تمہارے کان میں آئے مطلب خطراتِ شیطانی دل سے نکالو تا کہ اسرارِ غیب کو نزول کے لیے جگہ ملے۔

پاک کن دو چشم را از موئے عیب تا بہ بینی باغ و سرو ستانِ غیب

ترجمہ: نیز دونوں آنکھوں کو عیب کے بالوں سے پاک کرو، تا کہ غیب کے باغ اور سروستان دیکھو۔ چشم قلب کو مشاہدات نفسانیہ سے بچاؤ تا کہ انوار و تجلیاتِ حق کا مشاہدہ حاصل ہو۔

دفع کن از مغز و از بینی زکام تا کہ ریح اللہ درآید در مشام

ترجمہ: مغز اور ناک سے زکام دور کرو تا کہ بوئے حق تمہارے دماغ میں پہنچے۔

مطلب: اپنے حواسِ باطنیہ کو احساساتِ نفسانیہ سے محفوظ رکھو تا کہ حق تعالیٰ کے اسرار و حقائق کا ادراک میسر ہو۔ صائبؒ۔

نیست غیر از بستنِ چشم و لب و گوش و زبان رخنۂ گر ہست ایں زندانِ پُر تشویش را

ہیچ مگذار از تبِ صفرا اثر تا بیابی از جہاں طعمِ شکر

لغات: تبِ صفرا صفراوی بخار۔ طعم ذائقہ، مزا۔

ترجمہ: صفراوی بخار کا کوئی اثر باقی نہ چھوڑو تا کہ عالم (غیب) سے شکر کا مزا چکھو۔

مطلب: صفراوی بخار میں پانی اور غذا تلخ معلوم ہوتی ہے یہاں صفرا استعارہ ہے حُبِّ دنیا سے فرماتے ہیں کہ حبِ دنیا کے جذبات کو بالکلیہ دفع کر دو۔ پھر دیکھو کہ عالمِ غیب سے وہ برکات نازل ہوں گی کہ عبادات و طاعات میں لذت آنے لگے گی۔

دارُوئے مردی کن و عِنّیں مپوے تا بروں آیند صدگوں خوبروے

لغات: مردی قوتِ باہ۔ عِنّیں بکسرِ عین و تشدیدِ نون اول مسکور نامرد (جس کی قوتِ باہ باطل یا ضعیف ہو) صدگوں سینکڑوں صورتوں کے۔

ترجمہ: (اپنی) مردمی کا علاج کراؤ نامردی کے ساتھ نہ دوڑتے پھرو تا کہ (تمہاری اولاد میں) سینکڑوں شکل و صورت کے خوبصورت (بچے) پیدا ہوں۔

مطلب: اپنے اندر اعلیٰ قابلیت و صلاحیت پیدا کرو تا کہ تم مظہرِ کمال ہو سکو۔ بلا قابلیت حصولِ کمال کے لیے سعی کرنا اور کاملین کی ریس پر مرنا فضول ولا حاصل ہے جب قابلیت و صلاحیت حاصل ہو جائے گی تو خود گوناگوں کمالات کے مظہر ہو جاؤ گے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ۔

چو سنگ نیست ز طینت چہ معرفت خیزد　　کجاز خشت زرو نقرہ راعیار بود

کندۂ تن راز پائے جاں بکن　　تاکند جولاں بپائے ایں چمن

لغات: کُندہ بضم کاف وہ موٹی لکڑی جس میں چھید کر کے قیدیوں کے پاؤں ٹھونک دیتے ہیں تاکہ وہ گریز نہ کر سکیں ہندی میں اس کو کاٹھ کہتے ہیں، جولاں بفتح جیم دوڑنا اور بضم بمعنی زنجیر بیڑی۔

صنائع: جولان کے لفظ میں ایہامِ تناسب اور پائے کے لفظ میں تجنیسِ تام واقع ہے۔

ترجمہ: بدن کا کاٹھ رُوح کے پاؤں سے نکال ڈالو تاکہ اس چمن (عالمِ بالا) کے پاس دوڑ سکے۔ صائبؒ۔

حالِ جانِ پاک راد ر قیدِ تن داندکہ چیست　　ہر کہ ماہِ مصر رادر چاہِ زنداں دیدہ است

غُلِ بخل از دست و گردن دور کن　　بختِ نو دریاب از چرخِ کہن

لغات: غُل بضم غین وتشدید لام طوقِ آہنی۔

صنائع: نو اور کہن میں تضاد ہے۔

ترجمہ: اپنے ہاتھ اور گردن سے کنجوسی کا طوق نکال ڈالو پھر تازہ نصیب چرخِ کہن سے حاصل کرو۔

مطلب: ایک شارح صاحب نے غِل بکسر غین کھوٹ کے معنی میں سمجھا ہے مگر یہ خیال نہ کیا کہ اس کو دست وگریباں سے کیا مناسبت، غُل بضم غین (طوق) کو ہی یہ مناسبت ہو سکتی ہے جو خصوصیت سے ہاتھ اور گردن میں ڈالا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ الخ پھر غل بمعنی طوق کا بخل کے لیے استعارہ نہایت پُر لطف ہے بخل کا اثر زیادہ تر دست وگردن پر ہی ہوتا ہے، چنانچہ بخیل سائل کو دیکھ کر گردن پھیر لیتا ہے اور ہاتھ کو بند رکھتا ہے گویا وہ طوق بخل کی بندش سے قولِ حق فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ کا مصداق ہے فَلِلّٰهِ دَرُّ مَوْلَانَا نَالَمَ اللّٰهِ دَرُّهٗ مطلب یہ ہے کہ اخلاقِ رذیلہ کو ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ سے دور کرو اس کے بعد دیکھو گے کہ علوم ومعارف تازہ بتازہ نو بنو عالمِ بالا سے نازل ہونے لگتے ہیں۔ صائبؒ۔

اگر ہموار باشی آسمان ہموار میگردد　　کہ از سیلاب در خاطر غبارے نیست ہاموں را

یہاں تک ان لوگوں سے خطاب تھا جن کو ریاضات ومجاہدات کی فرصت ہے اور وہ اس پر قادر ہیں آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو مجاہدات وریاضات کی فرصت نہیں پاتے کیونکہ ان کو حقوقِ شرعیہ کے ادا یا کسی امرِ مباح کی مشغولی میں اس کا موقع نہیں ملتا اب ان کو قربِ حق اور وصول الی اللہ کا طریقہ بتاتے ہیں۔

ورنمے تانی بکعبہ لطف پر　　عرضہ کن بیچارگی برچارہ گر

لغات: کعبۂ لطف مہربانی کا کعبہ۔ مرکزِ عنایات۔ اس میں قلبِ اضافت ہے، پَر صیغہ امر ہے پریدن بمعنی پرواز کردن سے عرضہ پیش، حاضر۔

ترجمہ: اور اگر تم اس پر عمل نہ کر سکو تو مہربانی کے کعبہ کی طرف پرواز کرو (اپنی بیچارگی) کو چارہ گر کے سامنے پیش کرو۔

مطلب: اگر ریاضات ومجاہدات کی طاقت وفرصت نہیں تو خیر حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرو عاجزی کے ساتھ اس سے دعا کرو انشاء اللہ اس کی رحمت تمہارے حال پر متوجہ ہوگی اور تمہاری چارہ گری کرے گی۔ سعدیؒ۔

بیا تا برآریم دستے زدل　　کہ نتواں برآورد فردا ز گل

مپندار ازیں درکہ ہرگز نہ بست　　کہ نومید گردد برآوردہ دست

زاریِ وگریہ قوی سرمایہ ایست رحمتِ کلّی قوی تردایہ ایست

ترجمہ: گریہ وزاری بڑا سرمایہ ہے (اور حق تعالیٰ کی) وسیع رحمت نہایت قوی دایہ ہے۔

مطلب: موردِ رحمت ہونے کے لیے گریہ وزاری ایک بہترین ذریعہ ہے دیکھو بچہ جب زور سے رونے لگتا ہے تو دایہ کی شفقت ومحبت جوش میں آجاتی ہے اسی طرح رحمت حق کو سب سے بڑی دایہ سمجھو۔ جس کو اپنے حال پر متوجہ کرنے کی بہترین تدبیر گریہ وزاری ہے۔ صائبؒ

عجب کہ گریۂ مادر دلش اثر نکند کہ دانہ پاک و زمین سخت قابل افتادہ است

وقال حضرت مرزا جانجاناں مظہر الشہید رحمۃ اللہ علیہ

دِلِ اورا برحم آورد آخرنالۂ زارم بلے اعجازِ عشق اینکہ زاری زور میگردد

دایہ و مادر بہانہ جو بود تاکہ کے آں طفلِ گریاں میشود

ترجمہ: دایہ اور ماں بہانہ ڈھونڈھتی ہیں کہ وہ بچہ کب روئے (تاکہ اس کو دودھ پلائیں)۔

مطلب: ماں کی چھاتیوں میں جب دودھ جوش مارتا ہے تو وہ خود چاہتی ہے کہ بچہ دودھ پیئے اسی طرح رحمتِ حق خود متقاضی ہے کہ بندہ طلبِ رحمت کرے۔ ونعم ماقیل۔

رحمتِ حق بہانہ مے جوید رحمتِ حق بہا نے جوید

طفلِ حاجاتِ شمارا آفرید تابنالیدو شود شیرش مزید

لغات: بنالید یا تو فعل ماضی صیغہ واحد غائب ہے اس صورت میں اس کی ضمیر طفل کی طرف پھرتی ہے اور اکثر شارحین نے یہی تقدیر اختیار کی ہے مگر اس میں خرابی یہ ہے کہ آگے فعل شود جو اس کا معطوف ہے اس کے مطابق نہیں کیونکہ وہ مستقبل ہے یا بنالید فعل مستقبل صیغہ جمع حاضر ہو اس صورت میں دونوں فعل مطابق واقعہ بھی ہے کیونکہ حاجات نہیں رویا کرتیں بلکہ صاحبِ حاجات روتا ہے مگر اس میں یہ نقص ہے کہ وہ مناسبت قائم نہیں رہتی جو بنالید کے فعل کو طفل کے ساتھ منسوب کرنے میں ہے ترجمہ بہر دو تقدیر ملاحظہ ہو۔

ترجمہ: (۱) (چنانچہ حق تعالیٰ) نے تمہاری حاجتوں کا بچہ پیدا کیا حتی کہ وہ رونے لگتا ہے (اور اس) کی رحمت کا دودھ زیادہ ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: (۲) (چنانچہ حق تعالیٰ نے) تمہاری حاجتوں کا بچہ پیدا کیا تاکہ تم (ان حاجتوں کے تقاضے سے) رونے لگو اور اس (کی رحمت) کا دودھ زیادہ ہو جائے۔

مطلب: بچہ روتا ہے تو ماں کا دودھ جوش میں آجاتا ہے اور وہ پستان کو بچے کے منہ میں دینے کے لیے بے قرار ہو جاتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کو تمہارے حال پر متوجہ کرنے کے لیے یہ تدبیر فرمائی کہ تمہاری حاجتیں پیدا کر دیں وہ حاجتیں تم کو مجبور کرتی ہیں تو تم خدا سے ان کے پورا ہونے کی التجا کرتے ہو۔ روتے ہو، گڑگڑاتے ہو۔ آخر اس کی رحمت تم پر متوجہ ہو جاتی ہے۔

گفت اُدعُوا اللّٰہَ بیزاری مباش تا بجوشد شیر ہائے مہر ہاش

لغات: اُدعُوا اللّٰہَ اشارہ ہے قرآن مجید کی طرف۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ

الْحُسْنٰی (ان لوگوں) کو کہہ دو تم اللہ کہہ کر (خدا کو) پکارو یا رَحْمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے پکارو اس کے تو (سب) نام اچھے ہیں''۔ (بنی اسرائیل ۱۲) دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اُدْعُو اللّٰهَ تَضَرُّ عاً وَّخُفْيَةً یعنی پکارو اللہ کو تضرع سے اور خفیہ طور پر۔

ترجمہ: (خود حق تعالیٰ) اُدْعُوا اللہ فرماتا ہے۔ (پس) زاری کے بغیر نہ رہو تا کہ اس کی عنایات کے دودھ جوش میں آئیں۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ

گریہ آبے بُرخ سوختگاں باز آورد   نالہ فریاد رسِ عاشقِ مسکیں آمد

فائدہ: ان اشعار میں مولاناؒ نے گریہ و بکا کی فضیلت کا اشارہ فرمایا ہے اور ہدایت کی ہے کہ سالک کو گریاں و نالاں رہنا چاہیے گریہ ایک بہترین ریاضت ہے۔ احادیثِ کثیرہ میں اس کی تاکید وارد ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاایھا الناس ابکوا فان لم تستطیعوا فتباکوا الخ یعنی اے لوگو رویا کرو اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت ہی بنا لیا کرو۔ (تفسیر مظہری) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا لا یلج النار رجل بکی من خشیۃ اللہ حتّٰی یعود اللبن فی الضرع وَ لاَ یجتمع غبار فی سبیل اللہ ودخان جھنم رواہ الترمذی یعنی جو شخص اللہ کے خوف سے رویا ہو وہ اتنی دیر کے لیے بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا جتنے دیر میں دودھ دوبارہ تھنوں میں جمع ہو جاتا ہے اور جہاد کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہ ہوں گے۔ (ریاض الصالحین)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اکثر مصروف گریہ رہتی تھیں۔ لوگوں نے عرض کیا آپ کا رونا اس قسم کا ہے جیسے کوئی بیمار دردِ شدید سے روتا ہو۔ حالانکہ بظاہر آپ کو کوئی مرض لاحق نہیں۔ فرمایا تمھیں کیا خبر ہے کہ میرے سینے کے اندر وہ درد ہے جس کا علاج دنیا کا کوئی معالج نہیں کرسکتا اور میرے درد کا مرہم وصالِ حق ہے۔ علاوہ اس کے میں زیادہ رونا اس لیے بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ قیامت کے روز میں اپنے مقصد سے بہرہ مند ہوں اور درد رسیدہ دیکھ کر مرہم بخشا جائے۔ (تذکرۃ اولیا)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو شخص کھاتا ہے اور ہنستا ہے وہ اس شخص کا مقابلہ نہیں کرسکتا جو کھاتا ہے اور روتا ہے۔ (تذکرۃ اولیا)

حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوست کو خط لکھا کہ دنیا مثلِ خواب ہے اور آخرت مثلِ بیداری۔ جو شخص خواب میں روتا ہے اس کی یہ تعبیر مشہور ہے کہ وہ بیداری میں کوئی خوشی دیکھے گا اور ہنسے گا پس تم کو دنیا میں رونا چاہیے تاکہ آخرت میں خوشی سے ہنستے رہو۔ (تذکرۃ اولیا) حافظؒ

گریۂ شام و سحر شکر کہ ضائع نگشت   قطرۂ بارانِ ماگوہرِ یکدانہ شد

ہائے وہوئے بادو شیر افشانِ ابر   درغمِ مایند یک ساعت صبر

لغات: ہائے وہو شور و غوغا، غل غپاڑہ۔ شیر افشاں دودھ برسانا مرکبِ غیر امتزاجی بمعنی صدر یعنی افشاندنِ شیر۔ جیسے قدمبوس بمعنی بوسیدنِ قدم۔ صبر بمعنی صبر کن۔

ترجمہ: ہوا کے زنّاٹے اور بادل کا برسنا ہمارے ہی غم میں ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے تم کو صبر کرنا چاہیے۔

مطلب: اوپر ریاضت و مجاہدہ کی ترغیب دی تھی یہاں اس پر صبر و تحمل کرنے کی ترغیب ہے۔ یعنی بے شک ریاضت و مجاہدات کی برداشت مشکل ہے لیکن اتنا تو سوچو کہ تمام عناصرِ عالم اور دائرۂ ارض و سما تمہاری ہمدردی پر تلا ہوا ہے تم سے ایک ذرا سی دیر کے لیے بھی صبر نہیں ہوتا۔ حوصلہ سے کام لو اور ریاضت پر چون و چرا نہ کرو۔ صائبؒ

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر آرے شود و لیک بخونِ جگر شود

فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ بشنیدۂ اندریں پستی چہ برچفسیدۂ

لغات: مصرعہ اولیٰ میں قرآن مجید کی اس آیت سے اقتباس ہے۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق اور جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے۔ (ذاریات ع 1) چفسیدہ از چفسیدن بمعنی چسپیدن چمٹنا۔

ترجمہ: فی السماء رزقکم کا ارشاد تم نے سن لیا ہے پھر اس پستی میں کیوں چمٹ رہے ہو۔

مطلب: جب رزقِ ظاہری کے اسباب و ذرائع کا سررشتہ خداوند تعالیٰ نے آسمانوں میں رکھا ہے تو رزقِ باطنی کا خزانہ بطریقِ اولیٰ عالمِ بالا میں ہوگا پھر تم کس لیے اس عالمِ سفلی کے کیڑے بنے ہوئے ہو۔ لہٰذا تم کو عالمِ بالا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ صائبؒ۔

در عالم بالاست تماشائے اگر ہست بیروں زمکان ست وزماں جائے اگر ہست

یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تم نے جب فی السماء رزقکم سنا ہوا ہے پھر اس پستی میں کیوں لپٹ رہے ہو اور کیوں یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہمارے جوتنے بونے وغیرہ پر ہی رزق کا مدار ہے اگر ہم خدا کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ کام رہ جائیں گے اور ہم کو روٹی نہ ملے گی۔ پس اس انہماک کو چھوڑو اور خدا پر بھروسہ رکھو اور اسی کی طرف دل کو لگا کر ہاتھ پاؤں سے بھی یہ کام کرو اور سمجھو کہ اس میں بھی حق سبحانہ کے حکم کی بجا آوری کر رہا ہوں جس نے اختیارِ اسباب کا حکم دیا ہے ایسا کرنے سے خود ہی مجاہدہ بن جائے گا۔ (کلید)

ترس و نومیدیت و آں آوازِ غول میکشد گوشِ تو تا قعرِ سفول

لغات: آوازِ غول شیطان کی آواز گوش میکشد کان سے پکڑ کر لے جاتی ہے۔ قعر گہرائی۔ سفول پستی، نشیب، تنزل۔

ترجمہ: خوف و ناامیدی کو شیطان کی آواز سمجھو جو تم کو کان سے پکڑ کر پستی کی گہرائی کی طرف لے جاتی ہے۔

مطلب: شیطان انسان کا دشمن ہے اور جس طرح بن پڑے وہ اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان کا ریاضات و مجاہدات کے ثمراتِ حسنہ حاصل کرنا بھی اس کو ناگوار ہے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کو ان ثمرات سے محروم کر دے۔ چنانچہ کبھی ان کی تکالیف سے خوف دلاتا ہے اور کبھی مایوسی کے خیالات دل میں ڈالتا ہے یہی شیطانی وساوس انسان کو عالمِ بالا کی طرف متوجہ ہونے سے روکتے اور عالمِ سفلی میں مقید رکھتے ہیں۔ صاحبِ کلید فرماتے ہیں کہ خوب یاد رکھو کہ تمہیں جو توجہ الی الحق میں بھوکوں مرنے کا اندیشہ ہے اور بصورتِ عدمِ انہماک فی طلب المعیشۃ کے رزق کے ملنے سے ناامیدی ہے یہ شیطان کی آواز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ یہ آواز تم کو پستی کی طرف مائل کرتی ہے۔

ہر ندائے کہ ترا بالا کشید آں ندائے داں کہ از بالا رسید

ترجمہ: (پس) جو آواز تم کو (عالم) بالا کی طرف کھینچے سمجھ لو کہ وہ آواز (عالم) بالا ہی سے پہنچی ہے۔

مطلب: کیونکہ قاعدہ ہے کہ انسان جدھر سے آواز آتی ہے سنتا ہے اس طرف متوجہ ہوتا ہے اور ادھر جاتا ہے۔ پس جو خیالات انسان کو متوجہ الی اللہ کریں وہ منجانب اللہ ہوتے ہیں اور جو وساوس ماسوی اللہ کی طرف راغب کریں وہ شیطان کی تحریکات سے ہوتے ہیں۔ حافظؒ۔

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ہشدار گوشِ دل بہ پیامِ سروش کن

ہر ندائے کہ ترا حرص آورد بانگِ گرگے داں کہ او مردُم درد

ترجمہ: جو آواز تم کو حرص پر آمادہ کرے اس کو بھیڑیئے کی آواز سمجھو جو لوگوں کو پھاڑ ڈالتا ہے۔

مطلب: گرگ سے مراد شیطان ہے۔ گرگ کا کام یہ ہے کہ بکریوں بھیڑوں کو پھاڑ ڈالتا ہے مگر یہاں وہ بھیڑیا مراد ہے جو انسان کو تباہ کرتا ہے اور وہ شیطان ہے جو انسان کا دشمن ہے۔ پھر اس کا انسان کو تباہ کرنا بھی خاص لطائف الحیل سے وقوع پاتا ہے۔ مثلاً وہ انسان کو ایسے رذائلِ اخلاق پر آمادہ کر دیتا ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے۔ مثلاً حرص وغیرہ کما قیل۔

قارون زبارِ حرص بروئے زمین نماند دلوِ گراں سبک بتہِ چاہ میرود

ایں بلندی نیست از روئے مکاں ایں بلندِ یہاست سوئے عقل و جاں

ترجمہ: یہ بلندی مکان کی رُو سے نہیں (بلکہ) اس قسم کی بلندیاں عقل اور جان کی طرف (یعنی باطنی) ہیں۔

مطلب: اوپر جو کہا تھا کہ وہ آواز اوپر سے آتی ہے تو وہاں بلندی سے ظاہری و مکانی بلندی مراد نہیں بلکہ روحانی رفعت اور عقلی فوقیت مقصود ہے جو محسوس بحواسِ ظاہری نہیں بلکہ مدرک بعقل ہے۔ آگے اس کی مثال ارشاد ہے:

ہر سبب بالا تر آمد از اثر سنگ و آہن فائق آمد بر شرر

لغات: سبب علت باعث اثر نتیجہ معلول۔ فائق برتر بڑھ کر بالاتر۔ شرر چنگاری آگ مراد ہے۔

ترجمہ: (مثلاً) ہر سبب (اپنے) نتیجہ سے بالاتر ہوتا ہے (چنانچہ) پتھر اور لوہا آگ سے بالاتر ہیں۔

مطلب: اگلے زمانے میں ایک قسم کے پتھر کو جس کا نام چمقاق ہے لوہے پر مارتے تو اس سے چنگاریاں جھڑتیں نیچے کپڑا یا روئی رکھی ہوتی۔ اس کو آگ لگ جاتی اس وقت آگ روشن کرنے کا یہی سامان ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ جب اس طرح آگ روشن کی جائے تو ظاہر ہے کہ پتھر اور لوہے کو آگ سے ذاتاً و زماناً مقدم ہونے کے باعث اولیت اور فوقیت حاصل ہے مگر آگ چونکہ مقصود بالذات ہے اسی پر نظر ہوتی ہے اس لیے اس کو فائق و برتر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مثال ارشاد ہے:

آں فلانے فوقِ آں سرکش نشست گرچہ در صورت بہ پہلویش نشست

لغات: فوق اوپر بالا بلند۔ سرکش مغرور و متکبر در صورت بظاہر۔

قافیہ: اس نسخہ کی رو سے نشست ردیف ہے اور سرکش و پہلویش کا شین قافیہ قدما کے کلام میں جائز رکھا گیا ہے۔ شیخ ولی محمد کے نزدیک دوسرے مصرعہ میں آخری کلمہ نہ نشست ہے یعنی نہ نشست کیونکہ شستن بمعنی نشستن آتا ہے (بحر العلوم) ترجمہ اور مطلب بھی بہر دو تقدیر دو طرح ہو سکتا ہے۔

ترجمہ (۱): دیکھو کہتے ہیں کہ فلاح شخص اس مغرور سے بالاتر بیٹھ گیا اگرچہ بظاہر اس کے پہلو میں ہی بیٹھا ہو۔

مطلب: کوئی سرکش کسی اعلیٰ عہدہ کی کرسی پر بیٹھا ہو ایک اور شخص اس کے پہلو میں اسی قدر بلند کرسی پر نشست رکھتا ہو مگر اس کا عہدہ اس سرکش سے بڑا نہیں نہ اس کی کرسی اس سے بلند ہے مگر وہ علم و ہنر اور تجربہ و لیاقت میں اس سے بڑھ کر ہو تو کہتے ہیں یہ صاحب اس سرکش سے عالی رتبہ ہیں۔ پس یہ علوِ مکانی و حسی نہیں بلکہ عقلی و معنوی ہے۔

ترجمہ (۲): دیکھو کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس مغور سے بالاتر بیٹھ گیا اگرچہ بظاہر وہ کبھی اس کے پہلو میں (بھی آکر) نہیں بیٹھا (چہ جائے کہ اس سے بلند بیٹھا ہو)۔

مطلب: ایک سرکش آدمی اپنے اعلیٰ عہدہ کی کرسی پر متمکن ہے ایک اور باعلم و ہنر مند آدمی ہے جو اپنے علم و ہنر کی بدولت مقبول عام ہے اور اپنے گھر میں رہتا ہے اس کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ یہ صاحب اس سرکش سے بلند تر ہیں۔ اگر چہ وہ اس سرکش سے مکاناً بلند تو کہاں بیٹھتا۔ کبھی اس کے کمرہ نشست میں بھی داخل نہیں ہوا۔ پس یہ فوقیت ظاہری و حسی نہیں بلکہ معنوی و عقلی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

فوقیِ آنجاست از روئے شرف　　جائے دور از صدر باشد مستخف

لغات: شرف بزرگی مستخف جس کو خفیف سمجھا جائے بے حقیقت و بے وقعت۔

ترجمہ: (تو) وہاں کی بلندی از روئے بزرگی ہے جس طرح صدر سے دُور کی جگہ بے وقعت ہوتی ہے (اگر چہ وہ مکاناً بلند ہی ہو)۔

پہلا مصرعہ شعر سابق کے مقصود کی تصریح کرتا ہے یعنی وہاں سرکش آدمی پر دوسرے صاحب کی جو فوقیت تسلیم کی گئی ہے تو از روئے شرف ہے اور دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کے مضمون کی تمثیل ہے۔ یعنی مثلاً ایک مجلس میں صدر کی جگہ صفِ نعال کی جگہ سے ایک دوفٹ پست ہو تو صف نعال کی جگہ باوجود بلند ہونے کی صدر کی جگہ کے مقابلے میں بے وقعت ہی سمجھی جائے گی۔ پس یہ صدر کی جگہ جو بلند سمجھی جاتی ہے تو وہ از روئے شرف بلند ہے اگر چہ حساً مکاناً پست ہی واقع ہوئی ہے۔ سعدیؒ۔

شریف گر متضعف شود خیال مبند　　کہ پایگاہِ بلندش ضعیف خواہد شد

سنگ و آہن زید جہت کہ سابقند　　در عمل ہنگامِ فوقی لائقند

لغات: سابق مقدم فوقی فوقیت۔

ترکیب: در عمل متعلق ہے سابق کے

ترجمہ: چونکہ پتھر اور لوہا عمل میں پہلے ہیں (اس لیے) فوقیت (کا فیصلہ کئے جانے) کے وقت (بظاہر اس) لائق ہیں (کہ ان کو فائق سمجھا جائے)۔

اختلاف: بعض نسخوں میں یہ بیت یوں درج ہے۔

سنگ و آہن جہت کو سابق ست　　درعمل فوقی ایں دو لائق ست

اس صورت میں دوسرے مصرعہ کا ترجمہ صاف اور بلا تکلف ہے یعنی یوں ترجمہ کریں گے کہ عملاً ان دونوں کی فوقیت موزون ہے۔

واں شرر از روئے مقصودیِ خویش　　زآہن و سنگ ست زیں رو بیش بیش

لغات: شرر آگ۔ مقصود ہونا یائے مصدری شامل ہے۔ زیں رو زائد ہے۔

ترجمہ: وہ آگ اپنے مقصود بالذات ہونے کے لحاظ سے لوہے اور پتھر سے کہیں بڑھ کر (سمجھی جاتی) ہے۔

سنگ و آہن اوّل و پایاں شرر　　لیک ایں ہر دو تن اند و جاں شرر

ترجمہ: پتھر اور لوہا (بظاہر) پہلے ہیں (اور) آگ پیچھے لیکن یہ دونوں (بمنزلہ) بدن ہیں اور آگ (بمنزلہ) جان (اس لیے فی الحقیقت فوقیت کی مستحق وہی ہے)۔

مطلب: اگر چہ سبب ہونے کے لحاظ سے پتھر اور لوہا ہی فائق ہیں لیکن چونکہ مقصود و مطلوب آگ ہے اس لیے حقیقت فائق و برتر وہی ہے اگر چہ یہ فوقیت عقلی ہے حسی نہیں۔

کاں شرر کاندر زمان واپس ترست　　　　در صفت از سنگ و آہن برترست

لغات: واپس تر پستر۔ پیچھے۔ در صفت اے در صفت مقصودیت۔

ترجمہ: کیونکہ آگ بلحاظ زمانہ (پتھر اور لوہے سے) بہت پیچھے ہے لیکن (مقصود و مطلوب ہونے کے) وصف میں پتھر اور لوہے سے بڑھ کر ہے۔

مطلب: معلوم ہوا کہ فوقیت صرف زمانی و مکانی نہیں ہوتی بلکہ فوقیت عقلی بھی ہوا کرتی ہے۔ تو وہ آواز بھی جو عالمِ بالا کی طرف متوجہ کر دے فوقیت عقلی رکھتی ہے۔ آگے ایک اور مثال ارشاد ہے:۔

در زماں شاخ از ثمر سابق ترست　　　　در ہنر از شاخ او فائق ترست

ترجمہ: (دیکھو) شاخ زمانے کے اعتبار سے پھل سے پہلے ہے (مگر) وہ خوبی میں شاخ سے بڑھ کر ہے۔

مطلب: ایک چیز ایک حیثیت سے دوسری پر فائق ہوتی ہے دوسری چیز پہلی پر دوسری حیثیت سے فوقیت رکھتی ہے تو ان دونوں حیثیتوں کو دیکھنا چاہیے کہ کون سی اعلیٰ اور اہم ہے جس چیز کی حیثیتِ تقدم اعلیٰ و اہم ہو فی الحقیقت وہی چیز دوسری سے افضل و اشرف اور سابق و فائق ہے۔ چنانچہ شاخ ثمر سے زمانا مقدم ہے تو ثمر شاخ سے بہ لحاظ خوبی و مقصودیت فائق ہے چونکہ ثمر کی یہ حیثیت اہم ہے اس لیے فی الحقیقت اس کو شاخ پر فوقیت حاصل ہے آگے اس بات کی تائید فرماتے ہیں:۔

چونکہ مقصود از شجر آمد ثمر　　　　پس ثمر اوّل بود آخر شجر

ترجمہ: چونکہ درخت سے مقصود پھل ہوتا ہے پس پھل (درجہ میں) اول ہے اور درخت پیچھے۔

سوئے خرس و اژدہا گردیم باز　　　　زانکہ طولے دارد اِضمار و مجاز

لغات: اضمار کلام کے اندر کسی اسم کے لیے ضمیر لانا اور ضمیر وہ مختصر کلمہ ہوتا ہے جو کسی خاص اسم کو بار بار بولنے کی جگہ کام دیتا ہے چونکہ اضمار یعنی ضمیر کے لانے سے اس اسم کے معنی کا افادہ ہوتا ہے اس لیے یہاں اضمار سے کسی امرِ معنوی کا ذکر مراد ہے چنانچہ یہاں فوقیت بمعنی حقیقی کا ذکر اضمار ہے جو امر معنوی ہے مجاز وہ کلمہ جو کسی غیر حقیقی معنی کے لیے مستعمل ہو اور اس کے حقیقی معنی متروک بھی نہ ہوئے ہوں چونکہ کسی غیر افضل چیز کی افضل پر فوقیت محض اس لیے ہے کہ وہ زمانا یا مکانا مقدم ہے معنیً و حقیقۃً فوقیت نہیں بلکہ ایک فرضی اور بناوٹی فوقیت ہے اس لیے وہ مجاز ہے۔

ترجمہ: اب ہم پھر ریچھ اور اژدہے (کے قصے) کی طرف واپس چلتے ہیں کیونکہ (فوقیت) معنی کا بیان اور (**فوقیت**) مجاز کا ذکر بڑا طول رکھتا ہے۔

خرس چوں فریاد کرد از اژدہا　　　　شیر مردے واد ازچنگش رہا

ترجمہ: ریچھ نے جب اژدہے سے فریاد کی تو شیر مرد نے (اس کو) اس (اژدہے) کے پنجے سے رہائی دی۔

حیلت و مردی بہم دادند پشت　　　　اژدہا را او بدیں قوت بکشت

لغات: حیلت حیلہ۔ تدبیر مردی بہادری۔ شجاعت۔ پشت دادن مدد کرنا۔

ترجمہ: تدبیر اور بہادری نے ایک دوسرے کی مدد کی تو اس (شیر مرد) نے اس طاقت سے اژدہے کو مار ڈالا۔

اژدہارا او بدیں حیلت بہست تا کہ آں خرس از ہلاکِ تن برست

ترجمہ: اژدہے کو اس (شیر مرد) نے اس حیلہ کے ساتھ باندھ دیا یہاں تک کہ وہ ریچھ جسمانی ہلاکت سے بچ گیا۔

مطلب: اس شیر مرد کو طاقتِ مردی اور زور تدبیر دونوں باتیں حاصل تھیں دونوں طاقتوں کی بدولت اس نے اژدہے جیسی مہیب و خونخوار بلا کا خاتمہ کر دیا ورنہ اکیلی قوتِ مردی یا طاقت تدبیر سے یہ فتح حاصل نہیں ہو سکتی تھی یہی وجہ ہے کہ اژدہا اس سے مغلوب ہو گیا کیونکہ اس کے پاس صرف ایک طاقت تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اژدہا را ہست قوت حیلہ نیست لیک فوقِ حیلۂ تو حیلتے ست

ترجمہ: اژدہا کے پاس قوت (جسم تو) ہے حیلہ نہیں مگر (تم کو اپنی دوہری قوت پر نازاں بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ) تمہاری قوت تدبیر سے بڑھ کر بھی ایک قوت تدبیر ہے۔

ماکراں بسیار لیکن باز بیں در نبے وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن

لغات: ماکر مکر کرنیوالا حیلہ گر۔ نبے بضم نون و یائے مجہول قرآن مجید و اللّٰہ خَیْرُ الخ اشارہ ہے اس آیت کی طرف مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِین اور یہود نے (عیسیٰؑ سے) داؤ کیا اور اللہ نے داؤ کیا اور داؤ کرنے والوں میں اللہ (سب سے) بہتر (داؤ کرنے والا) ہے۔ (آل عمران ۵)

ترجمہ: حیلہ گر (تو) بہت (ہیں) لیکن تم قرآن مجید میں آیہ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ پڑھ کر دیکھ لو (جس سے ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت سارے حیلہ گروں سے بڑھ کر ہے)۔

حیلۂ خود را چو دیدی باز رو کز کجا آمد سوئے آغاز رو

ترجمہ: جب تم اپنے حیلہ کو دیکھو تو (اس کے مبدء کی طرف) لوٹو کہ وہ کہاں سے آیا (اس کے) آغاز کی طرف جاؤ۔

مطلب: بندے کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اپنے تصرفات پر نظر پڑتے ہی کمالات و تصرفاتِ حق کو دیکھنا چاہیے کہ وہی افعالِ عباد کی اصل ہے۔ سعدیؒ

اگر تو دیدہ وری نیک و بد زحق بنی دو بنی از قبل چشم احول افتادہ است

ہرچہ در پستی ست آمد از عُلا چشم را سوئے بلندی نہ ہلا

لغات: علا بلندی ہلا خبردار، حرف تنبیہ ہے۔

ترجمہ: جو کچھ عالم سفلی میں ہے سب عالم بالا سے آیا ہے (اس لیے) خبردار اپنی آنکھ کو عالم بالا کی طرف لگائے رکھو۔

مطلب: بندوں کے افعال و تصرفات پر کیا منحصر ہے بلکہ عالم سفلی میں جو کچھ بھی ہے سب عالم بالا یعنی بارگاہِ رب العزت سے صادر ہوا ہے پس ہر بات میں اسی بارگاہ کو نصب العین بنانا چاہیے۔

کار خود گر بخدا باز گزاری حافظ اے بسا عیش کہ باجت خدا دادکنی

روشنی بخشد نظر اندر عُلا گرچہ اوّل خیرگی آرد بلا

لغات: خیرگی تاریکی۔ آنکھوں کا چندھیانا۔ بلا مصیبت۔

ترجمہ: عالم بالا میں نظر کرنا (چشم قلب کو) روشنی بخشتا ہے اگرچہ [illegible] ب (دنیویہ نظر کو) خیرہ کر دیتی ہیں۔

مطلب: اگرچہ شدتِ مصائب میں بندہ بہ تقاضائے بشریت از خود رفتہ اور خداوند تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ تمام حوادث کو بحکمِ حق سمجھے اور راضی بر ضائے حق رہے تو اس کی قلبی تکلیف بھی کم ہو جائے اور معرفتِ حق بھی حاصل ہو۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ "روشنی بخشد نظر اندر علا۔" ونعم ماقیل۔

جز صبر نیست صیقل دلہائے بیقرار　　چوں ایستادہ آب بآئینہ میرسد

چشمِ خودرا روشنائی خوئے کن　　کہ نہ خفاشی نظر آنسوئے کن

لغات: خوے کن عادی بناؤ۔ خفاش چمگادڑ۔

ترجمہ: اپنی چشم (قلب) کو نور (معرفت میں دیکھنے) کا عادی بناؤ کیونکہ تم چمگادڑ نہیں ہو (جو روشنی میں نہیں دیکھ سکتی لہٰذا) اس (عالمِ بالا کی) طرف نظر کرو۔

نوٹ: یہاں تک تو مبدء پر نظر کرنے کی ہدایت کی تھی آگے مآل پر نظر کرنے کی ترغیب فرماتے ہیں:

عاقبت بینی نشانِ نورِ تست　　شہوتِ حالی حقیقت کورِ تست

لغات: عاقبت بینی مآل اندیشی، انجام پر نظر کرنا۔ شہوتِ حالی موجودہ خواہشات کے دلدادہ رہنا۔ حقیقت بمعنی فی الحقیقت۔ کور بمعنی کوری، نابینائی۔

ترجمہ: انجام پر نظر کرنا تمہارے نور (بصیرت) کی نشانی ہے اور موجودہ خواہش (نفسانی میں گرفتار رہنا) در حقیقت تمہاری نابینائی ہے۔

مطلب: جس طرح مبدء پر نظر کرنا ضروری ہے مآل پر نظر کرنا بھی لابدی ہے پس تم کو خواہشات کی لذتِ حاضرہ پر مرنا نہیں چاہیے بلکہ ان کے برے انجام پر نظر کرنی چاہیے جب کہ لذت ختم ہو چکے گی اور تلخی ہی تلخی رہ جائیگی۔

غافل مشو ز عاقبتِ کار خود غنی　　دل نہ بخواب مرگ کہ دنیا فسانہ ایست

عاقبت بینے کہ صد بازی بدید　　مثلِ آں نبود کہ یک بازی شنید

ترجمہ:۔ وہ ایک عاقبت بین (ہے) جس نے (قدرتِ حق کے) سو کھیل دیکھے ہیں اس کے برابر وہ (شخص) نہیں ہوسکتا جس نے (صرف) ایک کھیل سنا ہو۔

مطلب:۔ عارفِ محقق ایک ہی نظر میں قدرتِ حق کے صدہا جلوے دیکھتا ہے مگر ظاہر بیں کی نظر میں ہر بات کا صرف ایک ہی سنا سنایا ظاہری پہلو ہے شنیدہ کے بود مانندہ دیدہ۔ پس یہ اس عارف کی کیا ریس کرسکتا ہے۔ سعدیؒ ۔

چو بت پرست بصورت چناں شدی مشغول　　کہ دیگرت خبر از لذتِ معانی نیست

زاں یکے بازی چناں مغرور شد　　کز تکبر ز اوستاداں دور شد

ترجمہ: وہ اس ایک ہی بازی سے اس قدر مغرور ہوگیا کہ تکبر کے ساتھ (اپنے آپ کو) استادوں سے (مستغنی سمجھ کر) دور ہوگیا۔

مطلب: مثل مشہور ہے [illegible] پنساری سمجھنے لگا۔ اسی طرح یہ بے جوہر آدمی قدرتِ حق

کی صرف ایک سنی سنائی بات کے علم پر یا اپنی ایک آدھ تدبیر کے بر رُوے کار آنے پر اس قدر مغرور ہو جاتا ہے کہ بڑے بڑے ارباب کمال کو خاطر میں نہیں لاتا۔ غنیؒ۔

گدا چوں یافت روزی خویش را داند سلیمانے ۔ برائے مور سنگِ آسیا تختِ رواں باشد

سامری وار آں ہنر در خود چو دید ۔ اوزِ موسیٰؑ از تکبّر سر کشید

لغات: سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک آدمی تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ دریائے نیل سے پار اتر رہے تھے اور دریا میں ان کے معجزے سے خشک راستہ پیدا ہو گیا تھا تو اس وقت ایک فرشتۂ حق گھوڑی پر سوار ان کی رہنمائی کر رہا تھا سامری نے دیکھا کہ گھوڑی کا جہاں پاؤں پڑتا ہے وہاں فوراً سبز گھاس اگ پڑتی ہے اس نے گھوڑی کے قدموں سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی کہ یہ کرشمہ کی چیز کسی کام آئے گی جب موسیٰ علیہ السلام توریت لانے کے لیے وعدۂ الٰہیہ کے مطابق کوہِ طور پر گئے تو سامری نے پیچھے موقع پاکر سونے چاندی کا ایک بت بچھڑے کی صورت میں بنایا اور اس میں وہی مٹی رکھ دی جس کے اثر سے وہ بچھڑا بولنے لگا۔ سامری نے لوگوں سے کہا تمہارا خدا یہی ہے موسیٰؑ کوہ طور سے واپس آئے تو یہ حال دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور ان لوگوں نے اپنے کیے کی سزا پائی۔

ترجمہ: (اس مغرور کا حال) سامری کی طرح (ہے) جس نے اپنے اندر (بچھڑا بناتے اور آواز پیدا کرنے کا) وہ ہنر جو دیکھا تو از راہِ تکبر موسیٰ علیہ السلام سے سرکشی کی۔

مطلب: اوپر مبتدی کے کسی ایک آدھ کرشمے کے استماع یا مشاہدہ سے مغرور ہو کر اکابر ہنر مندوں کو خاطر میں نہ لانے کا ذکر تھا پھر اس پر سامری کی مثال پیش فرمائی کہ وہ ایک ذرا سے ہنر پر اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے مستغنی بلکہ ان سے بدتر سمجھنے لگا اس سے یہ تعلیم مقصود ہے کہ تقاضائے سعادت مندی یہ ہے کہ اپنے آپ کو اپنے استاد اور مرشد کا ممنونِ احسان سمجھے، خواہ خود کمالات کے کسی درجے پر فائز ہو جائے مگر ان سے اپنا تعلق منقطع نہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ "اگر تم شکر کرو گے تو ہم تم کو زیادہ دیں گے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب سخت ہے" (سورۂ ابراہیم) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ "جو لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کرتا"۔ لہٰذا استاد و شیخ سے ہرگز قطع تعلق نہ کرے اس کی بڑی نحوست پڑتی ہے۔ حافظؒ

چوں سامری مباش کہ زر دید از خری ۔ موسیٰؑ بہشت و از پے گوسالہ میرود

اوز موسیٰؑ آں ہنر آموختہ ۔ وز معلّم چشم را بر دوختہ

ترجمہ: (حالانکہ) اس نے وہ ہنر موسیٰ علیہ السلام ہی سے سیکھا تھا اور (آخر الامر اپنے) استاد یعنی حضرت موسیٰؑ سے قطع نظر کر بیٹھا۔

مطلب: سامری نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا ہنر سیکھا تھا؟ یا تو اس سے وہ مؤثر تقریر وہ پر جوش بیان وہ کلماتِ نافذہ اور وہ زورِ استدلال مراد ہے جس سے ایک جمِ غفیر کے قلوب مسخر کیے جا سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ جو ہر وہبی طور پر پیغمبری کے ساتھ ملا تھا جس کی بدولت انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنی آواز کے پیچھے لگا لیا اور فرعون کو سرِ دربار ساکت و لاجواب کر دیا۔ سامری نے یہ طریقہ کسی طور پر کسی قدر ان سے سیکھ لیا اور اس نے موقعہ پا کر اس کی بدولت بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو اپنا ہم نوا بنا لیا یا اس سے فرشتۂ حق کے نشانِ قدم کی [illegible] پیغمبری کے علم کی بدولت معلوم تھے سامری نے

ان سے یہ خواص سن لیے ہوں گے مگر کم بخت نے ان سے کسی اچھے کام میں فائدہ اٹھانے کے بجائے شرک کی بنیاد رکھ کر خود برباد ہوا اور ایک جماعتِ کثیر کا دین و ایمان برباد کیا۔ ساتھ ہی موسیٰؑ کا ہمسر و مخالف بن بیٹھا، مگر پیغمبرِ حق کے سامنے اس کی کیا حقیقت تھی۔ حافظؒ

سحر با معجزہ پہلو نزند دل خوش دار　　سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

لاجَرَم موسیٰ دگر بازی نمود　　تا کہ آں بازیِ او جانش ربود

ترجمہ: آخر کار موسیٰ نے دوسرا تصرف دکھایا حتیٰ کہ وہ تصرُّف اس کی جان لے کر رہا۔

مطلب: سامری نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو گمراہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے خلاف بددعا کی جس کے اثر سے سامری کو یہ سزا ملی کہ وہ لوگوں سے مل کر نہیں رہ سکتا تھا جو شخص اس کے پاس آنا چاہتا۔ اس کو سامری دور ہی سے پکار کر کہتا لَامِسَاسَ یعنی مجھے نہ چھونا کیونکہ اگر کوئی شخص اس سے چھو جاتا تو سامری کو شدید بخار چڑھ جاتا آخر اس مصیبت میں اس کی زندگی ختم ہوئی اور مرنے کے بعد جہنم رسید ہوا غرض اپنے استاد و مرشد کی مخالفت و معاندت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عتاب کا اندیشہ ہے۔ حافظؒ

بازیِ چرخ بشکندش بیضہ در کلاہ　　زہرا کہ عرض شعبدہ بااہلِ راز کرد

اے بسا دانشِ کہ اندر سردود　　تا شود سرور بداں خود سر رَوَد

صنائع: سر کے لفظ کا ایراد مختلف معنوں میں پُرلطف ہے۔

ترجمہ: ارے بہت سی عقلیں (اس غرض سے آدمی کے) سر میں دوڑتی ہیں تا کہ وہ (ان کے ذریعہ سے) سردار بن جائے مگر بجائے سردار بننے کے) اس کا سر ہی کٹ جاتا ہے۔

مطلب: بعض اوقات انسان ایسی تدابیر عمل میں لانا چاہتا ہے جن سے اس کو اپنے ہمعصروں میں شہرت اور فوقیت حاصل ہو مگر وہ تدابیر بجائے اس کے سردار بنانے کے اس کے لیے پیغامِ موت ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ سامری کا حال ہوا۔ کما قیل۔

ازیں ہوا کہ ترا در سرست مے ترسم　　کہ چوں حباب رود عاقبت سرت برباد

صائبؒ۔ آرزوے خام مردم را بدوزخ مے برد　　عود ہائے خام اندر کارِ مجمر کردہ اند

سرنخواہی کہ رود تو پائے باش　　در پناہِ قطب صاحب رائے باش

صنائع: سر اور پاء کا تقابل پُرلطف ہے۔

ترجمہ: اگر تم چاہو کہ سر نہ جائے تو پاؤں بن جاؤ (اور) کسی قطب صحیح الرائے کی پناہ میں رہو۔

مطلب: اگر تم چاہو کہ طریق حق میں ہلاکت و تباہی سے محفوظ رہو تو تواضع اور خضوع و خشوع اختیار کرو اور اپنے آپ کو کسی شیخِ کامل اور مربیِّ مشفق کے سپرد کر دو پھر انشاء اللہ کبھی لغزش نہ کھاؤ گے اور نہ ہلاک ہو گے۔

حافظ از دست مدہ صحبت آں کشتیِ نوح　　ورنہ طوفانِ حوادث ببرد از بنیادت

گرچہ شاہی خویش فوقِ او مبیں　　گرچہ شہدی جز نباتِ او مچیں

لغات: خویش را۔ حرفِ را مقدر ہے۔ مچیں فعل نہی از چیدن چُنتا۔

ترجمہ: اگرچہ تم بادشاہ ہو مگر اپنے آپ کو اس (استاد یا شیخ) سے فائق نہ سمجھو اگرچہ تم شہد ہو (مگر اسی کے فیض کی شکر چنتے رہو)۔
مطلب: اگرچہ تمہارا مرتبہ علم میں استاد سے یا کمالاتِ باطن شیخ سے بڑھ جائے مگر اپنے آپ کو کبھی بھی اس پر ترجیح نہ دو بلکہ اس کو اپنے آپ سے افضل سمجھو اور اس کے اتباع پر قائم رہو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔
حافظؒ ؎

حلقہ پیر مغانم زازل در گوش است ماہمانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود

فکرِ تو نقش ست و فکرِ اوست جاں نقدِ تو قلب ست و نقدِ اوست کاں

لغات: نَقش تصویر، قالب، مجسمہ قَلب کھوٹا کآن بمعنی کانی یعنی معدنی۔
ترجمہ: تمہاری فکر تصویر ہے اور اس کی فکر روح ہے تمہارا نقد کھوٹا اور اس کا نقد معدنی (یعنی کھرا) ہے۔
مطلب: تمہاری عقل و دانش بمنزلہ پوست ہے اور شیخ کی عقل بمنزلۂ مغز اگر مرید اپنے شیخ سے تعلق منقطع کرے تو جس طرح مغز بلا پوست کے خریدار سب ہوتے ہیں اسی طرح شیخ کا کوئی نقصان نہیں البتہ مرید کی بیقدری ہوگی جس طرح پوست بے مغز کو کوئی نہیں پوچھتا۔ امیر خسروؒ

تو خود فرشتہ اما زِ خویش نتواں شد جز آنکہ صحبتِ خاصانِ کردگار بود

او توئی خودرا بجو در اوئے او کو و کو گو فاختہ ساں سُوئے او

لغات: اوئے او اس کی ہستی۔ اس کا وجود۔ پہلا کلمہ ضمیرِ ذات کو ظاہر کرنا ہے کو کو اسمِ صوت، فاختہ کی آواز۔ یہاں کو بمعنی کہاں مراد ہے۔
ترجمہ: (شیخ میں اور تم میں یہاں تک اتحاد ہو کہ گویا) وہ تم ہی ہو پس اپنے آپ کو اس کی ہستی میں تلاش کرو اس کو اپنا نصب العین بنا کر فاختہ کی طرح کو کو (کہاں ہے کہاں ہے) بولا کرو۔
مطلب: اپنے آپ کو اس تفویض کامل کے ساتھ شیخ کے سپرد کر دو کہ تمہاری رائے شیخ کی عقل کے سامنے لاشے محض ہو جائے اور تم ہر وقت اس کی رضا جوئی میں لگے رہو۔ اپنے آپ کو اس کی ہستی میں تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مطالب و مرادات کو اس کی رضا میں فنا کر دو اور اپنی مرادات وہی سمجھو جو شیخ چاہے گویا اپنے مقتضیاتِ ہستی کو شیخ میں تلاش کرو جو مقتضیات اس کی ہستی میں پاؤ ان کو اپنی مرادات سمجھو۔ ورنہ اگر شیخ کی خدمت و اطاعت سے عار کرو گے اور اس سے علیحدہ رہو گے تو یاد رہے کہ محروم رہ جاؤ گے۔ سعدیؒ

تو خودرا گمان بُردہ پُر خِرد اناے کہ پُر شدد گر کے بُرد
ز دعوئ تہی آے تا پُر شوی تو از خود پُری زاں تہی میروی
زہستی در آفاق سعدی صفت تہی گرد و باز آے پُر معرفت

ورنخواہی خدمتِ اہلِ صفا ہمچو خرسی در دہانِ اژدہا

لغات: اہلِ صفا دل کی صفائی و نورانیت والے، اہل اللہ، بزرگانِ طریقت۔
ترجمہ: اور اگر تم حضراتِ اہل اللہ کی خدمت (کرنی) نہ چاہو گے تو (یاد رکھو) تمہاری وہی مثال ہے جیسا اژدہے کے منہ میں ریچھ۔

مطلب: پیر کی خدمت سے کنارہ کشی کرنے والا مرید شیطان کا شکار ہو جاتا ہے جس طرح ریچھ اژدہے کا شکار ہو گیا تھا اور اگر شیر مرد اس کی مدد کو نہ پہنچتا اور اس کو اژدہے کے پنجے سے نجات نہ دلاتا تو یقیناً وہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح مرید کو شیخ ہی اژدہائے شیطان کے پنجے سے نجات دلاتا ہے جو مرید اس کی صحبت سے کنارہ کش رہے وہ شیطانی مکاید کا لقمہ ہو جاتا ہے۔ کما قیل۔

مرد کہ گردن کشد از حکمِ پیر — سیلیش از دیو ستمگار بہ
درحقِ میشے کہ رمید از شباں — پنجۂ گرگانِ جگر خوار بہ

جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان الشیطن ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذة والقاصیة والناحیة الخ یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے وہ الگ چرنے والی دور رہ جانے والی اور کنارہ کشی کرنے والی بکری کو پکڑ کر لے جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

الخلاف:۔ بعض نسخوں میں اس شعر کے بجائے دو شعر یوں درج ہیں:

ورنخواہی خدمت ابنائے جنس — در دہانِ اژدہائی ہمچو خرس
ورترش مے آیدت قندِ رضا — ہمچو خرسی در دہانِ اژدہا

جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اور اگر تم (اپنے شیوخ) ابنائے جنس کی خدمت (کرنی) نہیں چاہو گے تو گویا تم ریچھ کی طرح اژدہے کے منہ میں ہو اور اگر تم کو (پیر کی) رضا (طلبی) کی قند بے مزہ لگتی ہے تو (ابھی) تمہاری مثال اس ریچھ کی سی ہے جو اژدہے کے منہ میں ہے۔

ممکن ہے یہی نسخہ اصلی ہو مگر بظاہر اس میں بمقابلہ نسخہ سابقہ کے یہ چند نقائص ہیں۔ (۱) جنس اور خرس کا قافیہ نادرست ہے۔ (۲) ابنائے جنس کا ذکر غیر مقصود ہے اس کو شیخ پر بہ تکلف چسپاں کرنا پڑتا ہے۔ (۳) اژدہا و خرس کے ذکر میں تکرار ہے۔

بوکہ استادے رہاند مرترا — وز خطر بیروں کشاند مرترا

لغات: بو مخفف بود بمعنی شاید۔ کشاند کشد برارد۔

ترجمہ: شاید کوئی استاد تم کو چھڑا دے اور تم کو خطرے سے باہر نکال لائے۔ حافظؒ۔

بمانے رَو و فرصت شمر غنیمت وقت — کہ در کمیں گہِ عمراند قاطعانِ طریق

زاریئے میکن چوزورت نیست ہیں — چونکہ کوری سرمکش ازراہ بیں

لغات: ہیں کلمۂ تنبیہ خبردار۔ کوری کورہستی۔ راہ بیں۔ راستے کو دیکھنے والا۔

ترجمہ: خبردار! جب تم میں زور نہیں تو زاری ہی کرو جب تم اندھے ہو تو راستے کو دیکھنے والے (پیشرو کے اتباع) سے سرتابی نہ کرو۔

اگر تم میں خود اپنی اصلاح حال کے لیے زور وقوت نہیں ہے تو جناب باری میں زاری ہی کرو کہ اس کے فضل سے کوئی راہبر تمہاری دستگیری کرے۔ جب رہبر مل جائے تو پھر اس کا اتباع لازم سمجھو۔ زاری اگرچہ کمزوری کا حیلہ ہے مگر جب فضلِ خدا شاملِ حال ہو تو یہ بھی زور بن جاتی ہے۔ کما قال مرزا جانجاناں مظہر الشہید رحمۃ اللہ علیہ۔

دلِ او برحم آورد آخر نالۂ زارم — بلے اعجاز عشق است ایں کہ زاری زور میگردد

تو کم از خرسی نمے نالی زدرد — خرس رست از درد چوں فریاد کرد

ترجمہ: تو ریچھ سے بھی گیا گزرا ہے (کہ) درد سے گریہ وزاری نہیں کرتا، ریچھ نے جب فریاد کی تو درد سے نجات پا گیا۔

مطلب: ریچھ اژدہے کے پنجۂ جفا سے نالاں ہوا تو اس کی رستگاری کے سامان ہو گئے لیکن تم گرگ شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو کر اس کے خونچکاں ناخنوں کی اذیت سہ کر اس کی خونخوار کچلیوں کے زخم اٹھا کر فریاد نہیں کرتے بارگاہ رب العزت میں گریہ و زاری نہیں کرتے پھر تمہاری فریاد کو کون پہنچے اور تمہاری رستگاری کے سامان کیونکر ہوں؟

چونکہ استاد و شیخ کی نافرمانی ایک سخت بلا ہے اور مولانا کی عادت شریفہ یہ ہے کہ جب پُر خطر بات کا ذکر آتا ہے تو درگاہِ خدا میں مناجات کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے اب مناجات کرتے ہیں:

اے خدا آں سنگدل راموم کن نالہ اش راتو خوش و مرحوم کن

ترجمہ: الٰہی اس سنگدل (مرید) کو (رقت و نرمی میں مثل) موم بنا دے۔ اس کے گریہ کو مبارک اور باعثِ رحمت بنا دے۔

گفتن نابینائے سائل با مردم کہ من دو کوری دارم مرا رحم کنید

ایک اندھے سائل کا لوگوں سے یہ کہنا کہ میں دو طرح سے اندھا ہوں، مجھ پر رحم کرو

آں یکے کورے ہمیگفت الاماں من دو کوری دارم از اہلِ زماں

ترجمہ: ایک اندھا کہہ رہا تھا جائے رحم ہے کہ میں دنیا بھر میں دو طرح سے اندھا ہوں۔

پس دوبارہ رحمتم آرید ہاں چوں دو کوری دارم اے اہلِ زماں

ترجمہ: پس چونکہ میں دوہرا اندھا ہوں اس لیے اے اہلِ زمانہ ضرور مجھ پر دوہرا رحم کرو۔

از تعجّب مردُ ماں گفتند نیک ایں دو کوری را بیاں کن نیک نیک

ترجمہ: لوگوں نے متعجب ہو کر کہا لیکن اس دو طرح سے اندھا ہونے کو اچھی طرح بیان کرو۔

زانکہ یک کوریت مے بینیم ما آں دگر کوری کدام آں و انما

ترجمہ: کیونکہ ہم تم کو ایک طرح سے اندھا دیکھتے ہیں وہ دوسری طرح اندھا ہونا کونسا ہے بیان تو کرو۔

گفت زشت آوازم و ناخوش نوا زشت آوازی و کوری شد دوتا

لغات: نوا آواز۔ دوتا دوہری، دوگنی۔

ترجمہ: اس نے کہا میں بدآواز اور کریہہ صورت ہوں بدآوازی اور نابینائی (مل کر) دوہری (کوری) بن گئی۔

بانگِ زشتم مایۂ غم مے شود مہرِ خلق از بانگِ من کم مے شود

ترجمہ: میری بُری آواز لوگوں کی تکلیف کا سبب بن جاتی ہے (پس) لوگوں کی مہربانی میری آواز کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے۔

نوٹ: کیا عجیب بات ہے کہ جس امر کو یہ نابینا لوگوں کی مہر کم ہونے کا باعث قرار دیتا ہے یعنی بدآوازی اسی کی بنا پر لوگوں سے دوہرے رحم کی آرزو کرتا ہے "پس دوبارہ رحمتم آرید ہاں"۔

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

زشت آوازم بہر جا کہ رود   مایۂ خشم و غم و کیں مے شود

لغات: میری بُری آواز جہاں جہاں پہنچتی ہے (تو لوگوں کے) غصہ، رنج اور ناراضگی کا باعث بن جاتی ہے۔

بردو کوری رحم را دو تاکنید   اینچنیں ناگنج را گنجا کنید

لغات: ناگنج بضم کافِ فارسی نہ سمانے والا گنجا سمائی کے قابل آخر میں الف قابلیت کے لیے ہے جیسے خوانا و پذیرا میں۔

ترجمہ: اس دوہری نابینائی پر دوہرا رحم (بھی) کرو ایسے کہیں نہ سمانے والے کو سمائی کے قابل کر دو۔

رحم کن بردلِ مجروح خراب حافظ   زانکہ ہست از پے امروز یقیں فردائے

کرد نیکو چوں بگفت ایں راز را   لطفِ آوازِ دلش آواز را

ترکیب: چوں بگفت ایں راز را شرط۔ کرد فعل لطفِ آواز دلش فاعل آواز را مفعول بہ اول نیکو مفعول بہ ثانی۔ یہ سب کچھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔

ترجمہ: جب اس نے یہ راز بیاں کیا تو اس کی قلبی آواز کی خوبی نے اس کی (ظاہری) آواز کو (بھی) دل نشیں بنا دیا۔

مطلب: فارسی کا مشہور مقولہ ہے ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ یعنی دل سے نکلی ہوئی بات دلوں پر اثر کر جاتی ہے۔ اس نابینا نے تہ دل سے اور پورے سوز و گداز سے جو بات کہی۔ وہ قلبی جذبہ کے زور سے سامعین کے دلوں میں اترتی چلی گئی۔ نظامیؒ۔

پذیرا سخن بود شد جا یگیر   سخن کز دل آید بود دلپذیر

ہر چند وہ بات اس نے اپنی اس مکروہ آواز سے ادا کی مگر اس کے جذبۂ قلب کی تاثیر نے بد آوازی کو بھی گوارا بنا دیا۔ اسی طرح اگر بندہ حق تعالیٰ سے دعا و مناجات کرتے وقت دل کی حضوری اور پورے تضرع و ابتہال سے کام لے تو ہر چند کہ اس کی عبارت غیر مربوط اور اس کے الفاظ غیر فصیح ہوں مگر ضرور رحمتِ حق اس پر متوجہ ہو جاتی ہے ورنہ عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ ان آداب کے بغیر رحمتِ حق نازل نہیں ہوتی۔ حدیث میں وارد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاہٍ "اللہ تعالیٰ کسی غافل و غیر متوجہ قلب کی دعا نہیں فرماتا"۔ (مشکوٰۃ)۔

دعا کی قبولیت کے لیے دل کی حضوری شرط ہے

حسنِ دعائے تو گر مستجاب نیست مرنج   ترا زبانِ دگر و دلِ دگر دعا چہ کند

زشتیِ آواز کم شد زیں گلہ   خلق شد باوے برحمت یکدلہ

لغات: گلہ شکایت۔ یکدلہ ایک دل والی۔ یکدل۔ آخر میں ہا نسبت کے لیے ہے جیسے یکسالہ و سہ روزہ میں۔

ترجمہ: اس شکایت (قسمت) سے (اس کی) آواز کی خرابی کم ہو گئی (اور) لوگ یکدل ہو کر اس پر ترس کھانے لگے۔

مطلب: اس کی زشتیِ آواز فی الواقع کم نہیں ہوئی بلکہ آواز تو جوں کی توں تھی مگر اس نے سچے جذبۂ قلب سے جو شکایتِ قسمت کی تو اس سے سامعین اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کی زشتیِ آواز کو محسوس نہ کر سکے۔ صائبؒ۔

سخن رنگِ اثر از سینۂ افگار میگیرد   نسیمِ سادہ دل بوئے گل از گلزار میگیرد

وانکہ آوازِ دِلش ہم بدبود   آں سہ کوری زشتیِ سرمد بود

لغات: سرمد دائمی، ابدی، لازوال، ہمیشہ کے لیے

ترجمہ: اور جس شخص کے دل کی آواز بھی بری ہو وہ ہمیشہ کے لیے تین طرح سے اندھا ہوتا ہے۔

مطلب: جب ایک کریہہ الصوت اندھا آدمی خلوصِ قلب سے عاری ہو تو وہ تین طرح سے اندھا ہے ایک آنکھوں سے دوسرے آواز سے تیسرے قلب سے وہ باغلب احوال ہمیشہ کے لیے اندھا رہتا ہے اور کوئے مراد سے آشنا نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھیں نہیں جو مشاہدہ احوال سے دل میں رقت اور توجہ الی اللہ پیدا ہو۔ اچھی آواز اور دل نشین کلام نہیں جو کسی بندے کی توجہات کو اس کی طرف کھینچے اور اس کی نجات کا سامان پیدا ہو خلوصِ نیت اور حضورِ دل بھی نہیں کہ جو کچھ برے بھلے اعمال وہ خود بخود بجا لاتا ہے ان سے ہی نیک ثمرات پیدا ہوں غرض وہ ہر طرح سے محروم و ناکام ہے اور رہے گا ہاں اگر کوئی بندۂ حق بے سبب اور خلافِ توقع اس کی نابینائی کو دور کر کے اسے بینا و عارف بنا دے تو وہ الگ بات ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

لیک وہّاباں کہ بے علت دہند　　　بو کہ دستے بر سرِ زشتش نہند

لغات: وہّاباں بخشنے والے، عطا فرمانے والے۔

ترجمہ: ہاں ممکن ہے کہ وہ سخاوت کرنے والے جو بلا سبب عطا فرماتے ہیں اس کے سر پر اپنا دست (شفقت) رکھیں (اور اس کا بیڑا پار کر دیں)۔

چونکہ آوازش خوش و مرحوم شد　　　زو دلِ سنگیں دلاں چوں موم شد

ترجمہ: (غرض) جب اس کی آواز (جذبۂ دل کے زیرِ اثر) خوشگوار اور قابلِ رحم بن گئی تو اس سے سنگدل لوگوں کے دل موم کی طرح (نرم) ہو گئے۔

مطلب: جذبۂ قلب کے اثر نے بری آواز کو بھی مؤثر بنا دیا جس سے سنگدل نرم ہو گئے لیکن جو حضرات پہلے ہی رحم دل اور نیک مزاج ہوں وہ تو ایسے دردِ دل سے نکلے ہوئے کلمات پر کیوں نہ رحم فرمائیں گے۔ ہاں خلوص سے خالی کلمات غیر مفید ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

نالۂ کافر چو زشتست و شہیق　　　زاں نمیگیرد اجابت را رفیق

لغات: شہیق گدھے کی آواز کا آخری حصہ۔ اجابت قبولیت۔

ترجمہ: کافر کا رونا چونکہ (اکثر) برا اور گدھے کی آواز کا سا ہوتا ہے اس لیے قبولیت کو قرین نہیں بناتا۔

مطلب: اوپر دردمندانہ نالہ و فغاں کرنے کی تاثیر و قبولیت کا ذکر تھا اب بیدردانہ اور غیر مخلصانہ گریہ وزاری کا ذکر ہے کہ اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا نہ وہ قبول ہوتا ہے۔

انتباہ: کافر کی گریہ وزاری اور دعا و مناجات کا قبول نہ ہونا عدمِ خلوص وفقدانِ رقت پر مبنی ہے عدمِ اسلام پر نہیں اور خود مولانا کے کلام میں اس کا اشارہ پایا جاتا ہے چنانچہ فرمایا "نالۂ کافر چو زشتست و شہیق" یعنی کافر کا رونا اگر زشت و شہیق یعنی خلوص سے خالی ہو تو غیر مقبول ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ رقتِ قلب اور سچے درد سے ناشی ہو تو مقبول ہے۔ سورۂ اعراف کے رکوع دوم میں شیطان کا ذکر یوں ہے۔ قَالَ رَبِّ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. یعنی شیطان نے دعا کی اے میرے پروردگار مجھے روزِ قیامت تک مہلت دے قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے مہلت دی گئی" اس آیت کی ذیل میں تفسیر مظہری میں لکھا ہے۔ وفیہ دلیل علی ان اجابة الدعاء غیر مختص باھل الاسلام و الطاعة و انه لایدل مطلقا علیٰ کون الداعی من المقبولین بل قد یکون استدراجا وفی اجابة دعا ابتلاء العباد و تعریضهم للثواب بمخالفته یعنی اس امر پر دلیل ہے کہ دعا کی قبولیت اہلِ اسلام اہلِ طاعت سے مخصوص نہیں اور یہ کہ اس سے مطلقاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دعا کرنے

خوش آوازی کو مقبولیت میں دخل نہیں

والا مقبولین میں سے ہو بلکہ کبھی یہ قبولیتِ دعا استدراج ہوتی ہے اور کافر کی دعا قبول ہونے میں بندوں کا امتحان ہے اور اس کافر مقبول الدعا کی مخالفت کر کے ثواب پانے کی ترغیب ہے۔(انتہی)

احادیث میں بعض خاص خاص حالات میں قبولِ دعا کا جو ذکر ہے تو ان حالات کے ساتھ اسلام و ایمان کی شرط نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبولِ دعا اسلام پر موقوف نہیں۔مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابٌ لَاشَکَّ فِیْھِنَّ دَعْوَۃُ الْوَالِدِ وَدَعْوَۃُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ یعنی تین دعائیں مقبول ہیں۔ان میں شک نہیں ایک تو والد کی دعا دُوسری مسافر کی دُعا تیسری مظلوم کی دعا۔(مشکوٰۃ)

مظلوم کی دعا کے مقبول ہونے کا ذکر احادیث میں بکثرت وارد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو رقتِ قلب اور دردِ باطن سب سے زیادہ ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَھَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَیَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِیْ لَاَنْصُرَنَّکَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ یعنی اور مظلوم کی دعا کو اللہ تعالیٰ بادلوں سے بھی اوپر اٹھالیتا ہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور پروردگار کہتا ہے قسم ہے میری عزت کی میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ مدت کے بعد(مشکوٰۃ) ولنعم ما قیل۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

ان دلائل سے ثابت ہے کہ قبولیتِ دعا کے لیے والد کا والد ہونا اور مسافر کی مسافری اور مظلوم کی مظلومیت کافی ہے اسلام اس کے لیے لازم نہیں مسلم و کافر کوئی ہو۔اس کی دعا فرزند کے حق میں اور بحالتِ سفر اور بحالتِ مظلومی قبول ہوتی ہے۔

سوال: یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ قبولیتِ دعا میں ان ہر سہ اشخاص کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں جب کہ تمام احکامِ شرع میں اہلِ اسلام ہی سے خطاب ہے اور تمام اوامر و نواہی میں وہی مخاطب ہیں تو پھر کیا بعید ہے کہ یہاں والد، مسافر اور مظلوم سے مسلمان ہی مراد ہوں۔

جواب: بعض احکام کا تعلق صرف مسلمانوں سے اور بعض کا ذمی کافروں سے اور بعض کا سب کے ساتھ مطلقاً ہوتا ہے۔ مثلاً بیع وشرا میں فریب و بدمعاملگی سب کے لیے ممنوع ہے غیبت جس طرح مسلمان کی کرنی حرام ہے کافر کی بھی کرنی ناجائز ہے۔ پس یہ بات درست نہیں کہ تمام احکام کا رجوع صرف مسلمانوں کی طرف ہے۔اگر ایسا ہوتا تو بیع وشرا میں فریب و بدمعاملگی کفار کے لیے جائز ہوتا اور کافر کی غیبت کرنی روا ہوتی۔ ولیس کذالک۔

پس جو احکام مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں ان میں مسلمانوں کی تخصیص صراحتاً آئی ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد میں مسلمان ہونا شرط ہے اور جن احکام میں اسلام شرط نہیں ان کو مطلقاً نافذ کیا گیا ہے۔مثلاً بیع وشرا، اجارہ، عاریت، رہن وغیرہ کے احکام۔اب دعا کو لیجیے مظلوم۔ مسافر اور والد کی دعا کے مقبول ہونے کا ذکر جو علی الاطلاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں مسلم و کافر دونوں شامل ہیں۔بخلاف اس کے ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے حق میں اس کی عدم موجودگی میں دعا کرنا بھی مقرون باجابت فرمایا گیا ہے تو اس میں مسلمان ہونا شرط ہے۔فرمایا دَعْوَۃُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْہِ بِظَھْرِ الْغَیْبِ مُسْتَجَابَۃٌ، یعنی مسلمان آدمی کا اپنے بھائی کے لیے پس پشت دعا کرنا مقبول ہے۔(مشکوٰۃ) اگر مسافر و مظلوم مراد ہوتا تو یہاں دعاءِ غائب میں بھی شرطِ اسلام کے ذکر کی ضرورت نہ تھی لیکن یہاں شرط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں مطلق داعی مراد ہے۔خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

سوال: جب دعا کے قبول ہونے یا نہ ہونے میں اسلام و کفر مؤثر نہیں بلکہ دل کی رقت و عدم رقت کو دخل ہے تو پھر مولانا

نے یہ کیوں فرمایا کہ "نالہٗ کافر اجابت را رفیق نمیگیرد"؟

جواب: یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کافر کی دعا مطلقاً قبول نہیں ہوتی بلکہ اس کی عدم قبولیت کی بنا اس کی آواز کے زشت وشہیق ہونے یعنی اثر وخلوص سے خالی ہونے پر ہے اور اس میں مسلم وکافر دونوں برابر ہیں، چنانچہ مسلمان کی دعا بھی اگر توجہ وخلوص سے خالی ہو تو اس حدیث کی رو سے غیر مقبول ہے کہ ان اللّٰہ لایستجیب دعاء من قلب غافل لاہٍ (ترجمہ پیچھے گزر چکا) باقی رہی یہ بات کہ یہاں کافر کا ذکر خصوصیت سے کیوں کیا گیا ہے۔ یوں کیوں نہ کہا کہ جس شخص کی آواز زشت وشہیق ہو خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر میں چونکہ قسوتِ قلب وسوءِ عقائد کی وجہ سے رقتِ قلب اور خلوصِ نیت کم ہوتا ہے۔ یعنی کافر کے رقیق القلب اور خالص النیۃ ہونے کی نظیر شاذ ونادر پائی جاتی ہے۔ پس عدم اجابتِ دعا کے نظائر کفار میں زیادہ تر اور غالب تر ہونے کی وجہ سے بقاعدہ حکم الاکثر حکم الکل مطلق کفار کے متعلق فرمایا کہ ان کی دعائیں مقرون باجابت نہیں ہوتیں۔

اِخۡسَئُوۡا برزشت آواز آمدست　　　کوز خونِ خلق چوں سگ بودمست

لغات: اِخۡسَئُوۡا چلو دور ہو۔ زجر وتوبیخ کا کلمہ ہے جو قرآن مجید کی ایک آیت سے اقتباس ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے چونکہ اخساء کا کلمہ زیادہ تر کتے کو دھتکارنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے آگے بتایا ہے کہ اس کے کتوں کے سے اوصاف اس سلوک کا باعث ہیں جو ایک پرلطف توجیہ ہے۔

ترجمہ: اخسئوا (چلو دور ہٹو کا تہدیدی کلمہ اسی قسم کے) بدآواز کے بارے میں آیا ہے جو کتے کی طرح مخلوق کے خون سے مست تھا۔

مطلب: کافر لوگ جہنم میں گریاں ونالاں ہو کر پکاریں گے۔ رَبَّنَا اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ "اے ہمارے پروردگار ہم کو اس آگ سے نکال۔ پھر اگر ہم ایسا کریں تو بے شک ہم قصور وار ہیں"۔ قَالَ اخۡسَئُوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنَ "اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ دور رہو اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو"۔ (سورہ المؤمنون ع ۶) یہ کون لوگ ہوں گے؟ کافر ومشرک منکرانِ حق۔ جنھوں نے دنیا اور اسبابِ دنیا کو ہی منتہائے مقاصد سمجھا تھا اور وہ دنیا کے لیے غریبوں کا گلا گھونٹنے اور ان کا خون چوسنے میں باک نہیں کرتے تھے۔ مولانا ان کو زشت آواز کا خطاب دیتے ہیں یعنی دنیا میں ان کی آواز انصاف وحق پسندی سے خالی تھی قیامت میں بھی ان کا شور وفغان غیر واجب اور ناقابلِ رحم ہوگا۔ اس کو آوازِ زشت سے تعبیر کیا ہے۔ سعدیؒ۔

تو ہرگز رسیدی بفریاد کس ؟　　　کہ میخواہی امروز فریاد رس
ہمہ تخم نیکو دمی کاشتی؟　　　ببیں لاجرم برکہ برداشتی
کہ برجانِ ریشت نہد مرہمے؟　　　کہ دلہا زریشت بنالد ہمے

چونکہ نالہ خرس رحمت کش بود　　　نالہٗ تو نبود ایں ناخوش بود

ترکیب: چونکہ نالہ الخ شرط جس میں نالہٗ خوش الخ اور نالہٗ الخ معطوفین ہیں این ناخوش بود جزا۔ ترکیب کو ملحوظ رکھ کر ترجمہ کرو ورنہ ترجمہ میں الجھن رہے گی۔

ترجمہ: جب ریچھ کی گریہ وزاری جاذبِ رحم ہے (اور) تیری گریہ وزاری (ایسی) نہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) یہ (تیری گریہ وزاری) قابلِ نفرت ہے۔

مطلب: درد دل اور رقت دروں کا کرشمہ دیکھو کہ ایک ریچھ حیوان لایعقل کے نالہ و فغاں میں یہ جوہر موجود ہے تو وہ اس کو رحم و کرم سے مستفید بنا دیتا ہے۔ وہ بھی انسان کے رحم و کرم سے جس کو ریچھ سے کوئی انس و ہمدردی ہونی لازم نہیں اور جب انسان اشرف المخلوقات کی گریہ و زاری اس جوہر سے خالی ہے تو اس پر کچھ بھی رحمت متوجہ نہیں ہوتی وہ بھی حق تعالیٰ کی جو ارحم الراحمین ہے اگر انسان کی آواز دعا میں ذرا بھی تضرع و عجز ہو تو کیوں حق تعالیٰ کی رحمت نازل نہ ہو۔ کما قال قدس سرہ۔

چوں تضرع را بر حق قدرہاست | واں بہا کانجاست زاری راکجاست
ہیں امید اکنوں میاں راچست بند | خیز اے گرینده و دائم بخند
وانکہ با یوسف تو گرگی کردهٔ | یاز خونِ بیگناہے خوردهٔ
توبہ کن وزخوردہ استفراغ کن | ورجراحت کہنہ شد رو داغ کن

لغات: گرگی بھیڑیے کا سا سلوک۔ یائے مصدری لاحق۔ استفراغ قے۔

ترجمہ: اور وہ جو تم نے یوسف (کی سی اپنی جانِ عزیز) کے ساتھ بھیڑیے کا سلوک کیا ہے یا کسی بے گناہ کا خون پیا ہے تو (اس سے) توبہ کرو اور (ساتھ ہی اپنے ناجائز) کھائے ہوئے (مال) کو اگل ڈالو اور اگر زخم پرانا ہو چکا ہو تو جاؤ اس پر داغ دے دو۔

مطلب: اگر تم حقوق النفس اور حقوق العباد کو تلف کر رہے ہو تو اجابت دعا ناممکن ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمدیدیه الی السماء یارب و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذی بالحرام فانی یستجاب لذلک پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو لمبے سفر پر رہا پراگندہ موے غبار آلودہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر اے میرے پروردگار! کہتا اور دعا کرتا ہے حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے اور اس کا پوشاک حرام ہے اور حرام غذا پاتا ہے پھر اس کی دعا کیسے مقبول ہو۔ (مشکوٰۃ)

غرض اجابت دعا مطلوب ہے تو پہلے اپنی روح کو پاک کرو آج تک تم اس کو رذائل و معائب میں مبتلا کر کے خراب کرتے رہے ہو اب اس کے تزکیہ و تصفیہ لازم سمجھو۔ دوسری طرف بندوں کے جو حقوق غصب یا تلف کیے ہیں ان کو ادا کر دو اور جن کی ادائیگی مشکل ہو ان کے متعلق اہلِ حقوق سے معافی حاصل کرو آیندہ کے لیے اتلافِ حقوق سے توبہ کرو مگر توبہ کے ساتھ استفراغ (قے) یعنی سابقہ غصب کردہ حقوق کی ادائیگی اور بصورت مجبوری حصولِ معافی ضروری ہے اور صرف توبہ سے اتلافِ حقوق العباد کا گناہ معاف نہیں ہوسکتا اور اگر قلب و روح بالکل مسخ ہو کر ناقابلِ اصلاح حالت کو پہنچ چکے ہیں تو بمصداق حدیث اخر الدواء الکیّ (آخری علاج داغ ہے) ان کو ریاضات و مجاہدات شدیدہ کی کٹھالی میں ڈال کر صاف کرو اور یہ کام شیخ کامل کی تعلیمات کے ماتحت ہونا چاہیے پھر انشاء اللہ حالت سدھر جائے گی۔ دعا قبول ہونے لگے گی اور رحمت حق نازل ہوگی۔

بازگرداز گرگی اے روباہِ پیر | نصرت از حق مے طلب نِعْمَ النَّصِیر

لغات: بازگرد باز آجا۔ روباہِ پیر۔ بوڑھی لومڑی کنایہ ہے اس شخص سے جو کسبِ دنیا کے لیے مکر و فریب کرتا بوڑھا ہو گیا ہو۔ نِعْمَ النَّصِیر بہتر مددگار۔

صنائع: گرگی اور روباہ میں مناسبت ہے۔

ترجمہ: اے بوڑھی لومڑی (کے سے مکار آدمی) بھیڑیا پن چھوڑ دے حق تعالیٰ سے مدد طلب کر (وہ) بہتر مدد گار ہے۔
مطلب: قلب وروح کے مسخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم پر اخلاقِ رذیلہ کا غلبہ ہے تم لوگوں کا خون چوسنے میں بھیڑیے کی طرح خونخوار اور مکروفریب سے کام لینے میں لومڑی کی طرح مکار ہو اگر اصلاحِ نفس چاہتے ہو تو ان اخلاقِ بد سے باز آؤ۔ بے شک اصلاحِ نفس اور تبدیلیِ اخلاق ایک مشکل اور کٹھن مہم ہے تم اس مہم میں اللہ سے مدد مانگو وہ بہتر مدد گار ہے۔

تتمۂ حکایتِ خرس وآں ابلہ کہ باآں اعتماد کردہ بود

ریچھ اور اس بے وقوف کی حکایت کا بقیہ جس نے اس پر بھروسہ کیا تھا

خرس ہم از اژدہا چوں وارہید و آں کرم زاں مرد مردانہ بدید

ترجمہ: ریچھ بھی جب اژدہے سے چھوٹ گیا اور اس نے اس مرد سے مردانہ کرم دیکھا تو۔

چوں سگِ اصحابِ کہف آں خرسِ زار شد ملازم از پئے آں بُرد بار

ترجمہ: تو وہ بیچارہ ریچھ اصحاب کہف کے کتے کی طرح اس بردبار (بہادر آدمی) کے ساتھ رہنے لگا۔ کمندِ احسان حیوانوں کو بھی گرفتارِ ممنونیت کرلیتی ہے۔ سعدیؒ۔

بلطفے کہ دیدست پیلِ دماں نیارد ہمے حملہ بر پیل بال
براں مرد کندست دندانِ یوز کہ مالد زبان بر پنیرش دو روز

آں مسلماں سرنہاد از خستگی خرس حارِس گشت از دلبستگی

لغات: سرنہاد لیٹ گیا۔ خستگی تکان۔ حارس پہرہ دار، نگہبان۔

ترجمہ: وہ (بہادر) مسلمان تکان کے سبب لیٹ گیا (اور) ریچھ شوق کے ساتھ پہرہ دینے لگا۔

آں یکے بگذشت و گفتش حال چیست اے برادر مرترا ایں خرس کیست

ترجمہ: ایک شخص ادھر سے گزرا اور بولا اے بھائی کیا حال ہے (اور) یہ ریچھ تمہارا کون ہے (جو یوں پہرہ دے رہا ہے)

قصہ واگفت و حدیثِ اژدہا گفت برخر سے منہ دل ابلہا

ترجمہ: تو اس نے ساری داستان اور اژدہے کی بات بیان کر دی وہ شخص بولا ارے بے وقوف ایک ریچھ پر اعتماد نہ کر۔ صائبؒ۔

عذر زصحبتِ ناجنس حرز عافیت ست کہ خونِ گل زسرانگشت خارمے ریزد

دوستی زابلہ بتراز دشمنی ست اُو بہر حیلہ کہ دانی راندنی ست

ترجمہ: بیوقوف سے دوستی رکھنا (اس کی) دشمنی سے بدتر ہے وہ تو ہر حیلے سے جو تمہیں آتا ہو دفع کرنے کے لائق ہے۔ کما قیل۔

بود محبتِ ناداں بلا [illegible] زلیخا تمام زندان ست

گفت واللہ از حسودی گفت ایں ورنہ خرسی چہ نگری ایں مہر بیں

لغات: حسودی حسد صیغۂ صفت کے ساتھ یاے مصدری شامل ہے۔ چہ نگری بروزن بنگری پڑھنا چاہیے۔ پہلے مصرعہ میں گفت دوسرے میں چہ نگری کا کلمات قابل غور ہیں کیونکہ دونوں جگہ ایک ہی فاعل ہے مگر ایک جگہ فعل بضمیر غائب دوسری جگہ بضمیر مخاطب لایا گیا ہے شاید اس کی یہ تاویل صحیح ہو کہ صحیح مصرعہ کا مضمون اس نے دل میں کہا ہو کیونکہ ایک دوست کو مخاطب میں رودر رو حسد کا الزام دینا آسان بھی نہیں لہٰذا پہلے دل میں یوں کہا ہو کہ یہ تو از راہِ حسد بک رہا ہے پھر خطاباً کہہ دیا ہو کہ میاں اس کی محبت کو تو دیکھو اور آگے جو وہ ناصح خود اپنے ساتھ حسودی کو نسبت کرتا ہے تو اس نے ریچھ والے کے اظہار ناراضگی سے خود یہ نتیجہ نکال لیا ہو کہ تم مجھ کو حاسد سمجھتے ہو تو خیر یوں ہی سہی۔

ترجمہ: اس (ریچھ والے) نے کہا واللہ یہ (بات) حسد سے کہہ رہا ہے ورنہ (اس کے) ریچھ پن کو کیا دیکھتے ہو (اس کی) یہ محبت دیکھو (کہ کس طرح مجھ سے مانوس ہے)۔ صائبؒ

نے نیست کہ چشمے نبود درپے آں ترکِ وصلِ شکر از بہرِ مگس نتواں کرد

گفت مہرِ ابلہاں عشوہ دِہ است ایں حسودیِ من از مہرش بہ است

ترجمہ: ناصح نے پھر کہا کہ بے وقوفوں کی محبت دھوکا دینے والی ہوتی ہے۔ (بھائی اگر میں تمہارے خیال میں حاسد ہوں تو) میرا یہ حسد اس کی محبت سے اچھا ہے۔ نظامیؒ

چو دریا شدم دشمنِ عیب شوے نہ چوں آئینہ دوستِ عیب جُو

ہے بیا با من براں ایں خرس را خرس را مگزیں مہل تو جنس را

لغات: ہے بفتح ہا کلمۂ تنبیہ ارے۔ براں ازراندن۔ مگزیں اختیار نہ کر مہل مت چھوڑ۔

ترجمہ: ارے! میرے ساتھ چل اس ریچھ کو بھگا دے (محبت و رفاقت کے لیے) ریچھ کو اختیار نہ کر (اور اپنے ابنائے جنس (یعنی انسانوں) کو نہ چھوڑ۔ کمالؒ

پاکش از بزم ہم جنساں اگر خواہی غنا بگسلد چوں تار از طنبور گردد بے نوا

گفت رَو رَو کارِ خود کن اے حسود! گفت کارم ایں بدو رزقت نبود

لغات: رزق مقسوم، نصیب۔

ترجمہ: (ریچھ والا جھلا کر) بولا اے حاسد اپنا کام کر اس نے کہا میرا کام تو یہی تھا (کہ تجھ کو اس غلطی سے متنبہ کروں) اور (اس سے فائدہ اٹھانا) تیرے نصیب میں نہ تھا۔

حافظ نہ گشتے رسوائے گیتی گر مے شنیدے پندِ ادیباں

من کم از خرسے نباشم اے شریف ترکِ اوکن تامنت باشم حریف

ترجمہ: بھلے مانس! میں ایک ریچھ سے تو کم رتبہ نہیں۔ اس کو چھوڑ دے تاکہ میں تیرا شریک حال رہوں۔ حافظؒ

دولت از مرغِ ہمایوں طلب و سایۂ او زانکہ با زاغ و زغن شہپرِ دولت نبود

بر تو دل می لرزدم ز اندیشۂ　　　　با چنیں خرسے مرو در بیشۂ

ترجمہ: تیرے لیے میرا دل بوجہ خوف لرز رہا ہے (بھائی) ایسے (وحشی و خوفناک جانور یعنی) ریچھ کے ساتھ جنگل میں نہ جا (مبادا کوئی گزند پہنچائے)۔

ایں دلم ہرگز نلرزید از گزاف　　　　نورِ حق ست ایں نہ دعویٰ و نہ لاف

لغات: گزاف فضول نورحق الہام ربانی لاف شیخی۔

ترجمہ: یہ میرا دل کوئی یونہی فضول نہیں لرزتا بلکہ یہ ایک الہام ربانی ہے (مجھے تمہارے حق میں خطرہ محسوس ہو رہا ہے) یہ کوئی (ملہم ربانی ہونے کا غلط) دعویٰ نہیں نہ شیخی ہے۔

مومنم یَنظُرُ بِنُورِ اللّٰہ شدہ　　　　ہاں و ہاں بگریز ازیں آتشکدہ

ترجمہ: (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ) میں مومن ہوں ینظر بنور اللہ (اللہ کے نور سے دیکھتا ہے کا مصداق) بن گیا ہوں خبردار خبردار اس آگ کے گھر (یعنی ریچھ کی صحبت) سے بھاگو۔

مطلب: دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی ہے کہ المومن ینظر بنور اللّٰہ الذی خلق منہ یعنی مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا ہے (تمییز الطیب) مطلب یہ کہ مجھے ملہم ہونے کا کوئی فاخرانہ دعویٰ نہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ میں ایک مومن مسلمان ہوں اور حسب ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ تم نے ریچھ کو کیا دوست بنایا ہے بلکہ تم آگ سے کھیل رہے ہو اس سے بچو۔

ایں ہمہ گفت و بگوشش درنرفت　　　　بدگمانی مردرا سدّے است زفت

ترجمہ: یہ ساری باتیں اس نے کہیں مگر اس (ریچھ والے) کے کان میں نہ اتریں کیونکہ بدگمانی آدمی کے لیے ایک بھاری دیوار (بن جاتی) ہے (جو امر حق پر نظر نہیں کرنے دیتی)۔

دست او بگرفت و دست ازوے کشید　　　　گفت رفتم چوں نۂ یارِ رشید

ترجمہ:۔(آخر) اس (ناصح) نے (جی کڑا کر کے) اس (ریچھ والے) کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس نے اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ (تو ناصح) بولا جب تم راست رو دوست نہیں ہو تو میں جاتا ہوں۔

گفت رو بامن تو غمخوارہ مباش　　　　بوالفضولا معرفت کم تر تراش

ترجمہ: (ریچھ والا) بولا جاؤ (جاؤ خواہ مخواہ) میرے غمخوار نہ بنو اے بوالفضول اپنی غیب دانی کی شیخی نہ بگھارو۔

باز گفتش من عدوئے تو نیم　　　　لطف باشد گر بیائی در پیم

ترجمہ: پھر اسے (جوشِ شفقت سے سمجھانے لگا اور) کہا میں تمہارا دشمن نہیں ہوں (تمہاری بڑی) مہربانی ہوگی کہ میرے پیچھے چلے آؤ۔

گفت خوابستم مرا بگذار رو　　　　گفت آخر یار را مُنقاد شو

لغات: خوابستم مراخواب ست۔ یعنی مجھے نیند آرہی ہے۔ منقاد تابع' بات مان لینے والا۔

ترجمہ: (ریچھ والے نے) کہا مجھے نیند آرہی ہے۔ (اب) میرا پیچھا چھوڑو (اور) جاؤ۔ (ناصح نے) کہا آخر دوست کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

تا بخسپی در پناہِ مُقبلے　　　　در جوارِ دوستے صاحبدلے

لغات: مقبل با اقبال' مقبول بندہ' اہل

ترجمہ: تاکہ (اگر) تم (کو سونا ہی ہے تو) ایک بندۂ مقبول کی پناہ میں (اور) ایک صاحب دل دوست کی قربت میں سو جاؤ۔ صائبؒ۔

اکسیر شداز قربِ گہر گرد یتیمی از دست مدہ دامن روشن گہراں را

مطلب: معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناصح کوئی خدا رسیدہ بزرگ تھے جن کو اپنے نور باطن سے اس ریچھ والے کا برا انجام معلوم ہو گیا اور از راہ ہمدردی اس کو بلا سے بچنے کی ہدایت فرماتے ہیں اس کو اپنی حق گوئی کا یقین دلانے کے لیے الہام کا بھی ذکر کر دیا۔ پھر بخوف ریا اور بتقاضائے تواضع یہ بھی کہا کہ مجھے کوئی کشف وغیب دانی کرنے کا دعویٰ نہیں بلکہ یہ ایک مومن کی معمولی شان ہے مگر جب وہ کم بخت ان کی ہدایت ماننے پر آمادہ ہی نہ ہوا تو پھر مجبوراً اپنے مراتب ولایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے لیے مقبل و صاحب دل کے الفاظ استعمال کیے اور اپنی رفاقت کو اس کے لیے پناہ امن اور جوار رحمت قرار فرمایا۔ یہ بات بطور تحدیث نعمت جائز بھی تھی اور اس لحاظ سے ضروری بھی تھی کہ شاید وہ گمراہ یوں زنجیرِ اعتقاد کے ساتھ کشاں کشاں اس ورطۂ بلا سے نکل آئے۔ مگر بقول کسے۔

تہیدستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

در خیال افتاد مرد از جدِ اُو خشمگیں شد رو بگردانید رُو

ترجمہ: (وہ) شخص اس (ناصح) کی کوشش (کے مشاہدے) سے بدگمانی میں پڑ گیا (اس لیے) غضبناک ہو کر اس سے منہ پھیر لیا۔

کیں مگر قصدِ من آمد خونی است یا طمع دارے گدائے تونی است

لغات: قصد سے محاورہ فارسی میں قصد ہلاک مراد لیتے ہیں تُوتی خاکروب، بھنگی۔

ترجمہ: (وہ بدگمانی یہ تھی) کہ شاید یہ مجھے ہلاک کرنے کے قصد سے آیا ہے (اور خونی) ہے (ریچھ سے جدا کر کے مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے) یا کوئی طمع رکھنے والا ہے کوئی بھکاری ذات کا بھنگی ہے (اور چاہتا ہے کہ ریچھ کو دور کر کے میں خود کار خدمت کروں اور روٹی کماؤں)۔

یا گرو بست ست باباں راں بدیں کہ بتر ساند مرازیں ہمنشیں

لغات: گرو بستن شرط باندھنا۔

ترجمہ: یا اس نے دوستوں کے ساتھ اس بات پر شرط باندھ رکھی ہے کہ مجھ کو اس ہمنشیں سے ڈرا دے گا (چنانچہ اپنی شرط جیتنے کے لیے مجھے اس سے ڈرا رہا ہے)۔

یا حسد دارد ز مہرِ یارِ من کاینچنیں جد میکند درکارِ من

ترجمہ: یا وہ میرے (اس) دوست کی محبت کی وجہ سے حسد رکھتا ہے کیونکہ (یہ دوست ریچھ) میرے کار (خدمت) میں اس قدر کوشش بجالا رہا ہے۔

خود نیامد ہیچ از خبثِ سرش یک گمانِ نیک اندر خاطرش

لغات: خبثِ سر گندہ مغز ہونا۔ خاطر دِل۔

ترجمہ: اس کی گندہ مغزی کی وجہ سے ایک بھی گمانِ نیک اس کے دل میں نہ آیا۔

ظنِ نیکش جملگی بر خرس بود　　　او مگر مرخرس راہم جنس بود

ترجمہ: بلکہ اس کا نیک گمان بالکل ریچھ کے لیے (وقف) تھا (ہاں) شاید وہ ریچھ کا ہم جنس تھا۔

بدگمان و ابلہ و نا اھل بود　　　وز شقاوت او مطیعِ جہل بود

لغات: ابلہ بے وقوف۔ نااہل نالائق۔ شقاوت بدبختی۔

ترجمہ: وہ بدگمان اور بیوقوف اور نالائق تھا اور بدبختی کی وجہ سے جہالت کا مطیع تھا۔

بدرگ و خودرائے و بدبختِ ابد　　　گمرہ و مغرور و کور و خوار و رد

لغات: بدرگ بد سرشت، خود رائے ہٹیلا۔ بدبخت ابد شقی ابد رد مردود۔

ترجمہ: بدطینت تھا، ہٹیلا تھا، ہمیشہ کے لیے بدبخت تھا، گمراہ تھا، مغرور تھا، اندھا تھا، ذلیل تھا۔

خرس رابگزید بہ صاحب کمال　　　روسیہ، حاصل، تبہ، فاسد خیال

ترجمہ: ایک عقل مند پر (اس نے اپنی) حماقت سے (حسد و خودغرضی کی) تہمت لگائی اور ریچھ کو محبت اور انصاف والا سمجھ لیا۔

نوٹ: آگے اس تمثیل میں ایک حکایت ارشاد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک گوسالہ پرست سے فرمایا کہ تو نے ہمارے اندر تو بہت سے معجزات دیکھے ہیں اس بچھڑے میں تجھ کو کون سا کرشمہ نظر آیا کہ اس کا معتقد ہو رہا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس کی عقل سلامت نہ تھی اس لیے اس کو سیدھے راستے کے بجائے ٹیڑھا راستہ سوجھا۔

گفتنِ موسیٰ گوسالہ پرست راکہ ایں خیال اندیشیِ تو از کجاست

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک بچھڑے کے پوجاری سے فرمانا کہ تجھ کو یہ عقیدہ کہاں سے ہو گیا

گفت موسیٰؑ بایکے اہلِ خیال　　　کاے بداندیش از شقاوت در ضلال

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے ایک (غلط) خیال والے آدمی سے فرمایا کہ اے غلط فہم! (اور اپنی) بدبختی سے گمراہی میں (مبتلا ہونے والے)۔

صد گمانت بود در پیغمبریم　　　باچنیں برہان و ایں خلقِ کریم

ترجمہ: تجھ کو باوجود اس قدر معجزات اور (میرے) اعلیٰ اخلاق کے (جو انبیا سے مخصوص ہیں) میری پیغمبری میں سینکڑوں شبہات تھے۔

صد ہزاراں معجزہ دیدی زمن　　　صد خیالت میفزود شک وظن

ترجمہ: تو نے مجھ سے لاکھوں معجزے دیکھ لیے پھر بھی ان سے سینکڑوں شکوک اور بدگمانیاں ہی پیدا ہوئیں۔

از خیال و وسوسہ تنگ آمدی　　　طعنہ بر پیغمبریم مے زدی

ترجمہ: (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) تو اپنے خیال اور وسوسہ سے مجبور ہو کر میری پیغمبری پر طعن کرنے لگا۔

گرد از دریا برآوردم عیاں　　　تا رسید از شرِ فرعونیاں

لغات: گرد برآوردن پامال کرنے اور ہلاک کرنے کے معنی میں محاورہ ہے مگر یہاں لغوی معنی مراد ہیں یعنی دریا کو اس طرح خشک کر دیا کہ اس سے گرد [illegible] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ کئی جگہ پیچھے

گزر چکا ہے یہاں بضرورتِ مقام اتنا بتا دینا مناسب ہے کہ فرعون کی قوم یعنی قبطی لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل پر بڑے ظلم کرتے تھے ان سے بیگار اور خاکروبی وغیرہ کی رذیلانہ خدمات لیتے۔ آخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مصر سے نکال لے جانے کا تہیہ کیا اور ایک دن علی الصباح موقع پا کر روانہ ہو گئے۔ فرعون کو یہ خبر ہوئی تو وہ بھی اپنا لاؤ لشکر لے کر چل پڑا۔ سامنے دریائے نیل آ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پر عصا مارا تو وہ پھٹ گیا اور دریا کے پاٹ میں خشک اور صاف سڑک پیدا ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سمیت اس سڑک سے پار اتر گئے۔ ان کے پیچھے فرعون اس راستے سے داخلِ دریا ہوا تو دریا کے دونوں پاٹ مل گئے اور وہ اپنی فوج سمیت غرق ہو گیا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر ایک سرزمین میں مقیم ہوئے اور خود توریت کے نزول کے انتظار میں کوہ طور پر گئے پیچھے سامری نام ایک اسرائیلی نے سونے چاندی کا بچھڑا بنا کر لوگوں کو اس کی پرستش پر آمادہ کیا جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اور کسی قدر آگے بھی آتا ہے۔

ترجمہ: (چنانچہ میرا ایک معجزہ یہ تھا کہ) میں نے دریائے (نیل کو بحکم خدا خشک کر کے اس سے) گرد اٹھا دی یہاں تک کہ تم (اس راستے سے چل کر) قوم فرعون کی شر سے بچ گئے۔

ز آسماں چل سالہ کاسہ وخواں رسید وزد عائم جوئے از سنگے دوید

لغات: چل سالہ تا چہل سال، چالیس برس تک. کاسہ وخوان سے مجازاً من وسلویٰ مراد ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے جب موسیٰ علیہ السلام دریائے نیل سے اپنی قوم کو پار اتار لائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر کوہ طور پر گئے جہاں توریت کے نزول کا وعدہ ہو چکا تھا پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل میں ان کے خلیفہ ہوئے مگر ان لوگوں نے حضرت ہارونؑ کا کچھ لحاظ نہ کیا اور حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری کو غنیمت سمجھ کر بچھڑے کی پرستش کا فتنہ برپا کیا جس کا بانی مبانی سامری تھا آخر سامری نے اپنے کیے کی سزا پائی اور دوسرے لوگ بھی اپنے جرم کے موافق سزایاب ہوئے اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ملک شام پر حملہ آور ہو کر قوم عمالقہ سے جنگ کرنے اور بیت المقدس کو فتح کرنے کا حکم دیا مگر یہ لوگ بڑے سرکش تھے بات بات پر نافرمانی کرتے تھے چنانچہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ فَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّادَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ" کہنے لگے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں نہیں جانے کے جب تک کہ وہ لوگ یعنی عمالقہ وہاں ہیں تو تم جاؤ اور تمہارا پروردگار دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے"۔ (مائدہ ع ۴) اس پر موسیٰ علیہ السلام کو بڑا رنج ہوا ان لوگوں کے حق میں بددعا کی۔ جناب باری سے ارشاد ہوا. فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ج یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ" اچھا (ان کی سزا یہ ہے کہ) چالیس برس تک اس ملک (یعنی بیت المقدس) میں جانا ان کو نصیب نہ ہو گا جنگل میں حیران پھرتے رہیں گے" (کسی طرف رستہ نہ ملے گا) تو ایسے نافرمان لوگوں کا رنج مت کر۔

من وسلویٰ اور وادیٔ تیہ کا حال

غرض اب ان لوگوں کے لیے وادیٔ تیہ کی سرگردانی شروع ہو گئی۔ سفر خرچ تمام ہو گیا اور ذخیرہ نہ رہا تو حضرت موسیٰؑ سے بھوک کی فریاد کی حضرت موسیٰؑ نے جناب باری میں دعا کی تب احسانِ الٰہی کا خوان اس طرح سے مقرر ہوا کے رات کے وقت کشنیز کے برابر دانے برف سے سفید اور شہد سے شیریں درختوں کے پتوں پر آ پڑتے۔ یہ لوگ صبح ہوتے ہی ان کو اکٹھا کر کے کھاتے۔ اس چیز کا نام مَن تھا۔ پھر عصر کے وقت بھنے ہوئے پرند اترتے۔ اس کو سلویٰ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ" ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا۔ اور من اور سلویٰ

اتارا وہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تم کو دیں" (بقرہ ع ۱) ان لوگوں کے لیے پانی کی یہ سبیل ٹھہری کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب مقام ہوتا تو وہ اپنی لاٹھی ایک پتھر پر مارتے اور بنی اسرائیل کی بارہ جماعتوں کے لیے آب شریں کے بارہ چشمے پیدا ہو جاتے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاِذِاسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ط فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْعَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ اور (یاد کرو) جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مار (مارتے ہی) اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر ایک خاندان نے اپنا گھاٹ پہچان لیا" (بقرہ ع ۷) اس شعر اور مابعد کے اشعار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ تذکرہ بالا میں ان میں سے اکثر پر روشنی ڈالی گئی بعض کا ذکر آگے آتا ہے جس سے ترجمہ کا مطلب بخوبی سمجھ میں آسکے گا۔

ترجمہ: (دوسرا معجزہ یہ کہ) چالیس سال تک (وادیِ تیہ میں) آسمان سے (من وسلویٰ کا) جام وخوان اترتا رہا اور (تیسرا معجزہ یہ کہ) میری دعا سے ایک پتھر سے نہر بہ نکلی۔

چوب شد در دستِ من نر اژدہا آب خوں شد بر عدوئے ناسزا

لغات: چوب لکڑی۔ یہاں حضرت موسیٰ کا عصا مراد ہے جو بطور معجزہ زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتا تھا۔ عدو سے مراد قبطی ہیں جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے کئی طرح کے عذاب نازل ہوتے رہے جن میں سے ایک عذاب یہ تھا کہ دریائے نیل اور تمام کنوؤں اور نہروں کا پانی خون بن گیا ان عذابوں کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں بھیجیں اور جوئیں بھیجیں اور خون بھیجا کھلی کھلی نشانیاں۔ (اعراف ع ۱۵)

ترجمہ: (چوتھا معجزہ یہ کہ) میرے ہاتھ میں عصا نر اژدہا بن گیا (پانچواں معجزہ یہ کہ میری دعا سے) نالائق دشمن کے لیے پانی خون بن گیا۔

شد عصا مار و کفم شد آفتاب آفتاب از عکسِ نورم شد شہاب

لغات: کفم میرا ہاتھ، کفِ من شہاب ٹوٹنے والا تارا۔

ترجمہ: لاٹھی (تو) اژدہا ہوئی (تھی) اور (چھٹا معجزہ لیجئے کہ) میرا ہاتھ آفتاب (کی طرح تاباں و درخشاں) ہو گیا (حتیٰ کہ) میرے نور سے (یہ) آفتاب (فلکی یوں ماند پڑ گیا گویا) ٹوٹتا تارا بن گیا۔

ایں وصد چندیں و چندیں گرم و سرد از تو اے سرد آں توہم کم نہ کرد

لغات: گرم و سرد مراد مختلف اور گوناگوں۔ سرد ٹھنڈے مزاج والا، غبی، جامد طبع۔

ترجمہ: یہ (مذکورہ بالا) اور ایسے ہی سینکڑوں اور ایسے ہی گوناگوں (معجزے مجھ سے سرزد ہوئے مگر) اے جامد طبع تیرے اس سوءِ اعتقاد کو زائل نہ کرسکے۔

بانگ زد گوسالۂ از جادوئی سجدہ کردی کہ خدائے من توئی

لغات: جادوئی جادوگری۔

ترجمہ: ایک بچھڑا جادوگری (کے اثر) سے بھائیں بھائیں کرنے لگا تو اس کو تو سجدہ کرنے لگا (اور اعتراف کیا)

کہ تو میرا خدا ہے۔

وال توہمات راسیلاب بُرد　　زیرکیٔ باردت را خواب بُرد

ترجمہ: اور (اب تو) تیرے وہ (تمام) توہمات (وشبہات) جو میری پیغمبری کے متعلق تھے دریا برد ہو گئے تیری ٹھنڈی فیلسوفی بھی سوتی کی سوتی رہ گئی (کچھ نہ سوجھا کہ کیا جھک مار رہا ہوں)۔

چوں نبودی بدگماں در حق او　　چوں نہادی سر چناں اے زشت خو

ترجمہ: تو کیوں اس کے حق میں بدگمان نہ ہوا اے بدخو تو کیوں اس طرح (معتقد ہو کر اس کے آگے) سربسجود ہو گیا۔

چوں خیالت نامداز تزویرِ او　　وز فسادِ سحر احمق گیرِ او

ترجمہ: تجھے اس (جادوگر) کے فریب اور اس کے بے وقوفوں کو پھانسنے والے جادو کے فساد کا خیال کیوں نہ آیا (جس نے یہ بولتا بچھڑا بنایا تھا)۔

سامریٔ خودکہ باشد اے مُہاں　　کہ خداے برتراشد در جہاں

لغات: مِہاں بکسر میم جمع مہ سردار، بزرگ اور بضمّ میم صیغہ اسم مفعول از اہانت۔ ذلیل۔ خوار یہاں یہ کلمہ بضم میم ہے بکسر میم قرار دینا غلطی ہوگی۔

ترجمہ: ارے ذلیل آدمی سامری کی حقیقت ہی کیا ہے جو دنیا میں کوئی خدا ایجاد کرے۔

در خدائی گاؤ چوں یکدل شدی　　وزہمہ اشکالہا عاطل شدی

لغات: خدائی گاؤ میں فکِ اضافت ہے۔ یکدل مطمئن، متیقن معتقد جس طرح دو دل مذبذب ومتردّد کو کہتے ہیں، مولانا جامی فرماتے ہیں ۔ ۔ دریں راہ حاصلے جز یک دلی نیست　　دودل بودن بجز بے حاصلی نیست۔ اشکالہا مشکلات۔ عاطل فارغ، خالی، بےکار۔

ترجمہ: تو بیل کی خدائی کا معتقد اور تمام مشکلات (ذہنیہ) سے فارغ کیونکر ہو گیا؟

گاؤ مے شاید خدائی را بلاف　　دررسولی ام توچوں کردی خلاف؟

لغات: لاف گپ، بکواس، لغو دلیل۔ رسولی رسالت۔ خلاف مخالفت۔

ترجمہ: بھلا کوئی بیل بھی لغو دلیل کے لائق ہو سکتا ہے؟ پھر تو نے میری رسالت کے بارے میں کیوں اختلاف کیا؟

پیش گاوے سجدہ کردی ازخری　　گشت عقلت صیدِ سحرِ سامری

لغات: خری گدھا پن، بےوقوفی۔ سحرِ سامری سامری کا جادو اس سے سامری کا صرف یہ کرتب مراد ہے کہ اس نے ایک طلائی ونقرئی بچھڑے کے بت کو بولتا کر دیا ورنہ اور کوئی ساحرانہ عمل اس سے منقول نہیں اور بچھڑے کے بولنے کا کرشمہ جیسا کہ کتب سیر وتفاسیر میں منقول ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی خاک پاک کا اثر تھا جو سامری نے اس بچھڑے میں رکھ دی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کا اس میں جادو کون سا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ

سحر سامری

النَّاسَ السِّحْرَ۔ یعنی یہود پیروی کرنے لگے ان منتروں اور افسونوں کی جو شیاطین حضرت سلیمان کے عہد سلطنت میں پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان علیہ السلام کافر نہ تھے البتہ شیاطین کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (بقرہ ع ۱۲) اس آیت کی تفسیر میں شیخ التفسیر استاد نا ومولانا مولوی احمد علی صاحب سلمہ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعض ادعیہ مستجابہ حاصل تھیں۔ جن کی بدولت وہ سیر فی الهواء اور تکلم بالطیور وغیرہ خوارق پر قادر تھے شیاطین نے کچھ وہ کلمات اڑائے اور کچھ اپنی اباطیل واکاذیب شامل کیں اور منتر جادو بنا کر لوگوں کو سکھایا یہ ان یہودی لوگوں نے اڑا لیا اور ذریعۂ معیشت بنا لیا جیسا کہ ہر تنزل یافتہ قوم کا حال ہوتا ہے کہ اس کی اہل علم جماعت اعلاءِ کلمۃ اللہ اور دیگر خدمات دینیہ کو چھوڑ کر جھاڑ پھونک ٹونا ٹوٹکا تعویذ گنڈا اپنا شغلِ معیشت بنا لیتی ہے۔ یہی حال یہودیوں کا اپنے آخری دور میں تھا (انتہیٰ) اس طرح ممکن ہے کہ سامری نے کچھ حضرت جبرئیلؑ کے خاکِ پا سے اور کچھ شیطانی اشارات سے فائدہ اٹھا کر اس فلزاتی بچھڑے کو بولتا کر دینے کا عمل ایجاد کر لیا ہو اور یہی اس کا سحر تھا۔

صنائع: گاؤ۔ خری، صید مناسبات ہیں۔

ترجمہ: تو نے بے وقوفی سے ایک بیل کے سامنے ماتھا ٹیکا۔ تیری عقل سامری کے جادو کا شکار ہوگئی۔

چشم دزدیدی ز نورِ ذوالجلال اینت جہلِ وافر و عینِ ضلال

ترجمہ: تو نے حق تعالیٰ کے نور سے تو آنکھ چرائی (جو عبادت وطاعت کا سزاوار ہے اور بچھڑے کو پوجنے لگا) یہ تیری ایک بڑی جہالت اور پوری گمراہی ہے۔

شُہ بریں عقل و گزینش کہ تراست چوں تو کانِ جہل را کُشتن سزاست

لغات: شُہ بضم شین معجمہ کلمہ نفریں، تف، زوف، لعنت۔ گزین انتخاب۔

ترجمہ: لعنت ہے اس عقل پر جو تو رکھتا ہے اور اس کے اس انتخاب پر (کہ بچھڑے کو خدائی کے لیے پسند کر لیا) تجھ سی جہالت کی کان کی سزا قتل ہے۔

گاوِ زرّیں بانگ کرد آخر چہ گفت کاحمقاں را اینہمہ رغبت شگفت

لغات: گاوِ زریں طلائی بیل۔ شگفت شگفتن سے جس کے معنی ہیں پھول کا کھلنا مگر یہاں پیدا ہونا مراد ہے۔

ترجمہ: سنہری بچھڑا بولنے لگا تو آخر اس نے کیا کہا؟ (یہی) کہ احمق لوگوں کو (ہی) یہ تمام رغبت ہونے لگی (عاقلوں کو نہیں)۔

زاں عجب تر دیدۂ از من بسے لیک حق را کے پذیرد ہر خسے

ترجمہ: اس سے زیادہ عجیب (خوارق) تو نے مجھ سے بکثرت دیکھے ہیں (ان کا تیرے دل پر اثر نہ ہوا) لیکن ہر کمینہ حق بات کو کب قبول کرتا ہے۔

حلِ اشکال: شارح کلید مثنوی اس حکایت کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ یہاں ایک تاریخی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا وادیٔ تیہ میں ہونا تو اس عبادتِ گوسالہ سے بہت بعد ہوا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات وادی میں ہو چکی تھی تو پھر اس گوسالہ پرست سے یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ تو نے میرا یہ معجزہ دیکھ کر بھی مجھے نہیں مانا کہ آسمان سے تم لوگوں پر من وسلویٰ نازل ہوتا رہے (انتہیٰ) حاصلِ اشکال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک گوسالہ پرست کو اپنے معجزات یاد دلا رہے ہیں جن میں من

وسلوی کے ایسے معجزات بھی بزعم خود وادی تیہ کی سرگردانی کے ایام میں واقع ہوئے ہیں اور وادی تیہ کا واقعہ گوسالہ پرستی کے فتنے کے سالہا سال بعد وقوع پذیر ہوا ہے پس آپ نے ایک ایسے واقعہ کا ذکر جو ابھی وقوع پذیر نہیں واقعہ ماضیہ کے انداز میں کیوں فرمایا؟

اس کے بعد شارح موصوف نے خود ہی اس اشکال کا حل بدیں الفاظ فرمایا ہے سو اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید وجودِ گوسالہ سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قید وادی کی اطلاع دی ہو اور چونکہ آپ نبی تھے اس لیے وہ خبر ایسی یقینی ہوگی۔ گویا کہ وقوع ہوگیا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قید بھی کالمعائنہ ہوگئی تھی پھر بھی تو نے نہ مانا اگرچہ یہ ایک بعید تاویل ہے لیکن اس کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اگر کسی صاحب کے خیال میں اس سے اچھی تاویل آئے تو طبع ثانی میں اصلاح فرما دیں۔ (انتہیٰ)

ہمارے خیالِ ناقص میں اس اشکال کی بنا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس گوسالہ پرست سے تخاطب عین فتنۂ گوسالہ پرستی کے ایام میں فرض کر لیا گیا لیکن اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام کو وادیِ تیہ میں من وسلویٰ وغیرہ معجزات کے بعد اپنی قوم میں کسی ایسے کج خیال و بدعقیدہ شخص کا پتا لگا ہو جو گوسالہ پرستی کے مردہ و فنا شدہ بدعت کو پھر زندہ کرنے لگا ہو یا اس نے عجلِ سامری کے متعلق اپنا حسنِ اعتقاد ظاہر کیا ہو اور پھر موسیٰؑ نے اس کے سامنے بطور سرزنش یہ ساری تقریر فرمائی ہو جو اشعار بالا میں مندرج ہے تو یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا چہ جائے کہ اس کے رفع کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ فالحمد للہ علےٰ ذٰلک۔
آگے مولانا فرماتے ہیں :۔

باطلاں را چہ رباید؟ باطلے عاطلاں را چہ خوش آید؟ عاطلے

لغات: باطل بے ہودہ آدمی عاطل نکما، بیکار شعر مرصع ہے اور ذوالقافتین۔
ترجمہ: (کیوں نہ ہو) بیہودہ لوگوں کو کون سی چیز لبھاتی ہے؟ بے ہودہ چیز، بے کار لوگوں کو کیا شے اچھی لگتی ہے؟ بیکار شے۔

زانکہ ہر جنسے رباید جنسِ خود گاؤ سوئے شیرِ نر کے رُو نہد

ترجمہ: کیونکہ ہر جنس اپنی جنس کو (بطورِ میلان) جذب کرتی ہے (بھلا ایک) بیل (کسی) شیر نر کی طرف کب رخ کرے گا۔
مطلب: یہاں جذب وکشش سے الفت ومیلان کا جذب مراد ہے جو نوعی وجنسی اختلاف کی صورت میں ناممکن ہے چنانچہ بیل شیر کی طرف اس لیے رخ نہیں کرتا کہ وہ اس کا ہم جنس نہیں اور شیر جو بیل کی طرح رخ کرتا ہے تو وہ بربنائے محبت میلان نہیں بلکہ اس کو فنا و معدوم کرنے کی غرض سے کرتا ہے اور یہ بھی اختلاف جنسیت کو مستلزم ہے آگے اس شق کو بھی صاف فرماتے ہیں :۔

گرگ بر یوسفؑ کجا عشق آورد جز مگر از مکر تا او را خورد

لغات: جز مگر دونوں حروف استثنا ہیں یہاں ان میں سے صرف ایک مراد ہے دوسرا زائد وغیر مراد ہے۔
صنائع: قصہ یوسف کی بنا پر یوسف وگرگ مناسبات ہیں۔
ترجمہ: (بھلا) بھیڑیا یوسف پر کہاں عاشق ہوسکتا ہے؟ سوائے فریب کے تاکہ اس کو کھا جائے (یہی وجہ شیر کے بیل کی طرف رخ کرنے کی ہوسکتی ہے)۔
مطلب: چونکہ بھیڑیا انسان کا ہم جنس نہیں اس لیے اس سے ہرگز موانست پیدا نہیں کرے گا اور اگر بظاہر اس کی طرف آئے گا جس سے موانست کا شبہ ہوسکتا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ اس کو پھاڑ کھائے اور یہ مقصد موانست کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں یہ

شبہ ہوتا ہے کہ بعض بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ درندوں کے ہمراہ رہتے ہیں بلکہ درندوں سے کھیلتے ہیں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

یکے دیدم از عرصۂ رود بار   کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

جس سے درندوں کی انسان کے ساتھ موانست کا ثبوت ملتا ہے اس کا جواب دیتے ہیں۔

چوں زگرگی وارہد محرم شود   چوں سگِ کہف از بنی آدم شود

ترجمہ: (ہاں) جب وہ بھیڑیوں کے سے اوصاف سے پاک ہو جائے تو پھر (انسان کا) محرم ہو جاتا ہے اصحاب کہف کے کتے کی طرح بنی آدم (کی قبیل) سے ہو جاتا ہے۔

مطلب: عدم موانست کا کلیہ اس بات پر مبنی تھا کہ عدم موانست کی وجہ یعنی تغایرِ جنس قائم رہے لیکن جب درندہ سے صفت درندگی ہی کسی غیبی تصرّف سے زائل ہو جائے تو وہ درندہ نہیں بلکہ ایک درندہ نما انسان ہے۔ پھر اس کے انسان کے ساتھ مانوس و مالوف ہونے پر کیا تعجب ہے۔ آگے مناسبات کی ایک اور نظیر بیان فرماتے ہیں۔

چوں محمدؐ را ابوبکرؓ نکو   دید وصدقش گفت ھٰذَا صَادِقٌ

ترجمہ: جب حضرت ابوبکرؓ نے جو نیک سیرت (انسان تھے) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صدق کو دیکھا تو وہ پکار اٹھے کہ یہ سچے ہیں۔

چوں ابوبکرؓ از محمدؐ برد بُو   گفت ھٰذا لَیْسَ وَجْہُ کَاذِبٌ

ترجمہ: جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بو پائی تو بول اٹھے کہ یہ چہرہ مبارک جھوٹا نہیں ہے۔

مطلب: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ رسالت سنتے ہی تصدیق کر دی کہ آپؐ جو فرماتے ہیں بالکل سچ ہے آپؐ پیغمبر برحق ہیں حالانکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابھی کسی معجزہ کا وقوع نہیں دیکھا۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت تھی دوسرے شعر میں ھٰذَا لَیْسَ وَجْہُ کَاذِبٌ کا جملہ نقل ہے یہ قصہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے جو ایک نامی وگرامی یہودی عالم تھے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت سن کر آپؐ کو دیکھنے کے لیے گئے تو آپؐ کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی اپنے علمی ادراک سے بول اٹھے۔ "ھٰذَا لَیْسَ وَجْہُ کَاذِبٌ" "یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے" تو مولانا کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بابت ایسا فرمانا تو اس اعتبار سے ہے کہ ان کا اعتقاد بھی تو یہی تھا یا شاید کسی روایت میں ان کا بھی یہ الفاظ کہنا منقول ہو۔

چوں نبُد بوجہل از اصحابِ درد   دید صد شق القمر باور نکرد

ترجمہ: (بخلاف اس کے) ابوجہل چونکہ اہلِ درد میں سے نہ تھا (اس لیے) اس نے شق القمر کے سے سینکڑوں (معجزے) دیکھنے کے باوجود (آپؐ کی رسالت پر) یقین نہ کیا۔

مطلب: طلب حق اور حصولِ ہدایت کا جو درد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں تھا چونکہ ابوجہل اس سے بے بہرہ تھا اس لیے اس کا مذاق ان سے الگ تھا۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے متبع اور آپؐ کی ہر بات پر یقین واذعان رکھتے تھے مگر وہ ہر بات کا منکر تھا جو دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو رسول اللہؐ و اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناسبت نہ تھی۔

درد مندے کش زبام افتاد طشت زونہاں کردیم حق پنہاں نگشت

لغات: طشت از بام افتادن۔ راز آشکارا ہو جانا، چھپی بات افشا ہو جانا۔

ترجمہ: (ایک تو) ایسا درد مند (ہے) کہ اس کا (قبولِ حق کا) راز افشا ہو کر رہا اس سے ہم نے حق کو چھپایا (لیکن) حق چھپ نہ سکا (اور اس نے معلوم کر ہی لیا)۔

وانکہ او جاہل بُد از دردش بعید چند بنمودیم و اوآں راندید

ترجمہ: اور ایک وہ ہے جو جاہل رہا وہ اس کے سے درد سے نا آشنا ہے (اس کو) ہم نے ہر چند (حق) دکھلایا اور اس نے نہ دیکھا۔

مطلب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو طرح کے لوگ تھے ایک وہ جنہوں نے حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا دوسرے وہ جنہوں نے حق کی آواز سن کر اس سے نفرت ظاہر کی معجزات دیکھ کر ان کو جادو اور شعبدہ قرار دیا۔ دعوتِ حق پر تکذیب کی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس طرح آج بھی دو قسم کے لوگ موجود ہیں ایک حق کو فوراً قبول کرنے والے دوسرے اس سے ہمیشہ کے لیے منکر رہنے والے۔

آینۂ دل صاف باید تا درو واشناسی صورتِ زشت از نکو

ترجمہ: دل کا آئینہ صاف چاہیے تاکہ اس میں اچھی اور بری صورت کو دیکھ سکو۔

مطلب: آئینۂ دل صاف ہو تو حق و ناحق میں امتیاز اور قبولِ حق کی طرف میلان ہو جانا مشکل نہیں کفار نے حق سے انکار اس وجہ سے کیا کہ ان کا آئینۂ دل زنگ آلود تھا وہ حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتے تھے اپنے جہل اور نادانی کے باعث حق سے منکر ہو گئے۔ جامیؒ

بقدر آئینہ حسنِ تو مے نمایدرد دریغ کائینۂ ما نہفتہ در زنگ است

اسی طرح اس صاحبِ خرس کا آئینۂ باطن بھی غیر صافی تھا اس لیے وہ قابلِ صحبت اور نا قابلِ صحبت رفقا میں امتیاز نہیں کر سکتا تھا۔ اب پھر وہی قصہ چلتا ہے۔

ترک کردنِ آں مردِ ناصح پندِ آں مغرورِ خرس را

اس مرد ناصح کا اس ریچھ سے دھوکا کھانے والے کو نصیحت کرنے سے باز آنا

آں مسلماں ترکِ آں ابلہ گرفت زیرِ لب لاحول گویاں رہ گرفت

ترجمہ: آخر وہ مسلمان اس بے وقوف سے کنارہ کش ہو گیا آہستہ سے لاحول پڑھتا ہوا اپنی راہ لگا۔

گفت چوں از جدّ و پند واز جدال در دلِ اوبیش میزاید خیال

لغات: جدّ سنجیدہ بات جو ہزل اور مذاق نہ ہو۔ جدال لڑائی، جھگڑا، بحث و تکرار۔

ترجمہ: اور کہنے لگا جب سنجیدہ بات اور نصیحت اور بحث سے اس کے دل میں شبہ ہی بڑھتا چلا جاتا ہے تو

پس رہِ پند و نصیحت بستہ شد اَمرِ اَعْرِضْ عَنْهُمْ پیوستہ شد

لغات: اَعْرِضْ عَنْهُمْ اشارہ ہے الم سجدہ کی اس آیت کی طرف کہ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُنْتَظِرُوْنَ. یعنی اے

پیغمبر تو پھر آپ ان سے منہ پھیر لو اور ہماری نصرت کے منتظر رہو وہ بھی اپنے معبودوں کی نصرت کے منتظر ہیں۔
ترجمہ: تو پند و نصیحت کا راستہ ہی بند ہو گیا اور اعرض عنہم کا حکم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود نہ رہا بلکہ سب کے لیے) دائمی ہو گیا (کہ جو نصیحت نہ سنے اس کو چھوڑ دو جائے جہنم میں)۔

چوں دوایت میفزاید درد پس قصہ بر طالب بگو بر خواں عَبَس

لغات: دوایت وائے تو قصہ بگو گفتگو کر عَبَسَ قرآن مجید کی ایک سورہ کا نام ہے جس کے شروع کی آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند سردارانِ قریش یعنی عتبہ ابن ربیعہ ابوجہل، عباس بن عبدالمطلب، امیہ ابن خلف سے گفتگو کر رہے تھے اور ان کو اسلام پر مائل کرنے کی کوشش فرما رہے تھے اتنے میں حضرت ابن ام مکتومؓ جو ایک نابینا صحابی تھے حاضر ہوئے۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت اور لوگوں کی طرف متوجہ ہیں اس بے خبری میں پکار کر کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے قرآن سنایئے اور پڑھایئے اور اس طرح بار بار پکارنا شروع کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ناخوشی کے آثار نمایاں ہوئے اور سرداروں کی گفتگو کو منقطع کرنا گوارا نہ فرما کر آپؐ نے صحابی سے روگردانی کر لی۔ اس پر عتاباً یہ آیات نازل ہوئیں کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰی وَهُوَ يَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی۔

یعنی محمدؐ اتنی بات پر چیں بجبیں ہوئے اور منہ موڑ بیٹھے کہ نابینا ان کے پاس آیا اور (اے پیغمبر) تم کیا جانو عجب نہیں کہ وہ (تمہاری تعلیم سے) سنور جائے یا نصیحت (کی باتیں) سنے اور اس کو نصیحت سود مند ہو تو جو شخص (دین کی طرف سے) بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تو تم خوب توجہ کرتے ہو حالانکہ (اگر وہ) ٹھیک نہ ہو تو تم پر کچھ (الزام) نہیں اور (جو خدا سے) ڈر کر تمہارے پاس دوڑتا ہوا آئے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔

ترجمہ: جب تیری دوا (غیر طالب کو فائدہ بخشنے کے بجائے اس کا) درد بڑھائے تو (اسے چھوڑ کر) طالب سے گفتگو کر اور سورہ عبس پڑھ (جو اس مسلک کی تعلیم دیتی ہے)۔

مطلب: سورہ عبس کی مذکورہ بالا آیت کا خلاصۂ تعلیم یہ ہے کہ غیر طالب و بدعقیدہ لوگوں سے کھل کھل کر باتیں کرنا اور طالب و معتقد سے اعراض کرنا ٹھیک نہیں بلکہ غیر طالب سے استغنا کا سلوک کرنا اور طالب کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اسی طرح اس ریچھ والے نااہل کو نصیحت کرنا فضول ہے۔ سعدیؒ

کسے را نصیحت مگو اے شگفت کہ دانی کہ دردے نخواہد گرفت

آگے سورۂ عبس کے معنی بیان فرماتے ہیں۔

چونکہ اعمٰی طالبِ حق آمداست بہرِ فقرِ او نشاید سینہ خست

ترجمہ: (اے پیغمبر!) چونکہ نابینا حق کا طالب (ہو کر) آیا ہے پس اس کی محتاجی کی وجہ سے (اعراض کر کے) سینہ زخمی نہ کرنا چاہیے۔ عراقیؒ

نظر زحالِ من ناتواں دریغ مدار نظارۂ رخت از عاشقاں دریغ مدار

انتباہ: محتاج کی محتاجی کی وجہ سے اعراض کرنے سے مطلب یہ ہے کہ اس خیال سے اس سے اعراض کیا جائے کہ لوگوں

میں محتاج کا رسوخ و نفوذ نہیں ہوتا نہ اس کی بات کا اثر ہوتا ہے اور اس کے قول پر اعتماد کم کیا جاتا ہے اس لیے تعلیم دینی صرف اس کی ذات تک محدود رہتی ہے بخلاف اس کے سربرآوردہ و بارسوخ لوگوں کی تعلیم متعدی ہوتی ہے۔ اس کا نفع دوسرے لوگوں تک پہنچتا ہے چنانچہ اگلے شعر میں اس کی تشریح موجود ہے۔ لہٰذا غریب آدمی کی تعلیم پر امیر کی تعلیم مقدم ہے۔ ورنہ یہ بات کہ کسی غریب سے اس کی غربت و افلاس کی وجہ سے نفرت کی جائے اور اس کو اس لیے تعلیم دینے سے اعراض کیا جائے کہ وہ پھٹے پرانے کپڑے رکھتا ہے۔ شانِ پیغمبری سے بعید ہے بلکہ دینِ اسلام نے غربا کو امرا پر بمدارج فضیلت دی ہے اور یہ سنت اللہ چلی آتی ہے کہ صدائے حق پر لبیک کہنے کے لیے سب سے پہلے غریب لوگ اٹھا کرتے ہیں اور دینِ حق ہر بار نئی زندگی کی کروٹ لینے کے لیے غریبوں اور فقیروں کے جھونپڑوں میں ہی پناہ گیر ہوا ہے اور اس نے وہیں سے اٹھ کر سلاطینِ عالم کی سطوت و جبروت کا تختہ الٹ دیا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قُمْتُ عَلٰی بَابِ الْجَنَّۃِ فَکَانَ عَامَّۃُ مَنْ دَخَلَھَا الْمَسَاکِیْنَ" میں بہشت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں داخل ہونے والوں میں سے اکثر مساکین لوگ تھے"۔ (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث ہے کہ فرمایا اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّۃِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَھْلِھَا الْفُقَرَآءَ الخ" میں نے بہشت پر نظر ڈالی تو اس میں رہنے والے اکثر فقیر لوگ پائے"۔ ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ "الٰہی مجھ کو مسکینی میں زندگی عطا فرما اور بحالتِ مسکینی میری وفات ہو اور مسکینوں کی جماعت میں مجھے قیامت کے روز اٹھا"۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا اِنَّھُمْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ اَغْنِیَآئِھِمْ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا یعنی وہ لوگ اپنے غنی لوگوں سے چالیس سال پہلے بہشت میں داخل ہو جائیں گے اس حدیث کے آخر میں یہ کلمات ہیں۔ یَاعَائِشَۃُ اَحِبِّی الْمَسَاکِیْنَ وَقَرِّبِیْھِمْ فَاِنَّ اللّٰہَ یُقَرِّبُکِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ یعنی اے عائشہ مساکین سے محبت کر اپنے نزدیک جگہ دے تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تجھ کو اپنے نزدیک جگہ دے گا۔ مولانا غلام علی آزاد مرحوم۔

چو خورشیدِ قیامت از گریباں سربروں آرد کفِ محتاج گردد سائباں برسر کریماں را

تو حریصی بر رشادِ مہتراں تا بیاموزند علم از سروراں

ترجمہ: آپ سربرآوردہ لوگوں کو تعلیم دینے کے زیادہ شائق ہیں تاکہ (ان کے دائرۂ رسوخ کے وسیع ہونے کی وجہ سے عام لوگ) ان سرداروں سے تعلیم پائیں (اور یوں دین کو زیادہ ترقی نصیب ہو)۔

احمدا دیدی کہ قومے از ملوک مستمع گشتند گشتی خوش کہ بوک

ایں رئیساں یارِ دیں گردند خوش بر عرب ایشاں سرند و بر حبش

لغات: ملوک جمع ملک بادشاہ۔ مستمع سننے والے۔ بوک شاید، مگر۔ یار مددگار۔ سرند سردار ہستند۔ حبش ملکِ حبشہ جس کا فرمانروا نجاشی مسلمان ہو گیا تھا۔

ترجمہ: اے احمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیک وسلم) تم نے دیکھا کہ بادشاہوں کی ایک جماعت (تمہاری نصائح کو) سننے لگی ہے تم خوش ہوتے ہو کہ شاید یہ رؤساء دین کے اچھے مددگار بن جائیں یہ لوگ عرب اور حبشہ پر تفوق رکھتے ہیں (ان کے رسوخ سے ہر طرف دین کی اشاعت ہو سکتی ہے)۔

بگذر واین صیت از بصرہ و تبوک   زانکہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ الْمُلُوْک

لغات: صیت بکسر صاد آوازہ، چرچا، شہرہ۔ بصرہ عراق عرب میں ایک شہر ہے۔ تبوک سرحد شام پر ایک شہر ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کو حدیث سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ حدیث نہیں بلکہ کسی حکیم کا مقولہ ہے (کذا فی تمییز الطیب) بصرہ و تبوک میں واؤ عاطفہ موجب سکتہ ہے۔

ترجمہ: (ان کی بدولت) یہ (دین حق کا) آوازہ بصرہ و تبوک سے گزر (کر عراق و شام میں پہنچ) جائے گا کیونکہ لوگ بادشاہوں کے مسلک پر ہوتے ہیں۔

مطلب: سرداران قریش سے ہمکلام ہونے اور ان سے ناصحانہ خطاب کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقصد تھا یہ اس کی ترجمانی ہے اور یہ خطاب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اگرچہ سورہ مذکورہ میں یہ تقریر مندرج نہیں مگر بطور مقدرات اس سے اخذ کر لی گئی۔

زیں سبب تو از ضریرے مہتدی   رو بگردانیدی و تنگ آمدی

لغات: ضریر نابینا جس کی بینائی ضرر یافتہ ہو۔ مہتدی طالب ہدایت۔

ترجمہ: اسی لیے تم نے ایک طالب ہدایت نابینا سے منہ پھیر لیا اور اس سے (بمصلحت خیالی نہ بخیال تحقیر) منقبض ہوئے

کاندریں فرصت کم افتد ایں مناخ   تو زیارانی و وقت تو فراخ

لغات: مناخ نشست، گفتگو کے لیے بیٹھنا۔ زیارانی از یاراں ہستی یعنی از صحابہ۔

ترجمہ: اس (اہم) موقع پر یہ نشست ناممکن ہے (کہ تم کو قرآن پڑھاؤں) تم صحابہ میں سے ہو اور تم کو کافی وقت (مل سکتا) ہے (جب چاہو پڑھ لینا)۔

مزدحم میگردیم در وقت تنگ   ایں نصیحت میکنم نزخشم و جنگ

لغات: مزدحم کسی کے پیچھے پڑنے والا، سر ہونے والا۔ نز نہ از۔

ترجمہ: تو بھی اس تنگ وقت میں سر آن ہوا یہ بات میں خیر خواہانہ کہہ رہا ہوں نہ کہ ناراضگی اور لڑائی سے

احمدا نزد خدا ایں یک ضریر   بہتر از صد قیصر ست وصد وزیر

ترجمہ: اے احمد (مصطفےٰ علیک الصلوۃ والسلام) یہ ایک نابینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سو قیصر (روم) اور سو وزیر سے بہتر ہے۔

یاد اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ ہیں بیار   معدنے باشد فزوں از صد ہزار

لغات: اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ خِیَارُھُمْ بِی الْجَاھِلِیَّةِ خِیَارُھُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا "لوگ معدن ہیں جیسے سونے چاندی کے معدن ہوتے ہیں ان میں سے جو لوگ جاہلیت میں سب سے اچھے لوگ تھے وہ اسلام میں بھی سب سے اچھے ہیں جب کہ دین کی سمجھ حاصل کریں" یہ مسلم کی روایت ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

بعض کے نزدیک یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ کی شان میں وارد ہوئی جن کی زندگی قبل اسلام بھی نہایت شرافت و پرہیزگاری میں گزری تھی۔

ترجمہ: ہاں اَلنَّاسُ مَعَادِنُ پر غور کرو (بعض) ایک معدن (دوسرے) سینکڑوں (معدنوں) سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

مطلب: لوگوں کی مختلف قابلیتیں اور استعدادیں ہوتی ہیں۔ بعض اعلیٰ استعداد و قابلیت رکھتے ہیں وہ گویا سونے کی کان ہیں یہ نابینا بھی انہی میں سے ہے۔ بعض کی استعداد ناقص ہوتی ہے ان کی مثال تانبے اور لوہے کی کان کی سی ہے یہ سرداران قریش اسی قسم میں داخل ہیں اور ایک سونے کی کان لوہے اور تانبے کی صدہا کانوں سے بہتر ہوسکتی ہے۔ حافظؒ۔

جوہرِ جامِ جم از طینتِ کانِ دگرست تو توقع زگِلِ کوزہ گراں میداری

معدنِ لعل و عقیقِ مُکتنِس بہترست از صد ہزاراں کانِ مس

لغات: مُکتنِس پوشیدہ، مخفی۔ مس تانبا۔

ترجمہ: لعل اور عقیق کی پوشیدہ کان تانبے کی لاکھوں کانوں سے بہتر ہے۔

مطلب: صحابہ کرام اگر چہ غریب و مسکین ہوں وہ بمنزلہ کانِ لعل و عقیق ہیں اور کفارِ قریش اگر چہ متمول و سربر آوردہ اور صاحب اثر و رسوخ ہوں وہ گویا کانِ مس ہیں۔ صحابہ کا غیر مشہور اور مقیم کنج خمول ہونا ان کے شرف و فضل کو کم نہیں کرسکتا جس طرح کہ کانِ طلا کا مخفی ہونا اس کی قدر کو کم نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف کفار کی دنیوی وجاہت و شہرت اور دولت و ثروت ان میں شرف ذاتی کا اضافہ نہیں کرسکتی جیسے کہ کانِ مس کی بہتات اور وسعت اس کو عظیم القدر نہیں بناسکتی۔

احمداً اینجا ندارد مال سُود سینہ باید پرز عشق و درد و دود

ترجمہ: اے احمد (علیک الصلوۃ والسلام) اس مقام میں مال مفید نہیں (یہاں تو) عشق (حق) دردِ (دروں) اور دود (آہ) سے لبریز سینہ درکار ہے۔ صائبؒ۔

مرغیکہ نالہ اش نبود آشنائے درد زہرست ہمچو سبزۂ بیگانہ باغ را

اعمیٰ روشن دل آمد دردمند پند اورادہ کہ حق اوست پند

ترجمہ: ایک نابینا روشندل دردمندانہ (شوق سے) حاضر ہوا ہے اس کو نصیحت کیجئے کہ نصیحت اس کا حق ہے۔ کما قیل۔

نظر کردن بد رویشاں منافیٔ بزرگی نیست سلیمانؑ باہمہ حشمت نظر ہابود برمورش

گر دو سہ ابلہ ترا منکر شوند تلخ کے گردی چو ہستی کانِ قند

ترجمہ: اگر ایک دو بے وقوف آپؐ کے منکر ہوں تو آپ تلخ کب ہوسکتے ہیں جب کہ آپ قند کی کان ہیں۔

مطلب: اگر بعض منکرین آپ کی رسالت کی تکذیب کرتے ہیں تو ان کی بدقسمتی ہے اس سے آپ کی رسالت میں کوئی شک نہیں ہوسکتا آپؐ کے صدق و حقانیت پر ارض و سما شاہد ہیں مثلاً اگر چند بد مذاق آدمی ایک کانِ قند کو تلخ و بدمزہ بتانے لگیں تو ان کی کون سنتا ہے۔ صائبؒ۔

عشق ہر ناقص بصیرت رانمیگرد نصیب مہرِ عالمتاب باخفاش ہمدم کے شود

گر دو سہ احمق ترا تہمت نہد حق برائے تو گواہی میدہد

ترجمہ: اگر دو تین احمق آپؐ پر (کذب کی) تہمت لگاتے ہیں (تو ان کی ایسی تیسی جب خود) حق تعالیٰ آپؐ کے حق میں سچائی کی) گواہی دے رہا ہے (تو پھر کیا فکر ہے) ونعم ماقیل۔

نے شود دلِ پاکاں زحرفِ بد غمگیں زعکس زشت نیفتد بروئے آئینہ چیں

مطلب: یہاں تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب تھا اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول بطور روایت بالمعنی نقل فرماتے ہیں۔

گفت از قرارِ عالم فارغم آنکہ حق باشد گوا اورا چہ غم؟

ترجمہ: (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) کہا میں اب (اہل) عالم کے اقرار (قبول) سے فارغ ہوں (کہ خواہ کریں یا نہ کریں) جس شخص کی سچائی کا حق تعالیٰ گواہ ہو (اگر اہل عالم اس کی تکذیب بھی کریں تو) اس کو کیا غم ہے۔

مطلب: آپ ﷺ کے صدق پر حق تعالیٰ کی گواہی بمعنی حقیقی تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جابجا بد لائل و براہین آپ ﷺ کی سچائی کے ثبوت پیش فرمائے ہیں لیکن اگر منکرین اسلام جو قرآن مجید کو خدا کا کلام ہی نہیں مانتے اس گواہی کو حق تعالیٰ کی گواہی تسلیم نہ کریں تو پھر آپ کے صدق پر حق تعالیٰ کی نہایت زبردست گواہی جس پر کسی منکر کو بشرطیکہ اس میں کچھ بھی بوئے انصاف ہو ہرگز گنجائش انکار نہیں۔ یہ ہے کہ آغاز رسالت سے لے کر آپ ﷺ نے جو جو دعوے کئے وہ من وعن پورے ہوئے اصلاح عرب، سرکوبی مفسدین، اقامتِ امن کی جو توقعات اہلِ ملک کو یقینی پیرائے میں دلائیں ان کو اپنی زندگی کے اندر دائرۂ عمل میں لاکر دکھا دیا۔ چند نہتے غریب اور مفلوک الحال رفقا کے حلقے میں بیٹھ کر روم و ایران کی پُر شوکت سلطنتوں کو الٹ دینے کے جو خواب دیکھے ان کی تعبیر میں سرِ موفرق نہ آیا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ایک یتیمی کا بچپن اور بے تعلیم و تربیت کی جوانی بسر کرنے والے انسان نے دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب میں ایک انقلاب ڈال دیا۔ توریت، انجیل، ژند، اوستا اور وید پر قلمِ نسخ پھیر دیا۔ سعدیؒ۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملّت، بہ بشست

دیکھو ایک یکہ و تنہا شخص اس قدر عظیم الشان مقاصد کا پروگرام لے کر اٹھتا ہے جس کی تکمیل پُر آشوب مہموں اور جہاں برہم زن معرکوں کے بغیر ناممکن ہے اور وہ اپنے حینِ حیات کے اندر ہی اسے تکمیل کو پہنچا دیتا ہے۔ کیا یہ خدائی ہاتھ کے سوا کسی سے ممکن ہے اور کیا اس سے بڑھ کر خدا کی گواہی کوئی اور بھی ہو گی؟

گر خفاشے راز خورشیدے خوریست آں دلیل آمد کہ او خورشید نیست

لغات: خفاش، چمگادڑ۔ خورے خوراک، غذا۔

ترجمہ: اگر ایک چمگادڑ کسی سورج سے غذائے (نور) پانے لگے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (سورج) سورج ہی نہیں (ورنہ چمگادڑ اور سورج سے اقتباسِ نور کیا معنی)؟

مطلب: اس طرح جس پیر یا شیخ کے مرید اکثر دنیا دار، فاسق، تارکِ طاعات اور فاسد الاستعداد لوگ ہوں، تو سمجھو وہ پیر پیر ہی نہیں کوئی ناقص ہے طالبِ شہرت ہے، جالبِ دولت ہے۔

نفرتِ خفاشگاں باشد دلیل کہ منم خورشیدِ تابانِ جلیل

ترجمہ: چمگادڑوں کی (مجھ سے) نفرت اس بات کی دلیل ہے کہ میں (حضرت ربّ) جلیل کا درخشاں آفتاب ہوں۔

مطلب: فاسد الاستعداد لوگوں کو طبعاً کاملین سے نفرت ہوتی ہے اور یہ کاملین کے کمالات کی دلیل ہے۔ ونعم ما قیل۔

صاحبِ جوہر رفیقِ [illegible] دندانِ ماہی دستۂ خنجر شود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے ... [illegible]

گر گلابے راجُعَل راغب شود آں دلیلِ نا گلابی مے شود

لغات: جعل بضم جیم و فتح عین کرمِ نجاست، گندگی کا کیڑا۔ ناگلابی گلاب نہ ہونا۔

ترجمہ: اگر کسی گلاب (کے پھول) پر گندگی کا کیڑا مائل ہو جائے تو یہ اس (پھول) کے گلاب نہ ہونے (بلکہ نجاست سے بنے ہونے) کی دلیل ہوگی۔

ورشود قلبے خریدارِ محک در محکی اش درآید نقص و شک

لغات: قلب کھوٹا یہاں کھوٹا مال رائج کرنے والا مراد ہے اور اس معنی میں یہ لفظ بہ تشدد لام آتا ہے یہاں ضرورتاً بہ تخفیف آیا ہے محک کسوٹی محکی کسوٹی ہونا۔

ترجمہ: اور اگر ایک کھوٹے سونے کو رائج کرنے والا کسوٹی کا خریدار ہو تو اس (کسوٹی) کے کسوٹی ہونے میں ہی نقص اور شک (وارد) ہوتا ہے۔

مطلب: کیونکہ کسوٹی کا خریدار تو وہ ہے جو کھرا مال بیچتا ہو جس شخص کا شیوہ جعل سازی و دغا بازی ہے اس کو کسوٹی سے کیا سروکار۔ اس کو تو ٹھگی اور جعل کے نسخے معلوم ہونے چاہییں بس وہ کسوٹی کسوٹی نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔

دُزدِ شب خواندند روز ایں رابداں شب نیم، روزم کہ تابم درجہاں

ترجمہ: چور رات کا طلب گار ہے نہ کہ دن کا۔ اس کو بخوبی سمجھ لو (اور) میں رات نہیں ہوں (بلکہ) دن ہوں کہ جہاں میں درخشاں ہوں (پھر دین کے چور اور عقل کے ٹھگ مجھ کو کب پسند کریں گے)۔

فارقم فاروقیم غربیل وار تا کہ کاہ از من نمے یا بد گزار

لغات: فارق حق و باطل میں فرق کرنے والا فاروق دو چیزوں میں امتیاز دکھانے والا غربیل امالہ غربال چھلنی۔ کاہ بھوس، تنکا

ترجمہ: میں حق و باطل میں فرق کرنے والا ہوں (اور) میرا فرق دکھانا چھلنی کی طرح ہے حتیٰ کہ (آٹا) مجھ سے گزر جائے گا) بھوسی نہیں گزر سکتی۔

آرد را پیدا کنم من از سبوس تا نمایم ایں نقوش ست آں نفوس

لغات: پیدا نمایاں سبوس بھوسی نقوش جمع نقش صورت، جسم۔ نفوس جمع نفس جانیں۔

ترجمہ: میں آٹے کو بھوسی سے (الگ) نمایاں کر دیتا ہوں تا کہ دکھادوں کہ یہ تو (خالی) جسم ہیں (اور) یہ جانیں۔

من چو میزانِ خدایم درجہاں وانمایم ہر سبک را از گراں

ترجمہ: میں دنیا میں گویا خدائی میزان ہوں ہر ہلکے اور بھاری کو ظاہر کر دیتا ہوں۔

گاؤ را داند خدا گو سالۂ خر خریدارے و در خود کالۂ

لغات: درخور لائق، مناسب کالہ اسباب، متاع

ترجمہ: بیل کو کوئی بچھڑا ہی خدا کہے (تو کہے دانشمند کا یہ کام نہیں) جہاں گدھا خریدار ہو مال بھی اس کے لائق ہوگا (گوشتِ خرندانِ سگ)۔

من نہ گاوم تا کہ گو سالم خرد من نہ خارم کاشترے از من چرد

ترجمہ: میں کوئی گائے تھوڑا ہوں کہ بچھڑا میرا طالب ہو۔ میں کانٹا نہیں ہوں کہ کوئی اونٹ مجھے چرنے لگے۔ مطلب: میں ناقص نہیں ہوں کہ ناقصوں کا میری طرف میلان ہو بلکہ آفتابِ حق ہوں جس کی طرف انوار و کمالات کے مقتبس ہی مائل ہوتے ہیں اور شپرک طبع ناقصین میرے نور سے متنفر ہیں۔ سعدیؒ۔

نور گیتی فروز چشمۂ ہور زشت باشد بچشمِ موشکِ کور

او گماں دارد کہ برمن جور کرد بلکہ از آئینۂ من روفت گرد

ترجمہ: اس کو یہ گمان ہے کہ (میری تکذیب کر کے اس نے) میرا کچھ نقصان کر دیا (نہیں نہیں) بلکہ اس نے میرے آئینہ (کمالات) سے گرد (خفا) صاف کر دی۔

مطلب: مکذب و منکر سمجھتا ہے کہ اس کی تکذیب و انکار سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بہت دق ہوئے اور ان کو بڑا نقصان پہنچا اور لوگ یہ تکذیب و انکار سن کر ان سے متنفر ہو گئے یہ سب اس احمق کی خام خیالیاں ہیں بلکہ اس تکذیب و انکار نے امرِ حق کی حقانیت کو اور بھی آشکار کر دیا۔ مومنین مخلصین پران معاند۔ین و فاسدین کا خبث ظاہر ہو گیا اور اگر کسی کو پہلے کچھ تذبذب تھا تو اب وہ یقینِ تام میں بدل گیا غرض ناقصین کے انکار نے پیغمبر حق کے کامل ہونے پر مہر تصدیق لگا دی۔ ولنعم ما قیل۔

وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِیْ مِنْ نَاقِصٍ فَهِیَ الشَّهَادَةُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلٌ

"اور اگر آپ کے پاس کوئی ناقص میری برائی کرے تو یہ اس بات کے لیے سندِ تصدیق ہے کہ میں کامل ہوں" اس سے معلوم ہوا کہ چیزوں کا میلان اسی چیز کی طرف ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کو پہلے سے کوئی مناسبت و مجانست ہوتی ہے اگر وہ ناقص ہے تو یہ بھی ناقص ہوگا اگر وہ کامل ہے تو یہ بھی کامل ہوگا۔ آگے اس کے متعلق ایک حکایت ارشاد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکیم جالینوس نے ایک دیوانہ اپنے آپ پر مائل دیکھ کر قیاس کیا کہ مجھ میں کوئی شائبہ جنون کا ضرور ہے اسی لیے یہ دیوانہ مجھ پر مائل ہوا ہے کہ الجنس یمیل الی الجنس ورنہ اس دیوانے کو مجھ سے کیا سروکار تھا۔

تملّق کردنِ دیوانہ با جالینوس و وہم کردنِ جالینوس

ایک پاگل کا جالینوس کی خوشامد کرنا اور جالینوس کا توہم میں پڑ جانا

گفت جالینوس با اصحابِ خود مر مرا تا آں فلاں دارو دہد

ترجمہ: (حکیم) جالینوس نے اپنے شاگردوں (میں سے کسی) سے کہا کہ مجھے فلاں دوا کھلاؤ۔

پس بدو گفت آں یکے کاے ذوفنوں ایں دوا خواہند از بہرِ جنوں

ترجمہ: تو اس نے عرض کیا اے صاحب کمالات (استاد) یہ دوا تو (مرضِ) جنوں کے لیے لیا کرتے ہیں۔

دور از عقلِ تو ایں دیگر مگو گفت در من کرد یک دیوانہ رُو

ترجمہ: (خدا کرے یہ مرض) آپ کی عقل سے دور (رہے) پھر ایسی بات نہ فرمائیں اس نے کہا (اصل بات یہ ہے کہ آج) ایک دیوانہ مجھ پر متوجہ ہوا۔

ساعتے در روئے من خوش بنگرید چشمکم زد آستینے بر درید

ترجمہ: وہ کچھ دیر تک میرے چہرے کی طرف بغور دیکھتا رہا آنکھیں مٹکانے لگا اور میری آستین (بھی کھینچ کر) پھاڑ ڈالی (جیسے بہت بے تکلفی اور الفت ہو)۔

گرنہ جنسیت بدے در من ازو کے رخ آوردے بمن آں زشت رُو

ترجمہ: اگر میرے اندر اس کے ساتھ مجانست نہ ہوتی تو وہ منحوس کیوں میری طرف متوجہ ہوتا۔ نظامیؒ

ہمہ جنس از گورو گاؤ و پلنگ بجنسیت آرند شادی بچنگ

گرندیدے جنسِ خود کے آمدے کے بغیرِ جنس خودرا برزدے

ترکیب: پہلے مصرعہ میں جنسِ خود مرکب اضافی ہے دوسرے مصرعہ کے جنس خود میں اضافت نہیں بلکہ جنس مفعول بہ اول اور خود مفعول بہ دوم ہے برزدے کا۔

ترجمہ: اگر اپنی جنس کو نہ دیکھتا تو کب آتا، کب غیر جنس سے اپنے آپ کو بھڑاتا۔ نظامیؒ

غلیو از را با کبوتر چہ کار بباز ملک درخورست ایں شکار

چوں دو کس برہم زند بے ہیچ شک درمیاں شاں ہست قدرِ مشترک

لغات: برہم زدن آپس میں مل جانا۔ قدرِ مشترک وہ خاص ذاتی یا وصفی امر جو دو یا دو سے زیادہ چیزوں میں یکساں پایا جائے۔ جیسے انسان اور دیگر حیوانات میں حس و حرکت قدرِ مشترک ہے حیوانات اور نباتات میں حصولِ غذا اور نشوونما قدرِ مشترک ہے حیوانات نباتات اور جمادات میں جسمانیت قدرِ مشترک ہے۔ برف اور بگلے میں سفید رنگ قدرِ مشترک ہے۔ آفتاب اور آگ میں حرارت اور روشنی قدرِ مشترک ہے۔ وھکذا۔

ترجمہ: جب دو شخص باہم مائل ہوں تو کسی شک کے بغیر ان میں کوئی نہ کوئی بات ملتی جلتی ہے۔ کما قیل۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

کے پرد مرغے بجز با جنسِ خود صحبتِ ناجنس گورست و لحد

ترجمہ: کوئی پرندہ اپنے غیر جنس کے ساتھ کب پرواز کرتا ہے (کیونکہ) غیر جنس کے ساتھ رہنا قبر اور لحد (میں دفن ہو جانے کے برابر) ہے۔ حافظؒ

چاک خواہم زدن ایں دلقِ ریائی چکنم روح را صحبتِ ناجنس عذابے ست الیم

سببِ پریدن و چریدن مرغے کہ با مرغِ دیگر ہم جنس نبود

ایک پرندے کے دوسرے پرندے کے ساتھ اڑنے اور چرنے چگنے کا سبب جو اس کا ہم جنس نہ تھا

آں حکیمے گفت دیدم درتگے دربیاباں زاغ را با لکلکے

لغات: تگ چلنا پھرنا۔ لکلک ایک آبی پرندہ کا نام ہے جس کی گردن اور پاؤں لمبے ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ایک حکیم نے کہا کہ میں نے ایک جنگل میں ایک کوے کو لکلک کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا۔

در عجب ماندم بجستم حالِ شاں تاچہ قدرِ مشترک یا بم نشاں

ترجمہ: تو میں تعجب میں رہ گیا (اور) میں ان کے حال کا تجسس کرنے لگا کہ (ان میں) کس قدر قدرِ مشترک کا پتا لگا سکتا ہوں۔

چوں شدم نزدیک من حیران و دنگ خود بدیدم ہر دوآں بودند لنگ

ترجمہ: جب میں حیران و متعجب ہو کر ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ دونوں لنگڑے ہیں۔

مطلب: اس سے معلوم ہو گیا کہ زاغ و لکلک میں لنگڑا ہونے کا وصف قدرِ مشترک تھا اسی نے ان میں الفت و محبت کا رابطہ ڈال دیا تھا۔

اب آگے رجوع ہے مضمونِ بالا کی طرف۔ اوپر فرمایا تھا کہ ہر شے اپنے ہم جنس کی طرف منجذب ہوتی ہے اگر کہیں ناقص کو کسی ایسے شخص کی طرف میلان ہو جو کامل کہلاتا ہو تو سمجھو اس کامل میں بھی نقص ہے اور اس کی بہت سے مثالیں دی تھیں اب اس سے ترقی کر کے فرماتے ہیں:۔

خاصہ شہبازے کہ او عرشی بود باکیے چغدے کہ او فرشی بود

ترجمہ: خاص کر وہ شہباز جو عرش سے تعلق رکھتا ہو (جب) ایک اُلو کے ساتھ (میل جول) رکھے جو فرشِ زمین سے ہے (تو کیوں نہ تعجب آئے)۔

مطلب: زاغ اور لکلک دونوں پرندے ہیں مخلوقاتِ ارضی میں سے ہیں جب ان کے ہم صحبت ہونے پر ایک حکیم کو حیرت دامنگیر ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ یہ دونوں باہم کوئی نہ کوئی امرِ مشترک رکھتے ہیں جبھی ان میں موانست ہے تو پھر ایک نبی جو شہبازِ عرش ہے کسی محجوب کے ساتھ جو ویرانۂ جہل کا بومِ شوم ہے کیونکر مانوس و مصاحب ہو سکتا ہے۔

صائبؒ ۔

لباسِ ماتمِ بلبل ہمیشہ آمادہ است بہر چمن کے درو زاغ آشیاں دارد

آں یکے خورشیدِ علیین بود ویں دگر خفاش کز سجین بود

لغات: علیین کئی معنوں میں مستعمل ہے (۱) وہ آسمانی دفتر جہاں مومنوں یعنی نجات پانے والوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ (۲) بہشت کے دریچے (۳) بہشت کا بلند مکان (۴) آسمانِ ہشتم (۵) عرش کا دایاں پایہ (۶) سدرۃ المنتہیٰ۔ سجین بھی کئی معنوں میں آتا ہے۔ (۱) سفلی دفتر جہاں دوزخیوں کے نام مندرج ہوتے ہیں۔ (۲) سخت قید خانہ (۳) جہنم کی ایک وادی کا نام ہے (۴) زمین کا طبقۂ ہفتم۔

صنائع: خورشید و خفاش اور علیین و سجین میں صنعتِ تضاد ہے۔

ترجمہ: وہ تو مقام علیین کا آفتاب ہے اور یہ چمگادڑ ہے جو مقام سجین سے تعلق رکھتی ہے۔

آں یکے نورے زہر عیبے بری واں دگر کورے گدائے ہر دری

ترجمہ: وہ ایسا نور ہے جو ہر عیب سے پاک ہے اور دوسرا ایک اندھا ہے دربدر بھیک مانگنے والا۔

وان یکے ماہے کہ بر پرویں زند وان یکے کرمیکہ بر سرگیں تند

لغات: پرویں چھ ستاروں کا مجموعہ ہے جو ایک دوسرے سے متصل ہیں عربی میں ثریا کہتے ہیں خوبصورتی اور بلندی میں ان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

ترجمہ: اور وہ ایک تو ایسا چاند ہے جو پروین سے جا ملتا ہے اور وہ ایک ایسا کیڑا ہے جو گوبر سے چمٹ رہا ہے۔

الخلاف: آں یکے خورشید سے لے کر یہاں تک تینوں شعر بعض دیگر نسخوں سے منقول ہیں ہمارے نسخے میں ان تینوں کے بجائے صرف ایک شعر درج ہے جو ان چھ مصراع میں سے صرف پہلے اور چھٹے مصرعہ سے مرتب ہے۔

آں یکے خورشید علیین بود وان یکے کرمے کہ برسُر گین تند

مگر ہم نے اپنے نسخے کی روایت کو ناقابلِ ترجیح سمجھا بدیں وجہ کہ (۱) اس میں اشعار و مصراع کی کمی ہے (۲) خورشید اور کرم کا ذکر تقابل و تضاد کے لطف سے خالی ہے (۳) قافیہ میں وہ برجستگی نہیں جو علیین و سجین کے قافیے میں ہے۔

وان یکے یوسفؑ رخے عیسےٰ نفس ویں دگر گرگے و یا خر یا جَرَس

ترجمہ: اور وہ ایک تو حضرت یوسفؑ کے سے خوبصورت چہرے والا اور حضرت عیسےٰؑ کے سے دَم والا ہے اور یہ دوسرا ایک بھیڑیا ہے یا گدھا ہے یا گھڑیال ہے۔

مطلب: یوسف رُخ ہونا جمالِ ظاہر کا عنوان ہے اور عیسےٰ نفس کمالِ باطن کا نشان ہے مطلب یہ کہ آپ تمام انبیاء کے کمالات ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ کما قیل۔

حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسےٰؑ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دوسرے مصرعہ میں گرگ، خر، جرس کا اجتماع بظاہر بے جوڑ محسوس ہوتا ہے مگر ان میں سے ہر چیز پہلے مصرعہ کی چیزوں سے تضاد کا تعلق رکھتی ہے خود باہم ان میں جوڑ اور ارتباط لازم نہیں یوسف رخ کے مقابلے میں گرگ برنبائے قصہ مشہور واقعہ ہے۔ عیسیٰ کے مقابلے میں خر کا لفظ آیا ہے اور خرِ عیسیٰ بھی ادبیاتِ فارسی کا ایک عام محاورہ ہے نفس کی لطافت جرس کی بھیانک آواز کے ساتھ متضاد واقع ہوئی ہے گرگ کا نسخہ بھی دوسرے نسخوں سے منقول ہے ہمارے نسخے میں اس کے بجائے کرمے درج ہے اس کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے مگر بہ تکلف۔

آں یکے پرّاں شدہ درلا مکاں ویں یکے درکاہداں ہم چوں سگاں

لغات: پرّاں پرواز کرنے والا۔ کاہداں کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔

ترجمہ: وہ ایک (اپنے عروج روحانی کی بدولت) لامکان تک پرواز کرتا ہے اور یہ کتوں کی طرح کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ میں (پڑا) ہے۔

آں یکے سلطانِ عالی مرتبت ویں یکے در گلخنے در تعزیت

لغات: مرتبت مرتبہ۔ گلخن بضمِ کاف فارسی بھٹی۔ تعزیت ماتم۔

ترجمہ: وہ ایک عالی جاہ بادشاہ ہے اور یہ ایک (دنیا کی) بھٹی میں (پڑا اپنی قسمت کو) رو رہا ہے۔

آں یکے خلقے ز اکرامش خجل ویں دگر از بینوائی منفعل

لغات: اکرام تعظیم کرنا، بخشش کرنا یہاں دوسرے معنی زیادہ چسپاں ہیں خجل شرمندہ۔ منفعل نادم۔

ترجمہ: ایک تو وہ ہے کہ مخلوق اس کی شرمندۂ احسان ہے اور (ایک) یہ ہے کہ (خود اپنی) بینوائی سے شرمندہ ہے (پہلے مصرعہ میں اگر اکرام بمعنی تعظیم کردن ہو تو ترجمہ یوں ہوگا ایک تو وہ ہے کہ مخلوق اس کی تعظیم (کا حق ادا نہ) کرنے سے شرمندہ ہے اور دوسرا الخ

آں یکے سرور شدہ ز اہلِ زماں ویں دگر در خاک خواری بس نہاں

ترجمہ: ایک وہ جو اہلِ زمانہ کا سردار ہے اور ایک یہ ہے جو خواری کی خاک میں دبا پڑا ہے۔

بلبلاں را جائے میزیبد چمن مر جُعل را در چمین خوشتر وطن

لغات: مے زیبد زیب میدہد۔ جعل بضمِ جیم و فتحِ عین کرم نجاست چمین نجاست، گندگی۔

ترجمہ: بلبلوں کے لیے چمن میں جگہ مناسب ہے نجاست کے کیڑے کا نجاست میں ٹھکانا اچھا ہے۔

باز بانِ معنوی گل با جعل ایں ہمے گوید کہ اے گندہ بغل

لغات: زبانِ معنوی زبانِ حال۔ گندہ بغل گندہ بو، بدبودار چونکہ جسم میں بدبو زیادہ تر بغل میں پیدا ہوتی ہے اس لیے بدبودار کو گندہ بغل سے تعبیر کیا ہے۔

ترجمہ: پھول نجاست کے کیڑے کو زبانِ حال سے کہتا ہے کہ اے بدبودار (کیڑے)۔

گر گریزانی زگلشن بے گماں ہست آں نفرت کمالِ گلستاں

ترجمہ: اگر تو گلشن سے (نفرت کرکے) بھاگے تو بے شک (تیری) وہ نفرت باغ کا کمال (ثابت کرتی) ہے۔

مطلب: اوپر کے تمام امثال ونظائر کا مطلب یہ تھا کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اب فرماتے ہیں کہ ادنیٰ واحقر چیز کو ایک اعلیٰ وارفع ذات کے ساتھ مناسبت نہ ہونے کے سبب سے اس سے نفرت ہو تو اس سے اس ذاتِ عالی صفات کی شان میں کمی نہیں آتی بلکہ زیادتی ہوتی ہے اور یہ تائید ہے اسی مضمون کی جو اوپر کہا تھا کہ۔

اوگماں دارد کہ برمن جور کرد بلکہ از آئینۂ من روفت گرد

غیرتِ من برسرِ تو دور باش میزند کاے خس ازیں درد ور باش

لغات: دور باش دوسرے مصرعہ میں معنیِ لفظی مراد ہے۔ یعنی چلو ہٹو دور ہو جاؤ پہلے مصرعہ میں اس سے مراد وہ نیزہ ہے جس کا پھل دو شاخہ ہوتا ہے اور اس کی لکڑی زر و جواہر سے مرصع بناتے ہیں چوبدار اس کو اٹھا کر بادشاہ یا امیر کی سواری کے آگے چلتا ہے تاکہ لوگ اس کو دور سے دیکھ کر سمجھ جائیں کہ شاہی سواری آرہی ہے اور راستے سے ہٹ جائیں چونکہ یہ کلمہ دونوں مصرعوں میں بمعنی مختلف آیا ہے اس لیے یہاں تکرارِ قافیہ کا عیب نہیں ہے۔

ترجمہ: میری غیرت (خود ہی) تیرے سر پر دور باش (کا نیزہ) مار رہی ہے کہ اے کمینے! اس دروازے سے چل دور رہو۔

مطلب: ناقص کا کامل سے گریز کرنا کامل کے کمالات کے دلیل ہونے کے علاوہ خود کامل کی عین خواہش کے مطابق بھی ہے کیونکہ اس کی طبعِ لطیف نجس طبائع کے ... کی متحمل نہیں ... قبول

ے فزاید ظلمتِ دل صحبتِ افسردگاں چوں زمستاں بیشتر گردد شود شبہا دراز

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافتِ مزاج اور نزاہتِ طبع کا یہ عالم تھا کہ کافر و مشرک تو رہے الگ خود صحابہ کرام میں سے بے وضو یا ناقص الوضو لوگوں کی شرکت بارِ خاطر ہو جاتی ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نمازِ فجر کی جماعت میں سورہ روم کی قرأت شروع کی تو آپ کسی مقام پر بھول گئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَاِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ لوگوں کو کیا ہوا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وضو اچھی طرح نہیں کرتے یہی لوگ قرآن میں ہمارے سہو کا باعث ہوتے ہیں" (مشکوۃ) اسی طرح اولیاء اللہ غیر موافق اور محجوب لوگوں کے اختلاط کو اپنے لیے مضر سمجھ کر اس سے اجتناب لازم سمجھتے ہیں۔ کما قیل۔

اختلاط ناموافق سدِ راہِ سالک است فلفل از پرواز مانع ے شود کافور را

کامل کے ناقص و محجوب سے متنفر ہونے کی ایک تو یہ وجہ ہے۔ دوسری وجہ آگے ارشاد فرماتے ہیں:

وربیا میزی تو با من اے دنی ایں گماں آید کہ ازکانِ منی

لغات: بیا میزی تو مل جل جائے۔ دنی کمینہ۔ ازکانِ منی از کانِ من ہستی۔

ترجمہ: اور اے کمینے اگر تو مجھ سے ملنے لگے تو (اس سے لوگوں کو نقصان پہنچ جائے گا یعنی ان کو) یہ گمان ہوگا کہ تو میری جنس سے ہے۔

مطلب: جو لوگ ہمارے مرید و معتقد ہیں وہ تم کو ہمارا ہم جنس و ہم مشرب سمجھ کر تمہارے اعمالِ بد کی تقلید کرنے لگیں گے یا کم از کم ہماری طرف سے تمہارے لیے ایسے اعمال کی اجازت کے وہم میں پڑ کر ان کے ارتکاب پر دلیر ہو جائیں گے اس طرح تمہارا اختلاط اور مصاحبت باعثِ فتنہ ہو جائے گی۔ آگے تیسری وجہ ارشاد ہے:

گردر آمیزد ز نقصانِ من ست زانکہ پندارند کوزانِ من ست

ترجمہ: اگر (کوئی ناقص و محجوب) مجھ سے ملنے لگے تو یہ میرا ناقص ہونا (بھی ثابت کرتا) ہے کیونکہ لوگ سمجھیں گے کہ وہ میرا ہی آدمی ہے۔ (جیسا پیر ویسا مرید)۔

مطلب: جو لوگ اس وقت ہمارے معتقد ہیں وہ ایک بد مشرب آدمی کو ہمارے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ دیکھ کر ہم سے بدگمان ہو جائیں گے اور ایک جماعتِ کثیر فیض سے محروم رہ جائے گی۔ آگے چوتھی وجہ بیان فرماتے ہیں:

گردر آمیز د بمن آں زہر ناک موش و دریا باشد و ماہی و خاک

ترجمہ: اگر وہ زہریلی طبیعت کا آدمی مجھ سے ملنا چاہے تو چوہے اور دریا (کا سا) اور مچھلی اور خاک (کا سا حال) ہوگا۔

مطلب: ظاہر ہے کہ چوہا پانی میں ڈوب کر دم توڑنے لگتا ہے اور مچھلی خاک کے اندر تڑپ تڑپ کر مرنے لگتی ہے۔ اسی طرح اس شخص پر ہماری صحبت میں سکرات کی حالت طاری ہونے لگتی ہے حالانکہ یہاں لوگوں کو راحتِ قلب اور سرور روحانی حاصل ہوتا ہے۔ پس ہم اپنی پاک صحبت کی قدر ایسے گندہ فطرت لوگوں کے سامنے کیوں گرائیں۔

کما قیل۔

چرا شراب بزاہد کسے بزور دہد چہ حاصل ست ازیں کاینہ بکور دہد

حق مرا چوں از پلیدی پاک داشت　　چوں سزد بر من پلیدی راگماشت

ترجمہ: حق تعالیٰ نے جب مجھ کو پلیدی سے پاک رکھا ہے تو مجھ پر پلیدی کو مسلط کرنا کب مناسب ہوسکتا ہے۔

مطلب: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کو اللہ تعالیٰ نے پلیدی سے بالکل پاک رکھا ہے حتیٰ کہ کوئی مکھی بھی جو نجاست پر بیٹھ چکی ہو آپ کے جسمِ اطہر پر نہیں بیٹھ سکتی تھی تو گندہ فطرت لوگ آپ کی صحبت میں شریک کیونکر ہوسکتے ہیں۔

یک رگم زیشاں بدو آں را برید　　در من آں بدرگ کجا خواہد رسید

ترکیب: بدرگ میں یا تو بد صفت اور رگ اس کا موصوف ہے یا بدرگ صفت ہے اور اس کا موصوف شیطان مقدر ہے۔ بہر دو تقدیر دو طرح ترجمہ اور دو طرح مطلب ہوگا۔

ترجمہ: (۱) ایک رگ ان لوگوں کی سی مجھ میں بھی تھی (خداوند تعالیٰ نے) اس کو کاٹ ڈالا (اب) وہ بری رگ مجھ میں کب پہنچ سکتی ہے۔

مطلب: رگِ بد وہ بشری کمزوریاں اور اخلاقی نقائص تھے جو آپؐ میں بتقاضائے بشریت عامۃ الناس کے ساتھ قدرِ مشترک تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو شقِ صدر کے ذریعہ سے آپ کے وجود سے خارج کر دیا۔ اس خارج کو رگ بریدن سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے، عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيلُ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهٗ نَصَرَعَهٗ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهٗ فِیْ طَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ بِمَآءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَامَهٗ وَاَعَادَهٗ فِي مَكَانِهٖ وَجَآءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰٓى اُمِّهٖ يَعْنِي ظِئْرَهٗ فَقَالُوْٓا اَنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ فَكُنْتُ اَرٰى اَثَرَ الْمَخِيْطِ فِیْ صَدْرِهٖ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے جب کہ آپ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو آپ کو پکڑ کر لٹایا۔ پھر آپؐ کا سینہ مبارک دل کے پاس سے چاک کیا اور دل میں سے کچھ خون نکالا اور کہا یہ آپؐ کے اندر شیطان کا حصہ تھا پھر اس کو ایک سونے کے طشت بیں میں آبِ زمزم کے ساتھ دھویا۔ پھر سینہ مبارک کو جوڑ دیا اور دل کو اس مقام میں دوبارہ رکھ دیا۔ لڑکے دوڑے دوڑے آپ کی ماں کے پاس آئے، جس سے آپ کی دودھ پلانے والی مراد ہے۔ اور کہا محمدؐ قتل کر دیے گئے۔ لوگ آپؐ کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ کا رنگ متغیر تھا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کے سینہ مبارک میں سوئی کے نشان دیکھتا تھا۔ (مشکوۃ)

غرض اس خون کی پھٹکی نکل جانے کے بعد جو عام انسانی کمزوریوں کا مظہر تھی آپؐ کو عامۃ الناس کے ساتھ اس قدرِ مشترک میں اشتراک نہ رہا اب نہ وہ اعتدال سے گرے ہوئے اخلاق و اطوار آپ سے ظاہر ہوسکتے ہیں جو خون کی پھٹکی سے ناشی ہونے والے تھے نہ آپ کو بدرگ لوگوں سے کوئی مناسبت ہوسکتی ہے۔

ترجمہ: (۲) ایک رگ ان لوگوں کی سی مجھ میں بھی تھی (حق تعالیٰ نے) اس کو کاٹ ڈالا (اب) وہ بدرگ (شیطان) مجھ میں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔

مطلب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔ یعنی شیطان انسان کی رگ رگ میں پھرتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر میں نہ کوئی ایسی رگ باقی رکھی گئی تھی جو شیطان کی جولا نگاہ ہو سکتی نہ شیطان آپؐ کو آمادۂ شر کرسکتا تھا کیونکہ آپؐ کی نسبت تو یہ نے آپ کے شیطان کو بھی مسلمان بنا دیا تھا۔ پس آپؐ کا

شیطان شیطان ہی نہ رہا چہ جائے کہ کوئی تحریک شر کر سکتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلاَّ وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَايَاْمُرُنِيْ اِلاَّ بِخَيْرٍ" تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک ساتھی جنات میں سے اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے لگا دیا گیا ہے لوگوں نے عرض کیا اور آپؐ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ فرمایا اور میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری اعانت فرمائی ہے چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ پس مجھے وہ نیکی پر ہی آمادہ کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ کفار و مشرکین میں اور ہم میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ ان کا بھی ایک شیطان ہے اور ہمارا بھی ایک شیطان تھا لیکن حق تعالیٰ کی مدد سے ہمارا شیطان مسلمان ہو گیا لہٰذا اب ان لوگوں کے ساتھ ہماری یہ قدرِ مشترک بھی نہ رہی اس لیے اب کسی قسم کی بھی مناسبت مابین باقی نہیں رہی۔

یک نشانِ آدم آں بود از ازل کہ ملائک سر نہندش از محل

لغات: از پہلے مصرعہ میں ابتدا کے لیے دوسرے مصرعہ میں علّت کے لیے محل مرتبہ، درجہ۔

ترجمہ: آدم علیہ السلام (کے کمال) کی ازل سے ایک نشانی تو یہ بھی تھی کہ ان کے مرتبہ کی وجہ سے ملائکہ سجدہ کریں۔

مطلب: اوپر یہ ذکر تھا کہ ناقصین کا کاملین سے تنفران کاملین کے کمال کی ایک دلیلِ خاص ہے۔ اب پھر فرماتے ہیں کہ کاملین کے کمال کی دو علامتیں ہیں ایک اچھے لوگوں کا ان کی طرف میلان دوسرے برے لوگوں کا ان سے تنفر۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے کمالاتِ نبوت پر یہ دونوں قسم کی علامتیں شاہد ہیں چنانچہ پہلی علامت کا ثبوت یہ کہ ملائکہ جو خود پاک اور طاہر تھے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سربسجود ہوئے اور دوسری علامت کا ثبوت آگے ارشاد ہے:

یک نشانِ دیگراں کہ آں بلیس نہ نہدش سر کہ منم شاہ و رئیس

ترجمہ: ایک دوسرا نشان یہ کہ وہ ابلیس (لعین) ان کے سامنے سربسجود نہ ہوا (اس گھمنڈ میں) کہ میں (فرشتوں کا) بادشاہ و رئیس (ہونے کی وجہ سے خود تعظیم کرانے کا مستحق) ہوں۔

مطلب: کمال کی دوسری علامت یہ تھی کہ بدوں کو باکمال سے نفرت ہو چنانچہ آدم علیہ السلام میں اس علامت کا ثبوت یہ کہ شیطان آپ سے نفرت ظاہر کی اور اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کہہ کہ سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا اسماعیل مرحوم۔

کیا جو کبر تو شیطان کے ہاتھ کیا آیا وہی عزیز ہے عزت جسے خدا نے دی

پس اگر ابلیس ہم ساجد شدے اونبودے آدم آں غیرے بُدے

ترجمہ: پس اگر ابلیس بھی سجدہ کر دیتا تو آپ آدم نہ ہوتے (بلکہ) آپ کچھ اور ہوتے۔

مطلب: کیونکہ اس صورت میں ایک نشانیٔ کمال مفقود ہوتی اور آدمؑ کے لیے اقرارِ ملائکہ کے ساتھ انکارِ ابلیس بھی دلیلِ کمال ہے۔

ہم سجودِ ہر ملک میزانِ اوست ہم جحودِ آں عدو برہانِ اوست

لغات: میزان بمعنی معیارِ کمال۔ جحود انکار۔ برہان دلیل۔

صنائع: شعر مرصع ہے۔

ترجمہ: ہر فرشتہ کا سجدہ کرنا آپ کا معیارِ کمال ہے تو اس دشمن (انسان) کا انکار کرنا بھی آپ (کے کمال) کی دلیل ہے۔

ہم گواہِ اوست اقرارِ ملک ہم گواہِ اوست کفرانِ سگک

ترجمہ: فرشتے کا اقرار بھی آپ (کے کمال) کا گواہ ہے (اس) ذلیل کتے (شیطان) کی ناشکری بھی آپ (کے کمال) کی دلیل ہے۔

مطلب: پس ثابت ہو گیا کہ اس نااہل کی مجھ سے نفرت میرے آئینہ کمال سے زنگِ خفا کو دور کرتی ہے۔

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد تاچہ کرد آں خرس با آں شیر مرد

ترجمہ: یہ بات کوئی انتہا نہیں رکھتی واپس چلو، تاکہ (دیکھیں کہ) اس ریچھ نے اس شیر مرد کے ساتھ کیا (سلوک) کیا۔

تتمہ قصہ آں مردِ مغرور بروفائے خرس

اس مرد کا باقی قصہ جو ریچھ کی وفا کے دھوکے میں تھا

شخص خفت و خرس میراندش مگس وزستیز آمد مگس زوباز پس

لغات: ستیز ضد۔ہٹ۔ باز پس واپس، دوبارہ۔

ترجمہ: آدمی تو سو گیا اور ریچھ اس کی مکھیاں اڑانے لگا (اور جوں جوں وہ اڑاتا) مکھیاں ضد سے لوٹ لوٹ کر آتی تھیں۔

چند بارش راند ازروئے جواں آں مگس پس بازے آمد دواں

ترکیب: راند کا فاعل ضمیر مستتر، راجع بہ خرس ہے چند بارش میں شین ضمیر مفعول بہ راجع بہ مگس ہے۔

ترجمہ: کئی بار اس (ریچھ) نے ان کو جوان کے منہ پر سے اڑایا (مگر) وہ مکھیاں دوڑ دوڑ کر واپس آتی تھیں۔

خشمگیں شد بامگس خرس و برفت برگرفت از کوہ سنگے سخت زفت

ترجمہ: ریچھ مکھیوں پر غضبناک ہو گیا اور (اسی وقت) گیا پہاڑ پر سے ایک بہت بڑا پتھر اٹھا لایا۔

سنگ آورد و مگس رادید باز بررخِ خفتہ گرفتہ جائے ساز

لغات: جائے ساز کے معنی ہیں جائے موافق یا جائے ضیافت یا جائے نفع۔

ترجمہ: وہ پتھر لے آیا اور مکھی کو پھر سونے والے کے منہ پر ٹھکانا بنائے دیکھا۔

برگرفت آں آسیا سنگ و بزد برمگس تا آں مگس واپس خزد

لغات: آسیا سنگ باضافتِ مقلوب چکی کا پتھر یا چکی کا سا پتھر خزد فعل مضارع خزیدن سے جس کے معنی ہیں گھسنا۔

ترجمہ: اس ریچھ نے وہ چکی کا (سا) پتھر اٹھایا اور مکھی پر دے مارا تاکہ وہ مکھی واپس (اڑ کر کہیں جا گھسے)۔

سنگ روئے خفتہ راخشخاش کرد ویں مثل بر جملہ عالم فاش کرد

لغات: خشخاش مشہور ہے یہاں مثل خشخاش مراد ہے یعنی ریزہ ریزہ، ذرہ ذرہ، چکنا چور۔ فاش ظاہر، افشا، مشہور، شائع۔

ترجمہ: پتھر نے سونے والے کا منہ چکنا چور کر دیا اور یہ مثل سارے جہان میں شائع کر دی کہ:

مہرِ ابلہ مہرِ خرس آمد یقیں کینِ او مہرست و مہرِ اوست کیں

ترجمہ: بے وقوف کی محبت یقیناً ریچھ کی محبت (سے مشابہ) ہے اس کی دشمنی (بمنزلہ) محبت ہے اور اس کی محبت (بمنزلہ) دشمنی۔
مطلب: اب یہ مثل مشہور ہے کہ بیوقوف آدمی کی دوستی کا نتیجہ وہی ہے جو ریچھ کی دوستی کا نکلا۔ دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ کہ اگر بیوقوف آدمی دشمن ہو جائے تو سمجھو حقیقت میں یہ اس کی دوستی اور مہربانی ہے اس لیے کہ وہ اب دور رہے گا اور کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا اور اگر کہیں اس نے دوستی کا رابطہ ڈال لیا تو بس خدا حافظ کوئی نہ کوئی ایسا ضرر پہنچے گا جس کی دشمن سے بھی توقع نہ ہو۔

عہدِ اوسست ست و ویران و ضعیف گفتِ اوزفت و وفائے او نحیف

ترجمہ: اس کا عہد سست ہے اور ناکارہ ہے اور بودا (ہے) اس کی باتیں بڑی بڑی ہیں اور اس کی وفا کمزور ہے۔ کما قیل۔

دوستی با مردمِ ناداں سفالیں کوزہ ہست بشکند در بشکند پیوند نبود جاوداں
گرخورد سوگند ہم باور مکن بشکند سوگند مردِ کثر سخن

ترجمہ: اگر وہ قسم بھی کھائے تو یقین نہ کرو۔ ٹیڑھی بات والا آدمی قسم کو توڑ ڈالتا ہے۔ حافظ۔

پیرِ پیمانہ کش ما کہ روانس خوش باد گفت پرہیز کن از صحبتِ پیماں شکناں

چونکہ بے سوگند گفتش بُد دروغ تو میفت از مکرِ سوگندش بدوغ

لغات: میفت امرِ امتناعی ہے افتادن سے۔ دوغ چھاچھ بمعنی مکر و فریب کیونکہ اگر دودھ کے دھوکے میں چھاچھ دی جائے تو یہ مکر و فریب ہے۔
ترجمہ: چونکہ اس کی بات قسم کے بغیر بھی جھوٹ تھی تو تم اس کی قسم کے فریب میں دھوکا نہ کھاؤ۔

نفسِ او میرست و عقلِ او اسیر صد ہزاراں مصحفش خود خوردہ گیر

ترجمہ: (کیونکہ) اس کا نفس (اس پر) حاکم اور اس کی عقل (اس کے آگے) مغلوب ہے (پھر ایک قرآن کی قسم کا کیا ذکر) اس کو لاکھوں قرآن کھا (کرڈکار نہ) لینے والا سمجھو۔
مطلب: قرآن کی جھوٹی قسم کھانا اس تیرہ باطن کو کیا مشکل ہے وہ تو قرآن مجید ہی کو کھا جاتے میں دریغ نہ کرے گا لہٰذا ایسے آدمی کا کیا اعتبار؟

چونکہ بے سوگند پیماں بشکند گر خورد سوگند اوبدتر کند

ترجمہ: چونکہ وہ قسم کے بغیر بھی (عہد و) پیمان کو توڑ ڈالتا ہے (پس) اگر وہ قسم کھاتا ہے تو بہت برا کرتا ہے۔
مطلب: جو شخص عہد شکنی کا عادی ہو اس کے بارے یہ سمجھ رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی کسی عہد کو نباہ نہیں کر سکے گا خواہ قسم کھائے یا نہ کھائے بلکہ وہ قسم کھانے کی صورت میں دو گناہوں کا مرتکب ہوگا ایک عہد شکنی دوسرا سوگند شکنی۔ لہٰذا اس کا قسم کھانا نہایت برا کام ہے۔ آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ قسم کو پورا کیوں نہیں کرسکتا:

زانکہ نفس آشفتہ ترگرد د ازاں کہ کُنی بندش بزنجیرِ گراں

ترجمہ: کیونکہ (قسم) نفس (کے لیے قید ہے اور وہ) اس بات سے گھبراتا ہے کہ تم اس کو (قسم کی) بھاری زنجیر میں قید کردو۔
مطلب: یہ مسلّم بات ہے کہ لنفس حریصٌ علی ما منع اور یہ بھی معلوم ہے کہ ممانعت جس قدر زیادہ سخت ہوگی اسی قدر زیادہ حرص بھی ہوگی تو اگر کوئی نفس کو عہد شکنی سے روکتا ہے تو وہ اس رکاوٹ سے گھبراتا ہے لیکن اگر اس کے روکنے کے لیے قسم بھی کھا

لے تو اس کی گھبراہٹ اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور خوب عہد شکنی کرتا ہے۔ ہاں اگر طبیعت سلیمہ ہو تو وہ ممانعت سے باز رہتی ہے اور یہ شاذ و نادر ہے۔

چوں اسیرے بند بر حاکم نہد حاکم آں رابر درد بیروں جہد

ترجمہ: جب ایک قیدی حاکم ہی کو قید کرنے لگے تو حاکم اس قید کو توڑ ڈالے گا اور باہر نکل آئے گا۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ بیوقوف کا نفس اس پر حاکم اور عقل اس کے نفس کی مقید ہوتی ہے اور اگر وہ اپنی عقل کے مشورے سے قسم کھالے تو گویا اپنے حاکم کو قید کرنے لگا ہے حاکم کب قید ہونا گوارا کرتا ہے بلکہ قید کو توڑ پھوڑ کر اپنے قید کرنے والے کو ٹھیک کر دیتا ہے۔ یعنی نفس عقل پر غالب آتا ہے اور عہد شکنی کر کے رہتا ہے۔ لہٰذا نہ بے وقوف کے عہد کا اعتبار ہے نہ اس کی قسم کا۔

برسرش کو بد زخشم آں بندرا میزند برروئے او سوگند را

ترجمہ: وہ (حاکم) اس زنجیر کو (اپنے پاؤں سے نکال کر) اس (قیدی) کے سر پر دے مارتا ہے۔ (اسی طرح وہ نفس) سوگند کو اس (عقل) کے منہ پر مارتا ہے۔

توزِاَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِش دست شو اِحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ با اومگو

لغات: پہلے مصرعہ میں اس آیت قرآنی کی طرف اشارہ ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ مسلمانو! اپنے اقراروں کو پورا کرو" (مائدہ ع ۱) دوسرے مصرعہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ جو سورۂ مائدہ کے بارھویں رکوع میں یوں شروع ہوتی ہے۔ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ اور اس کے آخری کلمات یہ ہیں وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ اور اپنی قسموں کو تھامے رہو اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے حکم تم سے بیان کرتا ہے، تاکہ تم شکر کرو۔"

ترجمہ: تم اس کے وفائے عہد سے ہاتھ دھولو اور اس سے یہ بھی نہ کہو کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرے، (اس لیے کہ اس سے یہ توقع ہی فضول ہے)۔

ہر کہ او گوید بنزدِ ما دروغ درنگیرد گفتِ سوگندش فروغ

ترجمہ: جو شخص ہمارے نزدیک جھوٹ بکتا ہے۔ اس کا قول اس کی قسم سے قوت نہیں پاسکتا۔

مطلب: جھوٹے آدمی کا جھوٹ قسم کے ساتھ فروغ نہیں پاسکتا بلکہ وہ اور بھی بے اعتبار ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا قسم کھانا ایک طرح سے اپنی دروغگوئی کا اعتراف ہے یعنی اس کے قسم کا یہ مطلب ہے کہ میں یہ بات سچ کہہ رہا ہوں۔ گویا اس کے سوا جو باتیں بلاقسم کہا کرتا ہوں وہ جھوٹ ہوتی ہیں پس جو شخص جھوٹ بولتا ہے اور اپنے جھوٹ بولنے کا اقرار کرتا ہے اس کی قسم کا بھی کیا اعتبار؟ جامیؒ۔

نگردد خاطر از ناراست خورسند وگر خود گوئی آنرا راست مانند
بصنعت گر بیارائی دروغے نگیرد زاں چراغ دل فروغے

وانکہ داند باکہ میکند تن کند چوں تارو گردِ اوتند

لغات: کہ کدام کس؟ تند تنیدن سے جس کے معنی ہیں تننا۔

ترجمہ: اور جو شخص یہ جان لے کہ کس سے عہد کر رہا ہے تو وہ بدن کو تار کی طرح بنا کر اس کے گرد تنا رہتا ہے (یعنی ایفائے عہد میں اپنے آپ کا فنا ہو جانا گوارا کر لیتا ہے)۔

مطلب: گردِ اوتند کنایہ ہے طواف سے اور طواف کمالِ اطاعت و فدائیت کی دلیل ہے خصوصاً جبکہ اس قسم کا طواف ہو کہ جس میں جسم ایک دھاگا بن کر ادھر سے کھلتا اور ادھر لپٹتا چلا جائے۔ حتیٰ کہ تمام جسم اسی طرح فنا ہو جائے تو اس سے بڑھ کر فدائیت کا کون سا درجہ ہوگا پس جو شخص اس ذات پاک کے علوِ شان کا تصور کرے جس کے نامِ پاک کی قسم کھا کر کوئی عہد باندھ رہا ہے وہ کیونکر عہد شکنی کرے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وانکہ حق را ساخت در پیاں سند   تن کند چوں بند و گردِ اوتند

ترجمہ: اور جو شخص حق تعالیٰ کو کسی (عہد و) پیمان میں (بطور قسم) وثیقہ بنائے وہ (اپنے) بدن کو ایک (مضبوط) بند بنا کر اس (سوگند) کے (بطور حصار) ڈال دیتا ہے (تاکہ اس کی حفاظت کرے)۔

مطلب: وہ شخص حق تعالیٰ کے نامِ پاک پر سوگند کھا کر جو عہد کرتا ہے اس کے ایفا میں اپنی جان دینی بھی گوارا کر لیتا ہے۔ آگے ایک حکایت ارشاد ہے جس سے یہ ثبوت دینا مقصود ہے کہ چونکہ بعض بندگانِ خاص کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتحادِ عرفی ہے اس لیے بعض جگہ بندے کے ساتھ عہد خود خدا کے ساتھ عہد بن جاتا ہے۔

الخلاف: یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

رفتنِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بعیادتِ صحابیِ رنجور و فائدۂ آں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بیمار صحابی کی خبر گیری کے لیے تشریف لے جانا اور اس کے فائدہ کا بیان

از صحابہ خواجۂ بیمار شد   و اندراں بیماریِ اوچوں تار شد

ترجمہ: صحابہ میں سے ایک صاحب بیمار ہو گئے اور اس بیماری میں وہ نہایت دبلے ہو گئے۔

مصطفیٰؐ آمد عیادت سوئے او   چوں ہمہ لطف و کرم بُد خوئے او

ترجمہ: حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے اس کی طرف تشریف لائے جب کہ سراپائے لطف و کرم آپ کی عادت تھی۔

در عیادت رفتنِ تو فائدہ است   فائدہ آں باز با تو عائدہ است

ترجمہ: تمہارے بیماری پرسی کے لیے جانے میں فائدہ ہے۔ اس کا فائدہ پھر تمہاری طرف عائد ہوتا ہے۔

فائدۂ اوّل کہ آں شخصِ علیل   بو کہ قطبے باشد و شاہِ جلیل

لغات: علیل بیمار۔ بُو مخفف بود بمعنی شاید قُطب۔ اولیا میں سے ایک بڑے درجہ کا ولی ہو جلیل، بزرگ۔

ترجمہ: پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ شاید وہ بیمار آدمی کوئی قطب اور (مسند ارشاد کا) شاہ عالی جاہ ہو

چوں تو چشمِ دل نداری اے عنود   کہ نمیدانی تو ہیزم را زِ عُود

لغات: عنود سرکش، جھگڑالو، معاند۔ ہیزم جلانے کی لکڑی۔ ایندھن۔ عود وہ خاص قسم کی لکڑی جو جلانے سے نہایت خوشبو

دیتی ہے۔

ترجمہ: (اے معاند! جب تجھے دل کی آنکھیں حاصل نہیں ہیں) حتیٰ کہ تو (ایندھن کی) لکڑی کو عود (کی لکڑی) سے تمیز نہیں کر سکتا (تو یہی مناسب ہے کہ ہر بیمار کی عیادت کیا کرے)۔

مطلب: تمہارا یہ کہنا فضول ہے کہ خاص اولیاء واقطاب ہی کی عیادت کرلیا کریں گے۔ تمام لوگوں کی عیادت کا طول کون اپنے سر لے کیونکہ تم کو اتنی شناخت ہی نہیں کہ یہ ولی ہے اور وہ غیر ولی ہے۔ پس بہتر یہی ہے کہ ہر بیمار کی عیادت کیا کرو۔ کیا تعجب ہے اسی میں کسی ولی کی بھی عیادت ہو جائے۔ سعدیؒ۔

غمِ جملہ خور در ہوائے یکے مراعات صد کن برائے یکے

چونکہ گنجے ہست در عالم مرنج ہیچ ویراں رامداں خالی زگنج

ترجمہ: جب خزانہ جہاں میں موجود ہے تو (جستجو سے) ملول نہ ہو (اور) کسی ویرانہ کو خزانہ سے خالی نہ سمجھو۔

مطلب: دنیا اہل اللہ سے خالی نہیں اس لیے ان کی جستجو سے گھبرانا نہیں چاہیے ضرور کبھی نہ کبھی کوئی اللہ کا بندہ مل جائے گا تلاش جاری رکھو۔ صائبؒ۔

شاید دو چار دامنِ اہل اے شوی چوں آفتاب دست بگردِ جہاں برار

قصدِ ہر درویش میکن از گزاف چوں نشاں یابی بجد میکن طواف

ترجمہ: ہر درویش (کی زیارت) کا قصد انکل پچو بھی کیا کرو جب (کسی کے کمال کا) نشان پاؤ تو اس پر فدا ہو جاؤ۔

انتباہ: طواف سے طوافِ متعارف مراد نہیں کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے سوا اور کسی کے لیے جائز نہیں۔ قبور کا طواف جو کیا جاتا ہے غیر مشروع ہے بلکہ اس سے مجازاً فدا ہونا مراد ہے کیونکہ فدا ہونے کے لیے بھی اردگرد چکر لگایا جاتا ہے۔

چوں ترا آں چشمِ باطن بیں نبود گنج مے پندار اندر ہر وُجُود

ترجمہ: جب تم کو وہ باطن کے دیکھنے والی آنکھ (حاصل) نہیں ہے (پس اہلِ باطن کو پانے کی تدبیر یہی ہے کہ) ہر وجود کے اندر خزانہ (موجود) سمجھو (اور اس کی طلب کرو)۔

ورنباشد قطب یارِ رہ بود شہ نباشد فارسِ اسپہ بُود

لغات: یارِ رہ سالک، صوفی، ہم مشرب۔ فارس سوار۔ اسپہ سپاہ، فوج۔

ترجمہ: اگر قطب نہ ہوگا تو کوئی ہم مشرب (صوفی) ہی ہوگا (مسند فقر کا) بادشاہ نہ ہوگا تو (فقرا کی) فوج کا ایک سوار ہی ہوگا۔

پس صلہ یارانِ رہ لازم شمار ہر کہ باشد گر پیادہ و سوار

ترجمہ: پس یارانِ طریقت کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا لازم سمجھو خواہ کوئی پیادہ ہو یا سوار ہو۔

مطلب: یارانِ طریقت کو متفق ومتحد اور باہم خیر خواہ و ہمدرد بن کر رہنا چاہیے چھوٹا بڑا ہونے کا خیال مانع الفت نہ ہو۔ کما قیل۔

بود امداد یک دیگر ضرور اہل طریقت را عصا بر پاز شخص وشخص بر پاز اعصا باشد

ورعدو باشد ہم ایں احسان نکوست   کہ باحساں بس عدو گشت است دوست

ترجمہ: اور اگر دشمن (بھی) ہو تو (اس کے ساتھ) بھی یہ احسان (عیادت وغیرہ) اچھا ہے کیونکہ احسان کے ساتھ اکثر دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ صائبؒ۔

بایدت ملک سکندر چوں وے از حسن سیر   دشمنا نرا دوست گرداں دوستانرا دوست تر

ورنگردد دوست کینش کم شود   زانکہ احساں کینہ را مرہم شود

ترجمہ: اگر دوست نہیں بن جائے گا تو (کم از کم) اس کی دشمنی کم (ضرور) ہو جائے گی کیونکہ احسان (اس کے) کینے (کے زخم) کے لیے مرہم بن جاتا ہے۔ صائبؒ۔

دشمنِ خونخوار را کوتہ باحساں ساز دست   ہیچ زنجیرے بہ از اسیری نباشد شیررا

بس فوائد ہست غیرِ ایں ولیک   از درازی خائفم اے یارِ نیک

ترجمہ: (عیادت کے) فائدے اس کے سوا اور بھی بہت ہیں لیکن اچھے دوست! میں طوالت سے ڈرتا ہوں (ورنہ بیان کرتا)۔

حاصل ایں آمد کہ یارِ جمع باش   ہم چو بت گراز حجر یارے تراش

لغات: حاصل نتیجہ، مقصد۔ جمع جماعت۔ بت گر بت بنانے والا۔ حجر، پتھر۔

ترجمہ: غرض کہ جماعت کے ساتھ رہو اور بت گر کی طرح پتھر سے یار تراش لو۔

مطلب: تنہا باشی ٹھیک نہیں کسی جماعت کا فرد بن کر رہنا چاہیے اس سے باہمی مدد و اعانت کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں اکیلا آدمی بے یار و مددگار رہ جاتا ہے اور چونکہ عیادت سے محبت بڑھتی ہے اور محبت سے اتفاق پیدا ہوتا ہے اس لیے عیادت کرنا فردِ جماعت بننے کا اچھا ذریعہ ہے۔ پتھر کا دوست بنانے سے یہ مقصد نہیں کہ سچ مچ بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دو بلکہ جو شخص بیگانہ و بے فیض ہونے میں تمہارے لیے مثلِ حجر ہو اس کو بھی اپنی دوستی کے سانچے میں ڈھال کر اپنا یگانہ اور اپنے لیے نافع وفیض رساں بنا سکتے ہو۔ آگے جماعت میں شامل ہو کر رہنے کا ایک فائدہ بیان فرماتے ہیں۔

زانکہ انبوہی و جمعِ کارواں   رہزناں را بشکند پشت و سناں

ترجمہ: کیونکہ قافلے کا اکٹھ اور جماعت ڈاکوؤں کی پشت اور بھال کو توڑ ڈالتی ہے۔

مطلب: اتفاق و اتحاد کے جو فوائد ہیں حیطۂ بیان میں نہیں آسکتے۔ کما قیل۔

ز اتفاقِ مگس شہد مے شود پیدا   خداچہ لذتِ شیریں در اتفاق نہاد

بڑی جماعت تو بڑی بات ہے صرف دو آدمی بھی متفق و متحد ہو جائیں تو ایک گروہ کے مقابلے میں ڈٹ جانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ کما قیل۔

دوتن یک شود بشکند کوہ را   خرابی ہے آرد انبوہ را

اوپر فرمایا تھا کہ عیادت کیا کرو شاید ان بیماروں میں جن کی عیادت کی جائے حسنِ اتفاق سے کوئی قطب ہو اور بیڑا پار ہو جائے اس پر ایک حکایت ارشاد ہے:۔

وحی کردنِ حق تعالیٰ بموسیٰ کہ چرا بعیادت نیامدی

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی خطاب فرمانا کہ تم کیوں میری عیادت کو نہ آئے

آمداز حق سوئے موسیٰ این عَتِیب کاے طلوعِ ماہ دیدہ تو زجیب

لغات: عَتِیب امالہ ہے عتاب کا طلوعِ ماہ چاند کا چڑھنا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ عتاب آیا کہ اے وہ جس نے (اپنے) گریبان سے چاند کا چڑھنا دیکھا ہے۔

مطلب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ حاصل تھا کہ جب گریبان میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتے تو وہ آفتاب کی طرح تاباں و درخشاں نکلتا جس سے دن میں چکا چوند کا عالم ہو جاتا یہ معجزہ عطا فرماتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد کیا تھا۔ وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَۃً اُخْرٰی "اور اپنا ہاتھ بغل کے نیچے لے جا (پھر نکال) وہ سفید (نورانی) بے عیب ہو کر نکلے گا۔ یہ ایک نشانی اور ہے" (طہٰ ع ۲) مصرعہ ثانیہ میں اسی معجزے کی طرف اشارہ ہے اگلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں جواب ندا ہے :۔

مشرقت کردم ز نورِ ایزدی من حقم رنجور گشتم نامدی

ترجمہ: میں نے تم کو نورِ خدائی کا مشرق (جائے درخشانی) بنایا میں حق ہوں مجھے مرض کی شکایت ہوئی (مگر) تم (میری عیات کو) نہ آئے۔

گفت سبحانا تو پاکی از زیاں اینچہ رمزست ایں بکن یارب بیاں

ترجمہ: (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کیا الٰہی! تو (ہر قسم کے) نقصان سے پاک ہے یہ کیا رمز ہے (کہ تو اپنے آپ کو بیمار فرماتا ہے) اس کو بیان فرما۔

باز فرمودش کہ در رنجوریم چوں نپر سیدی تواز روئے کرم

ترجمہ: پھر فرمایا کہ میں مرض میں (مبتلا) ہوں تو نے کیوں از روئے عنایت مجھے نہ پوچھا۔

الخلاف: بعض نسخوں میں یہ شعر اور اس سے اوپر کا شعر دونوں نہیں ہیں۔

گفت یارب نیست نقصانے ترا عقل گم شد ایں گرہ را بر کشا

ترجمہ: (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر) عرض کیا اے پروردگار! تیری ذات کے لیے (مرض وغیرہ) کوئی نقصان (ممکن) نہیں (اس بارے میں میری تو عقل گم ہے۔ اس (مشکل) گرہ کو کھول دے۔

گفت آرے بندۂ خاصِ گزیں گشت رنجور او منم نیکش ببیں

لغات: گزیں انتخاب۔ برگزیدہ نیکش ببیں۔ اور اسے بخوبی ببیں۔

ترجمہ: فرمایا ہاں میرا ایک خاص برگزیدہ بندہ بیمار ہو گیا ہے وہ میں ہی ہوں (یعنی اس کو مجھ سے اتحادِ اصطلاحی ہے) تم اس کو بخوبی دیکھ (کر پہچان) لو۔

ہست معذوریش معذوریِ من ہست رنجوریش رنجوریِ من

ترجمہ: اس کی درماندگی میری درماندگی ہے اس کی بیماری میری بیماری ہے۔

مطلب: اس مضمون کی ایک روایت کتب احادیث میں درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّکَ لَوْعُدْتَّہٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَہٗ الخ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا۔ اے فرزندِ آدم میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہ کی۔ بندہ کہے گا اے میرے پروردگار میں تیری عیادت کیونکر کرتا حالانکہ تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ تو تو نے اس کی عیادت نہ کی کیا تجھے معلوم نہیں کہ گر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔'' الخ (مشکوٰۃ)

حضرت ملا علی القاری رحمت اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ لو جدتنی عندہ کا مطلب یہ ہے کہ تم میری رضا پاتے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ عجز و انکسار اللہ کے نزدیک بہت قابل قدر اور موجب اعتبار ہے۔ جیسا کہ مروی ہے انا عند المنکسرۃ قلوبھم لا جلی کا مطلب یہ ہے کہ تم میری رضا پاتے اس میں یہ اشارہ ہے عجز و انکسار اللہ کے نزدیک بہت قابل قدر اور موجب اعتبار ہے۔ جیسے کہ مروی ہے۔ انا عند المنکسرۃ قلوبھم لا جلی یعنی میں لوگوں کے پاس ہوں جن کا دل میرے لیے شکستہ ہو نیز اس سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ عیادت اور زیارت کا ثواب کسی کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے بھی افضل ہے بلکہ بعض کے نزدیک عیادت عبادت سے بڑھ کر ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ)

اس سے ظاہر ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کا وہ درجہ ہے کہ ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا جائے وہ برتاؤ گویا خود حق تعالیٰ کے ساتھ ہے کیونکہ ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص اصطلاحی اتحاد حاصل ہے اسی لیے اب مولانا خود فرماتے ہیں:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضورِ اولیا

ترجمہ: جو شخص خداوند تعالیٰ کا ہم نشیں بننا چاہیے وہ اولیاء اللہ کے حضور میں بیٹھے۔ صائب۔

مگسل زاہل شوق کہ واصل شود بہ بحر خار و خسے کے ہمرہ سیلاب مے شود

از حضورِ اولیا گر بگسلی تو ہلاکی زانکہ جزوی نہ کلی

لغات: بگسلی فعل مستقبل صیغہ واحد مخاطب از گسلیدن (توڑنا) جزوی جزو بمعنی ناقص۔ غیر کامل اور آخر میں یائے خطاب ہے۔ کلی کل بمعنی کامل باکمال آخر میں یائے خطاب ہے۔ ان دونوں کے وسط میں جو نون نافیہ ہے وہ یا تو صرف کلی پر وارد ہے یا یہ نون بمعنی حرف عاطف ملحوظ ہو کر جزوی و کلی دونوں پر اس کی نفی کا ورود ہے۔ لہٰذا اس مصرعہ کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔

ترجمہ: اگر تو اولیاء کی خدمت میں حاضر ہونے سے منقطع ہو جائے گا۔ (۱) تو ہلاک ہو کر رہے گا کیونکہ تو ناقص ہے کامل نہیں۔ (۲) کیونکہ تو نہ کم (عارف یعنی اہل اللہ سے صرف مرتبط) ہے اور نہ پورا (عارف ہے)۔

ہر کرا دیواز کریماں وا برد بے کسش یابد سرش را وا برد

لغات: دیو شیطان۔ کریماں بزرگ لوگ اہل اللہ مراد ہیں۔

ترکیب: بے کس حال ہے شین ضمیر مفعول اس کا ذوالحال۔ ایک شارح نے اس کو بے کشش پیر دو شین معجمہ سمجھا ہے اور اس کو علت قرار دیا ہمصرعہ [illegible] کی [illegible] شیطان کے [illegible] لوگوں کو اہل اللہ سے دور کر دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ

ان کی طرف سے کشش نہیں ہوتی مگر یہ سراسر تکلف ہے۔
صنائع: دابرو۔ بفتح باء اور دابرو بضم باء میں صنعت تجنیس۔
ترجمہ: جس شخص کو شیطان ان بزرگانِ اہل اللہ سے علیحدہ کر دیتا ہے اس کا بحالتِ بیکسی سر کاٹ ڈالتا ہے۔

یک بدست از جمع رفتن یک زماں مکرِ شیطان باشد ایں نیکو بداں

لغات: بدست میں با مقدار کے لیے جیسے اس مصرعہ میں "بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد" اور دست بمعنی بالشت اس صورت میں یک بدست سے لے کر باشد تک ایک جملہ ہے اور ایں نیکو بداں الگ جملہ ہے۔ مولانا بحر العلوم یک بدست کے معنی عظیم ست کرتے ہیں اس تقدیر پر شعر کے تین جملے بن جاتے ہیں اور ایں اسمِ اشارہ کا تعلق درمیانی جملے سے ہے نیکو بداں الگ جملہ ہے ترجمہ دونوں طرح کیا جاتا ہے۔
ترجمہ: (۱) جماعت سے ایک بالشت بھر ایک گھڑی کے لیے دور ہونا بھی شیطان کا فریب ہوتا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔
ترجمہ: (۲) جماعت سے ایک گھڑی کے لیے دور ہونا بھی ایک بڑی خرابی ہے (اور) یہ شیطان کا فریب ہوتا ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔
مطلب: مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اس حدیث کی طرف تلمیح ہے۔ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ یعنی جو ایک بالشت برابر بھی جماعت سے الگ ہوا اس نے اپنے آپ کو اسلام سے بے تعلق کر لیا اور ظاہر ہے کہ یہ تلمیح پہلی تقدیر پر یعنی بدست بمعنی بمقدار بالشت جس قدر زیادہ موزون ہے۔ مولانا بحر العلومؒ کی بیان فرمودہ تقدیر پر نہیں آگے ایک حکایت تمثیلاً ارشاد ہے جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اپنے آپ کو جماعت سے الگ کر لینا کس قدر وبال کا موجب ہے:

جدا کردنِ باغباں صوفی وفقیہ وعلوی را از ہم

ایک باغبان کا صوفی مولوی اور سید کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا

باغبانے چوں نظر درباغ کرد دید چوں دُزداں بباغِ خود سہ مرد

ترجمہ: ایک باغباں (کا قصہ ہے کہ اس) نے (ایک دن) جو (اپنے) باغ میں نظر کی تو اپنے باغ میں دیکھا کہ تین شخص چوروں کی طرح (میوے توڑتے اور کھاتے ہیں)۔
مطلب: چوروں کی طرح یعنی جب کہ چھپ کر آنکھ بچا کر اپنے آپ کو غیر مستحق سمجھتے ہوئے۔ ضمیر کی آواز کے خلاف محض اغوائے شیطان سے کوئی چیز اڑا لی جائے بخلاف دوستوں کی طرح کہ بلا تکلف و بلا خوف بدعوائے استحقاق کچھ لے لیا جاتا ہے اور بخلاف حاکم وافسر کی طرح کے کہ جبر و تشدد سے بلا تحاشا ہاتھ ڈالا جاتا ہے اب سنئے کہ وہ تینوں شخص کون کون تھے:

یک فقیہ ویک شریف و صوفیے ہر یکے شوخے فضولے یوفیے

لغات: فقیہ عالمِ دین، علم فقہ کا ماہر قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کرنے اور احکامِ اسلام کو سمجھنے والا مولوی مفتی۔ شریف سید کو کہتے ہیں مگر حرمین شریفین میں شریف خاص اولادِ امام حسن علیہ السلام کو اور سید خاص اولادِ امام حسین علیہ السلام کو

کہتے ہیں مگر عام لوگ تمام اہلِ بیت کی اولاد کو سید کہتے اور ان کو نسبی امتیاز کے اظہار کے لیے الگ الگ سید فاطمی، سید علوی سید عباسی، سید حسنی، سید حسینی کہا جاتا ہے مکہ معظمہ کے حاکم کا لقب بھی شریف تھا جو باعتبار حکومت شریفِ مکہ کہلاتا تھا آخر ابن سعود نجدی نے شرفاءِ مکہ کی حکومت کا خاتمہ کیا صوفی درویش منسوب بہ تصوف یوفی منسوب بہ یوف بمعنی لاف ہرزہ گوئی۔

ترجمہ: ایک مولوی تھا ایک سید اور ایک صوفی اور ان میں سے ہر ایک بیباک، فضول اور یاوہ گو تھا۔

مطلب: یعنی حقیقت میں یہ بدمشرب و بدوضع لوگ تھے اگرچہ اتفاقاً مولوی و سید و صوفی کہلاتے تھے اس لیے مجبوراً قصے میں ان کا ذکر انہی لقبوں سے کیا گیا اس قسم کے بدمشرب لوگوں کو پیشِ نظر رکھ کر جو بظاہر مولوی وغیرہ کہلاتے ہوں کافہ علماء و سادات و صوفیہ کو ہدف طعن بنانا نہیں چاہیے جیسے کہ بعض جہلا کا شیوہ ہوتا ہے۔ ایک کج نہاد و نجس فطرت آدمی اگر کنز و قدوری پڑھ کر مولوی کہلائے گا یا سادات کے گھر میں پیدا ہو کر سید لقب پائے یا گیروے کپڑے پہن کر اور گیسو بڑھا کر اپنے آپ کو صوفی مشہور کر لے تو صرف ان باتوں سے یہ لوگ حقیقی معنی میں مولوی سید صوفی نہیں ہو سکتے بلکہ مولویت و سیادت و تصوف کے لباس میں وہ بدمعاش لوگ ہیں علم و شرف ان کی بداعمالی کا ذمہ دار نہیں۔ ایسے اشخاص کے اعمالِ بد کو بطور نظیر سامنے رکھ کر جمہور علماء و اشراف سے بدگمان ہونا کمال ناانصافی اور حماقت ہے بتقاضائے مقام یہ ایک ضروری بات تھی جو حوالۂ قلم کی گئی اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔

کوئی بدزو نظر پڑے جو تمہیں جامۂ و خرقۂ تصوف میں
صوفی کہنا اُسے بُرا سمجھو صوفیوں پر یہ اک جفا سمجھو
ہے وہ بدرائے وُ بدرہ و بدکیش گرچہ ظاہر میں بن گیا درویش

گفت با اینہا مرا صد حجت ست لیک جمع اندو جماعت رحمت ست

ترجمہ: اس نے (دل میں) کہا ان (کو زبانی قائل معقول کرنے) کے لیے تو میرے پاس صدہا دلیلیں ہیں لیکن (ممکن ہے کہ ہاتھا پائی تک نوبت پہنچے تو پھر مشکل ہوگی کیونکہ) یہ کئی ہیں (میں اکیلا ہوں) اور جماعت رحمت ہے (اس لیے مجھے زحمت اٹھانی پڑے گی)۔

مطلب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ اَلْجَمَاعَةُ رَحْمَةٌ وَّ الْفُرْقَةُ عَذَابٌ یعنی جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب ہے (المنیز الطیب) ایک اور حدیث ہے۔ یَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ یعنی اللہ جماعت کا مددگار ہے یہاں انہی روایات کا اقتباس مقصود ہے۔ اقبال مرحوم۔

فرد را ربطِ جماعت رحمت ست جوہر او را کمال از ملت ست
تا توانی باجماعت یار باش رونقِ ہنگامۂ احرار باش
حرزِ جاں کن گفتۂ خیر البشر ہست شیطاں از جماعت دور تر

برنیایم یک تنہ باسہ نفر پس بیرم شاں نخست از یکدگر

لغات: برنیایم مضارع منفی از برآمد بمعنی مقابل بودن و دعویٰ برابری کردن بیرم از یکدگر ایک دوسرے کو الگ الگ کروں۔

ترجمہ: میں تنہا تین شخصوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا پس ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دوں (پھر دیکھا جائے گا)۔

ہر یکے را من بسوئے افگنم چونکہ شد تنہا سِبالش بر کنم

لغات: بسوئے افگنم ایک طرف کو ٹال دوں سِبال بکسر سین جمع سبلت، مونچھیں۔

ترجمہ: ہر ایک کو ایک طرف چلتا کر دوں پھر جب ایک ایک تنہا رہ جائے تو ان کی مونچھیں اکھیڑ ڈالوں۔ نظامیؒ۔

چو افتی میانِ دو بد خواہِ خام پراگندہ شاں کن تو از یک لگام

حیلہ کردو کرد صوفی راہ براہ تا کند یارانش را با او تباہ

ترجمہ: (آخر) اس نے (ایک) تدبیر کی اور صوفی کو (ایک) راستے سے لگا دیا تا کہ اس کے دوستوں کو اس کے سمیت (باری باری) تباہ کرے۔

گفت صوفی را برو سوئے وثاق یک گلیم آور برائے ایں رِفاق

لغات: وثاق بکسر بمعنی قید و بضم بمعنی خانہ وسرائے۔ رفاق بالکسر جمع رفیق، رفقا۔

ترجمہ: (پہلے) صوفی کو کہا (شاہ صاحب میرے) مکان کی طرف جا کر ایک کمبل ان (معزز) رفیقوں کے لیے (اٹھا) لائیے (تا کہ بچھا کر اس پر تشریف رکھیں)۔

رفت صوفی گفت خلوت بادو یار تو فقیہی ویں شریفِ نامدار

ترجمہ: صوفی چلا گیا تو (اس باغباں نے) تنہائی میں (ان باقی) دو رفیقوں سے کہا آپ تو مولوی صاحب ہیں اور یہ نامی سید صاحب۔

ما بفتوائے تو نانے میخوریم ما بہ پرِّ دانشِ تو مے پریم

ترجمہ: ہم آپ ہی کے فتوے (جواز و عدم جواز) کے مطابق روٹی کھاتے ہیں۔ آپ ہی کی عقل کے پروں سے اڑتے ہیں۔

و ایں دگر شہزادہ و سلطانِ ماست سیّد ست از خاندانِ مصطفےٰؐ ست

ترجمہ: اور یہ دوسرے صاحب شہزادہ ہمارے بادشاہ ہیں سید ہیں۔ جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہیں۔

کیست آں صوفی شکم خوارِ خسیس تا بود باچوں شما شاہاں جلیس

ترجمہ: کون ہوتا ہے وہ صوفی پیٹو۔ کمینہ کہ آپ جیسے بادشاہوں کے برابر بیٹھ سکے۔

مطلب: باغبان ان تینوں سے انتقام لینا چاہتا ہے مگر ایک آدمی کا تین اشخاص پر غالب آنا مشکل ہے اس لیے وہ ان تینوں میں تفرقہ ڈال کر ان کی مجموعی قوت کو پاش پاش کرنے کی تدبیر کر رہا ہے چنانچہ صوفی کی غیر حاضری میں ان کی تعریف اور صوفی کی مذمت کر رہا ہے تا کہ ان کو سرِ دست مجھ پر اعتماد ہو جائے اور اپنی رستگاری کو غنیمت سمجھ کر میری خاطر صوفی کی اعانت سے کنارہ کش رہیں اور میں اکیلے صوفی کی گت بناؤں۔ پھر اس طرح باری باری ان کو بھی دیکھا جائے گا، یہ اس کی ایک چال تھی جس میں دونوں آگئے اگر ان کے عقل کچھ بھی کام دے سکتی تو سمجھ سکتے تھے کہ ہم نے باغباں کے باغ میں چوری اور خیانت کی ہے۔ اس لیے یہ ہرگز ہرگز ہمارا دوست و خیر خواہ نہیں ہوسکتا بلکہ ہمارا دشمن ہے اور دشمن کا میٹھی باتیں کرنا محض فریب و مکر ہے اس پر اعتماد کرنا اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ غنیؒ۔

اے دل از موج سراب ترمی دشمن بترس بہر ماہی حلقہ ہاے دام کم از شست نیست

صائبؒ حذر از دشمنے کن کز طریق صلح ے آید ازاں دشمن چرا ترسد کسے کز راہِ جنگ آید

چنانچہ باغباں ان دونوں کو ان کے رفیق صوفی سے توڑنے کے لیے کہتا ہے۔

چوں بیاید مرو را پنبہ کنید ہفتۂ بر باغ وراغ من تنید

لغات: پنبہ یا تنبہ مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ تنبہ بتائے مثناۃ فوقانی مخفف تنبیہ ہے جس کے معنی ہیں آگاہ کرنا اور عرف میں کسی فعل پر مارنے دھمکانے سخت سست کہنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ تاکہ اس فعل سے باز آئے اور ممکن ہے کہ پنبہ بباے فارسی بمعنی پراگندہ کردن و نرم ساختن و محو کردن ہو۔ اکثر شارح دوسری صورت کے قائل ہیں۔ ایک شارح نے کہا ہے کہ پہلی صورت اکثر قدیمی نسخوں میں ہے اور دوسری جدید نسخوں میں یہ اختلاف محض نقطوں پر مبنی ہے ورنہ لفظ کی صورت دونوں تقدیروں پر یکساں ہے۔ راغ چراگاہ' کھیت ۔تنیدن متوجہ ہونا' قبول کرنا' راضی ہونا۔

ترجمہ: جب وہ (صوفی) واپس آئے تو اس کی خوب گوشمالی کرو (یا اس کو روئی کی طرح توم کر دھو دو اور آپ) میری باغ باڑی میں ایک ہفتہ بھر تک قیام قبول فرماؤ۔ (کہ یہ میری دعوت ہے)۔

باغ چہ بود جانِ من آنِ شماست اے شما بودہ مرا چوں چشمِ راست

ترجمہ: باغ کیا (چیز) ہے میری تو جان بھی آپ کے لیے (حاضر) ہے اے (حضرات!) آپ تو میری لیے دائیں آنکھ کی طرح (محبوب) ہیں۔

وسوسہ کرد و مر ایشاں را فریفت آہ کز یاراں نمے باید شکیفت

ترجمہ: اس (باغباں) نے (ان کے دل میں) وسوسہ ڈالا اور ان کو دھوکا دیا افسوس یاروں کی طرف سے (یوں) صبر کرنا (اور آنکھیں بدلنا) نہیں چاہیے (جیسے کہ اس مولوی اور سید نے کیا)۔

چوں برہ کردند صوفی را ورفت خصم شد اندر پَیش باچوب زفت

لغات: خصم دشمن ۔چوب زفت موٹا ڈنڈا۔

ترجمہ: جب انہوں نے صوفی کو روانہ کر دیا اور وہ چلا گیا تو دشمن (باغباں) ایک موٹا ڈنڈا لے کر اس کے پیچھے گیا۔

گفت اے سگ صوفیے کواز ستیز اندر آید باغ مردم تیز تیز

لغات: صوفیے کو یا تو بیاے معروف بمعنی خطاب ہے اس صورت میں کو مخفف ہے کہ اوکا۔ یا بیائے مجہول بمعنی تحقیر ہے اور کو بمعنی استفہام ہے۔ ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ ہو۔

ترجمہ: (۱) اور (اس سے) کہا ارے کتے تو وہی صوفی ہے جو شوخ چشمی سے لوگوں کے باغ میں بے تحاشا گھسا چلا آئے۔ (۲) اور (اس سے) کہا ارے کتے صوفی تو کون ہوتا ہے جو شوخ چشمی سے لوگوں کے باغ میں بے تحاشا گھسا چلا آتا ہے۔

ایں جُنیدت رہ نمودہ یا یزید؟ از کدامیں شیخ و پیرت ایں رسید؟

ترجمہ: کیا یہ راستہ تجھے [illegible] کا تو مدلی ہے) یہ (تعلیم) تجھے کون سے شیخ اور پیر

سے ملی ہے؟

کوفت صوفی راچہ تنہا یافتش نیم کُشتش کردو سر بشگافتش

ترجمہ: صوفی کو جو تنہا پایا تو اسے (خوب ہی) پیٹا حتیٰ کہ ادھ موا کر دیا اور اس کا سر پھاڑ دیا۔

گفت صوفی آنِ من بگذشت لیک اے رفیقاں پاسِ خود دارید نیک

ترجمہ: صوفی نے کہا کہ خیر میرا وقت تو گزر ہی گیا لیکن اے دوستو! ذرا تم اپنا اچھی طرح بچاؤ کرنا۔

مر مرا اغیار دانستید ہاں نیستم اغیار تر زیں قلتباں

لغات: اغیار یا تو صیغۂ جمع بمعنی واحد ہے یا اس سے پہلے از تبعیضیہ مقدر ہے یعنی اغیار قلتباں بے غیرت، دیوث، نالائق۔
ترجمہ: تم نے مجھ ہی کو غیر سمجھا (کہ مجھ سے یوں آنکھ بدل لی) یاد رکھو میں اس نالائق (باغباں) سے زیادہ غیر نہیں (اس کی خیر خواہی کا تم کو ابھی پتا لگ جائے گا)۔

آنچہ من خوردم شمارا خوردنی ست ویں چنیں ضربت سزائے ہرُدنی ست

لغات: ضربت مار پیٹ۔ دنی کمینہ۔
ترجمہ: جو (مار) میں نے کھائی ہے (ابھی تھوڑی دیر میں) تم بھی کھانے والے ہو اور ایسی مار (تم جیسے) ہر کمینے کی سزا ہے (جو حقِ رفاقت کو یوں فراموش کر دے)۔

رفت برمن برشماہم رفتنی ست ایں چنیں غصہ شمارا خوردنی ست

ترجمہ: مجھ پر (تو جو) گزری (سو گزری) تم پر (بھی) گزرنے والی ہے ایسے ہی لہو کے گھونٹ تم کو بھی پینے ہوں گے۔

ایں جہاں کوہست گفت وگوئے تو از صداہم باز آید سوئے تو

ترجمہ: اس جہان میں تمہاری جو بھی گفتگو ہے (آواز کی) گونج (کی طرح) سے تمہاری طرف لوٹ کر آتی ہے۔
کما قیل۔

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

مطلب: صوفی کہہ رہا ہے کہ دنیا میں انسان سے جو قول وفعل سرزد ہوتا ہے اس کا اچھا یا برا ثمرہ اس کو ضرور ملتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جیسی کرو گے ویسی بھرو گے تم نے مجھ کو پٹوایا ہے۔ خود پٹو گے۔ سعدیؒ۔

نہ پندارم اے در خزاں کشتہ جو کہ گندم ستانی بوقت درو
درختِ زقوم ار بجاں پروری مپندار ہرگز کزو برخوری
رطب ناور دچوب خر زہرہ بار چہ تخم افگنی بر ہماں چشم دار

باغباں کی بدنیتی اور مکروفریب کو صوفی سمجھ گیا مولوی اور سید دونوں نہ سمجھے اس کی وجہ یہ ہے کہ باغباں اس وقت صوفی کے سامنے اپنی بیرحمی اور انتقام کے اصلی روپ میں متمثل تھا باغباں کے تہ دل کے ارادے اور منصوبے اس کی نظر میں آئینہ ہو رہے تھے مگر مولوی اور سید کی آنکھوں پر باغباں کی خوشامد اور چاپلوسی کا غافل فریب حجاب چھا چکا تھا اور وہ اس حجاب میں اس کو ایک حلیم و خوشخو آدمی دیکھ رہے تھے اور خوشامد کا چھا۔۔۔ باغباں کے ہاتھ ۔ سے اپنے سامنے پٹتا دیکھ کر بھی

اس کے اصلی ارادہ کا ان دونوں کو احساس نہ ہوا فی الواقع خوشامد نہ صرف دشمن کی زبان سے خطرناک ہے بلکہ اگر دوست و ہوا خواہ کی زبان سے ہو تو بھی پُر خطر چیز ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ مجھے منکر کے انکار کا اتنا اندیشہ نہیں جس قدر مرید کی خوشامد اور ستایش کا ہے۔ سعدیؒ۔

بازی نگفت ایں سخن با یزید کہ از منکر ایمن ترم کز مُرید

چوں ز صوفی گشت فارغ باغباں یک بہانہ کرد زاں پس جنسِ آں

لغات: ازاں پس پس ازاں، اس کے بعد جنسِ آں اس قسم کا۔

ترجمہ: جب باغبان صوفی سے فارغ ہو چکا تو اسی قسم کا ایک اور بہانہ کیا۔

مطلب: فراغت سے مطلب غالباً یہ ہے کہ اس کو مار پیٹ کر رسّی وغیرہ سے خوب باندھ لیا یا کسی مکان میں قید کر دیا ورنہ اگر اس کو یوں ہی کھلا چھوڑ دیتا اور تینوں کو باری باری پیٹنے لگتا تو احتمال تھا کہ وہ تینوں متفق ہو کر باغباں سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جاتے کیونکہ پہلے اس نے تینوں میں تفرقہ اس طرح ڈالا تھا کہ ہر ایک سے بظاہر جداگانہ سلوک کرنے لگا مگر اب جو تینوں کے ساتھ یکساں سلوک ہوا تو پھر تینوں میں یک جہتی پیدا ہونی یقینی تھی اب باغباں پھر اسی قسم کا بہانہ کر کے سید کو پیٹنے کی تدبیر کرتا ہے۔

کاے شریفِ من بروسوے وثاق کہ زبہرِ چاشتت پختم رقاق

بر درِخانہ بگو قیماز را تا بیارد آں رقاق وقاز را

لغات: شریف یہاں بمعنی آقا آیا ہے۔ چاشت ایک دو ساعت دن چڑھے کا وقت جب کہ ناشتا کھاتے ہیں۔ رقاق چپاتیاں، پھلکے، مانڈے۔ قیماز غلام، خادم۔ قاز مرغابی۔

ترجمہ: کہ اے میرے (آقا) سید صاحب میرے گھر کی طرف جاؤ کیونکہ میں نے ناشتا کے لیے چپاتیاں پکوائی ہیں گھر کے دروازے پر (جاکر) غلام سے کہو کہ وہ چپاتیاں اور مرغابی (کے کباب) لائے۔

چوں برہ کردش بگفت اے مردِ دیں تو فقیہی ظاہرست این ویقیں

ترجمہ: جب اس کو چلتا کر دیا تو (مولوی سے مخاطب ہو کر) کہا مولانا آپ تو عالم ہیں (اور) یہ (بات) ظاہر ہے اور یقینی

او شریفی میکند دعوائے سرد مادرِ او را کہ داند تا چہ کرد

ترجمہ: وہ سید ہونے کا دعویٰ بے دلیل کر رہا ہے مگر اس کی ماں (کے حال) کی کسی کو خبر ہے کہ اس نے کیا کیا ہے؟ (اور یہ شخص سید کی نسل سے ہے بھی یا نہیں)؟

برزن و برفعلِ زن دل مے نہید عقلِ ناقص وانگہانی اعتمید

ترجمہ: تم لوگ عورت پر اور عورت کے فعل پر (اپنے) دل کو مطمئن کر لیتے ہو (خوب!) (ادھر عورت کی) عقل ناقص اور (تمہارا اس پر) بھروسہ؟ (لاحول ولاقوۃ) جامیؒ

عقلِ زن ناقص ست و دینش نیز ہر گزش کامل اعتقاد مکن

گر بدست ازوے اعتبار مگیر ورنکو بروے اعتقاد مکن

خویشتن را بر علیؓ و بر نبیؐ بستہ است اندر زمانہ ہر غبی

لغات: خود را بر کسے بستن اپنے آپ کو کسی سے منسوب کرنا۔ غبی کند ذہن، نا اہل۔

ترجمہ: آج کل ہر نا اہل اپنے آپ کو علیؓ اور نبیؐ سے منسوب کر (کے سید اور علوی بنا پھرتا ہے اس طرح کیا تعجب ہے کہ یہ بھی بناوٹی سید ہو)۔

مطلب: باغباں اس مولوی کو اپنے دامِ خوشامد میں پھانسنے کے لیے اس کو سید سے افضل ثابت کر رہا ہے یعنی آپ کی وجہِ فضیلت تو علم ہے جس کا حصول و وجود ایک یقینی امر ہے جو چاہے آپ سے مسئلہ پوچھے فتویٰ حاصل کرے کوئی علمی نکتہ حل کرائے اور آپ کے مبلغ علم کا پتا لگا لے مگر اس سید کا مایۂ فخر صرف سید پن ہے جس کی واقعیت صرف ظنی و تخمینی ہے یقینی و قطعی نہیں کیونکہ اس کا مدار ہے اس کی ماں کی عفت و تقویٰ پر اور عورتوں کے عفت و عفاف کا خدا حافظ! اب مولانا کو اس باغباں کے ان کلمات پر جن میں آلِ رسول پر ایک ناپاک حملہ کیا گیا ہے۔ غصہ آ گیا لہٰذا فرماتے ہیں۔

ہر کہ باشد از زنا و ز زانیاں این برو ظن در حقِ ربانیاں

ترجمہ: جو شخص خود حرامی اور حرامکاروں کی اولاد ہو وہ اللہ والوں کے حق میں بھی ایسا ہی گمان کیا کرتا ہے۔

مطلب: المرءُ یقیس علیٰ نفسہٖ مشہور مقولہ ہے یعنی ہر شخص دوسرے کے احوال کو خود اپنے حالات پر قیاس کیا کرتا ہے اس طرح جس شخص کی خود اپنی اصل و نسل مشتبہ ہو۔ وہ دوسروں کو بھی بد اصل سمجھا کرتا ہے پس اس کا دوسروں کو بد اصل کہنا خود اپنی بد اصلیت کو طشت از بام کرنا ہے۔ صائبؒ۔

رقیب گفت ترا بد گہر شناختہ ام نمودِ عاقبتِ آں ناشناخت گوہر خویش

ہر کہ برگردد سرش از چرخہا ہم چو خود گردندہ بیند خانہ را

ترجمہ: اس کی مثال یہ ہے کہ جس شخص کا سر بار بار چکرانے کی وجہ سے پھر رہا ہو وہ اپنی طرح گھر کو بھی چکر کرتا دیکھتا ہے۔

مطلب: اسی طرح ولد الزنا کو صحیح النسب لوگ بھی ولد الزنا نظر آیا کرتے ہیں لہٰذا دوسرے لوگوں کے نسب پر طعن کرنے والا دراصل خود اپنے نسب کا عیب ظاہر کر رہا ہے۔ سعدیؒ۔

ترا ہر کہ گوید فلاں کس بد است چنیں داں کہ در پوستینِ خود است

کہ فعلِ فلاں را بباید بیاں وزیں فعلِ بدے ترا وو عیاں

آنچہ گفت آں باغبانِ بو الفضول حالِ او بُد، دور ز اولادِ رسولؐ

ترجمہ: جو کچھ اس بو الفضول باغباں نے (آلِ رسول کے بارے میں بطورِ طعن) کہا وہ خود اس کا اپنا حال تھا (اور) آلِ رسول سے بعید تھا)۔ سعدیؒ۔

بہ بدگفتنِ خلق چوں دم زدی اگر راست خواہی سخن ہم بدی

گر نبودے او نتیجہ مرتداں کے چنیں گفتے برائے خانداں

ترجمہ: اگر وہ (نالائق) مرتد لوگوں کی اولاد نہ ہوتا تو خاندانِ (نبوت) کے حق میں یُوں بے ہودہ کیوں بکتا۔

خواند افسو نہا شنید آنرا فقیہ در پیش رفت آں ستمگارِ سفیہ

ترجمہ: (غرض) اس نے (بہت سے) منتر پھونکے جن کو مولوی نے سُنا (اور متاثر ہوا پھر) وہ ظالم کمینہ اس (کے سید کے) پیچھے گیا۔

گفت اے خر! اندریں باغت کہ خواند وزدی از پیغمبرت میراث ماند؟

ترجمہ: (اور) کہا ارے گدھے! تجھ کو اس باغ میں کس نے بلایا ہے کیا چوری تجھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثہ میں پہنچی ہے۔

شیر را بچہ ہمے ماند باو تو بہ پیغمبر چہ مے مانی بگو

ترجمہ: (دیکھ!) شیر کا بچہ اس (شیر) سے مشابہ ہوتا ہے تو بتا کہ پیغمبر کے ساتھ تو کس بات میں مشابہ ہے؟

باشریف آں کرد آں دوں از کجی کہ کند با آلِ یٰسٓ خارجی

خوارج اور روافض

لغات: دوں کمینہ کجی ٹیڑھا پن، کج فطرتی آلِ یٰس آلِ رسول مراد بنی فاطمۃ خارجی ضد رافضی۔ خوارج وہ لوگ ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معاذ اللہ من ذلک کافر سمجھتے ہیں۔ روافض اس کے برعکس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلافصل وصیِ نبی اور غلاۃ روافض ان کو نبی سے افضل بلکہ مثلِ خدا سمجھتے ہیں اور باقی خلفائے راشدین کو توبہ توبہ فاسق غاصب وناہب کہتے ہیں۔ خوارج کا فرقہ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلاف اور فوجی کشمکش کے ایام میں پیدا ہوا ان مہمات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خاص جنگی مصالح سے کام لینا پڑا تھا اور ان کو فوج میں بعض کج نہاد لوگ جن میں سے اکثر اہلِ عراق سے تھے اور ان مصالح کو سمجھنے کا دل و دماغ نہیں رکھتے تھے جنابِ مرتضٰیؓ سے بدگمان ہو گئے اور آپ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا اور چونکہ یہ لوگ مرتضوی فوج سے الگ خارج ہو گئے اس لیے ان کو خوارج کا لقب دیا گیا آخر ان میں ہزاروں اشخاص ذوالفقار حیدری کے کشت وخون سے واصلِ جہنم ہوئے مگر اس فرقہ کا وجود اب تک دنیا میں قائم ہے۔

ترجمہ: اس کمینے باغبان نے سید کے ساتھ اپنے کج فطرتی کی وجہ سے وہی سلوک کیا جو آلِ یٰسٓ کے ساتھ ایک خارجی کر سکتا ہے۔

تا چہ کیں دارند دائم دیو و غول چوں یزید و شمر با آلِ رسول

یزید

لغات: تا برائے تنبیہ، دیکھو کے معنی میں ہے۔ دیو شیطان۔ غول چھلاوا۔ بھوت۔ یزید امیر معاویہ کے فرزند کا نام ہے جس کو انہوں نے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور وہ ان کی وفات کے بعد دارالخلافہ دمشق میں تختِ حکومت پر بیٹھا ۶۱ھ میں پیدا ہوا اور ایک عیاش بدکار اور بے رحم شخص تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ان دنوں اپنے علم و معرفت اور منصبی وجاہت کی بدولت مرجع انام تھے۔ اس لیے یزید کو ان کی طرف سے کھٹکا لگا رہتا تھا کہ ان کا عام رسوخ و اقتدار کہیں اس کے تختِ حکومت کو نہ الٹ دے اس لیے وہ ان کے قتل کے درپے ہوا۔ آخر حضرت امام ممدوح اس ناپاک شخص کی سازش سے میدانِ کربلا میں اپنے بیٹوں، بھتیجوں اور دیگر اقارب سمیت جن کی تعداد بہتر (۷۲) تھی۔ نہایت بے رحمی اور ظلم کے ساتھ موسم گرما میں تین دن پیاسے رکھ کر قتل کر دیے گئے۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام کے وقائعِ ہائلہ میں سب سے بڑا شمار ہوتا ہے۔ شمر یہ اس بدنصیب دمشقی کا نام ہے جس کے بختِ سیاہ کی فرد میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا قتل لکھا تھا۔ اسی مردود کے خنجر سے حضرت الامام کا سینہ مبارک چاک ہوا اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ شمر خاص اسی جماعت میں شامل تھا جو اپنے آپ کو شیعۂ علی کہتی تھی۔

شمر ذوالجوشن

ترجمہ: دیکھو یہ شیاطین اور بھتنے یزید اور شمر کی طرح آلِ رسول کے ساتھ کس قدر عداوت رکھتے ہیں۔

شد شریف از زخمِ آں ظالم خراب با فقیہ اوگفت باچشمِ پُرآب

ترجمہ: سیداس ظالم کی مار سے مجروح ہوگیا تو اس نے آبدیدہ ہوکر مولوی سے کہا۔

پایدار اکنوں کہ گشتی فردوکم چوں دُہل شو زخم مے خور برشکم

لغات: پایدار ٹھہر جا، کھڑا ہو جا۔ فرد تنہا۔ دُہل ڈھول زخم چوٹ۔

ترجمہ: ذرا ٹھہرو تو سہی۔ اب تم جو یکہ و تنہا رہ گئے ہو تو ڈھول کی طرح (ڈنکے کی چوٹ کھانے کے لیے تیار) ہو جاؤ (اور) اپنا پیٹ پٹواتے رہو۔

گر شریف و لائق و ہمدم نیم از چنیں ظالم تُرامن کم نیم

ترجمہ: (بالفرض) اگر میں (صحیح النسب) سید اور لائق اور (سچا) رفیق نہیں ہوں (جو کچھ بھی ہوں) ایسے ظالم باغباں سے تمہارے حق میں بُرا نہیں ہوں (جس کا سلوک ابھی تم دیکھ لو گے)۔

مر مرا دادی بدیں صاحب غرض احمقی کردی ترابئس العوض

لغات: صاحب غرض جس کو اپنی طبع یا غضب کے تقاضا پر عمل کرنے میں حق و انصاف کی پروا نہ ہو، خود غرض۔ احمقی حماقت۔ یائے مصدری شامل ہے بئس العوض سین کے فتحہ سے بُرا بدلہ، بری جزا۔

ترجمہ: تم نے مجھے اس خودغرض (باغباں) کے حوالہ کر دیا (بڑی) حماقت کی (اب) تمہارے لیے جزائے بد (تیار ہے)۔

شدازو فارغ بیامد کاے فقیہ چہ فقیہی اے تو ننگِ ہر سفیہ

ترجمہ: جب اس (سید کو مارنے باندھنے) سے فارغ ہوا تو (مولوی کی طرف) آیا (اور کہا) کہ مولانا! تم کیا (خاک) مولوی ہو ارے تو تو ہر کمینے کے لیے بھی باعثِ شرم ہے۔

فتویت اینست؟ اے ببریدہ دست کاندر آئی ونگوئی امر ہست؟

لغات: فتویت فتوائے تو ببریدہ دست جس کے ہاتھ کٹ چکے ہیں، کوئی ایسی شہادت یا حکم یا فیصلہ یا فتویٰ لکھ ڈالنے والا جس کا براخمیازہ بھگتنا پڑ جائے۔ امر حکم، اجازت۔

ترجمہ: اے دست بریدہ (مفتی!) کیا تیرا یہی فتویٰ ہے کہ تو (غیر کے باغ میں) گھسا چلا آئے اور (کسی سے یہ) نہ پوچھے کہ (اندر آنے کی) اجازت ہے (یا نہیں)۔

بو حنیفہ دادایں فتوے . تُرا؟ شافعی گفت ست ایں اے ناسزا؟

لغات: بوحنیفہؒ امام اعظم حضرت نعمان ابن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے جو ائمہ مجتہدین میں سب سے عالی رتبہ امام ہیں۔ ان کے متبعین حنفی کہلاتے ہیں جن کی تعداد آج دنیا میں تمام اسلامی فرقوں سے زیادہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی بمقابلہ تمام فقہوں کے زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ اور زیادہ انسب بمصالح انسانی ہے اس لیے اکثر اسلامی حکومتوں کا ملکی قانون یہی فقہ رہی ہے اور اکثر طبقات مسلمین اس پر عمل کرنا فلاح دارین کا کفیل سمجھتے ہیں۔ امام ممدوح ۸۰ھ میں پیدا ہوئے

ان کے والد ثابت بن زوطا ان کو گود میں لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دعا فرمائی جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو امامت عظمیٰ کا درجہ بخشا آپ کے زمانہ میں چار صحابی موجود تھے۔ یعنی انس ابن مالکؓ عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ سہل ابن سعد الساعدیؓ ابو الطفیل عامر ابن واصلہؓ اس لیے بعض نے آپ کو تابعی سمجھا ہے آپ کی دیانت اور خوف حق کا یہ عالم تھا کہ حکومت کے اصرار کے باوجود منصب قضا قبول نہ کیا۔ پہلے بنی امیہ کے عہد حکومت میں ابن ہبیرہ حاکم کوفہ نے آپ کو منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کیا مگر آپ نے صاف انکار کیا اور اس عدول حکمی کی پاداش میں حکومت کی طرف سے جو بے رحمانہ سزا دی گئی اس کو بخندہ پیشانی برداشت کیا۔ خلفائے بنو عباس کے عہد میں خلیفہ منصور نے آپؒ کو منصب قضا پر مجبور کیا۔ آپ نے صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ نے کہا خدا کی قسم! آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑے گا۔ امام ممدوح نے جواباً کہا خدا کی قسم میں یہ منصب ہرگز قبول نہ کروں گا۔ آخر خلیفہ نے آپ کو قید خانہ میں بھیج دیا۔ حتیٰ کہ قید ہی میں آپ نے وفات پائی۔ حکم بن ہشام نے کہا مجھے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ امانت و دیانت میں تمام لوگوں سے افضل تھے۔ شاہِ وقت نے دو باتیں ان کے پیش کیں۔ یعنی یا تو شاہی خزائن کی کنجیاں سنبھالیں۔ یا تازیانے کھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ آپ نے خداوندی عذاب پر شاہی عذاب کو ترجیح دی۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک قدس سرہٗ کے سامنے امام ممدوح کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ اَتَذْكُرُوْنَ رَجُلاً عُرِضَتْ عَلَيْهِ الدُّنْيَا بِحَذَا فِيْرِهَا فَفَرَّ مِنْهَا" کیا تم اس شخص کا ذکر کرتے ہو جس کے آگے دنیا تمام کی تمام پیش کی گئی تو وہ اس سے بھاگ گیا"۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّتَبَحَّرَ فِي الْفِقْهِ فَهُوَ عَيَالٌ عَلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ جو شخص یہ چاہے کہ وہ فقہ میں متبحر ہو جائے تو اس کو ابو حنیفہؒ سے تربیت پانی چاہیے آپ کے شاگردوں میں صدہا افراد علوم میں شہرۂ آفاق ہو گزرے ہیں۔ خصوصاً امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، عبداللہ ابن مبارکؒ، وکیع ابن جراحؒ، وغیرہم اکابر آئمہ ہیں۔ بغداد میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ بغداد میں آپ کی قبر زیارت گاہِ عام ہے۔ شافعی امام محمد بن ادریس الشافعیؒ، ائمہ اربعہ مجتہدین میں سے تیسرے امام ہیں۔ ۱۵۰ ہجری یعنی جس سال امام اعظم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی وہ ان کی ولادت کا سال ہے بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ جس روز امام ممدوح کا انتقال ہوا اسی روز امام شافعیؒ متولد ہوئے۔ امام اعظم کا جنازہ جا رہا تھا تو شافعی کے والد ان کو گود میں اٹھا کر ممدوح کے جنازہ کے نیچے سے گزر گئے تاکہ یہ مولود امام کے جسدِ متبرک سے بہرہ یاب برکت ہو، جب وہ قریب بولادت تھے تو ان کی ماں نے خواب میں دیکھا کہ ستارہ مشتری ان کے پیٹ سے نکلا اور اس کے بہت سے تاباں و درخشاں ٹکڑے تمام عالم میں پھیل گئے۔ کسی نے تعبیر بتائی کہ تمہارے پیٹ سے وہ عظیم الشان عالم پیدا ہوگا جس کے علم سے ایک عالم فیض یاب ہوگا۔ مختلف استادوں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام مالکؒ نے تھوڑی دیر تک ان کے چہرہ بشرہ کو غور سے دیکھ کر فرمایا اے محمد! اللہ سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے بچو، عنقریب تم بڑی شان پاؤ گے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دل پر ایک نور القا کرے گا۔ اس کو گناہوں سے کہیں بجھا نہ دینا۔ آخر تمام علوم و معارف میں امانت و عدالت میں زہد و تقوی میں شہرہ آفاق ہوئے۔ ۲۰۴ ہجری میں وفات پائی۔

ترجمہ: کیا تجھے یہ فتوی امام ابو حنیفہؒ نے دیا ہے اے نالائق! کیا تجھے یہ امام شافعی نے بتایا ہے۔

ایں چنیں رخصت بخواندی در وسیط یا بدست ایں مسئلہ اندر محیط

لغات: رخصت اجازت، جواز۔ وسیط محیط فقہ کی خاص کتابوں کے نام ہیں۔

ترجمہ: کیا (مالِ غیر میں تصرف کرنے کی یہ) اجازت تو نے کتاب وسیط میں پڑھی ہے یا یہ مسئلہ محیط میں (تو نے پڑھا) تھا۔

ایں بگفت و دست بروے برکشاد   دستِ اوکین دِلش را دادوداد

ترجمہ: اتنا کہا اور اس (مولوی) پر دست درازی کی۔ اس کے ہاتھ نے اس کے دل کے بغض کی (خوب) دادوی۔

گفت حق استت بزن دستت رسید   ایں سزائے آنکہ از یاراں برید

ترجمہ: (مولوی نے) کہا تیرا حق ہے مارے جا تیرا قابو چل گیا ہے (اور بے شک) یہ اس شخص کی سزا ہے جو دوستوں سے قطع تعلق کر لے۔

من سزا وارم باین و صد چنیں   تاچرا ببریدم از یاراں بکیں

ترجمہ: میں اس (سلوک) اور اس قسم کے سینکڑوں (سلوکوں) کا مستوجب ہوں کہ کیوں میں نے دوستوں سے بے وفائی کی وجہ سے کنارہ کشی کی۔

گوش کردم آں ہمہ افسوسِ تو   برزنم برسرکہ شد ناموسِ تو

لغات: افسوس ملامت مراد ہے ناموس عزت و آبرو۔

ترکیب: برزنم یا تو فعل بافعل یعنی فعل حال صیغہ واحد متکلم ہے یا برزن فعل امر اور میم مفعول بمعنی مرا سے مرکب ہے ایسی طرح شد یا تو بمعنی برفت ہے یا بمعنی بگشت ہے۔ ترجمہ دونوں طرح الگ الگ ملاحظہ ہو۔

ترجمہ: میں نے وہ تیری ساری ملامت سنی (جو تو نے مجھے کی اب) (۱) میں اپنا سر پیٹ رہا ہوں کہ (اے سرِ پُر غرور) تیری ساری عزت (وآبرو) جاتی رہی۔ (۲) میرے سر کو پیٹے جا کہ (یہ) عزت تیری ہو چکی۔

مطلب: یہاں ایک بات غور طلب ہے یعنی صوفی اور سید نے باغبان کی مار پیٹ کے وقت اس کے لیے سخت وست کلمات استعمال کئے اور اس کو قلتبان ، ظالمؔ صاحب غرض ایسے مکروہ خطابات سے یاد کیا مگر یہ مولوی صاحب ان کے برعکس اوپر سے مار کھاتے جاتے ہیں اور نیچے سے کہہ رہے ہیں۔ مارو مارو بے شک تم کو مارنے کا حق حاصل ہے۔ اس تفاوتِ حال کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ اول تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ مولوی اپنے دونوں رفیقوں سے زیادہ قصور وار تھا کیونکہ صوفی بے چارا تو بے وفائی و ترکِ رفاقت کا مجرم ہوا ہی نہیں۔ سید کو صرف ایک مرتبہ باغبان کی خوشامد کا شکار اور صوفی کے ساتھ بے وفائی کرنے کا گنہگار ہونا پڑا مگر مولوی کو پے در پے دو مرتبہ یہ آزمائش پیش آئی اور دونوں مرتبہ وہ خود غرضی اور بیوفائی کا مجرم ہوا پس اپنے شدتِ جرم کا احساس اس کو کسی دوسرے پر الزام رکھنے کا مانع ہوا دوسرے صوفی اور سید تو جب اپنے رفیقوں کی شکایت کرتے تو شکایت کے تند لہجہ میں دو ایک کو سنے باغبان کو بھی دے جاتے مگر مولوی کو کسی کی شکایت کرنے کا حق نہ تھا پس یہ باغبان کے حق میں بھی کوئی تند لفظ استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ تیسرے بڑی بات یہ کہ فقیہ کا اعتراف حق اس کی ایک علمی شان ہے جس میں اس کا صوفی اور سید دونوں سے ممتاز ہونا لازمی امر ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (اے پیغمبران لوگوں سے) کہو کہ کہیں علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں (سورۂ زمر ع ۱) آگے مولانا فرماتے ہیں:۔

زدورا القصہ بسیار و نجست   کرد بیرونش زباغ و در بہ بست

ترجمہ: القصہ (باغبان نے) اس کو بہت پیٹا اور زخمی کر دیا اور (آخر) اس کو باغ سے نکال دیا اور دروازہ بند کر لیا۔

مطلب: در بہ بست کا ذکر بھی نکتہ سے خالی نہیں مولانا کا لفظ لفظ واقعہ کے تمام پہلوؤں کو مکمل کرتا جاتا ہے ایک تو در کا کشادہ رہ جانا ہی سارے جھگڑے کا موجب ہوا۔ اب باغباں کو تنبہ ہوا اور اس نے چوروں اور خائنوں سے اپنے باغ کو بچانے کے لیے دروازہ بند کر لیا۔ دوسرے ان تینوں چوروں کی گوشمالی کے بعد فوراً باغ کا دروازہ بند کر لینا اس لحاظ سے اور بھی ضروری تھا کہ مبادا تینوں چور سزا یابی میں برابر کے حصہ دار ہو کر ایک دوسرے سے غبارِ شکایت اٹھا دیں اور باغباں سے انتقام لینے کے لیے متفق ہو کر باغ میں گھس آئیں۔

ہر کہ تنہا ماند از یارانِ خود ایں چنیں آید مرو را جملہ بد

ترجمہ: (کیوں نہ ہو) جو شخص اپنے یاروں سے الگ رہ جائے اس کے ساتھ اس طرح کی بدسلوکی ہوا کرتی ہے۔

رجعت بقصۂ مریض و عیادتِ پیغمبر علیہ السلام

مریض کے قصے کی طرف عود کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیادت فرمانا

ایں عیادت از برائے ایں صلہ است   ویں صلہ از صد محبت حاملہ است

ترجمہ: (غرض) یہ عیادت (کی رسم) اس حسن سلوک کے لیے ہے (جو اقارب و احباب میں ہونا ضروری ہے) اور یہ حسن سلوک سینکڑوں محبتوں پر مشتمل ہے۔

مطلب: سینکڑوں محبتوں کا ذکر یا تو بہ سبیل مبالغہ ہے یا اس کے معنی ہیں کہ عیادت کے ذریعہ سے جو محبت قائم ہوتی ہے وہ اپنے کمال خلوص اور غایت رسوخ کے اعتبار سے سو محبتوں کے برابر ہوتی ہے یا اس لحاظ سے کہ عیادت کرنے والا بتقاضائے محبت بیمار کی خبر گیری کے لیے جاتا ہے تو بیمار کے دل میں بھی اس کے لیے تازہ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ بیمار کے متعلقین و ہوا خواہ بھی عیادت کرنے والے کے خلوص و شفقت کو دیکھ کر اس سے پیار کرنے لگتے ہیں اس طرح ایک عیادت سینکڑوں محبتوں کی منبع ہو جاتی ہے۔

چوں عیادت رفت پیغمبر بدید   آں صحابی را کہ در نزعے رسید

ترجمہ: جب پیغمبر علیہ السلام عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو اس صحابی کو دیکھا کہ مرنے کے قریب ہے۔

اختلاف: بعض نسخوں میں یہ شعر یوں درج ہے۔

در حیات شد رسولِ بے ندید   آں صحابی بحالِ نزع دید

جس میں ندید بروزن فعیل عربی کلمہ ہے بمعنی نظیر، مثل، ہمتا، شریک ترجمۂ شعر ظاہر ہے۔

چوں شوی دور از حضورِ اولیا در حقیقت گشتۂ دور از خُدا

ترجمہ: جب تم اولیاء اللہ کی خدمت سے دور ہو تو حقیقت میں خدا سے دور رہتے ہو۔

مطلب: اس بیت کا ربط ماقبل کے ساتھ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جو اولیاء اللہ میں سے تھے اور دنیا میں واصل بحق ہو چکے تھے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں گزر چکا ہے تو تم کو بھی لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کے لیے اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرو ورنہ اولیاء اللہ کی خدمت سے دور ہونا گویا خدا کے قرب سے محروم رہنا ہے۔ (بحرالعلوم)

چوں نتیجہ ہجرِ ہمرا ہاں غم ست　　کے فراقِ روئے شاہاں زاں کم ست

ترجمہ: جب (عام) رفیقوں کی جدائی کا نتیجہ (بھی) غم ہے تو (طریقت کے) بادشاہوں کے دیدار سے محروم رہنا اس سے کب کم ہو۔

مطلب: بالفرض اگر اہل اللہ کی جدائی سے محرومی لازم نہیں آتی تو یہی مصیبت کیا کم ہے کہ اس سے ایک غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے دیکھو جب عام رفقا کی جدائی کا نتیجہ غم والم ہے جیسے گزشتہ قصہ سے ظاہر ہو چکا ہے تو مسندِ طریقت کے سلاطین کی جدائی کا کیا ٹھکانا! عراقیؒ

مردن و خاک شدن بہتر کہ بے تو زیستن　　سوختن خوشتر بسے کز روے تو کردم جدا

سایۂ شاہاں طلب ہردم شتاب　　تاشوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب

ترجمہ: (ان ملکِ فقر کے) بادشاہوں کا سایہ تلاش کرو (اور اس کی تلاش میں) ہر وقت دوڑتے رہو تاکہ تم اس (مبارک سایہ) کی بدولت (انوارِ باطن کے حصول سے) آفتاب سے بہتر ہو جاؤ۔

مطلب: آفتاب سے بہتر ہو جانے کی وجہ تو صرف ظاہری انوار کا افاضہ کرتا ہے اور اہل اللہ کا سایہ انوارِ باطن سے نورعلی نور بنا دیتا ہے۔ حافظؒ

ازاں زماں کہ بریں آستاں نہادم روئے　　فرازِ مسندِ خورشید تکیہ گاہِ من است

گر نورِ عشق حق بدل و جانت اوفتد　　باللہ کز آفتابِ فلک خو بتر شوی

رو بخسپ اندر پناہِ مقبلے　　بو کہ آزادت کند صاحبدلے

ترجمہ: جاؤ کسی مقبول (یا با اقبال بندے) کی پناہ میں اطمینان حاصل کرو شاید کوئی صاحب دل تم کو آزادی دلا دے۔

مطلب: خُسپیدن یعنی سونے سے آرام و راحت پانا یا اطمینان حاصل کرنا مراد ہے یعنی تم اہل اللہ کی خدمت میں رہ کر ہی سچی راحت اور اطمینان حاصل کر سکتے ہو اہل دنیا یا اہل جاہ کے پاس یہ دولت نہ ملے گی اور جب تک مکائد شیطانیہ کا جال تمہارے سامنے بچھ رہا ہے، نفسِ امارہ کے ہاتھ میں تمہاری باگ ہے اور خواہشات نفسانیہ کا تم پر تسلط ہے اس وقت تک تم آزاد نہیں ہو پس ان قیود سے بھی اہل اللہ ہی تم کو آزادی دلائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خسپیدن کا ذکر اس شخص کے قصے کی مناسبت سے کیا ہو جو ریچھ کی پہرہ داری میں مطمئن ہو کر سو گیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تم اس بے وقوف آدمی کی طرح کسی خرس صفت نادان کے پاس نہ سوؤ، بلکہ کسی مقبول و صاحب دل کی پناہ میں آرام کرو یا اگر خُسپیدن سے ریاضات کو اختیار نہ کرنا اور بے کار رہنا مراد ہو تو پھر یہ مطلب ہوگا کہ اگر تم کو بے کار ہی رہنا ہے اور کچھ کام نہیں کرنا تو بھی کسی مقبول بندے کے پاس رہو کہ تم محض اس کے فیوض و برکات سے بھی فائز بسعادت ہو سکتے ہو۔ حافظؒ

تا سایۂ مبارکت افتاد برم　　دولت غلامِ من شدو اقبال چاکرم

گر سفر داری بدیں نیت برو　　ور حَضَر باشد ازیں غافل مشو

لغات: حَضَر حالتِ قیام، ضدِ سفر

ترجمہ: اگر تم سفر میں جاؤ تو اہل اللہ سے ضرور نیاز حاصل کرو اگر اپنے گھر پر مقیم ہو تو جو اللہ کا بندہ تمہارے پاس آئے اس کو سرسری نظر سے نہ دیکھو بلکہ اس کے ظاہر و باطن کو غور کی نظر سے دیکھو۔ شاید کوئی مقرب حق ہو اور تمہارا بیڑا پار کر دے۔ شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کے دروازے پر کوئی مسافر آیا اور رات بسر کرنے کے لیے جگہ چاہی۔ مالکِ خانہ نے روکھائی کے ساتھ جواب دیا کہ جاؤ یہاں جگہ نہیں وہ دوسرے گھر پر گیا مالکِ مکان اندھا تھا مگر مروت کی آنکھ روشن تھی۔ مسافر کو جگہ دی اور خاطر و مدارت کی۔ مسافر خدا رسیدہ تھا خوش ہو کر اپنے میزبان کے حق میں دعا کی۔ صبح کو مسافر رخصت ہوا اور نابینا کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پاس پڑوس کے لوگ اس کو مبارک باد دیتے تھے مگر پہلا مالک خانہ کفِ افسوس مل کر کہتا تھا کہ جو دولت میرے گھر آئی تھی میں نے رد کر دی تم نے لوٹ لی۔ پھر فرماتے ہیں۔

اگر بوسہ برخاک مرداں زنی بمردی کہ پیش آیدت روشنی
کسانیکہ پوشیدہ چشمِ دل اند ہمانا کزیں طوطیا غافل اند

فاختہ ساں روز و شب گو گو و کو گنجِ پنہانی ز درویشے مجو

ترجمہ: اہل اللہ کی تلاش میں دن رات کو کو (کہاں ہے کہاں ہے) کہو دولتِ باطن کی توقع صرف ایک درویش سے نہ رکھو۔

مطلب: فاختہ کی آواز اس طرح ہوتی ہے جیسے وہ کو کو کہتی ہو اور فارسی میں کو کے معنی کہاں ہے فرماتے ہیں کہ تم کامل کی تلاش میں فاختہ کی طرح کو کو پکارتے رہو۔ صائبؒ

شاید دو چار دامنِ اہلِ دل شوی چوں آفتاب دست بگرد جہاں برار

اور فاختہ کے ساتھ تشبیہ صرف اس لفظ و صوت میں ہے طلب میں نہیں۔ ایک سے زیادہ درویشوں سے دولتِ باطن طلب کرنے سے یہ مراد نہیں کہ ایک مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد پھر کسی دوسرے مرشد سے بھی بیعت کرو اور پھر تیسرے مرشد سے وہکذا کیونکہ تعددِ بیعت باطل اور کفرانِ طریقت ہے اور اس طرح بالکل فیض حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹا حرمان و خسران پلے پڑتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حصولِ برکت کے لیے ہر اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے اور یہ ایک مرشد کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے منافی نہیں۔ ہاں مبتدع، بے علم اور ریا کار شیوخ کی صحبت سے پرہیز لازم ہے کہ ان کا قرب بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتا ہے مجذوبوں کی صحبت بھی بہت کم مفید ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات اس سے بھی کسی نہ کسی قسم کا ضرر پہنچ جانے کا احتمال ہے۔

در بدر میگرد و میرو کُو بکُو جستجو کن جستجو کُن جستجو

ترجمہ: (کامل کی تلاش میں) در بدر پھرو کوچہ بکوچہ جاؤ، تلاش کرو، تلاش کرو، تلاش کرو۔

تا توانی ز اولیاء رو برمتاب جہد کن وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

ترجمہ: جہاں تک تم سے ہو سکے اولیا (کی تلاش) سے پیچھے نہ ہٹو کوشش کرو اور (یہ تو) اللہ بہتر جانتا ہے (کہ کوشش کا ثمرہ ملے گا یا نہیں بہرکیف کوشش کرنی چاہیے)۔

رفتن بایزید بسطامی بکعبہ و در راہ بخدمتِ بزرگے رسیدن وگفتنِ آں بزرگ کہ کعبہ منم مرا طواف کن

حضرت بایزید بطامیؒ کا حج کے لیے جانا اور راستے میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچنا
اور ان بزرگ کا ان سے یہ کہنا کہ میں کعبہ ہوں میرا طواف کر

سوئے مکہ شیخ امت بایزید　　از برائے حج و عمرہ میدوید

ترجمہ: امت (محمدیہ) کے شیخ (سلطان العارفین) حضرت بایزید (بسطامی رحمۃ اللہ علیہ) حج وعمرہ کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف چلے جارہے تھے۔

او بہر شہرے کہ رفتے از نخست　　مر عزیزاں رابکر دے باز جُست

ترجمہ: وہ جس شہر میں پہنچتے پہلے خاصانِ حق کی تلاش کرتے۔ پھر عزیزوں کو تلاش کرتے۔

گرد میگشتے کہ اندر شہر کیست　　کہ برارکانِ بصیرت متّکی ست

لغات: متّکی تکیہ لگانے والا، اعتماد رکھنے والا۔ ارکانِ بصیرت پر تکیہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ طریقت وعرفان کے قواعد و شرائط پر عامل ہو۔

ترجمہ: ہر طرف چکر لگاتے (اور پوچھتے) پھرتے کہ اس شہر میں کوئی (ایسا بزرگ بھی) ہے جس کا شرائط طریقت پر پورا عمل ہو۔

گفت حق اندر سفر ہر جا روی　　باید اوّل طالب مردے شوی

ترجمہ: حق تعالیٰ (بذریعہ الہام ان کو) ارشاد فرمایا تھا کہ تم سفر میں جہاں جاؤ تو چاہیے کہ پہلے کسی مرد (حق) کی تلاش کرو۔

مطلب: گفتِ حق سے وہ الہامِ ربانی مراد ہے جو خاص حضرت بایزید کو ہوا تھا مگر شارحؒ کلید مثنوی کے نزدیک گفت حق کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں اس کے متعلق کوئی صریح آیت تو ہے نہیں لیکن آیہ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ سے یہ مضمون مستنبط ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بعض مفسرین نے یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ اَیْ یُفِیْضُوْنَ الْمَعَانِیَ تو اس سے معلوم ہوا کہ مولانا کا اور صوفیہ کا قاعدہ ہے کہ بعض امور بطن قرآن سے نکالتے ہیں اس طرح یہاں معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ سفر کرو اور رزق کو حاصل کرو اور بطنِ آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جب سفر کرو تو رزقِ معنوی یعنی انوار و فیوضِ اولیا حاصل کرو۔ انتہٰی

قصدِ گنجے کن کہ ایں سود وزیاں　　در تبع آید تو آں رافرع داں

ترجمہ: (رضائے حق کے) بڑے خزانے کا قصد کرو کہ یہ نفع ونقصان (تو جو سفر سے متوقع ہے) تبعاً (ہاتھ) آجائے گا تم اس کو فرع سمجھو (اور اس خزانہ کو اصل)۔

مطلب: ہر کام میں رضائے حق مطلوب ہونی چاہیے کہ یہی اصل خزانہ ہے اور اس سے جو ظاہری نفع ونقصان متوقع ہے

تو وہ ہو کر ہی رہے گا کسی شخص کا روٹی کھانے سے صرف یہ مقصود ہو کہ اس سے پیٹ بھرے گا تو اس کو صرف پیٹ بھرنے کا فائدہ ہی حاصل ہوگا اور اگر یہ مقصود ہو کہ اس سے عبادت کے لیے طاقت حاصل ہوگی۔ تو یہ مقصود فوائد کا خزانہ ہے چنانچہ اب پیٹ بھی بھر گیا اور ثواب بھی حاصل ہو گیا۔ آگے اسی قسم کی دوسری مثالیں ارشاد فرماتے ہیں :۔

ہر کہ کارد قصدِ گندم باشدش کاہ خود اندر تبع مے آیدش

ترجمہ: جو شخص (کھیتی) بوتا ہے تو اس کا مقصود گیہوں ہوتے ہیں (اور) ساتھ ہی بھوسہ بھی آجاتا ہے۔

کہ بکاری برنیاید گندمے مردے جُو مردے جُو مردے

ترجمہ: (بخلاف اس کے اگر) تم بھوسہ (ہی) بونے لگو تو اس سے گیہوں پیدا نہ ہوں گے (پس) کسی مرد (کامل) کی تلاش کرو کسی مرد (کامل) کی تلاش کرو، کسی مرد (کامل) کی تلاش کرو۔

مطلب: سفر سے مقصود مردِ کامل کی تلاش ہونی چاہیے باقی فوائدِ سفر خود حاصل ہو جائیں گے بخلاف اس کے اگر صرف دیگر فوائدِ سفری ہی مقصود ہوں تو کسی مرد کامل کا ملنا کب متوقع ہے۔

قصدِ کعبہ کن چو وقتِ حج بود چونکہ رفتی مکہ ہم دیدہ شود

ترجمہ: جب حج کے ایام آئیں تو کعبہ کی طرف جانے کا قصد کرو (جس کی زیارت اور طواف داخلِ حج ہے) جب (کعبہ کی طرف) جاؤ گے تو (اگر شہر) مکہ کی سیر (کا شوق ہے تو اس کی سیر) بھی ہو جائے گی۔

مطلب: ہر کام سے اعلیٰ مقصود پیشِ نظر رکھو، ادنیٰ مقصود خود بخود حاصل ہو جائے گا اگر ادنیٰ مقصود ہی نصب العین بنا لیا تو بحکم الاعمال بالنیات اعلیٰ مقصود کا اجر و ثواب نہیں ملنے کا اگر سفرِ عرب سے صرف سیر و سیاحت مقصود ہو اور موقع پا کر کہو چلو حج بھی کر چلیں تو اس میں وہ بات اور اجر و ثواب نہیں جو گھر سے بہ نیت حج چلنے میں ہے ہاں اگر بہ نیتِ حج چلیں تو تبعاً سیر بھی ہو جائے گی۔ ہم خرما و ہم ثواب۔

قصد در معراج دیدِ دوست بود در تبع عرش و ملائک ہم نمود

ترجمہ: معراج میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا) مقصود محبوبِ حقیقی (کی تجلی) کا دیدار تھا اس کے ساتھ ہی عرش اور ملائکہ بھی دکھائی دے گئے۔

سید اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ گفت نیتِ خیرت بسے گلہا شگفت

ترجمہ: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (اس اعتبار سے) تمہاری نیتِ نیک نے (ثمرات و نتائج کے) بہت سے پھول کھلائے ہیں۔

مطلب: حدیث مذکور بخاری شریف وغیرہ کتبِ احادیث میں مروی ہے اور اکثر کے نزدیک یہ حدیث متواتر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے فرماتے ہیں کہ جب اعمال میں تمہاری نیت بخیر ہو تو پھر دیکھو اس سے کیسے ثمرات عجیبہ حاصل ہوتے ہیں۔ حافظؒ

محل نورِ تجلی ست رائے انور شاہ چو قربِ او طلبی در صفائے نیت کوش

نیتِ مومن بود بہ از عمل اینچنیں فرمود سلطانِ دول

ترجمہ: مومن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہوتی ہے۔ سلطانِ ممالک (دارین) صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا۔

مطلب: ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ وَعَمَلُ الْمُنَافِقِ خَيْرٌ مِّنْ نِيَّتِهٖ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے (بعض حواشی) عسکری نے امثال میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ اَبْلَغُ مِنْ عَمَلِهٖ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ رسا ہے ابن وجیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ بیہقی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں (تمییز الطیب) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں ہے، نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عملہ وعملُ الْمنافِقِ نیة و کل یعمل علی نیتہ فاذا عمل المؤمن عملانا ر فی قلبہ نور یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے اور ہر شخص اپنی نیت پر عمل کرتا ہے پس جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک نور چمک اٹھتا ہے اس کو طبرانی نے سہل ابن سعید سے روایت کیا ہے اور مومن کی نیت کا اس کے عمل سے بہتر ہونا اس وجہ سے ہے کہ نیت اکیلی بھی بمنزلہ عبادت ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے۔ بخلاف اعمالِ جوارح کے کہ وہ ایسی صورت میں عبادت ہوسکتے ہیں کہ ان کے ساتھ نیت بھی شامل ہو اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے من ھمّ بحسنة فلم یعملھا کتبھا اللّٰہ حسنة کاملة یعنی جو شخص کسی نیک کام کا ارادہ کرے پھر اس پر عمل نہ ہوسکے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے ہاں پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور اس لیے کہ نیت کا مقام معرفت کا مقام ہے یعنی مومن کا دل۔ سہل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندے کے دل سے بڑھ کر کوئی زیادہ باعزت و باشرف مکان نہیں بنایا اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو معرفتِ حق سے بڑھ کر باعزت بزرگی نہیں بخشی۔ پس سب سے زیادہ باعزت چیز کو باعزت تر مکان ہی میں رکھا ہے۔ اب جو چیز بھی سب سے زیادہ باعزت مکان سے ناشی ہوگی وہ دوسرے تمام مکانوں میں پیدا ہونے والی اشیا سے زیادہ باعزت ہوگی۔ سہل فرماتے ہیں کہ اسی سے تم اس شخص کی حالت کا قیاس کرلو جو اس جگہ کو جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک تمام اماکن سے زیادہ باعزت ہے ماسوی اللہ کے ساتھ پُر کردے اور ان روایات میں کہ اَنَا عِنْدَ المنكسرة قلوبھم المندرستہ قبورھم (میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل شکستہ اور جن کی قبریں ٹوٹی پھوٹی ہوں) اور مَا وَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَآئِیْ وَلٰکِنْ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِن (زمین و آسمان میں میری سمائی نہ ہوسکی لیکن مومن بندے کے دل میں میری گنجائش ہے) مذکورہ مضمون پر روشنی پڑتی ہے ایک دلیل نیت کے عمل سے بہتر ہونے کی یہ بھی ہے کہ نیت ہمیشہ باقی رہے گی بخلاف عمل کے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ بہشت و دوزخ کا خلود نیت ہی کا ثمرہ ہے اور ایک دلیل یہ ہے کہ نیت ریا سے محفوظ ہے۔ بخلاف عمل کے (موضوعاتِ کبیر)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے اگرچہ ضعیف ہے اور فضائل اعمال میں ضعاف سے استدلال کرنا شائع ہے۔ مطلب یہ کہ نیت کو درست رکھنا چاہیے یہی مومن کی شان ہے اور اسی پر اعمال کی قبولیت کا مدار ہے۔ آگے اس بات کے ثبوت میں ایک حکایت ارشاد ہے کہ کسی عمل سے اس کے اعلیٰ پہلو کو مقصود رکھنا چاہیے۔ ادنیٰ پہلو خود بخود حاصل ہو جاتا ہے:

حکایتِ پیر و مرید

ایک پیر اور اس کے مرید کی کہانی

خانۂ نو ساخت روزے نو مرید　　پیر آمد خانۂ او را بدید

ترجمہ: ایک مرتبہ کسی تازہ مرید نے نیا گھر تعمیر کرایا (اس کا) پیر آیا اور اس کے گھر کو دیکھنے لگا۔

مطلب: تازہ مرید کے ذکر سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ وہ اب تک اپنے پیر کی تعلیمات سے مستفیض نہیں ہوا تھا اس لیے اس سے یہ غلطی سرزد ہوئی جس کا ذکر آتا ہے:۔

گفت شیخ آں نو مریدِ خویش را　　امتحاں کرد آں نکواندیش را

ترجمہ: پیر نے اس نئے مرید سے (ایک سوال) کیا (سوال نہیں بلکہ) اس خیر اندیش (مرید) کا امتحان کیا۔

روزن از بہرِ چہ کردی اے رفیق　　گفت تا نور اندر آید از طریق

ترجمہ: (سوال یہ تھا کہ) اے رفیق تم نے یہ روشندان کیوں بنوایا ہے اس نے جواب عرض کیا (کہ) تاکہ (اس) راستے سے روشنی (گھر میں) آئے۔

گفت آں فرع ست ایں باید نیاز　　تا ازیں رہ بشنوی بانگِ نماز

ترجمہ: فرمایا وہ (مقصد) تو فرع ہے (تم کو) یہ (روشن دان) طاعت (کی نیت سے بنانا) چاہیے (تھا) تاکہ اس راستے سے تم اذان سن سکو۔

نورِ خود اندر تبع ے آیدت　　نیتِ آں را کن کہ آں میبایدت

ترجمہ: نور تو خود ساتھ ہی تمہارے پاس اندر آجائے گا تم اس (طاعت) کی نیت کرو وہی تم کو چاہیے۔

بایزید اندر سفر جُستے بسے　　تا بیابد خضرِ وقتِ خود کسے

ترجمہ: (غرض) حضرت بایزید سفر میں بہت تلاش کرتے کہ کوئی (بزرگ) جو اپنے زمانہ کا خضر (ثانی) ہو مل جائے۔

دید پیرے باقدے ہمچوں ہلال　　بود در وَے فرّ و گفتارِ رجال

ترجمہ: آخر انہوں نے ایک پیر (مرد) دیکھا جس کا قد ہلال کی طرح (جھک گیا) تھا (اور) اس میں (راہِ حق) کے مردوں کا جلال اور ان کی سی گفتگو تھی۔

دیدہ نابینا و دل چوں آفتاب　　ہمچو پیلے دیدہ ہندستاں بخواب

ترجمہ: (ظاہری) آنکھیں نابینا (تھیں) اور دل (کی آنکھیں) سورج کی طرح (روشن تھیں) ہاتھی کی طرح (جو) ہندوستان کو خواب میں (دیکھے اپنے اصلی مقام کا) مشاہدہ کرتے تھے (اس لیے مست و مسرور تھے)۔

مطلب: ہاتھی جو ہندوستان کا جانور ہے اس کی نسبت مشہور ہے کہ جب کسی دوسرے ملک میں چلا جاتا ہے تو کبھی کبھی خواب میں ہندوستان کو دیکھ کر مست و مسرور ہو جاتا ہے اسی طرح یہ بزرگ ظاہری بینائی نہیں رکھتے تھے مگر اپنی باطنی بینائی سے

اصلی مقام یعنی عالمِ ملکوت کی سیر کرتے رہتے تھے اس لیے ہر وقت شاداں و فرحاں رہتے۔ آگے خوابِ بیداری کے ذکر سے عارفین کی حالت پر روشنی ڈالتے ہیں :۔

چشم بستہ خفتہ بیند صد طرب　　چوں کشاید آں نبیند ایں عجب

ترجمہ: سونے والا آنکھیں بند کیے ہوئے صد ہا عجائبات دیکھتا ہے اور آنکھ کے کھلنے کی حالت میں کچھ نہیں دیکھتا حالانکہ قیاس اس کے برعکس چاہتا ہے یعنی وہ آنکھ کھلنے کی حالت میں سب کچھ دیکھے اور آنکھ کے بند ہونے کی حالت میں کچھ نہ دیکھے۔ آگے اس کی خلاف قیاس حالت کی توجیہ کر کے تعجب کو رفع فرماتے ہیں :

بس عجب در خواب روشن میشود　　دل درونِ خواب روزن میشود

ترجمہ: (سونے والے پر) بہت سے عجائبات جو نمایاں ہو جاتے ہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) دل (حالتِ) خواب میں (عالمِ غیب کی طرف) روشن دان بن جاتا ہے۔

مطلب: یہ عجائبات بعینہٖ دنیا کے حالات نہیں ہوتے کہ ان کا مشاہدہ آنکھ کے کھلنے کی حالت میں ضروری اور آنکھ کے بند ہونے کی صورت میں ناممکن ہو بلکہ ان کا تعلق عالمِ غیب سے ہوتا ہے اگرچہ وہ حالات دنیا کے حالات کی مثل ہوتے ہیں مگر ان کا مبدء عالمِ غیب ہی ہوتا ہے اور عالمِ غیب کے احوال کا مشاہدہ چشمِ ظاہر نہیں بلکہ چشمِ قلب کر سکتی ہے جو بحالتِ خواب عالمِ غیب کی طرف ایک روزن بن جاتی ہے اور جس طرح گھر کے روزن سے بیرونِ خانہ تمام باغ و صحرا کی سیر کر سکتے ہیں اسی طرح بحالتِ خواب اس روزنِ قلب سے عالمِ غیب کی سیر ہو جاتی ہے۔ یہ عام لوگوں کی حالت ہے آگے عارفین و کاملین کی حالت کا ذکر فرماتے ہیں :

وانکہ بیدارست و بیند خوابِ خوش　　عارف ست و خاکِ او در دیدہ کش

صنائع: بیدار، بیند، خواب، خاک بطورِ طوطیا، در دیدہ کش مناسبات ہیں۔

ترجمہ: اور (بخلاف اس کے) جو (بحالتِ بیداری) اچھا خواب دیکھتا ہے وہ عارف ہے اس (کے پاؤں) کی خاک کو (سرمہ بنا کر) آنکھ میں لگاؤ۔

مطلب: عوام کو صرف خواب میں عالمِ غیب کی کسی قدر جھلک نظر آتی ہے مگر عرفا بیداری میں بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی چشمِ قلب ہر حالت میں روزنِ عالمِ غیب ہے اسی طرح یہ نابینا بزرگ بحالتِ بیداری اپنی چشمِ قلب سے عالمِ ملکوت کی سیر کرتے ہیں اور مسرور رہتے ہیں۔ ولنعم ما قیل۔

در تماشائے جمالِ او سراپا دیدہ ام　　یک سرِ مو بر تنم بے لذتِ دیدار نیست

سعدیؒ ہمہ بیزار نہ ایں صنع کہ من مے بینم　　ہمہ خوانند نہ ایں نقش کہ من مے خوانم

با یزید او را چواز اقطاب یافت　　مسکنت بنمود و در خدمت شتافت

ترجمہ: بایزیدؒ نے جب ان (بزرگ) کو قطب پایا تو (ان کے سامنے) عاجزی کی اور (ان کی) خدمت (کی بجا آوری) میں سعی کرنے لگے۔

پیشِ او بنشست و مے پرسید حال　　یافتش درویش وہم صاحب عیال

ترجمہ: (بایزیدؒ) ان کے سامنے بیٹھ [illegible] پوچھا [illegible] ار پایا۔

گفت عزمِ تو کجا اے بایزید　　رختِ غربت راکجا خواہی کشید

ترجمہ: (ان بزرگ نے) پوچھا اے بایزید! تمہارا قصد کہاں کا ہے؟ (اپنا) سامانِ سفر کہاں لے جاؤ گے۔

گفت قصدِ کعبہ دارم از پگہ　　گفت ہیں با خود چہ داری زادِرہ

لغات: پگہ کاف فارسی کے ساتھ بمعنی صبح وسحر اور ب کافِ عربی بمعنی زود وجلدی۔ بعض نسخوں میں اس لفظ کے بجائے ولہ لکھا ہے۔ بمعنی شوق وعشق۔

ترجمہ: بایزید نے کہا میں (آج) صبح سے کعبہ کا قصد کر رہا ہوں فرمایا ہاں (یہ تو بتاؤ) کہ تمہارے راستے کا خرچ کیا کچھ ہے؟

مطلب: پگہ بکاف فارسی کی تقدیر پر مطلب ہوگا کہ آج جو میں سفر کی تیاری کر رہا ہوں تو کعبہ کی طرف کر رہا ہوں اور قصد سے محض ترتیب رخصت سفر دراختیارِ طریق اور استقبالِ جہت مراد ہے جو ہر منزل پر از سرِ نو کرنا ہوتا ہے اور حضرت بایزید اس منزل کے قیام میں اس روز علی الصباح سفر کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ اتنے میں ان بزرگ سے ملاقات ہوگئی ہوگی ورنہ اگر قصد سے صرف ارادہ مراد لیا جائے تو معنی ٹھیک نہیں نکلتے۔ پھر یہ مطلب ہوگا کہ آج ہی میں نے کعبہ کا قصد کیا ہے گھر سے چلتے وقت یہ قصد نہ تھا، ولیس الامر کذٰلک۔ بکاف عربی کی تقدیر پر مطلب صاف ہے یعنی میں بہت جلدی کعبہ کا قصد کر رہا ہوں اور نسخہ ولہ کی صورت میں اور بھی شائستہ مطلب بنتا ہے۔ یعنی میں شدتِ شوق سے کعبہ کا قصد رکھتا ہوں مگر یہ نسخہ معتبر نہیں۔ ہمارا قلمی نسخہ بھی پگہ بکاف فارسی کا مؤید ہے ممکن ہے کسی ناقل نے بکاف فارسی کے معنی میں ارتکابِ تکلف سے بچنے کے لیے اس کو ولہ قرار دے لیا ہو، واللہ اعلم۔

گفت دارم از درم نقرہ دویست　　نک ببستہ سخت برگوشہ رُویست

لغات: دویست دوصد نک اینک کا مخفف ہے یعنی، دیکھ۔ رویست میں رو کا امالہ روے اور است کلمہ ربط شامل ہے۔

ترجمہ: (بایزیدؒ نے) کہا میرے پاس چاندی کے دو سو درم ہیں دیکھئے چادر کے کونے میں مضبوط بندھے ہوئے ہیں۔

مطلب: ''دیکھئے چادر کے کونے میں سخت بندھے ہوئے ہیں۔'' یہ کلمات اس بیت انظہار کو کس لطافت کے ساتھ ادا کرتے ہیں جو ایک نابینا کو یہ بات بتاتے وقت ہونی چاہیے۔ وھذا من بلاغات المثنوی المعنوی۔

گفت طوفے کن بگردم ہفت بار　　ویں نکوتر از طوافِ حج شمار

ترجمہ: (ان بزرگ نے) فرمایا تم میرے گرد سات بار طواف کرلو اور اس کو طوافِ حج سے بہتر سمجھو۔

واں درم ہا پیشِ من نہ اے جواد　　داں کہ حج کردی و حاصل شد مراد

ترجمہ: اور (اے سخی!) ان درہموں کو جو تمہارے پاس ہیں میرے سامنے رکھ دو پھر سمجھ لو کہ تم نے حج کر لیا اور (تمہاری) مراد پوری ہوگئی۔

رفعِ اشتباہ: کلیدِ مثنوی میں لکھا ہے کہ یہاں ان بزرگ کے کلام سے اوّل تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا طواف کرنے کو کہا جو غیر کعبہ کے لیے ناجائز ہے بلکہ اس کو طوافِ حج سے بہتر بتایا۔ دوسرے یہ کہ حضرت بایزیدؒ سے خود درم مانگنے جو نہ طمعِ مال کی بین دلیل ہے اور حضرت بایزید کے اوپر دباؤ ڈالنا ہے۔ توجیہ اس کی یہ ہے کہ حضرت بایزیدؒ پر حج فرض نہیں تھا یا تو اس لیے کہ پہلے کر چکے ہوں گے یا اس لیے کہ ان کے پاس زادِ راہ کافی نہ ہوگا بلکہ صرف شوق میں نکل کھڑے ہوں گے۔ تو یہ حج

نقل ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ یہ بزرگ غریب اور عیالدار تھے۔ ان کی خدمت کرنا بھی عبادت تھی۔ پھر حج کا ثواب تو صرف حضرت بایزید ہی تک لازم تھا اور ان کی خدمت کا ثوب متعدی تھا اور نوافل میں نفع لازم سے نفع متعدی افضل ہے اس لیے انہوں نے یہ کہا کہ تم حج نہ کرو کہ تم کو ثواب مقصود ہے تو وہ میری خدمت کرنے سے حاصل ہو جائے گا بلکہ اس سے افضل ثواب ملے گا، جیسا کہ معلوم ہوا کہ یہ نفع متعدی ہے اس لیے اس کو حج سے افضل فرمایا۔ رہا طواف کا حکم دینا تو یہ غلبۂ حال میں زبان سے نکل گیا اصل میں ان کا مقصود یہ ہے کہ میری اطاعت کرو مگر غلبۂ حال میں اطاعت کو طواف سے تعبیر کیا جس میں کوئی قباحت نہیں اور دراہم کا مانگنا حرص تو اس لیے نہیں کہ ان کو معلوم تھا کہ حضرت بایزید سمجھ دار اور صاحب بصیرت ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں حرص کی وجہ سے نہیں مانگتا بلکہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں امرِ واقع ہے اور اسی لیے ان پر بوجھ بھی نہیں پڑ سکتا۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ جب میرا مقصود حاصل ہے اور وہ ان کو درم دینے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اس لیے دے دینا چاہیے۔ (انتہٰی)

عمرہ کردی عمر باقی یافتی　　صاف گردی بر صفا بشتافتی

لغات: عمرہ حج سے ملتی جلتی ایک خاص عبادت کا نام ہے جس میں احرام اور طواف کعبہ اور سعی بین الصفاو المروہ حج کی طرح کی جاتی ہے بس فرق یہ ہے کہ حج کے ایام اور اوقات تو مقرر ہیں عمرہ نفلی عبادت کی طرح جب چاہیں کرسکتے ہیں کوئی خاص وقت اس کے لیے معین نہیں۔ صفا ایک پہاڑی کا نام ہے جو مسجد الحرام سے تھوڑے فاصلے پر واقع ہے پاس ہی ایک دوسری پہاڑی مروہ نام ہے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا حج اور عمرہ کے اعمال میں داخل ہے۔

صنائع: عمر اور عمرہ میں اور صفا و صاف میں تجنیس پُر لطف ہے۔

ترجمہ: (اگر تم میرا طواف کرلو تو پھر گویا) تم نے عمرہ کرلیا اور اس کی بدولت لازوال عمر پالی (اور تمام نفسانی آلائشوں سے) پاک ہوگئے (اور گویا تم) کوہِ صفا پر (بھی) دوڑ لیے۔

حق آں حقیکہ جانت دیدہ است　　کہ مرا بر بیتِ خود بگزیدہ است

لغات: حق بمعنی قسم بیت خود بمعنی بیت اللہ، خانہ کعبہ۔ برگزیدہ ترجیح دادہ، فضیلت بخشیدہ۔

ترکیب: مصرعۂ اولیٰ قسم ہے مصرعۂ ثانیہ جوابِ قسم دیدہ است کا فاعل جانت ہے اور مفعول بہ مقدر۔

ترجمہ: قسم ہے اس حق تعالیٰ کی جس (کی تجلیات) کا تمہاری روح نے مشاہدہ کیا ہے کہ اس نے مجھے اپنے خانہ کعبہ پر فضیلت بخشی ہے۔

مطلب: یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ کعبہ پر اپنی فضیلت کا اظہار کرنا سوءِ ادب ہے جو ایک ولیِ کامل سے مستبعد ہے کیونکہ احادیث میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کعبہ کو خطاب کرکے کہا تھا کہ بے شک حق تعالیٰ نے تجھے شرف بخشا ہے مگر مومن تجھ سے زیادہ اشرف ہے حق تعالیٰ کے نزدیک وہکذا قیل۔

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است

کعبہ ہر چندیکہ خانہ برّ اوست　　خلقتِ من نیز خانہ سرِّ اوست

لغات: خانہ برّ عبادت خانہ۔ خلقت پیدائش۔ سرّ بھید، راز۔

ترجمہ: ہر چند کعبہ اس کی عبادت گاہ ہے مگر میرا وجود اس کے راز کا گھر ہے

مطلب: انسانِ کامل کے وجود کا خانہ سرِحق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا وجود مراتب ذات و اسماء واکوان کو جامعیت رکھتا ہے پس یہ صورتِ انسانیہ سرِحق کا گھر ہے یہاں شارحین ایک حدیث قدسی بھی نقل کرتے ہیں کہ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ (انسان میرا راز ہے میں اس کا راز ہوں) یعنی میں ظاہر ہوں اور وہ باطن ہے اور انسان ظاہر ہے میں اس کا باطن ہوں اور عارف کو یہ دونوں قسم کے مشاہدے میسر ہوتے ہیں کہ کبھی حق کو اپنا باطن اور اپنے آپ کو ظاہر دیکھتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو باطن پاتا ہے اور حق کو ظاہر (بحرالعلوم)

تا بکرد آں خانہ رادر وَے نرفت　　و اندریں خانہ بجز ایں حَے نرفت

لغات: بکرد فعلِ تام ہے بمعنی بنا کرد و تعمیر ساخت۔ حے بفتح حاء حطی ویائے بلا تشدید بروزن پے۔ دراصل حی بہ تشدید یاے ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے بمعنی زندہ۔

ترجمہ: جب سے اس نے وہ خانہ (کعبہ) بنایا ہے اس میں نہیں گیا اور (بخلاف اس کے) اس خانہ (وجودِ انسانِ کامل) میں اس (خداوند) حی (وقیوم) کے سوا کوئی نہیں گیا۔ عراقی

در دلِ تنگم نے گنجد جہاں　　چوں بگنجد دشمن اندر جائے دوست

مطلب: خانہ کعبہ بھی بے شک ایک مظہرِ تجلیاتِ حق ہے مگر جو تجلیات انسانِ کامل پر وارد ہوتی ہیں کعبہ پر نہیں ہوتیں۔

چوں مرا دیدی خدارا دیدۂ　　گردِ کعبہ صدق برگر دیدۂ

ترجمہ: جب تم نے میری زیارت کر لی تو (بس گویا) خدا کو دیکھ لیا (اور کعبۂ صدق کے گرد طواف کر لیا)۔

مطلب: چونکہ مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ اصطلاحی اتحاد حاصل ہے اس لیے میرا دیدار گویا حق تعالیٰ کا دیدار ہے اور میرا طواف ایک طرح حقیقی کعبہ کا طواف ہے۔

خدمتِ من طاعتِ حمد و خداست　　تانہ پنداری کہ حق از من جداست

ترجمہ: میری خدمت کرنا خداوند تعالیٰ کی طاعت اور حمد (کے برابر) ہے خبردار! یہ نہ سمجھنا کہ حق تعالیٰ مجھ سے جدا ہے۔ صائبؒ

گرچہ جانِ ما بظاہر ہست از جاناں جدا　　موج راکواں شمرد از بحرِ بے پایاں جدا

چشمِ نیکو باز کن در من نگر　　تا بہ بینی نورِ حق اندر بشر

ترجمہ: اچھی طرح آنکھیں کھول کر مجھے دیکھو تاکہ تمہیں حق تعالیٰ کا نور انسان میں نظر آ جائے۔

کعبہ را یکبار بَیْتِیْ گفت یار　　گفت یَاعَبْدِیْ مرا ہفتاد بار

ترجمہ: کعبہ کو تو (اس) محبوب (حقیقی) نے صرف ایک مرتبہ گھر کہا ہے (ادھر) مجھ کو ستر مرتبہ میرا بندہ کہہ کر پکارا ہے۔

مطلب: کعبہ کو بیتی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ "اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو" (بقرہ ع ۱۵) مطلب یہ کہ کعبہ کو صرف ایک مرتبہ بیتی کہہ کر اپنی طرف منسوب فرمایا اور مجھے ایک مرتبہ چھوڑ ستر مرتبہ یا عبدی کہہ کر شرف بخشا گیا جو میرے کعبہ سے افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے مگر ذکرِ کعبہ و ذکرِ عبدی کی

کی بیشی کو افضلیت و مفضولیت کی علت قرار دینا ایک حسنِ تعلیل ہے جو فنِ شعر کے لطائف میں سے ہے ورنہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ کعبہ چونکہ مکلفِ اعمال نہیں اس لیے اس کے ذکر میں بیتی کہنے کا صرف ایک مرتبہ اتفاق ہوا۔ بخلاف اس کے بندہ مکلفِ اعمال اور مخاطب باحکام ہے لہٰذا اس کو بار بار یا عبدی کے کلمات سے تخاطب کا موقعہ پیش آیا ہے۔ صاحبِ کلید فرماتے ہیں کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس مضمون کی حدیث میں نے کہیں دیکھی ہے مگر یاد نہیں کہ کہاں دیکھی ہے کہ جب بندہ حق سبحانہ کو پکارتا ہے اور ایک مرتبہ یا اللہ کہتا ہے تو وہاں سے ستر مرتبہ یا عبدی کا جواب ملتا ہے۔ (انتہیٰ)

بایزیدا کعبہ را دریا فتی صد بہاو عزو صد فر یافتی

ترجمہ: (پس) اے بایزید تم کو کعبہ مل گیا (اب) تم کو (عنداللہ) سو سو رونق، عزت اور شوکت حاصل ہوئی۔

بایزید آں نکتہا را ہوش داشت ہمچوں زرّیں حلقہ اش در گوش داشت

ترجمہ: حضرت بایزیدؒ نے ان نکتوں کو (خوب) یاد رکھا (اور) سونے کی بالی کی طرح ان کو کان میں ڈال لیا۔ حافظؒ۔

پندِ حکیم عین صواب ست و محض خیر فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شنید

آمد از وے بایزید اندر مزید منتہٰی درمنتہٰی اندر رسید

ترجمہ: اس (تعلیم) سے حضرت بایزید کو (بیش از پیش) ترقی حاصل ہوئی (اور) وہ آخری سے آخری (درجۂ کمال) کو پہنچ گئے۔

مطلب: حضرت بایزید پہلے بھی کامل تھے مگر اب ان بزرگ کے فیضِ صحبت سے اکمل الکاملین اور سلطان العارفین بن گئے یہاں تک اولیاء اللہ کی خدمت و صحبت سے فیض حاصل کرنے کی تاکید تھی۔

آگے پھر سابقہ قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں۔

دانستنِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ سببِ رنجوریِ آں شخص از گستاخی بودہ در دُعا

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معلوم کرلینا کہ یہ شخص دعا میں گستاخی کرنے کی وجہ سے بیمار ہے

چوں پیمبرؐ دید آں بیمار را خوش نوازش کرد یارِ غار را

لغات: خوش۔ خوب یارِ غار رفیقِ غار کنایہ ہے۔ یارِ صادق و جاں نثار سے۔ کیونکہ جب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام مکہ سے بارادہ ہجرت نکلے اور ایک غار میں جس کا نام غارِ ثور تھا تین دن تک چھپے رہے تو اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے پس دراصل یہ خطاب حضرت صدیقؓ کے لیے وضع ہوا ہے پھر ہر یارِ صادق کے لیے اس کو استعمال کرنے لگے۔

ترجمہ: جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیمار (صحابی) کو ملاحظہ کیا تو (اس) سچے دوست پر خوب نوازش فرمائی۔

زندہ شد اوچوں پیمبرؐ رابدید گوئیا آں دم مر اورا آفرید

ترجمہ: ان صحابی نے جب پیغمبرؐ کو (اپنے پاس تشریف فرما) دیکھا تو (فرطِ مسرت سے) وہ (از سرِ نو) زندہ ہو گئے۔ گویا ابھی (خداوند تعالیٰ نے) ان کو پیدا کیا ہے۔

عراقیؒ　ہر کہ باید یک نظر زو زندہ ماند جاوداں　　ہر کہ از وے زندہ شد جانش برست از دار و گیر
امیر خسروؒ　غلام ادیم و ہر کس کہ بیند آں صورت　　ضرورت ست کہ ہچوں منش غلام شود

گفت بیماری مرا ایں بخت داد　　کامدایں سلطان برمن با مداد

ترجمہ: وہ (صحابی) بولے (کہ سبحان اللہ) اس بیماری کی بدولت مجھے یہ بات نصیب ہوئی کہ یہ شہنشاہ (کونین) صبح سویرے میرے پاس تشریف لائے۔ ونعم ماقیل۔

یہ کہاں تھی میری قسمت کہ رکھیں دل پہ وہ ہاتھ　　آ کلیجے سے لگا لوں تجھے بیماری دل
وہکذا۔ تاشنیدم کہ پر سیدنِ من مے آئی　　صحبت قول تو میخوا ہم و بیماریِ خویش

تامرا صحت رسید و عافیت　　از قدومِ ایں شہِ بے حاشیت

ترجمہ: حتیٰ کہ اس شہنشاہ کی تشریف آوری سے جو خدم وحشم سے بے نیاز ہے مجھے تندرستی اور شفا حاصل ہوئی۔
الخلاف: بعض نسخوں میں بے حاشیت کے بجائے پُرخاصیت درج ہے۔

اے خجستہ رنج و بیماریِ وتب　　اے مبارک درد و بیداریِ شب

ترجمہ: مبارک ہے (یہ) تکلیف اور مرض اور تپ مبارک ہے (یہ) درد اور رات کی بیداری (اور اس کی یہ دو وجہیں ہیں کہ)

نک مرام در پیری از لطف و کرم　　حق چنیں رنجوریے داد و سقم

ترجمہ: دیکھو (پہلی وجہ یہ ہے کہ) حق تعالیٰ نے از راہ لطف و کرم مجھے بڑھاپے میں یہ بیماری و علالت دی (تاکہ راحت کے نشے میں غافل نہ ہونے پاؤں)۔
مطلب: بڑھاپا تو ضعف و ناتوانی کا زمانہ ہوتا ہے اس وقت کاہلی و سستی کا غلبہ رہتا ہے مگر بیماری اور تکلیف غافل نہیں ہونے دیتی یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ذکر و فکر کے لیے آمادہ رہنے کے سامان کر دیے چنانچہ فرماتے ہیں:

دردِ پشتم داد تامن ہم زخواب　　برجہم ہر نیم شب لابد شتاب

ترجمہ: اس نے مجھے درد پشت لاحق کر دیا تاکہ میں ضرور آدھی رات کو جلدی خواب سے (بیدار ہو کر) اٹھ کھڑا ہوں۔
مطلب: درد پشت کے سبب نہ نیند آتی ہے نہ چارپائی پر سیدھے لیٹا جاتا ہے لہٰذا بیداری و اختر شماری میں خدا یاد آتا ہے اور دل مائل بذکر ہو جاتا ہے بخلاف اس کے اگر کوئی تکلیف نہ ہو تو ساری رات راحت و غفلت میں گزر جائے نہ خود خدا یاد آئے نہ خدا کو یاد کرنے والوں کی نغمہ سنجی سنائی دے سکے۔

سعدیؒ　خفتگاں راخبر از زمزمۂ مرغ سحر　　حیواں را خبر از عالمِ انسانی نیست

تا نخسپم جملہ شب چوں گاؤ میش　　درد ہا بخشید رب از لطفِ خویش

ترجمہ: تاکہ میں ساری رات بھینس کی طرح (مست و مدہوش ہو کر) سوتا نہ رہوں، پروردگار نے اپنی مہربانی سے طرح طرح کے درد لاحق کر دیے (جو تازیانۂ تنبیہ کا کام دیتے ہیں)۔

امیر خسروؒ　دردِ گنج راحت ست ار مردہ یابی طبع را　　داغ عین مرہم ست ار بنجتہ بینی ریش را

زیں شکستن رحمِ شاہاں جوش کرد　　　دوزخ از تہدیدِ شاں خاموش کرد

ترجمہ: دوسری وجہ اس بیماری کے مبارک ہونے کی یہ ہے کہ میری اس شکستگی سے بادشاہوں کے بادشاہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم (وکرم) جوش میں آ گیا۔ چنانچہ آپ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میرے لیے دعائے مغفرت فرمائی تو دوزخ بھی آپ ﷺ کی دھمکی سے (بعنایتِ حق) خاموش ہو گیا (جو مجھے عذاب دینے پر آمادہ تھا)۔صائبؒ ۔

گوہرِ مارا شکستن مومیائی کردہ است　　　سرمہ گرد و خار اگر در دیدۂ مابشکند

رنج گنج آمد کہ رحمتہا در وست　　　مغز تازہ شد چو بخراشید پوست

ترجمہ: تکلیف (و درد) ایک خزانہ ہے جس میں (گوناگوں) رحمتیں (مضمر) ہیں (دیکھو) جب چھلکا چھیل ڈالا جائے تو مغز تازہ (بتازہ برآمد) ہو جاتا ہے۔

جامیؒ ۔ نیفتد درجہاں کس را بلائے　　　کہ ناید زاں بلا بوئے عطائے

اسیرے کز بلا باشد ہراساں　　　کند بوے عطا دشوارش آساں

اے برادر موضعِ تاریک و سرد　　　صبر کردن برغم وسستی و درد

چشمۂ حیوان و جامِ مستی است　　　کاں بلندیہا ہمہ درپستی است

ترکیب: اے برادر ندا۔ موضع تاریک الخ مبتلا اور دوسرا شعر خبر مل کر جواب ندا ہوا۔

ترجمہ: اے بھائی! اندھیرے اور ٹھنڈے مقام میں غم اور سستی اور درد پر صبر کرنا آبِ حیات اور (سرور) مستی کا جام ہے کیونکہ وہ تمام بلندیاں پستی میں (صبر کرنے سے میسر ہوتی) ہیں۔

مطلب: حدیث میں آیا ہے الدّنیا سجن المؤمن و جنۃ الکافر "دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے باغ ہے۔" بس مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اس تیرہ و تار مقام یعنی دنیا کو عیش و راحت کا مقام نہ سمجھے بلکہ بہ ضبطِ نفس، تہذیبِ اخلاق اور مخالفتِ طبع کی تکالیف کو گوارا کرنے کی جگہ ہے جو شخص ان تکالیف کو سہتا ہے وہ حیاتِ باقی اور مسرتِ ابدی کا مستحق ہوتا ہے۔ صائبؒ ۔

در آغوشِ کفن چوں گلِ صبوحی کردہ برخیزی　　　دو روزے گر توانی صبر کردن در خمار اینجا

اگر خواہی کہ بستر از گلِ بے خار سازندت　　　مکن زنہار روے خود ترش از زخمِ خار اینجا

آں بہاراں مضمرست اندر خزاں　　　پُر بہارست ایں خزاں مگریز ازاں

ترجمہ: وہ (مراتبِ اخرویہ کی) تمام بہاریں (تکالیفِ دنیویہ کی) خزاں میں چھپی ہوئی ہیں (اس لیے) یہ خزاں (درحقیقت) پُر بہار ہے۔ اس سے گریز نہ کرو۔

مطلب: یہ ٹھیک ترجمہ ہے اس حدیث کا کہ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَکَارِہِ یعنی بہشت تکالیف میں گھرا ہوا ہے۔۔

نصیبِ تلخ کاماں ست صائب میوۂ جنت　　　دو روزے ہمچوں مرداں برجگر دنداں فشار اینجا

ہمرہِ غم باش وباوحشت بساز　　　میطلب در مرگِ خود عمرے دراز

ترجمہ: پس غم کی رفاقت اختیار کرو اور اداسی کے ساتھ نباہتے رہو (حتی کہ اگر مر بھی جاؤ تو) اپنی موت میں عمرِ دراز کے طالب رہو (کہ ایسی موت ... ہے)۔

خوش آنکہ از دو جہاں گوشۂ غمے دارد ہمیشہ سر بگریبان ماتمے دارد

آنچہ گوید نفسِ تو کاینجا بدست مشنوش چوں کارِ اوضد آمدست

ترجمہ: جو کچھ تمہارا نفس کہے کہ یہاں (یہ کام) برا ہے تو اس کی مت سنو کیونکہ اس کا کام (مصلحت کے) خلاف ہے۔

مطلب: نفسِ امّارہ ہمیشہ برائی کی طرف مائل رہتا ہے طاعات و عبادات کو جن میں مشقت اور آخرت میں اجر و ثواب متوقع ہے وہ ہرگز گوارا نہیں کرے گا بلکہ ان کو چھوڑ دینے کا مشورہ ہی دے گا۔ لہٰذا اس کی بات مت سنو۔ سعدیؒ۔

مبر طاعتِ نفسِ شہوت پرست کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگرست

مبر اے برادر بفرمانش دست کہ ہر کس کہ فرماں نبردش برست

تو خلافش کن کہ از پیغمبراں اینچنیں آمد وصیّت در جہاں

ترجمہ: تم اس کے خلاف کرو کیونکہ دنیا میں پیغمبروں سے اسی طرح وصیت آتی ہے۔ صائبؒ۔

خلافِ نفس کلیدِ درِ بہشت بود بہرچہ نفس تولا کند تبرّا کن

مشورت درکارہا واجب شود تا پشیمانی در آخر کم بود

ترجمہ: (دیکھو تمام) معاملات میں مشورہ کرنا واجب ہوتا ہے تاکہ (بلا مشورہ کام کرنے سے) آخر میں پشیمانی نہ ہو۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ نفسِ امّارہ جو کچھ کہے اس کے خلاف کرو اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ نفس جو کچھ کہتا ہے بطور مشورہ کہتا ہے اور مشورہ سننے اور ماننے کا تو حکم ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ بے شک مشورہ کرنا واجب ہے مگر نفس کا مشورہ قابلِ عمل نہیں بلکہ لائقِ مخالفت ہے اس کی وجہ آگے ارشاد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیا نے دینِ متین کی بنیادوں کو بڑی محنت سے استوار کیا ہے مگر کم بخت نفس اس کو ویران کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس کا مشورہ ناقابلِ اعتبار ہے۔

سعیہا کردند بسیار انبیا تاکہ گرداں شد بریں سنگ آسیا

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام نے بڑی کوششیں کی ہیں تب کہیں جا کر (روشِ عالم کے) اس پاٹ پر (دین کی) چکی چلنے لگی۔

نفس میخواہد کہ تا ویراں کند خلق را گمراہ و سرگرداں کند

ترجمہ: (مگر کم بخت) نفس (باغوائے شیطان) چاہتا ہے کہ (اس دینی بنیاد کو) تباہ کر دے (اور) مخلوق کو گمراہ اور سرگرداں کرے۔

مطلب: اس سے ظاہر ہے کہ نفس ہمارا ایک چھپا دشمن ہے پس دشمن کے مشورے پر کیونکر عمل کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے خلاف چلنا چاہیے۔ سعدیؒ۔

حذر کن زانچہ دشمن گوید آں کن کہ بر زانو زنی دست تغابن

گرت راہے نماید راست چوں تیر ازاں برگرد وراہ دستِ چپ گیر

اب آگے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہرچند کہ نفس کا مشورہ قابلِ عمل نہیں مگر وہ بھی فائدے سے خالی نہیں کیونکہ جب اس کے مشورہ کا الٹ کرنا مفید ہے تو یوں طریقِ فائدہ کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر نفس کا مشورہ نہ ہوتا تو تذبذب رہتا کہ یہ کام کریں یا نہ کریں جب نفس مشورہ دے دیتا ہے تو اس کی مخالفت جہتِ عمل کے لیے متعیّن ہو کر تذبذب رفع ہو جاتا ہے۔

گفت امّت مشورت با کہ کنیم انبیا گفتند با عقلِ امیم

لغات: اَمیم بکسر الف ویائے مجہول امالہ امام پیشوا رہبر۔

ترجمہ: امتیوں نے عرض کیا کہ ہم مشورہ کس سے کیا کریں تو انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ امامِ (قوم) کی عقل سے۔

گفت اگرکودک درآید یازنے کوندارد عقل ورائے روشنے

ترجمہ: (امتیوں نے پھر) عرض کیا اگر کوئی بچہ یا عورت (سامنے) آ جائے جس میں عقل اور روشن رائے نہیں ہوتی (تو کیا اس سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں)؟

گفت با او مشورت کن آنچہ گفت تو خلافِ آں کن و در راہ اُفت

ترجمہ: تو فرمایا اسی سے مشورہ کرلو (اور) جو کچھ وہ کہے اس کے خلاف کرو اور طریق (عمل) پر قدم رکھو۔

مطلب: یہ ایک روایت کا خلاصہ ہے یعنی ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کرنے کی تعلیم فرمائی تو ایک صحابی نے پوچھا کہ ہم کو مشورہ کس سے کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کسی مقتدا اور بڑے آدمی سے۔ انہوں نے پھر عرض کیا اگر کوئی آدمی موجود نہ ہو بلکہ کوئی بچہ یا عورت ہی ہو تو اس وقت کیا حکم ہے۔ ارشاد ہوا کہ اس وقت اس بچہ یا عورت ہی سے مشورہ کرلو اور وہ جو مشورہ دیں اس کے خلاف کرو چونکہ یہ لوگ ناقص العقل ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے خلاف کرنے ہی میں بہتری ہے (کلید بلفظہٖ) مگر مولانا نے جو اس روایت کو پیش نظر رکھ کر صحابی کو امت کے لفظ سے تعبیر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ گویا تمام انبیاء کا ارشاد ہے۔ آگے مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ نفس بھی بچے کی طرح خام کار اور عورت کی طرح ناقص العقل ہے اس لیے اس کے مشورے کی بھی مخالفت کیا کرو۔

نوٹ: اوپر کے اشعار میں سے دو شعر یعنی سعیہا کردند الخ اور نفس میخواہد الخ کو ماقبل و مابعد کے ساتھ ربط دینے میں تمام شارحین جن کی شروح ہمارے زیرِ نظر ہیں مذبذب وغیر مطمئن معلوم ہوتے ہیں مگر تقریرات بالا سے ناظرینِ کرام ان اشعار کا ربط انشاء اللہ بخوبی سمجھ جائیں گے وھٰذا ماالھمنی ربی فالحمد للہ۔

نفسِ خودرا زن شناس اززن بتر زانکہ زن جزوست ونفست کُلِّ شر

ترجمہ: اپنے نفس کو (بھی) عورت سمجھو (بلکہ) عورت سے بھی بدتر کیونکہ عورت (میں) تو (شر کا) ایک حصہ ہے اور نفس سراپائے شر ہے۔

مشورت بانفسِ خود گر میکنی ہر چہ گوید کن خلافِ آں دُنی

ترجمہ: (پس) اگر تم اپنے نفس کے ساتھ مشورہ کرو تو جو کچھ وہ کہے اس کمینے کے خلاف کرو۔

گرنمازو روزہ مے فرمایدت نفس مکّارست مکرے زایدت

ترجمہ: اگر تجھ کو نماز روزہ کی ترغیب دے تو (یاد رکھو) نفس مکار ہے تم سے کوئی نہ کوئی مکر کھیل رہا ہے۔

مطلب: جس چیز کی سرشت بری ہو اس سے اگر کوئی اچھی بات بھی سرزد ہو تو احتمال ہے کہ اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی برائی ہوگی جس طرح ایک بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ ایک مرتبہ ان کو بحالتِ خواب نماز میں دیر ہوگئی۔ شیطان آکر ان کے پاؤں دبانے لگا تاکہ جاگ کر نماز پڑھ لیں۔ ان بزرگ کی آنکھ کھلی تو حیران ہوئے کہ ہائیں شیطان؟ اور نماز کے لیے جگائے؟

شیطان بولا میرا مقصد آپ کو نماز کے لیے جگانا نہیں بلکہ آپ کو اس تضرع و ابتہال اور رجوع و انابت سے باز رکھنا مقصود ہے جو آپ سے نماز کے قضا ہو جانے کی صورت میں وقوع پاتی ہے اور اس سے آپ کے مدارج قرب میں اور ترقی متصور تھی جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی (اس حکایت کو خود مولانا آگے بیان فرمائیں گے) اسی طرح نفسِ امارہ بھی اگر نماز روزہ کا حکم کرے تو اس کا اصل مقصود دیکھنا چاہیے پس اس کا اصل مقصود نماز و روزہ کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ان باتوں سے سالک کو یہ گمان ہو جائے کہ اب میرا نفس جو فرائضِ دینیہ کی ترغیب دینے لگا ہے تو یہ نفس مطمئنہ بن گیا اس سے سالک کے اندر کچھ تو غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ غرور ظہور پاتا ہے پھر وہ اپنے آپ کو ریاضات و مجاہدات سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے اور جب وہ غافل و مغرور اور تارکِ ریاضات و اشغال ہو گیا تو پھر اس کو مبتلائے سوءِ عقائد اور گرفتارِ معاصی کر دینا نفس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں اور یہ نفس کا ایک مکر ہوتا ہے۔

صائبؒ ۔

نفسِ خسیس دائم کارِ خسیس جوید پیوستہ زندہ باشد آتش ز ژاژ خائی

لہٰذا نفس جب کوئی نیک مشورہ دے تو اس کو بھی بدی پر محمول کر کے اس کی مخالفت لازم سمجھو۔ سعدیؒ

حذر از پیروی نفس کہ در راہ خدائے مردم افگن تر ازیں غولِ بیابانی نیست

مشورت با نفسِ خود اندر فعال ہرچہ گوید عکس آں باشد کمال

ترجمہ: مشورہ نفس کے ساتھ (ہر قسم کے) کاموں میں (کر سکتے ہیں مگر) جو کچھ وہ کہے اس کے خلاف (کرنا شرطِ) کمال ہے۔

بر نیائی باوے و استیز او روبہ یارے، بگیر آمیز او

لغات: بر نیائی مقابل نتوانی شد استیز جنگ و خصومت آمیز صحبت و رفاقت۔

ترجمہ: (اگر) تم اس کے مقابل اور اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر کسی مرشد کے پاس جاؤ اور اس کی رفاقت اختیار کرو۔

مطلب: اگر خود اتنی طاقت نہ ہو کہ نفس کے مکر و فریب کو سمجھ کر اس کی مخالفت کریں اور اس پر غالب آئیں تو پھر کسی محقق کامل کا اتباع اختیار کرنا چاہیے جو طالبوں کو مکائدِ نفس و شیطان سے بچا کر صراطِ مستقیم پر چلانے کی ہمت رکھتا ہو۔ حافظؒ

بہامنے رود فرصت شمر غنیمتِ وقت کہ در کمیں گہ عمر ند قاطعانِ طریق

عقل قوت گیرد از عقلِ دگر پیشہ گر کامل شود از پیشہ گر

ترجمہ: ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے ایک پیشہ گر دوسرے پیشہ گر سے کمال حاصل کرتا ہے۔

مطلب: مرید اگرچہ خود عاقل و صاحبِ بصیرت ہو مگر ایک عقل تنہا مشکلاتِ طریقت کو طے کرنے سے عاجز ہے۔ مثلاً مرشدِ کامل کی عقل اس کی یاور ہو تو وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ جامیؒ ۔

چو آید مشکلے پیشِ خرد مند کزاں مشکل فتد در کار او بند

کند عقلِ دگر با عقلِ خود یار کہ تا در حلِ آں گردد مددگار

دوسرے مصرعہ کا مطلب بس ظاہر ہے کہ جس طرح ایک پیشہ ور دوسرے پیشہ ور کی رفاقت میں اپنے کام کو بخوبی چلاتا اور اس میں خوب ترقی کرتا ہے اس طرح پیشۂ سلوک کو اختیار کرنے والا جب کسی ایسے شخص کی رفاقت میں رہے جو اس فن کا ماہر ہو تو

ظاہر ہے کہ وہ اس میں کس قدر ترقی کر سکتا ہے بعض نسخوں میں پیشہ ور کے بجائے نیشکر درج ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ گنا گنے کی بدولت کمال حاصل کرتا ہے اور اس کی شرح میں بعض شارحین فرماتے ہیں کہ جو گنا دوسرے گنوں کے وسط میں ہو وہ اردگرد کے گنوں سے زیادہ شیریں ہوتا ہے کیونکہ وہ ان سے شیرینی حاصل کرتا ہے بخلاف اس کے کنارہ کا گنا ایسا پُر مزہ نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

من زمکرِ نفس دیدم چیزہا کو برد از سحرِ خود تمیز ہا

ترجمہ: (خود) میں نے مکرِ نفس سے (بہت سے) عجائبات دیکھے ہیں (حتیٰ) کہ وہ اپنے جادو سے تمیز کی قوتوں کو سلب کر دیتا ہے۔

مطلب: یہ کوئی سماعی بات نہیں بلکہ خود اپنے مشاہدہ میں آچکی ہے کہ نفس اپنے مکر سے تمیزِ حق و باطل بھی زائل کر دیتا ہے لہٰذا اس سے ڈرنا اور بچنا چاہیے۔ صائبؒ ؎

چراغِ عقل را خاموش سازد نفسِ ظلمانی گدائے پیش بیں فرزندِ خود را کورے سازد

وعد ہا بد ہد ترا تازہ بدست کو ہزاراں بار آنہارا شکست

ترجمہ: (نفس کے مکر کی ایک بڑی دلیل یہ کہ وہ ایسے) تازہ (بتازہ) وعدے (بطور دستاویز) تمہارے ہاتھ میں دیتا رہتا ہے جن کو وہ ہزاروں مرتبہ توڑ چکا ہے۔

مطلب: نفس کے تمام عہد و اقرار نقش بر آب سے زیادہ پائدار نہیں ہوتے جب گناہ کرنے لگتا ہے اور عقلِ معاد اس کو ٹوکتی ہے تو وہ وعدہ کرتا ہے کہ بس ایک مرتبہ جی کھول کر اس گناہ سے لذت گیر ہولوں پھر عمر بھر اس کا نام نہ لوں گا مگر اگلے لمحہ میں وہ عہد عرضۂ فراموشی کر دیتا ہے اور پھر از سرِ نو آمادۂ گناہ ہو جاتا ہے اسی طرح تازہ وعدہ اور پھر از سرِ نو عہد شکنی کا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ:

عمر اگر صد سال خود مہلت دہد اوت ہر روزے بہانہ نو دہد

لغات: خود زائد آیا ہے اوت اوترا۔

ترجمہ: اگر (تمہاری) عمر سو سال تک بھی چلی جائے تو وہ تم سے ہر روز نیا بہانہ کرے گا۔

مطلب: عمرِ صد سال کی قید سے یہ اظہار مقصود ہے کہ نفس کی بہانہ جوئی و حیلہ سازی کی انتہا نہیں۔ سو سال کے چھتیس ہزار دن ہوتے ہیں مگر نفس فنِ بہانہ سازی میں اس قدر مہارت رکھتا ہے کہ اتنے ایام کثیر تک وہ روزانہ تازہ بتازہ بہانہ پیش کر سکتا ہے۔ سعدیؒ ؎

نہ ابلیس در حقِ ما طعنہ زد کز نیاں نیاید بجز کارِ بد
فغاں از بدیہا کہ در نفسِ ماست کہ ترسم شود ظنِ ابلیس راست

گرم گوید وعد ہائے سرد را جادوِ مردے بہ بندد مرد را

لغات: گرم گوید گرما گرمی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ملمع سازی کرتا ہے یا ان کو تازہ بتاتا ہے وعد ہائے سرد پرانے وعدے جو ایفا نہیں ہوتے۔ بہ بند مرد را کو بستہ کر دیتا، معقود عن النسا کر دیتا ہے اور بستہ یا معقود ہونے سے مراد یہ ہے کہ عورت کے ساتھ جماع کرنے پر قادر نہ ہو یعنی اگرچہ خلوت بھی ہو اور عورت کی طرف میلانِ طبع بھی ہو۔ مرد میں قوتِ باہ بھی ہو ساتھ ہی وہ جماع کی کوشش بھی کرے مگر باایں ہمہ وہ جماع نہ کر سکے نہ نعوظ ہو نہ انتشار ہو نہ دخول کی قدرت ہو۔ عام خیال یہ ہے کہ ایسی

صورت کسی کے جادو کرنے سے پیش آ جایا کرتی ہے چنانچہ کتب اعمال وعزائم میں اس طرح کسی کو بستہ کرنے اور نیز بستہ کی بستگی کو کھولنے کے اعمال مندرج ہوتے ہیں مگر اطباء کے نزدیک مرد کو یہ حالت اس وقت پیش آتی ہے جس کسی وجہ سے عورت کا رعب اور ہیبت اس پر چھا جائے چنانچہ اس کے رعب کو زائل کرنے اور مرد کی طبیعت کو بشاش و بے باک بنانے کے لیے مسکرات و منشطات سے اس کا علاج کیا کرتے ہیں۔

ترجمہ: وہ پرانے (ٹوٹے پھوٹے) وعدوں کو تازہ (طمع سازی ہے) پیش کرتا ہے (اور اپنے جھوٹے وعدوں کے جال میں اس طرح پھانس لیتا ہے جس طرح) ایک شخص کا جادو کسی کو بستہ کر دیتا ہے۔

نوٹ: یہاں چونکہ مکائدِ نفس کا ذکر تھا اور اس کو ایک ہولناک و قابلِ حذر بلا کی صورت میں دکھایا ہے اس لیے اب مولانا خود ہی گھبرا کر حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کو پکارتے ہیں جو آپ کے پہلے پیر بھائی تھے اور پھر مرید اور خلیفہ بنے مگر مولانا ان کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں جیسے کہ شیخ کا ادب کیا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پیر بھائی اور لائق و فائق مرید بھی دست و باز و ہوتے ہیں۔ ان کی جس قدر بھی قدر کی جائے کم ہے۔

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا　　کہ نروید بے تواز شورہ گیا

لغات: شورہ کلر زمین جس سے گھانس وغیرہ کوئی بوٹی نہیں اگتی۔ گیا گیاہ گھانس۔ از شورہ گیا روئیدن کسی محال امر کا وقوع پانا مراد ہے۔

ترجمہ: (بھائی) ضیاء الحق حسام الدین (تم) آؤ (مزاحمتِ نفس کے لیے ہماری کوششیں تو بیکار ثابت ہوئیں) کیونکہ یہ محال کام آپ کے بغیر وقوع نہیں پا سکتا۔ حافظؒ

اے روشنانِ عالمِ بالا مدد کنید　　شاید زقیدِ سنگ بر آید شرار ما

از فلک آو یختہ شد پردۂ　　از پئے نفرینِ دل آزردۂ

لغات: فلک سے عالمِ غیب مراد ہے پردۂ حجاب مراد مکائدِ نفس جو حجاب بن کر انسان کے دل پر چھا جاتے ہیں۔ نفریں ملامت، سرزنش۔ دل آرزدۂ جس کا دل دکھ رہا ہو، عاشق دردمند۔

ترجمہ: (ہائے قسمت!) ایک (عاشق) دردمند کو مستوجبِ ملامت بنانے کے لیے (مکائدِ نفس کا) ایک پردہ عالمِ غیب سے (اس عالمِ سفلی میں) لٹکا دیا گیا۔

مطلب: عالمِ غیب سے یہ نفس ہم پر مسلط کیا گیا ہے اب اس کا تدارک بھی ادھر ہی سے ہو تو ہو اور کہیں سے ممکن نہیں۔ حافظؒ

در دم نہفتہ بہ زطبیبان مدعی　　باشد کہ از خزانہ دوا کنند

ایں قضارا ہم قضا داند علاج　　عقلِ خلقاں در قضا گیج است و کاج

لغات: خلقاں جمع خلق، مخلوقات۔ گیج بکاف فارسی و یائے مجہول وجیم تازی بمعنی پریشان و پراگندہ۔ کاج بکافِ تازی بمعنی احول۔

ترجمہ: اس تقدیر (کے معاملہ) کا علاج (بھی) تقدیر ہی جانتی ہے مخلوقات کی عقل (اس کا علاج کیا کرے گی وہ) تو تقدیر (کے معاملات) میں پریشان اور بھینگی ہے۔

اژدہا گشت ست آں مارِ سیاہ　　آنکہ کرمے بود اُفتادہ براہ

ترجمہ: وہ (نفس جو) کالا سانپ (تھا) (مہلت پاکر) اژدہا بن گیا جو (اس سے پہلے) راستے پر پڑا ہوا (ایک بے حقیقت) کیڑا تھا۔

اژدہامے شود ایں مارز مہلت صائبؔ　　رحم برنفس نمودن ز مسلمانی نیست

اژدہا و مار اندر دستِ تو　　شد عصا اے جانِ موسیٰؑ مستِ تو

ترجمہ: اے (ضیاء الحق حسام الدین) جن کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک بھی مست ہے آپ کے ہاتھ میں تو اژدہا اور سانپ بھی لاٹھی بن جاتے ہیں۔

مطلب: آپ کی تو ایسی مثال ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی جب تک ان کا عصا زمین پر رہتا تھا اس وقت تک تو وہ اژدہا رہتا تھا اور جب انہوں نے اس پر ہاتھ ڈالا تو فوراً عصا بن گیا۔ اسی طرح جب تک یہ نفس آپ سے دور ہے تو قوی اور ہولناک بن جاتا ہے لیکن ذرا بھی آپ کی توجہ اس کی طرف ہوئی تو اس کا سارا زور سلب ہو گیا۔ غرض نفس کے سارے شرور و مفاسد اسی وقت تک ہیں جب تک وہ آپ کی نگاہِ سیاست سے دور ہے جس طرح کہ عصا موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے چھٹتے ہی اژدہا بن جاتا تھا۔

صائبؔ ۔

بلاست نفسِ عناں چوں زدستِ عقل گرفت　　عصا چو از کفِ موسیٰ فتاد ثعبان ست

جانِ موسیٰ کے مست ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب آپ کے اندر بھی موسیٰؑ جیسی خصلت اور قوت ہے تو ان کو بھی آپ سے محبت اور تعلق ہے اسی محبت و تعلق کو جانِ موسیٰؑ کی مستی سے تعبیر کیا ہے اب چونکہ نفس کو عصائے موسیٰ سے تشبیہ دی ہے۔ لہٰذا آگے اسی قسم کے احکام بھی اس کے لیے ثابت کر رہے ہیں۔

حکم خُذْھَا لَا تَخَفْ دادت خدا　　تا بہ ستت اژدہا گردد عَصَا

لغات: خُذْھَا سورۂ طٰہٰ کی ایک آیت اشارہ ہے جو اپنی ماقبل کی دو آیتوں سمیت یوں ہے۔ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى "اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو پکڑ لے اور خوف نہ کر ہم اس کو اس کی سابقہ حالت پر لوٹا دیں گے۔"

ترجمہ: (موسیٰ علیہ السلام کی طرح) آپ کو (بھی) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس (اژدہائے نفس) کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں تاکہ تمہارے ہاتھ میں (یہ) اژدہا لاٹھی (کی اٹھی) بن جائے۔

مطلب: جس طرح حضرت موسیٰؑ کو معجزہ کے اژدہے کو پکڑنے کا حکم دیا تھا اور تسلی دی تھی کہ وہ پھر لاٹھی بن جائے گی اس طرح تم کو بھی حکم ہے کہ نفس کو قابو میں لاؤ اور　　کے ضرر سے مطمئن رہو کہ وہ تمہارے آگے بالکل مغلوب اور بے بس ہو جائے گا۔

ہیں یدِ بیضا نما اے پادشاہ　　صبحِ نو بکشا زشبہائے سیاہ

لغات: یدِ بیضا چمکیلا ہاتھ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا جس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں یوں ہے وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى "اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملاؤ تو وہ چمکیلا کسی عیب کے بغیر نکلے گا۔ یہ

دوسرا معجزہ ہے بادشاہ سے بادشاہِ معنوی مراد ہے تخت نشینِ طریقت، تاجدارِ تصوف۔

ترجمہ: ہاں! اے بادشاہ (معنوی) تم (بھی) ید بیضا دکھا دو (اور اس غفلت کی) کالی راتوں میں (ارشاد و ہدایت کی) تازہ صبح طلوع کرو۔

مطلب: ید بیضا سے یہاں مراد ضمیرِ منور ہے یعنی اپنی روشن ضمیری سے کام لیجئے اور ہدایت بخشیے۔

دوزخے افروخت بروے دم فسوں اے دمِ تو از دمِ دریا فزوں

لغات: دم پہلے مصرعہ میں صیغہ امر ہے دمیدن سے جس کے معنی ہیں پھونکنا دوسرے مصرعہ میں پہلا دم بمعنی افسوں، پھونک سانس دوسرا دم بمعنی ہمت۔

ترجمہ: اس نفسِ شریر نے اپنی شرارتوں کی ایک دوزخ بھڑکا رکھی ہے (لہٰذا) اس پر (کوئی) افسوں (دافعِ شر) پھونک دو اے (بھائی) تمہارا دم تو (آتشِ شرور کے بجھانے میں) دریا کی ہمت سے بھی بڑھ کر ہے۔

بحرِ مکارست بنمودہ کفے دوزخ ست از مکر بنمودہ تفے

لغات: کف جھاگ۔ تف حرارت، بھاپ۔

ترجمہ: (نفسِ حقیقت میں شرور و مفاسد کا ایک سمندر (ہے مگر چونکہ) مکار ہے (اس لیے) ایک (بے حقیقت) جھاگ دکھائی دیتا ہے (فی الواقع وہ ایک) دوزخ ہے (مگر) مکر سے (بظاہر ذرا سی) حرارت دکھائی دیتا ہے۔

مطلب: نفس بڑا موذی اور ایک خوفناک بلا ہے مگر اپنے آپ کو ازراہ مکر ایک بے حقیقت و بے ضرر چیز ظاہر کرتا ہے۔ صائبؒ۔

دامِ تزویرست خاموشی سگِ گیرندہ را نفس گر عاجز نماید خویش را باور مکن

زاں نماید مختصر در چشمِ تو تا زبوں بینی و جنبد خشمِ تو

ترجمہ: (یہ نفس امارہ) اس لیے (بھی) تمہاری نظر میں مختصر نظر آتا ہے تاکہ (اس کو) تم حقیر سمجھو اور (اس کے خلاف) تمہارا غصہ حرکت میں آئے۔

مطلب: نفس تو اپنے آپ کو ازراہ مکر چھوٹا دکھاتا ہے مگر اس کے چھوٹا اور حقیر نظر آنے میں ایک قدرتی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ تم کو اس کے زیر و مغلوب کرنے کی جرأت ہو اور تم بلا خوف و خطر اس کو قابو میں لانے کی کوشش کرنے لگ جاؤ بخلاف اس کے اگر تمہارے دل میں اس کی قوت و شوکت کا خیال جاگزین ہو تو پھر ایسی جرأت تم سے نہ ہو سکے گی آگے اس کا ثبوت ایک تاریخی واقعہ سے دیتے ہیں:۔

ہمچنانکہ لشکرِ انبوہ بُود مر پیمبر را بچشم اندک نمود

ترجمہ: جس طرح (جنگ بدر میں کافروں کا) لشکر بے پایاں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں (بحالتِ خواب) تھوڑا دکھائی دیا۔

مطلب: اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے۔ اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا وَّلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب میں کافر تھوڑے دکھائے اور اگر آپ کو انہیں بکثرت دکھاتا

تو (مسلمانو!) ضرور ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگتے" (انفال ع ۶) پس کفار کو کم دیکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور پورے جوش و خروش سے ان پر دھاوا بول دیا چنانچہ فرماتے ہیں:

تابر ایشاں زد پیغمبرؐ بے خطر ورفزوں دیدے ازاں کردے حذر

ترجمہ: یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تامل ان پر حملہ کر دیا اور اگر (برخلاف اس کے) زیادہ دیکھتے تو (مسلمان) اس (حملے) سے ہچکچاتے۔

مطلب: اگر مسلمان کفار کو کثیر التعداد دیکھتے تو خوفزدہ ہو کر جنگ سے ٹلنے لگتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ نظامیؒ۔

چو لشکر ہراساں شود از ستیز سگالش نسازد مگر در گریز

آں عنایت بود و فضلِ ایزدی احمدا! ور نہ تو بدل مے شدی

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور فضل تھا ورنہ اے پیغمبر! آپ خوف زدہ ہو جاتے۔

کم نمود او را و اصحابِ ورا آں جہادِ ظاہر و باطن خدا

ترجمہ: آپ کو اور آپؐ کے اصحاب کو خداوند تعالیٰ نے جہادِ ظاہر و باطن میں (مخالفین کا انبوہ) کم دکھایا۔

مطلب: جس طرح جہادِ ظاہر میں جو کفار مکہ کے ساتھ تھا آپ کو مخالین کی جمعیت کم دکھائی گئی حتیٰ کہ آپ نے اور آپ کے رفقا نے پوری دلیری سے حملہ آور ہو کر ان پر فتح پائی۔ اسی طرح جہادِ باطن میں جو جہادِ اکبر ہے اور وہ نفسِ امارہ کے ساتھ ہے آپ کو نفس ایک ناچیز و بے حقیقت حیثیت میں دکھایا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے کمرِ ہمت باندھ کر اس پنہانی دشمن کو بھی زیر کر لیا۔ ملا عرفیؒ۔

تا تیغ بدست آید برنفس دو دستی زن تا سنگ بکف یابی برشیشۂ ہستی زن

تا میسّر کرد یسرائے رابدو تاز عسرے او نگردانید رُو

ترجمہ: حتیٰ کہ آپ کے لیے آسانی میسر کر دی جب تک کہ آپ نے تنگی (کو برداشت کرنے) سے منہ نہیں پھیرا۔ کما قیل۔

عزتِ مرد بمیداں زثباتِ قدم ست شمع ہر جافشرد پائے سرفراز شود

کم نمودن مرورا پیروز بود کہ حقش یارو طریق آموز بود

ترجمہ: غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی جمعیت کا کم دکھانا (آپ کی) کامیابی (کی دلیل) تھی۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ آپ کا مددگار و رہنما تھا۔

مطلب: کفار کی جمعیت آپؐ کو اس لیے کم دکھائی گئی کہ مسلمانوں کا دل بڑھے۔ اسلام کا بول بالا ہو اور کفار کا منہ کالا ہو اور ان تمام ظاہری و باطنی تدابیر کا سررشتہ قدرتِ حق کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مہمات کی سرانجام دہی کو اپنی ذاتِ پاک سے منسوب فرماتا ہے۔ اِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِھِمْ" اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہاری نظر میں مقابلہ کے وقت کم دکھایا اور ان کی نگاہ میں تم کو کم دکھایا اور فرمایا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اور نہیں مشتِ خاک پھینکی آپ نے جب کہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی"۔

زحق جو آنچہ میجوئی کہ تافرمان حق نبود　　نیا مداز سلیماں حاجت مورے رواکردن

الخلاف: بعض نسخوں میں اس شعر کے بجائے دو شعر یوں درج ہیں ہمارا قلمی نسخہ بھی اس کا مؤید ہے۔

کم نمودن مردرا پیر دز بود　　زاں نمودن روز او نور وز بود

کم نمودن بس خجستہ روز بود　　کہ حقش یارو طریق آموز بود

جن کا ترجمہ یوں ہے (غرض) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (کفار کی جمعیت) کا کم دکھلانا آپ کی کامیابی تھی۔ اور اس (کم) دکھلانے سے آپ کا دن خوشی کا دن تھا۔ یہ کم نمائی نہایت مبارک تھی (یہ سب کچھ) اس لیے (تھا) کہ حق سبحانہٗ آپ کا (ممدو) معاون اور رہبر (معلم) تھا۔

آنکہ حق پشتش نباشد از ظفر　　وائے گر گربہ نماید شیرنر

ترجمہ: بخلاف اس کے قابل افسوس ہے حالت اس شخص کی جس کی فتح کے لیے حق سبحانہٗ پشت پناہ نہ ہو اگر اس کو ایک شیر نر بلی دکھائی دینے لگے۔

مطلب: اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ کفار مکہ مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوں اس لیے کفار کی نظر میں مسلمانوں کو اس نے ناتواں اور بے سامان دکھلایا حالانکہ ایک ایک مسلمان جوشِ شجاعت سے شیرِ نر کا نمونہ تھا مگر کفار نے بدقسمتی سے ان کو بلی سمجھا اور دلیری میں آکر ان پر حملہ کر بیٹھے اور خود تباہ ہوئے۔ پہاڑ سے ٹکرائے اور خود پاش پاش ہو گئے۔ کما قیل

اے روبہک چرانہ نشستی بجائے خویش　　باشیر پنجہ کردی ودیدی سزائے خویش

اس لیے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم دکھایا اس لیے کہ اللہ ایک کام کا جو ہونے والا تھا فیصلہ کر ڈالے۔" (انفال ع ۶)

الخلاف: بعض نسخوں میں یہ شعر یوں درج ہے۔

آنکہ حق پشتش نباشد از ظفر　　واں کہ خر گوشش نماید شیرنر

یعنی حق تعالیٰ جس کی فتح کے لیے پشت پناہ نہ ہو یاد رکھو اس کو ایک شیر نر خرگوش دکھائی دینے لگتا ہے اس کا ایک ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے یاد رکھو اس کو خرگوش شیر نر دکھائی دیتا ہے اس صورت میں مضمون برعکس ہوگا یعنی خدا جس کا مددگار نہ ہو اس پر ایک کمزور وضعیف چیز کا اس قدر رعب چھا جاتا ہے کہ وہ اس کے مقابلے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ پہلے ترجمے کی رو سے تو یہ مضمون تھا کہ کافر بحکمِ خدا ایک شیرانہ طاقت رکھنے والے مسلمان کو کمزور سمجھ کر حملہ کر بیٹھتا ہے اور خود ہی مارا جاتا ہے مگر اس ترجمہ کی رو سے اس کے برعکس یہ مضمون ہے کہ وہ ایک کمزور مسلمان کو طاقتور سمجھ کر اس سے ڈر جاتا ہے جو درج کیا گیا ہے اور قبل و بعد اسی کے نظائر مندرج ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وائے گر صدرا یکے بیند زدور　　تا بچالش اندر آید از غُرور

لغات: چالش حملہ، جنگ، مقابلہ غرور دھوکا کھانا۔

ترجمہ: افسوس ہے (اس شخص کے حال پر) اگر وہ دور سے (از راہِ غلط بینی) سو آدمیوں کو ایک سمجھ بیٹھے حتیٰ کہ دھوکا کھا کر ان پر حملہ کردے۔

زاں نماید ذوالفقارے حربۂ زاں نماید شیرِ نر چوں گربۂ

ذوالفقار حیدری

لغات: ذوالفقار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تلوار کا نام ہے ذوالفقار کے معنی ہیں پیٹھ کے مہروں والی تلوار، چونکہ اس تلوار کی پیٹھ پر مہر ہائے پشت کے سے ابھار تھے اس لیے یہ نام قرار پایا پہلے یہ تلوار عاص ابن منبہ نام ایک کافر کی تھی جنگِ بدر میں وہ مارا گیا اس کا اسباب اہلِ اسلام کے ہاتھ لگا تو یہ تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمائی۔ ذوالفقار کا نام شدتِ برش میں ضرب المثل ہے مگر یہ تیغ کے جوہر پر نہیں بلکہ صاحبِ تیغ کے کمالِ شجاعت پر مبنی ہے حربہ چھرا، چھوٹا نیزہ۔

ترجمہ: (چونکہ خدا کو اس کا تباہ کرنا منظور ہے) اسی لیے تو اس کو تیغِ ذوالفقار ایک چھرا نظر آتی ہے اسی لیے تو اس کو شیرِ نر ایک بلی دکھائی دیتا ہے۔

تا دلیرانہ فتد احمق بجنگ وندر آرد شاں بدیں حیلت بچنگ

ترجمہ: تا کہ بے وقوف (کافر) دلیری کے ساتھ جنگ میں کود پڑیں اور (قدرت) ان کو اس تدبیر سے اپنے قابو میں لائے۔

تاپپائے خویش باشد آمدہ آں فلیواں جانب آتشکدہ

لغات: فلیواں جمع فلیو بفتح فاء و کسرۂ لام و یائے مجہول بے ہودہ بیفائدہ آتشکدہ آگ کی بھٹی۔

ترجمہ: تا کہ وہ بے ہودہ لوگ اپنے پاؤں سے چل کر آگ کے ڈھیر کی طرف آتے ہوں۔

مطلب: حق تعالیٰ اس کافر نادان کو اس لیے اسلامی طاقت کم دکھا رہا ہے کہ وہ خود دیدہ و دانستہ اس سے ٹکرائے اور فنا ہو جائے اور اس کو کوئی حجت باقی نہ رہے کیونکہ وہ خود اپنے ارادہ سے اور اپنے پاؤں سے چل کر آیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ "تا کہ جو مرے وہ دلیل دیکھ کر مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی دلیل دیکھ کر جئے۔" (انفال ع ۶)

کاہ برگے میناید تا توزُ ود پف کنی اورا برانی از وجود

لغات: کاہ برگے باضافتِ مقلوب برگِ کاہ ہے یعنی گھاس کا ایک پتا تنکے کا پتا مراد حقیر و ناچیز۔ پف پھونک مارنا۔ برانی از وجود اس کو وجود سے ہٹا دو یعنی فنا کر دو، نابود کرو۔

ترکیب: مینماید کی ضمیر تا تو نفس کی طرف پھرتی ہے اور اس صورت میں یہاں سے عود ہے سابقہ مضمون "زاں نماید مختصر در چشمِ تو الخ" کی طرف اور اس تقدیر کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ وہاں بھی خطاب تھا یہاں بھی خطاب ہے اور ان دونوں کے درمیان "ہمچنانکہ لشکر" الخ سے لے کر اس قسم کے نظائر پیش کئے ہیں کہ دشمن کو کمزور سمجھنے سے اس پر حملہ کرنے کی دلیری پیدا ہوتی ہے یا مینماید کا فاعل لشکرِ اسلام یا قوتِ حق ہے اس صورت میں یہ نظیر اسی قسم کے نظائر میں داخل ہوتی ہیں جن سے مقصود ہے کہ قدرت جس کو تباہ کرنا چاہتی ہے اس کی نظر میں ایک بڑی طاقت کو کمزور و ضعیف ظاہر کرتی ہے۔ اگلے اشعار کا مضمون اس تقدیر کی تائید کرتا ہے کیونکہ ان سب میں یہی مدعا چلا جاتا ہے، ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ ہو۔

(۱) (غرض کہ اے طالب مبتدی!) وہ نفسِ شریر تجھ کو ایک برگِ کاہ (کی طرح حقیر و ناچیز) دکھائی دیتا ہے تا کہ تو پھونک مار کر اس کو (بزعمِ خود) فوراً فنا (کر دینے کی کوشش) کرے مگر

(۲) (اے کافر نادان؟ اسلامی طاقت کو) تو ایک برگِ کاہ (کی طرح حقیر و ناچیز) دیکھتا ہے تاکہ تو پھونک مار کر اس کو (بزعمِ خود فوراً نابود (کرنے کی کوشش) کرے مگر

ہاں کہ آنکہ کو ہہا برکندہ است زو جہاں گریاں واو درخندہ است

ترجمہ: (۱) خوب یاد رکھو کہ یہ (نفس) وہ چیز ہے جس نے (اپنے فتنہ و فساد سے) پہاڑوں کو اکھیڑ ڈالا ہے ایک جہان اس (کے فتنے) سے رو رہا ہے اور وہ (اپنی کامیابی پر) ہنس رہا ہے۔

(۲) خبردار! یہ (حقانی طاقت) وہ چیز ہے جس نے (کفر و شرک کے) پہاڑوں کو الٹ دیا دنیائے (کفر) اس (کے حملوں) سے نالاں ہے اور وہ (اپنی فتوحات پر) خنداں ہے۔

مطلب: دونوں شعروں کو ملا کر مطلب پر توجہ کرو۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ "کافر لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر لوگ ناگوار سمجھیں"۔ کما قیل۔

چراغے راکہ ایزد بر فروزد ہر آنکو پف کند ریشش بسوزد

مینماید تابہ کعب ایں آب جو صد چو عوج بن عُنق شد غرق او

لغات: کعب ٹخنا۔ آب جو نہر کا پانی۔ عوج بن عنق ایک کافر کا نام جو قوم عمالقہ سے تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ قوم ملک شام پر قابض تھی اس کا حال عام طور پر یوں مشہور ہے کہ وہ تین ہزار تین سو تینتیس ذراع کے قد کا آدمی تھا۔ بادل میں منہ ڈال کر پانی پی لیتا، سمندر کی تہ سے مچھلی نکال کر سورج پر بھون لیتا اور کھا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کی پیدائش آدمؑ کے زمانے میں ہوئی وہ آدمؑ کا نواسا تھا عنق نام اس کی ماں تھی جو حضرت آدمؑ کی بیٹی تھی وہ طوفانِ نوحؑ میں موجود تھا۔ طوفان کا پانی اس کے گھٹنوں سے اوپر نہیں چڑھا تین ہزار برس عمر پائی حتیٰ کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ کے حکم سے ملکِ شام پر چڑھائی کی اور بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے چلے تو پہلے بارہ قبیلوں میں سے بارہ آدمی بطور نقیب بھیجے کہ کچھ حالات معلوم کر کے اطلاع دیں۔ وہ گئے تو آگے عوج ابن عنق ملا جس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا تو اس نے ان تمام کو اکٹھا کر کے بغل میں لے لیا اور گھر میں لے جا کر اپنی بیوی کے سامنے ڈال دیا اور کہا دیکھو یہ لوگ ہم سے لڑنے آتے ہیں اگر کہو تو ان کو پاؤں سے کچل ڈالوں۔ عورت نے کہا ان کو کچلنا نہیں چاہیے بلکہ چھوڑ دو تاکہ یہ اپنے اہلِ لشکر کو تمہارا حال سنا دیں اور وہ ڈر جائیں۔ اس کے بعد عوج نے پہاڑ کا اتنا لمبا چوڑا ٹکڑا اٹھایا جو موسیٰ علیہ السلام کی فوج کے برابر تھا تاکہ فوج پر گرا کر اس کو پیس ڈالے اسی وقت خدا کے حکم سے ایک ہدہد آیا اور اس نے اس چٹان پر چونچ ماری تو وہ عوج کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کی گردن پر گری جس کے صدمے سے وہ زخمی ہو کر گرا اور موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو وہ فوراً تیغ بکف پہنچے اور اس کو قتل کر دیا، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ان تمام حالات کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ قلت کذا ذکر البغوی فی عوج بن عنق و فیہ مبالغات لا یقبلھا العقل وینکرھا المحدثون غیر انہ کان اعظم جثۃ وا قوی قوۃ من الجبارین و کانوا اجرا ما عظیما اولی باس شدید۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حالات عوج بن عنق کے متعلق بغوی نے لکھے ہیں اور اس میں ایسے مبالغات ہیں جن کو عقل قبول نہیں کرتی محدثین بھی ان کا انکار کرتے ہیں۔ ہاں وہ قوم جبابرہ میں سے ایک بڑے وجود اور بڑی طاقت کا آدمی تھا اور یہ نہایت عظیم الجثہ اور بڑے ہیبت

عوج بن عنق کا حال اور اس کی تغلیط

ناک لوگ تھے (تفسیر مظہری) عوج بالضم و واؤ معروف ایک طویل القامت آدمی کا نام ہے جو آدم علیہ السلام کے زمانے میں پیدا ہوا اور موسیٰؑ کے زمانے تک زندہ رہا اس کی عمر ساڑھے تین ہزار سال کی ہوئی طوفانِ نوح اس کی کمر تک تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ٹخنے پر عصا مارا جس کی ضرب سے وہ گر کر مر گیا اس کے باپ کا نام عوق تھا بضمِ عین اور یہ جو لوگوں میں عوج بن عنق مشہور ہے غلط ہے صحیح عوج بن عوق ہے۔ (غیاث اللغات)

حضرت ملا علی قاریؒ عوج مذکور کے احوال مثلِ سابق نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو وضع کرنے والے کذاب کے متعلق تعجب نہیں آتا کہ اس نے کس طرح اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے بلکہ ان اہلِ علم پر تعجب کرنا چاہیے جنہوں نے ایسی لغو و بے ہودہ روایات کو کتبِ تفسیر میں درج کر لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت نوحؑ کی اولاد سے نہ تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ جس سے یہ مراد ہے کہ تمام اہلِ زمین جو طوفان کے بعد زندہ باقی بچے وہ نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں پس اگر عوج فی الواقع کوئی شخص تھا تو وہ نوحؑ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا تھا نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو آسمانوں میں ان کا قد ساٹھ ذراع لمبا تھا پھر آج تک قد گھٹتے چلے آئے ہیں۔ اس روایت کی رو سے بھی عوج کا قد ایک فرضی افسانہ ثابت ہوتا ہے۔ نیز آسمان و زمین کی درمیانی مسافت پانسو سال کی ہے۔ سمندر کی تہ کی مچھلی کا اس مسافت سے نیچے اور سورج کا چوتھے آسمان پر اور بھی بلند ہونا اس کے علاوہ ہے پس ایک تین ہزار ذراع کے قد کا آدمی کیونکر قعرِ سمندر کی مچھلی کو نکال کر سورج پر بھون سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے افسانے زنادقہ اہلِ کتاب کے تراشے ہوئے ہیں جو انبیا اور ان کے اتباع سے استہزا و تمسخر کرنا اور کرانا چاہتے تھے (موضوعاتِ کبیر) مولانا نے اس روایات کا اشارہ صرف بناء علے المشہور کر دیا جیسے کہ فرضی مثالوں سے بھی کام لے لیا جاتا ہے اس کی صحت و عدم صحت سے غرض نہیں۔

صنائع: کعب، آبِ جُو، عوج، غرق، عوج کے قصے کے مناسبات ہیں اور تلمیحات۔

ترجمہ: یہ نہر کا پانی (صرف) ٹخنے تک (پایاب) نظر آ رہا ہے مگر واضح رہے کہ (عوج بن عنق جیسے صدہا طویل القامت) آدمی اس میں غرق ہو چکے ہیں۔

مطلب: یہ شعر اور آئندہ کے اشعار اوپر کے دونوں شعروں کے ترجمہ اولیٰ کے لحاظ سے تو ان کی نظیریں ہیں اور ترجمہ ثانیہ کے اعتبار سے یہ ان کی مثالیں۔ فافہم۔

مینماید موجِ خونش تلِّ مُشک مینماید قعرِ دریا خاکِ خشک

لغات: موجِ خون مراد خون ریزی کا مقام، جہاں لہو کی ندیاں بہتی ہوں اور ان کی موجیں اٹھتی ہوں۔

ترجمہ: (اسی طرح جس شخص کے سر پر قضا کھیلتی ہو) اس کو خون کی موج مشک کا ٹیلہ دکھائی دینے لگتی ہے (وہ دھم سے اس میں کود جاتا ہے اور مارا جاتا ہے اور جس کی موت آ جاتی ہے) اس کو دریا کی گہرائی خشک میدان نظر آتی ہے (وہ بے تحاشا اس میں پاؤں رکھ دیتا اور ڈوب جاتا ہے)۔

خشک دید آں بحر را فرعون کور تا درو راند از سرِ مستی وزور

ترجمہ: (مثلاً عقل کے) اندھے فرعون نے اس دریا کو (جس سے بنی اسرائیل عبور کر چکے تھے) خشک دیکھا حتیٰ کہ وہ (اپنی مغرورانہ) مستی و زور سے اس کے اندر دڑاتا چلا گیا۔

چوں درآمد در تگِ دریا فتاد زانکہ چشمش زاصلِ نابینا فتاد

ترجمہ: جب وہ اس میں داخل ہوا تو دریا کی تہ میں پہنچ گیا اس کی (دل کی) آنکھ ابتدا سے بے بصیرت واقع ہوئی تھی۔

مطلب: فرعون کا دریائے نیل کو اپنے لیے خشک دیکھنا کوئی اتفاقی و عارضی غلطی نہ تھی بلکہ وہ فطرتاً کج نظر و غلط بیں واقع ہوا تھا اس لیے حضرت موسیٰ کو ساحر اور ان کے معجزات کو سحر سمجھا اپنے آپ کو مثل خدا اور اپنی قوم کو بنی اسرائیل سے افضل سمجھتا تھا ورنہ اگر اس میں ذرا بھی نور بصیرت ہوتا تو سمجھ جاتا کہ ایک متلاطم دریا آن کی آن میں جو ایک محدود جگہ سے خشک ہو کر راستہ دے رہا ہے تو یہ اسی شخص کے مرسلانہ معجزات و تصرفات کا اثر ہے جو اس راستے سے بآسانی گزرتا چلا جا رہا ہے میرا یہ حصہ نہیں اس لیے وہ اس راستے میں قدم رکھتا جھجکتا مگر اس پر تو غرور و تکبر کا جن سوار تھا اور اس کی چشم حق بینی سے کور تھی لہٰذا اس نے بلا تامل راستے میں پاؤں رکھ دیا اور دریا کے دونوں پاٹ مل گئے فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۔ آگے مولاناؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ بینشِ باطن جو فرعون کو نہیں ملی تو یہ ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں ہے۔

دیدۂ بینا از لقائے حق شود حق کجا ہمراہِ ہر احمق شود

ترجمہ: چشمِ باطن (بینا ہوتی ہے تو) حق تعالیٰ کے قرب سے بینا ہوتی ہے (اور) حق تعالیٰ ہر احمق (بیدین) کا رفیق کب ہوتا ہے؟

مطلب: بینشِ باطن مقربانِ حق کا حصہ ہے فرعون جیسے نااہل و ناحق شناس اس دولت سے کب بہرہ مند ہو سکتے تھے اس لیے اس نے اپنے آپ کو تباہ کیا۔

قند بیند خود شود زہرِ قتول راہ بیند خود بود آں بانگِ غول

لغات: قتول صیغۂ مبالغہ قاتل سے بمعنی قاتل۔ غول چھلاوا، عوام کے عقیدے میں ایک قسم کا بھوت جو مسافروں کو پریشان کیا کرتا ہے۔

ترجمہ: چنانچہ احمق بیدین ایک چیز کو قند دیکھتا ہے اور وہ زہرِ شدید قاتل (ثابت) ہوتی ہے وہ (کسی آواز کی رہنمائی سے) راستہ دیکھتا ہے جو چھلاوا کی آواز ہوتی ہے۔

اے فلک درفتنۂ آخر زماں تیز میگردی بدہ آخر اماں

ترجمہ: اے فلک! تو آخری زمانے کے فتنوں میں تیز گھوم رہا ہے آخر (مجھ کو) امن (پناہ) دے۔

شکایت از فلک کی بابت

رفعِ اشتباہ: چونکہ عوام میں مشہور ہے اور شاعروں میں اس کے ذکر کا دستور ہے کہ فلک کی گردش کو تغیراتِ عالم کا سبب قرار دیتے ہیں اگرچہ ان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا صرف اس پیرایہ میں شکوہ کر کے دل کا جوش نکالنے کا دستور قائم ہو گیا ہے اسی رسم شاعری پر مولانا شکایت کر رہے ہیں کہ اختلاطِ احوال نے ہم کو بہت پریشان کر رکھا ہے کہ اشیاءِ عالم کا ظاہری پہلو کچھ اور ہے اور حقیقتِ نفس الامری کچھ اور ورنہ حدیث میں زہر کو متصرفِ امور سمجھ کر کوسنا ممنوع ہے۔ مولانا اس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔

خنجرِ تیزِ تو اندر قصدِ ما نیشِ زہر آلودۂ در فصدِ ما

ترجمہ: تیرا تیز خنجر ہمارے (قتل کے) در پے ہے (اور تیرا) زہر آلود نشتر ہمارا خون بہانے پر (تلا ہوا ہے)۔

اے فلک! از رحمِ حق آموز رحم　　بردلِ موراں مزن چوں مار زخم

ترجمہ: اے فلک حق تعالیٰ کے رحم سے رحم کرنا سیکھ (اور) ہم چیونٹیوں کے دل پر سانپ کی طرح زخم نہ پہنچا۔

حق آنکہ چرخہَ چرخِ ترا　　گرد گرداں برفرازِ ایں سرا

کہ دِگرگوں گردی و رحمت کنی　　پیش ازاں کز بیخ مارا برکنی

ترجمہ: تجھے قسم ہے اس ذات (برحق) کی جس نے تیرے کرہ کے چرخہ کو اس (دنیا کے) گھر پر گھمایا ہے کہ (اپنے) چکر کو دگرگوں کر دے اور ہم پر رحم کر قبل اس کے ہم کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے۔

حقِ آنکہ دایگی کردی نخُست　　تانہالِ ما زِخاک و آب رُست

ترجمہ: قسم ہے اس بات کی تو نے پہلے پرورش کی ہے تب ہمارا بوٹا خاک و آب سے اگا ہے۔

حقِ آں شہ کہ ترا صاف آفرید　　کرد چنداں مشعلہ در تو پدید

ترجمہ: قسم ہے اس بادشاہ (حقیقی) کی جس نے تجھ کو صاف پیدا کیا ہے اور بہت سی (کواکب کی) مشعلیں تجھ میں نمایاں کیں۔

آنچناں معمورو باقی داشتت　　تاکہ دہری از ازل پنداشتت

لغات: معمور آباد باقی قائم موجود دِہری وہ شخص جو خدا کو نہ مانے اور کہے کہ عالم کے تمام کاروبار کسی متصرفِ حقیقی کے بغیر خود بخود چل رہے اور اسی طرح قدیم سے چلے آ رہے ہیں یہ ایک گمراہ فرقہ جو دہر کو متصرفِ مستقل سمجھتا ہے اور خدا کو اول تو مانتا ہی نہیں اور اگر مانتا ہے تو معطلِ محض مانتا ہے یہ عقیدہ فطرتِ سلیمہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ **فاشد شقاوۃ الانسان ان یکون دھریا** پس انسان کی سب سے زیادہ سخت بدبختی یہ ہے کہ وہ دہری ہو اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دہری کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان علومِ فطریہ سے مناقض ہو جو اس میں پیدا کیے گئے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ انسان کو فطرتاً مبدءِ جل جلالہ کی طرف میلان ہے اور اس کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم کی طرف بھی خاص رُجحان ہے اور اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ الآیۃ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ **کل مولود یولد علی الفطرۃ** اور باری تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ کی تعظیم اس کے نفس میں اسی صورت میں جاگزین ہو سکتی ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ باری تعالیٰ تمام امور میں بقصد و اختیار کامل متصرف ہے جزا و سزا دیتا ہے مکلف کرتا ہے۔ شریعت وضع کرتا ہے پس جو شخص ایسے پروردگار کے وجود ہی سے منکر ہو جس کی طرف وجود کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے یا کسی ایسے پروردگار کے وجود کا معتقد ہو جو معطل اور غیر متصرف ہے یا وہ بلا ارادہ بطریقِ ایجاب متصرف ہے یا بندوں کے اچھے یا برے افعال پر جزا اور سزا نہیں دیتا یا اپنے پروردگار کو تمام مخلوقات سے مشابہ سمجھے یا اس کے بندوں کو اس کی صفات میں شریک سمجھے یا یہ اعتقاد رکھے کہ اس نے اپنے بندوں پر کوئی شریعت کسی نبی کے ذریعہ نہیں بھیجی۔ پس وہ دہری ہے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی نہ تعظیم ہے نہ اس کے علم کو حیزِ قدس کی طرف نفوذ ہے۔ اس کی مثال ایک پرندے کی سی ہے جو لوہے کے ایسے پنجرے میں محبوس ہو جس میں سوئی کی نوک کے برابر بھی سوراخ نہیں جب وہ مرتا اور حجاب اٹھ جاتا ہے اور ملکوتی طاقت خاص طور پر نمودار ہوتی ہے اور فطری صفات سر ابھارتی ہیں مگر اس کے عملی نقائص اس کو پروردگار کے علم سے اور حیزِ قدس کی طرف پہنچنے سے مانع ہوتے

ہیں تو اس کے نفس میں ایک وحشتِ عظیمہ ہیجان میں آتی ہے اور اسی ناپاک حالت میں کبھی اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرتا ہے اور کبھی ملاءِ اعلیٰ کی طرف نظر دوڑاتا ہے۔ ادھر فرشتوں کے نفوس میں اس کے عذاب کے الہامات مترشح ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ عالمِ مثال میں عذاب پاتا رہتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

ترجمہ: حق تعالیٰ نے تجھ کو کچھ اس طرح سے آباد و قائم رکھا ہے کہ دہری تجھ کو قدیم سے (قائم دائم) سمجھنے لگا۔

مطلب: جس ذات نے تجھے اس قدر پرانا بنا دیا اور ہمیشہ سے بحالتِ تازگی رکھا کہ دہریوں نے تجھ کو قدیم و غیر متغیر سمجھ لیا تجھ کو اس ذات کی قسم! کہ ہم کو تباہ نہ کر۔ آگے انتقال کر کے فرماتے ہیں:۔

شکر دانستیم آغازِ ترا انبیا گفتند آں رازِ مرا

ترجمہ: (مگر) شکر ہے ہم نے تیری ابتدا کو معلوم کر لیا تیرے اس راز کو انبیا نے (صاف صاف) بیان کیا۔

مطلب: یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے کہ اس نے انبیا کے ذریعہ سے ہم کو ایسی گمراہیوں سے بچا لیا جن میں دہری مبتلا ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ۔

نہ خود میرد دہر کہ جو یانِ اوست نقش کشاں میرد لطفِ دوست

آدمی داند کہ خانہ حادث ست عنکبوتے نے کہ درروے عابث ست

لغات: حادث از سر نو پیدا ہونے والی چیز، عدم کے بعد وجود میں آنے والی شے عنکبوت مکڑی۔ عابث لہو و لعب میں مشغول۔ بے ہودہ کام کرنے والا۔

ترجمہ: آدمی جانتا ہے کہ گھر حادث ہے نہ کہ مکڑی (جان سکتی ہے) جو اس کے اندر کھیل رہی ہے۔

مطلب: پیچھے کہا تھا کہ ہم کو انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے آسمان کا حادث ہونا معلوم ہو گیا۔ یعنی انبیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے مالک خانہ اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے مکڑی جس طرح مکان میں مکڑی پیدا ہوتی ہے اور اسی میں مر مٹ جاتی ہے تو وہ اس مکان کو ازلی و ابدی سمجھتی ہے برخلاف اس کے آدمی اگرچہ مکان میں پیدا ہوا ہو، خواہ وہ اس سے پہلے کا بنا ہوا ہو اور اس کے مرنے کے بعد تک باقی رہے مگر وہ اس کی حقیقت کو جانتا ہے اور کہتا ہے کہ مکان کبھی نہ کبھی بنایا گیا ہے اور یہ حادث ہے اس طرح ہم عام لوگ زیرِ فلک و بالائے ارض اپنے مشاغلِ زیست کے جانے تھتے تھتے مر جاتے ہیں اور آسمان کو اپنی اسی آن بان پر قائم دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ قدیم ہے مگر انبیاء علیہم السلام جو درحقیقت انسان کامل ہیں وہ اس کے آغاز و انتہا کو خوب جانتے ہیں کہ اس کو رافع سمٰوٰت نے بنایا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ "اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے جس نے آسمانوں کو بے سہارا اونچا (کھڑا) کیا" (رعد ۲) اور ایک دن وہی اس کو نیست و نبود کر دیگا۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ "جب آسمان چر جائے" (الانفطار) یہی ربانی تعلیم انہوں نے ہم کو بھی دے دی۔ آگے ایک اور مثال دیتے ہیں:

پشہ کے داند کہ ایں باغ از کے ست کہ بہاراں زاد و مرگش درد ے است

لغات: پشہ مچھر۔ بہاراں اے ایام بہار۔ دے ایامِ فراق۔

ترجمہ: مچھر کیا جانے کہ باغ کب سے ہے کیونکہ وہ ایام بہار میں تو پیدا ہوا ہے اور موسمِ خزاں میں اس کی موت ہے (لہٰذا اس کو باغ کی ابتدا و انتہا کی کیا خبر)؟

کرم کاندر چوب زاید ست حال　　کے بداند چوب را وقتِ نہال

ترجمہ: جو کیڑا لکڑی میں ست حال پیدا ہوا ہے وہ لکڑی (کے حال) کو کیا جانے (جو اس کے تازہ) درخت (ہونے) کے وقت (تھا)۔

ور بداند کرم از ماہیتش　　عقل باشد کرم باشد صورتش

ترجمہ: اور اگر کیڑا (اس درخت اور لکڑی) کی ماہیت کو سمجھ جائے تو وہ عقل (مجسم) ہوگا اگرچہ اس کی صورت کیڑے کی ہو۔

مطلب: اوپر کی تقدیر پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ آسمان وغیرہ کی ابتداء و انتہا کا علم اگر انبیا کو ہے عوام کو نہیں تو پھر اولیاء اللہ بھی تو انبیا نہیں ہیں حالانکہ ان کو بھی یہ علم و یقین حاصل ہے۔ اس کا جواب اسی کیڑے کی مثال سے دیتے ہیں کہ ایسے بزرگان دین اگرچہ صورۃً عوام میں داخل ہیں مگر ان کا درجہ خواص میں ہے۔

عقل خود را مینماید رنگہا　　چوں پری دور است ازاں فرسنگہا

ترجمہ: عقل اپنے آپ کو (مختلف) رنگوں میں نمایاں کرتی ہے جیسے کہ (جن اور) پری (جو متشکل باشکال مختلفہ ہو سکتی ہے بلکہ پری وغیرہ کو عقل سے کیا نسبت) وہ اس سے بھی کوسوں دور ہے۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ ایسا عاقل کیڑا مجسم عقل ہے صرف بظاہر کیڑا ہے اب فرماتے ہیں کہ تم اس پر تعجب نہ کرو کہ ایک کیڑا کیونکر مجسم عقل کہلا سکتا ہے کیونکہ عقل ہزاروں شکلیں بدل سکتی ہے اس کی ذاتی شکل کوئی نہیں وہ ایک مجرد چیز ہے جیسے جن و پری بلکہ اس کا تجربہ جنات سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ جنات مادی ہیں اور عقل غیر مادی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

از ملک بالاست چہ جائے پری　　تو مگس پری بہ پستی مے پری

ترجمہ: (بلکہ عقل تو) فرشتے سے بھی بڑھ کر ہے چہ جائیکہ پری سے تم تو (عالم کے حدوث و قدم کے مسئلے میں) مکھی کے سے پروں سے کام لے رہے ہو اور پستی کی طرف اڑتے ہو۔

گرچہ عقلت سوئے بالاے پرد　　مرغ تقلیدت بہ پستی مے چرد

ترجمہ: اگرچہ تمہاری عقل بلندی کی طرف اڑتی ہے مگر تمہاری تقلید کا مرغ پستی کی طرف چرنے چگنے لگتا ہے۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ حدوثِ عالم کا مسئلہ سمجھنے کے لیے عقل درکار ہے اگر کیڑا بھی اس مسئلے کو سمجھ جائے تو وہ کیڑا نہیں بلکہ عقلِ مجسم ہے اس پر دہری کہہ سکتا ہے کہ میں بھی تو ذوی العقول میں شامل ہوں پھر مجھے حدوثِ عالم پر یقین کیوں نہیں آتا فرماتے ہیں کہ بے شک تم میں عقل ہے مگر تم عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ مکھی کے سے پروں سے پستی کی طرف اڑ رہے ہو تمہارا میلان شہوات و لذات کی طرف ہے اگرچہ عقل کا تقاضا ہے کہ تم بلندی کی طرف پرواز کرو مگر تم اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے بلکہ اندھی تقلید کے متبع بن رہے ہو اور اپنے مرغِ طبع کے پیچھے اڑے اڑے پھرتے ہو جس کا میلان لذاتِ نفسیانیہ کی طرف ہے۔

علمِ تقلیدی وبالِ جانِ ماست　　عاریہ ست و ماںشستہ کانِ ماست

ترجمہ: (یہ ہماری کس قدر غلطی ہے کہ باوجودیکہ) علمِ تقلیدی ہمارے لیے وبالِ جان ہے (اور) عارضی (چیز) ہے (مگر) ہم لوگ (مطمئن) بیٹھے ہیں کہ یہی ہمارا (اعلیٰ جوہر) ہے (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

زیں خرد جاہل ہمے باید شدن دست در دیوانگی باید زدن

ترجمہ: ایسی (ناقص) عقل سے تو جاہل ہی رہنا چاہیے اور دیوانگی اختیار کر لینی چاہیے۔

ہر چہ بینی سودِ خود زاں میگریز زہر نوش و آبِ حیواں را بریز

ترجمہ: (پس) جس چیز کو تم (اپنی اس عقلِ ناقص کی روشنی میں) مفید سمجھو (وہ دراصل مضر ہے) اس سے بھاگو (بخلاف اس کے جو چیز اس عقل کی رو سے مضر نظر آئے اگرچہ) زہر (ہو تو اسے) پی جاؤ (اور) آبحیات کو گرا دو۔

مطلب: عقلِ ناقص کے مرغوبات ہرگز قابلِ اختیار نہیں بلکہ وہ لذاتِ شیطانیہ اور شہواتِ نفسانیہ ہیں ان کو ترک کر دو اور جن امور کو یہ عقل موجب تکلیف و اذیت سمجھتی ہے ان کو مفید سمجھ کر اختیار کرو۔

صائبؒ ؎

غذائے نورِ قرانی بہ تیرہ روزاں داد چو شمع از تنِ خود گر غذا توانی کرد

ہر کہ بستاید ترا دُشنام دہ سود و سرمایہ بمفلس دام دہ

لغات: بستاید فعل مضارع از ستائیدن جس کے معنی ہیں تعریف کرنا۔ دام قرض۔

ترجمہ: جو شخص تمہاری تعریف کرے (اس کو) سرزنش کرو (اس) سرمایہ اور منافع (کا جو شخص) محتاج (ہو یہ اسی) کو بطور قرض دے دو۔

مطلب: مرغوباتِ طبع و مشتہیاتِ نفس میں سے ایک مثال اپنی تعریف سننے کی ہے جس میں نفس کو لطف آتا ہے اور طبیعت متلذذ ہوتی ہے حالانکہ اس سے غرور و تکبر عجب و ریا و تغافل و تفاخر وغیرہ کثیر التعداد رذائل پیدا ہو جاتے ہیں اس لیے یہ اخلاقی زہر ہے اور جو شخص مٹھائی میں ملا کر زہر کھلانے لگے اس کے ممنون ہونے کے بجائے اس سے انتقام بجا ہے یعنی جو شخص رُودر رو تمہاری تعریف کرے اس کے تعریفی کلمات کو رد کر دو اور اس پر ناراضگی کا اظہار کرو۔ مولانا فرماتے ہیں اس کو گالی دو مگر یہاں گالی کا ذکر مدح کے مقابلے میں بمعنی مذمت استعمال ہوا ہے ورنہ گالی دینا کسی صورت میں جائز نہیں یہ خود اپنے سوءِ اخلاق کی نشانی ہے مدح گو کی صرف تردید اور زباں بندی کا حکم ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا رَأَیْتُمُ الْمَدَّاحِیْنَ فَاحْثُوْا فِیْ وُجُوْھِھِمُ التُّرَابَ یعنی جب تم مدح کرنے والوں کو اپنے سامنے مدح کرتے دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈالو (مشکوٰۃ) مدح و ثنا تو اصل سرمایہ ہے اور اس سے جو شہرت اور چرچا ہوتا ہے وہ اس کا منافع ہے اور صالحین کے لیے یہ دونوں باتیں بری ہیں لہٰذا جو لوگ مدح اور شہرت کے محتاج و متمنی ہیں یعنی دنیا دار و نفس پرست لوگ یہ انہی کے لیے رہنے دو آگے پھر اس قسم کی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں:

مدح کی برائی

ایمنی بگذار وجائے خوف باش بگذر از ناموس و رُسوا باش فاش

لغات: ایمنی بےخوفی۔ امن ناموس عزت و آبرو۔ فاش علانیہ۔

ترجمہ: عقلِ ناقص جس مقامِ امن (کی طرف رہنمائی کرتی ہے اس) کو چھوڑ دو اور خوف کے مقام میں رہو (دنیوی) عزت (آبرو) سے دست بردار ہو جاؤ اور علانیہ بدنام رہو۔ غنیؒ

شہرت و نام آوری سرمایۂ آرام نیست جز خراش دل نگیں را حاصلے از نام نیست

آزمودم عقلِ دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ترجمہ: میں نے اس عقل کو جو دور اندیش (ہونے کی مدعی) ہے آزمایا ہے (معلوم ہوا کہ اس عقلِ ناقص سے بے عقل ہو جانا اچھا ہے لہٰذا) اس کے بعد میں اپنے آپ کو دیوانہ بنالوں گا۔ صائبؔ۔

کجا رسیدہ باشد تگ دپوئے عقلِ ناقص چوبکنہ رائے کو رسے زعصا رسیدہ باشد

عذر گفتنِ دلقک باسیّد کہ چرا فاحشہ بنکاح آوردہ

ایک ڈوم کا اپنے آقا سے (اس کے اس سوال پر) عذر کرنا کہ تو نے رنڈی سے نکاح کیوں کیا؟

گفت بادلقک شبے سیّد اَجَل قحبہ راخواستی تو از عجل

لغات: دلقک مسخرہ، نقال، ڈوم ڈھاری۔ اجل بڑا۔ عَجَل جلدی، عجلت۔

ترجمہ: ایک رات ایک ڈوم سے اس کے بڑے آقا نے کہا تو نے ایک فاحشہ سے نکاح کرنے میں جلدی کی

بامن ایں را بازے بایست گفت تات میکردم بیک مستورہ جفت

لغات: تات تا کہ ترا۔ مستورہ پردہ نشیں عورت۔ جفت نکاح، بیوی۔

ترجمہ: اس (مقصد) کو مجھ سے بیان کرنا تھا تا کہ میں ایک پردہ نشیں سے تیرا نکاح کر دیتا۔

گفت نُہ مستورہ صالح خواستم قحبہ گشتند و زغم تن کا ستم

لغات: نُہ بضم نون نو کا عدد۔ خواستم بنکاح آوردم تن کاستم میں گھلتا تھا۔

ترجمہ: اس نے کہا کہ میں نے (ایک دو نہیں بلکہ پوری) نو نیک پردہ نشینوں سے نکاح کیا مگر وہ سب کی سب فاحشہ بن گئیں اور میں غم سے گھلتا رہا۔

خواستم ایں قحبہ رابا معرفت تا ببینم چوں شود ایں عاقبت

لغات: بامعرفت دیدہ و دانستہ۔ عاقبت آخر الامر۔

ترجمہ: (ناچار اب) میں نے اس فاحشہ سے دیدہ و دانستہ نکاح کیا تا کہ دیکھوں یہ آخر الامر کیا بنتی ہے۔

مطلب: میں نے جس قدر مستورہ و صالح عورتوں سے نکاح کئے سب کی سب فاحشہ بن گئیں اب بطورِ امتحان میں نے فاحشہ سے نکاح کیا ہے کہ دیکھیں اس کا کیا حشر ہوتا ہے مسخرے کی بات بات تمسخر آمیز ہوتی ہے جیسے مشہور ہے کہ ایک حاکم نے میراسیوں پر ہاؤس ٹیکس لگا دیا کہ ہر دلہیز پر آٹھ آنے ششماہہ وار ادا کیا کریں اس پر تمام میراسیوں نے متفق ہو کر اپنے اپنے مکانوں کی دلہیزیں اکھاڑیں اور حاکم کے سامنے جا رکھیں کہ آپ دلہیزیں سنبھالیے ٹیکس کا روز روز کا بکھیڑا ہم سے جھیلا نہیں جاتا ایک میراسی کو حکم ہوا کہ علاقے سے نکل جاؤ وہ حکم پاتے ہی درخت پر چڑھ گیا حاکم نے پوچھا یہ کیا بات ہے اس نے جواب دیا کہ علاقہ تو زمین کو کہتے ہیں۔ سو میں زمین سے نکل گیا اسی قسم کے کئی لطیفے ان لوگوں کے متعلق اور بھی یاد ہیں مگر یہ کتاب ایسی باتوں کے لیے مناسب نہیں دلقک نے یہ بات بالکل درست کہی کہ میں نے جس پردہ نشین و نیک عورت سے نکاح کیا وہ فاحشہ بن گئی کیونکہ جس شخص کا پیشہ ہی گانا بجانا، ناچنا، تھرکنا، سانگ بھرنا، ناز و نخرہ دکھانا، رمز و غمزہ کے تیر چلانا ہو اس

کی بیوی بھی یہی کرتب سیکھے گی خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے پھر اس کا عفت وعفاف پر قائم رہنا معلوم۔

خلیفہ یزید ابن الولید اموی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے اياكم و الغناء فانه ينقص الحياء ويزيد في الشهوة ويهدم المروة، وانه لينوب من الخمر، ويفعل مالا يفعل المسكر فان كنتم لابد فاعلين فجنبوه النساء فان الغناء داعية الزناء یعنی گانے اور گانا سننے سے بچو، کیونکہ وہ حیا کو کم کر دیتا ہے اور شہوت کو بڑھا دیتا ہے اور انسانیت کو فنا کر دیتا ہے وہ شراب کا قائم مقام ہے اور یہ وہ کام کرتا ہے جو کوئی نشہ نہ کرے لیکن اگر تم اس سے باز نہ آسکو تو پھر عورتوں کو اس سے ضرور بچاؤ کیونکہ گانا اور گانا سننا زنا پر آمادہ کرتا ہے۔ (تاریخ الخلفا)

گانے کے متعلق ایک حدیث بھی قابل غور ہے۔ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔ یعنی جابرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانا دل میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے (مشکوٰۃ) بعید نہیں کہ اس حدیث میں بھی نفاق سے عشقِ مجازی مراد ہو کیونکہ نفاق کے معنی ہیں دل میں کچھ ہونا اور بظاہر کچھ کرنا اور عشق مجازی میں بھی ظاہری خلوص و فدائیت کا اظہار کیا جاتا ہے اور دل میں محض بوس و کنار کی نفسانی لذت حاصل کرنے کی ہوس مضمر ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موسیقی ترقی یافتہ تہذیب کا ایک ضروری جز ہے بے شک جو تہذیب شہوت پرستی کے انتہائی مدارج طے کر جائے جس میں عورتوں کا بے نقاب بازاروں میں پھرنا اور مجالس میں آنا جانا نامحرموں سے علانیہ مصافحہ اور معانقہ کرنا، بے حجابانہ ان کے ساتھ تخلیہ میں بیٹھنا اور بلا تکلف ہر طرح کی گفتگو اور ہنسی مذاق سے لذت گیر ہونا نئی روشنی کا مقتضا ہو اس کے لیے موسیقی لوازم خاص سے ہے مگر اسلام پاک ایسی تہذیب پر لعنت بھیجتا ہے۔

سید اجل سے مراد نواب یا والی یا بادشاہ ہے کیونکہ عیش پرست امراء ڈوم ڈھاریوں قوالوں، مسخروں کو ملازم رکھتے تھے تاکہ خلوت وجلوت میں ان سے دل بہلایا کریں دلی اور لکھنو کی اسلامی شوکتیں اسی طرح تباہ ہوئیں۔ لکھنو کا آخری تاجدار واجد علی شاہ تھا جس کی عیاشیاں اور تغافل کیشیاں ضرب المثل ہیں۔ ایک گویا اس کا مدار المہام بن گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب سیف الدین والیِ حلب کو شکست دے کر اس کے خیمہ وخرگاہ پر قبضہ کیا تو وہاں سے بربط، طبلہ، سارنگی وغیرہ تمام سامانِ طرب نکلا، سلطان نے اپنے وزراء وامراء سے کہا دیکھو یہی مشاغل ہیں جو بڑی بڑی سلطنتوں کو تباہ کیا کرتے ہیں۔ سعدیؒ۔

نہ مردی ست دشمن در اسبابِ جنگ تو مدہوش ساقی و آوازِ چنگ
بسا اہل دولت ببازی نشست کہ دولت برفتش ببازی زدست

مولانا نے دلقک کی مثال اپنے لیے بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

عقل را ہم آزمودم من بسے زیں سپس جویم جنوں را مغرسے

لغات: سپس بعد، پس۔ مغرس بونے کی جگہ، درخت لگانے کی جگہ۔

ترجمہ: (اسی طرح) میں نے عقل کو بھی بہتیرا آزمایا (مگر کچھ تشفی نہ ہوئی اب) اس کے بعد میں دیوانگی کا کھیت تلاش کروں گا (جہاں وہ پھلتی پھولتی ہے)۔

مطلب: دلقک نے مستورات کو آزمالیا آخر فاحشہ کو آزمانے لگا اسی طرح ہم عقل کو آزما چکے اب دیوانگی کا آزمانا باقی ہے لہٰذا اپنے آپ کو بہلول کی طرح دیوانہ بناتے ہیں آگے بہلول کی حکایت ارشاد ہے:

گانے کے متعلق ایک حدیث [margin, partly illegible]

سلاطین اسلام کی عیاشیاں اور ان کا انجام [margin, partly illegible]

بحیلت درسخن آوردنِ سائل شیخ بہلول را کہ خود را دیوانہ نمود

ایک سائل کا حضرت شیخ بہلول کو جو کہ دیوانہ بنے ہوئے تھے ایک بہانہ سے باتوں پر آمادہ کرنا

نوٹ: بہلول نام خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ایک بزرگ ہوئے ہیں جو بعض مصالح معنویہ کی بنا پر دیوانہ بن گئے تھے اور بچوں کی طرح نرسل پر سوار ہو کر اطفال کے ساتھ کھیلا کرتے تھے مگر بعض خاص مواقع پر جو بات کرتے تھے وہ نہایت عاقلانہ اور نکتہ خیز ہوتی تھی ان کے واقعات و اقوال سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان کے دیوانہ بننے کی وجہ خود اس حکایت میں مذکور ہے۔

آں یکے میگفت خواہم عاقلے مشورت آرم بدو در مشکلے

ترجمہ: ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے عاقل (عارفِ کامل) کی ضرورت ہے مجھے اس سے (سلوک و معرفت کے) ایک مشکل مسئلے میں مشورہ لینا ہے۔

آں یکے گفتش کہ اندر شہرِ ما نیست عاقل غیرِ آں مجنون نما

ترجمہ: ایک شخص نے اس سے کہا کہ ہمارے شہر (یعنی بغداد) میں اس (بزرگ) کے سوا (کوئی) عارف نہیں جو بظاہر مجنوں نظر آتا ہے (اور جس کو بہلول کہتے ہیں)۔

برنئے گشتہ سوارہ نک فلاں میدواند درمیانِ کودکاں

ترجمہ: وہ دیکھو فلاں شخص نرسل پر سوار ہو کر لڑکوں کے درمیان (اپنے اس فرضی گھوڑے کو) دوڑا رہا ہے (یہ وہی بزرگ ہیں)۔

گوے میبازد بروزاں شباں در جہاں گنجِ نہاں جانِ جہاں

ترجمہ: رات دن گیند کھیلتا ہے (وہ اپنے کمالاتِ باطن کے اعتبار سے) ایک چھپا خزانہ (ہے اور اپنی برکات کے لحاظ سے) جہان کی رُوح (درواں ہے)۔

صاحب رائے ست و آتش پارۂ آسماں قدرست و اختر بارۂ

ترجمہ: اہل الرائے ہے آتش کا پرکالہ ہے آسمان کی سی منزلت والا اور ستاروں کا سوار ہے۔

فرِ او کرو بیاں راجاں شداست او دریں دیوانگی پنہاں شداست

لغات: فر اقبال وعزت کرو بیاں ملائکہ۔

مطلب: اس کی عزت (وشوکت) فرشتوں کو جان (کے برابر پیاری) ہے وہ اس دیوانگی (کی حالت) میں چھپا ہوا ہے۔

لیک ہر دیوانہ راجاں نشمری سر مبنہ گوسالہ راچوں سامری

ترجمہ: لیکن ہر دیوانہ کو (ولی و خدا رسیدہ سمجھ کر) جان (کے برابر پیارا) نہ بنا لینا سامری کی طرح بچھڑے کے آگے ماتھا نہ ٹیکنے لگنا۔

مطلب: بہلول ایک خدا رسیدہ بزرگ بظاہر احوال دیوانہ بنے ہوئے ہیں مگر تم اُن پر قیاس کر کے کہیں ہر دیوانے کو ولی

نہ سمجھ لینا اور ہر کس و ناکس کے گرویدہ و معتقد نہ ہونے لگ جانا۔ حافظؒ۔

ہزار نکتہ بار یک تر از مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اب اس بات کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ کیوں بعض اولیا مثل بہلول، ذوالنون مصری وغیرہما نے اپنے آپ کو لباسِ جنوں میں چھپایا۔

چوں ولیئے آشکارا با تو گفت صد ہزاراں غیب و اسرارِ نہفت

مر ترا آں فہم و آں دانش نبود واندانستی تو سرگیں را ز عود

از جنوں خود را ولی چوں پردہ ساخت مر ورا اے کور چوں خواہی شناخت

ترکیب: چوں ولیئے سے لے کر ہر دو بیت آخر تک شرط تیسری بیت اس کی جزا۔

ترجمہ: جب ایک ولی (کامل) نے لاکھوں غیب کی باتیں اور پوشیدہ اسرار علانیہ تم سے بیان کئے اور تم میں وہ سمجھ اور وہ عقل نہ تھی (کہ ان کو ادراک کرتے چنانچہ) تم گوبر اور عود میں فرق نہ کر سکے (تو مجبوراً) ولی نے اپنے لیے جنون کو پردہ بنا لیا (اور اپنے حالات و مقامات کو اس میں چھپا لیا پس) اے (عقل) کے اندھے تو اس کو کیونکر پہچان سکتا ہے۔

مطلب: اولیاء اللہ کی اسراری باتیں جب عوام کی سمجھ میں نہ آئیں تو پھر ان کو مجنون بن جانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تا کہ اس طرح ان کی باتیں مجنونانہ ہذیانات قرار پا کر آئی گئی ہو جائیں اور کوئی فتنہ اٹھنے نہ پائے۔ بخلاف اس کے اگر وہ عاقل و فہیم اور صحیح الدماغ سمجھے جانے کی حالت میں ایسی باتوں کے قائل مانے گئے تو ایک طرف تو ان کے معتقدین ان باتوں کو غلط بیانی پر محمول کر کے گمراہ و بے دین ہو جائیں گے۔ دوسری طرف حساد و معاندین ان کی ان باتوں کو خوب لون مرچ لگا کر تشہیر کریں گے جس سے ان کے خلاف سب و شتم کی معرکہ آرائیاں ہوں گی کفر و الحاد کے فتوے مرتب ہوں گے اور آخر قید و بند اور پھر دار و رسن تک نوبت پہنچے گی۔ صائبؒ۔

غنچہ تا کرد دہن باز در آتش افتاد نفسِ سوختہ خوش ہر کہ گرفتار دل ست

گر ترا باز است آں دیدہ یقیں زیرِ ہر سنگے یکے سرہنگ بیں

صنائع: ہر سنگ و سرہنگ میں تجنیسِ قلب۔

ترجمہ: اگر تیری وہ چشمِ یقین کھلی ہے تو (اگر چاہو) ہر پتھر (کے سے ٹھوس جامد اور خاکسار آدمی) کی تہ میں ایک سپاہی دیکھ لو۔

مطلب: اگر بصیرتِ قلب حاصل ہو تو ہر شخص میں تم کو قدرتِ حق کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ کما قیل۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

سوال: اوپر کہا تھا کہ ہر دیوانہ را جاں نشمری۔ یعنی ہر دیوانہ کو ولی اللہ نہ سمجھو اب فرماتے ہیں زیرِ ہر سنگے یکے سرہنگ بیں یعنی ہر خاکسار کو ولی اللہ پاؤ گے کیا ان دونوں میں تناقض نہیں ہے؟

جواب: ان میں تناقض نہیں ہے کیونکہ یہاں مجنوں سے مطلقاً دیوانہ مراد ہے خواہ وہ فی الواقع مختل الدماغ ہو یا غیر مختل الدماغ اور محض بناوٹی دیوانہ ہو اور خاکسار سے خاص مستور الحال اولیاء اللہ کی جماعت مراد ہے اب تضاد نہیں رہا چنانچہ یہ بھی ہے کہ ہر دیوانہ ولی نہیں ہوتا اور یہ بھی صحیح ہے کہ ہر ولی جو بظاہر پراگندہ حال ہو اس کا باطن نور ہی نور ہوتا ہے۔

پیشِ آں چشمیکہ باز و رہبرست ہر گلیمے را کلیمے در برست

لغات: باز کشادہ گلیم کمبل کلیم ہم کلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ ان کو وادی الایمن میں حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا پھر کوہ طور پر بھی یہ شرف ملا۔

ترجمہ: (مگر) اس آنکھ کے سامنے جو کشادہ ہے اور رہنما ہے ہر کمبل کے لیے موسیٰ اندرونِ آغوش ہے۔

مطلب: جس شخص کی چشمِ بصیرت کشادہ ہو وہ ہر کملی پوش کو بشرطیکہ وہ فی الواقع اہل اللہ ہو مثیلِ موسیٰ دیکھتا ہے۔ کما قیل۔

ہر کرا چشم شداز سرمۂ عرفاں روشن آتشِ طور زہر سنگ تواند دیدن

مرولی را ہم ولی شہرہ کند ہر کرا اوخواست باہبرہ کند

لغات: دوسرا ولی بمعنی خود آیا ہے یعنی بطور وضع مظہر موضع مضمر استعمال ہُوا ہے۔

مطلب: ولی (اپنے آپ) کو خود ہی نمایاں کیا کرتا ہے (اور) جس کو چاہے اپنی شناخت سے بہرہ مند کرسکتا ہے (لوگ آپ سے آپ اس کو نہیں پہچان سکتے)۔

سعدیؒ ؎

بسر وقتِ شاں خلق کے رہ برند کہ چوں آبِ حیواں بظلمت درند

چو بیت المقدس دروں پرزتاب رہا کردہ دیوار بیروں خراب

کس نداند از خرد اوراشناخت چونکہ او مرخویش را دیوانہ ساخت

ترجمہ: کوئی شخص اس کو عقل کے ذریعہ سے شناخت نہیں کرسکتا جب کہ وہ اپنے آپ کو دیوانہ بنالے۔

چوں بدزدد دزدِ بینارختِ کور ہیچ یابد دزد را او در عبور

ترجمہ: جب کوئی آنکھوں والا چور کسی اندھے کا اسباب چرالے تو کیا (وہ اندھا) راہ چلتے میں اس کو پہچان (کر پکڑ) سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں)۔

مطلب: اندھے کا دماغ درست اور اس کی عقل سالم ہے مگر وہ چور کو پہچاننے سے عاجز ہے جب چور کی سی ادنیٰ ہستی پہچاننے میں عقل بے کار ہے تو وہ ان عارفین و کاملین کو کیا شناخت کرسکے جن کے مدارج کمال عقل کے ادراک سے کہیں برتر ہیں۔

صائبؒ ؎

از ہمرہیِ عقل بجائے نرسیدیم پیچیدہ نر از راہ بود راہبرِ ما

بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے۔ ؎ ہیچ یابد دُزد را اعمیٰ بزور۔ یعنی کیا اندھا چور کو بزورِ عقل پکڑ سکتا ہے؟

کورنشناسد کہ دُزدِ اوکہ بود گرچہ خود بروے زند دز عنود

ترجمہ: اندھا نہیں پہچان سکتا کہ اس کا چور کون تھا اگرچہ وہ بدخواہ چور اپنے آپ کو اس سے بھڑا دے۔

مطلب: یعنی عدم شناخت کا سبب اگر یہ کہو کہ یہ چور اس اندھے سے دور ہے ورنہ اگر نزدیک ہوتا تو ٹٹول ٹٹول کر پہچان لیتا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہ اس طرح بھی چور کو نہیں پہچان سکتا اگرچہ چور اس سے ہم آغوش ہی ہو جائے یا باہم ٹکرا ہی جائیں۔

چوں گزد سگ کورِ صاحب ژندہ را چوں شناسد آں سگِ درّندہ را

ترجمہ: (اسی طرح) جب کتا کسی گدڑی والے کو کاٹ کھاتے تو وہ (اندھا) اس کاٹنے والے کتے کو کب پہچان سکتا ہے؟

مطلب: صاحب ژندہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ کتے عموماً اس قسم کے فقیروں کو بھونکتے اور کاٹتے ہیں جو پھٹی پرانی گدڑی پہنے ہوئے عام لوگوں سے نرالے نظر آتے ہوں آگے اس قسم کی ایک حکایت بھی سناتے ہیں:۔

یک سگے در کوئے برکورے گدا حملہ مے آورد چوں شیرِ وغا

ترجمہ: (جیسے کہ) ایک کتا کسی کوچے میں ایک فقیر پر شیرِ معرکہ کی طرح حملہ کرتا تھا۔

سگ کند آہنگ درویشاں بخشم در کشد مہ خاکِ درویشاں بچشم

ترجمہ: (دیکھو) کتا درویشوں پر غضبناک ہو کر حملہ کرتا ہے (حالانکہ ان کا درجہ اس قدر عالی ہے کہ) چاند (بھی) درویشوں کی خاک (پا) کو بطور سرمہ آنکھ میں لگانا (پسند کرتا) ہے۔ کما قیل۔

مہ نور می فشاند وسگ بانگ میزند سگ را بپرس خشم تو بر ماہتاب چیست

کور عاجز شدز بانگ و بیمِ سگ اندر آمد کور در تعظیمِ سگ

ترجمہ: (غریب) اندھا کتے کی آواز اور اس کے خوف سے مجبور ہو گیا آخر اندھا (خوشامد سے) کتے کی تعظیم کرنے لگا۔

کاے امیرِ صید وائے شیرِ شکار دست دستِ تست دست از من بدار

ترجمہ: کہ اے شکار کے مالک اور اے شکار کے شیر غلبہ تجھی کو ہے (براہِ مہربانی) مجھے چھوڑ دے۔

کز ضرورت دمِ خررا آں حکیم کرد تعظیم و لقب دادش کریم

لغات: دم خر گدھے کی دم، مراد ذلیل و حقیر حکیم دانا، صاحبِ حکمت۔

ترجمہ: کیونکہ ضرورت (کے تقاضے) سے اس دانا نے (کتے کی سی) ذلیل (ہستی) کی تعظیم کی اور اس کو بزرگ کا خطاب دیا۔

مطلب: پنجاب میں کہا کرتے ہیں کہ ضرورت مند چوہڑے کو بھی باپ بنا لیتا ہے اسی طرح اس نابینا دانا نے اپنی جان چھوڑانے کے لیے کتے کو میر شکار، شیر شکار اور کریم وغیرہ خطاب دیے اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ :

گفت او ہم از ضرورت اے اسد از چو من لاغر شکارے چہ رسد؟

ترجمہ: اس نے (ہنکا ضائے) ضرورت (یہ) بھی کہا اے شیر! مجھ جیسے دبلے شکار سے (تجھے) کیا ہاتھ آئے گا۔

گور میگیرند یارانت بدشت کورے گیری تو در کوچہ بگشت

لغات: گور بکافِ فارسی گورخر، خرِ وحش دشت، جنگل۔

صنائع: گور اور کور میں تجنیس و تقابل پُر لطف ہے۔

ترجمہ: تیرے ساتھ والے تو جنگل میں گورخر کو پکڑتے ہیں (اور) تو ایک (غریب) اندھے کو پکڑ رہا ہے جو کوچہ میں آنکلا (کس قدر شرم کی بات ہے)۔

گور میجویند یارانت بہ صید کورے جوئی تو در کوچہ بکید

ترجمہ: تیرے ساتھی تو شکار میں گورخر تلاش کر رہے ہیں۔ اور تو فریب سے کوچہ کے اندر ایک اندھے پر تاک لگا رہا ہے (افسوس:)

آں سگِ عالم شکارِ گور کرد ویں سگِ بے مایہ قصدِ کور کرد

ترجمہ: دیکھو اس سدھائے ہوئے کُتّے نے تو گورخر کا شکار کیا اور اس بے ہنر کُتّے نے اندھے کا قصد کیا۔

مطلب: مولانا مذکورہ بالا قصے کے نتیجہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ دیکھو علم و جہل کا اتنا فرق ہے کہ جس کتے نے شکار کی تعلیم پائی تھی وہ گورخر کا شکار کرتا ہے جو فی الواقع قابلِ شکار ہے اور جس کتے کو یہ تعلیم نہیں ملی وہ ناحق اندھوں کو ستاتا ہے اسے کچھ تمیز نہیں کہ اس پر حملہ کرنا مناسب ہے یا غیر مناسب اسی طرح اہلِ علم اقتناصِ معارفِ عالیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جہلا لغویات کے درپے رہتے ہیں آگے علم کی تعریف فرماتے ہیں:

علم چوں آموخت سگ رُست از ضلال میکند در بیشہا صیدِ حلال

ترجمہ: (دیکھو علم وہ اعلیٰ چیز ہے) کہ جب کتے نے تعلیم پائی تو وہ (بھی) گمراہی سے چھوٹ گیا (اب) وہ جنگلوں میں حلال (جانوروں کو) شکار کرتا ہے۔

مطلب: کتا تعلیم پا کر اپنے آقا کے اشارہ پر چلنے لگتا ہے جس حلال جانور کو شکار کرنے کا وہ اشارہ کرتا ہے فوراً اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے اسی طرح بندہ بھی علم حاصل کر کے عمل کی کوشش کرے تو اپنے مالکِ حقیقی کی پوری اطاعت کرنے لگے۔ جب کتے کو علم نے خاص فضیلت بخشی تو انسان اس سے کیوں محروم رہے گا۔

نظامیؒ

نیم خوردِ سگانِ صید سگاں جزبہ تعلیمِ علم نیست حلال
سگ بدانش چوراست رشتہ شود آدمی شاید از فرشتہ شود

سگ چو عالم گشت شد چالاک وزہف سگ چو عارف گشت شد اصحابِ کہف

لغات: زہف شتاب۔ چالاک چست۔ اصحابِ کہف اولیاء اللہ کی ایک خاص جماعت جن کا ذکر پیچھے کسی جگہ گزر چکا ہے۔

ترجمہ: کتا جب تعلیم یافتہ ہو گیا تو چالاک و چست بن گیا کتا جب واقف کار ہو گیا تو اصحابِ کہف (میں شامل) ہو گیا۔

سگ شناسا شد کہ میرِ صید کیست اے خدا آں نورا شناسندہ چیست

ترجمہ: کتا (جب) پہچاننے لگتا ہے کہ میرا شکار کون ہے (تو اس کا اتباع کرتا ہے) الٰہی وہ پہچاننے والا کہاں ہے (کہ اس کی بدولت ہم بھی تیری اطاعت کیا کریں)۔

کور نشناسد نہ از بے چشمی است بلکہ از جہل ست واز پُرخشمی ست

ترجمہ: اندھا جو (کسی کو) شناخت نہیں کر سکتا تو (یہ بات اس کی) آنکھوں کے اندر نورِ بصارت نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ (اس کے) جہل سے ہے اور ضد (وتعصّب) کی وجہ سے ہے۔

مطلب: کوریِ چشم مانعِ شناخت نہیں بلکہ کوریِ دل اس کی مانع ہے۔ جن بزرگانِ دین کی دل کی آنکھیں بینا ہیں ان کی ظاہری آنکھیں نہیں تو نہ سہی وہ دل ہی کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں بلکہ اس قدر گہرے اسرار کو دیکھتے ہیں جو ظاہری آنکھوں والے محسوس و معلوم نہیں کر سکتے۔ حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ کی نگاہ آخر میں موتیا بند کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ کسی کی شکل وصورت کو نہیں دیکھ سکتے تھے دور و دراز مقامات سے آنے والے خدام سلام عرض کرتے تو وہ انہیں ان کے ناموں سے شناخت کرتے تھے۔ ایک ... صاحب ... نے ... کیا۔ پوچھا کون ہیں عرض کیا حضور کے

مرید ہیں۔ آپ نے ان کے نام پوچھے بدوں فرمایا نہیں تم ہمارے مرید نہیں ہو پھر کہا نہیں حضور ہم آپ کے مرید ہیں۔ کہا نہیں ہرگز نہیں، جھوٹ بولتے ہو تم ہمارے مرید نہیں آخر یہ لوگ اٹھ کر چل دیے ان میں سے ایک صاف گو آدمی چلتے وقت کسی سے کہہ گیا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہم تو ہفتہ عشرہ تک روٹی کھانے کی غرض سے آئے تھے مگر یہاں دال نہ گلی ایک شخص گھوڑے پر سوار آیا۔ نہایت ادب وعقیدت سے پیش ہوا۔ بیعت کی آرزو کی، مگر آپ نے ترشروئی سے فرمایا نہیں ہم تمہیں بیعت نہیں کر سکتے وہ نہایت عجز والحاح سے رونے اور منت ساجت کرنے لگا مگر آپ اور بھی ناراضگی کے لہجہ میں انکار کرتے رہے اور خادموں سے خلوت میں فرمایا کہ اس شخص کو یہاں ٹھہرنے مت دو اور کہہ دو ابھی چلا جائے۔ ایک خادم کو اس کی حالت پر بڑا رحم آیا وہ اسے اپنے گھر پر لے گیا خاطر تواضع کی اور مولانا کی خدمت میں سفارش کرنے کا وعدہ کیا! اتنے میں دیکھا کہ وہ شخص تنہائی میں بیٹھا اپنے پاکٹ بک میں کچھ نوٹ کر رہا ہے اس پر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ رات کے وقت جب وہ شخص سو گیا تو نہایت احتیاط وہوشیاری سے اس کی پاکٹ بک جیب سے نکالی اور الگ لے جا کر چراغ کی روشنی میں دیکھنی شروع کی جو تمام انگریزی عبارتوں سے پر تھی مگر ایک جگہ ایک چٹھی کی نقل اردو میں ملی جو کسی بڑے انگریز عہدہ دار کے نام تھی۔ لکھا تھا، کہ کمترین نے سرکار کی خدمت گزاری ووفاداری میں اپنے آرام وراحت اور عزت وحرمت کو قربان کر دیا اور اپنی جان بلکہ دین وایمان کو بھی قربان کر دینے میں دریغ نہیں کیا مگر افسوس کہ آج تک سرکار کی طرف سے میری ان قربانیوں کا صلہ نہیں ملا۔ یہ عبارت پڑھ کر ان صاحب کے ہوش فنا ہو گئے اور اب مولانا کے ادراکِ باطن کا راز معلوم ہوا۔ صبح اٹھتے ہی اس جاسوس منحوس کو ٹھنڈے ٹھنڈے رخصت کر دیا غرض اگر بصیرتِ باطن ہو تو بصارتِ ظاہری کے بغیر بھی بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ صائبؒ۔

بنورِ شمع حاجت نیست چوں خورشید طالع شد دلِ بینا چو داری دیدۂ بینا چہ مے خواہی

بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے۔ بلکہ "ایں دانست کز جہل ست مست" یعنی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہل سے مست ہے۔

آگے ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہیں کہ بصیرتِ باطن کیونکر بصارتِ ظاہر کے بغیر ہی کام دے جاتی ہے۔

نیست خود بے چشم تر کور از زمیں ایں زمیں از فضلِ حق شد خصم بیں

ترجمہ: (دیکھو) زمین سے زیادہ بے آنکھوں کا اندھا کوئی نہیں (مگر) یہ زمین (بھی) خدا کے فضل سے دشمن کو دیکھ لیتی ہے (چنانچہ)

نورِ موسیٰ دید و موسیٰ را نواخت خسف قاروں کرد و قاروں را شناخت

لغات: نواخت عزت کی خسف زمین میں دھنسا دینا قاروں ایک نہایت متمول کافر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اور بنی اسرائیل میں گزرا ہے اس کا حال پیچھے مفتاح العلوم کی جلد اول میں گزر چکا ہے۔

ترجمہ: زمیں نے موسیٰ علیہ السلام کے نور (نبوت) کو دیکھ (کر آپ کو پہچان لیا اور (دریا کے پاٹ میں راستہ دے کر) آپ کی عزت کی دوسری طرف قاروں کو (اپنے اندر) دھنسا لیا اور قاروں کو پہچان لیا (کہ یہ دین کا دشمن ہے)۔

رجف کرد اندر ہلاکِ ہر دغی فہم کرد از حق یَا اَرْضُ ابْلَعِی

لغات: رجف زلزلہ۔ زمین کی سخت جنبش دغی حرامزادہ، بد اصل۔ یا ارض ابلعی اے زمین نگل جا" اللہ تعالیٰ نے طوفانِ نوح کے بعد زمین کو حکم دیا تھا۔ یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ "اے زمین اپنے پانی کو سمیٹ لے"۔

ترجمہ: اسی طرح زمین خدا کے حکم سے ہر بد اصل کافر کے ہلاک کے لیے زلزلہ میں آئی (اور طوفان کے بعد) اللہ تعالیٰ کے ارشاد یا ارض ابلعی کو سمجھ گئی (اور اس کی تعمیل کی)۔

مطلب: خدا کا حکم ماننے میں زمین کس قدر فہم و ادراک اور احساس وشعور سے کام لیتی ہے کہ جب کافروں کے ہلاک کا حکم ہوا تو کبھی ان کو اپنے اندر دھنسا لیا کبھی زلزلہ میں آکر اس کو ہلاک کیا اور جب نیک بندوں کے بچانے کا حکم ہوا تو کبھی طوفان کے پانی کو سمیٹ لیا اور کبھی بہتے دریا کی دھار میں خشک سڑک بنا دی۔ مولانا کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ زمین کے یہ انعال اس کے احساس وشعور پر مبنی ہیں جس طرح ایک ذی عقل مخلوق اس کے حکم کو سن کر سمجھ کر' مان کر اس کی تعمیل کرتی ہے مگر بعض لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ خسف و رجف اور بلع ماء کے افعال بحکم حق زمین سے اضطراراً سرزد ہوئے نہ کہ شعور و احساس سے مگر محققین کا مسلک یہی ہے کہ اس نے اپنے شعور سے کام کئے ہیں اور اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ مولانا روم دوسری جگہ فرماتے ہیں: ؎

جملہ اجزائے جہاں پیشِ عوام　　مردہ و بیش خدا دانا ورام

مرُدہ زیں سو بدز وزانسو زندہ اند　　خامش اینجاواں طرف گویندہ اند

آب و خاک و بادو نارِ باشرر　　بے خبر باما و باحق باخبر

ترجمہ: پانی، مٹی، ہوا اور دہکتی ہوئی آگ ہمارے لیے تو بے خبر ہیں اور حق کے ساتھ باخبر ہیں۔

ما بعکسِ آں زغیر حق خبیر　　بیخبر از حق باچندیں نذِیر

لغات: خبیر خبردار، باخبر، مطلع۔ نذیر ڈرانے والا، متنبہ کرنے والا مراد پیغمبر۔

ترجمہ: برعکس ان کے ہم ماسوی اللہ سے (تو) خبردار ہیں اور باوجود اس قدر ڈرانے (اور متنبہ کرنے) والوں (یعنی انبیا کی بعثت) کے حق سے بے خبر ہیں۔

مطلب: بقول بعض دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے اور سب کا مقصد یہ تھا کہ مخلوق کو حق کے شناسا بنائیں اور اس کی اطاعت پر آمادہ کریں مگر اس قدر انبیاء کی بعثت کے باوجود لوگوں کی گمراہی اور بے دینی کا وہی حال ہے۔ بخلاف اس کے عناصرِ عالم اور جمادات کی ہدایت کے لیے کوئی ایک بھی نبی نہیں آیا، مگر پھر بھی وہ اس قدر مطیع حق ہیں کہ سرِ مو بھی اس کی اطاعت سے تخلف نہیں کرتے۔

لاجرم اَشْفَقْنَ مِنْهَا جملہ شاں　　کُند شدز آمیز حیواں حملہ شاں

لغات: اَشْفَقْنَ مِنْهَا ساری کائنات اس سے ڈر گئی۔ یہ اشارہ ہے عرضِ امانت کے واقعہ کی طرف جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ہم نے ذمہ داری کو (جوان پر ہے) آسمانوں (پر) اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا (اور یہ بوجھ ان پر لادنا چاہا) تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اس کو اٹھا لیا اور اس میں شک نہیں کہ وہ (اپنے حق میں) بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی نادان بھی تھا (احزاب ع ۹) کند شد تیزی نہ رہی، سرد پڑ گئی حملہ سے یہاں مراد آمادگی و مستعدی ہے۔

ترجمہ: آخر کار (یہ ساری کائنات) اس سے ڈر گئی اور حیوان (کی صفات) کی آمیزش (کے خوف) سے ان کی (ساری) آمادگی سرد پڑ گئی۔

مطلب: امانتِ الٰہی بقولے تکلیفِ احکام اور بقولے خلافتِ الٰہی تھی بہرکیف اس امانت کے حامل ہونے کے لیے حیوانیت کا ہونا لازم تھا جو نفسِ سبعی و نفسِ بہیمی کی دو پرخطر و اعتدال شکن طاقتوں میں گھری ہوئی ہے تاکہ دو مخالف طاقتوں کی موجودگی میں ادائے فرضِ امانت ایک فضیلت ٹھہرے ورنہ اگر حیوانیت نہ ہو نہ رذائل و ذمائم کے مناشی و مبادی موجود ہوں اور حاملِ امانت ایک بے حس و بے اختیار جماد کی طرح حفظِ امانت کا فرض ادا کرے تو پھر یہ کیا فضیلت ہوسکتی ہے۔ غرض اس امانت کا اٹھانا آسمان و زمین اور پہاڑ کے لیے عین فخر تھا مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اس کے لیے حیوان بننا ضروری ہے اور حیوانیت میں نہایت گھناؤنے اخلاق اور گندے اطوار کا امکان ہے اور حضرتِ حق سے غافل و بے خبر ہو جانے کا احتمال ہے تو وہ اس کا ذمہ اٹھانے سے ڈر گئے لیکن انسان جو اپنی حیوانیت کی وجہ سے ظلوم و جہول یعنی اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالنے والا اور عظمتِ خداوندی کی طرف خیال نہ کرنے والا تھا اس نے جھٹ یہ امانت اٹھالی۔

گفت بیزاریم جملہ زیں حیات که بود باخلق حی باحق موات

لغات: حی زندہ موات بفتح میم بمعنی میت مردہ۔

ترجمہ: اور انہوں نے کہا ہم تمام ایسی زندگی سے بیزار ہیں کہ (جس میں) مخلوق کے ساتھ زندہ ہونا اور) حق کے تعلق میں مردہ ہو (نا پڑے)۔

مطلب: یعنی ایسی زندگی کو دور ہی سے سلام ہے جس میں مخلوق کی عزت و وقعت تو پیشِ نظر رہے اور حق تعالیٰ کا جلال بالکل ملحوظ نہ ہو اور اگر ان اشیا کے اندر بھی حیاتِ حیوانی ہوتی تو ان کی بھی یہی حالت ہوتی اس لیے یہ حیات تو ابتدا اور آزمائش کے لیے ہے لہٰذا ان سب نے اس سے پناہ مانگی اور اپنی اسی حالت میں رہنا پسند کیا اور یہ علم ہی کی برکت ہے۔

چوں بماند از خلق ماند او یتیم انسِ حق را قلب مے باید سلیم

ترجمہ: (اور) جب مخلوق سے علیحدہ ہو جائے (تو گویا وہ) ایک یتیم (کی طرح بے کس) رہ جائے حق کی اُنس کے لیے قلبِ سلیم چاہیے۔

مطلب: ہم ایسی زندگی سے بیزار ہیں جس کے سبب ہم کو مخلوق کے ساتھ اس قدر انہماک ہو کہ جب مخلوق سے علیحدہ ہو جائیں تو ایسے ہو جائیں گویا ایک یتیم اور حیوانیت کے ساتھ رہ کر ہمارے لیے حق کے ساتھ تعلق رکھنا نہایت دشوار ہے کیونکہ اس کے لیے قلبِ سلیم کی ضرورت ہے اور حیوانات کے ساتھ سلامتِ قلب دشوار ہے لہٰذا ہم کو ایسی حیات سے معذور ہی سمجھا جائے۔

چوں زکورے مُدزد درد کالۂ میکند آں کور عمیا نالۂ

لغات: کالہ اسباب، ضروریات زندگی۔ عمیا اندھا دھند۔

ترجمہ: جب کسی اندھے کا مال کوئی چور چرا لیتا ہے تو اندھا اندھا دھند نالہ (وفریاد) کرتا ہے (کہ ہائے مجھے لوٹ لیا گیا)۔

تانگوید دزد او اکاں منم کز تو دُز دیدم کہ دزدِ پُرفنم

کے شناسند کور دزدِ خویش را　چوں ندارد نورِ چشم و آں ضیا

ترجمہ: جب تک چور اس کو (خود) نہ بتائے کہ وہ میں ہوں جس نے تجھ سے (مال) چرایا ہے اور میں تجھے اس لیے معلوم نہ ہوسکا) کہ میں چالاک چور ہوں (تب تک غریب) اندھا خود (اپنے چور کو کب شناخت کرسکتا ہے) جب کہ نہ اس کی آنکھوں میں نور ہے نہ وہ روشنی ہے۔

چوں بگوید ہم بگیر اورا تو سخت　تا بگوید او علامت ہائے رخت

ترجمہ: جب وہ اپنی چوری کا اقرار کرلے تو اس کو مضبوطی سے پکڑ لو تا کہ (چرائے ہوئے) مال کا پورا پتا نشان بتا دے۔ (کہ کہاں دبایا گاڑا ہے)۔

مطلب: اندھے کے لیے چور کو پکڑنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو چور خود اقرار کرے یا کوئی دوسرا پکڑا دے اگر وہ اپنے آپ کو پیش کر دے تو پھر مال والے کو چاہیے اس کو خوب مضبوط پکڑے اور اس کو مجبور کر کے مال برآمد کرائے اسی طرح ہر شخص اپنے نفس اور اس کے مکائد کو سمجھنے سے مجبور اور بمنزلہ کور ہے لیکن اگر کسی طرح سے نفس قابو میں آجائے تو پھر اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ مجاہدہ و ریاضت سے اس کو خوب کمزور کرنا چاہیے اور وہ جن جن اخلاقی و دینی نقصانات کا باعث ہوا ہے ان کی تلافی کرنی چاہیے۔ امیر خسروؒ

شیر شود نفس را اُورتہ چنگال کش　مرد شود خصم را بر میداں طلب

پس جہادِ اکبر آمد عصرِ دزد　تا بگوید کہ چہ برد آں زن بمزد

لغات: جہادِ اکبر اصطلاح صوفیہ میں نفس کے مقابلہ اور اس کو مغلوب کرنے کی کوشش ہے اور یہی ریاضت و مجاہدہ ہے اس کے متعلق ایک حدیث بھی مروی ہے جس کی تنقید شرح ہذا کے حصہ اوّل میں گزر چکی عصر دبانا، نچوڑنا، بھینچنا زن بمزد اپنی بیوی کو زنا کے معاوضہ پر دینے والا، دیوث قرمساق قلتبان۔

ترجمہ: پس جہادِ اکبر اس چور کو بھینچنا ہے تا کہ وہ دیوث چرائے ہوئے مال کا پتہ دے۔

مطلب: ظاہری جنگ و جدال تو جہادِ اصغر ہے اور نفس کے ساتھ نبرد آزما ہونا جہادِ اکبر ہے تا کہ نفس کو پکڑ کر اس کے تمام مکر و فریب کا کھوج لگائیں اور اس نے عقائد و اعمال میں جس قدر فتور ڈال رکھے ہیں ان کا تدارک کریں۔ صائبؒ

عنانِ نفس کشیدن جہادِ مرداں ست　نفس شمردہ زدن ذکرِ اہلِ عرفاں ست

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس دزدِ نفس نے کیا کچھ چرایا ہے گو ریاضت و مجاہدہ کے بعد جب نفس رام ہو جائے گا وہ اپنے سارے کرتوتوں کا خود راز فاش کر دے گا جس طرح چور قابو میں آجانے کے بعد اپنی چوری کا قصہ خود سنا دیتا ہے، مگر مولانا نفس کی تمام کارستانیوں کا حال پہلے ہی سنا رہے ہیں۔

اوّلا دزدید کحل دیدہ ات　چوں ستانی بازیابی تبصرت

ترجمہ: اوّل تو اس نے تمہاری آنکھ کا سرمہ چرایا ہے جب تم اس سے (یہ سرمہ واپس) لے لو گے تو دوبارہ بصیرت حاصل کرلو گے۔ صائبؒ

چراغِ عقل را خاموش سازد نفسِ ظلمانی　گدائے پیش بیں فرزندِ خود را کورمے سازد

کالۂ حکمت کہ گم کردہ دل ست پیشِ اہلِ دل یقیں آں حاصل ست

ترجمہ: سرمایۂ حکمت جس کو دل گم کر چکا ہے یقیناً اہلِ دل کے پاس حاصل ہو سکتا ہے۔

مطلب: حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ مَا وجدھا فھو احقُّ بھا یعنی حکمت کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے پس وہ اس کو جہاں پائے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے (ترمذی) مطلب یہ ہے کہ سرمایۂ حکمت تمام تر بصیرت سے حاصل ہوتا ہے کُلِ بصیرت کے چوری چلے جانے پر سرمایہ بھی گم ہو جاتا ہے اور سرمایۂ حکمت مومن کا مال ہے جہاں ملے اس کو لے لینا چاہیے۔ اب فرماتے ہیں کہ وہ حضرات کاملین کی صحبت و معیت میں ملے گا۔ حافظؒ

روئے مقصود کہ شاہانِ جہاں مے طلبند مظہرش آئینۂ طلعتِ درویشان است

کور دل باجان و باسمع و بصر مے نداند دُزدِ شیطاں را اثر

ترجمہ: دل کا اندھا باوجودیکہ جان رکھتا ہے سنتا ہے دیکھتا ہے (مگر) دُزدِ شیطان کا کھوج نہیں لگا سکتا۔

مطلب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ''ان کے دل تو ہیں (مگر) ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں (مگر) ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ غرض یہ لوگ چار پاؤں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں''۔ (اعراف ع ۲۲) یہ ساری خرابی اس سبب سے ہے کہ ان کے دل اندھے ہیں پس سرمایۂ حکمت اہلِ دل کے یہاں سے مل سکتا ہے نہ کہ ان کوردل اور محجوب لوگوں سے وہ خود مکائد شیطان سے بے خبر ہیں۔ دوسرے کو اس سے بچنے کی تدبیر کیا خاک بتائیں گے اور خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

زاہلِ دل جُو از جماد آں راجو کہ جماد آمد خلائق پیشِ او

لغات: جماد بے حس، ٹھوس، جامد، جاہلِ مطلق۔

ترجمہ: اس (سرمایۂ حکمت) کو اہلِ دل کے پاس تلاش کرو کسی بے حس شخص سے مت ڈھونڈو کیونکہ (اور) مخلوق تو اس (اہلِ دل) کے سامنے (بمنزلہ) جماد ہے۔

باز میگردیم سُوئے راز جُو تاشود ہم مشورت با راز گو

ترجمہ: (لو اب) ہم پھر اس راز تلاش کرنے والے کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ وہ راز بتانے والے کے ساتھ ہم مشورہ ہو۔

مطلب: پیچھے یہ حکایت شروع تھی کہ ایک شخص نے کسی اہل اللہ کا پتا پوچھا کہ مجھے ان سے ایک مشکل بات میں مشورہ لینا ہے تو اس نے ایک مجذوب کا پتا بتایا جس کو بہلول کہتے تھے اتنی بات فرما کر مولانا ایک اور بحث میں پڑ گئے۔ اب پھر اس حکایت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

مشورت جوینده آمد نزدِ اُو کاے ابِ کودک شده رازے بگو

ترجمہ:۔ مشورہ کا طالب اس (نرسل کا گھوڑا بنا کر کھیلنے والے بزرگ کے پاس آیا (اور کہا) کہ اے (اہلِ طریقت کے) باپ جو (کسی مصلحت سے) بچہ بن گئے (مہربانی کر کے مجھے) ایک راز کی بات بتایئے۔

گفت رَو زیں حلقہ کیں دربار نیست　　باز گرد امروز روزِ راز نیست

ترجمہ:۔ (ان بزرگ نے) کہا کہ اس زنجیر (اور کنڈے) کے پاس سے ہی چلے جاؤ۔ کیونکہ یہ دروازہ کھلا نہیں ہے۔ واپس چلے جاؤ آج کا دن راز (ظاہر کرنے) کا دن نہیں ہے۔ حافظؒ

حدیثِ دوست گویم مگر بحضرتِ دوست　　کہ آشنا سخنِ آشنا نگہدارد

گر مکاں را راہ بُدے در لامکاں　　ہمچو شیخاں بودمے من بر دکاں

لغات:۔ راہ بودن دخل ہونا۔ مکان مکانی، کائنات میں سے ہونا، عالمِ ناسوت سے ہونا۔ لامکاں جو مکان کی نسبت سے منزہ ہو۔ شیخاں مشائخ، شیوخِ طریقت دکان آراستہ جگہ۔ خرید و فروخت کی جگہ، چبوترہ۔

ترجمہ:۔ اگر عالمِ ناسوت لامکان (کے عالم) میں (جس کے اندر میں مستغرق ہوں) دخل یاب ہوسکتا تو پھر میں (بھی) مشائخ (طریقت) کی طرح (تلقین و ارشاد کی) گدی پر بیٹھا ہوتا (بچوں کے ساتھ نہ کھیلتا)۔

مطلب:۔ میں کوئی راز بیان نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میں خو اپنے حال میں مست ہوں۔ عالمِ غیب نے مجھے اپنی طرف جذب کررکھا ہے۔ اس لیے مخلوق کی ہدایت وارشاد میرے سپرد نہیں ہے۔ ہاں اگر لامکان میں مکان کا دخل ہوتا۔ یعنی تعلق بعالمِ غیب کے ساتھ ہی عالمِ ناسوت کے ساتھ بھی میرا تعلق ہوتا۔ اور ارشادِ خلق کی خدمت میرے سپرد ہوتی تو پھر جو راز تم پوچھتے میں تم سے بیان کردیتا مجبوری ہے۔ حافظؒ

دلم کہ مخزنِ اسرار بود دستِ قضا　　درش بہ بست و کلیدش بدستانے داد

خواندنِ محتسب مستے را بزنداں و جوابِ او

محتسب کا ایک بدمست سے حوالات میں چلنے کو کہنا اور اس کا جواب

محتسب در نیم شب جائے رسید　　در بُنِ دیوار مَردے خفتہ دید

لغات:۔ محتسب شاہانِ اسلام کے زمانے میں ایک خاص عہدہ دار ہوتا تھا جس کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو شراب خوری، قمار بازی، زناکاری وغیرہ تمدنی و معاشرتی جرائم سے باز رکھے اور ان پر داروگیر کرے چونکہ آج کل یہ خدمت پولیس کے سپرد ہے۔ لہٰذا محتسب کے معنی پولیس افسر یا کوتوال کے کرنے ٹھیک رہیں گے۔ بنِ دیوار دیوار کی جڑ۔

ترجمہ:۔ ایک مرتبہ (شہر کا) کوتوال آدھی رات کے وقت کسی مقام پر پہنچا۔ تو دیوار کے نیچے ایک آدمی کو سوتے پایا۔

گفت ہے مستی چہ خوردستی بگو　　گفت ازاں خوردم کہ ہست اندر سبو

ترجمہ:۔ کہا ارے! تو تو بدمست ہے۔ (سچ) بتا تو نے کیا چیز پی ہے۔ اس نے جواب دیا وہی چیز پی ہے جو مٹکے میں ہے۔

گفت آخر در سبو وا گو کہ چیست　　گفت ازاں کہ خوردہ ام گفت آں خفی ست

ترجمہ:۔ (کوتوال) بولا آخر یہ تو بتاؤ کہ مٹکے میں کیا چیز ہے؟ اس نے کہا وہی چیز ہے جو میں نے پی ہے کہا یہ تو گول مول بات ہے۔ (صاف صاف کہو)۔

گفت آنچہ خوردۂ آں چیست آں گفت آں کاندر سبو مخفی ست آں

ترجمہ:۔ کہا جو کچھ تو نے پیا ہے وہ ہے کیا؟ کہا وہ وہی ہے جو مٹکے کے اندر پوشیدہ ہے۔

دَورے شد ایں سوال وایں جواب ماند چوں خر محتسب اندر خلاب

لغات:۔ دور چکر، ہر پھر کر آنا۔ خلاب کیچڑ۔

ترجمہ:۔ (غرض) ہر پھر کر (ان کا آپس میں) یہی سوال و جواب ہوتا رہا۔ (جس سے) کوتوال مجبور ہو گیا جس طرح گدھا کیچڑ میں (پھنس جائے)۔

گفت اورا محتسب ہیں آہ کن مست ہو ہو کرد ہنگامِ سخن

لغات:۔ آہ کلمۂ افسوس و اظہار درد ہائے۔ ہو ہو کلمۂ اظہارِ مسرت، اہاہا، ہوہو۔

ترجمہ:۔ (آخر) محتسب نے اس کو کہا لے (اب تیری شامت آ گئی حوالات میں چلنا ہو گا) اب ہائے ہائے پکار۔ مست (اس کے) جواب میں اہاہا ہو ہو کرنے لگا۔

گفت گفتم آہ کن ہو میکنی گفت من شادم تو از غم منحنی

ترجمہ:۔ (محتسب نے) کہا میں نے تو کہا آہ کر۔ تو الٹا اہاہا کر رہا ہے۔ وہ بولا میں خوش ہوں اس لیے اہاہا کر رہا ہوں اور آہ تجھ کو کرنی چاہیے کہ) تو غم سے کبڑا ہو رہا ہے۔

آہ از درد وغمِ بیدادی ست ہوئے ہوئے میکشاں از شادی ست

لغات:۔ بیدادی ظلم میکشاں جمع میکش میخوار، شرابی۔

ترجمہ:۔ آہ تو ظلم کے غم اور درد کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (اور) میخواروں کی اہاہا خوشی کی بنا پر ہوتی ہے۔

محتسب گفت ایں ندانم خیز خیز! معرفت متراش بگذار ایں ستیز

لغات:۔ ایں ندانم میں اس کو نہیں جانتا یعنی مجھے اس سے سروکار نہیں۔ معرفت متراش یعنی عارف ہونے کے دعوے نہ کرو، اولیائی مت بگھارو۔

ترجمہ:۔ کوتوال بولا مجھے اس (بحث) سے غرض نہیں چل کھڑا ہو۔ اولیائی مت بگھار۔ اور یہ جھگڑا چھوڑ (حوالات میں چل)۔

گفت رَو من از کجا تو از کجا گفت مستی خیز تا زنداں بیا

ترجمہ:۔ (مست) بولا چل لمبا ہو۔ تو کہاں اور میں کہاں؟ (میرا تیرا کیا ساتھ کوتوال نے) کہا تو بدمست ہے (تیری سزا قید ہے) اٹھ کھڑا ہو (اور) حوالات میں آ (کہ تجھے حد لگائی جائے۔)

گفت مست اے محتسب بگذار و رَو از برہنہ کے تواں بُردن گرو

ترجمہ:۔ مست نے کہا کوتوال صاحب معاف فرمائیے اور تشریف لے جائیے۔ بھلا ایک ننگے سے (کپڑے) کیا رہن رکھ سکتے ہیں؟

مطلب:۔ کسی کے کپڑے رہن اسی صورت میں رکھ سکتے ہیں جب اس کے پاس کپڑے موجود ہوں یا اس نے پہن رکھے

ہوں مگر ایک الف ننگے سے جس کے بدن پر ایک چیتھڑا نہ ہو، کپڑے رہن رکھنے کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ یعنی جو کام کسی سے نہ ہوسکے اس کی اسے تکلیف دینا عبث ہے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

گر مرا خود قوّتِ رفتن بُدے　　　خانۂ خود رفتمے ویں کے شدے

ترجمہ: اگر مجھے چلنے کی طاقت ہوئی تو اپنے گھر ہی چلا جاتا۔ اور یہ (تکرار) کب ہونے پاتی (آگے پھر بہلولؒ کا سلسلہ گفتگو چلتا ہے)

من اگر باعقل و با امکانمے　　　ہمچو شیخاں برسرِ دکانمے

ترجمہ:۔ (اسی طرح) اگر میں (بھی) عقل اور (رازگوئی کی) قدرت رکھتا تو (تلقین وارشاد کے سلسلے میں) مشائخ کی طرح (پیر مریدی کی) دکان پر (بیٹھا) ہوتا۔

گر مرا رائے و تدبیرے بدے　　　ہمچوں شیخاں جاہ وتوقیرے بُدے

ترجمہ:۔ اگر مجھ میں عقل اور تدبیر ہوتی تو مشائخ کی طرح (میری بھی) عزت وتوقیر ہوتی۔

ہم مرا زنبیلِ دریوزہ بُدے　　　ہم نذوراتِ ہمہ روزہ بدے

لغات:۔ زنبیل کچکول، فقیر کی جھولی جس میں وہ بھیک مانگ کر ڈالتا ہے۔ نذورات صیغہ جمع الجمع جس کا واحد نذر ہے۔ اور اس کی جمع نذور، نذر ونیاز۔

ترجمہ:۔ (یا) میرے لیے بھی بھیک مانگنے کی کچکول ہوتی۔ (یا) روز روز کی نذر ونیاز بھی (ملتی) ہوتی۔

مطلب:۔ یہاں مسندِ پیری اور کچکولِ فقیری علی سبیل البدلیت مراد ہیں۔ یعنی یا یہ درجہ ہوتا اور یا یہ حالت ہوتی۔ مسند پیری ارشاد وہدایتِ خلق کا درجہ ہے اور کچکولِ فقیری ریاضت مجاہدہ کی حالت کہ لوگوں کے دروازوں پر جاکر بھیک مانگیں جس سے نفس کی تذلیل وسرکوبی مقصود ہوتی ہے۔ بلکہ بعض کے نزدیک خود درویش کے کلمے کی اصلیت یہ ہے کہ وہ درآویز تھا یعنی لوگوں کے دروازوں کو لازم پکڑنے والا پھر بگڑ کر درویش بن گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ دریوزہ گری فقر ودرویشی کے مفہوم میں بھی داخل ہے۔

سوال:۔ حالتِ اضطرار کے بغیر بھیک مانگنا شریعت میں سخت ممنوع ہے۔ چنانچہ مصابیح کی صحیح احادیث میں سے ایک روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایزال الرجل یسئل الناس حتی یاتی یوم القیمۃ لیس فی وجھہ مزعۃ مضغۃ لحم یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے۔ قیامت کے روز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی بوٹی تک نہ ہوگی (مجالس الابرار) اور اگر اس سے تذلیلِ نفس مقصود ہو تو اس کی بھی نہی وارد ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا یحل للمسلم ان یذل نفسہ یعنی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے (مجالس الابرار) پھر دریوزہ گری کے داخلِ ریاضت ومجاہدہ ہونے کے کیا معنی؟

جواب:۔ شریعت میں سوال کی نہی چند خاص عِلل پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ اس سے خداوند تعالیٰ کی شکایت پائی جاتی ہے کیونکہ خدا کو چھوڑ کر بندوں سے مانگنا یہ معنی رکھتا ہے کہ گویا خدا نہیں دیتا۔ اور یہ خیال حرام ہے۔ دوم اس میں غیر اللہ کے لیے نفس کو ذلیل کرنا لازم آتا ہے۔ اور غیر اللہ کے لیے نفس کو ذلیل کرنا حرام ہے جیسے کہ سوال کے اندر کی حدیث اس کی مؤید ہے۔ تیسرے جس سے سوال کیا جائے اس کو اذیت پہنچتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ کچھ دینے سے معذور ہوتا ہے اور نہ دینے میں اس کی بدنامی ہوتی ہے اب اگر

کچھ دے تو مشکل نہ دے تو مشکل۔ یہ سخت اذیت ہے اور مسلمان کو ناحق اذیت دینا حرام ہے۔ اس لیے ایسی حالتوں میں سوال کرنا حرام ہے۔ ہاں جب یہ خرابیاں نہ ہوں اور سائل فی الواقع محتاج ہو تو سوال درست ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو واجب ہے۔ اور تارک سوال گنہگار ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ **من عجز عن الکسب داشتد جوعه و خان علی نفسه یلزمه السئوال نوع من اکتسب لماروی انه علیه الصلوٰۃ و السلام قال السئوال اخو الکسب فان ترک السئوال فی تلک الحاجة حتٰی مات یاثم لانه القیٰ نفسه الی التهلکة** یعنی جو شخص روزی کمانے سے عاجز ہو۔ اور اس کی گرسنگی سخت ہو جائے۔ اور خوف جان اس کو لاحق ہو تو اس کو سوال کرنا لازم ہے۔ کیونکہ سوال بھی ایک طرح سے روزی کمانا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سوال سب سے آخری کسب ہے۔ پس اگر اس حالت میں سوال ترک کیا حتیٰ کہ مر گیا۔ تو گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ (مجالس الابرار)

غرض سوال (ریوزہ گری بالکلیہ اور مطلقاً حرام نہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں حرام ہے۔ تو بعض دوسری صورتوں میں جائز بلکہ واجب بھی ہے۔ اور اس کی جائز صورتوں میں سے ایک وہ دریوزہ گری ہے جو بغرض ریاضت و مجاہدہ کی جائے۔ اور جس سے نفس کو ذلیل و مغلوب کرنا مقصود ہو اور نفس کو مغلوب کرنا جو حدیث میں ممنوع ہے تو خاص اس صورت میں ممنوع ہے کہ اس کو غیر اللہ کے لیے ذلیل کیا جائے۔ لیکن اللہ کے لیے اس کو ذلیل کرنا عین طاعت ہے۔ **لیس المومن ان مذل نفسه لغیر الله تعالیٰ بل الواجب علیه ان یبذل نفسه لله تعالیٰ اذفیه عزه و شرفه فی الدنیا والاخرة** یعنی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے نفس کو غیر اللہ کے لیے ذلیل کرے۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے لیے ذلیل کرے۔ کیونکہ اس میں اس کی عزت و بزرگی ہے۔ دنیا اور آخرت میں (مجالس الابرار) اور نفس کو ذلیل کرنے کی ایک بہترین تدبیر دریوزہ گری ہے۔ بشرطیکہ وہ تمام شرعی احتیاطوں کے ساتھ ہو۔ اور محظورات شرعیہ سے پاک ہو۔ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں فقیر کو چاہیے کہ وہ اپنے فقر کو اسی طرح محبوب رکھے جس طرح غنی اپنی غنا کو محبوب رکھتا ہے اور جس طرح غنی ہر طرح یہ کوشش کرتا رہتا ہے کہ اس کی غنا پر کوئی آفت نہ آئے اور وہ زائل نہ ہونے پائے۔ اس طرح فقیر بھی اپنے فقر کو زوال سے بچانے کی کوشش کرے۔ (غنیہ) اس مقدمۂ اولیٰ کے ساتھ جب یہ مقدمۂ ثانیہ شامل کیا جائے کہ فقیر محتاج کو سوال کرنا جائز بلکہ واجب ہے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ سالک کے لیے اپنے آپ کو قابل دریوزہ گری رکھنا بعض صورتوں میں مستحسن ہے۔ باقی رہا اس کا ریاضت و مجاہدہ ہونا سو حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں۔ **ثم ان اعطی شکر وان منع صبر و هکذا تکون صفات الفقیر دق ولا یوحش بالرد ولا یعیر فیسخط و یعرض ویلم الرادله فیظلم لانه مامور و وکیل والوکیل هوالذی یتصرف فیما فی یده باذن المالک کله المعطی و هو الله عزوجل** - پھر اگر فقیر کو کچھ دے دیا جائے تو شکر کرے اور اگر نہ دیا جائے تو صبر کرے۔ اور یہ صفات سچے فقیر کی ہوتی ہیں۔ اور خالی لوٹا دینے سے نہ گھبرائے نہ رنجیدہ ہو کر ناراض ہو۔ نہ اعتراض کرو نہ لوٹا دینے والے کو برا بھلا کہے ورنہ یہ اس پر ظلم ہوگا۔ کیونکہ وہ مامور ہے اور وکیل ہے۔ اور وکیل وہ ہوتا ہے جو اپنے سپرد شدہ مال کو مالک کے حکم سے خرچ کرتا ہے۔ اور وہ اس کو بنانے والا اور عطا فرمانے والا اللہ عزوجل ہے (غنیہ) خیال کیجئے جب سوال ان قیود و شرائط کے ساتھ ہو۔ تو وہ کس قدر قاہر نفس اور مصلح اخلاق ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور کون سی ریاضت ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں صوفیہ کرام نے مبتدین کی ریاضت نفس کے لیے سوال و دریوزہ گری تجویز کی ہے جو ایک طرح نفس کے ساتھ جہاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں مسلمان فقرا کی اصطلاح میں دریوزہ گری کو غزا (جہاد) کہتے ہیں جس کو پنجاب میں گجے چڑھنا بولتے ہیں۔ اور دریوزہ گر کو غازی (گاجی) کا خطاب دیتے ہیں۔ اور اس لیے وہ فقیر غزا بمعنی دریوزہ گری کے

لیے جب نکلتے ہیں۔ تو دستار وازار کمر بند وحمائل وغیرہ خوب سج کر سپاہیانہ انداز میں اکڑتن کر کچکول ہاتھ میں لے کر نکلتے ہیں۔ مگر آج اس غزا کی نہ قیود وشرائط موجود ہیں۔ اور نہ وہ مقاصد واغراض ملحوظ ہیں۔ صرف غزا کا نام ہے اور عملاً لنگر گدائی ہے۔

اختلاف:۔ بعض نسخوں میں اس بیت کا دوسرا مصرعہ یوں درج ہے۔ اور ہمارا قلمی نسخہ بھی اس کا مؤید ہے۔

نذر رواورا د ہمہ روزہ بدے

یعنی روز روز کی نذر اور روزینہ بھی ہوتا۔ نذر مریدوں اور معتقدوں کے ہدیہ کو کہتے ہیں۔ اور وہ وجہ کفاف ہے۔ جو کسی حاکم یا امیر کی طرف سے بطور انعام و پرورش مقرر ہو۔ یہ نسخہ بلحاظ زیادت معنی وسلاستِ الفاظ پہلے نسخہ پر ترجیح رکھتا ہے۔ اور تعجب نہیں کہ یہی نسخہ اصح اور اوفق بالاصل ہو۔ اسی کتاب کے متعدد نسخوں میں اختلاف الفاظ واقع ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ بعض اوقات کتابت کی غلطی سے یا کرم لگ جانے سے یانم کے پہنچ جانے سے حروف مشکوک ہو جاتے ہیں۔ اس نسخے کو پڑھنے والے پڑھتے وقت یا اس کو نقل لینے والے نقل لیتے وقت جب اس مقام کی عبارت سمجھ نہیں سکتے۔ تو اپنے قیاس واجتہاد سے کام لے کر اس کی تصحیح کر دیتے ہیں بایں گماں کہ اصل عبارت یہی ہوگی حالانکہ اصل میں وہ کچھ اور ہوتی ہے۔ اور اس طرح اصل کتاب اور منقول نسخہ میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

بعض ناقلوں اور کاتبوں کے طبیعت میں خواہ مخواہ اصلاح وترمیم کا خبط سمایا ہوتا ہے۔ وہ جب کوئی مضمون یا کتاب نقل کرتے ہیں تو جو مقام ان کی سمجھ میں نہیں آتا یا اپنی دانست میں کسی عبارت کو غیر موزوں سمجھتے ہیں اس کو اپنے من مانے الفاظ میں بدل دیتے ہیں الحاق وتحریف کی خرابیاں اس طرح پیدا ہوتی ہیں اور اس طرح بہت سے نسخے باہم متفاوت ہو جاتے ہیں۔

سب سے بڑی اور معقول وجہ ایک یہ بھی ہے کہ مصنف اپنی تصنیف کو جب بار بار پڑھتا ہے تو ہمیشہ اس میں کچھ نہ کچھ حک و اصلاح کرتا رہتا ہے۔ بعض اوقات تو کسی لفظ یا جملہ یا مصرعہ یا بیت کی ترمیم کا کئی کئی بار اتفاق پڑتا ہے اور اس اثنا میں اس کتاب کی نقول جو اطراف ملک میں شائع ہوتی رہتی ہیں تو ان میں کوئی غیر ترمیم شدہ نسخے کی نقل اور کوئی ترمیم اول کی نقل اور کوئی ترمیم ثانی کی نقل ہوتی ہے اور اس طرح وہ تمام نقول باہم متخالف ومتفاوت واقع ہوتی ہیں۔

دوم بار بہ سخن آوردنِ سائل آں بزرگ را تا حالِ او معلوم کند

سائل کا اس بزرگ کو دوبارہ گفتگو پر آمادہ کرنا تا کہ اس کا حال معلوم کرے

گفت آں طالب کہ آخر یک نفس — اے سوارہ بر نے ایں سُو راں فرس

ترجمہ:۔ اس طالب نے کہا اے نرسل سوار! آخر ایک دم بھر کے لیے اپنا (یہ بناوٹی) گھوڑا ادھر کو تو بڑھاؤ۔

راند سوئے آں کہ ہاں زوتر بگو — کاسپِ من بس توسن ست وتند خو

لغات:۔ زوتر زودتر۔ توسن سرکش اور تند گھوڑا۔

ترجمہ:۔ (یہ سن کر) انہوں نے (اپنا گھوڑا) اس کی طرف بڑھایا (اور کہا) کہ ہاں جلدی کہو (کیا کہتے ہو) کیونکہ میرا گھوڑا بڑا سرکش اور تند خو ہے۔

تا لگد بر تو نکو بد زود باش — از چہ میپرسی بیاں کن خواجہ فاش

لغات:۔ لگد کوفتن چوپایہ کا دولتی جھاڑنا، لات مارنا۔ گائے بیل صرف ایک لات مارتے ہیں اور گدھا گھوڑا دونوں پچھلی

ٹانگیں جوڑ کر مارتے ہیں۔ اس لئے لکد کو فتن کا ترجمہ یہاں دولتی جھاڑنا ٹھیک ہوگا۔ فاش صاف صاف۔

ترجمہ:۔ تاکہ (کہیں) تم پر دولتی نہ جھاڑ دے۔ صاحب! جلدی کرو (اور) صاف بتاؤ کہ کیا پوچھتے ہو۔

او مجالِ رازِ دل گفتن ندید زو بروں شو کرد و در لاغش کشید

لغات:۔ مجال موقع، قدرت۔ بروں شو کردن ٹالنا، الگ کر دینا۔ لاغ مذاق، فضول بات۔

ترجمہ:۔ اس نے دل کا (اصلی راز بیان کرنے کا موقع نہ پایا۔ تو اس کو ٹال کر انہیں (ایک) مذاق (کی بات) میں الجھالیا۔

گفت میخوا ہم دریں کوچہ زنے کیست لائق از برائے چوں منے

ترجمہ:۔ (طالب نے) کہا میں اس گلی میں کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ فرمایئے کہ مجھ سے آدمی کے لیے کونسی عورت لائق ہوگی۔

گفت سہ گونہ زنند اندر جہاں آں دو رنج وایں یکے گنج رواں

ترجمہ:۔ (ان بزرگ نے) فرمایا دنیا میں تین طرح کی عورتیں ہیں۔ وہ دو تو وبال (جان ہیں) اور یہ ایک دائمی دولت ہے۔

مطلب:۔ حضرت بہلولؒ نے اس کے جواب میں کسی خاص عورت کی تعیین نہیں کی کہ اس سے شادی کرلو۔ کیونکہ یہ بات ادب و تہذیب کے خلاف تھی۔ بلکہ ایک کلی اصول بتا دیا کہ عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں جن میں سے فلاں فلاں قسم کی عورتیں نا قابلِ نکاح اور فلاں قسم کی قابلِ نکاح ہوتی ہے۔ اب تم خود اس اصول کو مدِ نظر رکھ کر اپنے لیے قابل نکاح عورت کو انتخاب کرلو۔ چنانچہ ان تینوں اقسام کی عورتوں کے اوصاف یہ ہیں۔

آں یکے را چوں بخواہی کل تراست ویں دگر نیمے ترا نیمے جداست

ترجمہ:۔ (ان میں سے) ایک وہ ہے کہ جب تم اس سے نکاح کرو تو وہ ساری کی ساری تمہاری ہوگی (یہ اچھی ہے) اور دوسری وہ ہے کہ آدھی تمہارے لیے آدھی (تم سے) بیگانہ ہے۔

واں سوم ہیچ اوترا نبود بداں ایں شنیدی دور شو رفتم رواں

ترجمہ:۔ اور تیسری وہ ہے جس میں تمہارا کچھ بھی حصہ نہیں۔ (وہ اس سے بھی بری ہے) لو تم سن چکے اب پیچھے ہٹو میں اڑنچھو ہوتا ہوں۔

تاترا اسپم نپراند لکد کہ بیفتی برنخیزی تا ابد

ترجمہ:۔ تاکہ ایسا نہ ہو میرا گھوڑا تمہارے دولتی مار دے۔ کہ تم (مردہ وار) ایسے گرو۔ کہ پھر ہمیشہ کے لیے کبھی بھی نہ اٹھ سکو۔

مطلب:۔ حضرت شیخ بہلول دانا قدس سرہ کا جواب اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ کہ اَلنِّسَآءُ ثَلٰثَةٌ وَّاحِدَةٌ لَّکَ وَوَاحِدَةٌ عَلَیْکَ وَوَاحِدَةٌ لَّکَ وَعَلَیْکَ اَمَّا الَّتِیْ لَکَ فَھِیَ الْحُرَّةُ الْبِکْرُ فَقَلْبُھَا وَحُبُّھَا لَکَ وَاَمَّا الَّتِیْ عَلَیْکَ فَالْمُتَزَوِّجَةُ ذَاتُ وَلَدٍ تَاْکُلُ مَالَکَ وَتَبْکِیْ عَلَی الزَّوْجِ الْاَوَّلِ وَاَمَّا الَّتِیْ لَکَ وَعَلَیْکَ فَالْمُتَزَوِّجَةُ الَّتِیْ لَا وَلَدَ لَھَا فَاِنْ کُنْتَ لَھَا خَیْرًا مِّنَ الْاَوَّلِ فَھِیَ لَکَ وَاِلَّا فَھِیَ عَلَیْکَ ۔ یعنی عورتیں تین قسم کی ہیں ایک وہ عورت جو تمہارے لیے (باعث خیر و برکت ہے اور ایک وہ جو تم پر (وبال) ہے اور ایک وہ جو تمہارے لیے (باعث خیر و برکت بھی ہوسکتی) ہے اور تم پر (وبال بھی) لیکن جو تمہارے لیے (باعث خیر و برکت) ہے پس وہ آزاد دوشیزہ ہے۔ تو اس کا دل اور اس کی محبت

مردوں کے لیے مفید و مضر عورتوں کی اقسام

تمہارے لیے (مخصوص) ہے۔اور جو تم پر (وبال) ہے۔پس وہ دوبارہ شادی کرنے والی ہے۔جس کا ایک فرزند (پہلے شوہر سے) ہو۔ وہ تمہارا مال کھاتی ہے۔اور پہلے شوہر کو یاد کر کے روتی ہے۔اور جو عورت تمہارے لیئے (باعثِ خیر و برکت) بھی اور تم پر (وبال) بھی ہے۔وہ دوبارہ شادی کرنے والی ہے۔جس کا کوئی فرزند (پہلے شوہر سے) نہ ہو۔پس اگر تم اس کے حق میں پہلے (شوہر) سے اچھے ہو۔تو تمہارے لیے (باعثِ خیر و برکت) ہے۔ورنہ تم پر (وبال) ہے (بحرالعلوم) آگے خود حضرت بہلول اپنے مجمل قول کی تفصیل اس حدیث کے موافق کریں گے۔

شیخ راند اندر میانِ کو دکاں　　بانگ زد بارِ دگر اورا جواں

ترجمہ:۔ (اتنا کہہ کر) شیخ نے گھوڑا لڑکوں میں (پہنچنے کے لیے) دوڑایا۔جوان نے پھر دوبارہ آواز دی۔

کہ بیا آخر بگو تفسیر ایں　　ایں زناں سہ نوع گفتی برگزیں

ترجمہ:۔ کہ آیئے آخر (اپنے) اس (قول) کی تفسیر تو کر دیجئے۔یہ تین قسم کی عورتیں (جو) بیان کی ہیں (اب ان میں سے) انتخاب تو فرما دیجئے۔

راند سوئے اوو گفتش بکر خاص　　کل ترا باشد زغم یابی خلاص

ترجمہ:۔ (یہ سن کر بہلول نے پھر) اس کی طرف گھوڑا دوڑایا۔اور فرمایا دوشیزہ تو ساری کی ساری خاص تمہارے لیے ہوگی (اس سے نکاح کرو تو وہ دلجمعی حاصل ہو کہ) غم سے نجات پا جاؤ۔

وانکہ نیمے آنِ تو بیوہ بود　　وانکہ ہیچ ست آں عیالِ باولد

لغات:۔ نیمے نصف آنِ مملوک، متعلق، منسوب ہیچ ندارد، نابود۔عیال بیوی۔

ترجمہ:۔ اور وہ جو آدھی تمہارے لیے ہے۔وہ رانڈ عورت ہے (جس کی اولاد نہ ہو) اور وہ جو (تمہارے لیے) کچھ بھی نہیں یہ وہ بیوی ہے جس کی (پہلے شوہر سے) اولاد ہو۔

چوں زشوئے اوّلش کودک بود　　مہر وکلی خاطرش آنسو رود

ترجمہ:۔ جب اس کا کوئی بچہ پہلے شوہر سے ہو تو اس کی محبت اور دل بالکل اسی طرف مائل رہے گا۔

دور شوتا اسپ نندازد لکد　　سمِ اسپِ تو سنم برتو رسد

ترجمہ:۔ (لو اب) دور ہو جاؤ۔تا کہیں گھوڑا دولتی نہ جھاڑ دے اور میرے سرکش گھوڑے کا سم تمہارے لگے۔

ہائے و ہوئے کرد شیخ و باز راند　　کودکاں را باز سوئے خویش خواند

ترجمہ:۔ (اتنا کہہ کر) شیخ نے (دیوانوں کی طرح) ہاؤ ہو (شروع) کی اور پھر (گھوڑا دوڑایا۔اور لڑکوں کو پھر اپنی طرف بلایا (کہ آؤ رے لڑکو کھیلیں)

باز بانگش کرد سائل کہ بیا　　یک سوالم ماند اے شاہِ کیا

ترجمہ:۔ سائل نے پھر ان کو آواز دی کہ اے شاہ صاحب عالی مراتب میرا ایک سوال رہ گیا۔

باز راند ایں سو بگوزو ترچہ بود　　　کہ زمیداں آں بچہ گویم ربود

ترجمہ:۔ پھر اس طرف (جہاں سائل کھڑا تھا) گھوڑا بڑھایا۔ (اور فرمایا کہ ہاں) جلدی کہو کیا (سوال) تھا۔ (جورہ گیا دیر نہ کرو) کیونکہ وہ بچہ میری گیند میدان سے لے گیا (میں اس کو ردکوں گا)

گفت اے شہ باچنیں عقل وادب　　　اینچہ شید ست اینچہ فعل ست لے عجب

لغات:۔ شید مکر فریب، بناوٹ، مغالطہ دہی۔

ترجمہ:۔ (تو سائل نے) کہا شاہ صاحب اس عقل وادب کے باوجود (جو آپ کو خدا کے فضل سے حاصل ہے۔) یہ کیا مغالطہ دہی (آپ سے وقوع پا رہی) ہے۔ یہ کیا حرکت ہے۔ بڑا تعجب (آتا) ہے۔

تو ورائے عقلِ کلی در بیاں　　　آفتابی درجنوں چونی نہاں

لغات:۔ ورا سوا، بڑھ کر، برتر۔ عقل کلی عقلِ کل ہستی۔ عقلِ کل سے جبرئیل علیہ السلام مراد لیتے ہیں۔ آفتابی آفتاب ہستی۔

ترجمہ:۔ آپ (حقائق کے) بیان (کرنے) میں عقلِ کل سے بھی بڑھ کر ہیں۔ آپ (تو انوارِ کمالات کے) آفتاب ہیں (پھر) جنوں (کے ابر) میں کیونکر چھپ سکتے ہیں۔

گفت ایں اوباش رائے میزنند　　　تادریں شہرِ خودم قاضی کنند

لغات:۔ اوباش عوام۔ رائے زدن مشورہ کرنا۔

ترجمہ:۔ کہا (بھائی حقیقت یہ ہے کہ) یہ عوام الناس مشورے کرتے ہیں کہ مجھے اپنے اس شہر کا قاضی (مقرر) کردیں۔

دفع میگویم مرا گویند نے　　　نیست چوں تو عالمے صاحب فنے

لغات:۔ دفع ٹالنا۔ صاحب فن کسی خاص صنفِ علم کا ماہر۔

ترجمہ:۔ میں (ان کو) ٹال رہا ہوں۔ تو وہ مجھے کہتے ہیں کہ نہیں (تم کو یہ منصب قبول کرنا پڑے گا کیونکہ) تم سا اور کوئی عالم فن (قضا) کا اہل نہیں ہے۔

الخلاف:۔ اس نسخے کی عبارت سے ظاہر ہے کہ گویا شیخ بہلولؒ کو قاضی بنائے جانے کا مشورہ عین انہی دنوں میں ہو رہا تھا۔ جب کہ وہ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اور سائل نے اس بارے میں ان سے سوال کیا تھا۔ مگر بعض نسخوں میں ان دو شعروں کے تمام افعال صیغہ حال کے بجائے ماضی کے صیغوں میں درج ہیں۔ چنانچہ۔

گفت ایں اوباش رائے میز دند　　　تادریں شہر خودم قاضی کنند

دفع مے گفتم مرا گفتند نے　　　نیست چوں تو عالمے صاحب فنے

یعنی لوگ یہ مشورہ کرتے تھے۔ میں ٹالتا تھا۔ تو وہ یوں جواب دیتے تھے۔ جن سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان کو قاضی بنائے جانے کے مشورے کا واقعہ ان کے لعب با طفال اور سائل کے سوال سے پہلے کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہمارا اختیار کردہ نسخہ مطابق واقعہ اور موافق بعادت ہے۔ یعنی حضرت بہلول کا انہی دنوں اپنے آپ کو حجاب جنوں میں چھپانا قرینِ قیاس معلوم ہو سکتا ہے۔ جب کہ ان کو منصب قضا پر مجبور کیا جا رہا ہو۔ کیونکہ جب مسند قضا ان کی منتظر ہوگی تو اسی وقت ان کو اس سے ٹلنے کے لیے دیوانہ جنوں میں منہ چھپانے کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ نہ کہ جب ان کی تجویز قضا کا قصہ کہنہ ہو چکا۔ اور یہ مسند کسی اور قاضی کے وجود سے مشرف ہو

چکی۔ ساتھ ہی خاص و عام شیخ بہلول رحمۃ اللہ کو قاضی بنانے کے خیال سے باز آ چکے تو اب ان کو اخفائے حال اور لعب باطفال کی کیا ضرورت باقی رہ سکتی ہے بلکہ اگر انہوں نے پہلے ضرورۃً بتکلف ایسا کیا تھا تو اب ان کا اپنی اصلی حالت پر آ جانا قرین قیاس ہے۔

باوجودِ تو حرام ست و خبیث کہ کم از تو در قضا گوید حدیث

ترجمہ:۔ (اور کہتے ہیں کہ) آپ کے ہوتے (یہ بات) ناجائز اور ناپاک بات ہے کہ (کوئی) آپ سے کمرتبہ (آدمی منصبِ) قضا (کی امیدواری) میں کوئی بات کہے۔

در شریعت نیست دستوری کہ ما کمتراز تو شہ کنیم و پیشوا

ترجمہ:۔ (کیونکہ) شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ ہم آپ سے کمرتبہ کو (اپنا دینی) فرمانروا اور پیشوا بنائیں۔

زیں ضرورت گیج و دیوانہ شدم زیں گروہ از عجز بیگانہ شدم

لغات:۔ گیج پریشاں، بدحال مراد دیوانہ۔ از عجز میں از تعلیلیہ ہے یعنی مجبوراً۔

ترجمہ:۔ اس ضرورت سے میں بدحال اور دیوانہ بن گیا ہوں۔ اور مجبوراً ان لوگوں سے الگ تھلگ ہو گیا ہوں۔ صائب ۔

کنارہ گیر زمردم صفائے وقت ببیں کہ قطرہ گوشہ گرفت از محیط و گہر شد

مطلب:۔ جس طرح حضرت بہلول قدس سرہ نے اپنے آپ کو منصب قضا سے علیحدہ رکھا اس طرح بہت سے اکابرِ دین اس منصب سے کنارہ گیر رہنا پسند کرتے آئے ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ کو بنی امیہ کے عہدِ خلافت میں اس منصب جلیل کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو آپ نے صاف انکار کیا۔ اس حکم عدولی پر آپ کے تازیانے لگائے گئے آپ نے یہ اذیت اور ذلت گوارا کرلی مگر اس منصب کو قبول نہ کیا۔ پھر بنی عباس کے عہد میں خلیفہ منصور نے آپ کو اس منصب کے لیے سب سے زیادہ اہل پا کر اس کے قبول کرنے کے لیے کہا تو آپ نے اس کے سامنے بھی انکار فرمایا۔ خلیفہ نے قسم کھا کر کہا کہ آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑے گا۔ آپ نے بھی اس کے جواب میں قسم کھائی کہ میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔ آخر آپ کو قید کر دیا گیا اور قید ہی میں آپ کی وفات ہوئی۔ غالباً اس انکار کی وجہ یہ ہوگی کہ معاملاتِ عباد میں منصفانہ فیصلہ کرنے کا معاملہ نہایت مشکل اور دشوار بھی ہے اور نازک و پرخطر بھی۔ انسان ہر وقت ایسے اسباب و علل میں گھرا ہوا ہے جو اس کو فیصلہ حق کے نقطۂ اعتدال سے ہٹا دینے پر آمادہ رہتے ہیں۔ اور حقوق العباد کے متعلق آخرت کی دارو گیر سب سے زیادہ سخت ہے۔ مولانا بحر العلوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ائمہ سلف کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ قضا کے منصب سے انکار کرتے تھے۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ اس میں اشتغال بخلق ہے۔ یا یہ کہ وہ ڈرتے ہوں گے کہ اس منصبِ جلیل سے عُجب و غرور پیدا ہو گا یا انکار کی وجہ یہ ہوگی کہ جو لوگ جاہ و مال کی طلب میں گرفتار ہیں وہ اس سے انکار کریں۔ اس لیے کہ جب وہ ایک امامِ مقتدیٰ کو اس کے قبول کرنے سے پہلوتہی کرتے دیکھیں گے تو سوچیں گے کہ جب ایسے متورع و متقی بزرگ اس کو باعثِ خطر سمجھتے ہیں تو ہمارا کیا حال ہے اور یہی آخری وجہ امام اعظمؒ کے انکارِ قضا کی تہ میں کارفرما تھی۔ کیونکہ امام ممدوح کا مرتبہ صلاح و تقویٰ میں بہت بلند تھا۔ ان کو اشتغال بخلق ہرگز مضر نہیں ہو سکتا تھا اور آپ کی ذاتِ عالی صفات سے عجب و جاہ کوسوں دور تھا۔ انتہیٰ صائبؒ ۔

چو ماہِ نو سراز پائے تواضع برنمیدارم اگر باآں بزرگی آسماں گیرد رکابم را

آگے حضرت بہلول اور فرماتے ہیں:

ظاہراً شوریدہ و شیدا شدم لیک در باطن ہمانم کہ بدم

ترجمہ:۔ بظاہر میں دیوانہ اور باؤلا بن گیا ہوں۔ لیکن میں وہی ہوں جو پہلے تھا۔ صائب ”

در زیر خاک گردِ کسادی نہفتہ ایم از چشمِ خلق گوہرِ شہوارِ خویش را

عقلِ من گنج ست و من ویرانہ ام گنج اگر پیدا کنم دیوانہ ام

ترجمہ:۔ میری عقل ایک (مخفی) خزانہ ہے۔ اور میں (بلحاظ شکستہ حالی کے) ایک اجاڑ جگہ ہوں (جس میں یہ خزانہ گڑا ہے) اگر میں (اس) خزانہ (عقل) کو ظاہر کردوں۔ تو (بڑا) بیوقوف ہوں گا۔ صائبؔ۔

نہاں در زنگ ازاں چوں تیغ دارم جوہر خود را کہ من از عرضِ جوہر دوست تر دارم سر خود را

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد ایں عسس را دید و در خانہ نشد

لغات:۔ عسس کوتوال۔

ترجمہ:۔ (فی الواقع) دیوانہ وہ شخص ہے جو (اخفائے حال کے لیے) دیوانہ نہ بنے۔ اس کوتوال کو دیکھ لے اور (پھر) گھر میں نہ (چھپ) جائے۔

مطلب:۔ بڑا بے وقوف ہے وہ شخص جو فخر و بزرگ باشی کے لیے اپنی عقل و دانش کی نمائش کرتا پھرے۔ اور ہماری طرح دیوانہ نہ بن جائے۔ اور جس طرح کوتوال مجرموں کو گرفتار کرتا پھرتا ہے تو وہ اس کی صورت دیکھتے ہی بھاگتے اور چھپتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی باکمال کو لوگ محض اس کے کمال کی وجہ سے پکڑ کر کسی ایسے منصب پر سرفراز کرنے لگیں جس سے اس کے صفائی وقت میں تکدر پیدا ہونے اور اس کے اعلیٰ اخلاق کے عُجب و جاہ پسندی سے ملوث ہو جانے کا احتمال ہو اور وہ ان سے گریز کرنے کی کوشش نہ کرے تو وہ نرا احمق ہے۔ غنیؔ۔

نیست شہرت طلب آنکس کو کمالے دارد ہرگز انگشت نما بدر نبا شد چو ہلال

مگر واضح رہے کہ یہ شان ان بزرگوں کی ہے جن کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے کوئی خدمتِ خلق سپرد نہیں ہوئی۔ وہ بے شک کنجِ عزلت میں اپنے فرائض عینیہ ادا کریں اور اکیلے اللہ اللہ کیا کریں مگر جن بندگانِ حق کو خدمتِ خلق سپرد ہے ان کی اور بات ہے۔

دانشِ من جوہر آمد نے عرض ایں بہائے نیست بہرِ ہر عرض

لغات:۔ جوہر وہ موجود جو قائم بذاتہ ہو مراد پختہ، مضبوط، اٹل، مستقل، پائدار۔ عرض وہ موجود جو قائم بالغیر ہو مراد کمزور غیر مستقل، ناپائدار، دوسرے کا سہارا چاہنے والا۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ دونوں مصرعوں میں عرض بعین مہملہ و فتح رائے مہملہ ہے۔ اور دوسرے مصرعہ میں اس کے معنی متاع و سامان کے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ دوسرے مصرعہ میں یہ لفظ بغین معجمہ ہو بمعنی مقصود و مدعا۔ مگر پہلی تقدیر اولیٰ ہے (انتہی)۔ بہا قیمتِ صنائع عرض دونوں جگہ بعین مہملہ کی تقدیر پر صنعتِ تجنیسِ تام ہے۔

ترجمہ:۔ میری عقل مستقل و (پائدار) ہے۔ نہ کہ غیر مستقل (و ناپائدار کہ اس کا فروغ پانا دوسروں کے سامنے نمایاں کرنے پر موقوف ہو) یہ (عقل) ہر متاع دنیا (یا ہر غرضِ دنیاوی) کی قیمت (بننے کے قابل) نہیں۔

مطلب:۔ میری عقل نہ اپنے کمال کے لیے اظہار و نمائش کی محتاج ہے اور نہ حطام دنیا پر قربان کرنے کے قابل ہے۔

کانِ قندم نیستانِ شکّرم ہم زمن میروید و من مے خورم

ترجمہ:۔ میں تو قند کی کان ہوں (اور) نیشکر کا کھیت ہوں۔ شکر خود مجھ سے پیدا بھی ہوتی ہے اور میں ہی (اس سے) فائدہ اٹھاتا ہوں۔

مطلب:۔ میں اپنے علوم و معارف سے خود ہی لذت اٹھاتا ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی قدر دان اور میرے کمال کا معترف ہو۔صائبؒ۔

خط پاکی ست گمنامی زکلفت گوشہ گیراں را سیاہی درنگین نامداراں خانہ مے سازد

وقیل۔

شہرت و نام آوری سرمایۂ آرام نیست جز خراشِ دل نگیں را حاصلے از نام نیست

علمِ تقلیدی و تعلیم ست آں کز نفورِ مردُ ماں دارد فغاں

لغات:۔ علمِ تقلیدی نقلی علم کسی دوسرے کے پیچھے لگ کر سیکھا ہوا علم اور پیچھے لگنے سے مراد یہ کہ یا تو دوسرے سے سنی سنائی بات آنکھیں بند کر کے مان لی۔اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔یا یہ کہ دوسرے کی خوشی کے لیے اس علم کو سیکھا اپنے حصولِ کمال کے لیے نہیں سیکھا۔اس کے مقابلے میں تحقیقی یعنی اصلی علم ہے۔جس سے پورا یقین داذعان حاصل ہو۔اور اس سے خود اپنی بہتری مقصود ہو۔ نفور نفرت،بیقدری۔فغاں فریاد،شکایت۔

ترکیب:۔ علم اور تعلیم بترکیب عطفی موصوف تقلیدی اس کی صفت ہے۔بعض نسخوں میں یہ مصرعہ یوں درج ہے علم تقلیدی و تعلیمی ست آں۔اس صورت میں علم موصوف تقلیدی اس کی صفت اول اور تعلیمی صفت ثانی ترجمہ دونوں طرح جداگانہ ہوسکتا ہے۔

ترجمہ:۔ (۱) نقلی علم و تعلیم وہ ہے جو لوگوں کی بےقدری کی شاکی ہے۔

(۲) نقلی اور (صرف زبانی لسانی) پڑھا ہوا علم وہ ہے جو الخ۔

مطلب:۔ جو علم دنیا میں قدر و شہرت کا محتاج ہے اور اسی پر اس کے بقاوفروغ کا مدار ہے تو وہ علم تقلیدی ہے۔علم تحقیقی کو ان باتوں کی ضرورت نہیں خود صاحبِ علم اس سے محظوظ و منتفع ہوتا ہے۔لہذا فرماتے ہیں کہ ہمارا علم تحقیقی ہے۔تقلیدی نہیں۔پس اگر ہم مجنون ہوگئے اور اس حالت میں ہمارا کوئی قدردان نہیں تو نہ سہی۔ہم اس حالت میں شاداں و فرحاں ہیں بقول۔غالب مرحوم۔

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

وکما قیل۔

شعرم نبود منتظر گوش حریفاں ایں خوانِ سخن ہست کہ محتاج صلا نیست

چوں پئے دانہ نہ بہرِ روشنی ست ہمچو طالب علم دنیائے دُنی ست

لغات:۔ دانہ سے رزق و روزی مراد ہے۔روشنی نور معرفت،نور ہدایت دنی کمینہ خسیس

ترجمہ:۔ (وہ علم اگرچہ تفسیر و حدیث وغیرہ علومِ دین کی قسم سے ہی کیوں نہ ہو۔مگر) چونکہ وہ روٹی کمانے کے لیے (حاصل کیا ہے۔نہ کہ نور (ہدایت حاصل کرنے) کے لیے (اس لیے اس کو طلب کرنے والا) ایسا ہے جیسے ناچیز دنیا کا علم طلب کرنے والا۔

مطلب:۔ علم دین کو دنیا کمانے کے لیے پڑھنا کسی اجر و ثواب کا موجب نہیں ہوسکتا۔جیسے کوئی علم فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ علوم دینیہ اس امید پر پڑھے۔کہ کسی دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو کر تنخواہ پائیں گے۔یا یہ مقصود ہو کہ شہر بشہر وعظ و تذکیر کرتے پھریں گے اور لوگوں سے نذرانے وصول کریں گے۔بلکہ اس قسم کی کسی غرض کے لیے علمِ دین پڑھنا موجب وبال و نکال ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا یَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَعْنِیْ رِیْحَهَا۔

یعنی جو شخص کوئی ایسا علم حاصل کرے جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے۔ مگر وہ اسے اس لیے حاصل کرے کہ اس سے دنیا کا سازو سامان کمائے۔ وہ قیامت کے روز بہشت کی ہوا بھی نہ پائے گا۔ یعنی اس کی خوشبو (مشکوٰۃ) حضرت کعب ابن مالک سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ طَلَبَ عِلْمَهُ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفُ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ یعنی جو شخص اس غرض سے علم پڑھے کہ اس کے زور سے علماء سے بحث کرے گا یا نادان لوگوں کو دبائے گا۔ یا اس کے ذریعہ سے لوگوں کی توجہ اس کی طرف ہو جائے گی۔ اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ امیر خسروؒ۔

علم کہ از بہرِ فریبِ خراں ست کوُن خر از عالم غدار بہ

طالبِ علم ست بہرِ عام و خاص نے کہ تا یابد ازیں عالم خلاص

ترجمہ:۔ وہ عام و خاص لوگوں (کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان سے روپیہ کمانے) کے لیے علم پڑھتا ہے نہ کہ (اس غرض سے) کہ اس سے عالَم (دنیا) نجات پائے۔

مطلب:۔ دنیا سے نجات پانے کا مطلب یہ کہ حلال و حرام اور مکروہ و مباح اور مشروع و محذور کی خبر ہو جائے۔ اور اس خبر و علم کی روشنی میں اپنے آپ کو گناہ کی آلودگی سے بچائے جس سے دنیا بھری پڑی ہے۔ یعنی جو شخص علم دین سے محض اکتساب حسنات اور اجتنابِ عن السیئات میں مدد لیتا ہے وہ دنیا سے نجات پانے والا ہے۔ اگرچہ ابھی دنیا میں زندہ موجود ہے اور بخلاف اس کے جو شخص گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا وہ مرنے کے بعد بھی دنیا سے نجات نہیں پاتا۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی دنیا کی آلودگی سے ملوث ہے۔ جس سے مراد گناہ ہے۔ آگے ایسے طالب علم کی ایک مثال پیش فرماتے ہیں:

ہمچو موشے ہر طرف سوراخ کرد چونکہ نورش راند از در گشت سرد

ترجمہ:۔ (اس طالب علم کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک چوہا جس نے (زمین کے اندر ہی اندر) ہر طرف (طلب رزق کے لیے) سوراخ کیے ہیں چونکہ (بیرونی فضا کی) روشنی نے اس کو (بل کے) دروازے سے (اندر کو) ہٹا دیا ہے۔ اس لیے وہ باہر نکلنے سے افسردہ ہوتا ہے۔

مطلب:۔ جس طالب علم کا مطمعِ نظر حصولِ دنیا ہو۔ اس کی مثال چوہے کی سی ہے۔ چوہے کا قاعدہ ہے کہ روشنی سے اذیت محسوس کرتا ہے ہمیشہ تاریکی میں اپنا کاروبار چلاتا ہے۔ اور اندھیرے کونوں کھدروں میں طلب رزق کے لیے تگ و دو جاری رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ طالب علم بھی علم کی اس روحانی روشنی سے منتفع نہیں ہوتا جو اس کا اصل مدعا ہے بلکہ اپنی غرض مندی کی ظلمت میں طلبِ دنیا کے لیے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اور دین و آخرت کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ کما قیل۔

اہل دنیا نتوانند بعقبےٰ پرداخت غیرِ مردار شکارے نبود کرگس را

الخلاف:۔ بعض نسخوں میں اس شعر کے بجائے یہ دو شعر درج ہیں۔

ہمچو موشے ہر طرف سوراخ کرد نیست مرغے از ہمہ سوراخ فرد

ہمچو موشے ہر طرف سوراخہا میکند غافل از انوار لقا

یعنی (وہ طالب علم) اس چوہے کی مانند (ہے) جو ہر طرف (طلب رزق کے لیے) سوراخ بناتا ہے۔ وہ (اس) پرند (کی مثل) نہیں جو تمام سوراخوں سے بے نیاز ہے۔ (اور ایک فضائے وسیع سے رزقِ خداداد پاتا ہے۔ ہاں) اس چوہے کی طرح (یہ بھی) ہر طرف سوراخ کرتا ہے۔ (اور) انوارِ دیدار (الہٰی) سے غافل ہے۔ یہ نسخہ واضح المعنی اور اشمل بمطلوب ہے۔

چونکہ سوئے دشت و نورش رہ نبود ہمدراں ظلمات جہدے مے نمود

ترجمہ:۔ چونکہ اس (بدنصیب) کو فضائے کشادہ) اور اس کی روشنی کی طرف راہ نہیں (ملی) اس لیے وہ انہی اندھیروں میں کوشش کرتا ہے۔

مطلب:۔ اس دنیا کے غرض مند طالب علم کی اس روش کا منشا یہ ہے کہ نورِ معرفت تک تو اس کی رسائی نہیں کہ وہ رزاقِ مطلق کی عنایاتِ بیغایات سے متمتع ہوتا۔ بفحوائے وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اس لیے مجبوراً وہ طلب دنیا کے لیے اپنی ظلمتِ جہل ہی کے محدود رقبے میں سرگرمِ جدوجہد ہے۔

گر خدایش پردہد او باخرد برہد از موشی و چوں مرغاں پرد

لغات:۔ برہد فعل مستقبل از رستن بمعنی نجات یافتن موشی چوہاپن یائے معروف مصدری ہے۔

ترجمہ:۔ اگر خداوند تعالیٰ اس کو پردے تو وہ (اپنی) عقل کی بدولت چوہے پن سے چھوٹ جائے اور پرندوں کی طرح پرواز کرنے لگے۔

مطلب:۔ اگر اللہ تعالیٰ اس طالب کو اغراضِ سفلیہ دنیویہ سے نجات بخش کر معرفت کی مراداتِ عالیہ کی طرف رسائی نصیب کرے تو وہ اس عقلِ خداداد کی بدولت چوہے کی سی تنگ چشمی و پست نظری سے نکل کر پرندوں کی طرف عروج اختیار کرے۔

الخلاف:۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں درج ہے۔ ع گر خدایش پردہد پرخرد۔ اس صورت میں یہ خرد پہلے پر کا بدل ہے اور اختیار کردہ نسخہ میں باخرد جارو مجرور برہد سے متعلق تھا۔

ورنجوید پر بماند زیرِ خاک ناامید از رفتنِ راہِ سماک

لغات:۔ سماک بکسرِ اول ایک ستارہ کا نام ہے جو قمر کی منازل میں سے چودھویں منزل ہے۔ یہاں کنایہ ہے بلندی و عروج سے۔ اور سماک دو ہیں۔ ایک سماک اعزل دوسرا سماک رامح۔

ترجمہ:۔ اور اگر وہ (تحقیق کے) پر تلاش نہ کرے تو (جہل و تقلید کی) خاک ہی میں پڑا رہتا ہے۔ (اور) راہِ عروج پر چلنے سے ناامید (رہتا ہے۔)

علم و گفتارے کہ آں بیجاں بود عاشقِ روئے خریداراں بود

ترجمہ:۔ جو علم اور (علمی) گفتگو بے جان ہو وہ اپنے قدر دانوں کی توجہ پر عاشق ہوتی ہے۔

مطلب:۔ جس علم و علمی گفتگو میں حقانیت کی روح نہ ہو بلکہ صرف نمائشِ آب و تاب اور لفظی سج دھج ہو اس کی گرم بازاری صرف داد دینے والوں کے ساتھ قائم ہے۔ اور اگر کوئی داد دینے والا نہ ہو تو وہ علم اور اس کی گفتگو ہباء منثوراً بن کر رہ جاتی ہے بخلاف اس کے جس علم میں حقانیت کی روح ہو وہ اپنی بقا کے لیے قدر دانوں اور داد دینے والوں کا محتاج نہیں۔ آفتاب کا نور خود دنیا کو منور کر رہا ہے۔ خواہ کوئی اس کو دیکھے یا نہ دیکھے۔ بلکہ اگر شپرک و موشکِ کور کی آنکھیں اس کو دیکھنا پسند نہیں کرتیں تو اس کی تابانی و درخشانی میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی۔

الخلاف:۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ علم و گفتار کے بجائے علمِ گفتاری بیائے معروف نسبتی پر مشتمل ہے۔ جس کے معنی ہیں علمِ قولی یعنی جو علم صرف زبان و لسان تک محدود ہو۔ اور اس کے یقین واذعان کی جڑیں دل کی تہ تک راسخ نہ ہوں۔ حافظؒ

شرحِ مجموعۂ گل مرغ سحر داند بس — کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

گرچہ باشد وقتِ بحث ایں علم زفت — چوں خریدارش نباشد مُرد ورفت

ترجمہ:۔ اگرچہ بحث (مباحثہ) کے وقت یہ علم بہت شاندار (محسوس) ہوتا ہے (مگر) جب کوئی اس کا قدردان نہ ہو تو مٹ جاتا اور زائل ہو جاتا ہے۔

مطلب:۔ علمِ تقلیدی و کسبی کی فی الواقع یہ حالت ہے کہ اگر اس کو پڑھنے پڑھانے والے ہوں تو قائم رہتا ہے۔ ورنہ عرضۂ فراموشی ہو جاتا ہے۔ مگر جو علم تحقیقی و وہبی ہوتا ہے اس کو کسی خریدار و قدردان کے بغیر ہمیشہ بقاء و ترقی حاصل ہے اس لیے کہ اس کا تعلق عطائے حق سے ہے اور اس کی عطا ہر وقت ہے۔ لہٰذا وہ ہر وقت ترقی و عروج پاتا رہتا ہے۔ اس کو کسی ظاہری قدردان کی ضرورت نہیں۔ اس کا خریدار و قدردان حق تعالیٰ ہے۔ چنانچہ حضرت بہلولؒ فرماتے ہیں:

مشتریِ من خدایست و مرا — میکند بالا کہ اَللّٰہُ اشْتَرٰی

لغات:۔ مشتری خریدار۔ اللہ اشتری اشارہ ہے اس آیت قرآنیہ کی طرف کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے اس عوض پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔ (توبہ ع ۱۴)

ترجمہ:۔ میرا (اور میرے علم کا) خریدار تو اللہ تعالیٰ ہے اور وہ مجھ کو عالمِ بالا (یعنی اپنے قرب) کی طرف کھینچ رہا ہے (چنانچہ اس کا ارشاد ہے) کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی الخ

خون بہائے من جمالِ ذوالجلال — خون بہائے خود خورم کسبِ حلال

لغات:۔ خونبہا بہائے خون۔ باضافت مقلوب خون کی قیمت، دیت، وہ نقد و جنس جو کسی مقتول کے خون کے عوض میں اس کے وارثوں کو ادا کریں۔

ترجمہ: میرا خونبہا خداوند ذوالجلال کا جمال ہے میں خود اپنا خون بہا کھاتا ہوں (جو میری) حلال کمائی (ہے)۔

مطلب:۔ مجھ کو جو حق تعالیٰ نے خرید لیا ہے تو اس کی قیمت میں مجھ کو اپنے جمالِ پاک کے دیدار سے مشرف فرماتا ہے میں نے اس تشریف و اکرام کی خوشی میں اس کے لیے اپنی جان تک فدا کر دی ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ میں اس جمال سے جو میری جان کے سودے کے عوض ملا تھا اور جس کی خوشی میں میں نے اپنے آپ کو فدا کر دیا تھا لذت گیر ہو رہا ہوں۔ گویا اپنا خون بہا خود کھا رہا ہوں جو میرے لیے بالکل حلال و طیب ہے۔

ایں خریدارانِ مفلس را بہل — چہ خریداری کند یک مشتِ گل

ترجمہ:۔ ان مفلس خریداروں کو چھوڑ دو۔ ایک مشت خاک کیا خریداری کرے گی؟

مطلب:۔ تمہارے علم کے جو لوگ قدردان ہیں ان کی قدردانی کی پروا نہ کرو۔ یہ قدردانی ناپائدار و ناقابلِ اعتبار ہے۔ ذرا سی خودغرضی کے خیال سے بالائے طاق رکھی جا سکتی ہے۔ کما قیل۔

بیوفائی ست گلِ دوستیِ اہلِ جہاں — گر دہم گشتن نہاں گردشِ ایام بود

نیز وہ خود مفلس و محتاج ہیں۔ اس جوہرِ بے بہا کی قیمت کیا ادا کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس فیاضِ برحق اور جوادِ مطلق کو اپنا خریدار بناؤ جس

کی قدر دانی لازوال ہے۔ اور اس کے انعام واکرام کے خزانے بے پایاں ہیں۔ یہاں مشتِ خاک کو اپنا خریدار بنانے سے جو منع کیا تھا تو اس مناسبت سے اب استعمالِ خاک کی مذمت فرماتے ہیں:

گِل مخر گِل را مخور گِل را مجو　　　　زانکہ گِل خوارست دائم زرد رو

صنائع:۔ مخر اور مخور میں صنعتِ تجنیس محرف۔ زرد رو کے لفظ میں ایہام ہے۔

ترجمہ:۔ مٹی (یعنی دنیا) کو نہ خریدو مٹی کو نہ کھاؤ اور مٹی کی تلاش نہ کرو کیونکہ مٹی کھانے والے کا چہرہ ہمیشہ زرد رہتا ہے۔

مطلب:۔ زرد رو کنایہ ہے شرمندہ یا ناکام و نامراد سے کیونکہ شرمندگی اٹھانے والے کا چہرہ عموماً زرد ہو جاتا ہے۔ اور عاشقِ ناکام کا چہرہ بھی عموماً قلتِ خون کی وجہ سے زرد ہو جاتا ہے اور مٹی کھانے والے کا رنگِ بدن بھی اکثر زرد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مٹی کے اثر سے جگر کے فعلِ ہضم میں فتور آ جاتا ہے۔ اور اس سے خونِ صالح پیدا نہیں ہو سکتا۔ جو سرخیِ جسم کا باعث ہے۔ فرماتے ہیں کہ مٹی نہ کھاؤ۔ مٹی کھانے والا زرد رو ہو جاتا ہے یعنی طلبِ دنیا کے لیے نہ مرو اور اہلِ دنیا پر بھروسہ نہ رکھو لوگوں پر بھروسہ رکھنے والا خدا کے سامنے شرمندہ اور دارین میں نامراد رہتا ہے۔ حافظؒ ۔

اے گدایانِ خرابات خدا یار شماست　　　　چشم انعام مدارید ز انعامے چند

بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے گِل مخور گِل را مخر گِل را مجو۔ اور بلحاظ ترتیب مضمون یہ نسخہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ناصح کا خطاب سب سے پہلے مٹی کھانے سے منع کرنے کے لیے ہے۔ جو زردیِ چہرہ کا باعث ہے۔ اور مٹی کھانے والا اس کو خرید کر حاصل کرتا ہے۔ تو فرماتے ہیں اس کو خریدو بھی نہیں۔ پھر اس کی خریداری کی نوبت طلب وتلاش کے بعد آتی ہے۔ لہٰذا ارشاد ہے کہ اس کو تلاش بھی نہ کرو۔ پس مصرعہ میں ترتیب نہی سلسلہ اسباب کی ترتیب کے مطابق ہے۔

دل بخر تا دائما باشی جواں　　　　از تجلی چہرہ ات چوں ارغواں

ترجمہ:۔ (ہاں) دل کے خریدار بنو۔ تاکہ تم ہمیشہ جواں (اور قوی القلب) رہو۔ اور نور (حق) سے تمہارا چہرہ ارغواں کی طرح (سرخ وروشن رہے)

مطلب:۔ دنیا کے ظاہری ساز وسامان کی طلب پر نہ مرو۔ بلکہ کمالات باطن کے حصول کی کوشش کرو۔ صائبؒ ۔

طالبِ گوہرِ عشقی دل روشن بکف آر　　　　لیکن ایں شمع تجلیِ یدِ بیضا باشد

طالبِ دل شو کہ تا باشی چو مُل　　　　تا شوی شاداں وخنداں ہمچو گُل

لغات:۔ مُل شراب یہاں مثلِ شراب سے مراد سرخ رنگ ہے اور اس تشبیہ میں وجہِ شبہ سرخی ہے۔

ترجمہ:۔ (ہاں ہاں) دل کے طالب بنو۔ تاکہ تم شراب کی طرح (سرخ رو) بن جاؤ (اور) تاکہ تم پھول کی طرح تروتازہ اور خنداں ہو جاؤ۔

مطلب:۔ شراب کا رنگ سرخ ہوتا ہے اس لیے فرمایا کہ شراب کی طرح سرخرو بن جاؤ۔ اور پھول تازگی وخندہ روئی میں ضرب المثل ہے اس لیے کہا کہ پھول کی طرح شاداں وخنداں رہو۔ بعض نسخوں میں پہلے مصرعہ میں گل اور دوسرے میں مل درج ہے۔ اس تقدیر پر پہلے مصرعہ میں پھول کے ساتھ تشبیہ تازگی میں ہوگی۔ مگر دوسرے مصرعہ میں شراب کے لیے شادی وخندہ کا اثبات بہ تکلف کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ دوسرے کے لیے باعثِ خندہ وسرور ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ خود شاداں وخنداں ہو۔ صائبؒ ۔

ہر کہ در دریائے ہستی دامن دل را گرفت بے تردد موجہ اش دامانِ ساحل را گرفت

دل نباشد آنکہ مطلوبش گِل ست این سخن را روئے بر صاحبدل ست

ترجمہ:۔ (وہ دل) دل ہی نہیں ہوتا۔جس کا مطمعِ نظر مٹی ہو۔(اور) اس بات کا خطاب صاحبِ دل سے ہے۔(مردہ دل اس کو کیا سمجھے گا۔)

مطلب:۔ وہ دل بھی کیا خاک دل ہے جس کا مقصود سفلیات و مادیات ہوں۔ یہ بات قلبِ بیدار سے بعید ہے۔حقیقت میں تمام اشیاء دولتِ دل کے آگے ہیچ ہیں۔اور افضل مفضول کا طالب ہو یہ ناممکن ہے۔البتہ مفضول کو افضل کا طالب ہونا چاہیے۔ لہٰذا اگر تمام حطامِ دنیا دل پر فدا ہو جائیں۔تو یہ غیر مناسب نہیں۔صائبؔ۔

بغیر دل کہ عزیز و نگاہد اشتنی ست جہاں و ہرچہ دروہست واگزاشتنی ست

مولانا کی ایک عادت شریف یہ ہے کہ اثنائے بیان میں جہاں کسی قسم کی پریشانی واضطراب محسوس کرتے ہیں، تو دعا پر مائل ہو جایا کرتے ہیں۔اوپر جو کہا تھا کہ عالمِ سفلی سے تعلق منقطع کر کے عالمِ غیب سے رابطہ پیدا کرنا چاہیے' تو چونکہ یہ اپنے اختیار کی بات نہ تھی۔اس لیے اس بات سے بے قرار ہو کر کہتے ہیں:

یارب این بخشش نہ حدِ کارِ ماست لطفِ تو لطفِ خفی را خود سزاست

ترجمہ:۔ اے پروردگار یہ بخشش (عظیم) ہمارے بس کی نہیں (کہ ہم عالمِ سفلی سے منقطع ہو کر عالم پاک سے ربط پیدا کرلیں اس) مخفی انعام (کے دلانے) کے لیے خود تیری مہربانی ہی سزاوار ہے (اسی کی بدولت یہ عطیۂ کبریٰ ہم کو ملے تو ملے)

دستگیر از دستِ ما ما را بخر پردہ را بردار پردۂ ما مدر

ترجمہ:۔ (الٰہی ہماری) دستگیری کر ہم کو ہمارے ہاتھ سے نجات دلا دے (ہمارے اور تیرے مابین جو) پردہ بیگانگی حائل ہے اس کو اٹھا دے۔اور ہماری پردہ دری (کر کے ہم کو رسوا) نہ کر۔

باز خر ما را ازیں نفسِ پلید کاردش تا استخوانِ ما رسید

ترجمہ:۔ ہم کو ہمارے نفس پلید سے خرید لے۔اس (ظالم) کی چھری ہماری ہڈی تک پہنچ گئی۔

از چو ما بیچارگاں ایں بندِ سخت کہ کشاید جز تو اے سلطانِ بخت

ترجمہ:۔ اے قسمتوں کے فرمانروا! ہم ایسے بے چارہ لوگوں سے اس سنگین قید کو تیرے سوا کون کھول سکتا ہے۔

الخلاف:۔ بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے "کہ کشاید اے شہِ بے تاج وتخت" یعنی اے وہ شہنشاہِ حقیقی جو تاج وتخت کے تعلق سے منزہ ہے۔

اے چنیں قفلِ گراں را اے ودود کہ تواند جز کہ فضلِ تو کشود

ترجمہ:۔ اے حقیقی دوست ایسے وزنی قفل کو تیرے فضل کے سوا کون کھول سکتا ہے۔

ما زِ خود سوئے تو گردانیم سر چوں توئی از ما بما نزدیک تر

ترجمہ:۔ چونکہ تو ہمارے لیے خود ہم سے بھی زیادہ نزدیک ہے (اس لیے) ہم تیری طرف (متوجہ ہوتے ہوئے) اپنے آپ سے رخ پھیرتے ہیں۔

مطلب:۔ دوسرے مصرعہ کا مضمون سورۂ ق کی اس آیت سے ماخوذ ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ یعنی ہم اس کی طرف شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

باچنیں نزدیکئے دوریم دور　　　درچنیں تاریکئے بفرست نور

ترجمہ:۔ (مگر افسوس کہ) ہم اس قدر نزدیکی کے باوجود دور ہی دور ہیں۔ (الٰہی) ایسی تاریکی میں نور بھیج۔

مطلب:۔ ہم ظلمتِ نفس میں گرفتار ہیں تو اپنے فضل سے اپنا نورِ معرفت عطا فرما۔ صائبؒ۔

یارب از عرفاں مرا پیمانۂ سرشار دہ　　　چشم بینا، جانِ آگاہ و دلِ بیدار دہ

ایں دعا ہم بخشش و تعلیمِ تست　　　ورنہ در گلخن گلستاں از چہ رست

ترجمہ:۔ (ہم اعتراف کرتے ہیں کہ) یہ دعا بھی تیری ہی بخشش اور تعلیم (سے ہماری زبان پر آ گئی) ہے۔ ورنہ (ہماری) بھاڑ (کی سی طبیعت) میں (ان خیالاتِ نفیسہ کا) باغ کہاں اگتا؟

درمیانِ خون و روده فہم و عقل　　　جز ز اکرامِ تو نتواں کرد نقل

ترجمہ:۔ (تیری قدرت کی دوسری مثال یہ ہے کہ) فہم و عقل (جیسے جوہرِ عالی) کو خون اور انتڑی (جیسے گندے مواد) میں لے جانا بھی تیری بخشش کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا۔ نظامیؒ۔

گر کسے پرسدت کہ دانش پاک　　　زآدمی خیزد، آدمی از خاک

گو گلاب از گل و گل از خارست　　　نوش درمہرہ مہرہ درمارست

از دو پارہ پیہ آں نورِ رواں　　　موجِ نورش میرود تا آسماں

لغات:۔ پیہ بروزنِ فیل چربی۔ نورِ رواں جاری روشنی، وہ روشنی جو آگے بڑھتی چلی جائے۔ حکما کہتے ہیں کہ آنکھ کو اشیاءِ عالم کے نظر آنے کی صورت یہ ہے کہ آنکھ سے ایک نورِ بصارت نکل کر کسی شے سے ٹکراتا ہے اور پھر آنکھ میں واپس آ کر اس شے کا احساس کراتا ہے پس جب آنکھ ایک لمحہ میں میلوں دور کی چیز دیکھ لیتی ہے تو اس کے نورِ بصر کی سرعتِ رفتار کا اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں اور جب سے اس انداز سے وہ آسمان کو بھی دیکھ لیتی ہے تو اس کی سرعتِ روانی کا کیا ٹھکانا۔

ترجمہ:۔ (تیسری مثال) چربی کے دو ٹکڑوں (یعنی آنکھ کے دو ڈھیلوں) سے تو نے وہ سریع السیر نور پیدا کیا ہے۔ جس کی موج آسمان سے جا ٹکراتی ہے۔ سعدیؒ۔

در معرفت دیدۂ آدمی ست　　　کہ بکشادہ بر آسمان و زمی ست

کیف فہم بودے نشیب و فراز　　　گرایں درنہ کردے بروئے تو باز

گوشت پارہ کہ زباں آمد از و　　　میرود سیلابِ حکمت ہمچو جو

سوئے سوراخیکہ نامش گوشہاست　　　تا بباغِ جاں کہ میوہ اش ہوشہاست

ترکیب:۔ گوشت پارہ باضافتِ مقلوب مبین۔ کہ زبان آمد بمعنی کہ زبان ست جملہ اسمیہ اس کا بیان از و متعلق میرود کے۔ سوئے سوراخے الخ مفعول فیہ ہے۔ میرود کا۔

ترجمہ:۔ (چوتھی مثال) اس گوشت کے ٹکڑے سے جو کہ زبان ہے۔ علم کا ایک سیلاب نہر کی طرح اس سوراخ کی طرف جس کو کان کہتے ہیں جاری ہے (اور اس کی رفتار) روح کے باغ تک (ہے) جس کا میوہ (ادراکات وافہام ہیں (یہ بھی تیری ہی قدرت ہے) سعدیؒ۔

بحکمت زباں دادو گوش آفرید — کہ باشند صندوقِ دل را کلید
وگرنہ زباں قصہ برداشتے — کس ازسرّ دل کے خبرداشتے
وگر نیستے سعی جاسوسِ گوش — خبر کے رسیدے بسلطانِ ہوش
مرا لفظ شیریں خوانندہ داد — ترا سمع ادراک دانندہ داد
مدام ایں دوچوں حاجباں بردرند — ز سلطاں بسلطاں خبر میبرند

شاہراہِ باغِ جانہا شرعِ اوست — باغ وبستانہائے عالم فرعِ اوست

لغات:۔ شرع اصطلاع میں شریعت، احکام دیں، ناموس الٰہی، قانون مذہب۔ لغت میں راستہ فرع شاخ۔

ترکیب:۔ او کی ضمیر پہلے مصرعہ میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور دوسرے مصرعہ میں شرع کی طرف اور اس صورت میں شرع بمعنی دینِ اسلام ہے اور بقول شیخ ولی محمدؒ اوست کی ضمیر دونوں جگہ سیلاب حکمت کی طرف راجع ہے۔ اور اس تقدیر پر شرع بمعنی راہ ہے (بحرالعلوم) ترجمہ بہر دو تقدیر دو طرح ہوگا۔

صنائع:۔ شاہراہ، باغ بستاں، فرع مناسبات ہیں۔

ترجمہ:۔ (۱) اس خداوند جل وعلا یا اس کے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرع جانوں کے باغ کا شاہراہ ہے (اور) جہان کے باغ وبستان اس (شرع) کی شاخ (اور اس کے تابع ہیں)

مطلب:۔ پہلے فرمایا تھا کہ سیلاب حکمت زبان سے کان کی طرف جا کر باغِ جان میں پہنچتا ہے۔ اب یہ ارشاد ہے کہ باغ جان کی شاہراہ اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرع شریف ہے کہ سیلابِ حکمت اس راہ سے گزر کر باغِ جان میں پہنچتا ہے اور دوسرے جس قدر چمنستانِ علم وحکمت ہیں وہ اس شرع کی فرع ہیں۔ کہ اگر یہ شرح ان کی تائید کرے تو وہ باغِ جاں ہو سکتے ہیں۔ ورنہ محض داغ جاں ہیں۔ یہ تقریر موزوں تر ہے۔ (بحرالعلوم)

(۲) باغ جاں کی شاہراہ اسی (سیلاب) کا راستہ ہے (وہی اس کے بہنے کی جگہ ہے اور) عالم (بھر) کے باغ (سب کے سب اسی (سیلاب) کی فرع ہیں (اور اس سے ناشی ہوئے ہیں)۔

مطلب:۔ سیلاب حکمت کی گزرگاہ باغ جان کے سوا اور کہیں نہیں۔ اور یہ علم وحکمت ہی تمام مخلوقات عالم کی اصل اور منشا ہے۔ مگر پہلے معنی بلند اور موافقِ ذوق ہیں۔ (بحرالعلوم)

اصلِ سرچشمہ خوشی آنست آں — زود تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهَار خواں

لغات:۔ تجری الخ قرآن مجید میں کئی جگہ بہشت کی تعریف میں یہ آیت آتی ہے۔ کہ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

ترجمہ:۔ خوشی کا اصلی سرچشمہ وہی (سیلاب حکمت) ہے۔ وہی۔ (باور نہ ہو تو) فوراً جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰر پڑھ لو۔

مطلب:۔ اگرچہ یہ نصِ ظہرِ قرآن سے جنات وانہارِ حسیہ پر ہی دال ہے مگر بطنِ قرآن سے جنات وانہارِ معنویہ ومعارفِ الٰہیہ

پر بھی دلالت کرتی ہے۔ (کلید مثنوی)

قصۂ رنجور گوبا مصطفیٰؐ زانکہ لطفِ حق ندارد منتہیٰ

ترجمہ:۔ اب اس بیمار کا قصہ (جو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (گزرا) بیان کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا تو خاتمہ نہیں۔

مطلب:۔ نعمائے الٰہیہ میں سے توفیقِ دعا، فہم وعقل، نورِ بصر، قوتِ تکلم حسن سماعت، سیلاب حکمت وغیرہ کے بیان کے بعد فرماتے ہیں۔ چونکہ حق تعالیٰ کی الطاف وعنایات نامتناہی ہیں۔ لہٰذا وہ شمار میں نہیں آسکتیں۔ اِنْ تَعُدُّوْ انِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔

از دست و زبان کہ برآید کز عہدۂ شکرش بدر آید

لہٰذا اپنے عجز کا اقرار کرکے اس مریض کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کہ ان کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا قصہ ہوا۔

شکرِ نعمت چوں کنی چوں شکرِ تو نعمتِ تازہ بود ز احسانِ او

ترجمہ:۔ تم (اس کی) نعمتوں کا شکر کیونکر (ادا) کرسکتے ہو۔ جبکہ (یہ) تمہارا شکر اس کے احسانات میں سے خود ایک تازہ نعمت ہے۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت پر شکر کرنے کی توفیق بجائے خود ایک نعمت ہے۔ اگر اس کا شکر کرو گے تو وہ شکر بھی ایک نعمت ہوگی۔ اس کا شکر بھی واجب ہے۔ وھَلُمَّ جرًا۔ غرض کسی طرح بھی اس کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ حافظؒ

کجالبِ صدف و شکرِ ابرِ نیسانست کہ از شمار بروں قطرہ ہائے باران است

عجزِ تو از شکرِ شکر آمد تمام فہم کن دریاب قد تم الکلام

ترجمہ:۔ تمہارا شکر سے عجز (کا قرار کرنا) ہی پورا شکر ہے۔ (اس نکتہ کو) سمجھ لو۔ اور یاد رکھو۔ قصہ ختم ہوا۔

مطلب:۔ جب بندہ اس کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ تو اس حالت میں بھی شکر ہے کہ کہا جائے لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ میں تیری پوری پوری حمد وثنا نہیں کرسکتا۔ تیری تعریف بس وہی ہے جو تو نے اپنے لیے خود کی ہے۔ سعدیؒ

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیرِ خویش عذر بدرگاہ خدا آورد ورنہ سزاوارِ خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

نصیحت کردنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار را و دعا آموزیدنِ او را

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار کو نصیحت فرمانا اور اس کو دعا سکھانا

گفت پیغمبر مر آں بیمار را چوں عیادت کرد یارِ زار را

کہ مگر نوعے دعائے کردۂ از جہالت زہر بائے خوردۂ

لغات:۔ یارِزار دوست جس کی حالت خراب ہو۔ جہالت نادانی، بے خبری۔ زہر بادہ شور بایا آش جس میں زہر ملا ہوا ہو۔

ترکیب:۔ مصرعہ چہارم کے شروع میں یا تو کلمہ گویا بمعنی تشبیہ مقدر ہے اور اس صورت میں اس مصرعہ کا مضمون اس سے پہلے مصرعہ کے مضمون کی تمثیل وتشبیہ ہے۔ یا اس مصرعہ پر صرف پس مقدر ہو۔ اور اس صورت میں یہ مصرعہ سابقہ کے مضمون کی تفریع قرار پائے گا۔ ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ

ترجمہ:۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس خراب حال صحابی کی عیادت فرمائی تو اس بیمار کو ارشاد کیا کہ (۱) شاید تم کسی قسم کی (غیر موزون) دعا کر بیٹھے ہو (وہ دعا کیا تھی گویا) غلطی سے زہر آمیختہ شوربا پی لیا (جس کی شامت سے یہ حالت ہوگئی (۲) شاید تم کسی قسم کی (غیر موزون) دعا کر بیٹھے ہو (پس اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ) غلطی سے زہر آمیختہ شوربا پی لیا۔

یاد آور چہ دعائے گفتۂ چوں زمکرِ نفس مے آشفتۂ

ترجمہ:۔ (اچھا) یاد کرو کہ جب تم مکرِ نفس سے پریشاں ہوئے تو تم نے کیا دعا کی تھی۔

گفت یادم نیست اِلّا ہمتے دار بامن یادم آید ساعتے

لغات:۔ ہمت دعا، توجہ دینا۔ یہاں معنی ثانی مراد ہیں۔ ساعتے ظرف ہے ہمتے دار کی نہ کہ یادم آید کی۔

ترجمہ:۔ عرض کیا کہ مجھے یاد نہیں۔ ہاں حضور تھوڑی دیر کے لیے میرے قلب کی طرف توجہ فرمائیں۔ تو (امید ہے کہ) یاد آ جائے۔

از حضورِ نور بخشِ مصطفیٰؐ پیشِ خاطر آمد اورا آں دعا

ترجمہ:۔ (غرض کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری سے جو (دلوں کو) نورانی بنانے والی ہے۔ ان (صحابی) کو وہ دعا ذہن میں آ گئی۔

ہمتِ پیغمبرِ روشنکدہ پیشِ خاطر آمدش آں گم شدہ

لغات:۔ روشنکدہ روشن گھر، نورانی خاندان۔

ترجمہ:۔ نورانی خاندان (میں پیدا ہونے والے) پیغمبر کی توجہ (ہوئی تو) وہ فراموش شدہ دعا ان کے دل میں آ گئی۔

تافت زاں روزن کہ از دل تا دل ست روشنی کو فرقِ حق و باطل ست

ترجمہ:۔ (اور توجہ کی کیفیت یہ تھی۔ کہ) اس دریچہ سے جو (ایک) دل سے (دوسرے) دل کی طرف ہے وہ روشنی چمکی جو حق و باطل کا فرق (ظاہر کرنے والی) ہے۔

مطلب:۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی تو آپ کے قلب مبارک سے کشف کا نور چمکا اور ان صحابی کے قلب پر اس کا پرتو پڑا۔ اور یہ پرتو ایسا تھا کہ جس سے حق و باطل، صواب و خطا، خیر و شر الگ الگ سوجھ پڑے۔ چنانچہ ان کو فوراً اس روشنی میں وہ دعا یاد آ گئی۔

گفت اینک یادم آمد اے رسول آں دعا کہ گفتہ ام من از فضول

ترجمہ:۔ وہ صحابی بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! لیجئے مجھے وہ دعا یاد آ گئی جو میں نے از راہِ بے ہودگی کی تھی۔

چوں گرفتارِ گنہ مے آمدم ہمچو غرقہ دست و پائے میزدم

ترجمہ:۔ واقعہ یہ ہے کہ جب میں کسی گناہ میں مبتلا ہوتا تھا تو ڈوبنے والے کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔

پرگنہ بابِ کشائش میزند غرقہ دست اندر حشائش میزند

لغات:۔ پرگنہ گنہگار۔ کشائش نجات رستگاری۔ غرقہ غریق۔ ڈوبنے والا۔ حشائش گھانس۔

ترجمہ:۔ (چنانچہ قاعدہ ہے کہ) مبتلائے گناہ نجات کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے ڈوبنے والا گھانس میں ہاتھ مارتا ہے۔

مطلب :۔ ایک عربی مثل ہے اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ جس کا ترجمہ اردو محاوروں میں یہ ہے۔ کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اسی طرح مبتلائے گناہ خوف عذاب سے اپنی رہائی کا راستہ نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور شدتِ اضطراب میں تدبیر کے خیال سے ایسے افعال بھی کر بیٹھتا ہے جو غیر مفید بلکہ مضر ہوں۔

از تو تہدیدو وعیدے میرسید مجرماں را از عذاباتِ شدید

لغات :۔ تہدید دھمکی۔ وعید عذاب کا وعدہ۔ ڈراوا۔

ترجمہ :۔ (اِدھر میں تو نجات کی فکر میں مضطرب تھا اُدھر) حضور والا کی طرف سے گنہگاروں کے لیے سخت عذابوں کی دھمکیاں اور ڈراوے پہنچتے تھے۔

مضطرب میگشتم و چارہ نبود بندِ محکم بود و قفلِ ناکشود

ترجمہ :۔ میں بے قرار ہوتا تھا اور کوئی چارہ نہ (سوجھتا) تھا۔ ایک مضبوط قید تھی اور ایک نہ کھلنے والا قفل تھا۔

نے مقامِ صبرو نے راہِ گریز نے امیدِ توبہ نے جائے ستیز

ترجمہ :۔ نہ صبر کا مقام اور نہ بھاگنے کا راستہ نہ توبہ (قبول ہونے) کی امید نہ جھگڑنے کی جگہ۔

نے بغیرِ حق تعالیٰ یارِ من اینچنیں دشوار آمد کارِ من

ترجمہ :۔ نہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی میرا مددگار تھا (غرض) اس طرح میرا کام دشوار ہو رہا تھا۔

ہمچو ہاروت وچو ماروت از حزن آہ میکردم کہ اے خلّاقِ من

لغات :۔ ہاروت و ماروت دو فرشتوں کے نام ہیں جن کی نسبت یہ قصہ مشہور ہے کہ ان کو انسانوں کے ارتکابِ فواحش پر تعجب آتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ اگر ہم انسان ہوتے تو ہرگز فحش کام نہ کرتے۔ لہٰذا امتحان کے لیے ان میں شہوت کا مادہ ڈال دیا گیا۔ آخر وہ ایک فاحشہ عورت پر عاشق ہو گئے جس کا نام زہرہ تھا۔ اور اس کے ساتھ فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے تو اس جرم کی سزا کے متعلق ان سے کہا گیا کہ خواہ آخرت کا عذاب اختیار کریں یا دنیا کے عذاب منظور کریں۔ انہوں نے بفحوائے وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَّ اَبْقٰی دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے اچھا سمجھا۔ لہٰذا اسی کو اختیار کر لیا۔ لہٰذا وہ چاہِ بابل میں الٹے لٹکا دیے گئے۔ جہاں وہ آج تک لٹک رہے ہیں اور وہ کنواں دھوئیں سے پر ہے۔ اور یہی ان کا عذاب ہے مگر اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ قصہ غلط اور موضوع ہے۔ مولانا نے بناء علی المشہور اس کا ذکر کر دیا جس طرح طوطے کوے کے قصے تمثیلاً بیان کر دیے جاتے تھے۔ مفتاح العلوم کی جلد اول میں اس قصہ کی تنقید اور مثنوی میں اس قسم کے قصص کے ایراد کی تاویل شرح وبسط کے ساتھ درج ہو چکی ہے۔

ترجمہ :۔ میں ہاروت و ماروت کی طرح (ارتکابِ گناہ کے) غم کی وجہ سے آہ وزاری کرتا تھا کہ اے میرے خالق (آخرت کے عذاب کے بجائے مجھے دنیا ہی میں عذاب دے دے)۔

مطلب :۔ شیخ عبداللطیف نے کہا ہے کہ یہاں ندا سے مقصود مقدر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم کو دنیا میں وہ عذاب دے جس کے ہم آخرت میں مستحق ہیں۔ اور آئندہ ابیات اس تقدیر پر قرینہ ہیں اور بقول شیخ ولی محمد یہ بھی ممکن ہے کہ اے خلّاقِ من کا ربط اگلے شعر از خطر ہاروت و ماروت آشکار کے ساتھ ہو۔ بہر تقدیر ہاروت و ماروت کی داستان ان صحابی کی زبان سے مذکور ہے۔ (بحر العلوم)

ہاروت ماروت کا قصہ

ذکر دشواریِ عذابِ آخرت وسختیِ آں

عذابِ آخرت کی دشواری اور اس کی سختی کا بیان

از خطر ہاروت و ماروت آشکار چاہِ بابل رانمودند اختیار

ترجمہ:۔ ہاروت و ماروت نے (عذابِ آخرت کے) خوف سے علانیہ چاہِ بابل (میں قید ہونا) اختیار کر لیا تھا۔

تاعذابِ آخرت اینجا کشند گربزندو عاقل و ساحر وَشند

لغات:۔ گربز۔ چالاک، ہوشیار، حیلہ گر۔ ساحروش جادوگر کا سا ہمثل ساحر۔

ترجمہ:۔ تاکہ آخرت کا عذاب اسی عالمِ دنیا میں بھگت لیں (واقعی بڑے) ہوشیار اور عاقل اور نمونۂ ساحر ہیں۔

نیک کردندو بجائے خویش بود سہل تر باشدز آتش رنجِ دُود

لغات:۔ نیک خوب۔ بجائے خویش برمحل، بجا، حسبِ موقع، عین اسی جگہ پر ہونا جہاں ہونا چاہیے ٹھیک مناسب۔

ترجمہ:۔ انہوں نے خوب کیا۔ اور (ان کا یہ کرنا) مناسب تھا۔ کیونکہ آگ (کے عذاب) سے دھوئیں کی تکلیف زیادہ آسان ہے۔

حد ندارد وصفِ رنجِ آں جہاں سہل باشد رنجِ دنیا پیشِ آں

ترجمہ:۔ اس عالم (آخرت) کے عذاب کا بیان کوئی حد نہیں رکھتا۔ اس کے آگے دنیا کا عذاب آسان ہے۔

مطلب:۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نَارُکُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِّنْ نَارِ جَھَنَّمَ "تمہاری (دنیا کی) آگ (سوزش کے لحاظ سے) دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے" (مشکوٰۃ) اور فرمایا **ان اھون اھل النار عذابا من له نعلان وشرا کان من نار یغلی منھما دماغه کما یغلی المرجل مایری ان احدًا اشد منه عذابًا و انه لاھونھم عذابًا** یعنی تمام دوزخیوں میں سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جو دو نعل اور دو تسمے آگ کے پہنے ہوگا۔ انہی سے اس کا دماغ تک پک رہا ہوگا۔ جس طرح ہنڈیا پکتی ہے۔ بظاہر اس سے بڑھ کر مبتلائے عذاب کوئی نہ ہوگا۔ حالانکہ اس کو سب سے کم عذاب ہوگا۔ (مشکوٰۃ) آگے خود مولانا فرماتے ہیں۔

عذابِ آخرت کی شدت بمقابلہ عذابِ دنیا کے

اے خنک آں کو جہادے میکند بربدن زجرے ودادے میکند

لغات:۔ جہادے مجاہدہ۔ زجر تنبیہ، سرزنش۔ داد انصاف، عدل۔

ترجمہ:۔ اچھا ہے وہ شخص جو مجاہدہ کرتا ہے (اور) اپنے بدن پر عتاب اور (اس کے ساتھ) عدل (کا سلوک) کرتا ہے۔ صائبؔ۔

تن چیست کہ باخاک برابر نتواں کرد ازکوتہی است کہ دیوار بلند ست

تاز رنجِ آنجہانی وارہد برخود ایں رنجِ عبادت مے نہد

ترکیب:۔ پہلا مصرعہ علت ہے۔ دوسرا مصرعہ اس کا معلول۔

ترجمہ:۔ وہ اس غرض سے عبادت کی تکلیف اپنے اوپر ڈال لیتا ہے تاکہ اگلے جہاں کے عذاب سے نجات پائے۔ صائبؔ۔

باکمالِ ناگواری ہاگوارا کردہ است محنتِ امروز را اندیشہ فردائے من

نوٹ:۔ یہ دو شعر مولانا کا مقولہ تھے۔ آگے پھر صحابی کا قول چلتا ہے۔

من ہمیگفتم کہ یارب آں عذاب ہم دریں عالم براں برمن شتاب

ترجمہ:۔ میں (بھی ہاروت ماروت کی طرح) کہتا تھا کہ الٰہی وہ عذاب (جو مجھے آخرت میں ملنے والا ہے) جلدی اس جہان میں مجھ پر جاری کردے۔

تادراں عالم فراغت باشدم درچنیں درخواست حلقہ میزدم

ترجمہ:۔ تاکہ میں اگلے جہان میں (جوابدہی سے) فارغ رہوں۔ غرض میں اس قسم کی درخواست میں (اجابت) کی زنجیر کھٹکھٹاتا تھا۔

اینچنیں رنجورئیے پیدام شد جانِ من از رنج بے آرام شد

ترجمہ:۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ اس قسم کی بیماری مجھے لاحق ہوگئی (کہ) میری جان دکھ سے بیکل ہوگئی۔

ماندہ ام از ذکر واز اورادِ خود بیخبر گشتم زخویش و نیک وبد

ترجمہ:۔ اب میں اپنے ذکر اور وظائف سے عاجز ہوگیا ہوں۔ اور خود اپنے آپ سے اور (دوسرے) نیک وبد سے بے خبر ہورہا ہوں۔

گرنمیدیدم کنوں من روئے تو اے خجستہ وَے مبارک خوئے تو

مے شدم ازدست من یکبارگی کردیَم شاہانہ ایں غم خوارگی

ترکیب:۔ اے خجستہ وَے مبارک خوئے تو ندا گرنمیدیدم الخ شرط اور مے شدم الخ اس کی جزا مل کر جوابِ ندا ہوا۔

ترجمہ:۔ اے وہ (ذاتِ اطہر!) جن کے خصائل محمود و مبارک ہیں۔ اگر میں نے اس وقت آپ کے چہرۂ مبارک کی زیارت نہ کی ہوتی۔ تو (بس) یکبارگی اپنے آپ سے گیا گزرا تھا مگر زہے قسمت! (کہ) آپ نے شاہانہ (کرم سے) میری غمخواری کی (یعنی حضور میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور میری جاں بخشی کے سامان ہوگئے)۔

گفت ہے ہے ایں دعا دیگر مکن برمکن تو خویش را از بیخ و بن

ترجمہ:۔ آپ نے فرمایا دیکھو خبردار یہ دعا پھر کبھی نہ کرنا (اور) اپنے آپ کو جڑ بنیاد سے نہ اکھاڑ نا۔

توچہ طاقت داری اے مُورِ سقیم کہ نہد برتو چناں کوہِ عظیم

ترجمہ:۔ اے کمزور چیونٹی تیری کیا طاقت ہے کہ (حق سبحانہٗ تعالیٰ) تجھ پر اتنا بھاری پہاڑ رکھ دے۔

گفت توبہ کردم اے سلطاں کہ من از سرِ جلدی نلافم ایں سخن

ترجمہ:۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے تاجدار (کونین) میں توبہ کرتا ہوں کہ (پھر کبھی) جلد بازی سے اس (قسم کی) بات کو نہ ہانکوں گا۔

ایں جہاں تیہ ست و تو موسیٰ وما از گنہ درتیہ ماندہ مبتلا

لغات:۔ تیَہ بروزن فیل وہ لق ودق بیاباں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم چالیس سال تک سرگرداں رہی اور یہ ان لوگوں کی نافرمانیوں کی سزا تھی۔ اسی دشت نوردی میں من وسلویٰ کے اترنے اور پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنے کے معجزات حضرات موسیٰ

علیہ السلام سے ظاہر ہوئے تھے۔

ترجمہ:۔ (یارسول اللہ!) یہ جہاں (گویا صحرائے) تیہ ہے اور آپ موسیٰؑ ہیں اور ہم (اپنی نافرمانیوں کے) گناہ کی پاداش میں تیہ کے اندر مبتلا ہو رہے ہیں۔

سالہارہ میرویم و در اخیر ہمچناں در منزلِ اوّل اسیر

ترجمہ:۔ ہم برسوں راستہ طے کرتے ہیں اور آخر (اپنے آپ کو) اسی طرح پہلی ہی منزل میں گرفتار (پاتے ہیں)۔

مطلب:۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم یعنی بنی اسرائیل اپنی متواتر حکم عدولیوں اور سرکشیوں کی سزا میں وادیٔ تیہ میں سرگرداں ہوئے جس میں وہ دن بھر راستہ کی تلاش میں پھرتے آخر شام کو وہیں موجود ہوتے جہاں سے چلے تھے۔اسی طرح ہماری بھی گناہوں میں یہ حالت ہے کہ بارہا توبہ کرتے ہیں۔اور اس سے قلب کی کچھ درستی اور اعمال کی کچھ اصلاح محسوس ہونے لگتی ہے۔ کہ پھر توبہ توڑ بیٹھتے ہیں۔اور پھر پہلی سی حالت عود کر آتی ہے۔جامیؒ۔

از بسکہ شکستم و بستم توبہ فریاد ہمے کند ز دستم توبہ
دیروز بتوبہ شکستم ساغر امروز بسا غرے شکستم توبہ

آگے مولانا قومِ موسیٰؑ کا قصہ بیان فرماتے ہیں اور یہ بھی صحابی کا مقولہ ہے۔

ذکرِ قومِ موسیٰ علیہ السلام و پشیمانیٔ ایشاں

موسیٰ علیہ السلام کی قوم اور ان کی پشیمانی کا ذکر

قومِ موسےٰؑ راہ مے پیمودہ اند آخر اندر گامِ اول بودہ اند

ترجمہ:۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم (صحرائے تیہ سے نکلنے کے لیے) راہ چلتی رہی ہے۔آخر جہاں سے چلتی تھی پھر وہیں آ رہتی تھی۔

راز میگفتند پیدا و نہاں جملۂ مرد و زن و پیر و جواں

ترجمہ:۔ سارے مرد اور عورتیں اور بڈھے اور جوان ظاہر طور پر اور پوشیدہ طور پر سرگوشیاں کرتے تھے کہ:۔

گردلِ موسیٰ زما راضی بُدے تیہ را راہ و کراں پیدا شدے

ترجمہ:۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کا دل ہم سے (پوری طرح) خوش ہوتا۔تو تیہ کا راستہ اور کنارا ظاہر ہو جاتا (معلوم ہوتا ہے وہ پوری طرح خوش نہیں ہیں اسی لیے یہ بیابان طے نہیں ہوتا)

ور بکل بیزار بودے او زِما کے رسیدے خوان ماں ہیچ از سما

ترجمہ:۔ اور ساتھ ہی وہ پوری طرح ناخوش بھی نہیں) اگر وہ ہم سے بالکل ناخوش ہوتے تو آسمان سے (من وسلوی کا) خوان ہمارے لیے کب پہنچتا؟

کے زسنگے چشمہا جوشاں شُدے در بیاباں تا امانِ جاں شُدے

ترجمہ:۔ (اور) کب ایک پتھر سے چشمے جوش مرنے لگتے تا کہ (اس لق ودق) بیابان میں (ہماری) جان بچا لیتے۔

بل بجائے خواں خود آتش آمدے　　　اندریں منزل لہب بر ما زدے

لغات:۔ لہب شعلہ، بھڑک۔

ترجمہ:۔ بلکہ خوان (من وسلوی) کے بجائے آگ برستی۔ جو اس منزل میں ہم پر (اپنا) شعلہ مارتی۔

چوں دو دل شد موسیٰ اندر کارِ ما　　　گاہ خصمِ ماست گاہے یارِ مار

خشمش آتش میزند در رختِ ما　　　حلمِ او رد میکند تیرِ بلا

ترکیب:۔ چوں یا تو حرف شرط ہے اس صورت میں پہلا شعر شرط اور دوسرا جزا ہے۔ یا یہ حرفِ استفہامیہ ہے۔ معنی دونوں طرح الگ الگ درج کئے جاتے ہیں۔

ترجمہ:۔ (۱) چونکہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے معاملہ میں دو دلے ہو رہے ہیں (چنانچہ) کبھی وہ ہمارے مخالف ہیں اور کبھی ہمارے یار (موافق۔ اس لیے کبھی تو) ان کا غضب ہمارے سامان (عافیت) میں آگ لگا دیتا ہے۔ (اسی لیے ہم تیہ میں سرگرداں ہیں اور کبھی) ان کا حلم (ہماری طرف سے بھوک پیاس کی) بلا کے تیر کو رد کر دیتا ہے۔ (چنانچہ من وسلوی اور آبِ چشمہ کی نعمتیں مل رہی ہیں۔)

(۲) ہمارے معاملے میں موسیٰ علیہ السلام دو دِلے کیوں ہو رہے ہیں (کہ) کبھی ہمارے دشمن ہیں (جس کے سبب سے ہم کو راستہ نہیں ملتا۔ اور) کبھی دوست ہیں (جس کا اثر یہ کہ ہم کو نعمتیں بھی مل رہی ہیں) الخ۔

کے بود کہ حلمِ گردد خشم نیز　　　نیست ایں نادر زلطفت اے عزیز

ترجمہ:۔ (الٰہی) یہ کب ہوگا کہ (ان کا) غضب بھی حلم (میں مبدل) ہو جائے۔ اے (خداوندِ) غالب! تیری مہربانی سے یہ (بات کچھ) بعید نہیں۔

مطلب:۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی ان لوگوں پر خفگی اس لیے تھی کہ حق تعالیٰ ان لوگوں سے ناراض تھا۔ اس لیے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی ان کے اس غضب کو بھی جس کے اثر سے ہم کو تیہ میں یہ سرگردانی کرنی پڑتی ہے ان کے اس حلم میں بدل دے۔ جس کی بدولت ہم گونا گوں نعمتوں سے بھی متمتع ہو رہے ہیں۔ غرض ان صحابی نے عرض کیا کہ جس طرح وہ لوگ بیابانِ تیہ میں جہاں سے چلتے تھے وہیں آ جاتے تھے۔ اسی طرح ہم بھی ترکِ معاصی کے وقت جہاں سے قدم اٹھا کر رجوع وانابت کی طرف چلتے ہیں جس سے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کی امید ہوتی ہے ہر پھر کر اس ارتکابِ معاصی کے مقام پر آ جاتے ہیں اور توبہ کر کے توڑتے رہتے ہیں حتیٰ کہ پھر حق تعالیٰ کی ناراضگی کے مستوجب ہو جاتے ہیں جس سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضور بھی ناراض ہوتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہم کو اعمالِ صالح کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس لیے خدا سے دعا ہے کہ ہم ہمیشہ توبہ وانابت پر قائم اور اعمالِ صالحہ کے پابند رہ کر آپ کی خوشنودی سے بہرہ مند ہوتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

مدحِ حاضر وحشت ست از بہر ایں　　　نامِ موسیٰؑ میبرم قاصد چنیں

لغات:۔ مدحِ حاضر روبرو تعریف کرنا۔ وحشت پریشانی، ناراضگی، ناخوشی۔ قاصد یہاں قصد کرنے والا اور بالارادہ کوئی کام کرنے والا مراد ہے۔

ترجمہ:۔ (چونکہ) روبرو مدح کرنا ناخوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے میں حضرت موسیٰؑ کا نام لے رہا ہوں (ورنہ مقصود آپ کی مدح ہے اور میں نے) قصداً ایسا کیا ہے۔

مطلب :۔ یہ جو کچھ میں نے قوم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے۔اس سے میرا مقصود اپنی حالتِ زبون کا اظہار اور حضور والا کی مدح وستائش اور جناب سے رحم کی التجا ہے اور یہ عنوان محض ایک پردہ ہے اس پردہ کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ خود حضور کے سامنے حضور کی تعریف کرنا سوءِ ادب تھا۔

ورنہ موسیٰؑ کے روادار دکہ من پیشِ تونام آورم از ہیچ تن

ترجمہ :۔ ورنہ (خود) موسیٰ علیہ السلام بھی یہ کب گوارا کرتے کہ میں آپ کے سامنے کسی اور شخص کا نام (بطور تعریف) لیتا۔

مطلب :۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر آپ کی مدح اشارۃً کرنے کی وجہ یہ تھی کہ صراحۃً روبرو مدح کرنا آپ کو پسند نہیں ورنہ یہ ناممکن تھا کہ مدح ہو۔آپ کی اور نام لیا جائے کسی اور کا۔میں تو اس کو کب پسند کرتا خود موسیٰ علیہ السلام بھی اس کو گوارا نہ کرتے کہ جن کی مدح ہو رہی تھی اور اپنی مدح سب کو پسند ہوتی ہے مگر آپ کی عظمت ان کے دل پر بھی اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ آپ کے سامنے وہ اپنی مدح تک منظور نہیں کریں گے۔یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب تھا۔آگے مناجات بجناب حق تعالیٰ کی طرف انتقال ہے۔

عہدِ مابشکست صد بارو ہزار عہدِ توچوں کوہِ ثابت برقرار

ترجمہ :۔ (الٰہی) ہمارا عہد (اطاعتِ کامل کے متعلق) سینکڑوں اور ہزاروں مرتبہ ٹوٹ چکا ہے اور تیرا عہد (عطائے نعم کے بارے میں) پہاڑ کی طرح بدستور قائم ودائم ہے۔حافظؒ

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز بے اندامِ ماست ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

عہدِ ماکاہ وبہر بادے زبوں عہدِ توکوہ وزصد کہُ ہم فزوں

لغات :۔ کاہ تنکا کہ بضمِ کاف مخفف کوہ۔

ترجمہ :۔ ہمارا عہد تو ایک تنکا ہے اور ہر ہوا (کے جھونکے) سے مغلوب ہے تیرا عہد ایک پہاڑ ہے اور سینکڑوں پہاڑوں سے بڑھ کر ہے۔

مطلب :۔ مثلاً بندۂ خدا کے ساتھ طاعت وعبادت کا عہد باندھتا ہے تو مقتضیاتِ نفس کی مختلف ہوائیں اس کو کمزور کرتی رہتی ہیں۔کبھی عُجب وغرور اس عبادت کو باطل کرتا ہے۔کبھی ریا ونمائش اس کو فاسد کرتی ہے۔کبھی سستی وغفلت اس کو سرے سے ترک کرنے پر ہی آمادہ کر دیتی ہے۔غنیؒ۔

گرچہ از بارِ گنہ ساخت چو محراب مرا سوئے مسجد ندہد نفس بدم راہ ہنوز

بخلاف اس کے حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے انعام واکرام کا جو عہد قائم ہو چکا ہے وہ جوں کا توں ہے۔سعدیؒ۔

خدائے راست مسلم بزرگواری وحلم کہ جرم بیندو ناں برقرار ے وارد

حقِ آں قدرت کہ ہر تلوینِ ما رحمتے کن اے تو میرِ لونہا

لغات :۔ حق بمعنی قسم تلوین مختلف رنگوں میں رنگین مراد اختلافِ احوال۔لون رنگ مراد حال۔

ترجمہ :۔ اے (تمام) احوال کے فرمانروا تجھے قسم ہے اپنی قدرت کی جو تجھے ہمارے اختلافِ احوال پر ہے (ہم پر) رحم فرما۔

مطلب :۔ ہم عہدِ اطاعت وترکِ اطاعت اعادہ توبہ واعادہ گناہ وغیرہ مختلف ومتفرق رنگوں میں ڈوب رہے ہیں اور تیری

قدرت کے قبضے میں سب کچھ ہے، ہم پر رحم فرما اور ہم کو یک رنگ ہونے کی توفیق دے۔ صائبؒ

تا بکے گرد خجالت زندہ در گورم کند ۔۔۔ شستہ روچوں گوہر از باران رحمت کن مرا

خویش را دیدیم و رسوائی خویش ۔۔۔ امتحانِ ما مکن اے شاہ بیش

ترجمہ:۔ ہم نے اپنے آپ کو اور اپنی رسوائی کو دیکھ لیا۔ اب اے شہنشاہ (حقیقی) ہمارا زیادہ امتحان نہ کر۔

تا فضیحت ہائے دیگر را نہاں ۔۔۔ کردہ باشی اے کریم مستعاں

لغات:۔ تا غایت یا سببیت کے لیے ہے۔ ایک شارح نے اس کو بمعنی تنبیہ قرار دیا ہے اور غالباً معنیٔ شعر کو سلجھانے کے لیے اس کو شعر سابق سے غیر مربوط رکھنا چاہتے ہیں۔ اب اس تا کے معنی غایت ہوتے ہوئے اور دونوں شعروں کا ربط قائم رہتے ہوئے ترجمہ ملاحظہ ہو۔

ترجمہ:۔ (ہمارا امتحان نہ کر) تا کہ اے کریم جس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ ہماری (اس سے) زیادہ رسوائیوں کو تو ڈھکی چھپی رہنے دے۔

مطلب:۔ اب تک جس قدر رسوائی ہو چکی سو ہو چکی یہی کافی ہے لیکن اگر تیرے امتحان کا سلسلہ قائم رہا تو ہماری بہت سی اور رسوائیاں طشت از بام ہوں گی۔ لہٰذا ہم کو میزانِ امتحان میں نہ رکھ اور ہمارا پردہ رہنے دے۔ حافظؒ

زانجا کہ پردہ پوشی لطفِ عمیم تست ۔۔۔ بر نقدِ ما بپوش کہ قلبے ست کم عیار

بیحدی تو در جمال و در کمال ۔۔۔ در کژی ما بیحدیم و در ضلال

ترجمہ:۔ تو جمال و کمال میں بے حد ہے (اور) ہم ناراستی و گمراہی میں بے حد ہیں۔

صائب ہزار حیف کہ در مزرعہ جہاں ۔۔۔ شد صرف شورہ زار معاصی زلال ما

بیحدیِ خویش بگمار اے کریم ۔۔۔ بر کژیِ بیحدِ مشتے لئیم

لغات:۔ بگمار مقرر کردے، مسلط کردے۔ مشتے ایک مٹی بھر، مٹھی بھر خاک سے بنا ہوا مراد ناچیز حقیر۔ لئیم منحوس، نالائق۔

ترجمہ:۔ (پس) اے کریم اپنی بے پایانی کو (اس) ناچیز (و) نالائق کی بے حد کجی پر مسلط کردے۔ (تا کہ وہ اس کو بدل ڈالے) سعدیؒ

از تو بکہ نالم کہ دگر داور نیست ۔۔۔ از دستِ تو ہیچ دست بالا ترنیست
آنرا کہ تو رہ دہی کسے گم نکند ۔۔۔ وانرا کہ تو گم کنی کسے رہبر نیست

ہیں کہ از تقطیعِ ما یک تار ماند ۔۔۔ مصر بودیم و یکے دیوار ماند

لغات:۔ تقطیع کپڑا، لباس۔ مصر شہر، جس سے عمارتوں کا مجموعہ مراد ہے۔

ترجمہ:۔ دیکھ! ہمارے کپڑے سے صرف ایک تار (باقی) رہ گیا ہے۔ ہم ایک شہر (کے برابر مجموعہ عمارت) تھے اور (اب یہ حالت ہے کہ صرف) ایک دیوار (باقی) رہ گئی۔

مطلب:۔ ہم بہت تباہ و برباد ہو چکے اور پوری تباہی میں صرف تھوڑی سی کسر باقی ہے۔ امیر خسروؒ

بلبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم ۔۔۔ پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

البقیہ البقیہ اے خدیو تانگردد شاد کلی جانِ دیو

لغات:۔ بقیہ باقی ماندہ، زندگی، رعائت، رحمت یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ ایک شارح صاحب نے ان کلموں کا بمعنی باقی ماندہ سمجھ کر اس کی تقدیر احفظ البقیۃ نکالی ہے یعنی باقی ماندہ کی حفاظت کر۔ حالانکہ اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔ بقیہ خود بمعنی رحم اور البقیہ الرحمیٰ ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

یــادھــر لا تبــقــی عــلــی ولا تــذر هــاهجتی بین المشقة والحظر

''اے زمانے نہ تو مجھ پر رحم کرتا ہے اور نہ میرا پیچھا چھوڑتا ہے۔ دیکھ میری جان مشقت اور اضطراب میں ہے۔ خدیو بادشاہ۔ کلی پوری طرح۔ دیو شیطان۔

ترجمہ:۔ اے بادشاہ (حقیقی!) رحم (کر) اور ہم کو تباہی سے بچا تا کہ شیطان کو (دل و) جان سے پوری خوشی نہ ہو۔

مطلب:۔ شیطان انسان کا قدیمی دشمن ہے۔ اس کی تباہی سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اس لیے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی ہم کو تباہ نہ ہونے دے۔ ہماری حالت بہت ردی ہو گئی۔ ہم اپنی استعدادِ خیر کو خراب کر چکے ہیں اگر اب بھی تیری طرف سے دست گیری ہو گئی تو سنبھل جائیں گے۔ ورنہ خوف ہے کہ کہیں اس استعداد کو بالکلیہ نہ کھو بیٹھیں اور خدانخواستہ کفر تک نوبت پہنچے۔ نعوذ باللہ اور پھر شیطان کو پوری طرح خوش ہونے کا موقع مل جائے۔ لہٰذا رحم فرما اور دست گیری کر۔ نظامیؒ۔

دراں نیم شب کز تو جویم پناہ بمہتاب فضلم برافروز راہ

نگہدارم از رخنہ رہزناں مکن شاد برمن دلِ دشمناں

بہرِ ما نے، بہرِ آں لطف نخست کہ تو کردی گمرہاں راباز جست

لغات:۔ نخست پہلا۔ قدیم۔ باز جست دستگیری۔ گم شدہ کو تلاش کر لینا۔

ترجمہ:۔ (توبہ) ہمارے لیے نہیں (بلکہ اپنے) اس لطفِ قدیم کے لیے (کر) کہ تو نے گمراہوں کو پھر تلاش کیا (اور راہ پر لگایا ہے)۔ کما قیل۔

لطفِ خاص وکرم عام توام درکارست کارِمن خواہ درست آمدہ وخواہ غلط

چوں نمودی قدرتت بنمائے رحم اے نہادہ رحمہا در شحم ولحم

لغات:۔ نمودی ظاہر کردی شحم چربی لحم گوشت۔

ترجمہ:۔ اے (وہ قادرِ مطلق) جس نے چربی اور گوشت (یعنی قلبِ انسان) میں رحم (وکرم کے اوصاف) ودیعت کر دیے ہیں۔ جب تو نے اپنی (یہ) قدرت دکھا دی تو (اب) رحم بھی دکھا۔

مطلب:۔ قدرت اور رحمت اس قادر و رحیم کی دو صفتیں ہیں۔ اس کی قدرت تو دیکھ لی۔ جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے دل میں جو ایک مضغۂ گوشت ہے۔ رحم کی سی اعلیٰ صفت ودیعت کر دی۔ چنانچہ انسان بھی دوسرے قابلِ رحم لوگوں پر رحم و شفقت کرتا ہے۔ اب اس کا رحم دیکھنا باقی ہے۔ لہٰذا دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اپنا رحم بھی دکھا دے یعنی ہم پر رحم کر اور جب وہ انسان کو رحم کرنا سکھاتا ہے تو خود کیوں نہ رحم کرے گا۔ حافظؒ۔

شکستہ وار بدر گاہت آدم رحمے کہ جز ولائے توام نیست ہیچ دستاویز

چونکہ دعا میں شدتِ جوش سے گفتنی ناگفتنی ہر طرح کی باتیں زبان سے نکل جانے کا احتمال ہے۔ اس لیے اب برعایت ادب عذر کرتے ہیں کہ:

ایں دعا گر خشم افزاید ترا تو دعا تعلیم فرما مہترا

ترجمہ:۔ اگر یہ دعا (اپنے غیر موزون الفاظ کی وجہ سے) تیری ناراضگی کو (رفع کرنے کے بجائے) زیادہ کردے تو اے (خداوند) بزرگ تو ہی (مؤدبانہ) دعا کرنے کا طریقہ بتادے۔

آنچناں کآدم بیفتاد از بہشت رجعتش دادی کہ رست از دیوِ زشت

لغات:۔ بیفتاد بہشت سے زمین پر اتار دیے گئے۔ رجعت رجوع کرنا، توبہ کرنا۔

ترجمہ:۔ جس طرح آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر اتار دیے گئے تھے تو تو نے ان کو توبہ کی توفیق بخشی حتی کہ وہ شیطان ملعون (کے پنجہ) سے چھوٹ گئے (اسی طرح ہم کو بھی اس ملعون کے پنجہ سے چھڑا)۔

مطلب:۔ پیچھے بتایا گیا ہے کہ عہد ما بشکست سے لے کر دعا کی طرف انتقال ہے جو جناب باری میں وہ صحابی یا خود مولاناؒ کر رہے ہیں اور اس سے پہلے اس صحابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب تھا۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ یہ ابیات بھی صحابی کا مقولہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفقت کے لیے التماس کرنے کے بعد حق تعالیٰ سے مناجات کرنے لگے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ جو شیخ ولی محمد نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخلوقات میں متصرف ہیں۔ پس یہ خطاب آپ ہی سے ہے اور جو شخص اس کو انتقال بمناجات بجانب حق تعالیٰ سمجھتا ہے۔ وہ اسرار سے بے خبر ہے لیکن معذور ہے کیونکہ وہ ان اسرار سے بہت دور ہے۔ پس شیخ ولی محمد کی یہ تقریر ادب سے بعید ہے۔ ایسے کلمات کہنے سے صحابہ کی شان اور ان کے سننے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بری ہے۔ نیز اگر ان کی یہ مراد ہے کہ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لحاظ سے ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور متصرف بخلافت ہیں تو بھی ان میں سے بعض خطابات ایسے ہیں کہ وہ خلیفۃ اللہ کے لیے بھی درست نہیں ہوسکتے بلکہ وہ مستخلف کی صفات مختصہ سے ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ خطابات ظاہر و مظہر کے اتحاد کے لحاظ سے ہیں تو یہ بھی غلطی ہے کیونکہ اس مناجات کی بعض صفاتِ مذکورہ میں سے ایسی ہیں جو مظہر کی صفات نہیں ہوسکتیں۔ پس بالضرورۃ یہ خطاب و مناجات ظاہر کے ساتھ ہوگا۔ پس مخاطب حق تعالیٰ ہوا وہو المطلوب اور شاید انتقال بمناجات کی وجہ یہ ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں حق کا مشاہدہ کیا تو آپ کے ساتھ خطاب موقوف کر کے حق تعالیٰ کی جناب میں مناجات شروع کردی (انتہی) آگے مولانا کا مقولہ شروع ہوتا ہے:

دیو کہ بود کوز آدم بگذرد بر چنیں نطعے ازو بازی برد

لغات:۔ بگذرد سبقت لے جائے، غالب ہو جائے نطع بساط۔

ترجمہ:۔ شیطان کون ہوتا ہے جو آدم علیہ السلام سے سبقت لے جائے اور ایسی بساط (مقابلہ) پر جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے) ان سے بازی لے جائے۔ مولانا اسمعیل مرحوم۔

کیا جو کبر تو شیطان کے ہاتھ کیا آیا وہی عزیز ہے عزت جسے خدا نے دی

درحقیقت نفعِ آدم شد ہمہ لعنتِ حاسد شدہ آں دمدمہ

لغات:۔ لعنت بُعد عن الحق، خدا کی رحمت سے دور ہونا۔ حاسد سے شیطان مراد ہے۔ جس کو آدم کے مسجود ملائکہ ہونے کی وجہ

سے حسد ہوا تھا۔ دمدمہ فریب۔

ترجمہ:۔ حقیقت میں سراسر آدم علیہ السلام کا (اس میں) فائدہ تھا (ہاں) وہ فریب (خود اس) حاسد (شیطان) کے لیے رحمتِ حق سے (اور زیادہ) دور ہو جانے کا باعث ہو گیا۔

مطلب:۔ شیطانِ لعین نے جو آدم علیہ السلام کو دھوکے کے ساتھ شجرۂ ممنوع کھلا کر جنت سے نکلوایا تو اس سے اس نے بدانستِ خود از راہِ انتقام ان کو نقصان پہنچایا لیکن درحقیقت ان کو اس سے بجائے نقصان کے فائدہ پہنچا۔ یعنی ایک تو ہبوط الی الارض سے ان کو خلافتِ الٰہی کا درجہ ملا۔ ورنہ آسمان میں بیٹھے بیٹھے یہ درجہ کیونکر مل سکتا تھا۔ دوسرے اس قصور پر جوان کو مدتوں توبہ واستغفار اور تضرع وابتہال کرنے کا موقع ملا تو اس سے ان کی اور بھی ترقیِ مراتب ہوئی اگر شیطان ان کو دھوکا نہ دیتا تو نہ ان سے قصور سرزد ہوتا، نہ توبہ وتضرع کی نوبت آتی اور نہ یہ ترقی ملتی۔ سچ ہے۔

عدو شود سبب خیر اگر خدا خواہد

بازیئے دیدو دوصد بازی ندید پس ستونِ خانۂ خودرا برید

ترجمہ:۔ اس نے صرف (اپنی) ایک چال دیکھی (جو آدم علیہ السلام کے خلاف چلی) اور (حق سبحانہ کی) سینکڑوں تدبیروں کو نہ دیکھا (جو وہ سرکشوں کے خلاف کیا کرتا ہے) پس اس نے خود اپنے گھر کا ستون کاٹ ڈالا (اور آپ اپنا نقصان کیا)۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ "انہوں نے داؤ کیا اور اللہ نے بھی داؤ کیا اور اللہ بہتر داؤ کرنے والا ہے"۔ غرض وہ مکر وفریب کر کے غضب الٰہی کو جوش میں لاتے اور خود اپنا نقصان کر لیتے ہیں۔ صائبؒ۔

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتم

آتشے زوشب بکشتِ دیگراں بادسوے کشتِ اوکردش رواں

ترجمہ:۔ اس نے رات کے وقت دوسرے لوگوں کی کھیتی میں آگ لگائی تو ہوا اس (آگ) کو اس کی کھیتی کی طرف لے گئی۔

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ "اور بری تدبیر الٹی بری تدبیر کرنے والے ہی پر پڑتی ہے" (سورۃ فاطر ع ۵) صائبؒ۔

گرچہ مجرم از ستمگاری زد آتش در سپند دودِ تلخش انتقام از دیدۂ مجمر کشید

چشم بندے بود لعنت دیورا تازیانِ خصم دید آں ریورا

لغات:۔ چشم بندے کے آخر میں یا تو یائے مجہول وحدت کے لیے ہے۔ یا یائے معروف مصدری ہے۔ خصم حریف، مقابل۔ ریو مکر وفریب۔

(۱) شیطان کے لیے لعنت (مقدرہ اس کی) آنکھوں کی ایک پٹی بن گئی تھی (۲) شیطان کی لعنت (کا سبب) اس کا آنکھ بند کر لینا تھا۔ اسی لیے اس فریب کو (اپنے) حریف (آدمؑ) کے لیے (موجبِ) نقصان سمجھا (حالانکہ خود اس کے لیے نقصان تھا)۔

مطلب:۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت نے ابلیس کی آنکھیں بند کر دیں۔ امر صواب دیکھنے کی اس کو توفیق نہ رہی اسی لیے اس نے اپنے مکر کو انسان کا نقصان سمجھا اور وہ اس بات پر مصر ہوا کہ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ یعنی میں ضرور ان سب کو بہکاؤں گا مگر اس کا یہ مکر اور لوگوں کو بہکانا خود اسی کے لیے وبال اور باعثِ زیان بن گیا اور اس زیان سے بقول شیخ اکبر قدس سرہ مراد یہ ہے کہ وہ مشرک ہو کر مرے

گا۔ نیز اس کا لوگوں کو بہکانا بنائے شرک ہے اور بانیِ شرک ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ (بحر العلوم) چنانچہ آگے بھی فرماتے ہیں:

خود زیانِ جانِ اوشد ریواِو گوئی آدم بود دیوو دیوِ او

ترجمہ:۔ اس کا مکر خود اسی کے لیے وبالِ جان ہو گیا۔ (حتیٰ کہ کہہ سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں) گویا (خود) آدم فریب دینے والے تھے اور اسی (شیطان) کو فریب دینے والے۔

مطلب:۔ شیطان خود اپنے ہی دام فریب میں مقید ہو گیا۔ یہ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا اور اس کے اس فریب کا نشانہ پہلے آدمؑ تھے اگر آدمؑ اس کے فریب کا نشانہ نہ بنتے تو شاید وہ نقصان نہ اٹھاتا۔ اس لیے صورۃً کہا جا سکتا ہے کہ اس کے زیان کے باعث آدم علیہ السلام ہی ہوئے۔ وہ آدمؑ کو دھوکا دیتا تھا لیکن آدمؑ نے اس کو اسی کے دامِ فریب میں مقید کر دیا۔ سعدیؒ۔

شد غلامیکہ آبِ جو آرد آبِ جو آمد وغلام ببرد

اختلاف:۔ دوسرا مصرعہ بعض نسخوں میں یوں درج ہے۔

خود تو گوئی بود آدمؑ دیواو

یہ مصرعہ زیادہ صاف ہے اور ہمارا قلمی نسخہ بھی اس کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔

لعنت آں باشد کہ کژ بینش کند حاسد وخود بیں وپُر کینش کند

ترجمہ:۔ لعنت وہ ہوتی ہے کہ اس (ملعون) کو کج بین بنا دیتی ہے اور حاسد مغرور اور کینہ ور کر دیتی ہے۔

مطلب:۔ لعنت کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا اور جب کوئی اس وبال میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی نگاہ حقائق سے پھر جاتی ہے۔ وہ اہلِ حق پر حسد کرنے لگتا ہے۔ اپنے آپ کو افضل سمجھتا ہے اور صلحاؔ و اتقیا کے ساتھ عداوت کرنے لگتا ہے اور یہی امور اس کی شقاوت کے باعث ہوتے ہیں۔ اور یہی لعنت ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَجَمِیْعُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ

تا بداند کہ ہر آنکو بد کند بیگماں باز آید وبروے زند

ترجمہ:۔ حتیٰ کہ (قیامت کے روز) اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جو شخص برائی کرتا ہے، بے شبہ وہ (برائی) اس کی طرف لوٹتی ہے اور اس کو لاحق ہو کر رہتی ہے۔

مطلب:۔ قیامت کے روز جب حاسد کا حسد، مغرور کا غرور اور کینہ ور کا کینہ مختلف عذابوں کی شکل میں اس کے لیے وبالِ جان ہو گا تو پھر آنکھیں کھلیں گی اور معلوم ہو گا کہ یہ میری ہی کرتوت میرے پیش آ رہی ہیں۔ کردنی خویش آمدنی پیش۔ کما قیل۔

بیابانِ مکافات آنچناں آب وہوا دارد کہ گر امروز کارد دانۂ فردا بروں آید

جملہ فرزیں بندہا بیند بعکس مات بروے گردد ونقصان ونکس

لغات:۔ فرزیں بند فرزیں شطرنج کا سب سے قوی تر مہرہ ہوتا ہے۔ اس کی دست برد کو روکنا اور اس کی چالوں کا مقابلہ کرنا شطرنج کی بازی جیتنے کے لیے لازم ہے۔ فرزیں بند وہ داؤ کی چال جس سے فرزیں کی چال کا خطرہ کم ہو جائے۔ مات شطرنج کی بازی ہار جانا۔ نکس سرنگوں مراد ذلت و رسوائی۔

ترجمہ:۔ وہ اپنے تمام داؤں کو (اپنے) خلاف پاتا ہے۔ اسی کو مات ہوتی ہے اور (اسی کو) نقصان اور رسوائی (لاحق ہوتی ہے)۔

مطلب:۔ جس بد بخت پر اللہ کی لعنت پڑتی ہے تو صلحاؔ و اتقیا کے خلاف اس کی تمام تدابیر خود اس کے لیے مضر اور تمام کوششیں

ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ آگے اس کی تدابیر کے الٹا ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

زانکہ گر او ہیچ بیند خویش را مہلک و ناسور بیند ریش را

درد خیزد زیں چنیں دیدن دروں درد اورا از حجاب آرد بروں

ترجمہ:۔ کیونکہ اگر وہ (مغرور نہ ہوتا بلکہ) اپنے آپ کو ناچیز سمجھتا اور (اپنے سرسری) زخم کو (بھی) مہلک (زخم) اور ناسور تصور کرتا تو پھر اس تصور سے اس کے دل میں ایک درد اٹھتا۔ (یہ) درد اس کو حجاب سے نکال (کر مقرب بنا) دیتا۔

مطلب:۔ اس کی تدابیر کے الٹا پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے نقائص کا احساس نہیں۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو کامل و بے نقص سمجھتا ہے۔ یہ غرور و خود بینی اس کو تائیدِ غیب کی دست گیری سے محروم رکھتی ہے لیکن اگر اس کو اپنے نقائص کا احساس ہوتا تو اس سے تواضع و فروتنی پیدا ہوتی، خدا کا کرم شامل ہو جاتا اور ہر تدبیر راس آ جاتی۔ آگے درد کی تعریف فرماتے ہیں:

تا نگیرد مادراں را دردِ زہ طفل در زادن نیابد ہیچ رہ

ترجمہ:۔ درد ایک ضروری چیز ہے دیکھو جب تک ماؤں کو دردِ زہ عارض نہ ہو، بچہ پیدا ہونے کی کوئی راہ نہیں پاتا۔

ایں امانت در دل و جاں حاملہ است ایں نصیحتہا مثالِ قابلہ است

لغات:۔ قابلہ دائی، جو بچہ جناتی ہے۔

ترکیب:۔ ایں امانت در دل است الگ جملہ ہے اور جان حاملہ ہست دوسرا جملہ مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایں امانت مبتدا اور حاملہ اس کی خبر یہ درست نہیں۔ کیونکہ حاملہ بمعنی محمولہ قرار دینا خلافِ لغت ہے۔

ترجمہ:۔ (اسی طرح علوم و معارف کی) یہ امانت دل میں (ہے) اور جان (اس سے) حاملہ ہے (اور) یہ نصیحتیں گویا دائی ہیں۔

مطلب:۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد وہی امانت ہے جو انسان نے اٹھا رکھی ہے اور وہ جامعیت اور معرفتِ حق ہے۔ مطلب یہ کہ دل و جان اس امانت کے حامل ہیں اور یہ امانت ان میں ودیعت رکھی گئی اور یہ مواعظ و نصائح قابلہ ہیں جو صاحبِ درد میں تاثیر کر کے اس امانت کو اس میں ظہور میں لاتے ہیں۔ (انتہی)

قابلہ چہ کند چو زن را درد نیست درد باید درد کودک را رہے ست

ترجمہ:۔ مگر جب عورت کو درد (زہ عارض) نہ ہو تو دائی کیا کرے گی (اور بچہ کو نکر جنائے گی پہلے) درد چاہیے (پھر دائی بھی اپنا ہنر کام میں لا سکتی ہے۔ کیونکہ) درد (زہ ہی) بچہ (کے پیدا ہونے) کا راستہ ہے۔

مطلب:۔ جب سامع میں استعدادِ قبول نہیں تو مواعظ و نصائح بھی بے کار ہیں۔ سعدیؒ۔

یکے را کہ پندار در سر بود مپندار ہر گز کہ حق بشنود

ز علمش ملال آید از وعظِ ننگ شقائق بباراں نروید ز سنگ

آنکہ او بے درد باشد رہزن ست زانکہ بیدردی انا الحق گفتن ست

ترجمہ:۔ جو شخص درد سے خالی ہو وہ رہزن ہے۔ کیونکہ بیدردی انا الحق کہنے کے برابر ہے۔

مطلب:۔ انا الحق کے معنی ہیں "میں خدا ہوں" اس قول کے کہنے کی دو صورتیں ہیں یا تو جو شخص وحدۃ الوجود کے ذوق میں مغلوب الحال ہو۔ وہ غلبۂ حال میں ایسا کہے۔ اس کا کہنا اپنی تاویلِ صحیح کے اعتبار سے برحق ہے۔ جیسے کہ حضرت منصور حلاج نے کہا تھا

منصور کے انا الحق کہنے اور فرعون کا انا الحق کہنے میں فرق

جو شخص تکبر و خود بینی سے اپنے آپ کو خدا سمجھے اور خدائی کے دعوے میں ایسا کہے۔ اس کا کہنا صریحاً کفر ہے جیسے کہ فرعون نے کہا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی یعنی میں تمہارا پروردگارِ بزرگ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ دردِ دل دوسروں کی رعایتِ احوال پر مستعد کرتا ہے اور درد دل کا نہ ہونا دوسروں سے بے پروا اور خود بینی پر آمادہ کرتا ہے اور وہ ایک طرح سے رہزن ہے۔ رہزن کا یہی کام ہے کہ کارواں کے غربا و اغنیا مقروض و متمول سب یکساں اس کے تیرِ جفا کا نشانہ ہوتے ہیں۔ کسی کے برے بھلے احوال کی اس کو پروا نہیں ہوتی۔ اس کو صرف اپنے شکم آز کو پُر کرنا منظور ہوتا ہے۔ اسی طرح خود بیں آدمی بھی دوسروں کے حقوق کا رہزن ہوتا ہے اور مال کی رہزنی سے خدائی صفات پر رہزنی کرنا کہیں بڑھ کر جرم ہے۔ پس جب بیدردی خدائی دعویٰ پر آمادہ کرسکتی ہے تو حقوقِ عباد کے غصب پر آمادہ کیوں نہ کرے گی۔

یہاں ظاہر الفاظ سے شبہ ہوسکتا تھا کہ جب انا الحق کہنا گمراہی ہے تو پھر حضرت منصور حلاج نے بھی تو یہ کلمہ کہا تھا وہ بھی خدانخواستہ گمراہ ہوئے تو چونکہ مولانا محقق اور شیخ کامل ہیں۔ لہٰذا اس کا جواب دیتے ہیں:

آں اَنَا بیوقت گفتن لعنت ست　　ویں اَنَا در وقت گفتن رحمت ست

ترجمہ:۔ وہ انا (جو فرعون وغیرہ نے کہا غلبۂ حال کے) وقت کے بغیر کہنا (موجب) لعنت ہے اور یہ انا (جو حضرت منصورؒ وحضرت بایزیدؒ وغیرہ ہما بزرگانِ دین سے منقول ہے غلبۂ حال کے) وقت میں کہنا (عین) رحمت ہے۔

مطلب:۔ وہ وقت یہ ہے کہ جب اپنے وجود کا اضمحلال اور اس کا کالعدم ہونا پیشِ نظر ہو تو اس وقت انا الحق کہنا گویا ذاتِ حق ہی کی عبادت ہے جو عین رحمت ہے کہ قائل کے اندر وجودِ حق کا استقلال اور اس کے خود اپنے وجود کا اضمحلال ہے اور اگر یہ حالت نہیں بلکہ اپنے وجود کے استقلال کے اظہار کے لیے ایسا کہہ رہا ہے تو یہ انانیت موجب لعنت ہے۔ آگے دونوں کی نظیریں بیان فرماتے ہیں:

آں اَنَا منصور رحمت شد یقیں　　ویں اَنَا فرعون لعنت شد ببیں

ترجمہ:۔ وہی منصور کا (کہا ہوا) انا یقیناً رحمت (کا موجب) ہوگیا اور وہی فرعون کا (کہا ہوا) انا لعنت (کا باعث) بن گیا۔

مطلب:۔ اس لیے کہ ایک نے تو اپنے وجود کے عدم کے لیے کہا تھا تو وہ رحمت ہوگیا اور دوسرے نے اپنے وجود کے استقلال کے لیے انا کہا تھا۔ وہ موجب لعنت ہوا۔

لاجرم ہر مرغِ بے ہنگام را　　سر بریدن واجب ست اعلام را

لغات:۔ مرغ بے ہنگام مرغ کی آواز طلوعِ سحر کی نشانی سمجھی جاتی ہے لیکن جو مرغ طلوعِ فجر سے پہلے ہی بانگ دینے لگے۔ اس کو مرغِ بے ہنگام کہتے ہیں۔ چونکہ اس کی بانگِ بے ہنگام سے سحر خیز عابدوں اور مسافروں کے دھوکا کھانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے مصلحتاً اس کو ذبح کردیتے ہیں پہلے بھی کسی جگہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ سر بریدن ذبح کرنا۔ اعلام اعلانِ عبرت، عام نصیحت۔

ترجمہ:۔ اس لیے مرغِ بے ہنگام کا سر کاٹ ڈالنا عبرتِ عام کے لیے ضروری ہے۔

مطلب:۔ جس طرح مرغِ بے ہنگام کو اس کی بانگِ بے وقت کے باعث ذبح کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح فرعون کے دعویٰ بے ہنگام نے اس کو غرقِ دریا کرایا۔ مرغِ بے ہنگام کے ذبح میں یہ سبق مضمر ہے کہ وقت کس قدر قیمتی چیز ہے جو مرغ اس کو ابتر کرے وہ گردن زدنی ہے۔ اسی طرح غرقِ فرعون سے یہ درسِ عبرت ملتا ہے کہ دعویٰ خدائی ناقابلِ عفو جرم ہے اور پھر عبرتِ عام کے لیے اس کی لاش کو دریا میں مچھلیوں کے کھانے سے محفوظ رکھا۔ تاکہ لوگ دیکھیں اور غیرتِ الٰہیہ اور انتقامِ قدرت سے ڈریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً "تو آج (اے فرعون) تیری لاش کو ہم (دریائی جانوروں سے) بچا لیں گے۔ اس لیے کہ جو لوگ تیرے بعد رہ گئے ان کے لیے تو نشان ہو" (یونس ع ۱۰) کہتے ہیں کہ فرعون کے غرق ہونے کا بنی اسرائیل

فرعون کی لاش کے متعلق حاشیہ پر تحریر [illegible]

کو یقین نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش دریائے نیل سے نکلوا کر ایک اونچے ٹیلے پر ڈال دی۔ حتیٰ کہ سب نے اس کو اپنی آنکھوں سے مردہ دیکھا۔ اس وقت سب کو اس کے ہلاک ہونے کا یقین آ گیا اور عبرت ہوئی کہ جو شخص اتنی مدت ایسے دم خم سے حکومت و بادشاہی کرتا رہا حتیٰ کہ وہ خدائی کا مدعی تھا۔ آج اس ذلت و بے کسی کے حال میں ننگا دھڑنگا پڑا ہے۔ حق تعالیٰ کی پیش گوئی کی حقانیت دیکھو کہ آج تک اس کی لاش عجائب خانۂ مصر میں صحیح و سالم موجود ہے۔ اور مَنْ خَلْفَکَ کے لیے مایۂ عبرت ہے اور قیامت تک رہے گی۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔

سر بریدن چیست؟ کشتن نفس را در جہاد و ترک گفتن لمس را

لغات:۔ کشتن نفس نفس کشی، جہاد مجاہدہ ریاضت لمس چھونا کنایہ ہے جماع سے اور یہاں لذات نفسانیہ مراد ہیں۔

ترکیب:۔ نفس را کا تعلق سر بریدن سے ہے نہ کہ کشتن سے۔ کشتن کا مفعول بہ ضمیر محذوف و مقدر ہے جو راجع بہ نفس ہے۔

ترجمہ:۔ (اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ) نفس کو ذبح کرنے کی کیا تدبیر ہے (سو یہ) اس کو مغلوب کرنا ہے۔ مجاہدات سے اور (تمام) لذات (نفسانیہ) کو ترک کر دینا (جن سے وہ طاقت پاتا ہے)۔

مطلب:۔ چونکہ دعویٰ خدائی، رہزنی، خود بینی وغیرہ تمام رذائل کا منشا نفسِ امارہ ہے۔ وہی ان افعالِ بے ہنگام و بے محل کا محرک و مجوز ہے، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو فنا و ہلاک کرنے کی کیا تدبیر ہے جس طرح فرعون اپنے دعویٰ بے ہنگام کی پاداش میں غرق کر دیا گیا اور مرغ اپنی صدائے بے ہنگام کی بنا پر ذبح کر دیا جاتا ہے اسی طرح اس کو ذبح کرنے کی بھی کوئی صورت ہونی چاہیے۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نفس کو ریاضات و مجاہدات سے فنا کر سکتے ہیں تا کہ خود ہلاکتِ ابدی سے بچ جائیں۔

آنچنانکہ نیشِ کژدم برکنی تا کہ یابد او ز کشتن ایمنی

لغات:۔ کژدم بچھو اس کو فارسی میں کژدم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی دم ٹیڑھی ہوتی ہے۔ کشتن مارا جانا قتل ہونا ایمنی امن، عدم خوف۔

ترجمہ:۔ جس طرح بچھو کا ڈنگ توڑ ڈالو تو وہ مارے جانے سے امن پا جاتا ہے۔

مطلب:۔ بچھو کو اسی اندیشہ سے مار ڈالا جاتا ہے کہ وہ کسی کے ڈنک نہ مار دے لیکن جب اس کا ڈنگ ہی توڑ ڈالا جائے تو پھر کوئی اس کو کیوں مارے گا۔ ایک بے ضرر چیز کو کوئی اذیت کیوں دے گا کیونکہ موذی کا قتل تو اس کی اذیت کی بنا پر ہوتا ہے۔ جب اس میں اذیت کا مادہ باقی نہیں رہا تو وہ موذی نہیں رہا۔ پھر اس کو قتل کرنے کے کیا معنی۔ اسی طرح نفسِ امارہ انسان کے لیے بمنزلہ نیش ہے جو خلق اللہ کو اذیت دیتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان ہلاکِ ابدی کا مستوجب ہوتا ہے لیکن جب اس نفسِ پلید کو ہی ہلاک کر دیا جائے تو انسان ہلاکِ ابدی سے بچ جائے۔ آگے اسی قسم کی ایک اور مثال پیش فرماتے ہیں:

برکنی دندانِ پُر زہرے زمار تا رہد مار از بلائے سنگسار

لغات:۔ سنگسار ایک سزا کا نام ہے جو زنا کے جرم میں دی جاتی ہے۔ مجرم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں۔ اوپر سے پتھر مارتے ہیں حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ یہاں مجازاً سانپ کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کو بھی عموماً پتھر سے مارتے ہیں۔

ترجمہ:۔ سانپ کے زہریلے دانت اکھیڑ ڈالو تو وہ سنگ باری کی بلا سے نجات پائے۔

ہیچ نکشد مار راجز ظلِّ پیر   دامنِ آں نفس کش راسخت گیر

ترجمہ:۔ (نفس کے) سانپ کو سایۂ مرشد کے سوا کوئی چیز ہلاک نہیں کر سکتی (لہٰذا) اس نفس کش کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔

مطلب:۔ اوپر کہا تھا کہ نجاتِ ابدی کے لیے نفس کشی ضروری ہے اب نفس کشی کی تدبیر یہ بتائی کہ پیر کے سایہ میں رہو۔ حافظؒ

بمانئے رود فرصت شمر غنیمت وقت   کہ درکمیں گہ عمر اند قاطعانِ طریق

چوں بگیری سخت آں توفیق ہوست   درتو ہر قوت کہ آید جذبِ اوست

لغات:۔ ہو ضمیرِ واحد غائب مراد حق تعالیٰ بلکہ بعض اسی کو اسم اعظم کہتے ہیں۔ جذب کشش، تصرف۔

ترجمہ:۔ جب تم (اس کے دامن کو) مضبوط پکڑلو تو وہ توفیقِ حق ہوگی (اور یاد رکھو کہ) تم میں جو قوت (باطنی بھی) پیدا ہوگی۔ وہ اسی کی کشش (سے) ہے۔

مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ راست داں   ہر چہ دارد جاں بود از جانِ جاں

لغات:۔ مارمیت اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ وَمَارَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی نہیں پھینکی تم نے مشت خاک جبکہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی اور یہ جنگِ بدر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک مشتِ خاک اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار کو شکست ہوگئی۔ مقصد یہ ہے کہ پیر کا فعل دراصل اللہ کا فعل ہوتا ہے جس کے حکم اور مشیت سے وہ وقوع پاتا ہے۔ جانِ جاں مراد حق سبحانہ تعالیٰ۔

ترجمہ:۔ مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کو برحق سمجھو (کہ پیر کا فعل خدا ہی کی توفیق سے ہے) جو بات جان کو حاصل ہے، اس کو حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھو۔

مطلب:۔ مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ یہاں پیر سے مرشدِ طریقہ مراد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے آنحضرتؐ مراد ہوں۔ درمولانا کا یہ قول کہ مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ راست داں۔ آخر تک اس پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

دست گیرندہ وے ست و بردبار   دمبدم آندم ازو امیدوار

لغات:۔ دست گیرندہ دست گیر، معاون، مددگار۔ دم لحہ، موقع، مراد موقعِ جذب۔

ترجمہ:۔ وہی مددگار (ومعاون) ہے اور ست وضعیف لوگوں کا بوجھ لے جانے والا ہے۔ ہمیشہ اس موقع (جذب وتصرف) کے اسی سے امیدوار رہو۔

نیست غم گر دیر بے اوماندۂ   دیر گیر و سخت گیرش خواندۂ

دیر گیرد سخت گیر درحمتش   یکدمت غائب ندارد حضرتش

لغات:۔ دیر تادیر۔ بے او بے وصل اور خواندہ گفتہ یا بکسب خواندہ

ترجمہ:۔ اگر تم کو دیر تک اس کے (وصل) کے بغیر رہنا پڑے تو (اس کا) غم نہیں (کرنا چاہیے دیکھو) تم نے اس کو دیر گیرد سخت گیر کہا ہے (یا پڑھا ہے۔ پس جس طرح اس کا غضب دیر سے گرفت کرے تو سخت گرفت کرتا ہے۔ اسی طرح) اس کی رحمت (بھی) دیر سے شاملِ حال ہو تو بڑی ہی ہیئتگی سے شاملِ حال ہوتی ہے (حتیٰ کہ پھر) اس کی حضوری ایک لحہ کے

لیے (بھی) تم کو غائب نہیں رہنے دے گی۔

مطلب:۔ بعض اوقات سالک کو وصول میں دیر ہوتی ہے اور وہ گھبرانے لگتا ہے تو اس کو تسلی دیتے ہیں کہ خدا کی قھمت اور رحمت دونوں دیر کے بعد ظہور کیا کرتی ہیں۔ قھمت کی دیر میں مہلت واستدراج مقصود ہوتا ہے اور رحمت کی دیر میں آزمائش وامتحان مضمر ہے۔ قھمت کے متعلق تو تم نے اس کو دیر گیر وسخت گیر سنا ہوا ہے۔ اسی طرح رحمت کے متعلق بھی دیر گیر وسخت گیر سمجھو۔ ان دونوں شعروں کا ربط اس انداز سے جس خوبی کے ساتھ ہوا ہے۔ دوسری کسی شرح میں نظر سے نہیں گزرا۔ اکثر شارحین کو بے لطف تکلف سے کام لینا پڑا۔ فللہ الحمد۔

ور تو خواہی شرحِ ایں وصل وولا
از سرِ اندیشہ میخواں والضُّحیٰ

لغات:۔ اگر تم اس وصل اور محبت کی تفصیل (معلوم) کرنی چاہتے ہو تو (سورہ) والضّحیٰ کو (خوب) غور سے پڑھو (اس سے یہ تفصیل معلوم ہوگی۔

مطلب:۔ سورۂ والضّحیٰ یوں شروع ہوتی ہے۔ والضُّحٰی o واللَّیلِ اِذَا سَجٰی o مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَاقَلٰی o "(اے پیغمبر ہم کو) چاشت (کے وقت) کی قسم اور رات کی قسم جب (سب چیزوں کو) ڈھانک لے کہ تمہارا پروردگار نہ تو تم سے دست بردار ہوا اور نہ (کسی طرح) ناخوش ہوا" (الضّحیٰ) اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ روح کی حقیقت بیان کیجئے اور ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کے حالات سنائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل کو ان سوالات کے جواب دیے جائیں گے مگر آپ نے اس وعدہ کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا تو چند ہفتہ تک وحی بند رہی۔ اس پر کفار مضحکہ اڑانے لگے اور کہنے لگے، کہ محمد کے رب نے اس کو چھوڑ دیا اور وہ اس سے روٹھ گیا تو یہ آیات نازل ہوئیں اور ان سوالات کے جواب میں سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف موجود ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح توقفِ وحی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پیارے کلمات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشفی فرمائی۔ اسی طرح تم توقفِ وصول سے گھبراؤ نہیں۔ حافظؒ ؎

ہاں مشو نو مید چوں واقف نہ از اسرارِ غیب
باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور

ور تو گوئی ہم بدیہا از ویست
لیک آں نقصانِ فضلِ او کے ست

ترجمہ:۔ اور اگر تم یہ کہو کہ (یہ) برائیاں بھی تو اسی سے ہیں (ہم کہیں گے۔ بے شک اسی سے ہیں) لیکن وہ اس کے فضل کا نقصان کب ہو سکتی ہیں۔

مطلب:۔ یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ جب جان کے اندر پیدا ہونے والی کل کیفیات حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ برائیاں بھی جو قلب میں ناشی ہوتی ہیں، اس کی طرف سے ہوں اور یہ اس کا نقص ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ بے شک ہم تسلیم کرتے ہیں کہ برائیاں بھی اس کی طرف سے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ اس کا نقص نہیں بلکہ یہ عین کمال ہے۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ حاصل سوال یہ ہے کہ بے وقوف کا انا الحق کہنا اگرچہ بدی ہے مگر ہے تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہی سے صادر۔ پس چاہیے کہ کمال ہو نہ کہ بدی ورنہ موجد میں نقصان لازم آتا ہے۔ چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ خلقِ قبیح قبیح ہے اور دوسرے مصرعہ میں مع مابعد کے اس کا جواب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبیح کا پیدا کرنا قبیح نہیں بلکہ کمال ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ انتہٰی۔

آں بدی دادن کمالِ اوست ہم
من مثالے گویمت اے محتشم

ترجمہ:۔ بلکہ وہ بدی (پیدا کر) دینا بھی اس کا کمال ہے۔ اے بزرگوار (من) میں (اس بات کو سمجھانے کے لیے) ایک مثال تم کو سناتا ہوں۔

مثال در بیان معنی نُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ

اس قول کے معنی بیان کرنے کے لیے ایک مثال کہ ہم ایمان لائے اچھی اور بری تقدیر پر

کرد نقّاشے دو گونہ نقشہا نقشہائے صاف ونقشِ بے صفا

ترجمہ:۔ (حق تعالیٰ کو) ایک نقّاش (فرض کرلو دیکھو اس) نے دو طرح کے نقش بنائے۔ (کچھ) نقش صاف اور (کچھ) نقش ناصاف۔

نقشِ یوسف کرد حورِ خوش سرشت نقشِ ابلیسان وعفریتان زشت

ترجمہ:۔ اس نے یوسف (ایسے بے مثال حسینوں) کا نقش بھی بنایا اور خوبصورت حوریں بھی (برخلاف اس کے) شیطان اور دیوؤں کی بھیانک تصویریں (بھی بنائی ہیں)۔

ہر دو گونہ نقش زاستادیِ اوست زشتیِ او نیست آں رادیِ اوست

لغات:۔ رادی دانشمندی۔ راد۔ دانشمند

ترجمہ:۔ دونوں طرح کے نقش اس کی استادی سے ہیں (اور بدنما نقش) اس کی برائی (پر دال) نہیں (بلکہ) وہ اس کی دانائی (کی دلیل) ہے۔

خوب را در غایتِ خوبی کشد حسِّ عالم چاشنی از وے چشد

ترجمہ:۔ اچھے کو انتہا کا اچھا بناتا ہے۔ ایک جہان کی حس (حسن پسند) اس سے مزے لیتی ہے۔

زشت را در غایتِ زشتی کند جملہ زشتیہا بگردِ او تند

ترجمہ:۔ (اور) بدصورت کو انتہا کی بدصورتی پر پیدا کرتا ہے (گویا) تمام بدصورتیاں اس پر فراہم کردیتا ہے۔

الخلاف:۔ اوپر کے دونوں شعر یعنی خوب را اور غایت الخ اور زشت را در غایت الخ دونوں ہمارے نسخے میں مندرج نہیں ہیں۔

تا کمالِ دانشش پیدا شود منکرِ استادیش رسوا شود

ترجمہ:۔ تاکہ اس کا کمالِ دانش ثابت ہوجائے اور اس کی استادی کا منکر خوار ہوجائے۔

مطلب:۔ حق تعالیٰ نے بری بھلی دونوں طرح کی مخلوق بنائی ہے مگر بروں کو پیدا کرنا اور ناقصین کی ایجاد اس کے نقص کی مستلزم نہیں بلکہ نیک و بد دونوں کی ایجاد اس کے کامل ہونے کی دلیل ہے جس سے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ وہ ہر قسم کی چیز بنانے پر قادر ہے ورنہ اگر ساری مخلوق یکساں پیدا ہوا کرتی تو پھر وہ امر اضطراری ہوجاتا۔ جیسا کہ مشین ایک ہی شکل و ساخت کی چیزیں بناتی چلی جاتی ہے۔ بخلاف اس کے ایک صناعِ کامل مختلف شکل و ساخت کی چیزیں بہتر سے بہتر بنا سکتا ہے۔ اس کی ایک عجیب مثال حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ سے منقول ہے۔ فرماتے تھے کہ زشت و خوب کی تخلیق کا کمالِ قدرت ہونا کاتب کی مثال سے واضح ہوسکتا ہے۔ مثلاً میر پنجہ کش جیسا کاتب جو اپنے فن میں کامل ہے ایک نفیس وصلی لکھ کر دکھا دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ یہ ان کا ہنر ہے۔ کمال تو جب ہے کہ لکھیں تو قلم برداشتہ مگر لکھیں ایسا کہ گویا کسی نو آموز بچہ نے لکھا ہو جس سے ثابت ہوگا کہ یہ کاتب قلم کے گوناگوں استعمال

پر قدرت رکھتا ہے۔ایک روش کا پابند نہیں۔اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ جمیل ہے اور بمجوائے حدیث اِنَّ اللّٰہ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالِ وہ جمال کو پسند بھی کرتا ہے۔اگر وہ حسین وجمیل اشکال ہی پیدا کرتا رہتا تو اس قدر تعجب نہیں۔جیسے کہ زشت کا پیدا کرنا ایک عجوبہ اور اس کی قدرت کی دلیل ہے۔(کلید مثنوی)

چونکہ اللہ تعالیٰ جواد مطلق اور جو اد عالم ہے اور اس کو اپنے علم ازلی سے معلوم ہے کہ بعض مخلوق خوب ہے اور خوبی کی استعداد رکھتی ہے اور بعض زشت ہے اور زشتی کی استعداد رکھتی ہے۔پھر اس نے دونوں قسم کی مخلوق کو پیدا کیا اور دونوں کے لیے دو طرح کے نقوش ظاہر کئے۔مثلاً اولیاء کے نقوش خوش سرشت بنائے کہ ان کے وجود خوبی کے سوا اور کسی وصف کے لیے مستعد نہ تھے اور ابلیسوں اور شیطانوں کے نقوس کو بد سرشت پیدا کیا کہ وہ زشتی کے سوا اور بات کے اہل نہ تھے اور یہ دونوں طرح مختلف نقش بنانا حضرتِ حق کا کمالِ اوستادی ہے جو نقاشِ حقیقی ہے۔اس کے لیے نقص نہیں بلکہ یہ اس کی عین حکمت اور اعلیٰ ہنرمندی ہے کیونکہ حکمتِ وجود کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ذات کو اس اندازِ خاص پر موجود کیا جائے جس کے لیے اس کی حقیقت مستعد ہے اور اس قسم کے افاضہ سے اس کا کمالِ علم وحکمت ظہور پاتا ہے اور یہ اس کے جمال وکمالِ اسمائی سے ہے اور اس کمال کے منکر قیامت کے روز رسوا ہوں گے جب کہ ہر چیز کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔(بحر العلوم)

ورنتاند زشت کردن ناقص ست زیں سبب خلاقِ گبر و مخلص ست

لغات:۔ نتاند۔نتواند۔گبر آتش پرست، یہاں مطلق کافر مراد ہے۔مخلص خالص الایمان مراد مومن مسلمان

ترجمہ:۔اور اگر بدصورت کو پیدا نہ کرسکتا تو معاذ اللہ وہ ناقص ہے۔اس سبب سے وہ کافر اور مومن کو پیدا کرتا ہے(کہ وہ کامل ہے)۔

مطلب:۔ اگر حق تعالیٰ زشت کو پیدا نہ کرسکتا تو معاذ اللہ وہ ناقص ہوتا کیونکہ وہ بعض مخلوق کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوتا بلکہ اس کے بعض اسماء بھی جن کا مظہر زشت ہے ظہور نہ پاتے۔مثلاً شیطان اسمِ مضل کا مظہر ہے۔جب وہ شیطان کو پیدا نہ کرتا تو پھر اس کا اسمِ مضل بھی ظہور نہ پاتا اور یہ کمال نقصان ہے۔پس ضروری ہے کہ وہ کافر و مومن کا خالق ہو۔(بحر العلوم)

پس ازیں رو کفر و ایماں شاہدند بر خداوند یش ہر دو ساجدند

لغات:۔ شاہد:۔ساجد سجدہ کرنے والا،عابد۔

ترجمہ:۔پس اس لحاظ سے(کہ تمام مخلوقات حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے) کفر اور ایمان (دونوں) اس کی خدائی کے گواہ اور سب اس کی خدائی (کو ماننے) کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔

لیک مومن وانکہ طوعاً ساجد ست زانکہ جویائے رضا و قاصد ست

لغات:۔ طوعاً۔بخوشی،بطور اطاعت یہاں دوسرے معنی موزوں ہیں۔

ترجمہ:۔لیکن مومن و کافر کے سجدے میں اتنا فرق ہے کہ مومن کو بطریق اطاعت (صیحہ) سجدہ کرنے والا سمجھو کیونکہ (وہ خاص حق تعالیٰ کی) رضا تلاش کرنے والا اور (اسی کا) قصد کرنے والا ہے (اور کسی کا نہیں)۔

ہست کرہاً گبر ہم یزداں پرست لیک قصدِ او مرادے دیگر ست

لغات:۔ کرہاً مجبوراً،مارے باندھے،جبراً وقہراً،چیز ناپسند یہاں آخری معنی موزوں ہیں۔یزداں خداوند تعالیٰ آتش پرستوں کے عقیدے میں خدا دو ہیں۔ایک خالقِ خیر،دوسرا خالقِ شر۔خالقِ خیر کو یزداں کہتے ہیں اور خالقِ شر کو اہرمن اسلام کے عقیدے میں۔خیر و شر سب کا خالق یزداں یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔اہرمن جس سے مراد شیطان ہے،خالقِ شر نہیں۔البتہ وہ کاسبِ شر اور محرکِ شر ہے۔

ترجمہ:۔ (اور کسی نہ کسی) ناپسند طریقے سے کافر بھی یزداں کی پرستش کرتا ہے لیکن اس کا قصد (ساتھ ہی) کسی اور (معبود) مطلوب کی طرف (بھی) ہوتا ہے۔

مطلب:۔ کفار بھی اپنے رنگ میں خدا کی پرستش کرتے ہیں مگر ایک تو ان کا طریقۂ اطاعت ہی اصولاً نا قابلِ پسند اور فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے۔ دوسرے ان کا مقصود خاص خدائے واحد نہیں بلکہ ان کے سوا اور چیزوں کی بھی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً گبر اپنی دانست میں ایسے یزداں کی پرستش کرتا ہے جو خلقِ شر پر قادر نہیں بلکہ اس قدرت میں اہرمن اس کا حریف مقابل ہے۔ پس اس نے اہرمن کو بھی خدائی طاقت میں شریک سمجھا اور برہمن ایسے ایشور کی پوجا کرتا ہے جو گویا معطل و بے کار ہے اور اس کے تمام کاروبارِ قدرت کو لاکھوں دیوی دیوتا باختیارِ خود انجام دے رہے ہیں۔ اس لیے وہ ان دیوتاؤں کی بھی پوجا کرنے پر مجبور ہے علیٰ ہذا تمام کفار کی خدا پرستی کا یہی حال ہے۔ بخلاف اس امر کے مسلمان کا مقصود وہ ذاتِ معبود ہے جو جمع صفات کاملہ ہے۔ اس کی قدرت میں کسی کو اختیار و دخل نہیں۔ نیز اس کی عبادت و طاعات بھی صحیح طریقہ پر ہے جس کی دلیل یہ ہے زانکہ جویانِ رضا و قاصد ست یعنی وہ خاص خداوندِ واحد کی عبادت کرتا ہے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کرتا۔

طوعاً کے لفظ کا استعمال بخوشی و رضا کام کرنے کے معنی میں اور کرہاً کا استعمال مجبوراً و مقہوراً کوئی کام کرنے کے معنی میں عام ہے اور بعض اردو شرح میں ان لفظوں کا یہی ترجمہ کیا گیا ہے مگر راقم آثم کے نزدیک یہاں یہ ترجمہ موزوں اور مستقیم نہیں ہے کیونکہ اگر مومن خداوندِ برحق کی عبادت بخوشی کرتا ہے تو کیا برہمن اپنے ٹھاکر کی پوجا بخوشی نہیں کرتا۔ اس کے سر پر کونسا جبر و تشدد کا تازیانہ برس رہا ہے جو اسے اس پوجا پر مجبور کر رہا ہے بلکہ اگر وہ مجبوراً ایسا کرے تو یہ غلط عبادت چنداں جرم بھی نہیں رہتی حتیٰ کہ اگر مسلمان بھی بخوفِ قتل بت کے آگے سجدہ کر دے تو روا ہے اور اس کے ایمانِ صحیح میں خلل کا موجب نہیں۔ جرم تو یہی ہے کہ ٹھاکروں، بتوں اور شیطانوں کی پوجا بخوشی و رضا کی جائے۔ پس ہم نے پہلے شعر میں طوعاً کا ترجمہ اطاعت کیا ہے جس سے صحیح اور مشروع اطاعت مراد ہے جو مسلمانوں کا عمل ہے۔ منتخب اللغات میں لکھا ہے کہ طوعا بالفتح فرمان بردن و فرماں برندہ واسپ نرم عناں اور دوسرے شعر میں کرہا کے معنی ناپسند کے ہیں اور یہ کفار کی عبادت کا حال ہے۔ منتہی الارب میں ہے کَـــرِہَ بالفتح چیز ناپسند۔ بہرکیف کافر و مومن دونوں خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کافر بھی اگرچہ خالص نیت سے اور اچھے طریقے سے اس کی عبادت نہیں بجالاتا یا خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرتا ہے یا خود اپنی عبادت کرانی چاہتا ہے۔ بہرکیف اس سے ایک خدائے برحق کے وجود کا اقرار تو ثابت ہو گیا۔ اس کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں:

قلعۂ سلطاں عمارت میکند　　لیک دعویِ امارت میکند

ترجمہ:۔ (مثلاً کوئی باغی) شاہی قلعہ تعمیر کر رہا ہے لیکن (خود) بادشاہ بن جانے کا دعویٰ کرتا ہے (اور اپنے استحکام کے لیے قلعہ بناتا ہے)

گشتہ باغی تا کہ ملک او رابود　　عاقبت خود قلعہ سلطانی بود

ترجمہ:۔ وہ اس غرض سے حکومت سے باغی ہو گیا ہے تاکہ بادشاہی اس کے لیے مخصوص ہو جائے۔ آخر (جب جنگ و جدال کی نوبت آتی ہے تو یہ) قلعہ بادشاہ کا ہو جاتا ہے۔

مطلب:۔ باغی جو بغاوت کرتا ہے وہ یا تو خود بادشاہ بننے کے لیے یا کسی اور کو بادشاہ بنانے کے لیے کرتا ہے۔ اس سے کم از کم موجودہ بادشاہ کی بادشاہی کا اقرار تو ثابت ہو گیا اور اگرچہ وہ اس کے شاہانہ اقتدار کو چھیننے کی کوشش کر رہا ہے لیکن آخر اس کے اقتدار کو تسلیم کرتا ہے جس کے چھیننے کی ہوس ہے۔ چنانچہ پھر جنگ ہوتی ہے تو باغی کچلا جاتا ہے اور بادشاہ کا اقتدار اور حکومت جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ اسی طرح ایک کافر خواہ عبادت غلط طریق پر کرے یا خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرے یا لوگوں

سے خود اپنی عبادت کرانی چاہے۔ بہر حال اس کے دل میں ایک معبودِ برحق کا تصور موجود ہے جو خالق کائنات ہے۔ پھر جب حق و باطل کا معرکہ ہوتا ہے تو کافر کا کفر ہباءً منثورا ہو کر فنا ہو جاتا ہے اور خدائے برحق کی خدائی نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ تو کافر کی مثال تھی۔ آگے مومن کی مثال ہے:

مومن آں قلعہ برائے بادشاہ　　　میکند معمور نے از بہرِ جاہ

ترجمہ:۔ (مگر) مومن وہ قلعہ (عبادتِ خاص) بادشاہ (حقیقی یعنی خدائے واحد لاشریک) کے لیے تعمیر کرتا ہے نہ کہ (خود اپنے) جاہ (وشوکت) کے لیے۔

مطلب:۔ باغی نے بمرضیِ خود قلعہ بنایا اور بادشاہ کے مطیع اہلکار نے بادشاہ کے حکم کے مطابق بنوایا۔ دونوں قلعے بادشاہ کے قبضے میں آ گئے مگر پہلا جبراً وقہراً اور دوسرا طوعاً ورضاً۔ پہلے قلعہ ساز کی سزا قید وحبس اور طوقِ زنجیر ہے اور دوسرے کی جزا انعام واکرام اور منصب وجاگیر یہی حال کافر ومومن کا ہے۔

زشت گوید اے شہِ زشت آفریں　　　قادری برخوب و برزشتِ مُہیں

ترجمہ:۔ بد کہتا ہے کہ اے بادشاہ (حقیقی) برے کو پیدا کرنے والے! تو خوب اور زشت ذلیل دونوں (کو پیدا کرنے) پر قادر ہے۔

خوب گوید اے شہِ حُسن و بہا　　　پاک گرد انیدیم از عَیب ہا

ترجمہ:۔ نیک کہتا ہے اے شاہِ حسن وجمال! تونے مجھ کو عیبوں سے پاک کر دیا۔

حَمدُ لکَ وَالشُّکرُ لکَ یَاذَا الْمِنَنْ　　　حاضری و ناظری برحالِ من

ترجمہ:۔ اے گوناگوں احسانات والے خدا! ساری تعریف تیری ہے اور شکر تیرا ہے تو میرے حال پر حاضر وناظر ہے۔

مطلب:۔ مومن وکافر، موحد ومشرک، عاقل وجاہل غرض ہر طبقے اور ہر درجے کا آدمی اپنی اپنی بولی میں اور اپنی اپنی لیاقت سے خدا کی حمد کرتا ہے مگر فرق اتنا ہے کہ مومن وموحد کی حمد مؤدبانہ اور مخلصانہ ہوتی ہے اور کافر وجاہل کی حمد گستاخانہ ومنافقانہ انداز میں ہوتی ہے۔ آگے اس تقریر کا حاصل بیان فرماتے ہیں:

حاصل آنکہ او ہر آنچہ خواست کرد　　　خوب را و زشت را چوں خار و وَرد

ترجمہ:۔ غرض یہ کہ اس نے جو چاہا بنایا، اچھے اور برے کو کانٹے اور پھول کی طرح (جدا جدا انداز میں پیدا کیا)۔

اوست بر ہر بادشا ہے بادشا　　　کارساز یَفعَلُ اللّٰہُ مَایَشَا

ترجمہ:۔ وہ ہر بادشاہ کے اوپر بادشاہ ہے (اپنی مرضی کے مطابق کام بنانے والا ہے (چنانچہ اس کا ارشاد ہے) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

دعا وتوبہ آموختنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آں بیمار را

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بیمار کو دعا اور توبہ سکھانا

گفت پیغمبر مرآں بیمار را　　　ایں بگو و سہل کن دشوار را

ترجمہ:۔ (غرض) رسول اللہ ﷺ نے اس بیمار سے فرمایا، یوں کہو کہ (الٰہی) میری مشکل آسان کر دے۔

اٰتِنَا فِیْ دَارِ دُنْیَانَا حَسَنْ　　اٰتِنَا فِیْ دَارِ عُقْبَانَا حَسَنْ

ترجمہ:۔ (الٰہی) ہم کو ہمارے دنیا کے گھر میں (بھی) بھلائی دے (اور) ہم کو ہمارے آخرت کے گھر میں (بھی) بھلائی دے۔

مطلب:۔ یہ قصہ اس حدیث سے ماخوذ ہے جو صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم عاد رجلا من المسلمین قد ضعف فصار مثل الفراخ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هل کنت تدعو الله بشیٍ او تساله ایاه قال نعم کنت اقو ل اللهم ماکنت تعاقبنی به ...... فی الاخرة فعجله لی فی الدنیا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم سبحان الله و لا تطیقه و لا تستطیعه افلا قلت ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة و قنا عذاب النار قال فدعا الله به فشفاه الله به یعنی جناب رسول اللہؐ نے ایک مسلمان کی عیادت فرمائی جو نہایت کمزور ہو کر پرندے کے بچے کی طرح (ناتواں) بن گیا تھا۔ پس رسول اللہؐ نے فرمایا، کیا تم نے اللہ سے کوئی دعا کی تھی یا اس سے سوال کیا تھا۔ عرض کیا، ہاں میں یوں کہتا تھا کہ الٰہی جو عذاب تو مجھے آخرت میں دینے والا ہے، وہ ابھی دنیا ہی میں دے دے تو رسول اللہؐ نے فرمایا، سبحان اللہ تو اس کی طاقت نہیں رکھتا اور استطاعت نہیں رکھتا۔ یوں کیوں نہ کہا کہ اے ہمارے پروردگار، ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

راوی کہتا ہے کہ پس اس نے اللہ سے یہی دعا کی تو اللہ نے اس کی بدولت اسے شفا بخشی۔ (بحر العلوم) آگے اسی دعا کا تتمہ آتا ہے جو بقول مولاناؒ رسول اللہؐ اس مسلمان کو تلقین فرما رہے ہیں۔

راہ رابر ماچو بستان کن لطیف　　منزلِ ماخود تو باشی اے شریف

ترجمہ:۔ اور اپنے راستے کو ہم پر باغ کی طرح پر لطف کر دے اور اے (خداوند) بزرگ! ہماری منزل و مقصود تو ہی ہو۔

صائبؒ۔

یارب از عرفاں مرا پیمانہ سر شارده　　چشم بینا، جانِ آگاه و دل بیدار ده

ہر سرِ موئے حواسِ من بزا ہے میرود　　ایں پریشاں سیر را دربزمِ وحدت بارده

نوٹ:۔ آگے مولانا اس دعا کے تعلق سے کہ "راہ رابر ماچو بستان کن لطیف" پل صراط پر عبور کرنے کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ مومن کے لیے وہ راستہ کس طرح پر لطف بن جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مومناں گویند در حشر اے ملک　　نے کہ دوزخ بودہ راہِ مشترک

ترجمہ:۔ مومن لوگ قیامت کے روز کہیں گے، اے فرشتو (یہ تو بتاؤ کہ) کیا دوزخ (ہمارا اور کافروں کا) مشترکہ راستہ نہیں تھا؟

مومن و کافر بداں یا بد گزار　　ماندیدیم اندریں رہ دود و نار

ترجمہ:۔ جس پر مومن اور کافر (یکساں طور پر) عبور کرتے ہیں (مگر) ہم نے اس راستے میں دھواں اور آگ نہ دیکھی۔

مطلب:۔ اوپر جو دعا تعلیم فرمائی گئی کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا الخ اور راہ رابر ما الخ اس کی برکت اور اس کا عجیب اثر قیامت کے روز یوں ظاہر ہوگا کہ پل صراط کا عبور آسان ہو جائے گا۔ دوزخ گلزار بن جائے گی اور اس کے دود و نار کا نشان تک محسوس نہ ہوگا اور جنت جو انوار و تجلیاتِ ربانیہ کا محل ہے، رہنے کو مل جائے گی۔ چنانچہ مومن عبورِ پل صراط کے بعد فرشتوں سے کہیں گے کہ ہم سنتے تھے کہ مومن و کافر دونوں دوزخ پر سے گزریں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا بھی یہ ارشاد ہے کہ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝

" (اور اے اولادِ آدم!) تم میں سے کوئی (ایسا بشر) نہیں جو جہنم سے ہو کر نہ گزرے"۔ یہ (ایک) وعدہ (قطعی) فیصل شدہ ہے (جس کا پورا کرنا) تمہارے پروردگار (نے اپنے) پر لازم (کر لیا ہے) مریم ع ۵۔ مگر ہم نے اس کا نشان تک نہ دیکھا اور پھر کہیں گے۔

نک بہشت و بارگاہِ ایمنی   پس کجا بود آں گزرگاہِ دُنی

ترجمہ:۔ ایلو! وہ بہشت اور مقامِ امن بھی آ گیا تو پھر وہ سفلی گزرگاہ کہاں رہ گئی۔

پس ملک گوید کہ آں روضہ خضر   کاں فلاں جا دیدہ اید اندر گزر

دوزخ آں بود و سیاست گاہِ سخت   برشما شد باغ و بستان و درخت

لغات:۔ روضہ باغ خضر بفتح اول وکسر دوم شاخ سبز وکشتِ شاداب وسبزہ زار۔ سیاست گاہ مجرموں کو سزا دینے کی جگہ۔

ترجمہ:۔ پس (ان کے جواب میں) فرشتے کہیں گے کہ وہ سرسبز باغ جو تم نے اثنائے راہ میں فلاں جگہ دیکھا ہے، وہی تو دوزخ اور سخت سیاست گاہ تھی جو تم پر باغ و بستاں اور (گلزار و) اشجار بن گئی۔

چوں شما ایں نفسِ دوزخ خوئے را   آتشی و گبرو فتنہ جوئے را

جہد ہا کردید تا شد پُرصفا   نار را کشتید از بہرِ خدا

ترجمہ:۔ جب تم نے اس دوزخ کی خو والے، آتشیں، کافر اور فتنہ جُو نفس پر مجاہدات کیے حتیٰ کہ وہ (رذائل ومعائب سے) بالکل (پاک و) صاف ہو گیا (اور) تم نے خدا کی رضا کے لیے (اس کی) آتش (شہوات) کو بجھا دیا (جس سے تمام رذائل مبدل بہ فضائل ہو گئے چنانچہ:)

آتشِ شہوت کہ شعلہ میز دے   سبزۂ تقویٰ شدو نورِ ہُدے

لغات:۔ ہُدے کو مجھے کے وزن پر پڑھا جائے۔ ہدیٰ کے الف مقصورہ کو امالہ کے ساتھ یائے مجہول بنا لیا بضرورتِ شعری۔

ترجمہ:۔ (وہی) شہوت کی آگ جو (پہلے) شعلہ زن (ہو کر رختِ عفت وعفاف کو پھونک ڈالتی) تھی۔ (اب) سبزۂ تقویٰ اور نورِ ہدایت بن گئی۔

مطلب:۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ "مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الفرقان ع ۶) اسی طرح آگے ارشاد ہے:۔

آتشِ خشم از شما ہم حِلم شد   ظلمتِ جہل از شما ہم علم شد

ترجمہ:۔ تمہارے غصے کی آگ بھی حلم بن گئی اور تمہاری جہالت کی تاریکی بھی علم ہو گئی۔

آتشِ حرص از شما ایثار شد   واں حسد چوں خارِ بد گلزار شد

لغات:۔ ایثار اپنے فائدے پر دوسرے کا فائدہ مقدم رکھنا اس کی ضد حرص ہے۔ جس میں صرف اپنا فائدہ مدِنظر ہوتا ہے حسد کا خیال دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا ہے۔ اس لیے اس کو کانٹے سے تشبیہ دی ہے اور خارزار کی ضد گلزار ہے نیز حسد کو آگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے محاورے میں بھی حسد کو جلنا کہتے ہیں اور عذابِ نار کے مقابلے میں عیشِ گلزار کا ذکر متعارف ہے اس لحاظ

سے بھی حسد کا گلزار بن جانا لطف سے خالی نہیں۔

ترجمہ:۔ تمہاری حرص کی آگ ایثار بن گئی اور وہ حسد (جو ایک) برے کانٹے کی طرح (دل میں کھٹکنے والا تھا) گلزار بن گیا۔

چوں شما ایں جملہ آتشہائے خویش　　بہرِ ما کشتید تاشد نوش نیش

ترکیب:۔ اس شعر سے شرط شروع ہوتی ہے جو آگے چوتھے شعر تک چلی گئی ہے۔ پھر پانچواں شعر اس کی جزا ہے۔

ترجمہ:۔ چونکہ تم نے اپنی ان تمام آتش ہائے (شہوات کو) ہماری رضا کے لیے بجھا دیا ہے۔ حتیٰ کہ ڈنگ شہد بن گیا۔ (یعنی رذائل مبدل بہ فضائل ہو گئے)۔

نفسِ ناری راچو باغے ساختید　　اندرو تخمِ وفا اند اختید

ترجمہ:۔ اور چونکہ آتشی نفس کو تم نے ایک باغ بنا کر اس میں وفا کا بیج بولیا۔

الخلاف:۔ اوپر کے شعر چوں شما ایں جملہ کا دوسرا مصرعہ بعض نسخوں میں یوں درج ہے ''بہرِ حق کشتید جملہ پیش پیش'' جس کا ترجمہ یوں ہے کہ تم ان سب آتشہائے شہوات کو حق تعالیٰ کی رضا کے لیے پہلے ہی بجھا چکے تھے اور دوسرے شعر میں بعض نسخے ساختید انداختید کے بجائے ساختند وانداختند جمع غیب کے صیغے پیش کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کاتبوں کی غلطی ہے۔ کیونکہ سیاق وسباق اس کی تائید نہیں کرتا۔

بلبلانِ ذکر وتسبیح اندرو　　خوش سرایاں درچمن برطرفِ جو

ترجمہ:۔ (ایسا باغ کہ) جس میں ذکر (الٰہی) اور تسبیح (حق تعالیٰ) کی بلبلیں چمن کے اندر (فیوضِ الٰہیہ کی) نہر کے کنارے پر نغمہ سرائی کرتی ہیں۔

داعیِ حق را اجابت کردہ اید　　وزجحیمِ نفس آب آوردہ اید

لغات:۔ داعیِ حق خدا کی طرف بلانے والا مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اجابت دعوت قبول کرنا۔ بلانے والے کی طلب پر حاضری کے لیے تیار ہونا جحیم دوزخ۔ از جحیم آب آوردن دوزخ کی آگ کو پانی سے بدل ڈالنا یعنی کسی شر کو مبدل بہ خیر کر دینا۔

ترجمہ:۔ (اور چونکہ) تم داعیِ حق (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی) دعوت پر حاضر ہو گئے ہو اور (ان باتوں کی بدولت) دوزخ نفس سے پانی نکالا (یعنی اس کے شرور کو مبدل بہ محاسن کر دیا)

دوزخِ مانیز درحقِ شما　　سبزہ گشت وگلشن وبرگ ونوا

ترکیب:۔ اس سے چار شعر اوپر یعنی چوں شما ایں آتش ہائے خویش الخ سے جو شرط چلی آ رہی تھی یہ شعر اس کی جزا ہے۔

ترجمہ:۔ (ان وجوہ سے) ہمارا دوزخ بھی تمہارے حق میں سبزہ وگلشن اور ساز وسامان بن گیا۔

چیست احساں رامکافات اے پسر　　لطف واحسان وثوابِ معتبر

لغات:۔ مکافات بدلہ، جزا، عوض۔ معتبر سے یہاں معقول یا مناسب مراد ہے۔

ترجمہ:۔ عزیزِ من! احسان کا بدلہ کیا ہے؟ مہربانی اور احسان اور مناسب اجر۔

مطلب:۔ یہ اس آیت کا ٹھیک ترجمہ ہے۔ ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ یعنی نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ

چونکہ تم نے دنیا میں ہمیشہ نیکی کی تھی۔ معاصی سے بچتے رہے تھے۔ اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق پوری توجہ سے ادا کیے تھے۔ اس لیے آج حق تعالیٰ اس کا بدلہ تم کو نیکی میں دیتا ہے کہ تمہارے لیے نار کو گلزار بنا دیا اور بہشتوں میں جگہ بخشی۔ چونکہ اوپر کا سوال سب مومنوں کی طرف سے ہوگا۔ لہٰذا یہ جواب بھی سب کے لیے ہے۔ پس یہاں تک جواب عامہ عباد و زہاد کے لیے ہے۔ آگے ان سے الگ ہو کر خاص عشاقِ حق سے خطاب ہے۔ جنہوں نے یادِ حق میں اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ اب ان کو بطورِ استفہامِ اقراری کہتے ہیں۔

نے شما گفتید ماقربانیم پیشِ اوصافِ بقاما فانیم

ترجمہ:۔ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم (خدا کے) فدائی ہیں اور اوصاف بقا کے سامنے ہم فانی ہیں۔ امیر خسروؒ۔

ہستی من رفت و خیالش بماند اینکہ تو بینی نہ منم بلکہ او ست

ما اگر قلاّش اگر دیوانہ ایم مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم

لغات:۔ قلاش مفلس تہید ست۔ پیمانہ پیالہ ساغر۔

ترجمہ:۔ ہم اگر چہ مفلس اور دیوانہ ہیں مگر ہیں تو اسی ساقی اور ساغر کے مست۔ سعدیؒ۔

گر نیست جمال ورنگ وبویم آخر نہ گیاہِ باغِ اویم

گر بے ہنرم وگر ہنرمند لطف ست امیدم از خداوند

برخطِ فرمانِ اوسرے نہیم جانِ شریں راگروگاں میدہیم

لغات:۔ خط فرماں ارشاد۔ سر نہادن اطاعت کرنا۔ گروگاں رہن گر۔ گروی۔

ترجمہ:۔ ہم اس کے ارشاد و فرمان پر سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ پیاری جان کو (اس کے پاس) گروی رکھتے ہیں۔

تاخیالِ دوست دراسرارِ ماست چاکری وجانسپاری کارِ ماست

لغات:۔ اسرار بواطن قلوب۔ چاکری خدمت خادمانہ کام۔ جانسپاری جان فدا کرنا جاں نثاری۔

جب تک ہمارے دلوں میں دوستِ حقیقی کا خیال جاگزین ہے چاکری و جاں نثاری ہمارا کام ہے۔ امیر خسروؒ۔

بندہ ام خواہ قبولم کن وخواہے روکن عزت وخوارگی درکوئے وفا یکسانند

نوٹ:۔ فرشتوں کا جواب یہاں تک ختم ہو چکا۔ اب مولاناؒ عشاقِ حقیقی کی مدح فرماتے ہیں:

ہر کجا شمعِ بلا افروختند صد ہزاراں جانِ عاشق سوختند

ترجمہ:۔ (عاشقانِ حق نے) جس جگہ بلائے (عشق کی) شمع روشن کی ہے۔ لاکھوں جانیں جو عشق کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں پھونک ڈالی ہیں۔

مطلب:۔ عشاقِ حق کے کمالات صرف انہی کی ذات تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی نگاہِ تصرف دوسرے لاکھوں اشخاص کے خرمنِ وجود میں بھی عشق کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔ صائبؒ۔

سنگ را سازند لعل از روئے دل چوں آفتاب خانہارا زرنگار از چہرۂ زریں کنند

عاشقانے کز درونِ خانہ اند شمعِ روئے یاررا پروانہ اند

ترجمہ:۔ وہ عاشق جو درگاہ (خداوندی) میں (باریاب) ہیں۔ محبوب (حقیقی) کے چہرہ (زیبا) کے پروانہ ہیں۔

مطلب:۔ ان اشعار اور مابعد کے اشعار کی شوکتِ الفاظ اور برجستگی کلمات اور معنوی فصاحت و بلاغت بتا رہی ہے کہ اس وقت مولانا پر ایک غیر معمولی جوش طاری ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ وہ عاشق ہیں جو اپنے محبوبِ حقیقی کے مقرب اور اس کے دیدار کی دولت سے بہرہ مند ہیں۔

منزل حافظ کنوں بارگہ کبریا ست　　دل بردلدار رفت جاں برجانانہ شد

اے دل آنجا رَو کہ با تو روشن اند　　وز بلا ہا مر ترا چوں جوشن اند

لغات:۔ روشن سے یہاں روشن دل یا روشن چہرہ۔ کشادہ پیشانی۔ خندہ۔ رو مراد ہے۔ جوشن ایک قسم کا جنگی لباس جو لوہے وغیرہ سے بنا ہوتا ہے۔ تاکہ تیر و تلوار سے جسم کو گزند نہ پہنچے۔

ترجمہ:۔ تو وہاں جا جہاں (بزرگ) تیرے ساتھ روشن (دل پیش آتے) ہیں اور (دنیوی واخروی) بلاؤں سے (نجات میں) تیرے لیے (بمنزلہ) جوشن ہیں۔

حافظ از دست مدہ صحبت آں کشتی نوح　　ورنہ طوفان حوادث برداز بنیادت

درمیانِ جاں ترا جاے کنند　　تا ترا پُر بادہ چوں جامے کنند

ترکیب کی دو صورتیں ہیں یا تو جان کا مضاف الیہ خود مقدر ہے اور ترا جاے کا مضاف الیہ ہے پس تقدیر یوں ہوگی کہ جائے تو درمیان جان خود کنند۔ شارح کلید مثنوی نے اس کو اختیار کیا ہے مگر ہمیں اس میں بچند وجوہ تامل ہے۔ کما سیاتی یا جان کا مضاف الیہ ترا ہو۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی۔ درمیان جان تو جائے ے گیرند اور میں اس تقدیر کو ترجیح دیتا ہوں ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ ہو صنائع: جاے کنند بمعنی جائے میگرند اور دوسرا جاے کنند بمعنی جام ے سازند میں صنعتِ تجنیس تام ہے۔

ترجمہ:۔ (۱) وہ تجھے (اپنی) جان کے اندر جگہ دیتے ہیں تاکہ تجھ کو جام کی طرح شراب (محبت) سے بھر دیں۔ (۲) وہ تیری جان کے اندر جگہ بناتے ہیں۔ تاکہ تجھ کو جام کی طرح شراب (محبت) سے بھر دیں۔

نوٹ:۔ ترکیب و ترجمہ کی پہلی تقدیر پر دوسری تقدیر کو میرے نزدیک اس لیے ترجیح ہے کہ اول تو پہلی تقدیر میں جاے کنند بمعنے جائے ے دہند قرار دینا پڑتا ہے اور دوسری تقدیر پر بمعنے جائے ے گیرند اور ظاہر ہے کہ دوسرے معنے میں اس کلمہ کا استعمال زیادہ متعارف ہے۔ دوسرے پہلی تقدیر پر یہ مطلب ہوگا، کہ تمھاری محبت اپنے دل پر منقش کر لیتے ہیں۔ تاکہ تم کو بھی مست محبت کر دیں اور ظاہر ہے کہ دوسرے مصرعہ میں کلمہ تا سببیت کے لیے آیا ہے مگر کسی کی محبت کو اپنے دل میں منقش کر لینا اس امر کو مستلزم نہیں کہ وہ بھی مست محبت ہو جائے۔ پھر ان دونوں باتوں میں علاقہ سببیت کیونکہ قائم ہوگا۔ بخلاف اس کے دوسری تقدیر پر یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اپنے تصرفات سے تمھارے دل پر اپنی یاد کا نقش بٹھا دیتے ہیں تاکہ تم ان کی محبت میں سرشار ہو اور ان دونوں باتوں کا تلازم کسی دلیل کا محتاج نہیں تیسرے مرشد کو اپنے مرید کے لیے ایک سایۂ رحمت اور سراپائے شفقت ہوتا ہے مگر یہ کہنا کہ اس نے مرید کو اپنے دل میں بٹھا لیا۔ مرید کی محبت کا نقش اپنے دل پر جما لیا۔ پیر کی جلالت شان کے لیے غیر ملائم ہے۔ ہاں مرید کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ تم خدمت و اطاعت سے کوشش کرو کہ پیر کے دل میں جگہ پاؤ۔ اس طرح کہنا پیر کی شان کمال کے لیے غیر ملائم نہیں اور پہلی صورت کے خلاف یہ کہنا کہ پیر نے مرید کو اپنی محبت کا متوالا بنا دیا۔ ہر طرح موزون ہے یعنی (۱) اس نے پیر کا تصرف ظاہر ہوتا ہے۔ (۲) پیر کا علم شان اس کا متقاضی ہے۔ (۳) مرید کے لیے یہ بھی صورت موجب ترقی ہے (۴) آئندہ شعر بھی قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں پیر کی یاد کا مرید کے دل پر نقش

ہونا مراد ہے نہ کہ اس کے بالعکس۔ کیونکہ آگے فرماتے ہیں کہ تم ان کے دل میں جگہ پانے کی کوشش کرو جس کا مطلب یہ ہے۔ وہ تو تمہارے محبوب بن ہی جائیں گے تم بھی ان کے محبوب بننے کی کوشش کرو لیکن اگر اوپر یہ مطلب ہوتا کہ وہ تم کو اپنا محبوب بنالیں گے۔ تو پھر آگے یہ کہنا کہ ان کے محبوب بننے کی کوشش کرو تحصیل حاصل ہوتی ہے۔

درمیان جان ایشاں خانہ گیر　　در فلک خانہ کن اے بدر منیر

ترجمہ: تم ان کے دل میں گھر بنالو۔ اے بدر منیر آسمان میں ٹھکانا بنالو۔

مطلب: ان بزرگوں کے قلوب اپنی شان عالی کے اعتبار سے بمنزلہ فلک ہیں اگر تم اپنی روشن فطرتی اور خوبی استعداد سے مثل ماہ منیر ہو تو اس فلک میں گھر بنالو۔ کیونکہ چاند کا گھر فلک ہی میں ہوتا ہے۔ جامیؒ ۔

جا کن در درون پاک ضمیرے کہ عاقبت　　زیں شیوہ کار قطرہ بدر روانگی کشید

چوں عطارد دفتر دل واکنند　　تا کہ بر تو سرّہا پیدا کنند

لغات: عطارد بضم عین وکسر راء ایک ستارہ کا نام ہے جس کے ساتھ علم وعقل کا تعلق بتاتے ہیں۔ اسی لیے اس کو دبیر فلک کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کے ساتھ یہاں دفتر کا ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: وہ عطارد (دبیر فلک) کی طرح تم پر (دانہے) دل کا دفتر (علوم ومعارف) کھول (کررکھ) دیں گے تا کہ تم پر اسرار (معرفت) ظاہر کریں۔

پیش خویشاں باش چوں آوارۂ؟　　بر مہ کامل زن ار مہ پارۂ

ترجمہ: ارے! کیوں آوارہ ہو رہا ہے۔ اپنوں کے پاس رہ اگر تو چاند کا ٹکڑا ہے (اور واقعی ہے) تو چاند سے مل جا۔

مطلب: جب تم میں قبول کی استعداد ہے۔ اور یہ حضرات اہل حق ہیں تو کیوں مارے مارے پھرتے ہو۔ آؤ اور فیض یاب ہو۔ غنیمتؒ

بیا بنگر در فیضے کہ اینجا　　تجلّے ہاست مشتاق تماشا

جزو را از کل خود پرہیز نیست　　با مخالف ایں ہمہ آمیز چیست

ترجمہ: (کیونکہ) جز اپنے کل سے ملتا نہیں (پھر مخالف) کے ساتھ اس قدر میل کیوں ہے؟

مطلب: جب تم ماہ پارہ ہو تو ماہ کے ساتھ مل جاؤ۔ کیونکہ جز کو ہمیشہ کل کی طرف میلان ہوتا ہے مگر تم الٹا اپنی ضد کے ساتھ میل جول رکھتے ہو۔ صائبؒ

نفس در صحبت بے نسبت از من بر نمے آید　　حضور زاغ باشد سرمۂ آواز بلبل را

جنس را بیں نوع گشتہ در رُوش　　غیبہا بیں گشتہ عین از پرتوش

لغات: جنس وہ امر کلی جو بہت سی اشیائے مختلفین بالحقایق پر صادق آئے جیسے حیوان۔ کہ انسان۔ فرس۔ غنم۔ بقر۔ ابل وغیرہ سب پر صادق آتا ہے اور ان سب کے حقایق باہم مختلف ہیں اور جیسے جسم کہ انسان۔ حیوان۔ نباتات۔ جمادات سب پر صادق آتا ہے۔ پس حیوان اور جسم جنس ہیں۔ نوع وہ امر کلی جس کا اطلاق اشیائے متفقین بالحقایق پر ہو سکے۔ جیسے انسان کہ تمام افراد انسان پر صادق آتا ہے اور سب باہم ایک سی حقیقت رکھتے ہیں۔ اسی طرح فرس۔ غنم۔ بقر۔ ابل۔ وغیرہ سب نوع ہیں روش بضم را بمعنے روے او نہ کہ بفتح

راء کسر واو حاصل مصدر تتن کملہ تیادر۔ غیبہا۔ اشیائے غائب۔ غیر موجودعین موجود۔ حاضر

ترجمہ: اس کے روبرجنس (مجموعہ) اشیائے مختلف الحقایق) کونوع (متفق الحقایق) ہوتے دیکھو گے اور اشیائے غائبہ کو اس کی روشنی میں حاضر ہوتی پاؤ گے۔

مطلب: صاحب کلید فرماتے ہیں کہ مولاناؒ کا مقصود یہ ہے کہ وہ عشاق فانی جن کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ساری مختلف اشیاء ان کی نظر میں ایک ہو جاتی ہیں۔ اس لیے کہ ان کی نظر میں تو صرف ایک ہی ہے۔ باقی کو وہ فنا ہی کر چکے ہیں۔

زموج دیدہ صائب شستہ ام من حرف خود بینی بہر جانب کہ روے آورم دلدا مے بنیم

مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ جنس ایک ماہیت قاصرہ ہے جو فصل کی شمولیت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ پس یہ مصرعہ ماسبق کی مثال ہے یعنی جس طرح جنس فصل کے ساتھ مل جانے سے نوع بن جاتی ہے۔ اور ماہیت کاملہ ہو جاتی ہے اسی طرح بو بھی کامل کی مقارنت سے کامل ہو جاتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں شیخ افضل نے غیب ہا سے وہی اجناس مراد لی ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اجناس وفصول جو غیب ہیں اس میں متعین ہو جاتی ہیں اور بہتر یہ ہے۔ کہ غیب سے اسما وارداح رامثالہا مرادہوں۔ یعنی یہ مغیبات اس کی راہ میں عین مشہود ہو جاتی ہیں (انتہی)

تا چو زن عشوہ خرمی اے پُر خرد از دروغ و عشوہ کے یابی مدد

لغات: عشوہ بکسر عین۔ ناز ونخرہ مکر وفریب۔ اور وہ حرکت معشوق جس سے عاشق کا دل فریفتہ ہو۔ عشوہ خریدن کے معنے فریب اور بناوٹ کی باتوں کے قدر دان ہونا۔

ترجمہ: اے (نام کے) عقلمند تو عورت کی طرح کب تک بناوٹ کی باتوں کا دلدادہ رہے گا۔ جھوٹ اور بناوٹ سے کب تک مدد پا سکے گا۔

مطلب: عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ لاڈ پیار پر بہت ریجھتی ہیں اور اکثر دھوکا کھاتی ہیں کہ فرماتے ہیں تم عورتوں کی طرح ہمیشہ لاڈ پیار ہی کے دلدادہ نہ رہو۔ تلخ سلوک بھی گوارا کرو۔ تب تم کسی ناصح مشفق یا استاد ماہر اور پیر کامل سے فیضیاب ہو سکتے ہو۔ ان کے خطابات کی تلخی خوشامدیوں کی مدح وستائش سے بدارج افضل ہے۔ سعدیؒ۔

پادشا ہے پسر بمکتب داد لوح سیمینش درکنار نہاد

برسرِ لوح او نوشتہ بزر جور استاد بہ زمہر پدر

چاپلوس و لفظِ شیرین وفریب میستانی مے نہی چوں زن بجیب

ترجمہ: ۔ تم خوشامد (کی باتیں) اور میٹھے لفظ اور فریب (کے سلوک) قبول کر لیتے ہو (اور اسے چوم چاٹ کر) عورت کی طرح جیب میں رکھ لیتے ہو۔

مطلب: ۔ عورتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے هُنَّ ناقصاتُ العقل والدّین چنانچہ ان کے نقصِ عقل کا ایک تقاضا یہ ہے کہ وہ مکار لوگوں کے مکر وفریب میں بہت جلد آجاتی ہیں۔ چار خوشامدانہ میٹھی باتیں سنتی ہیں تو موم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں کو بلا رد وقدح قبول کر لیتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہی شیوہ تمہارا ہے کہ خوشامدانہ باتوں کو بے چون وچرا مان لیتے ہو۔ ان کی کچھ بھی تنقید وتحقیق نہیں کرتے۔ اور نہیں سمجھتے کہ خوشامد کی شیرینی میں اکثر زہر قاتل کھلا دیے جاتے ہیں۔

نہیں ہر قند زہر سے خالی نہیں ہر لطف قہر سے خالی

مہر میں کج ادائیاں ہیں چھپی نیکیوں میں برائیاں ہیں چھپی

مر ترا دشنام وسیلیِ شہاں بہتر آید از ثنائے گمرہاں

لغات:۔ دشنام گالی مراد سرزنش و ملامت۔ سیلی دھول دھپہ، چپت لگانا۔ ثنا تعریف ۔

ترجمہ:۔ تمہارے لیے تو (اقلیم سلوک کے) بادشاہوں کی ملامت اور چانٹے گمراہ لوگوں کی تعریف سے اچھے ہیں۔

مطلب:۔ کیونکہ مصلح و مربی کی تادیب نفس کی اصلاح کرتی ہے اور ترقی مدارج کی باعث ہے اور خوشامدیوں کی مدح و ستائش نفس کو آمادۂ کبر و غرور کر کے گمراہ کرتی ہے۔ پس وہ بد سلوکی کرنے والے حقیقی خیر خواہ ہیں اور یہ خوشامد کرنے والے سخت بدخواہ۔ سعدیؒ۔

ستائش سرایاں نہ یارِ تو اند ملامت کناں دوستدار تو اند

غرضیکہ اپنی تعریف سننے کی چاٹ میں تم ہر وقت خوشامدیوں کے حلقے میں رہنا پسند نہ کرو۔ بلکہ اس گردابِ بلاخیز سے نکل کر کسی مرشدِ کامل کا دامن پکڑو اور اس کی تعلیم و تادیب میں ہر طرح کی جفا بدل و جان گوارا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس سختی کا خوف اور خوشامد سننے کا شوق تم کو خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنادے۔

صِفعِ شاہاں خور مخور شہدِ خساں تا کسے گردی زاقبالِ کساں

لغات:۔ صفع چپت، چانٹا۔ خساں کمینے لوگ کس آدمی، انسان۔ اقبال لغت میں بمعنی متوجہ ہونا، کسی کی طرف منہ کرنا، عرف میں بمعنی خوش نصیبی، طالع مندی، یہاں لغوی معنی ماخوذ ہیں۔

ترجمہ:۔ (ان اقلیمِ سلوک کے) تاجداروں کے چانٹے کھانے منظور کر) لو (اور) کمینے لوگوں کا شہد نہ کھاؤ تا کہ تم (ان اہل اللہ) لوگوں کی توجہات سے (صحیح معنی میں) آدمی بن جاؤ۔ ولنعم ما قیل۔

ناقص از جورِ مربی آب و رنگے برکند سے تو اں کردن بگرمی پختہ نارس چیدہ را

زانکہ زیشاں خلعت و دولت رسد در پناہِ روح جاں گردد جسد

ترجمہ:۔ کیونکہ ان سے خلعت و دولت بھی تو ملتی ہے۔ دیکھو روح کی پناہ میں جسم (بے جان) جان (دار) بن جاتا ہے۔

مطلب:۔ بادشاہ اگر خادم کو ایک وقت تازیانے سے مارتا ہے تو دوسرے وقت خوش ہو کر اس کو انعام و خلعت بھی دیتا ہے بلکہ کبھی کسی ملک کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اہل اللہ اگر اپنے خدام سے عتاب و سرزنش کا سلوک کریں تو ان کو آخر دولتِ معرفت سے مالا مال بھی کر دیں گے۔ اس سختی سہنے کے عوض میں اگر یہ دولت مل جائے تو کس قدر پُر نفع سودا ہے۔

وفا خواہی جفا کش باش حافظ فان الربح والخسران فی

صائبؒ۔

روئے یوسف تا کیہ واز سیلی اخواں نشد ہمچو رود نیل بر مصرش رواں فرماں نشد

آگے ان بزرگانِ دین کی صحبت و قرب کی برکت کے لیے ایک مثال پیش فرماتے ہیں۔ یعنی جس طرح جسمِ عنصری روح کے اقتران سے زندہ ہو جاتا ہے، اسی طرح ان اہل اللہ کا قرب مردہ دل لوگوں کو حیاتِ روحانی سے زندہ کر دیتا ہے۔

بگیر دامنِ خورشید طلعتے صائب کہ ہمچو صبح ترا زندگی دوبارہ شود

آگے استاد اور شیخ کی سختی کے منافع اور ان سے بھاگنے کے نقصانات کا ذکر کرتے ہیں:

ہر کجا بینی برہنہ و بے نوا　　وانکہ او بگریختہ از اوستا

ترجمہ:۔ جہاں کہیں تم کسی (خلعتِ باطنی سے) ننگے اور (دولتِ معرفت سے) بے بہرہ کو دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ اپنے استاد (طریقت) سے بھاگا ہوا ہے۔صائبؒ۔

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی　　مزد اگرے طلبی طاعتِ استاد ببر

تا چناں گردد کہ میخواہد دلش　　آں دلِ کور بد بے حاصلش

ترکیب:۔ اوپر کے شعر میں بگریختہ از استاد جملہ اسمیہ معلول ہے۔یہ شعر اس کی علت ہے۔جس میں دل پہلے مصرعہ میں مبدل منہ ہے۔دوسرے مصرعہ میں دل موصوف اپنی صفتوں سمیت اس کا بدل۔

ترجمہ:۔ (وہ) اس لیے (بھاگا ہے) کہ جس طرح اس کا دل چاہے اسی طرح ہو جائے۔اس کا وہ دل جو اندھا ہے برا ہے' بے نصیب ہے۔

مطلب:۔ دل چاہتا ہے کہ محنت و مشقت نہ کرنی پڑے خدمت و اطاعت کی قیود نہ ہوں۔مفت کی آؤ بھگت ہو اور کھانے پینے کو گوناگوں نعمتیں ملیں مگر یہاں رات رات کے اذکار و اشغال ہیں۔مرشد کی خدمت و اطاعت لازم ہے۔مختلف تادیبات و تنبیہات ہیں اور کھانے کو نیم سیر روٹی کبھی ملے کبھی نہ ملے وہ بھی روکھی سوکھی اسے لیے بھاگ نکلے غرقابِ مصائب میں تو وہ کودے جسے حصول گوہر کا شوق ہو لیکن جو شخص آرام و راحت کا دلدادہ ہے وہ ان تکالیف کو کب برداشت کرتا ہے۔آخر محروم رہتا ہے۔صائبؒ۔

قانع بشکار خس و خار اندرز گوہر　　چوں موج گردہے کہ طلب گار کنار اند

گر چناں گشتے کہ استا خواستے　　خویش راو خویش را آراستے

صنائع:۔ خویش بمعنی خود اور خویش بمعنی اقارب میں تجنیسِ تام بعض نسخوں میں دوسرے خویش کے بجائے خلق کا کلمہ مندرج ہے۔

ترجمہ:۔ اگر وہ اسی طرح (عمل کرنے والا) ہوتا جس طرح استاد چاہتا تو آج سے اپنے آپ کو اور (نیز اپنے) اقارب کو (فضائل و کمالات سے) مزین کر سکتا۔

ہر کہ از استا گریزد در جہاں　　اوزِ دولت میگریزد ایں بداں

ترجمہ:۔ جو شخص دنیا میں استاد سے بھاگتا ہے وہ (درحقیقت) دولت (علم) سے بھاگتا ہے۔اس کو (خوب) سمجھ لو۔

پیشہ آموختی درکسبِ تن　　چنگ اندر پیشۂ دینی بزن

ترجمہ:۔ تو نے (وہ) پیشہ (تو) سیکھ لیا (جس سے) جسم (کی پرورش) کے (لیے) کمانے میں (کام لیا جائے اب اس) دینی پیشہ میں ہاتھ ڈالو (جس سے روح کا تزکیہ ہوتا ہے) نظامیؒ۔

روتے بدیں کہ قوی پشتی ست　　پشت بخور شید کہ زردشتی ست

درجہاں پوشیدہ گشتی و غنی　　چوں بروں آئی ازانجا چوں کنی

لغات:۔ عَنی نامرد مخفف ہے عنین کا غیاث اللغات میں لکھا ہے عِنّین بکسر و تشدید نون مکسور جونے کہ بر جماع قادر نباشد راد رعرف نامرد گویند۔ وعنی بحذف نون آخر خطاست وبعضے گویند اگرعنی را منسوب بعنہ کہ مصدر ست بحذف تا گفتہ شود صحیح باشد۔پس

عنی بمعنی نامرد صحیح ہے اور نون مشدد کو بضرورت مخفف کر لیا گیا جیسے کہ بعض اوقات کر لیتے ہیں۔
ترجمہ:۔ تو دنیا میں تو چھپا رہا اور نامرد (تھا) جب دنیا سے باہر آئے گا تو وہاں (پردہ فاش ہو جائے گا) پھر کیا کرے گا۔
مطلب:۔ انسان غافل اپنے دل و دماغ کی تمام طاقتیں دنیوی ساز و سامان کی فراہمی کے لیے لگا دیتا ہے اور اس کی دینی حالت بالکل معیوب، ناقص اور ناکارہ رہ جاتی ہے۔ اسی حالت کو یہاں نامردی سے تعبیر کیا ہے۔ دنیا میں یہ معیوب حالت دنیوی وجاہت و آبرو میں چھپی رہتی ہے لیکن دنیا سے نکلنے کے بعد جب دنیوی وجاہت کا لباس اتر جاتا ہے، پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ "جس دن یہ لوگ سامنے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔" (مومن ع ۲) وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اور تم جو دنیا میں چھپ کر گناہ کرتے تھے تو اس ڈر سے نہیں کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ بلکہ تم یہ سمجھتے تھے کہ تمہارے بہت سے کام خدا کو معلوم نہیں ہیں" (حم السجدۃ ع ۳)
الخلاف:۔ بعض شارحین نے پہلے مصرعہ میں غنی بغین معجمہ سمجھ کر اس ترجمہ کو یوں کیا ہے۔ دنیا میں تو صاحب کر و فر اور غنی ہو گیا لیکن جب اس دنیا سے باہر جائے گا تو اس وقت کیا کرے گا اور بعض نے اس لفظ کو عتی بتائے مثناۃ سمجھا ہے ترجمہ یوں کیا ہے دنیا میں تو تم بڑے صاحب کر و فر اور از حد گذشتہ ہو گئے ہو (مگر) جب یہاں سے باہر گئے تو اس وقت کیا کرو گے۔ ان ترجموں میں غنی اور عتی کا اختلاف کلمات تو خیر ہوا مگر پوشیدہ کے معنی صاحب کر و فر سمجھ میں نہیں آتے کہ کس لغت سے نکلے ہیں۔ شاید بتاویلِ بعید پوشیدہ کے مفہوم میں پوشش اور شاہانہ پوشاک کو مستلزم کر و فر سمجھ لیا ہو۔ واللہ اعلم۔ بہر کیف ہمارے نزدیک معنی اقرب الی المقصود وہی ہیں جو اوپر درج کیے گئے اور اس ترجمہ کی تائید آگے ایک شعر۔ ہمچو آں طفلے کہ بر طفلے تنداخ بھی کرے گا یعنی یہاں تو بے دین کی زندگی کو ایک نامردانہ زندگی سے تشبیہ دی ہے اور آگے اسی زندگی کو بچے کی کوششِ جماع سے تعبیر کیا ہے اور دونوں مثالوں کا منشا ایک ہی ہے۔ بخلاف اس کے کر و فر کی زندگی کو جماع اطفال سے کوئی مناسبت نہیں۔

پیشہ آموز کاندر آخرت — اندر آید دخلِ کسب و مغفرت

لغات:۔ دخل آمدنی۔ دخلِ کسب۔ کمائی کی آمدنی محنت کا ثمرہ یعنی اعمال کا اجر۔
ترجمہ:۔ وہ پیشہ (بھی) سیکھو کہ (اس کی بدولت) آخرت میں تم کو اعمال کا اجر اور مغفرت حاصل ہو۔ حافظ ؎

امروز کہ بازارت پُر جوش خریدار ست — دریاب و بنہ گنجے از مایہ نیکوئی

آں جہاں شہرے ست پُر بازار و کسب — تا نہ پنداری کہ کسب اینجاست حسب

لغات:۔ تا بمعنی تنبیہ۔ حسب کافی، بس۔
ترجمہ:۔ وہ جہان (بھی) ایک عظیم الشان شہر ہے جو بازار اور کمائی (کے کاروبار سے) بھرا پڑا ہے۔ ہاں! تم یہ گمان نہ کرنا کہ بس اسی دنیا میں کمائی (کا کاروبار) ہے (اور کہیں نہیں)۔
مطلب:۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ اکثر شارحین یہاں آخرت کے کسب کو تجارت و زراعت پر حمل کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض صحیح احادیث میں وارد ہے کہ اہلِ جنت جب زراعت کا ارادہ کریں گے تو جوں ہی تخم ریزی کریں گے فوراً کھیتی تیار ہو جایا کرے گی اور نیز صحیح احادیث میں آیا ہے کہ بہشت میں ایک بازار ہے جہاں بیع و شرا ہوگی اور ممکن ہے کہ کسب سے یہاں اعمالِ شرعیہ مثل نماز و روزہ و حج مراد ہوں۔ اگرچہ انسان صرف موت تک اعمالِ شرعیہ پر مکلف ہے۔ اس کے بعد نہیں اور دنیوی زندگی کا حجاب اٹھ جانے

کے بعد تکلیف باعمال شرعیہ بھی مرتفع ہو جاتی ہے لیکن جائز ہے کہ ان کا کسب باعمال شارع کی طرف سے تکلیف دیے جانے پر موقوف نہ ہو بلکہ بدیں جہت ہو کہ ان اعمال کی بدولت انہیں مشاہدہ حق اور مشاہدہ اسمائے حق بوجہ اتم حاصل ہو اور ازدیاد علوم الٰہیہ کا موجب ہو۔ حدیث صحیح میں واقع ہے کہ۔ رایت موسیٰ فی ھذا الوادی متلبیاً ورایت یونس فی ھذا الوادی متلبیا۔ یعنی میں نے اس وادی میں موسیٰ کو تلبیہ کرتے دیکھا اور اس وادی میں یونس کو تلبیہ کرتے دیکھا۔ یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ انبیاء حج کرتے ہیں اور بعض احادیث میں واقع ہے کہ میں نے موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کو دار آخرت میں بھی اعمال شرعیہ کے بجالانے کا حکم ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اعمال موجب ترقی ہیں۔ پس ان حضرات کی بجا آوری اعمال علوم الٰہیہ کے ترقی و زیادتی کے لیے ہوتی ہے۔ (انتہیٰ)

صاحبِ مکاشفات فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا روح نشاءِ عنصری کی مفارقت کے بعد کوئی کمال حاصل کر سکتی ہے یا نہیں اور ترقی پا سکتی ہے یا نہیں۔ بعض اس کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔ جناب مولانا پہلے فرقہ کی رائے کو اولیٰ اور اصوب سمجھتے ہیں اور شیخ ابن عربیؒ بھی اسی عقیدہ پر ہیں۔ لیکن شیخ علاوٗ الدولہ کو عدمِ کسب اور عدم وقوعِ ترقی میں نہایت غلو ہے۔ شیخ محی الدین کی وفات کے بعد علاوٗ الدولہ نے ان کو خواب میں دیکھا اور صورتِ حال کے متعلق سوال کیا۔ شیخ نے کہا اب ہم کو معلوم ہوا کہ یہاں مراتبِ کمال میں ترقی نہیں ہوتی۔ شیخ علاوٗ الدلہ نے اس واقعہ کو نقل کر کے کہا ہے کہ شیخ اکبر کے اعتقاد کی حقیقت بڑی حد تک ثابت ہو گئی۔ کیونکہ عدمِ ترقی سے خبر دینا عین ترقی ہے یعنی جو بات یہاں نہ معلوم ہوئی وہاں جا کر معلوم ہو گئی۔ (انتہیٰ) آگے آخرت کے کاروبار کے کسب کا دنیوی کاروبار سے اعلیٰ وارفع ہونے کا ذکر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ گفت ایں کسبِ جہاں　　پیشِ آں کسب ست لعبِ کودکاں

ترجمہ:۔ (بلکہ) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دنیا کی کمائی اس کمائی کے مقابلے میں (جو آخرت میں ہوگی) بچوں کا کھیل ہے۔
مطلب:۔ بچوں کا کھیل صرف نقالی اور دل بہلاوا ہوتا ہے۔ اس کی کچھ اصلیت و حقیقت نہیں ہوتی یہی حال دنیوی زندگی اور اس کے ساز و سامان کا ہے۔ حافظؒ۔

جہاں و کارِ جہاں جملہ ہیچ در ہیچ است　　ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تحقیق

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ "اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں مگر کھیل اور دل بہلاوا اور البتہ پرہیزگاروں کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے کیا تم کو عقل نہیں" (الانعام ع ۴)
دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ "اور یہ دنیا کی زندگانی کیا ہے۔ کچھ نہیں مگر بہلاوا اور کھیل کود اور (اگر سچ پوچھو تو) آخرت کا ہی گھر زندگی ہے۔ کاش یہ لوگ اس بات کو جانتے ہوتے" (عنکبوت ع ۷) صائبؒ۔

غمِ بجا صلِ خویش نخوردی یکبار　　چند در فکرِ زمین وغم حاصل باشی

آگے لعبِ کودکاں کی ایک مثال دیتے ہیں جس سے اس کا بے نتیجہ و لاحاصل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ہمچو آں طفلے کہ بر طفلے تند　　شکل صحبت کن مساسے میکند

لغات:۔ تنیدن کسی چیز کے درپے ہونا، التفات کرنا، چمٹ جانا۔ مساس بکسرِ میم چھونا، ملنا، رگڑنا۔ درعرف جماع کردن و ذکر را باندامِ نہانیٔ زن سودن یعنی قبل دخول یا بعد دخول۔

حاشیہ: [illegible]

ترجمہ:۔ جیسے وہ بچہ جو کسی بچے پر چڑھے (اور) جماع کرنے کی شکل میں مساس کرے۔

آں مساسِ طفل چہ بود؟ بازیے　　　باجماعِ رستمے وغازیے

ترجمہ:۔ (مگر) بچے کا وہ جماع ہے (ہی) کیا؟ ایک رستم (کے سے جوانمرد) اور جنگجو کے جماع کے مقابلے میں ایک کھیل (ہی تو ہے)۔

مطلب:۔ رستم ایک ایرانی پہلوان کا نام ہے۔ جس کی بہادری و جنگجوئی ضرب المثل ہے اور غازی جنگجو کو کہتے ہیں مگر یہاں ان الفاظ سے مطلق جوانمرد مراد ہے جس کی قوت رجولیت پوری پختگی کو پہنچی ہوئی ہو۔ خاص جنگی قابلیت اور جسمانی طاقت سے موصوف ہونا مقصود نہیں۔ کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ زورِ بازو اور جوشِ شجاعت کے ساتھ شہوتِ جماع بھی جمع ہو۔ بلکہ اس کا عکس مشاہد ہے۔ چنانچہ انگلستان کا مشہور وزیر جنگ لارڈ کچنر جو اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی وجہ سے یورپ کی جنگ عظیم ۱۹۱۴ تا ۱۹۲۱ء میں بڑا نام پاچکا ہے عورت ذات سے اس قدر متنفر تھا کہ اس نے ساری عمر شادی نہیں کرائی۔ بلکہ تا دمِ موت عورت کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کیا۔

کودکاں سازند در بازی دکاں　　　سود نبود جز کہ تعطیلِ زماں

ترجمہ:۔ بچے کھیل (کھیل) میں دکان سجاتے ہیں (مگر اس سے) کوئی نفع نہیں ہوتا سوائے وقت ضائع کرنے کے۔

شب شود درخانہ آید گرسنہ　　　کودکاں رفتہ بماندہ یک تنہ

ترجمہ:۔ رات ہوتی ہے (تو وہ مصنوعی دکان سجانے والا بچہ) بھوکا گھر کو (واپس) آتا ہے۔ (دوسرے) بچے چل دیتے ہیں اور وہ اکیلا رہ جاتا ہے۔

مطلب:۔ دنیوی زندگی کو پہلے نامردانہ زندگی سے تشبیہ دی تھی اور اس کی مثال میں بچوں کی نقل مجامعت پیش کی۔ پھر دنیوی کاروبار کو لہو ولعب قرار دیا اور اس کی مثال کے لیے بچوں کی مصنوعی دکانداری دکھائی ہے۔ اب اس دوسری مثال کو انسان کی حالت پر چسپاں کرتے ہیں۔

ایں جہاں بازی گہ است و مرگِ شب　　　باز گردی کیسہ خالی پُر تعب

ترجمہ:۔ (اسی طرح) یہ جہان (بھی) کھیل کی جگہ ہے اور موت رات ہے۔ (موت آئے گی تو) تم خالی جیب (لیے) تھکے ماندے (قبر کے گھر کو) واپس جاؤ گے۔

عرفی دمِ نزع ست وہماں مستی تو　　　آخر بچہ مایہ بار بر بستی تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف　　　جویائے متاع ست وتہیدستی تو

سوئے خانہ گور تنہا ماندۂ　　　بافغاں واحسرتا بر خواندۂ

ترجمہ:۔ تم (بھی کھیلتے بچے کی طرح) قبر کے گھر کی طرف (واپس جانے کے لیے) تنہا رہ گئے (اور) فریاد کے ساتھ واحسرتا کہہ رہے ہو۔ صائبؔ۔

نے باشد زبے برگی چراغے خانہ مارا　　　زچشمِ جغد باشد روشنی ویرانۂ مارا

کسبِ دیں عشق است وجذبِ اندروں　　　قابلیت نورِ حق داں اے حروں

ترجمہ:۔ (اب سمجھو کہ) دین کی کمائی (کیا ہے؟ وہ) حق سبحانہ کا عشق ہے اور جذبِ باطنی (ہے اور عشق کی) قابلیت کو حق تعالیٰ

کانور سمجھو۔اے سرکش (اس کو یاد رکھو)

مطلب:۔ عشقِ حق تمام مکاسبِ دینیہ کا اصل اصول ہے۔ یہ حاصل ہو تو سارے مطالب حاصل ہو جاتے ہیں۔قوت، یقین، حسن، عقیدہ، استقامت، عمل، غرض، عشق کی بدولت تمام فضائل خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔غنیؒ

ہیچ تخمے نیست ضائع در زمینِ پاک عشق　　خندہ ہائے گل دمید از گریہ ہائے عندلیب

کسبِ فانی خواہدت ایں نفسِ خس　　چند کسبِ خس کنی بگذار بس

لغات:۔ خس کمینہ، ذلیل، ناچیز۔ چند تا چند، تا کے۔

ترجمہ:۔ تیرا یہ نفسِ ذلیل وہ کمائی کرنی چاہتا ہے جو فنا ہونے والی ہے۔اس کو چھوڑ دو کب تک یہ ذلیل کمائی کرتے رہو گے۔بس کرو۔

مطلب:۔ نفس دنیا کمانے پر مرمٹ رہا ہے۔ جو فانی ہے، ناچیز ہے، حقیر ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ماسقیٰ کافر امنھا شربۃ "اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی پینے نہ دیتا"(مشکوٰۃ) اور فرمایا من احب دنیا ہ اضربا خرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا مایبقی علی یفنیٰ جس نے اپنی دنیا کو محبوب رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔پس تم باقی کو فانی پر ترجیح دو (مشکوٰۃ)

نفسِ خس گر جویدت کسبِ شریف　　حیلہ ومکرے بود آں را ردیف

لغات:۔ جویدت برائے تو جوید، اے تجویز کند۔ ردیف لازم، شامل، شریک، ہمراہ۔

ترجمہ:۔ (ہاں یہ بھی یاد رہے کہ تمہارا) کمینہ نفس اگر اچھا کسب تمہارے لیے تجویز کرے تو (ضرور) اس میں کوئی (نہ کوئی) مکر وفریب شامل ہوگا۔

مطلب:۔ اوپر کہا تھا کہ نفس ہمیشہ ذلیل وناشائستہ مشاغل کی ترغیب دیتا ہے۔ پس ایسے مشاغل کو ترک کرتے رہو۔ اب فرماتے ہیں کہ ایک ضروری بات اور بھی یاد رہے کہ نفس اگر کسی اچھے شغل کی ترغیب دے تو اس سے دھوکا نہ کھانا۔ اس میں بھی اس کا کوئی نہ کوئی فریب ہوتا ہے۔

کتاب تذکرۃ الرشید میں ایک مقام پر کیدِ شیطان کے متعلق عجیب مضمون درج ہے۔ لکھا ہے کہ جب کسی طالب علم کو علم سے فراغت پانے سے پیشتر بیعت کا شوق ہو جائے تو یہ ایک وسوسہ شیطانی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ شیطان کا اصل مقصود انسان کو ضرر پہنچانا ہے اور ضرر کچھ معصیت ہی میں منحصر نہیں۔ اگرچہ وہ اعلیٰ درجہ کا ضرر ہے لیکن ایک فردِ ضرر کی یہ بھی ہے کہ کسی طاعت اور اس کے ثواب سے محروم کر دے۔ گو اس سے کم درجہ کی طاعت میں مشغول کر دینے ہی سے کیوں نہ ہو۔ پس ضررِ قسمِ اول کا ادراک تو اکثر صلحا بلکہ عامہ مسلمین کو بھی ہو جاتا ہے لیکن دوسری قسم کے ضرر کا ادراک کرنا مخصوص ہے محققین بلکہ صدیقین کے ساتھ اس لیے حدیث میں ہے فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد فقیہ ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں جو حقائق وعلل خفیہ ودقیقہ کہ سمجھ سکے۔ پس شیطان اس طریقۂ اغوا کو بڑی گہری نظر کے بعد تجویز کرتا ہے اور واقع میں ہے بھی گہری بات کیونکہ جہاں گناہ کرا سکنے میں کامیابی کی امید نہ ہو، وہاں نقصِ ثواب ہی کو غنیمت سمجھنا نہایت گہرے درجہ کی عداوت ہے اور یہ فقیہ مبصر نور وہبی سے اس کا ادراک کر کے اس کی قلعی کھول دیتا ہے اور اس کا بنا بنایا منصوبہ ایک دم میں غلط کرتا ہے۔ پس وہ اس پر نہایت شاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تحصیل علوم دینیہ بوجہ اس کے کہ خود بھی انسان کے لیے بہت سے مواقع زلت میں آلۂ ہدایت ہے، نیز اس وجہ سے کہ اس کا نفع متعدی بھی ہے۔ لاریب کثرتِ نوافل واورادو نخو ہا سے افضل ہے اور تجربہ سے یہ بات بھی تقریباً متیقن ... خواہ ... لازمہ عادیہ سے ہے کہ اس کے بعد ان امور کی

طرف میلان ورغبت کی زیادتی ہوتی ہے اور عقلی مسئلہ ہے کہ النفس لاتتوجہ الی الشیئین فی آنٍ واحد پس اس مجموعہ جس کا لازمی نتیجہ علوم دینیہ سے بے رغبتی ہوتا ہے اور کسی امر کی تکمیل بلا رغبت نہیں ہوتی۔ پس ضرور ایسی حالت میں علم ناقص رہے گا۔ جس پر کبھی تو بوجہ جہل بعض امور ضروریہ میں ضرر اعتقادی یا عملی مترتب ہو جاتا ہے۔ جو ضرر قسم اول ہے اور اقل درجہ حالتِ عظمیٰ سے حرمان تو ضروری ہوتا ہے۔ جو ضرر قسم دوم ہے۔ اس مضمون کی بعض مثالیں حضرت قطب الوقت ابن عطاء سکندریؒ نے اپنے رسالہ میں خوب لکھی ہیں اور اسی مضمون پر حضرت عارف مسعود بکؒ فرماتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق در اینجا ست بیائید بیائید

سو اس میں خطاب عام نہیں ہے۔ بلکہ خاص ان لوگوں کو ہے جن پر حج فرض نہیں اور اس سے زیادہ ضروری طاعت اصلاح نفس کو چھوڑ کر حج کو جاتے ہیں۔ یہ ہے حقیقت کید شیطان کی (انتہیٰ)

آگے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شیطان کی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ شیطان نے آکر ان کو جگایا، کہ اٹھ کر نماز پڑھ لیجیے۔ انہوں نے کہا سچ بتا کہ تو نے طاعت کی ترغیب کیوں دی۔ تیرا شیوہ یہ نہیں ہے۔ پہلے پہلے تو شیطان نے بہت کچھ ٹال مٹول کی مگر چونکہ امیر معاویہ کامل تھے۔ اس کے پھندے میں نہ آئے۔ آخر اس نے اپنے مکر کا اقرار کیا۔

بیدار کردن ابلیس معاویہؓ را کہ وقتِ نماز بیگاہ شد

ابلیس کا حضرت امیر معاویہؓ کو بیدار کرنا کہ نماز کا وقت بیوقت ہو گیا

در خبر آمد کہ آں معاویہؓ　　خفتہ بد در قصر در یک زاویہ

لغات:۔ خبر حدیث، روایت۔ معاویہؓ بضم میم وکسر واؤ ایک صحابی کا نام ہے اور وہ ابوسفیانؓ کے فرزند اور قبیلہ قریش اور بنوامیہ کے خاندان سے ہیں۔ جو بنوہاشم کا حریف ومقابل تھا۔ ان کی ماں عتبہ کی بیٹی ہندہ تھی۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیان فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے۔ امیر معاویہؓ نے کاتبِ وحی کا شرف بھی پایا مگر بعض کے نزدیک یہ کاتب وحی نہیں ہوئے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط وفرامین لکھتے رہے ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابوسعید نے ان سے روایت کی ہے۔ اپنے بھائی یزید کے بعد حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں ملک شام کے حاکم مقرر ہوئے اور وفات تک اسی ملک پر حکومت کرتے رہے۔ جس کی مدت چالیس سال ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں اسی مصب پر مامور رہے۔ بعد میں حضرت علی سے ان کے ساتھ امر خلافت میں سخت مناقشہ رہا اور کئی معرکے ہوئے جن میں مسلمانوں کی تعداد کثیر قتل ہوئی۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد امام حسنؓ منصب خلافت کے متولی ہوئے۔ تو انہوں نے مسلمانوں کی باہمی خون ریزی پسند نہ فرمائی اور ۴۱ ہجری میں خلافت کی باگ امیر معاویہؓ کے ہاتھ دے دی جس سے تمام فسادات رک گئے اور امیر معاویہؓ کے جاہ واقتدار کو خوب ترقی ہوئی۔ امیر معاویہ ایک نہایت بااخلاق حلیم الطبع بردبار باوقار انسان تھے۔ ساتھ ہی جاہ واقتدار اور دولت وحشمت کے دلدادہ بھی تھے۔ حکومت اسلام کے سادہ وبے نقش ورق پر کسروی شوکت کا رنگ سب سے پہلے انہی کے ہاتھوں سے چڑھا مگر ان کے اعلیٰ اخلاق اور خوش مزاجی کا اثر یہ تھا کہ اہل شام ان کے نام پر جان دیتے تھے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تنازع ومناقشہ برپا کرنے میں ان سے بڑی غلطی ہوئی اور اس سے بھی بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اپنے فرزند یزید کو اپنا ولی عہد بنا لیا جو ایک عیاش وبدکار نوجوان تھا اور سانحہ کربلا اس کی سیہ باطنی وسفاکی کا نتیجہ ہوا مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں وہ ان غلطیوں پر سخت پشیمان ہوئے۔ چنانچہ اس وقت کہا کرتے تھے۔ یا لیتنی کنت رجلا من قریش بذی طوی

حضرت امیر معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی غلطیوں پر طعن اور ان کی منقصت کرنا مسلک کے خلاف ہے

ولم اری من هذا الامر شیئا یعنی اے کاش! کہ میں قریش کا ایک عام آدمی ذی طوی (کوئی غیر معروف گاؤں) کا رہنے والا ہوتا اور معاملۂ خلافت کو آنکھوں سے دیکھنے بھی نہ پاتا اس سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں بخش دی ہوں گی۔ بہر کیف ہم اہل سُنت والجماعت کے لیے یہ واجب ہے کہ صحابہ کی غلطیوں سے بحث اور ان پر طعن نہ کیا جائے۔ **والکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر لما ورد من الاحادیث الصحیحۃ فی مناقبھم ووجوب الکف عن الطعن فیھم** یعنی اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم صحابہ کو نیکی سے یاد کریں۔ کیونکہ احادیث ان کے مناقب میں وارد ہوئی ہیں اور اس بارہ میں کہ ان پر طعن کرنے سے باز رہنا واجب ہے (شرح عقائد نسفی) آخر اپنے دار الخلافہ دمشق میں بمرض لقوہ ۶۰ھ میں وفات پائی اور اس وقت ان کی عمر ۷۷ ستتر سال کی تھی۔ لکھا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تبرکات محفوظ تھے جن کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک ازار ایک چادر ایک قمیص کچھ بال اور کچھ ناخن کے تراشے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ مجھے یہ قمیص بطور کفن پہنا دینا۔ ناخن اور بال میرے منہ اور آنکھوں میں ڈال دینا اور چادر میں مجھ کو لپیٹ دینا۔ پھر میرا معاملہ ارحم الرحمین کے سپرد کر دینا رحمہ اللہ تعالیٰ وتجاوز عن زلاتہ (اکمال وتاریخ الخلفاء وغیرہ) زاویہ کونا، گوشہ۔

ترجمہ:۔ (ایک) روایت میں آیا ہے کہ (حضرت امیر) معاویہؓ (اپنے) محل کے اندر ایک کونے میں آرام فرماتے تھے۔
الخلاف بعض نسخوں میں یہ شعر یوں درج ہے۔

درخبر آمد کہ خالِ مومناں بود اندر قصر خود خفتہ شباں

خال کے معنی ہیں ماموں۔ چونکہ ام المومنین ام حبیبہؓ امیر معاویہؓ کی بہن تھیں اور مسلمانوں کی دینی ماں کے بھائی مسلمانوں کے ماموں ہوئے۔ اس لیے امیر معاویہ کا ذکر خالِ مومنین کے لقب سے کیا گیا۔ دونوں نسخوں میں الگ الگ کوئی خاص خوبی ہے تو کچھ نہ کچھ محلِ تامل بھی ہے۔ چنانچہ پہلے نسخہ میں اگر یہ خوبی ہے معاویہؓ کا نام صراحۃً درج ہے تو ساتھ ہی وزنِ شعر مخدوش بھی ہے یعنی معاویہ کا میم باشباع ضمہ پڑھنا پڑتا ہے اور دوسرے نسخہ میں اگر وزنِ مصرعہ بے نقص ہو جاتا ہے تو خالِ مومنین کے لقب میں ابہام ہے اور اگر عنوان قصہ زیر نظر نہ ہو تو اس سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس سے معاویہؓ ہی مراد ہیں۔ کیونکہ اس معنی میں خالِ مومنین تو اور بھی کئی اصحاب ہیں۔ مثلاً عبدالرحمن ابن ابی بکر عبداللہ ابن عمر عبداللہ بن جحش وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

قصر را از اندروں در بستہ بود کز زیارت ہائے مردم خستہ بود

ترجمہ:۔ محل کا دروازہ انہوں نے اندر سے بند کر رکھا تھا۔ کیونکہ وہ لوگوں کے ملنے جلنے سے تنگ آ رہے تھے۔

ناگہاں مردے ورا بیدار کرد چشم چوں بکشاد پنہاں گشت مرد

ترجمہ:۔ اچانک ایک شخص نے ان کو جگا دیا۔ جب انہوں نے آنکھ کھولی تو (وہ) شخص چھپ گیا۔

گفت اندر قصر کس رارہ نبود کیست کایں گستاخی وجرأت نمود

ترجمہ:۔ (امیر معاویہؓ نے دل میں) کہا کسی کے لیے محل کے اندر آنے کا (تو راستہ نہ تھا کیونکہ وہ بند ہے) کون ہے جس نے یہ گستاخی و دلیری کی (کہ چوروں کی طرح کسی ڈھب سے اندر چلا آیا)۔

گرد برگشت وطلب کرد آں زماں تا بیابد زاں نہاں گشتہ نشاں

ترجمہ:۔ انہوں نے فوراً (مکان میں) چکر لگایا اور تلاش کرنے لگے۔ تاکہ اس چھپنے والے کا سراغ لگائیں۔

درپسِ در او یکے را دید کو　　　　درپسِ پردہ نہاں میکرد رو

ترجمہ:۔ آخرانہوں نے ایک شخص کو دروازے کے پیچھے دیکھا کہ وہ پردہ کے پیچھے منہ چھپا رہا تھا۔

اختلاف:۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے۔ ع ''از پس در بدبرے را دید کو'' یعنی تو آپ نے دروازے کے پیچھے ایک بدبخت کو دیکھا کہ وہ الخ۔

گفت ہے تو کیستی ؟ نام تو چیست ؟　　　　گفت نامم فاش ابلیسِ شقی ست

ترجمہ:۔ کہا ارے تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولا میرا نام ابلیس بدبخت مشہور ہے۔

گفت بیدارم چرا کردی بجد　　　　راست گو بامن مگو برعکس وضد

لغات:۔ جدکوشش عکس الٹا ضدٗ برخلاف، مخالف۔

ترجمہ:۔ انہوں نے فرمایا (اے ابلیس) سچ بتا کہ تو نے مجھے اس کوشش کے ساتھ کیوں جگایا (دیکھ) غلط اور خلاف مت کہہ۔

گفت ہنگامِ نماز آخر رسید　　　　سوئے مسجد زود مے باید دوید

ترجمہ: وہ بولا نماز کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ مسجد کی طرف (آپ کو) جلدی دوڑنا چاہیے۔

عَجِّلُوا الطَّاعَاتِ قَبْلَ الْفَوْتِ گفت　　　　مصطفیٰؐ چوں دُرِّ وحدت را سفت

ترجمہ:۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وحدت کے موتی پروئے تو فرمایا کہ طاعات کو ان کے فوت ہونے سے پہلے ادا کرو۔

مطلب:۔ وحدت کے لغوی معنی ہیں ایک ہونا اور اصطلاح میں ذاتِ حق میں فنا ہوجانا یا واصل بحق ہوجانا مراد ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول بحق کا طریقہ بیان فرمایا تو طاعات کے اہتمام اور ان کے بلا تامل اور فوری بجا آوری کو اس کا اصل الاصول قرار دیا۔ بعض نسخوں میں وحدت کے بجائے معنی کا کلمہ درج ہے یعنی ''در معنی راسفت''

گفت نے نے ایں غرض نبود ترا　　　　کہ بخیرے رہنما باشی مرا

ترجمہ:۔ انہوں نے فرمایا نہیں نہیں تیرا یہ مدعا (ہرگز) نہیں ہوسکتا کہ تو مجھے کسی (نیک) کام کی طرف رہنمائی کر سکے۔

مطلب:۔ اے ابلیس! تو اسمِ مضل کا مظہر ہے۔ تجھ سے کسی امرِ خیر کی طرف ہدایت ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ تو اگر کسی امرِ خیر کی طرف اشارہ کرے تو اس کا انجام بھی کسی نہ کسی خرابی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ (بحر العلوم)

دزد پنہاں رہ کند در مسکنم　　　　گویدم کہ پاسبانی میکنم

ترجمہ:۔ (بھلا) ایک چور چھپ کر میرے گھر میں آجائے اور مجھ سے کہے کہ میں پہرہ دینے آیا ہوں۔

من کجا باور نمایم دزد را　　　　دزد کے داند ثواب و مزد را

ترجمہ:۔ میں بھلا چور (کی بات) پر کب یقین کر سکتا ہوں اور چور (پاسبانی کے) انعام اور معاوضہ کو کہاں خاطر میں لاتا ہے۔ (وہ تو چوری کو ہی مدنظر رکھتا ہے)۔

خاصہ دزدے چوں تو قطاع الطریق　　　از چہ رو گشتی چنیں بر من شفیق

لغات:۔ خاصہ خصوصاً، خاص کر قطاع الطریق بضم قاف ڈاکوؤں رہزنوں کی جماعت مگر یہاں چونکہ یہ لفظ بحل واحد آیا ہے۔اس لیے قیاساً بفتح قاف بصیغہ مبالغہ ہے۔یعنی بڑا ڈاکو۔

ترجمہ:۔ خصوصاً تجھ سا چور جو بڑا ڈاکو ہے (معاوضہ واجرت کی کیا پروا کرتا ہے پھر) تو کس لیے مجھ پر اس قدر مہربان ہو رہا ہے۔

مطلب:۔ تیرا مجھے نماز کے لیے جگانا دو وجہ پر مبنی ہو سکتا ہے یا تو اس کام پر کسی معاوضہ کے ساتھ مامور ہو یا تجھے طاعات وعبادات کی بجا آوری پسند ہو۔اے رہزنِ اسلام! تجھ سے یہ دونوں باتیں بعید ہیں۔پھر اس بے وجہ مہربانی کے کیا معنی؟ ضرور اس میں کوئی فریب ہے۔

دوم بار جواب گفتن ابلیس معاویہؓ را

ابلیس کا حضرت امیر معاویہؓ کو دوسری مرتبہ جواب دینا

گفت ما اول فرشتہ بودہ ایم　　　راہِ طاعت را بجاں پیمودہ ایم

ترجمہ:۔ (ابلیس نے) کہا ہم پہلے (اعمال وطاعت کے لحاظ سے مثل) فرشتہ تھے اور حق سبحانہ کی اطاعت کے راستے کو بجان ودل طے کر چکے ہیں۔

مطلب:۔ ابلیس فرشتہ نہیں۔ بلکہ جن ہے اور اس کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے اور فرشتے ایک دوسری قسم کی مخلوق ہیں۔جن کی سرشت نور سے ہے مگر ابلیس کثرتِ طاعت وعبادت سے ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا۔جس طرح انسانی ارواح بھی اپنے کمالات کی بدولت ملائکہ میں جا ملتی ہیں۔حضرت شاہ ولی اللہ ملائکہ کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ وان لهم اجتماعات كيف شاء الله وحيث شاء الله يعبر عنهم باعتبار ذلك بالرفيق الاعلیٰ والندیٰ الاعلیٰ والملاء الاعلیٰ وان الارواح افاضل الا دميين دخولا فيهم ولحوقا بهم كما قال الله تعالیٰ يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي یعنی یہ ملائکہ مجتمع ہوتے ہیں جس طرح اللہ کو منظور ہوتا ہے اور اس اعتبار سے ان کو رفیق اعلیٰ ندی اعلیٰ اور ملاء اعلیٰ کہا جاتا ہے اور باکمال انسانوں کی ارواح بھی ان میں داخل اور ان میں شامل ہو جاتی ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نفس مطمئنہ واپس جا اپنے پروردگار کی طرف بحالیکہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پس داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں (حجۃ اللہ البالغہ) غرض شیطان اپنی کثرتِ عبادت کی بدولت فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا۔اصل سرشت سے وہ فرشتہ نہ تھا اور چونکہ ابھی وہ سالک ہی تھا، واصل نہیں ہوا تھا اس لیے گمراہ ہو گیا۔

سالکانِ راہ را محرم بدیم　　　ساکنانِ عرش را ہمدم بدیم

ترجمہ:۔ ہم راہ (عرفان) پر چلنے والوں کے محرم (راز) تھے (اور) ہم ساکنانِ عرش کے ہمدم (ودمساز) تھے۔

پیشۂ اول کجا از دل رود　　　مہرِ اوّل کے ز دل زائل شود

ترجمہ:۔ (پھر) پہلا کام کہاں دل سے جا سکتا ہے (اور) پہلی محبت جو (کسی کام سے) ہو وہ دل سے کب جا سکتی ہے۔

در سفر گر روم بینی یا ختن — از دلِ تو کے رود حبِّ وطن

ترجمہ:۔ (دیکھو اگر تم سفر (وسیاحت) میں (ملک) روم یا ملک ختن کی سیر کرو تو بھلا وطن کی محبت دل سے کہیں زائل ہو سکتی ہے؟)

مطلب:۔ پیشتر کی حالت اور پہلی محبت بمنزلہ وطنِ اصلی کے ہے اور دیگر عوارض طاریہ وَ عارضہ مثل سفرِ ممالکِ غیر ہیں پس اگر کوئی دور و دراز ممالک کی سیاحت کرنے چلا جائے یعنی عوارضِ طاریہ میں مبتلا ہو تو اس کے دل سے وطنِ اصلی یعنی حالتِ اولیٰ کی محبت نہیں جاسکتی۔صائبؒ۔

یاد ایامے کہ باہم آشنا بودیم ما — ہم خیال وہم صفیر وہم نوا بودیم ما

دوریِ منزل حجابِ اتحادِ ما نبود — داشتیم از ہم خبر در ہر کجا بودیم ما

اسی طرح میں اگرچہ اس وقت حالتِ سابقہ سے مردود و مطرود ہو چکا مگر کبھی کبھی اس کی یاد تو آ ہی جاتی ہے اور کم از کم دوسروں کو آمادۂ طاعت کرنے کا شوق تو موجزن ہو ہی جاتا ہے۔

ما ہم از مستانِ ایں مے بودہ ایم — عاشقانِ درگہ وے بودہ ایم

ترجمہ:۔ ہم بھی اسی (محبتِ حق کی) شراب سے مست ہو چکے ہیں۔اس کی درگاہ کے عاشق رہ چکے ہیں۔

نافِ ما بر مہرِ او ببریدہ اند — عشقِ او در جانِ ما کاریدہ اند

لغات:۔ ناف برمہر کسے بریدن کسی کی محبت پر ناف کاٹنا۔جس سے پیدائش کے دن سے کسی کی محبت ہونا مراد ہے چونکہ بچے کی پیدائش کے وقت اس کی آنول نال کو ناف کے پاس سے کاٹ ڈالتے ہیں۔اس لیے یہ کنایہ ہے وقتِ پیدائش سے پھر اس وقت بچے کو ایک مرکب ملین دوا پلاتے ہیں تاکہ اس کی آنتیں صاف ہو جائیں۔جس کو گھٹی کہتے ہیں۔اس لیے اردو محاورے میں یہ مطلب یوں ادا کیا جاتا ہے کہ اس کی محبت میری گھٹی میں ملی ہے۔

ترجمہ:۔ اس کی محبت ہماری گھٹی میں ملی ہے۔اس کا عشق ہماری جان میں بویا گیا ہے۔

روز نیکو دیدہ ایم از روزگار — آبِ رحمت خوردہ ایم از جوئبار

ترجمہ:۔ ہم (بھی) زمانہ سے اچھے دن دیکھ چکے ہیں۔(خدا کی) نہر (رحمت) سے آبِ رحمت پی چکے ہیں۔

نے کہ مارا دستِ فضلش کاشتہ است — از عدم مارا نہ او برداشتہ است

ترجمہ:۔ کیا ہم کو اس کے فضل کے ہاتھ نے پیدا نہیں کیا۔کیا وہی ہم کو عدم سے (عالم وجود میں) اٹھا کر نہیں لایا۔

مطلب:۔ کیوں نہیں وہی ہم کو کتمِ عدم سے عالمِ وجود میں لایا۔اسی کے دستِ فضل نے ہماری پرورش کی۔پس ہمارے دل میں اس کی محبت اور اس کی طاعت کا شوق کیوں نہ ہو۔

اے بسا کز وے نوازش دیدہ ایم — در گلستانِ رضا گردیدہ ایم

ترجمہ:۔ ارے ہم اس سے بڑی نوازشیں دیکھ چکے ہیں۔ہم (اس کی) رضا کے باغ میں سیر کر چکے ہیں۔

برسرِ ما دستِ رحمت مے نہاد چشمہائے لطف بر ما میکشاد

ترجمہ:۔ وہ ہمارے سر پر رحمت کا ہاتھ رکھتا تھا۔ مہربانی کی نظر سے ہم کو دیکھتا تھا۔

وقتِ طفلی ام کہ بودم شیر جو گاہوارہ ام کہ جنبانید؟ او

ترجمہ:۔ میں اپنے بچپن کے زمانے میں جب شیر خوار تھا۔ کون میرے پنگوڑے کو ہلایا کرتا تھا؟ وہی (تو تھا)۔

از کہ خوردم شِیر از غیر شیرِ او؟ کہ مرا پرورد جز تدبیر او؟

ترجمہ:۔ میں نے اس کے دودھ کے سوا اور کس کا دودھ پیا ہے؟ اس کی تدبیر کے سوا اور کس نے میری پرورش کی ہے؟

خوئے کاں با شیر رفت اندر وجود کے تواں اور از مردم واکشود

ترجمہ:۔ (اور) جو خصلت دودھ کے ساتھ وجود کے اندر راسخ ہو چکی ہو اس کو انسان سے کب زائل کر سکتے ہیں۔

گر عتابے کرد دریائے کرم بستہ کے گردند درہائے کرم

ترجمہ:۔ اگر (اس) دریائے کرم (یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ) نے (مجھ پر) عتاب کیا ہے تو (بھلا اس کے) کرم کے دروازے (بالکل) بند کب ہو سکتے ہیں (کہ میں اس سے مایوس ہوں)۔

مطلب:۔ ان ابیات میں ابلیس اپنے آپ کو اللہ کی رحمت کا امیدوار ظاہر کر رہا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دو وجہ پر ہے۔ ایک رحمتِ امتنانی اور یہ رحمت عام اور مطلق ہے اور غضب پر سابق ہے اور مغضوبین پر جو غضب ہو گا وہ خالص غضب نہیں بلکہ مخلوط برحمت ہو گا اور یہ رحمت تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔ اسی رحمت کے تقاضے سے عالم پیدا ہوا ہے اور اسی پر سعید و شقی، مومن و کافر، مطیع و عاصی کا وجود اور عطائے رزق و ابقائے عالم مبنی ہے۔ یہ رحمت ابلیس کو بھی شامل ہے۔ اسی رحمت سے جہنم میں کفار پر عذاب منقطع ہو گا اور ابلیس بھی اسی رحمت کا امیدوار ہے۔ دوسری رحمتِ وجوبیہ۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ صالحین کو اچھی جزا دے۔ ہے تو یہ رحمتِ امتنان مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے اوپر لازم پکڑ لیا ہے۔ اس لیے اس کا نام وجوبیہ رکھا گیا اور یہ رحمت مقیدہ ہے اور مخصوص ہے صالحین و تائبین و مستغفرین کے ساتھ اور ابلیس کو اس کی امید نہیں۔ حضرت سہیل ابن عبداللہ تستری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری شیطان کے ساتھ بحث ہوئی شیطان نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ یعنی میری رحمت ہر شے کے لیے عام ہے پس شے کے اندر میں بھی شامل ہوں۔ میں نے کہا ذرا آگے تو پڑھو اللہ کیا فرماتا ہے فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ یعنی میں اس رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اے ملعون اللہ نے اپنی رحمت کو تقویٰ و زکوٰۃ کے ساتھ مقید کر دیا ہے اور تو اس سے خارج ہے' ابلیس نے مسکرا کر کہا کہ اے ابنِ عبداللہ مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر نکتہ شناس ہے۔ اور پھر یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ تقید تیری صفت ہے کہ رحمت کو محدود و متعین کر رہا ہے۔ ورنہ حق سبحانہ کی رحمت اس کی صفتِ ذاتی ہے۔ مقید نہیں ہو سکتی جیسے حق تعالیٰ کی ذات مقید نہیں۔ (بحر العلوم) آگے پھر ابلیس کہتا ہے:۔

اصلِ نقدش لطف و دادِ بخشش ست قہر بر وے چوں غبارے بر غش ست

لغات:۔ غبار سے یہاں جھول مراد ہے۔ جو سونے کے پانی سے کسی ادنیٰ دھات پر چڑھاتے ہیں۔ غش ادنیٰ دھات' کھوٹی دھات۔

ترجمہ:۔ اس کے سکے کی اصلی دھات تو مہربانی اور انصاف اور بخشش ہے۔ قہر کو اس سے وہ نسبت ہے جیسے کھوٹی دھات پر (سونے کا) جھول۔

رحمت امتنانی اور رحمت وجوبیہ

مطلب:۔ جھول چونکہ اکثر کھوٹی دھات پر ہی چڑھایا جاتا ہے اس لیے اتفاقاً اس کا ذکر آ گیا ورنہ یہ داخلِ تشبیہ نہیں مطلب یہ ہے کہ رحمت تو خداوند تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ سے ہے اور قہر و غضب اوصاف عارضہ سے ہے۔ (کذا قال بحر العلوم) لہٰذا اس کے قہر کا خیال نہ کرو۔ اس کے نتائج بھی عارضی ہیں۔ بلکہ اس کے صلائے کرم کو دیکھو۔ سعدیؒ۔

اگر در دہد یک صلائے کرم عزازیلؔ گوید نصیبے برم

از برائے لطف عالم را بساخت ذرّہ ہا را آفتابِ او نواخت

ترجمہ:۔ (کیوں نہ ہو) اس نے بمقتضائے لطف (و کرم ہی تو) جہاں کو پیدا کیا ہے (اور) ذرّات (عالم) کو اس کے آفتاب (کرم) نے (خلعتِ تنویر کی) عزت بخشی۔

مطلب:۔ جب تک سورج طلوع کرتا ہے ریت کے بے پایاں ذرے اس طرح غیر محسوس پڑے ہوتے ہیں۔ گویا کوئی ذرہ موجود نہیں مگر جب سورج طلوع کرتا ہے تو اس کا نور تمام ذرات کو ہر چشمِ بینا کے لیے نمایاں و تاباں کر دیتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کا آفتاب طلوع ہوا تو تمام کائنات کتمِ عدم سے نکل کر عالمِ وجود میں آ گئی۔

فرقت از قہرش اگر آبستن ست بہرِ قدرِ وصل او دانستن ست

لغات:۔ فرقت جدائی ہجر آبستن حاملہ، بارور مراد متضمن و شامل۔

ترجمہ:۔ اگر فراق اس کے قہر کو شامل ہے تو یہ اس کے وصل کی قدر جاننے کے لیے ہے۔

مطلب:۔ اوپر جو غضب و قہر کو ایک نا قابلِ اعتبار چیز کہا تھا اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر اس کا قہر اعتبار و اعتنا کے قابل نہیں تو پھر یہ عاشقانِ حق کیوں دردِ فراق میں بیتاب رکھے جاتے ہیں جو قہر کی ایک خاص شان ہے اگر لطف و کرم ہی دائم ہوتا تو یہ طالبانِ محبوبِ حقیقی یہ شیدایانِ جمالِ لم یزل، یہ والہانِ نورِ قدیم کو یوں ترسایا اور تڑپایا نہ جاتا۔ اس شعر میں اس کا جواب دیا ہے کہ جس طرح راحت کا پورا مزا مشقت کے بعد اور حلاوت کی پوری لذت تلخی کے بعد محسوس ہوتی ہے اسی طرح وصل کا لطف ہجر کے بعد ہی آتا ہے۔ پس اس ہجر سے مقصد یہ ہے کہ مشتاقانِ وصل کو لذتِ وصل سے پوری طرح محظوظ کیا جائے لہٰذا یہ حالت بھی نتیجہ قہر نہیں بلکہ عین مقتضائے رحمت ہے۔ فیضی

تا جدا گشتیم دانستیم قدرِ وصلِ دوست لذتِ دیدار را از انتظار آموختیم

؎ حافظ شکایت از غمِ ہجراں چہ میکنی در ہجر وصل باشد و در ظلمت ست نور

میدہد جاں را فراقش گوشمال تا بداند قدرِ ایامِ وصال

ترجمہ:۔ اس کا فراق (اس لیے) جان کی گوشمالی کر رہا ہے تاکہ وہ ایامِ وصل کی قدر جانے۔

گفت پیغمبرؐ کہ حق فرمودہ است قصدِ من از خلق احساں بودہ است

ترجمہ:۔ (اس کی دلیل یہ ہے کہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (مخلوق کو) پیدا کرنے سے میرا مقصود (ان پر) احسان (کرنا) ہے۔

آفریدم تا زمن سودے کنند تا ز شہدم دست آلودے کنند

ترجمہ:۔ میں نے (مخلوق کو اس لیے) پیدا کیا ہے کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائیں (اور) تاکہ میرے شہد (کرم) سے اپنے ہاتھ

سان لیں۔

نے برائے آنکہ من سودے کنم وز برہنہ من قبائے بر کنم

ترجمہ:۔ نہ اس لیے کہ میں خود (کوئی) فائدہ اٹھاؤں اور (ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ایسی ہے جیسے) کسی ننگے کے بدن پر سے چغہ اتارلوں۔ (جوایک بے معنی بات ہے)۔

چند روزے کہ زپیشم راندہ است چشمِ من بر روئے خوبش ماندہ است

کز چناں روئے چنیں قہرا ے عجب ہر کسے مشغول گشتہ در سبب

ترجمہ:۔ چند روز سے جو اس نے مجھے اپنے حضور سے دھتکار دیا ہے تو میری آنکھ اس کے چہرۂ زیبا پر لگی ہوئی ہے کہ ایسے منہ سے ایسا غضب (وقہر) بڑے تعجب کی بات ہے (مگر میں مسبب پر نظر رکھتا ہوں بخلاف اس کے دوسرے لوگوں میں سے) ہر شخص سبب میں مشغول ہے۔

مطلب:۔ ابلیس کی تقریرِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے خداوند تعالیٰ سے ہمیشہ رحم وکرم کی امید ہے۔ کسی بدسلوکی کا مجھے اندیشہ نہیں۔ اس کا قہر وغضب عارضی ہے اور اس میں بھی کچھ نہ کچھ بندے ہی کی بہتری مضمر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے بندوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ ان کو کچھ فائدہ پہنچائے۔ ورنہ اس کو محتاج بندوں سے کیا مطلب نکالنا تھا۔ اس کے بعد ابلیس کہتا ہے کہ میں جو چند روز سے اس کے عتاب میں مبتلا ہوں تو یہ عارضی ہجران میرے اس کے کلی انقطاع کا باعث نہیں ہو سکتا۔ بلکہ میں اب بھی اس کے منہ کو تک رہا ہوں کہ اللہ رے یہ روئے پاک اور اس قدر غضب ناک! غرض میری نظر ہر حالت میں اسی پر ہے۔ کیونکہ میں مسبب یعنی حق تعالیٰ ہی کو دیکھتا ہوں جبکہ دوسرے لوگ سب کو دیکھتے ہیں یعنی اپنے مصائب ونوائب کے علل کو دیکھ دیکھ کر گھلتے اور کڑھتے ہیں جو قہرِ الٰہی کی شکل میں پیش آتے ہیں۔ اس ذات پر ان کی نظر نہیں جاتی جس کے ہاتھ میں ان تمام اسباب وعلل کی ڈور ہے۔ امیر خسروؒ

از دست دور مہ ومہر نے گردشِ چرخ کہ دائرہ زنگا رندہ، نے زیر کارست

من سبب رانگرم کو حادث ست زانکہ حادث حادثے راباعث ست

ترجمہ:۔ میں سبب کو (ہرگز) نہیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ حادث (اور فانی) ہے اس لیے کہ حادث حادث ہی کا باعث ہوتا ہے۔

مطلب:۔ قہرِ الٰہی کے عارضی اور حادث ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ میرے کسی نہ کسی فعلِ ناشائستہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور میرا فعل خود حادث ہے اور حادث کا باعث حادث ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا قہر بھی حادث ہے۔

لطفِ سابق را نظارہ میکنم وانچہ او حادث دو پارہ میکنم

ترجمہ:۔ میں تو (اس کے) لطفِ قدیم کو مدِنظر رکھتا ہوں اور جو کچھ حادث ہے (اس کو) چاک کرتا ہوں۔

مطلب:۔ میں اس کے قہر وغضب کو دیکھ کر مایوس نہیں ہوتا بلکہ چونکہ اس کا قہر ایک امرِ حادث ہے اس لیے اس کو ساقط الاعتبار سمجھتا ہوں اور اس کے لطف وکرم کو جو صفاتِ قدیمہ سے ہے اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہوں کہ وہ کسی امرِ حادث پر مبنی نہیں۔ دیکھو مکار اپنا مطلب نکالنے کے لیے اپنے آپ کو کیا خدارسیدہ صوفی ظاہر کر رہا ہے۔ یہی حال ہے ان بناوٹی صوفیوں کا جو دنیا کمانے کے لیے لباسِ تصوف پہن لیتے ہیں۔ وہ بھی شیطان کے بھائی ہیں۔ صائبؒ

زینہار از خرقہ آرایاں مشو غافل کہ من ہر خشن پوشے کہ دیدم خانہ صیاد بود

یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ارے کم بخت اگر تو اس قدر خدا رسیدہ اور فانی اللہ تھا تو اس کے حکمِ سجدہ کی تعمیل کیوں نہ کی۔ اس وقت آدم علیہ السلام پر حسد کر کے کیوں تکرار و انکار کرنے لگا۔ اس کا جواب وہ بطور دفع دخل مقدر دیتا ہے۔

ترکِ سجدہ از حسد گیرم کہ بود ایں حسد از عشق خیزد نز جحود

ترجمہ:۔ میں جانتا ہوں کہ (میں نے) جو آدم کے آگے سجدہ نہیں کیا تھا تو یہ حسد کی وجہ سے تھا (مگر واضح رہے کہ) یہ حسد (بھی) عشق ہی سے پیدا ہوتا ہے، نہ کہ انکار سے۔

مطلب:۔ چونکہ مجھے خداوند تعالیٰ سے عشق تھا۔ اس لیے میں نے گوارا نہ کیا کہ آدم کو اس کی بارگاہ میں مجھ سے زیادہ تقرب حاصل ہو جائے۔ اب اس کو خواہ حسد کہو یا رقابت بہرکیف عاشقوں کے نزدیک ہم چشمی سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ صائبؒ۔

زہم چشمی بلائے نیست بد تر عشقباز انرا زلیخا کو رشد تادیدۂ یعقوب بینا شد

بلکہ غیرتِ عشق تو قتل ہونے میں بھی کسی کی شرکت گوارا نہیں کر سکتی ولہ۔

شرکتِ فیضِ شہادت برنتا بد رشکِ عشق کشتنِ پرویز داغِ کوہکن را تازہ کرد

ایں حسد از دوستی خیزد یقیں کہ شود با دوست غیرے ہمنشیں

ترجمہ:۔ اس قسم کا حسد تو یقیناً (انتہا کی) محبت سے پیدا ہوتا ہے کہ کوئی غیر شخص دوست کے ساتھ ہم نشیں ہو۔ امیر خسروؒ۔

نتوانمش کہ بینم برقیب ناموافق چہ خوش ست گل ولیکن چکنم کہ خار دارد

ہست شرطِ دوستی غیرت پزی ہمچو شرطِ عطسہ گفتن دیر زی

لغات:۔ غیرت پزی غیرت مندانہ خیالات کی ہنڈیا پکانا، غیرت مندی۔ عطسہ چھینک دیر زی تا بدیر زندہ باش، دیر تک جیو، جیتے رہو۔

ترجمہ:۔ غیرت مندی (یا رشکِ رقابت) دوستی کے لیے (اسی طرح) شرط ہے جس طرح چھینک کے جواب میں یہ کہنا کہ جیتے رہو۔

مطلب:۔ چھینک لینے والا کہتا ہے۔ الحمد للہ اور اس کے جواب میں کہا جاتا ہے۔ یرحمک اللہ مسنون و ماثور طریقہ یہی ہے۔ دیر زی کے کلمہ کو ان کلمات کا ترجمہ قرار دینا محض تکلف ہے بلکہ ممکن ہے کہ مولانا کے زمانے میں چھینک کے جواب میں دیر زی کہنے کا رواج ہو۔ اگرچہ شریعت میں اس کی سند نہیں جیسے اور بہت سے رواج شرعی شکل میں موجود ہیں اور شریعت میں ان کی کوئی سند اور اصل نہیں مثلاً ہمارے یہاں رواج ہے کہ جب کسی کے ٹھوکر یا ٹکر لگے تو کہتے ہیں بسم اللہ جس سے مراد یہ ہے کہ اللہ بچائے حالانکہ شرع میں ایسے مواقع پر اس کلمہ کے کہنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نہ یہ معنی مراد اس کا ترجمہ ہو سکتے ہیں۔ پہلے مصرعہ میں دو چیزوں کے لیے ایک مثال دی ہے۔ یعنی عشق اور رشک باہم اس طرح لازم و ملزم ہیں۔ جس طرح چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔

چونکہ بر نطعش جز ایں بازی نبود گفت بازی کن چہ دانم در فزود

لغات:۔ نطع بفتح نون بساط، بساطِ شطرنج۔ در فزود آگے بڑھنا، ترقی کرنا۔

ترجمہ:۔ چونکہ اس کی بساط (تقدیر) پر (میرے لیے) یہی بازی (مقدر) تھی (پس) اس نے (جو) کہا (کہ) بازی کر تو (ناچار مجھے وہی انکارِ سجدہ کی) بازی کھیلنی پڑی) میں (اس سے بچنا اور) ترقی کرنا کیا جانوں۔

مطلب:۔ میرے دل میں رشکِ عشق پیدا ہونا اور سجدہ سے انکار کر دینا حق تعالیٰ کی تقدیر میں مقدر ہو چکا تھا۔ میں تقدیر کا مقابلہ کیا کر سکتا تھا مگر یہ بات اس لعین کی محض ایک فضول حجت ہے۔ جیسے کہ بعض شیطان کے چیلے بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہماری ترک نماز روزہ اور ارتکابِ معاصی اللہ کی تقدیر میں مقدر ہو چکا ہے۔ پس ہم اس کے خلاف کیونکر کر سکتے ہیں اور یہ محض ایک شیطانی ڈھکوسلا ہوتا ہے۔ اللہ کی تقدیر میں کسی امر کا مقدر ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ بندہ اس امر پر بالکلیہ مجبور و مضطر ہے۔ بلکہ وہ جو کچھ اچھے یا برے اعمال کرتا ہے، خود اپنے اختیار و ارادہ سے کرتا ہے۔ اسی لیے اس کے ان اعمال پر جزا و سزا مترتب ہوتی ہے ورنہ اگر اس معنی میں بندہ کا ہر فعل مقدر بتقدیر ہوتا جو ان منکرانِ الدالخصام نے سمجھ رکھا ہے تو بندہ کو اس کے اعمال کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا اور بہشت و دوزخ کیوں بنایا جاتا۔

پس یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بندہ ہر کام اپنے اختیار و ارادہ سے کرتا ہے اور افعالِ عباد سے اوپر ایک سلسلہ تقدیر الٰہی ہے کہ جو کام بھی بندہ کرتا ہے اور وہ اس کو باختیارِ خود اور بذمہ داری خود کرتا ہے اور اس سلسلے میں پہلے سے مقدر و مکتوب ہوتا ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ سلسلہ بندہ کے اختیار و ارادہ سے مزاحم ہرگز نہیں کہ بندہ کچھ کرنا چاہے تو سلسلۂ تقدیر اس کو کسی اور طرف کشاں کشاں لے جائے بلکہ بندہ جو چاہے کر سکتا ہے اور کرتا ہے مگر ہوتا ہے وہ تقدیر کے اندر۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ واعلم ان القدر لا یزاحم سببیته الاسباب لمسبباتها لانه انما تعلق بالسلسلة المترتبة جملة مرة واحدة وهوقوله صلى الله عليه وسلم فى الرقى والدواء والتقاة هل ترد شيئا من قدر الله قال هى من قدر الله وقول عمر رضى الله عنه فى قصة سراغ اليس ان رعيتهافى قصته سرغ اليس ان رعيتهانى الخصب رعيتها بقدر الله الخ وللعباد لااختيار لهم فى ذلك لااختيار لكونها معلولا بحضور صورة المطلوب ونفعه ونهومن داعية وعزم ممالیس له علم بها فكيف الاختيار فيها وهو قوله ان القلوب بين اصبعين من اصابع الله يقلبها كيف يشاء "واضح ہو کہ تقدیر اسباب کو اپنے نتائج کے سبب بننے سے نہیں روکتی۔ کیونکہ ان کا سبب ہونا سلسلۂ تقدیر سے یکبارگی وابستہ ہو چکا ہے اور یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا جو آپ نے اسی سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ کیا جھاڑ پھونک اور دوا و تعویذ اللہ کی کسی تقدیر کو روک سکتے ہیں۔ فرمایا یہ بھی تقدیر الٰہی میں سے ہیں اور یہی مطلب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا جو آپ نے سراغ کے قصے میں فرمایا تھا کہ اگر تم اس کو سرسبز خطے میں چراؤ گے تو اللہ تعالیٰ ہی کی تقدیر سے چراؤ گے" اور بندوں کو افعال پر اختیار ہے۔ ہاں ان کو اس اختیار میں اختیار نہیں۔ کیونکہ یہ اختیار ہونا موقوف ہے مطلوب کی صورت اور اس کے نفع کے متصور ہونے پر اور اس کے متعلق ارادہ و عزم کا تحریک پانا ایک ایسا امر ہے جس کا اس کو علم ہی نہیں۔ پس اس میں اختیار کیونکر ہو اور یہی مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ تمام لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی انگشتہائے قدرت میں ہیں۔ جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے" (حجۃ اللہ البالغہ) سرغ ایک گاؤں کا نام ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں وادی تبوک میں آباد تھا۔ روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرغ کے مقام میں تشریف لائے اور ملک شام میں وبائے طاعون کی سرباز کثرت سنی تو فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا افراراً من قدر الله "کیا تقدیر الٰہی سے بھاگ جانے کے لیے"۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا۔ اس کے آخری کلمات یہ تھے کہ ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ غور تو کرو اگر تم اپنے اونٹوں کو ایک وادی میں لے جاؤ جس کی ایک سمت سرسبز ہو اور دوسری خشک اگر تم سرسبز سمت میں ان کو چراؤ تو کیا اللہ کی تقدیر سے نہیں چراؤ گے اور اگر خشک حصے میں چراؤ گے تو کیا اللہ ہی تقدیر سے نہیں چراؤ گے۔ (حاشیہ حجۃ اللہ)

آں یکے بازی کہ بدمن باختم خویشتن را در بلا انداختم

لغات:۔ باختم از باختن جس کے معنی ... کرنا

(۱) وہی کھیل جو (میرے مقدر میں) تھا میں کھیلا (اور) اپنے آپ کو بلا میں ڈال لیا۔
(۲) وہی کھیل جو (میری تقدیر میں کھیلنا مقدر) تھا میں (کھیلا اور) بازی ہار گیا۔ اخ نظامیؒ۔

در ازل کرد آں چہ باید بود جہد امروز ماندارو سود

در بلا ہم مے چشم لذاتِ او مات اویم مات اویم مات او

ترجمہ:۔ (مگر) میں (اس) بلا میں (بھی) اس (کی یاد) کے مزے لیتا ہوں (کہ) اسی کا مغلوب ہوں اسی کا مغلوب ہوں۔ اسی کا مطلوب۔ امیر خسروؒ۔

اے باد اگر برائے سرآوارۂ پیام بارے دگر بگو سرمن کزربان کیست
جامیؒ چوں رسد پیکان تو برسینہ انگہ بگذرد ازرسیدن درد بگذشتن بے افزون بود

چوں رہاند خویشتن را اے سرہ ہیچ کس در شش جہت در ششدرہ

لغات:۔ سرہ کھرا، پاکیزہ، برگزیدہ۔ شش جہت چھ طرفیں یعنی دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے جس سے ہر طرف مراد لیتے ہیں۔ ششدرہ محلِ ہلاک کنایہ ہے عجز و تحیر سے۔

ترجمہ:۔ اے کھرے آدمی! (اتنا تو سوچو کہ) کوئی شخص مقامِ ہلاک میں ہر طرف سے (گھر جانے کے بعد) اپنے آپ کو کیونکر چھڑائے۔

مطلب:۔ تقدیر کے آگے تدبیر کی کیا پیش جا سکتی ہے۔ صائبؒ۔

باحکمِ ایزدی چہ بود گیرو دار خلق خاشاک را بآبِ رواں اختیار نیست

جز و ششِ ازکلِ شش چوں وارہد خاصہ کہ بیچوں مراورا کج نہد

لغات:۔ جز و شش ششدر کا مہرہ ششدر چھ خانے ہیں جو نرد کی بازی میں ہوتے ہیں۔ بازی کی بعض صورتوں میں مہرہ اس مقام میں ایسا بند ہوتا ہے کہ اس سے رہائی ناممکن ہے۔ کل شش شش جہت پر احاطہ کرنے والا، محیطِ کل مراد حق تعالیٰ۔

ترجمہ:۔ یہ عاجز بندہ جو اپنی بے بسی میں گویا ششدرہ کا مہرہ (ہے اس) محیط کل (کے پنجۂ تقدیر) سے کیونکر چھوٹ سکتا ہے۔ خصوصاً جب اس وحدہٗ لاشریک نے اس کو فطرت سے ہی کج (نہاد) بنایا ہو۔

نیست امید صلاحے زفساد اے حافظ چونکہ تقدیر چنیں بودچہ تدبیر کنم

ہر کہ در شش او درونِ آتش ست اوش برہاند کہ خلاقِ شش ست

ترجمہ:۔ جو شخص ہر طرف سے آگ کے اندر (گھرا ہوا) ہو۔ اس کو وہی (قادرِ مطلق) نجات دلا سکتا ہے جو شش جہت کا پیدا کرنے والا ہے۔

خود اگر کفر ست اگر ایمانِ او دست بافِ حضرت ست وآنِ او

لغات:۔ خود زائد ہے۔ دست باف ہاتھ کا بنا ہوا، مخلوق، پیدا کیا ہوا۔ آن مملوک۔

ترجمہ:۔ اگر کفر ہے (اور) اگر ایمان ہے (سب) حضرت (پروردگار) کا مخلوق اور اس کا مملوک ہے۔

مطلب:۔ کلامِ ابلیس کا ماحصل یہ ہے کہ میں حق سبحانہ سے اب بھی تعلق رکھتا ہوں اور اس کے لطف کا امیدوار ہوں میرا معتوب ہونا محض عارضی ہے جو ایک دن زائل ہو جائے گا اور وہ عتاب بھی میرے قصور پر نہیں کیونکہ میں مجبور تھا ایسی حالت میں اگر تم کو نماز کے لیے جگاؤں تو محلِ تعجب نہیں۔

باز تقریر کردنِ معاویہؓ مکرِ ابلیس با او

پھر حضرت معاویہؓ کا ابلیس کے مکر کو ثابت کرنا جو اس نے ان کے ساتھ کیا

گفت امیر او را کہ اینہا راست ست لیک بخشِ تو از ینہا کاست ست

لغات:۔ بخش بہرہ، حصہ۔ کاست کم مراد نیست۔

ترجمہ:۔ امیر (معاویہؓ) نے فرمایا کہ یہ باتیں تو سچ ہیں لیکن ان سے تیرا حصہ نہیں ہے۔

مطلب:۔ جو کچھ تو کہہ رہا ہے یعنی بندہ کا حق سبحانہ سے تعلق کرنا اور اس کے لطف کی امید رکھنا وغیرہ یہ باتیں تو درست ہیں مگر ان میں عملاً تیرا کوئی حصہ نہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ ہے یہ تیرا حال نہیں بلکہ محض قال ہے اور مقصود مجھ کو صرف دھوکا دینا ہے۔ سعدیؒ۔

زصاحبِ غرض تاسخن نشنوی کہ گرکار بندی پشیماں شوی

صد ہزاراں چوں مرا تو رہ زدی حفرہ کردی در خزانہ آمدی

لغات:۔ رہ زدی راہ روک کر لوٹ چکا ہے، رہزنی کے ساتھ غارت کر چکا ہے۔ حُفرہ گڑھا، سیندھ، نقب، سرنگ۔

ترجمہ:۔ تو مجھ جیسے سینکڑوں (رہرووں) کو راستے میں غارت کر چکا ہے۔ سرنگ لگا کر خزانہ میں گھس گیا ہے۔

مطلب:۔ خزانہ سے مراد قلبِ مومن ہے۔ جس میں دولتِ ایمان محفوظ ہے۔ شیطان وسوسہ کی سرنگ لگا کر اس خزانہ میں پہنچتا ہے اور دولتِ ایمان کو اڑا لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ حافظؒ۔

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست ہشدار گوشِ دل بہ پیامِ سروش کن

آتشی از تو بسوزم چارہ نیست کیست کز دستِ تو جامہ اش پارہ نیست

لغات:۔ آتشی تو آتش ہستی۔ پارہ دریدہ، پرزے پرزے۔

ترجمہ:۔ تو (ایک) آگ ہے۔ میں (اگر) تجھ سے جل جاؤں (تو اس کا) کوئی چارہ نہیں۔ وہ کون ہے جس کا کپڑا تیرے ہاتھ سے پارہ پارہ نہیں۔

طبعت اے آتش چو سوزاندہ ایست تانسوزانی تو چیزے چارہ نیست

ترجمہ:۔ اے آگ! جب جلانا تیری طبیعت میں داخل ہے تو جب تک تو جلا نہ ڈالے کوئی چارہ نہیں۔

لعنت ایں باشد کہ سوزانت کند اوستادِ جملہ دزدانت کند

ترجمہ:۔ (تجھ پر) لعنت یہ (نازل ہوئی) کہ تجھ کو پھونک ڈالنے والا بنا دیا اور تمام چوروں کا استاد بنا دیا۔

مطلب :۔ اوپر کہا تھا کہ اے شیطان پھونک ڈالنا یعنی اضرار واضلال تیری فطرت میں داخل ہے۔ اب اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ تو ملعونِ کامل ہے اور مقتضائے لعنت یہی ہے کہ لوگوں کو بہکائے ورغلائے اور نقصان پہنچائے۔ کما قیل ۔

زبد گوہر نیاید ہیچ گہ ترکِ بدی کردن   نگر دد کند دنداں از گزیدن مارِ افعی را

باخدا گفتی شنیدی رُو برُو   منکہ باشم پیشِ مکرت اے عدو؟

ترجمہ :۔ تو (تو وہ شریر ہے کہ) حق سبحانہ وتعالیٰ کے روبرو (بھی بیباکانہ) گفت وشنید کر چکا ہے۔ (تو پھر) اے دشمن تیرے مکر کے سامنے میں کون ہوں (کہ تو مجھ پر دلیر نہ ہو)

معرفت ہائے تو چوں بانگِ صفیر   بانگِ مرغانست امّا مرغ گیر

لغات :۔ معرفت باتصوف کی باتیں۔ بانگِ صفیر' پرندہ کی سی آواز جو شکاری اپنے منہ سے نکالتا ہے تاکہ اس کو سن کر پرندے آئیں اور جال میں پھنس جائیں۔

ترجمہ :۔ تیرے اولیائی کے دعوے گویا شکاری کی سیٹی ہے جو (بظاہر) پرندوں کی آواز ہے مگر درحقیقت پرندوں کو پھانسنے کا آلہ ہے۔

مطلب :۔ جس طرح شکاری اپنی بناوٹی آواز سے پرندوں کو پھانستا تھا۔ اسی طرح تو اپنے ان جھوٹے دعووں سے لوگوں کو فریب دیتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ فرما   من اندازِ قدت را مے شناسم

صد ہزاراں مرغ را آں رہ زدہ است   مرغ غرّہ کاشنائے آمدہ است

ترجمہ :۔ اس (آواز) نے لاکھوں پرندوں پر ڈاکا ڈالا ہے۔ پرندہ (اس) دھوکے میں (آجاتا ہے) کہ اس کا کوئی آشنا آگیا۔

در ہوا چو بشنود بانگِ صفیر   از ہوا آید شود اینجا اسیر

ترجمہ :۔ جب وہ (پرندہ) ہوا میں سیٹی کی آواز سنتا ہے تو ہوا سے (اتر) آتا ہے اور یہاں (آتے ہی) گرفتار ہو جاتا ہے۔

قومِ نوح از مکرِ تو درنوحہ اند   دل کباب وسینہ شرحہ شرحہ اند

صنائع :۔ نوح اور نوحہ میں صنعتِ تلمیح ہے۔ حضرت نوحؑ کا حال مفتاح العلوم کی دوسری جلد میں گزر چکا۔

ترجمہ :۔ (اے ابلیس!) نوحؑ کی قوم تیرے مکر سے (مبتلائے عذاب ہو کر) رو رہی ہے۔ ان لوگوں کا دل کباب اور سینہ چاک درچاک ہے۔

عادرا برباد دادی درجہاں   درفگندی در عذابِ واندُہاں

لغات :۔ عادؔ سے قومِ عاد مراد ہے۔ جس کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے حق تعالیٰ نے ان کے معجزہ سے ایک اونٹنی پتھر سے پیدا کی مگر وہ لوگ راہِ راست پر نہ آئے۔ بلکہ ان جاہلوں نے اس خدائی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ آخر قہرِ الٰہی سے مبتلائے عذاب ہو کر ہلاک ہوئے۔ اندہان اندوہ بمعنی غم کی جمع خلافِ قیاس۔

صنائع :۔ چونکہ قومِ عاد۔ عذابِ باد سے ہلاک ہوئی۔ اس لیے برباد میں ایہامِ تناسب ہے۔

ترجمہ:۔ تو نے قومِ عاد کو دنیا میں برباد کر دیا۔ (یعنی ان کو) عذاب اور غم والم میں مبتلا کیا۔

از تو بود آں سنگسارِ قومِ لوط　　　　در سیہ آبہ زتو خوردند غوط

لغات:۔ لوط علیہ السلام ایک پیغمبر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے برادر زادہ۔ جس قوم کی ہدایت کے لیے ان کو مبعوث کیا گیا۔ ان میں لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنے کی معصیت عام تھی حضرت لوطؑ نے ان کو بہت سمجھایا مگر وہ ابلیس کے کچھ ایسی پٹی پڑھائے ہوئے تھے کہ باز نہ آئے۔ آخر ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ حضرت جبرائیلؑ کئی فرشتوں سمیت عذاب لے کر آ گئے تو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو بھی خبر نہ تھی کہ ملائکہ عذاب ہیں۔ وہ بدکار لوگوں کی منت سماجت کرنے لگے کہ تم مجھے میرے مہمانوں کی وجہ سے ذلیل نہ کرو مگر جبرائیلؑ نے کہا آپ کوئی فکر نہ کریں۔ ان شریروں کو اندر آنے دو۔ ہم ملائکہ عذاب ہیں۔ ان سب کے خاتمہ کا وقت آ گیا۔ غرض وہ لوگ اپنی ہوس کے نشے میں مست اندر گئے اور جبرائیل علیہ السلام نے اپنے ایک بازو کو حرکت دی تو وہ سب کے سب اندھے ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے عیال سمیت اس بستی سے نکل جائیں پھر جبرائیلؑ اس بستی کے سارے قطعہ زمین کو اکھاڑ کر بہت بلندی پر لے گئے اور پھر اوندھا کر کے نیچے گرا دیا۔ اوپر سے ان لوگوں پر پتھر برسائے گئے۔ حتیٰ کہ تمام مفسدین نیست و نابود ہو گئے۔ سنگسار پتھر برسا کر ہلاک کر ڈالنا۔ سیہ آبہ سڑا ہوا کالا پانی مراد عذاب غوط غوطہ، ڈبکی۔

ترجمہ:۔ تیری ہی وجہ سے قومِ لوط کی وہ سنگساری وقوع میں آئی (جس کا ذکر کلام اللہ شریف اور کتب سیر میں موجود ہے) تیری ہی بدولت انہوں نے گردابِ عذاب میں غوطہ کھایا۔

مغزِ نمرود از تو آمد ریختہ　　　　اے ہزاراں فتنہا انگیختہ

ترجمہ:۔ نمرود کا بھیجا بھی تیرے ہی سبب سے نکلا۔ ارے تو نے تو ہزاروں (سوتے) فتنے جگائے ہیں۔

مطلب:۔ مغز ریختن کنایہ ہے ہلاک ہونے سے اور نمرود کے حال کو اس لفظ سے ایک خاص مناسبت بھی ہے۔ اس کے مغز میں ایک مچھر گھس گیا تھا جو اس کی موت کا سبب ہوا اور یہ خداوند تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ تھا کہ اس خدائی کے مدعی خدا کی طرف تیر پھینکنے والے مغرور متکبر بادشاہ کی ہلاکت ایک حقیر ترین مخلوق یعنی مچھر کے ہاتھوں ہوئی۔ شیخ عطارؒ

سوئے او خصمے کہ تیرا نداختہ　　　　پشۂ کارش کفایت ساختہ

عقلِ فرعونِ زکیِ فیلسوف　　　　کورگشت از تو نیا بیداو وقوف

لغات:۔ زکی ہوشیار، عاقل۔ فیلسوف حکیم، فلسفی۔ نیابید نیافت۔

ترجمہ:۔ تیری وجہ سے فرعون سا ہوشیار و حکیم بھی عقل کا اندھا ہو گیا اور (خدا کی شناخت) سے بہرہ مند نہ ہوا۔

بولہب ہم از تو نا اہلے شدہ　　　　بوالحکم از تو بوجہلے شدہ

لغات:۔ بولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا کی کنیت ہے جو آپ پر یا تو اس قدر شفیق تھا کہ اس کی لونڈی جو آپ کی پیدائش کی بشارت لائی اس کو فوراً آزاد کر دیا یا پھر آپ کی دعوتِ اسلام سے اس قدر برافروختہ ہوا کہ سخت دشمن ہو گیا۔ کئی مرتبہ آپ کو ناحق اذیت دی۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس کی مذمت میں سورہ لہب نازل کی۔ ابوالحکم حاء اور کاف دونوں کے فتحہ سے ہو تو اس کے معنی ہیں منصف، عادل، نیک و بد میں تمیز کرنے والا اگر حا کا کسرہ اور کاف کا فتحہ ہو تو جمع ہے حکمت کی۔ یہ پہلی کنیت ہے ابو جہل کی۔

پھر اس کی جہالت کی بنا پر اس کو ابوجہل سے بدل دیا گیا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

اگر تو حکمت آموزی بدیوانِ محمدؐ رو — کہ بوجہل آں بود کز خود بدانش بوالحکم گردد

ترجمہ:۔ ابولہب بھی تیرے سبب نالائق (ثابت) ہوا (اور) ابوالحکم بھی تیرے باعث ابوجہل بن گیا۔

اے بریں شطرنج بہرِ یاد را — مات کردہ صد ہزار استادرا

ترجمہ:۔ اے (وہ) جس نے اس شطرنج (امتحان) پر (اپنی شطرنجی چالوں کی) یادگار (قائم کرنے) کے لیے لاکھوں استادوں کو مات کردیا ہے۔

اے زفرزیں بند ہائے مشکلت — سوختہ جانہا، سیہ گشتہ دلت

لغات:۔ فرزیں شطرنج کا سب سے زیادہ قوی مہرہ ہے۔ دوسرے مہروں سے دوگنی مار کرتا ہے۔ اگر کسی چال سے اس کو بند کردیا جائے تو اس سے حریف کی بازی کمزور ہو جاتی ہے۔ فرزیں بند وہ چال ہے جس سے فرزیں کو بند کیا جائے۔

ترجمہ:۔ اے (وہ کہ) تیری زچ کر دینے والی مشکل چالوں سے (لوگوں کی) جانیں جل گئیں (اور اس مردم آزاری کی شامت سے) تیرا دل (بھی سیاہ ہوگیا)۔

بحرِ مکری تو وخلقاں قطرۂ — تو چہ کوہی ویں سلیماں ذرۂ

لغات:۔ خلقاں جمع خلق خلافِ قیاس، مخلوقات سلیماں بفتحِ سین وکسرِ لام جمع سلیم سادہ لوگ، بھولے بھالے سیدھے سادے۔

ترجمہ:۔ تو فکر کا ایک سمندر ہے اور مخلوقات (تیرے مقابلے میں) ایک قطرہ ہے تو گویا (فتنہ وفساد) کا ایک پہاڑ ہے اور یہ بھولے بھالے لوگ (تیرے مقابلہ میں) ایک ذرہ ہیں۔

کہ رہد از مکر تو؟ اے مختصم — غرق طوفانیم اِلَّا مَنْ عَصِم

لغات:۔ کہ کدام کس مختصم جھگڑالو، ستیزہ کار عصم بچائے، پناہ دے۔ بعض شارحین کے نزدیک طوفان کے ذکر کے قرینے سے ان کلمات میں اس آیت کی تلمیح ہو سکتی ہے جو سورہ ہود میں طوفانِ نوح کے ذکر میں آئی ہے کہ وَلَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی آج اللہ کے امر سے کوئی پناہ دینے والا نہیں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے مگر مولانا بحر العلومؒ کے نزدیک یہ محض تکلف ہے۔

ترجمہ:۔ اے جھگڑالو! تیرے مکر سے کون بچ سکتا ہے۔ ہم تو (تیرے مکر وفریب کے) طوفان میں غرق ہوئے جاتے ہیں مگر جس کو اللہ بچائے۔

بس ستارہ سعد از تو محترق — بس سپاہِ جمع از تو مفترق

لغات:۔ سعد مبارک، باسعادت محترق سوختہ، جل جانے والا، اصطلاحِ نجوم میں وہ ستارہ جو آفتاب کے ساتھ ایک برج میں جمع ہو جانے سے اس کی شعاع میں چھپ جائے محترق کہلاتا ہے یعنی شعاعِ آفتاب سے جل جانے والا۔ مفترق تتر بتر، پریشان۔

ترجمہ:۔ بہت سے مبارک ستارے تجھ سے بے نور ہو گئے۔ بہت سی مجتمع فوجیں تجھ سے متفرق ہوگئیں۔

مطلب:۔ اے شیطان تیرے بہکانے سے بہت سے نیک وصالح لوگ بد بخت وشقی ہو گئے اور تیری فتنہ انگیزیوں سے بہت

سی متفقہ جماعتوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

بس سلیماں کز تو دیں در باختہ سرنگوں درقعرِ دوزخ تاختہ

ترجمہ:۔ بہت سے ایسے سیدھے سادھے لوگ ہیں جو تیرے (فریب کے سبب سے (اپنا) دین کھو چکے (اور اس وجہ سے) سر کے بل دوزخ کی گہرائی میں سدھارے۔

اختلاف:۔ ہمارے نسخے میں سلیماں کی بجائے مسلمان درج ہے مگر سلیماں کے نسخے میں افادہ مزید ہے یعنی شیطان کے مکرو فریب میں آجانے والے لوگ مسلمان تو ہیں ہی کیونکہ شیطان کا وار انہی پر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی وہ سادہ لوح اور بھولے بھالے بھی ہیں۔ جبھی تو اس کے دم جھانسے میں آگئے۔ ورنہ اگر زیرک وہوشیار ہوتے تو اس کے داؤ میں کیوں آتے مگر مسلمان کے نسخے میں یہ بات نہیں فافہم۔

بس چو بلعم از تو نومید آمدہ بس چو برصیصا ز تو کافر شدہ

لغات:۔ بلعم بن باعور بنی اسرائیل اور بقولے ملک شام کی قوم عمالقہ میں سے ایک عابد مستجاب الدعوات تھا۔ اغوائے شیطان سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہو گیا۔ جس کی پاداش میں اس کی تمام برکات مسلوب ہو گئیں پیچھے جلد چہارم میں اس کا ذکر مفصل گزر چکا۔ برصیصا رہبان بنی اسرائیل میں ایک عیسائی عابد کا نام ہے جو ستر سال عبادت میں مصروف رہا۔ اس کے زہد وتقویٰ اور طاعت وعبادت سے ابلیس تنگ آگیا اپنی ذریات سے کہنے لگا۔ کوئی اس عابد کی طرف سے میرے دل کو تسکین پہنچا سکتا ہے تو پہنچائے۔ ایک شیطو نگڑا ابیض نام بولا اس کو میں اپنے اڑنگے پر چڑھانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ ابلیس بولا شاباش بیٹا شاباش جلدی جاؤ اور اس کو بہکاؤ ابیض نے گیروے کپڑے پہنے لمبی داڑھی بڑھائی۔ ہاتھ میں تسبیح لی اور برصیصا کے عبادتخانہ پر دستک دی برصیصا نے دروازہ کھولا اور پوچھا آپ کون ہیں۔ ابیض بولا اللہ کا بندہ ہوں تمہاری شہرت سن کر فیضِ صحبت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اتنا کہا اور نماز میں مشغول ہو گیا برصیصا جب اس کو دیکھتا تو نماز میں مشغول پاتا ایک سال کے بعد ابیض نے کہا۔ اب فقیر چلتے ہیں اور اس حسنِ صحبت کے شکریہ میں آپ کو ایک اسم سکھا دیتے ہیں۔ جس بیمار پر اس کو پڑھو گے شفایاب ہو جائے گا چنانچہ وہ برصیصا کو ایک اسم سکھا کر رخصت ہوا اور ابلیس سے کہا لیجیے برصیصا میرے جھانسے میں آگیا۔ پھر اس نے ایک بچے کا گلا دبایا جب بچے کی آنکھیں نکلنے اور سانس اکھڑنے لگا تو جھٹ انسانی صورت میں نمودار ہو کر اس بچے کے ماں باپ سے کہا۔ اس کو برصیصا کے پاس لے جاؤ وہ اس مرض کا علاج جانتا ہے۔ بچے کے ماں باپ اسے برصیصا کے پاس لے گئے۔ اس نے دم کیا تو ابیض نے فوراً اپنا ہاتھ اس کے گلے سے اٹھا لیا اور بچہ چنگا بھلا ہو گیا۔ اس کے بعد ابیض نے چند اور لڑکے اور عورتیں اپنے اثر سے بیمار کر کے برصیصا کے پاس بھجوائے جس سے اس عابد کی دھاک بندھ گئی۔ پھر خاص بادشاہ کی بیٹی اس کے پاس بھجوائی جو ایک شاہانہ خیمے میں برصیصا کے عبادت خانہ کے پاس فروکش ہوئی۔ برصیصا جب اس کے علاج کے لیے روبرو گیا تو اس کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ کر بیخود ہو گیا۔ ادھر شیطان نے دل میں وسوسہ ڈالا۔ تخلیہ کا مقام تھا۔ دربان اور پہرہ دار سب خیمے سے باہر تھے۔ برصیصا مدت العمر کے زہد وتقویٰ کو بالائے طاق رکھ کر شہزادی سے لپٹ گیا اور اس سے مباشرت کی۔ شہزادی کو بھی اس سے انس ہو گیا۔ عرصہ تک علاج ومعالجہ کے بہانہ سے اس جگہ یہ شیطانی شغل جاری رہا۔ حتیٰ کہ شہزادی کا حمل ظاہر ہو گیا۔ برصیصا نے شیطان کے اغوا سے بخوفِ فضیحت اس کو قتل کر کے دامنِ کوہ میں دفن کر دیا۔ شیطان نے بادشاہ پر یہ راز افشا کر دیا۔ برصیصا گرفتار ہوا اور شہزادی کے قصاص میں اس کی سزائے موت کا فیصلہ ہوا۔ جب اس کو دار پر چڑھانے لگے تو ابیض اس کے سامنے نمودار ہو کر کہنے لگا کہ مجھے سجدہ کر لے ابھی تجھ کو اس عذاب سے چھڑا لوں گا۔ برصیصا نے اس کو

سجدہ کیا اور اسی دار پر کفر کی موت مرا۔ فذلک قوله تعالى كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (جامع التواریخ)

ترجمہ:۔ بہتیرے بلعم سے (مستجاب الدعوات عابد) تیری وجہ سے (رحمتِ حق سے) ناامید ہو گئے (اور) بہت سے مثل برصیصا تیرے ہاتھوں کافر ہو گئے۔

باز جواب ابلیس مر معاویہؓ را در اخفائے مکر

شیطان کا پھر اپنے مکر کو چھپانے کے لیے حضرت معاویہؓ کو جواب دینا

گفت ابلیسش کشا ایں عقدہ را　　من محکّم قلب را و نقد را

لغات:۔ محک کسوٹی جس سے کھری کھوٹی دھات کی شناخت کی جاتی ہے۔ قلب کھوٹا سکہ۔ نقد کھرا سکہ۔

ترجمہ:۔ نقد، کھرا سکہ ابلیس نے ان سے کہا (اے معاویہ) یہ (شک کی) گرہ (جو تمہارے دل میں میری طرف سے پڑ گئی ہے) کھول ڈالو۔ (کیونکہ) میں (گمراہ کرنے والا نہیں بلکہ) کھوٹے کھرے کی کسوٹی ہوں۔

مطلب:۔ چونکہ میری وجہ سے سعید و شقی اور صالح و طالح کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات سے ہوتا ہے تو میرا وجود رحمت ہے۔ لہٰذا مجھ سے ناراض نہ ہوجیے اور سعید و شقی کا امتیاز اس طرح ہوتا ہے کہ جب میں کسی کو بہکاتا ہوں تو یا تو وہ میرا اتباع کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ سعید ہے یا شقی۔

امتحانِ شیر و کلبم کرد حق　　امتحان نقد و قلبم کرد حق

لغات:۔ امتحان یعنی آلہ امتحان، ذریعہ آزمائش۔ کلب کتا۔ صنائع: کلبم اور قلبم میں تجنیس۔

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ نے مجھے (دین کے) شیر اور (دنیا کے) کتے کی پرکھ (کا ذریعہ) بنایا ہے۔ (ہاں) حق تعالیٰ نے مجھے کھرے اور کھوٹے کی آزمائش (کا آلہ) بنایا ہے۔

قلب را من کے سیہ رو کردہ ام　　صیرفیم قیمت او کردہ ام

ترجمہ:۔ کھوٹے سکے کو میں نے سیہ رو کب کیا ہے (خود اس کی کھوٹ اس کو سیہ رو کر رہی ہے) میں (تو محض) ایک صرّاف ہوں۔ میں نے اس (کھوٹے سکے) کی قیمت لگا دی۔ (اور بس)

مطلب:۔ کھوٹی دھات خواہ نقد کی صورت میں ہو یا زیور کی شکل میں۔ جب اس کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو سیاہ ہو جاتی ہے اور یہی اس کے کھوٹا ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے اور اس کی یہ سیاہی خود اس کی کھوٹ کا نتیجہ ہے نہ کہ آگ میں ڈالنے والے کے کسی فعل کا۔ اسی طرح شیطان کہتا ہے کہ جو لوگ میرے اغوا سے سیاہ کار و سیہ رو ہو جاتے ہیں یہ خود ان کی اپنی بری فطرت اور ناپاک استعداد کا نتیجہ ہے نہ کہ میں خود ان کو آمادہ سیہ کاری کرتا ہوں ہاں میرے اغوا سے ان کی فطرت و استعداد کا ظہور ہو جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر　　کارِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

انتباہ:۔ واضح رہے کہ شیطان میں اضلال و اضرار کی قوت نہایت زبردست ہے۔ اس کی سرسری باتوں میں بھی وسوسوں کا شدید زہر ملا ہوتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے سامنے دورانِ مکالمہ میں جو تقریریں وہ کر رہا ہے بعض طبائع کے لیے سخت گمراہ کن ہیں۔ لہٰذا

ان کو نہایت احتیاط و ہوشیاری کے ساتھ پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔ یہاں وہ کہہ رہا ہے کہ میں لوگوں کا کیا بگاڑتا ہوں۔ وہ خود روزِ ازل سے بگڑے ہوئے ہیں۔ ہاں میری وجہ سے ان کا بگاڑ پن نمایاں اور ظہور پذیر ہو جاتا ہے اور اس بیان سے وہ اپنے آپ کو بے گناہ اور ناقابلِ مؤاخذہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ قابلِ مواخذہ اور اپنی گمراہ تحریکات کا ذمہ دار ہے۔ بے شک ایک شخص میں بدی کی استعداد ہے لیکن اگر کوئی امر اس استعداد کے ظہور کا محرک نہ ہو تو وہ بھی ظہور پذیر نہ ہو نہ وہ شخص سزا کا مستوجب ہو پھر جب شیطان کی تحریک اور اس کی ترغیب سے وہ استعداد ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ شخص مرتکب گناہ ہو کر مستوجبِ عذاب ہو جاتا ہے تو کیا شیطان بری الذمہ رہے گا۔ ہرگز نہیں۔ بے شک گندھک میں قبولِ آتش کی استعداد ہے لیکن جب تک اس کو آگ نہ لگائی جاوے تو اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ نہ اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ پس اگر کوئی شخص گندھک کے ذخیرے کو دیا سلائی دکھا کر آگ لگا دے اور کہے اس میں خود مشتعل ہو جانے کی استعداد تھی۔ میں صرف اس کے ظہورِ استعداد کا باعث ہوں تو کیا کوئی اس کو بری الذمہ قرار دے گا؟ یہی مغالطہ شیطان کی اس تقریر میں ہے۔ پھر کہتا ہے:۔

نیکواں را رہنمائی میکنم مرداں را پیشوائی میکنم

ترجمہ:۔ میں نیکوں کی (بھی) رہنمائی کرتا ہوں (اور) بروں کی بھی پیشوائی کرتا ہوں۔

مطلب:۔ جس میں جیسی استعداد ہوتی ہے اسی کے مطابق اس کو آمادۂ عمل کرتا ہوں اگر نیک ہو تو اس کو نیکی کی طرف لے جاتا ہوں اگر بد ہو تو برائی کی راہ دکھا دیتا ہوں شیطان کا یہ کہنا بھی بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ بلکہ وہ نیکوں اور بدوں سب کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ الگ بات ہے کہ نیک لوگ اس کے کہنے میں نہیں آتے۔ ورنہ وہ اپنی طرف سے ان کو بدی پر مائل کرنے میں کسر نہیں چھوڑتا کیونکہ وہ مطلقاً انسان کا دشمن ہے۔ خواہ کوئی نیک ہو یا بد سب کو راہِ ہدایت سے بھٹکانا اور گمراہی کے گڑھے میں گرانا اس کا مقصد ہے۔ کما قیل۔

از بدار، جز بدی نیا موزی نکند گرگ پوستیں دوزی

نیکواں را پیشوا و مامنم شاخہائے خشک را بر میکنم

لغات:۔ مامنم مامن ہستم۔ مامن بمعنی جائے امن بر میکنم برے آرم۔

ترجمہ:۔ میں نیک لوگوں کا پیشوا اور جائے امن ہوں (ہاں جو لوگ) خشک شاخوں (کی طرح ناقابل واز کار رفتہ ہوتے ہیں ان) کو اکھاڑ پھینکتا ہوں۔

مطلب:۔ شیطان اپنی مثال باغبان سے دیتا ہے یعنی جس طرح باغبان کو ہمیشہ باغ کی بہبودی مدِ نظر ہوتی ہے اس لیے وہ ہری بھری شاخوں کی حفاظت کرتا اور خشک شاخوں کی کانٹ چھانٹ کرتا رہتا ہے اسی طرح میں بھی نیک لوگوں کا محافظ ہوں اور برے لوگوں کی جڑ کاٹتا رہتا ہوں مگر اس کا یہ قول بھی سراسر ادعائے باطل ہے بلکہ اس کی مثال بچھو کی سی ہے کہ **لاتدع مصلیا ولا غیرہ** یعنی نمازی و غیر نمازی کوئی اس کے ڈنگ سے نہیں بچتا اگر وہ نیکیوں کا محافظ ہے تو کم بخت سے کوئی اتنا پوچھے کہ حضرت آدمؑ نے کیا بدی کی تھی کہ ان کو بہکا کر بہشت سے نکلوا دیا۔

اختلاف:۔ بعض نسخوں میں اس بیت کے بجائے دو بیتیں بدیں ترتیب درج ہیں۔

صالحاں را مقتدا و مامنم طالحاں را نیز یاری سر

باغبانم شاخ ترمے پرورم شاخہائے خشک راہم مے برم

یعنی میں نیک لوگوں کا پیشوا اور جائے امن ہوں۔ بد بخت لوگوں کی بھی مدد کرتا ہوں۔ میں (گویا) باغبان ہوں کہ ہری بھری شاخ کی پرورش کرتا ہوں (اور) خشک شاخوں کو بھی کاٹ ڈالتا ہوں۔

ایں علفہائے نہم از بہرِ چیست　　　تا پدید آید کہ حیواں جنسِ کیست

لغات:۔ علف گھاس، چارہ یہاں مطلق خوراک مراد ہے۔

ترجمہ:۔ میں یہ (طرح طرح کی) خوراکیں (جوان کے سامنے) رکھتا ہوں (تو) اس کی وجہ کیا ہے؟ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حیوان کس قسم کا ہے۔

مطلب:۔ حیوان حیوان کی الگ خوراک ہے۔ گائے بھینس ہری گھانس شوق سے کھاتی ہیں اور درختوں کے پتوں کو پسند نہیں کرتیں۔ درختوں کے پتوں کا شائق اونٹ ہے۔ حتیٰ کہ ڈھاک کے پتے بھی نہیں چھوڑتا مگر آک کے پتے وہ بھی نہیں کھاتا۔ درختوں کے پتے کھانے میں بکری اونٹ کی مدِ مقابل ہے مگر وہ اس کے برعکس ڈھاک کے پتوں سے متنفر ہے اور آک کے پتوں کو بشوق کھاتی ہے۔ ان جانوروں کے برخلاف درندہ جانور نباتات کو بالکل نہیں کھاتے۔ وہ گوشت کے گاہک ہیں مگر ان کی گوشت خوری کا بھی جدا جدا انداز ہے۔ شیر مردار نہیں کھاتا۔ لگڑ بگڑ مردار و جاندار سب کا شائق ہے۔ بھیڑیا بکری کا دلدادہ ہے۔ بلی چوہے پر مرتی ہے۔ اسی قیاس سے شیطان کہتا ہے کہ نیکوں میں جس جس نیکی کی صلاحیت ہوتی ہے ان کے لیے وہی سامان کر دیتا ہوں اور بدوں کو جس جس بدی کی طرف میلان ہوتا ہے ان کو اسی پر آمادہ کر دیتا ہوں تاکہ جو شخص جس قابلیت کا ہے وہ نمایاں ہو جائے۔ آگے اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہے:

سگ چو از آہو بزاید بچکے　　　در سگی و آہوئی دارد شکے

لغات:۔ بچک بچہ کی تصغیر ہے۔ سگی کتاپن یائے مصدری شامل ہے۔ علیٰ ہذا آہوئی میں۔

ترجمہ:۔ (ایک) کتیا جب ہرن (کی جفتی) سے بچہ دے تو (اس بچے کے) کتا ہونے یا ہرن ہونے میں شک ہوتا ہے۔

الخلاف:۔ ہمارے نسخے میں یہ شعر یوں ہے۔

گرگ از آہو چو زاید کودکے　　　ہست در گرگی و آہوئی شکے

یعنی بھیڑیا جب ہرن سے مل کر بچہ دے تو اس کے بھیڑیا یا ہرن ہونے میں شک ہے اس میں یہ اعتراض ہے کہ کودک کا لفظ انسان کے بچے کے لیے مخصوص ہے۔ حیوانات کے بچوں پر نہیں بولا جاتا علاوہ ازیں اگلے شعر میں استخوان کا ذکر ہے اور اس کو عرفاً کتے سے زیادہ مناسبت ہے نہ کہ گرگ سے اس لیے دوسرا نسخہ اختیار کیا گیا اور اگر اس نسخہ پر اعتراض کیا جائے کہ سگ انسی جانور ہے اور آہو وحشی۔ ان دونوں میں ملاپ کیونکر ممکن ہے تو اس کا جواب یہ کہ یہ صورت ایک پالتو اور مانوس ہرن میں ممکن ہے۔ نیز آہوئے وحشی اور سگ انسی کا تخالف گرگ و آہو کے تخالف سے زیادہ شدید نہیں ہوتا اگر یہ دونوں وحشی ہوں فافہم۔

تو گیاہ و استخواں پیشش بریز　　　تا کدامیں سو کند او گام تیز

ترجمہ:۔ تم گھاس اور ہڈی اس کے آگے ڈال دو۔ تاکہ (معلوم ہو کہ ان دونوں چیزوں میں سے) کس کی طرف وہ لپکتا ہے۔

مطلب:۔ جب اس بچے کا باپ ہرن اور ماں کتیا ہو یا باپ کتا اور ماں ہرنی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی پیدائش ان دونوں مختلف النوع جانوروں کے مادہ منی سے ہے تو جس جانور کا مادہ منی اس کی تولید میں زیادہ ہوگا۔ اسی کی نوع کے ساتھ اس کی نسبت متعین ہوگی اور اسی کے آثار و اطوار اس میں غالب ہوں گے۔ پس ان آثار و اطوار کے امتحان سے اس کو کتے یا ہرن کی نوع میں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آگے کہتا ہے:۔

گر بسوئے استخواں آید سگ ست　　ور گیا جوید یقیں آہو رگ ست

ترجمہ:۔ اگر ہڈی کی طرف آئے تو (سمجھو) کتا ہے اور اگر گھاس طلب کرے تو یقیناً ہرن کی طبیعت والا ہے۔

نوٹ:۔ آگے مولانا اس بیان کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ جس طرح ذاتِ حق میں اسمائے متقابلہ متحقق ہیں۔ اسی طرح عالم میں ان کے مظاہر و متقابلہ موجود ہو گئے۔ جس سے خیر و شر پیدا ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

قہر و لطفے جفت شد با یکد گر　　زاد ازیں ہر دو جہانِ خیر و شر

ترجمہ:۔ (اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کے) قہر و لطف کا باہم اختلاط ہوا تو ان دونوں سے عالمِ خیر و شر پیدا ہوا۔

تو گیاہ و استخواں را عُرضہ کن　　قوّتِ نفس و قوّتِ جاں را عرضہ کن

لغات:۔ عرضہ پیش، پیشکش قُوّت بروزن حوت غذا، خوراک، جان روح۔

ترجمہ:۔ (اگر تم خیر و شر کی شناخت کرنی چاہو تو) گھاس اور ہڈی پیش کرو (یعنی) نفس کی غذا اور روح کی غذا پیش کرو۔

مطلب:۔ دنیا میں اچھے اور برے لوگ مختلف ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے تمیز کرنے کی یہی تدبیر ہے کہ ان کے مقتضائے طبع کو دیکھنا چاہیے جو شخص روح پرور ہے وہ اچھا ہے اور جو نفس پرور ہے۔ وہ برا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

گر غذائے نفس جوید ابتر ست　　ور غذائے روح خواہد سرور ست

ترجمہ:۔ اگر (وہ) نفس کی غذا (یعنی لذات و شہوت) طلب کرے تو برا ہے اور اگر روح کی غذا (یعنی معارف) کو پسند کرے تو قابلِ تعظیم ہے۔

گر کند او خدمتِ تن ہست خر　　ور رود در بحرِ جاں یا بد گہر

ترجمہ:۔ اگر وہ (صرف) جسم کی پرورش کرتا ہے تو (نرا) گدھا ہے اور اگر بحرِ روح میں غوطہ لگاتا ہے تو وہ موتی پاتا ہے۔

مطلب:۔ تن پروری میں لگے رہنا گدھے گھوڑے گائے بھینس وغیرہ حیوانات کا کام ہے۔ پس جو لوگ تن پروری میں لگے رہتے ہیں اور کمالاتِ روحانیہ سے سروکار نہیں رکھتے وہ گدھے سے مشابہ ہیں۔ انسان کہلانے کا حق نہیں رکھتے۔ جو شخص متوجہ بروح ہو۔ وہ کمالاتِ باطن سے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔ صائبؒ۔

جانِ تو لامکانی روحِ تو آسمانی ست　　تا کے کنی عمارت ایں جسمِ مختصر را

گرچہ ایں دو مختلف خیر و شراند　　لیک ایں ہر دو بیک کار اندر اند

ترجمہ:۔ اگرچہ یہ دونوں الگ الگ خیر و شر ہیں لیکن دونوں ایک ہی کام میں مشغول ہیں۔

مطلب:۔ اگرچہ خیر خیر ہے اور شر شر ہے لیکن دونوں سے تمیز خیر و شر کا کام یکساں طور پر انجام پاتا رہتا ہے۔ اگر شیطان ہے تو وہ بھی ممیز ہے اور اگر انبیا علیہم السلام ہیں تو وہ بھی ممیز ہیں۔ ہاں اس قدر فرق ہے کہ:

انبیا طاعاتِ عُرضہ میکنند　　دشمناں شہواتِ عُرضہ میکنند

ترجمہ:۔ انبیاء علیہم السلام تو طاعات پیش کرتے ہیں اور (دین کے) دشمن (یعنی شیاطین) خواہشاتِ نفسانیہ پیش کرتے ہیں۔

مطلب:۔ اور دونوں فریقوں کا یہ فرق ان کی نیت کے فرق کی بنا پر ہے ... علیہم الذکر کی نیت یہ ہے کہ لوگ طاعات اختیار

کریں اور مؤخر الذکر کا مقصد یہ ہے کہ وہ شہوات میں منہمک ہو جائیں۔ اس لیے پہلا فریق خیر ہے اور دوسرا شر مگر دونوں کی سرگرمی کا نتیجہ یکساں طور پر ظاہر ہوتا ہے یعنی تمیز بین السعید والشقی۔ چنانچہ جو شخص انبیا کا اتباع کرتا ہے۔ وہ شیطان کی مخالفت بھی کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں طرف سے اس کے سعید ہونے کا ثبوت مل جاتا ہے اور جو شخص انبیا کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ شیطان کا اتباع کرتا ہے۔ پس دونوں طرف سے اس کی شقاوت پر مہر تصدیق لگ جاتی ہے۔ مولانا یہاں اس مضمون کو ختم کر کے پھر ابلیس کی گفتگو کی طرف عود فرماتے ہیں۔ یعنی ابلیس پھر کہتا ہے۔

نیک راچوں بد کنم؟ یزداں نیم داعیم من خالقِ ایشاں نیم

ترجمہ:۔ میں کسی نیک آدمی کو بد کب بناتا ہوں (یہ کام تو خدا کا ہے)۔ میں خدا نہیں ہوں میں (تو لوگوں کو بری راہ کی طرف صرف) بلانے والا ہوں۔ میں ان کا خالق نہیں ہوں۔

مطلب:۔ یعنی میں صرف اچھے اور برے لوگوں میں تمیز کرتا ہوں۔ نیک کو بد نہیں بناتا اور تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو بدی کی راہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ بعض اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ بعض نہیں کہتے۔ پس اس سے شقی وسعید الگ الگ نظر آ جاتے ہیں۔

خوب را من زشت سازم رب نیم زشت را وخوب را آئینہ ام

ترجمہ:۔ (میں پھر کہتا ہوں کہ) میں اچھے کو برا (کب) کر سکوں۔ میں پروردگار تو نہیں (بلکہ) برے اور اچھے کے لیے میں آئینہ ہوں (کہ میرے ذریعہ سے دونوں کی صورت الگ الگ نظر آ جاتی ہے)

سوخت ہندو آئینہ از درد را کیں سیہ رو مینماید مرد را

لغات:۔ ہندو۔ ہندوستانی واؤ نسبت کے لیے ہے۔ جیسے ہندی میں یاء نسبت کے لیے ہے اور واؤ کا استعمال بغرض نسبت ذوی العقول سے مخصوص ہے۔ ادبیات فارسی میں ہندو سے چور اور رہزن مراد لیتے ہیں اور چونکہ دزدو رہزن بوجہ دشت نوردی کے عموماً سیاہ فام ہوتے ہیں۔ اس لیے ہندو کا لفظ سیاہ فام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہندوئے شب، ہندوئے زلف' ہندوئے خال عام مستعمل تشبیہات ہیں۔ حافظ شیرازیؒ کا قول ہے۔

ع بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ترجمہ:۔ ایک سیہ فام (وبدصورت) آدمی نے آئینہ (میں اپنا منہ دیکھا تو اس) کو رنجیدہ ہو کر آگ میں جھونک دیا کہ یہ (کم بخت) آدمی کو سیاہ رو دکھاتا ہے۔

گفت آئینہ گناہ از من نبود جرم آنرانہ کہ آئینہ زدود

ترجمہ:۔ آئینہ نے کہا یہ میرا گناہ نہیں (بلکہ) اس شخص کو قصور وار ٹھہراؤ۔ جس نے آئینہ کو صیقل کیا ہے۔

او مرا غماز کردو راست گو تا بگویم زشت کو خوب کو

ترجمہ:۔ اسی نے مجھے چغل خور اور سچا (چغل خور) بنایا۔ تاکہ میں بتادوں کہ برا کون ہے اور اچھا کون ہے۔ ونعم ما قیل فی المرآۃ۔

دوست آنست کو معائب دوست ہمچو آئینہ رو برو گوید
نہ کہ چوں شانہ با ہزار زباں پس رو رفتہ موبمو گوید

مطلب:۔ ان تینوں بیتوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک سیاہ آدمی آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر گھبرایا تو آئینہ نے کہا یہ میرا قصور نہیں اگر قصور ہے تو آئینہ بنانے والے کا ہے کہ اس نے مجھے سیاہ فام وگلفام صورتوں کو الگ الگ دکھا دینے والا بنایا ہے

اور شیطان کا مقصد اس مثال سے یہ ہے کہ میری وجہ سے اگر نیک و بد الگ الگ نظر آنے لگتے ہیں تو اس میں میرا کچھ قصور نہیں کیونکہ حق سبحانہ نے مجھے ایسا بنایا ہے۔

من گواہم بر گواہ زنداں کجاست　　　زاہلِ زنداں نیستم یزداں گواست

ترجمہ:۔ میں (تو ہر نیک و بد کی نیکی و بدی کا) گواہ ہوں اور گواہ کے لیے سزائے قید کہاں ہے؟ خدا گواہ ہے کہ میں جیل خانہ کے مستحقوں میں سے نہیں ہوں۔

مطلب:۔ جرم کی سزا مجرم کی ہوتی ہے نہ کہ گواہ کو۔ اس نے اپنی شہادت سے جرم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ ہاں اگر گواہ کوئی جرم سرزد کرے۔ مثلاً حلفِ دروغی کا مرتکب ہو اور اس پر سزا دی جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ غرض شیطان کہتا ہے کہ میں برا نہیں۔ مجھے برا نہ سمجھو۔

ہر کجا بینم درختِ میوہ دار　　　تربیت ہا میکنم من دایہ وار

ترجمہ:۔ میں جہاں کوئی میوہ دار درخت دیکھتا ہوں۔ دایہ کی طرح اس کی پرورش کرتا ہوں۔

ہر کجا بینم درختِ تلخ و خشک　　　میبرم من میشناسم پشک و مشک

ترجمہ:۔ میں جہاں کوئی کڑوا اور سوکھا درخت دیکھتا ہوں اس کو کاٹ ڈالتا ہوں (غرض) میں مینگنی اور مشک میں تمیز کر سکتا ہوں۔

مطلب:۔ شیطان کہتا ہے صالحین کی اعانت میرا فرض ہے اور بد طینت و نا قابلِ اصلاح لوگوں کی بیخ کنی میرا شیوہ ہے۔ چہ خوش! اپنے منہ اپنی تعریف اور وہ بھی جھوٹ۔ غنیؔ۔

مدعی گر لاف جوہر زند ارد اعتبار　　　ہمچو شمشیرے کہ مے سازند از چوب چنار

خشک گوید باغباں را کاے فتا　　　مرمرا چہ مے بری سر بے خطا

ترجمہ:۔ خشک (درخت) باغباں سے کہتا ہے۔ اے جواں! تو میرا سر بے گناہ کیوں کاٹ رہا ہے۔

باغباں گوید خمش اے زشت خُو　　　بس نبا شد خشکیِ تو جرمِ تو

ترجمہ:۔ باغباں (اس کو) جواب دیتا ہے چپ رہ اے بدخو کیا تیرا خشک ہونا ہی تیرا (کافی) جرم نہیں۔

مطلب:۔ شیطان کہتا ہے کہ اسی طرح جب میں کسی کو بہکا کر مستوجبِ عذاب بنا دیتا ہوں تو وہ چیختا چلاتا ہے کہ میں نے کیا گناہ کیا تھا۔ مجھے کیوں اس انجامِ بد تک پہنچایا تو میں کہتا ہوں کیا تیرا یہی گناہ کچھ کم ہے کہ تو بد سرشت و نا قابلِ اصلاح تھا۔ یہی تیرا سب سے بڑا جرم ہے جس کی پاداش جہنم ہے۔

خشک گوید راستم من کژ نیم　　　تو چرا بے جرم مے بُرّی پیم

ترجمہ:۔ وہ خشک درخت کہتا ہے میں تو سیدھا ہوں ٹیڑھا (بھی) نہیں ہوں (پھر) تو بے گناہ میری جڑ کیوں کاٹ رہا ہے۔

باغباں گوید اگر مسعودیی　　　کاشکے کژ بودی و تر بودیی

لغات:۔ مسعودی آخری یا خطاب کے لیے اور اس سے پہلی یا وحدت کے لیے اور دال کے نیچے کسرہ ہے۔ مسعود کے معنی

سعید۔ نیک بخت۔ بودیی میں پہلی یا زائد ہے۔ بضرورت لائی گئی۔
ترجمہ:۔ باغباں جواب دیتا ہے کہ اگر تو نیک ہوتا تو کاش ٹیڑھا (بھی) ہوتا تو سرسبز (تو) ہوتا۔

جاذبِ آب حیاتے گشتۂ　　اندر آبِ زندگی آغشتۂ

لغات:۔ جاذب جذب کرنے والا۔ آب حیاتے کے آخر میں یائے وحدت ہے۔ آب زندگی آب حیات آغشتہ تربتر مراد سیراب۔
ترجمہ:۔ (تو پھر) تو آبِ حیات کو جذب کرتا اور آب حیات کے اندر سیراب ہوتا۔

تخم تو بد بودہ است و اصلِ تو　　بادرختِ خوش نشاید وصلِ تو

ترجمہ:۔ تیرا بیج اور جڑ ہی بری تھی۔ اس لیے تجھے کسی اچھے درخت کے ساتھ ملانا مناسب نہیں۔

شاخِ تلخ ار با خوشے وصلت کند　　آں خوشی اندر نہادش برزند

لغات:۔ خوشے کے آخر میں یائے مجہول بمعنی تنکیر ہے۔ وصلت پیوند۔ برزند اثر کند۔
ترجمہ:۔ اگر کسی (ہری بھری) شاخ کا جو (اگرچہ) کڑوی (ہی) ہو کسی اچھے (درخت) سے پیوند لگایا جائے تو وہ اچھا (درخت) اس (شاخ) کے وجود میں اثر کر جاتا ہے۔ (اور اسے بھی اچھا بنا دیتا ہے)۔
مطلب:۔ ان پانچوں شعروں کا ماحصل یہ ہے کہ جس شخص میں قبولِ تربیت کا مادہ نہیں اور وہ شیطان کے اغواء سے واصلِ جہنم ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ بیشک مجھ میں قبولِ تربیت کا مادہ نہ تھا لیکن میں کج نہاد اور بدطینت نہ تھا پھر مجھے یہ سزا کیوں دی جاتی ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ اے کاش اگر تو سعید وخوش نصیب ہوتا تو کم از کم تجھ میں فیضِ تربیت قبول کرنے کی صلاحیت تو ہوتی۔ پھر اگر تو کج نہاد بھی ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ کیونکہ تعلیم وتربیت سے اس کا ازالہ ہو جاتا مگر تیرا تو اصل اور سرشت ہی خراب ہے تو قابلِ تعلیم وتربیت ہی نہیں۔ کیونکہ تو مردہ دل وفسردہ طبع ہے۔ صالحین کی صحبت تجھ پر کوئی اثر نہیں کر سکتی۔ قابلِ تربیت کی مثال ایک سبز شاخ کی سی ہے کہ وہ دوسرے درخت سے وصل پا کر اس کی سی کیفیت پیدا کر لیتی ہے۔ کما قیل۔

چوبِ تر را چنانکہ خواہی پیچ　　نشود خشک جز بآتش راست

آگے پھر شیطان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہتا ہے۔

گر ترا بیدار کردم بہرِ دیں　　خوئے اصلِ من ہمین ست وہمیں

ترجمہ:۔ (اے معاویہؓ) اگر میں نے آپ کو دین (کے ایک کام) کے لیے جگا دیا تو (اس پر آپ متعجب کیوں ہوتے ہیں)۔ میری اصلی خصلت یہی ہے یہی (کہ نیک لوگوں کو نیکی کی طرف اور برے لوگوں کو برے کاموں کی طرف توجہ دلایا کرتا ہوں)۔

عنف کردن معاویہ رضی اللہ عنہ با ابلیس علیہ اللعنۃ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ابلیس علیہ اللعنۃ کے ساتھ سختی کا سلوک کرنا

گفت امیر اے راہزن حجت مگو　　مرترا رہ نیست درمن رہ مجو

ترجمہ:۔ امیر (معاویہ رضی اللہ عنہ) نے کہا اے ڈاکو (شیطان زیادہ) دلیل بازی نہ کر میرے اندر تیرا راستہ نہیں (مجھ میں) راستہ تلاش نہ کر۔
مطلب:۔ کسی کے اندر شیطان کے راستہ تلاش کرنے سے یا تو کنایۃً اس پر اثر ڈالنا اور اس کے دل پر اپنی باتوں کا نقش بٹھانا یا

اس کا محبوب و مقبول بن جانا مراد ہے۔ جیسے کہ اردو محاورات میں بھی کہتے ہیں دل میں گھر کر لیا، دل میں بیٹھ گیا، دل میں راہ کر لیا یا اس سے معنیٔ حقیقی مراد ہیں۔ جیسے حدیث میں آیا ہے ان الشیطٰن یجری من الانسان مجری الدم یعنی شیطان انسان کی رگ رگ میں پھرتا ہے۔ بہر کیف شیطان کو نہ حضرت معاویہؓ کے مجاریِ دم میں گھسنے کی قدرت تھی نہ ان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی۔

رہزنی تو من غریب و تاجرم　　ہر لباساتے کہ آری کے خرم

لغات:۔ غریب مسافر، بیوطن، غریب الدیار ایک مترجم نے بمحاورہ اردو اس کا ترجمہ کم رتبہ اور مفلس کیا ہے۔ وہذا غلط۔ کے خرم کے خریدار شوم۔ خریدار کے معنی فریفتہ و مشتاق کے بھی آتے ہیں۔

ع پیش کسے رو کہ خریدارِ تست　　ناز براں کن کہ طلب گارِ تست

ترجمہ:۔ (۱) تو رہزن ہے (اور) میں بے وطن اور سوداگر ہوں (لہٰذا) تو جس قدر (مکر و فریب کے) لباس (پہن کر میرے سامنے) لائے میں ان پر فریفتہ کب ہوتا ہوں۔ کما قیل۔

بجتبہ یا بقبا ہر چہ ہست بیروں آ　　کہ من حریف تو انم بہر لباس شناخت

(۲) تو رہزن (اور) میں بے وطن اور سوداگر ہوں۔ لہٰذا تو جس قدر بزازی کا سامان (میرے سامنے) لائے گا میں اس کو کب خریدنے لگا۔

مطلب:۔ چونکہ میں تجھ کو جانتا ہوں کہ رہزن ہے۔ لہٰذا جو سامان بھی تو مجھے دکھائے گا میں اس کو سراسر سامانِ مکر سمجھوں گا شیطان کو رہزن سے اور اپنے آپ کو بے وطن سوداگر سے تشبیہ دینے میں اپنی شدتِ ہوشیاری اور کمال احتیاط کا اشارہ مقصود ہے۔ کیونکہ مقیم کے بجائے مسافر کو اور بے مایہ کے بجائے سرمایہ دار کو زیادہ چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس شخص سے جس پر دزد و رہزن ہونے کا شبہ ہو اور عام لوگوں سے چنداں خطرہ دامنگیر نہیں ہوتا۔

گر درختِ من مگرد از کافری　　تو نۂ رختِ کسے را مشتری

لغات:۔ رخت سامان، مال و متاع۔ کافری بے ایمانی مشتری خریدار۔

ترجمہ: (اے شیطان) تو بے ایمانی (کی نیت) سے میرے متاع (ایمان) پر تاک نہ لگا (کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ) تو کسی کے متاع (تجارت) کا خریدار نہیں (بلکہ ڈاکو ہے۔ مفت میں اڑا لینا چاہتا ہے)۔ کما قیل۔

بروایں دام بر مرغ دگر نہ　　کہ عنقارا بلند ست آشیانہ

مشتری نبود کسے را راہزن　　در نماید مشتری مکرست وفن

ترجمہ:۔ ڈاکو کسی (کے مال) کا خریدار نہیں ہوتا اور اگر (اپنے آپ کو) خریدار ظاہر کرے (تو یہ اس کا) فریب اور چال ہے۔

نالیدنِ معاویہؓ بحق تعالیٰ از مکرِ ابلیس و نصرت خواستن

حضرت امیر معاویہؓ کا حق تعالیٰ کی درگاہ میں نالہ و زاری کرنا اور مدد چاہنا

تا چہ دارد ایں حسود اندر کدو　　اے خدا فریاد رس ما زیں عدو

لغات:۔ چیز در کدو داشتن۔ کوئی بات دل میں مخفی رکھنا۔ اندر ہی اندر کوئی منصوبہ گانٹھنا۔ حسود حاسد چونکہ شیطان کو آدم علیہ

السلام پر حسد ہوا کہ ایک خاکی نژاد مخلوق کو کیا رتبہ ملا ہے کہ فرشتے اس کو سجدہ کرتے ہیں اور اسی حسد کی بنا پر اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس لیے اس کو حاسد کہا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ حسد کا موجدِ اول شیطان ہے۔

ترجمہ:۔ الٰہی! اس دشمن کے مقابلے میں ہماری فریاد سن کہ (معلوم نہیں) یہ حاسد کیا مخفی چال چل رہا ہے۔

گر یکے فصلِ دگر در من دمد بر د خواہد از من ایں رہزن نمد

لغات:۔ فصل نوبت، مرتبہ، بار۔ دمد پھونک مارے جس سے تقریر کرنا مراد ہے۔ نمد صوف پشم کا موٹا چھوٹا کپڑا جس کا پہننا فقر و درویشی اور مسکینی کی دلیل ہے۔

ترجمہ:۔ اگر ایک مرتبہ اور مجھ سے گفتگو کرے گا تو اندیشہ ہے کہ یہ راہزن میرا نمدہ (ایمان) لے جائے گا۔ مطلب:۔ نمد کے ذکر میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ میری حالت فقیرانہ ہے۔ جس کے ساتھ بے کسی اور بے بسی بھی شامل ہوتی ہے اور یہ حالت نصرتِ الٰہی کی زیادہ محتاج ہے۔ نیز وہ رہزن اس قدر بے رحم اور حریص ہے کہ فقیروں کے نمدے بھی نہیں چھوڑتا امیروں کے دوشالے تو کیا چھوڑے گا۔

ایں حدیثش ہمچو دود است اے الٰہ رحم کن ورنہ گلیم شد سیاہ

ترجمہ:۔ اس کی یہ گفتگو (دلوں کو سیاہ کرنے میں) دھوئیں کی مانند ہے۔ الٰہی رحم کر ورنہ (اس سے) میری گلیم (قسمت بھی سیاہ ہوئی جاتی ہے)۔

من بحجت بر نیایم با بلیس کوست فتنہ ہر شریف و ہر خسیس

ترجمہ:۔ میں بحث میں ابلیس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ تو ہر بھلے برے آدمی کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔

آدمے کو عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ بگ ست باتگِ چوں برقِ ایں سگ بے تگ ست

لغات:۔ آدمے میں یائے مجہول برائے تفخیم ہے۔ علم الاسماء سے سورہ بقرہ کی آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا الخ کی طرف اشارہ ہے جو بمع ترجمہ پچھلی جلدوں میں کئی مرتبہ درج ہو چکی۔ بگ سردار، امیر۔ بیگ کا مخفف ہے۔ تگ رفتار، دوڑ۔

ترجمہ:۔ (اس کم بخت کی طاقت کا کیا ٹھکانا۔ حتیٰ کہ) حضرت آدم علیہ السلام (بھی) جو تعلیمِ اسماء کی مسند کے امیر ہیں۔ اس کتے کی برق رفتاری کے آگے رفتار سے عاجز ہیں۔

از بہشت انداختش بر روئے خاک چوں سمک در شستِ اوشد از سماک

لغات:۔ سمک مچھلی شست مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔ سماک منازلِ قمر میں سے ایک منزل ہے مراد مرتبۂ عالیہ صنعتِ سمک اور سماک میں صنعتِ تجنیسِ ناقص۔

ترجمہ:۔ (حتیٰ کہ) ان کو بہشت سے زمین پر لا ڈالا اور وہ مرتبہ عالیہ سے جدا ہو کر اس کے (فریب کے) کانٹے میں مچھلی کی طرح پھنس گئے۔

نوحۂ اِنَّا ظَلَمْنَا مے زدے نیست دستاں و فسونش راحدے

ترجمہ:۔ (بالآخر) وہ اِنَّا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (الٰہی ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا) کہہ کہہ کر گریہ وزاری کرتے تھے۔ (الٰہی) اس

(مکار) کے مکروفریب کی کوئی حد نہیں۔

اندرون ہر حدیث او شراست   صد ہزاراں سحر در وے مضمرست

ترجمہ:۔ اس کی ہر بات میں (کوئی نہ کوئی) شرارت ہے (بلکہ) اس میں لاکھوں جادو پنہاں ہیں۔

مردیِ مرداں بہ بندد در نفس   درزن و در مرد افروزد ہوس

ترجمہ:۔ (یہ کم بخت بڑے بڑے) ہمت والوں کی ہمت کو ایک پھونک میں پست کر دیتا ہے (اور) عورت اور مرد میں (آتش) ہوس مشتعل کر دیتا ہے۔

نوٹ:۔ یہاں تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دعا تھی اب وہ پھر ابلیس سے مخاطب ہوتے ہیں۔

اے بلیسِ خلق سوزِ فتنہ جُو   برچیم بیدار کردی راست گو

لغات:۔ برچیم برائے چہ مرا۔

ترجمہ:۔ اے ابلیس مخلوق کو پھونک ڈالنے والے اور فتنہ کو جگانے والے! سچ بتا کہ تو نے مجھے کس غرض سے جگایا؟

زانکہ حجت برنیاد بامنے   ہیں غرض را در میاں نہ بے فنے

ترجمہ:۔ کیونکہ (تیری) دلیل بازی میرے سامنے نہیں چل سکتی۔ خبردار! (اپنی اصل) غرض بلا کسی بہانہ کے بیان کر دے۔

باز تقریر ابلیس تلبیسِ خود را با معاویہ رضی اللہ عنہ

ابلیس کا پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے فریب (کو نباہنے) کی تقریر کرنا

گفت ہر مردے کہ باشد بدگماں   نشنود او راست را با صد نشاں

ہر درونے کو خیال اندیش شد   چوں دلیل آری خیالش بیش شد

ترجمہ:۔ (ابلیس) بولا جو شخص بدگمان ہو وہ سچی بات کو باوجود سینکڑوں ثبوت کے نہیں سنتا۔

لغات:۔ درونِ دل خیال اندیش خیال سوچنے والا تو ہم میں پڑنے والا۔

ترجمہ:۔ جو دل خیالات (وتوہمات) کا مطالعہ کرنے والا ہو جب تم دلیل پیش کرو تو اس کا توہم اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

چوں سخن در وے رود علت شود   تیغِ غازی دزد را آلت شود

لغات:۔ علت مرض، مادہ فاسدہ۔ غازی مجاہد، راہ خدا میں جنگ کرنے والا۔ آلت آلہ۔

ترجمہ:۔ جب (کوئی معقول) بات (بھی) اس (دل) میں جاتی ہے تو وہ مادۂ فاسد بن جاتی ہے۔ (جس طرح) غازی کی تلوار (جو آلۂ اصلاح ہے) چور (کے ہاتھ آ جائے تو وہ اس) کے لیے آلہ (فساد) بن جاتی ہے۔

پس جوابِ او سکوت ست و سکوں   ہست با ابلہ سخن گفتن جنوں

ترجمہ:۔ پس اس کا جواب سکوت اور خاموشی (ہی مناسب) ہے۔ (کیونکہ) بے وقوف کے ساتھ گفتگو کرنا (ہی) دیوانگی ہے۔

توزِ حق ترس واز و جو قطعِ نفس   کہ تو از شرش بماندستی بحبس

ترجمہ:۔ تم خدا سے ڈرو اور اس سے تر[illegible] (نفس) کی شر میں گرفتار ہو۔

توز من باحق چہ نالی اے سلیم   رو بنال از شرِّ ایں نفسِ لئیم

لغات:۔ نالی گریہ میکنی۔ سلیم سیدھا سادہ آدمی۔ بنال صیغۂ امر ہے۔ نالیدن سے۔ لئیم منحوس، خبیث۔

ترجمہ:۔ اے بھولے بھالے آدمی تم خدا کے حضور میں میری کیا فریاد کرتے ہو۔ جاؤ اس نفسِ خبیث کی شر سے فریاد کرو۔

مطلب:۔ شیطان کہتا ہے کہ جو بدی تم سے وقوع پاتی ہے۔ وہ خود تمہارے نفس کی تحریکات کا نتیجہ ہے۔ جس کا کام ہی یہ ہے کہ تم کو لذاتِ جسمانیہ میں گرفتار رکھے اور یہی بات ابلیس قیامت کے روز بھی کہے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان کہے گا فَلَا تَلُومُونِی وَلُومُوٓا اَنفُسَکُم۔ "پس مجھ کو ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفسوں کو ملامت کرو"۔ (بحر العلوم) شیطان کہتا ہے کہ مجھ سے کیا پناہ مانگتے ہو اپنے نفس سے پناہ مانگو۔ جس کو اپنے سینے میں چھپائے بیٹھے ہو۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفس شیطان سے بھی زیادہ پریشان کیا کرتا ہے اور اس بات کو جس کا جی چاہے آزما کر دیکھ لے۔ پہچان اس کی یہ لکھی ہے کہ دیکھو جو وسوسہ آتا ہے وہ ایک ہی وسوسہ بار بار آنے والا ہے یا نئے نئے وسوسے آتے ہیں اگر بار بار وہی وسوسہ آتا ہے تو وہ نفسانی وسوسہ ہے اور اکثر اسی قسم کا وسوسہ آتا ہے۔ چنانچہ ایسا عموماً ہوتا ہے کہ ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوا اس کو دفع کیا تو پھر وہی موجود۔ اگر نئے نئے فتنے آئیں، سمجھ لو کہ وہ شیطانی وسوسے ہیں اور یہ کم و بیش آتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ شیطان تو صرف اضرار و اضلال چاہتا ہے۔ جب وہ ایک وسوسہ کو دیکھتا ہے کہ اس سے کام نہیں چلا تو دوسرا وسوسہ پیش کرتا ہے اور نفس کا مقصود ہوتا ہے حصولِ حظ تو جب وہ اس قصد سے وسوسہ ڈالتا ہے اور اس کو کوئی زائل کر دیتا ہے تو چونکہ وہ وسوسہ کسی لذت کا ذریعہ بننے کے بغیر زائل ہو گیا اس لیے نفس اسی وسوسہ کو پھر پیش کر دیتا ہے اور یہ قاعدہ کلی نہیں بلکہ اکثری ہے۔ (کلید مثنوی) آگے چند اشعار تک مولانا کا مقولہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تم شیطان سے تو بچتے ہو مگر شیطان سے بڑھ کر تمہارا دشمن نفس ہے۔ جس کو تم خود ناز و نعمت سے پرورش کر کے اپنے خلاف آمادۂ فساد کر رہے ہو۔ سعدیؒ۔

وسوسہ شیطان سے وسوسہ نفس زیادہ پریشان کن ہے

بنازو طرب نفس پروردہ گیر   چنیں دشمنے را قوی کردہ گیر
یکے بچۂ گرگ مے پرورید   چو پروردہ شد خواجہ برہم درید
چو بر پہلوے جاں سپردن بخفت   جہاندیدۂ بر سرش رفت و گفت
تو دشمن چنیں نازنین پروری   ندانی کہ ناچار زخمش خوری

تو خوری حلوا ترا دُمّل شود   تب بگیرد طبعِ تو مختل شود

لغات:۔ دمل پھوڑا۔ مختل خلل یافتہ۔

ترجمہ:۔ تم (خود اعتدال سے زیادہ) مٹھائی کھاتے ہو تو تمہارے پھوڑا نکل آتا ہے۔ تپ عارض ہو جاتا ہے اور تمہاری طبیعت بگڑ جاتی ہے۔

مطلب:۔ جب خواہشاتِ نفس شیریں محسوس ہوتی ہیں تو تم ان کو پورا کرنے پر کمربستہ ہو جاتے ہو جو بالآخر مفسدِ اخلاق ثابت ہوتی ہیں۔ یہ ساری خرابی تو خود کرتے ہو مگر:۔

بے گنہ لعنت کنی ابلیس را   چوں نہ بینی از خود ایں تلبیس را

ترجمہ:۔ ابلیس پر ناحق لعنت کرتے ہو۔ اس فریب کو اپنے نفس کی طرف سے کیوں نہیں سمجھتے۔

نیست از ابلیس از تست اے غوی   کہ چو روبہ سوئے دنبہ میروی

لغات:۔ غوی گمراہ۔ روبہ لومڑی۔ دنبہ مشہور چوپایہ جانور۔

ترجمہ:۔ اے گمراہ! (یہ فعل اور اس کا نتیجہ) ابلیس کی طرف سے نہیں (بلکہ) خود تیری طرف سے ہے کہ تو (خود) لومڑی کی طرح دنبہ (کو اپنا شکار سمجھ کر اس) کی طرف لپکتا ہے۔

چونکہ در سبزہ بہ بینی دنبہ را دام باشد ایں ندانی روبہا

ترجمہ:۔ اے لومڑی! جب تو سبزہ میں دنبہ کو دیکھتی ہے تو اس کی طرف دوڑ پڑتی ہے اور یہ نہیں سمجھتی کہ یہ جال ہوگا۔

مطلب:۔ یہ نفس کی طرف خطاب ہے جو اپنے آپ کو لومڑی کی طرح حیلہ بازیوں میں طاق سمجھتا ہے یعنی اے نفس تو باوجود اس چالاکی و ہوشیاری کے اپنی خواہشات کو موجب لذات سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑتا ہے تو یہ نہیں سمجھتا کہ ان کی تہ میں ہلاکتِ ابدی کا جال بچھا ہے۔ آخر اپنے آپ کو مستوجبِ جہنم بنالیتا ہے اور شیرینی کے دھوکے میں زہر ہلاہل نوش کر لیتا ہے۔ حافظؒ۔

براہ تو ہمہ چاہ ست سرنہادہ مرد بجامِ تو ہمہ زہر ست ناچیدہ مخر

زاں ندانی کت زدانش دور کرد میلِ دنبہ چشمِ عقلت کور کرد

ترجمہ:۔ (ہاں) تو اس لیے نہیں سمجھتی کہ تجھ کو دنبہ کی خواہش نے عقل سے دور کر دیا ہے (اور) تیری عقل کی آنکھ کو اندھا کر دیا ہے۔ ناصر علی سرہندی غفرلہٗ۔

پابندِ ہوس حاجتِ زنجیر ندارد دام ست ہمیں موجِ عسل پائے مگس را

حُبُّکَ الْاَشْیَاءَ یُعْمِیْ وَیُصِمّ نَفْسُکَ السُّوْءُ جَنَتْ لَا تَخْتَصِمْ

ترجمہ:۔ (بعض) اشیاء پر تمہارا فریفتہ ہو جانا تم کو (ان کے عیوب کی طرف سے) اندھا اور بہرا کر دیتا ہے گناہ تمہارے نفسِ بدنے کیا ہے تم خواہ مخواہ (دوسرے لوگوں سے) نہ جھگڑو۔

مطلب:۔ تم کو اپنا نفس نہایت محبوب ہے اور شدتِ محبت میں اپنے محبوب کے عیوب نظر نہیں آتے اور اگر کوئی دوسرا اس کے عیب بیان کرے تو ان کو سننا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ ورنہ سارا قصہ تمہارے نفس کا ہے۔ اسی نے تم کو بہکایا ہے اور اسی نے مبتلائے معاصی کیا۔ پس تم شیطان وغیرہ پر الزام نہ رکھو۔ خود اپنے نفس کی خبر لو۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمّ ضرورتِ شعری کے لیے شئے کو بصیغہ جمع اشیاء درج کیا گیا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ صنعانی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ عراقی کہتا ہے کہ ابوداؤد کا اس کو روایت کرنا اور اس پر سکوت رکھنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ موضوع نہیں نہ شدید الضعف ہے بلکہ حسن ہے (تمیز الطیب) آگے پھر ابلیس کا قول چلتا ہے۔

تو گنہ بر من منہ کژ کژ مبیں من ز بد بیزارم واز حرص وکیں

ترجمہ:۔ (ابلیس کہتا ہے) تم مجھ پر الزام نہ لگاؤ (اور میری طرف بدگمانی کے ساتھ) ترچھی ترچھی نگاہوں سے نہ دیکھو۔ میں (تو خود) بدی سے حرص سے اور کینہ سے بیزار ہوں (پھر لوگوں کو ان رذائل پر کیوں آمادہ کروں)۔

حرص وکیں ہست از طباعِ مختلف مرمرا کے چار ضد شد مکتنف

لغات:۔ طبائع طبیعت مکتنف گھیرنے والا، حاوی۔

ترجمہ:۔ حرص اور کینہ (تو) مختلف طبیعتوں (کے اجتماع سے (پیدا ہوتے) ہیں۔ مجھے کون سا (اربع عناصر کی) چار ضدوں

نے گھیر رکھا ہے (کہ یہ رذائل مجھ میں ہوتے)۔

مطلب:۔ شیطان کہتا ہے کہ انسان کے جسم کا اربع عناصر کی چار اضداد سے مرکب ہونا ہی اس میں رذائلِ اخلاق کے پیدا ہونے کا باعث ہے۔ میری ترکیبِ وجود میں یہ اضداد نہیں ہیں۔ پھر مجھ میں حرص و کینہ وغیرہ رذائل کیوں ہوں۔ میں ان معائب سے بالکل پاک و مبرا ہوں۔

خوب ع چہ دلا ور ست وزدے کہ بکف چراغ دارد

اپنی پاکی ونزاہت کے اس قدر بلند بانگ دعوے اور سراسر جھوٹ، اول تو یہی جھوٹ ہے کہ وہ اربع عناصر سے پیدا نہیں کیا گیا۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ شیطان بھی اربع عناصر سے مرکب ہے لیکن اس میں ناریت غالب ہے۔ دوسرے وہ اپنے آپ کو رذائل سے پاک بتاتا ہے۔ حالانکہ وہ حسد اور تکبر کے رذائل کا سب سے پہلا مظہر ہے اور بنی آدم کو گوناگوں رذائل میں ملوث کرنا اس کا شیوۂ شبارروزی ہے۔ پھر کہتا ہے:

من بدی کردم پشیمانم ہنوز انتظارم تا شبم آید بروز

ترجمہ:۔ (مجھ کو بدی سے اس قدر نفرت ہے کہ کبھی کبھار جو) میں ایک بدی کر بیٹھا تو اس سے آج تک پشیماں ہوں اور اس انتظار میں ہوں کہ میری (پشیمانی کی) رات کے بعد (تسلی و دلجمعی کا) دن چڑھے۔

مطلب:۔ شیطان اپنے کو صرف ایک گناہ کے ارتکاب کا قصوروار بتاتا ہے۔ حالانکہ دنیا جہان کے تمام معاصی وجرائم کا سرچشمہ وہی ہے۔ پھر کہتا ہے میں نے کچھ نہیں کیا۔ لوگ خود ہی گناہ کرتے ہیں نقل ہے کہ ایک شخص نے شیطان سے کہا کم بخت تو نے کیوں دنیا میں فتنہ وفساد اور قتل اور غارت کا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ کہیں چین کر اور لوگوں کو چین سے بیٹھنے دے۔ شیطان بولا میں کب لوگوں کو آمادۂ فتنہ وفساد کرتا ہوں۔ وہ خود ہی لڑتے جھگڑتے اور کٹتے مرتے ہیں۔ اگر جی چاہے تو آؤ اس کا ثبوت دینے کو تیار ہوں۔ اتنا کہہ کر وہ اس شخص کو ایک حلوائی کی دکان پر لے گیا کڑاہی میں چاشنی پک رہی تھی۔ ایک مسلح سپاہی دکان کے آگے کھڑا مٹھائی خرید رہا تھا۔ جس کے ساتھ ایک کتا تھا۔ شیطان نے اپنے ہمراہی سے کہا۔ لو میاں اب تماشا دیکھو کہ لوگ کس طرح خود بخود کٹتے مرتے ہیں اور نام میرا بدنام ہوتا ہے یہ کہہ کر اس نے کڑاہی میں سے ذرا سی چاشنی انگلی پر لے کر دیوار پر لگا دی۔ فوراً اس پر مکھی آ بیٹھی ایک چھپکلی تاک لگائے بیٹھی تھی۔ اس نے مکھی کو آ دبوچا۔ چھپکلی کی حرکت سے حلوائی کی بلی چونک اٹھی اور چھپکلی پر جھپٹی۔ بلی کی جست سے سپاہی کا کتا برافروختہ ہو گیا اور اس نے ایک ہی حملہ سے بلی کی گردن مروڑ دی۔ حلوائی اپنی پیاری بلی کے قتل سے بے تاب ہو گیا۔ ایک لکڑی کتے کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ دم توڑ کر رہ گیا۔ سپاہی اپنے کتے پر یہ ناگہانی ظلم دیکھ نہ سکا۔ فوراً تلوار سونت لی اور حلوائی کا سر قلم کر دیا۔ ادھر اہلِ بازار آن کی آن میں سپاہی کو گھیر کر عدالت میں لے گئے اور اس کو پھانسی کی سزا ہوئی۔ اس تمام ہنگامہ کے برپا ہونے میں صرف چند ایک منٹ لگے شیطان بولا۔ دیکھیے صاحب! میرا اس میں کتنا کچھ قصور ہے۔ وہ شخص بولا۔ جس قدر قصور ہے تمہارا ہے۔ نہ تم دیوار پر چاشنی کی انگلی لگاتے، نہ یہ واقعات ظہور پاتے۔ شیطان پھر وہی کہتا ہے:۔

ہم امیدے میزدم بادر دو سوز تا مگر کیں دَے مہم گردد تموز

لغات:۔ امید زدن امیدوار بودن۔ دے مہم دے خزاں کا مہینہ۔ مہم بفتحِ میم وہاء ماہم یعنی ماہِ من اور دے مہ میں اضافت مقلوب ہے یعنی ماہِ دے۔ تموز آغاز تابستان کا مہینہ مراد ایام بہار۔

ترجمہ:۔ نیز میں (نہایت) درد و سوز سے (یہ) امید لگائے بیٹھا ہوں کہ شاید میرا یہ ماہِ خزاں موسم بہار بن جائے۔

متہم گشتم میانِ خلق من فعلِ خود بر من نہد ہر مرد وزن

لغات:۔ متہم جس پر تہمت لگائی جائے۔ بدنام ۔ برکسے نہادن کسی کے سر منڈھنا۔

ترجمہ:۔ (اس پر بھی) میں لوگوں میں بدنام ہوں اور حالت یہ ہے کہ ہر مرد وعورت اپنا قصور میرے سر منڈھتے ہیں۔

گرگِ بے چارہ اگر چہ گرسنہ است متہم باشد کہ او در طنطنہ است

لغات:۔ طنطنہ کروفر، شان وشوکت، آن بان۔

ترجمہ:۔ (سچ ہے کہ بد اچھا بدنام برا دیکھو) بے چارہ بھیڑیا اگر چہ بھوکا ہو (مگر) اس پر (ضرور) تہمت لگائی جاتی ہے کہ وہ (شکار کھا کھا کر) ایک آن بان میں ہے۔

از ضعیفی چوں نتاند راہ رفت خلق گوید تخمہ است از لوت زفت

لغات:۔ نتاند نتواند تخمہ بضمِ تاء وفتحِ خاء مگر یہاں ضرورتاً بسکونِ خاء آیا ہے بدہضمی، امتلائے معدہ۔ لوت غذا، خوراک۔ زفت قوی، فربہ، ثقیل۔

ترجمہ:۔ (وہ غریب) جب کمزوری سے راہ چل نہیں سکتا تو لوگ کہتے ہیں کسی ثقیل غذا سے بدہضمی ہو رہی ہے۔ (اس لیے کمزور ہے)۔

مطلب:۔ شیطان کہتا ہے کہ اسی طرح میں تو خود اپنے ایک عملِ بد کی پشیمانی وحیرانی میں مبتلا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں دنیا کے سوئے فتنے جگاتا پھرتا ہوں۔

باز الحاح کردنِ معاویہؓ مر ابلیس را وجوابِ او

پھر حضرت امیر معاویہؓ کا ابلیس سے اصرار (کے ساتھ سوال) کرنا اور اس کا جواب

گفت غیرِ راستی نر ہاندت داد سوئے راستی میخو اندت

ترجمہ:۔ (پھر امیر معاویہؓ نے) کہا (اے ابلیس!) سچ کے سوا کوئی تیرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ انصاف (بھی) تجھے سچ کی طرف بلاتا ہے۔

راست گوتا وارہی از چنگِ من مکر ننشاند غبارِ جنگِ من

ترجمہ:۔ (ہاں) سچ (سچ) کہہ دے تاکہ تو میرے پنجے سے چھوٹ جائے (تیرا) فریب میری جنگ کے غبار کو فرو نہیں کر سکتا۔

گفت چوں دانی دروغ وراست را اے خیال اندیش پُر اندیشہا

ترجمہ:۔ شیطان نے کہا۔ اے توہمات میں پڑنے والے (اور) توہمات کے پتلے! بتاؤ تم جھوٹ اور سچ کو کیوں کر پہچان لیتے ہو۔ (جس کی بنا پر میری بات کو جھوٹ کہتے ہو)۔

گفت پیغمبرؐ نشانے دادہ است قلب نیکو را محک بنہادہ است

ترجمہ:۔ (حضرتِ امیر نے) کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سچ اور جھوٹ) کی شناخت کے لیے ایک نشانی بیان فرمائی ہے اور قلب نیک کے اندر ایک معیار رکھ دیا۔

گفت است اَلْکَذِبُ رَیْبٌ فِی الْقُلُوْب ‌ ‌ ‌ ‌ باز اَلصِّدقُ طَمَانِیْنٌ طُرُوْب

لغات:۔ ریب شک طمانین اطمینان۔ طروب بضم طاء وراء جمع طرب شادمانی۔

ترجمہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھوٹ دلوں میں شک (پیدا کرتا) ہے پھر (فرمایا کہ) سچ اطمینان (اور گوناگوں) خوشیاں (پیدا کرتا) ہے۔

مطلب:۔ سچ اور جھوٹ کو سن کر ایک مومن وصالح آدمی اپنے دل میں مختلف اثر محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ جھوٹ سے اس کے دل میں ایک خلجان پیدا ہو جاتا ہے اور سچ کے سننے سے اس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے مگر یہ بات اس قلب کو حاصل ہوتی ہے جو ایمان واتقا کے صیقل سے مصفا ومنور ہو۔ اسی لیے اوپر فرما چکے ہیں کہ "قلب نیکو را محک بنہادہ است" ایک تاریک وبے نور دل کو جو آلائش معاصی سے ملوث ہو رہا ہو یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ خود مولانا آگے اس کی تصریح فرمائیں گے۔ حدیث کے کلمات یہ ہیں۔ اَلصِّدْقُ طَمَانِیْنَۃٌ والکِذْبُ رِیْبَۃٌ یعنی سچ اطمینان (بخش) ہے اور جھوٹ شک (افزا) ہے۔ انہی کلمات کو بقدرے تصرف شعر میں موزون کر دیا گیا۔

دل نیا رامد ز گفتارِ دروغ ‌ ‌ ‌ ‌ آب و روغن ہیچ نفروزد فروغ

ترجمہ:۔ (چنانچہ) دل جھوٹی بات سے اطمینان نہیں پاتا۔ (جس طرح) پانی اور تیل (ملا کر چراغ میں ڈالے جائیں تو) کبھی روشنی نہیں دیتے۔ جامیؒ۔

بصنعت گر بیارائی دروغے ‌ ‌ ‌ ‌ نگیرد زاں چراغ دل فروغے
نگردد خاطر از ناراست خورسند ‌ ‌ ‌ ‌ وگر خود گوئی آں را راست مانند
در حدیث راست آرامِ دل است ‌ ‌ ‌ ‌ راستیہا دانۂ دامِ دل است

ترجمہ:۔ (بخلاف اس کے) سچی بات میں دل کی راحت (مضمر) ہے۔ سچائیاں دل کے جال کے لیے (بمنزلہ) دانہ ہیں (کہ دل خود ان کی طرف مائل ہوتا ہے)۔ صائبؒ۔

صدق در سینۂ ہر کس کہ چراغ افروزد ‌ ‌ ‌ ‌ از دہانش نفس مسجدم آید بیروں

دل مگر رنجور باشد بد دہاں ‌ ‌ ‌ ‌ کو ندا ند چاشنیِ این وآں

ترجمہ:۔ مگر (وہ) دل (اس معیارِ شناخت سے محروم ہے) جو (مرضِ معاصی سے) بیمار ہو (اور) اس کے دہن (احساس) کا ذائقہ خراب ہو (الگ الگ) محسوس کرتا ہے۔

حرصِ آدمؑ چوں سوئے گندم فزود ‌ ‌ ‌ ‌ از دلِ آدم سلیمی را ربُود

ترجمہ:۔ (دیکھو) جب حضرت آدم علیہ السلام (ایسے عالی پایہ انسان) کے دل میں گیہوں (کا دانہ کھانے) کی حرص پیدا ہوگئی تو (اس کم پایہ چیز کی ذرا سی حرص نے بھی) آدم علیہ السلام کے دل سے سلامتی زائل کر دی۔

پس دروغ وعشوہ ات را گوش کرد ‌ ‌ ‌ ‌ غرّہ گشت وزہرِ قاتل نوش کرد

ترجمہ:۔ پھر (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) انہوں نے تیری جھوٹی بات اور فریب کو قبول کر لیا۔ (آخر) دھوکے میں آ گئے اور (غلطی وخطا کا) زہرِ قاتل پی لیا۔

کژدم از گندم ندانست آں نفس ‌ ‌ ‌ ‌ میرد از مستِ ہوس

ترجمہ:۔ (اور) اس وقت وہ بچھو میں اور گیہوں میں فرق نہ کر سکے (کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے) کہ ہوس مستِ ہوس کی قوتِ تمیز کو کھو دیتی ہے۔ سعدیؒ۔

بدوزد شرہ دیدۂ ہوش مند درآرد ہوا مرغ و ماہی بہ بند

خلق مستِ آرزو یند و ہوا زاں پذیر ایند دُستانِ ترا

لغات:۔ دُستاں مکروفریب۔

ترجمہ:۔ لوگ خواہش اور حرص (کے نشے) میں مست ہیں۔اس لیے وہ تیرے فریب میں آ جاتے ہیں۔

ہر کہ خود را از ہوا خود باز کرد گوشِ خود را آشنائے راز کرد

ترجمہ:۔ جس نے خود اپنے آپ کو حرص سے الگ کرلیا وہ اپنے کان کو سچے راز سے آشنا کر لیتا ہے۔

مطلب:۔ تارکِ حرص و ہوا اصل حقیقت سے مطلع ہوتا ہے۔ دھوکا نہیں کھاتا۔ صائبؔ

دل ز ہوس پاک کن فیض کشائش بیں ہر چہ درون دل ست قفل برون دل ست

ہمچنانکہ در حکایت گفتہ اند بشنو آنرا تا کشاید بستہ بند

لغات:۔ کشاید حل ہو جائے۔ بستہ مشکل، بند عقدہ۔

ترجمہ:۔ جیسے کہ ایک حکایت میں بیان کیا گیا ہے۔اس کو سنو تا کہ (یہ) مشکل عقدہ حل ہو جائے۔

شکایتِ قاضی از آفتِ قضا و جوابِ نائبِ او

ایک قاضی کا مشکلاتِ قضا کی شکایت کرنا اور اس کے نائب کا جواب

قاضیے بنشاندند و میگریست گفت نائب قاضیا! گریہ زچیست؟

ترجمہ:۔ لوگوں نے ایک (شخص کو) قاضی (بنا کر مسندِ قضا پر) بٹھایا اور وہ رونے لگا تو (اس کے) نائب نے کہا قاضی صاحب! رونے کی وجہ کیا ہے؟

ایں نہ وقتِ گریہ و فریادِ تست وقتِ شادی و مبارکبادِ تُست

ترجمہ:۔ آپ کے رونے اور فریاد کرنے کا وقت نہیں ہے (بلکہ) آپ کی خوشی اور مبارک باد کا وقت ہے۔

گفت آہ چوں حکم راند بیدلے درمیانِ آں دو عالم جاہلے

ترکیب:۔ بے دلے موصوف اور جاہلے اس کی صفت مل کر حکم راند کا فاعل ہوا۔

ترجمہ:۔ (قاضی نے) کہا ہائے ایک متردد (آدمی) جو (اصل معاملہ سے) بے خبر ہے۔ان دو شخصوں میں کیونکر فیصلہ کرے جو (اصل معاملہ سے) واقف ہیں۔

مطلب:۔ اسی طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْقَاضِیُ جَاهِلٌ بَیْنَ الْعَالِمِیْنَ یعنی قاضی جاہل ہے درمیان دو عالموں کے اور وہ مدعی اور مدعا علیہ ہیں جو اپنے معاملہ کی اصلیت سے واقف ہوتے ہیں اور قاضی ان کے حال سے بے خبر ہوتا ہے۔ (بحر العلوم)

آں دو خصم از واقعہ خود واقفند قاضیے مسکیں چہ داند زیں دو بند

ترجمہ:۔ وہ دونوں فریق مقدمہ تو خود اصل واقعہ سے واقف ہیں بے چارہ قاضی ان دو قیدوں (یعنی) جہل اور غفلت سے (مقید) کیا جانے۔

جاہل ست وغافل ست از حالِ شاں چوں رود در خونِ شان ومالِ شاں

ترجمہ:۔ وہ۔ بے چارہ ان کے حال سے جاہل ہے اور غافل ہے۔ پھر ان کے خون اور مال (کے معاملات) میں کیوں کر مداخلت کرے۔

گفت خصماں عالمِ اندو علتی جاہلی تولیک شمعِ ملتی

ترجمہ:۔ (نائب نے) کہا دونوں فریقِ مقدمہ (اصل معاملہ سے) واقف (تو) ہیں اور (ساتھ ہی ہوا وہوس کی بیماری میں) بیمار ہیں۔ آپ (اصل معاملہ سے) بے خبر (تو) ہیں لیکن شمعِ ملت ہیں۔

زانکہ تو علت نداری درمیاں واں فراغت ہست نورِ دیدگاں

ترجمہ:۔ کیونکہ آپ کو اس (معاملہ) میں کوئی غرض عارض نہیں اور وہ (غرض سے) خالی ہونا (آپ کے دل کی) آنکھوں کا نور ہے۔

واں دو عالم را غرض شاں کور کرد علمِ شاں را علت اندر گور کرد

ترجمہ:۔ اور ان دونوں (اصل معاملہ سے) واقفوں (یعنی مدعی ومدعا علیہ) کو ان کی خود غرضی نے اندھا کر دیا ہے (اور) ان کی واقفیت کو (اس) خرابی نے خاک میں ملا دیا۔

جہل را بے علتی عالم کند علم را علت زدلہا برکند

ترجمہ:۔ بے غرضی ایک (مجسم) جہل کو (بھی) عالم بنا دیتی ہے (اور) خود غرضی علم کو (بھی) دلوں سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

تا تو رشوت نستدی بینندۂ چوں طمع کردی ضریر وبندۂ

لغات:۔ نستدی نگیری از ستاندن ضریر کور، نابینا۔ بندۂ اے بندۂ ہوس وبندۂ نفس۔

ترجمہ:۔ جب تک آپ رشوت نہیں لیتے تو آپ (حق الامر کو) دیکھنے والے ہوں گے۔ جب (رشوت کی) طمع کرنے لگے تو (حق وانصاف سے) اندھے اور بندہ (نفس) ہو گئے۔

از ہوا من خوئے را وا کردہ ام لقمہائے شہوتی کم خوردہ ام

ترجمہ:۔ (غرض اے شیطان) میں نے (اپنے) اخلاق کو (حرص و) ہوا سے الگ کر لیا ہے اور خواہشات (نفسانیہ) کی غذا نہیں کھائی۔

مطلب:۔ یہاں سے پھر امیر معاویہؓ فرماتے ہیں کہ اس قصے سے ثابت ہوا کہ ہوا وہوس ہی وہ چیز ہے جو چشمِ حق بیں کو اندھا کر دیتی ہے مگر میں نے اپنے آپ کو اس آفت سے بچایا ہے۔ اس لیے میں حق وباطل اور راست ودروغ میں امتیاز کر سکتا ہوں۔

چاشنی گیرِ دلم شد با فروغ راست را داند حقیقت از دروغ

ترجمہ:۔ میرا (اسرار ومعارف کا) مزا چکھنے والا دل روشن ہو رہا ہے (اس لیے) وہ سچ اور جھوٹ کی الگ الگ حقیقت جانتا ہے۔

باقرار آوردن معاویہ رضی اللہ عنہ ابلیسِ لعین را

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ابلیس سے اقرار کرالینا

اے سگِ ملعوں جواب من بگو　　راست پیش آور دروغے را مجو

ترجمہ:۔ اے ملعون کتے (ابلیس) میرا جواب دے سچ کہہ اور جھوٹ مت ڈھونڈ۔

تو چرا بیدار کردی مرمرا　　دشمنِ بیداریِ تو اے دغا

ترجمہ:۔ (کہ) تونے مجھے کیوں جگایا۔ اے دغا (باز) تو تو بیداری کا دشمن ہے۔

ہمچو خشخاشے ہمہ خواب آوری　　ہمچو خمرے عقل ودانش میبری

لغات:۔ خشخاش سے افیون مراد ہے کیونکہ افیون خشخاش ہی کے پودے کا منجمد دودھ ہے۔ خوب آوری بمعنی خواب آور ہستی ہے اور بمعنی خواب ے آری بھی ہوسکتا ہے مگر یہاں پہلی تقدیر اولیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ تو تو افیون کی طرح سراپا خواب آور ہے (اور) شراب کی طرح عقل ودانش کو زائل کرتا ہے۔

چارمیخت کردہ ام من راست گو　　راست را دانم تو حیلتہا مجو

لغات:۔ چارمیخ ایک قسم کی سزا ہوتی تھی۔ جس میں مجرم کے ہاتھ پاؤں الگ الگ چارمیخوں سے باندھ دیتے تھے۔

ترجمہ:۔ میں نے تجھ کو چار کھونٹیوں سے باندھ (کر اپنے قابو میں کر) رکھا ہے (لہٰذا) سچ بتادے میں سچ کو (خوب) سمجھتا ہوں۔ تو فضول حیلے بہانے نہ بنا۔

من زہر کس آں طمع دارم کہ او　　صاحبِ آں باشد اندر طبع وخُو

ترجمہ:۔ میں ہر شخص سے اس بات کی توقع رکھتا ہوں جس سے وہ (اپنی) طبیعت اور سرشت میں منسوب ہے۔

من زسرکہ مے نجویم شکری　　وزمخنث مے نجویم لشکری

ترجمہ:۔ میں سرکہ سے شکر ہونے کی توقع نہیں رکھتا اور نہ مخنث سے سپاہگری کا امیدوار ہوں۔

ہمچو گبراں مے نجویم از بُتے　　کہ بود حق یاز حق او آیتے

ترجمہ:۔ میں کافروں کی طرح ایک بت سے اس بات کا آرزومند نہیں کہ خدا ہو یا خدا کی کوئی نشانی ہو۔

من زسرگیں مے نخوم بوئے مشک　　من درآبِ جو بخویم خشتِ خشک

ترجمہ:۔ میں گوبر سے مشک کی (سی) خوشبو کا خواہاں نہیں میں پانی میں سوکھی اینٹ کا جویاں نہیں۔

من بخویم پاسبانی راز دُزد　　کارِ ناکردہ نجویم ہیچ مزد

ترجمہ:۔ میں چور سے پہرہ داری نہیں چاہتا (اور) کام کیے بدوں بالکل مزدوری کا متوقع نہیں۔

من زشیطان مے نجویم کوست غیر　　کہ مرا بیدار گرداند بخیر

ترکیب:۔ مے نجویم فعل بافاعل دوسرا مصرعہ بیان ذکین ن کراہل کا مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ بن کر معلول ہوا۔ کوست غیر اس کا

علت۔ الفاظِ شعر میں تقدیم وتاخیر ہے۔
ترجمہ:۔ (علیٰ ہذا) میں شیطان سے (بھی) اس بات کا امیدوار نہیں ہوسکتا کہ وہ مجھے کسی نیک کام کے لیے جگائے۔ کیونکہ وہ (اس بات سے) بیگانہ ہے۔

راست گفتنِ ابلیس ضمیرِ خود را با معاویہؓ

ابلیس کا امیر معاویہؓ سے اپنی دل کی بات سچ سچ کہہ دینا

گفت بسیار آں بلیس از عذر و مکر　　میر ازو نشنید کرد استیز و صبر

لغات:۔ بَلیس مخفف ابلیس۔ میر مخفف امیر مَکر و صَبر کا قافیہ محلِ نظر ہے۔ صَبر یہاں بمعنی استقلال آیا ہے۔
ترجمہ:۔ (الغرض) اس ابلیس نے بہتیرے عذر اور مکر کیے مگر امیر (معاویہؓ) نے اس کی (ایک) نہ سنی (برابر) بحث کرتے گئے اور استقلال رکھا۔

از بُنِ دنداں بگفتش بہرِ آں　　کردمت بیدار میداں اے فلاں

لغات:۔ بنِ دنداں بضمِ با۔ نہایت الحاح وعاجزی کرنا۔ کمال اطاعت ورغبت اور تواضع۔
ترجمہ:۔ تو (شیطان) گڑگڑاکران سے کہنے لگا! جی جناب! سنیے میں نے آپ کو اس لیے جگایا تھا کہ:۔

تا رسی اندر جماعت در نماز　　از پئے پیغمبرؐ دولت فراز

ترجمہ:۔ تاکہ آپ پیغمبرِ دولت بلند صلی اللہ علیہ وسلم (کی سنت) کے اتباع میں نماز کے لیے جماعت میں جا پہنچو۔
الخلاف:۔ تمام شارحین ومترجمین حتی کہ مولانا بحر العلومؒ نے بھی دوسرے مصرعہ سے یہ مطلب سمجھا ہے کہ تم پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے شریکِ جماعت ہو جاؤ مگر ہمارے خیال میں یہ مطلب درست نہیں کیونکہ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں وقوع پذیر ہوا۔ جب کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ نفسِ نفیس نماز پڑھاتے تھے اور سب نمازی دوڑ دوڑ کر آپؐ کے پیچھے نماز ادا کرنے کا شرف حاصل کرتے تھے مگر شروع قصے کے یہ دو شعر کہ۔

درخبر آمد کہ آں معاویہؓ　　خفتہ بُد در قصر در یک زاویہ
قصر را از اندروں در بستہ بود　　کز زیارتہائے مردم خستہ بود

صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ واقعہ امیر معاویہؓ کے ایامِ حکومتِ شام کا ہے جو دمشق کے قصرِ حکومت میں وقوع پذیر ہوا۔ کیونکہ ایک ایسے قصر میں سونا جس کے کئی کمرے اور زاویے ہوں اور صاحبِ قصر دن بھر مشتاقانِ زیارت کی آمد و شد سے دق ہو رہا ہو۔ خاص ایک امیر و فرماں روا کی شان ہو سکتی ہے۔ نہ کہ عہدِ پیغمبری میں ایک صحابی مہاجر کی جو اپنی جائیداد و املاک کے میں چھوڑ کر مدینے میں آبسا ہو اس کو تو ایک معمولی کوٹھا مل جانا بھی غنیمت تھا۔ چہ جائیکہ اس کو ایک قصر و ایوان میں خوابِ راحت کا لطف اٹھانے کا موقع ملے نہ وہ عہد پیغمبری میں اس قدر مرجع عوام وخواص ہو سکتا ہے کہ کسی وقت آرام کرنے نہ پائے کہ اس وقت یہ شان خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھی۔ لہٰذا ہم نے ''از پئے پیغمبر'' کا ترجمہ سنتِ نبوی کا اتباع کیا ہے جو لفظاً ومعناً دونوں طرح موزون ومناسب ہے اور امیر معاویہؓ کے سے ایک فرماں روائے وقت کے حق میں پوری طرح صادق آتا ہے کہ آپ کی اقتدا۔ آپ کی پیروی اور آپ کی

سنت کا اتباع ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ کہہ دو اے پیغمبر کہ اگر تم لوگ اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو تو اللہ بھی تم کو دوست رکھے گا اور نماز با جماعت پڑھنا سننِ ہدیٰ میں سے ایک سنتِ مؤکدہ ہے۔ لہٰذا شرکتِ جماعت کی پابندی عین اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

گر نماز از وقت رفتے مرترا   ایں جہاں تاریک گشتے بے ضیا

ترجمہ:۔ اگر نماز وقت سے گزر جاتی تو آپ کے لیے یہ جہان بالکل اندھیر (اور) بے نور ہو جاتا۔

از غبین و درد رفتے اشکہا   از دو چشمِ تو مثالِ مشکہا

لغات:۔ غبین نقصان رسیدہ، خسارہ یافتہ۔

ترجمہ:۔ (فوتِ نماز سے) نقصان یافتہ (ہونے) اور درد کے باعث آپ کی دونوں آنکھوں سے (پانی کی) مشکوں کی طرح آنسو بہتے۔

مطلب:۔ صلحاء واتقیا فوتِ جماعت کو ایک نقصان عظیم سمجھتے تھے اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا تو نہایت غم وحزن میں مبتلا ہو جاتے۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میری ایک نماز با جماعت فوت ہوگئی تو اس مصیبت میں صرف ابو اسحاق بخاری بغرض تعزیت میرے پاس آئے۔ حالانکہ اگر میرا فرزند وفات پا جاتا تو دس ہزار آدمی سے زیادہ تعزیت کے لیے آتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک دنیا کی مصیبت سے دین کی مصیبت زیادہ آسان ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے اگر ابنِ آدم کے کانوں میں قلعی پگھلا کر ڈالی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو۔ روایت ہے کہ میمون ابن مہران ایک مرتبہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے ان سے کہا گیا کہ لوگ نماز پڑھ کر واپس چلے گئے تو انہوں نے فوراً کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ نماز با جماعت کی فضیلت مجھے حکومتِ عراق سے زیادہ محبوب ہے۔ (احیاء العلوم)

نماز با جماعت کی اہمیت

ذوق دارد ہر کسے بر طاعتے   لاجرم نشکید از وے ساعتے

ترجمہ:۔ (کیونکہ) ہر شخص کسی نہ کسی طاعت کا ذوق رکھتا ہے۔ اس لیے وہ اس سے ایک گھڑی بھر بھی صبر نہیں کر سکتا۔

آں غبین و درد بودے صد نماز   کو نماز و کو فروغِ آں نیاز

ترجمہ:۔ (تو) وہ نقصان یافتہ (ہوتا) اور درد بمنزلہ صد نماز ہو جاتا۔ کہاں (یہ) نماز اور کہاں اس نیاز کا نور۔ کما قیل۔

سرنوشتِ واژگوں را راست گرداند نیاز   عکسِ معکوسِ نگیں از سجدہ میگردد درست

کارت زنیاز مے براید نہ نماز   بارے چہ بود نماز بے صدق و نیاز

الخلاف:۔ ہمارے نسخے میں یہ شعر آں غبیں الخ پہلے اور اوپر کا شعر ذوق دارا لخ اس کے بعد ہے۔ اگر چہ بالکلف یہ ترتیب بھی درست ٹھہرائی جا سکتی ہے مگر اختیار کردہ ترتیب جو بعض دوسرے نسخوں میں پائی گئی زیادہ برجستہ اور خوش اسلوب ہے۔ اس سے ذوق دارد الخ اوپر کے شعر از غبیں و درد الخ کی دلیل بن جاتی ہے اور آں غبیں الخ اوپر کے دعویٰ کا نتیجہ قرار پاتا ہے۔ ورنہ دعویٰ یعنی از غبیں الخ اور نتیجہ یعنی آں غبیں الخ مربوط ہو کر یہ شعر ذوق دارد الخ غیر مربوط رہ جاتا ہے۔ فانہ لطیف۔

فضیلتِ حسرت خوردن آں شخص برفوتِ نمازِ جماعت

اس شخص کے جماعت کی نماز فوت ہو جانے پر حسرت کھانے کی فضیلت (جو پیچھے پہنچا تھا)

آں یکے میرفت در مسجد دروں		مردم از مسجد ہمے آمد بروں

ترجمہ:۔ وہ (بھی سنا؟ کہ) ایک (شخص) مسجد کے اندر داخل ہوا تو لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔

گشت پرساں کہ جماعت راچہ بود؟		کہ ز مسجد مے بروں آیند زود

ترجمہ:۔ (تو) پوچھنے لگا کہ جماعت کو کیا ہوا (کیا آج نہ ہوگی) کہ (لوگ) مسجد سے (اتنی) جلدی نکلے آرہے ہیں۔

آں یکے گفتش کہ پیغمبر نماز		با جماعت کردو فارغ شدز راز

ترجمہ:۔ (حاضرین میں سے) اس ایک شخص نے (جو شریکِ جماعت تھا) اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی اور مناجات (ودعا) سے بھی فارغ ہوگئے۔

تو کجا در میروی اے مردِ خام		چونکہ پیغمبر بدا دست السلام

ترجمہ:۔ اے ناپختہ کار آدمی! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر چکے ہیں تو تم کہاں اندر گھسے چلے جاتے ہو۔

گفت آہ و دردازاں آمد بروں		آہ او میداد از دل بوئے خوں

ترجمہ:۔ یہ سنتے ہی اس نے ''ہائے'' کہا اور اس سے ایک درد ظاہر ہوا (اور) اس کی آہ دل کے خون کی بو دے رہی تھی۔

آں یکے از جمع گفت ایں آہ را		تو بمن دہ واں نمازِ من ترا

ترجمہ:۔ جماعت میں سے ایک شخص نے کہا۔ تم یہ آہ مجھے دے دو اور وہ میری نماز (جو باجماعت ادا ہوئی ہے) تمہاری (ہو چکی)۔

مطلب:۔ یعنی تم نماز باجماعت کے فوت ہونے پر جو متاسف ہو رہے ہو تو یہ لو میں اپنی نماز تم کو دیتا ہوں یعنی اس کے اجر کے تم مستحق ہو گئے اور تم اپنی اس آہ کے ثمرات وفوائد میری ملک کردو جس کو میں نمازِ بے آہ سے بدارج افضل واعلیٰ سمجھتا ہوں۔ صائبؒ۔

آہ ست کہ از سینہ افسوس برآید		درباغِ جہاں نخلِ تمنائے اگر ہست

آہ کی فضل

سفیان ثوری کے زمانے میں ایک شخص کا حج فوت ہو گیا تو اس کے منہ سے بے ساختہ آہ نکلی۔ حضرت سفیانؒ نے اس سے کہا۔ بھائی میں نے چار حج کیے ہیں ان کا ثواب میں تم کو دیتا ہوں تم یہ آہ مجھ کو دے دو۔ اس نے کہا منظور۔ اسی رات کو حضرت سفیان نے خواب میں یہ ندا سنی کہ اے سفیان تم نے ایسا نفع حاصل کیا ہے کہ اگر تم اس کو سارے اہلِ عرفات پر تقسیم کرو تو سب تونگر ہو جائیں (تذکرۃ الاولیا) صائبؒ۔

آہ ست دریں باغ نہالے کہ نشانند		اشک ست دریں مزرعہ تخمے کہ بکارند

حضرت ابوسلیمان دارائیؒ کا قول ہے کہ وہ آہ جو درویش کے دل سے کسی ناکامی کے وقت نکلتی ہے ہزار سال کی طاعت وعبادت سے افضل ہے (تذکرۃ الاولیا) صائبؒ۔

ہر آنچہ گم شد اے سیہ باطن بروشنائی آہ توانی یافت

گفت دادم آہ وبگر فتم نماز ۔۔۔ اوستد آں آہ را باصد نیاز

ترکیب:۔ باصد نیاز یا توستد کے متعلق ہے یا آہ کی صفت ہے۔ ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ ہو۔

ترجمہ:۔ اس نے کہا میں نے آہ تم کو دی اور نماز (باجماعت) قبول کی۔ (۱) تو اس نے وہ آہ سینکڑوں شکریہ کے ساتھ لے لی۔ (۲) تو اس نے وہ لے لی (جو) سینکڑوں (عجز و) نیاز کے ساتھ (کی گئی تھی)۔

بانیاز وباتضرع باز گشت ۔۔۔ باز بود ودرپئے شہباز گشت

صنائع:۔ پہلے مصرعہ میں صنعتِ جمع۔ باز کے لفظ میں صنعتِ تجنیس۔

ترجمہ:۔ (یہ آہ لے کر) وہ عجز وتضرع کے ساتھ واپس گیا (پہلے تو عام قسم کا) باز (یعنی متوسط درجہ کا عابد) تھا اس کے بعد اعلیٰ قسم کا باز (یعنی قدوۃ العابدین) بن گیا۔

شب بخواب اندر بگفتش ہاتفے ۔۔۔ کہ خریدی آبِ حیواں وشِفے

لغات:۔ بخواب اندر میں حرف اندر زائد ہے۔ جس طرح "بدریا در منافع بے شمار ست" میں ہاتف پکارنے والا عموماً فرشتہ غیب کو کہتے ہیں جو کسی کو پکارے اور نظر نہ آئے۔ شفے امالہ ہے شفا کا۔

ترجمہ:۔ رات کو خواب کے اندر ایک (غیب سے) پکارنے والے نے اس سے کہا کہ تو نے تو آبِ حیات اور (مایۂ) شفا خرید لیا۔

حرمتِ ایں اختیار وایں دخول ۔۔۔ شد نمازِ جملۂ خلقاں قبول

ترجمہ:۔ (تیرے) اس (ثوابِ آہ کو) اختیار کرنے اور (اس کے سودے میں) داخل ہونے کی برکت سے تمام لوگوں کی نمازیں قبول ہوگئیں۔

تتمۂ اقرارِ ابلیس با معاویہ مکر وفریب خودرا

ابلیس کے حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے اپنے مکر وفریب کے اقرار کا باقی قصہ

پس عزازیلش بگفت اے میر راد ۔۔۔ مکرِ خود اندر میاں باید نہاد

لغات:۔ عزازیل ابلیس کا اصلی نام ہے۔ راد دانا۔

ترجمہ:۔ پھر ابلیس نے ان سے کہا اے امیر دانا (مجھے) اپنا مکر (پھر آپ کے) سامنے بیان کر دینا چاہیے۔

گر نمازت فوت مے شد آں زماں ۔۔۔ میزدی از دردِ دل آہ وفغاں

ترجمہ:۔ اگر اس وقت آپ کی نماز (باجماعت) فوت ہو جاتی تو آپ دردِ دل سے آہ وفغاں کرنے لگتے۔

آں تأسف آں فغان وآں نیاز ۔۔۔ در گذشتے از دو صد ذکرِ نماز

ترجمہ:۔ تو آپ کا وہ افسوس وہ فریاد اور وہ عاجزی نماز کے دو سو اذکار سے بھی بڑھ جاتی۔

من ترا بیدار کر دم از نہیب ۔۔۔ تانسوز اند چناں آہے حجیب

لغات:۔ نہیب خوف۔ حجیب امالہ ہے حجاب کا۔ [illegible]

ترجمہ:۔ میں نے آپ کو (اس) خوف سے جگا دیا کہ (کہیں) ایسی (پرُخلوص) آہ (اس) حجاب کو نہ جلا دے (جو آپ کے اور حق تعالیٰ کے درمیان اب تک باقی ہے اور آپ کو مرتبۂ قرب حاصل ہو جائے)۔

تاچناں آہے نبا شد مرترا تابداں را ہے نبا شد مرترا

ترجمہ:۔ تا کہ ایسی آہ آپ کو (نصیب) نہ ہو (اور) تا کہ اس (آہ) تک آپ کی رسائی نہ ہو۔

من حسودم از حسد کردم چنیں من عدوّم کارِ من مکرست وکیں

ترجمہ:۔ میں (آپ کا اور باقی تمام بنی آدم کا) حاسد ہوں (اور) حسد ہی کی بنا پر میں نے ایسا کیا ہے۔ میں آپ کا اور سب لوگوں کا دشمن ہوں۔ میرا کام مکر اور دشمنی ہے۔

تصدق کردن معاویہؓ ابلیس را دراں قول

حضرت امیر معاویہؓ کا ابلیس کے اس قول کی تصدیق فرمانا

گفت اکنوں راست گفتی صادقی از تو ایں آید، تو ایں رالائقی

ترکیب:۔ دوسرے مصرعہ میں ایں کا مشارالیہ مکروفریب اور حسد وکیں ہے۔ جس کا ابلیس نے اقرار کیا ہے نہ کہ راستی وصادقی جو پہلے مصرعہ میں مذکور ہے۔

ترجمہ:۔ (حضرت امیرؓ نے) کہا (ہاں) اب تو نے سچ کہا (اور جو کچھ) تو (کہہ رہا ہے اس میں بالکل) سچا ہے۔ تجھ سے یہی (مکروفریب اور بغض وحسد) سرزد ہو سکتا ہے (اور) تو اسی لائق ہے۔

عنکبوتی تو مگس داری شکار من نیم اے سگ! مگس زحمت میار

ترجمہ:۔ (مگر یاد رکھ کہ) تو ایک مکڑی ہے (اور) تیرا شکار مکھی (ہو سکتی) ہے۔ اے کتے میں مکھی نہیں ہوں (مجھ کو شکار کرنے کی فضول) تکلیف نہ کر۔ کما قیل۔

بروایں دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقارا بلند است آشیانہ

مطلب:۔ اے شیطان خدا کی حفظ وحمایت کے مقابلے میں تیری مفسدانہ کوششیں تارِ عنکبوت سے زیادہ طاقت نہیں رکھتیں جن میں اشقیا ہی گرفتار ہو سکتے ہیں جو مکھی کی طرح ذلیل وخوار ہیں اور ہم اس ناکارہ زمرے میں شامل نہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے فرما چکا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ہ وَاِنَّ جَھَنَّمَ لَمَوْعِدُھُمْ اَجْمَعِیْنَ جو میرے مخلص بندے ہیں۔ ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا مگر جو تیری راہ پر چلیں گمراہوں میں سے اور ان سب کے لیے (جو تیرے تابع ہوں) جہنم کا وعدہ ہے۔ (سورۃ الحجر ع ۳)

باز اسپیدم شکارم شہ کند عنکبوتے کے بگرد من تند

ترجمہ:۔ میں تو (حق تعالیٰ کا) سفید باز ہوں (وہی) شاہ (حقیقی سبحانہ وتعالیٰ) مجھ کو شکار کرے گا۔ ایک مکڑی مجھ پر کیا گھات لگائے گی۔

کارِ تو این ست اے دُزدِ لعیں   سوئے دوغ آری مگس راز انگبیں

ترجمہ:۔ اے ملعون چور تیرا یہی کام ہے کہ تو مکھی کو شہد سے (ہٹا کر) چھاچھ کی طرف مائل کرتا ہے۔
مطلب:۔ تو ضعیف و ناکارہ لوگوں کو مرغوب و نافع اعمال سے ہٹا کر نامرغوب وغیر نافع افعال پر آمادہ کرتا اور ان کی اوقات کو برباد کرتا رہتا ہے۔

رَو مگس مے گیر تا تانی ہلا   سوئے دوغے زن مگس ہا را صلا

لغات:۔ تانی توانی۔ ہلا کلمہ تنبیہ بمعنی آگاہ باش، خبردار۔ صلا ندائے ضیافت۔
ترجمہ:۔ ہاں ہاں! جہاں تک تجھ سے ہو سکے جا مکھی کو پکڑ (اور) مکھیوں کو چھاچھ کی طرف بلا۔

ور بخوانی تو بسوئے انگبیں   ہم دروغ و دوغ باشد آں یقیں

ترجمہ:۔ اور اگر تو (کسی کو) شہد کی طرف بلائے تو (چونکہ تیری ہر بات میں کچھ نہ کچھ جھوٹ اور فریب ہوتا ہے۔ اس لیے) وہ بھی یقیناً جھوٹ (ہوگا) اور (شہد کے بجائے) چھاچھ ہوگی۔

تو مرا بیدار کردی خواب بود   تو نمودی کشتیم گرداب بود

ترجمہ:۔ تو نے مجھے جگایا (لیکن یہ جگانا اس بنا پر کہ اس سے ایک امر افضل فوت ہو گیا گویا) سلا دینا تھا۔ تو نے مجھے (ایک) کشتی دکھائی (لیکن وہ بمقابلہ اس کشتی کے جو مجھے دوسری صورت میں ملتی بمنزلہ) گرداب تھی۔

تو دریں خیرم ازاں مے خواندی   تا ز خیرِ بہترم میراندی

ترجمہ:۔ تو اس نیک کام کی طرف مجھے اس لیے بلاتا تھا کہ (اس سے) زیادہ نیک کام سے مجھے ہٹا دے۔

گریختنِ دُزد از دستِ صاحبِ خانہ بآوازِ شخصِ دیگر

ایک چور کا مالکِ مکان کے ہاتھ سے کسی دوسرے شخص کے آواز دینے کی وجہ سے بھاگ جانا

ایں بداں ماند کہ شخصے دُزد دید   در وثاق اندر پئے او میدوید

لغات:۔ ماند از ماندن مشابہ ہونا۔ وثاق گھر۔
ترجمہ:۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک شخص نے (اپنے) گھر میں چور دیکھا (اور) اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔

تا دو سہ میداں دوید اندر پیش   تا در افگند از تعب اندر خویش

لغات:۔ اندر پیش۔ در پئے او تعب تکان، تھکن۔ خویش۔ بروزنِ غَرض۔ بفتح خاء و فتح یاء اور واؤ غیر ملفوظ ہے یہ لفظوں سے مرکب ہے یعنی بمعنی عرق اور شین ضمیر مفعولی بمعنی اورا۔
ترکیب:۔ دوسرے مصرعہ کی ترکیب میں ہم کو بعض دیگر شارحین سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک در افگند کا فاعل دزد ہے خویش کی ضمیر مفعولی مالکِ مکان کی طرف راجع ہے جس کی رو سے ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ چور نے مالکِ مکان کو تعاقب پر مجبور کر کے

پسینہ پسینہ کر دیا مگر ہمارے نزدیک دراَفگند کا فاعل مالکِ مکان اور ضمیر مفعولی راجع بدزد ہے یعنی مالک نے چور کو فرار پر مجبور کر کے پسینہ پسینہ کر دیا بدیں دلائل کہ (۱) قرینہ مستدعی ہے کہ دراَفگند کا فاعل وہی ہو جو پہلے مصرعہ میں دوید کا فاعل ہے ورنہ ایک جملہ میں انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے جو خلاف بلاغت ہے (۲) ظاہر ہے کہ تعب سے چور اور پسینہ سے شرابور وہی ہوگا جس کو اپنی طاقت سے زیادہ بھاگنا پڑا اور طاقت سے زیادہ مجبور مالک ہے یا چور سو چور زیادہ مجبور ہے کیونکہ اگر مالک دوڑنے سے باز رہے تو اس کو صرف چور کے ہاتھ سے نکل جانے کا نقصان ہے جو کوئی بڑا نقصان نہیں لیکن اگر چور ٹھہر جائے تو اس کے لیے خوف جان ہے۔ لہٰذا وہی زیادہ مجبور اور زیادہ ساعی بفرار ہے (۳) تھک جانا اور پسینہ سے تر ہونا کمزوری کی علامت ہے اگر یہ حالت مالک کی ہے تو وہ چور کو خاک پکڑے گا۔ حالانکہ قصہ یہ ہے کہ مالک چور کو پکڑ لینے کے قریب تھا جو اس کی قوت اور چور کی کمزوری کی دلیل ہے لیکن اگر مالک ہانپ رہا ہے اور پسینے سے نہار ہا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ چور کو پکڑنے کے قریب ہوا قرب بقیاس یہ ہے کہ وہ کہیں دم لینے کے لیے بیٹھ جائے اور اپنی خیر منائے بلکہ اس قصے کی جان ہی یہ بات ہے کہ مالک نہایت قوی و توانا اور غالب ہونے کے باوجود چور کو نہ پکڑ سکا کیونکہ وہ ایک اور شخص کی آواز سے دھوکا کھا گیا اگر اس کو تعب اور پسینہ عارض ہوتے تو اسے چور سے دور رکھنے کے لیے یہی کافی تھے نہ کہ کسی کی آواز فافہم۔

ترجمہ:۔ (چور گھر سے نکل کر بھاگا تو مالک مکان بھی) دو تین میدانوں تک اس کے پیچھے دوڑا۔ حتیٰ کہ اس کو پسینہ پسینہ کر دیا۔

اندراں حملہ کہ نزدیک آمدش تابدو اندر جہد دریا بدش

دزد دیگر بانگ کردش کہ بیا تا ببینی ایں علاماتِ بلا

ترجمہ:۔ اس حملے کے اثناء میں کہ وہ اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا تا کہ کوشش کے ساتھ جست کر کے اس کو آدبوچے (اچانک ایک طرف سے) دوسرے چور نے اسے آواز دی کہ (میاں ادھر) آؤ تا کہ یہ مصیبت کی نشانیاں دیکھو۔

زود باش دباز گرد اے مرد کار تا بہ بینی حال اینجا زار زار

ترجمہ:۔ اے کام کے دھنی جلدی کر اور واپس آ تا کہ یہاں کا حالِ زار دیکھے۔

چوں شنید ایں مرد گشت اندیشہ ناک گفت باخود گشتہ گیر ایں جامہ چاک

لغات:۔ گیر فرض کرو، سمجھ لو۔ جامہ چاک مردہ، مرنے کو۔

ترکیب:۔ دوسرے مصرعہ کی تقدیر یوں ہے۔ باخود گفت (کہ) ایں (وزدرا) جامہ چاک گشتہ گیر۔ اے مردہ انگار ایں کے بعد راء علامت مفعول محذوف ہے۔

ترجمہ:۔ جب (اس) شخص نے یہ (آواز) سنی تو اس کو خطرہ دامنگیر ہوا۔ اپنے دل میں کہنے لگا۔ اس (چور) کو تو مرنے دو۔

گفت باشد کانطرف دزدے بود گر نگر دم زود او برمن دَود

(اور) کہنے لگا شاید ادھر (جہاں سے یہ آواز آئی ہے) کوئی اور چور ہو اگر میں جلدی (اس کی روک تھام) نہ کروں (شاید) وہ مجھ پر حملہ کر دے۔

بر زن و فرزندِ من دستے زند کشتنِ ایں دُزد سُود م کے کند

ترجمہ:۔ یا میری بیوی بچوں پر ہاتھ ڈال بیٹھے۔ پھر مجھے اس چور کا مارنا کیا مفید ہوگا۔

مطلب :۔ دراصل وہ آواز دینے والا کوئی دوسرا چور تھا جو پہلے چور کا کوئی رفیق ہوگا۔ اس نے چاہا ہوگا کہ کسی تدبیر سے اس شخص کو کسی اور طرف متوجہ کر کے اپنے رفیق کو گرفتاری سے بچاؤں۔ لہٰذا اس نے مالک کو آواز دی کہ ارے او دوڑنے والے ادھر کیا دوڑا جاتا ہے۔ یہاں آ۔ دیکھ خطرہ کا نمونہ تو یہاں ہے۔ مالک سمجھا کہ یہ کوئی نیک آدمی از راہِ خیر خواہی مجھے کسی اور آنے والی مصیبت سے آگاہ کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے دل میں کہتا ہے۔

ایں مسلماں از کرم مے خواندم　　گر نگر دم زود پیش آید ندم

ترجمہ :۔ یہ (کوئی) مسلمان (آدمی) از راہِ کرم مجھے بلا رہا ہے اگر میں جلدی نہ کروں تو (خوف ہے کہ) پھر پچھتانا پڑے گا۔

برامیدِ شفقتِ آں نیک خواہ　　وزد را بگذاشت باز آمد براہ

ترجمہ :۔ چنانچہ اس خیر خواہ (کے روپ میں آواز دینے والے کی) شفقت کی امید پر چور کو چھوڑا (اور اس) راستے سے پلٹ پڑا۔

گفت اے یارِ نکو احوال چیست　　ایں فغاں و بانگِ تو از دستِ کیست

ترجمہ :۔ اور پوچھنے لگا کہ اے اچھے دوست بتا کیا واقعہ (پیش آیا) ہے۔ تمہاری یہ فریاد اور شور کس کے دستِ تعدّی) سے ہے۔

گفت اینک ہیں نشانِ پائے دُزد　　اینطرف رفت ست دزدِ زن بمزد

لغات :۔ زن بمزد اپنی بیوی کو بدکاری کے لیے کسی معاوضہ پر دینے والا' بے غیرت' دیوث' قلتبان۔

ترجمہ :۔ وہ بولا لو دیکھو، چور کے پاؤں کے نشان یہ ہیں۔ (وہ) دیوث چور ادھر (سے) گیا ہے۔

نک نشانِ پائے دزدِ قلتباں　　درپئے او رَو بدیں نقش و نشاں

ترجمہ :۔ یہ اس دیوث چور کے نشانِ قدم ہیں ان نشانات پر اس کے پیچھے جاؤ۔

گفت اے ابلہ چہ میگوئی مرا　　من گرفتہ بودم آخر دُزد را

ترجمہ :۔ اس نے کہا ارے احمق! (یہ) مجھ سے تو کیا کہہ رہا ہے میں نے تو چور کو پکڑ ہی لیا تھا۔

دزد را از بانگِ تو بگذاشتم　　من تو خررا آدمی پنداشتم

ترجمہ :۔ میں نے چور کو تیری آواز سے (گھبرا کر) چھوڑ دیا اور تجھ گدھے کو آدمی سمجھا۔ (کہ کوئی از راہِ انسانیت خیر خواہی سے بلا رہا ہے)

مطلب :۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شیطان کو بطور سرزنش کہہ رہے تھے کہ اگر تو کسی نیکی کی طرف بلائے تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی شرارت مضمر ہوتی ہے۔ کم از کم کسی اور بڑی نیکی کا موقعہ فوت کرا دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہ حکایت اس کی تمثیل میں پیش کی ہے۔ یعنی اس دوسرے چور نے بظاہر یہ نیکی کی کہ مالکِ مکان کو چور کے نشانِ قدم دکھانے لگا۔ مگر اس سے اس کا مقصود یہ تھا کہ مالکِ مکان کو دوسرا بڑا مقصد یعنی چور کی گرفتاری فوت ہو جائے۔ اب آگے مالکِ مکان کا قول چلا جا رہا ہے۔ جس میں وہ اس آواز دینے والے کو برا بھلا کہہ رہا ہے۔

اینچہ ژاژ ست وچہ ہرزہ اے فلاں　　من حقیقت یافتم چہ بود نشاں

ترجمہ :۔ ارے مردوے! یہ کیا بکواس [illegible] (ا) میں نے تو حقیقت کو پا لیا تھا۔ نشان کیا ہوتا ہے۔

گفت من از حق نشانت میدہم　　　ایں نشانست از حقیقت آگہم

ترجمہ:۔ اس نے کہا میں آپ کو ٹھیک نشان دے رہا ہوں۔ یہ (بالکل صحیح) نشان ہے۔ (کیونکہ) میں حقیقت سے (خوب) آگاہ ہوں۔

گفت طرّاری تو یا خود ابلہی　　　بلکہ تو دزدی ازیں حال آگہی

ترجمہ:۔ (مالک) بولا تو کوئی گٹھ کترا ہے یا احمق ہے بلکہ (معلوم ہوتا ہے کہ) تو (بھی کوئی) چور ہے (اور) اس حال سے واقف ہے۔

خصمِ خود را میکشیدم مُوکشاں　　　تورہا نیدی مرا کا نیک نشاں

ترجمہ:۔ میں اپنے ملزم کو بالوں سے گھسیٹ لاتا (مگر) تو نے (یہ آواز دے کر) مجھے اس سے الگ کر دیا کہ دیکھو یہ نشان ہے (اب اس کے نشانِ قدم کو لے کر کیا چاٹوں)۔

نوٹ:۔ آگے مولاناؒ اس گفتگو سے اس مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ جو اولیاء اللہ مرتبۂ فنا پر فائز ہو جاتے ہیں ان کی نظر اسباب یا صفات پر نہیں رہتی۔ بلکہ وہ صرف ذات کو مطمعِ نظر رکھتے ہیں۔ جس کو مشاہدہ ذاتی یا معاینہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مولانا کا بیان اس انداز پر ہے گویا یہ اسی مالکِ مکان کی تقریر چل رہی ہے اور اس کا روئے سخن اسی آواز دینے والے چور کی طرف ہے۔

تو جہت گو من برونم از جہات　　　در وصال آیات کُو یا بینات

ترجمہ:۔ تو جہت بتا رہا ہے میں جہات سے باہر ہوں۔ وصال (کے مقام) میں نشانیاں یا دلائل کہاں؟

مطلب:۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ جہت سے مراد استدلال ہے کیونکہ لفظ وجہ معلّل ہو کر جہت بن گیا اور وجہ بمعنی دلیل بکثرت مستعمل ہے۔ مطلب یہ کہ تو استدلال کے خیال میں ہے اور میں اس گرداب سے نکل چکا ہوں۔ اس لیے کہ وصال میں آیاتِ بینات کی ضرورت نہیں کیونکہ وصولِ مطلوب کے بعد طلبِ دلیل عبث ہے۔

صنع بیند مرد محجوب از صفات　　　در صفات آنست کو گم کرد ذات

لغات:۔ صنع۔ سے افعال مراد ہیں۔ محجوب جو حجاب میں ہو۔ مہجور محروم۔

ترجمہ:۔ افعال وہ شخص دیکھے گا جو صفات (کی طرف) سے حجاب میں ہو اور صفات میں (مقید) وہ ہے جو ذات کو (اپنی نظر سے) گم کر چکا ہے۔

مطلب:۔ تجلّی افعالی اسے ہوتی ہے جس کو تجلّی صفاتی نہیں ہوتی اور تجلی صفاتی اسے ہوتی ہے۔ جس کو تجلّی ذاتی نہیں اور جس کو تجلّی ذاتی اور معاینہ ہو گیا۔ وہ واصل بحق اور فنافی الذات ہو گیا اس کو ان امور کی طرف نظر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں (کلید)

واصلاں چوں غرقِ ذاتند اے پسر　　　کے کنند اندر صفاتِ او نظر

ترجمہ:۔ صاحب زادے! واصلین جب ذات (حق) میں غرق ہیں تو وہ صفات پر کب نظر کرتے ہیں؟

چونکہ اندر قعرِ جو باشد سرت　　　کے برنگِ آب افتد منظرت

ترجمہ:۔ (مثلاً) جب تیرا سر ندی کی گہرائی میں ہو تو پانی کے رنگ پر تیری نظر کب پڑے گی۔

مطلب:۔ جو شخص گہرے پانی میں غرق ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کی نظر سطحِ آب کے رنگ پر نہیں ہوگی۔ اسی طرح جو حضرات ذاتِ حق میں فنا ہو گئے، ان کی نظر بھی افعال وصفات پر نہیں پڑتی۔

چوں دم وحدت زنی حافظ شوریدہ حال خامۂ توحید کش بر ورق انس وجاں

ور برنگِ آب باز آئی زقعر پس پلاسے بستدی دادی تو شعر

لغات:۔ پلاس ٹاٹ، نہایت موٹا کھردرا کپڑا۔ شعر ایک قسم کا ریشمی وقیمتی کپڑا۔

ترجمہ:۔ اور اگر گہرائی سے نکل کر پانی کے رنگ پر متوجہ ہو گیا تو (گویا) ریشمی کپڑا دے کر ٹاٹ لے لیا۔

مطلب:۔ اگر مقامِ فنا سے رجوع ہو گیا اور تنزل کا قدم تجلی صفاتی یا افعالی پر لے آیا تو یہ سمجھو کہ ایک متاع گرانمایہ کھو بیٹھے اور رختِ ارزاں حصے میں آ گیا۔ یہ مضمون اس مثال سے ماخوذ ہے کہ صاحب خانہ ذاتِ مطلوب تک پہنچ چکا تھا مگر ایک شیطان سیرت آدمی کو ذات سے ہٹا کر اس کے نشانِ پا پر لے آیا۔ اسی طرح نفس وشیطان بھی تنزل کرا دیتے ہیں۔

طاعتِ عامہ گناہِ خاصگاں وصلتِ عامہ حجابِ خاص داں

ترجمہ:۔ عام لوگوں کی طاعت خاص حضرات کے لیے (بمنزلہ) گناہ ہے (اور) عام لوگوں کا وصال خاص اصحاب کے لیے (گویا) حجاب ہے۔

مطلب:۔ یہ ترجمہ ہے اس مشہور قول کا کہ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی عام نیک لوگوں کی نیکیاں حضراتِ مقربین کے لیے بمنزلہ گناہ ہیں اور یہ قول حضرت ابوسعید خصرانہؒ کا ہے۔ حدیث نہیں ہے (تمییز الطیب) ماسبق کے ساتھ اس قول کا ربط یوں ہے کہ تجلیِ افعال وتجلیِ صفات سے محظوظ ہونا اگرچہ عوام کے لیے اعلیٰ مراتب میں سے ہے مگر کاملین کے لیے یہ ایک تنزل کی صورت ہے۔ یہی بات اوپر فرما رہے تھے۔ جس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے۔ آگے اس کی توضیح ایک مثال سے فرماتے ہیں:۔

گر وزیرے را کند شہ محتسب شہ عدوّ او بود نبود مُحبّ

ترجمہ:۔ اگر بادشاہ کسی وزیر کو (تنزلِ عہدہ کر کے) کوتوال بنا دے تو بادشاہ اس کا دشمن ہے دوست نہیں۔

ہم گناہے کردہ باشد آں وزیر بے سبب نبود تغیّر ناگزیر

ترجمہ:۔ نیز اس وزیر نے (ضرور) کوئی گناہ کیا ہوگا (ورنہ اس طرح عہدہ کا) قطعی تغیر بے وجہ نہیں ہوتا۔

مطلب:۔ یہ اشارہ ہے اس آیت کے مضمون کی طرف کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ج وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ جو (نعمت) ''کسی قوم کو خدا کی طرف سے حاصل ہو جب تک وہ (قوم) اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اس (نعمت) میں کسی قسم کا تغیر (وتبدل) نہیں کیا کرتا اور جب خدا کسی قوم پر (ان کے عملوں کی پاداش میں) کوئی مصیبت ڈالنی چاہے تو وہ (کسی کے ٹالے) ٹل نہیں سکتی اور خدا کے سوا ان لوگوں کا کوئی (حامی و) مددگار بھی نہیں (کھڑا ہوتا) رعد ع ۲۔

وآنکہ زاوّل محتسب بد خود ورا بخت وروزی آں بدست از ابتدا

ترکیب:۔ عبارت کی ترتیب یوں ہے وآنکہ از اول محتسب بود آں (عہدۂ احتساب) خود اورا از ابتدا بخت وروزی بودہ است۔

ترجمہ:۔ اور جو شخص پہلے سے کوتوال ہو وہ (عہدہ کوتوالی) اس کے لیے ابتدا سے (مایۂ) خوش نصیبی ورزق ہوتا ہے۔

لیک آں کاول وزیرِ شہ بُداست — محتسب کردن سبب فعلِ بداست

ترکیب:۔ آں یعنی آنکس کے بعد راء علامتِ مفعول بہ محذوف ہے۔ سبب سے پہلے باء حرفِ جار محذوف ہے سبب فعل بد میں فکِّ اضافت ہے۔

ترجمہ:۔ لیکن اس شخص کو کوتوال بنا دینا جو پہلے بادشاہ کا وزیر ہو۔ (اس کے کسی) قصور کی بنا پر ہوتا ہے۔

چوں تُراشہ زا ستانہ پیش خواند — باز سوئے آستانہ باز راند

ترجمہ:۔ (دوسری مثال) جیسے بادشاہ تم کو آستانہ سے (اپنے) سامنے بلائے (اور) پھر آستانہ کی طرف لوٹا دے۔

تو یقیں میداں کہ جُرمے کردۂ — جبر راز جہل پیش آوردۂ

کہ مرار وزی وقسمت ایں بُداست — پس چرادی بودت ایں دولت بدست

لغات:۔ جبر تقدیر کے آگے اپنے آپ کو مجبور سمجھنا، تقدیر کے آگے مجبور ہونے کا اعتقاد۔ دی دیروز، کل۔

ترجمہ:۔ (تو) تم یقین رکھو کہ تم نے کوئی جرم سرزد کیا ہے (مگر اپنی نادانی سے یہ کہہ کر عقیدہ) جبر کو (بطور عذر) پیش کرتے ہو کہ (کیا کروں) میرا نصیب اور قسمت یہی تھی (بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر قسمت یہی تھی) تو کل یہ دولت کیوں تمہارے ہاتھ میں تھی۔

مطلب:۔ اسی طرح اگر شہنشاہِ حقیقی سبحانہ وتعالیٰ کسی بندے کو ادنیٰ حالت سے اٹھا کر اپنے حضور میں بلائے اور قربِ خاص عطا فرمائے لیکن پھر قرب سے محروم کر کے مبتلائے دوری کردے تو یقیناً اس نے کوئی قصور کیا ہے لیکن وہ اپنی جہالت سے اس تنزلِ مراتب کو اپنی بدقسمتی پر محمول کر کے اپنی بے گناہی ثابت کرنا چاہتا ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے اگر یہ واقعی بدقسمتی ہے تو خود اس کی پیدا کردہ ہے۔ آگے یہی فرماتے ہیں:۔

قسمتِ خود خود بریدی تو زجہل — قسمتِ خود را فزاید مردِ اہل

ترجمہ:۔ (حقیقت یہ ہے کہ) تم نے اپنے حصہ کو خود (اپنی) نادانی سے منقطع کر لیا۔ اس لیے کہ تم لائق نہیں ہو۔ لائق آدمی (تو) اپنے حصہ کو بڑھا لیتا ہے۔

مطلب:۔ بعض لوگ بخت وقسمت کے متعلق ایک خاص غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مولانا نے اس کی نہایت عمدگی سے اصلاح فرمائی ہے۔ بے شک خوش قسمتی اور بدبختی کی حقیقت سے کسی عاقل ودانا کو انکار نہیں مگر لوگ اس کے معنی میں غلطی کرتے ہیں۔ عموماً اپنی کوتاہ عزمی و دوں ہمتی کو عذرِ قسمت کے حجاب میں چھپایا جاتا ہے جو توانا و ہنرمند لوگ افلاس وتہیدستی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کامیابی وخوشحالی کی طرف جو راستہ جاتا ہے۔ وہ دیدہ ودانستہ ادھر قدم نہیں رکھتے اور تلاشِ مطلوب میں طلب کی مشقت گوارا نہیں کرتے فاقے سہتے ہیں اور شکوۂ بخت سے اپنا پیٹ بھرتے رہتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں:۔

یک مثالِ دیگر اندر کژ روی — شاید ار از نقلِ قرآں بشنوی

ترجمہ:۔ کژروی کے بارے میں ایک اور مثال تم کو نقلِ قرآن سے سنی چاہیے۔

مطلب:۔ اوپر فعلِ شیطان کی کجی وناراستی کے ثبوت میں چور اور صاحب خانہ کی حکایت بیان فرمائی تھی کہ شیطان کی طرح اس چور نے بھی صاحبِ خانہ کو ایک مفید مشورہ دینے کا دھوکا دے کر ایک زیادہ مفید امر سے محروم رکھا۔ اب دوسری مثال اسی مضمون پر آگے دیں گے۔

ولله الحمد علی تمام الشرح للربع الثالث من الدفتر الثانی من المثنوی المعنوی تغمد الله صاحبه بلطفه الخفی وآخر دعوانا ان الحمد لله ...

مثنویِ مولوی معنوی هست قرآن در زبانِ پہلوی

مِفتاحُ العلوم

شرح مثنوی مولانا رومؒ

دفتر دوم ۔ حصہ چہارم

حضرت مولانا مولوی محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی مجددی

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

بعض فوائدِ عجیبہ کی فہرست جو شرح ہذا کے اس حصے میں مندرج ہیں

☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد الله الذی اختص اخص عبادہٖ بعشقه واحواله ٗهواطیب امانی البشر و اطهرا ماله ٗ والصلوة والسلام علی رَسوله المصطفےٰ المظهر الاتم لجلاله وجماله ٗ وعلٰی اصحابه واله الوارثین لعلمه وکماله ٗ اما بعدِ فلما تیسرّلی الفرغ من تحریر المجلد السابع من شرح المثنوی ٗ تغمد اللّٰه صاحبه بلطفه الخفی ٗ تقاضتنی نفسی بتالیف المجلد الثامن من شرح هذه الصحیفة ٗ التی هی من الکرامات المنیفه ٗ فاجترٔت علی الترقیم ٗ مع الاعتراف بالقصورِ فی هذا الامر الفخیم ٗ والأن اسرد البیان ٗ مستغیناً بالله الملک المنان ٗ ۔

خداوندا شبم را روز گرداں | چو روزم درجہاں فیروز گرداں
بآبِ دیدۂ طفلانِ معصوم | بسوزِ سینۂ پیرانِ مظلوم
ببالینِ غریباں برسرِ راہ | بہ تسلیم اسیراں دربُنِ چاہ
بپاک آئینِ دیں پرور انت | بصاحب سِرّی پیغمبر انت
بحقا جانِ در برخلق بستہ | بحرو مانِ اندر خوں نشستہ
بداں زاری کہ زندانی نماید | بزاہد کو ثناخوانی نماید
بدور افتادگان از خا نمانہا | بواپس ماندگاں از کار و انہا
بداور داورِ فریاد خواہاں | بیارب یاربِ صاحب گناہاں
بدردِ یوسفؑ واندوہِ یعقوبؑ | بقربانِ خلیلؑ و صبر ایوبؑ
بمقبولانِ خلوت برگزیدہ | بمعصومانِ آلایش ندیدہ
بہر طاعت کہ نزدیکت صواب است | بہردعوت کہ پیشت مستجاب است
کہ رحمے بردلِ پُر خونم آور | وزیں غرقابِ غم بیرونم آور
جگر پالودۂ را دل بیفروز | زکار افتادہ را کارے در آموز
بہر سہوے کہ درگفتارم افتد | قلم درکش کزیں بسیارم افتد

آمین ثم آمین

آغازِ شرح

پیچھے یہ ذکر تھا کہ شیطان کی کجروی صرف علانیہ ترغیب معاصی پر ہی موقوف نہیں، بلکہ کبھی وہ ایسی حسنات کی طرف بھی رہنمائی کیا کرتا ہے جو صورۃً حسنات اور درحقیقت سیئات ہوتی ہیں یا اگر فی الواقع حسنات ہوتی ہیں تو ان میں مشغول ہونا انسان کو کسی افضل تر عمل سے محروم رکھتا ہے۔ اس کے ثبوت میں پہلے امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھ شیطان کی کجروی کا قصہ بیان فرمایا کہ شیطان نے ان کو نماز باجماعت کے لیے اس لیے جگایا تھا کہ وہ فوتِ نماز باجماعت کی صورت میں توبہ واستغفار اور تضرع وابتہال نہ کرنے پائیں جو ایک زیادہ اچھا عمل ہے پھر اس کے ضمن میں ایک شیطان سیرت آدمی کی کجروی کا واقعہ سنایا جس نے ایک شخص کو جو اپنے چور کو پکڑ رہا تھا بلا کر چور کے نشان پاء پر متوجہ کیا گو چور کا سراغ بتانا بظاہر اس کا ایک خیر خواہانہ عمل تھا، مگر حقیقت میں یہ ایک بدخواہی تھی کیونکہ اس توقف میں چور اس کے ہاتھ سے نکل گیا اب اسی قسم کی کجروی کے متعلق ایک اور قصہ ارشاد ہے:۔

قصّہ منافقاں و مسجدِ ضرار ساختنِ ایشاں

منافقین اور ان کے مسجد ضرار بنانے کا قصہ

اینچنیں کژ بازیے در جفت و طاق   بانبی مے باختند اہلِ نفاق

لغات: کژ بازی ٹیڑھا کھیل جس میں مکر وفریب ہو، جفت وہ عدد جو دو پر پورا تقسیم ہو سکے جیسے دو چار، چھ، آٹھ، دس وغیرہ طاق وہ عدد کہ جو دو پر تقسیم کرنے سے ایک باقی بچائے جیسے تین، پانچ، سات، نو، گیارہ وغیرہ۔ چونکہ جفت طاق کا لحاظ اکثر بازیوں میں کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہاں مختلف داؤ مراد ہیں۔ اہلِ نفاق منافق لوگ، اہل مدینہ میں سے وہ لوگ جو اپنے قبیلے کے سچے مسلمانوں کے دباؤ اور لحاظ سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے، مگر دل میں وہی کفر وشرک بھرا تھا اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ عبداللہ ابن ابی ابن سلول ان کا سرغنہ تھا جو ہمیشہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کے درپے رہتا تھا واقعہ افک کا بانی یہی تھا۔

غزوۂ مصطلق میں اسی مردود نے کہا تھا کہ ہم مدینہ پہنچ جائیں تو ہم لوگ ذلیل مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیں گے جس کے متعلق سورۂ منافقون میں اس کو سرزنش کی گئی۔ دراصل یہ شخص ہجرت سے پہلے اہلِ مدینہ میں بڑا رسوخ رکھتا تھا اور وہ اہلِ مدینہ کا بادشاہ تجویز ہو چکا تھا اور اس کے لیے مرصع تاج بھی تیار ہو گیا تھا کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور تمام لوگوں کی نگاہِ توجہ آپ کی طرف منعطف ہو گئی اور وہ اپنی ہوسِ بادشاہی میں خائب و خاسر رہ گیا۔ اس کا سارا حسد و بغض اسی وجہ سے تھا۔ اس کے مرنے کے بعد تمام منافق تائب ہو کر سچے مسلمانوں میں شامل ہو گئے ان منافقوں نے اسلام کی ضرر رسانی کے لیے جو منصوبے گانٹھے ان میں سے مسجدِ ضرار کی تعمیر بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔

ترجمہ: اسی طرح کی ٹیڑھی بازی منافق لوگ بھی طرح طرح کے داؤں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیلتے تھے۔

مطلب: امیر معاویہؓ کے ساتھ تو شیاطین الجن کا قصہ تھا یہ شیاطین الانس کا قصہ ہے اور وہاں شیطان ٹیڑھی چال چل رہا

عبداللہ ابن ابی ابن سلول راس المنافقین

تھا اسی طرح منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ٹیڑھی چال چل رہے تھے۔

کز برائے عزِّ دینِ احمدی مسجدے سازیم و بود آں مُرتدی

لغات: مُرتدی ارتداد، کفر، ترکِ دین۔ آخر میں یائے مصدری شامل ہے۔

ترجمہ:۔ (اور وہ چال یہ تھی کہ انہوں نے اعلان کیا) کہ ہم دینِ احمدی کی عزت کے لیے ایک مسجد تعمیر کرتے ہیں حالانکہ وہ کارروائی ان کی بیدینی تھی۔

مطلب: مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ منافقوں کا مذکورہ قول ازراہِ نفاق تھا اور نفاق کفر ہے ارتداد نہیں۔ ارتداد اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ پہلے وہ لوگ مومن مخلص ہوتے پھر کفر کے مرتکب ہوتے لیکن ان لوگوں کی یہ حالت نہیں تھی بلکہ وہ ابتدا سے منافق تھے اور نفاق پر ارتداد کا اطلاق اس اعتبار سے ہوا ہے کہ وہ اقرارِ زبان سے بحسب ظاہر مسلمان ہو گئے پھر جب ان کا نفاق نمایاں ہوگیا تو ان پر کفر کا حکم لگایا گیا۔

مسجدِ ضرار کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کی ہجرت سے پہلے قبیلہ بنی خزرج کے ایک سربرآوردہ شخص نے جس کو ابو عامر کہتے تھے۔ مسیحی مذہب اختیار کر لیا اور وہ توریت وانجیل کا ایک عالم جید ہوگیا لوگوں میں اس کے علم وفضل کی دھاک بندھ گئی اور وہ راہب کے لقب سے مشہور ہوگیا۔ شروع شروع میں ابو عامر راہب ہمیشہ پیغمبر آخر الزمان کی تعریف لوگوں کو سناتا اور کہتا کہ میں نے جن وانس سے اس پیغمبر کے اوصاف سنے ہیں لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے اور لوگوں نے آپؐ کے کمالات کے گرویدہ ومعتقد ہو کر اسلام قبول کرنا شروع کیا تو ابو عامر راہب کے دل میں آتشِ حسد بھڑک اٹھی۔ علم ووجاہت کے گھمنڈ نے اس کو معرفتِ حق کے کوچہ میں پاؤں رکھنے نہ دیا اس نے مقدور بھر لوگوں کو بہکانا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے نفرت دلانا شروع کیا لوگوں نے پوچھا کیا تو وہی نہیں ہے جو ہر وقت پیغمبر آخر الزمان کی مدح وستائش کے گیت گاتا تھا اب تجھے کیا ہوگیا اس نے کہا وہ پیغمبر جس کا میں ذکر کرتا تھا ابھی نہیں آیا پھر آئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر کو بلا کر فہمائش فرمائی مگر اس کے دل سے کفر کی آلائش دور نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں نے فتح پائی اور ان کو غلبہ ونصرت حاصل ہوئی تو ابو عامر بھاگ کر کے چلا گیا اور کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرنے لگا احد کی لڑائی میں کفار کی طرف سے جس شخص نے سب سے پہلے مسلمانوں پر تیر چلایا وہ یہی ابو عامر راہب تھا۔ اس کے بعد وہ بھاگ کر روم میں چلا گیا اور ہرقل اعظم کے دربار میں مسلمانوں پر فوج کشی کرانے کے لیے جوڑ توڑ کرنے لگا۔

ابو عامر روم کو جاتے وقت اپنے شیاطین یعنی منافقین کو یہ پیغام دے گیا کہ میں روم سے مسلمانوں پر فوج چڑھا کر لاؤں گا۔ ادھر تم ان میں تفرقہ ڈالنے کے سامان کرو۔ یعنی مسجدِ قبا کے برابر اپنے محلے میں ایک مسجد تعمیر کرو جو تمہاری تدابیر وحیل کا ایک کمیٹی گھر ہو اور کوشش کرو کہ مسجدِ قبا کی جمعیت سمٹ کر اس مسجد میں آ جائے اور اس میں اسلام کے خلاف خیالات کی اشاعت ہوتی رہے، چنانچہ منافقین نے ابو عامر کے پیغام کے موافق ایک مسجد تعمیر کی اور ارادہ کیا کہ ابو عامر کو یہاں بلا کر اس مسجد میں بٹھا دیں اور اس کی سرپرستی میں اپنی منافقانہ تدابیر پر عمل کریں گے۔ ۹ھ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک پر تشریف لے جا رہے تھے۔ تو ان منافقوں نے اپنے شیوۂ نفاق کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ حضور وہاں تک قدم رنجہ فرما کر اس جگہ کو شرفِ حضوری بخشیں۔ ہم پر بڑا احسان

حل لغات: مُرتدی - ارتداد، کفر۔ مسجدِ ضرار۔ ابو عامر راہب

ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تو ہم مہم پر جا رہے ہیں اگر واپس آئے اور خدا نے چاہا تو جو مناسب ہوگا کیا جائے گا۔ آپؐ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو پھر منافق حاضر ہوئے ابھی وہ اپنا مدعا ظاہر ہی کر رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اور جن لوگوں نے مسجد بنائی ہے (مسجدِ قبا کو) ضرر پہنچانے کے لیے اور کفر کرنے کے لیے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے اور اس شخص کے گھات لگانے کے لیے جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے۔ (یعنی ابو عامر) وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے محض نیکی کا ارادہ کیا ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں"۔ (توبہ ع ۱۳)

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابیوں کو بلا کر حکم دیا کہ ان ظالموں نے جو مسجدِ ضرار بنائی ہے اس کو مسمار کر دو صحابہ نے آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کی خدا کی شان! اس عمارت کی نحوست اس کے مسمار ہونے پر بھی ختم نہ ہوئی اور رفتہ رفتہ وہ مقام سب سے گندا اور متعفن بن گیا اور اس کی یہ حالت ہوگئی کہ بستی بھر کی نجاست وہاں پھینکی جانے لگی۔ (مدارج النبوۃ وغیرہ)

اینچنیں کژ بازیے مے باختند　　مسجدے جز مسجدِ اُو ساختند

ترجمہ: غرض وہ اس قسم کی ٹیڑھی چال چل رہے تھے (چنانچہ انہوں نے ایک مسجد آپؐ کی (تعمیر کردہ) مسجد کے علاوہ بنا کھڑی کی۔

فرش و سقف و قبلہ اش آراستند　　لیک تفریقِ جماعت خواستند

لغات: سقف چھت۔ قبلہ وہ سمت جس کی طرف رخ کیا جائے۔ مساجد کا قبلہ جانبِ کعبہ ہے بعض نسخوں میں قبلہ کے بجائے قبہ درج ہے جس کے معنی گنبد کے ہیں۔ تفریق تفرقہ اندازی۔ جماعت سے جماعت مسلمین مراد ہے۔

ترجمہ: وہ (اس مسجد کا) فرش اور چھت اور کعبہ کی طرف اس کا رخ (یا اس کے گنبد) تیار کر چکے لیکن ان کی نیت (مسلمانوں کی) جماعت میں تفرقہ ڈالنے کی تھی۔

نزدِ پیغمبر بہ لابہ آمدند　　ہمچو اُشتر پیشِ او زانُو زدند

لغات: لابہ فریب، چاپلوسی۔ زانو دونوں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جانا منافقوں کے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جانے میں اونٹ سے تشبیہ ایک تو ازراہِ تحقیر و تذلیل دی ہے کہ وہ انسانی صفات سے بے بہرہ تھے۔ دوسرے اونٹ کینہ وری میں مشہور ہے ان کم بخت منافقوں کے دل بھی مسلمانوں کے خلاف کینہ و بغض سے لبریز تھے۔

ترجمہ: (چنانچہ وہ اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے) از راہِ چاپلوسی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپؐ کے آگے اونٹ کی طرح گھٹنے ٹیک دیے (اور بیٹھ گئے)۔

کاے رسولِ حق برائے محسنی　　سُوے آں مسجد قدم رنجہ کُنی

لغات: محسنی محسن کے معنی احسان اور نیک سلوک کرنے والا۔ آخر میں یائے مصدری شامل ہے۔

ترجمہ: (اور عرض کیا) اے رسولِ حق! ازراہِ احسان اس (نوتعمیر) مسجد کی طرف قدم رنجہ فرمائیے۔

تامُبارک گردد از اقدامِ تو　　تاقیامت تازہ بادا نامِ تو

ترکیب: پہلا مصرعہ علت ہے اوپر کے جملہ قدم رنجہ کنی کی۔ دوسرا مصرعہ اس علت میں داخل نہیں ہے۔ ورنہ یہ مطلب ہوگا

کہ آپکے مسجد کی طرف قدم رنجہ فرمانے سے یہ مقصد ہے کہ مسجد کو برکت حاصل ہو اور آپؐ کا نام ہمیشہ زندہ رہے جس میں کوئی علت کا ربط نہیں بلکہ یہ ایک دعائیہ فقرہ ہے۔

ترجمہ: تاکہ وہ آپؐ کے قدموں کی (برکت) سے مبارک ہو جائے (خدا کرے) آپ کا نام قیامت تک تازہ رہے۔

مسجدِ روزِ گِل ست و روزِ ابر مسجدِ روزِ ضُرورت وقتِ صبر

ترجمہ: (یہ) مسجد کیچڑ کے دن کی اور ابر کے دن کی (کار براری کے لیے) ہے (یہ) مسجد ضرورت کے دن کی اور صبر کے وقت کی (مطلب براری کے لیے) ہے۔

مطلب: منافقوں نے ظاہر کیا کہ مسجد قبا ذرا فاصلے پر واقع ہے۔ بارش کے دن جب گلی کوچوں میں کیچڑ ہو جاتی ہے تو وہاں جانے میں دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ لہٰذا سب نمازی لوگ وہاں جانے کے بجائے اس جگہ نماز پڑھ لیا کریں گے۔ محض لوگوں کی تکلیف رفع کرنے کے لیے یہ خانۂ خدا تعمیر کیا گیا ہے۔

تا غریبے باید آنجا خیر و جا تا فراواں گردد ایں خدمت سرا

لغات: غریب مسافر، بیوطن۔ خیر مالِ خیرات و صدقہ یہاں کھانے پینے کی چیز مراد ہے جو بطورِ خیرات مساجد میں آتی رہتی ہے اور طلبہ و مسافر کھاتے پیتے ہیں۔ خدمت سرا خدمتِ دین کا گھر مراد مسجد کیونکہ خود اس کی تعمیر ایک خدمتِ دین ہے نیز اس کے اندر وعظ و ارشاد اور تعلیم و تدریس کی صورت میں مختلف دینی خدمات انجام پاتی ہیں۔

ترجمہ: (یہ مسجد اس لیے تعمیر کی گئی ہے) تاکہ (اگر کوئی) مسافر (آ جائے تو) وہاں (صدقہ و) خیرات (کا کھانا) اور (رات بسر کرنے کو) جگہ پا سکے (اور) تاکہ یہ (دینی) خدمت کے گھر (ایک سے) زیادہ ہو جائیں۔ (ایک مسجد قبا دوسری یہ)۔

تا شعارِ دیں شود بسیار و پُر زانکہ با یاراں شود خوش کارِ مُر

لغات: شعارِ دیں۔ شعار کے لغوی معنی وہ کپڑا جو دوسرے کپڑوں کے نیچے پہنا جاتا ہے جیسے بنیان اور قمیص وغیرہ۔ فارسی میں مجازاً بمعنی عادت و طریقہ دستور استعمال ہوتا ہے۔ شعارِ دیں سے مراد دین کی مخصوص مراسم و دستور اور نشانیاں جن میں عبادات اور معابد و مساجد بھی داخل ہیں۔ تلخ کڑوا مراد ناگوار و دشوار۔

ترجمہ: تاکہ دین کی نشانیاں (یعنی مساجد) بکثرت اور نمازیوں سے پر ہو جائیں۔ اس لیے کہ دوستوں (کے ایک نیک کام کرنے) سے (دوسرے لوگوں پر بھی وہ) ناگوار کام خوشگوار ہو جاتا ہے (پھر ایک مسجد بنتی دیکھ کر لوگ اور مساجد بھی تعمیر کرنے لگیں گے)۔

مسجد و اصحابِ مسجد را نواز تو مہی ماشب دمے باما بساز

ترجمہ: (براہِ کرم) مسجد کو اور اہلِ مسجد کو (اپنی تشریف آوری سے) عزت بخشیے، آپ چاند ہیں اور ہم (کالی رات) ہیں تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ گزاریئے (تاکہ ہم بھی منور ہو جائیں)۔

ساعتے آں جایگہ تشریف دہ تزکیہ ماکن زما تعریف دِہ

ترکیب: دوسرے مصرعہ میں زما جار و مجرور تزکیہ ماکن سے متعلق ہے نہ کہ تعریف دہ کے متعلق۔

ترجمہ: تھوڑی دیر کے لیے حضور وہاں تشریف لے چلیں (اپنے وعظ و ارشاد سے) ہم کو ہماری (ناپاک) ہستی سے پاک

فرمائیں۔ (اور) معرفت (کا سبق) دیں۔

تا شود شب از جمالت جملہ روز　　اے جمالت آفتابِ جاں فروز

ترجمہ: تاکہ آپؐ کے جمال (کی روشنی) سے ہماری ظلمت سراپائے نور بن جائے حضور! آپ کا جمال تو جان کو روشنی بخشنے والا آفتاب ہے۔

اَے دریغا کاں سخن از دِل بُدے　　تا مرادِ آں نفر حاصِل شُدے

لغات: نفر بفتح نون و فا جماعت۔

ترجمہ: (اب مولانا فرماتے ہیں کہ) اے کاش کہ (ان کی) یہ (شایستہ) تقریر (منافقانہ نہ ہوتی بلکہ دل سے ہوتی تاکہ اس جماعت کی مراد حاصل ہو جاتی۔

سوال: اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ان منافقوں کی مراد یہ تھی کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیں۔ اس بیان کی رو سے شعر کا مطلب یوں ہو جائے گا کہ کاش وہ لوگ سچے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے تو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے پر قادر ہو جاتے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔

جواب: یہاں مراد کا لفظ بدرجۂ اعم حسنِ مآل کے معنی میں مقصود ہے کیونکہ ہر شخص خواہ مومن ہو یا کافر۔ عالم ہو یا جاہل اپنا اچھا انجام چاہتا ہے، اگرچہ اس کے طریق حصول میں بعض غلطی کرتے ہیں اور بعض صحیح راستے پر چلتے ہیں، اب شعر کے معنی یوں ہوں گے کہ وہ لوگ شیوۂ نفاق کو چھوڑ کر اپنی زبان اور دل کو موافق رکھتے تو ان کو اپنی بہبودی کی مراد بطریق احسن حاصل ہوتی۔

لفظ کاید بیدل و جاں بر زباں　　ہمچو سبزہ تُوں بود اَے دوستاں

لغات: تُوں بضم تاء۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔ سبزہ توں میں فکِ اضافت ہے۔

ترجمہ: جو لفظ دل و جان (کے خلوص) کے بغیر زبان پر آئے دوستو! اس کی مثال کوڑے کے سبزہ کی سی ہے (جس میں غلاظت کی آمیزش ہے)۔

ہم زِدورش بنگرو اندر گذر　　خوردنِ بُورا نشاید اَے پسر

ترجمہ: اے عزیز! اس (سبزے) کو (بس) دور ہی سے دیکھو اور چلے جاؤ۔ وہ بو سونگھنے کے لائق نہیں۔

سوئے لطفِ بیوفایاں ہیں مَرو　　کاں پُلِ ویراں بود نیکو شِنو

گر قدم راجاہلے بروَے زند　　بشکند پُل وَاں قدم رابشکند

ترجمہ: بیوفاؤں کی (ظاہری) مہربانی پر مائل مت ہو کیونکہ وہ ایک شکستہ پل ہے اس کو اچھی طرح سن (کر سمجھ) لو اگر کوئی بے خبر اس (پل) پر قدم رکھتا ہے تو پل ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے پاؤں کو بھی توڑ ڈالتا ہے۔

مطلب: کمزور و مخدوش پل بظاہر قائم و پائدار ہوتا ہے مگر جب اس پر قدم رکھتے ہیں یا کوئی وزنی چھکڑا وغیرہ اس پر سے گزرنے لگتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح بے وفا کا عہد و اقرار بظاہر مستحکم و استوار ہوتا ہے، مگر جب اس کے ایفا اور بجا آوری کا موقع آتا ہے تو تارِ عنکبوت کی طرح بودا ثابت ہوتا ہے۔ وہذا کما قیل۔

چوں پُل کہنہ است عہد بیوفاکاں زود تر بشکند، گر نشکند امروز، فردا بشکند

خصوصاً منافقین جن کا قصہ مذکور ہو رہا ہے۔ عہد شکنی و وعدہ فراموشی میں سب سے زیادہ بدنام ہوتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ روزے رکھے اور نمازیں پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے یعنی جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا اور جب وعدہ کرے گا تو اس کی خلاف ورزی کرے گا اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا۔ (مشکوٰۃ)

ہر کجا لشکر شکستہ مے شود   از دو سہ سُست و مُخنّث مے بود

لغات: شکستہ شکست یاب' منہزم' مخنث' ہیز۔ نامرد جو مرد ہو کر عورتوں کے سے خصائل رکھتا ہو۔

ترجمہ: جہاں کوئی لشکر شکست یاب ہوتا ہے تو دو تین ست اور نامرد لوگوں سے ہوتا ہے۔

درصف آید با سلاح و مرد وار   دل بروبنہند کا نیک یارِ غار

ترجمہ: (کیونکہ) وہ (ست و نامرد) ہتھیار سج کر اور مرد کی طرح صف (کارزار) میں آتا ہے تو لوگ (اس کی صورت و قامت کو دیکھ کر) اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں کہ اے لو (ایک اور) یار موافق (مدد کے لیے آ گیا)۔

رُو بگرد اند چو بیند زخم را   رفتنِ اُو بشکند پُشتِ تُرا

ترجمہ: (مگر) جب وہ (ایک آدھا زخم کھاتا ہے تو پیٹھ موڑ کر بھاگ) جاتا ہے اس کا بھاگنا تمہاری بھی پشت (ہمت) کو توڑ ڈالتا ہے (اور تم بھی سب کے سب بھاگنے پر مجبور ہو جاتے ہو)۔

مطلب: اوپر منافق و بے وفا آدمی کے عہد و اقرار کی مثال ویران پل سے دی تھی کہ پاؤں رکھتے وقت ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا وہ ناقابلِ اعتماد ہے۔ یہاں دوسری مثال ست و نامرد لوگوں سے دی ہے کہ ان پر اعتماد کرنا جنگ میں شکست کھانے کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح بد عہد کے عہد پر اعتماد کرنا بھی موجب پشیمانی ہے۔ آگے اس بحث کو بند کر کے پھر اصل قصہ کی طرف متوجہ ہونے کے متعلق فرماتے ہیں۔

ایں دراز ست و فراواں میشود   وانچہ مقصود ست پنہاں میشود

ترجمہ: یہ (بحث تو) لمبی ہے اور (جوں جوں اس میں خوض کرو) پھیلتی جاتی ہے اور جو بات (اصل) مقصود ہے وہ مخفی رہی جاتی ہے۔ (لہٰذا اب اسی بات کی طرف رجوع کرنا چاہیے)۔

چاپلوسی و فسونہا خو اند ند   نُزلِ دستاں سوئے حضرت را ندند

لغات: نزل بضم نون ضیافت۔ مہمانی کا سامان جو مہمان کے آگے رکھا جاتا ہے۔ دستاں۔فریب۔

ترجمہ: غرض ان منافقوں نے خوشامد (فریب) کے منتر (خوب) پڑھے (اور) مکر کی دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی۔

آں رسُولِ مہربانِ رحم کیش   جُز تبسم جُز بلے ناورد پیش

ترجمہ: ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نہایت مہربان تھے (اور) رحم (وکرم) آپ کا شیوہ تھا سوائے مسکرانے اور درست ہے (بجا ہے) فرمانے کے (اور) کچھ نہ کہتے تھے۔

مطلب: منافقوں کا مکروفریب ان کی در پردہ کافروں سے ساز باز' پس پشت مسلمانوں پر استہزا' مسلمانوں کے خلاف غمازی، جاسوسی، خبر رسانی وغیرہ شرارتیں [illegible] تعالیٰ نے اپنے رسول برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو ان کے تمام حالات کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ۔ "کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے اس خیال میں ہیں کہ خدا ان کی دلی عداوتوں کو کبھی ظاہر نہیں کرے گا اور اے پیغمبر! ہم چاہتے تو تمہیں ان لوگوں کو ایسی اچھی طرح دکھا دیتے کہ تم ان کی صورت ہی سے پہچان لیتے اور (یوں بھی) تم ان کو (ان کے) طرزِ کلام سے ضرور پہچان لو گے اور اللہ تم سب کے عملوں کو (خوب) جانتا ہے۔" (سورہ محمد ع ۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی منافق کا حال مخفی نہ رہا آپ کو ہر منافق کی علامات سے اس کے باطن کی کیفیت معلوم ہو جاتی تھی (تفسیر خازن) وتفسیر مدارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں کو نفاق پر مبنی سمجھنے کے باوجود درست ہے اور بجا ہے فرمایا تو یہ اس بنا پر تھا کہ ہنوز آپ کو منافقوں کے افشائے راز کا حکم نہیں ہوا تھا بلکہ یہی حکم تھا کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ کیا جائے اور آپ کا ان کے جواب میں "درست ہے، بجا ہے" فرمانا جھوٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسے کلمات دو طرح کہے جاتے ہیں۔ کبھی تصدیق کے لیے اور کبھی تکذیب کے لیے اور یہاں یہ کلمات تکذیب کے لیے کہے گئے تھے، مگر چونکہ ابھی ان کے افشائے راز کا حکم نہ تھا اس لیے ایسا لہجہ آپ نے استعمال نہیں فرمایا جس سے تکذیب ٹپکتی اور وہ سمجھ جاتے۔ لہٰذا یہ کلام توریہ کی قبیل سے تھا۔ (کلید مثنوی)۔

شکر ہائے آں جماعت یاد کرد   در اجابت قاصداں راشاد کرد

ترجمہ: (بلکہ) آپ نے ان لوگوں کو شکریہ ادا فرمایا (اور دعوت کو) قبول فرما کر (دعوت کا) پیغام لانے والوں کو خوش کر دیا۔

مینمودے مکرِ ایشاں پیشِ اُو   یک بیک زانساں کہ اندر شیر مُو

لغات: مے نمودے از نمودن جس کے معنی ہیں دکھائی دینا اور دکھانا۔ یعنی یہ مصدر لازمی اور متعدی دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یہاں بمعنی لازم ہے اور اس کا فاعل مکر ایشاں ہے۔ یہ مصرعہ بعض دیگر نسخوں کے مطابق نقل کیا گیا ہے۔ ہمارا نسخہ یوں تھا مینمودے مکرِ ایشاں راباد۔ اس صورت میں یہ فعل متعدی ہے اور اس کا فاعل ضمیر راجع بحق تعالیٰ ہوگی اور مکرِ ایشاں اس کا مفعول بہ قرار پائے گا چونکہ اس تقریر پر ضمیر فاعلی کا مرجع مقدر ماننا پڑتا تھا اس لیے یہ نسخہ ترک کیا گیا۔

ترجمہ: ان لوگوں کا ایک ایک مکر (وفریب) آپ پر اس طرح ظاہر ہو جاتا تھا جیسے دودھ میں بال (الگ دکھائی دیتا ہے)۔

مُوئے را نادیدہ میکرد آں لطیف   شِیر را شاباش میگفت آں ظریف

لغات: لطیف مہربان، پاکیزہ، نرم، باریک بیں، دقیقہ شناس۔ ظریف زیرک، دانا۔

ترجمہ: (مگر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باریک بیں (ہونے کے باوجود مصلحتاً اس فریب کے) بال کو ان دیکھا کر جاتے تھے (اور) آپ جو دانا تھے تو بہ تقاضائے دانائی عمداً خوشامد کے ناخالص دودھ کی تعریف فرماتے تھے۔

صد ہزاراں مکر و موئے دمدمہ   چشم خوابا نید آندم زاں ہمہ

ترجمہ: (غرض لاکھوں مکر اور فریب کے بال تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام سے اس وقت چشم پوشی فرمائی (اور آپ کی کمال شفقت تھی)۔

مطلب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اغماض وچشم پوشی آپ کی اجابتِ دعوت اور ان لوگوں کی تعریف فرمانا کذب پر محمول نہیں ہوسکتا بلکہ آپؐ نے جو کچھ کیا بربنائے شفقت کیا تاکہ ان لوگوں کی دل شکنی نہ ہو، تو تعمیر مسجد میں تشریف لے جانے کا وعدہ جو فرمایا تو یہ بھی سچا وعدہ تھا اور اس کے ایفا کا قصد بھی تھا مگر ناپسندیدگی اور دل تنگی کے ساتھ اور یہ ضروری نہیں کہ جو عدہ کیا جائے تو بخوشی ورضا کیا جائے اور جب اس کو پورا بھی کیا جائے تو وہ بشاشت ہی سے پورا کیا جائے، بلکہ بعض اوقات بتقضائے حسنِ اخلاق ایک ناگوار کام بھی ناپسندیدگی سے کر دیا جاتا ہے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے ساتھ یہ برتاؤ بتقضائے شفقت وحسنِ اخلاق تھا، چنانچہ آگے آپ کی شفقت کا ذکر ہے:

راست میفر موداں بحرِ کرم من شمارا از شما مُشفق ترم

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کہ دریائے کرم ہیں سچ فرمایا ہے کہ میں تم پر خود تم سے زیادہ مہربان ہوں۔

مطلب: اس بیت میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ اِنْ تَوَفّٰی اَحَدٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَتَرَکَ دَیْنًا فَعَلَیَّ قَضَاؤُہٗ وَمَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِوَرَثَتِہٖ۔ میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے نفس سے بھی زیادہ لگاؤ رکھتا ہوں اگر مسلمانوں سے کوئی شخص وفات پائے اور کچھ قرض چھوڑ جائے تو اس کا ادا کرنا میرے ذمہ ہے اور جو شخص کچھ مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔ (مشکوٰۃ)

من نشستہ برکنارِ آتشے بافروغ و شُعلہٗ بس ناخوشے

ترجمہ: (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میری مثال ایسی ہے کہ گویا) میں ایک آگ کے کنارے بیٹھا ہوں جو بڑی چمک اور بھیانک شعلہ والی ہے۔

ہمچو پروانہ شما آں سُو دَواں ہر دو دستِ من شدہ پروانہ راں

ترجمہ: (مگر) تم پروانہ کی طرح اس (آگ کی) طرف کو دے پڑتے ہو، (اور) میرے دونوں ہاتھ پروانوں کو ہٹا رہے ہیں۔

مطلب: یہ اس حدیث کا ترجمہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلِ نِ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآئَتْ مَاحَوْلَھَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَھٰذِہِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْھَا وَجَعَلَ یَحْجُزُھُنَّ وَیَغْلِبْنَہٗ فَیَقْتَحِمْنَ فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ یعنی میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو روشن کیا تو پروانے اور یہ جانور جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو روکنے لگا اور وہ اس پر غالب آجاتے ہیں پھر جا گھستے ہیں پھر اسی طرح میں تم کو دوزخ سے روکتا ہوں اور تم گھسے چلے جاتے ہو۔ (بخاری)

سبحان اللہ! اس مثال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کس قدر لطف وکرم ثابت ہوتا ہے۔ نعم ما قیل۔

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

چُوں براں شد تارواں گرد و رسُول غیرتِ حق بانگ زد مشنوز غُول

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس (بات) پر آمادہ ہوگئے کہ (ان کے ساتھ مسجد ضرار کی طرف) روانہ ہوں تو غیرت حق نے ندا کی کہ (اے پیغمبر) شیطان کی (بات) مت سنو۔

کایں خبیثاں مکر و حیلت کردہ اند جملہ مقلوب است آنچہ آوردہ اند

ترجمہ: کیونکہ ان ناپاک لوگوں نے مکر و حیلہ کیا ہے جو کچھ کہہ رہے ہیں سب جھوٹ ہے۔

قصدِ ایشاں جزسیہ رُوئی نبود خیرِ دیں کے جُستِ ترسا و یہود

ترجمہ: ان کا قصد (مسلمانوں کی تفرقہ اندازی سے اپنا) منہ کالا کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا، (بھلا) عیسائی اور یہودی (وغیرہ کفار) دین (اسلام) کی بھلائی کب چاہتے ہیں؟

مسجدے برجسرِ دوزخ ساختند باخدا نردِ دغل مے باختند

لغات: جسر پل۔ دَغل دھوکا۔

ترجمہ: انہوں نے دوزخ کے پل پر مسجد بنائی (اور اپنی دانست میں) خدا کے ساتھ دھوکے کی چال چلتے تھے۔

مطلب: پہلا مصرعہ اس آیت سے ماخوذ ہے جو اسی مسجد ضرار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ بھلا جو شخص خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھے وہ بہتر ہے یا وہ جو پھسپھسے کھوکھلے کگارے کے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھے۔ پھر وہ عمارت اس کو جہنم کی آگ میں لے گرے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔" (توبہ ع ۱۳)

یعنی چونکہ ان کی غرض فاسد تھی جس کا انجام دخولِ نار تھا اس لیے گویا انہوں نے اس مسجد کو کنارۂ دوزخ پر ہی تعمیر کیا تھا۔ دوسرے مصرعہ کا مضمون اس آیت کے قریب ہے۔ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ "اور یہود نے داؤ کیا اور اللہ نے (ان سے) داؤ کیا اور داؤ کرنے والوں میں اللہ (سب سے) بہتر (داؤ کرنے والا) ہے۔" (آل عمران ع ۵)

خدا کے ساتھ نردِ دغل کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دے کر اپنی مسجد میں لے جانا چاہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر لحظہ حق تعالیٰ کی نصرت و حمایت میں تھے اس لیے یہ گویا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہوا۔

تاجہودے را ز شام ایں جاکشند کہ بوعظِ او جہوداں سر خوشند

ترجمہ: تاکہ ایک یہودی (یعنی ابو عامر) کو ملکِ شام سے یہاں لائیں جس کے وعظ سے یہودی لوگ مانوس ہیں (اور اس کی سرپرستی میں اپنی مفسدانہ تدابیر کو عمل میں لائیں)۔

نوٹ: ابو عامر کو یہودی کہنا مسامحت ہے درحقیقت وہ عیسائی راہب تھا۔ کمامرّ۔

گفت پیغمبر کہ آرے لیک ما برسر راہیم و بر عزمِ غزا

ترجمہ: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہتر (ہم انشاء اللہ مسجد کو دیکھنے جائیں گے) لیکن (اس وقت ہم) سفر پر تیار ہیں اور جہاد کا ارادہ ہے۔

سوال: جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو چکی کہ "مشغوز غُول" یعنی ان شیطانوں کی درخواست قبول نہ کر و پھر آپ کے آرے کہہ کر ان کی درخواست منظور فرمانے کی وجہ کیا ہے۔

جواب: آپؐ کا آرے فرمانا نزولِ وحی سے پہلے کا واقعہ ہے یعنی اس واقعہ کا اعادہ ہے جو پیچھے مذکور ہے کہ "جز تبسم

جزء بلے نادر و پیش'' پھر اس کے بعد وحی نازل ہوئی اور مولانا کی عادت ہے کہ غلبۂ ذوق میں ایک بات کو بار بار تفصیلاً بعد اجمال اور اجمالاً بعد تفصیل بیان کرتے ہیں۔

زیں سفر چوں باز گردم انگہاں   سوئے آں مسجد رَواں گردم رَواں

ترجمہ: جب اس سفر سے میں واپس آؤں گا تو اس وقت اس مسجد کی طرف چلوں گا۔

دفعِ شاں گفت و بسُوئے غزو تاخت   با دغایاں از دغا نردے بباخت

لغات: دفع گفتن ٹال دینا۔ دغا بمعنی دغا باز بھی مستعمل ہے۔ جیسے جادو بمعنی جادوگر۔

ترجمہ: غرض آپؐ نے ان کو ٹال دیا اور جہاد کی طرف چڑھائی کی دغا باز کے ساتھ دغا کی چال چلی۔

مطلب: یہاں آپؐ کے ساتھ دغا کی نسبت بمعنی حقیقی مراد نہیں، کیونکہ آپ کی شان دغا فریب سے منزہ تھی بلکہ اس کا استعمال مجازاً ہوا ہے اور مراد اس سے ان کے مکر کا جواب ورد ہے جیسے کہ مَکَرُوْا وَمَکَرَاللّٰہُ میں مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے یہ شبہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ پیچھے تو بتایا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم نے قصداً ان کی درخواست کو منظور فرما لیا تھا اور آپ مسجد مذکور میں جانے کو تیار ہو گئے تھے مگر یہاں فرمایا کہ یہ محض ٹال مٹول تھا کیونکہ سلسلہ واقعات یوں ہے کہ پہلے آپؐ نے ان کی درخواست کو منظور فرما کر جانے کا ارادہ کیا تو وحی کے ذریعے آپ کو اس سے منع کر دیا گیا۔ اس پر آپؐ نے ازراہِ شفقت یا بروئے مصلحت صریحاً انکار فرما کر ان منافقوں کا پردہ فاش کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ استثناء کے کلمات سے کہہ دیا اگر خدا کو منظور ہوا تو جنگ کے بعد وہاں چلیں گے اور جو مناسب ہوگا کریں گے۔ اور یہ ارشاد صحیح بھی ہے اور ایک طرح ٹال مٹول بھی۔ فلا تعارض۔ صاحب کلید فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دغا مقصود نہ تھی بلکہ یہ آپؐ کی تدبیر مشابہ دغا تھی بنا بر مشاکلت اس کو دغا کہہ دیا۔ اول تو یہ واقعہ اس صورت میں احادیث و سیر میں کہیں ثابت نہیں دوسرے اگر مان بھی لیا جائے تو یہ وعدہ معلق بمشیت الٰہی تھا لہٰذا جھوٹا نہ تھا اور جب جھوٹا نہ تھا تو مولانا پر بھی الزام نہیں کہ انہوں نے جھوٹے وعدہ کی نسبت کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو کوئی الزام نہیں کیونکہ واقعہ ثابت ہی نہیں۔ ہاں مولانا پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کو کیونکہ سچا سمجھ لیا، تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مولانا دھوکے کے مقابلے میں دھوکے کو جائز رکھتے ہوں گے۔ بالخصوص اس وقت جب کہ دھوکے سے دوسرے کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو بلکہ اپنا تحفظ مدنظر ہو اور یہاں ایسا ہی تھا اور ماخذ اس خیال کا ممکن ہے الحرب خدعۃ یا جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا ہو، انتہیٰ۔

چوں بیامد از غزا باز آمدند   طالبِ آں وعدۂ ماضی شدند

ترجمہ: (پھر) جب آپ غزوہ (تبوک) سے واپس تشریف لائے تو وہ لوگ پھر حاضر ہوئے اور اس سابقہ وعدہ (کے ایفا) کے طالب ہوئے۔

گفت حقش کاے پیمبر فاش گو   عذر آور، جنگ باشد باش گو

ترکیب: فاش گو جواب ندا ہے اے پیغمبر کا۔ دوسرے مصرعہ میں جنگ باشد شرط ہے۔ بتقدیر حرف شرط۔ باش گو۔ بتقدیر تو باش اس کی جزا۔

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ اے پیغمبر! صاف کہہ دیجئے (اور ان کی درخواست کو قبول کرنے سے) انکار کر دیجئے (اگر اس پر) جنگ ہوتی ہے تو ہونے دیجئے (کچھ پروا نہیں)۔

گفت اے قومِ دغل خامش کنید　　　تا نگویم رازہا تاں تن زنید

ترجمہ: (تو) آپ نے فرمایا اے مکار لوگو! چپ رہو، خاموش ہو جاؤ، مبادا میں تمہارے (سارے) راز کھول کر دھر دوں۔

مطلب: مسجدِ ضرار کا راز تو فاش ہو ہی چکا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ آیۃ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا الخ پڑھ دی تھی۔ باقی "تانگویم راز ہا" میں ان منافقوں کی وہ دوسری کارستانیاں اور ریشہ دوانیاں مراد ہیں جو رات دن وہ مسلمانوں کے خلاف کرتے رہتے تھے۔ ان کا تفصیلی اظہار ان لوگوں کی اور رسوائی کا باعث تھا۔

چوں نشانِ چند ازاسرارِ شاں　　　درمیاں آورد بد شُد کارِ شاں

ترجمہ: (پھر) جب آپ نے ان لوگوں کی چھپی باتوں کی چند نشانیاں ظاہر کر دیں تو ان کا (سارا) بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔

مطلب: "بدشد کارِشاں" کا مطلب یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ان منافقوں کے مکر و فریب کا راز ظاہر ہو چکا تھا مگر ممکن تھا کہ ابھی عامہ مسلمین دھوکے میں پڑ کر ان کی تعمیرِ مسجد کے کام کو ایک اعلیٰ کارنامہ سمجھتے رہتے اور منافقوں کا جادو ان پر چل جاتا، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منافقانہ اعمال کے چند نمونے بیان فرما دیے تو ان کے کرتوتوں پر سے سارا پردہ اٹھ گیا اور ان کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

منافقوں کی اکثر مخالفانہ کاروائیاں آپ پر منکشف ہوتی رہتی تھیں اور وہ اپنے راز کے فاش ہو جانے سے رسوا و ذلیل ہوتے رہتے تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک صفت خاص یہ بھی تھی کہ بعض اوقات لوگوں نے کوئی کام نہایت راز داری کے پردے میں اور کامل احتیاط کے ساتھ کیا، مگر وہ آپ پر من و عن ظاہر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلب معرکۂ بدر کے موقع پر کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر شریکِ جنگ ہوئے تھے۔ جنگ کا خاتمہ کفار کی شکست فاش پر ہوا۔ ستر (۷۰) مشرک مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے، جن میں حضرت عباس بھی تھے، ہر شخص سے چار چار ہزار درم زرِ فدیہ طلب کیا گیا، حضرت عباس مالدار تھے۔ ان سے اس سے زیادہ رقم کا مطالبہ ہوا، مگر انہوں نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ حکم ہوا کہ یہ رقم مکہ سے منگا دو، کہا وہاں میرے گھر میں بھی کچھ نہیں، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا آپ نے روانگی کے وقت فلاں جگہ تنہائی میں بیٹھ کر اتنے اوقیہ طلائے خالص اپنی بیوی ام فضل کے حوالہ نہیں کیا؟ حضرت عباس یہ پورے پتے کی بات سن کر حیران رہ گئے اور کہا واللہ اس وقت میرے اور ام فضل کے سوا کوئی تیسرا شخص وہاں موجود نہ تھا۔

جنگِ بدر کے بعد دو شخص یعنی صفوان ابن امیہ اور عمیر ابن وہب نے جن کے کئی عزیز اس جنگ میں مقتول و مقید ہو چکے تھے مکہ میں ایک جگہ بیٹھ کر انتقامی سازش کی۔ عمیر نے کہا میں مدینے جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔ صفوان نے کہا تمہارے اہل و عیال کا خرچ میری زندگی بھر میرے ذمہ رہا۔ عمیر اپنی تلوار کو تیز کر کے اور زہر میں بجھا کر مدینہ پہنچا اور شمشیر بکف مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحابہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عمیر کو دیکھا وہ جانتے تھے کہ یہ دشمنِ اسلام ہے۔ اچھی نیت سے نہیں آیا۔ فوراً اس کے قبضۂ شمشیر پر قبضہ کیا اور گردن سے پکڑ لیا۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمر! اس کو چھوڑ دو اور میرے پاس آنے دو۔ پھر فرمایا عمیر! سچ کہو تم کس ارادہ سے آئے ہو اس نے کچھ بہانہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو تو اور صفوان دونوں نے فلاں جگہ تنہائی میں بیٹھ کر یہ مشورہ نہیں کیا کہ تو مجھے قتل کر دے اور صفوان تیرے قرض اور تیرے عیال کے خرچ کا کفیل ہو۔ عمیر! تو یہ نہ سمجھا کہ میرا محافظ خدا ہے؟ عمیر نے جو یہ راز کی خبر جس میں ان دونوں کے سوا کوئی تیسرا شخص شریک نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک

سے سنی تو اس کا سینہ نور ایمان سے جگمگا اٹھا اور پھر صادق الایمان مسلمان بن کر مکہ واپس گیا۔ اس قسم کے دو چار واقعات نہیں صد ہا واقعات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سازشیوں کی سازش کا حال من وعن بیان فرما دیا۔ غزوہ تبوک کے سفر میں ایسے واقعات بکثرت پیش آئے جس میں آپ نے منافقوں کے کئی مفسدانہ اعمال کا راز طشت ازبام کیا۔

قاصداں زو باز گشتند آں زماں　　حاش لِلّٰہ حاش لِلّٰہ دم زناں

ہر منافق مصحفے زیرِ بغل　　سُوئے پیغمبر بیاورد از دغل

لغات: حاش للہ پاک ہے اللہ اس کام سے یہ اس کے لغوی معنی ہیں مگر اس کا استعمال عموماً کسی الزام سے اپنی بریت اور صفائی کے لیے ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں حاشا اللہ میں نے یہ کام نہیں کیا یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ دم زدن پکارنا۔ دعویٰ کرنا۔ مصحف قرآن مجید۔ دغل مکر وفریب۔ دغا۔

ترکیب: ''قاصداں زوباز گشتند'' سے واقعہ کی ایک کڑی ختم ہوجاتی ہے یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا راز افشا کردیا تو وہ لوگ ناامید ہوکر واپس چلے گئے۔ پھر آں زماں سے لے کر الی آخر البتیین دوسری کڑی ہے جو ایک جملے میں ادا ہوئی ہے اور اس میں بیاورد فعل ہے۔ اگلے شعر میں بہر سوگند اسی فعل سے متعلق ہے۔

ترجمہ: (دعوت کا) پیغام لانے والے آپ سے (جواب لے کر) واپس جانے لگے (مگر پھر) اسی وقت (کچھ سوچ کر) ہر منافق فریب سے حاش للہ پکارتا ہوا بغل میں قرآن مجید لے کر پیغمبر خدا کے پاس حاضر ہوا۔

مطلب: پہلے تو وہ لوگ نادم وشرمسار ہوکر واپس چلے گئے مگر پھر راستے میں سوچا کہ یوں چپ چاپ واپس جانے میں ہم واقعی جھوٹے اور دغاباز سمجھے جائیں گے آؤ اپنی صفائی اور بریت کے لیے ذرا اور زور لگا کر دیکھیں۔ پھر وہ اپنی سچائی ظاہر کرنے کے لیے قرآن مجید لے کر دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے توبہ توبہ ہم اور آپ کے ساتھ دھوکا؟ یہ ناممکن ہے بلکہ ہم نے تو خالصاً لوجہ اللہ یہ مسجد تعمیر کی ہے۔ آپ کچھ اور خیال نہ فرمائیں۔

بہرِ سوگند آنکہ ایماں جُنّتے ست　　زانکہ سوگند آں کژاں راسُنّتے ست

لغات: ایماں فتح الف جمع یمین۔ قسم۔ سوگند حبۃ بضم جیم سپر۔ ڈھال۔ آں کژاں وہ کج نہاد و بدفطرت لوگ مراد منافق۔ بعض شارحین نے کلمہ آں کو سوگند سے ملا کر سوگنداں جمع سوگند سمجھا ہے۔ **وھذا مما لا یویدہ الذوق۔**

ترجمہ: (منافق پھر حاضر ہوئے) سوگند (کھانے) کے لیے کیونکہ قسمیں (ان لوگوں کے لیے) ایک ڈھال ہیں (اور) اس لیے کہ (بات بات پر) قسم کھانا کج نہاد لوگوں کی (ایک عام) عادت ہے۔

مطلب: یہ بات اس آیت سے اقتباس ہے جو منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ **اتَّخَذُوْا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔** ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے تو (اس کی آڑ میں لوگوں کو) راہ خدا سے روکتے ہیں (کیا ہی) برے کام ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ (منافقون ۱۰)

چوں ندارد مردِ کژ در دیں وفا　　ہر زمانے بشکند سَوگند را

ترجمہ: چونکہ کج نہاد آدمی دین پر پوری طرح عامل نہیں ہوتا اس لیے وہ بار بار قسم (کھاتا اور اس کو توڑتا رہتا ہے)۔

مطلب: جو شخص دین پر پورا عامل ہوتا ہے اول تو جانتا ہے کہ بات بات پر اللہ کو اپنی قسم کا نشانہ بنانا خلاف ادب ہے۔ لہٰذا قسم کم کھاتا ہے اور اگر کھاتا ہے تو پھر اس کا دین ان کو نباہنے کا متقاضی ہوتا ہے لہٰذا وہ قسم کو توڑتا نہیں لیکن بے دین زیادہ قسمیں بھی کھاتا

ہے اور ان کو توڑتا بھی رہتا ہے۔ یہی حال منافقوں کا ہے۔ منافقوں کی کثرت حلف کی اوپر یہ وجہ بیان کی تھی کہ ان کو موردِ الزام اور ہدف اتہام بننے سے بچنے کے لیے اس سے ڈھال کا کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں اس کی دوسری یہ وجہ بیان کی ہے کہ بے دینی کے سبب سے قسم توڑتے رہتے ہیں اس لیے بے اعتباری کے سبب سے بار بار تجدید حلف کرنی پڑتی ہے۔ کثرتِ حلف کی احادیث میں نہی وارد ہے۔ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الْحَلْفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّهٗ یُنْفِقُ ثُمَّ یَمْحَقُ یعنی ابو قتادہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خرید و فروخت میں زیادہ قسم سے بچا کرو۔ کیونکہ وہ مال کی بکری تو کرا دیتی ہے (مگر) پھر برکت گھٹا دیتی ہے۔ (ریا الصالحین)

اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانی درست نہیں۔ باپ کی قسم، بیٹے کی قسم، جان کی قسم، تمہاری قسم، رزق کی قسم، علم کی قسم وغیرہ سب ناجائز ہیں۔ بعض لوگ قسم کے طور پر کہا کرتے ہیں میں کافر ہو جاؤں، ایمان نہ رہے، کلمہ نصیب نہ ہو، کعبہ سے پھر جاؤں (معاذ اللہ من ذالک الخرافات) اس قسم کی تمام قسمیں منع ہیں اور ان سے ایمان کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ حَلَفَ کَاذِبًا فَهُوَ کَمَا قَالَ وَاِنْ کَانَ صَادِقًا فَلَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الْاِسْلَامِ سَالِمًا۔ یعنی جو شخص قسمیں کھا کر کہے کہ (اگر) میں (ایسا کیا ہو تو) اسلام سے بے تعلق ہو جاؤں۔ تو اگر اس نے یہ قسم جھوٹی کھائی ہے تو اپنے کہے کے مطابق (اسلام سے بے تعلق) ہے اور اگر سچا ہے تو بھی اسلام کی طرف (گناہ سے) سلامت نہ پھرے گا۔ (ریاض الصالحین)

بعض لوگوں کو بطورِ تکیہ کلام بات بات پر واللہ، باللہ، یا خدا کی قسم کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ یہ قسم لغو ہے۔ اس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں۔ نہ کفارہ لازم آتا ہے اور نہ اس پر کوئی وعید آئی ہے۔ البتہ اس کا لغو ہونا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ اچھا کام نہیں۔ اس کو چھوڑ دینا ہی چاہیے۔ خدا کے نام پاک کی بزرگی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ہر وقت اپنی قسم کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ بے ضرورت قسم کھانے سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں ایک تو گویا تم اپنے مخاطب پر اس کے یقین کی کمزوری کا الزام لگا رہے ہو کہ وہ قسم کے بغیر تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کرتا۔ دوسرے قسم کھانے سے تمہارا یہ مدعا سمجھا جائے گا کہ تم اس وقت جھوٹ نہیں بولتے جس سے لازم آتا ہے کہ گویا تم دوسرے وقت کبھی کبھی جھوٹ بولنے کا اعتراف کر رہے ہو۔ غرض کثرتِ حلف منافقوں بد عہدوں کج نہاد اور بیدین لوگوں کا کام ہے بخلاف اس کے:۔

راستاں را حاجتِ سوگند نیست   زانکہ ایشانرا دو چشمِ روشنے ست

ترجمہ: سچے (اور راستباز) لوگوں کو قسم کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کو دو (حق بین) آنکھیں حاصل ہیں (جن سے وہ زیادہ قسمیں کھانے کی لغویت کو دیکھ رہے ہیں)۔

مطلب: اگرچہ شعر کا مطلب اقرب الی الفہم یہی ہے کہ کج نہاد کثیر الحلف کے مقابلے میں یہاں اسی راستی پسند کا ذکر ہے جو قسم کھانا پسند نہیں کرتا، مگر ایک طرح یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ کج نہاد زیادہ قسمیں کھانے کا عادی ہے مگر راست باز حق شناس کو اس کی قسمیں سننے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی نگاہِ حق بین سے خود کھوٹا کھرا معلوم کر لیتا ہے۔ کما قیل۔

بسوگند گفتن کہ زر مغربی ست   چہ حاجت محک خود بگوید کہ چیست

نقضِ میثاق و عہود از احمقی ست   حفظِ ایمان و وفا کارِ تقی ست

لغات: نقض توڑ ڈالنا۔ میثاق عہد۔ پیمان۔ عہود عہد کی جمع۔ تقی پرہیزگار۔

ترجمہ: اقرار اور عہدوں کا توڑ ڈالنا حماقت (کی قبیل) سے ہے قسموں کو نباہنا اور پورا کرنا ایک پرہیز گار کا شیوہ ہے۔ حافظؒ ؎

وفائے عہد نکو باشد ار بیاموزی وگرنہ ہر کہ بینی ستمگری داند

گفت پیغمبرؐ کہ سوگندِ شما راست گیرم یا کہ سوگندِ خدا

ترجمہ: (غرض) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (منافقوں کی قسمیں سن کر) فرمایا میں تمہاری قسم کو سچا سمجھوں یا خدا کی قسم کو (جو فرماتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں)۔

مطلب: اللہ کی یہ قسم ہے کہ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ "اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ بولتے ہیں۔" (المنافقون ع ۱)

باز سوگندِ مکرر خورد قوم مُصحف اندر دست و برلب مُہرِ صوم

ترجمہ: (ان) لوگوں نے پھر دوبارہ قسم کھائی (اور اس مسلمانی کے ساتھ کہ) ہاتھ میں قرآن مجید تھا اور منہ پر روزے کی مہر (تھی جو کھانے پینے سے مانع تھی)۔

مطلب: یعنی ان لوگوں نے اپنی قسم کی پختگی کے لیے قرآن ہاتھ میں اٹھا کر کہا کہ ہم روزے کے ساتھ ہیں اس لیے جھوٹ نہیں بولتے بلکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ تو قسم کھانے کی حکایت تھی آگے ان کی قسم اور جوابِ قسم آتی ہے:۔

کہ بحقِ ایں کلامِ پاک راست کہ بنائے مسجد از بہرِ خداست

ترجمہ: کہ ہمیں اس پاک اور سچے کلام کی قسم ہے کہ (اس) مسجد کی تعمیر (خاص) خدا کے لیے (کی گئی) ہے۔

اندریں جاہیچ مکرو حیلہ نیست قصدِ مازاں صِدق و ذکرِ یارَ بے ست

ترجمہ: اس جگہ کوئی مکر اور حیلہ نہیں ہمارا اس سے مقصود سوائے سچائی کے اور یا رب (یارب) کے ذکر کے اور کچھ نہیں۔

گفت پیغمبرؐ کہ آوازِ خدا میرسد درگوشِ من ہمچوں صدا

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (میں) خدا (کے حکم میں کیونکر شک کر سکتا ہوں مجھے تو اس) کی آواز برابر صدا کی طرح سنائی دے رہی ہے، (کہ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا) اس میں کبھی بھی قیام نہ کرنا۔

مُہر برگوشِ شما بنہادِ حق تا باآوازِ خدا نارد سبق

ترجمہ: (لیکن تم جو اس آواز کو نہیں سنتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) حق تعالیٰ نے تمہارے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ حتیٰ کہ وہ خدا کی آواز کو ادراک نہیں کر سکتے۔

مطلب: یہ اشارہ ہے اس آیت کے مضمون کی طرف کہ اَللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (بقرہ ع ۱)

ہِنک صریح آوازِ حق مے آیدم ہمچو صاف از دردِ مے پالا یدم

لغات: صاف شراب ناب، خالص شراب دُرد بضم دال اول میل، گدلا پن، کدورت۔

ترجمہ: دیکھو مجھے صاف طور پر حق تعالیٰ کی آواز آ (سنائی دے) رہی ہے۔ جو خاص چیز کی طرح مجھے میل سے پاک کر رہی ہے۔

مطلب: فارسی میں صاف بمعنی مصفا سے عموماً شرابِ صاف مراد لیتے ہیں۔ تازہ نکالی ہوئی شراب میں کچھ تلچھٹ مخلوط ہوتا ہے اس کو دُرد کہتے ہیں، جب شراب [illegible] قابلِ تعریف سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے ادبیاتِ عرب میں پرانی

شراب کی بہت تعریف آتی ہے کیونکہ اس کی کدورت تہ نشین ہو جاتی ہے ہم نے اس تشبیہ میں بتقاضائے ادب شراب کا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کیا، لہٰذا صاف سے صاف چیز مراد لے لی مطلب یہ کہ اے منافقو! تمہاری جھوٹی قسمیں اور بناوٹی دعوے مجھے کسی شبہ و شک میں نہیں ڈال سکتے، کیونکہ آوازِ حق مجھے اس قسم کے تمام شکوک سے پاک کر رہی ہے۔ اور مجھے آوازِ حق کا سنائی دینا کوئی موجب تعجب نہیں۔ پہلے انبیاء بھی اس آواز کو بلاواسطہ سن چکے ہیں جس کی ایک نظیر آگے مذکور ہے:۔

ہمچنانکہ موسیٰ از سُوئے درخت　　　　بانگِ حق بشنید کائے مسعود بخت!

ترجمہ: جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے درخت کی طرف سے حق کی آواز سنی تھی کہ اے خوش نصیب!

مطلب: موسیٰ علیہ السلام کے اس آواز کے سننے کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ فلما اتٰها نُودِیَ من شاطئی الوَادِ الایمن فی البقعہِ المبارکۃِمن الشجرۃِ اَن یموسیٰ اِنّی انا اللہ ربُّ العلمین. پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے، تو (اس) مبارک جگہ میں میدان کے داہنے کنارے (ایک) درخت تھا (اس میں) سے ان کو آواز آئی کہ موسیٰ! (یہ تو) ہم اللہ ہیں سارے جہان کے پروردگار۔ (قصص ع4)

از درخت اِنّی اَنَا اللّٰہ مے شنید　　　　با کلام انوار مے آمد پدید

ترجمہ: (چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اس) درخت سے انی انا اللہ (کی آواز) سنتے تھے (اور اس) کلام (ربانی) کے ساتھ انوار نمایاں ہو رہے تھے۔

مطلب: جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو آوازِ حق نے اس رتبہ پر پہنچا دیا کہ ان کی بدولت حق و باطل میں امتیاز ہو گیا اور باطل پرست غرقِ دریا ہو گئے۔ یہی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا کہ مجھ پر تمہاری باطل قسموں سے حق کیونکر مشتبہ ہو سکتا ہے۔

چوں زنورِ وحی وامے ماندند　　　　باز نو سوگند ہا مے خواندند

ترجمہ: (مگر) جب وہ (منافق) نورِ وحی کے کشفِ راز کی وجہ سے عاجز آ جاتے تو پھر نئی قسمیں کھانے لگتے، (کہ نہیں نہیں ہم سچ عرض کرتے ہیں)۔

مطلب: ایک مرتبہ وہ اپنی قسموں اور دعووں سے مطمئن ہو جاتے تھے کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے متعلق تسلی ہو گئی ہوگی مگر جب وحی کی روشنی میں ان کی قسمیں اور دعوے باطل نظر آنے لگے تو وہ عاجز آ جاتے پھر دوبارہ قسمیں کھانے لگتے۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب اس قدر ان کی تکذیب کر دی گئی تو اب وہ کس امید پر قسمیں کھاتے جاتے تھے اور کس برتے پر اپنی تصدیق کے متوقع تھے۔ مولانا اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

چوں خدا سوگند راخو انده سپَر　　　　کے نہد اسپَر زکف پیکار گر

ترجمہ: جب خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں قسم کو ڈھال قرار دیا ہے، تو بھلا لڑنے والا ڈھال کو ہاتھ سے کب رکھتا ہے۔

مطلب: قرآن مجید کی سورہ منافقون میں ارشاد ہے، اتَّخَذُوٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً یعنی منافقوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے جن کی پناہ میں وہ اپنی پاداشِ نفاق سے بچ جانے کی کوشش کیا کرتے ہیں چنانچہ جب کوئی شخص مصروفِ جنگ ہوتا ہے تو اگرچہ اس کو یقین ہو کہ میں ہار جاؤں گا، مگر تب بھی طبعاً سپر بے اختیار سامنے آ ہی جاتی ہے اسی طرح ان لوگوں کو اگرچہ یقین تھا کہ ہماری باتیں سب غلط ثابت ہو گئیں مگر پھر بھی وہ برابر قسمیں کھائے چلے جاتے تھے کہ شاید یقین آ جائے۔

باز پیغمبر بتکذیبِ صریح　　　　قَدْ کَذَبْتُم گفت با ایشاں فصیح

ترجمہ: پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھلے طور پر جھٹلاتے ہوئے صاف لفظوں میں ان سے فرمایا کہ تم جھوٹ بکتے ہو۔

اندیشیدن یکے از اصحاب کہ چرا رسول ستاری نمیکند

ایک صحابی کے دل میں وسوسہ آنا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ پوشی کیوں نہیں کرتے

تا یکے یارے زیارانِ رسولؐ　　دردلش اِنکار آمد زاں نکول

لغات: انکار بمعنی شبہ و وسوسہ استعمال ہوا ہے نکول قسم کھانے سے انکار کرنا مگر یہاں قسم کو قبول کرنے سے انکار مراد ہے۔

ترجمہ: (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صریحاً ان لوگوں کی تکذیب کرتے رہے) حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی کے دل میں (آپ کے قبولِ قسم سے) اس انکار کرنے پر یہ وسوسہ آیا کہ

کاینچنیں پیرانِ باشیب ووقار　　میکند شاں آں پیمبرؐ شرمسار

لغات: شیب فتح شین بڑھاپا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال سفید ہو جانا۔

ترجمہ: کہ ایسے ایسے بڑھے سفید ڈاڑھی والے اور باوقار (آئے ہیں اور) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو شرمندہ کر رہے ہیں۔

کو کرم کو ستر پوشی کو حیا　　صد ہزاراں عیب پوشند انبیا

ترجمہ: (اس وقت آپ کا طبعی) کرم کہاں ہے پردہ پوشی کہاں ہے (اور آپ کی) حیا (ئے جبلی) کہاں ہے انبیائے علیہم السلام لوگوں کے لاکھوں عیب ڈھک لیتے ہیں اور آپ تو سرورِ انبیاء ہیں۔

نوٹ: جائے غور ہے کہ خطور وسوسہ کس قدر اضطراری امر ہے کہ ایک مومن مسلم اور وہ بھی صحابی جو پیغمبری صحبت کی بدولت ایمان و ایقان کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے اس بلا سے امن نہیں پاتا۔ بات یہ ہے کہ نفس اور شیطان ہو بلا کی وسوسہ انگیز طاقتیں ہیں جو ہر وقت اس تاک میں رہتی ہیں کہ جب موقع ملے تو کسی مومن کے دل میں کوئی نہ کوئی تشویشناک خیال ڈالیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرعاً کسی کو وسوسہ پر کوئی مؤاخذہ نہیں تاوقتیکہ وہ شخص اس کا قائل نہ ہو اور اسے زبان پر نہ لائے، تاہم شرطِ ایمان یہ ہے کہ وسوسوں کو دور کرتے اور اپنے دل کو مختلف دلائل سے تسلی دیتے رہیں۔ حافظؒ

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست　　ہشدار گوشِ دل بہ پیامِ سروش کن

خطور وسوسہ ایک اضطراری امر ہے

باز در دل زود استغفار کرد　　تانگردد ز اعتراض اُو روئے زرد

ترجمہ: پھر اس نے فوراً دل (ہی دل) میں استغفار کی کہ مبادا اس اشتباہ (کی پاداش) سے میں خدا کی درگاہ میں نادم ہوں۔

نوٹ: صحابی کا یہ اعتراض و اشتباہ بصورتِ انکار نہیں تھا کہ وہ درجۂ کفر تک پہنچتا، بلکہ یہ ایک وسوسہ تھا، جو ان کے دل میں اضطراراً آ گیا پھر ان کا اس وسوسہ کے بعد استغفار کرنا ان کے علوِ مقام کے لحاظ سے تھا۔ کیونکہ ایسے وسوسے کو بھی بمنزلہ گناہِ عظیم سمجھنا مقربوں کی شان میں داخل ہے ورنہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اگر کوئی وسوسہ دل میں آئے اگرچہ وہ ایسا وسوسہ ہو کہ اس کا اعتقاد کفر ہو تو وہ مضر نہیں تاوقتیکہ اس کو زبان پر نہ لائے اور جب اس وسوسے کے بعد اس سے انکار کا خیال بھی دل میں آئے تو یہ عین ایمان ہے۔ (بحر العلوم)

خطور وسوسہ موجب ایمان ہے

لیک آں نقشِ کجش از دل نرفت　　مہر بد از طبع بیحاصل نرفت

لغات: نقشِ کج بیہودہ خیال جو دماغ سے اٹھ کر دل میں منقش ہو جائے۔ بیحاصل جس کو کچھ نفع نہ ہو۔

ترجمہ: (لیکن توبہ و استغفار کے باوجود وہ بے ہودہ خیال ان کے دل سے دور نہ ہوا برے لوگوں (منافقوں) کی طرف داری کا جذبہ (ان کی) طبیعت سے جو (اس خیال سے) کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہی تھی)، زائل نہ ہوا۔

مطلب: صحابی کی طبیعت کو مطلقاً بے حاصل یعنی محروم المنافع کہنا درست نہیں اس لیے ہم نے یہ تاویلی ترجمہ کیا ہے کہ اس کے دل میں اس وقت منافقوں کی طرف داری کا جو خیال سما رہا تھا وہ ان کے لیے سراسر غیر مفید تھا۔ صرف اسی لحاظ سے ان کی طبیعت کو بیحاصل کہا گیا ہے۔ اس بیت سے ظاہر ہے کہ وسوسہ کس قدر ہٹیلی اور بے درماں بلا ہے کہ جب پیچھے پڑ جائے تو اس سے چھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا ہے، مگر یہ خوب یاد رہے کہ اس طرح وساوس کی پختگی کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً اکلِ حرام، قلتِ ذکر و فکر، صحبتِ اشقیاء وغیرہ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

شومیِ یاریِ اصحابِ نفاق کرد مومن را چو ایشاں زشت و عاق

لغات: شومی نحوست۔ اصحاب نفاق منافقین۔ عاق نافرمان۔

ترجمہ: (دیکھو) منافقوں کی صحبت کی نحوست نے ایک مومن (بلکہ صحابی) کو بھی ان کی طرح برا اور نافرمان (بننے پر آمادہ) کر دیا۔

مطلب: صحابی کو مطلقاً زشت و عاق کہنا سوءِ ادب تھا۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ خطورِ وسوسہ نے ان کو ان کی خرابیوں کے قریب پہنچا دیا تھا اگر کوئی شخص ایسے وسوسہ کو زبان پر لائے اور اس کا معتقد ہو جائے تو بس وہ زشت و عاق ہے لیکن یہ صحابی ایسے نہ تھے کیونکہ وہ بار بار استغفار کرتے تھے پھر بھی جو یہ وسوسہ پیچھا نہ چھوڑتا تھا تو یہ ایک امرِ اضطراری اور قابلِ عفو ہے۔ اس بیت سے ظاہر ہوا کہ یہ تواترِ خطور محض منافقوں کی صحبت کی نحوست تھی۔ اسی طرح بعض خاص عملی نقائص کثرتِ وساوس کے موجب ہو جایا کرتے ہیں۔ ہاقیؒ۔

زہم صحبتِ بدگزندت رسد پسندش کی ناپسندت رسد

باز میزارید کاے علامِ سر مر مرا مگذار بر کفراں مُصِر

لغات: علامِ سر بھید کو خوب جاننے والا۔ کفران ناشکری۔ مصر بضمِ میم و کسرِ صاد اصرار کرنے والا۔

ترجمہ: وہ پھر رو (رو کر التجا) کرتے تھے کہ اے چھپی باتوں کو خوب جاننے والے مجھ کو ناشکری پر اصرار کرنے والا نہ رہنے دے (یعنی میرے دل میں یہ وسوسہ بار بار نہ آنے دے)۔

مطلب: علامِ سر کہہ کر حق تعالیٰ سے مناجات کرنے میں دو باتوں کی رعایت مضمر ہے۔ ایک تو یہ کہ تو میرے اس مرضِ وسوسہ کو خوب جانتا ہے اور مرض کا علاج بخوبی وہی معالج کر سکتا ہے جو اس مرض کو اچھی طرح سمجھتا ہو دوسرے یہ کہ قلبی حالتوں اور نیتوں کو تو پوری طرح جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ یہ وسوسہ میرے دل میں خود بخود پیدا ہوا ہے اور اب میرے اختیار سے باہر ہے۔ لہٰذا میں قابلِ عفو ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں شکوک و وساوس دل میں پیدا ہونا ناشکری اس لحاظ سے قرار دیا ہے کہ ایک ایسے رسول کی بعثت جس نے کفر و شرک میں ہدایت و ضلالت میں ظلم و عدل میں اور حق و باطل میں نمایاں فرق کر دیا جس سے کافۃ الناس کے لیے دوزخ سے بچنے اور بہشت کے مستحق ہونے کا راستہ آسان ہو گیا حق تعالیٰ کا بنی آدم پر سب سے بڑا احسان ہے۔ پس ایسے نبی برحق، محسن عالم اور مشفقِ بنی آدم کے بارے میں شکوک و شبہات کو اپنے دل میں جگہ دینا اس احسان کی ناشکری ہے مگر جب اس قسم کے شکوک و وساوس کا خطور اختیار سے باہر ہے اور اسی لیے ان پر مؤاخذہ

بھی نہیں تو ان صحابی کا اس کو اپنا گناہ قرار دینا خود اپنے آپ کو اس پر اصرار کرنے کا ملزم ٹھہرانا ان کے علوِ مقام کے تقاضے سے تھا۔ آگے وہ صحابی اپنی معذوری اور بے بسی ظاہر کرتے ہیں۔

دل بدستم نیست ہمچوں دیدِ چشم ورنہ دل راسوزمے ایندم زخشم

ترجمہ: (الٰہی) میرا دل آنکھ کی بینائی کی طرح میرے قبضہ (اختیار) میں نہیں ہے۔ ورنہ میں اسی وقت غصے کے ساتھ دل کو پھونک ڈالتا۔

مطلب: یہ جو کہا ہے کہ دل پر اختیار دیدِ چشم کی طرح نہیں ہے تو اس میں دیدِ چشم کی تشبیہ یا تو دل پر اختیار ہونے کی نفی ہیں ہے یا منفی میں۔ پہلی صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ جس طرح آنکھوں کی بینائی میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ قدرت کے ہاتھ میں ہے اسی طرح دل پر بھی مجھے کوئی اختیار نہیں۔ دوسری صورت میں مدعا یوں ہوگا کہ جس طرح مجھے آنکھوں سے دیکھنے پر قدرت حاصل ہے جب آنکھ کھلی دیکھ لیا، یوں مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں کہ جدھر چاہا اسے پھیر لیا۔

اندریں اندیشہ خوابش در ربود مسجد ایشانش پر سُرگیں نمود

ترجمہ: اسی حال میں ان کو نیند آگئی تو (خواب میں) ان منافقوں کی مسجد ان کو گوبر سے پُر (یعنی گندی و ناپاک) نظر آئی۔

سنگہاش اندر حدَث جائے تباہ مید میداز سنگہا دُودِ سیاہ

لغات: حدث بے وضو ہونا مگر یہاں ناپاکی مراد ہے۔ جائے تباہ بری جگہ۔ میدن اُگنا، جوش سے نکلنا، پھونک مارنا، ہوا کا چلنا، طلوع کرنا، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔

ترکیب: سنگہاش مرکب اضافی مبتدا اندر حدث متعلق خبر محذوف یعنی آلودہ کے۔ جائے تباہ الگ جملہ اسمیہ ہے۔

ترجمہ: اس (مسجد) کے پتھر ناپاکی (وغلاظت) میں (آلودہ تھے، وہ) جگہ (بھی نہایت) خراب (تھی اور) پتھروں سے کالا دھواں اٹھ رہا تھا۔

دُود در حلقش شد و حلقش بخست از نہیبِ دودِ تلخ از خواب جست

ترجمہ: دھواں (بھی ایسا زہریلا تھا کہ کسی قدر) ان کے حلق میں داخل ہوا اور ان کے حلق میں سوزش پیدا کر دی (حتیٰ کہ) وہ اس تلخ دھوئیں کے خوف سے بیدار ہو گئے۔

مطلب: یہ خواب تمثیلی تھا جس میں اس مسجد کی برائیوں کو مختلف تمثیلات میں دکھایا گیا تھا چنانچہ مسجد کا گوبر سے پر ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ کفر و نفاق کی اعمال گاہ ہے بعض نسخوں میں بر سرگین یائے موحدہ کے ساتھ درج ہے یعنی وہ مسجد گوبر پر بنائی گئی تھی۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی بنا ناپاک اغراض پر رکھی گئی تھی۔ پتھروں کا ناپاکی سے آلودہ ہونا اور ان سے دھواں اُٹھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسجد ان اغراض سے متلبس ہے جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں اور حلق کے اندر دھوئیں سے سوزش ہو جانے کی تعبیر یہ ہے کہ یہ صحابی بھی منافقوں کی محبت اور طرف داری کے خیال سے آلودہ ہونے کی پاداش میں مستوجب سزا بن گئے تھے۔ صاحب کلید سلمہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسجد ضرار کا یہ سارا قصہ جس طرح مولانا نے یہ بیان کیا ہے۔ حدیث و سیر کی کتابوں میں کہیں مذکور نہیں اور پھر یہ صحابی کا قصہ تو مطلقاً کہیں ہے ہی نہیں۔ تو انہوں نے یہ قصہ کہاں سے نقل کیا ہے اس کی توجیہ یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ حدیث منامی کو بیان کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان پر سب حالات

اس طرح منکشف ہوئے کہ یوں ہوا ہے اور خواب محتاج تعبیر ہوتا ہے، مگر انہوں نے تعبیر نہیں دی، بلکہ اس کو واقعہ ہی سمجھ کر یہاں ذکر کر دیا اور چونکہ یہ قصہ ایسا ہے کہ جس پر دین کا کوئی مدار نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی حکم نکلتا ہے اس لیے اگر اس کو اپنے لفظوں میں بھی روایت کر دیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں انتہیٰ غرض ان صحابی کو اس خواب سے سخت عبرت حاصل ہوئی اور:۔

در زماں در رُوفتادو میگریست کاے خُدا اینہا نشانِ منکری ست

ترجمہ: اسی وقت سجدے میں گر گئے اور رو (رو کر عرض) کرتے تھے کہ اے خدا یہ باتیں تو (میرے) انکار کی (بیہودگی کی) نشانی ہیں۔

مطلب: یعنی مسجد ضرار کا نفرت انگیز نقشہ جو خواب میں دکھایا گیا ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایسی مسجد کے بانیوں کو جس قدر بھی سرزنش کی جائے کم ہے میرا اس سرزنش پر معترض ہونا سخت نازیبا اور بے ہودہ تھا۔ جو اس خواب سے مجھ پر ہویدا ہو گیا۔ یہ مطلب منکری بمعنی اعتراض کی صورت میں ہے اگر منکری بمعنی کفر مراد ہو تو یوں مطلب ہوگا کہ مسجدِ ضرار کے اس نقشے سے تو ان لوگوں کا کفر بالکل ظاہر ہے اور وہ ہرگز کسی رحم و درگذر کے مستحق نہ تھے میں سخت غلطی میں مبتلا تھا کہ ان کی طرفداری کر رہا تھا۔ صائبؒ۔

برزبان و دل چوکج باشد نبخشاید کسے ازدم کژدم گرہ جز سنگ نکشاید کسے

خِلم بہتر از چنیں حِلم اے خُدا کہ کنداز نُورِ ایمانم جُدا

لغات: خلم بکسر و بضم خاے معجمہ ناک کا غلیظ پانی، مگر اکثر شارحین نے اس کے معنی سبکساری، سختی، نفرت کے لیے ہیں مگر ہم کو ان معانی کے ماخذ نہیں ملے۔ شاید یہ معانی مجازاً قائم کر لیے ہوں مکاشفاتِ رضویہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلمہ دونوں جگہ حلم بجائے مہملہ ہے۔ اس تقدیر پر بھی الگ ترجمہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۱) اے خدا (مجھے اب معلوم ہوا کہ) ایسے حلم سے جو مجھے نورِ ایمان سے محروم کر دے (وہ) نفرت (ہی) بہتر ہے (جو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان منافقوں کے سامنے ظاہر فرمائی۔

(۲) اے خدا (مجھے اب معلوم ہوا کہ) ایسے حلم سے جو مجھے نورِ ایمان سے محروم کر دے (وہی) حلم بہتر ہے (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیوہ ہے)۔

مطلب: پہلے ترجمہ کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ واقعی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سختی جس کو میں برا سمجھتا تھا آپ کے حلم سے بہتر ہے جس کو میں اچھا سمجھتا تھا اس سے تو میرے نورِ ایماں کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ جب میں اس حلم کو اچھا سمجھوں اور پایا نہ جائے بلکہ اس کی ضد پائی جائے تو لامحالہ میں اس ضد کو برا سمجھنے لگوں گا اور یہ میرے سلب ایمان کا باعث ہوگا (کلید) دوسرے ترجمہ کی رو سے یہ مطلب ہوگا کہ میں نے حِلم کا معیار غلط قائم کر لیا تھا اور جب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلم کو اپنے قائم کردہ معیار سے پرکھنے لگا اور اُسے اُس معیار کے مطابق نہ پایا تو دل میں شکوک پیدا ہوئے جس سے ایمان سلب ہو جانے کا اندیشہ ہے پس میں اپنے قائم کردہ معیار کو غلط اور برا سمجھتا ہوں، جس سے ایمان کے جاتے رہنے کا خوف ہے بلکہ وہی حِلم اچھا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شیوۂ خاص ہے جو خواہ نرمی کی صورت میں جلوہ گر ہو یا سختی کے رنگ میں بہرحال وہ حلم سراپائے رحمت ہے۔ بقول اقبال سلمہ۔

لطف و قہر او سراپا رحمتے آں بیاراں ایں باعدا رحمتے

آنکہ براعدا درِ رحمت کشاد مکہ را پیغام لَا تَثْرِیْبَ داد

منافقین کی اس سعیِ لاحاصل اور کوششِ بے سود کے متعلق فرماتے ہیں کہ دنیا کے اکثر بے دین لوگوں کا یہی حال ہے۔

گر بکاوی کوششِ اہلِ مجاز تو بتو گندہ بود ہمچوں پیاز

لغات: کاوی کا دیدن (کھودنا) سے اہلِ مجاز حق سے نابلد حقیقت سے دور، دین کے جھوٹے مدعی، منافق، ضعیف الایمان، نام کے مسلمان تو بتو تہ بہ تہ۔

ترجمہ: اگر تم ان نام کے مسلمانوں کی کوششوں کا سراغ لگاؤ تو پیاز کی طرح تہ بہ تہ گندہ (اوصاف سے پُر ثابت) ہوں گے۔

ہر یکے از دیگرے بے مغز تر صادقاں را یک زِ دیگر نغز تر

لغات: بے مغز پیاز کو بے مغز اس لحاظ سے کہا ہے کہ ہر قسم کی نباتی پیداوار میں چھلکے کے اندر مغز ہوتا ہے مگر یہ ایک پیداوار ہے کہ اس میں چھلکے پر چھلکے چڑھے ہیں۔ مغز کا کہیں پتا نہیں لہٰذا ایسے نکمے اور بے فیض اشخاص کو پیاز سے تشبیہ دیا کرتے ہیں جو بناوٹ کے تہ بہ تہ لباسوں میں بڑے خوش اخلاق اور فیض رساں نظر آئیں مگر موقع پڑے تو نہایت بے فیض اور ناکارہ ثابت ہوں۔ کما قال السعدیؒ۔

آنکہ چوں پستہ دیدمش ہمہ مغز پوست بر پوست بود ہمچو پیاز

پس نکمے لوگوں کی تشبیہ پیاز کے ساتھ نکما ہونے میں نہیں، بلکہ بے مغز ہونے میں ہے اور مغز سے مجازاً نیک اوصاف مراد ہیں ورنہ پیاز بجائے خود نکمی چیز نہیں بلکہ دال سالن کی جان ہے، اور صدہا امراض کی دوا ہے، نغز عمدہ نادر، خوب۔

ترجمہ: (ان کی) ہر ایک (تہ) دوسری سے زیادہ بے مغز ہوگی (بخلاف اس کے اللہ کے) سچے بندوں کی (ہر تہ) ایک سے ایک زیادہ عمدہ (ہوتی ہے)۔

صد کمر بستہ بمکرآں قومِ سُست از نفاق وزُرق و دینِ نادرست

صنائع: کمر اور مکر میں تجنیسِ قلب ہے۔

ترجمہ: ان لوگوں نے اہلِ قبا کی مسجد کو منہدم کرنے کے لیے قبا کے اوپر سے (یعنی علانیہ) سو طرح سے کمریں باندھ رکھی تھیں۔

مطلب: قبا بضم قاف مدینے سے قریب ایک بستی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو پہلے اس بستی میں اترے اور یہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی جو اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے اس کا نام مسجدِ قبا ہے اور قرآن مجید میں اس کی یوں تعریف ہے۔ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ "ہاں وہ مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی اس کا البتہ حق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو کر امامت کیا کرو کیونکہ اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب صاف ستھرے رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب صاف ستھرے رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے (توبہ ع ۱۳) منافقوں نے اسی مسجد کو ویران کرنے کے لیے اس کے مقابلے میں مسجدِ ضرار تعمیر کی تھی قبا کے اوپر سے کمر باندھنے کی شرط میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اہلِ فوج جنگی تیاری کے وقت فوجی لباس کے اوپر سے اپنی کمروں کو پٹکوں سے کستے ہیں اسی طرح ان منافقوں کی یہ کوششیں مسجدِ قبا کی تباہی کے لیے کوئی در پردہ نہ تھیں بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ تھیں اگرچہ وہ ان کوششوں کو از راہِ فریب دوسرے رنگ میں ظاہر کرتے تھے مگر ان کی تمام کوششیں

بحکم خدا نارت ہو گئیں جیسے کہ اصحابِ فیل کا حشر ہوا تھا۔

ہمچو آں اصحابِ فیل اندر حبش کعبۂ کردند و حق آتش زدش

لغات: اصحابِ فیل ہاتھی والے ایک عیسائی فرماں روائے یمن اور اس کی فوج مراد ہے جس نے کعبہ شریف کو منہدم کرنے کے قصد سے مکہ پر چڑھائی کی تھی اور قدرتِ حق سے چھوٹی چھوٹی چڑیوں نے ساری فوج کو ہلاک کر دیا۔ مفتاح العلوم کی پانچویں جلد میں یہ قصہ درج ہو چکا ہے۔

ترجمہ: جیسے کہ ان اصحابِ فیل نے (جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے) حبش میں ایک (گرجا) کعبہ (کے مقابلے میں) تعمیر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے ایک بندے کے ہاتھ سے) اس میں آگ لگوا دی تھی۔

نوٹ: صحیح قصہ یوں ہے کہ یہ گرجا ملکِ یمن کے شہر صنعا میں تعمیر کیا گیا تھا حبش میں نہیں اور اس کو آگ نہیں لگائی گئی تھی بلکہ مالک ابن کنانہ نام ایک شخص نے رات کے وقت اس گرجا میں داخل ہو کر اس کی سب سے بڑی قبلہ رخ کی محراب میں پاخانہ پھرا اور پھر اس کو اٹھا کر محراب میں مل دیا۔ یہی واقعہ فرمانروائے یمن کے غصہ اور اس کے انتقام میں انہدامِ کعبہ کے ارادہ کا محرک ہوا مگر چونکہ فرمانروائے یمن اہلِ حبشہ میں سے تھا اور شاہ حبشہ کا صوبیدار تھا اور اس کی مدد و اعانت سے مکہ پر چڑھائی کی گئی تھی۔ شاید اس لحاظ سے مولانا نے حبشہ کا ذکر کر دیا یعنی وہ گرجا ملک حبشہ میں نہیں بلکہ قومِ حبش کے علاقہ میں تعمیر کیا جو ملک یمن میں آباد تھی اور اس گرجا کو آگ لگانے سے حقیقۃً آتش زدگی مراد نہیں بلکہ اس کی عزت و توقیر کو خاک سیاہ کر دینا اور اس کے بانیوں اور حامیوں کے دل میں حسد و بغض کی آگ مشتعل کر دینا مراد ہے۔

قصدِ کعبہ ساختند از انتقام حالِ شاں چوں شد فروخواں از کلام

ترجمہ: انہوں نے از راہِ انتقام کعبہ شریف (کو منہدم کرنے) کا قصد کیا تھا (پھر) ان کا کیا (حسرتناک) حال ہوا؟ (اس کی تفصیل) کلام (اللہ شریف) سے پڑھ لو۔

مرسیہ رویانِ دیں راخود جہیز نیست اِلّاحیلت و مکرو ستیز

ترجمہ: دین کے (لحاظ سے) کالے منہ والوں کے پاس حیلہ اور مکر اور جھگڑے کے سوا کوئی اور سامان نہیں۔

ہر صحابی دیدزاں مسجد عیاں واقعہ باشد یقیں شاں سِرِّ آں

ترجمہ: (ان صحابی کی طرح دوسرے) ہر ایک صحابی نے (بھی جو انہیں کی طرح مبتلائے شک ہو گئے تھے) اس مسجد (کی خرابی کا (وہ) واقعہ (خواب میں) نمایاں دیکھ لیا جس سے ان کو اس کی اصلیت کا یقین ہو گیا۔

واقعات ار باز گویم یک بیک پس یقیں گردد صفا بر اہلِ شک

ترجمہ: اگر میں ان واقعات (رویاء میں) سے ایک ایک کو بیان کر دوں۔ تو شکی (طبیعت کے) لوگوں کو (ان حضرات کی) صفائی (قلب) کا یقین ہو جائے۔

لیک مے ترسم زکشفِ رازِ شاں نازنینانند و زیبد نازِ شاں

ترجمہ: لیکن میں ان کے راز کے افشا کرنے سے ڈرتا ہوں۔ وہ نازنین ہیں۔ ان کو ناز (کرنا) زیب دیتا ہے۔

مطلب: بعض دیگر صحابہؓ کو بھی جو شکوک اس موقع پر عارض ہوئے ان کے بیان سے بعض کج طبع سامعین کے مبتلائے

وساوس ہونے کا اندیشہ ہے یعنی ان لوگوں کو خیال ہوگا کہ صحابہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل تصدیق نہ کرتے تھے حالانکہ یہ سب باطل ہے اور بالکل غلط ہے اگر ان کا کوئی سوال اعتراض کے رنگ میں ہو بھی تو وہ حقیقت میں اعتراض نہیں بلکہ ناز ہے اور کیوں نہ ہو یہ لوگ محبوبِ خدا کے محبوب اور نازنین ہیں۔ کما قیل۔

ستیز دوستاں یک گونہ نازے ست　　میانِ نازو وحشت امتیازے ست

شرع بے تقلیدمے پذ رفتہ اند　　بے محک آں نقد را بگرفتہ اند

صحابہ کی تقلید مذموم

لغات: تقلید کسی کی پیروی بلا طلب دلیل کرنا پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک تقلید محمود جیسے عوام پر لازم ہے کہ دین کے عقاید و اعمال میں مجتہد کی تقلید کریں تاکہ ہر شخص فرداً فرداً تحقیق و اجتہاد کی تشویش میں پڑ کر مبتلائے گمراہی نہ ہو جائے جیسے کہ غیر مقلد فرقوں کا حال ہے۔ دوسری تقلید مذموم جس سے یہ مراد ہے کہ اندھا دھند کسی ایسے شخص کے پیچھے بلا طلبِ دلیل لگ جانا جس کا تقویٰ و دیانت اور قوتِ علم و عمل کے متعلق اپنا اطمینان نہیں کیا۔ یا کسی ایسی بات یا رسم یا دستور کی نقل کرنے لگنا جس کی اصلیت اور فائدے پر غور نہیں کیا، جس کو بھیڑ چال کہتے ہیں مگر یہاں تقلید بمعنی اعم مراد ہے۔ محک کسوٹی' استدلالِ عقلی مراد ہے۔

ترجمہ: (ان کے علوِّ شان کا اندازہ اس سے لگالو کہ) انہوں نے شریعت کو بلا تقلید قبول کیا ہے اور اس نقدِ ایمان کو استدلال کی کسوٹی کے بغیر حاصل کیا ہے۔

مطلب: کسی امرِ غیب کے متعلق یقین حاصل ہونے کے وسائل تین ہیں۔ ایک استدلالِ عقلی یعنی منطق و حکمت کے دلائل سے اس کو پایۂ ثبوت تک پہنچا کر مان لیا جائے۔ یہ طریقہ حکماء و فلاسفہ کا ہے جو زیادہ خطرناک اور محتملِ ضلالت ہے۔ دوسرا تقلید یعنی ایسے امور کو بلا طلبِ دلیل مان لیا جائے جو عوام الناس کے لیے ضروری ہے یہ بھی پُر خطر ہے مگر کم، تیسرا طریقہ جو سب سے اعلیٰ وارفع اور تمام خطرات و غوائل سے مامون ہے اور درحقیقت ایک انعامِ الٰہی ہے وہ کشف ہے جو انبیاء و اولیاءِ کاملین کا حصہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ صحابہ کی شان تو یہ ہے کہ انہوں نے شرعِ السلام کو نہ تو عوام کالانعام کی طرح تقلیداً قبول کیا ہے اور نہ حکماءِ اہل الاہواٗ کی طرح دلائلِ فلسفیہ سے بلکہ وہ اس حقیقت کو آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں جس سے کشف مراد ہے۔ پس ایسے حضرات کو کسی آنکھوں دیکھی چیز کے متعلق کیا شک ہوسکتا ہے اور اگر کوئی خیال بصورتِ شک آئے بھی تو شک نہیں، بلکہ ناز ہے۔

حکمت قرآں چو ضالّہ مومن ست　　ہر کسے در ضالہ خود مُوقن ست

لغات: ضالّہ گم شدہ اونٹنی یہاں عام گم شدہ مال مراد ہے۔ موقن یقین کرنے والا۔

ترجمہ: قرآنی حکمت گویا مسلمان کا گم شدہ مال ہے (اور) ہر شخص (کا یہ حال ہے کہ جب وہ) اپنے گم شدہ مال کو سامنے دیکھتا ہے تو اس کے متعلق یقین کر لیتا ہے (کہ یہ میرا ہی ہے)۔

مطلب: اس شعر کا ربط ماسبق کے ساتھ یوں ہے کہ کشف و مشاہدہ کی دولت صرف صحابہ سے مخصوص نہیں بلکہ اس زمانہ میں بھی ہر مومن مسلمان کا حق ہے مگر انہوں نے اس کو گم کر دیا ہے۔ اس کشف کو حکمتِ قرآن سے یا تو بدیں معنی تعبیر کیا ہے کہ تمام بنی آدم کو یہ عام مشاہدہ و عیان حاصل ہونے کا ذکر قرآن کے اندر آیہ میثاق میں ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَآ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ (اعراف ع ۲۲ ترجمہ پہلے کسی جگہ کیا جا چکا ہے)۔

یعنی اس وقت تمام لوگوں کو اپنے خدا اور اس کے ... شریعت کے متعلق علم ہو چکا تھا جو اب عوارض کے سبب سے

مخفی ہو رہا ہے۔ لیکن ہر شخص کے اندر قبولِ حق کی استعداد موجود ہوتی ہے اور جب وہ شے جس کی قبولیت کی استعداد ہے سامنے آ جاتی ہے تو یہ شخص فوراً پہچان لیتا ہے کہ ہاں یہ وہی شے ہے جو میرے قلب میں پوشیدہ تھی۔ ہاں لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں جس کی استعداد کامل ہوتی ہے وہ ٹھیک انہی اشیا کو شناخت کرتا ہے جس کے متعلق اس کو علم حاصل ہوا تھا اور جس کی استعداد ناقص ہو وہ اشتباہ میں پڑ کر دوسری اشیا کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ بہرکیف کامل الاستعداد لوگوں کی اب بھی کمی نہیں۔ وہ جب معتقداتِ شرعیہ پر متوجہ ہوتے ہیں تو فوراً ان کا دل گواہی دیے اٹھتا ہے کہ ان کا علم تو ہماری فطرت میں پہلے سے موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ علم اجمالی ہے۔ اب تفصیلی علم حاصل ہو گیا۔ اس صورت میں حکمت کے معنی وہ علم یقینی اور دانشِ ایمانی جس کا ذکر قرآن میں ہے اور وہ ہر بنی آدم کو روزِ میثاق حاصل ہو چکی تھی۔ یا حکمتِ قرآن سے سیاقِ قرآن پر غور کرنا مراد ہے جس سے بہت سے نادیدہ احوال منکشف و مشاہد ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ بعض اوقات کسی امر کے متعلق ان سے کچھ دریافت کیا جاتا تو وہ تھوڑی دیر تک سر جھکا کر بعض مغیباتِ کونیہ کا حال من وعن سنا دیتے جو دیکھنے پر بالکل درست ثابت ہوتا، جب پوچھا جاتا کہ حضرت یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا تو فرماتے سیاقِ قرآن پر توجہ کرنے سے اس قسم کا ایک عجیب واقعہ ہم نے مفتاح العلوم کی جلد دوم میں سپردِ قلم کیا ہے۔ پس اس صورت میں مطلب یوں ہوگا کہ حکمتِ قرآن کی استعداد جو سیاقِ قرآن مجید پر توجہ کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے فطرۃً ہر مومن میں موجود ہے، مگر وہ قرآن مجید سے غافل ہونے کے سبب سے اس کو محسوس نہیں کرتا اور نہ اس سے مستفید ہوتا ہے اگر وہ قرآن مجید پر متوجہ ہو کر اس دولت کو حاصل کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ گنجِ مخفی خود میری فطرت کی زمین میں دبا پڑا تھا کہیں باہر سے نہیں آیا۔ آگے اس مثال کو مولانا خود ایک قصے کی طرز میں واضح فرماتے ہیں:۔

قصّۂ آں شخص کہ اشترِ ضالّہ خودرا مجُست و میپرسید

اس شخص کا قصہ جو اپنے گم شدہ اونٹ کو ڈھونڈتا اور پوچھتا تھا

اشترے گم کردی و جستیش چُست　　　چوں بیابی چوں ندانی کانِ تست

ترجمہ: (اچھا فرض کرو کہ) تمہارا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے اور تم نے اس کو خوب تلاش کیا، (تو بتلاؤ) جب (وہ) تم کو مل جائے گا، تو تم (اسے) کیسے نہ پہچان لوگے کہ یہی میرا (اونٹ) ہے۔

مطلب: اسی طرح چونکہ علوم و معارف کو تم روزِ ازل میں دیکھ چکے اور معلوم کر چکے ہو، اس لیے یہاں سنتے ہی فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ آہا یہ تو وہ ہے جو ہم سن چکے ہیں ہاں ذہول و نسیان کے سبب سے وہ نگاہِ ادراک سے مخفی تھا۔

ضالہ چہ بود؟ ناقۂ گم کردۂ　　　از گرفت بگریختہ در پردۂ

ترجمہ: (مذکورہ تمثیل میں) گم شدہ مال کیا ہے (اس کو اس) اونٹنی (کی مثل سمجھو) جو گم ہو گئی ہے تمہارے ہاتھ سے نکل کر بھاگ گئی اور نظر سے اوجھل ہو گئی۔

کارواں دربار کردن آمدہ　　　اُشترِ تو ازمیانہ گم شدہ

ترجمہ: قافلہ تو اسباب لاد رہا ہے تمہارا اونٹ درمیان سے گم ہو گیا۔

میدوی ایں سُو وآں سُو خشک لب　　　کارواں شد دُور و نزدیک ست شب

ترجمہ: تم ادھر ادھر (اس کی تلاش میں) دوڑ رہے ہو، ہونٹ خشک ہو رہے ہیں، قافلہ دور چلا گیا اور رات قریب ہے۔

رخت ماندہ در زمیں در راہِ خوف تو پئے اُشتر رَواں گشتہ بطوف

ترجمہ: تمہارا اسباب خوفناک راستے میں زمین پر پڑا ہے اور تم اونٹ کے پیچھے چکر لگاتے جا رہے ہو (اور یوں چلا رہے ہو):۔

کاے مسلماناں کہ دیدست اشترے جستہ بیروں بامداد از آخرے

ترجمہ: کہ اے مسلمانو! کیا کسی نے ایک اونٹ دیکھا ہے جو صبح کے وقت آخر سے نکل بھاگا۔

ہر کہ برگوید نشاں از اشترم مژدگانے میدہم چندیں درم

ترجمہ: جو شخص میرے اونٹ کا پتا بتا دے گا میں اس قدر درم اس کو (بطور) انعام دوں گا۔

باز میجوئی نشاں از ہر کسے ریشخندت میکند زیں ہر خسے

لغات: ریشخند ہنسی اڑانا، تمسخر کرنا۔ خس کمینہ آدمی۔

ترجمہ: پھر تم ہر شخص سے نشانی پوچھ رہے ہو تو ہر غنڈا تم پر ہنستا ہے (اور کہتا ہے):۔

کاشترے دیدیم میرفت ایں طرف اشترے سُرخے بسُوئے ایں علف

ترجمہ: کہ ہم نے ایک سرخ اونٹ ادھر کو اس چراگاہ کی طرف جاتا دیکھا ہے۔

آں یکے گوید بریدہ گوش بود واں دگر گوید جُلش منقوش بود

ترجمہ: وہ ایک تو کہتا ہے کہ اس کے کان کٹے ہوئے تھے اور دوسرا کہتا ہے اس کی جھول منقش تھی۔

آں یکے گوید شترِ یک چشم بُود واں دگر گوید زِگر بے پشم بود

لغات: یک چشم ایک آنکھ والا، کانا۔ گر خارش۔

ترجمہ: وہ ایک کہتا ہے (کہ وہ) اونٹ کانا تھا اور وہ دوسرا کہتا ہے خارش (کی وجہ) سے اس کے اون نہ تھی۔

از برائے مژدگانے صد نشاں از گزافہ ہر کسے کردہ بیاں

لغات: گزافہ جھوٹ موٹ، گپ شپ، بے ہودگی۔

ترجمہ: (غرض) انعام حاصل کرنے کے لیے ہر غنڈا جھوٹ موٹ سینکڑوں نشانیاں بیان کرتا ہے۔

مطلب: بازاری لوگ اس مصیبت زدہ کاروانی کو براہِ تمسخر یا بطمعِ انعام اونٹ کی اناپ شناپ نشانیاں بتا رہے ہیں مگر وہ خوب جانتا ہے کہ سب بے ہودہ بک رہے ہیں۔ اسی طرح جو طالب حق ہوتا ہے اور حق کی جستجو میں لگ رہا ہے لوگ اس کو بہکاتے ہیں کوئی مندر کا راستہ بتاتا ہے کوئی گرجے کی طرف کھینچتا ہے، کوئی آتشکدہ کے گیت گاتا ہے مگر اس کا قلب کسی کی باتوں کو قبول نہیں کرتا اور وہ جانتا ہے کہ سب گمراہ اور گمراہ کن ہیں اور جس طرح اس اونٹ والے کے سامنے اگر کوئی اس کے اونٹ کی صحیح نشانی بیان کرتا ہے۔ تو اس کا دل فوراً تسلیم کر لیتا ہے اور وہ خوش و مطمئن ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے ہو لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں وہی میرا اونٹ ہے اس لیے کہ اس کے اپنے اونٹ کی نشانیاں اس کے دل میں بس رہی ہیں۔ اسی طرح جب ایک جویائے حق کو کوئی ہادیِ کامل حق کا صحیح راستہ بتاتا ہے تو اس کا دل فوراً اس کی تصدیق کرنے لگتا ہے کیونکہ اس کا دل پہلے سے کچھ نہ کچھ اس راستے کا آشنا ہے۔ اشارہ کی دیر ہے پھر دل خود بخود مقناطیس کی طرح ادھر کھنچا چلا جاتا ہے کیونکہ اس

نے استعدادِ فطری سے حق کے راستے کو اور حق کو بارہا دیکھا ہوا ہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کے سامنے حق و باطل ظاہر تھا اور جہاں کسی کے منہ سے حق نکلا انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور اسی لیے حضرت معاویہؓ نے شیطان کی باتوں کو باور نہ کیا اس لیے کہ وہ خلافِ حق تھیں اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقوں کے اس خلوص کو جو مسجدِ ضرار کے بارے میں وہ ظاہر کرتے تھے اعتبار نہ کیا۔ اس لیے کہ وہ حق کے خلاف تھا۔

اے دل ایں اسرار رادر گوش کُن　　　قِسمِ تو گر ہست زیں خوش نوش کُن

ترجمہ: اے دل ان بھید کی باتوں کو سن اگر تیری قسمت میں ہے تو اس سے (عبرت کی) خوشگوار غذا حاصل کر۔

مطلب: بھید کی بات یہ تھی کہ قبولِ حق استعدادِ فطری پر موقوف ہے اور اس سے سبق اس طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ اپنی استعدادِ فطری سے کام لینے اور حق کو قبول کرنے پر آمادہ رہیں۔

ہمچنانکہ ہر کسے در معرفت　　　میکند موصوفِ غیبی راصفت

لغات: موصوفِ غیبی وہ ذاتِ اقدس جو نظروں سے غائب ہے لیکن ہر شخص کسی نہ کسی طرز میں اٹکل پچو اس کی صفت کر رہا ہے وہ ہر زبان میں گونا گوں صفات سے موصوف ہے۔

ترجمہ: جس طرح ہر شخص خدا شناسی (کے زعم) میں اس غیبی موصوف کی صفت کر رہا ہے (تو بھی کیوں خاموش ہے) کما قلت فی دیباچۃ الکتاب۔

گر فتادت رمز اِنْ مِّنْ شَیْءٍ بگوش　　　آید از ہر شے صدائے نَے بگوش

تو دریں ہنگامہ زیںہا کم مباش　　　نغمہ زن پیشتر ازیں عالم مباش

مطلب: جس طرح ایک طرف وہ بازاری اوباش اونٹ کے اناپ شناپ اوصاف بیان کر رہے تھے اور دوسری طرف کوئی صحیح پتا بتانے والا بھی اس کے ٹھیک اوصاف بیان کرتا تھا اسی طرح دنیا میں مبطل و محقق سب اپنی اپنی بولی میں حق کی صفت کر رہے ہیں تم کو بھی چاہیے کہ اس کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ اور اپنی استعدادِ فطری کے زیرِ ہدایت باطل کو ترک اور حق کو قبول کرو۔ ''ہر کسے موصوفِ غیبی راصفت میکند'' کے اجمال کی کسی قدر تفصیل فرماتے ہیں:

متردّد شدنِ درمیان مذاہبِ مختلفہ و بیروں شدن و مخلص یافتن

مختلف مذاہب میں متردد ہونا اور ان سے باہر ہونا اور خلاصی پانا

فلسفی از نوعِ دیگر کردہ شرح　　　باحثے مرگفت او را کردہ جرح

لغات: فلسفی فلسفہ کے دلائل کا قائل باحث بحث کرنے والا مراد علمِ کلام کا ماہر، متکلم گفت قول، بات، دعویٰ۔

ترجمہ: فلسفی تو (صفاتِ حق کی) ایک طرح شرح کرتا ہے (اور) ایک متکلم اس کے قول پر جرح کرتا ہے۔

مطلب: دیکھو فلاسفہ حق تعالیٰ کی صفت یوں کرتے ہیں کہ وہ ذات بحت ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ باقی اس کے تمام صفات فرضی ہیں۔ ان کا وجود نہیں مگر متکلم کہتا ہے۔ نہیں فلسفی غلط کہتا ہے۔ اس کے لیے کچھ صفات ثابت ہیں۔ البتہ بعض صفات مثلاً ید، وجہ، ساق وغیرہ تاویل طلب ہیں۔ یعنی ان کے ظاہری معنی ناقابل قبول ہیں۔

واں دگردر ہر دوطعنہ میزند واں دگراز زُرق جانے میکند

ترجمہ: اور وہ ایک اور ہے جو (ان) دونوں پر طعنہ زنی کر رہا ہے اور وہ ایک اور ہے جو مکاری (کا جال بچھانے) پر مرا جا رہا ہے۔

مطلب: پہلے مصرعہ میں صوفیہ محققین مراد ہیں جو فلاسفہ کے ساتھ متفق ہیں نہ متکلمین کے ساتھ پورا اتفاق رکھتے ہیں بلکہ ان کا مسلک دونوں سے الگ ہے یہ حضرات کل صفات کو ثابت کرتے ہیں۔ مگر اتنا کہتے ہیں کہ ان کی کیفیت معلوم نہیں۔ دوسرے مصرعہ میں شیوخ مزوّرین مراد ہیں جو سب سے زیادہ مدعی عرفان ہیں، مگر سامانِ معرفت میں سے صرف لباسِ مشیخت اور تسبیح ہزار دانہ بطورِ سند اپنے پاس رکھتے ہیں اور وہ اس دام دانہ کی بدولت بھی ہزاروں بندگانِ خدا کو پھانستے رہتے ہیں۔ حافظؒ

لباسِ صورتِ ایں قوم خالی از معنی بجز لباسِ فلکار نیست چوں تصویر

ہر یکے زیں رہ نشانہا مید ہند تاگماں آید کہ ایشاں زاں رہند

ترجمہ: (غرض) سب کے سب) اپنی اپنی بولی میں اس راہ (حق) کے پتے بتا رہے ہیں تاکہ (سننے والوں کو) یقین آ جائے کہ یہ اس راہ (پر چلنے والوں میں) سے ہیں۔

ایں حقیقت داں نہ حقّند ایں ہمَہ نے بباطل گمر ہانند ایں رَمہ

ترجمہ: (مگر) اس بات کو ٹھیک سمجھو کہ یہ سارے (مذاہب) نہ تو (علی الاطلاق) حق ہیں اور نہ (علی الاطلاق) یہ (سارا) ٹولے کا ٹولا گمراہ ہے۔

مطلب: ان مذاہب کے عقاید میں کم وبیش حق اور باطل دونوں مخلوط ہیں اس لیے کہ جس قدر ضلالتیں رائج ہیں اول ان سب کے مناشی بالکل حق اور درست ہوتے ہیں اِس سے آگے تفاصیل میں خرابیاں واقع ہوتی ہیں۔ مذکورہ فرقوں ہی کو دیکھ لو ایک تو فلاسفہ ہیں اور ایک متکلمین دونوں صفاتِ حق کے منکر ہیں۔ ایک کل کے اور دوسرے بعض کے مگر اصل منشا اس کا توحید ہے کہ غلبۂ توحید میں ان لوگوں نے اس خیال سے کہ صفات بھی غیر ہیں۔ ان کا انکار کر دیا۔ تو اب یہ گمراہی ہوگئی ورنہ اصل میں اس کا منشا خداوند تعالیٰ کی تنزیہ تھی جو امر حق ہے۔ بشرطیکہ اس کو اپنے درجے پر رکھا جاتا اس سے ظاہر ہے کہ ہر ایک باطل کے ساتھ حق ضرور ہوتا ہے ورنہ خالص باطل ہرگز رواج پذیر نہیں ہوسکتا۔ باطل وہی رواج پاسکتا ہے جس کے اندر کچھ نہ کچھ شمہ حق کا ہو۔ آگے مولانا اس کی بہت سی مثالیں دیں گے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کھوٹی چاندی کو بازار میں چاندی کہہ کر ہی فروخت کرتے ہیں۔ بیوقوف اس کو ساری کی ساری چاندی سمجھ لیتا ہے اور دانا چاندی الگ اور کھوٹ الگ کر لیتا ہے لیکن اگر اس کے اندر ساری کی ساری کھوٹ ہوتی چاندی کا کچھ حصہ نہ ہوتا تو اس کو چاندی کہہ کر فروخت کرنے کی ہرگز جرأت نہ ہوتی، اسی طرح اگر باطل کا منشا حق نہ ہوتا اور وہ سرتاپا باطل ہی ہوتا تو پھر مبطلین کو یہ کہنے کی ہرگز جرأت نہ ہوتی کہ یہ حق ہے اس کو یہ جرأت اسی وجہ سے ہوئی کہ اس کے اندر کچھ شائبہ حق کا تھا ہاں یہ ضروری ہے کہ حق و باطل کو متمیّز کیا جائے۔ (کلید)

زانکہ بے حق باطلے ناید پدید قلب را ابلہ ببوے زر خرید

ترجمہ: کیونکہ کوئی باطل حق (کی آمیزش) کے بغیر ظہور نہیں پاتا۔ کھوٹے (سونے) کو (جو کوئی) بے وقوف (خرید لیتا ہے تو اس کے) سونا ہونے کی امید پر خریدتا ہے۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ مذکورہ مذاہب میں سے ہر مذہب کے اندر کچھ نہ کچھ حق بھی ہے اور کچھ باطل بھی جس کی دلیل

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں دی ہے کہ باطل کا ظہور حق کی آمیزش کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اگر حق شامل نہ ہو تو باطل کبھی بھی رواج نہ پائے۔ دوسرے مصرعہ میں اس کی مثال دی ہے کہ اگر کھوٹے سونے میں سونے کی کچھ بھی مقدار نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت کا کبھی بھی رواج نہ ہو۔ ایک ٹھگ کو عیاری کے ساتھ کھوٹا سونا بیچنے کی جرأت ہونے اور ایک بے وقوف سے اس کے خرید لینے کی حماقت سرزد ہونے کی یہی وجہ ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ سونا یا کم از کم اس پر سونے کا جھول ضرور ہوتا ہے اگر سراسر کھوٹ ہوتی تو کوئی شخص نہ اس کو سونا کہہ کر بیچنے کی جرأت کرتا نہ کوئی اس کے خریدنے کا ارادہ کرتا۔ طالب آملی۔

رشتہ راپس ندہد ہر کہ گہر میگیرد ے نپزیرند بداں رابطفیلِ نیکاں

صاحب کلید فرماتے ہیں کہ یہ دلیل اِنّی ہے لِمّی نہیں۔

گر نبودے در جہاں نقدِ رواں قلبہارا خرج کردن کے تواں

ترجمہ: اگر جہاں میں کھرا (سکہ) چلتا ہوا نہ ہوتا تو کوئی کھوٹے سکوں کو کب چلا سکتا (اس سے ظاہر ہے کہ کھوٹے سکے کا رواج کھرے کی بدولت ہے)۔ ولنعم ما قیل۔

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

تانبا شد راست کے باشد دروغ آں دروغ از راست میگیرد فروغ

ترجمہ: جب تک سچ نہ ہو تو جھوٹ کب ہو سکتا ہے وہ جھوٹ تو سچ ہی سے فروغ پاتا ہے (کہ کچھ جھوٹ اور کچھ سچ ملا کر کسی کو دھوکا دیا جاتا ہے، جو سمجھتا ہے کہ شاید سارا سچ ہے)۔

بر امیدِ راست کژ رامے خرند زہر درقندے رَو دانگہ خورند

ترجمہ: سیدھی چیز کی امید پر ہی ٹیڑھی چیز کو خریدنے (کی غلطی) کرتے ہیں ورنہ ٹیڑھی چیز کا خریدار کون ہوتا اور زہر (جب) قند میں مل جاتا ہے تو اس وقت (اس کو) کھاتے ہیں (ورنہ خالص زہر کو کون کھاتا)۔

گر نباشد گندمِ محبوب نوش چہ برد گندم نمائے جَو فروش

ترجمہ: نوش لذیذ، مزیدار، خوشگوار، چہ برد چہ نفع گیرد۔

ترکیب: نوش نباشد کی خبر نہیں کما یتبادر بلکہ یہ گندم کی صفتِ دوم ہے اور خبر مقدر ہے۔

ترجمہ: اگر (دنیا میں یہ) پسندیدہ اور لذیذ گیہوں (سرے سے موجود ہی) نہ ہوتے تو (پھر) گیہوں دکھا کر جو بیچنے والا (اس ٹھگی سے) کیا کما سکتا۔

پس مگو کایں جملہ دینہا باطل اند باطِلاں بر بُوئے حق دامِ دِلند

ترجمہ: پس تم یہ نہ کہو کہ یہ سارے مذاہب (سراسر) باطل ہیں (نہیں بلکہ ان میں کچھ نہ کچھ حق کی آمیزش بھی ہے اور باطل (مذاہب) حق کی بو کے طفیل ہی دلوں (کو پھانسنے) کا جال ہیں۔

مطلب: جس طرح آٹے یا گوشت کی بو مچھلیوں کو جال میں گرفتار کر دیتی ہے، اسی طرح عوام الناس بھی جو باطل مذاہب کے گرویدہ ہو جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان مذاہب میں کسی قدر حق بھی موجود ہوتا ہے اس کی کشش عوام کو مائل کر لیتی ہے پھر وہ مبتلائے باطل ہو جاتے ہیں۔

پس مگو جملہ خیال ست و ضلال بے حقیقت نیست در عالم خیال

ترجمہ: پس تم (یہ) نہ کہو کہ (یہ) تمام (مذاہب) خیال اور گمراہی ہیں (کیونکہ) جہان میں خیال (بھی) حقیقت سے خالی نہیں ہوتا۔

مطلب: اگر ان مذاہب کو محض خیالی سمجھ لیا جائے تو پھر بھی ان کو حق سے بالکل معرا نہیں کہہ سکتے کیونکہ دنیا میں کوئی خیال بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور جس کا کوئی صحیح منشا نہ ہو بلکہ ہر خیال کا کچھ نہ کچھ صحیح منشا ہوتا ہے۔ پھر اس میں گمراہی آجاتی ہے مگر اصل میں وہ درست ہوتا ہے۔ آگے اور مثالیں ہیں :۔

حق شبِ قدرست در شبہا نہاں تاکند جاں ہر شبے را امتحاں

لغات: شب قدر لیلۃ القدر وہ بزرگ اور بابرکت رات جو ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی ہے اور وہ ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی رات ہوتی ہے اور وہ ہر رمضان میں ایک ہی خاص تاریخ کی رات متعین نہیں ورنہ شاید اس کا پتا مل سکتا بلکہ وہ بدلتی رہتی ہے۔ کسی رمضان میں ۲۱ اکیسویں رات ہوتی ہے کسی میں تیئیسویں رات اور کسی میں پچیسویں اور کسی میں ستائیسویں اور کسی میں انتیسویں رات اسی لیے اس کا پتا ملنا مشکل ہے، مگر ستائیسویں رات اکثر آتی ہے لہٰذا اس رات کو عبادت و بیداری کے لیے زیادہ مخصوص کیا گیا ہے کہ شاید اس دفعہ یہی شب قدر واقع ہو اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر دو راتیں ہیں ایک وہ ہے جس کے بارے میں وارد ہے کہ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ یعنی دنیا کے سارے انتظام جو حکمت (اور مصلحت) پر مبنی ہیں اسی رات تصفیہ پاتے ہیں اور اس میں قرآن مجید لوحِ محفوظ سے یکبارگی نازل ہوا ہے پھر اس کے بعد تھوڑا تھوڑا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور یہ رات سارے سال کے اندر کسی غیر معیّن تاریخ کو آتی ہے۔ اس کا رمضان میں واقع ہونا ضروری نہیں۔ ہاں رمضان میں اس کا آنا سب سے زیادہ محتمل ہے اور اس پر سب کو اتفاق ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت وہ رمضان میں واقع ہوئی تھی، دوسری وہ لیلۃ القدر ہے جس میں ایک طرح کا انتشارِ روحانیت اور ملائکہ کا زمین پر نزول عام ہوتا ہے۔ اس رات میں مسلمان بکثرت مل جل کر عبادت کرتے ہیں جس کے انوار ایک دوسرے پر متعاکس ہوتے ہیں۔ فرشتے ان سے قریب ہوتے ہیں اور شیاطین دور بھاگتے ہیں۔ مسلمانوں کی دعائیں اور طاعتیں درجۂ قبولیت پاتی ہیں۔ یہ رات ہر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں واقع ہوتی ہے کبھی آگے آتی ہے اور کبھی پیچھے، مگر ان سے باہر نہیں جاتی۔ پس جس کی مراد پہلی رات ہے وہ کہتا ہے کہ وہ سارے سال کے اندر ہے اور جس کا مقصود دوسری رات ہے وہ کہتا ہے رمضان کی آخری دس راتوں میں سے ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں پر متفق ہوئے ہیں، پس جو شخص شب قدر کی تلاش کرے تو چاہیے کہ آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)۔

ترجمہ: حق (کی ایک مثال) شب قدر ہے (دیکھو یہ بھی عام) راتوں میں مخفی (ہے اور اس خفا سے مقصود یہ ہے) کہ (ہر شخص جان (ودل سے) راتوں کی پرکھ کیا کرے (کہ کونسی شب قدر ہے)۔

مطلب: شب قدر کو خاص تاریخ کے ساتھ مخصوص ومتعین نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ بہت سی راتوں میں اس کے دائر وسائر ہونے سے لوگ ہر رات کو شب قدر کے احتمال سے عبادت بجالائیں گے اور کثرتِ عبادت کا ثواب پائیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ من یقم الحول یصب لیلة القدر یعنی جو شخص سال بھر شب بیداری کرے وہ

لیلۃ القدر کو پا سکتا ہے۔ یہ قول حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے نقل کیا گیا تو انہوں نے اس کی یہ توجیہ کی کہ ارادان لایتوکل الناس ان کا مدعا یہ تھا کہ لوگ ایک ہی تاریخ میں عبادت کرنے پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں (مشکوٰۃ) لیلۃ القدر کے مخفی رکھے جانے کی وجہ بعض اکابر نے یہ بیان کی ہے کہ تاکہ لوگ لیلۃ القدر کی عبادت پر بھروسہ نہ کرلیں اور کہیں ہم ایک ایسی رات میں عبادت بجا لا چکے ہیں جو ہزاروں مہینوں سے بہتر ہے۔ اب خداوند تعالیٰ نے ہم کو بخش دیا اور ہم کو اس کے ہاں درجات و جنات حاصل کرنے کا حق ہو گیا اور اس بھروسہ پر وہ عمل کرنا ہی چھوڑ دیں اور آخر ترکِ عمل سے ہلاک و برباد ہو جائیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عمروں کی میعاد کا علم نہیں دیا تاکہ کہیں لمبی عمر والے شہوات و لذات میں مستغرق نہ ہو جائیں۔ بدیں خیال کہ ابھی کافی عمر پڑی ہے پھر توبہ واستغفار کرلیں گے پس ان کو عمروں کا علم ہی نہیں دیا، تاکہ موت کو اپنے سر پر حاضر سمجھیں اور زندگی کو ناقابلِ اعتبار سمجھ کر بجا آوریِ طاعات اور ترکِ معاصی پر آمادہ رہیں (غنیۃ الطالبین)۔ غرض لیلۃ القدر کے اخفا میں حکمت یہی ہے کہ لوگ ہر رات کو عبادت و طاعت کے لیے بمنزلہ شب قدر سمجھیں۔ کما قیل۔

اے شیخ چہ جوئی ز شب قدر نشانی ہر شب شب قدرست اگر قدر بدانی

نے ہمہ شبہا بود قدر ایجواں نے ہمہ شبہا بود خالی ازاں

ترجمہ: (مگر) اے جواں نہ تو تمام راتیں شب قدر ہوسکتی ہیں (اور) نہ تمام راتیں اس سے خالی ہوسکتی ہیں (اسی طرح سارے مذاہب نہ تو سراسر حق ہیں اور نہ بالکل حق سے خالی)۔

درمیانِ دلق پوشاں یک فقیر امتحاں کُن وانکہ حق ست آں بگیر

لغات: دلق پوش گدڑی پہننے والا، جس نے جامۂ فقر پہن رکھا ہو۔ فقیر سے یہاں مردِ حق مراد ہے۔

ترجمہ: (پس ان تمام اپنے اپنے مذہبی دعووں کی) گدڑی پہننے والوں میں کوئی نہ کوئی مردِ حق (بھی شامل ہے) تم (کو چاہیے کہ) جانچ لو اور (پھر) جو حق ہو اس کو اختیار کرو (باطل کو چھوڑ دو)۔

مومنِ کیّس ممیّز کو کہ تا باز داند پادشارا از گدا

لغات: کیس زیرک، دانا۔ ممیز۔ صاحب تمیز، نیک و بد میں تمیز کرنے والا۔

ترجمہ: ہے کوئی مومنِ زیرک و باتمیز کہ؟ تاکہ بادشاہ کو فقیر سے الگ پہچان لے۔ سعدیؒ

تو خود را ازاں درچہ انداختی . کہ چہ رازِ رہ باز نشناختی

گر نہ معیُوبات باشد در جہاں تاجِراں باشند جُملہ ابلہاں

ترجمہ: اگر معیوب چیزیں جہاں میں نہ ہوں تو سارے بے وقوف (بھی) تاجر بن جائیں۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ نیک و بد میں تمیز کرنا سیکھو اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ بدی کا وجود ہی کیوں پیدا کیا گیا۔ جس کے لیے تمیز و تفریق کی ضرورت پیش آئی۔ سراسر نیکی اور خالص خوبی کیوں نہ رہنے دی۔ اس کا جواب یہ شعر ہے یعنی نیکی کے ساتھ بدی کا وجود اس لیے رکھا گیا ہے کہ اچھی اور بری استعدادوں اور کامل و ناقص فطرتوں کا امتحان ہو جائے۔ اگر دنیا میں سربسر نیکی وخوبی ہوتی تو ہر قسم کی استعداد کے اشخاص اور ہر طرح کی فطرت کے لوگ صرف نیکی کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتے اور سب نیک بن جاتے۔ پھر کسی بدفطرت کی بد[illegible] پانے کا موقع ملتا جوان کا حق تھا۔ اس کی

لیلۃ القدر کے اخفا میں حکمت

دنیا میں بدی اور عیوب کے وجود کی حکمت

مثال یہ ہے کہ تجارت میں بڑی نگاہِ نکتہ رس اور بڑی عقلِ دوراندیش کی ضرورت ہے جس سے اجناس داشتہ کے معائب و نقائص کی پرکھ ہوسکے اور اس فن میں جس کے قدم قدم پر دھوکے میں آنے اور فریب کھانے کا امکان ہے کامیابی حاصل ہوسکے لیکن اگر دنیا میں نقص و عیب کا وجود نہ ہوتا اور کوئی تجارتی جنس نقص و عیب سے داغدار نہ ہوتی تو تجارت میں دھوکا کھانے کا کسی کو اندیشہ نہ ہوتا نہ عقل و تمیز اور تجربہ و قیاس کی ضرورت ہوتی پھر تو دنیا بھر کے بے وقوف و احمق جاہل و کندہ ناتراش تجارِ نامدار کے دوش بدوش بیٹھنے کے حقدار ہوتے اور کسی عاقل کو باقل پر اور کسی حاذق کو ہبنق پر ترجیح نہ ہوتی باقل اور ہبنقہ دو بے وقوفوں کے نام ہیں جن کی حماقت و نادانی ادبیاتِ عرب میں ضرب المثل ہے باقل کو ایک دو تین تک بھی گنتی نہیں آتی تھی وہ ایک ہرنی گیارہ درم کو خرید کر لایا۔ راستے میں کوئی پوچھ بیٹھا کہ باقل صاحب! یہ مال کتنے کی خرید ہے۔ باقل نے گیارہ کی تعداد بتانے کے لیے پہلے تو ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھول کر دکھائیں پھر ہرنی کی رسی دانتوں میں تھام کر دوسرے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں شامل کیں۔ یہ دس ہوئے اب ایک کی کسر رہی تو اس کے پورا کرنے کو زبان نکالنی چاہی مگر منہ کا کھلنا تھا کہ رسی چھوٹ گئی اور ہرنی یہ جادہ جا۔

ہبنقہ کو ات دن یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ میں کہیں رات کو سونے میں کسی دوسرے شخص سے بدل نہ جاؤں۔ اس کے تدارک کے لیے اس نے کوڑیوں اور ہڈیوں کا ایک بڑا ہار تیار کیا سوتے وقت اس کو گلے میں پہن لیتا اور صبح کو اٹھ کر اس ہار کے ذریعہ سے اپنا اطمینان کر لیتا کہ میں وہی ہوں کسی سے بدلا نہیں۔ اس کا بھائی بھی شرارت کا پتلا تھا ایک رات جب ہبنقہ سو رہا تھا اس نے اُس کا ہار اتار لیا اور آپ گلے میں پہن کر سو رہا صبح کو ہبنقہ اٹھ کر یہ کیفیت دیکھتا ہے تو کہتا ہے، بھائی جان میں تو تم ہو گئے اب میں کیا رہا؟ اس سے اس کی حماقت ضرب المثل ہوگئی غرض اگر دنیا میں عیوب نہ ہوتے تو ایک احمق سے احمق بھی کامیاب تاجر بن بیٹھتا، کیونکہ۔

پس بود کالہ شناسی سخت سہل چونکہ عیبے نیست چہ نااہل و اہل

لغات: کالہ اسباب، سامان، متاع۔

ترجمہ: پھر تو سامانِ تجارت کو پرکھنا بڑا آسان ہو جب (تجارتی مال میں) کسی عیب (کا وجود ہی) نہیں تو کیا (تجارت کی) قابلیت رکھنے والا اور (کیا) قابلیت نہ رکھنے والا (سب یکساں طور پر کامیاب ہوں گے)۔

ور ہمہ عیب ست دانش سود نیست چوں ہمہ چوب ست اینجا عود نیست

لغات: عود کے لغوی معنی لکڑی کے ہیں مگر اصطلاحِ طب میں یہ نام ایک خاص قسم کی خوشبودار لکڑی کے لیے مخصوص ہو گیا جو بطورِ دوا استعمال ہوتی ہے۔ یہاں وہی مراد ہے۔

ترجمہ: اور اگر (دنیا میں خوبی کا وجود نہ ہو بلکہ) سراسر عیب ہوں تو پھر عقل سے کوئی فائدہ نہیں جب تمام لکڑی (ہی لکڑی) ہے (اور) یہاں عود (کا نام ونشاں) نہیں (تو عقل و تمیز کا کام کیا جو چوب و عود میں امتیاز کرتی ہے)۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ اگر دنیا میں کوئی عیب نہ ہو تو بے عقلی مضر نہیں کیونکہ بے عقل آدمی رہی عیب کو ہنر سمجھنے کا دھوکا کھاتا ہے مگر یہاں عیب ہی نہیں جس کے متعلق دھوکا کھانے کا خوف ہو۔ اب فرماتے ہیں کہ اگر یہاں سراسر عیب ہوں تو پھر عقل بھی مفید نہیں کیونکہ عقل کی ضرورت نیکی کو اختیار کرنے اور عیب سے بچنے کے لیے ہوتی ہے۔ مگر یہاں نیکی کا وجود ہی نہیں اور عیوب سے جائے گریز نہیں۔ پھر عقل کس مرض کی دوا ہوئی۔ اس مضمون میں جو تقابل و تفریق واقع ہوئی ہے اس کے معنوی فائدے کو

نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی یہ فرمایا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی عیب نہ ہو سراسر نیکی ہو تو بے عقلی مضر نہیں اور اگر سر بسر عیب ہوں اور کوئی نیکی نہ ہو تو عقل مفید نہیں۔ مدعا یہ کہ اگرچہ وجود عقل کا مفید ہونا اور عدمِ عقل کا مضر ہونا بدیہیات سے ہے مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ نیکی و بدی دونوں دوش بدوش دنیا میں موجود ہوں ورنہ عقل کا عدم اور وجود دونوں بے اثر ہیں۔ فافہم۔

آنکہ گوید جملہ حق ست احمقی ست وانکہ گوید جملہ باطل اوشقی ست

ترجمہ: جو شخص یہ کہتا ہے کہ تمام (مذاہب بر) حق ہیں (یہ اس کی) بے وقوفی ہے اور جو شخص یہ کہے کہ سب (مذاہب) باطل (ہیں) وہ بدبخت ہے۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ فلاسفہ متکلمین اور صوفیہ کے جو مختلف عقائد و خیالات ہیں وہ نہ تو سراسر حق ہیں نہ سراسر باطل ہیں بلکہ باطل مذہب میں کچھ نہ کچھ حق ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا کے سارے مذاہب باوجود متخالف و متضاد ہونے کے حق ہیں کہ ایسا کہنا دلیلِ حماقت ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ سارے مذاہب باطل ہیں کوئی بھی برحق نہیں کہ یہ کہنا دلیلِ شقاوت ہے اِس مضمون میں بھی تقابلِ تفریق خاص رعایت پر مبنی نہیں ہے۔ یعنی تمام متخالف مذاہب کو برحق سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے ایک ہی وقت میں رات اور دن کا وقوع اور ایک ہی عدد کو طاق و جفت سے موصوف مان لیں اور یہ سراسر حماقت ہے مگر شقاوت نہیں کیونکہ کی یہ غلطی قلتِ فہم اور عدم تمیز پر مبنی ہے نہ کہ سوءِ نیت پر بخلاف اس کے جو شخص کہے کہ سارے مذاہب باطل ہیں چونکہ اس قول سے خود رائیگی اور تعصب ٹپکتا ہے اس لیے یہ دلیلِ شقاوت ہے پہلا شخص نیک و بد میں تمیز کرنے سے معذور ہے اور سب کو اپنے حسنِ ظن کے دامنِ قبول میں لے لیتا ہے۔ اس لیے صرف بے وقوف کہلاتا ہے۔ دوسرا شخص نیک و بد سب کو اپنی بدگمانی سے ہدفِ ردّ و انکار بناتا ہے اس لیے وہ بدبخت ہے۔ کما قیل ؎

منکرِ حق راز انعامِ سعادت بہرہ نیست نیست جز کفر جبلی موجبِ انکار را

تاجرانِ انبیا کردند سُود تاجرانِ رنگ و بُو کرّ و کبُود

ترجمہ: (پس) انبیا کے (زیرِ ہدایت اعمالِ حسنہ کی تجارت کرنے والے) سوداگروں نے نفع کما لیا (اور صرف دنیوی فوائد کے) رنگ و بو کے سوداگر اندھے اور سیہ (رو) ہیں۔

مطلب: اوپر کی بحث سے ثابت ہو چکا کہ دنیا میں حق و باطل، صواب و خطا، نیکی و بدی دونوں موجود ہیں۔ پس ان دونوں کو اختیار کرنے والے الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ جو لوگ انبیا کے تابع ہیں وہ نیکیوں کا بیوپار کرتے ہیں اور ابدی منافع کے مستحق ہوتے ہیں اور جو لوگ نفس و شیطان کے چیلے ہیں وہ دنیا کے فانی فوائد کے لین دین میں لگے رہتے ہیں اور آخرت میں خائب و خاسر رہتے ہیں لہٰذا ہر شخص کا فرض ہے کہ فوائدِ اخرویہ اور فوائدِ دنیویہ میں تمیز کرے کہ کون سے فوائد اچھے ہیں، پھر ان کو اختیار کرے۔

مے نماید مارت اندر چشمِ مال ہر دو چشمِ خویش را نیکو بمال

صنائع: مار اور مال میں تجنیسِ لاحق اور مال کے لفظ میں تجنیسِ تام ہے۔

ترجمہ: (مگر اے ظاہر پرست!) تیری نگاہ میں (تو فوائد دنیویہ کا) سانپ (مفید) مال دکھائی دیتا ہے (برائے خدا) اپنی دونوں آنکھوں کو اچھی طرح مل (اور پھر غور سے دیکھ)۔

منگر اندر غبطۂ ایں بیع و سُود بنگر اندر خُسرِ فرعون و ثمود

لغات: غبطہ رشک، ریس کسی کے برابر مال و جاہ حاصل کرنے کا شوق جو بمقابلہ حسد کے برا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ

حسد اور غبطہ کی تعریف اور دونوں میں فرق

غبطہ میں کسی کے مال و جاہ کے زوال کی آرزو نہیں ہوتی بلکہ اس کے برابر خود صاحب مال و جاہ بننے کی تمنا ہوتی ہے بخلاف اس کے حسد کا خاص تقاضا یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کا مال تلف ہو جائے۔ اس کا جاہ و مرتبہ چھن جائے اس کی اولاد مر جائے اس کی عزت ذلت سے بدل جائے اس لیے یہ نہایت مذموم ہے ہاں غبطہ کے متعلق اتنی بات قابلِ لحاظ ہے کہ اگر وہ فضائل و مکارم اور طاعات و عبادات میں ہو تو بہتر ہے ورنہ اگر دنیاوی مال و جاہ کے متعلق ہو تو مذموم و مکروہ ہے چنانچہ یہاں مولانا بھی دنیاوی فوائد و منافع میں غبطہ کرنے سے منع فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ "(لوگو!) کثرت (مال و اولاد) کی حرص تم پر (ساری عمر پردہ) غفلت ڈالے رہتی ہے یہاں تک (جب) تم قبروں میں آتے ہو (تب تمہاری آنکھیں کھلتی ہیں)" خسر بضم خاء معجمہ خسارہ، نقصان۔ زیان۔ فرعون مصر کا وہ مشہور کافر بادشاہ جو موسیٰ علیہ السلام کا ہمعصر اور خدائی کا مدعی تھا۔ پھر موسیٰ کے مقابلے میں خدا کے حکم سے دریائے نیل میں غرق ہوا اس کا تفصیلی حال مفتاح العلوم کی سابقہ جلدوں میں گزر چکا ہے۔

قوم ثمود کا حال

ثمود عرب کی ایک طاقتور قوم کا نام ہے جس کی بستیاں نواحِ شام میں بجانب عربستان واقع تھیں۔ یہ قوم شرک و معاصی میں مبتلا ہو گئی تو اس کی ہدایت کے لیے حضرت صالح شباب کے عہد سے ان کو ہدایت کرتے کرتے بڈھے ہو گئے مگر بہت کم اشخاص ان پر ایمان لائے، آخر ان لوگوں نے ایک بڑے پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا اے صالح اگر تم اپنے خدا سے دعا کرو اور اس پتھر سے ایک اونٹنی پیدا ہو جائے تو ہم سب تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح نے دعا کی تو خدا کے حکم سے جس صفت اور انداز کی اونٹنی کے لیے انہوں نے فرمائش کی پیدا ہو گئی یہ معجزہ دیکھ کر بہت سے لوگ ایمان لے آئے اور قریب تھا کہ ساری قوم راہِ راست پر آ جاتی مگر ان کے بت خانوں کے پجاریوں اور کاہنوں نے ان کو روکا اور انہیں اپنے شیوۂ کفر پر قائم رہنے پر آمادہ کر لیا اس اونٹنی کا قد و قامت بہت بڑا تھا اس لیے اس کی خوراک بھی غیر معمولی تھی اور اس کی وجہ سے قومِ ثمود کے مال مویشی پر چارہ اور پانی کی تنگی ہو گئی اس پر بعض مفسدینِ قوم نے موقع پا کر اس کو زخمی کر کے گرا دیا۔ پھر اس کو نحر کر کے اس کا گوشت باہم تقسیم کر لیا۔ اس سوءِ ادب اور ہتکِ حرمۃ اللہ کی پاداش میں ان پر عذاب نازل ہوا جس کی نشانیاں حضرت صالح نے ان کو بتا دیں۔ نزولِ عذاب سے پہلے حضرت صالح دیگر مومنین کو اپنے ساتھ لے کر اس مقام سے ہجرت کر گئے جب عذاب کے نزول کا وقت آیا تو پہلے روز سب کے چہرے اس طرح زرد ہو گئے جیسے ہلدی ملی ہو' دوسرے دن سب کے چہرے اس طرح سرخ ہو گئے جیسے خون ملا ہو۔ تیسرے روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے گویا تارکول ملا ہے اور وہ ان حالات سے سخت روتے چلاتے ہائے وائے کرتے تھے آخر چوتھے روز آسمان سے ایک ہولناک آواز پے بہ پے آئی جس کی دہشت سے سب کے دل و جگر چاک ہو گئے اور وہ مر گئے صرف ایک کافر عورت بچی جو صالح علیہ السلام کی سخت دشمن تھی وہ بھاگی بھاگی ایک اور بستی میں پہنچی اور لوگوں سے پانی پینے کو مانگا اور قومِ ثمود کے حشر کا حال لوگوں کو سنایا اور اس کا پانی منہ سے لگانا تھا کہ وہ بھی داخلِ جہنم ہوئی (تفسیر خازن ملخصاً)

ترجمہ: (پس اگر تو کچھ تمیز رکھتا ہے تو) اس (متاعِ فانی کی) خرید و فروخت اور (اس کے) نفع کی ریس کو اپنا مطمحِ نظر نہ بنا (بلکہ) فرعون اور ثمود کے خسارہ کو دیکھ (جو انہوں نے اس سودے میں اٹھایا)۔

امتحان کردن ہر چیزے تا ظاہر شود چیزے دیگر کہ دراں پنہاں ست

ہر چیز کا امتحان کرنا تاکہ وہ چیز جو اس میں پوشیدہ ہے ظاہر ہو جائے

اندریں گردوں مکرر کن نظر　　زانکہ حق فرمود ثُمَّ ارْجِعْ بَصَر

لغات: گردوں آسمان ثُمَّ ارْجِعْ سے آیت قرآن کی طرف اشارہ ہے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ "پھر بار بار نظر کر (نتیجہ یہی ہوگا کہ) تیری نظر کھسیانی ہو کر تھکی ہاری تیری طرف لوٹ آئے گی" (ملک ع ۱)۔

ترجمہ: آسماں میں بار بار نظر کرو کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ثم ارجع البصر کرتین الخ

یک نظر قانع مشو زیں سقفِ نور　　بارہا بنگر ببیں هَلْ مِنْ فُطُوْر

لغات: سقف نور نورانی چھت، آسمان کی تعریف ہے جو صورۃً زمین پر بطور سقف قائم ہے اور انوار کواکب کے لحاظ سے نورانی بھی ہے۔ هَلْ مِنْ فُطُوْرٍ (سے اس آیت قرآنی کی طرف اشارہ ہے کہ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ "تو دوبارہ نظر کر (اور پھر دیکھ) کہ تجھ کو (کسی جگہ) دراڑ دکھائی دیتی ہے"۔ (ملک ع ۱)۔

ترجمہ: اس نورانی چھت کی طرف ایک ہی مرتبہ نظر کرنے پر قناعت نہ کرو (بلکہ) بار بار نظر کرو اور دیکھو کہ کیا اس میں کوئی سوراخ ہے۔

چونکہ گفتت کاندریں سقفِ نکو　　بارہا بنگر چو مردِ عیب جُو

پس زمینِ تیرہ را دانی کہ چند　　دیدن و تمیز بایدش در پسند

ترجمہ: جب اس نے تم کو حکم دیا ہے کہ اس خوبصورت چھت میں نقص تلاش کرنے والے کی طرح بار بار (تنقیدی) نظر کرو تو (اتنا) سوچو کہ (اس) تاریک زمین کو کتنی مرتبہ دیکھنا اور (اس کے محاسن و معائب) میں تمیز کرنا (حق تعالیٰ کو) پسند ہوگا؟

مطلب: آسماں ہم سے دور اور پھر "نورٌ علیٰ نورٍ" جب اس میں تنقیدی نظر کرنے کا حکم ہے اور وہ بھی بار بار تو زمین پر تو جس قدر بھی تنقیدی نظر کریں تھوڑی ہے جو ہمارا گھر ہے اور آفات و شرور کی سرچشمہ ہے ورنہ زمین پر نظر کرنے اور اس کے نقائص کی خبر لینے سے پہلے آسمان پر متوجہ ہونا بے موقع ہوگا۔ کما قیل۔

تو کارِ زمیں رانکو ساختی　　کہ با آسماں نیز پرداختی

ایک منجم جو ہمیشہ افلاک و کواکب کی رفتار اور ان کے احوال معلوم کرتا اور لوگوں کو بتاتا رہتا تھا ایک دن اپنے گھر میں داخل ہوا تو کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر پایا۔ معلوم ہوا کہ بیوی کا مدت سے یہی شیوہ تھا اور منجم صاحب کو کچھ بھی خبر نہ تھی۔ بہت شور و غل ہوا لوگ جمع ہو گئے۔ شیخ سعدی بھی تشریف رکھتے تھے فرمایا میاں منجم تمہیں اپنے گھر کا حال تو معلوم نہیں آسمانوں کا حال کیا خاک معلوم ہوگا۔

تو براوجِ فلک چہ دانی چیست؟　　چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست؟

غرض دنیا جو ہمارا دارالعمل ہے اور مزرعۃ الآخرۃ ہے ہم کو پہلے اسی میں خیر و شر کی تمیز کرنی چاہیے تاکہ:۔

تا بپالائیم صافا نرا زِ دُرد　　چند باید عقل مارا رنج بُرد

ترجمہ: تاکہ ہم صاف اشیاء (یعنی اعمالِ حسنہ) کو میلی اشیا اعمالِ سیئہ) سے چھانٹ لیں (پس خیال کیجئے کہ اس کے لیے) ہماری عقل کو کس قدر محنت کرنی لازم ہے۔

مطلب: یہاں تک مولانا نے عالم میں نیک و بد کے اختلاط اور ان کے تمیز کی ضرورت کو بیان کیا ہے اب آگے اشخاص بشر میں صفاتِ نیک و بد کے اختلاط اور ان میں امتیاز کرنے کی ضرورت بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اِمتحانہائے زمستاں و خزاں　　تابِ تابستاں بہارِ ہمچو جاں

بادہاو ابر ہاو برقہا　　تاپدید آرد عوارض فرقہا

لغات: زمستاں موسمِ سرما۔ تاب گرمی۔ تابستاں موسمِ گرما۔ برقہا بجلیاں۔ عوارض آثار، تاثیرات۔

ترکیب: امتحانہا مضاف آگے زمستاں سے لے کر برقہا تک معطوفات مل کر اس کے مضاف الیہ۔ یہ مرکبِ اضافی مبتدا برائے حرف جار مقدر۔ آں بیس اور آخری مصرعہ اس کا بیان مل کر مجرور ہوا۔ جار مجرور متعلق واقع خبر محذوف کے۔

ترجمہ: (تکوینیات میں قانونِ خداوندی یہ ہے کہ) موسمِ سرما، خزاں، موسمِ گرما کی گرمی جان کے برابر بہار، ہواؤں بادلوں اور بجلیوں کے مختلف امتحانات (زمین کو اس لیے جھیلنے پڑتے ہیں) تاکہ (یہ) آثار (اس کے مخفی اشیا میں) فرق نمایاں کر دیں۔

تا بروں آرد زمینِ خاک رنگ　　ہر چہ اندر جیب دارد لعل و سنگ

ترجمہ: تاکہ (یہ) خاکی زمین (اپنی) جیب میں لعل و پتھر وغیرہ جو کچھ (مخفی) رکھتی ہے اس کو نکال کر دھر دے۔

ہر چہ دُر دیدست ایں خاکِ دژم　　از خزانہ حق و دریائے کرم

لغات: دژم افسردہ، اندوہگیں۔ خزانۂ حق قدرتِ حق کا فیضان مراد ہے جو تکوینیات میں متصرف ہے۔ دریائے کرم سے یہی ظاہری پانی مراد ہو تو بعید نہیں جو قدرتِ حق سے زمین میں سرایت کر کے اس کے اندر مختلف احجار و اشجار کے پیدا ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ خزانہ اور دریا کی مناسبت ظاہر ہے جواہرات دریا سے ملتے ہیں اور خزانوں میں رکھے جاتے ہیں۔

ترجمہ: (وہ لعل و سنگ) جو اس افسردہ خاک نے قدرتِ حق کے خزانہ اور اس کے دریائے کرم سے چرا رکھے ہیں۔

شحنۂ تقدیر گوید راست گو　　آنچہ بُردی شرح وادہ مُو بمُو

لغات: شحنہ کوتوال، افسر پولیس۔ شرح دِہ صاف بیان کر بمو بمو ذرہ ذرہ۔

ترجمہ: تقدیر کا کوتوال (ڈانٹ کر) کہتا ہے کہ سچ بتا جو کچھ تو نے چرایا ہے ذرہ ذرہ صاف بیان کر دے۔

دُزد یعنی خاک گوید ہیچ ہیچ　　شحنہ اورا درکشد در پیچ پیچ

ترجمہ: چور یعنی خاک کہتی ہے کہ کچھ نہیں کچھ نہیں پھر کوتوال (اقبال کرانے کے لیے) اس کو (مختلف) اڑنگوں میں پھانستا ہے۔

شحنہ گاہش لطف گوید چوں شکر　　کہ براویزد کند ہر چہ بتر

ترجمہ: کوتوال کبھی اس سے شکر کی سی میٹھی میٹھی باتیں کر (کے اس کو پھسلاتا) ہے (اور) کبھی دباؤ ڈال کر منوانے کے لیے اس کو الٹا) لٹکا دیتا ہے (اور) جو کچھ برے سے برا سلوک (کرنا پولیس والوں کا قاعدہ) ہے کرتا ہے۔

تامیانِ قہر و لُطف آں خُفیہا　　ظاہر آید زاتشِ خوف ورجا

ترجمہ: تاکہ یہ گرم و نرم سلوک کرتے کرتے وہ مخفی چیزیں خوف کی آگ اور امید (کے پانی کے اثر) سے ظاہر ہو جائیں۔

مطلب: جس طرح پولیس والے چور سے مال برآمد کرانے کے لیے اس کو کبھی گرم دھوپ میں اور کبھی ٹھنڈے پانی میں بٹھاتے ہیں، اسی طرح قدرت زمین کو پانی اور دھوپ کی تاثیرات پہنچا کر اس سے نباتات نمودار کراتی ہے سبحان اللہ کیا خوب تشبیہ ہے اب ہر ایک مشبہ کے ساتھ اس کے مشبہ بہ کو بتا کر مطلب واضح فرماتے ہیں:۔

آں بہاراں لطف و شحنہ کبریاست　　واں خزاں تہدید و تخویفِ خداست

ترجمہ: (اب واضح کر رہے کہ) کوتوال (سے مراد بلا تشبیہ) حق تعالیٰ ہے بہار (سے مراد اس کی) مہربانی اور وہ خزاں خدا کا ڈرانا دھمکانا ہے۔

واں زمستاں چار میخِ معنوی　　تاتو اے دُزدِ خفی ظاہر شوی

لغات: چار میخ مجرموں کے لیے ایک قسم کا عذاب ہے جس میں اس کے ہاتھ پاؤں کو چار میخوں سے کس کر باندھ دیتے ہیں۔ معنوی از روئے معنی بطور اشارہ خفی مخفی چھپا ہوا۔

ترجمہ: اور وہ سرما از روئے اشارہ چار میخ کی سزا ہے (جو زمین کو اپنی شدّتِ برودت سے جکڑ دیتی ہے) تاکہ اے چھپے ہوئے چور تو ظاہر ہو جائے۔

مطلب: زمین کا جواہرات کو چرانا قدرت کے شحنہ کا مختلف موسموں کے نرم و گرم سلوک کے ساتھ اس سے یہ چوری کا مال برآمد کرانا اور اس کے دُزدانہ فعل کو نمایاں کرنا جو مذکور ہوا یہ محض شاعرانہ تخیل تھا کہ ایک امرِ واقع کو بتکلف حسنِ تعلیل کا جامہ پہنایا گیا اب اس کے بعد وہ خاص بات آتی ہے جو یہاں اصل مدعا ہے اور زمین کا یہ قصہ اسی کے لیے بطور تمہید لایا گیا ہے۔

پس مجاہد را زمانے بسطِ دِل　　یکزمانے قبض و درد و غِش وغِل

زانکہ ایں آب و گِلے کابدانِ ماست　　منکر و دزدِ ضیائے جانِ ماست

لغات: مجاہد ریاضت و مجاہدہ کرنے والا۔ بسطِ دل دل کا کشادہ و منشرح ہونا۔ قبضِ دل دل کا تنگ ہونا گھٹنا۔ غِش بالکسر کھوٹ غِل بالکسر کدورت۔

ترجمہ: پس (جب کسی عابد) مرتاض کو کبھی دل کی کشادگی کبھی بندش اور درد اور کھوٹ اور کدورت جو عارض ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ (مجموعہ) آب و گل جو ہمارے بدن میں ہماری روح کو چرا کر مکر گئے ہیں۔ غنیؔ۔

تن ساختہ پابند دریں مرحلہ جاں را　　ساکن کند آمیزشِ خاک آبِ رواں را

حق تعالیٰ گرم و سرد ورنج و درد　　برتنِ ماے نہداے شیر مرد

ترجمہ: تو اے شیر مرد حق! حق تعالیٰ ہمارے بدنوں کو گرم و سرد اور رنج و درد کی مختلف تکالیف میں مبتلا کر دیتا ہے (تاکہ وہ مخفی نور ان سے نمایاں ہو جائے، پس یہ ایک غیبی تدبیر ہے)۔

امیر خسروؔ۔ درد گنجِ راحت ست ار مردہ یابی طبع را　　داغ عین مرہم ست ار پختہ بینی ریش را

صائبؒ ماحوصلۂ درد نداریم وگرنہ ہر درد کہ قسمت شود از غیب دوائیست

خوف و جوع و نقصِ اموال و بدن جملہ بہرِ نقدِ جاں ظاہر شدن

ترجمہ: قدرتِ حق کی طرف سے یہ) خوف، بھوک اور مالوں اور بدنوں کا نقصان سب کا سب جان کا مال ظاہر ہو جانے کے لیے ہے (جو بدن نے چرا رکھا ہے)۔

مطلب: اس بیت میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ "اور البتہ ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوارِ اراضی کی کمی سے آزمائیں گے اور (اے پیغمبر!) صبر کرنے والوں کو (خوشنودیِ خدا اور کشائش کی) خوشخبری سنا دو یہ لوگ جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے ہیں (ہم کو جس حال میں چاہے رکھے) اور ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (تو وہ ہم کو ہمارے صبر کا اجر دے گا)۔ (سورہ بقرہ ع ۱۹) مطلب یہ کہ ان مصائب گوناگوں سے انسان کی فطری استعداد ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ ایک طرح کے قدرتی امتحانات ہیں۔ اچھی استعداد کے لوگ ان مصائب پر صبر کرتے ہیں اور اللہ کے شکر سے زبان بند نہیں رکھتے اور ان مصائب سے عبرت گیر ہو کر گناہوں سے تائب اور بیش از پیش طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ صائبؒ۔

شور بختی تلخ کاماں را باصلاح آورد جز نمک درماں نبا شد تلخی بادام را

بخلاف اس کے بُری استعداد کے لوگ جو پہلے چنگے بھلے دیندار اور پرہیزگار نظر آتے تھے ان مصائب کی بدولت ان کی گندی فطرت طشت از بام ہو جاتی ہے وہ ہر وقت تقدیر کا شکوی اور قسمت کا گلہ اپنا وظیفہ بنا لیتے ہیں اور خدا کی رحمت سے ناامید ہو کر طاعات و عبادات بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ معاذ اللہ من ذٰلک۔

مصیبت پے بہ پے اولادِ آدم پر جو آتی ہے کسی کو نیک اعمال اور کسی کو شر سکھاتی ہے
اثر ہو مختلف لوگوں پہ جیسے تلخ دارد کا کسی کو ہو شفا حاصل کسی کی جان جاتی ہے

عسرت و غنا اور شدت و رخا کے مختلف حالات سے انسان کے چھپے خصائل جو نمودار ہو جاتے ہیں اس کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔

گر بدولت برسی مست نگردی مردی گر بہ پستی برسی پست نہ گردی مردی

ایں وعید و وعدہا انگیخت ست بہرِ اینکہ نیک و بد آمیخت ست

لغات: وعید دھمکی، ڈراوا۔ انگیخت برپا کیا۔

ترکیب: دوسرے مصرعہ میں کاف بیانیہ آمیخت ست پر واقع ہے مگر ضرورۃً مقدم درج ہوا ہے ایں اسم اشارہ اور نیک و بد مشارٌ الیہ مل کر مبین ہوا کہ آمیخت است اس کا بیان یا یہی ترتیبِ کلمات درست تسلیم کی جائے اس صورت میں ایں مبین اور کہ نیک الخ اس کا بیان ہوگا۔ ترجمہ دونوں طرح ملاحظہ ہو۔

ترجمہ: (۱) یہ عذاب کی دھمکیاں اور ثواب کے وعدے جو اس نے برپا کیے ہیں تو اس نیک و بد (کے ظہورِ امتیاز) کے لیے ہیں جن کو باہم ملا جلا رکھا ہے۔

ترجمہ: (۲) یہ عذاب کی دھمکیاں اور ثواب کے وعدے جو اس نے برپا کیے ہیں تو اس لیے کہ اس نے نیک و بد کو ملا

جلا رکھا ہے (ان میں امتیاز و تفریق کا ہونا ضروری تھا)۔

مطلب: یہ تو حق تعالیٰ نے خاص اپنے فضل سے بندوں کے نیک و بد میں امتیاز ہو جانے کا سامان فرمایا ہے ایک تدبیر اور ہے جو بندوں کے اختیار میں ہے۔ اس کو آگے بیان فرماتے ہیں:

چونکہ حق و باطلے آمیختند نقد و قلب اندر چرمداں ریختند

پس محک مے بایدش بگزیدۂ در حقائق امتحانہا دیدۂ

لغات: نقد کھرا۔ قلب کھوٹا۔ چرمدان تھیلا جو چمڑے سے بنا ہو جیم فارسی کے فتح اور راء کے سکون سے ہے مگر یہاں ضرورۃً راء کا بھی فتحہ مستعمل ہوا ہے۔ بگزیدہ۔ انتخاب کی ہوئی، عمدہ ترین۔

ترجمہ: چونکہ حق و باطل کو (قدرتی طور پر) مخلوط کر دیا گیا ہے (اور) کھرے کھوٹے (اعمال) کو (ایک ہی) چرمی تھیلے میں (گڈ مڈ کر کے) ڈال دیا گیا ہے پس اس کے لیے ایک عمدہ کسوٹی چاہیے (جو مختلف) حقیقتوں (کی پرکھ) میں بارہا آزمائی ہوئی (ہو)۔

تاشود فاروقِ ایں تزویر ہا تاشود دستورِ ایں تدبیر ہا

لغات: فاروق جدا جدا کر دینے والا۔ تزویر ملمع کاری کسی چیز کو ظاہری آرائش سے سجا دینا، بناوٹ، فریب۔ دستور وزیر اعظم صنائع: یہ شعر موصع ہے۔

ترجمہ: تاکہ وہ (محک) ان بناوٹوں (کے حق و باطل) میں فرق کر دے (اور) تاکہ وہ (تمہاری) ان تدابیر (امتیازِ حق و باطل) میں وزیر اعظم (اور مشیرِ اعلیٰ) کا کام دے۔

مطلب: محک سے مراد شیخ کامل ہے جو مرید پر تلبیساتِ ابلیس اور مکایدِ نفس کا راز ظاہر کر دیتا ہے اور اس کو حق و باطل میں تمیز کرنا سکھا دیتا ہے اور ان تدابیر میں اس کا رہنما ہوتا ہے۔ حافظؒ

مشکلِ خویش بر پیر مغاں بُردم دوش کو بتائیدِ نظر حلِّ معما میکرد

آگے مولانا یہ فرماتے ہیں کہ پہلے شیخ کامل کی شناخت ضروری ہے اور اس کی شناخت کے لیے فطرتِ سلیمہ چاہیے فطرت سلیمہ والا چونکہ یومِ الست سے اس ذوق سے آشنا ہے۔ اس لیے وہ جس کے پاس اس ذوق کا نشان دیکھے گا فوراً پہچان لے گا کہ یہی کامل ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں کسی دایہ کا دودھ نہ پیا اور جب ان کی ماں نے دودھ پلانا چاہا تو فوراً پی لیا کیونکہ وہ ولادت کے وقت اس کو پی چکے تھے اور اس کے مزے کو پہچان چکے تھے۔ آگے اسی مثال کو مولانا بیان فرمائیں گے جس سے مقصد یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی اس استعدادِ فطری کو معاصی کے ارتکاب سے برباد نہ کرے۔ غنیؒ

لوحِ دلے کہ آئینۂ رازِ عالم است حیف ست ایں کہ تختۂ مشقِ ہوس کنی

جامیؒ۔ بقدرِ آئینہ حسنِ تو مے نماید روئے دریغ کائنہ ما نہفتہ در زنگ ست

جب یہ استعدادِ فطری خراب ہو تو شیخ کامل خواہ سامنے بیٹھا ہو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ جامیؒ۔

چوں غافل ست دل زحق از دل چہ فائدہ بے لیلی از نظارۂ محمل چہ فائدہ

شیر دہ اَے مادرِ موسیٰ ورا و اندر آب افگن مندیش از بلا

ترجمہ: اے موسیٰ کی ماں! (اپنے) اس بچے کو دودھ پلا اور (اس کو) دریا میں ڈال دے اور بلا (یعنی غرق) سے نہ ڈر۔

مطلب: چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ وَاَوْحَيْنَـا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ "اور ہم نے موسیٰ کی ماں (یوخاند) کو وحی بھیجی کہ تو اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھ کو اس پر ڈر پیدا ہو تو اس کو (ایک صندوق میں بند کر کے) دریائے نیل میں ڈال دے اور ڈر نہیں نہ رنج کر ہم عنقریب اس کو واپس تیرے پاس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبر بنائیں گے"۔ (قصص ع ۱)

پس جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دودھ پلانے کا حکم ہوا تھا تاکہ انہیں اس دودھ کی شناخت حاصل ہو جائے اور آگے چل کر وہ اپنی ماں کے دودھ اور دوسری عورتوں کے دودھوں میں امتیاز کر سکیں۔ اسی طرح جس کو روزِ الست سے شناخت کا ذوق حاصل ہے اور اس کا وہ ذوق تازہ بھی ہے فوراً شیخ کامل کو پہچان لیتا ہے۔

ہر کہ در رُوزِ الست آں شیر خورد　　ہمچو مُوسیٰ شیر راتمیز کرد

ترجمہ: جس شخص نے روزِ الست میں وہ (ذوقِ خاص کا دودھ نوش کر لیا اس نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح (اہل اللہ کے) شیر (کمال) کو پہچان لیا۔

گر تو برتمیزِ طفلت مُولعی　　ایں زماں یَا اُمَّ مُوسٰی اِرْضِعِیْ

تابیند طعمِ شیرِ مادرش　　تا فرد ناید بدایہ بدسرش

لغات: مولع مشتاق، شائق۔ خواہش مند ام موسیٰ موسیٰ کی ماں ارضعی دودھ پلا۔

ترجمہ: اگر تم (بھی) اپنے طفل (قلب) کے (حق و باطل میں) تمیز کرنے کے خواہش مند ہو تو اے ام موسیٰ (یعنی اے صاحبدل) اب (اس کو مجاہدہ و ریاضت کا) دودھ پلاؤ تاکہ وہ اپنی ماں کے دودھ کا ذائقہ پہچان لے اور) پھر (کسی) بُری دایہ کے دودھ پر مائل نہ ہو۔

مطلب: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے دل میں کامل و ناقص کی تمیز کا گم شدہ ذوق پیدا ہو جائے پھر وہ پیر کامل کی صحبت اختیار کرے اور ناقصوں کی صحبت سے پرہیز کرے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ مجاہدہ و ریاضت کرو۔ اس سے دل روشن ہو کر پھر اس ذوق سے بہرہ مند ہو جائے گا۔ صائبؒ

قفلِ دل رانیست مفتاحے بغیر از دستِ سعی　　سنگ زن بر سینہ تا ایں در بروبت واشود

خود برِ تو ایں حکایت روشن است　　کہ غرض نے ایں حکایت گفتن است

ترجمہ: خود تم پر یہ بات ظاہر ہے کہ (ہماری) غرض یہ کہانی سنانا نہیں۔

مطلب: شاید سامعین اس امید پر یہاں خاص طور پر متوجہ ہو جائیں کہ اب موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے یہ غلط خیال رفع کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ یہاں قصہ گوئی ہمارا مقصود نہیں۔ بلکہ یہ صرف ایک مختصر عنوان تھا اس مضمون کے ادا کا جس کو تم اوپر سن چکے ہو کہ تمیزِ حق و باطل کی گم شدہ استعداد کو دوبارہ اپنے اندر پیدا کرو۔ پس اس کو سن کر نصیحت حاصل کرو۔

شرح فائدہ حکایت شُتر جوئندہ

اونٹ کو تلاش کرنے والے کی کہانی کے نتیجہ کی شرح

مولانا یہاں سے پھر اونٹ کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔

اُشترے گم کردۂ اے معتمر ہر کسے زاُشتر نشانے میدہد

ترجمہ: اے معتبر آدمی تمہارا اونٹ گم ہو گیا ہے ہر شخص اس اونٹ کی نشانی بتا رہا ہے۔

تو نمیدانی کہ آں اُشتر کجاست لیک دانی کایں نشانیہا خطاست

ترجمہ: تم نہیں جانتے کہ وہ اونٹ کہاں ہے لیکن (اتنا ضرور) جانتے ہو کہ یہ نشانیاں (جو وہ بیان کر رہے ہیں سب) غلط ہیں۔

وانکہ اُشتر گم نکرد او از مرے ہمچوں آں گم کردہ جوید اشترے

ترجمہ: اور (ایک) وہ شخص ہے جس کا کوئی اونٹ گم نہیں ہوا (مگر) وہ بھی (محض) دیکھا دیکھی اس شخص کی طرح جس کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ ایک اونٹ تلاش کرنے لگتا ہے۔

مطلب: جب کوئی شخص تلاشِ حق کی کوشش کرتا ہے اور مختلف مذاہب کے لوگ اس کو اپنی اپنی بولیوں میں اس کے مختلف راستے بتاتے ہیں تو چونکہ استعدادِ فطری قبولِ حق کی متقاضی ہوتی ہے لہٰذا وہ ان اقوالِ باطلہ کو ہرگز قبول نہیں کرتا اگرچہ ابھی اس کو حق کا صحیح راستہ بھی معلوم نہیں ہوتا، مگر ذوقاً ان اقوال کا بطلان اس کو محسوس ہو جاتا ہے ایک اور شخص ہے جو لوگوں کی دیکھا دیکھی طلبِ حق کا مدعی بن جاتا ہے، مگر اس کا اصل مقصود کچھ اور ہوتا ہے جیسے بعض لوگ پیروں کے ساتھ ساتھ معتقدینِ صادقین کی طرح لگے پھرتے ہیں تاکہ خوب دعوتیں اڑائیں۔ حضرت کے خدامِ خاص کہلائیں اور ہر جگہ عزت پائیں اور بظاہر وہ بھی پہلے طالبِ صادق کی طرح طلبِ حق کا مدعی ہوتا ہے اور اسی کی طرح اہلِ مذاہب کے اقوالِ مختلفہ پر ردّ و انکار یا قبول و اقرار کا وطیرہ اختیار کر لیتا ہے۔

کہ بلے من ہم شترگم کردہ ام ہر کہ یابد اُجرتش آوردہ ام

ترجمہ: (وہ بناوٹی طالبِ شتر کہتا ہے) کہ ہاں میرا بھی اونٹ گم ہو گیا ہے جو شخص اس کو پائے میں اس کے لیے معاوضہ لایا ہوں۔

تادر اشتر باتو انبازی کُند بہرِ طمعِ اُشتر ایں بازی کند

ترجمہ: (اور اس کی یہ غرض فاسد ہوتی ہے) کہ تیرے اونٹ میں شریک ہو جائے وہ اونٹ کی حرص ہی سے یہ داؤ کھیلتا ہے۔

او نشانِ کژنہ بشناسد ز راست لیک گفتت آں مقلدرا عصاست

ترجمہ: وہ اونٹ کی سچی جھوٹی کہانیوں میں تمیز نہیں کر سکتا (کیونکہ اس نے اونٹ کو دیکھا ہی نہیں) ہاں تمہاری باتیں اس نقال کے لیے سہارا بن جاتی ہیں (وہ انہیں کی نقل کر کے کہتا جاتا ہے، کہ یہ نشانی غلط، یہ ٹھیک نہیں)۔

ہرچہ واگوئی خطا بُود آں نشاں　　او بتقلیدِ تو میگوید ہماں

ترجمہ: (چنانچہ) جب تو (کسی غلط نشانی بتانے والے کے جواب میں) کہتا ہے کہ یہ نشانی غلط ہے تو وہ بھی تیری نقل کرتا ہوا وہی (الفاظ) کہہ دیتا ہے۔

چوں نشانِ راست گویند و شبیہ　　پس یقین گردد ترا لَارَیْبَ فِیْہِ

ترجمہ: جب لوگ اس اونٹ کی صحیح اور ملتی جلتی نشانی بتاتے ہیں تو تم کو یقین آ جاتا ہے (اور) اس میں کوئی شک نہیں (رہتا)۔

آں شفائے جانِ رنجورت شود　　رنگ رُوئے صحت و زورت شود

ترجمہ: تو وہ (بشارت) تمہاری جانِ بیمار کے لیے بمنزلہ شفا ہو جاتی ہے۔ تندرستی کے چہرے کا رنگ اور تمہاری قوت بن جاتی ہے۔

الخلاف: بعض نسخوں میں اس بیت کے بجائے دو شعر یوں درج ہیں۔

آں شفائے جان رنجورت شود　　مظہر حسِ چو گنجورت شود

رنگ روے و قوتِ بازو شود　　خلق و خلق یکلوات صد تو شود

یعنی اس سے تمہاری جان مبتلائے رنج کو شفا حاصل ہوتی ہے اور تمہارے حواس کو جو کہ محسوسات کے لیے بمنزلہ خزانچی ہیں ظہور میں لاتی ہے۔ تمہارے منہ کی رونق بن جاتی ہے اور قوتِ بازو ثابت ہوتی ہے۔ تمہاری جسمانی اور اخلاقی طاقتیں ایک سے سو گنا ہو جاتی ہیں۔

چشمِ تو روشن شود پایت رَواں　　جسمِ تو جاں گردد و جانت رَواں

صنائع: رواں کے لفظ میں صنعتِ تجنیسِ تام ہے۔

ترجمہ: تمہاری آنکھیں چمک اٹھتی ہیں پاؤں میں قوت رفتار آ جاتی ہے تمہارا جسم روح (حیوانی) بن جاتا ہے اور تمہاری روح (حیوانی) روح انسانی (ہو جاتی ہے)۔

پس بگوئی راست گفتی اے امیں　　آں نشانی ہا بلاغ آمد مُبیں

ترجمہ: پھر تم اس بتانے والے سے کہتے ہو کہ اے (پیغام رسانی کے) امانت دار! تم نے ٹھیک کہا وہ روشن نشانیاں (تم نے) پہنچا دی ہیں۔

فِیْہِ اٰیٰاتٌ ثِقٰاتٌ بَیِّنٰات　　ایں براتے باشد و قدر و نجات

لغات: آیات نشانیاں۔ ثقات جمع ثقہ معتبر بینات روشن، نمایاں۔ برات پروانہ، دستاویز۔

ترجمہ: اس (پیغام) میں معتبر اور روشن نشانیاں ہیں یہ (پیغام حصولِ مدعا کا) پروانہ ہے قدر (کے قابل) ہے (رنج و تشویش سے) نجات (پانے کا وسیلہ) ہے۔

اِیں نشاں چوں داد گوئی پیش رَو　　وقتِ آہنگ ست پیش آہنگ شو

ترجمہ: (غرض) جب اس نے (تم کو) یہ نشانی بتائی تو تم اس سے کہتے ہو کہ تم آگے آگے چلو اب قصد کا وقت ہے قصد میں تم آگے رہو۔

پیرویِ تو کنم اے راستگو بوئے بُردی اُشترم بنما کہ کو

ترجمہ: میں تمہارے پیچھے چلتا ہوں اے راستگو تم نے (اس کا) سراغ پایا ہے (اب میرا اونٹ دکھاؤ کہاں ہے)۔

آں کسے راکو نہ صاحب اشترے ست واندریں جُستِ شتر بہرِ مرے ست

زیں نشانِ راست نفزاید یقیں جُز عکسِ ناقہ جُوئے راستیں

ترجمہ: مگر اس شخص کا جو اونٹ کا مالک نہیں ہے اور وہ اونٹ کی اس تلاش میں محض دیکھا دیکھی (شریک) ہے اس سچی نشانی سے کچھ بھی یقین زیادہ نہیں ہوتا۔ سوائے (اس کے کہ وہ) سچے شتر جُو کی نقل کے (پیچھے پڑا ہوا ہے)۔

بوے برد از جدّ و گرمیہائے اُو کہ گزافہ نیست ایں ہیہائے اُو

لغات: بوے بُرد پتا لگایا، سراغ پایا۔ جد کوشش۔ گرمی ہا سرگرمیاں گزافہ بے ہودہ، فضول ہیہا شور وغل، چیخ و پکار، ہاد ہو۔

ترجمہ: (مگر) اس (سچے ناقہ جُو) کی کوشش اور سرگرمیوں سے اس کو خیال ہوا کہ یہ اس کی ہاد ہو (جو وہ سچی نشانی ملنے پر کر رہا ہے) فضول نہیں ہے۔

مطلب: مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دیکھا دیکھی طالب شتر بن گیا تھا۔ صحیح نشانی سن کر کچھ اس کے یقین میں تو اضافہ ہوا نہیں، ہاں جب وہ صاحبِ شتر اس نشانِ راست کو سن کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا تو یہ بھی سمجھا کہ کوئی بات ضرور ہے اور اس کے بعد اس نے بھی غل مچانا شروع کر دیا کہ ہاں ہاں صاحب میرا اونٹ یہی ہے جس کی یہی نشانی ہے اور مطلب اس تمثیل سے یہ ہے کہ طالبِ حق کو جب وصولی الی الحق کا صحیح راستہ مل جاتا ہے تو وہ بے حد مسرور ہوتا ہے اور موصل الی الحق یعنی اپنے پیر کامل کے کامل اتباع کا تہیہ کر کے ان سے عرض کرے گا کہ حضرت مجھے صراطِ مستقیم پر لگا دیجئے مگر اس مرید کا نقال جو دراصل خانقاہ میں آنے والی گوناگوں نعمتوں سے پیٹ پالنا اپنا مقصد قرار دے چکا ہے اس کو وصولی الی الحق کا کچھ پتا نہیں کہ کس کو کہتے ہیں نہ موصل الی الحق کی شناخت ہے مگر اس خیال سے کہ اپنے حلوے مانڈے کی خیر منانے کی صورت یہی ہے وہ بھی یہی راگ الاپنے لگتا ہے کہ بے شک حضرت آپ بڑے رتبہ اور پایہ کے بزرگ ہیں پس حضور ہی میری دستگیری فرمائیں۔ پہلے مرید کی شناخت تو روزِ ازل کی حاصل شدہ استعداد کے تقاضے سے تھی اور دوسرے کا دعوئِ شناخت صرف نقالی۔

اندریں اشتر نبودش حق ولے اشترے گم کردہ است اوہم بلے

ترجمہ: اس بناوٹی طالب شتر کو اس اونٹ میں تو کوئی حق نہ تھا مگر ہاں ایک اونٹ اس کا بھی گم ہو چکا ہے (جس کا اس کم بخت کو خیال تک نہیں نہ کچھ یاد ہے)۔

طمعِ ناقہ غیر روپوشش شدہ آنچہ زوگم شد فراموشش شدہ

ترجمہ: (کیونکہ) غیر کے ناقہ کے طمع نے اس کے منہ پر پردہ ڈال رکھا ہے اس لیے اس کا (اپنا ناقہ) جو گم ہو گیا ہے وہ اس کو فراموش ہو گیا۔

ہر کجا ایں میدوَد آں میدوَد از طمع ہمدردِ صاحب مے شود

ترجمہ: (چنانچہ) جہاں یہ (ناقہ کا حقیقی مالک) دوڑا جاتا ہے (وہ جھوٹا طالب بھی ادھر کو) لپکتا ہے (اور مال غیر کی) طمع سے (ناقہ کے اصلی) مالک کا ہمدرد بن جاتا ہے۔

کاذبے باصادقے چوں شد رَواں آں دروغش. راستی شد ناگہاں

ترجمہ: جب ایک جھوٹا ایک سچے کے ہمراہ روانہ ہوتا ہے تو ناگہاں اس کا کذب بھی صدق بن جاتا ہے۔

مطلب: حق کو گم کرنے میں یہ دونوں شخص برابر ہیں مگر ان میں فرق اتنا ہے کہ پہلے شخص کی استعدادِ فطری قائم ہے اس لیے وہ حق کی سچی طلب اپنے اندر رکھتا ہے اور اسے اس کی شناخت کا مادہ حاصل ہے مگر دوسرے شخص کی استعدادِ فطری مر چکی ہے اسے یہ بھی یاد نہیں کہ میرا کوئی مطلوب بھی گم ہو چکا ہے یا نہیں۔ نہ اس کی سچی طلب اس کے اندر موجود ہے بلکہ اور ہی فضول اغراض کے لیے صرف تقلیداً تلاشِ مطلوب کی تگ ودَو میں لگ رہا ہے حتیٰ کہ اس کی نقلی وجعلی طلب وتلاش سچی اور حقیقی طلب کی طرح وصول الی المطلوب کی باعث بن جاتی ہے چنانچہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ نیک کام کی نقل بھی خواہ ریاءً ہو یا استہزاءً اپنا اثر کر جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس میں خلوص اور صفائیِ نیت پیدا ہو جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ وہ ترقیِ مراتب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اندراں صحرا کہ آں اشتر شتافت اشترِ خود نیز آں دیگر بیافت

ترجمہ: (چنانچہ جب دونوں) اس جنگل میں (پہنچے) جہاں وہ اونٹ بھاگ گیا تھا تو اس دوسرے (بناوٹی طالب شتر) نے بھی اپنا اونٹ پا لیا۔

چوں بدیدش یاد آورد آنِ خویش بے طمع شد زاشترِ یارانِ خویش

ترجمہ: جب اس نے اس اونٹ کو دیکھا تو اب اس کو اپنا مملوک (اونٹ) یاد آیا کہ ارے! میں بھی تو فی الواقع اپنا اونٹ کھوئے ہوئے تھا جو یہ ہے اب تو وہ اپنے ہمراہیوں کے اونٹ سے بے طمع ہو گیا (جس کے لیے ان کے ساتھ آیا تھا)۔

مطلب: جو عمل کسی غرضِ فاسد کی بنا پر بار بار اور بتواتر کیا جاتا ہے بعض اوقات اللہ کے فضل سے اس میں خلوص پیدا ہو جاتا ہے اور وہ موجب برکات وترقیِ درجات ہو جاتا ہے اسی طرح خانقاہ کے بعض شکم پرست درویش خانقاہی زندگی سے صرف تبرکات والوشات سے اپنے کام و دہاں کا تر کرنا مقصود سمجھتے ہیں لیکن جب ان کو اضطراراً ختمات کے حلقوں میں شامل ہونے اور ذکر وفکر کی مجالس میں سرگرمیاں بیٹھنے کا موقع پڑتا رہتا ہے اور کچھ شیخِ سلسلہ کی توجہات اور تصرفات شامل ہوتے ہیں تو اس کی بھی استعدادِ فطری جاگ اٹھتی ہے اور وہ بھی صراطِ مستقیم پر چلنے لگتا ہے پھر سمجھتا ہے کہ اصل مقصود تو یہ تھا جس کو میں خورد ونوش کی چاٹ میں بھول گیا تھا۔ کما قیل۔

خواب و خورت ز مرتبۂ عشق دور کرد اے بوا لہوس بمیر کہ ازگاؤ کمتری

آں مقلّد شد محقّق چوں بدید اشترِ خود را کہ آنجا مے چرید

لغات: مقلّد ریس اور نقل سے کوئی کام کرنے والا محقّق اپنی تحقیق سے کام کو اچھا سمجھ کر اختیار کرنے والا۔

ترجمہ: وہ شخص جو ریس (کے ساتھ اونٹ کی تلاش) کر رہا تھا جب اس نے (فی الواقع) اپنا اونٹ دیکھا (جو وہاں چر رہا تھا تو وہ صحیح) تحقیق (وتلاش کے ساتھ اپنے مطلوب تک رسائی حاصل) کرنے والا بن گیا۔

اوطلبگارِ شترآں لحظہ گشت مے نجُستش تا ندید او را بدشت

ترجمہ: وہ اسی لمحہ میں اس اونٹ کا طالبگار بن گیا جب تک اس کو جنگل میں دیکھا نہیں تھا اس کی تلاش بھی نہیں کی۔

مطلب: پہلا شخص مدت کا طالب حق تھا اور بعد میں اس کو حق ملا۔ دوسرا شخص طالب نہیں تھا بلکہ طالبوں کا نقال تھا مگر اسی نقل و

تقلید میں اس کو حق کا سراغ مل گیا لہٰذا اس کی طلب حق کے نظر آنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اب اس کی یہ حالت ہے کہ

بعد ازاں تنہا روی آغاز کرد چشم سوئے ناقۂ خود باز کرد

ترجمہ: اس کے بعد اس نے اکیلے ادھر ادھر چلنا شروع کیا اور اپنے ناقہ کو نصب العین بنا لیا۔

مطلب: یعنی جب اس کو خود اپنے مشاہدہ سے حق کا پتا لگ گیا تو پہلے تو صرف دوسرے لوگوں کے ساتھ اس راستے پر گامزن تھا اب خود اس کی طرف چلنے لگتا ہے اور طلبِ حق میں منفرد ہو جاتا ہے اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ طلب پہلے دوسروں کی ریس سے ہوتی ہے پھر جب خود طلب کی لو لگ جاتی ہے تو ان رفقا کی معیت کی پروا نہیں رہتی جن کی ریس کی تھی صرف شیخ کی معیت رہتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ خود محقق بن جاتا ہے تو اب شیخ کی معیت سے بھی مستغنی ہو جاتا ہے اور اپنی تحقیقات پر عامل ہو جاتا ہے ہاں جو کچھ کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ شیخ ہی کی برکت سے ہوتے ہیں۔ پس مرید کی تنہا روی دو مرتبوں میں ہوتی ہے پہلے مرتبۂ طلب میں یارانِ طریقت سے پھر مرتبہ تحقیق میں شیخِ طریقت سے غرض اسی طرح ایک طالبِ کاذب بھی طالب صادق بن کر محقق ہو جاتا۔

گفت آں صادِق مرا بگذ اشتی تا باکنوں پاسِ من میداشتی

ترجمہ: اس سچے طالب نے (دوسرے طالب سے) کہا (کیا وجہ ہے کہ) تم نے مجھ کو چھوڑ دیا اب تک تو تم نے میرا ساتھ دیا تھا۔

گفت تا اکنوں فسوسی بودہ ام وز طمع در چاپلوسی بودہ ام

ترجمہ: وہ کہتا ہے میں اب تک تو بناوٹ کرنے والا تھا اور حرص کی وجہ سے (تمہاری) خوشامد میں (مبتلا) رہا۔

ایں زماں ہمدردِ تو گشتم کہ من در طلب از تو جدا گشتم بفن

ترجمہ: مگر اب میں (صحیح معنی میں) تمہارا ہمدرد ہوں کہ طلبِ حق میں مصلحتاً تم سے جدا ہوں (مگر مقصد و مشرب میں متحد ہوں)۔ کلیمؒ۔

سر بسر دلہائے آگہ دانہائے سبحہ اند آنچہ مارا در دل ست از یکدگر مستور نیست

از تو میدز دیدمے وصفِ شتر جانِ من دید آنِ خودشُد چشمِ پُر

ترجمہ: (پہلے) میں (تم کو اپنا رقیب سمجھ کر) تم سے اونٹ کے اوصاف پوچھتا تھا (کہ کہیں تم اونٹ پر قابض نہ ہو جاؤ اب جو) میری جان نے خود اپنا (اونٹ) پالیا (تو تمہارے اونٹ سے) وہ سیر چشم (اور بے نیاز) ہو گئی۔

تا نیابیدم نبودم طالبش مس کنوں مغلوب شد زر غالبش

ترجمہ: جب تک کہ میں نے اس کو پایا نہیں میں اس کا طالب نہیں ہوا اب (کذب کا) تانبا مغلوب ہو گیا اور (صدق کا) سونا غالب۔

مطلب: میری بناوٹی اور مصنوعی تلاش نابود ہو چکی اب سچی طلب اور حقیقی تلاش کی لو لگی ہوئی ہے۔ حافظؒ۔

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

سَیِّئَاتم شد ہمہ طاعاتِ شکر! ہَزل شد فانی وجِد اثبات شکر!

لغات: سیئات برے اعمال، معاصی، گناہ۔ ہزل ہنسی مذاق میں کوئی کام کرنا جو خاص طور پر مقصود نہ ہو۔ جِد بکسرِ جیم سنجیدگی کے ساتھ کوئی کام کرنا جو فی الواقع مقصود ہو۔ فانی فنا، نابود، زائل اثبات قائم، موجود۔

ترجمہ: شکر ہے میرے گناہ بمنزلہ طاعات ہو گئے شکر ہے میری بناوٹ نابود ہو گئی اور قصداً کام کرنا ثابت ہو گیا۔

مطلب: میری سابق طلب جس کی بنا حسد وطمع اور بدنیتی پر تھی سراسر گناہوں کا سرچشمہ تھی مگر جب وہی طلب موجب وصول ہو گئی تو سب مبانیِ طلب بمنزلہ حسنات بن گئے، کیونکہ وہی اس وصول کے بواعث ہیں پس جو کام بناوٹ کے طور پر کرتا تھا اب وہ معقول اصلیت رکھتا ہے۔

سیّئاتم چوں وسیلت شُد بحق پس مزن بر سیّئاتم ہیچ دق

ترجمہ: چونکہ میرے (حسد وطمع وغیرہ کے) گناہ (جو اس طلب کے محرّک تھے) حق (تک پہنچنے) کے وسیلہ بن گئے پس میرے (ان) گناہوں پر کوئی اعتراض نہ کرو۔

مطلب: مجھ کو ان گناہوں کی وجہ سے ذلیل وخسیس نہ سمجھو بلکہ مجھے اپنی فضیلت پر فخر کرنے کا حق ہے کیونکہ تم نے حق کی طلب کی پھر اس کو پایا مگر مجھ کو طلبِ صادق کے بغیر حق ملا ہے پھر اس کی طلب میں مصروف ہوا ہوں تاہم میں اس پر مغرور نہیں۔ یہ ایک تحدیثِ نعمت ہے کہ اس نے مجھے کسی مصلحت کے بغیر اپنا خاص بندہ بنا لیا۔ جامیؒ ؎

لطفِ عمیم دوست مرا خاص خویش خواند　ورنہ مراچہ حد کہ زنم لافِ اختصاص

مرتُرا صدقِ تو طالِب کردہ بود　مرمرا جدو طلب صِدقی نمود

صنائع: اس بیت میں صنعتِ عکس ہے۔ علیٰ ہذا اگلے شعر میں بھی۔

ترجمہ: تم کو تمہارے صدق (طلب) نے طالب بنا لیا تھا (اور میری) کوشش اور طلب نے مجھ کو صاحبِ صدق بنا دیا۔

صدقِ تو آورد در جُستن تُرا　جُستنم آورد در صِدقے مُرا

ترجمہ: تمہارے صدق نے تم کو طلب پر آمادہ کیا میری طلب نے مجھ میں صدق پیدا کیا ہے۔

تخم دولت در زمیں مے کاشتم　سخرہٗ بیکار مے پنداشتم

ترجمہ: میں (نادانستہ) اقبال کا بیج زمین میں بو رہا تھا (اور غلطی سے اس کو) نقال اور بیکار سمجھتا تھا۔

آں نبُد بیکار کشتے بُد درست　ہر یکے دانہ کہ کِشتم صد بُرست

ترجمہ: (مگر) وہ (تخم فشانی) بیکار نہ تھی (بلکہ) (طریقہ کی) کاشتکاری تھی (چنانچہ) ایک ایک دانہ جو میں نے بویا (اس سے) سو سو (پودے) اُگ پڑے۔

دُزد سوئے خانۂ شد زیردست　چوں درآمد دید کاں خانہ خودست

لغات: زیردست کے تین معنی ہیں مغلوب، مخفی، شتاب یہاں دوم وسوم معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ: (میری مثال تو وہ ہے کہ ایک) چور کسی گھر کی طرف چھپ کر (چوری کرنے کی نیت سے) جائے (مگر) جب اس (گھر) میں داخل ہو تو دیکھے کہ وہ (خود اس کا) اپنا گھر ہے۔

مطلب: طالبِ حق اور واصل بحق دو قسم کے ہیں ایک وہ جو حق سبحانہ کو پہچانتے ہیں مگر اس تک پہنچنے کا طریقہ نہیں جانتے اس لیے ان کو ایک ہادی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس ہادی کے ذریعے حق سبحانہ تک پہنچتے ہیں دوسرے وہ جو حق سبحانہ کو جانتے نہیں ہیں مگر کسی غرضِ فاسد کی بنا پر وہ طالبِ صادق کے اوضاع و اطوار اختیار کر لیتے ہیں اور راہبر کے ساتھ چلتے رہتے ہیں جب وہ مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر طالبِ صادق بن جاتے اور بجائے مقلد کے محقق ہو جاتے ہیں پس اگر کوئی راہِ طلب پر گامزن ہو اگرچہ وہ طالبِ کاذب ہی کیوں نہ ہو مگر ہو استقامت پسند اور قاعدہ و آئین کا پابند تو بھی محروم نہیں رہتا۔ اس لیے آگے فرماتے ہیں کہ اگر طلبِ صادق نہیں تو کاذب ہی سہی کچھ تو ہونی چاہیے۔ (کلید) جامی۔

نتواں نشستن از تگ و پو در طریقِ عشق آنرا کہ باد پا ند ہد دست پابس است

گرم باش اے سردتا گرمی رسد بادرشتی ساز تا نرمی رسد

ترجمہ: اے افسردہ طبع (طلب میں) سرگرم ہوتا کہ تجھ میں (رفتہ رفتہ) گرمیٔ (شوق) پیدا ہو جائے (اور ریاضات کی) سختی برداشت کرتا کہ (آخر میں) راحت حاصل ہو۔

آں دو اشتر نیست آں یک اشتراست تنگ آمد لفظ معنی بس پُرست

ترجمہ: وہ اونٹ (جن کا ذکر اوپر ہوا) دو نہیں ہیں (بلکہ) وہ ایک ہی ہے۔ لفظ (کا دامن) تنگ ہے اور معنی بکثرت (کس طرح ان لفظوں میں سماسکیں)۔

مطلب: اوپر جو کہا تھا کہ ایک طالب اپنے شتر کوفی الواقع تلاش کر رہا تھا اور دوسرا اس کی نقل اور ریس کر رہا تھا مگر جب طالب کا شتر مل گیا تو دوسرے کا بھی مل گیا اور حق کو شتر سے تشبیہ دی تھی تو اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جس طرح شتر دو تھے اسی طرح شاید حق بھی دو ہیں اور ہر شخص کے لیے جداگانہ حق ہو یہ شعر اس شبہ کا جواب ہے یعنی حق تو ایک ہی ہے صرف تشخصات باعتبارِ اختلافِ طالب کے الگ الگ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کیا کریں الفاظ ان معانی کو پوری طرح ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ (کلید)

لفظ در معنی ہمیشہ نارساں زاں پیمبر گفت قَدْ کَلَّ اللِّسَاں

لغات: نارساں غیر حاوی، تنگ۔ قاصر۔ کل اللساں زباں گونگی ہوگئی۔

ترجمہ: لفظ معانی کے ادا کرنے میں ہمیشہ قاصر رہتے ہیں۔ اسی لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زبان (ادائے معانی سے) گونگی ہوگئی۔

مطلب: کسی عارف کا قول مشہور ہے کہ مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ فقد کَلَّ لِسَانُہٗ یعنی جس نے رب کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہوگئی یعنی وہ اسرارِ معرفت کو ادا کرنے سے عاجز و مجبور ہو گیا کما قال السعدی۔

ایں بے خبراں در طلبش سرگردانند وانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

صاحب کلید فرماتے ہیں کہ یہ روایت حدیث میں کہیں نظر سے نہیں گزری۔ شاید مولانا کو اس کی سند وغیرہ معلوم ہو، خیر معنی اس کے صحیح ہیں۔ جس کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب صاحبِ حال پر غلبہ حال ہوتا ہے تو بوجہ حیرت اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے وہ منہ سے کچھ ادا نہیں کر سکتے۔ کما قیل۔

حیراں ترا لب بہ سخن وا شدنی نیست چوں بلبلِ تصویر کہ گویا شدنی نیست

دوسرے یہ کہ جب انسان محقق ہو جاتا ہے تو بوجہ عارف ہونے کے بیانِ اسرار سے زبان بند ہو جاتی ہے وہ کچھ منہ سے ادا نہیں کر سکتے۔ حافظؒ۔

دلم کہ مخزن اسرار بود دست قضا درش ببست و کلیدش بہ دلستانے داد

نطق اصطرلاب باشد در حساب　　چہ قدر داند ز چرخ و آفتاب

لغات: نطق قوت گویائی، تکلم۔ اصطرلاب وہ آلہ ہے جس سے زمین و آسمان کی مسافت وغیرہ معلوم ہوتی ہے۔
ترجمہ: (دیکھو) قوتِ گویائی (کی مثال معانی پر احاطہ کرنے میں ایسی ہے جیسے زمین و آسمان کی مسافت کا)۔ حساب (معلوم کرنے) میں اصطرلاب ہے (پس خیال تو کیجئے کہ) وہ آسمان اور سورج کے احوال کہاں تک جانتی ہے۔
مطلب: جس طرح اصطرلاب تمام عجائباتِ فلک کے ادراک و اظہار سے عاجز ہے اسی طرح الفاظ معانی پر حاوی ہونے سے قاصر ہیں۔ آگے ترقی کرکے فرماتے ہیں:-

خاصہ چرخے کایں فلک زاں پرّہ ایست　　آفتاب از آفتابش ذرّہ ایست

ترجمہ: خصوصاً وہ آسمان جس کے سامنے یہ آسمان ایک تنکا ہے اس کا آفتاب تو اس فلک کے آفتاب کے سامنے ایک ذرہ ہے۔
مطلب: عالمِ غیب کے فلک کی عظمت ووسعت کا کیا ٹھکانا جس کے احوال ہمارا موضوع ہیں اور اس کے آفتاب کی تابش و نورانیت کا کون تصور کرسکے جس کا ذکر ہمارا مقصود ہے۔ یہ ظاہری چرخ و آفتاب تو اس کے آگے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ پس نہ کوئی اصطرلاب وہاں کام کرسکے۔ نہ ہمارے الفاظ و کلمات ان احوال و اذکار کو دائرۂ بیان میں لانے پر قادر ہوں۔ ونعم ماقیل ؎

گفتا کہ غلط زمانشاں نتواں داد　　ازما تو ہرانچہ دیدہ پایہ تست

دربیان آنکہ در ہر نفسے فتنۂ مسجدِ ضرارست

اس بات کا بیان کہ ہر نفس میں مسجدِ ضرار کا فتنہ موجود ہے

چوں پدید آمد کہ آں مسجد نبود　　خانۂ حیلت بدُو دامِ جُہود

ترجمہ:- جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ (مسجد حقیقی معنی میں) مسجد نہ تھی (بلکہ) ایک فریب گاہ تھی اور (منافقین) جہود کا جال تھا۔

پس نبیؐ فرمود کا نرا برکنند　　مطرحہ خاشاک وخاکستر کنند

لغات: برکنند برکنند (اکھیڑ ڈالنا) سے مطرحہ بفتح میم وراء کوئی چیز گرانے کی جگہ۔
ترجمہ: تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو منہدم کر دیا جائے کوڑے اور خاکستر کے گرانے کی جگہ بنا دیا جائے۔

صاحبِ مسجد چو مسجد قلب بُود　　دانہا بردام ریزی نیست جُود

ترجمہ: مسجد کا بانی (ابو عامر) بھی مسجد کی طرح برعکس (نہند نام زنگی کا فور کا مصداق) تھا دیکھو اگر تم جال پر دانے ڈالو، تو یہ کوئی بخشش نہیں (بلکہ بخل ہے)۔
مطلب: پہلے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بانی مسجد حقیقت میں بانی مسجد نہیں بلکہ اس کے برعکس ہادمِ مسجد تھا۔ اس پر یہ شبہ عارض ہوسکتا ہے کہ بھلا ایک بانی ہادم کیونکر ہوسکتا ہے دوسرے مصرعہ میں اس کا جواب ہے کہ ہاں ہوسکتا ہے۔ دیکھو شکاری جال پر دانے چھڑکتا ہے تو بڑا سخی و فیاض معلوم ہوتا ہے، حالانکہ وہ شکار کا حریص اور خودغرض ہوتا ہے۔ نظامیؒ ؎

ہر کہ در بندِ کارِ خود باشد　　باتو گر نیک ہست بد باشد

گوشت کاندر شستِ تو ماہی رُباست　　آنچناں لقمہ نہ بخشش نے سخاست

ترجمہ: (اسی طرح) گوشت (کا ٹکڑا) جو تمہارے کانٹے میں مچھلی کو اچک لینے کے لیے لگایا گیا ہے ایسا لقمہ نہ (کوئی تمہاری) بخشش [illegible] کے لیے ہے۔

مطلب: اسی طرح ان منافقین کا فعل بظاہر تعمیرِ مسجد کی صورت رکھتا تھا۔ لیکن چونکہ اس سے مسجدِ قبا کو ویران کرنا بلکہ اسلام پاک کو عرضہ زیاں کرنا مقصود تھا اس لیے وہ فعل ہدمِ مسجد کا مترادف تھا۔ حافظؒ ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بے غش باشد　　　اے بسا خرقہ کہ مستوجبِ آتش باشد

مسجدِ اہلِ قبا کاں بُد جماد　　　آنچہ کُفو اونبد را ہش نداد

لغات: جماد اینٹ پتھر، ہر چیز جو زمین کی جنس سے ہو جماد کہلاتی ہے۔ کفو بروزن قرب برابر کا، ہمرتبہ۔

ترکیب: کاں بد جماد بیان ہے۔ مسجد اہل قبا کا آنچہ سے مراد مسجدِ ضرار ہے۔ راہش کی ضمیر مفعولی مسجدِ ضرار کی طرف راجع ہے اور نداد کی ضمیر فاعل کا مرجع مسجدِ اہل قبا ہے۔

ترجمہ: اہلِ قبا کی مسجد جو (اگرچہ) اینٹ پتھر (سے بنی) تھی (مگر اس بے جان چیز میں بھی اس قدر حمیت و غیرت تھی کہ) جو (مسجد) اس کی ہم رتبہ نہ تھی (یعنی مسجد ضرار) اس کو مساجد کی جماعت میں شامل ہونے کے لیے اس نے راستہ نہ دیا۔

مطلب: اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد ضرار کی بربادی مسجد اہلِ قبا کی تحریک سے تھی، حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہوا ایک جمادِ محض کو احساس و تعقل ارادہ و مشیت اور تحریک و تصرف سے کیا تعلق بلکہ یہ محض ایک شاعرانہ تخیل ہے جو کسی مدعا کو دلنشیں انداز کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، جیسے کہ شعراء مدحیہ مبالغات میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ شاہی ایوان حضور کو لبیک پکارتا ہے۔ تخت قدم چومنے کا منتظر ہے۔ تاج سر پر نثار ہونے کے لیے آمادہ ہے حالانکہ یہ افعال ذوی العقول سے مختص ہیں اور وہ جو بقولے جمادات کے شعور و احساس کو تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا شعور و احساس عملی دنیا میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور اس پر وہی آثار مرتب ہوتے ہیں جیسے ذوی العقول کے احساس و شعور پر مترتب ہوتے ہیں جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ مسجد قبا نے بارادۂ خود اور بہ تحریکِ خود مسجدِ ضرار کو زمرۂ مساجد میں شامل نہ ہونے دیا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد قبا کے مقابلہ میں مسجد کا وجود ناگوار تھا انہوں نے اس کو زمرۂ مساجد میں داخل نہ ہونے دیا اور مجازاً تحسینِ کلام کے لیے اس فعل کی نسبت خود مسجد قبا کے ساتھ کر دی۔ فافہم۔

در جمادات اینچنیں حَیفے نرفت　　　زد دراں نا کُفو امیرِ راد نفت

لغات: حیف ظلم، بے انصافی ۔ ناکفو کم رتبہ، غیر کفو۔ راد سردار۔ نفت ایک آتشگیر روغن جس کو آج کل مٹی کا تیل کہتے ہیں۔

ترجمہ: ایسا ظلم (ذوی العقول میں تو کہاں روا ہوتا) جمادات میں (بھی) روا نہ ہوسکا آخر اس غیر کفو مسجد میں حاکمِ اعلیٰ (یعنی حق تعالیٰ یا رسول اللہ علیہ وسلم نے مٹی کا تیل چھڑکوا دیا (اور آگ لگوا دی)۔

مطلب: آہ! ایسا ظلم! کیسا ظلم؟ اور اس سے کونسا ظلم مراد ہے؟ ظلم تو صد ہا قسم کے ہیں یہ کونسا ظلم ہے جو جمادات تک میں گوارا نہیں۔ یہ ظلم مستحق اور غیر مستحق کو یکساں سمجھ لینے یا کسی غیر مستحق کا مستحق کے ساتھ شریکِ استحقاق ہونے کی کوشش کرنے کا ہے۔ ایک اینٹ پتھر کی مسجد کو مسجد قبا کے دوش بدوش کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی، حالانکہ وہ بھی اینٹ پتھر اور گارے مٹی سے ہی بنی تھی مگر اس کی تاسیس تقویٰ پر تھی اور وہ حقیقی عبادت خانہ تھا۔ یادِ خدا اور تنویرِ باطن کا مقام تھا اور اس دوسری مسجد کی تعمیر فساد و شرارت پر رکھی گئی تھی وہ ایک مفسدانہ منصوبوں کا کمیٹی گھر تھی۔ وہ تخریب دین اور تفرقہ مسلمین کی تدابیر گاہ تھی۔ اس لیے عبادتخانہ کہلانے کی مستحق نہ تھی۔ لہٰذا ایک ضد عبادت خانہ کو عبادت خانہ کے برابر کھڑا کر دینا ظلم ہوا۔ ملازمت ایک حق ہے اس فردِ رعایا کا جو اس کے فرائض کا ماہر ہو اگر افسرِ محکمہ کسی غیر ماہر کو محض اپنا عزیز یا دوست یا کسی سفارشی ہونے کی وجہ سے ایک ماہر پر ترجیح دے تو وہ ظالم ہے۔ اس سے بھی [illegible] انسانی میلان سے ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ کوئی

مستحق اپنے استحقاقِ وراثت سے محروم اور دوسرا غیر مستحق حصہ یاب ہو جائے تو وہ سخت ظالم ہے۔ دنیا میں جاہ وحکومت سب سے بڑی چیز سمجھی جاتی ہے۔اس کے استحقاق کو غصب کرنا اور غیر مستحق کو دینا یا اس کا خود لینے کی کوشش کرنا بغاوت کہلاتا ہے جو قانوناً تمام جرائم سے بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔ پھر تمام مراتب و مدارج کا منتہائے آخرین خدائی کا درجہ ہے۔جس کے اوپر کوئی فضیلت کوئی مرتبہ کوئی فوقیت نہیں اور وہ خاص خداوند تعالیٰ شانہ کا بلاشرکتِ غیرے حق ہے لہٰذا اس میں کسی غیر مستحق کا خود شریک ہونے کی کوشش کرنا یا کسی مخلوق کو شریک کرنا بھی دنیا کے تمام جرائم سے بڑا جرم اور تمام مظالم سے بڑا ظلم ہے یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ یعنی شرک (تمام ظلموں میں سب سے) بڑا ظلم ہے۔کسی کے درجہ و منصب اور حق وملکیت کو چھیننا ظلم ہے پھر جتنا بڑا وہ حق ہوگا اس کا چھیننا اسی قدر بڑا ظلم ہوگا خدائی چونکہ تمام مراتب عزت سے بڑی ہے۔ اس لیے اس میں دخل دینا یا دلانا بھی سب ظلموں سے بڑا ظلم ہوا۔مسجدِ ضرار میں مٹی کا تیل گرا کر آگ لگا دینے کا ذکر بطورِ مجاز ہے۔مراد اس سے انہدام ہے اور تاریخاً یہی امر واقع ہے۔

پس حقائق را کہ اصلِ اصلہاست دانکہ آنجا فرقہا وفصلہاست

لغات: حقائق سے اعیانِ ثابتہ مراد ہیں جو حقائقِ امکانیہ ہیں اور یہاں ان سے مراد خاص افرادِ انسانیہ کے حقائق ہیں (بحر العلوم) اصلِ اصلہا، تمام اصلوں کی اصل، سب سے مقدم تر، افضل حضرت نظامیؒ انسان کی منزلت کے متعلق فرماتے ہیں۔

دلِ عالم توئی خود رامبیں خرد بایں ہمت تواں گواز فلک بُرد
چناں داں کایزد از خلقت گزید است جہانِ خاص از پئے تو آفریدست

دانکہ بدال مہملہ ہے، بدانکہ ایک شارح صاحب غلطی سے اس کو وانکہ بواؤ سمجھ گئے مگر یہ خیال نہ کیا کہ واؤ عاطفہ قرار دینے سے یہ جملہ بلافرض مقدارت کیونکر پورا ہوگا فصلہا وہ خاص صفات جو اشیا کو ایک دوسری سے متمیز کرتی ہیں۔

ترجمہ: (جب جمادات میں یہ فرق و تفاوت ہے) تو یاد رکھو کہ حقائق (انسانیہ) میں (جو عالمِ کائنات کی) اصل الاصول ہیں باہم بہت سے فرق (مراتب) اور تفاوت (مدارج) ہوں گے۔

مطلب: یہاں سے وہ خاص مدعائے کلام شروع ہوتا ہے۔جس کا عنوان سے تعلق ہے۔فرماتے ہیں کہ جب مسجد قبا افضل ہونے کی اور مسجد ضرار ارذل ہونے کی استعداد رکھتی ہیں باوجودیکہ دونوں جماد ہیں۔ اور یہ فرقِ مراتب ان کا مقتضائے عین ہے، تو پھر افرادِ انسانیہ کے حقائق کیوں نہ مختلف الاستعداد ہوں گے۔ لہٰذا ان میں سے بعض سعادت کی استعداد رکھتی ہیں اور بعض شقاوت کی اور اسی پر ان کے وجود کا ظہور ہوا ہے۔پس افرادِ انسانیہ میں بلحاظِ مراتب فرقِ عظیم ہے۔حتیٰ کہ:۔

نے حیاتش چوں حیاتِ اوبُود نے مماتش چوں مماتِ اُوبود

ترکیب: حیاتش کی ضمیر غیر کفو کی طرف اور حیاتِ او کی ضمیر کفو کی طرف راجع ہے۔

صنائع: اس شعر میں مقابلہ اور ترصیع کی صنعتیں ہیں۔

ترجمہ: نہ اس (مفضول) کا جینا اس (افضل) کے جینے کا سا ہے نہ اس کا مرنا اس کے مرنے کا سا ہے۔

مطلب: ایک کی زندگی طاعت و عبادات اور تقویٰ و صلاح سے معمور ہے اور دوسرے کی زندگی سراسر گناہوں اور برائیوں سے ملوث ایک کا مرنا دنیا کے لیے موجبِ زیان ہے دوسرے کے مرنے پر ہر شخص شاداں ہے۔

گورِ او ہرگز چو گورِ اُو مداں　　خود چہ گویم حالِ فرقِ آنجہاں

ترجمہ: اس کی قبر کو اس کی قبر کی مثل نہ سمجھو (اب) اگلے جہان (میں ان دونوں) کے (مابین جو) فرق (ہے اس) کا حال تو کیا بیان کروں۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ نیک و بد کی زندگی بھی متفاوت ہوتی ہے اور مرنا بھی اب ارشاد ہے کہ ان کی برزخی زندگی بھی یکساں نہیں ایک لذاتِ نعیم سے متمتع ہے دوسرا سوزشِ جحیم میں جھلستا رہتا ہے اس کے بعد آخرت میں ان کے مابین جو فرق ہوگا اس کا تو کیا ذکر کیا جائے اس کے تو ذکر ہی سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا ارشاد ہے **ایھا الناس ابکوا فان لم تستطیعوا فتباکوا**۔ یعنی اے لوگو ایسا ہولناک ذکر سن کر رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے، تو رونی صورت ہی بنالیا کرو کہ اس طور پر اظہارِ خشیت بھی داخلِ ادب ہے۔

برمحک زن کارِ خود اے مرد کار　　تانسازی مسجدِ اہلِ ضرار

ترجمہ: اے کام کے دھنی! اپنی حالت کی ذرا پرکھ پڑتال کر لے تاکہ تو (بھی) کوئی باطنی مسجدِ ضرار تعمیر نہ کر رہا ہو۔

مطلب: جب حقائقِ احوال اور آثارِ احوال میں تشابہ صوری کے باوجود اس قدر فرق و تفاوت ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اپنے تمام عقائد و اعمال کو شرعی معیار کی کسوٹی پر کس لیا کرو تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارے باطن میں بھی وہی حسد و بغض اور تفاخر و تنافس اور کینہ و نفاق کے جذبات کارگر ہو رہے ہوں جو منافقین کے بواطن میں پیدا ہو کر مسجدِ ضرار کی تعمیر کے باعث ہوئے تھے۔

بس براں مسجد کُناں تسخر زدی　　چوں نظر کردی تو خود زیشاں بُدی

لغات: مسجد کن بضمِ کاف مسجد کو تعمیر کرنے والا تسخر زدن مضحکہ اڑانا۔

ترجمہ: (ورنہ یہ ہوگا کہ) تم بارہا مسجد (ضرار) کے بانیوں کا (یوں) مضحکہ اڑاتے ہو (کہ دیکھا منافقوں کی چال کا کیا شر ہوا) لیکن جب (اپنے باطن پر) نظر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ تم خود بھی اسی زُمرے سے ہو۔

مطلب: دوسروں کو نصیحت خود را میاں فضیحت حافظؒ۔

مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس　　توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر مے کنند

نگاہِ عیب گیری سے جو دیکھا اہلِ عالم کو　　کوئی فاسق کوئی ملحد کوئی زندیقِ اکبر تھا

مگر دل احتسابِ نفس پر جس دم ہوا مائل　　ہوا ثابت کہ ہر فرزندِ آدم ہم سے بہتر تھا

حکایتِ آں چار ہندو کہ باہم جنگ میکردند واز عیبِ خود بیخبر

ان چار ہندیوں کی کہانی جو آپس میں جھگڑتے تھے اور اپنے اپنے عیب سے بے خبر تھے

چار ہندو در یکے مسجد شُدند　　بہرِ طاعت راکع و ساجد شدند

ترجمہ: چار ہندوستانی نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد میں داخل ہوئے (اور) رکوع و سجود کرنے لگے۔

ہر یکے بر نیتے تکبیر کرد　　در نماز آمد بہ مسکینی و درد

ترجمہ: ہر ایک نے الگ نیت پر تکبیر (تحریمہ) کہی (اور) خضوع اور خشوع کے ساتھ (اپنی اپنی) نماز پڑھنے لگے۔

موذِن آمد زاں یکے لفظے بجَست   کاے مؤذّن بانگ کردی وقت ہست

لغات: موذن بضمِ میم وسکونِ واوٗ وکسرہٗ ذال بروزن محسن بمعنی مؤذن یعنی بانگِ نماز کہنے والا زیادہ استعمال ذال کی تشدید سے ہے۔ لفظے بجست بے ساختہ منہ سے لفظ نکل گیا۔

ترجمہ: (اتنے میں) مؤذن آ گیا تو اس (جماعت میں سے) ایک (ہندی کے منہ سے بے ساختہ) ایک کلمہ نکل گیا کہ مؤذن صاحب! آپ نے بانگ کہی (یا نہیں) وقت تو ہو گیا۔

نوٹ: چار ہندوستانیوں کے متعلق یہ واقعہ یا تو سچا ہوگا اس لیے واقعہ کو اس کے اندازِ وقوع پر بیان کیا گیا ہے یا اگر فرضی ہوگا تو اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے باشندے تمام اقوام عالم میں سے خصوصیت کے ساتھ اس درجہ کی جہالت میں منفرد وممتاز سمجھے گئے ہیں کہ ان کو نماز کے آداب وشرائط کی بھی واقفیت نہیں ہوتی لیکن ان میں عیب گیری کی عادت اس قدر ہے کہ ایک دوسرے سے غلطی ہو جائے تو فوراً اس کی گرفت کے لیے آمادہ رہتے ہیں مگر اپنی غلطی کا احساس تک نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

گفت آں ہندوئے دیگر از نیاز   ہے سخن گفتی وباطل شد نماز

ترجمہ: تو دوسرے ہندوستانی صاحب نے ذرا اخلاق سے کہا ارے! تم نماز میں بول پڑے اور نماز ٹوٹ گئی۔

آں سوم گفت آں دوم راکے عمو   چہ زنی طعنہ باوخود رابگو

ترجمہ: تو اس تیسرے نے اس دوسرے سے کہا بزرگوارِ من! تم اس کو کیا طعنہ دیتے ہو اپنے آپ کو تو (کچھ) کہو (کہ خود بول کر اپنی نماز توڑ بیٹھے)۔

نکتہ: جب خطیب جمعہ خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس وقت سامعین کو خود کلام کرنا ممنوع ہے اسی طرح کسی کلام کرنے والے کو اس سے منع کرنا بھی ممنوع ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ یعنی جب تم اپنے پاس والے نمازی سے کہو کہ خاموش رہو اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو تم نے ایک بیہودہ کام کیا۔ (جوہرنیرہ)

سامعینِ خطبہ کے بارے میں جو یہ حکم ہے اس کی حکمت پر مذکورہ حکایت سے بخوبی روشنی پڑتی ہے یعنی جس طرح اثنائے نماز میں بولنا مفسدِ نماز ہے اسی طرح دوسرے بولنے والے پر معترض ہونا بھی مفسد ہے کیونکہ یہ بھی بولنے کا ارتکاب ہے۔ اسی طرح خطبہ میں بولنا مطلق منع ہے کیونکہ اس کے لیے انصاف واستماع ضروری ہے پس جس طرح بولنا گناہ ہے اسی طرح بولنے والے کو زبانی تنبیہ سے روکنا بھی منع ہے کیونکہ منع گناہ اگرچہ اچھا ہے مگر یہ منع گناہ خود ارتکاب گناہ کو مستلزم ہے اس لیے یہ بھی اچھا نہیں ہو سکتا دوسرے اس میں ایک اور لطیف نکتہ ہے یعنی اگر اس وقت بولنے والے کو منع کرنا اصولاً جائز ہو تو پھر چونکہ منع کنندہ بھی بول رہا ہے لہٰذا اصول متقاضی ہوگا کہ کوئی اور شخص اس کو بھی منع کرے پھر اس دوسرے مانع کو کوئی تیسرا مانع بھی منع کرے اسی طرح چوتھے کو پانچواں اور پانچویں کو چھٹا حتیٰ کہ فضائے مسجد میں القائے خطبہ کے بجائے غوغائے منع وزجر کا ایک ہنگامہ برپا ہو جانا چاہیے اور خطیب صاحب بجائے خطبہ پڑھنے کے بیٹھ کر تماشا دیکھیں۔ لہٰذا خطبہ میں منع کلام کا ممنوع ہونا اس سلسلۂ خطا کی بے پایانی کا ایک اصولی انسداد ہے اللہ اکبر۔ قربان جائیں شریعت کے زرّیں اصول اور شارعِ اعظم علیہ اکرم التحیات واتمم التسلیمات کی مصلحت اندیشیوں کے۔ سعدیؒ۔

سامعین خطبہ کا کلام کرنا اور کلام کرنے والوں کو روکنا ممنوع ہے۔ عمل

اگر تو حکمت آموزی بدیوانِ محمد رو — کہ بوجہل آں بودکز خود بدانش بوالحکم گردد

آں چہارم گفت حمد اللہ کہ من — در نیفتا دم بچہ چوں ایں سہ تن

ترکیب: حمد اللہ حمد منصوب ہے کیونکہ وہ مفعول مطلق ہے احمد فعل حال متکلم محذوف کا

ترجمہ: وہ چوتھے ہندوستانی فرماتے ہیں کہ میں تو اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ (اب تک نہیں بولا اور) ان تین اشخاص کی طرح (فسادِ نماز کے) کنویں میں نہیں گرا۔

پس نمازِ ہر چہاراں شد تباہ — عیب گویاں بیشتر گم کردہ راہ

ترجمہ: پس ان چاروں ہندوستانیوں کی نماز برباد ہو گئی دوسروں کے عیب بیان کرنے والے خود گمراہ ہوئے۔

سعدیا! اگرچہ سخندان و مصالح گوئی — بعمل کار برآید بسخندانی نیست

اے خنک جانے کے عیبِ خویش دید — ہر کہ عیبے دید آں برخود خرید

ترجمہ: کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو اپنے عیب پر نگاہ رکھے (اور جو) کوئی (دوسرا اس کے) عیب کو دیکھے (اور بتائے) وہ اس کو اپنے بارے میں تسلیم کرلے۔

مطلب: پہلا مصرعہ اس حدیث سے ماخوذ ہے طُوبٰی لِمَنْ شَغَلَهٗ عَيْبُهٗ عَنْ عُيُوْبِ النَّاسِ "مبارک ہے وہ شخص جسے اس کا اپنا عیب لوگوں کے عیوب پر نظر نہ کرنے دے"۔ صائبؒ

عیب خود دیدن مرا زاہلِ ہنر ممتاز کرد — منفعت از پا زیاد از پر بود طاؤس را

دوسرا مصرعہ اس حدیث کے مطلب پر مشتمل ہے کہ اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بغیرہٖ یعنی خوش نصیب ہے وہ شخص جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ حافظؒ

پندِ حکیم عین ثواب ست و محضِ خیر — فرخندہ بخت آنک بسمعِ رضا شنید

حدیث مذکور کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جو دوسرے کے حالات سے عبرت گیر ہو۔ سعدیؒ

پند گیراز مصائب دگراں — تانہ گیرند دیگراں ز تو پند

زانکہ نیمے اوزعیبستاں بدست — واں دگر نیمش زغیبستاں بدست

ترجمہ: کیونکہ اس کا نصف حصہ (یعنی بدن دنیا کے) دارالمعائب سے ہے اور اس کا نصف حصہ (یعنی روح) عالمِ غیب سے ہے۔

مطلب: انسان کی ہستی جسم و روح کا مجموعہ ہے جسم عالمِ خلق سے ہے جو شرور و مفاسد سے پُر ہے اور روح عالمِ امر سے جس کو دوسری حیثیت سے علمِ غیب بھی کہہ دیتے ہیں، پس اس کے نصف حصہ کے گناہوں سے ملوث ہونا محتمل ہے اور دوسرے نصف کا تقاضا یہ ہے کہ گناہوں سے پاک ہو پس جب ہر انسان کے اندر منشائے معائب موجود ہے تو دوسروں کے عیوب گننے بیٹھ جانا بڑے شرم کی بات ہے۔ ایک شارح صاحب اس کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں کہ ہر شخص میں دو درجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس عالمِ دنیا میں رہتا ہے اور اس عالم سے اس کا تعلق ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے بھی ہے تو عالمِ دنیا کے تعلق کی وجہ سے اس میں عیب موجود ہوئے اور عالمِ غیب کی وجہ سے اس کو اپنے عیوب پر نظر ہوئی ایک اور شارح صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کو نوعِ بشر میں دو جماعتیں ہیں۔ ایک عیوب سے پاک دوسری عیوب میں ملوث۔ چونکہ اہلِ عیوب کی کثرت اور غلبہ ہے۔ اس لیے اس آفتِ عیوب سے ہر شخص کو ڈ[illegible] کی کوشش کرنا لازم ہے۔ دوسروں کے عیوب

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

چونکہ برسر مرترا دہ ریش ہست مرحمت برخویش باید کاربست

ترجمہ: جب خود تیرے اپنے سر پر دس زخم موجود ہیں، تو تجھے اپنے آپ پر رحم کرنا اور ان زخموں کا علاج کرانا چاہیے۔

الخلاف: بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے۔ ع مرہمش برخویش باید کاربست' یعنی تجھے اس کی مرہم پٹی کرنا اپنا فرض قرار دینا چاہیے۔ یہ نسخہ اس لحاظ سے قابلِ ترجیح ہے کہ اس میں مقدر نکالنے کی ضرورت نہیں اور مرحمت کے نسخے کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ اگلے شعر میں اِرْحَمُوْا کا لفظ آتا ہے جس کو اس کے ساتھ مناسبت ہے اور لفظی مناسبت کا مثنوی میں خاص التزام ہے۔

عیب کردن ریش را داروئے اوست چوں شکستہ گشت جائے اِرْحَمُوْا است

لغات: عیب کردن برا سمجھنا۔ نفرت کرنا، نام دھرنا۔ شکستہ گشتن کسر نفسی کرنا، فروتنی اختیار کرنا، خاکسار بن جانا، متواضع ہونا۔ اِرحموا رحم کرو، رحم کی فرمائش۔

ترجمہ: (اپنے عیب کے) زخم کو برا سمجھنا (وہی) اس کا علاج ہے جب صاحبِ عیب اپنے آپ کو معیوب سمجھ کر متواضع ہوگیا تو یہ فرمائشِ رحم کی جگہ ہے۔

مطلب: وہ شخص معائب میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے جو اپنے عیوب کو برا نہیں بلکہ اچھا سمجھتا ہو لیکن اگر وہ اپنے عیوب کو محسوس کر کے برا سمجھنے لگے تو یہ اس کا علاج سمجھو کیونکہ اب امید ہے کہ وہ ان کے ازالہ کی کوشش کرے گا، مگر پہلے اپنے عیوب کا احساس ہی ایک مشکل کام ہے یہ حبک الشی یعمیٰ ویصم کا سنگین مرحلہ ہے۔

از تامل میتواں دریافت صائب عیبِ خویش وائے برآنکس کہ ایں آئینہ را دُور افگند

اِرْحَمُوْا سے شاید اشارہ ہو کہ جب کوئی بندہ منکسر و متواضع ہو کر اپنے عیوب کے ازالہ میں لگ جاتا ہے تو خدا فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اِرْحَمُوْا یعنی اس بندے پر ہماری رحمت نازل کرو یہ بھی بعید نہیں کہ اس کلمہ سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہو جو جامع صغیر سیوطیؒ میں بیہقیؒ وغیرہ سے منقول ہے یعنی **ارحموا ترحموا واغفروا یغفرلکم ویل لاقماع القول ویل للمصرین الذین یصرون علی مافعلوا وھُمْ یعلمون** "رحم کرو تو تم پر بھی رحم کیا جائے گا اور بخش دو تم کو بھی بخش دیا جائے گا ہلاکی ہے سرگوشیاں کرنے والوں پر ہلاکی ہے اصرار کرنے والوں پر جو جان بوجھ کر اپنے برے اعمال پر اصرار کرتے ہیں" حدیث کے آخری حصے کو بھی مفہومِ شعر سے خاص تعلق ہے کیونکہ اس میں معیوب کاموں پر اصرار کرنے والوں کے بارے میں وعید ہے اور جو لوگ اپنے گناہوں کو برے سمجھ کر عجز وانکسار سے ان کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں وہ مستحقِ رحم ہیں۔ اس کے ہم معنی ایک اور حدیث ہے۔ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ جس کا ترجمہ مولانا حالی مرحوم نے یوں کیا ہے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

گر ہماں عیبت بود ایمن مباش بوکہ آں عیب از تو گردد نیز فاش

ترجمہ: اگر تم میں (صرف) وہی (ایک) عیب ہے (زیادہ نہیں ہیں) تو (بھی) بے خوف نہ رہو شاید وہ عیب (بھی) تجھ سے شائع ہو (کر دوسرے لوگوں کے مبتلائے عیب ہو جانے کا باعث ہو) جائے۔

ترجمہ: مخفی طور پر گناہ سے علانیہ فسق وفجور کا مرتکب ہونا اس لیے شدید ہے کہ یہ ہتک حرمات اللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے گناہ کی تحریص وترغیب کا باعث بھی [illegible] جس قدر لوگ اس کی دیکھا دیکھی اس عیب میں مبتلا ہوں گے۔

خاکساروں پر رحم کا حکم

ارشاداتِ نبویہ کی رو سے ان تمام کے گناہوں کے برابر اس پہلے گناہ کرنے والے اکیلے پر وبال پڑے گا۔ پس اس صورت میں اس کو اپنے ایک عیب یا گناہ کو کم سمجھ کر مطمئن نہ ہو جانا چاہیے۔ صائبؒ۔

خورد مشمار گنہ را کہ گنا ہے بزرگ　　　　گندمے کرد ز فردوس بروں آدمؑ را

الخلاف: ہمارے قلمی نسخے میں ہماں عیبت بود کے بجائے ہماں عیبت نمود درج ہے جس کے معنی ہیں اگر تم کو وہی ایک عیب دکھائی دیا اس کا بھی وہی مطلب نکلے گا جو اوپر درج ہو چکا مگر بعض دیگر نسخوں میں یہ کلمہ ''نبود'' بنون نفی درج ہے اور شارحین نے مصرعہ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ ''اگر وہ عیب تمہارے اندر نہ ہو'' یہ نسخہ صحیح معلوم نہیں ہوتا اور نہ اس کا یہ ترجمہ صحیح ہے کیونکہ گر ہماں عیبت نبود میں کلمہ ہماں حصر و تخصیص کا فائدہ دیتا ہے مگر ترجمہ میں اس مفہوم کی بو تک نہیں۔ پس اس مصرعہ کا ترجمہ اس نسخہ کی رو سے یوں ہوگا کہ ''اگر وہی (ایک) عیب تمہارے اندر نہ ہو'' جس کے ساتھ یہ مفہوم لازم ہے کہ ''بلکہ ایک سے زیادہ عیوب ہوں'' اور اس صورت میں مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ نسخہ ہی صحیح نہیں۔

لَاتَخَافُوْا اے خُدا نشِیدۂ　　　　پس چہ خودرا ایمن و خوش دیدۂ

ترجمہ: تم نے خداوند تعالیٰ سے ''خوف نہ کرو، کی بشارت تو نہیں سن لی؟ پھر اپنے آپ کو بےخوف اور خوش کیوں بنا رکھا ہے۔
مطلب: یعنی تم کو حق تعالیٰ کی طرف سے قطعی امن اور عدمِ خوف کا پروانہ تو نہیں مل گیا۔ پھر کیوں مطمئن ہوئے بیٹھے ہو۔ جزائے اعمال اور حسابِ آخرت کا خوف تم پر کیوں طاری نہیں ہوتا۔

سوال: فرماتے ہیں کہ خدا نے تم کو لَاتَخَافُوْا کی بشارت نہیں دی حالانکہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ اَلَّاتَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا یعنی یہ کہ نہ خوف کرو نہ غم کرو۔

جواب: ساری آیت پڑھ کر دیکھو اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّاتَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ ''تحقیق جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان پر اترتے ہیں فرشتے (اور یہ بشارت دیتے ہیں) کہ تم نہ ڈرو نہ غم کھاؤ اور بشارت سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔'' (فصلت ع ۴) اس سے ظاہر ہے کہ لاتخافوا لاتحزنوا کی بشارت کے لیے پہلے کمال استقامت علی الدین کی ضرورت ہے۔ سو اس کا کون دعویٰ کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں عام اہلِ استقامت کی فضیلت کا ذکر ہے اس میں اشخاصِ خاص اور افرادِ متعین سے خطاب نہیں اور مولانا کی مراد یہ ہے کہ تم کو خاص طور پر خدا نے کب عدم خوف کی خوش خبری سنا دی۔ علاوہ ازیں آیت مذکورہ میں نزولِ ملائکہ سے ملائکۂ موت مراد ہیں۔ یعنی لَاتَخَافُوْا کی بشارت موت کے وقت دی جاتی ہے۔ زندگی میں بحالتِ صحت و فراغت نہیں دی جاتی اور مولانا فرماتے ہیں کہ تم جو رات دن لوگوں کے عیوب تلاش کرتے پھرتے ہو اور اپنے عیوب کی طرف سے مطمئن ہو رہے ہو تم کیا تم کو لَاتَخَافُوْا کی خوشخبری مل گئی اور ظاہر ہے کہ مولانا کے اس قول کا تعلق موت کے وقت سے نہیں بلکہ حالتِ حیات و صحتِ بدن کے وقت سے تعلق ہے۔ آگے مولانا ایک نظیر سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ دنیا کے اندر رہ کر خوف و غم سے مطمئن رہنا محال ہے۔

سالہا ابلیس نیکو نام زِیست　　　　گشت رُسوا ہیں کہ اورا نام چیست

ترجمہ: (دیکھو) ابلیس نے برسوں نیک نامی میں زندگی بسر کی (مگر آخر) رسوا ہو گیا (اب) دیکھو اس کا کونسا نام (مشہور ہے (ابلیس!)۔

در جہاں معروف بُد عُلیائے اُو گشت معروفے بعکس اے وائے او

لغات: علیا بلند رتبہ معروف مشہور اے وائے ہائے افسوس۔

ترجمہ: جہان میں اس کا بلند رتبہ مشہور تھا (مگر) ہائے افسوس (اب) وہ (اس کے) برعکس (ذلت ورسوائی میں) مشہور ہو گیا۔

تا نۂ ایمن تو معروفی مجو پاک شواز خوف پس از امن گو

ترجمہ: (پس) جب تک تم کو اطمینان حاصل نہ ہو جائے (جو مرنے تک ناممکن ہے) اس وقت تک نیک نامی کی توقع نہ رکھو پہلے خوف سے پاک ہو لو (جو مرتے دم تک محال ہے) پھر اطمینان کی باتیں کرنا۔

مطلب: ابلیس ہزاروں لاکھوں سال عبادت گزار رہ کر بھی اپنی زندگی کے اندر بدنام ورسوا ہو گیا پس کون ہے جو زندگی کے اندر بدنامی سے مطمئن اور نیک نامی پر متیقن ہو سکے۔ کوئی نہیں۔ امیر خسروؒ

چگونہ من زتو سرشتہ اماں یابم کہ ہر رگے کہ مرادرتن ست زنارست

حافظؒ۔ حکمِ مستوری و مستی ہمہ خاتمہ است کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود

تا نروید ریشِ تو اے خوش ذقن بر دِگر سادہ ذقن طعنہ مزن

ترجمہ: اے (سیب کی سی) پیاری پیاری ٹھوڑی والے جب تک تیری ڈاڑھی نہ آ جائے (کسی) دوسرے صاف ٹھوڑی والے (بے ریش آدمی) کو طعنہ نہ دے۔

مطلب: مرد جسمانی قوت وشہامت کا مظہر ہے اور ڈاڑھی اس کے جسمانی کمال کی قدرتی سند ہے۔ اس لیے یہ اس کے لیے زینت ہے اور عورت کے لیے نعومت ونزاکت مختص ہے جس کے لیے چہرہ کا صاف وخوشنما ہونا لوازمات سے ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بے ریش ہونا زینت ہے۔ پس جس مرد کے منہ پر ڈاڑھی نہ ہو وہ گویا زینتِ زناں سے بہرہ مند ہے جو اس کے لیے عیب ہے جیسے ایک جگہ پیچھے مولانا فرما آئے ہیں کہ اگر کسی مرد کو فاطمہ کہہ کر پکارو تو ہر چند کہ یہ نام نہایت متبرک وقابل عزت ہے مگر وہ اپنے لیے اس نام کا استعمال سن کر کٹ مرے گا۔ اسی طرح کسی کو بے ریش ہونے کا طعنہ دینا اس معنی میں ہو سکتا ہے کہ تم عورت ہو جس کو کوئی مرد گوارا نہیں کر سکتا۔ پہلے مصرعہ میں جو خوش ذقن کا لفظ آیا ہے، تو یہ بھی مرد کے لیے مدح نہیں ہے کہ اس کو دوسرے مصرعہ کی ضد سمجھا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خود بھی تو عورتوں کا سا خوبصورت چہرہ رکھتے ہو۔ پھر آپ اس کو کیوں طعنہ دیتے ہو۔ غرض مولانا فرماتے ہیں جب تک اپنا عیب زائل نہ ہو جائے۔ دوسرے کے عیب پر طعنہ زن ہونا ناانصافی ہے۔

نیست صائب قولِ رابے فعل دردلہا اثر بر نصیحت چند بگواری مدارِ خویش را

ایں نگر کہ مبتلا شد جانِ اُو در چہے اُفتاد تا شد پندِ تو

ترجمہ: (پس) تم کو (بجائے عیب گیری کرنے کے بنگاہِ عبرت) یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی جان (کسی نہ کسی گناہ کی پاداش میں) مبتلائے (عذاب یا عیب) ہوئی (اور شکر کرنا چاہیے کہ تم سلامت ہو اور) وہ کنویں میں گر احتی کہ (اس کی یہ حالت) تمہارے لیے (درسِ) عبرت بن گئی۔

تو نیفتادی کہ باشی پندِ او زہرِ او نوشید تو خور قندِ او

ترجمہ: (اور) تم نہیں گرے کہ اس کے لیے (ذریعہ) عبرت ہوتے زہر اس نے کھایا ہے تم اس سے عبرت کی قند چکھو۔

مطلب: حدیث میں کسی کے عیب پر اس کی تحقیر کرنا، عار دلانا اور شرمندہ کرنا منع ہے بلکہ اس کی شامت پڑنے کا خوف ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهٗ یعنی جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی (ایسے) گناہ پر شرم دلائے (جو اس سے سرزد ہو چکا ہے) تو مرنے سے پہلے وہ خود بھی اس کا مرتکب ہو کر رہے گا۔ (مشکوٰۃ) اور فرمایا لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ فَيَرْحَمُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ یعنی اپنے (مسلمان) بھائی کی خرابی پر خوشی کا اظہار نہ کرو۔ ورنہ اللہ اس پر رحم کرے گا اور تم کو اس خرابی میں مبتلا کر دے گا۔ (مشکوٰۃ)

البتہ لوگوں کے مصائب و تکالیف سے عبرت گیر ہونے اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر کرنے کا حکم ہے حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مامن رجل ای مبتلی فقال الحمدلله الذی عافانی مما ابتلاک به فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا الالم یصبه ذلک البلاء کائنا ماکان یعنی جو شخص کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر کہے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا ہے جس میں تجھ کو مبتلا کیا ہے اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت بخشی ہے وہ ضرور اس بلا سے محفوظ رہتا ہے، خواہ کوئی بلا ہو۔ (مشکوٰۃ) آگے عبرت گیری کے متعلق دو قصے ارشاد فرماتے ہیں:۔

قصد کردنِ غُزان درخُونِ مردے تا دیگرے بترسد

قوم غز کا ایک شخص کے خون کا قصد کرنا تاکہ دوسرا ڈر جائے

لغات: غز بضم غین ترکوں کی ایک غارت پیشہ قوم کا نام ہے جنہوں نے سلطان سنجر کے زمانے میں خراسان کو تباہ و برباد کر دیا تھا، بعض حواشی میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس صاحب اقتدار و جبروت سلطان کو بھی گرفتار کر کے پنجرے میں ڈال دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

آں غُزانِ تُرک خونریز آمدند بہرِ یغما در یکے دہ درشدند

ترجمہ: قومِ غُز کے ترک خونریزی (میں مشہور) تھے وہ ایک گاؤں میں (اس کو) لوٹنے کے لیے جا گھسے۔

دو کس از اعیانِ آں دہ یافتند در ہلاکِ آں یکے بشتافتند

ترجمہ: ان کو اس گاؤں کے سربر آوردہ لوگوں میں سے دو شخص مل گئے (وہ ان میں سے) ایک کو مار ڈالنے پر پل پڑے۔

دست بستندش کہ قُربانش کنند گفت اَے شاہان وارکانِ بلند

قصدِ خونِ من بچہ رُومیکنید از چہ آخر تشنۂ خونِ منید

لغات: قربان کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز راہِ خدا میں قرب حاصل کرنے کے لیے تصدّق کی جائے مگر چونکہ ایسے قربانی کے جانور عموماً ذبح کیے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ لفظ یہاں ذبح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارکان کسی مجلس یا کمیٹی کے ممبر، عالی رتبہ لوگ۔

ترجمہ: انہوں نے اس (مظلوم) کے ہاتھ باندھ دیے تاکہ اس کو ذبح کریں وہ بولا اے بادشا ہو اور عالی رتبہ لوگو تم میرے خون کا قصد کیوں کرتے ہو تم کیوں میرے خون کے پیاسے ہو۔

الخلاف: بعض نسخوں میں تیسرا مصرعہ یوں درج ہے ع ''در چہ مرگم چرا اے افگنید'' یعنی تم مجھے موت کے کنویں میں کیوں دھکیل رہے ہو۔

چیست حِکمت چہ غرض در کُشتنم؟ چونکہ من درویشم و عریاں تنم

ترجمہ: جب کہ میں ایک بھوکا ننگا (فقیر) ہوں (جس کو مار کر اس کے مال پر قبضہ کرنا بھی مقصود نہیں ہوسکتا پھر) میرے مار ڈالنے میں کیا حکمت ہے۔ اور کیا مدعا ہے؟

گفت تا ہیبت بریں یارت زند تا بترسد او و زر پیدا کند

ترجمہ: (قاتل) بولا تا کہ تیرے اس ہمراہی پر خوف چھا جائے (اور) تاکہ وہ ڈر جائے اور (اپنا مال و) زر بتا دے۔

گفت آخر او زِ من مسکین تر است گفت قاصد کردہ است او راز راست

لغات: قاصد قصداً ارادۃً و راز پیش او، بملک او۔

ترجمہ: وہ کہنے لگا آخر وہ تو مجھ سے بھی زیادہ کنگال ہے، (قاتل) بولا (نہیں) اس نے قصداً (اپنا یہ حال) کر رکھا ہے (درحقیقت) اس کے پاس مال ہے۔

گفت چوں وہم ست ماہر دو یکیم در مقامِ احتمال و در شکیم

ترجمہ: (اس نے کہا جب (یہ) وہم ہے (کہ شاید اس کے پاس مال ہو تو اس وہم میں) تو ہم دونوں برابر ہیں ہم دونوں احتمال اور شک کے مقام میں ہیں (اگر اس پر مالدار ہونے کا شک ہے تو مجھ پر بھی ہونا چاہیے)۔

خود وَرا بکشید اوّل اے شہاں تا بترسم من دہم زر را نشاں

ترجمہ: تو پھر سرکار! پہلے اسی کو قتل کر ڈالو تا کہ میں ڈر جاؤں اور (اپنے) مال کا پتا بتا دوں۔

مطلب: قاتل کے نزدیک تو دونوں شخصوں کے خون کا بھاؤ ایک ہی تھا خواہ اس کو قتل کر دیتے یا اس کو، البتہ ان دونوں میں سے جس شخص پر ان کو مالدار ہونے کا شبہ ہوتا ہے، اس پر اتنی عنایت ہوسکتی تھی کہ اس کو تھوڑی دیر کے لیے تیغ قتل سے امن دیا جائے اور دوسرے شخص کا سر بغرضِ عبرت اس کے سامنے قلم کر دیا جائے، چنانچہ یہ شخص اب ان کی نظرِ عنایت سے خاص فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ مولانا اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ امتِ محمدیہ کو شکر کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو اپنی اس نظرِ عنایت سے ممتاز فرمایا ہے جو اس کا ہم پر کمال فضل و احسان ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

پس کرمہائے الٰہی بیں کہ ما آمدیم آخر زماں در انتہا

ترجمہ: پس (ہم پر) حق تعالیٰ کی مہربانیاں دیکھو کہ ہم آخری زمانے میں (سب امتوں کے) بعد آئے ہیں۔

آخرینِ قرنہا پیش از قروں در حدیث است آخِرُونَ السَّابِقُوْنَ

لغات: آخرین۔ آخر پچھلا یا دونون زائد ہیں، جو فارسی قاعدے سے بعض اسماء کے آخر میں آجاتے ہیں جیسے اولین اور نخستین ہیں قرن زمانہ، صدی، اہل زمانہ۔ ایک خاص زمانے کے لوگ جو پہلے زمانے کے لوگوں کے بعد پیدا ہوں کذافی منتہی الارب۔

ترجمہ: (ہم سب سے) آخری زمانے کے لوگ ہیں (مگر) تمام زمانوں کے لوگوں سے سبقت لے جانے والے حدیث میں آیا ہے کہ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ (یعنی ہم آخر میں پیدا ہوئے مگر درجے میں سب سے بڑھ کر ہیں)۔

مطلب: اس غارت گر قاتل کی تیغ سے ایک شخص کو تھوڑی دیر کے لیے پناہ اس لیے مل گئی کہ اس پر مالدار ہونے کا گمان تھا یہی گمان اس کا متقاضی ہوا کہ اس کو اپنے ڈھب پر لانے کے لیے ابھی زندہ رہنے دیا جائے اور دوسرے شخص کو اس کے آگے قتل کیا جائے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک کی تمام امتوں کے بعد جو ہم کو پیدا کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب پیغمبر کی امت ہیں۔ یہ اعلیٰ تعلق ہمارے حق میں اس خاص رعایت کا متقاضی ہوا کہ ہم کو ہدایت کے ڈھب پر لانے کے لیے اعتبار و استبصار کے پورے مواقع دیے جائیں۔ چنانچہ پہلی اقوام کے عبرتناک حشر کو ہمارے لیے درسِ موعظت بنا دیا ہمارے حالات ان کے لیے موجب عبرت نہیں بنائے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

تا ہلاکِ قومِ نوح و قومِ ہُود　عارِضِ رحمت بجانِ ما نمود

لغات: قومِ ہود سے قومِ عاد مراد ہے جس کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ عارض وہ افسر جو فوج کو بادشاہ کے ملاحظہ کے لیے پیش کرے، رخسارہ، ابر تینوں معنوں کے لحاظ سے شعر کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

ترکیب: عارض کے پہلے معنی کی تقدیر پر نمود فعل عارضِ رحمت اس کا فاعل ہلاک قومِ نوح و قومِ ہود اس کا مفعول اور دوسرے اور تیسرے معنی کی تقدیر پر نمود فعل ہلاک قوم الخ اس کا فاعل عارض رحمت اس کا مفعول بہ۔

ترجمہ: (۱) حتیٰ کہ اس کی رحمت کے نمایندہ نے قومِ نوح اور قوم ہود وغیرہ کا حشر ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں ہوتا۔ ہماری جان کو دکھا دیا (یعنی اس کی رحمت نے ان واقعات سے عبرت گیر ہونے کا موقع ہم کو بخشا)۔

(۲) حتیٰ کہ قومِ نوح اور قومِ ہود (کی تباہی نے ہمیں عبرت دلا کر حق تعالیٰ کی) رحمت کا ابرِ باراں دکھا دیا۔ (یعنی ہم عبرت گیر ہو کر مستحقِ رحمت ہو گئے)۔

(۳) حتیٰ کہ قومِ نوح اور قومِ ہود کی تباہی نے ہمیں (عبرت دلا کر حق تعالیٰ کی) رحمت کا ابرِ باراں دکھا دیا۔ (یعنی ہم نزولِ رحمت کے مستحق ہو گئے)۔

کشت ایشانرا کہ تا ترسیم ازو　ورخود ایں برعکس کردے وائے تو

ترجمہ: (حق تعالیٰ کی رحمت دیکھو کہ) اس نے ان کو ہم سے پہلے ہلاک کیا تا کہ ہم اس سے ڈریں (اور عبرت پکڑ کر راہِ ہدایت اختیار کریں) ورنہ اگر وہ اس کے برعکس (ان اقوام کی عبرت کے لیے ہم کو ہلاک) کرتا تو (ہماری) تمہاری (بڑی) شامت آتی۔

بیانِ حالِ خود پرستاں و ناشکراں از نعمتِ وُجودِ انبیاء و اولیا

ان لوگوں کے حالات کا بیان جو خود پرست ہیں اور انبیاء و اولیا کے وجود کی نعمت کے شکر گزار نہیں

ہر کہ زیشاں گفت ازعیب و گناہ　وزدلِ چوں سنگ و ازجانِ سیاہ

ترکیب: ہر کہ بمعنی ہر آنکہ اسم موصول آگے چھٹے شعر تک اس کا صلہ جاتا ہے جس میں گفت فعل اور اس میں ضمیر مستتر جو حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اس کی فاعل زیشان کی ضمیر اسم موصول کی طرف پھرتی ہے۔ موصول و صلہ مل کر مبتدا ہوا چھٹے شعر کے بعد ''الحال نیز موجود اند'' خبر مقدر ہے بعض نسخوں میں ہر کہ کے بجائے آنچہ اور بعض میں ہر چہ درج ہے اس صورت میں یہ

آنچہ یا ہر چہ اسم موصول، گفت فعل میں اس ضمیر مستتر فاعل جو حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے شین ضمیر مفعولی مقدر مبین جو اسم مفعول کی طرف راجع ہے از عیب و گناہ الی البیت السادس اس کا بیان۔ مبین و بیان مل کر مفعول بہ ہوا ازیشاں جار و مجرور متعلق فعل کے جس کی ضمیر خود پرستان کی طرف راجع ہے جو عنوان میں درج ہے، یہ جملہ فعلیہ ہو کہ صلہ ہوا موصول و صلہ مل کر مبتدا ہوا۔ از و عبرت نگرفتی جملہ فعلیہ مقدر اس کی خبر۔

مولانا بحر العلومؒ لکھتے ہیں کہ شیخ ولی محمد نے جو لکھا ہے کہ پہلا نسخہ غیر صحیح اور بے معنی ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔

ترجمہ: (۱) وہ لوگ کہ جن کے عیب و گناہ کا اور پتھر کے سے دل کا اور سیاہ جان کا ذکر اللہ نے فرمادیا ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ان (مذکورہ) لوگوں کے جن عیب و گناہ کا اور پتھر کے سے دل اور سیاہ جان کا ذکر فرمایا ہے۔

وز سبکداریِ فرمانہائے اُو وز فراغت از غمِ فردِ اے اُو

وز ہوس وز عشقِ ایں دنیائے دوں چوں زناں مر نفس رابودن زبوں

ترجمہ: (۱-۲) اور اُس کے حکموں کے بے وقعت سمجھنے کا اور اپنی آخرت کے غم سے فارغ رہنے کا اور اس ناچیز دنیا کی ہوس اور محبت کا (اور) عورتوں کی طرح نفس کے تابع رہنے کا (حال)۔

واں نفوراز گفتہائے ناصحاں واں رمیدن از لقائے صالحاں

بادل و بااہلِ دل دیوانگی باشہاں تزویر وروبہ شانگی

لغات: نفور بضمِ نون بھاگنا۔ رمیدن بھاگنا۔ لقائے ملاقات، زیارت روبہ شانگی لومڑی کی شان رکھنا، مکاری چالبازی۔

ترجمہ: (۱-۲) اور نصیحت کرنے والوں سے بھاگنے کا اور نیک لوگوں کی زیارت سے گریز کرنے کا (اور) دل (بیدار) اور اہلِ دل سے وحشت کھانے کا (اور) تاجدارِ طریقت کے ساتھ بناوٹ اور فریب کرنے کا۔

سیر چشماں راگدا پنداشتن وزحدِ شاں خفیہ دشمن داشتن

ترجمہ: (۱) اہلِ قناعت کو دریوزہ گر سمجھنے کا اور از راہِ حسد ان سے چھپی دشمنی رکھنے کا (حال بھی فرمادیا ہے اور اس زمانے میں بھی موجود ہیں)۔

(۲) اہل قناعت کو الخ (مگر افسوس تم نے اس سے عبرت نہ پکڑی)۔

گر پذیرد خیرِ تو گوئی گداست ورنہ گوئی مکرو تزویر و دغاست

ترجمہ: (چنانچہ) اگر وہ (اہل اللہ) تمہارا ہدیہ قبول کرلیں تو تم کہو گے گداگر ہے ورنہ (اگر قبول نہ کریں تو) کہو گے (یہ قناعت و سیر چشمی دکھانا) مکر اور بناوٹ اور فریب ہے۔ سعدیؒ

چو بینند کارے بدستت درست حریصت شمارند و دنیا پرست

وگر دست ہمت بداری زکار گدا پیشہ خوانندت و پختہ خوار

گر در آمیزد تو گوئی طامع ست ورنہ گوئی در تکبر مولع ست

ترجمہ: اگر وہ ملتے جلتے ہیں تو کہو گے حریص ہیں (کہ توسیعِ تعارف سے مال کمانا چاہتے ہیں) ورنہ (اگر کسی سے نہ ملیں)

کہو گے تکبر کو پسند کرتے ہیں (کہ کسی سے دماغ نہیں ملتا) سعدیؒ۔

اگر کنجِ خلوت گزیند کسے کہ پروائے صحبت ندارد بسے
مذمت کنندش کہ رزق ست وریو زمردم چناں میگریزد کہ دیو
دگر خندہ روے ست و آمیز گار عفیفش ندانند و پرہیز گار

گر تحمّل کرد گوئی عاجزست ورغیور آمد تو گوئی گر بزست

لغات: غیور بفتح غین وضمِ یاء بروزن صبور بہت غیرتمند یاء کی تشدید غلط مشہور ہے گربز بضمِ کاف وکسرِ بائے فارسی مکار، چالاک، زیرک، تندخو۔

ترجمہ: اگر کسی کی بدسلوکی پر تحمل کریں گے تو کہو گے کمزور ہیں اور اگر نہایت غیرتمند ہوں اور ازراہِ غیرت باز پرس پر آمادہ ہو جائیں) تو کہو گے (بڑے) بدمزاج ہیں۔ سعدیؒ۔

تحمل کناں را نخوانند مرد کہ بیچارہ از بیم سر بر نہ کرد
دگر در سرش ہولِ مردانگی ست گریزند ازوکیں چہ دیوانگی ست

یا منافق وار عذر آری کہ من ماندہ ام در نفقۂ فرزند وزن

ترجمہ: یا (کبھی) تم منافقوں کی طرح عذر کرنے لگتے ہو (کہ حضرت!) میں (تو) بیوی بچوں کے خرچ سے پریشان ہوں۔

نے مرا پروائے سَرُ خاریدن ست نے مرا پروائے دیں ورزیدن ست

ترجمہ: (دنیا کے دھندوں میں) نہ مجھے سر کھجلانے کی ہوش ہے نہ مجھے دین (کے کاموں) میں مصروف ہونے کا خیال ہے۔

اے فلاں مارابہمّت یاد دار تا شویم از اولیا پایانِ کار

لغات: ہمت دعا۔ پایان کار انجام کار، آخر الامر۔

ترجمہ: حضرت جی! ہم کو دعا سے یاد رکھئے۔ تا کہ ہم بھی آخر کار ولی بن جائیں۔

ایں سخن نے ہم زدردو سوزگفت خوابناکے ہرزہ گفت و باز خفت

ترجمہ: (مگر) یہ بات بھی (کوئی) درد و سوز سے نہیں کہتے، (بلکہ جیسے کسی نے) اونگھتے اونگھتے ایک بڑ ہانک دی اور پھر سو گیا۔

ہیچ چارہ نیست ازقُوتِ عِیال ازبُنِ دنداں کنم کسبِ حلال

لغات: از بن دنداں ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں بڑی مشقت سے بڑی جانکاہی سے۔

ترجمہ: (تم یہ بھی کہتے ہو کہ) بال بچوں کی روزی (کمائے) بغیر کوئی چارہ نہیں (اس لیے) میں بڑی جانکاہی سے حلال (روزی) کماتا ہوں۔

چہ حلال اَے گشتہ از اہلِ ضلال غیرِ خُونِ تو نمے بینم حلال

ترجمہ: ارے گمراہوں میں شامل ہونے والے! کیسا حلال! میں تو صرف تیرے خون کو حلال سمجھتا ہوں (کہ ایسے مکار باتونی کا ابھی سر اڑا دیا جائے تو اچھا ہے)۔

از خدایت چارہ است از قوت نے؟　　چارہ ست از دین و از طاغوت نے؟

ترجمہ: (غضب کی بات ہے کہ) خدا کے بغیر تو رہ سکتا ہے۔ روزی کے بغیر نہیں رہ سکتا دین کے بغیر تیرا گزارہ ہوسکتا ہے۔ شیطان کے بغیر نہیں۔

ایکہ صبرت نیست از دنیائے دوں　　صبر چوں داری زِنِعْمَ الْمَاهِدُوْن؟

ترجمہ: ارے تجھ کو جو ناچیز دنیا کے بغیر صبر نہیں تو اس (خدا) کے بغیر کیونکر صبر کرتا ہے؟ جو (دنیا کے) فرش کو خوب بچھانے والا ہے۔
مطلب: یہ عربی کلمات اس آیت سے ماخوذ ہیں وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ "اور ہم نے زمین کو بچھایا تو (ہم کیسے) اچھے بچھانے والے ہیں۔" (الذاریات ع ۳)

ایکہ صبرت نیست از ناز و نعیم　　صبر چوں داری ز اللہ کریم؟

ترجمہ: ارے تجھ کو جو عیش کے سامان اور نعمتوں سے صبر نہیں تو خداوند کریم کے بغیر کیونکر صبر ہے (جس نے یہ سامان اور نعمتیں دے رکھی ہیں)۔

ایکہ صبرت نیست از فرزند و زن　　صبر چوں داری زحیّ ذوالمنن

لغات: حیّ زندہ، خداوند تعالیٰ کا ایک نام ہے ذوالمنن احسانات والا۔
ترجمہ: ارے تجھ کو جو بیوی بچوں کے بغیر صبر نہیں آتا تو اس زندہ (حقیقی اور) صاحب احسانات کے بغیر کیونکہ صبر آتا؟ جس نے تیری بیوی بچوں کو زندہ رکھ کر تجھ پر احسان فرمایا ہے)۔

ایکہ میگوئی خدا بخشد ترا　　آں فریب غول میداں برترآ

ترجمہ: ارے تو جو کہتا ہے کہ خدا تجھے (یوں ہی) بخش دے گا تو اس کو ایک شیطان کا فریب سمجھ (جس نے تجھے بجا آوریِ اعمال سے غافل کرنے کے لیے یہ الٹی بچھا رکھی ہے۔ پس) اس (خیالِ خام) سے باز آجا۔

نفس و مکائد شیطانی کی تشریح خدا سے اچھی امید رکھنا اور اس کی رحمت سے نا امید نہ ہونے کی نوعیت

مطلب: مولانا نے اس شعر میں عوام مسلمین کے ایک نہایت غلط خیال کی اصلاح فرما دی ہے، اکثر لوگوں کو جب کہا جاتا ہے کہ میاں نماز پڑھا کرو، روزے رکھا کرو یا بعض نمازی روزہ داروں کو بدعات و منہیات اور جاہلانہ رسوم سے منع کیا جاتا ہے، تو کہا کرتے ہیں اجی خدا بڑا رحیم و کریم ہے، وہ اپنے گناہگار بندوں کو اپنے رحم و کرم سے اور اپنے حبیب پاک کے تصدق میں بخش دے گا وہ بڑا نکتہ نواز ہے۔ کسی ذرا سے عمل پر بیڑا پار کر دے گا اور اس قسم کے خیالات کو ایک رجائے محمود اور اپنے پروردگار کے ساتھ حسنِ ظن سمجھا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ ایک اغوائے شیطان اور فریبِ نفس ہے۔ اس سے بچنا چاہیے جو بندے کو اس خام خیالی میں مبتلا کر کے دین سے غافل اور اعمالِ حسنہ سے بے پروا رکھنا چاہتا ہے ہرگز ہرگز اس بھروسے پر نہ رہنا چاہیے کہ ہم خواہ کیسے ہی تارکِ طاعات اور مرتکبِ معاصی ہوں وہ ہم کو اپنے رحم و کرم کی بدولت بخش دے گا۔ بے شک وہ نکتہ نواز ہے اور اس کی نکتہ نوازیوں کے واقعات کتبِ روایات میں درج ہیں مگر اصول اجازت نہیں دیتا کہ اس کی نکتہ نوازی کے بھروسہ پر ہم بجا آوریِ طاعات وغیرہ اسبابِ نجات سے دستبردار ہو جائیں اگر کسی کسان کو زمین میں ہل چلاتے وقت خزانہ مل جاوے، تو اس سے ہر شخص یہ نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا کہ میں بھی کسبِ روزی کے تمام ذرائع چھوڑ کر جنگل میں خزانے تلاش کروں، تو اس کی طرح خزانہ حاصل کرلوں گا۔

یہ جو خداوندی ارشاد ہے کہ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ تو اس کا یہ مطلب ہرگز قرار نہ دے لینا کہ تم معاصی پر مصر، ترکِ طاعات کے عادی اور اتباعِ دین سے بے پروا ہوتے ہوئے بھی اس کی رحمت کے امیدوار ہو، نہیں نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خوب نیکی کرو۔ عبادات بجا لاؤ، گناہوں سے بچو، شبہات سے پرہیز کرو اور یہ امید رکھو کہ خداوند تعالیٰ تمہاری محنت کے ثمرات سے تم کو محروم نہیں رکھے گا اور اس کے فضل سے ناامید نہ ہو ورنہ خیال کرو کہ حسنِ اعمال کے بغیر حصولِ نجات کی امید کیا معنی رکھتی ہے۔ خود تو خدا کے نافرمان رہیں اور خدا سے حسنِ سلوک کی امید رکھیں واہ! خوب انصاف ہے!

زِ عمر واے پسر چشم اجرت مدار چو در خانہ زید باشی بکار
حافظِ خام طمع شرمے ازیں قِصّہ بدار کارِ ناکردہ چہ امیدِ عطا میداری

برادرانِ من! ان خام خیالیوں کے دفتر کو تو بالائے طاق رکھ دیجئے اور ذرا ان فرامینِ پیغمبری کو مطالعہ کیجئے بخاری کی روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْتَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا یعنی قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو مجھ کو معلوم ہیں تو تم بہت رویا کرو اور تھوڑا ہنسو۔ (مشکوٰۃ)

اس سے بھی بڑھ کر اور سنیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اور یہ بھی بخاری کی روایت ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے کہ وَاللّٰهِ لَآاَدْرِیْ وَاللّٰهِ لَآ اَدْرِیْ وَاَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ مَایُفْعَلُ بِیْ وَلَابِکُمْ یعنی خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں، حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ (مشکوٰۃ)

جو لوگ ترکِ طاعت اور ارتکابِ معاصی کے باوجود خدا سے رحمت کی امید رکھتے ہیں کیا وہ اپنی اس بیہودہ امید کو ان خوف افزا حدیثوں کے ساتھ ایک میزان میں رکھ کر دیکھیں گے؟ ولنعم ما قال حضرت ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ۔

اے نیک نکردہ جملہ بدہا کردہ وانگاہ خلاصِ خود تمنا کردہ
بر عفو مکن تکیہ کہ ہرگز نبود ناکردہ چو کردہ کردہ چوں ناکردہ

کو خلیلے؟ کو بروں آید زغار گفت هٰذَا رَبِّ ہاں کو کردگار؟

لغات: خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے اُن کا قصہ کتبِ تفاسیر میں یوں منقول ہے کہ نمرود نام ایک کافر بادشاہ خدائی کا مدعی تھا اس کے ارکانِ سلطنت اور ملازمین سرکار اس کے آگے سجدہ کرتے تھے اس کے علاوہ بتوں کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ سورج چاند اور ستارے بھی پوجے جاتے تھے۔ موحدِ اعظم اور کاسر اصنام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت اسی زمانے میں ہوئی۔ نجومیوں نے نمرود کو بتایا کہ ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیرے دین کو تباہ اور تیری سلطنت کے چراغ کو گل کر دے گا۔ نمرود نے حکم دیا کہ جو بچہ پیدا ہو وہ فوراً قتل کر دیا جایا کرے۔ بہت سے بچوں کا کشت و خون ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت قریب آیا تو ان کی والدہ پاس ہی ایک پہاڑی میں چلی گئیں اور ایک غار میں ان کی پیدائش ہوئی ان کی والدہ غار کے منہ کو ایک بڑے پتھر سے بند کر کے گھر چلی آئیں اور وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری کرتی رہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا جسمِ اطہر اس عجلت سے نشوونما پا رہا تھا کہ ان کی ایک دن کی جسمانی بالیدگی دوسرے بچوں کے ایک ماہ کے برابر تھی اور ان کی ایک ماہ کی بالیدگی دوسرے بچوں کے ایک سال کے برابر تھی۔ پندرہ ماہ کے ہوئے تو اچھے خاصے نوجوان تھے۔ ماں سے کہا اب مجھے غار سے باہر نکلنے دو میں کب تک اس میں قید رہوں گا۔ ماں نے ان کو رات کے وقت غار سے نکالا وہ وجودِ اقدس جو منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے والا تھا غار سے باہر نکلا تو دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کا سب سے پہلا کام اپنی شان کے

خلیل اللہ علیہ السلام کا حال (ابراہیم علیہ السلام) نظم

مطابق خدا کی تلاش تھی۔ ماں باپ بتوں اور ستاروں کو پوجتے تھے۔ آنکھ کھلتے یہی خدا پرستی ان کی نظر میں گزری تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے لیے ان کو بھی اس مشغلہ پر متوجہ ہونا پڑا۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ" تو جب ان پر رات چھا گئی ان کو ایک ستارہ نظر آیا (اوران کو دیکھ کر) کہنے لگے کہ یہی میرا پروردگار ہے پھر جب وہ غروب ہوگیا تو بولے میں غروب ہو جانے والی چیزوں کو تو پسند نہیں کرتا (کہ خدا مان لوں) فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ" پھر جب چاند کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے کہ یہی میرا پروردگار ہے پھر وہ بھی غروب ہوگیا تو بولے اگر مجھ کو میرا پروردگار راہِ راست نہیں دکھائے گا تو بے شک میں بھی گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا"۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ" پھر جب سورج کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے کہنے لگے یہی مرا پروردگار ہے یہ (سب سے) بڑا (بھی) ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو (اپنی قوم سے مخاطب ہو کر) بولے کہ بھائیو! جن چیزوں کو تم شریک (خدا) جانتے ہو میں تو ان سے بے تعلق ہوں"۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" میں نے تو ایک ہی کا ہو کر اپنا رخ اسی (ذات پاک) کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں"۔ (انعام ع ۹)

ترجمہ: کہاں ہیں حضرت خلیل اللہ (علی نبینا وعلیہ السلام) جو غار سے نکلتے ہی (ستارے وغیرہ کو دیکھ کر) پکاریں کہ یہ ہے میرا پروردگار (پھر جب وہ چھپ جائے تو کہیں) ہاں پروردگار کہاں ہے۔

حافظؒ

دست ماہ و مہر بر بندد بہ حسن ماہ باہمہ چو بکشاید نقاب

من نخواہم در دو عالم بنگریست تا ندانم ایں دو مجلس آنِ کیست

ترجمہ: (پھر فرمائیں) میں دونوں جہانوں پر نظر تک نہ کروں گا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ (یہ دنیا و آخرت کی) دو مجلسیں کس کی مملوک ہیں۔

بے تماشائے صفتہائے خدا گر خورم ناں در گلو گیرد مرا

ترجمہ: (پھر کہیں) خداوند تعالیٰ کی صفات پاک کا مشاہدہ کئے بدوں اگر میں روٹی کھاؤں تو وہ میرے گلے میں اٹک جائے۔ عراقیؒ

جز دیدنِ روئے تو مرا رائے دگر نیست جز وصلِ تو ام ہیچ تمنائے دگر نیست

مطلب: خدا کے بندوں کے شان تو یہ ہونی چاہیے، جیسے ابراہیم علیہ السلام نے غار سے باہر نکلتے ہی لوگوں کی ملاقات کی پروا نہیں کی کسبِ روزی کا فکر نہیں ہوا، زر و مال کی طمع دامنگیر نہیں ہوئی۔ حصولِ جاہ کا خیال دل میں نہیں سمایا بلکہ سب سے پہلے شناختِ حق اور مشاہدۂ صفاتِ حق کی لو لگ گئی اور کہا جب تک میں اس مہم سے فارغ نہ ہولوں روٹی نہیں کھاؤں گا پس حیف ہے ان لوگوں پر جن کو خدا شناسی اور احکامِ خدا کی بجا آوری کی تو پروا نہیں ہے اور کسبِ دنیا پر ان کے آٹھوں پہر وقف ہیں۔

چوں گوارد لقمہ بے دیدارِ او بے تماشائے گل و گلزارِ او

ترجمہ: (ہمیں نہایت تعجب آتا ہے کہ ان لوگوں کو) اس کے دیدار کے بغیر اور اس کی صفات کے گل و گلزار کے مشاہدہ کے

بغیر لقمہ کھانا کیونکر گوارا ہوتا ہے۔ حافظؒ ؎

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیز ہا   تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس

جز با میدِ خدازیں آبخور   کہ خوردیک لقمہ غیرِ گاو وخر

ترجمہ: (وصول الی) اللہ کی امید کے بغیر (دنیا کے) اس مقام سے کون لقمہ کھانا (پسند کرتا) ہے سوائے بیل اور گدھے کے۔
مطلب: دنیا میں سب سے مقدم یہ کام ہے کہ رضائے الٰہی اور تقرب بدرگاہِ الٰہی کے لیے کوشش کی جائے جو شخص اس کوشش سے بے پروا ہو کر خواب و خور میں مصروف ہے وہ انسان نہیں، بلکہ بیل یا گدھا ہے جو دنیا میں خورد ونوش کے سوا اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ کما قیل ؎

گویند زمیں برسرِ گاوست بلے   گاوست کسے کہ بارِ دنیا برداشت

آنکہ کَالْاَنْعَامُ بُدبَل ھُمْ اَضَلّ   گرچہ پُر مکرست آں گندہ بغل

ترجمہ: (یادِ خدا کے بغیر) وہی (لقمہ کھا سکتا ہے) جو چار پایوں کا سا (بے عقل) ہو بلکہ ایسے لوگ (چوپایوں سے بھی) زیادہ بے تمیز ہیں اگرچہ بظاہر وہ (عقائد کے) گندے لوگ بڑے چالاک (بنے پھرتے) ہیں۔
ترجمہ: یہ کلمات اس آیت سے اقتباس ہیں۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان جہنم ہی کے لیے پیدا کئے ہیں ان کے دل تو ہیں مگر ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ غرض یہ لوگ جو پایوں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہوئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں"۔ (اعراف ع ۲۲) گندہ بغل کی صفت میں یہاں یہ مناسبت ہے کہ بغل سے کبھی باطن مراد لے لیا کرتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص اگرچہ بظاہر اپنی چالاکیوں سے بڑا شاندار بنا پھرتا ہے مگر اس کا باطن نہایت گھناؤنا اور ناپاک ہے۔

مکرِ او سر زیرِ او سرز شُد   روزگارے بُردو روزش دیر شُد

لغات: سرزیر سرنگوں، ذلیل۔ روزگارے بردز مانہ بسر کیا۔ روزش دیر شد اس کا دن ضائع گیا۔
ترجمہ: اس کی تدبیر ناکام رہی اور وہ (خود بھی) ذلیل ہو گیا اس نے ساری عمر بسر کی (مگر اس کا کچھ ثمرہ حاصل نہ کیا) اور اس کا دن ضائع ہو گیا۔

فکرِ کاہش کند شد عقلش خَرِف   عمر شد چیزے ندارد چُوں الفِ

لغات: فکرِ کاہ گھاس کی فکر جو حیوانات کو ہوتی ہے۔ خرف بفتح خائے معجمہ وکسرہ رائے مہملہ سخت بڈھا ہو جانا۔
ترجمہ: (اب) اس (انسان نما بیل) کی گھانس (مہیا کرنے) کی فکر (بھی) ناکارہ ہو گئی اس کی عقل بہت ضعیف ہو گئی۔ عمر ختم ہوئی (اور) وہ کچھ (توشہ پاس) نہیں رکھتا، جیسے الف (خالی)۔ عراقیؒ ؎

کس ندید تشنہ را غرقہ در آبِ حیواں   جانش رسید برلب از تشنگی من آنم

آنچہ میگوید دریں اندیشہ ام   تانہم ازدستانِ ایں نفست ہم

ترجمہ: وہ جو (نافلاں اس) [illegible]

بخش ہو جاؤں گا) یہ بھی اس نفس (خبیث) کے مکر (کی قبیل) سے ہے۔

آنچہ میگوید غفورست و رحیم نیست جزآں حیلۂ نفسِ لئیم

ترجمہ: اور وہ جو کہتا ہے (وہ بڑا) غفور و رحیم ہے (ہمارے سارے گناہ بخش دے گا یہ) بھی نفسِ خبیث کے اسی (قسم کے) فریب کے سوا اور کچھ نہیں۔ (نوٹ) اس پر ہم پیچھے مفصل بحث کر چکے ہیں اسی فصل میں۔

اے زِغم مُردہ کہ دست از ناں تہی ست چوں غفورست و رحیم ایں ترس چیست

ترجمہ: ارے تو جو غم سے مرا جا رہا ہے کہ (کھانے کو) روٹی ہاتھ نہیں آتی، جب (تجھے یہ یقین ہے کہ) وہ غفور و رحیم ہے تو پھر خوف کیسا ہے؟

مطلب: جب خدا کی مغفرت و رحمت پر اس قدر اعتماد ہے کہ ہزاروں گناہ کرتے ہوئے بھی آخرت میں نجات پانے کی قوی امید ہے تو پھر روٹی کے لیے اس پر کیوں اعتماد نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ تم کو سچا اور کامل اعتماد تو کسی بات میں بھی نہیں۔ آخرت کے متعلق یہ بناوٹی اعتماد محض شیطان کا دھوکا ہے، وہ چاہتا ہے کہ تم کو طاعات و عبادات سے معطل رکھ کر اور ذنوب و معاصی میں مبتلا کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے۔ نظامیؒ ؎

نیک دلی پیروِ شیطاں مباش شیرِ امیری سگِ درباں مباش

آگے ایک حکایت ارشاد فرماتے ہیں جس کا نتیجہ اور مدعا یہ ہے کہ جب نفس کی شرارتوں اور خرابیوں کے متعلق توجہ دلائی جاتی ہے تو اس سے نفس ناراض ہوتا ہے۔ پس یہ بھی ایک کیدِ نفس ہے، لہٰذا دیگر شرورِ نفس کے ساتھ اس کا بھی علاج ہونا چاہیے، ورنہ اگر اس کی سرکشی ترقی کر گئی تو پھر تدارک مشکل ہوگا۔

حکایت کردنِ پیرے پیشِ طبیب از رنجوریِ خود و جوابِ او

ایک بڈھے کا طبیب کے سامنے اپنے مرض کا حال بیان کرنا اور اس کا جواب

گفت پیرے مرطبیبے را کہ من درز حیرم از دماغِ خویشتن

ترجمہ: ایک بڈھے نے کسی طبیب سے کہا کہ میں اپنے دماغ کے بارے میں بڑی مشکل میں ہوں۔

گفت از پیری ست آں ضعفِ دماغ گفت در چشمم زظلمت ہست داغ

ترجمہ: (طبیب نے) کہا (بڑے میاں) یہ ضعفِ دماغ بڑھاپے کی وجہ سے ہے (پھر بڈھے نے) کہا میری آنکھوں میں کسی قدر دھندلا پن ہے۔

گفت از پیری ست اے شیخِ قدیم گفت پشتم دردمے آید عظیم

ترجمہ: طبیب نے کہا کہ بڑے میاں یہ (بھی) بڑھاپے کی وجہ سے ہے (پھر) وہ بولا میری پیٹھ میں درد بہت رہتا ہے۔

گفت از پیری ست اے شیخِ نزار گفت ہرچہ میخورم نبود گوار

ترجمہ: (طبیب نے) کہا اے پیر لاغر! یہ (بھی) بڑھاپے (کے سبب) سے ہے (پھر اس نے) کہا میں جو کچھ کھاتا ہوں

ہضم نہیں ہوتا۔

گفت ضعفِ معدہ ہم از پیری است گفت وقتِ دم مرادم گیری است

ترجمہ: (طبیب نے) جواب دیا معدہ کی کمزوری بھی بڑھاپے کا نتیجہ ہے (پھر بڈھا بولا) سانس لیتے وقت دم کشی ہوتی ہے۔

گفت آرے انقطاعِ دم بُود چُوں رسد پیری دو صد علّت شود

ترجمہ: (طبیب) بولا ہاں سانس بھی رکنے لگتا ہے جب بڑھاپا آتا ہے تو (دس بیس نہیں بلکہ دو) دو سو بیماریاں عارض ہو جاتی ہیں۔(ع پیری وصد عیب چنیں اند)

گفت کم شد شہوتم یکبارگی گفت از پیری ست ایں بیچارگی

ترجمہ: (بڈھا) بولا میری بھوک یکبارگی کم ہوگئی (طبیب نے) جواب دیا یہ مجبوری (بھی) بڑھاپے سے ہے۔

گفت پایم سُست شداز راہ بماند گفت از پیری ست در کُنجت نشاند

ترجمہ: (بڈھا) بولا میرے پاؤں ست ہو گئے چلنے سے عاجز آ گئے (طبیب نے) کہا (یہ بھی) بڑھاپے (کے آثار) سے ہے جس نے تم کو (گھر کے) گوشے میں بٹھا دیا۔

گفت پشتم چوں کمانے شد دوتا گفت از پیری ست ایں رنج و عنا

ترجمہ: (بڈھے نے) کہا میری پیٹھ کمان کی طرح دوہری ہوگئی (طبیب نے) کہا یہ رنج و تکلیف (بھی) بڑھاپے سے ہے۔

گفت تاریک ست چشمم اے حکیم گفت کز پیری ست اَے مردِ علیم

ترجمہ: (بڈھا) بولا اے حکیم! میری آنکھ میں اندھیرا سا چھایا رہتا ہے (طبیب نے) کہا کیونکہ (یہ بھی) اے دانا آدمی بڑھاپے سے ہے، (اب تو بڑے میاں کو غصہ آ گیا)۔

گفت اے احمق بریں بردوختی از طبیبی تو ہمیں آموختی

لغات: برچیزے دوختن کسی بات پر جم جانا۔ طبیبی فنِ طبابت۔

ترجمہ: (جھلا کر) بولا ارے احمق! تو اسی (ایک بات) پر جم گیا، طبابت سے تو نے یہی سیکھا ہے؟

اے مدمّغ عقلت ایں دانش نداد کہ خدا ہر درد را درماں نہاد

لغات: مدمّغ دماغدار، مغرور، بددماغ۔

ترجمہ: اے بددماغ تیری عقل نے تجھ کو اتنی سمجھ نہیں دی کہ خدا تعالیٰ نے ہر درد کی دوا پیدا کی ہے۔

مطلب: یہ اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ "مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ شِفَاءً" اللہ نے جو کوئی مرض اتارا ہے تو اس کے لیے دوا بھی پیدا کی ہے" (مشکوۃ) ایک اور حدیث اسی کے ہم معنی ہے "لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرِءَ بِاِذْنِ اللّٰہِ" ہر مرض کی دوا ہے جب دوا مرض پر ٹھیک استعمال ہو تو اللہ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔" ایک اور حدیث ہے "یَاعِبَادَ اللّٰہِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَہٗ شِفَاءً" اے اللہ کے بندو دوا دارو استعمال کیا کرو۔ اللہ نے جو بیماری بنائی ہے اس کے لیے شفا بھی رکھی ہے۔" بقول حالی مرحوم

کہا دکھ نہیں کوئی دنیا میں ایسا دوا جس کی خالق نے کی ہو نہ پیدا

تو خرِ احمق زاندک مایگی بر زمیں ماندی زکوتہ پایگی

لغات: اندک مایگی اندک مایہ ہونا، بے بضاعتی مراد کم علمی۔ کوتہ پایگی چھوٹے پاؤں والا ہونا۔

ترجمہ: تو ناداں گدھا اپنی بے بضاعتی کے سبب سے (اس کم علمی کی) پستی میں رہ گیا، چھوٹے پاؤں ہونے کے باعث (تجربہ کی بلندی تک رسائی نہیں)۔

پس طبیبش گفت کاے عمر تو شصت ایں غضب ویں خشم ہم از پیری است

ترجمہ: تو طبیب نے اس سے کہا ارے ساٹھ سال کی عمر کے (بڈھے!) تیرا یہ غصہ اور خفگی بھی بڑھاپے کا نتیجہ ہے۔

چوں ہمہ اجزاو اعضا شد نحیف خویشتن داری و صبرت شد ضعیف

لغات: اجزا جسم کے حصے مراد ہیں نحیف لاغر، نزار خویشتن داری اپنے آپ پر قابو رکھنا، قوت ضبط۔

ترجمہ: چونکہ (تمہارے) تمام (جسم کے) اجزا اور اعضا سوکھ (کر کانٹا ہو) گئے۔ (اس لیے) تمہاری ضبط کی قوت اور صبر بھی کمزور ہو گیا۔

برنتابد دو سخن زاں ہے کند تابِ یک جرعہ ندارد قے کند

لغات: برنتابد تاب نیارد۔ طاقت ندارد ہے کردن شور وغل کرنا۔ جرعہ گھونٹ۔

ترجمہ: (ایسا کمزور آدمی) دو باتوں کو بھی برداشت نہیں کرسکتا، اس لیے غل مچانے لگتا ہے ایک (بات کو سن کر) گھونٹ (کی طرح پی جانے) کی تاب نہیں لاسکتا، فوراً قے کر ڈالتا ہے۔

مطلب: جس طرح بڈھے کے سارے جسمانی معائب اس کے بڑھاپے کے باعث سے تھے اور جب ان کا سبب اس کا بڑھاپا قرار دیا گیا تو وہ بگڑنے لگا۔ یہ بگڑنا بھی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تھا، اسی طرح جب کسی کو اس کے اخلاقی و دینی نقائص پر متوجہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارے نفس کی خرابیاں ہیں۔ اس سے بجو تو وہ اس کو اپنی توہین سمجھ کر غضبناک ہو جاتا ہے اور اس کا یہ غضب وغصہ بھی نفس ہی کی سرکشی کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو اپنے غرور و انانیت کی وجہ سے ناک پر مکھی بیٹھنے دینا گوارا نہیں، لہٰذا نفس کی اصلاح و درستی سے غافل نہ ہونا چاہیے ورنہ یہ اور بھی بگڑتا چلا جائے گا اور یہ تم کو بڑی بڑی خرابیوں میں مبتلا کر دے گا۔ سعدیؒ ؎

نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد کز یناں نیاید بجز کارِ بد
فغاں از بدیہا کہ در نفسِ ماست کہ ترسم شود ظنِّ ابلیس راست

جز مگر پیریکہ از حق است مست در درونِ اُو حیاتِ طیب ست

ترجمہ: (سارے بڈھوں کی یہی حالت ہوتی ہے) مگر سوائے اس بڈھے (پیر) کے جو حق تعالیٰ کی محبت سے مست ہے اور جس کے اندر نہایت عمدہ زندگی (بھری ہوئی) ہے۔

مطلب: مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں حیاتِ طیبہ سے مراد ذاتِ الٰہی ہے جو حی بحیاتِ حقیقی ہے یعنی وہ حیات بنفسہ ہے اور دوسرے اس کی بدولت ذی حیات ہیں بس حاصل ... ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی ذات ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

اس سے صفتِ حیات مراد ہو، یعنی وہ حیاتِ طیبہ رکھتے ہیں جس کو موت نہیں۔ حافظؒ۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اور چونکہ یہ حیات عام ادراک میں نہیں آسکتی اس لیے دردروں کا کلمہ فرمایا اور بزبان اشارات یہ آیۂ کریمہ اس پر محمول ہے کہ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً یعنی جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں مرد ہوں یا عورتیں بحالیکہ وہ مومن ہوں پس ہم ان کو زندہ رکھتے ہیں ایک طیب زندگی کے ساتھ (سورۂ نحل ع ۱۳) اور بزبانِ ظاہر یہ وعدہ ہے حیاتِ اُخروی دائمی کا (انتہیٰ) غرض یہ شان ہے ان بزرگوں کی جامیؒ۔

پیر کہ باشد شہِ کون و مکان خواجۂ دادوستدِ کن فکاں

زندگیٔ دل چو مسیح از دمش سبزیٔ جاں چوں خضر از مقدمش

از بُروں پیرست و در باطن صبی خود چہ چیز است آں ولی وآں نبی

ترجمہ: بظاہر وہ بڈھا ہے اور باطن میں بچہ ہے (جانتے ہو کہ) وہ کیا ہے؟ وہ ولی ہے اور نبی ہے۔

ترجمہ: یہاں پیر سے پیرِ طریقت مراد ہے اور پیر طریقت کو پیر کیوں کہا جاتا ہے جس کے معنی بڈھے کے ہیں خواہ وہ عمر میں نوجوان ہی ہو۔ اس کے متعلق ہم مفتاح العلوم کی چوتھی جلد میں مفصل اور پُرلطف تبصرہ کر چکے ہیں، پیر چونکہ راہبر اور مصلح ہوتا ہے اس لیے نبی اور ولی دونوں پر یہ نام صادق آتا ہے۔ ولی خاص اپنے منتسبین سلسلہ کا پیر ہے اور نبی اپنی ساری امت کا پیر ہے۔ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حالت ان بڈھوں کی ہوتی ہے جو دنیا سے گہری دلبستگی رکھتے ہیں بڑھاپے میں ان کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے اوپر سے قوتِ تحمل سلب ہو جاتی ہے اس لیے سب سے الجھتے پھرتے ہیں مگر پیرانِ طریقت میں یہ بات نہیں وہ یادِ حق میں مست رہنے کی وجہ سے دنیا و اہلِ دنیا کے خیالات سے یکسو رہتے ہیں۔ نیز ان کے بواطن حسد و بغض وغیرہ سے پاک اور نورانی زندگی سے تابناک ہوتے ہیں اس لیے کسی جھگڑے سے سروکار نہیں رکھتے۔ عراقیؒ۔

ازگفتِ بد دشمن آزردہ نگردم زانکہ بادوست مرا دردل آزار نے گنجد

اولیاء اللہ کو بچوں سے تشبیہ دینا بھی تصوف کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کی بنا چند باتوں پر ہے۔ اول یہ کہ جس طرح بچے کے قوائے ظاہری و باطنی یوماً فیوماً ترقی پذیر رہتے ہیں حتیٰ کہ ریعانِ شباب کو پہنچ کر وہ پورا مرد بن جاتا ہے اسی طرح صوفی بھی کمالاتِ باطن میں ہمیشہ ترقی کرتا ہے، حتیٰ کہ عارفِ کامل ہو جاتا ہے۔ صائبؒ۔

ساکن از شیشہ ساعت نشود ریگِ رواں گرچہ در جسم بود روح ہماں درسفراست

دوسرے جس طرح بچے کے تمام اغراض و مقاصد کی کفیل اس کی ماں ہوتی ہے اور وہ ہر ضرورت میں اپنی ماں ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح صوفی بھی اپنے تمام مطالبِ دارین کا کفیل خاص خدا کو سمجھتا ہے اور کسی سے سروکار نہیں رکھتا۔

نکشود صائب ز مددِ خلق ہیچ کار از خلق روئے خود بخدا میکنیم ما

ولنعم ماقیل۔ ناخدا در کشتیٔ من گر نباشد گو مباش ماخدا داریم مارا ناخدا درکار نیست

تیسرے جس طرح بچے کا دل کینہ و بغض سے خالی ہوتا ہے کہ ابھی باپ یا استاد اس کی گوشمالی کرے تو روئے گا چلائے گا، ہچکیاں لے گا اور تھوڑی دیر میں پیار سے بلائے، تو گلے لپٹ جائے گا اور کینہ اور غصہ کا کوئی نشان اس کے دل میں نہ ہوگا۔ اسی طرح صوفی بھی صاف دل ہوتے ہیں ان کے دل میں کسی کی طرف سے بغض و کینہ نہیں رہتا کسی بات پر ناراض ہوتے ہیں، تو

دوسرے لحہ میں ان کا دل صاف ہو جاتا ہے۔غنی کاشمیریؒ ۔

روشندلاں ندارند از ہم غبارِ کلفت　　که تیرگی پذیرد آئینه از دمِ صبح

شوکت ۔ سینۂ صافاں راغبارِ کینه نیست　　گل نبا شد چشمهٔ خورشیدرا

چوتھے جس طرح بچے کو اپنے کھانے پہننے اور کھیلنے سے غرض ہوتی ہے باقی تمام معاملات کی نہ خبر ہے نہ ان سے دلچسپی ہے۔ اسی طرح صوفی کو بھی صرف اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد سے غرض ہے اور دنیا و آخرت کی تمام دلچسپیوں سے بے تعلق رہتے ہیں۔

اگر خزان و دگر نو بہار شد عالم　　زدینش نتوانم بدیگرے پرداخت

پانچویں جس طرح بال ہٹ مشہور ہے کہ بچے کو جس چیز کی رٹ ہو جائے صبح وشام اٹھتے بیٹھتے اسی کا تقاضا کرتا رہتا ہے اور جب تک وہ چیز اس کو مہیا کر کے نہ دی جائے ماں باپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا اسی طرح صوفی کی استقامت بھی بال ہٹ کی ہم معنی ہے۔اس کو بھی ہر وقت ہر لحہ اپنے محبوب حقیقی کی یاد سے اور اس کے ذکر سے فرصت نہیں۔حافظؒ۔

دست از طلب ندارم تا کام من براید　　یاتن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

گر نہ پیدایند پیشِ نیک و بد　　چیست باایشاں خساں را ایں حسَد

ترجمہ: اگر وہ کس و ناکس کے سامنے (عالی پایہ بزرگ اور باکمال انسان کی صورت میں) ظاہر نہیں ہیں تو پھر کمینے لوگوں کو ان کے ساتھ حسد کیوں ہے؟

مطلب: اگر کسی کے پاس کچھ کمال ہوتا ہے تو جبھی اس پر حسد کیا جاتا ہے۔تہیدست اور بے مایہ کے ساتھ کسی کو حسد کرنے کی کیا ضرورت؟ غرض ان حضرات کے ساتھ کمینے لوگوں کا حاسدانہ پُرخاش رکھنا ان کے کمال کی دلیل ہے۔

وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِیْ مِنْ نَاقِصٍ　　فَهِیَ الشَّهَادَةُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلُ

اہلِ کمال کے حاسد اور دشمن ضرور ہوتے ہیں

یعنی ناقص لوگوں کا کسی باکمال کی مذمت کرنا ان کے کمال کی ایک اور دلیل ہے۔ اہلِ کمال کے ساتھ نالائق اور برے لوگوں کا بغض وحسد رکھنا زمانے کی ایک قدیم سنت چلی آتی ہے، سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام پر شیطان نے حسد کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ایک فرزند ہابیل نام بہت صالح و دیندار تھا خود اس کے بھائی قابیل نے اس کو از راہِ حسد قتل کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ ایک عورت کو سخت دشمنی تھی۔ اس کی سازش سے دشمنوں نے ناقۃ اللہ کو ہلاک کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے حسد کا نشانہ بنے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انہی کی قوم کے ایک مالدار آدمی قارون نامی کو حسد تھا اور اس کم بخت نے اس پاک رسول پر زنا کی تہمت بھی لگائی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے دشمنوں نے آرے کے ساتھ چیر ڈالا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ شاہِ وقت کی بیگم کو سخت عداوت اور حسد تھا ایک دن بادشاہ کو شراب پلا کر بدمستی کی حالت میں اپنی اس عداوت کا بخار یوں نکالا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم صادر کرا دیا اور اپنی اس بزمِ عیش میں اس رسولِ برحق کا خون آلودہ سر ایک طشت میں اپنے سامنے منگا کر دل خوش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے حقیقی چچا ابولہب کو بغضِ شدید تھا اور ابوجہل، امیہ ابن حلف، عقبہ ابن ابی معیط وغیرہ نے آپ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اسی طرح خلفاءِ راشدین کے بعض دشمن برسرِ عداوت رہے ہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک حاسد نے علی رؤس الاشہاد یا ابن الزانیہ تک کی فحش گالی دی، حضرت مولانا روم رضی اللہ عنہ کو ایک حاسد نے برسرِ مجلس بے نقط گالیاں سنائیں۔ اسی طرح آج بھی اولیا، صلحا، علما وغیرہ خاصانِ خدا کے دشمن اور حاسد ضرور ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔

اینٹ پتھر خاک دھول، گھاس پھونس سے کسی کو نہ حسد ہوتا ہے نہ بغض مگر آفتابِ عالمتاب کی نورانی شعائیں چمگادڑ کے لیے بھی وبالِ جان ہیں چھچھوندر کے لیے بھی اور الو کے لیے بھی اہل کمال بھی آفتاب ہیں۔ پس بغض و عداوت انہی سے ہونی چاہیے نہ کہ اینٹ پتھر کے سے بے حقیقت لوگوں سے اور عداوت کرنے والے اگر عداوت نہ کرتے تو کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ وہ آفتاب ہے اور یہ الو چمگادڑ اور چھچھوندر ہیں۔

صائبؒ۔

زشت را آئینہ تاریک گردد پردہ پوش ے رسد آزارِ ید گوہر بہ بینا بیشتر

ور نمیدانند شاں علم الیقین چیست ایں بغض و حیل سازی و کیں

ترجمہ: اور اگر وہ ان کے کمال کو یقینی علم سے نہیں جانتے تو (ان کے ساتھ) یہ بغض، یہ حیلہ سازی اور کینہ کیوں ہوتا؟

مطلب: لیکن چونکہ ان نالائق لوگوں کا ان پاک ہستیوں کے ساتھ بغض و عناد رکھنا ظاہر ہے پس ان پاک لوگوں کا اہلِ کمال ہونا بھی ثابت ہے جس کو مخالفین بھی جانتے ہیں مگر افسوس ان کو اس نتیجۂ بد کی خبر نہیں جو قیامت کے روز اہل اللہ کے ساتھ عداوت رکھنے پر مترتب ہونے والا ہے۔

ور ہمے دانند بعث و رستخیز چوں زنندے خویش بر شمشیرِ تیز

لغات: بعث اٹھانا مراد قیامت جبکہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ رستخیز بضمِ راء مرکب ہے۔ رستن و خاستن سے یعنی اگنا اور اٹھنا اس سے قیامت مراد ہے جبکہ مردے قبروں سے نباتات کی طرح اگ نکلیں گے اور پھر اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ترجمہ: اگر ان کو دوبارہ زندہ ہونے کا اور قیامت کا حال معلوم ہوتا (جبکہ اہل اللہ کو ستانے والے اپنے کئے کی سزا پائیں گے) تو کیوں اپنے آپ کو تیغِ تیز سے بھڑاتے۔ کما قیل۔

دلیر برصفِ افتادگانِ عشق متاز کہ جائے گردازیں خاک مردے خیزد

برتو میخندد مبیں اورا چناں صد قیامت در درونستش نہاں

ترجمہ: اگر وہ تیری (ان) باتوں پر ہنستا ہے تو اس کو یوں (دل سے شاد و خنداں) نہ سمجھ (بلکہ) اس کے اندر سینکڑوں قیامتیں پنہاں ہیں۔

مطلب: قیامت کی مشکلات حشر و نشر، حساب و کتاب و عذابِ دوزخ تو دور ہیں خود ان بزرگوں کے وجود منکرین و مستہزئین کے لیے قہرِ الٰہی کے مظہر ہیں ان سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ ان کے ظاہری حلم و تحمل سے دلیر نہ ہونا چاہیے۔ صائبؒ۔

بابزرگاں مشو بحلم دلیر سپر آفتاب تیغ زن ست

صاحب کلید فرماتے ہیں کہ اس شعر سے انتقال ہے مضمونِ سابق کی طرف اور مرتبط ہے گر پذیرد چیز تو گوئی گدا است الخ کے ساتھ اور جز مگر پیرے الی قولہ در بدانندے الخ دفع دخل مقدر اور جملہ معترضہ تھے۔ (انتہٰی)

دوزخ و جنت ہمہ اجزائے اوست ہر چہ اندیشی تو آں بالائے اوست

ترجمہ: ان کے تمام اجزائے (جسم خود) دوزخ و جنت (یعنی خدائی قہر و لطف کے مظہر) ہیں (ان کے متعلق) جو کچھ ہمارے قیاس میں آسکتا ہے وہ اس سے بھی برتر ہیں۔

ہرچہ اندیشی پذیرائے فناست　　　وانکہ در اندیشہ ناید آں خداست

ترجمہ: جو کچھ تمہارے (میزان) قیاس میں آسکتا ہے وہ فانی ہے اور جو تمہارے قیاس میں نہیں آسکتا وہ خدا ہے (جو باقی ولایزال ہے)۔

مطلب: یہ دلیل ہے اس کی کہ "ہر چہ اندیشی تو آں بالائے اوست" یعنی دیکھو حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی کنہ ہمارے ادراک سے برتر ہے، یہ بندگانِ خاص بھی متخلق باخلاق اللہ اور باقی ببقاء اللہ ہیں۔ لہٰذا ان کے مدارج و مراتب بھی ہمارے ادراک سے برتر ہیں۔ صاب کلید سلمہٗ اس شعر سے یہ پُرلطف مطلب نکالتے ہیں کہ اوپر جو کہا تھا کہ تم جو کچھ سوچو اس سے یہ حضرات بالاتر ہیں۔ اس پر بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ پھر نعوذ باللہ حق تعالیٰ سے بھی زیادہ ہیں یہ شعر اس شبہ کا جواب ہے یعنی حق تعالیٰ کون سا ہمارے اندیشہ میں آسکتا ہے ان کو برتری تو انہی اشیا پر ہے جو اندیشہ میں آسکتے ہیں۔

بردرِ ایں خانہ گستاخی ز چیست؟　　　گر ہمیدانند کاندر خانہ کیست؟

ترجمہ: اس گھر کے دروازے پر گستاخی کیوں (کی جاتی) ہے اگر لوگ یہ جانتے ہیں کہ اس گھر میں کون ہے؟

مطلب: جو لوگ ان اہل اللہ سے گستاخانہ پیش آتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ ان کے بواطن میں کون بس رہا ہے اور کس کی تجلی سے ان کے انوار درخشاں ہیں ورنہ ان کو یہ جرأت نہ ہوتی۔

ابلہاں تعظیمِ مسجد میکنند　　　در جفائے اہلِ دل جد میکنند

ترجمہ: بے وقوف لوگ مسجد کی تعظیم کرتے ہیں (کہ یہ خانۂ خدا ہے اور) اہلِ دل کو ستانے پر کمربستہ ہیں (حالانکہ):

آں مجازست ایں حقیقت اے خراں　　　نیست مسجد جُز درونِ سر وراں

ترجمہ: اس (ظاہری مسجد) کو تو (بعض خاص وجوہ سے خانہ خدا) مان لیا گیا ہے (اور) یہ (بزرگوں کے دل) سچ مچ (کے خانہ خدا) ہیں، ارے (عقل کے) گدھو! مسجد تو (ان) بزرگوں کے دل ہی ہیں۔ کما قیل۔

کعبہ بنگاہِ خلیلِ آذرست　　　دل گذر گاہِ جلیلِ اکبرست

مسجدے کو اندرونِ اولیاست　　　سجدہ گاہِ جُملہ است آنجا خُداست

ترجمہ: وہ مسجد جو اولیاء کے بواطن ہیں تمام (مخلوق) کے سجدہ گاہ ہیں (کیونکہ) وہاں خدا (کے انوار جلوہ افگن) ہیں۔

مطلب: اندرونِ اولیا کے مسجود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اولیا کے قلوب کی کل اشیا تابع ہوتی ہیں۔ یہی کیفیت بعض مرتبہ بشکلِ سجدہ نظر آتی ہیں، جیسا کہ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ ان کو منکشف ہوا کہ ایک تخت پر ایک بے کیف نور ہے اور کل خلائق اس کے سامنے سربسجود ہیں تو اس کو بعض سالکین نورِ حق سمجھ گئے حالانکہ وہ نورِ روح تھا، چونکہ نورِ روح عالمِ مجردات سے ہے اس لیے اس کا نور بے کیف نظر آیا اور وہ سجدہ اس روح کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار تھا۔ اسی کو نورِ حق سمجھ کر بعض نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ اللہم احفظنا، بزرگوں نے ٹھیک فرمایا ہے کہ کشف آفت ہے چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا قول کہ حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے۔ اس لیے کہ ظلمانیہ میں انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ میں تو حجاب میں ہوں اور حجبِ نورانیہ میں اپنے آپ کو واصل سمجھنے کا دھوکا کھا جاتا ہے۔ غرض فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے قلوب تو وہ ہیں جن کے لیے تمام مخلوق کو تابع فرمان بنا دیا گیا تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ ظاہر بیت اللہ کی اس قدر عظمت اور اس حقیقی بیت اللہ کے ساتھ یہ برتاؤ افسوس۔ (کلید مثنوی)

کشف بعض شخص موجب آفت و ضلالت از جانب حق

تادلِ مردِ خدا نامد بدرد ہیچ قومے راخُدا رُسوانہ کرد

ترجمہ۔ جب تک کسی مرد (اہل اللہ) کے دل کو دکھ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رسوانہیں کرتا (ان کی دل آزاری ہی قوم کو تباہ کرتی ہے)۔

قصدِ جنگِ انبیا میداشتند جسم دیدند آدمی پند اشتند

ترجمہ: (منکرین بھی) انبیا کے ساتھ لڑنے کا قصد رکھتے تھے کیونکہ ان کو (صرف ایک عنصری) جسم (کی حیثیت میں) دیکھتے تھے، (اور اپنی مثل معمولی) آدمی سمجھتے تھے (ان کے کمالات اور روحانی اقتدار کی خبر نہ تھی آخر تباہ ہو گئے)۔

در تو ہست اخلاقِ آں پیشینیاں چوں نمے ترسی کہ تو باشی ہماں

ترجمہ: تجھ میں (بھی) انہی پہلے لوگوں کے اخلاق (بدموجود) ہیں تو ڈرتا کیوں نہیں، (مبادا) تیرا بھی وہی حشر ہو۔

عادتِ آں ناسپاساں در تو رُست نایدت ہر بار دلوازچہ دُرست

لغات: ناسپاسان ناشکر لوگ۔رست پیدا۔دلو ڈول۔

ترجمہ: ان ناشکرے لوگوں کی سی عادت تجھ میں بھی پیدا ہو گئی (خبردار!) ہر بار کنوئیں سے ڈول درست نہیں نکلتا۔

مطلب: کنوئیں سے درست ڈول نکالنا کنایہ ہے خاطر خواہ کام ہونے سے فرماتے ہیں کہ تم اہل اللہ کو ناحق ستانے پر کمر بستہ رہے اور ایک دو بار اس کا وبال نہ پڑا تو یاد رکھو یہ مہلت ہمیشہ نہیں ملنے کی ممکن ہے کبھی ایسی شامت پڑے کہ بالکل تباہ کر دے۔ والعیاذ باللہ۔

آں نشانیہا ہمہ چُوں در تو ہست چُوں توزیشانی کجا خواہی برست

ترجمہ: جب (ان لوگوں کی سی) وہ (تمام) نشانیاں تجھ میں (موجود) ہیں (اور) جب تو انہی (لوگوں) میں سے ہے (تو اب) کہاں بچ سکتا ہے۔

مطلب: ان لوگوں نے انبیا کی تکذیب وتضحیک کی اور تباہ ہوئے اور تم انبیا کے جانشینوں کی تکذیب وایذا کے مرتکب ہو رہے ہو۔ لہٰذا اگر تمہارے یہی لچھن رہے تو کب تک تباہی سے محفوظ رہو گے۔ یہاں یہ فرمایا ہے کہ اپنے حال کو منکرینِ سابقین کے حال سے ملا کر دیکھو تو یکساں پاؤ گے۔ اس کی تائید میں آگے ایک حکایت ارشاد ہے کہ ایک مسخرے بچے نے قبر کا ذکر سن کر کہا یہ تو بالکل ہمارے گھر کا حال ہے۔ شاید وہ مقام ہمارا ہی گھر ہو۔

قصّہ کودکے در پیشِ تابُوتِ پدرمے نالید و سُخنِ جُوحی

ایک لڑکے کا قصہ جو اپنے باپ کے جنازے کے ساتھ روتا جاتا تھا اور شیخ چلی کا قول

لغات: تابوت مردہ کا صندوق جس میں اس کی لاش رکھ کر لے جاتے ہیں۔ جوحی بجیم مضموم وکسرِ حاے مہملہ یہ ایک فرضی نام ہے جیسے ہمارے ملک میں شیخ چلی مشہور ہے۔ مراد مسخرہ دل لگی باز ناقلین نے غلطی سے دونوں جیم درج کر دیے۔

کودکے در پیشِ تابوتِ پدر زارمے نالید و برمیکوفت سَر

ترجمہ: ایک لڑکا (اپنے) باپ کے جنازے کے پاس پھوٹ پھوٹ کر روتا (جاتا) تھا اور (اپنا) سر دے مارتا تھا (اور

کہتا تھا)۔

کاے پدر آخر کجایت میبرند　تا ترا در زیر خاکے بسپرند؟

ترجمہ: کہ اے ابا! آخر تجھے کہاں لیے جا رہے ہیں (کیا اس لیے) کہ تجھے مٹی کے نیچے سونپ دیں؟

میبرندت خانۂ تنگ و زحیر　نے دروقالی ونے فرش و حصیر

لغات: زحیر لغوی معنی مرض پیچس کے ہیں عرفاً ناخوش کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قالی قالین، پشم کا رنگین ومنقش فرش حصیر بوریا، صنائع: دوسرے مصرعہ میں صنعت جمع پُرلطف ہے۔

ترجمہ: تجھے ایک تنگ وتکلیف دہ گھر (میں) لیے جا رہے ہیں جس میں نہ غالیچہ ہے نہ فرش ہے، نہ بوریا۔

مطلب: قبر کی تنگ اندھیر کوٹھری کا نقشہ باندھا ہے اور صنائع کے ذکر میں ہم نے کہا ہے کہ اس میں صنعتِ جمع پرلطف ہے وجہِ لطافت یہ ہے کہ اس میں تین مختلف حیثیتوں کے گھروں کا اشارہ ہے جن میں ترقی سے تنزل کی طرف ترتیب بھی ملحوظ ہے چنانچہ کہا ہے کہ قبر میں نہ کوئی امیرانہ کمرہ ہے کہ جس میں قالین بچھا ہوا ہو نہ متوسط حیثیت کا مکان ہے کہ وہاں فرشِ شطرنجی بچھایا گیا ہو اور نہ غریبانہ گھر جس میں چٹائی ہی ڈال دی گئی ہو غرض کچھ نہیں ایک تنگ وتاریک گڑھا ہے۔

نے چراغے در شب و نے روزناں　نے دراں بوئے طعام و نے نشاں

ترجمہ: نہ وہاں رات کو چراغ نہ دن کو روٹی (بلکہ) اس میں کھانے کی بو اور نشان (تک) نہیں ہے۔

نوٹ: اگر روز ناں روزن کی جمع (ولو علیٰ غیر القیاس) قرار دی جائے تو معنی پُرلطف ہو سکتے ہیں کیونکہ پھر پہلے مصرعہ میں روشنی کی نفی ہوگئی اور دوسرے میں سامانِ خوراک کی اس صورت میں اگر شب و روز کا پُرلطف تقابل باطل ہو جاتا ہے تو نان و طعام کا بے لطف تکرار بھی رفع ہو جاتا ہے۔

نے درش معمور نے سقف و نہ بام　نے دراں بہرِ ضیائے ہیچ جام

لغات: معمور آباد و درست سقف چھت۔ ضیا روشنی۔ جام حمام کے شیشے کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے آج کل روشندانوں میں شیشے لگا لیتے ہیں

ترجمہ: نہ اس کا دروازہ درست ہے نہ چھت (باقاعدہ بنی) ہے نہ کوٹھا ہے، نہ اس میں روشنی کے لیے شیشہ (دار روشندان) ہے۔

نے دراں از بہرِ مہماں آبِ چاہ　نے یکے ہمسایہ کو باشد پناہ

ترجمہ: نہ وہاں مہماں کے لیے کنویں کا پانی (میسر) ہے نہ کوئی پڑوسی ہے جس کا کچھ سہارا ہو۔

جسمِ تو کہ بوسہ گاہِ خلق بُود　چوں شود در خانۂ کور وکبود

ترجمہ: تیرا بدن جس کو لوگ (براہِ تعظیم) چوما کرتے تھے (اب اس) سیاہ وتاریک گھر میں (اس کا) کیسا (حال) ہوگا؟

خانۂ بے زینہار وجائے تنگ　کاندراں نے رُوے میماند نہ رنگ

ترجمہ: وہ ایک بے پناہ گھر اور تنگ جگہ ہے جس میں نہ چہرہ (سلامت) رہتا ہے نہ رنگ۔

انتباہ: مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ ان ابیات میں قبر کے اندر مذکورہ سامانِ راحت کی نفی، بحسبِ ظاہر اور بادی الرائے میں ہے ورنہ قبر مومن کے حق میں بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور اس میں آرام کے سارے سامان مہیا ہیں۔ وہاں کھانا بھی پہنچتا ہے جس کو وہ مومن بندہ کھاتا ہے اور احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں اور یہ تمام احوال عالمِ برزخ میں ہیں اور ممکن ہے کہ یہ نفی امورِ دنیاویہ سے تعلق رکھتی ہو نہ کہ امور برزخیہ سے پس یہ نفی بادی الرائے میں نہیں بلکہ حقیقت ہے (انتہٰی) ہمارے خیال میں یہاں اس قدر تدقیق کی ضرورت ہی کیا تھی ایک بچے کے نوحہ کی حکایت ہے جو نہ حیاتِ برزخیہ کو سمجھتا ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ اسے یہ اعتقاد رکھتے ہوئے ان امور کی نفی نہ کرنی چاہیے تھی نہ اس کو کوئی نہ عقل میں بادی الرائے اور منتہی الرائے کے مدارج میں کہ واقعہ کے ظاہری و باطنی پہلوؤں پر وہ مختلف انداز سے نظر کر سکتا ایک بچے کو باپ کا جو انجام بظاہر نظر آرہا ہے وہ اسی کو رو رہا ہے اور یہ بھی غنیمت ہے کہ اسے باپ کی اس قدر محبت ہے کہ اس وقت اس کو اپنی یتیمی و بے کسی پر نہیں بلکہ باپ کے حسرت ناک انجام پر رونا آرہا ہے۔ ورنہ آج کل کی اولاد سے تو یہ بھی متوقع نہیں۔ صائبؒ۔

زخانہ دشمنِ من چوں حباب مے خیزد نہاں بہ پردہ رازِ خودست پردہ درم

زیں نسق اوصافِ خانہ میشمرد وزدو دیدہ اشکِ خونیں میفشرد

ترجمہ: (غرض) اسی طرح وہ (قبر کے) گھر کے اوصاف گن رہا تھا اور (اپنی) دونوں آنکھوں سے لہو کے آنسو بہا رہا تھا۔

گفت جوحی باپدر اے ارجمند واللہ ایں راخانۂ مامے برند

ترجمہ: شیخ چلی (بھی اپنے باپ کے ہمراہ شریکِ جنازہ تھے وہ) اپنے باپ سے کہنے لگے۔ ابا حضرت! بخدا اس (میت) کو تو ہمارے گھر لے جارہے ہیں۔

گفت جوحی را پدر ابلہ مشو گفت اے بابا نشانی ہاشنو!

ترجمہ: باپ نے شیخ چلی کو کہا احمق نہ بنو (اور ایسی بہکی باتیں نہ کرو) وہ بولا ابا جان ذرا (اس گھر کی) نشانیاں تو سنیے۔

ایں نشانیہا کہ گفت اویک بیک خانۂ ماراست بے تزویر وشک

ترجمہ: یہ نشانیاں جو اس نے بیان کی ہیں ساری کی ساری کسی بناوٹ اور شک کے بغیر ہمارے گھر کی ہیں۔

نے حصیرو نے چراغ و نے طعام نے درش معمور نے سقف ونہ بام

ترجمہ: (چنانچہ ہمارے گھر میں) نہ چٹائی ہے، نہ دیا ہے، نہ کھانا ہے، نہ اس کا دروازہ درست ہے، نہ چھت ہے، نہ کوٹھا

زیں نمط دارند برخود صد نشاں لیک کے بینند آں را طاغیاں

ترجمہ: اسی طرح لوگ اپنے اندر (سابقہ منکر قوموں کے سے) صدہا نشان رکھتے ہیں لیکن (وہ) سرکش ان کو کب دیکھتے ہیں۔

مطلب: اسی طرح جوحی یا شیخ چلی نے نوحہ گر لڑکے کے بیان کو اپنے گھر پر کس صحیح قیاس سے چسپاں کیا اور اپنے باپ سے کیا پتے کی بات کہی۔ اس کے باپ کا یا دوسرے لوگوں کا دماغ یہاں تک نہ پہنچا تھا اسی طرح باوجود یکہ منکرانِ طریقت اور موذیانِ مشائخ اگلے زمانے کے منکرینِ ہالکین کے سے اوصاف اپنے اندر رکھتے ہیں مگر وہ ان کو محسوس نہیں کرتے۔ ان کا دماغ یہاں تک پہنچتا ہی نہیں جوحی نے نوحہ سن کر فوراً دل ہی دل میں اپنے گھر کی پڑتال شروع کر دی ان لوگوں کو بھی اپنے دل کی خبر لینی چاہیے۔

خانۂ آں دل کہ ماند بے ضیا　از شعاعِ آفتابِ کبریا
تنگ وتاریک ست چوں جانِ یہود　بینوا از ذوقِ سُلطانِ و دُود

لغات: آفتاب کبریا میں اگر اضافتِ توضیحی ہے تو اس سے ذاتِ حق مراد ہے اور اگر اضافتِ تملیکی ہے تو مرشدِ کامل مقصود ہے۔ جانِ یہود کو تنگی و تاریکی میں ضرب المثل اس لیے ٹھہرایا ہے کہ ان لوگوں کی کور دلی اور سیہ باطنی تمام اہلِ کتاب سے بڑھی ہوئی تھی۔ ودود اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کے معنی دوست رکھنے والا ۔

ترجمہ: (چنانچہ) جس دل کا گھر آفتابِ حق کی شعاع سے بے نور رہ جائے وہ یہودیوں کی طرح تنگ و تاریک ہے (اور اس) شہنشاہ (برحق) کے ذوق (محبت) سے جو (نیک بندوں کو) دوست رکھنے والا ہے۔ محروم ہے۔

نے دراں دل تابِ نورِ آفتاب　نے کشادِ عرصہ و نے فتحِ باب

ترجمہ: اس دل میں نورِ آفتاب (حق) کی چمک ہے (اور) نہ ایک (وسیع) میدان کی کشائش ہے اور نہ (فیوضِ غیب کے لیے اس کا) دروازہ کھلا ہے۔ صائبؒ۔

نیست فرق ازتن دلِ افسردۂ خود کام را　رنگِ برگِ خویش باشد میوہ ہائے خام را

گور خوشتر ازچنیں دِل مرتُرا　آخر از گورِ دل خود برتر آ

ترجمہ: ایسے (مردہ) دل سے تو تمہارے لیے قبر بہت اچھی ہے، آخر اپنے دل کی قبر سے باہر نکلو۔ کما قیل۔

دل کہ افسردہ شداز سینہ بروں باید کرد　مردہ ہر چند عزیزست نگہ نتواں داشت

زندۂ وزندہ زاد اے شوخ وشنگ　دل نمیگیرد تُرازیں گورِ تنگ

ترجمہ: اے چالاک و ہوشیار آدمی! تو زندہ ہے اور زندہ زاد ہے (پھر کیا وجہ ہے کہ) اس (قلبِ مردہ کی تنگ قبر سے تیرا جی اچاٹ نہیں ہوتا مگر بقول صائبؒ)۔

تو از سیاہیِ دل آنچناں گرانجانی　درونِ خانہ تاریک خواب مے آید

یوسفِ وقتی و خورشیدِ سَما　زیں چہ وزنداں براو رُونما

ترجمہ: تو اپنے عہد کا یوسف ہے اور آسمان (رفعت) کا آفتاب ہے (پس) اس کنوئیں اور قید خانے سے باہر نکل اور (دنیا میں جلوہ گر ہو۔

مطلب: اس میں حضرت یوسفؑ کے قصے کی طرف تلمیح ہے جن کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ وہاں سے نکل کر مصر پہنچے تو عزیزِ مصر کی عورت ان پر عاشق ہوگئی اور عشق میں بدنام ہوگئی۔ پھر اس نے اپنی بدنامی کا داغ دھونے کے لیے الٹا اس پاکباز پیغمبر زادہ کو ملزم ٹھہرایا۔ اور دنیا کو دکھانے کے لیے قید خانے بھجوا دیا۔ حضرت یوسفؑ نے دعا کی رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ ۚ وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَہُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡہِنَّ وَ اَکُنۡ مِّنَ الۡجٰہِلِیۡنَ۔ ”اے میرے پروردگار! جس (حرکت ناشائستہ) کی طرف (یہ عورتیں) مجھ کو بلا رہی ہیں قید (میں) رہنا مجھ کو اس سے کہیں زیادہ پسند ہے اور اگر ان کے جلتروں کو تو نے مجھ سے دفع نہ کیا، تو میں ان کی طرف مائل اور نادانوں میں (کا ایک نادان) ہو جاؤں گا۔ (یوسف ع ۴)

اوپر سے منکرینِ طریقت اور مخالفینِ اہل اللہ کا ذکر چلا آرہا ہے اور یہ انہیں سے خطاب ہے مگر یہاں جوان کو یوسفِ وقت

اور خورشیدِ سما کی صفت سے یاد کیا ہے تو اس لیے کہ وہ آخر انسان ہیں اور انسان کی استعدادِ فطری یہی ہے کہ وہ ان مراتب پر قائم ہو، مگر ان لوگوں نے اپنے آپ کو اس رتبہ سے گرا کر پستی میں ڈال رکھا ہے مولانا اسماعیل نے خوب کہا ہے۔

کیا کہنے آدمی کے، عجب چیز ہیں جناب　　برتر ملائکہ سے فرد تر دواب سے

یُونست در بطنِ ماہی پختہ شد　　مخلصش رانیست از تسبیح بُد

ترجمہ: تیرا (استعدادِ فطری کا) یونس (دنیا کی) مچھلی کے پیٹ میں (پڑا) پک رہا ہے (اس قید خانہ سے) اس کی نجات کے لیے تسبیح کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مطلب: اس بیت میں حضرت یونس علیہ السلام کے قصے کی طرف تلمیح ہے جن کا ذکر مفتاح العلوم کی چھٹی جلد میں مفصل درج ہو چکا ہے۔ شکمِ ماہی سے ان کی نجات ان کلماتِ تسبیح کی بدولت ہوئی تھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. فرماتے ہیں کہ تمہاری استعدادِ فطری تاثراتِ دنیا سے مردہ ہو چکی ہے اگر تم اسے ماہیِ دنیا کے شکم سے نکال کر پھر زندہ کرنا چاہتے ہو تو حضرت یونسؑ کی طرح وردِ تسبیح سے کام لو اور تسبیح کرنے کا طریقہ آگے بتاتے ہیں:

گر نبودے او مسبح بطنِ نُون　　حبس و زندانش بدے تا یُبْعَثُوْنَ

ترجمہ: اگر وہ تسبیح خواں نہ ہو جاتے تو مچھلی کا پیٹ ان کے لیے قیامت تک قید اور قید خانہ رہتا۔

مطلب: یہ بات اور اس کے کلمات اس آیت سے اقتباس ہیں کہ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. "پھر اگر وہ تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے"۔ (سورہ الصفت)

آں بہ تسبیح از تن ماہی بجست　　چیست تسبیح آیتِ روزِ الست

ترجمہ: انہوں نے تسبیح کی بدولت مچھلی کے بدن سے نجات پائی (تم بھی تسبیح کرو) تسبیح کیا ہے۔ روزِ الست کی نشانی (یعنی استعدادِ فطری ہے)۔

مطلب: انسان کے دل میں قدرتی طور پر ایک خالقِ کل مستجمع صفاتِ کاملہ کی طرف میلان پایا جاتا ہے خواہ وہ اس میلان کا منشا سمجھنے اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کے منشا کے سمجھنے اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے کا غلط راستہ اختیار کر لے۔ بہرحال یہ میلان ضرور پایا جاتا ہے۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ یا اگر کسی میں بالکل نہیں تو اس کا یہ میلان بعض خارجی تاثرات سے سلب و نابود ہو چکا ہے ورنہ تقاضائے فطرت یہ ہے کہ یہ میلان اس کی طبیعت میں ضرور پایا جائے یہی روزِ الست کی نشانی ہے یعنی روزِ الست یا یومِ میثاق میں جو اللہ تعالیٰ نے تمام افرادِ بشر کو موجود فرما کر اپنے لیے اقرارِ ربوبیت لیا تھا اور انہوں نے یقینِ تام کے ساتھ اقرار کیا تھا کہ تو ہمارا پروردگار ہے تو یہ میلان اس پرانے عہد و میثاق کا دھندلا سا نشان ہے اس کو استعدادِ فطری کہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ماہیِ دنیا کے شکم کے قید خانے سے سلامت نکلنے کی تدبیر یہی ہے کہ اپنی اس استعدادِ فطری کو تازہ و مستحکم کرنے میں مصروف ہو اس کو بے کار نہ رکھو۔

گر فراموشت شد آں تسبیحِ جاں　　بشنو ایں تسبیح ہائے ماہیاں

ترجمہ: اگر تم کو وہ (یادِ حق اور ذکرِ پروردگار کی) روحانی تسبیح بھول چکی ہے تو ان مچھلیوں کی تسبیح سن (کر اسے پھر یاد کر) لو۔

مطلب: تسبیحِ جان سے وہی اقرارِ ربوبیت اور اظہارِ ربوبیت کی فطری استعداد مراد ہے مچھلیوں کی تسبیح کا ذکر

خصوصیت کے ساتھ علی سبیل المشاکلہ ہوا ہے کیونکہ اوپر سے مچھلی کا قصہ چلا آرہا ہے، چنانچہ آگے مچھلی کی تشبیہ سے ایک اور بات فرمائیں گے ورنہ ماہی سے ماہ تک اور اس سے ماورا تمام مخلوق مصروف ذکر حق ہے، تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا "ساتوں آسمان اور زمین اور جوان میں ہیں (فرشتے جن اور آدمی) سب اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف پاکی کے ساتھ نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ تحمل والا بخشنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل رکوع ۵) حافظؒ۔

نہ گل ازداغ غمت رست نہ بلبل در باغ ہمہ رانعرہ زناں جامہ دراں میداری

صائبؒ۔ ہر غنچہ راز حمدِ توجزدیست دربغل ہر خارے کند بزبانے ثنائے تو

جامیؒ۔ قدمِن گرزغمِ عشقِ توخم شدچہ عجب بارِعشق ست کزو قامتِ افلاک خم ست

سعدیؒ۔ دروش مرغے بصبح مے نالید عقل وصبرم ببرد و طاقت و ہوش

یکے ازدوستانِ مخلص را مگر آوازِ من رسید بگوش

گفت باورنداشتم کہ ترا بانگِ مرغے چنیں کند مدہوش

گفتم ایں شرطِ آدمیت نیست مرغ تسبیح خواں و من خاموش

ہر کہ دید اللہ را اللّٰہی است ہر کہ دید آں بحر را او ماہی است

ترجمہ: جس نے اللہ کو دیکھ لیا وہ اللہ والا ہے جس نے اس دریائے (وحدت) کو دیکھ لیا وہ مچھلی ہے۔

ایں جہاں دریاوتن ماہی وروح یونسِ محجوب از نورِ صبوح

لغات: محجوب حجاب میں آیا ہوا، محروم، بے بہرہ۔ صبوح صبح کی شراب۔ مگر یہاں یہ لفظ صباح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
ترکیب ایں جہاں مبتدا، دریا خبر، پھرتن مبتدا۔ ماہی اس کی خبر۔ اس کے بعد روح مبتدا اور یونس محجوب بترکیبِ توصیفی اس کی خبر از نورِ صبوح محجوب سے متعلق ہے۔

ترجمہ: یہ جہان دریا (ہے) اور بدن مچھلی (ہے) اور روح وہ) یونس ہے جو نورِ سحر (کو دیکھنے) سے محروم ہے۔
مطلب: یہاں دنیوی زندگی خصوصاً غافل و محجوب کی زندگی پر حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کو بطورِ تمثیل چسپاں کیا ہے یعنی جس طرح دریا میں مچھلی تھی اور مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونسؑ مقید تھے اور اس اندھیری کوٹھڑی میں وہ نور سے اور طلوع آفتاب تک کے قدرتی مناظر کو دیکھنے سے محروم تھے اسی طرح اہلِ دنیا کی ارواح دنیا کے دریا میں اجسامِ عنصریہ کی مچھلیوں میں مقید ہیں اور وہ جسم ظلمانی کی قید میں انوار الٰہیہ سے مستنیر ہونے کا موقع نہیں پاسکتے۔ حافظؒ۔

چگونہ طوف کنم در فضائے عالمِ قدس چودر سراچۂ ترکیب تختہ بند تنم

گرمسبح باشد از ماہی رہید ورنہ دروے ہضم گشت و ناپدید

ترجمہ: اگر تسبیح کرتا رہے گا تو (اس عنصری جسم کی) مچھلی سے چھوٹ جائے گا ورنہ اس میں ہضم اور ناپید ہو جائیگا۔
مطلب: اگر خاص توجہ اور کوشش سے اپنی استعدادِ فطری کو تازہ رکھا اور طاعتِ حق کو اپنا شعار بنا لیا تو امید ہے کہ دنیا طلبی کے قید و بند سے نجات مل جائے ورنہ اس میں پھنس کر تباہ و برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ شاید یہاں کوئی سوال کرے کہ کیا

کوئی ایسا ہوسکتا ہے جو دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیاز اور مقتضائے جسمانیہ سے لاپروا ہو۔ اس کا جواب اگلا شعر ہے۔

ماہیانِ جاں دریں دریا پُرند تونمے بینی کہ کوری و نژند

ترجمہ: اس دریائے (عالم) میں روحانی مچھلیاں (جو مقتضائے روح کو مقتضائے جسم پر مقدم رکھتے ہیں) بکثرت ہیں تم نہیں دیکھ سکتے کیونکہ تم اندھے ہو اور بدحال ہو۔

مطلب: اس شعر کا تعلق اس مضمون سے بھی ہوسکتا ہے جو اوپر کہا تھا کہ تسبیح کا طریقہ اہل اللہ سے سیکھ لو۔ "بشنو از تسبیحہائے ماہیاں" اب اس شعر میں بتاتے ہیں کہ ان مچھلیوں یعنی اہل اللہ کو تم تلاش کرنا چاہو تو بکثرت موجود ہیں مگر تمہاری آنکھ بے نور ہے۔

زحالِ سوختگاں بُو کجا توانی بُرد تراگ گل بگریباں دوست دربغل ست

برتو خود را میزنند آں ماہیاں چشم بکشا تا بہ بینی تو عیاں

ترجمہ: وہ مچھلیاں اپنے آپ کو تم پر گرا رہی ہیں تم آنکھ کھولو تاکہ ان کو نمایاں دیکھو۔

ماہیانِ جملہ روحے بے جَسَد نے درایشاں کبر و کین و نے حَسَد

ترجمہ: (وہ) ایسی مچھلیاں (ہیں) جو سراپائے روح ہیں، تن (پروری) کے بغیر (جیتی) ہیں نہ ان میں تکبر ہے نہ کینہ، نہ حسد (غرض تمام رذائلِ اخلاق سے پاک ہیں)۔ صائبؒ۔

چوں شبنم پاکیزہ گہر جسم گدازاں در دامن گلزار بخورشید سوارند

ماہیاں را گر نمے بینی پدید گوشِ تو تسبیحِ شاں آخر شنید

ترجمہ: اگر تم مچھلیوں کو ظاہر طور پر نہیں دیکھتے تو تمہارے کانوں نے تو آخر ان کی تسبیح سنی ہے۔

مطلب: اگر تم نے اپنی آنکھوں سے ان بزرگانِ دین کی زیارت نہیں کی تو ان کے اقوال و ملفوظات تو سنے ہیں انہی کو سن کر اپنا معیارِ عمل بناؤ اور بصیرتِ باطن حاصل کرو کیونکہ بزرگانِ دین گوشہ نشیں عام صورت آشنا نہیں ہوتے تو ان کا کلام تو ضرور سائر و دائر ہو جاتا ہے۔ بیدل غفرلہٗ۔

حدیثِ اہلِ دل مشہور عالم میشود بیدل زدریا چوں بروں آید گہر پنہاں نمے ماند

صبر کردن جانِ تسبیحاتِ تست صبر کن کان است تسبیحِ دُرست

ترجمہ: (ریاضات و مجاہدات کو) صبر (کے ساتھ اختیار) کرنا تمہارے لیے تسبیحوں کا ورد ہے (پس ریاضت پر) صبر کرو کیونکہ وہ اچھی تسبیح ہے۔

مطلب: اوپر قیدِ جسمانیت سے نجات پانے کے لیے تسبیح کی تاکید کی تھی یہاں اس کا اصول بتاتے ہیں وہ اصولِ ریاضت یعنی مخالفتِ نفس ہے فرماتے ہیں کہ جب تم اس اصول پر کاربند ہوگے تو پوری تسبیح آجائے گی پس ہمیشہ نفس کی مخالفت کیا کرو اور اس میں جو تکلیف محسوس ہو اس پر صبر کرو۔ صائبؒ۔

سفرِ اہلِ جہاں در طلب کام بود ازسرِ کام گذشتن سفرِ مرداں است

ہیچ تسبیحے ندارد آں دَرَج صبر کن کہ الصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ

لغات: درج بفتحتین جمع درجہ، مراتب، مدارج، جس درج کے معنی کسی عبارت کو کسی جگہ لکھ لینے کے ہیں وہ بسکون زاء

حدیث الصبر مفتاح الفرج

ہے۔ مفتاح کنجی۔ فرج بفتحتین کشائش۔

ترجمہ: کوئی تسبیح وہ مراتب نہیں رکھتی (جو نفس کی مخالفت اور اس پر صبر کرنے میں ہے) پس تم صبر کرو کیونکہ صبر کشائش کی کنجی ہے)۔

مطلب: دوسرا مصرعہ اس حدیث کے ایک ٹکڑے پر مشتمل ہے کہ اَلصَّبْرُ مفتاحُ الْفَرَجِ وَالزُّھْدُ غِنَی الْاَبَدِ یعنی صبر کشائش کی کنجی ہے اور زہد ایک ابدی غنا ہے۔ اس کو دیلمی نے امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن مشکلات کے حل اور جن تنگیوں کی کشائش کی صورت نظر نہ آتی ہو ان پر صبر کرو، تو کشائش کے سامان ہو جاتے ہیں۔ کما قیل ؎

بصبر مشکلِ عالم تمام بکشاید　　　کہ ایں کلید بہر قفل راست مے آید

صائبؒ ؎ زہر را صبر جوانمرد شکرے سازد　　　خار رانخل برو مند ثمرے سازد

اس حدیث کی ہم مضمون ایک اور حدیث قضاعی نے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت کی ہے یعنی انتظارُ الْفَرَجِ بالصَّبْرِ عِبَادَۃٌ صبر کے ساتھ کشائش کا انتظار کرنا بمنزلہ عبادت ہے۔ (تمییز الطیب)

صبر چُوں پُولِ صراط آنسو بہشت　　　ہست باہر خُوب یک لالائے زشت

لغات: پُول پل بضرورت شعر ضمہ با کے اشباع سے واؤ پیدا ہوگئی۔ آنسو پرے، لالہ غلام

ترجمہ: جس طرح بہشت میں داخل ہونے کے لیے پہلے پلصراط کی مشکلات کو طے کرنا ضروری ہے اور محبوبہ کی ملاقات سے محظوظ ہونے کے لیے اس کے غلام بدصورت کا ناگوار قرب برداشت کرنا لازم ہے۔ اسی طرح مرادات و سعادات کے حصول کے لیے صبر کی تلخی گوارا کرنا ضروری ہے۔ ؎

گرچہ ہے صبر کا آغاز بڑا تلخ و ترش　　　پر نِرا لطف ہے انجام شکیبائی میں

تازِ لالا میگریزی وصل نیست　　　زانکہ لالا رازِ شاہد فصل نیست

ترجمہ: جب تک تو (اس) غلام (زشت رو) سے بھاگے گا (محبوب سے لطف) ملاقات (حاصل) نہیں (کر سکے گا) کیونکہ (اس) غلام کی محبوب سے جدائی (ممکن) نہیں (وہ اس کی خدمت کے لیے ضرور (ساتھ ہوگا)۔

تو چہ دانی ذوقِ صبر اے شیشہ دل　　　خاصۂ صبر از بہرِ آں شوخِ چگل

لغات: شیشہ دل نازک طبع جو ذرا سی تکلیف سے اس طرح گھبرا جائے جیسے شیشہ ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے چگل بکسرتین ترکستان کے ایک حسن خیز شہر کا نام ہے۔

ترجمہ: (مگر) اے نازک مزاج (عاشق) تو (مصائبِ عشق پر) صبر (کرنے) کا لطف کیا جانے خصوصاً (وہ) (جو شہر) چگل کے اس شوخ (محبوب کے وصل) کے لیے (کرنا پڑے جس تک رسائی بڑی دشوار ہے)۔

مطلب: ضعیف القلب لوگوں کا اتنا بوتا نہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے عشق کا بارگراں اٹھا سکیں اور اس میں جن شدید مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر تابِ صبر لا سکیں۔ امیر خسروؒ

گام زدہ برحریر کے سپرد ایں رہ آنکہ　　　دیدہ قدم ساختہ برسرِ پیکاں نرفت

حافظؒ ؎ شیر دربادیۂ عشق تو روباہ شود　　　آہ ازیں راہ کہ در وے خطر نیست کہ نیست

ہاں جو لوگ اس دولتِ جاوید کے اہل ہیں کچھ وہی اس کے مزے کو سمجھتے ہیں۔ جامیؒ۔

پیکانِ آبدار کہ آیدز سوے دوست برعاشقانِ سوختہ بارانِ رحمت ست

غنیؒ۔ شکرانہ تیرے کہ گذرد از دل و جاں کرد از دور سرم سجدہ بمحرابِ کماں کرد

مرد را ذوق از غزاو کرّ و فر مر مخنث را بود ذوق از ذکر

لغات: غزا جہاد، جنگ، معرکہ کرّ حملہ کرنا۔ حملہ آور ہونے کے لیے پیچھے ہٹنا۔ فرّ عربی میں بمعنی گریزندہ اور فارسی میں بہ تخفیف راء شان وشوکت، یہاں کرّ و فر اکٹھا بمعنی شان وشوکت مراد ہے۔ مخنث وہ شخص جس کی قوت مردی کسی تدبیر سے زائل کر دی جائے۔ ذکر آلۂ تناسل۔ یہاں اس سے قوتِ مردی مراد سمجھنی چاہیے بعض شارحین نے دوسرے مصرعہ کا مطلب نہایت مکروہ پیرائے میں بتایا ہے گو الفاظ اس سے آبی نہیں ہیں، مگر جہاں تک کسی تاویل سے کوئی ملائم مطلب نکل سکے۔ ایسے معانی حوالۂ قلم کرنا تصنیف کی منزلت کو گرانا ہے۔

ترجمہ: (ایک جوان) مرد کو جنگ (وجدل) اور شان وشوکت میں مزے آتے ہیں (مگر) ایک نامرد کو (اپنی کھوئی ہوئی) قوتِ جماع (پیدا کرنے) کا چسکا لگا رہتا ہے۔ صائبؒ۔

ہر سرے دارد دریں بازار سودائے دگر ہرکسے بند دبآئین دگر دستار را

جز ذکر نے دین او نے ذکر او سوئے اسفل برد او را فکر او

صنائع: ذکر بفتحتین اور ذِکر بالکسر میں تجنیس ہے۔

ترجمہ: قوتِ جماع کے سوا نہ اس کا (کوئی) دین ہے نہ اس کا (وردِ زباں) کوئی ذِکر ہے۔ اس کے خیالات اسے پستی کی طرف لے جارہے ہیں۔

مطلب: انسان میں حیوانیت و انسانیت دونوں جمع ہیں۔ قوتِ جماع مقتضیاتِ حیوانیت سے ہے اور علوم و معارف کا منشا انسانیت ہے جو شخص انسانی اوصاف سے غافل ہو کر حیوانیت کے مقتضیات کو اپنا مقصدِ حیات بنالے وہ اپنے آپ کو فطری درجے سے پستی کی طرف گرا رہا ہے۔ صائبؒ۔

سبک روانِ ہوس را نظر بمنزل نیست برائے تیرِ ہوائی نشاں نمے باید

گر بر آید تا فلک از وے مترس کو بشوقِ سِفل آموزید درس

ترجمہ: اگر وہ (اتفاق سے ترقی کر جائے اور) آسمان پر (بھی) پہنچ جائے تو اس سے مرعوب نہ ہونا، کیونکہ اس نے پستی کے شوق کا ہی سبق پڑھا ہے (اس لیے وہ فطرۃً پست ہے اس کا یہ عروج عارضی ہے)۔ کمالؒ۔

اوجِ دولت سفلہ طبعاں را دوروزے بیش نیست خاک گر امروز بر چرخ ست فرداز یرپاست

اُو بسُوئے سِفل میراند فرس گرچہ سُوئے علو جنباند جرس

لغات: علو عین کی تین حرکات سے بمعنی بلندی مگر عین اور لام دونوں کے ضمہ اور واؤ کی تشدید کے ساتھ زیادہ مستعمل ہے۔ جرس گھڑیال۔

ترجمہ: وہ برابر پستی کی طرف گھوڑا دوڑا [illegible] گھڑیال [illegible] رہا ہے۔

مطلب: اگرچہ اس کے بلند بانگ دعوے تو ترقی وعروج کے ہیں، مگر عملاً روز بروز تنزل کر رہا ہے۔ جامیؒ۔

ہر کہ گوید کہ بآں جانِ جہاں نزدیکم باشد آں دعویٰ نزدیکی اواز دُوری

صائبؒ۔ حرفِ دعویٰ درمیانِ باطلاں دارد رواج ہست دربتخانہ گلبانگِ دگر ناقوس را

از علمہائے گدایاں ترس چیست کاں علمہا لقمۂ ناں را رہی ست

لغات: رہی غلام، تابع حکم۔ بعض مترجمین نے اس کو رہے بیائے مجہول سمجھا ہے گو معنی اس صورت میں بھی درست ہو جاتے ہیں مگر قافیہ کا نقص لازم آتا ہے۔

ترجمہ: فقیروں کے جھنڈوں سے خوف ہی کیا ہے؟ (وہ کسی فاتحِ تیغ زن کے جھنڈے تھوڑا ہیں) کیونکہ وہ جھنڈے تو روٹی کے ایک لقمے کے غلام ہیں (جہاں ایک ٹکڑا دکھاؤ وہاں حاضر ہیں)۔

ایں سخنہا را نکو دریاب تُو ورنمیدانی شنو از باب تُو

ترجمہ: (ان باتوں کو خوب سمجھو اور اگر (ابھی) نہیں سمجھے تو اس بارے میں (ایک اور کہانی) سنو۔

ترسیدن کودکے از شخص صاحبِ جثّہ و تسکینِ اُو آں کودک را

ایک لڑکے کا کسی موٹے تازے آدمی سے ڈرنا اور اس کا اس لڑکے کی تسکین کرنا

کُنگ زفتے کودکے رایافت فرد زرد شُد کودک زبیمِ قصدِ مرد

لغات: کُنگ بضمِ کاف تازی اور دوسرا کاف فارسی ہے موٹا قوی ہیکل اور بکسر بے حیا و زبان آور۔ یہاں بہر دو تقدیر معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ فرد اکیلا۔

ترجمہ: ایک قوی ہیکل اور موٹے آدمی کو کوئی لڑکا اکیلا راستے میں (آتا) ملا، لڑکا (ایسے اجنبی) مرد کے قصد کے خوف سے زرد ہو گیا۔

مطلب: الفاظِ شعر سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اس مرد نے لڑکے کا قصد کیا بلکہ لڑکے کو خیال ہوا کہ مبادا یہ کوئی برا قصد کر بیٹھے، جیسے کہ تنہائی میں ہر عورت یا لڑکے کو خواہ مخواہ ایسا خیال ہو سکتا ہے مگر ایک شارح صاحب ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ ''وہ اس لڑکے کی طرف بدنیتی سے بڑھا'' معلوم نہیں یہ ترجمہ کس عبارت کا ہے اور اگر مقدر نکالا ہے تو کس قرینے سے ایک مخنث کی بدنیتی کیا؟ اور پھر لڑکے سے؟

گفت ایمن باش اے زیبائے من کہ تو خواہی بُود بر بالائے من

ترجمہ: (مخنث) بولا اے میرے پیارے! بے خوف رہ (میں کوئی قوی تن و باہمت آدمی نہیں ہوں بلکہ تم (عنقریب جوان ہو کر) مجھ سے (قوت و ہمت میں) بڑھ چڑھ کر ہو گے۔

من اگر ہولم مخنّث داں مرا ہمچو اشتر برنشیں میراں مرا

ترجمہ: میں اگرچہ (بظاہر) ہول (ناک) ہوں مگر واضح رہے میں ہیجڑا ہوں (جو خدمت و اطاعت کے لیے پیدا ہوا ہے) تم بھی شتر (سوار) کی طرح (مجھ پر) سوار ہو جاؤ (یعنی اپنے زیرِ حکم) مجھے چلاؤ۔

مطلب: اگلے زمانے میں شاہی خادم بچپن سے مخنث بنا دیے جاتے تھے تاکہ شاہی محلات اور شاہی حرم میں ان کا آنا جانا

ہر قسم کے خطرات سے مامون رہے ان کو خواجہ سرا کہتے تھے۔ بعض خواجہ سرا بڑے بڑے مناصب پر ممتاز ہوئے ہیں اور سنا ہے کہ بعض لوگ خود اپنے بچوں کو اس مرتبۂ علیا پر پہنچانے کی کوشش میں دانستہ مخنث بنا دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدمت و اطاعت مخنث ہونے کی خاص شان ہے۔ ''بر نشیں میراں مرا'' کی یہی تاویل کافی سمجھی جائے تو مستبعد نہیں اور اوپر جو بڑلائے من کہا تھا اس کے لیے اس معنی کی کافی گنجائش ہے کہ تو مجھ سے ہمت و قوت اور شجاعت میں برتر ہوگا کیونکہ یہ قدرتی بات ہے کہ ہمت و شجاعت رجولیت کے تابع ہے۔ اسی لیے شیخ سعدی کہتے ہیں'' بر مخنث سلاحِ جنگ چہ سود''؟ ایک دلچسپ کہانی یاد آئی چند مخنث اکٹھے ہو کر حاکم کے پاس گئے کہ ہم کو کوئی ذریعۂ معاش بتایا جائے کہ کہاں سے کمائیں اور کھائیں حاکم نے مذاقاً کہا کہ ڈاکے ڈالا کرو مخنثوں کے بھی سمجھ میں آئی فوراً زنانہ لباس اتارا۔ سپاہیانہ وردی پیٹی کس کر جنگل میں سرِ راہ جا کھڑے ہوئے اور آتے جاتے مسافروں کو دھمکانا شروع کیا۔ سب مسافر خوف زدہ ہو کر اپنا مال ان کے حوالے کر دیتے۔ ایک دن اتفاقاً کوئی منچلا چابک سوار گھوڑا پھیر کر آرہا تھا۔ مخنثوں نے اس کو بھی گھیر لیا چابکسوار نے ایک مخنث پر تڑ سے چابک جمایا تو وہ پکارا۔ اوئی ری۔ یہ لفظ اور لہجہ سن کر چابک سوار سمجھ گیا کہ ہیجڑے ہیں۔ پھر کیا تھا سب کو چابک پر رکھ لیا اور آگے دھر لیے جو ہیجڑا چلتا چلتا ذرا پیچھے رہ جاتا تو ایک چابک پڑتی اور وہ سب سے آگے ہو جاتا آخر ان کو حاکم کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا کہ یہ آپ کی نامرد فوج حاضر ہے۔ اس حکایت کے تینوں اشعار کا روئے توجہ جن معانی کی طرف ہے اس سے ہم کو بھی انکار نہیں لیکن تہذیب کا یہی تقاضا ہے کہ حتی الوسع غیر ملائم مضمون سے احتراز کیا جائے کفر کی سو وجوہ کے مقابلہ میں ایمان کی ایک وجہ بھی قابلِ ترجیح ہونی چاہیے۔ اس حکایت سے مولاناؒ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:۔

صورتِ مرداں و معنی ایں چنیں　　از بروں آدم دروں دیوِ لعیں

ترجمہ: (غرض اسی طرح ان تنزل زدہ و پستی پسند لوگوں کی بھی) شکل (تو) مردوں کی سی (ہوتی ہے) اور (ان کا) باطن ایسا ہی (ناپاک ہوتا ہے) باہر سے انسان ہیں اور اندر (سے) شیطانِ لعیں۔

آں دُہُل را مانی اے زفتِ چو عاد　　کہ بروں آں شاخ رامیکوفت باد

لغات: دُہُل ڈھول یانی مانند ہستی عاد قومِ عاد کے لوگ مراد ہیں جن کے تن و توش ضرب المثل ہیں۔

ترجمہ: اے (قوم) عاد کے سے موٹے (آدمی) ظاہر آباد و باطن خراب) تو اس ڈھول سے مشابہ ہے جس کے اوپر ہوا ایک ٹہنی کو مار رہی تھی (اور وہ بج رہا تھا)۔

مطلب: گانے بجانے کے شائقین اپنی مجلس عموماً باغوں میں یا درختوں کے نیچے منعقد کیا کرتے ہیں۔ بوقت فراغت کسی قوال نے اپنی ڈھولک درخت سے لٹکا دی ہوگی۔ ہوائے تند سے شاخوں کو جنبش ہوئی تو کسی شاخ کی ضرب سے ڈھولک بجنے لگی۔ یا باغبان نے دانستہ ڈھول کو کسی درخت پر اس ترکیب سے رکھا ہوگا کہ وہ خود شاخوں کی حرکت سے بجتا رہے اور پرندے جو پھلوں کا نقصان کرتے ہیں اس سے ڈر کر اڑ جایا کریں۔ اتنے میں ایک لومڑی آئی جو کسی جانور کو کھانے کے لیے پکڑ لائی تھی۔ ڈھول جو اس کی نظر پڑا تو سمجھی یہ کوئی خوب موٹا تازہ شکار ہے جو مزے سے درخت کے ساتھ لٹک کر بول رہا ہے پہلے اس کو قابو میں لانا چاہیے یہ سوچ کر اپنے پہلے شکار کو چھوڑ دیا اور وہ بھاگ گیا۔

روبہے اشکارِ خود را باد داد　　بہرِ طبلے ہمچو مشکِ پُر زِباد

ترجمہ: لومڑی نے اپنے شکار کو ایک ڈھول کے لیے جو مشک کی طرح (صرف) ہوا سے پر تھا (ناحق) کھو لیا۔

چوں ندید اندر دُہل آں فربہی گفت خُو کے بہ ازیں خیکے تہی

لغات: خوک سور۔ صنائع: خوک اور خیک میں تجنیس پُرلطف ہے۔

ترجمہ: جب اس نے (ایک جست لگا کر) ڈھول (کو اتارلیا اور پھاڑا تو اس) کے اندر کوئی موٹاپا نہ پایا (جل کر) کہنے لگی اس خالی مشک سے تو خنزیر ہی اچھا ہے (جو موٹا تو ہوتا ہے)۔

مطلب: ڈھول پر خنزیر کو ترجیح بلحاظ اس کے قابلِ نفرت اور حقارت ہونے کے دی ہے ورنہ اس کو ڈھول سے کوئی مناسبت نہیں اور نیز خنزیر کا قابلِ نفرت ہونا قصہ نگار کی نظر سے ملحوظ ہے جو بحیثیت مسلمان ہونے کے خنزیر کو نجس العین اور ناپاک ترین مخلوق سمجھتا ہے ورنہ لومڑی کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوسکتا۔

رُوبہاں ترسند از آوازِ دُہل عاقلش چنداں زند کہ لا تقُل

ترجمہ: لومڑی تو ڈھول (کے تن و توش اور اس) کی آواز سے (یوں) مرعوب (و متاثر ہو جاتی ہے (مگر) عقلمند آدمی اسے اس قدر پیٹتا ہے کہ کچھ نہ پوچھو۔

مطلب: بعض مترجمین لاتقل کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ عاقل آدمی اس کو مارتا ہے کہ چپ رہ ہمارے نزدیک یہ ترجمہ درست نہیں، کیونکہ نہ تو آدمی اس کو چپ کرانے کے لیے پیٹتا ہے بلکہ اس کے پیٹنے کا مدعا تو یہ ہے کہ وہ خوب غل مچائے اور نہ آدمی کے مارنے پر اس کے چپ نہ ہونے سے آدمی کی کچھ فوقیت ثابت ہوتی ہے بلکہ یوں تو آدمی ہی ہارتا نظر آتا ہے۔ لہٰذا لاتقل کے معنی کچھ نہ پوچھو، ٹھیک ہیں جو بیانِ شدت و کثرت کے لیے ایک محاورہ اور قال کا استعمال سَکَل کے بجائے عربی میں متعارف ہے غرض جس طرح ڈھول نے اپنی ظاہری صورت سے لومڑی کو دھوکا دیا تھا اسی طرح یہ مصنوعی پیر اور شیخ دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں لیکن جو حقیقت شناس ہیں وہ ان کو ڈھول کی طرح اس قدر پیٹتے ہیں کہ آخر اس کا پول کھل پڑتا ہے۔

قِصّہ تیر اندازے و ترسیدنِ اُو از سوارے کہ در بیشہ میرفت

ایک تیر انداز کا قصہ اور اس کا ایک سوار سے ڈرنا جو جنگل میں جاتا تھا

یک سوارے با سلاحِ بس مہیب میشد اندر بیشہ براسپے نجیب

لغات: سلاح ہتھیار۔ مہیب خوفناک۔ نجیب اصیل، اچھی نسل کا، عمدہ

ترجمہ: ایک سوار مسلح جو بڑا ہیبتناک تھا ایک جنگل میں عمدہ گھوڑے پر (چڑھا) جارہا تھا۔

تیر اندازے بحکم او را بدید پس زخوفِ اوکماں را درکشید

لغات: تیر انداز بحکم حکم انداز، قدر انداز، جو پورا نشانہ باز ہو کوئی تیر خطا نہ جانے دے۔

ترجمہ: ایک ماہر تیر انداز نے اس کو (اپنے سامنے آتا) دیکھا تو اس کے خوف سے کمان کھینچ لی۔

تا زند تیرے سوارش بانگ زد من ضعیفم گرچہ زفتستم جسد

ترجمہ: تاکہ (اس کے) تیر مارے، تو سوار نے اسے آواز دی کہ میں تو کمزور (آدمی) ہوں اگرچہ میرا جسم موٹا (تازہ نظر آرہا) ہے۔

ہاں وہاں منگرتو درزفتیِ من　　کہ کم دروقتِ جنگ از پیرہ زن

ترجمہ: ارے! ارے! کہیں میرے موٹاپے کو نہ دیکھنا کیونکہ لڑائی کے وقت میں (ایک) بڑھیا سے (بھی) کمزور ہوں۔

گفت رَو کہ نیک گفتی ورنہ نیش　　برتوے انداختم از ترسِ خویش

ترجمہ: تیرانداز نے کہا (خیر) چلے جاؤ، خوب بتایا ورنہ میں اپنی جان کے خوف سے تم پر ضرور تیر مارتا۔

بس کسانرا آں سلاح بستن بکُشت　　بے رجولیت چناں تیغے بمشت

ترجمہ: بہت سے لوگوں کو اس ہتھیار بندی نے مروایا (جو) یوں مردی کے بغیر تیغ بکف (ہو کر نکلے تھے)۔

الخلاف: بعض نسخوں میں یہ بیت یوں درج ہے ۔

بے رجولیت چناں تیغے بمشت　　بس کساں راکالتِ پیکارکشت

یعنی بہت سے لوگ ہیں جن کو یوں آلاتِ جنگ نے (خواہ مخواہ) مروا دیا کہ وہ بلا مردی تیغ بکف (تھے)۔

گر بپوشی تو سلاحِ رُستماں　　رفت جانت چوں نباشی مرد آں

ترجمہ: اگر تم (رستم کے سے) بہادروں کے ہتھیار پہن لو تو جب تم ان کے اہل نہ ہو تو (سمجھو کہ) تمہاری جان گئی۔

مطلب: اس کہانی سے دو سبق ملتے ہیں ایک تو یہ کہ بعض اوقات ایک ناکارہ آدمی صرف ظاہری آرائش سے بڑا کاری گر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض بناوٹی پیر صرف جبہ و دستار اور نرمیِ گفتار کے بدولت بڑے شیخ المشائخ اور اہلِ کمال معلوم ہونے لگتے ہیں۔ لہٰذا ان اہلِ تزویر کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ یہ ہتھیار بندی اور دنیا کے ساتھ جنگ و پیکار کے سامان کرنا محض اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے جیسے کہ اس سوار کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ لہٰذا دنیا میں نہتے اور بے آزار ہو کر رہنا موجبِ سلامتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جاں سپر کُن تیغ بگذار اے پسر　　ہر کہ بے سر بود ازیں شر بُرد سر

ترجمہ: اے عزیز! اپنی جان کو ڈھال بنا لے اور تلوار کو چھوڑ دے جو شخص بے سر (مردہ) بن گیا وہی اس شر (کے مقام) سے سلامت بچ نکلا۔

مطلب: اہلِ دنیا سے جنگ و پیکار کرنا چھوڑ دو اور تسلیم و رضا اختیار کرو جو شخص درجۂ فنا حاصل کر لیتا ہے وہی دارالشرور کی آلودگیوں سے سلامت رہتا ہے۔ کما قیل۔

در ریاضِ بندگی رعنا تراز شاخِ گل ست　　گردنے کز بار تسلیم ورضا خم مے شود

آں سلاحت حیلہ و مکرِ تواست　　ہم زتوزائید وہم جانِ توخست

ترجمہ: وہ ہتھیار تیرا حیلہ اور مکر ہے کہ تجھ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور تیری ہی جان کو مجروح کرتا ہے۔

مطلب: جس تیر و تلوار سے دست بردار ہونے کا اوپر مشورہ دیا گیا ہے اس سے طلبِ دنیا اور حصولِ دولت کے لیے حیلہ بازیاں اور فریب کاریاں مراد ہیں جو تمہارے ہی دماغ سے پیدا ہوتی ہیں اور خود تمہارے حرماں اور خیبت و خسران کی باعث ہوتی ہیں۔ صائبؒ۔

درقلزمے کہ کشتی نوح ست در خطر　　[illegible] بالش گرداب مے کنی

وقیل۔ اہلِ دنیا راز دنیا بیشتر باشد خطر　　زن چو باغیر آشنا شد دشمنِ شوہر شود

چوں نکردی ہیچ سُودے زیں حِیَل　　ترکِ حیلہ کن کہ پیش آید دِوَل

ترجمہ: جب تم نے ان حیلوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو (بہتر یہی ہے کہ) حیلہ کرنا (ہی) چھوڑ دو تا کہ (قربِ حق ورضائے حق کی) دولتیں نصیب ہوں۔ کما قیل۔

بے ترکِ طلب بمدعاے نرسی　　تانگذری از خودی بجائے نرسی
از کوچہ نے ہمیں صداے آید　　تا صاحبِ برگی بنوائے نرسی

چوں یکے لحظہ نخوردی برزفن　　ترکِ فن گو میطلب ربّ المنن

ترجمہ: جب تم نے ایک لحہ کے لیے بھی اپنی (کسی دنیوی) تدبیر سے (اُخروی سعادت کا) پھل نہیں کھایا تو (ایسی تدبیر (ہی) کو چھوڑ دو (اور) پروردگار صاحبِ احسانات کی طلب (اختیار) کرو۔ حافظؒ۔

باغِ بہشت و سایۂ طوبیٰ و قصرِ حور　　باخاکِ کوئے دوست برابر نمیکنم

چوں مبارک نیست برتو ایں علوم　　خویشتن گولے کُن وبگذر ز شوم

لغات: گول بیوقوف، نادان، ابلہ، سادہ لوح۔ شوم منحوس۔

ترجمہ: جب تمہارے لیے یہ (طلبِ دنیا کے) علوم مبارک نہیں ہیں تو بہتر ہے کہ اپنے آپ کو ان علوم سے سادہ لوح بنالو اور (اس) منحوس (مشغلہ) سے آگے نکل جاؤ۔

مطلب: واضح رہے کہ اس تقریر میں کسبِ حلال کے فنون اور ہنروں کے سیکھنے کی نفی نہیں، بلکہ محض ان باتوں کی نفی ہے کہ کسبِ دنیا کے لیے ناجائز حیلوں سے کام لیا جائے۔ دنیا طلبی کے انہماک میں خدا کے حقوق اور دین کے فرائض کی پروا نہ رہے ایسے علوم وفنون پڑھے جائیں جو عقائدِ اسلام کے خلاف یا ان کو خراب کرنے والے ہوں۔ عراقیؒ۔

بروں از شرع ہر راہیکہ خواہی رفت گمراہی　　خلافِ دیں ہر آں علمے کہ خواہی خواند شیطانی

چوں ملائک گوکہ لاعِلْمَ لَنَا　　یَاۤ اِلٰهِیْ غَیْرَ مَا عَلَّمْتَنَا

ترجمہ: پھر ملائکہ کی طرح کہو کہ الٰہی اس علم کے سوا جو تو نے ہم کو سکھایا ہے ہم اور کوئی علم نہیں رکھتے۔

مطلب: یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں فرشتوں کا قول مذکور ہے جو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ علمی مقابلے میں عاجز آجانے کے وقت کہا تھا۔ آیت یہ ہے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔" فرشتے بولے تو پاک (ذات) ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا اور مصلحت پہچاننے والا ہے"۔ (بقرہ ع ۴)

اس بیت سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ احکامِ خداوند پر اپنی عقل سے رائے زنی نہ کرنی چاہیے کہ یہ امر مطابقِ عقل ہے۔ یہ نہیں اور یوں ہونا چاہیے تھا یوں نہیں۔ دوسرے یہ کہ اوپر کہا تھا کہ گمراہ کن علوم نہ پڑھو اب یہاں یہ کہا ہے کہ اگر تم ایسے گمراہ کن اور باطل آموز علوم سے پرہیز رکھو گے تو خدا کے حضور میں اتنا کہنے کے حقدار ہو جاؤ گے کہ ہم نے وہی علوم

پڑھے ہیں جن کا پڑھنے کا تو نے حکم دیا تھا۔ باقی علوم کو ہم نے ہاتھ نہیں لگایا۔

یک حکایت بشنو اے صاحب قبول در بیانِ عقل و جہلِ بو الفضول

ترجمہ: اے صاحب قبول! اب عقل اور فضول جہالت کے بیان میں ایک کہانی سن لو۔

حکایتِ آں اعرابی وریگ در جوال کردن و ملامتِ دانشمند

ایک اعرابی کی حکایت اور اس کا گون میں ریت بھرنا اور ایک دانشمند کا اس کو ملامت کرنا

یک عرابی بار کردہ اشترے یک جوالے زفت از گندم پُرے

ترجمہ: کسی دیہاتی نے ایک اونٹ پر (ایک طرف) ایک بڑی گون گیہوں سے لاد رکھی تھی۔

واں جوالِ دیگرش از ریگ پُر ہر دورا اوبار کردہ بر شُتر

ترجمہ: اور دوسری گون ریت سے پر (کی تھی) دونوں کو اُس نے اونٹ پر لاد رکھا تھا۔

اونشستہ بر سرِ ہر دو جوال یک حدیث انداز کرد اور اسوال

ترجمہ: (اور) وہ ان دونوں گونوں کے اوپر بیٹھا تھا تو کسی سوال کرنے والے نے اس سے (کچھ) سوال کیے۔

ازوطن پرسید و آورد ش بگفت و اندراں پرسش بسے دُر ہا بسفت

ترجمہ: (پہلے اس کے) وطن کے متعلق پوچھا اور یوں اس کو گویا کیا اور اس پوچھ گچھ میں (خوبیٔ گفتگو کے) خوب موتی پرو دیے۔

بعد ازاں گفتش کہ آں ہر دو جوال چیست آگندہ بگو مصدوق حال

ترجمہ: پھر اس سے پوچھا کہ ان دونوں گونوں میں کیا بھرا ہے۔ سچ حال بتانا۔

گفت اندریک جوالم گندم ست واں دگر ریگے نہ قُوتِ مردُم ست

ترجمہ: وہ بولا میری ایک گون میں تو گیہوں ہیں اور اس دوسری میں ریت (ہے) لوگوں کے کھانے کی (کوئی چیز نہیں)۔

گفت تو چوں بارکردی ایں رِمال گفت تاتنہا نماند آں جوال

ترجمہ: پوچھا تم نے یہ ریت کیوں لادا ہے وہ بولا تاکہ وہ گون اکیلی نہ رہے (ورنہ ایک ہی طرف سارا بوجھ ہو جاتا)۔

گفت نیمِ گندمِ آں تنگ را در دگر ریز از پئے فرہنگ را

لغات: تنگ بفتح تاء مثناۃ خردار، بوٹ، گٹھڑ یہاں گون مراد ہے۔ فرہنگ عقل۔

ترکیب: نیم گندم کے ساتھ مضاف ہے اور گندم آن تنگ کے ساتھ۔

ترجمہ: (دانا نے) کہا اس گون کے گیہوں کا نصف (حصہ) دوسری (گون) میں ڈال دو (اگر) عقل کو (کام میں لاتے ہو)۔

تاسبک گردد جوال وہم شُتر گفت شاباش اے حکیم و اہل و حُر

لغات: اہل قابل، لائق۔ حرآزاد حکیم کو آزاد اس لیے کہا کہ اس نے آزادانہ رائے دی۔ اور اس بات کی پروا نہیں کی شاید

وہ میری نکتہ چینی وحق گوئی سے برا منائے، بلکہ نصیحت کا حق ادا کر دیا اور حریت اسی کا نام ہے کہ حق گوئی میں کوئی مصلحت یا دوسرے کا خوف مانع ہو۔

ترجمہ: تاکہ گون بھی ہلکی ہو جائے اور اونٹ بھی (یہ رائے دیہاتی کو پسند آ گئی اور) بولا شاباش! اے دانا اور لائق (آدمی) اور آزاد (رائے)۔

اینچنیں فکرِ دقیق ورائے خوب تو چنیں عُریاں پیادہ در لُغوب

لغات: دقیق باریک عریاں ننگا لغوب تکان، ماندگی۔

ترجمہ: ایسا باریک فکر اور عمدہ رائے (رکھتے ہوئے) تم یوں ننگے اور پیادہ تکان میں مبتلا ہو بڑے افسوس کی بات ہے)۔

رحمش آمد بر حلیم و عزم کرد کہ بر اشتر بر نشاند نیک مرد

ترجمہ: اُسے دانا آدمی پر رحم آیا اور ارادہ کیا کہ (اس) نیک مرد کو اونٹ پر بٹھالے۔

باز گفتش اے حکیمِ خوش سخن شمہ از حالِ خود ہم شرح کن

ترجمہ: پھر اس سے کہا اے اچھی اچھی باتیں کرنے والے دانا آدمی کچھ اپنا حال بھی بیان کرو۔

اینچنیں عقل و کفایت کہ تراست تو وزیری یا شہی بر گوئے راست

لغات: کفایت بس ہونا، کافی ہونا یعنی کسی مہم کو خود بخود اپنے زور تدبیر سے کسی کا مدد کے بغیر سر کر سکنا۔

ترجمہ: ایسی عقل اور آپ سے آپ مہمات سر کر لینے کی لیاقت جو تم کو (حاصل) ہے تو کیا تم وزیر ہو یا بادشاہ ہو؟ سچ کہنا۔

گفت ایں ہر دو نیم از عامہ ام بنگر اندر حال و اندر جامہ ام

ترجمہ: (دانا نے) کہا میں یہ دونوں نہیں ہوں (بلکہ) میں عام لوگوں میں سے ہوں۔ میری (ظاہری) حالت اور کپڑوں کو دیکھ لو (جو میرے حالات کے شاہد ہیں، صورت بہیں حالش میرس)۔

گفت اشتر چند داری چند گاؤ گفت نے ایں ونہ آں مارا مکاؤ

لغات: مکاؤ فعل نہی کاویدن سے جس کے معنی میں کھودنا، کریدنا یعنی میرے حال کو مت کریدو، زیادہ کاوش نہ کرو۔

ترجمہ: (کہا کم از کم مالدار تو تم ہو گے تو) فرمایئے کتنے اونٹ رکھتے ہو اور کتنے بیل وہ بولا نہ یہ ہے نہ وہ ہے ہمیں (زیادہ) نہ کریدو۔

گفت رختت چیست بارے در دُکاں گفت مارا کُو دُکان و کو مکاں

ترجمہ: (دیہاتی) بولا (ہاں تو سوداگر ہو گے اچھا) آخر تمہاری دکان میں کیا کچھ مال ہے اس نے جواب دیا (میاں) ہماری کہاں دکان اور کہاں مکان!

نے زقوت و نے رخوت و نے قماش نے متاع و نیست مطبخ نیست آش

لغات: رخوت بضم را و خائے معجمہ جمع رخت مال و اسباب، اثاثہ قماش سامان و اسباب، متاع ضروریات زندگی کی چیزیں۔ مطبخ باورچی خانہ۔

صنائع: جمع آش کڑھی۔

ترجمہ: نہ روزی (کی قسم) سے (کچھ ہے) اور نہ اثاثے اور نہ اسباب نہ سامان اور باورچی خانہ (بھی) نہیں ہے نہ کڑھی (وغیرہ کوئی کھانا پکتا) ہے۔

گفت پس از نقد پُرسم نقد چند	کہ توئی تنہا رَو و محبوب پند

لغات: محبوب پند جس کی نصیحت سن کر پسند کی جائے۔ یعنی وہ محبوب ہے مگر بہ لحاظ اپنی نصیحت کے اور یہ ترکیب اس قسم کی ہے جیسے مکروہ صورت کی۔

ترجمہ: (دیہاتی نے) کہا تو پھر میں (تم سے) نقد (وزر) کے بارے میں سوال کرتا ہوں (کہ تمہارے پاس نقد کس قدر ہے کیونکہ تم اکیلے چلنے والے ہو اور تمہاری نصیحت کی باتیں پسندیدہ ہیں (ایسا صائب الرائے اور مدبر آدمی ضرور غنی ہوتا ہے)۔

کیمیائے زرِ عالم باتواست	عقل و دانش را گہر توبر تواست

ترجمہ: دنیا (جہان) کے سونے کی کیمیا تمہارے پاس ہے (جب) عقل و دانش کے موتی تہ بر تہ (تمہارے پاس موجود) ہیں (تو سونا چاندی کیا کچھ نہ ہوگا)۔

مطلب: کیمیائے زرِ عالم سے یہ مراد ہے کہ جس قدر سونا دنیا میں موجود ہے، اس کے برابر تم اپنی عقل کے زور سے مہیا کر سکتے ہو، بعض نسخوں میں مسِ عالم درج ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم دنیا بھر کے تانبے کو سونا بنا سکتے ہو۔

گنجہا بنہادہ باشی در مکاں	نیست عاقل تر ز تو کس در جہاں

ترجمہ: تم نے (اپنے) گھر میں (بہت سے خزانے جمع کر) رکھے ہوں گے، (کیونکہ) تم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی عقلمند نہیں ہے۔

گفت واللہ نیست یا وجہ العرب	در ہمہ مِلکم وجوہِ قُوتِ شب

لغات: وجہ العرب سردارِ عرب، معزز، مؤقر کسی باشندۂ عرب کے ساتھ خطاب کرنے کا محاورہ ہے۔ وجوہ گزارے کا سامان۔

صنائع: وجہ اور وجوہ کا لفظی تناسب پُر لطف ہے۔

ترجمہ: (دانا نے) کہا اے سردارِ عرب اللہ کی قسم! میری ساری ملک میں نانِ شبینہ کا سامان بھی موجود نہیں۔

پا برہنہ تن برہنہ میدوم	ہر کہ نانے میدہد آنجا رَوم

ترجمہ: میں ننگے پاؤں اور ننگے بدن پھرتا ہوں (اور) جو کوئی روٹی دے وہاں چلا جاتا ہوں۔

مر مرازیں حکمت وفضل و ہنر	نیست حاصل جز خیال و دردِ سر

ترجمہ: مجھ کو اس دانائی اور فضیلت اور ہنر سے خیال (آفرینی) اور دردِ سر کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

مطلب: معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ کوئی فقیر اہل اللہ تھے جن کا شیوہ زہد وفقر اور ترکِ علائق تھا یا وہ ان حکمائے کاملین میں سے ہوں گے جو دنیا اور اسبابِ دنیا کو ہیچ اور قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی صحیح حالت کا فوٹو کھینچتے ہوئے مکان و دکان، زروسیم، مال مویشی وغیرہ تمام متاعِ دنیوی کی صاف لفظوں میں نفی کر دی اور اس کو اپنی کوئی قابلِ شرم محرومی نہیں سمجھا نہ اس کو کسی معذوری یا سوءِ اتفاق کی تاویل کے رنگ میں پیش کر کے اپنی خجالت کو رفع کرنے کی کوشش کی۔ ہاں آخر میں جو یہ کہا ہے کہ مجھ کو اس حکمت و دانائی سے سوائے دردِ سر کے کچھ حاصل نہیں۔ تو اس کو حکمت و دانائی کی ناشکری اور اس کی ہجو پر

محمول نہ کرنا چاہیے، بلکہ یہ اظہارِ تواضع ہے اور یہ اور بھی کمال ہے کہ باوجودیکہ مخاطب نے ان کے علم و فضل اور دانش و ہنر کو بار بار سراہا مگر وہ اس پر مغرور ہونے کے بجائے یہی کہتے رہے کہ میاں یہ کا ہے کی حکمت ہے جس سے دردِ سر کے سوا کچھ حاصل نہیں، جیسے ہندوستان کے ایک اعلیٰ شاعر مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے کہا ہے۔

کیا ہمارے شعر اور کیا شاعری گاہے ماہے اور وہ بھی جھوٹ موٹ

حالانکہ کم ظرف لوگوں کا یہ حال ہے کہ حکمت و دانش کے کوچے سے ناآشنا ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو افلاطون اور ارسطو کے استاد سمجھنے لگتے ہیں اور کسی شعر کے وزن کو سمجھنے کی قابلیت نہ رکھتے ہوئے بھی اپنے لیے ملک الشعراء طوطیِ ہند لسان الغیب، کے خطابات سننے کی تمنا رکھتے ہیں۔ صائبؒ۔

طفل را مرکب نے تختِ رواں میگردد میرد بیجراں راسخنِ پوچ از جائے

جامیؒ۔ شعرے کے قدر جملہ اشعار زو شکست گفتی کہ دوش گفتہ ام اندر نمازِ شام

آں شعر گرز منفذِ سفل آمدے بروں زاں یافتی نمازِ تو ہچوں وضو شکست

حکیم کے قول میں یہ اشارہ بھی ہے کہ علم و عقل کوئی مال و زر کمانے کا آلہ نہیں، بلکہ اس کو زر و مال سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، ہاں جو لوگ ذی علم ہو کر مالدار ہو جاتے ہیں، تو ان کے اندر کسب و زر کی کوئی اور قوت علم و عقل کے ماورا ہوتی ہے۔ صائبؒ۔

عقلِ دوراندیش برماراہ روزی بستہ است ورنہ ہر انگشت پستانیست طفلِ شیررا

پس عَرب گفتش کہ رو زود از برم تا نیاید شومیِ تو بر سَرم

ترجمہ: اس پر اعرابی نے اس سے کہا میرے پاس سے جلدی چلا جا تاکہ تیری نحوست مجھ پر (بھی) نازل نہ ہو جائے۔

دُور برآں حکمتِ شومت زمن نُطقِ تو شومست بر اَہلِ زمن

لغات: بر صیغہ امر ہے بردن سے یعنی دور لے جا۔ نُطق بضم نون قوتِ گویائی۔

ترجمہ: اپنی اس منحوس حکمت کو مجھ سے دور لے جا، تیری بات چیت (بھی) اہلِ زمانہ کے حق میں منحوس ہے۔

یا تو آنسو رَو من ایں سُو میروَم ور ترا رہ پیشِ من واپس شوم

ترجمہ: یا تو ادھر کو چلا جا۔ میں ادھر کو چلا جاتا ہوں اگر تیرا راستہ آگے کو ہے تو میں واپس جاتا ہوں (تیری ہمراہی بھی میرے لیے مضر ہے)۔

یک جوالم گندم و دیگر زریگ بہ بودزیں حیلہائے مُردہ ریگ

لغات: مردہ ریگ ناکارہ، ذلیل صنائع: ریگ کے لفظ میں تجنیس واقع ہے۔

ترجمہ: میری ایک گون گیہوں کی اور دوسری ریت کی تیری ان ذلیل تدبیروں سے اچھی ہے۔

کیں جوالِ گندم وریگم یقیں بہ بودزاں حکمتِ تو اے مہیں

لغات: یقیں یعنی بالیقیں، یقیناً مہیں میم اور ہاء کے کسرہ سے فارسی میں بمعنی بزرگتر اور فتح میم اور کسرۂ ہاء کے ساتھ عربی میں بمعنی سست اور مجازاً بمعنی حقیر و خوار کذافی الغیاث۔

ترجمہ: کیونکہ یہ میری گیہوں اور ریت کی گونیں یقیناً تیری اس حکمت سے بہتر ہوں گی، اے ذلیل آدمی (کیونکہ اس کے ذریعہ

سے میں غنی تو ہوں)۔

احمقیم بس مبارک احمقی ست کہ دلم بابرگ و جانم متقی ست

لغات: برگ سامانِ ضرورت متقی بچنے والا عموماً معصیت ومکروہات سے بچنے والے کے لیے مستعمل ہے مگر یہاں بلیات و مصائب سے بچنے والا مراد ہے۔

ترجمہ: (میں بے وقوف سہی مگر) میری بیوقوفی بڑی مبارک بے وقوفی ہے کیونکہ (اس کی بدولت) میرا دل باسامان (ومطمئن) ہے اور میری جان (بلاؤں سے) بچی ہوئی ہے۔

گرتو خواہی کت شقاوت کم شود جہد کن تا از تو حکمت کم شود

ترجمہ: اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیری بدنصیبی کم ہو جائے (اور تو فارغ البال وخوشحال ہو جائے) تو کوشش کر کہ تیری (یہ حکمت) کم ہو جائے۔

مطلب: یہ بھی اس اعرابی کا قول ہے جو حکیم کو طنزاً کہہ رہا ہے کہ تیری ساری بدنصیبی اس حکمت کی بدولت ہے اگر کچھ کھانا کمانا ہے تو اس حکمت سے دستبردار ہو جا۔

شارح کلید مثنوی نے اس شعر کو مولانا کا مقولہ قرار دیا ہے اور حکمت سے عقلِ معاش مراد لے کر اس سے دستبردار ہونے کی ہدایت سمجھی ہے، حالانکہ شعر کا طرزِ خطاب صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ اعرابی کا تتمۂ تقریر ہے۔ علاوہ اس کے وہ اوپر اس کی حکمت کو حکمتِ شوم کہہ چکا ہے اور اسی طرح یہاں اس کی حکمت کو باعثِ شقاوت قرار دیتا ہے نیز اوپر اپنی احمقی کو مبارک کہہ چکا ہے یہاں اس کو بھی ترکِ حکمت سے احمق بن جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ آگے پھر مولانا کا قول شروع ہوگا جس میں وہ حکمتِ دنیا اور حکمتِ دین کی تفریق کریں گے جس سے ترتیبِ مضمون کی برجستگی ظاہر ہے۔

اس دنیا پرست جانگلوس نے جو ایک حکیم دانشمند کو اس کی تہیدستی کی وجہ سے شوم ومنحوس سمجھا اور اپنے آپ کو احمق و نادان ہونے کے باوجود محض اپنی خوشحالی و فارغ البالی کی وجہ سے پورا کامیاب اور حصارِ عافیت میں مامون کہا۔ اس مضمون پر کسی قدر روشنی ڈالنی ضروری ہے۔ واضح ہو کہ یہ قصہ تو صدیوں پیشتر کا ہے اور ایک ایسے شخص کے متعلق ہے جس نے بادیۂ عرب میں پرورش پائی اور علم و حکمت کے فوائد وثمرات کو سننے اور سمجھنے کا موقع بھی اسے میسر نہ ہوا ہوگا لیکن آج کل کے زمانے میں بھی جو نئی روشنی کا دور اور علمی وعقلی کمالات کا منتہا سمجھا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے جہالت تمام بدقسمتیوں کا سرچشمہ ہے اور علم و دانش سب سے بڑی خوش قسمتی ہے جس کو علم وحکمت نہیں ملی اس کو کچھ نہیں ملا اور جس کو علم وحکمت دیا گیا اس کو سب کچھ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۔ "اور جس کو حکمت دی گئی تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی" (سورہ بقرہ ع ۳۷) ونعم ما قیل۔

ہر کرا عقل ہست و مالش نیست روزے آں عقل بالشے دہدش
ہر کرا مال ہست و عقلش نیست روزے آں مال مالشے دہدش

روپے پیسے سونے چاندی کو علمی و اخلاقی کمالات کا معاوضہ سمجھنا سخت غلط ہے۔ دین و دنیا کی سعادات و برکات صرف روپے میں منحصر نہیں ہیں۔ کمالاتِ انسانی کا حاصل محض زر ونقرہ سمجھنا پست فطرتی کی نشانی ہے۔ بے شک روپیہ نہیں ملا اس کے لیے افسوس کی جا نہیں علم وحکمت سونے چاندی سے بڑی نعمت ہے اور جس کو دولت وثروت ملی اور علم نہیں ملا اس کو فخر کرنے کا

کو حق نہیں حقیقت میں اس کو قدرت کے انعامات سے بہت کم حصہ ملا ہے۔ ونعم ما قیل۔

زر، دو حرف ست و ہردو بے پیوند زیں پراگندہ چند لافے چند

انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے جسم ایک کثیف وظلمانی مخلوق ہے اور آخر فانی و ناپا ئدار ہے۔ روح ایک لطیف و نورانی چیز ہے اور باقی و لازوال ہے۔ مال و زر جسمانی ضروریات کا سامان ہے اور علم و حکمت روحانی کمالات کا سرمایہ ہے۔ فانی کا سامان بھی فانی و ناپا ئدار ہے اور باقی کا سرمایہ بھی ایک لازوال دولت ہے۔

دولت و ثروت حکومت اور نسب گرچہ جوہر فخر کے ہیں سب کے سب
ہے مگر جوہرِ علم کا رتبہ بڑا اس سے ان سب کو نہیں نسبت ذرا
دولتِ دنیا کو ہے چوری کا ڈر علم کی دولت سدا ہے اس سے بے خطر
دولتِ دنیا پہ ہے آتا زوال علم کی دولت سدا ہے لازوال
دولتِ دنیا ہے بس دنیا کی شے علم کا دونوں جہاں میں نور ہے
دولتِ دنیا ہے ساماں نفس کا علم ہے راہِ خدا کا رہنما
دولتِ دنیا ہے جسمی عزوشاں علم ہے ایک زینتِ روح ورواں
دولتِ دنیا پڑے غیروں کے ہاتھ علم ہے ہر حال میں عالم کے ساتھ
دولتِ دنیا کا گھر ہے زیرِ گِل علم کی ہے تخت گہ عالم کا دل

بایں ہمہ دیکھا جاتا ہے کہ روپیہ کی صورت جس قدر دلفریب اور پیاری سمجھی جاتی ہے اور اس کے ہاتھ میں آنے سے لوگوں کے دلوں کو جس قدر سرور اور طمانیت حاصل ہوتی ہے اس قدر ایک نیا علمی مسئلہ معلوم ہونے پر خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے الگ الگ فطری مقتضیات ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک روپیہ اس قدر محبوب ومکرم ہے کہ دغا فریب، بدعہدی، چوری، خیانت وغیرہ جس طرح سے بھی یہ حاصل ہو سکے غنیمت سمجھتے ہیں۔ ملامت سہہ کر، ندامت اٹھا کر بدنام ہو کر، غرض جس صورت میں بھی روپیہ ہاتھ آسکے، ان کو منظور ہے۔ یہ اکثر سرمایہ داروں کا حال ہے جو نہایت پست فطرت لوگ ہیں۔ ایک وہ ہے جن کو روپیہ عزت و آبرو کے مقابلے میں زیادہ عزیز نہیں مگر علم وحکمت سے زیادہ عزیز ضرور ہے۔ دنیا کا اکثر حصہ اسی قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے فطرتِ سلیمہ سے یہ لوگ بھی دور ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو دولت وعلم دونوں یکساں عزیز ہیں۔ علم کے لیے روپیہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں اور روپیہ کے حصول کے لیے علم کو آلۂ کار بنانے سے عار نہیں۔ ملک کا عام علمی طبقہ اس قسم میں شامل ہے اس سے بلند درجہ پر وہ سلیم الفطرت جماعت ہے جو روپیہ کو صرف ضرورت کے مطابق ضروری سمجھتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ ان کی تمام تر کوشش تحسینِ اخلاق، تہذیبِ خصائل اور اصلاحِ نفس پر صرف ہوتی ہے۔ وہ کسب دولت کے لیے ضرورت کے مطابق کوشش کرنا کافی سمجھتے ہیں، جس کی قلت و کثرت ان کی اپنی اپنی حیثیت ومصلحت کے اختلاف سے مختلف ہو سکتی ہے۔ باقی وہ دولت کو نہ مقصدِ حیات سمجھتے ہیں نہ منتہائے اغراض نہ اس کے آنے کی اتنی خوشی ہے کہ پھولے نہ سمائیں۔ نہ اس کے جانے کا اتنا غم ہے کہ گھلنے لگیں۔ یہ علمائے حقانیین اور صوفیہ کاملین کی جماعت ہے جن کا معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے کروڑوں روپیہ غربا کی اعانت نومسلموں کی تالیفِ قلوب جنگی مہمات کے اہتمام پر صرف فرمایا، مگر روپیہ سے محبت بالکل نہیں

کی اور اپنے گھر میں ایک درم بھی لا کر رکھنا پسند نہیں کیا، وفات کے وقت آپ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ گھر میں کچھ نقدی تو نہیں ہے، عرض کیا گیا کہ صرف تین دینار پڑے ہیں فرمایا فوراً کسی محتاج کو دے دو کیا تم چاہتی ہو کہ میں اپنے خدا سے اس حالت میں ملوں کہ اس سے بدگمان ہوں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کئی ہزار درم تھے وہ سب کے سب انہوں نے بتدریج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضروریات پر خرچ کر دیے حتیٰ کہ یہ نوبت آ گئی کہ ان کی قمیص کے گریبان پر گھنڈی تکمے کے بجائے ببول کے کانٹے کام دینے لگے۔ بالفرض اگر ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے اپنی اتنی دولت خرچ کر کے کیا حاصل کیا تو اس کا جواب یہی ہو سکتا تھا کہ علم و حکمت کی دولت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں اسے پائے وہ اس کے لینے کا حقدار ہے۔ دولت کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ جہاں سے پاؤ اور جس طرح پا سکو لے لو، بلکہ یہ فرمایا ہے فَوَ اللّٰہِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْھَا کَمَا تَنَافَسُوْھَا وَیُھْلِکَکُمْ کَمَا اَھْلَکَتْھُمْ بخدا میں تمہارے حق میں محتاجی سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا کی دولت فراخ کی جائے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فراخ کی گئی تھی پس تم اس کے دلدادہ ہو جاؤ جس طرح وہ اس کے دلدادہ ہوئے تھے اور وہ تم کو ہلاک کر دے جس طرح ان کو ہلاک کیا تھا۔ (مشکوٰۃ) وھذا اٰخر ما فھمت فی ھذا الباب.

غرض اس جماعت کی نظر سے دیکھو کہ ایک روپیہ کو دیکھ کر زیادہ فرحت حاصل ہوتی ہے یا ایک حدیثِ رسول یا ایک فقہی مسئلہ یا ایک متبرک قول سن کر پھر مذکورہ سوال خود بخود حل ہو جائے گا۔ غرض علم و حکمت کی عُلوِّ شان اور مال و زر کی پستی منزلت کو پست فطرت لوگوں کے طریقِ عمل سے نہ دیکھو بلکہ ان عالی فطرت اور سلیم الاستعداد لوگوں کے معیارِ عمل سے دیکھنا چاہیے۔ دربارِ اکبری کا ملک الشعراء فیضی عربی علوم کا ایک فاضلِ اجل تھا جب اس نے قرآن مجید کی بے نقاط تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے لغات کے بڑے ذخیرے کی ضرورت تھی اس نے اپنے موجودہ بیش قدر علمی ذخیرہ کے علاوہ تیس ہزار روپے کی اور کتابیں خرید لیں مگر جب وہ ان کتبِ کثیرہ کا مطالعہ کرنے بیٹھا تو ان سے صرف دو نئے لفظ ملے جو پہلے معلوم نہ تھے۔ بولا ان دو لفظوں میں ہی مجھے تیس ہزار کا حق مل گیا۔ خیال کیجیے کہ علم و حکمت کی یہ قیمت ہے جس کا اندازہ فیضی نے بتایا ہے اور فیضی کی اس تخمینہ فرمائی سے بدیں لحاظ علم کی قدر اور بھی بڑھ جاتی ہے وہ ایک دنیا دار عالم تھا حقانی عالم نہ تھا نہ متزہد صوفی تھا۔ آگے مولانا علمِ معاش پر علمِ معاد کی ترجیح کی وجوہ بیان فرماتے ہیں:

حکمتے کز طبع آید وز خیال حکمتے نے فیض نورِ ذوالجلال

ترجمہ: (مگر اعرابی کی یہ محض جہالت تھی کیونکہ قابلِ ترک وہ حکمت (ہے) جو (محض) طبع و خیال سے پیدا ہو وہ حکمت جو نورِ ذوالجلال کا فیض نہ ہو۔

حکمتِ دنیا فزاید ظن و شک حکمتِ دینی برد فوقِ فلک

ترجمہ: دنیاوی حکمت تو ظن (فاسد) اور شک (باطل ہی) بڑھاتی ہے (اور) دینی حکمت (آدمی کو عروجِ روحانی کے لحاظ سے) آسمان سے اوپر لے جاتی ہے (اور دولتِ باطنی سے مالا مال کر دیتی ہے)۔

رُوبہانِ زیرکِ آخر زماں برفزودہ خویش بر پیشینیاں

ترجمہ: اس آخری زمانے کی چالاک لومڑیوں نے اپنے آپ کو سلف سے اعلیٰ سمجھ رکھا ہے۔

مطلب: یہ تو گویا مولاناؒ نے اس زمانے کے فلسفہ پرست و دنیا طلب متفرنجوں (مغرب زدہ) کے بارے میں پیش گوئی فرمادی ہے جو یورپ کی تقلید میں روحانیت کے منکر، مذہب سے آزاد ہو چکے ہیں اور کسبِ دولت وحصولِ جاہ کو اپنا مقصد زندگی قرار دے چکے ہیں اور اسلاف کو جو آدابِ دیں اور شعارِ اسلام کے پورے پابند تھے معاذ اللہ احمق وسادہ لوحی سے منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ آخری زمانے کے نامردِ ننگِ قوم لوگ دنیا پرست اقوام کے گمراہ کن علوم پڑھ کر طلبِ دنیا کے لیے مکاریاں اور روبہ بازیاں سیکھ لیتے ہیں اور نہ صرف اپنے اسلاف کی شاہراہِ عمل کو ترک کر دیتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو ان سے زیادہ دانا ومصلحت شناس سمجھنے لگتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر راہِ طلب بستہ ہے جن کا پائے ارادت شکستہ ہے جو ننگِ جماعت ہیں جو سراپائے سفاہت ہیں۔ بقول عمر خیام غفرلہ۔

موجودہ نام نہاد روشن خیالوں کے بارے میں مولاناؒ کی پیشین گوئی

نابردہ بصبح در طلب شامے چند نہادہ بروں زخویشتن گامے چند

در کسوتِ خاص آمدہ عامے چند بدنام کنندہ نکو نامے چند

حیلہ آموزاں جگر ہا سوختہ فعلہا و مکرہا آموختہ

لغات: سوختہ کے آخر میں ہائے حالیہ یعنی انہوں نے دلسوزی کی حالت میں مکر سیکھے۔

ترجمہ: یہ لوگ کسبِ دولت وطلبِ دنیا کے لیے ناجائز حیلے سیکھنے والے ہیں (اور) جگر سوزی سے (دغا بازی کے) فعل اور مکر سیکھتے ہیں۔

صبر و ایثار و سخائے نفس و جُود باد دادہ کاں بود اکسیر سُود

لغات: ایثار اپنے فائدہ پر دوسرے کے فائدے کو مقدم رکھنا۔ سخائے نفس وجود نفس کی سخاوت اور جود یعنی جس طرح سخی اپنے مال کو راہِ حق میں دے ڈالتا ہے اسی طرح اپنے نفس کو رضائے حق کے لیے قربان کر دینا ایک عربی محاورہ ہے۔ جَادَ بِنَفْسِہٖ مُرد یا نزدیک مردن رسید۔ لہٰذا یہاں اس سے نفس کشی مراد ہے یعنی فنا اختیاری۔ بادداده۔ بباد داده۔

ترجمہ: انہوں نے صبر، ایثار اور نفس کشی (کے فضائل) کو برباد کیا جو (حقیقی) نفع کے لیے اکسیر تھے۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

ترجمہ: (حالانکہ فکرِ معاش کوئی حقیقی فکر نہیں) فکر وہ ہوتا ہے کہ جس سے راستہ کھلے (اور) راستہ وہ ہوتا ہے کہ (جس سے) کوئی بادشاہ ملے۔

شاہ آں باشد کہ از خودشہ بود نے بمخزنہا و گوہرشہ بود

قافیہ: اس شعر میں قافیہ نہیں ہے اور قافیہ کا نہ ہونا رسمِ شاعری میں ناجائز ہے مگر مثنوی کی جلالتِ شان ان پابندیوں سے ارفع ہے ہمارے قلمی نسخہ میں بھی یہ شعر اسی طرح درج ہے مگر اس کے حاشیہ پر کسی دوسرے قلم سے مصرعہ ثانی کا بدل یوں تحریر ہے کہ نے بمخزنہائے بے حدشہ بود معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی خوش خیال مثنوی خواں کی اپنی تجویز ہے۔

ترجمہ: بادشاہ وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات سے بادشاہ ہو نہ کہ سونے چاندی کے خزانوں اور موتیوں کے ساتھ بادشاہ ہو۔

مطلب: دونوں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ فکرِ عقبیٰ سب سے اچھا ہے جس کی بدولت بہبودی کا کوئی راستہ کھل جائے۔ بہبودی کا راستہ یہی ہے کہ کسی کامل کے ساتھ نسبت قائم ہو جائے جو مسند طریقت کا بادشاہ ہو اور یہاں خزائن وعسا کر کے بل پر

ہونے والا بادشاہ مراد نہیں جس کی بادشاہی ان خارجی اسباب کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی بلکہ وہ بادشاہ مراد ہے جو اپنے ذاتی کمالات کی بدولت مقبولِ عام اور مقتدائے انام ہو اور یہ کمالات اس سے کبھی مسلوب نہیں ہوتے۔

تا بماند شاہیِ اُو سَرمدی ہمچو عزو مُلکِ دینِ احمدی

ترجمہ: تاکہ اس کی بادشاہی ابدی (اور لازوال) رہے جیسے کہ دینِ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور بادشاہی (لازوال ہے)۔

تا قیامت نیست شرعش را زوال گشتہ دور از ملکِ او عین الکمال

لغات: عین الکمال چشم زخم، نظر بد، بایں وجہ کی نظر بد کا اثر اس چیز پر پڑتا ہے جس میں کچھ کمال ہو۔

ترجمہ: (اب) قیامت تک آپؐ کی شرع کو زوال نہیں آپ کی (دینی) سلطنت سے نظرِ بد (کی تاثیر) ہمیشہ کے لیے دور ہو چکی ہے۔ نظامیؒ

سرائے شرح راچوں چارحدبست بنا بر چار دیوارِ ابد بست
ز شرعِ خود نبوت را نوی داد خرد را پناہمش پیروی داد
اساسِ شرع راختم جہان ست شریعتہا باد منسوخ ازان ست

آگے حضرات اہل اللہ کی بادشاہی کے ثبوت میں حضرت ابراہیم ابن ادھم قدس سرہ کی حکایت ارشاد ہے، جو پہلے صاحبِ تاج وتخت تھے۔ پھر طلبِ حق میں فقیر ہو گئے۔ ان کا حال مفتاح العلوم کی چھٹی جلد میں مفصل درج ہو چکا ہے۔

کراماتِ ابراہیم ادھمؒ برلبِ دریا

حضرت ابراہیم ابن ادھمؒ کی کرامات کنارہ دریا پر

ہم ز ابراہیم ادھم آمدہ است کوز راہے برلبِ بحرے نشست
دلقِ خود میدوخت آں سلطانِ جاں یک امیرے آمد آنجا ناگہاں

لغات: ادھم حضرت ابراہیم قدس سرہ کے والد کا نام ہے اصل میں یہ عبارت ابراہیم بن ادھم ہے کثرتِ استعمال سے ابن کا لفظ صاف ہو گیا۔ دلق گدڑی۔

ترجمہ: (حضرت) ابراہیم (ابن) ادھم سے بھی (اس قسم کی ایک حکایت) منقول ہے کہ وہ ایک راستے سے (آکر) ایک دریا کے کنارے پر بیٹھ گئے (اور) یہ روحانی بادشاہ اپنی گدڑی سینے لگے کہ اچانک وہاں ایک حاکم آیا۔

آں امیر از بندگانِ شیخ بود شیخ را بشناخت و سجدہ کرد زود

ترجمہ: وہ امیر شیخ کے غلاموں میں سے تھا (جو آپ کے ایامِ سلطنت میں آپ کا مملوک تھا) اس نے شیخ کو پہچان لیا اور فوراً شاہی آداب بجا لایا۔

مطلب: یہاں سجدہ سے تعبُّدی سجدہ مراد نہیں بلکہ شاہی آداب مراد ہے اور بعض درباروں میں اس کی صورت سجدے کی سی ہوتی تھی۔ جب کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں جاتا تو نقیب شاہی کے پکارنے پر وہ زمین بوس سلام بجا لاتا۔ وہ تین قدم آگے چلنے پر

نقیب پھر پکارتا۔ وہ پھر اسی طرح سجدہ نما آداب بجا لاتا۔ اسی صورت سے چند مرتبہ آداب بجا لانے ہوتے تھے مگر شرع شریف اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس میں شاہ و گداسب کے لیے السلام علیکم کہنے کا حکم ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی حسب شاہِ دہلی کی طلب پر دربار میں گئے تو آدابِ شاہی بجا لانے کے لیے پکارا مگر امام ممدوح نے پروا نہیں کی صرف السلام علیکم کہا اس طرزِ عمل پر اعتراض کیا گیا تو فرمایا ہم سنتِ پیغمبری چھوڑ کر کوئی اور دوسرا طریقِ عمل اختیار نہیں کر سکتے۔

خیرہ شد در شیخ و اندر دلقِ او　　گشتہ دیگر گُوں زخلوت خلقِ اُو

لغات: خیرہ حیران۔ خلوت بالفتح چلہ کشی، عزلت خانہ، کسرہ غلط مشہور ہے۔ خلق بفتح پیدائشی صورت اور بضم خصلت

ترجمہ: وہ (امیر) شیخ اور ان کی گدڑی میں (نظر کر کے) حیران رہ گیا، (نیز) خلوت کی وجہ سے ان کی صورت (یا خصلت) بھی دگرگوں ہو رہی تھی۔ (اس سے بھی متحیر ہوا)۔

کو رہا کرد آنچناں ملکِ شگرف　　برگزید از فقر بس باریک حرف

لغات: شگرف، نادر عمدہ، اعلیٰ۔ باریک حرف شیوہ فقر کو باریک حروف سے تشبیہ دی ہے جس کے مقابلے میں سلطنت گویا جاہ و جلال کا جلی عنوان ہے۔

ترجمہ: (اور دل میں کہنے لگا) کہ انہوں نے ایسی شاندار سلطنت چھوڑ دی (جو انسانی مراتب کا گویا جلی عنوان ہے اور) فقیری کے باریک حروف اختیار کر لیے۔

مطلب: فقیری کو باریک حروف سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ایک حروف کی تحریر چنداں وقیع و پرشوکت نہیں ہوتی۔ اسی طرح فقیری بھی ظاہری شان و شوکت سے بے نیاز ہے نیز جس طرح باریک حروف پڑھنے میں دقت اور اشکال سے خالی نہیں ہوتے اسی طرح فقیری بھی اشکالات سے مامون نہیں۔ عراقیؒ

ترک کردہ ملکِ ہفت اقلیم را　　میزند بر دلق سوزن چوں گدا

ترجمہ: (تعجب ہے کہ) ہفت اقلیم کی سلطنت کو چھوڑ کر دریوزہ گر کی طرح (بیٹھے) ایک گدڑی پر سوئی چلا رہے ہیں۔

ملکِ ہفت اقلیم ضائع میکند　　چوں گدا بردلق سوزن میزند

ترجمہ: ہفت اقلیم کی سلطنت کو تو (ہاتھ سے) کھو چکے ہیں (اور) دریوزہ گر کی طرح (بیٹھے) گدڑی پر سوئی چلا رہے ہیں۔

شیخ واقف گشت از اندیشہ اش　　شیخ چوں شیر ست دلہا بیش اش

ترجمہ: شیخ بھی اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے (کیونکہ) شیخ (کامل) شیر کی مانند (ہوتا) ہے اور لوگوں کے دل (گویا) اس کے جنگل ہیں (کہ وہ ان میں پھرتا اور ان کے خیالات سے آگاہ ہوتا رہتا ہے)۔

چوں رجاو خوف دردلہا رواں　　نیست بروے مخفی اسرارِ نہاں

ترجمہ: (شیخ) امید و بیم کی طرح (لوگوں کے) دلوں میں چلتا رہتا ہے (حتی کہ دلوں کے) چھپے بھید (بھی) اس پر مخفی نہیں رہتے۔

انتباہ: یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ شیخ کو اس طرح لوگوں کے دلوں کا علم باعلامِ حق ہوتا ہے نہ کہ بالاستقلال ورنہ ایسا عقیدہ منجر بکفر ہوگا نیز شیخ کی یہ حالت احیاناً ہوتی ہے نہ کہ دائماً اور باستمرار ورنہ یہ عقیدہ بھی خلافِ اسلام ہے۔

ایک شخص نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت آپ کے علم کی تو یہ کیفیت ہے کہ آپ نے مصر کی ہزاروں میل دور کی سرزمین سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو محسوس کر لی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب وہ اپنے اسی گاؤں سے تھوڑی

اولیاء اللہ کو غیب کا علم احیاناً ہوتا ہے اور وہ بھی باعلامِ حق

دور باہر کنوئیں میں قید تھے تو آپ کو ان کا پتا نہ چلا فرمایا میاں ہمارا علم جو مغیبات کے متعلق ہوتا ہے اس کی مثال بجلی کی سی ہے کہ لمحہ میں اس سے تمام فضا جگمگا اٹھتی ہے اور پھر لمحہ بھر میں وہ غائب ہے اور ہر طرف اندھیرا۔

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ ما برقِ جہان است دمے پیدا و دیگر دم نہان ست

دل نگہدار یدائے بیحا صِلاں در حضورِ حضرتِ صاحب دلاں

لغات: بیحاصل جس کو کچھ حاصل نہ ہوا ہو مبتدی، عام آدمی۔ حضرت حاضر ہونے کی جگہ مراد ہے یعنی درگاہ یا آستانہ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں حضور و حضرت بعطف درج ہے۔ اس صورت میں ان دونوں کلموں میں معنی ایک ہی ہیں اور عطف تفسیری ہے۔

ترجمہ: اے (دولتِ باطن سے) تہیدست لوگو! صاحبدل حضرات کی درگاہ کی حاضری میں (وسوسوں سے اپنے) دل کی حفاظت کیا کرو۔

مطلب: چونکہ حضراتِ کاملین کو احیاناً اسرارِ قلوب پر اطلاع ہو جاتی ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ جب ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہو تو اپنے دل میں خیالاتِ فاسدہ نہ آنے دے۔ مثلاً ان بزرگ کے متعلق کوئی بدگمانی یا کسی قسم کا برا ارادہ یا کسی معصیت کا تصور یا نفسانی لذات کا خیال۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ان بزرگ کو اس پر اطلاع ہو جائے اور وہ اس کا اظہار کردیں پھر ندامت اٹھانی پڑے یا کم از کم ان کے دل میں تمہاری طرف سے نفرت و کدورت بیٹھ جائے جو مانع افاضہ ہو۔ اس قسم کے واقعات و احوال بہت سے بزرگانِ دین سے منقول بلکہ مشاہد ہیں اگر ان کے نظائر یہاں درج کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے صرف ایک واقعہ تمثیلاً درج کیا جاتا ہے مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک شخص بیعت کی غرض سے حاضر ہوا آپ بجائے اس کے کہ دوسرے پیروں کی طرح اس کو بیعت کرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے اس کے ساتھ استغنا کا برتاؤ کیا پھر جیب میں چند روپے کھنکا کر کہا میاں یہاں تو صرف روپوں کے لینے دینے کا بیوپار ہے اور کیا رکھا ہے اور بیعت کرنے سے انکار کردیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت چار پانچ روپے کسی کارِ خیر کے مصرف میں جو مولانا کے پاس آئے اور اس شخص کے سامنے انہوں نے اپنی جیب میں ڈال لیے تو اس کے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ یہاں تو روپوں کا لین دین بھی جاری ہے فقرائے اہل اللہ کو روپوں سے کیا تعلق؟

ہاں اس قسم کے خیالات اسی صورت میں ممنوع ہیں کہ عمداً ان کا مطالعہ کیا جائے اور بالارادہ ان کو ذہن میں لایا جائے لیکن اگر وہ بطور وسوسہ بلا ارادہ دل میں گزریں تو مضر نہیں ہیں کیونکہ اس کا وسوسہ ہونا یا خیالِ ارادی ہونا ان حضرات کو بھی معلوم ہو جاتا ہے اور وسوسہ کا اضطراری امر ہونا وہ بھی جانتے ہیں اور اس کو قابلِ عفو سمجھتے ہیں ایک مرتبہ مولانا مولوی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی شخص کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے چند مریدانِ خاص بھی حاضرِ خدمت تھے۔ اثنائے تقریر میں قطع کلام کر کے ایک مرید کی طرف مخاطب ہو کر ایک ایسی بات کہی جو بظاہر بالکل بے محل و بے موقع تھی یعنی کہا ''میں نے جو یہ کپڑے پہن رکھے ہیں میرے اپنے نہیں ہیں بلکہ ایک اور صاحب نے اس غرض سے بھیجے تھے کہ میں ان کو چند روز پہن لوں تو پھر وہ اپنے حسنِ اعتقاد کی بنا پر بطور تبرک ان کو منگالیں گے اور اسی طرح اکثر معتقدین میرے استعمال کے لیے اور استعمال کے بعد واپس لے

جانے کے لیے کپڑے بھیجتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس قسم کے کپڑوں کی کثرت کے باعث مجھے خود اپنے لیے کپڑے بنوانے کی نوبت ہی نہیں آنے پاتی۔ ورنہ میں تو بالکل سادہ کپڑے پسند کرتا ہوں اتنا کہہ کر آپ نے پھر وہی گفتگو شروع کر دی یہ فقرہ جن صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا وہ تو ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور باقی حاضرین حیران تھے کہ یہ بات کیوں کہی گئی۔ اس کا کیا موقع تھا اور پھر ایک دوسری ضروری گفتگو کو قطع کر کے یہ بات کہنے کی کونسی ضرورت داعی ہوئی۔ آخر اس مرید کی زبانی معلوم ہوا کہ اس وقت مولانا کی خوبصورت قمیص اور دستار وغیرہ کو دیکھ کر ان کے دل میں یہ وسوسہ گزرا تھا کہ بزرگانِ دین کے متعلق تو یہ سنا کرتے ہیں کہ وہ بڑے سادہ لباس بلکہ خوش پوش ہوتے تھے مگر حضرت نے پرتکلف کپڑے پہن رکھے ہیں۔

پیشِ اہلِ تن ادب برظاہرست　　کہ خدا زیشاں نہان و ساترست

لغات: اہلِ تن، تن پرور، اہل ظاہر۔ ساتر مخفی رکھنے والا، چھپانے والا۔

ترجمہ: تن پرور (اور ظاہر پرست) لوگوں کے سامنے (تو صرف) ظاہر ادب (لازم) ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ان سے (خود بھی) مخفی (ہے) اور اسرارِ باطن کو (بھی) مخفی رکھنے والا ہے (اس لیے وہ کسی کے باطن سے آگاہ نہیں ہوتے)۔

مطلب: جو لوگ ظاہر تک اپنی نظر محدود رکھتے ہیں بواطن تک ان کی دسترس نہیں جیسے دنیی امراؤ سلاطین ان کے حضور میں تو صرف آداب و تسلیمات اور نشست و برخاست میں رعایتِ ادب کافی ہے۔ باقی دل کے اندر خواہ گھوڑے گدھے کداتے رہو ان کو کچھ معلوم نہیں۔ اس شعر میں جو کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ ان سے اسرارِ باطن کو مخفی رکھتا ہے تو اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل اللہ پر اسرارِ باطن کا اظہار بھی وہی کرتا ہے ان کو خود اس کی قدرت نہیں جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو بھی مغیبات کا علم بالاستقلال نہیں، بلکہ باعلامِ حق ہوتا ہے۔ فافہم۔

پیشِ اہلِ دل ادب بر باطن است　　زانکہ دل شاں بر سرائر قاطن است

لغات: دل شان بفک اضافت، سرائر مخفی امور۔ قاطن مقیم، یہاں تک جانے والا مراد ہے جس طرح کوئی چلتا چلتا کسی چیز کو دیکھنے اور تاڑنے کے لیے اٹک جائے تو ایک اعتراضی صورت ہے اگر قاطن کا ترجمہ مقیم کیا جائے تو اس سے اہل اللہ کے علم غیب کے بالاستقلال علی الدوام ہونے کا شبہ ہوتا ہے حالانکہ نہ یہ صحیح ہے اور نہ مولانا کا مقصود ہے۔

ترجمہ: (مگر) اہلِ دل کے سامنے (اپنے باطن کو ادب کا پابند رکھنا لازم) ہے کیونکہ ان کا دل چھپی باتوں پر اٹک جانے والا ہے۔ صائبؒ۔

باصاف ضمیراں باادب باش کہ بسیار　　از آبِ گہر آئینہ ز نگار گرفتہ است

تو بعکسے پیشِ کوراں بہرِ جاہ　　با حضور آئی نشینی پایگاہ

لغات: بعکسے برعکسِ کوراں کور باطن لوگ مراد ظاہر پرست۔ پایگاہ پست جگہ۔

ترجمہ: برخلاف (اس کے) تم (باطن کے) اندھوں کے سامنے (حصولِ) جاہ کے لیے حضور (دل) کے ساتھ آتے ہو (اور ادب کے ساتھ) پست جگہ پر بیٹھتے ہو۔

پیش بینایاں کنی ترکِ ادب　　نارِ شہوت را ازاں گشتی حطب

لغات: حطب بفتحِ حاء حطی و حائے مہملہ ایندھن جلانے کی لکڑیاں۔

ترجمہ: اور اہلِ بصیرت کے سامنے ادب کو چھوڑ دیتے ہو اسی لیے تو تم ہوس کی آگ کا ایندھن بنتے ہو۔
مطلب: بزرگوں کا ادب نہ کرنے سے نارِ شہوت کا بھڑک اٹھنا لازم ہے کیونکہ ان کا ادب ملحوظ نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی توجہات بھی کم ہو جاتی ہیں۔ ان کی قلتِ توجہ سے تمہاری اصلاحِ باطن رک جاتی ہے اور پھر شرورِ نفس زور پکڑ جاتے ہیں جس کا نتیجہ آتشِ شہوت کی تیزی ہے۔

چوں نداری فطنت و نورِ ہُدے بہرِ کوراں روئے را میزن جلا

لغات: فطنت عقل، دانائی، زیرکی بدای ہدایت جِلا بکسرِ جیم صیقل کرنا، چمکانا۔
ترجمہ: (ہاں ہاں) جب تم عقل (معاد) اور نورِ ہدایت نہیں رکھتے تو (اہلِ بصیرت سے تم کو کیسا کام لہٰذا دل کے) اندھوں (اور ظاہر کے بیناؤں) کے لیے اپنا منہ چمکاتے (یعنی ظاہر کو آراستہ کرتے) رہو۔

پیشِ بینایاں حدث در روئے مال ناز میکن باچنیں گندیدہ حال

لغات: حدث ناپاکی غلاظت مال صیغہ امر مالیدن گندیدہ ناپاک
ترجمہ: (اور برخلاف اس کے) اہلِ بصیرت کے سامنے اپنے منہ پر گندگی مل لیا کرو (اور اپنے) ایسے گندے حال پر فخر کرو۔
مطلب: بزرگانِ دین کے سامنے بے ادبانہ اور حکامِ دنیاوی کے سامنے مؤدبانہ پیش آنے والوں کو الزاماً فرماتے ہیں کہ بہت اچھا یوں ہی کیا کرو بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ان بے بصیرت لوگوں کے سامنے جاتے وقت اپنے چہرہ پر خوب غازہ مل لیا کرو اور ان اہلِ بصیرت کے حضور میں جاتے وقت منہ گندگی سے آلودہ کر لیا کرو جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

ہر گنا ہے کہ کنی در شب آدینہ بکن تا کہ از صدر نشینانِ جہنم باشی

اکثر نسخوں میں "ناز میکن" درج ہے اور قلمی نسخہ بھی اس کا مؤید ہے مگر نسخوں میں اس کے بجائے "نازکم کن" درج ہے۔ اس تقدیر پر ان دونوں شعروں کا مطلب دگرگوں ہو جاتا ہے اور وہ بھی بجائے خود برجستہ ہے۔ یعنی جب تمہارے اندر دینی لیاقت اور نورِ ہدایت نہیں ہے بلکہ تم نفسانی معائب اور شہوانی ظلمتوں میں مبتلا ہو تو صرف بے بصیرت لوگوں کے سامنے اپنا ظاہر آراستہ رکھ سکتے ہو جن کو باطن کی خبر نہیں۔ اہلِ بصیرت کے سامنے ظاہر آرائی بیکار ہے۔ وہ اندر کا حال بخوبی جانتے ہیں لہٰذا ان کے حضور میں جاتے وقت تمہارا فرض یہ ہے کہ اپنے عیوب کو ان پر ظاہر کر دو اور اس گندہ حالت پر ناز نہ کرو بلکہ اظہارِ ندامت لازم سمجھو کہ اصلاحِ نفس کا مفید طریقہ یہی ہے آگے مولانا اصل قصہ پھر چھیڑتے ہیں یہ کشفِ سرائر کی بحث جملہ معترضہ تھی۔

شیخ سوزن زود در دریا فگند خواست سوزن را بآوازِ بلند

ترجمہ: شیخ (کو جب معلوم ہوا کہ اس کے دل میں ہمارے اختیارِ درویشی کے بارے میں وسوسہ آیا ہے تو انہوں) نے فوراً اپنی سوئی دریا میں ڈال دی۔ (پھر) بلند آواز سے سوئی مانگی۔

صد ہزاراں ماہیے اللّٰہیے سوزنِ زر برلب ہر ماہیے
سر برآوردند از دریائے حق کہ بگیر اے شیخ سوز نہائے حق

ترکیب: سر برآوردند فعل صد ہزار ماہیے الخ اس کا فاعل سوزنِ زر برلب الخ فاعل کا حال ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ دگفتند ایں قدر سے دوسرا جملہ فعلیہ شروع ہوتا ہے آخری مصرع میں اس مبیں کا بیان ہے یہ جملہ معطوف۔

ترجمہ: تو لاکھوں خدائی مچھلیوں نے جن میں سے ہر مچھلی کے منہ میں طلائی سوئی (تھی) دریائے حق سے سر باہر نکالا (اور کہنے لگیں) کہ اے شیخ (یہ) خدا کی بھیجی ہوئی سوئیاں لے۔

مطلب: خدا کی مچھلیاں اس اعتبار سے کہ وہ اس وقت ایک خدائی فعل کی مظہر تھیں اور خدا کے حکم سے ایک خاص فعل کا انجام دے رہی تھیں جو حضرت ابراہیم کی کرامت تھی ورنہ ایک یہ مچھلیاں کیا تمام مخلوق خدائی مخلوق ہے۔ دریائے حق کی اضافت یا تو تشبیہی ہے جس سے دریائے جودِ حق مراد ہے یا اضافتِ تملیکی ہے۔ یعنی خدا کا پیدا کیا ہوا دریا۔ بعض نسخوں میں ان دونوں شعروں کے درمیان یہ ایک شعر ہے۔

سوزنِ زریں دراں دندانِ او　　کہ بگیر اے شیخ سوز نہائے ہو

جس میں پہلا مصرعہ اوپر کے دوسرے مصرعہ کا اعادہ ہے اور دوسرا مصرعہ اوپر کے چوتھے مصرعہ کا تکرار ہے۔

گفت الٰہی سوزنِ خود خواستم　　وادِہ از فضلت نشانِ راستم

ترجمہ: (حضرت ابراہیم نے) دعا کی الٰہی میں تو اپنی سوئی ہی چاہتا ہوں (پس) اپنے فضل کا ٹھیک نشان دکھا (اور مجھے میری سوئی دلا)۔

ماہیے دیگر برآمد درزماں　　سوزنِ اورا گرفتہ دردہاں

ترجمہ: اسی وقت ایک اور مچھلی باہر آئی (جو) اپنے منہ میں سوئی لیے ہوئے (تھی)۔

الخلاف: یہ دو شعر بھی ہمارے نسخے میں درج نہیں ہیں۔

رُوبدو کردو بگفتش اے امیر　　ملکِ دل بہ یا چُناں مُلکِ حقیر؟

ترجمہ: (پھر حضرت ابراہیم نے) اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے امیر (بتاؤ یہ) دل کی بادشاہی اچھی ہے یا وہ ناچیز بادشاہی؟

باطنی بادشاہی کی فضیلت ظاہری بادشاہی پر

مطلب: امیر کے دل میں حضرت ابراہیم کے سلطنت جیسی عظیم الشان چیز کو چھوڑ دینے اور فقیری جیسی حقیر و پُر تکالیف حالت کو اختیار کرنے کے متعلق وسوسہ پیدا ہوا تو ضروری ہوا کہ اس پر فقیری کی فضیلت ظاہر کی جائے جو ایک معنوی بادشاہی اور ظاہری بادشاہی سے بمدارج افضل ہے لیکن اگر اس کے زبانی دلائل پیش کیے جاتے تو شاید بڑی مغززنی کی ضرورت پڑتی اور پھر بھی اس کو یقین دلانے میں شاید کامیابی ہوتی یا نہ ہوتی اِس لیے حضرت ابراہیم نے اس کا ایک عملی ثبوت پیش فرما دیا جو ہزاروں زبانی تقریروں سے زیادہ وزن دار اور زود اثر تھا اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبانی دلائل سے عملی ثبوت زیادہ فیصلہ کن اور مسکتِ خصم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی یہ عملی دلیل ان کی ایک کرامت تھی جس سے چار باتوں میں باطنی بادشاہی کی فوقیت ظاہری پر ثابت ہوگئی۔

باطنی بادشاہی میں	ظاہری بادشاہی میں
(۱) خداوند تعالیٰ کے ساتھ تعلق خوشگوار ہو جاتا ہے۔	(۱) خداوند تعالیٰ کے ساتھ تعلق خوشگوار ہونا مشکل ہے۔
(۲) خدا اپنے بندے کی درخواست سنتا اور پوری کرتا ہے۔	(۲) ایسی توقع ہونی مشکل ہے۔
(۳) خدا کی ان گنت مخلوق حتیٰ کہ مچھلیاں تک اطاعت کرتی ہیں۔	(۳) صرف کچھ انسانی جماعت مطیع ہوتی ہے وہ بھی خوف یا طمع سے اور کبھی باغی ہو جاتی ہے۔

(۴) سچی اور حقیقی غنا حاصل ہوجاتی ہے حتی کہ دل لوہے کی ایک سوئی پر سونے کی لاکھوں سوئیوں کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں پاتا۔　(۴) مال و زر کی بھوک بڑھ جاتی جس کا چسکا مرتے دم تک کم نہیں ہوتا باوجود جہد و جہد کے ناکامی کا اکثر سامنا ہوتا ہے۔

ایں نشانِ ظاہرست ایں ہیچ نیست　　　باطنے جوئے و بظاہر بر مایست

ترجمہ: (یہ ملکِ حقیر) ظاہر (دنیا) کا نشان ہے یہ کچھ نہیں (عالمِ) باطن کو تلاش کرو اور ظاہر پر قناعت کرو۔

مطلب: ایں کا مشارٌ الیہ ملک حقیر اور مصرعہ ثانیہ میں باطن سے ملکِ دل مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ملکِ حقیر جو دنیاوی بادشاہوں کو ملا ہے۔ ظاہر کا نشان ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں اور ملکِ دل جو دل کے تصرف میں ہے اس کو تلاش کرنا چاہیے اور اس کو ملک ظاہر سے کم رتبہ نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ جس کے پاس ملکِ دل ہے اس کے قبضہ میں اور ملکِ ظاہر بھی ہے اس لیے کہ مملکتِ دل کا مالک ملک جبروت و ملکوت پر متصرف ہے۔ کذافی بحر العلوم۔ ایک اور نہج پر بھی مطلب نکل سکتا ہے جس کو حضرت شارح کلید مثنوی نے اختیار کیا ہے وہ یوں کہ یہ کرامت تو ملک دل کی ایک ظاہری نشانی ہے جو عوام کو سمجھانے کے لیے ہے۔ ورنہ فی نفسہٖ یہ کوئی قابل وقعت شے نہیں ہے تم اس پر قناعت نہ کرنا بلکہ کمالاتِ باطنی مثلاً معرفتِ حق سبحانہ و تعالیٰ رضا' تسلیم' توکل' مراقبہ وغیرہ کی تلاش کرو۔ اس مطلب کے متعلق مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ مطلب تو عالی پایہ کا ہے مگر ابیاتِ تالیہ کے ساتھ اس کا ارتباط تکلف کا محتاج ہے۔ اور پہلا مطلب بلا تکلف مرتبط ہو جاتا ہے۔

سُوئے شہر از باغ شاخے آورند　　　باغ وبُستاں راکجا آنجا برند

ترجمہ: شہر کی طرف باغ میں سے صرف ایک آدھ شاخ لایا کرتے ہیں سارے باغ و بستاں کو وہاں کیونکر لے جاسکتے ہیں۔

مطلب: دنیا کی مثال ایک شہر کی سی ہے اور عالمِ غیب بمنزلہ باغ و بستان کے ہے تو عالم غیب کا بہت ہی کم حصہ دنیا میں لایا گیا ہے۔ صرف اس پر قانع نہیں ہونا چاہیے بلکہ کوشش کرو کہ جی بھر کر اس عالم پاک کی سیر کرو (کذافی بحر) شعر بالا کے مطلب کی رو سے اس بیت کا مطلب یوں ہوگا کہ یہ کرامت جولب دریا دکھائی گئی ہے ایک نشانِ ظاہری ہے اس سلطنت کا جو محض اس کا ایک نمونہ دکھانے کے لیے عمل میں آیا ہے ورنہ وہ سلطنت تو دوسری ہی چیز ہے۔ اس کو بتمامہٖ یہاں لاکر دکھایا نہیں جاسکتا جیسے کہ ایک باغ سارے کا سارا شہر میں نہیں لاسکتے بلکہ اس کی ایک آدھ شاخ لاتے ہیں اسی طرح باغِ عالمِ غیب کا صرف کوئی ادنیٰ نشانِ کشف و کرامت وغیرہ دکھایا جاتا ہے سارا باغ نہیں دکھایا جاسکتا۔

خاصہ باغے کیں فلک یک برگِ اوست　　　بلکہ آں مغزست و ایں عالم چو پوست

ترجمہ: خصوصاً وہ باغ جس کا یہ آسمان ایک پتہ ہے بلکہ وہ باغ مغز ہے اور عالم گویا پوست ہے (پھر اس کو بتمامہٖ کون دیکھ سکے)۔

برنمیداری سوئے آں باغ گام　　　بُوئے افزوں جوے وکُن دفعِ زکام

ترجمہ: (اگر) تم اس باغ کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتے تو (اس کی حاصل شدہ خوشبو سے ذرا) زیادہ خوشبو ہی تلاش کرلو اور (اس کے موانع یعنی نفس و شیطان جو اس کی خوشبو کا احساس روکنے میں بمنزلہ) زکام (ہیں' ان) کو دفع کردو۔

تاکہ آں بو جاذبِ جانت شود　　　تاکہ آں بو نورِ چشمانت شود

ترجمہ: تاکہ وہ خوشبو تمہاری روح کو (عالم بالا کی طرف) کھینچ لے جائے (اور) تاکہ وہ خوشبو تمہاری آنکھوں کا نور بن جائے۔

مطلب: دوسرے مصرعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی طرف تلمیح ہے جنہوں نے اپنی قمیص اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجی تو ان کو پہلے ہی صدہا میل سے اس کے ذریعہ اپنے فرزند عزیز کی خوشبو آنے لگی پھر اس قمیص کو آنکھوں سے لگایا تو آنکھوں کی بینائی جو مدت سے زائل ہو چکی تھی تازہ ہو گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے فَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُونَ" اور قافلہ مصر سے چلا ہی تھا کہ ان کے باپ یعقوب علیہ السلام نے کہنا شروع کیا اگر مجھ کو دیوانہ نہ بناؤ (تو ایک بات کہوں کہ) مجھ کو یوسف کی مہک آ رہی ہے۔ (یوسف ع ۱۱)

پھر آگے ارشاد ہے فَلَمَّا اَنْ جَآءَ بَشِيرُ اَلْقَاهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيرًا

(یوسف علیہ السلام کے زندہ سلامت ہونے کی) خوشخبری دینے والا (یعقوب علیہ السلام کے پاس) آپہنچا (آنے کے ساتھ ہی یوسف) کا کرتہ یعقوبؑ کے منہ پر ڈال دیا اور ان کو فوراً دکھائی دینے لگا۔ (یوسف ع ۱۱)

تا کہ آں بُوسوئے بُستانت کشد ۔۔۔ وانماید مرترا راہِ رشد

ترجمہ: تا کہ وہ خوشبو تم کو (عالمِ غیب کے) باغ کی طرف کھینچ لے جائے (اور) تم کو راست روی کا راستہ دکھائے۔

چشمِ نابینات را بینا کند ۔۔۔ سینہ ات را سینۂ سینا کند

صنائع: سینہ اور سیناء کی تجنیس پُرلطف ہے۔

ترجمہ: تا کہ وہ تیری بے نور آنکھوں کو منور کر دے اور تیرے سینے کو (انوارِ معرفت سے) کوہِ طورِ سینا کا سینہ بنا دے (جو تجلیِ حق سے جگمگا اٹھا تھا۔

گفت یوسفؑ ابن یعقوبؑ نبی ۔۔۔ بہرِ بُو اَلْقُوْا عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ

ترجمہ: (خوشبو کے آنکھوں پر مؤثر ہونے سے تم تعجب نہ کرو دیکھو) حضرت یوسف علیہ السلام نے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نبی کے فرزند تھے، خوشبو ہی کے لیے فرمایا تھا کہ اس (قمیص) کو میرے والد کی آنکھوں پر ڈال دینا۔

مطلب: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو والد صاحب کے منہ پر ڈال دو تو وہ دیکھنے لگیں گے"۔ (یوسف ع ۱۰)

مطلب یہ کہ جب یہ امر واقع ہے کہ خوشبو نے آنکھوں کو بصیرت بخشی ہے تو پھر اس میں شک کرنا مشاہدہ کا انکار ہے ایک دوسری دلیل سنو۔

بہرِ ایں بُو گفت احمدؐ درعِظات ۔۔۔ دائما قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوة

لغات: عظات بکسر عین جمع عظہ بمعنی وعظ۔ قرۃ ٹھنڈک۔

ترجمہ: اسی خوشبو کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ وعظوں میں فرماتے تھے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

مطلب: نماز میں آنکھوں کو راحت و تازگی حاصل ہونا بھی اس بو کا اثر ہے جو عالم غیب سے حاصل ہوتی تھی۔ جس سے ثابت ہوا کہ بوئے معنوی جو قوتِ شامۂ باطنی سے تعلق رکھتی ہے اس کا اثر آنکھ میں بھی پہنچتا ہے۔

یہاں مولانا شامہ ۔۔۔ [illegible] قاعدہ کلیہ ارشاد فرماتے ہیں:-

پنج حس بایکدگر پیوستہ اند　　زانکہ ایں ہر پنج زاصلے رستہ اند

ترجمہ: پانچوں حواس باہم مے ہوئے ہیں کیونکہ پانچوں ایک اصل سے پیدا ہوئے ہیں۔

مطلب: مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ پانچ حواس سے حواسِ قلبیہ مراد ہیں جو قوتِ علمیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ قوت اسم علیم کی مظہر ہے۔ (انتہٰی)

صاحب کلید مثنوی سلمہ فرماتے ہیں کہ پنج حس سے مراد لطائف لیے جائیں تو بہتر ہے اگر چہ وہ چھ ہیں جن کے نام ہیں۔ قلب، روح، نفس، سر، خفی، اخفی اور جن کا ذکر اس کتاب کی پچھلی جلدوں میں کئی مرتبہ مفصل گذر چکا ہے۔ اس لیے وہ لطائفِ ستہ کہلاتے ہیں مگر نفس کو بعض نے روح کے تابع کہا ہے اس لیے وہ پانچ ہوئے۔ پس مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو اوپر تو یہ معلوم ہوا تھا کہ ایک حس سے دوسری حس میں اثر پہنچتا ہے جیسا کہ شامہ سے باصرہ میں اثر پہنچتا، مگر لطائف کا اثر بھی ایک دوسرے پر پڑتا ہے کہ اگر ایک لطیفہ کو صاف کر لیا جائے تو اس کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے اور وہ بھی صاف ہو جاتے ہیں ان لطائف کی غذائیں بھی مختلف ہیں، چنانچہ قلب کی غذا ذکر ہے۔ روح کی غذا حضوری ہے سر کی غذا مکاشفہ، خفی کی غذا شہود وفنا۔ اخفی کی غذا فناء الفنا حضراتِ نقشبندیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان لطیفوں کو یوں صاف کراتے ہیں کہ پہلے ایک کے تصفیہ کی مشق کی پھر دوسرے کی، پھر تیسرے کی مگر اس سے آسان طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک لطیفہ صاف کر لیا جائے اس سے باقی دوسرے لطائف بھی صاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے سالک کو چاہیے کہ توجہ قلب کی طرف رکھے کہ اس کی درستی سے باقی لطائف بھی درست ہو جاتے ہیں جس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فِیْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ مُضْغَۃٌ اِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ یعنی ہر فرزند آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہے اور وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے یاد رکھو کہ وہ قلب ہے۔ غرض اسی طرح لطیفۂ قلب کے صاف ہونے سے دوسرے لطائف خود بخود صاف ہو جاتے ہیں پس اس کی صفائی میں کمال اور رسوخ پیدا کرنا چاہیے۔

صافیِ سرچشمہ صائب میکند در جو اثر　　ہر سرِ مو چشم بینائے ست دل گر روشن ست

اسی کو مولانا بھی فرما رہے ہیں کہ اگر ایک کو درست کر لو گے تو باقی بھی درست ہو جائیں گے۔ (انتہٰی)

الخلاف: بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے۔ "رستہ ایں ہر پنج از اصل بلند" اور بقول مولانا بحرالعلوم جب ان حواسِ قلبیہ کی اصل قوتِ علمیہ مظہرِ اسمِ علیم ہے تو اس کے اصل ہونے کے اعتبار سے یہ نسخہ ارجح معلوم ہوتا ہے۔ آگے بھی مولانا یہی فرماتے ہیں:

قُوّتِ ہریک قُوّت باقی شود　　ماَبقی راہریکے ساقی شود

ترجمہ: ہر ایک (لطیفہ) کی غذا (دوسرے لطیفہ کے لیے) پائیدار طاقت بن جاتی ہے اور یہ لطیفہ باقیوں کو سیراب کرنے لگتا ہے۔

دِیدنِ دیدہ فزاید عِشق را　　عِشق اندر دِل فزاید صدق را

ترجمہ: آنکھوں کا نظارہ عشق کو ترقی دیتا ہے عشق دل کے اندر صدق کو زیادہ کرتا ہے۔

مطلب: یہ ایک قوت کے دوسری پر اثر انداز ہونے کی مثال ہے یعنی دیکھو آنکھ جب مشاہدۂ جسمانی کرتی ہے تو اس سے دل پر

یہ اثر پڑتا ہے کہ اس میں عشق کی آگ سلگ اٹھتی ہے پھر اس عشق کی بدولت دل میں صدق و اخلاص پیدا ہو کر تمام قوائے و حواس پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس کا ذکر خود مولانا اگلے شعر میں کرتے ہیں، حتیٰ کہ پھر کسی طاقت کی توجہ غیر محبوب کی طرف نہیں ہوتی۔ جامیؒ۔

گم ہر وہم و ترکِ ہر شکے کن رخ وجہت وجہی در یکے کن
یکے بین ویکے دان ویکے گوئے یکے خواہ ویکے خوان ویکے جوئے

صدق بیداریِ ہر حس میشود حسہا را ذوق مونس میشود

ترجمہ: (یہ) صدق (باقی تمام حواس و قوائے میں سے) ہر حس (وقوت) کی بیداری بن جاتا ہے (اور اس کی بدولت ان) حواس کے ساتھ (میلان الی المحبوب وحدۂ کا) ذوق شامل ہو جاتا ہے (اور پھر یہی توحید پیدا ہو جاتی ہے)۔ سعدیؒ۔

موحد چہ درپاے ریزی زرش چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس برین ست بنیادِ توحید بس

چوں یکے حس دردروں بکشاد بند مابقیِ حسہا ہمہ مُبدل شوند

ترجمہ: (غرض) جب ایک حس نے باطن میں (اپنے اوپر سے) قیدِ تعطل اٹھا دی تو باقی حواس کی بھی کایا پلٹ جاتی ہے۔

آغاز منوّر شدن حواسِ عارف بنورِ غیب

عارف کے حواس کا نورِ غیب سے منور ہونا اور اس کا آغاز

چوں یکے حس غیرِ محسوسات دید گشت غیبے برہمہ حسہا پدید

ترجمہ: (اسی طرح) جب ایک لطیفہ نے غیر محسوسات کا مشاہدہ کر لیا تو تمام لطائف پر عالمِ غیب منکشف ہو جاتا ہے۔

چوں زجوجست از گلہ یک گوسفند پس پیاپے جملہ زا نسو بر جہند

ترجمہ: (دیکھو) جب گلہ میں سے ایک بھیڑ نہر پر سے کود جائے تو تمام (بھیڑیں) یکے بعد دیگر ادھر کو کود جائیں گی۔

گوسفندانِ حواست رابراں درچرا از اَخْـرَجَ الْمَرْعٰی چراں

لغات: براں فعل امر ہے راندان سے یعنی لے جاؤ، ہانک لے جاؤ۔ چرا، چراگاہ جہاں مویشی گھاس چارہ چرتے ہیں۔ اخرج المرعیٰ اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی" اور وہ خدا ہے جس نے ہرا اور عمدہ چارہ زمین سے نکالا۔ چراں فعل امر ہے چرانیدن سے۔

ترجمہ: پس تم بھی اپنے لطائف کی بھیڑوں کو ہانک لے جاؤ (اور) اخرج المرعیٰ کی (خدائی) چراگاہ میں چراؤ۔

لغات: شاید مولاناؒ نے یہاں اشارۂ مرعیٰ کو چراگاہِ سالک پر حمل فرمایا ہے جہاں وہ کشفِ اسرار کی غذا سے متغذی ہوتا ہے اور زبانِ اشارت کو سابق ولاحق کے ساتھ مطابق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ (بحر)

تا درانجا سنبل وریحاں چرند تا بگلزارِ حقائق رہ برند

ترجمہ: تا کہ وہ وہاں (غذائے روحانی کے) سنبل وریحان (وغیرہ نفیس ترین نباتات) چریں (اور) تا کہ وہ حقائق کے گلزار کی طرف راستہ پائیں۔

جِسّت پیغمبرِ حسہا شود جملۂ حسہا وراں جنت رود

ترجمہ: (اور تا کہ) تمہاری ہر حس (باقی تمام) حواس کے لیے (مثل) پیغمبر (رہنما) ہو جائے (اور اس کی بدولت) تمام جسّیں، اس جنت (حقائق و معارف) میں پہنچ جائیں۔

جِسّہا باحسِ تو گویند راز بیزبان و بے حقیقت بے مجاز

ترجمہ: (جب تصفیۂ لطائف ہو جائے گا تو) دیگر حواس تمہاری حس سے (استعمالِ) زبان کے بغیر اور حقیقت و مجاز (کا پیرایہ کلام اختیار کرنے) کے بغیر اپنے راز کو ظاہر کرنے لگیں گے۔

مطلب: حقیقت کے معنی ہیں اپنے مطلب کو صاف اور کھلے لفظوں سے ظاہر کرنا اور مجاز کے معنی ہیں کسی لفظی ہیر پھیر کے ساتھ اپنا مطلب ظاہر کرنا۔ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے لطائف کو اس قدر پاکیزہ و مُصفّٰی کر لو گے تو دوسرے طالبوں کے لطائف کا حال تم پر خود بخود منکشف ہونے لگے گا اور اس کے لیے طالبوں کو زبانی عرض کرنے میں طریقِ تکلم کے مذکورہ گونا گوں پیرائے اختیار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ نیز واضح ہو کہ دوسروں کے ضمائر و سرائر کا حال معلوم کرنے کا طریقہ بھی یہی تصفیۂ لطائف ہونا چاہیے زبانِ تکلم یہاں پورا کام نہیں دے سکتی کیونکہ زبان سے اظہارِ مدعا کا سب سے واضح و روشن طریقہ حقیقت کا ہے یعنی لفظوں کو خاص انہی کے معانی موضوع لہا میں استعمال کرنا حالانکہ اس مطلب کے لیے یہ طریقہ بھی ناقص ہے۔ آگے اس کی دلیل دیتے ہیں:

کیں حقیقت قابلۂ تحویلہاست ویں توہُّم مایۂ تخییلہاست

لغات: قابلہ دائی بچہ جنانے والی عورت۔ تحویل الفاظ کو معنی ظاہر سے پھیر کر دوسرے معنوں پر حمل کرنا اور تخییل خیال دلانا۔ کسی دوسرے خیال میں ڈالنا۔

ترجمہ: کیونکہ (خود) یہ حقیقت (کا طریقہ کلام بھی) تبدیلات (معانی) کی دایہ ہے (جس سے گونا گوں معانی بدلتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں مجاز کا تو کیا ذکر) اور (طالب کا) یہ توہم (بھی) مختلف خیالات کا سرمایہ ہے (جس سے وہ اپنا مدعا ظاہر نہیں کر سکتا)۔

آں حقیقت کاں بود عینِ عیاں ہیچ تاویلے نگنجد درمیاں

ترجمہ: (پس) حقیقت فی الواقع وہی ہے جو اصل مشاہدہ و معاینہ ہوتی ہے (اور) اس کے درمیان کسی تاویل کی گنجائش نہیں (اور یہ تصفیۂ لطائف ہی سے میسر ہو سکتی ہے)۔

چونکہ ہر حس بندۂ حسِ توشُد مرفلکہارا نباشد از توبُد

ترجمہ: جب (دوسرے لوگوں کی) ہر حس تمہاری حس کی مسخر ہو گئی تو آسمان کو (بھی) تمہارے (تابع ہوئے) بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

چُونکہ دعوٰی میرود در ملکِ پوست مغزِ آنِ کہ بُود قشرِ آنِ دوست

لغات: کلمہ آن دونوں جگہ باظہار نون کسرۂ اضافت پڑھنا چاہیے۔ قشر چھلکا۔

ترکیب: پہلا مصرعہ شرط ہے دوسرا جزا جس میں مغزِ آن کہ بود مبتداء ہے۔ قشر آن اوست خبر۔

ترجمہ: (اس کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً) چھلکے کی ملک میں دعویٰ (اور جھگڑا) چل رہا ہو تو (فیصلہ یہی ہوگا کہ) جس کی ملک میں مغز ہے، چھلکا (بھی) اس کی ملک ہے۔

مطلب: یہ دلیل ہے اہل اللہ کے لیے آسمان کے تابع حکم ہونے کی وجہِ دلیل یہ کہ اگر مثلاً دو شخصوں میں کسی چیز کے چھلکے میں خصومت ہو اس طرح کہ ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ چھلکا اس کے ہبہ کئے بدوں اور کسی اور وجہِ مِلک کے بغیر اول پیدائش سے میرا ہے۔ ہاں مغز میرا نہیں۔ یہ اسی کا ہے۔ دوسرا کہے مغز بھی میرا ہے، چھلکا بھی میرا۔ اس کا چھلکے میں کیا حق ہے تو فیصلہ یہی ہے کہ جس کا مغز اس کا چھلکا بھی ہے۔ آسمان بھی اس تمام کائنات پر محیط ہونے کے اعتبار سے بمنزلہ پوست ہے جب اس کائنات کے قلوب کسی کے تابع ہوں گے تو آسمان بھی اس کے تابع ہوگا۔ آگے ایک اور دلیل ارشاد ہے:

چُوں تنازع افتدا اندر تنگ کاہ	دانہ آنِ کیست؟ آنرا کُن نگاہ

ترجمہ: جب بھوسہ کی پوٹ میں جھگڑا ہو تو دانہ کس کا ہے؟ اس پر غور کرو۔

مطلب: مثلاً دو شخص بھوسے کے متعلق جھگڑتے ہیں ایک کہتا ہے کہ دانہ بھوسہ سب کچھ میرا ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ دانہ بیشک اسی کا ہے مجھ کو اس سے سروکار نہیں مگر بھوسہ جب سے کھیتی پیدا ہوئی ہے خاص میرا ہے۔ اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا کہ جس کا دانہ اسی کا بھوسہ کیونکہ بھوسہ دانہ کا تابع ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس پر تفریع فرماتے ہیں:

پس فلک قشرست و نُورِ روح مغز	ایں پدیدست آں خفی زیں رو ملغز

لغات: ملغز فعل نہی ہے لغزیدن سے جس کے معنی ہیں پھسلنا۔

ترجمہ: پس آسمان چھلکا ہے اور نورِ روح مغز ہے (اور چھلکا مغز کے تابع ہوتا ہے) یہ (یعنی فلک) تو ظاہر ہے (اور) وہ (یعنی روح) پوشیدہ اس لحاظ سے لغزش میں نہ پڑو۔

مطلب: افلاک واکوان کے چھلکا اور روح کے مغز ہونے میں ایک وجۂ تشبیہ یہ ہے کہ فلک ارواحِ دنیویہ پر محیط ہے جس طرح مغز پر چھلکا محیط ہوتا ہے دوسری یہ کہ فلک ظاہر اور نمایاں ہے اور ارواح مخفی جس طرح چھلکا اوپر سے دکھائی دیتا ہے اور مغز اس کے اندر چھپا ہوتا ہے۔ زیں رو کا اشارہ اس تمثیل کی صحت اور دلیل کی قوت کی طرف ہے یعنی جب یہ تمثیل ٹھیک صادق آرہی ہے اور دلیل مستحکم ہے تو اب تم کو افلاک کے عدم اتباع اور عدم تسخیر کا شبہ نہ کرنا چاہیے اور اس لغزش میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ عارف کا فلک سے کیا تعلق اور اس پر اس کا کیا حق ہے چونکہ یہاں روح کا ذکر آگیا تھا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ بعض دیگر امور کے خفا کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ چنانچہ آگے جسم، روح، عقل اور روحِ وحی کے ظہور وخفا کے مدارج بیان فرماتے ہیں۔

جسم ظاہر رُوح مخفی آمداست	جسم ہمچوں آستیں جاں ہمچو دست

ترجمہ: جسم ظاہر اور روح پوشیدہ ہے جسم گویا (پیراہن کی) آستین ہے (جو بظاہر نظر آتی ہے اور) روح ہاتھ کی مانند ہے (جو آستین میں مخفی ہے)۔

باز عقل از رُوح مخفی تر بُوَد	حس بسوئے رُوح ازاں زُو تر رَوَد

ترجمہ: پھر عقل روح سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے اس لیے حس (ظاہر) روح (کے ادراک) کی طرف فوراً پہنچ جاتی ہے (اور عقل کو ادراک نہیں کرتی)۔

جنبشے بینی بدانی زندہ است　　　ایں ندانی کوزعقل آگندہ است

ترجمہ: (اس کی دلیل یہ ہے کہ) تم (کسی جسم میں) حرکت دیکھتے ہو تو سمجھ جاتے ہو کہ وہ زندہ (یعنی روح رکھتا) ہے یہ نہیں جان سکتے کہ وہ عقل سے بھی پُر ہے یا نہیں (کوئی دیوانہ و مجنون ہے)۔

مطلب: دیکھو ذرا سی جنبش سے روح کا ادراک تو ہو گیا مگر عقل کا ادراک نہ ہوا۔ اس سے ثابت ہے کہ عقل روح سے زیادہ مخفی ہے عقل کا ادراک اس وقت ہوگا جب کہ اس شخص سے حرکاتِ موزوں موافقِ عقل سرزد ہوں۔ آگے یہی ارشاد ہے:

تا کہ جنبشہائے موزوں سرکند　　　جنبشِ مِس رابدانش زرکند

ترجمہ: حتیٰ کہ وہ موزون حرکات صادر کرے (اور اپنی) تانبے کی (سی ناقابلِ قدر) حرکتوں کو عقل کے ساتھ طلا (کی سی قابلِ قدر و معقول) بنالے۔ (پھر اس کی عقل کا پتہ لگے گا)۔

زاں مناسب آمدن افعالِ دست　　　فہم آید مرترا کہ عقل ہست

ترجمہ: (اسی طرح) تمہارے افعالِ دست کی اس موزونیت سے (یہ بات) سمجھ میں آجاتی ہے کہ تم میں عقل ہے۔

رُوحِ وحی از عقلِ پنہاں تربود　　　زانکہ اُوغیب ست و اُوزاں سَر بود

ترجمہ: پھر روحِ وحی عقل سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے کیونکہ وہ (عالمِ) غیب (سے متعلق) ہے اور وہ اسی سے صادر ہوتی ہے۔

مطلب: روحِ وحی سے قبولِ وحی کی استعداد مراد ہے اور وہ عقل سے بھی زیادہ مخفی ہے کیونکہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے اور روح و عقل کا تعلق عالمِ شہادت سے ہے اس لیے کوئی شخص یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ اس میں یہ استعداد ہے کہ وہ وحی کو قبول کر سکتا ہے اور رسول ہونے کی قابلیت رکھتا ہے کیونکہ اس کا کوئی خاص اثر ظاہر پر نمایاں نہیں ہوتا، بخلاف عقل کے کہ اس کے آثار ظاہر پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اقوالِ شائستہ اور افعالِ موزون کا صدور وغیرہ۔ آگے اس کی وضاحت ایک مثال سے فرماتے ہیں:

عقلِ احمدؐ از کسے پنہاں نشد　　　رُوحِ وَحْیش مُدرَکِ ہر جاں نشد

لغات: مدرک راء کے فتحہ سے بمعنی معلوم محسوس جب را کا کسرہ ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں معلوم کرنے والا مگر یہ یہاں راء کے فتحہ سے ہے خوب خیال رہے۔

ترجمہ: (دیکھو) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عقل کسی سے (حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی) مخفی نہیں رہی مگر آپ کی روحِ وحی ہر شخص کو معلوم نہ ہو سکی (اسی لیے تو بہت سے لوگ آپ کے منکر رہے)۔

مطلب: جنابِ رسول اللہ صلی اللہ وآلہٖ وسلم کی عقل و دانش اور عقلِ سلیم کے تمام مقتضیات مثلاً صدق، امانت، تقویٰ وغیرہ مُسلّمۂ عوام و خواص تھے حتیٰ کہ دشمن بھی آپ کو صادق و امین کے لقب سے پکارتے تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سرمایہ سے آپ کا کاروبارِ تجارت کرنا آپ کے حسنِ معاملہ اور خوش تدبیری کی سندِ تصدیق ثابت ہوا۔ تعمیرِ کعبہ کے موقع پر نصبِ سنگِ اسود کا معاملہ ہولناک خونریزی کا باعث ہونے لگا تھا سب نے کہا کہ اس نوجوان کی طرف رجوع کرو جو صادق و امین ہے حتیٰ کہ آپؐ کے حسنِ تدبیر سے یہ معاملہ خیر و خوبی اور سب کی رضا و خوشی سے طے ہوا کہ تمام لوگوں نے آپؐ کی پختگیٔ رائے اور کمالِ عقل کی داد دی یہ باتیں قاطبۃً تمام لوگوں کے نزدیک مسلمہ تھیں۔ حتیٰ کہ آپ کے منکروں، مخالفوں اور حاسدوں کو بھی ان سے انکار نہ تھا مگر آپ کی روحِ وحی بہت سے لوگوں پر مخفی رہی اسی وجہ سے آج دنیا میں کروڑوں بدنصیب لوگ ایسے موجود ہیں

جو آپ کو رسول اور مہبطِ وحی نہیں سمجھتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عقل اگر ایک پوشیدہ چیز ہے تو وحی اس سے بھی زیادہ مخفی و مستور اور بدشواری ادراک میں آنے والی ہے۔ یہاں کسی کو یہ شبہ عارض ہوسکتا ہے کہ اگر وحی بمقابلہ عقل کے بمشکل ادراک میں آنے والی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ زیادہ خفا کی وجہ سے مدرک نہیں ہوتی، بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ وحی کے آثار ہی نہیں ہیں اور عقل کے آثار ہوتے ہیں جن سے وہ پہچانی جاتی ہے۔ آگے اس کا جواب ارشاد ہے:

روحِ وحیی را مناسب ہاست نیز　　در نیابد عقل کاں آمد عزیز

لغات: وَحیی میں دو یائیں پہلی یاء اصلی دوسری نسبت کی یعنی وہ روح جو وحی سے منسوب ہے عَزِیز نادرالوجود، کمیاب۔

ترجمہ: وحی کی روح کے لیے بھی مناسبات (اور آثار) ہیں اگرچہ عقل ان کو ادراک نہیں کرسکتی کیونکہ وہ نادرالوجود ہیں۔

مطلب: یعنی قبولِ وحی کی استعداد کے بھی خاص آثار ہیں مثلاً ظہورِ معجزات، نصرتِ حق، نفوذِ کلمہ وغیرہ مگر چونکہ یہ آثار قلیل الوجود ہیں نیز ان کا آثارِ وحی ہونا بدیہیات سے نہیں بلکہ عقلِ عوام ان کا وقوع محض اتفاق وغیرہ پر مبنی سمجھ لیتی ہے۔ اس لیے وہ اس وضاحت اور صفائی کے ساتھ روحِ وحی کے آثار قرار نہیں پاتے کہ کسی فردِ انسانی کو بھی روحِ وحی کے لیے ان کے دلیلِ صداقت ہونے میں شبہ نہ رہے ان آثار کا عزیز ہونا علت قرار دیا گیا ہے۔ اس بات کی کہ عقلِ عوام ان کو مناسباتِ روحِ وحی نہیں سمجھتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آثار کمیاب ہیں اور عقل انہیں امور سے استدلال کرنے کی عادی ہے جو کثیر الوقوع ہوں۔ نیز ان آثار کے اپنے ذوآثار کے ساتھ ساتھ تلازُم ایک نظری و سِرّی امر ہے اور عقلِ عوام اس تلازم کی قائل ہوتی ہے جو بدیہیات سے ہو۔

گہ جنوں بیند گہے حیراں شود　　زانکہ موقوف ست تا اُو آں شود

ترجمہ: (چونکہ ہر آدمی ان آثار سے روحِ وحی پر استدلال نہیں کرسکتا اس لیے عقل ان آثار کو کبھی (تقاضائے) جنوں سمجھتی ہے (اور) کبھی (ان کی موزونیت و معقولیت کو دیکھ کر) حیران رہ جاتی ہے کیونکہ (حقیقتِ وحی کا بالبداہت ادراک) موقوف ہے اس بات پر کہ (اس کو اس کے ساتھ ایسی مناسبت تامہ کہ گویا) وہ وہی (ہے حاصل) ہو جائے۔

چوں مناسبہائے احوالِ خضر　　عقلِ موسیٰؑ بود در دیدش کدر

ترجمہ: جیسے حضرت خضر علیہ السلام کے احوال کی مناسبات (کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عقل ان کو دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی (اور لگے اعتراض پر اعتراض کرنے)۔

نامناسب مینمود افعالِ اُو　　پیشِ موسیٰؑ چوں نبودش حالِ او

ترجمہ: چونکہ ان کی (یعنی حضرت موسیٰؑ کی) حالت ان کی سی (یعنی خضرؑ کی سی) نہ تھی اس لیے تو حضرت موسیٰؑ کو ان کے افعال نامناسب نظر آتے تھے۔

عقلِ موسیٰؑ چوں بود درغیب بند　　عقل موشے چوں بود اے ارجمند

صنائع: موسیٰؑ اور موشے میں تجنیس اور تقابل پُرلطف ہے۔

ترجمہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام (ایسے اُولوالعزم پیغمبر) کی عقل (اسرارِ) غیب میں عاجز ہے تو اے ارجمند ذرا سوچو کہ) ایک چوہے (کے سے حقیر و ناچیز آدمی) کی عقل (کی) کیا (بساط) ہوگی (جو ان اسرار کو سمجھے)۔

انتباہ: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے جس قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مفتاح العلوم کی جلد اول میں بتفصیل بیان ہو چکا ہے نیز وہاں یہ بھی بدلائل و براہین ثابت کیا گیا ہے کہ اس واقعہ سے حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل و عالی رتبہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ بعض کج خیال لوگ دعویٰ کیا کرتے ہیں۔

علمِ تقلیدی بود بہرِ فروخت ‏ چوں بیابد مشتری خوش برفروخت

لغات: علمِ تقلیدی سنا سنایا علم، رسمی علم بخلاف اس کے تحقیقی علم وہ ہے جو خود اپنے مشاہدۂ تحقیق سے حاصل ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے شہرِ مدینہ اب تک نہیں دیکھا مگر لوگوں سے سنا اور کتابوں میں پڑھا ہے تو اس کا یہ علم تقلیدی ہے ایک شخص نے مدینہ منورہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کا یہ علم تحقیقی ہے، مگر یہاں علمِ تقلیدی سے کتابی و درسی علم مراد ہے اور علم تحقیقی سے وہ علم مراد ہے جو ریاضت و مجاہدات کے ساتھ کشف و عیاں کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

صنائع: فروخت کا کلمہ دونوں جگہ مختلف معنوں میں آیا ہے لہٰذا اس میں صنعتِ تجنیس ہے۔

ترجمہ: علمِ تقلیدی (واستدلالی خود برتنے کا نہیں بلکہ) بیچ ڈالنے کے لیے ہے (لہٰذا اس علم والا) جب (کوئی) خریدار پاتا ہے تو (خوشی سے اس کا چہرہ) خوب چمک اٹھتا ہے (کہ اب اس سے کچھ مادی فوائد حاصل کریں گے)۔

مطلب: مفتی، قاضی، طبیب، وکیل، مدرس وغیرہ جو اپنے اپنے علوم میں ماہر ہوتے ہیں سب اس زمرہ میں داخل ہیں جو علم فروش ہیں اور اپنے علم سے اپنا پیٹ پالتے ہیں اور عام لوگ ان کے علم کے خریدار ہیں اور مفتی کو اجرتِ فتویٰ نویسی، قاضی کو قضا کی تنخواہ طبیب کو معالجہ کی فیس وکیل کو وکالت کا محنتانہ اور مدرس کو معاوضۂ تعلیم دیتے ہیں مگر تحقیقی علم کا معاملہ کچھ اور ہی ہے وہ دوسروں کے لیے نہیں بلکہ خود اپنے لیے ہے وہ مادی فوائد کے لیے نہیں بلکہ روحانی ثمرات کے لیے ہے اس کے خریدار لوگ نہیں بلکہ خود اپنے لیے ہے وہ مادی فوائد کے لیے نہیں بلکہ روحانی ثمرات کے لیے ہے اس کے خریدار لوگ نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

مشتریِ علمِ تحقیقی حق ست ‏ دائما بازار او بارونق ست

ترجمہ: علمِ تحقیقی کا خریدار حق تعالیٰ ہے اس کا بازار ہمیشہ بارونق ہے۔

لب بہ بستہ مست در بیع وشرا ‏ مشتری بیحد کہ اللّٰہُ اشتریٰ

ترجمہ: (اس علم والا) لب بند کئے ہوئے خرید و فروخت میں مگن ہے خریدار (بھی) بے حد (وانتہا) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود خریدتا ہے۔

مطلب: اس بیع وشری میں زبان کو مصروفِ تکلم کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سلسلۂ تکلم محدود و مقتصر ہے اور یہ سلسلۂ خرید و فروخت غیر محدود ولا منتہی ہے جس کی وجہ یہ کہ خود خریدار حدود و غایت سے منزہ ہے یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ۔ دوسرے مصرعہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ "اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال (اس وعدے پر) خرید لیے ہیں کہ ان کے بدلے ان کو جنت دے گا۔" (توبہ رکوع ۱۴)

درسِ آدم را فرشتہ مشتری ‏ محرمِ درسش نہ دیو ونے پری

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام کے درس کے خریدار فرشتے تھے دیو پری ان کے درس کے اہل نہ تھے۔

مطلب: عِلمِ تحقیقی کا خریدار صرف حق تعالیٰ ہے اس کو اہلِ دنیا نہیں خرید سکتے کیونکہ ہر علم کے قدر دان وہ ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں چنانچہ درسِ آدم کا قدر شناس فرشتہ ہوسکتا ہے نہ کہ جن و پری۔

آدمٌ اَنبِئْهُم بِاَسْمَا درس گو　　شرح کن اسرارِ حق رامُو بمُو

ترجمہ: (اسی لیے تو حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ) اے آدم! ان (ملائکہ) کو اسماء سے مطلع کرو (ان کو درس دو (اور) اسرارِ حق کو خوب کھول کر بیان کردو (کہ یہ قدر دان ہیں)۔

مطلب: یہ اس آیت کے مضمون کی طرف تلمیح ہے یٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآءِ هِمْ فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآءِ هِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَاكُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ. (بقرہ رکوع ۴ ترجمہ پیچھے کسی جگہ گزر چکا ہے)۔

یہاں تک یہ علم کی ایک ضمنی بحث تھی جس میں علم تقلیدی و تحقیقی کی تفصیل کا ذکر آ گیا تھا۔ اب پھر اسی عقلِ موشے کے مضمون کی طرف عود فرماتے ہیں:

آنچناں کس راکہ کوتہ بیں بود　　در تلوّن غرق و بے تمکیں بود

مُوش گفتم زانکہ در خاک ست جاش　　خاک باشد موش راجائے معاش

لغات: تلون مختلف رنگ بدلنا۔ بے تمکین ناپائدار، غیر ثابت قدم جاش جائے او۔

ترکیب: گفتم فعل بافاعل آنچناں کس را الی آخرالبیت مفعول بہ اول موش مفعول بہ ثانی یہ جملہ معلول اگلا جملہ زانکہ الخ اس کی علت۔

ترجمہ: میں نے جو ایسے شخص کو جو پست نظر ہو (اور) تلون میں غرق اور غیر ثابت قدم ہو چوہا کہا تو اس لیے کہ اس کا مقام خاک (یعنی پستی) میں ہے (چنانچہ) چوہے کے رہنے کی جگہ بھی خاک ہوتی ہے۔

راہہا داند و لے در زیرِ خاک　　ہر طرف اوخاک راکردہ است چاک

ترجمہ: لیکن وہ زیرِ زمین کے راستے خوب جانتا ہے چنانچہ اس نے ہر طرف (اندر ہی اندر) زمین کو (اپنے سوراخوں سے) چھلنی بنا رکھا ہے۔

مطلب: یہ عوام الناس جو عقلِ معاد سے کورے اور عقلِ معاش کے پتلے ہیں اپنی پست فطری و کوتہ نظری کے لحاظ سے مثل موش ہیں موش کا ٹھکانا زیرِ زمین ہوتا ہے ان لوگوں کا مدارِ سعی بھی عِلمِ سفلی ہے۔ چنانچہ اس عالم میں اپنی تدابیر کے گھوڑے دوڑاتے ہیں وہ یکتائے روزگار ہیں مگر عالمِ علوی کی تدبیر ان کو خاک بھی نہیں آتی۔ کما قیل ۔

اہلِ دنیا نتوانند بعقبٰے پرداخت　　غیرِ مردار شکارے نبود کرگس را

نفسِ مُوشے نیست اِلّا لقمہ رند　　قدرِ حاجت مُوش راحِسّے دہند

لغات: لقمہ رند لقمہ ربا، لقمہ تراش لینے والا۔ اسم فاعل سماعی ہے رند مشتق ہے رندیدن سے جس کے معنی ہیں تراشنا۔ چھیلنا۔ رندہ کرنا۔

ترجمہ: چوہے کی ذات صرف لقمہ اڑا لے جانے والی ہے (پس) چوہے کو (اس کی) ضرورت کے موافق حس دی جاتی ہے (جو صرف لقمہ ربائی میں کام دے سکے)۔

مطلب: ظاہر یہی ہے کہ یہاں اہلِ دنیا کو چوہے سے تشبیہ دے کر مشبہ یعنی چوہے کی خصوصیات کا ذکر فرما رہے ہیں اور

موشِ نفس کی ترکیب باضافت ہے جس سے چوہے کی ذات مقصود ہے مگر ایک مترجم نے نفس کو مبتدا اور موشے کو خبر سمجھا ہے گویا نفس کو موش سے تشبیہ دے کر نفس کے معائب کا ذکر شروع ہوا ہے اس صورت میں ایک بحث کے اندر نفس کی نئی بحث چھڑ جاتی ہے۔ وہذا مالا یویدہ الذوق السلیم۔

زانکہ بیحاجت خداوندِ عزیز ‏ ‏ ‏ ‏ مے نہ بخشد ہیچ کس راہیچ چیز

ترجمہ: کیونکہ خداوندِ غالب (و بزرگ) کسی مخلوق کو کوئی چیز بے ضرورت نہیں بخشتا۔

سرمدِ غم عشق بو الہوس را ندہند ‏ ‏ ‏ ‏ سوزِ پرِ پروانہ مگس را ندہند

گر نبودے حاجتِ عالم زمیں ‏ ‏ ‏ ‏ نافریدے ہیچ ربُّ العالمیں

ترجمہ: اگر دنیا کو ضرورت نہ ہوتی تو زمین کو (بھی) پروردگارِ عالم ہرگز پیدا نہ کرتا۔

ویں زمینِ مضطرب محتاجِ کوہ ‏ ‏ ‏ ‏ گر نبودے نافریدے پُر شکوہ

ترجمہ: اور اگر یہ زمین (جو پیدا ہونے کے بعد) مضطرب (و بے قرار تھی، اپنے قرار و سکون کے لیے) پہاڑ کی محتاج نہ ہوتی تو (وہ اس) پُرشکوہ (چیز) کو (بھی) پیدا نہ کرتا۔

مطلب: جب زمین کو پیدا کیا گیا تو وہ مضطرب و متحرک تھی جس طرح سطحِ آب پر کوئی چیز لرزاں و بے قرار ہوتی ہے گویا کششِ ارضی اس وقت لنگر کی محتاج تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قرار و سکون کے لیے پہاڑوں کی زبردست میخیں جڑ دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا .... یعنی کیا ہم نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا (النباء ع ۱) مفسرین لکھتے ہیں کہ پہاڑوں کو میخیں اس لیے بنایا گیا کہ وہ حرکت نہ کرے ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ" اور اسی نے بھاری بوجھل پہاڑ زمین میں گاڑے تا کہ زمین تمہیں لے کر کسی طرف کو نہ جھکنے پائے اور (اسی نے) ندیاں اور راستے بنائے تا کہ تم (اپنی) منزلِ مقصود کو پہنچو" (نحل ع ۲) سعدیؒ۔

زمین از تپ لرزہ آمد ستوہ ‏ ‏ ‏ ‏ فرد کوفت بر دامنش میخ کوہ

ورنبودے حاجتِ افلاک ہم ‏ ‏ ‏ ‏ ہفت گردوں ناوریدے از عدم

ترجمہ: اگر آسمانوں کی بھی ضرورت نہ ہوتی تو ساتوں آسمانوں کو عدم سے پیدا نہ کرتا۔

آفتاب و ماہ وایں استارگاں ‏ ‏ ‏ ‏ جُز بحاجت کے پدید آید عیاں

ترجمہ: (اسی طرح) سورج، چاند اور ستارے ضرورت کے بغیر کب پیدا ہوتے ہیں۔

پس کمندِ ہستہا حاجت بود ‏ ‏ ‏ ‏ قدرِ حاجت مردرا آلت بُود

لغات: ہستہا مخلوقات۔ آلت آلہ، سامان۔

ترجمہ: پس تمام مخلوقات کی کمند (مطالب ان کی) حاجت ہے (اور) بقدر حاجت آدمی کو سامان (بھی میسر) ہوتا ہے۔

پس چو حاجت شد کمندِ ہستہا ‏ ‏ ‏ ‏ قدرِ حاجت میرسد از حق عطا

ترجمہ: پس جب حاجت (ہی) مخلوقات کی کمندِ (مطالب) ہے تو بمقدارِ حاجت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔

الخلاف: یہ بیت ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

پس بیفزا حاجت اے محتاج زود تا بجوشد از کرم دریائے جُود

ترجمہ: پس اے محتاج! اپنی حاجتوں کو بڑھا تا کہ (اس جوادِ مطلق کے) کرم سے (اس کے) جُود (وانعام) کا دریا جوش میں آ جائے (اور تجھے سب کچھ مل جائے)۔صائبؔ ۔

دنیا و آخرت چہ بود پیش جُود حق ہمتِ بلند دار زحق ہر دورا طلب

ایں گدایاں بر رہ و ہر مبتلا حاجتِ خود مینماید خلق را

ترجمہ: (دیکھو) یہ راستے پر (بھیک مانگنے والے) فقیر اور (فقیروں کی تخصیص نہیں بلکہ) ہر مبتلائے (مصیبت) اپنی حاجت مندی لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔

کوری و تنگی و بیماری و درد تا ازیں حاجت بجنبد رحمِ مرد

ترجمہ: مثلاً نابینائی اور تنگدستی اور بیماری اور دکھ (کا اظہار کرتا ہے) تاکہ اس محتاجی پر آدمی کا رحم جوش میں آئے (اور وہ آمادۂ امداد ہو جائے)۔

ہیچ گوید ناں دہید اے مردُ ماں کہ مرا مال ست و انبارست و خواں

ترجمہ: (اگر وہ اظہارِ حاجت نہیں کرتا تو) کیا کوئی یوں بھی کہتا ہے؟ کہ اے لوگو مجھے روٹی دو۔ کیونکہ (میں محتاج) نہیں ہوں بلکہ میرے پاس مال ہے اور (غلہ کا) ڈھیر ہے اور خوان ہے۔

مطلب: سائل یوں ہرگز سوال نہیں کرے گا چونکہ میں محتاج نہیں اس لیے مجھے کچھ دو۔ بلکہ اپنی محتاجی کو پیش کرے گا اور دینے والے بھی اگر دیں گے تو اس کی احتیاج کو دیکھ کر ہی دیں گے اگر ذرا بھی اس پر غناو خوشحالی کا شبہ ہوگا تو ہرگز کچھ نہ دیں گے بلکہ الٹا اس کو ملامت کریں گے پس تم کو بھی چاہیے کہ حق تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت مندی، تہیدستی اور بے کسی کو خوب رو رو کر ظاہر کرو اور اپنے مطالب مانگو۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر نعل کا تسمہ ٹوٹ گیا ہو تو اس کو بھی خدا سے مانگنے میں دریغ نہ کرو۔ صائبؔ۔

قوتِ دستِ دعا گردد زبے برگی زیاد ہست در خشکی کشایش پنجۂ شمشاد را

آگے پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع ہے یعنی کسی کو کوئی چیز بے ضرورت نہیں ملتی:

چشم ننہادست حق در کورِ مُوش زانکہ بے چشمش چریدن ہست جوش

لغات: کور موش۔ اندھا چوہا۔ یہاں اس سے غالباً چھچھوندر مراد ہے کہ فارسی میں اس کو موش کہتے ہیں مگر اس کے علاوہ کور موش کے نام سے مشہور ایک اور جانور چوہے کا ہمشکل ہے جو اس کی طرح زمین میں بل بنا کر رہتا ہے چھچھوندر کی تو آنکھیں ہوتی ہیں مگر کور موش کے بارے میں عام خیال ہے کہ اس کی آنکھیں نہیں ہوتی مگر حقیقت یہ ہے کہ ہوتی ہیں۔ ہاں ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں اور وہ بھی بالوں میں چھپی ہوئی جن سے وہ بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے۔

ترجمہ: حق تعالیٰ نے کور موش کی آنکھ نہیں رکھی کیونکہ اس کو آنکھوں کے بغیر ہی چرنا (چگنا) بھاتا ہے۔

میتو اند زیست بے چشم و بصر فارغ است از چشم اندر خاک تر

ترجمہ: وہ (کور موش) آنکھ اور بینائی کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے وہ گیلی مٹی میں (رہنے کو جگہ پا کر) آنکھوں سے بے نیاز ہے۔

نوٹ: مشہور ہے کہ چھچھوندر تر خاک میں رہنا پسند کرتی ہے۔ (کذافی کلید)

جُز بد زدی او بروں ناید ز خاک　　تا کند خالق ازاں دُز دیش پاک

ترجمہ: سوائے (غذا کی) چوری کے وہ (تہ) خاک سے باہر نہیں نکلتی حتیٰ کہ حق تعالیٰ اسے اس چوری (کی آلائش) سے پاک کر دے۔

مطلب: مدعا اس تمثیل سے یہ ہے کہ اربابِ علومِ تقلیدی جو اپنی بے بصری اور عالم ناسوت میں مقید ہونے کے لحاظ سے بمنزلہ موش کور کے ہیں جو زیرِ خاک رہتی ہے اگر وہ کبھی اس کور بصری کو قیدِ ظلمات سے نکل کر متوجہ بحق ہوتے بھی ہیں تو وہ بھی اغراضِ دنیا کے لیے اور ان کی یہ حالت اس وقت تک رہتی ہے جب تک ان کو حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمتِ واسعہ سے اس عیبِ دنیا طلبی سے پاک نہ فرمائے اور اغراضِ دنیویہ کی آلایش سے صاف نہ کر دے جب وہ اس کے فضل سے اس عیب سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ تو پھر ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ:

بعد ازاں پر یابد و مرغے شود　　چوں ملائک جانبِ گردوں رود

ترجمہ: اس کے بعد وہ (پرواز کے لیے) پر حاصل کر لیتا ہے اور پرندہ بن جاتا ہے (اور) فرشتوں کی طرح آسمان کی طرف چلا جاتا ہے۔

مطلب: جب حق تعالیٰ اس بندے کو دنیوی آلایشوں سے پاک کر دیتا ہے اور اس کے ملکاتِ سیئہ کو ملکاتِ حسنہ بنا دیتا ہے کما قال تعالیٰ اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ .... تو اس کا طبعی میلان فرشتوں کی طرح عالمِ بالا کی طرف ہوتا ہے۔ صاحب کلید فرماتے ہیں اس بیان میں ایک تو خود ان لوگوں کو تسلی ہے جو مراتبِ قرب کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔ یعنی ان کو اوپر کے قول "جز بد زدی او بروں ناید ز خاک" سے مایوس نہ ہو جانا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو پاک کر کے مراتب علیا پر فائز کر دے تو بڑی بات نہیں۔ دوسرے جو لوگ ان غافلینِ مرتکبینِ معاصی کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کے لیے تنبیہ ہے کہ دیکھو جس کو چاہے چھچھوندر سے فرشتہ بنا دے۔ ایک راہزن و قزاق کو ولایتِ کبریٰ پر فائز فرما دے۔ تمہیں نہیں چاہیے کہ کسی کو تحقیر کی نظر سے دیکھو اور اپنے زہد و عبادت کے گھمنڈ میں لوگوں کو ہیچ سمجھنے لگو۔ ورنہ وہی مثل ہوگی۔ کہ اَلْحَائِکُ اِذَا صَلّٰی یَوْمَیْنِ اِنْتَظَرَ الْوَحْیَ یعنی ایک نادان جولاہہ اگر دو دن نماز پڑھ لے تو وحی کا انتظار کرنے لگتا ہے یعنی چند روزہ طاعت و عبادت کے زعم میں دنیا جہان کو مرتد و مردود سمجھنے لگے۔ نعوذ باللہ سعدیؒ

چو روئے بخدمت نہی برزمیں　　خدارا ثنا گوے و خودرا مبیں
گدائی ست تسبیح و ذکر و حضور　　گدا را نباید کہ باشد غرور

آگے فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اس عروجِ روحانی سے جو فرحت و مسرت ہوگی اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ:

ہر زماں در گلشنِ شکرِ خدا　　او برآرد ہمچو بلبل صد نوا

ترجمہ: وہ ہر وقت شکرِ خدا کے باغ میں بلبل کی طرح سینکڑوں نغمہ سرائیاں کرے گا۔ کما قیل۔

مطلب از پردۂ غیبے بدر آمد صد شکر　　محنت و کلفتِ دوری بسر آمد صد شکر
غنچۂ گل آمال سراسر بشگفت　　نخلِ امیدِ من آخر بہرا مد صد شکر

کاے رہا نندہ مرا از وصفِ زشت — اے کنندہ دوزخے ارچوں بہشت

مے نہی درپیہ نور و روشنی — استخواں رامیدہی سمع اے غنی

ترجمہ: (وہ یوں شکر کے کلمات کہے گا) کہ اے مجھ کو برے وصف سے چھڑانے والے! اے دوزخ کو مثلِ بہشت بنانے والے! تو چربی (کے ایک ٹکڑے یعنی آنکھ) میں (اپنی قدرت سے) نور اور روشنی رکھ دیتا ہے اے غنی! تو ہڈی کو سننے کی طاقت بخش دیتا ہے۔

مطلب: اس بندۂ شاکر کے کلمات کا مدعا یہ ہے کہ الٰہی تو نے مجھے برے اوصاف سے نجات دلا دی بلکہ میرے برے اوصاف کو اچھے اوصاف بنا دیا گویا میں دوزخ کے شعلوں میں گھرا ہوا تھا جن کو تو نے مجھ پر گلزار کر دیا اور آگ کو گلزار کر دینا تیرے لیے کیا بڑی بات ہے جب کہ تو آنکھ کے ڈھیلے کو جو محض چند رطوبتوں اور پردوں کا مجموعہ ہے انوارِ بصارت کا سرچشمہ بنا دیتا ہے اور اندرونِ گوش کی ہڈیوں کو شنوائی کی طاقت بخش دیتا ہے۔ کان کے اندر ایک ہڈی باریک اور پردہ منڈھا ہے اور اس پر ہتھوڑی کی شکل کی ایک ہڈی رکھی ہے آواز کی لہریں جب کان کے اندر پہنچتی ہیں تو یہ ہتھوڑی نما ہڈی پر بجتی ہے اور یہی استماعِ آواز کی کیفیت ہے۔

چہ تعلق آں معانی راجسم — چہ تعلق فہم اشیا رابااسم

ترجمہ: (یہ محض تیری قدرت کے کھیل ہیں ورنہ) ان باتوں کو چشم کے ساتھ کیا تعلق؟ (اور) چیزوں کے سمجھنے کو (ان کے) ناموں سے کیا علاقہ؟

مطلب: بصر و سمع تو صفات ہیں اور رطوبتِ چشم و استخوانِ گوش وغیرہ اجزائے جسم ہیں ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہ تھا وہ لطیف یہ کثیف وہ غیر مادی یہ مادی، مگر تیری قدرت نے ان میں جوڑ پیدا کر دیا اس سے بھی زیادہ حیرت افزا یہ بات ہے کہ جب ہم مختلف اشیا کے نام لیتے ہیں تو ہر چیز اپنے نام سے فوراً خیال میں آجاتی ہے۔ کسی نے کتاب کہا تو فوراً لکھے ہوئے اوراق کا مجموعہ ذہن میں آگیا۔ لوٹا کہا تو معاً ایک ٹونٹی دار برتن کی طرف خیال منتقل ہو گیا بھلا ایک آواز اور زبان کی حرکت کو ان مادی مجسم چیزوں سے کیا مناسبت تھی کہ فوراً ان کا نام بولتے ہیں تو یہ چیزیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ بس یہ تیری قدرت ہے اور کچھ نہیں۔

لفظ چوں وکرست و معنی طائرست — جسم جوے و روح آبِ سائرست

لغات: وکر گھونسلا، آشیانہ طائر پرندہ۔ سائر جاری، رواں۔

ترجمہ: لفظ گویا گھونسلا ہے اور معنی پرندہ ہیں جسم (بمنزلہ) ندی ہے اور روح (بمنزلہ) آبِ رواں ہے۔

مطلب: کچھ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ مذکورہ اوصاف کو اجسام سے کیا تعلق ہے اگر زیادہ غور کیا جائے تو اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ معانی الفاظ کے اندر یوں سمائے ہوتے ہیں جس طرح گھونسلے میں پرندہ جیسے کہا گیا ہے کہ **الالفاظ قوالب المعانی** یعنی الفاظ معنوں کے قالب ہیں اور جسم کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہر اور اس کے اندر روح کی مثال ایسی ہے جیسے نہر کا جاری پانی مگر اس سے پھر بھی یہ معلوم نہ ہوا کہ ان میں مناسبت کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس سے صرف ظرف و مظروفیت کا تعلق ثابت ہوا مگر ابھی یہ عقدہ غیر منحل ہی رہا کہ اس مظروف کو ظرف سے کیا تعلق ہے اور کیوں ہے؟ شارح کلید یہاں جوش کے لہجہ میں فرماتے ہیں خدا کی قسم قیامت تک اس کی کنہ سمجھ میں آنے والی نہیں، کیونکہ یہ فعلِ حق ہے اس کی کنہ عبد کیونکر معلوم کرسکتا ہے۔

چونکہ یہاں مولاناؒ نے روح کو بہتے پانی سے تشبیہ دی تھی لہٰذا اس مناسبت پر یہاں سے ایک مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں:

در روانی رُوائے آبِ جُوئے فکر نیست بیجا شاکِ خُوب وزشت ذکر

لغات: روئے سطح۔ ذکر یادٗ خیال۔

ترکیب: روئے آب الخ مبتدا موجود خبر محذوف باقی متعلقاتِ خبر۔

ترجمہ: نہرِ فکر کے پانی کی سطح (اپنی) روانی میں اچھے برے خیالات کے کوڑے کرکٹ (سے مکدر ہوئے) بغیر نہیں (رہتی)۔

مطلب: قوتِ فکریہ پر ہمیشہ اچھے برے خیالات کا ورود رہتا ہے۔

اُوروان ست و تو گوئی واقف ست او دوان ست وتو گوئی عاکف ست

لغات: واقف۔ ایستادہٗ کھڑا۔ دواں دوڑنے والا۔ عاکف مقیم کھڑاٗ ٹھہرا ہوا۔

ترجمہ: وہ (پانی برابر) جاری ہے اور تم کہتے ہو کہ ٹھہرا ہوا ہے وہ تیزی سے چل رہا ہے اور تم کہتے ہو کہ کھڑا ہے۔

مطلب: روح ہر وقت عالمِ بالا کی طرف توجہ کر رہی ہے مگر چونکہ اس پر بعض موانع متعلق بالجسم کی وجہ سے طاری ہیں، جو خس و خاشاک سے مشابہ ہیں۔ اس لیے تم کو اس کی روانی معلوم نہیں ہوتی۔ دنیاوی جھگڑوں میں انسان اس قدر منہمک رہتا ہے کہ اس کو اپنی روح کا میلان جو عالمِ غیب کی طرف ہے محسوس نہیں ہوسکتا۔ صائبؒ

ساکن از شیشۂ ساعت نشود ریگِ رواں گرچہ در جسم بود رُوح ہماں در سفراست

گر نبودے سیرِ آب از جابجا چیست بروے نو بنو خاشاک ہا

ترجمہ: اگر پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف چل نہیں رہا تو اس پر نئے خس و خاشاک کیسے ہیں۔

مطلب: اگر روح میں عالمِ بالا کی طرف میلان و رجوع نہیں ہے تو پھر یہ نئے نئے افکار و خیالات اس پر کیوں وارد ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ روح کے عالمِ بالا کی طرف میلان ہونے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے یہ اس کی دلیل اِنّی ہے لِمّی نہیں۔ غرض یہ جو تازہ بتازہ افکار و خیالات کا ورود رہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندر کوئی شے مصروفِ روانی ہے اس کے ساتھ ہی ان افکار کی روانی جاری ہے جس طرح پانی کی سطح پر تنکوں کا چلنا پانی کے چلنے کی دلیل ہے۔

ہست آں خاشاک صُور تہائے فکر نو بنُو در میرسد اشکال بکر

لغات: بکر دوشیزہ عورت زچیز کا شروع ٗ وہ کام جس کی مانند پہلے نہ ہو۔

ترجمہ: وہ خاشاک (کیا ہے؟) صورِ فکر یہ ہیں جو نئی سے نئی تازہ چیز کی طرح پہنچتی ہیں۔

روئے آبِ جوئے فکر اندر روش نیست بیخاشاک محبُوب ووحش

لغات: وحش بفتح واؤ کسرۂ حاءِ حطّی بمعنی زشت و بدصورت اور وحش بسکون حا جمع وحشی دوسرا لغت ہے۔

ترجمہ: (غرض) نہرِ فکر کے پانی کی سطح (اپنی) روانی میں پسندیدہ و ناپسند خاشاک کے بغیر نہیں ہے (یہ خاشاک اس پر ضرور ہوتا ہے)۔

مطلب: ہر انسان کی قوتِ فکریہ کو اچھے اور برے خیالات سے پالا ضرور پڑتا ہے مگر اس کو چاہیے کہ ان افکار سے استدلال کا فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ آگے خود اس کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں مذکورہ بالا بیان گویا تمہید و مقدمہ تھا اب اصل مدعا آتا ہے۔

قشر ہا بر روئے ایں آبِ رواں از ثمارِ باغِ غیبی شد رواں

ترجمہ: اس آبِ رواں کی سطح پر (جو) چھلکے [illegible] کے پھلوں سے (ہیں جو) تیرتے جا رہے ہیں۔

قشرہا را مغز اندر باغِ جُو زانکہ آب از باغ مے آید بجو

صنائع: جُو کے لفظ میں صنعتِ تجنیس نام ہے۔

ترجمہ: (پس تم کو کیا چاہیے کہ) ان چھلکوں کا مغز باغ کے اندر (جا کر) تلاش کرو کیونکہ پانی نہر کے اندر باغ (ہی) سے آ رہا ہے۔

مطلب: صورتِ تمثیل یہ ہے کہ مثلاً ایک نہر باغ کے اندر سے ہو کر آتی ہو اور اس کے پانی کی سطح پر انار، امرود، ناشپاتی وغیرہ موسمی پھلوں کے چھلکے آ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چھلکے باغ سے آ رہے ہیں۔ باغ کے اندر شوقین لوگ کنارۂ آب پر بیٹھ کر پھل کھاتے اور چھلکے پانی میں پھینکتے ہوں گے۔ یہ وہی چھلکے ہیں پس اگر کسی کو ان پھلوں کی خواہش ہو تو جدھر سے پانی آ رہا ہے اس راستے سے جائے اور باغ کے اندر داخل ہو کر ان پھلوں کو حاصل کرے۔ اسی طرح روحِ انسانی پر مختلف خیالات کا ورود بتا رہا ہے کہ روح کسی معدنِ علوم و فیوض سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا اس معدن کی طلب کرنی چاہیے جو اصلِ معارف ہے اور وہ روحِ اعظم اور عالمِ غیب ہے۔ لہٰذا اس استدلال کے وسیلے سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے جب عالمِ غیب کی طرف توجہ ہو گی تو پھر حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف بھی توجہ ہو جائے گی جس کی طرف توجہ کرنا اور اس کے طالب ہونا اقصی الغایات فی الحیات بعد الممات ہے۔

گر نہ بینی رفتنِ آبِ حیات بنگر اندر جوئے ایں سیرِ نبات

ترجمہ: اگر تم (اس) آبِ زندگی کی روانی کو محسوس نہیں کر سکتے تو نہر کے اندر گھاس بوٹی کا چلنا دیکھ (کر اس کی روانی معلوم کر) لو۔

مطلب: غسل و وضو کے لیے جاری پانی کا معیار یہی ہے کہ جب کسی نہر یا ندی کا پانی بظاہر ساکن نظر آئے تو اس میں درخت کا پتا ڈال کر دیکھا جائے اگر وہ اس کی سطح پر چلتا نظر آئے تو وہ پانی ماء جاری کے حکم میں ہو گا۔ اسی طرح اگر روح کا عروج سیر تم کو محسوس نہ ہو تو ان افکارِ نو بنو کی آمد و شد سے استدلال کرو جس سے قوتِ فکریہ کبھی خالی نہیں رہتی۔ کما قیل۔

کبھی وہ اور کبھی اس کا رہا غم غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا

اس سے ظاہر ہو گا کہ روح میں روانی کا سلسلہ جاری ہے کبھی خوشی طاری کبھی رنج غالب، کبھی خوف عارض کبھی اطمینان وارد۔ یہ سب حالات روح کی سیر اور روانی پر دال ہیں۔ یہاں تک عوام الناس کی حالت کا ذکر تھا جو دنیوی احوال سے بہت متاثر و منفعل ہوتے ہیں اور ان پر مکروہاتِ دنیویہ کا اثر بہت دیرپا ہوتا ہے اب خواص الرجال یعنی اولیا کی حالت کو بیان فرماتے ہیں:

آبِ جوانبہ تر آید درگذر زو کند قشرِ صُور زوتر گذر

لغات: انبہ انبوہ، بکثرت۔ زوتر جلدی، بسرعت۔

ترجمہ: جب نہر کا پانی روانی میں بکثرت ہو تو اس سے صور (فکریہ) کے چھلکے بہت جلد گزر جاتے ہیں۔

مطلب: اگر نہر میں پانی کم ہو تو اس کے اوپر کا خس و خاشاک آہستہ آہستہ چلتا ہے اور اگر راستے میں کوئی سبب ان کے اٹک جانے کا ہو تو وہاں دیر تک اٹکے رہتے ہیں کیونکہ پانی کی رفتار بھی دھیمی ہوتی ہے اور اس میں زور بھی کم ہوتا ہے یہ حالت عوام کی ہوتی ہے جن کی روح کو عالمِ بالا کے ساتھ تعلق کم ہونے کے سبب سے اس پر فیضانِ علوم کم ہوتا ہے۔ اس لیے دنیا کے افکار و غموم کا اثر ان پر دیرپا ہوتا ہے اور ان سلوک میں قدم رکھنے والوں یعنی متوسلین میں چونکہ علوم و حقائق کی آمد کا زور ہوتا ہے اس لیے اس میں آبِ فیضان کی تیز روی ان افکار و غموم کو دیر تک ٹھہرنے نہیں دیتی اب آگے کاملین کی حالت کا ذکر ہے:

چوں بغایت تیز شد ایں جُو رواں　　　غم نپاید در ضمیرِ عارفاں

ترجمہ: جب یہ ندی خوب تیزی سے جاری ہوتی ہے تو (پھر) عارفوں کے دل میں غم ٹھہرتا ہی نہیں۔

مطلب: جب ندی میں زور کا ریلا آتا ہے تو خس و خاشاک اس سرعت سے گزرتے ہیں کہ محسوس تک نہیں ہوتے، اگر نظر آتے ہیں تو تیزیِ رفتار سے ان پر نظر جمنے نہیں پاتی۔ یہ عارفین کی حالت ہے کہ ان کے دل پر غموم و ہموم اثر انداز ہوتے ہیں، مگر وہ اثر اس سرعت سے زائل ہوتا ہے کہ گویا تھا ہی نہیں۔ آگے بعض خاص اہلِ حال و مجازیب کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے:

چوں بغایت ممتلی بودو شتاب　　　پس نگنجد اندرو اِلّا کہ آب

لغات: ممتلی پُر، لبریز۔

ترجمہ: (اور) جب (نہر پانی سے) نہایت لبریز اور تیز رو ہو اس میں سوائے پانی کے (خاشاک وغیرہ اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہوتی)۔

مطلب: جب پانی نہر کے کناروں سے نکلتا ہے تو اس کے اندر کا تمام خس و خاشاک باہر نکل جاتا ہے اور نہر میں صاف و شفاف پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا یہ ان لوگوں کی حالت ہے جن پر فنا غالب ہوتی ہے ان کی نظر میں سوائے حق سبحانہٗ کے اور کسی چیز کی گنجائش ہوتی ہی نہیں۔ امیر خسروؒ

عشقِ خصمِ من بس است اے چرخ تو زحمت مکش　　　ہر کجا جلاد باشد حاجتِ قصاب نیست

ونعم ماقیل

صاف دل غمگیں نمیگردد زگردِ حادثات　　　جائے آبِ تیغ در آبِ رواں معلوم نیست

مختلف استعداد کے لوگوں پر غم کی مختلف تاثیرات (۱)

صاحبِ کلیدِ مثنوی نے غم کے ساتھ متاثر ہونے میں ان چاروں اصحاب کا مقابلہ خوب دکھایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان سب میں فرق ایک مثال سے سمجھو۔ مثلاً کئی شخصوں کے فرزند داغِ مفارقت دے گئے ہوں۔ ایک ان میں سے عامی ہے جس کی یہ حالت ہوگی کہ وہ گریہ ویکا شروع کر دے گا اور قسمت کے شکوہ و شکایت کے دفتر کھول دے گا نہ نماز کی پروا رہے گی نہ دیگر فرائضِ اعمال کی۔ بس ہر لحظہ وہر آن وہی رونا پیشِ نظر ہے دوسرا متوسط ہے۔ اس کو حادثہ پر غم بھی ہوا رویا بھی، مگر دو چار روز کے بعد طبیعت سنبھل گئی کام میں لگ گئے پھر گاہے بگاہے خیال آنے پر غم تازہ ہو جاتا ہے تو پھر وہی حالت ہو جاتی ہے۔ مگر حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہیں کرتا نہ تقدیر کا گلہ کرتا ہے۔ تیسرا عارف ہے وہ خبر سنتے ہی انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے۔ رنج بھی محسوس ہوا، آنسو بھی نکلے مگر بہت سنبھلا رہا اور دل کو سمجھا لیا کہ خدا کی چیز تھی اس نے واپس لے لی۔ اس کی نظر فوراً خداوند تعالیٰ پر جاتی ہے اور وہ گردنِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ بتقاضائے طبعِ بشری کچھ رنج کا احساس ہے، مگر دل متوجہ بحق ہے۔ یہ کاملین کی حالت ہے اور یہی مقتضائے کمال ہے اس لیے کہ یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے اشبہ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر کہا تھا۔ اِنَّا بِفِرَاقِکَ یَآ اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ اور آپ کے آنسو بھی جاری تھے مگر قلبِ مبارک میں وہی حبِّ حق بسی ہوئی تھی چوتھا مجذوب ہے جب اس کو اطلاع ملتی ہے تو کہتا ہے الحمد اللہ اور ہنستا ہے خوش ہوتا ہے جیسے کہ اکثر واقعات سنے گئے ہیں۔ یہ حالت غلبۂ فنا کی ہے مگر کمال نہیں۔ ہاں بعض مرتبہ کاملین کو بھی یہ حالت پیش آجاتی ہے، مگر دائمی نہیں رہتی، پس یہ تمام تفاوتِ احوال روح کی قوت اور ضعف پر مرتب ہیں ایک قوی الروح تھا۔ اس کی قوت [illegible] الروح تھا اس پر غم نے غلبہ کیا۔ (انتہی)

اوپر جو یہ بیان تھا کہ جن حضرات، پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے ان کے دل میں غم والم کو اثر انداز ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی اسی مناسبت سے آگے ایک حکایت ارشاد ہے کہ کوئی شیخ (شاید ان کا مشرب ملامتی ہوگا) میخانہ میں جام شراب بھرے بیٹھے تھے کسی نے اعتراض کیا حضرت آپ تو کہا کرتے ہیں کوئی شراب نہ پیے۔ اس میں شیطان پیشاب کرتے ہیں۔ یہ آپ خود پی رہے ہیں تو فرمایا ہمارا جام لبریز ہے۔ اس میں شیطان کے پیشاب کے لیے گنجائش نہیں۔

طعنہ زدنِ بیگانہ درشانِ شیخ و جواب گفتنِ مرید شیخ

ایک غیر عارف کا کسی شیخ پر طعنہ زنی کرنا اور شیخ کے مرید کا جواب دینا

ابلہے یک شیخ راتہمت نہاد! کو بدست و نیست در راہِ رشاد

ترجمہ: ایک نادان نے (جو اسرار طریقت سے نابلد تھا) ایک شیخ پر تہمت لگائی کہ وہ برا ہے اور ہدایت کے راستے پر نہیں ہے۔

شارب خمرست و سالوس و خبیث مر مریداں را کجا باشد مُغیث

لغات: شارب پینے والا۔ سالوس چرب زباں، باتونی، فریبی۔ خبیث ناپاک۔ مغیث فریاد رس، دست گیر۔

ترجمہ: شراب خور ہے فریبی ہے گندہ ہے (ایسا پیر) مریدوں کا کیا (خاک) دست گیر ہوگا۔ حافظ ۔

بگو بزاہد سالوس خرقہ پوش دوروے کہ دست رزق درازست و آستیں کوتاہ

تو خرقہ را زبرائے ہوا ہے پوشی کہ تابرزق بری بندگانِ حق از راہ

آں یکے گفتش اَدب راہوش دار خورد نبود آنچنیں ظن برکبار

ترجمہ: (ان کے) ایک (مرید) نے اس سے کہا ادب ملحوظ رکھو ایسا (برا) گمان بڑے لوگوں پر (رکھنا کوئی) چھوٹا (گناہ) نہیں ہے۔

دور از دو دوراز اَوصافِ اُو کہ زسَیلی تیرہ گردد صافِ اُو

لغات: سیلی سیل کے معنی میں پانی کی رو۔ آخر میں یائے مصدری ہے یعنی سیل بن جانا مراد اس سے مطلق العنانی ہے۔ یعنی جس طرح سیلاب زور و شور کے ساتھ کسی باقاعدگی کے بغیر چلتا ہے اور اپنے پانی کو گدلا کر لیتا ہے۔ اسی طرح اپنے اعمال و اقوال میں کسی قاعدہ و آئین کے پابند نہ ہو۔ ایک مترجم صاحب کہتے ہیں کہ سیل سے مراد صدو رمنکر ہے مگر انہوں نے کسی لغت یا محاورہ سے اس پر روشنی نہیں ڈالی۔ تیرہ گدلا، مکدر۔

ترجمہ: (یہ بات) ان سے اور ان کے اوصاف سے بعید ہے کہ ان کا صاف (وشستہ طریق زندگی مطلق العنانی سے مکدر ہو جائے)۔

آنچنیں بہتاں منہ براہلِ حق کیں خیالِ تُست برگرداں ورق

ترجمہ: ایسی (جھوٹی) تہمت اہلِ حق پر نہ لگاؤ کیونکہ یہ محض تمہارا خیال (باطل) ہے اس (خیال کے) ورق کو (ہی) الٹ دو۔

ایں نباشد ور بوَد اے مُرغِ خاک سحرِ قلزم را زمُردارے چہ باک

ترجمہ: (اول تو) اس (قسم کے کسی فعل) کا (ان سے) وقوع (ہی) نہیں ہوا اور اگر ہوا ہو تو اے خشکی کے پرندے سمندر

کو ایک مردار کا کیا خطرہ۔

مطلب: بحرِ قلزم ایک سمندر کا نام ہے جو پانی کی وسعت اور گہرائی میں ضرب المثل ہے مخاطب کو مرغ خاک اس لیے کہا کہ جس طرح خشکی میں رہنے والا پرندہ سمندر کے حالات و عجائبات کو نہیں جانتا تم بھی اس بزرگ کے اسرار کو کیا جانو جس کے کمالات بحرِ بیکراں ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر ان سے کسی امرِ غیر مشروع کا صدور بھی ہو گیا ہو تو ان کو مضر نہیں کیونکہ اہل اللہ اس حالت میں مغلوب العقل ہونے کے سبب سے مرفوع القلم ہوتے ہیں یا اس لیے کہ ان کے لیے اس شے کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور اس لیے وہ ان کے لیے حرام نہیں رہتی اس مضمون کی مزید توضیح آگے آتی ہے:

نیست دُون القلتین و حوضِ خُرد　　کش تو اند قطرہ ازکارِ بُرد

لغات: قلتین بضمِ قاف و تشدید لام مفتوح و فتح تائے فوقانی۔ دو بڑے مٹکے جن میں بارہ سو رطل عراقی کی مقدار میں پانی سما سکے۔ اتنا پانی جب کسی جگہ زمین میں کھڑا ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک وہ استعمال سے نجس نہیں ہوتا۔ دون مقدارِ مذکورہ سے کم پانی جو نجس ہو جاتا ہے۔ ازکار بردن بیکار کر دینا۔

ترجمہ: (وہ تو بحرِ بیکران ہے کوئی) دو مٹکوں سے کم (مقدار کا پانی) یا چھوٹا حوض نہیں ہے کہ اس کو ایک ناپاک قطرہ ناقابلِ استعمال بنا دے۔

مطلب: مولانا بحر العلومؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو شربِ خمر مضر نہیں اور یہ خیال فاسد ہے کیونکہ شُربِ خمر گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب مشیخت کے قابل نہیں ہوتا اور صوفیِ کامل ہمیشہ گناہِ کبیرہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ پس توجیہِ کلام یوں ہوگی کہ شاید وہ شیخ اصحابِ بدر کے مسلک پر ہوں اور ان پر تمام اشیا بمنزلہ مباح ہو گئی ہوں اور ارتکابِ مباح شیخ کے لیے مضر نہیں۔ جس پر حدیث اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی قُلُوْبِ اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ لَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ اس پر بصورت جموری شہادت دے رہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کے دلوں سے مطلع ہو چکا ہے۔ پس اس نے فرما دیا ہے کہ جو عمل چاہو کرو میں تم کو بخش چکا (انتہی) مگر ہمارے نزدیک پہلے یہ بات تصفیہ طلب ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے یا اس میں تاویل کی ضرورت ہے۔ ظاہری معنی تو اس کے یہی ہیں کہ اگر اہلِ بدر میں سے فی الواقع کوئی صحابی (نعوذ باللہ) زنا یا قتلِ ناروا یا شربِ خمر کا مرتکب ہوتا تو اس پر کوئی حدِ شرعی یا گناہِ آخرت لازم نہیں آتا تھا اس معنی کے لحاظ سے تو بے شک اس سے مذکورہ بالا بحث میں استدلال ہو سکتا ہے لیکن اگر اس کی یہ تاویل کی جائے کہ اہلِ بدر چونکہ کامل الیقین و سابقین و اولین تھے اور ان سے صدورِ معاصی بدرجۂ محال ہو گیا تھا اس لیے ان کی شان کے اظہار کے لیے فرما دیا کہ کوئی گناہ کر سکتے ہو تو کر دیکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ گناہ کرنے والے نہیں ہیں۔ جس کی شہادت قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی قُلُوْبِ سے صاف ملتی ہے اور اس لحاظ سے اِعْمَلُوْا کا کلمہ امر بالعمل نہیں ہے بلکہ قدرتِ عمل نہ ہونے کی دلیل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار سے کہا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ تو اس سے یہ مدعا تھوڑا ہی تھا کہ ضرور ایک سورۃ بنا کر لا دو اس کی ضرورت درپیش ہے (معاذ اللہ) بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی سورۃ تصنیف کر ہی نہیں سکتے یا یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ اِعْمَلُوْا کے معنی عام نہیں بلکہ مخصوص باعمالِ صالحہ ہیں چنانچہ ملا علی قاری قدس سرہٗ مرقاۃ میں اس کلمہ کے تحت میں فرماتے ہیں۔ اعملوا ای من الاعمال الصالحة والا فعال النافلة قليلة او كثيرة. یعنی اعمالِ صالحہ اور نافلہ تھوڑے بہت جو بھی تم چاہو کیے جاؤ تمہارے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو بخش تو چکا ہے ورنہ اس میں ارتکابِ معاصی کے لیے اجازت نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو پھر کعب ابن مالک، ہلال ابن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم جو

اصحابِ بدر میں سے تھے صرف اس قصور پر کہ غزوۂ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے اس قدر سزا کے مستوجب کیوں قرار پاتے کہ پورے پچاس روز تک تمام صحابہ کو ان سے کلام کرنے اور کوئی تعلق رکھنے کی ممانعت رہی جس سے ان پر زمین تنگ ہوگئی تھی اور ان کو رات دن روتے اور آہیں بھرتے گزرتے تھے اور ان کے بارے میں امرِ الٰہی نازل ہو چکا تھا کہ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ "اور (کچھ) اور لوگ ہیں کہ حکمِ خدا کے انتظار میں ان کا معاملہ ملتوی ہے (اس کو اختیار ہے) کہ یا تو ان کو عذاب دے اور یا ان کی توبہ قبول کرلے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"۔ (توبہ ع ۱۳) اگر اہلِ بدر کے سارے آیندہ اور ممکن سے ممکن گناہ بھی معاف کر چکے تھے تو پھر ان تینوں کے لیے اتنے سے قصور پر عذاب کا امکان کیوں رہا؟ اس سے ظاہر ہے کہ اعملوا ما شئتم من المعاصی مراد نہیں بلکہ من الاعمال الصالحۃ مراد ہے اور اس معنی کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ اصحابِ بدر کی نظیر اہل اللہ کے لیے ارتکابِ معاصی کے جواز کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

حضرت شارح کلید مثنوی سلمہٗ ان دونوں شعروں کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ ان شعروں سے جہلاء صوفیہ کے فرقہ اباحیہ والے اس امر کا ثبوت دیتے ہیں کہ سالک ترقی کرتا کرتا ایسے درجہ پر پہنچ سکتا ہے جس میں اس کے لیے سارے کام مباح ہو جاتے ہیں اور وہ کسی گناہ کے ارتکاب سے گناہ گار نہیں ہوتا، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگ مثنوی شریف سے بعض مسائل کا استدلال کرتے ہیں اور اس سے علوم اخذ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جو شخص پہلے سے علوم میں ماہر ہو وہ اس کے مضامین کو ان علوم پر منطبق کرسکتا ہے۔ ورنہ خود اس سے علوم اخذ کرنے میں بڑی سخت گمراہی کا خوف ہے اس کی مثال بالکل قرآن مجید کی سی ہے کہ جس طرح قرآن مجید سے رافضی، سنی، مرجیہ۔ قدریہ۔ جبریہ وغیرہ سب فرق حقہ و باطلہ نے اپنے اپنے مطلب کے مسائل نکال لیے اسی طرح مثنوی سے بھی ہر شخص اپنے ڈھب کی بات نکال سکتا ہے پس جس طرح قرآن کے سمجھنے کے لیے حدیث کا معیار سامنے رکھنے کی ضرورت ہے اسی طرح مثنوی شریف کے سمجھنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ پہلے علومِ دینیہ متعلقہ اصول و فروع حاصل ہوں پھر ان علوم کی روشنی میں اس کے مضامین کو سمجھے۔ اس معنی میں مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے کہ

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

یعنی جس طرح قرآن مجید حدیث کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا اسی طرح مثنوی بھی فارسی زبان کی ایک ایسی کتاب ہے جو اس وصف میں قرآن مجید سے ملتی جلتی ہے وہ بھی علمِ تفسیر، حدیث، عقائد، معانی، بیان وغیرہ پڑھے بدوں سمجھ میں نہیں آسکتی مگر لوگوں نے اس شعر سے یہ مطلب سمجھا ہے کہ معنوی شریف گویا فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے یا اس کے مضامین کا دوسرے پیرائے میں بیان ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے مثنوی شریف میں قرآنی مضامین مستقل طور پر بالکل کم ہیں بلکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ اس شعر کا مطلب یوں بیان فرمایا کرتے تھے کہ مولانا جامی نے مثنوی کو قرآن مجید کا ترجمہ نہیں بلکہ خود قرآن کہا ہے اس لیے کہ قرآن مجید سے مراد کلامِ حق ہے اور کلامِ حق الفاظ کا مقید تو ہے نہیں بلکہ الفاظ مخلوق ہیں اور صفتِ کلام قدیم ہے تو جس طرح کہ اپنے اس کلام قدیم کو کلماتِ عربیہ کے ساتھ منضم کر دیا اور اس کو بذریعہ وحی کے نازل فرمایا اسی طرح اس کلامِ نفسی قدیم کو زبانِ پہلوی کے ساتھ ملا کر بذریعہ الہام مولانا رومی قدس سرہٗ کے قلب مبارک پر وارد کر دیا۔ غرض مثنوی کے مضامین کو علومِ تصوف پر منطبق کرنا چاہیے نہ کہ اس سے علوم اخذ کرنا اور بعض گمراہ لوگ جو اس سے براہِ راست مسائل اخذ کرنے لگتے ہیں تو یہ ایک بے اصول اور پرخطر کام ہے منجملہ ایسے مسائل کے ایک یہ مذکورہ مسئلہ ہے کہ مع ان شعروں سے اہل اللہ کے لیے بعض احوال میں ارتکابِ معاصی کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

مثنوی شریف کی قرآن مجید سے تشبیہ اور اس کی وجہ

قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے علم حدیث اور علم اصول وغیرہ علوم دینیہ کی ضرورت

مولانا جامیؒ کے قول ہست قرآن در زبان پہلوی کا مطلب

اب دیکھئے کہ ان شعروں کا مطلب کیا ہے مولاناؒ نے شیخ کامل کو بحرِ قلزم سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ جس طرح بحرِ قلزم ایک مردار سے ناپاک نہیں ہوتا اس لیے کہ اس میں ایک مانع عن التنجس موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں ماءِ کثیر موجود ہے کہ وہ اس کو ناپاک نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح اگر کسی بزرگ سے کوئی معصیت صادر بھی ہو جاتی ہے تو ان کے اندر ایک مانع ایسا ہوتا ہے کہ وہ مانع عن التنجس بالمعصیت سے مانع ہوتا ہے پس اس کو شریعت سے دریافت کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ جس طرح ہم کو بحرِ قلزم میں بھی شریعت ہی کے بتانے سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے ماء کثیر کے باعث وقوعِ مردار سے ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہم کو یہاں بھی شریعت کی طرف رجوع کرنا چاہیے پس جب شریعت سے موانع پوچھے گئے تو معلوم ہوا کہ منجملہ دیگر موانع کے ایک مانع غلبہ فنا بھی ہے کہ جس وقت سالک پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کو کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔ حتیٰ کہ وہ مرفوع القلم ہو جاتا ہے پس اس کے لیے یہ غلبہ فنا ہی مانع عن التدنس بالمعصیۃ موجود ہے۔ لہٰذا وہ عاصی نہ ہوگا اور چونکہ غلبہ فنا بعض مرتبہ کامل کو بھی ہوتا ہے لہٰذا شیخ کامل سے بھی اگر کوئی معصیت صریحہ صادر ہوگی تو اس کو کہا جائے گا کہ یہ غلبۂ فنا میں صادر ہوئی ہے مگر اس بارہ میں ہوشیار رہنا چاہیے کہ اس سے جاہل و مکار فقیر اپنے لیے شراب، بھنگ، چرس اور دیگر شنائع و قبائح مراد لینا چاہیں اگر وہ شرائط اس میں موجود ہیں تو بے شک اس کو مرفوع القلم اور معاف سمجھا جائے گا اگر وہ شرائط موجود نہیں تو اس کو عاصی و خاطی قرار دیا جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ اس کے یہ معنی مطلقاً نکالنا کہ حضرت تو دریا ہیں بھلا ان باتوں کا وہاں کیا پتا چلتا ہے۔ بالکل غلط ہے بلکہ معنی یوں ہوں گے کہ مرید نے کہا اول تو ان سے بوجہ محفوظ ہونے کے کوئی منکر صادر ہو ہی نہیں سکتا اور اگر کبھی صادر ہوگا تو چونکہ ان میں کامل ہونے کی علامات پائی جاتی ہیں اور پہلے سے ان کا کامل ہونا قطعاً ثابت ہے۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ وہ اس وقت مرفوع القلم ہیں اور ان کی حالت اس کو مقتضی ہے کہ وہ گناہ گار نہ ہوں گے۔ (انتہی)

آتشِ ابراہیمؑ رانبود زیاں　　　ہر کہ نمرو دیست گو میترس ازاں

ترجمہ: آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نقصان (رساں) نہیں ہوتی جو شخص نمرود (کا سا سرکش کافر) ہے (اسے) کہو کہ اس سے ڈرے۔

مطلب: آگ ہر چند ایک خوفناک اور فنا کن چیز ہے مگر ایک کے لیے عین رحمت بن جاتی ہے دوسرے کے لیے عذابِ الیم ہے۔ یہی حال امورِ ممنوعہ کا ہے کہ وہ مغلوب الحال بندوں کے لیے مضر نہیں۔

نفس نمرودست و عقل و جاں خلیل　　　روح در عین ست و نفس اندر دلیل

لغات: خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے۔ عین معاینہ مشاہدہ۔ دلیل استدلال۔

ترجمہ: نفس نمرود ہے اور عقل اور روح (بمنزلہ) خلیل اللہ ہیں (ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ) روح مشاہدہ (حق) میں (مستغرق) ہے اور نفس استدلال (کے چکر) میں (سرگرداں) ہے۔

مطلب: جن لوگوں کا نفس بھی غلبۂ روح سے روح بن گیا ہے ان کو معصیت مضر نہیں خواہ اس لیے کہ تبدلِ حقیقت سے وہ معصیت فی نفسہ معصیت نہیں رہتی یا اس سبب سے کہ ان کی مغلوبیت کے باعث ان کے حق میں وہ معصیت کا حکم نہیں رکھتی اور جن لوگوں کی روح بھی مغلوبِ نفس ہو کر بمنزلہ نفس ہوگئی۔ ان کو بے شک ضرر ہوتا ہے (کلید) اس شعر کے مصرعہ ثانیہ سے ایک اور مضمون کی طرف انتقال ہے:

ایں دلیلِ راہ رہرو را بُود　　　کو بہردم در بیاباں گم شود

ترجمہ: یہ جو راہ بتانے والے کی ضرورت ہے [illegible] کے بغیر) ہر لحظہ جنگل میں (راستہ) بھول سکتا ہے۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ روح مشاہدہ میں مستغرق ہے اور نفس دلائل کے چکر میں پڑا ہے گویا روح کو دلیل یعنی رہنما کی ضرورت نہیں۔ اب اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں کہ روح تو واصل ہے اور رہنما کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو ابھی راستے میں سرگردان ہو، واصل کو کیا ضرورت؟

واصلا نرا نیست جز چشم و چراغ   از دلیل وراہِ شاں باشد فراغ

ترجمہ: (ذاتِ حق سے) واصل ہونے والوں کو تو صرف چشم (بینا) اور چراغ (بصیرت کی ضرورت) ہے ان کو رہنما اور راہ (کی ضرورت) سے فراغت (حاصل) ہے۔

مطلب: یہاں روح سے مراد واصلین اور نفس سے مراد مجوبین ہیں۔ مجوبین کو ہی استدلال کی ضرورت پڑتی ہے واصل کو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وصول بمقصود کے بعد منزل کی راہ تلاش کرنا تحصیلِ حاصل ہے ہاں اس کو یہ ضرورت ہے کہ مشاہدۂ حق کے لیے تابِ نظر اور قوتِ مشاہدہ حاصل ہو۔ حافظؒ

دیدنِ رُوئے ترا دیدۂ جاں مے باید   ویں کجا مرتبہ چشم جہاں بینِ من است

اب یہاں یہ شبہ عارض ہوسکتا ہے کہ انبیاء و اولیا تو واصل ہیں پھر حق تعالیٰ کی معرفت کے لیے انہوں نے دلالات کیوں کیے ہیں آگے اس کا جواب ارشاد ہے:

گر دلیلے گفت آں مردِ وصال   گفت بہرِ فہمِ اصحابِ جدال

ترجمہ: اگر وہ بزرگ (جو) واصل (بحق ہیں) دلیل بیان فرماتے ہیں تو (خود اپنی تسلی کے لیے نہیں بلکہ اس مسئلے میں) بحث و تکرار کرنے والوں کو سمجھانے کے لیے (بیان) فرماتے ہیں۔

مطلب: منکرینِ حق جو اپنے کفر و انکار پر اڑ جاتے ہیں اور حق کی تکذیب میں طرح طرح کی حجتیں تراشتے رہتے ہیں ان کو قائل و لاجواب کرنے کے لیے دلائل کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ ان اہل اللہ کو اپنے اطمینان کے لیے ان کی ضرورت نہیں۔
آگے اس کی ایک مثال ارشاد ہے:

بہرِ طفلِ نو پدر تی تی کند   گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند

لغات: تی تی کردن تتلا کر بولنا۔ ہندسہ بفتح ہا اندازہ لگانا۔ اس علم کا نام ہے جس سے عمارتوں کے نقشے اور ان کا تخمینہ و اندازہ کرنا آجاتا ہے۔ جس کو آج کل کی اصطلاح میں انجینئری کہتے ہیں اور انجینئر مہندس ہے مگر ہمارے یہاں ہندسہ سے مراد عموماً رقم اعداد لیتے ہیں۔ گیتی جہان۔

ترجمہ: (دیکھو) باپ ایک نئے (بولی سیکھنے والے) بچے کے لیے تتلا کر بولنے لگتا ہے اگرچہ اس کی عقل جہان بھر کو ناپ سکتی ہو۔

مطلب: جس طرح ایک عقیل و فہیم اور فصیح و بلیغ باپ اپنے بچے کی تعلیم و تفہیم کے لیے اس کی سی باتیں کرنے لگتا ہے اسی طرح انبیاء و اولیا محض لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے ان کی عقل اور ادراک کے مطابق دلائل پیش کیا کرتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَآءِ اُمِرْنَا اَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُكَلِّمَهُمْ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ. یعنی ہم پیغمبر لوگوں کو حکم ہے کہ لوگوں سے ان کے حسب مراتب سلوک کریں اور ان کی عقلوں کے پیمانہ پر ان سے بات چیت کیا کریں۔ (احیاء العلوم)

کم نگردد فضل استاد از عُلو گر الف چیزے ندارد گوید اُو

لغات: فضل بزرگی علو بلندیٔ الف چیزے ندارد الف خالی۔

ترجمہ: کسی استاد کی بزرگی (اپنی) برتری سے کم نہیں ہو جاتی اگر وہ (کسی بچے کو پڑھاتے وقت) کہے الف خالی (بے کے نیچے ایک نقطہ تے کے اوپر دو نقطے الخ)۔

از پئے تعلیم آں بستہ دہن از زبانِ خود بروں باید شدن

در زبانِ اُو باید آمدن تا بیا موزد زِتو اوعلم و فن

ترجمہ: (غرض اگر تم مدرس ہو تو) اس (بچے) کی تعلیم کے لیے جس کا منہ (ابھی بڑے بڑے علمی مسائل سے) بند ہے (تمہیں) اپنی زبان سے دست بردار ہو جانا چاہیے اور اس بچے کی زبان میں آجانا چاہیے تا کہ وہ (بتدریج) تم سے علم و فن سیکھ جائے۔

مطلب: اگر ایک ابجد خواں بچے کو سبق سمجھانے کے لیے ابھی سے فاضلانہ تقریریں شروع کر دیں تو بس وہ پڑھ چکا، بلکہ صحیح طریقہ تعلیم یہی ہے کہ بچے کو سبق پڑھاتے وقت تھوڑی دیر کے لیے خود بخود بچہ بن جائیں اسی کی سی سادہ گفتگو چھوٹے فقرے اور آسان بولی استعمال کی جائے بعض نسخوں میں ان دو شعروں کے بجائے تین شعر یوں درج ہیں۔

از پئے تعلیم آں بستہ دہن گوید اوحطی و ہوز کلمن

در زبانِ اوباید آمدن از زبانِ خودبروں باید شدن

تابیا موزد زتو اوعلم وفن جملگی از خود بباید گم شدن

ان میں دوسرا مصرعہ اور چھٹا مصرعہ زائد ہیں باقی تمام مصرعے وہی ہیں مطلب ظاہر ہے مگر اس ترتیب میں وہ برجستگی نہیں جو ہمارے نسخے کے دونوں شعروں میں ہے۔

پس ہمہ خلقاں چوطفلانِ وَیند لازم ست ایں پیررا در وقتِ پند

ترجمہ: پس تمام لوگ گویا اس (نبی یا ولی) کے بچے ہیں لہٰذا یہ (بات) پیر کے لیے لازم ہے کہ (ارشاد و تلقین کے وقت ان کی سمجھ کے مطابق آسان پیرایۂ کلام اختیار کرے)۔

مطلب: ہمہ خلقاں سے مراد اس نبی کی امتِ دعوت یا اس پیر کے اہل ارادت ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کی استعداد کو مد نظر رکھ کر سمجھانا چاہیے اس انتقالی مضمون کو یہاں تک پہنچا کر اب اصل قصے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آں مُریدِ شیخ بد گو یندہ را آں بکفر و گمراہی آگندہ را

گفت تو خود را مزن بر تیغِ تیز ہیں مکن با شاہ و با سُلطان ستیز

لغات: آگندہ بر آلودہ ستیز جھگڑا بحث۔

ترکیب: گفت فعل آں مرید شیخ اس کا فاعل بدگو یندہ را مفعول بہ تو خود را الخ مقولہ۔

ترجمہ: شیخ کے اس مرید نے اس معترض بدگو کو اس لبریز کفر و گمراہی کو کہا تو اپنے آپ کو تیز تلوار سے نہ بھڑا (وہ کاٹ کر رکھ دے گی) خبردار! بادشاہ و سلطان سے جنگ نہ چھیڑ، (ورنہ پس جائے گا)۔

حوض با دریا اگر پہلو زند خویش را از بیخ ہستی بر کند

ترجمہ: (یہ قاعدہ ہے کہ اگر حوض دریا سے ٹکرائے تو اپنے آپ کو برباد کرلے (تو ایک حوض ہے۔ وہ دریا ہیں)۔

نیست بحرے کو کراں دار دکہ تا تیرہ گردد او ز مُردارِ شما

ترجمہ: (مگر) ایسے دریا نہیں ہیں جس کا کوئی کنارہ ہو، حتیٰ کہ وہ تمہارے (انکار و مخالفت کے) مردار سے مکدر ہو جائے۔ سعدیؒ۔

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ عارف کہ برنجد تنک آب ست ہنوز

بحر را حدّاست وانداز ہ بداں شیخ و نورِ شیخ رانبود کراں

ترجمہ: دریا کا تو حد اور اندازہ ہوتا ہے (مگر) واضح رہے کہ شیخ اور شیخ کے نور کی کوئی انتہا نہیں۔

مطلب: اس لیے کہ ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ اتحادِ مصطلح حاصل ہے وہ متخلق با خلاق اللہ ہیں اور ان کی حالت بی یسمع وبی ینطق وبی یبصر، کی مصداق ہے پس جب صفاتِ حق لامتناہی ہیں اور وہ حق کے ساتھ اصطلاحاً متحد ہیں تو ان کی صفات بھی غیر متناہی ہونگی۔ صائبؒ۔

گرچہ در ظاہر بزیر دست و پا افتادہ اند بگذر ندازنہ فلک چوں رخش ہمت زیں کنند

پیشِ بے حد ہرچہ محدو دست لاست کُلُّ شَیْءٍ غَیْرُ وَجْهِ اللّٰهِ فناست

ترجمہ: (اس ذات) بیحد (وغایت) کے سامنے ہر چیز جو محدود ہے نابود ہے (یعنی) ہر چیز جو اللہ کے سوا ہے فانی ہے۔

مطلب: جب اس بندۂ خاص کو حق تعالیٰ کے ساتھ اصطلاحاً اتحاد وعینیت حاصل ہوگئی اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو چکا تو جس طرح حق تعالیٰ کے سامنے ہر چیز فانی و بے بود ہے، اس بندے کے لیے بھی تمام امور حتیٰ کہ معاصی بھی فانی و بے بود ہیں لہٰذا وہ ان کی وجہ سے عاصی نہیں کہلا سکتا نہ اس پر ایسے احکامِ ظاہر جاری ہو سکتے ہیں۔ دوسرا مصرعہ لبید شاعر کے اس شعر سے ماخوذ ہے اور اس شعر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرمایا تھا کہ سب سے زیادہ سچا شعر جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ وہ لبید کا یہ شعر ہے۔

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلٌ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

"یاد رکھو ہر چیز اللہ کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت ضرور زائل ہونے والی ہے۔"

کفرو ایماں نیست آنجائیکہ اوست زانکہ او مغزست و ایں دو رنگ پوست

ترجمہ: جس مقام پر وہ (فائز) ہے وہاں کفر و ایمان نہیں ہیں کیونکہ وہ تو مغز ہے اور یہ دونوں (یعنی کفر و ایمان) رنگ اور پوست ہیں۔

مطلب: ظاہر ہے کہ پھل کا رنگ اور پوست باہر ہی باہر ہوتا ہے مغز اندر سے صاف و سفید نکلتا ہے۔ اسی طرح یہ حضرت جس مقام پر اس وقت ہیں وہاں کفر و ایمان کا دخل نہیں۔ یعنی چونکہ کفر و ایمان افعالِ عباد سے ہیں اور یہ بزرگ بوجہ عینیتِ مصطلحہ ان افعالِ عباد سے بے تعلق ہو چکے ہیں بلکہ خود ان کے افعال بھی اصطلاحاً افعالِ حق قرار پا چکے ہیں لہٰذا ان کو اس مرتبہ میں نہ کافر کہہ سکتے ہیں نہ مومن اور نہ ان پر احکامِ ظاہری جاری ہو سکتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ کفر ان کے لیے جائز ہے (نعوذ باللہ کما تقول الاباحیۃ) بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ اس مقام میں کفر سے موصوف ہی نہیں ہوتے چہ جائے کہ ان کے لیے کفر کے جواز و عدمِ جواز کی نوبت آئے۔ فافہم (کلید)

ایں فنا ہا پردۂ آں وجہ گشت　　چوں چراغے خفیہ اندر زیرِ طشت

لغات: فناہا اشیائے فانیہ ۔وجہ چہرہ، ذات طشت تھال، پرات

ترجمہ: یہ فانی چیزیں اس ذاتِ پاک کی پردہ ہوگئی ہیں جس طرح ایک چراغ کسی طشت کے نیچے مخفی ہو۔

مطلب: جب اہل اللہ کا یہ درجہ اور منزلت ہے تو پھر ان پر تکفیر و تفسیق کے فتوے کیوں دیے جاتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شیخ کے اوصافِ فانیہ اس کے کمالات ذاتیہ کا پردہ بن جاتے ہیں جس طرح ایک طشت کے نیچے چراغ رکھ دیا جائے تو چراغ کو کوئی نہیں دیکھے گا بلکہ طشت کو ہی نہیں دیکھے گا۔ اسی طرح محجوب لوگ ان اہل اللہ کے چراغِ کمال کو نہیں دیکھتے بلکہ ان کی ظاہری صورت کو ہی دیکھتے ہیں اور ان کو اِنْ هٰـذَا اِلَّا بَشَـرٌ مِّثْلُنَا سمجھ کر ان کے ساتھ اپنا سا معاملہ کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ بقول صائبؒ۔

درتہِ تودۂ خاکستر ہستی چوں برق　　گرم روشنگرِ آئینۂ جانانِ خود اند

پس سرِ ایں تن حجابِ آں سرست　　پیشِ آں سرِ ایں سرِ تن کافرست

ترجمہ: پس (ان کا) یہ (ظاہری) سر جو اپنے بدن پر ہے اس (حقیقی و معنوی) سر (یعنی روح) کا حجاب (بن گیا) ہے۔ یہ بدن کا سر اس کے سر کے آگے کافر ہے۔

مطلب: تن سے جسم اور آں سر سے روح مراد ہے یعنی لوگ اس حقیقی سر یعنی روح کو دیکھتے ہی نہیں صرف ظاہری سر یعنی دھڑ یا جسم کو دیکھتے ہیں اور اسی پر حکم لگاتے ہیں حالانکہ ان کے اس سر میں اور اس سر میں بُعد المشرقین ہے اور گویا یہ سر اس سر کے مقابلے میں ناقابلِ اعتنا بلکہ لائقِ نفرت اور کافر ہے اس کے بعد مولانا متنبہ ہو کر فرماتے ہیں۔

کیست کافر؟ غافل از ایمانِ شیخ　　کیست مُردہ؟ بیخبر از جانِ شیخ

صنائع: دونوں مصرعوں میں کفر و ایمان اور مردہ و جان کا تضاد پُر لطف ہے۔

ترجمہ: (اوہو! میں کس کو کافر سے تشبیہ دے رہا ہوں حقیقت میں) کافر کون ہے؟ جو شیخ کے ایمان (کامل) سے بیخبر ہو مردہ کون ہے؟ جو شیخ کی (روحانی) زندگی سے بے خبر ہو۔

مطلب: اوپر شیخ کے ظاہری سر کو بمقابلہ حقیقی سر کے کافر سے تشبیہ دی تھی۔ اب اس سے رجوع کر کے کہتے ہیں کہ نہیں نہیں بلکہ کافر وہ ہے جو شیخ کے کمالاتِ باطن سے غافل اور مردہ ہے جو شیخ کی حیاتِ طیبہ سے نابلد ہے۔ آگے بے خبر کے مردہ ہونے کی دلیل پیش فرماتے ہیں:

سوال: پیچھے کہہ چکے ہیں کہ شیخ کامل ایمان و کفر دونوں سے برتر ہے ان سے وہ موصوف نہیں ہوسکتا۔ اب یہ ارشاد ہے کہ شیخ کے ایمان سے غافل ہونے والا کافر ہے، تو پھر شیخ ایمان سے موصوف ہوا؟

جواب: یہاں شیخ کے ایمان سے مراد تصدیقِ عیانی ہے اور پیچھے جس ایمان کی اس سے نفی کی گئی تھی وہ ایمانِ تقلیدی تھا جو عیان و شہود کے بغیر حاصل ہوتا ہے یا وہ تصدیق جو اخبارِ شارح کی تقلید سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ فلا تعارض۔

جاں نباشد جز خبر در آزموں　　ہر کہ را افزوں خبر جانش فزوں

لغات: خبر علم ۔ آزموں امتحاں، آزمائش۔

ترجمہ: جان اس صورت میں (موجود ثابت) ہوتی ہے کہ (کسی چیز کے) امتحان میں علم پایا جائے جس کو علم زیادہ ہوگا اس کی جان بھی بڑھ کر ہوگی۔

مطلب: اس کا مطلب دو طرح ہوسکتا ہے ایک تو یہ کہ جب کسی چیز کو آزمایا جائے اور ثابت ہو کہ اس کو علم ہے تو اس سے اس کا زندہ ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے، کیونکہ علم زندگی کے آثار سے ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کسی چیز کو آزمانے لگے اور اس آزمائش میں اس کو اس چیز کے متعلق کچھ علم حاصل ہو جاتا ہے تو یہ علم اس کی آزمانے والے کی زندگی کی نشانی ہے۔ بہر کیف جس کو زیادہ علم ہوگا اس کی زندگی زیادہ فائق ہے اور وہ جس کو علم نہ ہو وہ مردہ ہے۔ آگے زیادتِ علم سے زیادتیِ جان کے نظائر پیش فرماتے ہیں:

جانِ ما از جانِ حیواں بیشتر　　از چہ؟ زاں رُو کہ فزوں دارد خبر

ترجمہ: دیکھو ہماری جان (چوپایہ) جانوروں کی جان سے بڑھ کر ہے (یہ) کیوں؟ اس لیے کہ ہماری جان زیادہ علم رکھتی ہے۔

مطلب: حیوانات کو صرف جزئیات کا علم ہے اور انسان کو کلیات کا بھی علم ہے ہم اس مجمل بات کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں دیکھو انسان اور بہائم دونوں مقتضائے طبیعت مثلاً اکل، شرب، جماع، استظلال من الشمس (سایہ میں بیٹھنے) اور استدفاء الشتاء (سردی سے بچنے) میں مساوی ہیں مگر انسان ان سب مخلوقات میں سے مدرک کلیات ہونے میں ممتاز ہے۔ فھو ینبعث الی شی من رای کلی والبھیمۃ انما تنبعث الی غرض محسوس او متوھم من داعیۃ ناشئۃ من طبیعتھا یعنی انسان کسی امر کی طرف توجہ ایک کلی اور اصولی رائے سے کرتا ہے اور چوپایہ جانور محض کسی محسوس یا متوہم غرض کی طرف اپنی طبیعت کی تحریک سے توجہ کرتا ہے۔

انسان اور حیوان کے علم کا تفاوت

اس عقدہ کا حل اس مثال سے ہوگا کہ جس طرح ایک انسان اپنے دشمنِ قوی سے کوئی چوٹ کھا کر فرار کرتا ہے اسی طرح ایک بہیمہ بھی لاٹھی کی ضرب کھا کر بھاگ جاتا ہے کیونکہ یہاں ایک امرِ محسوس مؤثر ہے۔ جس سے متاثر ہونے میں انسان و بہیمہ دونوں برابر ہیں۔ علیٰ ہذا جس طرح دور سے لاٹھی اٹھانا انسان کے لیے موجب خوف و حذر ہے۔ اسی طرح حیوان کے لیے بھی باعثِ فرار ہے کیونکہ یہاں ایک امر متوہم یعنی توقعِ اذیت موثر ہے اور اس میں بھی دونوں مساوی ہیں لیکن اگر فرض کریں کہ کسی مکان میں ایک انسان اور ایک چوپایہ موجود ہیں اور چھت کے شہتیر سے اس کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی تو انسان فوراً بھاگ جائے گا مگر چوپایہ کی طبیعت میں کوئی امر بھاگ جانے کا محرک نہ ہوگا کیونکہ اس مقام پر خوف و حذر کا باعث ایک امرِ کلی ہے اور وہ یہ ہے کہ "جب چھت کا شہتیر ٹوٹتا ہے تو ضرور ساری چھت زمین پر آگرتی ہے اور اس کے نیچے دب جانے والی چیز کا ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔" انسان مدرکِ کلیات ہے اس نے اس امر کو ادراک کر لیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ چوپایہ مدرکِ کلیات نہیں صرف محسوسات و متوہمات کا ادراک کرسکتا ہے۔ اس لیے اسے کوئی خوف محسوس نہ ہوا اور کھڑا رہا اس سے انسان کے علم کا حیوان کے علم سے بمدارج زیادہ ہونا ثابت ہوا جب ہمارا علم ان کے علم سے بڑھ کر ہے تو ہماری زندگی بھی ان کی زندگی سے افضل و برتر ہوگی۔

پس فزوں از جانِ ما جانِ ملک　　کو منزہ شد ز حسِ مشترک

لغات: منزہ پاک، حسِ مشترک اصطلاحاً حواسِ باطن میں سے ایک حس کا نام ہے جس میں یہ تمام محسوسات کی صورتیں منقش ہوتی ہیں اور اس کا محل پیشانی کے اندر ہے مگر یہاں یہ مراد نہیں بلکہ لغوی معنی کے لحاظ سے وہ حس مراد ہے جو حیوان و انسان میں مشترک ہے یعنی حس حیوانی جس میں حواسِ خمسہ ظاہرہ و باطنہ داخل ہیں۔

ترجمہ: پس ہماری زندگی سے فرشتوں کی زندگی افضل ہے کیونکہ وہ (انسان و حیوان کی) مشترکہ حس (یعنی حسِ حیوانی) سے پاک ہیں (اور حسِ ملکی ان کے علم کا مبدء ہے)۔

مطلب: اگرچہ بعض خاص اعتبارات سے انسان ملائکہ سے افضل ہے مگر علم اور احاطۂ معلومات کے لحاظ سے عامۂ بشر

سے ملائکہ بڑھ کر ہیں کیونکہ انسان میں حسِ حیوانی ہے حس ملکی نہیں، فرشتوں میں حسِ ملکی ہے حیوانی نہیں اور حسِ ملکی ادراکِ مغیبات میں حسِ حیوانی سے بڑھ کر ہے۔ واضح ہو کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں یا انسان ملائکہ سے افضل ہیں۔ قولِ فیصل وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں محدثین سے منقول ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا تو ملائکہ نے عرض کیا اے پروردگار تو نے ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو کھاتے ہیں، پیتے ہیں، نکاح کرتے ہیں اور سوار ہوتے ہیں۔ پس ان کے لیے دنیا مخصوص کر دے اور ہمارے لیے آخرت اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **لا اجعل من خلقته بیدی و نفخت فیه من روحی کمن قلت له کن فکان**. یعنی میں نے جس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے اسے میں اس مخلوق کے برابر نہیں بناؤں گا جو صرف کن کے کہنے سے موجود ہوگئی۔ (مشکوٰۃ) ابن الاعرابی کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ انسان اور ملائکہ کرامت اور قربت میں برابر نہیں ہیں بلکہ انسان کی بزرگی بڑھ کر ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ)

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم المومن اکرم علی الله من بعض الملئکة حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک بعض ملائکہ سے زیادہ قابلِ عزت ہے (مشکوٰۃ) یہاں مومن سے عامۂ مومنین مراد ہیں، لیکن مومنوں کی افضلیت کا حکم کلی نہیں ہے بلکہ بعض مومن بعض ملائکہ سے افضل ہیں اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواصِ بشر خواصِ ملائکہ سے بہتر ہیں اور خواصِ ملائکہ عوام بشر سے برتر ہیں بہر دو تقدیر یہ ارشادِ نبوی صادق آ جاتا ہے کہ بعض مومن اللہ کے نزدیک بعض ملائکہ سے زیادہ قابلِ عزت ہیں (لمعات شرح مشکوٰۃ) خواص مومنین سے مراد مرسلین وانبیاء ہیں اور خواص ملائکہ سے مثل جبرائیل و میکائیل وغیرہ اور عام مومنین سے کل اولیاء اور عام ملائکہ سے باقی تمام ملائکہ (مرقات شرح مشکوٰۃ) آگے خود مولانا فرشتوں پر خواص مومنین کی فضیلت بیان فرماتے ہیں:

وز ملک جانِ خداوندانِ دل باشد افزوں تو تحیرؔ را بہل

لغات: خداوندانِ دل۔ اہلِ دل مراد انبیاء علیہم السلام تحیرؔ حیرت، تعجب بہل فعل امر ہے ہلیدن سے جس کے معنی ہیں چھوڑنا ترک کرنا۔

ترجمہ: اور پھر فرشتوں سے اہلِ دل (یعنی انبیاء علیہم السلام) بڑھ کر ہوتے ہیں (کیونکہ ان میں حس حیوانی و حس ملکی دونوں موجود ہیں) تم (اس بارے میں) حیران ہونا چھوڑ دو، (کیونکہ ہمارا دعویٰ دلیل سے ثابت ہو چکا)۔

زاں سبب آدمؑ بود مسجودِ شاں جانِ او افزوں ترست از بود شاں

ترجمہ: اسی سبب سے تو حضرت آدمؑ کے آگے انہوں نے سجدہ کیا ان کی حیات ان (ملائکہ) کی حیات سے اعلیٰ تھی۔

مطلب: یہاں یہ شبہ عارض ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کے سجدہ کرنے سے آدمؑ کا افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا ممکن ہے کہ وہ مفضول ہوں مگر کسی خاص حکمت کی بنا پر افضل کو مفضول کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں

ورنہ بہتر را سجودِ دوں ترے امر کردن ہیچ نبود در خورے

لغات: دوں تر کمتر، ادنیٰ، کم رتبہ۔ در خور لائق۔

ترجمہ: ورنہ ایک افضل کو (اپنے سے) کم رتبہ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دینا بالکل مناسب نہ تھا۔

کے پسندد لطف و عدلِ کردگار　　　کہ گلے سجدہ کند درپیشِ خار

ترجمہ: (بھلا) حق تعالیٰ کی مہربانی اور انصاف یہ بات کب پسند کرتا ہے کہ ایک پھول کانٹے کے سامنے سجدہ کرے۔

مطلب: اگرچہ حق تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ الٹا حضرت آدم علیہ السلام سے فرشتوں کو سجدہ کرا دیتا مگر اس کی مہربانی اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی حقدار اپنے حق سے محروم نہ رہے حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل تھے انہی کا یہ حق تھا کہ مسجودِ ملائک ہوں اور خدا کی مہربانی اور عدل یہ گوارا نہیں کرتا کہ الٹا افضل مفضول کی تعظیم بجا لائے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا افضل ہونا ثابت ہوگیا اور کیوں نہ ہو۔ آخر ان کا علم تو دیکھو کہ حق تعالیٰ نے ان کو کل کائنات کے اسماء اور ان سب کے خواص و ماہیات و کیفیات کی اطلاع بخش دی تھی اور فضیلت کا مدار علم پر ہی ہے جیسے کہ اوپر کہا گیا تھا۔ "ہر کرا افزوں خبر جانش فزوں" جب معلوم ہوگیا کہ مفضول افضل کے تابع ہوا کرتا ہے تو اب ایک قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں:

جاں چوں افزوں شد گذشت از انتہا　　　شد مطیعش جانِ جُملہ چیز ہا

ترجمہ: جان جب ترقی کر گئی تو انتہا سے (بھی) گزر گئی حتیٰ کہ تمام کائنات کی جانیں اس کی مطیع ہوگئیں۔ کما قیل۔

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت　　　چوں ازوگشتی ہمہ چیز از توگشت

مُرغ و ماہی و پری و آدمی　　　زانکہ او بیش ست ایشاں در کمی

ترجمہ: (حتیٰ کہ) پرندے، مچھلیاں، جنات، انسان (سب تابع ہو جاتے ہیں) کیونکہ یہ بڑھ کر ہے (اور) یہ کم رتبہ ہیں۔

ماہیاں سُوزنِ گرد نقش شوند　　　سُوزناں را رِشتہا تابع بُوند

ترجمہ: (پھر تو) مچھلیاں (بھی) اس کی گدڑی کے لیے سوئیاں بنانے لگتی ہیں (اور سوئیوں کے لیے تاگے تابع ہوا ہی کرتے ہیں)۔

مطلب: تمام کائنات اس کی خدمت گزاری اور اس کی ضروریات کی بہم رسانی میں لگ جاتی ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ میں مچھلیوں نے انسان کی گدڑی کے لیے طلائی سوئیاں تیار کیں اور خود لے کر حاضر ہوئیں دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ مفضول افضل کے تابع ہوا ہی کرتا ہے اور اس مدعا کے اظہار کے لیے بطور مشاکلہ و مناسبت وہی سوئی کا استعارہ استعمال کیا۔ لمافیہ من اللطافۃ آگے حضرت ابراہیم ابن ادھمؒ کا قصہ پورا فرماتے ہیں؛

بقیہ قصہ ابراہیم ادھمؒ برلبِ دریا وآں امیر

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ اور اس امیر کا لبِ دریا پر باقی قصہ

چوں نفاذِ امرِ شیخ آں میر دید　　　زامد ماہی شدش وجدے پدید

لغات: نفاذ جاری ہونا، صدور پانا، موثر ہونا۔ میر امیر، سردار، حاکم۔ وجد حالتِ بیخودی۔

ترجمہ: جب اس امیر نے شیخ کا حکم (یہاں تک) چلتا دیکھا (کہ مچھلی ان کی سوئی لے کر حاضر ہوگئی) تو مچھلیوں کی آمد سے اس پر ایک وجد طاری ہوگیا۔

گفت اوماہی زپیراں آگہ است　　شہ تنے راکو لعینِ درگہ است

لغات: شہ بضم شین، تف، نفرین۔لعین ملعون، مردود۔

ترجمہ: جب اس نے کہا (اللہ اکبر)) مچھلی تو پیروں کو پہچانتی ہے (آدمی نہ پہچانے) نفریں ہے اس شخص پر جو (اس) درگاہ سے مردود ہو۔

ماہیاں از پیر آگہ مابعید　　ماشقی زیں دولت و ایشاں سعید

لغات: شقی بدبخت، محروم۔سعید خوش نصیب، بہرہ مند۔

مطلب: مچھلیاں (تو) پیر سے واقف (ہوں اور) ہم (اس سے) دور (ہوں) ہم (تو) اس دولت سے محروم ہوں او یہ بہرہ ور (ہوں)۔

سجدہ کرد ورفت گریان و خراب　　گشت دیوانہ ز عشقِ فتح باب

ترجمہ: (پھر) وہ شاہی آداب بجالایا اور روتا ہوا (بحالِ) خراب چل دیا اور دروازہ (دل کے) کھلنے کے اشتیاق سے دیوانہ ہوگیا۔

پس تو اے ناشستہ رو در چیستی؟　　در نزاع و در حسد باکیستی؟

ترجمہ: پس اے ناپاک منہ والے! تو کس (خیال) میں ہے (ذرا سوچ تو سہی کہ) تو کس کے ساتھ جھگڑنے اور حسد (کرنے) میں (لگ رہا) ہے۔

مطلب: حضرت ابراہیم ابن ادھمؒ کا قصہ اوپر ختم ہو چکا اب اس شعر سے پھر اسی طاعن کی کہانی شروع ہوتی ہے جو ایک شیخ کے احوال پر معترض تھا وہاں اس طاعن سے خطاب تھا یہاں اسی مضمون کا خطاب عام ہے فرماتے ہیں کہ میاں کچھ ہوش بھی ہے کہ کس کے بارے میں جھگڑ رہے ہو کہاں تم کہاں وہ تم ان کی رموز کو کیا جانو؟ حافظؒ

جو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطاست　　سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

بادُمِ شیرے تو بازی میکنی　　بر ملائک ترکتازی میکنی

ترجمہ: (کیا) تو (اپنی خیر نہیں چاہتا کہ) شیر کی دم سے کھیل رہا ہے (کیا تجھے اپنی عافیت درکار نہیں کہ) فرشتوں پر حملہ کر رہا ہے۔ حافظؒ

اے مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہ تست　　عرض، خود مے بری وزحمت امیدداری

بدچہ میگوئی تو خیرِ محض را　　ہیں تو رفعے کم شمر ایں خفض را

لغات: محض خالص۔رفع بلندی۔شمر، فعل امر شمردن (گننا) سے خفض پستی۔

صنائع: رفع وخفض کی مناسبتِ اصطلاحی پرلطف ہے۔

ترجمہ: تو اس مجسم نیکی کو برا کہہ رہا ہے خبردار اپنی اس پستی (خیال) کو بلندی نہ سمجھ۔

مطلب: تو اپنی اعتراض بازی کو بڑا کمال سمجھ رہا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کو یہ سوال کیا ان کو جواب نہ آیا۔ یہ محض خبط ہے اور کوئی دلیلِ کمال نہیں خدانخواستہ اس فضول چھیڑ چھاڑ سے کسی بزرگ کو دکھ پہنچ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ سائبؒ

آئینہ را زنقشِ پریشاں مکن سیاہ در مجلسِ حضور مکن زینہار بحث

بدچہ باشد؟ مسِ محتاج و مہاں شیخ کہ بود؟ کیمیائے بیکراں

ترجمہ: بدکون ہوتا ہے؟ (جیسے) تانبا (جو کیمیا کا) محتاج (ہے) اور ذلیل (ہے) شیخ کون ہوتا ہے (گویا) کیمیا (جس کا) اثر بے (انتہا) ہے۔

مطلب: شیخ کو بد کہنا بالکل نازیبا ہے پہلے تجھے شیخ اور بد میں تمیز کرنی چاہیے جس سے ان دونوں میں تضاد معلوم ہو جائے گا بد کی مثال تانبے کی سی ہے جو اصلاح کا محتاج ہوتا ہے اور شیخ گویا کیمیا ہے جو خود مصلح ہے اور مصلح بھی وہ کہ جس کے کمالات غیر محدود ہیں پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ بدی اور مشیخت ایک ذات میں مجتمع ہوں۔

مس اگر از کیمیا قابل نبد کیمیا از مس ہرگز مس نشد

ترجمہ: تانبا اگر کیمیا سے درست نہ ہوسکا (تو) کیمیا (بھی) تانبے (کے قرب) سے تانبا نہیں بنتی (چلو عوض معاوضہ گلہ ندارد)۔

مطلب: اگر شیخ پر تمہارا یہ اعتراض ہے کہ اس سے عوام کی اصلاح نہ ہوسکی جیسے کہ معترض نے کہا تھا "مر مریداں را کجا باشد مغیث" تو ہم کہتے ہیں عوام کی صحبتِ بد بھی تو اس کے کمالات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکی۔ صائبؔ ۔

زامیزشِ کجاں نشود طبع راست کج از اتصالِ حرف الف کج نمے شود

تو یہ کیا کچھ تھوڑا کمال ہے کہ ناقصوں کی صحبت مخل کمال نہ ہو اور کج نہاد لوگوں کا قرب مفسد استقامت نہ ہو، غرض شیخ کو بد کہنا سخت غلطی ہے پہلے بد کی ماہیت اور شیخ کی منزلت کو سمجھو۔

بدچہ باشد؟ سرکشِ آتش عمل شیخ کہ بود! عینِ دریائے ازل

ترجمہ: بد کیا ہے؟ ایک سرکش ہے آگ کا سا کام کرنے والا، شیخ کون ہوتا ہے دریائے ازل کا چشمہ۔

مطلب: آگ کا کیا کام ہے اپنی شرِ جہانسوز کو بڑھاتی چلی جاتی ہے کسی حد تک بس نہیں کرتی یہی برے لوگوں کا کام ہے کہ وہ برائی سے سیر نہیں ہوتے اور شیخ کا کام ان کی برائی کا ازالہ اور ان کی اصلاح ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

بدکہ باشد؟ ظالمِ ظلمت فزا شیخ کہ بود؟ عکسِ انوارِ خدا

ترجمہ: بدکون ہوتا ہے؟ ظالم جو (ظلم کی) تاریکی پھیلاتا ہے۔ شیخ کون ہوتا ہے؟ انوار خدا کا عکس (جو اس تاریکی کو دور کرتا ہے)۔

بدچہ باشد؟ آتشِ پُر دود و سوز شیخ آبِ کوثرست اندر تموز

لغات: آبِ کوثر چشمہ کوثر کا پانی جو عالمِ عقبیٰ میں ایک چشمہ ہے اور اس کی نہر بہشت میں جاتی ہے تموز گرمی کا موسم۔

ترجمہ: بدکون ہوتا ہے؟ ایک آگ دھواں دھار اور پھونک ڈالنے والی (بخلاف اس کے) شیخ موسم گرما میں آبِ کوثر (سے مشابہ) ہے۔

مطلب: آبِ کوثر سے شیخ کے تقدس کی طرف اشارہ ہے آگ بجھانے کے لیے تو دنیا کا عام پانی بھی کافی ہے جیسے کہ دفع شر کے لیے ایک عام نیک مزاج کی کوشش بھی مفید ہو جاتی ہے مگر جب پانی بھی کوثر کا ہو جو تشنگانِ محشر کی سیرابی کا بہترین

سامان ہوگا تو سبحان اللہ پھر آگ اور اس کی سوزش کی کیا حقیقت ہے اِسی طرح جب دفعِ شر و اصلاحِ مفاسد کی باگ اہل اللہ کے ہاتھ میں ہو، تو پھر کیسی کچھ اصلاح نہ ہوگی۔

دائم آتش رابتر سانند ز آب   آب کے ترسید ہر گز التہاب

ترجمہ: ہمیشہ آگ (ہی) کو پانی سے مغلوب کیا جاتا ہے (ورنہ بھلا) پانی (آگ کے) مشتعل ہونے سے کب دبتا ہے۔

مطلب: اسی طرح شیخ کی تاثیر و تصرف سے عوام کے اخلاق و اطوار رو باصلاح ہو سکتے ہیں عوام کے اثرِ قرب سے شیخ کے کمالات کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ کما قیل۔

صحبت ناجنس کامل رانسازد بیدماغ   تلخیِ فلفل کجا ناخوش بود کافور را

در رخِ مہ عیب بینی میکنی   در بہشتے خار چینی میکنی

ترجمہ: تو چاند کے چہرے میں عیب بینی کر رہا ہے بہشت میں کانٹا تلاش کر رہا ہے۔

گر بہشت اندر روی تو خار جو   ہیچ خار آنجا نیابی غیرِ تو

ترجمہ: اگر تو بہشت میں کانٹا تلاش کرنے جائے تو اس میں اپنے سوا کوئی کانٹا نہ پائے گا۔

مطلب: بزرگانِ دین میں عیب کیا تلاش کرتے ہو اگر ان میں کوئی عیب ہے تو یہی ہے کہ تم ایسے نالائقوں سے ان کو پالا پڑ گیا۔ عمرو خیام غفرلہ ؎

مارا چہ ازاں کہ ناکسے بدگوید   زاں عیب کہ درماست یکے صد گوید
ما آئینہ ایم و ہرکہ در ما نگرد   ہر نیک و بدے کہ گوید از خود گوید

مے بپوشی آفتابے در گلے   رخنہ میجوئی ز بدرِ کاملے

ترجمہ: تو ایک آفتاب کو خاک میں چھپانا چاہتا ہے ایک ماہِ تمام میں رخنہ تلاش کر رہا ہے۔

بر بلنداں سخن بہ سوئے خود است   تف بروئے فلک بروے خود است

آفتابے کہ بتابد درجہاں   بہرِ خفاشے کجا گردد نہاں

ترجمہ: وہ آفتاب جو عالمتاب ہو ایک چمگادڑ کے لیے کہاں چھپ جائے۔ سعدیؒ

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

عیبہا از ردِّ پیراں عیب شد   غیبہا از رشکِ پیراں غیب شد

لغات: عیب مراد معیوب جیسے کھوٹا سکہ، نکمی چیز وغیرہ غیب مخفی، مستور، قابل خفا، اسرار غیب۔ رشک غیرت۔

صنائع: یہ شعر مرصع ہے۔

ترجمہ: معیوب اشیا پیروں کے رد کر دینے سے معیوب قرار پائیں (اور) اسرار غیب پیروں کی غیرت کی وجہ سے معرضِ خفا میں رہے عراقیؒ

در جامِ جہاں نمائے مے بیں   سرِّ دو جہاں ولے مکن فاش

امیر خسروؒ ؎ از جان خویشتن ہم رازے نہفتہ دارم   زیراکہ مے نشاید بیگانہ محرمی را

جامیؒ ؎ پیشِ اربابِ خرد شرح مکن مشکلِ عشق نکتۂ خاص مگو محفلِ عام است اینجا

الخلاف: حضرتِ شارح کلیدِ مثنوی فرماتے ہیں کہ چونکہ اس میں نسخے بہت مختلف ہیں اور ہر نسخے کے اعتبار سے مطلب جداگانہ نکلتا ہے لہٰذا ذیل میں ان مختلف نسخوں کے اشعار نقل کرکے ان کا الگ الگ ترجمہ کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلا نسخہ وہ ہے جس کے مطابق شعر اوپر درج کیا گیا ہے اور ترجمہ بھی لکھا جا چکا ہے۔

(۲) غیب ہا ازردّ پیراں غیب شد عیب ہا از رشکِ پیراں عیب شد

اس کے متعلق حضرت شارح فرماتے ہیں کہ اس کی توجیہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی لہٰذا اس کو اسی طرح چھوڑا جاتا ہے مگر ہماری رائے ناقص میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسرارِ غیب پیروں کے منعِ اظہار کی وجہ سے مخفی کے مخفی رہ گئے اور معیوب کام پیروں کی غیرت کی وجہ سے (جو ان کاموں کو گوارا نہیں کرتی) معیوب ہی سمجھے گئے۔

(۳) عیب ہا از ردِّ پیراں غیب شد غیبہا از رشکِ پیراں عیب شد

یعنی عیوب پیروں کے زائل کر دینے سے نابود ہو گئے اور مخفی اوصاف (جو بظاہر کمال سمجھے جاتے تھے) پیروں کی غیرت سے عیب قرار پائے۔

(۴) عیب ہا از ردِّ پیراں عیب شد عیب ہا از رشکِ پیراں غیب شد

چھپے ہوئے اوصاف (جن پر کمال کا دھوکا ہوتا تھا پیروں کے ناپسند کر دینے سے عیب بن گئے اور پھر عیب پیروں کی غیرت کی وجہ سے نابود ہو گئے۔

بارے ار دوری ز خدمت یار باش در ندامت جاں کن و در کار باش

ترجمہ: آخر اگر تم (ان کی) خدمت سے دور ہو تو (اب بھی کچھ نہیں گیا ان کے) یار بن جاؤ، ندامت میں) اپنی جان کھپا دو اور (کسبِ کمال کے) کام میں لگ جاؤ۔

ندامت میرسد صائب بفریادِ خطا کاراں کہ خوں در ناف گردد مشک آہوئے خطائی را

تا ازاں راہت نسیمے میرسد آبِ رحمت راچہ بندی از حسد

ترجمہ: تاکہ اس راہ سے تم کو لطیف (وروح افزا) ہوا پہنچے رحمت کے پانی کو حسد کی وجہ سے بند کیوں کرتے ہو۔

مطلب: اگر اتنی توفیق نہیں کہ تم خود خدمت و تواضع کر کے ان سے کچھ فیض حاصل کرو تو کم از کم اتنا تو چاہیے کہ ان کے خلاف کوئی کدو کاوش نہ کرو اور ان کی طرف سے اپنے دل میں کچھ حسد و بغض نہ رکھو۔ شاید خود بخود ان کی طرف سے نسیمِ فیض کا کوئی جھونکا آ جائے لیکن ان سے شکر رنجی رکھنا تو دانستہ چشمۂ فیض کو اپنے اوپر بند کرنا ہے۔

گر تو دوری دور میجنباں تو دم حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

ترجمہ: اگر تم ان سے دور ہو تو دور ہی سے اپنی دم ہلاتے (یعنی اظہارِ محبت کرتے) رہو۔ جہاں (بھی) تم ہو (وہیں سے) ان کی طرف اپنا رخ رکھو۔

مطلب: حصولِ فیض کے لیے بُعدِ مکانی کچھ حرج نہیں عقیدت وارادت شرط ہے خواہ تم کہیں ہو اپنی ارادت ان بزرگوں سے متعلق اور اپنا دل ان کی طرف متوجہ رکھو یہی کافی ہے۔ کما قیل۔

اگر زخدمتِ تو بندۂ غائب ست بہ تن　　بدل زخدمت تو ہیچ لحظہ غائب نیست

بہر جارفتہ ام از خویش در راہ تو ے پویم　　اگر نزدیک در دورم غبار آں سرکویم

دم ہلانے کے استعارہ میں مرید کو کتے سے تشبیہ دی ہے اور اپنے پیرِ طریقت کے کوچے کا کتا ہونا بھی مایۂ صد افتخار ہے۔

زروئے مردمی یکرہ بگو جامی سگ مائی　　اگر اینچنیں ہم نیستم کیں نام را شایم

کہ گہم یاد کن بدشنامے　　سخنِ تلخ از تو شیریں است

دوسرا مصرعہ قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے وَحَيْثُمَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَه اور مسلمانو! تم جہاں کہیں ہوا کرو اسی کی طرف منہ کر لیا کرو (بقرہ ع ۱۰)

پیرِ طریقت بھی قبلہ ہے اور اس کی جانب روئے ارادت رکھنے کے لیے یہ استعارہ کوئی مبالغہ نہیں۔

چوں خرے در گِل فتداز گامِ تیز　　دمبدم جنبد برائے عزم خیز

ترجمہ: جب ایک گدھا تیز چلنے کی وجہ سے کیچڑ میں دھنس جاتا ہے تو اٹھنے کے ارادہ سے دمبدم حرکت کرتا ہے۔

جائے راہموار نکند بہرِ باش　　داند اوکہ نیست آں جائے معاش

لغات: باش بود بود باش، رہنا سہنا۔ معاش جائے سکونت۔

ترجمہ: وہ (اس) جگہ کو رہنے کے لیے ہموار (درست) نہیں کرتا (کیونکہ) وہ جانتا ہے کہ وہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔

حسِ تواز حسِ خرکمتر بُدست　　کہ دلِ توزاں وحلہا برنجست

لغات: وَحل بفتح حاے مہملہ کیچڑ، گارا، دلدل۔ برنجست باہر نہ نکلا۔

ترجمہ: مگر تمہاری حس (شاید) گدھے کی حس سے بھی کم ہے کہ (تمہارا) دل (دنیا کے) ان دلدلوں سے باہر نہ نکلا۔

مطلب: ایک گدھا بھی اتنا شعور رکھتا ہے کہ جس دلدل میں وہ پھنس جاتا ہے اس کو اپنا ٹھکانا نہیں سمجھتا بلکہ اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے مگر تم تو گدھے سے بھی گئے گزرے ہو کہ دنیا کے دلدل میں دھنس کر اسی کو اپنا مقام سمجھنے لگے اور اس سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کی گویا ہمیشہ کے لیے یہی ٹھکانا ہے نہ عافیت کی فکر ہے نہ موت یاد ہے۔ دلدل میں پھنس جانے والا کسی دست گیر کی تلاش ہی کرتا ہے کہ وہ اسے یہاں سے نکالے، مگر تم کسی ایسے پیر دستگیر کے طالب بھی نہیں بنتے جو تم کو علائق دنیا کے دلدل سے نکالے۔

در وحل تاویلِ رخصت میکنی　　چوں نمیخواہی کزاں دل برکنی

ترجمہ: تم دلدل میں (پڑنے رہنے کے لیے) جواز کے بہانے تلاش کر رہے ہو کیونکہ تم اس سے دل اکھیڑنا نہیں چاہتے (اور یوں کہتے ہو):

کیں روا باشد مرا من مضطرم　　حق نگیرد عاجزے را از کرم

ترجمہ: کہ یہ میرے لیے جائز ہے (کیونکہ) میں مجبور ہوں (اور) اللہ تعالیٰ (اپنے) کرم سے ایک (مجبور و) عاجز کو مؤاخذہ نہیں کرے گا۔

مطلب: جیسے ایک راشی اہلکار کہتا ہے کہ جناب کیا کریں بال بچہ دار ہیں تنخواہ میں گزر اوقات ہوتی نہیں۔ مجبوراً تھوڑی بہت رشوت لینی ہی پڑ جاتی ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اضطرار و مجبوری پر مواخذہ نہ فرمائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

خود گرفت ست و توچوں کفتارِ کور ایں گرفتن را نہ بینی از غرور

لغات: کفتار بجو ایک جانور کا نام ہے۔غرور دھوکا۔

ترجمہ: (مگر) اس نے تو تم کو پکڑ لیا ہے اور تم بجو کی طرح اندھے (ہوکر) اس کے پکڑنے کے دھوکے میں آ کر محسوس نہیں کرتے۔

مطلب: بجو کے متعلق مشہور ہے کہ جب شکاری اس کو پکڑنے جاتے ہیں تو اس کے بل کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں ایک بولتا ہے بجو تو یہاں ہے نہیں۔ دوسرا کہتا ہے پانی پینے گیا ہوگا۔ تیسرا کہتا ہے کہ چلو کسی اور جگہ تلاش کریں بجو یہ سن کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ میری ان کو خبر نہیں اور بھاگتا نہیں حتی کہ ان کے جال میں پھنس جاتا ہے اسی کو مولانا بیان فرماتے ہیں:

مے بگویند اندراں کفتار نیست از بروں جویند کاندر غار نیست

ترجمہ: (شکاری) کہتے ہیں اس (بل) میں بجو نہیں ہے۔(کہیں) باہر (جاکر) تلاش کریں کیونکہ غار میں نہیں ہے۔

نیست در سوراخ کفتار اے پسر رفت تازاں او بسوئے آبخور

ترجمہ: بیٹا! بجو بل میں نہیں ہے وہ (تو) گھاٹ کی طرف (پانی پینے کے لیے) دوڑ گیا۔

اینھمے گویند و بندش مینھند اوہمے گوید زمن کے آگہند

ترجمہ: یہ باتیں کرتے ہیں اور اس کو قید کر لیتے ہیں وہ (دل میں یہ) کہتا رہ جاتا ہے کہ یہ مجھ سے کہاں واقف ہوں گے۔

گر زمن آگاہ بودے ایں عدو کے ندا کردے کہ آں کفتار کو

ترجمہ: اگر یہ دشمن مجھ سے آگاہ ہوتے تو یوں پکار (پکار) کر کیوں کہتے کہ بجو کہاں ہے۔

تاکہ بربندند و بیرونش کنند غافل آں کفتار از ایں ریشخند

ترجمہ: حتی کہ اس کو پکڑ لیتے ہیں اور (بل سے) باہر نکال لیتے ہیں وہ بجو اس دل لگی سے غافل ہوتا ہے۔

مطلب: جس طرح وہ بجو شکاریوں کی چال کو نہ سمجھا اور اس دھوکے میں رہا کہ وہ مجھ سے بے خبر ہیں اسی طرح تم اس دھوکے میں ہو کہ ہم حق تعالیٰ کی اخذ سے بچ جائیں گے حالانکہ اس کا پنجۂ اخذ تمہاری گردن پر پڑ چکا ہے جس کو تم محسوس نہیں کرتے اور جوں جوں وہ تم کو ڈھیل اور مہلت دے رہا ہے توں توں اس پنجے کی گرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے فَلَمَّا نَسُوا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ. پھر جس (نصیحت کے ذریعہ) سے ان کو آگاہ کیا گیا تھا تو جب (اس کو) بھول گئے (تو) ہم نے بھی ان کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے) ان پر ہر طرح (دنیاوی) نعمتوں کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پا کر خوش ہوئے یکا یک ہم نے ان کو عذاب میں دھر پکڑا اور عذاب کا آنا تھا کہ وہ بے آس ہو کر رہ گئے۔" (انعام ع ۵)

آگے ایک حکایت ارشاد ہے جس میں اس قسم کے ایک غافل شخص کا ذکر ہے جو سمجھتا تھا کہ خدا مجھے گناہوں پر مؤاخذہ نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اب تک میرے ارتکاب گناہ کے باوجود مؤاخذہ نہیں کیا۔

دعویٰ کردنِ آں شخص کہ خدائے تعالیٰ مرانمیگیرد و جوابِ شعیب علیہ السلام

ایک شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر گناہ کی وجہ سے مؤاخذہ نہ کرے گا اور حضرت شعیبؑ کا جواب

آں یکے میگفت در عہدِ شعیبؑ   کہ خدااز من بسے دید ست عیب

لغات: شعیب ایک پیغمبر کا نام ہے جو شہر مدین اور اصحابِ ایکہ کی ہدایت کے لیے معبوث ہوئے تھے یہ لوگ بت پرستی کے علاوہ اس گناہ میں بھی مبتلا تھے کہ ناپ تول میں بہت غبن اور بے ایمانی کرتے تھے اور کھوٹے روپے اور اشرفیاں چلاتے تھے علاوہ اس کے مسافروں کو لوٹنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے حضرت شعیب نے ان کو بہت سمجھایا چند آدمیوں کے سوا باقی سب اپنے افعالِ بد پر مصر رہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اصحابِ ایکہ پر ایک ابرِ سیاہ سے آگ برسائی اور مدین کے باشندوں کو زلزلہ سے ہلاک کیا۔ پھر حضرت شعیبؑ کو حکم ہوا کہ جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچیں وہ اپنے رفیقوں کے ساتھ مدین میں رہیں اور اطراف و جوانب کے باشندوں کو دینِ حق کی ہدایت کرتے رہیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں پہنچے اور حضرت شعیبؑ کی ایک بیٹی سے ان کی شادی ہوگئی۔

ترجمہ: حضرت شعیب کے عہد میں ایک شخص کہتا تھا کہ خدا نے میرے بہت عیب دیکھے ہیں۔

چند دیداز من گناہ و جُرمہا   وز کرم یزداں نمیگیرد مَرا

ترجمہ: اس نے مجھ سے بہت سے گناہ و جرم (سرزد ہوتے) دیکھے اور (وہ) خداوند تعالیٰ (اپنے) کرم سے مجھ پر گرفت نہیں کرتا۔

حقِ تعالیٰ گفت در گوشِ شعیبؑ   در جوابِ او فصیح از راہِ غَیب

لغات: فصیح صاف و واضح از راہ غیب بذریعہ وحی۔

ترجمہ: حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں بذریعہ وحی صاف طور سے شعیبؑ کے کان میں فرمایا۔

کہ بگفتی چند کردم من گناہ   وزکرم نگرفت بر جرمُم اِلٰہ

ترجمہ: کہ تو نے کہا ہے کہ میں نے بہت سے گناہ کیے اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے) کرم سے میرے کسی گناہ پر اخذ نہیں کیا۔

عکس میگوئی و مقلوب اے سفیہ   اے رہا کردہ رَہ و بگرفتہ تیہ

لغات: عکس برخلاف۔ مقلوب الٹا۔ سفیہ کمینہ۔ تیہ پرخطر۔ بیابانی جس میں مسافر ہلاک ہو جائے۔

ترجمہ: اے کمینے! اے سیدھے راہ کو چھوڑ کر خطرناک بیاباں میں جانے والے! تو (اصلیت کے) خلاف اور الٹ کہہ رہا ہے۔

چند چندت گیرم و تو بے خبر   در سلاسل ماندۂ پاتا بسر

لغات: چند چند بارہا۔ سلاسل جمع سلسلہ زنجیر۔ بیڑی۔ قید

ترجمہ: میں بار بار تجھ کو پکڑتا ہوں اور تو بے خبر (رہتا ہے حتیٰ کہ) تو (ہماری غیر محسوس) زنجیروں میں پاؤں سے سر تک (جکڑا ہوا) ہے۔

زنگِ تو بر تُوت اے دیگِ سیاہ کرد سیمائے درونت راتباہ

لغات: توبرتو تہ برتہ۔ سیما نشان، علامت خصوصیات مجاز بمعنی پیشانی بھی بولتے ہیں۔

ترجمہ: (مگر) اے کالی دیگ (کے سے سیاہ دل) تہ برتہ (چڑھے ہوئے) زنگار نے تیری باطنی خصوصیات کو (جو مایۂ ادراک تھیں) برباد کر دیا ہے (اس لیے تجھے یہ قید محسوس نہیں ہوتی)۔

بر دلت زنگار بر زنگارہا جمع شد تاکور شد اسرارہا

ترجمہ: تیرے دل پر بکثرت زنگار جمع ہو گئے حتیٰ کہ وہ اسرار (کو ادراک کرنے) سے اندھا ہو رہا ہے۔

مطلب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ "ہرگز نہیں بلکہ ان گناہوں نے جن کے وہ مرتکب ہوتے رہے ہیں ان کے دلوں پر زنگار چڑھا دیا ہے"۔ (سورہ تطفیف ع ۱)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَۃٌ سَوْدَاءُ فِیْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صَقَلَ قَلْبَهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوْا قَلْبَهٗ فَذٰلِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ یعنی مسلمان جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس کے دل پر ایک سیاہ نشان پڑ جاتا ہے پس اگر وہ توبہ واستغفار کر لے تو اس کا دل مصفّٰی ہو جاتا ہے اور اگر بار بار گناہ کرتا ہے تو وہ دھبہ بھی بڑھنے لگتا ہے حتیٰ کہ اس کے سارے دل پر چھا جاتا ہے پس یہ وہی میل کی تہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ کَلَّا بَلْ رَانَ (مشکوٰۃ)

کلید مثنوی میں فوائد الفواد سے منقول ہے کہ جب سالک عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو اگر جلدی سے توبہ واستغفار کر کے پھر بدستور سرگرم ہو گیا تو پھر سالک بن جائے گا اور اگر خدانخواستہ وہی غفلت رہی تو اندیشہ ہے کہ کہیں راجع نہ ہو جائے (یعنی رجعت میں مبتلا نہ ہو جائے اس راہ کی لغزش کے سات درج ہیں (۱) اعراض (۲) حجاب (۳) تفاصل (۴) سلب مزید (۵) سلب قدیم (۶) تسلی (۷) عداوت پہلے پہلے اعراض ہوتا ہے اگر اس حالت میں معذرت وتوبہ نہ کی تو حجاب ہو جاتا ہے اگر اب بھی اصرار رہا تو تفاصل ہو گیا اگر اس سے بھی استغفار نہ کی تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت شوق وذوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بے ہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت وحلاوت کہ زیادتی کے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی۔ اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی جدائی کو دل گوارا کرنے لگے گا یہ تسلی ہے اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہو گئی نعوذ باللہ منہا (انتہٰی) غرض فرماتے ہیں کہ چونکہ تیرا دل ارتکاب معاصی سے سیاہ ہو گیا ہے اس لیے تجھے یہ معاصی برے نہیں لگتے۔ نہ ان کی تاثیرات محسوس ہوتی ہیں، جو اندر ہی اندر تیرے باطن کو تباہ کر رہی ہیں بلکہ پہلے اگر یہ معاصی کچھ ناگوار گزرتے تھے تو اب وہ مالوف ہو جانے کے سبب اچھے لگتے ہیں اس طرح نوبت بکفر پہنچ جاتی ہے۔ اللہ بچائے آگے اس کی مثال ہے؛

گر زند آں دود بر دیگِ نوے آں اثر بنماید ار باشد جوے

ترجمہ: اگر وہ دھواں کسی نئی ہانڈی پر لگ جائے تو وہ اثر (ضرور) محسوس ہوتا ہے اگرچہ ایک جو کے (برابر) ہو۔

مطلب: وہی گناہ جو ایک عادی گنہگار کے لیے موجب راحت ومسرت اور لوگوں کی نظر میں بھی ناقابلِ تعجب گناہ ہے پہلی مرتبہ سرزد ہو تو ایک طرف تو لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگے گا دوسرے یہ شخص خود بھی سخت بے چین رہے گا آگے اس کی دلیل آتی ہے:

حاشیہ: قلب پر گناہوں کا زنگ اور رجعت کے مدارج

زانکہ ہر چیزے بضد پیدا شود بر سفیدی آں سیہ رسوا شود

ترجمہ: کیونکہ ہر چیز (اپنی) ضد سے ظاہر ہوتی ہے سفیدی کے اوپر اس سیاہ (دھبے) کی (بڑی) فضیحت ہوتی ہے۔

مطلب: یہ اس مشہور مقولہ کا ترجمہ ہے اَلْاَشْیَآءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا یعنی تمام چیزیں اپنی اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اسی طرح سیاہ دھبہ جب ایک سفید چادر پر لگ جائے تو خواہ مخواہ سب کو کھٹکتا ہے بخلاف اس کے اگر وہ کسی کالے یا میلے کپڑے پر لگے تو چنداں ظاہر نہیں ہوگا۔ یہی مثال ہے اس کی کہ نیک نام لوگوں سے کسی برے کام کا وقوع سخت حیرانی کا باعث ہوتا ہے بخلاف اس کے بدنام اور بداعمال لوگ خواہ کچھ بھی کریں کوئی ان کا خیال تک نہیں کرتا، چنانچہ فرماتے ہیں:

چوں سیہ شد دیگ از تاثیرِ دُود بعد ازاں بروے کہ بیند دُود زُود

ترجمہ: جب دیگ دھوئیں کی (متواتر) تاثیر سے کالی ہو جائے تو اس کے بعد اس پر دھوئیں (کے) نشان کو بادی النظر میں کون محسوس کرسکتا ہے؟

مطلب: اسی طرح جب قلب کثرتِ گناہ سے سرتا پا تاریک اور مسخ ہو جائے تو پھر نیکی و بدی کی تمیز نہیں رہتی۔ آگے ایک اور مثال ارشاد ہے:

مردِ آہنگر کہ اوزنگی بود دُود را با رُوش ہمرنگی بود

ترجمہ: (ایک) لوہار آدمی جو (قوم کا) حبشی ہو دھواں اس کے منہ کا ہمرنگ ہوتا ہے (اس لیے اس کے منہ پر محسوس نہ ہوگا)۔

مردِ رُومی گر کند آہنگری رُویش ابلق گردد از دُود آوری

لغات: رومی ملک روم کا باشندہ' گورا' صبیح اللون' یورپین۔ ابلق چت کبرا' داغدار۔

ترجمہ: (بخلاف اس کے) اگر (ایک) رومی آدمی لوہار کا پیشہ کرنے لگے تو (بھٹی کے) دھواں دینے سے اس کا منہ داغدار ہو جائے گا (کیونکہ دھواں اس کے چہرے کا ہمرنگ نہیں ہے)۔

مطلب: جب قلب نورِ فطری سے منور ہوتا ہے اور اس پر ترکِ طاعت یا ارتکابِ معصیت کا ذرا سا بھی دھبہ لگ جاتا ہے تو بے چین کر دیتا ہے اور توبہ و انابت پر آمادہ بنا دیتا ہے، چنانچہ پھر یہ حالت ہوتی کہ

پس بداند زود تاثیرِ گناہ پس بنالد زار گوید کاے اِلٰہ

ترجمہ: پس وہ فوراً گناہ کی تاثیر محسوس کر لیتا ہے پھر زارو قطار روتا (اور) دعا کرتا ہے کہ الٰہی! (مجھے بخش دے میری توبہ ہے)۔

چوں کند اِصرار و بدپیشہ کند خاک اندر چشم اندیشہ کند

ترجمہ: (لیکن) جب (اس گناہ پر) اصرار کرتا ہے اور برا (کام کرنا اپنا) پیشہ بنا لیتا ہے تو (اس احساس اور) فکر کی آنکھ میں خاک ڈال لیتا ہے (حتیٰ کہ پھر نہ گناہ کی برائی سوجھتی ہے اور نہ اس کا برا انجام خیال میں آتا ہے)۔

توبہ نندیشد دگر شیریں شود بردلش آں جرم تابیدیں شود

ترجمہ:۔ (پھر اگر وہ اس حالت سے) توبہ (کرنے) کا ارادہ نہیں کرتا ہے تو وہ گناہ اس کے دل کو بھی خوشگوار لگتا ہے حتیٰ کہ (اس کے متواتر ارتکاب سے) بے دین (و کافر) ہو جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ منھا.)

آں پشیمانی و یارب رفت او شست بر آئینہ زنگِ شصت او

لغات: شست مخفف ہے نشست کا

صنائع: شست اور شصت میں تجنیس ہے۔

ترجمہ: (آخر) وہ پشیمانی (جو ارتکابِ گناہ کے بعد عارض ہوتی تھی) اور (وہ) یارب یارب (کہہ کہہ کر دعائیں جو پشیمانی کی وجہ سے کیا کرتا تھا سب) اس سے سلب ہو گئیں (اس کے) آئینۂ (دل) پر زنگار (غفلت) کی ساتھ تہیں چڑھ گئیں۔

آہنش را زنگہا خوردن گرفت　　گوہرش را رنگ کم کردن گرفت

صنائع: زنگ اور رنگ میں تجنیس ہے۔

ترجمہ: وہ زنگ اس کے (دل کے) لوہے کو کھانے لگتے ہیں اس کے جوہر (قلب) کے رنگ (صلاحیت) کو کم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

چوں نویسی کاغذ اسپید بر　　آں نوشتہ خواندہ آید در نظر

ترجمہ: جب تم کسی سادہ کاغذ پر کچھ عبارت لکھو تو وہ لکھا ہوا دیکھ کر پڑھا جا سکے گا۔

چو نویسی برسرِ بنوشتہ خط　　فہم ناید خواندنش گردد غلط

ترجمہ: (اور) جب تم اس لکھے ہوئے (مضمون) پر (ایک اور) خط لکھ دو تو (وہ) سمجھ میں نہیں آئے گا اور اس کا پڑھنا بے معنی ہو گا۔

ترجمہ: کیونکہ وہ (دوسری عبارت کی) سیاہی (پہلی عبارت کی) سیاہی پر چڑھ گئی (اور) دونوں خط اندھے ہو گئے۔ معنی ظاہر نہ ہوئے۔

ور سوم بارہ نویسی برسرش　　بس سیہ کردی چو جانِ کافرش

ترجمہ: اور اگر اس پر تیسری مرتبہ (پھر کچھ) لکھ دو پھر اس کو بالکل ہی سیاہ کر دیا جیسے کافر کی روح۔

مطلب: اسی طرح جب پہلی مرتبہ کوئی گناہ صدور پاتا ہے تو چونکہ اس وقت قلب بہت صاف تھا اس پر اس گناہ کا اثر فوراً اور صاف طور پر محسوس ہوا اور معلوم ہوا کہ یا سخت لغزش ہوئی اگر اس وقت توبہ و استغفار کر لی تو آئی بلا ٹل گئی لیکن اگر دوبارہ پھر وہی گناہ کیا پھر اس احساس میں گڑ بڑ ہو گئی اور دل کو گناہ سے نفرت نہ رہی لیکن کچھ قدرے احساس باقی رہا اور اگر اس کے بعد برابر اصرار جاری رہا تو پھر قلب بالکل سیاہ اور مسخ ہو جاتا ہے مولانا چونکہ شیخِ کامل اور اسرار ارشاد کے ماہر ہیں اس لیے اس بدترین حالت میں مبتلا ہونے والے کو مایوس نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں:

پس چہ چارہ جز پناہِ چارہ گر　　ناامیدی مِس واکسیرش نظر

ترکیب: نظر مضاف اور ش ضمیر راجع بچارہ گر مضاف الیہ مگر یہ مضاف الیہ ضرورۃً اپنے مضاف سے مقدم آیا ہے۔

ترجمہ: پس (اس) چارہ گر (حقیقی یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ) کی پناہ کے سوا (اور) کیا چارہ ہے ناامیدی (اگر) تانبا ہے تو اس کی نگاہ اکسیر (ہے)۔

مطلب: گو ایسی حالت پر پہنچ کر اصلاح کی امید بہت کم ہے تاہم ناامید نہ ہونا چاہیے، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اس کی ایک نگاہِ کرم ناامیدی کو بھی مراد مندی سے بدل سکتی ہے اگر خلوصِ دل کے ساتھ اعترافِ خطا اور عزمِ توبہ ہو گا تو امید قوی ہے کہ اس کا فضل متوجہ ہو گا۔ کما قیل عنہ

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ　　گر گبرو یہود و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

نا امید یہابہ پیشِ او نہید　　تاز دردِ بے دوا بیروں جہید

ترجمہ: اپنی تمام نا امیدیوں کو اس کے سامنے رکھ دو (کہ ہماری کھوٹی پونجی تو بس یہ ہے) تاکہ (اس کے فضل سے اس) لا علاج مرض سے نجات پاؤ۔

مطلب: اپنا تمام سرمایۂ معاصی سارا ذخیرۂ خطیات اور کل دفتر نا امیدی بے کم و کاست اس کے پیش کر دو۔ کما قیل۔

تاجرِ شہرِ خطایم انفعال آوردہ ام　　غیر عصیاں جنسِ دیگر نیست دربارِ دلم
جامیؒ جوشش دریائے فضیلت نیک و بدرا شامل ست　　اگرچہ از بد بدترم حاشا کہ مانم بے نصیب
صائب بگناہِ دو جہاں از کرمِ او　　نومید نگردی کہ خداوندکریم است

یہاں تک وہ تقریر تھی جو حضرت شعیب علیہ السلام نے بہ تعلیمِ وحی اس شخص کے سامنے کی۔ آگے فرماتے ہیں:

چوں شعیبؑ آں نکتہا با اوبگفت　　زاں دمِ جاں دردلِ اوگل شگفت

ترجمہ: جب حضرت شعیب علیہ السلام نے وہ نکتے اس سے بیان کئے تو اس روحانی گفتگو (کے اثر) سے اس کے دل میں (عبرت کا ایک) پھول کھل گیا، اگرچہ کم بخت پھر بھی راہِ راست پر نہ آیا۔

جانِ اوبشنید وحیِ آسماں　　گفت اگر بگرفت مارا کونشاں

ترجمہ: اس کی جان نے (حضرت شعیب علیہ السلام کی زبان سے) آسمانی وحی سنی (مگر بولا تو یہ) بولا کہ اگر (حق تعالیٰ نے ہم کو) پکڑ رکھا ہے تو اس کی نشانی کیا ہے؟

گفت یارب دفعِ من میگوید او　　آں گرفتن را نشاں میجوید او

ترجمہ: (حضرت شعیب علیہ السلام نے پھر خدا کی جناب میں) عرض کیا کہ اے پروردگار وہ تو مجھ پر اعتراض کرتا ہے (اور اپنے) اس پکڑے جانے کی نشانی پوچھتا ہے۔

نکتہ: صاحب کلید فرماتے ہیں کہ دیکھئے انبیاء علیہم السلام کی کیا شان ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اس شخص کو خود بھی جواب دے سکتے تھے اس لیے کہ آخر نبی تھے اور وہ ایک عامی شخص تھا مگر جواب خود نہیں دیا بلکہ حضرتِ حق ہی سے عرض کیا جیسے بچہ ماں سے پوچھا کرتا ہے کہ اب میں کیا کہوں وہ کہتی ہے۔ بیٹا یوں کہہ دو اسی طرح آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ وہ تو میرے اوپر اعتراض کرتا ہے اب کیا جواب دوں؟ سبحان اللہ اس پر ادھر سے ارشاد ہوتا ہے کہ

گفت ستارم نگویم راز ہاش　　جز یکے رمزے برائے ابتلاش

ترجمہ: (حق تعالیٰ نے) فرمایا میں ستار (یعنی پردہ پوش) ہوں اس لیے اس کے راز ظاہر نہ کروں گا سوائے ایک اشارہ کے اور وہ بھی) اس کے امتحان کے لیے (کہ اب بھی باز آتا ہے یا نہیں)۔

یک نشانے آنکہ میگیرم ورا　　آنکہ طاعت دارد و صَوم و دُعا
از نماز واز زکوٰۃ وغیرِ آں　　لیک یک ذرہ ندارد ذوقِ جاں

ترجمہ: ایک نشانی اس بات کی کہ میں نے اس کو پکڑ رکھا ہے یہ ہے کہ وہ بندگی بجا لاتا ہے اور روزے (رکھتا) ہے اور دعا (بھی کرتا ہے اور) نماز و زکوٰۃ وغیرہ (بھی ادا کرتا ہے لیکن) ایک ذرہ (بھر بھی) روحانی لطف نہیں پاتا۔

میکند طاعات و افعالِ سَنی لیک یک ذرہ ندارد چاشنی

لغات: سَنی بلند، روشن مراد عمدہ، نیک، خوب۔ چاشنی، ذوق، مزا، لطف۔

ترجمہ: وہ طاعات اور اعلیٰ اعمال بجالاتا ہے مگر ایک ذرہ بھی مزا نہیں پاتا۔

طاعتش نغزست و معنی نغز نے جوز ہا بسیار و در وے مغز نے

ترجمہ: اس کی عبادت تو (صورۃً) اچھی ہے اور (اس کے) معنی اچھے نہیں (اعمال کے) اخروٹ (تو) بہت ہیں لیکن ان میں (خلوص وحضوری) کا مغز نہیں ہے۔ عمر خیام غفرلہ

کارت ز نیازے کشاید نہ نماز بارے چہ بود نمازے صدق و نیاز

ذوق باید تا دہد طاعات بر مغز باید تا دہد دانہ شجر

ترکیب: پہلے مصرعہ میں دہد کا فاعل طاعت ہے بر بمعنی ثمر اس کا مفعول ہے دوسرے مصرعہ میں دانہ فاعل ہے شجر مفعول ہے۔

ترجمہ: (پہلے) ذوق (ہونا) چاہیے تا کہ طاعات (اپنا) پھل دیں (دانہ کے اندر) مغز ہونا چاہیے تا کہ (وہ) دانہ درخت اگائے۔

مطلب: گٹھلی یا دانہ میں مغز ہو تو اس سے درخت یا پودا اگ سکتا ہے لیکن اگر گھن اس کے مغز کو کھا جائے اور وہ گٹھلی یا دانہ خالی رہ جائے تو اس سے درخت نہیں اگتا۔ اسی طرح جب طاعت میں خلوص و ذوق نہ ہو تو اس کا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ صائبؒ

یکے ست بستن احرام و بستن زنار ترا کہ روئے دل از کعبہ سوئے بتخانہ است

دانۂ بے مغز کے گردد نہال صُورتِ بیجاں نباشد جز خیال

ترجمہ: بے مغز دانہ کب (پھوٹ کر) پودا بن سکتا ہے بے جان تصویر سوائے خیال کے اور کچھ نہیں۔

مطلب: کاغذی تصویر یا مٹی کی مورت ایسی معلوم ہوتی ہے گویا دیکھ دیکھ کر ہنس رہی ہے اور ابھی بولا چاہتی ہے مگر اس کا یہ دیکھنا اور بولنا محض خیالی کرشمے ہیں۔ حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں اسی طرح بے خلوص عبادت بھی گویا بیجان مورت ہے اگرچہ اس کے ارکان و آداب اور کلمہ کلام سب ٹھیک ہیں مگر بے روح ہونے کے باعث اس کے فوائد و ثمرات سب موہوم ہیں۔ کما قیل

گر وردِ تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہست بے باطنِ پاک کے بجنت راہ است

صراف زرِ قلب کجا بستاند ہر چند بروسکہ زنامِ شاہ است

چوں شعیبؑ ایں نکتہا بروے بخواند از تفکر ہمچو خر در گل بماند

ترجمہ: جب حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ نکتے اس کو سنائے تو وہ (یوں) دنگ رہ گیا جیسے گدھا دلدل میں (پھنس جائے)۔

تتمۂ قصۂ طعنہ زنِ شیخ و جوابِ مرید

شیخ کو طعنہ دینے والے کا باقی قصہ اور مرید کا جواب

آں خبیث از شیخ مے لائید ژاژ کژ نگر باشد ہمیشہ عقلِ کاژ

لغات: لائید از لائیدن جس کے معنی ہیں بیہودہ گوئی اور لاف زنی کرنا۔ ژاژ ایک خار دار پودے کا نام ہے مراد بیہودہ باتیں۔ کژ بھینگا' احول یہاں مراد کج نہاد ہے۔

ترجمہ: وہ خبیث شیخ کے بارے میں بیہودہ بک رہا تھا (کیونکہ) کج نہاد آدمی کی عقل ہمیشہ کج بین ہوتی ہے (اس لیے اس کو جب سوجھتی ہے الٹی سوجھتی ہے)۔

کہ منم برحالِ زشتِ او گواہ خمر خوارست و بد و کارش تباہ

ترجمہ: کہ میں اس کے برے حال کا گواہ ہوں (وہ) میخوار ہے بدکار ہے اور اس کے افعال خراب ہیں۔

دیدمش اندر میانِ مجلسے اوز تقویٰ عاری ست و مفلسے

ترجمہ: میں نے اس کو (رندوں کی) ایک مجلس میں (شامل) دیکھا ہے (اس لیے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ) وہ پرہیز گاری سے خالی اور تہید ست ہے۔

ورکہ باور نیستت خیز امشباں تا بہ بنی فسقِ شیخت راعیاں

ترجمہ:۔ اور اگر تم کو یقین نہیں آتا تو آج کی رات (میرے ساتھ) چلو۔ تا کہ اپنے مرشد کی بدکاری اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔

شب ببردش برسریک روزنے گفت بنگر فسق و عشرت کردنے

ترجمہ: (چنانچہ) رات کو وہ (معترض) اس (مرید) کو (اپنے ساتھ) لے گیا (اور) ایک جھروکے پر (لے جا کر کھڑا کر دیا اور) کہا دیکھو (اپنے پیر کی) بدکاری اور عیش اڑانا۔

بنگر آں سالوسِ روز و فسقِ شب روز ہمچوں مصطفےٰ شب بولہب

ترجمہ: دیکھو دن کا (وہ) فریب اور رات کی (یہ) بدکاری دن کو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح (گویا ہدایتِ خلق کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں اور) رات کو ابولہب کی طرح (فسق و فجور میں غرق ہے)۔

روز عبداللہ او را گشتہ نام شب نعوذ باللہ و در دست جام

ترجمہ: دن کو اللہ کے (خاص) بندے کہلاتے ہیں رات کو (یہ حالت ہے کہ ان سے) ہم اللہ کی پناہ مانگیں اور ہاتھ میں (شراب) کا پیالہ ہے۔

دید شیشہ در کفِ آں شیخ پُر گفت شیخا مرتراہم ہست غرّ

لغات: شیشہ کانچ کا پیالہ' بوتل وغیرہ' کانچ کا کوئی برتن' آئینہ کے معنی میں شیشہ کے لفظ کا استعمال اردو اور خصوصاً پنجابی کا

محاورہ ہے۔ فارسی میں شیشہ بدیں معنی مستعمل نہیں۔ غرا دھوکا کھانا، بہک جانا۔

ترکیب: دید اور گفت کا فاعل وہی معترض ہے نہ کہ مرید کما یشہدہ سیاق الکلام۔

ترجمہ: (پھر جب) اس (معترض) نے اس شیخ کے ہاتھ میں کانچ کا پیالہ (شراب) سے پُر دیکھا تو بولا شیخ جی! کیا آپ بھی بہک گئے ہیں۔

مطلب: اگرچہ دید شیشہ کا قرینہ متقاضی ہے کہ دید کا فاعل اور گفت کا قائل مرید ہو کیونکہ معترض تو یہ حال بارہا دیکھ چکا ہے اس لیے یہ کوئی عجوبہ نہ تھا حتی کہ وہ اسے دیکھتے ہی بیساختہ کچھ بول اٹھتا بلکہ یہ حال دیکھتے ہی شیخ پر اعتراض جڑ دینا اس شخص کا کام ہے جس کو یہ منظر پہلی مرتبہ دیکھنے کا موقع ملا ہو اور وہ مرید ہی ہوسکتا تھا مگر دوسرے قرائن یہ چاہتے ہیں کہ یہ گفتگو معترض کی ہو جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ مرید کو اپنے پیر سے سوءِ اعتقاد نہ تھا اور وہ بصورت ارتکابِ منکر بھی اس کو بتاویل دفع کرنے کے لیے تیار تھا، چنانچہ اس نے پہلے کہہ دیا تھا کہ بحر قلزم راز مردارے چہ باک لہٰذا وہ اس منظر کو دیکھ کر شیخ سے یوں گستاخانہ خطاب نہیں کرسکتا دوسرے ان اشعار میں ضمائر فاعلیہ کا مرجع قریب معترض ہی ہے اور کوئی نہیں جس کو خبیث کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اور تمام اقوال جو ان میں چلے آرہے ہیں سب کا قائل بھی وہی آرہا ہے۔ لہٰذا یہاں کوئی دوسرا اس گفت کا قائل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے تاوقتیکہ کسی اور کے لیے خاص صراحت نہ ہو اور کوئی تصریح خاص کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا اس گفت کا قائل بھی وہی ہوگا جو اس قول کا قائل ہے۔ "منم برحالِ زشت او گواہ" الخ باقی رہی یہ بات کہ پھر اس نے یہ منظر دیکھ کر اس طرز سے بے ساختہ خطاب کیوں کیا جیسے یہ حال ابھی دیکھا ہو یہ اس لیے کہ اسے پیر و مرید دونوں کو ندامت دلانا منظور تھا اور جس تدلیس ولہجہ سے وہ پیر کو خود ہدفِ اعتراض بنا سکتا تھا اور کسی سے یہ توقع نہ تھی۔

تو نمیگفتی؟ کہ در جامِ شراب دیو میمیزد شتاب اندر شتاب

لغات: مے میزد فعل حال ہے میمیزیدن یا میختن سے اور یہ دونوں مصدر پیشاب کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔

ترجمہ: کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ شراب کے پیالے میں شیطان فوراً پیشاب کر دیتا ہے (اور اب خود جام لیے بیٹھے ہو)۔

گفت جامم راچناں پر کردہ اند کاندرونش مے نگنجد یک سپند

ترجمہ: (شیخ نے) جواب دیا کہ میرے پیالہ کو اس قدر پر کیا گیا ہے کہ اس میں حرمل کے ایک دانہ برابر بھی (اور کسی چیز کی) گنجائش نہیں ہے۔

بنگر ایں جا ہیچ گنجد. ذرہ ایں سخن را کژ شنید ہ غرۂ

ترجمہ: تو دیکھ لے کہ یہاں ایک ذرہ سمانے کی بھی گنجائش ہے؟ (مگر) اس بہکے ہوئے نے اس بات کو ناراست سمجھا۔

مطلب: یعنی اس معترض نے یہ سمجھا کہ شیخ مے نوش صرف اپنا پہلو بچانے کے لیے ایک بے سروپا تاویل سے کام لے رہا ہے اور اس کا مدعا یہ ہے کہ جامِ شراب جب لبریز نہ ہو تو اس وقت شیطان اس میں پیشاب کرتا ہے کیونکہ اس وقت کچھ اور پڑنے کی گنجائش ہوسکتی ہے اور جب لبریز ہو تو شیطان اس میں نہیں موتتا۔ اس لیے کہ اس وقت اس میں کچھ پڑنے کی گنجائش نہیں ہوتی حالانکہ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے اگر لبریز جام کے اندر بھی پیشاب کیا جائے تو پیشاب آمیختہ ہوسکتا ہے اگرچہ کچھ اس میں سے پیشاب و شراب کا مرکب گر جائے گا غرض یہ خیال اس معترض کے دل میں آیا ہے لیکن وہ حقیقتِ امر سے واقف نہ تھا۔ کیونکہ:

جامِ ظاہر خمرِ ظاہر نیست ایں دُور دار ایں راز شیخ دُور بیں

ترجمہ: (شیخ کی مراد اس سے) یہ ظاہری جام اور ظاہری شراب نہیں (تھی) اس بات کو شیخِ دور بیں سے بعید سمجھو (توبہ توبہ بھلا ایک شیخِ کامل میخوار ہو سکتا ہے؟)

جامِ مے ہستیِ شیخ ست اے فلیو کاندرو ایدر نگنجد بولِ دیو

لغات: ایدر بروزن دیگر بمعنی ایں جا واکنوں۔ بعض ناقلین نے اس کو اندر بنون لکھا ہے جو ان کی غلطی ہے۔ فلیو، بفتح فاء وکسرہ لام و یائے مجہول بروزن نشیب فضول، بے ہودہ۔

ترجمہ: (بلکہ) اے بے ہودہ آدمی! جامِ مے (سے مراد) شیخ کی ہستی ہے جس کے اندر اب شیطان کے پیشاب کی گنجائش نہیں۔

مطلب: بزرگوں کے پاک باطن میں شیطان کے وساوس نہیں آسکتے نہ ان میں شیطان کی اور کسی قسم کی تحریکات کارگر ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ اللہ کے مخلص بندے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ۔ "(اے شیطان!) جو میرے (مخلص ومقبول) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا مگر جو تیری راہ چلیں گمراہوں میں سے۔" (الحجرع ۳)

پُرو مالا مال از نورِ حق ست جامِ تن بشکستہ نورِ مُطلق ست

ترجمہ: وہ حق تعالیٰ کے نور سے پُر اور مالا مال ہے اس کے بدن کا پیالہ کالعدم ہو چکا ہے اب وہ سراپائے نور ہے۔

مطلب: شیخ کے جواب کا جو مطلب اس معترض نے سمجھا وہ ٹھیک نہیں۔ دراصل اس کا مطلب یہ تھا کہ ہماری ہستی کا جام انوارِ حق سے اس قدر پُر ہے کہ اس میں مکائدِ شیطانی کے لیے گنجائش ہی نہیں رہی۔ ہمارے جسمِ عنصری کی ظلمانی حیثیت بھی اب معدوم ہو چکی ہے جو مقتضیاتِ نفس کی منشاء ومولد تھی۔ اب وہ بھی روحِ منور کے قرب سے نورٌ علیٰ نور ہو چکا ہے۔ اس لیے اب ہم سے کسی طرح بھی صدورِ منکر کا احتمال نہیں رہا۔ اب روح اور جسم کی وہ کیفیت ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَاقَتِ الْخَمْرُ فَتَشَابَهَا وَتَشَاکَلَ الْاَمْرُ

کانچ کا پیالہ صاف ہے اور شرابِ شفاف دونوں یکساں نظر آتے ہیں کچھ (فرق) معلوم نہیں ہوتا

فَکَاَنَّمَا خَمْرٌ وَّلَا قَدَحٌ وَکَاَنَّمَا قَدَحٌ وَّلَا خَمْرُ

تو گویا (یہ سب کچھ) شراب ہے پیالہ نہیں اور گویا (یہ سب کچھ) پیالہ ہی ہے شراب نہیں

اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیطان کی تحریکات وتاثیرات ہم پر کارگر نہیں ہو سکتیں۔ یہ مطلب تھا اس کا کہ شیطان اہل اللہ کے جام میں پیشاب کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔

نورِ خورشید ار بیفتد بر حدث اُو ہماں نورست نپذیرد خبث

لغات: حدث ناپاکی۔ خبث نجاست، پلیدی۔

ترجمہ: (دیکھو) آفتاب کی روشنی اگر کسی ناپاکی پر پڑتی ہے تو وہی (پاک) روشنی ہے ناپاکی کو قبول نہیں کرتی۔
مطلب: اوپر جو کہا تھا کہ جسمِ ظلمانی کو نورِ حق نے منور کر دیا ہے اس سے احتمال ہو سکتا تھا کہ وہ نور بھی ظلمتِ جسم سے کچھ نہ کچھ متاثر ہوا ہوگا اِس احتمال کو یہاں ایک مثال سے رفع فرمایا ہے یعنی جسم کی ظلمت نورِ حق پر مؤثر نہیں ہو سکتی جیسے کہ آفتاب کی روشنی نجاست پر پڑتی ہے تو وہ اس سے نجس و متعفن نہیں ہوتی بلکہ جب وہ روشنی اس نجاست پر متواتر پڑتی ہے تو اس کی ناپاکی و عفونت کو زائل کر دیتی ہے۔ اسی طرح یہ نور تو ظلمتِ جسم کو زائل کر دیتا ہے مگر وہ ظلمت اس نور کو تاریک نہیں کر سکتی اس کے بعد شیخ نے اصل حقیقت سے پردۂ خفا بالکل ہی اٹھا دیا۔ چنانچہ:

گفت شیخ ایں خود نہ جام ست ونہ مے ہیں بزیر آ، منکرا! بنگر بوئے

ترجمہ: (پھر) شیخ نے کہا (میاں بات یہ ہے کہ) یہ نہ جام ہے نہ شراب ہے، ہاں ہاں ارے منکر! نیچے اتر کر اسے دیکھ لے۔

آمدو دید انگبینِ خاص بود کور شد آں دشمنِ کور وکبود!

ترجمہ: چنانچہ وہ منکر و معترض نیچے آیا اور اس نے دیکھا کو وہ خالص شہد تھا (اب تو) وہ (عقل کا) اندھا سیہ (باطن) دشمن (طریقت سچ مچ ہی) اندھا (ثابت) ہو گیا (کہ شہد کو شراب سمجھتا تھا)۔
مطلب: کور شد سے یا تو یہ مراد ہے کہ اس کی کج نظری و غلط بینی ظاہر ہو گئی جیسے کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے یا یہ مراد ہے کہ وہ بزرگوں پر طعن و بدگمانی کرنے کی پاداش میں فی الواقع اندھا ہو گیا بصیرتِ باطنی سے تو پہلے ہی تہیدست تھا اب بصارتِ ظاہری سے بھی محروم ہو گیا۔ خیر یہ معترض تو رخصت ہو کر ٹھوکریں کھاتا گھر کو یا کسی معالج چشماں کی تلاش میں روانہ ہوا اب پیر نے اپنے مرید کی اصلاحِ حال ضروری سمجھی کیونکہ اگر مرید اپنے پیر سے بدگمان ہو جائے تو پھر وہ فیض ہی حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہ ہوا کہ

گفت پیر آں دم مرید خویش را رَو برائے من بجوئے اَے کیا

ترجمہ: پھر پیر نے اس وقت اپنے مرید کو حکم دیا کہ میاں جاؤ میرے لیے تھوڑی سی شراب تلاش کرو۔

کہ مرا رنج ست مضطر گشتہ ام من زرنج از مخمصہ بگذشتہ ام

لغات: مضطر مجبور، بے بس مخمصہ شدت کی بھوک جس سے سینے میں آگ سی بھڑک اٹھے مراد انتہا کی مجبوری۔ ایسی حالت میں بقدرِ ضرورت اکلِ حرام جائز ہے، چنانچہ اس لفظ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ "پھر جو بھوک سے بے قرار ہو (اور) گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو اور وہ یہ مجبوری کوئی حرام چیز کھائے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔ (مائدہ ع ۲)
ترجمہ: کیونکہ مجھے ایک مرض ہے (جس کے لیے شراب مفید ہے) اور اس وقت میں مضطر ہو گیا ہوں (جس کے لیے حرام اشیا کا کھانا پینا جائز ہو جاتا ہے بلکہ (اس) مرض سے میں مخمصہ (کی حالت) سے (بھی) گزر گیا۔

در ضرورت ہست ہر مردار پاک بر سرِ منکر ز لعنت باد خاک

ترجمہ: (اور) ضرورت (و مجبوری کی حالت) میں (بحکمِ قرآن) ہر (قسم کا) مردار (کھانا اور حرام اشیا کا پینا جائز ہے کہ وہ بمنزلہ) پاک (اشیا کے) ہے (اور اس کے حکم سے) انکار کرنے والے کے سر پر لعنت کی خاک پڑے۔
مطلب: شیخ نے اپنے مرید سے کہا بھائی میں مریض ہوں اور شدتِ مرض میں میری حالت اضطرار بلکہ مخمصہ سے بھی

آگے بڑھ گئی ہے جس میں حرام اشیا کا استعمال بھی جائز ہو جاتا ہے اور اطبا نے میری لیے شراب کا پینا بطور دوا تجویز کیا ہے اس لیے تم میرے لیے کہیں سے عمدہ شراب لاؤ مرید تو بلا دریافتِ علت بھی اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کے لیے حاضر تھا کہ شرطِ ارادت یہی ہے۔ بقول حافظؒ

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید　　　که سالک بیخبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

اب جو اس کو علت معلوم ہوگئی تو اس حکم کی بجا آوری میں اس کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔

گردِ خمخانہ برآمد آں مرید　　　بہرِ شیخ از ہر خُمے او میچشید

ترجمہ: (الغرض) وہ مرید شراب خانہ کی طرف گیا (اور) شیخ کے لیے ہر مٹکے سے (شراب) چکھتا تھا۔

در ہمہ خمخانہا اوے ندید　　　گشتہ بد پُراز عسل خمِ نبیذ

لغات: عسل شہد- نبیذ وہ شراب جو خرما اور غلہ جو سے بناتے ہیں یہاں مطلق شراب مراد ہے۔

ترجمہ: تمام خمخانوں میں (وہ پھرا مگر کسی میں) شراب نہ دیکھی (کیونکہ) شراب کا (ہر) مٹکا (شراب کے بجائے) شہد سے پُر ہو رہا تھا۔

سوال: (۱) اگر وہ شیخ شراب کی تہمت سے پاک تھے اور فی الواقع پاک تھے تو پھر ان کا اپنے لیے شراب کی ضرورت کا اظہار کرنا اپنے آپ کو مریض ظاہر کرنا اور مرض کی حالت کا بدرجۂ اضطرار پہنچنا بیان کرنا کذب بیانی کی تہمت سے محفوظ کیونکر رہ سکتا ہے۔

جواب: پیر کی یہ باتیں توریۂ ابہام کی قبیل سے تھیں کذب تو جب ہوتیں کہ محمول حقیقت ہوں مگر یہاں مرض سے عارضہ بدنی مراد نہیں بلکہ عارضِ مشکل مراد ہے اور مرید کے غیر معتقد ہو جانے کا اندیشہ تھا اور اضطرار سے یہاں وہ فقہی اضطرار مراد نہیں جس میں میتہ اور لحمِ خنزیر کھانے کی اجازت ہے بلکہ مجبوری و پریشانی مراد ہے جو مرید کے گمراہ و بد اعتقاد ہونے کے متعلق پیر کو عارض تھی اور شراب لانے کا حکم بھی بایں معنی نہیں کہ فی الواقع شراب کی ضرورت ہے بلکہ یہ اس امر کے ثبوت کے لیے کہا ہے کہ تم شراب لانے پر قادر نہیں ہو سکتے جیسے کہ قرآن مجید کے اس معجزہ کے ثبوت میں کہ اس کی مثل کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ کفار سے کہا تھا کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ تو جس طرح وہاں فی الواقع سورۃ لانے کی فرمائش نہیں بلکہ سورۃ نہ لا سکنے کا ثبوت ہے اسی طرح یہاں شراب لانے کی فرمائش نہیں بلکہ تہیۂ شراب سے عاجز ہونے کا ثبوت دیا ہے باقی الفاظ، مردار پاک اور بر سرِ منکرِ نعمت اپنے حقیقی معنوں پر محمول ہیں مگر وہ اس توریہ کی تاکید کے لیے کہے ہیں۔

سوال: (۲) پیر نے مرید کو سوءِ اعتقاد سے بچانے کے لیے ایک ایسے کام میں لگا دیا جس میں ضرورتاً اس کو شراب چکھنی پڑی گویا ایک مکروہ امر سے بچانے کے لیے حرام کام میں مبتلا کر دیا یہ کیونکر جائز ہے؟

جواب: مرید کو شراب چکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور نہ وہ یقینی شراب سمجھ کر چکھتا تھا بلکہ وہ جس مٹکے کو دیکھتا اس میں شہد بھرا پاتا تو اسے تعجب آتا پھر وہ رفعِ شبہ کے لیے چکھ لیتا تو اطمینان ہو جاتا کہ واقعی شہد ہے۔ علاوہ ازیں چشیدن سے مجازاً آزمودن بھی مراد لے لیا کرتے ہیں جیسے عرب کے نامی شاعر متنبی نے کہا ہے۔

إِذَا مَا النَّاسُ جَرَّبَهُمْ لَبِيبٌ　　　فَإِنِّي قَدْ أَكَلْتُهُمْ وَذَاقَا

جب کسی دانا نے لوگوں کو آزمایا ہو　　　تو میں لوگوں کو کھا چکا ہوں اس نے تو چکھا ہی ہوگا

ظاہر ہے کہ یہاں لوگوں کو کھانے سے مراد ان کو بخوبی آزمانا اور چکھنے سے سرسری آزمانا مراد ہے پس ممکن ہے کہ یہاں شراب کے چکھنے سے اس کا آزمانا مراد ہو اور شراب کا آزمانا جس سے اس کا شراب یا غیر شراب ہونا ظاہر ہو جائے بلا چکھے صدہا طرح ہو سکتا ہے۔

سوال(۳): بے شک شیخ میخواری کے اتہام سے پاک تھے مگر وہ میخواروں کی مجلس میں گئے ہی کیوں؟ جہاں ان پر میخواری کا شبہ ہوتا اور لوگوں کا اعتقاد ان کے متعلق متزلزل ہو جاتا۔ بفحوائے اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ "تہمت کے مقامات سے بچو" ہر شخص کے لیے تہمت کے مقام سے بچنا لازم ہے چہ جائیکہ ایک شیخ مقتدائے جماعت و پیشوائے اہلِ سلسلہ کے لیے۔

جواب: بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں بعض بزرگوں پر شان مقتدائی غالب ہوتی ہے اور بعض پر نہیں جن لوگوں پر مقتدا و مرشد ہونے کی شان غالب ہوتی ہے اور وہ ایسے مقامات پر جہاں پر جانے سے لوگوں کے عقائد میں تزلزل پیدا ہو ہرگز نہیں جاتے ورنہ اس سے دو خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یعنی ضعیف الاعتقاد کا ان سے برگشتہ ہو جانا اور شدید الاعتقاد کا ان کی تقلید میں مبتلائے فسق ہونا ہاں جن حضرات پر شانِ ارشاد غالب نہیں ہوتی وہ بعض مرتبہ ایسا کرتے ہیں کہ مجالس نامشروعہ میں چلے جاتے ہیں کیونکہ ان مجالس کا بد اثر تو ان کی ذات پر پڑتا ہی نہیں البتہ اس سے تین فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ایک تو ان کے کمالات عوام کی نظر سے مخفی رہتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو عام خوش اعتقادی کی سردردی سے بچانا پسند کرتے ہیں جیسے کہ پیچھے بہلول کے حکایت میں بیان ہوا۔ دوسرے اس قسم کی صحبت و مجالست سے ملامت و سرزنش نفس کی سرکوبی و گوشمالی کا ذریعہ بنتی رہتی ہے جو ایک اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے اس لیے اس جماعت کو ملامتیہ کہتے ہیں۔ شیخ ذوالنون مصری اسی قسم کے بزرگ گزرے ہیں۔ تیسرے بڑی مصلحت یہ کہ ان بزرگوں کی صحبت سے شرکائے بزم کی اصلاح ہوتی رہتی ہے جیسے کہ دہلی کے ایک بزرگ حضرت فخر نظامیؒ کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ علانیہ رنڈیوں کے پاس جاتے تھے اس لیے عوام میں ان کے خلاف بہت چرچے تھے مگر حقیقت میں وہ ان اتہامات سے بالکل پاک تھے اور اس طرح انہوں نے باتوں باتوں میں صدہا رنڈیوں کو تائب کرا دیا اور ایسے حضرات رندوں اور اوباشوں کی مجلس میں بظاہر انہی کے ہم مشرب بن کر جاتے ہیں تو ان کی تدبیر کارگر ہوتی ہے اگر ایک واعظ اور ناصح و مصلح کی حیثیت سے جائیں تو ہرگز اثر نہ ہو۔ جیسے کہ شیخ سعدی لکھتے ہیں۔

زاہدے درمیان رنداں بود زاں میاں گفت شاہدِ بلخی
گر ملولی میانِ ما منشیں کہ تو ہم نیز بہرِ ما تلخی

گفت اے رنداں چہ حال ست! اینچہ کار ہیچ خُمّے در نمے بینم عُقار

لغات: عقار بضمِ عین شراب۔

ترکیب: در حرف جار خُمّے سے پہلے آنا چاہیے مگر ضرورتاً مؤخر آیا ہے اور یہ جائز ہے۔

ترجمہ: (تو) وہ (مرید تعجب کے ساتھ) کہنے لگا ارے رندو! یہ کیا معاملہ ہے کیا بات ہے کہ میں کسی مٹکے میں بھی شراب نہیں پاتا۔

مطلب: اس سے ظاہر ہے کہ مرید اکیلا ہی شراب خانے کے ذخیرے میں پھر رہا ہے اور رندانِ میخانہ کہیں دور بیٹھے ہیں جن کو پکار کر کچھ کہنے کی ضرورت ہوئی پس مرید (خدانخواستہ) میخوار تو تھا ہی نہیں کہ اس سے شراب کے ذخیرہ میں کچھ غبن و خیانت کرنے کی توقع ہوتی اس نے بقدرِ ضرورت تھوڑی سی شراب مانگی ہوگی تو مالکانِ میخانہ نے بربنائے اعتماد کہہ دیا ہوگا

کہ اندر مختلف اقسام کی شرابیں رکھی ہیں جو آپ کو پسند ہو خود نکال کر لے جاؤ۔ نیز وہ ایک خانقاہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے لوگوں کی نظر میں قابلِ عزت بھی تھا اِس لحاظ سے بھی اس کو خود اپنے ہاتھ سے بقدرِ ضرورت شراب نکال لانے کی اجازت بلا تامل مل گئی۔ اب جو اس کو شراب کے بجائے تمام مٹکوں میں شہد ہی شہد نظر آیا اور سمجھا کہ یہ میرے شیخ کی کرامت ہے تو اسے شوق ہوا کہ مالکانِ میخانہ کو بھی یہ کیفیت دکھا دوں اِس لیے ان کو پکارا اس کی آواز سن کر لپکے آئے اور دیکھا تو واقعی شہد تھا، شراب کا یہاں نام نہیں اس کرامت سے سب پر ایک وجد اور رقت طاری ہو گئی اور شیخ کی عقیدت کا دریا ان کے سینوں میں موجزن ہو گیا۔

یہ شیخ کی دوسری کرامت تھی اور پہلی کرامت سے زیادہ واضح اور ظاہر تھی کیونکہ پہلی کرامت سے وہ شراب شہد بنی تھی جو پیالہ کے اندر شیخ کے ہاتھ میں تھی گو معتقد کے لیے تو یہی کافی تھا مگر ایک معترض کی اس سے تسلی نہیں ہو سکتی وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تو مداری کی سی ہتھ پھیری ہے۔ شراب کہیں گرادی ہو گی اور شہد اپنے پاس سے نکال کر پیالے میں ڈال لیا اور اس دوسری کرامت میں اس قسم کا شبہ کا امکان ہی نہیں۔ شیخ کہیں دور بیٹھا ہے شراب سے مٹکے پُر ہیں تھوڑی دیر پہلے میخوار مٹکوں میں سے شراب نکلوا نکلوا کر پی چکے ہیں کہ یک بارگی سارا ذخیرہ کا ذخیرہ شراب سے شہد بن جاتا ہے۔ ہتھ پھیری میں بھی کسی چیز کی محدود قابلِ اخفاء مقدار ہی ہو سکتی ہے بیسیوں من شراب میں ہتھ پھیری کے لیے عوج بن عنق کے ہاتھ کام دیں تو دیں۔ پس یہ ایک واشگاف کرامت تھی جس نے معتقد و معترض سب کو دنگ کر دیا پھر کیا ہوا؟

جملہ رنداں نزدِ آں شیخ آمدند   چشم گریاں دست برسر میزدند

ترجمہ: تمام رند اس شیخ کے پاس آنکھوں سے آنسو بہاتے اور سر پیٹتے آئے (اور عرض کیا کہ)

درخرابات آمدی شیخِ اجل   جملہ میہا از قدومت شُد عسل

لغات: خرابات شراب خانہ۔ اجل بہ تشدید لام مگر یہاں بہ تخفیف آیا ہے بہت بڑا جلیل سے اسم تفصیل ہے بروزنِ افعل۔ قدوم آنا، تشریف لانا۔

ترجمہ: اے شیخِ بزرگ تر! آپ شراب خانہ میں تشریف لائے تو آپ کی تشریف آوری (کی برکت) سے تمام شرابیں شہد بن گئیں۔

مطلب: رند حیران ہیں اور شیخ کی کرامت کے قائل ہیں کہ آپ کی تشریف آوری کی برکت سے یہ ام الخبائث یک دم فِیہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ بن گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے شیخ کے جام میں جو شراب دیکھی تھی وہ اس میخانہ سے لے گئے ہوں گے اور رند شیخ کی میخانہ میں اس آمد کا ذکر کر رہے ہیں، پھر مرید جو مطلوبہ شراب کی تلاش میں نکلا تو وہ دوسرے میخانوں میں پھر پھرا کر اس میخانہ میں آیا ہوگا جہاں اس کرامت کا ظہور ہونا مقدر تھا مطلوبہ صفات کی شراب کا کسی شراب خانہ سے نہ ملنا اسبابِ غیب سے تھا تا کہ مرید یہاں آئے اور شیخ کی کرامت دیکھے اور لوگوں کو دکھائے۔ ورنہ اگر مطلوبہ شراب کہیں سے مل جاتی تو اس کو لے کر شیخ کے پاس جا حاضر ہوتا اور مدعا وہیں کا وہیں نا تمام رہ جاتا۔

کردہ ے راتو مُبدَل از حدَث   جانِ ماراہم بدل کن از خبث

ترجمہ: آپ نے شراب کو ناپاکی سے بدل (کر پاک بنا) دیا۔ ہماری جان کو بھی ناپاکی سے بدل (کر پاک بنا) دیجئے۔ (یعنی ہم کو اپنے مرید بنا کر صراطِ مستقیم کی ہدایت کیجیے)۔

گر شود عالم پُر از خوں مال مال — کے خورد بندۂ خدا الا حلال

ترجمہ: (غرض) اگر (سارا) عالم خون (یعنی حرام) سے لبریز ہو جائے تو بھی اللہ کا مقبول بندہ حلال کے سوا کب کچھ کھاتا ہے۔

مطلب: اگر دنیا بھر میں اکلِ حلال اور کسبِ طیب کے وسائل مسدود ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے غیب سے حصولِ حلال کے سامان کر دیتا ہے اور ان کو بحالتِ اضطرار بھی حرام سے ملوث ہونے نہیں دیتا، جس طرح ان بزرگ کے لیے شراب بہ تبدیلِ ماہیت شہد بنا دی آگے اس کے مناسب ایک حکایت ارشاد ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے نجس زمین کو بھی حکماً پاک کر دیا تا کہ مسلمان اس پر بآسانی نمازیں پڑھیں۔

گفتن عائشہ رضی اللہ عنہا پیغمبر علیہ السلام را کہ تو بے مصلّٰے چونست کہ ہمہ جا نماز میگذاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنا کہ کیا بات ہے کہ آپ ہر جگہ مصلّٰی کے بغیر نماز پڑھ لیتے ہیں

عائشہؓ روزے بہ پیغمبر بگفت — یا رسول اللہ تو پیدا ونہفت

ہر کجا باشد نمازے میکنی — میروی درخانہ ناپاک و دنی

ترجمہ: ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجمع اور تنہائی میں جہاں (موقع میسر) ہو نماز پڑھ لیتے ہیں (اور نماز کے لیے ہر) ناپاک اور ادنیٰ گھر میں چلے جاتے ہیں۔

الاختلاف: بعض نسخوں میں ہر کجا باشد کے بجائے ہر کجا باشی درج ہے اس سے عبارت اور بھی صاف ہو جاتی ہے بعض نسخوں میں ہر کجا یابی یہ بھی صورت درست ہے یعنی ہر کجا جائے یابی۔

گرچہ میدانی کہ ہر طفلِ پلید — کرد مستعمل بہر جا کہ رسید

ترجمہ: اگرچہ آپ جانتے ہیں کہ بچہ جو ناپاک (اور بول و براز میں آلودہ) ہو جہاں جاتا ہے (اس جگہ کو) مستعمل کر دیتا ہے۔ (تاہم:)

بے مصلّٰے میگزاری تو نماز — ہر کجا روئے زمیں بکشائے راز

ترجمہ: آپ مصلّٰے کے بغیر ہی نماز ادا فرما لیتے ہیں جہاں کہیں روئے زمین ہو (براہ کرم اس) راز (کے عقدے) کو حل فرما دیجیے۔

گفت پیغمبرؐ کہ از بہرِ مہاں — حق نجس را پاک گرداند بداں

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے لوگوں (اور مقربوں) کے لیے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک کر دیتا

ہے (اس کو خوب) سمجھ لو۔

مطلب: مذکورہ روایت تو حضرت عائشہؓ کی ہے، مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ذیل کی روایت بھی اس کے ہم معنی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **فُضِّلْنَا عَلَی النَّاسِ بِثَلٰثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا کَصُفُوْفِ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدًا وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُھَا لَنَا طَھُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَآءَ** یعنی ہم کو دوسرے لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت بخشی گئی ہے ایک تو ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کا درجہ دیا گیا ہے دوسرے ہمارے لیے تمام زمین کو مسجد بنایا گیا ہے۔ تیسرے اس کی مٹی کو ہمارے لیے پاک کرنے والی بنایا جب کہ ہم کو پانی نہ ملے (مشکوۃ) مولانا نے اوپر کی روایت میں جواز بہر مہاں کہا ہے یعنی یہ درجہ بڑے لوگوں کے لیے مخصوص ہے کہ ان کے لیے ناپاک زمین بمنزلہ پاک بن جاتی ہے۔ یہ مدعا اس روایت میں **فُضِّلْنَا عَلَی النَّاسِ** سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

نجس شدہ زمین کے بارے میں یہ حکم ہے کہ **اذا اصابت الارض بخاسة فجفت بالشمس و ذهب اثرها جازت الصلوٰة على مكانها القولة على مكانها لقولهٗ عليه السلام.** یعنی جب زمین کو نجاست لگ جائے پھر دھوپ سے وہ خشک ہو جائے اور اس کا نشان باقی نہ رہے۔ تو اس پر نماز پڑھنی جائز ہے جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ زمین خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے (جوہر نیرہ ملخصاً) دیکھو باوجودیکہ زمین ناپاک تھی مگر حق تعالیٰ نے اس امت خیر الامم کے لیے اس کو پاک کر دیا۔

سجدہ گاہ ہم را ازاں رو لطفِ حق　　پاک گردانید تا ہفتم طبق

ترجمہ: (اے عائشہ!) اسی (مذکورہ) سبب سے خدا کی مہربانی نے میری سجدہ گاہ کو (زمین کے) ساتویں طبق تک پاک کر دیا ہے۔

مطلب: مقصد اس روایت سے یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کو اپنے مقربین کی پاسِ خاطر منظور ہے کہ ان کے لیے ناپاک زمین کو بھی پاک کر دیا تو وہ ان کو حرام کھانے پینے پر کیوں مجبور ہونے دے گا آگے مولانا فرماتے ہیں:

ہاں وہاں ترکِ حسد کن باشہاں　　ورنہ ابلیسے شوی اندر جہاں

ترجمہ: دیکھو خبردار! بزرگوں کے ساتھ حسد (رکھنا) چھوڑ دو ورنہ تم (سارے) جہاں میں ابلیس کی طرح (رسوا و ذلیل ہو جاؤ گے)۔ امیر خسروؒ ؎

بیدلے کش عیب مے کردم کجاست　　تابکام خویشتن بیند مرا

کو اگر زہرے خورد شہدے شود　　تو اگر شہدے خوری زہرے بود

ترجمہ: کیونکہ وہ اگر زہر بھی کھائے گا تو شہد بن جائے گا، تم اگر شہد بھی کھاؤ گے تو وہ زہر ہو جائے گا۔

مطلب: خاص بندوں کے لیے زہر کا شہد ہو جانا تو کرامت کی بنا پر اور عام لوگوں کے لیے شہد کا زہر بن جانا ان کے اعمال کی شامت کے باعث ہے یا اس سے ان بزرگوں کا اعتدال پسندی اور عوام کی بے اعتدالی کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ زہر کی حقیقت اور اس کے نفع وضرر کو جانتے ہیں، اس لیے وہ بمقدارِ مناسب کھاتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں تم شہد کی حقیقت اور اس کے نفع وضرر کو بھی نہیں جانتے۔ محض زبان کی چاٹ کے لیے کھاتے جاتے ہو۔ آخر کسی مرض میں مبتلا ہو کر قریب بمرگ ہو جاتے ہو۔

سعدی ؎

گر نانِ خشک دیر خوری گلشکر بود   ور گلشکر خوری بتکلّف زیاں کند

اور مدعا اس تمثیل سے یہ ہے کہ اہل اللہ کی معصیت بھی حقیقت نہیں بلکہ کوئی کارِ خیر ہوتا ہے اور تمہاری طاعت بھی اپنے نقائصِ لاحقہ کے سبب سے بمنزلہ معصیت ہوتی ہے اور بزرگان کے لیے زہر کے شہد بن جانے کی وجہ یہ ہے کہ:

کو بدل گشت و بدل شد کارِ او   لطف گشت و نور شد مرنارِ اُو

ترجمہ: کیونکہ وہ (اپنی صفاتِ نفس سے) بدل چکا ہے اور اس کے کام بھی بدل گئے۔ وہ (سراپائے) لطف ہو گیا اور اس کی (ہر) نار بھی نور بن گئی۔

مطلب: اس کے ملکاتِ سیئہ مبدل بحسنات ہو گئے اور اس کی استعدادِ رذائل جو شرور ہونے کے لحاظ سے بمنزلہ آتش تھی فیضانِ حق کے نور سے مبدل ہو کر نورٌ علیٰ نورٍ ہو گئی۔ آگے ایک مثال ارشاد ہے:

قوّتِ حق بود مر بابیل را   ورنہ مُرغے چوں کشد مرپیل را

ترجمہ: ابابیل کے اندر (یہ) خدائی قوت (ہی) کارفرما تھی (جس نے اصحابِ فیل کا ستھراؤ کر دیا تھا) ورنہ (یہ خیال تو کیجیے کہ) ایک (ادنیٰ) پرندہ ہاتھی (کی سی قوی جُثّہ ہستی) کو کیونکر ہلاک کر سکتا ہے۔

لشکرے را مُرغکے چندے شکست   تابدانی کاں صلابت از حق ست

لغات: مرغک حقیر پرندہ۔ چندے اس قدر، یہاں تک۔ صلابت سختی، طاقت، شجاعت۔

ترجمہ: ایک ادنیٰ پرندے نے ایک بڑے لشکر کو ایسی (سخت) شکست دی (جو جانوروں سے ناممکن ہے) تاکہ تم سمجھ سکو کہ یہ قوت حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

گر ترا وسواس آمد زیں قبیل   رَو بخواں تو سورۂ اصحابِ فیل

ترجمہ: اگر تم کو اس (قصے کے) بارے میں (یہ) وسوسہ آئے (کہ پرندوں کا لشکر کو شکست دینا کیونکر ممکن ہے) تو چلیے قرآن مجید میں سورہ فیل پڑھ (کر دیکھ) لیجیے۔

مطلب: یہ قصہ شرح ہذا کی اس جلد میں بالا جمال بیان ہو چکا ہے نیز جلد پنجم میں مفصل درج ہے اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں مطلب یہ کہ جب ناچیز پرندوں نے بتائیدِ حق ہاتھیوں تک کو ہلاک کر دیا تو ان حضرات کے لیے جب حق تعالیٰ کی تائید و نصرت شاملِ حال ہو تو زہر کو شہد کر دینا اور سیئات کو حسنات بنا لینا کون سی بڑی بات ہے۔

ورکنی با او مرے و ہمسری!   کافرم گر تو ازیشاں بُو بری

ترجمہ: اور اگر تم اس سے مقابلہ اور برابری کرو گے تو (پھر) اگر تم کو ان (بزرگوں) سے کچھ بھی فائدہ ہو تو میں کافر!

مطلب: اوپر "ہاں ترک حسد کن" سے جو تقریر شروع کی تھی۔ یہ اس کا آخری فقرہ ہے یعنی اگر تم نے ان بزرگوں سے بحث و تکرار اور ردّ و کد اور حسد و حقد جاری رکھا تو یاد رکھو کہ تم پر فیوضِ الٰہیہ کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ کم از کم ان بزرگوں سے جن سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے تم کو کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ جامیؒ

منکرِ اہلِ طریقت را زِ عرفاں بہرہ نیست   نیست جز جہلِ جبلّی موجبِ انکار را

غرض بزرگوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا نتیجہ رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں جس کے ثبوت میں ایک حکایت ارشاد ہے:

کشیدنِ موش مہارِ شتر را و معجب شدنِ موش

ایک چوہے کا اونٹ کی مہار کو کھینچ لے جانا اور چوہے کا گھمنڈ میں آ جانا

موشکے در کف مہارِ اُشترے　　　در ربُود و شد رُواں اُو از مرے

ترجمہ: ایک حقیر چوہا اپنے پنجے میں ایک اونٹ کی مہار تھام کر برابری (کے دعوے) میں چل پڑا۔

اشتراز چستی کہ با او شد رواں　　　موش غرّہ شد کہ ہستم پہلواں

ترجمہ: اونٹ جو (حسبِ عادت) تیزی سے اس کے ساتھ رواں ہوا تو موش کو گھمنڈ ہو گیا کہ میں (بڑا) طاقت ور ہوں (جو اونٹ کو کھینچے لیے جا رہا ہوں)۔

مطلب: اونٹ کی عادت ہے کہ بچہ بوڑھا ضعیف اور ناتواں کوئی بھی اس کی مہار پکڑ کر لے جائے چل پڑتا ہے۔ کچھ مزاحت نہیں کرتا اونٹ تو اپنی جبلی عادت سے چل رہا تھا مگر چوہے صاحب اپنے جوشِ مردمی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ اس بلند قامت جانور کو کچھ لے جانا ہماری ہی قوت کا کرشمہ ہے۔ خیر۔

برشُترزد پرِ تو اندیشہ اش　　　گفت بنمایم تُرا تو باش خوش

ترجمہ: اونٹ کو (بھی) اس کے اس خیال کا احساس ہو گیا، دل میں کہا اچھا (ذرا) تو خوش ہو لے تجھے (ابھی جلوہ) دکھاتا ہوں۔

تا بیا مد بر لبِ جوئے بزرگ　　　کاندرو گشتے زبُوں پیلِ سُترگ

ترجمہ: حتٰی کہ وہ ایک بڑی نہر کے کنارے پر آیا (جو اس قدر خطرناک تھی) کہ اس میں ایک بھاری ہاتھی بھی عاجز آ جائے۔

موش آنجا ایستادو خشک گشت　　　گفت اُشترا ے رفیقِ کوہ ودشت

ایں توقف چیست حیرانی چرا　　　پابنہ مردانہ اندر جُو بیا

ترجمہ: چوہا وہاں (آ کر) ٹھہر گیا اور (مارے خوف کے اس کا خون) خشک ہو گیا، اونٹ بولا اے پہاڑوں اور جنگلوں کے ساتھی (اب) یہ توقف کیسا ہے اور حیرانی کیوں ہے۔ مرد بن کر نہر میں پاؤں رکھ دے (اور) چلا آ۔

تو قلاوُزی و پیش آہنگِ من　　　درمیانِ رہ مباش وتن مزن

لغات: قلاوز راہبر بدرقہ پیشِ آہنگ پیش کرو۔ تن زن چپ ہو جانا۔

ترجمہ: تو تو میرا راہبر اور پیش رو ہے اب راستے میں نہ ٹھہر اور چپ نہ ہو جا۔

گفت ایں آبے شگرف ست و عمیق　　　من ہمے ترسم زغرقاب اے رفیق

ترجمہ: (چوہا) بولا اے رفیق! یہ ندی پُر خطر اور گہری ہے۔ ڈوب جانے سے ڈرتا ہوں۔

گفت اشترتا بہ بینم حدِّ آب　　　پادرو بنہاد آں اُشتر شتاب

ترجمہ: اونٹ نے کہا کہ (اچھا ٹھہرو) یہاں تک کہ میں پانی کا اندازہ لگا لوں (یہ کہہ کر) اس اونٹ نے فوراً (ندی) میں پاؤں ڈال دیا۔

گفت تاز انوست آب اے کورموش   ازچہ حیراں گشتی ورفتی زہوش

ترجمہ: (پھر) بولا ارے اندھے چوہے! پانی تو (صرف) زانو تک ہے تو حیران کیوں ہو گیا؟ اور تیرے ہوش کیوں اڑ گئے؟

گفت مورِتست مارا اژدہاست   کہ ززانو تا بزانو فرقہاست

ترجمہ: (چوہا) بولا (جناب! یہ) تمہارے لیے چیونٹی (کی طرح بے حقیقت) ہے (اور) ہمارے لیے (مثل) اژدہا (سخت خطرناک) ہے کیوں کہ زانو زانو میں بھی بڑے فرق ہیں۔

گرترا تا زانو ست اے پُرہنر   مرمرا صد گز گذشت از فرقِ سر

ترجمہ: اے ہنرمند! اگر (یہ ندی) تمہارے لیے صرف زانو تک ہے تو میرے تو سر کی چندیا سے بھی سو گز اونچی ہے۔

مطلب: فرقِ سر سے بالوں کی حدِ فاصل مراد ہوتی ہے جو عورتوں کے اور لمبے بالوں والے مردوں کے سر پر ایک خط کی شکل میں پیشانی سے وسطِ سر تک چلی جاتی ہے ہندی میں مانگ کہتے ہیں، مجازاً چندیا مراد ہوتی ہے۔ چوہے نے جب اعترافِ عجز کیا تو اب اونٹ کہتا ہے۔

گفت گستاخی مکن بارِدگر   تانسوزد جسم و جانت زیں شرر

ترجمہ: (تب اونٹ نے) کہا پھر کبھی ایسی گستاخی نہ کرنا (کہ چوہے ہو کر اونٹوں سے برابری کرنے لگو) تاکہ ایسا نہ ہو (کہیں) اس گستاخی کی آگ سے تیرا جسم اور جان جل جائیں۔

تو مرے بامثلِ خود مُوشاں بکن   باشتر مر موش رانبود سخن

ترجمہ: تو مقابلہ (کرتا ہے تو) اپنے جیسے چوہوں کے ساتھ کیا کر۔ اونٹ کے ساتھ تو چوہے کا کلام (کرنا بھی زیب) نہیں (دیتا)۔

گفت توبہ کردم از بہرِ خُدا   بگذراں زیں آب مہلک مر مرا

ترجمہ: (اب تو چوہا اپنے کئے پر نادم ہوا اور) بولا میری توبہ ہے خدا کے لیے (کسی طرح) مجھے اس ندی سے پار لے جا۔

رحم آمد مرشتر راگفت ہیں   برجہ وبر کردبانِ من نشیں

لغات: جِہ امر ہے جستن سے جس کے معنی ہیں کودنا۔ کردبان کوہانِ شتر۔

ترجمہ: اونٹ کو (اس پر) رحم آ گیا بولا، ہاں کود کر میری کوہان پر بیٹھ جا۔

ایں گذشتن شد مسلّم مر مرا   بگذرانم صد ہزاراں چوں تُرا

ترجمہ: یہ (ندیوں کو) عبور کرنا تو مجھ ہی کو سزاوار ہے میں تجھ سے لاکھوں (چوہوں) کو پار اتار دوں۔

مطلب: مثنوی شریف کا ہر قصہ، کہانی، تمثیل آدابِ سلوک کا صحیح ضابطہ پیش کرتی ہے ان کہانیوں میں کوئی بات بے مطلب اور غیر ضروری نہیں ہوتی اس شتر و موش کی تمثیل میں بزرگوں کے ساتھ مقابلہ و معارضہ نہ کرنے کی نہایت عمدہ تعلیم دی گئی ہے۔ عام لوگ جن کو اپنی چند روزہ طاعت و عبادات اور اعمال و وظائف کا گھمنڈ ہو جاتا ہے اکابر مشائخ سے ہمسری کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ کبھی سلوک کے جزوی مسائل میں گفت و شنید کر کے اپنی ہمہ دانی کی داد چاہتے ہیں۔ کبھی فتوحاتِ مکیہ و فصوص الحکم وغیرہ تصوف کی ادق کتابوں کی عبارات کے متعلق سوالات پیش کر کے ان کو لاجواب کرنے اور اپنی فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جہاں کہیں سلوک و طریقت کی عملی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے جس کے حل کے لیے نہ کسی کتاب

کی عبارت کا، دے سکتی ہے نہ اپنا ذہنِ رسا کچھ کاربراری کرسکتا ہے، تو وہاں وہ اپنی حالت وہی پاتے ہیں جو نہر کے کنارے اس چوہے کی تھی وہ ابھی تھوڑا ہی پہلے بڑے غرور سے تن تن کر چلا آرہا تھا مگر یہاں آکر ساری شیخی کرکری ہوگئی تو ایسے موقع پر وہی مشائخ مشکل کشائی کرسکتے ہیں کیونکہ وہ ان مقامات کے مردِ میدان ہوتے ہیں اگر اب بھی یہ شیخی خور مدعی اس چوہے کی طرح اپنے گستاخانہ افعال سے تائب ہوکر ان بزرگوں کے ادب کا عہد کرلیں تو ان کی بدولت وہ بھی مشکلاتِ سلوک کے دریا سے پار اتر سکتے ہیں۔

چوں پیمبر نیستی پس رَوَ براہ تارسی از چاہ روزے سوئے جاہ

صنائع: چاہ اور جاہ میں تجنیسِ مضارع ہے۔

ترجمہ: جب تو پیغمبر (اور رہنما) نہیں ہے تو (راہرو بن کر کسی کے اتباع میں) راستہ طے کیا کرتا کہ تو ایک دن (گمراہی کے) کنوئیں سے (نکل کر) مرتبہ (ارشاد و مشیخت) تک پہنچ جائے۔

تو رعیت باش چوں سلطاں نۂ تگ مراں چوں مردِ کشتیباں نۂ

لغات: تگ کنوئیں وغیرہ کی گہرائی اور تیز دوڑنا۔

ترجمہ: جب تو بادشاہ نہیں ہے تو رعیت ہی بن جا جب تو (ماہر) جہاز راں نہیں ہے تو (کشتی کو) تیز نہ دوڑا۔

مطلب: جب مرشد ہونے کی قابلیت نہ ہو تو مرید ہی بن جانا چاہیے جب مشکلاتِ طریق سے آگاہی اور ان سے بچنے کی استعداد نہیں ہے تو نہایت احتیاط سے راہِ سلوک طے کرنا چاہیے۔

خطر بسیار دارد راہِ حق ہشیار شو صائب کہ موسیٰؑ بے عصا در وادیِ ایمن نمے آید

چوں نۂ کامل دکاں تنہا مگیر دستِ خوش میباش تا گردی خمیر

لغات: دست خوش وہ چیز جو ہاتھ کی مالش سے نرم اور کمزور ہو جائے اور بمعنی عاجز و زبون۔

ترجمہ: جب تو کامل نہیں تو اکیلا دکان نہ کھول بلکہ کسی دستگیر کا تختۂ مشق بن جا تا کہ (اس کی تربیت کے ملنے دلنے سے) تو خمیر بن جائے۔

مطلب: جب تم میں کوئی کمال پیدا نہیں ہوا تو ابھی سے اپنے آپ کو کامل سمجھ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہ بناؤ بلکہ ہمیشہ شیخ کا اتباع کرو اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردو کہ وہ تربیت کی کٹھالی میں جس طرح چاہے تم کو پگھلائے اور جس سانچے میں چاہے ڈھال دے۔ پھر تم میں زمرۂ کاملین میں شامل ہونے کی استعداد اس طرح پیدا ہو جائے گی جس طرح آٹے میں خمیر ہو کر روٹی کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت آجاتی ہے۔ امیر خسروؒ

درطوقِ بند گیش برد جاں بعافیت ہر فاختہ کہ خدمتِ سَرِ دراں گرفت

چونکہ آزادیت نامد بندہ باش ہیں مپوش اطلس برو در ژندہ باش

لغات: آزادیت آزادی تیرا۔ ژندہ موٹا جھوٹا کپڑا، گدڑی، پھٹا پرانا کپڑا۔

ترجمہ: جب تجھ میں آزادی (وحریت کی قابلیت) نہیں تو (کیوں خواہ مخواہ احرارِ نامدار کی ریس پر مرتا ہے سیدھی طرح) غلام بن کر رہ۔ ارے (امرا کی ریس میں) اطلس مت پہن۔ جا گدڑی میں (گزر اوقات کرتا) رہ۔

مطلب: یوں ہی مقبولِ عوام اور مخدوم انام بننے کی کوشش نہ کرو بلکہ پہلے کسی بزرگ کے خادم بنو پھر مخدوم بننے کا استحقاق

بھی پیدا ہو جائے گا۔ بقول ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔

اَنصِتُوا را گوش کن خاموش باش   چوں زبانِ حق نگشتی گوش باش

لغات: اَنْصِتُوا فعل امر ہے بمعنی خاموش باشید اور اس آیتِ قرآنیہ سے اقتباس ہے۔ فَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. یعنی پس جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ترجمہ: انصتوا (یعنی خاموش ہو جاؤ اور خدائی حکم) کو سنو (اور) خاموش رہو جب تم حق کی زبان نہیں بنے تو گوش (شنوا) بنے رہو۔

مطلب: درحقیقت بولنا اور کلماتِ ارشاد سے لوگوں کو مستفیض کرنا اس مردِ کامل کا کام ہے جس کی شان بِیْ یَنْطِقُ ہو چکی ہو۔ یعنی گویا حق تعالیٰ اس کی زبان سے کلام کرتا ہے اور وہ عین مصطلح ہو گیا ہو اور جب تم کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہو اس وقت تم ایسے لوگوں کی باتیں سنا کرو اور خود مت بولو۔ اب یہاں کسی ظاہر بین کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر ان حضرات کے سامنے مطلق بولنا داخلِ سوءِ ادب ہے تو کیا پھر کوئی طالب اپنی حالت کا اظہار بھی نہ کرے۔ آگے مولانا اس شبہ کو زائل فرماتے ہیں:

ور بگوئی مشکلِ استفسار گو   با شہنشاہاں تو مسکیں وار گو

ترجمہ: اور اگر تم (اپنی کوئی) مشکل (ان سے) کہنے لگو تو (بطور) استفسار کہو (اور ان) شہنشاہوں کے ساتھ مسکین کی طرح بولو۔

مطلب: ایک مسکین کو بادشاہ کے ساتھ بے تکلف ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی جرأت نہیں ہوتی بلکہ خاص ضرورت اور مجبوری کے وقت طلبِ حق یا دفعِ جور کے لیے سوال کیا کرتا ہے وہ بھی نہایت ادب اور عجز سے اور ڈرتے ڈرتے۔ پس ان سلاطینِ اقلیمِ ولایت سے بات چیت کرنے میں مرید کو بھی یہی انداز اختیار کرنا لازم ہے یہاں تک مولانا کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ تکبر نہ کرنا چاہیے اور اپنے آپ کو بلا استحقاق بڑا سمجھنا جائز نہیں بلکہ اپنے آپ کو کسی دوسرے بڑے انسان کا تابع رکھنا چاہیے آگے تکبر کا منشا بتاتے ہیں کہ یہ کیونکر پیدا ہوتا ہے:

اِبتدائے کبر و کیں از شہوت ست   راسخیِ شہوتت از عادت ست

ترجمہ: تکبر اور بغض کی ابتدا خواہشِ نفسانی سے ہے اور تیری خواہشِ نفسانی کی پختگی (اتباعِ نفس کی) عادت سے ہے۔

مطلب: نفس انسان کو ہمیشہ برائی پر آمادہ کرتا ہے جب آدمی نفس کی ہر بات ماننے پر آمادہ رہتا ہے تو اس کو ان باتوں کی عادت ہو جاتی ہے پھر خود بخود اس کے دل میں اس قسم کی بری خواہشات پیدا ہونے لگتی ہیں یہی نفسانی خواہشات ہیں جن میں بد نظری، شوقِ زنا، ظلم، ایذائے خلق، حرصِ طعام، خواہشِ ترفع، افتخار وغیرہ وغیرہ ہزاروں برائیاں داخل ہیں جب کوئی ناصح ان برائیوں سے اس کو منع کرتا ہے تو اس کو برا معلوم ہوتا ہے اور اس کا اتباع اس کو پسند نہیں آتا یہی تکبر ہے اور اسی سے ناصح و مانع سے بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ خواہشاتِ نفسانیہ سے تکبر و بغض پیدا ہوتا ہے۔ آگے مولاناؒ خود اس کی تقریر فرماتے ہیں:

چوں زعادت گشتہ محکم خوئے بد   خشم آید بر کسے کِت واکشد

ترجمہ: جب عادت کی وجہ سے کوئی بری خصلت پختہ ہو جائے تو جو شخص تم کو (اس سے) ہٹائے اس پر (تم) کو غصہ آتا ہے۔

مطلب: کسی خوئے بد کے پختہ و راسخ ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پہلے کسی خواہشِ نفسانی کا تقاضا ہوا تو اس کو پورا کر دیا۔ پھر تقاضا ہوا اس کو بھی پورا کیا۔ پس اسی طرح تقاضوں کو پورا کرتے کرتے اس امر کی عادت ہو جاتی ہے۔ عادت کا لفظ

ہی عود سے نکلا ہے اور اس سے مراد مالوف ہے۔ یعنی جو بار بار عمل میں آئے پھر وہ طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور اس سے طبیعت مانوس ہو جاتی ہے ۔ یہی غرور ہے اور اس کی مخالفت کرنے اور اس سے روکنے والا اپنا ذاتی مخالف بلکہ دشمن محسوس ہونے لگتا ہے اور اس پر غصہ آنے لگتا ہے۔ سعدیؒ۔

یکے راکہ پندار در سر بُوَد مپندار ہرگز کہ حق بشنود
زعلمش ملال آید وعظ ننگ شقائق بباراں نروید زسنگ

چونکہ تو گِل خوار گشتی ہر کہ اُو واکشد از گِل تُرا باشد عدو

ترجمہ: (مثلاً) جب تم مٹی کھانے والے بن جاؤ، تو جو شخص تم کو مٹی سے منع کرے (وہ تمہارا) دشمن ہوگا۔

بت پرستاں چونکہ خو بابت کنند مانعاں راہِ بُتاں را دشمن اند

ترجمہ: (اسی طرح) بت پرست چونکہ بت (کی پوجا) سے مانوس ہو جاتے ہیں (اس لیے) وہ بتوں کی راہ سے منع کرنے والوں کے دشمن ہیں۔

چونکہ کرد ابلیس خوبا سروری دید آدم را بہ تحقیر از خری

ترجمہ: (اسی طرح) چونکہ ابلیس سرداری کا خوگر ہو گیا تھا اس نے گدھے پن سے حضرت آدم علیہ السلام کو حقارت کے ساتھ دیکھا۔

کہ بہ از من سر ورے دیگر بود؟ تا کہ او مسجود چوں من کس شود

ترجمہ: (بھلا) مجھ سے بڑھ کر کوئی اور سردار ہو سکتا ہے؟ تا کہ مجھ سا (بزرگ) شخص اس کے آگے سجدہ کرے۔

مطلب: ابلیس ملائکہ میں برتری و سرداری کا عادی ہو چکا تھا اس لیے اس میں یہ تکبر اور حضرت آدم علیہ السلام کے خلاف حقارت و عداوت پیدا ہو گئی اگر وہ سرداری کا عادی نہ ہوتا بلکہ عبودیت و نفس کشی کا خیال اس پر غالب ہوتا تو اس وقت سربسجود ہونے میں وہ ہرگز بہانہ جوئی نہ کرتا آگے برتری و تفوّق کے خطرات کا ذکر فرماتے ہیں جب کہ اس کی مضرت کی روک تھام کے سامان نہ ہوں۔

سروری زہرست جُز آں رُوح را کہ بود تریاقِ لانی ز ابتدا

لغات: تریاق دوائے دافعِ زہر لانی کوہ لان کا۔ لان ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا تریاق سب سے اچھا اور زود اثر مانا گیا ہے۔

ترجمہ: سرداری (تمام روحوں کے لیے) زہر ہے مگر اس روح کے لیے نہیں جو ابتدا سے (بمنزلہ) تریاقِ لانی ہو۔

مطلب: سرداری و جاہ مایۂ غرور و کبر ہے جس کا انجام ذلت و خواری کے سوا اور کچھ نہیں مگر اس شخص کے لیے یہ مضر نہیں ہے جس کی استعدادِ فطری ابتدا سے اس قدر قوی ہو کہ سرداری اس میں غرور پیدا نہ کر سکے۔ صائبؒ۔

چو ماہِ نَو سر از پائے تواضع بر نمیدارم اگر با آں بزرگی آسماں گیرد رکابم را

کوہ اگر پُر مار شُد باکے مدار کہ بود اندر دروں تریاق زار

ترجمہ: پہاڑ اگر سانپوں سے پر ہو تو کچھ خوف نہ کرو کیونکہ (اس کے) اندر تریاق کا معدن (موجود) ہوتا ہے۔

مطلب: حضرات اہل اللہ کے پاس معیتِ حق کا جو تریاق ہے اس کی وجہ سے ان کو یہ سرداری و مقتدائیت مضر نہیں ہوتی کیونکہ ان کی نظر میں ایک اور سب سے برتر سب سے ارفع ہستی سمائی ہوئی ہوتی ہے جس کی محویت ان کو اپنی بزرگی کا احساس تک نہیں ہونے دیتی۔ ہاں ہم لوگوں کے لیے یہ ظاہری سرداری و سروری مضر ہے جب ذرا لوگ سلام کرنے اور حضرت سلامت

کہنے لگتے ہیں تو ہم مارے غرور کے پھول کر کپا ہو جاتے ہیں اور ذرا کسی نے ایسی گفتگو کی جس سے اس سرداری کی آن میں فرق آتا ہو تو بس اس کے دشمن ہو گئے۔ بس یہ سرداری کیا ہوئی۔ رذائل و ذمائم کی پوٹ ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

سروری چوں شد دماغت راندیم   ہرکہ بشکستت شود خصمِ قدیم

ترجمہ: سرداری (کی بو) جب تمہارے دماغ میں سما گئی تو جو شخص تم کو شکست دے (کر اس سرداری کو نقصان پہنچائے) وہ تمہارا ہمیشہ کا دشمن ہے۔

مطلب: دشمنِ قدیم وہ ہوتا ہے جو پہلے زمانے سے ہمیشہ کا دشمن ہو مگر یہ شخص جو مخل سرداری ہے آج سے دشمن بن رہا ہے پہلے نہیں تھا تو مدعا یہ ہے کہ جس طرح ایک قدیمی اور پشتینی دشمن کی دشمنی شدید اور ناقابلِ تغیّر ہوتی ہے اس طرح اس کی دشمنی بھی سخت سمجھی جاتی ہے یا مستقبل میں اس کی دشمنی ایسی غیر محدود و ناقابلِ اختتام بن جانے والی ہے کہ آگے چل کر وہ قدیمی سمجھی جائے گی۔

چوں خلافِ خوئے تو گوید کسے   کینہا خیزد ترا با او بسے

ترجمہ: جب وہ تمہاری خصلت کے خلاف کچھ کہے تو تمہیں اس کے ساتھ بہت سے کینے پیدا ہو جاتے ہیں۔ (اور پھر کہنے لگتے ہو)۔

کو مرا از خوئے من برمیکند   خویش را بر من چو سرور میکند

ترجمہ: کون (ہوتا ہے جو) مجھے میری خصلت سے الگ کر دے (اور) اپنے آپ کو مجھ پر (ایک) افسر کی طرح (فائق) بنا لے۔

چوں نباشد خُوئے بد سرکش درو   کے فروز داز خلاف آتش درو

لغات: سرکش کے معنی عموماً تند خو و غیر مطیع کے لیتے ہیں مگر یہاں یہ سرکشیدن بہ معنی ظہور یافتن سے مشتق ہے۔

ترجمہ: جب کوئی بری خصلت اس میں ظہور نہ پائے تو (پھر) مخالفت کی آگ اس میں کیوں بھڑکے۔

مطلب: اوپر سرداری کے منشاءِ کبر و کیں ہونے کا بیان اس پیرایہ میں ہو رہا تھا کہ اس کے مناشی و نتائج کو تمثیلاً مخاطب پر چسپاں کر رہے تھے اب یہاں سے غیبت کا پیرایہ اختیار کیا ہے اور بات ایک ہی ہے۔

چوں نباشد خُوئے بد محکم شدہ   کے فروزد از خلاف آتشکدہ

ترجمہ: جب بری خصلت پختہ نہ ہو چکی ہو تو مخالفت (اور ضد) سے (غصے کا) آتشکدہ کیوں بھڑک اٹھے۔

با مخالف اُو مدارا میکند   در دلِ اُو خویش راجا میکند

ترجمہ: (کبھی) مخالف کے ساتھ وہ دوستانہ برتاؤ (بھی) کرنے لگتا ہے (اور) اس کے دل میں گھر کر لیتا ہے (تا کہ وہ اس کی مزاحمت نہ کرے)۔

مطلب: اول تو یہ بدخصلت و مغرور اور ناشائستہ و بدکردار آدمی اپنے ناصح و مانع کے ساتھ مخالفت و خصومت سے پیش آتا ہے لیکن جب دیکھتا ہے کہ وہ زبردست ہے اس کے مقابلے میں عہدہ برآ ہونا مشکل ہے تو از راہِ صلح و آشتی پیش آنا شروع کر دیتا ہے اور اس کے دل میں گھر بنا لیتا ہے اور نرمی اختیار کرنے والے کے لیے یہ بات چنداں مشکل نہیں غنی کاشمیری؎

میتواں کردن بنرمی جائے در دل ہائے سخت   رشتہ از ہمواریِ خود غوطہ در گوہر زدہ است

پھر اس ربط و ضبط سے سلسلۂ مخالفت بند ہو جاتا ہے اور ناصح اس کی بے اعتدالیوں پر چشم پوشی کرنے لگتا ہے۔

بہت نصفت پسند انسان جو حق سے ٹل نہ سکتے تھے   کسی پُر پیچ حیلے سے کسی ڈھب سے کسی فن سے

معاً دیکھی پھسلتی موقفِ حق سے زبان ان کی جوں ہی چپڑی کسی نے وہ ملائی اور مکھن سے

مگر سوال یہ ہے کہ یہ خصائلِ بد کا عادی اپنے ناصح و مانع سے پیچھا چھڑانے کے لیے یہ حرکتِ مذبوحی کیوں کرتا ہے ان خصائل کو ترک کر کے سارے جھگڑے نبٹے کیوں نہیں مٹا دیتا آگے اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ خصائل سخت راسخ واستوار ہو چکے ہیں اب ان کا تبدل وتغیر ناممکن ہو گیا اس لیے وہ اس کے تغیرؔ پر زور دینے والوں سے دشمنی ہو یا دوستی جس طرح بھی بن پڑے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا ہے اور اس جواب میں پھر تخاطب کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

زانکہ خوئے بد بگشتت استوار مورِ شہوت شدز عادت ہمچو مار

صنائع: مور و مار میں تجنیس لاحق ہے۔

ترجمہ: کیونکہ بری خصلت تم میں مضبوط ہو چکی ہے۔ خواہشاتِ نفسانیہ کی چیونٹی عادت کی وجہ سے سانپ بن گئی۔

مارِ شہوت رابکش در ابتدا ورنہ اینک گشتہ مارت اژدہا

ترجمہ: (اب بھی ہمت کرو اور) خواہشاتِ نفسانیہ کے (اس) سانپ کو شروع ہی میں مار ڈالو ورنہ دیکھنا تمہارا سانپ اژدہا بن جائے گا۔

مطلب: خواہشاتِ نفسانیہ کی ابتدا بالکل کمزور ہوتی ہے اس وقت ان کا انسداد ایسا ہی آسان ہوتا ہے جیسے ایک چیونٹی کو مسل ڈالنا لیکن یہی خصائل جب رسوخ و استحکام پا کر چیونٹی سے سانپ بن جاتے ہیں تو پھر ان کا ازالہ ذرا مشکل ہوتا ہے مگر خیر لاٹھی لکڑی چلانے کی ہمت ہو تو یہ مشکل بھی آسان کی جاسکتی ہے اور خصائل کے اس سانپ کا سر کچلا جاسکتا ہے لیکن اگر اب بھی تغافل اور بے پروائی سے کام لیا گیا تو پھر یہ سانپ اژدہا بن جائے گا اور اژدہا ایک شخص کے بس میں آنے والا نہیں یعنی جب خصائلِ بد انتہائی قوت حاصل کر لیں تو پھر تا بمرگ ان کے پنجے سے رہائی محال ہوتی ہے۔ سعدیؒ ۔

عادتے بد کہ در دلے بہ نشست نرود جز بوقت مرگ از دست

لیکن ان خصائل کی اصلاح و درستی کی راہ میں ایک سخت مشکل حائل ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کے خطرات کو کوئی شخص محسوس نہیں کر سکتا کیونکہ ان کی نشوونما اور ان کا مُور سے مار اور مار سے اژدہا بننا عادت کے زیرِ سایہ وقوع پاتا ہے اور اپنی اپنی عادت سب کو محبوب و مانوس ہوتی ہے۔ اس لیے ان خصائل کی خوفناک ترقی کا کچھ خیال نہیں گزرتا اور کسی بلا کے انسداد کا جوش جبھی پیدا ہوتا ہے کہ اس کے خطرہ کا خیال دل پر غالب ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں :

لیک ہر کس مور بیند مارِ خویش توز صاحب دل کن استفسارِ خویش

ترجمہ: لیکن (مشکل یہ ہے کہ) ہر شخص اپنے (خصائل کے) سانپ کو چیونٹی دیکھتا ہے (پس اس مشکل کا حل یہ ہے کہ) تم (کسی) صاحبِ دل سے اپنے (باطنی حال کے) متعلق سوال کرو۔

مطلب: انسان کو اپنا آپ محبوب ہوتا ہے اس لیے بمُوائے حدیث حبک الشیء یعمی ویعصم اپنے اخلاقی معائب کو معلوم نہیں کر سکتا آنکھ خود اپنے عیب کو نہیں دیکھتی لہٰذا یہ مشکل یوں رفع ہو سکتی ہے کہ اپنی تفتیشِ عیوب کا کام کسی صاحب دل

کے سپرد کر دو وہی ان کی اصلاح بھی کر دے گا۔

تا نشد زر مِس نداند من مسم　　تا نشد شہ دل نداند مفلسم

ترکیب: نشد فعل ناقص مس اسم مؤخر زر خبر مقدم۔ اسی طرح اسم مؤخر اور شہ خبر مقدم۔

ترجمہ: تانبا جب تک سونا نہ بن جائے وہ نہیں جانتا کہ میں تانبا ہوں (اسی طرح) دل جب تک بادشاہ نہ بن جائے وہ نہیں جانتا کہ میں مفلس ہوں۔

مطلب: کسی شخص کے اپنے اخلاق کی زبونی اور خصائل کی رذالت کے عدم احساس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص ناقص ہوتا ہے۔ نقص کی حالت میں اپنے نقص کا احساس نہیں ہوسکتا کیونکہ ادراکِ نقص بھی ایک کمال ہے اور کمال اس میں ہے نہیں کیونکہ الاشیاء تعرف باضدادھا ہر چیز کی ذات و صفات کا پتا اس کی ضد کے مقابلے میں لگتا ہے پستی کا پتا بلندی کے مقابلے میں لگتا ہے۔ سفیدی کا احساس سیاہی کے سامنے ہوتا ہے اور خوشی کی قدر غم کے وقت آتی ہے۔ اسی طرح ہر شخص اپنے نقائص سے اس وقت واقف ہوتا ہے جب وہ کسی شیخ کامل کے زیر تربیت زائل ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کو خیال آتا ہے کہ اوہو! میں کس گندے اخلاق اور گھناؤنے معائب میں مبتلا تھا۔ حافظؒ۔

شکر ایزد کہ باقبال کلہ گوشۂ گل　　نخوت بادِ دے و شوکتِ خار آخر شد

خدمتِ اکسیر کن مِس وار تو　　جور میکش اے دل از دلدارِ تو

ترجمہ: (پس لازم ہے کہ) تانبے کی طرح اکسیر کی خدمت کرو اور سونا بن جاؤ اے دل! دلدار کی سختی برداشت کر، (تو دولتِ وصال سے بہرہ مند ہو جائے گا۔

کیست دلدار؟ اہلِ دل نیکو بداں　　کہ چو روز و شب جہانند از جہاں

لغات: جہانند بکسرِ جیم از جہاندن کو دنا یعنی گھوڑا وغیرہ کو دانا متعدی ہے، مگر یہاں کودنا کے معنی میں لازم مستعمل ہوا ہے۔ جہاں بفتح جیم ہے۔

ترجمہ: دلدار کون ہے اہلِ دل، خوب یاد رکھو، جو دن اور رات کی طرح دنیا سے گریز کر رہے ہیں۔

مطلب: دن کا رات سے پہلے رخصت ہو جانا اور رات کا دن سے پہلے چلے جانا گویا دنیا کو خیر باد کہہ جانا ہے اسی طرح اہلِ دل دنیا اور دنیا کے ساز و سامان کو ترک کر دیتے ہیں۔ صائبؒ۔

در دلِ ما نبود منزلتے دنیارا　　گنج افتادہ ز طاقِ دل ویرانۂ ما

عیب کم گو بندۂ اللہ را　　متہم کم کُن بدزدی شاہ را

ترجمہ: اللہ کے (مخلص) بندے کی عیب جوئی مت کرو (اور) بادشاہ پر چوری کی تہمت مت کرو۔

ورنہ باشی ہیچ ہیچ از ہیچیاں　　پس روِ ہر دیو باشی مستہاں

ترجمہ: ورنہ تم تمام ناچیز لوگوں میں ناچیز سے ناچیز بن جاؤ گے (اور) ہر شیطان ذلیل کے تابع ہو جاؤ گے۔ (بزرگوں کو تہمت لگانے کا ایک قصہ سن لو:

کراماتِ آں شیخ کہ در کشتیِ بدزدی متہمش کردند

اس شیخ کی کرامات جس کو کشتی میں چوری کی تہمت لگائی گئی تھی

بُود درویشے دُورونِ کشتئے　　ساختہ از رختِ مَردی پُشتئے

ترجمہ: ایک درویش کسی کشتی کے اندر تھا جس نے سامان مرزی کو اپنا پشت پناہ بنا رکھا تھا۔

مطلب: دنیا دار لوگوں کی پشت پناہ خواب و خور کے گوناگوں سامان، خیمہ و خرگاہ، غلام و کنیز اور خدم و حشم ہوتے ہیں مگر اس درویش کے پاس صرف جوانمردانہ صبر و قناعت غنائے قلب کی دولت تھی اور اسی پر اس کا بھروسہ تھا یعنی وہ تارکِ دنیا اور سازو سامان سے خالی تھا۔ صائبؒ ۔

سرداز فکر لباس عاریت آسودہ است　　جامہ از پیکر بروید مردمِ آزادہ را

یا وہ شد ہمیانِ زر اُوخفتہ بود　　جملہ راجستند او راہم نُمود

لغات: یا وہ گم، ضائع: تلف ۔زر سونا مگر یہاں سونے کا سکہ اشرفی دنیار وغیرہ مراد ہے۔

ترجمہ: (کسی شخص کی) اشرفیوں کی تھیلی گم ہوگئی وہ درویش سو رہا تھا سب کی تلاشی لی گئی (مگر پتا نہ چلا اشرفیوں کے مالک نے) وہ (درویش) بھی (لوگوں کو) دکھایا (کہ اس کی بھی تلاش لینی چاہیے)۔

کیں فقیرِ خفتہ را جوئیم ہم　　کرد بیدارش زغم صاحبِ درم

ترجمہ: تاکہ اس سونے والے فقیر کی بھی تلاشی ہم لیں تو اس کو غم کے مارے مالکِ درم نے جگا دیا۔

کہ دریں کشتی چرمداں گم شدہ است　　جملہ راجستیم نتوانی تورست

ترجمہ: (اور کہا) کہ اس کشتی میں (نقدی کی) ایک چرمی تھیلی گم ہوگئی ہے ہم نے سب کی تلاشی لے لی ہے تم (بھی) مستثنیٰ نہیں ہوسکتے۔

دلق ببروں کن برہنہ شوز دلق　　تاز تو فارِغ شود اوہامِ خلق

ترجمہ: (مہربانی فرما کر) گدڑی اتار دو اور ننگے ہو جاؤ تاکہ لوگوں کے شکوک تم سے رفع ہو جائیں۔

گفت یارب برغلامت ایں خساں　　تہمتے کردند فرماں در رساں

ترجمہ: (یہ سن کر ان بزرگ کو جوش آگیا اور) دعا کی اے پروردگار یہ کمینے لوگ تیرے غلام پر تہمت لگاتے ہیں (کوئی مناسب) حکم دے۔

یَا غِیَاثِی عِنْدَ کُلِّ کُرْبَةٍ　　یَا مَعَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ شِدَّةٍ

ترجمہ: اے ہر مصیبت کے وقت میرے فریاد رس: اے ہر سختی کے وقت میری پناہ:

یَا مُجِیْبِیْ عِنْدَ کُلِّ دَعْوَةٍ　　یَا مَلَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ مِحْنَةٍ

ترجمہ: اے میری ہر دعا کے قبول [illegible] میری جائے پناہ!

چوں بدرد آمد دلِ درویش ازاں　　سر بروں کردند ہر سُو در زماں
صد ہزاراں ماہی از دریائے ژرف　　دردہانِ ہر یکے دُرِّ شگرف

لغات: ژرف گہرا شگرف نادر، نفیس۔
ترکیب: چوں بدر آمد الخ شرط سربروں کردند اس کی جزا۔ جس میں کردند کا فاعل ماہیان ہے در دہانِ ہر یکے الخ فاعل کا حال ہے۔
ترجمہ: جب اس (تہمت) سے درویش کے دل کو دکھ پہنچا تو فوراً (اس) گہرے دریا میں سے لاکھوں مچھلیوں نے ہر طرف سے سر نکالے بحالیکہ ہر ایک (مچھلی) کے منہ میں ایک نفیس موتی تھا۔

ہر یکے دُرّے خراجِ ملکتے　　کز الٰہ است ایں ندارد شرکتے

ترجمہ: ہر ایک موتی (اپنی گرانبہائی میں) ایک سلطنت کی آمدنی (کے برابر قیمت رکھتا تھا) کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہے جو شرکت سے پاک ہے۔
مطلب: دوسرے مصرعہ کا مضمون پہلے مصرعہ کے مضمون کی علت اس طرح ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا موتی نہیں ہوسکتا جو کسی بڑی سلطنت کے خراج کے برابر قیمت پاسکتا ہو مگر یہ ایسے گراں قیمت موتی جو اس وقت بہم پہنچے تو اس کی وجہ یہ کہ وہ دنیا کی کائنات میں سے نہ تھے بلکہ عالمِ بالا سے خاص خداوند تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے جس کی ذات بھی لاشریک ہے اور اس کے عطیات بھی بے مثل ہیں۔

دُرِّ چند انداخت در کشتی وجست　　مر ہوا را ساخت کرسی و نشست

ترجمہ: (ان بزرگ نے) چند موتی (مچھلیوں سے لیکر) کشتی میں ڈال دیے اور (پھر) جست لگا کر ہوا کی کرسی بنائی اور اس پر بیٹھ گئے۔
مطلب: ہوائی کرسی سے کوئی محسوس و مجسم کرسی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہوا میں اس طرح بیٹھ گئے جس طرح کرسی پر بیٹھ جائیں اور یہ ان کی کرامت تھی ورنہ ہوا میں بیٹھنا محالات سے ہے۔

خوش مربّع چوں شہاں برتختِ خویش　　اُو فرازِ اوج و کشتی اش بہ پیش

لغات: مربّع چار زانوں بیٹھنا، چوکڑی مار کر بیٹھنا۔ فراز اوپر۔ کشتی اش میں ضمیر مجرور دراصل پیش کی مضاف الیہ ہے جو ضرورۃً اس سے مقدم آ گئی یعنی یہ عبارت کشتی بہ پیشش بود ہے۔
ترجمہ: خوب چوکڑی مار کر بادشاہوں کی طرح اپنے (ہوائی تخت پر بیٹھ گئے) وہ بلندی پر تھے اور کشتی ان کے سامنے نیچے تھی۔

گفت کایں کشتی شمارا حق مرا　　تانباشد باشما دُزدِ گدا

ترکیب: ایں کشتی اسم مبارک خبر محذوف بافعل ناقص محذوف شمارا متعلق خبر۔ پھر حق اسم مبارک خبر محذوف بادفعل ناقص محذوف۔ مرا متعلق خبر۔
ترجمہ: (اور) کہا کہ یہ کشتی تم کو (مبارک ہو اور) حق تعالیٰ مجھ کو (مبارک) تاکہ تمہارے (جیسے پاکبازوں کے) ساتھ (ایک) چور فقیر (شامل) نہ ہو۔

تا کرا باشد خسارت زیں فراق   من خوشم جُفتِ حق و با خلق طاق

صنائع: خسارہ، جفت، طاق، مناسبات کیونکہ قمار کے کھیلوں میں جفت و طاق کا حساب ہوتا ہے اور خسارے کا بھی امکان ہوتا ہے۔

ترجمہ: (اب دیکھیں) کہ اس علیحدگی سے نقصان کس کو ہے؟ میں تو خدا کے ساتھ مل کر اور مخلوق سے الگ ہو کر خوش ہوں۔

نے مرا او تہمتِ دُزدی نہد   نے مہارم را بغمازے دہد

ترجمہ: نہ وہ (رفیقِ اعلیٰ) مجھ پر چوری کی تہمت لگاتا ہے نہ میری مہار کسی چغل خور کے ہاتھ میں دیتا (یعنی مجھے رسوا کرتا) ہے۔

بانگ کردند اہلِ کشتی کاے ہمام   از چہ دادندت چنیں عالی مقام

ترجمہ: کشتی والے (یہ کرامت دیکھ کر نہایت متحیر ہوئے اور) پکارنے لگے کہ یا حضرت! یہ اعلیٰ مقام آپ کو کیونکر بخشا گیا۔

گفت از تہمت نہادن بر فقیر   وزحق آزاری پئے چیزے حقیر

ترجمہ: انہوں نے (طنزاً) کہا کہ فقیر پر جھوٹی تہمت لگانے اور حقیر چیز کے لیے حق تعالیٰ کو ناراض کرنے سے۔

مطلب: یعنی مجھے یہ درجہ تمہاری طرح فقیروں کو ناحق متہم اور خدا کو ناراض کرنے سے حاصل ہوا ہے۔ وجہِ طنز اس میں یہ ہے کہ تم جو میرے اس رتبہ کو پسندیدگی اور رضا کی نظر سے دیکھتے ہو تو اس سے ظاہر ہے کہ تم کو بھی یہ درجہ حاصل کرنے کی تمنا ہے مگر ایسے مردم شناس اس درجہ کے مستحق کب ہو سکتے ہیں جن کو چور اور فقیر پارسا میں تمیز نہیں اور ایسے تنگ ظرف لوگ مقربِ خدا ہونے کی تمنا کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں جو دنیا کے ناچیز مال کے لیے خدا کو ناراض کرنے سے نہ جھجکتے ہوں اس طنز و سرزنش کے بعد اب اصلی بات کھل کر کہتے ہیں۔

حاش لِلّٰہ بل زتعظیمِ شہاں   کہ نبودم بر فقیراں بدگماں

ترجمہ: (کہیں سچ مچ بدگمانی و حق آزاری کو ذریعۂ ترقیات نہ سمجھ لینا) توبہ توبہ! بلکہ میں نے بزرگوں کی تعظیم سے (ترقی پائی ہے) کیونکہ میں درویشوں سے کبھی بدگمان نہ ہوتا تھا کہ ان کی بے ادبی تک نوبت پہنچتی ہے۔ سعدیؒ

ہر کرا جامۂ پارسا بینی   پارساں داں و نیکمرد انگار
ور ندانی کہ درنہانش چیست   محتسب را درونِ خانہ چہ کار

آں فقیرانِ لطیفِ خوش نفس   کز پئے تعظیمِ شاں آمد عبس

ترجمہ: وہ فقیر پاکیزہ (صفات) نیک دم جن کی تعظیم میں (سورۃ) عبس نازل ہوئی ہے۔

مطلب: سورۂ عبس کا شانِ نزول مفتاح العلوم کی جلد ہفتم میں مفصل درج ہو چکا ہے۔ فہرست کے ذریعے تہذیبِ اخلاق کے عنوان میں غرباء و مساکین کی منزلت کی سرخی سے دیکھو جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے تھے اتنے میں ایک نابینا صحابی نے جو غریب و کہنہ جامہ تھے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ مغرور سردار ایسے لوگوں سے اختلاط گوارا نہیں کر سکتے اور ان کو افہام و تفہیم سے مائل با سلام کرنے کی ضرورت بھی تھی اس لیے اس نابینا کی طرف سے آپؐ کے مزاج میں کسی قدر تکدر پیدا ہوا اس پر یہ آیات عتاباً نازل ہوئیں عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی یعنی پیغمبر چیں بجبیں ہوئے اور رخ موڑ لیا اس لیے کہ ایک نابینا ان کے پاس آیا یہ گویا اس نابینا کی مدح تھی اور اگلی

آیات میں اس نابینا کو اس کے کمالِ خلوص اور حسنِ اسلام کی بدولت ان سرداروں پر فضیلت دی گئی ہے جو متکبر و مغرور اور سرکش تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ فقیر اسی نابینا کی طرح مقبولِ حق ہیں جن کی خود خدا تعریف فرماتا ہے اور حمایت کرتا ہے۔

آں فقیری بہرِ پیچا پیچ نیست　　بل پئے آنکہ بجز حق ہیچ نیست

لغات: پیچا پیچ (۱) ہیرا پھیری یعنی مکر و فریب (۲) بھول بھلیاں، گورکھ دھندا۔

ترجمہ: (ان کی) وہ فقیری (مکر و فریب کی) ہیرا پھیری کے لیے (یا مخلوق کی بھول بھلیاں میں پڑنے کے لیے) نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں۔

مطلب: انہوں نے لباسِ فقیری اس لیے زیب تن نہیں کیا کہ لوگ معتقد ہو کر ان کے لیے عیش و راحت اور دیگر سامانِ زندگی مہیا کریں، بلکہ اس لیے وہ فقیر بنے ہیں کہ ان کے نزدیک ماسوی اللہ دلبستگی کے قابل ہی نہیں اس لیے سب کو ترک کر دیا۔ پیچا پیچ کے دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یوں ہوگا کہ یہ فقیری اس لیے نہیں کہ مرجعِ عوام بن کر مخلوق کے تعلقات کے گورکھ دھندے میں پھنس جائیں بلکہ اس کے برعکس اس سے بالکلیہ آزاد ہونے اور غیر خدا کو کالعدم سمجھنے کے لیے ہے۔

بہ پشت پازدہ جامی دوکون را ہنوز　　زفقر چشمِ خجالت بہ پشت پادارد

متہم چوں دارم آنہارا کہ حق　　کرد امینِ مخزنِ ہفتم طبق

لغات: امین امانت دار۔ ہفتم سے ہرہفت مراد ہے یعنی ساتوں کے ساتوں طبق طبقۂ زمین۔

ترجمہ: میں ان حضرات پر تہمت کیوں کر لگا سکتا ہوں جن کو حق تعالیٰ نے زمین کے ساتوں طبقوں کے خزانوں کا امانت دار بنایا ہے۔

مطلب: خیانت دُزدی کی تہمت اس پر لگائی جا سکتی ہے جس پر اعتماد و اعتبار نہ ہو مگر یہ حضرات فقرا تو خود اللہ کے نزدیک معتبر ہیں اس لیے اس ان کو طبقاتِ ارض کے تمام خزانوں کا امانت دار بنایا ہے۔ وہ اس کے حکم سے یہ خزانے لٹاتے ہیں پھر ان پر بدگمانی اور تہمت کیسی؟

متہم نفس ست نے عقلِ شریف　　متہم حس ست نے نورِ لطیف

ترجمہ: تہمت نفس پر ہے نہ کہ عقلِ شریف پر (اور) تہمت حسِ (ظاہری) پر ہے نہ کہ (روح کے) نورِ پاکیزہ پر۔

مطلب: یہ حضرات سراپائے عقل ہیں اور نفس سے منزہ ہیں حواسِ ظاہری کے مقتضیات سے بے نیاز اور انوارِ روحانیہ سے نور علیٰ نور ہیں پھر ان پر تہمت کیسی؟ کیونکہ تہمت تو بندہ نفس اور پابندِ حواس پر ہی لگائی جا سکتی ہے۔ آگے مولانا نفس کے متعلق ایک مضمونِ ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں:

(نفس سوفسطائی ہے اور اس کے معتقدات)

نفسِ سوفسطائی آمد میزنش　　کش زدن سازد نہ حجت گفتنش

لغات: سوفسطائی فرقہ سوفسطائیہ سے منسوب جو فلاسفہ کا ایک توہم پرست فرقہ ہے اور وہ حقائقِ اشیا کا منکر ہے یہ لفظ سوفا بمعنی حکمت اور اسطا بمعنی مغالطہ سے مرکب ہے یعنی مغالطہ اور دھوکے کی حکمت اس فرقہ کی کئی شاخیں ہیں ایک کا نام عندیہ ہے، جو کہتا ہے کہ حقائقِ اشیا بذاتہٖ کچھ نہیں بلکہ ان کا ثبوت اعتقاد کے تابع ہے چنانچہ جب کسی چیز کو جوہر سمجھ لیا جائے تو وہ جوہر اور جس کو عرض سمجھ لیا جائے وہ عرض ہے ایک کا نام لاادریہ ہے جس کے نزدیک کسی چیز کے وجود کا علم بھی ناممکن ہے اور اس کے عدمِ وجود کا بھی ان کے نزدیک ہر چیز کے وجود و عدم میں شک ہے اور خود اپنے شک میں بھی شک ہے اور اس

شک کے شک، میں بھی شک ہے وہلم جرا علمائے کلام نے ان فرقوں کے عقائد و دلائل کی تردید کے بعد کہا ہے۔ والحق انه لا طریق الی المناظرة معهم خصوصًا مع اللادریة ونهم لایعترفون بمعلوم لیثبت به المجهول بل الطریق تعذیبهم بالنار یعترفوا او یحترقون" اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو خصوصاً لا ادر یہ کے ساتھ مناظرہ کرنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ وہ کسی معلوم کے بھی معترف نہیں ہوتے جس سے کسی مجہول کا ثبوت دیا جاسکے بلکہ ان کا علاج یہی ہے کہ انہیں آگ میں ڈال دیا جائے تا کہ وہ کم از کم آگ کی حقیقت کے تو معترف ہو جائیں یا جل کر فنا ہو جائیں"۔ (شرح عقائد نسفی) سازد یہاں لازم ہے متعدی نہیں۔ یعنی سازگار ہے، موافق ہے، مفید ہے۔ حجت گفتن دلیل پیش کرنا۔

ترجمہ: نفس (بھی) سوفسطائی (فرقہ والے کی طرح حقائق کا منکر اور اپنے شک کا مقلد) ہے۔ (لہٰذا) اس کو خوب پیٹو، کیونکہ اس کے لیے مار پیٹ سازگار ہے نہ کہ اس کے آگے دلیل پیش کرنا۔

مطلب: جس طرح علماءِ کلام کے نزدیک سوفسطائیہ کا علاج زدوکوب اور حرق وغرق کے سوا اور کوئی نہیں کیونکہ ڈنڈا پیر اور اگنی دیوی اپنی حقیقتیں بآسانی منوا سکتے ہیں جس کے یہ منکر ہیں۔ بقول امیر خسروؒ

علاجِ ایں سفیہانیست جز بخنجرِ تیز　　چو تندرستیِ خرکاں زنیش بیطاراست

اسی طرح نفس بھی انہیں سوفسطائیہ کا چیلا ہے یہ لاتوں کا بھوت بھی باتوں سے ماننے والا نہیں لہٰذا یہ بھی گوشمالی اور سزا کا مستوجب ہے جس کی صورت ریاضت و مجاہدہ ہے۔ آگے نفس کی سوفسطائیانہ شرارتوں کا ذکر فرماتے ہیں:

معجزہ بیند فروزد آں زماں　　بعد ازاں گوید خیالے بُود آں

ترجمہ: (نفس) معجزہ کو دیکھتا ہے تو اس وقت تو (نورِ اعتراف سے) منور ہو جاتا ہے (مگر) اس کے بعد جب اپنی جبلت پر آجاتا ہے تو کہنے لگتا ہے وہ تو (محض) ایک خیال تھا۔

ور حقیقت بُودے آں دید عجب　　پس مقیمِ چشم بُودے روز و شب

ترجمہ: اور اگر وہ عجیب نظارہ (واقعی اور) حقیقی ہوتا تو پھر رات دن اسی طرح برابر آنکھ میں سمایا رہتا (آنکھ اس کو دیکھتی رہتی اور وہ غائب نہ ہوتا)۔

مطلب: نفسِ خبیث کہتا ہے کہ معجزہ تو ایک خیالی و وہمی امر ہے حقیقی اور واقع فی الخارج نہیں ہے اگر اس میں واقعیت ہوتی تو اس کو ضرور بقا ہوتا اور اس کا وجود اب بھی اس طرح ہماری نظر میں ہوتا مگر احمق اتنا نہیں سمجھتا کہ معجزات تو وقتی ہوتے ہیں جب طلب کیے گئے تو ان کا ظہور ہوا پھر ختم جیسے شق القمر کا معجزہ کہ جب کفار نے شق القمر کی استدعا کی تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے جن کو انہوں نے بچشمِ خود دیکھا پس مدعا پورا ہوا اور دونوں ٹکڑے پھر باہم مل گئے۔ تو سوفسطائی کی طرح نفس کہتا ہے کہ اگر فی الواقع دو ٹکڑے ہوئے تھے تو وہ اسی طرح دو ہی قائم رہتے پھر ان کے باہم مل جانے اور اصلی حالت پر آجانے سے معلوم ہوا کہ وہ جدا ہی نہیں ہوئے، بلکہ یہ محض ایک خیال تھا۔ مولانا اس کا جواب دیتے ہیں:

آں مقیمِ چشمِ پاکاں مے بود　　نے مقیمِ چشمِ حیواں مے شود

ترجمہ: (نہیں) وہ ایک امرِ واقعی ہے اور ہر وقت دکھائی دیتا ہے مگر پاک لوگوں کی نگاہ میں بسا ہوا ہے۔ (انہی کو دکھائی دیتا ہے) حیوان (لایعقل مثل سوفسطائی) کی آنکھ میں بسا ہوا نہیں۔

کایں عجب زیں حسِ دار دعار و ننگ　　کے بود طاؤس اندر چاہِ تنگ

ترجمہ: کیونکہ (وہ امر) عجیب اس ظاہری حس (کے ساتھ محسوس ہونے) سے عار و نفرت رکھتا ہے (بھلا مور کا سا خوش رنگ وطرحدار جانور) تنگ کنوئیں میں کیونکر رہ سکے۔

مطلب: جس آنکھ کا ادراک محسوساتِ ظاہر تک محدود ہے وہ ان معجزات کا مدامی منظر نہیں دیکھ سکتی لیکن باطنی آنکھیں ان کو سدا قائم دیکھتی ہیں اِس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر معجزہ کا ادراک اربابِ باطن تک محدود ہے اور ظاہر بیں اس کے ادراک سے محروم ہیں تو پھر معجزہ کا فائدہ ہی کیا ہوا جبکہ اس کا ظہور و وقوع ہی کافروں اور منکروں کے لیے تھا جو سب کے سب ظاہر پرست اور پابندِ حواسِ حیوانیہ تھے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ معجزہ اپنے وقوع کے وقت تو اہل ظاہر و باطن سب کی نظر میں عام وقائع کونیہ کی طرح مدرک و محسوس ہوتا ہے اس میں کسی کے لیے تخصیص اور استثنا نہیں۔ مسلم و کافر اور مومن و منکر یکساں طور پر اس کو وقوع پاتا دیکھتے ہیں لیکن جب وہ منقضی و اختتام پذیر ہو چکتا ہے تو پھر ان دونوں جماعتوں کی الگ الگ حالت ہوتی ہے۔ منکر اور ضدی لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ محض جادو تھا نظر بندی تھی نگاہ کا دھوکا تھا۔ صرف ایک تخیلی نمائش تھی اور کچھ نہیں پس ان کے نزدیک تو گویا معجزوں کا وجود ہی نہیں اور نہ انہوں نے کچھ دیکھا لیکن اہلِ ایمان اور اربابِ بواطنِ زاکیہ کے دل پر اس کے یقین و اذعان کا ایک سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس معجزہ کو اس کے اختتام و انصرام کے بعد بھی اس قدر متیقن الوقوع پاتے ہیں کہ گویا ابھی ان کے سامنے وقوع پا رہا ہے۔

تانگوئی　مر مرا　بسیارگو　　من زصدیک گویم و آنہم چومُو

لغات: تا حرفِ تنبیہ ہے چومو مثل مو، باریک، اشارۃً وکنایۃً۔

ترجمہ: دیکھنا! (میرے طولِ تقاریر سے کہیں) مجھ کو کثیر الکلام نہ کہنے لگنا) کیونکہ کہنے کی باتیں بے انتہا ہیں میں سو باتوں میں سے صرف ایک کہتا ہوں اور وہ بھی بطور اشارہ۔

مطلب: تم جس کو بسیار گوئی کہتے ہو وہ میرے جوش و ولولہ کے مقابلے میں جو محرکِ تقریر ہے کم گوئی کی مترادف ہے اگر میں اپنی حالت کے لحاظ سے اوسط درجے کی تقریر کروں تو مجھے موجودہ تقریر سے اور زیادہ بولنا چاہیے غرض اوسط کا درجہ اپنی اپنی حیثیت و حالت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اِس کی تائید میں ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک پُرگفتار و بسیار خوار صوفی نے کہا کہ مجھ پر اعتراض فضول ہے میرے کلام و طعام کا درجۂ متوسط یہی ہے اگرچہ یہ اوروں کے لیے افراط کا درجہ رکھتا ہو۔

تشنیع زدنِ صوفیاں پیشِ شیخ براں صوفی کہ بسیار میگوید

شیخ کے سامنے صوفیوں کا طعن اس صوفی پر کہ وہ زیادہ بولتا ہے

صُوفیاں　برصوفیے　شنعت　زدند　　پیشِ　شیخِ　خانقاہے　آمدند

لغات: شنعت زدن طعنہ دینا، برائی سے منسوب کرنا یہی تشنیع کے معنی ہیں۔

ترجمہ: ایک صوفی پر (دوسرے) صوفیوں نے طعنہ زنی (شروع) کی اور ایک خانقاہ کے سجادہ نشین کے پاس (شکایت لے کر) آئے۔

شیخ را گفتند دادِ جانِ ما تو ازیں صوفی بخواہ اے پیشوا

ترجمہ: (اور) انہوں نے شیخ سے عرض کیا یا حضرت! ہماری جان کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے آپ اس کا انصاف اس صوفی سے دلایئے۔

گفت آخر چہ گلہ است اے صوفیاں گفت ایں صوفی سہ خُودار دگراں

ترجمہ: شیخ نے پوچھا صوفی صاحبان! آخر (یہ تو بتائیں کہ) شکایت کیا ہے (ان میں سے ایک بولا حضرت یہ صوفی تین ناگوار خصلتیں رکھتا ہے۔

در سخن بسیار گو ہمچو جرس در خورش افزوں خورد از بیست کس

ترجمہ: (اول تو) بات چیت میں بہت بولنے والا ہے جیسے گھڑیال (دوسرے) کھانے میں بیس آدمی (کی خوراک) سے زیادہ کھا جاتا ہے۔

ور بخسپد ہست چوں اصحابِ کہف صوفیاں کردند پیشِ شیخ زہف

لغات: اصحابِ کہف اولیاءِ اللہ کی ایک جماعت کا نام ہے جو صدیوں سے ایک غار کے اندر مصروفِ خواب ہیں۔ کہف کے معنی غار کے ہیں مفتاح العلوم جلد اول میں ان کا حال مجملاً اور جلد چہارم میں تفصیل تام درج ہو چکا ہے۔ زہف سبک ہونا تیز چلنا۔

ترجمہ: اور (تیسرے اگر سونے لگے تو یہ اصحابِ کہف کی مانند ہے کہ جاگنے کا نام نہیں غرض صوفیوں نے (اس کو) شیخ کے سامنے (متہم کرنے میں بڑی) تیزی سے کام لیا۔

شیخ رُو آورد پیشِ آں فقیر کہ بہر حالیکہ ہست اَوساط گیر

ترجمہ: (یہ سن کر) شیخ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے (اور فرمایا) کہ (بھائی) جو حالت بھی ہو اس میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرو۔

در خبر خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا نافع آمد زِ اعتدال اخلاطہا

ترجمہ: حدیث میں (وارد ہے کہ) تمام امور سے بہتر متوسط امور ہیں (بدن کی) خلطیں (بھی) اعتدال ہی کی بدولت مفید (صحت) ہوتی ہیں۔

نوٹ: حدیث خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا کو ابن سمعانی نے تاریخِ بغداد کی ذیل میں بسندِ مجہول علیؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بیہقی نے اس کی تخریج مطرف سے اس کے قول سے کی ہے۔ (تمییز الطیب)

حدیث خیر الامور اوساطھا

گر یکے خلطے فزوں شد از عرض درتنِ مردم پدید آید مرض

ترجمہ: اگر اتفاقاً ایک خلط (اعتدال سے) بڑھ جائے تو آدمی کے جسم میں بیماری پیدا ہو جائے۔

برقرینِ خویش مفزا در صفت کاں فراق آرد یقیں در عاقبت

ترجمہ: (پس مناسب ہے کہ طعام و کلام وغیرہ کسی) صفت میں اپنے (کسی) ساتھی سے آگے نہ بڑھو کیونکہ یہ اختلاف مشرب یقیناً آخر میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

مطلب: جس طرح ایک خلط کے زیادہ ہو جانے سے اعتدالِ جسم مفقود ہو جاتا ہے پھر عدمِ اعتدال سے مرض عارض ہو جاتا ہے اور مرض موت کا باعث ہے اِس کے بعد موت سے تمام اخلاط و اجزا میں تفرقہ ہو کر بدن خاک میں مل جاتا ہے اِسی طرح اپنے ہم مشرب ساتھیوں کے ساتھ اکل و شرب اور نشست و برخاست میں ہم رنگ رہنا اچھا ہے اختلاف مشرب سے سلسلۂ صحبت منقطع ہو کر شقاق و فراق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ صائبؒ۔

گردو بے نسبت بہم باشند صد سال آشنا　　　میکند بے نسبتی در یک زماں از ہم جدا

آگے اختلافِ صفت کے باعث جدائی ہونے کی ایک نظیر پیش فرماتے ہیں:

نطقِ موسیٰؑ بُود با اندازہ لیک　　　ہم فزوں آمد ز گفتِ یارِ نیک

ترجمہ: دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو (گو فی حدِ ذاتہٖ) اندازہ کے موافق تھی لیکن (ان کے) یارِ نیک کی گفتگو (کے پیمانہ) سے زیادہ تھی۔

آں فزونی با خضر آمد شقاق　　　گفت رو تو مکثری ہٰذا فراق

لغات: شقاق کنارہ گیری، دشمنی مکثر۔ بہت بولنے والا۔

ترجمہ: وہ زیادتی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ (جو عمل میں آئی تو ان کی) کنارہ گیری (کی باعث) ہو گئی۔ (اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے) کہا جائیے آپ زیادہ بولنے والے ہیں لیجئے (ہماری آپ کی جدائی ہے)۔

مطلب: اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے ساتھ شریکِ صحبت رکھنا بدیں شرط منظور کیا تھا کہ آپ میرے کسی کام میں معترض نہ ہوں گے مگر حضرت موسیٰؑ سے رہا نہ گیا بات بات پر ٹوکنے لگے یہ کیوں کیا، وہ کیا کیا، آخر حضرت خضرؑ نے کہا، هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ "لیجئے میری اور آپ کی جدائی ہے" مطلب یہ کہ دونوں میں گفتگو کا پیمانہ چونکہ مختلف تھا تو یہ اختلافِ مسلک ہی جدائی کا باعث بن گیا۔

یارِ نیک سے تمام شارحین حضرت خضرؑ کو مراد لیتے ہیں اور اس شعر سے خاص اسی قصے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں مگر اس پر یہ سوال وارد ہو سکتا ہے کہ زگفتِ یارِ نیک کی رو سے حضرت خضرؑ کی بھی کوئی تقریر یا گفتگو ہونی چاہیے حالانکہ اس قصے میں ان کی کوئی تقریر درج نہیں اگر کچھ کلمات و فقرات ان کے اس قصے میں آتے ہیں تو حضرت موسیٰؑ کی طول تقریر ان کے جواب میں نہیں ہے بلکہ جب وہ بولتے تھے تو حضرت خضرؑ کے فعل و عمل پر بولتے تھے نہ کہ قول پر ہمارے خیال میں کیا بعید ہے کہ یارِ نیک سے حق تعالیٰ مراد ہو چنانچہ حق تعالیٰ کے مختصر سوال کے جواب میں حضرت موسیٰؑ کا ایک طولانی بیان موجود ہے۔ حق تعالیٰ نے وادیٔ طویٰ میں صرف اتنا پوچھا تھا۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى "اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے" تو آپ اس کا کیا لمبا چوڑا جواب دیتے ہیں۔ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى "عرض کیا یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے اور بھی بہت سے کام لیتا ہوں (طٰہٰ ع ۲) حالانکہ اس سوال کے جواب میں صرف هِيَ عَصَايَ کہنا کافی تھا۔ اہلِ بلاغت کہتے ہیں کہ یہ طول کلامی مخاطب کی علوِ شان کی وجہ سے اس کے ساتھ ذوقِ ہمکلامی اور لذتِ تخاطب کی بنا پر تھی۔ کما قیل۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم　　　چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰؑ اندر طور

بہر حال مختصر سوال کے جواب میں طولانی جواب کی پوری مثال ہے تو یہ ہے اس تقدیر پر دوسرے شعر کا ربط بھی زیادہ برجستہ

ہو جاتا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰؑ ہر چند معتدل گو تھے مگر حق تعالیٰ کے سوال کے جواب میں زیادہ بول جانے کے عادی تھے یہی عادت دوسرے موقع پر ان کے اور حضرت خضرؑ کے فراق کا باعث ہوئی، واللہ اعلم بالصواب۔

مُوسیا! بسیار گوئی در گذر　　چند گوئی رَو وصال آمد بسر

ترجمہ: (اور کہا) اے موسیٰ! معاف فرمایئے آپ زیادہ گو ہیں (اب) کہاں تک بولتے جایئے گا (بس) تشریف لے جایئے (ہماری آپ کی) صحبت ختم ہو چکی۔

موسیا بسیارگوئی دُور شو　　ورنہ بامن گنگ باش و کُور شو

ترجمہ: اے موسیٰ آپ بہت بولتے ہیں (مجھ سے) الگ ہو جایئے ورنہ اگر میرے ساتھ (رہنا منظور ہے تو) گونگے بن جایئے (گویا منہ میں زبان ہی نہیں) اور نابینا ہو جایئے (گویا کوئی حیرت خیز معاملہ دیکھا ہی نہیں نہ اعتراض کی نوبت آئی)۔

انتباہ: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے اس قصے سے حضرت خضرؑ کی حضرت موسیٰؑ پر برتری اور بزرگی ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ بعض جاہل فقرا طریقت کے شریعت سے افضل و برتر ہونے کی دلیل میں کہا کرتے ہیں بلکہ درجہ میں بڑے حضرت موسیٰؑ ہی ہیں۔ یہ بحث پورے بسط کے ساتھ مفتاح العلوم کی جلد اول میں درج ہو چکی ہے۔

ور نرفتی وز ستیزہ شستۂ　　تو بمعنی رفتۂ و بگسستۂ

لغات: ستیزہ جھگڑا، ضد۔ شستہ۔ نشستہ کا مخفف۔

ترجمہ: اور اگر تم نہ گئے اور ضد کے ساتھ بیٹھے ہی رہے تو خیر معنوی طور پر تو (میرے دائرۂ صحبت سے) چلے گئے اور قطع تعلق کر چکے۔

رو بر آنہا کہ ہم جُفتِ تواند　　عاشقان و تشنۂ گفتِ تواند

ترجمہ: ان کے پاس جایئے جو آپ کے ساتھی ہیں اور آپ کی (طولانی) گفتگو کے دلدادہ و مشتاق ہیں۔ سعدیؒ

پیش کسے روکہ خریدارِ تست　　ناز بران کن کہ طلبگارِ تُست

مطلب: شیخ کے سامنے بولنا بے ادبی ہے ہاں جو تمہاری گفتگو کے طالب ہیں ان کے سامنے جتنا جی چاہے بولو مگر یہاں نہ بولو اگر بولو گے تو شیخ سے معنوی فراق ہو جائے گا۔ پھر اگر ظاہراً صحبت اور قرب بھی ہوگا تو مفید نہیں۔ آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں:

چوں حَدَث کردی تو ناگہ در نماز　　گویدت سُوئے طہارت رَو بتاز

لغات: حدث وضو شکنی۔ بتاز تاختن سے دوڑو۔

ترجمہ: جب تم اچانک نماز کے اندر بے وضو ہو جاتے ہو تو وہ تم کو (بزبان حال) کہتی ہے جاؤ وضو خانہ کی طرف دوڑو اور وضو کر کے آؤ)۔

ورنہ رفتی خشک جنباں مے شوی　　چوں نمازت رفت بنشیں اے غوی!

لغات: جنباں حرکت کرنے والا۔ غوی گمراہ، غلط کار۔

ترجمہ: اور اگر تم (وضو کرنے) نہیں جاؤ گے (اور بیکار نماز ٹرکاتے رہو گے) تو فضول اٹھک بیٹھک کر رہے ہو اے گمراہ! جب تمہاری نماز ہی جا چکی ہے تو (اس نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ) بیٹھ جاؤ۔

مطلب: افادہ و استفادہ کے لیے صحبت کافی نہیں بلکہ اس کے لیے مناسبت بھی شرط ہے اور جب مناسبت نہ ہوگی بلکہ مخالفت ہوگی تو افادہ و استفادہ نہیں ہوسکتا۔ اذافات الشرط فات المشروط یعنی شرط کے فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں صحبت بھی بے سود ہے اسی طرح نماز کے لیے وضو شرط ہے لیکن جب وضو نہ رہے تو بے وضو نماز پڑھتے جانا لایعنی حرکت کے سوا اور کیا ہے اس سے تو بیٹھ جانا اچھا ہے۔ پس جب صحبت میں فقدانِ شرط کی وجہ سے استفادہ ممکن نہ ہو تو الگ ہو جانا چاہیے۔ (کلید)

پاسباں برخوابناکاں برفزود ماہیاں راپاسباں حاجت نبود

لغات: برفزود کے لغوی معنی ہیں زیادہ کیا مگر یہاں اس سے مراد بخشش کی اور یہ تجوز غالباً عربی کے لفظ فضل سے اختیار کیا گیا ہے۔ فضل کے معنی ہیں مطلق زیادہ افزونی جس کا ایک فرد زیادتِ عطا بھی ہے اور یہی بخشش ہے یعنی کسی کے استحقاق سے زیادہ اس کو دینا۔

ترجمہ: پہرہ دار کی بخشش سونے والوں پر ہے جاگنے والوں پر نہیں مچھلیوں کو پہرہ دار کی ضرورت نہیں۔

مطلب: صحبت سے مقصود استفادہ ہے جب استفادہ میسر نہیں تو پھر یہاں پہرہ دینا تو مقصود نہیں اور پہرہ خوابِ غفلت کی باتوں کے لیے ہوتا ہے اہل اللہ تو بیدار دل ہیں بلکہ یہ ماہیان دریائے احدیت ہیں اور ماہیانِ دریا پہرہ دار کی محتاج نہیں وہ خود رات بھر جاگتی ہیں۔

جامہ پوشاں رانظر برگازر است جامہ عُریاں راتجلّی زیورست

ترکیب: جامہ عریاں مرکب اضافی بقلب اضافت ہے یعنی عریاں جامہ کپڑوں سے ننگا۔

ترجمہ: کپڑے پہننے والوں کی نظر دھوبی پر رہتی ہے (دنیوی) لباس سے ننگے رہنے والوں کا زیور حق تعالیٰ کی تجلّی ہے۔

مطلب: میل جول کے لیے مناسبت شرط ہے چنانچہ جامہ پوش کو جو کپڑے کی ضرورت رہتی ہے تو یہ ضرورت دھوبی کے ساتھ اس کی مناسبت پیدا کر دیتی ہے مگر جو جامہ نہیں پہنتا اس کو دھوبی سے کیا سروکار؟ اسی طرح صحبت کا فائدہ بھی مناسبت سے ہوتا ہے عریانی پسند آدمی کو اول تو دھوبی سے کوئی غرض وابستہ نہیں لیکن اگر وہ دھوبی کی رفاقت اختیار کر بھی لے تو کیا حاصل؟

یاز عُریاناں بیک سُو باز رَو یا چُوایشاں فارغ و بے جامہ شُو

ترجمہ: یا تو تم ننگے لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر چلو یا ان کی طرح فارغ اور بے جامہ بن جاؤ۔

مطلب: آدھے تیتر آدھے بٹیر بن کر چلنا مناسب نہیں اس طرح کامیابی کی توقع نہیں بلکہ ایک خاص جماعت کے ساتھ مناسبتِ تامہ پیدا کرو۔ خواہ جامہ پوشوں کے ساتھ یا عریاں باشوں کے ساتھ ورنہ اگر دونوں جماعتوں کے ساتھ رفاقت کا دم بھرتے رہے اور در حقیقت رفاقت بوجہ عدمِ مناسبت کسی کے ساتھ بھی میسر نہ ہوئی تو تمہارا وہی حشر ہوگا جو طیور و وحوش کی جنگ میں چمگادڑ کا ہوا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ طیور و وحوش میں جنگ چھڑ گئی زمین پر ہاتھیوں، شیروں، چیتوں، ریچھوں، گیدڑوں، لومڑیوں کی فوجیں اس کثرت سے جمع ہوئیں کہ تمام دشت و جبل پُر تھے۔ ادھر ہوا میں عقابوں، چیلوں، بازوں، شاہینوں، شکروں، کوؤں، گدھوں، بگلوں کے پرے کے پرے اس کثرت سے چھا گئے کہ آسمان دکھائی نہ دیتا تھا۔ دونوں طرف سے حملے پر حملے ہونے لگے کئی دن جنگ جاری رہی مگر چمگادڑ چالاکی سے پہلے روز کسی طرف شامل نہ ہوئی اور نتیجہ کی منتظر رہی کہ جو فریق غالب ہوتا نظر آئیگا ادھر شامل ہو جاؤں گی۔ چنانچہ پہلے روز شکاری پرندوں نے اپنے سپہ سالار عقاب کی زیرکمان پیہم جھپٹے پر جھپٹے مار کر کسی وحشی کی آنکھیں نکال ڈالیں کسی کے کان کاٹے کسی کا سر زخمی کیا تو وحوش کی وہ فوجیں اس گھبراہٹ میں درہم برہم ہو گئیں اب چمگادڑ پرندوں کے پاس گئی

اور کہا بھائیو! میں تمہارے ساتھ ہوں میں پرندہ ہوں ہوا میں اڑتی ہوں پرندوں نے بڑی خوشی سے خوش آمدید کہا۔ اگلے روز درندوں کے سپہ سالار شیر نے اپنی فوجوں کو از سرِ نو ترتیب دیا خونریز لڑائی شروع ہوئی پرندے پہلے روز کی تیز پرواز سے تھک ہار چکے تھے درندوں میں جوش تازہ تھا شیر' بھیڑیے' ریچھ نے صد ہا پرندوں کے پر نوچے ہاتھی نے ہوا میں سونڈ گھما گھما کر ہزاروں پنکھیوں کو پیوندِ خاک کیا بندر اور لنگور نے بلندی پر جست لگا لگا کر بہت سے پرندوں کی گردنیں مروڑیں۔ اب چمگادڑ درندوں کے پاس آ کر کہنے لگی۔ بھائیو! میں تمہارے ساتھ ہوں میں بھی چوپایہ جانور ہوں دیکھو میرے منہ میں دانت ہیں۔ چھاتی پر پستان ہیں۔ بچوں کو دودھ پلاتی ہوں درندوں نے بڑی خوشی سے اس کی آؤ بھگت کی مگر تیسرے دن دونوں لشکروں میں صلح قرار پائی دونوں فریق ایک میدان میں جمع ہوئے' خوشی کی مجلسیں قائم ہوئیں سب جانور حاضر ہوئے مگر چمگادڑ کو ندامت کی وجہ سے ساتھ آنے کی جرأت نہ ہوئی کیونکہ وہ کسی فریق کے ساتھ شامل نہ ہوئی تھی کہتے ہیں وہ اسی ندامت کی وجہ سے رات کو نکلتی ہے دن کو نہیں نکلتی۔

یہی کیفیت منافقوں کی تھی جو بظاہر مسلمان بن کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے مگر درپردہ وہ اپنے کافر دوستوں کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کے لیے ان کی دلجوئی بھی کرتے رہتے تھے دراصل وہ اسلام کی حقانیت پر کامل یقین نہیں رکھتے تھے۔ محض ہوا کا رخ دیکھتے اور دفع الوقتی کرتے تھے۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ. (بقرہ ع ۲) ونعم ما قیل

ہر کہ چوں کاغذ وقلم باشد دوزباں ودو رویہ گاہ سخن
ہمچو کاغذ سیاہ کن رویش چوں قلم گردنش بہ تیغ بزن

ورنمے تانی کہ کل عُریاں شوی جامہ کم کن تارہِ اوسط روی

ترجمہ: اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے کہ بالکل ننگے ہو جاؤ تو کپڑے ہی کم کر دو تاکہ اوسط درجے کے طریقہ پر چلے چلو۔

مطلب: اگر تعلقاتِ دنیاویہ کو بالکل ترک نہیں کر سکتے تو کم از کم ان تعلقات کو ہی کم کر دو کیونکہ توسط اور اعتدال کا درجہ بھی مبارک ہے۔ تفریط اگر بری ہے تو افراط بھی اچھا نہیں۔ نظامیؒ۔

چراغ ارچہ زروغن نورگیرد بسے باشد کہ از روغن بمیرد
خورشہارا نمک خود تازہ دارد نمک باید کہ نیز اندازہ دارد

عذر گفتنِ فقیر با شیخِ خانقاہ

فقیر کا خانقاہ کے سجادہ نشین سے اپنا عذر بیان کرنا

پس فقیر آں شیخ را احوال گفت عذر را با آں غرامت کرد جُفت

لغات: غرامت تاوان یہاں الزام اور باز پرس مراد ہے۔ جفت شامل۔

ترجمہ: پھر فقیر نے ان شیخ سے (اپنا) حال عرض کیا (اور) عذر کو اس الزام کے ساتھ شامل کر دیا جو اس پر لگایا گیا تھا۔

مطلب: جو جو الزام حریفوں نے اس درویش پر لگائے تھے وہ بطور عذر ان کے جواب دینے لگا ساتھ ملانے سے مدعا یہ ہے کہ پہلے الزام کی تقریر کی پھر اس کی تردید کی۔ جیسا کہ مفصل تردیدی بیان میں ہوتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

ہر سوالِ شیخ را داد اُو جواب چُوں جواباتِ خضر خوب وصَواب

ترجمہ: اس نے شیخ کے ہر سوال کا جواب دیا جو حضرت خضر کے جوابات کی طرح جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے تھے۔ عمدہ اور ٹھیک (تھے)۔

مطلب: حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے پہلے ایک کشتی توڑ دی آگے چل کر کھیلتے کھیلتے بچہ کو مار ڈالا۔ پھر ایک گاؤں میں پہنچے تو وہاں لوگوں نے کچھ کھانے کو نہ دیا مگر حضرت خضرؑ نے ایک دیوار گرتی دیکھی تو اس کو از سرِ نو تعمیر کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کاموں پر ہر مرتبہ اعتراض جڑ دیتے آخر حضرت خضرؑ نے تنگ آکر علیحدگی اختیار کر لی اور اپنے تعجب خیز کاموں کے متعلق ان سوالات کے تشفی آمیز جواب دے دیے جن سے ثابت ہوتا کہ ان کے یہ سارے کام بالکل بجا اور درست تھے۔ یہاں وہی جوابات مراد ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

آں جواباتِ سوالاتِ کلیم ! کش خضر بنمود از ربّ علیم

ترجمہ: (اس سے حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کے سوالات کے وہ جوابات مراد ہیں جو ان کو حضرت خضر علیہ السلام نے پروردگارِ علیم کی طرف سے دیے تھے۔

گشت مشکلہاش حل افزوں زیاد از پئے ہر مشکلش مفتاح داد

ترجمہ: جن سے ان کی مشکلیں بہت زیادہ (وضاحت سے) حل ہو گئیں اور (جن کو بیان کر کے گویا) ہر مشکل (عقدہ کے حل) کے لیے ان کو کنجی دے دی۔

از خضر درویش ہم میراث داشت در جوابِ شیخ ہمت برگماشت

ترجمہ: (یہ) درویش بھی جواب دہی کے فن میں حضرتِ خضرؑ سے میراث پا چکا تھا اس لیے وہ شیخ کے جواب کے لیے کمربستہ ہوا۔

گفت راہِ اوسط ارچہ حکمت ست لیکن اَوسط نیز ہم بانسبت ست

ترجمہ: (اور) کہنے لگا میانہ روی اگرچہ (ایک) معقول بات ہے مگر درمیانہ درجہ بھی تو نسبت کے ساتھ (متعین ہو سکتا) ہے۔

مطلب: اوسط کسی خاص درجہ پر متعین نہیں بلکہ یہ ایک اضافی و نسبتی امر ہے مثلاً ایک امیر کے لیے دس روپے خرچ کرنا اعتدال کا درجہ ہے تو یہی مقدار ایک متوسط الحال آدمی کے لیے اسراف ہے مگر بادشاہ کے لیے یہ بخل کا مترادف ہے اگر متوسط الحال آدمی کے لیے تین روپے روزانہ خرچہ بدرجہ اوسط ہے تو امرا کے لیے یہ بخل کے برابر ہے مگر غربا کے لیے یہ بھی اسراف ہے۔ آگے مولانا خود بھی اس درویش کی زبان سے اس کی نظیریں بیان فرماتے ہیں:

آب جو نسبت باشتر ہست کم لیک باشد موش را او ہمچویم

ترجمہ: نہر کا پانی اونٹ کے لیے کم ہے لیکن وہ چوہے کے لیے سمندر کی مانند ہے۔

ہر کرا باشد وظیفہ چار ناں دُو خوردیا سہ خورد ہست اوسط آں

ترجمہ: جس شخص کی روزانہ خوراک چار روٹیاں ہوں اگر وہ دو یا تین روٹیاں کھالے تو یہ اوسط درجے کی خوراک ہے۔

ور خورد ہرچار دور از اوسط است او اسیرِ حرص مانندِ بط است

ترجمہ: اور اگر چاروں کی چاروں روٹیاں چٹ کر جائے تو (یہ خوراک) اوسط سے دور ہے وہ بطخ کی طرح حرص میں گرفتار

ہے (جو سارا دن کچھ نہ کچھ چرتی چگتی رہتی ہے)۔

ہر کہ او را اشتہاءِ دہ ناں بود ۔۔۔ شش خورد میداں کہ اوسط آں بود

ترجمہ: جس شخص کو دس روٹیوں کی بھوک ہو (اگر) وہ چھ کھائے تو سمجھو کہ وہ اوسط درجہ کی خوراک ہے۔

چوں مرا پنجاہ ناں ہست اشتہے ۔۔۔ مر ترا شش گردہ، ہمدستیم؟ نے

لغات: اشتہے اشتہا کا املا ہے۔ الف کو یائے مجہول سے بدلا گیا، بھوک گردہ بکسر کاف فارسی روٹی، چپاتی ہمدست برابر، ہمسر، ہمرتبہ۔

ترجمہ: جب مجھ کو پچاس روٹیوں کی بھوک ہے (اور) آپ کو چھ روٹیوں کی تو کیا ہم دونوں برابر ہیں؟ (ہرگز نہیں)۔

مطلب: اس سے ظاہر ہے کہ میرے اور آپ کے لیے اعتدال و توسط کے درجے مختلف ہیں میرے لیے بیس تیس روٹیوں کی خوراک معتدل ہے اور آپ کے لیے تین چار بس۔ میرے لیے تین چار روٹیوں پر اکتفا کرنا تفریط اور بھوک کے مرنے کا مترادف ہے تو آپ کے لیے بیس تیس روٹیاں پیٹ میں ٹھونسنا افراط اور ہیضہ میں مبتلا ہونے کا سامان ہے۔

تو بدہ رکعت نماز آئی ملول ۔۔۔ من بہ پانصد در نیایم در نُحُول

لغات: ملول اکتا جانے والا۔ نُحول بضم نون و حاء لاغری، گھلنا۔

ترجمہ: آپ تو دس رکعت نماز سے اکتا جاتے ہیں میں پانسو سے بھی لاغر نہیں ہوتا۔

آں یکے تا کعبہ حافی میرود ۔۔۔ ویں یکے تا مسجد از خودے شود

لغات: حافی برہنہ پا، ننگے پاؤں چلنے والا۔ از خود شدن بیخود ہونا، بے ایمان ہو جانا۔

ترجمہ: وہ ایک تو جفاکش ہے جو کعبہ شریف تک ننگے پاؤں جا سکتا ہے اور یہ ایک نازک مزاج ہے جو محلے کی مسجد تک چلنے سے بھی بے خود ہوا جاتا ہے۔

آں یکے در پاکبازی جاں بداد ۔۔۔ واں یکے جاں کند تا یک ناں بداد

ترجمہ: وہ تو ایک پاکبازی میں جان تک دے ڈالتا ہے اور ایک کو (دینے کے نام سے) جان پر بن گئی حتیٰ کہ (بمشکل) ایک روٹی دی۔

واں وسط دربا نہایت میرود ۔۔۔ کہ مر آں را اوّل و آخر بود

لغات: بانہایت۔ انتہا والا منتہی، جس کی انتہا ہو۔

ترجمہ: اور یہ اوسط انتہا والے امور میں جاری ہو سکتی ہے جن کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔

مطلب: اوپر تک کھانے کے متعلق اعتراض دفع کیا تھا اب وہ درویش کلام کے متعلق جواب دیتا ہے کہ اس میں اوسط کا لحاظ رکھنا بھی مشکل ہے کیونکہ یہاں اوسط درجہ قائم ہی نہیں کیا جا سکتا اوسط اشیاءِ متناہیہ میں نکلتی ہے۔ غیر محدود و نامتناہی اشیا کی اوسط کیونکر نکلے اور کلام اس قسم کی چیز ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔

اوّل و آخر بباید تا دراں ۔۔۔ در تصوّر گنجد اَوسط یا میاں

ترجمہ: جس چیز کی اوسط نکالنی ہو اس کا اول و آخر ہونا چاہیے تاکہ اس میں اوسط یا میانہ (درجہ) خیال میں آ سکے۔

بے نہایت چوں ندارد دو طرف　　　　کے بود آنرا میانہ منصرف

لغات: بے نہات غیر منتہی، نامتناہی۔ منصرف ہٹ جانے والا یہاں افراط وتفریط سے ہٹ جانے والا مراد ہے۔
ترجمہ: (مگر) غیر متناہی (چیز) جب دو طرفین (یعنی ابتدا اور انتہا ہی) نہیں رکھتی تو اس کے لیے درمیانہ درجہ (افراط وتفریط سے) ہٹا ہوا کب ہوسکتا ہے۔

اوّل و آخر نشانش کس نداد　　　　گفت لَوْ کَانَ لَهُ الْبَحْرُ مِدَاد

ترجمہ: مگر اس کے (یعنی کلمہ اور کلام) کے اول و آخر کا نشان کوئی نہیں دے سکا، (چنانچہ اللہ نے) فرمایا ہے لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا الخ.

مطلب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَوْ اِنْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادً لِّکَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبُحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا. "(اے پیغمبر اے لوگوں سے) کہو کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سمندر (کا پانی) سیاہی (کی جگہ) ہو تو قبل اس کے میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر نبڑ جائے اگرچہ ہم ویسا ہی (اور سمندر اس کی) مدد کو لائیں۔ (کہف ع ۱۲)۔
آگے خود مولانا اس آیت کا ترجمہ وتفسیر کرتے ہیں:

ہفت دریا گرشود کلی مدید　　　　نیست مر پایاں شدن را ہیچ اُمید

لغات: کلی بالکل، پورے کے پورے۔ مدید امالہ ہے۔ مداد کا بمعنی سیاہی۔
ترجمہ: اگر ساتوں سمندر سارے کے سارے سیاہی بن جائیں تو بھی (اس کے کلمات کے) ختم ہونے کی کوئی امید نہیں۔

باغ و بیشہ گر شود یکسر قلم　　　　زیں سخن ہرگز نگردد ہیچ کم

ترجمہ: باغ اور جنگل (کے تمام درختوں کی شاخیں اور تنے) اگر سب کے سب قلم بن جائیں تو بھی ان کلمات (اللہ) سے ہرگز کچھ کم نہ ہوگا۔

ایں ہمہ حِبرو قلم فانی شود　　　　وِیں حدیثِ بے عدد باقی بود

لغات: حبر بکسرِ حاء سیاہی۔ حدیث کلمات، کلام، گفتگو۔
ترجمہ: یہ تمام (سمندروں کی) سیاہی اور (شاخہائے درختاں کے) قلم ختم ہو جائیں گے اور (ابھی) بے شمار گفتگو باقی رہ جائے گی۔
انتباہ: واضح رہے کہ آیت مندرجہ بالا میں کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم وحکمت ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ جانتے ہیں کہ ہم کو تورات کا علم اور حکمت حاصل ہے اور آپ کی کتاب میں لکھا ہے وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا یعنی جس کو حکمت دی گئی اس کو خیرِ کثیر ملی ہے اور اس دلیل سے ان کا مدعا اپنی برتری کا اظہار تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ کہ تم اور تمہاری توریت علمِ الٰہی کے سامنے سمندر میں سے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں اور وہ ساتوں سمندروں کی سیاہی بن جانے اور دنیا بھر کے سارے درختوں کے بطور قلم استعمال ہونے والے اور تمام جن و انس اور ملائکہ کے لکھنے سے بھی ختم نہ ہوگا۔ مگر مولانا کا یہاں مقصودِ گفتگو کلام کے غیر منتہی اور ناقابلِ تحدید ہونے کا ذکر ہے پس کلامات و کلام کے اسی ولفظی اشتراک کی بنا پر اس آیت سے استدلال کیا ہے درویش اپنے کثیر الکلام ہونے کے متعلق عذر کرنے کے بعد اب زیادہ سونے کے متعلق عذر کرتا ہے:

حالتِ من خواب را ماند گہے　　خواب پندارد مراو را گمرہے

ترجمہ: (باقی رہا میرا سونا پس) میری حالت کبھی کبھی خواب سے مشابہ ہوتی ہے (وہ فی الحقیقت خوابِ غفلت نہیں ہوتا) ایک گمراہ آدمی (اس کو) خواب سمجھ لیتا ہے۔

چشمِ من خفتہ دِلم بیدارداں　　شکلِ بیکارِ مرا برکار داں

ترجمہ: میری آنکھ (بظاہر) سو رہی ہوتی ہے مگر میرے دل کو بیدار سمجھو میری بیکار صورت کو مصروفِ کار سمجھو۔

مطلب: یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا (بحر) مگر تمثیل اور ممثل لہ میں یہ فرق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک گہری نیند میں بھی ہوشیار اور متوجہ بحق رہتا تھا اور غفلت بالکل طاری نہ ہوتی تھی اور یہاں اونگھ کی حالت میں جو نیند سے مشابہ ہوتی ہے دل ہوشیار رہتا ہے بخلاف اس کے دوسرے لوگ اونگھ میں غافل ہوتے ہیں اِس لیے بعض صورتوں میں مثلاً کسی چیز کے ساتھ سہارا لگا کر اونگھنا ان کے لیے ناقضِ وضو ہوتا ہے مگر میری یہ حالت نہیں آگے اسی حدیث کا ترجمہ ارشاد ہے:

گفت پیغمبرؐ کہ خسپد چشمِ من　　لیک کے خسپد دِلم اندر وَسَن

لغات: وَسَن اونگھ، نیند۔

ترجمہ: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری ظاہری آنکھ سو جاتی ہے لیکن میرا دل اونگھ میں کب سوتا ہے۔

الخلاف: یہ بیت ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

چشمِ تو بیدارو دل خفتہ بخواب　　چشمِ من خفتہ دلم درفتحِ باب

ترجمہ: تیری آنکھ جاگ رہی ہے اور دل نیند میں سو رہا ہے۔ (بخلاف اس کے) میری آنکھ سو رہی ہے اور میرا دل (اپنے) دروازہ کی کشائش میں (مہبطِ انوار ہے)۔

مردِلم راپنج حِسِ دیگرست　　حِسِ مارا ہر دو عالم منظرست

ترجمہ: میرے دل کی پانچ حسیں اور ہیں میری اس حس کے لیے دونوں عالم نظارہ گاہ ہیں۔

مطلب: حواسِ ظاہری بحالتِ خواب معطل و بیکار ہو جاتے ہیں مگر میرے دل کے لیے پانچ اور باطنی حواس ہیں وہ بحالت خواب بھی اپنا کام کرتے رہتے ہیں حواسِ ظاہر تو صرف عالمِ ناسوت کا نظارہ کر سکتے ہیں مگر یہ حواس عالمِ غیب کا بھی نظارہ کرتے رہتے ہیں۔

توز ضُعفِ خود مکن درمن نگاہ　　برتو شب برمن ہماں شب چاشتگاہ

ترجمہ: (پس) تم اپنی کمزوری (کی عینک) سے مجھے نہ دیکھو کیونکہ تم پر (رات کی نیند کی وجہ سے) رات ہے اور) مجھ پر (بیدار دلی کی وجہ سے) وہی رات روزِ روشن ہے۔

برتو زنداں برمن آں زنداں چو باغ　　عین مشغُولی مراگشتہ فراغ

ترجمہ: (جو حالت) تمہارے لیے (بمنزلہ) قید خانہ (کے ہوتی ہے) وہ قید خانہ میرے لیے مثل باغ ہے (تم دنیوی مشاغل میں منہمک رہتے ہو) وہ انہماک بالکل میرے لیے فراغت ہے۔

مطلب: جیسے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ "یہ وہ لوگ ہیں جن کو سوداگری اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔"

پائے تو در گل مرا گل گشتہ گل　　　مر ترا ماتم مرا سُور و دُہل

لغات: سُور مجلس عیش، بزم۔ سرور، جشن۔ دُہل ڈھول مراد سازِ طرف۔

مطلب: تیرا پاؤں (مصیبت کی) دلدل میں ہوتا ہے (مگر) میرے لیے وہی دلدل پھول بن جاتی ہے (جو متعلقات تیرے لیے) سوگ کا (باعث ہیں) میرے لیے بزمِ عیش اور سامانِ طرب ہیں۔

مطلب: تعلقاتِ دنیویہ تیرے لیے مبعد عن الحق ہیں مگر میرے لیے نہیں بلکہ چونکہ میری نظر ان کی وجہ سے حق تعالیٰ پر ہوتی ہے لہٰذا وہی تعلقات میرے لیے موصل الی الحق اور باعثِ مسرت بن گئے۔

در زمینم باتو ساکن در محل　　　میدَوم بر چرخِ ہفتم چوں زحل

ترجمہ: میں زمین میں تیرے ساتھ ایک مقام میں رہتا ہوں (لیکن بلحاظِ علوِّ مراتب) ساتویں آسمان پر زحل کی طرح دوڑ رہا ہوں۔ کما قیل۔

داریم دریں سبز چمن سیر چو پر کار　　　ہر چند کہ چوں نقطۂ مرکز بقراریم

ہمنشینت من نیم سایہ من است　　　برتر از اندیشہا پایۂ من ست

ترجمہ: مگر حقیقت یہ ہے کہ میں تیرا ہمنشین نہیں بلکہ میرا سایہ ہے (اور) میرا رتبہ فکر و خیال سے برتر ہے۔

مطلب: چونکہ میری روح عالمِ ملکوت کی طرف متوجہ ہوتی ہے اس لیے صرف میرا جسمِ ظاہری جو بمقابلہ روح کے گویا سایہ ہے تمہارا ہم نشین ہوتا ہے بخلاف اس کے دوسرے لوگوں کی توجہ تمام تر اسی عالمِ ناسوت کی طرف ہوتی ہے لہٰذا ان کی روح بھی جسم کی طرح ناسوتی ہوتی ہے اور چونکہ مجھے عینیتِ مصطلح حاصل ہے اس لیے میرا مرتبہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ (کلید)

زانکہ من ز اندیشہا بگذشتہ ام　　　خارج از اندیشہ پویاں گشتہ ام

ترجمہ: کیونکہ میں فکر و خیال (کی رسائی) سے (آگے) بڑھ گیا ہوں میں فکر کی حد سے باہر دوڑتا ہوں۔

حاکمِ اندیشہ ام محکوم نے　　　چونکہ بنّا حاکم آمد بر بنے

لغات: بنّا بنیاد رکھنے والا، عمارت بنانے والا معمار۔ بنے بنا کا امالہ ہے۔ عمارت، بنیاد۔

ترجمہ: میں فکر (و خیال) کا فرمانروا ہوں زیرِ فرمان نہیں جس طرح معمار عمارت پر حاکم ہوتا ہے۔

مطلب: جس طرح ایک انجینئر عمارت پر اختیار رکھتا ہے جس انداز پر چاہے اس کو بنا دے اسی طرح مجھے افکار و خیالات میں تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہے جس کیفیت کو چاہوں اپنے اوپر طاری کر لوں اور جس تجلّی کو چاہوں اپنے اوپر متجلّی کر لوں۔ صائبؒ۔

زکوہ غم متر ساں سینۂ دریا دل مارا　　　کہ ایں بارِ گراں بر کشتیِ بادبادیاں گردد

جملہ خلقاں سخرۂ اندیشہ اند　　　زاں سبب خستہ دل و غم پیشہ اند

لغات: سخرہ مسخر، محکوم، زیرِ فرمان۔ غم پیشہ غمگین رہنے کا عادی، ہمیشہ مبتلائے غم۔

ترجمہ: (بخلاف اس کے باقی) تمام مخلوق خیال کی محکوم ہے اسی لیے وہ خستہ دل اور سدا غمگین ہے۔ صائب۔

اندیشہ کہربائے غم و دردِ عالم است از غم گریز نیست دلِ ہوشمند را

قاصداً خود را باندیشہ دہم چوں بخواہم از میانہ برجہم

لغات: قاصداً قصداً، بالارادہ۔ برجہم از جستن کود کر باہر آ جاتا ہوں۔

ترجمہ: (میں قصداً اپنے آپ کو فکر کے حوالہ کر دیتا ہوں جب چاہتا ہوں تو (اس کے درمیان سے نکل آتا ہوں۔

مطلب: از میانہ سے تو از میانہ عالم غیب مراد ہے یا از میانہ فکر پہلی صورت میں دونوں مصرعوں کے مطلب متوافق ہو جاتے ہیں یعنی میں جب چاہتا ہوں اپنے آپ کو فکر میں ڈال لیتا ہوں اور عالم غیب سے رجوع کرتا ہوں دوسری صورت میں ہر مصرعہ کا مضمون دوسرے کا مقابل ہے۔ یعنی میں جب چاہتا ہوں فکر میں آ پڑتا ہوں اور جب چاہتا ہوں اس سے نکل جاتا ہوں غرض کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ استغراق کی ایک ہی حالت سے اکتا جاتے ہیں تو حصولِ نشاط و تازگی طبع کے لیے اپنے اوپر دوسری حالت طاری کر لیتے ہیں اگر کبھی غلبۂ حال سے خود ایسا نہیں کر سکتے تو حق تعالیٰ ان کے لیے ایسے سامان مہیا کر دیتا ہے کہ کبھی عالمِ غیب کی طرف اور کبھی عالمِ ناسوت کی طرف توجہ بٹتی رہتی ہے کہ درویشی میں عروضِ حال بعد حال سے چارہ نہیں۔ سعدی۔

اگر درویش بر حالے بماندے سرِ دست از دو عالم برفشاندے

من چو مُرغِ اَوجم اندیشہ مگس کے بُود بر من مگس را دسترس

ترجمہ: میں گویا بلند پرواز پرندہ ہوں (اور) اندیشہ مکھی ہے مکھی کو کب مجھ پر قدرت ہو سکتی ہے۔ کما قیل۔

صاف دل غمگین نمیگردد ز گردِ حادثات جائے آبِ تیغ در آبِ رواں معلوم نیست

قاصدًا زیر آیم ازاوجِ بلند تا شکستہ پایگاں برمن تنند

لغات: شکستہ پایگاں ٹوٹے ہوئے پاؤں والے، چل نہ سکنے والے مراد مبتدی نو طالب۔

ترجمہ: میں قصداً بلند مرتبہ نیچے آ جاتا ہوں تاکہ کمزور لوگ (استفادہ کے لیے) میرے پاس جمع ہو جائیں۔

مطلب: چونکہ میرا مرتبہ بلند ہے اور اس مرتبہ کے شغل و انہماک میں لوگوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اور اگر متوجہ ہوں تو وہ عدمِ استعداد کی وجہ سے مستفید نہیں ہو سکتے لہٰذا میں ان کی تعلیم و تلقین کے لیے اس درجہ سے نزول کرتا ہوں اور ان طالبوں اور مبتدیوں کے درجے پر آ کر ان کی تربیت کرتا ہوں ورنہ اگر اس بلند درجہ میں رہ کر ان کو یکدم اوجِ ترقی پر لے جانے کی کوشش کروں تو اس کی وہی مثال ہو جیسے کسی شیر خوار بچہ کی پرورش کے لیے اسے گوشت کھلانے لگیں جو اس کے لیے بجائے پرورش کے سامانِ موت ہے۔ غرض میں مرشد کامل ہوں اور تعلیم و تلقین کے سارے آداب و دستور جانتا ہوں۔

چوں ملالم گیرد از سِفلی صفات بر پرم ہمچوں طیور الصّافّات

لغات: گیرد عارض ہوتا ہے۔ سفلی صفات یہ کلمہ یا تو مرکبِ امتزاجی ہے یعنی ادنیٰ درجہ کی صفات والا یا مرکب توصیفی ہے بتقدیمِ صفت یعنی وہ صفات جو ادنیٰ درجہ کی ہوں طیور پرندے الصافات جمع ہے صاف بفائے مشدد کی پر کھول کر اڑنے والے پرندے اور یہ ماخوذ ہے اس آیت سے اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا

جوان کے اوپر (اڑتے) ہیں وہ کبھی اپنے پر پھیلا دیتے ہیں اور کبھی سکیڑ لیتے ہیں۔ (الملک ع ۲)

ترجمہ: (پھر) جب میں (ان) ادنیٰ صفات والے لوگوں کی صحبت سے اکتا جاتا ہوں تو پر کھول کر اڑنے والے پرندوں کی طرح (عالم بالا کی طرف) اڑ جاتا ہوں۔

مطلب: فراغتِ تعلیم کے بعد اثنائے تعلیم میں احیاناً پھر اپنی حالت عروج پر آ جاتا ہوں۔ غرض مجھے تقلب احوال اور تحول اطوار پر قدرت حاصل ہے۔

پرِمن رستہ است ہم از ذاتِ خویش　　برنچسپانم دو پرِمن از سریش

ترجمہ: میرے پر (پرواز) خود اپنی ہی ذات سے اُگے ہیں میں سریش کے ساتھ دو (مصنوعی) پر نہیں چپکاتا (جس طرح بہروپیے لگا لیتے ہیں)۔

مطلب: میرا عروجِ روحانی خود میری ذات کا مقتضا ہے اور میری ذاتیات میں داخل ہے میں دوسروں کے پرِ پرواز کا محتاج نہیں اور نہ میری یہ حالت مستعار و عارضی ہے۔ ناصر علی غفر لہ۔

اہل ہمت رانباشد تکیہ بر بازوے کس　　خیمۂ افلاک بے چوب وستوں استادہ است

اور اس کی مثال ایسی ہے کہ

جعفرِ طیّار راپر جاریہ است　　جعفرِ طرّار را پر عاریہ است

لغات: جعفر طیار۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی جوان سے دس سال بڑے تھے قدیم الاسلام تھے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جملہ مہاجرینِ حبشہ کے قائد و زعیم تھے کفارِ مکہ ان مہاجرین کے تعاقب میں حبش گئے اور دربارِ شاہی سے ساز باز کر کے ان کو معتوب و ماخوذ کرانا چاہا تو دربار حضرت جعفرؓ کی پر زور تقریر نے کفار کے خوب دانت کھٹے کئے اور شاہِ حبشہ اس کے اثر سے داخلِ اسلام ہو گیا یہ ایک تاریخی تقریر ہے جو کتب سیر میں بڑے اہتمام سے درج کی گئی ہے اور بھی بہت سے اہلِ حبشہ مسلمان ہو گئے کفار اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔ ۷ ہجری میں حضرت جعفرؓ اپنے ہمراہیوں سمیت حبشہ سے واپس آئے اور خیبر ہی میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے فتح خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا قدومِ جعفر کی ۸ھ میں جعفر جنگِ موتہ میں امیرِ لشکر تھے جہاں اپنی چند ہزار فوج کے ساتھ تین لاکھ کے مقابلے میں کمال جوانمردی و شجاعت کی داد دیتے ہوئے شہید ہوئے تلواروں اور نیزوں کے نوّے زخم کھائے، جو سب کے سب سامنے کے پہلو پر تھے۔ پشت کی طرف ایک بھی زخم نہ تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس قدر زخم کھاتے کھاتے بھی ثابت قدم رہے اور پیٹھ نہیں موڑی حتیٰ کہ جانِ شیریں جان آفریں کے سپرد کر دی۔ معرکہ میں ان کے دونوں بازو جڑ سے کٹ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں ان کو بہشت میں دو بازوئے پرواز عطا فرمائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ رَأَيْتُ جَعْفَرًا يَطِيْرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ یعنی میں نے جعفر کو دیکھا کہ بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے تھے (مشکوٰۃ) اسی وجہ سے ان کا نام طیار (اڑنے والا) اور ذوالجناحین (دو بازوؤں والا) قرار پایا حضرت ابن عمر جب حضرت ابن جعفرؓ سے ملتے تو کہتے السلام علیک یا ابن ذی الجناحین (مشکوٰۃ) جعفر طرار ایک اور شخص کا نام ہے جو بڑا چالاک چالباز اور فطرتی تھا طرار کے معنی گٹھ کترے کے ہیں شاید وہ اس فن میں بھی طاق ہوگا اور یہ لفظ عام چالاک کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ لکھا ہے کہ اس نے پرندوں کی طرح اپنے دو مصنوعی پر بھی لگائے تھے جن سے وہ آنکھ کے ٹڈے کے طرح پھدکتا

(حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ)

پھاندتا پھرتا تھا عاریہ مستعار، مانگی ہوئی چیز مصدر بمعنی مفعول۔ عارضی۔ ناپائدار، مصنوعی۔

ترجمہ: جعفر طیارؓ کے پر (فطرت کی سنت) جاریہ (سے پیدا ہوئے) ہیں اور جعفر طرار کے پر عارضی (ومصنوعی) ہیں۔

مطلب: میں حضرت جعفرِ طیارؓ کے زمرے سے ہوں جو اپنے ذاتی کمالات کے بل پر اڑتے ہیں دوسرے لوگ جو اوروں کے سہارے سے اڑتے ہیں یا ان کی اڑان کے سامان عارضی و بے بنیاد ہیں وہ جعفر طرار کی جماعت سے ہیں۔ میرا ان کا کیا مقابلہ؟ سعدیؒ۔

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ　　چہ زند پیشِ باز روئیں چنگ

گربہ شیراست درگرفتن موش　　لیک موش ست درمصاف پلنگ

نزدِ آنکہ لم یذق دعویٰ ست ایں　　نزد سکانِ افق معنی ست ایں

لغات: لم یذق نہیں چکھا۔ سکان جمع ساکن رہنے والے اِفق کنارہٴ آسمان مراد نواح۔

ترجمہ: جس شخص نے (یہ مزا) چکھا نہیں اس کے نزدیک (یہ باتیں صرف) دعوی (ہی دعویٰ) ہیں (ہاں) اس کے نواح کے رہنے والوں کے نزدیک (جہاں کا میں ہوں یہ) ایک حقیقت ہے۔ حافظؒ۔

ہر ولی را اطلاعے نیست بر اسرارِ غیب　　محرمِ ایں سرِ معنی دار علوی جانِ ماست

بمستوراں مگو اسرارِ مستی　　حدیثِ جان مپرس از نقشِ دیوار

لاف و دعویٰ باشد ایں پیشِ غُراب　　دیگِ تی و پُریکے پیشِ ذباب

لغات: غراب کوا تی مخفف تہی، خالی۔ یکے یکساں ذُباب بضمِ ذال مکھی۔

ترجمہ: یہ (حقیقی باتیں) کوے کے (سے بے وقوف آدمی) کے آگے (تو محض) دعویٰ (باطل) اور لاف ہیں (چنانچہ ایک) مکھی کے سامنے خالی اور بھری ہوئی دیگ یکساں ہے۔

مطلب: بیوقوف کیا جانے حقیقت کی رمز اور مکھی کو طعام سے لبریز برتن اور خالی برتن کے فرق کی کیا تمیز اس کے چاٹنے کے لیے تو خالی برتن کی کھرچن کا ایک ذرہ کافی ہے اسی طرح بے تمیز آدمی کے نزدیک پر ہنر و بے ہنر برابر ہیں۔ امیر خسروؒ

پیش دو بیناں نداد صورتِ اسرارِ عشق　　آہ گریں آئینہ کژ نظرے رادہند

یہاں تک کثرتِ نوم کا عذر چلا آ رہا تھا۔ اب کثرتِ اکل کے متعلق کچھ اور کہتے ہیں:

چونکہ در توے شود لقمہ گہر　　تن مزن چندانکہ بتوانی بخور

ترجمہ: جب تم میں لقمہ (پہنچ کر) موتی بن جائے تو (کھانے سے) پہلو تہی نہ کرو (بلکہ) جہاں تک ہو سکے کھاؤ۔

مطلب: کثرتِ اکل ہر شخص کے لیے اور ہر حالت میں مضر نہیں بلکہ جن اہل اللہ کے انوار باطن کا غلبہ ان کے کھانے کو مولد شہوات ہونے کے بجائے کیفیاتِ محمودہ بڑھانے والا بنا دے وہ حسبِ خواہش جتنا چاہیں کھا سکتے ہیں۔

شیخ روزے بہرِ دفعِ سوءِ ظن　　درلگن قے کردو پُر دُر شُد لگن

لغات: سوءِ ظن۔ بدگمانی۔ لگن طشت۔

ترجمہ: شیخ نے (یہ کہتے کہتے) بدگمانی دور کرنے کے لیے روز روشن میں طشت کے اندر قے کر دی اور طشت موتیوں سے

لبریز ہو گیا۔

مطلب: اس فقیرِ کامل نے دعویٰ کے ساتھ یہ عملی ثبوت بھی بہم پہنچا دیا کہ دیکھو ہمارے اندر سارا طعام موتیوں میں بدل جاتا ہے پس ہمارے لیے پرخوری عیب کیوں ہوگی۔ اگرچہ کاملین کے طعام کا فی الواقع دُرّ و گوہر میں مستحیل ہو جانا ضروری نہیں اور اس بیان میں لقمہ کے گوہر بن جانے سے مجازاً کیفیاتِ محمودہ کا پیدا ہونا مراد تھا مگر اس وقت فقیر نے اس مجاز کو حقیقت کے رنگ میں جلوہ گر کر کے دکھا دیا چنانچہ خود مولانا آگے فرماتے ہیں گوہر معقول را محسوس کرد اور یہ اس کی ایک کرامت تھی۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ اس سے شاید وہی شیخ خانقاہ مراد ہو جس سے یہ فقیر مخاطب تھا یا شاید فقیرِ عذر آور ہی مراد ہے مگر اس صورت میں روزے کا لفظ کھٹکتا ہے۔ (انتہیٰ) مولانا بحر العلوم کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو جو کچھ ثبوت اپنے دعویٰ کا پیش کرنا تھا وہ اس مجلسِ مناظرہ میں کرنا تھا کسی اور دن کے لیے یہ کرامت اٹھا رکھنا مشت بعد از جنگ، کا مصداق ہے راقم کے نزدیک یہ فعل اسی فقیر کا ہے شیخ خانقاہ کا نہیں۔ شیخ تو اس وقت حریفِ بحث ہے۔ خود اس کو اپنے حریف کے دعویٰ کا ثبوت دینا چہ معنی دارد؟ ہاں روزے سے مراد ہماں روز یا بروزِ روشن لے لیا جائے تو چنداں قباحت نہیں اس سے بات صاف ہو جاتی ہے اور مثنوی میں ایسے تجوزات کی کمی نہیں۔

گوہرِ معقول را محسوس کرد   پیرِ بینا بہرِ کم عقلیِ مرد

لغات: معقول۔ عقلی بات، معنوی بات، جس کو حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: اس پیرِ بینا نے شخصِ معترض کی کم عقلی کی وجہ سے معقول موتیوں کو محسوس (موتیوں کے رنگ میں نمودار کر دیا)۔

مطلب: اس فقیرِ کامل نے جو کہا تھا کہ ہماری خوراک موتیوں میں بدل جاتی ہے تو موتی سے ان کی مراد انوارِ باطن اور کیفیاتِ محمودہ تھی مگر مخاطب جاہل و کم فہم ان معنوی رموز کو کیا سمجھتا اس لیے انہوں نے اس عقلی بات کو حسی و ظاہری رنگ میں نمودار کر کے دکھا دیا یعنی سچ مچ کے موتی اگل ڈالے اور پھر فرمایا۔

چونکہ در معدہ شود پاکت پلید   قفل نہ بر حلق و پنہاں کن کلید

ترجمہ: جب تمہارا پاک (کھانا) معدہ میں جا کر نجاست بن جائے تو تم حلق پر قفل لگا کر کنجی چھپا دو (تاکہ پھر کھل ہی نہ سکے)۔

مطلب: جب کھانے سے پیٹ بھر لینا شہوت اور برے کاموں کی رغبت پیدا کرے تو ایسے کھانے سے نہ کھانا اچھا۔ کما قال علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

فَعَارٌ ثُمَّ عَارٌ ثُمَّ عَارٌ   شَقَاءُ الْمَرْءِ مِنْ اَكْلِ الطَّعَامِ

شرم ہے شرم ہے شرم ہے   کہ آدمی کی بدبختی کھانا کھانے سے ہو

ہر کہ در وے لقمہ شد نورِ جلال   ہرچہ خواہد گو بخور او را حلال

ترجمہ: (بخلاف اس کے) جس شخص کے اندر لقمہ جا کر (خداوند صاحب) جلال کا نور بن جائے (وہ) جو کچھ چاہے کھائے وہ اس کے لیے حلال ہے۔

بیانِ آں دعویٰ کہ عین آں دعویٰ گواہِ صدقِ خویش ست

اس دعویٰ کا بیان جو خود ہی اپنے صحیح ہونے پر گواہ ہے

گر تو ہستی آشنائے جانِ من　　نیست دعویٰ گفت معنی لانِ من

لغات: گفت قول گفتن کا حاصل مصدر ہے لان ایک پہاڑ کا نام ہے آذر بائیجان میں ہے۔ بے وفائی غیر حقیقی جگہ مقام۔ انبوہی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے نمک لان بمعنی نمک سار پس معنی لان سے مراد پر معنی ہے۔

ترجمہ: اگر تم (فطرۃً) میری روح کے ہم مشرب ہو تو میرا (یہ) پر معنی قول تمہارے نزدیک (خالی خولی دعویٰ نہیں) بلکہ یہ اپنی دلیل آپ ہے۔

گر بگویم نیم شب پیشِ توام　　ہیں مترس از شب کہ من خویشِ توام

ایں دو دعویٰ پیشِ تو معنی بُود　　چُوں شناسی بانگِ خویشاوندِ خود

ترجمہ: دیکھو اگر میں آدھی رات کو تم سے کہوں کہ (۱) میں تمہارے پاس ہوں ہاں ہاں رات نے ڈرو نہیں کیونکہ (۲) میں تمہارا قرابت دار پاس موجود ہوں تو (میرے) یہ دونوں دعوے تمہارے نزدیک (صحیح) معنی (رکھتے) ہیں جبکہ تم اپنے قرابت دار کی آواز پہچانتے ہو۔

مطلب: اوپر کہا تھا کہ میرے یہ دعوے محتاج دلیل نہیں کیونکہ وہ خود اپنی دلیل ہیں آفتاب آمد دلیلِ آفتاب اب اس قسم کے دعویٰ کی جو خود اپنی دلیل ہو ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ فرض کرو ایک بچہ تنہا کسی مکان میں رات کے وقت ڈر رہا ہے۔ اس کا بڑا بھائی وہاں جا پہنچتا ہے اور کہتا ہے ننھے ڈرو نہیں میں تمہارا بھائی آ گیا بچہ اس کی آواز سنتے ہی پہچان لیتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے پس اس نے دو دعوے کئے۔ ایک اپنا آنا دوسرا بھائی ہونا اور دونوں دعوے اپنے ثبوت کے لیے بجائے خود دلیل ہیں بچے کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے آنے کی کیا دلیل ہے؟ اور تمہارے بھائی ہونے کا کیا ثبوت ہے آگے اسی بات کی توضیح فرماتے ہیں:

پیشی و خویشی دو دعویٰ بود لیک　　ہر دو معنی بُود پیشِ فہم نیک

ترجمہ: (دیکھو پاس ہونا اور قرابت دار ہونا دو دعوے تھے لیکن یہ دونوں فہم سلیم کے آگے (صحیح) معنی (رکھتے) ہیں ان کا ثبوت طلب کرنے کی ضرورت نہیں)۔

قُربِ آوازش گواہی میدہد　　کایں دمِ نزدیک از یاری جَہد

لغات: اکثر مترجموں نے قرب اور نزدیک کے لغوی و حقیقی معنی لیے ہیں اور یارے بیائے مجہول بمعنی یار و مددگار سمجھا ہے مگر اس طرح ترجمہ چنداں برجستہ نہیں ہوتا ہم نے قرب کے معنی انس و تالُف کے لیے ہیں بطریق اطلاقِ سبب بمعنی مسبب اور نزدیک کے معنی قرابت دار۔ یاری یائے معروف بمعنی ہمدردی۔

ترجمہ: اس کی آواز کا مانوس ہونا شہادت دے رہا ہے کہ یہ صدا (کسی) عزیز کی (ہے جو) از راہِ ہمدردی و حمایت نکلی ہے (اور وہ پہچان لیتا ہے)۔

لذّتِ آوازِ خویشاوند نیز شُد گوا بر صِدقِ آں یارِ عزیز

ترجمہ: (اس کے علاوہ) قرابت دار کی آواز کی لذت بھی (جو قدرۃً ہوتی ہے) اس یارِ عزیز کی سچائی کی گواہ بن گئی۔

مطلب: پس میرا یہ بیان تمہارے یقین دلانے کے لیے ایسا ہی ہے جیسے ایک قرابت دار کی آواز اس کے عزیز کے لیے ہے، بشرطیکہ تم میں مناسبتِ فطری ہو۔

بازبے الہام احمق کوزِ جہل مے نداند بانگِ بیگانہ زاہل

پیشِ اودعویٰ بود گفتار او جہلِ اُوشد مایۂ انکارِ اُو

لغات: بے الہام غیر ملہم الہام سے نابلد اہل یگانہ قرابت دار۔

ترکیب: بے الہام و احمق اپنے بیان کوزِ جہل الخ کے ساتھ مل کر مبتدا ہوا دوسرا شعر اس کی خبر۔

ترجمہ: پس جو بے الہام و بے وقوف (آدمی اپنی) جہالت سے بیگانہ (از حق) کی آواز (اور) یگانے (یعنی اہل حق کی آواز) میں تمیز نہیں کرسکتا اس کے آگے اس کا بیان (خالی) دعویٰ ہوگا (اور) اس کی جہالت اس کے انکار کی باعث ہوگی۔

مطلب: جس شخص کو اہل اللہ اور غیر اللہ کی آواز میں فرق سمجھنے کی توفیق نہیں اس کے سامنے اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ہم اہل اللہ ہیں تو فضول ہے۔ وہ کب ماننے لگا بلکہ صاف انکار کرے گا پس اس کے اعتراف کے لیے اس کے اندر ذاتی تمیز کا ہونا ضروری ہے یعنی مناسبتِ فطرتی۔

پیشِ زیرک کاندرونش نور ہاست عَینِ ایں آواز معنیٰ بُود راست

ترجمہ: مگر دانا کے آگے جس کے اندر (حق) کے انوار ہیں خود یہی دعویٰ ٹھیک حقیقت ہوتی ہے۔

یا بتازی گفت یک تازی زباں کہ ہمے دانم زبانِ تازیان

عینِ تازی گفتنش معنے بود گرچہ تازی گفتنش دعویٰ بود

لغات: تازی عربی تازی زبان عربی بولنے والا، عربی دان۔

ترجمہ: یا (مثلاً) ایک عربی دان عربی میں کہے کہ میں عربوں کی زبان جانتا ہوں تو اس کا یہی عربی زبان میں (دعوے کے کلمات) بولنا پورا (ثبوت) ہے اگرچہ اس نے عربی میں صرف دعویٰ کیا ہے اور ابھی کوئی مستقل ثبوت نہیں دیا۔

یا نویسد کاتبے برکاغذے کاتب و خط خوانم و من ابجدے

لغات: خط خوانم خط خواں ہستم اِبجدی ابجد جاننے والا۔ ابجدی کے آخر میں یائے نسبت معروف ہے اور کاغذے کے آخر میں یائے وحدت مجہول۔ صحتِ قافیہ کے لیے دونوں کو بین بین اور یکساں پڑھنا چاہیے اور یہ جائز ہے۔

ترجمہ: یا (مثلاً) ایک کاتب کسی کاغذ پر لکھے کہ میں کاتب ہوں اور خط خواں ہوں اور ابجد داں ہوں۔

ایں نوشتہ گرچہ خود دعویٰ بود ہم نوشتہ شاہدِ معنیٰ بود

ترجمہ: یہ لکھا ہوا اگرچہ (ایک) دعویٰ (ہی) ہے مگر یہی لکھا ہوا ثبوت کا شاہد بھی ہے۔ (لـدعـوی الشی ء بـیـنـة وَبرھان)۔

یا بگوید صوفیے دیدی تو دوش   درمیانِ خواب سجادہ بدوش

ترجمہ: یا (مثلاً تم سے) کوئی صوفی کہے کہ تم نے خواب میں ایک شخص کو کندھے پر جانماز ڈالے دیکھا تھا۔

من بُدم آں وانچہ گفتم خواب در   باتو اندر خواب درشرحِ نظر

گوش کن چُوں حلقہ اندر گوش کُن   ایں سخن را پیشوائے ہوش کُن

ترجمہ: وہ میں ہی تھا اور جو کچھ میں نے خواب کے اندر نظر وفکر کی تشریح میں تم سے کہا تھا اس کو خوب سمجھو بلکہ کان کی بالی بنا لو (اور) اس بات کو اپنے ہوش کی راہبر ٹھہرا لو۔

مطلب: شرحِ نظر کا ذکر محض بطور مثال آ گیا ہے ورنہ یہ بالخصوص مقصود نہیں۔ مدعا یہ ہے کہ کوئی علمی مسئلہ خواب کے اندر سمجھایا تھا۔ فرض کرو وہ مسئلہ فکرو نظر کی تشریح و تحقیق تھی۔

چُوں ترا یاد آید آں خواب ایں سخن   معجزہ نَو باشد و رازِ کُہن

ترجمہ: (پس) جب تمہیں وہ خواب یاد آئے گا تو یہ بات تمہارے نزدیک (ایک) تازہ کرامت ہوگی اور سمجھ جاؤ گے کہ یہ وہی پرانا راز (ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا)۔

گرچہ دعویٰ مے نماید ایں ولے   جانِ صاحب واقعہ گوید بلے

ترجمہ: اگرچہ (بظاہر) یہ (ایک) دعویٰ معلوم ہوتا ہے لیکن (خواب دیکھنے والے کی) جان کہہ رہی ہے ہاں (بالکل درست ہے)۔

مطلب: اگرچہ اس بزرگ کا یہ کہنا کہ خواب میں تم نے مجھ کو ہی دیکھا تھا۔ ایک دعویٰ محتاجِ دلیل ہے مگر خواب دیکھنے والے کا دل پوری تصدیق کرتا ہے کہ ٹھیک آپ ہی تھے کیونکہ ایک تو وہ صورت جو دیکھی بعینہٖ ان بزرگ پر چسپاں ہو رہی ہے۔ دوسری بڑی دلیل یہ کہ جس طرح بزرگ کی یہ شان ہے کہ خواب دیکھے کوئی اور اس کی تفصیل سنا دیں یہ تو وہ جھوٹ کب کہہ سکتے ہیں آگے اس نظیر پر مولانا تفریع فرماتے ہیں اور اس سے ایک اور نکتہ اخذ کرتے ہیں:

پس چو حکمت ضالّۂ مومن بُود   آں زہر کہ بشنود مُوقن شود

لغات: حکمت دانائی کی بات ضالّہ بتشدید لام گمشدہ مال۔ موقن یقین کرنے والا۔

ترجمہ: پس جب دانائی کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے (اس لیے) وہ اس کو سنتا ہے اور اس پر یقین کر لیتا ہے۔

مطلب: یہ شعر اس حدیث کا ترجمہ ہے۔ اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنُ فَمِنْ حَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا یعنی دانائی کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے۔ پس وہ اس کو جہاں پائے وہ اس کے لے لینے کا زیادہ حق دار ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح اس خواب دیکھنے والے کو ولی کی یاد دہانی سے وہ رازِ کہن یاد آ گیا، بالکل یہی حالت مومن کی ہوتی ہے۔ چونکہ حق سبحانہ کی حکمت و معرفت روزِ الست سے اس کی جانی پہچانی چیز ہے جو اس کی نظر سے اس وقت بوجہ عارض کے محجوب ہو رہی ہے۔ لہٰذا جب وہ کسی کی زبان سے اس کو سنتا ہے تو اسے یاد آ جاتی ہے اور اس کو اس کے متعلق یقین ہو جاتا ہے۔

چونکہ خود را پیش او یابد فقط   چُوں بُود شک؟ چوں کند خود را غلط؟

ترجمہ: جب وہ اپنے آپ کو اس (حکمت) کے بالکل سامنے پاتا ہے تو پھر شک کیونکر ہو؟ (اور وہ) اپنے آپ کو غلط (بین) کیونکر ٹھہرا سکتا ہے؟

تشنۂ را چوں بگوئی تو شتاب   در قدح آب ست بستاں زود آب

ترجمہ: (اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے [illegible] پیالے میں (ٹھنڈا) پانی ہے جلدی (یہ)

پانی لے (کر پی لے)۔

ہیچ گوید تشنہ کایں دعوے ست رَو　　از برم اے مدّعی مہجور شو

ترجمہ: (کیا) کوئی پیاسا کہے گا کہ یہ (فضول) دعویٰ ہے جاؤ اے مدعی! میرے پاس سے دور ہو جاؤ۔

یا گواہ و حجتے بنما کہ ایں　　جنسِ آب ست و ازاں ماءِ معیں

لغات: حجت دلیل، ثبوت ماءِ معین۔ صاف اور خالص پانی شیریں پانی۔

ترجمہ: یا (یہ کہے گا؟) کہ (اس بات کا) گواہ اور دلیل پیش کرو یہ چیز جو پیالے کے اندر ہے پانی کی جنس سے ہے اور اس آبِ شیریں سے ہے جو تم بتاتے ہو ہرگز نہیں بلکہ وہ پانی کا نام سنتے ہی بلا تامل اس کے لینے کو دوڑے گا۔

یا بطفلِ شیر مادر بانگ زد　　کہ بیا من مادرم ہاں اے وَلَد

ترجمہ: یا (مثلاً) ماں نے اپنے دودھ پیتے بچے کو آواز دی کہ سن لے (میرے) بچے! آ جا میں تیری ماں ہوں۔

طفل گوید مادرا! حجت بیار　　تا کہ با شیرت بگیرم من قرار؟

ترجمہ: تو کیا بچہ (یہ) کہے گا کہ اماں تم (اپنے ماں ہونے کی) دلیل پیش کرو تا کہ میں تمہارے دودھ کے ساتھ چین حاصل کروں؟ ہرگز نہیں بلکہ فوراً بلا حجت دودھ پینے لگے گا۔

در دلِ ہر اُمتی کز حق مزہ است　　رُوئے و آوازِ پیمبر معجزہ است

ترجمہ: (اسی بچے کی طرح) ہر امتی کے دل میں جو حق کا ذوق ہے تو (اس کے لیے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ (مبارک) اور آواز (مبارک) معجزہ ہے (جن کو دیکھتے اور سنتے ہی اس کا ذوقِ حق تازہ اور مقتضی ایمان ہو جاتا ہے)۔

مطلب: جس شخص کی سرشت میں قبولِ حق کا ذوق ہے اور اس کی استعداد سالم ہے اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی زیارت اور آوازِ مبارک کی ساعت ہی معجزہ کا کام کر جاتی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا اِذَا رَأَیْتُ وَجْھَہٗ عَرَفْتُ اَنَّہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ. یعنی جب میں نے آپ کے چہرہ کی زیارت کی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے پس چونکہ ان کی استعداد صحیح تھی لہٰذا ان کو زیارت کرتے ہی کامل یقین آ گیا یہ درجہ اہلِ استعداد کا ہے ورنہ ابوجہل و امیہ بن خلف نے بھی آپ کا چہرہ دیکھا تھا۔ حافظؒ۔

زروئے دوست دلِ دشمناں چہ دریابد　　چراغِ مردہ کجا شمعِ آفتاب کجا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی کہ آپؐ دعوت الی الاسلام کر رہے ہیں تو فوراً تصدیق کی اس لیے کہ ان کی استعداد بھی صحیح تھی آواز سنتے ہی ایمان کے نور سے سینہ جگمگا اٹھا کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہ رہی یہ رتبہ اہلِ استعداد ہی کا ہے ورنہ مکہ وطائف کے ہزارہا کفار نے آپ کی آواز سنی اور وہ مائل بحق نہ ہوئے۔ صائبؒ۔

ہر سخن گوشے دہرے ساغرے دارد جدا　　شربتِ سیمرغ نتواں برگلوے مور ریخت

چُوں پیمبرؐ از بروں بانگے زند　　جانِ اُمت در دروں سجدہ کند

لغات: امت قوم، جماعت، فرقہ، پیروانِ رسول۔ غیاث اللغات میں ایک محقق سے منقول ہے کہ یہ لفظ ام سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں قصد کرنا۔ بریں تقدیر امت سے مراد وہ گروہ ہے جو کسی بات کے قصد میں یکدل وہم مشرب ہوں۔ (انتہی) امت کی دو

امت کے لفظ کی تشریح

قسمیں ہیں ایک امتِ دعوت دوسری امت اجابت۔ امتِ دعوت میں وہ تمام اقوام وقبائل شامل ہیں جن کو پیغمبر نے دعوت الی الحق دی خواہ انہوں نے اس پر اجابت کی یا نہ کی۔ اس میں مسلم وکافر سب داخل ہیں مگر امتِ اجابت سے صرف اہلِ ایمان مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لے آئے یہاں امت سے امتِ اجابت مراد ہے۔

ترجمہ: جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر سے آواز دیتے ہیں تو امت کی جان اندر ہی اندر سرِ تسلیم خم کر دیتی ہے۔

مطلب: پیغمبر کی دعوت الی الحق علانیہ اور واشگاف ہوتی ہے چھپ کر اور دب کر نہیں ہوتی۔ وَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔" اور تمہیں جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دو" اور اہلِ ایمان کا اعتراف حق تہِ دل اور صمیم قلب سے ہوتا ہے صرف زبانی اور نمائشی نہیں ہوتا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ "جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں" (الانعام) حافظؒ۔

خانہ خالی کن دلا تا منزلِ جاناں شود　　کیں ہوسنا کاں دل وجاں جائے دیگر میکنند

زانکہ جنسِ بانگِ او اندر جہاں　　از کسے نشنیدہ باشد گوشِ جاں

ترجمہ: کیونکہ اس کی آواز سے ملتی جلتی (آواز) دنیا میں گوش جاں نے کسی سے نہیں سنی ہوتی۔

مطلب: اس آواز کو پہچان لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو زورِ صداقت اور کششِ حقانیت ہوتی ہے وہ اور کسی آواز میں نہیں ہوتی اِس لیے اس کو سنتے ہی یقین آجاتا ہے پس یہی آواز منجانب حق ہے اگر اور آوازیں بھی اس کے ساتھ ملتی جلتی ہوتیں تو بے شک مغالطہ واشتباہ ممکن تھا۔

آں غریب از ذوقِ آوازِ غریب　　از زبانِ حق شنود اِنِّیْ قَرِیْب

لغات: غریب آغاز مصرعہ میں بمعنی مسافر و بے وطن بدیں لحاظ کہ سالک اپنے مبدء کے احساس سے دنیا کو سفر کا مقام اور اپنے آپ کو اپنے وطنِ اصلی سے مہجور سمجھتا ہے۔ چنانچہ مثنوی کے پہلے شعر بشنو از نے چوں حکایت میکند۔ واز جدائیہا شکایت میکند میں جدائی سے یہی غریب الوطنی اور مسافری مراد ہے (کما بیناہ مفصلات ہناک) بعض مترجموں نے اردو محاورہ کے مطابق یہاں غریب کے معنی بیچارہ کئے ہیں اول تو محاورۂ فارسی وعربی میں یہ لفظ بدیں معنی استعمال نہیں ہوتا۔ دوسرے جو شخص زبانِ حق سے انی قریب کی بشارت سنے وہ بیچارہ کیوں بلکہ وہ تو سعادات ومرادات کے تمام خزانوں کا مالک ہے۔ آخر مصرعہ میں غریب بمعنی نادر عجیب آیا ہے اِنِّیْ قَرِیْبٌ اس آیت سے اقتباس ہے کہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ "اور (اے پیغمبر) جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں دریافت کریں تو (ان کو سمجھا دو کہ) ہم ان کے پاس ہیں جب کبھی کوئی ہم سے دعا کرے تو ہم (ہر ایک) دعا کرنے والے کی دعا کو (سنتے اور مناسب ہوتا ہے تو قبول بھی کر لیتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ ہمارا حکم (بھی) مانیں اور ہم پر ایمان لائیں تاکہ وہ سیدھے رستے لگ لیں"۔ (بقرہ ع ۲۳)

ترکیب: از ذوق متعلق ہے شنود کے۔

صنائع: غریب کے لفظ میں تجنیس واقع ہوئی ہے۔

ترجمہ: (آخر) وہ مسافر (دنیا) آوازِ عجیب کے ذوق (فطری) سے (خود) حق تعالیٰ کی زبان سے اِنِّیْ قَرِیْبٌ (کی بشارت) سنتا ہے۔

سجدہ کردنِ یحییٰ و مسیح علیہما السلام در شکمِ مادر یک دگررا

حضرت یحییٰ اور حضرت مسیح علیہما السلام کا (اپنی اپنی) ماں کے پیٹ میں ایک دوسرے کو سجدہ کرنا

مادرِ یحییٰ چُو حامل بُود ازو　　بُود بامریم نشستہ رُو برُو

لغات: یحییٰ ایک پیغمبر کا نام ہے جو حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند تھے مفتاح العلوم کی جلد ششم میں ان کا مفصل حال درج ہو چکا ہے۔ مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے جو بچپن سے حضرت زکریا علیہ لسلام کی کفالت و تربیت میں تھیں کیونکہ مریمؑ حضرت زکریاؑ کی بیوی کی بھانجی تھیں۔ مریمؑ بچپن سے ولیہ خدا تھیں اور ان کی کرامت سے بے موسم گوناگوں میوے ان کے پاس پہنچ جاتے تھے حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک مرتبہ اس قسم کے میوے ان کے پاس دیکھ کر پوچھا اے مریم یہ تمہیں کہاں سے ملے انہوں نے جواب دیا اللہ کے پاس سے ملے ہیں یہ سن کر حضرت زکریاؑ کو خیال ہوا کہ جو خداوند تعالیٰ بے موسم میوے بھیج سکتا ہے وہ میری پیرانہ سالی میں مجھے فرزند دے تو کیا بڑی بات ہے۔ آخر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یحییٰ علیہ السلام کا سا سعادتمند فرزند دیا حضرت مریمؑ جوان ہوئیں تو ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے بڑے نشانات میں ایک نشان تھا۔ قرآن مجید کی سوہ مریم میں اس کا مفصل ذکر آیا ہے۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ علیہ لسلام کی والدہ جب ان سے حاملہ تھیں (ایک مرتبہ وہ) حضرت مریم علیہا السلام کے روبرو بیٹھی تھیں۔

مادرِ یحییٰ[۱] بمریم در نُہفت　　پیشتر از وضعِ حملِ خویش گفت

ترجمہ: (تو) حضرت یحییٰؑ کی والدہ نے اپنے وضع حمل سے پہلے در پردہ حضرت مریم سے کہا۔

کہ یقین دیدم دُرون توشہے ست　　کہ اُولوالعزم و رسولؑ آگہے ست

لغات: اولوالعزم صاحبِ عزم۔ رسولوں میں سے سب سے بڑے درجے کے رسول جو اپنی عموم تبلیغ اور جامعیت کمالات کے اعتبار سے باقی تمام انبیاء و مرسلین سے عالی رتبہ ہیں اور جن میں تکمیلِ مقصد کے لیے مصائب و شدائد برداشت کرنے کی فوق العادت قوت تھی اور ان کی تعداد پانچ ہے۔ ان میں سے ایک حضرت نوحؑ ہیں۔ پھر ان سے افضل حضرت عیسیٰؑ ہیں، ان سے عالی رتبہ حضرت موسیٰؑ اُن سے بلند مرتبہ حضرت ابراہیمؑ یہ سب مرسلین کسی نہ کسی خاص قوم یا جماعت کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے، چنانچہ حضرت نوحؑ خاص اپنی قوم کے لیے حضرت ابراہیم اہلِ شام و عرب کے لیے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کے لیے پیغامِ ہدایت لے کر آئے پس ان سب سے اشرف وارفع وہ رسول ہیں جو کافہ خلق اسود و احمر۔ عرب و عجم اور انس و جن کے ہادی بن کر آئے وہ کون! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: کہ میں نے یقین کے ساتھ معلوم کیا ہے کہ تمہارے پیٹ میں کوئی بڑے درجہ کا انسان ہے جو اولوالعزم ہے اور باخبر رسول ہے۔

چوں برابر اوفتادم باتو من　　کرد سجدہ حملِ من اے ذوالفطن

لغات: ذوالفطن فطن بفتحِ فاؔ و طاء بمعنی دانائی۔ ذوالفطن دانائی والا چونکہ یہ لفظ حضرت مریمؑ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس

حاشیہ: حضرت مریم علیہا السلام

حاشیہ: تذکرہ اولوالعزم

لیے بصیغہ تانیث ذات فطن چاہیے مگر فارسی میں عربی الفاظ بلا رعایت تذکیر و تانیث استعمال ہو جاتے ہیں۔
ترجمہ: اے عاقلہ (بہن) جب میں تمہارے برابر واقع ہوئی تو میرے حمل (کے بچے) نے (اس کو) سجدہ کیا۔

ایں جنیں مرآں جنیں را سجدہ کرد　　کز سجودش درتنم افتاد درد

ترجمہ: اس پیٹ کے بچے نے اس پیٹ کے بچے کو سجدہ کیا حتیٰ کہ اس کے سجدہ کرنے سے میرے بدن میں درد ہو گیا۔

گفت مریم من درونِ خویش ہم　　سجدۂ دیدم زِ طفلم در شکم

ترجمہ: (تو) مریم علیہا السلام نے کہا میں نے بھی اپنے اندر اپنے بچے کا پیٹ میں سجدہ کرنا محسوس کیا۔
مطلب: اس قصہ کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ اوپر جو کہا تھا۔

چوں پیمبر از بروں بانگے زند　　جانِ امت دردروں سجدہ کند

تو اس سے سجدۂ حقیقی مراد نہیں کیونکہ وہ غیر خدا کے لیے ناروا ہے بلکہ اس سے اطاعت و انقیاد مراد ہے جس کا اظہار سرِ تسلیم خم کر دینے سے ہوتا ہے اسی کو سجدہ کہا ہے۔ اسی کی تائید میں یہ حکایت ارشاد فرمائی ہے کہ ان ہر دو حضرات کا ایک دوسرے کے لیے سجدہ کرنا بھی تو مروی ہے حالانکہ اس سے سجدہ بمعنی حقیقی مراد ہو تو لازم آئے کہ ساجد مسجود اور مسجود ساجد ہو، حالانکہ یہ ناممکن ہے مسجود حق ہوتا ہے یا جس کو غلطی سے حق سمجھ لیا جائے مگر وہ ساجد نہیں ہو سکتا اور ساجد بندہ ہوتا ہے وہ مسجود نہیں ہو سکتا پس اس سے ثابت ہے کہ وہ سجدہ بمعنی سرِ تسلیم خم کردن تھا یعنی دونوں حضرات ایک دوسرے کے منصبِ پیغمبری کو محسوس کر کے باہم تعظیم بجا لائے اور ایک دوسرے کو مطاع اور واجب الانقیاد تسلیم کیا مگر اس حکایت پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کا زمانۂ حمل ایک نہیں تھا۔ حضرت مریمؑ ابھی کم عمر ہی تھیں کہ ان کے پاس غیب سے میوے پہنچنے کی کرامت دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے گھر بچہ پیدا ہونے کی آرزو ہوئی چنانچہ حضرت یحییٰؑ پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا زمانہ ابھی دور پڑا تھا۔ صاحبِ کلید فرماتے ہیں کہ اس قصے کی صحت پر اڑنے کی ضرورت نہیں یہ قصہ غلط سہی مگر اس کا نتیجہ اور مقصد تو صحیح ہے جو یہ ہے کہ جب نبی ایک دوسرے کی اطاعت کا عہد کرتے ہیں تو ہم تم کو بطریق اولیٰ کرنا ضروری ہے۔ آگے مولانا جاہل معترضوں کا اس قصہ پر ایک اور اعتراض نقل کر کے بڑے جوش و خروش سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہ اعتراض مذکورہ بالا شبہ سے جداگانہ ہے۔

اشکال آوردنِ ناداناں بریں قصّہ و جوابِ ایشان

بعض نادان لوگوں کا اس قصہ پر اعتراض کرنا اور ان کا جواب

ابلہاں گویند ایں افسانہ را　　خط بکش زیرا دروغ ست و خطا

ترجمہ: بے وقوف لوگ کہتے ہیں کہ اس قصے پر خط کھینچ کر اسے کاٹ دو کیونکہ یہ جھوٹ اور غلط ہے۔

زانکہ مریم وقتِ وضعِ حملِ خویش　　بُود از بیگانہ دُور وہم ز خویش

ترجمہ: کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے وضع حمل کے وقت بیگانہ (لوگوں) سے دور تھیں اور اقربا سے بھی۔
مطلب: چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۔ "اس پر مریم کو (آپ سے آپ بیٹے کا حمل رہ گیا اور وہ حمل لے کر کہیں الگ دور کے مکان میں ہو بیٹھیں"۔ (مریم ع ۲)

دو اہلِ دل کا صدہا میل کے فاصلے سے باہم ملاقات اور گفتگو کرنے کا امکان

مریم اندر حمل جفتِ کس نشد　　از برونِ شہرِ اُو واپس نشد

ترجمہ: حضرت مریم علیہا السلام نے (ایامِ) حمل میں کسی سے ملاقات نہیں کی بیرونِ شہر سے وہ واپس (شہر میں) نہیں آئیں۔

از برونِ شہر آں شیریں فسوں　　تانشد فارغ نیامد ہم دروں

ترجمہ: وہ شیریں دم جب تک (وضعِ حمل سے) فارغ نہ ہوئیں بیرونِ شہر سے (شہر کے) اندر نہیں آئیں۔

چُوں بزائید انگہانش بر کنار　　بر گرِفت و بُردتا پیشِ تبار

لغات: کنار گود، تبار۔ کنبہ، خاندان۔

ترجمہ: جب (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) جن لیا تب انہیں گود میں اٹھا کر (اپنے) کنبے کے سامنے لے گئیں۔

مطلب: چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ط پھر مریم لڑکے کو گود میں لیے اپنی قوم کے پاس لائیں''۔ (مریم ع ۲)

مادرِ یحیٰیؑ کجا دیدش کہ تا　　گوید اورا ایں سُخن در ماجرا

ترجمہ: (پس) حضرت یحیٰی علیہ السلام کی ماں نے ان کو کب دیکھا؟ حتیٰ کہ وہ ان سے یہ بات (اثنائے) واقعہ میں کہتیں (یہ تو تھا اعتراض آگے جواب سنو):

ایں بداند آنکہ اہلِ خاطرست　　غائبِ آفاق اورا حاضرست

ترجمہ: اس (واقعہ کی حقیقت) کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اہلِ دل ہو۔عالم بھر کے (امورِ) غائب اس کے سامنے (اور زیرِ نظر) ہوں۔

پیشِ مریم حاضر آمد در نظر　　مادرِ یحیٰیؑ کہ دُورست از بصر

ترجمہ: (کیا بعید ہے کہ) حضرت یحیٰیؑ کی والدہ نظر (باطن) میں حضرت مریم کے سامنے آگئی ہوں جو اگرچہ ظاہری بینائی (میں ان) سے دور ہیں۔

مطلب: یہ پہلا جواب ہے یعنی ممکن ہے کہ انہوں نے آپس میں روحانی سلسلے سے گفتگو کر لی ہوگی اور باہم کشف سے آمنا سامنا ہو گیا ہو، جس طرح جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدہا میل کے فاصلے سے نجاشی شاہِ حبشہ کی وفات کا حال معلوم ہوا اور پھر آپؐ نے مدینے ہی میں ان کی نماز جنازہ پڑھی جس کے متعلق احناف کا قیاس ہے کہ جنازہ اس فاصلۂ بعید سے آپؐ کی نظر کے سامنے تھا اور ساریہ افسرِ فوج نے ایران کے میدانِ جنگ میں ہزار ہا میل سے حضرت عمرؓ کی یہ آواز سنی کہ اے ساریہ پہاڑ کا خیال رکھو جب کہ حضرت عمرؓ مدینے میں مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے اور جنگ اور جنگ کا منظر ان کی نظر کے سامنے تھا پہاڑ کی طرف سے دشمن کا خطرہ محسوس کر کے بیساختہ آپ کی زبان سے یہ کلمات نکل گئے اور ساریہ نے اتنی دور سے سُنے۔ آگے مولانا خود اس کی دلیل پیش کرتے ہیں:

دیدہ ہا بستہ بہ بیند دوست را　　چوں مشبک کردہ باشد پوست را

لغات: مشبک چھلنی، جالی دہ چیز جس میں بکثرت سوراخ ہوں۔

ترجمہ: (ایک دوست اپنے) دوست کو آنکھیں بند کر کے بھی دیکھ سکتا ہے جب کہ اس نے اپنے چمڑے کو ریاضات سے

چھلنی بنا لیا ہو۔

مطلب: مسافت کی دوری مانعِ دید ہے مگر اہل اللہ کے لیے نہیں بلکہ ان میں وہ طاقت ہے کہ اگر وہ آلۂ دید یعنی آنکھ کو بند کر لیں تو بھی دوست کا دیدار کر لیتے ہیں مگر اس کے لیے ریاضات و مجاہدات سے بصیرتِ باطن اور انوارِ قلب کا پیدا کر لینا شرط ہے۔ پھر چشمِ باطن کے ہوتے ان کے چشم سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ صائبؒ ؎

بنورِ شمع حاجت نیست چوں خورشید طالع شد　　دل بینا چو داری دیدۂ بینا چہ مے خواہی

اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں پر چھلنی رکھ لے تو اگر چہ اس کا آلہ بصارت یعنی آنکھ ایک حائل کے ساتھ محجوب ہے لیکن اس کے سوراخوں میں سے وہ ہر شے کا بخوبی معائنہ کر رہا ہے بلکہ جن لوگوں کی آنکھ میں قریب نظری کا عارضہ ہوتا ہے وہ اس طریقہ پر دور کے فاصلہ کی چیز کو زیادہ صفائی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ یہی حال اہل اللہ کا ہے۔ وہ ریاضاتِ شاقہ سے اپنے کالبدِ عنصری کو چھلنی کر لیتے ہیں تو پھر ان کو سب دور و نزدیک بخوبی نظر آتا ہے۔ اس تمثیل میں ایک اور عجیب مناسبت ہے یعنی عابدِ مرتاض کے مشبک پوست کو جو چھلنی کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو پچھلے زمانے میں آٹا چھاننے کی چھلنی بھی سوراخ دار چمڑے کی ہوتی تھیں ہم بھی بعہدِ طفولیت گھروں میں وہ چھلنیاں دیکھا کرتے تھے اب تار وغیرہ کی نو ایجاد چھلنیوں نے ان کا نام ونشان باقی نہیں رہنے دیا جس طرح کانچ کے نو ایجاد آئینے نے آئینۂ فولاد کو صفحۂ دنیا سے نابود کر دیا اور اس کا صرف نام ہی نام زینتِ ادبیات فارسی رہ گیا اور آج آئینے کے ساتھ زنگ اور جوہر کے ذکر سے اس کا سراغ ملتا ہے۔

مولانا بحرالعلومؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب گو فی نفسہٖ صحیح ہے مگر یہاں یہ اسی صورت میں چسپاں ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کا زمانۂ حمل ایک ہو۔ ولیس کذلک حیا لانکہ ان میں نہ صرف بُعد مکانی تھا بلکہ بُعدِ زمانی بھی تھا اور یہ جواب صرف بعدِ مکانی کے اشکال کو دور کر سکتا ہے۔ البتہ ان کے نزدیک اگلا جواب ٹھیک ہے اور وہ یہ ہے کہ:

ور ندیدلش نز بُرون و نز درُوں　　از حکایت گیر معنی اے زبُوں

ترجمہ: اور اگر (بالفرض) ان کو دیکھا نہیں نہ ظاہراً اور نہ باطناً تو اے ضعیف الرائے تو حکایت سے نتیجہ اخذ کر لے۔ (اصل واقعہ سے تمہیں کیا پڑی۔)

مطلب: مثل مشہور ہے کہ آم کھانے سے غرض ہے نہ کہ آم کے درخت گننے سے اگر یہ قصہ صحیح نہیں تو نہ سہی اس کا نتیجہ تو صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل اللہ کا اتباع کرو اور قصہ کے غلط ہونے سے یہ نتیجہ تو غلط نہیں ہو سکتا چلو فیصلہ ہوا پس تم قصے کی صحت وسقم کی پروا نہ کرو بلکہ نتیجہ کو ملحوظ رکھو اور اس پر عمل کرو۔

نے چناں افسانہا بشنیدۂ؟　　ہمچو شیں بر نقشِ آں چفسیدۂ

لغات: نقش: نقشہ، نتیجہ، اثر۔ چفسیدن: چمٹنا، کسی بات پر جم جانا۔

ترجمہ: کیا تم نے ایسے قصے نہیں سنے (جو بالکل خلاف عقل وقیاس ہوں اور) کیا تم شین کی طرح اس کے نقش پر چپک نہیں گئے ہو۔

مطلب: شین کی طرح نقش پر چپک جانے کا مطلب یہ کہ جس طرح حرفِ شین کلمۂ نقش کے آخر میں اس طرح جما بیٹھا ہے کہ دور نہیں ہو سکتا اور اگر اس کو دور کر دیا جائے تو وہ کلمہ نقش نہیں رہے گا بلکہ نق بن جائے گا جس کے معنی نقش کے نہیں ہیں۔ اسی طرح تم بھی اس قسم کی حکایتوں کے نتائج کے بڑے گرویدہ و شائق ہو اور اس کو درسِ اخلاق کا ایک بہترین باب سمجھتے ہو۔

اسی طرح اس حکایت کو سمجھ لو۔

تا ہمیگفت آں کلیلہ بیزبان چوں سخن نو شد زدِمنہ بے بیان؟

لغات: کلیلہ دمنہ دو فرضی گیڈروں کے نام ہیں جن کا قصہ ایک کتاب میں درج ہے اور اس کتاب کا نام بھی کلیہ و دمنہ ہے یہ ہزاروں سال کی پرانی مقبولِ عام کتاب ہے جس کا ترجمہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے مفتاح العلوم جلد دوم میں اس کتاب کا تاریخی حال اور مفصل ذکر درج ہو چکا ہے اگلے ابیات میں اس قصے کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ: حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ وہ کلیلہ زبان کے بغیر یوں کہتا تھا (بھلا یہ تو بتائیے کہ پہلے) اس نے دمنہ سے بلا بیان کے بات سن ہی کس طرح لی۔ (کہ اس کے جواب میں کچھ کہنے کی نوبت بھی آ گئی)۔

ور بدانستند لحنِ ہمد گر فہمِ آں چوں کرد بے نُطقے بشر

لغات: لحن آواز، بات کلام، طرزِ ادا نطق گویائی، طاقتِ کلام۔

ترجمہ: اور اگر (یہ مان بھی لیا جائے کہ) وہ (دونوں) ایک دوسرے کی آواز سمجھتے تھے (تو پھر قصہ گو) انسان نے انسان کی سمجھ میں آنے والی) گویائی کے بغیر اس کو کیونکر سمجھ لیا۔

درمیانِ شیر و گاو آں دمنہ چوں شد رسُول و خواند بر ہر دو فسوں

ترجمہ: (ذرا سوچو تو سہی کہ) شیر اور بیل کے درمیان وہ (گیدڑ جس کا نام) دمنہ (تھا) کیونکر قاصد بن گیا اور اس نے ان دونوں کو دھوکا دے دیا (شیر، بیل اور گیدڑ میں کیا تعلق)۔

چوں وزیرِ شیر شُد گاوِ نبیل چوں زعکسِ ماہ ترساں گشت پیل

لغات: نبیل موٹا، بزرگ، دانا، شریف۔

ترجمہ: (بھلا) ایک موٹا بیل شیر کا وزیر کیونکر ہو گیا؟ ہاتھی چاند کے عکس سے کیونکر ڈر گیا؟

مطلب: ہاتھی کے عکسِ ماہ سے ڈرنے کا قصہ بھی اس کتاب میں ہے۔ مولانا یہاں ایسے نظائر کا ذکر فرما رہے ہیں جن کا وقوع عقلاً مستبعد ہے مگر کسی حیوان کا عکسِ ماہ سے ڈرنا مستبعد نہیں ہاں قصہ کی جو صورت واقع ہوئی ہے وہ مستبعد و محال ہے یعنی ایک ہاتھی کسی تالاب پر پانی پینے جایا کرتا تھا پاس کسی خرگوش کا گھر تھا ہاتھی کی آمد رفت سے خرگوش کو تکلیف پہنچتی تھی اس نے ہاتھی کی اس اذیت کو دفع کرنے کی یہ تدبیر کی کہ ایک رات اس کو تالاب کے پانی میں چاند کا عکس دکھا کر کہا یہ خدا ہے ہاتھی اس کو سلام کرنے کے لیے آگے بڑھا اور پانی میں پاؤں رکھا تو پانی کی حرکت سے چاند کا عکس بھی متحرک ہوا ہاتھی اس کیفیت سے ذرا جھجکا تو خرگوش بولا اے ہے کیا غضب کرتے ہو تم نے آگے بڑھ کر اور پانی میں پاؤں رکھ کر بے ادبی کر دی۔ اس لیے حضور ناراض ہو رہے ہیں آیندہ پھر کبھی تالاب میں پاؤں نہ رکھنا بلکہ یہاں آنا ہی مناسب نہیں دور ہی دور سے سلام کافی ہے۔

ایں کلیلہ و دمنہ جملہ افترے ست ورنہ کے بازاغ لکلک را مرے ست

لغات: افترے امالہ ہے افتراء کا بمعنی بہتان و تہمت و کذب مِرے کا لفظ مثنوی میں بکثرت استعمال ہوا ہے غیاث میں برہان وغیرہ کی شہادت سے اس کو فارسی کلمہ قرار دیا ہے۔ بمعنی ستیزہ و مقابلہ و برابری مگر کیا بعید ہے کہ یہ بھی مراد کلمہ عربی کا امالہ ہو کہ اس کے معنی بھی ستیزہ و مقابلہ کے ہیں یا ممکن ہے کہ دونوں زبانوں میں یہ کلمے اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہوں اور لفظ و معنی کا

توارد اتفاقاً ہو گیا ہو برتقدیرِ امالہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں مصرعوں میں بلا امالہ یعنی افترا و مرا کافیہ بھی درست بلکہ اولیٰ تھا مگر چونکہ مرے بامالہ استعمال کرنا ہی مولانا کی عادت میں داخل ہے اس لیے افتراء کا امالہ بھی کر لیا گیا۔ لکل ایک آبی پرندہ کا نام ہے۔

ترجمہ: یہ کلیلہ اور دمنہ (کا قصہ) سارے کا سارا جھوٹا ہے۔ ورنہ کوّے کے ساتھ لکلک کو کیا بحث؟ (جن کا قصہ اسی کتاب میں درج ہے)۔

مطلب: مگر یہ قصہ باوجود جھوٹا ہونے کے اس قدر مقبول ہے کہ ہزاروں سال سے مشہور چلا آتا ہے اور دنیا کی بیسیوں زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا۔ یورپ کی سب سے زیادہ عقل مند کہلانے والی قوموں نے بھی کمال قدر دانی سے اس جھوٹے قصے کا ترجمہ اپنی زبانوں میں کر ڈالا تو اس کی وجہ کیا تھی اس کا اعلیٰ درجہ کا سبق آموز نتیجہ اور عبرت خیز مطلب اس کا مفید مطلب و نتیجہ ہی اس کی شہرت و مقبولیت کا باعث ہوا اور اس کا جھوٹا ہونا اس میں مزاحم نہیں ہوسکا۔ اس طرح تم اس قصہ کے نتیجہ سے سروکار رکھو اس کے جھوٹ یا سچ ہونے سے کیا غرض؟

اے برادر قصہ چوں پیمانہ ایست   معنے اندروے بسانِ دانہ ایست

لغات: پیمانہ۔ جام شراب ناپنے کا آلہ۔ اناج ناپنے کا برتن جس کو پنجابی میں ٹوپا[1] کہتے ہیں یہاں وہی مراد ہے۔ بسان، مثل مانند۔

ترجمہ: اے بھائی! قصہ تو گویا (اناج کا) پیمانہ ہے اور معنی اس کے اندر گویا دانہ (اناج) ہیں۔

دانۂ معنی بگیرد مردِ عقل   ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل

ترجمہ: عقل مند آدمی معنوں کا اناج لے لیتا ہے پیمانہ کو نہیں دیکھتا اگرچہ ادھر سے ادھر ہوتا رہے ہوا کرے اس کو تو غلہ سے سروکار ہے۔

سخن کردن بزبانِ حال و فہم کردنِ آں

زبانِ حال سے بات چیت کرنا اور اس کا سمجھنا

ماجرائے بلبل و گل گوش دار   گرچہ گفتے نیست اینجا آشکار

لغات: ماجرا قصہ، واقعہ۔ گفتے بیائے مجہول ہیچ گفتارے کوئی بات چیت۔

ترجمہ: (اور لیجئے) بلبل اور پھول کا قصہ سنیے۔ اگرچہ کوئی بات چیت یہاں نمایاں نہیں۔

ماجرائے شمع با پروانہ تو   بشنو و معنی گزیں ز افسانہ تو

ترجمہ: (اسی طرح) شمع کا واقعہ پروانہ کے ساتھ سن لو اور قصے سے نتیجہ اخذ کرو۔

مطلب: حیوانات کے قصے تو کسی نہ کسی وجہ سے صدق کا احتمال بھی رکھتے ہیں کہ شاید وہ اپنی حیوانی زبان میں بات چیت کر لیتے ہوں مگر جو قصے غیر ذی روح چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں وہاں یہ بات بھی نہیں جیسے گل و بلبل کا معاملہ اور شمع و پروانہ کا مکالمہ جو شاعروں نے بڑے شدومد سے لکھا ہے۔ خیال کیجئے کہ بلبل کا پھول پر عاشق ہونا کس نے دیکھا ہے اور اس کا پھول کی بے وفائی کے بارے میں شکوہ سنج ہونا اور نالہ وفغاں کرنا کس نے سمجھا ہے۔ پروانہ کا شمع پر فریفتہ ہونا کیونکر ثابت ہوا اور یہ کس طرح معلوم ہوا کہ اس کا شمع کے شعلہ سے لپٹنا اس پر نثار ہونے کی غرض سے ہے، حالانکہ عقل سے یہ بات قیاس میں آتی ہے

[1] ٹوپا۔ چونکہ اس کی شکل ٹوپی کی طرح ہو[illegible]

گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے معاملات کی اصلیت

کہ موسمِ بہار میں جب باغ و بوستاں پر رونق ہوتی ہے تو بلبل پر بھی اس پُر بہار کیفیت سے مستی چھا جاتی ہے اور وہ شدت طرب سے کبھی اس درخت پر اور کبھی اس پیڑ پر جا بیٹھتی ہے اور اپنی بولی میں خوشی سے گیت گاتی پھرتی ہے۔ (بلبل کے لیے تذکیر و تانیث دونوں جائز ہیں۔ میں تانیث اختیار کرتا ہوں) پس اصلیت صرف اتنی ہے باقی اس کو پھول کا عاشق ٹھہرانا اور پھول کی بے وفائی کا گلہ گزار یا اس کی جدائی پر سوگوار قرار دینا محض تخیل و افتراض ہے اور دراصل عاشق مزاج لوگ بلبل کے بہانہ سے خود اپنے حالات کا اظہار کرتے ہیں۔ پروانے کے متعلق قیاسِ صحیح یہ ہے کہ رات کی تاریکی سے پروانے گھبراتے ہیں جب چراغ میں بتی پڑتی ہے تو گھروں کے کونوں کھدروں سے یہ پروانے اور نہ صرف پروانے بلکہ اور بھی بیسیوں قسم کے پردار کیڑے نکل کر اس پر ہجوم کرتے ہیں وہ چراغ کے شعلہ کو روشنی کا دریچہ سمجھ کر اس میں کود کود پڑتے ہیں تاکہ اس سے پار روشنی کی طرف نکل جائیں۔ اس کی ایک اور شہادت لیجئے چراغ یا شمع کے پاس کوئی اور روشن چیز رکھی ہو جو چراغ کی شعاع سے درخشاں ہوں تو پروانے اس سے بھی ٹکرانے لگیں گے چراغ کے پاس کوئی سفید جامہ آدمی بیٹھا ہو تو وہ بھی خصوصیت کے ساتھ پروانوں کی جست و خیز کا زیادہ نشانہ بنے گا بس بات صرف اتنی ہے باقی شمع کو معشوقہ اور پروانہ کو عاشق بنا کر اس پر نثار کرنا اور اس کو عشق کی آگ میں جلانا محض شاعرانہ دماغ سوزی ہے اور دراصل خود اپنے اظہارِ عشق کا ایک پُر لطف پیرایہ ہے۔ کما قیل۔

چو اہل دل زعشق افسانہ گویند　　حدیثِ بلبل و پروانہ گویند

پس قصے خواہ ممکن الوقوع ہوں یا غیر ممکن الوقوع اس سے غرض نہیں بلکہ ان سے جو سبق ملتا ہے جو نتیجہ نکلتا ہے اور جو غرض پیشِ نظر ہے اس کو دیکھو مولانا اسمٰعیل میرٹھیؒ۔

ساغر زریں ہو یا مٹی کا ہو اک ٹھیکرا　　تو نظر کر اس میں جو کچھ اس کے اندر ہو بھرا

گرچہ گفتے نیست سرِّ گفت ہست　　ہیں ببالا پَر مپر چُوں چغد پست

ترجمہ: اگرچہ یہاں گفتار (نہیں مگر) گفتار کی حقیقت تو ہے ہاں تم (معانی و مطالب کی) بلندی کی جانب پرواز کرو الو کی طرح (لفظ پرستی کی) پستی میں نہ اڑو۔

گفت در شطرنج کاں خانہ رُخ ست　　گفت خانہ اش از کجا آمد بدست

ترجمہ: (جیسے کسی نے) شطرنج میں کہا وہ رخ کا گھر ہے (دوسرا) بولا اس کو گھر کہاں سے مل گیا؟

خانہ را بخرید یا میراث یافت　　فرخ آنکس کو سُوئے معنی شتافت

ترجمہ: اس نے (اس) گھر کو خریدا ہے یا ورثہ (میں) پایا ہے۔ (غرض وہ اس فضول لفظی جھگڑے میں پڑا ہے مگر) مبارک ہے وہ شخص جو (لفظی جھگڑے سے نکل کر) معنی کی طرف جائے۔

گفت نحوی زَیْدٌ عَمْرًا قَدْ ضَرَب　　گفتِ چُونش کرد بے جرمے ادب

لغات: نحوی علمِ نحو سے منسوب۔ نحو کا ماہر یا عالم یا متعلم ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا زید نے عمر کو مارا علمِ نحو کی کتابوں میں فعل فاعل اور مفعول کی مثال کے لیے یہ جملہ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور عربی زبان میں عام فرضی اشخاص کے لیے بھی زید و عمروؔ کے نام زیادہ مستعمل ہیں یہی نام علمِ نحو والوں نے اختیار کر لیے اور ہمیشہ زید کو ضرب کا فاعل اور عمرو کو مفعول کی شکل میں دکھاتے ہیں ادب کردن۔ سزا دینا گوشمالی کرنا مار پیٹ کرنا۔

ترجمہ: (ایک اور کہانی یاد آ گئی) علم نحو کے (کسی) استاد نے شاگرد کو سبق پڑھاتے ہوئے کہا (پڑھو) قَدْ ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا تو (شاگرد) بولا اس نے اسے بے گناہ کیوں مارا؟

عمرو را جرمش چہ بُد کاں زید خام　　　بیگناہ او را بزد ہمچوں غلام

ترجمہ: عمرو سے اس کا کونسا قصور ہوا جو اس نالائق زید نے بے گناہ اس کو غلام کی طرح مارا۔

مطلب: غلام کو بے گناہ مارنے کے ساتھ تشبیہ اس کے جواز میں نہیں بلکہ اس کے رواج میں دی ہے اور شرعاً و اخلاقاً بے گناہ مارنا کسی کو بھی جائز نہیں حُر ہو یا غلام انسان ہو یا حیوان بلکہ شریعت نے غلاموں لونڈیوں کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے برابر رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ جناب رسول کریم ﷺ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے، انھم اخوانکم جعلھم اللّٰہ تحت ایدیکم اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون ولا تعذبوا عباد اللّٰہ یعنی یہ تمہارے بھائی بہنیں ہیں اللہ نے ان کو تمہارے قبضہ میں دیا ہے ان کو وہی کھانا دو جو تم کھاتے ہو وہی کپڑا پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور اے اللہ کے بندو ان کو مارو نہیں۔ (جوہرہ نیّرہ) لونڈی غلام کے حق میں شرع اور شارع علیہ السلام کی طرف سے رعایت حق کی تاکید اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر دمِ آخر بس میں یہ الفاظ تھے کہ الصلاۃ الصلاۃ وما ملکت ایمانکم یعنی نماز کا خیال رکھنا اور اپنے لونڈی غلاموں کا بھی ہاں جاہل اور بے رحم لوگوں میں ان غریب بندوں کے بے گناہ مارنے پیٹنے کا بہت رواج تھا اور اب بھی ہوگا اس رواج کی بنا پر کہا ہے "بے گناہ او را بزد ہمچوں غلام" اس کی وجہ یہ کہ اس قسم کی مار کے مانع دو ہوتے ہیں یا تو شفقت یا خوف چنانچہ اپنے اولاد کے حق میں تو شفقت اسی مار سے مانع ہوتی ہے اور شاگرد و خادم کے حق میں اس کے اولیا کی باز پرس کا خوف مانع ہوتا ہے اور لونڈی غلام کے لیے یہ دونوں مانع نہیں ہیں۔

گفت ایں پیمانۂ معنی بود　　　گندمش بستاں کہ پیمانہ است رَد

ترجمہ: (استاد نے ہنس کر کہا) بھائی یہ (الفاظ) تو ایک (خاص) مطلب کا پیمانہ (یعنی مثال) ہیں تم اس (مطلب) کے گیہوں لے لو کیونکہ پیمانہ غیر مقصود ہے۔

عمرو و زید از بہرِ اعراب ست و ساز　　　گر دروغ است آں تو با اعراب ساز

لغات: اعراب اصطلاحِ نحو میں عربی کلمات کے آخری حرف کی حرکات کو کہتے ہیں ساز پہلے مصرعہ میں حاصل مصدر ہے بمعنی شناخت، بناوٹ۔ دوسرے مصرعہ میں صیغۂ امر ہے بمعنی موافق باش، قبول کن۔

ترجمہ: (ارے احمق) عمرو زید تو (کلمات کے) اعراب (بتانے) اور (جملہ کی) بناوٹ (دکھانے) کے لیے (مذکور) ہیں اگر ان کی مار پیٹ کا قصہ جھوٹ (بھی) ہو (تو ہوا کرے) تم اعراب (کے نحوی طریقہ) کو قبول کرو۔

گفت نے من آں ندانم عمرو را　　　زید چوں زد بے گناہ و بے خطا

ترجمہ: (شاگرد بھی کوئی ازبک ہی تھا) بولا نا (صاحب) میں تو یہ نہیں سمجھتا۔ (پہلے یہ بتائیے کہ) عمرو کو زید نے بے گناہ بے تقصیر مارا کیوں؟

گفت او ناچار ولاغے بر کشود　　　عمرو یک واوِ فزوں دُزدیدہ بود

لغات: لاغ ہزل، ظرافت، مسخری، دل لگی لطیفہ واو فزوں واؤ کا حرف استحقاق سے زیادہ عربی میں دو نام صورۃً ملتے جلتے

عمر اور عمرو کے ناموں کی تحقیق

تھے ایک عُمَر بضم عین و فتح میم بروزن گذر جو خلیفہ ثانی عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام ہے دوسرا بفتح عین و سکونِ میم بروزن امر۔ یہ بھی کئی صحابہ کا نام ہے۔ مثلاً عمرو بن العاصؓ فاتح مصر عمرو بن الحارثؓ ام المومنین جویریہؓ کے بھائی اور عمرو بن قیسؓ نابینا صحابی جو ابنِ ام مکتوم کے نام سے مشہور تھے اور ظاہر نہ ہوسکتا تھا کہ کونسا نام لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اہل قلم نے اس نام کے آگے جو بروزن امر ہے ایک واوٗ زائد بطور علامت لکھنی مقرر کر لی جو پڑھنے میں نہیں آتی صرف یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ نام بروزنِ امر ہے نہ کہ بروزنِ گذر۔

ترجمہ: ناچار اس (استاد) نے ایک دل لگی کی بات پیدا کی اور کہا (اصل معاملہ یہ تھا کہ) عمرو نے ایک زائد واوٗ چرالی تھی (جس کو وہ اپنے سامنے رکھے پھرتا ہے)۔

زید واقف گشت دزدش رابزد　　　چونکہ از حد بُردحدش مے سزد

صنائع: کلمہ حد میں صنعتِ تجنیسِ تام ہے۔ پہلا کلمہ بمعنی خط فاصل دوسرا بمعنی سزائے شرعی۔

مطلب: زید کو اپنا چور معلوم ہوگیا اسے سزا دی چونکہ اس نے (اپنی) حد (استحقاق) سے زیادتی کی تھی اس لیے اس کی سزا مناسب تھی۔

گفت اینک راست پذرفتم بجاں　　　کژ نماید راست در پیشِ کژاں

ترجمہ: (شاگرد) بولا دیکھو تو (کیا) ٹھیک بات (ہے جس کو) میں دل سے مانتا ہوں (کیوں نہیں) ٹیڑھی بات ٹیڑھے لوگوں کو ٹھیک (ہی) نظر آیا کرتی ہے۔

پذیرا آمدن سخنِ باطل در دلِ باطلاں

فضول لوگوں کے دل کو فضول بات پسند آنا

گر بگوئی اَحْولے را مَہ یکے ست　　　گویدست ایدوست در وحدت شکے ست

ترجمہ: اگر تم کسی بھینگے سے کہو کہ چاند ایک ہے تو وہ تم سے کہے گا اے دوست (چاند کے) ایک ہونے میں تو شک ہے۔

وربدو خندد کسے گوید دواست　　　راست دارد ایں سزائے بدخُواست

ترجمہ: اور اگر (کوئی دوسرا شخص) اس سے ہنسی (اور دل لگی) کرے (اور) کہے (چاند) دو ہیں تو وہ (اس کی) تصدیق کرے گا (ہاں) بدخصلت کی سزا یہی ہے (کہ وہ غلط فہمی میں رہے) حافظؒ

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی　　　بگذار تا بمیرد در رنجِ خود پرستی

بردروغاں جمع مے آید دروغ　　　لِلْخَبِيْثَاتِ الْخَبِيْثُوْنَ زد فروغ

ترجمہ: جھوٹے لوگوں کے ساتھ جھوٹ جمع ہوتا ہے چنانچہ الخبیثون للخبیثات (کا فرمان قرآن مجید میں) روشن ہو چکا ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں)۔

مطلب: یہ آیت زانیہ عورتوں اور زانی مردوں کے متعلق سورہ نور میں آئی ہے۔ پوری آیت مع ترجمہ کسی سابقہ جلد میں درج ہو چکی۔

ہر کہ اُوجنسِ دروغ ست اے پسر　　راست پیشِ او نباشد معتبر

ترجمہ: اے عزیز جو شخص جھوٹ (بولنے اور سننے والوں) کی جنس سے ہے اس کے نزدیک سچ قابلِ اعتبار نہیں۔

دلِ فراخاں رابود دستِ فراخ　　چشم کوراں راعثارِ سنگلاخ

لغات: دل فراخ فراخدل، دریا دل، سخی، کریم۔ عثار لغزش، ٹھوکر کھانا، پھسلنا۔ سنگلاخ پہاڑ۔

ترجمہ: فراخ دل لوگوں کا ہاتھ بھی فراخ ہوتا ہے آنکھ کے اندھوں کے لیے پہاڑ کی ٹھوکریں ہیں۔

مطلب: جیسی سرشت ویسے خصائل، جیسی نیت ویسی مراد، جیسی روح ویسے فرشتے۔ جامیؒ۔

زاہد بخلد مائل و عاشق بکوئے دوست　　بلبل بباغ و چغد بویرانہ میرود

ہر کرادندانِ صدقے رُستہ شد　　از دروغ و از خیانت رُستہ شد

ترجمہ: جس شخص کے (منہ میں) سچائی کے دانت نکل آئے وہ جھوٹ اور خیانت سے بچ گیا۔

مطلب: صدق وراستی کے لیے دانتوں کا استعارہ شاید اس لحاظ سے اختیار کیا گیا کہ دانتوں کے معاملہ میں بناوٹ اور ظاہر داری سے بہت کام لیا جاتا ہے دانت چہرے کی زینت ہیں اور جب بتقاضائے عمر اکھڑ جاتے ہیں تو اس زینت کو قائم رکھنے کے لیے مصنوعی دانت لگوائے جاتے ہیں جو ایک طرح کذب و دروغ ہی ہے اور مکر و دغا کے لیے تو یہ مثل اردو میں بکثرت بولی جاتی ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور اس لحاظ سے دندانِ صدق کا مطلب یہ کہ کھانا اور دکھانا یکساں ہو فریب و دغا ملحوظ نہ ہو غرض یہ کہ جو لوگ ظاہر بین ہوتے ہیں ان کو صرف الفاظ سے رغبت ہوتی ہے۔ وہ معانی کی طرف التفات نہیں کرتے جیسے کہ مذکورہ بالا قصہ کو سننے والے بول اٹھے کہ یہ تو غلط ہے اور اس کے معنی پر غور نہیں کیا ایسی ہی ایک اور حکایت ارشاد ہے:

جستن آں درخت کہ ہر کہ میوہ او خورد ہرگز نمیرد

(ایک شخص کا) اس درخت کو تلاش کرنا کہ جو کوئی اس کا میوہ کھائے ہرگز نہ مرے

گفت دانائے برائے داستان　　کہ درختے ہست در ہندوستان

ہر کسے از میوہٗ او خورد و بُرد　　نے شود او پیر و نے ہرگز بمُرد

ترجمہ: کسی دانا نے بطورِ تمثیل بیان کیا کہ ہندوستان میں ایسا درخت ہے کہ جو شخص اس کا پھل کھا لے اور کچھ پھر بھی کھانے کے لیے ساتھ لے جائے وہ ہرگز بڈھا نہ ہوگا۔

نکتہ: داستان کے معنی ظاہراً قصے کے بیان ہوتے ہیں مگر بہت سے قصے تمثیلاً بیان کئے جاتے ہیں لہٰذا ہم نے اس کے معنی مجازاً تمثیل کئے ہیں۔ بخیال تسمیۃ العلۃ باسم المعلول اور اس معنی کے اختیار کرنے کی وجہ اہلِ نظم کو قصے کے خاتمے پر معلوم ہوگی۔ عام مترجموں نے اس نکتہ کو ملحوظ نہیں رکھا۔

پادشاہے ایں شنید از صادقے　　بر درخت و میوہ اش شد عاشقے

ترجمہ: ایک بادشاہ نے یہ بات کسی راست گو آدمی سے سن لی (جس نے اس دانا سے سنی ہوگی) تو وہ اس درخت اور اس کے پھل پر عاشق ہوگیا۔

قاصدے دانا زِدیوانِ ادب سُوئے ہندوستاں رواں کرد از طلب

لغات: دیوان کچہری، مجلس، دفتر محکمہ ادب طور پسندیدہ، شائستگی تہذیب جس میں لباس و پوشش کی باقاعدگی صفائی بدن کی پابندی اور ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بالوں کی مناسب ساخت و پرداخت وغیرہ داخل ہے اس لحاظ سے دیوانِ ادب سے غالباً وہ صیغہ مراد ہوگا جس کے ملازموں کے ذمے بادشاہ کی اس قسم کی ذاتی ضروریات کا اہتمام و انتظام ہو۔

ترجمہ: دیوانِ ادب کے ملازموں میں سے ایک ہوشیار (و تجربہ کار ملازم کو بطور) قاصد اس کی تلاش کی غرض سے ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔

مطلب: اگر دیوانِ ادب کے وہی معنی صحیح ہوں جو ہمارے قیاس میں آئے ہیں تو چونکہ اس صیغے کا ملازم بادشاہ کی ذاتی و شخصی ضروریات کے راز دار ہوتے ہیں اس لیے ایسے کام کے لیے جس کا تعلق بادشاہ کی صحتِ جسم و زیادتی عمر کے ساتھ ہو اسی صیغہ کے کسی آدمی کو بھیجنا موزوں تھا بخلاف اس کے وزیرِ اعظم یا وزیرِ مال یا گنجور خزائن یا قائدِ افواج کو بھیجنا غیر موزوں بھی تھا اور ایک مضحکہ خیز چرچے کا باعث بھی۔

سالہا میگشت آں قاصد ازو گردِ ہندوستاں برائے جستجو

ترجمہ: وہ قاصد اس (بادشاہ کی طرف) سے (مامور ہو کر) برسوں ہندوستان کی اطراف میں تلاش کے لیے گھومتا پھرا۔

شہر شہر از بہرِ ایں مطلوب گشت نے جزیرہ ماند نے کوہ و نہ دشت

ترجمہ: وہ شہر بشہر اس مطلوب کے لیے پھرا نہ کوئی جزیرہ باقی رہا نہ پہاڑ اور نہ جنگل۔

ہر کرا پُرسید کردش ریشخند کایں نجوید جز مگر مجنونِ بند

لغات: ریشخند ہنسی اڑانا، تمسخر، استہزا مجنونِ بند۔ وہ دیوانہ جو مقید کرنے کے قابل ہو۔

ترجمہ: وہ جس سے پوچھتا (وہی اس پر ہنستا اور کہتا) کہ اس درخت کی تلاش تو وہی دیوانہ کرے گا جو قید کر دینے کے قابل ہو۔ یعنی انتہائی دیوانہ۔

بس کساں صفعش زدند اندر مزاح بس کساں گفتند کاے صاحب فلاح

جستجوئے چُوں تو زیرک سینہ صاف کے تہی ماند کجا باشد گزاف

لغات: صفع چپت، دھول دھپا، مزاح تمسخر، دل لگی۔ فلاح کامیابی۔ گزاف، فضول، لغو۔

ترجمہ: بہت سے لوگ تو ہنسی ہنسی میں اس کے چپت لگاتے (اور) بہت سے لوگ (استہزاءً) کہتے اے خوش نصیب آدمی! تم ایسے ہوشیار و روشن ضمیر کی کوشش (بھلا) کب خالی رہ سکتی ہے کہاں رائیگاں جا سکتی ہے۔

ویں مُرا عاتش یکے صفعے دِگر ویں زصفع آشکارا سخت تر

ترجمہ: اور اس کے ساتھ یہ ہمدردی ایک اور ہی قسم کی چھپی چپت تھی اور یہ (چپت) ظاہری چپت سے زیادہ سخت دل آزار تھی۔

مے ستو دندش تسخر کاے بزرگ در فلاں جابد درختے بس سُترگ

لغات: تسخر مخفف تمسخر سترگ اعلیٰ قسم کا، عمدہ، عظیم الشان۔

ترجمہ: وہ (مسخرے دل لگی سے اس کو بتاتے اور کہتے کہ جناب والا فلاں جگہ ایک نہایت عظیم الشان درخت تھا (اب اس کا پتا نہیں)۔

در فلاں بیشہ درختے ہست سبز   بس بلند و ہَول و ہر شاخیش گبز

لغات: ہول پر ہول، رعب انگیز، ہیبتناک۔گبز موٹی۔

ترجمہ: (مگر فلاں جنگل میں (اب بھی ایک ہرا بھرا درخت موجود ہے جو بڑا اونچا اور ہیبتناک ہے اور اس کا ہر ٹہنا نہایت موٹا ہے آپ وہاں ضرور پہنچیں۔)

قاصدِ شہ بستہ در جُستن کمر   مے شنید از ہر کسے نوعِ دِگر

ترجمہ: بادشاہ کا قاصد (بھی اس کے) ڈھونڈنے پر کمر بستہ ہو جاتا مگر مشکل یہ تھی کہ ٹھیک پتا نہ ملتا وہ ہر شخص سے (اس کی) جداگانہ تعریف سنتا تھا۔

بس سیاحت کرد آنجا سالہا   میفر ستادش شہنشہ مالہا

ترجمہ: وہ برسوں وہاں خوب سیاحی کرتا رہا بادشاہ بھی اس کے (سفر خرچ کے) لیے مال وزر بھیجتا رہا۔

چوں بسے دید اندراں غربت تعب   عاجز آمد آخر الامر از طلب

ترجمہ: جب اس نے اس مسافری میں بہت مشقت اٹھائی تو آخر کار جستجو سے عاجز آ گیا۔

ہیچ از مقصود اثر پیدا نشُد   زاں غرض غیرِ خبر پَیدا نشد

ترجمہ: مقصود کا کوئی سراغ نہ چلا (اور) اس مدعا سے (صرف زبانی) خبر کے سوا کچھ معلوم نہ ہوا۔

رشتۂ امیدِ او بگسستہ شُد   جُستۂ اوعاقبت ناجُستہ شد

ترجمہ: اس کی امید کا رشتہ ٹوٹ گیا اس کا تلاش کیا کرایا آخر کالعدم ہو گیا۔

کرد عزمِ بازگشتن پیشِ شاہ   اشک مے بارید و مے برّید راہ

ترجمہ: (ناچار) بادشاہ کے حضور میں واپس جانے کا قصد کیا وہ حسرت کے آنسو بہا رہا تھا اور راستہ طے کر رہا تھا۔

شرح کردنِ شیخ سرِّ آں درخت را باں طالبِ مقلّد

(ایک) بزرگ کا اس درخت کے راز کو اس تلاش کرنے والے سے بیان کرنا جو سنی سنائی بات کی لکیر کا فقیر تھا

بُود شیخے عالمے قُطبے کریم   اندراں منزل کہ آئس شد مقیم

لغات: کریم بزرگ آئس ناامید، مایوس

ترجمہ: (اثنائے سفر میں وہ) ناامید (قاصد) جس منزل میں ٹھہرا وہاں ایک بزرگ عالم قطب (زمانہ) اور کریم رہتا تھا۔

گفت من نومید پیشِ اورَوم   زآستانہ او براہ اندر شوم

ترجمہ: دل میں کہا کہ میں (ہر طرف سے) ناامید ہو کر اب ان بزرگ کے پاس جاؤں (شاید ان کے) آستانہ سے

(مجھے مطلوب کا سراغ مل جائے اور صحیح) راستہ چلنے لگوں۔

تا دعائے او بُوَد ہمراہِ من چونکہ نو میدم من از دلخواہِ من

ترجمہ: تا کہ ان کی دعا میری شاملِ حال ہو کیونکہ میں اپنے مقصد سے ناامید تو ہو ہی چکا ہوں۔

رفت پیشِ شیخ با چشمِ پُر آب اشک مے بارید مانندِ سحاب

ترجمہ: (چنانچہ) وہ آبدیدہ ہو کر شیخ کے پاس گیا (اور) آنکھوں سے بادل (کے مینہ کی طرح آنسو) برساتا تھا۔

گفت شیخا وقتِ رحم و رافت ست نا امیدم وقتِ لطف ایں ساعت ست

ترجمہ: (اور) عرض کیا یا حضرت! (یہ) رحم اور مہربانی کا وقت ہے میں ایک ناامید (بندہ) ہوں اب شفقت کا موقع ہے۔

گفت واگو کز چہ نومیدیستت چیست مطلوبِ تو رو با کیستت

ترجمہ: (شیخ نے) کہا بتاؤ تو سہی کس چیز سے ناامیدی ہے تمہارا مطلوب کیا ہے اور کس چیز کی طرف تمہارا روئے (توجہ) ہے۔

گفت شاہنشاہ کردم اختیار از برائے جُستنِ یک شاخسار

لغات: کردم بمعنی کرد مرا۔ میم ضمیر فاعل نہیں بلکہ مفعول ہے فاعل شاہنشاہ ہے۔

ترجمہ: (قاصد نے) کہا بادشاہ نے مجھے (ایک) شاخ کی تلاش کے لیے مقرر کیا ہے۔

کہ درختے ہست نادر در جہات میوۂ او مایۂ آبِ حیات

ترجمہ: کہ اطراف (زمین) میں ایک نادر درخت ہے اس کا میوہ آبِ حیات کا سامان ہے۔

سالہا جستم ندیدم زو نشان جز کہ طنز و تسخرِ ایں سرخوشاں

لغات: طنز طعنہ سرخوش مست، جس کا نشہ بدمستی کو نہ پہنچا ہو۔

ترجمہ: میں نے اس کو برسوں تلاش کیا (مگر) ان (ہلکو) مستوں کے طعنے اور تمسخر کے سوا اس کا کوئی نشان نہ پایا۔

شیخ خندید و بگفتش اے سلیم ایں درختِ علم باشد اے علیم

ترجمہ: شیخ (یہ سن کر) ہنس پڑے اور فرمایا ارے بھولے آدمی یہ درخت تو علم ہے اے دانا۔

نکتہ: (اب ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم نے داستان کا ترجمہ تمثیل کیوں کیا تھا یعنی اس دانا نے علم کو درخت بطور قصہ نہیں بلکہ بطور تمثیل کہا تھا۔

بس بلند و بس شگرف و بس بسیط آبِ حیوانے ز دریائے محیط

لغات: بسیط پھیلا ہوا آبِ حیواں آبِ حیات کا چشمہ۔ دریائے محیط کے معنی گھیرنے والا دریائے محیط وہ دریا جس نے تمام کرہ ارض کو گھیر رکھا ہے یعنی سمندر

ترجمہ: (وہ درخت) بڑا بلند (ہے) بڑا عجیب (ہے) بڑا پھیلاؤ والا (ہے حق تعالیٰ کے) دریائے محیط سے (نکلا ہوا) آبحیات کا چشمہ ہے۔

تو بصورت رفتۂ اے بے خبر		زاں زشاخِ معنیِ بے بارو بر

ترجمہ: اے بے خبر! (چونکہ) تم صورت کے پیچھے پڑ گئے اور اس کو ظاہری درخت سمجھا اس لیے شاخ معنی کے پھل میوے سے محروم رہ گئے (یعنی اس اشارہ کو نہ سمجھ سکے)۔

تو بصورت رفتۂ گم گشتۂ		زاں نمے یابی کہ معنی ہشتۂ

ترجمہ: چونکہ تم تو صورت کے پیچھے چل دیے (اور راہِ راست سے) بھٹک گئے اس لیے تم کو (وہ درخت) نہ ملا کیونکہ تم نے معنی کو چھوڑ دیا۔

گہ درختش نام شُد گہ آفتاب		گاہ بحرش نام شُد گاہے سحاب

ترجمہ: کبھی اس کا (یعنی علم کا) نام درخت قرار پایا (کیونکہ لوگ اس کے ثمرات سے فائدہ اٹھاتے ہیں) کبھی آفتاب (کہ اہل علم کے دلوں میں اس کا اجالا ہے) کبھی اس کا نام سمندر ٹھہرا (کہ کوئی اس کا کنارہ و ساحل نہیں) کبھی بادل (کہ اہل علم کو اس سے ابدی سرسبزی اور دائمی حیات حاصل ہوتی ہے)۔

آں یکے کش صد ہزار آثارِ خاست		کمترین آثارِ او عُمرِ بقاست

ترجمہ: (غرض) وہ ایک (ایسی چیز ہے) جس سے لاکھوں نتائج پیدا ہوتے ہیں اس کے نتائج سے (ایک) کم از کم نتیجہ ابدی زندگی ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق		ثبت ست بر جریدہ عالم دوامِ ما

گرچہ فرداست او اثر دارد ہزار		آں یکے را نام باشد بیشمار

ترجمہ: اگرچہ (وہ) اکیلی شے ہے (مگر) ہزاروں آثار رکھتی ہے (اور مختلف آثار کے لحاظ سے) اس ایک چیز کے نام (بھی مختلف اور) بے شمار ہیں ۔

آں یکے شخصے ترا باشد پدر		در حقِ شخصِ دگر باشد پسر

ترجمہ: (دیکھو وہی ایک شخص تمہارا باپ ہے اور دوسرے شخص کے لیے وہ فرزند ہوتا ہے یعنی اپنے باپ اور تمہارے دادا کے لیے)۔

در حقِ دیگر بود قہرو عدو		در حقِ آں دیگرے لُطفِ نکو

ترجمہ: دوسرے کے حق میں (سراپائے) قہر اور دشمن ہے اور اس دوسرے کے لیے اچھی مہربانی کا نمونہ ہے۔

در حقِ دیگر بود اُعم وخال		در حقِ دیگر کسے وہم و خیال

ترجمہ: دوسرے کے حق میں وہ چچا اور ماموں ہوتا ہے دوسرے شخص کے حق میں کچھ بھی نہیں صرف وہم و خیال۔

صد ہزاراں نام و آں یک آدمی		صاحب ہر وصفش از وصفے عمی

لغات: عمی بروزنِ غنی نابینا مراد بے خبر، ناواقف۔

ترجمہ: (غرض اس کے) نام لاکھوں ہیں اور وہ آدمی ایک ہے (اب دیکھیے کہ) ہر شخص جو اس کے (کسی) وصف خاص کو

جاننے والا (ہے وہ اس کے) دوسرے وصف سے بے خبر (ہوتا ہے)۔

مطلب: مثلاً زید کا بیٹا عمرو اور عمر کا بیٹا خالد ایک اجنبی آدمی عمرو سے ملنا چاہتا ہے اور وہ اس کو ابنِ زید کے نام سے جانتا ہے دوسرے شخص سے اس کا پتا پوچھتا ہے مگر اس نے عمر ابو خالد سنا ہوا ہے اب تلاش کرنے والا جو اس سے پوچھتا کہ ابن زید کا گھر کدھر ہے تو وہ نہیں بتا سکتا کیونکہ وہ ابن زید کو جانتا ہی نہیں وہ تو ابو خالد سے واقف ہے حالانکہ ابن زید ابو خالد ہی ہے اور کوئی نہیں اسی طرح اگر عمرو کے صدہا نام مختلف حیثیتوں سے مشہور ہوں اور سینکڑوں آدمی اس کے واقف ہوں مگر ان میں سے ہر شخص صرف ایک حیثیت سے اس کا صرف ایک نام جانتا ہو تو وہ سینکڑوں کے سینکڑوں اس کی تلاش میں ایک دوسرے کی رہنمائی نہیں کر سکتے ہاں اگر پوچھنے والا ناموں سے قطع نظر کر کے اس کی ذات وشخصیت کو مدنظر رکھ کر تلاش کرے اور بتانے والے بھی عمرو کو اس ذات وشخصیت سے خوب جانتے ہوں اور پوچھنے والے کے مدعا کو سمجھتے ہوں تو پھر پتا چل سکتا ہے اسی طرح علم کے مختلف حیثیتوں سے مختلف نام ہیں منجملہ ان کے کثرتِ اصول وفروع اور کثرتِ ثمرات کے لحاظ سے اس کو درخت بھی کہہ دیتے ہیں دوسری حیثیت سے آفتاب بھی، دریا بھی۔ تو ان ناموں کے مدعا ومقصد کو سمجھنا چاہیے اور تلاش کرتے وقت اس مدعا ومعنی کو مدنظر رکھ کر تلاش کرنی لازم ہے تو پھر علم کا کھوج مل سکتا ہے ورنہ اگر درخت کے صرف لفظ کو مطمحِ نظر بنا لیا اور لوگوں سے اس کا پتا پوچھتے پھرے تو کوئی بڑ کا پتہ بتائے گا کوئی پیپل کا کوئی نیم کا اور تمہاری اس تگ ودو کے بعد نتیجہ کیا ہوگا وہی ڈھاک کے تین پات اِس بات کو مولانا فرماتے ہیں:

ہر کہ جوید نام اگر صاحب ثقہ ست ہمچو تو نومید و اندر تفرقہ ست

ترجمہ: جو شخص تمہاری طرح صرف نام کی لکیر کا فقیر ہو (اور) نام (ہی کی بنا پر کسی چیز کی) تلاش کرے (وہ) گو کیسا ہی بھروسے کا آدمی ہو تمہاری طرح ناامید اور پریشانی میں (مبتلا رہتا) ہے۔

تو چہ برچسپی بریں نامِ درخت تا بمانی تلخ کام و شور بخت

ترجمہ: تم اس درخت کے نام پر کیا جمے بیٹھے ہو (اس کے معنی سمجھو) یاد رکھو (اگر اسی خیال میں رہے تو) نامراد وبدنصیب رہ جاؤ گے۔ سعدیؒ

چو بت پرست بصورت چناں سدی مشغول کہ دیگرت خبراز لذتِ معانی نیست

صُورتِ ظاہر چہ جوئی ایجواں! رَو معانی را طلب اے پہلواں

ترجمہ: اے جواں تو (مطلوبہ درخت کی) ظاہری صورت کو کیا ڈھونڈھتا ہے اے پہلوان جا (اس کے) معنی ومراد کو طلب کر۔

مطلب: تم تو یہ خیال کرتے ہوگے کہ وہ درخت ایک عظیم الشان و بلند بالا درخت ہوگا خدا جانے اس کے پتے اس کی شاخیں اس کے پھل کیسے خوبصورت ہوں گے اور قوتِ واہمہ نے نہ معلوم تمہارے تصور میں اس درخت کا کیا نقشہ جما رکھا ہوگا۔ مگر بندۂ خدا اتنا نہ سوچا کہ شاید اس سے بطور تشبیہ واستعارہ کچھ اور مراد ہو بس درخت ہی درخت کی تلاش میں روم وایران اور ہندوستان چھان مارا اور اس کے مطلب ومعنی کی پروا نہ کی جاؤ اس طرح کی لفظ پرستی کو چھوڑو اور معانی کی تلاش کرو۔ صائبؒ

ہر کہ قانع شد بوئے گل زگل در پردہ ماند بوئے پیراہن حجابِ یوسفِ سیمیں تن ست

فائدہ: درخت کا مذکورہ قصہ نوشیرواں اور حکیم بزرو کے قصے سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے جس کو فردوسی نے شاہنامے میں مفصل لکھا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حکیم بزرو نے نوشیرواں بادشاہِ ایران سے عرض کیا کہ میں نے ہندوستان کی تصانیف میں لکھا دیکھا

ہے کہ ہندوستان کے پہاڑ میں ایک ایسی چمکیلی بوٹی ہے کہ اگر اس کو مردے پر ڈالا جائے تو فوراً باتیں کرنے لگے نوشیرواں نے برزو سے کہا اگرچہ یہ بات ناممکن ہے مگر بطور آزمائش جانا اور اسے تلاش کرنا چاہیے حکیم برزو بادشاہ کا مراسلہ اور بہت سے تحائف لے کر ہندوستان گیا مہاراجہ قنوج کے پاس وہ خط پہنچایا راجہ نے کہا تمام پہاڑوں کے رشی آپ کی راہنمائی کے لیے حاضر ہیں اور میرا خزانہ مدد کے لیے موجود ہے جہاں سے وہ بوٹی آپ کو مل جائے آپ بخوشی لے جاسکتے ہیں۔ برزو نے پنڈتوں کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑوں کی بہت خاک چھانی مختلف اقسام کی خشک وتر بوٹیاں حاصل کیں۔ سب کو مُردوں پر ڈال کر دیکھا مگر خاک اثر نہ ہوا آخر پوچھا کہ کوئی سب سے بڑا رشی یہاں کہیں ہو تو مجھے اس کے پاس لے چلو۔ ایک نامی گرامی رشی کا پتا ملا۔ اس سے یہ قصہ عرض کیا تو اس نے بتایا بے شک کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے ہم بھی برسوں اُس بوٹی کی تلاش میں خبط رہے تھے، مگر آخر راز یہ معلوم ہوا کہ پہاڑ سے مراد علم ہے بوٹی عالم ہے اور مردہ بے علم آدمی مگر چونکہ عالم آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں اس لیے علم کا مستقل و پائدار مظہر کلیلہ ودمنہ کی کتاب ہے جو راجہ کے خزانہ میں محفوظ ومخفی ہے اگر تم اس کو حاصل کرسکو تو سمجھو یہ بوٹی وہی ہے۔ برزو نے راجہ سے عرض کیا راجہ نے اس اسراری کتاب کے افشا میں کچھ تامل کیا مگر پھر نوشیرواں کے لحاظ سے اتنا منظور کیا کہ تم اس کو ہمارے سامنے دیکھ لیا کرو مگر اس سے کچھ نقل کرنے یا کسی کو دکھانے کی اجازت نہیں۔ برزو نے یہ چالاکی کی کہ روزانہ ایک باب کا مطالعہ کرکے اس کو حفظ کر لیتا اور نوشیرواں کو لکھ بھیجتا اسی طرح جب سارا قصہ ایران پہنچ گیا تو یہاں سے مرخص ہو کر ایران جا پہنچا نوشیروان نے کہا واقعی مردہ کو زندہ کرنے والی یہی کتاب ہے۔ میری روح اس سے زندہ ہوگئی۔ فردوسی لکھتا ہے کہ حکیم بوزجمہر نے بادشاہ کے حکم سے اس کو پہلوی زبان میں لکھا۔ خلیفہ مامون کے زمانے میں اس کا عربی ترجمہ ہوا۔ نصر بن احمد سامانی نے اس کو عربی نسخہ سے پھر فارسی میں ترجمہ کرایا۔

صُورت وہیئات بُود چوں قشر و پوست معنی اندروے چو مغز اے یار دوست!

ترجمہ: اے یار دوست! صورت وشکل تو گویا چھلکا ہے اور پوست ہے (اور) اس کے اندر معنی گویا مغز ہیں اور مطلوب مغز ہوتا ہے نہ کہ چھلکا۔

تنگنائے شہر صورت نیست جائی جائے تو سوئے معنی روکہ ہست آں ملک را معنی فراخ

درگذر از نام و بنگر در صفات تا صِفاتت رہ نماید سُوئے ذات

ترجمہ: اسم سے ترقی کرکے صفات کو دیکھو (جو ان اسماء کے معانی ہیں) تاکہ صفات تم کو ذات کی طرف رہنمائی کریں۔

مطلب: اب مولانا فرماتے ہیں کہ اوپر کی تقریر سے تم کو معلوم ہوگیا کہ معانی کے مقابلے میں اسماء کوئی وقعت نہیں رکھتے لہٰذا تم اسماء میں نہ الجھے رہو بلکہ صفات کی طرف ترقی کرو جو ان اسماء کی معانی ہیں انہی سے ذات کا پتا ملے گا اور ذات ہی صفات کا معنی ہے۔

جماعتے کہ زساقی بجام صلح کنند بیک حباب زدریائے بیکراں سازند

گم شوی در ذات و آسائی زخود چشمِ تو یکرنگ بیند نیک و بد

ترجمہ: (پھر) تم ذات (حق کے مشاہدہ) میں مستغرق ہو جاؤ گے اور (اپنی) خودی سے چھوٹ جاؤ گے (اور غلبہ وحدت سے) تمہاری آنکھ نیک و بد (سب) کو یکرنگ دیکھے گی۔

مطلب: ظاہر پرستی اور صورت آشنائی چھوڑ کر معانی وحقائق کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ ذاتِ حق کی طرف رسائی ہو اور فنا کا درجہ حاصل ہو جائے مقصود یہ کہ تجلّیِ افعالی سے تجلّیِ صفاتی حاصل کرو اور پھر تجلّیِ صفاتی سے تجلّیِ ذاتی کے حصول کی کوشش کرو

جس کے بعد اپنی بھی خبر نہ رہے گی۔ حافظؒ

از غمِ خویش چناں شیفتہ کردی بازم کز خیالِ تو بخود بازنمے پردازم

اختلافِ خلق از نام اوفتاد چوں بمعنی رفت آرام اوفتاد

ترجمہ: مخلوق کا اختلاف نام ہی سے واقع ہوا ہے۔ ورنہ حقیقت ایک ہی ہے اورجب معنی کی طرف گئے تو چین پڑ گئی۔

مطلب: اختلاف اسماء اختلافِ حیثیات سے ہے مختلف اسماء کے پابند انہی حیثیات کے اختلاف میں سرگرداں رہتے ہیں اور کوئے وحدت میں جمع نہیں ہوسکتے جو مقامِ حقیقت پر لے جاتا ہے لیکن اگر وہ لوگ اس اختلافِ اسماء وحیثیات سے قطع نظر کر کے حقیقتِ واحدہ پر متوجہ ہو جائیں تو سارا نزاع وخلاف مرتفع ہو جائے۔ عراقیؒ

درتنگنائے وحدت کثرت چگونہ گنجد در عالمِ حقیقت بُطلاں چہ کار دارد

اندریں معنی مثالے خوش شنو تا نمانی تو اسامی را گرو

ترجمہ: اس بارے میں ایک عمدہ مثال سنو (اور عبرت حاصل کرو) تاکہ تم ناموں کے پابند نہ رہو۔

بیان منازعت کردنِ چہار کس جہتِ انگور باہمدگر بعلت آنکہ زبانِ یک دگر رانمے دانستند

چار شخصوں کے انگور کے لیے باہم جھگڑے کا بیان اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے تھے

چار کس را داد مردے یک درم ہر یکے ازشہر اُفتادہ بہم

ترجمہ: کسی (سخی) مرد نے چار (مسافر) آدمیوں کو ایک درم دیا (جن میں سے) ہر ایک کسی (جداگانہ) ملک سے (تھا اور اتفاقاً) اکٹھے ہو گئے تھے۔

فارسی و ترک و رُومی وعَرَب جُملہ باہم در نزاع و درغضب

ترجمہ: (یعنی ایک) فارس کا (تھا) وہ ایک ترک ایک رومی اور (ایک) عرب (اور) سب کے سب جھگڑے میں (مشغول) اور غصے میں لال ہو رہے تھے۔

مطلب: غصے اور جھگڑے کی وجہ یہ کہ درم ایک اور حصہ دار چار ایک کہتا ہوگا کہ میں اس کو لوں گا دوسرا کہتا ہوگا تم کون ہو لینے والے یہ میرا حق ہے اور کسی وجہ سے اس کی ریزگاری بھی نہ مل سکتی ہوگی کہ اس کو بانٹ لیں آخر ایرانی کو رفعِ نزاع کی ایک تدبیر سوجھی یہ لوگ سلجھی ہوئی طبیعت کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ:

فارسی گفتا ازیں چُوں وارہیم؟ ہیں! بیاایں را بانگوری دہیم

ترجمہ: ایرانی نے کہا اس جھگڑے سے ہماری نجات کیونکر ہو؟ ہاں! آؤ اس کو انگور فروش کے حوالے کر دیں اور انگور خرید کر ان کو بانٹ لیں۔

مطلب: میوہ فروش کی دکان سامنے ہی ہوگی ایرانی نے ہاتھ اور چہرے کے اشارہ سے یہ تو اپنے رفیقوں پر ظاہر کر دیا

ہوگا کہ اس درم کو اس دکاندار کے حوالے کر کے اس سے کچھ خرید لیں دکان دور ہونے کی وجہ سے انگور کی طرف اشارہ نہیں کر سکا ہوگا۔ اس کے سمجھنے کا مدار فارسی کے لفظ انگور کو سمجھنے پر تھا مگر فارسی سمجھنے سے تینوں رفیق معذور اب ایک اور تماشا کی بات یہ ہوئی کہ چاروں رفیقوں کو انگور ہی پسند تھے۔ یا تو اس وقت اتفاقاً چاروں کے دل میں انگوروں ہی کی آرزو پیدا ہوگئی یا دکان دار کی دکان میں تمام میوہ جات میں سے انگور ہی عمدہ اور تازہ ہوں گے، باقی کیلے، سیب، ناشپاتی وغیرہ پھل سڑے بسے ہوں گے اس لیے ہر ایک کی رائے میں انگور ہی قابل ترجیح تھے اور ہر ایک اپنی اپنی زبان میں انگور، عنب، اوزم، استافیل کے لیے متقاضی تھا جو چاروں زبانوں میں اسی میوے کے نام ہیں۔ مقصد و معنی میں چاروں متفق تھے مگر اختلاف زبان اور اختلاف اسماء نے ان کو عملاً متفق نہ ہونے دیا۔ چنانچہ:

آں عرب گفتا معاذ اللہ! لا من عنَب خواہم نہ انگور اے دغا

ترجمہ: عرب زیادہ جوشیلے اور غیور ہوتے ہیں اس لیے سب سے پہلے وہ عرب بولا توبہ توبہ! (ہرگز) نہیں ارے او دغا باز میں انگور نہیں، بلکہ عنب چاہتا ہوں۔

آں یکے کز ترک بُد گفت اے کوزم من نمیخوا ہم عِنَب خواہم اوزم

ترجمہ: وہ ایک (رفیق) جو ترک قوم سے تھا (عرب سے کب دبنے والا تھا) بولا ارے بے وقوف! میں عنب کو پسند نہیں کرتا (بلکہ میں) اوزم چاہتا ہوں۔

آنکہ رُومی بُود گفت ایں قیل را ترک کن خواہم من استافیل را

ترجمہ: وہ جو رومی تھا اپنے حریف ترک کی بات کو کب برداشت کر سکتا تھا بولا ان باتوں کو چھوڑو میں تو استافیل پسند کرتا ہوں۔

نکات: یہاں مولاناؒ کے شعری و ادبی کمال کے داد دیے بدوں آگے چلنے کو جی نہیں چاہتا ایک ہی چیز کے چار زبانوں میں نام ان کو مختلف قافیوں کے ساتھ شعروں میں چھاپنا اور ایک ہی مضمون کو چار مرتبہ موزوں پیرایہ میں ادا کرنا اور ساتھ ہی شعری شان کو دبنے نہ دینا جس قدر مشکل کام ہے اور جس عمدگی سے سرانجام دیا ہے اس کو کچھ وہی لوگ سمجھتے ہیں جن کو شعری مشکلات کی خبر ہے ایں سے بھی عجیب تر بات اور لیجیے ایرانی، رومی، عرب ترک چار شخصوں کا تنازع ہے۔ اس ذکر میں مولاناؒ نے نہایت عمدگی سے واقعہ کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اور یہ بات مثنوی کے قصص کی خصوصیات سے ہے کہ ان کی ترتیب میں واقعات کی فطری افتاد کو ان کے ضروری پہلوؤں کو اور ان کے ماحول کو نظر انداز نہیں کیا جاتا مثنوی کے شارح بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں ہیں مگر ان باتوں کو کون خیال میں لائے وہاں تو خود مولانا کے اس ارشاد پر عمل ہے کہ لفظوں کو نہ دیکھو مگر حقیقت یہ ہے کہ مثنوی کی معنوی عظمت تو اس کے نام سے ظاہر ہے ایں کے لفظی کمالات بھی کرامات سے خالی نہیں۔ واللہ اپنی تو یہ حالت ہے کہ اس میں جہاں کہیں یہ لفظی کرامات نظر پڑ جاتی ہے دیر تک طبیعت لطف اندوز رہتی ہے ہاں تو اس مقام میں واقعہ کی خوبی ترتیب یہ ہے کہ ایرانی کے ایک بات پیش کر دینے سے عرب ہی چمک کر بولا اور کوئی نہیں کیونکہ عرب و ایران میں ہزار ہا سال سے رقابت چلی آتی ہے جمشید، ضحاک فریدوں کی داستانیں اس رقابت کا مرقع ہیں اور پھر صدر اسلام نے اس مرقع کو زیادہ رنگین کیا ہے اس کے بعد خلفائے عباسیہ کے دربار بھی اس نسلی رقابت کی معرکہ گاہ رہے اور آخر عربی اقتدار کو ایرانی چالوں نے مضمحل کیا پھر عرب کی تجویز پر بگڑنے کا حق سب سے زیادہ ترک کو تھا کیونکہ عرب و ترک بھی ایک دوسرے کے رقیب ہیں، اگرچہ مولاناؒ کے عہد میں ان کی رقابت کا ابھی بیج ہی پھوٹنے لگا تھا مگر آئندہ چل کر یہ بیج بہت بار آور ہوا عربی اقتدار کے وارث سلاطین ترک

مثنوی کی لفظی کرامات

ہوئے اور صدیوں ترکی دربازتر کی فوج ترکی فتوحات میں ان دونوں طاقتوں میں چشمک رہی ہے ترک پلٹن کی تیغ زنی سے خطۂ یورپ لرزتا تھا تو عرب رسالہ کی ہیبت سے ربع مسکوں میں زلزلہ برپا تھا۔ عرب ترکوں کی میدانی شمشیر زنی کی ریس نہیں کر سکتے تھے تو ترک عربوں کے ساتھ شہسواری میں لگا نہیں کھا سکتے تھے ترک سپاہی جہاں بجلی بن کر گرتا ہے پیچھے نہیں ہٹتا اور عرب سوار میدان جنگ میں کروفرؔ (پیش قدمی وپسپائی) کے بیسیوں ڈو عمل میں لاتا ہے اِس کے بعد ترک کی بات رومی کو گوارا نہیں ہو سکتی تھی جو اس کا ایک تاریخی دشمن ہے روم سے مراد پرانی اطالین قوم ہے جس کا اقتدار تمام جزائر بلقان، روم، یونان وغیرہ پر چھایا ہوا تھا اور اس کا دارالحکومت پہلے اٹلی کا شہر روم تھا پھر قسطنطنیہ پایۂ تخت قرار پایا اور عثمانی ترکوں نے اس کے اقتدار کا چراغ گل کیا اگرچہ مثنوی کے دورانِ تصنیف میں ابھی اس ترکی سلطنت کے مورثِ اعلیٰ غازی عثمان خان کی ولادت ہی ہوئی تھی مگر ترکی جتھے کی چھیڑ چھاڑ رومی قوم کے ساتھ بہت پہلے شروع ہو گئی تھی اس لیے ترک ورومی آپس میں حریف و مقابل ٹھہر چکے تھے مولانا نے کیا عجیب رعایت رکھی ہے کہ ایرانی کا حریفِ بحث ترک کو نہیں بنایا نہ عرب کا مدمقابل رومی کو ٹھہرایا کہ ان میں کوئی نمایاں تاریخی رقابت نہیں۔ فللّٰہ درہٗ، ثم للہ درہٗ، غرض ان چاروں میں قیل وقال اور حیل و حجت سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ :

مشت برہم میزدند از ابلہی　　پُر بُدند از جہل واز دانش تہی

صنائع: پُر اور تہی کا تضاد پُرلطف ہے۔

ترجمہ: وہ بے وقوفی سے دھینگا مشتی کرنے لگے وہ جہالت سے پر اور عقل سے خالی تھے۔

صاحبِ سرّے عزیزے صد زباں　　گر بُدے آنجا بدادے صُلحِ شاں

لغات: صاحب سر رمز شناس، واقفِ راز، اسرارداں۔ عزیز غالب، نادر، بزرگ۔ صد زبان سینکڑوں زبانوں کا ماہر، عالم السنہ، صلح دادے صلح کرا دیتا۔

ترجمہ: اگر کوئی رمز شناس بزرگ مختلف زبانوں سے واقف وہاں (موجود) ہوتے تو ان کی صلح کرا دیتے۔

پس بگفتے اُو کہ من زیں یکدرم　　آرزوئے جُملۂ تاں را میخرم

ترجمہ: پس وہ (ہر ایک سے اس کی زبان میں) کہہ دیتے کہ میں اس ایک (ہی) درم سے تم سب کی (مطلوبہ) چیز جس کی ہر ایک کو آرزو ہے خرید دوں گا۔

چونکہ بسپارید دل رابے دغل　　ایں درم تاں میکند چندیں عمل

ترجمہ: جب اپنے دل کو کسی بدنیتی کے بغیر میرے تابع کر دو گے تو یہ تمہارا (ایک ہی) درم اتنے کام کر دے گا (کہ سب کے مقاصد پورے ہو جائیں گے)۔

یکدرم تاں مے شود چارالمراد　　چار دشمن مے شود یک زاتحاد

ترجمہ: الغرض تمہارا ایک درم (گویا) چار درم بن جائیں گے اور (پھر یہ) چاروں (مسافر جو ایک دوسرے کے) دشمن ہو رہے ہیں، اتحاد سے ایک ہو جائیں گے۔

گفتِ ہریک تاں دہد جنگ وفراق　　گفتِ من آرد شمارا اتفاق

ترجمہ: تمہاری ہر ایک کی گفتگو تو جھگڑا اور تفرقہ برپا کرتی ہے۔ (مگر) میری بات تم کو اتفاق بخشے گی۔

پس شما خاموش باشید اَنْصِتُوْا　　تازباں تاں من شوم در گفتگو

ترجمہ: پس تم خاموش ہو جاؤ (ہاں) چپ رہو تا کہ میں اس گفتگو میں خود تمہاری زبان بن جاؤں۔

گو سخن تاں یک نماید در نمط　　در اثر مایۂ نزاع ست و غلط

لغات: نمط بفتح نون و میم انداز، طریق، روش، دستور۔ لغوی معنی بساط اور فرش کے ہیں۔

ترجمہ: اگرچہ تمہاری (ہر ایک کی بات اپنی) روش میں ایک معلوم ہوتی ہے مگر نتیجہ میں (وہ) جھگڑے اور غلط (فہمی) کا مادہ ہے۔

ور سخن تاں در توافق مُوثقہ است　　در اثر مایہ نزاع و تفرقہ است

لغات: توافق ایک دوسرے سے میل اور موافقت ہو جانا موثقہ پختہ، قابلِ اعتماد۔

ترجمہ: اور اگرچہ تمہاری (باہمی) گفتگو (بظاہر) اتفاق قائم ہونے میں قابلِ اعتماد ہے (مگر) نتیجہ میں (وہ) جھگڑے اور تفرقہ کا مادہ ہے۔

گرمیِ عاریتی ندہد اثر　　گرمیِ خاصیتی دارد ہنر

لغات: عاریتی بیائے معروف نسبت ہے عاریت کی۔ عارضی، غیر اصلی خاصیتی بیائے معروف با خاصیت طبعی، کسی چیز کا وہ وصف جو اتفاقی و عارضی نہ ہو بلکہ اس کی مزاج و طبیعت میں داخل اور ہمیشہ اس کے ساتھ لازم ہو۔

ترجمہ: عارضی گرمی (کوئی معتد بہ) اثر نہیں رکھتی (ہاں) طبعی گرمی (یہ) کمال رکھتی ہے (کہ اس کا اثر متعد بہ ہوتا ہے)۔

مطلب: اگرچہ ایک اجنبی آدمی تم کو اکٹھے کھڑے ہوئے اور باہم گفتگو کرتے دیکھ کر یہ خیال کرے گا کہ تم میں بڑا میل جول ہے، بڑا اتفاق ہے، بڑا اتحاد ہے لیکن تمہاری اس گفتگو کی تہ میں وہ اختلاف کام کر رہا ہے جس سے تم ابھی کٹنے مرنے کو تیار ہو لہٰذا تمہارا یہ ظاہر اتحاد بالکل عارضی اور نقش بر آب ہے بخلاف اس کے اصلی اور حقیقی اتحاد میں تفرقہ ممکن نہیں ہوتا، کیونکہ عارضی چیز معتد بہ اثر نہیں رکھتی، معتد بہ اثر اصلی چیز کا ہی ہوتا ہے جس کی مثال عارضی گرمی اور طبعی گرمی سے دی ہے جیسے گرما گرم دودھ میں بڑی گرمی ہوتی ہے، مگر وہ گرمی عارضی ہے اس لیے اس کے پانے سے جسم میں ایک پائیدار گرمی پیدا نہیں ہوتی اور نہ جسمانی بافتوں میں حرارت غریزی کی زیادتی ہوتی ہے بخلاف اس کے شہد میں طبعی گرمی ہے اس لیے اس کے متواتر کھانے سے چند یوم میں بدن سے چنگاریاں نکلنے لگیں گی۔

سرکہ را گر گرم داری ز آتش آں　　چوں خوری سردی فزاید بیگماں

ترجمہ: (طبعی کیفیات کا کرشمہ یہ ہے کہ مثلاً) اگر تم سرکہ کو آگ پر گرم کر لو تو اس کو جب کھاؤ گے سردی ہی بڑھائے گا (اور اس کی عارضی گرمی کچھ اثر نہ کرے گی)۔

زانکہ آں گرمیِ آں دہلیزیست　　طبعِ اصلش سردی ست و تیزی ست

لغات: دہلیزی کنایہ سے عارضی اور غیر ضروری ہے کیونکہ جو چیز دہلیز پر ہو وہ اس چیز سے زیادہ اہم اور ضروری نہیں ہوتی جو مکان کے اندر محفوظ مکانات میں اہتمام کے ساتھ رکھی گئی ہو۔

ترجمہ: کیونکہ اس کی وہ گرمی (جو آگ کی وجہ سے اس میں آ گئی ہے) عارضی ہے (ورنہ) اس کی اصلی طبیعت سردی اور تیزی ہے۔

ور بود یخ بستہ دوشاب اے پسر چوں خوری گرمی فزاید در جگر

برف اور یخ میں فرق

لغات: یخ بستہ۔ یخ ایک قسم کی برف ہے اور یہ دونوں اس منجمد پانی کے نام ہیں جو اوپر سے برستا ہے فرق ان میں یہ ہے کہ برف غبار کی طرح برستی ہے اور یخ پگھلی ہوئی موم کی طرح پہاڑوں اور جنگلوں میں قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے اور سفید پتھر کی طرح ہو جاتا ہے (کذافی الغیاث) عرف عام میں مصنوعی طور سے جمائے ہوئے پانی کو برف کہتے ہیں اور جو پانی کنارۂ حوض و دریا پر یا برتن میں پڑا پڑا شدتِ سرما سے خود جم جائے وہ یخ ہے، یخ بستہ وہ سیال چیز جو سرما کی شدت سے جم جائے یا وہ زمین جس کی سطح پر یخ گر کر اپنی تہ جمائے۔ دوشاب۔ شیرۂ انگور یا شیرۂ خرما جو مزاجاً گرم ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور (بخلاف اس کے) اے عزیز! اگر شیرۂ انگور شدتِ سرما سے جم جائے جب تم (اسے) کھاؤ تو وہ (اپنی ٹھنڈی کیفیت سے سردی نہیں پہنچا سکتا بلکہ اپنی طبعی گرمی کی وجہ سے) جگر میں گرمی بڑھائیگا۔

پس ریائے شیخ بہ ز اخلاصِ ما کز بصیرت باشد آں ویں از عمیٰ

ترجمہ: پس (یہی راز ہے اس کا کہ) شیخ کی ریا ہمارے اخلاص سے اچھی ہے کیونکہ وہ بصیرت سے ہوتی ہے اور یہ بے بصیرتی سے۔

مطلب: اوپر جو ثابت کیا جا چکا ہے کہ عارضی کیفیت کا اعتبار نہیں بلکہ طبعی کیفیت کمال اثر دکھاتی ہے۔ یہی مطلب ہے اس قول کا ریاء الشیخ خیرمن اخلاص المرید یعنی شیخ کی ریا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے کیونکہ شیخ کی ریا بصیرت و واقفیت سے ناشی ہوتی ہے اور قواعدِ شرعیہ کے تحت میں وقوع پاتی ہے اور اس کی غرض و غایت پاک اور مصالح دین کے مطابق ہوتی ہے مثلاً دوسروں کو ترغیب دلانا یا تعلیم و ارشاد پس وہاں صورت ریا ہوتی ہے مگر حقیقت ریا یعنی ارضاالخلق وجلبِ منفعتِ جاہ و مال نہیں ہوتی اور مرید کے اخلاص میں صورتِ اخلاص ہوتی ہے نہ کہ حقیقتِ اخلاص کیونکہ وہاں ضرور کچھ نہ کچھ نفس کی شرارت شامل ہوتی ہے جو اس کو عدمِ بصیرت کے سبب سے محسوس نہیں ہوتی پس ریائے شیخ میں ریا عارضی ہے اور خلوصِ طبعی اور اخلاصِ مرید میں اخلاص عارضی ہے اور عدم اخلاص طبعی اور عارضی شے قابل اعتبار نہیں بلکہ اصلی اعتبار کے قابل ہے پس ثابت ہوا کہ شیخ کی ریا مرید کے خلوص سے بہتر ہے۔ (کلید)

از حدیثِ شیخ جمعیت رسد تفرقہ آرد دمِ اہلِ حسد

ترجمہ: شیخ کی بات سے اتفاق (واتحاد) پیدا ہوتا ہے اہلِ حسد کی بات تفرقہ پیدا کرتی ہے۔

چوں سلیمانؑ کز پئے حضرت بتاخت او زبانِ جملہ مُرغاں راشناخت

ترجمہ: (دیکھو) مثلاً سلیمانؑ کہ انہوں نے حضرت (ربُّ العزت) کی طرف رجوع کیا تو تمام پرندوں کی بولی سیکھ لی۔

مطلب: تو ان کی شناخت کے درجے میں وہ مختلف آوازیں اور بھانت بھانت کی بولیاں ایک ہوگئیں اور وہ سب کو یکساں طور پر سمجھ لیتے تھے اسی طرح شیخ بھی اپنے مریدوں کے مختلف جذبات و خیالات سے واقف ہوتے ہیں اور بزورِ تصرف ان کو ایک مشرب و مسلک پر لا کر اتحاد کی لڑی میں منسلک کر دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ صائبؒ۔

سر بسر دلہائے آگہ دانہائے سبحہ اند آنچہ ما را ور دل ست از یکدگر مستور نیست

درزمانِ عدلش آہو با پلنگ اُنس بگرفت و بروں آمد ز جنگ

ترجمہ: ان کے (یعنی حضرت سلیمانؑ کے) زمانۂ عدل میں ہرن تیندوے کے ساتھ مانوس ہو گیا اور مخالفت سے نجات پا گیا۔

شدُ کبوتر ایمن از چنگالِ باز   گوسفند از گرگ ناورد احتراز

ترجمہ: کبوتر (بھی) باز کے پنجے سے بے خطر ہو گیا (اور) بکری بھیڑیے سے گریز نہ کرتی تھی۔

مطلب: کسی بادشاہ کے عدل و انصاف کی تعریف میں یہ کہنا کہ اس کے عہد میں شیر و بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے آہو پلنگ دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے کبوتر و باز ایک دوسرے پر جان دیتے تھے ایک عام محاورہ ہے اور قربِ قیامت کے متعلق بعض احادیث میں بھی ایسا مضمون آیا ہے کہ امام مہدی کے عہد میں نزولِ عیسیٰؑ کے وقت انصاف و عدل یہاں تک ہوگا کہ متخالف حیوانات تک میں باہم اغماض بلکہ الفت پائی جائے گی اور احادیث کا یہ مضمون بھی محاورۂ مجاز پر محمول ہوگا نہ کہ حقیقت پر ورنہ حقیقۃً نہ کسی بادشاہ کا آئینِ انصاف اور قانونِ عدل انسانوں کے لیے ہے نہ کہ حیوانات کے لیے اس کی بارگاہ زید و عمر کے فصلِ خصومات کے لیے ہے نہ کہ شیر و بز' پلنگ و آہو، گربہ و موش اور عنکبوت و مگس کے مقدمات کی سماعت کے لیے وہ ممکن اس لیے نہیں کہ شیر و پلنگ کی غذا گوشت بہائم ہے اگر کسی بادشاہ کا انصاف شیر اور بکری میں یہ معاہدہ کرا دے کہ آیندہ شیر بکری کو کوئی اذیت نہیں دے گا تو کیا پھر شیر بھس چرنے لگے گا اگر کوئی بادشاہ بکری کے لیے ایسا انصاف کردے تو دوسری طرف یہ شیر کے لیے ظلم ہوگا نیز بادشاہ کا عدل دفعِ ظلم اور رفعِ نزاع و خصومت کے لیے ہوتا ہے۔ شیر کو بکری سے کوئی خصومت نہیں۔ نہ اس کا بکری کو پھاڑ ڈالنا داخلِ ظلم ہے بلکہ اس کا یہ ایک فطری فعل ہے اور فطرت میں دست اندازی کرنا کسی قانون کا حق نہیں۔ غرض یہ ایک مدحیہ مبالغہ ہے جو رسمِ شاعری میں داخل ہے ورنہ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ فی الواقع حضرت سلیمانؑ کے عہد میں جانوروں کی فطرت بھی بدل گئی تھی لا واللہ فطرت کبھی نہیں بدلتی۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (یہ) خدا کی (بنائی) سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ (روم ع ۴) قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (موسیٰ نے کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص طرح) بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو (ان اغراضِ خاص کے پورا کرنے کی) راہ دکھائی (جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے طٰہٰ ع ۲) مطلب اتنا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے عہدِ معدلت مہد میں امن کا دورہ تھا اور آپ نے انسان و حیوان میں فضول فتنہ و فساد رہنے نہیں دیا تھا۔ چنانچہ

اومیانجی شد میانِ دشمناں   اتحادی شد میانِ پرزناں

لغات: میانجی قاصد' ایلچی، سفیر، ثالث بالخیر۔ یہ لفظ یا تو میانہ اور یائے نسبت سے مرکب ہے اور ترکیب میں حسبِ قاعدہ میانہ کی ہائے مختفی گاف سے اور پھر گاف جیم سے بدل گیا یا یہ لفظ 'میاں' یعنی وسط اور جی سے مرکب ہے جس کے معنی ترکی میں صاحب کے ہیں یہ بھی وہی بات ہوئی بہردوصورت اس کے معنی ہوئے دو کے درمیان کا واسطہ' بین الشخصین پیام رساں جس کا مقصد اکثر دو مخالف فریقوں میں صلح کرا دینا اور ان کے الجھے ہوئے معاملات کو سلجھا دینا ہوتا ہے بعض بادشاہ خود اسی قسم کے ایلچی کے بھیس میں اپنے دشمن کے پاس جا کر گفت و شنید کرنے کی جرأت کر چکے ہیں چنانچہ سکندرِ رومی اسی طرح اپنی ایک حریف ملکہ نوشابہ نام کے دربار میں گیا تھا تو اس دانشمند ملکہ نے سکندر کو ایلچی کے روپ میں ہونے کے باوجود اس کی شاہانہ حرکات و سکنات سے پہچان لیا تھا اور کہا تھا۔

میانجی نہ شاہ آزادہ فرستندہ نے فرستادہ

جس سے سکندر کو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔ بہرحال اس زمانے کے میانجی لوگوں میں صلح و آشتی پیدا کرنے والے تھے آج

کل کے میانجی اس کے برعکس لوگوں میں آتشِ فساد مشتعل کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ خصوصاً ہمارے ملک پنجاب میں جو شخص قرآن مجید پڑھ کر پنجابی نظم کی صرف دو کتابیں یعنی احوالِ آخرت اور قصص القرآن پڑھ لے اس کو عوام کالانعام کی یونیورسٹی سے ''میانجی'' کا خطاب مل جاتا ہے اور مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ تکیہ میں مردوں کو اور محلے میں عورتوں کو یوسف وزلیخا کا قصہ سنا سنا کر اپنے علم کی داد لے۔ پھر اس قصے کی اشاعتِ عام اور اس کی بدولت تاثرِ عوام سے جو گھناؤنے نتائج رونما ہوتے ہیں ان کا ذکر تو کس زبان سے کیا جائے ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ایسے میانجیوں کو مسندِ علما سے خاص حسد اور عداوت ہوتی ہے اگر دیوبند کا کوئی محدّث یا بریلی کا کوئی شیخ طریقت بھی ان کے محلے میں آ کر کوئی مفید مسئلہ بیان کر دے تو وہ درپردہ اپنے معتقد گنواروں سے یہی کہیں گے کہ مسلا گلت ہے (یعنی مسئلہ غلط ہے)۔

نہ بچھو سے مجھے لگتا ہے ڈر اتنا نہ افعی سے　　　خطر رہتا ہے جتنا ایک ناخواندہ میانجی سے

یہاں بے قید لفظ و معنی چلنا ایک قدم مشکل　　　وہاں پرواز بالاتر ہدایہ اور بخاری سے

پرزناں جمع پرزن، پر مارنے والا، پرندہ۔

ترجمہ: وہ یعنی سلیمان علیہ السلام کائنات کے ہر دو دشمنوں کے درمیان ثالث بالخیر بن گئے (اور سب میں صفائی کرادی) پرندوں میں (بھی) اتحاد (پیدا کرنے) والے بن گئے۔

مطلب: یہی منصب شیخ کامل کا ہوتا ہے کہ وہ مختلف المشرب لوگوں کو اتحاد کے ایک مرکز پر لے آتا ہے پھر کوئی اختلافِ نسل، اختلافِ قومیت، اختلافِ وطن و زبان ان میں تفرقہ انداز نہیں ہو سکتا بلکہ وہ سب یک دل و یکجان ہو جاتے ہیں۔ صائبؒ ؎

جدا نمے شود از ہم دو دل یکے چو شود　　　نمے تواں ز دل من کشید پیکاں را

تو چو مورے بہرِ دانہ میدوی　　　ہاں سلیماں جو چہ مے باشی غوی

صنائع: مور، دانہ، سلیمان مناسبات ہیں مور و سلیماں کے ذکر سے اس قصے کی طرف تلمیح ہے جو قرآن مجید کی سورۂ نمل میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے چیونٹیوں کے ایک افسر اعلیٰ کی بات سنی اور سمجھی تھی اس لیے اکثر شعرا سلیمان و مور کا اکٹھا ذکر کرتے ہیں۔ کما قیل ؎

نظر کردن بدرویشاں بزرگی را بیفزاید　　　سلیماں باہمہ حشمت نظر ہا بود با مورش

ذرّہ خاک کو دی دولت ایماں تو نے　　　مور کو بخش دیا ملکِ سلیمان تو نے

ترجمہ: تو چیونٹی کی طرح دانہ کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے ارے سلیمان کی تلاش کر کیوں گمراہ ہوا جاتا ہے۔

مطلب: تم طلبِ معاش اور جستجوئے دنیا میں ہی سرگرداں رہتے ہو شیخ کامل کی تلاش کرو کہ دنیا و دین دونوں کی بھلائی سے بہرہ مند ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کام میں لگا رہے اللہ اس کے کاموں کا کفیل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دانہ جو را دانہ اش دامے شود　　　واں سلیماں جوئے را ہر دو بود

ترجمہ: دانہ کی تلاش کرنیوالے (مرغ) کے لیے (کبھی) اس کا دانہ دام (بلا) ثابت ہوتا ہے اور اس (شخص) کو جو سلیمان کو تلاش کرے دونوں (دولتیں) ملتی ہیں۔

مطلب: طالبِ دنیا مختلف مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اور طالبِ شیخ دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی حاصل کرتا ہے۔

مُرغ جانہا را دریں آخر زماں　　　نیست شاں از ہمدگر یکدم اماں

ترجمہ: اس آخری زمانے میں مرغانِ ارواح کو ایک دوسرے سے دم بھر امن نہیں (ایک کو دوسرا کھائے جاتا ہے)۔

مطلب: چونکہ ہر شخص کے لیے اس کا زمانہ آخری ہے جس کے بعد اس کے لیے دوسرا زمانہ نہیں آئے گا اس لیے مولانا نے اپنے زمانے کو آخری کہہ دیا حالانکہ آپ کے بعد اور کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور ابھی قیامت تک جس قدر اور زمانہ باقی رہتا ہے وہ تو خدا کو معلوم ہے۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ "اور قیامت کی خبر اسی کو ہے" (زخرف ع ۷) پس وہ زمانہ جو یہاں ذکر ہے حقیقۃً آخری نہ تھا بلکہ اس زمانے والوں کے لیے آخری تھا مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ خیر القرون ہے اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے بد سے بدتر آتا جاتا ہے۔ حافظؒ

ہر کسے روز بہی مے طلبد از ایام　　　مشکل آنست کہ ہر روز بترمے بینم

اس لیے وہ زمانہ ان لوگوں کے لیے سب سے برا زمانہ تھا اس زمانے کے لوگوں میں جس قدر بغض وعناد اور فتنہ و فساد ہوگا اس سے پہلے زمانوں میں اس کا نمونہ نہیں گزرا تھا لیکن ہمارا زمانہ اس سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ خیر القرون سے اور بھی زیادہ دور ہے اِس وقت لوگوں کے باہم برے برتاؤ کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں بھائی کو بھائی پر اعتماد نہیں اور باپ بیٹے سے خرم وشاد نہیں۔ پس ایسے زمانے میں ان فتن ومفاسد کے دور کرنے کی کیا تدبیر کی جائے؟ مولانا فرماتے ہیں:

ہم سُلیماں ہست اندر دَورِ ما　　　کہ دہد صُلح و نماند جَور ہا

ترجمہ: ہمارے زمانہ میں بھی سلیمانِ (وقت) موجود ہیں جو خلق اللہ میں صلح کرا سکتے ہیں اور (پھر) ظلم وستم کا نشان نہ رہے گا (ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے)۔

مطلب: دنیا سے فتنہ وفساد رفع ہونے کی صورت یہی ہے کہ اہل اللہ کاملین کی طرف رجوع کیا جائے ان کی تعلیم وتربیت سے اخلاقِ عامہ درست ہو جائینگے اور لوگوں میں اتحاد والفت پیدا ہو جائے گی مگر ہر زمانہ میں لوگوں کو یہ خبط رہا ہے کہ وہ بزرگانِ دین معاصرین کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے جیسے کہ کہا گیا ہے **المعاصرة سبب المنافرة** یعنی ہم زمانہ ہونا نفرت کا باعث بن جاتا ہے اور وہ اگلے زمانے کے بزرگوں کو یاد کر کے ان کی تعریف کرتے رہتے ہیں بلکہ جب کبھی بزرگانِ اسلاف کا ذکر آتا ہے تو ایسے شخص کی زبان سے عموماً یہ کلمہ سنا جاتا ہے کہ آج کل تو کوئی ایسا بزرگ دنیا میں نہیں ہے یا کہتے ہیں اجی ہم تو بہت پھرے کوئی ایسا بزرگ نہ ملا، حالانکہ دنیا کا کوئی زمانہ کوئی قرن، کوئی دور ایسا نہیں ہو سکتا جس میں اقطاب، ابدال، اوتار وغیرہ اولیاءِ کبار موجود نہ ہوں دنیا کا قیام ہی ان کی برکت سے ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو دنیا کا نظام کبھی کا درہم برہم ہو جائے او یہ بات بالکل صحیح ہے کہ موجود لوگ جن بزرگانِ سلف کو کمال اعتقاد سے یاد کرتے ہیں اپنے زمانہ میں وہ بھی اسی طرح جہلاءُ اوباش کے ہدفِ طعن بنے ہوئے تھے جس طرح اس زمانے کے بزرگوں کو ہدفِ طعن بنایا جاتا ہے اور آج جن بزرگانِ کاملین کو اعتراض یا بے وقعتی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے آیندہ زمانے کے لوگ ان کو بھی بزرگانِ اسلاف کی طرح غایت احترام سے یاد کریں گے اور راز اس میں یہ ہے کہ ہر بزرگ کامل کے زمانے میں ازروئے حسد یا بوجہ غلطی فہمی اس کے کچھ نہ کچھ مخالف ضرور ہوتے ہیں جو ان بزرگ کے مفروضہ معائب کی تشہیر کرتے رہتے ہیں جس سے صدہا بلکہ ہزار ہا اشخاص کے دلوں میں ان کے خلاف بدگمانی پھیلتی رہتی ہے۔ ایسے واقعات تقریباً تمام اکابر ائمہ ومشائخ کے ساتھ پیش آچکے ہیں جن پر تاریخ شاہد ہے۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے۔ ان

کے حاسدین ومخالفین کے ساتھ ان کا غلط پروپاگنڈا بھی دنیا سے نیست و نابود ہوتا جاتا ہے اور ان بزرگوں کے محض کمالاتِ علمی و باطنی ان کے فیوض متوارثہ یا تصانیف کی صورت میں جلوہ گر رہ جاتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو ان کے صرف یہ کمالات ہی نظر آتے ہیں اور بدگمانی پیدا کرنے والی باتیں جو ان کے زمانے میں حاسدین نے مشتہر کر دی تھیں اس زمانے کے لوگوں تک پہنچتے نہیں پاتیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ قدرِ مرد بعدِ مردنؒ غرض اس قسم کے حاسدین کے بہکائے ہوئے لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ دنیا میں آج کوئی کامل نہیں تو مولانا ان کی تردید میں فرماتے ہیں کہ نہیں بزرگانِ سلیمان منزلت بمؤائے علماءِ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل آج بھی موجود ہیں جن کے فیضِ صحبت سے دنیا کے تمام فساد اور فتنے دور ہو سکتے ہیں۔ آگے اس کی دلیل ارشاد ہے:

قول اِنْ مِّــــــنْ اُمَّةٍ رایا دگیر　　تا بہ اِلَّا و خَلا فِیْهَـــا نَـــذِیْـــر

ترجمہ: (ہمارے اس قول کی دلیل میں) آیت اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ کو اِلَّا خَلا فِیْهَا نَذِیْر تک پڑھ جاؤ (جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر قوم میں ضرور کوئی نہ کوئی نبی گزرا ہے)۔

مطلب: اس آیت سے بعبارۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ ماضی میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو اور بدلالۃ النص یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ بھی کوئی ایسی قوم نہ ہوگی جس میں نبی یا نائبِ نبی صاحبِ وجاہت و ہمت نہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ یہ امر قطعی ہے کہ اور کوئی نبی تا قیامت نہیں آئے گا اس لیے اس آیت کی رو سے ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایک نہ ایک نذیر بمعنی نائبِ رسولؐ خلیفۂ حق، صاحبِ وجاہت و ہمت کا آنا ضروری ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی زمانہ اولیاءِ کاملین سے خالی نہیں ہو سکتا۔ آگے خود مولانا اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں:

گفت خود خالی نبود است اُمّتے　　از خلیفۂ حق وصاحب ہمّتے

ترجمہ: (حق تعالیٰ نے) فرمایا (ہے کہ) کبھی کوئی قوم خلیفۂ حق وصاحبِ ہمت سے خالی نہیں رہی۔

نکتہ: مولاناؒ نے آیت کے کلمہ نذیر کا ترجمہ ان عام لفظوں میں کیا ہے جو انبیاء و اولیا سب پر صادق آتا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانے اور ہر قوم میں بھی نذیر بایں معنی کی موجودگی اس سے ثابت ہو ورنہ اگر نذیر کا معنی نبی کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ "از نبی حق و از پیغمبرؐ" تو پھر اس آیت کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی اقوام و امم پر صادق نہ آتا کیونکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی تا قیامِ قیامت مبعوث نہ ہوگا حالانکہ مقصود یہاں یہ تھا کہ تمام موجودہ اقوام کو یہ یقین دلایا جائے کہ "سلیمانِ زمانہ ہر وقت اور ہر عہد اور ہر جماعت میں موجود ہوتا ہے جو قوم کے پراگندہ اجزا کو ربط و اتحاد کی لڑی میں منسلک کر سکتا ہے۔" فافهم فانه من دقائق بلاغة المثنوی

مُرغِ جانہا را چناں یکدِل کند　　کہ صفاشاں بیغش و بیغل کند

لغات: صفا صاف، پاک، بے کدورت ہونا غَش بکسرِ غین وتشدیدِ شین کدورت، میل غِل بکسرِ غین وتشدیدِ لام کینہ، خیانت، کدورت۔

ترجمہ: جو مرغانِ ارواح کو اس طرح یکدِل (یک جان) کر دیتا ہے کہ ان کو پاک (وصاف) بے کدورت اور بے کینہ بنا دیتا ہے۔

مشفِقاں گردند ہمچوں والدہ　　مسلموں را گفت نَفْسٌ وَّاحِدَة

ترجمہ: (پھر) وہ لوگ (ان بزرگ کے تصرف سے آپس میں) ماں کی طرح مشفق (ومہربان) بن جاتے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کَرَجُلٍ وَّاحِدٍ فرمایا ہے (یعنی وہ اتحاد میں ایک آدمی کی مثل ہیں)۔

مطلب: دوسرے مصرعہ کا اقتباس اس حدیث سے ہے جو نعمان ابن بشیرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اشْتَکٰی عَیْنُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ وَاِنِ اشْتَکٰی رَأْسُہٗ اشْتَکٰی کُلُّہٗ یعنی مسلمان ایک آدمی کی مانند ہیں اگر اس کی آنکھ دکھنے لگے تو سارا جسم تکلیف زدہ ہو جاتا ہے اور اگر اس کا سر دکھنے لگے تو اس کا سارا جسم مبتلاءِ درد ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ) حضرت شیخ سعدی اس حدیث کا ترجمہ بدیں الفاظ فرماتے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یک دیگراند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند

وچو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

حضرت شارح کلید مثنوی سلمہ فرماتے ہیں کہ نفسِ واحدہ سے اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس میں یہ کلمات ہیں کہ اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَبُنْیَانٍ وَّاحِدٍ (یعنی مسلمان ایک دیوار کی طرح ہیں) تو جو معنی بنیانِ واحد کے ہیں وہی نفسِ واحد کے ہیں۔ روایت بالمعنی کہا جائے گا۔ (انتہی)

مگر ہمارے اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس کو روایت بالمعنی قرار دینے کے تکلف کی ضرورت نہیں بلکہ نفس واحدہ ٹھیک ترجمہ ہے۔ رجل واحد کا رجل کا لفظ متحرک الاوسط ہونے کی وجہ سے شعر میں کھپ نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس کی تعبیر نفس سے کردی۔

نفس واحِد از رسُولِ حق شدند — ورنہ ہریک دشمنِ مطلق بدند

ترجمہ: (تمام لوگ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی تعلیمات و تصرفات) سے یک جان ہو گئے ورنہ ہر ایک (دوسرے کا) پورا دشمن تھا۔

مطلب: عرب کا وہ جاہل ملک جو قبائل کے باہمی جنگ وجدال سے ہمیشہ قتل و غارت کا اکھاڑا بنا رہتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیئس سال کی کوشش سے اتحاد و اتفاق کا مرکز اور امن و امان کا گہوارہ بن گیا۔ حالی مرحوم۔

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب — نشاں گنج و دولت کا ہاتھ آ گیا جب

محبت سے دل ان کا گرما گیا جب — سماں ان پہ توحید کا چھا گیا جب

سکھائے معیشت کے آداب ان کو

پڑھائے تمدن کے سب باب ان کو

عرب کے مشہور کریم النفس سردار حاتم طائی کا بیٹا عدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مذہب کا عیسائی تھا اور ابھی اسلام نہیں لایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے عدی ابن حاتم! شائد تم کو اس دین میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہے کہ یہ سب لوگ غریب ہیں۔ بخدا ان میں اس قدر مال و دولت آنے والی ہے کہ کوئی شخص مال کو قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ عدی! کیا اس دین میں داخل ہونے سے تم کو یہ امر بھی مانع ہے کہ ہم لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں اور ہمارے دشمن زیادہ ہیں۔ بخدا وہ وقت قریب ہے کہ جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور مکہ کا حج کرے گی اور اسے کسی کا خوف نہ ہوگا عدی اس دین میں داخل ہونے سے شاید تم کو یہ امر بھی مانع ہے کہ حکومت اور سلطنت آج دوسری قوموں میں ہے۔ واللہ وہ وقت قریب ہے جب تو سن لے گا کہ ارضِ بابل کا سفید محل (نوشیرواں کا درباری دیوان خانہ) مسلمانوں کے ہاتھ مفتوح ہوگا عدی کہتے ہیں کہ ان باتوں کا میرے دل پر خاص اثر ہوا اور میں مسلمان ہو گیا اس ارشادِ نبوی کے بعد دو سال سے زیادہ نہیں گزرے کہ میں نے ارضِ بابل کے شاہی محلات کو مفتوح بھی دیکھ لیا ایک بڑھیا کو قادسیہ سے مکہ تک حج کے لیے اکیلی آتے دیکھ لیا اور مجھے امید ہے کہ تیسری بات بھی ہو کر رہے گی۔ (رحمۃ للعلمین منقول از طبری)۔

اتحادِ خالی از شرک و دوئی　　باشد از توحید نے ماو توئی

لغات: شرک سے اشتراک و شرکت مراد ہے جس کے لیے مشارکین کا تعدد و تغایر لازم ہے اور وہ مانع وحدت ہے۔ دوئی دو ہونا تعدد۔

صنائع: شرک وتوحید میں تضاد ہے۔

ترجمہ: وہ اتحاد جو (مغایرانہ) اشتراک اور تعدد سے پاک ہو غلبۂ توحید سے ہی حاصل ہوتا ہے نہ کہ میں (میں ہوں) اور تو (تو ہے کہنے) سے۔

مطلب: ایک قوم میں حقیقی اتحاد دین و مذہب ہی سے منعقد ہوتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اہلِ عرب کو ادیان باطلہ سے ہٹا کر دین حق کی طرف راہنمائی کی تو سارا عرب ایک رشتہ اتحاد میں منسلک تھا اور جب ان کو خدا وند جل وعلا کی جناب میں تقریب حاصل کرنے کے لیے کبر و نخوت سے پاک ہو جانے کی تعلیم دی تو اس کے ساتھ ان لوگوں کے دلوں سے نسلی و شعبی تعصبات کا بھی قلع وقمع ہو گیا جو مایہ کبر و غرور تھے اور اس سے سارا ملک وحدت کے سانچے میں ڈھل گیا چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا **یامعشر القریش ان اللہ قد اذہب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تعظمھا بالآباء الناس من ادم و ادم من تراب** ''اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے''۔ سیرۃ النبی علامہ شبلی مرحوم میں لکھا ہے۔

''عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نا اتفاقی اور باہمی جنگ وجدال میں مضمر تھا اور اس نا اتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانوں اور نسلوں میں منقسم تھا تمام ملک کے اجتماع و اتحاد کے لیے ان میں کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔ **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ** (الحجرات) اور دفعۃً اس روحانی رشتہ نے خون، قرابت اور نسل کے تار و پود ادھیڑ دیے اور صرف ایک کلمہ **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** کی برقی رو اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے۔''

علامہ موصوف کی بات معقول ہے صرف یہ فقرہ محل نظر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔ گویا اسلام سے مقصود صرف یہ شیرازہ بندی تھی اور کچھ نہیں حالانکہ اسلام کا مقصدِ اولیں انسان کو انسانیت کے صحیح راستہ پر لانا اور معبود و عبد کے تعلق کو خوشگوار بنانا ہے جب اس مقصد کے لیے اسلام کی اشاعت عام ہو گئی اور تمام عرب اسلام کے رنگ میں رنگا گیا تو شیرازہ بندی اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ پس شیرازہ بندی اسلام کا مقصدِ اولیں نہیں بلکہ اس کا ایک لازمی اور خوشگوار و مبارک نتیجہ ہے اگر اسلام کا مقصد شیرازہ بندی ہوتا ہے تو معاذ اللہ یہ ایک پولیٹیکل مذہب قرار پاتا۔

برخاستنِ مخالفت و عداوت ازمیانِ انصار برکتِ وجودِ پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجُود کی برکت سے انصار کی باہم مخالفت و عداوت کا اٹھ جانا

دو قبیلہ کاوس و خزرج نام داشت　　یک زدیگر جانِ خُوں آشام داشت

لغات: اوس اور خزرج دو قبیلوں کے نام ہیں جو مدینہ میں بستے تھے اور اسلام لانے کے بعد انصار کے معزز لقب سے

مشرف ہوئے انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے اور قحطان کے خاندان سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو سیلِ عرم کہتے ہیں (اور قرآن مجید کی سورہ سبا میں اس کا نام اور ذکر ہے) تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے یہ دو بھائی تھے اوس اور خزرج تمام انصار انہی دو کے خاندان سے ہیں۔ انصار نے مدینہ اور حوالیِ مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے دونوں قبیلے ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے مطابق خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں اور سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں سب سے اخیر لڑائی میں جس کو بعاث کہتے ہیں اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے جس سے تھوڑی مدت بعد دینِ اسلام مدینہ میں پھیلا اور اس کی برکت سے دونوں قبیلے پھر بھائی بھائی بن گئے۔

خون آشام خون پی جانے والا۔

ترجمہ: دو قبیلے جن کا نام اوس اور خزرج تھے ان کی جان کو ایک دوسرے کا لہو پینے کی تمنا تھی۔

مطلب: مولانا نے عرب کے قبائل میں سے صرف ان دو قبیلوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا ہے کہ تاریخِ اسلام میں ان کا ذکر قریش کے بعد باقی سب سے زیادہ نمایاں ہے. دوسرے ان کے صلح و جنگ کا ذکر بطورِ تحدیثِ نعمت قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ آیا ہے ورنہ یہ قصہ انہی دو قبیلوں سے مخصوص نہیں بلکہ سارا عرب اس سرے سے لے کر اس سرے تک قتل و غارت گری اور سفا کی و خونریزی میں مبتلا تھا۔ سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے پہلے کی تاریخ کسی عہد میں اس ملک کے ملکی و قومی اتحاد کا نشان پیش نہیں کرسکتی اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں یہ ملک ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جدا رئیس تھے اور تمام قبائل آپس میں مصروفِ جدال رہتے تھے۔ اس طرح تمام ملک معرکۂ کارزار بنا ہوا تھا۔ حالی مرحوم۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے

درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

کینہائے کُہنہ شاں از مصطفےٰ محو شد در نُورِ اسلام وصفا

ترجمہ: ان کے پرانے (باہمی) کینے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (کی تعلیم وصحبت کی برکت) سے اسلام کے نور اور صفائی میں فنا ہو گئے۔

مطلب: صلح و صفائی کی یہ کیفیت اور اتحاد کا یہ عالم صرف اوس و خزرج پر بس نہیں۔ سارے عرب قبائل آپؐ نے شیر و شکر کر دیے۔ سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات میں فتنہ اور فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعلِ انسانی قرار دیا اور اس فعل کے مرتکب کے لیے سخت سزائیں مقرر کیں۔ چوری کے لیے ہاتھ کاٹے، رہزنی کے لیے قتل، پھانسی، قطع برید اور جلاوطنی کی تعزیریں جاری کیں۔ سورہ مائدہ میں خونریزی اور قتل و سفا کی کے انسداد کے لیے قصاص کا قانون نازل ہوا عملاً ملک میں قیامِ امن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار فوجیں بھیجیں، رہزن قبائل پر چھاپے مارے حجاز میں جن کا پیشہ چوری تھا وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے، فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے لیے فیصلے کے قانون وضع ہوئے اور جا بجا عمال کا تقرر ہوا۔''

لیکن یہ سب کچھ جو ہوا وہ انسانوں کی ظاہری فطرت [illegible] پیغمبر کا فرض ایک مقنن اور ایک عام مدبر کے

فرائض سے بدرجہا بلند ہے۔ اسلام کے قانونِ تعزیرات نے جو کچھ کام کیا قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضِ تلقین اس سے پہلے فردِ قرارداد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا قانون اور خوفِ تعزیر صرف بازاروں میں اور انسان کے عام مجمعوں میں جرائم سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوتِ اسلام کے فیضِ اثر نے دلوں کو بالکل خدا کے سامنے کر دیا جورات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور مقفل دروازوں اور کھڑکیوں سے بھی جھانکتا تھا۔ دفعتہً اب تمام ملک میں امن و امان تھا اور بخاری کی روایت ہے کہ عدی ابن حاتم نے شہادت دی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق صنعا سے حجاز تک لوگ تنِ تنہا سفر کرتے تھے اور خشیتِ الٰہی کے سوا اور کوئی خوف راستہ میں نہ تھا۔"

اولاً اخواں شدند آں دشمناں ہمچو اعدادِ عنب در بوستاں

ترجمہ: پہلے وہ لوگ جو اب تک ایک دوسرے کے دشمن تھے بھائی بھائی ہو گئے جس طرح باغ میں انگوروں کے دانے الگ الگ مگر یکرنگ ہوتے ہیں)۔

مطلب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضِ تعلیم وصحبت سے تمام عرب عموماً اور اوس وخزرج خصوصاً جو متحد و یک جان ہوئے اور توحید کے غلبہ اور فنا فی اللہ کے مقام میں سب ایک بن گئے تو یہ مرتبہ ان کو بتدریج حاصل ہوا چنانچہ پہلے دشمن سے بھائی بنے۔ یعنی ان سے اسبابِ تخالف وتباغض منعدم ہو گئے مگر ابھی وہ اپنے اپنے اغراضِ شخصیہ اور مطالبِ ذاتیہ کے باعث ایک دوسرے سے اس طرح متبائن ومتمیز تھے جس طرح ایک باغ میں انگوروں کے خوشے اور خوشوں کے دانے الگ الگ نظر آتے ہیں پھر اس کے بعد اتحادِ تام کا درجہ آتا ہے جو اگلے شعر میں مذکور ہے۔

اخوان شدند کے لفظ میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جو اوس وخزرج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا۔" خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر اس کے لطف ومحبت سے تم بھائی بھائی بن گئے۔" (آل عمران ع ۱۱)

وزدم اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ بہ بند در شکستند و تن واحد شدند

لغات: بند قید بعض نسخوں میں یہ لفظ بجائے فارسی بمعنی نصیحت درج ہے بہر دوصورت اس لفظ کو معنی شعر میں مربوط کرنے کے لیے شارحین کے اقوال مضطرب ہیں ہم نے ایک جداگانہ طرز اختیار کیا ہے جس میں دوسرے مترجموں کے خلاف از ابتدا کے لیے اور باء انتہا کے لیے قرار دی ہے۔

ترجمہ: اور (پھر) اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کے حکم سے (ترقی کر کے) اس مقام تک (پہنچے) کہ (اپنی شخصیتوں کی) قید (بھی) توڑ ڈالی اور یک تن ہو گئے۔

مطلب: یہ سورۂ حجرات کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ جو مع ترجمہ پیچھے گزر چکی ہے آگے اس کی ترقی مدارج کو انگوروں کی مثال سے چسپاں کر کے دکھاتے ہیں:

صُورتِ انگورہا اِخواں بُدند چُوں فشُردی شیرۂ واحد شدند

ترجمہ: وہ (پہلے) تو انگوروں (کے دانوں) کی طرح (جدا جدا) بھائی تھے (لیکن) جب (انگوروں کو) تم نے نچوڑا تو (سب کا) ایک شیرہ (بن گیا اسی طرح یہ بھی متحد) ہو گئے۔

مطلب: اس اتحاد سے مراد یہ ہے کہ حبُّ فی اللہ کے جذبے نے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی الفت کے ساتھ

مالوف کر دیا تھا کہ دوسرے کی ہمدردی و خیر خواہی میں اپنے ذاتی مقاصد و اغراض کی پروا نہ رہی جو ایثار کا ایک اعلیٰ درجہ ہے۔
پس یہاں اتحاد سے اتحادِ اغراض مراد ہے نہ کہ اتحادِ اجسام جو محال ہے اور اس قسم کے اتحاد کا دعویٰ کوئی مبالغہ نہیں نہ یہ کوئی تاویل طلب بات ہے تاریخِ اسلام بصورتِ جھوری اس کا ثبوت دے رہی ہے۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں عقدِ مواخاۃ قائم کر دیا تو انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے اپنے گھر، زمین، اثاثہ وغیرہ وغیرہ کا نصف حصہ بطیبِ خاطر دے دیا۔ ایک کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ اس نے اپنے مہاجر بھائی کے لیے ایک بیوی بھی پیش کر دی کہ اس سے نکاح منظور ہو تو ابھی طلاق دے دوں ایک جنگ میں کئی مسلمان زخمی پڑے تھے ایک کے منہ سے نکلا ہائے پانی، ایک شخص پانی لے کر آیا تو دوسرے زخمی کے منہ سے نکلا ہائے پانی، پہلے مجروح نے کہا پہلے ان کو دو وہ ان کے پاس پانی لے کر گیا تو چوتھے زخمی کی آواز آئی کہ ہائے پانی غرض اسی طرح وہ پانی والا دس زخمیوں تک پانی لے کر گیا اور ہر زخمی یہی چاہتا تھا کہ پہلے میرا بھائی پانی پیے جب وہ دسویں زخمی کے پاس گیا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی، پھر نویں زخمی کے پاس آیا تو وہ بھی وفات پا چکا تھا، اسی طرح دس کے دس بلا پانی پیے واصل بحق ہو گئے یہ تھا اتحاد ان لوگوں کا۔

غورۂ و انگور ضِدّا نند لیک　　چُونکہ غورہ پختہ شد شد یارِ نیک

ترجمہ: کچا انگور اور پکا انگور باہم ضد ہیں، لیکن جب کچا انگور پک گیا، تو (دوسرے پکے انگوروں کا) ایک اچھا رفیق بن گیا۔
مطلب: اس سلسلۂ تقریر میں یہ بیان چلا آ رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات و تصرفات کا اصناف خلق پر علی اختلافِ استعداد کیا اثر ہوا اور اس بیان میں اصنافِ خلق کی تربیتِ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ملحوظ ہے چنانچہ اعلیٰ درجہ کے صاحبِ استعداد لوگوں کی مثال انصار تھے جو فوراً دشمن سے بھائی اور بھائی سے یک دل و یکجان ہو گئے جن کو السابقون الاوّلون کہا گیا ہے اور اس حقیقت میں انصار سے بھی اعلیٰ درجے پر فائز بعض مہاجرین مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، زید بن حارثہؓ وغیرہ تھے اور ان کی مثال ان انگوروں سے دی جن کا شیرہ بن جاتا ہے دوسرے درجہ پر وہ لوگ جو ان سے ذرا ضعیف الاستعداد تھے مگر بالکل فاسد الاستعداد نہ تھے۔ اس بیت میں انہی کا ذکر ہے۔ ان کی مثال ان کچے انگوروں سے دی جو کچھ مدت میں دھوپ، گرمی اور ہوا کی تاثیرات سے پک کر پکے انگوروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے بلکہ مدت تک آپ کی مخالفت پر قائم رہنے کے بعد آخر اسلام کی تاثیرات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے اور مخلص مسلمانوں میں شامل ہو جانے کی فضیلت حاصل کی۔ اس کی مثال خالد ابن ولید اور عمر ابن العاص رضی اللہ عنہما ہیں جن کی شاندار اسلامی خدمات کا نمونہ یہ ہے کہ اول الذکر فاتحِ شام ہیں اور موخر الذکر فاتحِ مصر تیسرے درجہ پر فاسد الاستعداد لوگ ہیں جن کا ذکر اگلے شعر میں آتا ہے۔

غورۂ کوسنگ بست و خام ماند　　در ازل حق کافرِ اصلیش خواند

لغات: سنگ بست محکم، وہ میوہ جو پکنے نہ پائے اور کچا رہے۔
ترجمہ: (اور) وہ کچا انگور جو (خامی ہی میں) مرجھا گیا اور (کچے کا) کچا رہا اس کی مثال وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو روزِ اول سے کافرِ اصلی ٹھہرا دیا۔
مطلب: یہ فاسد الاستعداد اور ازلی کافر و شقی کی مثال ہے جس طرح ایک انگور کی قسمت میں خامی ہی کے اندر مرجھا جانا لکھا ہوتا ہے وہ کسی دیدۂ نظارگی کے لیے طراوت بخش ہونے کا موقع پاتا ہے نہ کسی میوہ فروش کی دکان کی زینت بنتا ہے نہ اس

سے کوئی کام وہاں لذت گیر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ ازلی کافر نہ خود اپنی ذات کے لیے مفید ہوتے ہیں نہ قوم و ملک کے لیے نہ اس سے خدا راضی نہ خدا کی مخلوق راضی۔ بدبخت پیدا ہوتے ہیں اور بدبخت ہی مرتے ہیں۔ اس کی مثال ابوجہل، امیہ ابن خلف عقبہ ابی ابن معیط اور ابولہب وغیرہم ہیں۔

نے اخی نے نفسِ واحد باشد او در شقاوت نحس و مُلحِد باشد او

ترجمہ: وہ نہ مسلمانوں کا بھائی (بنتا ہے) نہ (بھائیوں سے بڑھ کر ان سے متحد اور یکجان ہوتا ہے (بلکہ) بدبختی میں منحوس و ملحد رہتا ہے۔

مطلب: انہی اشقیاءِ ازلی کے بارے میں ارشاد ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ. یعنی جو لوگ منکر ہوئے ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرانا اور نہ ڈرانا یکساں ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بقرہ ع (۱)

سعدی ؎

ہیچ صیقل نکو نداند کرد آہنے را کہ بدگہر باشد
چوں بود اصلِ جوہرے قابل تربیت را در و اثر باشد
سگ بدریائے ہفتگانہ بشوے چونکہ ترشد پلید تر باشد
خرِ عیسیٰؑ اگر بمکہ رود چوں بیاید ہنوز خر باشد

گر بگویم آنچہ او دارد نہاں فتنۂ افہام خیزد در جہاں

ترجمہ: وہ کافر ازلی جو کچھ (حالات اپنی قسمت میں) مخفی رکھتا ہے اگر میں (اس کی تفصیل بیان کردوں تو دنیا میں لوگوں کے) خیالات کی ایک (بڑی) خرابی پیدا ہو جائے۔

سعادت اور شقاوت کے اخفا میں حکمت

مطلب: حکمتِ حق کا یہی تقاضا ہے کہ لوگوں کی سعادت و شقاوت سے پردۂ خفا نہ اٹھنے پائے اور یہ کسی کو علانیہ معلوم نہ ہو کہ کون سعید ہے اور کون شقی۔ ورنہ اس سے بہت سے اعتقادی مفاسد برپا ہونے کا اندیشہ ہے جن میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ پھر دنیا سے اعمالِ بر کا سلسلہ ہی معطل ہو جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے **ان العبد یعمل عمل اھل النار و انہ من اھل الجنۃ ویعمل عمل اھل الجنۃ وانہ من اھل النار و انما الاعمال بالخواتیم.** یعنی بندہ کبھی دوزخیوں کے سے عمل کرتا ہے اور ہوتا ہے اہل بہشت میں سے اور کبھی اہل بہشت کے سے عمل کرتا ہے اور ہوتا ہے دوزخیوں میں سے اور اعمال خاتمہ پر ہی معتبر ہوتے ہیں (مجالس الابرار) یعنی اگر عمر بھر کفر و شرک میں گزار کر مرنے سے پہلے مسلمان و صالح ہو گیا تو بہشت میں گیا اور اگر کسی کو بداعمالی کی حالت میں بتا دیا جائے کہ تم تو قطعی جنتی ہو تو پھر وہ دل میں کہے گا کہ ہم قطعی جنتی ہو گئے اب انہی رنگ رلیوں میں رہو طاعات و عبادات کی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے اور اسی طرح اگر نیک اعمال بجا لانے والے کو بتا دیا جائے کہ تم دوزخی ہو تو وہ کہے گا کہ پھر مجھے طاعات کی سردردی سے کیا حاصل ہے لاؤ دنیا میں ہر قسم کے مزے اڑائیں اور طاعات کی قیود سے آزادی حاصل کرلیں پھر دنیا میں کوئی بھی نمازی و روزہ دار نظر نہ آئے اور اس سے وہ مصلحتِ خداوندی فوت ہوتی تھی جو مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ سے ظاہر ہے کہ خلقتِ انسان کا مقصد عبادت و طاعت ہے اور اسی اطاعت میں انسان کی نجات کا راز مضمر ہے اور طاعت رجا و بیم کی حالت قائم رہنے کی صورت میں ہی بجا لائی جا سکتی ہے اور یہ حالت اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ آخرت میں اپنا انجام انسان کی نظر سے مخفی رہے ورنہ اچھا انجام ظاہر کی صورت میں خوف منتفی ہو کر

فوز وفلاح کا یقین مستحکم ہو جائے گا اور برا انجام معلوم ہو جانے کی حالت میں رجا منتفی ہو کر خیبت وخسران کا یقین موثق ہو جائے گا اور یہ دونوں صورتیں تعطیلِ اعمال کی باعث ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ یعنی عمل کیے جاؤ ہر شخص کے لیے وہ عمل آسان ہوگا جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ (مجالس)

ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ جب ایک عابد وصالح آدمی کے دوزخی ہونے یا ایک بدکار وفاسق آدمی کے جنتی ہونے کی اطلاع دی جائے تو عامہ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو طرح طرح کے شبہات عارض ہوں گے کوئی کہے یہ خبر ہی غلط ہے کوئی کہے تو پھر نیک اعمال سے کیا فائدہ اور برے اعمال سے کیا نقصان۔ کوئی کہے یہ تو اچھا انصاف ہوا۔ کوئی کہے اب ہم کو کون سے اعمال اختیار کرنے چاہییں۔ اچھے یا برے غرض جتنے دماغ اتنے اوہام اور جتنی زبانیں اتنی باتیں اور تشویشِ عقائد کا فتنہ عظیم برپا ہو جائے اس کی شہادت صحیح بخاری کی ایک روایت سے ملتی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگِ حنین میں شریک ہوئے تو آپ نے ایک شخص کے بارے میں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا تھا فرمایا یہ دوزخی ہے جب وہ جنگ میں شریک ہوا تو اس نے خوب ہی جہاد کیا حتیٰ کہ بہت سے زخم کھائے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس شخص کو ملاحظہ فرمایا جس کے بارے میں ارشاد کیا تھا کہ وہ دوزخی ہے کہ اس نے اللہ کی راہ میں کس قدر سخت جہاد کیا ہے اور کتنے زخم کھائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا لیکن ہے تو وہ دوزخی اس پر بعض (ضعیف الایمان) لوگ شک میں پڑ گئے اسی اثنا میں جب اس زخمی آدمی کو زخموں سے سخت تکلیف محسوس ہوئی تو اس نے اپنا ترکش اٹھایا ایک تیر نکالا اور اپنے گلے میں گھونپ لیا تو کچھ مسلمان لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دوڑے گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات سچ کر دکھائی اس شخص نے اپنا گلا چھید لیا اور خودکشی کر لی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ اے بلال کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دو کہ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُؤْمِنٌ "بہشت میں مومن ہی داخل ہوگا"۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ "اور اللہ اس دینِ پاک کو بدکار آدمی سے بھی ضرور مدد دلائے گا۔" (مشکوٰۃ) اس روایت سے ایک گرہ کا کھول دینا ضروری ہے مبادا کسی کو اس سے خلجان پیدا ہو سو وہ یہ ہے کہ کیا صحابہ میں سے کوئی شخص ہو سکتا ہے جو زخم کے درد سے تنگ آ کر خودکشی کا سا بزدلانہ فعل سرزد کرے اور کیا صحابہ میں ایسے ضعیف الایمان بھی ہو سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سن کر اس پر شک وشبہ کریں حالانکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کا وہ درجہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا غوث وقطب بھی اس کو نہیں پا سکتا اس گرہ کا حل یہ ہے کہ جنگِ حنین کی اسلامی فوج خالص کامل الایمان مسلمانوں اور صحبتِ نبوی سے فیض یافتہ صحابیوں پر مشتمل نہ تھی۔ جیسے کہ جنگِ بدر، جنگِ احد وغیرہ میں تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا مقابلہ مکہ پر فتح پائی اور اہلِ مکہ کو کسی باز پرس کے بغیر عفوِ عام سے بہرہ مند فرمایا تو ادھر بنی ہوازن اور بنی ثقیف نے یکبارگی مسلمانوں کو جنگ کا پیغام دے گا۔ یہی جنگ حنین تھی اہلِ مکہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش تھے ہی اس لیے ان قبیلوں کے مقابلے کے لیے تمام اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے جن میں مسلم وغیر مسلم قدیم الاسلام وجدید الاسلام سب شامل تھے۔ چنانچہ انہی خام عقیدہ اور دنیا طلب لوگوں کی شمولیت کی وجہ سے جنگِ حنین کے آغاز میں کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی اور اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شجاعت بر موقع بگڑتی بازی کو دگرگوں نہ کر دیتی تو مسلمانوں کو ان غوغائی ہمراہیوں کی وجہ سے قطعاً شکست مل چکی تھی پس احتمال غالب ہے کہ یہ خودکشی کرنے

والا اور شک و شبہ کرنے والے انہی نو مسلم بلکہ منافق لوگوں میں سے ہوں گے۔ ورنہ صحابی کی شان سے یہ باتیں بعید ہیں۔

ایک خرابی اطلاع شقاوت سے وہ ہے جو اس حدیث کے آخری کلمات سے مفہوم ہو سکتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو جس فاجر آدمی سے دین کا کوئی کام بنوانا مقصود ہے وہ اسی صورت میں یہ کام کر سکتا ہے کہ اس کو اپنے جہنمی ہونے کی خبر نہ ہو ورنہ وہ کیوں مدد دینے لگا۔

"گر بگویم آنچہ" سے پہلے یا تو حق بگوید مقدر ہے یعنی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر ان لوگوں کے حالات مخفیہ کو ہم طشت از بام کردیں تو اس سے بڑا فتنہ برپا ہوتا ہے یا بگویم کے متکلم خود مولانا ہیں جو ولایتِ کاملہ کا درجہ حاصل ہونے کے باعث یہ کشفی طاقت رکھتے ہیں کہ ان کو باعلامِ حق سعید و شقی کا پتا لگ جائے مگر وہ اسی مصلحت سے اس کا اظہار نہیں کرتے کہ اس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔

یہ شعر ایک سوال مقدر کا جواب ہے گویا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انگوروں کی مثال باہم ملتے جلتے افرادِ مسلمین پر ٹھیک صادق آتی ہے جو مساوات انگوروں میں ہے وہی یکسانی ان مسلمانوں میں بھی نظر آتی ہے پھر انگوروں کا شیرہ بن جانے کی مثال بھی ٹھیک ہے کہ شیرہ کی طرح افرادِ مسلمین کا یکدل و یکجان ہونا بھی صاف محسوس ہوتا ہے اور کچے انگوروں کے دیر پا کر پک جانے کی مثال بھی درست ہے کہ ان انگوروں کی طرح بعض کفار کا مدت کے بعد داخلِ اسلام ہونا بھی مشاہد ہے۔ مگر "غورۂ خام و سنگ بستہ" کا فاسد اور ناقابل پختگی رہ جانا تو یقینی ہے۔ ازلی کافر کی ازلیت کفر کا پتا نہیں لگتا یعنی اس کے متعلق یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اب دولتِ ایمان سے قطعاً محروم ہے کیونکہ ممکن ہے مرنے سے پہلے کبھی ایمان لے آئے۔ یہ شعر اس شبہ کا جواب ہے یعنی بے شک ازلی کافر کی ازلیت کفر "غورہ سنگ بستہ" کی خامی کی طرح نمایاں نہیں بلکہ مخفی و مستور رکھی گئی ہے تاہم "غورہ سنگ بستہ" اور ازلی کافر میں تشبیہ صحیح ہے اور دونوں میں وجۂ شبہ یعنی فسادِ استعداد اور فقدانِ صلاحیت بھی درست ہے ہاں یہ وجۂ شبہ غورہ میں ظاہر ہے اور ازلی کافر میں مصلحتاً مخفی رکھی گئی ہے اور مصلحت یہ ہے کہ مبادا فسادِ اعتقاد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ کما مرّ۔

سرِّ گبرِ کور نا مذکور بہ　　　دُودِ دوزخ از اِرم مہجور بہ

لغات: ارم بکسرِ اول و فتحِ دوم قومِ عاد کے ایک شہر کا نام ہے اور عاد جو اس قوم کا مورثِ اعلیٰ تھا اس کے دادا کا نام بھی ارم ہے یعنی عاد بن عوص بن ارم ان لوگوں نے اپنے شہر کا نام اپنے مورثِ اعلیٰ کے دادا کے نام پر رکھ لیا تھا مگر عام قصوں میں باغِ ارم سے شداد کا بہشت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شداد ایک بادشاہ تھا جس نے نو سو سال عمر پائی اس نے آخرت کے بہشت کی تعریف سن کر اس کے نمونہ پر دنیا میں بہشت بنانے کا ارادہ کیا صنعاء حضر موت کے مابین ایک مسطح و ہموار قطعہ ارض اس کے لیے پسند کیا اور اس میں بارہ بارہ میل لمبا چوڑا باغ بنایا جس کی ہر دیوار تین سو ہاتھ بلند تھی چاندی سونے کے محل تعمیر کرائے اور ان میں موتیوں کے فرش بچھائے لعل و زمرد کے خوبصورت مصنوعی درخت لگوائے چمنوں کی روشوں پر مشک و زعفران کی تہہ جمائی جب باغ پوری طرح تیار ہوا اور شداد اپنے ارکانِ دولت سمیت دیکھنے کو چلا تو ابھی اس میں قدم نہ رکھنے پایا تھا کہ غیب سے ایک ہولناک صدا آئی جس کی دہشت سے یہ سارے لوگ ہلاک ہو گئے۔ پھر اس بہشت نما باغ کو کسی نے نہ دیکھا وہ دنیا کے تختے پر موجود ہے مگر نظروں سے مخفی ہے صرف ایک شخص حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں اپنے اونٹ کی تلاش کرتا کرتا ادھر جا نکلا اس کو دروازۂ باغ مرصع بجواہر نظر آیا مگر کوئی آدم زاد دکھائی نہ دیتا تھا وہ اپنی تلوار ننگی کر کے باغ میں داخل ہوا تو سونے چاندی کے عالی شان محل، موتیوں کے فرش، لعل و زمرد کے درخت، مشک و زعفران کی روشیں دیکھ کر حیران و مبہوت رہ گیا واپس آیا تو لوگوں سے یہ حال بیان کیا اور اس قصے کا چرچا دربارِ خلافت تک پہنچا۔ امیر معاویہؓ نے اس شخص کو طلب کیا یہ قصہ سن کر بڑے متعجب ہوئے۔ حضرت کعب احبارؓ بھی موجود تھے جو صحابہ میں سے ایک اسراردان عالم ہیں۔ انہوں

نے فرمایا یہ شداد کا باغ ہے جس کو صرف ایک شخص دیکھے گا جس کا حلیہ یہ ہوگا حاضرین نے غور کیا تو اس شخص کا یہی حلیہ نکلا جو اسے دیکھ کر آیا تھا، مگر اہلِ تحقیق نے لکھا ہے کہ یہ سارا بے سروپا افسانہ محض گپ ہے اور اس میں امیر معاویہ اور حضرت کعب احبارؓ کا ذکر سراسر کذب و افتراء ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں پرزور دلائل سے اسی کی تردید و تغلیط کی ہے۔ قرآن مجید میں جو ارشاد ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ یعنی اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا (اس بات پر نظر نہیں کی) کہ تمہارے پروردگار نے عاد ارم کے (لوگوں کے) ساتھ کیسا (برتاؤ) کیا جو ایسے بڑے قد آور تھے کہ (قوتِ جسمانی کے اعتبار سے) دنیا کے شہروں میں کوئی (مخلوق بھی) ان جیسی پیدا نہیں ہوئی (الفجر ع ۱) اس کا مطلب جو ہے ظاہر ہے، مگر افسانہ پسند لوگوں نے اس کے لفظ ارم سے باغ ارم کی بنیاد رکھ لی ہے۔ ذات العماد کے کلمہ سے سونے چاندی کے ستون کھڑے کر لیے اور لم یخلق مثلھا سے اس باغ کے بے مثل و بے نظیر ہونے کی شہادت مہیا کر لی حالانکہ اصلیت صرف اتنی ہے کہ ارم سے یا تو عاد کا دادا مراد ہے یعنی وہ عاد جو ارم کی اولاد ہے یا وہ شہر مراد ہے جو ان لوگوں نے اپنے دادا ارم کے نام پر بسایا تھا۔ ذات العماد کے معنی ہیں ستونوں والا اور اس سے یا تو ان لوگوں کے بڑے بڑے ستون نما قدوں کی طرف اشارہ ہے یا شہر ارم میں کثرت سے ستون ہوں گے۔ اس لیے ذات العماد شہر کی صفت بھی ہوسکتی ہے۔ باقی مثل ہونا اس قوم پر بھی اس کے تناور و تنومند ہونے کے لحاظ سے صادق آسکتا ہے اور شہر پر بھی جو بہت عمدہ ہوگا اس سے کسی باغ نمونہ بہشت کا وجود ثابت نہیں ہوسکتا، بعض لوگ غلطی سے باغ ارم کو آٹھ بہشتوں میں سے ایک بہشت سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی کم علمی و بے خبری کا نتیجہ ہے حالانکہ آٹھ بہشت جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یہ ہیں (۱) خالد (۲) دار السلام (۳) دار القرار (۴) جنت عدن (۵) جنت الماویٰ (۶) جنت النعیم (۷) علیین (۸) فردوس۔

ترجمہ: (اس) کوُ (دل) کافر کے راز کا ذکر ہی نہ ہو تو اچھا ہے۔ دوزخ کا دھواں (باغ) ارم سے دور ہی اچھا ہے۔

مطلب: اوپر کے شعر میں اشقیاء کی حالت کے عدمِ اظہار میں یہ مصلحت بتائی تھی کہ اس سے اعتقادی فتنہ پیدا ہوتا ہے اس شعر میں اس کی دوسری مصلحت یہ بتاتے ہیں کہ ایک پاک وصاف دل میں جو بمنزلہ باغ ہے ان گندے اور ناپاک لوگوں کا خیال لانا بھی زیبا نہیں جن کے حالات بمنزلۂ دخانِ جہنم ہیں اور دھوئیں کا شاداب گلشن میں کیا کام؟ سعدیؒ ۔

بلبلا　مژدہ　بہار　بیار　خبرِ　بد　بُوم　شوم　گذار

لہٰذا ان برے لوگوں کا ذکر چھوڑ کر آگے پھر نیک لوگوں کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ باغِ ارم کا ذکر بناء علی المشہور آ گیا اگرچہ خود مولانا کی تحقیق میں بھی اس کا افسانہ غلط ہے۔ امثال و نظائر میں مشہورِ عام روایات کے ذکر اور محاورۂ اہلِ زبان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ ان کی کوئی اصلیت نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دوزخ کے ساتھ ارم کا ذکر برعایت تضاد بہشت کے معنی میں نہیں بلکہ عام باغ کے معنی میں ہے کہ اس کو بھی دوزخ کے سا　ہے۔

اختلاف: یہ شعر بعض دیگر نسخوں میں سے نقل کیا گیا ہے اور ہمارا قلمی نسخہ بھی اس کا موید ہے مگر نولکشوری نسخے میں جو ہماری اس شرح کا متن ہے یہ شعر یوں درج ہے۔

چشم　کو　آں　روئے　بیند　کور　بہ　دردِ　دوزخ　از　ارم　مہجور　بہ

جس کا ترجمہ بظاہر یہی ہوسکتا ہے کہ جو آنکھ اس رخ زیبا کی زیارت نہ کرے وہ اندھی ہو جائے تو اچھا ہے۔ درد اور دوزخ باغ ارم سے دور ہی اچھا مگر اس شعر کا شعر سابق سے کوئی معقول ربط نہیں اور اگر ہوسکتا ہے تو بتکلفِ بعید، بلکہ خود اس شعر کے دونوں مصرعے بھی آپس میں کوئی ربط نہیں رکھتے۔ اس لیے ہم نے یہ نسخہ ترک کر دیا۔

غور ہائے نیک کایشاں قا بلند   از دمِ اہلِ دِل آخر یک دلند

ترجمہ: (اور) اچھے انگورِ خام جو (پکنے کی) قابلیت رکھتے ہیں۔ اہل دل کی محبت سے آخر یک دل (و یک جان ہو جاتے) ہیں۔
مطلب: جو لوگ فطرتاً اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اگر چہ ان کے ماں باپ کی صحبت انہیں یہودی نصرانی اور مجوسی بنا لیتی ہے لیکن آخر استعداد تو اچھی ہوتی ہے۔ پس وہ انبیاء و اولیا کی صحبت کے فیض سے ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہو کر ان سے یک جان ہو جاتے ہیں۔ سعدیؒ۔

پیداست قطرہ کہ بقیمت کجا رسد   لیکن چو پرورش بودت دانۂ دُری

سُوئے انگوری ہمے رانند تیز   تا دُوئی برخیزد و کین و ستیز

لغات: انگوری بیائے مصدری انگوری بن جانا۔ دوئی تغایُر، جدائی۔
ترجمہ: وہ انگور پن کی طرف جلدی ترقی کرتے ہیں، حتیٰ کہ (ان میں اور پکے انگوروں میں خامی و پختگی کا) تغایر اور مخالفت ومخاصمت اٹھ جاتی ہے۔
مطلب: وہ لوگ اپنی صلاحیت کی بدولت اسلام سے قریب ہوتے جاتے ہیں، حتیٰ کہ داخلِ اسلام ہو کر اس تغایر کو اپنے اور دیگر مسلمانوں کے درمیان سے اٹھا دیتے ہیں جو ان کے کفر کی وجہ سے قائم تھا اور پھر ان کی وہ مخاصمت اور معاندت بھی مرتفع ہو جاتی ہے۔ شعر میں کین وستیز کا تعلق مثال یعنی انگوروں کے ساتھ نہیں، بلکہ ممثل لہ یعنی اہلِ استعداد کے ساتھ ہے۔

پس در انگوری ہمے درّند پوست   تا یکے گردند و وحدت وصفِ اوست

ترجمہ: پھر وہ انگور بن جانے کی حالت میں (اپنے) پوست پھاڑ ڈالتے ہیں تا کہ ایک (شیرہ) بن جائیں اور وحدت اس (شیرہ) کا وصف ہے۔
مطلب: انگور جب نہایت پک کر رسنے لگتا ہے تو اس کا چھلکا پھٹ جاتا ہے اب گویا اس کے شیرہ بن جانے کا وقت ہے اسی طرح مومنین اپنے اسبابِ تغایر کو فنا کر کے سب یکِ دل و متحد ہو جاتے ہیں۔ صائبؒ۔

اگر تن راز تن گردوں سنگین دل جدا سازد   دریں وحدت سرادل راکہ ازدل بارمیدار

دوست دشمن گردد ایرا ہم دواست   ہیچ کس باخویش جنگے درنہ بست

لغات: ایرا زیرا کہ دواست دوکس ہستند۔ جنگے درنہ بست اے جنگ برپانہ کرو طرح جنگ نینداخت در کا کلمہ زائد ہے۔
ترجمہ: دوست (بھی کبھی نہ کبھی) دشمن بن جاتا ہے کیونکہ (آخر یہ اور وہ دو ہیں اور دونوں میں تخالف ممکن ہے) مگر کسی نے اپنے ساتھ کبھی لڑائی نہیں باندھی۔
مطلب: انگوروں کے شیرہ بن جانے میں جو اتحاد کی کیفیت ہے اسی قسم کا اتحاد پوری طرح اختلاف و معانت کا استیصال کر سکتا ہے ورنہ صرف دوستی کافی نہیں کیونکہ دوستوں دوستوں میں بہت سے اسبابِ تغایر باقی رہ جاتے ہیں جو کبھی نہ کبھی پھر خصومت و نزاع کی تحریک کر دیتے ہیں، چنانچہ بہتیرے دوست باہم دشمن بن جاتے ہیں لیکن مذکورہ اتحاد کی کیفیت یہ ہے کہ بقول بزرگے۔

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدیؔ   تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جب دوئی مطلقاً اٹھ چکی اور وہ تم بن گئے تو پھر دشمنی ومخالفت کا امکان کہاں رہا بھلا کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو اپنے

آپ کا دشمن ہوا ہو؟

آفریں بر عشقِ کُلِّ اوستاد　　صد ہزاراں ذرّہ را داد اتّحاد

ترجمہ: عشق کے آفرین ہے جو (اتحاد دینے میں) استادِ کامل ہے اس نے لاکھوں ذروں کو متحد کر دیا۔غنیؒ۔

عشق بریک فرش بنشاند گدا و شاہ را　　سیل یکساں میکند پست و بلند راہ را

صائبؒ　زفیضِ عشق دلہائے مخالف مہربان گردد　　ز آتش رشتہائے شمع باہم یکزباں گردد

ولہ　موم در دامن دریائے کرم عنبر شد　　کفر در عشق محال است کہ ایماں نشود

جامیؒ　زاہد از سوزِ غمت لب خشک و صوفی دیدہ تر　　آہ زیں آتش کہ چوں زد شعلہ خشک و تر بسوخت

ہمچو خاکِ مُفترق در رہگذر　　یک سبُوشاں کرد دستِ کوزہ گر

لغات: مفترق پراگندہ رہگذر راستہ۔سبو گھڑا۔کوزہ گر کمہار مٹی کے برتن بنانے والا۔

ترجمہ: جس طرح راستے کی پراگندہ خاک (کے ذروں) کو کمہار کا　ہاتھ ایک گھڑا بنا دیتا ہے۔

مطلب: جس طرح رہگذر کی خاک کے ہزاروں منتشر و بے ربط ذرے کوزہ گر کی صنعت سے ایک گھڑے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ سب پر ایک ہی نام صادر آتا ہے، چنانچہ اگر ایک جز یہاں ہے، تو سب یہاں ہیں، اگر ایک جز وہاں ہے تو سب وہاں ہیں۔اسی طرح امت کے منتشر افراد اپنے ہادیٔ برحق کے تصرّف سے ایک رشتہ اتحاد میں منسلک ہو کر زجلِ وَاحِدٍ ہو جاتے ہیں۔پھر آگے فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ جو ہم نے دی ہے محض تقریبی ہے۔ورنہ جانوں کے اتحاد کو اس اتحاد سے کیا نسبت؟ جس کی دلیل یہ ہے کہ

کاتحادِ جسمہائے ماء وطیں　　ہست ناقص جاں نمیماند بدیں

ترجمہ: کیونکہ پانی اور مٹی کے (بنے ہوئے) جسموں کا اتحاد تو ناقص ہے جان کا اتحاد اس کے ساتھ مشابہ نہیں (جو اتحادِ کامل ہے)۔

گر نظائر گویم اینجا و مثال　　فہم را ترسم کہ آرد اِختلال

ترجمہ: اگر یہاں میں (اس اتحادِ کامل کے) نظائر اور مثالیں بیان کرنے لگوں تو مجھے خوف ہے کہ وہ (سامعین کے) فہم میں خلل ڈالیں۔

مطلب: فہم میں خلل یا تو اس طرح پڑ جائے کہ دماغ ان نظائر کی دقت و اشکال کا متحمّل نہ ہو سکے یا کم فہم لوگ اس اتحاد کو غلطی فہمی سے اتحادِ ذاتی سمجھ کر مبتلائے کفر ہو جائیں۔بہرکیف یہ اتحاد حق تعالیٰ کی محبت سے ہوتا ہے اور اس کا طریقہ جنابِ سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات سے معلوم ہوا ہے اور آج کل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب یعنی اہل اللہ کاملین اس اتحاد کی تعلیم دیتے ہیں اِس اتحاد کی ہر زمانے میں ضرورت ہے، لہٰذا ہر زمانہ میں اس کے معلم بھی موجود ہونے چاہییں اور ہیں۔زمانہ ان سے کبھی خالی نہیں رہتا آگے مولانا پھر سابقہ مضمون "ہم سلیمان ہست اندر دورِ ما" کی طرف رجوع فرماتے ہیں بات تو وہی چل رہی تھی۔اس اثنا میں اتحاد کی بحث بطور جملہ معترضہ آ گئی تھی۔

ہم سُلیماں ہست اکنوں لیک ما　　از نشاطِ دُور بینی در عمٰی

ترجمہ: مخلوق میں اتحاد پیدا کر دینے والے سلیمانِ (زمانہ) اب بھی موجود ہیں لیکن ہم (دنیا کے) طولِ امل کی مستی کے

سبب (ادھر سے) آنکھ بند کیے ہوئے ہیں۔

مطلب: اوپر یہ ذکر تھا کہ آج کل ارواح میں تباغض و تنافر بہت ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ سلیمانِ وقت موجود نہیں ہیں کیوں نہیں وہ موجود ہیں جیسا کہ آیۃ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ سے ثابت ہوتا ہے اور ثبوت یہ ہے کہ جو سبب اس وقت نذیر کے آنے کا داعی تھا۔ یعنی اتمامِ حجت و اصلاحِ امت وہ اب بھی موجود ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اب نذیروں کا سلسلہ منقطع ہو جائے پس ضرور ہوا کہ اب بھی موجود ہوں اور ہیں مگر لوگوں کو ان کی طرف توجہ نہیں، کیونکہ ان کی توجہات تمام تر دنیا کی طرف منعطف ہیں ان کا فکر ان کا غور اور ان کا خیال ہر آن ہر لحہ دنیا کی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے جس کو طول امل کہتے ہیں اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ نفس ایک آن میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں رہتا اور اس دنیاوی کاروبار کے فکر کی دوررسی و بلند پروازی بھی اس قدر طوالت پذیر ہے کہ اس کے سرے دائرۂ عمر سے باہر نکلتے چلے گئے ہیں اور ان فضول خیالات کے پروں سے پرواز کرنے والا اپنی خاص ضروریات سے غافل رہ جایا کرتا ہے۔ آگے اس کی ایک مثال پیش فرماتے ہیں:

دُور بینی کور دارد مرد را　　ہمچو خُفتہ درسرا کور از سرا
میکند از مشرق و مغرب گذر　　وز رفیقِ ہمنشینش بے خبر

ترجمہ: (دنیوی خبط کی) دور بینی آدمی کو (مصالحِ دارین سے) اندھا رکھتی ہے جیسے گھر کے اندر سویا ہوا آدمی گھر سے اندھا (ہوتا ہے) وہ مشرق و مغرب میں گھوم آتا ہے اور اپنے پاس بیٹھنے والے ساتھی سے بے خبر ہوتا ہے۔

مطلب: یہی حال دنیوی کاروبار کے خواب دیکھنے والے کا ہے کہ وہ کبھی فارس سے گوگرد فارسی کا ذخیرہ فراہم کرتا ہے، کبھی چین سے کاسۂ چینی کی بہم رسانی میں منہمک ہے، کبھی روم سے دیبائے رومی کے تھان مہیا ہو رہے ہیں، کبھی ہندوستان سے فولادِ ہندی کی سپلائی کی کوشش ہے، کبھی حلب سے آئینۂ حلبی کی تلاش ہے، کبھی یمن سے بردِ یمانی لانے کے لیے تگ و دو ہو رہی ہے، مگر کوئی کامل ولی اللہ جو اپنے محلے میں رہتا ہے یا خیر ذرا دور کسی اور مقام میں موجود ہے اسی کی خبر نہیں نہ کچھ قدر ہے۔

ذرہ را تا نبود ہمتِ عالی حافظ　　طالبِ چشمۂ خورشید درخشاں نشود
مُولعیم اندر سخنہائے دقیق　　برگرہہا باز کردن ما عشیق

لغات: مولع بضم میم وکسر لام مشتاق، دلدادہ۔ عشیق بمعنی عاشق یقال فلان عشیق فلانۃ وہی عشیقتہ کامیر وامیرۃ (منتہی الارب)

ترجمہ: ہم (دنیا کی) باریک باتوں کے دلدادہ ہیں اور (اغراضِ سفلیہ کے مشکل) عقدوں کے حل کرنے پر ہم فریفتہ (ہو رہے) ہیں۔

علوم دین کو اغراض سفلیہ کے لیے پڑھنا اور اس کا وبال

مطلب: سخنہائے دقیق اور گرہ ہا سے دنیوی اغراض کی تدابیر و تجاویز مراد ہیں یعنی وہ دنیوی کاروباری عقدہ کشائیوں میں اس قدر منہمک رہتے ہیں کہ اپنی دینی حالت کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے یا اس سے مطلق باریک باتیں مراد ہیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی عقلی ہوں یا نقلی اور ان سے صرف ذہنی تفریح اور دماغی تفنن مقصود ہوتا ہے نہ کہ کسبِ حسنات اور تہذیبِ نفس جیسے کہ شہرت طلب اور بحث پسند لوگوں کا شیوہ ہے کہ تفسیر و حدیث اور فقہ کی طرف تو توجہ نہیں اور منطق و فلسفہ اور مناظرہ و کلام کے علوم بڑے شد و مد سے پڑھتے ہیں پھر مطلب یہ ہوگا جو اگلے اشعار سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے کہ ہم علوم کو اس غرض سے پڑھتے ہیں کہ علمی موشگافیوں سے اپنا دل بہلائیں اپنے حریفوں کو زیادہ مغلوب والا جواب کریں اور لوگوں میں مشہور ہو جائیں۔ اس سے اپنی دینی اصلاح کرنا اور آخرت میں نجات پانا مقصود نہیں ہوتا۔ ایسا علم ظاہر ہے کہ کچھ بھی مفید نہیں بلکہ سخت مضر ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَآءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْيَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ. یعنی جو شخص اس غرض سے علم پڑھے کہ اس کے ساتھ علما کا مقابلہ کرے یا عام لوگوں کو لاجواب کرے یا اس کی بدولت لوگوں میں ہر دلعزیز ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ (مشکوٰۃ) یہ حکم تو عام علوم کے متعلق ہے خاص دینی علوم بھی اگر دنیوی غرض کے لیے پڑھے جائیں تو ان پر بھی سخت وعید ہے۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَايَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَا يجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يعني رِيحَهَا یعنی جو شخص اس علم کو جس سے مقصود خاص خدا کی رضا ہوتی ہے محض اس غرض سے پڑھے کہ اس سے دنیا کا حصہ حاصل کرے۔ تو قیامت کے روز بہشت کی بو بھی نہ پائے گا۔" (مشکوٰۃ)

بعض لوگ علمی موشگافیوں کے اس قدر دلدادہ و فریفتہ ہوتے ہیں کہ علم کی اصلی غرض کو ہی فراموش کر دیتے ہیں۔ ساری عمر منطق و فلسفہ کی بھول بھلیاں میں ٹھوکریں کھاتے گزار دیتے ہیں اور دینی علوم کی شکل تک نہیں دیکھتے ایک سرحدی طالب علم کا حال سنا ہے کہ اس نے سارا زمانہ طالب علمی کا یعنی پورے بارہ سال علم نحو کی کتاب شرح ملا جامی کو پڑھنے یاد کرنے پھر پڑھنے سوچنے سمجھنے اور ذہنی مزے لینے میں گزار دیے اور کسی دینی کتاب کو ہاتھ لگانے تک کا موقع نہ پایا۔ یہ لوگ ہیں جو مقصود بالعرض کے شوق میں مقصود بالذات کو بھول جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ایک مثال ہمیں یاد آئی لاہور میں ایک شخص کو دیکھا جس کی نسبت سنا گیا کہ جب اس کی شادی ہوئی تو ایک رنڈی ناچ مجرے کے لیے بلائی گئی دلہا صاحب ان محفلوں میں رنڈی پر اس قدر فریفتہ ہوئے کہ بس اسی کے ہو رہے نکاح کر کے سسرال سے واپس گھر آئے تو گویا اس رنڈی ہی کو بیاہ لائے زندگی بھر دلہن کا منہ تک نہ دیکھا۔

تا گرہ بندیم و بکشائیم ما　　　درشکال و در جواب آئیں فزا

لغات: شکال بکسرِ شین وہ رسی جو گھوڑے یا اونٹ کے پاؤں میں باندھتے ہیں کمر دحیلہ مگر یہاں اشکال کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں اعتراض، شبہ، مشکل بات۔ آئین قاعدہ، طریقہ۔

ترجمہ: تاکہ (علمی پیچیدگیوں کی ایک) گرہ لگائیں اور (ایک) کھولیں (اور) شبہات و جوابات میں قاعدے بڑھانے والے (بن جائیں)۔

ہمچو مُرغے کو کشاید بندِ دام　　　گاہ بندد تاشود در فن تمام

ترجمہ: (اس لیے ہماری مثال ایسی ہے کہ) جیسے ایک پرندہ کہ وہ (کبھی) جال کی گرہ کھولتا ہے (اور) کبھی لگاتا ہے تاکہ وہ اس فن میں ماہر ہو جائے اور بوقتِ ضرورت جال سے نکل سکے)۔

مطلب: کوئی مثال اگرچہ ممکن ہو مگر اس کا وقوع فرضی ہوتا ہے لیکن اس مثال کا امکان بھی فرضی و تخیلی ہے کیونکہ کسی پرندہ کا محض اس ارادہ سے ڈور میں گرہ لگانا اور پھر اس کو کھولنا کہ وہ گرہ کشائی کے فن میں ماہر ہو جائے اور کبھی صیاد کے دام میں پھنس جائے تو اس کی گرہ کو کھول کر خود کو نکال سکے ایک امرِ محال ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہارتِ عقدہ کشائی کا مذکورہ فائدہ ایک امر کلی ہے اور پرندہ مدرک کلیات نہیں ہوتا جب اس کو مہارت کے اس قائدے کا ادراک ہی نہیں تو اس میں مشغول کب ہو سکے گا۔ پس یہاں مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی ایسا پرندہ ہو جو جال سے نجات پانے کے لیے عقدہ کشائی کی مشق کرتا ہو تو وہ ہم ہیں پھر اس کی مشق و تمرین کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ :

اُو بود محروم از صحرا و مرج　　عمرِ او اندر گرہ کاری ست خرج

لغات: مَرج بفتح میم وسکون راء چراگاہ۔ گرہ کاری گرہ لگانے کا مشغلہ۔

ترجمہ: وہ جنگل اور چراگاہ (میں جانے اور اڑنے کی مشق کرنے سے) محروم رہ جاتا ہے اس کی عمر گرہ لگانے میں خرچ ہو جاتی ہے۔

مطلب: علمی موشگافیوں کا مشاق اور مشاق انہی گورکھ دھندوں میں زندگی کھوتا ہے اور تہذیب نفس وکسب اعمال اور تہیہ سامانِ نجات سے غافل رہتا ہے اور آخر روتا ہے۔ بقول سعدیؒ۔

دریغا کہ مشغولِ باطل شدیم　　ز حق دور ماندیم و غافل شدیم

دریغا چناں رُوح پرور زماں　　کہ بگذشت برما چوبرقِ یماں

چہ خوش گفت باکودک آموز گار　　کہ کارے نکردیم و شد روزگار

خود زبُونِ اُو نہ گردد ہیچ دام　　لیک پرّش درشکست افتد مدام

ترجمہ: کوئی جال اس سے مغلوب تو ہوتا نہیں لیکن اس کے پر ہمیشہ کے لیے ضعیف ہو جاتے ہیں۔

مطلب: چونکہ وہ مدت تک ڈور کے الجھانے سلجھانے میں مرمٹا رہتا ہے اور پرواز کرنے کا موقع نہیں پاتا اس لیے اس کے پر کمزور ہو جاتے ہیں اور پرواز کے قابل نہیں رہتے آخر جب کبھی جال میں پھنستا ہے تو اس کو گرہ کشائی کی مہارت بھی کچھ فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ اڑ ہی نہیں سکتا اڑنا چاہتا ہے مگر پھر اس جال میں پھنس جاتا ہے۔ کما قیل۔

چوں مرغ اسیرے کو بامیدِ رہائی　　ہر چند کہ پرواز کنم در قفس افتم

اس طرح جولوگ معقول وفلسفہ کے کیڑے بن جاتے ہیں وہ علومِ دین کے ذریعہ خدا شناسی پر فائز ہونے کے قابل نہیں رہتے اور ان کا فلسفہ اس دولت سے محروم ہے۔ کما قال اکبر الہ آبادی مرحوم ۔

فلسفی کو رازِ قدرت کا پتا ملتا نہیں　　ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

باگرہ کم کوش تابال و پرت　　نگسلد یک یک ازیں کرو فرت

لغات: ازیں کرّ وفرت میں حرف از یا تو انتزاعیہ ہے اس صورت کروفر کے معنی شان وشکوہ کے ہوں گا یا اجلیہ ہے اس تقدیر پر کروفر کے معنی سرگرمی کے لیے جائیں گے۔ بہر تقدیر ترجمہ دو طرح ہوگا۔

ترجمہ: (۱) (پس) گرہ (کی بست وکشاد) میں (زیادہ) مصروف نہ ہو تاکہ تمہارے پر اور بازو تمہاری اس شان وشکوہ (کی پرواز) سے محروم ہو جائیں ۔

ترجمہ (۲): (پس) گرہ (کی بست وکشاد) میں (زیادہ) مصرف نہ ہو تا کہ تمہاری اس مصروفیت کی سرگرمی کے سبب سے تمہارے پر ہی نہ ٹوٹ جائیں۔

مطلب: امورِ دنیویہ کی عقدہ کشائیوں میں علوم باطلہ کی موشگافیوں میں کہیں حق شناسی اور ہدایت طلبی کی استعداد نہ کھولینا۔

صد ہزاراں مرغ پرہاشاں شکست　　واں کمیں گاہِ عوارض را نہ بست

لغات: کمیں گاہ چھپنے کی جگہ جہاں سے جگہ ملے موقع پا کر دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے، مورچہ گھات کی جگہ عوارض حوادث۔

ترجمہ: لاکھوں پرندوں کے پر (اس جدوجہد میں) ٹوٹ گئے اور وہ حوادث کے مورچے کو توڑ نہ سکے۔

مطلب: تم سے پہلے لاکھوں بڑے بڑے طاقتور اور مدبر لوگ اپنی دماغی قوتوں کے زور سے حوادثِ دنیا سے بچنے کی تدبیریں کر چکے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوئے چنانچہ عہد اسلام کا نامی فلسفی و ہیئت دان عمرؒ خیام کہتا ہے کہ میں نے زمین سے لے کر بالائے فلک تک کی تمام علمی مشکلات کو حل کر دیا مگر موت کا عقدہ حل نہ ہوا۔

از جرم حضیضِ خاک تا اوجِ زحل   کردم ہمہ مشکلاتِ عام راحل

بیروں جستم زبندِ ہر مکرو حیل   ہر بند کشادہ شد مگر بندِ اجل

حالِ ایشاں از نُبے خواں اے حریص   نَقَّبُوْا فِیهَا ببیں هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ

لغات: نَقَّبُوْا یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ط هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ" اور ان (کفار مکہ) سے پہلے ہم نے کتنی امتیں ہلاک کر ماریں کہ وہ ان سے بل بوتے میں کہیں بڑھ (چڑھ) کر تھے (تو جب ان پر عذاب نازل ہوا تو) انہوں نے تمام شہروں کو چھان مارا کہ کہیں بھاگنے کا ٹھکانہ بھی ہے"۔ (ق ع ۳)

ترجمہ: اے حریص! ان کا حال قرآن مجید میں پڑھ (کر دیکھ) لے (جہاں فرمایا ہے کہ) ان لوگوں نے زمین میں کھوج لگائے۔ پس کیا (کہیں) چھٹکارا ہے؟

مطلب: پہلی قوموں نے طلبِ دنیا کی جدوجہد میں ملکوں کو چھان مارا مگر کیا وہ حوادث سے بچ گئے، ہرگز نہیں۔ پس دنیا میں اس قدر انہماک بے سود ہے ہاں بقدرِ اجازتِ شرعیہ کچھ مضائقہ نہیں۔ یہاں تک دور بینی و اشکال پسندی کا ذکر چلا آ رہا تھا جو اس طرح شروع ہو گیا تھا کہ وہ سلیمان زمانہ کی شناخت کا مانع ہے اب پھر سلیمانِ زمانہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور انہی چار شخصوں کے ذکر سے سابقہ نصیحت کی طرف عود فرماتے ہیں کہ خود اپنی کوشش سے اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا کوئی اتحاد آموز پیشوا تلاش کرو۔

از نزاعِ ترک و رُومی و عرب   حل نشد اِشکال انگور و عِنب

ترجمہ: (دیکھو) ترک، رومی، عرب (اور ایرانی) کے جھگڑے سے انگور و عِنب (اور اوزم و استافیل) کی (لفظی) بحث طے نہ ہوئی (اسی طرح خود تمہاری اپنی کوشش سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا)۔

تا سلیمانِ لَسِین معنوی   درنیاید بر نخیزد ایں دُوئی

لغات: لَسِین۔ بروزنِ امین بمعنی زبان آور استعمال ہوا ہے جو لسان سے مشتق ہے مگر کتبِ لغت اس وزن کے صیغۂ صفت پر شہادت نہیں دیتیں ہاں ایک لفظ لَسن بفتحِ لام و کسرِ سین اس معنی میں آتا ہے اور قیاس غالب یہ ہے کہ لسین اسی کلمہ کے کسرۂ سین کے اشباع سے بنا ہے اور اشباع و تخفیف کا عمل مثنوی شریف میں بکثرت ہے۔

ترجمہ: جب تک سلیمان زباں داں نہیں آ جاتے یہ مغائرت اٹھنے کی نہیں۔

مطلب: صاحبِ مکاشفات لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس سے ظہور صاحبِ امر (یعنی امام مہدی) کی طرف اشارہ ہو یعنی جب تک امام ممدوح کا ظہور نہیں ہوتا یہ اختلافات رفع نہ ہوں گے۔ (انتہیٰ) ہندوستان کے مشہور محدث حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ جب تک امام مہدی نہیں آتے بدعات کا استیصال ناممکن ہے۔ صرف تمہیدِ مباحث اور توزیعِ رسائل سے یہ کام نہیں نکل سکتا۔

اختلاف: لسین کا کلمہ دوسرے نسخوں میں درج ہے ہمارے نسخہ میں اس کے بجائے امین لکھا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناقل نے کلمہ لسین کی اشتقاقی غرابت سے گھبرا کر اس کو امین سے بدل دیا اگرچہ نقل و روایت میں یہ بات امانت کے خلاف ہے۔

جملہ مُرغانِ مُنازِع بازوار　　بشنوید ایں طبلِ بازِ شہریار

لغات: منازع۔ بضم میم و کسر زا جھگڑنے والا۔ تنازع کرنے والا۔ طبل باز یا طبلک باز ایک چھوٹا سا نقارہ جس کو شکاری اپنے ساتھ رکھتے ہیں جب شکار کے جانور زمین پر یا پانی کی سطح پر ہوتے ہیں تو شکاری اس نقارے کو بجاتے ہیں جس کی آواز سے وہ پرندے اڑتے ہیں پھر باز کو ان پر چھوڑ دیا جاتا ہے بعض کے نزدیک اس نقارے کے بجانے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ باز اس کو سن کر شکار پکڑنے کے لیے ہوشیار ہو جائے اور یہاں اس کلمہ کے استعمال سے یہی مراد معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ: (پس) اے سارے جھگڑنے والے جانورو! باز کی طرح بادشاہ کے طبل باز (کی آواز) کو سن لو (اور متحد ہونے کے لیے آمادہ و مستعد ہو جاؤ)۔

زِاختلافِ خویش سُوئے اتحاد　　ہیں ز ہر جانب رواں گردید شاد

ترجمہ: اپنے اختلاف سے اتحاد کی طرف ہر سمت سے خوش خوش چل پڑو۔

مطلب: ایک امت کا وہ حقیقی نظام جو اتحادِ کامل پر متضمن ہو اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ پہلے اندرونی اختلافات و نزاعات کا قلع وقمع کر دیا جائے اور خانہ جنگی بند ہو جائے مسلمانانِ عرب نے تمام روئے زمین پر اسی اتحاد کی بدولت غلبہ پایا اور اس وقت مسلمانوں کی قوت کا یہ عالم تھا کہ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ اگر تم (مسلمانوں میں ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہوں گے (تو وہ) دوسو (کافروں پر غالب رہیں گے)۔ (انفال ع ۹) مگر آج مسلمانانِ عالم اسی اتحاد کے نہ ہونے سے دنیا میں ایک مغلوب ترین قوم ہیں اور اس کی ذمہ دار خود ان کی خانہ جنگیاں، فرقہ بندیاں، خودغرضیاں اور نفس پرستیاں ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ جو نعمت کسی قوم کو خدا کی طرف سے حاصل ہو جب تک وہ (قوم) اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اس (نعمت) میں کسی طرح کا تغیر (وتبدل) نہیں کیا کرتا (رعد ع ۲)۔

حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وَجْھَکُمْ　　نَحْوَ ھٰذَا الَّذِیْ لَمْ یَنْھَکُمْ

ترجمہ: تم جہاں (بھی) ہو بس اپنے رخ اس کی طرف پھیر دو جس سے تم کو (کوئی) منع نہیں کرتا۔

مطلب: مصرعہ اولی اس آیت سے اقتباس ہے وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ ط اور مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہوا کرو اسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو (بقرہ ع ۱۷)

غرض مسلمانوں کی سعادتِ دارین اسی میں ہے کہ وہ اپنے تمام اختلافاتِ لایعنی کو مٹا کر ایک مرکز پر مجتمع اور متفق و متحد ہو جائیں۔ اقبال سلمہ ؎

من شنیدستم ز نبّاضِ حیات　　اختلافِ تست مقراضِ حیات

از یک آئینی مسلماں زندہ است　　پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است

ماہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست　　اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

چوں گہر در رشتہ او سفتہ شو　　ورنہ ما نندِ غبار آشفتہ شو

کور مُرغا نیم وبس ناساختیم　　کاں سلیماں را دمے نشنا ختیم

ترجمہ: ہم تو اندھے جانور ہیں اور آپس میں نہایت ناموافق ہیں جو لحہ بھر کے لیے بھی اس سلیمان کو نہ پہچان سکے۔

مسلمانانِ سلف کے دنیا پر غالب ہونے اور موجودہ مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی وجہ

مطلب: ہم اپنی کور باطنی کے سبب سے مقبولانِ حق کو نہیں پہچانتے ورنہ وہ ہم سے دور نہیں ہیں کاملین کو سلیمان سے تشبیہ دی ہے تو اس کی مناسبت سے عوام کو مرغان قرار دیا کیونکہ سلیمان علیہ السلام منطق الطیر یعنی پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور طیور آپ کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔

ہمچو جُغداں دشمنِ بازاں شُدیم لا جَرَم واماندۂ ویراں شُدیم

ترجمہ: ہم اُلووں کی طرح بازوں کے دشمن ہو گئے۔اس لیے پسماندہ اور خراب ہو گئے۔

مطلب: الو اور باز کی دشمنی تو ثابت نہیں البتہ الو اور کوے کی دشمنی ضرب المثل ہے پس یہاں دشمنی سے خاص تخاصُم و تباغض نہیں بلکہ مطلق مغائرت و بیگانگی مراد ہے چنانچہ الو کو ایک ویرانہ پسند و تاریکی طلب جانور ہونے کے لحاظ سے منحوس سمجھا جاتا ہے اور باز ایک ستھرا اور شائستہ پرندہ ہونے کی حیثیت سے تمام پرندوں سے ممتاز اور مبارک مانا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح الو تمام طیور سے الگ تھلگ رہنے والا ہے اور اسے ایک منحوس پرندہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی شہبازانِ اوجِ طریقت سے متنفر و مجتنب رہنے کی وجہ سے الو کی طرح منحوس و نامبارک ہیں جس کا نتیجہ محرومی و ناکامی ہے۔

اینکہ صائب دستِ ما از دامنِ او کوتہ است نارسائی ہائے اقبال ست دامنگیرِ ما

میکنیم از غایتِ جہل و عمیٰ قصدِ آزارِ عزیزانِ خُدا

ترجمہ: اپنی انتہائی جہالت و کور باطنی کی وجہ سے مقبولانِ خدا کو دکھ دینے کا ارادہ کرتے (رہتے) ہیں۔

جمع مرغاں کز سُلیماں روشنند پرّ و بالِ بیگنہ کے برکنند

ترجمہ: پرندوں کی وہ جماعت جو سلیمان (کی صحبت) سے روشن دل ہو چکی ہے وہ کسی بے گناہ کے پر و بال کیوں نوچنے لگی۔

مطلب: اہل اللہ کی صحبت سے مستفیض ہونیوالے لوگ کبر، بغض، حسد، ظلم وغیرہ رذائل سے بالکل پاک ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کسی بے گناہ پر دستِ تعدّی ہرگز دراز نہیں کرتے اور بے گناہوں میں اہل اللہ بھی داخل ہیں کیونکہ وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے وہ اہل اللہ کا بھی کمال ادب ملحوظ رکھتے ہیں اور کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے ان کے دل کو ملال پہنچے۔ صائبؒ۔

گفتارِ دلخر اش بنازک دلانِ فقر مینا براہِ آبلہ پایاں شکستن ست

بلکہ سُوئے عاجزاں چینہ کشند بیخلاف و کینہ آں مُرغاں خوشند

ترجمہ: بلکہ وہ عاجز و محتاج پرندوں کی طرح چینہ لے جاتے ہیں وہ پرندے لڑائی اور کینے کے بغیر (رہ کر ہی) خوش ہیں۔

مطلب: اہل اللہ کی تربیت دادہ لوگ محتاج و عاجز لوگوں کو ایذا تو کیا دیں گے بلکہ ان کی اعانت کرتے ہیں وہ اپنے دلوں کو کینہ و بغض سے پاک رکھنے میں ہی خوش محسوس کرتے ہیں۔ صائبؒ۔

روشن است از دل بے کینۂ ماسینۂ ما گوہر ماست چراغِ دل گنجینۂ ما

آگے مولاناؒ اہل اللہ کی تربیت دادہ مریدوں کو پرندوں سے تشبیہ دیتے ہیں یعنی جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مختلف انواع کے طیور جمع تھے یہ مرید بھی اپنے پیر کے گویا درباری طیور ہیں پھر ساتھ ہی ان کے صفاتِ حسنہ بیان کی ہیں اور ہر صفت میں ایک مناسبتِ خاص ملحوظ ہے۔ ناظرین خیال رکھیں۔

ہُد ہُد ایشاں پئے تقدیس را　　　میکشاید راہ صد بلقیس را

لغات: تقدِیس اللہ تعالیٰ کے تقدُّس کا ذکر کرنا سُبُوحٌ قُدُّوسٌ کا ورد کرنا۔ بلقیس ملکِ یمن کی ایک ملکہ کا نام ہے جس کا قصہ تفسیر خازن وغیرہ میں یوں منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہر پرندے کو ایک ایک خدمت پر مامور کر رکھا تھا چنانچہ ہد ہد کا فرض یہ تھا کہ فوج کے لیے پانی کا سراغ لگایا کرے (جس کا ذکر مثنوی میں پیچھے گزر چکا ہے) ایک روز سلیمان علیہ السلام اپنی فوج سمیت ملک یمن کی طرف جا رہے تھے کہ اپنے تخت رواں سے نماز کے لیے اترے تمام لشکر نے وہیں ڈیرے ڈال دیے ہُد ہُد موقع پا کر سرزمینِ یمن کی سیر کرنے کے لیے آگے نکل گیا۔ ایک نہایت سرسبز و شاداب شہر میں جا پہنچا جس کا نام سبا تھا اس پر ایک عورت حکمراں تھی یہی بلقیس تھی جس کے ماتحت بارہ سپہ سالار تھے اور ہر ایک سپہ سالار کی کمان میں ایک لاکھ سپاہی تھے۔ ملکہ اور رعایا سب سورج کی پوجا کیا کرتے تھے ادھر سلیمان علیہ السلام نے فوج کے لیے پانی کی ضرورت محسوس فرما کر پوچھا ہُد کہاں ہے تو اس کا کچھ پتا نہ ملا۔ سخت ناراض ہوئے اتنے میں ہُد ہُد بھی آ پہنچا عذر و معذرت کے بعد اس نے عرض کیا یا حضرت میں ایک عجیب و غریب خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں میں شہرِ سبا کا حال معلوم کر کے آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک عورت کو حکمران دیکھا ہے جس کو ہر طرح کے ساز و سامانِ سلطنت میسر ہیں اور اس کے پاس ایک عظیم الشان تخت ہے لکھا ہے کہ یہ تخت تیس ہاتھ لمبا اور اسی قدر چوڑا طلائے احمر کا بنا ہوا اور جواہرات سے مرصع تھا اور اس کے پائے یاقوت اور زبرجد کے تھے۔ ہُدہُد نے ان لوگوں کی آفتاب پرستی کا بھی ذکر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے نام ایک رقعہ لکھوا کر ہدہد کو دیا کہ بلقیس کے پاس پہنچا دے۔ ہدہد نے یہ رقعہ لے جا کر بلندی سے ملکہ کے سامنے ڈال دیا۔ ملکہ نے اسے اٹھا کر پڑھا تو لکھا تھا۔ اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمَانَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم۔ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۔ "یعنی یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا جاتا ہے کہ تم لوگ سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔" اس کے بعد ملکہ نے مشورہ کے لیے اعیانِ دولت کا ایک جلسہ طلب کیا۔ سب نے عرض کیا کہ تمام فوج جان نثاری کے لیے تیار ہے۔ آگے جو حضور کی رائے مبارک ہو۔ ملکہ نے کہا جنگ وجدال کوئی آسان کام نہیں ممکن ہے ہم کو شکست ہو تو پھر فاتح ایک مفتوح شہر کو جس قدر تباہ و برباد کیا کرتے ہیں اور اہلِ عزت کی جس قدر توہین و تذلیل ہوا کرتی ہے کسی سے مخفی نہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ تحفہ و تحائف بھیجے جائیں پھر دیکھا جائے گا کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ بادشاہ ہیں یا نبی ہیں اس کے بعد ملکہ نے کچھ ایسی سربستہ و مخفی چیزیں جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے نورِ نبوت کا امتحان ہو سکے اور چار طلائی اینٹیں ایک سفارت کے ساتھ بھیجیں اور سفیر کو کہا کہ اگر سلیمان غرور و تمکنت کے انداز سے پیش آئے تو سمجھنا کہ وہ ایک بادشاہ ہیں پھر تمہیں ان سے ڈرنا اور دبنا نہیں چاہیے کیونکہ ہم ان سے کچھ کم نہیں ہیں اور اگر تواضع اور اخلاق سے پیش آئیں تو سمجھنا نبی ہیں تو تم ان کا ہر طرح ادب و احترام ملحوظ رکھنا۔ ادھر سلیمان علیہ السلام کو بھی باعلامِ حق یہ تمام حال معلوم ہو گیا۔ انہوں نے ایک بہت بڑا میدان دربار کے لیے تیار کرایا جس میں تمام انس و جن شیاطین طیور و وحوش کی نشستیں قائم کیں اس کا سارا فرش سونے کی اینٹوں سے بنایا گیا، صرف چار اینٹوں کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ سفارت پہنچی تو تمام دربار آراستہ و پیراستہ تھا سفیر اور اس کے ساتھیوں پر رعب چھا گیا۔ سارا فرش سونے کی اینٹوں کا دیکھ کر دل میں کیا ہمارے ہدیے کی چار اینٹوں کی یہاں کیا حقیقت ہے وہاں چار اینٹوں کی خالی جگہ دیکھ کر یہ وسوسہ بھی گزرا کہ مبادا یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے یہ اینٹیں اسی جگہ سے اٹھائی ہیں اور الٹا لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس لیے اپنے ساتھ کی اینٹیں نکال کر اس خالی جگہ میں جما دیں۔ آگے بڑھے تو اصنافِ خلق کو درجہ بدرجہ صف بستہ حاضرِ دربار دیکھا۔ یہ سماں دیکھ کر وہ لوگ بہت متاثر ہوئے۔ صدر دربار میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نہایت خوش اخلاقی اور بشاشت سے پیش آئے۔ سفیر

نے تحفے پیش کیے تو آپ نے ان مخفی تحائف کا راز پہلے ہی بتا دیا اور تمام تحائفُ ہدایا کو رد کر کے فرمایا کہ تم مال سے میری مدد کرنی چاہتے ہو حالانکہ خداوند تعالیٰ نے اس سے بہتر انعامات مجھے دے رکھے ہیں۔ ملکہ سے کہو کہ ایمان لے آئیں ورنہ میں اس قدر جرار لشکر بھیجوں گا جس کے مقابلے کی تم کو تاب نہ ہوگی۔ سفیر نے یہ تمام ماجرا ملکہ سے جا عرض کیا ملکہ نے کہا، سلیمان صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ نبی بھی ہیں اسی وقت اپنے تمام خدم وحشم سمیت سب کو پورے تزک و احتشام کے ساتھ روانگی کا حکم دیا۔ ادھر حضرت سلیمانؑ نے اپنے مشیروں سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی یہ کام کرسکتا ہے کہ بلقیس کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت ہمارے پاس لے آئے۔ جنات میں سے ایک عفریت نے عرض کیا میں اس کو حضور کے دربار سے اٹھنے سے پیشتر یہاں لاسکتا ہوں آپ نے فرمایا نہیں اس سے بھی پہلے آنا چاہیے پھر آپ کے وزیر اعظم آصف بن برخیا نے جو اسمِ اعظم جانتے تھے عرض کیا میں اس کو آنکھ کے پلک مارنے سے پہلے لائے دیتا ہوں اتنا کہتے ہی انہوں نے اسم اعظم جو پڑھا تو تخت کو وہاں موجود پایا۔ پھر مصلحتاً اس تخت کے جوہرات کو ادل بدل کر کے ان کی ترتیب میں ذرا تغیر کر دیا مگر بناوٹ کی صفائی میں فرق نہ آنے دیا تاکہ بلقیس کی شناخت کا بھی امتحان ہو جائے۔ جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں تو آپ نے انہیں بڑی عزت کے ساتھ بٹھایا۔ تخت بھی پاس ہی رکھا تھا وہ کن آنکھیوں سے اس کو دیکھتی جاتی تھیں۔ آصف نے پوچھا کیا تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ بلقیس نے اس کے جزوی فرق کو ایک ہی نظر سے بھانپ لیا تھا اس لیے اس کے جواب میں ہاں نہیں کہہ سکتی تھیں کیونکہ وہ اس کو جھوٹ سمجھتی تھیں اور نہیں بھی نہ کہہ سکیں کیونکہ یہ دوسرے لوگوں کی نظر میں جھوٹ ہوتا اس لیے گول مول جواب دیا اور خوب جواب دیا۔ "کَاَنَّہٗ ھُوَ" یہ تو گویا عین مین وہی ہے"۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوئے اور ان کی زیرکی کی داد دی۔ اس کے بعد ملکہ بلقیس داخلِ اسلام ہوئیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا۔

صنائع: اس میں بلقیس کے قصے کی طرف تلمیح ہے۔

ترجمہ: ان پرندوں میں سے جو ہُد ہُد ہے وہ سینکڑوں بلقیسوں پر تحمید وتقدیس کے لیے راستہ کھول رہا ہے۔

مطلب: جس طرح حضرت سلیمانؑ کا ہدہد بلقیس ملکہ سبا کی ہدایت کا باعث بن گیا اسی طرح ان بزرگوں کے ہدہد صفت خلفا، صدہا گمراہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

زاغِ ایشاں گر بصورت زاغ بُود بازِ ہمّت آمد و مَازاغ بُود

لغات: مازاغ یہ اس آیت سے ماخوذ ہے کہ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی پیغمبر کی نظر نہ (کسی طرف کو) بہکی نہ (جگہ سے) اچٹی۔ (نجم ع ۱)

صنائع: زاغ بمعنی غراب اور زاغ صیغہ ماضی از زیغ میں تجنیس۔

ترجمہ: ان کا کوا بھی اگرچہ صورت میں کوا تھا مگر ہمت میں باز نکلا اور حق تعالیٰ کی طرف سے نگاہ ہٹانے والا نہیں تھا۔

لکلکِ ایشاں کہ لک لک میزند آتشِ توحید در شک میزند

صنائع: لکلک اور لک لک لفظوں میں تجنیس مرکب ہے۔

ترجمہ: ان کا لکلک بھی جو لک لک (کے نعرے) مارتا ہے شک (وشبہ کے خس وخاشاک) میں توحید کی آگ لگا رہا ہے۔

مطلب: لکلک ایک آبی پرندہ ہے لک لک اس کا اسمِ صوت ہے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ گویا وہ ذاتِ حق سے خطاب

کر کے کہہ رہا ہے۔ لَکَ لَکَ یعنی وہ اس کے لیے صفاتِ کاملہ کا اثبات کر رہا ہے بایں معنی لَکَ الْحَمْدُ لَکَ الثَّنَاءُ لَکَ الْمُلْکُ وَلَکَ الْحُکْمُ وغیرہ یعنی حمد تیرے ہی لیے ہے ثنا تیرے ہی لیے ہے ملک تیرے ہی قبضے میں حکم چلانا تیرا ہی کام ہے اور یہ اقرار عین توحید ہے جس سے خداوند تعالیٰ کی الوہیت کا شک بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی جب پرندے تک اس کی توحید میں مشغول ہیں تو توحید کی حقانیت کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا مطلب یہ کہ ان بزرگوں کا ہر خلیفہ ناشرِ توحید ہے اور قامعِ شرک ہے۔

وان کبوترشاں زبازاں نشکہد　　باز سر پیشِ کبوتر شاں نہد

لغات: بازان جمع باز بخلافِ قیاس نشکہد مضارع منفی از شکوہیدن اپنی شان وشکوہ دکھانا، ڈرنا۔

صنائع: کبوتر اور باز کی مناسبت ملحوظ ہے کیونکہ باز کا مرغوب ترین شکار کبوتر ہے کما قال عمیہ سنائی۔

شاہبازِ غیرتِ حق ازکمیں زد پنجہ　　زاں کبوتر وار دریک گوشہ مسکن کردہ ام

ترجمہ: اور ان کا کبوتر بھی بازوں سے مرعوب نہیں ہوتا (بلکہ) بازان کے کبوتر کے آگے (عجز و تواضع سے) سر رکھتا ہے۔

مطلب: ان بزرگوں کے خلفا ہر چند کہ مرنجاں مرنج اور منکسر المزاج ہیں مگر گردن کش و مغرور لوگ بھی ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ یہ ان کے خداداد وقار کا اثر ہے۔

بلبلِ ایشاں کہ حالت آرد او　　در درونِ خویش گلشن دارد او

صنائع: بلبل کو گلشن کے ساتھ خاص مناسبت ہے کما قیل "بلبل بباغ وجغد بویرانہ می رود۔"

ترجمہ: ان کی بلبل بھی جو وجد میں آتی ہے (تو معلوم ہوتا ہے کہ) وہ اپنے اندر (معارف کا) ایک باغ رکھتی ہے۔

طوطیِ ایشاں زِقند آزاد بود　　کز دروں قندِ ابد رُویش نمود

ترکیب: رویش کا شین کا ضمیر غائب دراصل درون کا مضاف الیہ ہے یعنی کز درونش۔

صنائع: طوطی اور قند یا شکر کو باہم خاص مناسبت ہے کیونکہ شکر یا قند طوطی کی پسندیدہ ترین خوراک ہے کما قال حافظؒ۔

شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا　　تفقدے نکند طوطی شکر خارا

ترجمہ: ان کا طوطا بھی قند (کی خواہش) سے آزاد تھا کیونکہ خود ان کے باطن سے (معارف کا ایک) ابدی قند ظاہر ہو رہا تھا وہ اس سے لذت گیر تھا۔

اختلاف: بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں ہے کز درون قندِ ایشاں رونمود" ہمارے نسخے کی روایت یوں ہے کز درون قندِ ابدشاں رونمود۔ اختیار کردہ صورت بعض دیگر نسخوں سے منقول ہے قلمی نسخہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

پائے طاؤسانِ ایشاں در نظر　　بہتر از طاؤس پرّانِ دگر

لغات: طاؤس پَرّان مور کے سے پروں والے مراد خوبصورت، حسین وجمیل۔

صنائع: طاؤس کی زشتیٔ پا ضرب المثل ہے۔ کما قال السعدیؒ۔

طاؤس را بنقش و نگاریکہ ہست خلق　　تحسیں کنند او خجل از زشت پائے خویش

ترجمہ: ان کے موروں کے (بدنما) پاؤں (بھی) دوسرے خوبصورت لوگوں سے زیادہ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

مطلب: ان خلفا و مریدین کی بعض صفات جو بظاہر ناپسند معلوم ہوتی ہیں وہ پھر بھی عوام کے پسندیدہ اطوار و اوضاع سے بدارج بہتر ہیں کیونکہ وہ ایک مرشد کے زیرِ تربیت ہیں اور ابھی اصلاح و درستی کی طرف رو بترقی ہیں اور عوام کے اطوار ایک حد پر قائم ہیں اِن کی ترقی ممکن نہیں یا یہ مطلب ہے کہ ان مریدوں کی صورت پر اگر جمال ظاہر نمایاں نہیں تو وہ پھر بھی دوسرے پری جمال اور سیمیں بدن لوگوں سے افضل ہیں کیونکہ ان کے اندر جمالِ معنوی پرتوفگن ہے اور یہ سرخ و سفید مٹی کی مورتی اس جوہر سے خالی ہیں۔ صائبؒ۔

حسنے کہ زصورت نبود معنی او بیش گر ماہ تمام است کہ مرغوب نباشد

حافظؒ حسنِ ماہر دیانِ مجلس دل مے برد ودیں عشق، بابر لطفِ طبع و خوبیِ اخلاق بود

کبکِ ایشاں خندہ برشاہیں زند در تعلق راہِ علّیین زند

لغات: کبک چکور ایک پرندہ ہے جس کی خوش خرامی اور آوازِ مثل خندہ ضرب المثل ہے چنانچہ اس شعر کا پہلا مصرعہ کبک کے خندہ اور اس کی خوش خرامی کے مضمون پر مشتمل ہے۔ علیین عالم بالا ایک بہشت کا نام ہے بہشت کے بالا خانوں کو بھی کہتے ہیں نجات پانے والے لوگوں کے نام جس دفتر میں درج ہوتے ہیں اس کا نام بھی علیین ہے۔

صنائع: کبک کا خندہ ضرب المثل اور باز و شاہین کے ساتھ کبک کو خاص مناسبت ہے کہ وہ ان کا خاص شکار ہے۔ کما قیل۔

جز ایکہ طعمہ شاہباز شدولت چوکبک چہ گل شگفت ازیں خندۂ بلند ترا

ترجمہ: ان کی چکور بھی شاہین کا (حقارت کے ساتھ) مضحکہ اڑاتی ہے اور تعلق (بحق میں عالمِ بالا کا راستہ اختیار کرتی ہے)۔

مطلب: ہر چند یہ لوگ غریب و فقیر ہیں مگر غنائے قلب کی وجہ سے متمول دنیا دار لوگوں کو ہیچ سمجھتے ہیں اور ان کے دنیاوی جاہ و اقتدار کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ دل و جان سے متوجہ بحق رہتے ہیں۔ ولنعم ما قیل۔

در حقیقت مرد دنیا دار کورے بیش نیست مال و جاہش مایۂ عُجب و غرورے بیش نیست

پامنہ آنجا مگر بہر قضائے حاجتے خانہ اہل دول جائے ضرورے بیش نیست

منطق الطیر آنِ خاقانی صدا است منطق الطیرِ سلیمانی کجاست

لغات: منطق الطیر پرندوں کی بولی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو سمجھا دی تھی چنانچہ قرآن مجید میں خود ان کا قول منقول ہے کہ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ یعنی ہم کو پرندوں کی بولی بتا دی گی ہے اس نام کا ایک قصیدہ بھی شیخ افضل الدین خاقانی شروانی نے لکھا ہے جو ایک مشہور اور بڑے پایہ کا فارسی شاعر ہے اس قصیدے میں خاقانی نے مختلف پرندوں کی بولیوں کا ذکر کیا ہے آنِ خاقانی۔ خاقانی والی لفظ آن باظہار نون ملکیت اور تعلق کے معنی میں آتا ہے۔

ترجمہ: خاقانی والی منطق الطیر تو (محض) ایک (آواز کی) گونج ہے (ہاں) سلیمان والی منطق الطیر کہاں!

مطلب: کہاں افضل الدین خاقانی کا مذکورہ قصیدہ جو ایک صدا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور کہاں منطقِ طائرانِ سلیمانی چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بادشاہوں کے پرندوں کا نطق گونج سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور طائرانِ سلیمانی کے چیچہے اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ نطق بحقائق ہے (بحر العلوم)۔

اس قصیدے میں خاقانی نے لزومِ مالا یلزم کی صنعت کا التزام کیا ہے اور بعض پرندوں کا اور ان کے الحانوں کا ذکر کیا ہے افاضلِ ازمنہ اور ماہرانِ فن اس کی خوبی کو تسلیم کرتے ہیں مگر فی الواقع وہ اس منطق الطیر کے پہلو میں ایک صدا سے زیادہ

وقعت نہیں رکھتا۔ مشہور ہے کہ شیخ جار اللہ زمخشریؒ نے اپنے ایام رجوع میں تفسیر کشاف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کی! امام ممدوح نے اس کے دو صفحہ مطالعہ فرما کر کہا اَنْتَ مِنَ الْعُلَمَآءِ اہل تفسیر کہتے ہیں کہ صاحب کشاف اس کلمہ پر فخر کیا کرتے ہیں کہ امام نے مجھ کو من العلماء فرمایا ہے پس اسی طرح اگر مولاناؒ نے خاقانی کی منطق الطیر کو صدا کہا ہے تو یہ مدح ہے قدح نہیں (مکاشفات رضویہ)۔

امام غزالی اور جار اللہ زمخشری

تو چہ دانی بانگِ مُرغاں را ہمے — چُوں ندیدی مر سلیماں را دمے

صنائع: یہ شعر ذوالقافیتین ہے۔
ترجمہ: تم پرندوں کی بولی کیا سمجھو جب کہ تم نے سلیمانؑ کو بھی لمحہ بھر کے لیے نہیں دیکھا۔
مطلب: جب تم نے حضرات اہل اللہ کی زیارت ہی نہیں کی نہ ان سے فیضِ صحبت حاصل کیا تو پھر تم کو ان کے تربیت دادہ متوسلین کے کمالات کی کیا خبر؟ جامیؒ۔

خویش را واقفِ اسرار شناسی لیکن — نہ ز آغاز وقوف ست و نہ از انجامش

پرِّ آں مُرغیکہ بانگش مُطرب ست — از بُرونِ مشرِق ست و مغرب ست

لغات: مطرب بضمِ میم و کسرِ راء طرب انگیز سرور افزا۔
ترجمہ: اس پرندے کا پر جس کی آواز طرب انگیز ہے مشرق و مغرب سے باہر ہے (پس اس سے اس کی عظمت کا اندازہ لگالو)۔
مطلب: ان طائرانِ سلوک کا عروج اور ان کا طیران مشرق و مغرب سے بھی باہر ہے بلکہ ان کا تعلق عالمِ غیب سے ہے۔ اس دنیا سے ان کو طبعی لگاؤ نہیں۔ سعدیؒ۔

ندارند چشم از خلائق پسند — کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

ہر یک آہنگش ز کرسی تا ثرے ست — وز ثرے تا عرش در کروفرے ست

لغات: ثرٰی خاکِ نمناک مراد تہِ زمین۔ یہ لفظ بالف مذکورہ ہے مگر بضرورت قافیہ الف کو یائے مجہول بنالیا گیا۔
ترجمہ: اس کا ہر قصد کرسی سے زیرِ زمین تک ہے (اور پھر) زمین کی تہ سے عرش تک وہ شان و شوکت میں عروج کرتا ہے۔
مطلب: زمین سے آسمان تک ان کی پرواز ہے۔ صائبؒ۔

گرچہ در ظاہر بزیرِ دست و پا افتادہ اند — بگذرند از نہ فلک چوں رخش ہمت زیں کنند

مرغ کو بے ایں سلیماں میرود — عاشقِ ظلمت چُو خفّاشے بود

ترجمہ: جو پرندہ اس سلیماں (کی رہنمائی) کے بغیر چلتا ہے وہ چمگادڑ کی طرح تاریکی کا دلدادہ رہتا ہے۔
مطلب: اوپر تک مرغانِ سلیمان یعنی وابستگانِ شیخ کا ذکر تھا اب دوسرے لوگوں کی حالت بیان فرماتے ہیں جو کسی شیخ سے تعلق نہیں رکھتے یعنی کسی مرشد کے حلقہ ارادت میں داخل نہیں ساتھ ہی کسی نبی کی ملّت سے بھی تعلق نہیں رکھتے غرض کسی واسطہ سے بھی تعلق باللہ سے بہرہ مند نہیں۔ ایسا آدمی معاملات دنیویہ میں مطلق العنان ہے جس طرح چاہتا ہے چلتا ہے اور امور دینیہ میں خود مختار ہے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ کسی شیخ کے ساتھ منتسب ہوئے بغیر خود مقاماتِ سلوک کو طے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جامیؒ۔

راہ بس باریک و شب تاریک ودزداں درکمیں　　بے دلیلے عزم رہ کردن دلیل ابلہی ست

با سلیمان خوکن اے خفاشِ رَد　　تاکہ در ظلمت نمانی تا ابد

لغات: خوکن یانوس ہو جا۔ مناسبت پیدا کر۔ ردمردود مصدر بمعنی اسم معفول۔

ترجمہ: (پس) اے مردود چمگادڑ! تو اس سلیمان (نبی یا شیخ) سے مناسبت پیدا کرتا کہ کہیں ہمیشہ کے لیے (گمراہی کے) اندھیرے میں نہ رہ جائے۔

یک گزے رہ گربد انسو میروی　　ہمچو گز قطب مساحت میشوی

لغات: گز زمین وغیرہ کی پیائش کا ایک پیانہ۔ قطب مرکز، مدار، رکن اعظم۔ مساحت پیائش۔

ترجمہ: اگر تو ایک گز بھر اس طرف چلے گا تو گز کی طرح پیائش کا رکنِ اعظم بن جائے گا۔

مطلب: مساحت کا مدار گز پر ہے جس سے زمین کو ناپ کر اس کا رقبہ معلوم کرتے ہیں اسی لیے وہ مساحت کے سامان میں سب سے زیادہ اہم اور گراں مایہ چیز سمجھا جاتا ہے مگر وہ اپنے پیائش کنندہ کے ارادہ اور اس کی حرکتِ دست کا تابع ہوتا ہے اسی طرح اگر تم بھی اپنے آپ کو ایک شیخ کے سپرد کر کے اس کے ارشاد کے موافق سلوک کا تھوڑا سا راستہ بھی طے کرلو تو کامل بن جاؤ۔

وانگہ لنگ و لُوک آنسوے جہی　　از ہمہ لنگی و لُوکی مے رہی

لغات: لنگ لنگڑا لوک بضم و واؤ مجہول و کاف عربی شدتِ ضعف و ناتوانی سے گھٹنوں کے بل چلنے والا جس طرح بچے چلتے ہیں مراد عاجز و زبون۔ لنگی لنگڑا پن۔ لوکی گھٹنوں کے بل چلنا۔

ترجمہ: اور اگر تم اس طرف لنگڑے لولے (بن کر) بھی چل دو۔ تو ہر قسم کے لنگڑے لولے پن سے نجات پاؤ (اور تندرست ہو جاؤ)۔

قصۂ بطبچگان کہ مرغِ خانگی مے پروردشاں

بطخ کے بچوں کا قصہ جن کو ایک خانگی مرغی پالتی تھی

تخمِ بطی گرچہ مرغِ خانہ ات　　کرد زیرِ پَر چو دایۂ تربیت

ترجمہ: تم تو بطخ کا انڈا ہو اگر چہ تم کو گھریلو مرغی نے اپنے پروں کے نیچے دایہ کی طرح پالا ہے۔

مادرِ توبطِ آں دریا بدست　　دایہ ات خاکے بدُو خشکی پرست

ترجمہ: تمہاری ماں تو وہ دریا کی بطخ تھی (اور) تمہاری دایہ خاک خشکی پرست تھی۔

مطلب: اوپر تک تو راہِ سلوک پر چلنے کی ترغیب دلائی تھی اب اس عنوان کے نیچے کی تقریر میں طالب کی ہمت بندھاتے اور اس کی جھجک کو رفع فرماتے ہیں۔ بط سے مراد روح ہے جس کی اصل عالمِ امر ہے اور وہ دریائے معرفت کی تیراک ہے دایہ سے مراد جسم ہے جو عالمِ خلق سے ہے اور بمنزلہ حجاب ہے خواجہ حافظؒ نے روح و جسم کا تعلق یوں بتایا ہے کہ

مرغ طائریست قدسی عرش آشیاں　　از قفس تن ملول شدہ از جہاں

ازدرایں خاکداں چوں پرّد مرغ ما　　باز نشیمن کند بر سرآں آشیاں

چوں پروزیں جہاں سدرہ بود جائے او تکیہ گہ بازِ ماکنگرۂ عرش داں

مَیلِ دریا کہ تُرا دل اندرست آں طبیعت جانت را از مادرست

لغات: مَیل خواہش۔ دل اندر۔ یعنی اندر دل۔ طبیعت خصلت۔

مطلب: تمہارے اندر جو عالمِ غیب کی رغبت ہے یہ اس روحِ انسانی کا اثر ہے جس کی استعداد صحیح ہے اگرچہ تم اس دنیا میں آ گئے ہو مگر ابھی عالمِ غیب کی طرف رجوع کا تقاضا باقی ہے اگر پوری طرح متوجہ ہو جاؤ تو ابھی اس دریا میں شناوری کرنے لگو۔

مَیلِ خشکی مر تُرا چوں دایہ است دایہ را بگذار کو بدرایہ است

ترجمہ: خشکی کی رغبت تمہیں گویا دایہ سے ملی ہے دایہ کو چھوڑو کیونکہ وہ بدرائے ہے۔

مطلب: عالمِ ناسوت کے ساتھ تمہاری دلبستگی تقاضائے جسمانیت ہے جسم اور جسمانیت کا اتباع چھوڑ دو کیونکہ اس کا مقتضا غلط اور ناراست ہے۔ صائبؒ۔

پرداختن زپرورشِ تن بجانِ پاک از کارِ گل بآبِ خضر دست شستن ست

دایہ را بگذار بر خشک و براں اندر آدر بحرِ معنی چوں بطاں

ترجمہ: اس دایہ کو خشکی پر ہی چھوڑ اور (اپنے پاس سے دور) ہٹا دو خود بطخوں کی طرح (معرفت کے) معنوی سمندر میں گھس جاؤ۔

مطلب: نفسِ خسیس جو دنیائے دوں کی طرف مائل ہے اس کو دنیا پر مائل رہنے دو تم عالمِ بالا کی طرف روحانی عروج کرو۔ صائبؒ۔

نفسِ خسیس دائم کارِ خسیس جوید پیوستہ زندہ باشد آتش زش از خائی

سعدیؒ۔ قدم پیش نہ کز ملک بگذری کہ گر باز مانی زدد کمتری

گر تُرا دایہ بترساندزِ آب تو مترس وسوئے دریاراں شتاب

ترجمہ: اگر دایہ تم کو پانی سے ڈرائے تو تم ڈرو نہیں اور جلدی دریا میں گھس جاؤ۔

مطلب: جس طرح بطخ کے انڈے کو سینے والی مرغی اس انڈے سے نکلے ہوئے بچے کو دریا میں گھسنے دینا پسند نہیں کرتی کیونکہ وہ خود دریا کو اپنے لیے پُر خطر سمجھتی ہے حالانکہ دریا میں پیرنا اس بچے کی جان ہے اس طرح انسان کو اس کا نفس عالمِ بالا کی طرف رجوع کرنے سے روکتا ہے مگر روحِ انسانی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مایۂ سرور نہیں اور نفس کو اس کی کیا خبر پس انسان کو اس بارے میں اپنے نفس کی کوئی بات نہ سننی چاہیے پھر اپنے روحانی تقاضے کو عمل میں لانا آسان ہوتا ہے۔ سعدیؒ۔

کسے سیرتِ نیک درگوش کرد کہ اول سگِ نفس خاموش کرد

تو بطی برخشک و برتر زندۂ نے چو مرغِ خانہ خانہ کندۂ

ترجمہ: تم تو بطخ ہو خشکی اور پانی میں زندہ (رہنے والے) ہو نہ کہ خانگی مرغ کی طرح گھر کو کریدتے (پھرتے) ہو۔

تو زِ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَم شہی ہم بدریا ہم بخشکی پا نہی

لغات: کرمنا الخ یہ کلمہ اور بیتِ آیندہ کے کلماتِ عربیہ اس آیت سے ماخوذ ہیں۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا "اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی تری میں ان کو (جانوروں اور کشتیوں پر) سوار کیا اور عمدہ (عمدہ) چیزیں انہیں کھانے کو دیں اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں بہتیروں پر ان کو برتری دی"۔ (بنی اسرائیل ع ۷)

ترجمہ: تم تو کرمنا بنی آدم (کے تاجِ عزت) سے بادشاہ (بن چکے) ہو (اور بادشاہوں کی طرح بحر و بر دونوں پر فاتحانہ پاؤں رکھ سکتے ہو۔

کہ حَمَلْنَا هُمْ عَلَى الْبَحْرِ بجاں   از حَمَلْنَا هُمْ عَلَى الْبَرِّ پیش راں

ترجمہ: کیونکہ تم اپنی روح کے عروج سے حَمَلْنَا هُمْ عَلَى الْبَحْرِ (کے مستحق) ہو چکے ہو اب تم حَمَلْنَا هُمْ عَلَى الْبَرِّ (کے درجے) سے آگے ترقی کرو۔

مطلب: عالمِ اجسام یا عالمِ ناسوت کے تعلق میں ہی مقید نہ رہو، بلکہ اس سے ترقی کر کے عالمِ غیب کی طرف رجوع کرو کیونکہ تم اس کے مستحق ہو۔ صائبؒ۔

جان تو لامکانی روحِ تو آسمانی است   تا کہ کنی عمارتِ ایں جسمِ مختصر را

انتباہ: اس آیتِ کریمہ کا حقیقی مطلب تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر اپنا یہ احسان جتلاتا ہے کہ ہم نے اس کو نہ صرف خشک میدانوں میں بلکہ سمندر کی سطح پر بھی نقل و حرکت کرنے کے پورے سامان دے رکھے ہیں۔ وہ کسی رکاوٹ کے بغیر بر و بحر میں سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر کر سکتا ہے اور یہی اس آیت کی تفسیر ہے مگر مولاناؒ نے جو حمل علی البر سے تعلق بعالمِ ناسوت اور حمل علی البحر سے تعلق بعالمِ غیب مراد لیا ہے تو یہ تفسیر نہیں ہے بلکہ ایک اشارہ تصوفی اور اعتبار تجوزی ہے جو آیات کے حقیقی معانی اور تفسیر سے الگ چیز ہے اور اس کو اعتبار و استبصار کی غرض سے جائز سمجھا گیا ہے اور اس قسم کے اعتبارات سے مقصود محض عبرت و موعظت ہے نہ کہ فرض و واجب مکروہ و مباح اور حلال و حرام کے احکام کا استنباط حتیٰ کہ ان اعتبارات سے فقہ قرآن میں خلط و خبط واقع ہونے کا اندیشہ ہو بعض لوگ صوفیہ کے اس قسم کے اشارات کو تفسیر بالرائے قرار دے کر ان پر طعن بلکہ انہیں منسوب بکفر کرتے ہیں وہ لوگ اپنے استدلال کے مقدمۂ اولیٰ ہی میں غلطی کرتے ہیں یعنی ان کا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ یہ تفسیر ہے کیونکہ یہ تفسیر تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اس کا قائل اس کو تفسیر قرار دے۔ مثلاً اسی آیت کے متعلق اگر مولانا کا عندیہ یہ ہو کہ حمل علی البر والبحر سے فی الحقیقت تعلقاتِ عالمِ ناسوت و عالمِ غیب ہی مراد ہیں اور آیت اسی تاویلی معنی پر محمول ہونی چاہیے۔ اس سے ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں ہیں پھر بے شک یہ تفسیر بالرائے ہوتی ہے مگر جب مولانا کا عقیدہ اور مولانا کا عمل اس بات کا شاہد ہے کہ ان کے نزدیک آیات کی تفسیر وہی ہے جو مفسرین نے کی ہے اور یہ محض اشارات ہیں تو پھر ان کو تفسیر کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب محدث لکھنوی علیہ الرحمۃ والغفران اپنے رسالہ غایۃ القال ما یتعلق بالنعال میں آیہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ "اے موسیٰ اپنے نعلین اتار ڈالو" کے متعلق تفسیر امام فخر الدین رازی سے نقل فرماتے ہیں کہ اہلِ اشارہ اس آیت میں کئی وجوہ ذکر کرتے ہیں ایک تو یہ کہ نعل کی تفسیر بیوی اور بچے کے ساتھ سونے سے کی جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اپنے دل کو بیوی اور بچے کی طرف متوجہ نہ ہونے دے اور ان میں مشغول نہ ہو دوسرے یہ کہ خلعِ نعلین سے دنیا و آخرت دونوں کی طرف سے توجہ ہٹالینا مراد ہے اس طرح کہ بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق القلب ہو جائے اور اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ میں وادی سے اللہ تعالیٰ کی وادیِ قدس مراد ہے تیسرے یہ کہ انسان جب مانع پر استدلال

کرنے لگتا ہے تو دو مقدموں کے بغیر اس مقصد تک نہیں پہنچ سکتا جو دو نعلوں سے مشابہ ہیں کیونکہ ان دونوں کے ساتھ عقل مقصود تک پہنچتی ہے اور مخلوق میں نظر کرنے سے خالق کی معرفت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ پس گویا یہ کہا گیا ہے کہ تم ان دو مقدموں میں مشغول نہ ہو اب تم اس وادیٔ مقدس میں پہنچ گئے ہو جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دریا اور اس کی الوہیت کا سمندر ہے۔ انتہٰی۔

پھر فرمایا کہ کتاب الحقائق والرقائق میں امام فخر الدین کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک مرتبہ کسی شیخ طریقت کے پاس سے گزرے حاضرین میں سے کسی نے شیخ سے کہا یہ صاحب صانع کے وجود پر ایک ہزار دلیل قائم کرتے ہیں تو شیخ نے کہا لَــوْ عَـرَفَـهُ مَـا اسْـتَـدَلَّ عَلَيْهِ کاش یہ اس ذات کو پہچانتے ہوتے جس پر دلائل قائم کر رہے ہیں یہ بات امام کو بھی پہنچ گئی تو انہوں نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا۔ کہ نَـحْـنُ نَعْلَمُ مِنْ وَّرَآءِ الْحِجَابِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ مِنْ غَيْرِ حِجَابٍ یعنی ہم لوگ ذات حق کو پس پردہ جانتے ہیں اور یہ حضرات اس کو بلا حجاب دیکھتے ہیں یہی مطلب ہے اس کا کہ نعلین سے مراد استدلال کے دو مقدمے ہیں جن کی کاملین کو ضرورت ہے۔

اس کے بعد مولانا ممدوح فرماتے ہیں کہ "بعض جاہل لوگ حضرات صوفیہ صافیہ کو آیات کی اس قسم کی تفسیر کرنے پر جس پر نقل شاہد نہیں جیسے کہ یہاں نعلین کی تفسیر مقدمتین سے کی ہے کفر سے منسوب کرتے ہیں اور یہ درست نہیں کیونکہ اس سے ان کے مراد قطعی وحتمی تفسیر نہیں بلکہ صرف اشارہ مقصود ہے اور وہ تکفیر کا موجب نہیں بلکہ وہ عین ایمان اور حق ایقان ہے۔ حضرت امام غزالیؒ کی کتاب التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ بعض اصحاب غلبۂ ظن سے بلا دلیل تاویل کرنے لگتے ہیں ان پر ہر جگہ فتوائے کفر صادر کرنے میں عجلت نہیں کرنی چاہیے بلکہ غور کرنا لازم ہے۔ پس اگر ان کی تاویل اصول عقائد اور ان کی مہمات سے متعلق نہیں تو ان کی تکفیر نہیں جائے گی اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ستارہ چاند اور سورج کو دیکھنے اور ہذا ربی کہنے سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ جواہر نورانیہ ملکیہ مراد ہیں نہ کہ جواہر حسیہ اس طرح حضرت موسیٰ کی عصا اور نعلین کے متعلق بھی تاویل کرتے ہیں۔ جو اخــلـع نعلیک اور الـق مـا فی یمینک میں واقع ہیں۔ اور اس قسم کی باتیں جو اصول دین سے تعلق نہیں رکھتیں برہان کی قائم مقام ہیں پس ان کے قائل کو کافر و مبتدع نہیں کہا جاسکتا۔ (انتہٰی)

مر ملائک راسُوئے بَر راہ نیست　　جنسِ حیواں ہم زبحر آگاہ نیست

ترجمہ: فرشتوں کو بر (خشکی) کی طرف راستہ نہیں (اور) حیوان کی جنس بھی بحر (یعنی سمندر و دریا) سے مانوس نہیں۔

مطلب: جنس حیوان سے تمام حیوانات مثلاً ابل، بقر غنم، فرس، حمار، کلب، ذئب، اسد، ثعلب وغیرہ مراد ہیں مطلب یہ کہ انسان کے تمام مخلوقات سے مکرم و مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بری بھی ہے بحری بھی بخلاف اس کے فرشتے صرف بحری (یعنی بحرِ عالمِ غیب سے تعلق رکھنے والے ہیں) بری (یعنی بر عالمِ ناسوت سے تعلق رکھنے والے) نہیں اور حیوانات اسی ہیں معنی میں بری ہیں بحری نہیں اور اس سے بر و بحر بمعنی ظاہری مراد نہیں کیونکہ یوں تو فرشتے تمام زمین پر تصرفات کرتے ہیں اور حیوانات بحر میں بھی رہتے ہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ فرشتوں کی عالمِ ناسوت سے سکونت و معیشت مراد ہے اور حیوانات عالمِ غیب کی طرف راہ نہیں پاسکتے یہ انسان ہی کی شان ہے کہ وہ ناسوتی بھی ہے ملکوتی بھی۔ اس کی ذات تمام مخلوقات سے جامع تر ہے۔ کما قیل۔

کیا کہیے آدمی کے عجیب چیز ہیں جناب　　برتر ملائکہ سے فرو تر دواب سے

نظامیؒ ۔　دلِ عالم توئی خودرا مبین خرد　　بایں ہمت تو ان گوئی از فلک بُرد

حاشیہ: صوفیہ کاملین کو استدلال کی ضرورت نہیں

حاشیہ: صوفیہ کے اعتبارات موجب کفر نہیں بلکہ عین ایمان ہیں

چناں داں ایزداز خلقت گزیداست جہاں خاص از پے تو آفریدست

توبتن حیواں بجانی از ملک تاروی ہم بر زمیں ہم بر فلک

ترجمہ: تم جسم کے لحاظ سے حیوان ہو اور روح کے اعتبار سے فرشتوں سے ہو حتیٰ کہ تم زمین پر بھی چلتے ہو (اور) آسمان پر بھی (عروج کر سکتے ہو)۔

تابظاہر مِثْلُکُمْ باشد بَشَرْ بادلِ یُوْحٰٓی اِلَیَّ دیدہ ور

لغات: مثلکم یہ اقتباس ہے۔ اس آیت سے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو میں (بھی تو) تمہیں جیسا بشر ہوں (مجھ میں تم میں صرف اتنا فرق ہے کہ) میرے پاس (خدا کی طرف سے) وحی آتی ہے (کہف ع ۲)

ترجمہ: حتیٰ کہ (اس طرح اہل اللہ کاملین) بظاہر تمہاری طرح انسان (ہوتے) ہیں (مگر) دل (کی حیثیت) سے جو یوحیٰ اِلیّ (کا مصداق) ہے صاحب بصیرت ہیں۔

قالبِ خاکی فتادہ بر زمیں رُوحِ اوگرداں براں چرخ بریں

ترجمہ: ان کا خاکی وجود تو زمین پر پڑا ہے (اور) روح اس آسمان بلند پر پھر رہی ہے۔

ماہمہ مرغا بیا نیم اے غلام بحر میداند زبانِ ماتمام

ترجمہ: ارے لڑکے! ہم سب مرغابیاں ہیں وہ بحر (وحدت) ہم سب کی زبان کو سمجھتا ہے۔

مطلب: جب ثابت ہوا کہ "جانِ تو لامکانی و روحِ تو آسمانی ست" تو پھر تمہارے لیے بحرِ حقیقی سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تم کو اس میں ضرور گھسنا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے یہ بھی واضح رہے کہ بحر دو ہیں ایک بحرِ حقیقی جس کا ذکر اوپر ہوا اور جملہ بنی آدم کے لحاظ سے بحر ہے اور ایک بحرِ اضافی جو بنی آدم میں سے ہی ہے اور ہم سب ناقصین اس بحرِ اضافی کے لحاظ سے مرغابی ہیں اور وہ ہمارا دریا ہے وہ ہماری زبان جانتا ہے یعنی ہمارے جذبات، خیالات اور استعدادات سے واقف ہے اور ہم کو پورا فائدہ بھی پہنچا سکتا ہے اس سے ہم حیاتِ روحانی حاصل کر سکتے ہیں آگے فرماتے ہیں وہ بحرِ اضافی کون ہے مرشدِ کامل متبحر فی السلوک جس کو پیچھے زمانہ کہا تھا۔

پس سلیماں بحر آمد ما چو طیر در سلیماں تا ابد داریم سیر

ترجمہ: پس (وہ) سلیمان (زمانہ) تو بحر ہیں (اور) ہم پرندوں کی مانند ہیں (اور) ہم (کو چاہیے کہ) ہمیشہ (انہی) سلیمان (کے کمالات) کا مطالعہ کرتے رہیں۔

مطلب: یعنی اپنے مرشدِ کامل کے اعمال و اقوال کو زیرِ نظر رکھ کر خوب سمجھیں اور اس کو اپنا دستور العمل بنائیں۔

اگر بخوں نولیسی بآب زر بنولیس کہ عزتِ سخنِ اہلِ دردداشتنی ست

با سلیماں پائے دردریا بنہ تا چو داؤد آب سازد صد زرہ

لغات: داؤد ایک پیغمبر کا نام ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد تھے اور نبوت و سلطنت دونوں کے جامع تھے۔ حضرت سموئیل علیہ السلام کے بعد نبوت کا منصب اور طالوت بادشاہ کے بعد بادشاہی کی مسند اللہ نے ان کو عطا فرمائی اللہ تعالیٰ

نے ان پر کتاب زبور نازل فرمائی اور ان کو ایسا خوش الحان بنایا کہ جب وہ زبور کو پڑھتے تو ان کی خوش آوازی کی کشش سے وحوش و طیوران کے گرد جمع ہو کر سنتے۔ علاوہ ازیں اس کے انہیں یہ معجزہ بھی عطا ہوا تھا کہ ان کے ہاتھ میں لوہا آگ میں رکھے بغیر موم کی طرح نرم ہوجاتا تھا اس معجزے کے سبب سے حضرت داوٗد علیہ السلام لوہے کی زر ہیں بنایا کرتے تھے اور باوجود سلطنت و ثروت کے اس کام کی اجرت سے اپنا خرچ چلاتے۔ انہوں نے چالیس برس سلطنت کر کے ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔

صنائع: شعر کیا ہے معنوی و لفظی صنائع کے جواہرات سے سر بسر مرصع ہے۔ (۱) سلیمان کے ساتھ داوٗد کے ذکر کی مناسبت (۲) زرہ سے حضرت داوٗد کے معجزہ نرمیِ آہن اور زرہ سازی کے پیشہ کی طرف تلمیح ہے (۳) امواجِ آب کی زرہ کے ساتھ تشبیہ (۴) سلیمان کے ساتھ پائے در دریا کے ذکر میں اس جعلی قصے کی طرف تلمیح جب آپ نے کچھ دنوں کے لیے ماہی گیری کا پیشہ اختیار کیا تھا (۵) پانی امواج انگیزی میں زرہ سازی اور سامانِ حفاظت کی حسنِ تعلیل۔

ترجمہ: تم سلیمان کے ساتھ (اور ان کی زیرِ حمایت) دریا میں پاؤں رکھ دو تا کہ دریا (تمہاری حفظ و حمایت کے لیے) حضرت داوٗد علیہ السلام کی طرح سینکڑوں زرہیں تیار کر دے۔

مطلب: جب کھڑے پانی میں پاؤں رکھتے ہیں تو قاعدہ ہے کہ سطحِ آب پر متواتر لہریں اٹھ اٹھ کر ایک لمبے جال کی سی شکل بنا دیتی ہیں۔ زرہ کی صورت بھی ایسی ہوتی ہے یہ تو ظاہری پانی میں پاؤں رکھنے کا ایک لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے بحرِ معنوی یعنی دریائے عرفاں میں پاؤں رکھنے کے اس فائدہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جب تم شیخِ کامل کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو جاؤ۔ تو خداوند تعالیٰ کی جناب سے تمہارے لیے دنیا و آخرت کی آفات سے بچاؤ کے صد ہا سامان ہو جائیں گے۔ حافظؒ۔

بما منے رود فرصت شمر غنیمت وقت   کہ درکمیں گہ عمراند قاطعان طریق   صائبؒ۔

ازیں سیاہ دروناں باہل دل گریز   کہ کعبہ چارۂ اصحابِ فیل میداند

آں سلیماں پیشِ جملہ حاضرست   لیک غفلت چشم بندو ساحرست

ترجمہ: وہ سلیمان (مردِ کامل) سب کے پاس حاضر ہیں لیکن غفلت نے نظر بندی اور جادو کر رکھا ہے (اس لیے کوئی اس کے دیکھنے پر قادر نہیں ہے)۔

تا زجہل و خواب ناکی و فضول   او بہ پیشِ ماو ما ازوے ملول

ترجمہ: حتیٰ کہ وہ ہمارے سامنے ہے اور ہم اپنی جہالت اور غنودگی اور بے ہودگی سے اس سے گھبراتے ہیں۔

تشنہ را دردِ سر آرد بانگِ رعد   چوں نداند کو کشاید ابرِ سعد

ترجمہ: جیسا کہ پیاسے کو بادل کی گرج سے دردِ سر (عارض ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا نہیں کہ وہ اس) مبارک بادل کو کھولے گا۔

مطلب: مردِ کامل کی صحبت سے سعادتِ دارین حاصل ہوسکتی ہے جس کے سب محتاج ہیں مگر لوگ الٹا ان کی صحبت سے متنفر ہیں جس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پیاسا پانی کا محتاج ہے ادھر آسمان پر کالی گھٹا چھائی بجلی کڑکنے لگی اور مینہ برسنے کی امید ہوئی۔ اس وقت پیاسے آدمی کو چاہیے تھا کہ خوش ہوتا اور بارش کا پانی جمع کرنے کی کوئی تدبیر کرتا ہے مگر وہ الٹا اپنی حماقت سے اس کڑک کی آواز سے گھبراتا اور اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہے یہی مثال اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں دی ہے۔ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ط يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ط وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ '' (یا ان منافقوں کا ایسا حال ہے) جیسے آسمانی بارش کہ اس میں کئی طرح کے اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی موت کے

ڈر سے مارے کڑک کے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ ان منکروں کو گھیرے ہوئے ہے۔" (بقرہ ع ۲)

چشم او ماندست در جُوئے رواں　　بے خبر از ذوقِ آبِ آسماں

ترجمہ: کیونکہ اس کی آنکھ نہر کی طرف لگی ہوئی ہے جو (پاس ہی) بہ رہی ہے (اور وہ) آسمان کے پانی کی لذت سے بے خبر (ہے)۔

مطلب: وہ اپنی کوتہ نظری سے سمجھتا ہے کہ پانی صرف نہر سے مل سکتا ہے اور پیاسوں کو سیراب کرنے کا سامان بس اسی میں ہے حالانکہ بادل کا پانی اس سے بدرجہا صاف و خالص اور شیریں ہوتا ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہوتی بخلاف اس کے نہر کے پانی میں نہانے والوں کے بدن اور کپڑے دھونے والوں کے کپڑوں کا میل مختلف اجزائے ارضی اور دیگر صد ہا قسم کی کدورات ہوتی ہیں اور بادل بخارات سے بنتے ہیں اور بخارات خالص پانی سے مستحیل ہو کر اوپر چڑھتے ہیں جن میں کسی قسم کی ملاوٹ کا امکان نہیں اور وہی بخارات بادل بن کر برستے ہیں یہی وجہ ہے کہ مختلف امراض خصوصاً امراضِ چشم کے لیے بارش کا پانی استعمال ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر قسم کے اجزاء ارضی سے خالص ہوتا ہے اور نہروں دریاؤں جھیلوں کنوؤں کے پانی خالص نہیں ہوتے ان میں کم وبیش اجزائے ارضی ضرور مخلوط ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے دریائے گنگا کا پانی ہندوستان کے باقی تمام دریاؤں سے افضل ہونے کی وجہ بیان کی کہ وہ برسوں پڑا رہنے کے باوجود خراب نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے دوسرے دریاؤں کا پانی رکھا رہنے سے چند روز میں متعفن ہو جاتا ہے اور اس میں جالے پیدا ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام دریا جھیلوں سے نکلتے ہیں جن کے پانیوں میں مختلف قسم کے نمک کھارا وغیرہ اجزائے زمین کی آمیزش ہوتی ہے اور وہ اجزا بند پانی کو فاسد کر دیتے ہیں مگر گنگا کا منبع برف کے ذخیرے سے ہے جو اوپر سے برستی ہے اور پھر پگھل کر اس کا پانی دریا کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس میں معدنیات وغیرہ اجزائے ارضی نہیں ہوتے اس لیے وہ تمام پانیوں سے زیادہ خالص و پاک و صاف اور ناقابلِ تغیر ہوتا ہے اسی لیے قدیم زمانے میں رشی لوگ اسی کو اپنے پینے کے لیے بہتر سمجھتے تھے اور کسی آدمی کو موت کے وقت جو پیاس محسوس ہوتی تو اس کے منہ میں گنگا ہی کا پانی ٹپکانا بہتر سمجھتے تھے کہ یہ سب سے زیادہ خالص اور پاک ہے۔ پس گنگا کے پانی کی افضلیت کی اصل وجہ یہی ہے مگر ہندوؤں کی خوش اعتقادی نے اتنی سی بات کو اس قدر بلندی پر پہنچایا کہ ایک دریا کو خدا کے ساتھ جا ملایا اس کی پرستش ہی شروع کر دی۔

مرکبِ ہمت سُوئے اسباب راند　　از مسبب لا جرم محجوب ماند

لغات: اسباب ذرائع۔ وہ امور جن کے وجود سے دوسرے امور موجود ہو جائیں۔ مسبب بضم میم و بائے اول مشدد و مکسور۔ سبب جاننے والا۔ جو کسی چیز کی ایجاد کے لیے اس کا سبب پیدا کر دے۔ مراد حق تعالیٰ

ترجمہ: اس نے (اپنی) ہمت کا گھوڑا اسباب (ہی) کی طرف دوڑایا اس لیے وہ اسباب بنانیوالے (یعنی حق تعالیٰ) سے روپوش رہ گیا۔

مطلب: مثلاً کوتہ نظر لوگ دریا کی روانی وطغیانی دیکھ کر اس کی عظمت اور برتری کے قائل ہو جاتے ہیں اور اس ذات بے ہمتا کی طرف ان کا خیال نہیں جاتا جو اس دریا کا خالق ہے اور جس کی بحرِ قدرت کے آگے یہ دریا ایک قطرہ بھی نہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ۔ "(اے دیکھنے والے) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر زمین میں اس کے چشمے چلا دیے۔" (الزمر ع ۲) ولنعم ما قیل۔

ناخدا کشتی ما گر نبا شد گو مباش ما خدا داریم مارا ناخدا درکار نیست

آنکہ بیند او مسبّب راعیاں کے نہد دل بر سببہائے جہاں

ترجمہ: مگر جو شخص مسبب کا پورا مشاہدہ کرتا ہے وہ دنیا کے اسباب میں کب دل لگاتا ہے۔

نکشود صائب از مدد خلق ہیچ کار از خلق روئے خود بخدائے کنیم ما

از مسبّب یابد او دریک صباح ازنجات و از فلاح و از نجاح

آنچہ در صد سال مشتِ حیلہ مند دہ یکے زاں گنج حاصل ناورند

لغات: فلاح بفتح رستگاری فتحمندی، کامیابی نجاح رستگاری فتحمندی مراد مرادمندی دہ یکے دسواں حصہ، دس حصے کرکے ان میں سے ایک ۱/۱۰ ناورند نیاورند از آوردن۔

ترجمہ: وہ ایک ہی دن میں سب پیدا کرنے والے (تعالیٰ شانہ) سے اس قدر نجات کامیابی اور مرادمندی حاصل کرتا ہے کہ ایک حیلہ گر سو سال میں اس کا دسواں حصہ بھی مٹھی میں نہیں لاسکتا۔

حیران شُدنِ حاجیاں درکراماتِ آں زاہد کہ در بادیہ بر ریگِ گرم نشستہ

حاجیوں کا اس زاہد کی کرامات سے حیران ہونا جو جنگل میں ریت پر بیٹھا تھا

زاہدے بُد درمیانِ بادیہ در عبادت غرق چوں عبّادیہ

لغات: عبّادیہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادیہ عبادان سے منسوب ہے جو جزائر عرب کی انتہا ہے چونکہ اس مقام میں شدت گرما سے رہنا سہنا نہایت مشکل ہے اس لیے گرم فضا میں زاہد کے مشغول بعبادت ہونے کو عبادان کے قیام سے تشبیہ دی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عبادیہ سے وہ لوگ مراد ہوں جو عباد جمع عبد کے ساتھ منسوب ہوں۔

ترجمہ: ایک زاہد (گرمی سے تپے ہوئے) جنگل کے اندر عبادت میں غرق تھا (۱) جس طرح مقام عبادان کے لوگ (شدت کی گرم ہوا میں بسر کرتے ہیں) (یا-۲) جس طرح عابدوں کے ساتھ نسبت رکھنے والے لوگ (عبادت کیا کرتے ہیں)۔

حاجیاں آنجار رسید نداز بلاد دیدہ شاں بر زاہدِ خشک اوفتاد

ترجمہ: (مختلف) شہروں کے حاجی وہاں پہنچے ان کی نظر اس خشک زاہد پر پڑی۔

مطلب: زاہدِ خشک محاورہ میں اس زاہد کو کہتے ہیں جو ذوقِ عبادت سے محروم ہو۔ حافظؒ

ازدلق پوش صومعہ نقد طلب مجو یعنی زمفلساں سخنِ کیمیا مپرس

مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے عابدِ خشک اور عارف میں فرق ظاہر کرتے ہوئے خوب فرمایا ہے کہ عارف کو عشق سے کام ہوتا ہے اور عابد کو کام سے عشق۔

فرقے میان عابد و عارف نہادہ اند ایں خوش بعشق کار بود واں بکارِ عشق

غنی کشمیریؒ نے اس محاورہ کے معنی کو بالکل واشگاف کر دیا۔

زہد خشک عشق

پیر شد زاہد وازرا ز درون بیخبراست قدخم گشتہ او حلقہ بیرونِ درست

مگر یہاں زاہد خشک اس معنی میں مراد نہیں کیونکہ وہ زاہد جس کو حاجیوں نے دیکھا ایک ولی اللہ، مقبولِ خدا اور مستجاب الدعوات تھا جیسا کہ قصہ سے معلوم ہوگا اور ایسا بزرگ ذوقِ عبادت سے محروم رازِ دروں سے بیخبر کیونکر ہوسکتا ہے۔ پس خشک سے لاغر مراد ہے جو شدتِ ریاضت اور کثرتِ عبادت سے دُبلا ہو رہا ہو یا متقشف بھی مراد ہوسکتا ہے۔ یعنی کمالِ قناعت سے خشک زندگی بسر کرنے والا نانِ خشک اور جامہ کہنہ و دریدہ میں صبر کے ساتھ رہنے سہنے والا۔

جائے زاہد خشک بُود، اُو تر مزاج از سمومِ بادیہ بُودش علاج

لغات: تر مزاج پُرمذاق، ظریف، خوش طبع، ہشاش بشاش جس کو پرلطف باتیں سوجھتی ہوں۔ سموم گرم ہوا، لُو بعض قسم کی بادِ سموم میں زہریلی تاثیر ہوتی ہے جو افریقہ و بعض عرب کے بڑے صحراؤں میں چلتی ہے اور جس جاندار کے سانس کے ساتھ اندر جاتی ہے وہ مر جاتا ہے جب اس ہوا کی آمد ہوتی ہے تو پرند و چرند پہلے اس کی علامات محسوس کر کے مٹی میں اپنے منہ چھپا لیتے ہیں۔

صنائع: تر اور خشک میں تضاد اور سموم اور علاج میں تناسب ہے۔

ترجمہ: زاہد کی قیام گاہ (انتہا کی گرم و) خشک تھی (مگر) وہ اس تکلیف کے باوجود کمال صبر کی وجہ سے) ہشاش بشاش (تھا) جنگل کی (آتشیں) لُو (اس کی تکالیف میں اضافہ نہیں بلکہ) اس کا علاج (کرتی) تھی۔

مطلب: یہ تکالیف زاہد کو گھبراہٹ میں ڈالنے کے بجائے ترکِ لذات و سرکوبی نفس کے لیے مفید ہونے کی وجہ سے باعثِ طمانیت تھیں بادِ سموم بھی اپنے زہریلے اثر سے اس کو نقصان نہیں دیتی تھی بلکہ نفس کی سرکشی کا علاج کرتی تھی۔

حاجیاں حیراں شدند از وحدتش واں سلامت درمیانِ آفتش

لغات: وحدت۔ تنہائی۔ سلامت۔ سلامتی۔

ترجمہ: حاجی لوگ اس کی تنہائی اور آفت (حرارت) کے اندر اس کی سلامتی سے حیران رہ گئے۔

در نماز استادہ بُد برروئے ریگ ریگ کز تفتش بجوشد آبِ دیگ

ترجمہ: وہ ریت کے اوپر کھڑے نماز میں (مشغول) تھے ریت (بھی ایسی گرم) کہ (اگر اس پر دیگ رکھ دی جائے تو) اس کی گرمی سے دیگ کا پانی کھولنے لگے۔

گفتیَ سرمست برسبز وگل ست یا سوارہ بر اق و دُلدُل ست

لغات: گفتی گویا کہ اس کو بصیغہ مخاطب لانا محاورہ ہے۔ سبز مخفف سبزہ۔ براق سواری کا بہشتی جانور جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو کر معراج پر تشریف لے گئے تھے اگر کسی اور کو اس پر سوار ہونے کا موقع مل سکے تو اس کی خوشی کا کیا ٹھکانا۔ دُلدُل وہ خچر جو حاکمِ اسکندر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کی تھی اور آپ نے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بخش دی تھی۔ براق و دلدل دونوں کا ذکر جلد چہارم میں ذرا اور تفصیل سے درج ہو چکا ہے۔

ترجمہ: گویا وہ سبزہ و گل (کے فرش) پر (عیش میں) مست ہیں۔ یا براق اور دلدل پر سوار ہیں کہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے)۔

یا کہ پایش بر حریر و حُلّہاست یا سموم اورا بہ از بادِ صباست

ترجمہ: یا ان کا پاؤں ریشم اور اعلیٰ پارچات پر (پڑ رہا) ہے یا (یہ گرم) لو ان کے لیے بادِ صبا سے (زیادہ) اچھی (اور

طرب انگیز ثابت ہو رہی) ہے۔

ایستادہ تازہ رُو اندر نماز با خضوع و باخشوع و با نیاز

ترجمہ: وہ تازہ چہرہ کے ساتھ نماز میں کھڑے تھے خاکساری فروتنی اور عاجزی کے ساتھ۔

یا حبیبِ خویشتن میگفت راز ماندہ بُد استادہ بافکرِ دراز

ترجمہ: وہ اپنے محبوب (حقیقی) کے ساتھ راز کی باتیں کر رہے تھے (اور) لمبے استغراق میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔

پس بماندند آں جماعت بانیاز تاشود درویش فارغ از نماز

ترجمہ: وہ لوگ حسنِ اعتقاد کے ساتھ (ان کے) پسِ پشت (کھڑے) رہے تاکہ درویش صاحب نماز سے فارغ ہوں (تو کچھ عرض کریں)۔

چوں زِ استغراق باز آمد فقیر زاں جماعت زندۂ روشن ضمیر

دید کابش میچکد از دست و رُو جامہ اش تر بوز آثارِ وضو

ترکیب: زندہ روشن ضمیر فاعل ہے دیدہ کا جو شعر ثانی کے آغاز میں ہے۔ کابش میچکد الخ اس کا مفعول بہ ہے۔

ترجمہ: جب فقیر صاحب (اپنے) استغراق سے باہر آئے تو اس جماعت میں سے ایک زندہ (دل اور) روشن ضمیر نے دیکھا کہ (ان کے) ہاتھ اور چہرے سے پانی ٹپکتا ہے (اور ان کا کپڑا بھی وضو کے آثار سے تر تھا)۔

پس پرسیدش کہ آبت از کجاست دست را برداشت کز سوے سماست

ترجمہ: تو اس نے (ادب کے ساتھ) ان سے سوال کیا کہ (حضرت!) آپ کو پانی کہاں سے ملا (یہاں تو کوسوں تک پانی کا نشان نہیں) تو انہوں نے ہاتھ اٹھا (کر اشارے سے بتایا) کہ آسمان کی طرف سے (بحکم خدا ملا) ہے۔

گفت ہر گاہیکہ خواہی میرسد؟ یا گہے باشد اجابت گاہ رد؟

ترجمہ: (پھر) پوچھا کہ کیا جتنی مرتبہ آپ چاہتے ہیں مل جاتا ہے؟ یا کبھی (درخواست) منظور ہو جاتی ہے اور کبھی نامنظور؟

مشکلِ ما حل کن اے سُلطانِ دیں تا ببخشند حالِ تو مارا یقین

ترجمہ: اے دین کے بادشاہ ہماری (یہ) مشکل حل فرما دیجئے تاکہ آپ کا حال ہم کو معلوم ہو جائے۔

مطلب: یقین سے مراد ہے کہ آپ کی طلب پر حق تعالیٰ جس طرح پانی بخشتا ہے وہ آپ کی طلب اور حق تعالیٰ کی عطا کا سماں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں ورنہ یہ مطلب نہیں کہ ہم کو آپ کے اس قول کی سچائی میں شک ہے اور پھر یقین ہو جائے گا نہیں ان لوگوں کو یقین تو پہلے ہی آچکا تھا کہ ایسے عابد و مرتاض ضرور مستجاب الدعوات ہیں خصوصاً اس بے آب و گیاہ صحرا میں پانی کی بہم رسانی کرامت کے سوا اور کیونکر ممکن ہے مگر مشاہدہ سے ازدیادِ یقین مقصود تھا جو اطمینان کا درجہ ہے جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سورہ بقرہ رکوع ۳۵ میں درج ہے انہوں نے جناب باری میں عرض کیا کہ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی یعنی اے میرے پروردگار مجھے آنکھ سے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا تجھ کو یقین نہیں آیا" اس پر حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا۔ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ یقین کیوں نہیں آیا وہ تو آچکا ہے لیکن اس لیے کہ مشاہدہ سے میرے دل کو مزید اطمینان ہو جائے۔ غرض اس قسم کا مزید اطمینان ان لوگوں کا مقصود تھا ورنہ ان کو ان بزرگ کی ولایت میں شک نہ تھا۔

صاحبِ کلید فرماتے ہیں کہ یقین سے ان لوگوں کا مقصود یہ تھا کہ یہ معلوم ہو جائے جناب کو ولایت کے مراتب میں سے کون سا مرتبہ حاصل ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سائل بھی کوئی بزرگ ہیں جبھی تو اس طرح سوال کر رہے ہیں۔ (انتہی)

وانما سرے بماز اسرار ہا تا بریم از میاں زنار ہا

ترجمہ: (اپنے کمالات کے) اسرار سے کوئی بھید ہم کو دکھا دیجئے تا کہ ہم (نقص عقیدت کے) زنار اپنی کمر سے توڑ ڈالیں۔

مطلب: آثار وقرائن سے تو آپ کے کمالات کا ہم کو پتا لگ گیا ہے مگر کسی نشانِ کمال کے مشاہدہ سے ہم کو کامل اعتقاد ہو جائے گا اور اگر کوئی کسر باقی ہے تو وہ زائل ہو جائے گی اب ان بزرگ کا ادب طریقت ملاحظہ ہو کہ خود کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ:

چشم را بکشود سُوئے آسماں کہ اجابت کن دعائے حاجیاں

ترجمہ: (ان بزرگ نے) آسمان کی طرف آنکھ اٹھائی (اور دعا کی) کہ (الٰہی! ان) حاجیوں کی دعا قبول فرما۔

مطلب: دعا سے مراد حاجیوں کی یہ درخواست ہے کہ ہم کو خدا کی جناب سے پانی عطا ہوتا دکھا دیا جائے تا کہ معلوم ہو کہ ایک لق ودق اور بے آب وگیاہ صحرا میں کسی ولیِ کامل کی کرامت سے یوں پانی میسر آ سکتا ہے اور چونکہ اس درخواست کی قبولیت حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف تھی اس لیے یہ درخواست گویا خدا ہی سے ان کی دعا تھی۔

رزق جوئی را ز بالا خو گرم تو ز بالا برکشود ستی درم

ترجمہ: میں (عالم) بالا (ہی) سے رزق طلب کرنے کا خوگر ہوں (کیونکہ) تو نے میرے لیے (رزق کا) دروازہ (عالم) بالا (ہی) سے کھولا ہے۔

اے نمودِ تو مکاں را لامکاں فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ کر دی عیاں

ترجمہ: اے (قادر مطلق کہ) تو نے مکان (میں سما سکنے والی مخلوق یعنی انسان) کو لامکان دکھا دیا (اور اس کو آسمان سے رزق عطا کر کے) فی السماء رزقکم (کے وعدہ کا پورا ہونا بھی) ظاہر کر دیا۔

مطلب: اللہ تعالیٰ فرمایا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُوْنَ "اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سب آسمان میں ہے"۔ (ذاریات ع ۱)

درمیانِ ایں مناجات ابرِ خوش زود پیدا شُد چوپیلِ آب کش

ترجمہ: اس مناجات ہی میں ایک گہرا بادل فوراً پیدا ہو گیا جیسے کہ پانی اٹھا کر لانے والا ہاتھی (ہو)۔

ہمچو آب از مشک باریدن گرفت درگوو در غار ہا مسکن گرفت

لغات: گو بفتح کاف فارسی گڑھا، مغاک۔

ترجمہ: (پھر تو اس طرح) مینہ برسنے لگا جیسے مشک سے پانی (گرتا ہو) گڑھوں اور غاروں میں (پانی) بھر گیا۔

اَبرے بارید چوں مشکِ اشکہا حاجیاں جُملہ کشادہ مشکہا

ترجمہ: بادل تو مشک کی طرح اشکباری کر رہا تھا (ادھر) تمام حاجیوں نے (پانی بھرنے کے لیے اپنی) مشکیں کھول رکھیں تھیں۔

یک عجائب در بیاباں رُو نُمود ابر چوں مشکے دہن رابر کشود

ترجمہ: جنگل میں ایک عجیب ہی کرشمہ نظر آیا بادل نے مشک کی طرح منہ کھول دیا۔

یک جماعت زاں عجائب کارہا میبر یدنداز میاں زُنّار ہا

ترجمہ: ایک جماعت (کرامات کے) ان عجائب کاموں (کے مشاہدے) سے (اپنے شک و شبہ کے) زنار کمر سے توڑ رہی تھی۔ (یہ لوگ مستفیض ہو رہے تھے)۔

قومِ دیگر رایقین درازدیاد زیں عجب واللہ اعلم بالرّشاد

ترجمہ: دوسرے لوگوں کا یقین اس عجیب (کرامت) سے ترقی کر رہا تھا ہدایت پانے کا حال تو اللہ کو بہتر معلوم ہے (یہ بھی کسی حد تک متاثر ہو رہے تھے)۔

قومِ دیگر ناپذیرا تُرش و خام ناقصانِ سرمدی تمّ الکلام

لغات: ناپزیرا قبول نہ کرنے والی ترش بضم تا وراء اور بضم تاء وسکون واء دونوں طرح صحیح ہے سرمدی ازلی ابدی، دائمی۔

ترجمہ: (ایک) اور لوگ (تھے جو) قبول نہ کرنے والے تھے (اور) کھٹے اور کچے میوے کی طرح ناقص تھے (یہ) ازلی وابدی ناقص (تھے) کلام تمام ہوا۔

مطلب: اسی طرح کاملین کی صحبت و کرامت کی تاثیر کے لحاظ سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ جو بالکل اس رنگ میں رنگ جاتے ہیں ان کو پورا فیض پہنچتا ہے دوسرے وہ جن پر کسی قدر رنگ چڑھ جاتا ہے اور بار بار غوطے کھانے سے ان پر بھی پورا رنگ چڑھ جانے کی امید ہوتی ہے اور ان کا اعتقاد یوماً فیوماً مضبوط ہوتا جاتا ہے تیسرے وہ جن پر بالکل رنگ نہیں چڑھتا یہ ازلی ناقص ہیں اور فیض سے بالکل محروم رہنے والے ہیں غرض ان بزرگ کی نظر چونکہ مسبب پر تھی لہٰذا ان کو اسباب کی ضرورت نہ تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو بلا اسباب پانی اور ضرورت کی تمام باقی چیزیں عطا فرماتا تھا۔ غنی کاشمیریؒ۔

چشم مدد زکس نبود چوں صدف مرا فیضے مگرز عالمِ بالا رسد بمن

قَدْ تَمَّ شَرْحُ الدَّفْتَرِ الثَّانِیْ بِکَمَالِهٖ، فَاَحْمَدُ اللّٰهَ عَلٰی جَزِیْلِ اَفْضَالِهٖ وَاُصَلِّیْ وَاُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ النَّاسِجِیْنَ عَلٰی مِنْوَالِهٖ التَّابِعِیْنَ لَا دَابِرَ اَعْمَالِهٖ، اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ دَرَجَاتِ نَاظِمِ الْمَثْنَوِیِّ حَیْثُ نَوَّرَ الْقُلُوْبَ وَزَیَّنَ النُّفُوْسَ بِنَفَائِسِ اَقْوَالِهٖ، وَمَثَّلَ الْمَعَانِیَ الْعَالِیَةَ بِحِکَایَاتِهٖ وَاَمْثَالِهٖ، وَارْحَمْ عَلٰی شَارِحِهٖ وَکَاتِبِهٖ وَنَاشِرِهٖ وَطَالِبِهٖ وَمُعَلِّمِهٖ وَمُتَعَلِّمِهٖ وَاغْفِرْ لِکُلٍّ مِنْهُمْ مَعَ اَهْلِهٖ وَعِیَالِهٖ، وَبَارِکْ فِیْ اَوْلَادِهٖ وَاَمْوَالِهٖ، وَاحْفَظْهُ مِنْ آفَاتِ الزَّمَانِ وَاَهْوَالِهٖ.

آمین